

مرکز انسانیت

شجرہ طیبہ واقعاتِ کربلا

الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد)
ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جُملہ حقوق بحق مُصنف محفوظ

نام کتاب:

مرکز انسانیت (حصہ اول و دوم)

مصنف:

الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد)

ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

ناشر:

عابد حسین

تعداد:

500

طبع:

سوم

قیمت:

روپے

www.insaaniyat.org

التماس!

معزز قارئین! ”مرکز انسانیت“ ایک ٹھوس حقیقت کی حامل کتاب ہے۔ جس طرح حسینؑ اور حسنینؑ تمام بنی نوع انسان کو دعوتِ فکر و ارتقا دیتے ہیں اُسی طرح یہ کتاب نہ صرف اہل تشیع کو ملحوظ رکھتی ہے بلکہ تمام بنی نوع انسان کو ملحوظ رکھ کر ایک بین الاقوامی ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس تحقیقی کاوش ”مرکز انسانیت“ میں خانوادہ رسولؐ اور خانوادہ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے متعلق غلط بیانیوں، غلط فہمیوں اور فریب کاریوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ کیونکہ بعد والوں نے ان اظہارات و بیانات و واقعات پر تاویلات کی مقدس چادریں ڈال کر عوام کو فریب دیا اور آج دن تک فریب دے رہے ہیں۔ مگر جناب امام حسین علیہ السلام نے ان ازلی وابدی دشمنانِ خدا و رسولؐ کے چہروں سے اس طرح اسلامی نقاب نوح کر پیروں سے مسل دی کہ تاویلات و عذرات و اختراعات کا دم نکل گیا۔ ”مرکز انسانیت“ میں وہ تمام الجھنیں سلجھائی گئی ہیں جو سرکاری تاریخ و روایات نے صدیوں کی محنت سے پیدا کی تھیں اور جن کی وجہ سے تصویر کا رخ خانوادہ نبوتؐ سے ہٹا کر کفارِ قریش کی طرف پھرا رہا ہے۔ کربلا کا سانحہ اور اس کا عنوان اسی محاذ کی خونی داستان ہے۔ لہذا قاری کے سامنے کربلا کے واقعات آئیں گے تو محض واقعات کربلا سمجھ کر نہ پڑھے بلکہ اسے تاریخ کربلا سمجھتے ہوئے ملاحظہ فرمائے کیونکہ ”مرکز انسانیت“ نے تاریخ کربلا پر ڈالے ہوئے تمام سرکاری و قومی مصلحتی پردے اٹھا کر صحیح حالات مومنین کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔

کتاب ہذا میں قرآن کریم کی آیات و احادیثِ معصومینؑ حوالہ کے طور پر درج کی گئی ہیں۔ کوئی مسلمان ان میں کمی بیشی کے ارتکاب کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اسلئے ہر ممکن کوشش کئی گئی ہے کہ کتاب غلطیوں سے پاک رہے۔ پھر بھی انسانی و مشینی غلطی کا امکان باقی رہتا ہے۔ غلطی کی صورت میں قارئین سے پیشگی معذرت چاہتے ہیں۔ اسلئے قارئین ان حوالہ جات کو اپنے اصل مقام پر ملاحظہ فرمائیں اور کوتاہی کے بارے میں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کو دور کیا جاسکے ہم قارئین کے تہہ دل سے شکر گزار رہیں گے۔ قرآن مجید کی آیات کے حوالہ میں سورۃ کا نمبر اور آیت کا نمبر نیچے رکھا گیا ہے مثلاً 5/45 میں 5 سورۃ کا نمبر یعنی سورۃ المائدہ اور 45 آیت کا نمبر ہے۔ متعلقہ آیت کا حوالہ نہ ملنے پر ایک دو آیت آگے یا پیچھے دیکھ لیں اسلئے کہ بعض مترجمین نے قرآن مجید کے نسخوں میں آیات کے نمبر آگے پیچھے درج کر دیئے ہیں۔ حوالہ جات کی کُتب مثلاً اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات، تاریخ ارض القرآن، تاریخ طبری، شہید انسانیت وغیرہ کے حوالہ جات ملاحظہ کرنے کیلئے ایک بات خاص طور پر ملحوظ خاطر رہے کہ تمام حوالہ جات کیلئے اوائل کے ایڈیشن ملاحظہ فرمائے جائیں۔ کیونکہ بعد میں آنے والے ایڈیشنوں میں صفحات کی تبدیلی کی وجہ سے حوالہ جات تلاش کرنے میں دقت ہو سکتی ہے۔ والسلام

فہرست ”مرکز انسانیت حصہ اول و دوم“

صفحہ نمبر	عنوان	ذیلی عنوان	ذیلی نمبر
2	کتاب کا تعارف اور تمہید		
4	اہل انصاف سے اپیل اور دشمنانِ حق کو چیلنج		
10	عربوں سے تعارف کا دوسرا رخ		1
12	لفظ ”عرب“ اُس کے معنی، اُس کی ابتدا اور مشرکین کی چالاک		2
12	لفظ ”عرب“ کے معنی	(1)	
13	”عرب“ کے صحیح معنی اور عرب کے علمائے انساب کی فریب سازی	(2)	
13	عرب اور عربیہ پر مزید تفصیل	(3)	
14	قرآن کریم لفظ عرب کو قطعاً نظر انداز کرتا ہے	(4)	
14	لفظ ”عرب“ کی ابتدا کا تاریخی زمانہ	(5)	
14	یہ سب نام والفاظ وجود ہی نہ رکھتے تھے	(6)	
15	اصلی عرب اور مخلوط النسل عرب	(1)	3
16	بنی اسماعیل برابر نشانہ بنائے جاتے رہے	(2)	
16	علمائے انساب اور علمائے حدیث کا نسل اسماعیل میں گڑبڑ کرنا	(3)	
16	یہاں تک کی گفتگو اور قبائل کا نتیجہ	(4)	
17	علمائے انساب جن اقوام کو غائب کرنا ضروری سمجھے	(5)	
18	عرب کی اقوام، مؤرخین عرب کے نزدیک چار ہزار سال کی تاریخ	(الف)	
18	اُمّ سامیہ یا عرب باندہ کی مزید تفصیلات	(ب)	
25	بنو قحطان کی شاخیں	اول :	
26	بنو خندف کی شاخیں	دوم :	
26	بنو قیس کی شاخیں	سوم :	
27	پانچ ہزار سالہ تاریخ کو تین سو سالہ حکومت نے اُلٹا کر کھڑا کر دیا تھا	(6)	
28	خانوادہ حسینؑ نے مشرک تاریخ کا پردہ چاک کر دیا	(7)	
29	مشرکین عرب نے عرب کی اقوام و قبائل اور خاندانوں میں چار سو بیس کی ہے	(8)	
31	تاریخی دباؤ سے جو لوگ خانوادہ رسولؐ کی آڑ میں پوشیدہ تھے برسرِ پیکار ہو گئے	(9)	
32	تاریخ عرب ہی سے نہیں ہمارا موقف تاریخ عالم و آفاقہ قدیمہ سے بھی ثابت ہے	(10)	
35	اقتدار کے لئے اسماعیلی و قریشی بننے کے لئے خاندان رسولؐ کو بھی بدل دیا	(11)	
35	رسول اللہؐ کا مورث اعلیٰ کون ہے؟ یعنی اسماعیلؑ کا کونسا بیٹا ہے؟	(الف)	
35	رسول وحسینؑ کا مورث اعلیٰ رسول اور علیؑ علیہم السلام کی زبانی	(ب)	

- 36 عرب کی وہ نسلیں جن کو رسول اللہ نے مخاطب کیا بنیویں کو عرب نہیں سمجھتیں (ج)
- 37 خانوادہ رسول کے خلاف عربوں کے قدیم تصورات دوم
- 38 عرب کی تاریخ اور مورخ ناقابل اعتماد ہیں۔ زمانہ حال کے علما (12)
- 39 آنحضرت کا شجرہ اور عربوں کے شکوک و شبہات 4
- 40 شجرہ نسب
- 44 ہمارا منتخب شجرہ طیبہ (16)
- 45 آنحضرت کے شجرہ نسب کے اختلافات پر ایک نظر 5
- 46 شجرہ طیبہ میں اختلاف بھی بے نتیجہ ہو کر اتفاق ثابت ہے (2)
- 46 شجرہ طیبہ خاندان نبوت و رسالت کی دوسری شاخ میں بھی محفوظ تھا (3)
- 47 حضرت اسماعیل کے بیٹوں سے حضرت آدم تک مکمل شجرہ تو ریت میں موجود ہے (4)
- 47 حضرت اسماعیل کے بیٹے اور قیداری نسل کی تباہی (5)
- 49 محمد مصطفیٰ اور علی مرتضیٰ کا کوئی قبیلہ ہونا کس قدر اہمیت رکھتا ہے؟ (6)
- 49 حضرت اسماعیل کے بعد سربراہی اسلام اور تولیت کعبہ کا مالک نابط علیہ السلام ہے (الف)
- 49 حضرت اسماعیل کی اولاد (i)
- 49 سربراہی خاندان۔ تولیت کعبہ (ii)
- 50 معنی ذبح عظیم آدم پر سر کا تذکرہ تو ریت میں بھی ہے (ب)
- 51 حضرت اسماعیل کا جانشین خاندان، تحریری ریکارڈ میں کب آیا (7)
- 55 رسول اللہ کے قبیلے خاندان کو مٹانے، چھپانے اور مشکوک کرنے کی کوشش (8)
- 56 رسول اللہ کے قبیلے خاندان کی وہ شاخیں جنہیں عرب منصوبے نے انباط سے خارج کیا (9)
- 60 رسول اللہ کا قبیلہ خاندان کہاں کہاں پھیل کر آباد ہوا اور پندرہ سو سال حکومت کی (10)
- 63 خانوادہ رسول کا رقبہ حکومت۔ یعنی انباط کا رقبہ حکومت (الف)
- 63 رسول اللہ کے خاندان کے قبیلے بادشاہ اور حکومت (ب)
- 64 خاندان رسول کا قبیلہ تمدن اور ترقی و تہذیب (ج)
- 65 کر بلائی عزم و استقلال ایک موروثی اور خاندانی ورثہ ہے۔ خطابت اُن کا حصہ ہے (د)
- 67 رسول اللہ کے شاہی خاندان کی قدامت؛ قیداری خاندان کو پناہ؛ قیداری فرار (ه)
- 71 خاندان قیدار کو چکانے کے لئے فریب کھایا اور دھوکا دیا گیا ہے سوم
- 72 آنحضرت کے قبیلے خاندان کی حکومت و عظمت کی چند جھلکیاں (و)
- 75 آنحضرت کے قبیلے خاندان کا دوسرا سلسلہ حکومت یعنی تہذیب نبوت (11)
- 75 حضرت ثابت بن اسماعیل کی اولاد نے مسلسل حکومت کی ہے (الف)
- 76 خاندان رسول کی دوسری شاخ کی حکومت، اُس کا زمانہ (ب)

- 77 (ج) نبیوں کی حکومت جدیدہ کے کارنامے، جاہ و جلال اور دیگر حالات
(i) حکومت کا پیش منظر
(ii) ہمسایہ حکومتوں کا مدد لینا
(iii) چند شاہان انباط کے کارنامے
- 78 (د) آنحضرتؐ کے نبلی خاندان پر علامہ شبلی کا بیان
(ii) علامہ شبلی نے دیدہٴ نیم باز اور کج ادائی سے مجبور آمدح کی ہے
- 79 (12) خاندان اسماعیلؑ کے متعلق تورات کی پیشگوئیاں یعنی خدائی احکام
اب حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کی کثرت اور بادشاہت کا مکمل رسہ کر رہا تھا
81 (ب) قرآن کریم نے ان آیات کی وضاحت اور ایک معصوم قیادت کا اعلان کر دیا تھا
(ج) تورات میں بھی اللہ نے ابراہیمؑ و اولاد ابراہیمؑ اور ان کی نسل میں عصمت کا وجود بتایا ہے
81 (ii) قرآن کریم، اولاد ابراہیمؑ اور ان کے اسلامی عمل درآمد کو ابراہیمؑ ہی کا مجسمہ کہتا ہے
82 (iii) حضرت اسماعیلؑ کی اولاد نبیوں کے سوا کوئی اور خاندان مستقلاً بادشاہ نہ رہا
83 (iv) حضرت اسماعیلؑ کا خاندان تورات میں بھی اللہ کا پسندیدہ خاندان ہے
85 (v) تورات نے قیامت تک نابت بن اسماعیلؑ کی اولاد کا ذکر کیا ہے
86 (vi)
- 86 **خانوادہ حسین علیہ السلام کے نبلی سلسلہ کا قرآن سے تعارف، اُمّتِ مسلمہ**
(i) حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و ہاجرہؑ کی مکہ میں آمد۔ دُعا اور رخصت
(ii) کعبہ کو مرکز بنانا؛ تعمیر کعبہ؛ تعمیرات کے دوران اُمّتِ مسلمہ کا اعلان و رسالت
90 (iii) تجدید و تعمیر کعبہ اور خانوادہ محمدؐ و آل محمدؐ کا تسلسل اور اُمّتِ مسلمہ کا محمدؐ کو جنم دینا
91 (iv) دُعاے خلیلؑ و نوید مسیحؑ قرآن کی مندرجہ بالا آیات کا منشا و مَدعا
92
- 93 **محزون و معدنِ نبوت و رسالت اور امامت یعنی خانوادہ حسین علیہ السلام**
(1) خاطمی و خطا کار قیادت و عقیدے کو عصمت کا آئینہ دکھا دو
(2) انبیاء اگر پھل ہیں؟ تو وہ اُن درختوں کے رہیں مَنّت ہیں جنہوں نے پیدا کیا
(3) آئیے ذریت طاہرہ کی افضلیت پر نظر ڈالیں
(4) نبوت، رسالت اور خلعت کے بعد امامت کا دیا جانا کیا معنی؟
(5) یہ نظام اجتہاد کے تصورات ہیں جو دل میں بیٹھ کر قرآن کو مضحکہ خیز بنا دیتے ہیں
(6) مجتہدین نے مسلمانوں کا زاویہ نظر بدل کر رکھ دیا ہے
(7) نبوت و رسالت کے بعد صالحین میں شرکت کا اعزاز کن کو دیا گیا ہے
(i) انبیاء و رسلؑ کا وہ گروہ جسے صالحین میں شامل ہونے کی اطلاع دی گئی
(ii) نبوت کے بعد صالحین میں شمار ہونے کی عزت ملنے کا ایک اور ثبوت
(iii) حضرت مرثدہؑ کو یہ بشارت دی گئی

- 103 انبیاء کو امام بنایا اور صالحین میں شریک کیا (iv)
- 103 حضرت ادریسؑ اور ذاکفلؑ کو بھی صالحین میں شامل کیا تھا (v)
- 104 حضرت ابراہیمؑ نے صالحین کا تیار کردہ بیٹا مانگا تھا (vi)
- 104 حضرت ابراہیمؑ کو بھی مؤمنین کے گروہ میں سے ایک نبی بتایا گیا (vii)
- 104 حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ بھی اسی ازلی مومن گروہ سے تھے (viii)
- 104 الیاسینؑ بھی مومن بندوں میں سے تھے (ix)

8 نورانی تخلیق و تعلیم کے بعد انبیاء کے ساتھ ساتھ خانوادہ حسین علیہ السلام کا سفر حیات

- 105 شجرہ طیبہ کا قرآنی تسلسل اور تحفظ اور ایک خاندان ہونا (i)
- 105 یہ ذریت آدم سے لے کر برابر انعامات پاتی اور آیات اللہ پر چھٹی چلی آئی ہے (ii)
- 106 خانوادہ رسولؐ قرآن کریم اور دیگر کتبہائے خداوندی کا عالم تھا (iii)
- 108 مندرجہ بالا اکیس آیات اگر اسی ترتیب سے ایک ہی جگہ مسلسل ہوتیں؟ (iv)

9 خانوادہ حسینؑ کے بزرگوں پر تاریخی نظر

10 خانوادہ حسینؑ کے جناب عدنان علیہ السلام کے بعد والے بزرگ

- 116 مشرکوں کے یہاں عدنانؑ قحطانی جڑھی ہیں (10/2)
- 117 جڑھم خاندان ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے پہلے موجود تھا (10/3)
- 117 عربوں نے آنحضرتؐ کو اسماعیلی خانوادہ سے خارج کرنے کا بھی سامان کیا (10/4)
- 119 قحطانی یا جڑھی بادشاہوں اور خاندانوں میں حرامی اولاد بھی رہتی رہی (10/5)
- 120 مشرکین عرب کی تاریخ کی ہر وہ بات صحیح ہے جو سچ مچ اُن کے خلاف ہو (10/6)
- 121 جاہلیت کے اندھیرے اور مشرکانہ گردوغبار میں قحطانی خاندانوں کا خانوادہ رسولؐ سے الحاق (10/7)

11 حضرت قصیؑ، قریش اور لفظ قریش کی آڑ میں پوشیدہ قحطانی

- 123 قریش کے معنی میں اختلافات اور بے تکی باتیں (11/2)
- 125 قریش اگر لقب تھا؟ تو کس کا لقب تھا؟ مشرکین کوئی مستقل بات نہیں کہا کرتے (11/3)
- 129 قریش کی تحقیق مزید، یہ کون لوگ تھے؟ (11/4)
- 130 مشرکانہ تاریخ و کتب کلیتاً ناقابل اعتبار و اعتماد رہتی آئی ہیں (11/5)
- 131 حضرت قصیؑ علیہ السلام کے حالات اور اقتدار (11/6)
- 131 ”قصی بن کلاب“ (i)
- 132 قصیؑ کا مکہ میں قیام علامہ طبری کی زبانی (ii)
- 133 مکہ پر اقتدار کے لئے جناب زیدؑ کی کوشش (iii)
- 133 تاریخ کے اس قحطانی بیان کی بے سرو پائی (iv)
- 136 حضرت زیدؑ (قصیؑ) کے حالات قحطانی تاریخ کے پُر فریب پردہ پر (v)

- 137 (vi) قحطانی فریب کو ہٹا کر حضرت زیدؑ کے صحیح حالات
- 141 (vii) حضرت قصیؑ قحطانی تاریخ میں ذرا اور ابھارے گئے
- 142 (viii) طبری کے اس بیان کی تطہیر و تنقید
- 144 (ix) حضرت زید علیہ السلام طبری کی مومنانہ نظر میں
- 145 (11/7) حضرت ابراہیمؑ عرف مغیرہ قحطانی آئینہ میں
- 146 (11/8) جناب ہاشم علیہ السلام کے حالات زندگی
- 147 (11/9) حضرت شیبہؑ عرف عبدالمطلب علیہ السلام
- 148 (ii) قحطانی کیریکٹر اور رسالت کو منتقل کرنے کی شرمناک اور آخری کوشش
- 149 (iii) قحطانی مشرک، محمدؐ کی رسالت و حکومت کو ہڑپ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے
- 149 (iv) ”ابن عباس کی روایت
- 150 (v) نورانی نظام کی کھلی مخالفت کے ساتھ ساتھ داخلی اور پوشیدہ مخالفت کا محاذ
- 152 (vi) حضرت عبدالمطلبؑ کا معجزہ اور قرآن کریم کی تصدیق
- 157 (11/10) جناب عبداللہ بن عبدالمطلب علیہما السلام
- 157 (11/11) حضرت عمرانؑ عرف ابوطالب علیہ السلام
- 160 (ii) حضرت ابوطالبؑ تمام راہنمایان مذاہب سے رسولؐ کا تعارف کراتے ہیں
- 160 (iii) حضرت عمرانؑ رسولؐ اللہ کو بحیرا راہب سے ملک شام میں ملاتے ہیں
- 161 (iv) چالیس سالہ عمرانی دور رسالت چھپا دینے کی کوشش ناکام ہو گئی
- 164 (v) بحیرا راہب سے ملاقات پر مزید اطلاعات اور حضرت عمرانؑ
- 164 (vi) حضرت عمرانؑ نے مکی اور قحطانی عیب جو بڑھوں کا منہ بند کر دیا
- 165 (vii) نبوتؐ کی خوشخبری حاصل کرنے کیلئے بحیرا راہب کے پاس رومی وفد کا آنا،
- بحیرا کا حضرت ابوطالبؑ کو قریشی یہود سے خبردار کرنا
- 167 (viii) یہ تاریخ باز بچہ اطفال بنادی گئی تھی
- 168 (ix) رسولؐ اللہ بحیرا راہب اور ابوطالبؑ، شبلی کے قلم سے
- 169 (x) عربوں کی مشرکانہ مخالفت سے پہلے تمام عیسائی علما و بادشاہ اسماعیلیوں کے ہمنوا تھے
- 172 (xi) عیسائی بادشاہ اور حضرت ابوطالبؑ کے دادا ہاشم علیہ السلام
- 174 (xii) چند نئے پرانے دشمنان خانوادہ رسولؐ
- 176 (xiii) خانوادہ رسولؐ سے حکومت کا دوبارہ چھینا جانا
- 176 (xiv) مکہ پر دوبارہ جزمیوں کا قبضہ اور فتنہ و فوج کا زور
- 176 (xv) حضرت اسماعیلؑ نے مصری شہزادی سے شادی کی تھی
- 177 (xvi) خانوادہ رسولؐ کی حکومت قحطانی قبیلہ بنی خزاعہ نے چھین لی
- 178 (xvii) حضرت قصیؑ اور ان کے بعد خانوادہ رسولؐ سے اقتدار کا جھگڑا

- 179 خانوادہ رسول سے قریش کی نفرت و عداوت کا پختہ بننا فیصلہ (xviii)
- 179 ”ہاشم اور اُمیہ میں منافرت“ (xix)
- 180 طبری کے بیان کی تطہیر؛ ملک شام اور دشمنان خانوادہ رسول کا تعلق (x x)
- 181 خانوادہ رسول کے بزرگ جناب عبدالمطلب سے قریش مکہ کی دشمنی (xxi)
- 181 خانوادہ رسول مکہ میں نہیں مدینہ میں تھا۔ یہاں تو حاکم خاندان کے چند افراد تھے (xxii)
- 182 مکہ میں دشمنان خدا و رسول رہتے تھے۔ خانوادہ رسالت کی پوری قوت مدینہ میں تھی (xxiii)
- 184 خانوادہ رسول کی املاک غصب کرنے کی دوسری صورت (xxiv)
- 185 خاندان رسول کے ساتھ قریش نے کبھی عدل و انصاف روا نہیں رکھا (xxv)
- 186 قریش کے جارحانہ معاہدہ کے جواب میں عبدالمطلب نے بھی دفاع کیا (xxvi)
- 188 عبدالمطلب اور قریش کی دشمنی نجاشی بادشاہ تک پہنچی (xxvii)
- 189 جناب عبدالمطلب اور حرب بن اُمیہ اور حضرت عمر کے دادا (xxviii)
- 189 حضرت عبدالمطلب اور خانوادہ رسول کا یہود و نصاریٰ سے سلوک (xxix)
- 191 خانوادہ رسول کے مرتبہ اور حالات کو چھپانے کی سازش پکڑی گئی (xxx)

192**اُلٰی لٰکَا****12**

- 195 قریش کی مخالفت اور اُس کے اسباب (12/5) (الف)
- 205 تبلیغ اسلام کے لئے تئید و توریہ جیسے بے پناہ شرعی اصول (12/18)
- 205 نبوت اور رسالت محمدؐ یہ روز ازل سے غیر منقطع صورت میں چلی آرہی ہے (12/19)
- 207 اعلان نبوت سے پہلے پہلے تمام بنی ہاشم میں تبلیغ ہو چکنا لازم ہے (12/20)
- 210 حضرت عمران علیہ السلام کا نکاح اور خطبہ (12/22)

211**حضرت عمرانؑ اور آنحضرتؐ کی پرورش و تربیت****13**

- 214 حضرت عمران علیہ السلام نے قریشی اصول پر اعلان رسالت میں دیر کی (13/2)
- 214 ماحول اور معاشرے پر حضورؐ کے اثرات
- 215 محمدؐ کی تجارتی سفارت اور ابوطالبؓ (13/3)
- 216 رسالت کے اصلاحی سائے میں قریشی دانشور ایمان کی راہ پر (13/4)
- 218 حضرت ابوبکرؓ اور بہت سے لوگ اعلان نبوت سے پہلے ہی ایمان لائے تھے (13/5)
- 219 حضرت ابوطالبؓ کی رکھی ہوئی بنیادوں پر ابوبکر ایمان لائے اور دل میں پلان بنائے (ii)
- 220 خانوادہ رسول کا غیر معصوم عالم ابوبکر کی راہنمائی کرتا ہے (iii)
- 220 بحیراراہب خلیفہ اول کو وزارت و خلافت کی اطلاع دے کر بڑھاتا ہے (iv)
- 221 بحیراراہب نے قریشی محاذ کی جد و جہد کا نتیجہ ابوبکر کو سنا دیا تھا (v)
- 222 بحیراراہب کی بیعت پر خاموشی اور نبوت کو ایک ناگہانی حادثہ بنانے کی قحطانی اور قریشی سازش (vi)

224	ظہور محمدی کے وقت عربوں کی تہذیب و تمدن و تحریک عقلی اور نظام حیات	14
225	عربوں کا تمدن اوج کمال پر پہنچ چکا تھا	(14/2)
225	آج ثقافت کے نام پر جو کچھ ہوتا ہے وہ مشرکین عرب کی نقل ہے	(14/3)
227	پرویز نے شراب کے ذکر سے مخمور ہو کر خلفائے اول و دوم کو قریش سے خارج کر دیا	(iv)
228	ماڈرن زمانے کے تفریحی اور ثقافتی پروگراموں کے موجد مشرکین قریش تھے	(v)
228	قریش کا وہ نظام جس سے خوفزدہ کر کے سوشلزم کی طرف لایا جا رہا تھا	(vi)
229	خانوادہ رسول اور خود رسول کا مخالف محاذ؛ یہی سرمایہ دار و سود خوروں کا تھا	(vii)
231	باقاعدہ اعلان رسالت سے پہلے ید اللہ، لسان اللہ اور عین اللہ کا انتظار	(viii)
231	ظہور امام الاولین و آخرین، لِسَانُ الصِّدْقِ فِي الْآخِرِينَ	15
233	اعلان نبوت و اخوت و وزارت و خلافت اور امامت کر دیا گیا	16
235	مشیت کے مطابق ایک اور مفصل پیش گوئی	(16/2)
235	زید بن عمرو کی پیشین گوئی	(ii)
237	اولاد رسول اور محافظان اسلام کی بنیاد جناب فاطمہ زہراء علیہا السلام	(16/3)
237	اعلان نبوت کے بعد رفتہ رفتہ قریش پھر دشمن ہو گئے	17
239	رسول اللہ اور خانوادہ رسول کا طریقہ تبلیغ اسلام اور قرآن	(17/2)
242	اسلام اور رسول اسلام سے قریش اور مشرکین کی دشمنی کی قابل فہم وجہ لازم ہے	(17/3)
243	رسول اللہ نے سرداران قریش کے تمام سیاسی حربے بیکار کر رکھے تھے	(17/4)
244	آنحضرت تبلیغ میں نرمی اور مدد رنج کے ساتھ ساتھ عملی تجربہ پر زور دیتے تھے	(17/5)
245	مخالفت کی تمام حقیقی، فطری اور قابل فہم وجوہات و تفصیلات	(17/6)
247	نبوت اور امامت میں تفریق کے لئے قریشی موقف	(17/7)
247	قریش کے عقائد اور اقدامات اور نبوت میں اصلاحات	(17/8)
248	کیا نبی مافوق البشر ہے؟ کیا اُس کا حکم واجب والا طاعت ہے؟	(17/9)
249	مشرکین کی مندرجہ پالیسی کو حقیقی کفر و سازش کہہ کر فاش کر دیا	(17/10)
250	پھر اللہ نے یہ بھی بتا دیا کہ یہ منصوبہ ساز راتوں کو مشورے کرتے رہتے ہیں	(ii)
250	قریشی اسکیموں پر نظر ہی نہیں ہے، بلکہ اُن کا ریکارڈ بھی مرتب کیا جا رہا ہے	(iii)
251	مشرکانہ حکومت کی پیشین گوئی قرآن کی زبانی بھی کر دی گئی تھی	(iv)
252	سورہ وانجم کا نزول ہمہ گیر سجدہ کے بعد قریش مخالفت کا اصول	(17/11)
253	علامہ اور شان نزول پر تعمیر شدہ تمام عمارتیں کھوکھلی اور غلط ہیں	(i)
254	قرآن اور رسول اور شان نزول پر قرآنی اور اسلامی موقف اور عقیدہ	(ii)
255	علامہ کے بیان پر پہلی نظر، نزول وحی پر جو حالت طاری ہوتی تھی وہ کہاں گئی	(iii)

- (iv) قرآن پڑھنے سے روکنے، شور کرنے کا طریقہ تجربے کے بعد ہونا چاہیئے
- (v) علامہ کے بیان پر دوسری نظر، سجدہ کے دوران ابن مسعود کی نظروں کا کمال
- (vi) علامہ کے بیان پر تیسری نظر، سورہ نجم کی جگہ سورہ رحمن کیوں نہ پڑھی
- (17/12) سورہ النجم ایک فیصلہ کن منزل ہے جہاں معیار حکومت الہیہ متعین ہوا
- (17/13) انکار نبوت؛ کھلی مزاحمت؛ مالی و معاشی مقاطع اور عوامی دباؤ
- (ii) آنحضرتؐ نے بھی قرآن سنا کر مشرکین کی اس چال کا قانونی پہلو واضح کر دیا
- 18 (18/1)** قریش کی ایک ایسی پیش کش جس نے علیؑ واولاد علیؑ کو غیر مسلح کر دیا
- (18/2) رسالت و امامت کے سامنے قریش نے دو دھاری تلوار رکھ دی
- (18/3) ہنگامے؛ ہجرتیں؛ ظلم و تشدد؛ قید و بند اور فاقے
- (18/4) آنحضرتؐ پر قریشی اتہامات اور قرآن کے جوابات
- (ii) قریش اینڈ بیٹنی کو لفظ کافر سے کیوں مخاطب کیا گیا؟ کافر کے معنی؟
- (18/5) رسولؐ اور خاندانِ رسولؐ موت کے حوالے کر دیا گیا
- (ii) پرویز صاحب اور آنحضرتؐ کے خاندان کی محسوری
- (iii) طبری کے مطابق دونوں علامہ خائن اور جھوٹے ہیں
- (18/6) مستقل قید اور جان لیوا مقاطع کے باوجود ابوطالبؑ نے زندہ رہنا سکھایا
- 19** دنیا میں محمدؐ و آل محمدؐ کے لئے غم و الم کا ابتدائی سال ”عام الحزن“
- (19/2) جناب علامہ شبلی کے لئے دعائے خیر اور مغفرت کا سبب پیدا ہو گیا
- (19/3) خانوادہ رسولؐ کا دوسرا سرپرست بھی داغ جدائی دے گیا
- 20** قریش کی نئی پالیسیاں؛ قرآن پر عمل کرنے کی شرائط وغیرہ
- (20/2) تعلیمات قرآن پر سمجھوتے کی قریشی پیش کش یا نظام اجتہاد
- (20/3) پورا قرآن مکمل صورت میں قوم کے حوالے کر دوتا کہ مجموعی تعلیم پر اطمینان ہو سکے
- (20/4) دانشوران قوم معجزہ طلبی کا دباؤ دے کر پورے قرآن کا نیا مطالبہ کرتے ہیں
- (20/5) قرآن ابوطالبؑ یا کسی عجمی عالم کی تعلیم کا مجموعہ ہے؛ قرآن کی عنوان وار ترتیب
- (ii) قرآن اُن کو پورا کا پورا دینے کا انتظام بھی جاری ہے، مگر ایمان شرط ہے
- (iii) قرآن کو لکھنا جرم نہیں ہے؛ عظیم الشان کام ہے
- (iv) خانوادہ رسولؐ کے اہل قلم کی قسم کھائی گئی ہے، دن رات چلنے والے قلم
- (v) اہل بیت رسولؐ برابر قرآن لکھتے اور اُس کی ترتیب و تدوین میں مصروف رہے
- (vi) خانوادہ رسولؐ میں جمع و تدوین قرآن کا ثبوت دشمن تنقیح کے قلم سے
- (vii) قرآن کریم اور دوسری کتابیں کس چیز پر لکھی جاتی تھیں۔ پرویز سے سنئے
- (viii) کتبہائے خداوندی کو مرتب کرنے اور لکھنے والے افراد کی بزرگی

- 286 (ix) جس کتاب کا تذکرہ ہے، وہ قرآن صامت نہیں قرآن ناطق ہے
- 288 (20/6) قریش اینڈ کمپنی کو بندرتج اپنی اور ان کی پوزیشن بتا کر چیلنج کر دیا گیا
- 288 (i) تم یہی سمجھ لو کہ ہم نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے، اپنا پروگرام آگے بڑھا کر دیکھو
- 289 (ii) قوت و کثرت ساتھ ہے تو کھل کر اپنی اسکیم کا اعلان کرو
- 289 (iii) غپ شب بند کرو ہمارے فیصلوں کو سنجیدگی سے سنو اور تیار ہو جاؤ
- 290 (iv) آپ کسی طرح کی تشویش نہ کریں، ہم سارا انتظام کر دیں گے
- 290 (v) قریش دل میں خوفزدہ ہیں آپ ان پر ترس نہ کھائیں
- 290 (vi) قرآن کی تاثیر سے خوفزدہ ہو کر شور مچانے والی پارٹی تعینات کر دی
- 291 (20/7) تمام ذمہ داری اللہ نے سنبھال لی، مومنین کا انتظام کر دو قریش کو ہمارے حوالے کر دو

21 قیام ولایت اور نبلی قبیلوں کی طرف ہجرت کی تیاریاں

- 294 (21/2) حکومت و خلافت حاصل کرنے کے لئے نبوت سے تعاون کرنے پر سب تیار تھے
- 295 (21/3) خاندان عبدالمطلب کی ابدی و ازلی صداقت اور دعویٰ نبوت کی حقانیت
- 296 (21/4) رسول اللہ کا مدنی نبلی خاندان انجان بن کر سامنے لایا گیا
- 296 (i) قریش نے مدینہ کی ہجرت روکنے کا انتظام کیا، مگر ناکام رہے
- 297 (ii) قریش جانتے تھے کہ مدینہ میں خاندان رسالت آباد ہے جو مجسم بصیرت ہیں
- 298 (21/5) قبیلہ خزرج سے تعارف فحطانی تاریخ پر علامہ سید سلیمان ندوی کا محاکمہ
- 299 (21/6) ”اوس و خزرج“، ”نابت بن اسماعیل کی ایک اور شاخ“، ”انصار“
- 300 (ج) اوس و خزرج کی تاریخ
- 302 (د) محاکمہ کا نتیجہ
- 302 (21/7) خانوادہ رسول کی مدنی شاخ خزرج کی نصرت پر آمادگی کی مدرتج
- 302 (i) طبری کے مطابق قبیلہ خزرج کو اتفاقی دعوت اسلام
- 303 (ii) خانوادہ رسول کی مدنی شاخ انصار نے ایک پیغام پر اعلان اسلام کر دیا
- 304 (21/8) مدینہ میں بارہ نقیبوں کا تقرر، معاہدہ تحفظ کی شرطیں
- 306 (21/9) ہجرت کا معاہدہ حق اور باطل کے درمیان خط فاصل
- 307 (ii) یہ معاہدہ قتل و غارت اور تباہی پر آمادگی تھا
- 308 (iii) قریش اور اہل مکہ پر رحم کیا گیا ورنہ تہ تیغ کر دئے جاتے
- 308 (iv) بیعت عقبہ اپنے پرانے، دوست اور دشمن کا آخری فیصلہ ہے
- 309 (21/10) ہجرت کا ماحول، ہجرت کے متعلق تاریخی فریب و فراڈ
- 312 (21/11) آنحضرت کو قتل کرنے کی اجتماعی اسکیم، نجدی شیخ یعنی ابلیس
- 313 (21/12) نظام مشاورت و اجتہاد ابلیس کا نظام ہے

314	ہجرت کا حکم اور کفار کا منصوبہ قبل از وقت تدارک	22
315	قریش کی بد بختی: مقام محمود میں حضور کی بعثت ثانیہ	(22/2)
315	مددگار سلطان علامہ مودودی کی نظر میں	(22/3)
316	سُلْطَنًا نَصِيرًا کو حکومت، سیاسی قوت اور اقتدار بنادیا گیا	(22/4)
318	عالمی؛ ابدی اور دائمی نصرت یعنی علی ابن ابی طالب علیہما السلام	23
319	شب ہجرت علی علیہ السلام پر نزول جبرائیل و میکائیل	(23/2)
320	شب ہجرت کے بعد اللہ کی رضا مندیاں علی علیہ السلام کی ملکیت ہیں	(23/3)
320	حضرت علیؑ شب ہجرت امام غزالی کی نظر میں	(23/4)
321	آنحضرتؐ کی روانگی غار ثور میں قیام و انتظام سفر	(23/5)
321	ہجرت کی راہ میں کانٹے اور خانہ ساز کہانیاں	(23/6)
322	بخاری کا بیان۔ ہجرت دن میں ہوئی	(i)
323	ناممکن الوقوع واقعہ	(ii)
323	طبری کی روایت پر سرسری نظر	(iii)
325	حضرت ابوبکر اور مکی مسلمانوں پر قرآنی نظر	(iv)
325	آیت کا یہ مفہوم کیسے اخذ کیا گیا ہے؟	(v)
329	آنحضرتؐ کے ساتھ رہنے کی مادی وجہ اور محبت کا ثبوت	(vi)
329	حضرت عائشہؓ کی ذمہ داریاں اور ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونا	(vii)
330	استحکام تعلق کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے اپنی بیٹی اور چاندی دونوں صرف کر دیں	(viii)
331	حضرت عائشہؓ سے نکاح کی ایک عجیب صورت نہ خوشی نہ ولیمہ نہ قربانی	(ix)
331	حضرت عائشہؓ کی تزویج کے متعلق چند قابل غور باتیں	(x)
333	علی مرتضیٰ علیہ السلام اور قریش؛ خانوادہ رسولؐ کی مدینہ کو روانگی	(23/7)
335	خانوادہ رسولؐ مدینہ کی راہ میں	(23/8)
337	نبوت و امامت و خانوادہ رسالت کا قلب مدینہ میں داخلہ	(23/9)
338	مدینہ میں مکی خانوادہ رسولؐ کی سکونت	(23/10)
338	بیت الامامة کی مرکزی حیثیت کا تصور	(23/11)
339	ازدی عالم اور بحیرا کی پیشگوئی والی چائینی کے لئے دوسرا قدم	(23/12)
340	جناب شبلی کی ناگواری اور انکار مگر واقعہ لکھنا پڑا ہے	(i)
340	دشمنان اہل بیتؑ کا معیار حق و باطل و حق و دشمنی	(ii)
341	آنحضرتؐ نے درخواست کو نفرت سے ٹھکرا دیا	(iii)
342	قارئین کے غور کرنے کی باتیں	(iv)

- 342 (v) خدا کے انتظام کو کہاں تک جھٹلاتے رہو گے؟
- 342 (vi) منکروں کو احادیث کا انبار و اشتہار دکھاتے رہو
- 344 (vii) منکروں کی آواز روزانہ دہتی اور بے اثر ہوتی جا رہی ہے
- 346 (viii) انوار خداوندی کا سنگم اور نسل رسول کی ابتدا کی اصل حقیقت
- 346 (ix) آنحضرتؐ نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں علیؑ و فاطمہؑ کی تزویج کی تھی
- 347 (x) جناب علیؑ و فاطمہؑ کی تزویج روز ازل سے خدا نے مخصوص کر دی تھی

347 ملکی یا قریشی مسلمانوں کی پوزیشن اور کارنامے

24

- 348 (i) مکی و قریشی مسلمانوں کی حالت پر علامہ مودودی کا تبصرہ
- 348 (ii) ”مدینہ کی زندگی سے قبل کا تاریخی پس منظر“ مکہ کی تیرہ سالہ تبلیغ کا نتیجہ
- 349 (iii) مکہ کے حقیقی مسلمانوں کی پوزیشن تیرہ سال میں بھی پیچ و پوچھ تھی
- 349 (iv) حقیقی مسلمان مکہ میں نہیں بلکہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے تھے
- 349 (v) بقول مودودی رسولؐ اور قرآن تیرہ سال اخلاقی، تمدنی، سیاسی معاشی تعلیم سے خالی رہے
- 352 (vi) علامہ مودودی نے رسولؐ اللہ کو جارج اور جہاد کو تجارتی جنگیں بنادیا
- 352 (vii) مدینہ پہنچ کر جو انتظامات کئے گئے ان کو دنیا دارانہ بنادیا گیا
- 356 (24/2) علامہ کی قائم کردہ تمام بنیادیں قریشی اسکیم کی مظہر ہیں
- 356 (24/3) رسولؐ اللہ کے مدافعانہ جہاد اور امن پرستی کو مارشل ازم بنادیا
- 357 (24/4) مکی یا قریشی قسم کے مسلمانوں کی جامعہ تلاشی
- 358 (24/5) اہل مدینہ کے عزائم و قربانی، خانوادہ رسولؐ کا کام
- 359 (24/6) علامہ نے مہاجرین کے ساتھ رسولؐ اللہ کو بھی ناقابل اعما و ملکھا
- 359 (24/7) علامہ نے قریش اور مہاجرین کی جانچ کے لئے اُن کی راہ میں ایک اور مشکل پیدا کر دی
- 360 (الف) چند مختلف حقائق جن کو عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے
- 361 (24/8) تیرہ سال نازل ہونے والا قرآن اور تعلیمات اسلام بقول علامہ مودودی اخلاقی تمدنی تعلیم سے خالی
- 361 (24/9) علامہ کے دو فریب رسولؐ اللہ کو حق پر ثابت کرتے ہیں
- 362 (i) علامہ کی بیان کردہ پہلی صورتحال جس میں رسولؐ اللہ کو (معاذ اللہ) جارج بنایا گیا
- 362 (ii) علامہ کی بیان کردہ دوسری صورت حال جہاں مسلمانوں کو خصوصاً مہاجرین کو مظلوم دکھانا تھا
- 363 (24/10) کیا رسولؐ اللہ بھی (معاذ اللہ) قریش تھے؟
- 364 (24/11) رسولؐ اللہ کا دُعا مانگنا اور قریش کی خدا سے شکایت کرنا بہت ناگوار گزرا
- 365 جنگ بدر پر قریش اور قریشی مسلمان قرآن کی نظر میں
- 367 (25/2) خفیہ مشن (سبوتیہ) سے ایک غلطی جو جنگ بدر کا ثانوی سبب بن گئی
- 368 (25/3) قریش کی فوج کشی اور جنگ بدر کا سامان

- 369 بدر کے روز کس قسم کے مسلمانوں کی کثرت میدان جنگ میں موجود تھی؟ (25/4)
- 370 مدینہ سے نکلنے اور بدر تک پہنچنے کا قریشی نظارہ (25/5)
- 372 جنگ بدر میں قریشی مسلمانوں سے متعلق آیات پر ایک نظر (25/6)
- 373 مکہ سے آنے والے مہاجر مسلمانوں کا مخصوص گروہ (25/7)
- 374 مسلمانوں کا یہ قریشی گروہ خوفزدہ اور لرزہ بر اندام کیوں ہے (25/8)
- 374 (الف) علامہ مودودی آیت (نساء 4/77) کا مفہوم بتاتے ہیں
- 375 (ب) قرآن کریم کا ایک لفظ اُس گروہ کا تعین کر دیتا ہے
- 378 (الف 1) جنگ بدر میں گزرنے والے حالات
- 379 (الف 2) وہ حضرات جنہوں نے کفر کی کمر توڑ دی تھی
- 379 (الف 3) دستِ بدست جنگ اور قریش کو شکست
- 380 (الف 4) اسلامی حکومت پر قبضہ اور کر بلا کے مظالم کا سبب اور پس منظر
- 381 (الف 5) حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہونے والے کافر
- 383 (الف 6) مکہ کے ہر گھر میں مقتولین بدر کی خاموش صف ماتم
- 383 (الف 7) مالِ غنیمت لوٹنے اور قیدیوں کے متعلق قرآن اور صحابہ
- 384 (الف) اسیران بدر کے متعلق صحابہ کی رائے
- 385 (ب) ”حضرت ابوبکرؓ؛ حضرت عمرؓ کی رائے“
- 385 (ج) طبری اور دیگر سرکاری تواریخ کا اعتبار کیسے کیا جائے؟
- 387 (الف 8) قرآن کریم نے مالِ غنیمت اور اسیران جنگ کے لئے کیا فرمایا
- 387 (ب) علامہ کے ترجمہ اور آیت کے منشا پر ایک نظر
- 387 (ج) مسلمانوں کے قریشی گروہ کا اسلام دنیا طلی کے لئے تھا
- 388 (د) مالِ غنیمت یا دشمنانِ خدا کو لوٹنا بہر حال ناپسندیدہ ہے
- 390 (ه) علامہ مودودی کے ہم پلہ مُفکّر پرویز صاحب
- 390 (و) پرویز صاحب نے حق کے ساتھ باطل کو بہر حال ملائی دیا
- 391 (ز) مالِ فدیہ ہو یا مالِ غنیمت دونوں عارضی ہیں

392 جنگ اُحد؛ قریشی مسلمانوں کے حالات؛ تاریخ اور قرآن سے

26

- 393 مدینہ میں منافقوں کا وجود اور مقصد (26/2)
- 393 منافقوں کی آڑ میں قریشی مسلمان کب سے تھے؟ (26/3)
- 394 قریشی قسم کے مسلمان منافقوں سے الگ مُشخص ہو گئے (26/4)
- 397 قریشی قسم کے مسلمان گروہ کے پیشواؤں کو پہچان لیں (26/5)
- 398 جنگ اُحد تاریخ کی نظر میں (26/6)
- 398 (الف) اُحد کے حالات پر طبری کے مختصر بیانات

- 399 کتب حدیث و توارخ کے ملے جلے بیانات (26/7)
- 401 جنگ اُحد اور اقتدار طلب مسلمانوں پر قرآنی بیانات (26/8)
- 402 آل عمران قرآن کی صورت میں بھی قریش پر ایک مصیبت ہے (2)
- 403 اقتدار پسند مسلمانوں کی قرآن فہمی اور اجتہاد پر تبصرہ (3)
- 406 مسلمانوں کے مجتہدانہ گروہ کو اتباع رسول کا حکم اور معافی کا وعدہ (4)
- 406 آل ابراہیم و آل عمران کی بزرگی اور حکومت عالمین پر ماننا لازم ہے (5)
- 407 مسلمانوں کا اجتہادی رابطہ عربی یہود و نصاریٰ سے قائم تھا (6)
- 407 کفار اور حقیقی منافقین کا رویہ دونوں قسم کے مسلمانوں کے ساتھ (7)
- 408 جنگ اُحد کی صبح اور مسلمانوں کے دو گروہ اور ملائکہ (8)
- 409 انبیائے سابقہ کی اُمتوں سے اُحد کے مفرد مسلمانوں کا تقابل (9)
- 410 کافروں کے مطیع مسلمانوں نے طرز حکومت پر تنازع کھڑا کر دیا تھا۔ نافرمانی کی تھی (10)
- 410 قرآن کریم نے اُن مسلمانوں کا رسول اللہ کو تنہا چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ جانا بتایا (11)
- 411 امر حکومت میں اپنا مقام منوانے کے لئے شکست کو بہانہ بنایا تھا (12)
- 412 ولایت و حکومت کا وہ تصور شیطانی ہے۔ مومنین کو اس کفر سے بچنا چاہئے (13)
- 413 رسول کی نرم روی سے فائدہ اُٹھانے والے مسلمان (14)
- 414 مندرجہ بالا آیات پر ایک نظر (15)
- 415 مسلمانوں کا یہ گروہ ہرگز منافق یا کافر نہ تھا بلکہ مختلف قسم کا مومن تھا (16)
- 416 وہ مہاجر اور مسلمان جو واجب التعظیم تھے۔ ایک معیار (26/9)
- 417 رسول اللہ سے ایک وعدہ جس کا پورا ہونا تاریخ میں کہیں نہیں (26/10)
- 418 طیب مسلمانوں اور خبیث مسلمانوں کی شناخت کیسے ہو؟ (26/11)
- 419 قرآن کے خبیث مسلمانوں پر ایک اور نظر (26/12)
- 419 مستقل رضائے خدا کن مسلمانوں کو حاصل رہی ہے؟ (26/13)
- 421 رسول اللہ کے مخالف مسلمان اور سورہ نساء و علامہ مودودی (26/14)
- 422 مسلمانوں کا وہ گروہ جنسی شہوت عام کرنا چاہتا تھا (26/15)
- 422 مسلمانوں کا وہ گروہ خدا اور رسول کے خلاف جدا گانہ مرکز کا مطیع تھا (26/16)
- 423 مسلمانوں کا وہ گروہ جو رسول کی تنہا بصیرت کی جگہ قومی فیصلہ چاہتا تھا (iv)
- 424 اُس مسلمان گروہ پر منافق گروہ کا اثر زیادہ تھا (v)
- 425 وہ مسلمان رسول اللہ کی مکمل یعنی ذاتی اطاعت کے قائل نہ تھے (vi)
- 425 جو کسی بھی صورت میں رسول کو حاکم مطلق نہ سمجھیں وہ سب کافر ہیں (vii)
- 426 آخر مولانا نے اُس گروہ کی ذہنیت اور اسلام کا تصور مان لیا (viii)
- 426 مسلمانوں کے اُس گروہ کی مزید تصدیق اور اللہ پر پختہ ایمان (ix)

- 427 جن مسلمانوں نے جنگ سے جان بچائی علامہ کا فتویٰ (x)
- 427 مدینہ میں ایک گھر ہے جہاں اسلامی پالیسی کے خلاف خفیہ مشاورت ہوتی ہے (xi)
- 428 مخالف مرکز میں مجتہدین اور فقیہان کفر کی تعلیمات (xii)
- 430 یہی مسلمان گروہ کافروں اور منافقوں کا دوست تھا (xiii)
- 431 خانہ طاعوت؛ خفیہ میٹنگ؛ رسول اللہ کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش (xiv)
- 432 فضیل عظیم اور لامحدود علم نے رسول اللہ کو عرب دانشوروں سے بچالیا (xv)
- 433 رسول اللہ کو اجتہاد پر آمادہ کرنا، قرآن سے ہٹانا، دستور جاہلیت پر چلانا (xvi)
- 434 اُن صحابہ کو منافق کہنا سازش ہے وہ مسلمان تھے (xvii)
- 434 مومنین یہود و نصاریٰ والی ولایت کے قیام سے الگ رہیں (xviii)
- 435 ولایت و خلافت الہیہ کا منکر مرتد ہے۔ وہ قوم جس کا ہر فرد محبوب خدا ہے (xix)

437 جنگ احزاب تاریخ اور قرآن سے

27

- 437 جنگ احزاب تاریخ اور محدثین کی نظر میں (27/2)
- 438 خطرات میں بھی رسول اللہ کی مدد سے جی چرانا اور جواب تک نہ دینا (ii)
- 438 محدثین کی سازش، بعض لوگوں کو ہیر و بتانے کی کوشش (iii)
- 438 جاسوسی کے سلسلے میں زیر و دیگر صحابہ کی تفصیل (iv)
- 439 ابوبکر خود نہیں جاتے بلکہ جناب حذیفہ کا نام تجویز فرماتے ہیں (v)
- 439 جنت میں رسول اللہ کا رفیق بننے سے ابوبکرؓ و عمرؓ کا انکار (vi)
- 439 آخر اللہ اور علیؓ نے جنگ خندق فتح کرا دی۔ ہیر و چھپے رہے (vii)
- 441 تفصیل کے باوجود مولا ثعلبی نے بہت سے حقائق کو جان بوجھ کر چھپایا (viii)
- 441 جو کچھ ضرار نے کہا وہ بڑا معنی خیز ہے اور اُس کا عمل عبرت انگیز ہے (ix)
- 441 حضرت عمرؓ نے تمام مسلمانوں کو خوفزدہ کر دیا (x)
- 442 علیؓ علیہ السلام مکمل ایمان تھے اور عمرو بن عبدود مکمل کفر کا نمائندہ تھا (xi)
- 442 عمرو بن عبدود کو موت نظر آرہی تھی اس لئے لڑنا نہ چاہتا تھا (xii)
- 443 حضرت علیؓ نے داؤد کی مثل بن کر دکھایا۔ تلاوت قرآن (xiii)
- 443 حضرت علیؓ یا کُلّ ایمان کی وہ ضرب جس سے کُلّ الشُّرک قتل ہو گیا تھا (xiv)
- 443 علیؓ کی شرافت اور بزرگی بہتے ہوئے آنسو روک دیتی ہے (xv)
- 444 علیؓ اور عمرو بن عبدود شعرا کی نظر میں؛ قحطانی مغالطہ انصار کا نسب (xvi)
- 446 حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فخر یہ قصیدہ۔ عمرو کے قاتل انصار (xvii)
- 446 قریش کے شاعر کا جواب انصار کی مذمت اور علیؓ کی مدح (xviii)
- 447 جنگ خندق اور قریشی قسم کے مسلمانوں پر قرآنی ریکارڈ (27/3)
- 448 منافقین کے پردہ میں مجتہد مسلمان جنہوں نے اسلام کے احکام کو تبدیل کر کے سر کے بل کھڑا کر دیا (iv)

- 449 (v) علیؑ واولاد علیؑ کے خلاف عربوں کا محاذ
- 450 (27/4) صرف حملہ آوروں کو دیکھ کر آنکھیں پتھرانے اور بدعتیہ کی پھیلائے والے مؤمنین
- 451 (27/5) علامہ مودودی کا اضطراب اور کوشش
- 452 (ii) علامہ کی بددیانتی اور خیانت دس قدم بھی نہ چلی
- 453 (27/6) اسلامی تحریک میں کمزوری، بخیلی اور بزدلی کے ڈھونگ سے رکاوٹ ڈالنے والے
- 453 (الف) مؤمنین کو پسپا کرانے اور اسلامی تحریک میں رکاوٹ ڈالنے والے مسلمان
- 454 (27/7) جنگ احزاب اور بنو قریظہ پر فتح، شہدائے سابقہ و آئندہ پر بیمار کس
- 455 (27/8) حضرت عائشہؓ وہاں جا پہنچیں جہاں حضرت عمرؓ طحہ چھپے ہوئے تھے
- 456 غزوہ حدیبیہ یا صلح حدیبیہ کے تاریخی و قرآنی حالات** **28**
- 456 (28/2) اسلامی ہیر و قریش کے اشارے پر بھاگ جانے میں مشہور و معروف تھے
- 457 (ii) حضرت عمرؓ نے رسول اللہؐ کا حکم تسلیم نہیں کیا
- 458 (iii) رسول اللہؐ پر ایمان کی دو قسمیں۔ اُن کے ذاتی فیصلے ناقابل قبول تھے
- 458 (iv) علامہ شبلی حضرت عمرؓ کی گستاخانہ بحث کا اقرار کرتے ہیں
- 458 (v) تمام مسلمانوں کا گمراہی کے قریب پہنچ جانا۔ تاریخ طبری
- 459 (vi) بیعت رضوان مذکورہ نافرمان صحابہ کا پردہ فاش کرتی ہے
- 459 (vii) تمام ہیر و رسولؐ کے خلاف فتح کو شکست سمجھتے رہے
- 460 (28/3) حضرت علیؑ اور دیگر ہیر و زکا کا اسلام و کفر سے رشتہ تعلق
- 461 (28/4) شیخین مستقل طور پر قریش کے غیر مشروط ہی خواہ تھے
- 461 (28/5) رسول اللہؐ قریش کے ہمسایہ اور حلیف بھی نہ تھے۔ چہ جائیکہ ہم نسب؟
- 462 (28/6) اجتہادی مسلمان اور صلح حدیبیہ قرآن کی نظر میں
- 462 (ii) اجتہادی مسلمانوں پر اتمام حجت لا محدود رعایات
- 463 (iii) ذنب کے حقیقی لغوی معنی کرنے میں نہ کوئی قباحت ہے نہ وقت
- 464 (iv) آنحضرتؐ کی راہنمائی قیامت تک کامیاب اور معصوم رہے گی
- 464 (v) گناہوں کی بخشش کا مسلمہ قانون کیا ہے؟
- 465 (vi) مؤمنین کی وہ قسم جن کے ایمان میں اضافہ ہوتا رہا
- 465 (vii) مصنوعی منافق اور اشتراکی لوگوں کی پوزیشن
- 466 (viii) بیعت رضوان میں وفادار و بے وفاداروں قسم کے مسلمان تھے
- 466 (ix) عرب کے عام مسلمانوں کو مجتہدین کی تبلیغ نے کیسا بنادیا تھا؟
- 467 جنگ خیبر میں مسلمانوں کی فتوحات و تاریخی حالات** **29**
- 468 (29/2) جنگ خیبر میں اسلام کے ہیر و زور جنگی کارنامے

- (ii) حضرات ابوبکر اور عمر کا از خود علم و سرداری لینا اور میدان سے فرار کرنا 468
- (iii) ہیر و زرو زاول سے اعتماد و تقرب کی تاک میں لگے رہتے تھے 469
- حضرت عمر کا اپنا اعلان 470
- (iv) حضرت علی کا حملہ کے لئے روانہ ہونا اور فتح کرنا 470
- (v) علامہ شبلی اور ان کے ہم خیال علما کو ان کے بزرگوں کی طرف سے سنا دو 471
- دروازہ کو ڈھال بنا کر جنگ کرنا 472
- (vi) فاتح خیبر علیہ السلام کا استقبال اور مبارکباد؛ اللہ و رسول کا ممنون ہونا 472
- (vii) فاتح خیبر کے لئے رجعت الشمس۔ غروب کے بعد سورج دوبارہ نکلا 473
- فتح مکہ اور قریش مکہ کی پوزیشن؛ اجتہادی تصورات کی مقبولیت 30**
- (30/2) فتح مکہ میں جو جس حال میں تھا اُسے اُسی حال میں چھوڑ دیا گیا 475
- (30/3) سردارانِ قریش کے دلوں میں فتح مکہ نے آگ سُلگا دی 475
- (30/4) طلاق یافتہ کا فر لوگ مسلمان نہ تھے۔ انہیں منافق بھی کہا گیا ہے 476
- (30/5) فتح مکہ اور اہل مکہ و قریش کے ایمان پر قرآن کا حکم ناطق 477
- جنگ حنین میں طلقاء اور ان کے محاذ کے مسلمانوں کا حال 31**
- (31/2) ذرابیعت رضوان والے اور دیگر مسلمانوں کا میدانِ جنگ سے بھاگنا ملاحظہ ہو 479
- (31/3) جن کو بیعت رضوان کی آڑ میں ہیر و بنایا، ان کا حال قرآن سے 479
- (31/4) شکست و فرار کا سبب؛ بارہ ہزار فوج کو دوبارہ بھگوڑا کہا 480
- (31/5) علامہ شبلی و سوعلامہ شبلی مگر سید سلیمان صاحب سبحان اللہ 481
- (31/6) اجتہادی مسلمانوں کے فرار کی ندویانہ وجوہات و تفصیلات 481
- (i) مال غنیمت لوٹنے والے مسلمان شکست کا باعث ہوئے 481
- (ii) وہی پُرانے قدیم مومنین جو ہر جنگ کو ہرانے میں کوشاں رہتے تھے 482
- (iii) قریش کی ذہنیت۔ ”قریشی دشمن، غیر قریشی دوست سے بہتر ہے“ 482
- (31/7) وہ انصار اللہ جنہوں نے ہر حال میں نصرت کی، قرآن جنگی مدد و ثنا کرتا ہے 483
- (ii) محبوب قوم پر نظر رسالت اور باقی مسلمانوں کا حال 484
- جنگ تبوک اور مسلمانوں کے مختلف حالات و کیفیات 32**
- (32/2) تبوک سے واپسی پر آنحضرتؐ کو قتل کرنے کی سازش ناکام ہو گئی 487
- (ii) وادی عقبہ پر سانشین کے گروہ کا مزید اتنا پتا 487
- (iii) کیا منافق بھی صحابہ تھے۔ رسول اللہ کا جواب سنئے 487
- (iv) عقبہ کی سازش میں نامی گرامی لوگ شامل تھے 488
- (v) مسجدِ ضرار کا مقصد اور انہدام 488

488	میدان جنگ سے آخری فرار؛ جنگِ وادی الرمل	33
489	غزوہ تبوک اور اُس زمانہ میں مجتہدین کے مختلف حالات	34
490	سورہ توبہ یا سورہ برأت کا زمانہ نزول و اجزاء سورہ	(34/2)
490	آخر یہ مان لیا کہ جن مسلمانوں کی مذمت ہوتی رہی ہے وہ سب منافق نہ تھے	(ii)
491	سورہ برأت کو سننے کا حق امیر المومنین حضرت ابوبکر کو کیوں نہ تھا؟	(iii)
491	سورہ توبہ کا اعلان سربراہ اسلام ہی کر سکتا تھا	(34/3)
492	سورہ برأت یا توبہ کس کو ملی؟ کون معزول ہوا؟ کس نے اور کیوں تلاوت کی؟	(ii)
495	سورہ برأت خلافتِ بلا فصل پر جیت اور قومی حکومت پر مصیبت ہے	(iii)
496	سورہ برأت کے اعلان کی جھلکیاں اور عظمت	(34/4)
497	اعلانِ برأت کا مخاطب اُس مومن گروہ کی طرف جو مشترک قومی حکومت چاہتا ہے	(ii)
499	اعلانِ سورہ برأت کے ساتھ ساتھ قریش کے داخلی محاذ کے مسلمانوں کا تشخص اور تعارف بھی کر دیا گیا	(iii)
503	سورہ برأت میں مشرکین کا وہ گروہ جو دل میں کافر مگر بظاہر مسلمان ہے	(iv)
503	سورہ برأت پر ایک اور نظر و تجزیہ	(34/5)
505	انتقالِ رسول تک سورہ برأت والے مومنین ایمان کے کس درجہ پر تھے	(34/6)
506	سورہ حجرات کی رو سے سورہ برأت والے سرکش مجتہد صحابہ	(ii)
507	وہ مومنین جو رسول اللہ سے اپنی اسلامی تعبیرات کی اطاعت چاہتے تھے	(iii)
507	مومنین میں دو ایسے گروہ موجود رہے جن میں جنگ ممکن تھی اور جنگ ہوئی	(iv)
507	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَهِدْ رَسُولُ اللَّهِ فِيكُمْ كَمَا كُنْتُمْ عَاهِدُونَ	(v)
507	عربوں کی زبان پر تین سو (23) سال تک بھی ایمان تھا مگر دل خالی تھے	(vi)
508	مسلمانوں کا وہ گروہ جو اللہ کو دین کی تعلیم دیتا تھا اور رسول پر اسلام لانے کا احسان جتنا تھا	(vii)
509	آنحضرت کی زندگی کے بالکل آخری زمانہ میں سود خور مومنین	(viii)
509	جنگِ اُحد 3 ہجری سے 11 ہجری تک مومنین حکمِ خدا کے خلاف سود لیتے رہے	(ix)
510	علامہ مودودی کفارِ قریش کی سازش میں مسلمانوں کو ابتدا ہی سے شامل جانتے ہیں	(34/7)
511	مکہ میں ابتدائی مومن اور منافق جماعت کا فرق۔ مومن ہی منافق تھے	(ii)
511	الفاظ کا ہیر پھیر حقیقت کو چھپا نہیں سکتا، دل سے ایمان والی دوسری جماعت	(iii)
512	قریش کس قسم کے لوگوں کو مسلمانوں میں شامل رکھ کر کام لینا چاہتے تھے؟	(iv)
512	قریش کے طرفدار مسلمانوں کی پالیسی علیہ اسلام تک؛ ڈبل فائدہ	(v)
513	بُزدل محتاط بھگوڑے مومنین، کیسے بہادر جان ثار ہیر و زبن جاتے ہیں	(vi)
514	دل سے ایمان لانے اور مومن رہنے والے بھی کفار کے طرفدار ہو سکتے ہیں؟	(vii)
515	علامہ کے اُستادانہ بیان پر طالبعلمانہ نظر ڈالیں اور استادیاں نوٹ کریں	(viii)

516	بَيْتُ الرِّسَالَةِ وَإِمَامَةُ كَتَمُتَلَقَاتِ اُور اَحَالَاتِ	35
517	بیت الرّسالة کی شاخ ازواج رسولؐ	(35/2)
517	مدینہ میں بیت الرّسالة کے ساتھ حضرت سودهؓ کا حجرہ اور قیام	(ii)
518	ازواج رسولؐ کے حجروں کی تعمیر اور مقام وقوع	(iii)
518	آنحضرتؐ کی دیگر ازواج کا بیت الرّسالة سے متعلق ہونا	(iv)
519	نجات دہندہ عالم اپنے باپ اسمعیلؑ کی جگہ ذبح عظیم اور نانا حضرت محمد مصطفیٰؐ کو مرتبہ شہادت پر فائز کر نیوالا حسینؑ	(v)
520	امام حسین علیہ السلام کی روحانی، جسمانی اور ذہنی و فکری تربیت	(35/3)
520	خانوادہ رسالت کے آئمہ علیہم السلام کا مقام بوقت ولادت	(ii)
521	بچپن کی سنی ہوئی لوریاں قلب و ذہن میں پیوست ہو کر رہ جاتی ہیں	(35/4)
522	خانوادہ رسولؐ کی کہانی معصوم زبان میں لوریاں	(35/5)
524	حضرت عمران علیہ السلام کا اعلان و پیغام ہر محافظ اسلام کے نام	(ii)
525	قریش کے سامنے حضرت عمرانؑ کا قصیدہ لامیہ اور اعلان حق	(iii)
527	عربوں کے بایںکٹ کی اطلاع پر حضرت عمرانؑ نے قریش کی ناکامی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا	(iv)
531	حضرت عمرانؑ ختم نبوت اور قیام امامت کے ذمہ دار تھے	(v)
533	سابقہ ادوار میں انبیاءؑ اور آئمہؑ معجزات کے سہارے پر تھے	(vi)
534	حضرت عبدالمطلبؑ کی گود میں رسالتؐ نے لوریاں سنی تھیں	(vii)
535	نبوت و رسالت و خلافت و حکومت اور امامت اور کتاب و حکمت کے مالک	(35/6)
536 الف	واقعاتِ کربلا (مرکز انسانیت حصہ دوم)	
537	منتخب احادیث، مناقب و معجزات حسین علیہ السلام	(36/1) 36
538	تمام مخلوق آئمہ اہلبیتؑ کی اطاعت کرتی ہے	(36/2)
539	ماضی و مستقبل کے عالم بعید ترین مقامات کو دکھانے والے	(36/3)
540	سوکھے درختوں کا ہر ابھرا ہو کر پھلوں سے لد جانا اور سفید بالوں کا سیاہ ہو جانا	(36/4)
540	گمشدہ اُونٹوں کا مقام بتانا اور محفوظ واپس ملنا	(36/5)
541	جبرائیلؑ و میکائیلؑ و اسرافیلؑ ماں پیٹے کی خدمت کرتے تھے	(36/6)
543	امام حسن علیہ السلام کے لاتعداد فضائل و معجزات پر چند نمونے	(36/7)
545	عزاداری حسین علیہ السلام	37
545	دُکھی انسانیت کا قبلہ مُراد	(37/1)
546	روایات و حکایات و سامانِ عزّا	(37/2)
549	ذاکِرینِ حسینؑ اور عزاداری	(37/3)
549	درد انگیز صورتِ حال	(1)

- (2) وہ تصور کیا ہے جس سے مسلمانوں کا یہ حال ہوا ہے؟ 551
- (3) اسلامی تعلیمات کا ایک قدیم تصور! 551
- (4) حضرت علیؑ کے قرآنی تصور کو دنیا سے ختم کرنے کا نظام! 553
- (5) دشمنانِ عزاداری سے چند باتیں 554
- (6) واقعہ کربلا اور روایات پر ایک واقعاتی نظر! 559
- (37/4) عزاداری معصومینؑ کو اثر انگیز بنانے میں شاعر و شاعر کی پوزیشن 562
- (1) ایک شعر کا بدلہ جنت ہے 562
- (2) شاعر اہلبیتؑ کو روح القدس کی تائید حاصل رہے گی 562
- (3) اہلبیتؑ کی شان میں شعر کہنے والے کا شہر زیارت گاہ ملائکہ اور انبیاءؑ رہے گا 562
- (4) کیت نامی شاعر کو مدح اہلبیتؑ پر روح القدس کی تائید حاصل تھی 562
- (5) مرثیہ و نوحہ لکھنے والوں کو آئمہؑ کی اجازت حاصل ہے 562
- (6) امام محمد باقر علیہ السلام حالاتِ نظم کرنے کی اجازت دیتے ہیں 563
- (7) مرثیہ خوان و قصہ خوان اور نوحہ پوسہ پڑھنے والوں کی مدح و ثنا 563
- (8) ترنم و دردناک آواز میں گلوکار، ماہر موسیقی کا مرثیہ ماتم کے حضور میں 563
- (الف) ایک وضاحت 565
- (ب) دوسری وضاحت 565
- (9) مرثیہ، تلاوت یا قرأت سے اثر انگیزی کھودیتا ہے 566
- (10) مرثیہ کو فنی اثر انگیزی سے پڑھنا ملائکہ کو مجلس میں اتار لیتا ہے 567
- (11) فضائل و مصائب امام حسینؑ کے گیت اور مرثیہ پر دوسری روایت 569
- (الف) مصنف افناع اللانہم کی طرف سے مندرجہ بالا حدیث کی تشریح 569
- (ب) ہماری رائے اور تجویز 570
- (12) مصائب حسینؑ میں شعر کہنے والا شاعر و موسیقار و شرابی آخردُنیاء میں بخشا گیا 570
- (37/5) مصائب محمد و آل محمدؑ میں ہم سو گواران کا مقام؟ 574
- (1) غمگین ہونے اور رونے کی جزا اور ثواب 574
- (2) عزاداری اور تذکرہ اہلبیتؑ کی مجالس اسلام کو زندگی اور استحکام بخشتی ہیں 577
- (3) آئمہ کا محرم میں عملدرآمد حسینؑ پر رونا گناہوں کو چھاڑ دیتا ہے 578
- (4) اہلبیتؑ کے لئے خونِ ناحق پر اور مومن کی توہین پر رونا 578
- (5) رونے والی آنکھوں کو حوض کوثر نظر کر دیا جائے گا 578
- (6) شیعوں کی ذمہ داریاں اور ان کا مقام 578
- (7) غمگین رہنا تسبیح ہے، عزیمتِ عبادت، رازداری جہاد ہے 579
- (8) شیعوں کی شناخت اور مقام بلند اور عبدالمولیٰ کے حقیقی معنی و تعلق 579

- (9) مومنین اور مومنات کی عزاداری اور سگواری کی اطلاع سے حضرت فاطمہؑ خوش ہو گئیں
- (10) شیعہ محمدؐ و آل محمدؐ کے غم میں برابر کے شریک ہیں
- (11) امام رضاؑ کے گھر میں مجلس حسینؑ اور عزاداروں کا مقام بلند
- (12) غم امام مظلومؑ میں بے قراری و بے صبری اور بے واہیلا جائز ہے
- (13) ایک آنسو کا دسواں حصہ سمندر کے مقابلہ میں
- (14) عاشورہ کے دن مصائب سے متعلق تمام سنتیں قائم کرنا چاہیے
- (15) عشرہ محرم پر تمام معمولات پر غم حسینؑ غالب رہنا چاہئے

580

قافلہ حسینیؑ کا سفر و منازل، کربلا میں آمد، افواج یزید

38

- (38/1) مدینہ سے روانگی، اہل حرم کا سوار ہونا، سفر کا نظارہ
- (38/2) کوفہ کا راستہ چھوڑ کر کربلا کی طرف بڑھنا
- (38/3) منازل کا تفصیلی نقشہ
- (38/4) تمام تواریخ و منازل کی رو سے امام حسینؑ سترہ (17) ذی الحجہ کو کربلا میں پہنچے تھے
- (38/5) کربلا میں آخری پانی کب اور کون لایا تھا؟
- (38/6) روایت میں کہیں نویں محرم کا نام و نشان تک نہیں ہے
- (38/7) عمر سعد کی افواج کربلا میں انیس (19) روز مصروف رہی تھیں
- (الف) مندرجہ بالا روایت کتاب المنتخب علامہ طبریزی کے قلم سے
- (38/7) (الف) کربلا میں شہدا کی تعداد، سروں کی تقسیم اور قتل میں شریک بڑے قبائل
- (ب) ان روایات کی پوزیشن اور ہمارا فیصلہ
- (ج) شہدائے بنی ہاشم کی تعداد اور نام مختلف روایات کی تاریکی میں
- (د) حضرت شہر بانو کا ایک اور بچہ گوشواروں والا شہید
- (ه) حسینیؑ لشکر کی تعداد علامہ مسعودی کی تحقیق
- (38/8) کربلا میں افواج یزید کی تفصیل سرکاری تاریخ کا فریب
- (2) امام حسینؑ کے مقابلہ میں یزید لعین نے ملک شام سے افواج بھیجی تھیں
- (3) آخر شہدائے کربلا یزید کی قومی حکومت پر غالب آگئے اور راز کھل گئے
- (4) کوفہ کی چھاؤنی سے جو افواج اور سرداران بنی یزید لعین نے روانہ کئے
- (5) کوفہ سے روانہ ہونے والی فوجوں کی ترتیب
- (6) صحیح تعداد معلوم کرنے کے لئے متضوں کی گنتی
- (7) عقل پرست منکرین کے لئے چند عقلی اور جہالت کشا نصیحتیں
- (8) کربلا میں ساتویں محرم کی صبح سے خیام حسینیؑ میں پانی نہیں پہنچا
- (9) پانی کب بند ہوا؟ ساتویں محرم کو؟ پھر حضرت عباسؑ کب پانی لائے؟
- (10) ساتویں محرم سے پہلے پہلے پانی لانے کی ایک مہم سقائے سکینہ کی سرکردگی میں

- 615 راتوں کو بار بار ملاقاتیں مندرجہ بالا ملاقات کے بعد وقوع میں آئی تھیں (11)
- 615 امام حسینؑ کے صحابہ کا مقام اور فضائل (38/9)
- 618 شہدائے کربلا کے بیانات پر انہیں وہ آنکھیں عطا کر دیں کہ سارا مستقبل سامنے آ گیا (2)
- 619 نہ بعد کربلا قربانی بند ہوئی نہ امام زمانہ نے انعام بند کیا ہے (3)
- 620 شہدائے کربلا علیہم السلام کا مقام رسول اللہ کی زبانی رسول اللہ کے بھائی (4)
- 623 شہدائے کربلا کو نیزہ و شمشیر و سنان و تیروں کی بارش کوئی دکھ نہ پہنچا سکی (5)

624

کربلا میں حسینی قربانیاں

39

- 625 واقعات کربلا کے متعلق بیانات و روایات کا قرآنی معیار (39/2)
- 626 امامؑ کے صحابہؓ اور خاندان کے بہادروں کا میدان جہاد میں لاکارنا (الف)
- 628 جنگ کا آغاز لشکرِ حسینیؑ پر تیروں کی بارش سے کیا گیا (39/3)
- 628 اصحاب حسین علیہم السلام کی شہادت کے واقعات
- 628 حضرت حُر کی بے قراری انتہا کو پہنچ جاتی ہے (39/4)
- 630 حضرت خُزّ سرداری فوج اور دنیا کو امامؑ پر قربان کرنے میں مصروف ہیں (39/5)
- 631 حضرت خُزّ نے گھوڑے کو ہمیز کیا اور حسینیؑ دربار میں باریاب ہو گیا (39/6)
- 632 حضرت خُزّ کو معافی مل چکنے کے بعد طرح طرح پیش کیا گیا ہے (39/7)
- 633 حضرت خُزّ نے اپنے قبیلے کے ساتھ ساتھ پوری فوج اور ابن سعد کو خطاب کیا (39/8)
- 633 ایک بدترین فریب جس میں عموماً علما الجعّہ اور الجعّھے چلے آئے ہیں (39/9)
- 635 حضرت خُزّ کے چند اور بیانات اور اپنے بیٹے کو نثار کرنا (39/10)
- 640 حضرت خُزّ سے تعارف اور امامؑ کی فتح پر دلیل (39/11)
- 640 حق و حریت انسانی کی خطرناک حمایت (الف)
- 641 حضرت خُزّ پر امام علیہ السلام کا مرثیہ اور دعا (39/12)
- 642 میدان کربلا میں آخری اتمامِ حجت انیس کاہلی کی زبانی اور پہلا حملہ (39/13)
- 644 حصین بن تمیم کا قتل ہو جانا حبیبؑ ابن مظاہر کی جنگ اور شہادت (39/14)
- 646 انصارانِ حسین علیہم السلام کی شہادت کا پتہ چل جانا خود ایک معجزہ ہے (39/15)
- 647 شہادتوں کی ترتیب کا کیا ذکر وہاں تو شہدائے کربلا کی تعداد کو عدا غلط مشہور کیا جاتا رہا (الف)
- 647 علامہ علی نقی مجتہد عرف نقن صاحب اور شہدائے کربلا کی تعداد؟ (ب)
- 648 شہدائے کربلا کی جنگی ترتیب اور قدرتی تحفظ اور حسینیؑ انتظام (39/16)
- 649 خیامِ حسینیؑ کا نقشہ
- 651 کربلا کی جنگ میں دشمن کے بُرولانہ اقدامات اور شہدائے کربلا کی تین اقساط (39/17)
- 651 شہدائے کربلا کی اقساط اور علامہ در بندی کی ترتیب (39/18)
- 652 انصارانِ حسینؑ کا میدان جہاد میں نکلنے کا طریقہ (39/19)

- 652 حضرت زبیرؓ بن خضیرؓ الحمد انی علیہ السلام کی جنگ و شہادت (39/20)
- 653 قومی حکومت اور مذہب تمام انسانی گناہوں کو اللہ کے ذمہ لگاتے ہیں (الف)
- 654 حضرت زبیرؓ کا تعارف (ب)
- 654 جناب ابو وہبؓ عبد اللہ بن خبابؓ الکعبیؓ مع زوجہ شہید ہوئے (39/21)
- 656 ابو وہبؓ عبد اللہ سے تعارف (الف)
- 656 نام کی یکسانی نے دو اشخاص کو ایک ہی بنادیا (ب)
- 657 جناب وہبؓ بن عبد اللہ کی جنگ اور شہادت (39/22)
- 657 حضرت عمرو بن خالد ازدی کی شہادت (39/23)
- 658 خالد بن عمرو بن خالد ازدی کی شہادت (39/24)
- 658 عمرو بن خالد سے تعارف اور تفصیلات میں حضرت عباسؓ کا کارنامہ (الف)
- 659 سعد بن حظلہ التمیمی (جناب عمرو بن خالد کے غلام) کی شہادت (39/25)
- 659 باپ اور بیٹے مجمع بن عبد اللہ اور عائزہ بن مجمع کی شہادت (39/26 -27)
- 659 جناب عمیر بن عبد اللہ المذحجی کی شہادت اور افواج شام کی بوکھلاہٹ (39/28)
- 660 جناب نافع بن بلال کی جنگ اور دشمن فوج کی پسپائی اور نیا فیصلہ (39/29)
- 661 مسلم بن عوجہ کا حملہ اور شہادت (39/30)
- 662 مسلم بن عوجہ سے تعارف (الف)
- 662 شمر ملعون، سپاہ حسینیؑ پر حملہ کرتا ہے (ب)
- 665 حضرت حبیبؓ ابن مظاہر کی شہادت لکھی جا چکی (پیرا نمبر 14) (39/31)
- 666 نماز کو زندگی بخشنے والا امام کا محافظ جس نے کربلا کی نماز کو آفاقی شہرت دی (39/32)
- 667 جناب سعید بن عبد اللہ حنفی سے تعارف (الف)
- 667 جناب سعید بن عبد اللہ کی شہادت روایات کے الفاظ میں (ب)
- 668 جناب زبیر بن العقین کی شہادت اور تعارف (39/33)
- 670 نماز ظہر کے بعد امام علیہ السلام کا خطاب جنت کا نظارہ کرانا شہداء کا مقام دکھانا (الف)
- 671 نماز ظہر کے متعلق چند گزارشات (ب)
- 671 عبد الرحمن بن عبد اللہ الیزنی کی شہادت (39/34)
- 671 جناب عمرو قرظہ انصاری کی شہادت (39/35)
- 672 جون علیہ السلام جو کبھی ابو ذرؓ غفاری کے غلام تھے (39/36)
- 673 جناب عبد اللہ بن خالد الصیداوی علیہ السلام (39/37)
- 674 حضرت حظلہ ابن اسعد شامی الحمدانی علیہ السلام (39/38)
- 675 جناب یحییٰ بن سلیم المازنی کی شہادت (39/39)
- 675 حضرت قرہ بن ابی قرۃ الغفاری کی رخصت (39/40)

- 675 جناب مالک بن انس مالکی یا انس بن الحارث الکلبی (39/41)
- 676 جناب عمر بن مطاع الجعفی کی شہادت (39/42)
- 676 حجاج بن مسروق علیہ السلام کی قربانی (39/43)
- 677 جناب ابراہیم بن الحصین کا حملہ و شہادت (39/44)
- 677 حضرت مُعَلَّأ بن مُعَلَّأ کی جنگ و شہادت (39/45)
- 677 حضرات طرماح بن عدی اور معلأ بن حنظلہ الغفاری (39/46- 47)
- 678 حضرت جابر بن عروہ غفاری کی شہادت (39/48)
- 678 حضرت مالک بن داؤد کی جان نثاری (39/49)
- 679 حضرت جنادہ بن الحارث انصاری کی شہادت (39/50)
- 679 جناب عمرو بن جنادہ علیہما السلام دس سال کی عمر میں قربان ہوئے (39/51)
- 680 عبدالرحمن بن عروہ علیہ السلام کی شہادت (39/52)
- 680 جناب شوذب بن عبداللہ شاکری ہمدانی علیہ السلام (39/53)
- 681 جناب عابس بن شیب علیہ السلام کی شہادت (39/54)
- 682 حضرات عبداللہ اور عبدالرحمن فرزند ان عروہ بن حراق (39/55-56)
- 683 ترکستان کے ایک خادم ہر تاج مہمان اہلبیت (اَوْصَیَّ) کی شہادت (39/57)
- 684 یزید بن زیاد بن الشعشاع کی شہادت (39/58)
- 684 ابو عمرو شیب بن عبداللہ نہشلی علیہ السلام (39/59)
- 684 جناب ابوشعشاع یزید بن مہاجر کندی بھدلی کا تعارف اور شہادت (39/60)
- 685 حضرات سیف بن حارث بن سربج و مالک بن عبداللہ بن سربج (39/61-62)
- 685 سوید بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمی آخری شہید (39/63)
- 686 بشیر بن عمرو بن الاحدوث الحضرمی علیہ السلام (39/64)
- 686 یزید بن ثویط عبدی اور دو بیٹے عبداللہ اور عبید اللہ بن یزید بن ثویط عبدی علیہم السلام (39/65-66 -67)
- 686 قعب بن عمرو نمری اور حجاج بن زید سعدی تمیمی علیہم السلام (39/68-69)
- 687 عمرو بن جندب حضرمی علیہ السلام (39/70)
- 687 سعد بن حارث علیہ السلام (39/71)
- 687 سلمان بن مضارب بن قیس النجفی علیہ السلام (39/72)
- 687 سالم بن عمرو بن عبداللہ علیہ السلام (39/73)
- 687 بکر بن حنی تمیمی علیہ السلام (39/74)
- 687 کردوس، قاسط اور مقسط بن زبیر بن حارث تغلیان علیہم السلام (39/75-76 -77)
- 688 عمار بن ابی سلامہ والانی علیہ السلام (39/78)
- 688 عمار بن حسان طائی علیہ السلام (39/79)

688	جناب نصر بن ابی نضر علیہما السلام	(39/80)
688	مسعود بن حجاج تمیمی اور ان کے بیٹے عبدالرحمن بن مسعود علیہما السلام	(39/81-82)
688	جناب نعیم بن عجلان انصاری علیہ السلام	(39/83)
688	حلاس بن عمرو اور ان کے بھائی نعمان بن عمرو ازدی علیہما السلام	(39/84-85)
689	جناب مسلم بن کثیر صدیقی الازدی علیہ السلام	(39/86)
689	عمرو بن ضمیجہ بن قیس بن ثعلبہ تمیمی علیہ السلام	(39/87)
689	جناب عقبہ بن صلت جعفی علیہ السلام	(39/88)
689	حضرت قارب علیہ السلام	(39/89)
689	جناب عبداللہ بن بشر بن ربیعہ حشمی علیہ السلام	(39/90)
689	عبدالرحمن بن عبداللہ بن کلدن ارجبی علیہ السلام	(39/91)
690	جناب عامر بن مسلم عبدی بصری علیہ السلام	(39/92)
690	مجمع بن زیاد بن عمرو جعفی علیہ السلام	(39/93)
690	قاسم بن حبیب بن ابی البشر ازدی علیہ السلام	(39/94)
690	منزل غینو میں بصرہ سے آکر امام کے ساتھ شامل ہونے والے چھ حضرات	(39/95-100)
691	رافع بن عبداللہ علیہ السلام	(39/101)
691	یزید بن مغفل جعفی علیہ السلام	(39/102)
691	زیاد بن عریب ہمدانی علیہ السلام اور ان کے بیٹے عامر علیہ السلام	(39/103 -104)
691	کنانہ بن عقیق تغلمی علیہ السلام	(39/105)
692	عبدالرحمن بن عبد رب انصاری الخزرجی علیہ السلام	(39/106)
692	ضرغامہ بن مالک تغلمی علیہ السلام	(39/107)
692	سیف بن مالک عبدی بصری علیہ السلام	(39/108)
692	جناب سلیم بن عبداللہ علیہ السلام	(39/109)
692	جناب سالم علیہ السلام	(39/110)
692	عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر جعفی علیہ السلام	(39/111)
693	سوار بن ابی عیسیٰ علیہ السلام	(39/112)
693	حبشہ بن قیس تمیمی علیہ السلام	(39/113)
693	حارث بن جہان علیہ السلام	(39/114)
693	زاہر بن عمرو اسلمی کندی علیہ السلام	(39/115)
694	زہیر بن سلیم بن عمرو ازدی علیہ السلام	(39/116)
694	حجاج بن زید سعدی تمیمی علیہ السلام	(39/117)
694	ادھم بن امیہ عبدی بصری علیہ السلام	(39/118)

694	جناب حارث بن امراء القیس بن عابس کندی علیہ السلام	(39/119)
694	جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ علیہ السلام	(39/120)
695	جلد بن علی شیبانی علیہ السلام	(39/121)
695	امیہ بن سعد بن زید طائی علیہ السلام	(39/122)
695	جابر بن حجاج تمیمی علیہ السلام	(39/123)
695	منج بن سہم علیہ السلام	(39/124)
696	جنادہ بن حارث سلمانی علیہ السلام	(39/125)
696	جندب بن حجر کندی علیہ السلام	(39/126)
696	اسحاق بن مالک اشتر علیہ السلام	(39/127)
697	حریر بن عبد اللہ علیہ السلام	(39/128)
697	عمیر بن مطاع الجعفی علیہ السلام	(39/129)
697	حضرت عمر ابن الکلبی علیہ السلام	(39/130)
699	جناب یزید بن الحصین علیہ السلام	(39/131)
700	جناب عمیر بن الحصین علیہ السلام	(39/132)
700	اولاد حارث میں سے جناب شریف اور جناب مالک علیہما السلام	(39/133 -134)
700	عبد اللہ بن عمر الکندی علیہ السلام	(39/135)
701	جناب مبارک بن عبد اللہ علیہ السلام	(39/136)
701	جناب مالک اور رشید علیہما السلام	(39/137 -138)
702	حضرات عبد اللہ بن سلیم اور منذر بن مشعل علیہما السلام	(39/139 -140)
702	حضرت عمارہ بن عبید سلولی علیہ السلام	(39/141)
703	جناب عقبہ بن سمعان علیہ السلام	(39/142)
703	ابو ثامہ عمرو بن عبد اللہ بن کعب الصائد علیہ السلام	(39/143)
703	انصاران حسین علیہم السلام کی پوزیشن پر چند اشارات (الف)	
704	ضحاک بن عبد اللہ علیہ السلام سے امام علیہ السلام کا وعدہ (39/144)	
704	ضحاک کو میدان جنگ سے جانے کی اجازت (الف)	
705	انصاران حسین علیہ السلام کی دنیاوی و تاریخی پوزیشن (ب)	
705	انصاران حسین علیہ السلام میں حضرت علی کے صحابہ علیہم السلام (ج)	
705	انصاران حسین علیہ السلام میں حافظان قرآن کریم (د)	
706	انصاران حسین علیہ السلام میں راویان حدیث (ه)	
706	انصاران حسین علیہ السلام کی دیگر خصوصیات (و)	
706	حضرات خراور حبیب ابن مظاہر کے غلام علیہم السلام (39/145 -146)	

706	کربلا میں خاوندہ نبوت کی شہادت اور قربانیاں	40
707	جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل علیہم السلام	(40/1)
708	محمد بن مسلم علیہما السلام	(40/2)
708	جناب احمد بن مسلم بن عقیل علیہم السلام	(40/3)
708	عبید اللہ بن مسلم بن عقیل علیہم السلام	(40/4)
709	حضرت جعفر بن عقیل علیہما السلام	(40/5)
709	جناب عبدالرحمن بن عقیل علیہما السلام	(40/6)
709	حضرات عبداللہ بن عقیل، عبداللہ اکبر بن عقیل اور محمد بن ابی سعید بن عقیل، جعفر بن محمد بن عقیل	(40/7- 10)
709	علی بن عقیل علیہم السلام	(40/11)
710	جناب محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار علیہم السلام	(40/12)
710	جناب عون بن عبداللہ جعفر طیار علیہم السلام	(40/13)
711	جناب عبداللہ ابوبکر بن علی بن ابی طالب علیہم السلام	(40/14)
711	جناب عمر بن علی بن ابیطالب علیہم السلام	(40/15)
712	جناب عثمان بن علی، حضرت عباس کے ماں جائے بھائی علیہم السلام	(40/16)
712	حضرت جعفر بن علی، حضرت عباس کے ماں جائے بھائی علیہم السلام	(40/17)
712	جناب عبداللہ بن علی، حضرت عباس کے ماں جائے بھائی علیہم السلام	(40/18)
713	جناب محمد الاصفراور جناب ابراہیم بن علی مرتضیٰ علیہم السلام	(40/19- 20)
713	ہمیں بھی کچھ کہنا ہے (الف)	
714	حضرت عبید اللہ بن علی بن ابی طالب علیہم السلام	(40/21)
715	جھوٹوں کو باہر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں اپنے گھر میں کافی ہیں (الف)	
716	آسمائے شہدا: حضرت عباس بن علی بن ابی طالب علیہم السلام، حضرت علی اکبر بن حسین علیہما السلام، حضرت احمد بن حسن علیہما السلام، حضرت قاسم بن حسن علیہما السلام، گوشواروں والا بچہ علیہ السلام، حضرت علی اصغر شیر خوار علیہ السلام، حضرت عبداللہ بن حسن علیہما السلام، حضرت امام حسین علیہ السلام	(40/22-29)
716	آسمائے شہدا: علی الاوسط عرف محمد علیہ السلام، علی الثالث عرف جعفر علیہ السلام، علی الرابع عرف حسن علیہ السلام	(40/30-32)
717	موجودہ ریکارڈ سے شہدائے کربلا کی تعداد	
717	شہادت حضرت عباس علیہ السلام	41
717	حضرت عباس علیہ السلام سے تعارف	(41/1)
718	حضرت ام البنینؓ کے خاندان کا اثر و رسوخ (الف)	
719	حضرت عباسؓ کا سن و سال و تربیت	(41/2)

- 719 حضرت عباس علیہ السلام شہادت سے پہلے (41/3)
- 721 برادران حضرت عباسؑ کی شہادت سرکاری علما کا طرز بیان (41/4)
- 721 کیا ہم نے غلط کہا تھا؟ (41/5)
- 722 حضرت زہیر بن قین آگ پر تیل ڈالتے ہیں (41/6)
- 722 حضرت عباسؑ کی رخصت کا ایک نظارہ۔ بھائیوں میں باتیں (41/7)
- 724 حضرت عباس علیہ السلام اتمام حجت کرتے ہیں (41/8)
- 725 حضرت عباس علیہ السلام داغ جدائی دیتے ہیں (41/9)
- 731 حضرت عباسؑ، امام اور اہل حرم علیہم السلام پر قربان ہو گئے (41/10)
- 732 پانی پینے کا نتیجہ عمر سعد کی نظر میں؟ (41/11)
- 733 حضرت عباس علیہ السلام مشک لے کر چلے تو افواج کی آہنی دیوار سامنے تھی (41/12)
- 733 آخر شہادت کا اشارہ ہوا اور عباسؑ نے حکم قضا کو لبیک کہہ دیا (41/13)
- 734 دونوں بھائیوں کی آخری ملاقات اور الوداع (41/14)

735 شہادت حضرت علی اکبر علیہ السلام 42

- 735 حضرت علی اکبر علیہ السلام سے تعارف (42/1)
- 736 سلالہ کی مثال (شجرہ نسب کی صورت میں) (42/2)
- 737 لفظ اکبر کی بنا پر ایک اور مغالطہ (42/2)
- 739 حضرت علی اکبر کی والدہ اور تنہیالی پوزیشن (42/3)
- 740 والدہ کی طرف سے شجرہ نسب (42/3)
- 742 اموی خاندان اور اموی درباروں کے شعرا کی زبانی علی اکبر کا مقام (42/4)
- 742 حضرت علی اکبر کی رخصت روایات کے الفاظ میں (42/5)
- 743 حضرت علی اکبر کی جنگ (42/6)
- 745 حضرت علی اکبر میدان خالی کر کے بابا کی خدمت میں آتے ہیں (42/7)
- 746 حضرت علی اکبر دوبارہ میدان جنگ میں (42/8)
- 747 ہماری معذرت اور جرأت و جسارت (42/9)

748 شہادت حضرت قاسم علیہ السلام و دو فرزند امام حسن علیہ السلام 43

- 748 حضرت احمد (ابوبکر) بن حسن مجتبیٰ علیہم السلام سے تعارف (43/1)
- 749 جناب احمد بن حسنؑ کے اجازت طلب کرنے کا سبب (الف)
- 749 حضرت احمد بن حسن علیہ السلام کی شہادت (ب)
- 750 حضرت قاسم کو کربلا میں اپنے والد ماجد کا معجزہ ضرور یاد آیا ہوگا (43/2)
- 752 اپنے بھائی امام حسینؑ کی قربانی کو انتہائی معیار سے بھی بلند کر دیا (43/3)

- 754 حضرت قاسمؑ نے امامت حسینؑ کی تصدیق اور اولاد حسنؑ کے دعویٰ کی تکذیب کرنا تھی (43/4)
- 757 حضرت قاسم بن الحسن علیہما السلام (43/5)
- 757 سہرے، سہاگ اور کفن بدوش دولہا دولہن کی قربانی احادیث کی زبانی (43/6)
- 761 حضرت قاسمؑ مایوسی میں کامیابی کے لئے راہنمائی حاصل کرتے ہیں (43/7)
- 762 تعویذی وصیت سے پہلے حسینیؑ مقصد اور قاسمیؑ ذہن سے رابطہ پیدا کیجئے؟ (43/8)
- 762 امامؑ کا مقصد بقائے قاسمؑ ہے، بقا کا انتظام ہونے پر اجازت ملے گی (43/9)
- 762 تعویذی وصیت اور مادی و محسوس بقا کی طرف پہلا قدم (43/10)
- 763 امامؑ کی مشکلات اور آزمائش میں اضافہ مگر قاسمؑ کی بقا کا دوسرا قدم (43/11)
- 763 امامؑ نے اپنی قربانیوں کو انقلاب انگیز اور دھماکہ خیز دوام عطا کر دیا (43/12)
- 764 حضرت قاسمؑ نے اپنی ذمہ داریوں کی ترتیب و عمل میں آخر تعاون حاصل کر لیا (43/13)
- 765 حضرت قاسم علیہ السلام کو اجازت دی گئی لباس عروسی کفن کی صورت میں بدلا گیا (43/14)
- 767 کفن پوش حسینیؑ دولہا خون میں نہا کر کر بلا کو سرخرو کر گیا (43/15)
- 767 ہاشمیؑ دولہا اتمام حجت کے بعد خیم میں آتا ہے (43/16)
- 768 حضرت قاسم علیہ السلام کی جنگ کا منظر اور کامیاب واپسی (43/17)
- 768 حضرت قاسم علیہ السلام شہید ہو کر عارضی طور پر جدا ہو گئے (43/18)
- 769 شہادت حضرت علیؑ اصغر طفل شیر خوار علیہ السلام 44**
- 769 امامؑ زمانہ، نجات دہندہ نوع انسان قاسم علیہ السلام کی شہادت کے بعد (44/1)
- 770 امام حسینؑ کی تنہائی، استغاثہ اور استغاثہ کا نتیجہ؟ (44/2)
- 771 یہاں ہمیں دو باتیں کہنا ہیں (44/3)
- 772 استغاثہ مظلوم پر شہماہہ بچہ اپنی تکلیف بھول گیا تھا (44/4)
- 772 استغاثہ حسینیؑ نے عرش خداوندی کو بلا دیا ملائکہ میں فریادوں کا (44/5)
- 774 مگر امامؑ نے شیر خوار کی نصرت قبول فرمائی میدان جنگ اور شہماہہ (44/6)
- 774 حضرت علیؑ اصغر علیہ السلام کی شہادت قومی حکومت کے منہ پر طمانچہ (44/7)
- 776 امامؑ کی اولاد کو اور کر بلا کی قربانیوں کو کم کرنے کا ایک اور ثبوت (44/8)
- 777 مولانا مفتی و مجتہد جزائریؒ کے لئے چند باتیں (44/9)
- 777 امامؑ کے استغاثہ پر حضرت امام زین العابدینؑ کا رد عمل؟ اعلان امامت (44/10)
- 779 راہمنائے شہدائے نوع انسان یعنی امام حسین سید الشہداء علیہ السلام 45**
- 780 امام حسینؑ علیہ السلام کی رخصت اور میدان جنگ کو روانگی (45/1)
- 781 امام حسینؑ علیہ السلام میدان جنگ کی تیاری کرتے ہیں (روایات کے الفاظ میں) (45/2)
- 782 میدان جنگ میں پبلک اور رسول اللہؐ کی قوم سے امام حسینؑ کا شکوہ؟ (45/3)

- 783 دشمنان اسلام کو امام حسینؑ کا چیلنج اور قرآنی قوم کا اور اپنا فرق اور فخر (45/4)
- 784 امام حسین علیہ السلام کا پہلا جنگی نمونہ بہادریوں کا انتخاب (45/5)
- 785 امامؑ کا دشمن افواج پر پہلا حملہ اور جنگی مہارت و قوت کا دوسرا مظاہرہ (45/6)
- 786 اللہ نے پھر چاہا کہ امامؑ ارادہ شہادت بدل دیں؟ (45/7)
- 786 امام علیہ السلام کی دوسری رخصت اور ہدایات (45/8)
- 787 امام حسین علیہ السلام دوبارہ میدان جنگ میں آ گئے (45/9)
- 789 حضرت فاطمہؑ صغریٰ کا خط میدان جنگ میں پہنچتا ہے امام علیہ السلام پھر خیم میں آتے ہیں (45/10)
- 790 زعفر جن میدان کر بلا میں نصرت کے لئے حاضر ہوتا ہے (45/11)
- 791 پھر گھمسان کی جنگ اور اتمام حجت اور صحیح جواب (45/12)
- 792 امام حسین علیہ السلام پھر حملہ کرتے ہیں قتل عام میں بھی مومنین کا تحفظ (45/13)
- 793 خیم حسینیؑ پر افواج کا جھوم کرنا اور امامؑ کے لکارنے سے فوجوں کا ہٹ جانا (45/14)
- 794 امام مظلومؑ کی آخری رخصت اور شہادت کے لئے میدان جنگ میں آمد (45/15)
- 796 میدان جنگ میں آخری آمد دشمنوں کا طنز باطل کرنے کے لئے دریا پر قبضہ (45/16)
- 797 امام علیہ السلام دوبارہ دریا کے گھاٹ پر قبضہ کرتے ہیں (45/17)
- 798 ہماری دو باتیں نوٹ کر لیں (45/18)
- 798 امام مظلومؑ سے اسلامی جدوجہد اور اسلامی جہاد کا انتقام لے لیا گیا (45/19)
- 801 فرقانی مسلمانوں کا آسمان نبوت و رسالت و امامت کو زمین پر گرانا (45/20)
- 802 امام علیہ السلام پر دوبارہ مہلک وار اور دوسری دفعہ گھوڑے سے گرنا (45/21)
- 803 امامؑ کے دوبارہ گرنے والی مندرجہ بالا روایت پر محققان نظر ڈالئے (45/22)
- 804 امامؑ پر نئی ترتیب سے حملہ اور جوابی حملہ میں حضورؐ کا تیسری دفعہ گرنا (45/23)
- 806 امام علیہ السلام پر پھر حملہ ہوا، چوتھی بار امامؑ کا زمین پر آنا (45/24)
- 807 امام مظلومؑ کا آخری مرحلہ شہادت اور فرقانی قوم کے مظالم کی انتہا (45/25)
- 807 شہید ہوتے ہوئے آخری قربانی بڑے بھائی کی نشانی عبداللہ بن حسن علیہم السلام (45/26)
- 809 شہید ہونے سے پہلے امام علیہ السلام کے زخموں کی تعداد (45/27)
- 809 امام مظلومؑ کے زخموں کی حقیقی پوزیشن (45/28)
- 810 فرزند رسولؐ اور نجات دہندہ نوع انسان کو کس طرح قتل کیا گیا؟ (45/29)
- 814 ذوالجناح کی خدمات اور سر قاسم علیہ السلام کا دردناک سفر 46**
- 814 حضرت شہر بانو اور زوجہ قاسم علیہم السلام اور ذوالجناح کی نئی زندگی؟ (46/1)
- 814 شہادت کے بعد ذوالجناح کی خدمات مسلسل جاری ہیں (46/2)
- 815 ذوالجناح کا اہل حرمؑ کے خیموں میں اطلاع دینا (46/3)
- 817 حضرت شہر بانو اور فاطمہؑ کبریٰ اور ذوالجناح کا انجام (46/4)

- 819 حضرت شہر بانو کے متعلق روایات میں اختلاف فریب نظر ہے (46/5)
- 820 حضرت قاسم علیہ السلام کے سرمبارک کا دردناک سفر اور شمر آن میں دفن کیا جانا (46/6)

829

بعد شہادت کربلا کے واقعات

47

- 829 خیام حسینی پر یلغار لوٹ مار اور آتش زنی (47/1)
- 834 دشمنان اسلام کی لوٹ مار پر چند وضاحتیں (47/2)
- 836 حضرت امام زین العابدینؑ اور محمد باقرؑ کی قتل سے محفوظ رہے (47/3)
- 838 دونوں اماموں کی حفاظت اللہ کی ذمہ داری تھی (47/4)
- 839 بعد مغرب بروز عاشورا امام مظلوم کا تمام شہدائے علیہم السلام کو نعمات جنت کھلانا پلانا (47/5)
- 840 اس روایت پر کسی تعجب اور حیرانی کی ضرورت نہیں ہے (47/6)
- 841 لاشہ امام علیہ السلام کے پامال کرنے میں ناکام کر دیا گیا تھا (47/7)
- 841 دس ملائین کا انتخاب اور پامالی والی روایت (47/8)
- 842 پامالی کی روایت پر تنقیدی نظر (47/9)
- 843 وہ صحیح روایات جو پامالی کی تردید کر کے صحیح واقعہ بیان کرتی ہیں (47/10)
- 844 عمر بن سعد (لعین) نے شیر کو فتنہ کیوں کہا؟ اور فوج نے تیروں سے حملہ کیوں نہ کیا؟ (47/11)
- 845 حضرت علیؑ کا مظہر العجاوب ہونا ہر جگہ پہنچنے کی قدرت کا ثبوت اور فضائل (47/12)
- 847 غلام کا نام سفینہ (یعنی کشتی) کیوں پڑ گیا اور اس کا قصہ سنئے (47/13)
- 847 روزانہ شب کو آنے والے شیر کا قصہ بھی سن لیں (47/14)
- 849 شہادت کے بعد بھی دردناک مظالم اور شہدائے علیہم السلام کی زندگی کی ایک مثال (47/15)
- 850 ایک راسخ العقیدہ محسن کش اور اللہ، رسولؐ اور کعبہ سے لپٹا ہوا مسلمان (47/16)
- 851 اس ملعون و جہنمی شخص نے لاشہ حسینؑ مظلوم کے ساتھ کیا کیا تھا؟ (47/17)

852 (الف) بلا سر کی لاش میں جس وشعور باقی تھا

852 (ب) یہاں امام علیہ السلام کے جسم پر اُن کا سرموجود تھا

853 (ج) وہ سرو چہرہ زخمی و خون آلودہ تھا۔ خون سے مسح

855 امام حسینؑ کا سرمبارک رسول اللہؐ نے کوفہ سے کیسے منگایا؟ (47/18)

855 رسول اللہؐ دیگر انبیاءؑ مبارک پر بار بار آتے رہے (47/19)

856 اس سلسلے میں آخری گزارش (47/20)

856 شہدائے کربلا کے دفن پر چند بیانات و شہادات (47/21)

859 چند وضاحتیں نوٹ فرمائیں۔ ذوالجناح، کربلا سے روانگی (47/22)

860

اہل حرمؑ اور سرہائے شہدائے علیہم السلام کا کربلا سے کوفہ کا سفر

48

860 کربلا سے روانگی، اہل حرمؑ کا سوار ہونا، مدینہ سے روانگی کی یاد (48/1)

- 861 کوفہ میں اہل حرم اور اہل کوفہ کا رویہ؛ مختلف بیانات (48/2)
- 863 اہل حرم نگے سر کھلے چہروں سے لائے گئے چادریں اور برقعے بار بار چھینے گئے (48/3)
- 864 کوفہ تک بے پردہ لانا اور کوفہ میں داخلہ سے قبل پبلک کا چادریں دینا (48/4)
- 865 روایت پر تنقیدی نظر۔ حق و باطل الگ الگ (48/5)
- 865 کوفہ میں عید بھی اور ماتم بھی۔ رونے والے بھی اور ہنسنے والے بھی (48/6)
- 866 غم حسین علیہ السلام میں جان لیوا ماتم مظلومہ مگر بلا کی سنت ہے (الف) (48/7)
- 869 سابقہ کتابوں میں ثبوت دینا اگر مقبول ہے تو آئندہ منہ بند رکھیں (ب)
- 871 حضرت قاسم کی عروسی کے منکرین و منافقین کی زبانی ثبوت (ج)
- 874 دروغ بافوں کو گھرنیک پہنچا کر چھوڑنا چاہئے۔ روایت پر تنقید (د)
- 876 اولاد امام حسین علیہ السلام کو کم کرنے والے قاتلان حسین سے کم نہیں (ه)
- 877 امام حسین علیہ السلام کی اولاد کی صحیح تعداد اور اسمائے گرامی (و)

880 کوفہ سے دمشق مختلف منازل و مراحل میں گزرنے والے واقعات و حالات 49

- 880 حرم رسول اور سرہائے شہدائے کوفہ سے دمشق کس طرح پہنچے؟
- 880 ابن زیاد ملعون کا انتظام اور روانگی کے احکام؛ کوفہ سے شام (49/1)
- 887 کوفہ سے دمشق تک سفر پر مختلف وضاحتیں اور اختلافات (49/2)
- 889 سابقہ بیان کی وضاحت و تفصیل (49/3)
- 890 کوفہ سے دمشق کے سفر پر ایک تشریحی نظر (49/4)
- 891 کوفہ سے دمشق تک سفر پر دیگر علما کی وضاحتیں (49/5)
- 892 ان تینوں علما اور روایات کے اختلاف کا حقیقی مقصد (الف)
- 894 کوفہ سے دمشق کو روانگی کی تیاری پر مزید وضاحت (46/6)
- 895 اسیران کر بلا اور سرہائے شہدائے تشہیر تا کہ پبلک کی جرأت ختم ہو جائے (الف)
- 895 اس روایت میں کیا ہے؟ اس کا ہم سے کیا تعلق ہے؟ (ب)
- 896 تکریت والی روایت کی مزید تفصیل، عیسائیوں کا مذہبی احتجاج اور باقی سفر (49/7)
- 898 تینوں روایات پر پھر نظر ڈالیں اور مفید حقائق نوٹ کریں (الف)
- 899 تمام پارٹیوں کی آمد اور روانگی مرکز سے ہوتی تھی (ب)
- 901 تاریخی حقائق میں خیانت کرنے والے گروہ کی تین قسمیں اور ہمارا موقف ثابت (49/8)
- 905 وہ مسلمان جن کا ہر گناہ معاف کر دیا جائے گا قرآن کریم شاہد ہے (الف)
- 909 بندگان محمد کو اللہ کی طرف سے سو فیصد اطمینان حاصل ہے (ب)
- 910 کوفہ سے شام تک سفر و تشہیر عمر سعد ملعون کی سرکردگی میں ثابت ہو چکی (49/9)
- 913 سفر شام کا تذکرہ کسی بھی صورت میں ہو عمر بن سعد کی ماتحتی لازم ہے (الف)
- 913 زیر قلم روایت میں معجزاتی پہلو نظر انداز نہ کیا جاسکے (ب)

- 50** **سرہائے شہداء اور اسیران اہل حرم کا دمشق میں داخلہ اور متعلقات** **914**
- 915 شہر سجا گیا آج دمشق میں عید کا سماں ہے رسول کی بیٹیاں شہر میں آرہی ہیں (50/1)
- 916 یزید استقبال کے لئے پرچم بھیجتا ہے خبر لانے والے کو قید کرتا ہے (50/2)
- 917 سر حسین علیہ السلام اور سرہائے فرزندان رسول کی ترتیب اور رسول زاد یوں کا جلوس (50/3)
- 918 دمشق میں داخلہ سے قبل حضرت ام کلثومؓ نے بھی سرہائے شہداء کو دور رکھنے کے لئے کہا تھا (50/4)
- 919 ابلیح بن عبد اللہ الصبح دمشق میں داخل ہوئے اور جامع مسجد کی راہ پر ٹھہرایا گیا (50/5)
- 919 جلوس کی تشہیر کے دوران ابلیحؓ کو خچروں پر بھی سوار کیا گیا اور ملعون خاندان بھی کہا گیا (50/6)
- 919 سہل بن سعد نے کئی مرتبہ ابلیحؓ علیہم السلام کو جھوم کی نظروں سے بچانے میں مدد کی تھی (50/7)
- 920 سرہائے شہداء کی ترتیب میں تبدیلی اور تعداد میں کمی بیشی کا سبب تشہیر کی مصلحت بھی تھی (50/8)
- 920 سرہائے شہداء کی ایک اور دشمن پسند ترتیب۔ اور حضرت ام کلثومؓ کا ڈانٹنا (50/9)
- 921 دمشق میں تشہیر پر چند توجہات (50/10)
- 923 اسیران کریمؓ کی تشہیر کے دوران یزید کا خفیہ اجلاس جاری ہے (50/11)
- 924 یزید پر فاج کی صورت میں عذاب کا حملہ ہو چکا تھا (50/12)
- 925 (الف) اس روایت پر اور اپنے علما کے طرزِ تحریر پر افسوسناک بیان (50/13)
- 927 شامی تخیلہ میں اور اباب حل و عقد کے سامنے تنہا سر حسین علیہ السلام اور سرداران فوج (50/14)
- 928 مبارکباد میں حسینؓ کی اعلیٰ نسب کا ذکر واجب القتل جرم ثابت ہوا (50/15)
- 929 زجر بن قیس کا بیان؛ یزید کا چپ ہونا اور قتل حسینؓ پر سیاسی ریمارکس (50/16)
- 930 اسی مینگ میں یزید کے مختلف ریمارکس (50/17)
- 930 مروان کا بھائی اور یزید دونوں اللہ اور ابن زیاد کو الزام دیتے ہیں (50/18)
- 931 سر مبارک نیزہ سے طشت میں؛ شمر کی پیشی؛ یزید کا سنبھلنا، بزرگوں کی یاد (50/19)
- 932 زوجہ یزید اجلاس میں بیٹا بانہ آگئی (ب) (50/20)
- 933 شمر ملعون انعام مانگنے آیا اور قتل سے بچ گیا (ج) (50/20)
- 933 یزید کے تصورات و قلبی حالات علامہ در بندی کی زبانی (50/19)
- 935 فوج کی تباہی اور سپاہ حسینیؓ کی شجاعت دمشق میں داخلہ سے پہلے ہی بتادی گئی تھی (50/20)
- 51** **یزید ملعون کا دربار اور اسیران اہل حرم و سرہائے شہداء علیہم السلام** **936**
- 937 (الف) دربار یزید میں ابلیحؓ سے سلوک پر علامہ در بندیؒ کی شکایت (50/20)
- 939 (ب) اہلبیت رسن بستہ پیش کئے گئے تھے (50/20)
- 940 (ج) دربار یزید میں جناب زینب علیہا السلام کے بیانات و جوابات (پہلا دن) (50/20)
- 941 (د) حضرت زینب علیہا السلام کا یزید لعین کو جواب (50/20)
- 944 (ه) حضرت زینب علیہا السلام کا یہی خطبہ دوسری روایت اور دوسرے عالم کے یہاں (50/20)

- 947 (و) دربار یزد میں پہلی پیشی پر چند فطری اور ضروری باتیں نوٹ کریں
- 949 (ز) پہلی پیشی کے بعد قید خانہ میں بند کیا جانا؛ شاہی باغیوں کا ٹھکانا
- 950 (ح) قید نے الطحمرؑ کی صورتیں اور رنگ بدل دیا تو زمانہ قید کتنا ہونا چاہئے؟
- 951 (51/2) دربار یزد میں دوسری پیشی شاہی مسجد مجمع عام میں
- 953 (الف) شاہی مسجد میں امام چہارم کی طللی اور قومی و اموی سازش کا جواب
- 956 (ب) امام زین العابدین علیہ السلام کے خطبہ پر ایک مومنانہ نظر
- 959 (51/3) حرم یزد لعین میں رسول زاد یوں کی پہلی پیشی اور ایک نئی شہادت
- 963 (الف) اہل حرم کا یزد کی مستورات سے خطاب
- 964 (ب) حضرت شہر بانو پھر علما کی پریشانی کا باعث بن گئیں
- 964 (51/4) یزد کے دربار میں امام اور اہل حرم علیہم السلام کی دوسری اجتماعی پیشی
- 965 (الف) امام علیہ السلام سے لا جواب ہو کر قتل کا حکم دینا اور خود قتل سے بچنے کے لئے حکم واپس لینا
- 966 (ب) مندرجہ بالا آیت نے یزد کو کیوں مشتعل کیا۔ آیت پر دوسری نظر
- 967 (ج) پہلی اور امام کی تلاوت کردہ آیت پر ہماری گزارشات
- 969 (51/5) یزد کے دربار میں تیسری اجتماعی پیشی؛ یزد کے محل میں ماتم؛ یزد کی ندامت
- 971 (51/6) امام زین العابدین علیہ السلام تنہا دربار یزد میں، پھر حکم قتل اور عقیدہ جبر کی شکست
- 974 (51/7) اسیران اہل حرم علیہم السلام کی ایک اور اجتماعی پیشی طوق و زنجیر سے رہائی؟
- 975 (51/8) امام زین العابدینؑ کو دربار میں تنہا طوق و زنجیر اتار کر قریب بٹھانا
- 977 (51/9) اسیران الطحمرؑ کو قصر یزد میں بلا کر بیگمات یزد کا پرسہ اور ماتم حسینؑ
- 978 (51/10) یزد اور اس کا بیٹا دونوں بیٹھے ہیں؛ امام علیہ السلام کو بلایا جاتا ہے؛ قتل کی نئی کوشش
- 980 (51/11) امامؑ کو مسجد کی چار دیواری میں عارضی آزادی مگر نظر قید
- 983 (51/12) امام محمد باقر علیہ السلام کا خطبہ قدم بقدم لفظ بلفظ والد کی پیروی
- 983 (الف) آج دو امامؑ مسجد دمشق کی تطہیر کریں گے
- 987 (ب) علما و علما کی تحریک کے خلاف ہماری سرکشی
- 988 (51/13) امام علیہ السلام مجلس یزد میں تنہا اور شہنشاہ روم کا سفیر حسین علیہ السلام پر قربان
- 991 (الف) یزد و معاویہ کے پیروؤں کی شناخت اور یزد و معاویہ کا مذہب؟
- 992 (51/14) ایک اور اجلاس میں یزد کا مذہبی فیصلہ راس جالوت کا قتل
- 993 (51/15) یزد کے ایک دربار میں عیسائی جاٹلیق (پادری) کا قتل
- 994 (51/16) یزد کے اپنے محل میں مسلسل معجزات اور بھرے دربار میں یزد کے خلاف بیانات
- 996 (الف) چند ضروری گزارشات
- 996 (51/17) چھ سات ماہ بعد دارالموت سے بہتر قید خانہ میں تبدیلی
- 998 (الف) دوسرا قید خانہ جہاں عزا داری وغیرہ کی سہولت و آزادی حاصل تھی

حضرت سکینہ علیہا السلام کا انتقال؛ یزید کا زوال اور دمشق میں عزاداری

1001

1001 حضرت سکینہؓ سے تعارف، خواب اور انتقال (52/1)

1003 (الف) اس روایت کو سمجھنے کے لئے چند باتیں اور سن لینا ضروری ہیں

1004 (ب) علمائے اشعوری یا شعوری طور پر حضرت سکینہ علیہا السلام کو جوان العمر دکھایا ہے

1004 (ج) کیا تین سال کی بچی پردہ کرتی ہے؟ کیا تمام اہل حرمؓ باپردہ پیش کئے گئے تھے؟

1005 (د) مؤمنین اور حقیقی شیعہ اس روایت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

1005 (ہ) بین کرنے والی شہزادی کا نام جناب فاطمہؓ الاوسط عرف زینبؓ تھا

1006 (و) پیچھے پلٹ کر آپ بھی ناموں کی اصلاح کر لیں

1007 (ز) وہ خواب جو جناب زینبؓ یا ام کلثومؓ نے دیکھا اور سکینہؓ سے منسوب کیا گیا

1010 (ح) خواب دیکھنے والی خاتون عہد مرقومہؓ میں کم از کم تین چار سال کی ہونا لازم ہے

1011 (52/2) یزید کی قوت جو اب دے رہی ہے، حکومت و اقتدار کی بنیاد پل رہی ہے، ہند سے سنئے

1012 (52/3) دوسرے قید خانہ سے رہائی لیکن دمشق کے اندر اندر نظر بندی

1013 (الف) ہمیں بھی کچھ کہنا ہے

1016 (52/4) دربار عام میں سرداران افواج سے باز پرس اور کربلا کے قتل عام سے بریت کی کوشش

1019 (الف) اس روایت کے متعلق بھی چند باتیں نوٹ فرمائیں

1020 (52/5) اہلبیتؓ کی رہائی کے اسباب؛ آخری دربار عام پر نظر؛ عزاداری کی اجازت کا ملنا

1020 (الف) یزید نے اہلبیتؓ کو کیوں رہا کیا؟

1020 (ب) یزید کا دمشق سے افواج اور حکم قتل بھیجنا

1021 (ج) یزید کی قلبی کیفیات

1022 (د) قلعہ کے اندر دارالموت سے رہائی تک اہل حرمؓ کو رونے سے جبراً روکا جاتا رہا تھا

1022 (52/6) کیا روز عاشور سے رہائی تک کل بیس (20) دن قیدی رہے؟

1023 (الف) بیس صفر 61ھ کو اہل حرمؓ کو بلا آئے اور سر ہائے شہداء دفن کئے؟

1023 (52/7) بیس صفر 61ھ تک تو اہل حرمؓ علیہم السلام کو فہی میں تھے

1024 (52/8) سولہ ربیع الاول 61ھ کو اہلبیتؓ کو فہ سے دمشق پہنچے تھے

1024 (الف) کچھ زندان کو فہ کی باتیں اور تعارف اور طوق و زنجیر سے ہمارا رشتہ؟

1025 (ب) قید خانہ میں خبر رسانی کا ایک طریقہ؟ اہلبیتؓ کا سر بندلنا ہوا سامان

1026 (52/9) دمشق میں قید رہنے اور قیام کی مدت کے متعلق چند باتیں

1026 (الف) تاریخ و ماہ و سال بعد میں گھڑے گئے۔ فریب سازی

1026 (ب) حقیقت تک پہنچنے کی ایک ناکام کوشش

1027 (ج) سر ہائے شہداء کے لٹکائے جانے کی مدت سے اندازہ لگانا

1027 (52/10) تمام بیانات میں سمجھوتہ دمشق میں قید کی مدت پورا ایک سال تھی

1028	شام میں ایک سال قید کے بعد اہلبیت علیہم السلام کا کربلا سے ہو کر مدینہ پہنچنا	53
1028	اہل بیت علیہم السلام کی دمشق سے روانگی کی تیاریاں	(53/1)
1029	یزید کے بیانات بڑے دل نشین تھے مگر اہلبیت کی پسند شرط ہے؟	(الف)
1030	یزید کے متعلق اہلبیت کے احساسات اور جوابات	(ب)
1031	دمشق سے روانگی اور کربلا میں واپسی	(53/2)
1032	پانچ سو سواروں اور سینکڑوں خادماؤں کے جھرمٹ میں روانگی	(الف)
1033	کربلا سے مدینہ کا سفر اور شہدائے جدائی بڑا جگر خراش مرحلہ تھا	(ب)
1034	آخر اہلبیت علیہم السلام مدینہ کو روانہ ہو ہی گئے؛ خدمت گاروں کا سلوک قابل ستائش	(ج)
1035	قافلہ سالار کی اطاعت و خدمت پر اہلبیت کا احسان مند ہونا اور رخصت کرنا	(د)
1035	امام کا پیغام تعزیت اور اہل مدینہ میں حرم رسول کے پہنچنے کی اطلاع	(53/3)
1036	بشیر بن جذلم مدینہ میں اعلان کے لئے تعینات کیا گیا تھا	(الف)
1038	امام زین العابدین علیہ السلام کا مدینہ سے باہر اہل مدینہ سے خطاب جو دربار یزدتک پہنچا	(53/4)
1040	امام علیہ السلام اور اہل حرم کا مدینہ میں داخلہ اور مختلف حالات	(53/5)
1041	حضرت زینب کے شوہر کا جواب اور خاندانی خواتین کی بے قراریاں	(الف)
1042	شہدائے کربلا کی تعزیت اور پرستہ احاطہ تحریر و تقریر سے باہر ہے	(ب)
1043	ترجمہ روایات و تصدیقات برائے معلومات و تقویت مومنین و مومنات	54
1043	عبداللہ بن عمر کی سفارش سے امیر مختار کی رہائی اور مومنین کا انتظام	(54/1)
1046	عربی سازش ایک سر بستہ راز جو رفتہ رفتہ پھر چھپا دیا گیا	(54/2)
1046	عبداللہ بن عمر کو یزید بن معاویہ نے ایک قدیم وصیت دکھائی	(54/3)
1061	مجان محمد و آل محمد کی نجات یقینی اور قانونی حیثیت سے طے شدہ ہے	55

شجرہ طیبہ

حضرت آدم علیہ السلام

تا

امام حسین علیہ السلام

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مرکزِ انسانیت سے تعارف

1۔ علامہ اقبال کی نظر میں

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
آں امام عاشقان پور بتول
مئوی و فرعون و شبیر و یزید
بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است

معنی ذبحِ عظیم آمد پر
سروے آزادے زبستانِ رسول
این دو قوت از حیات آمد پدید
پس بنائے لا الہ گردیدہ است

2۔ حضرت معین الدین کی زبانی

شاہ ہست حسین بادشاہ ہست حسین
سرداد نہ داد دست در دست یزید

دین ہست حسین دیں پناہ ہست حسین
حقاً کہ بنائے لا الہ ہست حسین

یعنی:-

حسین ابن علیؑ

نوع انسان کا سرمایہ حیات ہیں

کتاب کا تعارف اور تمہید

(1) وہ عظیم المرتبہ انسان جس کی مدح و ثنا قرآن کریم کرے، نوع انسان کا وہ نمائندہ جس کے بچپن کی یہ قدر و منزلت کہ اللہ کا محبوب ترین رسول اور تمام صحابہ رسول نماز جماعت کو روک کر سجدہ میں رضامندی و خوشنودی کا انتظار کرنے پر مامور ہوں۔ جسکے ہاتھوں میں زمام کائنات کیسوئے رسول بنا کر پکڑا دی جائے۔ وہ مقبول بارگاہ خداوندی جس کیلئے جنت سے لباس آئے۔ جس کی زبان حرکت میں آئے تو تقدیر بدل جائے۔ لوح محفوظ پر دوبارہ قلم کاری کی جائے۔ جسکے مداحوں میں رسول ہوں، علی و بتول ہوں۔ جن کی خاک قدم کی برکات پر روایات ہوں۔ جن کے حالات پر لاکھوں صفحات ہوں ان کے لئے ہم کیا لکھیں؟ یہ سوال ہے جس کا جواب دینے کے بجائے ہم قارئین کرام کو بہلانے کیلئے وہ باتیں سنار ہے ہیں جو انہیں تیرہ سو سال سے معلوم ہیں۔

(2) امام حسین علیہ السلام اور ان کی بے مثل قربانی پر جہاں لاکھوں جانیں قربان ہوئیں وہیں کروڑوں انسان ان کے غم میں خون کے آنسو روتے رہے۔ سینکڑوں تحریکیں قدم ملا کر چلتی رہیں، ہزاروں ہاتھ، ہاتھ ملا کر ماتم کرتے رہے، تعزیے بنتے رہے، جلوس نکلتے رہے، زنجیریں اور تھکڑیاں کھنکتی رہیں، بیڑیاں ٹوٹی رہیں۔ سرتن سے، روح بدن سے، شوہر دلہن سے جدا ہوتے رہے، فدا ہوتے رہے، فداکاروں کے خون کا گارا بنتا رہا۔ دیواروں میں چنوائے جاتے رہے مگر حریت آگے بڑھتی رہی۔ مخالف حکومتیں فنا ہوتی رہیں، اقتدار و استبداد دم توڑتا رہا۔ ہر وہ مذہب اور کتب فکر مٹا چلا گیا جو حسینی تحریک کے مقابلہ میں آیا۔ ہر اس تصور حیات پر حملہ ہوا جس میں استحصال اور حریت انسانی پر پابندی لگانے کا شبہ تک ہوا۔ آج فلاح و بہبود پر جتنی انجمنیں، ادارے اور تحریکیں کام کر رہی ہیں، جتنی حکومتیں انسانیت کے فروغ کی دعویٰ داریں ہیں، خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ہوں، بامذہب ہوں یا لامذہب ہوں، خواہ ان میں مسٹر ہوں یا ملا جی ہوں، وہ سب حسینی تحریک کے قدم بقدم چل رہی ہیں اور روزانہ ان لوگوں سے خود کو پاک کر رہی ہیں جن میں حسینی مقاصد کے خلاف جذبات و تصورات کا پتہ چل جاتا ہے۔ انسانوں کی یہ تطہیر کبھی چار اوڑھا کر کی جاتی ہے تو کبھی چراغ بجھا کر کی جاتی ہے اور کبھی غداری اور مخالف حکومتوں سے سازش کا پتہ لگا کر کی جاتی ہے۔ نام میں خواہ محمد ہو یا لفظ نورانی ہو، علی کی آڑ لی گئی ہو یا ولی کا روپ دھار لیا ہو، حسینی تطہیر جاری ہے۔ حقائق ابھر کر انسانیت کو بلند کر رہے ہیں۔ ہم بھی جو کچھ کر سکتے ہیں وہ یہی تطہیر ہے۔

(3) واقعات کر بلا پر جس قدر لکھا گیا ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہی ہے۔ اس مقدار کے برابر کسی واقعہ پر نہیں لکھا جاسکا۔ ہم ان تمام حضرات کو خراج تحسین و آفرین پیش کرتے ہیں۔ جنہوں نے حسینی تحریک کا ریکارڈ مرتب کیا اور اپنی فرصت کے قیمتی لمحات امام کی تائید و نصرت میں صرف کئے اور انہیں بلا تفریق مذہب و ملت مبارکباد اور خوشخبری سناتے ہیں کہ نصرت امام حسین علیہ السلام ان کی نجات کی ضامن ہے۔ انہیں دوہری مبارکباد ملنا چاہئے کہ انہوں نے جس بگڑے ہوئے اور فریب خوردہ ماحول میں یہ خدمات انجام دیں وہ نہ چاہتا تھا کہ یہ تحریک جاری رہے۔

(4) ہمیں جو زمانہ ملا ہے وہ روشن خیالی کے دعویٰ کے باوجود ایک تقلیدی دور ہے۔ عوام تو عوام ہیں اس دور میں علما سے بھی جبراً تقلید

کرائی جا رہی ہے، یعنی جو کچھ لکھا جا چکا ہے بس اس کو حرفِ آخر سمجھئے۔ اس کے خلاف نہ زبان کھولنے نہ قلم اٹھائیے۔ قرآن کے ساتھ جو چاہے کیجئے لیکن نام نہاد سلف صالحین کی ہر حال میں تائید کیجئے، تصدیق کیجئے اور سر جھکا کر آواز دبا کر بات کیجئے ورنہ کفر کے فتوے کا انتظار کیجئے۔ آج نہیں تو کل یعنی سو سال تک کبھی نہ کبھی ہمارے سامنے سر جھکا نا پڑیگا اور کفر کا کولھو چلانا پڑے گا اور ہمارے قابو میں آنا پڑے گا۔

(5) ہم حسینیٰ تحریک کے ممبر ہیں سر جھکانے سے سر کشادینا بہتر سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہم نہ صرف تقلید کے خلاف بولیں گے بلکہ حسین اور خانوادہٴ حسین علیہم السلام اور ان کی تحریک کے سلسلے میں جو لکھا گیا ہے اس کی باقاعدہ تطہیر کریں گے۔ وہ تمام پردے اٹھا دیں گے جن کے پیچھے چھپے ہوئے حقائق اگر سامنے ہوتے تو اہل قلم اسباب و نتائج کو دوسرے انداز میں ترتیب دیتے۔ وہ تمام چہرے بے نقاب کر دیں گے جن کو پہچان لیا ہوتا تو انہیں اس خانوادے کے حامیوں، طرفداروں اور اقربا کی فہرست میں شمار نہ کیا گیا ہوتا۔ ہم گورکن کو ہلا کر وہ گڑے مُردے اُکھاڑیں گے اور اُن سے ایسے بیان قلمبند کریں گے جن سے یہ معلوم ہوگا کہ خاندان بنی اُمیہ تنہا مجرم نہیں ہے۔ خاندان بنی اُمیہ بھی ایک پردہ ہے۔ بہت موٹا، بہت چتھا ہوا، ایک تاریخی یا قومی پردہ جس کے پیچھے کچھ اور روچیں بھی برسرا ہیں۔ حسین اور خانوادہٴ حسین علیہم السلام نے اہلبیسی تاریخ کے منہ پر کئی طمانچے ایسے رسید کئے ہیں کہ جن کے نشان قیامت تک مٹ نہیں سکتے۔ مگر تاریخ کا منہ گھما کر دیکھئے، آپ کو پتہ نہیں وہ آپ کے سامنے وہ رخ ہی نہیں کرتی۔ تاریخ کو دھوکہ دیکو، بہلا کر، کسی طرح اُس کا دوسرا گال، دوسرا رخ دیکھئے تو آپ کو پانچوں اُنکلیوں کے اُبھرے ہوئے نشان ملیں گے۔ مگر افسوس کہ آپ تو خود دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ماہرین کی سیاسی دقیقہ رسی اور حالات کی مشرکانہ یا مشترکہ ترتیب واقعات کا فریب کارانہ تطابق (Circumstantial Evidence) بڑے بڑے محققین کو غلط فہمی میں مبتلا کرتا رہا ہے۔ بعض باطل مفروضے مسلمات کی صورت اختیار کر کے زبان زدِ خلاق ہو گئے ہیں۔ جن کی بنا پر بڑے بڑے مُفتش غلط نتائج اور باطل اسباب ترتیب دینے پر مجبور ہوئے ہیں۔

ہم قرآن کریم اور نہج البلاغہ اور اُس کے اہل خاندان کے طالب علم ہیں۔ اسلئے مشرکین عرب کے مزاج شناس اور اُن کے منصوبوں پر مطلع ہیں۔ لہذا ہم اُن کی ترتیب کو تاریخ سے الگ کر کے اُس کا پورا چہرہ دکھائیں گے۔ اس کے تمام بل نکال دیں گے اور ضرورت پڑے گی تو تاریخ کو سر کے بل اُلٹا کھڑا کر دیں گے۔ اُس کی جامہ تلاشی اُسی طرح لیں گے جیسے آج سونا اسمگل کرنے والوں کی تلاشی لی جاتی ہے۔ ہمیں مجتہدین ہی کو نہیں بلکہ تاریخ کو بھی جلاب دینے کا نسخہ معلوم ہے۔ ہم اُن کے پیٹ میں پوشیدہ سامان اگلو کر دیکھیں گے۔ لہذا ہم یہی کچھ کر سکتے ہیں کہ جو حقائق ہمارے بزرگ علما سے پوشیدہ رہ گئے یا جو بعض قومی وجوہ کی بنا پر نظر انداز کر دئے گئے یا ادھورے اور غلط لکھ دئے گئے۔ اُن کی تفصیل میں جائیں اور علامہ شبلی و علامہ ابن خلدون سے بہتر طرز استدلال اختیار کریں۔ یہاں ایک غیر متعلق بات سنئے، حالات و واقعات سے جب یہ یقین ہو گیا کہ خارجی فرقے کے لوگ جھوٹ نہیں بولتے تو محدثین نے ان کی بیان کردہ روایات کو دھڑا دھڑا اپنی کتب حدیث میں جگہ دینا شروع کی اور ہزاروں روایات حدیث کے نام پر اپنی کتابوں صحاح ستہ وغیرہ میں جمع کر دیں۔ اس سے یہ اصول بن گیا کہ مستقل عادت و کردار جب ثابت ہو جائے تو اس کے خلاف کچھ نہ سنا جائیگا۔ لہذا ہم اس نفسیاتی اصول کو بھی اقوام و نسل و خاندان و افراد کے لئے استعمال کریں گے اور وہ تمام سازش ٹھکرا دیں گے جو اس سلسلے میں کی گئی

ہے۔ لیکن ہر صورت میں حق و انصاف سے وابستہ رہیں گے۔

(6) یہاں ایک اور غیر متعلق بات کہنا ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے میں ان احباب کو زیادہ لطف و یقین فراہم ہوگا جو ہماری دیگر تصنیفات پڑھ چکے ہیں۔ خصوصاً 1۔ مذہب شیعہ، ایک قدیم تحریک وہمہ گیر قوت 2۔ اسلام اور علمائے اسلام 3۔ اسلام اور جنسی تعلقات۔ وجہ یہ ہے کہ ان کتابوں میں عرب کے مشرکانہ منصوبوں اور انتظامات کی پول کھولی گئی ہے۔ جس کو ہر کتاب میں دہرانا طوالت اور بوریت کا سبب ہو سکتا ہے۔ یہاں (ہماری کتاب) مذہب شیعہ کا ایک پیرا گراف سن لیں جس سے ہماری فکر اور مندرجہ بالا تاریخی آپریشن پر روشنی پڑے گی۔

(7)۔ اہل انصاف سے اپیل اور دشمنانِ حق کو چیلنج

”قارئین سے درخواست ہے کہ وہ سوچیں اور اپنے ماحول میں سوچنے کی اپیل کریں اور ہمیں بتائیں کہ کیا آپ مندرجہ بالا اصولوں اور طرزِ عمل کو پسند نہیں کرتے؟ اور کیا ان میں سے کوئی ایک اصول یا ایک بات بھی اسلام کے خلاف ہے؟ لیکن دشمنانِ اسلام نے جس مذہب کو اسلام کہہ کر دنیا میں جبر و طاقت سے پھیلانے کی کوشش کی ہے، اس میں ہر قدم پر ترجیحات ہیں، جانبداری ہے، جبر و تشدد ہے، اپنے مخالفوں کیلئے رحم و کرم و رعایت کا فقدان ہے، مخالفوں سے ہر فریب و بدعہدی جائز ہے۔ جو اعمال یہ لوگ دن رات صدیوں سے کرتے چلے آئے ہیں، اسی قسم کے اعمال اگر مخالف کر لیں تو کہیں مجددی شور اور واویلا ہوتا ہے اور کہیں کوئی محی الدین چیخنے چلانے لگتا ہے۔ روزِ اوّل سے اُن میں یہ احساس موجود تھا کہ ہمارے اعمال تاریخ کے آئینہ میں نہ دیکھے جاسکیں گے۔ اُن کے راہنما اپنی دُم کے پیچھے جھاڑ اور ٹریکٹر (Tractor) باندھ کر ظلم و جبر کی راہ پر چلے تاکہ اُنکے پاؤں کے غلط نشان مٹتے چلے جائیں۔ اپنے مؤرخین کو قصیدہ خوانی اور حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرنے کیلئے، پشت کی طرف منہ گھما کر بٹھادیا تاکہ وہ ماضی پر نظر جمائے اور زمانہ حال کو اُن کی منشا کے مطابق ڈھالتے، پچھلے پاؤں ہٹتے چلے آئیں۔ آگے آگے قتل عام ہوتا رہا، پیچھے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ اور انصاف پروری کے نقشے بنتے رہے۔ آلِ رسول کو تہ تیغ کر دیا جائے لیکن مؤرخین باغیوں اور بے دینی کے جدول بناتے رہیں۔ اگر تحریک تَشَفُّع نے اُن کا محاصرہ نہ رکھا ہوتا تو آج تاریخ میں صرف مقدس افسانے ہوتے۔ مگر اس تحریک نے اس منافق محاذ میں پھوٹ ڈال دی، اُن پر تحریک کا چھو منتر پڑھ دیا، اُنکے حواس گم کر دیئے، جو چیز ایک نے چھپائی دوسرے نے ظاہر کر دی۔ علما کو علما سے لڑا دیا، مؤرخین، مؤرخین سے دست و گریبان کر دیئے گئے۔ حکومتوں کو حکومتوں کے سامنے تیغ بکف لاکر کھڑا کر دیا اور یوں اُنکے دل میں پوشیدہ کفر اُبل اُبل کر سامنے آنے لگا۔ غور فرمائیں کہ رسول اللہ نے وہ نسخہ بتانا چاہا جس میں یہ ذمہ داری لے رہے تھے کہ اگر تم نے قرآن و اہل بیت سے تمسک رکھا تو پوری اُمت ہر گز گمراہ نہ ہوگی تو دانشورانِ قوم نے کہہ دیا کہ رسول قرآن کو چھوڑ دے رہا ہے۔ ہم قرآن کے مطابق خود عمل کر لیں گے۔ یعنی قولِ رسول کی ہمیں ضرورت نہیں۔ اسی اصول کی خلاف ورزی کرنے والے صحابہ کو دُڑوں سے پیٹا گیا۔ صحابہ کے منہ بند رکھنے کیلئے انہیں مدینہ میں نظر بند رکھا گیا اور اطمینان کر لیا گیا کہ حدیثِ رسول گم ہو کر رہ جائے گی۔ جن صحابہ نے حدیثِ رسول کا ذخیرہ رسول اللہ کے زمانہ میں لکھ کر جمع کیا تھا اُن میں سے بعض نے اعلانیہ اور بطور نمونہ اپنی اپنی کتابوں کو پھاڑ دیا اور مدت دراز تک کہا جاتا رہا کہ قرآن کی

موجودگی میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ آخر حالات نے اُن کے منہ سے اقرار کرالیا اور برسرِ منبر اعلان کرنے پر مجبور کیا کہ وہ قرآن کو مدینہ کی بوڑھی عورتوں سے بھی کم جانتے ہیں (اور یہ بھی کہ قرآن تو جمع شدہ صورت میں موجود ہے ہی نہیں، اس کو جمع کرنے کیلئے کمیشن مقرر کیا جائے)۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ اب اعلانیہ حکومت کی سطح پر اور حکومت کے آرڈیننس کے ماتحت تازہ بہ تازہ احادیث تیار کرنے کا حکم جاری ہوا اور آنے والے ادوار میں تین چار سو سال تک جاری رہا۔ یہ بھی سوچئے کہ مخالف محاذ کی ہم مذہب حکومتیں جب ایک دوسرے کے مقابلہ پر آئیں تو دونوں فریق نے ایک ہی مذہب کے ممبر اور پیرو ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو کافر و ملحد قرار دیا۔ جناب خلیفہ ششم حضرت یزید اور انکی فوج و رعایا نے باغی خلیفہ عبداللہ ابن زبیر کو ملحد کافر اور بدعتی قرار دیا اور جناب خلیفہ ششم ثانی عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور اُن کی فوج کے نزدیک یزید، اُس کی فوج اور رعایا کافر و ملحد و بدعتی تھے۔ خلیفہ معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ چہارم حضرت علیؑ اور اُن کے پورے خاندان پر لعنت کرنا دینی فریضہ خیال کرتے ہیں اور ایک صدی تک آنے والے تمام مسلمانوں نے منبروں سے علیؑ و اولاد علیؑ پر لعنت جاری رکھی۔ مگر ذرا تلاش کیجئے کہ کہیں جناب علیؑ مرتضیٰ اور اُن کے جانشین آئمہ علیہم السلام نے بھی کبھی کہیں صرف اپنی مخالفت کی بنا پر اُن میں سے کسی خلیفہ کو، کسی خلیفہ کی فوج اور رعایا کو کافر کہا؟ اُن پر لعنت بھیجی؟ لعنت کی رسم جاری کی؟ آپ تلاش کے بعد بھی مایوس ہوں گے۔ بصرہ میں عورتیں اُن کو اُن کے سامنے گالیاں دے رہی ہیں۔ آپ خاموشی سے سنتے گزرتے چلے جا رہے ہیں۔ کسی صحابی نے عورتوں کو جواب دینا چاہا تو ڈانٹ کر کہا کہ خبردار یہ مسلمان خواتین ہیں۔ اُن کا اکرام ضروری ہے۔ ہم تو رسول اللہ کے زمانہ میں کافر عورتوں کی بھی عزت کرتے تھے۔ خلیفہ معاویہ نے علیؑ کے لشکر پر پانی بند کیا۔ جب لڑکر دریا چھین لیا تو معاویہ کی فوج پر علیؑ نے پانی بند نہیں کیا۔ مخالف خلفائے کبھی بھی فتح یاب ہونے کے بعد مخالف فوج کو خواہ وہ مسلم تھی یا غیر مسلم لوٹے بغیر نہ چھوڑا۔ اور اس لوٹ کو ہر حال میں مالِ غنیمت قرار دیا اور جو کچھ کیا وہ سب سامنے آچکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ علیؑ و آل علیؑ نے بھی کبھی کسی کے ساتھ زیادتی کی؟ کسی کا حق چھینا؟ نام بتائیے! دس سال کی تلاش کے بعد بتائیے؟ ایسے مظلوم لوگ جو اپنے قاتلوں کو دُعائیں دیں شربت پلائیں (اُن پر لعنت کرنے والے یقیناً ملعون ہیں)۔ تیرہ سو سال گزر چکے شیعوں کے لئے کلمہ خیر نکالتے ہوئے آج تک ملا حضرات کی کثرت کو بخار چڑھتا ہے۔ اس صبر و تحمل کا مظاہرہ، قوت و حکومت کی موجودگی میں بھی پیروانِ علیؑ و آل علیؑ ہی کرتے رہے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ اگر ہندوؤں کی حکومت ہو اور آپ بھی وہاں آباد ہوں۔ آپ کو اذان دینے کی اجازت نہ ملے، نماز پڑھتا دیکھ کر آپ کو قتل کر دیا جائے، جاسوس کی اطلاع پر آپ کی گردن اڑادی جائے، مسلمان ہونے کی بنا پر آپ کا گھر لوٹ لیا جائے، آپ کے بچوں کو فروخت کر دیا جائے، عورتوں پر جبراً تصرف کر لیا جائے تو بتائیے کہ کیا یہ ظلم نہیں ہے؟ اگر یہ سب کچھ آپ کو ناپسند ہے؟ اگر یہ ظلم ہے؟ تو پھر آپ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھئے اور خدا کیلئے آج تو اقرار جرم کر لیجئے، کبھی تو حق بات کہہ لیجئے۔“ (مذہب شیعہ، ایک قدیم تحریک وہمہ گیر قوت۔ صفحہ 343)

(8) کتاب ”مذہب شیعہ“ کا یہ اقتباس مشرکانہ تاریخی انتظام پر سرسری اور مختصر سا جائزہ ہے۔ اس میں اُس تحریف کا تذکرہ نہیں ہے جو نزول قرآن کے ساتھ ساتھ جاری رہی اور قرآن کریم کے بیان کے مطابق حیاتِ رسولؐ ہی میں مشرکین عرب نے قرآن کو قرآن ہی کے ذریعہ سے بے دخل کر دیا تھا۔ یہ بڑے دلچسپ حیرت انگیز اور حقیقت ساز عنوانات ہیں۔ جو شخص ہماری اس گفتگو سے واقف نہیں ہے

وہ ہمیشہ مذکورہ بالا مغالطوں میں مبتلا رہتا چلا جائیگا اور حقیقت سے کبھی دو چار نہ ہوگا۔ یہ ایسے کامیاب فریب ساز مجتہد گروہ کے تیار کئے ہوئے مغالطے ہیں جنکو ایلینس کی پوری بصیرت، توانائی اور نصرت حاصل تھی۔ یہ وہ دانشور تھے جنکے مقابلہ میں اللہ ہی خیر الما کرین ہے۔ یعنی اُنکی چالوں سے انسان اس وقت تک محفوظ نہیں ہو سکتا جب تک اللہ مددگار نہ ہو۔ اب سوچئے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور اُنکا خانوادہ (سلام اللہ علیہم) کس قدر قوت قدسیہ کا حامل تھا کہ ایسے ہمہ گیر انتظام کے باوجود ساری دُنیا سے اپنا کلمہ پڑھوانے میں کامیاب ہوا۔ دُنیا میں اپنی ہمدردی، محبت، حق پرستی اور پیروی گھر گھر پہنچا دی۔ اپنے مخالفوں کو بلا کسی ظلم و استبداد کے دُنیا سے مٹا دیا۔ اپنے اثر سے ایسے انسان پیدا کئے جو موت سے پیار کرنے لگے۔ اُنکا دردناک قصہ سن کر اپنے محبوب جسم کا خون اور گوشت کا قیمہ چھڑکنے لگے۔ جنکے خیال سے حکومتوں کے محلات میں زلزلہ آجاتا تھا۔ محفوظ خوابگا ہوں میں شاہانِ وقت خوف سے بیدار رہتے تھے۔ خوابوں میں ڈر کر مسہری سے نیچے گر پڑتے تھے۔

(9) آج دُنیا میں تمام خود ساختہ مذاہب نے، اُن کی عبادات و رسومات نے دم توڑ دیا ہے۔ مذہبی ٹھیکیداران دن رات اپنے اپنے حلقوں میں مذہب کی طرف سے سردمہری اور لاپرواہی کا شکوہ کر رہے ہیں۔ اُن کے اخبارات و مذہبی جرائد اور کتابیں اس حقیقت کا اعلان کرنے میں مصروف ہیں کہ تمام نوجوان طبقہ مذہب سے باغی ہو گیا ہے۔ عبادت سے متنفر ہے، مولوی، پنڈت اور پادری کے نام سے چڑتا ہے، لہو و لعب کی محفلوں کو پسند کرتا ہے، مسجدوں، مندرروں اور گرجا سے دور دور رہتا ہے۔ بعض بڑے علما اپنی اپنی حکومتوں کے خلاف مذہب کے نام پر ملی جلی سیاسی و مذہبی مہم چلانے میں مصروف ہیں۔ تاکہ اپنی اپنی حکومت کو عیسائی، ہندو یا مسلمان بنالیں۔ حالانکہ وہ حکومتیں پہلے ہی اپنے منشور و دستور اور نام کی رُو سے مسلمان، عیسائی یا ہندو ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حکومت مولویانہ طرز حکومت اختیار کرے، اُن کے دباؤ سے کفر سازی کرے، مخالفین کو بے دست و پا کرے، اُن کی زبان بندی کرے، انہیں ارتداد کے جرم میں قتل کرے، پھانسیاں دے، جیلوں کو بھر دے۔ اور اس طرح مذہب کی مُردہ لاش میں پھونک بھر کر اُسے ایوانِ مذہب کی بلندی پر کھڑا کر دے کہ لوگ احترام مذہب کرنے لگیں۔ بہر حال ہر دیکھنے والی آنکھ اور ہر غور کرنے والا دماغ علاماؤں اور مجتہدین کے مذہب کو بے نتیجہ اور نوع انسان کے لئے ایک زہر قاتل اور موت کی نیند سلا دینے والی ایفون سمجھ رہا ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ وہ دیکھ رہے ہیں کہ نوجوانوں اور طلباء کا وہ طبقہ جسے مولانا مردود قرار دے چکے جو مساجد سے بھاگتا ہے وہی طبقہ روزمرہ امام باڑوں کی رونق بنتا جا رہا ہے۔ محرم میں آج تین ماہ باقی ہیں۔ لیکن نوجوانوں میں محرم کی تیاریاں شروع ہو گئی ہیں۔ ماتم کرنے کے لئے زنجیروں اور چھریوں کے آرڈر لوہاروں کو ملنے لگے ہیں۔ کشیدہ کاری کے اداروں اور دکانوں پر مرصع کاری کے لئے علموں کے پٹکے اور ڈیزائن مشینوں میں چڑھے ہوئے ہیں۔ ہر گھر میں عزاداری کے لئے روپیہ پس انداز کرنے پر بحثیں ہو رہی ہیں۔ مختصر آئیہ کہ وہ لوگ جنہیں بد مذہب اور باغی جوان قرار دیا جاتا ہے، عزاداری اور ماتم امام حسین علیہ السلام کی تیاری میں مصروف ہیں۔ وہ نوجوان جو بال بڑھانے پر مُصر تھے جو والد کا حکم نہ مانتے تھے، بالوں پر اعتراض سن کر دست و گریبان ہو جاتے تھے، جنہیں اپنے بال دُنیا کی ہر چیز سے پیارے تھے، وہ پنچائیں کر رہے ہیں کہ محرم میں سر کے بال منڈے ہوئے ہونا چاہئیں یا نہیں؟ معلوم ہے کیوں؟ اس لئے کہ سر پر چھری کا ماتم بالوں کے الجھاؤ وغیرہ سے آزاد رہے۔ ہے کوئی

مولوی صاحب یا حجة الله؟ جو اللہ و رسولؐ یا کسی اور عزیز ترین چیز کے لئے سر تو سر ہے اپنی ران میں چھری مار کر ان کے نام پر خون دینے کو تیار ہو؟ لاحول پڑھے اور ان سے کہئے کہ تم اور تمہارا مذہبی ڈھونگ اب ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے کہ نوجوانوں یا کسی اور نے مذہب کو چھوڑ دیا ہے۔ انہوں نے جس چیز کو چھوڑا ہے وہ مولوی، مجتہد، پنڈت اور پادری کا خود ساختہ مذہب ہے۔ لیکن اسلام جسے تمام انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا اُس پر آج بھی جانیں قربان کی جا رہی ہیں۔ یہ حسینؑ کی عظمت ہے جس نے اسلام کو درد بنا کر دلوں میں بسا دیا۔ حُسن بنا کر نظروں میں سمو دیا، بصیرت کی شکل دے کر دماغوں کو آباد کر دیا، محبت بنا کر ہر دل عزیز کر دیا۔ وہ تمام عبادتیں، ریاضتیں، رسومات نظروں سے گرتی چلی گئیں جن کو حسینیتؑ اور حسینؑ مقاصد کو ختم کرنے کے لئے بطور حربہ استعمال کیا گیا تھا۔ نماز یعنی حقیقی نماز وہی تو ہے جسے درمیان میں، سجدے میں اس لئے روک دیا گیا تھا کہ حسینؑ، پیش نماز یعنی رحمۃ للعالمینؐ، سرور کائناتؐ، ختم الرسلؐ، اپنے نانا کی پشت پر سوار ہو گئے تھے اور انہیں اُتار کر نماز جاری رکھے جانے کو اللہ نے پسند نہ کیا۔ وحی اُتری یعنی جبریلؑ امین فضاؤں کو تہہ و بالا کرتے ہوئے زمین پر اُترے اور غالباً خود سجدہ کر کے رسول اللہ کے کان میں کہہ دیا کہ حضرت حرکت نہ کریں یہاں تک کہ حسینؑ اپنی مرضی سے اُتر جائیں۔ بتائیے اور سمجھ کر بتائیے کہ حقیقی نماز کو جس کے لئے روک دیا گیا، اس کے مشن کو روکنے کے لئے ملاؤں اور مجتہدوں کی اپنی تبدیل کردہ نماز کہاں ٹھہرتی؟ جس نے آگے چل کر بنیاد اسلام کا لقب لینا تھا۔ جس نے سجدہ میں طول دے کر سر کو کٹنا تھا۔ جس نے سجدہ میں گنہگار انسانوں کے لئے اپنی دعاؤں کو اپنے خون سے رنگین کرنا تھا۔ اُس کے خلاف دین کی، حقیقی دین کی کس بات میں اثر رہ سکتا تھا۔ لہذا نماز سے نفرت قدرتی تھی اس کا سبب مولوی صاحب خود ہیں۔ حسینؑ سے معافی مانگیں، باہر نکلیں ماتم کریں، جلوس اور عزاداری کی تائید کر کے نماز پڑھیں۔ پھر دیکھیں نماز میں جان ہے یا نہیں۔ رسولؐ کا دیا ہوا کوئی سامان رسولؐ ہی کے خلاف استعمال کرنا تو اختیار کے اندر ہے مگر اس میں اثر برقرار رکھنا اختیار میں نہیں ہے۔ اسی لئے نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ مسلمانوں کی دشمن ہو گئیں۔ جو جتنا زیادہ پابند ہے اتنی ہی اس کے خلاف مصیبت آتی ہے اور جو جتنا دُور رہتا ہے وہ اُسی تناسب سے قہر و غضب خداوندی سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ تاریخی اور روزمرہ مشاہدہ سے ثابت حقیقت ہے کہ مجتہدین نے چونکہ اپنے خود ساختہ تصور حیات کا نام اسلام رکھ لیا تھا۔ اور طاقت و قوت سے اُسے اسلام کہہ کر نافذ کرنے میں کوشاں رہے تھے تو اس کی سزا یہ ملی کہ اُس مصنوعی اور خانہ ساز اسلام کے خلاف چاروں طرف محاذ قائم ہو گئے اور ہر محاذ پر مولوی کے اسلام کو شکست و ریخت کا سامنا کرنا پڑا اور رفتہ رفتہ دنیا میں اس نام سے بھی نفرت پیدا ہو گئی۔ چاروں طرف سے اللہ اور انسانوں نے اُس باطل مذہب کے پیروؤں کو گھیر لیا۔ آج دنیا میں ساری اقوام کے مقابلہ میں اُن کو پس ماندہ لوگ یا حد سے حد غیر مسلموں کی امداد سے ترقی کر سکنے کے قابل لوگ قرار دیا گیا ہے۔ گیارہویں صدی کے ساتھ گھن کا پس جانا مشہور ہے۔ عذاب، انصاف و عدل کی ترازو ہمراہ لے کر نہیں آتا جو سامنے آئے رگڑ دیا جاتا ہے۔ یہ جو کچھ ذرا ورا سی عزت باقی ہے محض حسینؑ اور عزاداری حسینؑ کے صدقہ میں باقی ہے۔ اور سُن لو مانویانہ مانو کہ عزاداری حسینؑ ہی وہ وسیلہ ہے جسکے واسطے دنیا کی اقوام متحدہ ہو سکتی ہیں اور ہو کر رہیں گی۔ جس کی وجہ سے حقیقی اسلام دوبارہ دلوں میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر تمام دنیا میں ہر قوم، دُور دراز بعید ترین مقامات پر متفق و متحد ہے۔ جنگلوں، بیابانوں اور وحشیوں میں بھی عزاداری اسلامی شعور پیدا کرنے میں مصروف ہے۔ یہی

وہ روح ہے جس کے باہر نکل آنے سے مذہب ایک لاش بن کر رہ گیا۔ اور اس کے تمام اعضاء و جوارح گل سڑ کر ناقص ہو گئے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ اسلام دوبارہ تمہیں اس دنیا میں سرفراز کرے تو بلا پس و پیش اپنے شرک و کفر کے فتاویٰ کو شیطان کے حوالے کر کے بارگاہِ حسینیؑ میں وہ سجدہ کیجئے جو ابلیس کو بہت ناپسند ہے۔ اور سنئے آپ کی نمازوں کی پوزیشن یہ ہے کہ اگر روزمرہ بلا ناغہ مولوی صاحب تمام قسم کی نمازیں پڑھیں جن کی کل رکعات اُنکے حساب سے چونتیس اور پینتیس ہوتی ہے۔ اُن کو بڑھا کر چالیس رکعات کر لیں اور ہر رکعت کو ڈیڑھ منٹ دے دیں تو روزانہ ایک گھنٹہ میں یہ کام ہو جاتا ہے۔ سال بھر میں تین سو ساٹھ گھنٹے اور کل پندرہ (15) روز بنتے ہیں۔ آدھا گھنٹہ روزانہ نماز تہجد کو شامل کر لیں تو سال بھر میں کل بائیس تیس روز گویا مولوی صاحب اللہ کے لئے صرف کر کے، گیارہ ماہ اور آٹھ دن دُنیا میں صرف کرتے ہیں۔ اُن سے کہہ دو کہ عزادارانِ حسین علیہ السلام یہ کام بھی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ سیروں خون اور ہر آدمی سینکڑوں روپے اور چھٹانوں آنسو اور دو ماہ آٹھ روز دن رات بھوکے پیاسے گرد و غبار میں اُلٹے ہوئے صرف کرتے ہیں۔ ہر تیسرے چوتھے دن شب بیداریاں رات بھر سینہ زنی کرتے ہیں۔ قومی حیثیت سے ہر سال کئی کروڑ روپیہ، کئی من خون اور کئی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر بیماروں کے علاج کو ملاتی کر کے فروغِ حسینیت پر لگا دیتے ہیں۔ اور اگر دیگر آئمہؑ اور اُن کے بزرگوں کو شامل کر لیں تو اُن کے غم و مسرت کے اظہار و اعلان پر اُن کے انتقال اور ولادت پر ہر سال اتنا سرمایہ خرچ کر دیتے ہیں کہ مخالفین کی طرف سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر یا اسلام کے دوسرے تہواروں اور شعائر پر ایک سو سال میں بھی خرچ نہیں کیا جاتا ہے۔ کوئی ہے جو حسابِ نبوی کو تیار ہو اور حق قبول کرنے کی جرأت کرے؟ اس سلسلے کی آخری بات یہ ہے کہ جس طرح ایک گھڑی (Watch) کی مضبوطی اور پائیداری کے لئے ضروری ہے کہ وہ واٹر پروف ہو، شاک پروف ہو، میگنٹ پروف ہو اور خود بخود چابی والی یعنی آٹومیٹک ہو۔ اُسی طرح ایک مجتہد کی بلندی و بزرگی کی شناخت اور صفت یہ ہے کہ وہ حق پروف ہو، عقل پروف ہو، وفا پروف ہو اور خود بخود آٹومیٹک طریقے پر دین تیار کرتا چلا جائے نہ خدا سے حاصل کرے نہ قرآن و رسولؐ سے واسطہ رکھے۔

(10) وہ مسلمات جن پر ہم تنقید کریں گے مدت دراز سے فریقین نے تسلیم کئے ہوئے ہیں اور ہم اُن سب کو اُنکے ہاتھوں غلط ثابت کریں گے۔ (i) سب سے پہلے اُس شجرہ پر بات ہوگی جو آنحضرتؐ کے مقدس بزرگوں کا ہے۔ اس میں وہ لوگ الگ کر دئے جائیں گے

جن کو عرب کے بھانڈوں یا عربی زبان میں نسابوں کی آڑ میں داخل کر دیا گیا تھا۔ پھر لفظ قریش پر بات ہوگی اور بتایا جائے گا کہ قریش کون ہے اور کون نہیں ہے۔ پھر مختصر طور پر رسولؐ اور قرآن کا مشن سامنے لایا جائیگا۔ تاکہ اُس روشنی میں حسینؑ اور مخالف گروہ کے خد و خال اُبھر کر سامنے آئیں۔ اس سے فراغت کے بعد امام حسین علیہ السلام کے قبل کا زمانہ، حکومتیں اور اُن کے مختصر حالات و مقاصد پر سے گزرنا ہو گا۔ تب جا کر کہیں امام کی مدینے سے روانگی، سفر، منزلیں اور کربلا کی خونی داستان سامنے آئیگی اور اس قربانی کے بعد خاندانِ رسولؐ کی گرفتاری، سفر اور دربارِ ابنِ زیاد اور دربارِ خلیفہ میں حاضری، قید اور رہائی۔ پھر سفر اور مدینہ میں واپسی پر شاید کتاب ختم ہو جائے ورنہ دو قدم اور آگے کو بڑھنا ہوگا اور قاتلانِ حسین سے انتقام اور بیزیدی حکومت کے خاتمہ تک چلنا پڑیگا اور یہاں تک یہ ثابت ہو جائیگا کہ قرآن کی جگہ ایک اور گھریلو کتاب تیار کر لی گئی مگر سامنے اسی قرآن کو رکھا۔

(ii) رسول کی عظمت و حقیقت کو گرد آلود کر کے ایک دوسرا نبی تیار کیا گیا جو جماعت شوریٰ کا ایک فرد تھا اور جس پر عربی بصیرت کے ماتحت رہنا لازم تھا۔ مگر نام وہی محمد مصطفیٰ، سرور کائنات وغیرہ القاب کے ساتھ رہنے دیا اور اُسی طرح لفظ اسلام کو برقرار رکھ کر ایک نیا جمہور پسند اسلام تیار کر لیا گیا۔ خانوادہ رسول کو پہلے اُن کے بلند مقام سے نیچے اتار کر رعایا کے عام آدمیوں کے برابر لایا گیا۔ پھر اُن کے خلاف بغاوت و فتنہ و فساد پھیلانے کے ثبوت تیار کئے گئے اور آخر انہیں باغی قرار دے کر اُس خاندان کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔

(11) قارئین کو یہیں یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ مندرجہ بالا گفتگو میں گرمی محفل اور زبان کے چٹخارے بمشکل جگہ پا سکتے ہیں۔ یہ ایک ٹھوس حقیقت کی حامل کتاب ہوگی، نہ ناول ہوگا نہ افسانوی لذت۔ ایک ریکارڈ ہوگا جو نہ صرف شیعوں کو ملحوظ رکھے گا بلکہ تمام انسان ملحوظ رکھے جائیں گے۔ جس طرح حسینؑ اور حسنینؑ تمام نوع انسانی کو دعوتِ فکر و ارتقاء دیتے ہیں اسی طرح یہ کتاب بین الاقوامی حیثیت رکھے گی۔ لہذا جو صاحبان محض واقعہ کربلا دیکھنا چاہیں وہ ابوابِ پلٹ کر مطلوبہ جگہ پڑھ لیں۔ جو تحقیق کرنا چاہیں وہ ہر بحث اور گفتگو میں سے گزریں، غور کریں، تنقید کر کے تائید یا تردید کریں۔

(12) اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ ہم موجودہ تاریخ کے اُن مسلمات کو بلا بحث و تنقید اختیار کر لیں گے جن سے اسلام کے اصول اور محمدؐ و آل محمدؑ کی تنقیص نہ ہوتی ہو اور جو مخالف محاذ کی مخالفت کرتے ہوں۔ مثلاً تاریخ و حدیث کی تیاری سب سے پہلے حضرت معاویہ نے اپنے حکم سے شروع کرائی۔ ہم اُسے بلا دلیل تسلیم کر لیں گے۔ اس لئے کہ اُس تاریخ میں ہر وہ بات ناقابل قبول ہوگی جو حکومت کے حق میں ہو اور ہر وہ حقیقت بصد شوق قابل قبول ہوگی جو حکومت کے خلاف ہو اور حکومت کے خلاف محاذ کے حق میں ہو۔ یعنی ہم عدالت کی طرح چور یا قاتل کی بات اس کے خلاف تو بلا گواہی قبول کرتے جائیں گے۔ لیکن چور اور چوری اور قاتل و قاتل کے حق میں ہر بات پر ایسی شہادت اور دلیل طلب کریں گے جو چور یا قاتل یا اُن کے طرف دار پیشہ وروں کے مخالفین دیں، چور و قاتل کے بھائی، باپ، اولاد و ازواج و اعزہ کو عدالت سے باہر نکال دیں گے۔

والسلام
احسن

مرکزِ انسانیت

1۔ عربوں سے تعارف کا دوسرا رخ

کل تک عربوں کے تعارف میں جو کچھ لکھایا گیا ہے وہ سب یہاں لکھنا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ چھپایا گیا ہے اُس میں سے چند بنیادی باتیں سامنے لا کر، اُس مجموعی تصور کو جھٹکا دینا ہے جو لفظ عرب یا عربی سنتے ہی سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔ تاکہ وہ آئندہ سامنے آتے ہوئے جھجکے اور شرمائے۔

(1) عرب سب کے سب نہ جاہل تھے نہ اُن پڑھ تھے۔ نہ تہذیب و تمدن سے نا آشنا تھے، نہ مشرک نہ بت پرست و لامذہب تھے۔ نہ بہادر تھے نہ متواضع، نہ کینہ پرور تھے۔ نہ حافظہ میں ممتاز تھے، نہ وفادار تھے، نہ غدار تھے۔ نہ متعصب تھے، نہ روادار تھے، نہ ظالم تھے۔ نہ لٹیرے تھے، نہ سب خیموں اور جنگلوں میں رہتے تھے، نہ سب مکانات میں بستے تھے، البتہ؛

(2) انکی کثرت جاہل تھی، اُن پڑھ تھی، غیر مہذب تھی، غیر تمدن اور دشمن تمدن تھی۔ مشرک تھی مگر مشرک کے معنی اشتراکیت کرتی تھی۔ انکی کثرت لیڈر پرست تھی، ڈرپوک اور بزدل تھی۔ کینہ پرور تھی، کل کے نتیجے سے ڈر کر آج ہی ظلم کرنا ضروری سمجھتی تھی۔ انتقام کے معاملہ میں متعصب تھی۔ اپنے تحفظ کیلئے ہر فریب و دغا اور غدر و ہزنی اور ڈاکہ و لکڑ کو جائز سمجھتی تھی۔ نہ باقی نوع انسان کے خلاف اُن کو کوئی خاص دماغ ملنا ثابت نہ اُن کا حافظہ اور قوتِ یادداشت کسی خاص قسم کی ہونا چاہئے اور نہ تھی۔ ہوا یہ کہ احادیث کا انبار لگانے اور اُسے قول رسول یا قول صحابہ منوانے کیلئے یہ ضرورت پیش آئی کہ عربوں کا حافظہ آہنی یا سنگی لوح بنا دیا جائے تاکہ یہ اعتراض بھی ختم ہو جائے کہ برسہا برس تک بلکہ صدیوں تک لوگوں کو کیسے یاد رہ سکتا تھا۔ اسی قسم کی دوسری قومی، ملکی یا مذہبی ضرورتوں نے بعد والوں کو مجبور کیا اور انہوں نے مختلف خصوصیات گھڑنا اور منسوب کرنا اور متعلقہ پروپیگنڈا شروع کر دیا اور نہ قرآن کریم نے اُس عربی کثرت کو کَالْأَنْعَام (سورہ اعراف 7/179) جانوروں کی مانند ہی نہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ حقیر اَصْل (فرقان 25/44) قرار دیا ہے۔ لہذا ہم عربی کثرت کو، اصولِ مسلمہ کی رُو سے بھی ہر اُس صفت و خصوصیت سے محروم کرتے ہیں جو عام نوع انسان کے خلاف خواہ مخواہ فرض کر لی گئی ہے۔ بلکہ یہاں یہ بھی قرآنی اصول ہے کہ اسلام لانے کے بعد بھی یہ کثرت مندرجہ بالا آیات کے دائرہ سے باہر نہیں نکلی۔ بلکہ قرآن نے جگہ جگہ اسکی مذمت کی ہے۔ لہذا اس کثرت کیلئے قرآن نے دو دفعہ جو کچھ فرما دیا ہے وہ ہر وقت سامنے رکھ کر اس سلسلے میں بات کیا کریں اور انہیں بتائیں کہ قرآن کریم نے تو یہ کہا ہے۔

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَصْلُ سَبِيلٍ (فرقان 25/44)

اوّل۔ کیا تم (اے رسولؐ) یہ حساب لگاتے ہو کہ تیرے مخاطبوں کی کثرت سنتی ہے اور پھر عقل سے کام لیتی ہے؟ جناب یہ تو جانوروں کی مانند بلکہ اُن سے بھی پرلے درجہ کے بے راہ و رسم ہیں۔ اس سے پہلے آیت (اعراف 7/179) میں تمام جنوں اور انسانوں کی کثرت کو

جہنمی اور جانوروں سے اُسی طرح بدتر قرار دیا ہے جس طرح مفصل لکھی ہوئی آیت میں عربوں کی کثرت کو عقل و سماعت سے محروم فرمایا ہے۔ بتائیے وہ کس قدر صاحبان کمال لوگ ہوں گے؟ جنہوں نے ساری دنیا سے فرضی اور عقل و تجربہ کے خلاف باتیں منوائیں اور دنیا میں پھیلا دیں اور اس قدر ڈھنڈورا پیٹا کہ اس شور و غوغا میں کسی نے دلیل نہ مانگی۔ چونکہ یہ تمام مکاتیب فکر کی ضرورت تھی۔ سب کو روایات کی ضرورت تھی۔ سب نے قصوں اور کہانیوں پر اپنے منہ بولے اسلام کی بنیاد رکھنا تھی۔ لہذا سب نے غنیمت سمجھا اور اختلاف کے بجائے تائید میں اپنی کامیابی دیکھی۔ لیکن؛

(3) یہ صحیح ہے کہ عربوں میں بھی دوسری اقوام و ممالک کی طرح بعض لوگ نہایت عاقل و با بصیرت تھے، مہذب تھے۔ بلکہ یہ یقین کیجئے کہ اُس وقت کی ساری دنیا نے اُن سے تہذیب سیکھی اور تمدن حاصل کیا۔ جہاں بانی و حکمرانی کے اصول سیکھے۔ قوم عاد و ثمود، بادشاہان بابل و مصر تمام کے تمام عرب تھے۔ یہ قلتِ تعلیم یافتہ ہی نہ تھی بلکہ صاحب تصنیف تھی۔ عرب میں کتابیں موجود تھیں، مصنف موجود تھے۔ ظہور اسلام کے وقت عربوں میں جس بصیرت کے لوگ تھے اس کا ثبوت و تفصیل قرآن میں ریکارڈ کی گئی ہے۔ اُس قلت میں شریف بھی تھے، موحد بھی تھے، لامذہب بھی، منجم و ستارہ شناس بھی تھے، بہادر بھی تھے، وفادار و متواضع بھی تھے، چالاک و مکار بھی تھے۔ دانشور و مقتن یعنی قانون دان، سیاسی ماہرین، مذہبی راہنما اور مجتہدین بھی تھے۔ اُن میں سوشلزم یا کمیونزم کے بہت ابتدائی تصورات رکھنے والے افراد اور راہنما بھی تھے جو یونانی اشتراکیت اور افلاطونی جنسی شرکت کے ہمنوا بھی تھے۔ رُوسا بھی تھے غربا بھی تھے۔ اِس اقلیت میں تمام دُنیا کے تمدن و تہذیب اور مذاہب کے ماہرین بھی تھے، سرمایہ دار و اجارہ دار بھی تھے اور اُن ہی میں ورثہ دارانِ انبیاء علیہم السلام بھی تھے۔ عظمتِ دین و دُنیا کے علمبردار بھی تھے۔

(4) عربوں کی مجموعی حالت اور اُن کا دوسری اقوام اور ممالک کے مقابلہ میں صحیح مقام متعین کرنے کیلئے ایک نہایت قابل فہم معیار موجود ہے کہ (معاذ اللہ) اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عام نبی تھے تو عربوں کی حالت اور مقام بھی عام تھا۔ لیکن اگر رسول اللہ کا وہ مقام تسلیم کر لیا جائے جو قرآن کریم نے اُن کو دیا ہے تو عربوں کی حالت اور مقام بھی وہی تھا جو ایسے رسول کی بعثت کا تقاضہ اور مقصد ہو لہذا وہ سب سے بڑے ہادی تھے تو عرب ساری دنیا سے زیادہ گمراہ تھے۔ اگر آپ تمام انبیاء علیہم السلام کی کتابوں اور شریعتوں اور علوم کے حامل بھی تھے تو لازم ہے کہ عربوں میں وہ تمام مذاہب اپنی بگڑی ہوئی صورت میں موجود ہوں جو سابقہ انبیاء نے قائم کئے تھے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ تمام کتابیں بھی موجود ہوں اور اُن کے علما و مجتہدین بھی عربوں میں موجود ہوں تاکہ انہیں مخاطب کر کے اصل و نقل اور صحیح و غلط مذہبی احکام پر مطعون و مطمئن کیا جاسکے۔ اور اگر آنحضرت تمام علوم خداوندی کا مخزن اور قرآن کی رُوسے کائنات اور اُس کی ہر چیز کی تفصیل (نحل 16/89) اور بیان و وضاحت (یونس 10/37) کے حامل تھے تو عربوں کو ساری دُنیا سے زیادہ پیچیدہ مسائل اور ابلیس کے انتہائی منصوبوں کا حامل سمجھنا ہوگا۔ اسلئے کہ جاہلوں کے لئے معمولی علم کا نبی کافی تھا۔ پہلی جماعت یا پرائمری جماعتوں کیلئے کسی خاص اور بلند و ہمہ گیر اسناد والے ماسٹروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لہذا عرب نہ جاہل تھے، نہ وحشی اور نہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بلکہ ساری دنیا کے ممالک اور اقوام میں جس قدر علوم و کمر و فریب و سیاسی جوڑ توڑ اور قوانین اور اُن کو بے اثر کرنے کے طریقے، مذاہب میں اجتہادی

موشگافیاں اور تحریف، سازشیں وغیرہ موجود تھیں وہ سب عرب دانشوروں میں ثابت ہوتی ہیں۔ یا یوں کہئے کہ جس طرح ہدایت و اصلاح کیلئے آنحضرتؐ منتہائے کمال پر تھے اُسی طرح ابلیسی گمراہی اور فریب سازی کیلئے عرب دانشور اپنے منتہائے کمال پر تھے۔ عربوں کی کثرت اُس ابلیسی گروہ کے ہاتھ میں اس قدر مضبوطی سے گرفتار تھی کہ اُن کو رہا کرانے کیلئے خدا کا بزرگ ترین نبیؐ مبعوث ہوا۔

اب ذرا اس فطری قرآنی اور تاریخی صورت حال میں کسی شخص کو اُس زمانہ میں ”عربی“ کہنا کیا کسی عزت و وقار کو ظاہر کر سکتا ہے؟ اہل عقل تو اس وقت کے ”عربی“ ہونے سے خود کشتی کو زیادہ بہتر سمجھیں گے۔ یہاں یہ کمال دیکھئے کہ اُس زمانہ کے مذکورہ گروہ نے لفظ عربی یا عرب سے نسبت کو عزت و عظمت کا ایک نشان بنا کر خود آنحضرتؐ کے ساتھ چسپاں کر دیا۔ جنہیں قرآن میں مذکورہ عظمت کے بعد کسی طفیلی لقب و عظمت کی احتیاج نہیں ہے۔ لوگ بڑے فخر سے؛ رسولؐ عربی، مکی و مدنی کہتے چلے گئے۔ حالانکہ مکہ ہو یا مدینہ اور کعبہ ہو یا بیت المقدس، عجم ہو یا عرب، اُن سب کو آنحضرتؐ کے صدقے میں عزت و عظمت ملی۔ لہذا صورتحال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سمجھ کر ہمیں عزت دینے کے خیال سے عربی کہہ دے تو ہم نہایت برا محسوس کریں گے اور پھر اگر ضرورت ہوئی تو اپنی کوئی کتاب پڑھنے کیلئے اسکے حوالے کر دیں گے۔ ہم اس لقب کو عظمت کی علامت نہیں سمجھتے ہیں۔ لہذا اُس زمانہ کے عربوں کیلئے مجموعی تصور کی ترجمانی کرنے کیلئے طاغوت سے زیادہ کوئی ایک لفظ موزوں نہیں ہے۔ اس کے برعکس مذکورہ بالا اور شداران نے لفظ عرب اور عربی کو دنیا میں علامتِ عظمت بنا کر جاری کرنے میں اپنے کمال دانش و فریب کا ثبوت فراہم کر دیا ہے اور ہم نے انہیں ہمیشہ داد دی ہے۔

2۔ لفظ ”عرب“ اُس کے معنی، اُس کی ابتدا اور مشرکین کی چالاکی

آپ کو بڑا تعجب ہوگا اگر ہم عرض کریں کہ آنحضرتؐ اور اُن کا خاندان علیہم السلام ہرگز عرب نہ تھے؟ الحمد للہ کہ محبوب خدا ہرگز اُس قوم اور اس کی خباثتوں میں ملوث نہیں ہوئے ورنہ اُن کے شجرہ کے ساتھ الفاظ طیبہ و طارہ کا استعمال ان الفاظ کی توہین ہو جاتا۔ آئیے اپنے زمانہ کے ایک نامور مؤرخ کی بات سنئے جو نہ صرف علوم مشرقیہ پر عبور رکھتے تھے بلکہ علوم مغرب اور مستشرقین پر پوری اطلاع رکھتے تھے۔ وہ اپنی کتاب ارض القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

(1) **لفظ ”عرب“ کے معنی** ”لفظ ”عرب“: عرب کو ”عرب“ کیوں کہتے ہیں؟ اسکے مختلف جواب دئے گئے ”عرب“ اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی زبان آوری اور اظہار مافی الضمیر کے ہیں، چونکہ عرب کی قوم نہایت زبان آور اور فصیح اللسان تھی، اس لئے اس نے اپنا نام عرب رکھا۔ اور اپنے سوا اُس نے تمام دنیا کو عجم یعنی ”بے زبان“ (گو نگے) کے نام سے پکارا۔ لیکن حقیقت میں یہ صرف نکتہ آفرینی اور دقت رسی ہے۔ دنیا میں ہر قوم اپنی زبان کی اسی طرح جوہری ہے جس طرح عرب۔“

(تاریخ ارض القرآن جلد اول صفحہ 57 علامہ سید سلیمان ندوی طبع چہارم مطبع معارف اعظم گڑھ۔ سیرۃ النبی، مصنف: علامہ شبلی نعمانی)

یہ بات طے ہوگئی کہ بعد کے مشرکین نے نہایت چالاکی سے لفظ عرب کے خود کا شتہ معنی تیار کئے پھر خود ساختہ زبان آور اور فصیح اللسان قوم بنے۔ یعنی اپنے منہ میاں مٹھو بن کر تمام دنیا میں خود کو مشہور کیا۔ چنانچہ آج تک لغات یعنی عربی ڈکشنریوں میں وہی غلط معنی

لکھے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ بتائیے اس تاریخی جلسہ سازی کے بعد ہم اُس قوم کی کس بات کا اعتبار کریں؟ ظہور اسلام کے بعد بھی یہ کام برابر جاری رہا۔ اور جس زبان کو خانوادہ اسماعیل علیہ السلام نے نزول قرآن کے لئے تیار کیا تھا اُس کے ہر لفظ کے دس دس بیس بیس غلط معنی میں استعمال سے پوری زبان کو مشکوک و بے معنی بنا دیا۔ تاکہ قرآن کے احکام میں اختلاف و اجتہاد کی گنجائش پیدا ہو جائے۔

(2) ”عرب“ کے صحیح معنی اور عرب کے علمائے انساب کی فریب سازی

مصنف مذکور نے مندرجہ بالا تحقیق میں مسلسل لکھا ہے کہ:-

”علمائے انساب کہتے ہیں کہ اس ملک کا پہلا باشندہ یَعْرَب بن قحطان تھا۔ جو یمنی عربوں کا پدرِ اعلیٰ ہے۔ اسلئے اس ملک کے باشندوں کو اور نیز اس ملک کو عرب کہنے لگے۔ لیکن یہ بالکل خلاف قیاس اور معلوماتِ تاریخی کے مخالف ہے۔ نہ یہ عرب اس ملک کا پہلا باشندہ تھا اور نہ لفظ عرب کسی قاعدہ لسانی کے مطابق یعرب کی طرف منسوب ہو سکتا ہے۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ یعرب کا مسکن یمن تھا۔ اسلئے سب سے پہلے خود یمن یعنی جنوبی عرب کو عرب کہنا چاہئے۔ لیکن اسکے بالکل برخلاف ”عرب“ کا لفظ پہلے شمالی عرب کیلئے مستعمل ہوا تفصیل آگے آتی ہے۔ اہل جغرافیہ کہتے ہیں اور بالکل صحیح کہتے ہیں کہ عرب کا پہلا نام عَرَبۃ اور عربۃ تھا۔ جو تخفیفاً بعد کو عموماً عرب بولا جانے لگا۔ اور اسکے بعد ملک کے نام سے خود قوم کا نام بھی قرار پا گیا۔“

(تاریخ ارض القرآن جلد اول صفحہ 57 علامہ سید سلیمان ندوی)

یہاں قارئین یہ نوٹ فرمائیں کہ عرب خاندانوں اور باشندوں اور اقوام کے سلسلے میں عرب کے نسبوں کا سو فیصد اعتبار ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔ اور جن لوگوں نے عرب کے غلط معنی مشہور کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہو وہ بھی غلط واقعات کو پھیلانے اور مشہور کرنے کیلئے علمائے انساب کی آڑ لے سکتے ہیں۔ لہذا نہ وہ قابل اعتبار ہیں نہ انساب پر اندھا دھند بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔

(3) عرب اور عربۃ پر مزید تفصیل

علامہ موصوف نے آگے چل کر زمانہ قدیم اور آنحضرت کے زمانے کے شعرا اور جناب ابوطالب علیہ السلام کے قصیدہ کے اشعار سے ثابت کیا ہے کہ پہلے عرب کو عربۃ کہا جاتا تھا۔ اور آنحضرت کے زمانہ تک کہا جاتا رہا پھر وہ بتاتے ہیں کہ:-

”دوسرا سوال یہ ہے کہ اس ملک کا نام عربۃ کیوں قرار پایا؟ اصل یہ ہے کہ تمام سامی زبانوں میں ”عربہ“ صحرا اور بادیہ کا مفہوم رکھتا ہے۔ عبرانی میں ”عربا“ (عربان اور میدان کو کہتے ہیں۔ اور خود عربی زبان میں اس مفہوم قدیم کے بقایا موجود ہیں۔ عربۃ کے معنی بدویت کے ہیں اور اعز اب اہل بادیہ (جنگلیوں) اور صحرائیوں کیلئے اب تک مستعمل ہے۔“ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 58)

پھر یہ اعلان کیا ہے کہ:-

”چونکہ عرب کا ملک زیادہ تر ایک بیابان بے آب و گیاہ ہے۔ اور خصوصاً وہ حصہ جو حجاز سے بادیہ عرب و

شام اور سینا تک پھیلا ہوا ہے۔ اسلئے اسکا نام ”عربا“ قرار پایا اور پھر رفتہ رفتہ وہاں کے باشندوں کو

”عرب“ کہنے لگے۔“ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 58)

یہ بیانات صرف علامہ سید سلیمان ندوی ہی کے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو عرب اور دیگر ممالک کے اُن محققین کے بیانات ہیں جنہوں نے بقول شخصہ عرب کی کھال اُتار کر تحقیق کی ہے۔ جنہوں نے قدم قدم پیدل چل کر، کھدائیاں کر کے، کتبات اور آثار قدیمہ کو سامنے رکھ کر تحقیق کی ہے۔ علامہ کی کتاب کو اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ نانوے فیصد قاریوں کی رسائی اُن مختلف زبانوں کی کتابوں تک نہیں ہو سکتی جہاں سے ہم اور علامہ خوشہ چینی کرنے پر مجبور ہیں۔ ملک عرب اور عربوں کے پوشیدہ اور چھپائے ہوئے حالات ابھی بہت باقی ہیں۔ جن پر وہ سانپ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور نہیں چاہتے کہ دنیا کے محققین اُن کا پردہ کھولیں۔ مگر کہاں تک، وہ دن آئیں گے جب قرآن کریم سے ہمارا لکھا ہوا ہر ایک لفظ پورا ہو کر رہے گا۔ ہم اُن کے پیرو ہیں جو زمین سے پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہو گیا ہے تو زمین اپنا حال سناتی جائے گی اور ثقلین علیہما السلام سے متعلق تمام اِثقال پیش کر کے دامن خالی کر لے گی۔ اور یہ کام جس کے ہاتھوں انجام دیا جائے گا اسی کو ید اللہ اور ابوترا ب فرمایا گیا ہے۔ بہر حال ہم عربوں سے بھی اور بعد والوں سے بھی قرآن سے دلیل طلب کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے غلط بات نہ کہی ہے نہ اس سے باطل کو کسی مقدار میں تائید مل سکتی ہے۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَآخِرَ جَتِ الْأَرْضِ أَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ (سورة الزلزال 4-99/1)

(4) قرآن کریم لفظ عرب کو قطعاً نظر انداز کرتا ہے

علامہ اس بحث و تحقیق کو آگے بڑھاتے ہوئے مسلسل لکھتے ہیں کہ:-

”قرآن مجید میں لفظ ”عرب“ ملک عرب کیلئے کہیں نہیں بولا گیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سکونت کے ذکر میں ”وَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ“ یعنی ”وادی ناقابل کاشت“ اس کو کہا گیا ہے۔ اکثر لوگ اس نام کو عرب کی حالت طبعی کا بیان سمجھتے ہیں۔ لیکن اوپر جو تحقیقی بیان ہے (ہمارا پیرا سابق) اُس سے واضح ہے کہ یہ لفظ عرب کا بعینہ ترجمہ ہے۔ چونکہ اس عہد میں اس غیر آباد ملک کا کوئی نام نہ تھا۔ اسلئے خود لفظ ”غیر آباد ملک“ اس کا نام پڑ گیا۔ (صفحہ 59 جلد اول ارض القرآن)

پھر علامہ نے توریت کی سند سے ثابت کیا ہے کہ اصل نام عربہ اور عربا تھا۔ اور صرف اس لئے کہ یہ غیر آباد ملک تھا۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آمد یعنی 2200 قبل مسیح تک اس ملک کا نام عرب نہ تھا۔ اور یہ حقیقت ساری دنیا جانتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک بابل کی پیدائش اور سکونت رکھتے تھے۔ لہذا نسل ابراہیمی کو عرب کہنا یا عربی قرار دینا نہ صرف غلط اور بہت بڑا اتہام ہے۔ بلکہ ایک ایسی سازش ہے جو مشرکین یا عرب کے اشتراکین نے تیار کر کے پھیلائی ہے۔

(5) لفظ ”عرب“ کی ابتدا کا تاریخی زمانہ: ”لفظ عرب سب سے پہلے 1000 ق م میں حضرت سلیمان کے عہد میں سننے میں آتا

ہے۔ اور پھر اسکے بعد عام طور پر اس کا استعمال عبرانی، یونانی اور رومانی تاریخوں میں نظر آتا ہے۔“ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 59)

(6) یہ سب نام والفاظ وجود ہی نہ رکھتے تھے: یعنی قرآن کریم کی جس دلیل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ

عیسائی۔ اسی دلیل سے نسل اسماعیلی نہ عربی ہے نہ حجازی، نہ کی تھے نہ مدنی تھے۔ یعنی جس طرح لفظ اسرائیل اور یہود و نصاریٰ یا عیسائی

ابراہیمؑ کے بعد کے ہیں۔ اُسی طرح لفظ عرب و جاز و مکہ وغیرہ بعد کے ہیں۔

”اَوَّلُ یہ سمجھنا چاہئے کہ عرب، جاز، مکہ، کعبہ یہ جتنے الفاظ و اسماء ہیں اس وقت تک پیدا ہی نہ ہوئے تھے، لفظ عرب دسویں صدی قبل مسیح میں پیدا ہوا ہے۔ جاز کا لفظ اس سے بھی زیادہ مستحدث (یعنی بہت بعد کا، نیا) ہے۔ مکہ کا نام دوسری صدی مسیحی میں ببطیموس کے ہاں مکاربا کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اسی لئے تورات نے اس مقام (مکہ) کا نام اولاً صرف ”مَدَبَار“، یعنی بادیہ بتایا ہے۔ اور قرآن نے اُسی کو وادی غیر ذی زرع (بن کھیتی کی زمین) کہا کہ اسکے سوا اس کا اُس وقت کوئی دوسرا نام نہ تھا۔ مدت کے بعد یہی لفظ بادیہ و صحرا اور وادی غیر ذی زرع اس ملک کا نام قرار پا گیا۔ لفظ عرب کے لغوی معنی بادیہ اور صحرا کے ہیں۔ مدبار (بادیہ) وادی غیر ذی زرع اور عرب ہم معنی لفظ ہیں۔ اس لئے توراۃ کا یہ کہنا کہ اسماعیل نے بادیہ میں سکونت کی اس کے بالکل یہ معنی ہیں کہ اُس نے عرب میں سکونت کی۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 47)

یہاں اس گفتگو کو ختم اور مکمل ہو جانا چاہئے کہ نسل ابراہیمی عربی یا عرب تھی یا یہ کہ عرب و عربی ہونا کسی قسم کی عزت و افتخار کی بات ہے۔ اس کے برعکس کم از کم عرب یا عربی کہنے سے کسی کا جنگلی، غول بیابانی، غیر مہذب، اجڈ اور گنوار ہونا تو لغوی حیثیت سے ہمیشہ سامنے رہنا چاہئے۔ اور ایسا کہنے والے کی گوشمالی کرنا ہر سننے والے مخاطب پر لازم ہے۔

3۔ اصلی عرب اور مخلوط النسل عرب

(1) چونکہ مذکورہ بالا پیچیدہ ترین قوم کا تذکرہ کرنا ہے۔ اس لئے غلط بیان سے بسم اللہ کرتا ہوں اور اصل قصہ سنانے سے پہلے یہ دکھاتا ہوں کہ مسلمانوں کے محققین کس بے دردی اور بے تکلفی سے ایک خاندان یا ایک شریف نسل کو دوسری نسل یا خاندان میں ملا دینے یا الگ کر دینے کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ سُنئے علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں کہ:-

”قبائل قضاہ:- عام علمائے انساب قضاہ کو بنو قحطان میں داخل کرتے ہیں۔ اور ہم بھی یہاں اُن کی پیروی کرتے ہیں۔ ورنہ از روئے تحقیق وہ بنو اسماعیل ہیں۔“ (سیرۃ النبیؐ - جلد اول صفحہ 108-107)

قارئین کرام ہماری طرف دیکھئے!! اور ایمان داری سے بتائیے کہ یہ کیا تماشہ ہے؟ کہ علامہ شبلی تحقیق شدہ ایک حقیقت کو قبول کرنے کے بعد اپنے سلف صالحین کی غلط بات کی اعلانیہ پیروی کر رہے ہیں اور نسل اسماعیلی کو ایک غیر نسل بنانے میں اُن کی تائید فرما رہے ہیں۔ اسی قسم کے لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم ایک ہی خاندان کی دو شاخیں تھیں۔ اگر خدا خواستہ معاذ اللہ ایسا ہوتا اور بنی امیہ نسل اسماعیل علیہ السلام سے ہوتے تو یقیناً نسل اسماعیلی پر اس طرح کھلم کھلا ہاتھ صاف نہ کیا جاتا۔ اس لئے کہ یہ علمائے انساب بنی امیہ کے وظیفہ خوار و ملازم تھے۔ خاندان بنی امیہ اُن کی کھال اُتار لیتا۔ لیکن اُن سب کا نسل اسماعیل کو خلط ملط کرنے میں حضرت شبلی تک متفق ہونا، اس بات کا بولتا ہوا بلکہ چیخا ہوا ثبوت ہے کہ یہ سب ماشاء اللہ اسماعیلی نسل کے بنیادی اور روزِ ازل سے دشمن تھے۔ اور اُن کا نسل اسماعیل سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ اس لئے مختلف اور متضاد روایات کی ہمت افزائی کر رہے تھے کہ اس اُلٹ پلٹ، ادل بدل اور

الحاق و اخراج کے ہنگاموں میں جس خاندان اور نسل کو چاہیں بنی اسماعیل کہہ کر پیش کر دیں اور جس خاندان کو چاہیں اسماعیلی نسل سے خارج کر دیں اور کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو سکے۔

(2) بنی اسماعیل برابر نشانہ بنائے جاتے رہے

سید سلیمان صاحب نے ایک نسلی فہرست اور الٹ پلٹ کا جھگڑا لکھنے کے بعد اپنا فیصلہ یوں سنایا ہے کہ:-
 ”لیکن ہمارے نزدیک قبیلہ ہمدان، قبیلہ اشعر اور بعض دیگر قبائل کا قحطانی الاصل ہونا مشکوک ہے۔ قبیلہ قضاعہ، خزاعہ اور لخم کو تو عموماً محققین انساب نے اسماعیلی و عدنانی کہا ہے خزاعہ کو، حدیث صحیح میں ہے کہ، آنحضرتؐ نے بنی اسماعیل کہا، اُس و خزرج کا اسماعیلی النسب ہونا بھی بخاری کی حدیث سے ثابت ہے۔ اور خود اُس و خزرج کو بھی اس کا دعویٰ تھا۔ بنی کندہ کے شاعر خود اپنے کو معد (یعنی بنی اسماعیل) کہتے ہیں۔ غسان کا بھی اسماعیلی ہونا شعرائے عرب کے کلام سے ثابت ہے۔ اصل یہ ہے کہ عام علمائے انساب کو صرف تین سلسلے معلوم تھے۔ (1) عرب باندہ (2) قحطانی سبا اور (3) اسماعیلی قیدار (عدنان) اس بنا پر جب کسی قبیلہ کی نسبت یہ ثابت ہو جاتا تھا کہ وہ باندہ اور عدنانی نہیں ہے، تو لامحالہ اُس کو قحطانی فرض کر لیتے تھے۔ حالانکہ توراۃ اور تاریخ کی رو سے عرب میں (عرب باندہ، قحطانی اور اسماعیلی کے علاوہ) اور بہت سے سلسلے ثابت ہیں۔“ (ارض القرآن جلد اول صفحہ 271-272)
 اس بیان سے عرب کے علمائے انساب کی معلومات کا نہایت حقیر و ناقابل اعتبار ہونا دلیل قطعی کے ساتھ ثابت ہے۔ چند سطور کے بعد سید صاحب علمائے حدیث کو بھی بے اعتبار قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ غریب بھی علمائے انساب کی پھیلائی ہوئی روایات کو لکھنے پر مجبور تھے ملاحظہ ہو:-

(3) علمائے انساب اور علمائے حدیث کا نسل اسماعیل میں گڑبڑ کرنا

”اس نکتہ کے سمجھنے کے بعد یہ عقدہ خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ بعض علمائے انساب و علمائے حدیث خود قحطان کو بنی اسماعیل کیوں کہتے ہیں؟ امام محمد اسماعیل بخاری کا میلان طبع بھی اُدھر ہی نظر آتا ہے (یعنی وہ کسی وجہ سے قحطانیوں کو اسماعیلی بنا دینا چاہتے ہیں)۔ چنانچہ انہوں نے صحیح بخاری میں ایک باب ”نسب الیمن الی بنی اسماعیل“ مستقل باندھا ہے۔ علمائے انساب میں زبیر بن بکار کی اور ابن اسحاق کی بھی یہی روایت ہے، علامہ ابن حجر بھی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اسی پہلو کو رائج قرار دیتے ہیں۔ اس مبالغہ میں اصل حقیقت صرف یہ ہے کہ بعض قحطانی شاخیں اسماعیلی ہیں۔ اور یمن میں سکونت کے باعث یا کسی اور سبب سے اُن کو قحطانی فرض کر لیا گیا ہے۔“ (ارض القرآن - جلد اول صفحہ 272)

(4) یہاں تک کی گفتگو اور قبائل کا نتیجہ

یہاں سلسلہ کلام کو روک کر قارئین چند باتیں نوٹ کر لیں۔ سب سے پہلی اور اہم ترین بات تو وہی ہے کہ عرب کے علمائے انساب اور علمائے حدیث چند نامعلوم اسباب کی بنا پر نسلوں اور خاندانوں میں گڑبڑ کرتے رہے ہیں اور یہ گڑبڑ زیادہ تر نسل اسماعیل کو

مشکوٰۃ کرنے کیلئے کی جاتی رہی ہے۔ یعنی وہ کچھ لوگوں کو اسماعیلی ہوتے ہوئے قحطانی بنادینا چاہتے ہیں اور کچھ قحطانیوں کو اسماعیلی بناتے اور بتاتے رہے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ جناب محمد اسماعیل بخاری اور اہلسنت والجماعت کی سب سے معتبر حدیث کی کتاب بخاری اور اس کی شرحیں اور علمائے انساب مل کر کچھ قحطانی قبیلوں کو اسماعیلی بنانے پر پورا زور لگاتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ بعض قحطانی شائخیں جو پہلے قحطانی مشہور کردی گئی تھیں یا حقیقتاً قحطانی تھیں، ان کو اسماعیلی بنانے کی کوشش سید صاحب کے خیال میں اس لئے کی گئی ہے کہ وہ یمن میں رہتے تھے۔ یعنی ملک یمن میں سکونت رکھنا بھی قحطانی یا پھر اسماعیلیوں کی شناخت ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ لوگ جن کو انصار کہا جاتا ہے جو رسول اللہ کو مکہ سے مدینہ لائے اور دن رات اسلام کی نصرت کی۔ وہ دونوں قبیلے یعنی اوس اور خزرج بھی یقیناً رسول اللہ کے ہم نسب اسماعیلی تھے۔ یہ بات خاص طور سے برابر یاد رکھیں۔ اس لئے کہ اس سے تاریخ پر ڈالے ہوئے کئی پردے اٹھ جائیں گے۔ پانچویں بات یہ کہ قبیلہ قضاہ کو اسماعیلی مانتے ہوئے قحطانیوں میں شمار کیا گیا ہے۔

اب ہم عرض کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا صورت حال یہ یقین پیدا کرنے کیلئے کافی ہے کہ علمائے انساب اور علمائے حدیث و تاریخ جس گروہ کے طرفدار و وظیفہ خوار اور خواہ دار تھے وہ گروہ ہرگز اسماعیلی نہ تھا۔ بلکہ وہ سب کے سب قحطانی تھے۔ مگر نبوت و رسالت چونکہ بنی اسماعیل میں تھی اور اُس میں حصہ نہ مل سکتا تھا اسلئے اسماعیلی بن جانا بہت ضروری تھا۔ لہذا اس حاکم گروہ نے تمام اہل قلم اور دانشوران قوم کو اس فہم میں اپنے ساتھ شامل کر لیا کہ جس طرح ہو سکے نسل ابراہیم و اسماعیل میں شمار کیا جائے۔ لہذا قلم اور زبان و ذہن مصروف ہو گئے۔ قدیم کہانیاں اور اشعار گھڑے گئے، روایات چسپاں کی گئیں، یاد کر نیوالوں اور اشاعت کر نیوالوں کیلئے وظائف اور بجٹ مقرر ہوئے۔ درسگاہوں نے کام شروع کیا اور تین سو سال کی محنت سے وہ ڈھانچہ بنا کر کھڑا کر دیا جسے آج اسلامی لٹریچر کہا جاتا ہے۔ اور ہم جس کی اوور ہال (OVER HAUL) کرتے چلے آتے ہیں۔ یہ بھی کام آنے والی بات ہے کہ یمن سے اسماعیلیوں کا خاص رشتہ ہے۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں سے تحریک تشیع کی بھرپور آمد جاری رہی۔ (دیکھئے کتاب ”مذہب شیعہ، ایک قدیم تحریک وہمہ گیر قوت“)

یہ بات بھی ناقابل فراموش ہے کہ علمائے عرب، عرب کی سینکڑوں نسلوں اور ہزاروں قبیلوں کو یہ کہہ کر غائب کر دینا چاہتے ہیں کہ وہ ظہور اسلام سے پہلے ہی صفحہ ہستی سے یکسر مٹ گئی تھیں اور صرف اسماعیلی اور قحطانی اور عرب باندہ باقی رہ گئے تھے۔ یا کل یہی تین اقوام عرب کی اقوام تھیں۔ اس انکار اور اقرار سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ منکرین اُن کے وجود کو اپنے لئے خطرناک سمجھتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ قوم اُن ہی اقوام کے باقیات کی مخلوط نسل ہو؟ اور اسماعیلی بن جانے کے لئے اپنا راستہ صاف کر رہی ہو۔

(5) علمائے انساب جن اقوام کو غائب کرنا ضروری سمجھے

قبل اس کے کہ ہم اُن عرب اقوام و قبائل کے نام اور دیگر تفصیلات لکھیں۔ یہ عرض کر دیں کہ خدا نے کبھی کسی قوم کے تمام افراد کو تباہ و برباد نہیں کیا۔ بلکہ ہر قوم کے اچھے لوگوں کو محفوظ رکھا اور قوم نوخ اس کی مثال ہے۔ لہذا یہ ایک فریب ہے کہ فلاں قوم یا قبیلہ قطعاً ختم ہو گیا تھا یا ہو جائے گا۔ یہ بات دوسری ہے کہ وہ قوم اور وہ قبیلہ کسی دوسری قوم یا قبیلہ میں مدغم ہو جائے اور بھول جائے کہ وہ کس قوم و قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یا یہ کہ اُسے معلوم تو ہو مگر قومی بدنامی کی بنا پر اپنا قبیلہ یا اپنی قوم نہ بتائے۔ جیسے آج کل کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ وہ اولاد

یزید و شمر یا معاویہ یا عمر بن سعد یا مروان سے ہے۔ حالانکہ یہ سب اولادیں موجود ہیں۔ مگر اب وہ ایک وسیع لفظ قریشی کی پناہ میں پوشیدہ ہیں۔ اور چونکہ اچھی اقوام بھی اب تو شجرہ نسب نہیں لکھتیں لہذا سیدوں کے علاوہ اس دستور کو بھی دقیانوسی سمجھ لیا گیا ہے۔ اور مشکل سے ایسے چند لوگ ملیں گے جن کو اپنے دادا یا پردادا سے آگے کے نام معلوم ہوں۔ لہذا اس بھری دنیا میں اب شجرہ نسب کو حماقت سمجھا جانے لگا ہے۔ حالانکہ ایک آدمی کو اپنے شجرہ نسب میں صرف اپنی اولاد کے چند نام کا اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ اور یوں صحیح نسب اور نسیب حالات مرتب و مدوّن ہوتے چلے جاتے ہیں۔ چونکہ رسول اللہ کا خاندان برابر شجرہ برقرار رکھتا چلا آ رہا تھا۔ اور عرب کے کسی خاندان میں شجرہ مرتب کرتے رہنے کا دستور نہ تھا۔ ہندوستان کی طرح رئیسوں کے گھروں پر میراثی یا بھانڈا آتے اور فلاں بن فلاں بن فلاں کی ایک راگنی الاپتے اور صرف چند موٹے موٹے نام لے کر سخاوت و شجاعت کی من گھڑت یا صحیح داستان کے صدقہ میں چند پیسے لیتے اور دوسرا دروازہ کھٹکھٹاتے۔ جس قوم کا شجرہ یوں چلا ہوا اور جن کا دار و مدار پیسوں اور بھانڈوں پر ہو وہ جب چاہے جس سے چاہے الحاق کر سکتی ہے۔ ہر نیا بھانڈا نئے ناموں کا اضافہ کر سکتا تھا۔ بیوی کے ساتھ آئے ہوئے بچے، گھر کے پلے ہوئے غلام، جہاں بیٹے بنا کر خاندانوں میں شامل کر لینے کا رواج ہو وہاں شجرہ طیبہ کی دال کیا گلتی۔ وہ تو وہ زمانہ تھا۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے لوگ پہلے علوی بنے پھر سید بن گئے۔ اب ذرا وہ سلسلہ سامنے لائیں جس سے ملک عرب کی اقوام اور شجروں کا پتہ چلے اور عرب کے مؤرخین کی کارگزاری معلوم ہو جائے۔

(الف)۔ عرب کی اقوام، مؤرخین عرب کے نزدیک چار ہزار سال کی تاریخ

جناب علامہ سید سلیمان ندوی سامی اُمتوں کی تفصیل کے بعد عرب مؤرخین کے مسلمات لکھتے ہیں:-

” اُمّ سامیہ کی جو تفصیل اوپر بیان ہوئی اسکی بنا پر اُمّ سامیہ اولیٰ سے مقصود وہ قدیم سامی قبائل ہوں گے، جو عرب کے سب سے پہلے اور ابتدائی باشندے تھے اور مختلف اغراض سے یہاں سے نکل کر بابل، مصر اور شام وغیرہ کے ملکوں میں پھیلے۔ عرب مؤرخین اُن کو اُمّ باندہ یعنی برباد ہو جانے والے قبائل کہتے ہیں۔ کہ وہ اپنے ملک عرب سے نکل کر برباد ہو گئے۔ یا انقلابات و حوادث سے مٹ گئے۔ بعض لوگ ان کو عرب عاربہ (خالص اور غیر مخلوط عرب) کہتے ہیں کہ وہ عرب کے خالص اور غیر مختلط النسل باشندے تھے۔ اور نیز یہودیوں کی غلط پیروی میں اُن کو عمالق بھی کہا گیا ہے۔ اہل عرب اپنے ان قدیم ہموطنوں کا ایک ایک کر کے ہر قبیلے کا نام بتاتے ہیں۔ اُن میں سے عاد، ثمود، جرہم، لحيان، طسم اور جدلیس وغیرہ مشہور قبائل ہیں۔“ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ نمبر 124)

اس بیان سے ظہور اسلام کے وقت عاد و ثمود، جرہم، لحيان اور طسم و جدلیس اقوام کا مٹ جانا مان لیا گیا ہے جو بہت بڑا جھوٹ ہے اور ہم یہ جھوٹ کھول کر دکھانے والے ہیں۔

(ب)۔ اُمّ سامیہ یا عرب باندہ کی مزید تفصیلات

علامہ ندوی صاحب نے (ارض القرآن میں) بڑی تفصیل سے مندرجہ بالا اقوام و قبائل کے حالات لکھے ہیں جن میں سے ہم ضروری حالات نوٹ کر کے آپ کو دکھاتے ہیں:-

(1)۔ عاد سب سے بڑا اور سب سے وسیع قبیلہ تھا۔ اور تمام عرب باندہ میں قوت حاکمہ تقریباً اسی کو حاصل تھی۔“ (جلد اول صفحہ 124)

- (2)۔ عربوں کی روایت کے مطابق عرب پر اور عرب سے باہر بابل اور مصر میں یہ عظیم الشان حکومت کا بانی تھا۔ (صفحہ 124)
- (3)۔ تحقیقات جدیدہ نے فیصلہ کیا ہے کہ عرب کے تمام قدیم باشندے یعنی (اُمم سامیہ) ایک کثیرالافراد با عظمت جمیعت تھی۔ جس نے بابل و مصر و شام میں بڑی حکومتیں قائم کیں۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 126)
- (4)۔ قوم نوح کی بربادی کے بعد عرب میں جو سب سے پہلی مقتدر اور حکمران جماعت ظہور پذیر ہوئی، قرآن کی زبان میں اسی کا نام عادیہ۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 127)
- (5)۔ عادیہ سے دو ہزار سال قبل مصر و بابل پر قابض تھے۔ اور ان کا نام اس زمانہ میں چوپان یا بیک سوس (چرواہے بادشاہ یعنی بدوی بادشاہ) تھا۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 127)
- (6)۔ عادیہ کی مرکزی آبادی، عرب کے بہترین حصے یمن و حضرموت میں سواحل خلیج فارس سے حدود عراق تک تھی۔ دراصل حکومت کا مرکز ملک یمن تھا۔ لیکن خلیج فارس کے کنارے کنارے وہ عراق تک وسیع تھی۔ جس سے نہایت آسانی سے وہ راہ معلوم ہو سکتی ہے جدھر سے قوم عادیہ عرب سے عراق میں اور عراق سے دیگر ممالک میں پھیلی۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 130)
- (7)۔ بیرون عرب عادیہ کا زمانہ 4000 ق م سے 1900 قبل مسیح تک بابل مصر اور دیگر ممالک میں۔ (ایضاً صفحہ 132)
- (8)۔ عادیہ میں سے عمالیق ہیں۔ یہ متعدد قومیں ہیں جو ملکوں میں منتشر ہو گئی تھیں اور انہی میں سے مصر و بابل کے بادشاہ ہیں۔ (ایضاً صفحہ 132)
- (9)۔ عادیہ اور عمالیق عراق کے بادشاہ ہو گئے تھے (ابن خلدون)۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بابل سے جزیرہ عرب میں اس وقت چلے آئے جب بنو حام نے اُنکی مزاحمت کی، یہ لوگ عراق سے نکلنے کے زمانہ میں بنو حام کے بادشاہ سے بھاگ کر حجاز چلے آئے۔ (صفحہ 133)
- (10)۔ مصر کے فرعون عمالیق میں سے تھے۔ اُن ہی میں سے حضرت ابراہیمؑ کا فرعون تھا۔ ان ہی میں سے حضرت یوسفؑ کا فرعون تھا اور اُن ہی میں سے موسیٰؑ کا فرعون تھا۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 146 اور مخیم یا قوت حموی)
- (11)۔ مورخ طبری اور ابن خلدون اور مصری مؤرخین کی سندات سے دو ہزار سال قبل عرب چرواہوں یا بیک سوس بادشاہوں کی حکومت مصر پر ثابت کی ہے۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 147-148)
- (12)۔ مصر کے بادشاہ کا نام اسیس ہے جو قرآن میں عزیز ہے۔ (ایضاً صفحہ 149)
- (13)۔ حضرت ابراہیمؑ کو بادشاہ مصر نے اپنی بیٹی دی تھی۔ ان واقعات سے نسبى تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ (ایضاً صفحہ 149-150)
- (14)۔ یوسفؑ کی تاکید کہ اُن کے بھائی بادشاہ سے خود کو چرواہے بنا کر تعارف کرائیں۔ (ایضاً صفحہ 150)
- (15)۔ تاریخ یقوتی سے لکھا کہ اس کے بعد عمالقہ میں سے ایک اور بادشاہ ہوا جس کا نام ریان بن ولید تھا۔ وہ حضرت یوسفؑ کا فرعون ہے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کا فرعون بادشاہ ہوا جس کا نام ولید بن مصعب ہے۔ (ایضاً صفحہ 152)
- (16)۔ اسماعیلیوں کی ماں ہاجرہ مصری تھیں۔ حضرت اسماعیلؑ کی بیوی بھی مصریہ تھیں۔ حضرت یوسفؑ کو دربار مصر تک پہنچانے والے اسماعیلی تھے۔ (ایضاً صفحہ 153)

- (17)۔ حضرت یوسفؑ کے عہد میں جو قحط پڑا تھا۔ اس وقت یمن کی شہزادی جو عادی و عمالیت سے تھی، غلہ منگوا یا تھا۔ (صفحہ 153)
- (18)۔ ان کی سلطنت کا نام ہیک سوس کی سلطنت ہے۔ یہ بادشاہ چرواہے بادشاہوں کے نام سے مشہور ہیں۔ اسلامی تاریخوں میں ان کا نام عمالقتہ ہے۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 156)
- (19)۔ علامہ نے یہاں تک پوری تحقیق کا خلاصہ نمبر دے کر گیارہ حقائق میں پیش کیا ہے جو ہمارے نزدیک مندرجہ بالا جملوں کی تصدیق مزید ہے۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 158-159)
- (20)۔ عرب سامیہ کا اسیر یا۔ ایران فنیقیہ، قرطاجنہ، کریٹ اور یونان تک جانا۔ بسنا اور قوت حاصل کرنا۔ (صفحہ 160-162)
- (21)۔ اسیرین نسلًا عرب تھے۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 160-161)
- (22)۔ سامی عربوں نے یعنی عرب باندہ نے ہزار برس ایران پر حکومت کی۔ (ایضاً صفحہ 161)
- (23)۔ اسلامی مؤرخین کی رو سے ضحاک یمن کے بادشاہ کا نام تھا (صفحہ 161)۔ اور یہی ضحاک وہ تھا جس نے ایران فتح کیا اور حکومت قائم کی اور وہ یہی یمن ہے جس کا باشندہ ہونا قحطانی یا اسماعیلیوں کی شناخت ہے۔
- (24)۔ ایران پر عرب باندہ نے 600 ق م تک حکومت کی۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 161)
- (25)۔ اسیر یا پرام سامیہ جن کا ذکر ہوتا چلا آ رہا ہے اور جن کو برباد کرنے کی اسکیم تھی۔ وہ 600 قبل مسیح تک ایران کے حاکم اور 600 ق م تک اسیر یا کا حاکم رہنا ثابت ہے۔ (ایضاً صفحہ 161)
- (26)۔ فنیسی اہل عرب ہیں۔ یورپ تک تجارت کرتے تھے۔ (ایضاً صفحہ 161)
- (27)۔ قرطاجنہ : جہاں اب تونس ہے وہاں پر بھی فنیس یا آرامی عربوں کی آبادی ہے جس کو اب کارتھج کہتے ہیں۔ ان آرامی عربوں نے عظیم الشان حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جس سے رومۃ الکبریٰ کی حکومت بھی لرز گئی۔ (ایضاً صفحہ 161-162)
- (28)۔ یونان میں وہی سامی عرب آباد ہوئے۔ یونان کے علوم انہی کا ورثہ ہیں قوم معین نے یہاں حکومت کی۔ (صفحہ 162)
- (29)۔ قوم عاد اور قرآن کی ذیل میں عاذر بردست عظیم الشان کثیر التعداد قوم ساری دنیا کی تہذیب کی بانی اور عبرت انگیز تھی۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 163)
- (30)۔ عادرم بن سام سے تھے۔ بے نظیر قوم۔ (ایضاً صفحہ 163)
- (31)۔ ہود بن یثیمبر عاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ (ایضاً صفحہ 166)
- (32)۔ عام طور پر مشہور ہے کہ عذاب کے بعد قوم عاد میں پھر کوئی زندہ نہ بچا۔ یہ غلط خیال قرآن کی ان آیات سے سمجھا گیا ہے (پھر آیات لکھیں)۔ (ایضاً صفحہ 176)
- (33)۔ عذاب سے بچ جانے والوں (سورہ نجم میں عاد اولیٰ کی ہلاکت ہے) کو عاد ثانی قرار دیا گیا ہے۔ (ایضاً صفحہ 176)

اس کے بعد علامہ کی سرخی اندرون عرب ہے یعنی عرب کے اندر قوم عاد کا حال۔

(34)۔ مندرجہ بالا تمام جملوں کیلئے فرمایا کہ یہ اُن قبائل کی سرگزشت تھی جو ملک سے باہر جا کر آباد ہوئے، خود اندرون ملک میں بھی بہت سی قومیں رہ گئی تھیں۔ جن میں شمود سب سے زیادہ مشہور اور جن کی ترقی کا زمانہ عداوولی کے بعد ہے، ام سامیہ کا جو حصہ باہر سے شکست کھا کر پھر عرب واپس آیا۔ اس نے ڈیڑھ سو برس یہاں بھی اپنے عروج کو قائم رکھا۔ اُس کی صحیح مثال مسلمانوں کی ہے۔ فتنہ تاتار کے بعد بھی کئی سو برس تک وہ جیتے رہے۔ لیکن اُن کی رُوح اُسی دن مر چکی تھی۔ بہر حال خواہ باہر سے منہزمانہ واپس آکر یا خود عرب میں رہ کر جن قبائل نے اندرون ملک میں حکومتیں قائم کیں وہ یہ ہیں۔“ (ایضاً صفحہ 177)

(35)۔ حضرموت سے عراق تک عداثانیہ۔ عرب میں حجاز سے حدود سینانک شمود۔ یمامہ میں طسم وجدلیس۔ یمن میں اہل معین۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 177)

(36)۔ عداوولی کے باقیات میں سے حضرت ہود اور اُن کے صحابہ اور جناب لقمان اور اُن کی حکومت ہے۔ (ایضاً صفحہ 177)

کئی کئی سو برس کی عمر کا مطلب نسلوں میں اُن کی حکومت ہے۔ (ایضاً صفحہ 177-178)

(37)۔ حضرت لقمان عاد کے بیٹے اور شداد کے بھائی تھے۔ (عرب کا سب سے پہلا مورخ اپنی کتاب التیجان میں لکھتا ہے)

(ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 178)

(38)۔ لقمان یمن کے باشندے اور ایک قبیلے کے مالک تھے۔ اُن کا صحیفہ حکمت عرب میں موجود تھا اور لوگ اس کو پڑھتے تھے۔ (ایضاً صفحہ 179)

(39)۔ عاد کا ایک کتبہ جو 1834 عیسوی میں ملا تھا۔ اس پر لکھا ہے کہ:

شریعت ہوو: ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے ہیں جو کمینہ خیالات سے بہت دُور اور شریوں کو سزا دینے والے تھے۔ اور ہود کی شریعت کے مطابق ہمارے واسطے پیدا ہوتے تھے۔ اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے۔ (ایضاً صفحہ 180-179)

(40)۔ اُن فیصلوں کو لقمان کی کتاب قرار دیا ہے۔ (ایضاً صفحہ 180)

(41)۔ کتبہ مندرجہ (39) پورا لکھا ہے (صفحہ 182 پر)۔ آخری حصہ شامل کر لیں۔ یعنی اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے۔

اور ہم معجزات کا یقین رکھتے تھے۔ قیامت کے راز اور تنہون کے راز پر ایمان تھا۔ (ایضاً صفحہ 182)

(42)۔ یہ کتبہ معاویہ کے زمانہ میں پڑھا گیا تھا۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 183)

(43)۔ یونانی و عربی تاریخ اور بطلمیوس کی رو سے قوم عاد کا وجود دوسری صدی عیسوی تک ثابت ہے۔ (ایضاً صفحہ 184)

(44)۔ عاد کے بعد شہرت اور سیاسی جانشینی شمود کو حاصل ہے۔ (ایضاً صفحہ 185)

(45)۔ قوم شمود کے پیغمبر صالحؑ تھے۔ (ایضاً صفحہ 188)

(46)۔ قوم شمود اور عاد کے صالحین کو اللہ نے اپنی سنت کے مطابق محفوظ رکھا۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 194)

بقایاے شمود کو شمود ثانیہ کہتے ہیں۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 195)

(47)۔ بطلموس نے 140 عیسوی میں شمود کے وجود و حالات لکھے ہیں۔ (ایضاً صفحہ 196)

(48)۔ قوم شمود انباط (نبطیوں) کے پہلو میں آباد تھی۔ (ایضاً صفحہ 197)

(49)۔ قوم شمود کے تین ہزار جنگجو بہادر تھے بادشاہ قیصر روم جسنین کی فوج میں داخل تھے 483ء سے 565ء تک۔

(ارض القرآن جلد اول صفحہ 197)

(50)۔ اولاد مدین یعنی اہل مدین نے شمود کے علاقے فتح کر لئے۔ کچھ نبطیوں نے چھین لئے اسلئے وہ روم کے طرف دار تھے۔

(ارض القرآن جلد اول صفحہ 197)

(51)۔ قبیلہ جرہم 2200 (دو ہزار دو سو) قبل مسیح میں جب حضرت اسماعیلؑ حجاز مکہ میں آئے تو یہ یہاں رہتے تھے (ایضاً صفحہ 198)

(52)۔ بعض نے ام سامیہ اولیٰ میں سے کہا بعض نے قحطانی کہا۔ بعض جرہم اولیٰ و جرہم ثانیہ کی صورت نکال کر اول کو ام

سامیہ اور دوم کو قحطانی قرار دیا۔ (ایضاً صفحہ 198)

(53)۔ حقیقتاً جرہم قحطانی نہیں ام سامیہ اولیٰ کی قوم ہے جو مکہ میں حضرت اسماعیلؑ سے ملی تھی۔ (ایضاً صفحہ 199)

(54)۔ یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ حضرت اسماعیلؑ علیہ السلام کی شادی ام سامیہ کے خاندان جرہم میں ہوئی اور یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت اسماعیلؑ

کی بیوی مصر سے تعلق رکھتی ہے۔“ (ایضاً صفحہ 200) یعنی مصر میں بھی ام سامیہ کا راج تھا۔

(55)۔ ظہور عہد اسلام میں جرہمیوں کی جمیعت باقی نہ تھی۔ تاہم اس کے منتشر افراد باقی تھے۔ عبید ابن شریہ جرہمی ایک شخص اس زمانہ

میں یمن میں موجود تھا۔ وہ آنحضرتؐ کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا۔ حضرت معاویہ کے زمانہ میں زندہ تھا اور ان کے حکم سے عہد

قدیم کی تاریخ اور داستانیں اس کی زبانی قلمبند کی گئیں۔ (ایضاً صفحہ 200)

(56)۔ طسم و جدلیس بیامہ میں آباد تھے۔ بحرین۔ عمان میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ قوم عاد کے چھوٹے چھوٹے قبیلے تھے۔ پہلے حکومت

طسم کے ہاتھ میں تھی۔ عموق بادشاہ کے مظالم سے جدلیس کی ایک عورت عرس نے ہم چلائی۔ شاہ یمن کی مدد سے اس عورت اور جدلیس کی

مہم کو طسم نے دبا دیا اور یوں دونوں قبیلوں میں پھوٹ پڑ گئی اور ملک غیروں کے ہاتھ میں چلا گیا (صفحہ 201)

(57)۔ اہل معین دراصل قوم عاد ثانیہ سے ہیں۔ 800 قبل مسیح ان کا ذکر اسفار یہود میں 200 قبل مسیح یونانی مؤرخ ذکر کرتا ہے۔

79 عیسوی پھر 80 عیسوی اور پھر 140 عیسوی میں بھی ان کا وجود ہے۔ (ایضاً صفحہ 204-205)

(58)۔ معینی یا قوم عاد کی حکومت یا بادشاہان کا زمانہ 1400 ق م سے 700 ق م تک تھا۔ فرنج اور انگریز محققین کے نزدیک 800 ق م

سے شروع کرتے ہیں۔ (ایضاً صفحہ 208)

(59)۔ معین قوم یا قوم عاد کا آخری زمانہ یونانی شہادتوں کی بنا پر سو برس قبل مسیح تک قائم تھا۔ پہلی صدی میں بھی ایک دولفظ ملتے

ہیں۔ لیکن زیادہ تر قوم سبا کی عظمت سے یہ روایات پڑ ہیں (صفحہ 211) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معین قبیلہ قوم سبا میں مدغم ہو گیا تھا۔

- (60)۔ 196 ق م کا یونانی مؤرخ معین قوم کا وجود بیان کرتا ہے۔ (ایضاً صفحہ 211)
- (61)۔ یونانی مؤرخ قوم سبا کا وجود 196 ق م میں لکھتا ہے۔ حضرموت کا وجود بھی ساتھ ہی ساتھ مانتا ہے۔ (صفحہ 212)
- (62)۔ مورخ پلینی کی رو سے قوم معین 79 ق م تک موجود مگر سبا کے مقابلہ میں گم نام ہو چکی تھی۔ (ایضاً صفحہ 213)
- (63)۔ سبا کے مقابلہ میں پہلی صدی عیسوی تک موجود مگر شہرت نہ تھی۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 213)
- (64)۔ 200 ق م سے 200ء تک قوم معین تاجر کی صورت میں موجود تھی۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 216)
- (65)۔ قوم معین وشمود کے بادشاہوں کا ذکر عرب کے نسابوں مؤرخوں کو معلوم نہیں لیکن علمائے آثار نے تینیس (23) بادشاہوں کے نام ثابت کر دیے ہیں۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 216-217)
- (66)۔ قوم معین عرب سامیہ اولیٰ یا عداد اولیٰ کی بقایا نسل تھی۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 218)
- (67)۔ بنی لیحان کو عربوں نے جزم کی ایک شاخ بتایا ہے ابن خلدون بھی یہی کہتا ہے۔ (ایضاً صفحہ 218)
- (68)۔ امم سامیہ کا طبقہ ثانیہ بنو قحطان یا قحطان یا حقطان۔ حجاز سے یمن تک بنو قحطان آباد تھے۔ (قحطان کے تیرہ بیٹے۔ صفحہ 222)
- (69)۔ عرب نساب قحطان کے تیرہ بیٹوں میں سے صرف یارح حضرموت اور سبا سے واقفیت ظاہر کرتے ہیں (صفحہ 222)
- (70)۔ بنو شلف بن قحطان حجاز میں آباد تھے۔ الموداد کی نسل سواحل بحر فارس پر۔ ہدورام کی نسل نے حجاز کی سمت اختیار کی اور بنو شلف کی طرح حجاز مدینہ اور کوہ ذامس کے اطراف میں آباد ہوئے۔ حضرمہ کی نسل یمن میں۔ اوزال کی نسل وسط یمن میں۔ وقلاہ کی نسل یمن میں۔ عوبال کی نسل کا پتہ نہیں ملتا۔ ابی مائل حجاز کے آس پاس آباد ہوئے۔ افر کی نسل یمن کے سواحل پر۔ حویلہ کی نسل یمن میں شمالی جانب آباد ہوئی۔ یوباب کی نسل یمن کے جنوب میں آباد ہوئی۔ یارح اور حضرموت اور سبا کا ذکر مستقل ہے۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 222-224)
- (71)۔ یارح یا یعرب۔ عربوں کے نزدیک تمام اہل یمن کو یارح کا قبیلہ بتاتے ہیں۔ اور شبایا سبا کو بھی یعرب کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ اور یہی رائے ہمارے یہاں متفقاً تمام علمائے ادب و انساب کی ہے۔ (ایضاً صفحہ 225)
- (72)۔ یمن کا سب سے پہلا بادشاہ یعرب تھا۔ سب سے فصیح عربی اُس سے منسوب ہے۔ عربوں نے یعرب کیلئے غلط اولادیں لکھی ہیں۔ (ایضاً صفحہ 225-226)
- (73)۔ فرزندان حضرموت اکثر برباد ہو گئے جو بچے وہ قبیلہ کندہ میں مل گئے۔ (ایضاً صفحہ 229)
- (74)۔ اسلام کے بعد حضرموت قبیلے کے لوگ تجارت جہاز رانی کرتے رہے۔ (ایضاً صفحہ 229)
- (75)۔ جاوا سامٹرا حیدر آباد کن وغیرہ میں یہ نسل موجود ہے۔ (ایضاً صفحہ 229)
- (76)۔ حضرموتی قبیلہ کی رشتہ داری قوم معین سے تھی۔ لہذا معینی حضرموتیوں میں مدغم ہو سکتے تھے۔ (ایضاً صفحہ 231)
- (77)۔ قوم سبا امم قحطانیہ کی سب سے مشہور شاخ ہے۔ (ایضاً صفحہ 233)

- (78)۔ عرب روایت کے مطابق اس جدِ قبیلے کا نام عمر عبد شمس ہے اور لقب سبا تھا۔ (ایضاً صفحہ 233)
- (79)۔ تمام مؤرخین اور اہل نسب نے عبد شمس سبا کو قحطان کا پوتا لکھا ہے۔ (ایضاً صفحہ 234)
- (80)۔ قوم سبا ظہور اسلام کے وقت موجود تھی۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 237)
- (81)۔ بنو کہلان کیا قحطانی ہیں۔ قحطان کے دو بیٹے حمیر اور کہلان۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 271)
- (82)۔ کہلان کا قبیلہ ایک خواب کی بنا پر سد مارب کے بہاؤ سے بچنے کے لئے حجاز، یمن، نجد، بحرین، عمان، یمامہ، مدینہ، عراق اور شام میں جا کر آباد ہو گئے۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 271)
- (83)۔ کہلان کے مختلف قبائل کہاں کہاں آباد ہوئے۔ یمن میں ہمدان اور اشعر۔ نجد میں کندہ اور قضاہ۔ حجاز میں خزاعہ (مکہ)، اوس و خزرج (مدینہ)، عمان میں ازد۔ شام میں عاملہ، غسان۔ عراق میں لخم، جزام۔ (ایضاً صفحہ 271)
- (84)۔ یہی جگہ ہے جہاں عربوں نے کئی اسماعیلی قبائل کو قحطانی بنایا ہے۔ (ایضاً صفحہ 271-272)
- (85)۔ قوم سبا کے تیسرے اور چوتھے طبقوں میں اقوامِ تبع اور اصحابِ اخدود، ان سب کو قوم حمیر کہا جاتا ہے۔ (ایضاً صفحہ 273)
- (86)۔ جب حمیری قبیلوں نے قوت و حکومت پر قبضہ کر لیا تو سبا کے برسرِ اقتدار قبائل سمٹ کر مغربی عرب یعنی یمامہ، حجاز، عراق اور شام کے علاقوں میں آسے اور رزق و معاش کے حصول میں کوشاں ہو گئے۔ (ایضاً صفحہ 273)
- (87)۔ خاص طور پر یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ حمیری قبائل کی تمام شاخیں قوم سبا ہی کی شاخیں اور قبائل ہیں۔ جو انہیں الگ الگ اقوام قرار دیتے ہیں وہ غلط کار ہیں۔ (ایضاً صفحہ 273)
- (88)۔ قوم سبا کی حمیری شاخ کی عربوں پر حکومت پچاس سال قبل مسیح سے شروع ہو کر 525 عیسوی پر ختم ہوتی ہے (ایضاً صفحہ 277)
- (89)۔ قحطانی اقوام کے لئے عربوں نے تسلیم کیا کہ فرزندانِ قحطان میں سے سب سے پہلے جو بادشاہ ہوا وہ حمیر بن سبا ہے۔ یہ آخر وقت تک بادشاہ رہا تا آنکہ بڑھا ہو کر مر گیا۔ پھر حکومت اس کی نسل میں وراثتاً جاری رہی۔ اور اُن کے ہاتھ سے نہیں نکلی۔ تا آنکہ چند صدیاں گزر گئیں پھر حارث الرأش بادشاہ ہوا جو پہلا تبع بادشاہ ہے۔ اُس سے پہلے دو بادشاہ ہوتے تھے۔ ایک سبا میں اور ایک حضرموت میں۔ تمام یمنی ایک کی اطاعت پر متفق نہ ہوتے تھے۔ لیکن جب یہ بادشاہ ہوا تو اُس کی بادشاہی پر متفق ہو گئے پھر اُس کی اطاعت کر لی اس لئے اُس کا لقب تبع ہوا۔ (صفحہ 278)
- (90)۔ اہل حبش۔ عربی میں حبش کے معنی اختلاط و امتزاج کے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک مخروج النسل اور مختلط النسب قوم تھی اسی قسم کا ایک قبیلہ مکہ کی پہاڑیوں میں آباد تھا۔ عرب اس کو بھی احابیش کہا کرتے تھے۔ (صفحہ 299)
- (91)۔ بہر حال سبائی قوم عرب نے اولاد حام بن نوح کی افریقی شاخ سے اختلاط و امتزاج سے جوئی قوم پیدا کی اس کا نام عربی زبان میں قوم حبش ہے۔ (ایضاً صفحہ 302)۔ ان ہی کو اصحابِ الفیل کہا گیا ہے۔ (ایضاً صفحہ 298)
- (92)۔ اسلام کی عمر ابھی چھ سال کی ہوئی تھی کہ ستر آدمیوں نے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ (ایضاً صفحہ 301)

(93)۔ ابرہہ نے پورے ملک عرب اور قوم سبا کو زیر کیا۔ سد مارب کی دوبارہ تعمیر کی، ایک کلیسا بنا کر اس کا نام کعبہ رکھا، چاروں طرف

عیسائیت پھیلا دی، مکہ پر حملہ کیا۔ (صفحہ 313-309)

(94)۔ چار ہزار قبل مسیح کے بعد جب قوم عاد کی بابلی حکومت ختم ہو گئی اور بڑے حاکم خاندان حجاز واپس چلے آئے تو اسی زمانہ میں باقی قوم عاد کے عوام یا خواص نے بنو حام میں شادی بیاہ اور اختلاط شروع کر دیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں حبش قوم وجود میں آئی اور جہاں جگہ ملی آباد ہوتی پھیلتی چلی گئی۔

(95)۔ مدینہ 2200 قبل مسیح سے لے کر 1600 قبل مسیح تک کسی زمانہ میں قوم عمالقہ نے آباد کیا۔ جو کہ مصر کی حکومت چھن جانے کے بعد مدینہ میں آباد ہونے والے سب سے پہلے لوگ تھے۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 99-98)

(96)۔ اولاد حضرت اسماعیلؑ نے مکہ میں اقتدار حاصل کیا۔ ان کی پیشوائی برابر جاری رہی۔ یہاں تک کہ قبیلہ فحطان کے مختلف خاندان مکہ اور گرد و نواح پر قابض ہو گئے اور بنی اسماعیل سے بالادستی چھین لی۔ حتیٰ کہ جناب قصیؑ نے اس سر نو اقتدار حاصل کیا۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 99)

(97)۔ قصی قریش کا پدرا علی تھا۔ آخر زمانہ میں یہاں کے مالک قریش تھے۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 98)

جو لوگ آخر زمانہ میں مکہ اور کعبہ کے مالک تھے ان کا پتہ لگانے کے لئے ہی تو یہ عنوان لکھا جا رہا ہے۔ (اس کی تفصیل کے لئے عنوان نمبر 11 ملاحظہ فرمائیں جو آگے آنے والا ہے۔)

(98)۔ ظہور اسلام کے وقت بنو فحطان اور بنو اسماعیل جن کو عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں ملک عرب کے اصلی باشندے تھے۔“ (سیرۃ النبیؐ صفحہ 107)

(99)۔ علامہ شبلی کی تحقیق کے مطابق ظہور اسلام کے وقت مکہ و مدینہ اور دیگر عرب کے شہروں میں حسب ذیل خاندانوں کی کچھڑی موجود تھی:- (سیرۃ النبیؐ صفحہ 109-107)

اول : بنو فحطان کی شاخیں

نمبر 1: قبیلہ قضاہ	نمبر 2: قبیلہ کہلان	نمبر 3: قبیلہ اُزدحیر (لقب)
بنو کلب	بنو بجیلہ	بنو اُزد
بنو تنوخ	بنو شعم	بنو اوس
بنو جزم	بنو ہمدان	بنو خزرج
بنو جہینہ	بنو کنده	بنو خزاعہ
بنو نہد	بنو مذحج	بنو غسان
بنو عذرہ	بنو طے	بنو دوس

بنو اسلم	بنو اسلم
بنو بلی	بنو بلی
بنو سلج	بنو سلج
بنو ضحیم	بنو ضحیم
بنو تغلب	بنو تغلب
بنو نمر	بنو نمر
بنو تیم اللات	بنو تیم اللات

دوم: بنو خندف کی شاخیں

1- بنو تیم	2- بنو ہون	3- بنو کنانہ	4- رباب ، 5- بنو ہذیل، 6- بنو اسد، 7- بنو ضبہ، 8- بنو مزنیہ
بنو مقاعس	بنو قارہ	بنو دود	-
بنو قریح	-	بنو قریش	-
بنو بہدلہ	-	-	-
بنو ربوع	-	-	-
بنو ریاح	-	-	-
بنو ثعلبہ	-	-	-
بنو کلیب	-	-	-

سوم: بنو قیس کی شاخیں

1- بنو ہوازن	2- بنو غطفان	3- بنو اعصر	4- بنو عدوان، 5- بنو سلیم
بنو سعد	بنو عیس	بنو غنی	-
بنو نصر	بنو ذبیان	بنو ہابلہ	-
بنو جشم	بنو فزارہ	-	-
بنو ثقیف	بنو مرہ	-	-
بنو سلول	-	-	-
بنو عامر	-	-	-
بنو ہلال	-	-	-
بنو میر	-	-	-
بنو کعب	-	-	-

(100) - علامہ شبلی نے عربوں کے اس سرمایہ کا تذکرہ کیا جس سے عربوں نے آئندہ چل کر وہ تاریخ لکھی جس پر ہم قطعاً اعتبار نہیں کرتے اس پر نظر ڈال لیں:-

اول - زمانہ جاہلیہ کی بعض تصنیفات جو سلاطین حیرہ کے کتب خانے میں محفوظ تھیں اور جو ابن ہشام کو ہاتھ آئی تھیں۔ اور جن کا ذکر

علامہ نے کتاب التبیان میں کیا ہے۔ (سیرۃ النبیؐ - جلد اول صفحہ 106)

دوم - زبانی روایتیں جو قدیم سے چلی آرہی تھیں۔ (سیرۃ النبیؐ - جلد اول صفحہ 106)

سوم - اشعار جاہلیہ۔ جن میں سے اکثر سلاطین و اقوام اور عمارات عرب کا ذکر ہے۔ (سیرۃ النبیؐ - جلد اول صفحہ 106)

(6)۔ پانچ ہزار سالہ تاریخ کو تین سو سالہ حکومت نے الٹا کر کھڑا کر دیا تھا

گزشتہ صفحات نہایت پھیکے اور خشک تاریخی حقائق کا ضروری خلاصہ تھے اور ان کے بغیر بات تو کی جاسکتی تھی۔ لیکن بعض اذہان میں اطمینان پیدا نہ ہوتا۔ اس لئے قارئین کو بڑی زحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر بھی آپ شکر کریں کہ آپ کو چند ہزار صفحات کے بجائے چند صفحات پڑھنا پڑے۔ یہ ایک صد (100) جملے تو وہ ہیں جو مسلمانوں کے مورخین کے مسلمات میں سے انتخاب کئے گئے ہیں۔ ورنہ اگر دنیا کے حقیقی محققین و مورخین کے مسلمات سامنے رکھ لئے جائیں تو باطل کے تمام قلعے ہموار ہو جاتے ہیں۔ بہر حال اس انتخاب سے بھی حق کی کافی تائید حاصل ہوتی ہے۔ اور جب ان ایک سو مسلمات کو بیک نظر دیکھا جاتا ہے تو حسب ذیل حقائق مشرکانہ پردوں سے باہر نکل آتے ہیں اور رنگ محفل قطعی طور پر بدل جاتا ہے۔ اور وہ سازش برہنہ ہو جاتی ہے جسے دنیا کے مدبر ترین دانشوروں نے اسلام کے خلاف برپا کی تھی۔ اور جس قدر سابقہ ریکارڈ موجود تھے سب غائب اور تباہ کر دئے گئے۔ جس پر قرآن کریم بھی گواہ اور ہماری مندرجہ بالا ایک سو شہادتوں نے بھی ثابت کیا ہے۔ اس سلسلے کی آخری شہادت علامہ شبلی کے قلم سے لکھی گئی ہے (شہادت نمبر 100)۔ ذرا سوچئے کہ ابن ہشام دوسری صدی کا ایک مصنف ہے جو تیسری صدی کے اوائل میں وفات پاتا ہے۔ اسے تو شاہان حیرہ کی تصنیفات مل جاتی ہیں لیکن اس سے پہلے نہ کوئی دو سو سال تک ان کتابوں کا ذکر کرتا ہے نہ وہ کتب خانہ کسی اور کو ملتا ہے۔ یہ بات خود ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر شاہان حیرہ جو سابقہ حکومتوں کے مقابلہ میں نہایت کمزور، بے علم اور گھٹیا لوگ تھے، ایک کتب خانہ ورثہ میں چھوڑتے ہیں تو ان سے زیادہ دیندار و سمجھدار بادشاہوں کے یہاں ان سے بہتر کتب خانے کیوں نہ ہوں گے۔ اور وہ سب خود بخود کیوں غائب ہو جائیں گے؟ کہاں چلے جائیں گے؟ اور پھر ان کتب خانوں میں شاہان حیرہ کا کتب خانہ دو سو سال بعد صرف ابن ہشام کو کیوں مل جائے گا؟ کسی اور کو دو سو سال تک اس کا پتہ کیوں نہ چلے گا؟ اور پھر وہی علامہ شبلی اینڈ کمپنی جو زمانہ تصنیف و تالیف کی ان ہزاروں روایات کا انکار کرتے ہیں جنہیں مسلمان علما نے کتابوں سے کتابوں میں لکھا۔ یا اسلام کے زمانہ میں زبانی روایات سے کتب حدیث میں جمع کیا تو بتائیے کہ ہم کیوں ان زبانی روایات کو قبول کریں گے جو بقول شبلی اینڈ کمپنی عہد جاہلیہ میں زبانی گھڑا جاتا رہا۔ اور ایک سازشی اور حاکم گروہ نے اپنے حق میں تاریخ کہہ کر کھو ڈالا؟ بات دراصل یہ ہے کہ جس طرح ہم نے سازش کے اس قلمی انبار کو سامنے رکھا، ٹٹولا، پرکھا اور اس کی تمام کڑیاں الگ الگ کر کے دکھائیں۔ اور نہ قارئین سے ہماری طرح رابطہ قائم کیا۔ نہ ان کو اس سازش پر متوجہ کیا نہ ان سے غور و فکر کی اپیل کی۔

بہر حال ہمارا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ تمام متعلقہ حقائق قارئین کے روبرو پیش کر کے اُن پر تمام دنیا کے مسلمہ قواعد کے مطابق نتائج کو ترتیب دیتے اور حق و باطل کو الگ الگ کرتے چلے جائیں۔ یہ قارئین کا کام ہے کہ وہ حق کو حق سمجھ کر اختیار کریں اور باطل کو باطل سمجھ کر ترک کریں یا نہ کریں۔

چنانچہ ہم عربوں اور اُنکے منصوبے کے خلاف اس حقیقت کو ہرگز فراموش نہ کریں گے کہ جوشاہی خاندان عوام میں مل کر عداوت پروردہ چلے گئے تھے۔ اُنکے پاس عرب کی قدیم تاریخ اور سابقہ کتبہائے خداوندی کا ذخیرہ بالکل محفوظ تھا اور عرب کے متعلق صرف اُن ہی کی باتیں صحیح ہو سکتی ہیں اور وہ خاندان وہی ہیں جن پر قرآن نازل ہوا اور سابقہ عالمی تاریخ کا حوالہ دے دے کر زمانہ قدیم و جدید کے انکشافات کئے۔ اور تمام عرب کو چیلنج کیا کہ تمہارے پاس اگر ہمارے ریکارڈ کے خلاف کوئی کتاب ہو تو پیش کرو (فَاْتُوا بِكِتَابِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ) اگر تم سچے ہو تو اپنی وہ کتاب پیش کرو جس میں تمہارے مسلمات لکھے ہوئے ہیں (صافات 37/157)۔ وقت آنے پر ہم قرآن کریم سے اس خاندان کے پاس اللہ کی نگرانی میں مرتب کردہ مسلسل ریکارڈ ثابت کریں گے۔ لہذا یہ ثابت ہو گیا کہ وہ ریکارڈ جو جناب امیر معاویہ نے عبید بن شریہ وغیرہ کی زبانی ترتیب دلویا تھا (شہادت نمبر 55) سراسر غلط اور سازشی ہے اور اس جعلی تاریخ سے جو کچھ مشہور کیا اور تمام دنیا کے مؤرخوں کو مغالطات میں مبتلا کیا وہ حسب ذیل عنوان میں از سر تاپا تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ اور اسکے غلط ہونے پر ایک سو شہادتیں لکھی جا چکی ہیں۔ آئیے اور نئی نئی حقیقتیں دیکھ کر تاریخ کو از سر نو مرتب کیجئے اور مشرکین کے مسلمات کو ٹھکرا دیجئے۔

(7)۔ خانوادہ حسینؑ نے مشرک تاریخ کا پردہ چاک کر دیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن لوگوں کو مخاطب کیا تھا۔ اُن کو جاہل و غیر متمدن وغیرہ قرار دینا ایک سوچا سمجھا فریب ہے۔ آنے والے اہل قلم اور مؤرخین کو اس طرح ابتدا کرنی ہوگی کہ رسول اللہ کے مخاطب اُن لوگوں کے ورثہ دار ہیں جنہوں نے دنیا کو لکھنا پڑھنا سکھایا، دنیا میں علوم و فنون کی ابتدا کی اور تحقیقات علمیہ کو معراج کمال پر پہنچایا تھا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے بابل و یونان اور روم و ایران کو علوم و فنون و تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت، سائنس اور سیاست کی روشنی عطا کی۔ اُن پر ہزاروں سال کی حکومت کی، انہیں قوانین و شریعتیں عطا کیں، اصول جہاں بانی اور ضابطہ حکمرانی کے ڈھیر لگا دئے۔ کتابیں لکھیں، کتبات لکھے، قلعے بنائے، پہاڑوں کو تراش کر ایسے محلات تیار کئے جن میں کوئی جوڑ اور تیز نہیں تھی۔ ایک سینکڑوں فٹ بلند و وسیع پتھر کو کاٹ تراش کر، کھود کر، عالی شان مکان تیار کرنا سکھا گئے۔ زمین دوز اور فلک بوس اور خود بولنے والی ایک ایسی تاریخ لکھ کر چھوڑ گئے جسے آج کی زبان میں آثارِ قدیمہ کہتے ہیں۔ اور تمام سابقہ تاریخی فریب کا تار پود نکھیر رہی ہے۔ جن کو دنیا میں خدا سمجھ کر پوجا گیا۔ جن میں خدا کے پسندیدہ انبیاء و رسل بھی تھے۔ جن میں مجسم شیطاں بھی تھے۔ فرعون مصر بھی اور نمرود بابل بھی تھے۔ مگر نہ ہر فرعون بُرا تھا، نہ ہر نمرود اچھا تھا۔ اُن ہی میں بے نظیر و بے مثال فلاسفر تھے۔ لا جواب ماہرین قوانین و سیاسیات و مذہبیات تھے۔ ان ہی کے اندر اہلبیس سے رابطہ رکھنے والے مجتہدین بھی تھے۔ اُن ہی میں وحی و علوم خداوندی کے حاملین تھے۔ اُن ہی میں وہ صاحبانِ علوم تھے جن پر براہِ راست شیطانی وحی اور نوازشات نازل ہوتی تھیں۔ ان ہی میں وہ لوگ تھے جنہوں نے بنی نوع انسان کو بولنا سکھایا، مختلف زبانیں جاری کیں، تصنیف و تالیف سکھائی، کاغذ ایجاد کیا، کتب خانے قائم

کیے، نسلوں اور قبائل کے نسب نامے شجرے مرتب کئے اور دنیا میں اعلیٰ درجے کی نسلیں تیار کرنے کا انتظام کیا اور ساری دنیا پر چھا جانے والے افراد تیار کئے۔ اُن ہی میں وہ لوگ تھے جنہوں نے نسلوں کو مخلوط کیا، دوغلی نسلیں تیار کیں۔ بنی آدم میں تفریق کو مٹانے کے لئے تمام نسلوں کو خلط ملط اور گڈمڈ کر کے طبقہ واریت کو مٹانے کا کام کرتے رہے۔ اُن لوگوں کو قرآن کریم نے ہر جگہ مخاطب کیا ہے۔ اُن کی جنسی بے راہ روی کی مذمت کی ہے۔ اُن کے نظام شرکت و اجتہاد کا منصوبہ واضح کیا ہے۔ اور جو کچھ وہ کرنے والے تھے یا کر رہے تھے، اس کی تفصیلات پہلے سے مسلمانوں کو بتادی تھیں۔

(8)۔ مشرکین عرب نے عرب کی اقوام و قبائل اور خاندانوں میں چار سو بیس کی ہے

ایک سوشہادوتوں سے یہ حقیقت ثابت ہوگئی ہے کہ رسول اللہ کے مخاطبوں میں جناب حام اور سام کی ہر نسل اور ہر قبیلے اور ہر خاندان کے لوگ موجود تھے۔ یعنی اُن میں ام سامیہ یا عاد اولیٰ، عاد ثانیہ، شمود اولیٰ، شمود ثانیہ، قبیلہ جدیس اور طسم و قحطان و سبا اور اُن کی تمام شاخوں کے افراد، سنت اللہ کے مطابق، مسلسل بلا انقطاع نسل، موجود رہتے ہوئے آنحضرت کے مخاطب قرار پائے۔ مشرک تاریخ کا یہ کہنا غلط ثابت ہوا کہ ظہور آنحضرت کے وقت صرف نسل اسماعیل علیہ السلام باقی اور چند اکا دکا لوگ قحطان اور عدنان کے بھی باقی تھے۔ انہوں نے یہ چاہا ہے کہ مکہ معظمہ کے تمام باشندوں کو نہیں تو کم از کم اُن کی کثرت کو نسل اسماعیل سے ثابت کر دیا جائے۔ حالانکہ مکہ میں جن لوگوں کی کثرت تھی وہ سب کے سب قحطانی یا جرہمی قبائل کی شاخوں کے لوگ تھے۔ اور جناب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں گنتی کے مشہور لوگ موجود تھے۔ اُن کی تعداد متعین کرنے کے لئے سب سے واضح طریقہ یہ ہے کہ جس قدر لوگ تین سال تک شعب ابوطالب میں محصور و مجبور رکھے گئے۔ اُن کے علاوہ کوئی بھی جناب قصی علیہ السلام کی اولاد میں سے نہ تھا۔ جس طرح مشرک تاریخ نے تمام عرب باندہ کا مٹ جانا، تمام جرہمی قبائل کا ختم ہو جانا دکھایا ہے اُسی طرح ہم نے مندرجہ بالا ایک سوشہادوتوں سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مشرک تاریخ سر سے پیر تک نہ صرف جھوٹی ہے بلکہ مکرو فریب کا ایک ایسا پلندہ ہے جس میں سے صرف وہی باتیں قابل قبول ہیں جو مشرک منصوبے کے خلاف ہوں۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ کبھی بھی کوئی قوم یکسر فنا نہیں ہوئی۔ بلکہ اُس کے صالح افراد ہمیشہ باقی رہے۔ اور وہ تمام لوگ مٹتے چلے گئے جو ناقابل اصلاح تھے۔ قرآن اس پر گواہ ہے۔ حضرت ھود اور جناب صالحؑ ایسے پیغمبر علیہما السلام اس کا زندہ ثبوت ہیں۔ قانون ارتقاء یعنی بقا للاحصاح روزانہ مشاہدہ کے لئے موجود ہے۔ لیکن مشرک منصوبہ بلا تکلف یہ راگ الاپتا چلا گیا کہ فلاں فلاں اقوام یکسر فنا ہو گئیں اور صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ تاکہ وہ اپنے مشرک راہنماؤں کو اولاد اسماعیلؑ بنا سکے۔ ہوتا یہ رہا ہے کہ قوم عاد نے اقتدار حاصل کیا اور اس کے دانشوروں نے تمام معلومہ ممالک میں پھیل کر اپنی حکومتیں قائم کیں۔ مقدر آ زمانہ قسَم کے خاندان بھی عرب سے باہر نکلے۔ اپنی حکومتوں کے زیر سایہ دوسرے ممالک میں آباد ہوئے۔ مملکتی فوائد و رعایات سے مالا مال ہوئے، بڑھے، پھلے اور پھولے۔ جب اقتدار نے ظلم و جبر کی راہ اختیار کی تو مظلوم اقوام و قبائل، خواہ حاکم قوم سے تھے یا دیگر اقوام سے، سب مل کر انقلاب کیلئے اُٹھے۔ اُدھر ظلم و جبر نے پوری شدت اختیار کی۔ عسکری طاقت نے مخالف کا سر گچھنے میں جب سارا زور لگا دیا تو تھک کر انقلاب کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ حاکم طبقہ چین چین کر، ڈھونڈ ڈھونڈ کر تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ قوم کے سربراہ و دروہ لوگوں پر بھی مصائب آئے۔ حاکم قوم

کی کثرت جہاں جہاں آباد تھی اُس نے سر جھکا کر نئے انقلاب کی اطاعت کی۔ عوام جہاں جہاں اور جس جس ملک میں تھے پہلے ہی وہاں کے باشندہ اقوام و قبائل میں گھل مل گئے تھے۔ محکوم اقوام نے حاکم قوم سے فائدہ اٹھانے کیلئے اُن سے رشتہ داریاں قائم کر لی تھیں۔ اُن کے قریب پہنچ کر اُنکے راز معلوم کر لئے۔ خفیہ اسکیمیں بنانا اور کامیاب ہونا شروع کر دیا تھا۔ رفتہ رفتہ اُنکے خلاف مظلوموں کو بیدار کر دیا تھا۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے اب نیا انقلاب پیدا کیا۔

اب اسی فطری راہ سے حاکم قوم کے دانشوروں نے چلنا شروع کیا اور اب یہ لوگ جب دوبارہ اقتدار حاصل کر لیں گے تو اُن کا نام عداوہ کی جگہ عداثیہ ہو جائے گا۔ یعنی قوم عادی پہلی حکومت فنا ہو کر اب عداثیہ کے نام سے حکمران ہوئی۔ اس کا یہ مطلب کہاں ہوا کہ قوم عادی عرب باندہ یا ام سامیہ اولیٰ دنیا سے مٹ گئی؟ مگر مشرکوں نے ہر حکومت کے خاتمے پر ہر حاکم قوم کے فنا ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ حالانکہ قوم کی کثرت موجود رہتی اور بڑھتی اور مختلف سربرآوردہ افراد کے ناموں سے مختلف قبائل میں پھیلتی چلی آئی۔ اسی ایک نسل کا نام کبھی شمود ہوا، اُسی کو کبھی طسم کہا گیا، وہ جدیس کی شکل میں سامنے آئی۔ اسی نے اپنا نام فحطانی رکھا، کسی درجہ میں وہی جڑھی تھے۔ اسی قوم نے مختلف قومی یا شخصی ناموں سے دنیا بھر پر حکومت کی۔ وہی قوم مختلف لوگوں کی بد اعمالیوں سے مختلف ناموں کے ساتھ بدنام ہوئی، کبھی ذلیل و خوار ہوئی، کبھی نشانہ عذاب خداوندی بنی۔ دنیا کی تماشگاہ میں تاریخ کے پردہ پر وہی قوم ہیرو بن کر آئی۔ غلام کی صورت میں نمودار ہوئی۔ ظالم و جابر کے روپ میں جلوہ افروز ہوئی۔ مسند نبوت و خلافت کی آن بان اور شان سے چمکی۔ دعوائے خدائی کرتی ہوئی دکھائی دی۔ بُرے لوگ یا ذلیل کر دئے جانے والے لوگ نام آور اقوام و قبائل و افراد کے پاس مظلوموں، بے کسوں اور بے سہارا لوگوں کی صورت میں حاضر ہوئے۔ اور دن رات خدمت کی۔ خلوص و وفاداری کے حقیقی یا مصنوعی ثبوت فراہم کئے۔ اُسی قوم یا قبیلے یا اُن ہی افراد کی اقوام و قبائل کے افراد کہلانے لگے۔ اُن ہی ایسے نام رکھے۔ بعض ہمیشہ وفادار و احسان مند رہے۔ بعض نے اُن ہی اقوام و قبائل و خاندانوں کے نام رکھتے ہوئے اپنے سر پرستوں سے حسب موقعہ غداری کی اور زمام اقتدار سنبھال لی۔ یہ غدر و وفا، یہ مکر و دغا مسلسل جاری رہا، رہتا چلا گیا۔ ظالم و جابر لوگ ذلیل و خوار ہو کر در دراز علاقوں میں نکل جاتے۔ نام بدلتے، میک اپ کرتے، بہروپ بدلتے۔ اپنی خباثتوں کو صبر و شکر کا نام دیکر تہہ در تہہ پردوں میں چھپاتے اور کسی عالی نسب، رحم پرور، باندہ ب، ہمدرد خلاق خاندان یا قوم کا سہارا لیتے رہے اور موقع ملنے پر نام کے سوا سارے پردے ہٹا کر سامنے آتے۔ اور تمام احسانات کو اپنی عقلمندی اور بصیرت کا نام دے کر تمام مکمل مظالم کرتے۔ احسانات و مظلومی کے سب سے بڑے ہیرو بنی اسماعیل ہیں۔ اور ظلم و خباثت کی سب سے بڑی مثال کر بلا ہے۔ جو اچھائیاں ساری دنیا کی اقوام نے اجتماعی صورت میں کیں وہ تمام اور اُن پر اضافہ خاندانہ حسین نے کیا اور جو مظالم دنیا کی ساری اقوام و قبائل و خاندان و افراد پر ہوئے وہ تمام اور کچھ اضافہ کے ساتھ حسین اور خاندانہ حسین پر ہوئے۔

اور سب سے بڑا ظلم اور ہمیشہ کے لئے جاری رہ سکنے والا ستم یہ کہ تاریخ کا رُخ موڑنے کے لئے ایک مسلسل اسکیم چلائی گئی۔ مخالف اقوام و قبائل اور خاندانوں نے اپنا انفرادی اور اجتماعی سارا زور، پوری قوت، ہمہ قسمی بصیرت، ہر مکر و فریب، ہر جلسہ بازی اور ہر دغا بازی اس اسکیم پر صرف کر دی۔ انہوں نے اپنے محسنوں کے ساتھ کیا کیا؟ یہ قرآن سے لکھا جانا چاہئے۔ محسنوں نے اُن کے ساتھ کیا

کیا؟ اور کیا کرنے کا ارادہ رکھتے تھے؟ قرآن کریم گواہی دے گا۔ مخالفین اور بے وفالوگ ہمیشہ بیٹا بن کر دغا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ قرآن نے جھٹک کر اس راستہ کو آئندہ کے لئے بند کر دیا۔ محمدؐ تمہارے لوگوں میں سے کسی ایک کا بھی والد نہیں ہے (احزاب-33/40) تم لوگ اُس کے بیٹے نہیں ہو۔ اس سورہ کا نام ہی اقوام و قبائل و خانوادوں کی جمعیت کو ظاہر کرنے کے لئے احزاب رکھا گیا ہے۔ ہماری کتاب ”اسلام اور جنسی تعلقات“ کی بنیاد اسی سورہ کی تفصیل پر رکھی گئی ہے۔ یہ سورہ خانوادہ حسین علیہ السلام کو عرب کے دیگر قبائل کے اختلاط سے پاک کرتی ہے۔ اُسی میں آیت تطہیر ہے۔ قرآن میں جو نمبر اس سورہ کو ملا ہے (33) وہی نمبر آیت تطہیر کو دیا گیا ہے تاکہ یاد رکھنے میں سہولت ہو یعنی ”33/33“ کوئی نہیں بھول سکتا۔ یہی سورہ ہے جس میں اس خانوادہ کی مستورات کو قیامت تک کے لئے غیر جنس پر یعنی اس خانوادے کے علاوہ باقی تمام اقوام و قبائل و خانوادوں اور افراد پر حرام کر دیا گیا (احزاب-33/53)۔ یہی سورہ ہے جس نے حسین اور خانوادہ حسین علیہم السلام کی معزز مستورات کو تمام باقی خانوادوں کی ماں کا درجہ دے کر آئندہ اُن سے جنسی تعلقات کی تمام راہیں بند کر دیں۔ اور اس طرح اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کریم و عظیم ترین شاخ کو اُس اختلاط والحاق و تلبیس کی تمام صورتوں سے محفوظ کر دیا۔ اس سورہ کو اڈل سے آخر تک پڑھیں تو حزب الشیطان کے تمام گروہوں کی کمر ٹوٹی ہوئی ملے گی۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ اس سورہ کے نزول یا اعلان کے بعد ہی سے مشرکین نے اپنی مہم کو تیز کر دیا۔ اور کوشش کی کہ خانوادہ رسول کی عظمت و بزرگی ہی کو نہیں بلکہ اُس کے وجود کو دنیا سے مٹا دیا جائے۔ یہی سورہ تھی جس کے نزول یا اعلان کے بعد ماہرین سیاسیات و مذہبیات نے وہ منصوبہ تیار کیا جس کا ایک نتیجہ کر بلا میں نمودار ہوا۔ اختلاط نسل تو اوپر سے چلی آرہی تھی۔ اب نسلی رقابت کا پردہ ڈال کر اور قرآن و رسول کے تصورات کے خلاف تصورات رکھنے اور اقتدار و حکومت حاصل کرنے کا الزام لگا کر اس خانوادے کے خلاف محاذ آرائی شروع ہو گئی۔ یہیں سے گزشتہ و آئندہ تاریخی جلسا زویں کی ابتدا ہوئی۔

(9)۔ تاریخی دباؤ سے جو لوگ خانوادہ رسول کی آڑ میں پوشیدہ تھے برسرِ پیکار ہو گئے

اُنہوں نے کہا کہ عرب کی تمام ظالم و جابر و حاکم نسلیں تباہ ہو گئی تھیں۔ عرب میں جہلا و جہالت کے ڈیرے لگے ہوئے تھے۔ یہاں نہ کوئی شریعت تھی نہ خدا کا نام لیا جاتا تھا نہ عرب میں کوئی نئی گزرا تھا نہ یہاں کوئی خدائی کتاب موجود تھی۔ عرب کے اس دور کو ایام جاہلیت قرار دیا گیا۔ لیکن ہم نے ایک سوشلادوتوں سے یہ ثابت کر دیا کہ عرب گہوارہ علوم و فنون تھا۔ یہاں شریعت کے احکام بادشاہان عرب کی سطح سے نافذ ہوا کرتے تھے۔ یہاں الہامی کتابیں موجود تھیں۔ یہاں سے قوانین ساری دنیا میں پھیل گئے۔ یہاں مسلسل بلا انقطاع حکومتیں قائم رہتی چلی آئی تھیں۔ حتیٰ کہ آنحضرتؐ نے بادشاہان عرب کو خطوط لکھے اُن کے پاس و فود بھیجے۔ اُن کے ممالک میں پہلی ہجرت کے لئے مسلمانوں کو اُن کی پناہ میں بھیجا۔ مشرک گروہ نے کہا کہ نہ عرب کبھی حکومت سے واقف ہوئے تھے نہ محکوم رہے تھے۔ ایک سادہ زندگی بسر کرنے والی وحشی اور بدوی قوم تھے۔ یہ سب سورہ احزاب کے بعد تیار کی جانے والی کہانیوں کی تمہید ہے۔ انہیں کتنا بھروسہ تھا کہ کوئی اُن کی خود ساختہ داستان پر حرف گیری نہ کرے گا۔ اس لئے جہاں یہ لکھا کہ اُم سامیہ اولیٰ اور قحطانی و سبائی اقوام مٹ چکی تھیں وہاں یہ بھی مان لیا کہ وہاں قبیلہ جرہم مکہ میں اُس وقت آباد تھا جب حضرت ابراہیم، جناب اسماعیل اور جناب ہاجرہ (سلام اللہ علیہم) کو مکہ

میں چھوڑ گئے تھے۔ اور محققین کی ایک سوشل ڈیٹا سے ثابت ہو چکا ہے کہ بنو جرہم ہوں یا بنو فحطان ہوں، اہل سبا ہوں یا عاد و ثمود کی اقوام ہوں، یہ سب کے سب عموماً حجاز و مکہ و مدینہ میں مستقل آباد رہتے چلے آئے اور اقوام کے برسر اقتدار خاندان، خاندانی حکومتوں کے زوال پر مکہ و مدینہ ہی کی طرف بھاگ آتے اور سابقہ باشندگان میں مدغم ہوتے چلے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ آخری زمانہ کی سبائی و حمیری حکومتیں یا حیرہ وغیرہ کے صاحبان اقتدار کا رخ بھی حجاز ہی کی طرف رہتا تھا۔ اور آنے والے قبائل گوھر بیت کھا کر اس علاقہ میں آتے تھے مگر حاکم قوم ہونے کی بنا پر ان کے پاس وسائل و قوت بہر حال مکہ کے باشندوں سے زیادہ ہوتی تھی۔ اس لئے اکثر آنے والے کعبہ کے متولی خاندان کو برطرف کر کے خود کنجیاں سنبھال لیتے تھے۔ یہ کام مکہ میں بار بار اور ہر انقلاب پر ہوتا رہا۔ لہذا مشرک تاریخ کی یہ بات بھی غلط ہے کہ مکہ اور کعبہ پر ابتدائی زمانہ سے ظہور اسلام تک حضرت اسماعیل علیہ السلام کا خاندان حاکم یا مسلسل برسر اقتدار رہتا چلا آیا تھا، ہرگز نہیں۔ بلکہ بار بار اور کئی بار بنو اسماعیل سے یہ اقتدار چھینا جاتا رہا۔ بلکہ کئی دفعہ خاندان حضرت اسماعیل کو مکہ چھوڑ کر ادھر ادھر پناہ لینا پڑی۔ اور جب حالات سازگار ہو گئے تو انہوں نے واپس آ کر اپنا اقتدار بحال کیا۔ چنانچہ جناب قصی علیہ السلام قدیم دور کی آخری مثال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دور جدید یا ظہور اسلام کی اولین مثال ہیں۔ جنہوں نے خانوادہ اسماعیل کے دشمنوں سے بزور بازو اقتدار حاصل کیا۔ مگر ان دونوں (سلام اللہ علیہما) نے اپنے تخطائی اور جرہمی مخالفوں پر ظلم و استبداد نہیں کیا۔ انہیں معاف کیا، پناہ دی اور ان کی خطاؤں اور پرفریب اسکیموں کو بطور اصلاح حال اپنے رحم و کرم کے پردوں سے ڈھانک دیا۔ لیکن وہ حضرات تو نہ اللہ کے احکام کے بغیر قدم اٹھاتے تھے، نہ بات کرتے تھے اور نہ اپنی ذاتی و قومی و خاندانی مصالح کی رُو سے فیصلہ کر سکتے تھے۔ وہ ظالم و جابر کو معاف کرتے رہے۔ لیکن ان کے احسانات کو ظالم و جابر اپنی حکمت عملی کے نتیجے پر محمول کرتے رہے۔ سازشیں اور جوڑ توڑ کرتے رہے اور موقع پا کر ہر جائز و ناجائز مظالم و جبر و ستم کرتے رہے۔ مگر ہم نہ نبی ہیں نہ معصوم، نہ الہام ہوتا ہے نہ ہم پر وحی ہوتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر کوئی منصبی جبر عائد ہے۔ لہذا ہم ان ظالموں، غاصبوں اور فریب سازوں کے جرائم پر کیوں پردہ ڈالیں۔ ہم کیوں نہ ان کی قبل از ضرر رسائی جڑیں نکال لیں۔ ہم ان کے ساتھ اور ان کی راہ چلنے والوں کے ساتھ وہ تمام سلوک کریں گے جو انبیاء و معصومین علیہم السلام کے شایان شان نہ تھا۔ ان کے فریب کو ایسے فریب سے باطل کریں گے جو بے پناہ ہو۔ ان کے مکر کا توڑ اس مکر سے کریں گے جو صرف ہمیں خَیْرُ الْمُنْكَرِیْن (آل عمران 3/54) اور امکر الناس (نہج البلاغہ) سے ملا ہے۔ ہم انہیں قبل وقوع جرم سزا دیں گے۔ مہلت کا دور کر بلا کے ساتھ ختم ہو گیا تھا۔ اُس کے بعد تحریک تشیع برسر کار ہے۔ ان کے ساتھ رعایت حرام ہے، ان پر رحم و کرم گناہ کبیرہ ہے۔ البتہ عوام الناس اور دیگر اقوام و مذاہب کے لئے تحریک حسیٹی کی جان و مال سب قربان ہونے کے لئے حاضر ہیں۔

(10)۔ تاریخ عرب ہی سے نہیں ہمارا موقف تاریخ عالم و آثار قدیمہ سے بھی ثابت ہے

جس شجرہ ملعونہ نے تمام انبیاء و اوصیاء و اولیاء اور معصومین علیہم السلام کے خلاف محاذ قائم رکھا، اُس شجرہ کو وجود میں لانے والا بڑا ہی قدیم شخص ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ قدیم اور زیادہ مشہور یعنی ابلیس جس کا قدیم نام عزرا زیل تھا۔ یہ وہ شخص ہے جو حضرت آدم کی تخلیق کے وقت تک ہزار ہا سال سے عبادتوں میں مصروف تھا۔ مقرب بارگاہ خداوندی تھا۔ ملائکہ کی ہم نشینی اُس کا طُغرائے امتیاز

تھا۔ وہ زبردست توحید پرست تھا۔ غیر خدا کو حتیٰ کہ انبیاء کو بھی سجدہ کرنا شرک سمجھتا تھا۔ توحید پرستی کی انتہا یہ تھی کہ اُس نے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے بھی انکار کر دیا اور خدا کے حکم کے بعد سجدہ کو شرک سمجھا۔ اللہ نے اس نافرمانی پر اُسے لعنتی اور جہنمی قرار دے دیا۔ اُس نے اللہ کو چیلنج کیا کہ میں آدمؑ کی ذریت یعنی اولاد میں سے اپنے حصہ کے آدمی نکال لوں گا (نساء۔ 119-118/4) اور ساری نوع انسان کو اغوا کروں گا (ص۔ 38/82)۔ اللہ نے اُسے وقت معلوم تک عمر عطا کی۔ تمام ضروری سامان و اختیار دیا (بنی اسرائیل۔ 63-62/17)۔ یہی ابلیس وہ شخص تھا جس نے فراعنہ اور نمازید ایسے طاغوت پیدا کئے۔ جس نے جمہور ساز خوشنما نعرے دے کر نوع انسان کو بغاوت پر ابھارا۔ حسین مقاصد مگر بدترین اقدامات سکھائے۔ نعرہ یہ کہ نوع انسانی کا معیار زندگی بلند کیا جائے گا، غربت مٹا دی جائے گی، خوراک و پوشاک و رہائشی سہولتوں کے انبار لگا دئے جائیں گے۔ مگر نتیجہ اور کام ایسے کہ ایک ایک صوبے سے ہر ہفتہ ایک ایک ہزار انسانوں کے بھوک سے ایڑیاں رگڑ کر مرنے کی اطلاعات ملتی رہیں۔ دعوائے خدائی کرتے کرتے بغاوت و طغیانی کے سمندر میں ڈوبنا پڑا۔ ابلیس نے جس شجرہ ملعونہ کو معراج کمال پر پہنچایا وہ انبیاء کے مقابلہ پر آیا۔ یہاں تک کہ ظہور اسلام کے وقت یا یہ کہنے کہ جب اسلام اپنے معراج کمال پر آیا تو ابلیسی خاندان بھی اپنے منہبائے ترقی پر تھا۔ ابلیس کو مہلت ملنے کے یہ معنی تھے کہ نبیؐ کے مخالفین کو مہلت و اختیارات ملتے جائیں تاکہ شیطانی کشتی بھر کر ڈوبے۔ یہ کشتی بار بار ڈوبی۔ کبھی قوم عاد کو عروج پر لیجا کر ڈوبی، کبھی عاد ثانیہ کے سرکشوں کو لے کر ڈوبی، کبھی ثمود و قحطانی کے باغیوں کو لے کر ڈوبی، مگر ابلیس باقی رہا۔ اُس سے مخلوط نسل بڑھتی گئی۔ ایک حزب شیطان ڈوبا تو دوسری شیطانی گروہ ابلیسی کمین گاہوں سے باہر نکل آئے۔ یہ کمین گاہ انبیاء علیہم السلام کے گھروں میں، پیروؤں کے لباس میں، عبادتوں کی آڑ میں، دوست داران دین کی صورت میں بنائی جاتی تھیں۔ یہ لوگ اسلام کا کلمہ پڑھتے مگر کفر کی خدمات انجام دیتے۔ یہ لوگ اگر نماز نہ پڑھیں تو دود نقصان۔ ایک نقصان یہ کہ پہچان لئے جائیں گے۔ دوسرا نقصان یہ کہ پیش نماز یا امامت نماز، بے نمازی کو کیسے مل سکتی ہے۔ حج نہ کریں تو امیر حج بننے کی امید حماقت ہو کر رہ جائے۔ جس ملک میں اقتدار کے لئے عمدہ نسلی خصوصیات کو سامنے رکھا جاتا رہا ہو۔ وہاں اعلیٰ درجہ کی نسل میں الحاق و انتساب کے بغیر حق وراثت و حکومت و امارت کس طرح ممکن ہے؟ لہذا ابلیسی گروہ ہر نبیؐ کے اولین و سابقین میں شامل ہوتا۔ روزہ اور نماز میں موقعہ شناسی اور دانشوری ملحوظ رکھتا۔ دوسرا ابلیسی گروہ لاکر کر سامنے آتا۔ لاکر آنے والا تباہ ہو جاتا تو اسلامی لباس والا گروہ باقی رہتا اور موقعہ پر اپنے سر پر اقتدار کا تاج رکھ لیتا۔ اور اعلان کر دیتا کہ تاج و تخت و اقتدار اُن تمام لوگوں میں مشترک ہے جو انقلاب لانے میں مشترک تھے۔ اس پر کسی خاص خاندان کی اجارہ داری نہیں ہے۔ خاندان نبوتؐ ہو یا خاندان اسماعیلؑ ہو وہ سب عام آدمیوں کے برابر ہیں ورنہ وہ مخالفین نوع انسان ہیں۔ یقیناً ایسا اعلان جو خانوادہ ابراہیم علیہ السلام کے خلاف ہو کوئی اسماعیلی نہیں کر سکتا۔ ایسا یا اس قسم کا اعلان کرنے والا بلاشبہ کوئی بھی ہو وہ دشمنان خاندان ابراہیمؑ و اسماعیلؑ میں سے ہوگا۔

اس دشمنی اور نسلی مخالفت پر کسی اور گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔ ملک عرب میں تاریخ عالم آثار قدیمہ کی رُو سے ایسی حکومتوں کا سلسلہ برابر جاری رہا ہے جو شریعت خداوندی کو نافذ کرتی تھیں جو شرعی قوانین کی کتابیں تصنیف کر کے رعایا میں پھیلاتی تھیں (شہادت نمبر 39-41)۔ یہ سب اعلیٰ درجہ کی نسلوں میں نسلی حکومتیں ہوتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ جو حکومت میں نسلی امتیاز کو ختم کر دے وہ حکمران نسل کا حقیقی

فر نہیں ہو سکتا۔ وہ اُن لوگوں میں سے یا اُن نسلوں کا ایک فرد ہو سکتا ہے جو اعلیٰ درجے کی نسل کا نہ صرف مخالف بلکہ کسی گھٹیا درجہ کی نسل سے ہو جو حکومت و اقتدار کے لئے ترستی چلی آئی ہو۔ اور جس کے پاس کبھی کسی اعلیٰ درجے کی نسل سے الحاق یا دغا و فریب کر کے حکومت رہی ہو۔ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ عرب کی اعلیٰ درجے کی نسلیں ہرگز گھٹیا نسل والوں کو داماد نہ بنایا کرتی تھیں۔ مبالغہ کے طور پر یہ تو کہا گیا ہے کہ مجبوری میں شرفا اپنی لڑکیوں کو دفن کر دیا کرتے تھے۔ اس کے برعکس گھٹیا نسل کے لوگ اقتدار کے لالچ میں اپنی بیٹیاں اعلیٰ درجہ کے لوگوں کو دے دیا کرتے تھے۔ اور خود اپنے پاس سے روپیہ بھی دے دیتے تھے۔ ایسا الحاق کبھی کبھی اقتدار کے لئے ضروری رہا ہے اور کبھی کبھی کامیاب بھی ہوا ہے۔ یہ بھی ہوا ہے کہ اقتدار کے چھن جانے کے بعد جب الحاق اور نفاق کے دروازے بند دیکھ کر عرب کی اقوام دوسرے ممالک کی مخالف اقوام سے ساز باز کر کے اپنی قوم کی برسر اقتدار جماعت کے خلاف فوج کشی کرایا کرتے تھے۔ یا دشمن کی فوج میں ہزاروں کی تعداد میں بھرتی ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اقوام عاد و ثمود کے وہ قدیم ترین قبائل جو حکومت و اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے برابر اپنی حاکم جماعت کے خلاف غیر مسلم حکومت کی فوج میں شامل عرب پر حملہ آور پائے جاتے ہیں (شہادت نمبر 49)۔ اس سے قوم عاد و ثمود کی موجودگی اور بقا 565 عیسوی تک ثابت ہے۔ یعنی مشرک محاذ کے منہ پر یہ ایک تاریخی گھونسا ہے۔ اور اپنی قوم کے خلاف 483 عیسوی سے 565 عیسوی تک (بیاسی سال، تقریباً ایک صدی تک) سازش اور قطع رحمی ثابت ہے۔ یہاں سے بنی اسماعیل اور خانوادہ رسولؐ کے خلاف سازشیں اور مکرو غدر و دغا و فریب ناقابلِ تعجب ہو جاتا ہے۔ یعنی غیر اسماعیلی قبائل کی سنت و عادت ہے کہ محسنین سے مکرو فریب و غدر و ظلم کو جائز سمجھیں۔ اور یہ خبیث سنت و عادت اُن ہی قبائل میں بار بار پاسکتے ہیں۔ جن میں ابلیس کی جنسی شرکت و مخالفت پوری طرح جاری ہو۔ اور قرآن کی رو سے ابلیس کا حصہ (نساء۔ 4/118) اور حزب الشیطان بن چکے ہوں۔ یہی اقوام دن رات اپنی نسلیں اور قبیلے بدلتے رہتے تھے۔ کبھی جرہمی بن جاتے، کہیں قحطانی بن کر نظر آتے تھے۔ مکہ میں کثرت اُن ہی کی آباد رہتی چلی آئی تھی (شہادت نمبر 52-53) اور یہی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطب تھے۔ اُس تمام جھمگٹے کو سازش نے اسماعیلی بنادیا۔ چونکہ اب اقتدار کا رُخ مڑ چکا تھا اور اقتدار خانوادہ اسماعیل کے قدم چوم رہا تھا اور انہیں اس نسل و قبیلہ میں داخلے کے بغیر اقتدار کا ورثہ نہ مل سکتا تھا۔ لہذا بہت پہلے سے قحطانی و جرہمی اور سبائی قبیلوں نے یہ الحاق اختیار کر لیا۔ جس زمانہ میں یہ الحاق ہوا ہے قوم سبا یہاں غالب اور حاکم تھی۔ لہذا اس الحاق پر کوئی معترض نہ ہو سکتا تھا (شہادت نمبر 86 تا 88)۔ اور چونکہ الحاق اور قبیلے میں مدغم ہوتے رہنا مشرکین کا قدیم اور مذہبی دستور تھا (شہادت نمبر 73) اس لئے دوسروں کا بیٹا بن جانا عرب مشرکین میں قابلِ فخر تھا۔ ایک بات اور یاد رکھیں کہ عبد شمس نام کا ایک عرب معزز شخص تھا جو قحطان کا پوتا تھا۔ اسکی قحطانی نسل و قوم حجاز و مکہ میں بستی تھی۔ لہذا عبد شمس کو ہرگز فراموش نہ کریں۔ اس سلسلے کی نہایت اہم بات یہ ہے کہ جس عربی فوج نے مخالف اور غیر مسلم حکومت کے ساتھ مل کر حملہ کیا تھا وہ یہی مخالف قوم تھی جو ظہور اسلام کے زمانہ میں مکہ پر اقتدار رکھتی تھی۔ اور اُس نے جس قبیلے پر حملہ کرایا تھا وہ مطی تھا۔ مطی ہی وہ قبیلہ ہے جس سے خانوادہ حسینؑ و رسولؐ ہیں۔ اور اب اُن ہی کا ذکر خیر ہوگا۔ چنانچہ خاندان رسولؐ کو جس نے ٹھیک سے سمجھنا ہو وہ آنے والے عنوان کو لفظ بلفظ مکمل کی طرح پڑھے اور سمجھ کر ایک بہت بڑی اور شرمناک سازش کا پتہ لگائے اور دیکھے کہ نساب و مؤرخ و محدث اور محقق حضرات رسولؐ اللہ کے ساتھ کیا کیا کرتے رہے ہیں۔

(11)۔ اقتدار کے لئے اسماعیلی و قریشی بننے کے لئے خاندانِ رسولؐ کو بھی بدل دیا

آپ کو شاید حیرانی ہوگی کہ عرب کے مؤرخین اور نسابوں نے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جناب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں تو رہنے دیا مگر اُن کے شجرہ کو اُسی قدر مشکوک کر دیا جس قدر اُن کے سرپرستوں یعنی حاکموں اور تاریخ لکھوانے والوں کے حسب و نسب اور شجروں میں شکوک و شبہات تھے۔ یعنی ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ اور یہی وجہ ہے اور یہی لوگ ہیں جنہوں نے بعد میں یہ بخشش نکالیں اور کھل کر کہہ دیا کہ (معاذ اللہ) آنحضرتؐ کے باپ دادا سب اُن کے اپنے باپ دادوں کی طرح کافر و بت پرست تھے۔ یعنی وہ اسماعیلی بن کر بھی خانوادہ رسولؐ اور بنو اسماعیلؑ کے دشمن رہے۔ یعنی برائے نام اور بظاہر اسماعیلی رہے لیکن قلباً اور اقدماً قحطانی اور کہلانی اور سہائی و جرہمی رہے۔ اور جب تک اُن کا اقتدار کسی صورت میں بھی باقی رہا نسل اسماعیل و ابراہیم و محمد علیہم السلام کے فنا کر دینے میں پورا زور اور ساری ابلیسی بصیرت استعمال کرتے رہے۔ یہاں تک کہ تحریک تشیع نے اُن کی ابلیسی عمارت و امارت و حکومت کو جڑ سے اُکھٹ کر پھینک دیا۔

(الف)۔ رسول اللہ کا مورث اعلیٰ کون ہے؟ یعنی اسماعیلؑ کا کونسا بیٹا ہے؟

عربوں نے اور عربی مؤرخین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جناب قیدار یا قیدربن اسماعیلؑ کی نسل میں شمار کیا جو غلط اور محض ایک سازش کا اُلجھاؤ ہے۔ پھر شیعہ مجتہدین ہی نہیں بلکہ کل تک تمام علمائے شیعہ آنحضرتؐ کو قیداری کہتے اور لکھتے رہے۔ یعنی جو لوگ مخالف گروہوں کی طرف سے تحریک تشیع کا دھارا موڑنے کی غرض سے شیعہ لبادہ پہن کر لعنت و تبرا کے طوق اپنی گردنوں میں ڈال کر ملت شیعہ میں داخل ہوئے اور رفتہ رفتہ مجتہدین کے ابلیسی لقب سے روشناس ہوئے۔ انہوں نے آنحضرتؐ کے شجرے کو اپنے سرپرستوں کے اشارہ پر ملت شیعہ میں بھی غلط شہرت دے دی۔ چنانچہ قارئین مسلمانوں کے کسی بھی عالم یا کسی بھی مکتب فکر کا لکھا ہوا شجرہ دیکھیں تو پہلی اور عام بات تو یہ ملے گی کہ وہ شجرہ جناب عدنان علیہ السلام پر ختم کر کے یہ لکھ دیا جائے گا کہ اس سے آگے کا شجرہ مشکوک ہے۔ اس میں عرب کے بھانڈ اور مورخ و محدث مشکوک ہیں متفق نہیں ہیں۔ اور اگر کہیں پورا شجرہ لکھا ہوا ملے گا تو اس میں چلتے چلتے آخری پشت میں قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام ملے گا جو قول معصومؑ اور صحابہ علیہم السلام کے بیانات کے خلاف ہے۔ اور ذرا دیر بعد وہ شجرہ اور اُس کے اختلافات اور شکوک و شبہات اور ہمارے بیانات کی تصدیقات آپ کے سامنے آجائیں گی۔ یہاں تو یہ دیکھئے کہ خود آنحضرتؐ نے اپنے مورث اعلیٰ کے متعلق کیا فرمایا ہے؟

(ب)۔ رسول و حسینؑ کا مورث اعلیٰ رسول اور علی علیہم السلام کی زبانی

تفصیل ذرا دیر بعد ملے گی یہاں بطور نمونہ اور بطور سلسلہ عرب کے منصوبہ سازوں کے خلاف یہ سن لیں کہ:-

اول۔ ”ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ کی زبانی سنا کہ معد بن عدنان بن اؤد بن زَند بن یری بن اعراق الشری۔ ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔ کہ زندھمیع ہے۔ یری نبت ہے۔ اور اعراق الشری خود اسماعیل بن ابراہیم

ہیں۔“ (تاریخ طبری جلد اول صفحہ 54)

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے نبیؑ کی اولاد میں ہیں نہ کہ قیدار بن اسماعیلؑ کی اولاد میں۔

دوم۔ ”مقداد بن اسود البہرانی کی بیٹی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلم نے فرمایا کہ معد بن عدنان بن اُدد بن یری بن

عراق الثوی“ (طبری جلد اول صفحہ 54) یہاں جناب ام سلمہؓ کی تصدیق اور ہماری تائید مزید ہو گئی۔

سوم۔ ”بعض نسب کہتے ہیں کہ عدنان بن اُدد بن مقوم بن ناوہ بن تیرح بن یعر ب بن یثجب بن ثابت بن اسماعیل۔“

(طبری جلد اول صفحہ 54)

اب فی الحال ایک آخری شہادت جو لسان اللہ علیہ السلام کی زبانی ہے۔ اور ثبوت میں سلیمان صاحب کی ارض القرآن بھی ہے۔

چہارم۔ ”حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اُن کا نسب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ”ہم کوئی واقعہ عراق کے نبط ہیں۔“

اور یہ بالاتفاق معلوم ہے کہ علیؑ اسماعیلی قریشی عرب تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوگا کہ نبط اسماعیلی عرب ہیں جو عراق

تک پھیلے تھے۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 57 و 59 مصنفہ سید سلیمان ندوی طبع چہارم معارف پریس اعظم گڑھ)

(ج)۔ عرب کی وہ نسلیں جن کو رسول اللہؐ نے مخاطب کیا بنطیوں کو عرب نہیں سمجھتیں

جیسا کہ ہم نے ابتدا میں عرض کیا کہ نہ عرب اور اس کے وہ قبیلے جن کو رسول اللہؐ نے مخاطب کیا ایسے تھے کہ آنحضرتؐ اور اُن

کے خاندان کو عرب کہنا یا اُن قبیلوں سے منسوب کرنا قابل فخر ہو۔ اور نہ وہ قبائل رسول اللہؐ کے خاندان کو عربوں میں شمار کرتے تھے۔ یعنی

رسول اللہ اور اُن کے قبیلے کا اُن نام نہاد خاندانوں سے کوئی رشتہ نہ تھا، نہ تعلق تھا اور نہ وہ عرب تھے۔ اسی لئے رعایت کے ساتھ اُس

خاندان کو جو جناب اسماعیل علیہ السلام سے عرب میں پھیلا تھا، مؤرخین عرب مستعربہ یعنی وہ لوگ جنہیں غیر ملکی ہونے کے باوجود عرب سمجھ

لیا گیا تھا (تمام تواریخ) اور سنئے:-

اول۔ اس عبارت کے ساتھ حمزہ اصفہانی کی عبارت ضم کرو:-

”الْأَرَمَانِيُّونَ نَبَطُ الشَّامِ وَالْأَرْدَوَانِيُّونَ نَبَطُ الْعِرَاقِ۔ ارمانی شام کے بنطیوں کا نام ہے۔ اور اردوانی عراق کے نبط کا۔ انباط

نے چونکہ ایک متمدن و غیر بدوی زندگی اختیار کر لی تھی۔ اسلئے عربوں کے محاورے میں ”أَمَّا النَّبَطُ فَكُلُّ مَنْ لَمْ يَكُنْ رَاعِيًا أَوْ جُنْدٍ

يَا عِنْدَ الْعَرَبِ مِنْ سَاكِنِي الْأَرْضِينَ۔ نبط عرب کے نزدیک ہر وہ شخص ہے جو چرواہا یا سپاہی نہ ہو۔

اہل عرب عموماً نبط کو قوماً و اصلاً غیر عرب سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک عرب و عجم جس طرح دو متقابل (ومتضاد) نام (واقوام) ہیں اسی طرح

نبطی اور عربی کو بھی باہم متقابل (ومتزاحم اقوام) سمجھتے ہیں۔ اس کا سبب صرف معاشرت، طرز زندگی اور زبان کا اختلاف ہے۔ ورنہ

درحقیقت نبط بھی اسماعیلی عرب ہیں۔ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 57)

یہاں قارئین کو رک کر عربوں اور بنطیوں کا فرق نوٹ کر لینا چاہئے۔

دوم۔ خانوادہ رسولؐ کے خلاف عربوں کے قدیم تصورات

- (i) رسول اللہ کا بنی خاندان بدُّ و نہ تھا بلکہ متمدن اور مہذب تھا۔
- (ii) تہذیب و تمدن و علم و اعلیٰ درجہ کی معاشرت کی بنا پر انہیں عجمیوں کی طرح ایک مخالف قوم سمجھا جاتا تھا۔ یہاں یہ سمجھ لیں کہ عجمیوں اور متمدن اور مہذب دنیا نے کیوں عربوں کے خلاف اور آل رسولؐ کی تائید میں محاذ قائم کئے تھے۔
- (iii) یہ مسلمات میں سے ہے کہ خاندان رسولؐ کی زبان عربی مبین تھی۔ لہذا عربوں کی زبان جو کچھ بھی ہو وہ عربی مبین نہ تھی بلکہ آرامی، کلدانی، سبائی، حمیری زبانوں کا مرکب وغیرہ تھی۔
- (iv) یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عرب، چرواہے اور سپاہی کا لقب پسند کرتے تھے اور بنیویں سے اس کی نفی کرتے تھے۔ یعنی آگے چل کر معلوم ہوگا کہ عربوں نے یہ القاب غصب کر لئے تھے۔
- (v) یہ بات سو فیصد صحیح ہے کہ رسول اللہ اور اُن کا خاندان نہ بدُّ و نہ وحشی و غول بیابانی عرب تھا۔ وہ بابل سے آیا ہوا ایک ایسا خاندان تھا جو روز ازل سے گہوارہ نبوت و رسالت و امامت و خلافت اور حامل و امین وحی و علوم خداوندی تھا۔
- (vi) مشرکین عرب خاندان رسولؐ یعنی بنیویں کے نسب میں بھی عیب نکالتے تھے۔ تاکہ اُن کے اپنے نسب میں عیب و شرک کا الزام پھیکا پڑ جائے سنئے ایک تہمت پر غور کیجئے:-

”لیکن چونکہ انہوں نے عموماً حدودِ عرب اور حدودِ عرب سے باہر غیر قوموں میں اپنا مسکن بنایا اس لئے وہ (بط) اپنا نسب محفوظ نہ رکھ سکے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ تَعْلَمُوا النَّسَبَ وَلَا تَكُونُوا كَبَنِي السَّوَادِ إِذَا سُئِلَ أَحَدُهُمْ عَنْ أَصْلِهِ قَالَ مِنْ قَرِيَةِ كَذَا۔ عقد الفرید جلد 3 صفحہ 37۔ نسب نامہ سیکھو عراق کے بط کی طرح نہ ہو جاؤ کہ جب اُن میں سے کسی سے پوچھا جائے کہ تم کس خاندان سے ہو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم فلاں شہر کے ہیں۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 57)

گو علامہ صاحب نے اس ترجمہ میں خیانت کی ہے۔ مگر ہم اس خیانت کو کیوں ظاہر کریں۔ بلکہ ہم بنیویں پر اس فیصلے کی سنگینی کو زیادہ روشن اور حافظہ میں محفوظ رکھنے کے لئے علامہ کا ایک ایسا قول جو ابھی ابھی ہم نے لکھا تھا آپ کے سامنے لاتے ہیں۔ تاکہ دو تارنجی ہیر و آمنے سامنے کھڑے ہوئے نظر آئیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہم عراق کے بنی ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عراق کے بنی مجہول النسب ہوتے ہیں۔ ”سبحان اللہ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلیٰ العظیم پڑھ کر ایک ایسی رباعی سنئے جس کو سمجھ لینے والے کے لئے ہم ایک سو روپیہ انعام مقرر کرتے ہیں۔ دل چاہے تو اس مذکورہ مرد اور عورت کے نام اور اُن کے آپس کا رشتہ ہمیں لکھئے اور منی آرڈر وصول کر لیجئے۔

بھائی یہ بھتیجا یہ سگی سوت کا جایا یہ
جن یہ جایا اُن میں جائی اس کا باپ میرا بھائی

اس ہندی کی اردو یہ ہے کہ یہ شخص جو میرے ساتھ ہے۔ یہ میرا بھائی بھی ہے۔ میرا بھتیجا بھی ہے۔ اور میرے شوہر کی دوسری بیوی کا یعنی میری سوکن کا بیٹا بھی ہے۔ اور کیا کہوں کہ جس کے نطفہ سے یہ پیدا ہوا اُسی کے نطفے سے میں بھی پیدا ہوئی ہوں۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو اس کا باپ تھا وہ میرا بھائی بھی تھا۔ یہ ہیں وہ مجھوں و مخلوط النسل لوگ جو اس رباعی کے جنسی اشتراک کے نظام کے سپوت ہیں۔ جو طبقہ واریت کا خاتمہ چاہتے تھے۔ جن کا تفصیلی حال قرآن کریم سے اسلام میں جنسی تعلقات والی کتاب میں لکھا گیا ہے۔ یہاں پہیلیوں کی بات ہو گئی تو ایک شریف زادی کی پہیلی بھی نوٹ کر لیں۔ مگر انعام عصمت فروشی والی پہیلی پر مقرر ہے۔ سُنئے۔ ایک مرد آگے آگے پیدل جا رہا تھا۔ اُس کے پیچھے ایک عورت سٹی سٹائی گھونگھٹ نکالے چلی جا رہی تھی۔ ایک شخص نے دیکھا اور نہ معلوم کیوں اُن دونوں کا آپس کا رشتہ جاننا چاہا۔ لہذا عورت نے اُسے جواب دیا کہ:-

نام تو میں اس کا لیتی نہیں کہتی ہوں میں اس کو جی

اس کی ماں اور میری ماں دونوں ماں اور دھی

”میں احتراماً اُن کا نام نہیں لیا کرتی بلکہ اُن کو ”جی“ کہا کرتی ہوں۔ رشتہ کی دوسری بات یہ ہے کہ اُن کی والدہ اور میری والدہ دونوں آپس میں ماں بیٹی ہیں۔“ اس جگہ یہ دکھا کر عنوان بدل دینا چاہتا ہوں کہ عرب کی مؤرخ و محدث اور نساب کی پوزیشن خود زمانہ حال کے محققین کی نظر میں کیا ہے۔

(12)۔ عرب کی تاریخ اور مؤرخ ناقابل اعتماد ہیں۔ زمانہ حال کے علما

عرب اقوام ہی میں اُن حضرات نے غلط بیانی نہیں کی بلکہ ملک عرب کو بھی چھوٹا کر کے اور اپنی مرضی کے مطابق بنا کے دنیا کو دکھایا سُنئے:-

(i)۔ آپ نے دیکھا کہ عرب جغرافیہ نویسوں کا عرب، عبرانی یونانی اور رومانی جغرافیہ نویسوں سے چھوٹا ہے،... بات یہ ہے

کہ یونانیوں نے جن حصوں پر قبضہ کر لیا تھا، اور اسلام کے آنے تک عرب اُن پر قابض نہ ہو سکے تھے۔ اس بنا پر عربوں

نے اُن کو عرب سے خارج سمجھ لیا۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 84)

یعنی اُن عربوں اور اُس زمین کو عرب سے خارج کر دیا۔ بات یہ ہے کہ جو بات، جو چیز، جو قوم، جو خاندان عربوں کو پسند نہ ہو وہ دُنیا سے نیست و نابود کر دینا مشرکین عرب کی سنت اور مذہب تھا۔

(ii)۔ قرآن کو جھٹلانے کی کوشش: ”مؤرخین عرب نے ایک بڑی غلطی یہ کی ہے کہ حمیری بانی حکومت سے حمیر بن سہاتک جتنے

آبائے نسب تھے۔ اُن سب کو بادشاہ قرار دے کر وہیں سے حمیری حکومت قائم کر دی“ (انکی تحقیق قرآن کیلئے لکھا کہ)

(iii)۔ ”عرب مؤرخین کے اصول کے مطابق خاص سہا کے نام پر کوئی مستقل حکومت نہ تھی۔ لیکن یہ قرآن کی تصریح کے مخالف ہے۔

اور تمام عبرانی و یونانی اور اثری شہادت قرآن کے مطابق ہیں۔“ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 236)

(iv)۔ ”عرب مؤرخین نے چونکہ سہا اور حمیر میں کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ اسلئے سلسلہ حمیر سے الگ انہوں نے کسی بادشاہ کا ذکر

نہیں کیا۔“ (تاریخ ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 238)

(v)۔ ”عرب کے مسلمان مؤرخین ہر قدیم عمارت کو سلیمان کی تعمیر کردہ کہنے کے عادی ہیں۔ اس لئے وہ سد مارب کو بھی بنائے سلیمانی قرار دیتے ہیں۔“ (ایضاً جلد اول صفحہ 251)

(vi)۔ عرب مؤرخین و مفسرین مصلحتاً اقوام کو چھپاتے رہے ہیں۔ ”لیکن کتب حدیث اور تفسیر کی عام روایات میں مذکور ہے کہ تمام آبادی جل کر راکھ ہو گئی تھی۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نجران میں عیسائی آبادی موجود تھی۔ وہاں اسلام کے مبلغ بھیجے گئے اور وہاں سے عیسائی راہب مناظرہ کیلئے آئے تھے۔“ (ایضاً صفحہ 297)

(vii)۔ سید سلیمان صاحب نے مسلمان مفسرین کو تفصیل سے اور قرآنی آیات کے ساتھ سامی قبائل سے ناواقف و جاہل ثابت کیا ہے۔ اور قرآن کی آیات کی غلط تعبیریں کرنا ثابت کر دیا ہے۔ (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 13 تا 17)

ان تمام حوالہ جات میں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جس زمانے میں مشرک یا اشتراکی تاریخ گھڑی جا رہی تھی، اس وقت اُکولیفین تھا کہ اس پر کوئی شک نہ کیا جائیگا اور جس طرح ہم لکھوادینگے اُسے بے چوں و چرا قبول کر لیا جائیگا۔ اسی اعتماد و طرز تحریر کی بنا پر اُسکی نقلیں چاروں طرف پھیلا دی گئیں اور علمائے مشرق و مغرب نے اُسے اسی صورت میں اختیار کر لیا۔ لیکن علمائے یورپ نے اسلئے عرب اور عربوں کی تحقیق جاری رکھی کہ توریت میں اقوام عرب کا اور عرب کے شہروں کا تفصیلی تذکرہ ہوا ہے۔ اور جناب اسماعیل و اسحاق دونوں حقیقی بھائی تھے اور عرصہ دراز تک دونوں کے خاندانی تعلقات استوار رہے۔ مگر بہت جلد علمائے یورپ کو اس تاریخ پر شبہ ہو گیا۔ اُدھر ہمارے حقیقی علمائے یورپ کو صحیح حالات پر مطلع کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اس تاریخ کی حجامت کرنا طے کر لیا گیا۔ اور رفتہ رفتہ یہ معلوم ہو گیا کہ یہ تاریخ نہیں بلکہ ایک حاکم گروہ کے اعمال پر پردہ ڈالنے کا جالانہ مگر عیارانہ انتظام ہے۔ یورپ کے محققین لباس بدل کر عرب میں آئے اور تحقیق کرنے لگے اور رہا سہا باقی راز بھی کھل گیا۔

4۔ آنحضرتؐ کا شجرہ اور عربوں کے شکوک و شبہات

قارئین کرام عربوں کے بیانات کو دل لگا کر اس طرح پڑھیں کہ ہماری تنقید و تقابل پر فیصلہ کرنا آپ کے لئے آسان ہو جائے۔ ہم جناب علامہ طبری کی تاریخ سے آنحضرتؐ کے وہ تمام اختلافی شجرے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ جن کے بعد آپ کو کسی اور کتاب کی ضرورت ہی نہ رہے گی چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:-

”معد بن عدنان تک ہمارے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نسب نامہ میں کسی نسب کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور وہ اُسی طرح ہے جس طرح کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

(الف) ابوالاسود وغیرہ نے رسول اللہ کا یہ نسب بیان کیا ہے۔ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن ادد۔ اس کے اوپر نسب میں اختلاف ہے۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 54)

شجرہ نسب

- (1) اُم المؤمنین اُم سلمہ (رضی اللہ عنہا) رسول اللہ صلعم کی بیوی فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ کی زبانی سنا ہے کہ:
- ”معد بن عدنان بن اُدد بن زند بن یری بن اعراق الثریٰ - اُم سلمہ فرماتی ہیں کہ زند ھمیع ہے۔ یری نبت ہے۔ اور اعراق الثریٰ خود اسماعیل بن ابراہیم ہیں۔“ (صفحہ 54- مسلسل لکھتے ہیں)
- (2) مقداد بن اسود البهرانی کی بیٹی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ معد بن عدنان بن ادد بن یری بن اعراق الثریٰ - (طبری جلد اول صفحہ 54، مسلسل)
- (3) بعض نساب کہتے ہیں کہ:- عدنان ابن اُدد بن مقوّم بن ناحور بن تیرح بن یعرب بن یثجب بن ثابت (نابت) بن اسماعیل بن ابراہیم ہے۔“ (ایضاً صفحہ 54- مسلسل جاری)
- (4) ایک نساب نے کہا کہ عدنان بن اُدد بن استحب بن ایوب بن قیذر بن اسماعیل بن ابراہیم ہے۔ اور یہی نساب کہتا ہے کہ خود قصی بن کلاب نے اپنے شعر میں قیذر کی طرف نسبت کی ہے۔“ (طبری- جلد اول صفحہ 54- مسلسل)
- (5) کسی اور نے کہا کہ عدنان بن مسیدع بن نعیج بن اُدد بن کعب بن یثجب بن یعرب بن اھمیع بن قیذر بن اسماعیل بن ابراہیم ہے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ چونکہ زمانہ قدیم کی بات ہے۔ اس لئے عہد عتیق سے ماخوذ کی گئی ہے۔“ (طبری جلد اول صفحہ 54- مسلسل)
- (6) ھشام کہتا ہے کہ ایک شخص نے مجھ سے میرے باپ سے حسب ذیل نسب کی روایت کی حالانکہ میں نے خود اُن کی زبانی یہ نسب نہیں سنا تھا۔ وہ یہ ہے:- معد بن عدنان بن ادد بن اھمیع بن سلمان بن عوص بن یوز بن قوال بن اُبی بن العوام بن ناشد بن حزابن بلداس بن یدلاف بن طابخ بن جاحم بن تاحش بن مانی بن عیفی بن عبقر بن عبید بن الدعا..... بن حمدان بن سبیر بن یثی بن یثخن بن یلخن بن ارعوی بن عیفی بن دیشان بن عیصر بن اقتاد بن ایہام بن مقصر بن تاحث بن زارح بن ھثی بن مڑی بن عوص بن عرام قیذر بن اسماعیل بن ابراہیم صلوات اللہ علیہما۔“ (طبری جلد اول صفحہ 55- مسلسل)
- (7) ھشام بن محمد کہتا ہے کہ اہل تدمر کے ایک شخص نے جس کی کنیت ابو یعقوب تھی۔ اور جو بنی اسرائیل سے تھا۔ اور مسلمان ہو گیا تھا۔ اور اُس نے یہودیوں کی کتابیں اور علوم پڑھے تھے۔ بیان کیا کہ ارمیا کے کاتب بروخ بن تاریا نے معد بن عدنان کا نسب اچھی طرح مکمل معلوم کر کے اپنے پاس لکھ لیا تھا۔ اُس سے یہودی اخبار بخوبی واقف ہیں۔ وہ اُن کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ وہ نام مذکورہ بالا ناموں سے ملتے جلتے ہیں۔ بظاہر جو اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ وہ اختلاف زبان کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ یہ نام عبرانی سے ترجمہ کئے گئے ہیں۔“ (طبری جلد اول صفحہ 55)
- (8) ھشام نے اپنے باپ سے قصی کا یہ شعر نقل کیا ہے:- فلست لحاضن ان لم تائل بها اولاد قیذر و النبیث۔ ترجمہ: میں کسی ماں کو نہیں مانتا اگر اس سے قیذر اور نبیث کی اولاد ثابت نہ ہوتی ہو۔ اس سے مراد نبت بن اسماعیل ہے۔“ (طبری جلد اول ترجمہ صفحہ 55- مسلسل)

(9) ابن شہاب کہتا ہے۔ معد بن عدنان بن اُذ بن الھمیسع بن اسحب بن نبت بن قیزار بن اسماعیل۔

(10) ایک نسب نے یہ نسب بیان کیا ہے۔ ”معد بن عدنان بن اُذ بن امین بن شاجب بن ثعلبہ بن عتد بن مرجم بن الحکم بن العوام بن مختمل بن رائمہ بن العیقان بن علہ بن الشجد و بن الظریب بن العیقرب بن ابراہیم بن اسماعیل بن یزن بن اعوج بن المطمع بن الطم بن القصور بن عبود بن دعدع بن محمود بن الزائد بن ندوان بن امامہ بن دوس بن حصن بن النزال بن التمر بن الحشر بن معد مر بن صفی بن نبت بن قیزار بن اسماعیل بن ابراہیم خلیل الرحمن۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 55۔ مسلسل)

(11) ایک دوسرے نسب نے کہا:-

معد بن عدنان بن ادد بن زید بن یقذر بن یقذر بن ہمیسع بن نبت بن قیزار بن اسماعیل بن ابراہیم۔

(12) دوسرا کہتا ہے:-

معد بن عدنان بن اُذ بن الھمیسع بن نبت بن سلمان (یہی سلامان ہے) بن حمل بن نبت بن قیزار بن اسماعیل بن ابراہیم۔

(13) دوسرے کہتے ہیں:-

معد بن عدنان بن المقوم بن ناحور بن مشرح بن یثجب بن ملک بن ایمن بن النبت بن قیزار بن اسماعیل بن ابراہیم۔

(14) اور دوسرے کہتے ہیں۔ معد بن عدنان بن اُذ بن اُذ بن الھمیسع بن اسحب بن سعد بن مرجم بن نفیر بن حمیل بن نمم بن

لافث بن الصابوح بن کنانہ بن العوام بن نبت بن اسماعیل ہے۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 56۔ مسلسل)

(15) ہم سے ایک نسب نے بیان کیا ہے کہ علمائے عرب کی ایک جماعت نے عربی میں حضرت اسماعیل تک معد کے چالیس آبا کے نام محفوظ رکھے ہیں اور ان سب پر انہوں نے عرب کے اشعار سے سند لی ہے۔ میں نے ان کے بیان کا دوسرے اہل کتاب کے اقوال سے مقابلہ کیا تو تعداد میں اتفاق معلوم ہوا مگر لفظ مختلف معلوم ہوئے۔ اس نے وہ نام مجھے پڑھ کر سُنائے میں نے ان کو لکھ لیا اور وہ یہ ہیں۔

1- معد بن 2- عدنان بن 3- ادد بن 4- ہمیسع بن (یہی سلامان ہے جس کے معنی امین ہیں)۔

5- ہمیت بن (یہی ہمیدع ہے۔ جس کے معنی نمکین ہیں)

6- سلامان بن (یہی منجر نبت ہے، اسے منجر اسلئے کہتے ہیں کہ یہ عربوں کو نجیرہ کھلاتا تھا اور اسکے عہد میں لوگ قحط کے زمانے میں موت سے

بچ گئے، اس پر تعب بن عثاب ریاحی کا یہ شعر شہادت میں پیش ہے۔ تُنَا شَدْنِی طًی وَطًی بَعِیْدَہ وَتَذْکُرْنِی بِالْوَدَا زَمَانِ نَبِیْت

ترجمہ: تو مجھے طے کا واسطہ دیتا ہے۔ حالانکہ وہ بہت دُور ہے۔ اور تو مجھے نبیت کے زمانے میں بالوذ کو یاد دلاتا ہے)

7- نبیت بن، 8- عوص بن (یہی ثعلبہ ہے۔ ثعلبیہ اسی کی طرف منسوب ہیں)۔

9- بورا بن (یہی بور ہے۔ یہ خاندانوں کی اصل ہے۔ سب سے پہلے اسی نے عرب میں خاندان کی بنیاد ڈالی)۔

10- شوحاب بن (یہی سعد بن جب ہے۔ اسی نے سب سے پہلے عرب میں رجبیہ کی بنیاد ڈالی)

11- لھما بن (یہی قموال ہے۔ اور اسی کا نام مرجم الناصب ہے۔ یہ حضرت سلیمان کے عہد میں تھا)۔

- 12- کسدان ابن (یہی محکم ذوالعین ہے)، 13- حرام ابن (یہی عوام ہے)، 14- بلدان بن (یہی محمل ہے)
- 15- یدلان بن (یہی یدلاف ہے اور اسی کا نام رائمہ ہے۔)
- 16- طہبان بن (یہی طاہب ہے۔ اور اسی کا نام عیقان ہے۔)
- 17- جہمی بن (یہی جام ہے۔ اور اسی کا نام علہ ہے۔)
- 18- محشی بن (یہی تاحش ہے۔ اور اسی کا نام سجد ود ہے۔)
- 19- معجالی بن (یہی ماجی ہے اور اسی کا نام ظریب ہے۔ جس کے معنی ہیں آگ بجھانے والا۔)
- 20- عقرابن (یہی عافی عبقر ابوالحسن ہیں، جنیۃ عبقر اسی سے منسوب ہے۔)
- 21- عاقاری بن (یہی عاقر ابراہیم جامع الثمل ہے۔ یہ نام اسلئے ہوا کہ اس نے اپنے ملک میں ہر خوفزدہ کو پناہ دی۔ مسافر کو اُس کے گھر پہنچا دیا اور لوگوں کی حالت درست کر دی)
- 22- سدا بن (یہی دعا اسماعیل ذوالمطابخ ہے۔ یہ نام اس لئے ہوا کہ بادشاہ ہونے کے بعد اُس نے عرب کے ہر شہر میں سرکاری مہمان خانہ قائم کیا)
- 23- ابداع بن (یہی عبید بن الطعان ہے۔ چونکہ سب سے پہلے نیزے سے یہی لڑا تھا۔ اس لئے نیزوں کو اس سے منسوب کیا گیا۔)
- 24- ہمادی بن (یہی ہمدان اسمعیل ذوالاعوج ہے۔ اعوج اُس کے گھوڑے کا نام تھا۔ اُسی سے عوجی گھوڑے منسوب ہیں۔)
- 25- بشمانی بن (یہی بشین ہیں۔ جس کے معنی ہیں قحط میں کھلانے والا)
- 26- یثربی بن (یہی یثرم ہے۔ جس کے معنی ہیں مدارج اعلیٰ پر نظر رکھنے والا۔ اور ان کے لئے کوشش کرنے والا۔)
- 27- یحزانی بن (یہی یحزن ہے۔ جس کے معنی جابر ہیں۔)
- 28- ملیحانی بن (یہی ملیح بن اور عبود ہے۔)
- 29- رعوانی بن (یہی رعوی ہے۔ جس کے معنی ہیں کمزوری سے آہستہ آہستہ چلنے والا۔)
- 30- عاقاری بن (یہ عاقر ہے۔)، 31- داسان بن (یہ زائد ہے)
- 32- عاصار بن (یہی عاصر ہے اور اسی کا نام نیدوان صاحب مجالس ہے۔ اُسکے عہد مملکت میں بنو القاذور، یہی قاذور ہے۔ پراگندہ ہو گئے۔ اور حکومت نبیت بن القاذور کی اولاد سے نکل کر بنو جادوان بن القاذور میں چلی گئی۔ مگر دوبارہ ان میں (یعنی نبیت بن قاذور میں) نمود کر آئی۔)
- 33- قتادی بن (یہی قتادہ ہے اور یہی امامہ ہے۔)
- 34- ثامار بن (یہی بہامی دوس العتق ہے۔ یہ اپنے زمانہ میں حسین ترین شخص مانا گیا ہے۔ اُسی سے عرب یہ مثل بولتے ہیں۔ اعتق من دوس۔ اب اسکی وجہ یا اسکا حسن اور شرافت ہے یا اُس کا قدم۔ اُسکے عہد مملکت میں جرہم بن فالج اور قطور ہلاک ہوئے۔ اسکی وجہ یہ ہوئی کہ

- انہوں نے حرم میں فسق و فجور و فتنہ و فساد برپا کر دیا۔ دوس نے اُن کو قتل کر دیا۔ جو اُن میں بچے تھے اُنکے آٹا کو دیمک نے کھا کر فنا کر دیا۔)
- 35- مقصر بن (یہی مقاصری ہے۔ جس کے معنی ہیں قلعہ۔ اُسے ناحث بھی کہتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں اُترنا)
- 36- زارج بن (یہی قمیر ہے۔)
- 37- سمی بن (یہی سما اور مجثر ہے۔ یہ ایک نہایت ہی عادل منتظم اور مدبر بادشاہ تھا۔ امیہ بن ابی صلت ہرقل بادشاہ روم کو خطاب کرتے ہوئے اسی کی طرف اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔)
- کن کا لمجشرا ذ قالت رعیتہ کان المحشر او فانا بما حملًا
- ترجمہ: تم بھی مجھ جیسے بنو۔ اُس کی رعیت نے کہا تھا کہ مجھ ہم میں سب سے زیادہ اپنے عہد کا ایفا کرنے والا ہے۔)
- 38- مزار بن (اُسے مہر بھی کہا جاتا ہے۔)
- 39- صیقان بن (یہی سمر ہے جو صفی ہے۔ یہ سب سے بہتر بادشاہ تھا جو روئے زمین پر پیدا ہوا۔ اُسی کے متعلق امیہ بن ابی صلت نے یہ شعر کہا۔)
- ان الصفی بن النبیث مملو کما۔ اعلیٰ واجود من هرقل وقیصرًا
- ترجمہ: بیشک صفی بن النبیث ایسا بادشاہ ہوا ہے جو ہرقل اور قیصر سے زیادہ سخی اور بہتر تھا۔)
- 40- جعشم بن (یہی عرام ہے نبیث اور قیصر ہے۔ قیصر کے معنی صاحب ملک کے ہیں۔ اسماعیلؑ کی اولاد میں سب سے پہلا فرمانروا یہی ہوا ہے۔)
- 41- اسماعیلؑ بن (سچے وعدے والے)، 42- ابراہیمؑ بن (خلیل الرحمن)
- 43- تارج بن (یہی آذر ہے)
- 44- ناخو بن، 45- ساروع بن، 46- ارغوا بن
- 47- بالغ بن (سریانی میں بالغ کے معنی تقسیم کرنے والے کے ہیں۔ اس کا یہ نام اس لئے ہوا کہ اس نے زمینوں کو اولادِ آدمؑ میں تقسیم کر دیا تھا۔ اُسی کا دوسرا نام فالج ہے)
- 48- عابر بن، 49- شالخ بن، 50- ارفخشذ بن،
- 51- سام بن، 52- نوحؑ بن، 53- لمک بن، 54- متوخلؑ بن،
- 55- اخنوخ بن (یہی حضرت ادریسؑ ہیں۔)
- 56- یرد بن (یہی یارد ہے۔ جسکے زمانے میں پہلے پہل بت بنائے گئے)
- 57- مہلائیل بن، 58- قینان بن، 59- انوش بن، 60- شیت بن (یہی ہبۃ اللہ ہیں)
- 61- آدمؑ (صفی اللہ علیہ السلام)

(16) ہمارا منتخب شجرہ طیبہ: 1- محمد بن

علی بن

ابوطالب بن

2- عبداللہ بن

3- عبدالمطلب بن (زوجہ سلمہ بنت عمرو بن زید بن لید الخزرجی)

- 4- ہاشم عمرو بن 5- مغیرہ (عبدمناف) بن 6- قصی زید بن 7- کلاب بن
8- مرہ بن 9- کعب بن 10- لوی بن 11- غالب بن
12- فہر بن 13- مالک بن 14- نضر بن 15- کنانہ بن
16- خزیمہ بن 17- مدرکہ بن 18- الیاس بن 19- مضر بن
20- نزار بن 21- معد بن 22- عدنان بن 23- اؤد بن
24- ہمیص بن 25- ہمیص بن 26- سلامان بن 27- غیت بن
28- عوص بن 29- بورا بن 30- شوہا بن 31- لہما بن
32- کسدانا بن 33- عوام حراما بن 34- بلدان بن 35- یدلانارائمه بن
36- طہبا عیقان بن 37- جاہم بن 38- محشی بن 39- معجالی ماجی بن
40- عتار عبق بن 41- عاتر ابراہیم بن 42- سداعی طابخ بن 43- ابداعی بن
44- ہمدانی ہمدان بن 45- ہشمانی بن 46- یثربی یثرم بن 47- یثربی بن
48- ملیحانی بن 49- رعوانی بن 50- عاتقاری عاتق ثانی بن 51- داهان زائد بن
52- عاصار بن 53- قتاد قادی بن 54- ثامار بہامی بن 55- مقصر بن
56- زارح قمیر بن 57- سمی سماء بن 58- مزار مرہر بن 59- صفا صافی بن
60- جشم بیت بن (عرام وقیدر) 61- حضرت اسماعیل بن 62- حضرت ابراہیم بن 63- تارح آدار بن
64- ناحور بن 65- ساروع بن (سروج) 66- ارغوا بن (رعو) 67- بالغ فالج بن
68- عابر بن 69- شالنج بن (شالنج) 70- ارغند بن (ارغند) 71- سام بن
72- نوح بن 73- لمک بن (لامک) 74- متولج بن (متولج) 75- اخنوخ اور لیس بن (کوک)
76- یردیارد بن 77- مہلائیل بن (مخللی ایل) 78- قینان بن 79- انوش بن
80- شیت بن 81- آدم علیہ السلام

اس شجرہ طیبہ میں نبوت و رسالت و خلافت و ولایت و وصایت و نیابت و بادشاہت برابر جاری رہتی چلی آئیں۔ یہاں تک کہ جناب ابراہیم علیہ السلام سے عہدہ امامت بھی جاری ہو گیا۔ پوری نوع انسان کی مرکزی راہنمائی و سربراہی اسلام اسی سلسلہ کے ہاتھوں

میں رہی۔ اُن کی دوسری شاخوں میں بھی انبیاء و رسل گزرتے رہے جو ہمیشہ مرکز کے ماتحت رہتے تھے۔ بقول جناب علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ ہر زمانہ میں اسلام کا مرکز رہتا چلا آیا ہے۔

5۔ آنحضرت کے شجرہ نسب کے اختلافات پر ایک نظر

آپ نے پھر خشک صفحات کا دورہ کیا ہے۔ اور طبع نازک پر ایک بار گراں برداشت کیا۔ مگر ہم یہ بتائے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر آپ اس کتاب کو تحقیق حق یا اپنا محسن خانوادہ سمجھ کر پڑھ رہے ہیں اور حق کو قبول کرتے جا رہے ہیں تو آپ کا یہ محنت کرنا اور صبر و ضبط ایسے وقت پر کام آئیگا جب اور کوئی چیز آپ کی مدد و حمایت کیلئے نہ ہوگی۔ آپ کوئی بھی ہوں، آپ کا لیل مسلم ہو یا غیر مسلم، آپ ہندو ہوں یا عیسائی، آپ یہودی ہوں یا بے مذہب، وہ وقت سب پر آنا ہے۔ اور یہ حضرات جن کا خاندان زیر نظر ہے، پوری نوع انسان کا راہبر و ہمدرد ہے۔ اسکے بعد نمبر وار شجرہ پر نظر ڈالیں اور کہیں سوال کرتے اور کہیں جواب سنتے ہوئے چلیں۔ کہا گیا ہے کہ جناب عدنان علیہ السلام کے اوپر والے شجرہ میں اختلاف ہے۔ یہ کہتے ہی عرب کے نسابوں یا بھانڈوں یا شعرا اور عرب کے لوگوں کے مخصوص حافظہ کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔ یعنی اگر حافظہ واقعی ویسا ہی تھا جس کا ہر باطل پرست نے دعویٰ کیا ہے۔ اگر نسابوں کا نظام ویسا ہی بھول چوک پر وف اور باقاعدہ تھا تو کسی قسم کے نہ اختلاف کی گنجائش تھی نہ شک و شبہ کو دخل ہو سکتا تھا اور جو حضرات ان مشرکانہ غیپوں پر یقین کر لیتے ہیں کہ اُس آہنی حافظہ کے لوگوں کو یہ کیوں بلا اختلاف یاد نہ رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال کس دن ہوا تھا؟ کیا تاریخ تھی؟ یہ کیوں یاد نہ رہا کہ سرکارِ نماز میں ہاتھ کہاں رکھا کرتے تھے؟

قارئین نوٹ کریں کہ عربوں نے ہر اس تاریخ، واقعہ یا حقیقت کو مشکوک کرنے میں اپنی خیر سمجھی جو اگر بلا اختلاف باقی رہ جاتی تو ابلیس کا سارا کاروبار خطرے میں پڑ جاتا۔ سُنئے ہم عرض کر چکے ہیں اور تفصیل میں سے گزریں گے کہ خاندان نبوت و رسالت میں ہمیشہ سے علم و وحی موجود رہتی چلی آئی اور دین و دنیا کا تمام ریکارڈ قلم سے مرتب ہوتے اور نسل در نسل آگے بڑھتے چلے جاتے تھے۔ یہی خاندان تھا جن کے پاس از اوّل تا آخر وحی خداوندی اور تعلیمات اسلام کا سارا ذخیرہ قسط وار موجود تھا۔ چونکہ یہ خاندان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے اور پھر حضرت اسماعیلؑ کے بڑے بیٹے کا خاندان تھا۔ اس لئے مرکز نبوت و رسالت تھا۔ دوسرے بھائی خواہ نبی ہوں یا وصی، بادشاہ ہوں یا خلیفہ بہر حال اپنے باپ کے اولین جانشینوں کے ماتحت تھے۔ لہذا یہ گہرا اندونوں طرف کی نبوت و رسالت و امامت کا امام تھا۔ لہذا یہاں سابقہ کتابوں کے علاوہ صحف ابراہیمؑ اور توریت و زبور و انجیل وغیرہ ہر کتاب موجود تھی۔ یہی گہرا حضرت یعقوبؑ کے خاندان کا بلحا و ملائی تھا۔ ضرورت پڑنے پر وہ حضرات اس خاندان میں چلے آتے تھے۔ لیکن اسماعیلی یا بطنی خاندان اپنے اختلافات حل کرانے کے لئے اُدھر نہ جاسکتا تھا۔ اُدھر سے اُدھر آنا پناہ اور اصلاح کہلاتا تھا۔ مگر اُدھر سے اُدھر جانا بغاوت و فساد کہلاتا تھا۔ لہذا دونوں خانوادوں بنو اسماعیلؑ و بنو اسرائیلؑ کے تمام اچھے اور بُرے افراد نے اس مرکزی اصول کی خلاف ورزی نہیں کی۔

یہی نہیں بلکہ اولادِ آدم علیہ السلام میں جتنی نبوتیں، رسالتیں اور خلافتیں قائم ہوتی رہیں سب اسی مرکز اور خانہ کعبہ سے متعلق

رہیں۔ یہی خانوادہ تھا جہاں سے دنیا کے تمام علاقوں میں علوم خداوندی اور رموز کائنات پہنچے۔ عرب کے نساب ہوں یا عجم کے علما ہوں، سب کے لئے اس خاندان سے راہنمائی کی سند لینا ضروری تھا۔ دنیا کی تمام علمی کتابوں اور الہامی صحیفوں کا ماخذ یہی افراد تھے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کوئی شخص یا اشخاص ہمارے ان بیانات کا انکار کر دے۔ لیکن دنیا کے کسی بھی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے، ممکن نہیں تھا اور ممکن نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک ایسا شجرہ طیبہ اور سلسلہ افراد خاندان پیش کر سکے اور وہ دعاوی کر سکے جو اس خانوادے نے کئے اور کتبہائے خداوندی نے تصدیق کی۔ اس عظمت کا منکر وہی ہو سکتا ہے جو چلچلاتی دھوپ میں کھڑا ہو کر سورج کے وجود کا انکار کر سکنے کی حد تک بے بصیرتی کا مظاہرہ کرنے کی جرأت کر سکے۔ لہذا جس قدر اختلافات کئے گئے ہیں وہ سب اُن لوگوں کی سازش ہے جن کی مائیں مُخْتَلِفُ الشیاطین تھیں۔ جن کے نطفوں میں قرآن کی رو سے ابلیس کی شرکت تھی اور آسان و مشہور زبان میں جو شرک تھے۔

(2)۔ شجرہ طیبہ میں اختلاف بھی بے نتیجہ ہو کر اتفاق ثابت ہے

اگر آپ شجرہ طیبہ کے بیان کو نمبر وار دیکھتے چلیں تو حضرت ام سلمہؓ اور مقدادؓ کے بیانات کے مطابق یہ شجرہ، نبی بن اسماعیل بن ابراہیمؑ تک پہنچتا ہے۔ (شجرہ نسب حوالہ (1)، (2) پھر (3) میں بھی اوّل و دوم کی تائید ہے۔ اور نمبر (14) میں نبی بن اسماعیل ہی ہے۔ ان چار شہادتوں میں یہ کھل کر ثابت ہے کہ یہ شجرہ طیبہ حضرت اسماعیلؑ کے بڑے بیٹے نبیؑ کی اولاد میں ہے۔ پھر آخری بیان (15) میں جہاں نام بنام مکمل شجرہ لکھا گیا ہے اس میں حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے کا نام جِثْم لکھا (نمبر 40) اور بتایا کہ جِثْم ہی کا نام عِراَم و نبیؑ اور قیڈرؑ ہے۔ اس کے بعد باقی نمبروں میں جناب نبیؑ کے دوسرے القاب کو الگ الگ افراد بنالینے کی غلطی صاف نظر آتی ہے۔ کہیں نبیؑ بن قیڈر بن اسماعیلؑ بنا دیا جیسا کہ نمبر (9)، (10)، (11)، (12) اور (13) میں۔ اور نمبر (6) میں عِراَم و قیڈر کو ایک نام کہہ کر اسماعیلؑ کا بیٹا کہہ دیا۔ اسی طرح نمبر (8) میں نبیؑ اور قیڈرؑ کو ایک فرد سمجھا، یا بنایا گیا۔ اور نمبر (4) و (5) میں جناب نبیؑ کے لقب قیڈرؑ کو لے کر اُسے نبیؑ سے الگ ایک فرد سمجھ کر اسماعیلؑ کا بیٹا کہا گیا ہے۔ یعنی مجہول و غیر معروف لوگوں نے ایک ہی شخص کو کہیں تین اور کہیں دو اشخاص سمجھنے یا بنانے کی غلطی کی ہے۔ لیکن اُن سب بیانات سے جو حقیقت مُتَّفَقاً ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ یہ شجرہ بہر حال جناب اسماعیلؑ کے بڑے فرزند جِثْم سے چلتا ہے اور جِثْم کے القابات میں سے ایک نبیؑ یا نبیؑ یا نبیؑ ہے۔ دوسرا عِراَم یا عِراَم ہے۔ تیسرا لقب قیڈرؑ ہے۔ اور چونکہ حضرت اسماعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام قیڈرؑ ہے۔ اسلئے لوگوں نے قیڈر کو قیڈر بنا کر فریب دینے کی کوشش بعد میں کی ہے۔ لیکن مذکورہ بالا شجروں میں مُتَّفَقاً قیڈر کہیں موجود نہیں ہے۔ لہذا شجروں کا یہ اختلاف محض القابات اور زبان کے تلفظ کا اختلاف ہے۔ جس سے فریب ساز دشمنانِ خانوادہٴ رسولؐ نے دھوکا دینے کی کوشش کی تھی جو آج کے بعد بے حد ذلیل و کمینہ کوشش کہلائے گی۔ لہذا خانوادہٴ رسولؐ قیڈری نہیں بلکہ نبیؑ ہے۔ اور اس پر سب سے بڑے شاہد رسولؐ اور خلیفہ رسولؐ جناب محمدؐ علی صلوٰۃ اللہ علیہما ہیں۔ اُن کے خلاف بولنے والے کذاب ہیں۔ دشمنانِ خدا اور ملعون ہیں۔ جس کا دل چاہے مخالفت کرے۔

(3)۔ شجرہ طیبہ خاندانِ نبوت و رسالت کی دوسری شاخ میں بھی محفوظ تھا

یہ شجرہ طیبہ اگر صرف عرب مؤرخین اور نساب اور دانشوروں کے سہاروں پر ہوتا تو آج اس کا نام و نشان ڈھونڈھے نہ ملتا۔

چنانچہ مشرکین عرب مجبور ہوئے کہ یہ شجرہ مٹایا نہ جاسکتا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ مرکزی خانوادہ نبوت یہود و نصاریٰ میں بھی مقبول ہے اور وہاں مکمل شجرہ جگہ جگہ لکھا ہوا محفوظ ہے۔ لہذا اُن کے سامنے صرف ایک راستہ تھا اور وہ تھا شجرہ مشکوک کرنے کے لئے اختلاف کی بھٹی میں جھونک دینا۔ آپ نے شجروں کے بیان نمبر (7) میں دیکھا ہے کہ ابو یعقوب اسلام لانے سے پہلے ہی اپنے اہل کتاب علما کے یہاں سے اس شجرہ طیبہ سے واقف اور اُن بزرگوں کے ناموں کا محافظ تھا۔ ایک خاص بات یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ قرآن میں جن یہود و نصاریٰ کی مذمت، تحریف یا دشمنی مذکور ہے، اس لئے نہیں تھی کہ یہود و نصاریٰ مذہباً آنحضرتؐ کے مشن کے مخالف تھے، ہرگز ہرگز اور ہرگز نہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ مشرکین عرب کے خاندانوں اور اقوام میں سے تھے۔ اور جو دشمنی آنحضرتؐ کے بعد بیرونی ممالک کی طرف سے ظہور میں آئی وہ اسلام دشمنی نہ تھی بلکہ وہ عربوں اور اُن کے اعمال سے دشمنی تھی۔ ورنہ یہود و نصاریٰ تو ہمیشہ نصرت محمدؐ و آل محمدؐ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس کتاب میں مناسب مقام پر یہ تذکرہ دوبارہ آنے والا ہے۔ یہاں تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ شجرہ طیبہ مکمل طور پر توریت کی پہلی ہی کتاب میں لکھا ہوا چلا آ رہا ہے۔ اور جب تک توریت کو دنیا سے نہ مٹا دیا جائے یہ شجرہ مخلوط النسل لوگوں کے لئے سوحانِ روح بنارہے گا۔ اُن پر ذلت و رسوائی کا خاموش اور منہ بولتا طنز بنارہے گا۔ اور دنیا اور اُس کا سب کاروبار و سامان لٹ جائے مگر توریت و زبور و انجیل و قرآن مجید اور محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام ہمیشہ باقی رہیں گے۔ اور جو اُن کے دامن سے وابستہ ہوں گے وہ بھی محفوظ و مامون رہیں گے۔

(4)۔ حضرت اسماعیلؑ کے بیٹوں سے حضرت آدمؑ تک مکمل شجرہ توریت میں موجود ہے

توریت میں حضرت آدمؑ علیہ السلام سے لیکر مسلسل بائیس (22) طویل ترین عمریں رکھنے والی نسلوں کا شجرہ نام بنام موجود ہے۔ اور وہ یہی نام ہیں جو ہم نے نمبر 60 جہنم سے لے کر حضرت آدمؑ تک لکھے ہیں۔ جن ناموں کے تلفظ میں فرق ہے وہ توریتی نام ہم نے ہر نام کے نیچے بریکٹ میں لکھ دئے ہیں۔ یہاں ہم توریت سے جناب اسماعیلؑ علیہ السلام کے بیٹوں کے نام لکھتے ہیں۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اُن کے بڑے بیٹے کی نسل میں شجرہ طیبہ ہے اور یہ کہ جناب قیدار چھوٹے بیٹے تھے۔ اور نبایوٹ یا نبیت بڑے تھے۔

(5)۔ حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے اور قیداری نسل کی تباہی

جن حضرات نے توریت کو یہود و نصاریٰ کی کتاب سمجھ کر نہیں پڑھا تھا، آج اُس میں سے چند جملے خدا کی کتاب سمجھ کر پڑھ لیں۔ خاص بات یہ ہے کہ توریت بھی اُس مرکزی فہرست کا حوالہ دے کر بات کرتی ہے جس میں نسلوں اور قبائل کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ اور توریت میں کسی اور جگہ وہ فہرست کہیں نہیں ہے۔ یعنی وہ فہرست مرکز نبوت و رسالت کے ریکارڈ میں رہتی ہے غور کیجئے ارشاد ہے کہ:-

(الف)۔ ”یہ نسب نامہ ہے۔ اور مطابق اُن ناموں اور نسلوں کی فہرست کے ہے، اسماعیلؑ کے بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ اسماعیل کا پہلوٹا

نبایوٹ اور قیدار اور ادبشیل اور مبسام اور مِشماخ اور دُومہ اور مَسّا اور حَدّ اور تہا اور یطو اور نافیش اور قدمہ۔ یہ اسماعیل

کے بیٹے ہیں۔ اور اُن کی بستیوں اور پڑاؤں میں اُنکے یہی نام ہیں اور وہ اپنے قبیلوں میں بارہ رئیس تھے۔“

(توریت کتاب تکوین باب 25- آیت 12 تا 17)

(ب) حضرت اسماعیلؑ علیہ السلام کی نسل کے تمام نسلوں سے زیادہ پھلنے پھولنے اور بڑھنے کا وعدہ کیا گیا تھا جو بعینہ پورا ہوا۔ لیکن اُن

میں کے اکثر ناجار لوگ تباہ کر دئے گئے اور جس قبیلے نے زیادہ سرکشی کی مٹا اور دوسروں میں مدغم ہوتا چلا گیا۔ اس سلسلے میں جناب اشعیا نبیؑ کی پیشگوئی سنئے۔ اسکے ابتدائی حصے کو بعض علما نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے وقت کی پیشگوئی کے طور پر کتابوں میں لکھا ہے۔ یہ پیشگوئی 769 سے 693 قبل مسیح میں ملک عرب کے حق میں کی گئی تھی۔

وَأَفْوَ اِبْلَمَاءَ لِلْعَطْشَانِ يَا سَكَانِ اَرْضِ تَيْمَاءَ اسْتَقْبِلُوا الْمَنْهَزِمَ بِخَبْرِهِ فَاَنْهَمُ قَدْ اَلْهَزَمُوا
مِنْ اَمَامِ السِّيُوفِ مِنْ اَمَامِ السَّيْفِ الْمَسْلُولِ وَالْقَوْسِ الْمَوْطُوءَةِ وَشِدَّةِ الْقِتَالِ (الخ)

”عرب: عرب کی بابت باریت: اے دوانیو کے قافلہ! تم جو بیابان کے بن میں خیمہ زن ہو۔ پانی لے کر پیاسوں کے ملنے کو آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو! روٹی لے کر ہڑیمت خوردہ بقیۃ السیف کے استقبال کو نکلو۔ یقیناً یہ مظلوم بھوکے پیاسے بے دریغ چلتی ہوئی تلواروں اور کڑکتی ہوئی تیر کمانوں اور شدید قتل عام سے ہر ادئے گئے ہیں۔ خدا نے یہ فرمایا ہے کہ ایک برس یعنی مزدور کے ایک برس کے اندر قیدار کی تمام شوکت فنا ہوگی۔ اور تیر اندازوں کا بقیہ قلیل ہوگا۔ قیدار کے جنگجو تھوڑے سے رہ جائیں گے۔ یقیناً خداوند اسرائیل کے خدا نے فرمایا ہے۔“ (کتاب المقدس۔ اشعیا نبیؑ باب نمبر 21۔ آیات 13 تا 17)

(ج) اگر قارئین نے غور فرمایا ہے؟ تو انہیں اس بیان میں کربلا کے باقی ماندہ مظلوم بچے اور خاندان کی معزز خواتین نظر آئی ہوں گی۔ رسول اللہؐ کسی میدان جنگ میں ہزیمت پا کر یوں بھوکے پیاسے کہاں رہے تھے؟ کہ اُن کے لئے خانہ بدوشوں اور شہریوں کو روٹی اور پانی لیکر آنے کی تاکید کی جاتی؟ یہ تو جناب امام حسین علیہ السلام کا وہ استغاثہ ہے جو قدیم زمانہ سے مندرجہ بالا انداز میں چلا آ رہا تھا۔ بہر حال یہاں آپ نے یہ دیکھ لیا کہ بنو قیدار کی حکومت و شوکت آنحضرتؐ کی بعثت سے ہزار بارہ سو سال پہلے ختم ہو گئی تھی۔ لیکن حضرت نبیاً یوسفؑ کی اولاد عرب میں سات سو سال قبل مسیح سے پہلے سے ہی چھائی ہوئی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی غیبت کے بعد پانچ سو سال تک عظیم الشان قوم کی حیثیت سے حکمران تھی۔ رومۃ الکبریٰ، یونان و ایران کی حکومتیں اس کے سامنے لرزہ بر اندام اور مدد کی طالب رہتی تھیں۔ یعنی خانوادہ رسولؐ کو قیداری بنا کر ان مدار یوں نے اس عظیم المرتبت قوم و قبیلے کی توہین کرنا چاہی تھی۔ جس کی عزت و حرمت کا اللہ نگہبان اور ذمہ دار ہے۔ لہذا آنحضرتؐ کا خاندان قیداری نہیں تھا بلکہ نبیؐ تھا اور سادات کا نبیؐ ہونا قابل فخر ہے۔ یہاں تک کی گفتگو میں نسل قیدار سے خانوادہ رسولؐ کا علیحدہ اور ایک مستقل نبیؐ النسل ہونا ثابت ہے۔ اور اس کے بعد کوئی نہ بتا سکے گا کہ جناب قیدار کی نسل کہاں گئی؟ ان کے شجرہ میں سے کون کون حضرات ظہور اسلام کے زمانہ میں کہاں کہاں تھے؟ یعنی مشرک نظام نے آخر ایک خاندان کو لاپتہ کر دیا۔ یا ایک شاندار نسل کا سہارا لے کر پرائے سہاروں اور ناموں سے اسے زندہ کرنا چاہا تھا۔ اقوام و قبائل اور خانوادوں کے ساتھ مشرکین عرب کا فریب ایک دفعہ پھر سُن کر اس عنوان کو آگے بڑھائیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ:-

(د) ”قبائل باندہ کا سلسلہ نسب عموماً مورخین عرب نے ارم بن سام اور اُس کی مختلف شاخوں سے ملا دیا ہے۔ لیکن کس قبیلے کو ارم بن سام کی کس شاخ سے تعلق تھا؟ علمائے انساب کی رائیں اس بارے میں ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ یہاں تک کہ صحیح فیصلہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔“ (ارض القرآن جلد اول صفحہ 124، 125)۔ اسی صفحہ پر دو عدد قدیم و جدید عربی اور مؤرخین کے قلم سے دکھایا ہے کہ

لوگوں کو غلط باپ کے بیٹے بتاتے رہے ہیں اور پھر تنگ آ کر یہ لکھا کہ:-

”ان انساب کی تحقیق بظاہر بہت مشکل ہے۔ مورخ ابن خلدون نے ان مشکلات کو کسی قدر حل کرنا چاہا ہے۔ لیکن انسان کے

لئے بیکار ہوگا کہ وہ ظلمت کدہ میں روشنی کی تلاش کرے۔“ (ارض القرآن جلد اول صفحہ 125)

یعنی قبائل کے معاملہ میں عربوں نے بالکل ہی اندھیر مچا دیا تھا۔ مگر خدا نے انہیں خانوادہ رسولؐ کے معاملہ میں کس قدر ناکام کیا۔ اسکا اندازہ مذکورہ شجروں اور اب آئیو الے حالات سے واضح ہوگا اور باطل پرست و فریب کار لوگ آئندہ دست تاسف ملیں گے۔

(6)۔ محمدؐ مصطفیٰ اور علی مرتضیٰ کا کوئی منطقی ہونا کس قدر اہمیت رکھتا ہے؟

علمائے انساب اور مورخین کے پیدا کردہ گھٹا ٹوپ اندھیروں کو نور خداوندی نے منور کرنے کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔ چنانچہ سب کچھ لکھنے اور جاننے کے باوجود جناب علامہ سلیمان ندوی نے قیدار کو بلا ثبوت قریش کا پدرا علیٰ قرار دیا ہے۔ اور جناب نابط علیہ السلام کو انصار (مدینہ والے) کا پدرا علیٰ لکھا ہے۔ (ارض القرآن۔ جلد اول صفحہ 123)

اب ہم اُنکی مجبوریاں اور حقیقت بیانیاں دکھا کر یہ ثابت کریں گے کہ خانوادہ رسولؐ مدینہ کے اوس و خزرج یعنی قبائل انصار خاندان نابط سے ہیں۔ اور مدینہ کی ہجرت اور خاندان رسولؐ کے بزرگوں کی بیویاں مدینہ کی کیوں تھیں۔ اور حضرت اسماعیلؑ کی والدہ اور بیوی علیہم السلام مصر کی کیوں تھیں۔ مختصر جواب یہ ہے کہ وہ سب ایک ہی خاندان کے افراد تھے۔ تصدیق کیلئے حسب ذیل حقائق ملاحظہ ہوں۔

(الف)۔ حضرت اسماعیلؑ کے بعد سربراہی اسلام اور تولیت کعبہ کا مالک نابط علیہ السلام ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیدار کی نسل سے کہنے والے آنکھیں کھول کر تاریخ عالم و تاریخ عرب پڑھیں۔ کچھ اور نہ ملے تو تاریخ ارض القرآن کی دونوں جلدیں ہی دیکھ لیں۔ سہولت کے لئے ان ہی سے حوالے دئے جا رہے ہیں۔

(i) حضرت اسماعیلؑ کی اولاد

حضرت اسماعیلؑ کی تیرہ اولادیں تھیں۔ بارہ بیٹے اور ایک بیٹی۔ بارہ بیٹوں کے نام یہ تھے۔ 1۔ نبا یوط 2۔ قیدار 3۔ ادبا نیل 4۔ مبشام 5۔ مشماع 6۔ دوما 7۔ مشا 8۔ حد 9۔ تیما 10۔ یطور 11۔ نفیس 12۔ قیدماہ ان میں سب سے بڑے نبا یوط تھے۔ اور اُن سے چھوٹے قیدار تھے۔ یہ تمام بھائی باپ کے زمانہ میں اور ایک عرصہ بعد تک حجاز ہی میں آباد رہے۔ یمن و حجاز سے شام و مصر تک تجارت کے قافلوں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ اور دیگر عرب تاجروں کی طرح خوشبودار چیزوں کی تجارت کرتے تھے۔“ (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 49)

(ii) سربراہی خاندان۔ تولیت کعبہ

”نبایوط کو اہل عرب عموماً نابت کہتے ہیں۔ عربوں کی روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسماعیلؑ کے بعد سب سے بڑے بیٹے نابت کے حصے میں آئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبا یوط (نابت) نے حجاز ہی میں قیام کیا۔ لیکن بعض حوالوں

سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرزند ان نبایوط عراق میں موجود تھے۔ اصل یہ ہے کہ بدویانہ زندگی کے ساتھ وہ حجاز سے عراق تک خانہ بدوشانہ پھیلے ہوئے ہوں گے۔“ (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 56)

(iii) قارئین تمام تواریخ کا اور خصوصاً تاریخ ارض القرآن کا چپہ چپہ چھان ماریں۔ مگر قیدار کے قبیلے کا حال کہیں اگر ملے گا تو نہایت مجہول اور غیر معروف حالت میں نظر پڑے گا۔ لیکن اسی جلد دوم میں نبایوط کی اولادوں، حکومتوں اور شاندار تاریخی و سیاسی حالات لبریز ملیں گے۔ اس کے بعد یہ سوچئے کہ جب حضرت اسماعیلؑ کی جگہ جناب نبایوطؑ یا نابت جانشین ہو گئے اور تولیت کعبہ سنبھال لی تو اب خاندانی یا اسماعیلی قیادت تو کسی طرح بھی قیدار کے خاندان میں نہیں جاسکتی۔ چونکہ نابت کے بعد ان کا بڑا بیٹا جناب نابطؑ اور جناب اسماعیلؑ کا جانشین ہوگا۔ اُس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا جانشین ہوگا۔ لہذا قیدار و خاندان قیدار بالکل آؤٹ (out) رہتا چلا جائے گا۔ لیکن یہ مسلمات عرب اور تمام دنیا کا متفقہ فیصلہ ہے کہ رسول اللہؐ کا خاندان ہمیشہ کعبہ کا متولی اور مکہ کی ریاست کا حامل رہا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیدار سے نہیں بلکہ جناب نابت علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اور یہی جناب مقداد و ام سلمہ رضی اللہ عنہما اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ: ”ہم کوئی یعنی عراق کے بنطی ہیں۔“

پھر یہ بھی سب کو تسلیم ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کے بعد آنحضرتؐ تک کوئی بھی اس اسماعیلی نسل میں نبیؐ ہونے والا نہیں تھا۔ یعنی حضرت اسماعیلؑ علیہ السلام کے بعد صرف خلافت و وصایت و امامت کے دینی عہدے باقی رہنے والے تھے۔ لہذا جب حضرت نابت علیہ السلام حضرت اسماعیلؑ کے جانشین ہو گئے تو وہ تینوں عہدے اُن میں مرکوز ہو کر رہ گئے۔ اور اُن کے خاندان میں جاری رہے۔ تو قیدار کے خاندان میں رسول اللہؐ کو گھسانے کا مطلب سوائے غصب خلافت و وصایت و امامت کے اور کیا ہوا؟ یعنی اولین مقصد یہ تھا کہ آنے والی نبوت و رسالت کو ایک مجہول خاندان میں دکھا کر چند مجہول خاندان اس کے وارث بن جانے کا موقعہ پاسکیں؟ قارئین یہ نوٹ کر لیں کہ جہاں کہیں اُنہیں قیدار کے قبیلے کا ذکر ملے گا۔ وہ توریت ہے اور توریت عربوں کے لئے منسوخ یعنی کٹڑم کتاب ہے۔

(ب)۔ معنی ذبح عظیم آمد پسر کا تذکرہ توریت میں بھی ہے

علامہ سید سلیمان صاحب کے نزدیک بنطیوں کا تاریخی ریکارڈ بعثت حضرت عیسیٰؑ سے سات سو سال قبل سے شروع ہوتا ہے۔ اور وہ صرف اس لئے کہ سید صاحب نے کسی کتاب میں ایک پیشین گوئی پڑھ لی۔ چونکہ اس کتاب میں حوالہ غلط تھا لہذا آپ نے تصدیق کئے بغیر نقل ماردی اور لکھ دیا کہ حز قیال نبیؑ نے اپنی کتاب ساٹھویں باب کی ساتویں آیت میں یہ فرمایا ہے کہ: ”نبایوط کی بھیڑیں نذر لی جائیں گی (60:7)۔“ (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 56) بہر حال ہم صحیح عبارت اور صحیح حوالہ لکھ دیتے ہیں۔ علما سے غلطیاں مقدر ہیں۔

كُلْ غَنَمٍ قِيدَارَ تَجْتَمِعُ إِلَيْكَ وَ كِبَاشُ نَبَايُوتَ تَخْدُ مَكَ تَصْعَدُ

عَلَى مَذْبَحِي الْمَرْضَى لَدَيَّ۔ (اشعيا فصل ساٹھ آیت نمبر 7)

”تیرے پاس قیدار کی تمام غنیمت یا بھیڑیں جمع ہوں گی۔ اور نبایوت کے تمام مینڈھے

تیری خدمت میں میری پسندیدہ قربانی کیلئے میری قربان گاہ پر چڑھانے کیلئے منظور ہیں۔“

یہ ہے وہ قربانی جو نابت کے خاندان کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے منظور و مذکور چلی آرہی ہے۔ اور جسے اب غلط حوالوں میں پوشیدہ رہ جانے کے لئے بھول چوک کے پردوں میں چھپایا جا رہا ہے۔ یہاں بھی قیدار کی بھیڑوں کا ذکر ہوا۔ مگر قربانی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(7)۔ حضرت اسماعیلؑ کا جانشین خاندان، تحریری ریکارڈ میں کب آیا

علامہ قبول کرتے ہیں کہ:-

- (i) ”یوسیفوس یہودی جو پہلی صدی عیسوی میں تھا لکھتا ہے کہ ملک بحر احمر (حجاز) سے نہر فرات (عراق) تک اسماعیل کے بارہ (12) بیٹوں کے قبضے میں ہے۔ جن کے سبب سے اس کا نام نابطینہ پڑ گیا ہے۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 56)
- (ii) ذرا سوچئے کہ کیا اس کے واضح طور پر یہ معنی نہیں کہ بارہ بیٹوں کی نسلیں وہاں ہونا مشہور تھا۔ لیکن اقتدار نبطی خاندان کے ہاتھ میں تھا۔ اس لئے ملک کا نام نابیط یا نبطیوں کی وجہ سے نابطینہ ہو گیا تھا۔ یعنی جہاں نبطی رہتے اور قابض ہیں۔ اُن کی عظیم الشان حکومت وہاں قائم تھی۔ پھر لکھتے ہیں کہ:- ”اُسی زمانہ میں جب رومی شام پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ تو نبطی عربوں سے اُن کی مدد بھیڑ ہوتی تھی۔ اور شام و عرب کے حدود پر نبطیوں کی ایک عظیم الشان حکومت نظر آتی ہے۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 56) اور سنئے:-
- (iii) ”انباط ایک مدت تک دیگر عرب قبائل کی طرح بحر احمر سے بحر فرات تک مستقل وادیوں میں بدویانہ زندگی کے ساتھ آوارہ پھرتے رہے۔ اس بدویت کا زمانہ 2000 قبل مسیح (عہد اسماعیل) سے 700 ق م تک قرار دیا جاسکتا ہے۔ توراۃ نے نابیط کا فرزند ان اسماعیل کے ضمن میں 2000 دو ہزار سال قبل مسیح میں پہلی بار نام لیا ہے۔ اور آخرہ حزقیال نبیؑ نے جو کم و بیش 700 ق م تھے، نابیط کا ذکر کیا ہے کہ نبط (نابیط) کی بھیڑیں نذر لی جائیں گی (7:60)۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 59)
- یہاں پھر اشعیا نبیؑ کے غلط حوالے کو دہرایا ہے جو 740 قبل مسیح میں تھے۔ ہم نے عربی عبارت میں ذرا دیر پہلے دکھایا تھا کہ مینڈھے (کباش) نذر دئے جانے والے ہیں۔ یعنی قربان ہونے والوں میں سب مرد یا نر ہیں مادہ نہیں۔ پھر بار بار نہر فرات اور بحر فرات یہ غور کرنے کا تقاضہ کرتی ہے کہ نہر فرات کو حضرت فاطمہ علیہا السلام کے مہر میں کیوں کہا گیا تھا۔ یعنی یہ نہر اور اس کے پورے ملک پر اُن کے بزرگوں کی عظیم الشان حکومت رہی تھی۔ اور عربوں کو یہ اُن ہی کے ورثہ میں ملی تھی جو محمدؐ و آل محمدؐ کی موروثی جائیداد تھی۔ اب نبطیوں کے زریں عہد پر ایک کتبہ کی شہادت لکھتے ہیں۔
- (iv) کتبات میں نبط کا نام اشور بانیال، شاہ اسیریا کے کتبے میں تقریباً اُسی عہد یعنی 700 قبل مسیح میں نظر آتا ہے۔ وہ اپنے کتبہ میں نانا نام کے نبطی بادشاہ کا ذکر کرتا ہے۔ یہ کتبہ 700 قبل مسیح میں ایک نبطی حکومت کا وجود بتاتا ہے۔ بہر حال نبطی حکومت کی تاریخ از روئے تاریخ یونان و کتبات نبطی 400 قبل مسیح سے پہلے نظر نہیں آتی اور نبطی حکومت کی آخری تاریخ 106 عیسوی ہے۔ جب کہ رومی حکومت نے ان کی حکومت کو اپنے اندر ضم کر لیا تھا۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 59)
- قارئین نوٹ کریں کہ یونانی حکومت کی لکھی ہوئی تاریخ نبطی حکومت کو اُس روز سے شمار کریں گی جب اسکو نبطی حکومت سے

واسطہ پڑے گا۔ یہ بھی غلط ہے کہ نبطی حکومت 106 عیسوی میں ختم ہو گئی تھی۔ اسلئے کہ نبطیوں کے ایک حکمران طبقہ کی کمزوری سے نہ نبطی حکومت ختم ہوتی ہے نہ نبطی خاندان ختم ہوتا ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ نبطیوں کا ایک حکمران خاندان کمزور ہو کر رومیوں سے مغلوب ہو گیا۔ لیکن دوسرے نبطی خاندان نے غسانی نام سے دوبارہ شاندار حکومت اسی زمانہ میں قائم کر لی۔ اور 7 ہجری تک قائم رہی۔ اور جہاں دوسرے بادشاہوں کو رسول اللہ نے اسلام کی دعوت دی وہاں اس نبطی غسانی بادشاہ کو بھی مدعو کیا تھا۔

یعنی کم از کم نبطی حکومت کا زمانہ 700 قبل مسیح سے لے کر 630 عیسوی تک کم و بیش ڈیڑھ ہزار سال تک حکومت کی۔ یہاں عربوں کا وہ خوف قطعاً واضح ہو جاتا ہے جو انکو اُسی نبطی خاندان میں نبوت و رسالت و امامت کے قائم ہونے سے فطری طور پر ہونا چاہئے تھا۔ یعنی عرب کے چاروں طرف جس خاندان کی حکومت ڈیڑھ ہزار سال سے چلی آرہی ہے۔ اگر اب وہ حکومت قلب عرب اور مکہ میں نبوت کے نام سے قائم ہو گئی تو رہتی دنیا تک اُس سے نجات نہ ملے گی۔ یہی خوف تھا جس نے کبھی شرک و کفر کے نام سے مخالفت کی، کبھی دہکرمناقیح محاذ کے نام پر قسمت آزمائی کی، لیکن ہر محاذ شکست پر شکست کھاتا رہا۔ مگر داخلی محاذ اسلام و اسماعیلی ہونے کی آڑ لے کر شخصی حکومت کے خلاف جمہوری حکومت کے بہانے کا میاب ہوا۔ اور آمریت و استبداد کے وہ نمونے دکھائے کہ فرعون و نمرود و شداد و ابلیس بھی شرمناک رہ گئے۔ کر بلا کا سانحہ اور اس کا عنوان اسی محاذ کی خونی داستان ہے۔

(v) یہاں قارئین یہ بھی سمجھ لیں کہ رومۃ الکبریٰ کی عیسائی حکومت برابر نبطیوں کی حامی و مددگار رہی ہے۔ جس بنا پر قرآن کریم نے رومیوں کو دوبارہ غلبہ پا کر مجوسی حکومت کو شکست دینے اور اور اپنے مقبوضات یا عربی علاقے دوبارہ حاصل کر لینے کی خوشخبری سنائی تھی۔ وہ دراصل قرآن نے یا رسول نے اپنے نبطی خاندان کی حمایت کا اعلان کیا تھا۔ اور سورہ روم اُسی کی یادگار میں نازل ہوئی تھی۔ اس سورہ میں جگہ جگہ ایسے اشارے موجود ہیں جن پر بعد میں تحریک تشیع نے اپنے منصوبے کے اصول مرتب کئے۔ ہم ان سولہ آیات کا مفہوم اس وقت کی تاریخ کے لحاظ سے لکھیں گے سنئے فرمایا گیا کہ:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلَمْ ۝ غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِیْ اٰذْنِی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنۢ بَعْدِ عَلَیْہُمْ سَیْلُبُۡنٌ ۝ فِیْ بَضْعِ سِنِیۡنَ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ ۚ وَ یَوْمَئِذٍ یَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوۡنَ ۝ بَنَصَّرَ اللّٰہُ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ وَ عَدَدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ وَ عَدَّہٗ ۚ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوۡنَ ۝ یَعْلَمُوۡنَ ظَہْرًا مِّنَ الْحَیۡوَةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ ۚ هُمْ غٰفِلُوۡنَ ۝..... (سورہ روم آیات 1 تا 16 تک پڑھیں۔ 30/1-16)

اللہ رحمن و رحیم کے نام سے الف لام میم یعنی آل محمد و خاندانہ محمد کی طرفدار روم کی عیسائی حکومت مغلوب ہو گئی اور اُسکے عربی مقبوضات میں سے تھوڑے سے علاقے مجوسی حکومت نے چھین لئے ہیں۔ مگر وہ رومی مذہبی حکومت اس غلبے کے بعد بہت جلد مجوسی حکومت پر گنتی کے چند سالوں میں غالب آجائیگی۔ آج سے پہلے بھی اور آج کے بعد بھی حقیقتاً یہ اللہ ہی کی حکومت و حکم ہے۔ لہذا جب اللہ کی حکومت غالب آئے گی اس روز حقیقی علم رکھنے والے مومنین خوشیاں منائیں گے۔ اسلئے کہ فتح مندی خدا کی طرف سے جس کو ملتی ہے۔ اُس پر خوشی ہونا ہی چاہئے۔ وہ فتح دینے والا ہمیشہ ہر حال میں سب پر غالب و رحیم ہے۔ اللہ کا ہر وعدہ یقینی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں

کرتا۔ چنانچہ لوگوں کی کثرت یہ نہیں جانتی کہ یہ وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری شاخ اور مذہبی حکومت سے کیا جا رہا ہے۔ یہ تو ظاہری طور پر اُسی کو حقدار وعدہ و حکومت سمجھتے ہیں جو ظاہری لیل کے ماتحت آتا ہو۔ چنانچہ وہ یہ نہیں جانتے کہ خواہ حکومت نبطی شاخ میں ہو یا اسرائیلی شاخ میں، وہ ہر حال میں اللہ کی حکومت ہوتی ہے۔ اور وہ اُس آخری نتیجہ سے غافل ہیں جو اسلام کا اندرونی دشمن محاذ برآمد کریگا۔ کیا یہ لوگ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اور لوگوں کے قلب و اذہان میں پوشیدہ منصوبے پر غور و فکر نہیں کرتے کہ اندر ہی اندر کیا ہو رہا ہے۔ اللہ نے یہ زمین و آسمان اور جو کچھ تمہارے اور حکومتیں اور منصوبہ ساز و نبوت و خلافت کے راز و رموز اثباتِ حق اور ابطالِ باطل کے سوا کسی اور غرض سے پیدا نہیں کئے ہیں۔ اور ہر اقدام و فکر و عمل و اشیا کی ایک خاص مدت مقرر کر رکھی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسانوں کی کثرت اپنے پالنے والے اور کائناتی انتظام کر نیوالے کے حاکم اور حاکمانہ نظارے پس پردہ چھپانے کی فکر میں ہیں۔ چنانچہ اگر تم اور وہ اس اندرون خانہ سازشی پردہ کو سمجھنا چاہتے ہو تو اُن لوگوں کے منصوبوں پر نظر ڈالو جو تم سے پہلے بڑی بڑی قوتوں کے مالک گزرے ہیں۔ جنہوں نے تم سے بہتر دنیا بنانے کی کوششیں کی تھیں اور بڑی بڑی تہذیب و آثار قائم کئے تھے۔ لیکن جب اُنکے پاس تعلیمات خداوندی لے کر اُن کے پیغامبر پہنچے تو انہوں نے خلاف ورزیاں کر کے اپنے اوپر مظالم کو جائز کر لیا۔ ہم نے اُنکے کردار پر مواخذہ میں ظلم نہیں کیا۔ انہوں نے جیسا کیا تھا اسکی سزا پائی۔ بہت بُری صورتحال سے دوچار ہونا پڑا عاقبت تباہ ہوئی۔ وہ حکومت کو حق کی شناخت سمجھ کر دین کا مذاق اڑانے اور کھلی ہوئی آیات کی تکذیب کرنے لگے تھے۔ یہ سمجھ لو کہ اللہ حکومتوں کی تخلیق کی ابتدا کرتا ہے اور تمام مخلوق کو اُسی کے مقررہ نتائج کی طرف پلٹنا پڑتا ہے۔ لہذا تم بھی ہوشیار ہو جاؤ اور اُن سے عبرت حاصل کرو۔ اسلئے کہ جب مقررہ گھڑی سامنے آکھڑی ہوگی تو آج کے حکومت سازی کر نیوالے مجرم مایوس اور بے بس ہو جائیں گے۔ اور جو لوگ آج حکومت بنانے کے منصوبے میں شریک و رفقاء کار ہیں وہ سب اپنی اسکیم کو چھپائیں گے اور ذرہ برابر سفارش نہ کر سکیں گے اور یہ ظاہر ہو جائے گا کہ وہ خدا کے احکام نہیں بلکہ اپنے مصالح کو ملحوظ رکھتے تھے۔ دینی نہیں بلکہ کافرانہ اور خدا و رسول کے خلاف حکومت قائم کرنا طے کر چکے تھے۔ لیکن وقت سامنے آیا ہے کہ وہ سب متفرق اور حکومت پر اگندہ ہو کر رہ جائیں گے۔ رہ گئے وہ لوگ جو خلافت و حکومت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اصلاح حال میں مصروف ہیں وہ باغات میں خوشی منائیں گے۔ اور جن لوگوں نے اپنی دانشوری کو حکومت الہیہ کے چھپانے اور جھٹلانے میں صرف کیا تھا۔ اور آخری نتیجے کے سامنے آنے کی جھوٹی تاویلیں اور تحریف کی تھی اُن کو شدید عذاب کے شکنجے میں آنا پڑے گا۔ یہاں قارئین یہ نوٹ کر لیں کہ یہ مفہوم تاریخ کو ہی نہیں بلکہ قرآن کی کئی متعلقہ آیات کو سامنے رکھ کر پیش کیا گیا ہے۔ یعنی وہ پورا منصوبہ سامنے رہا ہے جو قرآن نے مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔ اور جو لوگ اُس سے واقف نہیں ہیں وہ اس مفہوم کو غلط قرار دینے میں معذور ہیں۔ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے ہم نے نہایت اختصار سے پیش کیا ہے۔ اگر آپ نے یہ سنا ہے کہ قرآن خود اپنی آیات کی تفسیر و توضیح کرتا ہے تو یاد رکھیں کہ یہاں وہی تفسیر و توضیح ہے۔ اور یہ بتا دیا گیا ہے کہ اگر تم نے اسلام کے نام پر بے دین حکومت قائم کی تو خدا کی دوسری حکومتیں تمہاری جڑیں اکھاڑ دیں گی۔ اور واضح کیا کہ رومی عیسائی حکومت کو اللہ فتح دے گا۔ وہ اللہ کے مقاصد کی طرفدار حکومت ہے۔ اسکی فتح سے جو مومن حقیقی ہونگے ہمیشہ خوشی منائیں گے۔ بلکہ ایسی عیسائی حکومت کی طرفداری و نصرت کرنا اسلامی فریضہ اور حمایت

خداوندی سمجھیں گے۔ یہاں پھر یاد کریں کہ اہل کتاب اسلام کے دشمن نہ تھے۔ بلکہ مشرکین عرب قرآن گلے میں لٹکا کر اور اسلام کے نعرے مار مار کر اسلام سے دشمنی کرتے رہے اور اُسی گروہ نے کربلا تک پورے دین کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اسی لئے تو اسلام کے اولیاء نے حسین علیہ السلام کو بنائے لا الہ قرار دیا ہے۔ ورنہ قاتلان حسینؑ تو تمام قسم کے کلمے اور نمازیں پڑھتے تھے، تہجد گزار تھے، محرم کی دسویں کو روزہ رکھتے تھے، عید مناتے تھے، حافظان قرآن تھے، حاجی تھے، جہاد فی سبیل اللہ کرتے تھے اور خلیفہ وقت کے مطیع تھے۔ انہوں نے تو اُس نبیؐ خاندان کو تہ تیغ کیا تھا جو خلیفہ رسولؐ یعنی یزید کا مخالف اور باغی تھا۔ انہوں نے اُس شخصی حکومت کے طرفدار خانوادے کو تباہ کیا تھا۔ جسکی شخصی حکومت پندرہ سو سال سے عربوں کو رعایا بنائے ہوئے تھی۔ انہوں نے اُس تصور حیات کو فنا کرنا چاہا تھا جو انبیاءؑ سابقہ کی طرح خدائی احکام نافذ کرنا اور آزادی جمہور چھین لینا چاہتا تھا۔ انہوں نے اُن لوگوں کا قلع قمع کیا تھا جو قرآن کی تفسیر میں اپنا فیصلہ آخری قرار دیتا تھا اور دانشوران قوم کو اندھی تقلید پر مجبور کرنے کے بعد برسرِ اقتدار رہنا چاہتا تھا۔ انہوں نے اُس خاندان کی جڑیں کاٹی تھیں جو قیامت تک اپنی خاندانی امامت و حکومت کا قائل تھا۔ جو اپنی مخالف ہر حکومت و خلافت کو باطل کہتا چلا آ رہا تھا۔ الغرض وہ مطمئن تھے۔ وہ اپنے بزرگوں کو آوازیں دے رہے تھے کہ آؤ، دیکھو، ہم نے اُس غیر ملکی نبیؐ خاندان کو کس طرح قتل کر کے فنا کے گھاٹ اتار دیا جس نے رسالت و نبوت کی آڑ میں تمہارے سامنے سر اٹھایا تھا۔ جس نے ایک دفعہ تمہیں کعبہ میں ذلیل کیا تھا۔ جس نے تمہاری بیٹیوں کو ٹھکرایا تھا۔ جس نے تمہاری حکومت کو حقیر سمجھا تھا جو بات بات پر بھیڑ کی ناک سے نکلی ہوئی غلاظت کو تم پر حکومت سے بہتر کہا کرتا تھا۔ جسکے روبرو تم نے بیٹیاں پیش کیں، اپنی دولت و سرمایہ دینا چاہا اور اپنا بادشاہ بنانا چاہا مگر اس نے یکسر ٹھکرا دیا۔ ہم نے اسکی نسل کو تباہ کرنے میں جو محنت و قربانی کی ہے اس پر تمہاری دعاؤں اور شاباش کے متمنی ہیں۔ کہو کہ اے خلیفہ رسولؐ۔ تیرے ہاتھ کبھی کمزور نہ ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو لا الہ کی بنیاد کس دلیل سے قرار دیا گیا ہے؟ جب کہ سارا دین، پورا قرآن اور حافظان دین و قرآن موجود تھے۔ خلافت اور خلیفہ موجود تھا۔ نمازیں، عبادتیں اور تمام رسومات ادا کی جا رہی تھیں۔ تاریخ و حدیث و تفسیر لکھی جا رہی تھی۔ علمائے مجتہدین و مفسرین و محدثین و مؤرخین دن رات اسوۃ الرسولؐ مرتب کر رہے تھے۔ دینی احکام و عدالت و قانون نافذ تھا۔ غیر مسلم اقوام کے ساتھ جہاد ہو رہا تھا۔ اسلام پھیلایا جا رہا تھا۔ رہ گیا کچھ لوگوں کے انفرادی اعمال تو زمانہ نزول قرآن و رسولؐ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے۔ خلفائے سابقہ اپنے مخالفوں کے ساتھ جنگ کر چکے تھے۔

ایسے اسلامی ماحول سے اسلام کی نفی کر کے حسینؑ کو اسلام یا لا الہ کی بنیاد قرار دے دینا معمولی سی بات نہیں ہے۔ اس سے تو حسینؑ اور طرفداران حسینؑ کے علاوہ باقی سب سے اسلام کی نفی اور کفر کا اثبات ہوتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا از سر نو بعثت رسولؐ ہوئی ہے۔ یعنی بعد رسولؐ رفتہ رفتہ دین اسلام مٹا دیا گیا تھا۔ حالانکہ قرآن و حدیث دونوں موجود تھے۔ دونوں مل کر اسلام کو محفوظ نہ رکھ سکے۔ دونوں اُمت کو کفر کی طرف جانے سے نہ روک سکے بلکہ لوگوں نے قرآن و حدیث کے سہارے ہی سے کفر اختیار کر لیا تھا۔ اسی صورت حال سے گھبرا کر بعض حقیقی مسلمانوں نے یہ رخ اختیار کیا ہے کہ یہ رباعی جناب معین الدین چشتی کی ہے ہی نہیں۔ اور یہ مجلس از حقیقی مسلمان چار پانچ سو سال بعد اقبال کے لئے بھی یہی کہیں گے اور لکھیں گے کہ درج ذیل شعر علامہ اقبال کا نہیں ہے۔

بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است پس بنائے لا الہ گردیدہ است

باطل پرست گروہ کا پیشہ اور انکا مذہبی فریضہ ہے کہ حدیث و تاریخ و اشعار و تفسیر میں جہاں جہاں اہلیت کی مدح و ثناء ملے، جہاں جہاں ایسا حق اور حقیقی واقعہ ملے جس میں دشمنان خدا و رسول کی مذمت ہوتی ہو، اُنکی سازشوں اور منصوبوں کی نقاب کشائی ہوتی ہو، اُسے بدل دو۔ اُن سب کتابوں کو اگر فنا نہ کر سکو تو کمزور کر نیوالے صفحات نکال دو۔ اس طرح دوبارہ شائع کرو کہ تمام مضمر عنوانات غائب ہو جائیں اور ایک نئی کتاب بن جائے۔ ضرورت ہو تو کتاب ہی کا انکار کر دو، نام بدل دو۔ چنانچہ یہ کام تیرہ سو سال سے برابر ہوتا چلا آ رہا ہے اور گزشتہ دو صدیوں میں تقریباً ساری تاریخ کو بدل دیا گیا ہے اور آج پاکستان میں تو دن دھاڑے آنکھوں میں دھول جھونکی جا رہی ہے۔ جو لوگ کچھلی صدی میں یعنی چودھویں صدی (ہجری) کے اوائل میں کافر بنائے گئے تھے، جنہوں نے معجزات و جنات و ملائکہ کا انکار کیا تھا، آج مرد و مژدوں کو اپنا راہنما اور امام بنایا جا رہا ہے۔ ایک ایسی تاریخ یاد کرائی جا رہی ہے جس میں ناموں کے سوا کوئی کردار صحیح اور واقعی نہیں ہے۔ کتابوں کے سروق پر کنڈب، بہتان اور جھوٹے دعوے سرخ رنگ روشنائی اور جلی قلم سے لکھے ہوئے پڑھے جاسکتے ہیں۔

(8)۔ رسول اللہ کے نبلی خاندان کو مٹانے، چھپانے اور مشکوک کرنے کی کوشش

مندرجہ بالا کوششیں بہت قدیم مؤرخین نے شروع کی تھیں۔ اُس وقت یہ مقصد سامنے تھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان کی حکومت جو کسی نہ کسی طرح نابوت ہی کے گھرانے میں چلی آرہی تھی، باہر نکال کر فطانی نسل میں لایا جائے۔ اس مقصد میں ناکامی نے یہ سکھایا کہ نبطیوں کے ساتھ سازش کی جائے اور نبلی بن کریا کسی دوسرے قبیلے کو نبلی مشہور کر کے اقتدار و حکومت کو کروٹ دی جائے۔ یہ بھی نہ ہوا تو پھر نبلی خاندان کا نام ہی بدل دیا جائے۔ یا نبطیوں کے عرب ہونے کا انکار کر دیا جائے یا کم از کم نبلی قبیلے کی اصلیت کو مشکوک کر دیا جائے۔ چنانچہ خاندان کے پدر اعلیٰ یعنی نابت کو اسماعیل کا بیٹا کہنے کے بجائے بعض شجروں میں انہیں قیدر کا بیٹا یعنی نابت بن قیدر بن اسماعیل لکھ کر دال اور ذال کے فرق سے دھوکہ دینا چاہا۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ قیدر کا اپنا شجرہ نسب غائب ہو کر رہ گیا۔ اس سلسلے میں علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق سامنے لائیے اور سازشی تاریخ کا پردہ چاک کر کے اُسے رڈی کی ٹوکری میں پھینک دیجئے۔ مؤرخین چاہتے تو یہ تھے کہ لفظ نابت، نبا یوٹ اور نبط دنیا میں کہیں نہ بولا جائے۔ مگر نبلی خاندان کی حکومت اور ہمہ گیر شہرت عرب کے اندھیرے ہی میں نہیں چمکی بلکہ اس کا شہرہ یونان و روم و ایران تک جا پہنچا اور سیاسی حالات نے وہاں کے مؤرخین کو اُن کی تاریخ لکھنے پر ابھارا تا کہ اُن کی اقوام بھی نبطیوں کے ذکر خیر کے ساتھ دنیا میں شہرت پائیں۔ اس حقیقت نے عربی مؤرخین کو مجبور کیا کہ نبطیوں کے کچھ نہ کچھ حالات لکھے جائیں۔ مگر اُن حالات کا کہیں انکار کیا جائے کہیں تجاہل عارفانہ برتا جائے، جہاں موقع ملے انکار کر دیا جائے۔ علامہ کے بیانات دیکھیں:-

(i) ”اہل عرب بھی اُن نبطیوں سے واقف تھے۔ اس لفظ نبط کی جمع عربی میں انباط ہے۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 56)

اس اقرار کے بعد دوسرے صفحہ پر مسلسل فرمایا کہ:-

(ii) ”مؤرخین عرب فرزند ان نبا یوٹ یا انباط سے زیادہ واقف نہیں ہیں۔ وہ صرف انباط کے نام اور اُن کے تخمینی مسکن سے البتہ

واقف ہیں۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 57-)

یہاں تجاہل عارفانہ اور اقرار و انکار جمع ہو گیا اب شکوک پھیلا نا ملاحظہ ہو۔

(iii) ”اُنکا نام کبھی انباط اور کبھی آرامی بتاتے ہیں اور اُنکا مسکن شام و عراق ظاہر کرتے ہیں“ (ایضاً جلد 2 صفحہ 57) یعنی اُنہیں ارم

بن عاد کے پرانے قبیلے سے جا کر ملا دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اسماعیلی قبیلہ سے دور تر کر دیا جائے۔ دوسرا مؤرخ کہتا ہے؛

(iv) ”ارمانی شام کے بظیوں کا نام ہے۔ اور اردونی عراق کے بظ کا۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 57)

ایک اور ترکیب یہ کی گئی کہ اس نام کو اتنی وسعت دو کہ ہر وہ شخص بظی کہلانے لگے جو مہذب زندگی بسر کرتا ہو۔ یا یہ کہ گڈ ریا یا

چڑا سی نہ ہو وہ بظی ہے چنانچہ؛

(v) ”عربوں کے نزدیک ہر وہ شخص بظی ہے۔ جو چرواہا یا سپاہی نہ ہو۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 57)

یہ بھی لکھا گیا کہ بظی نہ عرب کے باشندے تھے۔ نہ عربی قبائل میں سے تھے۔

(vi) ”اہل عرب عموماً بظ کو قوماً و اصلاً غیر عرب سمجھتے ہیں۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 57)

اس سلسلے میں خلیفہ دوم نے واضح الفاظ میں بظیوں کے نسب پر شکوک و شبہات کی مہر لگا دی۔ چنانچہ عربوں میں عجمی اور بظی ایک ہی بنادے

گئے تھے۔ اُنہوں نے اس نام کو گالی بنانے کی کوشش کی۔ اور یہ سب کچھ خانوادہ اسماعیل اور خاتم النبیین علیہما السلام کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

پانچویں ترکیب کو پھر ایک نئی بات کہہ کر لکھتے ہیں کہ:-

(vii) یاقوت حموی (مؤرخ) نے ایک نئی بات لکھی ہے (حالانکہ علامہ صفحہ 57 پر پہلے لکھ چکے ہیں) کہ عرب ہر اس قوم کو بظ کہتے

ہیں۔ جو گلہ بان اور سپاہی نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو قوم غیر بدوی زندگی بسر کرتی ہو (یعنی جو بدو نہ ہو)۔ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ بظ نے عراق کے تاتر سے متمدن زندگی اختیار کر لی تھی۔ اس لئے بادیہ نشینان عرب نے ہر غیر بدوی قوم کو بظ کا

مترادف سمجھ لیا۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 58)

(9)۔ رسول اللہ کے بظی خاندان کی وہ شاخیں جنہیں عرب منصوبے نے انباط سے خارج کیا

یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ آنحضرتؐ کے خاندان انباط کا جب ایک حکمران گروہ کمزور ہو گیا تو اس خاندان کے ایک اور گروہ نے حکومت قائم کی

اور آنحضرتؐ کی دعوت کے وقت تک حکومت کرتا رہا۔ اس خاندان کی بابت علامہ سلیمان لکھتے ہیں کہ:-

(i) ”آل غسان۔ نائب بن اسماعیل کی ایک اور شاخ۔ انباط (کے پہلے حاکم خاندان) کے مٹنے کے بعد ایک اور عرب خاندان نے

ظہور کیا۔ جس کو عموماً آل غسان یا غسانہ کہا جاتا ہے۔ اور کبھی بانی خاندان کے نام سے آل جفتہ کہتے ہیں۔“

”آل غسان کا نسب“ ”عام علمائے انساب کی تشریح کی بنا پر آل غسان، قحطانی سبا کے خاندان کہلان سے تھے۔ کہلان کے سالار

خاندان عمر فریقیا کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا کہ سدّ عرم ٹوٹے گا اور سبا (قبیلہ کے افراد) برباد ہو جائیں گے۔ اس لئے وہ یمن سے نکل کر

حجاز کی راہ سے شام آیا۔ بعض حجاز اور تہامہ میں رہ گئے۔ اور وہ قبیلہ اوس و خزرج وغیرہ ہیں۔ اور بقیہ حصہ شام و عراق چلا گیا۔ لیکن اصول

تحقیق کی رو سے یہ تمام تر افسانہ ہے۔ گزشتہ ابواب میں قحطانی و اسماعیلی خاندانوں کی تشخیص و تمیز کی اتنی علامتیں بیان کی جا چکی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے باسانی دونوں (قحطانی اور اسماعیلی) سلسلوں میں امتیاز کیا جاسکتا ہے۔ جس سے کلبی اور ابن ہشام علمائے انساب کے اکاذیب کا انبار دفعۃً جل کر خاکستر ہو جاتا ہے۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 78)

قارئین یہاں صرف اس قدر نوٹ کر لیں کہ مؤرخین اور عرب کے علمائے انساب نہایت اطمینان اور بے خونی سے جھوٹے نسبوں، غلط خاندانوں اور قبیلوں کو دوسرے قبیلوں میں بدلنے کے لئے باقاعدہ جھوٹے قصوں اور افسانوں کے انبار لگاتے چلے جاتے تھے۔ پھر سوچئے کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ جیسے ہی یہ معلوم ہو کہ یہ مشرکین عرب کا مؤرخ ہے، اُس کی کسی بات کا اعتبار نہ کیا جائے۔ جس طرح انہوں نے نبطی و عجمی اور..... کو مترادف بنا دیا تھا اور دلیل کوئی نہ تھی۔ اُسی طرح اگر ہم مشرک مؤرخ اور کذب و افتراء اور..... کو ہم معنی قرار دینے پر دلائل قائم کر دیں تو کیا حرج ہے؟ لہذا ہمارے نزدیک یہ لوگ کاذب و غاصب اور مفتری اور..... ہیں۔ ان لوگوں نے نابقی خاندان کو خصوصاً اور بنی اسماعیل کی دوسری شاخوں کو عموماً قحطانی بنا کر خود قحطانی اور سہبائی سے اسماعیلی بن جانے کی کوشش کی۔ لہذا اُن لوگوں کا حقیقی معنی میں اسماعیلی یا قریشی ہونا ایک خانہ ساز سیاہ جھوٹ ہے۔ یہ سب قحطانی تھے، سہبائی تھے۔ ان لوگوں نے اپنا ایک ہیرو عبداللہ ابن سبا کے نام سے گھڑا تھا۔ علامہ نے طرح طرح سے ثابت کیا ہے کہ آل غسان نبطی تھے جیسا کہ فرمایا کہ:-

(ii) ”آل غسان کے ناموں کو قحطانی اور نبطی اسماء کے درمیان رکھ کر دیکھ لو تم فوراً کہہ دو گے کہ یہ یقیناً اسماعیلی تھے۔ اور اسماعیلیوں میں بھی نابقی تھے۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 78)

(iii) ”آل غسان کی زبان اور خط تحریر دونوں اسماعیلی ہیں۔ زبان، شمالی عربی زبان ہے اور خط تحریر نبطی ہے۔ اگر یہ قحطانی خاندان ہوتا تو زبان اور خط دونوں حمیری ہوتے۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 79)

یہ نوٹ کریں کہ حمیری قحطانی قبیلے سے ہیں۔ بہت سے دلائل کے بعد علامہ کہتے ہیں کہ:-

(iv) ”یہ وہ دلائل ہیں جو مستشرقین یورپ اس موضوع کے متعلق پیش کرتے ہیں، لیکن ہم اس سے بھی زیادہ واضح دلیل پیش کرتے ہیں۔ ابوطاہر مقدسی، مصنف کتاب البدروال اخبار جو ایک قدیم مصنف ہے۔ ایک موقع پر لکھتا ہے“ (ایضاً)

اسکے بعد علامہ نے عربی کی عبارت اور ترجمہ لکھا ہے۔ اس کو دیکھنے سے پہلے یہ نوٹ کر لیں کہ عربوں کا کام حقائق کو چھپانا تھا اور علمائے یورپ کا کام سازشی پردوں کو ہٹا کر حقائق کو باہر لانا تھا۔ مقدسی کی عبارت کا ترجمہ یوں کیا ہے:-

(v) ”حسان بن ثابت کا دادا منذر بن حزام جو خالص زمانہ جاہلیہ میں تھا اُنکا (اوس و خزرج) نسب غسان تک اور غسان سے ثابت بن مالک تک اور ثابت بن مالک سے ثابت بن اسماعیل بن ابراہیم (علیہما السلام) تک پہنچتا ہے۔“ (ایضاً صفحہ 79)

اس کے بعد علامہ نے حسان بن ثابت کے دو شعروں سے ثبوت لکھا اور کہا کہ:-

(vi) ”شاعر خود غسانیوں کا ہم نسب ہونا ظاہر کرتا ہے۔ اور خود غسانیوں کے عہد وجود میں یہ قصیدہ لکھا گیا ہے۔ اس بنا پر آل غسان

کے لئے اس سے زیادہ قابل اعتبار شہادت نہیں مل سکتی۔“ (ارض قرآن جلد دوم صفحہ 79)

پھر علامہ نے قحطانی، حمیری اور اسماعیلی بادشاہوں کے ناموں کو بطور ثبوت لکھنے سے پہلے اعلان کیا کہ:-

(vii) ”آخری فیصلے کے لئے ہم قحطانی، حمیری اور اسماعیلی نبطی بادشاہوں کے نام پہلو بہ پہلو لکھتے ہیں۔ اس مقابلہ سے قومیت کا راز خود بخود فاش ہو جاتا ہے۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 80)

یہاں تک یہ ثابت ہو گیا کہ آل غسان نبطی تھے اور اسی لئے سازشی تاریخ نے انہیں قحطانی بنانے پر زور لگایا۔ مگر بعد کے علما بھی برابر خانوادہ رسولؐ کے نسب کو برابر چھپاتے رہے۔ اور قحطانی نسل کے لوگوں کو اسماعیلی اور قریشی کہنے، لکھنے اور مشہور کرنے کا دن رات ڈھنڈورا پیٹتے رہے۔ اور آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہی ایسے حالات پیدا کر دئے تھے کہ لوگوں نے اسلامی مقاصد کی خاطر اس پہلو کو سامنے رکھنے سے احتراز کیا۔ ورنہ اسی کو بہانہ بنا لیا جاتا اور کر بلا اپنے وقوع سے اکٹھ سال پہلے ہی سامنے آ جاتی۔ لیکن ہم اور بہت سے رازوں کے ساتھ یہ راز بھی کھول دیں گے۔ یہاں تو یہ دیکھیں کہ مدینہ کے انصار رضی اللہ عنہم بھی خانوادہ رسولؐ میں داخل ہیں، وہ بھی نبطی ہیں۔ جنہوں نے دل و جان سے، مال و اولاد سے قحطانیوں کے مقابلہ میں اپنے خاندانی رسولؐ کی مدد و نصرت کی۔ اور یہ کہ قحطانی سازشوں نے ان کو بھی قحطانی بنانے کی کوشش کی تھی۔ علامہ نیا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:-

(viii) ”اوس و خزرج“ ”نابت بن اسماعیل کی ایک اور شاخ انصار“ ”وَالَّذِينَ آوَا وَنَصَرُوا“ اوس و خزرج عرب کے دو مشہور قبیلوں کے نام ہیں، جو اسلام کے پہلے سے مدینہ میں سکونت پذیر تھے۔ اسلام آیا تو وہ اس کے پر زور دست و بازو تھے۔ اور انصار اُن کا خطاب تھا۔“

”اوس و خزرج کا نسب۔ عام طور سے اُن کو بھی قحطانی الاصل اور کہلان کے خاندان سے قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے بھی صحت سے تہی مایہ ہے۔ زبان، مذہب اور اخلاق قومی کے علاوہ روایات سے بھی اُن کے اسماعیلی ہونے پر مستحکم دلائل قائم ہیں۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 85)

اخلاق کی گفتگو میں ہم بھی قحطانی اور مکی باشندوں اور مدنی اسماعیلی نبطی حضرات کا ذکر کریں گے۔ یہاں صرف دو جملے سن لیں یعنی انصار کی عورتیں مکے سے آنے والے مسلمانوں سے شرع کے مطابق نکاح تو کر لیتی تھیں۔ مگر بے ڈھنگے اور کوکشا شتری جنسی تعلق سے تنگ آ کر آنحضرتؐ کے حضور میں شکایت کرتی تھیں کہ ہمارے ساتھ حیوانی سلوک کیا جاتا ہے۔ تفصیل کتاب ”اسلام اور جنسی تعلقات“ میں موجود ہے۔ اسلام کی کتابیں ان کی بد اخلاقیوں سے بھری پڑی ہیں۔ حیا سوز و گھناؤ نے کردار خود قرآن کریم نے ریکارڈ میں محفوظ رکھے ہیں۔ ہم نے اُن کو کبھی بھول کر بھی اسماعیلی تو اسماعیلی تھے، صحیح النسب و شریف الاصل نہیں سمجھا۔ وہ ویسے ہی تھے جیسے قرآن کریم نے بتایا ہے۔ بہر حال انصار کا خاندان رسولؐ سے نابطنی ہونا احادیث سے بھی ثابت ہے ملاحظہ ہو:-

(ix) بخاری میں روایت ہے کہ ابو ہریرہ نے انصار کے ایک مجمع کو مخاطب کر کے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا قصہ سنایا تو آخر میں کہا تِلْكَ اُمُّكُمْ يَا بَنِي مَاءِ السَّمَاءِ۔ ”اے پاک نسبو! یہ تھیں تمہاری ماں۔“ محدثین کو اس حدیث کی تاویل میں نہایت دقتیں تھیں۔ لیکن آج جدید تحقیق نے تاویل و اشتباہ کا پردہ چاک کر دیا۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 85)

محدثین کو اس لئے دقت پیش آئی کہ گزشتہ تین سو سال سے کانوں میں یہ شور گونج رہا تھا کہ مدینہ کے انصار قحطانی ہیں۔ لیکن حضرت ابو ہریرہ نے باوجود مخالفت کے یہ اعلان کر دیا کہ آنحضرتؐ اور انصار کی والدہ حضرت ہاجرہ ہیں۔ سوچئے کہ تاریخ میں کیسی بے رحمانہ تلخیص و تحریف کی گئی ہے؟ اور سنیں:-

(x) ”تمام علمائے انساب اس پر متفق ہیں کہ اوس و خزرج، غسان کے ہم نسب ہیں۔ اور خود اوس و خزرج کا بھی یہی دعویٰ ہے۔ اس بنا پر اگر ہمارے دلائل غسان کے نابتی الاصل ہونے پر صحیح ہیں۔ تو وہی بعینہ اوس و خزرج کے نابتی ہونے پر بھی حجت ہیں۔“
(ارض القرآن جلد دوم صفحہ 85-86)

ہمیں یہ بتانا ہے کہ علامہ کے دلائل صحیح ہوں یا غلط اس سے انصار کا شجرہ نسب نہیں بدلتا۔ علاوہ ازیں مؤرخین و علمائے انساب کی اکاذیب اور سازش واضح ہو جانے کے بعد اُن کا کسی ایسے امر میں متفق ہونا جو خود انہوں نے بطور سازش گھڑا اور تیار کیا ہو ہمارے لئے دلیل حق نہیں ہے۔ وہ تو اس لئے انصار کے غسانی ہونے پر متفق ہیں کہ وہ پہلے غسانی قبیلے کو قحطانی بنا چکے تھے۔ لہذا وہ ایک باطل اور بہتان پر متفق ہوئے ہیں نہ کہ حق پر؟ علامہ کی ایک اور دلیل:-

(xi) ”اوس و خزرج کے اسماعیلی ہونے پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ قریش سے اُن کے رشتے ناتے تھے۔ وہ ہر سال پابندی سے حج کو آتے تھے۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 86)

اگر علامہ یہ کہتے کہ آنحضرتؐ کے خاندان سے رشتے ناتے تھے تو بات بلا کسی گجھک کے صحیح ہوتی۔ قریش تو ہاشم سب بن گئے تھے اسلئے بات صاف نہیں ہے۔ رہ گیا حج پابندی سے کرنا، یہ نابتی ہونے کی بے شبہ شناخت نہیں ہے۔ بہت سے غیر اسماعیلی قبائل کے افراد آتے تھے، میلہ ہوتا تھا، تاجر بھی آتے تھے، موسیقار و شعرا بھی آتے تھے۔ اور ہم اسلئے لکھے چلے جا رہے ہیں کہ علامہ ایک زبردست مؤرخ ہیں مسلمانوں میں مستند ہیں اور بد قسمتی سے حقیقی مسلمان ہیں۔ یعنی آنحضرتؐ کو، حضرت علیؑ کو، غسانیوں اور انصار کو نبطی یعنی نابت بن اسماعیل کی اولاد مان کر بھی بلا دلیل اور بلا ثبوت آنحضرتؐ کو قیدار بن اسماعیلؑ کی اولاد میں لکھ دیا ہے۔ لہذا ہم اُن کو اسلئے سند مانتے ہیں کہ قیداری کہتے ہوئے وہ اپنے اور اپنے بزرگوں کے خلاف علیؑ و محمدؐ و انصار و غسانیوں کو زور و قوت و دلیل و برہان سے نابطلی ثابت کرتے چلے آئے ہیں۔ مندرجہ بالا ساتویں (vii) دلیل کو پھر دہراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

(xii) ”منذر بن حزام حضرت حسان بن ثابت کا دادا جو زمانہ جاہلیت میں اور خزرج کے قبیلہ سے تھا۔ اپنا نسب نابت بن اسماعیل تک

پہنچاتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے۔ ورثنا من البہلول عمرو بن عامر و حارثة الغطریف مجدا موثلا

موارث من ابناء نبت بن مالک و نبت بن اسماعیلؑ ما ان تحولا

عمرو بن عامر اور حارثہ، دونوں غسانی اور اوس و خزرج کے پدر اعلیٰ تھے۔ غسان نے شام کا رخ کیا اور اوس و خزرج نے حجاز کے شہر یثرب (مدینہ) میں سکونت اختیار کی..... آنحضرتؐ کی آمد پر نبیؐ کا شہر یعنی مدینۃ الرسولؐ نام ہوا۔ طیبہ کا اضافہ ہوا۔ پہلے یہاں عرب سامیہ اولیٰ آباد تھے پھر یہود آئے، پھر اوس و خزرج آئے۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 86)

یہاں تک رسول اللہ علی مرتضیٰ اور انصار کا ہر حیثیت سے نابطنی یا نابت بن اسماعیل کی اولاد ہونا ثابت ہو گیا۔ یہاں اس قدر اور نوٹ کر لیں کہ یثرب جسے رسول اللہ کی ہجرت کے بعد مدینہ کہا گیا ہے حضرت اسماعیل کے زمانہ 2200 قبل مسیح میں عرب کی قوم سامیہ اولیٰ (یعنی جس زمانہ میں اس کا نام عاد اولیٰ تھا) نے آباد کیا تھا۔ وہی یہاں آباد و حاکم تھے۔ ان ہی میں سے حضرت ابراہیم اور ان کے بھائی تھے۔ ان کی ہی اولاد میں سے اسماعیل و اسحاق علیہما السلام تھے۔ اور نبوت و رسالت کی یہی دو شاخیں تھیں۔ اور یہ دونوں شاخیں مل کر کام کرتی تھیں۔ ابتدا ہی سے حضرت عیسیٰ جو حضرت یعقوب کے بھائی تھے۔ ناراض ہو کر حضرت اسماعیل کے پاس چلے آئے تھے۔ ان دونوں کی اولادیں یہاں یثرب یا مدینہ میں آباد چلی آتی تھیں۔ مدینہ کے یہود حضرت عیسوی کی اولاد میں سے تھے۔ اور اس و خنزرج نابت بن اسماعیل کی اولاد تھے۔ گویا مدینہ میں چچا (عیسیٰ) تایا (اسماعیل) کی اولادیں یعنی بھائی بھائی آباد تھے۔

(10)۔ رسول اللہ کا نبطی خاندان کہاں کہاں پھیل کر آباد ہوا اور پندرہ سو سال حکومت کی

یہاں یہ بتا کر چلیں گے کہ نابت بن اسماعیل علیہما السلام کی اولاد نے ملک عرب و شام و مصر و یمن و عراق و حجاز و نجد میں چپہ چپہ پر حکومت کی۔ تمدن و تہذیب کو منہ بنائے کمال کی طرف رواں دواں رکھا۔ یہ حکومت نامعلوم زمانہ سے شروع ہوئی لیکن اس کی دھوم دھام اور شہرہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے سات سو سال قبل سے ریکارڈ میں آیا۔ اور 630 عیسوی میں اپنے خاندان کے سر تاج محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم چوم کر آپ کے مشن کی ایک لازوال مُمد و مددگار بن گئی۔ اور آئندہ سر جھکا کر اسلام اور سربراہان اسلام کے اشاروں پر قربانیاں پیش کرتی رہی۔ اور کر بلا کے بعد وہی نبطی قیادت تحریک تشیع کے نام سے مخالف محاذ کے مد مقابل ہو گئی۔ مخالف محاذ کو گھیر کر قرآن و صاحب قرآن علیہم السلام کی طرف لانا، باطل نظام کی پول کھولنا اور بنی نوع انسان کا صحیح ریکارڈ مرتب کرتے چلے جانا اس کے منصبی فرائض تھے۔ تحریک تشیع نے مخالف محاذ کو ہر میدان میں شکست دی۔ اس کی قوت و سطوت و حکومت و اقتدار کی چولیں ہلائیں۔ اُن کے جنازے نکالے، زیر زمین اور اعلانیہ محاذوں نے اسلام کا پورا پورا تحفظ کیا۔ یہ مشن قیامت تک جاری رہے گا۔ ایک لمحہ کیلئے ابلیس اور ابلیسی نظام کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا۔ مخالف محاذ کے ہر دانشور اور ہر منصوبے کو ہر رنگ میں پیچھتا ہے۔ ہر مخالف اسکیم، ہر مخالف نظام، ہر مخالف حکومت، ہر مخالف گروہ اور ہر مخالف منصوبے پر نظر رکھنا، اور اس کے باطل و مضرت نائج کو وقوع میں آنے سے پہلے ہی ضائع کر دینا تحریک تشیع کا اولین فرض ہے۔ اُس کے یہاں نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ، خمس و جہاد و عبادات وہ ذریعہ اور وسیلہ ہیں جن سے احقاق حق و ابطال باطل کیا جاتا ہے۔ اُن کی ہر اسکیم نماز کے ماتحت رہتی ہے۔ وہ ایسی نمازوں کے قائل نہیں جو دن رات چاروں طرف بلا سمجھنے کے یعنی نشے کی حالت میں بطور رسم و ریا پڑھی جا رہی ہیں۔ جانتے ہو کہ کر بلا کے میدان میں نماز کو آغاز کار میں رکھا، نماز ہی پر اُس کا شباب آیا اور نماز کے سجدہ ہی میں انجام کار آیا۔ اس روز سے ہمارے لئے نماز ایک پناہ گاہ بن گئی، ہماری محافظ ہو گئی۔ اُس نے ہمارے ہر مجاہد کے ساتھ، آگے پیچھے اور چاروں طرف حصار بنا لیا۔ معلوم ہے کیوں؟ وہ دیکھو! نماز جماعت کھڑی ہونے سے پہلے دو مجاہد امام سے بھی آگے کھڑے ہیں۔ خبر نہیں کیوں مسکرا رہے ہیں۔ امام اٹھے، صفیں قائم ہوئیں، دشمن کے تیر اندازوں نے کمائیں سنبھالیں، امام کو نشانہ بنایا، تیروں کی بارش ہونے لگی۔ وہ دونوں مجاہد اپنے بائیں جھک جھک کر، تن تن کر تیر روکنے لگے۔ نماز جاری رہی، تیر برستے

رہے، نماز اور امام کے محافظ تیرکھاتے رہے۔ اُن دونوں کی نماز، امام و نماز کی حفاظت تھی۔ پہلو چھلنی ہو گئے، سینہ کہاں بچتا۔ امام و نماز ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے۔ امام کے سامنے دونوں مجاہد پڑے تھے۔ دماغ و دل بکھیر کر رخصت ہو چکے تھے، یہ ہے ہماری نماز، ہمارا زنجیر زن، ہمارا قلع کا ماتم کرنے والا۔ اُن دونوں بے نمازوں، نماز کے محافظوں میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ گس گس کر سر و سینہ کو چھریوں سے غربال (چھلنی) بنا دینا چاہتا ہے۔ اور امام کے پیچھے نہیں، آگے والی نماز اور آگے والے مجاہدوں کے ساتھ کھڑا ہونا چاہتا ہے۔ وہ امام کے بعد، امام کی اجازت اور امام کے نام سے تحریک تشیع کی قیادت و امامت سنبھالنا چاہتا ہے۔ وہ نماز کو اپنے خون سے ہر لمحہ، ہر روز و ہر ماہ و ہر سال دھسن کی طرح سرچوش دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کربلا ہو یا نجف، کوفہ ہو یا بصرہ، خیبر ہو یا فدک، مکہ ہو یا مدینہ، تبوک ہو یا ربذہ؛ ام القرى ہو یا صحرا، تیما ہو یا حجر یہ سب رسول اللہ کے بزرگوں کی موروثی جائیداد تھی۔ اس پر اُن کے خاندان انباط کا قبضہ تھا۔ اُن کا راج تھا۔ اُن کو رسول نے پھر سے اپنے دشمنوں سے حاصل کیا تھا۔ دشمنان خدا و رسول نے سازشوں سے اُن تمام ممالک اور علاقوں کو اسلام کے نام پر پھر چھین لیا۔ ہر عہد کو توڑا، ہر دستاویز کو پھاڑا، ہر ریکارڈ کو مٹایا اور تبدیل کیا۔ اب اُن کے حصول میں خون پانی کی طرح بہانا پڑے گا۔ اپنی اور مخالف محاذ کی نمازوں اور عبادتوں کا فرق دکھانا پڑے گا۔ اور انہیں اس میدان سے کافر بنا کر بھگانا پڑے گا۔ اور گلی گلی، کوچہ کوچہ، شہر و شہر، ساری دنیا کو، ساری اقوام کو خانوادہ حسین علیہ السلام کا قصہ درد و الم سننا پڑے گا۔

(i) ہم علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق سے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ مذکورہ بالا تمام ممالک اور شہر و علاقے حضرت اسماعیلؑ کے زمانے سے نبی بن اسماعیل علیہما السلام کی رعایا تھے۔ اور اُن تمام علاقوں میں نبی ہر جگہ برسر اقتدار رہتے چلے آئے تھے۔ مگر علامہ ہوں یا کوئی اور مؤرخ ہو، تاریخ میں جن چیزوں کو درج کرتا ہے وہ ہنگامے ہوتے ہیں، انقلابات ہوتے ہیں، شور و غوغا ہوتا ہے، حکومتوں کے تذکرے ہوتے ہیں۔ جیسے ہی کسی قبیلے یا خاندان کی حکومت پر زوال آتا ہے، تاریخ پلٹ کر اُس کی طرف دیکھنا لگتا ہے سمجھتی ہے۔ مؤرخ کے نزدیک گویا حکومت کیساتھ ہی کروڑوں افراد پر مشتمل وہ قوم و قبیلہ بھی مٹ جاتا ہے۔ اب تاریخ کا دوسرا صفحہ پلٹتا ہے تو سینکڑوں سال پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اگلے صفحے پر اب اس حکومت کا تذکرہ شروع ہو جاتا ہے جو پہلی حکومت کے بعد برسر اقتدار آتی ہے۔ یعنی بیچ کی ساری اقوام غائب، تمام واقعات و حالات و ایام تاریکی کے پردوں میں لپیٹ دئے جاتے ہیں۔ کڑیاں ملانے میں سینکڑوں حلقے اور سلسلے چھوڑ دئے جاتے ہیں۔ دو تین پشتیں گزر جاتی ہیں تو برسر اقتدار لوگوں کی نسل و قوم کا پتہ لگنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع پیدا کر کے سازشی مؤرخ نام کے ساتھ قوم بدل دیتے ہیں۔ غلط قبیلوں کو بیچ میں لے آتے ہیں۔ ننانوے اعشاریہ نو فیصد (99.9%) تاریخیں اور مؤرخ کسی نہ کسی حکومت اور اقتدار کے وظیفہ خوار ہوتے ہیں۔ اس لئے اپنے حاکم کی رضا جوئی، خوشنودی اور بالا دستی کو مد نظر رکھ کر واقعات کو لکھتے ہیں۔ پھر صدیاں گزر جانے کے بعد والے محققین کو نقل مارنا پڑتی ہے۔ جو چیزیں امتداد زمانہ، لمبی مدتیں گزر جانے کی وجہ سے مشہور اور مقدس قرار پا جاتی ہیں اُن کے خلاف لکھتے ہوئے قلم ڈرتا ہے، محقق کی زبان رکتی ہے۔ یقین ہو جانے کے باوجود، زبردست ولا جواب ثبوت و دلائل فراہم کر دینے کے باوجود مشہور و مقدس چیزوں کو بادل نا خواستہ بحال رکھنا پڑتا ہے۔ چنانچہ علامہ کی مثال اور ثبوت موجود ہے۔ دونوں جلدیں دیکھ جائیے کہ علامہ نے جس شدت و لا جواب دلائل سے نبی بن اسماعیلؑ کی اولاد کا ذکر کیا ہے کسی اور شجرہ کا

اس سے آدھا بھی تذکرہ نہیں ہے۔ مگر پھر بھی آنحضرتؐ اور قریش کو قیدار بن اسماعیل کی اولاد میں لکھ دیا ہے۔ صرف اس لئے کہ ماحول میں صدیوں سے غلط انتساب چلا آرہا ہے۔ حالانکہ قبیلہ قیدار کا سلسلہ نسب معد بن عدنان سے ملانے کے باوجود اس نام بھی اوپر کو نہیں لکھے کہ پتہ چلتا کہ یہ قیدار کی اولاد ہے۔ لہذا اس پہلو کو کمزور چھوڑ جانے سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ مجبور تھے۔ اسی اصول پر علامہ کی بے جوڑ باتوں کو ہمیں مکمل کرنا ہوگا۔ جہاں خلا رہ گیا یا چھوڑ دیا گیا اُسے پُر کرنا ہوگا۔ لہذا ہم اُن کے مسلمات کو اپنے الفاظ میں، مگر اُن کے صفحات کے حوالے سے جلد جلد پیش کرتے چلیں گے وہ مانتے ہیں کہ:-

- (ii) نبایوت، نابٹ، نابٹ، اور نبیٹ حضرت اسماعیلؑ کے بڑے فرزند اور اُن کے جانشین تھے۔ اور اُن کی اولاد کو ببط، نابٹ اور انباط کہا جاتا ہے۔ اور قبیلہ اوس و خزرج یعنی انصار اور حضرت علیؑ اور آنحضرتؐ نبٹ بن اسماعیلؑ کی اولاد یعنی نبٹ تھے۔ وہ مانتے ہیں کہ:-
- (iii) اُم سامیہ اولیٰ یعنی ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے دادا پردادا کی نسل نے مدینہ کو 2200 قبل مسیح اور 700 قبل مسیح کے دوران کبھی آباد کیا۔ (ارض القرآن۔ جلد اول)

انہوں نے مدینہ میں تین قبائل کے نمبر وار ہونے کو مانا جو غلط ہے۔ بلکہ ام سامیہ کی بطنی شاخ مسلسل آباد رہی نہ عمالق باہر سے آئے نہ بطنیوں سے الگ تھے۔ نہ یہود باہر سے تھے نہ کوئی اور قوم تھے بلکہ وہ ایک ہی قبیلہ تھا جسے صدیوں پہلے ام سامیہ پھر عمالق پھر یہود پھر اوس و خزرج اور پھر انصار کہا گیا ہے۔ البتہ اُن میں گاہے دوسرے قبائل کے افراد بھی آکر آباد ہوتے اور جاتے رہے۔ لیکن بطنیوں کی کثرت ہمیشہ قائم رہی اور یہ دو ہزار سال قبل مسیح سے آباد تھے اور آباد رہے۔

- (iv) نابٹ بن اسماعیلؑ کی اولاد حجاز میں (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 3 اور 49) آباد چلے آئے۔ پھر یمن و شام تک پھیلے (جلد دوم صفحہ 50)۔ مؤرخین عرب کا بیان ہے کہ مکہ اور حجاز میں جب اسماعیلؑ کی اولاد بہت زیادہ ہو گئی تو نجد اور حدود عراق وغیرہ ممالک میں پھیل گئی۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 51)۔ بادیہ عراق و شام اُن سے لبریز ہو گیا (جلد دوم صفحہ 51)۔ بادیہ عراق کی اسماعیلی آبادی کو بنو اسرائیل نے نہر فرات سے بے دخل کر دیا (جلد دوم صفحہ 51) جو حجاز سے عراق تک پھیلے ہوئے تھے (جلد دوم صفحہ 56)۔ ملک حجاز سے لے کر نہر فرات تک سارا علاقہ اُن کے قبضے میں تھا (جلد دوم صفحہ 56)۔ قبیلہ کنذہ عدنانی یعنی اسماعیلی قبیلہ ہے اور نجد میں حاکم اور آباد تھا۔ امر القیس زبردست شاعر اور بادشاہ اُن ہی میں سے ایک بادشاہ ہے (جلد دوم صفحہ 95-96)۔ مکہ و مدینہ میں بطنی آباد اور حاکم رہے۔ مدینہ کے اطراف میں بھی بنو کلاب یعنی بطنی آباد تھے (ارض القرآن جلد اول صفحہ 98-99)۔ ربذہ۔ تبوک اور عوالی میں یہی خاندان آباد تھا (ارض القرآن جلد اول صفحہ 99)۔ شام میں اُن کی ریاست تھی (ارض القرآن جلد اول صفحہ 99)۔ جوف ثمود، تبوک، خیبر اور وادی القریٰ تمام بطنیوں سے آباد اور زیر نگین تھا۔ حجر اُن کا دار الخلافہ تھا اور مدین شہر بھی ماتحت تھا۔ (ارض القرآن جلد اول صفحہ 100 اور جلد دوم صفحہ 61)

ہم نے جو کچھ اوپر (عنوان 10) میں رواں دواں لکھ دیا ہے۔ اس کی صفحہ وار تصدیق کی جاسکتی ہے۔ اور یہ یقین ہو جاتا ہے کہ بطنیوں کی حکومت کی شہرت پھیلنے سے پہلے وہ ملک عرب و شام و یمن و حجاز و عراق وغیرہ کے تمام علاقوں میں آباد چلے آ رہے تھے۔ اور تمام اقوام میں اُن کی عزت و وقعت قائم تھی۔ اب ہم علامہ کے قلم سے انباط کے خاص عنوانات دکھائیں گے۔ تاکہ رسول اللہ کے بزرگوں کی

عظمت پر چند تاریخی ثبوت آپ کے پاس جمع ہو جائیں۔

(الف)۔ خانوادہ رسولؐ کا رقبہ حکومت۔ یعنی انباط کا رقبہ حکومت

ہم علامہ کے بیانات میں سے چند کو پیش کریں گے تاکہ نبطی خاندان کی حکومت سے تعارف ہو سکے۔ تفصیلات دینے سے طول ہو جائیگا۔

(i) انباط کی حکومت کے حدود اولاً وہ قطعہ ملک تھا۔ جس کو یونانی مؤرخ عرب سنستان (عربیہ پٹرا) کہتے ہیں۔ اور عبرانی ادوم اور سیر (سراة) یعنی خلیج عقبی سے بحر میت تک۔ مؤرخ ڈائیڈورس 80 قبل مسیح میں بیان کرتا ہے کہ انباط خلیج ایلہ (عقبہ) پر رہتے ہیں۔ مؤرخ اسٹرابو 24 عیسوی میں لکھتا ہے کہ ادوم کے رہنے والے انباط ہیں۔ لیکن اب وہ ادوم سے آگے بڑھ کر عرب آبادان پر بھی قابض ہو گئے ہیں۔“ (ارض القرآن صفحہ 60-59 جلد دوم) پھر لکھتے ہیں کہ:-

(ii) ”ان شہادتوں سے ظاہر ہوگا کہ انباط کا ملک مغرب میں بحر احمر اور مشرق میں خلیج فارس تک وسیع تھا۔ اور اسکے درمیان کے تمام ممالک یعنی عرب سنستان، عرب ریگستان، بعض قطعہ عرب آبادان پر قابض تھے۔ لیکن اس طویل و عریض ملک میں انباط (کے حاکم گرہ) کی اصل آبادی خلیج عقبہ کے اطراف میں تھی۔“ (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 60) ڈائیڈورس کا بیان لکھا ہے کہ:-

(iii) ”اوپر گزرتے ہوئے تم خلیج عقبہ (ایلہ) میں داخل ہو گے۔ جس کے حدود پر ان عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں جن کو لوگ نبط کہتے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف سواحل کے بڑے حصے پر قابض ہیں۔ بلکہ وہ اندرون ملک میں بھی دور تک پھیل گئے ہیں۔ کیونکہ زمین آباد اور نہایت سرسبز ہے۔“ (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 60)

یہاں مؤرخ نے یہ سمجھا ہے کہ یہ کوئی بیرونی قوم ہے۔ جیسا کہ عربوں نے مشہور کرنے کی ناہنجار کوشش کی تھی۔ اور اس بنا پر کہا کہ حکومت قائم کرنے کے بعد اندرون ملک میں پھیل گئے ہوں گے۔ حالانکہ وہ تو صدیوں سے عرب کے تمام نمایاں مقامات پر آباد چلے آ رہے تھے۔ اب یونانی مؤرخین کی زبان میں ان شہروں کے نام سنئے جن پر عربی رنگ نہیں ہے اور جو یونانیوں (مؤرخین) نے اپنی تواریخ میں لکھے۔ مگر عرب مؤرخ نے ان ناموں کو سمجھے نہ ان کو اہمیت دی۔ چنانچہ یوسیفوس کی سند سے یہ نام لکھے ہیں۔

(iv) 1- میدابا 2- بنالو 3- لبیس 4- ثرابہ 5- غالہ 6- اثون 7- صور 8- اوروں 9- مریہ 10- ردہ 11- لوسہ

12- عربہ۔ ان کے رقبہ پٹرا و حجر مشہور شہر تھے۔ (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 61)

(ب)۔ رسول اللہؐ کے خاندان کے نبطی بادشاہ اور حکومت

”اشوری کتبہ کی رو سے شاہان نبط کا سلسلہ سات سو سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 61)

چونکہ عرب مؤرخین تو خاندان رسولؐ کو تبدیل کرنے کی مہم کے ماتحت نبطی خاندان کا نام لینا پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن انکشاف جدیدہ اور مؤرخین روم و یونان کی مدد سے ایک فرانسیسی مؤرخ نے ایک فہرست تیار کی ہے۔ لہذا اس مقدس خاندان کے ماتحت رہنے

والے نبی بادشاہوں کے نام سنیں۔

نمبر شمار	نام بادشاہ	مدت حکومت	نمبر شمار	نام بادشاہ	مدت حکومت
1	حارث اول	169 قبل مسیح	2	زید بابل	146 قبل مسیح
3	مالک اول	قبل مسیح	4	حارث ثانی	110 قبل مسیح - 96 قبل مسیح
5	عبادہ اول	90 قبل مسیح	6	ربیعہ اول بن عبادہ اول	87 قبل مسیح
7	حارث ثالث بن ربیعہ	87 قبل مسیح - 62 قبل مسیح	8	عبادہ ثانی بن حارث ثالث	61 قبل مسیح - 47 قبل مسیح
9	مالک دوم بن عبادہ ثانی	47 قبل مسیح - 30 قبل مسیح	10	عبادہ ثالث بن مالک دوم	30 قبل مسیح - 9 قبل مسیح
11	حارث رابع بن مالک دوم		12	خلدو (خالدہ) زوجہ حارث	9 ق م - 40 عیسوی
				ثقیلہ زوجہ حارث	
13	مالک سوم بن حارث	40 عیسوی - 75 عیسوی	14	ربیعہ ثانی بن مالک ثانی	75 عیسوی - 101 عیسوی
	ثقیلہ زوجہ مالک				
15	مالک چہارم	101 عیسوی - 109 عیسوی		(ارض القرآن - جلد دوم، صفحہ 62-63)	

قارئین نے یہ نوٹ کر لیا ہوگا کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے سات سو سال قبل شروع ہونے والی حکومت اور 109 عیسوی تک قبیلے کے ایک نام سے چلنے والی آٹھ سو سالہ حکومت میں یقیناً اس تعداد سے زیادہ بادشاہ گزرنا چاہئیں۔ بہر حال ریکارڈ سے یہی کچھ ملتا ہے اور یہ بھی اُن لوگوں کا احسان ہے جن کو یہ مسلمان کا فر قرار دیتے ہیں۔

(ج)۔ خاندان رسول کا نبی تمدن اور ترقی و تہذیب

مورخ ڈائیڈورس کی زبانی لکھا ہے کہ:-

”ملک میں نہ کوئی دریا ہے نہ چشمہ۔ جس سے حملہ آور دشمن فائدہ اٹھا سکیں۔ انبساط کھلی ہوا میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ناقابل سکونت علاقوں میں رہتے ہیں۔ ان کا قومی آئین یہ ہے کہ وہ نہ غلے کی زراعت کریں، نہ درخت لگائیں نہ شراب پیئیں اور نہ گھر بنائیں۔ جو شخص اس کے خلاف کرتا ہے۔ اس کو سزائے موت دی جاتی ہے۔ بعض لوگ اونٹ کے گوشت پر گزر رکرتے ہیں اور بعض بکری اور بھیڑ کے گوشت پر۔ صحرا میں بہت سے قبائل رہتے ہیں۔ لیکن دولت میں انبساط سب سے زیادہ ہیں۔ اور اپنے ہمسایوں میں ان کو امتیاز حاصل ہے۔ گوکہ ان کی تعداد دس ہزار آدمی سے زیادہ نہیں ہے۔ اُن کا ملک پانی سے خالی ہے۔ اپنے لئے پہاڑوں میں بڑے بڑے حوض کھود کر بناتے ہیں۔ جن کا منہ باہر سے تنگ اور اندر سے چوڑا رہتا ہے۔ چوڑائی دوسو پچاس فیٹ ہوتی ہے۔ ان حوضوں میں بارش کا پانی جمع کر کے ان کو چھپا دیتے ہیں۔ اور ان پر کوئی نشانی بنا دیتے ہیں۔ جب سفر کرنا چاہتے ہیں تو اپنے جانوروں کو تین روز کافی پانی پلاتے ہیں۔ انبساط گوشت، دودھ اور بعض جنگلی سبزی کھاتے ہیں۔ جنگلی شہد بھی ان کو ملتا ہے۔ جس کو پانی میں گھول کر پیتے ہیں۔ اُن میں عرب کے غیر

نبطی قبائل بھی شامل ہیں۔ جن میں سے بعض شامیوں کے ساتھ گھروں میں رہنے کے علاوہ اور تمام عادات میں مماثل ہیں۔
(ارض القرآن جلد دوم صفحہ 63-64)

یہاں قارئین نوٹ کریں کہ جناب نابت بن اسماعیل علیہما السلام کی اولاد اور اُن کے زیر سایہ رہنے والے قبائل میں شراب اور اسکے تمام متعلقات حرام رہتے چلے آئے اور صدیوں تک اس خاندان نے مذکورہ بالا زندگی کے ساتھ ممالک پر حکومت کی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کا نام ہیک سوس یعنی چرواہے بادشاہ پڑ گیا۔ اور تاریخ و توریت میں یہ لقب نشانِ عظمت بن گیا۔ لیکن رفتہ رفتہ مملکتی ضرورتوں کے دباؤ سے انہیں متمدن زندگی اور شہروں اور قلعوں میں آباد ہونے کی ضرورت پیش آئی۔ لیکن اس کے بعد بھی وہ بادشاہ مرکزی احکام کی پابندی کرتے تھے اور خود کو دائرہ شریعت سے باہر نہ نکلنے دیتے تھے۔ چنانچہ اسٹرابو سے نقل کرتے ہیں جو 24 عیسوی میں انباط کا ہم زمانہ تھا۔

(ii) ”شہر پڑا اور رقبہ جو عمدہ قوانین رکھتا ہے۔ اُن پر شاہی خاندان میں سے ایک بادشاہ ہوتا ہے۔ اور اُن پر حکومت کرتا ہے۔ وزیر ہمیشہ اس بادشاہ کے ساتھیوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ اسلئے اس کو ”بھائی“ کہہ کر پکارتے ہیں۔ انباط کفایت شعارانہ ذخیرہ ملکیت کے شائق ہیں۔ جماعت ان پر جرم مانہ کرتی ہے جو اپنی دولت ضائع کرتے ہیں۔ اور جو اپنی دولت بڑھاتا ہے اس کو انعام دیتی ہے۔ انباط کے پاس غلام کم ہیں۔ اکثر اُن کی خدمت اُنکے متعلقین کرتے ہیں۔ یا ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں۔ یا ہر شخص اپنا نوکر آپ ہوتا ہے۔ یہ طریقہ بادشاہوں تک میں جاری ہے۔ جو جمہور کی رضامندی کے اس قدر آرزو مند ہیں کہ وہ اپنی رعایا کی خدمت کرتے ہیں۔ بادشاہ کو انتظام ملکی کے متعلق بیانات لوگوں کو دینے ہوتے ہیں اور وہ اکثر اپنے بادشاہ کے ذاتی حالات و عادات بھی دریافت کرتے رہتے ہیں۔ لوگ غیر سرکاری صحبتوں میں تیرہ تیرہ (13، 13) آدمی مل کر کھاتے ہیں۔ بادشاہ بھی لوگوں کو بڑی بڑی عمارتوں میں عام دعوتِ جشن دیتا ہے۔ مکانات عالیشان اور سنگین ہیں۔ آبادیوں میں شہر پنپا نہیں ہوتیں۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 65)

اس بیان میں دو خاص باتیں نوٹ کرنے کی ہیں کہ آنحضرتؐ نے نبوت کے پہلے اعلان پر فرمایا تھا کہ تم میں سے کون ہے جو اس کارِ نبوت و رسالت میں میرا ہاتھ بٹانے کے لئے میرا وزیر اور میرا بھائی بنے اور میرا خلیفہ قرار پائے۔ یہ وہی طریقہ ہے جو نبطیوں کے یہاں جاری تھا؟ دوسری بات یہ کہ مکہ کے قحطانیوں کی طرح نبطی غلام باز و غلام ساز نہ تھے۔ قطعی یہی طریقہ خانوادہ رسولؐ و آل رسولؐ کا تھا کہ وہ غلام کو آزاد کر کے گھر کا فرد سمجھتے اور برابر کام کرتے، کسی سے خدمت نہ لیتے تھے۔ اس سلسلے کی وہ تمام کہانیاں غلط ہیں جو قحطانیوں نے بزور حکومت رائج کیں۔

(د)۔ کر بلائی عزم و استقلال ایک موروثی اور خاندانی ورثہ ہے۔ خطابت اُن کا حصہ ہے

آنے والے واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ خاندان نبوت نہ بے دینی کو پسند کر سکتا ہے۔ اور نہ ایران و عرب والی جنسی بے راہ روی اُنکے خدائی مزاج سے لگا کھاتی ہے۔ ایران و یونان میں یہ بے دینی اور جنسی شرکت ترقی کرتے چلے آ رہے تھے۔ اس لئے خاندان نبوت اُن کی حمایت نہ کرتا تھا۔ بنو لحيان یعنی قحطانی برابر مجوس یعنی ایرانیوں کے حمایتی اور طرفدار رہتے۔ نبطیوں کی حمایت اور مددرومیوں کو حاصل ہوتی رہتی تھی۔ یہ تینوں حکومتیں دست و گریبان رہتی تھیں اور نبطی حکومت سے تینوں ہی ایک دوسرے کے خلاف مدد کی طالب رہتی

تھیں۔ ایک دفعہ سکندر کے بعد اس کے جانشینوں انٹی گونس اور بیٹلیوس میں جنگ ٹھن گئی۔ دونوں نے مدد مانگی۔ نبطی حکومت بیٹلیوس سے وعدہ کر چکی تھی۔ انٹی گونس نے اچانک نبطی دارالخلافہ (رقیم) پر شدت سے حملہ کر دیا۔ یہاں کوئی تیاری نہیں تھی۔ اللہ نے ایک سبق بھی دینا تھا۔ مقاومت اور کامیابی کی صورت نہ ہونے کی بنا پر نبطی حاکم قلعہ بند ہو گئے۔ اور یونانی فوج نے چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اور نبطی قید ہو کر رہ گئے۔ محاصرہ نے بہت طول کھینچا۔ رعایا کی تکلیف سے متاثر ہو کر ایک نبطی مجاہد نے کیا کیا تھا؟ وہ سُنئے:-

”اس قید سے تنگ آ کر ایک نبطی عرب نے سردار فوج ڈیمیٹر یوس کو یوں مخاطب کیا۔ ”اے بادشاہ ڈیمیٹر یوس تو کس غرض سے اور کس کے حکم سے مجھ سے لڑتے ہو؟ ہم صحرائیں رہتے ہیں۔ جہاں پانی ہے نہ غلہ ہے، نہ شراب ہے۔ نہ اور ضرورت کی کوئی چیز ہے۔ ہم نے صرف اپنی آزادی کی خاطر اس صحرا کی سکونت اختیار کی ہے۔ اور تمام آسائش کی چیزیں دوسروں کے لئے چھوڑ دی ہیں۔ اور ہم نے اس حیوانی زندگی پر قناعت کی ہے۔ تمہیں ہم نے ستایا نہیں۔ تم ہمیں کیوں ستاتے ہو؟ تم ہمیں اپنا دوست سمجھو ورنہ یاد رکھو کہ تم اس طرح یہاں زیادہ دن تک نہیں ٹھہر سکتے۔ تم کو پانی اور دوسری چیزوں کی ضرورت ہوگی اور تم ہم کو اپنے طرز زندگی کے بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اگر تم نے قلعہ پر قبضہ بھی پالیا۔ تو تم تڑپتی ہوئی لاشوں اور چند غمزدہ قیدیوں کے سوا جو کبھی دوسروں کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے، کچھ نہیں پاؤ گے۔“

ڈیمیٹر یوس اس گفتگو سے بے حد متاثر ہوا۔ اور صلح قبول کر لی۔ اس اچانک حملے نے نبطی عربوں کو ایک منظم سیاسی جمیعت کے قالب میں بدلنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ اس انقلاب نے اس بدوی قوم کو وہ اہمیت بخشی کہ یونان عظمیٰ، روم الکبریٰ اور خاندان اسرائیل کی گردنیں بھی اُس کے آگے کبھی کبھی جھک جاتی تھیں۔“ (ارض القرآن - جلد دوم صفحہ 67-68)

یہاں یہ معلوم ہو گیا کہ اس مقدس قبیلہ کے افراد کسی حال میں کسی انسانی قوت کے سامنے سر نہیں جھکایا کرتے تھے۔ اور اپنے مقدس مقاصد پر قربان ہو جانے کے لئے اپنی تڑپتی لاشیں پیش کرنے کو تیار رہتے تھے۔ یہ بادشاہ ہو جانے کے بعد بھی دنیا کی تمام لذتوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کردار جو کربلا میں پیش کیا گیا، اس خاندان کا سرمایہ تھا۔ اس کی مستقل سنت تھی۔ اور اسی خاندان کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دیا گیا تھا۔ جہاں قرآن کریم نے آنحضرتؐ اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ ملت ابراہیمؑ کی پیروی کرو (آل عمران 3/95)۔ اگر آنحضرتؐ کے زمانہ تک ملت ابراہیمؑ یعنی قوم ابراہیمؑ موجود نہ تھی اور وہ دین ابراہیمؑ و اسماعیلؑ پر عمل پیرا نہ تھی اور مخاطبین قوم ابراہیمؑ و دین ابراہیمؑ پر مطلع نہ تھے تو یہ حکم ہی غلط اور عبث ہے۔ اس صورت میں تو یہ کہنا چاہئے تھا کہ قرآن کے احکامات کی اتباع کرو۔ بہر حال یہاں بھی ثابت ہے اور ہم قرآن سے دکھائیں گے کہ حضرت آدمؑ سے خاتم تک ایک امت مسلمہ یعنی ملت ابراہیمؑ بلا انقطاع موجود چلی آ رہی تھی جس کی بنیاد پر انتہائی تعمیر کا نام کربلا ہے۔ جس میں تمام انبیاء اور مکمل تعلیمات اسلام کا خلاصہ اور منتہائے نظر پیش کر دیا گیا ہے۔ جس میں اپنے خاندان کی پوری شان و شوکت، بلند ترین عزم و استقلال اور صبر و ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ جس میں شہدائے کی شان و عظمت، مظلومی و بے چارگی کے عالم میں شرافت انسانی کا معراج کمال پیش کیا گیا ہے۔ اور جس طرح وہاں نبطی حکومت نے آئندہ نیا پروگرام بنا کر عظیم الشان حکومتوں کے سر جھکائے تھے۔ یہاں بھی کربلا کے بعد تحریک تشیع نے تمام حکومتوں سے

اپنے سامنے سجدے کروائے۔ ہر باطل قوت کو پاش پاش کر دیا۔ بس ایک فرق رہ گیا کہ وہاں قوم نبط کے ایک عام فرد کے خطبہ کا یہ اثر ہوا کہ دشمن نے صلح کر لی، جارحانہ اقدام روک کر واپس چلا گیا۔ یہاں نور دیدہ رسولؐ کے خطبات کا اثر نہ لیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ باضمیر تھے گو غیر مسلم تھے۔ مگر یہاں جن سے واسطہ پڑا تھا وہ بڑے پکے مسلمان تھے۔ انہوں نے ضمیر و شرافت و حمیت کو بھی اپنے جیسا مسلمان بنا لیا تھا۔ انہوں نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ شرافت انسانی کو بھی ملک بدر کر دیا تھا۔ وہ لوگ طاغوت و ابلیس کے اُسی طرح ورثہ دار تھے جس طرح سالارِ کربلا، مجسمہ شہادت، نبی خاندان اور سرور کائناتؐ کے وارث تھے۔ اُن میں اسی طرح قحطانی خون ابلیسی شرکت کے ساتھ موجزن تھا جس طرح حسینؑ اور اُن کے خانوادے کی رگوں میں ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا نبی خون حضرات علیؑ و فاطمہؑ اور محمد مصطفیٰؐ کا خون نور خداوندی کی شرکت اور پریشر (Pressure) کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ یعنی ایک طرف ابلیس کی پوری کمائی، ساری بصیرت و محنت محاذ آراتھی اور اس کے مقابلہ میں دوسری طرف تمام انبیاء علیہم السلام اور تعلیمات خداوندی کا ثمرہ تھا۔

قارئین نوٹ کر لیں کہ مندرجہ بالا نبی حکومت کا واقعہ 312 قبل مسیح میں پیش آیا تھا (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 67)۔ لیکن بادشاہان نبط کے پہلے بادشاہ حارث اول کا زمانہ 169 قبل مسیح دکھایا گیا ہے۔ یعنی تاریخ اور مؤرخین دو تین سو سال کا زمانہ چھوڑ جانا ایک معمولی بات سمجھتے ہیں۔ لہذا اس سلسلے میں ہر وہ بیان ناقابل اعتماد سمجھنا چاہئے جس پر مؤرخین زور دیں۔ لہذا خاندان رسولؐ کی نبی حکومت درحقیقت دو ہزار (2000) سال قبل مسیح سے برابر قائم تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ابتدا میں اس کا دائرہ حکومت مکہ، مدینہ اور حجاز و نجد و عراق سے باہر نہ نکلا تھا۔ یعنی تاریخ یونان و روم و ایران نے جب تک اُس حکومت کا دباؤ محسوس نہ کیا اس وقت تک یہ حکومت بیرونی ریکارڈ میں نہ آئی۔ رہ گیا عرب کا اپنا ریکارڈ وہ مشرکین کے منصوبے کی نظر ہو گیا۔ اور وہ نبطیوں کو قیدار بنانے اور خود قحطانی سے اسماعیلی بن جانے کے جنون میں مصروف ہو کر رہ گئے۔

(ہ)۔ رسول اللہ کے شاہی خاندان کی قدامت؛ قیداری خاندان کو پناہ؛ قیداری فرار

اولاد حضرت اسماعیلؑ و ابراہیمؑ ابتدائی زمانہ میں ایک ہی علاقہ میں آباد رہی۔ فرزند ان ابراہیمؑ اور ان کی تمام اولادیں قاعدہ کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کے ماتحت رہتے رہے۔ اور ترقی کے ساتھ ساتھ دوسرے ممالک میں آباد ہوتے اور پھیلتے گئے۔ اسی طرح حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹوں کا مل کر ایک جگہ رہنا ثابت ہو چکا ہے۔ یہ بھی سب جناب نابت علیہ السلام کے ماتحت رہتے چلے گئے۔ اُنکا تذکرہ یونانی مؤرخ نے شہر بابلینہ کے ماتحت کیا تھا۔ چونکہ جناب نابت کے خاندان میں حکومت رہتی تھی اور باقی بھائیوں کی اولاد میں سے قابل افراد کو امور حکومت میں حصہ دیا جاتا تھا۔ اسلئے حضرت قیدار کی اولاد میں بھی بعض افراد رعایا کے حاکم و سردار مقرر کئے جاتے تھے۔ اُن میں سے بعض کے دماغوں میں خود مختاری کی بدھنسی بھی پیدا ہو جاتی تھی۔ بعض کو مرکزی حکومت کی طرف سے خود مختاری دے بھی دی جاتی تھی۔ چھوٹے بھائی کا خاندان تھا۔ خانوادہ رسولؐ اپنے چھوٹوں کا ہمیشہ سے اکرام کرتا آیا ہے۔ چنانچہ قیدار کی اولاد کو برابر کے حقوق اور مواقع دئے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ اُن کو بھی نابطلی سمجھنے لگے تھے۔ اسی لئے توریت میں انہیں شاہزادے بھی کہا گیا ہے۔ توریت کی بنا پر بعض اہل کتاب مؤرخین نے بھی انہیں شہزادے لکھا ہے۔ مگر شاہزادگی اور شہنیت سے آگے وہ نہیں

بڑھے ہیں۔ اور جب تک خاندان قیدار میں سیاسی سوجھ بوجھ رہی، انہیں ضبط کے شاہی خاندان نے برابر حکومت میں حصہ دیا۔ لیکن رفتہ رفتہ اُن لوگوں میں بدعنوانیاں بڑھتی گئیں جن کی وجہ سے اُن پر زوال آتا گیا۔ زوال پذیر ہو جانے اور بد حالی کے زمانہ میں بھی خانوادہ رسول حسب موقعہ درخواست اُن کی مدد کرتا رہا۔ لیکن جس روز قیداریوں نے شاہی خاندان کے ایک بادشاہ کو تنہا چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی اور بادشاہ گرفتار ہو گیا۔ اسکے بعد خاندان قیدار کو تباہ و برباد ہو جانے کیلئے آزاد چھوڑ دیا اور چند سو سال کے اندر ہی اندر یہ خاندان تاریکی کی چادریں اوڑھ کر سو گیا۔ اُن کو بنی اسرائیل کے انبیاء نے بھی تنبیہ کی اور آفات سے بچانے میں کوشاں ہوئے لیکن زوال کے مسلسل جھٹکوں نے اس قبیلے کو کھیر کر سبائی قحطانیوں میں ضم کر دیا۔ جنہوں نے حضرت نابط کے خاندان کو قیدار کا خاندان بنا دینے کی مہم چلا رکھی تھی اور خود کو بنی اسماعیل کہہ کر بنی حکومت سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ قیداریوں کے ساتھ مل جانے سے اس سازش کو بعد میں کافی تقویت پہنچی۔ لیکن حق باطل کے پردوں میں کبھی بھی مستقل طور پر پوشیدہ نہیں رہتا۔ باطل کے مزاج میں استقلال و استحکام نہیں ہوتا۔ اسلئے اسکے پردوں میں شگاف پیدا ہو جاتے ہیں اور حق چمکنے لگتا ہے۔ یہاں پہلے یہ دیکھئے کہ مؤرخین نے تاریخ کے کئی غلط صفحات پلٹ کر بنی حکومت کے پہلے بادشاہ حارث اوّل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے صرف ایک سو اُنہتر (169) سال پہلے دکھایا تھا۔ پھر ہم نے گزشتہ عنوان میں بنی حکومت کا وجود اس سے دو سو سال قبل دکھایا۔ اور اب پھر ایک نظر اُس کی قدامت پر ڈالنا ہے۔ پھر یہ دکھانا ہے کہ حضرت قیدار کی اولاد مصائب کے وقت ہمیشہ بنی بادشاہوں کی پناہ لیتی تھی اور بعض حالات میں اپنے محسنوں کو دغا دے کر میدان جنگ سے فرار کر جاتی تھی۔ پھر یہ دکھائیں گے کہ قیدار کا قبیلہ بنی اسرائیل اور بنی حکومت کی مدد کے باوجود آخر صفحہ ہستی پر حرف غلط کی طرح بن کر رہ گیا۔

اول۔ بنی حکومت کی قدامت پر بنی خاندان کے آغاز میں اُس کتبے کا ذکر ہوا ہے جو اسیر یا کے بادشاہ بانیاں نے لکھا تھا۔ اُس میں بادشاہ مذکور نے ایک بنی بادشاہ ناتان شاہ کے قید ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اور سید سلیمان صاحب نے حزقیال نبی کے غلط حوالے سے فریب کھا کر تعجب کا اظہار کیا ہے (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 59)۔ حالانکہ اگر وہ توریت پڑھنے اور تلاش کی زحمت فرماتے تو اس واقعہ کو حزقیال نبی کے ذمہ نہ لگاتے اور بنی حکومت کا وجود 740 قبل مسیح سے مانتے۔ یہ واقعہ قیداری غداروں کے تذکرہ میں پھر آتا ہے جس سے دوبارہ قدامت ثابت ہوگی۔

دوم۔ خاندان قیدار کا تذکرہ جہاں جہاں ملے گا وہاں اُن کی حیثیت طفیلیوں کی پائی جائے گی۔ چونکہ سلیمان ندوی صاحب بھی دینی زبان سے آنحضرت کو قیدار کی اولاد میں لکھ چکے ہیں اور سلف صالحین کا تقدس انہیں ملحوظ ہے۔ لیکن پھر بھی اُن کے بیانات میں نہ جان ہے نہ کوئی شان ہے۔ بلکہ تحریری ریکارڈ میں بجائے کسی مرد کے دو عورتوں کا تذکرہ ملتا ہے جو غالباً کسی بنی بادشاہ کی بیوہ عورتیں ہوں گی اور غالباً خاندان قیدار سے ہوں گی۔ ہم علامہ کے واسطے سے تمام اہم تعارف کراتے ہیں۔ آپ یہ دیکھتے چلیں کہ قیدار کا نام کہاں کہاں آتا ہے؟ کس حیثیت سے آتا ہے؟ یا خود ہی تک بندی کر لی جاتی ہے ملاحظہ ہو:-

”تحریری ریکارڈ سے دو سو برس کے بعد پھر قیدار کا نام اسیر یا کے کتبات میں ملتا ہے۔ ملک عرب کا نام ان کتبات میں ”عربی“ ہے۔ اول ”زیبی“ اور ”سمسی“ دو شانزادیوں کا ذکر ہے۔ زیبی کی اصل غالباً بآء اور سمسی کی ”شمسیہ“ ہو۔ ذیل

میں ہم ان کتبات کا اقتباس لکھتے ہیں۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 91)

یہاں سے آپ یہ دیکھیں کہ آیا کتبہ کے اقتباس میں لفظ شہزادیاں اور قیدار کی اولاد سے اُنکا ہونا مذکور ہے یا نہیں؟ اقتباس یہ ہے:-

(ii) ”ملکہ زبیبی (یا زباء) تغلات پلاسرسوم، شاہ اسیر یا 745 قبل مسیح سے 737 ق م کی معاصر (ہم زمانہ) تھی۔ تغلات

پلاسربیلی بار ”زبیبی ملکہ عربی“ کو صرف مفتوحین اور باجگزاروں کی فہرست میں ذکر کرتا ہے۔ زبیبی نے 738 ق م میں

خراج ادا کیا تھا۔ اُسکے بعد سے پھر عرب سے خراج وصول نہیں ہوا۔ اب بجائے زبیبی کے ملکہ شمش یعنی شمشہ تحت نشین تھی۔

شمسی نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اسیر یا کی فوج کو ناکام واپس کر دیا۔ ناچار وہ لڑنے پر مجبور کی گئی۔ اسیر یا والے غالب

آئے اور شمسی کی ملکیت کے اونٹ اور بیل لوٹ لئے گئے۔ ایک اسیری سردار خراج وصول کرنے کیلئے تعینات کیا گیا۔ اس

فتح کا اثر یہ ہوا کہ (فحطانی) سب نے بھی شاہ اسیر یا کو نذریں پیش کیں۔ 713 ق م میں سرجون ثانی اسیر یا کے بادشاہ نے

شمالی عرب پر فوج کشی کی۔ حیفہ ایک قبیلہ تھا جس نے سرکشی کی تھی۔ قوم شموذ اور عبادیدی اور مرسمینی قبائل قبیلہ حیفہ کے طرفدار

تھے۔ قبیلہ حیفہ انتہائی شمال میں موجود شہر مدینہ کے متصل اور بقیہ قبائل کی طرف مکہ سے نیچے آباد تھے۔ شیمربا اور شمسی ملکہ

عرب نے، جس کا ملک انتہائے شمال میں واقع معلوم ہوتا ہے، نذریں پیش کیں۔“ (ایضاً۔ جلد دوم صفحہ 92-91)

یہاں رک کر سوچئے کہ جن کو شہزادیاں کہا گیا وہ اب ملکہ بتائی جا رہی ہیں۔ یہ کہیں پتہ نہیں کہ اُنکا خاندان قیدار سے کیا تعلق ہے؟ اور ملکہ

زبیبی کو لوٹ میں بھیڑ بکریاں اور بیل ملے یعنی وہ ملکہ واکا کچھ نہیں ہے بلکہ کسی بڑے بدّ خاندان کی بیوہ ہے جس نے چراگاہ کا سالانہ ٹیکس

نہ دیا ہوگا۔ یہی حال ملکہ شمسی کا معلوم ہو رہا ہے اور پھر جن قبائل کا ذکر ہو رہا ہے یہ تمام فحطانیوں کی سبائی شاخیں ہیں۔ اور یہ معلوم ہے مکہ

اور مدینہ کے آس پاس اور علاقوں میں فحطانی بدّ بھی کافی تھے اور گھر بنا کر بھی رہتے تھے۔ ابھی اقتباس مسلسل جاری ہے آگے پڑھئے:-

(iii) ”اشور بینا پال اسیر یا کے بادشاہ کے عہد حکومت 675 تا 626 قبل مسیح میں یوتع ابن ہزائل عربی کا بادشاہ تھا اور عادیہ

بادشاہ کی بیگم تھی۔ یوتع نے اپنے حدود حکومت میں عرب، اُدوم، بیت عمون، حوران، ہموآب، سعیر..... داخل کر لئے تھے۔ اور ان

مقامات کے حدود میں عربوں کی چوکیاں مقرر کیں۔ یوتع نے بنی قیدار کی ایک فوج دو عرب شیخوں ابی تیج، اور ابامو کے ماتحت روانہ

کی بنی قیدار کی یہ فوج بابل سے پیچھے ہٹادی گئی۔ اور کم از کم ان میں سے ایک شیخ گرفتار کر لیا گیا۔ عرب جو اسیر یا میں آباد تھے۔ جبراً

اس فوج کی شرکت سے باز رکھے گئے تھے۔ اسلئے متوقع کمک عربوں کو نہیں پہنچ سکی۔ یوتع (بادشاہ عربی) بنطیوں (نابتیوں) کی

چھوٹی سی ریاست میں پناہ گزیں ہوا۔ یویٹ (uaita) یوتع کا بھتیجا تخت پر قابض ہو گیا۔ اور بہادری کے ساتھ اسیر یوں کی فوج

سے مدافعت کرتا رہا۔ آخر اسیر یا کی فوج کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا اور پابہ زنجیر اسیر یا لایا گیا۔ اور دروازہ پر نگہبان کتے کی طرح

پاسبانی کی خدمت اس کیلئے مقرر کی گئی۔ اسی سلسلے میں قیدار کا ایک اور سردار عم العدی بھی قابل مواخذہ سمجھا گیا۔ وہ فلسطین جا کر پناہ

گزیں ہوا۔ لیکن وہاں بھی اس کو امان نہ ملی۔ فلسطین بھی فتح کر لیا گیا۔ اور وہ قید ہو گیا۔ ملکہ عادیہ (یوتع کی زوجہ) بھی گرفتار ہو گئی

اور اب ابی تیج عربی کا بادشاہ ہوا۔ ابوشیج کی مدت حکومت بہت کم معلوم ہوتی ہے۔ اور یکا یک تخت عویط بن بیردوا کو دے کر تاریخ

سے غائب ہو جاتا ہے۔ اور پھر ایک زمانہ کے بعد ”شیخ بنی قیدار“ کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اب نٹو (ناتان) رئیس انباط، اور یونٹی (وہی یوتج جو پناہ انباط میں مذکور ہوا ہے۔ احسن) رئیس عربی اور ابی شیخ رئیس قیدار اسیر یا کے مقابلے میں اُٹھتے ہیں۔ لیکن سُوے قسمت سے ناتان گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور سب بچ کر نکل جاتے ہیں۔ کتبات مذکورہ کے بیانات سے یہ صاف صاف نہیں واضح ہوتا کہ زبیدی اور سمس بنی قیدار سے تھیں یا نہیں؟ بلکہ آخری فقرے سے قیاس غالب یہ ہوتا ہے کہ یہ خاندان قیدار ہی تھا۔ ان کتبات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ نابت اور قیدار کی اولادیں اس وقت الگ الگ ہو گئی تھیں۔ اور شمالی عرب کے مختلف گوشوں میں اُنکی متفرق ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔“ (ایضاً جلد دوم صفحہ 93-91)

(iv) **خاندان قیدار مشکوک رہا ہے۔** اسلئے کہ اُن کتبات کے نام پر جو کچھ کہا گیا ہے وہ خاندان قیدار کے متعلق محققین کی نظر میں بھی محض ایک قیاس ہے۔ لیکن جو چیزیں ان سے ثابت ہیں اور جن میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے وہ یہ ہیں کہ 693 قبل مسیح میں آنحضرت کے خاندان انباط کی ایک ریاست یا حکومت اس قابل موجود تھی کہ قبیلہ قیدار کا ایک سردار نبطی حکومت کی پناہ لیتا اور محفوظ رہتا ہے اور اسیر یا کا بادشاہ اور اسکی افواج تمام مجرموں کو گرفتار کر لیتی ہیں۔ حتیٰ کہ عورتیں یعنی ملکہ وغیرہ بھی قید کر لی جاتی ہیں۔ مگر شاہ اسیر یا اور اسکی افواج نبطی حکومت سے تعارض کرنے کی جرأت نہیں کرتیں۔ پھر نبطی بادشاہ ناتان اپنی افواج کی مدد سے اُن قیدیوں کو چھڑانے کیلئے بادشاہ اسیر یا پر حملہ آور ہوتا ہے اور جن کی طرفداری اور حمایت میں یہ دردمنمول لیتا ہے۔ وہ اُسے گرفتار کرا کے بھاگ نکلتے ہیں۔ بہر حال نبطی حکومت کی قدامت اور احسان و حمایت ثابت ہے۔ شاہ انباط سے بے وفائی غدار کی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اور اگر یہ لوگ واقعی خاندان قیدار سے تھے تو قیداری خاندان کے طرفداروں کے لئے بڑی ہی ذلت و بے شرمی کی بات ہے۔ اگر یہ خاندان واقعی بادشاہ اور ملکہ وغیرہ سب صحیح ہے تو اُنکی بے کسی، بے بضاعتی، بزدلی اور ذلت و رسوائی کی حد ہو گئی ہے۔ برسر حکومت آنے کے قابل پورے قیداری خاندان میں کسی مرد کا نہ ہونا، مرد اگر کسی طرح بادشاہ بن بھی گئے تو دشمن کے آگے بھاگتے پھرنا، دوسروں کی پناہ میں زندگی گزارنا اور اپنے محسن کو گرفتار کرا کے بھاگ نکلنا، یہ باتیں اگر خاندان قیدار کی مدح و ثنا ہیں تو قارئین بتائیں کہ اُنکی مذمت کے لئے الفاظ کون سی ڈکشنری اور کس زبان سے لائے جائیں گے؟

ہم عرض کر چکے ہیں کہ نہ خاندان قیدار کی کوئی حکومت تھی، نہ اُن میں کوئی اس قابل تھا کہ بادشاہت کر سکے۔ البتہ بڑے بھائی یعنی حضرت نابت علیہ السلام کی اولاد اپنی بادشاہت میں چھوٹے بھائی یعنی جناب قیدار کی اولاد کیساتھ سلوک کرتی چلی آتی تھی۔ اگر کوئی قابل مرد اُس قیداری قبیلے میں ملتا تھا تو اسے سرداری، گورنری دے دی جاتی تھی۔ اور بڑے بھائی کے خاندان کی حکومت کی بنا پر لوگ اُن کو شہزادے اور اُن کی اولاد کو شہزادیاں سمجھتے تھے۔ یعنی نبطی بادشاہ کا سلوک اس قدر واضح تھا کہ رعایا کو یہ تک معلوم نہ ہوتا تھا کہ فلاں مرد یا عورت نبطی ہے یا قیداری ہے۔ اس سے زیادہ قیداری خاندان کے متعلق لنگڑے اور بے جوڑ بے تکلف افسانے ہیں اور کچھ نہیں ہے۔ قیدار کے لوگوں کا یہاں پناہ کیلئے بھاگ کر آنا بھی اسی حقیقت کا ثبوت ہے کہ میں تمہارا مقرر کیا ہوا حاکم ہوں، تمہارا بھائی ہوں، جس طرح ہو سکے مجھے پناہ دو۔ کیا قارئین اسے پسند کرتے ہیں؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ خُلقِ عظیم پر فائز ہونے والا رسول ایسے خاندان سے ہو جسکے تمام

اخلاق مشرکین مکہ کے فحطانی قبائل سے ملتے ہوں؟ اُن کتبات سے قبیلہ حیفہ، عبادیین اور سبا کی کئی فحطانی شاخوں کا علم ہوا جو قیداری بن جانے یا قیداریوں کو اپنے اندر ضم کر لینے میں کوشاں نظر آتے ہیں۔

سوم۔ خاندان قیدار کو چمکانے کے لئے فریب کھایا اور دھوکا دیا گیا ہے

مندرجہ بالا نام نہاد کتبے کے ذریعے خاندان قیدار کو نمایاں کرنے کیلئے چند باتیں توریت کے حوالے سے لکھی گئی ہیں۔ یہ جرات اس لئے کی گئی ہے کہ توریت کس کو ملے گی، ملے گی تو اسے کون پڑھے گا اور پڑھے گا تو قیداری خاندان کے خلاف کون منہ کھولے گا۔ لیکن ہم آنحضرتؐ اور خانوادہ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے متعلق کسی غلط گوار اور ہر غلط فہمی اور فریب کا پردہ چاک کر دیا جانا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ سید صاحب نے لکھا ہے کہ:-

(i) ”اشعیا نبی جو تقریباً اُسی زمانہ میں تھے۔ یعنی آٹھویں صدی قبل مسیح میں وہ بیان کرتے ہیں کہ قیدار ایک شاندار اور بہادر قوم ہے۔

(16:21) (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 93)

ہمیں بڑے افسوس سے پھر لکھنا پڑتا ہے کہ محقق ہو کر کسی کتاب کو بذات خود پڑھے بغیر حوالہ لکھنا اور پھر غلط بیان دینا سید صاحب کے لئے موزوں نہ تھا۔ ہم قیدار کے خاندان کی تباہی کے سلسلے میں یہ حوالہ توریت سے لکھ چکے ہیں۔ اب دوبارہ اردو اور عربی تورات سے دکھاتے ہیں کہ نہ وہاں قیدار کی ساری قوم کا ذکر ہے، نہ اسے شاندار قوم کہا، نہ بہادری کا کہیں تذکرہ موجود ہے۔ جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ:-

(ii) ”خداوند نے مجھے یوں فرمایا ہے کہ ایک برس یعنی مزدور کے ایک برس کے اندر قیدار کی تمام شوکت فنا ہوگی۔ اور تیر اندازوں کا بقیہ قلیل ہوگا۔ قیدار کے جنگ جوتھوڑے سے ہوں گے۔ یقیناً خداوند اسرائیل کے خدا نے فرمایا ہے۔“

(توریت کتاب اشعیا نبی باب 21۔ آیت نمبر 17-16)

(iii) عربی کی توریت کے الفاظ یہ ہیں کہ:- قال لی السید بَعْدَ سَنَةٍ کَسَنَةِ الْأَجِیرِ یَفْنِی کُلَّ مَجْدٍ قَیْدَارَ۔ وَبَاقِی عَدَدَ

أَصْحَابِ الْقَسَیِّ مِنْ جَبَا بَرَةٍ بَنِی قَیْدَارٍ یَضْحِی قَلِیلًا لِأَنَّ الرَّبَّ بَنِی إِسْرَآئِیلَ قَدْ تَکَلَّمَ۔ (حوالہ مندرجہ بالا)

مجھ سے میرے سید نے کہا ہے کہ ایک ایسے سال کے اندر جس میں چھٹیاں شمار نہ کی جائیں۔ (مزدور کو چھٹی کی مزدوری نہیں ملتی اس لئے مزدور کا سال تقریباً دس ماہ کا ہوتا ہے۔ احسن) قیدار کی عزت فنا ہو جائے گی۔ اور اُن میں سے چند تیر انداز اور تھوڑے سے مسلح افراد باقی رہ جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے خدا نے یہ حکم جاری کر دیا ہے۔

اگر مولانا یا کوئی اور ہماری طرح اللہ اور توریت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے ماننا پڑے گا کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے آٹھ سو سال پہلے ہی خاندان قیدار کی عزت خاک میں مل چکی تھی۔ اور جو چند لوگ اس قبیلے کے باقی رہ گئے تھے وہ مجہول اور ناقابل ذکر حالات میں رہتے ہوئے مٹ مٹا گئے ہوں گے۔ عزت فنا ہو جانے کے بعد یہ کہنا کہ پھر عزت پیدا ہو گئی تھی، توریت ہی سے دکھانا پڑے گا۔ ورنہ یہ ایک فریب ہوگا اور خدا و رسول کی اور توریت کی تکذیب ہوگی۔ غالباً اسی لئے ہمارے مخالفین نے توریت و انجیل کو منسوخ قرار دیا تھا کہ خاندان

قیدار کی عزت کے افسانے گھڑے جاسکیں۔ اس کے بعد توریت سے دو ایک حوالے اور لکھے ہیں حالانکہ اُن میں خاندان قیدار کی نہ کوئی مدح و ثنا ہے، نہ اُن میں اس قبیلے کی کوئی عظمت ہے۔ مگر پھر بھی یہ دکھاتے ہیں کہ وہ حوالے بھی جھوٹے ہیں دیکھئے:-

(iv) ”گاؤں میں خاندان قیدار کی بہت سی آبادیاں ہیں“ (11:42) ارض القرآن صفحہ 93 جلد دوم۔ توریت کی عبارت پڑھیے:-

”اے تم جو قیدار کے خیموں میں سکونت پذیر ہو۔“ (اشعیا 11:42)

بتائیے کہاں ہیں وہ گاؤں اور آبادیاں یہاں تو خانہ بدوش بدوؤں کا ذکر ہے۔ جو پھٹے پرانے کپڑوں کو تان کر جنگلوں میں پڑے رہا کرتے ہیں۔ سچ ہے تعصب سے آدمی کا دل بھی اندھا ہو جاتا ہے۔ علامہ کا تیسرا حوالہ بھی دیکھ لیں:-

(v) ”بھیڑ بکری اُن کی دولت ہے اُسی کی وہ تجارت کرتے ہیں“ (70:60)۔ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 93)

یہ حوالہ غلط ہے دراصل باب 60 کی ساتویں آیت ہے عبارت یہ ہے:-

”قیدار کے سب گلے (ریوڑ) تیرے پاس جمع ہوئے۔“ (اشعیا نبی۔ باب 60 کی 7 آیت)

یہاں ایک سرسری اور تابعدارانہ ذکر ہے۔ نہ تجارت کی بات ہے نہ قیدار کی حکومت کا تذکرہ ہے اور زیادہ سے زیادہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنگلی بدوؤں کا بیان ہے جو کسی وجہ سے اپنی بھیڑ بکریاں ہانکتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔ اگلے صفحہ پر قیدار کی تباہی تسلیم کر لی وہی حوالہ جس میں قیدار کی بہادری اور شاندار قوم ہونے کا ذکر کیا تھا۔ اب صفحہ 94 پر اپنے پہلے بیان کے خلاف لکھ دیا۔

الغرض یہ ایک ڈھونگ ہے۔ مقدس مگر خود ساختہ افسانہ ہے اور کچھ نہیں ہے۔ بلا کسی بحث و ثبوت و تحقیق کے یہ کہہ کر آنحضرتؐ کے خاندان کو قیداری نسل سے لکھ دینا کہ عدنان قیدار کی اولاد میں سے ہیں، ایک بہتان ہے اتہام ہے۔

(و)۔ آنحضرتؐ کے نبطی خاندان کی حکومت و عظمت کی چند جھلکیاں

خاندان رسولؐ کی عظمت یہ ہے کہ ہمیشہ بیرونی اور غیر ملکی حکومتیں اُن کی مدد و اعانت کی محتاج نظر آتی ہیں چنانچہ ملاحظہ ہو کہ:-

(i) یہ تاریخ تمام تر نبطی عربوں سے گونا گوں تعلق رکھتی ہے۔ ملک یہودیہ ملک نبطیہ سے ہم سرحد تھا۔ دونوں صوبوں میں

تقریباً ایک ہی قسم کے سیاسی حالات رونما ہوتے تھے۔ سلوقی خاندان ابھی صرف سوسال شام پر حکومت کرنے پایا تھا کہ 166

ق م میں یہود امکاہی، بانی خاندان یہود، نے بغاوت کی۔ یہود خود عرب گئے اور نبطی عربوں (کی حکومت) سے اعانت اور شرکت

کی درخواست کی کہ ہم لوگ متحدہ طاقت سے ان بیرونی قوموں کو نکال دیں۔ سلوقیوں نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اُن

نبطی عربوں (کی حکومت) کی طرف ہاتھ پھیلا یا۔ اس وقت غالباً حارث اول انباط کا بادشاہ تھا۔ جس کا زمانہ 169 ق م ہے۔“

(ارض القرآن جلد دوم صفحہ 69)

بتائیے کہ خاندان قیدار کہاں اور خاندان رسولؐ کہاں؟ ہمارے سب سے پہلے زید کا حال سنیے:-

(ii) زید بابل نبطی بادشاہ کے عہد میں سکندر سلوقی اور ڈیمیٹر یوس میں منازعت (جھگڑا) شروع ہوئی۔ ڈیمیٹر یوس کے طرفدار

شاہان نبط تھے اور یہودی سکندر کے حامی تھے۔ سکندر سلوقی نے شکست فاش کھائی۔ اس وقت نبطی حکومت کی آزاد سرزمین کے

علاوہ اُسے کوئی دوسرا ضامن نظر نہ آیا (اور اس حکومت کو حمایت پر مجبور کرنے کیلئے بھٹی حکومت پر حملہ کر دیا۔) سکندر سلوٹی کا بیٹا نطیاخوس اس معرکہ میں قید ہوا۔ جس کی دیکھ بھال اور تربیت بھٹی حکومت نے شروع کی اور زید بابل نے سکندر کا سر کٹوا کر بطلموس کو بھجوا دیا۔ یونانیوں نے جو سکندر کے طرفدار تھے۔ زید بابل کے جانشین مالک اوّل سے درخواست کی کہ سکندر کے بیٹے نطیاخوس کو رہا کر کے سکندر کی جانشینی کا موقعہ دیا جائے۔ سخت منت سماجت اور اصرار کے بعد مالک اوّل شاہ انباط نے یہ درخواست منظور کر لی اور دشمن کے بیٹے کو رہا کر دیا۔“ (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 69-70)

قارئین کرام یہ ہے خانوادہ رسول کی ازلی وابدی سنت کہ اپنے دشمن کے بیٹے کو اسلئے رہا کر دے کہ وہ کل مخالف حکومت کی قیادت کرے۔ قیدار کا خاندان تو کسی شمار میں نہیں ہے۔ پوری تاریخ میں کوئی اور خاندان ایسا نہ ملے گا جو یہ جرأت و اخلاق پیش کر سکے۔ اور ملاحظہ ہو کہ وہی یونانی شہزادہ جسے کل شاہ انباط نے رہا کیا تھا لشکر جرار کے ساتھ بھٹی حکومت پر فوج کشی کرتا ہے۔ اور قحطانیوں کی طرح بھٹی خاندان کا نہ صرف احسان بھول جاتا ہے بلکہ مکے کے مشرکوں کی اولاد کی طرح غداری بھی کرتا ہے سُنئے:-

(iii) ”حارث سوم 87 ق م تا 62 ق م حکومت انباط کا سلطان اعظم ہے۔ انطیاخوس اور ڈیانیسوس سلوٹی اس وقت ملک عرب پر حملہ آور تھے۔ حارث کی طرف والی افواج، خالص بھٹی شجاعت سے یونانیوں کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ لیکن پہلے حملہ میں پسپا ہونے لگیں تو حارث خود دس ہزار سواروں کے ساتھ اچانک میدان جنگ میں نمودار ہوا۔ انطیاخوس بہادری کے ساتھ لڑتا رہا۔ اور عین اس وقت جب کہ جلوہ فتح کی جھلک نظر آرہی تھی میدان کارزار میں کام آیا۔ اس کے مرنے کے ساتھ فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حارث کے لئے اب یہاں سے دمشق تک جو سولہ قین کا پایہ تخت تھا۔ کوئی روک نہ تھی۔ چنانچہ خود اہل دمشق کی دعوت پر حارث دمشق پہنچا۔ اور سکندر اعظم کے جانشینوں کا تخت اس کے پاؤں کے نیچے تھا۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 70-71)

آپ نے دیکھا کہ آخر کار غداری اور بے وفائی کر نیوالوں کا تخت حکومت، خانوادہ رسولؐ کے پاؤں چومنے کی عزت حاصل کرتا ہے۔ قارئین دمشق کا نام آتے ہی کیسے کیسے لرزہ خیز نظارے سامنے پھر جاتے ہیں۔ یہاں رسولؐ زادیاں قید ہونے والی تھیں۔ حارث کو کیا خبر کہ یہاں اُسکے خاندان کی مقدس شہزادیاں قید و بند میں رکھی جائیں گی۔ بہر حال دمشق ہو یا شام، کوفہ ہو یا کربلا یہ سب ہماری اپنی حکومت کے زیر نگین رہے ہیں۔ اُن پر بڑے بڑے احسان کئے گئے ہیں۔ مگر افسوس قحطانی مشرکین نے اسلام کی آڑ میں مظالم کئے۔ یہ ہیں وہ ثبوت جن سے خانوادہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں نبوت و حکومت کا وہ وعدہ پورا ہوتا چلا آیا ہے۔ جو ادھر تو ریت میں اور ادھر قرآن مجید میں بڑی واضح آیات میں مذکور ہے اور جو انشاء اللہ قرآن مجید سے خانوادہ رسولؐ سے تعارف کی ذیل میں آنے والا ہے۔ فی الحال تو اس مقدس خانوادے کی قدامت اور قدیم بزرگوں سے تعارف مقصود ہے۔ ان اعزازات میں سے ہزارواں حصہ (1/1000) بھی خاندان قیدار کیلئے ثابت نہیں ہے اور جب یہی تاریخ سے معلوم نہیں ہوتا کہ قیدار کے بیٹے پوتے کون تھے؟ وہ کہاں کہاں گئے، ان کے ناموں کا ابواجڈ بطور شجرہ کہیں نشان نہیں ملتا تو باقی اور کیا مل سکتا تھا؟ یہ تو جو ذرا اور اساذکر کہیں ادھر ادھر ملتا ہے، خاندان نابت بن اسماعیل علیہما السلام کے طفیل سے ملتا ہے اور اسی بے نام و نشان رہ جانے کی بنا پر تو اہل قحطان نے یہ مشہور کر دیا کہ عدنان بن معد کے بعد

رسول اللہ کا شجرہ یقینی نہیں ہے۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ آپ قیدار کی نسل سے نہیں ہیں۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ جس شجرہ طیبہ کو محفوظ رکھنے کا تذکرہ قرآن میں ہو، جس کو بات بات پر ہر میدان میں رجز خوانی میں فخریہ پیش کیا گیا ہو، وہ ہرگز مجہول و مشکوک و مختلف فیہ و متنازع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہ وہ شجرہ نبوت و رسالت ہے جو توریت میں مفصل موجود ہے۔ جو تواریخ روم و یونان میں ریکارڈ کیا گیا، جو اس خانوادے کے بزرگوں نے سنگی اور آہنی ریکارڈ کی صورت میں زمین کو سپرد کر دیا تھا، جو آج نکل نکل کر مشرکین عرب اور دشمنانِ خانوادہ رسول کو منہ چڑا رہا ہے۔ اللہ نے اس شجرہ طیبہ کیلئے اسی بنا پر یہ فرمایا تھا کہ اُسکی بنیادیں یا جڑیں زمین میں ہیں اور شاخیں آسمانوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور ہم پہلے جڑ و بنیاد ہی کی بات کر رہے ہیں۔ زمین کے بعد اُن کا مقدس تعارف وحی اور آسمانوں سے کرایا جائے گا۔ اور اُس کے بعد ہم جناب امام حسین علیہ السلام کے دروازہ کی چوکھٹ پر سجدہ کے لئے حاضر ہوں گے۔ چند باتیں اس مقدس سلسلہ کی اور سنیں:-

(iv) پہلی صدی قبل مسیح کے واسط میں سکندر مکاہی کے دو بیٹوں میں تخت یہودیہ کیلئے جھگڑا ہوا۔ ایک نے بھاگ کر شاہِ نبط حارث کے دامن میں پناہ لی اور وعدہ کیا کہ اگر وہ تخت نشین کرادیا گیا تو جن بارہ نبطی شہروں کو اس کے باپ نے دیا تھا نبطی حکومت کو دے دیگا۔ حارث پچاس ہزار کی سپاہ کیساتھ رقیم (دار الخلافہ) سے نکلا اور یہودی حکومت کو میدان میں شکست دی۔ یہودی افواج یروشلم میں قلعہ بند ہو گئیں، حارث نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ رومیوں کی نو شہاب تازہ دم فوج بادشاہ حارث پر حملے کیلئے آگئی اور 300 ٹالٹ (پچیس لاکھ روپے) یہودیوں سے لیکر حارث سے جنگ کا ٹھیکہ لے لیا۔ اس پر حارث اپنی افواج لیکر واپس چلا آیا۔ (ایضاً جلد دوم صفحہ 71)

یہاں دو باتیں نوٹ کر لیں کہ نبطی حکومت بیرونی بادشاہوں کی پناہ گاہ تھی اور یہ کہ ساری حکومتوں کی نظر میں نبطی حکومت کا اقتدار کھٹکتا رہتا تھا۔ اور تمام ہی حکومتیں اُن سے خوفزدہ رہتی تھیں۔ اب یہ دیکھئے کہ نبطی حکومت سے دوسری حکومتیں فوجی و سیاسی مدد کے علاوہ قرض روپیہ بھی لیا کرتی تھیں۔

(v) ”یہودیہ کا حاکم ہیرودہ شاہ رومی حکومت کو روپیوں کی تھیلی دے کر اس سے بادشاہ کا لقب خریدنا چاہتا تھا اور اسی ضرورت سے نبطی بادشاہ مالک ثانی (47 تا 30 ق م) کے پاس جانا چاہا کہ اُس سے کچھ رقم بطور قرض یا دوستانہ طور سے حاصل کر لے۔ لیکن مالک نے ملاقات سے انکار کر دیا اور کہلادیا کہ ایرانی حکومت ان تعلقات کو ناپسند کرتی ہے۔ ہیرودہ رنجیدہ ہو کر روم چلا گیا۔ لیکن نبطی حکومت، جن کی مدد کی ضرورت ہر قدم پر ہمسایہ حکومتوں کو ہوتی تھی؛ اُس سے کب تک اعراض ہو سکتا تھا۔ چنانچہ چند ہی روز کے بعد ایک فوج کشی میں پانی کیلئے نبطی حکومت کی اعانت کی ضرورت محسوس ہوئی۔“

(ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 72)

ہمسایہ حکومتوں کی پوزیشن کے بعد اس خاندان کے ایک وزیر کا حال بھی ملاحظہ کرتے چلیں:-

(vi) ”عبادہ ثالث کا وزیر نہایت ہوش مند اور چالاک تھا۔ یونانی تلفظ میں اس کا نام سالیوس مذکور ہے۔ اصلی نام شاید سائل یا سنیل ہو۔ سالیوس ہمیشہ اپنی دانشمندانہ پالیسیوں سے یہودی اور رومی حکومتوں کو زک دیتا تھا۔ 18 ق م میں رومیوں کو جو فتح

عرب کے خواب دیکھ رہے تھے۔ عرب کے بے آب صحرائیں جس طرح اُن کی ہمتیں توڑ کر اور نیم مردہ کرا کے واپس کیا۔ وہ اب تک ہر آدمی اور یورپین مورخ کے قلم کیلئے سرمایہ غم و اندامت ہے۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 73)

آپ نے دیکھا تھا کہ وزیر اسی مقدس خاندان کا فرد ہوتا تھا لہذا یہ بھی اس خاندان کی بصیرت کا ایک جیتا جاگتا اور بولتا ہوا ثبوت ہے۔

(11)۔ آنحضرت کے نبلی خاندان کا دوسرا سلسلہ حکومت یعنی تمہید نبوت

اب ہم خاندان رسالت کی اُس نبلی حکومت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جس کو آل غسان کے نام سے اس لئے شہرت دی گئی کہ نبیوں کا تسلسل ختم کر کے اس حکومت کو بھی قحطانی مشہور کیا جاسکے۔ مگر ہائے رے مشرکین قحطانی کی بد قسمتی کہ وہ یونانی اور رومی تاریخوں سے اور کتبات کے ذخیروں سے جاہل رہ گئے۔ انہیں یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ جس نے ذکر اور صاحبان ذکر علیہم السلام کو نور بنا کر نازل کیا تھا اور جس نے اُن کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا؛ وہ عرب سے باہر بھی اس شجرہ طیبہ کی حفاظت کی نگرانی کرتا چلا آ رہا ہے۔ اُس نے توریت و زبور میں بھی اُسے محفوظ کر دیا ہے۔ اُسے یہود و نصاریٰ بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ چند پرانے شعر گھڑو، چند بھانڈوں کو ساتھ ملاؤ، چند جاموں اور موچوں کی مدد حاصل کرو، چند روایات تراشو، چند پرانے ناموں سے عرب کی کہانیاں تیار کر آؤ، چند روز صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملک میں گھیر کر رکھو، چند روز احادیث رسول پر پابندی رکھو، رسول کے زمانے کے تیار کردہ ریکارڈ کو جلاؤ بس میدان مار لیا۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اُن کو خدائی انتظام کا علم نہ تھا۔ وہ ابلیسی اسکیموں میں ماہر تھے۔ انہوں نے اپنے حساب سے بڑا پکا، مستحکم اور ہمہ گیر انتظام کیا تھا۔ مگر منصوبہ نبوت و رسالت و امامت نے اُن کے انتظام کو مکڑی کے جالے کی طرح لپیٹ کر فنا کر دیا۔ آج وہ لوگ خود بلا شجرہ، بلا تحقیق نسب اور بلا باپ کے رہ گئے۔ اور خدا نے انہیں ”کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا“ - بھان متی نے کنبہ جوڑا“ بنا کے رکھ دیا۔ قرآن کریم سے مشرکین کا نسب اور شجرہ دیکھنے کے لئے ہماری کتاب ”اسلام اور جنسی تعلقات“ کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔ اور اُس نسب کا قرآنی نام شجرہ ملعونہ ہے (17/60) یعنی وہ ایسا شجرہ نسب ہے جس میں ایک بھی تو ایسا آدمی نہیں ہے جو ملعون و مردود و خبیث نہ ہو۔ یعنی شجرہ طیبہ کی بالکل اور سو فیصد ضد ہے۔ وہاں کوئی فرد ایسا نہیں جو طیب و طاہر نہ ہو اور یہاں کوئی فرد ایسا نہیں جو نجس و ناپاک و ناجائز نہ ہو۔ یعنی وہ قحطانیوں میں سے بھی ایک ایسی شاخ ہے جس کو ابلیس نے اپنا حصہ بنانے کے لئے خاص طور پر تیار کیا تھا۔ جس میں ابلیس کی پوری پوری ممکنہ شرکت تھی۔ اور اُس شاخ کی قابل مشاہدہ و محسوس پہچان یہ تھی کہ اس کا ہر فرد شجرہ طیبہ کے ہر فرد سے برسر پیکار ہے۔ ظہور آنحضرت کے بعد انصار کا دشمن یقیناً اسی شجرہ ملعونہ کا فرد ہے۔ آل رسول کا دشمن یقیناً اولاد ابلیس ہے۔ اور ہر وہ شخص جس کے دل میں یہ الفاظ چھتے ہوں یقیناً اُسی شجرہ کے ساتھ محسوب ہوگا۔

(الف)۔ حضرت نابت بن اسماعیل کی اولاد نے مسلسل حکومت کی ہے

توریت و انجیل و زبور و قرآن کی رو سے حضرت اسماعیلؑ کے خاندان میں مسلسل بلا انقطاع مرکزی حکومت رہنا چاہئے۔ اور تاریخی و مصری شہادتوں سے بھی یہ تسلسل ثابت ہوتا چلا آ رہا ہے۔ گزشتہ عنوانات و حالات سے ظاہر ہوا ہے کہ نبلی حکومت نے قیدار کے

قابل افراد کو بھی برابر اقتدار میں ہاتھ بٹانے کا موقعہ دیا۔ لیکن وہ اپنی گھریلو ذہنیت کے پیروں میں آکر کچلے گئے۔ اُسی طرح لازم تھا کہ نبطی قبیلے کے تمام صاحبان بصیرت کو مسلسل عہدے، حکومتیں اور ذمہ داریاں سونپی جاتیں۔ لہذا نبطی خاندان کے جن افراد نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور نام پیدا کیا، ان میں دوسرا نبطی خاندان آل جفتہ یا آل غسان کے نام سے تاریخ کے پردہ پر آتا ہے۔ اس خاندان کے افراد برابر شاہانِ نبط کے دست و بازو تھے۔ جب یہودی، رومی، یونانی اور ایرانی حکومتوں کے انقلابات سے نبطی حکومت کا مرکزی نقطہ کمزور ہوا تو جہاں جہاں آل جفتہ کے لوگ برسرِ کار تھے انہوں نے دوبارہ نبطی حکومت کو سنبھالا اور اب بھی بادشاہت کو اُن ہی ناموں کے ساتھ چلایا جو خاندان کے اوّلین بادشاہوں کے نام تھے تاکہ اُنکے نقش قدم پر چلنے کا خیال تازہ رہے۔ چنانچہ انہوں نے قدم جماتے ہی تمام سابقہ پروگرام وہیں سے شروع کئے جہاں پر کام رکا تھا۔

(ب)۔ خاندانِ رسولؐ کی دوسری شاخ کی حکومت، اُس کا زمانہ

نبطی خاندان کی پہلی حکومت میں اُنکے تمام خاندانوں کے افراد برسرِ اقتدار تھے۔ چنانچہ انباط کا قبیلہ قضاہ کی شاخوں بنوخ اور سلخِ ہجم اور آل جفتہ نے ہر جگہ مخالف حملہ آوروں کو روکا۔ اُنکے پسپا کرنے کے دوران حکومت قضاہ اور غسانینوں نے مل کر برقرار رکھی اور دوسری عیسوی کے اواخر میں آل غسان کی نبطی شاخ کی حکومت کا اعلان ہوا۔ اور پھر انباط کی یہ حکومت اپنے رسول محمد مصطفیٰ کے زمانہ تک برقرار رکھی۔ یعنی اس کا زمانہ حکومت چار سو سال سے زیادہ تھا۔ اور یوں نبطی حکومت کی مدت حکومت ایک ہزار پانچ سو سال سے کچھ زیادہ ہے۔ اس نئی حکومت نے وہ تمام مقبوضات رفتہ رفتہ واپس لے لئے جو پچھلی حکومت سے دشمنوں نے چھین یاد بادلئے تھے۔ اسی خاندانی حکومت کا زمانہ تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ بصرہ آئے تھے اور دونوں چچا بھتیجے بھیرا راہب سے ملے تھے۔ یہی شہر بصرہ نبطی حکومت کا دار الخلافہ تھا۔ یہیں سب سے پہلے نبوت کی اسرائیلی شاخ کے بزرگ ترین راہب مذکور نے حضورؐ کی نبوت تسلیم کی اور چند احتیاطی تدابیر حضرت ابی طالبؐ کو بتائیں۔ تاریخ یہ کیوں اور کیسے بتاتی کہ آنحضرتؐ اور اُنکے سرپرست ابی طالب علیہ السلام اپنے ماتحت رہنے والی اپنی خاندانی حکومت کے بادشاہ سے ملے تھے یا نہیں۔ لیکن تقاضائے وقت اور دینی ضرورت اور خاندانی تعلقات کو کوئی صاحب عقل نظر انداز نہیں کرتا۔ لہذا لازم تھا کہ آئندہ کے پروگرام زیرِ غور لائے جاتے۔ قومی و ملکی لیڈروں کی مخالفت کا تخمینہ کیا جاتا، اُن سے دفاع پر بات ہوتی، اپنی حکومت کو اسکے اقدامات بتائے جاتے، اُنکو سفارتی ذرائع کے طور پر کام کرنے کی ہدایات دی جاتیں۔ بھیرا راہب کو اسقفِ اعظم کی سطح سے اور شاہ انباط کو حکومت کی سطح پر غیر ملکی دینی اداروں میں، اس ظہورِ خداوندی اور تکمیلِ دین و نبوت، رابطہ اور حسبِ ضرورت سابقہ کتب کے احکام کی تعمیل پر توجہ دلانے کا کام سونپا جانا چاہئے تھا۔ یہ سب کچھ عقلاً و شرعاً لازم تھا اور ہمارا ایمان ہے کہ خاندانِ نبوت ہر لازم و واجب چیز کو بہترین طریقوں سے انجام دینے کا عادی تھا۔ یہ ضروری اور لازم و واجب نہیں کہ ہر بات اور ہر اقدام کو شہرت دیکر عام کیا جائے۔ یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ جس ظہور اور جس نبوت کا اعلان اور منادی تمام انبیاء و اوصیاء اور تمام کتب ہائے خداوندی روزِ اوّل سے برابر کرتے چلے آئے ہوں، جسے لوگ اپنی ذات اور اپنی اولاد سے زیادہ یقین سے پہچانتے ہوں، اُسے عین ظہور کے وقت بھول جائیں۔ جبکہ پورا پروگرام الہامی کتابوں میں موجود اور زبانِ زدِ خلق ہو، کاہن و راہب اور ہر

مکتب فکر کے نجومی جس کیلئے پیشگوئیاں کرتے رہے ہوں، جسکے بعد کی سیاسی حکومت نام بنام بتادی گئی ہو، جس کیلئے مدبرین و دانشوران سیاست اپنا پروگرام بنا چکے ہوں، وہ نظام اسلام کوئی اقدام ہی نہ کرے، کسی کو نہ بتائے اور ایک دم مشرکین کے زرعہ میں پہنچ کر آنکھ کھولے۔ ہمارے یہاں ہر وہ بات ناقابل قبول ہے جو تقاضائے دین و دانش کے خلاف اور ابلیسی نظام کے حق میں ہو۔ جن لوگوں نے اس بادشاہت پر قبضہ کا پروگرام بنا رکھا ہو اور جو صاحب اقتدار و اختیار بھی ہوں، بتائیے وہ کیسے اور کیوں موجودہ تاریخ سے زیادہ لکھواتے؟

(ج)۔ نبطیوں کی حکومتِ جدیدہ کے کارنامے، جاہ و جلال اور دیگر حالات

(i) حکومت کا پیش منظر اور ہمسایہ حکومتوں سے تعلق پر یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ مختلف مؤرخین نے حسب ضرورت نبطی بادشاہوں کی تعداد میں اختلاف کیا ہے۔ حمزہ نے بتیس (32) بادشاہوں کو مانا تو بعض نے کہا کہ مستقل بادشاہ اُنیس (19) تھے۔ یہ جناب مسعودی صاحب ہیں۔ ابن قتیبہ صرف دس بادشاہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی جتنے منہ اتنی باتیں یا بکواس۔ اسکندر کے بعد ایران میں 324 ق م میں جو بحران پیدا ہوا تھا اور سرداران حکومت آپس میں دست و گریبان تھے۔ اُس کا خاتمہ اردشیر بن بابکان نے 226 ق م میں کیا۔ نظم و نسق درست کرنے کے بعد سابقہ ادوار کی طرح پھر ایران اور روم کی حکومتوں میں زور آزمائیاں ہونے لگیں جو برابر تین سو سال تک جاری رہیں۔ علامہ سید سلیمان صاحب نے بتایا ہے کہ:-

(ii) ہمسایہ حکومتوں کا مدد لینا: ”یہی مواقع تھے جن میں ایرانی و رومی دونوں حکومتیں نبطی حکومت کی اعانت کے لئے محتاج تھیں۔ شاہان حیرہ یعنی حکومت عراق اُن معرکوں میں ایران کی طرف تھے۔ اور غسانی نبطی حکومت رومیوں کا ساتھ دیتی تھی۔ ایرانی حکومت کے مقابلہ میں جب بھی رومی حکومت کو کامیابی ہوئی وہ صرف نبطی حکومت کی مدد سے ہوتی تھی۔ اور اسی بنا پر اس غسانی نبطی حکومت کی تاریخ دراصل ایران و روم کی تاریخ کا خلاصہ ہے۔“ (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 82-81)

چونکہ نابت بن اسماعیل کا خاندان اور خود حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ کی اولاد کی بھی قدر و منزلت کرتے تھے۔ چنانچہ نبطی حکومت بھی نبوت کی دوسری شاخ اور دیندار لوگوں کا برابر اکرام کرتی تھی۔ اسی حکومت کی وجہ سے عرب میں اسرائیلی نبوت کا مذہب پھیلا تھا۔ یہ حکومت ہر دینی ادارہ کے ساتھ تعاون کرتی تھی۔ اسی بنا پر رومی حکومت کی مدد بھی کرتی تھی۔ اور باقی قحطانی و سبائی قبائل اس رویہ کو ناپسند کرتے تھے۔ حیرہ کی حکومت ہمیشہ نبطیوں کے خلاف برسرِ مخالفت اور ایرانی مجوسی حکومت سے ارادت و مودت رکھتی تھی۔ اور نبطیوں پر عیسائی ہو جانے کا الزام لگاتی تھی۔ چنانچہ بعض قحطانی مؤرخین نے یہ مشہور کیا ہے کہ نبطی حکومت نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ حالانکہ خاندان انباط کے متعلق یہ وہم بھی نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ علیہما السلام کا مذہب چھوڑا ہو گا۔ مگر قحطانیوں کا ابلیسی بغض روزِ اوّل سے آخرت تک باقی ہے۔ انہوں نے یہ بھی مشہور کیا تھا کہ جب نبطی حکومت کے آخری بادشاہ جبلہ غسانی کو آنحضرتؐ نے دعوتِ اسلام دی تو وہ بہت ناراض ہوا اور مدینہ پر حملہ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ سید صاحب نے بھی یہ دونوں مغالطے کھائے ہیں۔ اس اتہام میں بادشاہ کا نام جبلہ لکھنا ہی اُن کی جہالت اور عداوت کا ثبوت ہے۔ جبلہ بن ابیہم تو آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد 636 عیسوی مطابق 14 ہجری بادشاہ ہوا تھا۔ وہ باقاعدہ اسلام لایا تھا۔ حج کے لئے آیا تھا۔ اور مسلمانوں کے حالات پر کما

حقہ مطلع ہو کر واپس چلا گیا۔ اس کے متعلق کئی غلط کہانیاں مشہور کر رکھی ہیں جو محض اس خاندان سے عداوت کی بنا پر گھڑوائی گئی تھیں۔ ان لوگوں نے اُن رئیسوں کا تذکرہ قطعاً چھپالیا جو اُن کے اپنے قحطانی و سبائی قبیلوں سے تھے۔

(iii) چند شاہانِ انباط کے کارنامے علامہ صاحب سے سُنئے :-

”رومیوں کی تاریخ میں سب سے پہلے جبکہ بادشاہ کا نام آتا ہے۔ 497 عیسوی کی ملکی بغاوت میں اس بادشاہ نے رومیوں کی بڑی مدد کی تھی۔ جبکہ کے بعد حارث بن جبکہ رومیوں کی نظر میں عرب کا سب سے بڑا ہیرو ہے۔ یہ نہایت مہیب، شجاع اور پُر دل بادشاہ 528 عیسوی میں حیرہ کی اور 531 عیسوی میں رومیوں کی ایرانیوں کے ساتھ لڑائی میں اس نے نہایت ناموری حاصل کی۔ 563 عیسوی میں قیصر روم سے ملاقات کے لئے قسطنطنیہ گیا۔ اور اسی بادشاہ حارث بن جبکہ کی وساطت سے قبیلہ کندہ کا نبی شہزادہ اور عرب کا مشہور شاعر امراء القیس قیصر روم تک پہنچا تھا۔ حارث بادشاہ نے 569 عیسوی میں وفات پائی۔ حارث کے بعد منذر تخت نشین ہوا۔ بہادری اور رومیوں کی اعانت میں یہ بھی اپنے پیشرو بادشاہوں سے کم ثابت نہیں ہوا۔ 580 عیسوی میں قسطنطنیہ گیا۔ رومی حکومت نے اُسے تاج پہنایا۔“ (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 82)

یہ ہے وہ خاندان جس میں دین و دنیا کے بادشاہ اور تمام بنی نوع انسان کے نجات دہندہ حضرت محمد مصطفیٰ اور جناب علی مرتضیٰ اور جناب امام حسین صلی اللہ علیہم پیدا ہوں گے۔ یہ ہے وہ نابت بن اسماعیل کا خاندان جس کیلئے قیصر روم تاج پوشی کی رسم ادا کر کے اپنی قوم اور اپنے ملک اور رعایا کو بتاتا ہے کہ اس خاندان کے ہاتھ میں دین و دنیا کی کھجیاں ہیں۔ یہ جہاں ہوں اُنکا احترام حضرت اسماعیل و اسحاق و ابراہیم علیہم السلام کا احترام ہے۔ یہ مرکزی خاندان نبوت و رسالت و حکومت و خلافت و امامت ہے۔ یہی سبب تھا کہ اللہ نے قرآن کریم میں سورہ روم نازل کر کے حکومت روم کو دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کی خوشخبری دی تھی۔ اور 616 عیسوی تک رومی اور نبی حکومت نے وہ تمام علاقے ایرانیوں سے دوبارہ چھین لئے جو قحطانی مدد سے ایرانیوں نے دبا لئے تھے۔ (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 83)

یہاں یہ سمجھ لیں کہ عیسائی، یہودی دیندار لوگ ہمیشہ نبی خاندان کے ہمدرد رہے۔ نبوت کی یہ دونوں شاخیں مذہباً ہمیشہ متفق رہیں۔ جس شخص نے یہود و نصاریٰ اور دین ابراہیمی کے خلاف نفرت پھیلائی اور ایک نیا قحطانی ٹائپ کا فرقہ بنایا وہ پولوس تھا۔ جو نبیوں کے قید خانے سے کمند لگا کر فرار ہو گیا تھا (44 عیسوی میں) اُسے سینٹ پال کہا جاتا ہے۔ (ایضاً صفحہ 74)

سینٹ پال ہی وہ شخص ہے جس نے عیسوی مذہب میں تین خدا ہونے کا عقیدہ پیدا کیا۔ ختنہ کو بند کیا۔ بت پرستی کی طرح ڈالی۔ شراب اور فسق و فجور کو جائز کیا تھا۔ یہی تھا جس نے ہمارے قحطانی مسلمان لیڈروں کی طرح تمام مذہبی تعلیم کو اجتہاد کی بھیجٹ چڑھایا۔

(د)۔ آنحضرت کے نبی خاندان پر علامہ شبلی کا بیان

ہندوستان کے علما کا وہ گروپ جس نے ماڈرن انداز میں مسلمان حکمرانوں کی لکھوائی ہوئی تاریخ کی تطہیر کا بیڑا اٹھایا تھا اور طے کیا تھا کہ جو چیزیں حکومت کے مخالف علما نے پکڑ لی ہیں اور جن سے اُن کے مذہب کو خطرہ لاحق ہے۔ وہ سب تاریخ سے نکال کر سابقہ حکمرانوں کی برائیوں کی عمدہ تاویلات کی جائیں۔ علامہ شبلی اسی گروہ کے سالار کاروان تھے۔ ماشاء اللہ شبلی صاحب نے کھلے میدان میں

سورج کے وجود کو مشکوک کرنے کی کوشش مرتے دم تک جاری رکھی تھی۔ یہاں تک کہ مرزا عابد علی بیگ قزلباش کی کتاب الفرق نے ان کا ہارٹ فیل کر کے ان کو مزید اکاذیب سے محفوظ کر دیا۔ آنجمنی خاندان رسول کے انتہائی مخالف اہل قلم تھے۔ انہوں نے نابت بن اسماعیل علیہما السلام کا تذکرہ نہایت خفیف انداز میں لکھا ہے۔ مگر اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ معاندین کے قلم سے کچھ نہ کچھ حق باتیں لکھوا کر چھوڑتی ہے۔ چنانچہ شبلی نعمانی بھی مجبور ہوئے کہ چند جملے مؤرخ فارستر کے قلم سے لکھ دیں۔ چنانچہ علامہ نے لکھا کہ:-

(i) ”نامتی حکومت جو شام کے حدود سے متصل تھی اور جو قوم شمود کی مرادف یا اُن کی قائم مقام تھی۔ اس کی نسبت فارستر صاحب اپنے جغرافیہ میں لکھتے ہیں:۔“ ”ان مختصر بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ زمانہ قدیم میں نابت کا نام اور اثر نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر غالب اور چھایا ہوا تھا بلکہ جاز و نجد کے صوبہ ہائے عظیمہ پر بھی حاوی تھا۔ نامتی جہاں ایک طرف منافع تجارت میں بہرہ اندوز ہونے میں درجہ کمال رکھتے تھے وہاں دوسری طرف بطور سچے بنو اسماعیل کے خطرات جنگ کے لئے بالکل مستعد رہتے تھے۔ فلسطین اور ملک شام کے دشمنوں پر اُن کی غارت گریوں اور خلیج عرب میں دشمن کے مصری جہازوں پر اُن کی تاخت و تاراج نے بارہا تاجدارانِ مقدونیہ کو اُن کی شکست اور دشمنی پر آمادہ کیا۔ مگر سلطنت روما کی مجموعی قوت سے پیشتر کوئی طاقت انہیں روک نہ سکی۔“ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 113)

(ii)۔ علامہ شبلی نے دید و نیم باز اور کج ادائی سے مجبور آمدح کی ہے

یہ لوگ یہ نہیں چاہتے کہ نبی خاندان کا مفصل تذکرہ کر کے اپنے قحطانی راہنماؤں کی سازش فاش کر دیں۔ اس لئے یہ لکھنے کے بجائے کہ نابت بن اسماعیل علیہما السلام کی اولاد ملت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام اور اُن کے صحیفوں پر عامل تھی۔ اور مکہ و مدینہ و حجاز و عراق و نجد و شام سب پر حکمران تھی۔ یہ لکھا کہ ”نامتی حکومت شام کے حدود سے متصل تھی“، یعنی کہیں ایک خیمہ تان کر بیٹھی ہوگی۔ بہر حال غیر مسلم حق پوشی نہیں کرتے اور وہ قحطانیوں کی ہر سازش کا اتا پتا تانے میں تحریک تشیع کے مددگار رہے ہیں۔ فارستر صاحب نے بنطیوں کو سچے اور حقیقی اسماعیلی کہہ کر نہ صرف علامہ کی گول بات کو سیدھا کر دیا اور یہ بتا دیا کہ نامتی حکومت خانوادہ اسماعیل کی حکومت تھی بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ عرب میں ایک گروہ جھوٹے اور خود ساختہ اسماعیلیوں کا بھی تھا۔ جو نہ ملت ابراہیم سے تعلق رکھتے تھے نہ بہادر و شجاع تھے۔ علامہ شبلی نے نبی حکومت کو شمود کی قائم مقام حکومت جس غرض سے بھی لکھا ہو۔ مگر یہ ثابت ہو گیا کہ جناب ابراہیم و اسماعیل قوم عاد و شمود کے صالحین کی اولاد میں سے تھے۔ اور جناب ہود و صالح علیہما السلام کی نبوت اور کتابوں کے وارث تھے۔ اور اللہ نے اُن کو قوم عاد و شمود کی عظیم الشان مملکت و حکومت کا قائم مقام بنایا تھا۔ اور پھر جناب نابت بن اسماعیل علیہما السلام کی اولاد اپنے باپ دادا اور قوم عاد و شمود کی قائم مقام ہو کر دنیا کے عرب و عجم پر حاکم و بادشاہ مقرر ہوئی اور اُس وقت (2000 ق م) سے مسلسل دو ہزار چھ سو (2600) سال تک حکومت کرتی رہی۔ یہاں تک کہ ظہور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور سجدہ ریز ہوئی اور قیامت تک کے لئے حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب علیہما السلام کے بڑے بھائی کی اولاد کی امامت کے قیام میں مصروف ہو گئی۔ یہ ہے وہ شجرہ طیبہ جو طوفانِ نوح کے بعد بھی خدا کی طرف

سے پوری نوع انسان کا حکم و راہنما اور وارث تعلیماتِ خداوندی رہتا چلا آیا اور تاقیامت نوع انسانی کی عزت و حریت و ترقی و نجات کا ضامن ہے۔ اُسی خانوادے کی سمیٹی ہوئی صورت کا نام حسین علیہ السلام ہے۔ اسی کے لئے قرآن کہتا چلا آ رہا ہے کہ:-

أَمْ يَحْسُدُونَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا (4/54)

کیا خانوادہ رسولؐ کے ساتھ غیر خاندان والے لوگ ہماری اُس مسلسل داد و دہش پر حسد سے اب تک جلے جا رہے ہیں جو ہم نے اُس خاندان پر اپنے فضل سے مسلسل جاری رکھی ہے۔ سنو کہ بلا شک و شبہ ہم نے حاسدوں کے حسد سے بے پرواہ رہ کر آلِ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و محمد مصطفیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم اور حکمت اور مملکت عظیمہ دے دی ہے۔

یہاں قارئین یہ نوٹ کر لیں کہ عرب میں خانوادہ رسولؐ کی حکومت دو ہزار پانچ سو (2500) سال سے چلی آرہی ہے۔ اب اُسی خانوادے میں اللہ نے نبوت و خلافت و رسالت و امامت کو ایک نقطہ کمال پر جمع کر کے قرآن بھی عطا کر دیا۔ اس شان و عظمت اور اس خاندان سے حسد کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ جن کو سنا کر مندرجہ بالا آیت نے اعلان کیا تھا۔ یہ اعلان 3 ہجری سے 5 ہجری کے دوران ہوا۔ اُس وقت اللہ کی یہ حکومت اور اُس کا حکم مدینہ میں ہیں۔ مدینہ میں انصار تو خود اُسی شاہی نبطی خانوادے کے افراد ہیں۔ اُنکا جلنا اور حسد کرنا تو ناممکن ہے۔ ظاہر ہے کہ انکے علاوہ جو بھی غیر نبطی ہے اس پر حسد کرنے اور جلنے کا یقین ہوگا۔ پھر قرآن کریم نے اُن کم بخت حاسدوں کے ناموں کو مصلحتاً پردے میں رکھا ہے۔ لہذا اب اُن کو بچا چنانا دانشوروں کا کام ہوگا۔ جو بھی اپنی داڑھی میں تنکا تلاش کرتا ہوا ملے، جو بھی اس خاندان کے خلاف کسی اور کو حاکم بنانے کی فکر میں مصروف ملے، جو بھی اس خاندان کے حاکم بننے کی راہ میں رکاوٹ ڈالے وہ سب قرآن کی مذکورہ آیت کے مخاطب ہیں۔ اس حسد و بغض و عناد و عداوت کا طرح طرح اظہار ہوتا چلا گیا۔ مگر بعد والوں نے ان اظہارات و بیانات و واقعات پر تاویلات کی مقدس چادریں ڈال کر عوام کو فریب دیا اور آج تک فریب دیتے ہیں۔ مگر جناب امام حسین علیہ السلام نے اُن ازلی وابدی دشمنانِ خدا و رسولؐ کے چہروں سے اس طرح اسلامی نقاب نوچ کر پیروں سے مسل دی کہ تاویلات و عذرات و اختراعات کا دم نکل گیا۔ تمام دنیا نے اس ابلیسی محاذ کے ہر فرد کو از اول تا آخر پہچان لیا۔ اور تحریکِ تشیع نے رسوماتِ عزاداری سے اس ملعون محاذ کے مظالم ساری دنیا کو بتائے حفظ یاد کرادیئے۔ آج ہر قلب اُن حاسدوں پر نفرین کر رہا ہے۔ اور مؤرخین و مجتہدین نے جو خامیاں پیدا کی تھیں وہ ہماری تصنیفات نے دور کر دی ہیں۔ ہم نے مشرکین کے منصوبے کی ہر کڑی کو اس طرح ڈھیلا کر دیا ہے کہ اب طاغوت کی پوری جماعت و طاقت اُسکی مرمت نہیں کر سکتی ہے۔ اُسی طرح یہ عزت بھی خدا نے ہمارے لئے ہی محفوظ رکھی تھی کہ ہم واقعات کر بلا کا منظر و پس منظر اسکے صحیح اور حقیقی خد و خال اور بے پناہ عظمت و جلال سے پیش کریں اور تاریخ کے چہرے سے وہ تمام میک اپ دھو ڈالیں جسکے پیچھے ابلیس کی مخلوط النسل قوم کا اَلْدُّ الْخِصَام (2/204) راہنما پوشیدہ چلا آ رہا ہے۔ جو ابلیس کے کاروبار اور اسکی طولانی عمر میں شریک ہو گیا ہے اور جس کا تذکرہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبے ”عرب کا منصوبہ ساز“ میں فرمایا ہے۔ (شائع کردہ علوم الاسلام)

(12)۔ خاندانِ اسماعیلؑ کے متعلق توریت کی پیشگوئیاں یعنی خدائی احکام

اللہ تعالیٰ نے آلِ ابراہیمؑ کیلئے نبوت و رسالت کیساتھ جس ملک عظیم و بلا انتطاع بادشاہت کا ذکر کیا ہے وہ بادشاہت سابقہ کتابوں میں بھی

موجود ہے۔ اللہ نے جناب اسماعیلؑ کی پیدائش سے پہلے ہی سے اُس حکومت الہیہ کا اعلان کرنا اور خوشخبریاں دینا شروع کر دی تھیں۔

(الف)۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو اللہ نے بتایا تھا کہ: - وَقَالَ لَهَا مَلَكَ الرَّبِّ لَا كَثْرَنَ نَسْلُكَ تَكْثِيرًا حَتَّى الْإِصْحَى لِكَثْرَتِهِ وَقَالَ لَهَا مَلَكَ الرَّبِّ هَا أَنْتِ حَامِلٌ وَتُسَمِّينَهُ إِسْمَاعِيلَ وَيَكُونُ رَجُلًا وَحَشِيًّا يَدُهُ عَلَى الْكُلِّ وَيَدَا لِكُلِّ عَلَيْهِ - و امام جمیع اخوتہ یسکن۔ (کتاب تکوین فصل 16 آیات 10 تا 11)

ہاجرہ سے پروردگار کے فرشتے نے کہا کہ اللہ تیری نسل میں اس قدر کثرت عطا کرے گا کہ اس کا شمار میں لانا مشکل ہو جائے گا۔ پھر فرشتے نے کہا کہ سنو تم حاملہ ہو۔ تمہارے بہت جلد ایک بیٹا پیدا ہوگا۔ تم اُس کا نام اسماعیل رکھنا۔ وہ ایک خوفناک انسان ہوگا۔ اور تمام لوگوں پر حاوی ہو جائے گا اور سب اس کے خلاف دست درازی کریں گے۔ اور وہ تمکن اور آباد کاری میں اپنے تمام بھائیوں کا امام ہوگا۔ قارئین غور فرمائیں کہ توریت کی ان ہی آیات کی تائید مزید کے لئے سورہ کوثر نازل ہو کر اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكُوفَرُ کی بشارت دے کر کہا گیا کہ یقیناً تجھے ہم قسمی کثرت دے چکے ہیں۔ توریت کی آیات حضرت ہاجرہ کی اولاد کی کثرت پر حکم قطعی ہے تو قرآن نے جناب فاطمہؑ ہر اہل کی اولاد کی کثرت کو بھی مخصوص کر دیا ہے۔

(ب)۔ اب حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کی کثرت اور بادشاہت کا مکرر رسہ کرر معاہدہ عام ہو چکا تھا

آج سے تقریباً پانچ ہزار سال پہلے اللہ نے اپنی قدرت یاد دلاتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا تھا کہ:-

”اے ابراہیمؑ میں تیرا قادر و توانا اللہ ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میری تعلیمات کو آگے بڑھانے میں میری طرف سے امامت کرے اور تکمیل تک پہنچائے۔ تیرے اور میرے درمیان ایک معاہدہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ میں تیری اولاد میں سے اُمّیں اور بادشاہ پیدا کروں گا۔ اور یہ معاہدہ میرے تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان برقرار رہتا چلا جائیگا اور اُن امتوں اور بادشاہوں کی حکومتوں کی عمریں بڑھتی چلی جائیں گی اور میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا مستقلاً اور خصوصاً معبود رہتا چلا جاؤں گا۔“ (تفصیل خود ملاحظہ فرمائیں)

اَنَا اللَّهُ الْقَدِيرُ اَسْأَلُكَ اِمَامِي وَكُنْ كَامِلًا - فَاجْعَلْ عَهْدِي بَيْنِي وَبَيْنَكَ وَاجْعَلْكَ اِمَامًا وَ مَلُوكًا

مِنْكَ تَخْرُجُونَ - وَ اَقِمْ عَهْدِي بَيْنِي وَ بَيْنَكَ وَ بَيْنَ نَسْلِكَ مِنْ بَعْدِكَ وَ مَدَى اَجَالِهِمْ عَهْد

الدَّهْرِ لَا كُونَ لَكَ الْهَآ وَلِنَسْلِكَ مِنْ بَعْدِكَ الخ (تکوین فصل 17 - آیات 1 تا 8)

یہاں اس خاندان میں بادشاہت و امامت بظاہر نظر عام معلوم ہوتی ہے۔ آخری آیت یہ اشارہ کر دیتی ہے کہ جن سے حکومت و بادشاہت کا معاہدہ ہے وہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو نسل ابراہیمؑ علیہ السلام میں صرف اللہ کو اپنا معبود سمجھ کر اس کی عبادت کریں گے۔ یعنی مشرک و کافر و ملحد و بت پرست نہ ہوں گے۔

(ج)۔ قرآن کریم نے ان آیات کی وضاحت اور ایک معصوم قیادت کا اعلان کر دیا تھا

اِس گنجلک کو دور کرنے کے لئے کہ خاندان ابراہیمؑ میں امامت کیسے لوگوں کو ملے گی، اللہ نے قرآن میں پوری تفصیل دے کر توریت والے معاہدہ کی تجدید و توضیح یوں کی ہے کہ:-

اور جب ابراہیمؑ کو اس کے پروردگار نے چند معجز نما انسانوں کے سلسلے میں آزمایا اور وہ اس آزمائش میں کامیاب ہو گیا تو ہم نے کہا کہ اے ابراہیمؑ میں تجھے نوع انسان کی امامت و حکومت دیتا ہوں۔ اس پر ابراہیمؑ نے سوال کیا کہ کیا میری ذریت میں بھی امامت اور حکومت جاری رہے گی یا مجھ ہی پر ختم ہو جائے گی۔ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ میرا امامت و حکومت کا معاہدہ اُن لوگوں سے ذرہ برابر تعلق نہیں رکھتا جو کسی حال اور کسی مقدار میں کوئی بے محل کام کر سکتے ہوں یا کرتے رہے ہوں۔

وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا
قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۝ (سورہ بقرہ آیت۔ 2/124)

توریت نے کہا تھا کہ وہ عہد ذریت ابراہیمی کے اُن افراد سے متعلق ہے جو ہر حال میں اللہ کو اپنا معبود سمجھتے رہیں اور یہاں ظالمین کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ وہ افراد خدا کی طرف سے نہ امام بن سکتے ہیں نہ حکومت الہیہ کے حاکم کہلا سکتے ہیں جو قطعاً غلط کاری سے محفوظ و مامون و معصوم نہ ہوں۔ یعنی اس عہد سے ہر وہ شخص خارج ہے جس کیلئے ظالم و ظلم کسی طرح اور کسی حال میں بھی صادق آتا ہو۔

قارئین یہاں وہ خطبہ یاد کریں جو ایک نبیؐ نے ڈیوٹریس کو مخاطب کر کے دیا تھا۔ اور کہا تھا کہ ہم نے تمام عیش و عشرت اور سامان تعیش و مسرت اور آرام و راحت چھوڑ رکھا ہے۔ ہمارے یہاں تمہیں کوئی ایسی چیز نہ ملے گی جس کی ضرورت بادشاہوں یا دنیا داروں کو ہوتی ہے۔ وہ اثری ریکارڈ بھی یاد رہنا چاہئے جس میں ان حکومتوں کے شرعی قوانین کی اطاعت کی تفصیل درج ہے۔ الغرض تمام حقائق اور واقعات شہادت دیتے ہیں کہ ابراہیمؑ و اسماعیل علیہما السلام کی نبیؐ شاخ کی حکومتیں دو ہزار چھ سو سال تک احکام خداوندی کی اطاعت کرنے اور اسلامی تعلیمات کو نافذ کرنے میں برابر کوشاں رہتی چلی آئی تھیں۔ یہ ایک ازلی حقیقت ہے کہ ابلیس اور اس کے تیار کردہ مجتہدین اور سیاستین ہمیشہ سے موجود رہتے آئے ہیں۔ اور انہوں نے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی بے دینی پھیلانے اور بے دینی کو دین بنا کر پیش کرنے سے تغافل نہیں برتا۔

چنانچہ ابلیس کے مجتہدانہ نظام کو جب بھی موقع ملا حکومت الہیہ کے مقابلہ میں سیاسی اور جمہوری حکومت قائم کرتے رہے ہیں۔ یہ کوشش بھی آپ کے سامنے آنے والی ہے تاکہ علامہ اقبال کے تعارفی اشعار میں مذکور دوسری متضاد قوت بھی سامنے کھڑی ہو جائے اور اس کی تصدیق ہو جائے کہ:- موسیٰ و فرعون ، شبیر و یزید این دو قوت از حیات آمد پدید

(ii)۔ توریت میں بھی اللہ نے ابراہیمؑ و اولاد ابراہیمؑ اور اُن کی نسل میں عصمت کا وجود بتایا ہے

توریت بھی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اللہ نے اولاد نسل ابراہیمؑ کے ساتھ جو کچھ پیش آنے والا تھا وہ سب حضرت ابراہیمؑ کو بتا دیا تھا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ ”پروردگار عالم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جو کچھ میں ابراہیمؑ اور اس کی اولاد نسل کے ساتھ کرنے والا ہوں وہ ابراہیمؑ سے چھپانے کے بجائے ظاہر کر دے۔ اسلئے کہ اللہ کے سامنے ابراہیمؑ کا دنیا کی ایک بڑی بھاری اور عظیم قد رتوں والی امت بن جانا آگیا۔ اور مستقبل کا یہ علم ابھر آیا کہ وہ بہت ہی جلد اپنے بیٹوں اور تمام خاندان کو اپنے بعد کے لئے یہ تاکید و وصیت کرے گا کہ وہ سب کے سب دین خداوندی کے محافظ رہیں گے۔ اور جو اقدام کرینگے وہ محض نیکی اور فلاح پر مبنی ہوگا۔ اور خالص عدل کو برقرار رکھیں گے تاکہ ابراہیمؑ کے

ساتھ جو وعدے اللہ نے کئے ہیں وہ سب اُنکے حق میں پورے کر دئے جائیں۔“

فَقَالَ الرَّبُّ أَأَكْتُمُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ مَا أَنَا صَانَعُهُ؟ وَ إِبْرَاهِيمَ سَيَكُونُ أُمَّةٌ كَبِيرَةٌ مُقْتَدِرَةٌ وَ يُتَبَارَكُ بِهِ جَمِيعُ أُمَمِ
الْأَرْضِ - وَ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّهُ سَيُوصَى بِنَبِيِّهِ وَ أَهْلُهُ مِنْ بَعْدِهِ بِأَنَّهُ يَحْفَظُوا طَرِيقَ الرَّبِّ لِيَعْمَلُوا بِالْبِرِّ وَ الْعَدْلِ حَتَّى
يُنْجِزَ الرَّبُّ لَإِبْرَاهِيمَ مَا وَعَدَهُ بِهِ (کتاب تکوین فصل 18 - آیت 17-19)

توریت کا یہ بیان قطعاً واضح ثبوت ہے کہ نسل ابراہیم و اسماعیل نے مسلسل دنیا پر حکومت الہیہ قائم رکھی اور تعلیماتِ خداوندی کو نافذ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پہنچے۔ تحفظ اسلام کی انتہائی اور آخری جدوجہد ہی کا نام حسینؑ ہے۔ یہی حسینؑ ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا عظیم الشان فدیہ بن کر اُن کی جان اس لئے بچائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمہ گیر نبوت و رسالت کے لئے اڑھائی ہزار سالہ تمہیدی نبوتیں اور رسالتیں، خلافتیں، حکومتیں، بادشاہتیں اور امامتیں قائم ہو کر ارتقائی ترقیاں کر کے دین اسلام کو اس منزل میں لاسکیں جہاں سے نبوت محمدؐ کی الف شروع ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ حسینؑ کے صدقہ میں ہوا۔ اُن کے بھروسے پر ہو سکا۔ ورنہ نہ اسماعیلؑ ہوتے نہ اسحاقؑ کی ضرورت رہتی۔ نہ نبوت رہتی نہ رسالت کا نام و نشان بچتا۔ نہ امامت کی باری آتی۔ الغرض نہ اسلام ہوتا، نہ توریت و زبور و انجیل ہوتی، نہ قرآن ہوتا نہ احادیث ہوتیں۔ وہ لوگ اس حقیقت کو سمجھ گئے تھے اور بلا تکلف کہا تھا اور آج آپ کی بھی سمجھ میں آ کر جم جائے گا کہ حسینؑ مجھ سے پیدا ہوا ہے۔ یعنی یہ کوئی انوکھی اور قابلِ تعجب بات نہیں۔ مگر میں حسینؑ سے پیدا ہوا ہوں۔ یہ بات وہی ہے کہ نہ حسینؑ ذبحِ عظیم بنتے، نہ اسماعیلؑ بچتے، نہ رسول اللہ ہوتے، نہ عبد اللہ ہوتے، نہ علیؑ ہوتے، نہ ابی طالبؑ۔ یہ ہے وہ ذات والا صفات کہ جس پر انبیاء اور آئمہ اور تمام نوع انسان جتنا فخر کرے اتنا ہی کم ہے۔

1- حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنَ الْحُسَيْنِ 2- بنائے لا الہ ہست حسینؑ 3- پس بنائے لا الہ گردیدہ است

(iii)۔ قرآن کریم، اولادِ ابراہیمؑ اور اُن کے اسلامی عمل درآمد کو ابراہیمؑ ہی کا مجسمہ کہتا ہے

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ شَاكِرًا لِّأَنْعَمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (سورة النحل - 123-120/16) چنانچہ فرمایا گیا کہ:-

درحقیقت ابراہیمؑ ایک ایسی اُمت کا بانی ہے جو اپنے آپ کو اللہ کی سپردگی میں رکھتی چلی گئی۔ اور ہر قسم کی لگاؤوں اور ملاوٹوں سے پاک رہی۔ اور کبھی نظامِ اشتراک سے ملوث نہیں ہوئی۔ اور اُن تمام نعمتوں کا شکر بجالاتی رہی جو اُسے دی جاتی رہیں۔ چنانچہ ہم نے اُسے محبتی بنایا اور مقامِ علوی کی طرف جانے اور برقرار رہنے والے راستے پر چلایا اور صدیوں کی اس مسافت میں اسے دنیا میں تمام حسنات عطا کیں اور وہ آخرتہ میں بھی صالحین کے گروہ میں رہے گی۔ جب تمہارا نمبر آیا تو ہم نے تمہیں یہ وحی کی کہ تم ابراہیمؑ کی اسی ملت و اُمت کی پیروی میں اُسی بے لوث دین کی تحفید کو اپنے مقام سے آگے بڑھاؤ۔ یہ سمجھ لو کہ جو ابراہیمؑی ملت صراطِ مستقیم پر چلتے چلتے تم تک پہنچی ہے اس میں نہ کسی قسم کی ملاوٹ ہے اور نہ ابلیسی شرکت ہے۔

قارئین سوچیں کہ کیا توریت اور قرآن بالکل ایک ہی نظام پیش نہیں کرتے۔ کتنے واضح الفاظ ہیں وہاں اُمتِ کبیرہ مقتدرہ فرمایا گیا، یہاں اُمت۔۔۔ قَانِتًا حَنِيفًا کہا گیا۔ وہاں بار بار لفظ عہد آیا تو قرآن نے بھی اسی عہد کو دہرایا اور تصدیق کی۔ وہاں محض اللہ کو اپنا اللہ اور معبود سمجھنا اس امت کی شناخت بتائی، یہاں حنیف کہہ کر شرک کی نفی کر کے واضح کیا گیا۔ اور اگر ہم طوالت سے لاپرواہ ہو کر کہیں احادیث اہل بیتؑ بھی توریت و قرآن کے ساتھ شامل کر دیں تو حضرات ابراہیمؑ و محمدؑ اور اسماعیلؑ و حسینؑ (صلوٰۃ اللہ علیہم) میں فرق ہی کوئی نہ رہے۔ اور یہ ڈھائی تین ہزار سال کا مادی فاصلہ یکسر ختم ہو جائے۔ لہذا سنو اور نوٹ کر لو! جہاں ابراہیمؑ کا ذکر ہو وہ محمدؑ ہی کا تذکرہ ہے اور جہاں اسماعیلؑ کی بات ہو وہ امام حسین علیہ السلام ہی کی بات ہے۔ اسی لئے اور اسی بات کو ظاہر کرنے کے لئے ہر نماز میں ابراہیمؑ و آل ابراہیمؑ اور محمدؑ و آل محمدؑ پر درود بھیجنا لازم کیا گیا ہے۔ اور درود کے بغیر کوئی نماز ہو یا عبادت قابل قبول نہیں ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ جن خبیث لوگوں نے خاندان رسولؐ میں داخل ہو جانے کے لئے نسب کو بدلا اور اپنے ماں باپ کے منہ کو کالا کیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ نماز میں درود پڑھنا ایک سازش کے ماتحت شروع ہوا تھا۔ وہ مردود لوگ نماز میں درود کو شرک قرار دیتے ہیں۔ اُن کی ایک پرانی کوشش یہ بھی تھی کہ خود ساختہ ڈکشنری کو سرپر رکھ کر اور اُس کی ذہائی دے کر یہ کہیں کہ ساری اُمت آل محمدؑ ہے (لعنة الله على الكاذبين والمحرفين الغاصبين)۔ حالانکہ قرآن نے اُن تمام لوگوں کو جو محمدؑ و آل محمدؑ سے الگ ہیں یہ حکم دیا ہے کہ اے وہ لوگو جو پہلے سے مومن نہ تھے اور اب ایمان لائے ہو، محمدؑ پر صلوات بھیجو اور اُسے اس طرح سلام کرتے رہو جو دل سے سپردگی و محبت کے ساتھ ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (سورة الاحزاب - 33/56)

بتائیے! اگر جن کو حکم دیا گیا ہے وہ سب آل محمدؑ ہیں تو کس پر صلوات و سلام بھیجا جائے گا۔ پھر اللہ نے تو اپنا اور اپنے فرشتوں کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ دونوں اس نبیؐ پر برابر درود و سلام بھیجتے چلے آ رہے ہیں (احزاب - 33/56) اور اگر اس حکم کی وجہ معلوم کرنا ہو تو 33/55 سے پہلے والی اور 33/56 کے بعد والی آیات پڑھ لیں۔ جہاں اُسی ناہنجار گروہ کا ذکر اور اُن کے ناپاک ارادوں اور کوششوں کی تفصیل دی ہے جو محمدؑ و آل محمدؑ میں مخلوط ہو جانا چاہتے تھے۔ اور حضرت اسماعیلؑ سے لے کر نزول قرآن تک کوشاں رہے تھے۔ جنہوں نے ثابت بن اسماعیلؑ کے نبطی خاندان کو مجہول النسب اور غیر ملکی خاندان بنانے میں ساری تاریخ کو بدلا تھا۔ اور پھر اسی کوشش میں سارا اسلام اور قرآن بدل دیا تھا۔ ہم اُن کا ذکر بھی کرنے والے ہیں۔ یہاں ایک بات اور سن لیں کہ شیعہ و سنی دونوں ماشاء اللہ نماز میں رسول اللہ اور اُن کی آل پر درود تو پڑھتے ہیں۔ یعنی وہ ”صلوٰۃ“ کی تعمیل تو کرتے ہیں۔ مگر دونوں فرقے ”سَلِّمُوا تَسْلِيمًا“ پر آدھا عمل کرتے ہیں۔ یعنی نماز کے سلام سے آل محمدؑ و آل محمدؑ علیہم کو باہر نکال کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ روایت سیدہ تان کر بیان کرتے ہیں کہ حسین علیہ السلام کی وجہ سے نماز کو روک کر سجدہ کو طول دیا گیا تھا۔ تاکہ حسینؑ کی خوشنودی حاصل ہو۔ مگر ماشاء اللہ ہمارے زمانہ میں ہماری وضاحتوں سے شیعہ اور سنیوں میں اُن لوگوں کی تعداد روزانہ بڑھ رہی ہے جو سلام میں قائم آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو شامل کرتے اور نماز سے حقیقی استعانت حاصل کرتے جا رہے ہیں۔ اور شیعوں میں اُن لوگوں کی تعداد روز افزوں اور بڑے جوش سے بڑھ رہی ہے جو تشدد میں شہادتِ ثالثہ کا بھی اعلان کرتے ہیں۔ یعنی سازش تو وہ تھی جس نے نماز کو بدلا تھا اور محمدؑ و آل محمدؑ کو نماز ہی سے نہیں بلکہ اسلام سے نکال

دیا تھا۔ اُن کو شامل کرنا تو منشاء قرآن و تعلیمات خداوندی ہے۔

(iv) حضرت اسماعیلؑ کی اولادِ نبطیوں کے سوا کوئی اور خاندان مستقلاً بادشاہ نہ رہا

جیسا کہ قارئین کرام دیکھ چکے ہیں کہ جناب نابت بن اسماعیل علیہما السلام کی اولاد مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بادشاہت کرتی رہی ہے۔ اور اس بادشاہت نے ملکی و غیر ملکی تمام حکومتوں کو زیرِ نگر اور لرزہ بر اندام رکھا اور غیر ملکی و غیر مسلم مورخین اور حکومتیں اپنی تاریخ میں اُن کی شجاعت و استقلال و بلند ہمتی کے واقعات لکھتی رہی ہیں۔ اس کی مثال کسی اور نسل میں نہیں ملتی۔ کسی کی سو سال حکومت رہی، کسی کے دو تین بادشاہ گزرے، کسی کو چند سال کے لئے اقتدار ملا اور پھر غلام بنا لئے گئے۔ خصوصاً اولادِ اسحاقؑ یا بنی اسرائیل میں چند بادشاہ قابل ذکر ہیں۔ ورنہ اُن کی ذلت و رسوائی، غلامی اور بے دینی سے توریت و قرآن دونوں بھرے پڑے ہیں۔ ہم لکھ چکے ہیں اور توریت گواہ ہے کہ حضرت عیسوؑ جناب یعقوبؑ کے بڑے بھائی اور دیگر خاندان حضرت اسماعیل اور نابت علیہما السلام کی پناہ میں آکر آباد ہوئے اور کبھی واپس نہ گئے۔ نبطی خاندان چونکہ مسلسل حکومت کرتا رہا اس لئے ادھر سے ادھر جانا تو دین و دنیا دونوں میں گھائلے کا سودا ہوتا۔ اس صورتِ حال کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ نے جناب ابراہیم علیہ السلام سے جتنے معاہدے کئے اور جس قدر وعدے کئے وہ سب نابت بن اسماعیلؑ کے لئے تھے۔ اور دوسری شاخ یعنی حضرت اسحاقؑ کی اُس اولاد پر بھی صادق آئے جو مرکزی خاندان یعنی نبطیوں کے ماتحت اور اسلام پر برقرار رہے۔ یعنی بنی اسرائیل میں جو بھی قابل پسندیدگی حکومت قائم ہوئی، اس میں بھی اسماعیلی خاندان کا ہاتھ تھا۔ اُن کی توجہ اور وسیلہ و مہربانی تھی۔ اسماعیلؑ کا نبطی خاندان صاحب تاج و معراج تھا۔ اس لئے کہ خدا نے فرما دیا تھا کہ:-

”وہ ساری دنیا میں ستاروں کی طرح چمکیں گے۔ ساری دنیا پر چھا جائیں گے۔“

(v) حضرت اسماعیلؑ کا خاندان توریت میں بھی اللہ کا پسندیدہ خاندان ہے

جس طرح ہمارے یہاں نظام اجتہاد کے مشرک منصوبے نے قرآن کے تبدیل کرنے کی درخواست کی اور رسولؐ نے اللہ کے حکم سے انہیں مایوس کر دیا۔ اور سارا قرآن ایک دم دینے سے بھی انکار کر دیا۔ اور تلاوت بھی اس انداز سے شروع کی کہ جو پڑھ دیں وہ ساتھ ساتھ حفظ کر لیا اور لکھ لیا جائے۔ اور قرآن کے الفاظ اور متن میں داخلی تحریف نہ ہو سکے۔ جیسا کہ سابقہ کتابوں میں زمانہ کے مجتہدین و مشرکین کرتے رہے تو اُن لوگوں نے معنوی تحریف کر کے قرآن کریم کا حال توریت سے بھی بدتر کر دیا۔ مگر اللہ و رسولؐ کے انتظام نے قرآن کے الفاظ اور متن بجنسہ پہنچا دیا۔ جس سے توریت کی داخلی تحریف بے کار ہو کر رہ گئی۔ یہ سب کچھ ہم نے اس لئے لکھا ہے کہ توریت کے محرفین نے حضرت ہاجرہؑ کو کنیز بنانے اور حضرت اسماعیلؑ کو ورثہ ابراہیمؑ سے محروم قرار دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن قرآن نے انہیں ناکام کر دیا۔ اگر قرآن نہ آیا ہوتا تو توریت پڑھنے والے کیسے سمجھتے کہ اللہ نے اسحاقؑ کو نہیں بلکہ اسماعیلؑ علیہ السلام کو قربان کرنے کا حکم دیا تھا۔ محرفین کی کوشش کے بعد بھی اس عبارت میں ایک لفظ رہ گیا جس نے سارا بھانڈا پھوٹ دیا۔ یعنی اللہ نے ابراہیمؑ سے پہلوٹے بیٹے کی قربانی مانگی تھی۔ یعنی جب قربانی کا حکم ملا تو اُس وقت تک حضرت ابراہیمؑ کے یہاں دوسرا بیٹا تھا ہی نہیں یعنی حضرت اسحاقؑ کی

پیدائش سے کہیں پہلے کا واقعہ ہے۔ چنانچہ توریت سے سُنئے اور ایمان تازہ کیجئے ساتھ ہی نابتی حکومت کی عظمت نوٹ کیجئے:-
 ”اور خداوند کے فرشتے نے دوسری دفعہ آسمان پر سے ابراہیمؑ کو پکارا اور کہا کہ خداوند یوں فرماتا ہے۔ اس لئے کہ تو نے یہ امر کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو دریغ نہ رکھا۔ میں اپنی ذات کی قسم کھاتا ہوں کہ میں تجھے برکت دوں گا اور تیری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے ستاروں اور سمندر کے ساحل کی ریت کی مانند بناؤں گا۔ تیری نسل اپنے دشمنوں کے دروازوں پر قابض ہوگی۔ روئے زمین کی کل اقوام تیری نسل میں برکت پائیں گی۔ کیونکہ تو نے میرا کہا مانا۔“ (کتاب تکوین فصل 22- آیت 15-19)

(vi)۔ توریت نے قیامت تک نابت بن اسماعیلؑ کی اولاد کا ذکر کیا ہے

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ آسمان کے ستارے اور ریت کے ذرات یقیناً ناقابل شمار ہیں۔ اور انکی جو بھی تعداد اللہ کے علم میں ہے اُس تعداد تک جناب نابت علیہ السلام کی اولاد کا پہنچنا یا جناب اسماعیل علیہ السلام کی ساری اولاد کی اولاد کا اُس تعداد پر پورا اترنا بھی تک ہرگز وقوع میں نہیں آیا۔ مگر یہ خدائی اعلان اپنے الفاظ کی ظاہری معنی میں پورا ہو کر رہنا لازم ہے۔ اُدھر سورہ کوثر نے پیشگوئی کو اولاد رسول میں تبدیل کر دیا یہ اور بھی مشکل صورت حال ہے۔ لہذا یہ بات تو بلا شک و شبہ یقینی ہے کہ مجتہدین کے وہ افسانے غلط ہیں کہ چودھویں صدی ختم ہوتے ہی قیامت آجائے گی۔ لہذا دنیا کا خاتمہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک توریت کی یہ پیشگوئی اور معصومین کی وہ تمام پیشگوئیاں پوری نہ ہو جائیں جو قائم آل محمد بن حسن عسکری علیہما السلام کے متعلق ہیں۔ اور ساری دنیا کی اقوام کا آل اسماعیلؑ سے برکت لینا بھی ظہور حضرت حجة علیہ السلام کے دور حکومت کی بات ہے۔ البتہ پیشگوئی کے باقی اجزاء پورے ہو چکے اور وہ صرف انباط کے ہاتھوں اور نبطی حکومت کے ذریعہ سے پورے ہوئے ہیں۔

6۔ خانوادہ حسین علیہ السلام کے نبطی سلسلہ کا قرآن سے تعارف، اُمتِ مسلمہ

اس عنوان میں ہم وہ ریکارڈ پیش کریں گے جو قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ تک مرتب کیا ہے۔ اور یہ کہ حضرت ابراہیمؑ سے آنحضرتؐ تک برابر بلا انقطاع ایک خدا کی پسندیدہ ایک مسلم اُمت برابر جاری رہی ہے جس میں آنحضرتؐ پیدا ہوئے تھے۔ یعنی دشمنان قرآن نے یہ اتہام قرآن کے واضح بیان کے سراسر خلاف لگایا ہے کہ آنحضرتؐ کے والدین اور بزرگ (معاذ اللہ) کافر تھے۔ یہی وہ گروہ تھا جس نے نبطیوں کو قیداری بنانے اور خود اسماعیلی بن جانے کی کوشش جاری رکھی۔ جس نے نزول قرآن کے دوران قرآن کے خلاف قرآن کے نام پر مفاہیم پھیلانے یعنی معنوی تحریف کی تھی۔ یہی وہ سیاسی مدبرین تھے جنہوں نے واقعات کر بلا کی بنیاد رکھی اور مسلمانوں کو اس قابل بنایا کہ وہ حسینؑ کو باغی کہہ کر اُنکے مقابلہ میں آئیں اور وہ کچھ کر گزریں جسے دنیا جانتی ہے۔ اور ہم اُسی حادثہ کے عوامل و معانی بیان کر رہے ہیں اور اُسی قربانی سے گردوغبار صاف کر رہے ہیں۔

(i)۔ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و ہاجرہؑ کی مکہ میں آمد۔ دُعا اور رخصت

آپ نے توریت کی آیت کا وہ جملہ پڑھا تھا جہاں اللہ نے کہا کہ کیا وہ سب کچھ جو ابراہیمؑ پر گزرنا ہے اسے بتادوں یا اُس سے

پوشیدہ رکھوں؟ (فَقَالَ الرَّبُّ اَنْتُمْ عَنْ اِبْرَاهِيمَ مَا اَنَاصَانَعِهٖ) یہاں جو کچھ اللہ نے ظاہر کرنا ابراہیم کے لئے ناقابل برداشت سمجھا تھا وہ توریت میں کہیں نہیں ہے۔ مگر قرآن نے اُس کو ذبحِ عظیم کے الفاظ سے ظاہر کیا ہے۔ ہم وہیں سے بات شروع کریں گے۔ اس لئے کہ یہ تو سب مانتے ہیں اور توریت و قرآن میں تفصیل موجود ہے کہ اللہ نے ضعیفی کی عمر میں انہیں شاہزادی مصر کے ذریعہ سے ایک بیٹا عطا کیا اور اللہ کے حکم سے اُن کا نام اسماعیل رکھا گیا۔ یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ حکم خداوندی حضرت اسماعیلؑ اور اُن کی والدہ سلام اللہ علیہما کو جناب ابراہیمؑ مکہ کے قرب و جوار میں پہنچا گئے تھے۔ جانے سے پہلے وہ تصورات قابل فہم ہیں جو ادھر جناب ہاجرہ کے قلب و ذہن کو بر مار رہے تھے۔ ادھر ابراہیمؑ کے سامنے یکے بعد دیگرے گزر رہے تھے۔ اُس غریب نازوں کی پالی شاہزادی کو کیا معلوم کہ اللہ نے ایک عظیم الشان بادشاہ سے اپنی بیٹی کا نام ہاجرہ کیوں رکھوایا تھا؟ اُسے کیا خبر تھی کہ وہ ایک عظیم المرتبہ مہاجر کی مقدس زوجہ بنے گی۔ جس نے اپنے وطن بابل سے رخصت ہوتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے میری پیدائش و بچپن و جوانی دیکھنے والے وطن اور اے وہ سرزمین جہاں مجھے آگ میں پھینک دیا گیا تھا اور اے وہ لوگو جنہوں نے آگ کو گلزار دیکھا تھا۔ مجھے رخصت کرو کہ میں اپنے پالنے والے کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ (اِنِّیْ مُہَاجِرٌ اِلَی رَبِّیْ۔ العنکبوت 26/29)۔ یعنی روز ازل سے جناب ہاجرہ کا شوگ ایک مہاجر کے ساتھ مقرر تھا۔

بہر حال آخر اُسے بھی ہجرت کرنا پڑی۔ مگر اب بھی وہ یہ تو نہیں جانتیں کہ اُن کی یہ ہجرت یہاں ختم ہونے والی نہیں تھی۔ اُنہیں نہیں معلوم تھا کہ وہ ایسی نسل کی ماں ہیں جس میں قدم قدم پر ہجرتیں ہوں گی۔ کوئی مہاجر جا کر دین و دنیا کی حکومت قائم کرے گا اور بڑے ترک و احتشام سے واپس آئے گا۔ اور اُن ظالم دشمنوں کو یہ کہہ کر معاف کر دے گا کہ جاؤ تم آزاد ہو، آج تم سے کوئی باز پرس نہیں ہے۔ حضرت ہاجرہ کو کیا پتہ کہ آپ ہی لوگوں کی وجہ سے آپ کی نسل کا ایک خاندان (مدینہ سے) ہجرت کرے گا۔ کئی بھرے گھر خالی ہو جائیں گے۔ کئی گھروں کے چراغ اس طرح بجھیں گے کہ پھر کبھی نہ جلیں گے۔ انہیں روشن کرنے والے واقعی ہمیشہ کے لئے اور حقیقتاً اللہ کی طرف ہجرت کر جائیں گے۔ یہی وہ حضرات ہوں گے جو ہاجرہ کو دی ہوئی خوشخبری کو اپنے خون سے مکمل کر کے پوری کریں گے۔ انہیں اپنے شوہر کی جدائی اور جنگل بیابان میں چھوڑ دئے جانے کا ذرہ برابر رنج نہ ہوتا، انہیں وہ شام اور وہ رات جو حضرت ابراہیمؑ کے واپس چلے جانے کے بعد آئی، بالکل گراں نہ گزرتی، ایک آنسو بھی نہ ٹپکتا اگر انہیں وہ شام غریباں معلوم ہوتی جو اُن کے مہاجر بچوں نے ایسے ریگستان میں گزاری تھی جہاں سامنے اُن کے بزرگوں اور جوانوں کی لاشیں پڑی تھیں جو انہیں اپنے سینے پر سلا یا کرتے تھے، اُن کی ضد پوری کیا کرتے تھے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ تین چار روز سے نہ اُن کے خیموں میں پانی تھا، نہ کھانے کا نام و نشان تھا۔ جن کی شام اُس وقت آئی جب خاندان کے سب بزرگ، سب نوجوان اور تمام انصار و مددگار و شیر خوار تک اللہ کی راہ میں قربان کر کے ذبحِ عظیم مکمل کر دی گئی۔ ہاجرہ کو کون بتائے کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ تمہارے اسی بچہ اسماعیلؑ کے عیوض میں تو اُن میں کا ہر فرد کافی تھا۔ یہ لاشوں سے میدان کو کیوں پاٹ دیا؟ یہ ہرن و سال کے معصوم و غیر معصوم کیوں قربان کر دئے گئے۔ کیوں اس قربانی میں اپنے اور پرانے، آزاد و غلام مسافر و مقیم، قاصد و مقصود، ملکی و غیر ملکی سب کو حصہ دیا گیا؟ شاہزادی!! آپ کے ساتھ تو ایک بچہ ہے۔ ذرا ادھر دیکھئے کتنی شاہزادیاں رات کے اندھیرے میں کتنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بہلانے میں مصروف ہیں۔ کوئی خاتون جنگل میں کسی بچی کو تلاش کرتی اور سیکنہ ہائے سیکنہ

پکارتی ہوئی دوڑتی پھرتی ہے۔ اُن میں ایران کی شہزادیاں بھی ہیں، حبش کی شہزادی بھی ہے۔ تم اتنی سی بات سے گھبرائی ہو کہ تم اور تمہارا بچہ جنگل میں تمہارے جاؤ گے۔ لیکن تمہیں تو اللہ نے یہ بتا دیا ہے کہ اسماعیلؑ کی شادی ہوگی، تم سہرا باندھو گی، اُن کے بارہ بیٹے اور ایک بیٹی زندہ رہنے اور پھلنے پھولنے کے لئے پیدا ہوں گے، آپ سب کی خوشیاں دیکھو گی۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ اپنے وعدوں کے پورا کرنے کا خود مددگار ہے۔ وہ اس جنگل میں چہل پہل کر دے گا، وہ اور اس کا انتظام تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہارا شوہر نہ صرف خود نبی و رسول و امام ہے، خدا کا پسندیدہ ہے، بشیر و نذیر و مستجاب الدعوات ہے۔ بلکہ اُن کے اور تمہارے ساتھ رحمۃ للعالمین ہے، ید اللہ ہے، اللہ کی بولتی ہوئی زبان ہے۔ تم سنہلو، اللہ کے احکام پورے ہونے کا موقعہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا شوہر تمہاری نسوانی بے بسی کو غور سے دیکھ کر اپنے ارادوں میں کمزوری محسوس کرے اور معیاری پوزیشن سے نیچے اتر آئے۔ اُن کا دل خود بھر بھر کر آ رہا ہے۔ وہ نبوت و امامت اور خود تمہاری ہمت و بصیرت اور اطاعت کے سہاروں سے یہ دردناک مہم انجام دے رہے ہیں۔ تم دل تھوڑا کرو گی تو نہ صرف حضرت ابراہیمؑ کمزوری و ناتوانی محسوس کریں گے بلکہ خود اللہ کی رحمت تمہاری رضامندی کے لئے التوا کے احکام نافذ کر دے گی۔ وہ دیکھو! ملائکہ اور ابلیس اور اس کا نظام اس امتحان پر انگشت بدندان ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن میں سے کوئی حضرت ابراہیمؑ پر جمی ہوئی نظر ہٹا کر تمہیں دیکھ لے۔ سنو! راغور سے سنو! تمہارے شوہر کی آواز ڈمگ رہی ہے۔ غالباً شدت فطرت انسانی اپنی انتہا تک جا پہنچی ہے۔ وہ شدت غم میں اس بات سے بے نیاز ہو چکے ہیں کہ اُن کی آواز کوئی درد بھر ادل نہ سن لے یا یہ کہ تمہیں سنانا چاہتے ہیں کہ خدا سے کیا کہہ رہے ہیں اور یہ کہ وہ تمہارا اور بچہ کا کیا انتظام چاہتے ہیں۔ انہیں سارہ کانہیں آپ کا خیال ہے۔ اُن کی جسمانی روح اور روح نبوت و رسالت و امامت تمہارے چاروں طرف منڈلاتی رہے گی۔ وہ تو تمہارا مرتبہ بڑھانے، تمہارے امتحان میں کامیاب ہونے کے لئے حکم خداوندی کی تعمیل کے لئے برائے نام واپس جائیں گے۔ سنو! آواز سنجل چکی ہے سننے کے قابل ہو گئی ہے۔ وہ فرما رہے ہیں کہ ”اے میرے اللہ اس صورت حال کی نظارہ کشی مجھے بے چین و کمزور کر دے گی تو سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تو نے میرے ہی سلسلہ کو مخاطب کر کے یہ فرمایا ہے کہ:-

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلُكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبِينَ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَأَتَّكُم مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۝ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا إِنَّمَنِ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعْنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝ (سورہ ابراہیم 14/32-41)

اللہ تو وہ ہستی ہے۔ جس نے یہ زمین و آسمان پیدا کئے اور پھر دنیا میں بارشیں برسائیں جن سے نباتات و حیوانات و پھل پھول اور کھیتیاں پیدا ہوئیں۔ اور تمام مخلوق کیلئے رزق و سامان بقا فراہم کر دیا۔ لہذا تیرے اس انتظام اور ربوبیت کا واسطہ

دے کر تیرا بندہ ابراہیمؑ تجھ سے یہ التجا کرتا ہے کہ اے پروردگار میرے اس دیہات کو میرے بچے اور بے کس شریک حیات کیلئے اور جو انکو اپنا سمجھیں اُن کیلئے بھی ایک محفوظ و مامون اور ایمان لانے کی جگہ بنا دے اور مجھے اور اس بیٹے اور اُسکے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے مخالف جانب رکھتا چلا جا۔ اے پالنے والے تو جانتا ہی ہے کہ صنم پرستی ہی نے انسانوں کی کثرت کو گمراہ رکھا ہے۔ چنانچہ جو بھی بتوں کی مخالفت میں میری پیروی کرے وہی میرے ساتھ شمار ہو۔ اور جو میری نافرمانی کرے تو تیری مغفرت و رحمت جانے۔ اے ہم تینوں کے پالنے والے میں نے اپنی ذریت میں سے ایک حصہ کو اُس ناقابل کاشت وادی میں سکونت کیلئے یکہ و تنہا اور بے سہارا چھوڑا ہے جو تیرے محترم گھر کے پاس ہے تاکہ وہ تیرے اس گھر سے قیام صلاۃ جاری کریں۔ اے ہم تینوں کے پروردگار تو ایسا انتظام کر کہ لوگوں کے دل اور میلانات ان دونوں کی تائید کیلئے اُن کی طرف جھکتے چلے جائیں۔ اور ان دونوں کو شکر ادا کرنے کا موقعہ دینے کیلئے انہیں رزق عطا کر اور پھلنے پھولنے اور پھیلنے کا بندوبست کر دے۔ اے ہم تینوں کے پرورش کرنے والے تو بلاشبہ اُس حالت سے واقف ہے جو میں اپنی دُعا کے پیچھے چھپائے ہوئے ہوں اور جو کچھ بلند آواز سے عرض کر رہا ہوں۔ لہذا ہماری اس پوشیدہ حالت کو اس دُعا کے مطابق مسرت انگیز کر کے دکھا دے۔ میں جانتا ہوں کہ میرے اللہ سے دل تو دل ہیں، زمین اور آسمانوں کی وسعتوں میں بھی کوئی صورت حال پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ میری تمام ستائش اور حمد و ثنا اس اللہ پر قربان ہو جائے جس نے مجھے ضیفی اور ناتوانی کی حالت میں اپنی قدرت سے اسماعیلؑ اور اسحقؑ دو بیٹے ہبہ کر دیے۔ وہی میرا پالنے والا یقیناً میری اس دعا کو بھی سنے گا اور کما حقہ پورا کرے گا۔ آخر میں پھر درخواست ہے کہ مجھے اور میری ذریت کو قیام صلوٰۃ کا نمونہ بنا دے۔ اے ہمارے پروردگار اس دعا کو ہمارے لئے قبول فرمالے۔ اور اے پیدا کر کے پالنے والے اور تربیت دے کر منتہائے کمال تک پہنچانے والے، مجھے مع میری آئندہ نسل کے اور میرے ماں باپ اور میرے ابا و اجداد کے اور ہم پر ایمان لانے والوں کے اُس روز کے لئے مغفرت عطا فرما دے جس دن تمام مخلوقات کو حساب کیلئے کھڑا کیا جائے گا۔“ (آمین)

یہ دُعا سنتے ہی آمین آمین کہتے ہوئے ہاجرہ علیہا السلام جتنا روئیں، وہ نہ بے صبری کا اظہار ہوگا، نہ دعا کی آڑ میں فطری کمزوری ظاہر ہوگی۔ چنانچہ اُس سرزمین پر یہ پہلا رونا تھا جو خانوادہ حسینؑ بلند آواز سے رویا۔ آنسوؤں کے ساتھ تمام خوف و ہراس ورنج و الم بہہ گیا۔ تینوں نے مسکراتے ہوئے چہروں اور بھگی ہوئی پلکوں سے ایک دوسرے کو رخصت کیا۔ مجھے رخصت کی رسومات اُسی قدر معلوم ہیں جس قدر اپنے ماحول سے سیکھی ہیں۔ ہمارے یہاں تو یوں ہوتا ہے کہ دانشمند بیٹا کسی بہانے سے والدین کو تنہائی کا موقعہ دینے کے لئے اجازت مانگتا ”میں ذرا فطری ضرورت رفع کرنے جا رہا ہوں۔“ ہم اپنی اولاد کے تیوروں سے اصل حقیقت بھانپ کر دل میں خوش ہو کر دُعا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”بیٹے جلدی آجانا مجھے رخصت ہونا ہے۔“ ہمارے یہاں تعلیمات خداوندی سے مالا مال حیا دار عصمت مآب خواتین ایسے دل خراش حال میں چپ سادھ لیا کرتی ہیں۔ آنکھ ملاتے ہوئے ڈرتی ہیں کہ بے صبری اُن کے سرتاج کی ہمت پر اثر انداز نہ ہو۔ شرم و حیا کی یہ تصویریں بولتی نہیں ہیں۔ سرتاج نے دونوں طرف سے بات کرنا ہوتی ہے۔ گھبرانا نہیں، میں جلد آؤں گا، قسم

کھاؤ، ہمارے سر پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ میں تنہائیوں میں رویا نہ کروں گی، دیکھو بچہ کا دل دکھے گا، اُسے ہمت دلانا، دُنیا کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اب تم ہی نے سکھانا ہے۔ خود ہی بے قرار ہوگی تو وہ بھی ہمت ہار دے گا۔ اس قسم کی باتیں اور بھی بے تاب کر دیا کرتی ہیں۔ آرزو صاحب کا ایک شعر سن کر اس عنوان سے رخصت ہو جائیے فرمایا تھا کہ:-

جاتے ہو تم اگر تو جاؤ دل بہل ہی جائے گا دو گے اگر تسلیاں پھر نہ قرار آئے گا

(ii) - کعبہ کو مرکز بنانا؛ تطہیر کعبہ، تعمیرات کے دوران اُمتِ مسلمہ کا اعلان و رسالت

اختصار کی غرض سے تاریخ و حدیث کی تفصیلات کو ترک کر کے ہم صرف قرآن کریم سے بات کر رہے ہیں تاکہ کسی مکتب فکر کو مجالِ انکار نہ رہے اور حضرت اسماعیلؑ اور اُن کے جانشین فرزندِ بزرگ جنابِ نابت بن اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کے مُسلم شجرے کے ساتھ ساتھ یہ واضح ہو جائے کہ تواریث میں مذکور معاہدے اُسی خانوادے سے متعلق تھے جس میں حسین و فاطمہ، علی اور محمد سلام اللہ علیہم نے پیدا ہونا تھا۔ چنانچہ خانوادہ حسینؑ کا تاریخی مرکز قائم کرنے کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا کہ:-

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۖ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ ۖ الْيَوْمَ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (سورة البقرة-126-125/2)

اور جب ہم نے اس بیتِ نبوت و رسالت کو جائے امن اور مرکزِ ثواب بنا دیا تو اب تم بھی مقامِ ابراہیمؑ کو مقامِ دُعا بنا لو۔ اور ہم نے ایسا کرتے ہوئے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے ایک معاہدہ کیا تھا۔ جس کی ہم پر عائد ہونے والی ذمہ داری کے ساتھ اُن دونوں پر یہ ذمہ داری تھی کہ وہ بیتِ نبوت و رسالت کی پاکیزگی اس حد پر لے جائیں کہ طواف کرنے اور رکوع و سجود بجالانے اور عبادت کے لئے چلہ کشی کرنے والوں کے معیار پر پوری اُترتی چلی جائے۔ ہماری ذمہ داری کے سلسلہ میں ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ اس پورے دیہات کو جائے امن و ایمان بنا دے۔ اور جو لوگ اس دیہات کے باشندے اور متعلقین ہوں اور اللہ اور قیامت پر ایمان بھی رکھتے ہوں تو اُن کو رزق اور دیگر ثمرات عطا فرماتا رہے۔ ہم نے کہا کہ ہم کافر باشندوں کو بھی تھوڑے سے فوائد سے محروم نہ رکھیں گے۔ لیکن پھر انہیں بے بس کر کے بہت بُرے ٹھکانے اور عذابِ جہنم سے وابستہ کر دیں گے۔

قارئین نوٹ کریں کہ یہ تذکرہ خانہ نبوت و رسالت کا ہے لوگوں نے یہاں بیت سے یہ سمجھا ہے کہ یہ بیت اللہ کی بات ہو رہی ہے۔ یعنی انہوں نے اس بیتِ الرسول کی صفات و اغراض کو خانہ کعبہ سے ملتا جلتا دیکھ کر مغالطہ کھایا ہے۔ حالانکہ کعبہ کی تعمیر کا تذکرہ اگلی آیات میں کیا جائیگا۔ سوال یہ ہے کہ جو گھر ابھی تعمیر بھی نہیں ہوا اسکی تطہیر قبل از تعمیر، گھر کی تطہیر نہیں البتہ اُس جگہ یا پلاٹ کی تطہیر ہو سکتی تھی جہاں کعبہ کی تعمیر ہونا تھی۔ مغالطہ کو تقویت اُس آیت سے پہنچتی ہے جو سورہ ابراہیم کی مذکورہ آیات میں گزری ہے۔ جس میں حضرت ابراہیمؑ یہ فرما رہے ہیں کہ میں تیرے محترم گھر کے پاس اپنی ذریت کو آباد کر رہا ہوں۔ لیکن یہ آیات تو خود یہ بتاتی ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ اپنی زوجہ اور بیٹے کو چوڑے میدان میں چھوڑے جا رہے ہیں اور دراصل یہ فرما رہے ہیں کہ اس پتھر لی زمین پر میں اُن کو اُس مقام کے نزدیک چھوڑ رہا ہوں

جہاں سے تیرا گھر بے نام و نشان مگر نزدیک ہے۔ یہ آباد ہو جائیگا تو تیرا گھر اسکے بعد ہم دونوں مل کر تلاش کریں گے اور پھر اس کی تعمیر جدید کریں گے۔ لہذا فی الحال اس قطعہ زمین پر نہ تیرا گھر ہے نہ تیرے رسولوں کا مکان ہے۔ رہ گیا خانہ نبوت کا مرکز ثواب ہونا، قابل طواف و رکوع سجود ہونا، یہ کوئی قابل تعجب و تشکک بات نہیں۔ جب ساری زمین پر ہر جگہ رکوع و سجدہ کیا جاسکتا ہے تو بیت نبوت سے اُن ہی لوگوں کو چڑھ سکتی ہے جو نبیؐ کو سجدہ کرنا شرک سمجھتے ہوں اور وہ یقیناً ابلیسی گروہ کا عقیدہ ہے۔ پھر نہ کعبہ میں کعبہ کو سجدہ کیا جاتا ہے نہ بیت الرسولؐ میں ایسا ہوگا۔ سجدہ تو خدا کو ہوتا ہے۔ جہاں وہ حکم دے دے ہم ایک لاکھ سجدے کریں گے۔ خواہ یہ حکم نبیؐ کو سجدہ کا ہو یا اس کی درگاہ کو سجدہ کا حکم دیا جائے۔ ہم شیطان والی توحید کے منکر و کافر ہیں۔ ہم سجدہ کے دوران بھی رسولؐ کو مخلوق اور عبدہ و رسولہ سمجھتے ہیں۔ اور بس نہیں کرتے۔ بلکہ خود کو بندہ اور غلام رسولؐ سمجھتے ہیں۔ اللہ قبول فرمائے تو زہد نصیب کہ ہمہ قسمی گناہ، محمدؐ کا بندہ بن جانے سے معاف کرنے کا وعدہ اللہ نے کیا ہے (39/53)۔ مشرک لوگ سن لیں کہ بندہ ہونے اور بندہ بننے میں بڑا فرق ہے۔ لہذا بیت الرسولؐ کی تطہیر کے معنی یہ ہیں کہ اُس میں جو جو افراد اہل بیتؐ رسولؐ ہوں، اُن سب کو ہر ظاہری و باطنی نجاست سے محفوظ رکھنے کا انتظام کریں۔ یہ ہر رسولؐ کی ذمہ داری ہے کہ خانوادہ نبوت کو عصمت و طہارت کے اس مقام کی طرف بڑھاتے چلیں کہ اُنکے سینوں میں قرآن کریم پیوست ہو جائے اور آیت تطہیر نازل ہو کر اُن کا تعارف کرائے۔ قارئین ان آیات میں یہ بات نوٹ کریں کہ اُن لوگوں کی نشاندہی پہلے ہی کر دی گئی تھی جو مکہ میں مخالف گروہ ہوگا۔ اور اُن کو فائدہ قلبیہ دیئے جانے اور انجام کار جہنم میں پہنچانے اور بے بس کر دینے کا اعلان ہو چکا تھا۔

(iii) تجدید و تعمیر کعبہ اور خانوادہ محمدؐ و آل محمدؐ کا تسلسل اور امت مسلمہ کا محمدؐ کو جہنم دینا

حضرت علی علیہ السلام نے کعبہ کو تمام انبیاء علیہم السلام کا مرکز فرمایا ہے اور قرآن کریم نے یہ بتایا ہے کہ:-

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ۝

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا..... الخ (آل عمران 97-96/3)

”یقیناً ہم نے انسانوں کے لئے سب سے پہلا گھر بلکہ میں قرار دیا تھا۔ اور اُسے تمام عالمین کے لئے برکت و ہدایت کا مرکز بنا دیا تھا۔

اور ابراہیم کا مقام واضح آیات اور معجزات کا مقام ہے۔ اور جو اس مرکز میں داخل ہو جائے اُسے امان دی جاتی ہے۔“

لہذا تصدیق ہو گئی کہ مکہ میں اُس زمانہ سے یہ گھر موجود تھا۔ جب کہ مکہ کا نام بھی بلکہ تھا۔ اُسی زمانہ سے یہ بیت چلا آ رہا تھا۔

لیکن رفتہ رفتہ اُس کے نشانات تک مٹ گئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ جب دوبارہ تشریف لائے تو اُن بنیادوں کا پتہ لگایا اور اُن ہی پر کعبہ کی تعمیر کی تجدید کی۔ سنئے کہ دورانِ تعمیر دونوں باپ بیٹے اللہ سے کیا دعائیں اور تمنائیں پوری کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ اور کس طرح قیامت تک پھیلنے اور بڑھنے والی اپنی مقدس ذریت کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ سے خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی دعا کی ہے قرآن سے سنئے:-

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَإِنَّا مُنَاسِكُونَ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اَيْتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدْ صَظَفْنٰهٗ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهٗ اَسْلِمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيَهٗ- الخ (سورة البقرة - 127-132)

”اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ دونوں بیت اللہ کی بعض بنیادوں کو بلند کر رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے کہ اے ہمارے پالنے والے ہماری محنتوں، ارادوں اور تمنائوں کو قبول فرمالے۔ تو ہماری دعائیں سننے اور دعاؤں کی حقیقت جاننے والا ہے اے ہمارے پروردگار تو ہم دونوں کو اپنا پسندیدہ مسلم بنالے۔ اور ہماری ذریت میں سے ایک جماعت کو مستقلاً مسلم اُمت کی حیثیت سے قائم رکھ اور اسی مسلم اُمت میں سے اُس مسلم اُمت کے اندر ایک ایسا رسول مبعوث کرنا جو تیری آیات اس مسلم اُمت پر پڑھا کرے اور اُس مسلم اُمت کا تزکیہ کر دے۔ انہیں مکمل تعلیمات کتبائے الہامی اور حکمت کی تعلیم دے۔ اور اے ہمارے پروردگار ہمیں اور اس امت مسلمہ کو ہماری ذمہ داریاں اور داخلی قوانین آنکھوں سے دکھاتے رہنا اور ہماری ہر قدم پر اصلاح کے لئے پلٹ پلٹ کر توجہ دیتے رہنا۔ اس لئے کہ تو رحیم اور سب سے زیادہ پلٹ پلٹ کر اصلاح کے لئے متوجہ رہنے والا ہے اور ہر حال میں زبردست حکیم ہے۔ اور جو کوئی ملت ابراہیمی کے خلاف کسی اور طرف رغبت کرے وہ بے وقوف ہی ہو سکتا ہے۔ اور یقیناً ہم نے ابراہیمؑ کو دنیا میں بھی مصطفیٰ بنایا اور آخرت میں بھی صالحین کے ساتھ رہنے والا ہے۔ جب ہم نے اُس سے صرف اسلام کے اعلان کے لئے کہا تو اُس نے جواب دیا تھا کہ میں تو تمام کائنات کے پالنے والے پر اسلام لایا ہوں اور جب اس تمام اسکیم کے لئے ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ دیکھو تمہیں موت اس حال میں آئے کہ تم ہماری دعا کے معیار پر مسلم پائے جاؤ یہی وصیت یعقوبؑ نے بھی کی تھی۔“

(iv)۔ دُعائے خلیلؑ و نویدؑ مسیحؑ قرآن کی مندرجہ بالا آیات کا منشا و مدعا

اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ مندرجہ بالا دعائے ابراہیمؑ پوری ہوئی اور آنحضرتؐ اُن ہی کی دعا کا نتیجہ ہیں مثلاً کہا گیا کہ:-

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا دُعائے خلیلؑ و نویدؑ مسیحؑ

مسلمانوں کو اتفاق ہو یا اختلاف ہمارے لئے یہ دونوں باتیں نہ دلیل ہیں نہ سند ہیں۔ سب سے بڑی سند قرآن کریم کو مانا جاتا ہے۔ اور اُس میں حضرت ابراہیمؑ و اسماعیل علیہما السلام کی دُعا سامنے آچکی ہے اُس میں دعا کا پہلا حصہ یہ ہے کہ ہماری ذریت میں ایک مسلم اُمت قائم کر اور اس اُمت مسلمہ میں سے ایک رسولؐ کو مبعوث کر۔ لہذا اگر یہ ماننا لازم ہے کہ محمد مصطفیٰؐ رسولؐ تھے تو اُس سے بھی پہلے یہ ماننا لازم و واجب ہے کہ وہ اُمت مسلمہ میں سے تھے۔ یعنی انہیں جنم دینے اور نبوت تک پہنچانے والے مسلم تھے۔ لہذا وہ تمام لوگ جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدینؑ اور آباؤ اجداد و اعزاء کو کافر کہتے ہیں۔ خود کافروں کی اولاد ہیں اور آنحضرتؐ کو (معاذ اللہ) کافروں کی اولاد کہہ کر اپنے کافر بزرگوں کو رسولؐ اللہ کے آباؤ اجداد کے برابر کرنا چاہا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے طرح طرح آنحضرتؐ کے بزرگوں اور عزیز و اقربا سب کو واضح الفاظ میں مومنین قرار دیا ہے۔

چنانچہ دوسری جگہ فرمایا کہ:- لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰیٰتِهٖ

وَيُؤَيِّنُهُمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ... الخ (آل عمران 3/164)

”یقیناً اللہ نے مومنین پر اُس وقت بطور مکت احسان کیا تھا۔ جب مومنین میں، مومنین ہی میں سے وہ رسول مبعوث کیا جو اُن مومنین پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے۔ اُن مومنین کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں تمام کتبہائے خداوندی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔“

یہ دونوں مقام ایسے واضح ہیں کہ ان کے بعد کسی شخص کو یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ معاذ اللہ رسول اللہ کا فروں میں سے مبعوث ہوئے یا کافروں میں پیدا ہوئے تھے۔ رہ گئے مشرکین و مجتہدین عرب وہ جو بھی اتہام لگائیں وہ اس لئے ناقابل شکایت ہے کہ وہ تو دشمنان اسلام و قرآن اور خاندان رسول ہیں۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ وہ خود رسول کے خاندان کے افراد سمجھے جائیں۔ اور پھر خاندانی ہونے کی وجہ سے اُن کی ہر کو اس رسول و خاندان رسول کے لئے قابل اعتبار سمجھی جائے۔ چنانچہ ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے جس اُمت مسلمہ کے تسلسل اور بقا کے لئے دعا کی تھی وہ مسلم ملت برابر قائم رہتی چلی آئی اور ملت کے سربراہ خاندان جناب عبدالمطلبؑ سے نبوت و رسالت و امامت نے جنم لیا اور ساری دنیا کو اپنے نور سے منور کر دیا۔

قارئین کے سوچنے کی بات یہ ہے کہ جسکے ماں باپ مسلمان ہوں کیا اُس بچہ کو پیدائشی مسلم نہیں کہتے ہیں؟ کیا آپ نے پیدا ہونے کے بعد کبھی کسی عمر میں کوئی ایسی رسم ادا کی تھی جیسے کسی کافر کو مسلمان کرنے میں کی جاتی ہے؟ اب یہ سوچئے کہ یہ کتنی بڑی سازش اور کتنی ستم ظریفی ہے کہ یہ بحث جاری کی گئی کہ خیر عبد اللہ بن عبدالمطلب علیہما السلام تو اسلام سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔ مگر ابوطالبؑ تو اعلان نبوت کے بعد زندہ تھے۔ وہ ایمان لائے تھے یا نہیں؟ اور اُن علمائے شیعہ کی بے بصیرتی پر رونا چاہئے جنہوں نے ان بحثوں کو قبول کر کے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان لانے یا ایماندار ہونے پر کاغذ کا لے کئے اور مذکورہ آیات میں سے کسی کو نہ لکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بحث میں اعتراض کر نیوالے اور بحث کو قبول کر کے جواب دینے والے دونوں ایک ہی گروہ کے علما تھے۔ محض لیبل مختلف لگا رکھے تھے۔

7۔ مخزن و معدن نبوت و رسالت اور امامت یعنی خانوادہ حسین علیہ السلام

احادیث و تواتر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بیان موجود ہے کہ میرا نور، اصلا ب طاہرہ و پاکیزہ سے ارحام طیبہ و مطہرہ میں منتقل ہوتے ہوتے عبد اللہ و آمنہ علیہما السلام تک پہنچا۔ اور یہ کہ میں ایسی پاک نسل سے پیدا ہوا ہوں جس میں کفر و شرک و الحاد و فسق و زنا کبھی نہیں داخل ہوا۔ قارئین سوچیں کہ کیا مندرجہ بالا آیت نے یہی کچھ نہیں کہا ہے۔ یہاں ہم اپنی کتاب ”اسلام اور جنسی تعلقات“ کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس میں اُس ملت مسلمہ کا ازلی وابدی اور آنحضرتؐ تک وجود و مقام سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔ سُنئے کتاب مذکور کی ضرورت کے مطابق یہ عنوان تھا:-

(1)۔ خاطی و خطا کار قیادت و عقیدے کو عصمت کا آئینہ دکھا دو

”قرآن کریم اور عقل سلیم سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ خلاق عالم اپنے علم و قدرت کی بنا پر تمام نقائص و عیوب اور احتیاج سے پاک و منزہ ہے۔ اور غلطی، خامیاں، قصور و خطائیں اور لغزش و کوتاہیاں اور بھول چوک علم و قدرت کے فقدان سے ظہور میں آتے ہیں اور

نفاٹس، عیوب اور احتیاج میں شامل ہیں۔ لہذا اللہ ان سے بھی پاک و منزہ ہے۔ چنانچہ خالق حق علم و قدرت کا ہر فعل اور ہر قول حق محض اور عصمت مطلق ہونا لازم ہے۔ اسی بنا پر قرآنی قول کی حیثیت سے کائنات اور خصوصاً سرور کائنات مجسمہ حق محض اور عصمت مطلق ہیں۔ جو اللہ کے اولین افعال و اعمال ہیں اور ترتیب کی حیثیت سے اللہ نے تخلیق کون و مکان و عرش و کرسی سے کہیں بہت پہلے نور محمدی کو پیدا کیا۔ اور اپنے انوار قدس میں لپیٹ کر اُسے اپنے علم و قدرت و عصمت، عظمت و صفات کا محسوس و مشہود مجسمہ بنا دیا۔ اور اُسے اپنے تعارف کیلئے تیار کیا۔ اس تعارف کے سلسلے کی تمام چیزیں مثلاً عقل و ایمان و ہدایت کاری و ادراک و علم و قدرت و لوح و قلم وغیرہ کو بیدار کرنا شروع کیا۔ تاکہ وہ مجسمہ انسانیت مخصوص انسان کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم حاصل کر لے (عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ سورۃ العلق 96/5) اور ہر چیز کی تخلیق پر بصیر و نذیر و شہید بنتا چلا جائے (سورۃ نجم 53/56، سورۃ الفرقان 25/1) اور تمام مخلوقات کو عبادت سکھائے اور متعلقہ ہدایت کا باعث بنے اور اُن سب کے لئے صفات خداوندی کو جذب کرنے میں مدد و معاون رہے۔ تخلیق کائنات معصوم رفتار سے بڑھتی گئی۔ عصمت کے سایہ میں یہ ارتقا جاری رہا۔ کہیں معصوم ملائکہ وجود میں آنے کے لیے مجبور ہوئے۔ کہیں جنات کو وجود و آزادی ملی۔ مسلسل اور بلا فصل وہ تمام سامان عالم وجود میں آ گیا جس کے بعد اللہ نے خلافت الہیہ کے قیام کی بنیاد رکھنا طے فرمایا تھا۔ اب ایک ناقابل شمار مدت میں اور عقل و وہم و بیان سے بلند و بالا قوانین تخلیق سے اللہ نے اس مجسمہ انوار و علم و قدرت کو، اس ہادی و نذیر، رحمت للعالمین کو ایک گوشت پوست و اعضا و جوارح رکھنے والے جسم میں محفوظ کرنے کا سر و سامان کیا تاکہ وہ ساری کائنات سے پہلا مسلم و عابد، ایک مسلم و عبادت گزار مخلوق کی تخلیق و اصلاح و ہدایت میں مدد و معاون رہے۔ اعلان ہوا، خلیفۃ الارض نے اس خلاصہ انوار بانی سے منور ہوتے ہی آنکھیں کھول دیں تو دیکھا کہ ملائکہ اور تمام وسائط خداوندی سجدہ سے اُن کی تعظیم بجالا رہے ہیں۔ یہی وقت تھا جب ایک عابد و زاہد و مطہر و فرمانبردار اور کروڑھا سجدے کر چکنے والی مخلوق نے آدمؑ کے اندر نہ معلوم کیا کیا دیکھ لیا کہ اُسکی حالت میں انقلاب شروع ہوا۔ اُس پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔ کبھی وہ اغوا اور مغالطے کے تصورات سے دوچار ہوتا تو کبھی خطا و فریب میں الجھ جاتا۔ کہیں اس سے گناہ و کوتاہیاں جنم لے رہی تھیں۔ کہیں غلطیاں اور لغزشیں برآمد ہو رہی تھیں۔ کہیں خباثت و غلاظت گلے میں بانہیں ڈال رہی تھیں۔ کہیں مکر و کید بغل گیر ہو رہے تھے۔ کہیں فرمانبرداری کی کوتاہیاں اور قصور سامنے آ رہے تھے۔ کہیں خیانت و حماقت و جہالت اجتہاد کر رہے تھے۔ القصہ جتنی دیر میں آدمؑ کی تعظیمی رسومات پوری ہوئیں۔ یہ مخلوق تمام خامیوں اور خرابیوں کا نمائندہ بن کر ابلیس کے نام سے پکارا گیا پھر کیا ہوا۔ قارئین اس کے بعد کا ٹوٹا پھوٹا اور بگاڑا ہوا قصہ اکثر سنتے رہے ہیں۔ مختصراً یہ ہوا کہ حضرت آدمؑ علیہ السلام کو خلافت ارضی کیلئے تیار کیا گیا۔ ملائکہ کو علوم اور خلافت کے متعلق تعلیم و ہدایت دلائی گئیں۔ آدمؑ و ابلیس کو آس پاس رہنے کا موقعہ دیا گیا۔ حضرت آدمؑ کو وصول وحی، حق و باطل کا فرق، اچھا بُرا، گناہ و ثواب، فرمانبرداری و نافرمانی سے متعارف کرا کے عصمت کا امتحان لیا گیا۔ مصطفیٰ بنا کر دنیا میں بھیجا اور تخلیق انسانی و تربیت انسانی کے عظیم کام میں اپنا شریک کار بنایا گیا۔ نسل انسانی کو عصمت و علم و قدرت عطا کرنے اور ابلیس اور اسکے مذکورہ بالا سامان سے پاک و منزہ رکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اور زمین پر ایک با بصیرت، آزاد و مختار اور جہاں گیر و جہاں ساز بنی نوع آدمؑ کو جنم دیا، پھیلا یا، علم و قدرت کے خزانوں کے منہ کھول دیے۔ جنہیں اللہ نے اپنی وحی والہام و مشاہدات و

مکالمات سے لبریز کئے رکھا۔ اُدھر جناب ابلیس نے اپنی اجتہادی غلطی اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی راہ سے نوع انسانی کے ساتھ راہ و رسم و اختلاط کی غرض حاصل کر لی۔ اور انسانوں کی خود ارادیت اور عقلی و عملی آزادی سے فائدہ اُٹھانا شروع کیا۔ اور اپنے لیے ذریت آدم میں سے وہ لوگ چنا شروع کئے جو اپنے اوپر کسی قسم کی پابندی نہ چاہتے تھے۔ جو عقل و تجربہ و تقاضائے وقت کے علاوہ کسی تصوراتی راہنمائی کو غیر مفید یا آہستہ خرام سمجھتے تھے۔ بہر حال انبیاء علیہم السلام نے انسانوں میں وہ جماعت یا ذریت تیار کرنا شروع کی جس پر ابلیس اور ابلیس سے متعلقہ مذکورہ بالا سامان کا ذرہ برابر اثر و تسلط نہ ہونے پائے۔ اللہ نے اُس جماعت کے موجود رہنے کا وعدہ کیا تھا (الحجر۔ 15/42) اور شیطان نے اسی جماعت کے موجود ہونے کا اقرار کیا تھا۔ جس پر اُسے کوئی قابو حاصل نہ ہوگا (الحجر۔ 15/40)۔ یہ وہ معصوم اور ابلیس سے محفوظ جماعت تھی جس میں سے انبیاء علیہم السلام پیدا ہوتے تھے۔ جو انبیاء کے بچپن میں اُنکی اس تجربہ و علم سے تربیت کرتی تھی جو حضرت آدم سے اس وقت تک اللہ و انبیاء نے عطا کیا تھا۔ وہ تمام کتبہائے خداوندی کی حامل و حافظ و وارث ہوتی تھی۔ اُدھر ہر نبی کے پروگرام و ہدایات کا عملی نمونہ بن کر انسانوں کو انبیاء کی راہ چلنے میں مدد دیتی تھی۔ ان کی تمام کمزوریاں، خامیاں، کوتاہیاں، غلطیاں اور لغزشیں واضح کرتی اور ان کی اصلاح میں مدد دے کر انہیں اپنی اور اپنے نبی کی عصمت کی طرف لاتی۔ اور ان کی گمراہی کو ہدایت سے، غلطی کو صواب سے، خامی کو تکمیل سے، لغزش کو استحکام سے، گناہ کو ثواب سے بدلنے کا انتظام سکھاتی چلی آتی تھی۔ تمام انبیاء اس ذریت کے شمر تھے۔ سب نے اس کے بقا اور ترقی کیلئے دعائیں مانگیں، عملاً انتظامات کئے۔ ان کی تعظیم و تکریم و اطاعت کیلئے اپنی اپنی امتوں کو حکم دیا۔ ان کی اتباع کی تاکید کی۔ انہیں بتایا کہ یہ شجرہ نبوت و رسالت کی جڑیں ہیں، شاخیں و پتے ہیں، ثمر ہیں، یہ وہ صاحبانِ ارحام و اصلاہ ہیں جو طاہر و مطہر ہیں۔ جن سے نبوت و رسالت جنم لیتی ہے، جن کے گوشت پوست اور خون سے نبوت و رسالت کا وجود ذی جو نہ بنتا ہے۔ جن کے دودھ سے اور جن کی گود میں نبوت و رسالت و امامت پلتی ہے، پروان چڑھتی ہے۔ جو نبوت و رسالت و وحی خداوندی کے امین ہوتے ہیں۔ جو انہیں انگلی پکڑ کر نبوت و رسالت کی راہ چلاتے ہیں۔ آدم سے لے کر خاتم تک تمام انبیاء علیہم السلام اور اللہ کی تیار کردہ ذریت ایک معصوم اُمت مسلمہ موجود تھی۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنم لیا (آل عمران۔ 3/164) اور اُسی طرح تیار ہوئے جس طرح انبیاء تیار ہوئے تھے۔ روح القدس ہوں یا جبرئیل امین ہوں ہمیشہ کی طرح ساتھ ساتھ، صفات نبوت کی طرح جُز و لاینفک، اب لوح و قلم سب یکجا۔ تمام تعلیمات ایک مرکز پر مجتمع۔ تمام عصمتیں مجسمہ علم و قدرت و عصمت کے اندر۔ انسان کی صورت میں وہ محیر العقول ہستی جو نہ صرف آگے دیکھتی ہے بلکہ پیچھے بھی برابر دیکھتی ہے۔ جو دیکھنا چاہے کائنات میں حجاب نہیں۔ دودھ یا پانی کے پیالہ میں انگلیاں ڈال دیں تو وہ برکت ملے کہ کبھی ختم نہ ہو۔ کھاری کنویں میں تھوک دیں تو قیامت تک میٹھا پانی کم نہ ہو۔ جو برق و براق پر قدرت عطا کرے، جو زمین پر ریگنے والے انسانوں کو فلک الافلاک و قاب قوسین و سدرة المنتہی تک بلندی کا عملی نمونہ اور تصور دیں۔ تسخیر کائنات کی راہیں اور ابواب السماوات چو پٹ کھول دیں۔ انگلی کے اشارے سے شمس و اقمار کو راہیں بدلنے والا بنا کر دکھایا۔ ایسے انسان تیار کئے کہ اللہ نے انہیں اپنے قرآنی ریکارڈ میں علم ماکان و مایکون و ماہو کائن کا عالم ہونے کی سند عطا کی (کافی۔ کتاب الحجۃ باب، ان الائمة يعلمون علم ما کان وما یکون، سورة البقرة 2/151) اور اُسی سند میں یہ پیش گوئی بھی

کردی کہ وہ اس بے حد و حساب تعلیم کو برابر جاری رکھے گا۔ یہاں تک کہ پچھلے اگلوں سے ملحق ہو جائیں گے۔“ (اقتباس ختم ہوا)

(2)۔ انبیاء اگر پھل ہیں؟ تو وہ اُن درختوں کے رہیں منت ہیں جنہوں نے پیدا کیا

قارئین کرام ذرا سا اپنے پیارے گھر اور گھر والوں پر نظر ڈالئے کیا یہ صحیح نہیں ہے؟ کہ آپ خواہ ایم اے ہوں، چوکیدار یا تھانیدار ہوں، کوئی منسٹر ہوں یا صدر مملکت ہوں۔ آپ رانی ہوں یا راجہ ہوں، ملکہ ہوں یا بادشاہ ہوں۔ آپ اپنے پالنے والوں، اپنے لئے تکلیفیں اٹھانے والوں، راتوں کو دس دس دفعہ اُٹھ کر دودھ پلانے اور معصوم ضروریات پوری کرنے والے، آپ کو منتوں، مرادوں اور دعاؤں کے سایہ میں پال کر جوانی کے منتظر رہنے والے، قرض ادھار لے کر، دقتیں اُٹھا کر، محنت و مزدوری کر کے پڑھانے والے ماں باپ کے ساتھ آپ کا کیا رویہ ہوگا؟؟

ہمیں آپ کا حال معلوم نہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ شریف و مہذب غریب و امیر، مسلم و غیر مسلم تمام خاندانوں میں ماں باپ کے قدم چھوئے جاتے ہیں۔ انہیں صبح و شام جھک کر بڑے پیار اور ادب سے مناسب مواقع پر سلام کرتے ہیں۔ اُنکے سامنے چھوٹا سا بچہ بن جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن سے دھیمی اور پسندیدہ آواز اور لب و لہجہ میں بات کرتے ہیں۔ اُنکا اس قدر ادب کرتے ہیں کہ اُنکے روبرو اپنے پیارے بچوں اور اپنی عزیز ترین شریک حیات کو پیار نہیں کرتے۔ وہ اپنے بچوں کو کہتے ہیں کہ تمہارے ابا وہ ہیں جنہیں ہم ابا کہتے ہیں۔ اپنے لئے بھائی جان یا کوئی لفظ سکھاتے ہیں تاکہ بچوں کو عادت پڑ جائے اور غلطی سے بھی اپنے دادا اور دادی کے سامنے اپنے ماں باپ کو ابا اور امی نہ کہہ سکیں۔ یہ عمل درآمد ہر ملک و ملت و مذہب میں جاری رہتا چلا آیا اور آج بھی جاری ہے۔ گو آج کل مشرکین عرب کے نظام اشتراک نے اس ادب و تعظیم کو کافی مجروح اور کم کر دیا ہے۔ اور اُنکا نظام کنبہ کو مٹا کر، ماں باپ اور بہن بھائی کی تفریق ختم کر کے، ہر عورت کو ہر مرد کی بیوی اور ہر بچے کو پورے ملک کا بچہ بنا کر اسے وسیع خاندان میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے۔ یہ تفصیلات کتاب ”اسلام اور جنسی تعلقات“ میں ملاحظہ ہوں۔ بہر حال مندرجہ بالا رویہ ہر قوم و مذہب کے بنیادی احکامات میں سے ہے۔ قرآن کریم نے بھی اس پر بڑا زور دیا ہے اور خود رسول اللہ کو والدین کی تعظیم و تکریم اور ادب و خدمت کا حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ تمام اُمت پر یہ حکم واجب ہو جائے۔ اور قرآن میں بار بار والدین کیلئے یہی احکام اُمت کو الگ سے مخاطب کر کے دئے گئے ہیں۔ رسول پر والدین کے کیا واجبات تھے بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

اللہ نے حکم دیا ہے کہ:- لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُومًا ۚ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ إِنَّمَا يُنْفَخُ عَنْكَ الْكِبَرُ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أَفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝

وَإِخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتُنِي صَغِيرًا ۝ (بنی اسرائیل 24-22/17)

”جس طرح تجھ پر یہ واجب ہے کہ تو اللہ کے سوا کسی اور کو معبود کا درجہ نہ دے کیونکہ تیرے پروردگار نے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت جاری نہ کرو گے اُسی طرح تجھ پر یہ بھی واجب ہے کہ اپنے والدین کیساتھ ہر حال میں احسان سے پیش آئے اور اُن دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں ہی تمہارے سامنے بوڑھے ہو جائیں تو تو اُن کی کسی بھی بات پر انکار تو انکار ہے بلکہ اُف تک نہ کرے

گا۔ اور اُن سے ہمیشہ ایسی بات کیا کرے گا کہ جس میں رحیمی اور کریمی کی شان گھلی ہوئی ہو۔ اور ہرگز اُن سے جھڑک کر بات نہ کرے گا۔ اور اُن کے روبرو ایک حقیر و ذلیل آدمی کی طرح رہ کر رحمت و محبت سے اُنہیں اُسی طرح اپنے بازوؤں میں محفوظ رکھے گا جس طرح مرغِ غنِ ہوا، اپنے بچوں کو خطرے کے وقت اپنے بازوؤں اور پروں میں سمیٹ کر چھپالیا کرتے ہیں۔ اور تُو اُن کے لئے ہم سے یوں دعا کرتا رہے گا کہ اے میرے پالنے اور ربوبیت کرنے والے تو بھی اُن پر اپنا رحم و کرم اُسی طرح جاری رکھ جس طرح انہوں نے میرے بچپن اور بے کسی کے زمانہ میں مجھے پالا اور میری ربوبیت کی تھی۔“

یہ احکام آپ ذرا پچھلے عنوان سے مسلسل کر کے بات سنیں کہ ہر رسول، ہر نبی، ہر خلیفہ اور ہر امام کا سر جن کے حضور جھکنا عین حکم خداوندی ہو۔ جن کو روزانہ ادب سے سلام کرنا نبوت و رسالت کے فرائض میں سے ہو۔ جن کے روبرو سرور کائنات کو اطاعت و فرمانبرداری کرنا واجب ہو۔ جہاں ساری کائنات سے افضل اور تمام عالمین کا سردار ایک ذلیل و حقیر غلام کی طرح رہنے پر مامور ہو۔ جنہوں نے نبوت و رسالت کو جنم دیا ہو۔ جو تمام سابقہ تعلیمات خداوندی ہر نبی کو سکھانے اور سوچنے کا ماڈی و محسوس ذریعہ ہوں۔ جو انبیاء و رسل کے معلم و ہدایت کار ہوں۔ جو ورثہ دارانِ کتبہائے خداوندی ہوں۔ جن کے گھروں کا طواف کرنا ملانکہ پر واجب ہو۔ وہ لوگ افضل ہیں یا انبیاء و رسل و آلہ و خلفاء افضل ہیں؟ سُنو! مانو یا نہ مانو، یہ ہے خانوادہ حسین علیہم السلام، یہ ہے بیت نبوت و رسالت۔ نبی و رسول و امام تو گنتی کے تھے۔ اور اسی خانوادہ میں سے تھے۔ خانوادہ کے ہر فرد کو نبی یا رسول یا امام نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ انتظام خداوندی یہ تھا کہ کچھ حضرات نبی یا امام یا رسول بنائے جائیں اور کچھ حضرات وہ ہوں جو نبوت و رسالت و امامت کا ماڈی و محسوس سامان اور خیر بنائیں اور پھر اپنے گوشت و پوست اور خون سے کسی کو نبی بنائیں، کسی کو رسالت کے لئے تیار کریں، کسی کی ربوبیت اس طرح کریں کہ وہ عہدہ امامت سنبھالے۔ عقلی حیثیت یہ ہے کہ بنانے والا، بنائے جانے والے سے افضل و برتر ہوتا ہے۔ جھک کر سلام کرنے والا مفضل ہوتا ہے۔ حسین کی ماں کو جب رسول اللہ تعظیم و سلام پیش کرتے تھے تو تمام انبیاء اور ملانکہ سلام کرتے تھے۔ اگلے عنوان میں ہم قرآن سے اس ذریت کی افضلیت ثابت کر کے مشرکین کے منہ میں تالا ڈال دیں گے۔ انشاء اللہ والا امام علیہ السلام۔

(3)۔ آئیے ذریت طاہرہ کی افضلیت پر نظر ڈالیں

حقیقت اس قدر ہے کہ ایک نور سے پیدا ہونے والے حضرات سب مرتبہ میں برابر ہیں۔ چونکہ ابلیسی نظام کے سب سے بڑے حربوں میں ایک حربہ طبقہ و اربیت کو مٹانے کا حربہ ہے اور یہ حربہ روزانہ جہلا اور تہی مایہ لوگوں میں مقبول ہوتا اور ترقی کرتا چلا آ رہا ہے۔ اور آج اس زمانہ میں سوشلزم کے اونچے نعروں میں شمار ہے۔ اور یہی حربہ انبیاء کے خلاف سب سے زیادہ کارگر ہوتا اور لوگوں کو گمراہ کرتا رہا ہے۔ لہذا تعلیمات انبیاء میں اُس حربے کو بے اثر بنانے کیلئے بہت سی ایسی باتیں بیان ہوئی ہیں جو انتظامی حیثیت رکھتی ہیں اور جن کی حقیقت ایمان کے کئی مدارج سے گزر جانے اور بہت سے دینی فوائد و نتائج کے برآمد ہونے کے بعد سمجھ میں آتی ہیں۔ اور جب سمجھ میں آجاتی ہیں تو پھر مومن کو اپنی ابتدائی پوزیشن پر ہنسی آتی ہے۔ لہذا اسلامی احکام میں ایسی ہزاروں باتیں بھری پڑی ہیں جن کا ظاہر کچھ اور ہے اور باطن کچھ اور ہے اور یہ خدائی تعلیم ہونے کی بنا پر اپنے ظاہر میں بھی حق و صحیح ہیں اور باطن میں بھی حق و صحیح ہیں۔ لیکن جو شخص محض

ظاہر کو اختیار کر کے باطن کا انکار کرے یا باطن کا اقرار کر کے ظاہر کا انکار کر دے وہ اسلامی حقائق کا منکر اور اسلام سے خارج ہے۔ لہذا یہ بات سمجھ کر آگے بڑھیں کہ بعض باتیں صرف ابلیس کا راستہ روکنے کیلئے کہی گئی ہیں۔ مثلاً تمام کتب حدیث میں یہ حقیقت ثابت ہے کہ رسول اللہ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تیری قوم دوبارہ گمراہ ہو جائیگی تو میں کعبہ کو مسما کر کے دوبارہ اُن بنیادوں پر تعمیر کرتا جن پر حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا۔ یعنی ابلیس کا نظام فوراً رسول اللہ پر فتویٰ لگا دیتا کہ یہ نبی نہیں ہو سکتا۔ یہ تو خدا کے گھر کو ڈھائے دے رہا ہے۔ ان چیزوں کو سامنے رکھئے اور ایک لطیفہ سنئے! کسی بڑھیا کے بیٹوں کو قتل کے مقدمہ میں ماخوذ کر لیا گیا۔ تحقیقات کے بعد جج کو معلوم ہوا کہ محض شک کی بنا پر انہیں گرفتار کیا گیا تھا۔ لہذا جج نے فیصلہ کی تاریخ کا اعلان کر دیا۔ بڑھیا ماں گرتی پڑتی فیصلہ سننے کیلئے عدالت میں کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔ پولیس اور تمام ملزمان حاضر تھے۔ ذرا دیر بعد جج صاحب نے اجلاس فرمایا۔ اصل مجرموں کو سزائے موت سنائی گئی اور بڑھیا کے بیٹوں کو بری کر کے رہا کر دیا۔ بڑھیا کی سمجھ میں جب اصل معاملہ آگیا تو اُس نے چلا کر کہا کہ ”میری دعا ہے کہ جج صاحب اللہ تجھے جلدی سے پٹواری بنادے“ جج صاحب بڑھیا کی سادگی اور خلوص پر مسکرائے، سارا مجمع قہقہے لگا رہا تھا اور آپ بھی مسکرا رہے ہیں۔ آپ کے نزدیک ہنسی کی بات یہی ہے نا؟ کہ بڑھیا بے چاری کو پٹواری ہی سب سے بڑے عہدے کا آدمی معلوم تھا اور جج کو پٹواری بنانے کی دُعا دراصل بظاہر اُسے ذلیل و خوار کر کے ایک بدترین تنزل سے دوچار کرنے کی بددعا ہے لیکن باطن بڑھیا یہ چاہتی ہے کہ جج کا عہدہ اور بڑھے کہ وہ زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچا سکے۔ بڑھیا کی نادانی، سادگی اور خلوص نے ظاہر کو ناگوار نہیں رہنے دیا۔ اب ذرا سنجیدہ ہو جائیے اسلئے کہ اب اللہ، قرآن اور انبیاء و رسل علیہم السلام کی ایسی ہی باتیں سامنے آئیں گی جو بظاہر نظر بڑھیا کی بات یا دعا کی طرح مضحکہ خیز مگر باطن حقیقت ساز اور فضیلت انگیز ہوگی۔

(4)۔ نبوت، رسالت اور حُکمت کے بعد امامت کا دیا جانا کیا معنی؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی بھی تھے رسول بھی تھے اور خلیل بھی تھے اور ساتھ ہی کم از کم دونوں دور رسولوں کے والد بھی تھے۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ چونکہ تم آزمائش میں کامیاب ہو گئے ہو اس لئے ”اب میں تمہیں تمام انسانوں کا امام بناتا ہوں“ (بقرہ 2/124)۔ قارئین اب آپ کیوں نہیں مسکراتے؟ یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ نبوت و رسالت و حُکمت ملنے کے وقت ابراہیمؑ نے اپنی ذریت کو اُن میں سے عہدے کے دئے جانے کی درخواست نہیں کی۔ مگر امامت ملتے ہی آپ نے پھٹ سے سوال کر لیا اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ اللہ نے پہلے امامت اور امام کو ایک عہد قرار دیا۔ پھر اس عہد سے ہر ظالم کی نفی کر کے عصمت کی شرط کے ساتھ ذریت ابراہیمؑ میں عہدہ امامت جاری کر دیا۔ یہاں خود بخود یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ تعلیمات خداوندی کو نوع انسان میں نافذ کرنے کے لئے نبوت و خلافت و رسالت کے بعد امامت کا درجہ آتا ہے۔ اب ناظرین چاہیں تو درجہ امامت کو سب سے اعلیٰ و افضل عہد سمجھ لیں یا بڑھیا والا لطیفہ سمجھ کر مسکرائیں اور نظر انداز کر دیں۔ مگر ہم نہایت اطمینان کے ساتھ امامت کو خلاف و نبوت و رسالت سے افضل سمجھتے ہیں۔ ذرا دیر بعد اس کی دوسری مثالیں سامنے آئیں گی۔

(5)۔ یہ نظام اجتہاد کے تصورات ہیں جو دل میں بیٹھ کر قرآن کو مضحکہ خیز بنا دیتے ہیں

ذرا دیر بعد ہم امامت کی طرف پھر آئیں گے۔ ذرا پہلے فاجرانہ اور مجتہدانہ تصورات کے ماتحت امامت سے بھی گھٹیا بلکہ ایک ادنیٰ ترین ٹھہرائی چیز کا مقام پہلے دیکھ لیں۔ اور خود ایک ایسے زندہ اور زبردست مجتہد کے قلم سے دیکھ لیں جو اس زمانہ کا معنوی تحریف کرنے میں سب سے کامل شخص ہے۔ اور جو مفاہیم قرآن کو الٹ پلٹ کرنے میں تاویل و توجیہ اور بریکٹ بے دریغ استعمال کرتا ہے۔ اُس کا بریکٹ سے شروع ہونے والا ترجمہ ملاحظہ ہو:-

”(اس کے بعد ابراہیمؑ نے دُعا کی) اے میرے رب مجھے حکم عطا کر اور مجھ کو صالحوں کے ساتھ ملا۔ اور بعد کے آنے والوں

میں مجھ کو سچی ناموری عطا کر۔ اور مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں شامل فرما۔“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 503-505)

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّالْحَقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ۝ وَاَجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِيْنَ۝

وَاَجْعَلْنِیْ مِنْ وَرَثَةِ حَنَّةَ النَّعِيْمِ۝۱ (سورة الشعراء-85-83/26)

اس تحریف شدہ ترجمہ میں بھی یہ حقیقت موجود ہے کہ جناب ابراہیمؑ ایک نبی ہو کر تین چیزیں مانگ رہے ہیں۔ اوّل حکم، دوم صالحین کے ساتھ الحاق، سوم جنت کے وارثوں میں شمولیت۔ اس ترجمہ میں ایک چیز اور بھی ہے جس کے تصور سے علامہ مودودی اعلیٰ اللہ مقامہ بہت گھبراتے ہیں۔ اس لئے علامہ حضور نے قرآن کے الفاظ ہی کو نہیں بلکہ عربی زبان کے تمام قواعد اور ڈکشنری کو نظر انداز کر کے ابلیسی الہام کے ذریعہ سے خود ساختہ معنی کر دئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ:-

وَاَجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِيْنَ۝ (سورة الشعراء-84/26)

ترجمہ رفیع الدین: ”اور کرو اسطے میرے زبان راستی کی بچ پچھلوں کے۔“ (مترجم قرآن)

ترجمہ علامہ مودودی صاحب: ”اور بعد کے آنے والوں میں مجھ کو سچی ناموری عطا کر۔“

بتائیے علامہ کے ترجمہ کا قرآن کے الفاظ سے کیا تعلق ہے؟ اس لئے ہم نے لکھا کہ اس زمانہ میں مودودی سے بڑھ کر قرآن کی غلط ترجمانی کرنے والا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ لہذا قرآن کے الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ:-

اے اللہ آخری زمانہ میں میرے لئے ایک ایسی زبان بنا دے جو حق گوئی اور صداقت کے لئے مُسَلِّم حیثیت رکھے۔ یعنی جو کہ وہ سچ ہو حق ہو۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ رسول اللہ کے مبعوث ہونے کی دعا تو کر چکے تھے۔ اس دعا میں کوئی اور فرد ہے جس کے پیدا کرنے کی دعا ہو رہی ہے۔ اور قرآن مجید کی رو سے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ سورہ مریم میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا قبول کر لینا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ بھی عطا کئے اور ہم نے اُن دونوں کو بھی نبی بنایا اور اُن سب کو ہم نے اپنی رحمت میں سے حصہ دیا اور ہم نے اُن سب کے لئے علی کو سچائی کی زبان بنادیا۔“

..... وَهَبْنَا لَهُ اسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا۝ وَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۝

(سورہ مریم-50-49/19)

یہ تھا وہ نام جس سے ابلیس اور اس کا شاگرد لاحول کی طرح دور دور رہتا ہے۔ بہر حال جو چیزیں سابقہ آیات میں طلب کی گئی تھیں لازم ہے کہ وہ دُعا کے وقت حضرت ابراہیمؑ کو حاصل نہ ہوں۔ اسلئے کہ دُعا اُسی حالت میں کی جاتی ہے جب ہمیں کوئی چیز درکار ہو اور اس کے بغیر ہمارا کوئی کام یا مقصد نامکمل رہتا ہو۔ لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ اگر یہ دعا بڑھیا والا لطیفہ نہیں ہے تو جناب ابراہیم علیہ السلام نہ تو اُس وقت تک صاحب حکومت یا بادشاہ ہیں اور نہ صالحین میں داخل ہیں نہ وہ ان لوگوں میں شامل ہیں جو خدا کی طرف سے ورثہ دارانِ جنت ہیں۔ چوتھی درخواست تو ظاہر ہے کہ آخری نبوت و رسالت و امامت والے لوگوں سے متعلق ہے جو دُعا کے دن کے تین ہزار سال بعد قائم ہونے والی ہے۔ لہذا تین ہی باتیں قابل غور و فہم ہیں۔ پہلی چیز ”حکومت“ ہے اور حکومت بھی اپنی ظاہری صورت میں درکار ہے۔ ورنہ ہر نبی اور رسول و امام دینی حیثیت سے دینداروں پر حاکم ہوتا ہی ہے۔ لہذا یہ ظاہری حکومت وہی ہے جو نبات بن اسماعیل علیہم السلام سے شروع ہو کر قیامت تک جاری رہنے کی صورت میں ظاہر ہونے والی تھی۔ اس کے بعد دو چیزیں رہ جاتی ہیں۔ یقیناً ہر نبی، رسول اور امام خود صالح ہوتا ہے اور دوسروں کو صالح بن جانے کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اُس طرح پوری پوری اتباع کرنے والے انسان صالحین ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا حضرت ابراہیمؑ اس دُعا میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرے مشن کو پھیلا دے، لوگوں کو صالحین بنا دے اور پھر مجھے اُن صالحین سے ملحق کر دے یا ملا دے؟ یہ وہم اس لئے غلط ہے کہ اُن کے ساتھ اُن کی اتباع کرنے والے دو نبی موجود تھے۔ یعنی حضرات اسماعیل اور لوط علیہما السلام اور دو عدد بیویاں اُن کی متبع اور صالح تھیں۔ لہذا لفظ صالحین کا پیٹ بھرنے کے لئے تین صالح آدمیوں کی موجودگی درکار تھی۔ اور یہاں چار صالح افراد کم از کم موجود ہیں اور حضرت ابراہیمؑ سے ملحق بھی ہیں۔ لیکن اسکے بعد بھی آپ کا دعا مانگنا بتاتا ہے کہ جن صالحین میں شامل ہو جانے کی دعا کی جارہی ہے وہ صالحین کوئی مخصوص اور انتہائی محترم و افضل ترین گروہ ہے اور اس گروہ کا صالح بننا اُس طریقے سے مختلف اور مکمل ہے۔ جس طریقے سے عموماً اسلام لانے والے افراد یا دیگر انبیاء و رسل اور امام صالح بنتے ہیں اور یہ بھی معلوم اور قرآن سے ثابت ہے کہ تمام ایمان لانے والے عالم صالح افراد جنت میں جانے کی وجہ سے جنت کے اسی طرح وارث کہلائے گئے ہیں جس طرح تمام صالح اعمال کرنے والے لوگوں کو صالحین کہا جاتا رہا ہے۔ مگر جن معنوں میں مذکورہ صالحین کا گروہ صالح اور ورثہ دار جنت ہے کوئی اور شخص، خواہ نبی ہو، رسول ہو یا امام ہو، نہ صالح ہے اور نہ وارث جنت ہے۔ اس صورتِ حال میں یہ ماننا پڑیگا کہ اُس گروہ کی صالحیت ازلی ہے، حقیقی و ابدی ہے، وہ صالحیتِ مطلقہ ہے۔ یعنی ایک لمحہ بھی اس گروہ پر ایسا نہیں گزرنے دیا گیا کہ وہ صالح نہ رہا ہو۔ اور یہ بات اس بات کو سمجھنے والوں کیلئے نہ مشکل ہے نہ پیچیدہ ہے کہ جن ذواتِ مقدسہ کو اللہ نے اپنے مخصوص نور سے پیدا کیا ہو اُن میں کسی قسم کی ظلمت کا امکان کیسے ہو سکتا ہے؟ یہی وہ لوگ ہیں جو خلافت و نبوت و رسالت و امامت و بادشاہت و حکومت و صلاحیت و صالحیت و رحمت و نعمت و برکت کے مالک ہیں۔ اور خدا کا وہ ذریعہ ہیں جن سے اللہ اپنی مخلوقات کو نوازتا ہے اور یہ بیان قرآن و احادیث معصومین علیہم السلام سے بوضاحت ثابت ہے۔ تمام مخلوقات اس گروہ کیلئے پیدا کی گئیں۔ تمام انبیاء کی نبوتیں رسالتیں اور امامتیں اسی گروہ کے تعارف کیلئے ظہور پذیر ہوئیں۔ اور ہم اس کتاب میں اب تک مختلف انداز میں اُن ہی حضرات کا تعارف کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور یہی حضرات ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام کے مُربی ہیں۔ لفظ افضل کہنے سے بات ادھوری رہتی

ہے یہ کہنے کہ:۔ بعد از خدا بزرگ تو می قصہ مختصر

(6)۔ مجتہدین نے مسلمانوں کا زاویہ نظر بدل کر رکھ دیا ہے

قارئین کو جہاں بھی قرآن کی کوئی بات عجیب معلوم ہوتی ہے یا گراں گزرتی ہے اس کی وجہ تصورات ہیں جو شیعہ اور سنی لیبل کے مجتہدین نے صدیوں سے پھیلانے، گھر گھر پہنچانے اور دلوں میں بسائے۔ جتنی حکومتیں نظام اجتہاد کے ماتحت قائم ہوئیں، اُن سب نے اپنے تمام وسائل اور طاقت قرآن کے خلاف مگر اسلام و قرآن کے نام پر صرف کیں۔ بچے پیدا ہوئے مجتہدانہ تصورات کے دامن میں پلے، اُن ہی کی درس گاہوں میں پڑھے اور جوان ہوئے۔ نسلوں کے بعد ہر نسل ورثہ میں یہی سامان پاتی چلی آئی۔ خرد کا نام جنوں ہو گیا، بے دینی دین بن گئی۔ ایک یا دو الفاظ کے اضافہ سے حرام کو حلال کر لیا گیا۔ مثلاً ثقافت کہہ کر کیا کیا حلال ہے؟ سوچیں! حقیقی و مجازی کے پیچھے کتنے حقائق چھپا دئے گئے؟ ظلی و بروزی کی بجواس نے باطل کے کتنے انبار لگائے۔ اصطلاحی کافر یہاں کچھ اور ہوتا ہے اور کافر کچھ اور چیز کہلاتی ہے۔ بہر حال ہم نے اس تمام انبار کو چھان ڈالا ہے۔ ہر روز ایک کثیر تعداد حقیقت پسندوں میں شمار ہونے کو تیار ہو جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے وہ معنی اختیار کرو جو اسکے مصدر کیلئے پہلے سے مقرر ہیں اور جن سے کسی عربی دان کو اختلاف نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ عربی کے ہر لفظ کے ایک ہی معنی ہیں۔ ہر دوسرے مفہوم و معنی کیلئے ایک ایک مستقل لفظ مقرر ہے۔ ہمارا تقاضہ یہ ہے کہ قرآن کے ایک ہی لفظ کو زبردستی کئی معنی میں اور قرآن کے کئی کئی الفاظ کو زبردستی ایک ہی معنی میں استعمال کرنا حرام ہے۔ ہر لفظ کے صرف وہ ایک معنی کرو جو مصدری معنی ہیں۔ لیکن اُنکے نظام اجتہاد کو دو قسم بھی چلنا نصیب نہ ہوا ہوتا اگر انہوں نے قرآن کے الفاظ کو اُنکے مستقل معنی میں قائم رکھا ہوتا۔ یہ سبب ہے کہ آج ایک ہی قرآن سے سینکڑوں فرقے سہارا لیکر جاری ہو گئے۔ جس کا جودل چاہتا ہے قرآن کے الفاظ کے معنی بدل کر جائز و ناجائز، حلال و حرام کر لیتا ہے۔ اسی قرآن سے آنحضرت کے بعد نبوت کا ختم ہو جانا ثابت کیا جاتا ہے اور اسی قرآن سے بابی و بہائی اور احمدی حضرات نبوت و رسالت کے جاری رہنے پر دن رات کتابیں لکھتے اور ایک دوسرے کو چیلنج کرتے رہے ہیں۔ لیکن ہمیں کوئی چیلنج نہیں کرتا۔ چیلنج تو چیلنج ہے، کوئی کسی بات پر اعتراض و جواب کیلئے قلم نہیں اُٹھاتا۔ بلکہ ہم خط لکھتے ہیں، رجسٹری بھیجتے ہیں جواب کیلئے ٹکٹ بھیجتے ہیں تب بھی جواب نہیں دیا جاتا اور ہمارے بھیجے ہوئے ٹکٹ بھی شیر مادر کی طرح ہضم کر لئے جاتے ہیں۔ پرویز صاحب ہماری کتاب ”مواخذہ“ حصہ اول ”قرآن اور پرویز“ پر تبصرہ کرنے کا وعدہ کر کے بھی تبصرہ نہ کر سکے۔ مودودی صاحب کا یہی حال ہوا۔ احمدی جماعت بھی ہمارے مضامین اور خطوط پر خاموشی میں اپنی نجات سمجھتی رہی ہے۔ یہ صرف اسلئے کہ ہم قرآن کے الفاظ کے معنی بحال رکھ کر بات کرنا چاہتے ہیں اور وہاں سارا کاروبار قرآن کو بدل بدل کر پیش کرنے سے چلتا ہے۔ ویسے اُن کی گاڑی اسٹارٹ (START) ہی نہیں ہوتی۔ چنانچہ عرصہ دو تین ماہ سے طلوع اسلام پرویز اور معارف الاسلام کے درمیان بحث جاری ہے اور دونوں طرف سے نظام اجتہاد کے بتائے ہوئے فرضی دلائل جاری ہیں۔ مگر دونوں ہم سے بات نہیں کرتے کہ کہیں سارا گھر وندہ زمین پر نہ آرہے۔ معارف الاسلام، مذہب شیعہ کے بنیادی عقائد کے خلاف لکھتا جاتا ہے اور پرویز نہایت ہی چابکدستی سے اسے دانہ ڈال ڈال کر جال کی طرف بڑھاتے جا رہے ہیں۔ مگر دونوں طرف جو کچھ ہو رہا ہے وہ قرآن و حدیث کا انکار ہے، معنوی تحریف ہے اور برسوں

کے عیاشی پسند دماغ بہت خوش ہیں کہ دین کی خدمت ہو رہی ہے۔ لیکن مسلمانوں کا لکھا پڑھا اور روشن خیال طبقہ اور دانشورانِ قوم اُن کی اس دینی خدمت کو بکواس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے۔ یہی وہ صدیوں پرانی بکواس ہے جس نے غیر مسلموں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً مذہب سے متنفر کر کے اس میدان سے بھاگ کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اب ناول اور ریڈر ڈائجسٹ کو اسلامی کتابوں سے زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ لیکن اس رجحان کے برعکس ہماری مذہبی تصنیفات اور مضامین ہر طبقہ کے نوجوان اور بوڑھے نہایت شوق سے پڑھتے ہیں۔ اور اُنکا یہی شوق اور تقاضہ ہے جس کی وجہ سے ہم نے اپنے نظام تبلیغ سے باہر بھی اپنے چند مضامین اور کتابیں شائع ہونے کیلئے دے دی ہیں۔ ورنہ ہم تو تمام علما سے الگ رہ کر اپنے نظام تحریک تشیع سے باہر کوئی چیز نہ جانے دیتے تھے۔ ہم نے جس چیز پر پورا زور دیا ہے وہ نظام اجتہاد کی پول کھولنا ہے اور اُنکے بگاڑے ہوئے زوایائے نظر کو درست کر کے پوری آزادی فکر کے ساتھ مذہبی تعلیم کے ہر پہلو کو بیباک تنقید کیلئے پیش کر دینا ہے۔ تاکہ قومی و مذہبی تقدس کو بالائے طاق رکھ کر جو سو فیصد صحیح ہو اُسے اختیار کیا جائے اور ہر اُس غلط بات کو ٹھکرا دیا جائے جو صرف مصنوعی تقدس کے دباؤ سے تسلیم کی جا رہی ہو۔

(7)۔ نبوت و رسالت کے بعد صالحین میں شرکت کا اعزاز کن کو دیا گیا ہے

سارا قرآن دیکھ جائیں آپ کو ہر نبی یہ تمنا کرتا ملے گا کہ اُسے اُمتِ مسلمہ اور ذریتِ طاہرہ کے صالحین اور مومنین میں شامل کیا جائے۔ اور جگہ جگہ آپ یہ دیکھیں گے کہ اللہ اپنے انبیاء اور رسل کو اس ذریت میں شامل کئے جانے کی خوشخبریاں دیتا جا رہا ہے جو ہر نیکی کا معیار ہے جو ہر رسول اور ہر نبی کیلئے ایک ازلی وابدی نمونہ ہے۔ اور یہ وہی فطری صورتِ حال ہے کہ ہر بچہ اپنے ماں باپ اور ماحول کے معیار پر پورا اُترنا چاہتا ہے۔ بلکہ اُن سب سے آگے بڑھ جانے اور بلند تر ہو جانے کی تمنا کرتا ہے۔ اور روزمرہ تجربہ ہوتا ہے کہ آنے والے لوگ اپنے پہلے والوں سے درجات میں بڑھتے جاتے ہیں۔ مگر انبیاء اور رسل کا معاملہ اس سے اتنا مختلف ہے کہ یہ حضرات مذکورہ صالح گروہ اور اُس ذریتِ طاہرہ سے بڑھ جانے کی دعا اور تمنا نہیں کرتے بلکہ صرف اُنکے معیار پر پورا اُترنے اور اُن میں شریک کر لئے جانے کی دعا کرتے ہیں۔ اسلئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ نے اُس مخصوص گروہ کو اپنی قدرت کے انتہائی ظہور کا ذریعہ بنایا ہے، انہیں پوری کائنات کی ارتقائی ترقی کا منتہا مقرر کیا ہے۔ اُنکے مقام بلند سے بلند تر اور کوئی مقام ہی نہیں ہے، اُنکی پسند اور معیار تک جا پہنچنا وہ امکانی ترقی ہے جو کوئی انسان کر سکتا ہے۔

(i)۔ انبیاء و رسل کا وہ گروہ جسے صالحین میں شامل ہونے کی اطلاع دی گئی

جن آیات کا ہم نمبر لکھیں گے اُن کی تفصیل قرآن کریم سے آپ خود ملاحظہ فرمائیں تاکہ ہمارے مختصر بیان کی تصدیق ہوتی چلی جائے اور آپ کو قرآن پڑھنے کا ثواب بھی ہو۔ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى وَإِلْيَاسَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيُونُسَ وَلُوطًا كُلًّا فضلنا على العالمين ۝ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ اتَّيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَيَسُوْنَ بِهَا

بِكْفَرَيْنِ ۝ اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰى اللّٰهُ فِیْهِدٰهُمْ اَقْتَدِهٖ - (6/84-90)

ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاق اور یعقوبؑ عطا کئے اور سب کو ہدایت کی اور نوحؑ کو اُن سے پہلے ہدایت کر چکے تھے اور اُسی کی ذریت میں سے داؤدؑ اور سلیمانؑ و ایوبؑ و یوسفؑ و موسیٰؑ اور ہارونؑ اور زکریاؑ و یحییٰؑ والیاسؑ یہ سب کے سب صالحین میں شمار ہیں۔ اور ہم احسان کرنے والوں کو اُن ہی کی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔ پھر اسماعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ و لوطؑ بھی صالحین میں سے تھے اور ان تمام انبیاءؑ کو ہم نے ساری کائنات پر فضیلت دی ہے اور اُن انبیاء کے باپ دادوں اور اُن کے بھائیوں اور اُن کی ذریت میں سے ہم نے مجتبیٰ بنائے اور انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت کی۔ یہ وہ ذخیرہ ہدایت ہیں کہ جس طرف ہم جسے چاہتے ہیں ہدایت سے نواز دیتے ہیں۔ یہ انبیاء اور اُن کے آباؤ اجداد اور بھائی بند اور ذریت ہی تو وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے اپنی تعلیمات کی کتابیں اور حکومتیں اور نبوتیں دی ہیں۔ اب اگر یہ مکہ کے لوگ اُن کی کتابوں، نبوتوں اور حکومتوں سے کفر کرتے ہیں تو کیا پرواہ ہے۔ یقیناً ہم ان کافروں پر ایک ایسی قوم کو وکیل بنانے والے ہیں جو اُن کتابوں، نبوتوں اور حکومتوں کا ہرگز کفر کرنے والی نہیں ہے۔ چنانچہ اے (محمدؐ) نبیؐ مذکورہ گروہ انبیاء اور اُن کے بھائی بند اور آباؤ اجداد اور اُن کی ذریت ہی وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ہدایت یافتہ تھے۔ چنانچہ تم بھی اُن ہی لوگوں کی ہدایت کی اقتدا اور پیروی کرو۔“

یہ ہے وہ گروہ انبیاء علیہم السلام جن کو مذکورہ صالحین میں شرکت کا اعزاز ملا۔ اور یہی ہے وہ ذریت طاہرہ جس کی راہنمائی مستقل اور پسندیدہ خداوندی ہے۔ اور جس کی اقتدا اور پیروی کا ہر رسولؐ کو حکم ہوا اور خود آنحضرتؐ بھی نبوت و رسالت دینے والوں کی اقتدا اور پیروی پر مامور ہوئے ہیں۔ اور آپؐ نے از اول تا آخر مقاصد خداوندی کو پورا کیا ہے۔

(ii)۔ نبوت کے بعد صالحین میں شمار ہونے کی عزت ملنے کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ جنابِ تحیٰ کو تمام بزرگی و سرداری و نبوت کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ اے زکریاؑ اللہ تجھے ایک ایسے فرزند تحیٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرے گا۔

وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّٰلِحِيْنَ - سردار اور ضابط النفس اور صالحین میں سے ایک نبیؑ ہوگا۔ (آل عمران 3/39)

(iii)۔ حضرت مریمؑ کو یہ بشارت دی گئی کہ اے مریمؑ اللہ تمہیں اپنے ایک خاص کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیحؑ ہوگا۔ جو دنیا اور

آخرت میں نہایت وجیہ اور اللہ کا بہت مقرب ہوگا۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا مِّنَ الصَّٰلِحِيْنَ ۝ اور لوگوں سے گہوارہ میں اور جوانی میں باتیں کرے گا اور صالحین میں شریک ہوگا۔ (آل عمران 3/46)

(iv)۔ انبیاء کو امام بنایا اور صالحین میں شریک کیا۔ حضرت ابراہیمؑ اور لوطؑ کے تذکرہ میں پھر حضرت اسحاقؑ اور یعقوبؑ کی بات ہوئی اور فرمایا کہ: وَوَهَبْنَا لَهُ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اٰثِمَةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ۝ اَوْحَيْنَا

إِلَيْهِمْ فَعَلُوا الْخَيْرَاتِ وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُ مِّنَ الصَّٰلِحِيْنَ ۝ (انبیاء- 75-21/72)

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاق اور یعقوبؑ ہبہ کئے اور ان کو امام بنایا۔ اور صالحین میں داخل کیا۔ پھر حضرت لوطؑ کو محفوظ رکھنے کا تذکرہ کر کے کہا کہ ہم نے اسے اپنی رحمت میں داخل اور صالحین کے ساتھ شمار کیا۔

(v)۔ حضرت ادريسؑ اور ذوالکفلؑ کو بھی صالحین میں شامل کیا تھا۔ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيسَ وَ ذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّٰبِرِيْنَ ۝

وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِنَ الصَّالِحِينَ (انبیاء 86-85/21)

اور اسماعیلؑ وادریسؑ اور ذوالکفلؑ سب صابر تھے۔ اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت میں اور صالحینؑ میں داخل کر لیا تھا۔

(vi)۔ حضرت ابراہیمؑ نے صالحینؑ کا تیار کردہ بیٹا مانگا تھا۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ فَبَشِّرْنَاهُ بِعِلْمٍ ۝

”اے میرے پالنے والے مجھے صالحینؑ میں ایک بیٹا عطا کر چنانچہ ہم نے ابراہیمؑ کو ایک بڑے نرم رو بچہ کی خوش خبری سنائی تھی“ (صافات 101-100/37)۔ یہاں بھی صالحینؑ کا وجود موجود ثابت ہوتا ہے۔ اور نبیوںؑ کا اُن ہی میں سے تقرر ہونا اور اُن ہی میں شرکت کرنے کی عزت پانا ثابت ہوتا چلا آ رہا ہے۔

(vii)۔ حضرت ابراہیمؑ کو بھی مومنین کے گروہ میں سے ایک نئی بتایا گیا۔ اور اُن کو حضرت اسحاقؑ بھی صالحینؑ ہی کے گروہ میں سے دئے

گئے تھے۔ سَلَّمَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَبَشِّرْنَاهُ بِاسْحٰقَ نَبِيًّا ۝ الصَّالِحِينَ ۝ ابراہیمؑ پر ہمارا سلام ہو۔ وہ بھی ہمارے مومن گروہ میں سے تھا۔ یوں ہی ہم احسان پیشہ لوگوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ کہ ہم نے ابراہیمؑ کو بشارت دی کہ تمہیں صالحینؑ میں سے ایک اسحقؑ بطور نبیؑ دیں گے۔ (37/109-112)

(viii)۔ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ بھی اُسی ازلی مومن گروہ سے تھے۔ وَلَقَدْ مَنَّا عَلٰی مُوسٰی وَهٰرُونَ ۝ اِنَّهٗمَا مِنْ

عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ یقیناً ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر ممت پوری کرنے کا احسان کیا..... بلاشبہ وہ دونوں بھی ہمارے

مومن گروہ ہی میں سے تھے۔ (سورہ صافات آیت 114 سے 122 تک پڑھیں۔)

(ix)۔ الیاسینؑ بھی مومن بندوں میں سے تھے۔ (سورہ صافات 132-130/37)

قارئین یہاں رک جائیں اور سوچیں کہ خالق کائنات کیلئے لازم تھا یا نہیں؟ کہ ایک ایسا معیاری گروہ تیار رکھے جسے تمام جن و ملک اور تمام انبیاء علیہم السلام کیلئے بطور معیار سامنے رکھا جائے۔ مادہ پرستوں یا نظام اجتہاد کے نمائندوں کا یہ تصور کہ کائنات میں انسان کو بھی گھاس پھوس اور جمادات و نباتات کی طرح اور اُن ہی میں سے پیدا کر دیا تھا۔ اور انسانوں کی کئی ابتدائی نسلیں حیوانوں کی طرح، جنگلی جانوروں کی مانند، نہ بولنا جانتی تھیں نہ حواس خمسہ اور عقل و وجدان رکھتی تھیں۔ رفتہ رفتہ انہیں اتفاقاتِ زمانہ اور تجربات سے یہ چیزیں حاصل ہوئیں۔ قرآن کریم کی رو سے نہایت غلط، عقل و تجربہ کے خلاف اور بدیہات کا کھلا انکار ہے۔ مذہب اور قرآن کا تصور یہ ہے کہ سب سے پہلا انسان اتنا بڑا عالم بنا کر وجود میں لایا گیا کہ اُسے کائنات کی ہر شے کا پورا تعارف حاصل تھا۔ پھر اُسے کچھ عالی مرتبت بزرگوں سے متعارف کرایا گیا۔ جنت کو بطور نمونہ پیش کیا گیا تاکہ وہ خود اعلیٰ مرتبہ تک جائے اور دنیا کو رشکِ جنت بنانے میں کوشاں ہو۔ اس کے لئے داخلی و خارجی ایسا انتظام کیا گیا کہ وہ ترقی کی ہر منزل کے لئے اپنے روبرو بلند ترین نمونہ و ہدایت موجود پائے۔ اور آنے والوں کے لئے خود بھی ضروری سامان کا اضافہ کرے تاکہ اُس کا ہر جانشین بلند تر اور افضل تر ہوتا چلا جائے۔ چنانچہ جو حضرات تمام انبیاء کی محنتوں کا مادی نتیجہ تھے، جن کو اللہ نے روز ازل سے اپنی قدرتوں کا نمونہ بنایا تھا، وہی پچھلے عنوانات میں آپ کے سامنے لائے گئے ہیں۔

8۔ نورانی تخلیق و تعلیم کے بعد انبیاء کے ساتھ ساتھ خانوادہ حسین علیہ السلام کا سفر حیات

کروڑوں، اربوں یعنی لامحدود زمانہ تک وہ نورانی اجسام اللہ کے زیر تربیت رہنے اور نورانی تکمیل کے بعد حضرت آدمؑ کے اندر و باہر اس طرح آراستہ کئے گئے کہ حضرت آدمؑ کی نورانی راہنمائی کرتے ہوئے ہر نبی کے ساتھ چلیں اور از آدمؑ تا عبدالمطلبؑ تمام مادی و محسوس علوم و تجارب حاصل کریں۔ تاکہ جب اُن کا اپنا مادی و محسوس ظہور ہو تو وہ تمام محسوس و غیر محسوس اور نوری و مادی علوم و تجربات کا مجسمہ بن چکیں۔ تمام کتبہائے خداوندی کے عالم و حامل و حافظ و قاری ہوں۔ اور سینوں اور قلوب و اذہان میں لبریز قرآن کریم حسب موقعہ زبان پر جاری ہو۔ چنانچہ حضرت آدمؑ سے خاتم تک یہ بلا انقطاع قرآن کے معجز نمایان میں یوں ریکارڈ کیا گیا ہے کہ یہ ایک ہی خانوادہ نبوت و رسالت و امامت ہے۔

(i)۔ شجرہ طیبہ کا قرآنی تسلسل اور تحفظ اور ایک خاندان ہونا

اللہ نے فرمایا کہ: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّالْ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلٰى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کو اور آل ابراہیمؑ و آل عمرانؑ کو پوری کائنات کیلئے منتخب و ممتاز حیثیت دی۔ یہ سب ایک سلسلے کے حضرات تھے جو ایک دوسرے کی ذریت تھے اور اللہ نے اس سلسلے میں اپنی سماعت اور علم کا پورا پورا مظاہرہ کیا تھا۔ (آل عمران 33-34)

(ii)۔ یہ ذریت آدمؑ سے لے کر برابر انعامات پاتی اور آیات اللہ پر چمکتی چلی آئی ہے

اَوَلَيْكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٰنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَاسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تَنٰتَلٰى عَلَيْهِمُ الْرُحْمٰنُ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبَكِيًّا (مریم 19/58)

مندرجہ بالا وہی حضرات ہیں جن پر اللہ نے پے در پے انعامات کئے۔ جو ذریت آدمؑ کے انبیاء ہیں اور وہ ذریت مستقلہ ہے جس کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ اور جو آگے چل کر ابراہیمؑ و اسرائیلؑ کی ذریت کہلائی۔ اور جن کی ہم نے مسلسل ہدایت کاری کی اور جنہیں ہم نے انتخاب در انتخاب ایسا بنا دیا کہ وہ رحمن کی تمام آیات و معجزات کو جانتے ہیں اور اسی طرح جب ان کے روبرو آیات کی تلاوت ہوتی ہے تو وہ فوراً روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

قارئین یہ دیکھیں کہ نہ کسی عمر کی قید و شرط ہے نہ کسی عہدے اور منصب کا بیان ہے۔ اور چونکہ یہاں اللہ تعالیٰ اُس خانوادہ کی مدح و ثناء فرما رہا ہے۔ اسلئے لازم ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ اُس خاندان کا ہر فرد ہر سن و سال میں تمام آیات خداوندی کو سمجھتا اور متاثر ہوتا تھا اور سجدے بجالاتا تھا۔ اور یہی ہمارا احادیث کا ریکارڈ کہتا ہے کہ آل محمدؐ کا ہر بچہ پیدا ہوتے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح گہوارہ ہی میں تلاوت قرآن و توریت و انجیل کیا کرتا تھا۔ ورنہ اللہ نے قرآن میں اُن لوگوں کی مذمت کی ہے جو بلا سمجھے آیات سن کر سجدہ میں گر جائیں۔ اور اُن لوگوں کی مدح کی ہے جو بلا سمجھے سجدہ نہ کریں۔ (فرقان 25/73)

(iii)۔ خانوادہ رسول قرآن کریم اور دیگر کتبہائے خداوندی کا عالم تھا

یہاں یہ ملاحظہ کرنے کی چیز ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ اہل بیتؑ کو بھی صاحبان کتاب فرمایا گیا ہے اور اس کی تشریح دوسری آیت میں وہی کی ہے کہ قرآن اور تمام آیات خداوندی اُن کے سینوں میں محفوظ تھیں۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ:-

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فَالَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ ٥

”جس طرح ہم نے اہل کتاب کو کتاب دی تھی اُسی طرح ہم نے تم پر بھی کتاب نازل کی ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کو ہم نے یہ کتاب دی وہ اس پوری کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں سے بھی کچھ لوگ مانتے ہیں۔ اور ہماری آیات کا کھلا انکار کافروں کے سوا کوئی اور نہیں کرتا۔“ (عنکبوت 29/47)

یہاں نظام اجتہاد نے یہود و نصاریٰ مراد لیا ہے۔ حالانکہ اُن کی مخالفت بیان ہوتی ہوئی چلی آرہی تھی۔ اور اُن میں سے بعض کے ماننے کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ لہذا اہل کتاب کے علاوہ جن کو کتاب ملنے میں رسول اللہ کا شریک قرار دیا گیا ہے، وہ خانوادہ رسولؐ ہے۔ اگلی آیات اس آیت کو واضح کر دیتی ہیں جن میں فرمایا کہ:-

وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكُمْ إِذَا لَأَزْتَابِ الْمُطْلُونَ ٥ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ٥ وَقَالُوا لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ٥ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ٥ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيِّنَىٰ وَبَيِّنَاتُكُمْ شَهِيدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ٥

(عنکبوت 29/48-52)

ہماری آیات پر اس جھگڑے اور انکار سے پہلے نہ تو تم اُن کے رب و قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے اور نہ ہی تم اُن کے سامنے اپنے داہنے ہاتھ سے قرآن لکھا کرتے تھے۔ اگر ایسا کیا ہوتا تو تعلیمات خداوندی کو باطل قرار دینے والا گروہ لوگوں کو شش و پنج اور تمسوس میں الجھا دیتا۔ لیکن قرآن صرف لکھنے اور تلاوت کرنے پر منحصر نہیں ہے بلکہ وہ تو اُن لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ جن کو علوم خداوندی مرحمت ہوئے ہیں۔ بات وہی ہے کہ مخالف محاذ نے حقیقت کو چھپانے (کفر) اور بے محل (ظلم) ثابت کرنے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ اُس محاذ کے سوا کوئی بھی ہماری ان تلاوت شدہ آیات میں جھگڑا نہیں کرتے۔ قرآن کی مذکورہ تلاوت سُن لینے کے بعد بھی مخالف محاذ یہ کہتا ہے کہ اپنے گھریلو اور رٹے ہوئے تصورات پیش کرنے کے بجائے ہم چاہتے ہیں کہ کیوں نہ اُس کے رب نے آیات کو ہمارے معیار کے مطابق اُتارا۔ اُن سے جواباً کہہ دو کہ آیات زیر بحث بلا شک و شبہ اللہ ہی کے پاس سے آئی ہوئی آیات ہیں اور میں تو ایک کھل کر تنبیہ کرنے والے کے سوا اور کچھ نہیں ہوں۔ یا تو وہ یہ اعتراض کریں کہ جو قرآن ہم نے تم پر نازل کیا ہے اور جس کو اُن کے سامنے پڑھا جا رہا ہے۔ وہ ناقص ہے اور اُن کی ہدایت کے لئے کافی نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن میں ایمان لانے والی ہر قوم کے لئے رحمتیں اور ہر قسم کی تذکیر و عمل درآمد موجود ہے۔ اُن کو بتا دو کہ سنو تمہارے اور میرے درمیان وہ اللہ بطور حاضر و ناظر گواہ موجود ہے۔ جو تمہاری اس چال بازی ہی سے نہیں بلکہ

ہر اُس چیز سے واقف اور عالم ہے جو زمین اور آسمانوں میں کہیں بھی ہو۔ یہ بھی بتا دو کہ جو گروہ پہلے ہی سے ایک باطل اسکیم پر متفق ہو جانے کی بنا پر نظام خداوندی کو چھپا دینا چاہتے ہیں۔ وہ گھائے میں رہنے والے ہیں۔ (سورۃ عنکبوت - 29/48-52)

وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكُثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝ قُلْ آمِنُوا بِهِ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَيَقُولُونَ سُبْحَنَ رَبِّنَا إِن كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ۝ وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَسْكُونُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ۝ (بنی اسرائیل 17/105-109)

اور ہم نے تو قرآن کو حقیقی طریقہ پر نازل کر دیا ہے۔ اور وہ بالکل حقیقی صورت میں نازل ہو چکا ہے۔ تمہارے رسول مقرر کرنے کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہے کہ آپ بشارتیں دینے اور برے نتائج سے ڈراتے رہنے والے کا کام انجام دو۔ رہ گیا قرآن تو ہم اُسے لوگوں کے سامنے اُسی قدر پڑھوانا چاہتے ہیں۔ جس قدر ساتھ کے ساتھ محفوظ و موثر ہوتا چلا جائے۔ اور اُس کا نزول تو جس انداز میں ہوا ہے۔ اُس سے بہتر اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اور اُس مخالف، جھگڑا کرنے والے اور حق پوشی (کفر) اور ظلم کرنے والے محاذ کو بتا دو کہ خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ تمہاری ذرہ برابر پرواہ اس لئے نہیں کہ قرآن کی تلاوت اور تمہارے جھگڑا شروع کرنے سے کہیں پہلے ہی جن لوگوں کو اللہ نے قرآن کا پورا علم (العلم) دے رکھا تھا۔ جب یہی تلاوت جس سے تم انکار کرتے ہو۔ اُن کے سامنے ہوتی ہے۔ تو ٹھوڑیوں کے بل زمین پر سجدے میں گر جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ سبحان اللہ۔ ہمارا پالنے والا بڑا ہی شان والا ہے۔ یقیناً جو وعدہ اُس نے ہم سے کر رکھا تھا۔ اور جس کے ہم منتظر چلے آتے تھے۔ وہ تو ضرور بالضرور ہمارے پالنے اور قرآن کی ترسیل کرنے والے نے پورا کرنا ہی تھا۔ پھر اُس وعدہ کا دردناک پہلو انہیں بے چین کر دیتا ہے۔ وہ روتے ہوئے پھر سجدہ کرتے ہیں۔ اور اس سے اُن کا جذبہ نیاز مندی بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ (بنی اسرائیل 17/105-109)

الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ الْكِتَابُ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ (2/121)

یہ لوگ وہی تو ہیں جنہیں ہم نے پوری کتاب (الکتاب) دے رکھی ہے۔ جو قرآن کا حق تلاوت ادا کرتے ہیں۔ اور یہی تو وہ حضرات ہیں جو قرآن پر پورا ایمان و یقین رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ اس قرآنی حقیقت کو چھپا دینا (یکفر) چاہتے ہیں۔ وہی تو خسارہ میں رہنے والے لوگ ہیں۔ (سورۃ البقرۃ 2/121)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَآءِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجَبَيْنَا إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۝ (مریم 19/58)

اور یہی تو وہ لوگ ہیں جو ذریتِ آدم و ابراہیم کے نبیوں میں سے ہیں جن پر اللہ نے مسلسل انعامات کئے ہیں۔ جن کو ہم نے نوح کے ساتھ طوفان سے بچانے کے لئے سوار کیا تھا۔ اور ہم نے ذریتِ ابراہیم و اسرائیل میں سے جن کو ہدایت پر قائم رکھا اور محتجبی بنایا تھا۔ جب اُن کے روبرو رحمن کی آیتوں کی تلاوت ہوتی ہے تو وہ روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ (مریم 19/58)

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَالْإِسْرَآءِيلَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

یقیناً اللہ نے آدم اور نوح کو جیسا مصطفیٰ بنایا تھا ویسا ہی آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام کائنات پر منتخب و ممتاز رکھا۔ یہ سب حضرات ایک ہی مجتبیٰ اور مصطفیٰ سلسلے کے لوگ ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی ذریت طاہرہ ہیں۔ اور اس سلسلے پر اللہ کا علم و سماعت شاہد ہے۔ (آل عمران 33-34)

لَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝ اَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذَا لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ۝ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَا اٰتٰهُمْ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَا آلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝ (نساء 55-51/4)

اور کیا آپ نے اُن لوگوں پر نظر نہیں رکھی ہے۔ جنہیں پوری کتاب میں سے دو قسطیں توریت و زبور و انجیل کا حصہ ملا ہوا ہے۔ جو آج کل جمہوریت اور مرکز اجتہاد پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو مسلمانوں سے زیادہ کافروں کو ہدایت یافتہ یا اپنے نظام سے قریب تر سمجھتے ہیں۔ وہی صاحبان توریت و زبور و انجیل وہ لوگ ہیں۔ جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ اور جس کسی پر خدا لعنت کرتا ہے۔ اُسے اللہ کے مقابلہ میں کوئی مددگار نہیں ملا کرتا ہے۔ کیا اب ان ملعون اہل کتاب کو کسی مملکت کی خداداد حکومت حاصل ہے۔ اگر کہیں ایسا ہوتا بھی تو یہ کسی کو ذرہ برابر مدد نہ دیتے۔ کیا یہ سب مخالف گروہ کے لوگ خدا کے اُس عطیہ سے حسد کر رہے ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے آل ابراہیم کو دیا ہوا ہے۔ اور ہم نے آل ابراہیم میں برابر نبوت و رسالت و کتاب و حکمت اور بادشاہت و مملکت آج تک جاری رکھی ہے۔ چنانچہ اُن ہی مخالفوں میں سے وہ بھی ہیں جو تمہاری نبوت و رسالت و امامت اور کتاب و حکمت اور خاندانی بادشاہت پر ایمان لے آئے ہیں اور اُن ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو روڑے اٹکار رہے ہیں۔ یعنی ابراہیم و اسماعیل کی اولاد کی حکومت و اقتدار نہیں چاہتے۔ (نساء 55-51/4)

(iv)۔ مندرجہ بالا اکیس (21) آیات اگر اسی ترتیب سے ایک ہی جگہ مسلسل ہوتیں؟ تو نظام اجتہاد ہرگز بھولے بھالے لوگوں کو دھوکا دے کر اپنا نظام اور طرز حکومت جاری نہ کر سکتا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر خدا نے ایسا کیوں نہ کیا؟ کیوں نظام ابلیسی کو قائم ہونے کا موقع دیا؟؟ یہ بڑا سنجیدہ اور نہایت گمراہ کن سوال ہے۔ اور اپنی شکلیں بدل بدل کر طرح طرح کے سوالات کی صورت میں آج تک برابر شیعوں اور سنیوں کی زبان پر آتا رہتا ہے۔ اور جو جواب دئے جاتے ہیں وہ سب مجتہدانہ ہوتے ہیں۔ یعنی جن سے ڈاکٹری علاج کی طرح اُس بیماری یا سوال سے سائل یا بیمار کو وقتی چھٹکارہ مل جائے۔ لیکن چند ہی روز میں وہ دوا یا جواب کئی دوسری بیماریوں یا سوالات کی صورت بدل کر پھر سائلوں اور بیماروں کو حاضر خدمت کر دے۔ اگر مجتہد یا ڈاکٹر لوگوں کو سوالات اور بیماریوں سے قطعی نجات دلا دیں تو پھر وہ غریب کھائیں کہاں سے؟ اور نتیجتاً میڈیکل کالج اور اجتہاد کے درسی ادارے ہی نہ بند ہو جائیں گے بلکہ نظام حکومت میں ایک دراڑ پڑ جائے گی۔ ٹیکس متاثر ہوگا، امپورٹ ایکسپورٹ پر ضرب پڑے گی، جھوٹی چٹٹیاں لینے کیلئے میڈیکل سرٹیفیکیٹ نہ ملیں گے، پھر صحت مند لوگوں کی فکر بھی صحت مند ہوگی، وہ مجموعوں میں، تنہائیوں میں سرمایہ داران نظام کے خلاف صحیح علاج سوچیں گے۔ الغرض نظام باطل کا تختہ الٹ جائے گا۔ لہذا یہ جتنے ادارے آپ کو نظر آتے ہیں اُن میں سے کسی بھی مقدس نام کا ادارہ ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی طرح نظام ابلیسی

کا مدد و معاون نہ ہو۔ ہم اس قسم کے سوالات کا مختتم اور دندان شکن جواب ہر مکتب فکر اور ہر طبقہ کی عقل و فہم کے مطابق مختلف دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کے قارئین کو مختصر ایہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر اللہ نوع انسانی کے گمراہ ہو جانے سے ذرہ برابر بھی ڈرا ہوتا تو اس نے گمراہی کا سب سے بڑا ادارہ ہی قائم نہ کیا ہوتا۔ یعنی ابلیس کو پیدا ہی نہ کیا ہوتا۔ اور اگر معاذ اللہ ابلیس کو پیدا کرنے کی کوئی مجبوری آپڑی تھی تو اُسے عقل و قوت ارادی نہ دی ہوتی۔ اور پھر معاذ اللہ۔ اگر یہ بھی کوئی مجبوری تھی؟ تو آدم اور اولادِ آدم کو ہی نہ پیدا کیا ہوتا۔ اور اگر یہ بھی کسی نے زبردستی کی تھی تو نوع انسان کو عقل و ارادہ دینے کے بجائے انہیں گدھوں اور دوسرے جانوروں کی طرح بنا دیا ہوتا۔ پھر اگر یہ بھی ممکن نہ تھا تو ابلیس کو سجدہ نہ کرنے کے جرم میں فی النار و السقر کر کے نیست و نابود کر دیا ہوتا۔ اور طویل ترین عمر اُس کے نصیب میں نہ کی ہوتی۔ اچھا یہ سب کچھ بدرجہ مجبوری اگر کر ہی لیا تھا تو اُس کو وہ قدرت و اختیار کیوں دے دیا جو انسانوں کو حاصل نہیں ہے۔ وہ طویل عمر ہی کا مالک تو نہیں، وہ تو اس زمین کے طول و عرض میں ہر جگہ، ہر انسان کے ساتھ ساتھ رہنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ وہ کسی کو نظر نہیں آتا اور سب کو بیک وقت دیکھتا رہتا ہے۔ یہاں رک کر کسی مشرک یا مجتہد سے دریافت کرو کہ تجھے اس غیر خدا کی ہر جگہ حاضری و ناظری تسلیم کرنے میں تو کسی شرک باللہ کا خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان یہ کہہ دے کہ اللہ کے انتظام کی قوت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام سربراہان اسلام سلام اللہ علیہم بھی شیطان اور ہر انسان کو دیکھتے ہیں اور اُن کی باتیں سنتے ہیں تو تجھ پر چاروں طرف سے شرک باللہ کی بجلیاں گرنے لگتی ہیں۔ اور سُنو! ابلیس کو طویل عمر کے ساتھ ساتھ ہی یہ قدرت بھی دی گئی کہ وہ انسانوں کے مال و اولاد اور خون و نطفہ میں شریک ہو جائے۔ اسی قدر نہیں بلکہ انسانوں کو جنوں میں سے تعلیم دیکر اور الیکشن کے ذریعہ ایک گروہ (نصیباً مغروراً) تیار کر لے۔ اور انہیں پختہ مجتہد یا شیطان بنا دے، اُن کو اپنی آنکھیں، اپنی بصیرت اور اپنا دل و دماغ دے دے، اُن کو اپنی سواری اور آلہ کار بنا لے، فطری تخلیق کو بدل کر اپنی ضرورت کے مطابق خلق اللہ کو استعمال کر لے۔ اللہ نے یہی سب کچھ نہیں کیا بلکہ جب ابلیس نے اللہ کو یہ کہہ کر ڈرانا چاہا کہ میں نوع انسان کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا تو نہایت اطمینان سے فرما دیا کہ میں تجھے بھی اور تیرے گمراہ کئے ہوئے تمام انسانوں کو بھی جہنم میں جھونک دوں گا۔ یہ جو کچھ ہم نے طویل العمر ابلیس کے لئے لکھا ہے غپ شپ نہیں ہے۔ یہ تو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے مفصل بیانات کا مختصر سا خاکہ ہے۔ لہذا ناظرین پہلے نمبر پر یہ سنیں کہ اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ صرف اور صرف خالص حق ہے، حق مطلق و حق محض ہے۔ ادارہ ابلیس اتنا ہی ضروری تھا جتنا ادارہ نبوت و رسالت و امامت ضروری ہے۔ تفصیلات ہماری تصنیفات میں دیکھیں۔ یہاں اس قدر سُن لیں کہ اللہ کو تمہاری ہدایت اور گمراہی کی ذرہ برابر پرواہ نہیں ہے۔ تم سب گمراہ ہو جاؤ تو جہنم بہت بڑا ہے۔ تم سب ہدایت پا جاؤ تو جنت چھوٹی جگہ نہیں ہے۔ اللہ نے صرف اس قدر چاہا ہے کہ جو گمراہ ہو وہ سمجھ بوجھ کر پورے اطمینان سے گمراہ ہو اور جو ہدایت حاصل کرے وہ بھی پورے عقلی معیار پر ہدایت پائے۔ یعنی نہ کوئی اتفاقاً گمراہ ہونے پائے اور نہ کوئی اتفاقاً ہدایت حاصل کر سکے۔ بس جناب ابلیس کا ادارہ یہی کام کرتا ہے کہ ہدایت کی طرف بڑھنے والوں کو روک کر انہیں ایک متبادل راہ، ہدایت پانے کا ایک دوسرا عقلی طریقہ سچھا دیتا ہے۔ ادارہ نبوت کی بتائی ہوئی راہ کے مقابلہ میں ایک سہل، عام فہم اور جلد پہنچنے والی خوبصورت و آرام دہ راہ پر ڈالنا چاہتا ہے۔ جو شخص نفع و نقصان اور غلط و صحیح، آسان و مشکل، مصلحت ذاتی یا قومی، تقاضائے وقت و

ضرورتِ زمانہ کی وجہ سے قرآن یا احکامِ نبویؐ میں اپنی عقل و بصیرت سے کوئی راہ نکالتا ہے، وہ ابلیسی اجتہاد کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ جو فلسفہ خوف و طمع سے واقفیت کے بعد عقلی حیثیت سے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ خالق کائنات اللہ اور ماہر کائنات رسولؐ غلط اور مضر حکم دے ہی نہیں سکتے۔ اور خواہ نقصان ہو یا فائدہ ہو مجھے اپنی ذاتی متعلقات کی پرواہ کرنا ہی نہیں ہے۔ میں اور میری ساری دُنیا سب اللہ و رسولؐ کیلئے ہیں۔ میں ہر حال میں تعمیل کروں گا۔ جیسا کہ: بے خطر کو پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشا لب بام ہنوز وہ ایسا شخص ہے کہ جو تمام جال توڑ دیتا ہے۔ نظامِ اجتہاد کی تمام راہیں بند ہو جاتی ہیں۔ اس قسم اور ذہنیت کے افراد کا تیار کرنا ادارہٴ نبوت و رسالت اور امامت کا کام ہے۔ اور نبوت و رسالت کے لئے نبیؐ و رسولؐ اور امامؐ تیار کرنا اُس ذریت طاہرہ کا کام ہے جس کا تعارف مندرجہ بالا آیات میں ہوا ہے۔ جسے قدیم ادوار میں ذریتِ آدمؑ و نوحؑ کہا گیا، پھر اُسی کو آلِ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ فرمایا گیا اور آخری دور نبوت میں اُسی کو آلِ محمدؐ اور آلِ یاسینؑ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ چونکہ یہ ادارہ نبوت و رسالت و امامت کی مکمل ترین اور انتہائی صورت ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ نزولِ قرآن اور اُس کی تلاوت اور کتابی صورت میں تحفظ اس انداز سے کیا جائے کہ اُس میں تحریف کا میاب نہ ہو سکے اور اُس کے الفاظ و متن اور عنوان بجنسہ برقرار رہتے چلے جائیں۔ لہذا ہر عنوان کو بہترین عملی صورت میں اس طرح تلاوت کیا گیا کہ جب تک عنوان کے متعلق تمام آیات تلاوت نہ ہو جائیں مجتہدین بات ہی نہ سمجھیں۔ اور جب بہت سے مختلف عنوانات کے اجزاء بیان ہوتے ہوتے مکمل کرنے والا جز بیان ہو تو ادھر سابقہ اجزاء دور اور الگ ہونے کی وجہ سے سامنے نہ رہیں۔ ادھر اس وقت تک متعلقہ حصہ لوگوں کو یاد ہو جائے اور تحریری طور پر بھی مرتب ہو جائے۔ اس طرح مجتہدین کو یہ پتہ لگانا ناممکن ہو گیا کہ اس کے بعد کون سی آیات آئیں گی؟ اور اُن میں نئے و پرانے عنوانات کے متعلق کیا ہوگا؟ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ نظامِ اجتہاد کو اپنی کامیابی کی اُمید بندھی رہی۔ وہ اسلامی لباس میں مسلمانوں میں چلے آئے۔ خود کو پوشیدہ رکھنے کے لئے دینی اعمال نماز، روزہ وغیرہ بجالانے پڑے۔ بعض بعد میں دل سے اسلام لے آئے۔ بعض آج نہیں توکل کی اُمید پر اپنا کام کرتے رہے۔ لیکن اُن سب کی اولادیں دل سے یا رسماً اسلام لے آئیں۔ اگر مندرجہ بالا آیات کی طرح تلاوت کر دی ہوتیں تو یہ مخالف محاذ قطعاً مایوس ہو جاتا۔ اور یہ لوگ چونکہ اپنی قوم و قبیلے اور خاندان میں وفاداری، اعتماد اور دانشوری میں مقبول و مشہور تھے۔ اُن کی مایوسی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اُن کے ساتھ اُن کی قوم بھی اسلام سے الگ رہتی۔ جیسا کہ آج دُنیا کی تمام اقوام بڑے اطمینان سے غیر مسلم رہتی چلی جا رہی ہیں، یہ بھی مایوس ہیں۔ انکی مایوسی کا سبب یہ ہے کہ نظامِ اجتہاد سے بہتر اُنکے اپنے نظام ہیں اور وہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں کا نظام خود غیر مسلموں کی پیروی میں مصروف ہے۔ لہذا اللہ نے یہ انتظام کیا کہ اس وقت کا مخالف محاذ اپنی کامیابی کی گنجائش دیکھ کر آگے بڑھے۔ اور اپنی تمام جد و جہد اور سارا تجربہ استعمال کرے تاکہ اسلام تیزی سے پھیلے۔ اور ادھر نبوت و رسالت و امامت اور اسکی محافظ ذریت کو بھی اپنی پوری بصیرت و محنت و قربانیاں پیش کرنا پڑیں اور لوگ صحیح معنی میں ہدایت و گمراہی اختیار کر سکیں۔ یہ ان ہی مکرم و معظم ہستیوں کی خداداد قدرت و صبر و استقامت اور جذبہ قربانی تھا کہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے ابلیسی شراروں کو پیدا کیا اور ہمیشہ اُسے ترقی کا سامان دیتا چلا آیا تاکہ اس کے شعلوں میں کمی نہ ہونے پائے اور وہ بھڑک بھڑک کر بلند تر ہوتے جائیں۔ اور مذکورہ و موصوفہ حضرات دین کی شمعیں بڑھاتے اور تاریکیوں میں چراغاں کرتے

چلے جائیں تاکہ ابلیسی مزاحمت بھی اُن کی خدمت کرے۔ اور اُسے ڈنڈے سے خاموش نہ کر دیا جائے۔ یہ مشیت خداوندی کا احسان ہے کہ:- سستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفویٰ سے شرارِ بوہمی دراصل ابلیس بے وقوف اور احمق بن کر رہ گیا۔ اُسے اور اُس کے تمام اداروں کو مسلسل شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اور نبوت و امامت نے بنی نوع انسان کو زمین سے اُٹھا کر فلک الافلاک تک بلند کر دیا۔ اور آج ساری دنیا حقیقت حال پر مطلع ہو چکی ہے۔

9۔ خانوادہ حسینؑ کے بزرگوں پر تاریخی نظر

یہاں تک خانوادہ حسین علیہ السلام کا شجرہ نسب حضرت آدم علیہ السلام تک محفوظ کر دیا گیا۔ اُس کی تاریخی اور قرآنی عظمت اور اُس کے وجود میں لانے کے مقاصد بیان ہو چکے۔ اس خاندان کے بادشاہوں اور اُن کے دستورِ حیات اور کارنامے گزر چکے۔ یہ معلوم ہو چکا کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیدار کی نسل سے نہیں ہیں۔ اور یہ کہ یہ ایک مغالطہ تھا جو قحطانیوں نے خود اسماعیلی بن جانے کے لئے دیا تھا۔ اور یہ بھی دیکھ لیا کہ قیدار کی نسل کا کوئی شجرہ نسب کہیں ریکارڈ نہیں کیا گیا۔ اور یہ بھی کہ قیدار کی نسل میں نہ کوئی حکومت قائم ہوئی نہ کوئی بادشاہ ہوا۔ نہ تمدن و ترقی میں اُن کا کوئی حصہ معلوم ہوا۔ اس کے برعکس آنحضرتؐ، حضرت اسماعیلؑ کے فرزندِ بزرگ جناب نابت علیہ السلام کی براہ راست یعنی اُن کی اور اُن کے بیٹوں کی بڑی اولاد میں سے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالمطلبؑ کے چھوٹے بیٹے سے پیدا ہوئے اور حضرت علیؑ بدستور خداوندی براہ راست اوپر تک بڑے بیٹوں کی اولاد میں سے پیدا ہوئے۔

اس عنوان میں پہلے یہ سن لیں کہ حضرت نابت علیہ السلام اولادِ اسماعیلؑ میں پہلے فرمانروا ہیں۔ اُن کے بعد یہ طریقہ جاری رہا کہ ہر جانشین کا جانشین بڑا بیٹا ہوتا اور عہدہ امامت کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اور اکثر ایسا ہوتا رہا کہ امام زمانہ اپنے ماتحت انتظامِ مملکت کے لیے ایک یا چند حاکم و بادشاہ مقرر کرتا رہتا تھا۔ البتہ مخصوص حالات میں خود ہی عنانِ حکومت سنبھال لیتا تھا۔ جیسا کہ جناب نابت اور پھر اُن کے بیٹے جناب صفی علیہما السلام دونوں نے امامت کے ساتھ بادشاہت بھی اپنے ہاتھ میں رکھی تھی۔ یہ بھی بتا دیا گیا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں قائم ہونے والی نبوتیں اور تمام نئی بھی حضرت اسماعیلؑ کی نابتی امامت کے ماتحت رہتے تھے۔ اور وہ سب امامت و ملتِ ابراہیمؑ کی تائید و توضیح کرتے تھے۔ اُن پر کوئی کتابِ ملتِ ابراہیمؑ کے خلاف نازل نہیں ہو سکتی تھی۔ نبوت و رسالت کا امامت کے ماتحت رہنا قرآن کریم سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ اللہ نے رسول اللہ کو خواہ مخواہ بطور تفریح حکم نہیں دیا کہ:-

”فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا بِكَفَرِينَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبْهُدَاهُمْ اقْتَدِهْ۔

اگر یہ مشرکین عرب تم پر ایمان نہیں لاتے تو پرواہ نہ کرنا۔ ہم اُن کو ایک ایسی قوم کے حوالے کریں گے جو کسی حال میں تمہارے اقتدار و حکومت کا کفر کرنے والی نہیں ہے۔ اُسی قوم کے لوگ تو وہ حضرات ہیں جن کو اللہ نے آدمؑ سے لے کر آپؐ تک اپنی ہدایت کا نچوڑ بنایا ہے۔ چنانچہ آپؐ اُن کی ہدایت یا فِکْلی کی اقتدا کریں۔“ (انعام 6/89-90)

اُسی گروہ کو ملتِ ابراہیم قرار دے کر یہ حکم دیا گیا کہ:-

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا۔ (16/123) ”پھر ہم نے تم پر یہ وحی کی کہ تم ملت ابراہیم کی پیروی کرو۔“
 لہذا یہ احکام خداوندی واضح الفاظ میں نبوت و رسالت کو انتظامی طور پر امامت کے ماتحت رکھتے ہیں۔ لہذا وہ تمام انبیاء و رسل جو جناب اسماعیل علیہ السلام کے چھوٹے بھائیوں کی نسل میں گزرے۔ وہ سب حضرت نابت علیہ السلام کی نسلی امامت کے ماتحت تھے۔ اسی بنا پر جناب عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت قائم آل محمد کے ماتحت اور اُن کی اقتدا اور پیروی کریں گے۔ یہ آخری یعنی قُرب قیامت والا ثبوت ہے جس پر تمام کلمہ گو متفق ہیں۔ اور یہاں تک بار بار یہ ثابت ہو چکا کہ نبوت و خلافت و رسالت ہمیشہ عہدہ امامت کے ماتحت رہی ہیں۔ اور یہ کہ یہ بڑھیا کے پٹواری والا لطیفہ نہیں، سنجیدہ احکام اور فطری تدریج ہے۔ بات یہ ہو رہی تھی کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ نبی یا امام خود ہی بادشاہت بھی سنبھالے۔ چنانچہ جس طرح تمام انبیاء و رسل علیہم السلام خود بادشاہ نہیں تھے۔ اُسی طرح ہر امام کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ ضرور بادشاہت بھی سنبھالے۔ مگر وہ اُسی بادشاہ یا خلیفہ یا ملک یا حاکم یا سلطان کے ذمہ دار ہوں گے۔ جو اُن کے حکم سے اور اُن کے ماتحت دین کے احکام و تعزیرات نافذ کریں۔ جو اُن کی مرضی کے خلاف خود بادشاہ بن بیٹھیں وہ غاصب کہلائیں گے۔ اُن کی اطاعت گناہ ہوگی۔ چنانچہ نبوت کی دوسری شاخ میں بہت سے انبیاء گزرے مگر وہ گنتی کے نبی یا رسول تھے جو خود بادشاہ بھی ہوئے۔ ورنہ بادشاہ اُن کے ماتحت بنانے کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ جہاں بنی اسرائیل کی درخواست موجود ہے کہ:-

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (2/246)۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا (2/247) ہمارے لئے ایک بادشاہ قائم کر دو۔ پھر جناب سموئیل نبی نے طالوت علیہ السلام کو بنی اسرائیل پر اپنی اور اللہ کی طرف سے ملک یعنی بادشاہ بنایا۔

یہاں نظام اجتہاد کی مخالفت اور اُن کا معیار بادشاہت بھی مذکور ہے۔ جس پر مشرکین عرب نے اپنا منصوبہ بنایا تھا۔ یہی جگہ ہے جہاں تحریک تشیع کے شعبہ تصوف کا اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے اُس تعاون کی وجہ کو سمجھا جاسکتا ہے جو اُن حضرات نے اپنے اپنے زمانہ کے بادشاہوں سے کیا تھا۔ اور چاہا تھا کہ وہ اُن کے مشورہ پر عمل کر کے احکام خدا و رسول نافذ کریں اور عذاب جہنم سے بچ جائیں۔ یعنی اگر وہ اُن کی مرضی اور اجازت سے بادشاہ بنتے اور اُن کے ماتحت رہ کر اُن کے احکام نافذ کرتے تو ہمیں اُن کے خلاف تحریک تشیع نہ چلانا پڑتی اور وہ خدا کے روبرو ذلیل و خوار اور معذّب ہونے سے بچ جاتے۔ اور یہ بھی نوٹ کر لیں کہ ہمارے مخالف علما نے عوام کو ہمیشہ یہ تاثر دیا ہے کہ وہ بادشاہ اہل بیت رسول کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اُن سے محبت کرتے تھے۔ اُن کے غلام کہلانے پر فخر کرتے تھے۔ اُن کیلئے تختِ خلافت چھوڑ دینے کو تیار رہتے تھے۔ اور یہ کہ آئمہ اہل بیت کی رضامندی سے اُن لوگوں نے حکومت قائم کی تھی۔ اُن ہی کے مشوروں سے وہ حکومت و خلافت کرتے تھے۔ اگر کہیں عوام اہل سنت کو اصلیت معلوم ہو جائے تو وہ ایک لمحہ کے لئے اُن علما کے مذہب میں نہ ٹھہریں۔ ہمارا کام اسی قدر ہے کہ جس طرح ہو سکے نظام اجتہاد کے فریب کا پردہ چاک کریں اور سیدھے سادے عوام مسلمانوں کو صحیح صورت حال پر متوجہ کریں۔ اُنہیں بتائیں کہ اُن بادشاہوں نے جس طرح سیاسی نعرے لگائے۔ جو کچھ پبلک میں مشہور کیا اور جس طرح خاندان رسول کو تباہ و برباد کرنے کا انتظام کیا وہی تو امام حسین علیہ السلام نے منظر عام پر رکھا ہے۔ اور سابقہ ہر فریب و مکر و عیاری نے چیخ چیخ کر اعلان کیا ہے کہ وہ تمام بہانے بازیاں تھیں اور انہوں نے محض اسلام کی نقاب پہن رکھی تھی۔ وہ خالص مشرک و کافر مجاذ تھا، انہوں

نے کلمہ کو اپنی آڑ بنایا تھا، انہوں نے کبھی قرآن کے خلاف عمل سے پرہیز نہیں کیا تھا۔

(i) حضرت نابت اور جناب صفی علیہما السلام کے بعد تمام آل ابراہیم، حضرت نابت کی نسلی امامت کے ماتحت چلتی رہی۔ نبوتیں، رسالتیں اور بادشاہتیں اُن کے ماتحت جاری رہیں۔ جناب طبری نے اپنی تاریخ میں نبطی شاخ کے ہر امام کا نام بنام ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:- جناب صفی ہی کو صیقا اور سمر کہا گیا ہے۔ دنیا کے تمام بادشاہوں میں یہ سب سے بہتر بادشاہ تھا۔ اس کے متعلق امیہ بن صلت شاعر نے یہ شعر کہا تھا:-

إِنَّ الصَّفِيَّ بْنَ النَّبِيتِ مَمْلُكًا
أَعْلَى وَأَجْوَدُ مِنْ هِرَ قِلْ وَ قِصْرَا

بیشک صفی بن النبیۃ ایسا بادشاہ گزرا ہے جو ہر قیل اور قیصر سے بھی زیادہ سخی اور بہتر بادشاہ تھا۔ (طبری جلد اول صفحہ 58)

اس کے بعد طبری نے حضرت صفی علیہ السلام کے پوتے کی بادشاہت کا تذکرہ یوں لکھا ہے کہ:-

(ii) ”سُیَّ بن صَفِّیٰ ہی کو کہا گیا ہے اُن کا لقب مجرّ کہا گیا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی عادل اور منظم اور مدبر بادشاہ تھے۔ اُمیہ بن صلت نے ہر قیل بادشاہ روم کو مخاطب کرتے ہوئے اُسی کی طرف اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:-

كُنْ كَالْمَجْشَرِ اِذَا قَالَتْ رَعِيَّتُهُ + كَانَ الْمَجْشَرُ اَوْ فَا نَا بِمَا حَمَلَا

”تم بھی مجرّ ایسے بنو اُس کی رعیت نے کہا تھا کہ مجرّ ہم میں سب سے زیادہ اپنے عہد کا ایفا (پورا) کرنے والا ہے۔“

(طبری جلد اول صفحہ 57, 58)

پھر جناب مجرّ کے پوتے کا حال یوں لکھا ہے کہ:-

(iii) ”ثامار (بن مقدمہ بن زارح بن سُمّی) ہی کو بہامی دُوسُ العتق کہا گیا ہے۔ اپنے زمانے کے حسین ترین شخص مانے گئے ہیں۔

اُنہی پر عربوں میں یہ ضرب المثل بن گئی کہ ”اَعْتَقَ مِنْ دُوسُ“ (دُوس کی طرف سے آزاد چھوڑا ہوا)۔ اب اس کی وجہ یا تو اُن کا ذاتی حسن و شرافت ہے یا پھر اُن کا قدم ہے۔ اُن کے عہد مملکت میں جرہم بن فالح اور قطور اہلاک ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے حرم کعبہ میں فسق و فجور اور فتنہ و فساد برپا کر دیا اور جناب دُوس نے انہیں قتل کر دیا۔ جو اُن میں کم سن تھے۔

اُن کے آثار کو دیکھنے کے لئے کہا کر ختم کر دیا۔“ (طبری جلد اول صفحہ 57)

قارئین یہاں نوٹ کر لیں کہ جرہم خطائی ہیں اور یہی جگہ ہے جہاں سے قحطانیوں کے مختلف گروہوں نے حضرت اسماعیل علیہ

السلام کی نبطی شاخ سے دشمنی اور انتقام کا رویہ اختیار کیا تھا۔ اور رفتہ رفتہ خود کو اسماعیلی مشہور کرنا شروع کیا۔ نبطیوں کے خاندانوں کی پناہیں لیں، خادموں کی حیثیت سے داخل ہوئے، اپنی عورتوں اور بچوں کو خاندانہ رسول کے بزرگوں کی خدمت میں بطور غلام و کنیز بھیجا۔ تاکہ جن کو موقع ملے انتقام لے اور اس نسل سے الحاق کر لے تاکہ اسماعیلی بن سکے۔ یہی لوگ ہیں جن کی اولاد بعد میں لفظ قریش کو مشکوک کر کے قریشی وغیرہ بن بیٹھی تھی اور پھر خاندان رسول کو مٹانے اور اسلام کو کفر میں تبدیل کرنے میں کوشاں رہی۔

جناب دوس علیہ السلام کے پوتے کا حال ملاحظہ ہو:-

(iv) عاصار (بن قتادی بن ثامار دوس) ہی کو عاصر کہا گیا ہے۔ اُن کا ایک نام نیدوان بھی مشہور ہے۔ اُن ہی کا لقب قاذور ہے۔ اُن

کے بھی ایک بیٹے کا نام غنیمت تھا۔ اور دوسرے کا نام جادان تھا۔ عاصار کو صاحب مجالس بھی کہا گیا ہے۔ اُنکی عہد مملکت میں حکومت کچھ دن کے لئے جادان کیلئے قبضے میں چلی گئی تھی لیکن پھر غنیمت کی اولاد میں آگئی تھی، (طبری جلد اول صفحہ 57)

ان ہی کے ایک پوتے کا تذکرہ یہ ہے:-

(v) ”سداعی ہی کو دعائے اسماعیل کہا گیا ہے۔ اُن ہی کا لقب ذوالمطانج ہے۔ ذوالمطانج لقب اسلئے ہوا کہ بادشاہ ہو جانے کے بعد انہوں نے عرب کے ہر شہر میں ایک ایک مہمان خانہ قائم کیا تھا۔“ (جلد اول صفحہ 57)

اب اُن کے بیٹے کا ذکر سنیں:-

(vi) ”عاقاری کو ہی عاقرا برہیم کہا جاتا ہے۔ اُن ہی کو جامع اشل بھی کہا گیا ہے۔ یہ لقب اس لئے ہوا کہ انہوں نے اپنی مملکت میں ہر خوفزدہ اور مظلوم کو پناہ دی۔ مسافروں کو زارہ دینے اور منزل تک پہنچانے کا انتظام جاری کیا۔ اور تمام رعایا کی حالت درست کر دی۔“ (طبری جلد اول صفحہ 57)

حضرت اسماعیل علیہ السلام خلیفہ خداوندی بھی تھے۔ نبی اور رسول بھی تھے، امام بھی۔ آپ کا سارا دور عبادت اور خانہ بدوش عرب کے مجہول قبائل کو آدمی بنانے اور دنیا میں جم کر رہنے، ترقی کرنے کے طریقے سکھانے میں گزرا۔ انہوں نے ان وحشیوں اور درندوں کو مل جل کر رہنے اور منظم ہو کر رہنے کے فوائد بتائے اور اُنکے مختلف گروہوں میں تعلیمات خداوندی سے دلچسپی پیدا کی۔ خانہ کعبہ کو مرکزی حیثیت دی۔ حضرت اسماعیل سے حضرت عدنان علیہ السلام تک چالیس آئمہ علیہم السلام گزرے ہیں۔ عرب کے نساہوں اور مورخوں کا حال سامنے لایا جا چکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو بغاوتیں ظہور پذیر ہوئیں انہوں نے وہ تمام ریکارڈ ضبط و ضائع اور تبدیل کیا جو سابقہ ادوار کی حکومتوں کی لائبریریوں سے لوٹا اور قابو میں کیا گیا تھا اور وہ تمام نشانات مٹا دیے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسماعیلی ونبطی خاندانوں نے چھوڑے تھے۔ جن لوگوں کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس سالہ حالات ہی نہ ملتے ہوں اُن سے یہ امید کرنا کہ اس تین ہزار سال کے شاندار دور میں گزرنے والے حالات صحیح معلوم ہو جائیں ایک احمقانہ امید ہے۔ بہر حال غیر عرب مؤرخین اور توریت اور انجیل کی مدد سے جو کچھ ملتا ہے وہ آپ کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ قحطانیوں اور سبائیوں کے پھیلائے ہوئے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے ہی کو ایام جاہلیت یا ڈارک ایجز (Dark Ages) کہا جاتا ہے۔ لیکن اس عربی ظلمات میں بھی اسماعیلی امامت کے چاند اور سورج برابر چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اُن کے روشن کئے ہوئے چراغ برابر روشن چلے آئے ہیں۔ اس دھاندلی اور اس بے رحمانہ بے ایمانی کے باوجود چھ آئمہ علیہم السلام کا بادشاہت کرنا اور اپنی مملکت کی رعایا کو عدل و انصاف اور خوشحالی سے مالا مال رکھنا بہر حال ثابت ہو گیا۔ اور تمام ذیلی نبوتیں اور رسالتیں اور بادشاہتیں اپنی شان اور عظمت کے ساتھ تاریخ و توریت و انجیل میں موجود و مُسلم ہیں اور جس قدر باتیں مخالفین نے کہی ہیں وہ سب بعد کی گھڑنت ہے اور خود مخالفوں کو اپنی اُن مزخرفات پر اتفاق نہیں ہے۔

10۔ خانوادہ حسینؑ کے جناب عدنان علیہ السلام کے بعد والے بزرگ

آپ جس متعلقہ کتاب کو اٹھا کر دیکھیں گے اُس میں یہ لکھا ہوا ملے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شجرہ نسب میں جناب عدنانؑ تک کسی قسم کا شک و شبہ اور اختلاف نہیں ہے چنانچہ تمام مؤرخین اور نسب کی طرف سے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ: ”عدنان تک سلسلہ نسب حرف بحرف صحیح اور ناقابل شک ہے۔ احادیث میں مروی ہے۔ اشعار عرب میں مذکور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب بھی ان ہی واسطوں سے عدنان تک پہنچتا ہے۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 97)

لیکن ہم قارئین کو یہ بتاتے آرہے ہیں کہ عرب کے حکومت زدہ مؤرخوں، نسبائوں اور راویوں اور مفسروں و محدثین کسی چیز میں اختلاف نہ کریں، کسی چیز کو مشکوک نہ کریں اور کسی حقیقت کو بگاڑ کر پیش نہ کریں ناممکن ہے۔ ہماری ساری زندگی گزر گئی کہ ہمیں کوئی ایسی اہم حقیقت مل جائے جس پر واقعی یہ مشرک محاذ متفق ہوا ہے۔ لا واللہ یہ لوگ اپنے اقرار میں بھی انکار اور اتفاق و اتحاد و اجماع میں بھی اختلاف کے خلیات چھپا دیا کرتے ہیں جو صرف اُن لوگوں کو نظر آتے ہیں جو بالغ النظر ہوں، جن کی بصیرت اور بصارت پر عصمت کا سایہ رہتا ہو۔ ورنہ ٹائم بم کی طرح وہ پوشیدہ انکار و اختلاف اُنکی مقرر کردہ مدت کے بعد ظاہر ہوا کرتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مشرکین عرب نے شجرہ طیبہ کو مشکوک کرنے کی جان توڑ کوشش کی اور خود اسماعیلی بن جانے کے لئے اسماعیلیوں کو کبھی جڑ ہی بتایا کبھی فطانی قرار دیا۔ قبیلے کے قبیلہ غلط باپ دادا کی اولاد مشہور کر دیئے گئے۔ اور بعد کے مؤرخین، خصوصاً شبلی صاحب نے غلطی معلوم ہو جانے اور خود غلطی کا اعلان کر دینے کے بعد بھی محض قدیم مؤرخین کی مقدس سنت کا نام لے کر واشگاف الفاظ میں غلط شجرہ لکھ دیا۔ یہاں ہم جناب عدنان علیہ السلام سے بعد والے بزرگوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ذکر اس وقت تک شروع کرنا درست نہیں جب تک یہ بات ثابت نہ ہو جائے کہ خود عدنان کے ابا و اجداد کون تھے؟ آیا وہ عربوں کے یہاں متفقہ طور پر حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے تھے؟ اور اگر تھے تو حضرت اسماعیلؑ کے کون سے بیٹے کی اولاد تھے؟ ہم ہر حیثیت سے ثابت کر چکے اور آپ نے پورے شجرہ کو نام بنام پوری شہرت کے ساتھ دیکھ لیا کہ امام حسینؑ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نسب جناب عدنانؑ سے گزرتا ہوا جناب نابت بن اسماعیلؑ تک واقعی بلا شک و شبہ پہنچتا ہے۔ اور عربوں کے تمام بیانات جو اُس کے خلاف ہیں وہ خود مشکوک اور سازش کے ماتحت ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مقلد قلم کے علمائے شیعہ نے بھی دشمنان محمدؐ و آل محمدؐ کی تقلید میں وہ بیانات تسلیم کر لئے جو مشرکین کی سازش نے تیار کئے تھے۔ چنانچہ جناب علی نقی صاحب نے اپنی کتاب شہیدانسانیت میں لکھ مارا کہ:

”حضرت کاتب نامہ آپ کی ذات سے لے کر عدنان تک معتبر کتب تواریخ و سیر میں موجود ہے۔“ (شہیدانسانیت صفحہ 31)

اسکے بعد علامہ نے جناب عدنانؑ سے نیچے عبداللہ بن عبدالمطلبؑ تک شجرہ لکھا ہے۔ جناب عدنانؑ کے لئے لکھا کہ:-

”اسمعیل کے بارہ فرزند تھے۔ ان میں سے قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اور بہت پھیلی۔ قیدار کی اولاد میں عدنان بہت مشہور

ہیں۔ اور پیغمبر اسلام اُن ہی کی اولاد میں سے تھے۔“ (صفحہ 31 طبع اول)

لیجئے چھٹی ہوگئی۔ یعنی یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے، ہی نہیں کہ آیا جناب عدنان قیدار کی اولاد میں سے ہیں یا نہیں؟ یعنی علامہ علی نقی نہ یہ جانتے ہیں کہ ام سلمہ اور حضرت علی علیہما السلام نے آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ کا قیدار کی اولاد سے نہ ہونا اور حضرت نابتؑ بن اسماعیلؑ کی اولاد سے ہونا فرمایا ہے۔ نہ انہیں یہ معلوم کہ خاندان قیدار کے تباہ ہو جانے کی پیشگوئی توریت میں موجود ہے۔ نہ انہیں یہ خبر کہ امامت و جانشینی ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے اُن کے بڑے بیٹے نابتؑ بن اسماعیلؑ میں آئی ہے۔ اور اس طرح آنحضرتؐ و حضرت علیؑ ورشداران ابراہیمؑ ہیں۔ نہ یہ خبر کہ قیدار کے کتنے بیٹے تھے اور پھر سلسلہ وار اُن کا شجرہ عدنان تک کن کن ناموں سے پہنچا۔ اور حد ہوگئی کہ علامہ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جہاں جہاں پیغمبرؐ اسلام، ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ لکھا جاتا ہے وہاں درود و سلام نہ سہی کم از کم صواد (ؑ) یا عین (ؑ) ہی لکھا جاتا ہے۔ علامہ جس قسم کا ایمان لائے ہیں، اس میں یہ گنجائش تو کہاں ہوتی کہ وہ حضرت عدنانؑ پر سلام لکھتے۔ انہوں نے تو انبیاء علیہم السلام کے نام بھی اس طرح لکھے جیسے وہ اپنے بھائی بندوں کے نام لکھا کرتے ہیں۔

(10/2)۔ مشرکوں کے یہاں عدنانؑ فحطانی جرمی ہیں

علامہ طبری نے آنحضرتؐ کے تمام اجداد کے عدنانؑ تک مختصر حالات لکھتے ہوئے معد بن عدنانؑ کے لئے لکھا ہے کہ:-
 ”معد بن عدنان کی ماں مہد و بنت اُلکھم تھی..... معد کے حقیقی بھائیوں میں سے ایک عدنان بن عدنان تھا..... اور ایک بھائی ابین بن عدنان تھا۔ اور دو اور بھائی اُذ بن عدنان اور الہی بن عدنان تھے۔ اور دو بھائی ضحاک اور الہی بن عدنان تھے۔ اُن سب بھائیوں کی ماں وہی ماں تھی جو معد بن عدنان کی ماں تھی۔ اُسی ماں مہد و سے معد بن عدنان کا ایک بھائی دیت بن عدنان بھی تھا۔ اُسی کو عک بھی کہا جاتا ہے۔ بعض نسابوں نے کہا ہے کہ عک یمن کے علاقہ سمران کو چلا گیا تھا۔ اور اُس نے اپنے بھائی معد کو چھوڑ دیا تھا۔ اِس کی شہادت اس واقعہ سے ملتی ہے کہ جب اہل حضور نے شعیب بن ذی مہدم الحضورؑ کو قتل کر دیا۔ اللہ نے اُن کو سزا دینے کے لئے اُن پر جنت نصر کو متعین کر دیا۔ ارمیا (نبیؑ) اور برخیا (نبیؑ) برآمد ہوئے۔ انہوں نے معد کو اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ اور جب لڑائی فرو ہوئی انہوں نے معد کو مکے واپس کر دیا۔ اُس نے یہاں آ کر دیکھا کہ اس کے بھائی جو عدنان کے بیٹے تھے اور چچا وطن چھوڑ کر یمن کے قبائل میں جا ملے ہیں۔ اور اُن ہی میں انہوں نے بیاہ کر لئے ہیں۔ چونکہ بنو عدنان (یعنی عدنان کی اولاد) جرم کی اولاد میں سے تھے۔ اس وجہ سے اُن کے ساتھ یمینوں نے شفقت کا سلوک کیا۔ اس واقعہ پر کسی شاعر کے یہ شعر شہادت میں پیش کئے گئے ہیں:-

ترکنا الدیت اخوتنا وعگّا الی سمران فانطلقوا سراعا

وکانوا من بنی عدنان حتیٰ اضاعوا الامر بینہم فضاعا

ترجمہ۔ ”ہم نے اپنے بھائی دیت اور عک کو سمران جانے کی اجازت دے دی اور وہ تیزی سے ادھر چل دئے۔ وہ بنو عدنان تھے مگر

جب انہوں نے اپنی بات آپس میں خراب کر لی تو اُن کی بات بگڑ گئی۔“ (تاریخ طبری جلد اول صفحہ 54-53)

قارئین حضرات غور فرمائیں۔ اس حوالہ میں بنو عدنان کو جرم کی اولاد قرار دیا ہے۔ یعنی معد بن عدنان بنی اسماعیلؑ نہیں ہیں۔ اب دیکھئے جرم کس خاندان کو کہتے ہیں۔

(10/3)۔ جرہم خاندان ابراہیم و اسماعیل سے پہلے موجود تھا

”قبیلہ جرہم حجاز میں آباد تھا۔ تقریباً دو ہزار دو سو قبل مسیح میں جب حضرت اسماعیلؑ اس ملک میں آئے تو یہ قبیلہ ان ہی اطراف میں موجود تھا۔“ (ارض القرآن جلد اول صفحہ 198)

معلوم ہوا کہ جرہم قبیلہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد نہیں بلکہ انکی اور انکے والد ابراہیم علیہما السلام کی پیدائش سے بھی پہلے چلا ہوا آ رہا تھا۔ ہم اب اس بحث میں آگے بڑھنا نہیں چاہتے ورنہ ارض القرآن نے مؤرخین کی ایک بڑی اہم چالاکی یہاں بیان کی ہے جس پر ہمیں بہت کچھ لکھنا اور عنوان سے ہٹنا پڑیگا۔ آپ تو اتنا سمجھ لیں کہ آنحضرتؐ کے نسب کو مشکوک کرنے اور خود اسماعیلی بن جانے کیلئے مشرکین عرب نے ہر بے ایمانی کی ہے، ہر جھوٹ بولا ہے، ہر فریب دیا ہے اور آج تک علی نقی ہوں یا علی متقی سب فریب خوردہ علماء و مؤرخین ہیں اور اُن کی سوائے اُس بات کے جو اُن کے خلاف ہو کسی بات کا اعتبار کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ طبری صاحب کی ہمت ملاحظہ ہو کہ عدنانی خاندان کو جرہمی خاندان بنانے کے جملے کا آخری لفظ لکھتے ہی مسلسل یہ بھی اعلان کر دیا کہ:-

”عدنان بن ادد کے دو بھائی بنت اور عمر تھے۔ معد بن عدنان تک ہمارے نبی محمد صلعم کے نسب میں کسی نسب کو کوئی

اختلاف نہیں ہے۔ اور وہ اُسی طرح ہے جس طرح کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔“ (تاریخ طبری جلد اول صفحہ 54)

قارئین کرام ہم سب کو سر پکڑ کر رونا چاہئے کہ جناب طبری کی پہلی جلد کے پہلے صفحہ سے صفحہ 54 تک ایک ایک جملہ اور ایک ایک لفظ پڑھ جائیے۔ آپ دیکھیں گے کہ علامہ نے آنحضرتؐ سے لے کر عدنان تک نام بنام شجرہ لکھا ہے۔ اور اس کے بعد اس خاندان کو جرہمی کہہ کر یہ لکھ دیا کہ اس خاندان کے جرہمی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(10/4)۔ عربوں نے آنحضرتؐ کو اسماعیلی خاندان سے خارج کرنے کا بھی سامان کیا

قارئین سے امید ہے کہ مشہور کردہ اور پروپیگنڈا کے ماتحت روایات و بیانات کا فریب ہونا سمجھ گئے ہوں گے۔ ان لوگوں نے خود اسماعیلی اور قریشی بننے کیلئے ایسی ایسی چالیں چلیں اور ایسے ایسے خطرناک انتظامات کئے کہ یتیم قسم کے علماء و محققین نے ڈر کر آنحضرتؐ کو قیدار کی نسل میں اور اُن مجہول النسب لوگوں کو اسماعیلی یا قیداری اور قریشی مان لینے ہی میں اپنی اور خاندانہ رسولؐ کی خیریت سمجھی۔ یہی وہ جاہل علمائے جنہوں نے یہ اصول بنایا اور اس قسم کی روایات گھڑیں کہ جب دو خطرے سامنے ہوں یا دو کمزور روایات یا احادیث سامنے ہوں تو اُن میں سے کم خطرہ والی چیز یا ذرا بہتر روایت کو اختیار کر لو۔ اس اصول کو اپنا کر ہمارے شیعہ سنی مؤرخین نے آنحضرتؐ کے خاندان کو اس خطرہ سے بچانا چاہا جو مشرکین عرب کے وظیفہ خوار نساہوں اور مؤرخین نے تیار کیا تھا۔ سنئے علامہ شبلی یہ سمجھ کر اقرار کر رہے ہیں کہ دنیا میں کوئی محمد احسن پیدا ہونے والا نہیں ہے۔ جو میرے اس اقرار سے مشرک بزرگوں کا ستیاناس کر سکے۔ چنانچہ علامہ شبلی آنحضرتؐ کو بلا دلیل و ثبوت قیدار کی نسل میں سے بتانے کے بعد مسلسل اُسی جملے میں رقم طراز ہیں کہ:-

”عرب کے نسب دان تمام پشتوں کو محفوظ نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ اکثر نسب ناموں میں عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک صرف

آٹھ نو (8-9) پشتیں بیان کی ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ عدنان سے لے کر حضرت اسماعیلؑ تک اگر صرف نو دس پشتیں ہوں تو

یہ زمانہ تین سو برس سے زیادہ نہ ہوگا۔ اور یہ امر بالکل تاریخی شہادتوں کے خلاف ہے۔“ (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اول صفحہ 160)

سوال ہے کہ عرب نسابوں کا حال اور اُن کے بیانات بھی تو آپ ہی کی تاریخ میں ہیں۔ اور جن تاریخی شہادتوں سے یہ بیانات غلط ثابت ہوتے ہیں۔ وہ بھی الہامی نہیں۔ بلکہ آپ ہی کی تاریخ میں ہیں۔ تو آپ کو کیا حق ہے کہ تاریخ کی کسی بات کو غلط اور کسی بات کو صحیح قرار دیں؟ کیوں نہ ساری تاریخ کو بکواس کہہ کر الگ پھینک دیں؟ یا پھر ایسا معیار پیش کریں جس پر تاریخی اور مشرکی بیانات کو جانچا جاسکے؟ بہر حال یہ معلوم اور ثابت ہے کہ عربوں کے پاس جو تواریخ ہیں وہ معاویہ کے زمانہ سے پہلے کی نہیں ہیں اور وہ سب ناقابل اعتبار ہیں۔ اُن میں ہی وہ خطرات پیش کئے گئے جن سے بچنے کے لئے بعد کے لوگ چپ چاپ آنحضرتؐ کو قیداری اور دشمنان خدا و رسولؐ کو اسماعیلی یا قریشی یا دونوں مان لیں۔ لیکن جب معلوم ہو گیا کہ عرب مؤرخین، نسابوں کے محتاج تھے اور نساب اپنے بیان کردہ نسب ناموں میں سلسلہ وار لوگوں کے نام محفوظ نہ رکھتے تھے تو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اُن خبیثوں نے بیچ میں کس کس کے نام چھوڑ دئے تھے؟ اور کون شخص حقیقتاً کس خاندان یا نسل سے تھا؟ بہر حال علامہ شبلی آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:

”علامہ سہیلی (روض الانف) نے بہت سے تاریخی حوالوں اور شہادتوں سے ثابت کیا ہے۔ کہ عدنان سے حضرت اسماعیل تک چالیس پشتوں کا فاصلہ ہے۔“ (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اول صفحہ 161)

کوئی سہیلی ہو یا یارِ غار ہو، چونکہ اُن پر الہام نہ ہوتا تھا۔ اسلئے انکے تاریخ کے بعض بیانات کو قبول کرنے اور بعض کو غلط قرار دینے سے جو بھی نتیجہ نکلتا ہو۔ اس کو نظر انداز کر کے یہ تو بہر حال تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد باغی حکومتوں نے تاریخ و تفسیر و کتب حدیث کو اس ترکیب سے تیار کیا کہ قیامت تک لوگ محقق بننے کیلئے اُن کتابوں کی الٹ پلٹ میں لگے رہیں۔ کوئی محقق اُن ہی کتابوں میں رسول اللہؐ کو قیداری کہے اور کوئی بُطی بنانے کا انتظام کرے، کوئی رسول اللہؐ کے والدین اور بزرگوں کو اسی انبار سے (معاذ اللہ) کافر ثابت کرے تو کوئی مومن بنانے میں لگا رہے، کوئی رسول اللہؐ کو اُن پڑھ کہے، کوئی اُن کی تین بیٹیوں کا ہونا اور کافروں کی بیویاں ہونا لکھے، کوئی خبیث کافروں کو رسول اللہؐ کا داماد قرار دے کر اپنے بزرگوں پر فخر کرے۔ یہ ملعون تاریخ ملعون نظام نے جاری کی تھی جس میں ساری دنیا الجھی چلی آرہی ہے اور نجات کی راہیں بند ہیں۔ یقیناً واطمینان کے دروازوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔ سنئے علامہ صاحب اُسی تاریخ سے یورپ کے علما پر الزام لگاتے ہیں کہ:-

”اس غلطی نے بعض عیسائی مؤرخوں کو اس بات کا موقع دیا کہ سرے سے اس بات کے منکر ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاندانِ ابراہیمؑ سے ہیں۔“ (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اول صفحہ 161)

قارئین علامہ شبلی اور عیسائی مؤرخین کو مشرکانہ تاریخوں میں الجھانے والوں پر لعنت بھیج کر یہ سوچیں کہ انہوں نے وہ تمام مواقع پیدا کئے تھے جن سے اسلام کفر بن جائے۔ کفر کو اسلام کہنے لگیں۔ اور حرام سے پیدا شدہ لوگ حلال زادے بن جائیں۔ اور مجہول النسب قحطانیوں اور سہابیوں کو اسماعیلی و قریشی بنا دیا جائے۔ ابولہب ملعون رسولؐ کا چچا کہلائے۔ یزید ملعون اسماعیلی شہزادہ لکھا جائے اور پھر اُسی خبیث انبار میں چند مقطوع النسل لوگ آگے بڑھیں۔ اور یزید پر سلام و درود بھی بھیجنے لگیں۔ ایک مذہب میں لاتعداد مذہب اور فرقے

اُسی تفسیر و تاریخ میں سے بنے اور سب جہنم کی طرف رواں دواں ہنستے کھیلتے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن سنو کہ میں جس مذہب اثنا عشری میں ہوں اُس کا تعلق اور ثبوت نظام اجتہاد اور اُس کے شیعہ سنی مجتہدین کے بیانات پر نہیں ہے۔ یہ تو سب طاعوتی ٹولہ ہے۔ ہمارا مذہب سو فیصد قرآن کریم، توریت و انجیل اور رسول اللہ اور اُنکے بارہ معصوم جانشینوں کی معصوم احادیث پر ہے۔ یہی علامہ شبلی رسولؑ کے نسب نامہ کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ: ”صحیح بخاری (باب مبعث النبیؐ) میں یہیں (عدنان) تک ہے۔ لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ میں عدنان سے حضرت ابراہیمؑ تک نام گنائے ہیں یعنی عدنان بن عدو (أدد) بن المقوم بن تارح بن یشجب بن یعرب بن نابت بن اسماعیل بن ابراہیم“ (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 160)

قارئین یہ آخری بار نوٹ کر لیں کہ اہل سنت والجماعت کے سب سے بڑے اور سب سے معتبر امام حدیث، صحیح بخاری کے مولف کے نزدیک رسول اللہؐ علی مرتضیٰؑ اور امام حسینؑ اور اُن کا خاندانہ علیہم السلام قیدار کی اولاد میں نہیں بلکہ وہ جناب نابت بن اسماعیل بن ابراہیم علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اب جھوٹوں پر لعنت بھیج کر قرآن کے حکم کی تعمیل کریں اور پھر حضرت عدنان علیہ السلام سے نیچے والے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوں اور بخاری یعنی محمد بن اسماعیل اور اُسی قسم کے علما کے لئے کہیں کہیں حق گوئی پر دُعا کریں۔

(10/5)۔ قحطانی یا جرہمی بادشاہوں اور خاندانوں میں حرامی اولاد بھی رہتی رہی

حضرت معد بن عدنانؑ کا ذکر ہو چکا ہے۔ جہاں بنو عدنان کو قحطانی یا جرہمی بنانے کی کوشش دکھائی تھی۔ (پیرا نمبر 10/2)

اب یہاں جرہم خاندان کا حال سنیں۔ علامہ طبری نے جناب عدنانؑ کے پوتے جناب نزارؑ کے بیٹوں کے متعلق ایک بڑی دلچسپ صورتِ حال لکھی ہے۔ جس میں اس خاندان کی بصیرت اور دُور بینی کا ثبوت ملتا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:-

”اثنائے راہ میں مضر (بن نزار بن معد بن عدنان) نے کہیں خشک گھانس چری ہوئی دیکھی۔ اُسے دیکھ کر اُس نے کہا جس اونٹ نے اسے چرا ہے وہ کانا ہے۔ ربیعہ (نزار کا بھائی) نے کہا وہ بھیگا ہے۔ ایاد (تیسرے بھائی) نے کہا کہ اسکے دُم نہیں ہے۔ انمار نے کہا کہ وہ بھگوڑا ہے۔ یہ اُس مقام سے تھوڑا ہی آگے بڑھے تھے کہ اُن کو ایک شخص ملا جسے اُس کا اونٹ چھوڑ بھاگتا تھا۔ اُس نے ان سے پوچھا کہ تم نے میرا اونٹ دیکھا ہے؟ مضر نے کہا وہ کانا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ ربیعہ نے کہا وہ بھیگا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ ایاد نے کہا اسکی دُم نہیں ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ انمار نے کہا وہ بھگوڑا ہے؟ اس نے کہا ہاں بیشک میرے اونٹ میں یہ تمام باتیں موجود ہیں۔ تم مجھے بتاؤ کہ وہ اونٹ کہاں ہے؟ انہوں نے قسم کھائی کہ ہم نے اُسے دیکھا بھی نہیں ہے۔ وہ شخص نہ مانا اور اُن کے پیچھے پڑ گیا۔ کہنے لگا تم نے میرے اونٹ کا پورا پتہ دیا ہے۔ میں کیسے مانوں کہ تم نے اُسے دیکھا بھی نہیں ہے؟ یہ سب چل کر نجران آئے اور انعی الجرہمی (قاضی القضاۃ) کے یہاں مقیم ہوئے۔ اونٹ والے نے چلا کر کہا کہ ان لوگوں نے میرا اونٹ لیا ہے۔ ان لوگوں نے اس کا پورا پتہ اور نشان بتایا ہے۔ اور پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم نے اُسے دیکھا بھی نہیں ہے۔ جرہمی (قاضی) نے اُن سے پوچھا کہ جب تم نے اُسے دیکھا بھی نہیں تو پھر کیوں کر اس کی واقعی صفات بیان کر دیں؟ مضر نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ اس نے گھانس کو صرف ایک طرف سے چراتھا اور دوسری سمت یوں ہی چھوڑتا چلا گیا۔ اس لئے میں نے قیاس کیا کہ وہ ضرور کانا ہے۔ ربیعہ نے کہا میں نے دیکھا کہ اس کے اگلے پیروں میں سے ایک کا

نشانِ قدم پورا پڑتا ہے اور دوسرے کا نشان ناقص پڑتا ہے۔ اس لئے میں نے قیاس کیا کہ وہ بھینگا ہونے کی وجہ سے وہ ایک پاؤں پر دباؤ دے کر چلتا ہے۔ ایاد نے کہا چونکہ اُس کی بیگنیاں ایک ہی جگہ پر ڈھیر تھیں۔ میں نے قیاس کیا کہ اس کی دُم نہیں ہے۔ ورنہ دُم اُن کو بکھیر کر گراتی۔ انمار نے کہا کہ میں نے جب دیکھا کہ وہ صرف گھنی جھاڑی میں چرتا تھا اور جلدی سے وہاں سے گزر کر دوسرے ایسے مقام کو چلا جاتا تھا جہاں کا چارہ زیادہ نرم اور کمزور ہوتا۔ میں نے قیاس کیا کہ وہ اپنے مالک کو چھوڑ کر بھاگتے بھاگتے چرتا جا رہا ہے۔ اس گفتگو کو سن کر (قاضی) جرہمی نے اونٹ والے سے کہا کہ انہوں نے تمہارا اونٹ نہیں لیا۔ تو جا کر تلاش کر۔ اور اب جرہمی (قاضی) نے اُن (نزار کے بیٹوں) سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے اپنا پتہ بتایا۔ اُس نے اُن کو خوش آمدید کہا اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ میرے پاس کسی ضرورت سے آئے ہیں۔ پھر اُس نے اُن کے لئے کھانا منگایا اور سب نے مل کر کھانا کھایا اور شراب پی (معاذ اللہ)۔ مضر نے کہا اس سے بہتر شراب میں نے کبھی نہیں پی مگر معلوم ہوتا ہے کہ انگور قبر پر پھلے تھے۔ ربیعہ نے کہا میں نے آج سے بہتر گوشت کبھی نہیں کھایا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جس جانور کا یہ گوشت ہے۔ اس نے کتیا کا دودھ پیا ہے۔ ایاد نے کہا کہ ہمارے میزبان سے زیادہ فیاض آدمی میری نظر سے نہیں گزرا۔ مگر یہ اُس باپ کا بیٹا نہیں ہے جس کا یہ مدعی ہے۔ انمار نے کہا کہ میں نے آج سے پہلے اس سے زیادہ مفید گفتگو نہیں سنی تھی۔ جرہمی (قاضی) نے بھی یہ گفتگو سن پائی اور اُس سے بڑی حیرت ہوئی۔ اُس نے جا کر اپنی ماں سے اپنا نسب پوچھا۔ اُس نے کہا بے شک میں ایک بادشاہ کی بیوی تھی۔ اس کے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ میں نے اپنے ایک مہمان کو موقع دیا اور اُس سے میں حاملہ ہوئی۔ اس کے بعد اُس نے اپنے داروغہ سے دریافت کیا کہ شراب کہاں کی ہے؟ اس نے کہا یہ اُس انگور کی نیل کی ہے جو میں نے تمہارے باپ کی قبر پر بوئی ہے۔ اب اس نے چرواہے سے گوشت کی حقیقت پوچھی۔ اس نے کہا بے شک ایسی بکری کا ہے جس نے کتیا کے دودھ پر پرورش پائی تھی۔ اور اس وقت تک گلے میں کوئی اور بکری جنی نہ تھی (یعنی بچہ والی نہ تھی) کہ اس کا دودھ پلایا جاتا۔ جرہمی نے مضر سے پوچھا کہ آپ نے کیوں کر شراب اور اس کے پھل کو شناخت کیا کہ یہ قبر پر پھلا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے اُس کے پینے سے سخت پیاس معلوم ہوئی۔ ربیعہ سے پوچھا تم نے گوشت کو کیوں کر شناخت کیا۔ اس کی بھی اس نے کوئی توجیہ نہ کر دی۔ اب اس نے پوچھا کہ اچھا آپ یہ بتائیے کہ میرے پاس کیوں آئے ہیں۔ انہوں نے اپنا سارا واقعہ بیان کیا کہ ہمارے باپ نے ہمیں یہ وصیت کی تھی کہ وراثت کی تقسیم میں آپ لوگوں کو اختلاف ہو تو جرہمی سے فیصلہ کرانا۔“ (تاریخ طبری۔ جلد اول صفحہ 52-51)

(10/6)۔ مشرکین عرب کی تاریخ کی ہر وہ بات صحیح ہے جو صحیح مَیٰج اُن کے خلاف ہو

مشرکین عرب نے بڑی دانش مندی کے ساتھ مندرجہ بالا احقنا نہ واقعہ گھڑا ہے۔ احقنا نہ اس لئے کہ کسی بھی مذہب و ملت کے انسان کو، خواہ وہ بھنگی اور مردار خور ہی کیوں نہ ہو۔ جب یہ پتہ چل جائے کہ جو گوشت وہ کھا رہا ہے۔ وہ کتیا کے دودھ سے بنا ہے۔ تو وہ قے کرتا، اُبکائیاں لیتا، دسترخوان سے اٹھ جائے گا۔ اور ہرگز نہ کہے گا کہ وہ گوشت تمام گوشتوں سے لذیذ تر ہے۔ پھر عملاً واقفاً یہ بھی ناممکن ہے کہ ایک ہی دن اور ایک ہی وقت اس قسم کی تمام چیزیں اس دسترخوان پر جمع ہو جائیں جو فوراً بچھایا گیا ہو اور پہلے سے اس کی کوئی تیاری نہ کی گئی ہو۔ پھر داروغہ کو یا چرواہے کو اُن انگوروں کی شراب بنانے، اس بکری کے ذبح کا ذمہ دار بھی ماننا پڑے گا جو ناممکن اور غلط ہے۔ پھر

پیاس لگنے کے لئے دوسری بہت سی علامات و اسباب موجود ہیں۔ یہ بھی ناممکن ہے کہ میزبان کو حرامی کہنے والی بات اتنی بلند آواز سے پکار کر کرنا، دانشمندیوں کا کام نہیں ہے۔ اور یہاں دانشوروں کی دانش ہی کا ذکر ہو رہا ہے۔ پھر بادشاہ کے اس بیٹے کو بھی بادشاہ ہونا چاہئے تھا۔ پھر وہ توجہ غائب ہے جو یاد دہانی کی تھی۔ اس واقعہ میں دانش مندی یہ ہے کہ دانش مندی کی آڑ میں خانوادہ رسولؐ کے بزرگوں کو شراب و حرام خور اور باپ کے نافرمان ثابت کر دیا۔ اور لوگوں نے فضیلت کی آڑ میں اس ناہنجار کہانی کو قبول کر لیا۔ بہر حال اس کہانی میں جو چیز بلا شک و شبہ صحیح ہے وہ وہی ہے جو عربوں کے خلاف ہو۔ اور دوسرے واقعات سے ثابت ہو۔ مثلاً یہ کہ سہائی، فحطانی اور جرہمی خاندانوں میں بے تکلف حرام کی اولاد پیدا کر کے اپنے خاندان میں شمار کر لی جاتی تھی۔ اس پر عربوں کی تاریخ اور قرآن و حدیث و مشاہدات گواہ ہیں۔ اُن میں حرام خوری برابر جاری تھی، حرام برابر جاری تھا، یہاں تک کہ قرآن نے مسلمانوں کو حرام و خباثت کھانے سے اور زنا اور وہ بھی اپنی ماں اور بہنوں سے زنا کو روکا (دیکھو کتاب، اسلام اور جنسی تعلقات)۔ رہ گیا خانوادہ رسولؐ تو قرآن و حدیث کی رو سے اس شاخ میں کوئی زانی، حرام کار و حرام خور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اور ہم اسی بنا پر کسی نبیؐ کے والد و والدہ کو غیر معصوم نہیں مانتے اور رہ گئیں مشرکین عرب کے زیر انتظام تیار ہونے والی کتابیں، اُن کا ناقابل اعتبار ہونا بار بار ثابت ہو چکا ہے۔ اُن کا ہر وہ قصہ غلط ہے، ہر وہ روایت باطل ہے، ہر وہ تفسیر شیطانی ہے، جس سے آنحضرتؐ کے بزرگوں اور اُن کی اولاد کی حکومت، عصمت و اختیارات و منزلت وغیرہ پر ظاہر و باطن حرف آئے یا جن سے ابلیسی اور طاغوتی خانوادے یا شجرہ ملعونہ کے افراد کو اسماعیلی قریشی یا ہاشمی وغیرہ بنانے کی بدبو تک محسوس ہو۔

(10/7)۔ جاہلیت کے اندھیرے اور مشرکانہ گرد و غبار میں فحطانی خاندانوں کا خانوادہ رسولؐ سے الحاق

یہاں تک ہم جس پہلو پر زیادہ زور دیتے چلے آئے ہیں وہ یہی ہے کہ فحطانیوں کی مختلف شاخوں نے مکہ اور خانہ کعبہ پر اقتدار حاصل کرنے کیلئے ہر خفیہ اور اعلانیہ کوشش کی۔ خواہ سہائی حکومتیں ہوں یا شاہان حیرہ (عراق) ہوں، شاہان حمیر ہوں۔ چونکہ فحطانی یا جرہمی حضرت اسماعیلؑ کی آمد سے پہلے ایک دفعہ حجاز اور مکہ پر قابض تھے۔ لہذا انہوں نے اپنے مقبوضہ کو حاصل کرنے اور اس پر قابض رہنے کیلئے خاندان اسماعیلؑ کے سربراہان ملت کو بار بار اور کئی بار مکہ سے نکل جانے پر مجبور کیا اور اُن سے عظیم الشان بھٹی حکومت نے مندرجہ بالا تمام فحطانی حکومتوں سے اسی تنازعہ کی بنا پر محاذ جنگ قائم رکھا اور بار بار حیرہ، حمیر اور سہائی حکومتوں سے مکہ کو واپس لے کر اپنے سربراہوں کے سپرد کیا۔ اسلئے فحطانی قبائل کی ساری حکومتیں اور اُن کے قبائل کا بچہ بچہ حضرت اسماعیلؑ کی سربراہ اور شاہی ذریت کا دشمن رہا۔ فحطانی قبیلے کی ہر شاخ کے بادشاہ سے لے کر عام فرد تک اسماعیلیوں کو مٹانے کی پالیسی پر قائم رہے۔ چنانچہ یہ لوگ اسماعیلی خاندان کی بھٹی اور غسانی حکومتوں سے نبرد آزما رہے۔ حکومتیں ختم ہو جانے کے بعد یہ لوگ آنحضرتؐ کے مقابلے پر آئے اور برابر خاندان رسولؐ سے برسرِ پر خاش رہتے چلے گئے۔ دشمنان خاندان اسماعیلؑ یا فحطانیوں کا گھریلو یا خفیہ محاذ برابر کوشاں رہا کہ اگر ہمارے تیغ بکف محاذ کو کامیابی نہ ہو تو ہم اپنی خدمات اور قرب کے ذریعہ اسماعیلیوں میں شامل ہو جائیں۔ لہذا دشمن کے دونوں محاذوں نے پہلے یہ کوشش کی کہ حضرت نابت بن اسماعیلؑ کی نسل کو غیر عرب، غیر ملکی اور اجنبی قوم ثابت کیا جائے اور اُن کی دوسری حکومت یعنی غسانی شاخ کو فحطانی مشہور کیا جائے۔

چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے قبیلہ قضاعہ اور قبیلہ اوس و خزرج یعنی انصارتک کو فحطانی مشہور کر دیا۔ یہ گفتگو اور ثبوت گزر چکا

ہے۔ اور قحطانی خفیہ محاذ نے رفتہ رفتہ بطور پناہ، بطور حلف، بطور خدمت و غلامی اسماعیلی بننا اور کہلانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے بعض ماہرین کو نساہوں اور اہل قلم کی صورت میں چاروں طرف پھیلا دیا۔ اور زبانی چلنے والے شجروں میں الحاق کرنے، نئے نام، القابات کی آڑ میں شامل کرنے، بعض صحیح اور مشہور نام چھوڑ کر چند پشتوں کے اوپر الحاق شدہ نام دہرانے کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ یہ لوگ گھر گھر جاتے، بازاروں اور دکانوں اور جلسہ گاہوں میں پہنچتے اور نسب ناموں میں کتر و بیونت کے ہنر دکھاتے۔ انعام و اکرام کیلئے ایک خاندان کے افراد کے ساتھ دوسرے خاندان کے افراد کا جوڑ لگاتے۔ کبھی ابن فلاں بن فلاں کی گردان کرتے۔ کبھی کہتے زید و بکر و عمرو و صخر و سعد و نوفل سب ہی اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ کوئی سوال یا اعتراض کرتا تو کہتے کہ جناب ہم نے ابن فلاں بن فلاں نہیں کہا ہے یہ تو وہ لوگ تھے جو فلاں خاندان کے وفادار دوست تھے۔ بے بدل حلیف تھے۔ بیٹوں سے زیادہ پیار سے پالے ہوئے لے پاک فرزند تھے۔ کوئی اپنا پڑھایا ہوا وظیفہ خوار بڈھا کھوسٹ اٹھتا اور کہتا کہ تم کہاں سے نساہی سیکھے ہو۔ تم کل کے بچے ہو۔ ہمیں عمر گزر گئی ان بزرگوں کو فلاں خاندان کے بزرگوں میں ابن فلاں بن فلاں کے ساتھ سنتے ہوئے۔ نساہ اکڑ جاتا۔ چیلنج کرتا اور ادھر ادھر سے پارٹی کے نساہ اور بڈھے جمع ہوتے۔ مناظرہ ہوتا آخر وہ سب متفق ہو جاتے کہ جی یہی صحیح ہے۔ آئندہ ہم یوں کہا کریں گے۔ کعب بن سعد بن عمرو بن تیم و عدی بن مرہ بن کعب۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم انہیں حلیف اور دوست سمجھتے رہے۔ بس اب اجماع ہو گیا۔ قحطانی اسماعیلی اور اسماعیلی قحطانی بنائے جاتے رہے۔ کسی نے کہا کہ عبدالدار بیٹا تھا۔ دوسرے نے غم ٹھونک کر کہا تم بکتے ہو وہ غلام تھا۔ تیسرے نے کہا کہ نہ وہ بیٹا تھا، نہ غلام تھا۔ وہ تو لے پاک تھا۔ چوتھا متفق اٹھا۔ اس نے کہا کہ بھائیو تم صحیح کہتے ہو الفاظ کا فرق ہے۔ ارے بھائی وہ بیٹا ہو کر تمام بیٹوں سے زیادہ خدمت کرتا تھا۔ ایک دن باپ نے دوسرے بیٹوں کو سبق دینے کیلئے اُسے غلام کہہ کر مخاطب کیا تھا اور ایسا کوئی بیٹا ہوتا ہی نہیں جو لے پاک نہ ہو۔ ارے خدا سے لے کر پالنا ہی تو لے پاک کے معنی بھی ہیں۔ ویسے بھی شریف لوگ چھوٹے بچوں کو بیٹا اور بچیوں کو بیٹی کہتے ہی ہیں اور اگر ہم گھر میں رکھیں تو بیٹا بیٹی کہنے کے ساتھ ان کی پرورش بھی اپنے بیٹوں کی طرح کرتے ہیں۔ اور دل دکھ جانے سے ڈر کر لوگوں کے روبرو بھی، سوال کرنے پر بھی اپنا ہی بیٹا یا بیٹی کہتے ہیں۔ اور جوان ہو جانے پر ان کی شادیاں کرتے ہیں اور اگر شرافت کے اُس ماحول میں کوئی قحطانی مشرک داخل ہو جائے تو وہ نہایت آسانی سے شجرہ میں رد و بدل بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں اُس بیٹے کا ذکر ہے۔ جسے قحطانی اصول توڑنے اور اُس مشرک نہ الحاق کو ہمیشہ کیلئے خاندان رسولؐ سے جدا رکھنے کیلئے فرمایا گیا کہ:-

”محمد تمہارا رے مردوں میں سے کسی ایک کا بھی باپ نہیں ہے۔“ (احزاب 33/40)

اور یہ کہ ”ان کی ازواج تم سب کی مائیں ہیں۔“ (احزاب 33/6)

اور تم لوگوں کو ان سے نکاح کرنا قیامت تک حرام ہے۔ یعنی ان کی لڑکیوں سے بھی تم لوگ نکاح نہیں کر سکتے ورنہ اَبَدًا کی لفظ بلا ضرورت ہو کر رہ جائے گی (33/53)۔ یہاں سے خاندان رسولؐ کی عورتوں کی معرفت بھی الحاق کا دروازہ بند کر دیا۔ ورنہ کہا جاتا کہ میں ماں کی طرف سے سید ہوں۔ لہذا اب کوئی سید نہیں ہے۔ سوائے اُس کے جس کا باپ سید ہو۔ (اس سلسلہ میں ہماری کتاب ”اسلام اور جنسی تعلقات“ نہایت ضروری ہے)۔ بہر حال خاندان اسماعیل میں ایرے غیرے لوگ داخل ہونے کی مہم چلاتے رہے۔ اور اس مہم کو

کامیاب بنانے کے لئے جناب عدنان علیہ السلام کے بعد والی سولہ نسلوں کے مفصل حالات کو تاریخ سے چاٹ گئے۔ سید بزرگوں کے لئے دودو چار جملے مشہور کئے اور قحطانیوں کے افراد کو اُن کے بیٹوں میں شمار کرنا شروع کیا۔ اور ظہورِ قرآن کے وقت دس بارہ قحطانی خاندان پکے اسماعیلی مشہور ہو چکے تھے۔ اور اوس و خزرج و قضاہ اور بطنی و غسانی خاندان قحطانی بتا کر اطمینان کر لیا گیا تھا۔ مگر تمام الحاقی قحطانیوں کو اُس شجرہ طیبہ سے نکال کر دور کرنا ہمارا کام ہے۔ جس طرح یہ لوگ بطنیوں، غسانیوں، بنو قضاہ اور اوس و خزرج کو قحطانی بنانے میں فریب ساز ہیں اُسی طرح اولاد اسماعیلؑ میں قحطانیوں کو داخل کر کے اسماعیلی یا قیداری یا قریشی کہلانے میں جھوٹے ہیں۔ اُن کے حالات و واقعات و صفات و عادات و تصورات کہیں بھی حضرت اسماعیلؑ کے خاندان کے افراد سے نہیں ملتے۔ اُن کا اچھے سے اچھا اور کریم سے کریم فرد بھی متغنی اور مکینہ اعمال سے پاک نہیں ملتا۔ پھر اُن کی اعلانیہ اور پوشیدہ تین ہزار سالہ دشمنی بتاتی ہے کہ یہ ضرور ابلیسی اشتراک سے پیدا ہونے والے لوگ تھے۔ اور جب اُن کو قرآن کی مدد سے پہچان لیا گیا تو پھر انہوں نے اسی خاندان کو دنیا سے مٹا کر چھوڑنے کا پروگرام بنا لیا، جس کے ممبران بننے کے لئے صدیوں تک تاریخ کے چاروں طرف دھول اور گرد و غبار اڑایا تھا۔ یہاں سے آگے اُن کی چند گھلی گھلی کوششیں آپ کے سامنے آنے والی ہیں۔

11- حضرت قصیؑ، قریش اور لفظ قریش کی آڑ میں پوشیدہ قحطانی

اس عنوان میں آپ کو وہ تمام کوشش نظر آئے گی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حیات اور اُن کے انتقال کے بعد کیلئے قحطانی ذریت نے کی تھی۔ حضرت عدنان علیہ السلام کے بعد رسول اللہ اور علی مرتضیٰ علیہما السلام تک اکیسویں (21) پشت ہے۔ جناب قصی علیہ السلام اُن دونوں حضرات کے اوپر پانچویں پشت میں ہیں۔ اور جناب قصیؑ ہی وہ بزرگ ہیں جو تمام قحطانیوں کی اڑائی ہوئی دھول اور مکرو فریب کے گرد و غبار میں پوری آب و تاب سے چمکتے چلے آئے اور یہی وہ پاکیزہ خصلت اور دھڑلے کے انسان ہیں جن سے چمٹ جانے اور ملحق ہو جانے کیلئے مشرکین و مومنین عرب نے پورا زور لگایا۔ اور جو کسی طرح اُن کے پہلے بزرگوں سے اپنا الحاق اور مصنوعی نسب نامہ مشہور کرنا چکے تھے۔ اُنہوں نے یہ ترکیب کی کہ جس جس سے اپنا نسب چپکایا اُن کو قریش کے القاب سے پکار کر خود قریشی اور پھر اسماعیلی بن جانے کی مہم جاری کر دی۔ لیکن ہم ان تمام ترکیبوں کا پردہ فاش کر کے تمام غلط خاندانوں سے قریشیت کا لبیل اُتار کر اُن کو قحطانی الاصل دکھائیں گے۔ اور پھر یہ لفظ قریش بھی ایک دھوکے کی ٹٹی کی طرح اُن ہی کے حوالے کر دیں گے۔ اس لئے کہ خانوادہ رسولؐ کے لئے یہ لفظ دراصل تو ہین کا نشان بنا دیا گیا ہے۔

(11/2)۔ قریش کے معنی میں اختلافات اور بے تکی باتیں

لوگوں نے اپنا نسب خانوادہ رسولؐ سے ملانے کیلئے لفظ قریش کو مروڑ مروڑ کر اُسکی جان نکال دی۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:-

(i) ”لفظ قریش کے عربی میں متعدد معنی ہیں۔ اُس کا ایک ماخذ تقریش و تقرش ہے۔ جس کے معنی اکتساب و تحصیل ہیں۔ خیال ہے

کہ چونکہ اس خاندان کا اصل پیشہ تجارت تھا۔ اس لئے قریش کے نام سے موسوم ہے۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 97)

اگر علامہ کی یہ توجیہ جو بقول اُن کے خیالی ہے، صحیح مان لی جائے تو عرب میں قحطانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے سب سے بڑے تاجر تھے اور اصل پیشہ تجارت تھا۔ لہذا لفظ قریش ایک قحطانی لقب ہے جو برابر قحطانیوں کا ٹائٹل تھا۔ اور انہوں نے نہایت چابکدستی سے خاندان اسماعیل میں اس لفظ کو مختلف بزرگوں سے چپکا کر خود اسماعیل کی اولاد میں شریک ہو جانے کے لئے راہ نکالی اور ملاحظہ ہو:-

(ii) ”قریش ایک دریائی درندہ جانور کا بھی نام ہے۔ جو دریائی جانوروں کا شکار کرتا ہے۔“ (ارض القرآن جلد اول صفحہ 97)

یہاں قارئین لا حول پڑھ کر کہہ دیں کہ لفظ قریش کو رسول اور خاندان رسول کے ساتھ لقب کے طور پر استعمال کرنا ایسی توہین و جسارت ہے جو قحطانی مشرکین ہی کو زیب دیتی ہے۔ ہمیں اور ہمارے رسول کو اس لقب سے معاف رکھیں۔ یہ واقعی اُن لوگوں کا لقب تھا۔ جنہوں نے خود کو رسول اللہ کی قوم مشہور کر رکھا تھا۔ اور پھر قرآن کے خلاف محاذ بنا کر اُس سے ہجرت کر گئی تھی اور رسول نے اللہ سے شکایت کی تھی کہ: **يُرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا** (فرقان 25/30)

اے میرے پالنے والے میری اس قوم قریش نے اس پورے قرآن کو چھوڑ کر ایک الگ قانون کو راہنما بنا لیا ہے۔ علامہ شبلی فرماتے ہیں کہ:-

(iii) ”قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ قصی نے لوگوں کو ایک رشتے میں منسلک کیا۔ اس لئے قریش کہلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مچھلی کا نام ہے۔ جو تمام مچھلیوں کو کھا جاتی ہے۔ چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے۔ اس لئے اُن کو اُس مچھلی سے تشبیہ دی۔ عام خیال یہ ہے کہ قریش قصی یا کسی اور شخص کا نام ہے۔ لیکن سہیلی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قبیلے کا نام ہے۔ جس طرح قبائل عرب جانوروں کے نام پر نام رکھتے تھے۔ جیسے اسد (شیر) نمر (چیتا) وغیرہ۔ مورخین یورپ کا خیال یہ ہے کہ یہ قبائل جانوروں کی پرستش کرتے تھے۔ اور اُن ہی جانوروں کے نام سے وہ قبائل مشہور ہو جاتے تھے۔ لیکن عربی تاریخوں میں اس کا پتہ نہیں ملتا۔“ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 164 حاشیہ)

یہاں قارئین یہ سمجھ لیں کہ اختلاف تو اس لئے ہے کہ بعض لوگوں پر جب اس مشرک کا نہ شہرت کے متعلق اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی تو جس سے جو بن پڑا بکتا اور توجیہات کرتا چلا گیا۔ پھر یہ بھی ایک جھوٹ ہے کہ عربی میں قریش کے متعدد یا بہت سے معنی ہیں۔ عربی میں ہر ایک لفظ کے ایک معنی ہوتے ہیں۔ البتہ جن جہلا کو ہر تصور کے لئے الگ الگ لفظ معلوم نہیں ہوتا وہ ایک ہی معلوم لفظ کو جگہ جگہ بولے گا۔ یا پھر مشرکین عرب قرآن کو بے وزن اور موم کی ناک بنانے کے لئے ایک ایک لفظ کو مختلف معنی میں رگڑیں گے۔ تاکہ آیات و احکام کے معنی جدر چاہیں موڑتے چلے جائیں اور تمام کافرانہ تصورات اسلامی بن جائیں۔

قارئین خود بتائیں کہ آپکو درندہ ہونے کا لقب دیا جائے، مچھلی بنا دیا جائے تو کیا آپ خوش ہونگے؟ ہم اگر واقعی بڑے سردار ہوتے تو ہرگز یہ برداشت نہ کرتے کہ درندہ یا درندہ مچھلی کہا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ قحطانی مشرکین نے خانوادہ رسول کی توہین کرنے اور لوگوں کو یہ بتانے کیلئے درندہ قرار دیا ہے کہ عرب کی دوسری اقوام کو جب اُن کا دل چاہے آنحضرت کی نسل کشی کیلئے متحد کر سکے۔ ذرا سوچئے

جس بزرگ نے اُن پر احسانات کئے، انہیں نئی زندگی بخشی، اُن کے بچوں اور ناموس کو عربی بد دُوں اور ڈاکوؤں سے محفوظ کیا۔ یہ احسان فراموش گروہ اسی بزرگ کو درندہ مشہور کرتا ہے۔ اور اس بد باطنی پر فخر بھی کرتا ہے۔ اور آخری بات یہ کہ قریش کسی اور قبیلے کا نام تھا جو درندہ مچھلی کی پوجا کرتا تھا۔ اس سے پھر یہ ثابت ہوا کہ مشرکین کے زیر اہتمام لکھی ہوئی تاریخ ازسرتاپا جھوٹ اور افترا کا ایک بڑا بدبودار بنڈل ہے۔ جسے اُن کے محققین و مؤرخین روزانہ جھوٹی تاویلات و توجیہات لکھ لکھ کر کاغذوں میں لپیٹ لپیٹ کر تعفن کو کم کرنے میں مصروف رہتے چلے آئے ہیں۔ اور نہیں سمجھ پاتے کہ بد بو اور نفرت ساری دنیا کا دماغ پھاڑ دے دے رہی ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ علامہ شبلی یا کسی اور مشرکین عرب کے تاریخی انبار میں بعض چیزیں نہیں ملتیں یہ قابل تعجب نہیں ہے۔ اسلئے کہ ہر وہ حقیقت اور ہر وہ نشان مٹا دیا گیا تھا جو مسلمانوں کی باغی حکومتوں کو پسند نہ تھا۔

جناب علامہ طبری نے قریش کی وجہ تسمیہ کی تحقیق کی۔ بسم اللہ ہی میں قریش کی نقاب نوچ لی ہے وہ لکھتے ہیں کہ:-

(iv) ”ابن الکلی کہتا ہے کہ قریش کے معنی نسب کا دیوان (یعنی شجرہ نسب کی کتاب) ہیں۔ قریش نہ کسی کا باپ ہے نہ ماں ہے نہ کسی کا

تر بیت کرنے والا ہے نہ کسی کو پالنے والی ہے۔“ (تاریخ طبری۔ جلد اول صفحہ 47)

لیجئے جھگڑا ختم ہو گیا کہ وہ ساری توجیہات و تاویلات محض مشرکانہ بکواس تھیں۔ قریش سرے سے کسی مرد یا عورت کا نہ نام تھا نہ لقب تھا۔ بلکہ قریش تو کسی ایسی کتاب کا نام تھا جس میں کوئی خاص نسب نامہ لکھا ہوا تھا۔ ہم اس بکواس میں ایک قرین قیاس اضافہ کرتے ہیں کہ یہ کوئی ایسی کتاب تھی جو مارکس، لینن یا افلاطون کی طرح حسب و نسب کو مٹانے اور عورت کو ماں، بہن اور بیٹی کے رشتوں کی پابندیوں سے آزاد کر کے نسبی تفریق اور ترجیحات کو دنیا سے ختم کرنے والی تھی۔ یہ اس دلیل سے صحیح قیاس ہے کہ آگے چل کر عربوں نے اس پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ قرآن کریم اور رسول کریمؐ نے ماں اور بیٹی اور بہن سے نکاح کو حرام ٹھہرا دیا۔

(11/3)۔ قریش اگر لقب تھا؟ تو کس کا لقب تھا؟ مشرکین کوئی مستقل بات نہیں کہا کرتے

اس عنوان میں ہم یہ دکھائیں گے کہ جب بعض خاندانوں نے یہ دیکھا کہ اُن کی محنت اور پروپیگنڈا خوب پھیل گیا اور قریش لوگوں کی زبانوں اور خود ساختہ کہانیوں میں دہرایا جانے لگا تو انہوں نے اپنے اپنے مورث اعلیٰ کو قریشی بنانے کے لئے یہ بحث شروع کی کہ قریش کس کا لقب تھا؟ تاکہ اس فرضی تعین کے ساتھ اُن کا خاندان بھی قریش بن جانے سے محروم نہ رہے۔ بات بھی صحیح تھی۔ اس لئے کہ قحطانیوں کی ہر شاخ کے ہر فرد نے اسماعیلی بن جانے میں تعاون اور محنت کی کمی نہ چھوڑی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ خاندان رسولؐ کی اس دشمن قوم کے تمام افراد کو اس محنت کا پھل ملے۔ چنانچہ قارئین کو عرب کی تاریخ میں یہ بھی ملے گا کہ اولاد ابراہیمؑ اتنی بڑھی تھی کہ عرب کے تمام قبائل ابراہیمؑ ہی کی اولاد میں سے تھے۔ اور عرب کے تمام قدیم باشندے یعنی عاد اولیٰ، عاد ثانیہ، ثمود اولیٰ اور ثمود ثانیہ، قبیلہ سبا، قحطانی لحيانی اور جرہم وغیرہ سب مٹ گئے تھے۔ گویا رسول اللہؐ کی بعثت کے وقت سارے ملک میں اسماعیلی نسل ہی باقی تھی۔ اور خصوصاً مکہ میں تو کوئی ایسا خاندان تھا ہی نہیں جو قریشی نہ ہو۔ یعنی بعثت سرورؐ دو عالم تک تمام قحطانی قریش کے پردوں میں پوشیدہ ہو چکے تھے۔ اب ہم قحطانیوں کا جال واپس اُن ہی پر ڈالیں گے تاکہ اُن کے علاوہ کوئی اور شریف خاندان لفظ قریش سے داغدار نہ رہے۔ اور

صرف قحطانی ہی لفظ قریش سے ملقب رہ جائیں۔ اور خاندان رسول کا شجرہ طیبہ قریشی فریب سے باہر نکل آئے۔ آئیے ایک قریشی سید سلیمان ندوی کے قلم سے ابتدائی نئی سنئے:-

(i) ”قریش دنیا کی تاریخ میں کب ظاہر ہوئے؟ اور اس خاص خاندان کی کب بنا پڑی؟ تاریخوں میں اسکا ذکر نہیں، اس قدر معلوم ہے کہ (حضرت) عبدالمطلب چھٹی صدی عیسوی کے اواسط (درمیان) میں موجود تھے۔ (حضرت) عبدالمطلب سے فہر (علیہ السلام) تک دس پشتیں ہوئیں۔ ایک پشت کیلئے پچیس (25) برس کا زمانہ اگر فرض کیا جائے تو ڈھائی سو برس کی مدت قرار پاتی ہے۔ اس بنیاد پر قریش کے اعظم رجال (بڑے لوگوں) کے حسب ذیل تقریبی سنیں ہم متعین کر سکتے ہیں۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 101)

یہ طے ہو گیا کہ دنیا کی تاریخ میں یہ کہیں نہیں ہے کہ قریش اور قریشی کب وجود میں آئے۔ لہذا علامہ نے یہ تنگ لگائی ہے کہ جب سے حضرت فہر علیہ السلام دنیا میں ہیں اسی وقت سے قریش بھی دنیا میں ظاہر ہوئے اور فہر کو اسلئے اختیار کیا گیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ قحطانی قریش بنائے جاسکیں۔ اس سے پہلے وہ اُن تمام مؤرخین کو جھوٹا ثابت کر چکے ہیں جنہوں نے حضرت نضر بن کنانہ کو قریش لکھا ہے اور اُن کو غلط گو قرار دے چکے ہیں جنہوں نے حضرت قصی کو لفظ قریش سے منسوب کیا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ:-

(ii) ”قریش ایک دریائی درندہ جانور کا بھی نام ہے جو دریائی جانوروں کا شکار کرتا ہے۔ (حضرت) فہر نے اپنے استیلا یعنی غلبہ و قوت کے اظہار کے لئے یہ لقب اختیار کیا۔“ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 97-98)

مطلب یہ ہے کہ حضرت فہر کو درندہ سے بہتر کوئی لفظ معلوم ہی نہ تھا۔ اور معاذ اللہ انہیں درندگی پسند تھی۔ پھر علامہ نے صفحہ 99 پر قریش کے شجرہ کو بھی حضرت فہر ہی کے نام سے نیچے تک لکھا ہے۔ جس میں اُن تمام موٹے موٹے خاندانوں کو جناب فہر کی نسل میں لکھا ہے جو اسماعیلی بنائے جا رہے تھے۔ اور کھل کر لکھا ہے کہ ”فہر کا لقب قریش تھا۔“ (صفحہ 97)

اب علامہ شبلی کا بیان سنئے اور دیکھئے کہ سید سلیمان ندوی اپنے استاد کے خلاف فہر کو قریش بنا گئے اور بات پکی کرنے کے لئے کسی اختلاف کا ذکر تک نہ کیا۔ یہی طریقہ ہے کہ ہر بعد میں آنے والا قحطانی مؤرخ پچھلے اختلاف پر پردہ ڈالنے کو اپنا مذہبی فریضہ اور خدمت اسلام سمجھتا رہا ہے سنئے ارشاد ہے کہ:-

(iii) ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اگرچہ اباعن جد معزز و ممتاز چلا آتا تھا۔ لیکن جس شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا وہ نضر بن کنانہ (علیہما السلام) تھے۔ بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا۔ اور اُن ہی کی اولاد قریش ہے۔“ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 162-163)

اس بیان سے وہ ہزاروں افراد اس خود ساختہ لقب سے محروم ہو گئے جو جناب نضر اور مالک علیہما السلام سے متعلق تھے۔ لیکن یہ اختلاف ہی ان تمام بیانات کو باطل کرتا ہے اور بات وہی صحیح ہے کہ قریش نہ کسی باپ کا نام ہے، نہ کسی بیٹے کا، نہ کسی ماں کا نام ہے، نہ کسی خاندان کا، یہ تو ایک جھوٹے نسب کی داستان ہے جو کسی زمانہ میں کسی دیوان یا رجسٹر میں لکھی گئی تھی۔ آگے چل کر علامہ شبلی نے حضرت قصی علیہ السلام کے نظم و ضبط و اقتدار و حکومت کی مدح و ثنا کی ہے اور لکھا ہے کہ:-

(iv) ”اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول (حضرت) قصی ہی کو ملا۔“ (سیرۃ النبیؐ - صفحہ 164)

اس سے پہلے قارئین نے سیرۃ النبیؐ ہی سے یہ دیکھا تھا کہ قریش کا لقب قصی ہی کو ملا تھا۔ (پیرا نمبر 11/2 کا iii)
جناب طبری فرماتے ہیں کہ یہ لقب نضر کا نہیں اُن کی اولاد کا تھا۔

(v) ”دوسرے ارباب سیر کہتے ہیں کہ بنو النضر بن کنانہ کا (یعنی نضر بن کنانہ کی اولاد کا) نام قریش یوں ہوا کہ ایک دن نضر بن کنانہ اپنی قوم کی چوپال میں آیا جو لوگ وہاں تھے اُن میں سے کسی نے دوسرے سے کہا نضر کو دیکھو وہ ایک بڑا زبردست اونٹ معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قریش کا یہ نام ایک بحری جانور کے نام پر رکھا گیا ہے۔ جسے قریش کہتے ہیں۔ اور وہ تمام دوسرے بحری جانداروں کو کھالیتا ہے۔ اور چونکہ وہ تمام بحری جانوروں میں سب سے زیادہ قوی اور زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ اس لئے بنو نضر بن کنانہ (نضر کی اولاد) کو اس سے مشابہت دی گئی ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ نضر بن کنانہ لوگوں کے حالات کی تفتیش کر کے اپنے مال سے اُن کی حاجت براری کرتا تھا۔ اور قریش کے معنی اُن کے بیان کے مطابق تفتیش کے ہیں۔ اور اُس (نضر) کے بیٹے بھی حاجیوں کے حالات کی تفتیش کر کے اپنی استطاعت کے مطابق اُن کی حاجت براری کرتے تھے۔ اُن کا یہ لقب ہوا۔ انہوں نے قریش کے معنی جو تفتیش کے لئے ہیں۔ اس پر وہ کسی شاعر کا یہ شعر شہادت میں پیش کرتے ہیں۔

أَيُّهَا النَّاطِقُ الْمَقْرُشُ عَنَا عِنْدَ عَمْرٍو فَهَلْ لَهْنَ انْتِهَاءُ

ترجمہ: اے شخص جو ہمیں عمرو کے یہاں دریافت کر رہا ہے۔ کچھ ہماری محبوباؤں کی بھی خبر ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نضر بن کنانہ کا نام ہی قریش تھا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب تک قصی بن کلاب نے تمام بنو نضر بن کنانہ کو ایک جابج نہیں کر دیا۔ یہ بدستور بنی نضر ہی کہلاتے رہے۔ جب یہ سب جمع ہو گئے تو اب اُن کو اس لئے قریش کہا جانے لگا کہ جمع ہی تفرش ہے۔ اس بنا پر عرب کہنے لگے۔ ”تَقَرَّشُ بَنُو النَّضَرِ“ یعنی بنو نضر جمع ہو گئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو نضر کو قریش اس لئے کہا گیا ہے کہ اب انہوں نے غارت گری چھوڑ دی۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 47-48)

(vi) اس بیان میں لفظ قریش پر جو اختلاف کا ہنگامہ سامنے آیا ہے اُس پر زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے اس تمام جعل سازی کا پردہ چاک ہو چکا ہے۔ یہاں تو یہ دیکھنے کے بار بار جو جملہ استعمال ہوا ہے یعنی ”یہ بھی کہا گیا ہے“ یا ”یہ بھی بیان کیا گیا ہے“ اور یہ کہ ”بعض محققین نے یہ کہا ہے“ اور یہ کہ ”بعض مؤرخین کی یہ تحقیق ہے۔“ یہ سب کچھ کسی ایک ہی زمانہ کی بات نہیں ہے، نہ ہی یہ سب کچھ کسی ایک شخص نے کہا تھا۔ بلکہ اس کو اس کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ سب سے پہلے کسی واقعہ کو گھڑنے والے نے جو موزوں سمجھا کہہ دیا یا لکھ دیا۔ آگے چل کر جب اُس پہلی گھڑنت پر اعتراض ہوا تو دوسرے فریب ساز نے ایک دوسری صورت سے اُس پہلے جھوٹ کو لکھا اور کہہ دیا کہ یوں بھی کہا گیا ہے۔ اس طرح آج 1394 ہجری تک یہ مجلسازی آپہنچی ہے۔ فرق اس قدر ہو گیا ہے کہ اب یہ فریب ایک فن اور ابلیسی سائنس بن چکا ہے۔ چنانچہ آج کے مؤرخین و محققین جو کچھ کر رہے ہیں اُس کی مکمل تصویر جناب شبلی، جناب سرسید احمد خان، مسٹر پرویز، مولانا مودودی کے یہاں موجود ہے۔ اور چند دوسرے اہل قلم تو اس حد پر جا پہنچے ہیں کہ انہوں نے لکھ

دیا کہ محمد اسماعیل بخاری ہی نہیں بلکہ تمام عجمی محدثین، جیسے ترمذ کے ترمذی سب کے سب شیعہ تھے۔ تمام مؤرخین شیعہ تھے۔ اس قسم کے حدود فراموش اہل قلم کھل کے اعلان کر چکے ہیں کہ یزید اور معاویہ حقیقی اسلام کے راہبر تھے۔ اور ان کے تمام مخالف باغی تھے۔ اور ان کی سزا اس سے زیادہ تھی جو کر بلا وغیرہ میں دی گئی۔ ہم دراصل اسی گروہ کو مخاطب کرتے ہیں اور ان کے تمام مددگاروں کو آڑے ہاتھوں لیتے ہیں۔ اس بیان میں قریش کے معنی ایک قوی ہیکل اونٹ بھی بتائے گئے ہیں۔ یعنی چند خبیث لوگوں نے جناب نصر علیہ السلام کو اونٹ قرار دیا اور پھر نصر کی اولاد نے خود اونٹ ایسا جانور ثابت کرنے کے لئے یہ لقب اختیار کر لیا۔ حالانکہ زیادہ سے زیادہ جو ماننا ممکن تھا وہ بات یہ ہو سکتی تھی کہ خانوادہ رسول کو ان کے دشمن طرح طرح کے بُرے اور بدنام کن القاب اور ناموں سے مشہور کیا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ سب کچھ بعد میں گھڑا گیا ہے۔ یہ سب القاب اور حیلے محض اسلئے تیار کئے جاتے رہے کہ جس طرح ہو سکے فحطانی و سبائی گروہ خانوادہ رسول میں شمار ہو سکیں۔ چنانچہ جب یہ دیکھا گیا کہ ہمارا قریشی جال کمزور ہے، اس کی بعض کڑیاں بہت ڈھیلی ہیں تو پھر ایک اور طریقہ اختیار کیا گیا تاکہ لفظ قریش کو جس طرح بھی ہو قبول کر لیا جائے۔ لہذا ایک عام چھوٹ دی گئی جس سے لوگوں کو یہ موقع ملے کہ فلاں فلاں قبائل قریش نہ تھے صرف ہم قریش ہیں۔ اس سلسلے میں علامہ سید سلیمان صاحب کا بیان پڑھیں:-

(vii) ”قریش کی ایک اور تقسیم“ قریش کی جن شاخوں کا اوپر ذکر ہوا۔ وہ طرز زندگی کے لحاظ سے دو جماعتوں میں منقسم تھے۔

(1) قریش الظواہر“۔ (2) قریش البطائح“۔ قریش ظواہر دیگر بادیہ نشین قبائل کی طرح مکہ کے آس پاس صحرا میں خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ قریش البطائح شہری زندگی کے عادی تھے۔“

اسکے بعد علامہ نے بنو تیم وغیرہ بہت سے قبائل کو نام بنام ظاہری قریش لکھا ہے اور آخر میں ابن خلدون کے حوالہ سے بتایا کہ:-

”ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو قسوی اور بنو کعب بن لوی کے سوا قریش کی اور تمام شاخیں قریش ظواہر تھیں۔ اصل یہ ہے کہ تمام تاریخیں اس پر متفق ہیں کہ قریش کی سیاسی عظمت و جلال کا بانی قسوی (علیہ السلام) تھا۔ قسوی سے پہلے قریش میں کسی قسم کا نظام قومی نہ تھا۔ مکہ ایک مرکز تھا اور اسکے دائرہ میں قریش کے تمام خاندان چکر لگاتے تھے۔ قسوی سب سے پہلا شخص ہے جس نے

قریش میں قومی ہیرو کی حیثیت پیدا کی۔“ (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 101-100)

یہاں تک بار بار حضرت قسوی علیہ السلام کا قریش ہونا اور ان سے قبل لفظ قریش کا وجود نہ ہونا ثابت ہوا ہے۔ اس کو مان لینے سے صرف وہ لوگ قریش رہ جائیں گے جو جناب قسوی کی اولاد میں ہوں۔ اور جناب ابو بکر و عمر دونوں خاندان قریش سے خارج ہو جائیں گے۔ اس فریب میں آکر علمائے شیعہ نے اس لفظ کو اختیار کر لیا اور اس بحث میں الجھ گئے کہ جناب قسوی اور آنحضرتؐ اصلی قریش تھے۔ لیکن ہم لفظ قریش کی خانوادہ رسولؐ و حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے نفی کرتے ہیں۔ اور عقلی و نقلی یعنی تاریخ و حدیث سے ان کا قریش نہ ہونا بلکہ فحطانیوں کا قریش ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اور فحطانیوں کے کسی فریب میں نہیں الجھتے ہیں۔ علامہ خلدون یاد دیگر علما کا قریش ظواہر اور قریش بطائح کہنا بھی ایک چال ہے۔ تاکہ سارے خانہ بدوش اور تمام شہری باشندے قریش کی چادر اوڑھ لیں اور فحطانی بھی ان میں گم ہو جائیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ تو اصلی قریش تھے اور کچھ بظاہر قریش یعنی بناوٹی قریش تھے۔ یعنی فحطانی باطن بھی

قریش تھے اور بظاہر بھی۔ باقی اُن کے حوالی موالی بناوٹی قریش تھے۔ تاکہ بغاوتوں میں اصلی قریش کا ساتھ دینے کے لئے تیار رہیں۔

(11/4)۔ قریش کی تحقیق مزید، یہ کون لوگ تھے؟

قارئین اور ساری دنیا جانتی ہے کہ آنحضرتؐ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے ہیں۔ اور اُن کو خدا نے نبوت و رسالت و امامت و حکومت عطا کی تھی۔ اور اُن کے بعد وہی حکومت غیر بنی ہاشم و غیر بنی عبدالمطلب میں چلی گئی۔ اس لئے ضروری ہوا کہ بعد کی حکومت خود کو خانوادہ رسولؐ میں سے بتائے۔ تاکہ وراثت کتاب و نبوت و رسالت و امامت اور حکومت چسپاں ہو جائے۔ اُن کے لئے یہ تو ناممکن تھا کہ وہ بنی ہاشم یا بنو عبدالمطلب بن جاتے۔ لہذا جناب معاویہ کے زمانہ میں لفظ قریش کی ایجاد کی گئی اور تمام خلفاء کے خاندانوں کو خانوادہ رسولؐ میں شامل کرنے کے لئے جناب نصر و فہر و قصی علیہم السلام کو قریش کہہ کر اُن سے خلفاء کے قبائل کا الحاق کیا گیا۔ اور خود ہی اختلاف و حزب اختلاف پیدا کر کے لوگوں کو اس بحث میں الجھا دیا گیا کہ قریش کی لفظ یا لقب تو ہر اختلاف کنندہ تسلیم کر لے۔ مگر بحث اس پر ہو کہ قریش تھا کون۔ اور ہر شخص قریش بن جانے کی کوشش میں مصروف ہو کر یہ بھول جائے کہ درحقیقت لفظ قریش ہی ایک فریب ہے۔ یہ وہی ترکیب تھی جو ہم بتایا کرتے ہیں کہ دو جاہل آدمی کیسے بڑے مفسر و محدث و صاحب تصنیف بن جایا کرتے تھے۔ یعنی ایک فاروق نامی شخص کسی جریدے میں لکھے کہ:-

”جناب عثمان نے اپنی کتاب ”مصابح المسالک“ کی بارہویں جلد کے صفحہ 875 پر لکھا ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام افلاطون سے مناظرہ کے لئے یونان آئے اور اس سے سوال کیا کہ.....“ ذرا سوچئے کہ جناب عثمان صاحب کو یہ بھی پتہ نہیں کہ افلاطون اور حضرت عیسیٰ کے درمیان ہزاروں سال کا فرق ہے۔“

اس کے بعد ثانی الذکر یعنی عثمان صاحب مذکورہ بالا اعتراض کا جواب ایک ماہنامہ میں لکھتے ہیں کہ:-

”جناب فاروق صاحب نے یہ غور نہیں کیا کہ میں نے یہ عبارت خود نہیں لکھی بلکہ جناب علامہ عبدالقادر کے اجماعاً اقوال کی ذیل میں نقل کی تھی۔ یہ غلطی اس لئے ہوئی کہ فاروق صاحب نے اس تحریر کا اوّل و آخر نہ پڑھا۔ بہر حال ہم بتاتے ہیں جناب علامہ فاروق نے اپنی کتاب زوال امت جلد چوبیس صفحہ 561 پر متعہ کی بحث میں نہ صرف غلط حوالے دئے بلکہ قرآن کریم کی آیات بھی غلط لکھی ہیں۔“

اب ان دونوں بیانات کو پڑھنے والے یہ نہیں سوچتے کہ آیا دونوں نام نہاد علما نے مصباح المسالک اور زوال امت لکھی بھی ہے یا نہیں۔ اور آیا اُن کی 36 جلدیں ہیں بھی یا نہیں؟ وہ تو فوراً اس بحث پر طبع آزمائی شروع کر دیتے ہیں کہ جو اُن چابکدست مکاروں نے پیش کی ہے۔ لہذا دھردو جعلاز آدمی علامہ بن گئے ادھر دو ضخیم کتابیں مان لی گئیں۔ مدبرین عرب نے اس قسم کے بہت سے کام کئے۔ جن میں بعد کے علما الجھے چلے آئے اور مصباح المسالک اور زوال امت کی طرح لفظ قریش کا وجود مخم ٹھونک کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر فریقین نے قریش کی فضیلت میں روایات گھڑ گھڑ کر کتابوں میں لکھوائیں۔ لکھنے والوں اور یاد کر کے بیان کرنے والوں کی تنخواہ اور وظائف مقرر ہوئے اور ایک جھوٹی عمارت سامنے کھڑی ہو گئی۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ بہت بعد میں ہوا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ کے

لوگوں کو خبر تک نہ تھی کہ بعد میں قریش اور اس پر کتنی بڑی عمارت بنے گی؟ چنانچہ تواریخ و تفاسیر و احادیث کی کتابوں میں عبد الملک بن مروان کا قصہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ:-

إِنَّ عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ سَالَ مُحَمَّدُ بْنُ جَبْرِ مَتَى سَمِيتَ قُرَيْشَ قُرَيْشًا؟ قَالَ حِينَ اجْتَمَعَتْ إِلَى الْحَرَمِ مِنْ تَفَرُّقِهَا فَذَلِكَ التَّجْمَعُ النَّقَرُ فَقَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ مَا سَمِعْتُ هَذَا وَلَكِنْ سَمِعْتُ أَنَّ قَضِيًّا كَانَ يَقُولُ لَهُ الْقُرَشِيُّ وَلَمْ تَسْمَعْ قُرَيْشَ قَبْلَهُ - لَمَّا أَنْزَلَ قِصَى الْحَرَمِ وَغَلَبَ عَلَيْهِ فَعَلَ أَفْعَالَ جَمِيلَةً فَقِيلَ لَهُ الْقُرَشِيُّ - (تاریخ طبری جلد دوم مطبوعہ مصر صفحہ 188)

”یقیناً عبد الملک بن مروان نے محمد بن جبیر سے یہ سوال کیا تھا کہ اہل قریش کا نام قریش کب اور کیسے پڑ گیا؟ اس نے کہا کہ جب وہ لوگ حرم مکہ میں مجتمع ہو گئے۔ اس لئے کہ یہ اجتماع ہی قریش بننے کی دلیل ہے۔ عبد الملک نے کہا کہ یہ بات میرے علم میں نہیں آئی ہے۔ البتہ میں نے جو کچھ سنا وہ یہ ہے کہ قصی کو قرشی کہا جاتا تھا۔ اور قصی سے پہلے قریش کا یہ نام نہیں ہوا کرتا تھا۔“ اور مسلسل لکھا کہ ”جب قصی حرم میں آکر اترے اور وہاں سب پر غالب آگئے اور نہایت عمدہ کردار بجالائے تو انہیں قرشی کہا جانے لگا۔“

چونکہ عبد الملک بن مروان خود تخت بنی امیہ 65ھ سے 86ھ تک اکیس سال حاکم و بادشاہ رہا اور جناب معاویہ و یزید کا جانشین ہوا۔ لہذا اسکے اس پروپیگنڈے میں یہ کوشش شامل ہے کہ کم از کم قصی سے قریش کا وجود اور اُنکے اپنے خاندان کا قریشی ہونا ثابت ہو جائے۔ خواہ خلیفہ اول و دوم اس فیض سے محروم ہو جائیں۔ لیکن ہم صرف اس قدر مانیں گے کہ حکومت بنی امیہ نے یہ تاریخ لکھواتے ہوئے قریش کی ایجاد کی تھی۔ نہ اس وقت تک یہ لفظ متعین ہوا تھا نہ اس سلسلے کی احادیث گھڑی گئی تھیں اور نہ سابقہ ادوار میں اس لفظ سے کوئی قوم مراد تھی۔ ہر تاجر، ہر کمی و ہر خانہ بدوش خود کو قریش کہہ لیا کرتا تھا اور اُنہی کے قول کو مان کر ہم نے اُن لوگوں کی مذمت اور بے دینی کے ثبوت کیلئے استعمال کیا ہے اور ق، ر، ش سے بننے والے گروپ کے الفاظ کو قرآن سے دور رکھا ہے۔ لہذا یہ لفظ صرف قحطانیوں کی ایجاد ہے اور اگر لقب ہے تو اُن ہی لوگوں کا جو کعبہ کے رب کی عبادت نہ کرتے تھے۔ اور سردی گرمی بادیہ پیمائی کرتے تھے (سورۃ قریش)۔ خانوادہ رسولؐ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ رہ گیا اس قسم کے اتہامات اور بیانات کا ہر فن کی کتابوں میں ہونا، وہ حکومتوں کے انتظام کا ثبوت ہے۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی نعمانی کا بیان کافی ہے۔

(11/5)۔ مشرکانہ تاریخ و کتب کلیتاً ناقابل اعتبار و اعتماد رہتی آئی ہیں

علامہ نے لکھا ہے کہ:- ”قططنیہ میں کتابوں کے چھپنے سے پہلے یہاں کے جانچ کے محکمہ میں، جس کا نام معارف ہے۔ اصل کتاب پیش کی جاتی ہے اور جو عبارت اس محکمہ کے افراد قلمزد کردیتے ہیں وہ نہیں چھاپی جاسکتی ہے۔ میرے سامنے ایک مطبع میں شرح عقائد شفی چھپ رہی تھی۔ معارف نے اس کتاب کی وہ تمام عبارت قلمزد کردی تھی جس میں خلافت کی بحث ہے اور اَلَا نِمَّة مِنْ قُرَيْش کی حدیث مذکور ہے۔ میں نے اصل نسخہ جس میں معارف نے یہ تصرف کیا تھا۔ دیکھا اور مجھے یاد ہے کہ میں اس وقت رنج و غصہ کی وجہ سے بے اختیار ہو گیا تھا۔“ (علامہ کا سفر نامہ صفحہ 97)

قارئین یہ کام مسلسل جاری رہتا چلا آیا ہے اور آج حکومتوں کی سرپرستی میں کتابوں کی حجامت کی جارہی ہے۔ لیکن اب خدا کا

شکر ہے کہ ان کی دستبرد محدود و مذموم ہے۔ اس لئے کہ تمام اہم کتابیں علم کے قدردانوں کے یہاں محفوظ ہوتی جا رہی ہیں۔ نہ معلوم اُس خبیث گروہ نے اس ملعون تاریخ کو کتنے ہزار دفعہ بدلا ہے۔ اور خود ہمارے مجتہد اس سازش میں شریک کار رہتے چلے آئے ہیں۔ مگر قرآن کریم اُن کے لئے سب سے بڑی مصیبت اور تحریک تشیع ان کے لئے ایک بولتا چالتا نگران اور محاسب رہے ہیں۔ اور اب اُن کا ہر راز کھل چکا ہے، ہر نقاب اتر چکی ہے۔

(11/6)۔ حضرت قصی علیہ السلام کے حالات اور اقتدار

عنوان نمبر 11 میں حضرت عدنان علیہ السلام کی اولاد کے بزرگوں کا جس قدر ذکر مل سکا ہم نے پیش کیا ہے۔ اور آخر قریش کی تفصیلات کی ذیل میں حضرت قصی کا بار بار تذکرہ ہوتا رہا ہے۔ اب ہم باقاعدگی کے ساتھ اُن حضرت کا حال پیش کریں گے۔ مورخ طبری نے لکھا ہے کہ:-

(i)۔ ”قصی بن کلاب۔ آپ کا اصلی نام زید ہے۔“ (طبری جلد اول صفحہ 39)

یہاں یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ قحطانی حکومتوں نے اپنے آباؤ اجداد کے ناموں کی طرح خانوادہ رسولؐ کے بزرگوں کے اصل ناموں کو پوشیدہ کر کے چند مکروہ قسم کے نام مشہور کئے جو ناقابل فہم و قبول ہیں۔ آپ نے نبطی حکومتوں کے بادشاہوں کے نام ملاحظہ کئے تھے۔ اُن میں ہر نام پسندیدہ ہے لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عربوں کے مشہور کئے ہوئے مکروہ نام خود رسول اللہؐ کے بزرگوں نے رکھے ہوں۔ چونکہ عدنان حکومت و قلمی اقتدار دشمنوں کے ہاتھوں میں رہا اس لئے جو چاہا مشہور کیا۔ حضرت قصی علیہ السلام کا ابھی دودھ بھی نہ چھوٹنے پایا تھا کہ آپ یتیم ہو گئے۔ جناب کی والدہ معظمہ فاطمہ بنت سعد بن سیل آپ کو کم سنی میں لے کر شام کے علاقہ میں آگئیں جہاں اسماعیلی شاخ بنو قضاہ کا قبیلہ بنی عذرہ آباد تھا۔ اپنے اُن ہی ہم نسبوں میں آپ نے دوسری شادی ربیعہ بن حرام سے کر لی۔ اور جناب زید قبیلہ قضاہ کے اس معزز اسماعیلی خاندان میں پرورش پانے لگے۔ یہاں تک کہ آپ سن بلوغ کو پہنچے۔ (طبری جلد اول صفحہ 39)

یہاں یہ بات واضح ہے کہ حضرت زید (قصی) کی یتیمی کے وقت جناب کے لئے اور آپ کی والدہ کے لئے سرپرست موجود ہوتا تو آپ کو بنی قضاہ کی سرپرستی میں نہ جانا پڑتا۔ لہذا یہ قصہ بعد کا گھڑا ہوا ہے کہ حضرت کلاب کے دو بیٹے تیم اور یقظہ بھی تھے۔ اگر سچ مچ جناب زید علیہ السلام کے دو چچا ہوتے تو یقیناً وہ خاندانی روایت کے مطابق جناب قصی کو اپنی تحویل میں رکھتے اور اُن کی والدہ کو اس دوسرے نکاح کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ لہذا بعد کے ادوار میں جناب سے تیم اور یقظہ کا الحاق کیا گیا جو خلیفہ اول کے مورث اعلیٰ ہیں۔ بہر حال یہاں یہ بھی ثابت ہے کہ جناب تیم اس زمانہ میں موجود تھے۔ اور انہیں بنی اسماعیل کی قصی والی شاخ سے ذرہ برابر دل چسپی اور تعلق نہ تھا۔ اور یہ کافی ہے ان کے اسماعیلی خاندان سے لائق کے لئے۔ ورنہ مکہ ایک چھوٹی سی جگہ تھی جس میں چند گھروں سے زیادہ اسماعیلی ہو ہی نہ سکتے تھے۔ اس لئے کہ یہاں اس زمانہ میں بنی خزاعہ کا دور دورہ تھا۔ کعبہ کی تولیت دوسری سے خزاعہ یعنی قحطان مکہ پر راج کر رہے تھے۔ ایسے عالم میں جناب قصی کی والدہ محترمہ یہاں رہ کر کیا کرتیں۔ لہذا تیم اور یقظہ نام کے اگر دو آدمی یہاں تھے بھی تو یقیناً وہ قحطانی تھے نہ کہ اسماعیلی؟ ورنہ وہ ضرور اس اسماعیلی بیوہ اور یتیم بچے کی حمایت کرتے جو شریف خاندانوں کا شعار تھا۔

بہر حال جناب زید عرف قصی شام کے علاقہ میں جوان ہوئے۔ وہ اسماعیلی قبیلہ تھا۔ دن رات خاندانی جاہ و جلال اور تولیت کعبہ کی وابستگی پر گفتگو رہتی تھی۔ چونکہ جناب قصی علیہ السلام خاندان انباط کے سربراہ تھے۔ اُن کی جوانی کا انتظار پورا نبٹی خاندان اور حکومت انباط کر رہے تھے۔ چنانچہ حالات کے سازگار ہوتے ہی آپ مکہ واپس تشریف لائے اور یہاں آکر آپ نے وہ بنیادیں استوار کیں جن پر امارت کعبہ کو دوبارہ حاصل کیا جاسکے۔ چونکہ خطانی تاریخ نبٹیوں کا تذکرہ اس سلسلہ میں کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے وہ یہ کیوں بتائے کہ تولیت مکہ حاصل کرنے اور ایک قدیم دشمن اور حاکم خاندان کو بے دخل کرنے میں نبٹی حکومت نے کیا پارٹ ادا کیا۔ لیکن وہ دبی زبان سے یہ بتاتی ہے کہ جب جناب قصی بن بلوغ کو پہنچے تو ایک قضاعی شخص نے یہ راز کھول دیا کہ قصی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جانشین ہیں اور تولیت کعبہ اُن کا حق ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی والدہ سے مشورہ کیا۔ اور حج کی موسم میں حاجیوں کے قافلے کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ یہاں طبری کے بقول والدہ گرامی کا ایک جملہ نوٹ کرنے کے قابل ہے۔

”اُسکی ماں نے اُس سے کہا کہ عجلت نہ کرو۔ ماہ حرام آنے دو۔ جب عرب حاجی مکہ جائیں۔ تم بھی اُن کے ہمراہ ہو جانا اس وقت

جانے میں تمہاری جان کا خطرہ ہے۔ قصی نے اپنی ماں کا مشورہ مان لیا اور وہ وہیں ٹھہرا رہا۔“ (طبری جلد اول صفحہ 40)

یہاں سوال یہ ہے کہ اگر واقعی حضرت قصی علیہ السلام کے نام نہاد و عدد پچا یعنی تیم اور یثبطہ مکہ میں موجود تھے؟ اور بقول خطانی تاریخ، حضرت قصی کا ایک حقیقی بھائی زہرہ نامی بھی مع اپنے بال بچوں کے مکہ میں موجود تھا؟ تو قصی کو جان کا خطرہ کیوں تھا؟ اور وہ کون سا ایسا دشمن تھا؟ جس کے متعلق جناب زید کی والدہ کو پختہ یقین ہے؟ اور جس کی اطلاع پر خود حضرت زید بھی اپنا سفر ملتوی کرتے ہیں۔ مکہ تو دارالامان تھا۔ وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس جانشین کا جان لیوا دشمن کون تھا؟ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے تمام آباؤ اجداد کے قتل کے درپے رہنے والے مکہ کی حرمت کا خیال بھی نہ کرتے تھے۔ اب قارئین کی سمجھ میں آ جانا چاہئے کہ حضرت زید کی والدہ انہیں مکہ سے دور دراز محفوظ مقام پر کیوں لے گئی تھیں۔ یہ بات اسماعیلی امامت کے ہر امام کیلئے ضروری تھی کہ لوگ اس سلسلہ کو منقطع کرنے کی فکر میں رہیں اور امامت کا سرپرست اپنے ہونے والے امام کی حفاظت کرتا رہے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ مکہ میں حضرت قصی علیہ السلام کا کوئی ہم نسب و طر فدا موجود نہ تھا۔ تیم، یثبطہ اور زہرہ سب بعد کے تیار کردہ ہیرو ہیں۔

(ii) - قصی کا مکہ میں قیام علامہ طبری کی زبانی

”جب ماہ حرام میں بنو قضاعہ (اسماعیلی) کے حاجی حج کیلئے روانہ ہوئے تو یہ اُنکے ہمراہ مکہ میں آیا۔ اور حج سے فارغ ہو کر اب یہیں مستقل طور پر قیام پذیر ہو گیا۔ چونکہ وہ بڑا بہادر اور شریف تھا۔ اُس نے حلیل بن حبشیۃ الخزاعی کے یہاں اُس کی بیٹی حُحی سے منگنی کرنا چاہی۔ حلیل نے اُسکے نسب سے اطمینان کر کے اپنی بیٹی سے اُسکی شادی کر دی۔ اُس زمانہ میں حلیل کعبہ کا متولی اور مکہ کا امیر (حاکم) تھا۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق شادی کے بعد قصی اپنے خسر حلیل کے ساتھ رہنے لگا اور اُسکی بیٹی حُحی کے بطن سے قصی کے بیٹے عبدالدار۔ عبدمناف۔ عبدعزیٰ اور عبدقصی پیدا ہوئے۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 40)

یہاں قارئین پھر ایک دفعہ تیم، یثبطہ اور زہرہ کو سلام رخصت پیش کر دیں۔ اس لئے کہ جناب زید علیہ السلام حلیل کے یہاں

رشتہ اور نکاح کی رسومات میں اپنے اُن جعلی بزرگوں کو نہ تو بلاتے ہیں نہ اُن کے یہاں قیام کرتے ہیں اور نہ اُن کا دشمن یہ پہچانتا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کس کو دے رہا ہے؟ نہ اُسے یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ کعبہ کے حقیقی وارث کو اپنے پورے قبیلے اور حکومت حمیر و حیرہ کے خلاف متولی بنانے کی بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھ رہا ہوں جو چند ہی ماہ میں پورے قحطانی قبیلے کو مکہ سے جلا وطن کرنے کا یا بے دست و پا ہو کر محکوم رہنے کا اعلان کرنے والا ہے۔ یہاں بھی طبری نے دھوکہ کھایا ہے کہ حُحی کے بطن سے عبدالدار اور عبدالعزیٰ کا ہونا قبول کر لیا ہے۔ حالانکہ اس خاندان حضرت اسماعیلؑ میں نہ کوئی بت پرست داخل ہو سکتا تھا نہ اس شاخ کے بزرگ اپنے کسی بچہ کا نام کسی بُت کے نام پر رکھ سکتے تھے۔ لہذا جناب قصی کے صرف دو بیٹے تھے۔ ایک جناب ابراہیمؑ جن کو بعد والوں نے عبد مناف مشہور کیا۔ اور دوسرے اسماعیلؑ جن کو عبد قصی کہا گیا ہے اور جن کا انتقال چھ سات سال کی عمر میں ہو گیا تھا۔

(iii)۔ مکہ پر اقتدار کے لئے جناب زیدؑ کی کوشش

چونکہ اُس زمانہ میں خانوادہ رسولؐ یا آل اسماعیلؑ مکہ میں موجود نہ تھے۔ اسلئے جناب زید علیہ السلام کو مکہ پر اقتدار حاصل کرنے کیلئے اُن تمام عربوں سے مدد حاصل کرنا ضروری تھا جو قحطانی قبیلے بنی خزاعہ کے خلاف تلوار اٹھا کر اسماعیلی امامت و قیادت کی نصرت کرنے پر آمادہ ہو سکیں۔ یہ وہ موقع تھا جہاں ایک دفعہ پھر تیم اور یقظہ اور زہرہ کا جناب قصی کے مددگاروں میں پایا جانا ضروری تھا۔ مگر یہ تینوں نام جو بعد میں قریشیوں کو جنم دینے والے بتائے جاتے ہیں، کہیں نظر نہیں آتے۔ اور جو لوگ اس نازک موقع پر آگے بڑھتے اور تاریخ میں چمکتے نظر آتے ہیں، اُن میں لیڈنگ پارٹ لینے والے جناب زیدؑ کے ایک ماں جائے بھائی جناب رزاع جو دوسرے سر پرست والد ربیعہ سے تھے۔ اور اُن کے تین سوتیلے بھائی حسنؑ بن ربیعہ، محمود بن ربیعہ اور جھمہ بن ربیعہ جو ربیعہ کی پہلی زوجہ سے تھے۔ یہ نبطی خاندان کے چشم و چراغ دور دراز، شامی علاقے سے مدعو کئے گئے تاکہ وہ اپنے دادا جناب اسماعیلؑ علیہ السلام کی امامت و اقتدار بحال کرنے کیلئے مکہ آئیں اور دوز بردست حکومتوں حمیر و حیرہ، کے لواحقین سے مکہ کو پاک کریں۔ یہ قصہ قحطانی انداز میں مؤرخ طبری یوں سناتے ہیں:-

”قصی اور رزاع بن ربیعہ۔ جب اُس (قصی) کے بیٹے دور دراز ملکوں میں چلے گئے اور اُس (قصی) کی دولت اور عزت بڑھ گئی۔ حلیل بن حبشیہ مر گیا۔ قصی نے سوچا کہ قبیلہ خزاعہ اور بنی بکر کے مقابلہ میں خود وہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی امارت کا مستحق ہے۔ نیز یہ کہ قریش اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ کی اولاد اور اُن کی خالص نسل سے ہیں۔ اس غرض کے لئے اُس نے قریش اور بنی کنانہ کے بعض لوگوں سے گفتگو کی اور کہا کہ ہم سب مل کر بنو خزاعہ اور بنو بکر کو مکہ سے نکال باہر کریں۔ جب انہوں نے اُس کی یہ بات مان لی۔ اُس نے اپنے اخیانی بھائی رزاع بن ربیعہ بن حرام کو جو اپنی قوم میں تھا اپنی نصرت اور شرکت کی دعوت دی۔ رزاع نے اپنی قوم بنو قضاہ میں کھڑے ہو کر ان سے اپنے بھائی کی امداد کی درخواست کی اور کہا کہ آپ لوگ میرے ساتھ ہوں۔ انہوں نے اس کی دعوت قبول کی اور چلنے پر آمادگی ظاہر کی۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 40)

(iv)۔ تاریخ کے اس قحطانی بیان کی بے سرو پائی، بے حیائی اور ساری دنیا کو بے وقوف سمجھنے کی پالیسی پر ہمارے ساتھ ساتھ نظر ڈالیں۔ اور دیکھیں کہ یہ فریب ساز ٹولہ کسی کہانی کو گھڑنے کے زمانہ میں کس قدر مطمئن تھا۔ اسے ذرہ برابر یہ خیال نہیں کہ حضرت قصیؑ کے متعلق یہ

سوال کیا جائیگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد مسلسل یکے بعد دیگرے بچپن (55) امام جس کے خاندان میں گزرے ہوں۔ اور وہ خود اب ان آئمہ علیہم السلام کا جانشین ہو۔ اُسے تو بچپن ہی سے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چھپنواں (56) متولی و جانشین ہے۔ اور یہ کہ کعبہ پر دشمنانِ خدا و رسول کا ناجائز قبضہ ہے اور یہ کہ مکہ میں اُنکے خاندان کا کوئی شخص نہیں ہے۔ سب جلا وطنی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ خود شیر خوارگی کے زمانہ سے اپنے ہم نسب قبیلہ بنی قضاہ کے دامنِ عاطفت میں پلے اور جوان ہوئے ہیں۔ اُن کو مکہ میں آ کر تھی سے نکاح کر کے بقول طبری چوتھائی درجن بچے پیدا کر کے اُنکے جوان ہو جانے کے بعد اور پھر ستم ظریفی یہ کہ جب وہ نام نہاد مصنوعی بیٹے اس فرضی باپ کو چھوڑ کر دور دراز ممالک میں جا کر آباد ہو چکے تو یہ خیال آیا کہ وہ (قصی) بنو خزاعہ اور بنو بکر کے مقابلہ میں کعبہ کی تولیت کے زیادہ حقدار ہیں؟ سوچئے کہ دن دھاڑے قارئین تاریخ کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا رہی ہے۔ تاکہ کوئی یہ سوال نہ کر بیٹھے کہ اُس وقت عبدالدار اور عبدالعزی کہاں تھے۔ وہ اس اہم مہم میں کیوں باپ کے ساتھ کعبہ اور مکہ کو دشمنوں سے خالی کرانے میں شامل نہیں ہیں۔ اسلئے عبدالدار اور عبدالعزی کو نہایت دے پاؤں دور دراز ممالک میں چلے جانے کا اشارہ کر دیا اور وہ چلے گئے تب جناب قصی اپنی مہم کا آغاز کرتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب باپ مکہ میں پھول پھل رہا ہے۔ کعبہ کے متولی کا داماد بنا ہوا ہے۔ کعبہ کے غاصب متولی کی بیٹی اُنکے باپ کے پاؤں دبانا اپنی عزت کا نشان سمجھتی ہے۔ جبکہ عبدالدار و عبدالعزی کو کوئی دقت درپیش نہیں ہے۔ اُنکے فرضی باپ یا ماں کے خصم کی دولت و عزت دن رات بڑھ رہی ہے تو وہ مکہ کو چھوڑ کر کیوں چلے گئے۔ تاریخ کی اس کہانی میں کوئی جھوٹا سچا عذر کیوں نہ لکھا گیا؟ ہم یوں کہیں کہ اگر واقعی عبدالدار اور عبدالعزی نام کے دو شخص اس زمانہ میں مکہ میں موجود تھے؟ تو وہ یقیناً دشمنانِ اولاد اسماعیل تھے۔ اور خصوصاً نبلی خاندان کے چشم و چراغ حضرت زید علیہ السلام کی تولیت کعبہ کے اور اسماعیلی امامت کے سخت مخالف تھے۔ اسلئے کہ جب تک وہ اپنی سرپرست اور قومی حکومت حمیر کے دور دراز ممالک میں نہ گئے، جناب قصی خاموشی سے اُنکے جانے کا انتظار کرتے رہے۔ اور اُنکے خطرہ کے ٹل جانے کے بعد آپ نے کعبہ و مکہ کو آگزا کرانے کی مہم کا آغاز کیا۔ اور اگر واقعی وہ حضرت زید کی جائز اولاد ہوتے تو سوتیلے بھائیوں کی مدد کیلئے بلانے کے ساتھ ہی انہیں بھی واپس آنے اور اس کار خیر میں باپ کی اور تمام انبیاء کی نصرت کرنے کی دعوت دیتے۔ لہذا ثابت ہوا کہ عبدالدار ہو یا کوئی عزی کا بندہ ہو۔ وہ کم از کم حضرت قصی کی اولاد نہ تھا اور نہ وہ اسماعیلی خاندان کے کسی اور قبیلہ سے تھا، نہ انہیں کعبہ اور مکہ سے ہمدردی تھی، نہ وہ دیندار لوگ تھے۔

پھر یہ جو کہا گیا کہ جناب قصی نے مکہ میں قریش اور بنی کنانہ سے گفتگو کی اور انہیں اپنا ساتھ دینے پر ابھارا۔ یہ بات اگر اسی صورت میں صحیح مان لی جائے تو یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ اُن نام نہاد قریش کی طاقت اس قابل نہ تھی کہ حضرت قصی کے بھائی اور بنو قضاہ مدد نہ کریں تو یہ لوگ کعبہ کو آگزا کر لیتے۔ یعنی اگر کوئی قریش نام کا جاندار وہاں موجود تھا بھی تو نہایت حقیر و ذلیل صورت رکھتا تھا۔ یہ مردہ بحث دوبارہ زندہ کرنا اب فضول ہے کہ نام کی ابتدا تو جب ہوگی جب جناب قصی کعبہ اور مکہ سے قحطانی قبیلہ کے بنو خزاعہ کو نکال کر مکہ کے گرد و نواح کے خانہ بدوش عربوں کو بنو خزاعہ سے چھینے ہوئے مکانات میں آباد کر دیئے اور تمام اُن لوگوں کو اپنے چاروں طرف جمع کر لیں گے جو قحطانی حکومتوں یعنی حمیر و حیرہ کے بادشاہوں کے مظالم کے خلاف اب امامت اسماعیلی کی حمایت کریں گے۔ اس تجمّع کے بعد

تَقْرُش کی ہنڈیا چڑھے گی اور پھر وہ حمایت کرنیوالے مختلف قبائل قریش کہلائیں گے۔ بہر حال اگر مکہ میں قریش نام کے کچھ جاندار موجود تھے بھی تو یہ اور بھی بُری صورت حال ہے اور اُس برائی کو سمجھنے کیلئے آپ بھی ایک بُری بات کریں یعنی کہیں بہت پہلے لکھے ہوئے ایک اقتباس کو پڑھنے اور اُس بُری بات کو سمجھنے میں اپنے دو منٹ ضائع کریں۔ سنئے علامہ شبلی قحطانی طرز تحقیق کو ماتم کیلئے یوں پیش فرماتے ہیں کہ:-

”قبائل قضاہ۔ عام علمائے انساب قضاہ کو بنی قحطان میں داخل کرتے ہیں۔ اور ہم بھی یہاں اُن کی پیروی کرتے ہیں۔ ورنہ

از روئے تحقیق وہ (قضاہ) بنو اسماعیل ہیں بہر حال اُن کی حسب ذیل شاخیں ہیں: (1) بنو کلب (2) بنو تنوخ (3) بنو جرم

(4) بنو جہنیہ (5) بنو نہد (6) بنو عذرہ (7) بنو اسلم (8) بنو بلی (9) بنو سلح (10) بنو ضجیم (11) بنو تغلب

(12) بنو مر (13) بنو اسد (14) تیم اللات۔“ (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اول صفحہ 108)

وعدہ والی بُری بات سے پہلے یہ بُری بات سامنے آگئی کہ قحطانی حکومت کے مورخین اور علمائے انساب بلا تحقیق محض دشمنی خدا و رسولؐ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ان چودہ قبیلوں کو اسلئے خانوادہ رسولؐ سے خارج کر دیتے ہیں کہ اُن لوگوں نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو سو سال پہلے مکہ اور کعبہ کو قحطانیوں سے چھین کر آنحضرتؐ کے دادا جناب قصی علیہ السلام کی امامت و امارت و حکومت کے قیام میں نصرت کی تھی۔ یعنی خانوادہ رسولؐ کی حکومت قائم کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ جسے کسی طرح قحطانی الاصل لوگ معاف نہیں کرتے۔ نام بدل لیتے ہیں، غیروں کو اپنا باپ بنا لیتے ہیں، انتقام کیلئے داماد بنا لیتے ہیں، بیٹیاں سپرد کرنے کو تیار رہتے ہیں، ہر مکرو فریب و غداری و احسان فراموشی کر لیتے ہیں۔ کعبہ میں آگ لگا دیتے ہیں، مسجد میں گھوڑے باندھ کر اُسے اصطبل بنا لیتے ہیں، مذہب بدل کر کلمہ اور نمازیں پڑھنے لگتے ہیں۔ مگر انتقام لئے بغیر نہیں چھوڑتے ہیں۔ افسوس ہے علامہ شبلی ایسے دعویدار تحقیق پر کہ وہ اقبال جرم کرنے کے بعد بھی پیروی قحطانیوں ہی کی کرتے ہیں۔ بس جناب وہ بری بات بالکل صاف ہے کہ طبری کے بیان کا یہ جملہ کہ:-

”رزاح نے اپنی قوم بنو قضاہ میں کھڑے ہو کر ان سے اپنے بھائی کی امداد کی درخواست کی اور کہا کہ آپ لوگ میرے ساتھ

ہوں۔ انہوں نے اس کی درخواست قبول کی اور مکہ چلنے پر آمادگی ظاہر کی۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 40)

مطلب یہ ہے کہ حضرت زید (قصی) کے بھائی کی قوم قضاہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے اسماعیلی تھی۔ مگر قریش نہ

تھی اور جن قریش کا اُس زمانہ میں مکہ میں موجود ہونا لکھا وہ قریش ہوں یا قحطانی ہوں مگر وہ بنو اسماعیل نہ تھے۔ یعنی قریش بنو اسماعیل نہیں

ہوتے۔ اور بنو اسماعیل قریش نہیں ہوتے۔ اور اُس وقت مکہ والے قریش حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہوتے تو حضرت قصیؐ کو اور

اُن کی والدہ کو ہرگز مکہ سے نہ جانے دیتے۔ اپنے خاندانی امّ، جانشین ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے لئے اپنی جان تک نثار کر دیتے۔ لہذا وہ

ویسے ہی قریش تھے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ جن کو نہ یتیموں پر رحم آتا تھا، نہ بیواؤں پر ترس کھاتے تھے، نہ

پڑوسی کی رعایت کرتے تھے، نہ مہمان سے دغا کرنے سے چوکے تھے، نہ انہیں پردیسی کی بے کسی متاثر کرتی تھی، نہ بھوکے پیاسے بچوں کی

بھوک پیاس پر اُن کا دل پیجتا تھا۔ وہ نمازیوں کو بے جرم و خطا قتل کرتے، اُن کے سروں کو کاٹ کر اُن کے بیوی بچوں کے سامنے اُن کے

سروں کو اینٹوں کی جگہ رکھ کر اپنی ہنڈیا پکاتے تھے۔ وہ مظلوم اور ستم رسیدہ عورتوں کو اُن کے معصوم بچوں کے سامنے تصرف میں لاتے

تھے۔ بتائیے ایسے درندہ صفات، انسان نما حیوان کس بے رحمی کے ساتھ خانوادہ رسولؐ کے ساتھ شہار کر لئے گئے۔ اس ہی کا جواب علامہ شبلی نعمانی نے دیا ہے کہ ہم وہ لوگ ہیں جو حقیقت و تحقیق کے باوجود نسل اسماعیل کو قحطانی بنانے کی پیروی کرتے رہیں گے۔ اس قسم کے محققین و مؤرخین و مفسرین و محدثین و مجتہدین کو بتادو کہ ہم بھی تمہاری تمام اسکیموں کی کھال اتارے بغیر اور تمہاری اسلامی نقاب نوچ کر تم سے کفر کا اقرار کرائے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ تمہیں اپنا اصلی مذہب بتانا پڑے گا۔ تمہیں اپنی صحیح ولایت کا اعلان کرنا ہوگا۔ لہذا زیر بحث بیان میں یہ جملہ سراسر بکواس اور خدا و رسولؐ پر اتہام ہے کہ:

”نیز یہ کہ قریش اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ کی اولاد اور اُن کی خالص نسل سے ہیں۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 40)

اولاد اور خالص تو بڑی چیزیں ہیں وہ تو بنی نوع انسان میں سے ایسے لوگ بھی نہ تھے جو ایک شیر خوار بیٹیم اور بے سہارا بیوہ کی سرپرستی اور مدد کر دیا کرتے ہیں، جو ظالم سے مظلوم کا حق دلوا یا کرتے ہیں۔ اور سنو کہ اس تمام بیان میں بھی جناب قصیؑ کے الحاقی اور نام نہاد چچاؤں تیم اور یفطہ کا پھر کہیں ذکر نہیں ہے۔ یعنی وہ دونوں اس وقت کے قریش میں بھی موجود نہ تھے۔ پھر یہ سوچئے کہ اُن قریش میں سے کسی ایک کا نام تک نہ لکھنا جو مکہ میں موجود تھے اور جن سے کعبہ کو آگزا کر اُن کی گفتگو ہوئی تھی، صاف بتاتا ہے کہ یہاں بھی لفظ قریش ایک بے نام و نشان فراڈ و فریب ہے۔ لہذا سنئے اور ہمیشہ یاد رکھئے کہ وہ قحطانی گروہ تھا جو مناسب مواقع کی تلاش میں رہا کرتا تھا۔ اور دبے پاؤں بنی اسماعیلؑ کی اسکیموں میں داخل ہو کر انڈر گر اوڈنڈ محاذ کا کام کرتا تھا۔ دشمنوں کے مرکز کو تازہ بہ تازہ خفیہ راز بتانے اور مومنین میں اختلاف و افتراق پھیلا کر انہیں خانوادہ اسماعیلؑ کا مخالف بنانے اور اپنے ساتھ ملا کر نبوت و رسالت و امامت و حکومت الہیہ پر قبضہ جمانے کی تاک میں لگا رہتا تھا۔ وہ نمازیں پڑھتا، تہجد بجالاتا، روزے رکھنے کی زحمت برداشت کرتا، ہر عقیدہ اور مسئلے کی بے چوں و چرا تصدیق کرتا، سمجھنے اور سمجھانے کی آڑ میں نہایت دانش مندی سے بحث بھی کرتا، موقع ملنے پر ڈانٹ بھی دیتا، سابقہ کتب پر بھی جانچتا، زکوٰۃ و خیرات خوب خوب اعلان کر کے نکالتا، اولین و سابقین میں شامل رہتا، اور رفتہ رفتہ پورے دین کی اساس بدل ڈالتا تھا۔ اس گروہ کا نام قاف سے ہو یا میم سے ہو، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ کی کتاب قرآن کریم میں یہ ابلیس کا گروہ ہے۔ یہ حزب الشیطن ہے جو روز ازل سے تمام انبیاء و ائمہ علیہم السلام کا مد مقابل رہا ہے۔

(v)۔ حضرت زیدؑ (قصیؑ) کے حالات قحطانی تاریخ کے پُر فریب پردہ پر

اگر قحطانیوں کو یہ لالچ نہ ہوتا کہ وہ قریشی نقاب میں ملبوس ہو کر آنحضرتؐ کے خانوادے سے اپنا پیوند لگا سکیں گے تو وہ ہر گز جناب قصیؑ اور اُن کے اگلے پچھلے بزرگوں کا تذکرہ تاریخ میں نہ کرتے۔ لہذا جو کچھ انہوں نے اس سلسلے میں بیان کیا ہے۔ اس سے یہ مقصود نہیں کہ وہ اُن بزرگوں کے فضائل اور کارنامے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ اصلی مقصد یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے ایسے واقعات سامنے لے آؤ جن میں اسماعیلی بن سکنے کی گنجائش نکالی جاسکے۔ چنانچہ علامہ طبری کا بیان صفحہ مذکورہ بالا سے مسلسل پڑھیں۔ آپ یہ عنوان قائم کرتے ہیں: ”بنو خزاعہ کا مکہ سے اخراج۔“ (طبری۔ صفحہ 40 جلد اول)

یعنی اب یہ بھول جانا چاہئے کہ بنو بکر بھی مکہ میں تھے۔ اور اُن کو بھی مکہ سے بنو خزاعہ کے ساتھ ساتھ مکہ سے نکالنے کے لئے بنو

کنانہ اور نام نہاد قریش سے گفتگو ہوئی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اب جو بھی بیان دیا جائے گا۔ اس میں قریش کو زیر پردہ رکھ کر اب بنونضر کو سامنے لایا جائے گا اور بنو کنانہ کو غائب کر دیا جائے گا، دیکھئے پردہ اٹھتا ہے۔

”ہشام اپنے پہلے بیان کے سلسلے میں کہتا ہے کہ قصی اپنے بھائی زہرہ اور خاندان کے پاس چلا آیا۔ چند ہی روز بعد اُسے سرداری مل گئی۔ چونکہ مکہ میں بنو خزاعہ کی تعداد بنونضر سے زیادہ تھی۔ اس لئے قصی نے اپنے بھائی رزاح (بن ربیعہ) سے مدد مانگی۔ اُس کے تین اور بھائی دوسری ماں سے تھے۔ وہ اُن کو اور دوسرے بنو قضاہ کو جنہوں نے اُس کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا لے کر قصی کے پاس مکہ آیا۔ یہاں قصی کی حمایت کے لئے بنونضر تھے۔ اُن سب نے مل کر بنو خزاعہ کو مکہ سے نکال دیا۔ اس کے بعد قصی نے جُبی بنت حلیل بن حبشیۃ الخزاعی سے شادی کی جس کے لطن سے اُس کے چاروں بیٹے پیدا ہوئے۔ حلیل بیت اللہ کا آخری متولی تھا۔ جب اُس کا وقت آخر ہوا تو اُس نے کعبہ کی ولایت اپنی بیٹی جُمی کے سپرد کی۔ اُس نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا کہ خود کعبہ کا دروازہ کھولوں اور بند کروں۔ حلیل نے کہا کہ اچھا میں اس کام کے لئے ایک دوسرا شخص مقرر کئے دیتا ہوں جو اس منصب کو تمہارے نائب کی حیثیت سے انجام دے۔ چنانچہ اس نے ابو غنشان سلیم بن عمرو بن یوی بن ملک بن قصی کو یہ خدمت سپرد کر دی۔ قصی نے ایک مشک شراب اور ایک عود کے عوض میں اُس سے کعبہ کی تولیت خرید لی۔ اس پر خزاعہ بگڑے اور وہ قصی پر چڑھ آئے۔ تب اُس نے اپنے بھائی سے مدد مانگی۔ اور اس کے ساتھ وہ (قصی) خزاعہ سے لڑا۔ اصل حقیقت اللہ جانتا ہے۔ مگر بیان کیا جاتا ہے کہ اُن (بنی خزاعہ) کو خسرہ (ٹائیفائیڈ) نکل آئی اور قریب تھا کہ اس مرض سے وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔ انہوں نے خود ہی مکہ کو خیر باد کہہ دیا اور سب ترک وطن کر کے چل دیئے۔ بعض نے اپنے مکان بلا معاوضہ لوگوں کو وے دیئے۔ بعض نے اُن کو بیچ دیا اور بعض پھر بھی رہ پڑے۔ مگر اب قصی بلا شرکت غیر کعبہ کا متولی اور مکہ کا حاکم ہو گیا۔ اُس نے قریش کے تمام قبیلوں کو پھرا کٹھا کیا اور اُن کو مکہ کے پہاڑ پر آباد کیا۔ جن میں سے بعض اب تک گھاٹیوں میں اور پہاڑ کی چوٹیوں پر سکونت رکھتے تھے۔ اُس نے خزاعہ کے مکان قریش میں تقسیم کر دیئے۔ اس لئے اب اس کا نام مُجَّع ہوا۔ اُسی کے متعلق مطرود یا حدافہ بن غانم نے یہ شعر کہا ہے۔

أَبُو كَمْ قَصَى كَانَ يَدْعَى مَجْمَعًا بِهِ جَمَعَ اللَّهُ الْقَبَائِلَ مِنْ فَهْرٍ

ترجمہ: ”تمہارا باپ قصی ہے۔ جسے مجَّع کہتے تھے۔ اس کے ذریعہ اللہ نے بنوفہر کے قبائل کو پھر ایک جا جمع کر دیا۔ قریش نے اسی کو اپنا

حاکم بنالیا۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 41-40)

(vi)۔ قحطانی فریب کو ہٹا کر حضرت زیدؑ کے صحیح حالات

آپ نے شجروں کے بیانات میں اور قریش کی نقاب کشائی میں یہ دیکھا تھا کہ جب تک قصی علیہ السلام نے بنونضر اور بنوفہر کو مکہ میں جمع نہ کر دیا، اس وقت تک لفظ قریش وجود ہی میں نہ آیا تھا۔ اور اُن سب قبیلوں کو اُن کے اصل نام یعنی بنونضر وغیرہ کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اور قصی کے جمع کر دینے کے بعد تمام جمع ہونے والے قبائل کو قریش کہا جانے لگا تھا۔ لہذا چونکہ نزول قرآن کے وقت تک بعض قبائل قریش

مشہور ہو چکے تھے۔ بعد کے مؤرخین نے خود اپنی طرف سے بنونضر اور بنوفہر وغیرہ کو قریش لکھنا شروع کر دیا۔ اسی اصول کو مد نظر رکھ کر سابقہ بیان نمبر (iii) میں مکہ کے اندر قریش کا وجود لکھ دیا گیا تھا۔ یعنی انہیں خیال یہ رہا کہ ہونہ ہو وہاں بنونضر و بنوفہر موجود ہوں گے۔ لہذا لکھ مارا کہ جناب قصی نے قریش سے بنونزاعہ اور بنو بکر کو مکہ سے نکال باہر کرنے کی بات کی ہوگی۔ لیکن ہم یہ ثابت کر چکے کہ مکہ میں نہ بنونضر تھے نہ بنوفہر تھے۔ جہاں یہ لوگ تھے وہیں جناب قصیؑ کی والدہ گئی تھیں۔ وہیں جناب زیدؑ نے پرورش پائی تھی اور وہی بنونضر و بنوفہر بنو قضاہ کی صورت میں مکہ میں مدد کے لئے آئے تھے۔ اور مکہ کو قحطانیوں سے پاک کیا تھا۔ لہذا تاریخ میں یہ الفاظ کی آدل بدل اور قریش و بنونضر کی ہیرا پھیری بعد کی ایجادات ہیں۔ اصل واقعات سے قریش یا قحطانی نصرت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہذا جہاں اور جب تاریخ میں لفظ قریش آئے یا لایا جائے اُسے قحطانی سازش کا ایک داؤ یا دام بلکہ ہم رنگ زمین تاریخ جال سمجھنا چاہئے۔ اور دیکھنا چاہئے کہ اُس جال کے نیچے، آگے یا پیچھے جو چارہ یا دانہ ڈالا گیا ہے اُس سے بچ کر گزرا جائے۔ یہ وہ دانہ ہے جس کے لالچ میں بڑے بڑے محقق و مدقق قحطانی جال میں پھنسے اور نہایت اطمینان سے خود کو آزاد و بے لاگ محقق سمجھتے ہوئے مر گئے۔

اس بیان نمبر (v) میں جہاں ایک پورا قبیلہ بنو بکر غائب کر دیا گیا ہے وہیں بنونضر کو کھینچ کر مکہ میں آباد کر دیا گیا ہے۔ مگر نام پھر بھی کسی کا نہیں لکھا۔ ادھر اب مکہ میں وہی زہرہ نام کا قصیؑ کا ایک فرضی بھائی بھی آباد دکھایا گیا ہے۔ لیکن اول تو ہم ایسے بھائی کو صحیح اولاد نہیں سمجھتے جو اپنے حقیقی شیر خوار یتیم بھائی اور اپنی حقیقی ماں کی سرپرستی نہ کرے اور وہ دور دراز کا سفر کر کے اپنے ہم نسب خاندان میں پناہ لیں۔ دوسرے وہ اس لئے بھی بھائی نہیں ہو سکتا کہ قصیؑ کی والدہ محترمہ یہ نہیں جانتیں کہ اُن کا ایک بیٹا مکہ میں موجود ہے۔ لہذا قصیؑ کی جان کو خطرہ نہیں ہو سکتا۔ مدد کے لئے وہ حقیقی بھائی اور اولاد اسماعیل بنونضر موجود ہیں جو مدد کریں گے۔ لہذا یہ ایک بکواس ہے کہ جناب قصیؑ اپنے بھائی زہرہ اور اپنے خاندان کے پاس مکہ میں چلے آئے تھے۔ یہ بات اس لئے بھی غلط ہے کہ زہرہ کو اُس وقت جوان بتایا گیا ہے جب جناب قصیؑ ابھی شیر خوار تھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ زہرہ کلاب علیہ السلام کا بڑا بیٹا تھا یا کم از کم قصیؑ سے تو بڑا بیٹا تھا ہی۔ اب سوال یہ ہے کہ زہرہ مکہ میں جوان ہوئے تھے۔ پھر جب تک قصیؑ علیہ السلام مکہ میں دوبارہ واپس آئیں زہرہ کو مکہ میں رہتے ہوئے تقریباً آدھی صدی گزر چکی تھی اور اس دوران نام نہاد قریش اور بنونضر بھی مکہ میں موجود تھے تو سوال یہاں مکمل ہوتا ہے کہ زہرہ صاحب کو مکہ میں سرداری کیوں نہ ملی؟ جب کہ وہ قحطانی تاریخ کی رو سے جناب کلاب کے بڑے بیٹے بھی ہیں اور اسماعیلی خاندان میں حضرت اسماعیلؑ کا جانشین بڑا بیٹا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ پھر جناب زیدؑ مکہ آتے ہی چند روز میں کیسے سرداری حاصل کر سکے۔؟ زہرہ کیوں سرداری سے محروم رہے؟

سردار کس نے بنایا؟ قصیؑ کس گروہ پر سردار بنائے گئے؟ بنونزاعہ نے مزاحمت کیوں نہ کی؟ ان سوالات کے جوابات قحطانی گروہ کے اگلے پچھلے سبب مل کر بھی نہیں دے سکتے۔ اُن سبب کا جواب وہی ہے کہ جناب زیدؑ علیہ السلام کا نہ کوئی بھائی تھا، نہ وہ مکہ میں تھا، نہ مکہ میں بنو اسماعیل کا کوئی فرد تھا، وہاں سب قحطانی تھے۔ خواہ قبیلہ خزاعہ کے نام سے ہوں یا بنی بکر و عمر کے نام سے مشہور ہوں۔ اور یہ سب دشمنانِ خاندانِ اسماعیل عموماً اور دشمنانِ زیدؑ و زیدیان خصوصاً تھے۔ یہ ہے وہ زیدی درایت جو قحطانی تاریخ کے پرچے اڑا دیتی ہے۔ یہ ہے وہ زیدی قلم جو حقائق کو قحطانی فریب کے انبار سے چھان کر الگ کر لیتا ہے۔ زید وہ نام ہے جو عمر و بکر و ایکس وائی زیڈ (XYZ) کے ماتحت

نہیں رہتا۔ ماتحتی اور غیروں کی اطاعت پر وہ موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

پھر یہ تازہ بیان (۷) کہتا ہے کہ جناب زید علیہ السلام نے بنو قضاہ اور اپنے ایک ماں جائے بھائی اور تین سوتیلے بھائیوں کو اپنی نصرت کیلئے مکہ بلایا اور بنو خزاعہ کو مکہ سے نکال دیا۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ جب قصی کعبہ کے متولی ہو گئے تو بنو خزاعہ چڑھ دوڑے۔ سوال یہ ہے کہ جب انکو مکہ سے بے دخل اور بے دست و پا کر کے نکال دیا گیا تو اب وہ کیسے اور کیوں ناراض ہو گئے۔ پہلے کیوں بلا جنگ و جدل نکل کر چل دئے تھے؟ یہاں اُن کا جھوٹ اس بات سے کھل جاتا ہے کہ جب بنو خزاعہ کو مکہ سے نکال دیا تو کعبہ کی تولیت حلیل کے قبضے میں کیسے رہتی رہی؟ اور بنی خزاعہ کو نکالنے والے شخص سے حقیقی یعنی اپنی بیٹی کا نکاح کیوں کر دیا؟ جس طاقت کے سہارے وہ کعبہ کا متولی اور مکہ کا حاکم تھا اُس طاقت کے ہوتے ہوئے دشمن کو بیٹی کیوں دینا پڑی؟ اور جب بیٹی دے دی تھی تو مرتے وقت داماد ہی کو کیوں متولی نہ بنا دیا؟ اور بیٹی کو متولی بنایا تھا تو حقیقی نے تولیت جناب زید کو کیوں نہ سپرد کر دی؟ اور کرایہ کا نائب بنانے یا بنوانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا جناب زید علیہ السلام نے تولیت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا؟ اور اگر جناب قصی کو بنو خزاعہ کو نکال دینے کے بعد بھی کعبہ کی تولیت نہ ملی تھی؟ تو اُنکی اس سرداری کے کیا معنی ہیں جس کا ملنا قحطانیوں نے لکھا ہے؟ پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ حقیقی کا نائب اس تولیت کو فروخت کر دیتا ہے۔ اور حقیقی نہ خفا ہوتی ہے نہ اپنے ماتحت نوکر ابو عبشان سے باز پرس کرتی ہے۔ نہ اپنے شوہر کو خاندانی عہدہ اور میراث ملنے پر مبارکباد دیتی ہے۔ بلکہ خفا ہوتے ہیں تو وہ لوگ جو مکہ میں موجود ہی نہیں بلکہ بنو قضاہ کی مدد سے جلا وطن ہو کر نہ معلوم کہاں دفع ہوئے ہیں۔ قارئین مسلمان علما سے اگر ڈرتے ہیں تو خود اپنی ذات اور اپنی ضمیر سے تو خوفزدہ نہیں ہیں۔ اُن سے یا خود سے دریافت کرو کہ یہی وہ تاریخ ہے؟ یہی وہ لٹریچر ہے؟ جس سے تم باضمیر انسانوں کو اپنے ہم نوا بنانا چاہتے ہو؟ اور پھر سوچو کہ اگر حضرت زید یا زیدی قسم کے لوگ نہ ہوتے تو کیا آج یہ پتہ چلتا کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام کے راہنما کون ہیں؟ کیا یہاں خانوادہ زید کا مذہب نہ ہوتا؟ وہ بے حیا لوگ کیسے سنگدل اور شیطان کے نمائندے انسان ہیں جو زید کو لعنت کی بجائے درود و سلام سے یاد کرنا چاہتے؟ سنو تمام دنیا زیدی ہوتی، چاروں طرف زید و شمر و عمر سعد و ابن زیاد ہی چھائے ہوئے ہوتے اگر ذوالفقار حیدری اور خانوادہ ابوطالب اور حضرت امام حسین علیہم السلام نہ ہوتے۔

اس بیان میں شراب کا ذکر بھی کیا گیا۔ خدا شرابیوں پر لعنت کرے۔ قحطانیوں کی گھٹی میں شراب دی جاتی تھی۔ سنو اور غور سے سنو وہ تمام اجسام جہنم میں تپائے جانے والے ہیں جو شراب و حرام خوراک سے بنے تھے۔ جن کی ہڈیوں کا گودا شراب و خنزیر و حرام و خبائث کھا کھا کر مردار اور خون پی پی کر بنا ہو، وہ سب جہنمی ہیں۔ انہیں اگر قسمت نے کلمہ پڑھ لینے کا موقع دیا تھا تو انہیں چاہئے تھا کہ اس نجات دہندہ خانوادہ کے پسینے پر اپنا خون بہاتے، اُن کی خدمت میں سر و قد کھڑے رہ کر ہڈیوں کے اُس جہنمی گودے کو پگھلاتے، اُن کے نام پر اُن کے غم میں اپنا جسم گھلاتے اور اپنا گوشت قیمہ کی صورت میں نثار کرتے تو اُمید تھی کہ وہ خدا کی طرف سے پاک کر دئے جاتے اور جہنم میں جھونکے جانے سے بچ جاتے۔ لیکن جن خبیثوں نے خود ہی اپنے اپنے بزرگوں کے ساتھ طیب و طاہر و طاہرہ لکھنا شروع کر دیا۔ حالانکہ قرآن نے انہیں منع کیا تھا کہ اسلام و ایمان لے آنے کے بعد بھی خود کو تزکیہ شدہ نفوس نہ کہیں اور نہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ پانی سے نجاست دور ہو جاتی ہے اور وہ ہاتھ پیر عارضی طور پر پاک ہو جاتا ہے۔ ہڈیوں میں پیک (Pack) شدہ ناپاکی پانی سے اور زبانی

بکواس سے نہیں دھلتی۔ کھال کے اندر کا سامان پاک نہیں ہو جاتا۔ اس کو پاک کرانے کے لئے اہل بیت علیہم السلام کی توجہ اور اُن پر جان فدا کرنے کے عملی مظاہرہ کی احتیاج ہے۔ اُن کی راہ میں جان دینے والے، اُن کے نام پر خون بہانے والے ہی پاک اور جنت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ خدا ہمیں اور ہمارے قارئین کو یہ توفیق عطا کرے آمین۔

زیر نظر بیان میں اللہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ یعنی پورے بیان کی سچائی یا جھوٹ کو اللہ کے حوالے کر کے قارئین کو آزاد کر دیا۔ چاہیں تو تسلیم کر لیں ورنہ رد کر دیں۔ اسی جگہ معجزہ کی چاشنی بھی دی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ بھی جناب قصی علیہ السلام کی مدد پر آمادہ تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب خسرہ یا چچک کے خطرے سے ڈر کر:

”انہوں نے خود ہی مکہ کو خیر باد کہہ دیا۔ اور سب ترک وطن کر کے چل دئے۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 41)

جب تمام بنو خزاعہ مکہ سے چلے گئے۔ تو اس کا کیا مطلب ہے کہ بعض نے مکہ ہی میں رہنا طے کر لیا؟ کیا جناب قصیؑ نے اُن دشمنوں کو اجازت دی تھی؟ یا یہی وہ گروہ ہے جو اُس زمانہ کے قریشی پردہ میں چھپ گیا تھا۔ اور داخلی ریشہ دوانی اور تخریب کا پلان بنایا تھا۔ پھر جب کچھ لوگوں کو یہ موقع مل گیا کہ وہ اپنے مکانوں کو فروخت کر سکیں اور بعض اپنے مکانات مفت دوسروں کو دے سکیں تو یہ کہنا غلط ہے کہ جناب زیدؑ نے بنو خزاعہ کے مکانات میں اپنے پسندیدہ لوگوں کو آباد کیا۔ ہم یہ عرض کریں گے کہ جن لوگوں نے بنو خزاعہ سے مکانات خریدے اور جن لوگوں کو خوشی سے بنو خزاعہ نے اپنے مکان دے دیئے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ یقیناً جناب قصیؑ اور تمام بنی اسماعیلؑ اور اُن کی حکومت کے مخالف تھے۔ اور مستقبل میں بنی خزاعہ کی حکومت اور اقتدار قائم کرنے کی پالیسی پر عمل کریں گے۔ قارئین اس مقام کو اس وقت تک نہ بھولیں جب تک ہم حضرت قصیؑ کے بعد اُن کے چوتھے پوتے حضرت ابوطالب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر نہ ہو جائیں۔ اس لئے کہ قصیؑ کے زمانہ میں جو قحطانی قریشی پردہ کے پیچھے چھپ گئے تھے وہ وہی وہ گروہ ہوگا جو رفتہ رفتہ خانوادہ رسولؐ میں گھل مل جائے گا۔ اعتماد حاصل کرے گا، امارت کعبہ میں شریک ہو کر بنو اسماعیلؑ کے اقتدار کو ڈھیلا کرے گا۔ یہی وہ لوگ ہوں گے جو حضرت قصیؑ، عبد مناف، ہاشم، عبد المطلب، ابوطالب اور پھر جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ و ابائہ کے ساتھ حسب موقعہ وقوت مزاحمت کرتے رہیں گے۔ یہی وہ لوگ ہوں گے جن کو خانوادہ اسماعیلؑ کی مختلف شاخوں کے بیٹے، بھائی اور بھتیجے بتایا جائے گا۔ یہ ہے وہ شرارِ بولہبی جو حضرت کعب و مرہ اور عبد مناف کی اولاد بن کر بیت رسولؐ کو جلانے کی کوشش میں آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ کربلا کے میدان میں اُس کی دشمنی کچھ ٹھنڈی پڑے گی۔ جہاں سورج کے بندے کا شعلہ بجھ جائے۔ اور پھر یہ عرب کا سورج سبھی خاندان ہمیشہ کے لئے ننگ انسانیت بن کر لعنت کے پردوں میں چھپ جائے گا۔ اس بیان کی تنقید کو اس جملے کے ساتھ ختم کر کے آگے بڑھیں کہ حضرت زید علیہ السلام نے جن عربوں کو مکہ میں اور اس کے گرد و نواح میں آباد کیا تھا وہ کوئی ایک قبیلہ نہ تھا۔ بلکہ مخلوط قبائل جو سلطنت حمیر اور حیرہ کے ستارے اور برباد کئے ہوئے تھے یہاں جمع کر دئے گئے تھے۔ اُن میں چند خاندان بنی اسماعیلؑ میں سے بھی تھے۔ لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے وہ شاخ جس میں کتاب و نبوت و رسالت و حکومت اور امامت بطور ورثہ چلی آرہی تھی اس میں سے صرف حضرت قصیؑ علیہ السلام ہی تھے اور اُن کے فرزند جناب ابراہیم علیہ السلام تھے۔ جن کو ایک قحطانی عبد مناف نامی شخص سے صوری مشابہت کی بنا پر سازشاً عبد مناف

کہنا شروع کیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت ہاشم، مطلب علیہم السلام ہوئے تھے۔ وہ جم غفیر جس میں رسولؐ کے اعمام وغیرہ شہور کیا گیا، سب قحطانی الاصل خزاعہ، عدی، تیم و بنو کبر و جرہم وغیرہ تھے۔

(vii)۔ حضرت قصیؑ قحطانی تاریخ میں ذرا اور اُبھارے گئے

قحطانی دروغ بانی کے اُس انبار میں سے حق و حقائق کو باطل سے الگ کرنا بڑی دقت نظر چاہتا ہے۔ اور ادھر قارئین کے بور ہو جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ بہر حال جس قدر ممکن ہے ہم حضرت زیدؑ (قصیؑ) کے حالات قسط وار کھود کھود کر نکال رہے ہیں۔ چنانچہ جناب طبری گو وظیفہ خوار تھے لیکن انہوں نے اُلٹ پلٹ کر کافی اطلاعات فراہم کر دی ہیں۔ اُلٹ پلٹ کو سمجھنے والا محقق صحیح نتیجے پر پہنچ جاتا ہے۔ اُن کا ایک اور بیان سنئے فرماتے ہیں کہ:-

”ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رزاعؑ نے قصیؑ کی طلب نصرت کی استدعا کو قبول کیا اور وہ اپنے تینوں بھائیوں اور قبیلہ والوں کو لے کر عرب حاجیوں کے ساتھ قصیؑ کی مدد اور اُس کا ساتھ دینے کے لئے مکہ روانہ ہوا۔ یہی راوی کہتا ہے کہ بنو خزاعہ اس بات کے مدعی ہیں کہ جب قصیؑ کی اولاد منتشر ہو گئی تو خود حلیل نے کعبہ کی تولیت قصیؑ کے سپرد کر دی تھی۔ اور کہا تھا کہ تم خزاعہ کے مقابلہ میں کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت کے زیادہ اہل ہو۔ اس کی وصیت کی بنا پر قصیؑ نے اُن تمام حقوق کا مطالبہ کیا تھا۔ جب سب لوگ مکہ میں جمع ہوئے اور موقف کو چلے اور حج سے فارغ ہو کر مئی میں آئے۔ اس وقت قصیؑ نے اپنے تمام مددگار، اپنے ہم قوم قریشی تبعین، اور بنو کنانہ اور بنو خزاعہ کے حامیوں کو اپنے پاس جمع کر رکھا تھا۔ تمام مناسک حج ادا ہو چکے تھے صرف واپسی باقی تھی۔۔۔ (یہاں رمی یعنی کنکریاں مارنے کا ذکر کر کے کعبہ کے پجاریوں کی ہٹ دھرمی اور بالادستی لکھ کر فرمایا کہ) کنکریاں مارنے کے بعد جب حاجی لوگ مئی سے واپس ہوتے تو کعبہ کے پجاری سب سے پہلے گھاٹی کے سروں پر آ جاتے۔ اور لوگوں کو گزرنے سے روک دیتے اور کہتے کہ پہلے ہم پجاری حضرات گزریں تب باقی لوگ گزریں گے۔ چنانچہ پہلے وہ گزر جاتے تب دوسروں کو گزرنے کی راہ ملتی تھی۔ اس سال بھی حسبِ دستور جاریہ پجاریوں نے حاجیوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا۔ یہ طریقہ اُن میں بنو جرہم اور بنو خزاعہ کی تولیت کے عہد سے چلا آتا تھا۔ اور اس طریقہ سے تمام عرب واقف تھے اور اسے تسلیم کرتے تھے۔ جب اس سال بھی انہوں نے ایسا کیا تو قصیؑ بن کلاب اور اپنی قوم قریش اور بنو کنانہ اور قضاہ کے ساتھ گھاٹی پر آیا۔ اور انہوں نے ان پجاریوں سے کہا کہ اس تمام بندوبست کے ہم تم سے زیادہ اہل ہیں۔ پجاریوں نے اس دعویٰ کو نہ مانا۔ قصیؑ نے اُن کی بات نہ مانی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تلوار چلی اور نہایت شدید اور خونریز لڑائی کے بعد پجاریوں کو شکست ہوئی۔ قصیؑ نے اُن کے تمام حقوق پر قبضہ کر لیا اور گھاٹی سے اُن کو بے دخل کر دیا۔ اس لڑائی کے بعد بنو خزاعہ اور بنو کبر، قصیؑ بن کلاب سے دستکش ہو گئے۔ اور ان کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ جس طرح قصیؑ نے پجاریوں کو گھاٹی سے بے دخل کر دیا ہے۔ اُسی طرح وہ انہیں کعبہ کے انتظام اور مکہ کی حکومت سے بے دخل کر دے گا۔ اُن کی علیحدگی کے بعد خود قصیؑ نے اُن پر جارحانہ کاروائی کی۔ اور اب وہ اُن سے لڑنے کے لئے پوری طرح ٹل گیا۔ اُس کا بھائی رزاع بن ربیعہ اپنی قوم قضاہ کے ہمراہیوں کے ساتھ اُس کی مدد کے لئے جمارہا۔ اُس کے مقابلہ میں بنو خزاعہ اور بنو کبر

لڑنے کے لئے برآمد ہوئے۔ لڑائی چھڑی اور نہایت شدید ہوئی۔ فریقین کے بے شمار آدمی کام آئے۔ اور تقریباً سب ہی زخمی ہو گئے۔ یہ رنگ دیکھ کر فریقین نے عارضی صلح پر یہ قرار داد کر لی کہ وہ اپنے اس قضیہ کو کسی عرب کے سامنے قطعی طور پر فیصلے کے لئے پیش کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے یحمر بن عوف کو حکم بنایا۔ اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت کے لئے خزاعہ اور بنو بکر کے مقابلہ میں قصی زیادہ اہل ہے۔ اور یہ کہ بنو خزاعہ اور بنو بکر کے جن جن لوگوں کو قصی نے قتل کیا ہے وہ اُن کے سروں کو اپنے پیروں سے پکچل دے۔ اس کے برعکس قریش، کنانہ اور قضاہ کے جن لوگوں کو خزاعہ اور بنو بکر نے قتل کیا ہے۔ وہ اُن کی دیت (خون بہا) ادا کریں۔ نیز یہ کہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت قصی بن کلاب کو دے دیں۔ چونکہ اس فیصلے میں یحمر بن عوف نے خزاعہ وغیرہ کے سروں کو قصی کے پیروں سے پکچلوا یا تھا۔ اس وجہ سے اس کا نام شد اخ ہو گیا۔ اب قصی بلا شرکت غیرے کعبہ اور مکہ کا متولی اور رئیس ہوا۔ جہاں جہاں اُس کی قوم آباد تھی۔ اُس نے اُن سب کو وہاں سے پھر مکہ بلایا۔ اور اس نے اپنی قوم اور اہل مکہ کی سیادت طلب کی۔ جسے اس کی خواہش کے مطابق سب نے منظور کر لیا۔ اس طرح کعب بن لوی کی اولاد میں قصی پہلا شخص ہے جسے حکومت ملی۔ اور اُس پر اس کی قوم نے دل سے اطاعت کی۔ اب کعبہ کی حجابت، سقایہ، رفاہ، ندوہ اور لواء سب اُسی سے متعلق ہو گیا۔ اس طرح مکہ کی تمام شرافت اُسے مل گئی۔ اُس نے مکہ کو چار حصوں میں تقسیم کر کے اُن کو اپنی قوم قریش کو دے دیا۔ اور پھر قریش کے ہر خاندان کو علیحدہ علیحدہ مکہ کے اُن مکانات میں جن پر اُن کا قبضہ ہوا تھا۔ فروکش کر دیا۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 41 تا 43)

(viii)۔ طبری کے اس بیان کی تطہیر و تنقیذ

سب سے پہلے قارئین اس بیان میں وہ سازشی لفظ نکال دیں تاکہ قحطانی قریش کی چادر نہ اوڑھ سکیں۔ پھر اس طویل بیان پر اس طرح نظر ڈالیں کہ اس میں پہلے نمبر پر ایک سادہ اور فطری صورت حال بیان ہوئی ہے۔ جس میں بلا کسی جنگ و تنازع کے حلیل نے از خود کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت جناب قصی علیہ السلام کو سونپ دی تھی اور یہ زیادہ مناسب حال ہے۔ قصی حلیل کے داماد تھے۔ دامادی کے لئے جو صفات درکار تھیں وہ حلیل کے معیار پر پوری موجود تھیں۔ حلیل کے یہاں کوئی اور اولاد نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں تولیت کعبہ اور امارت مکہ قصی ہی کو ملنا تھی۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر باقی تمام جنگ و جدل وغیرہ ایک خانہ ساز اور قریشی قسم کی سازش ہے۔ اور اگر بعد والی پجاریوں سے جنگ کے بعد یا بنو خزاعہ سے لڑائی کے بعد فیصلہ والی کہانیوں میں سے کوئی ایک سچی ہے؟ تو دونوں کہانیوں کو بہر حال غلط ماننا پڑے گا۔ لہذا ہم اول الذکر صورت حال کو قبول کر کے یہ کہتے ہیں کہ تولیت و حکومت تو سچی اور اُنکے والد نے سونپ دی تھی۔ مگر بنو خزاعہ اور بنو بکر اور دیگر تمام قحطانی قبائل کو جب یہ معلوم ہوا کہ کعبہ و مکہ کی حکومت دشمن خاندان کے حقیقی وارث کے ہاتھوں میں جا پڑی ہے تو اس پر مخالفت اور تدارک کی دونوں طرف سے کوشش ہونے لگی۔ چونکہ مکہ میں جناب زید علیہ السلام کے خاندان یا قوم کا کوئی فرد نہ تھا۔ اسلئے آپ نے اپنی قوم سے مدد و نصرت کا جو انتظام کر رکھا تھا وہ برسر کار آ گیا۔ اور میدان حج میں مناسک حج ادا کرنے کی رسومات بزور بازو جناب قصی نے انجام دیں اور وہ تمام لوگ جو بنو خزاعہ کی طرف سے ان خدمات کیلئے متعین چلے آ رہے تھے، جنہیں

پجاری کہہ کر ایک مسلح فوج ہونے کا شاخسانہ گھڑا گیا ہے۔ اُنکو ڈانٹ کر راہ سے ہٹا دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد ضروری تھا کہ بنو خزاعہ اور بنو بکر جنگ کیلئے باقاعدہ میدان میں نکلیں۔ چنانچہ صرف بنو قضاہ اور جناب قصی علیہ السلام کے بھائی مقابلہ کیلئے میدان میں آئے اور انہیں فتح حاصل ہوئی۔ بنو خزاعہ وغیرہ تمام قحطانی جو مقابلہ پر آئے تھے مکہ اور گرد و نواح سے رخصت ہو گئے۔ جو قحطانی یا دوسرے لوگ پہلے سے مخالف نہ تھے اور جنگ میں قحطانی افواج کا جنہوں نے ساتھ نہ دیا تھا۔ اُن سے تعارض کی کوئی وجہ نہ تھی۔ دشمنوں سے فراغت کے بعد جناب زید نے ہر اس فرد یا قبیلے کو مکہ و نواح مکہ میں آباد ہونے کی دعوت دی جو اُن سے ہمدردی اور اُنکی حکومت سے دل چسپی رکھتا ہو۔ یہ ہے سارا واقعہ۔ رہ گیا جگہ جگہ لفظ قریش اور جناب قصی کی قوم کی بھرمار یہ بعد کی گھڑی ہوئی الحاقی باتیں ہیں۔ ہم تو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اگر قریش بنی اسماعیل ہی کا لقب یا نام ہے تو انہوں نے قصی کے حقیقی اور بڑے بھائی کو اپنا سربراہ کیوں نہ بنایا۔ بلکہ زہرہ کے نام نہاد بزرگ تیم اور یثقبہ کو تولیت و امارت کیوں نہ دی؟ اور زیرِ نظر طویل بیان کے آخر میں جہاں فیصلہ کن جنگ اور ثالث کا فیصلہ لکھا ہے وہاں قریش کا ذکر کیوں نہیں ہے۔ اور پھر اُن میں سے کسی سربراہ آوردہ یا گھٹیا درجے کے آدمی کا نام تک نہ لکھنا بتاتا ہے کہ یہ لفظ قریش ضرورتِ وقت کے طور پر بعد میں بڑھایا گیا ہے۔ حقیقتاً اُس زمانہ میں نہ کوئی قریش تھا نہ ایسی کوئی ضرورت تھی ورنہ یہ قصہ اتنا بے ڈھنگا اور بے سرو پانہ ہوتا۔

اس بے سرو پاییان میں یہ بھی ہے کہ پجاریوں کی شکست کے بعد بنو خزاعہ اور بنو بکر رعب و خوف سے تولیت اور مکہ کی حکومت سے کنارہ کش ہو گئے۔ اس لئے کہ انہیں یقین ہو گیا کہ ہمارا بھی قصی کے سامنے وہی حال ہوگا جو پجاریوں کی فوج کا ہوا۔ اور یہاں جناب قصی کو جارجانہ جنگ کرنے کا خاموش الزام دیا ہے جو غلط ہے۔ پھر ثالث والا فیصلہ اور اس میں مقتولین کے سروں کو چکنا لکھ کر قصی پر اتہام لگایا گیا ہے۔ اور اس اتہام کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعد والے قحطانیوں کو خانوادہ قصی کے خلاف جب چاہیں نفرت کی آگ بھڑکا کر تیغ بکف کر سکیں۔ اور جب ضرورت پڑے آنے والی قحطانی نسل اپنے ان کافر بزرگوں کو یاد کر کے خانوادہ رسالت کے افراد کو قتل کرنے، مُردوں کے کلیجے چبا جانے اور لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر کچلنے کے لئے آمادہ ہو سکے۔ اُن کی جلا وطنی کو یاد کر کے خانوادہ رسول کو وطن سے نکال سکیں۔ لہذا یہ سب کہانیاں اسی زمانہ میں گھڑی گئیں جب آل رسول کو مٹانے کی ضرورت پیش آئی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جناب اسماعیل علیہ السلام کی اُس شاخ نے کبھی بے رحمی، بے انصافی اور ظلم و ستم کی راہ اختیار نہیں کی۔ جس میں کتاب و نبوت و رسالت و امامت اور حکومت و دیعت کی گنتی تھی۔ قرآن کریم اُس طیب و طاہر نسل سے ظلم اور ظالمین کی نفی کرنے کے لئے آج بھی موجود گواہ ہے۔ لیکن عرب کے مشرک محاذ نے خانوادہ رسول کی مخالفت اور تباہی کے لئے اشتراک کر لیا تھا۔ اور مشرک کے اولین اور سادہ معنی ظلم میں شریک رہنے ہی کے ہیں۔

اس بیان میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ جناب قصی جب مکہ و کعبہ کو وگزارا کر اچکے۔ جب سب کو آباد کر چکے تب انہوں نے اپنی قوم اور دیگر لوگوں سے اپنی حکومت طلب کی۔ اس سے اُن کا صرف یہ مطلب ہے کہ قصی اپنی اور بنو قضاہ کی طاقت کے باوجود اور تمام دشمنوں کو مفتوح کر چکے بعد بھی اپنی نام نہاد قوم یعنی قریشی گمنام قوم سے حکومت مانگ کر لے رہے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے شرم آتی رہی ہے کہ وہ اپنی قوت و بصیرت اور وراثت سے حاکم و متولی بنے تھے۔ اگر اس سلسلے میں کسی کی نصرت کا احسان تھا تو وہ بنو قضاہ یعنی اُن کی اپنی حقیقی

قوم تھی۔ اُس کی موجودگی میں کسی فرضی قریشی نامی قوم سے اپنی موروثی حکومت مانگنا ایک احقناہ اور بے سُرارگ ہے جو قحطانی تاریخ کا خصوصی معیار ہے۔

اس بیان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کعب بن لوی کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قصیؑ کو حکومت ملی۔ یعنی باقی بزرگ یوں ہی گزرتے رہے۔ یہ اس لئے غلط ہے کہ حکومت خداوندی ہر جانشین کو حاکم مانتی ہے۔ خواہ بظاہر وہ تخت و تاج نہ رکھتا ہو۔ اور صاحبانِ ایمان اُسے ہمیشہ اپنا ایسا حاکم مانتے ہیں کہ جس کا ہر حکم واجب الطاعت ہوتا ہے۔ جس سے سرکشی کفر ہوتی ہے۔ لہذا مومنین کے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر جناب قصیؑ تک چھین (56) حاکم واجب الطاعت گزرے تھے۔ رہ گئے کفار وہ تو رسول اللہ کو بھی حاکم علی الاطلاق نہیں مانتے۔

(ix)۔ حضرت زید علیہ السلام طبری کی مومنانہ نظر میں

اب ہم اُن تصورات والفاظ کو الگ کر کے جناب قصیؑ کے مزید حالات سناتے ہیں جو طبری صاحب کو حق نمک کی بنا پر شامل کرنا پڑے ہیں۔ وہ مسلسل لکھتے جا رہے ہیں کہ جناب قصیؑ علیہ السلام کے زیر فرمان لوگ اس حد تک اُنکے مطیع تھے۔ کہ ہر کام اُنکی اجازت سے کرتے تھے۔ اُنکے نام سے اپنے کاموں میں خدا سے برکت چاہتے۔ امن کی بات ہو یا جنگ کی بات جناب قصیؑ سے حکم حاصل کرتے۔ اعلان جنگ اُنکے نام سے کرتے تھے۔ جنگ کا پرچم جناب عبد مناف سے بندھواتے تھے۔ مکہ میں ہر شادی و نکاح اُنکی سرپرستی اور اُنکے دارالامارہ یا ندوہ میں ہوا کرتا تھا۔ اُنکے حضور کوئی سر بلند نہ ہوتا تھا کوئی آواز اونچی نہ ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنی حکومت میں قوانین اور مکمل نظام حکومت نافذ کر دیا تھا۔ تمام احکام کی تنفیذ اور مقدمات کے فیصلوں کیلئے ایک وسیع و عریض عمارت دارالندوہ کے نام سے بنادی تھی جو ظہور محمدیؐ تک موجود تھی۔ انہوں نے مناسک و رواسم حج میں کوئی دخل اندازی نہ کی تھی۔ جس طرح مکہ کا انتظام چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اُسی طرح کعبہ کے مختلف محکمے تقسیم کر دئے تھے۔ طبری نے بڑی فراخ دلی سے یہ لکھ دیا ہے کہ جناب عبد مناف (ابراہیمؑ) قصیؑ کی زندگی ہی میں اور اُن کے سامنے ہی بڑا معزز انسان بن چکا تھا۔ اور اُسے دنیا کا ہر طرح کا تجربہ تھا۔ اور دینی زبان سے یہ بھی اقبال کیا ہے کہ عبدالدار قوم میں ایک حقیر پوزیشن رکھتا تھا۔ لیکن طبری نے اس کے باوجود اس کہانی کو تسلیم کر لیا ہے کہ عبدالدار اور عبدالعزیٰ جناب قصیؑ کے بیٹے تھے۔ اور یہ کہ نالائق و حقیر ہونے کے باوجود عبدالدار کو کعبہ کی تولیت سونپ دی تھی۔ اور اُسے اہل مکہ پر جان بوجھ کر مسلط کر دیا تھا۔ اور یہ بھی لکھ دیا کہ خود قصیؑ بھی عبدالدار کے انتظام میں دخل نہ دیتے تھے۔ (طبری جلد اول صفحہ 45-43)

لیکن کوئی احمق سے احمق شخص بھی اس بات کو تسلیم نہ کریگا کہ جناب قصیؑ علیہ السلام ایسا امام زمانہ اور حاکم مطلق کسی بیوقوف و حقیر شخص کو ایسی حالت میں لوگوں پر مسلط کریگا جب کہ اس کا ایک معزز اور پوری رعایا میں قابل قدر بیٹا بھی موجود ہو۔ بہر حال ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ عبدالدار وغیرہ سے خاندان اسماعیلؑ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ سوائے اسکے کہ قحطانیوں نے چند ناموں کا بعد میں اس خاندان سے الحاق ضروری سمجھا، تاکہ اُن کو نبوت و رسالت و امامت و حکومت میں شرکت کا بہانہ اور موقع مل سکے۔ لہذا اگر اس قسم کے ناموں والے لوگ موجود تھے تو وہ وہی لوگ تھے جنہوں نے تولیت کعبہ اور حکومت مکہ کو خاندانِ رسولؐ سے نکالنے کی کوششیں جاری رکھیں۔

چنانچہ جب یہ نام تاریخ میں آتے ہیں تو اُن ہی دونوں عہدوں کے غاصبین کی تصریحات کیساتھ آتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ غاصبین ولایت یا حکومت کو جائز قرار دینے کیلئے جہاں موقع ملے انہیں بیٹا بنا دیا جائے یا رشتہ داری و دوستی کے پردے ڈال دئے جائیں۔ لیکن قرآن پر ایمان لایا والے کسی ایسے شخص کو منجانب خدا حاکم نہیں مان سکتے جو خاطی و ظالم کی ذیل میں آجائے۔ اسی مار سے بچنے کیلئے قحطانی مشرکین تمام انبیاء سے خطا اور غلطی و گناہ اور سہو و نسیان کا جواز مانتے ہیں تاکہ اپنے بزرگوں کے شرک فی الدین اور شرکت فی الرسالت و امامت پر جواز کا پردہ ڈال کر مسلمانوں کو فریب میں مبتلا کرتے رہیں۔ لیکن جو لوگ اللہ کے فرمان لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (2/124) میرا عہد امامت ظالمین سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، سے واقف ہیں وہ کسی خاطی کی حکومت کو ہرگز حکومت الہیہ نہ سمجھیں گے۔ بلکہ ایسے مدعی کو کاذب و غاصب قرار دیں گے۔

(11/7)۔ حضرت ابراہیمؑ عرف مغیرہ قحطانی آئینہ میں

قحطانیوں نے آپ کو عبد مناف مشہور کر دیا تھا۔ آپ کے متعلق لکھا ہے کہ: ”مغیرہ آپ کا اصلی نام تھا۔ آپ کے حسن و جمال کی وجہ سے انہیں چاند کہا جاتا تھا۔ قصی کہا کرتا تھا کہ میرے چار بیٹے ہوئے۔ ان میں سے دو کے نام میں نے اپنے بتوں کے نام پر رکھے اور ایک کا نام اپنے گھر کے نام پر رکھا اور ایک کا نام خود اپنے نام پر رکھا۔“ (طبری جلد اول صفحہ 38)

اس بیان سے قحطانی کفر اور دشمنی ٹپک رہی ہے۔ لہذا اس کی تصدیق کوئی کافر یا بت پرست ہی کر سکتا ہے۔ ہم اس چار سو بیس کو دلائل اور درایت سے مردود و باطل ثابت کر چکے ہیں۔ اس روایت کی تکذیب میں لکھا ہے:-

”ہشام بن محمد اپنے باپ کی روایت بیان کرتا ہے کہ عبد مناف کا لقب قمر ہے اور نام مغیرہ تھا۔ اُسکی ماں حمی تھی۔ اُس نے اُسے مکہ کے سب سے بڑے بت مناف کو اپنے اظہار عبودیت میں حوالے کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے یہی نام مشہور ہو گیا۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 39)

(i) پہلے کہا گیا کہ جناب قصیؑ نے یہ نام خود رکھا تھا۔

(ii) پھر یہ لکھا گیا کہ یہ نام نہ قصیؑ نے رکھا نہ حمیؑ نے رکھا۔ بلکہ بت کی خدمت میں پیش کرنے کی وجہ سے یہ نام عبد مناف خود بخود مشہور ہو گیا۔

(iii) ہم کہتے ہیں کہ یہ قحطانی تاریخ جھوٹ کا پلندہ ہے۔ یہ سب ایک دوسرے کو جھٹلانے میں ماسٹر لوگ ہیں۔ اس لئے کہ منافقوں میں اتحاد ناممکن ہے۔

(iv) اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ کفار عرب بتوں کو اپنا خالق اور خود کو بتوں کا بندہ یا عبد سمجھتے تھے۔ قرآن نے بتایا کہ وہ اللہ ہی کو اپنا خالق جانتے تھے۔

(v) چونکہ قحطانیوں نے آگے چل کر خود رسول اللہ کو (معاذ اللہ) بتوں کی حمد و ثنا کرنے میں ابلیسی اغوا کے ساتھ مصروف دکھانا اور معتبر ترین کتابوں میں لکھنا تھا۔ لہذا وہ رسول بھی اُسی خاندان سے مانیں گے (معاذ اللہ) جو اُنکے عقیدے میں بت پرست خاندان

سے ہو۔ لہذا عبدالدار، عبدالعزی اور عبدالشمس قحطانی بت پرستوں کے نام ہیں۔ اُن کا خاندان رسولؐ سے کوئی نسبی رشتہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ بت پرست مشرک و کافر و نجس و ناپاک اور ظالم ہوتے ہیں اور رسولؐ اللہ کے والدین و اباؤ اجداد تمام مومنین و پاکیزہ لوگ تھے۔

(11/8)۔ جناب ہاشم علیہ السلام کے حالات زندگی

مومنین کے مسلمات میں سے چند عمدہ خصائل و حالات لکھنا ضروری ہیں۔ اُن کا اسم گرامی عمرو بتایا گیا ہے۔ ہاشم مشہور ہونے کی متفقہ وجہ یہ ہے کہ اُن کے زمانہ میں عرب و حجاز میں سخت قحط پڑا اور مخلوق خدا قاتوں سے دوچار ہو گئی۔ آپؐ نے فلسطین کا سفر کیا اور وہاں سے کثیر مقدار میں کھانے کی اجناس لے کر آئے اور لوگوں کو گوشت اور شوربے میں روٹیاں پُور پُور کر دوں وقت کھلانے کے لئے ضروری تعداد میں لنگر کھول دئے۔ طبری کے بقول مطرود بن کعب الخزاعی یا ابن الککبی کے قول کے مطابق ابن الزبیری نے یہ شعر کہا:-

عمرو الذی ہشم الثرید لقومه و رجال مکة مسنتون عجاف

وہ عمرو تھا جس نے اپنی قوم کو روٹی پُور کر کھلائی اس حال میں کہ مکہ کے لوگ قحط سالی میں مبتلا ہو گئے تھے۔

ہاشم ہی وہ شخص تھا جنہوں نے مکہ سے ہر سال موسم سرما اور گرمیاں تجارت کے محفوظ قافلے روانہ کرنے کی ذمہ داری لی۔ آپؐ نے خاندان بطن کی شاخ کے غسانی بادشاہ سے مکہ والوں کو تجارت کی سہولتیں دلائیں۔ شاہانِ روم و حبشہ اور ایران وغیرہ سے عربوں کیلئے ویزا اور رعایات سفر و تجارت و سکونت کے پروانے حاصل کئے۔ اور یثرب (مدینہ) اور حجاز کے باشندوں کو بیرون ملک جانے اور دوسری مملکتوں میں آباد ہو کر وہاں کی رعایا کی تمام سہولتیں حاصل کرنے کے اختیار ملے تو عرب میں تمدن و ترقی پھر ایک بار شروع ہو گئی۔ لوگ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر آ کر آباد ہونے لگے۔ تجارت کی تمام راہیں کھل گئیں۔ تبادلہ خیالات و مذہبی تصورات جاری ہوئے۔ اور ایک دفعہ پھر بنی حکومتوں کے ادوار کا روشن چہرہ سامنے آیا۔ قحطانیوں نے بھی اپنا حسد و بغض اور ریشہ و انیاں جاری رکھیں۔ بنی ہاشم کے اقتدار پر ہاتھ ڈالنے کی کوششیں پھیلنے لگیں۔ جناب ہاشم علیہ السلام نے اپنی بنی شاخ سے از سر نو رشتہ داری کو استوار کیا۔ اور ملک شام کے سفر کو جب بھی جاتے تو ضرور اپنے ہم نسب قبیلہ اوس و خزرج میں قیام فرماتے۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے آخری سفر میں عمرو بن زید بن لبید الخزرجی کے یہاں مدینہ میں قیام کیا۔ اور اُن کی بیٹی سلمیٰ (بنت عمرو بن زید بن لبید الخزرجی) سے نکاح کیا۔ مگر کسی مصلحت سے خلوت کئے بغیر ملک شام تشریف لے گئے۔ اور واپسی پر باقاعدہ اپنے سسرال میں قیام کیا۔ جناب سلمیٰ علیہا السلام میں وہ نور منتقل ہوا۔ جس سے سرور کائنات اور مولائے کائنات علیہما السلام نے ظہور فرمایا تھا۔ اور جس طرح اوس و خزرج کے بنی ہونے کو راز میں رکھا جاتا رہا تھا اور آنحضرتؐ کے زمانہ تک خاندان رسولؐ گایہ راز، راز رہتا چلا گیا کہ اوس و خزرج قریب ترین عزیز اور حضرت نابت بن اسماعیل علیہما السلام کی اولاد ہیں۔ اُسی طرح جناب ہاشم نے مکہ کے قحطانیوں سے اس بات کو محفوظ رکھا کہ نور مصطفیٰؐ و مرتضیٰؐ مدینہ کے اندر جناب سلمیٰ میں منتقل ہو چکا ہے۔ تاکہ جناب قصی علیہ السلام کی طرح جناب عبدالمطلبؐ قحطانیوں سے دور اور محفوظ رہ کر آغوشِ مادر اور اپنے حقیقی بنی خاندان میں پرورش پائیں اور جوان ہو کر مکہ میں آئیں۔ لہذا حضرت ہاشم نے جناب سلمیٰ کو وضع حمل کے لئے مکہ سے مدینہ پہنچا دیا اور خود

ملک شام چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔ اس انتقال کے بعد سید المطلبؑ پیدا ہوئے اور عنفوان شباب تک اپنے حقیقی بزرگوں میں پرورش پائی۔ اور اس دوران مکہ کے کسی فرد کو پتہ نہ چلنے پایا کہ نورِ مصطفیٰؐ و مرتضیٰؑ کا حامل مدینہ میں ہے۔ غالباً خانوادہ رسولؐ کے عوام کو بھی یہ حقیقت نہ بتائی گئی تھی۔

(11/9)۔ حضرت شیبہ عرف عبدالمطلب علیہ السلام

آپ کا نام شیبہ اسلئے رکھا گیا تھا کہ آپکے سر میں سفید بالوں کا ایک بھنور بنا ہوا تھا۔ عبدالمطلبؑ کہلانے اور اس لقب کے عام طور پر پھیل جانے کا سبب یہ ہے کہ بنو الحارث بن عبدمناةؑ کا ایک شخص مدینہ میں کسی کام سے آیا۔ راہ سے گزرتے ہوئے اُس نے چند نوجوانوں کو ایک نشانہ میں تیر اندازی کرتے دیکھا۔ ایک نوجوان کا تیر نشانہ پر ٹھیک لگا تو اُس نے بطور فخر یہ نعرہ کے پکارا میں ہاشم کا نور نظر ہوں۔ میں سید المطلبؑ کا فرزند ہوں۔ وہ شخص اُن کے حسین چہرے اور جاہ و جلال کو دل بھر کر دیکھنے کیلئے رک گیا۔ چنانچہ اس نے دیکھا کہ شیبہ کا ہر تیر صحیح نشانہ پر بیٹھتا ہے۔ اور وہ ہر دفعہ اپنے والد پر فخر کرتے ہیں۔ وہ شخص پاس آیا۔ استفسار حال کیا تو انہوں نے بتایا کہ میں شیبہ بن ہاشم بن مغیرہ بن قصی ہوں۔ وہ حارثی عرب جب واپس مکہ میں آیا تو اس نے جناب ہاشم علیہ السلام کے حقیقی ماں جائے بھائی جناب مطلبؑ سے بتایا کہ آپ کا بھتیجا مدینہ میں مجھے ملا ہے۔ جو بڑا حسین و جمیل و قادر انداز ہے اور جناب ہاشم علیہ السلام کا نام لے کر فخریہ نعرہ مارتا ہے۔ حضرت مطلبؑ اشتیاق سے بے چین ہو گئے اور فرمایا کہ بخدا اپنے بھتیجے کو لائے بغیر اب میں اپنے گھر میں قدم نہ رکھوں گا۔ حارثی نے کہا کہ اگر اس قدر عجلت ہے تو یہ میرا ناقہ حاضر ہے، روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ آپ عقاب ایسی تیزی کے ساتھ مدینہ آئے اور حارثی کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچے۔ یہاں بطنی قبیلہ کی شاخ بنی عدی بن النجار کی چوپال تھی۔ چند لڑکے گیند کھیل رہے تھے۔ ٹھہرے اور پہلی نظر میں اپنے بھائی کی نشانی کو پہچان لیا۔ گلے ملے خوشی سے اور بھائی کی یاد میں دل بھر آیا۔ اپنے باپ کے تنہا بیٹے تھے۔ بھائی کی یادگار سے اپنے گھر کو رونق دیں گے۔ خوب روئے اپنا تعارف کرایا۔ بھابھہ محترمہ سے ملے۔ حالات اور وصیتیں معلوم کیں، خاندانی امانتیں لیں، اجازت لے کر، شیبہؑ کو لے کر مکہ آئے اور اترنے سے پہلے سارے شہر کا گشت کرایا۔ پکارتے جاتے تھے۔ میرے بھائی ہاشم کا بیٹا، خاندانِ امامت کا چشم و چراغ میرے ساتھ ہے۔ جناب شیبہؑ کہتے تھے کہ میں اپنے چچا کا غلام ہوں۔ چچا کا پیار و خلوص مشہور کرنے کے لئے عبدالمطلبؑ کا لقب اختیار کر لیا۔ یہاں سے قحطانیوں کی نظروں نے محمدؐ و علیؑ علیہما السلام کے نور کی جھلک دوبارہ دیکھی تو ہاشم کے ساتھ جو حسد و دشمنی تھی اُس کا رخ جناب عبدالمطلبؑ کی طرف موڑ دیا۔ جس کا تذکرہ دشمنانِ خانوادہ رسولؐ کی ذیل میں ہونے والا ہے۔

الغرض جناب عبدالمطلبؑ علیہ السلام نے دشمنوں سے تھوڑی سی فراغت پائی تو زمزم کے کنوئیں کو تلاش کیا۔ جسے جڑہمیوں نے اپنے زوال کو محسوس کر کے پاٹ دیا تھا۔ اور کعبہ کے خزانہ کی بعض چیزیں بھی اُس کنوئیں میں دفن کر کے اُسے قطعاً گم کر دیا تھا۔ اور تقریباً ایک ہزار سال سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ زمزم کا کنواں کہاں گیا۔ طرح طرح کی کہانیاں گشت کرتی رہتی تھیں۔ مثلاً اللہ نے جڑہمیوں کے فسق و فجور کی سزا میں چاہ زمزم کو خشک کر دیا تھا۔ بہر حال خاندانِ نبوت و امامت کے افراد وہ مقام جانتے تھے۔ آخر جناب شیبہؑ نے دوبارہ چاہ زمزم کو کھدوایا۔ صاف کرایا اُس میں از سر نو پانی نکلا جو آج تک موجود ہے۔ کنوئیں میں سے جو چیزیں نکلیں اُن میں قابل ذکر دو عدد

سونے کے بنے ہوئے ہرن تھے۔ کچھ یادگار تلواریں تھیں۔ چند زریں تھیں۔ جناب عبدالمطلبؑ نے اُن تلواروں سے کعبہ کا ایک دروازہ بنایا اور ہرنوں کے سونے کو پتروں کی صورت میں تبدیل کر کے اُس کو دروازوں پر چڑھوا دیا۔ اس سے فارغ ہو کر آپ نے پھر قحطانیوں کی مخالفانہ سرگرمیوں کو روکنے کی کوشش شروع کی۔ قحطانی گروہ نے چاہہ زمر کو دوبارہ برآمد کر لینے کے سلسلے میں بھی ٹانگ اڑائی تھی۔ خیال یہ تھا کہ اگر زمر کا نشان مل گیا تو اس میں وہ خزانہ برآمد ہو جائے گا جو اُن کے بزرگوں یعنی جرہمیوں نے پوشیدہ کیا تھا۔ اور اس طرح خانوادہ اسماعیلؑ کو نہ صرف قومی اعزاز حاصل ہوگا بلکہ دولت بھی بے شمار مل جائے گی۔ لیکن جناب عبدالمطلبؑ کو قحطانی ٹولہ کی سخت مخالفت نہ روک سکی اور لوگ اُن کے طرف دار ہو گئے۔ جب خزانہ کی افواہوں کا غلط ہونا ثابت ہو گیا تو قحطانیوں نے زمر پر اپنا قبضہ کرنا چاہا تھا۔ حضرت عبدالمطلبؑ نے قحطانیوں کے دوسرے قبائل سے مدد مانگی تو لوگوں نے قحطانی سرگروہ نوفل کے مقابلہ پر اُٹھنے سے انکار کر دیا تھا۔ آخر حضرتؑ کو اپنی نانہال سے مدد لینا پڑی تھی ورنہ نوفل اینڈ پارٹی آپ کی تمام جائیداد پر قبضہ جمانے کی فکر میں تھی۔ اُسی تنہائی کے زمانہ میں جنابؑ نے خدا سے یہ منت مان لی تھی کہ خدایا مجھے بہت سے بیٹے عطا کر جو میری زندگی ہی میں جوان ہو جائیں۔ تو میں اُن میں سے ایک بیٹے کو اپنے دادا حضرت ابراہیمؑ کی طرح تیری راہ میں قربان کروں گا۔ اور جب دعا قبول ہوگئی تو جناب عبد اللہ علیہ السلام کی قربانی کا حکم ہوا۔ لیکن آپؑ کو معلوم تھا کہ عبد اللہ علیہ السلام میں نور محمدؐ منقول ہوا ہے۔ اس لئے آپ نے خدا سے چاہا کہ جناب عبد اللہ کے بدلے میں بھی فوری قربانی، دنبہ یا اونٹ کی صورت میں منظور کر لی جائے۔ تاکہ خدا کا وہ وعدہ پورا کرنے میں حضرت عبدالمطلبؑ بھی شامل ہو جائیں۔ جس میں حضرت اسماعیلؑ کے لئے ذبح عظیم واقع ہونا تھی۔ یعنی اگر جناب اسماعیلؑ خود ذبح ہو جاتے تو بھی اور اگر جناب عبد اللہ ذبح ہو جاتے تب بھی ذبح عظیم کیسے واقع ہوتی۔ نہ حضرت محمدؐ ہوتے نہ فاطمہؑ ہوتیں نہ حسینؑ ہوتے۔ لہذا نجات نوع انسانی کے لئے جناب اسماعیلؑ و عبد اللہ علیہما السلام کا زندہ رکھا جانا ضروری تھا تاکہ مرکب انسانیت مادی وجود میں آئے اور تمام انسانوں کی نجات کی راہ نکلے۔ لہذا حضرت عبد اللہ علیہ السلام کے بدلے میں ایک سواونٹوں کی قربانی منظور ہوئی۔ نہایت شکر و عقیدت مندی کے ساتھ یہ قربانی پیش کی گئی۔ مکہ اور گرد و نواح مکہ کے باشندوں کی ضیافتیں ہوئیں۔ جشن منائے گئے۔ غربا و فقرا کو مالامال کیا گیا۔ عبادتیں کی گئیں، منت بڑھائی گئی۔ جناب عبد اللہ علیہ السلام سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ لہذا اُن سے بڑے تمام بھائی جوان ہو چکے تھے۔ قحطانیوں کا زور ٹوٹا جا رہا تھا۔ اب جناب عبدالمطلبؑ کو جناب عبد اللہ علیہ السلام کی شادی کی فکر تھی باقی تمام بیٹوں کی شادیاں بہت پہلے ہو چکی تھیں۔

(ii)۔ قحطانی کیریئر اور رسالت کو منتقل کرنے کی شرمناک اور آخری کوشش

علامہ طبری نے وہ نظارہ پیش کیا ہے۔ جب جناب عبدالمطلبؑ علیہ السلام ایک سواونٹوں کی قربانی کر کے فارغ ہوئے اور جناب عبد اللہ علیہ السلام کو ہمراہ لے کر کعبہ سے چلے تھے لکھا ہے کہ:-

”ام قاتل اور عبد اللہ“ ”قربانی کے بعد وہ اپنے بیٹے عبد اللہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے کعبہ سے واپس جانے لگے۔ ایک عورت ام قاتل بنت نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ یعنی ورقہ بن نوفل بن اسد کی بہن کے پاس سے، جو کعبہ میں موجود تھی اُن کا گزر ہوا۔ اُس نے عبد اللہ کے چہرے کو دیکھ کر کہا۔ تم کہاں جاتے ہو۔ عبد اللہ نے کہا میں اپنے باپ کے ساتھ ہوں۔ اُس عورت نے کہا کہ جس قدر اونٹ تمہارے فدیہ

میں ذبح کئے گئے ہیں۔ وہ میں تم کو دیتی ہوں۔ تم اسی وقت مجھ سے ہم بستر ہو جاؤ۔ عبد اللہ نے کہا میرے ساتھ میرے باپ ہیں۔ اُن کی خلاف مرضی کوئی بات نہ کروں گا۔ اور نہ اُن سے جدا ہونا چاہتا ہوں۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 39)

قارئین کرام! نہ ہم نے کچھ لکھا نہ تم آئے کہیں سے؟ پسینہ پونچھئے اپنی جبین سے

یہ ایک قحطانی اور بقول طبری ایک قریشی خاندان کی معزز خاتون تھیں۔ آپ صرف پڑھ کر شرمائیں گے۔ کیا حال ہوا ہوگا جناب عبد اللہ علیہ السلام کا؟ کل سترہ یا اٹھارہ سال کی عمر ہے۔ والد ساتھ ہی نہیں بلکہ ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ یعنی دامن عصمت تھامے ہوئے ہیں۔ عصمت و عفت و شرافت کا ذخیرہ یعنی نور محمدی پیشانی سے جھلک رہا ہے، آنکھوں سے ٹپکنے کو ہے۔ اُس بے حیاء نظامِ شرک و اشتراکیت کی پروردہ عورت کا یہ بے محابا، بلا تکلف اور سرِ راہ جنسی تعلق کی دعوت دینا، سوا ونٹوں کا لالچ دے کر ابلیس کے دھڑے حربے استعمال کرنا، بجلیاں گر جانے سے کم محسوس نہ ہوا ہوگا۔ یہ تمام انبیاء و ائمہ علیہم السلام کا وارث صرف اس قدر کہہ کر آگے بڑھ گیا کہ ہمارے یہاں امامِ وقت کی مرضی کے خلاف نہ زبان کھولی جاتی ہے نہ عمل کیا جاتا ہے۔ اور امامِ زمانہ میرا باپ میرے ساتھ مجھے سنبھالنے کو موجود ہے۔ کل وہ وقت آنے والا ہے کہ اسی قحطانی خاندان کا سب سے بڑا فرعون اپنی پوری قوم کے عمائدین کے روبرو اسی عبد اللہ کے نورِ نظر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سر جھکا کر اپنی اور اپنی پوری قوم کی کنواری بیٹیاں پیش کرے گا۔ سارا زرو جو ہر واثا نشا اور قومی حکومت قدموں میں رکھ دے گا۔ مگر عبد اللہ اور عبد المطلب کی لاج رکھنے والا، پوری نوع انسان کو شرافت و عفت و عزت و شرم و حیا کا تاج پہنانے والا کہہ دے گا کہ اگر تم چاند اور سورج بھی لا کر دے دو تب بھی مرضی خداوند کے خلاف کوئی کام نہ کروں گا۔ یہ ہے خانوادہ رسول اور خاندانِ نابت بن اسماعیل اور آلِ ابراہیم سلام اللہ علیہم اجمعین۔ جن کا نورِ نظر اور شجرِ نبوت و رسالت کا ثمر حسین ابن علی علیہما السلام ہے۔ جس کے حضور ساری کائنات سر سجدہ ہے۔ آگے چل کر جناب طبری اُس مشرک عورت کا عذریوں لکھتے ہیں کہ:-

(iii)۔ قحطانی مشرک، محمد کی رسالت و حکومت کو ہڑپ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے

”واقعہ یہ تھا کہ یہ عورت اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے جو عیسائی ہو گیا تھا اور جس نے نصرانیوں کی مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے اُس مذہب میں بڑا مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ اور آئندہ کی خبروں سے واقف تھا، سے سنا کرتی تھی کہ قریش میں اولادِ اسماعیل میں سے ایک نبی پیدا ہونے والا ہے (اس سے پہلے یہ لکھا تھا کہ) اُس عورت نے کہا کہ آج تمہاری پیشانی پر وہ نور نہیں ہے جو کل تھا۔ وہ جاتا رہا۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 30)

علامہ طبری اس سلسلہ میں ایک اور قحطانی عورت کا ذکر کرتے ہیں جو یہودی المذہب اور غیب دان تھی۔

(iv)۔ ”ابن عباس کی روایت ہے کہ جب عبد المطلب، عبد اللہ کو لے کر اس کی شادی کرنے چلے تو وہ بنی خثعم کی ایک کاہنہ فاطمہ بنت مر کے پاس سے گزرے۔ جس نے یہودی بہت کتابیں پڑھی تھیں۔ اُس نے عبد اللہ کے چہرے میں ایک خاص نور دیکھا اور عبد اللہ سے کہا کہ اے نوجوان اگر تو اسی وقت مجھ سے مباشرت کرتا ہے تو میں تجھے سوا ونٹ دیتی ہوں۔ عبد اللہ نے کہا:-

”أَمَّا الْحَرَامُ فَالْمَمَاتُ دُونَهُ
وَالْحَلَلُ لَا حَلَائِلَ فَاسْتَبْلِيْنَهُ
فَكَيْفَ بِالْأَمْرِ الَّذِي تَبْغِيْنَهُ
”حرام ہم سے ہو نہیں سکتا اُس سے مر جانا بہتر ہے
اور حلال کی یہ صورت نہیں ہو سکتی۔
چنانچہ جو بات تم چاہتی ہو وہ کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔“

(طبری نے عورت کا جواب یہ لکھا کہ) ”اے شریف زادے میں بدکار عورت نہیں ہوں۔ میں نے تمہارے چہرے میں ایک نور دیکھا تھا۔ میری خواہش تھی کہ وہ نور میرے اندر آ جائے۔ مگر اللہ کو یہ بات منظور نہ تھی کہ یہ سعادت مجھے نصیب ہو۔ اُس نے جہاں مناسب سمجھا اُسے ودیعت کر دیا۔“ (طبری جلد اول صفحہ 31-30)

(v)۔ نورانی نظام کی کھلی مخالفت کے ساتھ ساتھ داخلی اور پوشیدہ مخالفت کا محاذ

نور محمد علیؑ کے منکر ساری عمر سایہ کی طرح ساتھ ساتھ لگے رہے اور فوراً ظاہری ایمان لائے۔ قارئین یہاں مشرکین عرب کی جنسی بے حیائی سے بلند ہو کر چند اہم چیزوں پر غور کریں:-

اول یہ کہ جو نور عورتوں تک کو جناب عبد اللہؑ کی پیشانی میں نظر آ رہا تھا وہ تو اس سلسلے کے ہر باپ کی پیشانی میں رہتا چلا آیا تھا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک یعنی حضرت عبد اللہؑ تک اسی (80) ایسے باپ گزرے جن میں رہتا، چمکتا، چمکتا اور دھکتا ہوا یہ نور حضرت عبد اللہؑ تک پہنچا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ہر زمانے کے لوگوں نے اس حقیقت روشن کو نہ دیکھا ہوگا؟ اور کیا اُس نور نے خود بخود لوگوں کو اپنی طرف مذکورہ عورتوں کی طرح متوجہ نہ رکھا ہوگا؟ پھر اُس نور اور اس کے صفات و ظہور کی خبریں ہر نبیؑ اور ہر کتاب نے دیں۔ اور آج تک توریت و انجیل و زبور اور دیگر الہامی کتابوں میں بشارتیں موجود ہیں۔ اب یہ سوچئے کہ دشمنان نبوت و رسالت کیلئے اپنا پروگرام بناتے رہنا کتنا آسان تھا۔ وہ خاندان جس میں اُس چہرے مہرے اور نور کا حامل انسان ہو۔ ابلیس اور خاندان ابلیس کیلئے کتنا نمایاں رکھا گیا۔ انہیں پوری چھوٹ اور سارے وسائل دیئے گئے کہ اس نور سے برسرِ پیکار رہ سکیں۔ اُسے بچانے کی کوشش کریں۔ کیا یہ ماننے کی بات نہیں کہ ابلیس اور اس کی تمام افواج ایسے حاملان نور محمدؑ کے خلاف اپنی پوری قوت صرف کر دیں؟ اور کیا یہ کمال تائید الہی نہیں کہ یہ اسی (80) نبیؑ، رسولؑ، امامؑ برابر قائم رہے۔ اور تعلیمات خداوندی کو روز افزوں اور ہمہ گیر کرتے چلے گئے؟ پھر یہ سوچئے کہ ابلیسی گروہوں کو بار بار اور لگا تار شکستوں کے بعد یہ نہ سوچنا چاہئے کہ اس نورانی نظام کی کھلی مخالفت کے ساتھ داخلی اور پوشیدہ مخالفت کا محاذ بھی ساتھ ساتھ چلنا چاہئے۔ کیا ابلیس کے دانشوروں اور ماہرین کے لئے ضروری نہیں کہ اُن میں سے چند کامیاب علمائے مذاہب و سیاسیات اُس نور کے ساتھ ساتھ چلیں اور اگلی نسل میں ظہور کے فوراً بعد کلمہ پڑھ کر اسلام کا اعلان کریں۔ سایہ کی طرح ساتھ ساتھ لگے رہیں۔ رسولؑ کی تنہائیوں اور خلوتوں میں، رات کے اندھیروں اور گھر کی چار دیواریوں میں ہمراہ رہنے والے اپنے موزوں شکل و صورت کے جاسوس پہنچائیں۔ جو بدن کالمس، سانس کی آواز، دل کی دھڑکنیں اور نبض کی جنبشیں تک شمار کر سکیں۔ چہرے کا اتار چڑھاؤ اور خواب میں سرزد ہونے والے کلام کو سننے کا حق حاصل کر سکیں۔ یہی تو چاہتی تھیں وہ دونوں قحطانی عورتیں؟ کہ وہ مقام حاصل کر سکیں کہ

تمام مادی و شرعی پردے اور حجاب اٹھ جائیں۔ ساتھ سوئیں، ساتھ کھائیں، گھر کا بھیدی بن کر لٹکا ڈھائیں اور آئندہ نسلوں میں اہل بیتؑ کہلائیں۔ چنانچہ نظام ابلیس کے لئے یہ دینی و دنیاوی ضرورت تھی۔ یہ تقاضائے وقت تھا۔ اُس نے نہایت دانشمندی سے اپنے اپنے خاص شاگردوں کو ہر رسولؑ کے اولین مؤمنین و مصدقین میں داخل کیا۔ قرآن کی رو سے ابلیس کا یہ حربہ بہت کامیاب تھا۔ عوام الناس کو دل کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ ظاہری اعمال، نماز، روزہ، تہجد گزاریاں، زبانی قربان ہو جانے کے دعوے۔ فدا ابسی و اُہسی کی صدائیں، ظاہری زہد و تقویٰ بڑی موٹی چادریں تھیں جو یہ دشمنانِ خدا و رسول کہتے عوام فوراً قبول کرتے۔ یہ مزاج شناس نبوت ہیں۔ یہ کتاب کی عملی تنفیذ کے دیکھنے والے ہیں۔ جوں جوں دنیا ختم نبوت کی طرف بڑھتی گئی۔ شریعت و طریقت و بصیرت و حکمت مکمل ہوتی گئی۔ اُدھر ابلیسی نظام بھی برابر ترقی کرتا رہا۔ اور تکمیل دین کے مقابلہ میں ابلیس کا مکمل محاذ سامنے آیا اور جو کچھ ہوا وہ جلیبی یا امرتی کی طرح گول گول چلتا رہا۔

قرآن کی تعبیرات اعتقاد کی آڑ میں بدل کر مشرکانہ نظام پر فٹ (FIT) کر لی گئیں۔ کہانیاں گھڑ کر حدیث و روایت کے نام پر پھیلا دی گئیں۔ یہاں تک کہ اسلام کا صرف نام اور قرآن کے صرف الفاظ رہ گئے۔ آخر مرکز کائنات نے اٹھ کر لوگوں کو از سر نو اسلام کی تعلیم دی۔ کتنا زبردست تھا یہ خانوادہ کہ ابلیس کے نظام کے سامنے کوئی روک نہ کھڑی کی۔ جو گھر میں آیا آنے دیا، جو احباب میں داخل ہوا ہونے دیا، وسیع دامن پھیلا دیا۔ جس کا دل چاہا زبردماں چلا آیا اور ایسا حسین و بے نظیر انتظام کیا جو آیا پھر نہ جاسکا۔ دل چاہے نہ چاہے نمازیں پڑھنا پڑیں، روزے رکھنا پڑے، اولاد کو دل سے مسلمان ہوتے دیکھنا پڑا۔ بیٹیاں مؤمنین کو دینا پڑیں، بڑی بڑی داڑھیاں رکھنی پڑیں، پانچ وقت میناروں پر چڑھ کر اس خانوادے کا کلمہ پڑھنا پڑا۔ اب یہ سوچئے کہ نظام ابلیس کو یہ غیر مشروط آزادی دے کر کیا یہ ضروری نہیں کہ ابلیس کے پورے نظام پر، اس کے ہر منصوبے اور اقدام پر نظر رکھی جائے؟ اور اُن کے ہر تخریب کار کو نوٹ کیا جائے۔ ایمان ایمان، اسلام اسلام پکارنے والوں کو جانچا جائے۔ جو جتنا بڑا دعویٰ کرے اُس پر اُسی معیار کی نظر اور تنقید کی جائے۔ اور اُنکے تمام اقدامات کو بے نتیجہ بنا کر انہیں اُنکے مقاصد سے محروم کر دیا جائے۔ یہی لعنت کے معنی ہیں۔ اُنکی ہر فکر، ہر عمل، ہر طریقہ کار سے مشکوک اور الگ رہا جائے۔ یہی تبرا کے معنی ہیں۔ اور ان تمام فرائض کو انجام دینے والی جماعت ہی تو تحریکِ تشیع ہے جو دشمن کو امت سے روشناس کرائے۔ یعنی قوم میں تخریب کاروں کی اشاعت و تعارف پیش کرے کہ لوگ اُنکی چالوں سے قبل از وقت مطلع ہو کر اسلام پر عامل اور کفر و طغیان سے دور رہیں۔ پھر یہ سوچئے کہ آج جو لوگ محمدؐ کے نور کا انکار کر رہے ہیں وہ کہیں قحطانی قسم کے مسلمان تو نہیں ہیں؟ یہ کہیں اُن ہی لوگوں کے پیرو تو نہیں جو پہلے تو اُس نور کو ہڑپ کرنے اور بُجھا دینے کی چھ سات ہزار سالہ کوشش میں لگے رہے۔ کہیں اسماعیلی بن جانے کی جد و جہد کی، کہیں قریشی لباس پہننے میں کوشاں ہوئے اور جب دیکھا کہ وہ نور روکا نہ جاسکا۔ اس کا ظہور ہو کر ہا تو اب یہ طے کیا کہ اُس نور کا کھلا انکار کر دیا جائے، معجزات کی تکذیب کی جائے، اُسے ایک عام آدمی بنا کر قریش کے مجمع میں غائب کر دیا جائے۔ خطا کار و گناہگار بنانے پر بحثیں کی جائیں۔ اور دین کو مشرکانہ سُنّت کے ماتحت کر کے وہ چیز قبول کی جائے جو بصیرتِ ملکی اور تقاضائے قومی کے مطابق ہو۔ ورنہ آیت ہو تو منسوخ، حدیث ہو تو ضعیف قرار دے کر خیر باد کہہ دیا جائے۔ اُن لوگوں کو پہچانئے ورنہ ایمان کا خطرہ ہے۔

(vi) - حضرت عبدالمطلبؑ کا معجزہ اور قرآن کریم کی تصدیق

جس زمانہ کی بات ہو رہی ہے وہ آج سے ٹھیک چودہ سو سال پہلے سرزمین عرب پر گزر رہا تھا۔ حضرت عبدالمطلبؑ اُس زمانہ میں ایک دفعہ تمام قحطانیوں کو مایوس کر چکے تھے۔ کڑیل جوان بیٹے ایمان و عمل و صورت و سیرت میں سامنے موجود تھے۔ حضرت عبد اللہ کا سہرا اور سرورِ کائنات ایسے پوتے کے دیدار کا انتظار تھا۔ معلوم تھا کہ رسالت اُن کی گود میں پلے گی۔ معلوم ہونا ہی تو انتظار کو اور شدید کر دیتا ہے۔ ایسے عالم میں اللہ کی طرف سے ایک نہایت خوفناک آزمائش، ایک لرزہ بر اندام کر دینے والا امتحان، دُور یمن کی فضاؤں میں تیار ہو رہا تھا۔ بھرتی جاری تھی، فوجیں مسلح کی جا رہی تھیں، ریگستان میں سفر اور جنگ کی مشقیں ہو رہی تھیں، فوج کو بھوک اور پیاس کی تکلیف اور شدید جھلسا دینے والی گرمی کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔ ایران سے بُل ڈوزر (Bull Dozer) کی جگہ بڑے سے بڑے خونخوار ہاتھی منگائے جا رہے تھے۔ ایک ایسا بے خوف اور جنگ آزمودہ اور فاتح بادشاہ مکہ پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔ جس نے تمام قحطانی حکومتوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔ جس کے دربارِ جشنِ سد مارب کے وقت شاہانِ روم و ایران و غسان و یونان کے سُر اشریک ہوئے تھے۔ جیٹی ہوئی حکومتوں کے سیاستین اور مذہبِ نصارا کے مجتہدین چاہتے تھے کہ مکہ کے پُر امن حاکم حضرت عبدالمطلبؑ پر حملہ ہو، کعبہ کی بے حرمتی ہو۔ یہ لوگ ہر ممکن اشتعال انگیزیاں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بادشاہ کے کلیسا یعنی گرجا کے اندر پاخانہ کر دیا گیا۔ اور ایک موقع پا کر کسی متنفی شخص نے گرجا میں آگ لگا دی۔ تاریخ کہتی ہے کہ یہ کام قریش نے کیا تھا۔ اگر سچ مچ ایسا ہوا تو گویا قریش ہی کعبہ پر حملہ کے لئے اشتعال پیدا کر رہے ہیں۔ بہر حال ہم تو صرف اس قدر کہیں گے کہ قحطانیوں نے خود اپنے ہاتھ سے منجیقیت اور گولے برسائے۔ کعبہ کو جلایا اور جب بھی موقع ملا اور اقتدار نے ساتھ دیا، مساجد اور عبادت خانے جلانے میں ذرہ برابر تکلف نہ کیا۔ الغرض ابرہہ بادشاہ کو مشتعل کر دیا گیا۔ اس نے قحطانی راہنما ساتھ لئے اور مکہ کی طرف ساٹھ ہزار کی مسلح و مستعد و تجربہ کار فوج کے ساتھ بڑھا۔ یہ 569 عیسوی یا 570 عیسوی کا زمانہ ہے۔ یہ طوفانِ بلا جس علاقے اور جس زمین سے گزر جائے بتائیے کیا اس علاقے کا خلیہ نہ بدل جائے گا؟ فصلیں، باغات و حیوانات ختم ہوتے نہ چلے جائیں گے۔ لوگوں کے گھروں میں رکھا ہوا اناج، رقوم و کپڑے ہی ختم نہ ہو جائیں گے۔ بلکہ مرد، عورتیں اور بچے بھی ریگزار اور مختلف خدمات کے لئے پکڑے جائیں گے۔ چیلوں، کوؤں اور کرگسوں (گدھ) کا غول اس امید پر کہ جنگ ہوگی تو لاشیں اور قیام ہوگا تو پھینکا ہوا کھانا، گوشت و ہڈیاں کھانے کو ملیں گی۔ کالے بادلوں کی طرح ساتھ ساتھ مصروف پرواز۔ یہی تو حملہ تھا جس سے اُس دانشور نے سبق سیکھا تھا جو رسول اللہ کو قسمیں کھا کر مشورہ دیا کرتا تھا۔ جس کی پالیسی یہ تھی کہ فصلیں اور نسلیں تباہ کر دی جائیں۔ زمین کو فوجوں کی جولان گاہ بنا دیا جائے (بقرہ 2/204-205)۔ اسی حملہ نے قحطانیوں کو جگایا تھا۔ بہر حال یہ سیلابِ بلا بڑھا جو سامنے آیا بہا لے گیا۔ ادھر ادھر چند قبائل نے مزاحمت کی اور گرفتار ہو کر خدمت گار بن گئے۔ مکہ میں خبریں پہنچنے لگیں تو بڑے بڑے پھٹے خانوں کے پتے پگھل گئے۔ لوگ پہاڑوں پر چڑھ چڑھ کر صبح سے شام تک اپنی اس لوٹ کودیکھنے کی کوشش کرتے۔ چند کٹوے سروں پر سے گزر جاتے تو کلیجے منکوا جاتے۔ حضرت عبدالمطلبؑ نے اعلان کر دیا کہ تمام مرد اور عورتیں اور بچے مکہ سے نکل کر دُور دُور جا کر محفوظ مقامات پر پناہ لیں اور شہر خالی کر دیا جائے۔ صرف وہ لوگ مکہ میں رہ جائیں جو حقیقی طور پر کعبہ کے محافظ اور آل اللہ اور آل

پیغمبران سلف ہیں۔ جب یہ فوج طائف کے قریب پہنچی تو وہاں کے سرداروں نے حاضر ہو کر بتایا کہ حضور مکہ شہر آگے ہے وہیں کعبہ ہے۔ ہمارے راہبر حاضر ہیں جو ٹھیک راہ سے جلد پہنچا دیں گے۔ آلِ حام کا یہ بادشاہ آلِ سام کی بے بسی پر مسکراتا چلا جا رہا تھا۔ وہ بامذہب تھا۔ اسرائیلی شاخ کے انبیاء پر ایمان رکھتا تھا۔ اور پانچ سو سال کے بگاڑے ہوئے عیسائی مجتہدین کے احکام پر عامل تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ کعبہ کو گرا کر اُسی بلے سے کعبہ یمن میں بنانا خدا کو پسند آئے گا۔ مکہ والوں نے تو نہ معلوم اس میں کن لوگوں کے مجسمے یا بُت رکھے ہیں۔ وہ حضرات موسیٰ و عیسیٰ و مریم علیہم السلام کے مجسمے رکھے گا۔ مگر اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ جس دین میں جان ہے وہ دینِ ابراہیمی ہے۔ اور جو اس زمین پر خدا کا جانشین و خلیفہ و امام و ورثہ دار نبوت و رسالت و کتبہائے خداوندی ہے وہ مکہ میں موجود ہے۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ مکہ بیت النبوة ہے۔ اُسے کیسے معلوم ہوتا کہ اہلبیت کا ایک چھوٹا سا بچہ دنیا کو قیامت کا میدان بنا سکتا ہے۔ اُن کے ایک اشارے پر ساری کائنات تہہ و بالا ہو سکتی ہے۔ وہ کیا جانے کہ اس بیت النبوة و رسالت میں نور محمدی کے محافظ رہتے ہیں۔ بہر حال وہ چلا اور چند میل دُور فوجوں نے اُترنا شروع کیا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ، ہاتھیوں کی چنگھاڑیں دوسری ہو کر پہاڑوں میں گونج رہی تھیں، منزل سامنے آچکی تھی۔ لشکروں میں چہل پہل اور خوشیوں کے نعرے لگائے جا رہے تھے۔ عرب کے بہادر سمبے ہوئے جھاڑیوں، پہاڑیوں اور پتھروں کی پناہ میں بیٹھے تھے۔ یہ وہی بہادر تھے جن کی بہادر اولاد نے رسول اللہ پر مظالم کئے تھے۔ جو چھوٹے چھوٹے بچوں کو روتا دیکھ کر تھقبے لگاتے تھے۔ یہ وہی شیردل جوان تھے جنہوں نے بنی ہاشم کو اس لئے تین سال مقید رکھا کہ وہ حضرت محمد مصطفیٰ کو کیوں پال رہے ہیں؟ یہ اُس محسن کے پوتے اور خاندان پر بہادری کی تان توڑ رہے تھے جس نے اس موجودہ فوج سے بچایا تھا۔ اور ابھی چند ہی سال پہلے بچایا تھا۔ بہر حال جناب عبدالمطلب اور اُن کے اہل خاندان مصروفِ دعا تھے۔ مکہ کے گرد و نواح میں جس قدر اونٹ، بھیڑ، بکریاں، گدھے اور گھوڑے ملے وہ سب فوج لے گئی۔ حضرت عبدالمطلب کے دو سواونٹ بھی فوج کے قبضے میں چلے گئے۔ اچانک مکہ میں ابرہہ کا قاصد پکارتا ہوا نظر آیا کہ اے اہل مکہ بادشاہ کو ہر اُس آدمی سے کوئی سروکار نہیں ہے جو کعبہ کو مسمار کرنے میں مزاحمت سے باز رہے۔ تمہیں سب کو امان ہے۔ تم جہاں بھی ہو بے فکر ہو جاؤ۔ کتنی لمبی اور اطمینان کی سانس لی ہوگی اُن لوگوں نے جن کے نزدیک کعبہ کو توڑنا اور پھر چند پتھروں سے بنانا۔ اُسے جلانا اور پھر صاف کر کے نیا غلاف پہنا دینا جائز تھا۔ اور کبھی تکلیف و ہراس ہوتا بیت النبوة اور خاندان رسالت میں اگر انہیں تازہ بہ تازہ الہام نہ ہو رہا ہوتا۔ جس طرح دنیا جانتی ہے کہ حسین علیہ السلام پر اُس فوج کا ذرہ برابر ہراس نہ تھا جو ابرہہ کی فوج سے کئی گنا بڑی فوج تھی اور ہر لمحہ اُن کا چہرہ چمکتا جا رہا تھا۔ اُسی طرح جناب عبدالمطلب اور اُن کا خاندان اطمینان سے حضرت عبد اللہ علیہ السلام کے اندر پوشیدہ قرآن مجید پر نظریں جمائے ہوئے تھا وہ پڑھ رہے تھے کہ:-

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيلِ ۚ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۚ وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيلَ ۚ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ ۚ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُوِّلَ ۚ (سورة الفيل - 5-105)

ترجمہ:- ”اے محمد کیا تم نے نہیں دیکھا تھا کہ تیرے پالنے والے اور پرورش کرنے والے نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم نے اُن کی پوری اسکیم کو بے نتیجہ کر کے رکھ دیا تھا اور اُن پر ابابیل جیسے پرندوں کو مسلط کر دیا تھا جو اُن پر پختہ مٹی سے تیار

شدہ پتھر برسا رہے تھے اور آخر کار تمام لشکر کو ایسا کر کے رکھ دیا جیسے بھو سے کو جگالی کیلئے تیار کیا جاتا ہے۔“ (الفیل 5-105/1)

رسول اللہ کا نور سامنے ہو تو ہر اس کیسا؟ لہذا عبد اللہ علیہ السلام مرکز نگاہ تھے۔ جہاں نور مرتضوی سامنے ہو وہاں فوجوں سے خطرہ محسوس کرنا ناممکن۔ لہذا جناب عمران یعنی ابوطالب بولتی چالقی فتح پر کان لگائے ہوئے تھے۔ قاصد نے صرف ایک گھر سے تلاوت اور زندگی کے آثار دیکھے۔ نور کے دونوں میناروں کی سمت روانہ ہوا۔ سلام کیا عبدالمطلب باہر نکلے۔ کہا۔ بادشاہ نے سردار مکہ کو آنے کی دعوت دی ہے۔ آپ تشریف لے گئے۔ یہاں دو جملے ایسے شخص کے سنیں جو (معاذ اللہ) عبدالمطلب تو عبدالمطلب تھے خود عبد اللہ اور جناب ابوطالب کو بھی کافر سمجھتا ہے اور پھر ان ہی کافروں کی اولاد کہلاتا ہے۔

”اپلی نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں۔ وہ اس پر راضی ہو گئے اور اسکے ساتھ چلے گئے۔ وہ اس قدر وجہ اور شاندار شخص تھے کہ اُن کو دیکھ کر ابرہہ بہت متاثر ہوا اور اپنے تخت سے اتر کر اُن کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔“ (تفہیم القرآن۔ جلد 6 صفحہ 465)

دیکھا آپ نے یہ ہے وہ جبار و قہار بادشاہ جو صرف چہرہ دیکھ کر تخت سے اتر اور جناب کے قدموں میں آ کر بیٹھ گیا۔

سوچئے یہ کیوں؟ ابھی تو نہ بات ہوئی ہے نہ صفات معلوم ہوئے ہیں، نہ اس خالی ہاتھ انسان کے ساتھ توپ خانہ ہے، نہ سوار ہیں اور نہ فوج ہے۔ آخر اُن کے چہرہ میں کیا چیز تھی؟ ابرہہ نے کیا دیکھ لیا تھا؟ بہر حال ابرہہ چاہتا تھا کہ آنجناب کی رضامندی حاصل کرے۔ اُن کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کرے۔ اس نے عرض کیا کہ میں بڑا دشوار گزار سفر کر کے آیا ہوں۔ میرا مقصد رضائے خدا حاصل کرنا ہے۔ بہت اصرار کے بعد حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے کہا کہ: ”آپ ہمارے اونٹ واپس کر دیں۔“

ابرہہ کچھ دیر منتظر رہا۔ لیکن حضورؐ نے کچھ اور نہ کہا۔ ابرہہ کو یقین تھا کہ آپ کعبہ کو بحال رکھنے کی درخواست کرنے کیلئے بے چین ہونگے اور اسی کو پہلا نمبر دینگے۔ آخر ابرہہ نے تعجب اور طر کے ملے جلے میں کہا کہ میرے قلب میں آپ کی اس بات سے ٹھیس لگی ہے کہ آپ نے محض اپنے ذاتی مال کی پرواہ کی ہے۔ لیکن کعبہ کی حفاظت کیلئے آپ نے کچھ کہا ہی نہیں؟

حضرت عبدالمطلبؐ نے ابرہہ کے مذہبی اور دانشورانہ سوال کا مختصر اور پُر از معرفت جواب دیا کہ:

میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ کعبہ کا مالک نہیں بلکہ متولی ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنے مال کی حفاظت کا ثبوت دے دیا ہے۔

کعبہ کا مالک اللہ ہے تو وہ خود اپنے کعبہ کی حفاظت کرے گا۔

مطلب واضح ہے کہ اگر اللہ کو کعبہ کی اتنی فکر بھی نہیں ہے جتنی مجھے اپنے اونٹوں کی فکر و ضرورت تھی تو ایسی چیز کی تو تبت بھی خدا کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتی ہوگی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ ایسے مواقع پر ہمارے خاندان کا کوئی اقدام اللہ کے اہم معاملات کو مشکوک کر دے۔ یعنی لوگ بجائے یہ کہنے کے کہ کعبہ کو اللہ نے بچایا، یہ کہنے کی گنجائش نکال لیں کہ عبدالمطلبؐ کی منت سماجت سے ابرہہ نے رحم کھا کر کعبہ کو چھوڑ دیا تھا۔ خدا کا مٹی کے گھر سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ فلسفیانہ بدبھمی رکھنے والے لکھ گوعلماء بھی اسی قسم کا تصور رکھتے ہیں۔ لیکن وارث کتاب و نبوت اور جانشین خداوندی چاہتا تھا کہ ساری کائنات اور تمام انسان اور تمام انبیاء کا خالق و مالک مکہ کے اس چند پتھروں کے ساتھ اور انسانوں کے ہاتھ سے بنائے ہوئے گھر کی کچھ زیادہ پرواہ کرے گا۔ چنانچہ اُس نے ظاہری و جمہوری صورت حال کو اختیار کیا۔ یعنی

عبدال مطلب ایسا بزرگ اپنے اونٹ لے کر خوش ہو گیا۔ اور کسی گھر سے کسی شخص کی طرف سے بھی مزاحمت کا علم نہیں ہوا ہے۔ یعنی جمہوری رضامندی اُس سے ہم نوا ہے۔ لہذا ادھر جناب عبدال مطلب واپس چلے اور ادھر کعبہ کو ہاتھیوں سے گرانے اور تمام متعلقہ ملکہ و سامان جمع کر کے لے جانے کا حکم صادر ہو گیا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ پھر علامہ مودودی سے سنئے اور اُن کے قحطانیت کی نفی اور اسلامیت کے اضافہ کے ساتھ نتیجہ نکالتے چلیں فرماتے ہیں کہ:-

”دوسرے روز ابرہہ مکہ میں داخل ہونے کیلئے آگے بڑھا۔ مگر اُس کا خاص ہاتھی محمود نامی جو آگے آگے تھا ایک بیٹھ گیا۔ اُس کو بہت تہر مارے گئے۔ آنکسوں سے کچھ دے گئے۔ یہاں تک کہ اُسے زخمی کر دیا گیا مگر وہ نہ ہلا۔ اُسے جنوب، شمال اور مشرق کی طرف چلانے کی کوشش کی جاتی تو وہ دوڑنے لگتا۔ مگر مکہ کی طرف موڑا جاتا تو وہ فوراً بیٹھ جاتا اور کسی طرح آگے بڑھنے کیلئے تیار نہ ہوتا۔ اتنے میں پرندوں کے ٹھنڈے کے ٹھنڈا اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے لئے ہوئے آئے اور انہوں نے اس لشکر پر سنگریزوں کی بارش کر دی..... کنکری گرتی اور اُس فوجی کو سخت کھلی لاحق ہو جاتی اور کھاتے ہی جلد پھٹتی اور گوشت جھڑنا شروع ہو جاتا..... گوشت اور خون پانی کی طرح بہنے لگتا اور ہڈیاں نکل آتی تھیں۔ خود ابرہہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اُس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر رہا تھا اور جہاں سے کوئی ٹکڑا گرتا وہاں سے پیپ اور لہو بہنے لگتا۔ افراتفری میں ان لوگوں نے یمن کی طرف بھاگنا شروع کیا نفیل بن حبیب خثعمی کو جسے یہ لوگ بدرقہ (راہبر) بنا کر بلا خثعم سے پکڑ لائے تھے، تلاش کر کے انہوں نے کہا کہ واپسی کا راستہ بتاؤ مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔

این المفّر والا له الطالب والا شرم المغلوب لیس الغالب

”اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جب کہ خدا تعالیٰ کر رہا ہے اور نکلا (ابرہہ) مغلوب ہے، غالب نہیں ہے۔“

اس بھگدڑ میں جگہ جگہ یہ لوگ گر کر مر رہے..... کچھ لوگ تو اُسی جگہ ہلاک ہو گئے اور کچھ لوگ بھاگتے ہوئے راستہ بھر گرتے چلے گئے۔ ابرہہ بھی بلا خثعم پہنچ کر مرا۔“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 467)

یہ جو عرض کیا گیا تھا کہ علامہ کے بیان سے قحطانیت کو نفی کر دینا۔ اسکی مثال یہ ہے کہ قحطانی تصور چونکہ معجزہ کا منکر ہوتا ہے اسلئے وہ معجزات پر عقلی پردہ ڈال کر اُسے ایک عام فطری واقعہ بنانے پر زور دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی ایک قحطانی راوی کی زبانی علامہ نے اس عذاب کو چپک بنانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ان دشمنان عقل سے پوچھئے کہ چپک کی مرض کے لئے پرندوں اور کنکریوں کی بارش کا کیا عقلی جوڑ ہے؟ بہر حال دشمنان خدا اور رسولؐ کے تصورات کی نفی کر دینے کے بعد حق باقی رہ جاتا ہے۔ اور ہم اس نفی کو واجب سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہ قحطانی اسلامی حقائق کو مسخ کرنے کو فرض جان کر اس پر عمل کرتے ہیں۔ ہم اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا معجزہ کہتے ہیں جو عقل و فہم اور انسانی انتظام سے ارفع و اعلیٰ اور فیصلہ کن ہے۔ لیکن کافر اُسے عام ناگہانی حادثہ قرار دیتے ہیں۔ اور یہ نتیجہ ہے اس دعا کا جو جناب عبدال مطلب کعبہ کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر مانگ رہے تھے۔ اور جس میں علامہ اینڈ کمپنی نے حضرت عبدال مطلب کے ساتھ چند قحطانی لوگوں کو بھی دعاؤں میں شریک لکھ دیا ہے۔ مگر قحطانیوں کا مکہ میں اس وقت ہونا اسلئے قابل قبول نہیں کہ اُن سے یہ ہمت نہ ہوتی کہ وہ حضرت عبدال مطلب کے ساتھ ابرہہ کے پاس جاتے۔ پھر اُن میں سے نہ کسی کا نام بتایا کہ کون کون دعا کرنے میں شریک تھا۔ نہ

یہ بتایا کہ اُن میں سے کس نے کیا دُعا کی تھی؟ اسکے برعکس جناب عبدالمطلبؑ کے یقین و اطمینان کا یہ عالم ہے کہ خدا کے تمام احسانات سامنے ہیں۔ آدم سے اپنے زمانہ تک خدا نے جتنے وعدے کئے پورے کئے۔ جو جو معجزات دکھا کر ناموسِ نبوت و رسالت و امامت کا تحفظ کیا سب آنکھوں کے روبرو ایک ایک کر کے گزر رہے ہیں۔ خطرناک اور نازک ترین آزمائشوں کے نظارے دکھائی دے رہے ہیں۔ دل میں احساسِ تشکر سے رقت و شعریت اُمند آتی ہے۔ حواس و شعور ایک نقطہ پر مجتمع ہو جاتے ہیں اور زبان پر یہ دعا آتی ہے کہ:-

- (1) لَا هُمْ إِنَّ الْعَبْدَ يَمْنَعُ رَجُلَهُ فَاَمْنَعُ حَلَا لَكَ
- (2) لَا يَغْلِبُنْ صَلِيبُهُمْ وَ مُحَالَهُمْ غَدًا وَ مُحَالُكَ
- (3) إِنْ كُنْتَ تَارِكُهُمْ وَ قَبْلَتُنَا فَامْرَأَا بَذَا لَكَ
- (4) وَانصَرْنَا عَلَى آلِ الصَّليبِ - وَ عَابِدِيهِ الْيَوْمَ الْكَ

خدا یا جس طرح تیرا ہر بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے۔ تو بھی اپنے گھر کی حفاظت کر
کل ان کی صلیب و تدبیر، تیری تدبیر کے مقابلے میں غالب نہ آنے پائے
اگر تو ان کو اور ہمارے قبلہ کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو تو چاہے حکم کر
صلیب کی آل اور صلیب کے پرستاروں کے مقابلہ میں آج اپنی آل کی مدد کر

دوسری طرز میں یہ دعا کی:-

- (1) يَا رَبِّ لَا ارْجُو لَهُمْ سِوَاكَ - يَا رَبِّ فَاَمْنَعُ مِنْهُمْ حَمَا كَا
- اے رب تیرے سوا میں اُنکے مقابلہ میں کسی سے امید نہیں رکھتا۔ اے میرے رب اُن سے اپنے حرم کی حفاظت فرما۔

(2) إِنَّ عَدُوَّ الْبَيْتِ مِنْ عَادَاكَ - اَمْنَعُهُمْ اِنْ يَخْرُابُوا فِرَا كَا

یقیناً اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے۔ اپنی ہستی کو تباہ کرنے سے روک دے۔

قارئین یہ تھی وہ دُعا جس کا درگاہِ خداوندی میں انتظار کیا جا رہا تھا۔ اور جسے سورہ فیل کی صورت میں نازل کر کے اُنکی اُس تدبیر اور کوشش کو بے نتیجہ بنا کر دکھانا تھا (اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ)۔ جس کا ذکر جناب عبدالمطلبؑ اپنے دوسرے شعر میں کرتے ہیں۔ چنانچہ اشعار کو گن کر اور تمناؤں کا شمار کر کے آیات میں جواب دیا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین ہو جانا چاہئے کہ جو چہرہ کافروں اور دشمنوں پر اثر انداز ہوتا تھا کیا وہ قریشی مشرکین پر اثر انداز نہ ہوتا ہوگا؟ یقیناً اثر انداز ہوتا تھا ورنہ کوئی بھی دل سے اسلام نہ لایا ہوتا۔ لیکن اصل بات جو بعد کے پٹھوں نے گول مال کر لی وہ یہ ہے کہ اُن خطائی سرداروں نے نبوت و رسالت اور امامت کی حکومت کو محض خاندانی اور قومی اقتدار کی آنکھوں سے دیکھا۔ اور اقتدار و حکومت کو مادی طریقوں سے خطائی گروہ میں منتقل کرنے میں کوشاں رہے۔ اور نبلی خاندان کے جانشین کو نسلِ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سمجھتے اور امام مان کر ہر امام کی اطاعت کرنے کے بجائے انہیں عام لوگ سمجھ کر، اجارہ دار خیال کر کے اُنکے خلاف محاذ بنائے رکھا اور بار بار کی ناکامیوں کے بعد مایوس ہو کر پھر اُس خاندان سے پیوند جوڑنے اور الحاق کرنے میں لگ گئے۔ تاکہ مغالطہ دہی کے ماتحت اقتدار یا اقتدار میں حصہ مل جائے۔ یہ عمل درآمد رسول اللہ کے زمانہ میں بھی جاری رہا اور قرآن کریم نے فرمایا دیا کہ:

يَطْنُونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ طَنَ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قَتَلْنَا هَؤُلَاءِ (آل عمران 3/154)

وہ لوگ اب بھی حسب سابق نبوت و رسالت کے احکام کی تنفیذ میں اپنا حصہ مانگتے ہیں۔ اور کہتے

ہیں کہ اگر ہم احکام میں شامل کئے جاتے تو یہاں اس بری طرح شکست نہ ہوتی نہ قتل عام ہوا ہوتا۔

اور دوسری چیز جس نے خطانیوں کو بے خوف کر دیا تھا اور وہ رسول آل رسول پر بے دریغ مظالم کرتے رہے۔ وہ یہ تھی کہ انہیں پانچ چھ

ہزار سالہ تجربہ تھا کہ بیت النبوت اور آل رسالت کا ہر فرد رحیم و کریم و ہمدرد انسانیت ہوتا ہے۔ اور کسی حال میں اپنی خوشی سے، آزادانہ رائے سے، نوع انسان کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔ اپنے قاتل پر بھی رحم کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اللہ کے حکم کے روبرو سر جھکا لیتا ہے۔ مگر نوع انسان پر عذاب خداوندی کے باوجود خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ آنسو پیتے رہتے ہیں اور نوع انسان کو بچانے کے لئے لب پر دُعائیں ہوتی ہیں۔ اور یہ طے شدہ سنت خداوندی ہے جب تک وہ موجود رہے اور الگ نہ ہو جائے عذاب نازل نہیں ہوتا (انفال 8/33)۔ یہی وجہ ہے کہ جناب عبدالمطلبؑ کے جدا ہوتے ہی عذاب خداوندی نے اُمنڈنا شروع کر دیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ فحطانی لشکر کر بلا میں عذاب سے محفوظ رہا۔ ورنہ خدا کے پاس نہ ابائیل کی کمی ہو گئی تھی نہ نکرو و پھر ختم ہو گئے تھے۔ یہ مکینہ اور ذلیل ترین لوگ تھے کہ ہر احسان کرنے والے پر ظلم کرنا اس ابلیسی قوم کا پیشہ تھا۔

(11/10)۔ جناب عبداللہ بن عبدالمطلب علیہما السلام

جناب عبداللہ علیہ السلام کے لئے مشیت ایزدی کچھ اس طرح جاری ہوئی کہ اُن کی اولاد میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی عالم وجود میں آئیں اور ایک ہی اکلوتا بیٹا اُن کے نام کو تاقیامت زندہ رکھے۔ پھر اس کے برعکس جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مشیت ایزدی نے یہ چاہا کہ اولاد زینہ پیدا ہو لیکن وہ سب آپ کی زندگی ہی میں خدا کو پیارے ہو جائیں اور اللہ یہ کہہ سکے کہ اُمت میں سے کوئی مرد آنحضرتؐ کا بیٹا نہیں ہے۔ تاکہ نسبی الحاق ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے۔ اور جہاں حضرت عبداللہ کو محمدؐ ایسا بیٹا دیا، وہیں جناب محمدؐ کو اکلوتی بیٹی دے کر حضورؐ کی نسل کو حضرت فاطمہ زہراءؑ علیہا السلام کے بیٹوں سے جاری کیا۔ یعنی نور نبوت و رسالت عبداللہ اور محمدؐ کی راہ سے حضرت فاطمہؑ میں منتقل ہوا۔ اور نور خلافت و امامت اُن کے بیٹوں سے جاری کیا۔ یعنی نور خلافت و امامت حضرت ابوطالبؑ کے واسطے سے جناب علیؑ مرتضیٰ میں مرکوز ہو گیا۔ اور علیؑ و فاطمہؑ سے دونوں نور دوبارہ جمع ہو کر سلسلہ امامت آگے بڑھا۔

جناب عبداللہ علیہ السلام کو حضرت عبدالمطلبؑ نے مدینہ اپنے نہیال بھیج دیا تاکہ وہ خود ملک شام کی تجارت بھی سنبھالیں۔ چنانچہ آپؑ نے ایک تجارتی قافلہ تیار کیا اور خود ساتھ رہے تاکہ خود وہاں رہ کر کھجوریں اور دیگر اجناس مکہ روانہ کرتے رہیں۔ آپؑ نے اپنا ہیڈ کوارٹر زیادہ تر اپنی بھلی شاخ میں رکھا اور اپنی خاندانی ذمہ داریوں کو نہایت خوش اسلوبی سے سنبھال لیا۔ اسی قیام میں آپؑ علیل ہوئے اور انتقال فرمایا۔ جب یہ خبر عبدالمطلبؑ علیہ السلام کے خاندان میں جو مدینہ میں رہتے تھے پہنچی تو انکو نہایت صدمہ ہوا۔

(11/11)۔ حضرت عمرانؑ عرف ابوطالب علیہم السلام

جناب ابوطالب علیہ السلام کے نام عمرانؑ سے فحطانی گروہ کو اسلئے بخار چڑھتا تھا کہ قرآن کریم میں حضرت عمرانؑ اور اُنکی آلؑ پاک کو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے مسلسل مصطفیٰ ذریت قرار دیا گیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّالْ اِبْرٰهٖمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (آل عمران۔ 3/33-34)

قرآن کریم میں اس سلسلے کے اولین بزرگ حضرت آدم علیہ السلام، پھر جناب نوحؑ جن سے دوبارہ نسل انسانی شروع ہوئی۔ اُنکے بعد حضرت ابراہیمؑ جن سے نبوت و رسالت کی اسماعیلی اور اسرائیلی شاخیں چلیں اور آخر میں جناب عمران علیہ السلام جن پر خلافت و

رسالت و نبوت و امامت و حکومت الہیہ در کتبہائے خداوندی کا سنگم و اجتماع ہوا۔ اُن سب کو مصطفیٰ قرار دیا گیا۔ سارے عالمین پر فضیلت دی گئی۔ اور حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے جناب عبداللہ کے انتقال کے بعد اور اپنے انتقال سے پہلے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش و تربیت کی ذمہ داریاں حضرت ابوطالب کو سونپ دیں۔ یعنی حضرت نابت بن اسماعیل علیہما السلام سے جاری ہونے والا سلسلہ امامت سیدھا جناب ابوطالب تک پہنچا۔ اور اُن کے چھوٹے بھائی جناب عبداللہ علیہ السلام کے ذریعہ سے نبوت و رسالت کا خاتم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث کر کے مذکورہ امامت کے لئے ایک قانون ساز ہستی بھی مرکز انسانیت کو سونپ دی گئی۔ قحطانی یہ سب کچھ سمجھتے تھے اس لئے اُن کے مغالطے کے لئے آل عمران کی اگلی آیت میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے والد کا ذکر اس انداز سے کیا گیا کہ مودودی کے زمانہ تک علما مغالطہ میں مبتلا رہے۔ یہاں تک کہ حضرت کی پیدائش کا ذکر اس انداز سے کیا گیا ہے کہ یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ حضرت عمران کی زوجہ منت مان رہی ہے اور منت حضرت مریم کی پیدائش سے پوری ہو جاتی ہے (آل عمران 36-3/3)۔ پھر سورہ مریم میں حضرت مریم کے باپ کا نام عمران بتا کر حضرت مریم کا ذکر کیا گیا ہے (تحریم 66/12)۔ قحطانی اس جھمیلے میں الجھادئے گئے اور وہ یہ پتہ نہ لگا سکے کہ عمران سے قرآن میں ابوطالب اور اُن کی آل کا اظہار مراد ہے۔ اور چونکہ آیت میں آل عمران کا ذکر آل ابراہیم کے فوراً بعد ہوا۔ لہذا انہوں نے بھی اس عمران کو حضرت ابراہیم کے بعد والا کوئی عمران سمجھا اور بے فکر ہو گئے۔ اور الجھاؤ میں توریت بھی شامل تھی۔ یعنی وہاں حضرت موسیٰ و ہارون کے باپ کا نام عمرام ہے (خروج باب 6 آیت 22-18) اور عمرام کی ایک بیٹی جو حضرت موسیٰ و ہارون کی حقیقی بہن ہیں کا نام مریم ہے۔ لہذا اگر عمرام کو عمران بنا دیا جائے اور قرآن سے ملا کر پڑھا جائے تو بات یہ بن جاتی ہے کہ عمران کی زوجہ نے اللہ سے اولاد کی منت مانی اور اللہ نے منت کے بدلے میں مریم کو پیدا کر دیا۔ یہاں تک بات ٹھیک بن گئی۔ یعنی قرآن کے دونوں مقامات (36-3/3 اور 66/12) اور توریت کہتے ہیں کہ عمران کی بیٹی مریم تھیں اور عمران کی زوجہ نے اولاد کے لئے منت مانی تھی۔ مگر توریت اور قرآن اس بات کو بننے نہیں دیتے اس لئے کہ:-

اول:- توریت میں عمران نہیں بلکہ عمرام ہے۔

دوم:- توریت میں عمرام کی بیٹی مریم حضرت موسیٰ و ہارون کی بہن ہے۔ اور یہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ

مریم علیہا السلام سے سولہ سو (1600) سال قبل کا ہے۔

سوم:- حضرت عیسیٰ سے سولہ سو سال پہلے کوئی اور عیسیٰ پیدا نہیں ہوئے۔ لہذا قرآن کریم جس عمران کو مریم کا باپ کہتا

ہے (تحریم 66/12) وہ عمران نہیں جسے توریت نے عمرام فرمایا ہے (خروج باب 6 آیت 22-18)۔

توریت و قرآن کے ان بیانات کو بھی بلا صاحبان کتاب کے جس قدر سلجھانے کی کوشش کی لوگ اور الجھتے گئے۔ چنانچہ حضرت عمران کے تعین میں اختلافات و تضادات کا وہ ہنگامہ مچایا کہ خود علما گم ہو کر رہ گئے۔ بات سیدھی سی تھی اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی دعاؤں سے ثابت کی جا چکی ہے۔ یہ وہی ذریت طاہرہ ہے جو آنحضرت کو جنم دیتی ہے۔ یہ وہی اُمّتِ مسلمہ ہے جس پر اللہ نے آنحضرت کو مبعوث کر کے منتی احسان کیا ہے۔ یہ وہی آل عمران ہے۔ جسے نبوت و رسالت و امامت اور کتبہائے خداوندی کا وارث اور حکومت

الہیہ کا حاکم بتایا گیا ہے۔ حضرت عمرانؑ اس آل کے وہ بزرگ ہیں جو رسالت و امامت کو اپنے آغوش میں پالنے والے ہیں۔ جو رسول اللہ کے جلاوڑی ہیں، ہادی و سرپرست ہیں اور اُن ہی کی آل، اولاد آل رسولؐ ہے۔ اسی بزرگ کے پروردہ آل کساء ہیں۔ انہی کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔ وہ ہی اہل بیت و عزت رسولؐ کا نساۃ جناب امام حسین علیہ السلام ہیں جو نہ صرف تمام سابقہ انبیاء اور ابراہیم و اسماعیل اور خود سرور کائنات کے درجات کو بلند تر اور کامل تر کرنے والے، بلکہ تمام نوع انسان کی فلاح و نجات کی راہیں کھولنے کیلئے ذمہ دار ہیں جو دین خداوندی کی بنیاد اور خلاصہ ہیں جو تمام کتبہائے خداوندی کی منہ بولتی تفسیر ہیں۔ جس طرح عبدالمطلب علیہ السلام کی شان میں سورہ فیل نازل ہوئی تھی۔ اسی طرح جناب عمران علیہ السلام کی منزلت بیان کرنے کیلئے سورہ آل عمران عمومی حیثیت سے اور سورہ الضحیٰ خصوصاً نازل ہوئی (الضحیٰ 11-93/1)۔ جس میں رسولؐ کو جناب عمران علیہ السلام کا مقام بلند اور اُنکے وہ حقوق بتائے جو محمدؐ علی پر واجب تھے۔ انہیں مستقبل کی ضمانت دی گئی اور آخر کار کامیابی کا ذمہ لیکر اعلان کیا گیا۔ مستقبل قریب میں آنحضرتؐ کو وہ کچھ دینے کا حتمی وعدہ کیا گیا اور ایسی بشارت دی گئی جس سے رسولؐ اللہ کی مکمل رضا اور خوشنودی حاصل ہو جائیگی۔ ابوطالب علیہ السلام کی ہدایت کاری کو بھی اپنی ذات سے منسوب کیا۔ اُنکی پرورش، حسن تربیت اور آغوشِ محبت پر فخر کرنا سکھایا۔ یتیمی اور ضرورت مندوں کو فارغ البال اور خوش کرنے کا معیار بتایا۔ قہر و غضب اور کمزوروں کو ڈانٹ ڈپٹ نہ کر نیکی تاکید کی۔ وہ حضرت ابوطالبؓ ہی ہیں جو سرکارِ دو عالم کے روبرو کمر سنی کو پہنچے۔ وہ فاطمہ بنت اسد ہی ہیں جو والدہ کی جگہ ناز برداریاں کرتی تھیں۔ اور یہ دونوں رسولؐ کی کمسنی سے اُن کی ربوبیت کر رہے تھے۔ یہی دونوں ہیں جنکے سامنے تاجدارِ دو عالم، شہنشاہِ کونین، نذیر للعالمین اور رحمة للعالمین کو غلاموں اور بیکیوں کی طرح جھک کر رہنے کا حکم دیا گیا۔ جن کو آنحضرتؐ کا سر پرست و والی قرار دیا گیا۔ (بنی اسرائیل 24-17/23)

حضرت عمران علیہ السلام کی اس منزلت کا اتنا پتہ قحطانی بیانات سے بھی چلتا ہے۔ چنانچہ علامہ شبلی نے حضرت عبدالمطلبؓ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

”عبد اللہ اور ابوطالبؓ ماں جائے بھائی تھے۔ عبدالمطلبؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوطالبؓ

ہی کے آغوشِ تربیت میں دیا۔“ (صفحہ 177 سیرۃ النبیؐ) جناب طبری لکھتے ہیں کہ:-

”واقعہ فیل کے آٹھ سال بعد عبدالمطلبؓ انتقال کر گئے۔ چونکہ ابوطالبؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ عبد اللہ حقیقی بھائی تھے۔ اسلئے عبدالمطلبؓ نے اپنے بعد رسولؐ اللہ کی پرورش اور ولایت ابوطالبؓ کے سپرد کی تھی اور حسن سلوک کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد ابوطالبؓ رسولؐ اللہ کے ولی تھے۔ آپؐ انہی کے پاس اور ساتھ رہتے تھے۔“ (طبری جلد 1 صفحہ 59)

قارئین حضرات نوٹ کریں کہ قحطانی تاریخ سے یہ ثابت ہو جانا بہت بڑی بات ہے کہ حضرت عمران علیہ السلام رسولؐ اللہ کے

ولی تھے۔ اور یہ ولایت حضرت نابت بن اسماعیل علیہما السلام سے نسلاً بعد نسل چلی آرہی ہے۔ کیونکہ اس اقرار کے بعد ہمیں اُن لوگوں کے کسی بیان کی احتیاج نہیں رہ جاتی۔ اس لئے کہ باقی تمام مراتب کے لئے قرآن کریم کافی ہے۔ وہاں اللہ اور رسولؐ اللہ اور رکوع میں

زکوٰۃ دینے والے مومن تمام بنی نوع انسان کے ولی ہیں (مائدہ۔ 5/55) اور ظاہر ہے کہ جو ذات خود رسول کی ولی ہو اس کا مرتبہ کیا ہوگا؟ یعنی حضرت عمرانؑ نہ صرف تمام بنی نوع انسانی کے ولی ہیں بلکہ خود شہنشاہ کونینؑ کے بھی ولی ہیں اور ولی کے معنی والی و خیر خواہ حاکم کے ہوتے ہیں۔ لہذا جناب ابوطالب علیہ السلام تمام انسانوں، تمام انبیاء، تمام رسلؑ اور تمام آئمہ علیہم السلام پر ولی و والی و حاکم ہیں۔ اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کو ان کے سامنے جھکنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(ii)۔ حضرت ابوطالبؑ تمام راہنمایان مذاہب سے رسولؐ کا تعارف کراتے ہیں

حضرت عبدالمطلبؑ کی وصیت میں جو چیز عام طور پر معلوم ہوئی وہ محبت اور حسن سلوک ہے۔ اس سلسلے میں ساری دنیا جانتی ہے اور مانتی ہے کہ جناب ابوطالب علیہ السلام کو جس قدر محبت حضرت محمدؐ مصطفیٰ سے تھی دنیا میں اس کی دوسری مثال ناممکن ہے۔ تمام تاریخیں متفقہ طور پر بتاتی ہیں کہ جناب عمرانؑ راتوں کو کئی دفعہ آنحضرتؐ کے سونے کی جگہ بدلتے رہتے تھے۔ یعنی ان کی جگہ اپنے بچوں میں سے کسی کو لٹا دیتے تھے اور حضورؐ کو اٹھا کر دوسری جگہ سلا دیتے۔ تاکہ اگر کوئی قحطانی دشمن کسی خطرناک ارادہ سے آئے تو ان کا اپنا بیٹا قتل ہو جائے مگر رسولؐ اللہ کو گزند نہ پہنچے۔ شبلی نعمانی سے دو جملے سنئے:-

”ابوطالبؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ جب سوتے تو آنحضرتؐ کو ساتھ لے کر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر باہر جاتے۔“ (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 177)

جو چیز وصیت میں منظر عام پر نہیں لائی گئی وہ یہ ہے کہ جناب محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نبوت اور رسالت کی دوسری شاخ کے مومنین اور علماء سے تعارف تھا۔ تاکہ وہ یہ دیکھ لیں کہ وہ تمام پیشگوئیاں نبوت و رسالت کی بڑی شاخ میں ظہور پذیر ہو چکی ہیں۔ اور اب تمام اختلافات و تنازعات کے خدائی فیصلے کا وقت سامنے ہے۔ یہ مقصد بھی سامنے تھا کہ قحطانی مشرکین کے سامنے بیرونی ممالک کے علمائے مذاہب و ورثہ دارانِ توریت و زبور و انجیل کی تصدیق کے ساتھ نبوت و رسالت محمدؐ کو پیش کرایا جائے۔ تاکہ ان کے پاس انکار کے لئے کوئی دلیل نہ رہے۔ ادھر ہم بتا چکے ہیں کہ خانوادہ اسمعیل کی نابتی امامت بنی اسرائیل والی شاخ کی بھی سرپرست تھی۔ اور ان کے یہاں یہود و نصاریٰ سے وہ بُعد نہ تھا جو بعد میں قحطانی مسلمانوں نے قحطانی یہودیوں کی ضد میں قائم کیا تھا۔ تاریخی ثبوت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے سے بنی اسماعیلؑ کی نبطی حکومت کے یہاں گھل مل کر رہتی چلی آتی تھی۔ مرکزی احکام دونوں شاخوں میں اسماعیلی امامت کی طرف سے نافذ ہوتے تھے۔ عقائد میں کوئی اختلاف نہ تھا نہ دونوں شاخوں کے اصول جدا تھے۔ البتہ جغرافیائی بنیادوں پر اور موسمی حالات و ملکی تقاضوں کی بنا پر مالیات و ٹیکس اور پیشوں کے اختلافات عقلی لازم تھے۔ بہر حال آئیو الے تاریخی بیان کو آپ اسماعیلی و اسرائیلی دوستی اور خاندانی رشتوں اور محبت کے پس منظر میں مطالعہ کریں گے تو آپ اس الجھاؤ سے ہنستے کھیلتے اور ایمان بڑھاتے ہوئے گزر جائیں گے جس میں قحطانی ذہنیت جگہ جگہ خود اُلجھتی اور دوسروں کو مغالطے میں مبتلا کرتی ہے۔

(iii)۔ حضرت عمرانؑ رسولؐ اللہ کو بحیرا راہب سے ملک شام میں ملاتے ہیں

جناب طبری نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:-

”چنانچہ وہ رسول اللہ کو ساتھ لے کر قافلے میں روانہ ہو گئے۔ یہ قافلہ شام کے علاقہ میں بصری کے مقام پر فروکش ہوا۔ یہاں بحیرا نامی ایک راہب اپنی خانقاہ میں رہا کرتا تھا۔ یہ نصرانیوں کا بڑا عالم تھا۔ ہمیشہ اس خانقاہ میں جو راہب ہوتا تھا اُسے وراثتاً علم کتابی ملتا رہتا تھا۔ جب یہ قریش کا قافلہ اُس سال اس کے ہاں فروکش ہوا تو بحیرا راہب نے اُن کیلئے بہت سا کھانا پکوا یا۔ اور یہ اسلئے کہ اُس نے اپنے صومعہ میں سے رسول اللہ کو دیکھا تھا کہ اور تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف آپؐ پر ایک بدلی سایہ لگن چلی آتی ہے۔ جب یہ قافلہ اُس کے قریب آ کر ایک درخت کے سایہ میں اُترا۔ اُس نے اُس بدلی کو دیکھا کہ اُس نے درخت کی شاخوں کو رسول اللہ پر سایہ ڈالنے کیلئے جھکا دیا ہے۔ اور اب وہ پورے سایہ کے نیچے فروکش ہیں۔ یہ دیکھ کر بحیرا اپنی خانقاہ سے اُترا اور اُن سب کو اُس نے اپنے پاس بلا بھیجا۔ رسول اللہ پر نظر پڑتے ہی اُس نے آپؐ کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اور اُن نشانیوں کی مطابقت کرنے کیلئے جو اُسے پہلے سے معلوم تھیں وہ آپؐ کے جسم کی بعض چیزوں کو بغور دیکھنے لگا۔ جب تمام قافلہ کھانے سے فارغ ہو کر چلا گیا اُس نے رسول اللہ سے اُن کی حالت بیداری اور خواب کی کیفیت دریافت کی۔ آپؐ نے اُسے بتانا شروع کیا۔ یہ باتیں اُن صفات کے عین مطابق تھیں جو اُسے پہلے سے معلوم تھیں۔ اُس کے بعد اُس نے آپؐ کی پیٹھ دیکھی تو دونوں شانوں کے بیچ میں اُسے مہر نبوت نظر آئی۔ اُس نے ابوطالبؑ سے کہا کہ یہ لڑکا تمہارا معلوم نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا یہ میرا بیٹا ہے۔ بحیرا نے کہا یہ ہرگز تمہارا بیٹا نہیں ہے اور اس بچے کا باپ تو اب زندہ بھی نہ ہونا چاہئے۔ ابوطالبؑ نے کہا یہ میرا بھتیجا ہے۔ بحیرا نے پوچھا اس کا باپ کیا ہوا؟ ابوطالبؑ نے کہا کہ یہ لڑکا ابھی بطنِ مادر ہی میں تھا کہ اُس کا انتقال ہو گیا۔ بحیرا نے کہا بالکل ٹھیک ہے اچھا اسے تم اپنے گھر لے جاؤ۔ اور یہودیوں سے اسکی حفاظت کرنا۔ اگر وہ اسے دیکھ پائیں گے اور وہ علامات جن کو میں نے شناخت کر لیا ہے انہوں نے بھی شناخت کر لیا تو وہ ضرور اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ یہ ایک عظیم الشان انسان ہونے والا ہے تم فوراً اُس کو گھر لے جاؤ۔ یہ سن کر ابوطالبؑ آپؐ کے بچا آپؐ کو لے کر فوراً روانہ ہو گئے۔ اور اُن کو مکہ لے آئے۔ جب ابوطالبؑ رسول اللہ کو لے کر بصری علاقہ شام آئے تھے۔ اس وقت آپؐ کا سن شریف نو سال کا تھا۔“ (طبری - جلد اول صفحہ 59-60)

(iv)۔ چالیس سالہ عمرانی دور رسالت چھپا دینے کی کوشش ناکام ہو گئی

جس نور کو دیکھ کر دس سال پہلے دو خطانی عورتوں کو ناکامی ہوئی تھی، اُن دونوں نے حضرت زلیخا کی طرح کیا کچھ نہ کیا ہوگا؟ اُن کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں آگ کی طرح چاروں طرف پھیلتی جانی چاہئیں۔ اور جو کچھ دو عورتیں دیکھ سکتی تھیں وہی کچھ دوسری عورتیں کیوں نہ دیکھ سکیں گی؟ اور جو حقیقت مادی آنکھ دیکھ سکتی ہے اُسے صرف عورتوں ہی کی آنکھ تک کیسے محدود رکھا جاسکتا ہے؟ یہ کون سا خطانی فارمولا ہے؟ یہ کون سی تھیوری (Theory) ہے؟ پھر یہ سوال کہ کیا خطانیوں کے انتظام میں یہ قوت ہے کہ وہ تمام دانشمندوں کو سوچنے سے روک دیں؟ اور پندرہ سو سال بعد کی نسلیں بھی نہ سوچ سکیں؟ اور سب اندھی تقلید کرتے چلے جائیں؟ چنانچہ سنئے کہ رسول اللہ ہوں یا اُن کے خانوادے کا کوئی اور مورث و جانشین ہو خواہ وہ نبیؐ ہو یا رسولؐ رہا ہو یا وہ خلیفہ خداوندی کہلایا ہو یا امامؑ زمانہ ہوا ہو۔ وہ اعلیٰ کے زمانے کے آدم ہوں یا خطانی دور کے خاتم ہوں۔ اُن میں کا ہر فرد ہر زمانہ میں مشہور و معروف و نمایاں رہتا چلا آیا۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اس زمین پر ہمیشہ اور ہر لمحہ حجت خدا چمکتی و دکھتی اور ہر دیکھنے والے کو روشن کرتی رہے اور خطانی کہہ دے کہ چالیس سال تک آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کوئی نہ جانتا تھا کہ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اور قرآن کہتا ہے کہ آنحضرتؐ کا اس قدر تعارف ہو چکا تھا کہ قحطانی مشرک ہوں یا عرب کی یہود و نصاریٰ کی شاخوں کے قحطانی، سب کے سب آنحضرتؐ کو اس طرح جانتے پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنے صلب سے پیدا ہونے والے اور پھر انہیں پال کر دن رات دیکھتے رہنے کی وجہ سے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں؛ اَلَّذِیْنَ اَتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَهُ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ وَاِنَّ فَرِیقًا مِنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ (سورہ بقرہ 2/146)

یعنی جس طرح وہ اپنے بچوں کی رگ رگ اور اُن کے جسم کے تمام اعضاء سے مکاحقہ واقف ہو جاتے ہیں۔ اُسی طرح محمدؐ کے شجرہ نسب سے، اُس کے ماں باپ سے، اُن کی تمام صفات و عادات سے، اُن کے متعلق تمام پیشگوئیوں اور تمام علامات سے، تمام کتابوں اور الہامات سے، اپنے بزرگوں کی روایات سے، سابقہ کتب اور تورات سے، اپنے بیٹوں کے پھسلے ہوئے اقدامات و اعلانات سے، پھر خانوادہ رسولؐ کے بیانات سے، ابرہہ جیسے سینکڑوں معجزات سے اور محمدؐ و آل محمدؐ کی نبوت و رسالت و حکومت سے قطعاً واقف و عالم ہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ وہ قحطانی جان بوجھ کر ایک مسلسل چلے آنے والے ابلیسی پلان (PLAN) کے دباؤ سے اس تمام حقیقت باہرہ کو چھپا دینے کا پروگرام چلا رہے ہیں۔ بتائیے کہ بحیرا راہب کو جو کچھ نظر آیا اور جو کچھ اس نے بیان کیا، وہ کوئی نئی بات ہو سکتی ہے جو اچانک کسی چھو منتر سے وجود میں آگئی ہو؟ بھائی جان! یہ نہ کچھ منتر، منتر کا معاملہ ہے نہ یہ کوئی معجزانہ کارروائی ہے۔ یہ تو ایک ذریت طاہرہ کی چھ سات ہزار سالہ کمائی ہے جو اس کے ہر فرد نے دن رات محنت اور قربانیاں کر کے خدا سے بتدریج حاصل کی ہے۔ یہ تو ایک خدائی اسکیم یا دین ہے جس پر عمل کرنے والوں نے ہزار سال میں یہ معصوم، بے خطا اور تجربات کی ٹھوکریں کھانے سے محفوظ رہ کر ارتقائی ترقی کی ہے۔ اس کا ہر پہلو عقل و فہم کے دائرے کے اندر ہے، چھو منتر کہیں نہیں ہے۔ خلاف عقل و فہم تو یہ ہے کہ جو بحیرا کی آنکھیں یا قحطانی عورتوں کی آنکھیں دیکھ سکتی ہوں وہ کسی اور قحطانی، ایرانی یا تورانی کو نظر نہ آئے۔ اور جب یہ مان لیا کہ بحیرا اور اس کے گرجا میں تمام راہب کتبہائے خداوندی سے غیب اور مستقبل کی خبریں صحیح دے سکتے تھے تو محمدؐ و آل محمدؐ کے صحیح اخبار اور علم غیب کا کیوں انکار کیا جائے؟ بدلی کا سایہ صرف گرجا کے آس پاس ہی تو سر اقدس پر نہ ہوا تھا؟ دھوپ تو تمام راستہ بھر ساتھ ساتھ تھی۔ یہ کیسے مانا جائے کہ راستہ بھر کسی اہل قافلہ کو نہ بدلی نظر آئے نہ سایہ دکھائی دے؟ پھر اگر اللہ کو رسولؐ اللہ کا آرام مد نظر تھا تو صرف آج ہی سایہ کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ روزانہ دھوپ سے بچانے کا انتظام کیوں نہ کیا ہوگا؟ اور اگر آج یہ ضرورت تھی کہ واقف و عالم ماننے والے شخص سے تعارف کرادیا جائے۔ اسلئے اس بوڑھے راہب کو متوجہ کرنے کے لئے بدلی اور سایہ اور درخت کی شاخ کا جھکا نا ضروری ہو گیا تھا تو یہ تعارف تو ہر منکر و جاہل کیلئے بھی لازم تھا۔ لہذا اللہ کے اس لطف و کرم و نظر آنے والے انتظام کو مستقل مان لینے میں ابلیس کے سوا کس کے ایمان میں کمزوری یا خرابی پیدا ہو سکتی ہے؟ مہر نبوت بھی مادی چیز تھی۔ یعنی ہر دیکھنے والے کو نظر آ سکتی تھی۔ ہم کیوں نہ کہیں جن حضرات نے بچپن سے لے کر آخر عمر تک آنحضرتؐ کی کمر دیکھی تھی وہ سب جانتے تھے کہ یہ نشان مہر نبوت ہے۔ کیا وہ خود ساختہ کہانی بھی بھلا دی گئی جس میں انتقام کوڑا مارنے کیلئے حضورؐ کا کرتہ اُتراتا ہے اور بڑھ کر مہر نبوت چوم کر پیروں میں گر جاتا ہے۔ ساری دنیا جانتی تھی کہ اس چمکنے والے چہرہ پر اللہ کی نوازشات کا مستقل سایہ ہے۔ رضائے خداوند نے اپنی مہر ثبت کر دی ہے۔ قحطانی اسکیم، ابلیسی محاذ اور مشرکانہ منصوبے کا تقاضہ تھا کہ آنے والی تاریخ میں ہر بات

بدل کر اور اپنی پالیسی کے مطابق بنا کر لکھی جائے۔ تاکہ آنے والی نسلیں اس خانہ ساز دین کو اختیار کریں جو مشرکانہ قحطانی اشتراک سے تیار کیا جاتا رہے۔ رسول اللہ کے وہ تمام حالات جو چالیس سال کی عمر تک گزرے عمر عیار کی زنجیل میں چھپ گئے۔ تاریخ یعنی قحطانی تاریخ زمانہ طفولیت کی چند باتیں کہہ کر ایک زندقہ لگاتی ہے۔ اور یہ ذکر اور قصہ شروع کر دیتی ہے کہ سب سے پہلے کون مشرک ایمان لائے اور پھر مکہ کے تیرہ سالہ دور کو دو اڑھائی صفحات میں ختم کر کے مدینہ کے دس سالہ دور پر سارا زور خرچ کر دیا جاتا ہے۔ وہ اس لئے کہ یہی وہ دور ہے جب نظام اشتراکیت و قحطانیت کی رگ حیات کٹنے سے بچانا ہے۔ جب اسلام کے لئے ایک مشرکانہ سوٹ سلوانے کیلئے ایک قحطانی ٹیلرز (درزی) کا کمیشن بٹھانا ہے۔ اجتہادی فیکٹری کا تیار کردہ عمامہ بنوانا ہے۔ نظام مشاوری کی عطا کردہ عبا و قبا پہنانا ہے۔ جبر و تشدد اور استیلا کا ڈرہ اور عصا ہاتھ میں تھمانا ہے۔ قحطانی شو فیکٹری سے تیار کر کے مڑی ہوئی نعلین پہنانا ہیں۔ اور اس رحمۃ اللعالمین اور نذیر للعالمین کو سمیٹ کر رسول عربی، قرشی، مکی و مدنی بنادینا ہے۔ سینکڑوں من کا غذا کالے کئے گئے۔ قرآن وحدیث کی رگ وریشہ کو زیر رکھ دیا گیا۔ اور آج بھی قحطانی یہ نہیں چاہتا کہ قرآن سے رسول اللہ کا صحیح تعارف ہو سکے۔ جہاں رسول کا ذکر ہو فوراً رسول کو آڑ میں کر کے کعبہ کا پردہ ڈال دیتا ہے۔ اور رسول کو دکھانے کے بجائے کعبہ کا کوٹھڑا دکھا دیتا ہے۔ آؤ آپ کی ملاقات ایک مسلمان عالم اور قحطانی عالم نما جعل ساز سے کرائیں۔ ذرا دیر پہلے ہم نے جو آیت (بقرہ 2/146) مع عربی متن کے لکھی تھی اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:-

1- ترجمہ جناب حضرت مولانا شاہ محمد احمد رضا خان صاحب بریلوی:- ”جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں

جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔ اور بے شک اُن میں ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔“

(مترجم قرآن صفحہ 34 آیت 2/146)

2- ترجمہ جناب السید ابوالاعلیٰ مودودی قبلہ و کعبہ:- ”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس مقام کو (جسے قبلہ بنایا گیا ہے) ایسا

پہچانتے ہیں، جیسا اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں، مگر اُن میں سے ایک گروہ جانتے بوجھتے حق کو چھپا رہا ہے۔“

(تفہیم القرآن جلد نمبر 1 صفحہ 123 آیت 2/146)

علامہ سرکار نے یہاں اہل کتاب ہوتے ہوئے حق پوشی کی ہے۔ یعنی قرآن کے بیان کی تصدیق کی ہے کہ جن لوگوں کو قرآن

دیا گیا ہے وہ جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ علامہ نے یہ دیکھ کر کہ یہیں چونکہ قبلہ کا تذکرہ ہوا تھا۔ لاؤ ”يَعْرِفُونَهُ“ سے نبی کی جگہ

قبلہ مراد لے لو۔ کون پوچھے گا؟ اور جب کہ قبلہ کا ذکر بھی ہو رہا ہے تو پوچھنے والے کو ڈانٹ کر سیاق و سباق کے چکر میں ڈال دوں گا۔ اور پھر

میری جماعت میں ماشاء اللہ ایسا کون ہے جو قواعد اور صرف و نحو کی کواں کرے گا؟ اور کہے گا کہ جناب عالی لفظ ”قبلہ“ مونث ہے اور

خود قبلہ والی آیت میں اللہ نے فرمایا ہے کہ:- فَلَنُؤَيِّنَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا (سورہ بقرہ 2/144)

”پس البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو اس قبلہ کی طرف کہ پسند کرے تو اس کو۔“ (علامہ رفیع الدین مرحوم کا ترجمہ)

یہاں لفظ قبلہ کی ضمیر اللہ نے مونث یعنی ”ہا“ خود بتائی ہے۔ لہذا آیت زیر بحث میں اگر محمدؐ مراد نہ ہوتے اور قبلہ کو پہچاننے اور اپنے بیٹوں

کی طرح جاننے کا ذکر ہوتا تو یعر فونہ کی جگہ یعر فونہا ہونا لازم تھا۔ پھر کعبہ یا قبلہ کو بیٹوں کی طرح پہچاننے کی مثال دینا اس لئے غلط

ہے کہ اُس مکان کی مرکزی حیثیت سے کافر و مشرک و فحطانی اور یہود و نصاریٰ سب واقف تھے۔ انکار تو محمدؐ مصطفیٰ کا ہو رہا تھا۔ اور وہ انکار بھی خانوادہٴ رسولؐ میں داخل ہو کر قریش بن کر کیا جا رہا تھا۔ یہاں اہل کتاب سے جناب مودودی اور اُن کے مکتب فکر کے منکرین مقصود ہیں۔ بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ یہ رسالتِ خلق، یہ نبوتِ آخری اور یہ امامتِ مصطفیٰؐ اور مرتضیٰؑ روزِ اوّل سے تمام اقوام میں مشہور و معروف چلی آرہی تھی۔ اس کے آخری ظہور کی تمنائیں اور دعائیں ہو رہی تھیں (بقرہ 2/89)۔ لیکن یہ فحطانی قریش تھے جنہوں نے اس نبوت و رسالت و امامت کو خاندانی کہہ کر جمہوریت کا لالچ دے کر تاریخ کا منہ کالا کیا۔ تاریکی کے پردے لٹکائے اور نورِ محمدیؐ کی آب و تاب کو دھندلا کرنے کی کوشش علامہ مودودی تک برابر جاری ہے۔

(v)۔ بحیرا راہب سے ملاقات پر مزید اطلاعات اور حضرت عمرانؑ

طبری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:- ”ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ ابوطالبؑ شام راوندہ ہوئے۔ رسول اللہؐ قریش کے اور شیوخ کے ساتھ اُسکے ساتھ ہوئے۔ جب اُن کو وہ راہب نظر آیا یہ اُتر پڑے۔ اور انہوں نے اپنے کجاوے کھول دئے۔ اس مرتبہ وہ راہب ان کے پاس آیا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ اس کے پاس سے گزرتے تھے وہ راہب نہ اُن کے پاس کبھی آتا تھا اور نہ التفات کرتا تھا۔ یہ اپنے کجاوے کھول رہے تھے کہ وہ راہب اُن میں آکر مل گیا۔ اور لوگوں کو دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ اُس نے رسول اللہؐ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا یہ تمام عالم کا سردار ہے۔ یہ رب العالمین کا رسولؐ ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ رحمۃً للعالمین کر کے مبعوث فرمانے والا ہے۔ قریش کے شیوخ نے اس سے پوچھا کہ یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ اس نے کہا کہ جب تم اس گھاٹی سے برآمد ہوئے تو کوئی درخت یا پتھر ایسا نہ تھا جو سجدے میں نہ گر پڑا ہو۔ اور جمادات و نباتات صرف نبیؐ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ دوسرے میں اُس مہرِ نبوت سے بھی جو سب کے برابر اُن کے شانے کے جوڑ کے نیچے واقع ہے۔ اس بات کو جانتا ہوں۔“ (طبری جلد اول صفحہ 61-60)

(vi)۔ حضرت عمرانؑ نے مکی اور فحطانی عیب جو بڑھوں کا منہ بند کر دیا

اس بیان میں جو بات نہایت اہم ہے وہ یہ ہے کہ جس بحیرا راہب کی طرف سے پہلے بیان میں رسالتِ محمدؐ یہ کو صیغہ راز میں رکھنا گھڑا گیا تھا وہ یہاں غلط ثابت ہو گیا اور یہ حقیقت سامنے آگئی کہ جناب عمرانؑ علیہ السلام رسول اللہؐ کا عمومی تعارف کرانے کیلئے آپؐ کو اس مذہبی مرکز میں لائے تھے۔ اور نبطی و غسانی و رومی و یونانی حکومتوں کے سفارتی ذرائع سے تمام دنیا کو اس حقیقت سے روشناس کرنے کا درپردہ انتظام فرما رہے تھے۔ اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا آپؐ چاہتے تھے کہ جن جن ممالک میں بعثت کا انتظار کیا جا رہا ہے، اُن سب کی توجہ مکہ کی طرف مرکوز ہو جائے تاکہ فحطانی ٹولے کا انکار بے اثر بن کر رہ جائے اور طرفدارانِ مذہب و ملت بیرونی نصرت اور تصدیق و تائید بہم پہنچا سکیں۔ اس طرح مکہ کا مخالف محاذ اُٹھنے سے پہلے ہی باطل و خود غرض ثابت ہو کر بیٹھ جائے۔ یہ ہے وہ عمر آئی اسکیم جسکے ماتحت آپؐ اپنے بزرگوں کی طرح بیرونی ممالک کا سفر کر رہے ہیں اور یہ ہے وہ چوٹ جو سیدھی ٹکر کی طرح فحطانی ناک پر مسلسل لگتی چلی گئی۔ ان سفروں کا ایک سوچی سمجھی پالیسی ہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ راہب کو مقررہ جگہ پر دیکھتے ہی آپؐ نے قافلہ کو پڑاؤ کا حکم دے دیا اور راہب سیدھا قافلے میں تحقیق کیلئے چلا آیا۔ اور پھر راہب کا مقررہ دن اور متوقع وقت پر نظر براہِ ملنا اور اس سے پہلے فحطانیوں یا قریشیوں

اور مکینوں کی طرف کبھی ملتفت نہ ہونا بتاتا ہے کہ مندرجہ بالا پروگرام دو طرفہ طے شدہ حیثیت رکھتا تھا۔ پھر یہ بھی واضح ہے کہ جناب ابوطالبؑ نے یہ چاہا تھا کہ راہب اپنی معلومہ علامات سے آنحضرتؐ کو اپنی کتابی بصیرت سے شناخت کرے۔ لہذا سرکارِ دو عالم کو الگ سے نہیں ملایا۔ اسلئے راہب کو خود آنحضرتؐ کو تلاش کرنا پڑا۔ اور راہب نے ہاتھ پکڑ کر سب سے پہلے وہ بیعت کی جو برسہا برس بعد عربوں نے شروع کی تھی اور بیعت کے دوران آپؐ کیلئے اللہ کا رسولؐ ہونا، سردارِ دو جہان ہونا اور رحمتؐ للعالمین ہونا تمام شیوخ عرب اور تمام قافلہ کو بتایا۔ عرب کے کئی شیوخ نے طرح طرح کے سوالات کر کے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ انہیں رسالتؐ اور امامتؐ کی نہ تو کوئی علامت معلوم ہے نہ انہوں نے وہ نور کبھی دیکھا جو انکی عورتیں تک دیکھتی اور گرتی رہی تھیں۔ نہ انہیں بدلیوں کے سایہ کا علم، نہ انہیں کوئی ایسا وہم و گمان، یعنی بفضلِ خدا کو رہے، اندھے، بہرے، دوسرے الفاظ میں انکار کرنے والی اسکیم سے باخبر اور اس پر کافی قوت کے ساتھ عمل پیرا تھے۔ گویا جناب عمران علیہ السلام نے رسول اللہ کو مادی طور پر مشرکین عرب کی اسکیم اور قلبی جذبات اور رجحانات سے مطلع کر دیا۔ یہ بہت ضروری تھا کہ ان شیوخ کے نام معلوم ہو جاتے جن کو اس سفر میں ہمراہ لایا گیا تھا یا جو خود ساتھ ہو گئے تھے۔ بہر حال فحطانی تاریخ نے اُن کو صیغہ راز میں رکھا ہے۔ مگر آپؐ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اُس وقت مکہ میں کون کون ایسے تھے جن کو سردارانِ مکہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ لہذا تاریخ کے دوسرے مقامات بتا دینگے کہ 10 عام الفیل میں کون لوگ مکہ میں شیوخ یا سرداروں میں شامل تھے اور اُن میں سے کون کون ایمان لائے؟ اور کس کس نے انکار اور دشمنی کی راہ اختیار کی تھی؟ راہب نے اُن شیوخ کو جہاں دوسرے دلائل سے لاجواب کیا وہاں ایسی بات بھی بتائی جو ہر آنکھوں والے کو جب چاہے چوبیس گھنٹے نظر آسکتی تھی۔ یعنی مہربنوت کا مستقل اور روز پیدائش سے موجود رہنا۔ راہب نے جو چیز کفر و شرک کی رگِ حیات کا ٹٹے کیلئے بتائی، وہ وہی ہے جسے مسلمانوں میں دو فیصد علما بھی نہیں مانتے اور وہ یہ حقیقت ہے کہ ہر درخت اور تمام نباتات اور جمادات ہر نبیؐ کو سجدہ کرتے ہیں۔ قرآن کی رو سے ملائکہ اور تمام کائنات اور جن و انس اللہ کے حکم سے سجدہ بجالائے تھے۔ مگر مشرک علما کے نزدیک یہ بات آج بھی شرک ہے اور اُن مشرک علما کی بدقسمتی یہ ہے کہ انہوں نے قرآن ہی سے اپنی گمراہی کا سامان اپنے اجتہاد کی روشنی یا تاریکی میں جمع کیا ہے۔ لیکن اُنکا یہ شرک محض اُنکے دماغوں اور اُنکی کتابوں میں دفن ہے۔ عوام میں آج بھی محمد مصطفیٰ کا وہی مقام ہے جو ہمارا عقیدہ ہے۔

(vii) نبوت کی خوشخبری حاصل کرنے کیلئے ہجیرا راہب کے پاس رومی وفد کا آنا، ہجیرا کا حضرت ابوطالبؑ کو قریشی یہود سے خبردار کرنا

علامہ طبری کا ایک اور معنی خیز بیان سن کر قریش کی دشمنی کی گہرائی اور شہرت دیکھیں ساتھ ہی ہجیرا کی محتاط تنبیہ پر غور فرمائیں لکھا ہے:-
”رومی وفد اور ہجیرا۔ راہب اپنی خانقاہ سے آیا۔ یہاں آکر اُس نے ان کیلئے کھانا پکوا یا اور اُسے اُنکے پاس لے کر آیا۔ اس وقت رسول اللہ اونٹ چرا رہے تھے۔ راہب نے قریش سے کہا اُسے بلواؤ۔ جب آپؐ آ رہے تھے، اس وقت بھی ایک بدلی آپؐ پر سایہ فگن تھی۔ راہب نے کہا دیکھ لو بدلی آپؐ پر سایہ کر رہی ہے۔ جب آپؐ اپنی جماعت کے پاس آئے، آپؐ نے دیکھا کہ درخت کا تمام سایہ قریش نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ مگر جب آپؐ بیٹھے تو درخت کا سایہ بڑھ کر آپؐ پر بھی آ گیا۔ راہب نے کہا دیکھ لو درخت کا سایہ بھی آپؐ پر بھک پڑا ہے۔ راہب اب تک کھڑے کھڑے اُن کو اللہ کا واسطہ دے کر سمجھا رہا تھا کہ تم اس بچے کو روم نہ لے جاؤ۔ کیونکہ اگر وہ

اسے دیکھ پائیں گے تو شناخت کر لیں گے اور قتل کر دیں گے۔ یہ کہہ کر اُس نے مڑ کر دیکھا تو وہاں سات آدمی روم کے فرستادے موجود تھے۔ راہب نے خود ہی سبقت کر کے اُن سے پوچھا تم کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اسلئے آئے ہیں کہ ایک نبیؐ اس ماہ خروج کرنے والا ہے۔ ہر راستے کے ناکہ پر پہرے متعین کر دئے گئے ہیں۔ اور ہم کو اچھا سمجھ کر آپکی اس سمت بھیجا گیا ہے۔ راہب نے کہا کہ کیا جن لوگوں کو تم پیچھے چھوڑ آئے ہو ان میں کوئی تم سے بہتر رہ گیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں ہمیں سب سے بہتر سمجھ کر ہی آپ کے اس راستے پر بھیجا گیا ہے۔ راہب نے کہا کہ اچھا تم اس بات سے واقف ہو کہ اگر اللہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کر لے تو کسی میں یہ مجال ہے کہ اُسے نہ ہونے دے؟ انہوں نے کہا ہرگز نہیں۔ اور اب وہ اس راہب کے تابع ہو گئے اور اسی کے پاس ٹھہر گئے۔“ (مسلسل لکھا)

”حضرت محمدؐ کی واپسی۔ راہب قریش کے پاس آیا اور اس نے خدا کا واسطہ دے کر پوچھا کہ اس لڑکے کا ”ولی کون ہے۔؟“ انہوں نے کہا کہ ابوطالب۔ اب وہ ابوطالبؓ کو خدا کا واسطہ دے کر اصرار کرتا رہا کہ تم اس بچہ کو واپس لے جاؤ اور جب تک اُسے واپس نہ بھجوادیا اُس نے ابوطالبؓ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ واپسی کے لئے ابوبکر نے بلال کو آپ کے ساتھ خدمت کے لئے کر دیا اور اُس راہب نے زادراہ کے لئے بسکٹ اور زیتون آپ کو دیا۔“ (ترجمہ طبری۔ صفحہ 60)

قریش رسول اللہؐ کا قتل چاہتے تھے: قارئین غور فرمائیں کہ راہب نے مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اعلان کیا۔ بدلی کے سایہ کرنے اور درخت کے اپنے سائے کو آگے بڑھانے کے عجرات پر متوجہ کیا۔ وہ بار بار یہودی دشمنی اور حضورؐ کی جان کے خطرے میں ہونے کا تذکرہ کرتا رہا۔ اُس نے ہر طرح واضح کیا کہ حضورؐ کو روم نہ لے جائیں۔ رومیوں سے آپ کو اور آپ کی نبوت کی اطلاع کو پوشیدہ رکھیں۔ ورنہ اُن کے قتل کا یقین ہے۔ مگر قریش دیکھ رہے ہیں کہ سات رومی سپاہی مسلح حالت میں اُن کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ بحیرہ کو اُن کی آمد کی نہ اطلاع دیتے ہیں نہ یہ کہتے ہیں کہ تم خاموش ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو یہ سپاہی سُن لیں اور سارا کام ہی خراب ہو جائے۔ قارئین یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ ایسے خطرناک مواقع پر غیر اور بے تعلق لوگ بھی ہمدردی کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ مگر قریش اُس سے مس نہیں ہوتے۔ بحیرہ مصروف گفتگو۔ ابوطالبؓ اور محمدؐ جو حیرت اور پریشان۔ مگر قریش دشمن کو سر پر پہنچ جانے دیتے ہیں۔ ذرہ برابر متاثر نہیں ہوتے اور چاہتے ہیں کہ رومی ابھی ابھی محمدؐ و ابوطالبؓ علیہما السلام کو قتل کر دیں۔ لہذا اس قافلہ میں نہ کوئی محمدؐ و ابوطالبؓ کا عزیز و رشتہ دار ثابت ہے، نہ کوئی اسماعیلی خاندان کا فرد ہے، نہ کوئی خانوادہ رسولؐ کا ہمدرد ہے۔ ورنہ یہ لوگ گوش برآواز رہتے اور کسی بھی غیر شخص کو حدنگاہ کے فاصلے پر دیکھتے ہی راہب کو مطلع کرتے کہ وہ پلٹ کر دیکھے اور غلط آدمی کے سامنے ایسا راز فاش نہ کرے جو رسول اللہؐ کی جان کو خطرے میں ڈال دے۔ اس کے برعکس وہ رومی باوردی جوانوں کو دور سے آتا دیکھ رہے ہیں اور خوش ہیں کہ جھگڑا آج ہی ختم ہو جائے تو اچھا۔ قریش کی عداوت اور بے رحمی اس سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کو چھاؤں میں بیٹھنے کی جگہ بھی نہیں دیتے ہیں۔ رومی حکومت چونکہ عیسائی اور اہل کتاب حکومت ہے۔ لہذا اس راہب کی طرح بلکہ اس سے بڑے علما خود دار السلطنت میں موجود تھے۔ لہذا وہاں یہ بات طے شدہ حقیقت تھی کہ اصحابِ فیل کے واقعہ کے بعد دسویں سال جناب محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ خروج فرمائیں اور ماہ مذکور میں بحیرہ راہب کے یہاں اعلان نبوت و رسالت ہو جائے۔ اسی لئے رومی حکومت نے تمام اُن راہبوں پر پہرے بٹھائے جن سے

مسافر یا قافلے ملک روم و شام کی حدود میں داخل ہوتے تھے۔ تاکہ اُس رسول کی بعثت کی اطلاع بروقت مل سکے۔ اگر یہ پہرے دشمنی کی بنا پر اٹھائے گئے ہوتے تو وہ سات سپاہی ہرگز بکیرہ راہب اور ابوطالبؑ اور آنحضرتؐ علیہم السلام کو گرفتار کر کے حکومت تک لے جائے بغیر نہ چھوڑتے۔ اس لئے کہ یہ جرم سزائے موت کا مستحق بناتا ہے۔ اور جرم ہرگز چھپنے والا نہ تھا۔ اور بکیرہ راہب ہرگز اُن کو نہ بچا سکتا تھا۔ پھر خود بکیرہ راہب بھی رومی عیسائی حکومت کا ماتحت ہے اور اسقف اعظم یعنی پاپائے روم کا وفادار ہے۔ پھر یہ بہانہ نکالنا کہ صرف اچھے سے اچھے آدمی بکیرہ راہب والے راستے پر بھیجے گئے تھے۔ اس حیثیت سے تو بالکل صحیح ہے کہ مشرکین عرب کو مغالطہ دے دیا جائے۔ ورنہ حقیقتاً ایسے آدمیوں کو اچھے سمجھ کر بھیجنا جو حکم عدولی ہی نہیں بلکہ حکومت کو دھوکہ دے سکیں، بہت ہی غلط اور بُرے آدمیوں کا بُرا انتخاب ہے۔ بات وہی ہے کہ یہ وہ اچھے، معتبر اور قابل وثوق لوگ ہیں جو بکیرہ راہب کے کلیسا کو بھیجے گئے تاکہ وہ خود رسول کی زیارت کریں، اعلان بعثت سنیں اور جب واپس آکر حکومت اور رعایا کو وہاں کی روداد سنائیں تو اُن کی بات پر پورا یقین حاصل ہو کر ہر شخص مطمئن ہو جائے۔ پھر بکیرہ راہب سپاہیوں سے یہ نہیں کہتا کہ یہ نبوت کوئی راز ہے۔ حکومت روم رسول اللہ کی دشمن ہے، قتل کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے تم میرے ہی پاس رہ جاؤ حکومت کی پرواہ نہ کرو۔ اس راز کو پوشیدہ رکھنا، کسی سے نہ کہنا۔ اگر بکیرہ راہب باتیں کہتا تو سپاہی حیران ہو کر کہتے کہ جناب حکومت نے قتل و گرفتاری کا نہ حکم دیا ہے نہ وہاں کوئی اس نبوت کا دشمن ہے یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس سوال و جواب سے قحطانیوں کو مغالطہ دینے اور اُن کے قلبی اثرات کو جانچنے والی اسکیم کھل جاتی۔ لہذا بکیرہ راہب نے سپاہیوں کے متقی ہونے کی آڑ لی، سپاہیوں کو باتوں میں لگایا، صورت حال سمجھائی اور اُن کے قیام کا بندوبست کر کے واپس آیا۔ اور پھر باقی پارٹ ادا کیا۔ مگر قریش نے جب کوئی اثر نہ لیا تو انہیں سنا کر جناب عمرانؑ کو بتایا کہ بس اب حضورؐ کو واپس لے جایا جاسکتا ہے۔ یعنی پروگرام مکمل ہو گیا ہے۔ اور یہ خیال رکھنا کہ قحطانی الاصل یہود و نصارا سے حضورؐ کو گزند نہ پہنچے۔ اور یہ دشمنان خدا و رسولؐ خود مکہ ہی میں رہتے ہیں۔

اس بیان میں یہ بھی کہنا ضروری سمجھا کہ ابوبکرؓ کو آپؐ کی اس قدر خاطر منظور تھی کہ اپنے غلام بلال کو خدمت کے لئے ساتھ کر دیا۔ معلوم نہیں کہ زاد راہ کی فراہمی راہب کی طرف سے کیوں لکھ دی گئی۔ کیوں نہ یہ لکھا کہ بلال کے ساتھ تین اونٹ خشک میوے اور دیگر اجناس کے بھی ارسال کئے تھے تاکہ راہ بھر کوئی دقت نہ ہو۔ یہ بھی نہیں بتایا کہ ابوطالبؑ نے بلال کی قوت و فراست پر اس قدر اعتماد کیا کہ خود ساتھ نہ گئے۔ حالانکہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ایک لمحہ کے لئے آنحضرتؐ کو تنہا نہ چھوڑنا ثابت اور متواتر معلوم و مشہور ہے۔ لہذا گرمی محفل وزیر داستان کے لئے یہ سب کچھ نظر انداز کر دیا۔

قارئین ذرا قحطانی جرأت کو داد دینے کی تیاری کر لیں تو ایک بات کہوں:-

(viii)۔ یہ تاریخ بازیچہ اطفال بنادی گئی تھی

طبری کے بیان میں غلط بات ہضم ہو جاتی اگر منافقوں میں اتحاد ممکن ہو جاتا۔ سنئے علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ:-

”ولد بعد مولد النبی بسنتین واشہروا نہ مات وله ثلث وستون سنة۔“

جناب ابوبکرؓ رسول اللہؐ کی پیدائش کے دو سال اور چند ماہ بعد پیدا ہوئے۔

یقیناً جب حضرت ابوبکر نے وفات پائی تو ان کی عمر تریسٹھ سال کی تھی۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ 21)

علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ: ”وَلَدَ بَعْدَ الْفِيلِ بَسَنَتَيْنِ وَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ“

حضرت ابوبکر واقعہ فیل کے دو سال اور چھ ماہ بعد پیدا ہوئے تھے۔“ (اصابہ جلد 4 صفحہ 101)

اور علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ: ”كَانَ مَوْلَدُهُ بَعْدَ الْفِيلِ بِثَلَاثِ سَنِينَ“

حضرت ابوبکر واقعہ فیل کے تین سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ (تاریخ کامل جلد 2 صفحہ 161)

قارئین جمع تفریق ضرور جانتے ہونگے۔ واقعہ فیل 570 عیسوی کے اواخر سے شروع ہو کر 571 عیسوی کی ابتدا میں ختم ہو گیا اور حضور محمد مصطفیٰ واقعہ فیل کے بعد اُسی سال کے اندر پیدا ہوئے، اس پر سب کا اتفاق ہے۔ بحیرہ راہب سے ملاقات کا واقعہ فیل کے نو یا دس سال بعد پیش آیا۔ یعنی حضرت کی عمر اس وقت نو یا دس سال کی تھی تو ابوبکر صرف سات سال یا آٹھ سال کے تھے اور ابن اثیر کے حساب سے کل چھ یا سات سال کی عمر رکھتے تھے۔ لیکن اس کم سنی میں کمال یہ ہے کہ تجارت کیلئے ملک شام آئے ہوئے ہیں۔ باپ بھی ساتھ نہیں ہے۔ اور پھر بلال کا کمال یہ ہے کہ وہ تین سال کی عمر کا بچہ ہو کر تنہا محمد مصطفیٰ کی خدمت اور حفاظت کرتا ہوا مکہ میں لیکر پہنچا۔ یہ وہ کمالات ہیں جو قحطانی تاریخ کی قدر و قیمت بڑھاتے ہیں۔ اور اگر تاریخ کو باریک چھان لیا جائے تو کمال یہ ہوگا کہ جناب بلال کو حضرت ابوبکر نے اُن کی پیدائش سے بھی کئی سال پہلے رسول اللہ کے ساتھ محافظ و خدمت گار کی حیثیت سے بھیجا تھا۔ وہ شعر پڑھئے:-

باز بچہ اطفال ہے دنیا میرے آگے ہوتا ہے شب و روز تماشا میرے آگے

واقعی یہ بات صحیح ہے کہ عقیدت مندی انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ بہر حال یہ بات ہرگز ماننے کے قابل نہیں ہے کہ جناب ابوطالب علیہ السلام آنحضرتؐ کو یوں اپنے سے جدا کر دیں جب کہ خطرہ خود قحطانیوں ہی سے ہو۔ اور پھر یہ خطرہ نیا نہیں ہے، اچانک سامنے نہیں آیا ہے۔ یہ تو صدیوں سے ہرنبیؐ اور ہر رسولؐ اور ہر امامؐ کے ساتھ ساتھ چلا آرہا ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کو اپنی ہی نہیں دوسروں کی عمریں معلوم ہیں، بشارتیں معلوم ہیں۔ یہ کیسے مان سکتے ہیں کہ کوئی ملعون قحطانی، رسول اللہ کو قتل کر سکتا ہے البتہ انتظامی معاملات اور ہیں۔ اپنی محبت و محنت کا مادی ثبوت اور تاریخی مواد چھوڑنا اور بات ہے۔ راتوں کو چار پائی پر جگہ بدلنا اور علیؑ کو خطرے میں سو جانے کی عادت ڈالنا اور بات ہے۔ حقیقت تو وہی ہے جو علم خداوندی نے صدیوں پہلے سے بتا رکھی ہے۔ بلال بے چارے تو پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر ابھی چھ سات سال کے بچے تھے اور سفر میں ہمراہ تھے ہی نہیں۔ مگر بنتی نہیں ہے بات گل و بلبل کہے بغیر۔ اب ذرا موجودہ زمانہ کے ایک محقق اور مؤرخ کے یہاں چلے اور اُنکی تحقیق سے فائدہ اٹھائیے۔

(ix)۔ رسول اللہ؛ بحیرہ راہب اور ابوطالب؛ شبلی کے قلم سے

جناب علامہ اس واقعہ کو مجبوراً اور بادلِ خواستہ لکھ رہے ہیں۔ اس لئے اُن کے الفاظ اور جملوں کی بندش اور ترکیب پر ضرور نظر رہنا چاہئے۔ فرمایا کہ: ”عام مؤرخین کے بیان کے مطابق بحیرہ راہب کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابوطالب بصری میں پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اُترے۔ جس کا نام بحیرہ تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و

وسلم کو دیکھ کر کہا کہ یہ ”سید المرسلین“ ہیں۔ لوگوں نے پوچھا تم نے کیوں کر جانا؟ اس نے کہا کہ جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لئے جھک گئے۔“ (سیرۃ النبیؐ جلد اول - صفحہ 178)

شبلی صاحب نے اس واقعہ کو پر تکلف الفاظ میں لکھ کر وہ تمام کرب اور داؤ پیچ دکھائے ہیں جو حقائق کی زد سے بچ نکلنے کیلئے قحطانی نظام اجتہاد نے تیار کئے ہیں۔ مگر اس اُستادانہ فرار کے دوران اُنکے قلم سے کچھ اور حقائق ٹپک پڑے۔ انہوں نے بیان کی ابتدا میں لکھا تھا کہ ”عام مؤرخین کے بیان کے مطابق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔“ یہاں علامہ کے نزدیک عام مؤرخین نے یہ واقعہ غلط لکھا ہے۔ مطلب یہ کہ کچھ خاص مؤرخین، ایسے نہیں ہیں جو اس واقعے کو مانتے ہوں۔ ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ مؤرخین نے عمومی حیثیت سے اس واقعہ کو مان لیا ہے۔ رہ گئے وہ خاص خاص مؤرخ جو یہ جانتے ہوئے کہ نبو قضاہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہیں۔ اسکے باوجود اس حقیقت کا اعلان کر کے یہ لکھ دیں کہ ہم کو پیروی اُن ہی مؤرخین کی کرنی چاہئے جو اسماعیلی خاندان کو قحطانی بناتے اور لکھتے چلے آئے ہیں۔ ہم ایسے مؤرخین و محدثین و مفسرین کو ملعون سمجھتے ہیں جو حق کو جان بوجھ کر چھپائیں۔ لہذا اُن کا اس قدر قبول کر لینا کہ (1) عام مؤرخین متفق ہیں۔ (2) اور یہ کہ چند مخصوص خبیث علما کے علاوہ تمام مسلمان اس واقعہ کو مانتے اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ (3) اور یہ کہ اس واقعہ کو بیان کرنے والی روایات ابن حجر کے مطابق بخاری کے معیار پر پوری اترتی ہے۔ (4) اور یہ کہ عام مؤرخین ہی نہیں بلکہ عام محدثین نے بھی کتب احادیث میں اس بحیرا والے واقعہ کو صحیح لکھا ہے۔ (5) اور یہ کہ خود شبلی اور تمام علمائے محدثین و محققین نے اس سفر میں ابوبکر اور بلال کا موجود نہ ہونا اور اس جملے کو بعد میں اضافہ کر دیا جانا مان لیا ہے۔ رہ گئے باقی بہانے اور اُن کے عذرات، وہ اُسی قسم کے ہیں جو کوئی مجرم جرم سے بچنے کے لئے کیا کرتے ہیں۔ (سیرۃ النبیؐ - صفحہ 178 تا 181)

اہل کتاب کا بنی اسماعیل سے ہم خیال ہونا ملاحظہ ہو:-

(x) عربوں کی مشرکانہ مخالفت سے پہلے تمام عیسائی علما و بادشاہ اسماعیلیوں کے ہموار تھے

شبلی صاحب کا سب سے بڑا اور قابل غور عذر یہ ہے کہ بعض یورپین عیسائی علما نے بحیرا راہب کو حضرت محمد مصطفیٰؐ کا استاد اور اسلام کو بحیرا کی دی ہوئی ہدایات کی تفصیلات قرار دیا ہے۔ یعنی نبوت محمدؐ کی انکار کیا گیا ہے۔ قارئین اس عذر اور بہانے کیلئے پہلے یہ سنیں کہ مسلمانوں کو عموماً دوسروں سے متنفر رکھنا قحطانی علما کا سب سے بڑا حربہ رہا ہے۔ یعنی قحطانی نظام حقائق پر نہیں بلکہ تنفر و تعصب کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔ کبھی اہل کتاب کے خلاف نفرت پھیل کر خلاف واقعہ باتیں اور بے دلیل تصورات منوالے جاتے ہیں۔ کبھی بنو اسماعیل اور قحطانی الحاق کر کے یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں بچے جڑواں پیدا ہوئے اور دونوں کا جسم آپس میں جُوا ہوا تھا۔ آپریشن سے دونوں کو جدا کیا اسلئے دونوں کی نسل میں نفرت جاری رہی۔ حالانکہ بات وہی تھی۔ یعنی ایک دشمن خاندان کو اسماعیلی بنا کر یہ کہہ دیا گیا کہ خود اسماعیلیوں کے اندر سے نفرت اُبھری تھی۔ یہ شیعوں سے سنیوں کو متنفر رکھنا، یہ احمدیوں سے نفرت، یہ وہابی اور بریلوی قصے، یہ ابوبکر و علیؑ کے جھگڑے، صرف روٹی کمانے، روزی حاصل کرنے اور موقع ملے تو حکومت پر قبضہ جمانے کیلئے ہیں۔ اُن کا کام لڑاؤ اور حکومت کرو۔ غلط سے غلط بات کہو مگر پہلے سننے والے کے دماغ کو نفرت کے جذبہ سے بھر دو۔

اس عام قاعدے کو سمجھ لینے کے بعد یہ سوچئے کہ غلط قسم کے لوگ تو ہر قوم اور ہر مذہب اور ہر ملک میں ہوتے ہیں۔ اگر اہل سنت میں کوئی شبلی ہو سکتا ہے تو شیعوں میں شبلی کیوں نہ ہو؟ آنکھوں میں دھول ڈالنے والے اگر مسلمانوں میں ہو سکتے ہیں؟ تو عیسائیوں اور یہودیوں میں کیوں نہ ہوں؟ لہذا جس طرح علامہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ اور الفاروق میں حقائق کو منہ چڑایا ہے اور تمام مسلمانوں کے مسلمات کا انکار کیا ہے۔ اور بخاری ایسی معتبر کتاب کے خلاف لکھا ہے (تفصیلات ملاحظہ ہوں کتاب الفرق اور کتاب اسوۃ الرسولؐ میں)۔ اسی طرح علمائے یورپ میں بھی کئی ایک شبلی گزرے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہندوستانی شبلی نے جو کچھ لکھا وہ حقائق و مسلمات کے خلاف اور خود یورپی شبلیوں سے سیکھ کر لکھا اور اقرار کیا۔ لیکن یورپین شبلیوں اور ندویوں نے جو کچھ لکھا وہ سب ایسا اجتہادی مواد تھا جو اسلامی تاریخ و حدیث و تفسیر میں مسلمان شبلیوں، ندویوں، دھکوؤں، اور یار محمدیوں نے جمع کیا تھا۔ ہماری کسی تحریر سے یورپ کے علما تو الگ خود مجتہدین کوئی سہارا لے کر دکھائیں۔ جب لکھنا ہی حق ہے، جب باطل سے سروکار ہی نہیں رکھنا ہے تو کوئی ایسی غلطی کیسے ہوگی جو اسلام یا رسولؐ ہماری ذات پر اعتراض ہو۔ ہم معافی مانگ کر تلافی کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ مگر اسلام پر حرف نہیں آنے دیتے۔ اور جن لوگوں نے اسلام کو بدنام کیا ہے ان کو معاف نہیں کرتے۔ خواہ وہ شیعہ لیبیل لگائے ہوئے ہو یا اہل سنت کو گمراہ کر رہا ہو۔

ہم عرض کر چکے اور دلائل سے ثابت کر چکے اور قرآن سے آج تک ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے حقیقی پیرو ہمیشہ آل ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے ہمدرد و ہمنوا رہے۔ اور ان دونوں میں تعاون و دوستی ظہور محمدؐ مصطفیٰ تک برابر موجود و باقی تھی۔ چنانچہ نبیؐ بن اسماعیلؑ کی حکومت خواہ غلطی نام سے رہی ہو یا آخر میں اُسے غسانی کہا گیا ہو، مسلسل اڑھائی ہزار سال سے عیسائیوں اور یہودیوں کی فلاح و بہبود میں حصہ دار رہی۔

یہ بھی بتایا جا چکا اور تمام مسلمان علما نے تسلیم کیا ہے کہ اسلام کی مختلف شاخوں یا قسطنوں میں بھی ایک ہی دین آیا اور ہر قسط ترقی یافتہ نوع انسانی کو مخاطب کرتی اور احتیاج و ضروریات انسانی کے مدارک کیلئے بڑھتی چلی گئی۔ لہذا اگر کوئی عیسائی یا یہودی عالم یہ کہے کہ قرآن کی تعلیمات تو وہی تعلیمات ہیں جو سابقہ کتب میں بیان ہوئی ہیں تو اس پر ہمیں خوش ہونا چاہئے کہ دین اسلام کے تسلسل اور ایک ہونے کی گواہی مل رہی ہے۔ لیکن اگر کوئی عیسائی یا یہودی مجتہد یہ کہے کہ قرآن صرف اُسی قدر ہے جس قدر توریت وغیرہ میں تھا تو اب اُسے یہ دکھانا چاہئے کہ فلاں فلاں احکام اور پالیسیاں قرآن میں ایسی ہیں جن کا کسی سابقہ کتاب میں اشارہ تک بھی نہیں ہے اور وہ آج کی دنیا میں تمام انسانی ضروریات میں سے ہیں۔ یعنی یہ دکھانا ہمارے ذمہ ہوگا کہ قرآن ایک کامل کتاب ہے اور توریت وغیرہ کی تکمیل و تصدیق کیلئے نازل ہوئی ہے۔ فطانی چونکہ قرآن کو مکمل اور ہر انسانی ضرورت کیلئے کافی نہیں سمجھتے اور دن رات نئے نئے اجتہادات کرنا ان کا مذہب ہے اور جو انہوں نے ابتدا ہی میں عرب کے فطانی عیسائی و یہودی مجتہدین سے سیکھا تھا۔ اسلئے وہ یہ شور شروع کر دیتے ہیں کہ علمائے یہود و نصاریٰ قرآن کا انکار کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ عرب میں آیا ہوا اسلام یعنی ان کا اپنا بنایا ہوا مذہب ساری دنیا سے الگ اور انوکھا ہے اور اب وہ ان تمام باتوں کا انکار کر دیتے ہیں جو انکے خانہ ساز مذہب کے خلاف ہو۔ لہذا جناب شبلی نے

عیسائی مؤرخین کے اعتراض کا مسکت جواب تو نہ دیا، بجیرا راہب کے واقعہ کا انکار کر دیا۔ تاکہ نہ سہی چودہ سو سال تک، چودھویں صدی میں تو قحطانیوں کے اعمال پر پردہ پڑ جائے۔ آج کے روشن خیال لوگوں کو تو بہرہ کیا اور مطمئن کیا جاسکے۔ لیکن ہم بتاتے آرہے ہیں اور اسی لئے بتا رہے ہیں کہ خاندان نبوت و رسالت ایک تھا، تمام پالیسیاں ایک تھیں، یہ ایک اُمة واحدہ تھی، اسکے اصول و فروع ایک تھے۔ اُنکی تعلیم ایک تھی، اُن کی شروع سے آخر تک کتاب ایک تھی۔ جو کچھ ایک نے پانچ ہزار سال پہلے کہا وہی کچھ بعد والوں نے پانچ چھ ہزار سال بعد کہا۔ ہمیں یہ طعنہ، طعنہ نہیں معلوم ہوتا کہ بجیرا راہب نے جو کچھ کہا وہ تھا ہی اسلام۔ وہ اسلام بنا نہیں بلکہ وہ تو تھیں ہی اسلامی تعلیمات۔ پھر جو لوگ نابوں، دھویوں اور حجاموں کی باتوں کیلئے کہہ دیں کہ وہی باتیں آیت بن کر نازل ہو گئی تھیں اور پھر سینہ ٹھونک کر، ڈھیٹ بن کر کہانیاں گھڑ کر دکھائیں اور کہیں، یہ بات فلاں بن فلاں نے کہی تھی، اللہ نے پسند کی اور قرآن میں آیت بنا کر نازل کر دی۔ یہیں تک نہیں، اُن مشرکین نے یہ بھی کہا کہ معاذ اللہ رسول اللہ نے ایک غلط ارادہ کیا تھا۔ ایک مشیر نے غلطی واضح کی اور وہ وضاحت قرآن میں آکر رسول کیلئے ہدایت بن گئی سوچیئے ایسے لوگوں کو کیا حق ہے کہ وہ پوری علماء پر اعتراض کریں۔ بجیرا بہر حال تمام قحطانیوں سے زیادہ عالم، زیادہ ذی عزت اور زیادہ مقبول خدا و رسول تھا۔ لہذا یہ علمائے سو، یہ خبیث و ملعون لوگ، اُمت کو فریب اندر فریب میں مبتلا رکھتے آئے ہیں۔

ہم کہتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسی تحریک ہے جو ابلیس کو مایوس کر کے نوع انسانی کو منتہائے کمال پر پہنچانے کیلئے خدا نے جاری کی ہے۔ تاکہ اطاعت شعار انسان لائحہ و قوت و حیات حاصل کرے اور اسکے ”گن“ کہتے ہی ”فیکون“ ہو جائے۔ قرآن میں اور صاحبان قرآن صلوٰۃ اللہ علیہم کے علم میں وہ سب کچھ بھی ہے جو بجیرا نے کہا یا نوخ نے فرمایا یا کسی سابقہ انسان کے ذہن میں گزرا، زبان سے نکلا۔ اور وہ سب کچھ بھی ہے جو قیامت تک پیدا ہونے والوں کی زبانوں پر آئے یا ذہن میں گزرے۔ اگر قرآن کا بیان کردہ یہ مقام کوئی نہیں مانتا تو یقیناً وہ قحطانی ہے، مجتہد ہے، مشرک ہے۔ خواہ اس نے شیعیت کا لبیل لگا رکھا ہو یا وہ سنیّت کا جامہ پہنے ہوئے ہو۔ لہذا شبلی ذہنیت کو بتا دو کہ بجیرا ایک خدائی مصیبت تھا جو قحطانی تصورات کو اعلان نبوت سے تیس سال پہلے سے بھانپ کر باطل کر گیا تھا۔ اور ہاشم و عبدالمطلب و ابوطالب وہ راہنمایان رسالت عظمیٰ تھے۔ جنہوں نے ابلیس کی تمام راہیں بند کر کے صرف ایک راہ، یعنی انکار و ہٹ دھرمی اور ظلم و ستم کی راہ کھلی چھوڑ دی تھی اور مشرکین عرب کو مجبوراً اسی راہ پر چلنا پڑا۔ مگر اُس راہ کے دونوں جانب انہوں نے جگہ جگہ اور ہر موڑ پر ستون نصب کئے اور اُن پر عدل و انصاف، رواداری، فلاح انسانی، بھوک اور غربت کے خلاف محاذ و غیرہ کے بڑے بڑے بورڈ اور نعرے لٹکا دئے۔ تاکہ اُن کا ظلم و ستم، جبر و استبداد، بے رحمی و قساوت قلبی اور مکر و فریب دین کا نقاب پہنتا چلا جائے لیکن تحریک تشیع اور اُسکے راہنمایان دین نے ہر نقاب نوچ دی۔ ابلیس مع طولِ عمر دستِ تاسف مل رہا ہے۔ قحطانی مفکرین و مدبرین قلم اٹھاتے ہیں۔ سوچنے کیلئے دانتوں میں دباتے ہیں اور ہم پر غصہ میں قلم چبا کر پھینک دیتے ہیں۔ کئی ایک ابلیس کے شریعت کدوں میں یہ پریکٹس روازنہ جاری ہے۔ اب اُنکی سمجھ میں کوئی نیا داؤ پیچ کوئی نیا کرتب نہیں آرہا ہے، دم بخود تبتّ یدِ ابلی لہب کا ورد کر رہے ہیں۔

(xi) عیسائی بادشاہ اور حضرت ابوطالبؑ کے دادا ہاشم علیہ السلام

قارئین حضرات ہمیشہ کے لئے نوٹ کریں کہ قحطانی نسل حضرت ابراہیمؑ سے قبل شروع ہوئی۔ اُس میں بڑے بڑے جابر و ظالم بادشاہ گزرے۔ ملک سبا کی حکومت قحطانی تھی۔ جرہم قحطانی تھے۔ حمیر و حیرا کی حکومتیں قحطانی تھیں۔ یہ نسل عموماً دشمنِ دین اور مخالفانِ انبیاء رہتی چلی گئی۔ اُس کے مظالم سے دنیا کی ہر قوم و ہر مذہب و ملت متغیر رہتی چلی آئیں۔ زوال کے بعد انہوں نے نسل اسماعیلؑ بن جانے کی کوشش کی۔ لیکن یہ جہاں رہے اور جس حال میں بھی رہے شرفا کی نظروں میں مستقلاً حقیر و ذلیل رہے۔ اس لئے انہیں شرافت سے دشمنی ہو گئی۔ چونکہ قحطانیوں نے دنیا کو یہ فریب دیا کہ معاذ اللہ رسول اللہ کا خاندان بھی قحطانی تھا۔ اس لئے اس مغالطہ میں الجھ جانے والے رسولؐ کے مذہب سے بھی تغیر کرنے لگے۔ اور چونکہ قحطانی حکومتوں نے اسلام کے نام پر مسلسل مظالم کئے، اس لئے ساری دنیا اُن سے متغیر ہو گئی۔ اس سب کے باوجود جب بھی خانوادہ رسولؐ کے کسی فرد کا ذاتی سوال سامنے آیا تو قحطانیوں کے سوا دنیا کی تمام اقوام نے تمام مذاہب کے علمائے اور تمام مذہبی و شریف بادشاہوں نے خانوادہ رسولؐ کی شہنشاہیت کے روبرو سر جھکا دیا۔ یہی خاندان تو ہے جہاں مصر و ایران کی شہزادیاں، حبش و روم کی شہزادیاں کنیزیں بن کر رہیں۔ یہ خبیث لوگ عیسائیوں اور یہودیوں کو اسلام کا دشمن قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ قحطانی مذہب کے دشمن ہیں۔ اسلام اور راہنمایانِ اسلام پر تو انہیں فخر رہا ہے۔ سنئے اور ہرگز آئندہ ایسی بات پر توجہ نہ دیجئے جس میں یہ کہا جا رہا ہو کہ ظہور اسلام کے وقت عیسائی اور یہودی حکومتیں یا عوام اسلام کے دشمن تھے۔ اُن سے کہہ دو کہ جو عیسائی اور یہودی قرآن کی رو سے اسلام اور رسولؐ اسلام کے دشمن تھے، وہ تو عرب ہی کے باشندے اور قحطانی الاصل لوگ تھے۔ جن میں سے کچھ روزاؤں سے اسلام کا نقاب پہن کر مومنین و مصدقین میں داخل ہوئے تاکہ داخلی تخریب کریں اور کچھ تیغ بکف نکلے اور میدان کارزار میں مقابلہ کیا۔ بعد میں سنگم بن گیا تو داخلی گروہ نے خارجی گروہ کی مذمتیں کی اور ادھر قرآن نے اُن دونوں گروہوں کے حالات قلم بند کئے۔ لہذا وہ عیسائی اور یہودی دشمن بھی درحقیقت قحطانی الاصل ہی ہیں۔ اور اس ابلیسی گروہ کے علاوہ کوئی اور قوم ہرگز اسلام اور رسولؐ اسلام اور خانوادہ رسولؐ کی دشمن نہیں رہی ہے۔ البتہ قحطانی حکومت جس نام سے بھی دنیا میں رہی اس سے ہمیشہ دشمنی کی گئی اور ہم خود مذہباً اس حکومت کے دشمن رہتے چلے آئے ہیں۔ سنو اور دیکھو جوں جوں ظہور ختم المرسلؑ نزدیک ہوتا گیا بیرونی حکومتوں کا تعاون بڑھتا گیا۔ رشتے استوار ہوتے گئے۔ حضرت ہاشم علیہ السلام 525 (سن پانچ سو پچیس) عیسوی میں برسرِ امامت تھے۔ یعنی آنحضرتؐ کی پیدائش سے صرف چھیالیس سال پہلے کے انسان ہیں۔ اس وقت کی دوا یک باتیں سنیں اور خانوادہ رسولؐ کا مقام اور عیسائی بادشاہوں خصوصاً بادشاہِ روم کا سلوک دیکھیں۔ اور قحطانی ڈھونگ کی دھجیاں بکھیر دیں۔

کان ہاشم افخر قومہ و اعلاہم - وفد الیہ قبائل العرب و وفود الاحبار یحمولن بنا تہم یعرضون علیہ لیتزوج بہنَّ حتیٰ بعثت الیہ ہرقل ملک الروم وقال انَّ لی بنتاً لم تلد النساء اجمل منها ولا ابھئی وجھا - فاقد م الیٰ حتیٰ ازوجکھا فقد بلغنی جودک و کرمک و کان ہاشم یابی۔ (تاریخ الخلیفین - جلد اول صفحہ 178)

”جناب ہاشم علیہ السلام اپنی قوم میں سب سے زیادہ قابلِ فخر و عزت تھے۔ اور تمام لوگوں سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے۔ عرب کے

قبائل اور اہل کتاب کے راہنمایان دین کے وفد حضرت ہاشم کے پاس سرداران قوم و علما کی بیٹیوں کو لے کر آتے اور جناب ہاشم کے سامنے پیش کیا کرتے تھے کہ وہ حضرت اُن سے شادی کر لیں۔ یہاں تک کہ شہشاہ روم نے اُن کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میری ایک بے مثل و نظیر بیٹی ہے کہ جس سے حسین و جمیل اور سیرت کی بلندی سے بڑھ کر آج تک عورتوں نے کسی اور لڑکی کو جنم نہیں دیا ہے۔ اگر آپ یہاں قدم رنجہ فرمائیں تو میں اس کی شادی آپ سے کر دینا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ میرے علم میں آپ مجسمہ جود و سخا اور کرم و حیا ہیں۔ مگر حضور ایسی درخواستوں پر متوجہ نہیں ہوا کرتے تھے۔“

قارئین بتائیں کہ جو خانوادہ 525 عیسوی سے 550 عیسوی (عہد عبدالمطلب) تک ہر دل عزیز ہو، جو بادشاہان عالم کے لئے باعث حصول عزت و افتخار ہو، جن کے ناموں سے برکتیں حاصل کی جاتی ہوں، جن کو داماد بنانے کے لئے یوں رسہ کشی ہوتی چلی آرہی ہو، جنہیں منت سہا جت کر کے بیٹیاں قبول کرنے پر رضامند کیا جاتا رہا ہو، جن کو چاندی سونادے کر داماد بنالینے پر ریس (Race) لگتی ہو۔ اُن سے دشمنی اور اُن کے مذہبی تصورات سے مخالفت محض قحطانی ہی کر سکتے ہیں۔ بیٹیوں کو اپنی عزت سمجھنے والے، ناز و نعمت سے پالنے والے باضمیر لوگ تو جسے داماد بنا لیتے ہیں، اُس داماد کے شہر والوں کی بھی عزت و احترام کرتے ہیں۔ البتہ جو لوگ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے والے مشہور قصاب ہوں۔ وہ تو یہ سوچ سکتے ہیں کہ چلو زین میں دفن نہ کیا کسی داماد کے گھر میں دفن کر دیا۔ اور اس طرح قتل کی ہوئی لڑکی سے دنیاوی فائدہ بھی اٹھا لیا۔ آپ نے حضرت عبد اللہ علیہ السلام کے حالات میں بھی کچھ دیکھا تھا۔ قحطانی اگر ناپسند کرتے تھے تو خود اُن کی بیٹیاں دلہن بن جانے کی فکر میں رہتی تھیں۔ عربی تاریخ کے بعد جناب ہاشم علیہ السلام اور اُن کے خانوادے کی منزلت و ہمہ گیر مقبولیت کے لئے جناب ڈپٹی اور مولوی نذیر احمد صاحب شمس العلماء دہلوی کا تائیدی بیان بھی ملاحظہ ہو:-

”ہاشم کو فیاضی اور سیر چشتی کے علاوہ ذاتی وجاہت و وقار و تمکنت بھی حاصل تھی۔ اور قدرت نے اُن کی جسمانی ساخت میں بھی ایک خاص قسم کا اعتدال و دیعت کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قبائل عرب کے عمائدین اور وفود اجبار اپنی لڑکیاں اُن کے نکاح میں دینے کی غرض سے پیش کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بادشاہ روم ہر قل نے ایک مرتبہ ہاشم کے پاس اس مضمون کا پیغام بھیجا کہ میری ایک لڑکی ہے۔ نہایت حسین و جمیل ہونے کے علاوہ لطیفہ گو اور بذلہ سچ بھی ہے۔ اگر تم یہاں آ جاؤ تو میں اس کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں۔ کیونکہ تمہارے مکارم اخلاق اور جود و سخا کا شہرہ سنا ہے۔ ہاشم نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔ اور بادشاہ روم کے پیغام کی مطلق پرواہ نہیں کی۔“ (اُمہات الامہ مطبوعہ دہلی صفحہ 37)

ہم بار بار عرض کر چکے ہیں کہ اس نوری خاندان سے دنیا کی کسی قوم و ملک و ملت و مذہب کی دشمنی نہ تھی سوائے قحطانیوں کے۔ جنہوں نے ہر حال میں مخالفت کی۔ قحطانی رہ کر قحطانی نام سے مخالفت، جہمی عنوان کے ساتھ مخالفت، بنو خزاعہ کی صورت میں مخالفت، اسماعیلی اور قریشی بن کر مخالفت، بھائی بن کر، جنوائی بنا کر مخالفت اور ایمان لا کر کلمہ پڑھ کر مخالفت، احسان و رحم و کرم اور وفا کے صلے میں مخالفت۔ اُن لوگوں پر ایسا ایک لمحہ، ایک ثانیہ بھی نہ گزرا جس میں مخالفت سے دستکش ہونے کا تصور تک آیا ہو۔

(xii)۔ چند نئے پرانے دشمنانِ خانوادہٴ رسولؐ

ساری دنیا جانتی ہے کہ جب حضرت اسماعیل اور جناب ہاجرہ علیہما السلام مکہ میں لائے گئے تو یہاں قحطانیوں کی جڑھی شاخ خیموں میں رہا کرتی تھی۔ یہیں سے قحطانی دشمنی کا آغاز ہوتا ہے۔ یعنی جب کعبہ بنایا جا چکا اور آب زمزم (جو حضرت اسماعیلؑ کے لئے خدا نے جاری کیا تھا) کی وجہ سے کعبہ کے ارد گرد چہل پہل شروع ہو گئی۔ پھل پھول کی افراط ہوئی اور مختلف خانہ بدوش مشرف بہ اسلام ہونے لگے۔ اور جناب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مرجعِ خلائق بن گئی۔ حضرت نابت علیہ السلام کو جناب اسماعیلؑ نے اپنا جانشین امام بنادیا۔ اور حضرت نابتؑ کی اولاد نے مکہ سے باہر کے ممالک میں اپنی حکومتیں قائم کر لیں اور حکومت کی بنا پر بطنی خاندان زیادہ تر عراق و یمن و شام میں جا بسے تو مکہ کی نگرانی اور تولیت کا انتظام صرف رسومات حج اور مناسک تک رہ گیا۔ اور سیاسی قوت اور فوج کا یہاں رکھنا ضروری نہ رہا تو ایک دفعہ اور پہلی دفعہ قحطان کی جڑھی شاخ نے مکہ پر قبضہ جمالیا۔ اعتراض کرنے والوں سے کہہ دیا کہ ہم حضرت اسماعیلؑ کی سسرال کے لوگ ہیں وہ ہمارا داماد تھا، ہمارا بیٹا تھا۔ لہذا ہم مکہ و حجاز کی حکومت و امامت ایک ہی خاندان میں رہے۔ یہ پہلا واقعہ ہے جہاں خانوادہٴ رسولؐ دے سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ موروثی طریقے پر مکہ کی حکومت و امامت ایک ہی خاندان میں رہے۔ یہ پہلا واقعہ ہے جہاں خانوادہٴ رسولؐ کی مذہبی قیادت اور دینی حکومت پر سسرالی رشتے والی قوم نے غاصبانہ قبضہ کیا۔ قحطانی تاریخ بھی اس شستِ اوّل کو پوشیدہ نہ رکھ سکی۔ لہذا جناب طبری سے چند اشارے نوٹ فرمائیں۔ لکھتے ہیں کہ:-

”حضرت نوحؑ کے عہد سے کعبہ کا کوئی ولی نہ تھا۔ اُسے اٹھالیا گیا تھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو اسماعیلؑ کی اولاد میں مبعوث فرما کر اُن کو یہ سعادت دینا چاہا تھا۔ اُس نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ تم اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو یہاں آباد کرو۔ چنانچہ حضرت نوحؑ کے بعد اب حضرت ابراہیمؑ و اسماعیل علیہما السلام کعبہ کی تولیت انجام دیتے تھے۔ اس وقت مکہ بالکل غیر آباد چٹیل میدان تھا۔ البتہ اس کے اطراف و اکناف میں جرہم اور عالقہ بود و باش رکھتے تھے۔ جرہم کی ایک عورت سے حضرت اسماعیلؑ نے نکاح کیا۔ اس کی طرف عمرو بن الحارث بن مضاض نے اس شعر میں اشارہ کیا۔ (اور شعر قحطانیوں میں آیت کے برابر ہوتا ہے)

وَمَصَاهِرُنَا مِنْ أَكْرَمِ النَّاسِ وَلَدًا فَأَبْنَاهُ مِنَّا وَنَحْنُ الْأَصَاهِرُ

ہمارے یہاں اُس شخص نے شادی کی جو اپنے باپ کی وجہ سے معزز ترین شخص تھا۔ اُس کی اولاد ہم سے ہے اور ہم اُس کی سسرال والے لوگ ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت اسماعیلؑ کعبہ کے متولی ہوئے۔ اُن کے بعد نبٹ متولی ہوا، اس کی ماں جرہمیہ تھی۔ پھر نبٹ مر گیا۔ اور چونکہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد زیادہ نہ تھی۔ اس لئے پھر جرہم نے کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا۔ اور اسی طرف عمرو بن الحارث بن مضاض نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:- (پھر شعر ہی جانشینی رسولؐ کی دلیل و سند بن جاتا ہے)

وَكُنَّا وَلَاءَ الْبَيْتِ مِنْ بَعْدِ نَابِثٍ تَطَوَّفُ بِذَاكَ الْبَيْتِ وَالْخَيْرِ ظَاهِرٍ

نابتؑ کے بعد ہم کعبہ کے ولی ہوئے۔ اب ہم اس گھر کے چاروں طرف طواف کرتے ہیں۔

اور ہماری اس خوبی کو سب جانتے ہیں۔ (طبری۔ جلد اول صفحہ 65)

قارئین پہلے یہ نوٹ کر لیں کہ مکہ اور کعبہ کی ولایت و حکومت حضرت اسماعیلؑ کے بعد جناب نابت علیہ السلام کو ملی تھی۔ اور قیدار چونکہ حضرت نابتؑ کے چھوٹے بھائیوں میں سے ہیں۔ لہذا حسب دستور جانشینی اور امامت جناب اسماعیلؑ علیہ السلام سے باہر رہ جاتے ہیں۔ یہ بھی قحطانی دشمنی ہے کہ انہوں نے خانوادہ رسولؐ اور خود رسولؐ کو تو محروم کرنے کے لئے یہ دوسرا انتظام بھی کر رکھا تھا کہ اُن کو بجائے نابتؑ بن اسماعیلؑ کے، قیدار کی اولاد میں شامل کرنے کے لئے شجرہ ہی بدل دیا تھا۔ تاکہ اگر مناسب صورت حال پیدا ہو جائے تو کہہ دیا جائے کہ وہ تو جناب اسماعیلؑ کی جانشین شاخ میں تھے ہی نہیں۔ یہ ماہرین سیاسیات کی نہایت دوراندیش پالیسی کا ثبوت ہے جو قحطانیوں کے لئے قدم قدم پر ثابت ہے۔ پھر یہ دیکھیں کہ ایک دوشعر گھر کر اور سسرالی رشتہ کا اعلان کر کے رسالت و امامت کی جانشینی پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور یہ بھی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ خاندان رسولؐ اور جانشین خاندان کی رضامندی بھی حاصل کر کے ایک آدھ شعر اُن کی طرف سے بھی گھر دیا جائے۔ یہاں یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہے کہ خانوادہ رسولؐ کی حکومت اور ولایت پر قبضہ کر لیا گیا۔ کوئی دلیل شرعی یا عقلی قائم نہیں کی گئی۔ مظلوم خاندان کی اجازت یا رضامندی حاصل نہیں کی گئی۔ اس کے باوجود ملک عرب کا جمہور یا عوام ذرہ برابر ردِ عمل ظاہر نہیں کرتے۔ کوئی احتجاج نہیں ہوتا، کوئی بغاوت اور تصادم پیش نہیں آتا اور نہایت ہنسی خوشی خاندان رسولؐ سے اقتدار منتقل کر کے قحطانی حضرات جانشین رسولؐ بن جاتے ہیں۔ ساری عرب پبلک مطمئن ہے، مشاعرے ہو رہے ہیں، جشن منائے جا رہے ہیں۔ جو لوگ اُس زمانہ کی عوامی عربی، سردمہری اور حق و انصاف کے خلاف قومی کثرت کی اس اندھی اطاعت سے واقف ہوں۔ وہ سوچیں کہ پچیس سو سال (1900 ق م تا 600 عیسوی) بعد آنحضرتؐ کے زمانہ کی وہی قوم اپنی عادات اور سنت قومی میں کس قدر ترقی کر گئی ہوگی؟ حد یہ تھی کہ اپنا حق مانگنا، لوگوں سے اپنے غضب شدہ حق اور اپنی مظلومی کا ذکر کرنا، اُن کی زبان میں فتنہ و فساد پھیلانے کا جرم تھا۔ اور اس طرح مظلوموں کو باغی کہہ کر قتل کر دینا اسلام کی اور نوع انسانی کی خدمت بن گئی تھی۔ اور اسی جرم میں واقعہ کربلا میں خانوادہ رسولؐ کو تہہ تیغ کیا گیا تھا۔ یعنی قحطانی مذہب و رسوم و دستور و سنت نے دو ہزار پانچ سو سال میں جو ترقی اور قوت حاصل کی تھی اُس کا سارا زور امام حسینؑ اور اُن کے رفقاءؑ کا علیہم السلام کے خلاف خرچ کر دیا گیا تھا۔ لہذا اُس سسرالی رشتے داروں کی سنت اس طویل زمانہ میں بھلائی نہیں گئی۔ بلکہ اُسے مضبوط تر کر کے، دوہرا چوہرا کر کے اس پر سو فیصد عمل کیا گیا۔ اور اس طویل سفر میں شجروں اور خاندانوں کا بدلنا، قحطانیوں کا اسماعیلی بن جانا اُس سنت پر مزید اضافہ تھا۔ اور راز کھل جانے کی صورت میں یہ انتظام بھی قدیم سے ساتھ ساتھ چلا آ رہا تھا کہ محمدؐ اور اُن کے آباؤ اجداد اور خود عدنان (علیہم السلام) معاذ اللہ جڑھی تھے۔ چنانچہ علامہ طبری نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ:-

”معاذ بن عدنان نے مکہ میں آ کر دیکھا تو اُس کے بھائی اور چچا جو عدنان کے بیٹے تھے۔ وطن چھوڑ کر یمن کے قبائل میں جا ملے ہیں۔ اور یمن والوں ہی میں انہوں نے بیاہ کر لئے ہیں۔ چونکہ بنو عدنان جرہم کی اولاد میں سے تھے۔ اس وجہ سے یمنیوں نے اُن کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا سلوک کیا۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 53)

یہ تھا قحطانی جرہمیوں کا دوہرا دورہ انتظام جس سے بچ کر نکل جانا ممکن ہی نہ تھا۔ لہذا یہ ماننا ہی پڑا کہ ظہور محمدؐ کی وقت مکہ میں بڑے بڑے تمام قحطانی گھرانے اسماعیلی ہی ہونگے۔ چونکہ بہت جلد اقتدار و قوت حاکمہ نے قحطانی قدموں پر سر رکھ دیا۔ اسلئے خزانوں کے منہ کھل گئے

جانے والے دماغ لالچ سے بھر گئے۔ بولنے والی زبانیں بولنے کے بجائے عمدہ ذائقہ دار نعمتوں سے لطف اندوز ہونے لگیں یہ کہنا موت کے منہ میں کودنا تھا کہ یہ کریہہ المنظر، یہ بد شکل اور منحوس صورتیں، یہ شیطان خصلت لوگ ہرگز اُس حسین و جمیل و خلیق خاندان کے افراد نہیں ہو سکتے۔ جن کو بادشاہان روم و شام و عرب و ایران اپنی بیٹیاں دینا فخر سمجھتے تھے۔ جن سے راتوں کی تاریکی میں روشنی ہو جاتی تھی۔

(xiii)۔ خانوادہ رسولؐ سے حکومت کا دوبارہ چھینا جانا

حضرت نابت علیہ السلام کی اولاد کو جرہمیوں نے خاندانی و خداوندی حکومت سے محروم کر دیا تو جرہمیوں نے قبضہ کر لینے کے بعد تقریباً تمام اسماعیلیوں کو مکہ و گردنواح مکہ سے جلا وطن کر دیا اور وہ بلا شرکت غیرے حکمراں ہوئے تو اپنی قومی کردار یعنی ظلم و ستم، مار دھاڑ اور لوٹ کھسوٹ مچا دی۔ مکہ اور آس پاس کے لوگوں میں خانوادہ رسولؐ کی یاد تازہ ہونے لگی۔ اللہ اور کعبہ کے نام پر جرمانے، ٹیکس اور کرائے بڑھے تو لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ جرہمیوں کے خلاف نفرت و انتقام کا جذبہ اُبھرا۔ آخر خانوادہ اسماعیلؑ کے ساتویں جانشین حضرت ثاماد بہامی دوسرے العتق کو اُن کی مملکت سے بلایا گیا۔ انہوں نے بنو جرہم اور بنو قطورہ کو مکہ سے نکالا اور تمام سرکشوں کو قتل کر دیا (طبری۔ جلد اول صفحہ 57 پر شجرہ کا چونٹیسواں فرد) دوسرے العتق نے امن و امان اور اپنے نائب مقرر کر دیئے۔

(xiv)۔ مکہ پر دوبارہ جرہمیوں کا قبضہ اور فتنہ و فجو رکازور

علامہ طبری کے مطابق جس شخص نے سب سے پہلے بنو اسماعیلؑ کی جگہ حکومت قائم کی تھی وہ مضاض نام کا شخص تھا۔ اُس کے بعد اُس کے خاندان میں کعبہ اور مکہ کی حکومت و تولیت موروثی حیثیت سے جاری رہی۔ مندرجہ بالا شکست کے بعد غالباً بنو جرہم نے رفتہ رفتہ دوبارہ اسماعیلی خاندان کو مکہ اور کعبہ سے بے دخل کر دیا۔ اسلئے کہ جب جناب معاذ بن عدنان مکہ واپس آئے تو انہیں یہاں کوئی شخص بھی اپنے خاندان کا نہ ملا تھا اور یہاں جرہمیوں کا راج اور تسلط تھا۔ جرہمیوں کا یہ قبضہ جناب دوں کے بعد چونٹیسویں پشت میں ثابت ہوتا ہے۔ دوبارہ قبضہ کے بعد جرہمیوں نے اس طویل مدت میں جو کچھ کیا وہ طبری سے سنئے:-

”پھر جرہم نے مکہ میں بد معاشی اور فتنہ و فجو شروع کیا۔ بیت اللہ کی حرمت کو باطل کر دیا۔ اس مال کو جو کعبہ کو بطور نذر کے بھیجا جاتا تھا کھانے لگے۔ جو مکہ میں آتا اُس پر ظلم کرتے۔ پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اگر اُن کے کسی شخص کو کوئی دوسری جگہ زنا کے لئے نہ ملتی تو وہ خود کعبہ میں آکر بدکاری کرتا۔ اس سلسلے میں بیان کیا گیا ہے کہ اساف نے نائلہ سے کعبہ میں زنا کیا۔ اس کی پاداش میں اللہ نے دونوں کو مسخ کر کے پتھر بنایا۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 65-66)

خطانیوں کے اس قبیلے نے جو کچھ کیا وہی کچھ اڑھائی ہزار سال بعد کے قحطانی شاہزادے کے زمانہ میں ہوا تھا۔ یعنی یہ بھی قحطانیوں کی قدیم سنت اور تمنا تھی۔ اور یہی وہ فحاشی کا نظام تھا جو ظہور قرآن تک ان میں جاری تھا۔

(xv)۔ حضرت اسماعیلؑ نے مصری شہزادی سے شادی کی تھی

قحطانی عربوں نے جناب اسماعیلؑ کو اپنا داماد کہنے اور اُن کی مقدس نسل کو اپنی بیٹی کی اولاد بنانے کے لئے یہ مشہور کر دیا تھا۔

ورنہ از روئے تورات، حضرت اسماعیلؑ کی شادی اُن کی والدہ نے اپنے خاندان یعنی بادشاہ مصر کے خاندان میں کی تھی۔ اس سلسلے میں ارض القرآن کے چند جملے سن لیں اور سمجھ لیں کہ قحطانی عربوں کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنی مختلف اغراض کے لئے غلط رشتے، غلط شجرے مشہور کرتے رہتے ہیں۔ رشتہ داری کے بیانات اور نسب جوڑ توڑ میں ہرگز مشرکین عرب کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اسماعیلؑ تو بہت دور کی بات ہیں، وہ تو یہاں تک مشہور کر گئے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں۔ اور صرف اسی جھوٹ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ اتہام بھی لگایا کہ (معاذ اللہ) آنحضرتؐ نے اپنی تین صلیبی بیٹیوں کا نکاح تین مشرکوں سے کیا۔ حالانکہ آنحضرتؐ اپنے بزرگوں، شجرے اور نسب پر یہ کہہ کر فخر کرتے رہے کہ میرے آباؤ اجداد میں کوئی مشرک اور زانی نہ تھا۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:-

”اُسی جرم کے گھرانے میں عربوں کی روایت کے مطابق حضرت اسماعیلؑ نے شادی کی تھی (بخاری کتاب الامیاء)۔ لیکن تورات میں ہے کہ اُن کی ماں نے جو مصر یہ تھیں، ایک مصری عورت سے اُن کا بیاہ کر دیا تھا (تکوین 21/21)۔ اس اختلاف پر علمائے نصاریٰ کی اکثر انگلیاں اُٹھی ہیں۔ لیکن اگر انہیں یہ معلوم ہوتا کہ اُس وقت عرب سامیہ اولیٰ خود مصر پر قابض تھے۔ اور اُن کا سلسلہ تعلق مصر سے جاری تھا تو کبھی اس اختلاف سے اُن کو حیرت نہ ہوتی۔“ (ارض القرآن جلد اول صفحہ 200)

اس سے پہلے صفحہ 153 پر لکھا تھا کہ: ”تورات کے بیانات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اُمّ سامیہ میں سے عربوں کے تعلقات مصر سے سب سے زیادہ تھے۔ اسماعیلی عربوں کی ماں ہاجرہ مصر کی تھیں۔ عربوں کے قافلے برابر مصر کو آتے جاتے تھے۔ حضرت اسماعیلؑ کی ماں کے سوا اُن کی بیوی بھی مصریہ تھیں۔“ (ارض القرآن جلد اول صفحہ 153)

یہاں تک یہ بات ثابت ہے کہ قحطانیوں نے صرف حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے جناب اسماعیلؑ کو اپنا داماد بنالیا تھا۔

(xvi)۔ خانوادہ رسولؐ کی حکومت قحطانی قبیلے بنو خزاعہ نے چھین لی

جب جرہمیوں کا فسق و فجور حد کو پہنچا تو اللہ نے اُن کو تباہ کرنے کا یہ انتظام کیا کہ بنو خزاعہ جو قحطانیوں کی ایک اور شاخ تھی۔ خانوادہ اسماعیلؑ کے مدد کے وعدہ پر جرہمیوں سے جنگ کی۔ لیکن جرہمی قحطانیوں کو نکال کر بنو خزاعہ کا پہلا حاکم عمرو بن الحارث الغبشانی القحطانی بن بیٹھا۔ طبری سے اس کا شعر بھی سن لیں:-

ونحن ولینا البیت بعد جرهم
لنعمره من کل باغ و ملحد

”جرہم کے بعد ہم بیت اللہ کے ولی ہوئے تاکہ اُسے ہر باغی اور بے دین سے بچا کر آباد رکھیں؛

اس طرح اب بنو خزاعہ بیت اللہ کے متولی ہوئے البتہ دوسرے قبائل مضر میں تین خدمتیں باقی رہیں۔“ (جلداول صفحہ 66-67)

یعنی قحطان کے اس قبیلے نے جن لوگوں کو چند خدمات پر باقی رکھا اُن سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر وہ واقعی بنو مضر یعنی حضرت اسماعیلؑ کی حاکم شاخ ہوتے تو خدمت تو خدمت ہے، انہیں مکہ میں ٹھہرنا بھی نصیب نہ ہوتا۔ چنانچہ یہ وہ مصنوعی بنو مضر ہیں جو رفتہ رفتہ قحطانی سے اسماعیلی بن چکے تھے اور بنو جرہم یعنی اپنے اصلی خاندان کے طرفدار تھے۔ چنانچہ ارض القرآن کا ایک شعر یہ راز فاش کرتا ہے۔

وا حلف بالبیت الذی طاف حوله
اناس بنوہ من قریش و جرهم

”میں اس گھر کی قسم کھاتا ہوں جس کے چاروں طرف قریش اور جرم طواف کرتے ہیں۔“

ایام جاہلیت کا نصرانی شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ (ارض القرآن - جلد اول صفحہ 200)

یہی وہ لوگ ہیں جن کو برابر جرمیوں، خزاعیوں الغرض قحطانیوں کی ہر شاخ جانتی تھی کہ وہ درحقیقت قحطانی ہیں۔ لیکن مستقبل کے لئے بنو اسماعیل سے پیوند جوڑ لیا ہے۔ تاکہ تولیت کعبہ اور حکومت مکہ پر نظر رکھیں اور جب اور جتنا موقع ملے متعلقہ اقدامات کرتے چلیں۔ پوری حکومت نہ ملے تو جس قدر مناصب ملیں لے لئے جائیں۔ یہی خاندان اور بنو خزاعہ تھے جس زمانہ میں جناب قصیؑ مکہ میں آئے اور اس قحطانیت سے مکہ کی حکومت واپس لی جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اُس بحث میں جہاں جہاں ہم نے یہ بحث کی ہے کہ مکہ میں جناب قصیؑ کی آمد پر کوئی اسماعیلی خاندان کا فرد نہ تھا اور تاریخ نے بار بار لفظ قریش استعمال کیا ہے وہ یہی قحطانی تھے۔ جنہیں بعد والوں نے قریش کی چادر اور بحث میں لپٹ کر اسماعیلی بنانے کی کوشش کی ہے۔ اب آپ بھی اُن لوگوں کو بلا تکلف قریش کے لقب سے یاد کریں۔ اسلئے کہ وہ یہاں تک خانوادہ رسولؐ سے قطعی الگ ثابت ہو چکے ہیں اور جو کچھ شہادت باقی ہوں وہ آئندہ جلد دور ہو جائیں گے۔

(xvii)۔ حضرت قصیؑ اور اُن کے بعد خانوادہ رسولؐ سے اقتدار کا جھگڑا

علامہ طبری نہایت دبی زبان سے دو چار جملوں میں ان قریشیوں کا ذکر کرتے ہیں جو جناب قصیؑ کے حسن سلوک کے باوجود اس خانوادہ سے کشیدہ خاطر تھے سنئے:-

”قصیؑ اپنی پوری عزت و شرافت کے ساتھ بغیر کسی مخالف و معارض کے مکہ میں رہنے لگا۔ البتہ مناسک حج میں اس نے کوئی تبدیلی نہیں کی اس لئے کہ وہ اُسے مذہبی رسم سمجھتا تھا۔ کعبہ کے پجاری بھی حسب دستور قدیم باقی رہے۔ البتہ جب وہ ختم ہو گئے تو پھر اُن کی خدمت وراثتاً صفوان بن الحارث بن شجنہ کی اولاد کو دے دی گئی۔ اس جھگڑے کی وجہ سے جو عداوت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ بدستور چلی آتی تھی۔ بنو مالک بن کنانہ اور مرہ بن عوف سے بے تعلقی تھی۔ یہ کشیدگیاں اسلام کے شائع ہونے تک برقرار تھیں۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 44)

یہاں صرف اس قدر نوٹ کرنا ہے کہ جناب قصیؑ اور خانوادہ رسولؐ کے باقی بزرگوں کی طرح باقی عرب حج کو مذہبی حیثیت نہ دیتے تھے۔ بلکہ اُس میں اجتہادی کتر بیونت کرتے رہنا قومی اختیار سمجھتے تھے۔ پھر یہ کہ جن اشخاص کا نام لیا گیا وہ دراصل قریش تھے۔ اور قصیؑ کے قبضے کو روز اول سے ناپسند کرتے تھے اور اسلام کے شائع ہونے تک وہ برابر کشیدہ خاطر اور دشمنی کے موڈ میں تھے۔ حالانکہ سابقہ پجاریوں کی جگہ خالی ہونے پر برابر اُن ہی نام نہاد خاندانوں کے افراد کو مختلف مناصب اور خدمات سونپتے جاتے تھے۔ مگر خاندانی بغض و حسد کی آگ برابر سلگتی رہی۔ اُن ہی لوگوں کی مدد اور اشارے سے قصیؑ علیہ السلام کی ضعیفی میں عبدالدار نامی ایک قریشی نے بھی اُن خدمات میں شمولیت حاصل کی اور قصیؑ کے بیٹے جناب عبد مناف نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ خدمت ہے جس کا دل چاہے کرے۔ بہر حال حاکم اور ولی اپنے مقام پر ہے۔ اس کا کام تنازعات اور مہمات، امور کا فیصلہ کرنا ہے۔ مگر اس وسیع القسمی سے دشمن ذہنیت کمزوری کی فال نکالا کرتی ہے اور یہی ہو رہا تھا۔ اکثر مرکزی امور میں یہ لوگ مداخلت کرنے کی یکجہاں کوشش کرتے رہتے تھے۔ اور خانوادہ رسولؐ کے مخالفوں کو اپنی پشت پر مجتمع کر رہے تھے۔ بعض لوگ لوگوں کو دکھانے کے لئے وقت بے وقت ضیافتیں بھی کرتے رہتے تھے۔ اور جناب قصیؑ علیہ

السلام کے بعد طرح طرح کی افواہیں اڑاتے رہتے تھے۔ اس طرح ایک محاذ تیاری کر رہا تھا۔ جس میں قریش کے بڑے بڑے یہود صفت تاجر شامل ہو گئے تھے۔ بہر حال جناب مغیرہ (ابراہیم) نے نہایت صبر و ضبط سے قریش کے سرکشانہ عمل درآمد کو برداشت کر لیا۔ اور اپنے دونوں بیٹوں جناب عمرو عرف ہاشم اور جناب مطلب علیہما السلام کو بھی رواداری اور نرمی و تالیف قلوب کی وصیت و نصیحت جاری رکھی اور بغاوت پر آمادہ لوگوں سے خبردار کیا۔ جناب قصی کے بعد جناب ہاشم علیہ السلام جانشین ہوئے۔ اُن کی عزت و وقار کا شہرہ چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ اور یہ مقبولیت ہی قریش کے لئے تکلیف دہ اور مایوس کن تھی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اُن کے تمام قحطانی منصوبے خاک میں ملتے جا رہے ہیں۔ نور خداوندی کی شہرت چاروں طرف پھیلتی جا رہی ہے۔ قریشیت کی چادر بھی قحطانی دیو کو چھپانے سے قاصر رہتی جا رہی ہے۔ عبدالدار اور عبدالشمس ایسے قحطانی سرداروں کی پالیسیاں بے نتیجہ ہوتی جا رہی ہیں۔ بیرونی اقوام اور حکومتیں، مذہبی راہنما، یہود و نصاریٰ کے سردار و علما جناب ہاشم کی مالا بچ رہے ہیں، سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ اپنی بیٹیاں پیش کر رہے ہیں، مراسلت ہو رہی ہے، وفود آرہے ہیں۔ ان حالات سے قحطانی قریش کا دانشور طبقہ بوکھلا اٹھا۔ کعبہ کی مختلف خدمات اور انتظامات پر قبضے کے باوجود قوم و ملت میں اُن کا کوئی مقام نہ تھا، کوئی پسند نہ کرتا تھا۔ کوئی اس مشرک اور بت پرست غول کو گھاس نہ ڈالتا تھا۔ لوگ اُن کی دی ہوئی ضیافتیں دعوتیں کھا کر چل دیتے، زبانی تعریف کر دیتے۔ مگر سر ہاشم اور خانوادہ رسول کے سامنے جھکاتے۔ آخر ایک چال چلی گئی اور سوچا گیا کہ دولت کے سہارے ہاشم کو نیچا دکھایا جائے۔ چونکہ وہاں دولت جمع نہ ہوتی تھی۔ بلکہ پبلک کی احتیاج، خانہ کعبہ کی رسومات، حج و مناسک حج، مسافروں اور غیر ملکی وفود و زائرین پر صرف ہوتی چلی جاتی تھی۔ ادھر یہودی ذہنیت تھی، سود خوری تھی۔ ہر شرابی، ہر رنگین مزاج آدمی قحطانی قریش کا مقروض تھا۔ لہذا خیال یہ آیا کہ ہاشم کے مقابلہ پر ایک دعوت کی جائے۔ اور پھر پنچایت بٹھا کر اپنی دعوت کے زیادہ شاندار ہونے پر ووٹ لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے مقروض لوگ تو ضرور ہمیں ووٹ دیں گے۔ اور یوں پالا ہمارے ہاتھ رہے گا۔ ہاشم کو شکست ہوگی اور اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ قریش شرافت و اخلاق و عزت میں ہاشم سے بڑھ کر ہیں۔ لہذا پنچایتی فیصلے سے قریش اور خانوادہ رسول میں فضیلت کا مقابلہ طے کر لیا گیا۔ مگر افسوس کہ نور کے مقابلہ میں شرک کو شکست ہوئی۔

(xviii)۔ خانوادہ رسول سے قریش کی نفرت و عداوت کا پنچایتی فیصلہ

عبدالشمس کے صاحب زادے اُمیہ نے تمام جوڑ توڑ اور اپنے خاندان اور اپنے حلقہ اثر کو آنے والی پنچایت کیلئے تیار کرنے کے بعد جو کچھ کیا وہ طبری سے سن لیں۔ اور یہ دیکھ لیں کہ یہی اُمیہ ہے جس کا پوتا ابوسفیان تھا۔ اُسی کا پوتا معاویہ تھا جس نے یزید کو جنم دیا تھا۔ طبری نے لکھا:-

(xix)۔ ”ہاشم اور اُمیہ میں منافرت“ ”جب ہاشم نے اپنی قوم کی دعوت کی تو اس پر اُمیہ بن عبدالشمس کے دل میں اُن کی طرف سے حسد پیدا ہوا۔ یہ بھی دولت مند تھا۔ اُس نے اگرچہ بڑے اہتمام سے اپنی قوم کی ویسی ہی دعوت کی مگر وہ بات نہ ہو سکتی جو ہاشم سے بن آئی۔ قریش کے بعض لوگوں نے اُس کا مضحکہ کیا۔ وہ سخت برہم ہوا اور ہاشم کا دشمن ہو گیا۔ اور (ہاشم سے) مطالبہ کیا کہ اس کے متعلق

پنچایت سے فیصلہ لیا جائے۔ ہاشم نے اپنی بزرگی اور عزت کی وجہ سے اُس بات کو بُرا سمجھا۔ مگر قریش (مخطانیوں) نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اور انہیں جوش دلا کر اس بات پر آمادہ کر دیا۔ ہاشم نے کہا میں اس شرط پر اس مقابلہ کو پنچایت کے سپرد کرتا ہوں کہ تم کو سیاہ گردن کی پچاس اونٹیاں مکہ کی تلہی میں ذبح کرنا پڑیں گی۔ اور دس سال کے لئے مکہ سے ترک سکونت کرنا پڑے گی۔ اُمیہ نے یہ شرط مان لی۔ اور اب دونوں نے کاہن الخزامی کو اپنے درمیان حکم بنایا۔ اُس نے ہاشم کے حق میں فیصلہ کیا۔ ہاشم نے اُمیہ سے اُونٹ لے کر اُن کو ذبح کیا۔ اور حاضرین کی اس سے دعوت کی۔ اُمیہ شام چلا گیا۔ دس سال وہ وہاں رہا۔ ہاشم اور اُمیہ میں عداوت کا یہ پہلا واقعہ ہے۔“

(طبری جلد اول صفحہ 37-38)

(xx)۔ طبری کے بیان کی تطہیر؛ ملک شام اور دشمنانِ خانوادہ رسول کا تعلق

اس بیان میں ہاشم کی قوم اور اُمیہ کی قوم کا الگ ذکر ہے۔ پھر قریش اُن کو بھی کہا جنہوں نے اُمیہ کا مذاق اڑایا تھا۔ اور وہ لوگ بھی قریش ہی بتائے گئے جنہوں نے حضرت ہاشم علیہ السلام کا پیچھا نہ چھوڑا۔ قارئین یقیناً اب اس قابل ہیں کہ وہ اُس لفظ قوم اور قریش کا صحیح تعین کر سکیں۔ دراصل ہر جگہ قحطانی اور دشمن گروپ از خود پہچان لیا جاتا ہے۔ حضرت ہاشم ہی نہیں بلکہ پنچایت کے فیصلوں کو اسلام نے کوئی مقام اگر دیا ہے تو وہ طاغوتی فیصلہ کا مقام ہے۔ جسکی اطاعت منع اور جس کا انکار اور کفر واجب ہے۔ علاوہ ازیں جناب ہاشم یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ اُس دشمن خاندان اور مخالف قوم کے سربراہ کو منہ لگائیں۔ اور پبلک کو یہ تاثر دیں کہ یہ دونوں خانوادے ایک دوسرے کی ضد میں نیک اعمال کرتے ہیں۔ اس لئے حضرت ہاشم اور ان کے بزرگ ہر ایسے موقع پر پیچھے ہٹ جاتے تھے جہاں خلوص اور دینی جذبہ پر ریاکاری اور ضد کا شبہ تک ہو سکتا ہو۔ یہی جذبہ تھا جس کی بنا پر کعب کی اکثر خدمات اور عہدے اُن قریشیوں نے قبضہ لئے تھے۔ لیکن قریش کے دانشور سیاستین نے یہ چاہا کہ جس طرح ہو سکے ایک دفعہ جناب ہاشم کو اُمیہ کے مقابلہ کیلئے تیار و ہموار کر لیا جائے۔ تاکہ منطقی اور سیاسی حیثیت سے یہ کہا جاسکے کہ اگر اُمیہ وہاں ہاشم دونوں برابر کے فریق نہ ہوتے تو مقابلہ کیسے ہوتا؟ دونوں فریق جانتے تھے کہ امیہ اینڈ کمپنی کو شکست فاش ہوگی۔ مگر قریش آئندہ چل کر برابری کے دعویٰ کے لالچ میں سب کچھ ہار جانے کو تیار تھے۔ یہی دن ہے کہ تاریخ میں ایک ذلیل ترین قوم و خاندان، خانوادہ رسول کا مد مقابل اور برابر کا کہلانے میں کامیاب ہوا۔ اُدھر جناب ہاشم اگر صاف انکار کر دیں تو پبلک میں یہ تاثر لیا جاتا کہ خانوادہ رسول کا اثر و رسوخ اور قدر کم ہوتی جا رہی ہے۔ اور جناب ہاشم کو معاذ اللہ یہ یقین ہے کہ ملکی و قومی معیار پر اُن کو ضرور شکست ہوگی۔ یعنی مشرک مدبرین نے یہ دودھاری تلوار جناب ہاشم کے سامنے پیش کی تھی۔ جس سے اقرار و انکار دونوں ہی صورتوں میں مشرکین قریش کی گوٹ آگے بڑھے اور خانوادہ رسول مجروح ہو۔ اور مالی نقصان اور پھر سربراہ خاندان کا دس سال تک جدا رہنے پر مجبور رہنا بعد والی نسل یعنی ابوسفیان و یزید تک کے دلوں میں خانوادہ رسول سے نفرت میں شدت اور استتلال پیدا کرے۔ اور ملک شام سے وہ محبت اور مستحکم ہو جائے جو حیرہ کی اپنی قحطانی حکومتوں کے زمانہ سے چلی آرہی تھی۔ جو برابر بنی اسماعیل کی بٹلی و غسانی حکومتوں سے برسرِ پیکار رہتی چلی آئی تھیں۔ تاکہ ملک شام میں قائم ہونے والا اسماعیلی اثر زائل کیا جائے اور اُنکے خلاف وہاں کی پبلک کو قبل از وقت تیار کر لیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک شام کی گورنری اور حکومت حاصل کرنے پر قحطانی حکومت کو آمادہ کیا گیا۔

وہ ملک شام ہی تو تھا جہاں خانوادہ رسول کی محدرات عصمت و تینوں پر مظالم کی انتہا کر دی...، لفظ شام ہی تو تھا کہ الشَّام الشَّام کہہ کر دل تڑپ اٹھتا تھا۔ وہ شام ہی تو تھا جہاں بیٹھ کر قحطانی حاکم نے مکہ کو تاراج کرنے اور کعبہ کو گولہ باری سے خاک سیاہ کر دینے کا حکم دیا تھا۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ پنچایت کا فیصلہ سب سے پہلی دشمنی تھی۔ یہ دشمنی تو ابلیس کی عمر کے برابر طویل و قدیم ہے۔ اور ہمارے اس عنوان سے اڑھائی ہزار سال پرانی ہے۔ یہ بھی غلط ہے کہ پنچایت کے حاضرین کی دعوت میں پچاس اونٹنیوں کا گوشت کھلا دیا گیا۔ اس مقدار کے لئے مکہ کی اور گرد و نواح کی پوری آبادی کی دعوت کی گئی اور سب نے مل کر مشرکین قریش کی دشمنی پر نفرین کی۔ حضرت ہاشم نے اُس مشرک سے اونٹنیوں کو اس لئے ذبح نہ کرایا کہ اُن کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام ہوتا تھا۔

(xxi)۔ خانوادہ رسولؐ کے بزرگ جناب عبدالمطلبؑ سے قریش مکہ کی دشمنی

حضرت ہاشم کے جانشین امام جناب شیبہ عرف عبدالمطلب علیہ السلام ہوئے تو مکہ میں اُن کے خاندان کے خلاف مشرکین قریش کی سازشوں اور گٹھ جوڑ کا زور تھا۔ اُدھر ظہور حضرت ختمی مرتبت کی تیاریاں تھیں۔ پوری خاندانی توجہ مبذول کرنے کی غرض سے کعبہ کے انتظام کو آہستہ آہستہ مخالفین کی طرف ہسکایا جا رہا تھا۔ چونکہ اب پھر خزاعی قسم کے قحطانی قریشی لبادہ میں کعبہ کے نظم و نسق میں دخل تھے۔ لہذا کعبہ میں وہ تمام بت واپس آگئے جو جناب قصی علیہ السلام نے بنو خزاعہ کے ساتھ مکہ سے نکال دئے تھے۔ اب جرہمی و خزاعی زور قریشی ہاتھوں میں تھا۔ اب وہ سابقہ نسق و فجور بنی اسماعیل کے نام پر کیا جا رہا تھا۔ خانوادہ اسماعیل سب طرف سے فارغ ہو کر اُس امانت خداوندی اور اُس شمرہ نبوت و رسالت و امامت کی طرف متوجہ تھا جو آ کر نہ صرف کعبہ کو بتوں اور مشرک قریش سے پاک کر دیگا بلکہ اُن قحطانیوں کو اُن کا صحیح مقام دیگا، جو اولاد حام یعنی حبشیوں کو قریش پر فضیلت دیکر اُن پر سردار و حاکم مقرر کریگا۔ جسے بادشاہ حبش سجدہ تعظیم بجا لائے گا۔ اور اسلام لانے والوں کو پناہ دیگا۔ لہذا ہاشم ہوں یا عبدالمطلب ہوں، اُنہوں نے مکہ کی حکومت و ولایت و نظم و نسق سے درپردہ اور عملی لا تعلقی اختیار کر لی تھی۔ اور قریش اس مغالطہ میں اُلجھے ہوئے تھے کہ بس اب میدان مارا اور کل ساری دنیا میں ہماری مکی حکومت چمکی۔ مگر یہ ایک خواب تھا جس کی تعبیر ذلت و خواری تھی، جہنم و رسوائی تھی۔ لیکن وہ اس خواب میں حد سے بڑھتے جا رہے تھے۔ کعبہ پر قبضہ اُن کیلئے کافی نہ تھا۔ وہ تو خانوادہ رسولؐ کو بے دست و پا اور مجبور کر کے مکہ سے اُسی طرح جلا وطن کرنے کی ٹھانے ہوئے تھے جس طرح اُنکے بزرگ جناب قصیؑ نے قریش کے قحطانی بزرگوں جرہم و خزاعہ کو مکہ سے نکالا تھا۔ اور اپنی غصب شدہ املاک و مکانات پر اپنا قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ جناب عبدالمطلبؑ کی ذاتی املاک پر یکے بعد دیگرے قبضہ کیا جا رہا تھا۔ اور دوسرے لالچی اور صاحبانِ قوت کو قبضہ کر لینے پر اُکسایا جا رہا تھا۔ اور تمام قریش مل کر ایسے لوگوں کی مدد کرتے تھے جو خانوادہ رسولؐ کی املاک و جائیداد پر قبضہ کر لیں یا لگان اور مالینہ ادا کرنے سے انکار کر دیں۔ چنانچہ علامہ طبری کے قلم سے وہ کمزور بیان سُن لیں جو قحطانی دباؤ کے باوجود جتنا مناسب ہوا لکھا گیا ہے۔

(xxii)۔ خانوادہ رسولؐ مکہ میں نہیں مدینہ میں تھا۔ یہاں تو حاکم خاندان کے چند افراد تھے

علامہ طبری اُس زمانہ کی بات کر رہے ہیں جب جناب عبدالمطلبؑ کو جناب مطلبؑ اُن کے نانا کے یہاں سے مکہ لائے۔

مدینہ سے آنے کے وقت وہ طبری کے مطابق آٹھ سال کے بچے تھے۔ لہذا اس یتیم بچے پر قریش کا ظلم سنئے:-

”مکہ آکر مطلبؑ نے اسے اس کے باپ کی املاک کی نشان دہی کی اور ان املاک کو اُن کے سپرد کر دیا۔ نوفل بن عبد مناف نے ایک کنویں کے بارے میں عبدالمطلب سے تنازعہ کیا۔ اور زبردستی اُسے غصب کر لیا۔ عبدالمطلبؑ نے اپنی (نام نہاد) قوم کے کئی آدمیوں کے پاس جا کر اُس (غاصب) کی شکایت کی اور اپنے (نام نہاد) چچا کے مقابلہ میں مدد مانگی۔ مگر اُن لوگوں نے اُس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اُس سے کہا کہ ہم تمہارے اور تمہارے (اس فرضی) چچا کے درمیان نہیں پڑتے۔ اس جواب پر عبدالمطلبؑ نے اپنی حالت اپنی تنہیال کو لکھی اور خط میں چند ایسے شعر بھی لکھے جس میں نوفل کی شکایت کی تھی۔ چنانچہ اس خط کے موصول ہونے کے بعد ابواسعدؑ ابن عدس التجاری اُسی (80) ناقہ سواروں کے ساتھ یثرب سے روانہ ہو کر رابط آیا۔ عبدالمطلبؑ کو اُس کے آنے کی اطلاع ہوئی۔ وہ اُس کے استقبال کو آئے اور انہوں نے کہا کہ ماموں صاحب قیام فرمائیے۔ ابواسعدؑ نے کہا جب تک نوفل سے میری مڈبھیڑ نہ ہو جائے گی میں فروکش نہ ہوں گا۔ عبدالمطلبؑ نے کہا میں نوفل کو قریش کی بیٹھک میں قریش کے مشائخ کے ساتھ بیٹھا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں۔ ابواسعد حجر آیا۔ نوفل کے سرہانے آکر کھڑا ہوا۔ اور اُس نے اپنی تلوار نیام سے نکال لی۔ اور پھر نوفل سے کہا کہ رب کعبہ کی قسم ہے۔ یا تو میرے بھانجے کو اُس کا کنواں واپس دیدے۔ ورنہ میں ابھی اس تلوار سے تیرا کام ختم کر دیتا ہوں۔ نوفل نے کہا رب کعبہ کی قسم ہے میں نے وہ کنواں اُسے واپس دے دیا۔ اس پر تمام حاضرین قریش کی شہادت (گواہی) ہو گئی۔ اس کے بعد ابواسعدؑ نے کہا اے میرے بھانجے اب میں تمہارا مہمان بنتا ہوں۔ تین دن اُس نے عبدالمطلبؑ کے یہاں قیام کیا۔ اور اسی اثناء میں اُس نے عمرہ (چھوٹا حج) بھی کیا۔ اس واقعہ کے بیان میں عبدالمطلبؑ نے چند شعر کہے۔ اور سمرہ بن عقیل ابو عمر و الکنانی نے بھی کچھ شعر کہے۔ اس واقعہ کا خود نوفل پر یہ اثر ہوا کہ اُس نے تمام بنی عبدالمطلبؑ سے بنی ہاشم کے خلاف ایک سمجھوتہ کر لیا۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 35-34)

(xxiii)۔ مکہ میں دشمنانِ خدا اور رسولؐ رہتے تھے۔ خانوادہ رسالت کی پوری قوت مدینہ میں تھی

قارئین کرام! سنیں کہ یہ ایسا واقعہ ہے کہ جو خطانیوں، جرمیوں اور قریشیوں کے تمام راز کھول دیتا ہے۔ دُنیا کو جس قدر فریب دیا گیا تھا وہ ہماری اس کتاب سے کھل کر سامنے آجائے گا۔ طبری صاحب جس حکومت کے زمانہ میں تاریخ لکھ رہے ہیں اس حکومت کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں لکھ سکتے۔ وہ قومی پالیسی کے خلاف بھی نہیں لکھ سکتے۔ وہ ملکی مسلمات کے خلاف لکھنے سے بھی ڈریں گے۔ وہ بھی ان مغالطوں کو حقائق سمجھتے ہیں جو مشرک نظام نے ورثہ میں دئے تھے اور جس میں شیعہ سنی تمام اہل قلم الجھے بغیر نہ رہ سکے۔ لیکن ان تمام مشکلات کے باوجود انہوں نے سب کچھ لکھ دیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ فسطوں پر لکھا، یا واقعہ کو توڑ توڑ کر اور بکھیر کر لکھا۔ لہذا آپ خود غور کریں کہ جو مورخ بلا تکلف ہر گھٹیا سے گھٹیا شعر لکھتا چلا آیا ہو، جس نے مضامین کے لگوں سگوں کے وہ شعر بھی لکھ دئے ہوں، جن میں مکہ کی تولیت اور حکومت غصب کرنے کا ذکر تھا۔ وہی مورخ یہاں عبدالمطلبؑ کے اشعار کیوں نہیں لکھتا؟ ظاہر ہے کہ اُن سے مکہ کے فرضی اور کافر بزرگوں کی پول کھلتی ہے۔ اُن میں اُن الحاقی خاندانوں کی مذمت ہوتی ہے جو بڑی ہنرمندی سے اسماعیلی اور چچا، تایا اور رشتہ دار بن بیٹھے تھے۔ اس قسم کے خمیٹ لوگوں کو اسلئے چچا مشہور کیا گیا تھا کہ بعد میں کہہ سکیں کہ فلاں چچا ایمان نہ لایا تھا۔ فلاں چچا نے یہ ظلم کیا

تھا۔ لہذا سنئے اور اس کتاب کے آغاز سے یہاں تک کے عملی دلائل سے سمجھئے کہ ابولہب جیسے چچا کافروں کو مبارک ہوں۔ اُنکا خانوادہ رسولؐ سے کوئی نسب، جسی اور سسرالی رشتہ نہیں تھا۔ یہ سب مشرکین عرب کی جعل سازی، سیاست و پروپیگنڈا ہے، یہ کافروں یا کافر زادوں کی سازش تھی۔ اگر کسی کو کافر زادہ کہلانا پسند نہیں ہے تو اُسے چاہئے کہ وہ ہمارے آقا، ہمارے جد امجد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافر زادہ کہنے والوں پر لعنت کرے ورنہ اپنی اس سعادت پر جہنم کیلئے تیار رہے۔ شریف لوگ تو اندھے کو بھی اندھا نہیں کہتے۔ مگر شرافت اور شرک کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

آپ نے دیکھا کہ اس بیان میں جس گروہ کے ساتھ نوفل نے خانوادہ رسولؐ کے خلاف معاہدہ کیا ہے وہی گروہ حقیقی قریش ہے۔ وہی قریش رسولؐ اللہ کے خاندان کے وہ ازلی دشمن ہیں جنہیں فحطانی لکھتے اور ثابت کرتے چلے آئے ہیں۔ آخر اس معاہدہ سے یہ لوگ بنی اسماعیل سے الگ ایک دشمن قوم اور بنو اسماعیل کا مخالف خاندان ثابت ہو گیا جو خانوادہ رسولؐ کے یتیموں اور بے یار و مددگار بچوں پر بھی رحم نہ کرے گا۔ فحطانی تاریخ اس معاہدہ کی تفصیلات اور شرائط کیوں لکھے؟ جب کہ ماہرین سیاسیات و مذہبیات خود سمجھ سکتے ہیں کہ (1) اگر آئندہ خانوادہ رسولؐ کی املاک یا اموال پر صاحبان معاہدہ میں سے کوئی قبضہ کرے؛ (2) یا خانوادہ رسولؐ کے کسی فرد کو قتل کرے تو جائز و ناجائز کا سوال اٹھائے بغیر قریش کے تمام خاندان اُس غاصب و قاتل کی منظم و مستحکم مدد کریں گے۔ خواہ مقابلہ مکہ کے اندر رہنے والوں سے ہو یا مدینہ کے بنی اسماعیلیوں سے ہو۔ (3) قریش حلف اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی جان و مال، دین و ایمان، اولاد و ازواج سب کو خانوادہ رسولؐ کے خلاف استعمال کرنے میں دریغ نہ کریں گے۔ یہ تھا وہ معاہدہ جو ظہور محمدؐ سے پہلے کیا گیا۔ اور جسے قریش نے ہر حال میں اور ہر زمانے میں اعلانیہ یا خفیہ برابر پورا کیا۔ ایک خلیفہ وقت جب اپنے بزرگوں کو پکار کر یاد کر رہا تھا تو اس معاہدہ والے بزرگ بھی اس کے سامنے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے تمام بزرگ جمع ہو کر وہ کچھ دیکھتے جو اُس نے اس معاہدہ کی تعمیل میں خانوادہ رسولؐ کے ساتھ کیا تھا۔ وہ اُن مشرک بزرگوں کی خوشنودی اور دعائیں اور برکتیں چاہتا تھا۔ (دیکھئے اسی کتاب کا حصہ۔ واقعات کر بلا)

بتائیے کل جو لوگ نوفل کے ساتھ ایسا معاہدہ کرنے والے تھے۔ وہ حضرت عبدالمطلبؐ کی مدد کیسے کرتے۔ بڑا خوبصورت بہانہ تھا کہ بھائی اُس سن رسیدہ شخص کو اور کچھ نہیں تو چچا سمجھ کر بات ٹال جاؤ ایک کنویں کو یا ایک باغ کو واپس لے کر کیا تیر مارو گے؟ یہاں یہ نوٹ رکھنے کی بات ہے کہ قریش خانوادہ رسولؐ کے املاک و اموال کو غصب کریں تو یہ اسی مندرجہ بالا معاہدہ کی تعمیل ہوگی اور قریش اور اُن کے ہمنوا، اگر رسولؐ اللہ کی حکومت و وراثت کے غاصبوں کے خلاف نہ اٹھیں اور ایسے مظالم پر خاموش رہیں بلکہ قریش کی مدد کریں اور خانوادہ رسولؐ کو دبانے میں کوشاں ہوں تب بھی اسی معاہدہ اور سنت پر عمل سمجھا جائے گا۔

یہاں وہ بات پھر یاد کریں کہ آنحضرتؐ اور مدینہ کے اوس و خزرج جناب نابت بن اسماعیلؓ کی اولاد سے بنی یا نابتی ہیں۔ اور اسی بنا پر جناب ہاشم علیہ السلام نے قیصر روم کی دختر سے نکاح نہ کیا تھا کہ نور محمدؐ کی کو اپنے خاندان کے ارحام طاہرہ میں منتقل کرنا تھا۔ اُسی طرح جناب عبدالمطلبؓ نے اپنے اُسی بنی خاندان میں شادی کی تھی۔ جن سے جناب عبداللہ اور ابوطالب علیہما السلام پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ سید سلیمان صاحب ندوی اوس و خزرج کے نمایاں افراد کی فہرست دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”عمرو بن خزرج بنونجار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نانہیالی لوگ ہیں۔“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 87)

یہی وہ خاندان ہیں جنہوں نے آخر کار اپنے قبیلے کے رسول کی نصرت میں سردھڑ کی بازی لگا دی اور مکہ کے قحطانی قریشیوں سے اُسی طرح ہتھیار رکھوا لئے جس طرح جناب ابواسعدؓ نے مکہ میں مسلح آ کر نوفل کو اپنی تلوار دکھائی تو تمام قریشیت اور ظلم و استبداد بھول گیا۔ اور سارے مشائخ قریش دم دبا کر چپ سادھ گئے اور صرف اُسی بطنیوں کے سامنے سر نہ اٹھا سکے۔ چنانچہ کبھی نہ بھولنے کے مکہ مکرمہ میں بنو عبدالمطلب کے سوا کوئی بھی شخص بنی اسماعیلؓ میں سے موجود نہ تھا۔ یہ سب بزدل اور کمینہ خصلت دشمن تھے۔ محض مکہ کی تولیت کی بنا پر خانوادہ رسولؐ مکہ میں رہنا چاہتا تھا۔

طبری کے اس بیان میں یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ جب جناب ابواسعدؓ نواح مکہ میں پہنچے تو جناب عبدالمطلبؓ کو اس مسلح جماعت کے پہنچنے کی اور استقبال کرنے کی اطلاع کیسے ہوئی؟ اور باقی مکہ کے کسی باشندہ کو اس مسلح جماعت کے پہنچنے اور بیرون مکہ انتظار کرنے کی اطلاع کیوں نہ ہوئی؟ اس سے خانوادہ رسولؐ کی عسکری بصیرت کا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں وہ بات بھی یاد کیجئے کہ جناب قصیؓ نے بھی اپنے ہم نسب قبیلہ بنی قضاہ کو اپنی نصرت کیلئے بلایا تھا اور اُس زمانہ میں بھی قحطانی قریش مکہ میں جمے ہوئے تھے اور کچھ فرضی بھائی اور چچا بھی وہاں موجود بتائے جاتے تھے۔ یعنی خانوادہ رسولؐ کے چچا اور بھائی وہ لوگ بننے کی کوشش کیا کرتے ہیں جو اس خاندان سے زیادہ موثر طریقہ پر انتقام کی اسکیم بناتے ہیں۔ پھر طبری یہ تذکرہ بھی مناسب نہیں سمجھتے کہ جب نوفل نے ہاتھ جوڑ کر قریش کی گواہی لکھوا کر کنواں واپس کر دیا تو کیا ابواسعدؓ اکیلا جناب عبدالمطلبؓ کا مہمان ہوا تھا۔ اور باقی اُسی سواروں کو بھوکا پیاسا واپس چلتا کر دیا تھا۔ یہاں یہ سمجھنے کی بات ہے کہ جناب عبدالمطلبؓ کے پاس پوری فوج کوٹھرانے اور اُن کیلئے طعام اور گھوڑوں اور ناقوں کیلئے چارہ کا باقاعدہ انتظام تھا۔ اس موقع پر عبدالمطلبؓ کی جگہ کوئی قریشی ہوتا تو حجرہ (بیٹھک) میں موجود تمام لوگوں کو معہ نوفل اینڈ کمپنی کے قتل کروادیتا۔ اور اُن کے گھر بار لوٹ لیتا۔ مگر یہ تو وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ کے بزرگ ہیں۔ جن سے خود بادشاہ دو عالم کو مکرم اخلاق و رحم و کرم ورثہ میں ملنے والا تھا۔ یہ کیسے دشمن کو قتل کر دیتے۔ یہ تو قاتل کو شربت پلایا کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ مکہ آ کر یہ چھوٹی سی فوج محض تفریح نہیں کرتی بلکہ عمرہ بجالاتی ہے۔ اور اُسی کے رعب سے نوفل بجائے بتوں کے، رب کعبہ کی جوابی قسم کھاتا ہے۔ تاکہ حضرت ابواسعدؓ کے غصے کو ٹھنڈا کر سکے اور اپنی جان کھچی ہوئی تلوار سے بچا سکے۔ پھر یہ کتنی شاندار بات ہے کہ جب تک اپنے سفر کی غرض پوری نہ کر دی، مظلوم کو ظالم سے اس کا حق نہ دلایا، مہمانی قبول نہ کی۔ یہ ہیں وہ پہلو جو طبری اور دیگر مؤرخین نے آنیوالے اہل قلم کیلئے چھوڑ دیئے تھے۔

(xxiv)۔ خانوادہ رسولؐ کی املاک غصب کرنے کی دوسری صورت

قریشی شیخ نوفل کے متعلق صرف ایک کنواں غصب کرنے کا ذکر کیا گیا تھا لیکن حقیقت صرف اسی قدر نہ تھی۔ خانوادہ رسولؐ کی املاک کے ساتھ وہی کچھ کیا جاتا رہا جو ہم نے عنوان (xxi) میں لکھا ہے۔ مگر چونکہ دشمنانِ خدا و رسولؐ صورت و شکل اور نام والقباب بدل کر برابر باقی رہے۔ تاریخ اور مؤرخین پر اُن کا قبضہ رہا۔ اس لئے اُن کے مظالم اور جرائم کا ہم تک پہنچ جانا خداوندِ قدیر کا معجزہ اور خانوادہ رسولؐ کا زبردست انتظام ہے۔ بہر حال ایک کنویں کے بجائے چند تالابوں اور چند بڑے کنوؤں کا دبا بیٹھنا ایک دوسری روایت سے

ملاحظہ فرمائیں۔ طبری لکھتے ہیں:-

”واقعہ یہ ہوا تھا کہ نوفل بن عبد مناف نے عبد المطلب کے کچھ جوڑ (تالاب) زبردستی لے لئے۔ عبد المطلب کی ماں سلمیٰ بنت عمرو النجار قبیلہ خزرج کی تھیں۔ عبد المطلب نے نوفل سے انصاف کی درخواست کی مگر نوفل نہ مانا۔ عبد المطلب نے اپنے ماموؤں سے شکایت کی اور اُن سے مدد مانگی۔ اُسی (80) شترسوار بیڑب سے مکہ آئے اور انہوں نے اپنے اونٹ کعبہ کے صحن میں لا کر بٹھائے۔ نوفل نے جب اُنکو دیکھا تو اُسکے دل میں اُنکی جانب سے شبہ پیدا ہوا۔ اُس نے سلام کیا۔ انہوں نے کہا کہ تم جب تک ہمارے بھانجے کا حق واپس نہ دو گے ہم تمہارے سلام کا جواب نہیں دیتے۔ اُس نے کہا کہ میں آپ لوگوں کی تعظیم و تکریم کے خیال سے ایسا کئے دیتا ہوں۔ اور اُس نے وہ باؤ لیاں عبد المطلب کو واپس کر دیں۔ اس تصفیہ کے بعد وہ لوگ اپنے گھر چلے گئے۔“ (طبری جلد اول صفحہ 35-36)

(xxv)۔ خاندانِ رسولؐ کے ساتھ قریش نے کبھی عدل و انصاف روا نہیں رکھا

یہاں یہ معلوم ہو گیا کہ جناب عبد المطلب نے نہ صرف قریش کے باقی لوگوں سے حق و انصاف کی اپیل کی تھی۔ بلکہ یہ اپیل اُس وقت کی تھی جب نوفل نے انصاف کرنے اور مقبوضات واپس کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور جب کوئی اصلاحی راستہ اور طریقہ نہ رہا تب اپنے خاندان سے مدد طلب کی تھی کہ مدینہ میں ظلم و تعدی سے بچنے والے لوگ رہتے تھے۔ یہی تو رسول اللہؐ نے اپنے زمانہ میں کیا تھا۔ جب قریش کسی طرح حق اور انصاف پر آمادہ نہ ہوئے تو حضورؐ نے مدینہ سے اپنے خاندان کی مدد طلب کی تھی۔ اور قریش جانتے تھے کہ اگر محمدؐ اپنے اہل خاندان تک جا پہنچا تو پھر مکہ کے مشرک قریش کی خیریت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے انہوں نے آپؐ کو قتل کر ڈالنے کی اسکیم بنائی تھی لیکن وہ ناکام رہے۔ ناکام صرف قتل میں رہے۔ اور اس ناکامی کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ حضرت ختمی مرتبتؐ نے ایک نگران دوست کو اپنے ساتھ چپکا لیا۔

اس تازہ بیان میں جو بات زیادہ غور طلب ہے وہ نوفل کا ڈر کر سلام کرنا۔ یعنی اس کے دل میں چور تھا۔ مگر وہ کافر سیاسی بصیرت کا ثبوت دیتا ہے۔ یعنی اگر یہ مسلح لوگ خود اُس کے خلاف ہتھیار بند ہو کر آئے ہیں تو یقیناً یہ سلام کا جواب نہ دیں گے۔ لہذا اُس نے صرف ایک عدد منافقانہ سلام کر کے مخالف گروہ کے دل کا حال معلوم کر لیا۔ اسکے بعد وہی ہوا جو آپؐ نے پڑھ لیا ہے۔ دوسری چیز یہاں یہ حقیقت ہے کہ کفار و منافقین اور دشمنانِ رسولؐ وہ تمام عادات و خصلتیں جانتے تھے جو اسلام کے پابند لوگوں میں پیدا ہونا ضروری تھیں۔ اور اُن کی دشمنانہ کاروائیوں کی کامیابی کا راز یہی عادات اور خصلتیں تھیں۔ یعنی یہ لوگ اپنے ہر اقدام کا رد عمل پہلے سے جان لیتے تھے۔ انہیں برابر صدیوں سے اُس مستقل اُسوۂ حسنہ کا تجربہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اہل اسلام اُس اسوہ کے خلاف نہیں کر سکتے۔ لہذا یہ کفار اپنے منصوبوں میں اس اسلامی رد عمل کو مد نظر رکھتے۔ اور اُدھر سے وہی قدیم سلوک ہوتا۔ یہ دوسرا اقدام کارِ عمل پہلے سے معلوم شدہ رد عمل ہوتا۔ یوں یہ اپنے مظالم اور قتل و نہب میں کامیاب ہوتے چلے جاتے تھے۔ یہاں بھی نوفل کو یقین تھا کہ اگر اُس کے منافقانہ سلام کے جواب میں اُس مشکوک، خطرناک اور مسلح گروہ نے وعلیکم السلام (اور تم پر بھی سلامتی ہو) کہہ دیا ہوتا تو پھر اُن کی تلواریں اُس کے خلاف نہ اٹھیں گی۔ وہی ہوا کہ مخاطب گروہ نے سلام کا جواب نہ دیا اور چونکہ فریقین ایک دوسرے کو پہچانتے تھے اس لئے اپنا مقصد بلا تہمید بیان کر دیا۔ اور نوفل

کے پاس سوائے سر جھکانے کے اور کوئی سہارا نہ تھا۔ اُس ملعون کا فر کا یہ قول نوٹ کرنے اور آخری فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ شخص ہرگز خانوادہ رسول کا فرد نہیں ہے۔ ورنہ یہ نہ کہتا کہ اس پر خانوادہ رسول کے اُن افراد کی تعظیم و تکریم واجب ہے۔ جن کو کبھی بھی کسی بزرگی سے منسوب نہ کیا گیا تھا۔ بلکہ اہل مکہ انہیں قحطانی بناتے اور بتاتے چلے آئے تھے۔

اس روایت میں ایسے قرائن موجود ہیں جن سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سابقہ کنویں پر قبضہ کا قصہ اس واقعہ کے بعد کا ہے۔ اس لئے کہ اُس میں پہلے نمبر پر بات چیت اور مصالحت کی جگہ پہلے تلوار کھینچ لی گئی تھی۔ تاکہ یہ ظالمانہ قبضہ کرتے رہنے والا گروہ مسلح مدافعت کا یقین کر لے اور آئندہ ایسا نہ کرے۔ بہر حال یہ تو ثابت ہو گیا کہ محمدؐ و آل محمدؐ کی املاک، جائیداد اور مقبوضات کو غصب کرنا نئی بات نہ تھی۔ بلکہ عرب کے قحطانی قریش کی یہ پرانی سنت تھی۔

اس بیان میں ایک لفظ ”باولیاں“ بھی آیا ہے۔ نئی نسل کے جوان اس کے معنی نہیں جانتے۔ لہذا ایسا کنواں جس میں دیوار کے ساتھ ساتھ سیڑھیاں بنادی جاتی ہیں۔ تاکہ پانی بھرنے والے لوگ اندر جا کر اپنا برتن پانی میں ڈبو کر بھر لیں اور اوپر چلے آئیں باولی کہلاتا ہے۔ ایسے بہت سے کنویں تھے جن پر نوفل اور اُس کے ٹولے والے لوگوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اُن کو باولیاں کہا گیا ہے۔ باولایا باولی پاگل کو کہتے ہیں۔ ایک نیا آدمی جب اُن سیڑھیوں پر گھومتا ہوا اور گہرائی پر نظر جمائے اترتا ہے تو واقعی اُس کی دماغی کیفیت چکروں میں الجھ جاتی ہے۔ اور نیچے پہنچتے پہنچتے وہ پاگل سا ہو جاتا ہے۔ ہم نے ایسی باولیاں سب سے پہلے حیدر آباد دکن میں دیکھی تھیں۔

(xxvi)۔ قریش کے جارحانہ معاہدہ کے جواب میں عبدالمطلبؑ نے بھی دفاع کیا

نوفل اور بنو عبد الشمس یعنی یزیدی خاندان نے جب خاندان رسولؐ کے خلاف معاہدہ کر لیا تو جناب عبدالمطلبؑ علیہ السلام نے ایسے لوگ تلاش کئے جو ضرورت پڑنے پر فوری مدد کا دباؤ ڈال سکیں۔ یعنی قریش یہ نہ سمجھ لیں کہ جب تک رسول اللہؐ کا مدنی خانوادہ مدد کے لئے پہنچے گا ہم جو چاہیں گے کر لیں گے۔ لہذا ظاہر ہے کہ قریش کے خلاف جو لوگ جھوٹ موٹ کو بھی مدد کا وعدہ کر لیں وہ قریش کے مخالف ہی ہو سکتے ہیں۔ جناب طبری اپنی مجبوریوں کے سایہ میں یوں رقم طراز ہیں کہ:-

”اس واقعہ سے عبدالمطلبؑ کے دل میں اپنی مدد کے لئے دوسروں کو حلیف بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ اُس نے بسر بن عمرو، ورقہ بن فلاں اور بنو خزاعہ کے بعض دوسرے اشخاص کو معاہدہ کے لئے دعوت دی۔ یہ سب کعبہ میں آئے اور یہاں انہوں نے ایک معاہدہ لکھ لیا۔“ (طبری۔ صفحہ 36 جلد اول)۔ اس سے پہلے صفحہ پر لکھا تھا کہ:-

”زیاد بن علفاء النعلمی نے جس نے جاہلیت کا زمانہ پایا تھا۔ یہ بات کہی ہے کہ اُس معاہدے کی وجہ سے جو اُس واقعہ کے بعد جو بنی ہاشم اور خزاعہ میں چلا آتا تھا۔ رسول اللہ صلم نے مکہ فتح کیا تو اُسی وجہ سے رسول اللہ نے بنو کعب کی مدد فرمائی تھی۔“ (طبری جلد اول صفحہ 35) ان دونوں بیانات سے جس قدر ہمارا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ جناب عبدالمطلبؑ نے قریش کے مستبدانہ گٹھ جوڑ سے بچنے اور فوری مدد لینے کیلئے جن لوگوں سے معاہدہ کیا ہو اُن کو قریش کا مخالف اور انصاف دوست سمجھنا پڑے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اُن لوگوں میں سے کوئی شخص یا اشخاص بطور سیاسی حفظ ماقدم کے لئے قریش نے بھی شامل کر دیئے ہوں۔ دوسری چیز یہ کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اُن تمام اقدامات اور معاہدات کے ذمہ دار تھے جو اُن کے بزرگوں، عبدالمطلبؐ وغیرہم، نے کبھی بھی کئے ہوں۔
یہی مقام ہے جہاں طبری کی اس تحریر کو یاد کرنا چاہئے جہاں جناب عبدالمطلبؐ علیہ السلام زمزم کی کھدائی کے سلسلہ میں اور پھر بعد کے ظلم و غصب سے تنگ آ کر اور مکہ میں اپنا کوئی مددگار نہ پا کر خدا سے دعا کرتے ہیں اور نذر مانتے ہیں۔ طبری کا بیان ملاحظہ ہو:-
”جب عبدالمطلبؐ کا زمزم کے کھودنے کے وقت قریش سے جھگڑا ہوا۔ اور عبدالمطلبؐ کو دہنا پڑا تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر اُن کے دس بیٹے پیدا ہوئے اور وہ اُن کی زندگی میں سن بلوغ کو پہنچ کر اُن کی حمایت کے قابل ہو گئے تو وہ اُن میں سے ایک کو کعبہ میں اللہ کے لئے قربان کر دیں گے۔ چنانچہ جب اُن کے دس بیٹے ہو گئے اور اُن کو اطمینان ہو گیا کہ وہ اب اُن کی حمایت اور مدافعت کریں گے تو انہوں نے اُن بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی منت سے اُن کو اطلاع دی۔ اور کہا کہ تم میری اس نذر کو پورا کرو۔ انہوں نے باپ کی خواہش کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔“ (طبری جلد اول صفحہ 26)

یہاں دو باتیں خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہیں۔ اول یہ کہ اس منت یا نذر کو خدا نے منظور کیا تھا۔ لہذا عبدالمطلبؐ کے بیٹوں میں سے کسی بیٹے کو ہرگز خدا کا دیا ہوا بیٹا نہ سمجھا جائے گا اگر اس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ عبدالمطلبؐ کی حمایت اور مدد کے بجائے قریش کی مدد اور طرفداری کرتا تھا۔ اس لئے کہ یہ نذر ایسے بیٹوں کے لئے مانی گئی ہے جو ہمیشہ ہر حال میں قریش کے خلاف عبدالمطلبؐ اور اُن کے مقاصد پر جان لڑا دیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب نابت بن اسماعیلؑ کی حکومت کو غصب کرنے کیلئے دکھانا ضروری تھا کہ جناب اسماعیلؑ کی اولاد بہت نہ تھی تو یہ لکھا تھا کہ:-

”اور چونکہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد زیادہ نہ تھی اس لئے جبرہم نے کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا تھا۔“ (صفحہ 65 جلد اول طبری)
یعنی جس کی اولاد میں بارہ بیٹے تھے (توریت تکوین باب 25 آیت 12 تا 16) اُس اولاد سے حکومت غصب کرنے کیلئے بہت کم اولاد بتا دی گئی۔ اور جب حکومت کو غصب کرنے کی ضرورت پڑی تو عبدالمطلبؐ کے دس بیٹے گھڑ کر تیار کر دیئے گئے۔ اسی قسم کی ضرورتیں سامنے تھیں کہ خانوادہ رسولؐ میں الحاق جاری کیا اور بعد کے چھ سات بزرگوں کی اولاد میں دو دو چار چار مطلب کے ناموں کا اضافہ کیا۔ جو بعد والوں نے قبول کیا، شہرت دی، قصہ گھرے اور یوں بنی اسماعیلؑ بن گئے۔ دیہاتی کہتے ہیں کہ:-

پہلے تھے ہم دُھنے جُلاھے پھر ہو گئے تھے درزی اُلٹ پلٹ کے ہو گئے سیّد دیکھو رب کی مرضی
بہر حال حق کو دبایا اور چھپایا تو جاسکتا ہے۔ مگر اُس کا مٹا دینا ناممکن ہے۔ چنانچہ صدیوں تک اس قحطانی فریب نے صورت حال کو بدلے رکھا۔ اور اس میں اپنے پرائے سب شعوری یا لاشعوری حیثیت سے اس پروپیگنڈے میں شریک رہتے اور مددگار بننے چلے آئے ہیں۔ مگر ہماری تحریر و تصنیف میں چالیس سال سے مشرکین عرب کے منصوبے بیان ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمیں یہ خیال رہا ہے کہ قحطانی تصورات کی کثرت اجتماعی قوت سے ہماری تصانیف کو ضبط کرنے یا بلیک آؤٹ کرنے کی کوشش کرے تو ناکام ہو جائے۔ اسلئے ہم ہر تحریر کی نقلیں جگہ جگہ محفوظ ہاتھوں میں پہنچانے کا نظام چلاتے آئے ہیں۔ چنانچہ یہ تصنیف بھی ایسی جگہ محفوظ ہوتی جا رہی ہے۔ جہاں طاغوتی ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ اگر ایک کا پی ضبط ہو جائے تو تمام ممالک سے کئی کا پیاں سر اٹھا کر سامنے آ کھڑی ہوگی اور پھر بات عالمی (International)

سطح پر جانچے گی۔ اور ظالم و ظلم و استبداد پر چاروں طرف سے نفرین و ملامت ہوگی اور شہرہ بلند ہوگا۔ لہذا عقل مندی اور اسلامی طریقہ یہی ہے کہ حق کو دبانے کی کوشش نہ کی جائے۔ بلکہ حق کو قبول کیا جائے اور اُس کی مدد کر کے مستحق نجات قرار دیا جائے۔ اہل ایمان، ایمان کا ساتھ دیتے ہیں اور کافر و نفاق کے مددگار ہوتے ہیں۔ رسول اللہ پر ایمان لانے والے ہرگز نہیں چاہتے کہ اُنکے رسول کو کوئی کافر (معاذ اللہ) کافر زادہ کہے، کوئی انہیں خطا کار و گناہ گار ٹھہرائے۔ ہم خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بیان کرتے ہیں۔ اور اُن کے خلاف محاذ کی پول کھولتے ہیں۔ یہ اگر جرم ہے؟ تو ہم اس جرم کو جاری رکھیں گے اور کسی قیمت پر اس جرم سے باز نہ آئیں گے۔ اگر ہمیں مار دیا جائے تو کم از کم بہتر (72) ایسے افراد تیار ہیں جو ہمارے نظام سے کما حقہ واقف اور ہمارے رفقاء کار ہیں۔ جنہیں اس نظام کی سربراہی کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ جن میں تین ایسے افراد ہیں جو قابلیت میں ہم سے بھی آگے نکل چکے ہیں۔ وہ ہمارے بعد فوراً اسی جگہ سے کام شروع کر دیں گے جہاں ہم ختم کریں گے۔ لہذا فحطانی محاذ ابلیس کی طرح مایوس ہو جائے کہ یہاں اس کا تسلط نہیں پہنچتا۔

(xxvii)۔ عبدالمطلب اور قریش کی دشمنی نجاشی بادشاہ تک پہنچی

آپ نے پڑھا ہوگا کہ جب قریش نے اسلام لانے والوں کو ایذا دینا شروع کی اور پانی سر سے اونچا ہو گیا تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو ملک حبشہ بھیجنا شروع کیا تھا۔ اور آپ نے جناب جعفر بن ابی طالبؓ کو اُن کا نمائندہ بنا کر بادشاہ حبش کو پیغام بھیجا تھا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کا انتظار کرنے والوں میں سے نجاشی بادشاہ بھی تھا۔ جس سے مسلسل خانوادہ رسولؐ کے تعلقات چلے آ رہے تھے۔ قریش نے اُس تجارت کے کاروبار میں بھی دخل دینا چاہا جو بیرونی ممالک سے حضرت ہاشم علیہ السلام کے ویزا کے مطابق ہوتی تھی۔ اُس نزاعی مسئلہ سے نجاشی بادشاہ کو بھی اطلاع ہوئی۔ لیکن وہ اُس غیر ملکی نزاع میں دخل نہ ہو سکتا تھا۔ صرف اپنے ملک کے اندر روک تھام کر سکتا تھا۔ جناب طبری کو جو کچھ معلوم ہوا وہ سنئے:-

”یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عبدالمطلبؐ اور حرب بن اُمیہ نے اپنے تعلقات کے تصفیہ کیلئے نجاشی الحبشی (بادشاہ)

سے کہا مگر اُس نے دخل دینے سے انکار کر دیا۔“ (طبری جلد اول صفحہ 38)

اس کے بعد طبری نے جس نزاع کا ذکر کیا ہے وہ ہم ابھی لکھتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت ہاشمؓ کے ساتھ اُمیہ نے محاذ بنائے رکھا۔ اور پچائنتی فیصلہ سے دس سال کے لئے ملک شام میں جلاوطن ہوا۔ اُس کے سعادت مند بیٹے حرب نے جناب ہاشمؓ کے بیٹے عبدالمطلبؐ سے محاذ آرائی جاری رکھی۔ حضرت عبد اللہؓ، جناب عبدالمطلبؐ کی حیات میں انتقال فرما گئے۔ اُن کے بعد حرب کا بیٹا ابوسفیان رسول اللہ کے ساتھ زندگی بھر برسرِ پیکار رہا۔ رسول اللہ کے بعد جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے ساتھ ابوسفیان کا بیٹا معاویہ تلوار بکف ستیزہ کار رہا۔ اور پھر آتے ہیں معاویہ کے جانشین خلیفۃ المسلمین یزید جنہوں نے مرکز انسانیت سے مقابلہ کیا۔ ہم نے خانوادہ رسولؐ سے دشمنی کا یہ عنوان اس لئے الگ سے قائم کیا تھا کہ رسولؐ اور ان کے خاندان سے دشمنی اور عداوت و انتقام کی ایک سوچی سمجھی مسلسل داستان سامنے آجائے۔ تاکہ یہ مغالطہ رفع ہو جائے کہ آنحضرتؐ اور اُن کے خاندان کے ساتھ یہ تمام مظالم اتفاقی اور ناگہانی اور بلا کسی مخصوص پروگرام کے پیش آ گئے تھے۔ لہذا جو حضرات اس کتاب کو عموماً اور اس عنوان کو خصوصاً تلاش حق کے لئے پڑھیں وہ اقبال کے

اس شعر کی لفظ بلفظ اور مسلسل اور بلا انقطاع تصدیق کریں گے کہ: ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفویٰ سے شرِ بولہبی یہ معاملہ فَلْتَنَةً (اتفاقی و ناگہانی) نہیں ہے۔ اُسکے پس پشت عرب کے بہترین سیاسی دماغ و دانش ہے۔ بڑے بڑے نابغہ اور ذُھاة العرب اُس ابلسی منصوبے میں شریک و ہم آہنگ رہتے چلے آئے ہیں۔ البتہ نام، لیل اور القاب و مذاہب و مکاتیب فکر بدلتے آئے ہیں تاکہ ہر زمانہ میں زیادہ موثر مخالفت کی جاسکے۔ یہ کفر و نفاق و ایمان و اسلام ایسے الفاظ ایسے سیاسی نعرے ہیں جو مختلف ادوار میں اُمت کو مصروف رکھنے کیلئے ماہرینِ نظامِ اجتہاد بباغ و بانگ بلند مارتے چلے آئے ہیں۔ جب ضرورت ہوئی ایمان کا اعلان کیا، جب مفید ہوا منافق بن گئے۔ اب وہ جھگڑا سامنے لاتے ہیں جو طبری تک مشہور کر کے پہنچایا اور اُن سے لکھوایا گیا تھا۔

(xxviii)۔ جناب عبدالمطلبؑ اور حرب بن اُمیہ اور حضرت عمرؓ کے دادا

یہاں آپ یہ دیکھیں گے کہ خلیفہ دوم کے بزرگوں کی نظر میں خانوادہ رسولؐ کے بزرگوں کا کیا مقام تھا۔ اور یہ کہ قریش اُن کے مقابلہ میں کیسے لوگوں کی اولاد تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ:-

”اُن دونوں نے نفیل بن عبد العزیٰ کو بیچ بنایا۔ اُس نے حرب بن اُمیہ سے کہا کہ اے ابو عمرو تم اُس شخص سے تنافر (نفرت) اور تازع کرتے ہو۔ جو تم سے قد میں بڑا ہے۔ اُس کا سر تمہارے سر سے بڑا ہے۔ تم سے زیادہ وجیہ (خوبصورت) ہے۔ جسکی اولاد تم سے زیادہ ہے۔ جو تم سے زیادہ سخی ہے۔ اور زیادہ طاقتور ہے۔ یہ کہہ کر اُس نے عبدالمطلبؑ کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ حرب نے کہا یہ بھی شومی وقت ہے کہ ہم نے تجھے حکم بنایا۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 38)

حرب کا مطلب یہ تھا کہ یہ ایسا وقت ہے کہ جنہیں دوست سمجھتا ہوں وہ بھی ساتھ نہیں دیتے۔ بتائیے اس قسم کے جھگڑے کا بادشاہ جس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اور وہ اس خاندانی عزت و ذلت کا فیصلہ کر بھی دے تو قابل قبول کیسے ہو سکتا ہے۔ بہر حال وہ جھگڑا بین المملکتی تھا۔ مگر قطانی تاریخ نے غائب کر دیا ہے۔

(xxix)۔ حضرت عبدالمطلبؑ اور خانوادہ رسولؐ کا یہود و نصاریٰ سے سلوک

یہ چیز بار بار سامنے آچکی ہے کہ خانوادہ رسولؐ اور نبوت کی اسرائیلی شاخ ہمیشہ ایک دوسرے کے مُد و مددگار رہے۔ یہود و نصاریٰ سے ہمیشہ دوستی رہی۔ اس کا ایک ثبوت اُس ظلم و قتل و غارت کے ہنگامہ میں ملاحظہ ہو جو قریش کی طینت میں پڑا تھا۔ جس کی وجہ سے قریش قریشی مشہور ہوئے تھے۔ یعنی وہ شکاری، بحری جانور جو تمام سمندری جانوروں سے بڑا ہوتا ہے۔ جو چھنٹے اُسے چٹ کر جاتا ہے سننے:- علامہ ابن اثیر جزری نے مندرجہ بالا واقعہ یعنی عزت و ذلت کے مقابلہ کی وجہ یہ بتائی ہے کہ:-

وكان لعبد المطلب جار يهودي يقال له اذينة يتاجر و له مال كثير فغاض ذلك حرب بن اُميّه، وكان نديم عبد المطلب فاغرى به فتياؤا من قریش ليقتلوه و ياخذوا ماله؛ فقتله عامر بن عبد مناف بن عبد الدار و صخر بن عمرو بن كعب التيمي جدّ ابى بكر رضى الله عنه - فلم يعرف عبد المطلب قاتله فلم يزل يبحث حتى عرفهما - و اذا هما قد استجارا بحرب بن اُميّه ، فأتى حرباً و لامة و طلبهما منه فاخفاهما فتغالطا في القول حتى تنا فرا إلى النجاشي ملك الحبشة - فلم يدخل بينهما ؛

فجعل بينهما نفيل بن عبدالعزيز العدوي جد عمر بن الخطاب - فقال لحرب: يا ابا عمرو (يعني اے حرب) اُتافر رجلاً هو اطول منك قامه، و اوسم و سامة واعظم منك حامة و اقل منك ملامه، و اكثر منك ولدًا و اجزل منك صفداً و اطول منك مدداً؟ و اني لا قول هذا و انك لبعيدا الغضب - رفيع الصوت في العرب، جلد الميريرة لحبل العشيرة - و لكُنْكَ نافت منفرًا - فغضب حرب وقال: من انتكاس الزمان ان جعلت حكماً - فترك عبدالمطلب منادمة حرب، و نادى عبد الله بن جدعان التيمي و اخذ من حرب مائة ناقة - فدفعها الى ابن عم اليهودي، و ارتجع ماله الاشياء هلك فغرمه من ماله -“ (تاريخ كامل مطبوع مصر جلد دوم)

حضرت عبدالمطلبؑ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام اذینہ لیا جاتا تھا۔ وہ تجارت کرتا تھا۔ جس سے بہت دولت مند ہو گیا تھا۔ یہ بات حرب بن امیہ کو بہت گراں گزرتی تھی۔ اُسے غیظ آ گیا۔ یہ حرب بن امیہ حضرت عبدالمطلبؑ کا مصاحب بھی تھا۔ اُس نے قریش کے کچھ جوانوں کو بھڑکایا کہ اُس یہودی کو قتل کر دیں اور اس کا مال لوٹ لیں۔ لہذا عامر بن عبد مناف بن عبد الدار اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جد بزرگوار صخر بن عمرو بن کعبت تیمی نے مل کر اس یہودی کو قتل کر ڈالا۔ حضرت عبدالمطلبؑ کو جب رپورٹ ہوئی تو انہوں نے اس کی تفتیش شروع کی۔ مگر ان کو قاتلوں کا پتہ نہ چلا۔ لیکن وہ برابر تحقیق حال کرتے رہے۔ یہاں تک کہ قاتل شناخت کر لئے گئے۔ مگر وہ دونوں قاتل حرب بن امیہ کی پناہ میں تھے۔ عبدالمطلبؑ حرب کے پاس آئے قاتلوں اور لیروں کو پناہ دینے پر اُسے ملامت کی اور قاتلوں کو طلب کیا۔ لیکن اُس نے حوالہ کرنے کے بجائے ان دونوں کو چھپا دیا۔ اس پر عبدالمطلبؑ اور حرب بن امیہ میں سخت کلامی ہوئی اور ایک دوسرے کی مذمت کی گئی۔ جب بات طے نہ ہوئی تو منافرت کی حد کو بات پہنچ گئی۔ اور حبش کے بادشاہ سے فیصلے کے لئے کہا گیا مگر اس نے دونوں کے درمیان دخل نہ دیا۔ چنانچہ اس کے بعد جناب عمر رضی اللہ عنہ کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ عدوی کو ثالث بنایا گیا۔ اُس نے حرب سے کہا کہ تم ایسے شخص سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو جو تم سے قد و قامت میں بڑا ہے۔ اور خوبصورتی میں تم پر فوقیت رکھتا ہے۔ جس کا سرمہ سے بڑا ہے اور تم سے برائی میں کم ہیں۔ جن کی اولاد تم سے زیادہ ہے۔ اور جن کی سخاوت تم سے زیادہ ہے۔ میں یہ سب اقرار کر رہا ہوں اور جانتا ہوں کہ تم غیظ و غضب سے دور ہو۔ عرب میں اپنی قوم کی طرفداری میں مشہور اور اُن کی مدد کی باگ ڈور ہو۔ تمہاری آواز بہت دور تک پہنچتی ہے۔ لیکن جس سے تم نے مقابلہ اور مغاخرت کا مقابلہ کرنا چاہا ہے وہ تم سے بہت رفیع المنزلت ہے۔ یہ فیصلہ سن کر حرب بن امیہ غصے سے بے چین ہو گیا اور بولا کہ یہ بھی اس منحوس زمانہ کا انقلاب ہی ہے کہ تم ایسا شخص بھی ایسے معاملہ میں پہنچ بنا لینا پڑا ہے۔ اس کے بعد عبدالمطلبؑ نے حرب بن امیہ کو نکال دیا۔ اور اُس کی جگہ عبد اللہ بن جدعان کو اپنا مصاحب بنادیا۔ نیز حرب بن امیہ سے تاوان میں ایک سو اونٹنیاں وصول کیں اور اُن سب کو اس مقتول یہودی کے چچا زاد بھائی کے حوالہ کر دیا۔ اور اُس یہودی کا لوٹا ہوا مال بھی واپس کرایا۔ البتہ چند چیزیں نہ مل سکیں۔ عبدالمطلبؑ نے ان کی قیمت بھی اپنے مال سے ادا کر دی۔“

اسی واقعہ کو مختصر اُعلامہ حلبی نے یوں لکھا ہے:- فلما علم عبدالمطلب ذلك ترك منادمة حرب ولم يفارقه حتى اخذ منه

مائة ناقة دفعها لابن عم اليهودي حفظا لجواره (سيرة حلبية جلد اول صفحہ 4)

اور جب حضرت عبدالمطلبؑ کو یہ علم ہوا تو انہوں نے حرب بن امیہ کو اپنی ندیمی سے الگ کر دیا۔ اور اُسے نہ چھوڑا جب

تک اس سے تاوان میں ایک سواونٹیاں لے کر اس یہودی کے چچا زاد بھائی کو نہ دلوادیں۔ یہ پڑوس کا لحاظ تھا۔
ان واقعات پر کسی خاص تنقید کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلئے کہ ہر بات واضح ہے اور قریش کی سنت و خصلت کے عین مطابق ہے۔ دیکھنا
صرف اس قدر ہے کہ یہودیوں کو ان لوگوں سے کیوں دشمنی تھی اور خانوادہ رسولؐ سے کیوں محبت تھی۔

(xxx)۔ خانوادہ رسولؐ کے مرتبہ اور حالات کو چھپانے کی سازش پکڑی گئی

یہاں قارئین کو یہ دکھانا ہے کہ قریش یہ نہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ اور مدینہ کے اس و خزر ج قبائل کو ایک خاندان سمجھا جائے اور
اس واقعہ کو غائب کر جانا چاہتے تھے کہ جناب عبدالمطلبؑ نے قریش کے خلاف مدینہ سے اپنے خاندان کی مدد بلا کر نوفل سے اپنی جائیداد
واپس لی تھی۔ طبری لکھتے ہیں کہ:-

”محمد بن ابی بکر کہتا ہے کہ میں نے یہ قصہ موسیٰ بن عیسیٰ سے بیان کیا تو وہ کہنے لگا کہ ہاں چونکہ اللہ نے ہمیں دولت و امارت عطا فرمائی
ہے۔ اس لئے ہمارے ہاں تقرب جتانے کے لئے انصار یہ قصہ بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ عبدالمطلبؑ اپنی قوم میں اس قدر معزز تھے کہ
انکو قطعی اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ بنو نجار مدینہ سے ان کی حمایت کے لئے آتے۔ میں نے کہا کہ جناب والا اہل مدینہ کی نصرت کی اُس
شخص کو بھی ضرورت ہوئی۔ جو عبدالمطلبؑ سے بہتر تھا۔ موسیٰ بن عیسیٰ جواب تک تکیہ کے سہارے بیٹھا ہوا تھا میرے جواب سے برا فروختہ
ہو کر سیدھا ہو بیٹھا۔ اور اُس نے پوچھا۔ عبدالمطلبؑ سے بہتر کوئی ہے؟ میں نے کہا محمد صلعم اس نے کہا بے شک تم سچے ہو۔ اب وہ پھر تنکی
کے سہارے ہو گیا اور اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ اس واقعہ کو ابن ابی بکر کی روایت سے قلم بند کر لو۔“ (طبری جلد اول صفحہ 35)

مطلب واضح ہے کہ جناب عبدالمطلبؑ کو معزز کہہ کر نوفل ابنہ کمپنی کے غاصبانہ اور جدی و قریشی دشمنی کو چھپا دینا مقصود تھا۔ مگر
محمد بن ابی بکر نے اُس ڈانٹ ڈپٹ اور رعب و داب کا ذرہ برابر اثر نہ لیا اور واقعہ کو ریکارڈ میں شامل کرا کے چھوڑا۔ اور بتایا کہ مدینہ والے
خانوادہ رسولؐ کے لوگ تھے۔ اور ان سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو مدد لینا پڑی۔ یہاں یہ بھی نوٹ کر لیں کہ جب یہ مشہور کر دیا گیا
کہ حضرت علیؑ جانشینی رسولؐ اور حکومت کے لئے دوڑ دھوپ کرنے پر آنحضرتؐ کے غسل و کفن اور تدفین کو مقدم کر رہے ہیں تو مدینہ کے
خانوادہ رسولؐ نے چاہا تھا کہ قریش کو بزور بازو حکومت پر قبضہ کرنے سے روک دیا جائے۔ جس کیلئے وہ سقیفہ میں جمع ہوئے تھے۔ اور
قریش ہرگز حکومت پر قبضہ نہ کر سکتے تھے اگر انصار کو حضرت علیؑ علیہ السلام کی رضا مندی حاصل ہو جاتی۔ اور ان کا قبضہ ہو جانے کے بعد بھی
ان کا صفایا کیا جاسکتا تھا، اگر کہیں ابوسفیان کی پیش کش منظور کر لی جاتی۔ لہذا اڑھائی ہزار سالہ جدوجہد ایک دن پھر کامیاب ہو گئی اور اب
تحریک تشیع کی تیاری شروع ہو گئی۔

نوٹ: یہاں سے قارئین جناب ابوطالب علیہ السلام کے متعلق ہمارا ایک پرانا مضمون پڑھیں گے جو برسوں پہلے سید یاور حسین صاحب
کی فرمائش پر لکھ دیا تھا۔ جس کا نام اُس وقت اُلٹی لنگا رکھا گیا تھا۔ چونکہ اُس میں مجتہدین کے تصورات کو الٹا کر دینا مقصود تھا۔ اور اب
فاضل مشرقیات کی سفارش سے اُسے مرکز انسانیت میں ابوطالبؑ کے پہلو میں جگہ دی جا رہی ہے ملاحظہ ہو:-

الٹی گنگا

آپ سوچ رہے ہیں کہ (ادارہ علوم الاسلام لاہور کے رسالہ ماہ ستمبر 1964) ”ابوطالب“ نمبر میں یہ الٹی گنگا کیوں بہائی جا رہی ہے؟ اس عنوان سے جناب ابوطالب علیہ السلام کا کیا تعلق ہے؟

(12/1)۔ پہلا جواب یا وجہ تو یہی ہے آپ کو متوجہ کیا جائے اور دعوتِ فکر دی جائے۔ چنانچہ نتیجہ میں ہم کامیاب ہیں کہ آپ توجہ کے ساتھ غور و فکر بھی فرما رہے ہیں۔ موسیٰ یارسی عنوانات اور مضامین کی نقل در نقل بھر مارنے آپ کے ذوقِ نظر کو گند کر دیا ہے۔ سانچے میں ڈھلے ہوئے کھوکھلے مگر رنگیلے الفاظ نے رفتہ رفتہ مذہبی جذبات و احساسات پر گراں باری کے پہرے بٹھا دیئے ہیں۔ چنانچہ آج اہلِ نظر قلم اٹھاتے ہی پہلے یہ سوچتے ہیں کہ اپنا مضمون کس انداز میں پیش کریں کہ قارئین کی پوری توجہات حاصل ہو سکیں۔ اور ان کے جذبات و احساسات سے قلب و ذہن کا براہِ راست رابطہ قائم کیا جاسکے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ گنگا ہو یا جمنا، فرات ہو یا دجلہ، اُن کا بہاؤ اُلٹا ہو یا سیدھا، انہیں بہر حال سمندر کے وسیع آغوش کی تلاش ہے۔ جب تک وہ اپنی منزل پر نہ پہنچ جائیں انہیں چین و سکون نہیں مل سکتا۔ بالکل یہی حال ہے بنی نوع انسان اور اس پوری کائنات کی تگ و دو اور سفرِ حیات کا۔ وہ اُلٹا چلیں یا سیدھا، کفر کریں یا شکر، انہیں چلتے رہنا ہے۔ اُنکا ہر قدم انہیں کشاں کشاں حضرت ابیطالبؑ و خانوادہ ابیطالب سلام اللہ علیہم کے حضور لئے چلا جا رہا ہے۔ ہم اور آپ مانیں یا نہ مانیں، سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر حقیقت یہی ہے۔ مقصد کائنات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہے۔ یہ کائنات اور اس کائنات کا ہر ذرہ اور یہاں کی ہر مخلوق روز ازل سے میثاقِ محمدیؐ کے قانون کی ذمہ دار ہے۔ اُن میں کا کوئی فرد اس قانون اور میثاق کی زد سے باہر نہیں نکل سکتا۔ ان سب کو اُنکے حضور میں پلٹ کر جانا پڑے گا۔ بعثتِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ کا سب سے بڑا احسان ہے اور یہ احسان خاص طور پر مومنین سے متعلق ہے، مومنین پر جتلیا گیا ہے (3/164)۔ اقرباءِ محمدیؐ سے رشتہٴ محبت و اطاعت بھی مومنین پر واجب ہے (الشوریٰ-42/23) وہ انسان جس کو تمام سابقہ انبیاء و رسلؑ اور آنحضرتؐ کے درمیان واسطہ بنایا گیا، جسے تمام نبوتوں، رسالتوں، امامتوں اور ولایتوں کیلئے آخری امانت دار چنا گیا۔ جس نے پہاڑوں سے برداشت نہ ہونے والی امانتِ خداوندی کو سرکارِ دوعالم کو سپرد کیا۔ جس نے نبوت و رسالت کو اپنے آغوش میں پرورش کیا اور انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ جس نے نبوت و رسالت کے اقدام کو ڈانواں ڈول ہونے سے بچا کر خدا سے وَجَدَکَ ضَالًّا فَهَدٰی ۝ (93/7) کہلوا یا۔ جسکی ہدایت کاری و راہنمائی کو خدا نے اپنی راہنمائی اور ہدایت قرار دیا۔ جسکی کارکردگی کو خدا نے فخر یہ اپنی طرف منسوب کیا (مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قُلٰی ۝ 93/3) جس کی ربوبیت و تربیت کو رب الارباب نے اپنے لئے دلیل بنایا۔ جس نے کائنات کے طبا و ماویٰ کو امن و پناہ دی تو خدا نے جتلیا یا اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاَوٰی ۝ (93/6) جس نے زمان و مکان کی حدود و قیود سے نا آشنا نبوت کی تائید و حمایت کے لئے ایک ایسا ناصر و مددگار عطا کیا، ایک ایسے خاندان کی بنیاد رکھی جو ہر مزاحمت کے لئے قیامت تک سینہ سپر رہے۔ اسی لئے خدا نے فرمایا کہ۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ۝ (93/5) تیرا پالنے

والاعتریب تجھے وہ.... دیگا۔ کہ پھر تو خوش رہیگا۔ اُس مبارک انسان پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں۔ اُس کا نام ہے ابوطالب علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ جب سرور کائنات پیدا ہوئے تو جناب فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا موجود تھیں۔ اس وقت حضرت آمنہ علیہا السلام کو ایران و شام کے محلات نظر آئے۔ حدیث سنئے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: لَمَّا وُلِدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ فَتَحَ لَا مَنَةَ بِيَاضِ فَارَسٍ وَقُصُورِ الشَّامِ، فَجَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَسَدٍ أُمِّ امِيرِ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى أَبِي طَالِبٍ ضَاكِكَةً مُسْتَبْشِرَةً فَاعْلَمْتَهُ مَا قَالَتْ آمَنَةً فَقَالَ لَهَا أَبُو طَالِبٍ وَتَتَعَجَّبِينَ مِنْ هَذَا إِنَّكَ تَحْبِلِينَ وَتَلِدِينَ بَوْصِيَّةً وَوَزِيرًا۔

(کافی کتاب الحجۃ باب مولد امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ۔ حدیث نمبر 3)

”جب رسول اللہ پیدا ہوئے تو حضرت آمنہ (سلام اللہ علیہا) کو ایران کی سفیدی اور شام کے محلات کھلے ہوئے دکھائے گئے۔ چنانچہ حضرت فاطمہ بنت اسد (رضی اللہ عنہا) امیر المؤمنین کی والدہ ہنستی اور خوشخبری سناتی ہوئی آئیں اور جناب ابوطالب (علیہ السلام) کو جناب آمنہ کا مکاشفہ سنایا۔ اس پر جناب ابوطالب نے اُن سے فرمایا کہ تمہیں اتنی سی بات پر تعجب ہو رہا ہے۔ تحقیق تم خود بھی اس کے وصی اور وزیر کا حمل رکھنے اور اُسے جنم دینے والی ہو۔“

یہ حدیث واضح کر دیتی ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو قبل از وقت سب کچھ معلوم تھا اور نہ صرف معلوم تھا بلکہ آپ اُن مقاصد کے لئے ذمہ دار تھے جو نبوت و رسالت ختمی مرتبت اور اُن کی وصایت و ولایت سے متعلق تھے۔ انہوں نے ولادت علی مرتضیٰ علیہ السلام کا زمانہ اور مقام مرتضوی بھی بیان کر دیا تھا چنانچہ ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:-

إِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَسَدٍ جَاءَتْ إِلَى أَبِي طَالِبٍ لِتَبَشِّرَهُ بِمَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو طَالِبٍ: اصْبِرِي سَبْتًا أَبْشُرْكَ بِمِثْلِهِ إِلَّا النَّبُوَّةَ، وَقَالَ: السَّبْتُ ثَلَاثُونَ سَنَةً وَكَانَ بَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَامِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثَلَاثُونَ سَنَةً۔ (ایضاً۔ حدیث نمبر 1)

”تحقیق فاطمہ بنت اسد ابوطالب علیہ السلام کو ولادت نبی کی بشارت دینے آئیں تو ابوطالب نے فرمایا کہ ایک سبت صبر کرو۔ میں تمہیں نبوت کے علاوہ ہم مثل محمد کی بشارت دیتا ہوں۔ فرمایا کہ ایک سبت میں (30) سال کا ہوتا ہے اور رسول اللہ علی کی پیدائش کے درمیان تیس سال تھے۔“

معلوم ہوا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام اپنے عہدہ وصایت و امامت کی بنا پر مقام محمدی و مقام علوی پر کما حقہ مطلع تھے اور دوسرے متعلقین کو بتانا اور متعلقہ اقدامات کرنا آپ کی ذمہ داری تھی۔ سرکار ابوطالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوزیشن قرآن کریم، حدیث شریف اور علمائے صالحین کے نزدیک کس قدر عظیم ہے، اگر وقت ملا تو اپنے طریقہ پر آپ کی خدمت میں بیان کرونگا۔ فی الحال؛

(12/2)۔ تیسری وجہ اُلٹی لنگا کی یہ ہے کہ مشرکانہ منصوبہ سازوں کو ہم کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کر سکتے اس لئے کہ انہوں نے نہایت حُسن تدبیر کے ساتھ ہر ایک حقیقت اسلامی کو کافرانہ اور اپنا پسندیدہ لباس پہنایا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم، تاریخ اسلام اور احادیث ہر گز سمجھ میں نہیں آ سکتیں اور آپ کسی طرح صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے جب تک اس عربی منصوبہ کو نہ سمجھ لیں۔ چنانچہ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے

فرمایا ہے کہ:- وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ لَنْ تَعْرِفُوا الرُّشْدَ حَتَّى تَعْرِفُوا الَّذِي تَرَكَهُ، وَلَنْ تَأْخُذُوا بِمِثْقَالِ الْكِتَابِ حَتَّى تَعْرِفُوا الَّذِي نَقَضَهُ، وَلَنْ تَمْسُكُوا بِهِ حَتَّى تَعْرِفُوا الَّذِي نَبَذَهُ۔ (نہج البلاغہ خطبہ نمبر 145۔ مفتی جعفر حسین)

”اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم ہدایت سے ہرگز متعارف نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ہدایت کو ترک کر دینے والوں سے متعارف نہ ہو جاؤ۔ اور تم قرآن کریم کے عہد و میثاق پر ہرگز قائم نہیں رہ سکتے جب تک کہ قرآن کے عہد کی خلاف ورزی کرنے والوں کی معرفت حاصل نہ کر لو۔ اور قرآن سے تمسک ہرگز نہیں رکھ سکتے جب تک قرآن کو پس پشت پھینکنے والوں کی شناخت نہ کر لو۔“

اور اپنے زمانہ کے منصوبہ سازوں کے لئے اسی خطبہ میں ذرا پہلے فرمایا تھا کہ:-

كَانَهُمْ أَيْمَةُ الْكِتَابِ وَلَيْسَ الْكِتَابُ إِمَامَهُمْ فَلَمْ يَبْقَ عِنْدَهُمْ مِنْهُ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا يَعْرِفُونَ إِلَّا خَطُّهُ وَذُبْرَهُ..... الخ

”گویا وہ لوگ کتاب (قرآن) کے امام ہیں اور قرآن اُن کا پیشوا نہیں ہے۔ اُن کے پاس اب قرآن

کا صرف نام ہی نام رہ گیا ہے اور وہ اُسے کوئی اہمیت نہیں دیتے سوائے اس کی خلاف ورزیوں کے۔“

(12/3)۔ فرمان مرتضوی کے مطابق ہم عربوں کے ہر بیان کو بڑی احتیاط اور دقت نظر کے ساتھ جانچ کر قبول کرتے ہیں اور تمام دنیا کو بتادینا چاہتے ہیں کہ وہ اُن کی تیار کردہ تاریخ، تفسیر و حدیث کو بلا تنقید و تبصرہ کبھی قبول نہ کریں۔ انہوں نے اسلام کی ہر ہر تعلیم کو بدل دیا، ہر عنوان میں رنگ آمیزی کی ہے۔ چنانچہ جن حقائق کو وہ بدل نہ سکے انہیں کم از کم مشکوک ضرور کر دیا ہے۔ اور یہ کام انہوں نے اس خوبصورتی اور تدریج کے ساتھ کیا ہے کہ ہم قدم قدم پر انہیں داد دیتے ہیں۔ اور علما کی کثرت نے اُن کے بیانات اور انتظامات میں اکثر مغالطہ کھایا ہے۔

(12/4)۔ ذرا اس ترکیب کو ملاحظہ فرمائیں کہ مجاہد و آل محمدؐ سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا ابی طالبؑ، آنحضرتؐ پر ایمان لائے تھے؟ اور ہمارے جلد باز و سادہ لوح افراد فوراً اس سوال کا جواب شروع کر دیتے ہیں اور قرآن و حدیث و تاریخ سے جناب ابوطالبؑ کا ایمان لانا ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور خرچ کر دیتے ہیں۔ لیکن انہوں نے اس سوال کو قبول کرنے میں غلطی کی ہے اور اس سوال کا جواب اُس کے ذمہ ہے جو عقل کا دشمن ہو۔ یہ سوال اس شخص سے ہونا چاہیے جو ابوطالبؑ کو (معاذ اللہ) کسی وقت کا فرما مانتا ہو۔ چنانچہ ہم اُن کفار سرشت انسانوں سے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ دلیل پیش کریں کہ ابوطالبؑ مومن نہ تھے۔ اور ساتھ ہی اُن کو بتادو کہ تمہارے صاحب ایمان نہ ہونے کی دلیل خود قرآن ہے:- يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ..... الخ (نساء 4/136)

مولانا رفیع الدین صاحب کا ترجمہ ہے کہ:- ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ ایمان لاؤ ساتھ اللہ کے اور رسولؐ اُس کے کے اور کتاب کے جو اتاری ہے اور پر رسولؐ اپنے کے اور کتاب کے جو اتاری ہے پہلے اس کے۔“

یہاں ایسے مومنین کا تذکرہ ہے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہوں، نہ رسولؐ اللہ پر، نہ وہ قرآن پر ایمان رکھتے ہوں، نہ سابقہ کتابوں پر۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام یقیناً ایسے مومن نہ تھے جن کا ایمان صرف دو لفظوں پر یعنی ”میں ایمان لایا“ کہنے پر مکمل ہو

جائے۔ ایسے مومنین دراصل کافر ہوتے ہیں۔ الغرض گزارش یہ تھی کہ ہم سے یہ سوال غلط کیا جاتا ہے۔ قارئین کرام خود اپنے متعلق سوچیں کہ وہ کس دن ایمان لائے تھے؟ ارے صاحب! جس کا باپ مسلمان، جس کی ماں مسلم، اس کے بچوں کو مسلمان ہونے یا ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے وہ تو پیدا ہی مسلمان ہیں۔ البتہ اگر وہ کافر بننا چاہیں تو انہیں اعلان کرنا پڑے گا۔ بہر حال جس طرح چالاکی سے وہ ہم سے سوال کرتے ہیں اُسی طرح ہم اُن سے بات کرتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ ابوطالبؑ ایمان لائے تھے یا نہیں؟ ٹھیک۔ یعنی اُن کے نزدیک ابوطالب علیہ السلام کا ایمان مشکوک ہے۔ وہ تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ایک فرد مشکوک ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک تمام قریش مشکوک ہیں۔ اور ہمیں اُنکی مرتب کردہ تاریخ نے مشکوک کیا ہے۔ لہذا ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا قریش ایمان لائے تھے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا بنی ہاشم بھی قریش تھے؟ ہم نے ابوطالب علیہ السلام کے ایمان و عمل پر ہزار ہا مضامین و کتب پیش کی ہیں۔ اب آپ ہمیں مندرجہ بالا دونوں سوالوں کا جواب دیں۔

یہاں سے ”الٹی گنگا“ شروع ہوتی ہے اور معترضین کو لینے کے دینے پڑتے ہیں۔ ہم اس اُمت کے ایک حجت الملة والدین علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک سید صاحب سلیمان ندوی اور مسٹر پرویز کے قلم سے دکھاتے ہیں کہ رسول اللہ کے زمانہ میں قریش و کفر ایک ہی چیز کا نام تھا۔ اور اس کے برعکس بنی ہاشم (ابوطالبؑ سمیت) اور ایمان بھی ایک ہی چیز کے دو نام تھے۔ وہ سب کافر تھے اور کافر رہے۔ یہ سب مومن تھے اور مومن رہے کہنے؟ یہ الٹی گنگا ہے کہ نہیں؟ یہ وہ الٹی گنگا ہے جو پورے کفر کو مع کافروں کے ڈبڈبے گی اور فرعون کی طرح اُن کی چیخ و پکار تک نہ سُنی جائے گی۔ ابوطالبؑ اور خاندانہ ابوطالب علیہم السلام سے کفر اور کافروں، نفاق اور منافقوں اور عربی منصوبے والے مومنوں کو بڑا خطرہ رہتا چلا آیا ہے۔ کیوں نہ ہو؟ وہ دین پناہ تھے، خود دین تھے، خود ایمان تھے۔ ایمان سے کفر کا یہ سوال کہ تو کب ایمان لایا؟ اس کے کفر کی بین دلیل ہے۔ اس کے ایمان نا آشنا ہونے پر حجت ہے۔ آئیے مولانا شبلی کی بات سُنئے اور یہ بھی سُنئے کہ تحقیق و تفتیش میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ کد کاوش کرنا پڑتی ہے۔ بیانات کو بار بار پڑھنے اور سننے اور غور و فکر کرنے سے جان چرانے والے تحقیق نہیں کر سکتے۔ لہذا یہاں پر آپ مضمون سے دماغی تفریح کی اُمید نہ کریں۔ بلکہ ایک سخت جان بن جائیں، تمام ہوش و حواس، عقل و تدبر کو جمع کر لیں۔ سنجیدہ ہو جائیں تاکہ اُلجھے ہوئے اور جان بوجھ کر اُلجھائے ہوئے حقائق کو سلجھا سکیں۔

(12/5)۔ سب سے پہلے آپ جناب شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی طبع چہارم جلد اول صفحہ 212 پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ اعلان نبوت کے وقت قریش کی پوزیشن کیا تھی؟ یہاں سے مولانا وہ اسباب و وجوہات لکھنا شروع کرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے قریش نے آنحضرتؐ کی مخالفت کی تھی۔ دیکھئے شبلی، پرویز اور سلیمان صاحبان کے بیانات ابجد میں ہوں گے:-

(الف)۔ قریش کی مخالفت اور اُس کے اسباب

”مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی۔ قریش کا خاندان جو عرب پر مذہبی حکومت رکھتا تھا اور جسکی وجہ سے وہ ”ہمسایگان خدا“ بلکہ ”آل اللہ“ یعنی خاندان الہی کہلاتے تھے، اسکی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے۔ اس تعلق سے قریش کا کاروبار زیادہ پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ متعدد محکمے اور بڑے بڑے مناصب (عہدے۔ احسن) قائم کئے گئے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:-

نمبر شمار	منصب	منصب کی تفصیل	کس خاندان کو کونسا منصب حاصل تھا	آنحضرتؐ کے زمانہ میں کون لوگ ان مناصب پر ممتاز تھے
1	حجابه	کعبہ کی کلید برداری اور تولیت	x	عثمان بن طلحہ
2	رفادہ	غریب حجاج کی خبر گیری	خاندان نوفل	حرث بن عامر
3	سقایہ	حجاج کو پانی پلانے کا انتظام	خاندان ہاشم	حضرت عباسؓ
4	مشورہ	x	خاندان اسد	یزید بن ربیعہ الاسود
5	دیات	خون بہا کا فیصلہ	خاندان تیم	حضرت ابوبکرؓ
6	عقاب	علم برداری	خاندان امیہ	ابوسفیان
7	قبة	خیمہ و خرگاہ کا انتظام اور سواروں کی افسری	خاندان مخزوم	ولید بن مغیرہ
8	سفارت	سفیر ہو کر جانا اور جن قبائل میں یہ نزاع پیش آئے کہ شریف ترکون ہے فیصلہ کرنا	خاندان عدی	حضرت عمرؓ
9	ازلام و یبار	محکمہ مال کا انتظام	خاندان نجح	صفوان بن امیہ
10	اموال	مہتمم خزانہ	خاندان سہم	حارث بن قیس

یہ جدّ و ل آپ نے دیکھ لی۔ اسی سلسلہ کی ایک اہم بات اور سننے فرمایا ہے کہ:-

(ب)۔ ”آغاز اسلام میں جو لوگ قریش کے رؤسائے اعظم تھے۔ اور جنگی عظمت و اقتدار کا اثر تمام مکہ پر تھا۔ اُنکے نام یہ ہیں۔“

1۔ ابوسفیان بن حرب (حضرت معاویہ کے باپ)

2۔ ابولہب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا (معاذ اللہ۔ احسن)

3۔ ابوجہل

4۔ ولید بن مغیرہ (حضرت خالدؓ کا باپ)

5۔ عاکل بن وائل سہمی (حضرت عمرو بن العاصؓ کا باپ)

6۔ عتبہ بن ربیعہ (امیر معاویہ کا نانا) (سیرۃ النبی طبع چہارم جلد اول صفحہ 213)

(12/6)۔ آپ نے دونوں فہرستیں دیکھ لیں۔ ان صاحبان مناصب و مالکان اقتدار میں جس قدر نام آئے ہیں انہیں خاص طور پر

نوٹ کر لیں اور یہ دیکھ لیں کہ دو ایک نام، جن کی ہاشمیت مشکوک ہے، کے سوا کوئی شخص بنی ہاشم سے نہیں ہے۔ خصوصاً جناب ابوطالبؓ

سربراہ خاندان بنی ہاشم اس فہرست میں نہیں ہیں۔ اور ہمیں فخر ہے اُنکے اس تدبر و تدبیر پر جس سے انہوں نے اپنے دامن کو بُت پرستی

اور اُنکی نگہداشت سے پاک رکھا اور کعبہ کے انتظامات سے الگ ہو گئے۔ یہ مقام یاد رکھیں۔ ہم اس کا حوالہ دیں گے۔ یہاں ایک اصول

ملاحظہ ہو۔ شبلی صاحب مخالفت کا ایک فطری سبب لکھتے ہیں۔ (مخالفت کا پہلا سبب ملاحظہ ہو:-)

(ج)۔ ”ناتربیت یافتہ اور تند خو تو قوموں کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک جو ان کے آبائی رسم و عقائد کے خلاف ہو ان کو سخت برہم کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ انکی مخالفت محض زبانی مخالفت نہیں ہوتی۔ اور انکی تشنگی انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز سمجھا نہیں سکتی۔“ (صفحہ 213)

مخالفت کا دوسرا سبب ملاحظہ ہو:-

(د)۔ عرب ایک مدت سے بُت پرستی میں مبتلا تھے۔ خلیل بت شکن کی یادگار کعبہ تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی۔ جس میں ہبل خدائے عظیم تھا۔ یہی بُت ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے۔ پانی برساتے تھے۔ اولادیں دیتے تھے۔ معرکہ ہائے جنگ میں فتحیں دلاتے تھے۔ خدا۔ یا تو سرے سے نہ تھا۔ یا تھا تو وجودِ معطل تھا۔ اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعتاً برباد کر دیتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالم گیر اثر کا بھی خاتمہ تھا۔ اس لئے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان میں سے جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا اُسی قدر مخالفت میں زیادہ سرگرم تھے۔“

(12/7)۔ یہاں ٹھہر جائیں اور یہ سمجھ کر آگے بڑھیں کہ مندرجہ بالا (ج) و (د) سے یہ ثابت ہو گیا کہ:-

1: اسلام کی تحریک یا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعوائے نبوت اور تبلیغ اسلام جناب ابوطالب علیہم السلام کے آبائی دین کے عین مطابق تھی۔ 2: ادھر یہ ثابت ہو گیا کہ کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں سے جناب ابوطالب کو کسی قسم کی دلچسپی نہ تھی۔ 3: بلکہ وہ سوچ سمجھ کر اپنے مذہب کے مطابق اور خصوصاً حضرت خلیلؑ بت شکن کے عین مطابق ان بتوں کے ساتھ ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار کے برباد کرنے کی پوری اسکیم کے لحاظ و ملائی اور سرپرست و حامی و ناصر و مددگار تھے۔ بتائے کافر اگر انہیں ایماندار نہ مانیں تو اور کیا کہیں؟ یاد رکھئے کہ ابوطالب عرب کے مذکورہ صاحبانِ اقتدار کیلئے ایک مصیبت تھے۔ ایسی مصیبت کہ جو آج بھی زندہ و توانا ہے۔ جس نے ان کی حکومت و اقتدار کے جنازے نکالے۔ جس نے انکے دلوں میں ایسے زخم لگائے جو کبھی نہ بھرے، ناسور بنے اور رستے رہے۔ پوری جبروت و سطوت کے باوجود، پہروں اور نگہبانوں کے ہجوم میں یہ لوگ خانوادہ ابوطالب کے نحیف سے نحیف فرد کے خوف سے لرز اٹھتے تھے، خواب گاہوں میں چیخیں بلند ہو جاتی تھیں، خواب میں کوئی ابوطالب کا جایا قیدی دیکھا تو شہنشاہ وقت چارپائی سے گر جاتا تھا۔ گھنٹوں گھگی بندھی رہتی تھی۔ بے چاروں کے پاس لے دے کر ایک ہی تو الزام رہ گیا ہے۔ آپ اس سے بھی چپیں بچیں ہو جاتے ہیں۔ قرآن اور حدیث کے ساتھ مقابلہ میں آ جاتے ہیں۔ ذرا انصاف کرو، تم تو عدل کو پسند کرتے ہو۔ ابوطالب علیہ السلام کو (معاذ اللہ) کافر کہنے کیلئے انہیں اپنی عادت و خصلت، اپنے دین و ملت، اپنے آباؤ اجداد کی سنت کے خلاف کیسی مہنگی اور رسوا کن قیمتیں ادا کرنا پڑیں۔ یعنی 1: اسلام کا لبادہ پہننا پڑا۔ 2: جسے سوچ سمجھ کر پاگل، مجنون، دیوانہ، کاذب اور سحر زدہ قرار دیا تھا اُسی کا کلمہ دن میں پانچ دفعہ بلند میناروں سے سننا اور پڑھنا پڑا۔ ہائے افسوس انہیں یہ بھی سننا پڑا، سننا ہی نہیں بلکہ کہنا پڑا کہ ابوطالب کی اولاد کی محبت و مودت و اطاعت و حرمت و عزت و وقار واجب ہے۔ اُنکا دشمن، برا چاہنے والا، اُنکو خفا کر نیوالا جہنمی ہے... ہائے ہائے عرب کے غیور و عظیم جلیل انسان یوں ذلیل و خوار ہونا اختیار کر لیں۔ اور آپ انہیں ذرا سی بات بھی نہ کہنے دیں۔ یقین کیجئے کہ اگر ابوطالب علیہ السلام کی نصرت کا کامیاب ہو جاتی

اور کفار غالب آجاتے تو یقیناً ابوطالب کو ہرگز کافر شمار نہ کرتے بلکہ کفر کا مخالف ہونے کی وجہ سے اُنکے ساتھ وہی سلوک کرتے جو کہ بلا میں کیا گیا۔ وہ لوگ کافروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر انعام دیتے اور کسی طرح ابوطالب کا نام کافروں کی فہرست میں برداشت نہ کرتے۔ ہزاروں گواہیاں گزرتیں کہ ابوطالب پکا مومن اور مسلم تھا۔ کفر کی خلاف تمام ذمہ داری اسی پر عائد کرتے۔ دوستو شکر کرو کہ ابوطالب علیہ السلام کو کافر کہنے کیلئے انہیں مسلمان تو ہونا پڑا۔ ورنہ وہ وہی لوگ تھے جنہوں نے جب موقع ملا تو صاف کہا کہ نہ کوئی وحی آئی تھی نہ فرشتہ نازل ہوا تھا۔ ہماری نصیحت ہے کہ انہیں زیادہ تنگ نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس دفتر سے بالکل ہی نام کٹوالیں۔ اُس وقت تو خانوادہ ابوطالب علیہم السلام نے چاروں طرف سے گھیر کر مجبور کر دیا تھا۔ اُن کی قربانیاں، حق پرستی، اللہ کے نام پر فداکاریاں اُن لوگوں کا سر جھکا گئیں۔ یہ مقام بہت ہی مناسب ہوگا جہاں آپ کو تمام عرب اور قریش کی طرف سے ابوجہل کی زبانی مگر پرویز کے قلم سے ایک نوحہ و فریاد سناتے ہیں۔ معارف القرآن جلد چہارم صفحہ 255 طبع اول میں پرویز صاحب نے لکھا کہ:-

(12/8)۔ (ہ) ”وہ اس تعلیم کے فروغ میں اپنی موت مضر دیکھتے تھے۔ اس لئے وہ اُسے آسانی سے کس طرح قبول کر لیتے۔ اس آنے والے انقلاب کے تصور سے اُن کی روح کا نپٹی تھی۔ اسی لئے ابوجہل غلاف کعبہ تھام تھام کر فریاد کرتا تھا۔

(نوٹ:- پرویز نے یہ اشعار اقبال کی کتاب جاوید نامہ ”طاسین محمد... روح ابوجہل در حرم کعبہ“ سے منتخب کئے لیکن ان کا ترجمہ نہیں لکھا۔ کیونکہ اُس دور میں اکثر قارئین فارسی زبان سے بخوبی واقف تھے۔ موجودہ دور میں فارسی سے کم آگاہی کی وجہ سے قارئین کے لئے ترجمہ شامل کر دیا گیا ہے جو اقبالیات پر کام کرنے والے ایک مستند ادارے کے پیش کردہ ترجمہ سے لیا گیا۔ ناصر)

سینہ ما از محمد داغ داغ ! از دم او کعبہ را گل شد چراغ !

ساحر و اندر کلامش ساحریت ایں دو حرف لا الہ خود کافریت

تا بساط دین آبا در نور با خداوندان ما کرد آنچہ کرد

☆ ہمارا سینہ محمد کی وجہ سے داغ داغ ہے۔ آپ کی پھونک (سانس) سے کعبہ کا چراغ بجھ گیا (حرم کعبہ کی رونق ختم کر دی)۔

☆ آپ جادوگر ہیں اور آپ کے کلام میں جادوگری ہے۔ یہ جولا اللہ کے دو الفاظ ہیں بجائے خود کافر ہے۔

☆ جب آپ نے ہمارے آبا کے دین (بت پرستی) کی بساط لپیٹ دی ہے تو آپ نے ہمارے خُداؤں کے ساتھ وہ کیا جو ناقابل بیان ہے۔ وہ چلاتا تھا کہ:-

مذہب او قاطع ملک و نسب از قریش و منکر از فضل عرب

در نگاہ او یکے بالا و پست با غلام خویش بر یک خواں نشست

☆ آپ کا مذہب (اسلام) مُلک اور خاندان کی جڑیں کاٹ دیتا ہے۔ آپ کا تعلق قریش سے ہے اور آپ عرب کی فضیلت کے منکر ہیں۔

☆ آپ کی نگاہ میں اعلیٰ و ادنیٰ سبھی ایک برابر ہیں۔ آپ اپنے غلام کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھے ہیں۔

اس کے نزدیک یہ سانحہ قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا:-

قدرِ احرارِ عرب نشاختہ بالکفتانِ حبش در ساختہ

احراں با اسوداں آمیختہ آبروئے دودمانے رستمند

☆ آپؐ نے عرب کے آزاد لوگوں کی قدر نہیں پہچانی۔ آپؐ نے حبشہ کے سیاہ فام لوگوں (حبشیوں) سے موافقت اختیار کر لی۔

☆ آپؐ نے گوروں کو کالوں سے ملا دیا اور خاندان کی وقعت ختم کر دی۔

اس لئے وہ حجر اسود کو پکار کر کہتا تھا:-

بازگو اے سنگِ اسود بازگو آنچہ دیدیم از محمدؐ بازگو

☆ تو پھر کہہ اے سنگِ اسود پھر کہہ۔ ہم نے محمدؐ سے جو کچھ دیکھا ہے پھر کہہ۔

اور کبھی کعبہ کے سب سے بڑے خدا سے فریاد کرتا تھا:-

اے ٹھیل اے بندہ را پوزش پذیر خانہ خود را از بے کیشاں بگیر

گلہ شاں را بگرگاں گن سبیل تلخ کن خرمائے شاں را برخیل

☆ اے ٹھیل، تو جو بندوں کی معافی و معذرت قبول کرنے والا ہے، بے دینوں سے اپنا گھر واپس لے۔

☆ ان کے بھیڑوں کے ریوڑ کو بھیڑیوں کے سپرد کر دے اور کھجور کے درخت پر جو کھجوریں ہیں اُن کو اُن کے لئے کڑوی بنا دے۔

اور اس نالہ و فریاد اور سب و شتم سے اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرتا تھا۔“ (صفحہ 256)

(12/9) علامہ پرویز کا بیان ختم ہو گیا لیکن یہ نوحہ ابھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ الفاظ بدل لئے گئے ہیں، راگ

مختلف ہو گیا ہے، الفاظ و اصطلاحات سے رخ بدل لیا ہے۔ لیکن کفر و اہل کفر برابر نوحہ کناں ہیں۔ ذرا غور فرمائیے کہ جس انقلاب میں اُن

کی اور اُن کے مذہب کی موت مضمون تھی اُس کو کس نے پالا؟ کس نے پرورش اور تربیت کی؟ کس نے اسے مستقیم بنا کر قریش و عرب کی

طرف متوجہ کیا (وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ)۔ اے سرکار یہی تو ابوطالب علیہ السلام ہیں جو اس انقلاب کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھا رہے

ہیں۔ جو اُسے اپنے سینے پر سلاتے ہیں کہ سینہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد 2500 سال سے کافروں کی بھڑکائی ہوئی آگ

جمع ہے۔ ابلیس کے خلاف انتقام کے شعلے بھڑکتے ہیں۔ وصایائے انبیاء علیہم السلام کا ہجوم ہے۔ اس سینہ کی گرمی پہنچاتے ہیں سرکار دُعا عالم

کو۔ اس قلب سے اُبھری ہوئی لوریاں دیکر سلاتے ہیں۔ محبوب خدا کو دشمنانِ خدا سے روشناس کراتے ہیں۔ عربوں کی ذہنیت، خصلت

اور سنت کے راز بتاتے ہیں۔ تاکہ سرکار رسالت تعفیز قرآن کی تدریج قائم کریں اور اپنے لامحدود وہی علم کے عملی پہلو متعین و مشخص کر

لیں۔ حضرت ابوطالب علیہ الصلوٰۃ والسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے وہ مادی بصیرت و بصارت تھے۔ جسکے ذریعہ حضور مادی

حیثیت سے نبوت و رسالت کی اسماعیلی و اسرائیلی دونوں شاخوں کے تمام احوال و واقعات و نشیب و فراز دیکھ سکیں۔ ابوطالب علیہ السلام

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (96/4-5) کے مادی و محسوس ذرائع میں سے ایک ذریعہ تھے اور عَلَّمَكَ مَا لَمْ

تَكُنْ تَعْلَمُ (4/113) کی تعلیم میں منجانب خداوند کریم فضل اللہ تھے۔ جسکی وجہ سے قریش اور اہل کتاب باوجود کوشش کے آنحضرتؐ کو

ڈمگانہ سکے اور خدا نے فرمایا کہ:-

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُضْلُوكَ وَمَا يُضْلُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصُرُونَكَ مِنْ شَيْءٍ ... الخ (نساء 4/113، پوری آیت اپنے مقام پر دیکھیں)۔

بہر حال ابو جہل کا نوحہ قریش کی بے چارگی کا اعلان عام ہے۔ یاد رکھیے کہ ابوطالب اور خاندانہ ابوطالب کو قریش کے مذہب اور سنت سے ذرہ برابر ہمدردی نہ تھی۔ وہ غلاموں، حبشیوں اور عجمیوں کو عربوں سے اور قریش کے زعماء سے بدرجہا بہتر سمجھتے تھے۔ اُن کے نزدیک عرب، قریش کے امرا و رؤسا سے زیادہ قابل احترام تھے۔ حضرت علی علیہ السلام عربوں کی حکومت کو ایک ٹوٹی ہوئی جوتی کے ٹوٹے ہوئے تسمہ سے حقیر فرمایا کرتے تھے۔ بھیڑ کی ناک سے لگی ہوئی گندگی سے بدتر قرار دیا کرتے تھے۔ یہ وہ حقارت تھی جو عربوں نے کبھی فراموش نہ کی۔ ابو جہل اور قریش کو اس نوحہ میں اسی قسم کی شکایت تھی۔ قریش اور عربوں نے آنحضرتؐ کو اپنا سلطان و بادشاہ بنانے کی، لڑکیاں دیکر داماد بنانے کی، ساری دولت بچھا کر دینے کی پیش کش کی۔ لیکن ان تمام چیزوں کو ٹھکرا دیا گیا۔ ان زخموں کی گہرائی میں اگر ہمالہ پہاڑ جھونک دیا جائے تو بھی نہ بھریں گے۔ گھر گھر ابوطالبؐ و خاندانہ ابوطالبؐ کا پیدا کردہ سوگ تھا، نوے تھے، آہ و بکا تھی، نہانا دھونا، عمدہ لباس پہننا، آرام و استراحت ترک کر دئے گئے تھے۔ اور صرف ایک ہی فکر تھی کہ کسی طرح بنی ہاشمؑ کو صفحہ ارض سے مٹا دیا جائے۔ کعبہ کے منصب داروں کو کعبہ کے چھن جانے کا یقین ہو گیا تھا۔ اس لئے ٹھیل سے فریاد ہوتی تھی تو کبھی لات و منات سے التجائیں تھیں۔ پورے بنی ہاشمؑ کو بھیڑیں قرار دے کر بھیڑیئے کا نوالہ بنانے کی فکر تھی۔ حضرت ابوطالبؐ کو نخل قرار دے کر اس پر محفوظ کھجوروں یعنی آنحضرتؐ اور متعلقین کو تلخ کر دینے کی دُعاں تھیں۔ محمدؐ مصطفیٰؐ جس مذہب کو پیش کر رہے تھے وہ قریش کی طرح بنی ہاشمؑ کے نسب کو قطع نہ کرتا تھا۔ ورنہ ابوطالبؐ بھی اُسی طرح دشمن ہوتے جس طرح ابولہبؓ دشمن تھا۔ مذہب و طریقہ محمدیؐ میں عربوں کا کوئی فضل و اکرام و خصوصیت ہرگز نہ تھی۔ اگر ابوطالبؐ کا مذہب بھی وہی ہوتا جو قریش اور عربوں کا تھا تو یقیناً ابوطالبؐ ابوسفیانؓ کا ساتھ دیتے۔ اگر قریش و عرب کے مزعومہ خداوندوں کو بنی ہاشمؑ یا ابوطالبؐ کے دلوں میں رسائی حاصل ہوتی تو یقیناً حضرت ابوطالبؐ اور تمام بنو ہاشمؑ (معاذ اللہ) رسول اللہؐ کی مخالفت کرتے۔ مگر بات تو یہ ہے کہ آنحضرتؐ وہ مذہب پیش کر رہے ہیں جو محمدؐ اور ابوطالبؐ اور تمام بنی ہاشمؑ کا اپنا اور اُنکے باپ دادوں کا مذہب ہے۔ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمُّكُمُ الْمُسْلِمِينَ (الحج 22/78) میں اَبِيكُمْ صرف محمدؐ مصطفیٰؐ کیلئے نہیں ہے۔ یہ صیغہ جمع ہے۔ اس میں وہ تمام حضرات داخل ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صحیح اولاد تھے۔ یعنی جنہوں نے ہرگز شرک نہیں کیا، ہرگز حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ ہر حالت میں ان کی اتباع ہی کرتے رہے۔ جن کا قول یہ تھا کہ:-

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ

بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا.... الخ (یوسف 12/38)

”میں تو اپنے آباؤ اجداد حضرت ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ علیہم السلام کی پیروی کرتا ہوں۔ ہمارے لئے تو یہ بات ہے ہی نہیں کہ

ہم (اولاد ابراہیمؑ) اللہ کے ساتھ کسی قسم کا بھی شرک کر سکیں۔ اللہ کے افضال میں سے یہ بھی ہم پر ایک فضل ہے۔“

جن مبارک ہستیوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اُن کے لئے یہ طے ہو چکا تھا جبکہ:-

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۚ رَبِّ إِنَّهُمْ أَضَلُّونَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعْنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَ مَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (ابراہیم-14/35-36)

”اور جب ابراہیمؑ نے کہا اے میرے پالنے والے اس شہر کو امن دینے والا بنادے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو صنم پرستی سے مجتنب رکھ۔ پالنے والے ان بتوں نے واقعی انسانوں میں سے کثرت کو گمراہ کر دیا ہے۔ چنانچہ جو میری اتباع کرے وہی مجھ سے ہیں۔ اور جو میری نافرمانی کرے تو تو یقیناً غفور اور رحیم ہے۔“

چنانچہ بنی ابراہیمؑ یا ابراہیمؑ کی اولاد صرف وہی لوگ ہیں جو شرک سے جدا رہے اور اُن کی اتباع کی۔ رہ گئے نافرمان اور بتوں کے پجاری یا محافظ و منتظم و منصب دار اُن کو انبیاء کرام علیہم السلام ہمیشہ غفور اور رحیم کے حوالے کرتے چلے آئے۔ اس آیت کی رو سے قریش اور تمام عرب نمرود و فرعون کی شاخیں ہیں۔ وہ شجرہ ابراہیمی میں اگر کبھی کسی طرح تھے بھی تو منقطع کر دیئے گئے تھے۔ انہی کے نمائندوں کی فہرستیں مولانا شبلی نعمانی نے پیش کی ہیں۔ اُن ہی کے متعلق ہم الٹی لنگا بہانے چلے ہیں۔ اُن کے آباؤ اجداد میں اگر ابراہیم علیہ السلام ہوتے تو اُن کا آبائی مذہب بھی وہی ہوتا۔ عربوں نے اپنے اپنے آبائی مذہب کو جس مضبوطی سے پکڑے رکھا اس کی مثال خود عرب ہی ہیں۔ چنانچہ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ سے قریش اور عرب یعنی بنی ہاشم کے مخالفین کا کوئی رشتہ نہ تھا۔ نہ ملت و مذہب سے، نہ خود نسب ابراہیمی سے۔ البتہ اقتدار و حکومت کے بل بوتہ پر بار بار ایسا ہوتا رہا ہے کہ لوگوں نے اپنے شجرہ نسب کو کسی بزرگ شجرہ سے ملا دینے کی کوشش کی۔ لیکن قرآن کریم و احادیث اور خود طرفداران اقتدار کے بیانات سے یہ راز فاش ہوتے چلے آئے ہیں۔ ہر مجرم سے جرم کے دوران ایک غلطی کا ہو جانا مقدّر ہے۔ اور مُفْتَشِّح و محقق کے لئے وہ غلطی سرمایہ تحقیق و تفتیش بن جاتی ہے۔ خصائل ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام جن لوگوں میں یکسر مفقود ہوں۔ نہ صورت ملتی ہو نہ سیرت کا شاہد ہو وہ کیسے اُن کے بیٹے ہو سکتے ہیں؟ تاریخ نے اُن لوگوں کے حلیے لکھے ہیں۔ باوجود احتیاط کے اُن کی صورتیں مکروہ اور سیرتیں بھیانک رہتی چلی آئی ہیں چنانچہ؛

(12/10)۔ جناب شبلی سے قریش کی عداوت کا ایک اور سبب ملاحظہ ہو لکھتے ہیں کہ:-

(و) ”ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بد اخلاقیات پھیلی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بد اخلاقیوں کے مرتکب تھے۔“ اس کے بعد چند بد معاشیوں اور بد معاشوں کا نام بنام ذکر کر کے لکھا ہے کہ:-

(ز) ”اسی طرح اکثر ارباب جاہ مختلف قسم کے اعمال شنیعہ میں گرفتار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے تو دوسری طرف ان بد اخلاقیوں پر سخت دارو گیر کرتے تھے۔ جس سے اُن کی عظمت و اقتدار کی شاہی منزلزل ہوتی جاتی تھی۔“ (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اول صفحہ 218)

(12/11)۔ اس بیان سے ایک دفعہ پھر واضح ہوا کہ جن کو قریش کہا جا رہا ہے، بنی ہاشم اُن کی طرح نہ بت پرست تھے۔ نہ اعمال شنیعہ اور ذلیل بد اخلاقیوں میں ملوث تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ بھی اپنی مذمت پر چراغ پا ہوتے اور قریش کی طرح آنحضرتؐ کے خلاف

محاذ قائم کرتے۔ معلوم ہوا کہ بنی ہاشم کا طرز زندگی اور عملدرا مدین اسلام کے مطابق تھا۔ چنانچہ بنی ہاشم کے پورے خاندان کے لئے ماننا پڑے گا کہ ان کا ہر فرد مسلم و مومن، صالح اور متقی تھا۔ اور اس سب کا سہرا جناب ابوطالب علیہ السلام کے سر تھا۔ وہ بنی ہاشم کے سربراہ تھے اور پورا قبیلہ ان کے اُسوۂ حسنہ پر عامل تھا۔ یہ زمین و آسمان، کفر و ایمان اور سیاہ و سفید کا فرق تھا جس کو قریش نے مشکوک کرنے کیلئے صدیوں تاریخ کو بگاڑا۔ تاریخ کو بگاڑنے کی ایک مثال بھی سن لیں مولانا شبلی کہتے ہیں:-

(ح) ”ایک ضروری نقطہ“ گو یہ امر اب قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ غزوہ بدر کا سبب کاروان تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا۔ تاہم اس گرہ کا کھولنا ضروری ہے کہ ایسے صاف اور صریح واقعہ کے متعلق تمام ارباب سیر نے متفقاً کیوں غلطی کی؟ اور صحیح بخاری وغیرہ میں یہ تصریحات کیوں پائی جاتی ہیں؟ کہ بدر کی ابتدا قافلہ ہی پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوئی تھی۔“

(12/12)۔ مولانا شبلی یہ بیان نہ بھی دیتے تب بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ عربی منصوبہ کی مصلحتوں کے تحت تمام مؤرخین و محدثین واقعات میں ہر ممکن رنگ آمیزی کرنے سے نہ چوکتے تھے۔ بخاری کی ایسی معتبر کتاب بھی یہی کہتی ہے کہ رسول اللہ نے (معاذ اللہ) اہل مکہ کے ایک تجارتی پر امن قافلہ کو لوٹنے اور قتل و غارت کر دینے کا حکم دیا تھا۔ اسی کے نتیجہ میں جنگ بدر پیش آئی۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)۔ ایک زمانہ تھا جب یہ امید کی جاتی تھی کہ رفتہ رفتہ رسول اللہ کے نام پر اور انبی کا اُسوہ اور عمل بتا کر لوٹ مار اور قتل و غارت ہمیشہ جاری رکھی جاسکے گی۔ چنانچہ اس پر باقاعدہ عمل ہوتا رہا۔ غیر مسلموں کا حال تو معلوم ہے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ عین حالت نماز میں نمازیوں کو گرفتار کیا جاتا تھا اور گاؤں کے گاؤں قتل و غارت لوٹ مار سے تباہ کر دیئے جاتے تھے۔ تاریخ سے مالک بن نویرہ اور اُسکے گاؤں کا واقعہ مٹایا نہیں جاسکتا۔ مسلمان نمازیوں کو قتل کیا گیا۔ اُنکے ناموس کی حرمت کو ضائع کیا گیا۔ اُنکی عورتوں اور بچوں کو کنیریں اور غلام بنایا گیا۔ اسی مسئلہ کی رو سے جس کو جناب شبلی نعمانی نے باوجود بخاری و مسلم جیسی کتابوں میں ہوتے ہوئے باطل ثابت کیا ہے۔ چنانچہ مؤرخین کا اتفاق اور محدثین کی وفاق سے باطل اور حرام فعل کو حق و جائز نہیں کہا جاسکتا۔ اس قسم کے ہزار ہا حقائق ہیں جن کو عربی منصوبہ سازوں کے اشارہ پر پوشیدہ کر لیا گیا یا ان کی صورت کو بدل دیا گیا یا کم از کم مشکوک کر دیا گیا۔ بالکل اُسی طرح، قطعی اُسی انداز سے اور عین اُسی قسم کے مقاصد کے ماتحت حضرت ابوطالب ایسی عظیم ترین ہستی، محسن رسول، ماوئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوزیشن کو مشکوک کرنے کی انتہائی کوشش کی گئی۔ لیکن یہاں مؤرخین کے درمیان اتفاق نہ ہو سکا۔ اسلئے کہ بعض مؤرخ اس معاملہ میں خریدے نہ جاسکے۔ خود مولانا شبلی ہی کو لے لو۔ وہ اس روایت کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں جس پر حضرت ابی طالب کا ایمان نہ لانا منحصر کیا گیا ہے (صفحہ 248)۔ مگر افسوس کہ سید سلیمان ندوی اپنی سیادت کے ثبوت میں اپنے اُستاد یعنی شبلی نعمانی کے خلاف اپنے جد امجد کو کافر ماننے پر مُصر ہیں (حاشیہ صفحہ 248)۔ ہم انہیں مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ آخر وہ اپنے جد کو پہچان لینے میں کامیاب ہو گئے اور ساتھ ہی اُستاد (جو باپ کے برابر ہوتا ہے) کا حق ادا کر دیا۔

(12/13)۔ آپ نے دیکھ لیا کہ آج چودھویں صدی میں بھی حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کی بحث اتنی خطرناک حد تک محسوس کی جاتی ہے کہ شاگرد اُستاد کا منہ نوچ لینے میں تکلف نہیں کرتا۔ بہر حال بتایا یہ جارہا تھا کہ تاریخی بیانات آج چودہ سو سال کے

بعد غلط ثابت کئے جا رہے ہیں۔ واقعی مولانا شبلی نے نہایت شاندار طریقہ پر جنگ بدر کی بخاری و غیرہ میں مذکورہ وجہ کو باطل ثابت کیا ہے۔ لہذا سوچ سمجھ کر یہ کہنا چاہئے کہ تاریخ سے ابوطالب علیہ السلام کا ایمان لانا ثابت نہیں ہے۔ اسی لئے ہم نے الٹی گنگا شروع کی اور کفار عرب کے ہتھکنڈے آپ کے سامنے رکھتے چلے جانا ضروری خیال کیا ہے۔ اسکے بعد آپ یہ دیکھیں کہ شبلی صاحب وہ سبب بیان کرتے ہیں۔ جس کی بنا پر بعض تاریخی بیانات کا غلط ہو جانا ضروری تھا۔ ناظرین سے التماس ہے کہ اس پہلو کو نہایت غور و فکر کے ساتھ مطالعہ فرمائیں، لکھتے ہیں کہ:-

(ط) ”اصل یہ ہے کہ اصول جنگ کے موافق، اکثر غزوات میں یہ ظاہر نہیں کیا جاتا تھا کہ کدھر جانا اور کس غرض سے جانا مقصود ہے؟ صحیح بخاری میں حضرت کعب بن مالک جو مشہور صحابی ہیں اُن کا قول نقل کیا گیا ہے:-

وَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ غَزْوَةً إِلَّا وَرَى بِغَيْرِهَا۔

”اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تھے تو کسی اور موقعہ کا تورِیہ فرماتے تھے۔“ (صفحہ 364)

(12/14)۔ اس کے بعد مولانا تورِیہ کے معنی بتاتے ہیں سنئے:-

(ی)۔ ”تورِیہ کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہیں کہ آپ ایسے موقعہ پر مبہم اور محتمل المعین الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ گو میرے نزدیک یہ کلیہ اس معنی میں صحیح نہیں، تاہم واقعات کے استقصاء سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ بعض موقعوں پر واقعہ اس طرح مبہم رکھا جاتا تھا کہ لوگ مختلف قیاس پیدا کرتے تھے۔“ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 364)

(12/15)۔ بعض نوجوان شبلی صاحب کے اس بیان کو ٹھیک سے سمجھ کر لطف اندوز نہ ہو سکیں گے۔ اُن کے لئے ہم چند وضاحتی سطریں لکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تورِیہ مصدر ہے۔ اس کے معنی ہیں ”چھپانا“، کسی مفہوم کو پوشیدہ اور محفوظ کرنا۔

(To conceal), (To hide To), (To dissemble), (To allude ambiguously To)

ترکیب سے مفہوم پوشیدہ کر جانا، ساتھ ہی جھوٹ نہ بولنا۔ یہ ہیں اصطلاحی معنی۔ مثلاً آپ دریافت کرتے ہیں کہ آپ نے کتنا لکھا پڑھا ہے؟ جواب ملتا ہے۔ بھائی گزارہ کر لیتا ہوں۔ اس جواب سے آپ سمجھے کہ معمولی اردو وغیرہ پڑھا لکھا شخص ہے۔ لیکن اُس کے جواب میں لکھنے پڑھنے کیلئے ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ آپ نے خود ہی سمجھ لیا کہ گزارہ کر لیتا ہوں کا مطلب ہے کہ اتنا لکھا پڑھا ہوں کہ اپنے معمول کے کام چلا لیتا ہوں۔ لہذا تورِیہ کا مطلب یہ ہے کہ کلام ایسا کیا جائے جس سے کذب نہ ہو اور اصل بات بھی معلوم نہ ہونے پائے اور متعلقین کا اطمینان بھی ہو جائے۔ یاد رکھئے کہ تورِیہ تقیہ کے مبادیات میں سے ایک علمی طریقہ ہے جس سے مصلحت نافذ کی جاسکتی ہے۔ لہذا مولانا شبلی نے مان لیا کہ دشمنوں یا نااہلوں سے کسی عمل کو پوشیدہ رکھنا تاکہ عمل سے غلط فائدہ نہ اٹھایا جاسکے سنت نبویؐ ہے۔ اور ہر بات کو کھول کر بیان نہ کرنا مصلحتاً جائز ہے۔ لہذا ہمیں اُن جہلا سے یہ شکایت ہے کہ جناب ابوطالب علیہ السلام کے متعلق انہیں کسی مصلحت کا خیال کیوں نہیں آتا؟ وہ کیوں چاہتے ہیں کہ اس طریقہ کو انبیاء علیہم السلام اس کے موزوں ترین مواقع پر بھی استعمال نہ کریں؟ یہ پہلو ہم مناسب جگہ پر دوبارہ سامنے لائیں گے۔ یہاں یہ دیکھیں کہ تقیہ اور تورِیہ کیوں ضروری ہے؟ یہ بھی مولانا کے قلم سے ملاحظہ ہو:-

(ک)۔ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاریاں کیں۔ اتحادی قبائل کے پاس قاصد بھیجے کہ تیار ہو کر آئیں۔ احتیاط کی گئی کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے۔ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے۔ انہوں نے قریش کو مخفی خط لکھ بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ مکہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آنحضرتؐ کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی۔ حضرت علیؓ (اور حضرت زبیرؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت ابو مرثد غنویؓ) کو بھیجا کہ قاصد سے خط چھین لائیں۔ خط آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش ہوا تو تمام لوگوں کو حاطب کے افشائے راز پر حیرت ہوئی۔ حضرت عمر بیتاب ہو گئے اور عرض کی کہ حکم ہو تو اسکی گردن اڑا دوں۔“ (سیرۃ النبیؐ صفحہ 511-512)

(12/16)۔ ہم جناب شبلی سے یہ دریافت نہ کریں گے کہ سرکار آپ نے جب حاطب کا نام پہلے لکھا تو ان کے ساتھ حضرت بھی لکھا اور رضی اللہ عنہ کا ”رض“ بھی لکھا اور انہیں ایک معزز صحابی بھی بتایا۔ لیکن آخر میں جب نام آیا تو بے چارے حضرت صاحب نہ معزز رہے نہ خدا ان سے راضی رہا۔ صرف حاطب لکھ کر آپ نے ان کو کیوں چھوڑ دیا 2۔ قاصد کو پکڑنے اور خط چھین لانے کیلئے حضرت علی علیہ السلام کے بعد یہ بریکٹ کیوں چپکا دیا۔ کیا تمہارے خیال میں وہ تنہا کافی نہ تھے؟ بہر حال ہم مولانا کو مذہبی رعایت دیتے ہیں۔ جس قدر وہ حق بیان کریں اس پر ان کے مشکور ہیں۔

(12/17)۔ ناظرین مندرجہ بالا حادثہ آپ نے دیکھ لیا۔ یہ ایک معزز صحابی کا حال تھا۔ وہ واقعی معززین میں داخل رہا ہوگا۔ ورنہ اس سے راز رکھا جاتا۔ اس سے آپ چند باتیں سیکھیے۔ اول یہ کہ معزز صحابہ میں ایسے لوگ موجود تھے جو موقع ملنے پر کفار کو آنحضرتؐ کے راز بتا دیا کرتے تھے۔ یعنی قریش کی طرف سے جاسوسی کے لئے معزز مقام حاصل کرنا ضروری تھا، کہ راز معلوم ہوتے رہیں۔ دوم یہ کہ قرآن کریم میں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ اگر تمہیں تمہارے ماں باپ، عزیز و اقارب، اولاد و اموال وغیرہ اللہ اور رسولؐ سے زیادہ عزیز ہیں تو جہنم کیلئے تیار رہو۔ سوم یہ کہ اگر یہ خط کسی دشمن پارٹی کی طرف سے جاتا اور ترسیل خط میں ایسی غلطی کی جاتی جس سے خط بھی پکڑا جائے اور پارٹی بھی ظاہر ہو جائے تو یقیناً پارٹی کی طرف سے ایسے بداحتیاط شخص کی سزا، سزائے موت ہوتی۔ جس نے ادھر اپنے فرائض میں کوتاہی کی اور ادھر پوری قوم کو تباہ کرانے کا باعث بنا۔ چہارم یہ کہ اگر جناب ابوطالب علیہ السلام کے متعلق ہمیں ایسی ایک بھی حرکت معلوم ہو جاتی جیسی کہ ان رضی اللہ عنہ حضرت صاحب نے کی تھی تو قسم بخدا میں انہیں دشمنانِ اہل بیتؑ کی اُسی فہرست میں شمار کرتا جو ہمارے یہاں معروف و مشخص ہے۔ پانچویں یہ کہ اگر اس تمام کے بعد بھی وہ حضرت رضی اللہ عنہ ہیں تو جناب ابی طالبؓ بلاشبہ صلوٰۃ اللہ علیہ ہیں۔ چھٹی یہ کہ یہاں دیکھئے کہ حضرت ابی طالب علیہ السلام کی فداکاریاں مانی جاتی ہیں اور ان کے لئے ہر ایسے عمل و قول کا انکار کیا جاتا ہے کہ جس سے آنحضرتؐ یا مسلمانوں کا نقصان مد نظر ہو۔ اسکے باوجود انہیں (معاذ اللہ) مومن تسلیم کرنے میں ایک مخصوص ذہنیت کو تکلف ہوتا ہے۔ لیکن حاطب کو مومن کہنے اور اللہ کو اس سے زبردستی راضی کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے۔ یہاں تلاش کرو، یہیں کہیں کفر پوشیدہ ہے۔

(12/18)۔ تبلیغ اسلام کے لئے تقیہ و توریہ جیسے بے پناہ شرعی اصول

دیکھا آپ نے توریہ کیوں ضروری ہے؟ تقیہ کیوں لازم ہے؟ تاکہ کفار و منافقین اور عربی قسم کے مسلمین کے خطرات سے محفوظ رہ کر دین کو تیزی و کامیابی سے نافذ کیا جاسکے۔ چونکہ توریہ اور مصلحت کی بات ہو ہی گئی اس لئے آپ کے روبرو یہ بھی پیش کر دیں کہ اولین مسلمانوں کو ممانعت تھی کہ وہ ایک خاص حالت کے سوا خود کو مسلمان ظاہر نہ کریں۔ خاموشی سے حکمت کے ساتھ دعوت اسلام دیں اور یہ کام اپنے اعتماد کی نسبت سے کریں۔ تاکہ قریش کو تدارک کا موقع نہ ملے اور مذہب اسلام بلا مزاحمت پھیل جائے اور اسلام کا پھیلنا بھی انہیں بے ڈھنگے طریقہ پر منظور نہ تھا۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام اپنے انتقال سے پہلے ایسے داخلی انتظامات کر دینا چاہتے تھے کہ جو ان کی وفات کے بعد آنحضرت کی فطری حمایت و صیانت کا سبب بن جائیں۔ لہذا نہایت محنت و احتیاط سے تبلیغ کی جاتی تھی۔ تاکہ قریش اس پروگرام اور اس کے نتائج پر مطلع ہو کر تدارک نہ کرنے پائیں۔ اسلام لانے والے ایسے لوگ ہوں جو قریش کے خلاف جم کر کھڑے ہو سکیں۔ ساتھ ہی تہذیب و اخلاق اور مصلحت کے تحت قریش کو چڑایا نہ جائے۔ انہیں ایک دم خطرہ محسوس نہ ہونے پائے۔ یہ سب کچھ تقیہ و توریہ جیسے بے پناہ شرعی اصولوں کی مدد سے کیا جا رہا تھا۔ اس سلسلہ کی دو ایک چیزیں شبلی صاحب سے سنئے لکھا ہے کہ:-

(ل)۔ ”یہ امر واقعی طور پر ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے ہی بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی اور جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا ان کو اس سے منع فرماتے تھے۔“ (صفحہ 192)

(12/19)۔ نبوت اور رسالت محمدیہ روز ازل سے غیر منقطع صورت میں چلی آرہی ہے

یہاں آپ نوٹ کریں کہ اعلان نبوت سے نبوت شروع کرنا اور اُسی روز سے آنحضرت کو نبی ماننا بھی تاریخ میں جہاں کہیں ملے اُسے کفار قریش کے منصوبہ سازوں کی کار فرمائی سمجھنا چاہئے۔ ورنہ حقیقتاً نبوت محمدیہ کائنات کی ابتدا کے پہلے سے شروع ہوتی ہے۔ مگر اپنی آخری اور مکمل صورت میں پیدائش محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ ماننا پڑے گی۔ اور ہم تو اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ وَاَوْسَطُنَا مُحَمَّدٌ وَاٰخِرُنَا مُحَمَّدٌ کے اصول سے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے ادوار میں ان کے تمام اوصیاء و ائمہ علیہم السلام کو روز ازل سے قیامت تک محمد ہی محمد مانتے چلے آتے ہیں۔ دوسری چیز یہ نوٹ کر لیں کہ مولانا شبلی اعلان نبوت سے پہلے کی تبلیغ کو اعتماد اور بھروسہ سے مشروط قرار دیتے ہیں۔ یعنی اُس زمانہ میں تبلیغ صرف ان لوگوں کو کی جاتی تھی جن پر آنحضرت کو کامل اعتماد اور بھروسہ تھا کہ وہ نہ صرف غور و خوض کریں گے بلکہ اُس تبلیغ اسلام کو راز میں بھی رکھیں گے اور قبل از وقت اُس راز کو فاش نہ کریں گے اور ہرگز ہرگز کسی طرح ان لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دیں گے جو ناقابل اعتبار ہیں یا بنو ہاشم کے دشمن، حریف اور بدخواہ ہیں۔ اور چونکہ تاریخ کی رُو سے عوام کا یہی عقیدہ قائم ہوا کہ آپ اعلان نبوت کے روز سے نبی ہیں اور برابر جمہوری (جمہوری) عقیدہ یہی رہتا چلا آیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے پہلے جن لوگوں کو اپنی نبوت اور تعلیمات اسلام کی تبلیغ کی گئی، وہ واقعی قابل اعتماد بلکہ جان نثاران محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ یہ قابل بھروسہ اور قابل یقین لوگ وہی ہو سکتے ہیں جن کو سابقہ تعلیمات خداوندی مسلسل

معلوم ہوں۔ جو مصلحت انبیاء سے آگاہ ہوں۔ جن کو اصول تدریج کے فوائد و قواعد پر یقین ہو اور جو کسی طرح بھی ان مصالح کی خلاف ورزی نہ کریں۔ پھر یہ وہ لوگ ہونا چاہیں جن کو نہ صرف تعلیمات انبیاء علیہم السلام کا ربط و تسلسل معلوم ہو بلکہ اس وقت کے عربوں اور دشمنان تعلیمات خداوندی پر بھی مطلع ہوں تاکہ اس راز کو ان سے محفوظ رکھیں۔ اس کے بعد یہ نوٹ کریں کہ یہ راز چونکہ محفوظ رہا اور آج تک نبوت کی ابتدا پر بحثیں ہوتی ہیں اور اکثر کم علم لوگ یا منصوبہ ساز حضرات کا عقیدہ یہی ہے کہ اعلان نبوت کے بعد سے نبوت شروع ہوئی۔ اس سے پہلے وہ آنحضرت کو نبی نہیں مانتے۔ اس سے ان لوگوں کی عظمت ثابت ہوگئی جنہوں نے باوجود تبلیغ ہوتے رہنے، باوجود تعلیمات نبوت سے فیض یاب ہوتے رہنے کے ناقابل اعتبار لوگوں کو اس راز کی ہوا تک نہ لگنے دی۔ ورنہ حریفان بنی ہاشم، بدخواہان ابوطالب اور دشمنان خدا و رسول، اعلان نبوت کو صرف ڈھونگ نہ کہتے بلکہ اُسے بہت پرانا ڈھونگ قرار دیتے اور روز اول ہی سے مخالفت، مزاحمت اور شرارت شروع کر دیتے۔ اور کسی قیمت پر وہ اعزاز نہ کرتے جو بنی ہاشم اور خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم کا فطری نتیجہ تھا۔ سید بطحا و یثرب نہ کہتے، مین کا لقب نہ دیتے اور دشمنی کا ایک ہلچل مچ جاتا۔ (معاذ اللہ) اُن کو بُت پرست مشہور کرنے کی کوششیں ہوتیں، شرابخوری کا ثبوت فراہم کیا جاتا، ہر ممکن اتہام اور الزام لگایا جاتا۔ اس سے آپ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی اور شرعی اصول تدریج و حکمت نیز توریہ کی اہمیت کا اندازہ لگائیں۔ عرب کے تمام گھرانے، شیوخ قریش کا ہر فرد سر آنکھوں پر بٹھاتا رہا۔ قریش نے اعلان نبوت سے پہلے پہلے آنحضرت کی ہر ہر حیثیت سے تعظیم و تکریم کی اور انہیں پتہ نہ چلا کہ ابوطالب کے گھر میں ایک انقلاب پرورش پا رہا ہے جو عرب و قریش کی مذہبی حکمرانی کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جائے گا۔ یہ نتیجہ محض جناب ابوطالب علیہ السلام کی اس بصیرت کا تھا جو تمام سابقہ انبیاء و اوصیاء و ائمہ علیہم السلام سے انہیں وصیت اور ورثہ میں ملی تھی۔ اور اسی کو خدا نے فَہْدٰی کہہ کر جتلیا۔ اسی انتظام کی چٹنگی کی بنا پر فَاْغْنٰی فرمایا۔ فاوٰی ارشاد ہوا۔ قیام و استحکام نبوت و رسالت کے انتظامات کے دوش بدوش قیامت تک نبوت و رسالت کی حفاظت و صیانت کا مادی انتظام بھی ہو گیا تو خدا کا وعدہ (فَتَّوْضٰی) پورا ہو گیا۔ اور خدا نے محمدؐ والی طالب علیہما السلام کو راضی کر دیا۔ یہاں یہ بھی نوٹ کر لیں کہ اعلان نبوت کے بعد یہ راز رفتہ رفتہ کھل گیا کہ نبوت اور رسالت محمدؐ یہ روز ازل سے غیر منقطع صورت میں چلی آرہی ہے۔ کبھی انبیاء و رسل لگاتار ایک دوسرے کے وصی و ولی و خلیفہ و امام بنتے رہے۔ اور کبھی ایک نبی سے دوسرے نبی تک آئیمہ کا سلسلہ جاری رہتا اور تعلیمات خداوندی کو پہنچاتا رہا ہے۔ اور آخر میں یہ راز بھی کھل گیا کہ اب قیامت تک خاندان ابوطالب علیہ السلام کے چشم و چراغ بارہ آئمہ کی شکل میں اس مکمل دین کو حوض کوثر تک لے کر جانے کے ذمہ دار ہیں۔ اس پر بعض ناعاقبت اندیش منصوبہ سازوں نے ایسی روایات بھی تیار کی تھیں جن میں (معاذ اللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبل نبوت بُت پرستی وغیرہ کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔ اُن کو ہم نے ناعاقبت اندیش اس لئے لکھا کہ انہوں نے خاندان بنو ہاشم کی عداوت میں خود اپنے مزعومہ مذہب کی رعایت بھی ملحوظ نہ رکھی۔ اور دنیا پر جس کو اپنا نبی ظاہر کیا اس کی تنقیص کو خود اپنے مزعومہ مذہب کی تنقیص نہ سمجھا۔ یہ بھی سمجھ لیں کہ جو لوگ خود آنحضرت کو (معاذ اللہ) بُت پرستی، شراب نوشی، نماز میں بتوں کی مدح و ثنا، بتوں کا چڑھاؤ کھانا، اور قبل اعلان نبوت نبی نہ ہونا، بعد اعلان نبوت سینکڑوں غلطیاں کرنا، غلطی کو اُن سے ممکن ماننا وغیرہ بطور مذہب اختیار کر لیں تو وہ اگر حضرت ابوطالب علیہ السلام کو مومن و

مسلم نہ مانیں تو کوئی تعجب نہ ہونا چاہئے۔ اس سلسلہ کا ایک اور بیان مولانا شبلی کے قلم سے دیکھئے، فرماتے ہیں کہ:-

(م)۔ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلیں پیش نظر تھیں۔ اگر آپ کا فرض اسی قدر ہوتا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر اکتفا فرمائیں یا حضرت کلیم کی طرح اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائیں تو مشکل نہ تھی۔ لیکن خاتم انبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام سے منور کر دینا تھا۔ اس لئے نہایت تدریج سے کام لینا پڑا۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پُرخطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جائے؟ اس غرض کے لئے صرف وہ لوگ انتخاب کئے جاسکتے تھے جو فیض یا بصیرت رکھتے تھے۔ جن کو آپ کے اخلاق و عادات کی ایک ایک حرکات و سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپ کے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے۔ یہ لوگ حضرت خدیجہؓ آپ کی حرم محترم تھیں۔ حضرت علیؓ تھے جو آپ کے آغوش تربیت میں پلے تھے۔“ وغیرہ وغیرہ (سیرۃ النبیؐ - جلد اول صفحہ 205)

(12/20)۔ اعلان نبوت سے پہلے پہلے تمام بنی ہاشم میں تبلیغ ہو چکنا لازم ہے

گو مولانا کا یہ منشا نہیں ہے۔ یہاں تو وہ بعد اعلان نبوت کی بات کر رہے ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر مولانا کا بیان (ل) صحیح ہے تو نمبر (م) کا تعلق اعلان نبوت سے بہت پہلے سے ہے۔ یعنی آپ نے خدیجہ علی علیہما السلام کو روز اول سے تبلیغ اسلام شروع کی تھی اور تمام اہل عقل مع مسلمانوں کے مانتے ہیں کہ جناب ابوطالبؓ سے زیادہ آپؐ کو نہ کسی دوسرے پر اعتماد تھا نہ ہو سکتا تھا۔ اور نہ آنحضرتؐ کی ایک ایک عادت بلکہ ایک ایک بال، خون و گوشت، ہڈیاں، خصلت و مزاج وغیرہ سے کوئی دوسرا شخص، جناب ابوطالبؓ کے بالمقابل زیادہ علم و تجربہ رکھتا تھا نہ کسی اور کے لئے ممکن تھا۔ لہذا جناب ابوطالبؓ علیہ السلام سے زیادہ آنحضرتؐ کی پوزیشن کو کوئی شخص نہیں جانتا تھا۔ چنانچہ مولانا کے مسلمہ قاعدے کی رو سے سب سے پہلے ابی طالبؓ علیہ السلام کو وہ تازہ تعلیمات خداوندی بتانا لازم ہو جاتا ہے جو پہلے انبیاء و رسل سلام اللہ علیہم پر نازل ہونے کی بنا پر جناب ابوطالبؓ کو معلوم نہ تھیں۔ اُن کے بعد جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کا نمبر ہوگا۔ پھر جناب علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ یہ نہ صرف فطری پوزیشن تھی بلکہ مولانا بھی اس سے متفق ہیں۔ اس کے بعد دوسرے معتبر حضرات کا نمبر آئے گا اور یہ نمبر بنی ہاشم سے باہر نہ نکلے گا جب تک وہ سب روشناس نہ ہو جائیں۔ اُن کے بعد دیگر افراد کا نمبر آئے گا۔ اور بہر صورت بعد اعلان نبوت آئیگا۔ اعلان نبوت سے پہلے پہلے تمام بنی ہاشم میں تبلیغ ہو چکنا لازم ہے۔ پھر اعلان کے بعد بھی تبلیغ میں تدریج برابر قائم رہے گی۔ تاکہ بقول مولانا یہ ”پُرخطر“ راز دشمنان قدیم پر بلا ارادہ ظاہر نہ ہونے پائے۔ یہاں مولانا نے جناب عیسیٰ علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کی درپردہ توہین کی ہے۔ یہ سراسر واقعات کے خلاف ہے کہ اول الذکر نے صرف دعوت پر اکتفا کی اور ثانی الذکر اپنی قوم کو صرف لیکر نکل گئے۔ اور یہ بات کہ آنحضرتؐ اپنی قوم کو بلا کسی مشکل کے عرب سے لیکر نکل سکتے تھے، بہت مضحکہ خیز ہے۔ غالباً مولانا یہ بھی نہیں جانتے کہ آنحضرتؐ کی قوم کون تھی؟ کیا تھی؟ کہاں تھی؟ کتنی بڑی اور کیسی تھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر آمادہ ہونا قریش کیلئے نہایت آسان تھا۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ بنو ہاشم خون کا انتقام نہ چھوڑیں گے۔ اور سلسلہ بہ سلسلہ تمام مکہ جنگ میں مبتلا ہو جائیگا۔ بہت سے لوگ اسلام لا چکے تھے اور قریباً کوئی قبیلہ ایسا باقی نہ تھا جس میں دو ایک شخص اسلام نہ لا چکے ہوں۔ اس لئے اسلام اگر

جرم تھا تو صرف ایک شخص اس کا مجرم نہ تھا۔ بلکہ سینکڑوں تھے۔ اور سب کا استیصال کرنا ممکن نہ تھا۔ (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 220)

(12/21)۔ یہ اسی تدریج و مصلحت عمرائی کا نتیجہ تھا جس میں اسلام کی تبلیغ اس اصول کو سامنے رکھ کر کی جارہی تھی کہ میرے بعد دشمنان دین کی مزاحمت صفر سے ضرب کھا کر رہ جائے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے حضرت ابوطالب علیہ السلام نے بہت محنت و کوشش سے کام کیا۔ گویا تمام قبائل کو ان خبیثوں کے بالمقابل لا کر کھڑا کر دیا گیا۔ جس طرح بنی ہاشم کو اسلام کی تبلیغ کی گئی۔ حضرت عمران علیہ السلام نے اس مقصد کے لئے بار بار سفر کئے۔ وہ آنحضرتؐ کو ہمراہ رکھتے تھے۔ علمائے یہود و نصاریٰ سے ملاقات کراتے تھے۔ ان کی کتابوں میں مذکورہ پیش گوئیوں کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ وہ لوگ ان کا خاتم الرسل ہونا مان کر اعلان کر دیتے تھے۔ چنانچہ اسی تاریخ میں بہت سے احبار اور ہبان و علمائے یہود و نصاریٰ کا آنحضرتؐ کو پیغمبر آخرا زمان بتانا موجود ہے۔

اُلیٰ لنگا کے سلسلے کی آخری بات سنئے اور خوب غور سے سوچئے اور قرآن کے الفاظ میں وہ تصویر بنائیے اور اسے کبھی اوجھل نہ ہونے دیجئے۔ یہ بہت کام کی باتیں ثابت ہوں گی اور ایمان میں پختگی کا باعث بنیں گی۔ بہر حال نہایت مختصر طور پر عرض کروں کہ وہ نبیؐ جس کے علم کی یہ انتہا تھی کہ کوئی ایسی بات نہ گزری، نہ موجود اور نہ آئندہ ہوگی جس کا علم محمدؐ کو نہ ہو۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ ”اور سکھایا تجھ کو جو کچھ کہ نہ تھا تو جانتا۔“ (نساء 4/113) (ترجمہ رفیع الدین)

ایسے ”العلم“ کو کائنات کے ہر شخص کے ساتھ ساتھ رکھا۔ حضرت آدمؑ سے لے کر (بلکہ اس سے بھی پہلے سے شروع ہو کر) اپنے زمانہ تک کے لوگوں کے لئے راہ ہدایت دکھاتے رہے۔ نہ صرف یہ کہ اپنے ہی زمانہ کی مخلوق کے لئے ہادی تھے بلکہ قیامت تک کی مخلوق کے پیشوا تھے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ (سبا 34/28) اور وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (انبیاء 21/107) اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر رحمت واسطے عالموں کے۔ نیز سورۃ اعراف 7/156 بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ایسا نبیؐ جب مادی طور پر بلند ہوا تو قَسَابٌ قَوْسَيْنِ اَوْ اَذْنٰی ۝ سے آگے نکل گئے (نجم 53/9)۔ اور غیر معین اور لامحدود مقام پر پہنچے۔ جہاں کوئی ملک مقرب ہو یا کوئی نبیؐ ہو یا مرسلؑ نہ پہنچ سکا ہو۔ اس ہی نبیؐ کے لئے قرآن نے ایسی حکومت کا اعلان کیا کہ اگر کوئی شخص اُن کو حاکم تسلیم نہ کرے تو اس کا ایمان ہی قبول نہیں فلا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰی يُحَكِّمُوْكَ (نساء 4/65) ”پس قسم ہے پروردگار تیرے کی نہیں ایمان لاویں گے یہاں تک کہ حاکم بدیں تجھ کو“ (ترجمہ رفیع الدین)

ایسے نبیؐ کے ساتھ ہم کلام ہونے کا طریقہ قرآن کی زبان میں یوں بیان ہوا ہے پوری آیت سنئے:-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (حجرات 49/2)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ مت بلند کرو آواز اپنی کو اوپر آواز نبیؐ کے اور مت آواز بلند کرو اوپر اس کے بیچ بولی کے جیسا بلند

کرتے ہیں بعض تمہارے واسطے بعض کے ایسا نہ ہو کہ کھوئے جائیں عمل تمہارے اور تم نہ سمجھتے ہو۔“ (ترجمہ رفیع الدین)

یہاں پر یہ نوٹ کر کے آگے بڑھیں کہ اگر کسی شخص نے مخالفت تو بجائے خود، صرف آواز اور لہجہ بھی نبیؐ سے بلند کیا تو تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ سوچئے کہ جب پلیٹ فارم ہی صاف ہو گیا تو نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج و زواری اور خیر خیرات کہاں گئے؟ میں نے جلدی جلدی چند آیات پیش کر کے جان چھڑائی ہے ورنہ سینکڑوں آیات کا مطالبہ ہے کہ اُن کو دلیل بنایا جائے۔

بہر نوع یہاں پر کچھ کڑوی باتیں بھی سنیں اور برداشت کریں کہ وہ بھی قرآن ہے۔ ابھی ابھی آپ نے سنا تھا۔ ایسے نبیؐ کو

جسے كَافَّةً لِّلنَّاسِ (سبا 34/28) رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (انبیاء 21/107) لِّلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (فرقان 25/1) کہا ہو۔

اگر اُسے یہ کہا جائے کہ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ (انعام 6/52) ”نہیں اوپر تیرے حساب اُن کے سے کچھ۔“

یعنی تو اُن کے حساب کتاب کا ذمہ دار نہیں ہے۔ سوچ کر بتائیے کہ وہ کون اور کیسے لوگ ہوں گے؟ شوق سے آپ کسی X-Y-Z کا نام لے دیں مگر ذمہ دار ہیں۔ بہر حال اتنا تو واضح ہو گیا کہ یہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہونا چاہئیں۔ یقیناً اُن کی پوزیشن اللہ کی نگاہ میں بہت بلند ہے۔ سنئے اسی گروہ کو سلام کرنے کا محمدؐ کو حکم یوں دیا جا رہا ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی۔ ”کہہ سب تعریف واسطے اللہ کے ہے اور سلام اوپر بندوں اُس کے کے جن کو برگزیدہ کیا،“ (النمل 27/59)۔ بات کو مزید واضح کرنے کے لئے قرآن کا ایک اور مقام دیکھئے۔

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِآيٰتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ (6/54) ”اور جب آویں تیرے پاس وہ

لوگ کہ ایمان لاتے ہیں ساتھ نشانیوں کے ہماری کے پس کہہ سلامتی ہے اوپر انعام۔“ (ترجمہ رفیع الدین)

بات کھل گئی کہ وہ مومن جب بھی محمدؐ کے پاس آئیں تو اُن کو سلام علیکم کہنا ہے۔ اور یہ محمدؐ پر واجب ہے کیونکہ قُلْ صِغْه امر ہے۔ اور وہ اللہ کے مصطفیٰ بندے ہیں (نمل 27/59)۔ دیکھا آپ نے کہ اُن مومنین کی پوزیشن کس قدر مستحکم ہو گئی؟ سوچو اور بار بار سوچو اور بتاؤ کہ وہ کون ایسی ہستیاں ہیں جن کو محمدؐ جیسا رسول سلام کرے گا؟ ایک اور مقام دیکھیں:-

إِنَّمَا يَنْتَعِنُ عِنْدَكَ الْكِبَرُ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أَفٍّ... الخ۔ (بنی اسرائیل 17/23)

”اگر پہنچے نزدیک تیرے بڑھاپے کو ایک ان میں سے یا دونوں (ماں اور باپ) پس مت کہہ اُن کو اف۔“

نوٹ: بریکٹ ہم نے خود دی ہے کہ یہ ذکر ہی ماں باپ کا ہو رہا ہے۔ بہر حال محمدؐ سے کہا جا رہا ہے کہ جب تیرے ماں باپ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو تم کسی بات پر اُن کو اف نہ کہنا۔ اور پھر ذرا آگے۔

وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ (بنی اسرائیل 17/24) ”اور بچھا واسطے اُن دونوں کے بازو ذلت کا مہربانی سے“

محمدؐ کی ذمہ داریوں میں ایک یہ بھی ہے کہ ماں باپ کے سامنے ذلیل ہو کر کھڑے ہونا ہے۔ اور ہر لمحہ مہربان رہنا ہے۔ بتائیے محمدؐ کے ماں اور باپ تو دونوں فوت ہو چکے تھے۔ اب ان آیات کو نازل کرنے کا اللہ کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ کیا اللہ سے (معاذ اللہ) بھول ہو گئی؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر محمدؐ کے سامنے بڑھاپے کو پہنچنے والے دونوں یا دونوں کی جگہ ایک ایسا قائم مقام ہونا چاہئے۔ جن سے یا جس سے مطلوبہ سلوک کیا جاسکے؟ یہ یقیناً وہ ہی ہستی ہے جس کا نام لینے سے قریش کو بخار چڑھتا تھا۔ بہر حال جلدی جلدی ایک اور مقام دیکھ لیں

فرمایا: ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (النحل 16/123) ”پھر وحی بھیجی ہم نے طرف تیری یہ کہ پیروی کر دین ابراہیم حنیف کی“ بات بالکل سیدھی اور واضح ہے کہ ”اے رسول ملت ابراہیم کی اتباع کرو“

یاد رکھیے اتباع جان دار کی ہوتی ہے بے جان کے نقش قدم پر چلا ہی نہیں جاسکتا۔ (دیکھو ہماری تفسیر احسن التعمیر) لہذا وہ ملت ابراہیمی موجود ہو جنکے نقش قدم کی پیروی ہو سکے۔ نسل ابراہیم میں نہ عبدالمطلب موجود ہیں نہ حضرت عبداللہ ہیں۔ اُس وقت اگر موجود ہیں تو صرف حضرت ابوطالب ہیں۔ سابقہ بیانات کی رو سے بھی اور اس تازہ آیت سے بھی حضرت محمدؐ نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کی اتباع کرنی ہے نہ کہ ابوطالبؑ نے محمدؐ پر ایمان لانا ہے؟ اور یہ حکم ہے۔ اس سے سرتابی ناممکن ہے۔ کیسے جناب! ہے نہ ”اَللّٰی لَکَا“؟

(12/22)۔ حضرت عمران علیہ السلام کا نکاح اور خطبہ

جناب ابوطالب علیہ السلام کی شادی آپ کی چچا زاد فاطمہ بنت اسدؓ سے ہوئی تھی۔ آپ نے جو خطبہ پڑھا تھا وہ یہ تھا کہ:-
 ”دُنیا کی تمام خوبیاں اس خدا کے لئے مخصوص ہیں جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے۔ جو عرش عظیم و مقام کریم اور مشعر و حطیم کا رب ہے۔ وہ خدا جس نے ہمیں سردار کی حیثیت سے منتخب کیا۔ ہم کو عارفین اور مخلصین میں شمار کیا اور راہبر بنایا۔ ساتھ ہی اُس نے ہم کو فحش اور شک واذیت و نجاست اور عیب سے محفوظ رکھا۔ اُس نے ہمارے لئے مشاعر قائم کئے اور ہم کو قبائل عالم پر فضیلت دی۔ ہم خاصہ خاندان ابراہیمی ہیں۔ جو ہر صفاتِ خلیئہ ہیں۔ ہم ہی حضرت اسماعیلؑ کی بھتیجی ہیں۔ میں نے فاطمہ بنت اسدؓ سے اپنا نکاح کیا ہے۔ اُن کا مہر ادا کر دیا ہے۔ اور امر تزویج نافذ کر دیا ہے۔ حاضرین اس امر کو دریافت کر لیں اور اس عقد پر گواہ رہیں۔ اس کے بعد آپ کے چچا جناب اسدؓ نے جواب دیا۔ ہاں ہم نے اپنی بیٹی فاطمہؓ سے تمہاری تزویج کر دی ہے۔ اور ہم اس تزویج پر تم سے راضی ہو چکے ہیں۔“
 اس تقریب نکاح کے بعد جناب ابوطالبؑ نے سات دن تک مسلسل دعوت و لیمہ جاری رکھی۔ جس میں اونٹ اور بکرے کثرت سے ذبح کئے گئے۔ تمام مکہ و گردنواح مکہ کے باشندوں نے دعوت میں شرکت کی۔ امیہ بن الصلت نے اپنے اشعار میں اس دعوت کا پورا نقشہ کھینچا تھا۔ چند اشعار دیکھئے:-

اغمرنا عرس ابی طالب وکان العرسا لین الحانِب

اقراؤه الضیف باقطارها من رجل خف ومن راكب

فنازلوه سبعة اَحْصِيْتُ ايامها للرجل الحاسب

”ابوطالبؑ نے اپنی شادی میں دعوت و لیمہ سے ہم سب کو ڈھانپ لیا۔ یہ ایک ایسا عرس تھا جس کا آغوش شفقت و نرمی سے پھیلا ہوا تھا، انہوں نے اس ضیافت میں سواروں اور پیادوں سب کو شامل رکھا۔ سات دن تک برابر اس دعوت کا قیام و طعام جاری رہا۔“

13۔ حضرت عمرانؑ اور آنحضرتؐ کی پرورش و تربیت

جیسا کہ اس رسالت عظمیٰ کا تقاضہ تھا جناب ابوطالب علیہ السلام بھی قطعاً اُس کے مطابق تیار کئے گئے تھے۔ وہی نہیں بلکہ اُس خانوادہ کے تمام افراد رسول اللہ کی پرورش اور تربیت کے لئے ایک مکمل نظام کی صورت رکھتے تھے۔ یہ ایک ایسا ادارہ عصمت تھا جسے تیار کرنے کے لئے اس ذریت طاہرہ نے کئی ہزار سال سے پیہم تمنائیں، محنتیں، قربانیاں اور خدا سے دعائیں کی تھیں۔ یہ سب حضرات جناب ابوطالب کی نگرانی اور راہنمائی میں سرکارِ دُعا عالم کی تیاری کے لئے اپنی اپنی متعلقہ خدمات انجام دے رہے تھے۔ اس گھر میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک صحفِ مطہرہ کی تلاوت ہو رہی تھی۔ یہاں ہر لمحہ ملائکہ کا جھوم رہتا تھا۔ برکات و نعمات خداوندی نازل ہو رہی تھیں۔ کعبہ کی تولیت میں قریش کو الجھا کر یہ لوگ اب تربیتِ محمدی میں مصروف تھے۔ لوگ اپنے اپنے دنیاوی جھیلوں میں اُلجھے ہوئے تھے۔ کعبہ میں بت پرستوں، مشرکوں، فلسفیوں کا راج تھا۔ نئے نئے بت اور مشہور و معروف مجسمے کعبہ میں سجائے جا رہے تھے۔ جڑھی و خزامی و قحطانی فسق و فجور اور جنسی بے راہ روی زور و شور سے پھیلتی جا رہی تھی۔ حضرت قصى علیہ السلام کی عائد کردہ مذہبی و قانونی پابندیاں ختم ہو کر اب قریشی دستور پر عمل ہو رہا تھا۔ ہر مرد و عورت اپنی رائے، تقریر و تحریر میں آزاد تھا۔ ایک نیا قریشی معاشرہ تیار کیا جا رہا تھا۔ خانوادہ رسول کو شکست خوردہ، عزلت گزریں اور آؤٹ آف ڈیٹ (Out of Date) سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ سب تعارض اور جھگڑے طے کر کے اپنے نظامِ شرک میں ہمہ تن مصروف ہو گئے تھے۔ بیت النبوة کے مدبرین یہی چاہتے تھے۔ انہیں کہاں فرصت کہ وہ مشرکانہ حماقتوں اور بدعتوں میں دخل دیں۔ انہیں تو ایک عالم گیر انقلاب کو پال کر جوان کرنا ہے۔ انہیں تمام تکتہ بائے خداوندی کو مد نظر رکھ کر محمدؐ کو اُس معیار پر لے جانا ہے کہ جہاں اللہ خلقِ عظیم کی سند عطا کرے۔ انہیں اپنے بیت الرسالت میں اُن تمام چیزوں کا داخلہ بند کرنا ہے جن سے قساوت قلبی پیدا ہوتی ہے۔ جو بے حیائی اور بے حسی کو جنم دیتی ہیں۔ تاکہ اُن کے پروردہ کو قرآن روف و رحیم کہہ کر پکارے (9/128) اور انہیں ہر قسمی غلاظتِ قلبی سے منزہ اور پاک قرار دے (آل عمران 3/159)۔ وہ ایسی زبان بولیں گے جو دل میں اُتر کر ذہن میں بس جائے۔ وہ تصورات کو اس طرح راسخ کر کے چھوڑیں گے کہ خلاقِ عالم خود اپنی ذمہ داری پر یہ گانٹی دے کہ نہ وہ گمراہ ہو سکتا ہے نہ اسے اغوا (بہکایا) کیا جاسکتا ہے۔ وہ جو کچھ بھی کہتا ہے وہ تو ہماری ارسال کردہ وحی ہوتی ہے۔ (نجم 4-53/2) اُس میں کسی ذاتی میلانِ طبع سے تعلق نہیں ہوتا ہے۔ ادھر تو ادارہ عصمتِ نہایت خاموشی سے نبوت و رسالت و امامت و حکومت کی تکمیل میں مصروف تھا۔ ادھر بیت الرسالت سے باہر قریش اور اُن کے حلیف ادارے نہایت اطمینان سے اپنی پالیسیاں مرتب کر رہے تھے۔ حالات یہ سوچنے کا تقاضہ کر رہے تھے کہ غالباً بنو ہاشم تھک چکے ہیں۔ مقابلہ کی طاقت ختم ہو چکی ہے اس لئے صدیوں پرانی کشمکش سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ یا یہ کہ اس مشہور و معروف پیغمبرؐ کی برکت اور روایتی امن و سلامتی کے نتیجے میں اُس قدیم رس کشی کو اللہ نے اپنی قدرت سے روک دیا ہے۔ اگر یہ آخری صورت صحیح ہے؟ تو یقیناً اب عبدالمطلبؑ کا یہ رویہ مستقلاً دوستانہ رہے گا۔ لہذا اس کی جانچ کے لئے ایک ماہر کمیشن تعینات کیا جانا چاہئے۔ اور تصدیق ہوتے ہی ہمارا رویہ بھی قطعاً موافقت میں تبدیل ہو جانا چاہئے۔ لیکن اس احتمال کو نظر

انداز کردینا نہایت مہلک اور تباہ کن ہوگا کہ تھکے ہارے ابوطالب دوبارہ طاقت فراہم کرنے کی فکر میں نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس پُر امن سکوت کی تہہ میں کوئی طوفان و انقلاب سرگرم کار ہو؟ ہو سکتا ہے کہ اُن کی طبیعت و غسانی حکومت سفارتی لیول (سطح) پر کسی بیرونی اور غیر ملکی فوج کشی کا تانا بانا تیار کر رہی ہو اور اچانک مدینہ والی ملک کی طرح ہمیں نوک نیزہ پر ڈانس (ناچ) کرایا جائے۔ اور یہ امکان بھی زیرِ نظر رہنا لازم ہے کہ خاندانی اقتدار کے لالچ سے اور قدیم روایتی جاہ و جلال کی تمنائیں خاندان میں اُبھر رہی ہوں۔ اور یہ لوگ اس صلح کل اور پیغامبر امن و سلامتی کو غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ اُس کے بچپن کے معصوم ذہن میں خاندانی روایات اور قحطانی طرز حیات کا زہر گھول رہے ہوں؟ اور آخر نبوت و رسالت کی سطح سے اپنا کھویا ہوا اقتدار و حکومت و ولایت حاصل کرنے میں کوشاں ہوں؟ اور پہلے احتمال کی طرح یہ پہلو بھی قطعی انسانی اور فطری ہے۔ ایک بچہ کو جیسا بناؤ بن جاتا ہے۔ انسان ذاتی تحفظ کو پہلا نمبر دیتا ہے۔ جذبات و میلانات ہر لمحہ ساتھ ساتھ اور اُسی قلب و ذہن میں رہتے ہیں جہاں وحی والہام کا نزول ہوتا ہے۔ قلب و ذہن میں کوئی ایسی دیوار یا ادارہ نہیں ہوتا جو وحی اور الہام کو ذاتی، خاندانی اور قومی جذبات و میلانات سے نہ ملنے دے۔ وحی اور الہام کے الفاظ اُسی کے قلب و ذہن سے تیار ہو کر نکلیں گے۔ اُسی کی زبان پر جاری ہوں گے اور یوں اُسے خود کو بھی پتہ نہ چلے گا کہ وحی یا الہام کی عبارت میں کون سا لفظ، کون سا پہلو جذباتی میلانات سے تعلق رکھتا ہے؟ اور خالص تصور وحی کہاں اور کس لفظ میں ہے؟ لہذا قریش کے ماہرینِ شریکات و مذہبیات و سیاسیات دن رات حضرت عمران علیہ السلام اور اُن کے خاندان کے بدلے ہوئے رویہ اور مستقبل میں پیش آنے والے حالات کا تجزیہ کرتے رہتے تھے اور ہر عقلی امکانی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے متعلقہ ماہرین کی حلفیہ ڈیوٹی لگاتے جارہے تھے۔ اس سلسلے میں وہ مکمل لائحہ عمل اور پروگرام مرتب کر لیا جو پیش آمدہ حالات میں برسرِ کار رکھا جائے گا۔ اُس پروگرام کے لئے اور مندرجہ بالا پالیسی کا پتہ لگانے کے لئے قرآن کریم اور نبج البلاغہ لبریز ہیں۔ یہ وہ اہم مشاورت اور مشرکانہ بصیرت تھی جس کا ذکر ہر اُس آیت یا بیان میں موجود ہے جہاں آپ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن نے یہاں ایک غیر متعلقہ سی بات کہی ہے۔ دعا کریں کہ ہمیں اتنا وقت اور مل جائے کہ ہم قرآن کریم کی اس تفسیر کو جو اپنے داخلی نظام کے لئے مختلف پروگراموں سے بکھری ہوئی ہے۔ ایک جگہ جمع کر کے پیش کر سکیں۔ اُس کے منظر عام تک آنے سے پہلے یہ چیز نہایت مشکل ہے کہ قرآن کی اسپرٹ اور طرز بیان قلب و ذہن تک پہنچ سکے۔ بہر حال نظام اجتہاد کے ماہرین کے اقدامات حسب ذیل تھے:-

13/1۔ اول: ہر کلیدی مقام پر کم از کم ایک ماہر تعینات کیا جائے جو حالات و اقدامات اور اگر ہو سکے تو بیت النبوة کے جذبات و

تصورات پر نظر رکھے۔ وہاں سازگار حالات پیدا کرے اور مرکز یعنی طاغوت کو مطلع کرتے رہنے کی ذمہ داری لے۔

دوم: قوم میں یہ مشہور کیا جائے کہ قریش اور ابوطالب میں کوئی جھگڑا اور اختلاف نہیں ہے۔ یہ سب ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔

غلط فہمیاں ہی نہیں بلکہ اُن شرارت پسندوں کو بھی دور کر دیا گیا ہے جو قریش اور خانوادہ امانت و حکومت میں مسلسل تنازعہ کو

اپنے مفاد کیلئے استعمال کر رہے تھے۔ لہذا عوام کو ابوطالب اور اُنکے خاندان سے نہایت پیارا اور احترام کا سلوک کرنا چاہئے۔

سوم: ادارہ تحریر اور اُس کا پورا پروپیگنڈا اسٹاف (STAFF) ضروری روایات، کہانیاں اور متعلقہ اشعار و واقعات مرتب کرے

اور ملک و قوم میں زبان زدِ عوام کرے۔

چہارم: محکمہ مال ادارہ تحریر کی روایات کی نشر و اشاعت کے لئے مالی امداد دے کر سارے ملک میں وظائف کا انتظام کرے۔ تاکہ ہر میلہ، ہر بازار اور ہر جلسہ اور ہر بیٹھک میں قومی شعراء، نساب، گاہن اور قصہ گو پہنچیں اور اختلاف و توافُق و نظر کے ساتھ ساتھ مرکزی تصور ذہن نشین ہوتا چلا جائے۔ یعنی ”وہ عالمی شہرت کا رسول“، وہ ساری اقوام کو شیر و شکر کرنے والا نبی ہماری قوم میں سے ہے۔ قریش اُس کے سرپرست ہیں۔ کعبہ کی حکومت و تولیت اور اقوام عالم کی امامت قریش کے لئے مقدر ہے۔ وہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک، ہمارے آسمان شہرت کا چاند اور سورج ہے۔ ساری دنیا کی طرح ہم خود اُس کے منتظر رہتے چلے آئے ہیں۔ وہ ہرگز قریش کے مفاد اور فلاح و بہبود کے خلاف ایک لفظ نہ کہے گا۔ اور جو شخص اُس میں اور قریش میں یا اُس کے قریبی عزیزوں میں اور قریش میں کسی جھگڑے، تنازعہ یا اختلاف کی افواہیں پھیلائے وہ یقیناً قریش کا ہی نہیں بلکہ سارے عرب و عجم کا دشمن ہوگا۔ اسلئے کہ نئی ہرگز کسی قوم کے خلاف مہم نہیں چلایا کرتا۔ وہ کسی مذہب یا مکتب فکر کی مذمت نہیں کیا کرتا۔ وہ تو سابقہ تنازعات اور اختلافات کو بھی مٹانے کے لئے آتا ہے۔ دشنام طرازی اس کے شایان شان نہیں ہوتی۔ وہ سلف صالحین اور مشہور بزرگوں کے خلاف تمام رجحانات کی مذمت کیا کرتا ہے۔ وہ توڑ پھوڑ اور سابقہ نظام و تمدن کو درہم برہم نہیں کرتا۔ نہایت حکیمانہ تدبیر اس کی اولین ذمہ داری ہوتی ہے۔ مفاد عامہ، مصالح ملکی اُس کی شریعت کے ستون اور اساسی اصول ہوتے ہیں۔ وہ ماہرین اور علمائے قوم سے مشورہ کے بعد مفید ترین احکام دیا کرتا ہے۔ وہ ہمارے ہی ایسا ایک منتخب انسان ہوا کرتا ہے۔ اُس میں وہ تمام جذبات و احساسات و میلانات ہوتے ہیں جو تمام بنی آدم میں اللہ نے ودیعت کئے ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ اُسے مافوق الفطرت شخص کہیں، فرشتہ قرار دیں۔ لیکن اگر وہ سچا نبی ہوگا تو یہ قومی اور غلط اعزاز قبول نہ کرے گا، بلکہ اُلٹا ڈانٹ دے گا اور ہماری مثل ایک بشر ہونے پر اصرار کرے گا۔ اُس سے بھول چوک اور خطا ہر وقت ممکن ہے۔ مگر اُس پر آنے والی وحی اُس کی ہر غلطی کی اصلاح کرتی جاتی ہے۔ وہ عقل اجتماعی سے استفادہ کرتا ہے۔ قومی اجتہاد کے خلاف قدم نہیں اٹھاتا ہے۔ اُس پر خاندانی دباؤ ڈالا جاسکتا ہے۔ اُسے متاثر کیا جاسکتا ہے۔ اُس کو اس قدر جذباتی بنایا جاسکتا ہے کہ وہ کسی گروہ یا خاندان کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کوئی اعلان کر دے۔ لیکن یہ نبوت و رسالت کے مزاج شناس قریش کی ذمہ داری ہے کہ رسول کے ہر ایسے بیان کی صحیح ترجمانی کرے جو مرکزی خیال و صورتِ حال کے خلاف جاتا ہو۔

پنجم: یہ نہایت اہم اور ہر لمحہ سامنے رکھنے اور حفظ ما تقدم کرتے رہنے کی بات ہے کہ مقام نبوت کو انسانی سطح سے بلند کرنے کی ہر کوشش اور ہر بیان کو بے دریغ مٹا دیا جائے۔ یہ وہ خطرناک صورتِ حال ہے جو ہمارے تمام بزرگوں کو پیش آتی اور مشکلات میں مبتلا کرتی آئی ہے۔ اور جب بھی ہمارا نظام ناکام ہوا ہے اُس کا سبب یہی ہوا ہے کہ جمہور نبی کو انسانی سطح سے بلند مان کر مفسدہ پردازوں کے ہمنوا بن گئے اور ہمارا محاذ پٹ گیا۔ لہذا ہمیں اُلوہیت کا تحفظ اپنے اولین اصول میں رکھنا ہوگا۔ جہاں کہیں کوئی ایسی بات ہو جو اُلوہیت کے مرکزی تصور کے خلاف شائبہ تک پیدا کرے۔ اُسے فوراً شرک و الحاد کی طاقت سے دبا دینا ہوگا۔ ہمارا سب سے پہلا مؤجد اور سب سے بڑا توحید پرست بزرگ کسی غیر خدا کی بزرگی اور عظمت کو استقلال نہیں دیتا۔

ششم: ان اصولوں کو مد نظر رکھ کر قریش اور ان کے حلیف قبائل و شعوب اور موالی سب کو حکم دیا جاتا ہے کہ ابوطالب اور ان کے خاندان والوں سے ہر تعاون کریں۔ شیر و شکر ہو جائیں۔ ان میں گھل مل جائیں مگر مرکزی ہدایات کے خلاف نہ جائیں۔

(13/2)۔ حضرت عمران علیہ السلام نے قریشی اصول پر اعلان رسالت میں دیر کی

ادارۂ نبوت، ادارۂ اجتہاد سے روز ازل سے واقف تھا۔ اور یہ واقفیت وحی خداوندی کی بنیاد پر غلطی اور تخمینوں سے پاک ہوتی تھی۔ ادارہ اجتہاد کا بزرگ حالانکہ اپنا ذاتی نظام وحی رکھتا ہے اور چوری چپکے آسمانوں سے خبریں بھی لے سکتا ہے اور تمام نوع انسان کو نظروں کے سامنے رکھ سکتا ہے۔ مگر ادارۂ ابلیسی کی رسائی نہ وحی تک ہوتی ہے نہ اس کے مجتہدین ادارۂ عصمت و نبوت پر تسلط رکھتے ہیں۔ اس لئے قریش کے لئے صرف عقلی اور اجتہادی میدان ہی کھلا تھا۔ تخمینے اور تک بندیاں اور سیاسی جوڑ توڑ اور جاسوسوں اور مجنوں کی صحیح و غلط اطلاعات ہی ان کا سامان تھا۔ بہر حال ادارۂ عصمت نے وہ تمام اقدامات شروع کئے جو کامیاب اعلان نبوت کیلئے ضروری تھے۔ انہوں نے قریشی تعاون کو خوش آمدید کہا اور ہر شرعی تعاون کیا۔ اور دونوں فریق اپنے اپنے پروگرام میں مصروف ہو گئے۔ حضرت عمران علیہ السلام اور ان کے اقربا سب لکھے پڑھے اور اپنے زمانے کے انتہائی علوم و فنون کے ماہر لوگ تھے۔ اُس گھر میں ہر وقت علمی سرگرمیاں رہتی چلی آئی تھیں۔ بادشاہان عالم سے راہ و رسم تھی۔ یہ لوگ بلا ترجمان کی احتیاج کے یونانی، عبرانی وغیرہ زبانیں بولتے تھے۔ اس گھر میں تمام کتبہائے خداوندی کا حقیقی قلمی ریکارڈ موجود تھا۔ یہاں ہر بچہ خاندانی ماحول کی بنا پر مختلف زبانیں بولتا ہوا جوان ہوتا تھا۔ یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی تھا۔ مگر حالات کا تقاضہ تھا جس کی بنا پر کبھی کسی غیر آدمی نے حضور کو نہ لکھتے ہوئے دیکھا نہ پڑھتے ہوئے پایا۔ یہاں تک کہ صلح حدیبیہ میں یہ بات کھل گئی کہ آپؐ لکھنا پڑھنا باقاعدہ جانتے تھے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے کہ یہ لوگ کہیں ادھر ادھر سے کچھ لکھ لکھا کر قرآن پیش کر رہے ہیں، وہ طرز عمل اختیار کیا کہ خطائی ٹولہ ناراضگی کے بعد یہ سمجھے کہ قرآن اسی وقت اُترتا ہے جس وقت تلاوت کیا جاتا ہے۔ حالانکہ بعد میں معلوم ہوا کہ ان کا تو ہر بچہ پیدا ہوتے ہی قرآن پڑھتا تھا۔ لہذا ہر وہ بات مؤثر انداز میں پیش کی جس کے انکار یا مشکوک کرنے کی اُمید تھی۔ اور خطانیوں نے اس انتظام کے باوجود بھی طرح طرح کے اعتراض کئے۔ لیکن جب انہوں نے مخالفت اور اعتراض شروع کئے اس وقت تک کامیابی بیت الرسالت کے قدم چوم چکی تھی۔ ان کے تمام اعتراضات پادر ہوا ہو کر باطل ہو گئے۔ بہر حال رسول اللہ کا بچپن قریشی تعاون کے ساتھ گزرتا چلا گیا۔ وہ جس غرض سے تعاون کر رہے تھے اسی سے محروم ہوتے جا رہے تھے۔

ماحول اور معاشرے پر حضور کے اثرات

رسول اللہ سب کی نظروں میں پیارے تھے۔ ہر پارٹی ان سے اپنے مستقبل کی تمنائیں وابستہ کر کے ان کے ساتھ شاد اور پیارا سلوک کر رہی تھی۔ لوگ آنکھوں پر بٹھاتے تھے، سینے سے لگاتے تھے۔ ان کے منہ سے نکلی ہوئی بات پر عمل کرتے تھے، ہر طبقہ کے لوگ ان سے اپنی اپنی فلاح و بہبود کی امیدیں لگائے ہوئے تھے۔ آپؐ جس راہ سے گزر جاتے وہ کافی دیر تک مہکتی رہتی تھی۔ لوگ پہچان لیتے تھے کہ حضور ادھر سے گزر رہے ہیں۔ آپؐ قوم کے افراد کے حالات کو ان ہدایات کی روشنی میں دیکھتے تھے جو جناب ابوطالب علیہ السلام اور

خانہ رسولؐ کے بزرگوں سے ملتی رہتی تھیں۔ نبض شناسی اور امراض کی تشخیص فرماتے تھے۔ غیر محسوس طور پر دلوں کی گہرائی میں اُتر کر قومی معالج کا معیار متعین فرما رہے تھے۔ اجتماعی قوت برداشت کا پتہ لگاتے تھے۔ دماغوں میں بسے ہوئے تعصب، بغض و حسد، کینہ و جذبات انتقام کا وزن تولتے تھے۔ دلوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی تمہید قائم فرماتے تھے۔ آپؐ جس محفل میں جا بیٹھتے لوگ آپؐ کو عزت کے بلند مقام پر بٹھاتے اور جام و سبوا اور فحش گانے بند کر دیئے جاتے۔ جنسی اشتعال کی تمام حرکتیں، غمزے اور ادائیں رکتی چلی جاتی تھیں۔ آپؐ کے چہرے پر ایک ایسی مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی جس سے ناپاک دلوں میں ناپاک جذبات ندامت محسوس کرتے۔ رحم و شفقت سے لبریز نگاہیں جدھر اٹھ جاتیں لوگوں کے دلوں میں توبہ کے جذبات اُمنڈنے لگتے۔ لوگ آپؐ کی زبان پر حرف شکایت آنے سے پہلے پہلے اپنی حالت سدھارنے میں لگ جاتے۔ برہنگی جلدی جلدی چھپاتے۔ ساقی جام و سبوز مین پر رکھ کر انہیں پوشیدہ کرنے کے لئے گھبرا کر ادھر ادھر چھپنے کی کوشش کرنے لگتے۔ گانے والوں کے الفاظ دانتوں میں الجھ کر رہ جاتے۔ ناچنے والے اجسام بے حس و حرکت ہو جاتے۔ آپؐ دو چار ہمدردی اور اصلاح کے ابتدائی جملے کہہ کر رخصت ہو جاتے۔ اُن کے جانے کے بعد ہر فحاشی و شراب نوشی کی محفل اُجڑ جاتی۔ لوگوں کے سامنے اُن کا ماضی اور ٹھکرائی ہوئی ذمہ داریاں آکر کھڑے ہو جاتے۔ منتظمین ایسی محفلوں کے انعقاد کے مقامات بدلتے تاکہ سرکار وہاں پہنچ کر محفل کی گرمی کو تبدیل نہ کر دیں۔ ہر دل میں اپنے گناہوں اور بد اعمالیوں کو حضورؐ سے چھپانے کا جذبہ بیٹھتا جا رہا تھا۔ ایسے جذبات کو آپؐ محسوس کرتے، عاداتِ دیرینہ کے ترک کرنے کے لئے موقع دینا ضروری سمجھتے۔ ڈنڈے، دھمکی اور مصنوعی طریقوں سے ہدایت کو احمقانہ فعل سمجھتے۔ وہ ہر شخص کو احساسِ ذمہ داری، عاقبت اندیشی اور انسانیت کے مقام بلند پر متوجہ کرتے رہنے کو اصلاح کی بنیاد بناتے تھے۔ اور اس سے آگے نہ بڑھتے تھے۔ قوم ان کے وجود میں رسالتؐ کے تمام جوہر و خصائل دیکھ رہی تھی۔ دُور دُور سے مرد عورتیں آپؐ کی مدح و ثنائیں کر آتے اور ایک نظر دیکھنے کے لئے زحمتیں اٹھاتے اور خوش ہوتے تھے۔ مکہ والوں کی ایسی عوامی فضا میں آنحضرتؐ کا بچپن جوانی کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ادھر حضورؐ کی شہرت حکومتوں اور مذہبی اداروں اور غیر ملکی دانشوروں میں پھیلتی جا رہی تھی۔ باہر سے آنے والے وفود آپؐ سے مل کر جاتے اور اپنے ملک و قوم میں تشریف لانے کی دعوت کرتے اور واپس جا کر آپؐ کے نورانی اخلاق سے اپنی اقوام کو مطلع کرتے۔ اور بتاتے کہ وہ رسولؐ جس کا انتظار ساری دنیا کر رہی تھی۔ مکہ میں اپنے اخلاقِ حمیدہ اور نورانی خصائل سے مخلوق پر ضیاء باری کر رہا ہے۔

(13/3)۔ محمدؐ کی تجارتی سفارت اور ابوطالب علیہ السلام

بجیرا اہب سے ملاقات کرانے کے بعد جناب ابوطالبؐ کے ساتھ حضورؐ نے یمن اور اندرون ملک کے کئی ایک سفر کئے۔ آپؐ جہاں بھی جاتے تھے، علمائے یہود و نصاریٰ علاماتِ نبوت و رسالت سے آپؐ کو شناخت کر کے تصدیق کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جناب ابی طالب علیہ السلام کی رضامندی سے عباس بھی آپؐ کو اپنے ہمراہ لے کر یمن کی تجارت پر گئے تھے۔ (روضۃ الاحباب جلد اول صفحہ 73) سن بلوغ سے پہلے ہی پہلے تمام بڑے بڑے تاجروں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ جس تجارتی قافلہ میں آپؐ ہوتے ہیں وہ خلاف توقع منافع سے مالا مال ہو کر آتا ہے۔ لہذا اللہ نے آپؐ کے مسلسل تعارف کے لئے یہ راہ نکال دی کہ بڑے بڑے تاجر آپؐ کو اپنا نائب

التجارت بنا کر ملک شام اور یمن وغیرہ بھیجتے۔ اس طرح آپ تجارت کے انتظام کے ساتھ ساتھ نبوت و رسالت کی اشاعت اور تعارف میں بھی پوری طرح کامیاب ہوئے۔ اور قبل اس کے کہ لوگ عرب میں اُن پر ایمان کی ابتدا کریں ملک شام و یمن میں اسلام پھیلنا اور مومنین کا بڑھتے جانا شروع ہو گیا۔ اور بحیرہ احب کے بعد تمام گرجاؤں اور خانقاہوں میں آپ پر ایمان لانے والوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ تاجروں میں اور عوام میں آپ کی دیانت و امانت، حق گوئی اور عفت مآبی، حُسنِ عمل، بلا کسی عبوست اور ترش روئی کے خطاؤں کا معاف کر دینا، نہایت ہی باقاعدگی کے ساتھ تجارتی حساب کاریکار ڈرکھنا۔ اور کسی قسم کی فضول خرچی نہ ہونے دینا اتنا مشہور ہوا کہ آپ کا لقب امین و صادق قرار پا گیا۔ آپ کی دیانت اور امانت اور منافع میں برکت کا یہی شہرہ تھا۔ جس کی بنا پر جناب خدیجہ علیہا السلام نے بھی آپ سے درخواست کی اور اپنے تمام کاروبار تجارت و سفارت حضور کو سونپ دیئے۔ آپ نے اس ذمہ داری کو بھی سربراہِ خاندان جناب عمران علیہ السلام کی رضامندی اور اجازت کے بعد قبول فرمالیا۔ اور جس خوش اسلوبی سے انجام دیا، اُس نے جناب خدیجہ کے سارے خاندان کو گرویدہ کر لیا اور چاہا کہ حضور کو اپنا سرپرست خاندان بنالیں۔ چنانچہ خدیجہ علیہا السلام نے نکاح کی درخواست کی اور جناب ابوطالب علیہ السلام نے خود ولی کی حیثیت سے خطبہ نکاح اور دوسری شرعی رسومات ادا کیں۔ اور آپ کو خدیجہ کے ولی (چچا زاد بھائی) ورقہ بن نوفل نے اپنے خطبہ میں اس تزویج پر مبارک باد دی۔ اس وقت جناب خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی اور آنحضرت کی عمر کا پچیسواں سال تھا۔ دونوں طرف دعوت و ولیمہ وغیرہ بڑی دھوم دھام سے انجام دی گئیں۔ اور تمام عمائدین شہر اور عوام نے شرکت کی خوشیاں منائیں۔ شادی کے بعد بھی آپ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی سپرد کردہ تمام ذمہ داریاں بدستور بجالاتے رہے۔ اُدھر قریش اور تمام عمائدین مکہ اپنی تمام قومی و سیاسی مشکلات میں حضور کو اپنا حاکم بناتے رہتے تھے۔ اور جن جھگڑوں پر تلواریں میان سے نکل آتی تھیں اور سالہا سال آپس میں جنگ و جدل ہوتا رہتا تھا اُن کے فیصلے آپ سے کراتے تھے۔ ہر بڑا نزاع رسول اللہ کے سامنے لایا جاتا تھا۔ یہ تھا وہ مقصد جس تک پہنچانے کے لئے جناب عمران علیہ السلام کعبہ کی تولیت اور تمام ذمہ داریوں سے دستکش ہو کر رسول اللہ کی تعلیم و تربیت میں لگ گئے تھے۔ تاکہ قریش اور تمام دشمنانِ خاندان رسول اپنے ہاتھ سے یہ عہدہ آنحضرت کی خدمت میں پیش کر دیں۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی دانشوری کا یہ کمال ہے کہ بلا کسی مسلح تصادم کے تولیت کعبہ ہی نہیں بلکہ پوری قوم کی حکومت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ آپ کے فیصلے کے بعد کوئی سرتابی نہ کرتا تھا۔

(13/4)۔ رسالت کے اصلاحی سائے میں قریشی دانشور ایمان کی راہ پر

- (i) اُدھر آنحضرت اور جناب عمران علیہ السلام کا پروگرام اپنی نورانی تاب کاری سے دلوں کو اپنی طرف مائل کر رہا تھا۔ لوگوں میں طرح طرح کی امنگیں اور تمنائیں پھیل رہی تھیں۔ ہر دل وہ دن دیکھنا چاہتا تھا جس دن خانوادہ رسالت کے تمام سابقہ بزرگوں سے بھی بہتر نظام برسر کار آئے گا۔ 1: غربت و افلاس اپنا منہ چھپانے کے لئے سرمایہ داروں میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائے گا۔ 2: لیڈروں اور اُن کے مجسموں کے قدموں سے اٹھا کر انسانیت کا سر بلند کر دیا جائے گا۔ 3: جب ظالم و جابر، غر اور بے کسوں سے رحم اور معافی کی بھیک مانگیں گے۔ 4: جب نوع انسانی کی دعا بارگاہ خداوندی سے محروم نہ پلٹیں گی۔ 5: جب نعمات خداوندی کی بارشیں شروع ہوں

گی۔ 6 : جب فخر و عزت و بزرگی اور فضیلت کا معیار خدمت نوع انسان قرار پا جائے گی۔ 7 : جب شخصی، خاندانی، ملکی اور قومی دباؤ اور تفریق انسانی ترقی کی راہ سے ہٹادی جائے گی۔ 8 : ہر بڑے مرتبہ کا شخص، ہر بزرگ خاندان، ہر معزز قوم اور ہر ترقی یافتہ ملک پس ماندہ اشخاص اور کمزور خاندان و قوم اور ملک کو بلند کرنے میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے آمادہ ہو جائے گا۔ 9 : جب انسانی فکر اور اظہار خیال پر کسی قسم کی پابندی نہ رہے گی۔ 10 : جب پوری نوع انسانی کو ایک عظیم اور قابل توقیر جسم سمجھ کر اُس کے ساتھ ہر شخص وہی سلوک کرے گا جو وہ خود اپنے جسم کے ساتھ کرتا ہے۔ 11 : جب انسانوں کو تجربہ کی ٹھوکروں میں وقت اور محنت ضائع کرنے سے محفوظ کر کے اُس کے سامنے ہر وقت قائم رہنے والا اور بے خطر پروگرام (صراط مستقیم) رکھ دیا جائے گا۔ 12 : جب ہر انسان کا ہر خیال اور ہر عمل مقصد تخلیق انسان میں اپنے حصہ کا نتیجہ برآمد کرے گا۔ 13 : جب پوری کائنات اور اس کے تمام متعلقات انسان کی ہمنوائی میں تعاون کریں گے۔ 14 : جب انسان مادی پابندیوں سے آزاد ہو کر زوال و فنا پر قابو پاسکے گا۔

(ii) یہ وہ تمنائیں تھیں جو نظام رسالت و امامت کے ساتھ ساتھ نظام ابلیسی بھی انسانوں میں پیدا کرتا چلا آ رہا تھا۔ ان کے حصول کے بھی دو الگ الگ طریقے اور پروگرام تھے۔ ایک کا نام اسلام تھا۔ دوسرے کا نام طاغوت (یا اسلام بٹا، جتہاد) تھا۔ طاغوتی ادارہ بھی وحی پر ایمان رکھتا تھا۔ مگر وحی کا مفہوم اور مقصد متعین کرنے کے لئے صاحب وحی یعنی نبی کو مطلقاً مختار نہ سمجھتا تھا۔ وحی کا کسی ایک ہی شخص پر اتنا تو قدرتی اور عقلی ہے۔ وحی اترنے سے پہلے، نزول وحی کے دوران اور وحی کی تلاوت کے بعد بھی نبی کو انسان ہی سمجھنا عقلی ہے۔ لہذا وحی سنا کر وہ تمام انسانوں کی صف میں کھڑا ہو جائے گا۔ اور اب تمام دانشوران قوم اور وہ نبیؐ ل کر اپنے تجربے اور بصیرت سے وحی کا مفہوم، مقصد اور طریق عمل متفقہ طور پر تجویز کریں گے۔ قلت کے اختلاف کو نظر انداز کر کے کثرت رائے پر جو فیصلہ کریں اُسی کو منشاء خداوندی سمجھیں۔ اور جو اس کے خلاف سوچے یا عمل کرے اُسے خدا کا نافرمان سمجھیں یا مغالطہ کا شکار قرار دیں۔ وہ اپنے فہم پر ضد کرے تو اس کے ساتھ تعزیری سلوک کریں۔ حد سے بڑھے تو معاشرے کو فتنہ و فساد سے پاک کرنے کے لئے اُسے اور اس کے ساتھیوں کو ٹھکانے لگا دیں۔ ٹھکانہ جیل ہوگا یا جہنم؟ قبرستان ہوگا یا جلا وطنی؟ یہ بھی وہی دانشور طے کریں گے جو وحی کے مفہیم کا تعین کرنے والے ہیں۔ یہ قانون اُن چھ نکات میں دستوری شکل میں آچکا ہے جو عنوان نمبر 13/1 میں بڑی تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ اُن دانشوروں کا متفقہ فیصلہ پوری اُمت کا اجماعی فیصلہ کہلائے گا۔ اللہ کا یہ فیصلہ اُس وقت تک نافذ العمل اور واجب الاطاعت رہے گا جب تک کہ وہ ہی دانشوران قوم یا اُن کے جانشین، اُسی مقام کے رکھنے والے دانشوران قوم اُس فیصلے میں خطا اور غلطی محسوس نہ کر لیں۔ اس قسم کی غلطی کو خطائے اجتہادی قرار دیا جائے گا۔ اور اس کے بعد وہی مجتہدین اس کی جگہ دوسرا اجماعی حکم نافذ کریں گے۔ اب سابقہ حکم کی جگہ یہ دوسرا حکم واجب الاطاعت اور خدائی حکم ہوگا۔

اس نظام کو برقرار رکھنے کیلئے ادارہ اجتہاد ہر نبی کے ساتھ ساتھ سائے کی طرح لگا رہے گا۔ اور تمام ذمہ داریاں سنبھالے گا جو مذکورہ چھ نکات عائد کرتے ہیں۔ اس نظام کو قائم کرنے اور مخالف محاذ کو مٹانے کے سلسلے میں لفظ نفاق، کفر والحاد و بدعت و فتنہ فساد و ظلم و عدل و انصاف و خلوص و ایمان کو سیاسی حیثیت دی جائے گی۔ ان الفاظ سے ڈرنے کے بجائے مقصد زیر نظر کے ضائع ہو جانے سے

خوف زدہ رہا جائے گا۔ اُن الفاظ کے معنی مقصد زیر نظر کے لحاظ سے کئے جائیں گے۔ اطاعت کی صورت میں یہ تمام الفاظ پسندیدہ ہوں گے اور مخالفت کی حالت میں یہ سب مذموم ہوں گے۔ لہذا کوئی مومن کہے یا کافر، کوئی مخلص قرار دے یا منافق، تم اپنا کام ہر مفید ترین صورت میں کئے جاؤ۔ بلکہ ضرورت پڑے تو کہہ دو کہ قسم بخدا اے دوست میں منافق ہوں (بِاللّٰہ یا حذیفہ انا من المنافقین)۔ اے حذیفہ اپنے مخالف محاذ کو تہہ وبالا کرنے والے منافقین میں سے بخدا میں بھی ایک منافق ہوں جس نے اسلام کی غلط تعبیرات کو روکنے کے لئے اپنی تمام بصیرت و بضاعت کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ یعنی میں مخالفوں کے یہاں منافق اور مومن محاذ میں یکا مومن و مخلص تھا، اور ہوں۔

(13/5)۔ حضرت ابوبکرؓ اور بہت سے لوگ اعلان نبوت سے پہلے ہی ایمان لا چکے تھے

یہ سمجھ کر بات سنیں کہ ہر ایمان لانے والا یقیناً ایمان لانے سے پہلے مومن نہیں ہوتا اور عموماً کافر ہوتا ہے۔ کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ایمان لانے سے پہلے نہ مومن ہو نہ کافر ہو، بلکہ محقق ہو، مذہب ہو یا خود ایسی ذات ہو جس پر دوسروں کو ایمان لانا چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو مومن نہیں ہے ضروری نہیں کہ وہ کافر ہی ہو۔ پھر دیکھنا یہ ہوگا کہ مومن اور ایمان ہوتا کیا ہے؟ ایمان کسی بھی بات کو مان لینا ہوتا ہے اور مومن کسی بھی بات کے ماننے والے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کی رُو سے کچھ لوگ طاغوت کو مان لینے کی بنا پر طاغوت کے مومن کہلاتے ہیں (نساء 4/51)۔ لہذا کسی کو صرف مومن کہنے سے کوئی بات نہیں بنتی۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ وہ کس چیز کو مانتا ہے یا کس حقیقت پر ایمان لایا ہے۔ لہذا جس طرح ہر حال میں منافق گالی اور مذموم نہیں، اُسی طرح لفظ مومن ہر حال میں قابلِ مدح و ثنا اور پسندیدہ نہیں۔ پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ کوئی شخص کسی چیز یا حقیقت پر ایمان کیوں لایا ہے؟ اگر اُس ایمان میں اُس کی اپنی کوئی غرض یا مطلب شامل ہے تو وہ خود اپنی غرض اور مطلب پر ایمان لایا ہے نہ کہ متعلقہ حقیقت یا چیز پر۔ یعنی اُس نے اُس بات کو اس لئے مانا ہے کہ اس کی غرض دوسری طرح سے پوری نہ ہو سکتی تھی۔ پھر وہ غرض اچھی بھی ہو سکتی ہے، بُری بھی۔ 1: مثلاً غرض یہ ہے کہ خدا کے روبرو سُرخرو ہو کر نجات پائے اور اس نجات کے لئے ایمان لائے یہ اچھی غرض ہے۔ 2: یا یہ کہ مفاد دُنیا حاصل کرے اور خدا سے کوئی تعلق نہ رکھے یہ بُری غرض ہے۔ پہلی غرض سے دین و دنیا دونوں مل جاتے ہیں اور دوسری سے دین نہیں ملتا۔ یہ سب کچھ سمجھ کر اور دل کو تعصب اور بے انصافی سے پاک کر کے یہ دیکھیں کہ شیعہ علما نے آج تک کبھی بھی جناب ابوبکر کے لئے یہ نہیں لکھا کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ اور ہم نے صدق دل سے لکھ دیا کہ وہ اعلان نبوت سے بھی پہلے ایمان لائے تھے۔ اور ہم اس بات پر قائم رہتے چلے آئے ہیں۔ اور مستقبل میں بھی اُن کو مومن لکھتے اور مانتے چلے جائیں گے۔ ہم شیعہ مجتہدین کی طرح مومن و کافر و منافق کی بحثوں میں بالکل نہیں الجھتے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ کسی کا مقصد کیا تھا؟ اُس نے اُس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کیا اعمال اور اقدامات کئے؟ اور اُن اعمال و اقدامات کا نتیجہ کیا نکلا؟ لہذا مقاصد، اعمال اور نتائج پر گفتگو کرتے ہیں۔ حق و انصاف سے ادھر ادھر نہ ہٹتے ہیں نہ ہٹنے دیتے ہیں۔ قرآن اور قولِ معصومؐ کو بلا ہیر پھیر اور اجتہادی کرتیوں کے سامنے رکھتے ہیں۔ اس کے بعد جو پٹ جائے پرواہ نہیں کرتے۔ کسی شخص یا مسئلے یا عقیدے کو تنقید سے ارفع و اعلیٰ نہیں سمجھتے۔ جو سامنے آئے قرآن اور قولِ معصومؐ کی کسوٹی پر دھر رکھتے ہیں۔ جو مرتبہ اور اہمیت میں جتنا بڑا ہو، اُسی تناسب سے سخت تر جانچ اور تنقید کرتے ہیں۔ یہاں یہ دیکھئے کہ جناب ابوبکر، کب، کیسے اور کیوں ایمان لائے تھے۔

(ii) حضرت ابوطالبؑ کی رکھی ہوئی بنیادوں پر ابوبکر ایمان لائے اور دل میں پلان بنائے

جناب عمران علیہ السلام نے بحیراراہب سے اعلان رسالت و نبوت و امامت و حکومت کرا کے وہ تمام دروازے کھول دیئے تھے جو افراد و اقوام عالم کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچانے والے تھے۔ بحیراراہب اتنے بلند مقام پر فائز تھا کہ عرب و عجم کے لوگ اس سے تصدیق سن کر آنحضرتؐ پر ایمان لا رہے تھے۔ پھر صرف بحیراراہب ہی نہ تھا بلکہ روم و شام و عرب و عراق کے تمام علمائے اہل کتاب اعلان ختم رسالت اور ظہور محمدؐ کی اطلاعات و تصدیقات و علامات کو چاروں طرف پھیلا رہے تھے۔ اُن ممالک اور علاقوں میں جانے والے تمام عرب قافلے، تمام تاجر یہ غلغلہ سنتے تھے اور جس کا دل چاہتا تھا، جس کا کوئی تعلق یا مقصد اس رسالتؐ سے وابستہ ہوتا تھا وہ جگہ جگہ تصدیق بھی کرتا پھرتا تھا۔ چنانچہ سنئے:۔ قال ابوبکر انه خرج الى اليمن قبل ان يبعث النبي۔ قال فنزلت على شيخ من الازد عالم قد قرء الكتب وعلم من علم الناس كثيراً۔ فلما راني قال: احسبك حرمياً؟ قال ابوبكر قلت نعم انا من اهل الحرم۔ قال واحسبك قرشياً؟ قال قلت نعم انا من قريش۔ قال واحسبك تميمياً؟ قال قلت نعم وانا من تيم بن مره۔ انا عبدالله بن عثمان من ولد كعب بن سعد بن تيم بن مره۔ قال بقيت لي فيك واحدة۔ قلت وما هي؟ قال تكشف لي عن بطنك۔ قلت لا افعل او تخبرني لما ذاك؟ قال اجد في علم الصحيح الصادق ان نبياً يبعث في الحرم يعاونه علي امره فتى وكهل۔ اما الفتى فخواض غمرات ودفاع معضلات۔ واما الكهل ابيض نحيف على بطنه شامة وعلى فخذه اليسرى علامة وما عليك ان تربني ما سالتك فقد تكاملت لي فيك الصفة الا ما خفي علي۔ قال ابوبكر فكشفت له بطني فراى شامة سوداء فوق سرتي۔ فقال انت هو۔ ورب الكعبة واني متقدم اليك في امر فاحذره۔ قال ابوبكر قلت وما هو؟ قال اياك والميل عن الهدى۔ وتمسك بالطريق الوسطى وخف الله في ماحولك وما اعطاك۔ (تاريخ الخلفاء جلد اول صفحہ 324 اور اسد الغابہ)

”ابوبکر نے کہا میں نبیؐ کے مبعوث ہونے سے پہلے یمن گیا۔ اور وہاں قبیلہ اُزد کے ایک شیخ کا مہمان ہوا۔ یہ شیخ عالم تھا۔ کتب سماویہ پڑھے ہوئے تھا۔ علاوہ ازیں دوسرے انسانی علوم پر بھی مطلع تھا۔ اُس نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ کیا تم حرم کے رہنے والے ہو۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ جی ہاں میں حرم کے باشندوں میں سے ایک ہوں۔ شیخ نے سوال کیا کہ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ تم قریشی بھی ہو؟ میں نے کہا کہ جناب میں قریشی بھی ہوں۔ اُس نے کہا کہ میرے حساب سے تم خاندان تيم سے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ جی ہاں میں تيم بن مرہ کی اولاد سے ہوں۔ اور میرا نام عبداللہ بن عثمان ہے۔ میں کعب بن سعد بن تيم بن مرہ کے بیٹوں میں سے ہوں۔ شیخ نے کہا کہ اب صرف ایک بات میرے جاننے کی اور رہ گئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا بات ہے۔ کہنے لگا کہ تم مجھے اپنا پیٹ کھول کر دکھا دو۔ میں نے کہا کہ میں جب تک پیٹ نہ دکھاؤں گا کہ جب تک تم یہ نہ بتاؤ کہ کس لئے میرا پیٹ دیکھنا چاہتے ہو؟ اس نے بیان کیا کہ مجھے میرے علم صحیح اور صادق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ حرم میں ایک نبیؐ مبعوث ہونے والا ہے۔ اُس کے کام میں ایک نوجوان اور ایک ادھیڑ عمر کا شخص مدد کریں گے۔ نوجوان تو اس نبیؐ کی مشکلات میں ڈوبنے والا اور اُسکی مصیبتوں کو ہٹانے والا ہوگا۔ اور ادھیڑ عمر والا آدمی سفید رنگ کا دبل پتلا ہوگا۔ اس کے پیٹ پر ایک کالا تیل (خال) اور بائیں ران پر ایک نشانی ہوگی۔ تمہارا کیا حرج ہے۔ اگر تم اپنا پیٹ مجھے دکھا دو۔ کیوں کہ اور سب باتیں تو تم میں موجود ہیں۔ صرف یہی ایک بات مجھ پر پوشیدہ رہ گئی ہے۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے اپنا پیٹ کھول دیا۔ اُس نے

دیکھا کہ ناف کے اوپر ایک سیاہ تل (خال) تھا۔ اُس نے کہا کہ رب کعبہ کی قسم وہ ادھیڑ عمر کے شخص تم ہی ہو۔ مگر میں تمہیں قبل از وقت ایک تاکید کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اُس سے بچ کر رہنا پڑے گا۔ ابوبکر نے پوچھا وہ کیا نصیحت ہے؟ اُس نے کہا کہ تجھ پر لازم ہے خبردار ہدایت کے خلاف گمراہی کی طرف میلان نہ کرنا۔ اور راہ راست کو اختیار کئے رہنا۔ اور تمہیں جو کچھ اپنی فراست سے دولت و انتظام ملے اُس میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔“ (اسد الغابہ جلد 5 صفحہ 282 اور تاریخ الخمیس جلد اول صفحہ 324)

(iii) خانوادہ رسول کا غیر معصوم عالم ابوبکر کی راہنمائی کرتا ہے

قارئین مندرجہ بالا بیان میں سب سے پہلے یہ نوٹ کر لیں کہ قبیلہ اُزد، نابت بن اسماعیل علیہ السلام کی وہی شاخ ہے جو انصار کہلاتی ہے اور وہی قبیلہ ہے جس میں رسول اللہ اور اُن کے بزرگوں کی تنہیال تھی۔ لہذا اس قبیلہ میں جانشینان جناب اسماعیل کے علاوہ بھی ایسے علما کا ثبوت مل گیا جو صورت دیکھ کر غیب کی صحیح و صادق اطلاع دے سکتے تھے۔ اب سوچئے کہ اُس سلسلہ کے جانشین آئمہ علیہم السلام کا علم کس قدر ہوتا ہوگا۔ اور سلسلہ اسماعیلی کے آخری امام جناب ابوطالب علیہ السلام کا علم کس درجہ کا ہوگا۔ اور کیا اُس بشارت میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے جو انہوں نے جناب فاطمہ بنت اسد کو حضرت علی علیہ السلام کی پیدائش کے لئے دی تھی؟ سنو اور یاد رکھو! اُسی قسم کے علما اس خاندان کی امامت و نبوت کا تعارف و علامات فراہم کرتے چلے آ رہے تھے۔ اور عربوں کے ایمان لانے یا نہ لانے کی محمد مصطفیٰ کو احتیاج نہ تھی۔ یہی وہ قوم تھی جس سے کفر ناممکن تھا اور جو تمام ممالک میں پھیلی ہوئی تھی۔ دوسری بات یہ نوٹ کریں اس روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ جناب ابوبکر، ازدی عالم کے سامنے ایمان لے آئے تھے یا نہیں۔ پھر یہ دیکھیں کہ ازدی عالم مروّتا یہ نہیں کہتا کہ تم ہدایت کو چھوڑ کر گمراہ ہو جاؤ گے بلکہ یہ کہتا ہے کہ خبردار تم ہدایت کے خلاف گمراہی کی طرف نہ جھک جانا۔ اور جو کچھ اپنی فراست سے تمہیں مل جائے اُس میں خدا سے ڈرتے رہنا، حد سے نہ بڑھ جانا۔ یہاں قرآن کی آیت یہ تصریح کرتی ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر یہ کہہ رہا ہے کہ ہائے افسوس! اے کاش! میں نے رسول اللہ کا طریقہ اختیار کیا ہوتا اور فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا (فرقان 25/27-31)۔ ثابت ہوا کہ ازدی عالم حضرت ابوبکرؓ کو ازراہ ہمدردی مستقبل کی اطلاع دے رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ اپنے اختیار کو غلط استعمال نہ کرنا۔ ایک دوسری روایت میں شاہ ولی اللہ اور محب طبری نے ابوبکرؓ کا ذکر کیا ہے۔ جس میں انہوں نے بحیرا سے اپنے خواب کی تعبیر دریافت فرمائی تھی۔ ملاحظہ فرمائیں:-

(iv) بحیرا راہب خلیفہ اول کو وزارت و خلافت کی اطلاع دے کر بڑھاتا ہے

علامہ حلبی سیرۃ الحلبیہ جلد اول میں (صفحہ 274) لکھتے ہیں:-

(1) إِنَّهُ كَانَ تاجِرًا بِالشَّامِ فَرَأَى رُوحًا فَقَصَّهَا عَلَى بَحِيرَاءِ الرَّاهِبِ - فَقَالَ لَهُ مِنْ أَيْنَ أَنْتَ؟ قَالَ مِنْ مَكَّةَ - فَقَالَ مَنْ أَثَرُهَا؟ قَالَ مِنْ قَرِيْشٍ - قَالَ فَأَيْ شَيْءٍ أَنْتَ؟ قَالَ تَاجِرٌ - قَالَ أَنْ صَدَقَ اللَّهُ رُوحًا؟ فَانْهَ يَبْعَثُ نَبِيٌّ مِنْ قَوْمِكَ تَكُونُ وَزِيرُهُ فِي حَيَاتِهِ وَخَلِيفَتُهُ مِنْ بَعْدِ وَفَاتِهِ - فَاسْرَ ذَلِكَ أَبُو بَكْرٍ فِي نَفْسِهِ حَتَّى بَعَثَ فِجَاءً هـ -

”ابوبکر شام میں تجارت کے دوران ایک خواب دیکھتے ہیں اور بحیرا راہب کو وہ خواب سناتے ہیں۔ بحیرا نے ابوبکر سے کہا تم کہاں کے

رہنے والے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ مکہ کا ہوں۔ اس نے پوچھا کس قوم سے ہو؟ کہا قریش سے ہوں۔ پوچھا گیا کہ تم کیا کاروبار کرتے ہو۔ جواب دیا کہ تاجر ہوں۔ بھیرا نے کہا کہ اگر خدا نے تمہارا خواب سچا کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تیری قوم میں یقیناً ایک نبیؐ مبعوث ہوگا۔ تم اس کی زندگی میں اس کے وزیر اور اس کے مرنے کے بعد اس کے خلیفہ ہو جاؤ گے۔ ابوبکر نے اس بات کو اپنے دل میں چھپائے رکھا۔ یہاں تک کہ جب نبیؐ مبعوث ہو گئے تو ان کے پاس چلے آئے۔“

اس روایت کے بعد علامہ نے ایمان لانے کا قصہ لکھا ہے۔ پھر دوسری روایت لکھی کہ:-

(2) ان ابا بکر رآی رویاء فقصھا علی بحیراء۔ فقال له ان صدقت رویاک فانہ سیبعث نبیٌ من قومک فتکون انت

وزیرہ فی حیاتہ و خلیفہ بعد مماتہ۔

”ابوبکر نے ایک خواب دیکھا اور بھیرا راہب کو سنایا۔ اُس نے کہا کہ اگر تمہارا خواب سچا ہے تو بات یہ ہے کہ عنقریب تیری قوم میں ایک نبیؐ مبعوث ہوگا۔ تم اُس کی زندگی میں اُس کے وزیر اور اُس کے مرنے کے بعد اُس کے خلیفہ ہو جاؤ گے۔“

ان ہی روایتوں کی بنا پر تیسری روایت لکھی گئی ہے کہ:-

(3) واخرج ابو نعیم عن بعض الصحابة ان ابا بکر آمن بالنبي قبل النبوة - ای عَلِمَ انه النبي المنتظر لما مر عن بحیراء

الراهب ولما سمعه من شيخ عالم من الازد۔

”ابونعیم نے بعض صحابہ سے روایت کیا ہے کہ ابوبکرؓ نبیؐ پر قبل نبوت ہی ایمان لے آئے تھے۔ یعنی یہ جانتے تھے کہ آپؐ ہی وہ نبیؐ ہیں جن کا انتظار ہے۔ کیونکہ بھیرا راہب نے اُن سے کہہ دیا تھا اور یمن کے اُزدی شیخ اور عالم سے بھی آپؐ کی نبوت کے متعلق سن چکے تھے۔“

(علامہ حلبی سیرۃ الحلبیہ جلد اول صفحہ 274)

(v)۔ بھیرا راہب نے قریشی محاذ کی جد و جہد کا نتیجہ ابوبکر کو سنایا تھا

چونکہ علم غیب اور مستقبل کی صحیح پیشگوئیوں کا مرکز خود اللہ ہے۔ اسلئے پیشگوئیوں میں ہر وہ بات خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتی جس میں اختلاف یا تضاد ہو۔ ایسی باتوں کو جن میں اختلاف یا تضاد ہو، بیان کر نیوالے یا سمجھنے والے یا لکھنے والے کی غلطی یا اضافہ قرار دیا جاتا ہے۔ شیخ اُزدی اور بھیرا کی طرف سے جو اطلاعات دی گئی ہیں وہ رسول اللہؐ کی زندگی میں وزیر ہونے کے علاوہ لفظ بلفظ اُسی طرح وقوع میں آئی تھیں جس طرح بیان کی گئی تھیں۔ یعنی ہم سب مسلمان یہ مانتے ہیں کہ رسولؐ کے انتقال کے بعد رسولؐ کی حکومت خاندان رسولؐ کو نہیں ملی بلکہ ابوبکر پہلے خلیفہ ہو گئے یا بن گئے تھے۔ دوسرے نمبر پر عمر آئے اور تیسرے پر عثمان خلیفہ ہو گئے۔ یعنی اگر اُن پیشین گوئیوں میں یہ دونوں نام بھی شامل ہوتے تب بھی وہ صحیح ہوتیں۔ لہذا گفتگو اس میں نہیں ہوتی کہ رسول اللہؐ کے بعد خلیفہ کون ہوا؟ بلکہ بحث اس پر ہوتی ہے کہ اللہ و رسولؐ نے اپنا خلیفہ یا جانشین کس کو بنایا؟ چنانچہ یہ خدا کی شان ہے کہ تین سو سال تک تمام وسائل ہاتھ میں ہوتے ہوئے کوئی ایک روایت بھی ایسی نہ گھڑی جاسکی جس میں رسول اللہؐ نے ابوبکر کو مخاطب کر کے یا لوگوں سے خطاب کے دوران یہ کہا ہوتا کہ میں اپنے بعد اپنا جانشین یا خلیفہ جناب ابوبکر کو بنانا ہوں اور تم سب اس حکم کی تعمیل میں آج اُسکے ہاتھ پر بیعت کرو اور اُسے اس تقرر پر مبارکباد دو۔

ایسی روایت کی ضرورت بہت لیٹ محسوس ہوئی اُس زمانہ میں موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ بہر حال زیر نظر پہلی اور دوسری روایت میں جو لفظ رکھی جاسکی وہ ہے ”تُكُنْ“ جس کے معنی ہیں کہ ”تو ہو جائیگا“ یا ”تُو بن جائیگا“۔ تو واقعی ابو بکر خلیفہ اول بن بھی گئے تھے۔ اور ہو بھی گئے تھے۔ لیکن خلیفہ بننے کے حالات نے بات کو اس طرح بگاڑا کہ اُس کا سنوارنا آج تک ممکن نہ ہو سکا۔ پہلا وہ نظارہ ہے جہاں خلافت کا جھگڑا سامنے آتا ہے۔ سارا قصہ نظر انداز کر کے بھی جو کچھ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر اور ابو عبیدہ جراح دونوں ابو بکر کو خلیفہ بناتے ہیں اور وہ خلیفہ ہو جاتے ہیں۔ اس میں یہ تو صحیح ہے کہ انہیں آنحضرت کے بعد خلیفہ بنادیا گیا اور وہ خلیفہ ہو گئے۔ مگر وہی سوال سامنے کھڑا ہے کہ کیا اللہ و رسولؐ نے ایسا حکم دیا تھا؟ کیا اُن کی رضا مندی سے یہ خلیفہ بنے تھے؟ اُدھر از دی عالم کی طرف سے حق سے انحراف اور خوفِ خدا سے بے پرواہی کی اطلاع بھی ایک بُری اور مخالف بات ہے۔ پھر از دی عالم کی اطلاع پر کسی خوشی کا اظہار نہ کیا، نہ رسالت پر ایمان لانے کی بات کی، نہ بحیرا راہب کی اطلاعات پر کوئی ایمانی رد عمل ظاہر ہونے دیا۔ پھر بحیرا کی پہلی روایت میں پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اُسکی دی ہوئی اطلاعات کو قطعاً صیغہ راز میں دفن کر دیا۔ اور مکہ میں آکر کبھی بھی رسول اللہ سے بحیرا کی باتوں کا ذکر نہ کیا۔

(vi)۔ بحیرا راہب کی بیعت پر خاموشی اور نبوت کو ایک ناگہانی حادثہ بنانے کی تخطانی اور قریشی سازش

جب یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جس کی نبوت کا انتظار ہو رہا ہے وہ محمدؐ ہی ہیں، تو اُن سے اُس خواب کی تعبیر کیوں نہ دریافت کی اور کیوں اپنی وزارت اور خلافت پر رسول اللہ کی سند یا رائے نہ لی۔ اور تمام راویوں اور تاریخ نے اس خواب کو بیان کرنے میں کیا خطرہ محسوس کیا؟ اگر وہ خواب ایک بدترین قسم کا پلان اور سازش ظاہر نہ کرتا تو اُسے چھپانے کے بجائے بڑے زوردار الفاظ میں جلی قلم سے لکھا جاتا۔ یقیناً انہوں نے خواب میں وہ تمام جوڑ توڑ اور قریشی سازش دیکھی تھی اور نتیجے میں خود کو وزیر و جانشین دیکھا تھا۔ اس لئے خواب کا پہلا حصہ چھوڑ کر صرف نتیجہ کو تاریخ میں آگے بڑھا دیا گیا۔ مگر بد قسمتی سے یہ سارا خواب اور قریش کی پوری سازش قرآن میں موجود ہے اور ہم اُسے بھی لکھیں گے۔ پھر یہ سوچے بغیر بھی نہیں رہا جاسکتا کہ جو نور مکہ کی عورتوں اور مردوں کو مسلسل متوجہ کرتا چلا آیا تھا ابو بکر اس سے کیوں واقف نہ ہوں گے؟ اور جس بحیرا نے ابو بکر کے خواب سے بیس سال پہلے ابوطالبؓ اور کی قافلے کی موجودگی میں رسالت محمدیہ کی تصدیق کے ساتھ اعلان کیا تھا، جس نے تمام قافلے والوں اور رومیوں کو رسول اللہ کے سر پر بادل کا سایہ اور درختوں اور پتھروں کا سجدے کرنا دکھایا تھا، وہ بحیرا یہ کیوں کہے گا کہ تیری قوم میں ایک نبی مبعوث ہوگا۔ وہ تو یہ کہے گا کہ محمدؐ وہ رسولؐ ہے۔ میں اس کی تصدیق کر چکا ہوں۔ اُن سے مل چکا ہوں۔ جاؤ اور جا کر اُن کی بیعت کرو۔ اُن کی رسالت کی چاروں طرف منادی کرو۔ لوگوں کو تیار کرو کہ وہ اُن پر ایمان لائیں۔ کیا بحیرا اپنی تصدیق اور چشم دید معجزات کو بھلا سکتا تھا؟ کیا یہ بھلائے جانے کے قابل کوئی معمولی بات تھی؟ اور کیا اہل قافلہ نے مکہ میں آکر بحیرا کی تصدیق اور اپنے چشم دید معجزات کو گھر گھر مشہور نہ کر دیا ہوگا؟ اس کے باوجود حضرت ابو بکر کا سکوت معنی خیز ہے۔ اور یہی وہ پختہ یقین ہے جس کی بنیادوں پر قریش نے نہایت قلیل تعداد اور بہت حقیر قوت کے باوجود اپنی سازش اور پھر میدان جنگ اختیار کیا تھا۔ جس طرح ہمیں غیبی اطلاع سے یہ یقین ہے کہ ابلیس جہنم میں جائے گا۔ حقیقی مومنین جنت میں جائیں گے۔ اُسی طرح قریش کو یقین تھا کہ وہ اپنی سازش میں کامیاب ہوں گے۔ مگر اس کامیابی سے وہ سازش اور وہ اعمال جائز نہیں ہو جاتے۔ فراعنہ و نمارید

نے کامیابی حاصل کی، کامیاب حکومت بنائی مگر اُن کی کامیابی اُن کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اللہ نے تو خود کہا ہے کہ ہم کافروں، منکروں اور سرکشوں کو بھی حکومت دیتے رہتے ہیں۔ پھر ان دونوں روایتوں کو معتبر کتابوں بخاری، مسلم و ترمذی میں کیوں جگہ نہ ملی؟ کیوں محققین نے اُن کا انکار کیا۔ کیوں اُن کو قصہ گو لوگوں کے لئے چھوڑ دیا؟ کیوں ان کو خلافت کی بحثوں میں دلیل قطعی نہ بنایا گیا؟ اس لئے کہ موجودہ صورت میں بھی ان روایتوں سے خطائی اور قریشی تصورات کی عمارت مسمار ہو جاتی ہے۔ یعنی اُن روایات سے آنحضرتؐ کا اچانک رسولؐ بنا دیا جانا غلط ہو جاتا ہے۔ فرشتہ کو دیکھ کر ڈر جانا باطل ہو جاتا ہے۔ چالیس سال تک (معاذ اللہ) کافروں کا پاک رہنا اور فرشتوں کا سینہ چیر کر دل کو کفر و شرک سے پاک کرنا غلط ہو جاتا ہے۔

وہ تو یہ چار سو بیس کرنا چاہتے ہیں کہ اس نبوت کو ایک ناگہانی حادثہ بنا کر دکھائیں۔ جس کا نہ کسی کو پتہ تھا، نہ ایسی کوئی خبر پہلی کسی کتاب میں آئی تھی سب ناواقف تھے۔ خود رسولؐ اللہ کو خبر نہ تھی کہ میں رسولؐ ہوں یا رسولؐ بننے والا ہوں۔ ورنہ انہیں فرشتہ سے ڈر کر بھاگتا ہوا کیسے دکھاتے۔ ورقہ بن نوفل سے تصدیق حالات کی ضرورت کیسے پیدا کرتے؟ ہر جی کے وقت حضورؐ کا کانپنا، بے حس ہو جانا کہاں سے لاتے؟ پورے قرآن سے جاہل کیسے قرار دیتے؟ اس فراڈی نظارہ میں یہ باتیں کیسے ہضم ہوں گی کہ رسولؐ اللہ دس سال کی عمر ہی میں رسولؐ تھے۔ بحیرانے بیعت کی تھی۔ اعلان و تصدیق کے لئے سارے کی قافلے کی دعوت کی تھی۔ سب کو معجزات پر متوجہ کیا تھا اور آنکھوں سے دکھایا تھا۔ اُس وقت تو زوروں میں آکر ابوبکر کو اُس قافلہ میں موجود لکھ دیا جس کو بحیرانے سب کچھ بتایا تھا۔ اور بلال کو پیدا ہونے سے کئی سال پہلے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ کا خدمت گار بنا کر واپس مکہ میں بھیجا۔ لیکن خواب دیکھ کر بحیرا کے پاس پہنچ گئے۔ چاہئے یہ تھا کہ بحیرا کو خود تعبیر سناتے۔ یا کہتے کہ جناب میں تو اس روز قافلہ میں موجود تھا۔ جب آپ نے اعلان رسالت کیا تھا۔ اُس کو ٹوکتے کہ اب تم انجان کیوں بن رہے ہو۔ تمہیں اس رسولؐ کا، اُن کے باپ کا بھی نام معلوم ہے، تم تو ابوطالبؓ کو بھی جانتے پہچانتے ہو، پھر قوم میں کیوں کہتے ہو۔ صاف بات کرو، نام اور ولدیت کے ساتھ مجھے بتانا چاہئے تھا۔ پھر بحیرا یہ نہیں کہتا کہ تم اس پر ایمان لاؤ گے۔ یعنی بحیرا کے علم میں یہ تو ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسولؐ اللہ کے وزیر اور خلیفہ بن جائیں گے مگر اُن کے علم میں ابوبکر کا ایمان لا نا نہیں ہے۔ بتائیے اور سوچ کر بتائیے کہ کیا ان روایات سے قریشی طرز حیات اور اُن کی چار سو بیس کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ اسی لئے اُن کے محققین اور محدثین نے ایسی روایات کو جگہ نہیں دی۔ یہ خدا کی شان ہے کہ چند حقائق لکھنے پر اُن لوگوں کو اُس نے مجبور کر دیا اور آج وہی حقائق اُن لوگوں کے لئے ایک مصیبت عظمیٰ بن کر رہ گئے ہیں۔ یہ قدرت کی ستم ظریفی ہے کہ پہلے ایسے حالات پیدا کئے کہ مجتہدین کو چند حقائق لکھنے میں مفر نظر آیا۔ پھر ایسے حالات سامنے رکھ دیئے کہ اُن مجتہدین کو اُن حقائق کے خلاف لکھنا پڑا۔ اس میں اختلاف ہوا۔ بعض نے کہا نہیں، بعض نے کہا ہاں یہ صحیح ہے۔ الغرض اُن سے اُن کے خلاف لکھوا لیا۔ ہم یہاں نہ خلافت کی بحث کر رہے ہیں نہ حضرت ابوبکرؓ کے ایمان پر گفتگو ہے۔ اصل گفتگو یہ ہے حضرت ابی طالب علیہ السلام نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو اُن کی دس سال کی عمر میں ثابت کر دیا تھا۔ اور ملک روم، شام و عراق و عرب میں اُس کی شہرت پہنچا دی تھی۔ یعنی ظہور محمدؐ کی ایک ناگہاں حادثہ نہ تھا۔ روز ازل سے اس نبوت کا اعلان ہوتا چلا آیا۔ تمام کتب سماوی نے اس ریکارڈ کو محفوظ رکھا۔ ساری امتوں نے اس ظہور کا انتظام و انتظار کیا۔ تمام انبیاءؑ اس پر ایمان

لائے اور اُمتوں کو بشارتیں دیں۔ تمام علماء اس کو خوب تفصیل سے جانتے تھے۔ خاندان اسماعیلؑ کی نابھی شاخ میں یہ ظہورِ امامتؑ کی صورت میں ہر جانشین کے چہرہ میں دمکتا اور لوگوں کو متوجہ کرتا رہا۔ حتیٰ کہ:-

ہوئی پہلوئے آمنہؑ سے ہویدا دعائے خلیلؑ و نوید مسیحاؑ

14۔ ظہورِ محمدؐ مئی کے وقت عربوں کی تہذیب و تمدن و تحریک عقلی اور نظام حیات

عربوں کے متعلق جو تصورات قحطانی تاریخ نے عوام میں پھیلائے وہ یہ ہیں کہ مشرکین عرب ظہورِ محمدؐ سے پہلے قطعاً جاہل تھے۔ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔ بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حکومت و تمدن و ترقی سے قطعی طور پر لاعلم تھے۔ نہ اُن پر کسی نے حکومت کی تھی نہ وہ کسی پر حاکم ہوئے تھے۔ دین و مذہب سے بے بہرہ اور بالکل ناواقف تھے۔ سیدھے سادے فطری زندگی بسر کرنے والے لوگ تھے۔ چھل فریب اور مکر و دغا سے اُن کا واسطہ نہ تھا۔ اُن کے ملک میں نہ تحریر و تقریر کا رواج تھا۔ نہ کوئی کتاب تھی، نہ کوئی قانون تھا، نہ ضابطہ حیات تھا۔ سب بُت پرست اور مشرک تھے۔ توحید کا نام و نشان نہ تھا۔ حیوانات و نباتات و جمادات کی پوجا کرتے تھے۔ سب بد و خصلت لڑتے بھڑتے رہنا اور لوٹ مار کرنا اُن کا کام تھا۔ وغیرہ وغیرہ

لیکن یہ تمام ایک فریب ہے، جھوٹ ہے، تہمت ہے اور خود قحطانی تاریخ سے یہ سب ایک سازش اور بڑی دُور رس سازش ثابت ہے۔ ہم نے اپنی تصانیف میں تفصیل اور مستحکم دلائل سے ثابت کیا ہے کہ عرب کی اقوام نے اس دنیا کو تہذیب سکھائی، تمدن سے روشناس کیا، اس دنیا کو مذہب و متمدن دنیا بنایا اور حکومت کرنا سکھایا۔ سب سے پہلے عرب نے دنیا کو عمرانی، اقتصادی، سیاسی اور مذہبی قوانین دیئے۔ اور آج کی متمدن اور ترقی یافتہ دنیا بھی عرب ہی کی رہینِ منت ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ جن لوگوں نے دنیا کو مذکورہ نعمتیں دیں وہ انبیاء و رسلؑ اور اُن کے جانشینِ آئمہؑ و حکام تھے۔ لہذا عربوں کی وہ تصویر جو قحطانیوں نے پیش کی ہے وہ نہ صرف تاریخ بلکہ قحطانی تاریخ ہی کی رو سے غلط ہے۔ بلکہ قرآن کریم کے مفصل بیانات اُن کے خلاف ہیں۔ لہذا جس زمانے میں حضرت ابوطالب علیہ السلام رسول اللہؐ کو پال رہے تھے۔ اُس زمانہ کے عربوں میں بھی ساری دنیا سے بزرگ مدبرین و ماہرین موجود تھے۔ خانوادہ رسولؐ کے علاوہ بہت سے خاندانوں میں تہذیب و تمدن اُس انتہا کو پہنچا ہوا تھا جو آج بھی رشک و تمنا کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ عربوں کی دین و دنیا کی سرکشی اور خدا سے سرتابی جہالت کی بنا پر ہوتی تو وہ معذور ہوتے۔ اُن کی سرکشی علم و بصیرت و دانش و بینش کی بنا پر تھی۔ وہ فرعون مصر سے بڑھ کر عالم تھے۔ وہ نماز و قربان سے اعلیٰ تر باغی و طاغی تھے۔ افلاطون و بقراط اُن کے ناخنوں میں پڑے تھے۔ وہ، وہ لوگ تھے جن پر سیاست و تدبیر اور منصوبہ سازی کو ناز تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو ابلیس نے اپنے پورے نظام کا سربراہ بنا دیا تھا۔ جو ابلیسی بصیرت کے پروردہ اور ابلیسی تجربہ کے حامل تھے۔ جو انبیاء علیہم السلام کی مخالفت اور اسلام کے متوازی مذہب تیار کرنے میں درجہ کمال پر تھے۔ اور جن کے نظام حیات کی بلندی و عظمت کا یہ ثبوت ہے کہ اُن کے نظام کو باطل کرنے کے لئے اللہ کا سب سے بزرگ رسولؐ اور تمام رسولوں کے خاندانوں سے بزرگ خانوادہ متعین کیا گیا۔ لہذا جس پیمانے سے آنحضرتؐ کی رفعت، مرتبہ اور عظمت علمی کو جانچا جائے گا۔ اُسی پیمانے کو اُلٹا کر کے

مشرکین عرب کی عظمت ناپنا پڑے گی۔ معمولی بیماری کی صورت میں ایک ادنیٰ درجے کے ڈاکٹر سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ یہ سراسر احمقانہ فعل ہے کہ زکام کے علاج کے لئے چار آنے کے جو شانہ کی جگہ امریکہ کا سفر کر کے سب سے بڑے ڈاکٹر کو دکھایا جائے۔ لہذا اعتقاد اور قرآنایہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قحطانی راہنمایان قوم، خدا کے مقابلے میں ایسی قوت سے اپنا نظام شرک چلا رہے تھے اور اس حُسن تدبیر سے بے دینی کو دین بنا کر دکھا رہے تھے اور اس قدر نوع انسان پر اثر انداز ہو چکے تھے کہ اللہ نے انسانوں کو اُن سے بچانے کیلئے پوری کائنات کا عالم رسول ارسال کیا تھا۔ یہ چند سطور بطور حوالہ علامہ شبلی کے قلم سے سن لیں تاکہ مولا کا دیا ہوا عربی تصور سامنے سے ہٹ جائے۔

(14/2)۔ عربوں کا تمدن اوج کمال پر پہنچ چکا تھا

علامہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ جلد اول میں عنوان ”تہذیب و تمدن“ میں لکھا کہ:-

- (i) ”مانسیولیباں فرسادی نے اصول عمران کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ میں اوج کمال تک پہنچ چکا تھا۔ کیونکہ اصول ارتقا کی رُو سے کوئی قوم وحشت کی حالت سے دفعتاً اعلیٰ درجہ کی تہذیب و تمدن تک نہیں پہنچ سکتی۔“ (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 114)
- (ii) ”یہ ایک قیاسی استدلال ہے۔ تاریخ سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض حصے مثلاً یمن کسی زمانہ میں انتہا درجے کی ترقی تک پہنچ چکے تھے۔“ (صفحہ 114)۔ علامہ نے تجربہ اور مشاہدے اور بدیہی استدلال کو قیاسی فرما کر اپنی حماقت اور تعصب کا ثبوت دیا ہے۔ اور اگلے جملے میں اپنی تردید خود کر دی ہے۔
- (iii) ”یا قوت حموی نے بجم میں عربوں کے قدیم آثار عجیبہ کا ذکر کیا ہے۔“
- (iv) ”مؤرخین عرب کا دعویٰ ہے کہ یمن نے ایک زمانہ میں اس قدر ترقی کی تھی کہ وہاں کے سلاطین نے ایران کو فتح کر لیا تھا۔“ (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 114)
- (v) ”عظیم الشان قلعوں اور عمارتوں کے آثار جواب تک موجود ہیں، اس بات کی قطعی شہادت دیتے ہیں کہ اس ملک (عرب) میں کبھی اعلیٰ درجہ کا تمدن تھا۔“ (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 115)
- (vi) ”آج کل یورپ کے محققین نے اُن مقامات پر جا کر جو تحقیق کی ہے اُس سے بھی حیرت انگیز تمدن کی تحقیق ہوتی ہے۔“ (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 116)

(14/3)۔ آج ثقافت کے نام پر جو کچھ ہوتا ہے وہ مشرکین عرب کی نقل ہے

شبلی صاحب نے جو کچھ لکھا اُسے ظہور محمدی سے پہلے کا بنا کر لکھا ہے۔ حالانکہ عرب کی حکومتوں کی ذیل میں بہت ساری حکومتوں کا وجود آنحضرتؐ کے عہد میں تسلیم کیا ہے۔ کوئی پوچھے کہ جناب جن حکومتوں نے ماضی میں اوج کمال تک ترقی کی تھی۔ اُن کی جانشین حکومتیں مسلسل رسولؐ کے زمانے تک چلی آئی تھیں۔ تو ترقی کا کمال بھی مسلسل آنحضرتؐ کے زمانے تک کیوں نہیں مانتے؟ صرف

اس لئے ناں؟ کہ آپ کے فحطانی بزرگ عربوں کو جاہل اور سیدھا سادا دکھا کر چند فوائد اٹھانا چاہتے ہیں؟ اب سنئے کہ مسٹر پرویز اپنی کتاب معارف اسلام جلد چہارم میں عربوں کے اخلاق کے عنوان میں وہ سب کچھ لکھ ڈالتے ہیں جو آج کی ترقی یافتہ دنیا میں پندرہ سو سال بعد بھی پوری طرح نافذ العمل کرنے میں جھجک محسوس کی جا رہی ہے۔ اور جس کی طرف یہ آزاد زمانہ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ اور جنسی اشتراک کا وہ بلند ترین معاشرہ جس کا خواب دیکھتے ہوئے مارکس اور لینن مر گئے اور جس کے قیام کے لئے آج مسلم وغیرہ مسلم ممالک کوشاں ہیں۔ عربوں نے ڈیڑھ ہزار سال پہلے اپنے یہاں رائج کر رکھا تھا۔ ملاحظہ ہوں چند نظارے اور چند اشارے۔

(i) ”باپ کے مرنے کے بعد اس کی تمام بیویاں، بجز حقیقی ماں کے، بیٹے کی وراثت میں آ جاتیں۔ اور اُس کی جائز بیویاں سبھی جاتیں۔ بیویوں کی تعداد کی کوئی حد ہی نہ تھی۔“ (معارف القرآن۔ جلد چہارم صفحہ 136)

پرویز صاحب نے شرما کر حقیقی والدہ کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ مگر قرآن نے عربوں کے جنسی اشتراک میں ماؤں بہنوں اور بیٹیوں سب کو شامل دکھایا ہے۔ یعنی جو کچھ یونان میں افلاطون نے ترقی یافتہ معاشرہ کی ذیل میں لکھا تھا۔ اور جس پر کمیونزم نظر رکھتا ہے وہ نظام عرب میں ثابت ہو گیا ہے۔

(ii) ”شجاعت اور بہادری میں کسی کی شہرت سنتے تو اپنی بیوی کو اس کے پاس بھیج دیتے تاکہ اس سے شجاع اور بہادر بچہ پیدا ہو۔ زنا کی اولاد کے متعلق عورت جس کی طرف انگلی اٹھا دیتی وہی اُس کا باپ قرار پا جاتا۔ اس پر طُرفہ یہ کہ فسق و فجور کی اُن فواحش پر فخر کرتے۔..... شرم و حیا کا یہ عالم کہ حج کعبہ میں ہزاروں لوگ جمع ہوتے اور سب مرد و عورت مادر زاد ننگے ہو کر طواف کعبہ کرتے۔ جب حج کے وقت برہنگی کا یہ عالم تھا۔ تو غسل یا جائے ضرورت..... میں پردہ کی کیا ضرورت تھی۔ چنانچہ کھلے میدان میں کھلے بندوں نہاتے اور ضروریات..... سے فارغ ہوتے۔“ (معارف القرآن۔ جلد چہارم صفحہ 137)

یہاں نوٹ کرنے کی پہلی بات یہ ہے کہ بقول عربوں کے یہ سب کچھ اللہ کا حکم اور سنت سلف صالحین تھی (اعراف 7/28) اور پرویز کی رو سے مذہبی حیثیت سے برہنگی وغیرہ جائز تھی۔ دوسری بات پھر جنسی تعلق میں نکاح کی قید و بند سے آزادی ثابت ہے۔ جو جناب مارکس اور اتخل کی کتاب سیلیکٹڈ ورکس (SELECTED WORKS) میں ساری دنیا کو ایک خاندان بنا دینے اور ہر بچہ کو پوری دنیا کا بچہ قرار دینے کی اسکیم ہے۔ تاکہ لوگ اپنے اپنے بچوں کی فکر میں دوسروں کا استحصال نہ کریں۔ اس لئے عربوں نے ماں، بیٹی، بہن وغیرہ رشتوں کی تفریق مٹا دی تھی۔ پھر عورتوں کی آزادی کی مثال قائم کر دی تھی۔ وہ جس سے چاہے جنسی تعلق قائم کرے اور جس کو چاہے بچہ حوالے کر دے۔ اس لئے کہ بچہ بہر حال پوری قوم کا بچہ ہوتا ہے۔ ایسے بلا باپ کے چند بزرگ صحابہ میں بھی شامل تھے جن میں سے ایک کا نام زیاد ہے۔ جس کا بیٹا ابن زیاد خانوادہ رسول کو مٹانے اور قتل کرانے کا ذمہ دار بنایا گیا تھا۔ اور کئی ایک ایسے بہادر لوگ بھی مسلمانوں میں موجود تھے جن کا پرویز نے ذکر کیا ہے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ جس طرح ماڈرن ممالک میں لپ سڑک، اسٹیشنوں پر، چوراہوں پر بہت سی ایسی چیزیں عام اور جائز ہیں۔ جن کو بیک ورڈ (Backward) یعنی پس ماندہ لوگ فحاشی کہتے ہیں عربوں میں پندرہ سو سال پہلے عام طور پر ہوتی تھیں۔ یہ اُن کی ثقافتی ترقی کا انتہائی مقام تھا۔ جہاں آج کی دنیا پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے۔ نہ معلوم کتنی صدیاں لگیں جب

جنسی ضرورت مجمع عام میں پوری کر سکنے کی آزادی ہوگی۔ بتائیے ایسے معاشرہ کے لئے کیسا رسول درکار ہے؟ ہے کوئی پہلے رسولوں میں جسے ایسا معاشرہ اور ملک ملا ہوا اور اُس نے اُسے درست کر دیا ہو؟

(iii) ”شراب پانی کی طرح بے تکلفی سے پی جاتی تھی۔ گھروں میں شراب کی مجلسیں قائم ہوتیں۔ اور عورتیں و بچے ساقی گری کرتے۔ اس کے بعد نشے کے عالم میں جو بد مستیاں ہوتیں وہ ظاہر ہیں۔ شراب سے تو ایام جاہلیت کے عربوں کو عشق سا نظر آتا ہے۔ اُن کے شعر کیا ہیں:-

تاکستان کی لچکتی جھومتی شاخیں ہیں کہ ہوا بھی اُن کو چھو جائے تو لڑکھڑاتی پھرے
لڑچر میں شراب کی محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ عربی زبان میں شراب (کی مختلف اقسام) کے اڑھائی سونام ہیں ”فردوس بیک خوشہ انکور فروشم“ کی آپ کے نزدیک ایک مخمور کی ترنگ سے زیادہ حیثیت نہیں لیکن تاریخ نے یہ کیف انگیز واقعہ بھی اپنے دامن میں محفوظ کر رکھا ہے کہ خانہ کعبہ کے (قحطانی) متولی ابن غبشان خزاعی نے خود کعبہ کی تولیت کو قریش کے جد امجد قصی ابن کلاب کے ہاتھوں ایک مشکیزہ شراب کے عیوض بیچ دیا تھا۔“ (معارف القرآن۔ جلد نمبر 4 صفحہ 137)

(iv)۔ پرویز نے شراب کے ذکر سے مخمور ہو کر خلفائے اول و دوم کو قریش سے خارج کر دیا

عربوں کے حالات سے پہلے جناب پرویز کا یہ حال ہوا کہ نشے میں یہ لکھ گئے کہ قصی علیہ السلام قریش کے جد امجد تھے۔ یعنی چلے تو تھے خانوادہ رسول کے ایک عظیم الشان بزرگ کو شراب سے ملوث کرنے مگر پہنچے وہاں جہاں کا خمیر تھا۔ جناب ابو بکر کو قریشی بنانے کے لئے اُن کے خاندان کے ساتویں دادا کو جناب قصی علیہ السلام کے دادا جناب مرہ علیہ السلام کا بیٹا بنانا پڑے گا۔ اور جناب عمر کو اگر قریشی بنانا ہو تو ان کے نویں دادا کو جناب قصی علیہ السلام کے (چوتھے دادا) پر دادا جناب کعب علیہ السلام کے نطفے سے ماننا پڑے گا۔

اس قریشی مصیبت کے بعد اُن کی شعر و شراب کی محفلوں کو آج کے ترقی یافتہ دور کے کلبوں، نظہرانوں، عصرانوں اور عشانیوں پر فوقیت دینا پڑے گی۔ اس لئے کہ وہاں عورتوں اور بچوں کو برابر کے حقوق حاصل تھے۔ وہ ایک عالمی منصوبے کے ماتحت ملک میں ایسی نسل تیار کرتے چلے آ رہے تھے جو آغوش شعر و شاعری اور شراب و کباب و شباب میں آنکھ کھولے۔ تربیت پائے، پلے بڑھے، جنسیات و نفسیات کا بے حجاب مطالعہ کرے، سمجھے اور اس پر روز اول سے عمل کرتے ہوئے جوان ہو۔ تاکہ اس کے قلب و ذہن سے وہ تمام مصنوعی الفاظ حرف غلط کی طرح مٹ جائیں جن کی آڑ میں نوع انسان میں ہزاروں اقسام کی تفریق برقرار رکھی جاتی ہے۔ بہن کو بھائی سے الگ رکھنے کی تفریق، باپ اور بیٹی میں تفریق، ماں بیٹے میں تفریق۔ پھر اپنے بچوں کی آڑ میں تفریق، خاندانوں میں تفریق، پھر قبیلوں اور نسلوں کی تفریق..... اور اقوام و ملل میں تفریق اور ممالک میں تفریق، زبان اور رنگ کی تفریق، غریب و امیر کی تفریق..... پیشوں میں بڑھئی اور لوہار کی تفریق، حجام اور جراح کی تفریق، شاہ و گدا کی تفریق، اعلیٰ و ادنیٰ کی تفریق..... نبی اور رسول کی تفریق اور مطیع اور مطاع کی تفریق، نبی اور امتی کی تفریق، گناہ اور ثواب کی تفریق، نیک اور بد کی تفریق، فرض اور سنت کی تفریق..... جائز اور ناجائز کی تفریق، حقیقت و مجاز کی تفریق، دین و دنیا کی تفریق..... پھر مذہب و سیاست کی تفریق۔ نتیجہ ایک ہی ہوتے ہوئے زنا اور نکاح میں

تفریق، حلال و حرام کی تفریق۔ وہ ایسی نسل تیار کر رہے تھے جو انسانوں کی گردنوں میں بندھی ہوئی تفریق کی ان تمام زنجیروں کو توڑ ڈالیں جو فطری زندگی اختیار کریں۔ وہ سب ایک آدمی کی اولاد ہیں۔ ایک اللہ کی مخلوق ہیں۔ وہ سب ایک جسم کے اعضاء ہیں۔ اُن کے راستے میں جو رکاوٹ آئے گی، وہ اُسے اٹھا کر پھینک دیں گے۔ خواہ وہ مذہب کا نام لے کر آئے یا دین کی نقاب میں منہ چھپائے۔ خواہ کسی چیز سے فحش کہہ کر تفرقہ پیدا کرے یا کوئی اور بُرا نام دھرے۔

قارئین یہ تھا وہ فرق جو آج کے ترقی یافتہ دور میں اور عرب کی قریشی تہذیب و تمدن میں نمایاں ہے۔ آج اس تمام تفصیل کو یہ کہہ کر ایک جملہ میں سمو دیا جاتا ہے کہ ہم ایک ایسا معاشرہ تیار کرنا چاہتے ہیں جو طبقہ واریت، درجہ بندی اور تفریق سے پاک ہو۔ اس خوبصورت جملے پر تمام مسلم و غیر مسلم ممالک و اقوام بلا سمجھے ریس لگا رہے ہیں۔ اُدھر بڑھنے اور بڑھانے کیلئے اُس قریشی نظام کے موجودہ ماہرین نے ایک خوبصورت لفظ میں اس جملے کو مختصر کر کے سوشلزم نام رکھ دیا ہے۔ جسے مارکس اور لینن کی زبان میں کمیونزم کی طرف لیجانے کا عبوری دور یا درمیانی نظام قرار دیا ہے۔ پھر اس سارے قصے کو کمیونزم کے ماہرین نے یوں سنایا ہے کہ بنی نوع انسان کی ترقی میں تین مستقل رکاوٹیں ہیں۔ جب تک اُن تینوں میں سے کوئی ایک رکاوٹ بھی باقی رہے گی مذکورہ معاشرہ قائم نہ ہو سکے گا۔ اور وہ تین رکاوٹیں ہیں:- مذہب و مناکحت اور ملکیت۔ یہ اصول مارکس، اینجلز، لینن وغیرہم نے اپنی کتابوں میں کھول کر لکھ دیئے ہیں۔ لیکن عوام بھڑک نہ جائیں اسلئے سوشلزم کی چادر اوڑھ کر کام کیا کرتے ہیں۔ بہر حال یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ ان اصولوں کے راہنما بھی قحطانی یا قریشی مشرکین یا اشتراکین ہی ہیں۔ اشتراکی معاشرہ مشرک معاشرہ ہی کا نام ہے۔ دونوں الفاظ کا مادہ ایک ہے، مصدر ایک ہے، معنی ایک ہیں۔

(v)۔ ماڈرن زمانے کے تفریحی اور ثقافتی پروگراموں کے موجد مشرکین قریش تھے

”شراب نوشی کے ساتھ ساتھ قمار بازی بھی کچھ لازم و ملزوم سی نظر آتی ہے۔ عصر حاضر کی غازیہ بہ رخسار شام ہو۔ یا ازمنہ قدیمہ کی کاگل بدوش رات ہو۔ ہر محفل میں یہ توام (جڑواں) بہنیں یکجا رہن ایمان و ہوش نظر آتی ہیں..... یہ رسومات اس قدر تقدس حاصل کر چکی تھیں کہ خانہ کعبہ میں جناب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے مجسموں کے ہاتھوں میں جوئے کے پانسوں والے تیر پکڑار کھے تھے۔“

(معارف القرآن۔ جلد چہارم صفحہ 138-137)

دیکھنا یہ ہے کہ مشرک نظام ظہور محمدؐ کے زمانے میں جو کچھ کر رہا تھا وہ سب کا سب مذہب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و سابقہ تعلیمات خداوندی کے مجتہدانہ فیصلوں کے مطابق تھا۔ وہ اسے بے دینی یا گمراہی نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ احکامات خداوندی کی تعمیل کہتے تھے۔ (وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا) ”اللہ نے ہمیں اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔“ (اعراف 7/28)

(vi)۔ قریش کا وہ نظام جس سے خوفزدہ کر کے سوشلزم کی طرف لایا جا رہا تھا

بڑے بھولے ہیں وہ لوگ جو سوشلزم کے پروپیگنڈے، مقاصد اور نعرے سن کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ بس چند روز، چند ماہ یا چند سال میں سرمایہ داری اور اجارہ داری اور غربت و افلاس ختم ہو جائے گا۔ انہیں کون سمجھائے کہ کمیونزم ہو یا سوشلزم ہو۔ مُلازم ہو یا ابلیمزم ہو۔ یہ ازم اُن مقاصد کیلئے نہیں ہوتے جن کا یہ نعرہ مارتے ہیں۔ اُن کا حقیقی مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بتائی ہوئی راہوں کے

متبادل ایک دوسری راہ پیش کرتے جائیں تاکہ وہ نظام باقی رہے جسے انبیاء حضرات مٹانے کا اعلان کرتے ہیں۔ لہذا نظام شرک انبیاء کی ہمنوائی کو بطور حربہ اختیار کر کے وہی نعرے مارتا ہے جو انبیاء کا مقصد ہوتا ہے۔ مگر اس مقصد کو فنانے کیلئے انبیاء کے احکام میں اجتہاد کر کے اُدھر لے جاتا ہے جو ابلیسی سرپرستی میں چلنے والا نظام ہوتا ہے۔ اور جسے برقرار رکھنے کیلئے نظام شرک یا اشتراکیت کام کرتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ وہ نظام بھی قحطانی ٹولے نے برقرار رکھا ہوا تھا۔ اور بڑے بڑے لیڈر و سرداران قوم اسکی خصوصی سرپرستی کرتے تھے۔

”یہ تو تھی اُن کی معاشرتی زندگی۔ معاشی زندگی میں سود خوری جیسی لعنت عام تھی۔ اور اُس کی وسعتیں اس حد تک ہمہ گیر ہو چکی تھیں کہ عورتوں اور بچوں تک کو رہن رکھوا لیا جاتا تھا۔ اگر رہن رکھنے والا معینہ مدت کے اندر اندر رہن شدہ عورتوں، بچوں، زمین یا زیورات کو اگزار نہ کر سکتا تھا تو سرمایہ دار اُن سب کا مالک ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ ظاہر ہے، مزدوروں اور کاشتکاروں اور محنت کشوں کا طبقہ سود خواروں کے چنچہ آہنی میں سب سے محکم طور پر گرفتار تھا۔ اور سرمایہ دار طبقہ جس میں اکثر (قحطانی) یہود تھے (اور قلت سردارانِ قریش و دیگر قبائل کی تھی) انسانیت سوز طریقوں سے اُن کا خون چوس لیتے تھے۔ معاشی نظام کی اس بنیادی خرابی کا لازمی نتیجہ تھا کہ سرکش طبیعت کے لوگ لوٹ مار پر اُتر آتے تھے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ ملک عرب میں یہ کیفیت پیدا ہو چکی تھی کہ بعض قبائل میں ایسے منظم گروہ موجود تھے جن کا ذریعہ معاش ہی راہزنی اور غارتگری تھا۔ ان پیشہ ور ڈاکوؤں کے علاوہ عام طور پر ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے مال اور مویشی پر ڈاکہ زنی کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ حتیٰ کہ اُن کی عورتوں اور بچوں تک کو لوٹ کر دوسری جگہ فروخت کر دیا جاتا تھا۔ اس پر طُرفہ یہ کہ ان حرکات مذمومہ کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اُن کارناموں کا تذکرہ بڑے فخر و ناز سے کیا جاتا تھا۔ جو جرأت اور بے باکی میں دوسروں سے پیچھے ہوتے وہ اعلانیہ ڈاکہ اور قتل و غارت کی جگہ خفیہ چوری پر اُتر آتے۔ اور تو اور خود خانہ کعبہ کے خزانے میں چوری کرنے سے بھی نہ چوکتے تھے۔ مردوں سے گزر کر یہ ہر عورتوں تک میں سرایت کر چکا تھا۔“ (معارف القرآن۔ جلد 4 صفحہ 138)

(vii)۔ خانوادہ رسولؐ اور خود رسولؐ کا مخالف محاذ؛ یہی سرمایہ دار و سود خور ٹولہ تھا

قارئین اس جگہ سرمایہ دارانہ نظام اور اُس کے لیڈروں کے متعلق یہ سمجھ لیں کہ اُن کے سرمائے اور سود نے جو جماعتیں تیار کر رکھی تھیں اُن میں سے غریب اور ناتوان و بیکس لوگوں نے رسول اللہؐ کا سہارا لینا شروع کیا تھا۔ یعنی لوگ سود، قرض اور بھوک اور سختیوں سے بچنے کے لئے ایمان لا رہے تھے۔ گویا اس قسم کا ہر ایمان لانے والا، سرمایہ دار مہاجن کی ایک سنہری تھیلی ہوتا تھا جو رسول اللہؐ کی طرف ڈھلک جاتی تھی۔ بتائیے کہ یہ سرداران قوم کو اپنے سرمائے کی ان رُوپہلی اور سنہری بوریوں کا رسول اللہؐ اور ابوطالبؓ کی طرف آہستہ آہستہ کھسکتے اور لڑھکتے جانا کتنا ناگوار اور خطرناک معلوم ہو رہا ہوگا۔ دوسرا گروہ جو لوٹ مار اور غارتگری کے لئے تیار کیا گیا تھا، وہ درحقیقت اُن قریشی سرداروں کی افرادی قوت تھا۔ یہ سواروں اور پیادوں کی ایسی بے لگام فوج تھی کہ اُسے جدھر اشارہ کر دیا جائے تو وہ بے خوف و خطر ہر نتیجہ سے لاپرواہ ہو کر ایک طوفانِ بلا کی طرح اس طرح بڑھے کہ تباہی و بربادی پناہ مانگ لے۔ یہی وہ سوار و پیادے تھے جن سے مدینہ کی گلیوں کو بھر دینے کا وعدہ ابوسفیانؓ کر رہا تھا اور حضرت علیؓ نے انکار کر دیا تھا۔ اگر کوئی مہذب فوج ہوتی جو حق و انصاف کی پابندی کرتی، ظلم و زیادتی سے باز رہتی تو انکار نہ کیا جاتا۔ یہی وہ سوار اور پیادے تھے جو استحکام خلافت کیلئے ابوسفیانؓ نے استعمال کئے تھے اور اس

افرادى طاقت کا رخ موڑ دیا تھا جس نے پورا ایک سال ملک میں قتل عام اور غارتگری کا طوفان مچائے رکھا۔ مسلم و غیر مسلم، نمازی اور بے نمازی، الغرض ہر قسم کی تفریق مٹا کر حکومت کو استحکام بخشا اور اس کے بعد منظم افواج کی صورت میں بیرون ملک نکل کر فتوحات کی طرح ڈال دی۔ علیٰ کو ایسی حکومت درکار نہ تھی جس کی بنیاد میں لاکھوں مردوں، عورتوں اور بچوں کی لاشیں چھنی جائیں۔ بہر حال یہی قریش کی وہ افرادى طاقت تھی جو بدر و احد و خندق وغیرہ میں روز بڑھتی گئی اور تکمیل دین کے ساتھ ساتھ اُس حد کو پہنچ گئی کہ اللہ نے بھی قرآن میں اُن افواج کے داخلہ کا ذکر کیا ہے۔ (وَرَأَيْتِ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝ النصر 2/110)

یہاں اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ افواج ایمان لا کر دین میں داخل ہوگی یا ایمان لانے کی غرض سے دین میں داخلہ لیں گی۔ بلکہ یہ بتایا ہے کہ قریش کی افرادى قوت بھی اُدھر سے اُدھر آجائیگی۔ اور وہ بے بس ہو کر خود بھی اُدھر آنے پر مجبور ہو جائینگے۔ یعنی یہ ایک لانگ مارچ (Long March) ہوگا جو قریش کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ قریش کی یہ افرادى قوت ہمیشہ ہر حال میں محض لوٹ مار اور غارتگری ہی کو اپنا مقصد حیات سمجھتی تھی۔ ہر اُس شخص کے ساتھ ہو جاتی تھی جو اُسے قتل و غارت اور لوٹ مار کی آزادی دیتا تھا۔ اور ہر اُس شخص سے روگردان ہو جاتی تھی جو قتل و غارت اور لوٹ مار پر عدل و انصاف و رحم و کرم کی پابندیاں لگائے۔ یہی افرادى قوت وہ راز ہے جس کے پیچھے مخالف اسلام حکومتوں کی کامیابی پوشیدہ ہے۔ معاویہ کی کامیابی کیا ہے؟ یہی افرادى قوت۔ یزید نے کعبہ کو کیسے جلا دیا۔ مدینہ کی عورتوں اور مردوں کو تین روز تک کیسے حلال کرادیا؟ اور کربلا میں جو کچھ ہوا وہ کس طرح ممکن ہوا۔ جواب ہے وہی افرادى قوت جسے ظہور اسلام کے وقت تک نظام شرک کا سرمایہ دار گروپ تیار کر چکا تھا۔ جو اللہ، رسول، حق، انصاف و عدل، رحم و کرم وغیرہ الفاظ کو بے معنی اور سیاسی حربے سمجھتی تھی۔ جس کا دین و ایمان اللہ و رسول اور تلوار تھا۔ شراب تھی جو اتھا، شعر و شاعری تھی۔ یہ تھا ملک عرب اور یہ تھے قحطانی نسل کے راہنمایان مُلک اور یہ تھی ابلیس کی ساری کمائی اور اس طویل ترین عمر کا پورا تجربہ اور بصیرت۔ یہ تھے وہ لوگ جن کی آنکھوں سے ابلیس دیکھتا تھا۔ یہ تھے وہ مشرک دانشور جن کے تدبر و تفکر و منصوبہ بندی پر ابلیس کو اعتماد اور ناز تھا۔ اور یہ تھا خانوادہ رسول جس کا اس بے پناہ گروہ سے مقابلہ تھا۔ جسے رحم و کرم و شفقت و فداکاری کا سبق دینے کے لئے خاتم النبیین و خیر المرسلین اور رحمۃ اللعالمین کو تیار کیا جا رہا تھا۔ اور یہ تھے جناب ابوطالب علیہ السلام جو اسلامی انقلاب کو نہایت خاموشی سے اندرون و بیرون ملک پھیلا رہے تھے۔ اور سلسلہ امامت محمدیہ کی ابتدا کرنے کیلئے وہ انتظامات کر رہے تھے کہ جن کے نتیجے میں امام الاولین و آخرین، ید اللہ فی تخلیق العالمین، لسان صدق النبیین و مرسلین، آنحضرت کی نبوت و رسالت پر مہر تصدیق و شہادت کے لئے وجود اختیار کر لے۔ اور اللہ یہ کہہ سکے کہ:-

قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ۝ (الرعد 13/43)

اے محمد قریش کو بتادو کہ تمہارے اور میرے درمیان اللہ اور قرآن کا مکمل عالم بطور شہید و شہادت کافی ہے۔

(viii)۔ باقاعدہ اعلان رسالت سے پہلے ید اللہ، لسان اللہ اور عین اللہ کا انتظار

یعنی دنیا میں وہ وجود جسے دیکھا جاسکتا ہے، تنفیذِ نبوت و رسالت و امامت کے لئے ذمہ دار ہے۔ اور جہاں جہاں وقت پیش آئے اللہ کی قوت اس کے ساتھ موجود رہے گی۔ لہذا رسول اور خانوادہ رسول، ید اللہ و لسان اللہ اور عین اللہ کا انتظار کر رہے تھے۔ تاکہ اسلام کو اللہ کے ہاتھ ملیں، خدا کی زبان ملے اور خالق کائنات کی بصیرت اور بصارت مل جائے تو باقاعدہ اعلان رسالت کر دیا جائے۔ یہ انتظار تھا جو ساری رسالتوں اور تمام نبوتوں و امامتوں کے خلاصہ کو روکے ہوئے تھا۔ اور ظہور امامت اُخریٰ کی تمہیدات میں پوری کائنات اور سرور کائنات اور ابی طالبؑ کی ذات بابرکات تن من دھن سے دن رات مصروف تھے۔

15۔ ظہور امام الاولین و آخرین، لِسَانُ الصِّدْقِ فِي الْآخِرِينَ

یہ حضرت عمرانؑ کی بصیرت و تربیت و انتظام کا کمال تھا کہ ایک دفعہ مشرکوں کا وہ ابلیسی گروہ بھی آنحضرتؐ کو اپنا نجات دہندہ سمجھ بیٹھا۔ اور اپنی فطانی بصیرت سے یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ اس رسالت کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکے گا۔ ابلیس کو روزِ ازل سے معلوم تھا کہ یہ نبوت آخری ہوگی۔ اس کے بعد نبوت و رسالت ختم اور مکمل ہو جائے گی۔ اُس کے بعد رسول اور نبی جیسے محترم و جذباتی اور مخصوص الفاظ کا استعمال بند ہو جائے گا۔ ہمارا راستہ روکنے کے لئے اب کوئی نبی یا رسول بن کر سامنے نہ آئے گا۔ رہ گئی لفظ امامت و خلافت! یہ تو عام الفاظ ہیں۔ اُن کے ساتھ تقدس اور جذبات مذہبی وابستہ نہیں ہیں۔ نہ ہی وحی کے نام سے ہم پر دباؤ ڈال سکتے ہیں۔ رہ گئی اس آخری نبیؐ کی آخری کتاب، اُس کا اور اُس کی تشریحات و توضیحات کا بندوبست کر دینا ہے اور بس باقی کام خود بخود ہوتا چلا جائے گا۔ نزول و اظہار کتاب و نبوت تک ہمارا ماہر طبقہ نبیؐ کے حلقہ میں اپنا خاطر خواہ رسوخ و اعتماد قائم کر لے گا۔ اور نبوت پر ہمارے عقائد کی روشنی میں ایمان و تصدیق کی مہر ثبت کر دے گا۔ پبلک میں گھل مل کر رہے گا، لوگوں کو بہکنے سے بچائے گا، تحفظِ نبوت کرے گا، نبیؐ کے راستے سے جذبات و خاندانی لمخوطات کے کانٹے صاف کرے گا۔ جس کے لئے اساسی منشور و دستور بیان ہو چکا ہے۔ نظر اس بات پر رکھنا ہے کہ نبیؐ کا کوئی قول یا اقدام ہماری ہزاروں سال کی قائم کردہ تمدن و تہذیب کے خلاف برسرِ کار آتا ہے یا نہیں۔ فی الحال ابو طالبؑ اور اُن کے عزیز و اقارب اور خود رسول اللہ امن و عافیت و محبت و خلوص کی راہ پر گامزن ہیں۔ نبوت کی شہرت و اشاعت اور اثر و رسوخ خود ہمارے لئے بھی مفید ہے۔ اسی لئے ہم اُس میں با بصیرت تعاون بھی کر رہے ہیں۔ اور مخالفت کی گنجائش بھی برقرار رکھ رہے ہیں۔ ہمارے کچھ لوگ قطعاً خاموش اور تماشائی بھی ہیں۔ نبیؐ کے حلقہ اثر تک بھی پہنچ رہے ہیں اور کام ٹھیک چل رہا ہے۔ اِدھر دن گزر رہے تھے قدرت اپنا کام کر رہی تھی۔ آنحضرتؐ کی عمر کا تیسواں سال یعنی ایک سبت مکمل ہونا تھا کہ جناب فاطمہ بنت اسد علیہا السلام کے لطن سے جناب ابراہیم و ابی طالب علیہما السلام کی بشارت نے دنیا کو منور کر دیا۔ آپ کا زلی نام علیؑ رکھا گیا۔ فاطمہ بنت اسد کا آغوش وہی تھا جس میں رسول اللہ نے بھی پرورش پائی تھی۔ اب نبوت کا سارا وقت علیؑ کی دیکھ بھال اور پرورش پر مرکوز ہو گیا۔ حضرت ابو طالبؑ اور حضرت خدیجہؓ کی پوری توجہ اس طرف مبذول ہو گئی۔ اگر ہم ولادت جناب علیؑ علیہ السلام اور متعلقہ معجزات و خرق عادات کی طرف متوجہ

ہو جائیں تو اس کتاب کی گنجائش ختم ہو جائے گی۔ ہم تو ہر واقعہ کو ضروری اختصار کے ساتھ سامنے لا رہے ہیں۔ تمام اہل سنت والجماعت کا جناب کے نام نامی کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کہنا اور لکھنا وہ تنہا اور مخصوص فضیلت ہے جو اس دنیا میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس جملہ کے پیچھے آپ کا مولود کعبہ ہونا، دیوار کعبہ کا شق ہو کر جناب فاطمہ بنت اسد کو پہلو میں لینا، تین روز تک مہمان خانہ خدا رہ کر برآمد ہونا اور جناب علی علیہ السلام کا آنحضرتؐ کی گود میں آکر پہلی دفعہ آنکھیں کھولنا اور آپؐ کے چہرے کو دنیا میں ہر چیز سے پہلے دیکھنا سب اسی جملے میں شامل ہے۔ یہی وہ ہستی ہیں جن کی ولایت کی تنفیذ کے لئے تمام نبوتیں اور رسالتیں تمہید بنائی گئی تھیں۔ یہی وہ دروازہ فیوض خداوندی ہے جو آج تک پوری اُمت پر کھلا ہے۔ یہی وہ دروازہ ہے جس سے تمام نوع انسان کو علوم محمدیہ تک رسائی ہوتی ہے۔ اسی کی چوکھٹ پر مذہب و سیاست و حقیقت و طریقت اور تصوف سجدہ کرتے ہیں۔ یہی وہ ولایت ہے جس کے وسیلے سے اُمت میں اولیاء اللہ کو کرامات و معجزات ملنے لگے۔ یہی وہ ذات پاک ہے جس سے مرکز انسانیت جناب امام حسین علیہ السلام پیدا ہونے والے ہیں۔ یہی وہ شخص ہے جو غربا و مساکین کی خوراک کو اپنا معیار بناتا ہے، جو غربت و افلاس کو دنیا سے سرمایہ داری کو مٹانے کا حربہ بناتا ہے، جو غربا و مساکین اور بے کس و ناتوان انسانوں کو پہاڑوں سے ٹکرا کر انہیں پاش پاش کرنے کی ہمت و طاقت عطا کرتا ہے۔ یہی ہے جس پر فقر و فاقہ ناز کرتے ہیں، یہی ہے جس کی ٹوٹی ہوئی جوتی کا ٹوٹا ہوا تسمہ دنیا بھر کی حکمرانی اور حکومت سے زیادہ قیمتی ہے۔ وہی ہے جسے عربوں کے زعما اور شجاع اور صف شکن بہادروں کی ناک میں نکیل ڈالنے کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ یہی تو ہے جس کی وفات پر حضرت عائشہؓ نے ہائے افسوس کا نعرہ مار کر کہا تھا کہ اب عرب آزاد ہیں۔ وہ مر گیا جس نے اُن کی ناک میں نکیل ڈال رکھی تھی۔

الغرض آپ کو پالنا پرورش کرنا اور امامت کی ذمہ داریوں کیلئے تیار کرنا اب رسول اللہ کی ذاتی ذمہ داری بن گئی۔ وہ اُس تمام محبت و قوت سے انہیں پالیں جو انہیں ابوطالب سے ملی تھی۔ جو ہر لمحہ فیضان خداوندی سے نازل ہو رہی تھی۔ اب آغوش رسولؐ میں اسلام علیؑ کی صورت میں پرورش پا رہا تھا۔ جس کی پرورش اور تربیت، خدا و رسولؐ خود کریں اس میں کسی خامی کا رہ جانا ناممکن ہے۔ جہاں ملائکہ اور ارواح ممد و معاون و نگران ہوں وہاں کسی کمزوری و لغزش کا رہ جانا تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ جسے مکمل ایمان و علم و حق کہنا ہو اُس میں خطا کا گزر کہاں ہو سکتا ہے۔ جہاں پر تمام سابقہ نبوتوں اور رسالتوں کا سنگم بنتا ہو وہاں کوئی ایسی صفت ہو سکتی ہے جو سمٹ کر اُس مولود مسعود میں مرکزنہ ہو جائے۔ آپ کو وحی و الہام و رحمت خداوندی کے سائے میں پالا گیا۔ جسم کا ہر ذرہ رسولؐ کے لعاب دہن اور اللہ کے فضل سے نورانی ہوتا گیا۔ ہر گود آ پکو ذرا دیر کے لئے اُٹھانے کی تمنا کرتی تھی، ہر آغوش آپ کے لئے پھیلا ہوا تھا۔ ماحول اتنا پیارا تھا کہ تمام قریش اظہار محبت و اقرار و وفا میں مصروف، خاندانی حکومت بخوشی واپس دے دی گئی ہے۔ تمام خاندانی اعزاز کو سب نے از سر نو قبول کر لیا ہے۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل اور جناب نابت علیہم السلام کی تین ہزار سالہ عظمت اور پورے عرب پر حکومت تسلیم کی جا رہی ہے۔ مذہبی اقتدار اور باعِثِ رحمت کردگار ہونا ثابت ہو چکا۔ اب جناب عبدالمطلب کا وہ مقام ہر زبان پر جاری ہے جو ابراہیم اور اسکے ساٹھ ہزار فوجیوں اور ہاتھیوں کو تباہ کر کے اللہ نے دکھایا تھا۔ آج کھل کر جناب اسماعیل و حضرت عبد اللہ علیہما السلام کو ذبیح راہ خدا کہا جا رہا ہے۔ اب قریش اور ہر قبیلے نے اُن تمام احسانات کو مان لیا ہے جو جناب قصی اور ہاشم علیہما السلام کی سفارتی کوششوں کے نتیجے میں عربوں پر ہوئے تھے۔ آج

وہ سب مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبائل کی خانہ جنگیاں صلح اور امن سے بدل دی ہیں۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ اب مسافروں کو کوئی نہیں لوٹتا۔ دُور و نزدیک کا ہر باشندہ خانوادہ رسولؐ کے ہر فرد کا رہن منت ہے۔ حضرت علیؑ اس ماحول میں دس سال کی عمر کو پہنچے تو اللہ نے مزید انتظار سے روک دیا۔ اور حکم ہوا کہ **فُمْ فَأَنْذِرْ** (مدثر 74/2) اے رسولؐ اٹھ اور تیز شروع کر۔

16- اعلان نبوت و اخوت و وزارت و خلافت اور امامتؑ کر دیا گیا

وہ تمام قصے باطل ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ اعلان نبوت پر قریش بگڑ گئے تھے اور نبیؐ ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ نبیؐ تو وہ بحیرا راہب کے زمانے سے مان رہے تھے۔ اعلان نبوت قریش کو کیسے شاق گزر سکتا تھا؟ وہ دوا ایسے گروہوں میں سے ایک تھے جو آج سے تیس سال پہلے یعنی بحیرا راہب کی تصدیق اور اطلاع سے آج تک آپؐ کو نبیؐ، امین، صادق اور رسولؐ مانتے چلے آ رہے تھے۔ یاتیس سال سے اُن کی نبوت کے اعلان کے منتظر تھے۔ چنانچہ یہ دو گروہ قریش اور دیگر قبائل میں موجود تھے۔ اعلان نبوت کسی طرح کسی نئی اور عجیب بات کا اعلان نہ تھا۔ مگر جو بات دلوں میں کھٹک پیدا کر رہی تھی وہ اعلان خلافت و امامت تھا۔ اس بات کو ماہرین اور راہنمایان قریش نے خاص طور پر نوٹ کیا۔ علیؑ کو اپنا وزیر، اپنا خلیفہ کہنا اور پھر زندگی ہی میں نہیں انتقال کے بعد خلیفہ قرار دینا، وہ بات تھی جو قریشی منشور کے تمام چھ نکات کو الٹ پلٹ کر دیتی تھی۔ اس اعلان سے خاندانی اقتدار قائم کرنے اور سابقہ تین ہزار سالہ نبطی و غسانی شخصی آمرانہ نظام بحال کرنے کی یو آر ہی تھی۔ یعنی جن بطنیوں کو مجہول النسب غیر ملکی قرار دیا تھا اور جن کی غسانی حکومت ابھی اس اعلان کے بعد تک مسلسل چلی آرہی تھی، قریش کی گردن پر اُن کو سوار کر دینے کی اسکیم معلوم ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ نبیؐ، عبدالمطلبؑ اور ابوطالبؑ کا حق نمک ادا کرنے کے لئے ابوطالبؑ کے بعد حکومت کو اُن کی اولاد کو سونپنے کی فکر کر رہا ہے۔ اس قسم کی عملی، واقعی اور تاریخی صورتیں سامنے آ کر ڈرا رہی تھیں۔ متحمل مزاج اور زیادہ سنجیدہ لوگ تو مزید غور و فکر کرنے اور مزید موقعہ دینے کے خیال سے خاموش رہے۔ لیکن بعض عجلت پسند سرداروں نے ابوطالبؑ پر پھبتی کس دی کہ لیجئے آج تک تو آپؐ سربراہ خاندان تھے، قوم بھی آپؐ کا حکم مانتی تھی، اب کل سے تم اپنے بیٹے علیؑ کی بات غور سے سننا اور بے چوں و چرا اس کی اطاعت کرنا۔ بس اعلان نبوت پر اس سے زیادہ اختلاف کرنا خود قحطانی تاریخ کے مسلمات کے بھی خلاف ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ رسم بیعت کی نہ ابھی ضرورت تھی نہ جاری ہوئی تھی۔ لہذا بلا اختلاف سب کا چلا جانا اور انکار نہ کرنا معنوی حیثیت سے نبوت پر ایمان لانا یعنی نبیؐ مان لینا ہی ہے اور چونکہ اعلان کے وقت آپؐ نے اپنے کسی قانون یا خاص قواعد و ضوابط پیش نہ فرمائے تھے اس لئے بھی کسی اختلاف کی گنجائش نہ تھی۔ رہ گیا لفظ نبیؐ، رسولؐ یا نذیر یہ کوئی نئے الفاظ نہ تھے۔ بلکہ موعود و متوقع تھے، کان تیس سال سے مانوس تھے۔ پس ایک ہی بات ذرا گڑبڑ کرتی تھی تو اُس کا تدارک جب ہی ممکن تھا جب باقاعدہ علیؑ کی پوزیشن واضح ہو جائے۔ یہ غلطی بھی اُن کی اپنی تھی کہ جب دعوت عام دی گئی تو اس وقت علیؑ کے سوا کوئی اور کیوں نہ کھڑا ہوا۔ یہاں قابل غور یہ ہے کہ جناب ابوبکرؓ اس روز کہاں تھے؟ غیر حاضر تھے تو کوئی بات نہیں۔ حاضر تھے تو انہوں نے اس دعوت عام پر کھڑے ہو کر کیوں نہ کہا کہ جناب یہ غلام بحیرا راہب کی بشارت کے مطابق آپؐ کی زندگی میں آپؐ کا وزیر اور آپؐ کے انتقال پر آپؐ کا خلیفہ پہلے ہی بتا دیا گیا ہے۔

میں تمام ذمہ داریاں اپنے سر لیتا ہوں۔ غیر حاضری کی صورت میں یہ سوال ہے کہ اعلان کے بعد بھی آپ برابر خاموش کیوں رہے؟ کیا یہ خیال تھا کہ رسول اللہ، اللہ کی منشا کے خلاف خاندانی دباؤ میں آ کر خدا کے حکم کو قبول نہ کریں گے؟ یا جس طرح وہ خواب قابل بیان اور پسندیدہ نہ تھا اُسی طرح یہ تعبیر بھی ایک مجرمانہ سازش کا قہری نتیجہ تھی؟ ورنہ کوئی دینی، اخلاقی اور قومی ضرورت ایسی نہ تھی جس کا یہ تقاضہ ہوتا کہ آنحضرتؐ سے اُس ذمہ دارانہ پوزیشن کو چھپا کر رکھا جائے۔ اور پھر یہ بات تو علیؑ کی پیدائش سے بیس سال پہلے کی ہے۔ اس مدت میں تو آپ کی وزارت اور خلافت سارے عرب میں مقبول ہو چکی ہوتی۔ اور ہرگز علیؑ کو وزیر و خلیفہ بنانے کی نوبت نہ آئی ہوتی۔ مگر مصلحت خویش خسروان دانند۔ بہر حال اور بہر طور یہ ماننا ہی پڑتا ہے اور اس کے سوا کوئی دوسری صورت سمجھ میں نہیں آتی کہ جس وزارت و خلافت کی قبل از وقت اطلاع دی تھی، وہ یوں ملنے والی ہرگز نہ تھی۔ ورنہ ہر حیثیت سے رسول اللہ پر ظاہر کرنا اور اُن کے کام میں کھل کر، جتلا کر ہاتھ بٹانا ضرورت و حالات کا عین تقاضہ تھا۔ البتہ آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ رہنے اور اکثر و بیشتر نمایاں ہونے کی کوشش یہ بتاتی ہے کہ اس عمل درآمد کا محرک وہی خواب اور وہی تعبیر تھی تاکہ بعد میں وزارت و خلافت کے سرے آپس میں ملائے جاسکیں اور احتمالات کے زور پر لوگ یہ باور کر سکیں کہ ممکن ہے ذہنی طور پر آپ وزیر ہی ہوں۔ اور خلیفہ بھی بنانا چاہتے ہوں مگر کچھ موانع اور مصالحوں حائل ہو گئے ہوں۔ اور ہاں دیکھو کہتے ہیں کہ نماز جماعت کا امام بنادیا تھا۔ لہذا اغلب ہے کہ یہ وزارت اور خلافت ہی ہو۔ مگر سوال وہی ہے کہ ان خوش فہمیوں کی کیا ضرورت تھی؟ اعلان وزارت و خلافت خدا داد کی رسول اللہ سے پوشیدگی کیوں ضروری تھی۔ اُس میں کیا دینی یا دنیاوی فائدہ تھا۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب نہ تاریخ سے بن پڑتا ہے نہ گھریلو اور صحیح روایات طرفداری کرتی ہیں۔ یہ تو بہت ہی بڑا نقصان ہے جو جناب ابوبکر نے اُس خواب کو، پھر اُس تعبیر کو پوشیدہ رکھ کر دین کو پہنچایا۔ خود رسولؐ کو اپنے بیس سالہ وزارت اور خلافتی تعاون سے محروم کیا۔ اور پھر اُمت میں ابوبکر علیؑ کا جھگڑا پیدا کرنے کی ذمہ داری اور نقصان بھی تو اُن ہی کے سر ہے۔ صرف ایک صورت رہ جاتی ہے جو بہت بُری اور ناپسندیدہ صورت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ لیڈران قوم اُس خواب سے واقف ہو گئے ہوں اور انہوں نے حضرت ابوبکر کو یہ پورا معاملہ صیغہ راز میں رکھنے کا دباؤ ڈالا ہو۔ اور وہ اُس دباؤ میں آ گئے ہوں۔ لیکن یہ پھر بھی ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ کے سامنے اعلان کر کے وزیر و خلیفہ بننے کے مقابلہ میں قومی لیڈروں کے طریقہ پر وزیر و خلیفہ بننے میں زیادہ افادیت تھی۔ ورنہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ ایک دن رسول اللہ نے غالب آنا ہے، اُن کی حکومت قائم ہونا ہے تو کسی قومی دباؤ میں آنے کی احتیاج نہ تھی۔ رسول اللہ کے سامنے اعلان وزارت و خلافت کرتے، قوم کی پرواہ نہ کرتے۔ رفتہ رفتہ قومی لیڈر پٹ جاتے اور ٹھٹھ سے آنحضرتؐ کے بعد عنان حکومت سنبھالتے اور قومی لیڈروں کو پھر دبا کر رکھتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دباؤ تو ضرور دیا گیا تھا۔ مگر وہ دباؤ خود ابوبکر صدیق کے اپنے مقاصد کے مفاد میں تھا۔ ورنہ قومی لیڈروں کو ٹھیکہ دکھا کر آنحضرتؐ کے ساتھ ہو جاتے۔ لہذا پھر وہی بات نکلی کہ انہیں معلوم تھا کہ میں اعلان کر کے تو وزیر و خلیفہ نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ اُدھر اس کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ میری وزارت اور خلافت کے لئے قومی سطح پر تعاون و بصیرت کی احتیاج ہے۔ جس کے پانچے میں یہ وزارت و خلافت مقدر ہے۔ یہ یشائے الہی ہے رضائے الہی نہیں ہے۔ جس طرح یہ طے شدہ قضا و یشائے الہی ہے کہ میدان کربلا میں خانوادہ حسینؑ قتل کر دیا جائے۔ یہ بھی طے شدہ ہے کہ فلاں فلاں لوگ حاکم بنیں۔ جیسے فرعون و نمرود کے لئے قضاۓ الہی تھی۔ مگر ان کو

رضائے خدا حاصل نہ تھی۔ یہ رضا اور قضا کا فرق تھا۔ ابلیس کے لئے جو کچھ طے کیا گیا اور جو کامیاں اس نے اپنے نظام میں حاصل کیں وہ قضاۃ الہی کے ماتحت تھیں۔ ابلیس سے اور اس کے کاروبار اور خود دادہ اختیار سے خدا راضی نہ تھا نہ ہے نہ ہوگا۔ ورنہ وہ جنتی ہوگا۔ لہذا مشیت خداوندی کے مطابق کسی چیز کا واقع ہونا، اُس کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ مشیت خداوندی یہ ہے کہ دھاردار چیز جسم کو کاٹ دے گی۔ مگر تلوار سے کسی کو قتل کر ڈالنا اور اُس کا قتل ہو جانا رضائے خداوندی کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ مشیت خداوندی کی دلیل ہے۔ اور ایسے قتل کی اطلاع پہلے سے دے دینا اسی اطلاع کی طرح ہے جو جناب ابوبکر کو وزارت و خلافت کی اطلاع تھی۔

(16/2)۔ مشیت کے مطابق ایک اور مفصل پیشگوئی

جس طرح حضرت ابوبکر کو آنحضرتؐ کی رسالت اور خلافت کی اطلاع دی گئی تھی اُسی طرح جناب عمر خلیفہ دوم کے چچا زاد بھائی کو بہت کچھ بتا دیا گیا تھا۔ یہ معاملہ ڈھکا چھپا نہ تھا۔ چنانچہ پہلے اس کی شہرت کے لئے طبری کی دو سطر میں ملاحظہ ہوں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جو لوگ عقل و سمجھ اور کان رکھتے تھے وہ سب رسالت اور رسولؐ سے مطلع تھے۔ اور یہ کہ حضرت عمر کا مذکورہ بھائی زید بن عمرو بن نوفل کہاں سے واقف ہوا ہوگا۔ طبری نے لکھا ہے کہ:-

(i) ”ابو جعفر کہتے ہیں کہ دوسری قومیں آپؐ کی بعثت سے واقف تھیں۔ اور اُن کے علماء اُن سے اس بات کو برابر کہتے چلے آتے تھے۔“ (طبری جلد اول صفحہ 71)

سوچئے کہ مکہ والے کیسے لاعلم رہ سکتے تھے۔ خصوصاً حضرت عمر کیسے ناواقف مانے جاسکتے ہیں۔ جب کہ اُن کے بھائی بھی واقف ہوں۔ وہ خود بھی توریت کے پڑھنے والے اور یہودی علماء سے رابطہ رکھنے والے ہوں۔ اور خود جناب ابوبکر بھی اُن کے دوست و ہمراز ہوں۔ اور حضرت عمر کا سب سے پہلے جناب ابوبکر کی بیعت بلکہ یہ کہنے کہ اُن کو خلیفہ اول بنانا اس علم و یقین کی غمازی کرتا ہے کہ آپؐ حکم مشیت سے واقف تھے۔ بلکہ یہ پوری پارٹی یہ جانتی تھی کہ خلافت پر خاندان رسولؐ تلوار نہ اٹھائے گا۔

(ii) زید بن عمرو کی پیشینگوئی: طبری فرماتے ہیں کہ ”عامر بن ربیعہ سے مروی ہے کہ مجھ سے زید بن عمرو بن نفیل کہا کرتا تھا کہ میں اولاد اسماعیلؑ میں ایک نبیؐ کے مبعوث ہونے کا منتظر ہوں۔ اور اُن میں سے بھی اولاد عبدالمطلبؑ میں۔ اپنے لئے میں نہیں سمجھتا کہ اتنا زندہ رہوں گا کہ اُسے پاسکوں، ایمان لاؤں اور اُس کی نبوت کی شہادت دوں اور تصدیق کر سکوں۔ البتہ اگر تم اُس وقت تک زندہ رہو اور اُن کو دیکھو تو اُن کو میرا سلام کہنا۔ تاکہ اُن کو شناخت کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ میں اُن کا حلیہ بتائے دیتا ہوں۔ میں نے کہا کہیے۔ اُس نے کہا کہ وہ نہ کوتاہ قامت ہوں گے نہ دراز قامت ہوں گے۔ نہ اُن کے سر کے بال بہت گھنے ہوں گے اور نہ ہی کم اور دُرُور اُن کی آنکھوں میں سُرخی ہوگی۔ مہر نبوت اُن کے شانوں کے درمیان ہوگی۔ نام احمد ہوگا۔ اسی شہر میں وہ پیدا اور مبعوث ہوں گے۔ پھر اُن کی قوم اُن کو یہاں سے نکال دے گی اور اُن کی تعلیم کو پسند نہ کرے گی۔ پھر وہ یثرب کو ہجرت کر جائیں گے۔ وہاں اُن کی بات بن جائے گی۔ دیکھو تم اُن کے متعلق دھوکے میں نہ آجانا۔ میں دین ابراہیمؑ کی تلاش میں دنیا بھر میں پھرا ہوں۔ جس یہودی یا عیسائی یا مجوسی سے میں نے دین ابراہیمؑ کو پوچھا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ وہ تو تمہارے وطن میں ہے۔ اور انہوں نے ہونے والے نبیؐ کی وہی صفت بیان کی

جو میں نے تم سے کہہ دی ہے۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اب وہی ایک نبی ہیں جو مبعوث ہوں گے۔‘ (طبری جلد اول صفحہ 72-71)

(iii) جو کچھ جناب زید نے فرمایا ہے اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جو راز میں رکھنے کی ہو یا ڈھکی چھپی چلی آرہی ہو۔ اس صورت میں قارئین کو یہ ماننا ہی پڑے گا کہ جناب زید نے یہ روایت صرف عامر بن ربیعہ ہی سے بیان کی ہوگی۔ اور چونکہ روایت یہ نہیں ہے کہ زید نے عامر کو چھپانے کی تاکید کی تھی۔ لہذا عامر نے بھی اور خود زید نے بھی نہ معلوم کتنے لوگوں سے زندگی بھر بیان کیا ہوگا۔ لہذا بحیرہ وغیرہ کو چھوڑ کر صرف زید ہی کی زبانی، حضرت عمر جو زید ہی کے گھر میں رہتے تھے اور حضرت ابو بکر جو عمر کے دوست تھے۔ اور ابو عبیدہ جراح جو گھر گھر حجامت اور جراحی کے لئے جاتے رہتے تھے۔ اور مکہ کا بچہ بچہ اُس نبی کی بعثت اور مکہ کی باشندہ قوم کا اُن کو نکال دینا اور رسول اللہ کی تعلیم پر عمل نہ کرنا سب کو معلوم تھا۔ لہذا مکہ میں کوئی شخص ایسا نہیں مانا جاسکتا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول کی حیثیت سے نہ جانتا ہو۔ اور چونکہ یہ اطلاعات اور تعارف اُنکی پیدائش سے پہلے ہی حاصل تھا۔ اسلئے خانوادہ رسول کے ہر شخص اور ہر بچہ پر نظریں گاڑے رہنا بھی ثابت ہوا۔ اور پھر قرآن کا یہ کہنا کہ تم رسول کو اسی طرح پہچانتے ہو جس طرح خود اپنی اولاد کو جانتے ہو (انعام 6/20)۔ یعنی تم اُن کی پیدائش کے قبل سے لے کر پیدا ہونے اور پلنے بڑھنے اور جوان ہونے تک نظر جمائے اُن کو دیکھتے اور اُن کے نبی ہونے کے چرچے سنتے رہے ہو۔ لہذا ہر وہ قصہ کہو اس ہے جس میں اس نبوت پر کسی کے تعجب اور ناواقفیت کا بیان ہو۔ ادھر مشیت ایزدی میں یہ طے شدہ معلوم ہوا کہ مکے والی قوم من حیث القوم ہرگز رسول اللہ پر ایمان نہ لائے گی۔ چونکہ روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ مکہ سے نکال دینے کے بعد وہ قوم ایمان لے آئے۔ اس لئے یہ ماننا بلا دلیل ہوگا کہ کبھی بھی مکہ والی قوم قومی حیثیت سے ایمان لائی تھی۔ اسی لئے اُن کو مومن و مسلم کہنے کے بجائے طلاق دیئے ہوئے لوگ یا ایک مطلقہ قوم فرمایا گیا۔ اور قرآن نے اس قوم کو قرآن کی تعلیم کا تاقیامت منکر قرار دیا ہے (يَرْبِ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا o الفرقان 25/30)۔ لہذا سوائے گنتی کے چند لوگوں کے جو بعد میں قریش کے دشمن ثابت ہوئے، کوئی عاقل شخص اس قوم کو مسلم اور مومن تسلیم نہ کرے گا۔ اس لئے کہ قرآن نے اس کے بعد اُس قوم کو قومی حیثیت سے قرآن کو تسلیم کرنے والا قرار نہیں دیا ہے۔ اور جب تک ہمیں پہلے ایسی آیت نہ ملے ہم کسی مخالف روایت کو قبول نہیں کرتے۔ عامر بن ربیعہ کی مندرجہ بالا روایت کو ہم نے آیات کی تائید کرنے کی وجہ سے قبول کیا ہے۔ ہم جان بوجھ کر قرآن کی مخالف روایات کو کیسے مان سکتے ہیں۔ اور جب کہ قومی تسلط کی بنا پر روایات بنانا اور خود گھڑنا اور پھیلانا ممکن اور خود قبول شدہ موجود ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم انہیں کافر یا منافق نہیں کہتے البتہ قرآن کی رُو سے انہیں ایسے مومن ضرور ماننا پڑتا ہے جن کے ایمان میں سے اللہ، رسول، قرآن اور تمام سابقہ کتبہائے خداوندی پر ایمان کی نفی بحکم خدا کر دی گئی ہو (نساء 4/136)۔ اُس نفی کے بعد جو کچھ باقی رہ جاتا ہے۔ وہ رعایت کے ساتھ اجتہادی ایمان ہے۔ یعنی وہ پہلے مجتہد اور پھر مومن تھے۔ وہ حضرات خدا، رسول، قرآن وغیرہ کی اُس پوزیشن پر ایمان لائے تھے جو اُن کے ذاتی اجتہاد کے بعد قائم ہوتی تھی۔ اور یہ بات خود قرآن کریم نے بتادی ہے کہ قوم قریش نے قرآن کو مجبور چھوڑ دیا تھا (فرقان 25/30)۔ یعنی انہوں نے قرآن کو اپنے اجتہاد کے ماتحت رکھا تھا۔ تاریخ وحدیث وفقہ وتفسیر کی کتابوں میں یہ حقیقت قبول کر لی گئی ہے اور بڑے شد و مد سے انہیں مجتہد کہا اور لکھا گیا ہے۔ اور اُن کے وہ اجتہادات گنوائے گئے ہیں جن سے قرآن کریم کے احکامات کو معطل کر

دیا گیا تھا۔ مثلاً مولفۃ القلوب کا حصہ ساقط کر دیا گیا، جس بند کر دیا گیا وغیرہ۔ اسی طرح انہوں نے رسول کی جانشینی کو اُسی اجتہاد سے قائم کیا تھا۔ اور یہ بھی اُن ہی کا رائج کردہ مسئلہ ہے کہ اگر مجتہد سے اس کے اجتہاد میں غلطی ہو جائے تو اُس خطائے اجتہادی پر بھی خطا کار مجتہد کو خدا ثواب دیتا ہے۔ اُن ہی کا عقیدہ ہے کہ بعض احکام اور ضروریات انسانی ایسی رہ گئی ہیں جن کا حل نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے۔ یعنی اُن دونوں کے اس نقص کو مجتہد اپنی بصیرت اور محنت سے مکمل کر کے ضروریات انسانی کو پورا کرتا ہے۔

(16/3)۔ اولادِ رسول اور محافظانِ اسلام کی بنیاد جناب فاطمہ زہراء علیہا السلام

اُدھر اعلانِ نبوت کو جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی وزارت و خلافت نے مستحکم کیا ہی تھا کہ اللہ نے جناب خدیجہ علیہا السلام کو نبوت و امامت کے تحفظ میں قیامت تک حصہ دینے کیلئے انہیں وہ بچی عطا کی جسکے انتظار میں رسول اللہ نے اپنی پہلی دو اولادیں یعنی حضرت قاسم اور جناب عبد اللہ کو خدا کی نذر کر دیا تھا اور جبکہ بعد آپ کو اللہ نے قیامت تک زندہ رہنے والی تیسری اولاد عطا کی جو نہ صرف گیارہ معصوم سربراہانِ اسلام کی بنیاد بنے گی بلکہ نوع انسانی کی نجات اور اسلام کے تحفظ کا ذمہ بھی لے گی اور رسالت کی نسوانی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ بنے گی۔ تاکہ خواتینِ عالم انسانی دنیا میں بہترین نسل کی بقا و ترقی کا نمونہ دیں اور اُنکے تربیت یافتہ بچے فلاح انسانی کیلئے کسی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ اُنکی ولادت بھی اپنے بزرگوں کی طرح برابر شائع ہوتی چلی آئی تھی۔ تو ریت و انجیل نے بشارتیں دی تھیں۔ یہود و نصاریٰ ثانی ہاجرہ و سارہ اور مریم علیہن السلام کا انتظار کر رہے تھے۔ یہی وہ فخر و عالم بی بی ہیں جن کی خدمت میں بادشاہ حبش اپنی عالی جناب دختر بھیجے گا۔ اُن ہی کی چادر سے یہود و نصاریٰ اور اُنکی خواتین برکت حاصل کیا کریں گے۔ اسی چادر کے سائے میں آیتِ تطہیر نازل ہوگی۔ یہی وہ چادر ہے جو اہل بیت علیہم السلام کے نام کے ساتھ ایک جزو لا ینفک بن گئی ہے اور جس نے ہمیں یہ بتایا کہ خانوادہ رسول کے حقیقی دوست اور ہمدرد کون لوگ تھے۔ اس چادر نے تاریخ میں یہ ریکارڈ چھوڑا کہ نام نہاد مسلمان اغنیاء دشمنانِ اہل بیت تھے۔ اسلئے ضرورت کے مواقع پر یہ چادر یہود و نصاریٰ کے یہاں رہن رکھی جاتی تھی اور وہاں جا کر اُسے تبرکات انبیاء علیہم السلام کی شان سے رکھا جاتا تھا۔ اور سوائے کربلا کے اس چادر کو کبھی دشمنانِ خدا اور رسول چھونہ سکے۔ اسی چادر کا بیان حدیث کساء کرتی ہے اور آج بھی یہ چادر اور یہ حدیث مشکلات کو حکمیہ حل کرا کر معجزات دکھا رہی ہے۔ ہمیں بڑی مسرت ہے کہ صرف بارہ سال میں حدیث کساء ہر جمعرات کو قوم میں پڑھی جانے کا حکم پھیلتا چلا گیا ہے۔ اور اب تو بعض سمجھدار صاحبانِ عزاء اپنی مجالس کی ابتدا اُسی سے کرتے ہیں۔

17۔ اعلانِ نبوت کے بعد رفتہ رفتہ قریش پھر دشمن ہو گئے

تخطائی تاریخ میں بڑے زور شور سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ رسول اللہ کی طرف سے بتوں کی سخت الفاظ میں مذمت کی جاتی تھی۔ اس سے قریش مکہ نے منع کیا آپ نہیں مانے بلکہ اور شدت اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ قریش کے لئے ناقابلِ برداشت ہو گئی تو انہوں نے سربراہ خاندانِ رسول سے مصالحت اور اس مذمت کو روکنے کے لئے کہا۔ اور معاذ اللہ جناب ابی طالب کے اقدامات بھی ناکام ہو گئے اور بتوں کی توہین و تضحیک میں برابر اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ قریش نے اپنی حکومت اپنی جان و مال و اولاد کو رسول اللہ کی

خدمت میں پیش کر کے مذکورہ مذمت سے روکنا چاہا۔ مگر ہر اپیل اور ہر درخواست ٹھکرائی جاتی رہی۔ حتیٰ کہ قریش نے قتل کی اسکیم بنائی جس کے بعد ہجرت وقوع میں آئی۔

یہ سارا قصہ اسلامی اور قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ تاکہ رسول اللہ کی آڑ میں رفتہ رفتہ جارحیت کو جائز کر کے اسلام پھیلانے کی وہ اسکیم جاری کر لی جائے جو واقعی بعد کی تاریخ میں کل پرسوں تک جاری رہی ہے۔ اور جس کا مشورہ ایک قومی نمائندہ رسول اللہ کو دیا کرتا تھا۔ اور خدا کو شاہد کر کے خدا کی منشا کی جارحانہ تعبیر کرتا تھا۔ اور دنیا کو باز مچھ افواج بنا دینا چاہتا تھا (بقرہ 205-204/2)۔ دوسرا فائدہ اُن غلط تصورات و روایات سے یہ اٹھانا چاہتا تھا کہ رسول اللہ کی چالیس سالہ زندگی مختلف تھی اور اعلان نبوت کے بعد کی زندگی الگ تھی۔ یعنی اُن دونوں ادوار میں معاذ اللہ کوئی عقل مند نہ رہا تھا، ایک خود رو آدمی کی طرح آپ بھی دن گزارتے رہے۔ معاذ اللہ وہ چالیس سال تک رسول تھے نہ انہیں اپنی رسالت کی خبر تھی۔ اور نہ چالیس سال تک آپ نے نبوت و رسالت کے ماتحت سمجھ بوجھ کر کوئی کار رسالت انجام دیا تھا۔ یعنی قریش نے یہ چاہا کہ اس عظیم الشان رسول کی زندگی کے وہ چالیس سال ضائع کر دیئے جائیں جن میں آپ نے قوم اور ملک میں تخلیقی کام کیا تھا۔ جس میں یہ سبق دیا تھا کہ ایک انتہا درجے کے بگاڑے ہوئے معاشرہ کو کیسے متوجہ کرتے ہیں۔ جہاں کی ہر چیز الٹی اور خلاف دین ہو وہاں بگڑے ہوئے عمل درآمد کا رخ کس طرح اسلامی احکام کی طرف موڑتے ہیں۔ جس طویل زمانہ میں یہ سکھایا تھا کہ دین سے بعید ترین اور خبیث ترین لوگوں کو اسلام کی رُو سے کس طرح رعایات دی جاسکتی ہیں۔ اور کس طرح قوم کی بدنہادگی کو روک کر قدم قدم اسلامی راہ پر لایا جانا چاہئے۔ جہاں کسی فعل حرام کی تمام خرابیاں اور تمام مذمت ایک دم اور پہلی بار سامنے نہیں لائی جاتیں۔ بلکہ بتدریج اور قسط و تمہیل قائم کی جاتی ہے۔ مثلاً ایک شراب ہی کو دیکھئے۔ اس سے اُس عادی اور شراب کی عاشق قوم کو باز رکھنا ان کا مقصد تھا۔ یہ روز ازل سے اور توریت و انجیل اور ہر شریعت میں حرام تھی۔ لیکن آپ نے اس کو نظروں سے گرانے، اس کی عادت چھڑانے، اس پر صرف شدہ رویہ بچانے اور کاروباری ملکی معاہدوں اور تجارتی پابندیوں کو ڈھیلا کرنے اور اس کی ناپاکی اور خباثت سے قوم کو متنفر کرنے کے لئے چالیس جمع تیرہ (13) اور جمع پانچ سال یعنی اٹھاون سال کی تدریج و تمہیل اور پاکیزہ نمونوں کے ساتھ شراب کی بنیادوں کو اکھیڑ دیا تھا۔ یہاں جناب علامہ مودودی صاحب کی چند سطریں پڑھنا مفید ہوں گی لکھتے ہیں کہ:- ”لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ (نساء 4/43)۔ یہ شراب کے متعلق دوسرا حکم ہے۔ پہلا حکم وہ تھا جو سورہ بقرہ (آیت نمبر 219) میں گزرا۔ اس میں صرف یہ ظاہر کر کے چھوڑ دیا گیا تھا کہ شراب بری چیز ہے، اللہ کو پسند نہیں ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں ایک گروہ (ماشاء اللہ) شراب سے پرہیز کرنے لگا تھا۔ مگر بہت سے لوگ اسے بدستور استعمال کرتے رہے تھے حتیٰ کہ بسا اوقات نشے کی حالت میں ہی نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے اور کچھ کا کچھ پڑھ جاتے تھے۔ غالباً 4ھ کی ابتدا میں یہ دوسرا حکم آیا اور نشے میں نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے اپنے شراب پینے کے اوقات بدل دیئے۔ اور ایسے اوقات میں شراب پینی چھوڑ دی جن میں یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں نشے ہی کی حالت میں نماز کا وقت نہ آجائے۔ اس کے کچھ مدت بعد شراب کی قطعی حرمت کا وہ حکم آیا۔ جو سورہ مائدہ آیت نمبر 90-91 میں ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 354 حاشیہ نمبر 65)

یہ تھا اسلامی، قرآنی اور طریقہ رسولؐ جس سے قلوب و اذہان میں دینی جذبات و احساسات کی تخلیق کی جاتی تھی۔ رعایت پر رعایت دی جاتی تھی۔ ملاً کا مارشل ازم وہاں ملعون و مردود تھا۔ حالات و عادات و عذرات و ضد و بغاوت کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اور آخر کار لوگوں کو نیک نہاد و پکا عفت مآب بنادیا جاتا تھا۔ لفظ حرام و حلال پڑھتے ہی ڈنڈا، دُرہ اور تلوار نہ نکال لی جاتی تھی۔ مگر خطائی پالیسی کو اسلام کی چادروں میں لپیٹنا ضروری تھا۔ اس لئے اسلام اور اس کے احکام کو مدینہ کی زندگی سے شروع کیا گیا۔ اور اس میں سے بھی نرمی، لطف و کرم اور رعایت اور فطری حالات کو منہا کر کے ایک مارشل ازم تیار کیا گیا۔ تاکہ یہ کہنا اسلامی ہو جائے کہ یا تو اسلام کا اقرار کرو ورنہ جنگ قبول کرو۔ اور ساتھ ہی یہ کہ ہر وہ چیز جو رسول اللہؐ نے چھڑادی تھی۔ سچ مچ حرام کرادی تھی۔ پھر جاری کر لی جائے چنانچہ آج بھی ہمارا اعلیٰ و ادنیٰ طبقہ شراب پیتا ہے۔ شراب کی محفلیں قائم ہوتی ہیں۔ یعنی ملاجی دراصل شراب کو جائز قرار دینے اور باقی رکھنے کے لئے شور اور فتویٰ بازی کرتے ہیں۔ بہر حال اس ملعون و مشرک قوم نے چھ سات ہزار سالہ انبیاء کی محنت کو ضائع کرنے کے لئے توریت و زبور و انجیل وغیرہ تمام سابقہ کتابوں کو منسوخ قرار دیا۔ پھر رسول اللہ کی زندگی کا دو تہائی حصہ غیر اسلامی کہہ کر ختم کیا۔ پھر مکہ کے تیرہ (13) سال یوں ضائع کئے کہ اس زمانہ کے احکام کا انہیں بقول اُن کے علم نہ ہو سکا۔ گویا اللہ کے تمام رسولوں کی محنت کو ضائع کر کے صرف دس سال کا مدنی زمانہ دین اسلام بنادیا۔

اس پالیسی کے ماتحت اگر مشرکین عرب یا اُن کے جانشین پیرو لوگ رسول کو (معاذ اللہ) ایک جارح شخص قرار دیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ چونکہ اس جارحیت کے بغیر نہ وہ حکومت کر سکتے تھے۔ نہ دنیا میں نظام مشرک کو اسلام کا لباس پہنا کر ازمِ سر نو جاری کر سکتے تھے۔ اور نہ فریب در فریب اور جبر و قوت کے بغیر آج تک موجود رہ سکتے تھے۔ نوک نیزہ اور تلوار کی باڑھ پر رکھ کر لوگوں سے صرف کلمہ پڑھوانا، مال و دولت اور خراج لے کر آگے بڑھ جانا، تاریخ، اُن کی اپنی لکھی ہوئی تاریخ میں موجود ہے۔

(17/2)۔ رسول اللہ اور خانوادہ رسول کا طریقہ تبلیغ اسلام اور قرآن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ کے لئے جو حکم ملا اور جو طریقہ بتایا گیا تھا اُس میں ذرہ برابر تحکم اور سخت کلامی کا شائبہ تک نہ تھا۔ بلکہ اُن سے کہا گیا تھا کہ: (i) اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِ لَهُمْ بِالْيُسْرِ هِيَ أَحْسَنُ۔

”آپ اپنے پالنے والے کی راہ کی طرف نہایت حکیمانہ انداز بہترین و مفید نصیحت کے موڈ میں دعوت دو۔ اور اُن کے ساتھ ہر بحث

و مباحثہ حسین اور دل پسند انداز میں کیا کرو۔“ (سورہ النحل۔ 16/125)

(ii) رسول اللہ کے خاندان والوں کو حکم دیا گیا کہ: وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالْيُسْرِ هِيَ أَحْسَنُ۔ (29/46)

”آپ لوگ اہل کتاب کے ساتھ بحث و مباحثہ حسین اور دل پسند انداز کے بغیر کیا ہی نہ کرو۔“ (العنکبوت 29/46)

(iii) یہ بھی فرمایا کہ: وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا (نساء 4/63)

”اُن لوگوں سے تعارض نہ کرو اور نصیحت اس انداز سے کرو کہ آپ کی باتیں اُن کے قلوب میں اُترتی چلی جائیں۔“

اور یہ بھی فرمایا تھا کہ: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔ (آل عمران 3/64)

”آپ اہل کتاب سے یہ کہہ دیں کہ کم از کم ہر اس بات پر تو متفق ہو کر تعاون کرو جو ہم میں اور تم میں برابر کے مسلمات میں سے ہیں۔“

ان آیات کے بعد یہ کہنا کہ رسول اللہ جارحانہ انداز میں تبلیغ کرتے تھے یا سخت کلامی اور سخت گوئی کی کسی کو اجازت دیتے تھے محض مشرکین قریش ہی کو زیبا دے سکتا ہے۔ یہ قحطانی لوگ اُسی منہ سے یہ کہتے ہیں کہ سارا مکہ رسول اللہ کو امین کہتا تھا، پیار کرتا تھا، سر آنکھوں پر بٹھاتا تھا۔ اُن کی نرم روی اور مہذبانہ زندگی کی مدح و ثنا کرتے ہیں۔ اور پھر اعلان نبوت کے بعد اُن میں جارحیت کا اثبات کرتے ہیں۔ یعنی معاذ اللہ اُن کو قرآن کے نزول اور نبوت نے سخت گواہی اور ترش رو بنادیا تھا۔ اور وہ چالیس سال کی چکی ہوئی عادتوں کو ایک دم ترک کر کے پیغمبرؐ بن گئے تھے۔ یعنی پیغمبری (معاذ اللہ) ڈنڈے بازی کا دوسرا نام ہے۔ سنو اور غور سے سنو!! کہ اللہ نے رسول اللہ کی قلبی وسعت اور نرم مزاجی کی حد یہ بتائی ہے کہ کفار و منافقین اور تمام دشمنان اسلام صرف اُن کی بامروت زندگی اور پیاری پیاری ہدایات کی وجہ سے ہمیشہ اُن کے ساتھ چپکے رہے اور مشرک منصوبے کو جاری کر سکنے کی آس کبھی نہ ٹوٹی۔ چنانچہ اللہ نے رسول اللہ کی خاندانی فطرت و عادت کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَطًّا غَلِيظًا لَّفَنَفِضُوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران 3/159)

”یہ تو چونکہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم اُن لوگوں کے ساتھ نہایت ہی نرم سلوک کرتے چلے آتے ہو۔ اگر کہیں تم سخت دل

اور تند خو ہوتے تو یہ لوگ کبھی کے تمہارے حلقہٴ صحبت سے بھاگ کھڑے ہوئے ہوتے۔“

قارئین! اللہ کے اس بیان سے اگر یہ سمجھ لیں کہ سرکارِ دو عالم رحمۃ اللہ فی العالمین کی مستقل رحم و کرم کی عادت تھی تو یہ کس طرح مانا جا سکتا ہے کہ آپ کا رویہ اہل مکہ کے ساتھ انتہائی سخت تھا؟ یاد رکھیں قحطانی منصوبے کی یہ بہت گہری چال ہے جس میں بڑے بڑے سلجھے ہوئے دماغ بھی الجھ کر مطمئن ہو گئے ہیں۔ لیکن ہم چونکہ قرآن کو مشرک عینک سے نہیں پڑھتے، اس لئے ہم اُن کی ہر چال، ہر مکر اور ہر فریب کو قرآن ہی سے ثابت کرتے ہیں۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ رسول اللہ کو، اہل مکہ کو مومن دیکھنے کی اس قدر تمنا تھی کہ اللہ نے آپ کو حریص کہا، روؤف فرمایا اور رحیم قرار دیا ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (9/128)

”یقیناً تم ہی میں سے تمہارے پاس جو رسول اللہ آیا ہے تمہاری ہر برائی اور تکلیف اُسے بہت ناگوار گزرتی ہے۔ وہ تو تمہاری

فلاح اور بہبود کا بڑا لالچی ہے۔ اور ایمان لانے والوں کے لئے رؤف اور رحیم ہے۔“ (التوبة 9/128)

دوستو! یہ صورت حال اور یہ خوش خصال انسان ہی تو وہ انسان ہے کہ یتیم بچے انہیں چھوڑ کر اپنے والدین کے ساتھ نہ جاتے تھے۔ یہی دل میں اُتر جانے والا سلوک تو تھا جس نے لوگوں کو ایسا بنادیا تھا کہ ایک طرف آزاد اور خوشحال زندگی کھڑی انتظار کر رہی ہے، دوسری طرف دو اونٹوں سے بندھا ہوا ایک انسان کھڑا ہے۔ اس سے کہا جا رہا ہے کہ تم رسول اللہ کی مذمت کرو اور اسلام کو ترک کرنے کا اعلان یا مرنے کو تیار ہو جاؤ۔ جواب ملا کہ اگر ستر دفعہ قتل کر کے جلادیا جاؤں تو ہر دفعہ انکار کروں گا۔ چنانچہ اونٹ دوڑا دیئے گئے۔ سوچئے کیا ہوا ہوگا؟ جب کہ ایک ایک ٹانگ کو لے کر دونوں اونٹ دو مختلف سمتوں میں دوڑے ہوں گے؟ یہ تھی وہ لافانی محبت جو رسول کا سلوک پیدا کرتا تھا۔ اور

حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے؟ یہ علمی گفتگو ہے جو علمی حلقوں کا کام ہے۔ عوام اپنے اپنے علمی حلقوں اور علما کی پیروی کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اب یہ علما کا کام اور ذمہ داری ہے کہ وہ حق سے ادھر ادھر نہ ہٹیں۔ لہذا عرب میں بھی عوام رسول اللہ سے پیار و محبت کرتے تھے، قدر و منزلت بجالاتے تھے، بات ماننتے تھے۔ اپنی صدیوں کی بگڑی ہوئی حالت کو سدھارنا شروع کر دیا تھا۔ دانشوران قریش بھی اچھی بات کو اچھا اور بُری کو بُرا سمجھتے تھے اور مجبور تھے کہ ہاں میں ہاں ملائیں، اصلاح کو اصلاح کہیں۔ لیکن وہ ان اچھائیوں اور اصلاح کے پس پشت ایک خطرہ دیکھ رہے تھے جو عوام کو نظر نہ آتا تھا۔ وہ یہ اندیشہ تھا کہ رسول اللہ کے بعد یہ ایک خاندانی اجارہ داری بن جائیگی۔ جیسا کہ نبی و غسانی حکومت تین ہزار سال سے چلی آرہی ہے اور جو اسی خاندان کی نبی حکومت ہے۔ پھر وہ حکومت علی و خاندان علی میں موروثی ہو جائیگی۔ اور یہ بات کسی طرح مشترکانہ یعنی سب کا مل کر اشتراکی و مشترک نظام قائم کرنے کے تصور میں ہضم نہیں ہو سکتی۔ یہ بات عوام کو موٹے موٹے الفاظ اور دلائل سے سمجھانے کا سامان نہ تھا۔ اور جب تک یہ بات عوام کی سمجھ میں راسخ نہ ہو جائے اُس وقت تک اُس اسلامی انقلاب اور عمرانی سیلاب کو روکا نہیں جاسکتا جو سمندر کی طرح مد و جذر سے ساری مشترکانہ محنتوں کو اُلٹ پلٹ کر رہا ہے۔ جو بیرون ممالک سے اندرون ملک تک اور اندرون ملک سے بیرونی ممالک تک بڑھتا، امنڈتا اور لہریں مارتا چلا جا رہا ہے۔ اسلئے

سرداران قریش کسی جائز اور سمجھ میں آنے والے بہانے کی تلاش میں ہیں کہ اس عمرانی انقلاب کو روکا جاسکے۔ اور اُن راہوں کو سوچ رہے ہیں کہ جن پر چل کر یہ اسلامی اصلاحات قریشی پالیسی کے ہم رنگ بنائی جاسکیں۔ اس فطری، قدرتی، عملی اور واقعی صورت حال کو شاہی تاریخ چھپاتی ہے۔ اور بلا کسی ربط اور فطری و عملی ضرورت کے ایک دم مشرکین قریش کو رسول اللہ سے برسر پیکار کر دیتی ہے اور اُن کے ظلم و ستم کی صحیح اور غلط داستان اِس زور شور اور شد و مد سے سناتی ہے کہ قارئین کو مشرکین سے نفرت ہو جائے اور اس نفرت کے دھارے میں بہتا قاری اس طرف توجہ ہی نہ دے سکے کہ مشرکین سے یہ نفرت اسلئے پیدا کی جا رہی ہے کہ مومنین سے ہمدردی پیدا ہو جائے اور پھر چپکے چپکے مکہ کے مشرکین کو مومنین کی ہمدردی کی آڑ میں اُدھر سے اُدھر پہنچا دیا جائے۔ یعنی مشرکین سے نفرت کو ایک کروٹ دے کر مشرکین سے محبت میں تبدیل کر دیا جائے اور یہ پتہ نہ لگنے پائے کہ وہ سارے مشرکین جن سے نفرت پیدا کی گئی تھی، اُدھر سے اُدھر آ چکے ہیں۔ صرف نام بدل گئے ہیں۔ اور اب نظام شرک اسلام کی عبا قبا اور عمامہ میں ملبوس ہو چکا ہے۔ یہ ہے وہ راز اور منصوبہ جسے شاہی تاریخ چھپاتی ہے۔

(17/3)۔ اسلام اور رسول اسلام سے قریش اور مشرکین کی دشمنی کی قابل فہم وجہ لازم ہے

ہم سے کہا جاتا ہے کہ مکہ کے سرمایہ دار یہود اور قریش اپنے نظام سرمایہ داری اور سود کے ختم ہو جانے کی بنا پر آنحضرت کے دشمن ہو گئے، مان لیا۔ لیکن عوام جو مقروض اور سرمایہ دارانہ نظام سے تنگ تھے، اُنہوں نے اپنے ہمدرد رسول کے خلاف اپنے خون چوسنے والے دشمن کا دل و جان سے کیوں ساتھ دیا؟ کیوں ہزاروں کی تعداد میں میدان جنگ میں کام آئے؟ کہا جاتا ہے کہ عوام سرمایہ داروں کے بچے میں پھنسے ہوئے مجبور تھے، مان لیا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کئی سرمایہ داران قریش اور یہود کے پاس کوئی فوج نہیں ہے۔ ہوتی بھی تو وہ بھی اُن ہی غریب اور مظلوموں پر مشتمل ہوتی۔ سوال یہ ہے کہ مکہ سے نکل بھاگنے کی ساری راہیں کھلی ہیں۔ کسی کو زنجیروں میں جکڑ کر گھوڑے پر باندھ کر میدان جنگ میں نہیں لایا گیا۔ ایسا ہوتا تو وہ کیسے لڑتا؟ لہذا سرمایہ داروں کا زور اور جبر و اثر دل میں جب تک جا کر نہ بیٹھ جائے، اُس وقت تک کوئی شخص میدان جنگ میں آزادانہ سفر اور پھر جنگ نہیں کر سکتا۔ لہذا یہ کیسے ممکن ہوا کہ تمام متفرع عوام، تمام مظلوم لوگ لڑنے کے لئے تلواریں اور گھوڑے، اونٹ، راشن لے کر حملہ آور ہوتے رہے؟ اگر کوئی جادو، چھو منتر اور معجزہ تھا بھی تو وہ مشرکین قریش کے پاس نہ تھا کہ وہ عوام کو دل کی رضا مند یوں سے اُن مظالم پر آمادہ کر کے انہیں جنگ کا ایندھن بنا دیتے۔ کہا جاتا ہے کہ قبائلی تعصب اور عزیز و اقربا کی محبت کی بنا پر جدھر ایک شخص جاتا سارا قبیلہ اُدھر چل کھڑا ہوتا۔ درست ہے مان لیا۔ مگر جب یہ مخالفت تاریخ کے پردہ پر دکھائی گئی ہے اُس وقت تک کم از کم چالیس سال گزر چکے تھے۔ اس چالیس سال میں تقریباً ہر قبیلے میں رسول کا مشن پہنچ چکا تھا۔ اعلان سے قبل ہی دنیائے عرب انہیں صادق و امین اور قابل تقلید سمجھ چکی تھی۔ لہذا عربی قبیلوں کا تعصب اور محبت تو رسول اللہ کے ساتھ ہونا چاہیئے نہ کہ سرمایہ داروں اور خون چوسنے والوں کے ساتھ جم کر دل و جان سے ایسے رجیم و کریم و ہمدرد و غم گسار رسول کی مخالفت کرنا جو اُن کی فلاح و بہبود کے سوا اور کچھ چاہتا ہی نہیں ہے۔ جس چالیس سالہ دورِ تخلیق و اصلاح کو شاہانہ تاریخ حرف غلط کی طرح مٹا کر اُسے عہد رسالت سے خارج کرنا چاہتی ہے، قرآن اُس زمانہ کو بطور دلیل و حجت پیش کرتا ہے اور کار رسالت کو مسلسل قرار دیتا ہے۔ سُبْحَیْنِ اللہ نے رسول سے اعلان کرایا کہ:۔ قُلْ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُمْ عَلَیْکُمْ وَلَا اَذْرَاکُمْ بِہِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (10/16)

”ان سے کہہ دو کہ میں نے تمہارے درمیان ساری عمر گزار کر جو کچھ تمہارے لئے بہتر سمجھا ہے۔ اُس کے عین مطابق وہ عمل درآمد اور تعلیمات ہیں جو میں پیش کر رہا ہوں۔ اگر یہ سب کچھ من جانب اللہ اور اُس کا پسندیدہ نہ ہوتا تو میں نہ تو ساری عمر قرآن کی تمہارے روبرو تلاوت کرتا نہ تمہیں دلیل و برہان کے ساتھ اُس کی حقیقت سازی پر مطلع کرتا۔ کیا تم لوگ اپنی اپنی عقل و تجربہ سے اس (چالیس سالہ طرز عمل) پر عقل سے غور نہیں کرتے ہو۔“ (یونس 10/16)

لہذا ضروری ہے کہ کوئی ایسی حقیقی وجہ بیان کی جائے جو آج بھی ہر آدمی کی سمجھ میں آئے۔ جو رسول اللہ کی چالیس سالہ خدمات و تبلیغ کو دل سے نکال کر ہر شخص کو اُن سے پہلے متنفر کرے۔ پھر ہر شخص اپنے مستقبل کو خطرہ میں ہونے کا یقین کرے اور اپنے اپنے بچوں اور ناموس اور قبیلے اور اپنی قوم و ملک کو رسول اللہ سے محفوظ کرنے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دے۔

(17/4)۔ رسول اللہ نے سردارانِ قریش کے تمام سیاسی حربے بیکار کر رکھے تھے

آنحضرت کی اسلامی تعلیم میں برابر چالیس سال سے انسانی نفسیات و جذبات کا لحاظ رکھا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ شراب، جوا، سود اور سینکڑوں بنیادی اور قدیم ترین مہذب کھلانے والی تمام خرابیوں کو کس خوبصورتی اور حُسنِ تدریج اور مہلت کے ساتھ بلا کسی اشتعال کے دلوں سے نکال دیا تھا۔ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ آنحضرت اپنے خلاف اشتعال مزاجی کو بہانہ بننے کا موقعہ خود فراہم کر دیتے؟ وہ تو جہاں سے اصلاح کا الف شروع کرتے تھے، وہاں کسی مزاج اور مذہب کو مخالفت کا تصور تک بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور الف کے بعد اصلاح کیلئے ہر آنے والا حرف، مخالف تصورات کو دور تر کرتا اور لوگوں کو اصلاح کی (ے) آخری منزل تک لے آتا اور پتہ بھی نہ ہونے دیتا کہ یہ انقلاب ہوا ہے۔ رسول اللہ تو حقیقی احکام کی ایسی قسطیں بناتے تھے کہ کافر و منکر و مخالف کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ آنجناب تو وہی چیز پیش کر رہے ہیں جس کی خود انہیں فطری ضرورت ہے۔ اس تدریج کی انتہا یہ ہے کہ اللہ کو یہ کہنا پڑا کہ:-

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضُ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ - (ہود 11/12)

”کہیں ایسا عمل درآمد تو نہیں کر رہے ہو جس سے یہ محسوس کیا جاسکے کہ آپ نے فلاں وقت حکم خداوندی کے

فلاں جز کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اور اصلاحِ حال کے لئے اپنی قلبی کیفیت کے خلاف دب کر حکم دیا تھا؟“

جگہ جگہ رسول اللہ کی نرمی اور اصلاحی تدریج کے دوران یہ حالت ہوتی تھی کہ عام عقل کا آدمی یہ سمجھنے لگے کہ رسول اللہ تو گویا کافروں اور غیر مسلموں یا منافقوں کی اطاعت کرنے لگے ہیں۔ ایسی سینکڑوں آیات ہیں جن میں کھل کر کہا گیا کہ:-

وَلَا تَطِيعُ الْكُفْرَيْنَ وَالْمُنَافِقِينَ وَذَعَاذُ بِهِمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا (الاحزاب 33/48)

”تم کافروں اور منافقوں کی اذیت کو مد نظر رکھ کر اُن کی اطاعت کی حد تک نہ بڑھ جانا۔ جہاں ایسا ہو وہاں اُن کی

مستقبل کی ایذا رسانی سے لاپرواہ ہو کر خدا پر توکل کرنا اور اللہ تمہارے لئے وکالت کرنے کے لئے کافی ہے۔“

یعنی وہ یہ ثابت کر کے چھوڑیگا کہ تم نے ہر ممکن رعایت اور تدریج سے کام لیا اور تبلیغ اسلام میں کوئی انسانی جذبہ یا قرآنی اصول نظر انداز نہیں کیا۔ رعایت کی یہ حد ہے کہ آپ اپنے اعمال میں کافروں کے مطیع و فرماں بردار نظر آنے لگیں۔ بتائیے ایسا شخص کس طرح اور کیوں

اشتعال انگیزی اور بہانہ سازی کا موقع دے سکتا ہے۔ جس کا یہ حال ہو کہ وہ نوع انسانی کے غم میں اور اُنکی اصلاح حال کی فکر میں اپنی راحت و صحت کی پرواہ نہ کرتا ہو۔ اور جس کو خدا یہ کہے کہ: لَعَلَّكَ بِاِحْوَاسِ نَفْسِكَ اَلَّا يَكُونُؤا مُؤْمِنِينَ (شعراء 26/3)

”اے رسول تم تو شاید اس غم میں اپنی جان گنوا دو گے کہ یہ لوگ مومن کیوں نہیں ہو جاتے۔“

کیا یہ غم خواریاں، راتوں کے اندھیروں میں نوع انسان کے لئے دعائیں اور شب بیداریاں عربوں کے دلوں میں اثر انداز نہ ہو رہی ہوں گی؟ قحطانی چاہتے ہیں کہ چالیس سال کی یہ ریاضت، یہ کد و کاوش اور محنت اُن کی گھڑی ہوئی کہانیوں کی آڑ میں چھپ جائے۔ قحطانی معاشرہ میں چونکہ ہر برائی کو مجتہدانہ تدریج و تاویل سے نیکی اور اچھائی بنا کر دکھایا گیا تھا۔ چنانچہ وہ برائی کو چھوڑتے ہوئے اس الجھن میں پڑ جاتے تھے کہ یہ بات تو قحطانی راہنماؤں نے صدیوں سے نیکی بنا رکھی ہے۔ نیک اعمال کو کیسے ترک کریں لوگ کیا کہیں گے۔ ایسے حالات میں اللہ کا فیصلہ اور رسول اللہ کا حال قرآن سے سنئے فرمایا گیا کہ:-

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَاهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (فاطر 35/8)

”بھلا بتائیے اُس شخص کا برائی کو ترک کرنا کتنا مشکل ہو جاتا ہوگا جس کو راہنمایان قوم نے غلط اعمال کو نیکیوں کا لباس پہنا کر دکھایا ہو اور جو بری بات میں اچھائیاں ہی دیکھتا ہو؟ اے رسول بات یہ ہے کہ گمراہی اور ہدایت یافتگی دونوں ہماری مشیت کے ماتحت وقوع میں آتی ہیں۔ چنانچہ اُن کے جلدی ہدایت یافتہ ہو جانے کی حسرت میں آپ اپنی جان نہ دے بیٹھنا۔ یقیناً اللہ اُن کے قحطانی راہنماؤں کی ہنرمندی کا پورا علم رکھتا ہے۔“

ایسے فداکار و جاں نثار رسول کے خلاف نہ تلوار اٹھنا چاہئے تھی، نہ زبان کھلنا ممکن تھا۔ عوام و خواص کا یوں بے دریغ تبغ بکف نکل آنا اور پورے آٹھ سال تک اسلام اور رسول اسلام ایسے غمخوار کے خلاف دن رات تن من دھن سے نبرد آزما رہنا کہانیوں اور بے نکی باتوں پر منحصر نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے کوئی ایسی خطرناک وجہ بنانا پڑے گی جو سچ مچ غربا اور محنت کشوں کے مستقبل کو تباہ کرنے والی ہو، جو اسلام لانے کے بعد بھی مستقل قائم رہنے والی ہو۔ جس کا دینہ اور تدارک صرف رسول کی مخالفت اور اُن کی شکست ہی سے ہو سکتا ہو اور کوئی دوسری راہ باقی نہ رہتی ہو۔ اور ایسی حتمی وجہ صرف ہم بیان کرتے ہیں۔ دوسروں سے اس کا بیان اس لئے ناممکن ہے کہ اُن کی اپنی مصلحتیں وہی ہیں، پالیسی و مذہب وہی ہے جو دانشوران شرک نے اختیار کیا تھا۔ اور جسے منہ پر لانے اور قبول کرنے سے سینکڑوں پگڑیاں سروں سے گر پڑتی ہیں۔ سارے بُت ٹوٹ جاتے ہیں اور صدیوں کی محنت ضائع ہوتی نظر آتی ہے۔

(17/5)۔ آنحضرت تبلیغ میں نرمی اور تدریج کے ساتھ ساتھ عملی تجربہ پر زور دیتے تھے

مُلا اِزْمِی طَرَحَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَیْکَ دَمِ مُسْلِمَانٍ هُوَ جَانٌ کَا تَقَاَضَهْ نَهْ کَرْتَهْ تَحْ۔ جس حال میں کوئی ہوتا تھا اُسے اُسی حال میں رکھتے ہوئے ایسی بات بتاتے تھے جو خود بخود اس کی زندگی میں مفید انقلاب پیدا کر کے اُسے دوسری ہدایت طلب کرنے پر آمادہ کرے۔ اور وہ یہ بھی تو نہ کہتے تھے کہ کوئی ضرور ہی اُن کی ہدایت پر عمل کرے۔ خدا نے فرمایا کہ:-

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَا اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْہِمْ حَفِیْظًا (نساء 4/80) ”جو کوئی رسول کی اطاعت کرے

یہ سمجھ لے کہ وہ خدا کی اطاعت کر رہا ہے اور جو کوئی رسول کے علاوہ کسی اور ولایت سے وابستہ ہو یا ہونا چاہے اور رسول کی اطاعت نہ کرے تو ایسے لوگوں پر اے رسول ہم نے تمہیں ٹھیکیدار اور محافظ نہیں بنایا ہے۔ لہذا اُن سے تعارض کی ضرورت نہیں۔“

کتنا سیدھا سیدھا معاملہ ہے۔ نہ کوئی طرہ ہے، نہ طعنہ ہے، نہ کسی کو چڑایا جا رہا ہے۔ پُر امن فضا ہے کسی طرف ابھی تک کوئی ناگواری، کوئی گرائی ظاہر کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اللہ بتا رہا ہے کہ:-

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ ءَاسَلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ..... (عمران 3/20) ”اگر اہل کتاب میں سے یا اہل مکہ میں سے کوئی تم سے حجت کرے تو اُن سے کہہ دو کہ میں نے اپنی توجہات کو اسلام کے حوالے کر دیا اور میری پیروی کرنے والوں نے بھی یہی کیا ہے۔ کیا تم بھی اسلام قبول کر چکے ہو؟ چنانچہ اگر وہ بھی اسلام لے آئیں تو یقیناً ہدایت یافتہ ہوں جائیں گے۔ لیکن اگر وہ اسلام کے بجائے کوئی اور ولایت اختیار کرنا چاہیں تو آپ کی ذمہ داری تو صرف اسی قدر ہے کہ اصل بات اُن تک پہنچادی گئی ہے یا نہیں۔“

یہ آیات ایسا زمانہ بتا رہی ہیں جس میں عوام کوئی پر خاش نہیں رکھتے۔ بات سنتے ہیں، سمجھتے ہیں جو بات اُن حالات میں فٹ اور قابل عمل ہوتی ہے اس پر عمل بھی کر رہے ہیں۔ بعض لوگ مکمل طور پر اسلام لاکچے ہیں بعض اسلام کی طرف قدم قدم بڑھ رہے ہیں۔ کثرت الناس متوجہ ہے۔ قوم کے سردار، لیڈر اور سرمایہ دار و دانشوران قوم اس صورت حال سے واقف ہیں، حالات کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اور اپنے ماہرین کو مذکورہ منشور کے مطابق ہدایات فراہم کر رہے ہیں۔

(17/6)۔ مخالفت کی تمام حقیقی، فطری اور قابل فہم وجوہات و تفصیلات

ہم نے تفصیل سے لکھا اور قارئین کرام کبھی نہ بھلا سکیں گے کہ اللہ نے روز ازل سے ایک ذریت طاہرہ کی بنا ڈالی۔ اُن کو نبوت و حکومت و رسالت و امامت سپرد کی۔ اُن ہی میں انبیاء و رسل و آئمہ علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے۔ جنہیں ہمیشہ ہر حال میں خدا کی جانشینی حاصل رہی۔ انہوں نے بنی نوع انسان کو ترقی دے کر بلند سے بلند تر کرنا جاری رکھا۔ ادھر ابلیس نے روز ازل سے اُس ذریت سے مقابلہ اور اُن کے پروگرام میں رکاوٹ ڈالنے کا اعلان اور عمل جاری رکھا۔ خدا داد اختیارات سے اُس نے جنوں اور انسانوں میں سے اپنا مخصوص حصہ الگ کیا۔ جس طرح اللہ کی پوری قوت مذکورہ ذریت کی قابلیت کو درجہ کمال تک پہنچانے پر صرف ہوتی چلی آئی، اُسی طرح ابلیس کا نظام اور اس کے تیار کردہ انسانوں کی نسلیں بھی انبیاء کے مقابلہ کے لئے اپنے درجہ کمال کی طرف بڑھتی رہیں۔ حضرت ابراہیم کے بعد جناب اسماعیل پیغمبر ہوئے اور اُن سے امامت و نیابت و حکومت جناب نابت علیہ السلام کو ملی اور اُن کی اولاد میں مسلسل حکومت خداوندی چلی آئی۔ یہاں تک کہ نور محمدی اُن میں منتقل ہوتے ہوئے ظہور محمدی ہو گیا۔ اُس وقت بھی خاندان نابت علیہ السلام کا ایک غسانانی بادشاہ عرب میں حکومت کر رہا تھا۔ جس نے سورہ روم کی پیشگوئی کے مطابق رومیوں کی مدد کر کے اُن کے مفتوحہ علاقے واپس دلائے تھے۔ ادھر جناب ابوطالب علیہ السلام اُسی نبطی خاندان کے آخری اور دینی راہنما تھے۔ جنہوں نے آنحضرت کو پال پوس کر آخری نبوت و رسالت و امامت و حکومت خداوندی کے لئے تیار کیا تھا۔ چونکہ نبوت محمدیہ تمام دنیا کے علما و مذاہب میں مشہور و معروف و معلوم تھی،

اس لئے اب قارئین کرام اُس کہانی کو مضحکہ خیز سمجھنے پر مجبور ہیں کہ عربوں نے یہ کہا تھا کہ (معاذ اللہ) بنی ہاشم نے اپنا اقتدار دوبارہ قائم کرنے کے لئے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ یہ گھڑنت اب نہیں چلتی اس لئے کہ بحیرار اہب اور دیگر ذرائع سے یہ نبوت اچانک وجود میں نہ آگئی تھی۔ بلکہ اس کا مسلسل اعلان واشتہار و بشارت و انتظار جاری رہتا چلا آ رہا تھا۔

خطاتی قریش اپنے صدیوں کے تجربے سے جانتے تھے کہ ہر نبی ایک اصول پر تبلیغ کرتا ہے۔ جو ایک کہتا ہے وہی دوسرا کہتا ہوا آتا ہے۔ وہ وحی خداوندی کے سامنے انسانی عقل اور رائے کو کوئی مقام نہیں دیتے۔ وہ جانشین و خلیفہ خداوندی ہونے کی بنا پر اپنے حکم کو حکم خدا اور اپنی اطاعت و مخالفت کو خدا کی اطاعت اور مخالفت سمجھتے ہیں۔ اور کسی شخص کو اپنے یا خدا کے احکام میں دخل انداز ہونے نہیں دیتے۔ یہاں تک تو وہی صورت حال تھی جس کا صدیوں پرانا تجربہ موجود تھا۔ اس کے بعد سوال یہ تھا کہ نظام اجتہاد اور مشرک تمدن کو اس نبی سے محفوظ رکھنے کے لئے کیا اقدامات ضروری ہیں؟ اس سوال کا جواب عنوان نمبر 13 کے چھ نکات میں از سر نو مطالعہ کے بعد سامنے لے آئیں۔ اور پھر یہ یاد فرمائیں کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت میں مسئلہ طور پر، اپنی زندگی اور انتقال کے بعد جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کو اپنا ویر و خلیفہ بنا دیا تھا۔ بس بات یہاں سے بگڑتی ہے۔ یعنی یہ واضح ہو گیا کہ ایک دفعہ حکومت پھر اُسی نبی شاخ میں جا پہنچے گی جس کے آخری جانشین جناب عمران (ابوطالب) علیہ السلام تھے۔ اور جن کے ماتحت اب تک حجر میں جبلہ نام کا غسانی بادشاہ حکومت کر رہا تھا اور جس سے بادشاہان حمیر اور حیرہ کی ہمیشہ سے خاندانی عداوت اور جنگ جاری رہتی چلی آنا عرب و عراق و شام میں مشہور تھا۔ قارئین دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عمر کی تصدیق کے ساتھ تمام علمائے انساب بنیویں کو غیر ملکی لوگ مشہور کر چکے تھے۔ لہذا یہ پہلا حربہ تھا جو ضرورت کے وقت، خاندان ابوطالب کی آنے والی حکومت علویہ کے خلاف استعمال کیا جاسکتا تھا۔ یعنی یہ کہ علیؑ خود کو کوئی نبی قرار دیتے ہیں۔ غسانی حکومت بھی نبی اور غیر ملکیوں کی حکومت ہے۔ لہذا کہیں علیؑ جبلہ یا اسکے بعد والے بادشاہ سے مل کر ملک و قوم کو اُسکے پنجہ میں نہ پھنسا دے۔ چونکہ عرب کا ذہن غیر ملکیوں یعنی عجمیوں کی حکومت اور اقتدار کسی صورت میں برداشت نہیں کرتا۔ لہذا یہ ایک بمب (Bomb) تھا جو اسٹور میں رکھا گیا۔ یعنی علیؑ سے خوفزدہ کرنے یا متفر کرنے کا جب وقت آئیگا تو دھماکا کر دیا جائے گا۔

دوسرا حربہ یہ تھا کہ جب تک نبی زندہ ہے اُس پر وحی اُترتی رہے گی۔ اور اگر اُسے ابوطالب اور علیؑ و دیگر خاندان بنی ہاشم کی جنبہ داری سے محفوظ رکھا جائے تو اُس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ ہر حکم، حکم خدا کے مطابق دے گا۔ لیکن اُس کے بعد نبوت اور وحی کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ لہذا پھر اگر علیؑ کی شخصی حکومت قائم ہوگئی تو وحی کے بغیر اُس کی تنہا بصیرت پر پوری قوم و ملک کا انحصار تباہ کن ہوگا۔ وہ خاندانی عصبیت اور روایات پر پلٹ سکتا ہے، قرآنی احکام کی جو چاہے تعبیر کر سکتا ہے اور رسول کا قائم کیا ہوا پورا نظام بدل سکتا ہے۔ جس سے یہ موجودہ امید افزا تمام حالات خواب خرگوش بن کر رہ جاتے ہیں۔

ان دونوں صورتوں کا وقوع میں آنا قطعاً ممکن ہے۔ لہذا یہ بات ہر عام و خاص اور عقل مند شخص کو تسلیم کرنا ہی پڑے گی کہ جب تک علیؑ و خاندان علیؑ کو رسول اللہ سے الگ نہیں کیا جاتا، قوم و ملک کا ہر شخص غیر محفوظ اور خطرہ میں ہے۔ موجودہ اصلاحات محض ایک فریب ہے۔ جس کے پیچھے پیچھے نہایت خاموشی سے عمرانی سیلاب امنڈتا آ رہا ہے۔ جو کہ استحکام نبوت کے بعد تمام قدیم تہذیب و تمدن، تمام

روایاتِ سلفِ صالحین اور قومی عزت و وقار کو نبیِ سمندر میں بہا لے جائے گا۔ اور تمام عوام و خواص سوچنے کا موقعہ بھی نہ پاسکیں گے۔ لہذا ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ علیؑ و خاندانِ علیؑ کو رسول اللہؐ سے الگ کرنے اور اُن کی حکومت اور ممکنہ اقتدار سے بچنے کی ہر اسکیم اور جدوجہد میں ہمہ قسمی تعاون کرے۔ اور ساتھ ہی علیؑ و ابوطالبؑ اور اُن کے خاندان کے دوسرے افراد کو چوکنا ہو جانے کا موقعہ نہ دے۔

(17/7)۔ نبوت اور امامت میں تفریق کے لئے قریشی موقف

وحی اور عصمت کو الگ کر کے جو مشرکین عرب نے سوچا اور طے کیا اُس میں عقل و تجربہ کی روشنی میں کوئی خامی نہیں ہے۔ یہ سوچنے کی بات تھی اور قطعی طور پر ممکن تھی۔ ساری دنیا کو اس کا تجربہ تھا کہ جب حکومت کسی ایک خاندان میں موروثی ہو جاتی ہے تو پبلک پر ہر قسم کا جبر و تشدد ہوتا ہے۔ حاکم خاندان تمام رعایا کا ہر رنگ میں استحصال کرتا ہے۔ اپنی حکومت کو برقرار رکھنے اور مستحکم کرنے کے لئے لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی پر چلتا ہے۔ طرح طرح کے مددگار طبقات کو جنم دیتا ہے۔ اپنے ناجائز احکام کو تقدس کا جامہ پہنانے کے لئے مولوی اور علامہ قسم کی مخلوق کو آگے بڑھاتا ہے۔ لہذا قارئین سے خود ہم بھی سفارش کرتے ہیں کہ اس موقف میں قحطانی دانشوروں کو حق بجانب سمجھ کر بلا تعصب اُن کی پالیسیوں پر نظر ڈالیں اور بلا دلیل اور بلا سوچے سمجھے اُنہیں قصور وار قرار نہ دیں۔ اس لئے کہ ابھی علیؑ کے متعلق کوئی عقلی و یقینی گارنٹی موجود نہیں ہے۔ یعنی ابھی علیؑ کی پوزیشن واضح نہیں ہے۔ ابھی یقین اور انسانی اطمینان کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ علیؑ ہرگز کسی کا استحصال نہ کریں گے۔ ہرگز اللہ کے حکم کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائیں گے۔ ہرگز کوئی غلط کام نہ کریں گے۔ لالچ اور دنیاوی طمع اُن پر ہرگز اثر انداز نہ ہوں گے۔ خاندانی جنبہ داری، قبیلہ پروری اور اولاد کی ناجائز طرف داری ہرگز اُن پر غالب نہ ہوگی۔ شیطانی قوتیں اور ابلیسی حربے اُن کے افکار و اعمال پر تسلط نہ پاسکیں گے۔ لہذا ابھی علیؑ کو یہ مقام ثابت کر کے دکھانا ہے اور ابھی تو وہ وقت ہے کہ بلا کسی مادی استحقاق کے صرف اُن کو وزیر و خلیفہ بنانے کا حکم آنا مانا جا سکتا ہے۔ اور اُس حکم پر یہ شک وارد کرنے کے مادی و عقلی قرآن موجود ہیں کہ شاید نبیؐ نے خاندانی دباؤ سے یہ حکم دے دیا ہو۔ پھر ابھی تو اس حکم کی مادی اور قابلِ فہم حقانیت بھی ثابت ہونا باقی ہے۔ لہذا قریش کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ نبوت و امامت کے لازم و ملزوم ہونے کا یقین حاصل کریں۔ اس سلسلے میں ہر تحقیق و تنقید کریں، آزمائیں، تجربہ کریں۔ اثبات حق کے بعد نبوت کے ساتھ امامت پر بھی ایمان لائیں اور بلا چوں و چرا اطاعت کریں۔ اور بصورتِ دیگر ہر وہ انتظام کریں جو انہیں اُن کے ناموس و آزادیِ ضمیر کو محفوظ کر دے۔

(17/8)۔ قریش کے عقائد اور اقدامات اور نبوت میں اصلاحات

حالات کا بہاؤ بتاتا ہے کہ قریش نے عوام الناس کو اسلام کے عقائد و اعمال اختیار کرنے سے ابھی نہیں روکا۔ اس لئے کہ ابھی نبوت میں اصلاحات کی اُمید باقی ہے۔ علاوہ ازیں جب تک عوام کے سامنے علیؑ ایک خطرہ بن کر نہ آجائے، انہیں رسولؐ کی مخالفت پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔ عرب کی کثرت اور خود مشرکین قریش اللہ پر ایمان رکھتے تھے، قیامت کو مانتے تھے۔ یہ بھی مانتے تھے کہ اللہ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لئے احکام اور ہدایات ملتی ہیں۔ اس لئے انہوں نے نبوت کو بھی مان ہی لیا تھا۔ یعنی اسلام کے اصول میں اتنا

اعتقاد ضرور رکھتے تھے جتنا آج کل کے مسلمان رکھتے ہیں۔ آج بھی اصول دین، شیعہ مجتہدین اور اہل سنت علما کے نزدیک وہی تین ہیں۔ اوّل توحید، دوسرے نبوت، تیسرے قیامت۔ رہ گئے عدل اور امامت؟ یہ تو میری قسم کے شیعہ علما و عوام کی زبردستی ہے۔ ورنہ ایک قادر مطلق اللہ کا عدل کے ماتحت رکھنا اور نبوت کے ساتھ کسی شخص یا اشخاص کو اُمت پر سوار کر دینا، مسلمانوں کے یہاں اسی طرح غلط ہے، جس طرح مشرکین قریش کے یہاں باطل تھا۔ قریش نے طے کیا کہ ان تین اصولوں کو برقرار رکھنے کے لئے ہر کوشش جائز ہوگی۔ اور اگر نبی خود بھی اس کے خلاف کچھ کہے وہ ناقابل قبول ہوگا۔ اور اپنے بعد حکومت کو علیٰ کُودینے پر اصرار کرے وہ بھی نہ مانا جائے گا۔ اور یہ نافرمانی اس لئے گناہ نہ ہوگی کہ ہم تحفظِ اصول دین کرنا لازم سمجھتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ اجتہادی غلطی ہوگی جو نیک نیتی کی بنا پر مستحقِ ثواب ہوتی ہے۔ (معاذ اللہ) اگر نبی ان وسیع ترین دینی اصولوں کے خلاف ضد کرے تو وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ نبی کی ذاتی رائے اور اجتہاد ہو سکتا ہے۔ اور ہمارے دانشوروں کا فرض ہے کہ وہ نبی کو غلط احکام اور غلط اجتہاد سے جس طرح بھی ممکن ہو روک دیں۔ تاکہ خدا کے احکام کے خلاف مفاد عامہ مجروح نہ کیا جاسکے۔ اسلام کی قدیم سنت پر زدنہ پڑے۔ اور رسولؐ کے ذاتی خیالات و تصورات سے دین اسلام ملوث نہ ہو۔ لہذا تحفظِ اصول مذہب کے لئے نبیؐ کی مستقل جانچ اور نگہداشت فوراً شروع کر دینا چاہئے۔ تاکہ ساتھ کے ساتھ وحی کے خالص احکام واضح طور پر الگ اور حدیث کے احکام جدا ہوتے چلے جائیں۔

(17/9)۔ کیا نبیؐ مافوق البشر ہے؟ کیا اُس کا ہر حکم واجب الاطاعت ہے؟

قریش نے سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ چاہی کہ رسول اللہؐ کی دو حیثیتیں بنادی جائیں۔ تاکہ اُن کے دیئے ہوئے احکام کی بھی خود بخود دو اقسام ہو جائیں۔ یعنی کچھ وہ احکام جو آپؐ نے نبیؐ کی حیثیت سے دیئے اور دوسرے وہ احکام جو محمد بن عبد اللہؐ کی حیثیت سے دیئے تھے۔ تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ نبیؐ کا ہر حکم اور ہر بات واجب الاطاعت نہیں ہوتی۔ اور پھر ہر اُس حکم یا بات کو نظر انداز کر دیا جائے جو قریشی اسکیم کے خلاف ہو۔ قارئین یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ مشرکین کی یہ پالیسی اور نبوت سے متعلق مشرکانہ عقیدہ بعینہ آج تک مسلمانوں میں دینی حیثیت سے چلا آ رہا ہے۔ اور نبیؐ کے متعلق جو عقائد اُس وقت کے مشرکین نے طے کر دیئے تھے وہ جوں کے توں علمائے اہل سنت نے ہمیشہ تسلیم کیے، اپنی کتابوں میں لکھے اور آج تک مسلمات کی حیثیت سے اُن کی کتابوں میں موجود ہیں (علامہ مودودی کی تہمات، پرویز کی مقام حدیث سے اطمینان کر لیں)۔

چنانچہ مشرکین کے اعتراضات اور قرآن کے جوابات سے یہ سمجھا گیا کہ رسول اللہؐ مافوق البشر نہیں تھے۔ اور قرآن کے جوابات سے دانشورانِ قریش نے عوام الناس میں وہی عقائد پھیلانا اور منوانا شروع کر دیئے جو آج تک صوفیائے کرام کو چھوڑ کر تمام علمائے اہل سنت میں رہتے چلے آئے ہیں یعنی۔

(الف) نبیؐ وحی کی تلاوت میں کوئی غلطی نہیں کرتا۔ مگر؛

(ب) وحی کی تشریح، توضیح اور تفسیر میں نبیؐ سے اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے۔ اور ایسی غلطی کی اصلاح کے لئے اللہ وحی نازل کر کے غلطی

واضح کر دیتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے قرآن میں سے اُن تمام آیات کو نوٹ کرنا شروع کیا جہاں جہاں انہیں یہ احتمال ہوا کہ

یہاں (معاذ اللہ) نبی کی غلطی بیان ہوئی ہے۔ مطلب یہ کہ:

(ج) انہوں نے یہ یقین پیدا کیا کہ (معاذ اللہ) نبی کے احکام میں نہ صرف غلطی کا امکان ہی تھا بلکہ نبی سے ساری زندگی برابر اجتہادی غلطیاں سرزد ہونگیں۔ جو غلطیاں وحی کے سمجھنے میں کیں وہ قرآن میں موجود ہیں۔ اور جو عام احکام میں غلطیاں کیں وہ احادیث میں موجود ہیں یا صحابہ کی روایات میں بیان ہو گئی ہیں۔

(د) اللہ نے قرآن میں نبی کو حکم دیا ہے کہ ماہرین سے مشورہ کے بعد حکم دیا کرو۔ لہذا نبی پر لازم ہے کہ وہ جو حکم بھی دے اُس میں دانشوران قوم کی اجتماعی رائے سے انحراف نہ کرے۔

(ه) نبی کے بعض احکام وقتی مصالح کے ماتحت ہوتے ہیں جو اُن حالات کے بدل جانے پر خود بخود ساقط ہو جاتے ہیں۔ یعنی وہ ابدی تعیل لازم نہیں کرتے۔ بلکہ یہ بتاتے ہیں کہ نبی کے بعد بھی دانشوران قوم مصالح اور ضروریات و تقاضائے زمانہ کی روشنی میں اُسی قسم کے عارضی احکام نافذ کر سکتے ہیں۔ اور نبی کے مصلحتی احکام کو ساقط کر سکتے ہیں۔

(و) انہوں نے یہ بتایا کہ اطاعت صرف اللہ کی ہوتی ہے اور قرآن میں جہاں جہاں نبی کی اطاعت کا حکم ہے وہاں بھی خدا ہی کی اطاعت کا حکم ہے۔ یعنی نبی کے صرف اُس حکم کی اطاعت واجب ہے جو حکم خدا نے قرآن میں دیا ہو۔ لہذا نبی کے کسی ایسے حکم کی اطاعت ہرگز واجب نہیں جو قرآن میں خدا کا حکم نہ ہو۔ لہذا نبی کے ہر حکم پر یہ سوال کیا جانا چاہئے کہ آیا یہ خدا کا حکم ہے یا آپ کا اپنا حکم ہے؟ پھر اگر وہ کہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے تو اُن سے کہا جائے کہ وہ آیت پڑھ کر سنائیں جس میں یہ حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ خدا اور رسول کے احکام الگ الگ رہیں اور رسول کے ہر حکم میں ایمان لانے والے اطاعت پر مجبور نہ ہوں۔

(17/10)۔ مشرکین کی مندرجہ پالیسی کو حقیقی کفر و سازش کہہ کر فاش کر دیا

(i) اب قارئین کرام یہ دیکھیں کہ جن مندرجہ چھ عقائد پر بنیاد رکھ کر رسول اللہ کے خلاف مہم کا آغاز ہونا تھا اور اس طرح نبوت سے امامت کو الگ کرنا تھا اور جو عقائد مسلمان علما میں برابر برسرِ کار رہے اُن کو اللہ نے حقیقی کفر قرار دیا ہے۔ قرآن نے فرمایا کہ:-

”إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجُورَهُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝“

(سورہ النساء 152-150/4)

”یہ ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں کے متعلق کفر اختیار کریں گے۔ اور جو اس غرض کیلئے یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے احکام میں تفریق پیدا کر دیں اور کہتے یہ ہیں کہ ہم خدا اور رسول کے بعض احکام اور فیصلے تو مان لیں گے۔ لیکن بعض احکام اور فیصلے ناقابل قبول ہوں گے۔ اس پالیسی کو اختیار کرنے والوں کا ارادہ درحقیقت نہ کفر کا ہے نہ ہی پوری طرح ایمان لانے کا ہے۔ بلکہ وہ گروہ کفر و ایمان یا اللہ اور رسول کے احکام کو اختیار کرنے میں ایک درمیانی راستہ اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ وہی لوگ وہ ہیں جو قطعی

طور پر حقیقی کافر ہیں۔ اور کافروں کے لئے ہم نے بڑی ہی توہین کر ڈالنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں اور اللہ و رسولؐ میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے۔ اُن ہی کو عنقریب اُنکے ایمان اور اتحاد احکام خدا و رسولؐ کیلئے اجر دیا جانے والا ہے۔ اور اللہ تو مغفرت اور رحم والا ہے۔“

قرآن کریم کا یہ اعلان پہلے نمبر پر مشرک محاذ کو یہ بتاتا ہے کہ تمہارے ارادے ہماری اطلاع اور علم سے باہر نہیں ہیں۔ تمہاری اسکیم ہماری نظر اور دائرہ عمل کے سامنے ہے۔ دوسرے یہ کہ تمہارے مندرجہ بالا چھ عقائد اسلام نہیں بلکہ خالص کفر ہیں۔ اللہ کا حکم رسولؐ ہی کا حکم ہوتا ہے اور رسولؐ کا حکم اللہ ہی کا حکم ہوتا ہے۔ یہ قریشی فطانی اور مشرکانہ تفریق کا فرانہ سازش ہے۔

(ii)۔ پھر اللہ نے یہ بھی بتا دیا کہ یہ منصوبہ ساز راتوں کو مشورے کرتے رہتے ہیں

يَسْتَحْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَحْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا (النساء 4/108)

”لیکن اُن کے یہ سازشی مشورے صرف انسانوں سے مخفی رہ سکتے ہیں۔ مگر رات کے اندھیروں میں پوشیدہ رہ کر معاہدات کرنا اللہ سے مخفی نہیں رہتا۔ وہ تو اُن کے ساتھ ہر حال میں ہوتا ہے۔ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اللہ کے خلاف بات طے کر رہے ہیں۔ یہ سمجھ لو کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو وہ سب اللہ کے گھیرے اور احاطہ سے باہر نہیں نکل سکتا۔“

سورہ نساء کی اس آیت میں یہ بھی بتا دیا گیا کہ تمہارا ہر منصوبہ اور ہر اسکیم غیر محفوظ ہے۔ تم رات میں پلان بناؤ یا دن میں تم پر مکمل نگران انتظام موجود ہے۔ اس کے علاوہ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ اگر واقعی اللہ نے صحیح فرمایا ہے کہ اللہ اور رسولوںؐ میں تفریق کرنا غلط، کفر اور حقیقت کے خلاف ہے تو قارئین بلا تکلف مان لیں کہ انسانوں کا کوئی عمل رسولؐ اللہ اور اُن کے انتظام سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا اور جہاں بھی کوئی آدمی ہو ہر حال میں رسولؐ اللہ اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ اور اُسی خدائی انتظام کی بنا پر آنحضرتؐ کو ساری اُمتوں پر قیامت میں گواہ کی حیثیت سے لایا جائے گا۔ اور جو حضرات اس وقت آپؐ کے مُہم و معاون ہیں وہ بھی پوری نوع انسان کے پشیم دیدگواہ ہوں گے۔

(النحل 16/89)، (بقرہ 2/143)

(iii)۔ قریشی اسکیموں پر نظر ہی نہیں ہے، بلکہ اُن کا ریکارڈ بھی مرتب کیا جا رہا ہے

اللہ نے کھول کر واضح کر دیا کہ: مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ۚ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ (نساء 4/80-81)

”جو کوئی رسولؐ اللہ کی اطاعت کرتا ہے یا کرے گا وہی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوگی یعنی اس کی مشرک ساز اقسام کفر ہیں۔ اور جو لوگ رسولؐ کے خلاف کسی اور کو اپنا حاکم بنائیں تو اُن کے لئے ہم نے تمہیں محافظ بنا کر بھیجا ہی نہیں ہے کہ اُن کو خدا اور رسولؐ کے خلاف حکومت بنانے سے روک دو۔ وہ زبانی طور پر تمہاری حکومت کی اطاعت مانتے ہیں۔ لیکن جب وہ تمہارے حضور سے اُٹھ کر چلے جاتے ہیں تو

اُن کا راہنما طبقہ تمہاری حکومت کے خلاف راتوں کو حکومت بنانے کا منصوبہ بناتا رہتا ہے۔ اور اللہ نے تو اُن کے تمام پلانوں (Plans) کا ریکارڈ مرتب کرنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ اُن سے تعارض ہی نہ کریں اللہ پر توکل رکھیں اور اپنی حکومت کے لئے اللہ کی وکالت کو کافی سمجھیں۔“

یہاں قارئین یہ نوٹ کریں کہ جہاں مشرکانہ منصوبہ سازی کے پردے چاک ہو رہے ہیں وہیں یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ اللہ اُن کی ہر اسکیم کی اسلامی حیثیت کو باطل کر رہا ہے۔ اُس حکومت اور دینی تصور کو کافرانہ مذہب و حکومت قرار دے رہا ہے اور رسول کا صرف یہ کام ہے کہ مشرکوں کی ہر سازش کو اعلانیہ اسلام سے خارج کرتے رہیں تاکہ جو مشرک راہ پر چلے وہ کافر قرار پائے۔

(iv)۔ مشرکانہ حکومت کی پیشگوئی قرآن کی زبانی بھی کر دی گئی تھی

قارئین یہاں ایک بات ہماری بھی سُن لیں۔ ہم اس کتاب میں مشرکین قریش کی ہر پالیسی بیان کرنے اور بحث کو اختیار کرنے کا وقت نہ پائیں گے۔ اس لئے گزارش کر چکے ہیں کہ ہمارا طرز تصنیف نہ مجتہدانہ ہے نہ مقلدانہ ہے۔ ہم اُن سب سے ہٹ کر حقائق کو پیش کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے قلم سے نکلی ہوئی تصنیفات جس قدر زیادہ سامنے ہوں گی اسی قدر آسانی سے ہماری بات سمجھ میں آئے گی۔ صدیوں کی جمائی ہوئی باتیں اور طرزِ تحریر آدمی کو چپکائے رہتا ہے۔ اور ہم اس کو جھٹک کر الگ پھینک دینا چاہتے ہیں۔ ہم قرآن کے معنی کرنے میں اُس مشرکانہ آزادی اور دستور کو استعمال نہیں کرتے جس کا صدیوں سے دستور ہے اور جس سے کان اور آنکھیں مانوس ہیں۔ ہم ہر لفظ کے مادہ اور مصدر کے معنی اختیار کرتے ہیں۔ سابقہ تراجم میں تَوَلَّوْا۔ تَوَلَّوْا وغیرہ الفاظ کے معنی ہم نے سرسری طور پر حکومت کئے ہیں۔ اسلئے کہ اُن الفاظ کے بنیادی معنی یہی ہیں۔ اُنکا مادہ و.ل.ی. ہے۔ مصدر ولایۃ ہے۔ جس سے والی، مولا، ولی اور اولیاء ہوتے ہیں۔ اسکے ثبوت کیلئے وہ آیت آپ کو دکھاتے ہیں جس میں اُزدی عالم کی بیان کردہ وہ پیش گوئی ہے جو انہوں نے جناب ابوبکر کو سنائی تھی۔ اور ہم اس کا ترجمہ بھی جناب رفیع الدین اعلی اللہ مقامہ کے قلم سے دکھاتے ہیں تاکہ ہمارے ترجمہ کی تصدیق ہو جائے۔ ہم وَلَّوْا اور تَوَلَّوْا۔ تَوَلَّوْا وغیرہ کے بھی معنی وہی کریں گے جو مصدری معنی ہیں۔ لہذا پہلے علامہ مودودی کا ترجمہ سنئے:-

”طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ

تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقْطَعُوا أَرْحَامُكُمْ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ..... (محمدؐ 23-24/47)

”(اُن کی زبان پر ہے) اطاعت کا اقرار اور اچھی اچھی باتیں۔ مگر جب قطعی حکم دے دیا گیا اُس وقت وہ اللہ سے اپنے عہد میں سچے نکلتے تو ان ہی کے لئے اچھا تھا۔ (47/21 تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 26)

”پس کیا ہو تم نزدیک اس بات کے کہ اگر والی ہو تم حکم کے یہ کہ فساد کرو بیچ زمین کے اور کاٹو قراہتیں اپنی۔ یہ لوگ ہیں جن کو لعنت کی ہے ان کو اللہ نے.....“ (47/22-23۔ ترجمہ رفیع الدین مرحوم اعلی اللہ مقامہ)

یہ ہے مشیت خداوندی کا وہ نتیجہ جو قریشی اسکیم سے مرتب ہونا علم الہی میں موجود تھا۔ اور جس کی خبر خانوادہ رسولؐ کے اُزدی عالم

نے اس قائم ہونے والی حکومت کے پہلے حاکم کو دے دی تھی۔ اور جس کے حصول میں تمام دانشوران قریش نے دن رات منصوبے بنائے۔ راتوں کو مشورے کئے۔ دن کی روشنی میں اطاعت خدا و رسولؐ کے اعلانات جاری رکھے۔ اور جن کی اسکیم کے چھ نکات اور چھ عقائد آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ اور جو برابر چودہ سو سال سے مسلمانوں کے عقائد ثابت ہوتے رہے ہیں۔ بہر حال اندر ہی اندر مشرک منصوبہ تیار ہوتا رہا۔ قرآن اُس کا ہر پہلو بیان کرتا رہا۔ آنحضرتؐ کی پیدا کردہ مقبولیت میں اضافہ ہوتا رہا۔ اسلامی تصورات مقبول اور دل نشین ہوتے رہے۔ ادھر قریش کے ماہرین سیاسیات و مذہبیات اپنے منشور کے مطابق رسول اللہ کے ساتھ لگے رہے۔ اور ایمان کی آڑ میں اسلام کا لباس پہن کر مسلمانوں کو مندرجہ بالا حکومت کی طرف لے جانے کے لئے مذکورہ چھ نکات اور عقائد پر ڈھالتے رہے۔ اور ادھر طاغوتی مرکز اس فکر میں رہتا رہا کہ مناسب موقع پر حزب اختلاف کا کام شروع کرے اور رسول اللہ کی زبان سے ایسے بیانات لوگوں کو سنوائے جن سے دستوری خطرہ اور علی کی جانشینی سامنے آکر عوام الناس کو مشرک منصوبے کا ہمنوا بنادے۔ اللہ و رسولؐ اس تمام صورت حال کو اصولی طور پر مسلمانوں میں اس طرح شائع کر رہے تھے کہ مشرک تصادم سے پہلے ہی ہر تصادم کو کفر و نفاق بنا کر رکھ دیا جائے۔ یوں مشرک محاذ دیتا اور اسلام اُبھرتا چلا جا رہا تھا۔ سرداران قریش دیکھ رہے تھے کہ روزانہ وقت ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔ اپنے عزیز واقارب کے دلوں میں ابوطالبؓ و محمدؐ و علیؓ آباد ہوتے جا رہے ہیں۔ مشرک بزرگوں اور بتوں کی عظمت گھٹتی جا رہی ہے۔ اگر محمدؐ اسی کامیابی سے ولایت و عصمت علویہ کا تعارف کراتے رہے تو حکومت الہیہ کا قیام اور نظام اجتہاد کی تباہی ناگزیر ہو جائے گی۔ کوئی بہت واضح بہانہ کوئی عوام فہم سہارا ایسا مل جائے کہ جس سے عوام کا اسلام کی طرف بڑھنا سست پڑ جائے۔ جس سے انہیں متبادل صورت حال کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ اور یہ امید کی جاسکے کہ عوام اسلامی محاذ کے خلاف بات سن لینا برداشت کر لیں گے۔ اور مزید محنت و کوشش کے بعد کثرت ہمارے ساتھ ہو جائے گی۔ اسی فکر و کوشش میں اعلان نبوت کے بعد پانچ سال اور گزر گئے اور مخالفت کا کوئی موقع نہ ملا۔

(17/11)۔ سورہ النجم کا نزول ہمہ گیر سجدہ کے بعد قریشی مخالفت کا اصول

قبل اسکے آپ ہمارا بیان سنیں پہلے علامہ مودودی کو سن لیں۔ وہ مشہور کردہ تصورات کے ماتحت سورۃ النجم کا شان نزول بتاتے ہیں کہ: ”زمانہ نزول: بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ ”أَوَّلُ سُورَةِ أَنْزِلَتْ فِيهَا سَجْدَةٌ النَّجْمِ“ (پہلی سورۃ جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی النجم ہے) اس حدیث کے جواجزاء اسود بن یزید، ابواسحاق اور ہیر بن معاویہ کی روایات میں حضرت ابن مسعود سے منقول ہوئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن مجید کی وہ پہلی سورۃ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ایک مجمع عام میں (اور ابن مردؤیہ کی روایت کے مطابق حرم میں) سنایا تھا۔ مجمع میں کافر و مومن سب موجود تھے۔ آخر میں جب آپؐ نے آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ فرمایا تو تمام حاضرین آپ کے ساتھ سجدہ میں گر گئے اور مشرکین کے وہ بڑے بڑے سردار تک، جو مخالفت میں پیش پیش تھے، سجدہ کئے بغیر نہ رہ سکے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کفار میں سے صرف ایک شخص اُمیہ بن خلف کو دیکھا کہ اُس نے سجدہ کرنے کے بجائے کچھ مٹی اٹھا کر پیشانی سے لگالی۔ اور کہا کہ بس میرے لئے یہی کافی ہے۔ بعد میں میری آنکھوں نے دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل ہوا۔“

”اس واقعہ کے دوسرے یعنی شاہد حضرت مُطَلَب بن ابی رواءہ ہیں جو اُس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ نسائی اور مُسند احمد میں اُن کا اپنا بیان یہ نقل ہوا ہے کہ جب حضورؐ نے سورہ النجم پڑھ کر سجدہ فرمایا اور سب حاضرین آپ کے ساتھ سجدے میں گر گئے تو میں نے سجدہ نہ کیا اور اُسی کی تلافی اب میں اس طرح کرتا ہوں کہ اس سورے کی تلاوت کے وقت سجدہ کبھی نہیں چھوڑتا۔“

”ابن سعد کا بیان ہے کہ اس سے پہلے رجب 5 نبویؐ میں صحابہ کرام کی ایک مختصر سی جماعت حبش کی طرف ہجرت کر چکی تھی۔ پھر جب اُسی سال رمضان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے مجمع عام میں سورہ النجم کی تلاوت فرمائی اور کافر و مومن سب آپ کے ساتھ سجدہ میں گر گئے تو حبش کے مہاجروں تک یہ قصہ اس شکل میں پہنچا کہ کفار مکہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس خبر کو سن کر اُن میں سے کچھ لوگ شوال 5 نبویؐ میں مکہ واپس آ گئے مگر یہاں آ کر معلوم ہوا کہ ظلم کی چکی اُسی طرح چل رہی ہے جس طرح پہلے چل رہی تھی۔ آخر کار دوسری ہجرت حبشہ واقع ہوئی جس میں پہلی ہجرت سے بھی زیادہ لوگ مکہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اس طرح یہ بات قریب قریب یقینی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ سورہ رمضان 5 نبویؐ میں نازل ہوئی ہے“ (مسلل لکھا کہ)

تاریخی پس منظر: ”زمانہ نزول کی اس تفصیل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کیا حالات تھے جن میں یہ سورہ نازل ہوئی۔ ابتدائے بعثت سے پانچ سال بعد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف نجی صحبتوں اور مخصوص مجلسوں ہی میں اللہ کا کلام سنانا کر دین کی طرف دعوت دیتے رہے تھے۔ اس پوری مدت میں آپؐ کو کبھی کسی مجمع عام میں قرآن سنانے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ کیونکہ کفار کی سخت مزاحمت اس میں مانع تھی۔ اُن کو اس امر کا خوب اندازہ تھا کہ آپؐ کی شخصیت اور آپؐ کی تبلیغ میں کس بلا کی کشش اور قرآن مجید کی آیات میں کس غضب کی تاثیر ہے۔ اس لئے وہ کوشش کرتے تھے کہ اس کلام کو نہ خود سنیں، نہ کسی کو سننے دیں۔ اور آپؐ کے خلاف طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلا کر محض اپنے جھوٹے پروپیگنڈے کے زور سے آپؐ کی دعوت کو دبا دیں۔ اس غرض کے لئے ایک طرف تو وہ جگہ جگہ یہ مشہور کرتے پھر رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہک گئے ہیں۔ اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے درپے ہیں۔ دوسری طرف اُن کا یہ مستقل طریق کار تھا کہ جہاں بھی آپؐ قرآن سنانے کی کوشش کریں وہاں شور مچا دیا جائے تاکہ لوگ یہ جان ہی نہ سکیں کہ وہ بات کیا ہے جس کی بنا پر آپؐ کو گمراہ اور بہکا ہوا آدمی قرار دیا جا رہا ہے۔ ان حالات میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم پاک میں، جہاں قریش کے لوگوں کا ایک بڑا مجمع موجود تھا، یکایک تقریر کرنے کھڑے ہو گئے اور اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کی زبان مبارک پر یہ خطبہ جاری ہوا۔ جو سورہ النجم کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ اس کلام کی شدت تاثیر کا حال یہ تھا کہ جب آپؐ نے اسے سنانا شروع کیا تو مخالفین کو اس پر شور مچانے کا ہوش ہی نہ رہا اور خاتمے پر جب آپؐ نے سجدہ فرمایا تو وہ بھی سجدے میں گر گئے۔“ (تفہیم القرآن۔ جلد 5 صفحہ 188-189)

(i)۔ علامہ اور شان نزول پر تعمیر شدہ تمام عمارتیں کھوکھلی اور غلط ہیں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قارئین کو بتا دیا جائے کہ شان نزول کو یاروں نے جس انداز سے اپنایا ہے وہ مشرکانہ منصوبوں کی سو فیصد تائید کی ایک نہایت خطرناک صورت ہے۔ اس آڑ میں اُن کا بنیادی تصور یہ ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ کی زمانہ میں بھی پورے

قرآن کا علم نہ رکھتے تھے۔ اور اس کا نتیجہ خود بخود یہ نکلتا ہے کہ آپؐ کا کوئی حکم بھی پورے قرآن کو سامنے رکھ کر یا مکمل اسلام کی روشنی میں نہ ہوتا تھا۔ یعنی ہر حکم (معاذ اللہ) ناقص و نامکمل تھا۔ حتیٰ کہ آیت اکملت لکم دینکم نازل ہوئی۔ مطلب یہ کہ معاذ اللہ آپؐ چالیس سال کی عمر تک تو نہ نبیؐ تھے، نہ اُن کو خبر تھی کہ وہ نبیؐ بن جانے والے ہیں۔ لہذا چالیس سال تو یوں ضائع ہوئے۔ اُس کے بعد اچانک چند آیات اور جبرائیل اُترے اور آپؐ کافی مدت کے بعد عیسائیوں وغیرہ کی گواہیوں سے مطمئن ہوئے کہ وہ حضرت نبیؐ ہیں۔ اس کے بعد جب اللہ کو کوئی ضرورت ہوئی اس نے چند آیات نازل کر دیں جو سابقہ آیات کے ساتھ جمع ہو گئیں۔ اور اُن ہی چند آیات میں جو کوئی حکم ملا آپؐ نے سنا دیا۔ اور جو کچھ سابقہ چند آیات سے سمجھ میں آیا اُتنی سمجھ سے تازہ آیات کی وضاحت کر دی جسے انہوں نے اجتہاد قرار دیا۔ اس اجتہاد میں بڑی غلطی ہوئی تو پھر کسی تازہ آیت نے آ کر بات ٹھکانے لگا دی۔ چھوٹی موٹی غلطی کو نظر انداز کر دیا۔ اور یوں ہی نبوت کی گاڑی چلتی رہی، آیتوں کی تعداد بڑھتی رہی، اجتہاد کی وسعت میں اضافہ ہوتا رہا۔ تیس (23) سال میں یوں قرآن نازل ہوتے ہوتے مکمل ہو گیا۔ وہ مکمل ہوا تو آپؐ کا انتقال ہو گیا۔ اور ساری عمر میں ایک حکم یا ایک فیصلہ بھی ایسا کرنے کا موقع نہ ملا جس میں پورا قرآن آپؐ کے روبرو متحضر یا موجود ہوتا۔ اس اسکیم سے فائدہ یہ ہوا کہ نبیؐ کا ہر حکم قابل تحقیق و تنقید ہو گیا۔ جو احکام محض اجتہادی تھے انہیں تو دلیل ماننے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اسلئے کہ اب سارا قرآن سامنے ہے ٹک بندی کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر جن احکام میں رسول اللہؐ نے آیات کا خیال یا حکم ملحوظ رکھا تھا اُن کو اس طرح رد کیا جاسکا کہ فلاں فلاں آیات اور اُن کا سیاق و سباق یہ کہتا ہے۔ لہذا یہ نبوی اجتہاد وقتی تھا جس کی ابدی تعمیل کا حکم نہیں ہے۔ یہ ہے وہ مذہب جو رسول اللہؐ کے اپنے زمانہ میں اندر ہی اندر تیار ہو رہا تھا۔ اور اُن کے انتقال کے بعد آج تک مجتہدین کا مذہب ہے۔ البتہ بعض مجتہدین نے کہیں کہیں اُس مذہب سے اختلاف کیا اور نئے فرقے پیدا ہوئے۔ مگر بنیادی حیثیت اور اجتہاد سب نے باقی رکھا۔ البتہ اس قدر اضافہ ضرور ہوا کہ ہر اختلاف کیلئے کسی صحابی کے نام سے ایک شان نزول بیان کر کے بات کو پختہ تر کر دینے کا رواج ہو گیا۔ یعنی حسب ضرورت ایک کہانی گھڑ کر وہ نظارہ کھینچ دیا اور آیت کا ایک موزوں مطلب فٹ کر کے مسئلہ تیار کر دیا۔ یہ ہے اُس اسلام کی کہانی جس کے ماتحت قارئین کرام نے جنم لیا اور آج جو انہیں ہمارے ان اکھیڑ بچھاڑ کے مضامین کو پڑھ رہے ہیں۔ اور جگہ جگہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگتے ہیں۔ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ زیدی صاحب کہاں سے بات کر رہے ہیں۔

(ii)۔ قرآن اور رسولؐ اور شان نزول پر قرآنی اور اسلامی موقف اور عقیدہ

قرآن کریم کی عام فہم اور سادہ الفاظ والی دو آیتوں (الحمدید۔ 57/25 اور البقرة۔ 2/213) سے یہ ثابت ہے کہ کوئی نبیؐ ہو یا رسولؐ ہو۔ ہر ایک کے ساتھ کتاب نازل ہوتی ہے۔ اور یہ نزول یوں نہیں ہوتا کہ نبیؐ چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو پہلی آیت اور انتقال کے قریب پہنچے تو آخری آیت اُترے۔ بلکہ یہ اُسی طرح ہر نبیؐ و رسولؐ کے ساتھ ہوتی ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گہوارہ اور گود میں بھی تھی (مریم 19/29-30، مائدہ 5/110، آل عمران 3/46)۔ لوگوں کو نظر نہیں آتی تو لوگ جائیں بھاڑ میں، لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تو وہ اور اُن کی سمجھ جائے جنم میں۔ واقعہ یہی ہے، حقیقت یہی ہے اور دین کی نیز قرآن کی ضرورت بھی یہی ہے کہ کتاب اور صاحب کتاب ایک لمحہ کیلئے بھی نہ تو الگ الگ ہوں نہ ایسا سمجھا جائے۔ طاغوتی گروہ کے پاس کوئی آیت نہیں ہے۔ چند الفاظ کو انہوں

نے سہارا بنایا ہے۔ انزلنا، نازل، تنزیلاً، علی مکث وغیرہ کو انہوں نے آڑ بنایا ہے۔ آپ نے اگر وہ الفاظ سُنے ہیں یعنی قرآن صامت اور قرآن ناطق تو بات واضح ہے۔ خاموش قرآن وہی ہے جو جز دانوں میں لپٹا ہوا آپکے گھروں، مسجدوں، کتب خانوں، دکانوں میں موجود ہے۔ قرآن ناطق بولتا چلتا قرآن خود محمدؐ ہیں علیؑ ہیں فاطمہؑ ہیں اور حسنؑ و حسینؑ اور اُنکے بعد کے نو امام علیہم السلام ہیں۔ جس طرح ہر جگہ قرآن موجود ہے بالکل اُسی طرح ہر گھر اور ہر محفل اور ہر تنہائی میں اللہ کے انتظام سے آج بھی اور قیامت تک جناب قائم آل محمدؐ، بن حسن عسکری علیہم السلام موجود ہیں آپکی توجہ کے منتظر ہیں۔ پھر وہی سوال ہوگا کہ نظر نہیں آتے، کیسے زندہ ہیں؟ سمجھ میں نہیں آتا؟ پہلا جواب تو وہی بھاڑ اور جہنم ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ کیا جو کچھ آپ کو نظر نہیں آتا اور جو کچھ آپکی سمجھ میں نہیں آتا، کیا وہ موجود بھی نہیں ہے۔ یہ تو آپکے اندھا اور جاہل ہوئی کی دلیل ہے۔ آپکوریڈیو اور ٹیلی وژن نظر آتے ہیں۔ کیا وہ انتظام بھی نظر آتا ہے جو ریگولیٹر کو گھمانے اور سوئی کو فلاں میٹر پر لانے کے بعد آواز اور تصویر آپکے سامنے لا رہا ہے؟ آپ واقعی سچ مچ کے اندھے ہیں۔ اندھے ہم بھی ہیں مگر ٹٹولنے کی سمجھ باقی ہے۔ جاہل ہم بھی ہیں مگر عالم کا وجود مان کر اُس سے علم کی بھیک مانگنے میں کسر شان نہیں سمجھتے۔ اسلئے آنکھیں اور عقل دونوں ملی ہیں۔ اور ہم اُن کے صدقہ میں دیکھتے بھی ہیں، سمجھتے بھی ہیں۔ بہر حال، رسول اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہتر اور بزرگ تر ماحول کی گود میں پیدا ہوئے۔ وہاں کئی ایک کتبہائے خداوندی کی بولتی چلتی ہستیاں موجود تھیں۔ تمام کتابیں اور صحیفے تلاوت ہوتے تھے ان میں قرآن ناطق کا اضافہ ہو گیا۔ ہم قرآن کی رو سے نبیؐ اور امامؑ اُسکو مانتے ہیں جو ماں کے پیٹ میں بھی عالم ہو، قرآن پڑھے، پیدا ہو تو قرآن پڑھتا ہو! پیدا ہوا اور جو حکم دے وہ القرآن العظیم کی پوری روشنی میں دے۔ جس میں نہ تبدیلی کی گنجائش ہو نہ منسوخی کی بکواس ہو۔ ہر حکم آخری، ہر فیصلہ ناطق اور یہ سب کچھ نشا و رضاۓ خداوندی کے عین مطابق ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ رسول کس آیت کو کب تلاوت کرے؟

(iii)۔ علامہ کے بیان پر پہلی نظر، نزول وحی پر جو حالت طاری ہوتی تھی وہ کہاں گئی

مشہور ہے کہ دروغ گور حافظہ نہ باشد۔ یعنی جھوٹا آدمی یہ بھول جایا کرتا ہے کہ اُس نے پہلے کیا کہا تھا اور اب کیا کہہ رہا ہے۔ کوئی علامہ اینڈ کمپنی سے معلوم کرے کہ رسول اللہ کیسے کوئی آیت یا سورت کسی مجمع میں سناسکتے ہیں؟ ارے حضرات پہلے تو معاذ اللہ اُن پر ایک ایسا دورہ پڑنا چاہئے جسے مکہ کا ہر آدمی پہچان لے کہ ذرا دیر بعد وحی سنانے والے ہیں۔ چہرے کا سرخ ہوتے جانا، غشی کا طاری ہونا، ہاتھوں پیروں کا جواب دے دینا، جسم میں سردی سے لرزہ اور ریشہ پیدا ہونا، چادر اوڑھنا، ڈرنا وغیرہ۔ اتنی فرصت کا ملنا اور اُن تمام حالات کا نمبر وار گزر جانا اور پھر وحی کا آنا۔ اسکے بعد ہوش و حواس کا دوبارہ ملنا۔ بتائیے یہ سب کچھ کہاں گیا؟ لوگوں کو شور مچانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ حال دیکھا، بات سمجھے اور چل دئے۔ مجمع کو یہ کہہ کر ڈرا دینا کافی ہوتا کہ یہ دورہ تم پر بھی پڑنے لگے گا۔ بھاگو تہا چھوڑ کے چل دو۔ یہی وجہ ہے کہ بخاری میں آنحضرتؐ پر جادو کا اثر ہونا لکھا گیا ہے۔ قارئین سنیں کہ یہ تمام اتہامات ہیں، بکواس ہے۔ آنحضرتؐ روز ازل سے حامل قرآن ہیں۔ جب چاہیں، جہاں سے چاہیں، جتنا چاہیں تلاوت کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔ اُن کا بچہ بچہ تلاوت قرآن کرتا تھا۔ اُنکے سینوں کے اندر قرآن اُس سے کہیں زیادہ محفوظ اور موثر تھا جو آج کا رٹنے والا حافظ دعویٰ کر سکتا ہے۔ ذرا سوچئے کہ آج تو ہر دھن جلاہا تھی کہ ہندو اور عیسائی قرآن کو حفظ کر لیتا ہے۔ لیکن اُس وقت اللہ کے پاس یہ طاقت نہیں مانتے کہ وہ رسول اللہ کے سینے میں پورا

قرآن محفوظ کر دے۔ دراصل جیسا رسولؐ یہ لوگ چاہتے تھے انہوں نے وہی ڈھانچہ اپنے گھروں میں بیٹھ کر تیار کیا اور پبلک میں پبلسٹی کرتے چلے آئے اور دین کی یہ دُرگت بنا کر رکھ دی۔ آپؐ کا بلا کسی توقف کے قرآن سنانا ثابت ہے۔ خود قرآن اس کا گواہ ہے۔ اور وہ بکواس جو نزول وحی کے آثار کے طور پر لکھی گئی ہے اس کا کہیں قرآن میں ذکر نہیں ہے۔ قرآن میں غلط بات کا گزر کہاں ہو سکتا ہے؟

(iv) - قرآن پڑھنے سے روکنے، شور کرنے کا طریقہ تجربے کے بعد ہونا چاہئے

چونکہ قریش کا قرآن پڑھنے سے روکنا اور تلاوت کے وقت شور و غوغا مچانا قرآن میں مذکور ہے۔ اس لئے یہ تو صحیح ہے کہ مشرک محاذ قرآن سننے سے لوگوں کو روکتا تھا۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ آنحضرتؐ اور ان کے تمام بزرگوں کی شخصیت بے پناہ طور پر قلوب کو کھینچتی تھی۔ اور قرآن کریم کی تاثیر بھی کافروں اور مومنوں میں تسلیم شدہ ہے۔ لیکن ان حقائق کو جہاں دل چاہے اپنے الف لیلیٰ کے قصوں میں فٹ کر دینا تو حقیقت نہیں ہے۔ پہلے یہ بتانا پڑے گا کہ فلاں موقع پر یعنی سورہ والنجم کی تلاوت سے پہلے، رسول اللہؐ نے قرآن کو مجمع میں پڑھ دیا تھا جس کی تاثیر سے سارا مجمع یا مجمع کی کثرت کفر چھوڑ کر اسلام لے آئی تھی۔ یا فلاں حادثہ ہوا تھا جو مشرک محاذ کے خلاف تھا اس کے بعد مشرکین نے حضورؐ پر نظر رکھنا شروع کی اور جہاں آپؐ جاتے یہ محاذ ساتھ ساتھ جاتا۔ اور جیسے ہی تلاوت کے لئے منہ کھولتے وہ تالیاں بجانا اور ہٹھا اور شور و غوغا مچا دیتے اور لوگ کچھ نہ سن پاتے۔ اگر اس قسم کا کوئی تجربہ پہلے ہو چکا تھا جس کو قحطانی تاریخ نے نہیں لکھا تو آج حرم میں محمدؐ کو دیکھتے ہی فوراً باہر نکال دینا چاہئے تھا یا جب وہ تلاوت کر رہے تھے تو سب کو مل کر شور کرنا چاہئے تھا اس لئے کہ تجربہ تو پہلے ہو چکا تھا۔ قارئین ہر جھوٹے کو بتا دو کہ سورہ والنجم کی تلاوت ہی وہ پہلا موقع تھا جہاں یہ تجربہ ہوا کہ عوام ہی نہیں تمام دانش ور اور بڑے بڑے گھاگ اور گرگ باران دیدہ سجدے میں گر گئے۔ اور تجربہ ہوا کہ محمدؐ اور قرآن ایک بے پناہ معجزہ ہے۔ لہذا اگر اُس سے بچنا اور بچانا ہے تو بس محمدؐ جھرجائے ایک غول ساتھ ساتھ رہے، تالیاں بجاتا جائے، بھنگڑا ناچ ناچتا جائے، ہٹھا، خُخا، غوغا، نعرہ، ہیل، قریش زندہ باد وغیرہ کے ہنگامے میں گھیر کر تماشا بنا دو۔ ضرورت پڑے دیوانہ کہو، پتھر مارو، مرگی کا مریض کہو، سحر زدہ قرار دو، لڑنے پر آمادہ کرو، غصہ دلاؤ۔ قحطانی علما کو بتاؤ کہ عقلمندوں کے نزدیک آپؐ کا تانا بانا اور سارا قصہ غلط ہے، بے بنیاد ہے۔ سورہ والنجم تک کوئی تصادم اور مزاحمت فرض کرنا بچکانہ کوشش ہے جو آئندہ نہیں چلے گی۔ اور ہم ذرا دیر بعد دکھائیں گے کہ علامہ ہجرت سے ایک سال پہلے تک مزاحمت نہیں مانتے۔ شاہی تاریخ کی یہ بے سرو پا کہانیاں نہ ناول کی طرح دلچسپ ہیں، نہ علمی حیثیت سے سنجیدہ ہیں۔ اُن کو سمجھنے کے لئے لازم ہے کہ پہلے عقل و سمجھ سے ہاتھ دھو لئے جائیں۔ منطقی ربط و نقد و نظر کو خیر باد کہہ دیا جائے۔ یعنی ایفون کھا کر جب ترنگ آجائے تب یہ قصے پڑھے جائیں تو خوب مزا آئے گا۔ ابن عباس، ابن مسعود اور ابن داؤد وغیرہ چند نام انہوں نے تختہ مشق کے طور پر رٹ رکھے ہیں۔ اور جو جس کا دل چاہتا ہے اُن ناموں کے سہارے لکھتا چلا جاتا ہے۔

(v) - علامہ کے بیان پر دوسری نظر، سجدہ کے دوران ابن مسعودؓ کی نظروں کا کمال

ناظرین اپنے تصور میں اُس مجمع پر نظر ڈالیں جو سورہ والنجم کی تلاوت کے وقت حرم میں موجود تھا اور سوچیں کہ وہ مجمع اور مجمع کا ہر فرد کس حال میں ہوگا؟ ظاہر ہے کہ یہ مجمع مذکورہ بیان میں مدعو شدہ مجمع نہیں ہے نہ اُس مجمع کے جمع ہونے کا کوئی مقصد بیان کیا گیا ہے۔ یعنی

کچھ خوش خورے بے کار لوگ ایک ایک دودو کر کے پھرتے پھرتے حرم میں چلے آئے ہوں گے۔ کوئی بیٹھا ہوگا تو کوئی کھڑا ہوگا۔ کسی کا منہ شمال کی طرف ہوگا تو کوئی جنوب کی طرف منہ کئے کھڑا ہوگا۔ خوش غیاں، شعر و سخن، گھریلو باتیں اور قصے کہانیاں لبوں پہ ہوں گی۔ رسول اللہ وہاں آتے ہیں۔ کب؟ مجمع جمع ہو جانے کے بعد؟ یا پہلے؟ یا کچھ لوگوں کے بعد اور کچھ سے پہلے؟ والنجم پڑھنے کے وقت آپ مجمع کے کسی کنارے پر ہیں؟ یا کہیں بیچ میں ہیں؟ بیٹھے ہیں یا کھڑے ہیں؟ منہ کدھر کو ہے؟ اُن کی پشت کے پیچھے بھی کچھ لوگ ہیں یا سب سامنے ہیں؟ آپ کسی بلندی پر کھڑے ہیں یا مجمع میں اُسی طرح غائب ہیں جیسے سمندر میں قطرہ؟ ذرا دیکھو کہ راوی صاحب کہاں؟ کب سے ہیں؟ کیا عمر ہے؟ بالغ ہیں کہ نابالغ؟ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ پر کوئی نگران نہیں ہے، کوئی مزاحمت کا انتظام نہیں ہے۔ شور مچانے والی پارٹی بھی ابھی پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اچانک وَالنَّجْمُ إِذَا هَوَىٰ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ کی قرأت کانوں تک پہنچی سب نے پلٹ کر دیکھا، دلوں میں رعب طاری ہوا، سر جھومنے لگے، وجد آنے لگا۔ یہاں تک کہ قلب و ذہن اور اعضاء و جوارح تمام رسول کے حضور مسخر ہو گئے۔ اور سورہ کی آخری آیت میں سجدہ کا حکم سنتے ہی سجدے میں گر گئے۔ اب ذرا یہ دیکھیں کہ راوی کہاں ہے؟ سجدہ میں اُس کا منہ کدھر ہے؟ زمین کی طرف یا آسمان کی طرف؟ اور یہ بھی تلاش کریں کہ وہ سجدہ نہ کرنے والا آدمی امیہ بن خلف کہاں ہے؟ اور عبد اللہ ابن مسعود سجدہ میں ہونے کے باوجود اس کو کس ترکیب سے دیکھ رہے ہیں؟ اور مٹی کا اٹھانا اور اُس کا یہ کہنا کہ مجھے اسی قدر کافی ہے کیسے سُن رہے ہیں یا پھر ذرا دوسرے راوی کو بھی تلاش کرو وہ بھی تو عینی شاہد ہے؟ یہیں کہیں ہوگا۔ کیا یہ عینی شاہد آنکھیں بند کئے ہوئے ہے؟ کہ اُسے امیہ بن خلف نظر نہیں آتا۔ اور یہ کیا بات ہے کہ یہ غریب امیہ بن خلف کا جملہ بھی نہیں سنتا۔ شاید کہیں بہت دور کھڑا لیٹا ہوا ہوگا۔ پھر دریافت طلب یہ ہے کہ جس نے سجدہ کا احترام کیا تھا یعنی بہر حال اپنی پیشانی گرد آلود کر دی تھی وہ تو قتل ہو گیا۔ مگر جس نے قطعاً سجدہ نہیں کیا اس کو بخار تک نہ ہوا۔ یہ ہے فطانی روایات اور خود ساختہ شان نزول کا حال۔ اور یہ ہے ہمارا بال کی کھال کھینچ کر باطل کی جڑیں نکال ڈالنا۔ علامہ اینڈ کمپنی کو بتائیں کہ موقع ملے تو اُن کتابوں کو دریا بُد کر کے دوبارہ کچھ شاندار اور عقل مندوں کو فریب دینے کے قابل روایات تیار کریں۔ ارے بھول گئے تھے۔ یہاں یہ بھی تو سوال ہے کہ یہ مجمع حقیقتاً حرم میں تھا یا کہیں اور جمع ہوا تھا اور کیا وہ دونوں عینی شاہد کھلی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے تھے کہ وہ کہاں ہیں؟ حرم میں کہیں باہر کسی..... خانہ میں؟ اور ہم یہ کہنا بھی بھول گئے کہ دوسرے عینی شاہد یا راوی کا یہ کہنا کہ میں اس سجدہ کی تلائی کے لئے اب والنجم پڑھنے میں سجدہ کبھی نہیں چھوڑتا۔ کیا باقی صحابہ سجدہ چھوڑ دیا کرتے تھے؟ یعنی کیا وہ آیت میں مذکور حکم کی پرواہ نہ کرتے تھے؟ اگر نہیں تو یہ راوی پر واجب تھا ہی۔ تلائی تو جب ہوتی جب کوئی اور سجدہ واجب کر لیا ہوتا۔

(vi)۔ علامہ کے بیان پر تیسری نظر، سورہ نجم کی جگہ سورہ رحمن کیوں نہ پڑھی

علامہ اینڈ کمپنی یعنی تمام علما سے یہ بات دریافت کرنا چاہئے کہ کیا رسول کو اس سے پہلے حرم میں ایسا مجمع کبھی نہ ملا تھا؟ اگر ملا تھا تو کیوں کوئی اور سورہ اُسی طرح نہ سنائی؟ اور کیوں نہ آج سے پہلے ہی مشرکوں سے سجدہ کر لیا۔ پھر سوال یہ ہے کہ آج سورہ والنجم ہی کیوں سنائی؟ کیوں نہ اس سے زیادہ طرب و درد و رقت انگیز کوئی سورہ سنایا۔ سورہ رحمن موجود تھی وہ کیوں نہ سنائی؟ اس میں سجدہ خداوندی کی تمہید اور وجہ و ضرورت بھی بیان ہوئی ہے۔ یعنی یہ کہا گیا ہے کہ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝

چاند اور سورج ایک حساب کے پابند ہیں۔ اور ستارے اور درخت سب سجدہ کرتے ہیں۔ یعنی والنجم کا بھی یہاں ذکر تھا۔ اور آیات و بدیہات خداوندی کو جھٹلانے پر بار بار اور کئی بار تاکید اور سوالیہ تنبیہ تھی۔ کیوں والنجم ہی کو اختیار کیا گیا؟ اس سوال کا جواب ہی وہ بات ہے جو مشرکانہ منصوبہ کی موت ہے۔ علامہ کی کتاب تفہیم القرآن میں سورہ والنجم کا ترجمہ پڑھئے اور وہ تفسیری نوٹ اور یکواس دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ معاذ اللہ رسول اللہ زین پر بیٹھے ہیں اور آسمان میں جناب جبرئیل علیہ السلام اپنا کرتب دکھا رہے ہیں۔ کبھی لمبے ہو جاتے ہیں، کبھی سکڑ جاتے ہیں، کبھی ساری فضاؤں میں پھیل جاتے ہیں، چھوٹے بڑے ہاتھ اور بازو دکھا رہے ہیں۔ کبھی نیچے کو اترتے ہیں کبھی قلابازی کھا کر آسمان میں معلق ہو جاتے ہیں۔ کبھی آسمان کے ایک کنارے پر کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کبھی بھلارالے کراتنا قریب آتے ہیں، دو چار ہاتھ لب بام رہ جاتا ہے۔ کبھی پھر اُچھلتے ہیں سدرة المنتہی پر جا کھڑے ہوتے ہیں۔ یعنی معراج مصطفویٰ کی وہ مذاق اڑائی ہے کہ رسول اللہ زین پر ہی بیٹھے اسکرین پر ایک شو دیکھتے ہیں اور پھر کمال یہ ہے کہ یہ لوگ مشرکین کو بُرا بھی کہتے جاتے ہیں۔

(17/12)۔ سورہ والنجم ایک فیصلہ کن منزل ہے جہاں معیار حکومت الہیہ متعین ہوا

مشرکین قریش کے قلوب و اذہان میں گزرنے والے خطرات اور خفیہ و اعلانیہ منصوبے اور معاہدات، جناب عمران علیہ السلام کی آنے والی حکومت کو روکنے کے انتظامات کی پول کھولنے کے لئے برابر وحی والہامات و آیات اپنا کام کرتی رہیں۔ اور آپ نہایت حسن و خوبی سے تبلیغ فرماتے رہے یہاں تک کہ نبوت و رسالت تسلیم کر لی گئی۔ مگر ابلیسی مرکز میں خاموش مخالفت جاری رہی۔ اُدھر سے نظام اجتہاد کے تصورات کی انگلیخت جاری تھی۔ آپ کے بعد جانشینی کی فکر میں ایک مومن محاذ قائم کر دیا گیا تھا۔ جو اندر ہی اندر عقائد کو کھوکھلا کر ہاتھا۔ ہر ایمان لانے والے کو چھ نکات کی تبلیغ اور چھ عقائد کی تنفیذ پر حسب موقع متوجہ کیا جا رہا تھا۔ اسلام لانے والے جہاں رسول اور خانوادہ رسول سے خوش اور مطمئن تھے۔ وہاں انہیں قریش کی طرف سے عدم مخالفت کی بنا پر کوئی پر خاش نہ تھی۔ بزرگان قریش کی خاموش پالیسی اور ٹھنڈا سلوک بھی لوگوں کے دلوں میں گنجائش پیدا کر رہا تھا۔ اللہ نے چاہا کہ قریش اپنی اصلی صورت میں سامنے آجائیں تاکہ حقیقی مومنین اور جاسوس مومنین کا پتہ عوام کی نظروں میں آجائے اور دلوں میں پوشیدہ منصوبے اُبل کر لوگوں کو صحیح صورت حال پر مطلع کر دیں۔ چنانچہ بتدریج وزارت و خلافت مرتضویٰ کے خدائی فیصلے کا اعلان کر دیا گیا اور ایک مقررہ دن کا انتظار ہونے لگا۔ کہہ دیا گیا کہ میرے بعد جو شخص میرا جانشین ہوگا اُس کے دروازے پر ایک ستارہ نازل ہوگا۔ جن لوگوں نے دیکھنا ہو وہ سب حرم کعبہ میں جمع ہو جائیں۔ میں سورہ والنجم پڑھوں گا۔ اپنی معراج پر گواہی دینے والے ملائکہ اور شمس و قمر و نجوم کو دعوت دوں گا۔ ساری کائنات سجدہ خداوندی بجالائے گی۔ اور ہم سب اہل حرم بھی سجدہ کریں گے۔ یہ تھا وہ مجمع جو سرشام سے حرم میں جمع ہونا شروع ہوا اور رفتہ رفتہ مکہ کے گلی کو چے بھر گئے۔ تمام گردنواح کے لوگ سمٹ کر گوش برآواز چشم براہ تھے۔ قدرت کی طرف سے ایسے ہولناک آثار دکھائی دے رہے تھے جیسے زمین پھٹ جانے کو ہے۔ دل سہمے ہوئے لرزہ بر اندام لوگ دم بخود منتظر تھے کہ خانوادہ رسول کے بزرگ جناب عمران ابوطالب آگے آگے اور جناب محمد مصطفیٰ درمیان میں اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام پیچھے پیچھے بیت النبی سے باہر نکلے۔ نور محمدی پھیلتا گیا، راہیں منور ہوتی گئیں، حرم میں تشریف لائے، عبادت شروع کی یہاں تک کہ صبح کا ستارہ نمودار ہوا۔ سرکار رسالت مآب اپنے موقف پر آئے۔ سب کو

بادب کھڑے ہونے کا حکم دیا جو جہاں تھا کھڑا ہو گیا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ۝ کی تلاوت فضاؤں میں پہنچی، سناتا چھا گیا۔ اب کچھ ہوا، اب کوئی حرکت ہوئی کا سہارا لئے ہوئے ہر قلب رکا ہوا اور ہر آنکھ جچی ہوئی تھی۔ آخر حضورؐ نے اشارہ فرمایا ستارا چلا۔ اُترتے اُترتے بارگاہ مرتضوی کی دلیلیز پر سجدہ ریز ہوا۔ آیت میں سجدہ کا حکم آیا۔ تمام لوگ سجدہ کریں اور عبادت بجالائیں۔ اب کوئی شخص کھڑا نہ رہ سکا۔ تمام پیشانیاں زمین پر تھیں، دل کانپ کر سینوں میں بیٹھے جا رہے تھے۔ بعض کو غش آچکا تھا، بے جان مردہ کی طرح پڑے ہوئے تھے۔ بعض کے کانوں میں ہولناک صدائیں آرہی تھیں۔ بعض لات و منات و عزری کی دھائی دے رہے تھے۔ بعض سرکشی سے توبہ کر رہے تھے۔ بعض جناب رحمۃ اللعالمین کے قدموں سے لپٹے ہوئے تھے۔ جو مشرک دانشور ہوش میں تھے، وہ اپنی شرمناک شکست پر غم و غصہ میں پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ جواب بھی سرکشی کی ہمت اور گنجائش رکھتے تھے حرم سے باہر جا رہے تھے اور فوراً تدارک مافات پر نظر ثانی کرنا چاہتے تھے۔

(17/13)۔ انکار نبوت؛ کھلی مزاحمت؛ مالی و معاشی مقاطع اور عوامی دباؤ

ابو جہل و ابوسفیان و ابولہب و نجدی کی اور لمبی امیدوں کو چھوڑ کر اور ابولغضب اور ابوالانقاص بن کر اور تخت بادشاہت یا تخت موت کے معاہدہ پر متفق ہو کر مکہ میں اعلان کرتے ہیں کہ ہم محمدؐ کی نبوت پر خدا سے براہ راست فیصلہ چاہتے ہیں۔ جو لوگ حق و باطل کا فیصلہ چاہتے ہیں وہ حرم میں جمع ہو جائیں۔ اور خدا جس کے حق میں فیصلہ کرے اس کا ساتھ دے کر اپنے قدیم بزرگوں کے مذہب کا تحفظ کرے۔ چنانچہ سجدہ والا واقعہ تازہ تھا، مقدس اور مذہبی جذبات ابھی بیدار تھے لوگ جمع ہو گئے۔ ابولہب جو آنحضرتؐ کا (معاذ اللہ) چچا مشہور تھا اُس نے لوگوں کو مخاطب کیا۔ آپ لوگ، دروغ برگردن راوی، جانتے ہیں کہ میں خانوادہ بنی ہاشم کا بزرگ ہوں اور قبیلہ وارانہ رقبائوں میں کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ میں ابوطالبؓ اور اُن کے خاندان کی داخلی اور خارجی تمام پالیسیوں سے واقف ہوں۔ جناب ہاشمؓ کے بعد اس گھر میں زوال شروع ہوا۔ مالی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوششوں کے بجائے انہوں نے اپنے سابقہ خاندانی وقار و شہرت کو اپنا حربہ بنانے کے لئے قدیم روایات اور تحریروں کو اختیار کر لیا۔ چند پیشین گوئیوں اور مشہور اور سنی سنائی روایتوں کا تانا بانا بن کر نبوت اور رسالت کو قائم کرنے کے لئے یہ آخری کوشش کی ہے جو آپکے سامنے ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ محمدؐ اور ابوطالبؓ کی یہ کامیابی ہمارے خاموش تعاون کا نتیجہ ہے۔ ہم نے اُن اصلاحات کو عوام کیلئے مفید سمجھ کر تمام سابقہ تنازعات بھی ختم کر دئے تاکہ محمدؐ اطمینان کے ساتھ عوامی فلاح و بہبود کی اسکیمیں رو بہ کار لاسکے۔ نبوت و رسالت کے ناموں سے گھبرا کر اصلاحات میں رکاوٹ ڈالنا وسیع النظری کے خلاف تھا۔ اور بات بھی صحیح ہے کہ ہرنیکی اور ہر اصلاح اللہ اور اُسکے رسولوںؐ ہی کی طرف سے ملی ہے۔ لہذا محمدؐ کو کھلی آزادی اور تعاون ملتا چلا گیا۔ آخر اُسکے اعلان نبوت پر یہ معلوم ہو گیا کہ اُسکے ذہن کو خاندانی اقتدار کی طرف موڑا جا رہا ہے۔ ہم نے چاہا کہ خاندانی تاثیرات کا زہر فلاح عامہ کی اسکیم کو زہر یلا نہ کرے اور خاندان کے افراد سے وہ متاثر نہ ہو۔ لیکن فی الحال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالبؓ کا رعب اور اثر اسکی اور ہماری راہ میں رکاوٹ ہے۔ ہم کو اپنی قوم و ملک کے عوام کی اصلاح کس حد تک منظور تھی وہ آپ دیکھ چکے۔ اور ابھی کس حد تک اس سلسلے میں کوشاں رہیں گے یہ تم مستقبل میں دیکھو گے۔ ہم محمدؐ کو اپنا بچہ، اپنا مصلح، اپنا ہمدرد و وہی خواہ سمجھتے ہیں اور سمجھتے رہیں گے۔ لیکن جو چیز کسی

طرح منظور نہیں ہے، وہ بیرونی اقوام اور غیر ملکی حکومتوں سے ساز باز ہے۔ نبوت و رسالت کا تصور غیر ملکی مٹھی اور یہود و نصاریٰ کی حکومتوں نے دیا ہے۔ بکیرا راہب غیر ملکی اور نصرانی راہب تھا یہ اقوام عربوں کی دشمن ہیں۔ دشمنوں کو زیر کرنے کیلئے انہوں نے ہمارے چراغ سے ہمارے گھر میں آگ لگا دینے کی سازش کی ہے۔ عوام محمدی اخلاق و غم خوارانہ رویہ ہی پر مطلع ہیں۔ اُن خطرات تک اُن کو رسائی نہیں ہے جو دانشوران قوم کے سامنے کھڑے ہیں۔ رومی اور غسانی مٹھی بادشاہ ہم پر نظر جمائے ہوئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ محمد نبوت و رسالت کا دعویٰ واپس لے کر قوم کی راہنمائی کرتا رہے۔ ہم برابر تعاون کرتے رہیں گے۔ رہ گیا جادو اور نظر بندی کے ذریعے کام نکالنا، تو اس راہ سے صرف عوام اور جہلا عارضی طور پر مرعوب ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ جہان دیدہ اور علوم حاضرہ کے ماہر دانشوران قوم جو دنیا کے تمام نشیب و فراز سے آگاہ ہیں، ستارہ وغیرہ کی نظر بندیوں میں الجھنے والے نہیں ہیں۔ ہم باندھب لوگ ہیں ہمارے متعلق یہ طے شدہ حقیقت ہے۔

وَ اَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ اِهْدٰى مِنْ اِحْدٰى الْاُمَمِ..... (فاطر 35/42)

اور ہم آج بھی اس حقیقت پر قسمیہ عہد کرتے ہیں کہ اگر واقعی خدا کی طرف سے کوئی نذیر آجائے تو ہم دوسری تمام امتوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ثابت ہوتے، ہم خدا کے حرم میں کھڑے ہو کر اللہ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اور محمدؐ کے درمیان یہ فیصلہ کرے۔
وَ اِذَا تَنٰلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلٰىنَ ۚ وَ اِذْ قَالُوْا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطُرْ عَلَيْنَا مِثْلَ هٰذَا مِنَ السَّمَآءِ ۚ اَوْ اَنْتَنَّا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (انفال 32-33/8)
ہم کہتے ہیں کہ جو کچھ وہ تیری آیات کے نام پر سن رہا ہے وہ تو وہی تمام لکھی ہوئی سطور ہیں جو اُن سے پہلے والوں نے لکھی تھیں۔ ہم بھی اگر چاہیں تو جو ہم نے سنا ہے اُن کو سنادیں۔ لیکن اگر واقعی محمدؐ کے بعد ملکی و قومی حکومت کی منظوری بھی تیری ہی طرف سے دی گئی ہے اور ہم اُسے تسلیم نہیں کرتے۔ تو ایسا کر کہ ہمیں ایسی حکومت کے انکار پر کوئی معجزہ دکھا۔ مثلاً ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر بھیج دے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ثابت ہو جائے گا کہ علیؑ و اولاد علیؑ کی حکومت کا اعلان تیری طرف سے نہ تھا۔ بلکہ خاندانی دباؤ کی بنا پر یہ اعلان کیا گیا تھا۔

ادھر یہ دعا ہو رہی تھی ادھر آسمان کی طرف نظریں لگی ہوئی تھیں۔ نہ کوئی پتھر برسائے کوئی فضاؤں میں تحریک ہوئی۔ اسکیم کے مطابق لات و منات زندہ باد کے نعرے مارتے ہوئے سرداران قریش باہر نکلے۔ اور اعلان کر دیا کہ ایک مناسب مدت تک خدا کے فیصلے کے انتظار کے بعد ہم ابوطالبؓ کو مدعو کریں گے تاکہ اصلاح حال کی اگر کوئی صورت نکلتی ہے تو اُس پر عمل کریں اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم نے جارحانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ اس دوران یہ فیصلہ بھی صاف ہو جائیگا کہ خدا کس کی طرف ہے۔

(ii)۔ آنحضرتؐ نے بھی قرآن سنا کر مشرکین کی اس چال کا قانونی پہلو واضح کر دیا

دانشوران قریش کا مندرجہ بالا چیلنج بڑا دور رس تھا۔ اُس سے اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رُکے۔ لوگوں نے غور کرنا شروع کیا۔ سرمایہ دار طبقہ کے نوکروں اور خادموں میں اپنے تحفظ کی فکر پیدا ہو گئی۔ جو مسلمان ہو چکے تھے وہ آج کل میں سختی شروع ہونے کی امید کرنے لگے۔ مقروض و ماتحت لوگوں نے آپس میں مشورے کئے۔ اب عورتیں، بچے اور گھربار کا غیر محفوظ ہونا سامنے آ کھڑا ہوا۔ مخالفت

کی صورت میں کیا ہوگا؟ ابوطالب کیا کیا کر سکیں گے؟ اُن کے پاس مادی طاقت کہاں ہے؟ مظالم کے خلاف پناہ کہاں ملے گی؟ رسول اللہ نے بھی حرم میں ایک اجتماع کو دعوت دی اور انہیں بتایا کہ قریش نے دراصل فریب دیا تھا۔ خدا نے اُن کی پوری کاروائی کو وحی کی صورت میں بیان کر دیا ہے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝ (الانفال 8/33)

اور کہا ہے کہ اللہ اُس وقت تک اُن پر عذاب نازل نہیں کر سکتا جب تک کہ تم خود بھی ان میں موجود رہو۔ اور جب تک کہ وہ اپنے تحفظ کے لئے خدا سے متوجہ رہیں اُن پر اللہ عذاب کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی یہ لوگ اللہ کی سنت پر مطلع ہیں کہ وہ کسی بستی یا قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں کرتا جب تک اس شہر یا قوم میں ایک آدمی بھی حق کا طالب اور حق پرست موجود ہو۔ اور جب تک نبی مایوس ہو کر وہاں سے نکل یا نکال نہ جائے۔ لہذا یہ ایک فریب ہے۔

لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَخَفَضْنَا حَكًّا لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (الحجر 15/88)

چنانچہ تم رنجیدہ نہ رہو اور مؤمنین کو اپنی پناہ میں لینے کا بندوبست کرو۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝ (الحجر 95-92/15)

اور اے محمدؐ تیرے رب نے قسمیہ فیصلہ کیا ہے کہ اُن کی تمام کاروائیوں پر مواخذہ کر کے چھوڑے گا۔ لہذا مشرکین کی طرف سے توجہ ہٹالو۔ ہم اُن مسخروں کے مقابلہ میں تمہاری نصرت کے لئے کافی ہیں۔

وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَمِلُونَ ۝ وَانْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ۝ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَ

الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأُمُورُ كُلُّهَا فَاغْبِذْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا يُكَفِّرُ بَعْضُهُمْ أَسْأَفًا ۝ (الحجر 111-112/11)

اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے اُن کو بتادو کہ تم اطمینان سے اپنے تصورات کے مطابق جو صحیح سمجھتے ہو عمل کرو۔ ہم بھی اپنے مقام پر عمل کر رہے ہیں۔ لہذا نتیجہ کس کے حق میں نکلتا ہے تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی منتظر ہیں۔ رہ گیا آسمانوں اور زمینوں کا نبی فیصلہ وہ اللہ کے ہاتھ ہے اور ہر معاملہ اُسی کے اختیار میں ہے۔ لہذا اے محمدؐ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو اور یہ سمجھ لو کہ تمہارا پروردگار تمہارے مصلحانہ اعمال سے غافل نہیں رہتا ہے۔ (ہود 11/121-123)

18- قریش کی ایک ایسی پیش کش جس نے علیؑ واولاد علیؑ کو غیر مسلح کر دیا

(18/1) آپ نے وہ تمام پہلو ملاحظہ کر لئے جن کے بعد مشرک محاذ نے نبوت و رسالت کے خلاف طاقت استعمال کرنے کا جواز پیدا کیا اور عوام الناس کو اسلام کی طرف بے تحاشہ اور سہولت کے ساتھ بڑھنے سے روک دیا۔ چونکہ سرداران مکہ یہ جانتے تھے کہ جب تک محمدؐ کے خلاف عزت و غیرت و حمیت کے جذبات کو نہ بھڑکا دیا جائے، عوام کی قلبی مخالفت حاصل نہ ہو سکے گی۔ لہذا اُن ابلیسی دانشوروں نے مخالفت کا وہ پہلو اختیار کیا جس میں مشرک محاذ کی وسعت قلب اور فراخ دلی ہر دل میں اُتر جائے، جو اُنکی محبت اور خلوص کا نشان بن کر ہر

ذہن میں بیٹھ جائے، جو قومی ولکی ہمدردی و غمخواری کا لازوال ثبوت فراہم کر دے۔ اور یہ سب کچھ پوری قوم و ملک کے ہر فرد کی ہمدردیاں اور تعاون و قریش سے وابستہ کر دے۔ اور اگر محمد اُس عظیم پیش کش کو ٹھکرا دے تو اُنکی ساری مقبولیت خاک میں مل جائے اور ساری قوم کا بچہ بچہ اُنکا دشمن بن جائے۔ چنانچہ دوسرے اجتماع کا اعلان اور منادی کر دی گئی کہ ہر وہ شخص جو اپنے خاندان یا قبیلے کا ذمہ دار ہو، جو قوم و ملک سے وفاداری کا ابدی ثبوت دینا چاہے، جو یہ چاہتا ہو کہ محمدؐ کو مکمل اختیار دے کہ اصلاح قوم و ملک کی باگ ڈور سونپ دی جائے، جو قوم و ملک سے ہر دشمنی اور ہر تنازعہ مٹا دینا چاہتا ہو اور جو قوم و ملک سے ہر مصیبت و افلاس و خرابی کو دور کرنا چاہتا ہو، وہ تمام ذمہ داران قبائل و قوم حرم میں جمع ہو جائیں۔ ہم محمدؐ اور ابوطالبؑ کے سامنے ایک اہم ترین فیصلہ رکھنے والے ہیں اور یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ انہیں قوم و ملک اور اصلاح سے کس قدر لگن ہے۔ قوم و ملک کی اُنکے دل میں کس قدر قیمت ہے۔ اور وہ فلاح قوم و ملک کے لئے کتنی قربانی کر سکتے ہیں؟

(18/2)۔ رسالت و امامت کے سامنے قریش نے دو دھاری تلوار رکھ دی

سر داران قریش، دانشوران قبائل اور زعمائے قوم و ملت سلیقے کے ساتھ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ چکے تو خاندان ابوطالبؑ کو بلایا گیا انہیں نمایاں جگہ پر بٹھایا گیا۔ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صدر نشین بنایا گیا۔ ابوسفیان نے جلسہ کا افتتاح کرتے ہوئے کہا:۔
حاضرین جلسہ! آپ دنیا کے معزز ترین ملک کے باشندے ہو۔ تمہیں یہ فخر حاصل ہے کہ جب سے دنیا آباد ہوئی تمہارے یہاں اللہ نے بزرگ ترین راہنمایان قوم کو پیدا کیا۔ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ ہم ہی میں گزرے۔ وہ دیکھو اُن کی روحیں اور مجھے تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ ملک کے نجات دہندہ بزرگ لات و منات و ذہبل و عزیزی تم سے فلاح قوم کے لئے بڑی بڑی قربانیوں کی امید لگائے تمہارے آج کے فیصلے کو سننے کے لئے گوش بر آواز ہیں۔ مجھے اجازت اور اختیار دیجئے کہ میں محمدؐ کی پوری صلاحیتوں، بضاعتوں اور اُسکی محبت و توجہات حاصل کرنے کیلئے وہ سب کچھ اُسکے قدموں پر رکھ دوں جو میرے اور آپکے قبضے میں ہے۔
اختیار ہے... اجازت ہے... کی صداؤں سے حرم گونج اٹھا۔ مکہ کے پہاڑوں سے اختیار ہے اور اجازت ہے کی صدائے بازگشت ہر کان نے سُنی۔ ابوسفیان نے کہا کہ:۔

جو نہیں جانتا وہ جان لے اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ یہ محمدؐ بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہے۔ اسے قوم نے بڑے لاڈ سے بڑے پیار سے اور بڑی امنگوں اور امیدوں کے ساتھ بچپن سے لے کر جوان ہونے تک دیکھا۔ آج ہر دل و دماغ اس سے محبت کرتا ہے۔ لوگ اس کی راہ میں اپنی آنکھیں بچھاتے ہیں۔ اُس کے اخلاق و کردار نے سب کے دل جیت لئے ہیں۔ اس کے ایک اشارے پر لوگ اپنا سر کاٹ کر پیش کرنے کو تیار ہیں۔ میں اُن سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ جو اصلاحات کرنا چاہتے ہیں سارا ملک آپ سے تعاون کے لئے حاضر ہے۔ جو آپ کہیں اُس پر اپنی جان تک دینے کو تیار ہے۔ کیا لفظ نبوت کو منہ سے نکالے بغیر وہ اصلاح نہیں ہو سکتی جو ہم اور آپ دونوں چاہتے ہیں؟ آپ تو الفاظ کے حدود سے بہت بلند و بالا ہیں۔ ظاہر پسندی اور ریا سے کوسوں دور ہیں۔ لفظی نعروں اور نمائشی لیبل کی احتیاج سے ماورئی ہیں۔ سنئے کہ میں آج آپ کو سارے ملک کا بادشاہ اور مطلق العنان حاکم تسلیم کرتا ہوں۔ یہ تمام ذمہ داران قوم مجھے اختیار دے چکے، میں وہ اختیار تمہیں دے چکا۔ پھر میرے پاس اور پورے ملک کے ہر شخص کے پاس جس قدر دولت و سرمایہ و وسائل و

زمین و باغات و محلات و مکانات ہیں وہ سب تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ تمہاری ملکیت میں دیتا ہوں اور آخری چیز جو عرب کا غیور باشندہ اور سر بلند مرد کبھی اپنے منہ سے نہیں کہتا وہ بھی کہے دیتا ہوں۔ سُنو! اور دل پر ہاتھ رکھ کر اور ہم سب کی عزت و غیرت کو اپنی نسلی شرافت و عزت و ناموس سمجھ کر سُنو کہ ہماری بیویاں، بیٹیاں، بہنیں اور مائیں فلاح قوم و ملت اور تمہاری خوشنودی کے لئے تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ہمیں دامادی قبول ہے، تمہاری حکومت قبول ہے، ہم غلاموں کی طرح کمائیں گے اور جہاں آپ کہیں گے وہاں صرف کریں گے۔ ہماری اس حالت پر رحم کھا کر دعوائے نبوت کے دو الفاظ واپس لے لو۔ جواب کا انتظار کئے بغیر مجمع کی طرف ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا اور رُندھی ہوئی آواز سے کہا۔ میرے معزز حاضرین کیا اس کے سوا بھی اب ہمارے پاس کچھ اور باقی ہے جو ہم نے محمدؐ سے عزیز تر رکھا ہو؟... نہیں ہرگز نہیں۔ آخری سوال؛ کیا میرا یہ مطالبہ کسی بھی حیثیت سے ناجائز ہے؟ پھر... نہیں... نہیں ہرگز نہیں؛

تمام قائدین ملت سنیں کہ ہمیں فوری جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ جواب سوچ سمجھ کر دیا جانا چاہئے۔ کیوں کہ اس جواب پر قوم و ملک کی فلاح و بہبود، عزت و ذلت کا انحصار ہے۔ محمدؐ اور خانوادہ ابوطالبؑ کو سوچ سمجھ کر جواب دینے کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر جواب اثبات میں ہوا تو ہم، ہماری قوم اور ہمارا ملک بڑا خوش نصیب ہے۔ اور اگر جواب نفی میں ملتا ہے تو ابوطالبؑ اور اُس کی اولاد بڑے بدنصیب ہیں۔ اس صورت میں کوئی غیور و بہادر انسان محمدؐ کا ساتھ نہ دے گا۔ جو شخص ہماری حکومت، ہماری دولت اور ہماری بیٹیوں کی عزت کو ٹھکرا دے اُس سے دوستی اور ہمدردی کرنے والا مجمع میں کوئی ہو تو کھڑا ہو جائے۔ اور سن رکھے کہ ہم محمدؐ و ابوطالبؑ اور اُن کے ہر طرف دار کے خون کے پیاسے اور گوشت کے بھوکے دشمن رہنا طے کر لیں گے۔ والسلام ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں کو زمین نے پکڑ لیا ہے، جو بیٹھے تھے اٹھنا مشکل تھا۔ جو کھڑے تھے چلنا محال تھا۔ ہر دل چاہتا تھا کہ ذرا سی بات ہے ابھی قبول کر لینے کا اعلان کر دیا ہوتا۔

(18/3)۔ ہنگامے، ہجرتیں، ظلم و تشدد؛ قید و بند اور فاقے

آنحضرتؐ کا تاریخی جواب سب کو معلوم ہے۔ نہ قریش چاند اور سورج رسول اللہ کے سامنے پیش کر سکتے تھے۔ نہ سرورِ دو عالم دعوائے نبوت واپس لے سکتے تھے۔ سیاسی زبان میں رسول اللہ کا انکار بہت بڑی اور سنگین غلطی تھی۔ اگر کوئی سیاسی لیڈر ہوتا تو لفظ نبوت و امامت ہی نہیں جو بھی کہا جاتا حکومت و دولت و زر و زمین اور زن کے مقابلہ میں واپس لے لیتا۔ بھیا کچھ واپس لینا ہی تو تھا؟ دینا تو کچھ نہ تھا؟ بتاؤ اُسے کیا کہو گے جو نہ تو حکومت لے، نہ دولت لے، نہ قریش کی بیٹیاں لے، نہ نبوت و امامت واپس لے؟ سُنو!!! اسی کا نام ہے ہماری زبان میں نبیؐ اور امامؐ۔ یہی تو سورہ والنجم میں کہا کہ: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ (نجم 4-53/3) وہ منہ سے کچھ کہتا ہی نہیں ہے۔ وہ اپنے میلان طبع سے بات ہی نہیں کرتا ہے۔ جو کچھ بھی کہتا ہے۔

وہ تو وہی وحی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۚ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۚ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۚ

فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝ (الحاقة 47-69/44)

اُسے تو اللہ نے پہلے ہی یہ بتا رکھا ہے کہ تیری ہر بات رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے اور اگر وہ اپنی طرف سے کسی قسم کی کوئی بات ہمارے نام پر کہہ دے تو ہم اُس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی شہ رگ کاٹ ڈالیں۔ اور اپنی طرف سے بات کہنے سے روک دینے والا انتظام اُن سے غائب نہ تھا۔

عَلِمَ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ۚ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يُسَلِّكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ۝ (الجن 27-26/72)

اُنہیں معلوم تھا۔ اللہ غیب کا عالم ہے۔ اور وہ اپنا علم غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا ہے۔ سوائے اُس رسول کے جسے وہ علم غیب عطا کرنے کیلئے مرتضیٰ بنادے اور پھر اُس مرتضیٰ رسول کے آگے اور پیچھے رصد گاہ متعین کر دیتے ہیں۔ تاکہ اخبار رساوی وغیبی پر نگرانی اور حفاظت قائم رہے۔ اور کوئی خبر اللہ کی رضا مندی کے بغیر ادھر ادھر نہ ہو جائے۔

ذرا سوچئے کہ مصطفیٰ و مرتضیٰ کے لئے اپنی طرف سے بات کرنے پر کتنا بڑا اخدائی پہرہ اور انتظام ہے؟ وہ کیسے اپنے کہے ہوئے الفاظ واپس لے سکتے ہیں۔ بہر حال عوام الناس ابھی ان چیزوں سے واقف نہ تھے۔ ادھر قریش اور تمام سرداران عرب نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد تاریخ میں مذکورہ تمام مصائب و آلام اور مظالم شروع ہوتے ہیں حبشہ کی ہجرت ہوتی ہے۔ بادشاہ حبش ابوسفیان کی قیادت کو ناکام کر دیتا ہے۔ مسلمانوں کو وہ تمام حقوق ملتے ہیں جو جناب ہاشم علیہ السلام نے عربوں کے لئے تمام حکومتوں سے منظور کرائے تھے۔ علاوہ ازیں بادشاہ حبش نے آنحضرت کی ہر مدد کا پیغام بھیجا۔ جو مومنین مکہ میں بے یار و مددگار تھے، وہ سب ایک ایک دو دو کر کے مکہ سے حبش، یمن، شام و عراق چلے گئے۔ اور جناب جعفر علیہ السلام کی طرح ہر علاقہ میں ایک ایک مبلغ اسلام بھی بھیجا گیا۔ تاکہ مشرکین قریش کے سلوک، پلان اور اسلام سے باقاعدہ تعارف کرائے۔ ادھر اسلامی لباس میں قریش کے جاسوس بھی ہر جگہ سے طاغوتی مرکز کو مسلمانوں کے حالات سے مطلع کر رہے ہیں۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ چھ سال کے بعد اسی قسم کے مسلمان جاسوس تھے جو طاغوتی اقتدار کی بارگاہ میں مقرب تھے۔ اور اسی زمانہ کی دبی ہوئی نفرت تھی جس نے تمام قبائل کو مخالفت اور حکومت سے بغاوت کے لئے کھڑا کر دیا تھا۔ اور یہی زمانہ تھا جب قریشی سرمایہ دار اور تجارت کے اجارہ دار، تمام تاجروں اور سود خور یہودی و نصرانی عرب قبائل سے معاہدات کر رہے تھے تاکہ ضرورت پڑنے پر مسلح مزاحمت کی جاسکے۔

یہی وہ زمانہ ہے جب آپ کے قرآن پڑھنے اور نقل و حرکت پر پہرے ہیں۔ خاندان ابوطالب کا ہر فرد آنحضرت کی حفاظت و صیانت کے لئے اپنی اپنی مقررہ ڈیوٹی انجام دے رہا ہے۔ آپ کو ستانے کے لئے قریش نے کئی قسم کی ٹولیاں مقرر کر رکھی ہیں۔ غلاظت پھینکنے والی ٹولی، شور مچانے والی ٹولی، لوگوں کے مجمع کو منتشر کر کے آپ سے دور بھگانے والی ٹولی۔ کئی ایک نوخیز نوجوان جو اسلام کے شیدائی بن چکے تھے قریش کی قید میں تھے۔ اور خود والدین ان کو مرد کرنے کیلئے بھوک، پیاس اور تعزیری تکالیف پہنچاتے رہتے تھے۔

(18/4)۔ آنحضرت پر قریشی اتہامات اور قرآن کے جوابات

(i) جیسا کہ عرض کیا گیا کہ تخطائی روایات میں رسول اللہ کی تبلیغ میں سخت کلامی اور جارحانہ رویہ کا بڑا شور مچایا گیا ہے۔ تاکہ ہر زمانہ

کے ملا کی سخت گوئی، طعن و طنز اور ڈنڈے بازی کو اسلام سے جواز ملتا چلا جائے۔ لیکن قرآن کریم اس شیطانی ذہنیت کی تردید و ابطال کرتا چلا آیا ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ حضور فطری و پیدائشی حیثیت سے نرم و دلی، دلکش انداز گفتگو اور خلق عظیم پر فائز تھے۔ لہذا پیدائش سے لے کر پینتالیس (45) سال تک بلا مزاحمت اور کسی کی دل شکنی کے بغیر تمام ملک کے دلوں پر حکومت کرتے رہے۔ اب جب کہ قریشی سیاست نے عربوں کے جذبات میں بڑی بے دردی اور کینگی سے آگ لگا دی۔ اور چاروں طرف تشدد اور توہین آمیز مزاحمت شروع ہو گئی۔ تب بھی آنحضرتؐ نے اپنا نرم اور قابل فہم رویہ تبدیل نہ کیا تھا۔ تاکہ قریش کی ہر مخالفت، ہر مزاحمت اور ہر سلوک خالص ظلم و ستم اور جبر و استبداد کے عنوانات کے ماتحت لکھا جائے۔ اور مقتنین عالم آنے والی تاریخ میں قریش کو غلط فہمی، اشتعال طبع اور جذباتیت کے قانونی عذر سے معاف کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ قریشی تاریخ میں کیوں رسولؐ کو (معاذ اللہ) ایک جارح مبلغ کی حیثیت دینے کی کوشش کی ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ سب کے سب اُن کے اپنے بزرگ تھے۔ اور چند سال کے بعد اُن میں سے ایک کثرت کو رضی اللہ عنہ بنانا پڑے گا۔ اور اُن کے دامن سے سارے داغ دھونا پڑیں گے۔ پھر چند سال کے بعد اُن کی ایک اور قلت کو بدرتج بزرگ دکھانا ہوگا۔ اور چند صدیوں کے بعد بچے کچھ لوگوں کو بزرگ اور رضی اللہ عنہ بنانے کی بجائیں ہوں گی اور چودھویں صدی، جو قحطانیوں کے نزدیک اسلام کی آخری صدی ہے، تک یزید ایسے ملعونوں کو رسول اللہ کے برابر لا کر اس پر سلام لکھنا پڑے گا۔ اس تدریجی اسکیم کے ماتحت قرآن وحدیث کا رخ موڑا گیا۔ اور آخر وہ سب کچھ کر لیا گیا جس کیلئے اللہ نے ابلیس کو مہلت دی تھی۔

(ii)۔ قریش ایڈ کمپنی کو لفظ کافر سے کیوں مخاطب کیا گیا؟ کافر کے معنی؟

خطاطی اہل قلم نے کافر کو ایک گالی بنا دیا ہے اور اس کے معنی انکار کرنے والا بنا کر پھیلا دئے ہیں۔ حالانکہ عربی میں لفظ انکار، منکر خود موجود ہیں۔ اور کافر کے معنی ہرگز منکر نہیں ہیں۔ کفر کے معنی وہ جذبہ ہیں جس کے ماتحت کوئی شخص اپنے مفاد کے لئے کسی حقیقت یا چیز کو چھپا دینا مفید سمجھتا ہو۔ چنانچہ یہ بڑا دلکش ادبی لفظ ہے جس میں شعریت اور بانگین پایا جاتا ہے۔ اللہ نے کاشفکاروں کو اسی اصول پر کفار فرمایا ہے:..... كَمْثَلٍ غَيْبٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ (الحمد 20-19/57)

یہ دونوں آیات دیکھیں انکا ترجمہ اپنے اپنے قرآن میں پڑھیں۔ اسی خاندان کا لفظ کفارہ ہے جس کے معنی کسی نقصان کو بے اثر کرنے یعنی جرائم کی فہرست سے چھپانے اور ہٹانے کیلئے تلافی مافات کر دینا۔ اسی قاعدے پر اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم تمہاری برائیوں کو چھپا دیتے ہیں۔ وَيَكْفُرُوْا عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (بقرہ 2/271) اسی لئے نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کرنے والوں کو کافر فرمایا گیا (اَمَّا شَاكِرًا وَّاَمَّا كَفُوْرًا)۔ اب سوچئے کہ کیا اُن ابلیسی علما نے کفر و کافر کے معنی چھپا کر خود کو کافر نہیں بنالیا ہے؟

رسول اللہ نے انہیں کافر پھر بھی نہیں فرمایا۔ حتیٰ کہ انہوں نے خود اپنا نام فخریہ طور پر کافر رکھ لیا اور کہہ دیا کہ ہم اُس سے کفر کرتے ہیں جو تمہارے ساتھ ارسال کیا گیا ہے (اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهِ كٰفِرُوْنَ ۝ سبأ 34/34) اور انہوں نے کہا کہ جو کچھ تمہارے ہمراہ ارسال کیا گیا ہے ہم اس کا کفر کرتے ہیں (اِنَّا كَفَرْنَا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهِ - ابراہیم 14/9) اُن کے ایسے سینکڑوں اعلانات کے بعد انہیں کافر کہنا ہرگز اشتعال انگیزی نہیں ہے۔ اُن کو قطعاً آزاد کیا گیا۔ اُن سے لَا اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ کہا گیا۔ اُن سے کہا گیا کہ تمہارے

لئے تمہارا دین ہے تم اس پر عمل کرو۔ ہمارے لئے ہمارا دین ہے ہمیں اس پر عمل کرنے دو۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ بھلائیوں اور خیر کے کاموں میں اُن سے تعاون کرو۔ کافر والدین سے محبت، ان کی خدمت اور عزت میں کوئی فرق نہ کیا گیا۔ بتوں کے لئے حکم دیا گیا کہ ہرگز اُن کو بُرا نہ کہو۔ (انعام 6/108)

ہے کوئی صاحب ضمیر شخص جو اس صورت حال کو جارحانہ قرار دے؟ لیکن قریشی مذہب نے چونکہ ہر اُس شخص کو قتل کر دینے کا حکم دینا تھا جو اسلام قبول نہ کرے یا قبول کر کے چھوڑ دے۔ ہر اس گروہ کو ذلیل و خوار کرنا تھا جو اُن کے دین کے خلاف ایک لفظ بھی نکالیں۔ انہوں نے تو ان مسلمانوں، نمازیوں، تہجد گزاروں کو بھی تہ تیغ کرنا تھا جو اُن کے طریقے پر نماز نہ پڑھیں، اذان نہ دیں۔ انہوں نے تو خاندان رسول کا بھی قتل عام کرنا تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے مشرک بزرگوں کی حکومت سے اختلاف کیا۔ انہوں نے ہر پُر امن قوم کو اس لئے تباہ کرنا تھا کہ وہ مسلمان کیوں نہیں ہے؟ اس لئے ضروری تھا کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ کو ایک مارشل بنایا جائے اور اسلام کو انقلابی تحریک قرار دیا جائے جو دنیا کی ہر اس چیز کو منقلب اور تباہ کر دے جو فحطانی پسند کے خلاف ہو۔ کوئی مسلح ہو کر حملہ آور ہوں تو ان کو لٹیرے اور ڈاکو کہا جائے۔ یہ لوگ وہی کام کریں، ہر شرمناک حرکت کریں، مال و زر ہی نہیں عصمتیں لوٹ لیں، عبادت خانوں کو مسمار کر دیں، عورتوں بچوں کو لونڈی غلام بنا کر منڈیوں میں بیچ ڈالیں اور قتل عام کریں تو یہ غازی و مجاہد کہلائیں۔

(18/5)۔ رسول اور خاندان رسول موت کے حوالے کر دیا گیا

قریش نے چاروں طرف سے مایوس ہو کر یہ طے کیا کہ ایک ہمہ گیر معاہدہ کر کے حضرت ابوطالب کو مجبور کیا جائے کہ محمدؐ کو اُن کے حوالے کر دیں ورنہ معہ خاندان و متعلقین کے بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ ہم اس معاہدہ کا قصہ علامہ شبلی اور پرویز کے قلم سے سناتے ہیں۔ اُس دردناک واقعہ کو سنتے ہوئے ذرا اُن موٹے موٹے ناموں کو تلاش کرتے رہیں۔ جو رسالت کی پوری کمائی پر قبضہ کے وقت قوم کے سب سے بڑے ہمدرد بھی خواہ نظر آتے ہیں۔ گو چند صحابہ ہمراہ موجود ہیں مگر اُن کا نام کہیں نہیں ہے۔ بہت بعد میں جن کے اسلام لانے کا ذکر ہے اُن میں سے چند لوگ خاندان رسولؐ کے ساتھ موت سے دوچار ہیں۔ لیکن اولین السابقیں صرف قیام حکومت اور تاج پوشی کے دن نمایاں ہوتے ہیں، سنے شبلی کو:-

”شعب ابوطالبؑ میں محصور ہونا: قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے۔ عمرؓ اور حمزہؓ جیسے لوگ

ایمان لا چکے تھے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی۔ سفراء بے نیل و مرام واپس آئے۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اس لئے اب یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرتؐ اور آپؐ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے۔ چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص نہ خاندان بنی ہاشم سے قربت کرے گا نہ اُن کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا۔ نہ اُن سے ملے گا نہ انکے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا۔ جب تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے حوالہ نہ کر دیں۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور در کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔ ابوطالبؑ مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالبؑ میں پناہ گزیں ہوئے۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کر گزر کر رہتے تھے۔ حدیثوں میں جو صحابہؓ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم طلح کی پتیاں کھا کھا کر بسر

کرتے تھے یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے۔ چنانچہ سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے۔ حضرت سعد وقاص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا۔ میں نے اُس کو پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی۔ قریش سُن سن کر خوش ہوتے تھے۔ لیکن بعض رحم دلوں کو ترس بھی آتا تھا۔ ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہ کا بھتیجا تھا، تھوڑے سے گیسوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہ کے پاس بھیجے۔ راہ میں ابو جہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا۔ اتفاق سے ابوالختر ہی کہیں سے آ گیا۔ وہ اگرچہ کافر تھا (قریش نہ تھا) لیکن اس کو رحم آیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لئے بھیجتا ہے۔ تو تُو کیوں روکتا ہے؟ مسلسل تین برس تک آنحضرتؐ اور آل ہاشمؑ نے یہ مصیبتیں جھیلیں۔ بالآخر دشمنوں ہی کو رحم آیا اور خود ان ہی کی طرف سے اس معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی۔ ہشام عامری خاندان بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلے میں ممتاز تھا۔ وہ چوری چھپے بنی ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ وہ زہیر کے پاس جو عبدالمطلبؑ کے نواسے تھے گیا اور کہا کیوں زہیر؟ تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ پیو، ہر قسم کا لطف اٹھاؤ اور تمہارے ماموں کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو؟ زہیر نے کہا کیا کروں تنہا ہوں۔ ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو میں اس ظالمانہ معاہدے کو پھاڑ کر پھینک دوں۔ ہشام نے کہا کہ میں موجود ہوں۔ دونوں مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے۔ ابوالخترؑ، ابن ہشامؑ، زمعہ بن الاسودؑ نے بھی ساتھ دیا۔ دوسرے دن سب مل کر حرم میں گئے۔ زہیر نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا اے اہل مکہ! یہ کیا انصاف ہے۔ ہم لوگ آرام سے بسر کریں اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو۔ خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا میں باز نہ آؤں گا۔ ابو جہل برابر سے بولا ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ زمعہ نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے جب یہ لکھا گیا تھا اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے۔ غرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دستاویز چاک کر دی۔ مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن الاسود، ابوالخترؑ، زہیر سب ہتھیار باندھ باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے۔ اور اُن کو درہ سے نکال لائے۔

بقول ابن سعد یہ 10 نبوی کا واقعہ ہے۔ اُسی زمانہ میں معراج واقع ہوئی۔ (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 245-247)

(ii)۔ پرویز صاحب اور آنحضرتؐ کے خاندان کی محصوری

”بنو ہاشم کا مقاطعہ و محاصرہ: قریش کے غم و غصہ کی اب انتہا نہ تھی۔ حبش سے اُن کی سفارت بے نیل و مرام واپس آ گئی۔ ابوطالبؑ نے یہ جواب دیا (کہ میں اپنی آخری سانس تک تحفظ کروں گا) اُن کی مسلسل مخالفت و مساعی کے باوجود یہ تحریک انقلاب بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ انہوں نے مجلس مشاورت میں بیٹھ کر ابوطالبؑ کے اس جواب پر غور کیا اور بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ آپؐ کو اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے برباد کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے بالاتفاق ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندان بنو ہاشم سے نہ رشتہ ناتہ کرے، نہ خرید و فروخت، نہ اُن سے ملے جلے، نہ انہیں کوئی کھانے پینے کا کوئی سامان دے۔ اور اس طرح اُن کا مکمل مقاطعہ (بایکٹ) کیا جائے۔ یہ معاہدہ لکھ کر درکعبہ پر لٹکا دیا گیا۔ اب ابوطالبؑ مجبور ہو گئے کہ اپنے افراد خاندان کو لیکر پہاڑ کے ایک درّہ (شعب ابوطالبؑ) میں مجبوسانہ زندگی بسر کریں۔ یہ 7 نبوی کا واقعہ ہے۔ تین برس تک نبی اکرمؐ اور اُن کے ساتھ تمام خاندان بنو ہاشم قیدیوں کی سی حالت میں رہے۔ چونکہ قریش نے اشیائے خورد و نوش کا جانا بھی روک دیا تھا اسلئے یہ محصور خاندان درختوں کی پتیاں کھا کھا کر گزران کرتا تھا۔ انکے

بچے بھوک سے بلک بلک کر روتے تو رؤسائے قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے۔ تین برس تک اس قید و بند کا سلسلہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ خود قریش میں بعض نیک فطرت لوگوں کو بنی ہاشم کی اس کرب و صعب کی زندگی پر رحم آیا اور انہوں نے رفتہ رفتہ اپنے ہم خیال پیدا کر کے درکعبہ پر لٹکی ہوئی اس دستاویز کو چاک کر دیا اور خود جا کر خاندان بنی ہاشم کو اس پہاڑ کے درے سے نکال کر ان کے گھروں میں واپس لائے۔“ (معارف القرآن۔ جلد چہارم صفحہ 246)

(iii)۔ طبری کے مطابق دونوں علامہ خائن اور جھوٹے ہیں

ان دونوں بیانات میں وہ چیز چھپالی گئی جس کا چھپانا قریش کو بہت پسند تھا۔ یعنی یہ دونوں حضرات قریش کے مشرک نہ مظالم پر پردہ ڈالنے میں شریک ہیں سنئے:-

”اسی اثنا میں ایک دن ابو جہل کی حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اُسکے ہمراہ ایک غلام تھا جس پر گےہوں لدے ہوئے تھے۔ یہ اُسے اپنی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کے پاس جو رسول اللہ کے ساتھ ابوطالب کی گھاٹی (شعب) میں تھیں لے جا رہا تھا۔ ابو جہل نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ تم بنی ہاشم کے لئے کھانا لے جا رہے ہو۔ بخدا تم اسے لے کر یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ورنہ میں تمام مکہ میں تم کو رسوا کر دوں گا۔ اتنے میں ابوالجتر بن ہشام بن الحارث بن اسد وہاں آ گیا۔ اُس نے کہا کیا ہے؟ ابو جہل نے کہا یہ دیکھو یہ بنی ہاشم کے لئے خوراک لے جا رہا ہے۔ ابوالجتر نے کہا یہ تو اپنی پھوپھی کیلئے جو محمد کے ساتھ ہے یہ خوراک لے کر جا رہا ہے اور اُس نے آدمی بھیج کر اُس سے منگوائی ہے۔ تم کیوں روکتے ہو جانے دو۔ مگر ابو جہل نہ مانا۔ اس پر اُن میں سخت کلامی ہوئی۔ ابوالجتر نے اونٹ کا ڈھانٹا اٹھایا اور اس سے ابو جہل کو ایسی ضرب لگائی کہ وہ لہو لہان اور بے دم ہو گیا۔ حمزہ بن عبدالمطلب کہیں پاس ہی تھے اور یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ قریش اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ اس واقعہ کی اطلاع رسول اللہ اور اُن کے صحابہ کو ہو اور اُن کو خوش ہونے کا موقع ملے۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 102)

(18/6)۔ مستقل قید اور جان لیوا مقاطع کے باوجود ابوطالب نے زندہ رہنا سکھایا

قارئین کرام ان تینوں بیانات کے انتہائی ناقص ہونے کے باوجود چند حقائق آپ کے سامنے آ گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک اُن میں سب سے اہم چیز وہ قریشی بصیرت ہے جو ابلیس کی تعلیم کا پورا سرمایہ ہے۔ جس نے قریشی ماحول اور تمام متعلقہ علاقوں میں یکسر انقلاب پیدا کر کے ہر فرد کو ابوطالب اور رسول اللہ کا دشمن بنا دیا۔ دوسری حقیقت یہ کہ عربوں نے دیکھا کہ اُن کی وہ تمام بصیرت، قساوت قلبی اور ظالمانہ متفقہ ظلم و ستم اسلام کی ترقی کو نہ روک سکے۔ بلکہ اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ یہاں یہ سوال ہے کہ اسلام تیزی سے یا سستی سے پھیل کہاں رہا تھا؟ ظاہر ہے کہ مکہ اور گرد و نواح مکہ طائف وغیرہ علاقوں میں تو تمام خون کے پیاسے مشرک آباد تھے۔ اور تین سال کسی قبیلے میں اتنی بھی ہمت نہ ہوئی کہ اس قاتلانہ مقاطع کے خلاف لب کشائی کر سکتا۔ چہ جائیکہ اس قسم کے معاشرہ میں کسی کا اسلام اختیار کرنے کا اعلان کرنا۔ لہذا قارئین سنیں کہ جناب ابوطالب کا بیرونی انتظام تھا جس کی تبلیغ سے عرب کے دور دراز علاقوں اور بیرونی ممالک میں اسلام کی تیز رفتاری، نظام شرکت کے سامنے خوفناک مستقبل پیش کر رہی تھی۔ بھیا نک خیالات و تصورات آرہے تھے۔ دن رات

جاسوس بُری بُری خبریں پہنچا رہے تھے۔ اس صورت حال کو سامنے رکھ کر شبلی و پرویز کی باقی باتوں پر ایک نظر ڈالیں۔ کہا گیا ہے کہ حمزہ و عمر ایمان لائے تھے۔ مان لیا کہ جس کا کفر ثابت تھا وہ ضرور ایمان لایا ہوگا۔ لیکن جس کا کفر ثابت ہی نہیں جو کفر سے ابوجہد تعلق ہی نہیں رکھتا وہ اگر ایمان لایا بھی تھا اُس کے ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کفر سے توبہ کر کے اسلام پر ایمان لایا تھا۔ بلکہ یہ ماننا ہوگا کہ وہ اسلام کی کسی نئی حقیقت پر ایمان لایا تھا۔ چونکہ اسلام میں روزانہ ایمان سے ترقی ایمان کی طرف بڑھتے جانے کا غیر منقطع سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لیکن اصل اور موقعہ کا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اُس وقت مکہ میں موجود ہے اور رسول اللہ کے ساتھ شعب ابی طالب کی تکلیفوں میں اُن کے ساتھ نہیں ہے تو اُس کا ایمان ماشاء اللہ ابو جہل و ابولہب سے کچھ بڑھ کر ہی ہے۔ ہمیں تو یہاں تک تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے کہ مومن تو مومن ہوتا ہے کوئی بھی ایسا شخص مکہ میں موجود تھا جو خانوادہ رسول سے کسی قسم کا رشتہ یا عزیز داری رکھتا تھا، اُن کے عزیز و اقربا اور ہمدرد وہم نوا اور اسلام کے چاہنے والے سب اُس قید کے اندر تھے یا مکہ اور گرد و نواح مکہ سے باہر تھے۔ رہ گئی وہ کہانیاں جن کو گھڑنے کی بعد میں ضرورت پیش آئی تھی وہ ہمیں درکار نہیں ہیں۔ اُنہیں وہ لوگ قبول کریں گے جو مشرک محاذ کے ہی خواہ ہوں۔ ابوطالب کے لئے مخالف محاذ کا یہ کہنا بڑی بے حیائی ہے کہ وہ شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہوئے۔ یہاں یہ سوچئے کہ پناہ گزین ہونے اور مورچہ بند ہونے میں کوئی فرق ہے یا نہیں ہے۔ دشمن کی یلغار کو روکنے کے لئے جب قلع بندی کی جاتی ہے تو وہ پناہ گزینی نہیں ہوتی بلکہ ڈٹ کر آخری سانس تک مقابلہ کرنے کی مہم ہوتی ہے۔ یہ ابوطالب علیہ السلام کی اُس جوانی بصیرت کا کمال ہے جس نے مشرک محاذ کی اُس خوفناک اور بے پناہ اسکیم کو خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا۔ اگر وہ شعب میں نہ آتے تو تمام خانوادہ شہر کے مختلف حصوں میں آباد ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے نل سکتا تھا، نہ تعاون کر سکتا تھا، نہ ایک دوسرے کے لئے باعث ہمت بن سکتا تھا۔ گھر میں موجود خوراک اور دولت و وسائل کو اجتماعی پروگرام کے ماتحت استعمال کرنے سے قاصر رہتے۔ اور سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ مکانات ایک جگہ نہ ہونے کی بنا پر قریش جس خاندان کو چاہتے رات کی خاموشی میں تہہ تیغ کر دیتے اور باقی خاندان کو خبر تک نہ ہوتی۔ حتیٰ کہ آخری خاندان بھی ختم کر دیا جاتا اس لئے جناب عمران علیہ السلام نے اپنی عسکری بصیرت سے ایک ایسا درہ اختیار کیا جہاں تین طرف سے پہاڑوں نے قدرتی حفاظت کرنا تھی۔ صرف ایک سمت میں دیوار یا باڑھ بنانا تھی۔ پھر یہاں سارے افراد خاندان کو مہلک اور خطرناک حالات سے مقابلہ کرنے کی تعلیم آسان اور وقت کی ضرورت تھی۔ ایک زبردست شیطانی اور بے رحم قوت سے تحفظ کا جذبہ آپس کی ہمدردی کو معراج کمال پر لانا تھا۔ راتوں کو پہرہ دینا، رسول کی جگہ اپنے جوان بچوں کو سلانا اور اُن پر اور اُن کے مشن پر قربان ہو جانا کھلی آنکھوں سے دکھانا تھا۔ عورتوں بچوں اور نو جوانوں کو بھوک پیاس اور گرمی سردی برداشت کرنے کی عادت ڈالنا ضروری تھا، کر بلا اُن کے سامنے تھی اُس کی تمہید قائم کرنا تھی۔ آنے والے محافلین اسلام فاطمہ اور علی کو مخصوص صبر و ضبط و نظم سے مطلع کرنا تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ دشمنانِ خدا و رسول اور دوست دارانِ خدا و رسول میں ایک امتیازی خط کھینچنا تھا۔ تاکہ کل خواہ مخواہ کچھ لوگ رسول اللہ کے دوست ہمدرد اور عزیز و اقارب اور اہلیت بننے کی کوشش کریں تو پہچان لئے جائیں۔ اگر آپ مکہ ہی میں اپنے مکانات میں قید رہے ہوتے تو ہر خبیث کے لئے یہ موقعہ رہتا کہ جناب میں تو خود معہ خاندان مقاطعہ کا شکار رہا ہوں۔ میں رسول اللہ کا صحابی، دوست اور فدا کار تھا، راتوں کو کھانا لے کر جاتا تھا۔ نعت

خانہ ڈھلکا ایک دن نہ ملا تو میں نے اپنی نئی ٹوپی کو ڈھکنے کی جگہ فٹ کر دیا تھا۔ ایک دن نعمت خانہ نہ ملا تو میری زوجہ نے اپنے دوپٹے میں کھانا باندھ کر بھیج دیا تھا اسی رات سے اس کا نام ڈبل دوپٹہ پڑ گیا تھا۔ شعب ابی طالبؑ نے کفر و اسلام کے درمیان ایک ایسا امتیاز قائم کر دیا کہ شاہی تاریخ کی مسلسل خیانت کے باوجود دشمنان اسلام نقاب پوش نہ رہ سکے۔

یہاں یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ آیا جناب ابوطالبؑ نے قریش سے درخواست کی تھی یا نہیں کہ ہمیں مکہ سے باہر کہیں جلا وطن ہونے کی اجازت دے دو؟ بہر حال تاریخی حیثیت اور وقتی ضرورت کا تقاضہ تھا کہ وہ مدینہ کو نہ بھولیں۔ ابھی کل ہی کی بات تو ہے جب ایک قریشی نوفل نامی شخص نے اُنکے والد کی جائیداد پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ کیسے بھول سکتے تھے کہ اُس وقت بھی قریش نے اُن کے پورے خانوادے کے خلاف ایک معاہدہ کیا تھا۔ یہ بھلا دینے کی بات نہ تھی کہ مدینہ سے اُنکے نانا جان مسلح دستہ کے ساتھ آئے تھے۔ انہیں اپنی تنہیال کا تجربہ تھا۔ مدینہ والوں نے نوک شمشیر سے جائیداد واپس کرائی تھی۔ خاندانی روایات میں جناب قصی علیہ السلام کا اپنے خاندان بنی قضاہ سے مسلح مدد لینا بھی سب کو یاد تھا۔ اس وقت بھی یہ دونوں خانوادے مدینے اور ملک شام میں موجود تھے۔ قریش اُن کے سامنے ایک حقیر و کمزور قلت تھے۔ یہاں دو باتوں میں سے ایک ضرور ہوئی ہوگی۔ یا تو قریش نے جلاوطنی کی اجازت نہیں دی یا پھر یہ کہ اب جناب عمرانؑ مختار نہیں ہیں بلکہ وحی کا حکم چاہتے ہیں۔ اور یہ سکھانا چاہتے ہیں کہ مادی نصرت کی جگہ خالصتاً اللہ کے انتظام پر سو فیصد توکل کیا جائے تاکہ لوگ یہ دیکھ سکیں کہ یہ خانوادہ کسی شخص کے آگے ہاتھ پھیلائے بغیر، تمام مادی سامان حتیٰ کہ خوراک کے فقدان کی حالت میں بھی زندہ، تندرست اور زیادہ قوی رہ سکتا ہے۔ یہی تو وہ صورت حال تھی جس میں اللہ کی طرف سے نزول ماندہ کی یقینی امید تھی۔ یہی تو اللہ کی راہ میں وہ قربانی تھی جو بنی اسرائیل سے کہیں زیادہ من و سلوکی کا حق دار بناتی تھی۔ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر خانوادہ نبوت و رسالت کیسے اپنی اور اللہ کی شان پر حرف لاسکتا تھا۔ درختوں کی پتیاں کھانا ایک بکواس ہے۔ وہاں اُن چٹانوں پر درخت کہاں؟ ادھر ادھر چند جھاڑیاں تھیں جن کو جڑوں سمیت کھا جانے سے بھی تین روز نہ گزرتے۔ ارے بے رحم لوگو، بھلا دودھ پیتے بچے پتوں کو کس طرح کھا سکتے تھے۔ اور وہ چڑا کھانے کا قصہ بھی بکواس ہے۔ سو کھے ہوئے چمڑے کو بھوننے کے معنی جلا کر رکھ کرنا ہوتے ہیں۔ اور راکھ کے بجائے اگر یہ خانوادہ مٹی بھی کھاتا تو تین سال میں وہاں غار بن گئے ہوتے۔ خدا تمہیں عقل و ایمان عطا کرے تو سمجھو کہ دنیا میں یہ ایک عمرانی معجزہ تھا۔ یہیں تو جنت سے کپڑے منگانا اور پھلوں کے طشت اتروانا سیکھا گیا تھا۔ یہیں تو عبادت خداوندی کی وہ مشق کی گئی تھی۔ یہاں ہی تو اس قدر فرصت ملی تھی کہ خاندان کا ہر چھوٹا بڑا فرد اللہ کے نظام کو اپنے روبرو بے حجابانہ دیکھے۔ یہی تو سو فیصد وہ زمانہ تھا جب ساری دنیا سے انقطاع اور وصل باری تعالیٰ کا موقع ملا تھا۔ یہیں تو وہ چکھی اور عبادت کی چاٹ لگی تھی جو ساری عمر ترقی ہی کرتی گئی۔ بچہ کنویں میں گر جائے پرواہ نہ ہو، سجدہ میں رات گزر جائے پتہ نہ چلے، سرتن سے جدا ہو جائے موت نہ آئے، قوت گویائی نہ جائے، تلواروں اور تیروں کی بارش میں مصلیٰ بچھا دیا جائے۔ باقی تمام باتیں بعد میں بنائی گئی ہیں اور قریش کی عزت برقرار رکھنے کے لئے یہ کہا گیا ہے کہ کچھ لوگوں کو تین سال بعد رحم آیا اور معاہدہ پھاڑا گیا۔ اُن کو بتا دو کہ اُس کا غزود میک چاٹ گئی تھی۔ اس کی اطلاع بھی رسول اللہ نے دی تھی۔ لیکن معاہدہ کے کاغذ کے پھٹ جانے، کیڑے یا دیمک کے کھا جانے اور معاہدہ کے ختم ہو جانے میں کوئی مادی، روحانی یا قانونی ربط

نہیں ہے۔ نہ کسی کو رحم آیا اور آیا تو اُس خبیث کو تین سال بعد رحم کیسے آیا۔ نہ قریش نے دو چار آدمیوں کی مدد کی مخالفت سے معاہدہ کو ختم کیا۔ وہ چیز جس نے قریش کے چھکے چھڑا دیئے، جس نے راتوں کی نیند حرام کر دی، وہ قدرتِ خدا کا وہ انتقام تھا جو معاہدہ ختم نہ کرنے کی صورت میں تاریخ کا رخ ہی موڑ دیتا، جو قریش کا قتل عام کر دیتا۔ وہ تھا خانوادہٴ رسولؐ کے خاندان کا بطنی بادشاہ جبکہ، جس نے بنی ہاشم کی قید کی خبر سن کر لام بندی اور فوج کشی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور اندرونِ عرب شریف قبائل مسلح مزاحمت کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اور عرب کے سب سے بڑے ایکسپورٹر اور امپورٹر نے چھ ماہ کیلئے گندم بزرور بازو شعب ابی طالبؑ میں پہنچا دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ آئندہ مکہ کو گندم کا ایک دانہ دیکھنا نصیب نہ ہونے دوں گا۔ اس لئے قریش مجبور ہوئے اور ہوا خیزی کو روکنے کے لئے معاہدہ کے کاغذ کی ڈاٹ لگا کر خود بنفس نفیس ابوطالبؑ کے پاؤں پر گرے اور انہیں اُن کے مکانات میں واپس آنے پر رضامند کیا اور اس میں بھی آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چچا سے قریش کی سفارش کی اور خانہ کعبہ میں آکر نماز پڑھی۔ یوں قریش کی جان و مال و اہل و عیال کو بچالیا گیا۔ اور پھر ایک دفعہ قریش ذلت و خواری کی اس چوٹ سے دلوں میں پیچ و تاب کھاتے رہ گئے۔ لیکن اب مخالفت کیلئے کسی جدید بہانے کی ضرورت تھی۔ معاہدے کے حلیفوں یعنی دوسرے فریقوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی۔ تین سال کی یہ ریاضت ایک دفعہ پھر عوام کی توجہ کا سبب بن گئی تھی۔ جسے توڑنے کیلئے قریش میں دن رات مشورے ہو رہے تھے اور فی الحال فوری طور پر کوئی چال سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

19۔ دُنیا میں محمدؐ و آل محمدؐ کے لئے غم و الم کا ابتدائی سال ”عام الحزن“

شعب ابی طالبؑ سے رہائی کے بعد جناب عمران علیہ السلام نے پورے خاندان کو وہ دن یاد دلایا جب اُن کے والد بزرگوار جناب عبدالمطلب علیہ السلام نے وصیت کے لئے خاندان کو جمع کیا تھا۔ آپؐ مغموم نظر آرہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ آواز اُن کا ساتھ دینا نہیں چاہتی، سنبھل سنبھل کر الفاظ ادا فرما رہے تھے۔ دیکھو مجھے میرے والدؐ نے محمدؐ کا ہاتھ پکڑا کر کہا تھا کہ تم اُس کی پرورش، تعلیم و تربیت اور خوشنودی مزاج کے ذمہ دار ہو۔ دیکھو کبھی ایسا نہ ہونے پائے کہ اُسے میرے مرنے اور اپنی یتیمی کا خیال آ سکے۔ آج کے بعد میں نہیں چاہتا کہ اُس کی آنکھوں میں آنسو آئیں اور تم زندہ رہو۔ اسے گود میں اٹھاؤ پیار کرو اور ثابت کر کے دکھاؤ کہ اس دُنیا میں اُس سے بڑھ کر کوئی چیز نہ عزیز ہے نہ محبوب ہے، تمہاری زندگی کا مقصد ہی محمدؐ ہے۔ اسی کے لئے جیو گے اور اُسی کے لئے مرو گے۔ خدا کا شکر ہے اور میرے بزرگوں کی دُعا کا نتیجہ ہے کہ میں کامیاب ہو چکا ہوں۔ خدا نے میری خدمت کو قبول فرمالیا ہے، میرا کام مکمل ہو چکا ہے۔ رسالتِ خداوندی اپنے پاؤں پر جم کر کھڑی ہو چکی ہے۔ وزارت و خلافت خداوندی عالم شباب کو پہنچ چکی ہے۔ آج میں محمدؐ کو یعنی اپنے بزرگوں کی امانت تمہارے حوالے کرتا ہوں اور تم سب سے عموماً اور علیؑ سے خصوصاً وصیت کرتا اور یہ چاہتا ہوں کہ تم اور وہ، محمدؐ کی اطاعت و محبت و مودۃ کو اپنا دین و ایمان سمجھو۔ میں تم سب کو آج سے محمدؐ کی غلامی میں دیتا ہوں۔ وہ تمہاری جانوں اور مال و اولاد کا مالک ہے۔ اس کے بعد جناب علیؑ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ تم اپنی اولاد اس طرح پالو گے جس طرح میں نے تمہیں پرورش کیا اور انہیں اس قابل بنادو گے کہ وہ محمدؐ اور اُس کے دین پر اپنی جانیں قربان کرتے رہنا اپنا شعار بنالیں۔ سارا خاندان سمجھ گیا تھا کہ یہ اُن

کے اس عظیم الشان بزرگ اور سرپرست کے آخری ایام ہیں۔ ہر چہرہ اُترا ہوا ہر آنکھ بھیگی ہوئی اور ہر قلب جذبہ محبت و احسان شناسی اور اطاعت سے لبریز تھا۔ مجمع رخصت کر دیا گیا صرف نبوت و امامت کو موجود رہنے کا حکم ملا۔ اس کے بعد کیا ہوا کیا باتیں ہوئیں؟ وہ اَوْحٰی مَآ اَوْحٰی کی طرح کاراز تھا۔ جب محمد و علی علیہما السلام باہر نکلے تو عام اعلان کر دیا کہ جو لوگ جناب عمران علیہ السلام سے ملنا چاہتے ہیں یا کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ ملاقات کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں کی امانتیں موجود ہیں آ کر امانت لے جاسکتے ہیں۔ ورنہ اُن کی واپسی کا ذمہ دار محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہما و آلہما ہوں گے۔

قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ اس کے بعد کیا ہوا ہوگا؟ خانوادہ رسول اور خود علی و رسول یتیم ہو گئے۔ اللہ نے اپنے بنائے ہوئے ملجا و ماویٰ کو اپنے حضور بلا لیا۔ اُن کے انتقال پر اپنے تو اپنے تھے دشمن بھی روئے، سارے شہر میں سناٹا چھا گیا۔ ہر طرف سے رک رک کر رونے کی آواز سناٹے کو توڑ رہی تھی۔ لوگ پُر سے کو آ رہے تھے، محمد و علی نے غسل و کفن دیا۔ نماز جنازہ پڑھ کر دفن کی رسومات ادا کیں۔ تیسرے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرکار ابوطالب علیہ السلام کی جانشینی حضرت علی علیہ السلام کو عطا کرنا تھی۔ جو پورے خاندان کی موجودگی میں اُن کو سوچنی گئی۔ اس طرح جناب مولائے کائنات رسول اللہ کے محافظ بھی قرار پائے اور وزیر بھی۔ حضرت ابی طالب کی وفات کے صدمہ سے جناب خدیجہ علیہا السلام بیمار پڑ گئیں۔ اب سارا خاندان اُن کی تیمارداری میں مصروف ہو گیا۔

(19/2) جناب علامہ شبلی کے لئے دعائے خیر اور مغفرت کا سبب پیدا ہو گیا

ہم کسی کے ساتھ اُس وقت تک رعایت نہیں کرتے جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اُس نے ابوطالب اور خانوادہ رسول کے ساتھ رعایت کی ہے۔ علامہ شبلی نے اپنا حق جس طرح اور جس قدر پیدا کیا وہ اُن ہی کے قلم سے دیکھیں۔

(i) ”ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ بل رہے تھے۔ حضرت عباس نے جو اس وقت تک کافر تھے، کان لگا کر سنا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لئے کہا تھا۔ ابوطالب وہی کہہ رہے ہیں۔ اس بنا پر ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے۔ لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر سمجھی جاتی ہے اس لئے محدثین زیادہ تر اُن کے کفر ہی کے قائل ہیں۔ لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ (کفر والی) روایت چنداں قابل حجت نہیں ہے کہ آخری راوی مسیب جو فتح مکہ میں اسلام لائے۔ اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے۔ اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔

(سیرۃ النبیؐ۔ جلد اول صفحہ 248) اگلے صفحہ پر لکھا ہے کہ:-

(ii) ”ابوطالب نے آنحضرت کے لئے جو جان نثاریاں کیں اُس کا کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے۔ آپ کی محبت میں سارے عرب کو اپنا دشمن بنا لیا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے، فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جان نثاریاں سب ضائع جائیں گی؟ ابوطالب آنحضرت سے پینتیس (35) برس عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن سے بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑے آنحضرت اُن کی عیادت کے لئے گئے۔ تو انہوں نے کہا بھتیجے جس خدا نے تجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ اُس سے دعا نہیں مانگتا کہ مجھ کو اچھا کر دے۔ آپ نے دُعا کی اور وہ اچھے ہو گئے۔

آنحضرتؐ سے کہا کہ خدا تیرا کہنا مانتا ہے..... ابوطالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہؓ نے بھی وفات پائی۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے ابوطالب سے پہلے انتقال کیا۔ اب آپؐ کے مددگار و غم گسار دونوں اٹھ گئے۔ صحابہ خود اپنی حالت میں مبتلا تھے۔ یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے۔ اور خود آنحضرتؐ اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے رمضان 10ء نبویؐ میں وفات کی۔ اُن کی عمر پینسٹھ (65) برس کی تھی۔ مقام حجون میں دفن کی گئیں۔ آنحضرتؐ خود اُن کی قبر میں اُترے۔ اس وقت تک نماز جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی۔ ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے۔“ (سیرۃ النبیؐ - جلد اول صفحہ 250-249)

(19/3)۔ خانوادہ رسولؐ کا دوسرا سرپرست بھی داغ جدائی دے گیا

حضرت ابوطالب علیہ السلام کو خدا نے اٹھالیا تو خاندان کی ہمت اور قوت کو زبردست صدمہ پہنچا۔ یہ انتقال ادھر قریش کے ابلیسی ارادوں میں نئی زندگی اور امنگوں کا باعث بنا۔ ادھر جناب خدیجہ علیہا السلام کی علالت کا باعث بن گیا۔ اسلام کے تحفظ اور جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامیابی کیلئے اللہ نے یہی دو بازو دیئے تھے۔ ایک نے مردوں کے سامنے تائید رسالت کے وہ بے مثل کردار اور منصوبے پیش کئے جو تاقیام قیامت ایک بولتا چالتا نمونہ رہیں گے۔ دوسرے نے طبقہ نسواں کیلئے نسوانی راہ عمل پیش کی اور بتایا کہ عورتیں اسلامی دنیا میں کس قدر اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اور اپنے خاندان کے مردوں کو عائلی زندگی کی طرف سے بے فکری فراہم کر کے کس طرح اُن کی ہمت افزائی کر سکتی ہیں۔ دُنیا کے مصائب و آلام سے برسرِ پیکار رکھنے اور کامیابی سے دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں مددگار ہو سکتی ہیں۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے اپنی عدم موجودگی میں رسول اللہؐ کی تمام ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے علیؑ ایسا جان نثار بیٹا چھوڑا۔ اور جناب خدیجہ علیہا السلام نے اُمت کی نجات کے لئے اپنے پہلے دو بیٹوں کو اللہ کے حوالے کر کے صبر کیا۔ پھر آنحضرتؐ اور اسلام کے استحکام اور بقا کے لئے فاطمہؑ ایسی بے مثل و بے نظیر بیٹی چھوڑی جس سے نسل رسولؐ ساری دنیا میں پھیلنا تھی۔ جس کی اولاد سے اسلام پر قربان ہو جانے والے، ذبح عظیم بن جانے والے، نجات نوع انسان کی ذمہ داری لینے والے اور ساری دنیا کو ابدی ہدایت و راہنمائی کا مرانی فراہم کرنے والے گیارہ امام علیہم السلام پیدا ہونا تھے۔ جس کے بچوں کو سردارانِ جنت بننا تھا۔ جسے خاتونِ جنت سیدۃ النساء العالمینؑ کا لقب ملنا تھا۔ حضرت خدیجہؓ ہی وہ ذاتِ پاک ہیں جن کی وجہ سے اللہ نے فرمایا کہ اے محمدؐ تمہیں نادار پایا تو ہر قسم کی احتیاج سے مستغنی کر دیا (وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝۱۰ الضحیٰ 93/8)۔ حضرت خدیجہؓ نے اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی حمایت اور پرورش پر اپنی بے انتہا دولت صرف کی۔ دن رات آپؐ نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی۔ کبھی اُن کے چہرے پر کبیدہ خاطر، غصہ اور ملال نہ پایا گیا۔ انہوں نے آنحضرتؐ کی اُن تمام تمنائوں کو پورا اور مکمل کر دیا جو ایک عظیم رسولؐ کو اپنی رفیقہ حیات سے ہو سکتی تھیں۔ حضورؐ نے جناب خدیجہ علیہا السلام کے انتقال پر جن الفاظ میں اظہارِ غم و الم کیا ہے وہ بڑے درد انگیز ہیں۔ اظہارِ غم و الم آپؐ نے تاحیات جاری رکھا۔ گودینی ضرورت اور دشمنانِ دین کا منہ بند کرنے کے لئے آپؐ نے مدینہ میں آکر اور نکاح بھی کئے۔ مگر آپؐ کو جناب خدیجہؓ کے بعد اسلام کی نصرت کے لئے کوئی زوجہ نہ ملی۔ اور آپؐ نے اُمت کو نمونہ دینے کے لئے نہایت ناگفتہ بہ حالات میں گھریلو

زندگی گزارنے اور عمومی حالات میں صبر و تحمل کرنے کا اعلیٰ معیار پیش کیا۔ اور سورہ تحریم کی رو سے اپنے خلاف اپنے ہی گھر میں ایک نسوانی محاذ سے عہدہ برآ ہونے کا مظاہرہ کیا۔ بہر حال جناب خدیجہ اور جناب ابوطالب علیہما السلام یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو گئے اور رسول اللہ اور خانوادہ رسول کو خدا کے سہارے چھوڑ گئے۔ حضرت فاطمہؑ کے لئے یہ موت سب سے زیادہ صدمہ کا باعث تھی۔ مگر انہوں نے اپنی والدہ معظمہ سے جو سبق لیا تھا اُس پر عمل کرنے کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔

20۔ قریش کی نئی پالیسیاں؛ قرآن پر عمل کرنے کی شرائط وغیرہ

تاریخ نے حضرت ابوطالب اور جناب خدیجہ کے انتقال کے بعد قریش کے مظالم اور تشدد کے حالات تو لکھے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ اسی حد تک کیا ہے جو بعد کی حکومت کو ممکنہ زد سے بچالے جائے۔ قریش نے ہمیشہ ایک مضبوط بہانہ اور مقصد اپنے سامنے رکھا ہے۔ تاکہ اُن کا ہر عمل درآمد عقلی جواز حاصل کر سکے۔ اب جو مظالم یا زیادتیاں شروع ہوتی ہیں اُن میں اُن کے عزرات میں سے ایک عذر یہ تھا کہ اُن کے بزرگوں اور بتوں کو برسر عام برا کہا جا رہا ہے۔ چنانچہ ہم نے قرآن کی آیت کا نمبر (انعام 6/108) لکھا تھا جس میں مسلمانوں سے کہا گیا تھا کہ تم اُن لوگوں کو گالیاں نہ دیا کرو جن کو یہ لوگ اللہ کے علاوہ بھی مدد کے قابل سمجھتے ہیں وَلَا تَسُبُّوا الَّذِینَ یَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ... الخ۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو اللہ نے منع کیا ہے وہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ تھے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سچ مچ کے مسلمان تو جو کام بھی کریں گے وہ اللہ و رسول کی اجازت کے بغیر نہ کریں گے۔ لہذا جو مسلمان یہ کام کر رہے تھے وہ دراصل مسلمان لباس میں قریش کے آدمی تھے۔ ورنہ ایسے خطرناک ماحول میں جہاں چاروں طرف مخالف ہی مخالف ہوں اور قوت و اقتدار بھی اُن ہی کے ہاتھوں میں ہو کوئی مسلمان اشتعال انگیزی کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ اور اسلام تو قوت و اقتدار کا مالک ہو کر بھی بدامنی اور اشتعال اور نفرت انگیزی کی اجازت نہیں دیتا۔ لہذا اللہ نے دو باتیں بتادی ہیں۔ اول یہ کہ کفار کو اشتعال دلایا جا رہا ہے لہذا کافروں کا عذر صحیح ہے۔ اور دوسری یہ کہ خود کافروں ہی نے اس اشتعال کو پیدا کرنے اور بہانہ بنانے کیلئے مسلمانوں میں اپنے آدمی ملا دیئے ہیں۔ لہذا یہ ہی وہ جماعت ہے جسے ہم نے مسلمان جاسوس قرار دیا ہے۔ ان کو تاریخ اور قرآن میں منافق کہا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہم اس گروہ کو قریش کے ماہر اور متعین کردہ افراد قرار دیتے ہیں جو طاغوتی مرکز کے مقاصد کیلئے اپنا اپنا متعلقہ فریضہ ادا کرتے تھے۔ اس جماعت کی تفصیلات ہماری دیگر تصنیفات میں پھیلی پڑی ہیں۔ یہاں اُن کے ابتدائی مقصد کا ذکر ضروری ہے۔ تاریخ میں اصل منصوبے کو بدل کر بڑے بھدے اور ایک عامیہ انداز میں لکھا گیا ہے۔ مثلاً قریش نے آنحضرتؐ سے اس شرط پر مصالحت کرنا چاہی کہ ایک سال تک ہم تمہارے ساتھ اللہ کی عبادت کریں پھر ایک سال تم ہمارے بتوں کی عبادت کرو۔ پھر جس سال کا نتیجہ اچھا رہے اس پر دونوں کار بند ہو جائیں۔ یعنی یا ہم کلیئہ اسلام اختیار کر لیں یا تم اپنے اسلام کو چھوڑ کر ہمارے مذہب پر عمل کرنے لگو۔ یعنی تاریخ اس قدر مانتی ہے کہ قریش نے تھک کر مصالحانہ رویہ اختیار کرنے کا پھر ارادہ کیا تھا۔ اور ہم یہ دکھاتے آئے ہیں کہ قریش کا کبھی بھی محمد مصطفیٰ کے خلاف ظالمانہ رویہ اختیار کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ وہ یہ چاہتے رہے اور اب بھی چاہتے ہیں کہ یہ نبوت اُن سے ہم آہنگ ہو کر کام کرے اور ابوطالب اور علیؑ کی حکومت کا خیال چھوڑ

دے۔ شخصی حکومت و اقتدار کو مذموم سمجھے اور بل بانیٹ کو قومی بصیرت کے ماتحت اصلاح کرے۔ جمہور اور دانشوران قوم، بزرگان سلف کی بصیرت اور تجربے سے مستفید ہو۔ اپنی ذاتی رائے پر کوئی فیصلہ نہ کرے۔ ان مقاصد ہی کو نافذ کرنے کیلئے گزشتہ طویل تصادم ہوئے۔ اور اب ان ہی مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے ایک نئی راہ نکالی گئی جسے قرآن کی اعجاز آفرین زبان میں سنئے:-

(20/2)۔ تعلیمات قرآن پر سمجھوتے کی قریشی پیش کش یا نظام اجتہاد

حضرت ابوطالبؑ کے انتقال پر تمام قریش نے اُن کے سوگ اور تعزیت کی آڑ میں رسول اللہؐ سے ایک دفعہ پھر ہمدردی اور غم خواری کا اظہار اور پچھلی زیادتیوں اور غلط فہمیوں پر افسوس شروع کیا۔ آپ نے نہایت خندہ پیشانی اور بھولے پن کے انداز میں قبول فرمایا اور اپنی مستقل محبت اور اصلاحی خدمت کا یقین دلایا۔ چنانچہ موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے قریشی ماہرین نے مصالحت کی دو صورتیں پیش کر دیں۔ جس میں بنیادی دو باتوں کو بلا تکلف تسلیم کر لیا گیا۔

قَالَ الَّذِينَ لَا يُرْجُونَ لِقَاءَ نَائِبٍ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ..... (یونس 10/15)

یعنی یہ کہ اللہ کے فرمان پر عمل کرنا اور اللہ کی طرف سے وحی کا نزول محمدؐ پر منظور ہے۔ مگر اب تک کے تصادم اور اختلافات کو دور کر کے پوری قوم کو ایک مرکز پر لانے کے لئے یا تو جو قرآن آیا ہے اس کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس کی جگہ ایسا قرآن خدا سے مانگا جائے جو ملک کی پوری بصیرت سے ہم آہنگ ہو اور صدیوں قدیم تہذیب و تمدن پر ضرب نہ لگائے۔ اور اگر خدا کو ایسا منظور نہ ہو اور یہی نازل شدہ قرآن باقی رکھنا ضروری ہو تو اس میں عملی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اجتہادی تبدیلی کو اختیار کر لیا جائے۔ یعنی اجتہاد کی زبان میں انہوں نے یہ کہا کہ منطوق کو برقرار رکھا جائے مگر مفہم کو ضرورت وقت اور تقاضائے زمانہ اور مفاد عامہ کی روشنی میں متعین کر لیا جائے۔ خدا نے اس تجویز کا کیا جواب دیا؟ اُسے فی الحال روک کر یہ یقین فرمائیں کہ قریش کی اسی تجویز کے مطابق آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد سے آج تک عمل کیا گیا ہے۔ اور اس کی مثالیں ہماری تصنیفات میں بھری پڑی ہیں۔ اور یہاں بھی مؤلفۃ القلوب وغیرہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ شیعہ سنی دونوں کے مجتہدین میں کھل کر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہاں ہاں قرآن میں منطوق تو یہی ہے یعنی اللہ نے کہا تو یہی ہے الفاظ بھی یہی ہیں، مگر اس کا مطلب یہ نہیں بلکہ یہ لینا ہوگا۔ یعنی قریش کی تجویز کے مطابق قرآن کو اور اس کے الفاظ کو برقرار رکھ کر معنی و مفہم کو کسی مصلحت کے لئے بدل لینا جائز ہے۔ مگر اُس وقت اللہ نے اس تجویز کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا تھا کہ:-

قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَبَدِلَهُ مِنْ تِلْكَ آيَاتِي نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ (یونس 10/15-16)

ان کو بتادو کہ میرے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ میں اپنی ذاتی بصیرت اور تجربہ سے قرآن میں کوئی تبدیلی کروں۔ میں تو اپنے اوپر اتارنے والی وحی کی لفظ بلفظ اتباع کے علاوہ اور کسی تجربے یا ذاتی تحقیق کی پیروی کرتا ہی نہیں ہوں۔ اور ایسا کرنے کو اللہ کا ایسا گناہ سمجھتا ہوں جس پر مواخذہ کے روز عذاب ہوگا۔ اور اگر خدا نے یہ چاہا ہوتا کہ میں اپنی رائے، تجربہ اور تحقیق کے مطابق عمل کر لیا کروں تو میں نہ تو قرآن کو تمہارے سامنے تلاوت کرتا نہ ہی یہ درایتی جواب پیش کرتا۔ میرا اپنی بصیرت اور تجربہ نیز ذاتی رائے کی اتباع نہ کرنا اور خدا کے الہام اور

وجی پر منحصر ہنا پچاس سال سے پہلے ہی تمہارے روبرو رہتا چلا آیا ہے۔ کیا تمہارے عقلی اطمینان کے لئے یہ طویل زمانہ کافی نہیں ہے؟ یہاں یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہے کہ جس وقت ماہرین نے یہ تجویز پیش کی تو انہوں نے یہ تسلیم کیا کہ پورا قرآن رسول اللہ کے پاس موجود ہے۔ ورنہ وہ دوسرا قرآن لانے یا اس موجودہ قرآن میں تبدیلی کرتے رہنے کی بات نہ کرتے۔ بلکہ یہ کہتے کہ جو آیات نازل ہو چکی ہیں اُن کو نظر انداز کر دو اور جو آیات اب نازل ہوتی رہیں اُن میں مفاہیم کے رد و بدل کے اصول کو مان لو۔ اس کے برعکس تمام مسلمانوں کا عقیدہ یہ رہا کہ قرآن سارا ایک دم سے نہیں اتر ا تھا۔ چونکہ قریش کے اس سمجھوتے کا بنیادی مطلب صرف اس قدر ہے کہ قرآن اور رسول کو مشرک محاذ کی اجتماعی بصیرت کے ماتحت لے آیا جائے۔ تاکہ رسول اللہ قرآن کی آڑ میں من مانی نہ کر سکیں۔ اور اللہ نے قرآن میں اس سمجھوتے کی مجتہدانہ شرط کو کھلیے رد کر دیا تھا۔ اور کہہ دیا تھا کہ دانشوران قوم ہی نہیں بلکہ خود رسول اللہ کو بھی اُسی وجی کی لفظ بلفظ اتباع کرنا پڑے گی جو قرآن میں موجود ہے۔ اس جواب سے اجتہاد کی امید منقطع ہو گئی اور یہ یقین ہو گیا کہ رسول اللہ کسی طرح بھی وجی کے الفاظ میں معنوی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ اور قرآن کے منطوق یا الفاظ کے مصدری معنی پر عمل کرنا لازم سمجھیں گے۔ لہذا انہوں نے دوسری راہیں سوچنا شروع کیں۔

(20/3)۔ پورا قرآن مکمل صورت میں قوم کے حوالے کر دوتا کہ مجموعی تعلیم پر اطمینان ہو سکے

ہمارے زمانہ کے قارئین چونکہ سیاسی جوڑ توڑ اور تدریجی سودا بازی روزانہ اخباروں اور ریڈیو سے بھی سنتے رہتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ قریشی اسکیم اور مشرک دانشوروں کی پالیسی سمجھ رہے ہوں گے اور انہیں اُس تدریج پر داد دیں گے۔ اور اُن کی ہمت کی تعریف کریں گے کہ ہر طرح کے صاف اور قطعی جواب سن کر بھی مایوس نہیں ہوتے اور نئے انداز و جدید الفاظ میں اس طرح سامنے لاتے ہیں کہ اگر ادھر وجی خداوندی اور نور مصطفویٰ کی بصیرت نہ ہوتی تو اب تک مشرک یا اشتراکی بصیرت کئی دفعہ اور ہر مرتبہ پچھاڑ چکی ہوتی۔ چند روز کے بعد اب یہ مطالبہ کیا گیا کہ یہ ایک ایک دو دو آیات کی تلاوت یا نزول ہمیں یہ موقعہ نہیں دیتا کہ ہم قرآن کی مجموعی تعلیم کو یکجا دیکھ کر اُس کے انتہائی نتیجے اور پروگرام کی افادیت پر فیصلہ صادر کر سکیں۔ لہذا آپ برائے مہربانی یہ خیال فرمائیں کہ ہمارا آپ سے متفق ہو جانا یہ چاہتا ہے کہ قوم کے کسی دانشور کو کوئی اعتراض نہ رہے اور سب مل کر آپ سے تعاون کریں۔ لہذا اگر آپ مکمل قرآن قوم کے سامنے ایک دم رکھ دیں تو ہمارے بعض مفکرین کا یہ اعتراض نہ رہے اور مطالبہ رفع ہو جائے گا کہ یہ کیا بات ہے کہ محمدؐ جب چاہتے ہیں ایک دو آیات سنا کر کہہ دیتے ہیں کہ خدا نے ایسا اور ایسا فرمایا ہے۔ کیوں نہ اُس نے پورا قرآن پیش کر دیا؟ تاکہ ہم آخری نتیجے پر پہنچ جاتے؟

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نَزَّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً۔ (الفرقان - 25/32)

یہ تھا وہ معنی خیز مطالبہ جو قبل از وقت ہی اپنے متعلق ساری تفصیلات اور اسلامی منصوبہ کو سامنے رکھ کر اسکیم بنانے اور رسولؐ کی ہر گوٹ کو بروقت پیٹتے چلے جانے کی ترکیب تھی۔ لیکن اللہ نے اُسی مندرجہ بالا آیت میں یہ راز کھول دیا اور فرمایا کہ بات وہ ٹھیک کہتے ہیں۔

كَذَلِكَ لِنُبَيِّنَ لَكَ بِهٖ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيْلًا ۝ وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ ۚ اِلَّا جُنْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝

(الفرقان 25/32-33)

واقعی ہم نے سارا قرآن اُن کے سامنے پیش نہ کرنا طے کر رکھا ہے۔ اور ہماری غرض یہ ہے کہ اس ترکیب سے دوسرا مقصد حاصل کریں۔ اوّل یہ کہ آپ کی ہر بات عملی نتیجہ مرتبہ کرے تاکہ آپ کی طبیعت کو اطمینان ہوتا چلا جائے۔ اس لئے ہم نے قرآن کو سابقہ تمام انتظامات سے زیادہ منظم صورت اور نرالی ترتیب سے امت کے روبرو پیش کرنا طے کر لیا ہے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ یہ حضرات تمہارے سامنے کوئی ایسی مثالی چال پیش ہی نہ کر سکیں جس کے ہر خطرناک پہلو کی وضاحت اور تفسیر ہم نے پہلے ہی سے تمہیں نہ پہنچا رکھی ہو۔ قرآن کا یہ جواب نہ صرف اُن کی چالوں کی پیش از وقت پردہ دری کرتا تھا بلکہ سارا قرآن ایک دم حوالے کر دینے کا صاف جواب بھی تھا۔ اور ایک چیلنج بھی تھا کہ تم خوب غور و خوض اور قریشی دانشوروں کی اجتماعی بصیرت سے کوئی ایسی بات طے کرو، کوئی ایسی تہہ در تہہ چال چلو، کوئی بہت دُور رس اسکیم بنا کر لاؤ اور آزما دیکھو کہ یہاں اللہ کی طرف سے اُس کا کیسا پردہ چاک کیا جاتا ہے۔ اور کتنا سنجیدہ اور مفید جواب دیا جاتا ہے۔

(20/4)۔ دانشوران قوم معجزہ طلی کا دباؤ دے کر پورے قرآن کا نیا مطالبہ کرتے ہیں

قریش کو ایک قدیم ترکیب کرنا پڑی۔ انہوں نے کہا کہ جناب ہمارے عوام کا مطالبہ یہ ہے کہ: ہم اُس وقت ایمان لا سکتے ہیں جب کہ 1: آپ اُن کیلئے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر ادیں۔ 2: یا ایک ایسی جنت پیش کر دیں جو پھلوں سے لدی ہوئی اور نہروں سے سیراب ہو رہی ہو۔ 3: یا نبوت کے دعویٰ کے مطابق آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرے اور آسمان کھادو۔ 4: یا اللہ اور ملائکہ کو ہمارے روبرو لا کر کھڑا کر دو۔ 5: یا اپنے قیام کیلئے ایک سنہری محل تعمیر کرا کے دکھا دو۔ 6: یا ہمیں ہماری آنکھوں سے اپنا آسمان میں بلند ہوتے چلے جانا دکھا دو۔ (بنی اسرائیل 93-17/90)

اس تمام معاملہ کو ہم رفع دفع کر سکتے ہیں۔ اگر آپ صرف یہ انتظام کر دیں کہ خدا کی طرف ترقی کر جانے کا ثبوت یہ ہو کہ آپ ہم پر ایک کتاب الگ سے نازل کر ادیں تاکہ جو آیت آپ ہمیں سناتے جائیں ہم اس کتاب سے اس کی تصدیق کرتے اور آپ کا بیان اس کتاب میں پڑھتے جائیں۔ لَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيكَ حَتَّى تَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُوهُ۔ (بنی اسرائیل 93/17)

اور اگر پوری کتاب کا دینا مناسب نہیں ہے اور ہمیں اس سے لاعلم رکھنا بھی ضروری ہے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہے کہ خدا ہم سے کلام کر لے یا ہم پر بھی وہ آیت بھیج دی جائے جو آپ سنار ہے ہوں۔ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَنْزِلُ آيَةً۔ (بقرہ 2/118) تاکہ عوام شبہ ہی نہ کر سکیں کہ آپ اپنی طرف سے گھڑ کر سنار ہے ہوں گے۔ ان سوالات اور شرائط کا جواب مذکورہ بالا آیات ہی میں دے دیا گیا ہے اور بتایا گیا کہ اُن سے یہ کہہ دو کہ بھائیو میں ایک بشر ہی تو ہوں جسکی ذمہ داری یہ ہے کہ اللہ جو حکم دے اُسے واضح کر دوں۔ میں نے خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ جو چاہوں وہ کر کے دکھا دوں اور جب چاہوں دکھا دوں۔ اور یہ کہ یہ سب باتیں بڑی پرانی ہیں۔ جنکے معقول اور تاریخی جوابات ریکارڈ میں موجود ہیں۔ اب تو حسب چیلنج کوئی نئی بات کرو، نئی چال چلو جس کا جواب نہ ہو سکے۔

(20/5)۔ قرآن ابوطالبؑ یا کسی عجمی عالم کی تعلیم کا مجموعہ ہے؛ قرآن کی عنوان وار ترتیب

قریشی دانشوروں کا یہ خیال بھی تھا اور اب انہوں نے کھل کر ظاہر بھی کر دیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرآنی

اطلاعات عجمی زبان سے اخذ کی گئی ہیں۔ یعنی یا تو خود ابوطالب اُن کو تعلیم دے رہے ہیں یا کوئی اور عجمی عالم رکھا ہوا ہے جو یہ سب کچھ پڑھاتا رہتا ہے۔ کوئی ان کو بتائے کہ جس کی طرف اپنے الحاد کو منسوب کر رہے ہیں۔ اُس کی زبان تو عجمی ہے اور قرآن جس عربی میں پیش کیا جا رہا ہے وہ اپنا جواب نہیں رکھتی ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ۝ (النحل 16/103)

اور اس کی جانچ و شناخت تو نہایت آسان ہے۔ اُن میں بڑے بڑے پختہ خان فصیح و بلیغ عربی زبان کے ماہرین موجود ہیں۔ ادھر توریت و انجیل و زبور و صحیفہ لقمان وغیرہ کتابیں بھی موجود ہیں۔ لہذا انہیں چاہئے کہ وہ ایسا کریں کہ تمام عجمی تعلیمات اور علما کو ساتھ ملا لیں اور پھر اُسی قرآنی انداز میں ایسی ہی صرف دس سورتیں تیار کر لیں۔ یعنی قرآن گھڑنے کے لئے تو عربی زبان کا نمونہ بھی کوئی موجود نہیں ہے۔ مگر تمہارے سامنے قرآن بطور نمونہ موجود ہے۔ لہذا ہمت کرو اور جس جس کو چاہو تم اپنی مدد کے لئے دعوت دو دعائیں کرو۔ اور:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَعْظَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَلَا يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ (هود 11/13-14)

قرآن کی مانند صرف دس سورتیں بنا لو۔ اور اگر تم ناکام و نامراد ہو جاؤ تو پھر یہ جان اور مان لو کہ یقیناً قرآن کا نزول اللہ کے علم کی مدد سے ہوا ہے اور یہ کہ اُس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ کیا تم اس حقیقت کو دیکھ کر اسلام لانے کو تیار ہو؟ اور اُن کو یہ بھی بتادو کہ قرآن کریم صرف بے مثل و بے نظیر زبان ہی میں نہیں ہے بلکہ اس کا کمال یہ ہے کہ خدا کی طرف سے نازل ہونے کا ثبوت یہ بھی ہے کہ باوجود کوشش کے:- لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ مَا يَقُولُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولَٰئِكَ يُنَادُونَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاسْتَلَفَ فِيهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۝ (حَم السَّجْدَة 41/42-45)

اس قرآن میں نہ آگے سے باطل داخل ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے باطل کو دخل مل سکتا ہے۔ تیرے بارے میں جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں ہے یہی پہلے رسولوں کیلئے بھی کہا جا چکا ہے۔ اگر ہم نے قرآن کو حسب سابق عجمی زبان میں بھیجا ہوتا تو پھر اعتراض یہ ہوتا کہ کتاب تو عجمی زبان میں بھیج دی اور مخاطب لوگوں کی زبان عربی تھی۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ اللہ کی آیات کو عربی تفصیل کے ساتھ بھیجا جاتا۔ تم ان سے کہو کہ یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت بھی ہے اور شفا بھی ہے۔ مگر جو لوگ ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں کے لئے یہ ایک ڈاٹ ہے اور آنکھوں کے لئے اندھا کرنے والی پٹی ہے۔ اُن کا حال تو ویسا ہی ہے جیسے کسی کو بہت دور سے پکارا جا رہا ہو اور آواز کانوں تک نہ پہنچ رہی ہو۔ یقیناً اس سے پہلے عجمی زبان میں موسیٰ کو کتاب دی گئی تھی۔ اس پر بھی اختلاف کا شور مچا تھا۔ بات یہ ہے کہ اگر تیرے پروردگار نے پہلے ہی سے ایک بات طے نہ کر رکھی ہوتی تو اختلاف کرنے والوں کا جھگڑا ہی ختم کر دیا جاتا۔ یہ لوگ دراصل شک اور

شش و پنج میں الجھے ہوئے ہیں۔ ہیرا پھیری ختم کر لینے دو۔

(ii)۔ قرآن اُن کو پورا کا پورا دینے کا انتظام بھی جاری ہے، مگر ایمان شرط ہے

قارئین کرام سنیں اور یاد رکھیں کہ خانوادہ نبوت میں وہ تمام الہامی ذخیرہ موجود اور نقل در نقل ہوتا چلا آ رہا تھا جو انبیائے ماسبق کو عطا ہوتا رہا تھا۔ یہ ذکر شجرہ کے بیان میں ہو چکا ہے اور ہم جگہ جگہ یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ خاندان رسولؐ کے مخصوص حضرات تمام کتبہائے خداوندی کی تلاوت کرنے میں ماہر و عالم تھے۔ اور یہ کہ رسول اللہ اعلان نبوت سے ہی نہیں بلکہ روز ازل سے قرآن ناطق تھے۔ اور اس گھر میں علیؑ و فاطمہؑ بھی مجسمہ قرآن تھے۔ اور اُن دونوں کے لئے رسول اللہ قرآن کریم کو مختلف عنوانات کے ساتھ جمع کر رہے تھے۔ یعنی اس گھر میں قرآن اپنی مختلف عملی صورتوں میں مرتب کیا جا رہا تھا۔ مثلاً صورت تنزیلی الگ، لوح محفوظ والی شکل میں الگ، پھر احکام القرآن الگ، علوم کائنات الگ وغیرہ وغیرہ۔ یہ جو قرآن کریم پر برابر تحقیق (Research) ہوتی چلی آئی ہے۔ یہ اُسی بیت النبوة سے لوگوں کو ملی ہے جو حضرات یہ کام کرتے تھے وہ خود قرآن ناطق تھے اُن کو ہی اہل بیتؑ فرمایا گیا ہے۔ یہاں قریش کے معترضین سے ایک عنوان کی بات کہی جا رہی ہے وہ پڑھیں اور دیکھیں کہ اُن کو ایسی بات کہی گئی کہ وہ پھر کبھی سارا قرآن نہ مانگیں اور یہ حربہ ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سو جائے، فرمایا گیا کہ:-

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ اِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَاِذَا كَالُوهُمْ اَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْنَ ۝ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ كَلَّا اِنَّ كِتٰبَ الْفَجَّارِ لَفِي سَجِيْنٍ ۝ وَمَا اَدْرٰكَ مَا سَجِيْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُومٌ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يَكْذِبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اٰثِمٍ ۝ اِذَا تَنٰثَرْنَا عَلَيْهِ اٰثِنًا ۝ اَسٰطِيْرُ اَلْوٰلِيْنَ ۝ (المطففين 1-13/83)

اُن لوگوں کے لئے تباہی ہے جنہوں نے پہاڑ کے درہ میں مجبور و مقید کیا تھا۔ یہ وہی لوگ تھے کہ جو دوسروں سے وصول کرتے وقت پیمائش اور وزن پورا کراتے ہیں۔ اور جب دوسروں کو دینا پڑتا ہے تو کم ناپتے ہیں اور کم وزن تولتے ہیں۔ کیا اُن لوگوں کو ابھی یہ گمان بھی نہیں ہوا کہ انہیں ایک عظیم الشان دن میں روک کر کھڑا کیا جانے والا ہے۔ جس دن تمام نوع انسان رب العالمین کے روبرو مواخذہ کے لئے کھڑی کی جائے گی۔ یقیناً انہیں ہرگز یہ یقین نہیں ہوا ہے کہ وہ تاجر لوگ جنہوں نے خانوادہ رسولؐ کو پہاڑوں کے درہ میں قید کر دیا تھا، ابھی حساب کے لئے ماخوذ ہوں گے۔ یقیناً اُن بے لگام لوگوں کے مواخذہ والی کتاب اُن کی اُسی جیل یا قید خانہ میں مرتب ہونا شروع ہو گئی تھی اور اے محمدؐ آپ سمجھے بھی کہ درایتی صورت میں وہ قید خانہ کیا ہے؟ وہ تو وہی نتیجہ ہے جو رقم شدہ کتاب کی صورت میں موجود ہے جس میں قرآن و رسولؐ کی تکذیب کرنے والوں کی تباہی کے حالات مرقوم ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ یہ وہی لوگ ہیں جو آخری فیصلے کے دن کو جھوٹا کہتے ہیں۔ اور اُس دن کو حد سے گزر جانے والوں اور بدکاروں کے علاوہ کوئی نہیں جھٹلاتا۔ اور جب ایسے شخص کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ تو وہی سطور ہیں جو پہلے لوگوں نے لکھی تھیں۔ یعنی سابقہ تعلیمات کی نقل کر کے قرآن نام رکھ دیا ہے۔

(iii)۔ قرآن کو لکھنا جرم نہیں ہے؛ عظیم الشان کام ہے

قرآن میں کئی مقامات پر اللہ نے بتایا ہے کہ مشرک محاذ قرآن کو اساطیر الاولین کہہ کر ناقابل قبول قرار دیتا رہا ہے۔ اور اُن کے قدم بقدم وہ لوگ چلے ہیں جنہوں نے سابقہ کتابوں کو لفظ منسوخ کے غلط معنی کر کے ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ نسخہ آج تک بھی اس تحریر کو کہا جاتا ہے جو ایک حکیم کسی مرض کے علاج کے لئے لکھتا ہے۔ نسخ اور منسوخ کے مصدری معنی لکھنے والا اور لکھا ہوا ہیں۔ قرآن کریم نے کہیں سابقہ کتابوں کو بے کار نہیں فرمایا بلکہ یہ کہا کہ قرآن ان تمام کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو رسول اللہ کے زمانہ میں موجود تھیں۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ... الخ (المائدة 48/5)

اس پر علامہ مودودی کا بیان سنیں: ”78۔ یہاں ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اگرچہ اس مضمون کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا تھا کہ ”پچھلی کتابوں“ میں سے جو کچھ اپنی صحیح اور اصلی صورت پر باقی ہے، قرآن اُس کی تصدیق کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ”پچھلی کتابوں“ کے بجائے ”الکتاب“ کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس سے یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ قرآن اور تمام وہ کتابیں جو مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں، سب کی سب فی الاصل ایک ہی کتاب ہیں۔ ایک ہی اُن کا مصنف ہے، ایک ہی اُن کا مدعا اور مقصد ہے، ایک ہی اُن کی تعلیم ہے، اور ایک ہی علم ہے جو اُن کے ذریعہ سے نوع انسانی کو عطا کیا گیا۔ فرق اگر ہے تو عبارات کا ہے جو ایک ہی مقصد کے لئے مختلف مخاطبوں کے لحاظ سے مختلف طریقوں سے اختیار کی گئیں۔ پس حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یہ کتابیں ایک دوسرے کی مخالف نہیں، موید ہیں، تردید کرنے والی نہیں، تصدیق کرنے والی ہیں۔ بلکہ اصل حقیقت اس سے کچھ بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی ”الکتاب“ کے مختلف ایڈیشن ہیں۔“ (تفہیم القرآن۔ جلد اول صفحہ 476-477)

قرآن نے یہ بھی فرمایا کہ محمد اللہ کی طرف سے رسول ہیں جو پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں اور اُس تلاوت میں قائم رہنے والی تمام کتابیں شامل ہیں۔ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۖ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ (بینۃ 3-98/2)

یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اساطیر الاولین اور سابقہ لوگوں کی مرتب کی ہوئی، سطروں میں لکھی ہوئی کتابیں ہرگز ناقابل قبول نہیں۔ مگر مشرکوں کی اتباع میں کھل کر توریت، زبور و انجیل اور صحف ابراہیمؑ کو ناقابل عمل اور ناقابل قبول اور کُند مقرر دیا گیا۔ اور جب عیسائیوں نے یہ اعتراض کیا کہ قرآن میں توریت وغیرہ کی تعلیم موجود ہے تو اقرار کرنے میں ہزاروں بہانے اور مناظرے کئے گئے۔ اور کوشش کی گئی کہ قرآن کو ایک بالکل جداگانہ نئی کتاب بنادین بنا کر دکھایا جائے۔ اور یہ صرف اسلئے کہ یہود و نصاریٰ دین کا ریکارڈ رکھتے تھے۔ عربوں کے تمام کچے پکے حالات اور کمزوریاں و معائب سے واقف تھے۔ اور اس لئے کہ خانوادہ نبوتؐ ہمیشہ یہود و نصاریٰ کا ہمدرد و ہی خواہ رہتا چلا آیا اور آج بھی حبش کے عیسائی بادشاہ نے رسول اللہ پر ایمان لانے والوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ اور اس لئے کہ نبی حکومتیں عیسائی و یہودی حکومتوں کی طرفدار رہی تھیں۔ اور خود سورہ روم نے نازل ہو کر عیسائیوں کے لئے پیشگوئی کی تھی۔ اور اس وقت بھی عرب لوگ رومیوں یعنی عیسائیوں کی شکست پر خوش ہوئے تھے اور رسول اللہ اور حقیقی مومنین کو رنج ہوا تھا۔ اور جب حضرت ابی طالبؓ اور

رسول اللہ کو معہ خاندان قید کر دیا تھا تب بھی قریش کو عیسائی حکومتوں کی مداخلت کا خوف تھا۔ اور اسلئے کہ رسول اللہ کی نبوت کا اعلان و تصدیق کرنے والے بھرا رہا تب وغیرہ اہل کتاب ہی تھے اور ان ہی میں اسلام تیزی اور قوت سے پھیل رہا تھا۔ اور وہ اہل کتاب ہی کی حکومتیں اور راہب اور علمائے جنہوں نے عرب کی صحیح تاریخ عرب ہی کے گرجاؤں میں بیٹھ کر مرتب کی تھی جو ہمارے سامنے ہے۔ وہ اہل کتاب ہی تھے جنکی طرف سے خاندان رسول کو ہر مشکل میں مدد دی گئی۔ وہ یہود و نصاریٰ ہی تھے جو چادرِ تطہیر کو رہن کے بہانے منگالیا کرتے تھے۔ جسے مسلمانوں کو کبھی چھونے کا موقعہ بھی نہ ملا تھا۔ وہ اہل کتاب ہی تھے جن کی وجہ سے خاندان رسول کے پاس ہمیشہ کاغذ اور نوشت و خواند کا ہر سامان پہنچتا رہا۔ اور ہر زمانہ میں مکمل ریکارڈ یہاں پر مرتب ہوتا رہا۔ سنئے اور غور کیجئے کہ اللہ کیا فرما رہا ہے۔

(iv) - خانوادہ رسول کے اہل قلم کی قسم کھائی گئی ہے؛ دن رات چلنے والے قلم

قرآن فہمی چونکہ ان لوگوں سے اختیار کی گئی ہے جو جاہل تھے۔ جنہیں خود اقبال ہے کہ مدینہ کی عورتیں زیادہ عالم ہیں۔ جنہوں نے گن کر بتایا کہ ہمیں قرآن کے فلاں فلاں الفاظ کے معنی نہیں آتے۔ جہاں علامہ مودودی جیسے لوگ قرآن کے مفسر ہوں، جو ترجمان کے بغیر عربوں کی زبان نہ سمجھتے ہوں، جنہوں نے یہ فیصلہ کیا ہو کہ رسول اللہ نے قرآن کو مرتب صورت میں چھوڑا ہی نہ تھا۔ وہ کیسے مانیں گے کہ قرآن ساتھ کے ساتھ خانوادہ رسول میں مرتب و مدون کیا جا رہا تھا۔ اور یہ تدوین برابر جاری رہی۔ مگر قرآن نے اعلان کیا کہ:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ ن وَالْقَلَمِ ۝ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝ مَا اَنْتَ بِمَعْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَآجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاَنْتَ لَعَلٰی خَلْقٍ عَظِیْمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ ۝ وَیُبْصِرُوْنَ ۝ بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهِ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝ فَلَا تَطْعِ الْمُکَدِّبِیْنَ ۝ وَذُو الْاَوْتُدِّ هُنْ فِیْذِ هُنُوْنٍ ۝ وَلَا تَطْعِ کُلَّ حَلٰفٍ مَّهِیْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَآءٍ بَنِیْمٍ ۝ مِّنَّا عِیْلٍ لِّخَیْرِ مُّعْتَدٍ اَیْمٍ ۝ عَتَلٍ بَعْدَ ذٰلِکَ زَیْمٍ ۝ اَنْ کَانَ ذَا مَالٍ وَبَیْنٍ ۝ اِذَا تَسَلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلَیْنَ ۝ سَنَسِیْمُهُ عَلٰی الْخُرُطُوْمِ ۝ (القلم 1-68)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ قسم ہے پچاس اہل قلم کی اور ان سطور کی جو وہ لکھتے رہے ہیں۔ اور یہ کہ آپ بفضل پروردگار دیوانہ نہیں ہیں اور یہ کہ تیرے اوپر تیرا اجر کبھی رکنے والا نہیں ہے۔ اور تم اخلاقِ عظیم کے انتہائی مقام پر فائز ہو۔ چنانچہ بہت جلد آپ خود دیکھ لیں گے اور ان کو بھی دیکھنا پڑے گا کہ دونوں فریق میں سے وہ شخص متعین ہو جائے جو حق میں مبتلا ہو۔ یقیناً آپ کا پروردگار اُسے بھی سب سے زیادہ جانتا ہے جو اُس کی راہ سے ہٹ گیا ہے اور اُسے بھی جو ہدایت یافتہ ہے۔ چنانچہ آپ جھٹلانے والوں کی ہمنوائی اختیار نہ کرنا۔ انہیں یہ بات بہت ہی پیاری معلوم ہوتی ہے کہ اگر تم اپنے موقف میں ڈھیلے پڑ جاؤ تو پھر وہ بھی ڈھیلے ہو جانے کا بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ لہذا اب تم ان گھٹیا قسم کے حلف اٹھانے والوں کی ہرگز اطاعت نہ کرو۔ جو دھوکہ دے کر، مسک لگا کر آگے بڑھانے والے، چغلیاں کھانے والے، غیبت کرنے والے، بھلائی کی راہیں روکنے والے، ظلم و زیادتی میں حد سے گزر جانے والے، سخت بد اعمال اور جفا پیشہ اور ان سب عیوب کے ساتھ ساتھ حرامی و حرام کاری کی بنا پر بہت سی اولاد والے اور مال دار ہیں۔ اور ہماری آیات کو سنتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو پہلے والے لوگوں کی لکھی ہوئی سطریں ہیں۔ عنقریب

ہم اُنکی اونچی اور لمبی ناکوں پر داغ لگانے والے ہیں۔ یعنی اُنکی مصنوعی عزت کو خاک میں ملانے والے ہیں۔ یہ آیات بڑی وضاحت سے بتاتی ہیں کہ بیت النبوة میں کتبہائے خداوندی اور قرآنی تفصیل سطر در سطر برابر لکھی جا رہی تھیں جنہیں اساطیر الاولین کہہ کر مشرکین قریش ماننے سے انکار اور بہانے کر رہے تھے۔ ان مندرجہ بالا آیات نے اُن کے عیوب گنوا دیئے جن کی قرآن اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ خصوصاً جنسی اشتراک اور غربا کے استحصال اور دولت و دھڑا بندی توڑنے کے لئے کہتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ بہت جلد قریش کی ناک کاٹ دی جائے گی۔

(v)۔ اہل بیت رسول برابر قرآن لکھتے اور اُس کی ترتیب و تدوین میں مصروف رہے

مشرکین خانوادہ رسولؐ کے تحریری کارناموں کو اساطیر الاولین کہتے رہے۔ مگر وہ حضرات برابر کار تحریر سے امت کے لئے قرآنی ریکارڈ مرتب فرماتے رہے۔ تاکہ جیسے ہی عملی تلاوت ممکن ہو فوراً مکمل مصدق قرآن پیش کر دیا جائے۔ قرآن نے اس حقیقت کو یوں بھی ظاہر فرمایا ہے کہ:-

تَبَرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (فرقان 25/1)

قابل صد تبریک اور مبارک ہے وہ ہستی جس نے اپنے بندہ پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ

تمام عالمین یا پوری کائنات کے لئے تنبیہ کرنے والا واقع ہو جائے۔ (فرقان 25/1)

ان شاندار الفاظ سے قرآن اور رسولؐ کا مقام بلند بیان کیا گیا۔ یہاں سوچئے کہ جو فرقان تمام عالمین کے لئے ہو اُس میں کوئی عنوان ایسا رہ سکتا ہے جو ساری کائنات پر حاوی نہ ہو؟ جیسا کہ علامہ کے بیان سے بھی معلوم ہوا کہ جو کتاب روز ازل سے دست بدست مزید و سعتوں کے ساتھ ایک نبیؐ سے دوسرے نبیؐ کو ملتی چلی آرہی تھی اسکی جمع و تدوین و تنویب و تفصیل کے لئے کس قدر مسلسل و مربوط ادارہ کی ضرورت تھی۔ خصوصاً جب کہ ابلیس کا نظام اجتہاد ہمیشہ انبیاء کے خلاف ساتھ ساتھ چلتا چلا آیا اور ہر کتاب کو تحریف و تبدیل کرتا رہا۔ چنانچہ قرآن سے پہلے کی تمام کتابوں میں خود ان امتوں کے مجتہدین نے اپنے اجتہاد کو جاری رکھنے کے لئے اضافے بھی کئے، کمی بھی کی اور رد و بدل سے بھی کام لیا۔ ایسی صورت میں اگر کسی لمحہ کے لئے بھی خدا کی صحیح تعلیم کا وجود ختم مان لیا جائے تو ابلیسی نظام کی فتح بھی ماننا ہوگی۔ چنانچہ ہر زمانہ میں کم از کم ایک ہادی بطور حجت خداوندی ماننا لازم و ثابت ہے۔ اور اُس ہادی کا اسٹاف ہی وہ ادارہ ہے جو بقائے تعلیمات خداوندی کا ضامن رہتا چلا آیا ہے۔ اُسی ادارہ کو ہم نے ذریت طاہرہ، خانوادہ نبوت و رسالت کہا ہے۔ یہ تو ہوا ہے کہ ایک نبیؐ کے بعد دوسرا نبیؐ چھ سو سال بعد آئے (عیسیٰ و محمدؐ) مگر یہ ایک لمحہ کے لئے نہیں ہوا کہ ابلیس اور اس کی تعلیم تو موجود ہو اور حجت خدا اور تعلیمات خداوندی موجود نہ رہے ہوں۔ یہی ادارہ اور اُس کا راہنما حجت خداوندی و تعلیمات خداوندی کا حامل رہا ہے۔ اسی ادارہ کی تحریروں کو اساطیر الاولین کہا جاتا رہا اور اس کے وجود سے مشرکین تک انکار نہ کر سکے۔ اسی ادارہ کے پچاس سربراہوں کی نگارشات اور قلموں کی قسم کھائی جاتی رہی۔ یہی وہ معصوم قلم اور اہل قلم ہیں جو اپنے اپنے زمانہ میں وحی خداوندی کا من و عن ریکارڈ رکھتے چلے آئے۔ اُن ہی کی دیانت و امانت سورہ فرقان میں اللہ نے یوں بیان کی کہ:

قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا إِفْكُ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءَ ظُلْمًا وَزُورًا ۝ وَقَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اٰكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (فرقان 6-25/4)۔ جن مشرکین قریش نے حقائق قرآنی کو چھپانے پر کمر باندھی ہے وہ کہتے ہیں کہ قرآن خدا کی طرف سے نہیں ہے بلکہ خدا پر اتہام اور خانہ ساز سامان ہے جس کی تیاری میں دوسری قوم مدد کر رہی ہے۔ انہوں نے خانہ ساز قرار دینے میں بڑا ظلم اور آنکھوں دیکھی حقیقت کو جھٹلانے کا کام کیا ہے۔ وہ برابر کہتے رہے ہیں کہ یہ تو وہی پہلے لوگوں کی پرانی سطریں ہیں۔ جنہیں رسولؐ (Dictation) کرتا رہتا ہے۔ اور خانوادہ رسولؐ کے اہل قلم اُن کو لکھتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ کام صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ان کو بتاؤ کہ فرقان کو اُس ہستی نے نازل کیا ہے جو تمہارے ہی نہیں بلکہ آسمانوں اور زمینوں کے ہر بھید سے اور ہر راز سے واقف ہے۔ تمہاری خیریت اسلئے ہے کہ وہ غفور و رحیم ہے۔

ان آیات میں بیت النبوةؐ کے اندر وحی خداوندی کے نئے اور پرانے ریکارڈ کا مرتب اور قلمبند ہوتے رہنا، آنحضرتؐ کا خود بھی لکھنا اور لکھوانا ثابت ہے۔ فرق یہ ہے کہ کافر لوگ اس کو خانہ ساز ریکارڈ قرار دیتے ہیں اور اسی لئے الگ سے کتاب مانگتے ہیں۔ تاکہ وہ مقابلہ کر کے تصدیق کر سکیں۔ اللہ اُن کو ہی نہیں بلکہ مومنین کو بھی حسب ضرورت قرآن کے احکام دینا چاہتا ہے۔ پوری کتاب دینا اس لئے خطرناک ہے کہ اُس میں اور مرکزی ریکارڈ میں مشرکین اختلاف پیدا کر سکتے ہیں۔ اور کہہ سکتے ہیں کہ جو ہمارے پاس ہے اُس میں یوں نہیں بلکہ یوں ہے یہ تفصیل بعد میں آنے والی ہے۔ چونکہ مسٹر پرویز اپنے مقلد علماء کی طرح قرآن کو حضرت عثمان کے زمانہ تک غیر مرتب غیر مدون نہیں سمجھتے، اس لئے انہوں نے اپنے تمام علماء کے خلاف مندرجہ بالا آیات کی جو تشریح کی ہے وہ بھی سُن لیں۔ وہ چونکہ مذہب اجتہاد سے متعلق بلکہ خود اولین صدی کے مجتہدوں کے پیرو ہیں۔ اس لئے اُن کے بیان سے وہ الفاظ منہا کر دیں جو اجتہادی ہوں۔

(vi) - خانوادہ رسولؐ میں جمع و تدوین قرآن کا ثبوت دشمن تشیع کے قلم سے

پرویز فرماتے ہیں:- ”قرآن اتنا ہی نہیں کہتا بلکہ وہ یہاں تک کہتا ہے کہ وحی نازل ہونے کے بعد اول آپ (ؐ) قلم بند فرمایا کرتے تھے۔ اور اس کے بعد دوسرے صحابہؓ کو لکھوا دیا کرتے تھے۔ اور ایسا عموماً بالاتزام ہوتا رہتا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

وَقَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اٰكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ (فرقان 25/5)

”مشرکین کہتے ہیں کہ (قرآن اس کے سوا کیا ہے کہ) پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس (محمدؐ) نے خود لکھی ہیں اور وہی اس کے سامنے صبح شام لکھوائی جاتی رہتی ہیں۔“ اکتتب کے معنی ہیں انسان خود لکھے بلکہ یہ بھی کہ کوئی دوسرا بول رہا ہو اور یہ خود لکھ رہا ہو۔ اور اکتتب الكتاب کے معنی یہ ہیں کہ اس نے کتاب کو خود لکھا۔ اور دوسرے سے املا کرانے کی خواہش کی۔ تملی کے معنی Dictate کرانے کے ہیں یعنی ایک بولتا جائے اور دوسرا لکھتا جائے۔ تملی علیہ سے پہلے اکتتب کے معنی بجز اس کے کچھ اور ہو ہی نہیں سکتے کہ پہلے آپ (ؐ) خود لکھ لیتے تھے۔“ (مقام حدیث حصہ دوم صفحہ 252-253)

پرویز نے رسولؐ اللہ کا لکھنا بھی مان لیا اور بیت النبوةؐ میں وحی خداوندی کا املا کے ساتھ مرتب ہونے کا اقرار بھی کر لیا۔ وہ محمد مصطفیٰ کو بلا

صادآپ لکھتے رہے۔ ہم نے بریکٹ میں (ؑ) بنادیا ہے۔

(vii)۔ قرآن کریم اور دوسری کتابیں کس چیز پر لکھی جاتی تھیں۔ پرویز سے سنئے

”قرآن کریم رِق منشور میں لکھا ہوا ہے۔“ ”دوسری جگہ قرآن کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ محفوظ کتاب جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ کس چیز پر لکھی ہوئی ہے؟ آیا کھجور کے پتوں پر لکھی ہوئی ہے؟ ہڈی کے ٹکڑوں پر لکھی ہوئی ہے؟ یا کسی کاغذ پر لکھی ہوئی ہے؟ آخر کس چیز پر لکھی ہوئی ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ وہ ان میں سے کسی چیز پر لکھی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ وہ رِق منشور پر لکھی ہوئی ہے۔ یعنی ہرن کی جھٹی کے بڑے بڑے کاغذوں Parchment پر لکھی ہوئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

والطور۔ و کتاب مسطور فی رِق منشور۔ والبيت المعمور والسقف المرفوع۔ والبحر المسجور۔ ان عذاب ربك لواقع۔ (طور 7-52) (پرویز صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔)

”متعین و معلوم پہاڑ (حرا) اور یہ کتاب (قرآن) جو لکھی ہوئی ہے۔ بڑے بڑے کشادہ جھٹی کے کاغذوں۔ اور بیت معمور (کعبہ) اور بلند چھت (آسمان) اور پر جوش سمندر اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے۔“ (مقام حدیث جلد 2 صفحہ 263-264)

پرویز صاحب آخر خا طی گروہ کے پیرو ہیں۔ اس لئے غار (حرا) کو پہاڑ اور وہ بھی کوہ طور بنا لیں تو قابل معافی ہیں۔ پرویز قسمیں کھانا بری بات سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہ نہ کہا کہ طور کی بزرگی یعنی مٹو کی بزرگی کی قسم اور سطروں میں لکھی ہوئی کتاب اور لکھنے والوں کی قسم اور ہمیشہ سے آباد چلے آنے والے بیت الرسالت کی قسم۔ اور نہ یہ بتایا کہ یہاں عذاب کے واقع ہونے کا کیا تگ ہے؟ یہ عذاب مشرکین قریش کے لئے ہے جو تدوین و ترتیب و تحریر و جی اور خانوادہ نبوت کی عظمت کے منکر ہیں۔ بہر حال پرویز قابل داد ہیں کہ وہ اپنے تمام بزرگوں کے خلاف ایک حقیقت کو تسلیم کرتے جا رہے ہیں۔ گوانداز صحابیوں جیسا ہے تحریر اشتراکی اور مشرکانہ ڈھنگ کی ہے۔

(viii)۔ کتبہائے خداوندی کو مرتب کرنے اور لکھنے والے افراد کی بزرگی

وہ تمام مقامات جہاں محمدؐ و آل محمدؐ کی ذاتی فضیلت قرآن نے بیان کی ہے اکثر معنوی تحریف کے شکار رہے ہیں۔ یہاں بھی ہم علامہ پرویز کو آگے بڑھاتے ہیں تاکہ آدھی بات کا مان لینا ثابت ہو جائے اور باقی آدھی بات قارئین خود طے کر سکیں۔ فرماتے ہیں کہ:-

”اب صرف ایک چیز باقی رہ گئی کہ لکھنے والے کون تھے؟ اور وہ کیسے لوگ تھے؟“ قرآن کریم کہتا ہے:-

كَلَّا اِنَّهَا تَذِكْرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ ۚ فِیْ صُحُفٍ مُّكْرَمَةٍ ۚ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۚ بِاٰیْدِیْ سَفَرَةٍ ۚ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۚ

(عس 80/11-16)

”یوں نہیں یہ تو ایک نصیحت ہے۔ پھر جو کوئی چاہے اُس کو پڑھے۔ لکھا ہوا ہے عزت کے ورقوں (صحیفوں)

میں اونچے رکھے ہوئے۔ نہایت ستھرے ہاتھوں میں لکھنے والوں کے جو بڑے درجے والے نیکوکار ہیں۔“

”یہ ترجمہ ہم نے حضرت شیخ الھند رحمۃ اللہ علیہ کا نقل کر دیا ہے۔ اگرچہ اس ترجمہ کے بعض الفاظ سے ہمیں اختلاف ہے مگر

ہمیں دکھانا یہ ہے کہ سفرۃ کے معنی لکھنے والوں کے ہیں۔ اور یہ سافِریٰ جمع ہے۔ جس کے معنی خوش نویس اور ماہر کتابت کے آتے ہیں۔ نہ کہ سفر کی جمع۔ جیسا کہ بعض دوسرے مفسرین نے امام بخاری سمیت ظاہر کیا ہے۔ اس کے حاشیہ پر مولانا بشیر احمد عثمانی رقمطراز ہیں۔ ”یعنی وہاں فرشتے لکھتے ہیں اسی کے موافق وحی اترتی ہے۔ اور یہاں بھی اوراق میں لکھنے والے اور جمع کرنے والے دنیا کے بزرگ ترین پاکباز نیکوکار اور فرشتہ خصلت بندے ہیں۔ جنہوں نے ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف و تبدیل سے اس کو پاک رکھا ہے۔“ جیسا کہ قرآنی شہادت سے ہم اس سے پہلے آپ کو بتا چکے ہیں۔ حضور اکرم صلعم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ وحی نازل ہونے کے بعد اول آپ اُسے خود قلمبند فرمالیا کرتے تھے۔ اور اس کے بعد کاتبین وحی صحابہ کو لکھوا دیا کرتے تھے۔ اور یہ سلسلہ التزاماً صبح و شام جاری رہتا تھا۔ آیت مندرجہ بالا میں قرآن کریم نے ان تمام لکھنے والوں کی پاکبازی و دیانت و بزرگی کی شہادت دی ہے۔“ (مقام حدیث جلد 2 صفحہ 264-265)

آپ نے اس بیان میں دیکھا کہ پرویز اپنے تمام مفسرین حتیٰ کہ امام بخاری کی بات بھی نہیں مانتے اور چونکہ وہ حدیث و روایات کو اُس بصیرت کے ماتحت رکھتے ہیں جو انکو حاصل ہے اسلئے قرآن قرآن پکارا کرتے ہیں۔ اُنکی آزاد خیالی ہمارے حق میں مفید ہے۔ ہر وہ عالم جو سلف صالحین کے چنگل سے نکل جائے اور ذرا آزادانہ فکر اختیار کر لے اُسے کسی نہ کسی مرحلہ پر ہمارے مذہبی عقائد اور اصول اختیار کرنا پڑتے ہیں۔ لیکن پرویز بہر حال مشرک محاذ کے پیرو ہیں۔ اسلئے وہ یہاں یہ نہیں کہتے کہ یہ تذکرہ اُن لوگوں کا ہے جو ازلی وابدی طور پر طیب و طاہر و ملائکہ کے مسجود و معصوم و علمائے کتبہائے خداوندی ہیں۔ وہ یہاں اُن لوگوں کو مراد لیتے ہیں جنکے اندر ابھی شرک کا گوشت پوست اور ہڈیاں موجود ہیں۔ جنہیں کوئی غسل، کوئی جلاب مادی و روحانی طور پر طیب و طاہر و مطہر نہیں کر سکتا۔ جنکا حال ذرا دیر بعد سامنے آنی والا ہے۔ قرآن نے اُن میں سے ہر ایک کی پوزیشن بیان کر کے خاندان رسول و آل رسول کو الگ کر دیا ہے۔ بہر حال یہ ثابت ہوا کہ بیت النبوة میں ہمیشہ کتبہائے خداوندی کی نوشت و خواند جاری رہتی تھی اور ان لوگوں میں نہ صحابہ شریک تھے نہ ازواج رسول شامل تھیں اسلئے کہ اللہ نے اگر گھر میں رہنے والی رسول کی بیبیوں کو اُس مطہر گروہ میں شمار کیا ہوتا تو یہ حکم نہ دیا جاتا (پرویز سے سنئے) کہ:-

”حضور اکرم صلعم کی ازواج مطہرات کے متعلق قرآن کریم میں یہ صریح حکم موجود ہے۔ وَادَّكُوْنَ مَا يُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ۔ (احزاب 33/34)“ ”اور اے ازواج نبی جو خدا کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی رہتی ہیں اُن کو پیش نظر رکھا کرو۔“ (مقام حدیث جلد 2 صفحہ 271)

پرویز صاحب نے شرما کر (33/32) کا آدھا ذکر غائب کر دیا جہاں اللہ نے یہ کہا تھا کہ ”اے ازواج نبی تم اپنے گھر کی چار دیواری میں رہا کرو اور گھر سے باہر زمانہ جاہلیت کی نمائش نہ کرتی پھرا کرو۔“ بہر حال یہی کافی ہے کہ اُن کے آجانے کے بعد یعنی مدینہ میں بھی خانوادہ رسول کے وہ بزرگ افراد کا تحریروں و تدوین کرتے رہتے تھے۔ اور ازواج رسول کو حکمیہ اُن کی طرف متوجہ ہونے اور اُن حضرات کا ذکر خیر کرنے کے لئے کہا گیا۔ قرآن میں یہ تصدیق کہیں نہیں کہ جو عورتیں یہاں مخاطب ہیں انہوں نے اس حکم پر عمل کیا تھا یا نہیں۔

آپ نے دیکھا کہ گو پرویز صاحب کو شیخ الہند صاحب کے ترجمے سے اختلاف ہے۔ لیکن لفظ سفرۃ کے معنی لکھنے والے ثابت کرنے کے لئے غریب کو شیخ الہند کا سہارا لینا پڑا۔ اگر انہوں نے سورۃ جمعہ کبھی پڑھی ہوتی تو شیخی سہارے کی جگہ قرآن سے معنی بیان کئے

ہوتے۔ جہاں اللہ نے بتایا ہے کہ:-

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا... الخ (جمعہ 62/5)

جن لوگوں کو توریت کا حامل کہا جاتا ہے۔ حالانکہ انہوں نے توریت کا بار اٹھایا ہی نہیں ہے۔ سوائے اس طرح کے

جس طرح گدھے پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔“

یعنی یہ مولانا حضرات کی طرح کے لوگ تھے۔ یہاں اسفار کتابیں اور وہاں سفرہ کتابیں لکھنے اور تیار کرنے والے ثابت ہیں۔ قرآن کی موجودگی میں لغات جاز کے حافظ کی احتیاج نہیں رہتی۔ بشرطیکہ قرآن سے سابقہ رہتا ہو۔

(ix)۔ جس کتاب کا تذکرہ ہے، وہ قرآن صامت نہیں قرآن ناطق ہے

تمام قارئین کی اطلاع کیلئے یہ عرض کرنا ہے کہ قرآن کریم کومس کرنے یعنی چھونے کے لئے جسم کا بظاہر پاک ہونا کافی ہے۔ یعنی وہ شخص جو غسل کے واجب ہونے کی حالت میں ہے یا ماہواری کے دوران خواتین ہوں وہ قرآن کو چھو بھی سکتے ہیں اور آہستہ آواز سے پڑھ بھی سکتے ہیں۔ مثلاً جن ہاتھوں سے وہ کھانا کھاتے ہیں یا روٹی پکاتے ہیں اور آٹا گوندھتے ہیں وہ پاک ہیں اور قرآن اٹھانا جائز ہے۔ مگر جس قرآن کا اب ذکر آ رہا ہے اُسے صرف وہی لوگ چھو سکتے ہیں جو قرآن ہی کی سند سے آیت تطہیر کی سند سے مطہر ہوں۔ یعنی خود مطلقاً پاک ہوں اور جس کو چاہیں ظاہراً و باطناً پاک کر سکتے ہوں۔ یہاں بھی ہم مصلحتاً علامہ پرویز کو آگے بڑھاتے ہیں۔ غور سے سنئے اور اُن کے تصورات و جذبات دیکھتے چلئے۔

”قرآن کریم ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا موجود تھا۔“ اس کے بعد قرآن کریم ہمیں نہایت زوردار الفاظ میں بتاتا ہے کہ وہ

ایک بہت ہی محفوظ کتاب میں لکھا جا رہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فَلَا أُفْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ۔ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّو تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ۔ إِنَّهُ

لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ۔ فِی كِتَابٍ مَّكْنُونٍ۔ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ۔ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ۔ (واقعہ 80-75/56)

ستاروں کے مواقع اس حقیقت پر شاہد ہیں اور اگر تم سمجھو تو یہ شہادت ایک بہت بڑی شہادت ہے کہ یقیناً یہ قرآن بڑی تعظیم و تکریم کا مستحق ہے۔ جو ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ جسے ان لوگوں کے سوا جو پاک و صاف ہوں۔ کوئی نہیں چھوتا۔ یہ کتاب تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ ”ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر تاکید اور شہادتوں کے ساتھ قرآن کریم اپنے متعلق یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ جسے وہی لوگ ہاتھ لگاتے ہیں جو ہر طرح پاک و صاف ہوتے ہیں۔ اس کتاب کے محفوظ ہونے کی سب سے بڑی ضمانت یہ ہے کہ خود رسول صلعم کی حفاظت میں رہتی ہے۔ جس پر خدا، اُس

کے فرشتوں اور اُس کے بندوں تک کو پورا پورا اعتماد ہے۔“ (مقام حدیث جلد 2 صفحہ 261-260)

پرویز صاحب کی صحیح پوزیشن اور اُن کی قرآن فہمی ہم نے اپنی کتاب مواخذہ میں تفصیل سے پیش کی ہے۔ اُن کے خیال میں اللہ کے بندے رسول اللہ پر پورا پورا اعتماد رکھتے تھے۔ حالانکہ مندرجہ بالا تمام آیات بندوں کی بد اعتمادی کو واضح کرنے کیلئے آئی ہیں۔ اور یہ کہ کوئی اور اعتماد کرتا ہو یا نہ کرتا ہو مگر پرویز صاحب کو رسول اللہ کی ذات پر کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی اعتماد نہیں ہوا۔ حد یہ ہے کہ وہ رسول اللہ کی ذاتی

اطاعت کرنا بھی گمراہی سمجھتے ہیں۔ اور یہی عقیدہ اولین مشرک راہنماؤں کا تھا۔ پرویزی جدوجہد صرف اسلئے تھی کہ مسلمانوں میں ایک بار پھر پہلی صدی ہجری کے عقائد کو اسی مشرکانہ انداز میں پھیلادیں۔ مگر ہماری کتاب ”مواخذہ“ کے سامنے اُن کا سارا زور ٹوٹ کر رہ گیا۔

مندرجہ بالا آیات میں یہ واضح ہو گیا کہ قرآن کریم جس کتاب مکنون (لوح محفوظ) میں ہے۔ اُس کو چھونا صرف مطہر گروہ کا حق ہے۔ بتائیے اُمت میں کون صحابی یہ دعویٰ کر سکے گا کہ وہ لوح محفوظ تک رسائی اور اس کا علم رکھتا ہے۔ یہ ہے قرآن میں رسولؐ اور خانوادہ رسولؐ کا مقام اور یہ ہیں وہ لوگ جن کو قرآن کا علم اُس وقت سے حاصل ہے جب سے لوح محفوظ کا وجود مانا جائے، جو نہ نزول کے محتاج رکھے گئے نہ تلاوت و ولادت کی شرط کے۔ ہر لمحہ ہر آن عالمانِ قرآن بلکہ قرآن ناطق علیہم السلام۔ (العنکبوت 29/49)

یہ تھے وہ حضرات جنہوں نے دنیا کو ایک قادر مطلق، حکیم و علیم اللہ کے وجود کا عینی ثبوت دیا۔ جنہوں نے اُس کی یگانگت اور تنہائی پر اس قدر بھروسہ کر دکھایا کہ جتنا یہاں کے تمام وسائل پر قدرت ہونے کے باوجود کوئی شخص نہیں دکھا سکتا۔ موت کے آثار دیکھ کر، شکست اور ناکامی کا امکان سامنے آتے ہی بڑے بڑے شجاع اور فرعون صفت انسانوں کی ہمتیں ٹوٹ جانا ثابت ہے۔ اور تاریخ نے اُن بے پناہ لوگوں کا ریکارڈ رکھا ہے جو موت کو سامنے دیکھ کر ہر ناگوار و ناپسند شرائط کے سامنے جھکنے کو تیار ہو جاتے رہے۔ لیکن ساری دنیا کی قدیم اقوام میں خانوادہ نبوت و رسالت ہی ایک ایسا مشہور و معروف خاندان تھا جس کا اعتماد کبھی متزلزل ہوتے یا ڈگمگاتے نہیں دیکھا گیا۔ ابھی کل ہی کی تو بات ہے، وہ رسول اللہ ہی کا دادا اُتو تھا جو ابرہہ کی ساٹھ ہزار ہاتھی گھوڑوں اور پیادوں کی قہار فوج میں تنہا چلا گیا۔ جسے دیکھ کر ابرہہ ایسا بادشاہ تخت سے اتر کر قدموں میں آ بیٹھنے پر مجبور ہوا تھا۔ جس نے اللہ کی قدرت کو کھل کر دیکھنے کا غیر مشروط اور بے لاگ موقع دیا تھا۔ اور ایک اشارہ پر ساٹھ ہزار فوج کا بھوسہ بنا دیا تھا۔ بتائیے قریش کے پاس کیا ہے۔ یہ تو پھٹپھٹ لوگ ہیں جنکی غیرت اور حمیت کو جنسی اشتراک نے چاٹ لیا ہے، جن کی بہادری و شجاعت شراب کی بدمست نالیوں میں بہہ چکی ہے، جن کی دولت و سرمایہ جوئے کی بھٹی میں جل چکا ہے۔ سوچئے کہ ایسی مکار و دغا باز و کمینہ خصلت قوم سے آنحضرتؐ اور اُن کا خاندان کیسے خوفزدہ ہو سکتے تھے۔ یہ لوگ تو اس قابل بھی نہ تھے کہ انہیں اُس زمانہ کے مہذب بادشاہ اپنے مشیروں کے خادموں میں رکھ لیں۔ ہاں بزدلی اور کمینگی نے انہیں رو باہ صفت بنا دیا تھا۔ دھوکہ دینے اور فریب و مکر کرنے میں انہیں کمال حاصل ہو چکا تھا۔ انہیں اُن کے علم نے بزدل اور مکار بنا دیا تھا۔ وہ رسول اللہ کی خاندانی شرافت، کریمانہ عادات اور انتہائی رحمہلی سے واقف تھے۔ بس اُن کے رحم و کرم اور شرافت کے یقین پر اُن کے ساتھ ہر ظلم کر گزرنے کی عادت تھی۔ خطرہ دیکھا معافی مانگ لی، بھائی بن گئے، دوستی کا اعلان کر دیا۔ ورنہ ہمیشہ دشمنی، مخالفت، مکر و فریب، دغا بازی، دشنام طرازی، روایت سازی جاری رکھتے تھے۔ ابلیس نے انہیں بتا رکھا تھا کہ یہ گھرانہ ہر ظلم اور جبر و تعدی کو بھلا تا رہے گا۔ خطرناک سے خطرناک جرائم کے باوجود نوع انسان کی مغفرت اور فلاح کی امید رکھے گا۔ اور اُس کیلئے اللہ سے دعا کرتا رہے گا۔ سجدہ میں سرکٹ رہا ہوگا دعائے مغفرت ہو رہی ہوگی۔ اس یقین پر یہ خبیث لوگ اپنے محسنوں سے احسان کشی کرتے چلے آئے تھے۔ ورنہ اُنکی مالی و مادی قوت کی قرآن کریم نے طرح طرح پُل کھولی ہے۔ اُن کو بتایا ہے کہ تم سابقہ سرکش اقوام کے مقابلہ میں کچھ بھی تو نہیں ہو۔

(20/6)۔ قریش اینڈ کمپنی کو بتدریج اپنی اور ان کی پوزیشن بتا کر چیلنج کر دیا گیا

قریش کی تمام کوششوں کا مقصد صرف اس قدر تھا کہ تعلیماتِ خداوندی کو تعلیماتِ خانوادہ رسولؐ ثابت کر دیا جائے اور اس طرح پبلک کو وہی پُرانا ہوا دکھایا جائے کہ بنی ہاشم اقتدار کا ڈھونگ رچا رہے ہیں۔ اور رسول اللہؐ پہلے اپنی اور اپنے بعد علیؑ کی شخصی آمریت عربوں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا اُٹھو اور محمدؐ کو ہموار کرو، نہ مانے تو اُس کی راہیں روک دو۔ کچھ ماہرین اُس کے مشن میں اُس کے ہمنوا بن جائیں جو قریشی اقتدار و مقاصد کی داخلی حفاظت کریں۔ کچھ برابر برسرِ پیکار ہیں تاکہ داخلی محاذ مسلمانوں میں اپنا اعتماد اور کام کا معیار قائم کر سکے۔ لیکن اُن کی ہر پالیسی کو جی پہلے ہی بتاتی رہی۔ عقلی اور انسانی معیار پر اُن کی ہر چال کا توڑ ہوتا رہا، انہیں مایوسی پر مایوسی ہوتی رہی، حق واضح ہوتا رہا، اُن کے عذرات کی بے مائیگی عوام کے سامنے آتی رہی۔ وہ ہر دفعہ ذرا سی شدت کا اضافہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے جوابات میں بھی نرمی و رعایت کم ہوتی گئیں۔ رسول اللہؐ نے اپنی نرم روی کا امکان بھر ثبوت دیا۔ اُن سے یہ بھی کہہ دیا کہ:-

(i)۔ تم یہی سمجھ لو کہ ہم نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے، اپنا پروگرام آگے بڑھا کر دیکھو

قارئین قرآن کی زبان میں سنیں۔ اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ اِنْ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيْ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (ہود 11/35)

اللہ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ یہی کہتے ہیں کہ قرآن کو تم نے گھڑ لیا ہے تو اُن کو بتادو کہ اگر قرآن کو میں نے خود ہی تصنیف کر لیا ہے تو تمہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ میں نے ایک جرم کیا ہے اور اُس کی ذمہ داری بھی مجھ ہی پر عائد ہوتی ہے اور جو جرم تم کرتے چلے آ رہے ہو میں بہر حال اُن سے بری الذمہ ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ تم اپنی فکر کرو۔ اور چیلنج کے مطابق نہ بنا سکنے کا کوئی معقول بہانہ اپنی قوم کیلئے سوچو اور اپنی جان چھڑانے کی فکر کرو۔

وَ اِذَا تَنَالَى عَلَيْهِمْ اٰیٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَ هُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ قُلْ اِنْ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنْ اِلٰهٍ شَيْئًا هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ كَفٰى بِهٖ شَهِيدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ قُلْ مَا كُنْتُ بِدَعَاٍ مِنَ الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِى مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعَ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدْتُمْ شَٰهَدًا مِّنْ بَنِيْ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ فَاَمَنْ وَاسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (الاحقاف 46/7-10)

مگر یہ تو پبلک کے سامنے ثابت ہو چکا ہے کہ خدا کی جو آیات تمہیں سنائی جا چکی ہیں۔ اُن میں جن حقائق کو تمہارے سامنے رکھا گیا ہے۔ اُن کا تم سے انکار نہ ہو سکا۔ کسی چیز کو سر پر چڑھ کر بولنے والا جادو کہہ دینا تو دراصل اپنی قدرت اور بصیرت کا انکار ہے۔ اور اپنی عاجزی کا اقرار ہوتا ہے۔ اگر وہی رٹ لگاؤ کہ قرآن تم نے خود گھڑ لیا ہے تو اس پر اللہ کہتا ہے کہ اگر میں نے تصنیف کر لیا ہے تو تم مجھے اللہ کی گرفت سے بچانے کے لئے نہ آنا۔ تمہارے ان آنوں بہانوں کو خدا خوب جانتا ہے۔ اور سنو! تم نے کبھی یہ بھی خیال کیا ہے کہ اگر یہ ہمارا خانہ ساز قصہ ہے تب تو تمہیں کوئی خطرہ ہے ہی نہیں۔ لیکن اگر صورت حال الٹ گئی اور ثابت یہ ہوا کہ: قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدْتُمْ شَٰهَدًا مِّنْ بَنِيْ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ فَاَمَنْ وَاسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (46/10)

قرآن اور میرے تمام احکامات خدا کی جانب سے تھے۔ اور اُن کے من جانب خدا ہونے پر بنی اسرائیل کی شہادت بھی ہو چکی ہے۔ پھر بتاؤ کہ تمہارا تکبر کرنا اور اُس شہادت کی بھی پرواہ نہ کرنا اور ایمان نہ لانا تمہارے لئے کتنی بڑی خرابیوں کا باعث ہو سکتا ہے؟ بات صحیح یہی ہے کہ قریش ایسی ظالم قوم کو اللہ ہرگز ہدایت نہیں دیا کرتا۔

(ii)۔ قوت و کثرت ساتھ ہے تو کھل کر اپنی اسکیم کا اعلان کرو

قارئین! رسول اللہ اور خانوادہ ابوطالب کا انتظام اور اتمامِ حجت اُس مقام پر جا پہنچا ہے کہ قرآن و انشوران قریش کو اُس لب و لہجہ میں مخاطب کرتا ہے جو جھوٹوں اور جرائم پیشہ لوگوں کیلئے مخصوص ہے۔ رسول کو بتاتا ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے یہ ثابت ہو چکا ہے

فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ۝ أَمْ يَقُولُونَ
شَاعِرٌ تَتَّبِعُ بِهِ رَيْبَ الْمُنُونِ ۝ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ
الْمُتَرَبِّصِينَ ۝ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَخْلَا مُهُمْ بِهِذًا أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۝ أَمْ
يَقُولُونَ تَقْوَلُهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا
صَادِقِينَ ۝ (طور 52/29-34)

گئے ہو؟ اس لئے جانوروں کی طرح خود اپنی عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہو؟ اور اگر یہ بدبُضمی ہوئی ہے کہ قرآن وغیرہ ساری باتیں تم نے خود ہی کہہ ڈالی ہیں اور اس لئے وہ اُن باتوں پر ایمان لانا غلط سمجھتے ہیں۔ اور دل کی گہرائی سے یہ بات طے کر لی ہے تو ان سے کہو کہ ارے عقلمند تم بھی ایسی چند باتیں کہہ کر پبلک کو مطمئن کر دو۔“

ذرا یہ تو بتاؤ کہ کیا ہم تم سے کوئی مزدوری مانگ رہے ہیں کہ جس سے بچنے کے لئے قدم چلنے سے جواب دے رہے ہیں؟ اور یہ تو بتاؤ کہ جو بکواس تم کئے چلے جارہے ہو اُس کا ماخذ کیا ہے؟ کیا تمہارے اوپر علم غیب کے دروازے کھل جانا مانا جاسکتا ہے۔ جہاں سے تم یہ باتیں لکھ لیتے ہو؟ کیا وہ پبلک ان باتوں کو مان لے گی جس کو تم قرآن ایسی مستحکم چیز کے ماننے سے روکنا چاہتے ہو؟ کیا وہ اس قدر بے وقوف پبلک ہے کہ تمہاری مکاری اور فریب کی یہ چالیں وہ نہ سمجھیں گے۔ سنو تمہاری ہر چال پلٹ کر تمہاری جڑیں نکال دے گی۔ کیا انہیں بچانے کے لئے اللہ کے علاوہ کوئی اور اللہ بھی ہے؟ یہ تو اس قدر دھاندلی پر اتر آئے ہیں کہ اگر اُن پر آسمان کے ٹکڑے برسے لگیں تو کوشش کریں گے کہ انہیں بادل کے ٹکڑے کہہ کر لوگوں کو فریب دیں۔ اے محمد اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ اُن پر ذوالفقار کی بجلیاں برسے گا دن آجائے۔ اُس دن نہ تو اُن کا کوئی حیلہ کام دے گا نہ کوئی جان بچانے والا ہوگا۔ (طور 52/40-45)

(iii)۔ غپ شب بند کر دو ہمارے فیصلوں کو سنجیدگی سے سنو اور تیار ہو جاؤ

اُن کو خبردار کر دو کہ تمہاری تمام چالیں اور گٹھ جوڑ واضح کر دیئے گئے ہیں اور اب ہم نے بھی تمہارے ساتھ نہایت سنجیدہ چالیں چلنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اُن کو بتا دو کہ ہمارا یہ فیصلہ تمہاری طرح کی بکواس نہیں

إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝ إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝
وَأَكِيدُ كَيْدًا ۝ فَمَهْلُ الْكَافِرِينَ أَمَهُلُهُمْ رُؤْدًا ۝
(طارق 86/13-17)

ہے بلکہ ایک آخری اور انتہائی بات ہے۔ چنانچہ اے رسولؐ ان کافروں کو مہلت دید و اتنی مہلت کہ یہ لوگ ذرا سمجھ کر تیاری کا موقعہ پالیں۔

(iv)۔ آپؐ کسی طرح کی تشویش نہ کریں ہم سارا انتظام کر دیں گے

اے رسولؐ مستقبل میں ان لوگوں کے کرو دغا کے لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ
بدلے میں جو کچھ ہم اُن کے ساتھ کرنے والے اتَّقُوا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ۝ (النحل 16/127-128)

ہیں اُس سے ان خبیثوں کے لئے رنجیدہ نہ رہو۔ اور نہ ہی اپنے دل میں ازراہ ہمدردی کوئی تنگی محسوس کر۔ سنو اللہ کے لئے لازم ہے کہ وہ صاحبانِ تقویٰ اور احسان پیشہ لوگوں کے ساتھ برابر تعاون کرتا رہے۔

(v)۔ قریش دل میں خوفزدہ ہیں آپؐ اُن پر ترس نہ کھائیں

آپؐ اُن لوگوں کو قابلِ رحم سمجھ کر ان پر غمگین نہ ہوں نہ اپنا دل
بھاری کریں۔ یہ تو اوپرے دل سے یہ کہتے ہیں کہ وہ وعدہ کب
آنے والا ہے۔ ذرا اُسے سچا کر کے تو دکھاؤ۔ اللہ خوب جانتا ہے
جو وہ ہشت اُنکے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے اور جو کچھ وہ دل سنبھال کر
اعلان کرتے ہیں۔ اُنکو بتا دو کہ جس وعدے کی تم مصنوعی جلدی کر
رہے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہو۔ قرآن

میں ہر اس چیز کا حال موجود ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہو یا غائب ہو یا اُنکے دلوں میں مکر و فریب کی صورت میں پوشیدہ ہو۔

(vi)۔ قرآن کی تاثیر سے خوفزدہ ہو کر شور مچانے والی پارٹی تعینات کر دی

قریش اب یہ چاہتے تھے کہ جس طرح ہو سکے قرآنی تعلیمات کو عوام کے دلوں تک نہ پہنچنے دیا جائے۔ لہذا اعلان کر دیا گیا کہ کوئی

شخص اُس قرآن کو نہ سنے اور جب قرآن پڑھا جائے تو فوراً وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ
شور و غوغا مچا دیا جائے تاکہ کوئی دوسرا بھی نہ سن سکے۔ اور اگر
تھوڑا بہت قرآن سُن لیا جائے تو اُس کو مذاق بنا کر بے اثر کر
وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا۔ (جاثیہ 45/9)

دیا جاتا رہے۔ مگر یہ انتظام صرف ایک قاری کو بے اثر کر سکتا تھا اور وہ بھی جب کفار کو پروگرام کا علم ہو جائے۔ مکہ میں تو ابتدا ہی سے اندرون خانہ تبلیغ کی جارہی تھی۔ اور لوگوں کو ایمان لا کر خاموش رہنے کی تاکید کر دی جاتی تھی۔ اور ہجرت یا وقت آنے پر اعمال کو منحصر کر دیا جاتا تھا۔ لہذا قریش کو یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ اُن کے پاس بیٹھا ہوا آدمی مسلمان ہے یا کافر ہے۔ جس طرح قریش اپنا داخلی نظام منافقوں کے ذریعہ سے چلا رہے تھے اسی طرح اسلام تقویٰ اور تقیہ کے اسلحہ سے مسلح تھا۔ آخر وہ وقت قریب آگیا جب قریش کی طرف سے مزید امید نہ رہی اور اللہ نے تمام صورت حال اپنے ذمہ لے لی۔

(20/7)۔ تمام ذمہ داری اللہ نے سنبھال لی، مومنین کا انتظام کرو، قریش کو ہمارے حوالے کر دو

رسول اللہ کو بتایا گیا کہ اب جو لوگ مکہ میں باقی ہیں ان کو تبلیغ اور نصیحت کرنا بے کار ہے وہ ایمان لانے والے لوگ نہیں ہیں۔

اُن کو تنذیر کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔ تم تو اُسی کو تنبیہ کر سکتے ہو جو نصیحت کو اختیار کرنے اور بلا دیکھے رحمن کی خلاف ورزی سے ڈرنے پر آمادہ ہو۔ چنانچہ آپ ایسے لوگوں کو مغفرت اور منافع بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ (یس 36/10-11)

بخش اجر کی بشارت دیتے رہو۔ اور قریش اینڈ کمپنی کو ہمارے حوالے کر دو۔ میں اُن کے جھٹلاتے رہنے سے نمٹ لوں گا۔ اس قرآنی

حدیث کو غلط قرار دینے پر ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف بڑھائیں گے۔ ہماری چال بڑی ہی سنجیدہ اور خفیہ ہوگی۔ کیا تم نے اُن سے کوئی مالی معاوضہ طلب کر لیا جو اُن کے سر پر بھاری وزن بن کر چلنا مشکل ہو گیا ہے؟ یا ان کے اوپر غیب

کے دروازے کھلے ہوئے ہیں جسے دیکھ کر یہ لوگ تمہارے خلاف فیصلہ لکھ لیتے ہیں؟ اُن کی حالت یہ ہے کہ:

اگر تم اُن سے دریافت کرو کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے تو پکا جواب دیتے ہیں کہ ہمیں اللہ نے پیدا کیا ہے۔ خالق کو ماننے کے بعد بھی یہ لوگ اتہامات میں کس قدر بڑھتے جا رہے ہیں۔

اور جیسا کہ نبی کا قول ہے کہ اے میرے پروردگار یقیناً یہ قوم ایمان لانے والی نہیں ہے۔ اچھا آپ اُن سے سلام رخصت کہہ کر الگ ہو جائیں۔ اس کا خمیازہ بہت جلد اُن کے علم میں آجائے گا۔

رسول اللہ یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ اے میرے پالنے والے یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ کر اپنے لئے ایک اور ہی ٹھکانہ بنا لیا ہے۔

اللہ نے فرمایا کہ واقعی آپ کی قوم نے آپ کی اور قرآن کی کھل کر تکذیب کر دی ہے۔ آپ اُن سے کہہ دو کہ میں تم پر وکیل نہیں ہوں۔ البتہ ہر اطلاع کے لئے ٹھکانہ مقرر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم پر آفات سماوی یا ارضی کی سزا نازل ہو یا تمہیں تحریک تشیع کے حوالے کر دیا جائے کہ آپس کی سختیاں جھیلو۔ اس میں شبہ نہ کرو کہ تکذیب حق کی سزا تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گی۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يَرْبِ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (الفرقان 25/30)

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِيعًا وَيُذِيقَ بَعْضُكُم مِّنْ بَأْسِ بَعْضٍ أَنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ

وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ (لِكُلِّ نَبِيٍّ مُّسْتَقَرٌّ وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ (الانعام 6/65-67)

وہ دن آرہا ہے جب اُن کی تمام چالیں پٹ جائیں گی اور کوئی ایک مکر اُن کے کام نہ آئے گا۔ اور کوئی مددگار بھی نہ ملے گا۔ یقیناً ظلم کرنے والوں کے لئے اس کے علاوہ بھی عذاب ہے۔ لیکن اکثریت جانتی نہیں ہے۔ اپنے پروردگار کے فیصلے پر صبر سے رہو۔ ہم تمہاری حفاظت اور کامیابی پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ تم تو بے فکری

یَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ۝

(الطور 49-52)

سے اپنے رب کی حمد و ثنا کرتے رہو۔ جب بھی اٹھو اور جب رات ہو جائے اور جب ستارے پلٹنے لگیں تم حمد و ثنا میں مصروف رہتے چلے جاؤ۔ اور سنو کہ اگر یہ گروہ باز نہ آیا تو ہم اُن کے سر کے بال پکڑ کر انہیں گھسیٹیں گے۔ اس پیشانی کے بال جس میں جھوٹ اور غلط کاریاں بھری ہوئی ہیں۔ اُس وقت اگر ان کے

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝ كَلَّا لَا تَطَّعُهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝

(العلق 19-96)

طرفداروں کو بلایا گیا تو ہم بھی سزا دینے والوں کو بلا لیں گے۔ ہرگز اُن کی بات نہ مان۔ سجدہ کرتا رہو اور قربت حاصل کرو۔

یقیناً یہ بات ہمارے رسولوں کے لئے پہلے سے طے شدہ ہے کہ فتح اُن ہی کی ہوگی۔ اور بے شک ہماری افواج ہی غلبہ پایا کرتی ہیں۔ چنانچہ آپ اُن کی مرضی کے خلاف ولایت قائم کرو اور ذرا دیر انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ اور نتیجہ پر تم بھی نظر رکھو اور وہ بھی جلد دیکھ لیں گے۔ یہ لوگ ہماری سزا جلدی سے نافذ کرانا چاہتے ہیں؟ جب ہمارا عذاب اُن کے گھر میں آکر اترے گا تو وہ صبح اُن لوگوں کے لئے بڑی تباہ کن ہوگی جن کو ہم نے تمہارے ذریعہ سے بار بار تنبیہ

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ وَأَبْصَرَهُمْ فَسَوْفَ يُبْصَرُونَ ۝ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۝ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْدَرِينَ ۝ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ وَأَبْصَرَهُمْ فَسَوْفَ يُبْصَرُونَ ۝ سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

(الصّٰفّٰت 182-171/37)

کرادی ہے۔ پھر سنو کہ تم اُن کے خلاف ولایت قائم کرنے میں لگ جاؤ اور ذرا سی دیر نتیجے کو آتے دیکھو تاکہ وہ بھی دیکھیں۔ اللہ ان کے تصورات سے بہت بلند اور پاک ہے۔ ہمارے رسولوں پر ہمارا سلام کہو۔ اور بتا دو کہ اللہ ہی عزت کا رب ہے۔ الغرض تمام ستائش تمام عالمین کے پروردگار کے لئے ہے۔

21- قیام ولایت اور نبطی قبیلوں کی طرف ہجرت کی تیاریاں

اعلان نبوت کے بعد مکہ میں تیرہواں سال شروع ہو چکا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کا تریپن واں سال جارہا ہے۔ اگر اس طویل زمانے کا حساب مولویانہ طریقہ پر لگایا جائے تو نتیجہ بڑا ہی مایوس کن ہے۔ یعنی اگر ان لوگوں کو اس تبلیغ کا نتیجہ سمجھ لیا جائے جو مکہ کے قیام میں مسلمان ہوئے تو یہ تعداد کسی طرح بھی ایک سو سے اوپر نہیں جاتی۔ اور اس تعداد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کبھی

کافر تھے ہی نہیں۔ وہ حضرات بھی شامل ہیں جو مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے یا جہاں جگہ ملی پناہ لے لی۔ اس تعداد میں وہ نام بھی شامل ہیں جن کو عرف عام میں منافق کہا جاتا ہے اور جن کو ہم نظام اجتہاد کے ماہرین کہتے ہیں۔ لیکن ہم چونکہ نبوت کو روز اول سے نافذ سمجھتے ہیں۔ یعنی ظاہری نبوت روز پیدائش سے عملاً شروع ہو گئی تھی۔ لہذا حضرت ابوطالب علیہ السلام کا وہ زمانہ جو پیدائش رسالتاً سے لے کر اعلان نبوت تک گزرا ہے وہ دور نبوت محمدی ہی ہے۔ چنانچہ حضور کی پرورش اور تربیت تعلیمات محمدیہ ہی کے مطابق کی گئی اور اس تربیت میں نہ صرف الہام خداوندی مدد و معاون رہے بلکہ ملائکہ والروح و جبرائیل و میکائیل و اسرافیل علیہم السلام بھی دوش بدوش شامل حال رہے۔ چنانچہ اس تربیت میں سالہ دور میں تمام سابقہ شرائع اور تمہیدات اسلام پر عمل کیا گیا۔ نوع انسان کے اس بدترین اور الجھے ہوئے معاشرہ میں اسلام کے جو اسباق دیئے گئے وہ ہر زمانہ میں پہلے نمبر پر رکھنا ضروری ہیں۔ یعنی شریعت و طریقت یا اسلام کی تعلیمات کا دو تہائی حصہ اُسی زمانہ میں پورا کیا گیا تھا۔ اور وہ باقی ایک تہائی ہرگز قابل عمل نہ ہوتی اگر آنے والے زمانے کی تعلیمات کی بنیاد ان تربیت سالہ مسائل پر نہ رکھی جاتی۔ یعنی مدینہ کی زندگی میں آنے والا ہر مسئلہ اپنی بنیاد میں تربیت (53) قسطیں یا تدریجی مراحل رکھتا ہے۔ تب جا کر وہ حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کے علمائے مذکورہ تربیت سالہ اقساط و تدریج کو نظر انداز کر کے تبلیغ شروع کی ہے۔ اس لئے اُن میں عوام تو عوام ہیں خود علماء اسلامی اخلاق سے کورے اور صرف معلومات کے بولتے چالتے بندل ہوتے ہیں۔ وعظ میں سچ بولنے کا تقاضہ اور خدا سے ڈرنے کی تلقین مگر وزرا کے دروازے پر لائسنس یا وفد میں جانے کے لئے درخواست لے کر حاضر۔ دنیا کے تمام عیوب اگر ایک جگہ ایک انسان میں دیکھنا ہوں تو ایک حقیقی معنی میں مجتہد کی اسٹڈی (Study) کریں۔ انشاء اللہ معائب کی فہرست مکمل ہو جائے گی۔ مکہ کا زمانہ ہی وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ نے اہلسن کو مسلمان کر دیا تھا۔ یعنی نظام اجتہاد نے اسلام اختیار کر کے اسلام میں اپنی طرز فکر جاری کر دی تھی۔ مطلب یہ کہ اہلسن کو اسلام کی مخالفت کے لئے مسلمان ہو جانے کے علاوہ تمام راہیں بند ملی تھیں۔ مکہ کی زندگی میں تمام وہ تاریخ مرتب ہوئی جس کو بعد والوں نے لاعلمی کا شکار کرنا تھا۔ یہیں پر قرآن کریم کی وہ ترتیب عمل میں آئی جو تحریف سے قرآن کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری تھی۔ مدینہ کے زمانہ میں تو بہت سے لوگوں کے نام حفاظ قرآن کی فہرست میں لکھ دئے گئے۔ مگر مکہ کے زمانہ کے کسی حافظ کا نام نہیں لکھا گیا۔ بات وہی ہے کہ ”پیابھئے کنوال اب ڈر کا ہے کا“۔ اپنا راج، اپنی قوم، اپنا ملک اور اپنی عزت جس کو چاہا شہسوار بنا دیا خواہ سواری کے لئے کبھی گدھا بھی نصیب نہ ہوا ہو۔ اور الف کے نام لٹھ بھی نہ آتا ہو۔ بہر حال بیت الرسالت میں قرآن کریم اور قریش و عرب و عجم کی عملی تاریخ و جغرافیہ مرتب ہو رہا تھا۔ تاکہ اس خاندان کے بچے عالمی و قومی و ملکی حالات کی باقاعدہ معلومات حاصل کر سکیں اور خاندانی روایات اور دشمنوں کی روزمرہ کی کیفیات پر مطلع ہو سکیں۔

سابقہ عنوان کے قرآنی بیانات میں یہ بتا دیا ہے کہ مکہ کا قیام اب فضول قرار دیا گیا تھا۔ آپ قریش سے مایوس کر دیئے گئے تھے۔ گردنواح کے قبائل اور دیہات و بستیاں قبول اسلام میں خطرہ دیکھ رہی تھیں۔ حج کے زمانوں کے دوران آپ مختلف قبائل سے بات کر چکے تھے۔ قریش کی طرح دوسرے قبائل بھی یہ چاہتے تھے کہ آپ کے بعد تمام کاروبار رسالت و حکومت اُن کو سونپ دیا جائے۔ اس سلسلے میں اختصار کی غرض سے ایک قبیلہ کا ذکر طبری سے سن کر باقی کا فیصلہ خود کر لیں۔

(21/2)۔ حکومت و خلافت حاصل کرنے کے لئے نبوتؐ سے تعاون کرنے پر سب تیار تھے

علامہ طبری بیان کرتے ہیں کہ: ”محمد بن مسلم بن شہاب زہری سے مروی ہے۔ آپ بنی عامر میں صمصعہ کے پاس گئے اور اُن کو اللہ کی طرف بلایا اور اپنے آپ کو پیش کیا۔ اُن کے ایک شخص یجرہ بن فراس نے کہا کہ اگر میں قریش کے اس جوان مرد کو ساتھ لے لوں تو سارے عرب کو ہضم کر لوں گا۔ پھر اس نے رسول اللہ سے کہا کہ اچھا اگر ہم تمہاری دعوت میں تمہارے ساتھ ہو جائیں اور اللہ تمہارے مخالفین پر تم کو غالب کر دے تو کیا تمہارے بعد اس دعوت کے ہم مالک بن سکیں گے؟ آپ نے فرمایا یہ معاملہ اللہ کے قبضے میں ہے وہ جسے چاہے دے۔ اُس نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمہاری حمایت میں ہم اپنے سینوں کو عربوں کا نشانہ بنائیں اور جب تم کو غلبہ حاصل ہو تو یہ اقتدار ہمارے علاوہ دوسروں کو مل جائے۔ اس شکل میں ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ تمہارے شریک ہوں۔ اور اب انہوں نے بھی آپ کی دعوت رد کر دی۔“ (طبری جلد اول صفحہ 113)

اس روایت میں جہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ عربوں کا ہر قبیلہ پورے عرب کو ہضم کر جانے کی راہیں تلاش کر رہا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے عربوں کی عسکری اور اجتماعی طاقت اس قدر کمزور تھی کہ کوئی ایک قبیلہ بھی ذرا سی منظم قوت سے اُنہیں پامال کر سکتا تھا۔ جو لوگ قحطانی تاریخ کی جھوٹی پٹھوں پھاں سے مرعوب ہیں، یہ روایت اُن کیلئے زیادہ غور طلب ہے۔ ایک حقیر و خانہ بدوش منتشر بدوؤں کا یہ ملک سوائے اسکے کہ یہاں ضروریات زندگی کیلئے بے دریغ قتل عام کر ڈالنے والے اور جنسی اشتراک میں باکمال و بے لگام لوگ رہتے تھے، یہاں اور کیا تھا؟ اگر ہم یمن و شام و عراق وغیرہ ممالک کو الگ کر دیں تو یہاں کیا رہ جاتا ہے۔ یہاں صرف قحطانی یا جرہمی قبائل تھے جنہیں دنیا کا حال معلوم تھا جو خانوادہ رسولؐ کے ساتھ لگے رہتے تھے اور اُن کو زیر کرنے کیلئے تہذیب و تمدن کے نمائشی سوانگ رچائے جاتے رہتے تھے۔ اگر مکہ میں کعبہ نہ ہوتا اور اگر کعبہ اسلام کا مرکزی مقام نہ ہوتا تو یہ سمجھ لیں کہ نہ یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام آباد ہوتے نہ جناب نابت علیہ السلام کی مرکزی شاخ یہاں قیام کرتی۔ چنانچہ یہ علاقہ گیدڑوں اور بھیڑیوں کے رہنے کی جگہ ہوتی۔ یہ سب ہے کہ یہ قحطانی نسل اقتدار کی بھوک ہے اور ہر شخص نبوت کو اسلئے تسلیم کر رہا ہے کہ کسی بتوں کے ساتھ اُسے نبیؐ اور خانوادہ رسولؐ کی ساری کمائی پر قبضہ کر لینے کا موقع ملے۔ لہذا آئندہ جو چیز ہر قاری کیلئے زیر غور و فکر رہنا چاہئے وہ یہ کہ مسلمان گروہ میں وہ کون لوگ ہیں جو اسلام کی خدمت و نصرت کیلئے سابقہ دین و ایمان، جان و مال، اولاد و املاک قربان کرنے میں ذرہ برابر بھی دریغ نہیں کرتے۔ رسول اللہ کے کسی حکم میں چوں و چرا اور اصلاح و ترمیم و تنسیخ نہیں کرتے۔ اور وہ لوگ جو کسی حکم کو بلا چوں و چرا نہیں مانتے، ہر معاملہ میں اپنی جان کی حفاظت کرتے ہیں، کسی ایسی خدمت کو اختیار نہیں کرتے جس میں تلوار کا براہ راست سامنا کرنا اور زخم کھانا پڑے۔ جو مالی مدد بھی تاجرانہ اصول ”کچھ لو اور کچھ دو“ کے ماتحت دیا کرتے تھے۔ جنہوں نے اپنے سابقہ دین اور قومی و ملکی روایات کو باقی رکھا اور اسلام کے ہر مسئلے کو اپنی سابقہ زندگی کے تحفظ کی طرف جھکا یا۔ یہ دو گروہ ہیں جو اسلام کی نبوی اسٹیج پر اپنا اپنا پارٹ ادا کرتے ہوئے ملیں گے۔ اُن دونوں کو الگ الگ کرتے چلنا ہر قاری کا فرض ہوگا۔ یہاں تک کہ میدان کر بلا اُن دونوں گروہوں میں ایک خط فاصل بن جائے اور جناب امام حسین علیہ السلام اُن دونوں گروہوں کی پیشانی پر مہر لگا کر طیب و طاہر گروہ کو خمیٹ و ناپاک گروہ سے متمیز کر دیں۔ (آل عمران 3/179)

(21/3)۔ خاندان عبدالمطلب کی ابدی وازی صداقت اور دعوی نبوت کی حقانیت

مندرجہ بالا روایت کے بعد طبری نے قبیلہ بنی عامر کے ایک طویل العمر بزرگ شیخ کا ذکر کیا ہے کہ جب بنی عامر حج سے واپس جاتے تو حج کے مخصوص واقعات اس پیر مرد کو سنایا کرتے تھے۔ اس دفعہ ہجرہ نے رسول اللہ کی نصرت طلی کا واقعہ سنایا تو:-

”شیخ نے ہجرہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ اے بنی عامر کیا کوئی صورت اب بھی ایسی ممکن ہے کہ تمہارے اس انکار اور تردید کی تلافی ہو سکے؟ اور تم لوگ پھر نصرت میں شریک ہو سکو؟ اُس ذات کی قسم جسکے قبضے میں میری جان ہے کسی اسماعیلی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا مگر وہ ہمیشہ حق ہوا ہے۔ تم کو کیا ہوا تھا کہ تم نے اس کی تردید کر دی۔“ (طبری جلد اول صفحہ 113)

اس عنوان میں دراصل علامہ طبری یہ دکھا رہے ہیں کہ رسول اللہ تمام قبائل پر اتمام حجت فرما رہے ہیں۔ کسی کے ایمان لانے نہ لانے کی پرواہ کئے بغیر سب کو بتا رہے ہیں کہ میری نصرت تم پر واجب ہے، میں بری الذمہ ہوں، تمہیں اطلاع ہو چکی ہے۔ یہاں دوبارہ معلوم ہوا کہ بنی عامر اُس بزرگ کی نصیحت کے باوجود اسلئے تلافی کو نہ آئے کہ رسول نے حکومت دینے کا انکار کر دیا تھا۔ یعنی سوال یہ نہ تھا کہ محمدؐ کا دعویٰ برحق ہو تب نصرت کریں گے۔ یہ بات بھی بعد میں گھڑی گئی ہے کہ عرب بتوں کی پرستش نہ چھوڑنا چاہتے تھے اس لئے مخالفت کر رہے تھے یا یہ کہ نماز و روزہ یا حج زکاۃ اور شراب و جوئے کا حرام ہونا کوئی نئی باتیں تھیں یا توحید کا جھگڑا تھا۔ یہ سب بعد کے گھڑے ہوئے بہانے ہیں۔ عرب میں توحید پرستی، نماز، روزہ، حج و زکاۃ کے پابند لوگ موجود تھے، اُن کو پسند بھی کیا جاتا تھا۔ اصل بنائے مختصمت صرف حکومت و اقتدار تھا۔ وہ خانوادہ رسول کی حکومت رسول کے بعد نہ چاہتے تھے، اور بس۔ چنانچہ اسی فطانی تاریخ میں اپنی حکومت مستحکم کر لینے کے بعد قریش نے اُن لوگوں کو گنوا یا ہے، جو موحد تھے، نماز پڑھتے تھے، شراب نہ پیتے تھے۔ مگر خانوادہ رسول سے باہر ایسے لوگوں کو مانا ہے تاکہ آل رسول کی کوئی خصوصیت نہ رہے۔ ان میں سب کو کافر قرار دیا ہے تاکہ اپنے کافروں کی عزت بحال رہے۔ اور اُسی حکومت کا پتہ دیتی ہے وہ بات کہ نہ کوئی وحی آئی تھی نہ کوئی فرشتہ نازل ہوا تھا۔ یہ تو بنی ہاشم نے حکومت کا ڈھونگ رچا یا تھا۔ یہ الزام قطعاً صحیح ہے۔ یعنی اُن کے تجربہ میں خانوادہ رسول کی حکومت قائم کرنے والی وحی اتری نہ فرشتہ اتر ا۔ محمدؐ نے اپنے خاندان کی حکومت کے لئے اپنی رائے ظاہر کی۔ اس پر تاحیات قائم رہے۔ اسلئے جھگڑا ہوا اور اب دو شاہزادوں میں جنگ ہوئی۔ ایک شاہزادے نے اپنی حکومت برقرار رکھنے اور آل رسول کو محروم کرنے کیلئے دوسرے شاہزادے اور اس کے اہل و عیال و انصار کا قتل عام کر دیا۔ گویا نبوت و قیامت اور توحید کے وہ دونوں قائل تھے۔ فرق یہ تھا کہ ایک توحید کے ساتھ عدل اور نبوت کے ساتھ امامت کو لازم سمجھتا تھا۔ اور امامت و حکومت کو اپنے خاندان کا حق کہتا تھا۔ یہی آج ہمارا عقیدہ ہے اور یہی اُن دونوں گروہوں کے عقائد کا فرق ہے۔ ہم علیؑ و آل علیؑ کی حکومت کے سوا اسلام میں ہر حکومت کو باطل اور باغی اور طاغی قرار دے کر اُن سے باغی ہیں۔ اُسی باطل حکومت کے تحفظ کیلئے انہوں نے قرآن کے احکام کو اجتہادی سانچوں میں ڈھالا، قرآن کو ایک عام کتاب بنایا، معجزات کا انکار کیا۔ نبیؐ کی تین چار حیثیتیں بنائیں۔ اجماع اور اجتماعی رائے کو دین کا درجہ دیا۔ یہ تو تحریک تشیع کی کاوش و جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ اُس نے صوفیائے کرام کو آگے بڑھایا اور مخالف گروہ سے سب کچھ منوا کر چھوڑا۔

(21/4)۔ رسول اللہ کا مدنی نبی خاندان انجان بن کر سامنے لایا گیا

ہم نے بڑے شد و مدار اور اہتمام و دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ خاندان رسولؐ جناب نابت علیہم السلام کی اولاد سے ہے۔ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے خود کو عراق کے نبی خاندان کا فرد فرمایا۔ اور یہ کہ اوس و خزرج بھی جناب نابت علیہ السلام کی اولاد سے نبی تھے اور یہ کہ آنحضرتؐ کے بزرگوں کی برابر بنی خزرج سے رشتہ داریاں رہتی تھیں۔ اور جناب عبداللہ و عبدالمطلب علیہم السلام کا خزرج سے خاص اور کھلا تعلق تھا۔ وہ خزرج ہی تھے جنہوں نے مسلح حمایت کی تھی اور جناب عبدالمطلب کو قریش سے اُن کی غصب شدہ جائیداد بنوک شمشیر دلوائی تھی۔ اور وہ خزرج کا ہی سردار سعد بن عبادہ تھا جو جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کو حکومت دلانے کے لئے تیغ بکف تھا۔ لیکن جناب علیؑ نے قریش کو تجربہ کا موقع دینے اور امن و امان کی غرض سے سعد بن عبادہ کو بیٹھ رہنے کا حکم دیا تھا۔ حکم کے ماتحت خزرج کا وہ سردار علیحدہ تو ہو گیا لیکن زندگی بھر اعلان حق کرنے کے لئے مدینہ سے نکل گیا اور سارے عرب کو مطلع کر دیا۔ اُسی کا قبیلہ ہے جسے اللہ نے قرآن میں انصار رسولؐ اور جنتی قرار دیا ہے۔ جنہوں نے قریشی طاغوت کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ اُن کا تذکرہ خطابی تاریخ نے انجان بن کر اور واقعات سے نظر پڑا کر کیا ہے تاکہ ہجرت ایک اچانک واقعہ بن جائے، اتفاقی حادثہ کہلائے۔ حالانکہ نبوت محمدؐ کی ہر بات مسلسل و مربوط اور خدائی احکام کے مطابق ہے۔ نہ یہاں وحی کا نزول اچانک اور محدود ہے، نہ نبوت اور اس کا اعلان نیا اور اچانک ہے۔ نہ پہلی ہجرتیں اچانک ہیں نہ ہجرت مدینہ اچانک ہے۔ یہ ایک خدائی خاندان ہے اس کا ذکر شجرہ طیبہ کی حیثیت سے مسلسل ہے۔ اس کی تیاری پر خدا نے اور انسانی بصیرت نے ہزار ہا سال صرف کئے۔ یہ ایک ہمہ گیر اسکیم ہے۔ اُس کی ہر بات و پروگرام خدائی منصوبے کے مطابق ہر سابقہ نبیؑ کی محنت و بصیرت پر مبنی رہتی آئی تھی۔ یہاں ہر خیال، ہر حکم، ہر عمل اور ہر اقدام مَّا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ (4-53/3) “اِنْ تَبِعُ اِلَّا مَا يُوحَىٰ اِلَيْ” کے مطابق تھا۔ اس خاندان کی مناکحت حکم خداوندی کے ماتحت، اولاد کی پیدائش اللہ کی مرضی و اطلاع کے مطابق، گھر میں آنے والی دلہن کا نام و پتہ پہلے سے معلوم، پیدا ہونے والی اولاد، اُن کے نام و کام و صفات معلوم و مشہور۔ ہر شخص نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی جان و اولاد قربان کرنے کے لئے آمادہ۔ امن و عافیت کے لئے اپنا حق چھوڑ دینے کو تیار اور ان عادات سے ہر زمانہ کے لوگ مطلع و آگاہ۔ ہائے افسوس کہ ان عادات سے واقفیت اور تجربہ رکھنے والا ابلیسی گروہ پھر بھی ان سے عیاری و مکاری، دغا اور فریب کرتا رہا۔ ساری دنیا کو فریب میں مبتلا کیا۔ تاریخ و تفسیر و احادیث تک کو اپنے فریب پر پردہ ڈالنے کے لئے استعمال کیا اور آج تک حق قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اُن سے حق اگلوانے کے لئے بڑی محنت کی گئی ہے۔ لیکن ابھی بھی سینکڑوں حقائق اُن کے تاریخی پیروں کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ جب تک اُن کے پیر اُکھڑ نہ جائیں، جب تک انہیں دھکیل کر آگے نہ کھسکا دیا جائے، گوشہ حق آزادی نہیں ہوتا۔ کائنات صرف اس لئے مصروف حرکت ہے کہ ابلیسی نظام کو یہاں تملکن اور سکون نہ مل سکے اور اُس کے قدم ڈگمگاتے رہیں اور حق ابھر کر انہیں مٹاتا رہے۔

(i)۔ قریش نے مدینہ کی ہجرت روکنے کا انتظام کیا، مگر ناکام رہے

جاہلیت کی تاریخ بات یوں شروع کرتی ہے کہ:- ”ابو الحیسر انس بن رافع بنی عبد الاشہل کے چند اور جوانوں کے ہمراہ

جن میں ایاس بن معاذ بھی تھا۔ اپنی قوم بنی خزرج کے خلاف قریش سے معاہدہ کرنے کے لئے مکہ آیا۔ رسول اللہ کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی۔ آپ ان کے پاس آئے اور وہاں تشریف فرما ہو کر ان سے کہا کہ جس غرض سے تم آئے ہو اگر اس سے بہتر بات میں بتاؤں تو تم قبول کرو گے؟ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ نے مجھے اپنے بندوں کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں ان کو اللہ کی طرف بلاؤں اور وہ صرف اُسی کی پرستش کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کریں۔ اللہ نے مجھ پر ایک کتاب نازل فرمائی ہے۔ اس کے بعد آپ نے اسلام کے ارکان ان کو بتائے اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ ایاس بن معاذ نے جس کا بالکل شباب تھا کہا کہ اے دوستو! بے شک یہ بات اُس سے بہتر ہے جس کے لئے تم یہاں آئے ہو۔ ابو الحیسر انس بن رافع نے مٹھی بھر نکریاں اٹھا کر ایاس بن معاذ کے منہ پر ماریں اور کہا تم ہم سے علیحدہ ہو جاؤ ہم اس کے علاوہ دوسرے کام کے لئے آئے ہیں، ایاس چپ ہو گیا، رسول اللہ صلعم ان کے پاس سے اُٹھ آئے، یہ جماعت مدینہ واپس چلی گئی۔ اس کے بعد اُس و خزرج کے درمیان جنگ بعاث ہوئی۔ اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد ایاس ہلاک ہو گیا۔ وہ لوگ جو موت کے وقت اس کے پاس موجود تھے بیان کرتے ہیں کہ وہ برابر اُسے تحلیل اور تکبیر اور اللہ کی حمد و تسبیح کرتے ہوئے سنا کرتے۔ اسی طرح وہ جان بحق و التسلیم ہو گیا۔ ان لوگوں کو اس کے مسلمان ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ اُس نے مکہ میں رسول اللہ صلعم سے جو باتیں سنیں تھیں ان کی وجہ سے وہ اسلام کا قائل ہو چکا تھا۔‘ (طبری جلد اول صفحہ 114)

(ii)۔ قریش جانتے تھے کہ مدینہ میں خاندان رسالت آباد ہے جو مجسم بصیرت ہیں

تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ قریش نے کب اُسی قبیلے سے ساز باز کی۔ مگر یہ معلوم ہو گیا کہ ہجرت سے پہلے ہی قریش نے اُس و خزرج میں پھوٹ ڈال کر اُس کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ چونکہ جناب ہاشم اور عبد المطلب علیہما السلام کی شادیاں خزرجی خاندان میں ہوئیں تھیں اور جناب محمد مصطفیٰ کی تنہا خزانہ قریش میں تھی۔ اسلئے اُسیوں کو یہ فریب دینا آسان تھا کہ رسول اللہ کی حکومت میں تمہیں کوئی حصہ نہ ملے گا۔ اور اُن کے بعد بھی خزرج ہی کا اقتدار ہوگا۔ اسلئے تم ہماری اسکیم میں ہماری مدد کرو اور پیشگوئی کے مطابق ہماری ہی حکومت قائم ہونا ہے۔ لہذا ہماری نصرت کر کے اُدھر کے بجائے ادھر اپنی جگہ بناؤ۔ یہی سبب ہے کہ جب خلافت کا جھگڑا شروع ہوا تو اُس کے نمائندے بشیر بن سعد نے قریش کا ساتھ دیا تھا۔ یہ اتفاق یا حادثاتی طور پر وقوع میں نہیں آیا بلکہ یہ بھی قریشی پلان کا گیارہ سال کے بعد متوقع نتیجہ تھا۔

یہ بھی اتفاقی بات نہ تھی کہ اُدھر قبیلہ اُس کا وفد قریش سے معاہدہ کرنے کے لئے آتا ہے اور ادھر آنحضرت ان سے ملاقات کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔ اور یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ وہ معاہدہ جو ابھی قریش اور اُسی وفد کے دل میں پوشیدہ تھا، گھٹیا مقصد رکھتا تھا۔ اور نصرت رسول ہر طرح قریش کی نصرت کے مقابلے میں بہتر اور پسندیدہ خداوندی تھی۔ جس سے اُدھر ایک ہی خاندان کے دو بھائی قبیلوں میں پر خاش رک جاتی دوسرے رسول کی نصرت میں دوہرا اجر تھا۔ ایک یہ کہ اپنے خاندان کی مدد ہوتی دوسرے یہ کہ خدا کی نبوت و رسالت کی فتح میں حصہ ملتا۔ اور ایاس بن معاذ نے اسکی تصدیق بھی کر دی تھی۔ ظاہر ہے کہ اُس خفیہ معاہدہ کی اطلاع وحی کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ بھی غور طلب ہے کہ جب رسول اللہ نے یہ فرمایا کہ جس غرض کے لئے تم آئے ہو میں اس سے بہتر مقصد بتا دوں تو کیا تم

میری بات مان لو گے؟ ظاہر ہے کہ رسول کو اُسی وفد کے آنے کی غرض معلوم تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ وفد کے لیڈر نے یہ کیوں نہ پوچھا کہ بتاؤ ہمارے آنے کی غرض کیا ہے؟ آپؐ کو وہ غرض کیسے معلوم ہوئی؟ معلوم ہوا کہ قریش نے یا کسی اور نے یہ بتا رکھا تھا کہ محمدؐ کو غیب کی اطلاع خدا کی طرف سے ہو جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ممکن تھا کہ اگر وہ غرض معلوم کرنے کا سوال کر دیتا تو یقیناً رسول اللہ ﷺ بلا تکلف بلا کم و کاست بتاتے کہ تم قریش کے ساتھ ساز باز اور خزر جیوں کے خلاف معاہدہ کرنے کے لئے آئے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وفد کے نمائندہ کو یہ خطرہ پیدا ہوا ہو کہ رسولؐ کے بیان سے خفیہ بات قبل از وقت سب کو معلوم ہو جائے گی لہذا اُس نے غرض معلوم نہ کی۔ دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ جب ہماری غرض سے بہتر بات بتانے کا وعدہ اور شرط کی جا رہی ہے تو فوراً یہ کیوں نہ کہا کہ اگر واقعی ہماری آمد کی غرض سے بڑھ کر زیادہ مفید بات ہوگی تو ہم ضرور عمل کریں گے؟ یہاں ظاہر ہے کہ وہ وعدہ نہیں کرتا اور ڈرتا ہے کہ کہیں وہ بڑھیا بات کو بھی اختیار نہ کر سکے لہذا اُس نے سوال پر سوال کر دیا۔ یعنی یہ کہ پہلے وہ بہتر بات بتا دو اور جب بتا دی گئی تو نہ اس نے یہ کہا کہ یہ بہتر نہیں ہے، نہ یہ کہا کہ یہ بہتر ہے۔ لہذا یقیناً لیڈر کو معلوم تھا کہ قریش سے معاہدہ کے بعد رسول اللہ کی حمایت و نصرت نہ کرنا لازم ہوگا۔ یعنی معاہدہ اس بات پر تھا کہ اگر آنحضرتؐ کے ماموں رسول اللہ کو لے جائیں تو قبیلہ اُس، خزر ج کا نہیں قریش کا ساتھ دیگا۔

قارئین یہ بھی نوٹ کر لیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرماتے کہ مجھ پر قرآن نازل ہو رہا ہے اور کافی مقدار میں نازل ہو چکا ہے۔ بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ ”اللہ نے مجھ پر ایک کتاب نازل کی ہے۔“ اُسکے بعد یہ عقیدہ رکھنا کہ پوری کتاب نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ تیس (23) سال میں رک رک کر اترتی رہی۔ کس قدر مضحکہ خیز اور خود قرآن کے خلاف بات ہے۔ اور آخری بات یہ مان لیجئے کہ مدینہ میں ہجرت سے بہت پہلے اسلام داخل ہو چکا تھا۔ تکبیر و تحلیل و تسبیح و حمد خداوندی وہاں نئی بات نہ تھی، نہ ارکان اسلام نئی چیز تھے، نہ تلاوت قرآن جدید تھی بلکہ قبیلہ خزر ج ہر سال حج کو آتا تھا۔ یہ رسول اللہ اور اُنکے باپ و دادا کی سسرال و بھیل تھی۔ یہ قدیم ناصران اسلام تھے، خانوادہ رسولؐ کے افراد تھے، وہ اسماعیلی اور وہ بھی منطی شاخ کے اسماعیلی تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے مطابق ”امۃ مسلمۃ لک“ اللہ کی مسلمان امت تھے۔ مگر قحطانی تاریخ ہر ربط کو توڑ کر، تمام سلسلے اور تعلق و رشتے منقطع کر کے ہر چیز کو ایک حادثہ اور ایک اتفاق بنا کر دکھانے کی عادی ہے۔ وہ بظاہر واقع تو اسی ترتیب سے ہوئی ہے لیکن اس کی پشت پر حادثہ و اتفاق نہیں بلکہ اسلامی یا خدائی اسکیم ہے۔

(21/5)۔ قبیلہ خزر ج سے تعارف قحطانی تاریخ پر علامہ سید سلیمان ندوی کا حاکمہ

وہ قارئین جن کو ہمارے تیز رو علمائے تیز گام بنادیا ہے سوچ رہے ہوں گے کہ امام حسین علیہ السلام کا تذکرہ کب شروع ہوگا؟ یہ ادھر ادھر کی باتوں پر اس قدر وقت کیوں صرف کیا جا رہا ہے؟ اُن کی خدمت میں یہ گزارش کی جاتی ہے کہ وہ جن باتوں کو فضول سمجھتے ہوں، چھوڑتے چلے جائیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ تمام تذکرہ اور اس کا ہر جملہ ذکر حسینؑ ہے۔ یہی وہ حالات ہیں جنہیں وہ خاص طور سے نوٹ کریں گے۔ یہی وہ خاندانی و تاریخی آثار ہیں جو اُن میں مادی طور پر وہ جرأت پیدا کریں گے جو اُن سے ظہور میں آئی۔ یہی وہ تاریخی الجھاؤ ہیں جن سے وہ بچ کر نکلیں گے۔ یہی وہ تطہیر ہے جس پر وہ سفر سے لے کر کر بلا تک عمل کریں گے۔ یہ تو نہایت مختصر انداز میں اُس داستان کا خلاصہ ہے جو خانوادہ رسولؐ میں دن رات مرتب ہو رہی تھی۔ انسانی حیثیت سے مرتب کی ہوئی یہی تو وہ کہانی ہے جو حسینؑ

کی والدہ گرامی بچپن میں انہیں سنا سنا کر اسلام اور نوع انسان کے تحفظ کی تہدید قائم کریں گی۔ یہی تو مادی و فطری راہ ہوگی جو اُن کے روبرو از آدم تا محمد کھلی ہوئی نظر آئے گی اور اُن سے اُسی راہ پر گامزن ہونے کا تقاضہ کرے گی۔ یہی ازلی وابدی معیار تو سامنے ہوگا جس پر وہ اپنے نانا اور اپنے والدین اور بڑے بھائی علیہم السلام کا عمل درآمد جانچیں گے۔ اگر یہ سب کچھ مرتب نہ کیا گیا ہوتا، (معاذ اللہ) اگر اچانک وحی نے اتر کر رسول اللہ کو ڈرا دیا ہوتا، اگر وہ فرشتے کے سامنے سے بھاگ کھڑے ہوئے ہوتے، اگر وہ اپنی تصدیق میں ورقہ بن نوفل کے محتاج ہوتے، اگر قریش کو وہ اپنا خاندان سمجھتے، اگر وہ حکومت کے حق و ناحق کو نہ جانتے ہوتے تو سنو! اُن سے وہی کچھ ظہور میں آتا جو عبد اللہ ابن زبیر، عبد اللہ ابن عمر اور سارے اللہ کے بندوں سے ظہور میں آیا تھا۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ وہ کیسے ایک بے مثل کردار ادا کرتے ہیں۔ کیوں اُن کے صحابہ کربلا سے بھاگ نہیں جاتے؟ کیوں ہر سن و سال کے ساتھیوں میں اختلاف پیدا نہیں ہوتا؟ کیوں یہاں شوریٰ اور مشورہ اور جمہوریت سامنے نہیں آتی؟ کیوں اسلام کے دئے ہوئے حقوق استعمال نہیں کرتے؟ کیوں جان و مال و اولاد و انصار کا تحفظ نہیں کرتے؟ جن ناظرین کو رقص منبری اور مذاکری کا چسکا لگا ہوا ہے، وہ کوئی بھی کتاب اٹھالیں اور شہادت پڑھ کر دو آنسو بہالیں اور اپنے دھندوں میں لگ جائیں۔ ہم وہ ماحول دکھانا ضروری سمجھتے ہیں جو حسین کو پیدا ہونے کی دعوت دے، جو اُن کے ظہور کے شایان شان ہو، جس کو تیار کرنے میں سلسلہ نبوت و رسالت و امامت نے ہی نہیں بلکہ اہلبیٹ اور اس کی جماعت نے بھی ہزاروں سال محنت کی تھی۔ تب جا کر حسین علیہ السلام کے پیدا کئے جانے کی ضرورت اور حق پیدا ہوا تھا۔ یہ پیدائش کوئی قحطانی حادثہ یا اتفاق نہ تھا۔ یہ کائنات اور خالق کائنات کا ازلی (Pre-planned) منصوبہ تھا۔ بہر حال ہم تو خود خوف طوالت سے گھبرائے ہوئے ہیں۔ اگر قارئین بھی گھبرا گئے تو پھر ہمارا خدا ہی حافظ ہے۔ ہم تو قارئین کیلئے محنت کر رہے ہیں اپنے لئے نہیں۔ (ارض القرآن سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں)

”اوس و خزرج“

(21/6)

”نابت بن اسماعیل کی ایک اور شاخ“

”انصار“

(الف) اوس و خزرج عرب کے دو مشہور قبیلوں کے نام ہیں جو اسلام کے پہلے سے مدینہ میں سکونت پذیر تھے۔ اسلام آیا تو وہ اُس کے پُر زور دست و بازو تھے۔ اور انصار اُن کا خطاب تھا۔ عام طور سے انہیں بھی قحطانی الاصل اور کہلان کے خاندان سے قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے بھی صحت سے تہی مایہ ہے۔ زبان، مذہب اور قومی اخلاق کے علاوہ احادیث سے بھی اُن کے اسماعیلی ہونے پر مستحکم دلائل قائم ہیں۔

(i) بخاری میں روایت ہے کہ ابو ہریرہؓ نے انصار کے ایک مجمع کو مخاطب کر کے حضرت ہاجرہؓ کا قصہ سنایا اور آخر میں کہا:-

تِلْكَ أُمُّكُمْ يَا بَنِي مَاءِ السَّمَاءِ۔ اے پاک نسبو یہ تھیں تمہاری ماں ہاجرہؓ۔ محدثین کو اس حدیث کی تاویل میں بہت دقتیں تھیں لیکن آج جدید تحقیق نے تاویل و اشتباہ کا پردہ چاک کر دیا ہے۔

- (ii) تمام علمائے انساب اس بات پر متفق ہیں کہ اوس و خزرج، غسان کے ہم نسب ہیں اور خود اوس و خزرج کا بھی یہی دعویٰ ہے۔
 اس بنا پر اگر ہمارے دلائل غسان کے نابتی الاصل ہونے پر صحیح ہیں؟ تو وہی بعینہ اوس و خزرج کے نابتی ہونے پر بھی ثبوت ہیں۔
- (iii) اوس و خزرج کے اسماعیلی ہونے پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ قریش سے اُن کے رشتے ناتے ہوتے تھے۔ وہ ہر سال حج کے لئے پابندی سے آتے تھے۔
- (iv) منذر بن حزام (حضرت حسان بن ثابت کا دادا) جو زمانہ جاہلیت میں خزرج کے قبیلے سے تھا۔ اپنا نسب نابت بن اسماعیل تک پہنچاتا ہے۔ اور اس پر فخر کرتا ہے۔

ورثنا من البہلول عمرو بن عامر و حارثة الغطریف مجد اموئثلا
 موارث من ابتاء نبت بن مالک و نبت بن اسماعیل ما ان تحولا

عمرو بن عامر اور حارثہ دونوں غسانی اور اوس و خزرج کے پدر اعلیٰ تھے۔ غسان نے شام کا رخ کیا اور اوس و خزرج نے حجاز کے شہر یثرب (مدینہ) میں سکونت اختیار کی۔ یثرب نہایت قدیم شہر تھا۔ یونانیوں نے اس کا اشترپاک نام سے ذکر کیا ہے۔ اسلام آیا تو طیبہ اور مدینۃ النبیؐ (پیغمبر کا شہر) نام قرار پایا۔ اور مختصر ہو کر صرف مدینہ رہ گیا۔ پہلے یہاں عرب سامیہ اولیٰ آباد تھے۔ اُن کے بعد یہاں یہود آئے۔ اور آخر میں اوس و خزرج کے قبیلے آکر رہے۔

(ب) ”اوس و خزرج کی شاخیں“:- تو والد اور مرور زمانہ سے یہ دو قبیلے متعدد فروع اور شاخوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔

(i) ”اوس“:- اوس کی صرف ایک اولاد تھی مالک، جس کی اولادوں کی حسب ذیل شاخیں ہیں:

عمرو بن مالک، عبید، عبدالاشھل، بنو ظفر (کعب بن خزرج بن مالک بن اوس) عوف بن مالک، بنو عمرو بن عوف (اہل قبا)، بنو ججی، مرہ بن مالک؛ (جعارہ اور اوس اللہ بھی اسی کا نام ہے) سالم بن مالک؛ (بنو واقف) سالم بن مالک قبیلہ سعد بن خثیمہ، عبداللہ بن مالک بنو خطمہ۔

(ii) خزرج:

جشم بن خزرج؛ بنو خزید؛ بنو سلمہ؛ بنو بیاضہ؛ عوف بن خزرج؛ بنو الحلی (قبیلہ عبداللہ بن ابی سلول راس المنافقین) بنو قوافل، بنو سالم؛ حارث بن خزرج - عمرو بن خزرج؛ بنو نجار (آنحضرتؐ کے نانہالی لوگ)۔ کعب بن خزرج؛ بنو ساعدہ (جن کا سقیفہ مشہور ہے یہی سعد بن عبادہ کا قبیلہ ہے۔ جو سقیفہ میں قیام خلافت ثلاثہ کے بعد ہمیشہ اُن کا اعلانیہ دشمن اور باغی رہا)۔

(ج) اوس و خزرج کی تاریخ

اوس و خزرج کی تاریخ اُن کے ہم وطن یہودیوں کے ساتھ مخلوط ہے۔ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کے یہود اصلاً بنی اسرائیل تھے یا یہودی المذہب عرب تھے؟ تاہم شمالی عرب میں کثرت سے اصل یہود آباد تھے۔ مدینہ کے اطراف میں بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قبیقاع پُر زور قبائل آباد تھے۔ تجارت، زرگری، مہاجنی، لین دین، قرض دینا، رہن رکھنا، سود پر روپیہ لگانا۔

یہ اُن یہودیوں کے پیشے تھے۔ بدوی عربوں سے حفاظت اور ملک میں رعب پیدا کرنے کے لئے ہر تجارتی گودام پورا جنگی قلعہ ہوتا تھا۔ جنوب میں مدینہ اُن کی آخری سرحد تھی۔ مدینہ سے لے کر حدود شام تک خیبر، فدک، تبوک، تیما، مدین، وادی القرای، حجر میں اُن کے قلعے اور برابر آبادیاں تھیں۔ (یہ تمام علاقے اسماعیلی بھٹیوں کی حکومت میں تھے اور اسی لئے یہاں یہود و نصاریٰ کو کھلے دل سے آباد ہونے اور پھلنے پھولنے کی آزادی تھی۔ حضرت عیسویٰ کی اولاد اور مذہب کے لوگ ان علاقوں میں رہتے تھے... احسن)۔ مدینہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کے مضبوط و مستحکم قلعے تھے۔ اسلام آیا تو یہی ان کا مایہ غرور تھا۔ قرآن نے اُن ہی قلعوں کی نسبت کہا ہے۔ خدا نے ان یہودیوں کو جنہوں نے کفار قریش کی مدد کی تھی ان کے قلعوں سے اتارا۔

اے مسلمانو! یہ لوگ تم سے صرف قلعہ دار شہروں یا فیصلوں کے پیچھے سے لڑیں گے۔ ان کے جنگی اور ان کے مالی کاروبار کا جو جال تمام قُرْیَ مُحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ... (حشر 59/14)

ملک میں پھیلا ہوا تھا، زنجیریں تھیں جو تمام باشندوں کے پاؤں میں انہوں نے ڈال رکھی تھیں۔ غرض یہ اسباب تھے کہ اوس و خزرج یہاں آکر ابھی تک بھی نہ تھے کہ وہ اُن کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے، اوس و خزرج گو بدویانہ زور و قوت میں اُن سے زیادہ تھے۔ لیکن سامان، دولت، ہنر اور دیگر قوائے معنوی میں اُن سے فروتر تھے۔ اس بنا پر وہ یہودیوں سے نہایت متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ اس کا مذہبی اثر بھی پیدا ہونے لگا..... بالآخر اوس و خزرج نے تنگ آکر غسان سے جو اُن کے ہم نسب تھے، مدد کے طالب ہوئے، غسانوں نے یہودیوں کا زور توڑا۔ تاہم مالی تعلقات ایسی چیزیں نہیں جنہیں تلوار سے کاٹ دیا جاسکے۔ یہودی حقیقت میں جن اسلحہ سے لڑتے تھے ان کا جواب (غسانی) فوجوں سے نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ظہور اسلام تک اُن کی زبردستی قائم رہی۔ پھر بھی انصار پہلے سے اچھی حالت میں تھے۔ ادھر یہودیوں سے کسی قدر فراغت ہوئی تو آپس میں لڑنا شروع کر دیا، جس کا سلسلہ ایک مدت تک قائم رہا، اُن کی مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں۔ یوم الریح، یوم البقیع، حرب قارع، یوم بعاث۔ اس متواتر جنگ میں اوس و خزرج کے اکثر اہل ادعا کام آئے۔ آخر فریقین نے تھک کر مصالحت کر لی اور قبیلہ عوف بن خزرج کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کو مستفقا اپنا بادشاہ اور یثرب کا تاجدار تسلیم کر لینا چاہا کہ اس اثنا میں خورشید اسلام طلوع ہوا۔ اوس و خزرج کے بارہ آدمیوں نے موسم حج میں داعی اسلام کا وعظ سنا اور ایمان و بیعت سے مالا مال ہو کر گھر واپس آئے۔ دوسرے سال اسی موسم میں ستر آدمی اور فروغ اسلام سے منور ہو گئے۔ اور آخر نبوت کے تیرہویں سال (622 عیسوی) میں رحمت عالم کو یثرب کی شہنشاہی کے لئے لے آئے۔ سرور عالم نے مدینہ آکر سب سے پہلے یہودیوں سے چند شروط پر مصالحت کی۔ اوس و خزرج کے باہمی فتنوں کو سر دکیا۔ عبداللہ ابن ابی جو بادشاہی کا دعویٰ دھڑا کر خاموش تھا، تاہم فتنہ پرداز یوں سے باز نہ آتا تھا۔ اُس کے ساتھ چند کمزور دل کے (مسلمان) افراد بھی شامل تھے، یہی لوگ منافقین تھے۔ اور عبداللہ اُن کا سردار اور اس المناقین تھا۔ اوس و خزرج نے انصار کے نام سے اسلام میں زندگی جاوید پائی، دنیا کے ہر گوشے میں جہاں قرآن کا کوئی صفحہ اور مسلمانوں کا کوئی گھرانہ ہے انصار کا نام زندہ ہے۔ اور جن لوگوں نے اسلام کو پناہ دی اور نصرت کی وہی سچے مومن ہیں۔ اُن کے لئے مغفرت اور

وَالَّذِينَ آوَوْا وَانصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (انفال 8/74)

اچھا رزق ہے۔“

(ارض القرآن جلد دوم صفحہ 85 تا 89)

(د) محاکمہ کا نتیجہ

قارئین نے دوبارہ دیکھا کہ اوس و خزرج آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم نسب اور ہم خاندان اور تنہیال تھے۔ اور وہ مکہ سے ہجرت کر کے غیر قبائل سے اپنے خاندان کی نصرت میں آرہے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ جناب ابوطالب اور خدیجہ کے انتقال کے بعد نصرت مدینہ ہی سے مل سکتی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہودیوں کا سرمایہ سارے ملک میں لگا ہوا تھا۔ اور انہیں اپنے سرمایہ کے تحفظ کے لئے قریش کی مدد کی ضرورت تھی۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اوس و خزرج میں قدیم دشمنی تھی۔ اور اوس بہر حال کمزور تھے ورنہ خزرجی خاندان کے عبداللہ بن ابی کی بادشاہت پر رضامند نہ ہوتے۔ اسی کمزوری کی بنا پر وہ قریش سے معاہدہ کرائے تھے۔ لہذا اسلام لانے کے بعد بھی اُن پر نظر رکھنا ضروری ہوگی۔ یہی لوگ ہوں گے جن میں سے بعض کمزور دل کے نہیں بلکہ صاحبان ادعا عبداللہ بن ابی اور قریش سے آنحضرت اور خزرجیوں کے خلاف ساز باز کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ غسانی حکومت کی افواج ہر وقت مدد کے لئے آسکتی ہیں جو خاندان رسول کی اپنی حکومت ہے۔ اور جو ایک دفعہ اوس و خزرج کی مدد کے لئے یہودیوں کا زور توڑ چکی ہیں۔ اور جن کا مرکز حجر اور وادی قری میں موجود ہے۔ ان چیزوں کو سامنے رکھ کر ہجرت کی تیاریاں ملاحظہ کرتے چلیں۔

(21/7) خانوادہ رسول کی مدنی شاخ خزرج کی نصرت پر آمادگی کی تدریج

قارئین جہاں جہاں بنو خزرج کے اسلام لانے کا تذکرہ ملے وہاں یہ سمجھنا چاہئے کہ قریش کے خلاف بنو خزرج کے عوام و خواص کو کس عمومی انداز میں آمادہ کیا جا رہا تھا۔ یعنی اُن کے اسلام میں تو اس لئے کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ خاندان رسول کے افراد ہیں اور ابوطالب کے زمانہ ہی سے اسلام میں داخل ہیں۔ مگر قریش کا منہ بند رکھنے اور اُن کی چالوں کو بے اثر کرنے کے لئے مصلحتاً اکثر لوگوں کو اعلان نہ کرنے کی مصلحت بتادی جاتی تھی۔ یہ روزِ اوّل سے مکہ و گردونواح مکہ میں بھی جاری تھی اور قحطانی تاریخ نے اس کو تسلیم بھی کیا ہے۔ مگر طرزِ عمل سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ کون نو مسلم ہے اور کون قدیم مسلمان ہے۔ چنانچہ خزرجی مسلمانوں کا حال طبری سے سنیں۔

(i) طبری کے مطابق قبیلہ خزرج کو اتفاقی دعوت اسلام

”جب اللہ نے ارادہ کر ہی لیا کہ وہ اپنے دین کو غالب کرے اپنے نبیؐ کو معزز بنائے اور جو وعدہ اس نے رسول اللہ سے کیا تھا اُسے ایفا کر دے تو اب اس حج کا موقعہ آیا جس میں رسول اللہ کی ملاقات انصار سے ہوئی۔ اس سال بھی آپؐ نے حسب دستور قبائل عرب سے ملاقات کی اور اپنے آپ کو اُن کے سامنے پیش کیا۔ اسی حالت میں عقبہ کے قریب خزرج کی ایک جماعت سے، جس کے ساتھ اللہ کو بھلائی منظور تھی آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے اُن سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم خزرج کی ایک جماعت ہیں۔ رسول اللہ نے پوچھا کہ کیا تم یہودیوں کے موالی ہو؟ انہوں نے کہا ہاں ہم یہودیوں کے موالی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ذرا دیر بیٹھتے نہیں کہ تم سے کچھ باتیں

کروں؟ انہوں نے کہا بہتر ہے ہم بیٹھے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے اُن کو اللہ کی دعوت دی، اسلام پیش کیا اور قرآن سنایا۔ اللہ نے پہلے ہی اُن کو اسلام کے لئے اس طرح آمادہ کر رکھا تھا کہ یہودی جو اُن کے علاقوں میں آباد تھے چونکہ وہ اہل کتاب اور عالم تھے اور یہ لوگ مشرک اور بت پرست تھے۔ اور یہودیوں نے اُن کے علاقہ پر قبضہ کر رکھا تھا۔ جب کبھی اُن میں کوئی تنازعہ ہوتا تھا تو یہودی اُن سے کہتے تھے ذرا ٹھہر جاؤ بہت جلد ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ اس کا زمانہ بالکل قریب آ گیا ہے۔ ہم اُس کے ساتھ ہو کر تمہارا اس طرح قلع قمع کریں گے جس طرح قوم عاد اور ارم ملیا میٹ کر دی گئی تھیں۔ اس لئے جب رسول اللہ نے اُن سے باتیں کیں اور اُن کو اللہ کی طرف دعوت دی۔ اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ جانتے ہو بخدا یہی وہ نبی ہیں جن کے مبعوث ہونے سے یہود تم کو ڈراتے تھے۔ اب یہ نہ ہو کہ وہ تم سے پہلے ان کے پاس پہنچ جائیں۔ اور اُن کی دعوت کو قبول کر کے ان کی تصدیق کریں اور اسلام لے آئیں۔ اس خیال سے اُنہوں نے رسول اللہ سے کہا کہ ہم نے اپنی قوم کو چھوڑا اور واقعہ یہ ہے کہ باہمی عداوت و رقابت کی وجہ سے ہم میں کوئی قومیت ہی نہیں ہے ممکن ہے آپ کی وجہ سے اللہ پھر اُن کی بات بنادے، ہم اُن کے پاس جاتے ہیں اُن کو آپ کی دعوت پہنچاتے ہیں اور یہ دین جو ہم نے قبول کر لیا ہے پیش کرتے ہیں۔ اگر اللہ نے اُن سب کو اس بات پر متحد کر دیا تو آپ سے زیادہ ہماری نظر میں اور کوئی معزز نہ ہوگا۔ اس گفتگو کے بعد یہ لوگ ایمان لا کر اور آپ کی نبوت کی تصدیق کر کے اپنے اپنے وطن چلے گئے، یہ قبیلہ خزرج کے چھ اشخاص تھے۔ ان میں اس قبیلہ کے خاندان بنو النجار میں سے (یہ ہی تیم اللہ ہیں)۔ بنی مالک بن النجار بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر کی اولاد میں سے اسعد بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار تھا (یہ ہی ابوامامہ ہے)۔ اور عوف بن الحارث بن رفاعہ بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن النجار تھا (اور یہی ابن عقرہ ہے)۔ اور بنی زریق بن عامر بن عبد حارثہ بن مالک بن عضب بن الجثم بن الخزرج بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر میں سے رافع بن مالک بن العجلان بن عمرو بن عامر بن زریق تھا۔ اور بنی سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن سارۃ بن تزیید بن جثم بن الخزرج بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر اور پھر بنی سواد میں سے قطیبہ بن عامر بن حدیدہ بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ تھا۔ اور بنی حرام بن کعب بن سلمہ میں سے عقبہ بن عامر بن تابی بن زید بن حرام تھا۔ اور بنی عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے جابر بن عبد اللہ بن رباب بن النعمان بن سنان بن عبید تھا۔ مدینہ واپس آ کر انہوں نے اپنی قوم سے رسول اللہ کا ذکر کیا اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ جو ان میں بہت مقبول ہوئی۔ انصار کا کوئی گھر ایسا نہ رہا۔ جہاں رسول اللہ کا ذکر نہ ہوتا ہو۔ دوسرے سال حج میں انصار کے بارہ آدمی مکہ آئے اور انہوں نے عقبہ میں رسول اللہ سے ملاقات کی۔ یہی پہلا عقبہ ہے۔“ (طبری جلد اول صفحہ 115-116)

(ii) خانوادہ رسول کی مدنی شاخ انصار نے ایک پیغام پر اعلان اسلام کر دیا

اس بیان میں قحطانی تاریخ یہ مانتی ہے کہ انصار کو خدا نے پہلے سے اسلام کے لئے آمادہ کر رکھا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ جو اتفاقی اور ناگہانی اور بے جوڑ قصہ جوڑتی ہے وہ حق کو پوشیدہ کرنے کے لئے ضروری ہو گیا تھا۔ ہمارا پہلا اعتراض یہ ہے کہ کیا اللہ کو اچانک اپنا وعدہ یاد آ گیا تھا؟ یہ وعدہ تو روز اول سے تھا۔ لہذا روز اول سے ہی انصار کو اسلام عطا کر رکھا تھا۔ اعلان اور قریش کے لئے دھماکہ روک

رکھا تھا۔ پھر یہ کہ اگر خزرج پہلے سے مسلمان نہ ہوتے تو وہ بھی اُن عربوں کی طرح اقتدار میں حصہ مانگتے۔ اُن کا فوراً بلا شرط متفق ہو جانا بتاتا ہے کہ وہ ایک ہی خاندان کے افراد تھے۔ اللہ، رسولؐ اور علیؑ کا اقتدار و حکومت اُن کی اپنی حکومت اور اقتدار تھا۔ پھر انہوں نے مدینہ جا کر چنگی بجانے میں سارے مدینہ کو مسلمان کر دیا اور کسی نے اختلاف کیا نہ تصدیق کی ضرورت محسوس کی۔ اگر اہل مدینہ ابوطالب کے زمانہ سے ہی مسلمان نہ ہوتے تو صرف چھ آدمیوں کے کہنے سے یہ کایا پلٹ کیسے ہو سکتی تھی؟ مکہ میں تیرہ سال کے اندر خود رسولؐ اللہ اور خاندان رسولؐ کی ذاتی تبلیغ سے سو آدمی بھی مسلمان نہ ہو سکے۔ رہ گیا یہودیوں کی پیشگوئی اور انصار کو ڈرانا، یہ اس لئے غلط ہے کہ یہودی غالب تھے۔ مغلوب کو ڈرانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ پھر یہودیوں کا یہ قول تازہ نہ تھا۔ چنانچہ انصار پابندی سے حج کو مکہ میں آتے تھے۔ اگر انہیں سچ مچ ڈرایا گیا ہوتا تو بہت پہلے سے اُن کو نبیؐ کی تلاش رہنا چاہئے تھی۔ انہوں نے کبھی تلاش نہیں کیا لہذا خوف نہ تھا۔ پھر نبوت محمدؐ کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ناممکن تھا کہ خود محمدؐ کے نانا اور ماموؤں کو معلوم نہ ہوا ہو۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ قبیلہ اوس و خزرج اپنے خاندانی نبیؐ پر روزِ اوّل سے ایمان رکھتے تھے اور نصرت و اعلان کا حکمیہ انتظار کر رہے تھے۔

(21/8) مدینہ میں بارہ نقیبوں کا تقرر؛ معاہدہ تحفظ کی شرطیں

قارئین یہ دیکھ چکے کہ مدینہ میں گھر گھر اسلام جا پہنچا تھا۔ رسولؐ اللہ مدینہ کی طرف ہجرت کیلئے مدینہ میں اپنے خاندان کو ہدایت پہنچا رہے تھے۔ یہ سب کچھ زیر پردہ قریش سے پوشیدہ کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ آپؐ مدینہ کے وفود سے وادی عقبہ میں پہاڑ کے دروں کے اندر راتوں کو ملاقات کیا کرتے تھے۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں آپؐ نے انصارؓ کو ان شرائط سے مطلع کیا جو اسلام اور رسولؐ اللہ کے تحفظ کیلئے ضروری تھیں۔ رات کے اندھیرے میں خاندان رسولؐ کے ستر (70) مدنی مرد اور دو خواتین رسولؐ اللہ کے مخاطب ہیں۔ وضاحت طلبی کیلئے وہ لوگ چاہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ اپنے متعلق انتہائی بات کہہ دیں، چنانچہ یہ قصہ تاریخ طبری سے سنئے:-

”رسولؐ اللہ نے گفتگو شروع کی پھر قرآن پڑھ کر سنایا، اللہ کی دعوت دی اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ پھر فرمایا میں اس شرط پر تم سے بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اس طرح حفاظت کرو گے جس طرح تم اپنی بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔ اس پر براءؓ نے آپؐ کا ہاتھ پکڑا اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو بجا طور پر نبیؐ مبعوث فرمایا ہے۔ ہم آپؐ کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح کہ ہم اپنی ازاروں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس شرط پر ہم نے رسولؐ اللہ صلعم کی بیعت کی۔ بخدا ہم اہل حرب اور اہل جماعت ہیں اور یہ فخر ہم کو ورثہً اپنے بزرگوں سے ملتا رہا ہے۔

بارہ نقیب: براءؓ ابھی گفتگو کر رہے تھے کہ اُن کی بات کاٹ کر ابو الہیثم بن تیہان بنی عبدالاشہل کے حلیف نے کہا اے رسولؐ اللہ ہمارے اور یہودیوں کے درمیان جو رشتہ اور تعلق ہے ہم اُسے قطع کر دینے کے لئے آمادہ ہیں۔ اگر ہم نے ایسا کر دیا اور اللہ نے آپؐ کو غلبہ عطا فرمایا تو کیا آپؐ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس چلے آئیں گے۔ رسولؐ اللہ نے تبسم فرمایا۔ پھر کہا خون، خون، بربادی، بربادی، میں تم سے اور تم مجھ سے ہو۔ جس سے تم لڑو گے میں لڑوں گا، جس سے تم صلح کرو گے میں صلح کروں گا۔ پھر آپؐ نے فرمایا تم اپنے میں سے بارہ (12) نقیب مجھے دو کہ میں اُن کو اُن کی قوم کی نگرانی اور سیاست کے لئے مقرر کروں۔ چنانچہ انہوں نے بارہ نقیب جن میں نو خزرج اور

تین اوس کے تھے انتخاب کر دیئے۔ رسول اللہ صلعم نے اُن نفیوں سے فرمایا تم اپنی قوم کے وعدوں کے اُسی طرح کفیل ہو جس طرح حواری عیسیٰ کے کفیل تھے اور اپنی قوم کا میں کفیل ہوں۔ انہوں نے کہا اچھی بات ہے۔ ہم اسے قبول کرتے ہیں۔

بیعت عقبہ ثانیہ: عاصم بن عمر بن قتادہ سے مروی ہے کہ جب یہ سب جماعت رسول اللہ کی بیعت کیلئے آمادہ ہوئی عباس بن عبادہ بن نضلۃ الانصاری نے جو بنی سالم بن عوف کا رشتہ دار تھا سب کو مخاطب کر کے کہا تم ان ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھ گئے ہو جو انکے ہاتھ پر بیعت کرنے کی وجہ سے تم پر عائد ہوگی، انہوں نے کہا ہاں سمجھ گئے۔ اس نے کہا اس بیعت کے یہ معنی ہیں کہ تم کو تمام دنیا سے لڑنا پڑیگا۔ سب تمہارے دشمن ہو جائینگے تو اگر انکی حمایت میں کسی مصیبت کی وجہ سے تمہاری تمام دولت برباد ہو جائے اور تمہارے تمام اشراف مارے جائیں اور پھر تم ان کا ساتھ چھوڑ دو تو اس وقت ایسا کرنے سے یہ بہتر ہے کہ اب ہی انکار کر دو۔ کیونکہ اقرار کے بعد عدم ایفا کی صورت میں دین و دنیا کی رسوائی ہے اور اگر تم ان تمام مصائب کے پیش آنے کے بعد بھی ایفائے عہد کیلئے آمادہ ہو تو بے شک ان کو اپنے ساتھ لو، اس میں دین و دنیا دونوں کی بھلائی ہے۔ اس پر سب حاضرین نے کہا ہم مال و جان کی مصیبت کو برداشت کر کے آپ کو لیتے ہیں۔ رسول اللہ آپ فرمائیں اگر ہم نے آپ کے ساتھ وفا کی ہمیں اس کا کیا اجر ملے گا۔ آپ نے فرمایا جنت۔ سب نے کہا ہاتھ پھیلائیے۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا اور سب نے آپ کی بیعت کی۔

راوی کا خیال ہے کہ عباس بن عبادہ بن نضلۃ الانصاری نے یہ تقریر صرف اس لئے کی تھی کہ رسول اللہ کی حمایت اور مدافعت کا عہد زیادہ پختگی سے ان کے ذمہ عائد ہو، مگر عبد اللہ بن ابی بکر کا خیال ہے کہ عباس نے یہ تقریر اس لئے کی تھی کہ اس رات کو وہ لوگ آپ کی بیعت نہ کریں۔ وہ چاہتے تھے کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول بھی اس عہد میں شریک ہو تو اس جماعت کی بات زیادہ قوی ہو جائے گی۔ مگر اللہ ہی ان کی نیت سے زیادہ واقف ہے کہ کیا تھی۔ بنی النجار مدعی ہیں کہ سب سے پہلے ابو امامہ اسعد بن زرارہ نے رسول اللہ کے ہاتھ پر بیعت کے لئے ہاتھ رکھا۔ اور بنی عبدالاشہل کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ابو الہیثم بن تیہان نے بیعت کی۔ کعب بن مالک سے مروی ہے کہ سب سے پہلے اس موقع پر براء بن معرور نے رسول اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ رکھا اور بیعت کی، اس کے بعد تمام جماعت نے متواتر بیعت کی۔ جب ہم بیعت کر چکے تو میں نے ایسی بلند اور صاف آواز میں جو میں نے کبھی نہ سنی تھی گھائی کی چوٹی پر سے شیطان کو یہ کہتے سنا۔ اے اہل جبل تم کو اس شخص کے ساتھ معاہدہ کرنے اور تبدیل مذہب سے کیا فائدہ ہوگا۔ ہوشیار ہو جاؤ قریش نے تم سے لڑنے کیلئے تصفیہ کر لیا ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا یہ دشمن خدا کیا بک رہا ہے، یہ اس گھائی کا بھوت ہے، یہ شیطان ہے۔ اے خدا کے دشمن سُن لے میں بہت جلد اس کام سے فارغ ہو کر تیری خبر لیتا ہوں۔ پھر آپ نے انصار سے کہا اب تم اپنی قیام گاہوں کو جاؤ، اس موقع پر عباس بن عبادہ بن نضلۃ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو واقعی نبی مبعوث فرمایا ہے حکم ہو تو ہم کل صبح ان لوگوں پر جو منی میں ہیں تلواروں سے حملہ کئے دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہمیں اس کا ابھی حکم نہیں دیا گیا ہے اس وقت تو تم اپنی قیام گاہوں کو چلے جاؤ۔ ہم اپنی خواہاں گاہوں کو واپس آکر سو گئے۔ صبح کو قریش کے بیشتر اصحاب ہمارے پاس آئے اور انہوں نے کہا اے گروہ خزرج ہمیں خبر ملی ہے کہ تم ہمارے اس شخص کے پاس گئے تھے اور تم اسے ہمارے خلاف مرضی یہاں سے لے جانا چاہتے ہو اور تم نے ہم سے لڑنے کے لئے اس کی بیعت کی

ہے۔ حالانکہ بخدا تمام قبائل عرب میں اس بات کے لئے کہ وہ ہم میں اور ان میں جنگ کرادے تم سے زیادہ کوئی ہمارے نزدیک مغوض نہیں۔ اس پر ہماری قوم کے جو مشرک ہمارے ساتھ آئے تھے چونک پڑے اور انہوں نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوا ہے اور ہم اس سے بالکل بے خبر ہیں اور ان کی بات ٹھیک بھی تھی کیونکہ واقعی ان کو کچھ معلوم نہ تھا۔ خود ہم میں سے ایک نے دوسرے کو دیکھنا شروع کیا، اتنے میں قریش اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں حارث بن ہشام بن المغیرۃ المخزومی بھی تھا وہ نئے جوتے پہنے ہوئے تھا۔ میں نے اپنی قوم کی کہی ہوئی بات میں شرکت کے لئے یہ بات کہی کہ اے ابو جابر تم بھی ہمارے سردار ہو، کیا تم اس قریشی کے ایسے جوتے نہیں خرید سکتے۔ حارث نے یہ بات سن پائی اس نے وہ جوتے پاؤں سے نکال کر میری طرف پھینکے اور کہا کہ بخدا اب تم کو یہ پہننا پڑیں گے۔ ابو جابر نے مجھ سے کہا زرا خاموش رہو تم نے اسے ناراض کر دیا۔ اس کے جوتے واپس دے دو۔ میں نے کہا ہرگز نہیں، یہ تو ہمارے لئے اچھی فال ہے اگر یہ پوری ہوئی تو دیکھنا کہ قتل کے بعد میں اس کے لباس اور اسلحہ کو اتاروں گا۔

عقبہ کے متعلق یہ مذکورہ بالا بیان کعب بن مالک کا ہے۔ ابو جعفر کہتے ہیں اور ابن اسحق کے علاوہ دوسروں نے بھی یہ بیان کیا ہے کہ انصاری ذی الحجہ میں بیعت کے لئے رسول اللہ کی خدمت میں آئے ان کے جانے کے بعد اس سال کے ذی الحجہ کا بقیہ زمانہ محرم اور صفر رسول اللہ مکہ میں رہے۔ ربیع الاول میں آپ ہجرت کر کے مدینہ روانہ ہوئے اور دو شنبہ کے دن 12 ربیع الاول کو آپ مدینہ پہنچے۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 122-124)

(21/9) ہجرت کا معاہدہ حق اور باطل کے درمیان خط فاصل

اس معاہدہ پر نظر ڈالنے سے پہلے ذرا یہ دیکھیں کہ اس رات کے اندھیرے میں وہ لوگ کہاں ہیں؟ جو بعد میں بڑے گہرے دوست اور ہمراز و دمساز بنا کر دکھائے گئے۔ آج ان پر رازداری و وفاداری کا اعتماد کیوں نہیں ہے؟ قحطانی بصیرت کی یہ کتنی بڑی خامی ہے کہ صدیوں کا موقعہ و اختیار ملنے کے باوجود اس وقت ان میں سے کسی ایک کا نام بھی نہ لکھا۔ خیال ہی نہ آنے پایا کہ کل کا مؤرخ یہ دریافت کرے گا کہ اس اہم ترین موقعہ پر وہ کہاں ہیں؟ اور آج تک کے واقعات میں ان کا کوئی حصہ کیوں نہیں ہے؟ شعب ابو طالب سے وہ غائب تھے، تین سال کے مصائب میں انھوں نے کوئی حصہ نہ لیا، حکومت کی پیشین گوئی کے باوجود دوڑ دوڑ کر کیوں رہتے چلے آ رہے ہیں؟ کیا وہ قریش کی کسی خاص نگرانی یا ٹریننگ پر متعین ہیں؟ قارئین نوٹ کریں کہ یہی وہ معاہدہ ہے جس نے انہیں جھنجھوڑ کر یہ سکھایا کہ آئندہ راتوں میں رسول پر باقاعدہ نگرانی رہنا چاہئے۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے اندھیروں میں بھی کوئی ایسا اقدام آئندہ نہ کر سکیں جس سے قریشی آنکھ غافل رہ جائے۔ آئندہ انہیں رسول کے گھر میں بھی پہرہ لگانا ہوگا، ہر بات غور سے سننا ہوگی، لفظ دن اور رات پر کان دینا ہونگے کہ کہیں رات میں کسی اقدام کا اشارہ تو نہیں کیا گیا ہے۔ یہی رات تھی، یہی ناکامی تھی، یہی وہ نیند اڑا دینے والا حادثہ تھا جسکی وجہ سے بعض لوگوں نے رات کا سونا چھوڑ دیا، آپس میں جاگتے رہنے پر ڈیوٹیاں مقرر کر لیں۔ یہ معاہدہ رات میں ہوا ہے اسلئے یہ سمجھنا نہایت آسان تھا کہ رسول اللہ جب بھی مکہ سے مدینہ جائیں گے ضرور رات ہی میں جائیں گے۔ لہذا در دولت پر ہی نہیں بلکہ آپ کی مکان کی چھتوں اور چار دیواری پر بھی نظر رہنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ دیوار پھلانگ کر نکل جائیں۔ جو کچھ ہم لکھتے ہیں یا لکھ رہے

ہیں وہ فطری واقعات و نفسیات کا تجزیہ ہوتا ہے۔ اس میں سو فیصد صحیح عوامل و عواقب و نتائج کا سامنے آکھڑا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ دیکھئے ایک سایہ آڑ میں سے نکلا اور رسول اللہ کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا ہے۔ یہ بیعت عقبہ ثانیہ میں جو ہجرت و نصرت کا معاہدہ اور بیعت ہوئی، ابلیس کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں رہی۔ وادی عقبہ میں بھی بھوتوں کے کچھ سائے ادھر ادھر منڈلا رہے تھے۔ ابلیس نے ادھر آنحضرتؐ اور ان کے جان نثاروں کو بتا دیا کہ میں تمہیں نظر میں رکھے ہوئے ہوں۔ ادھر اپنے قریشی نمائندوں کو نظام وحی (6/121) سے خبردار کر دیا اور بتا دیا کہ تم سے مادی انتظام میں بڑی مہلک غلطی ہو گئی ہے۔ جاگو اور جاگتے رہو اور جس طرح ہو سکے رسولؐ کی تنہائیوں میں، رات کے اندھیروں میں دو چار نگران آنکھیں پہنچا دو۔ جو انکی رات بھر کی نقل و حرکت، سونا جاگنا، وضو اور عبادت، مراقبہ و مکاشفہ پر نگرانی کریں اور بروقت رپورٹ دیں تلافی و تدارک کریں۔ انکی تنہائیوں میں مونس و غمخوار بن جاؤ۔ ابوطالبؓ اور خدیجہؓ راتوں ہی میں تو جاں نثاری و حفاظت کرتے تھے۔ راتوں ہی میں تو انکی یاد زیادہ آتی ہوگی۔ آگے بڑھو، شرم کو بالائے طاق رکھو، موقعہ سے فائدہ اٹھاؤ، اپنی بصیرت، تجربہ اور اجتہاد سے اسکی مبنی بناؤ۔ اس موقعہ پر چاندی، سونا اور رات کا سونا سب قربان کر دو، یہ قربانی کل کام آئے گی۔

(ii) یہ معاہدہ قتل و غارت اور تنہائی پر آمادگی تھا

قارئین کو قحطانی تاریخ میں یہ مغالطہ بھی ملے گا کہ اُس رات کے معاہدہ میں قریش کے ایک کافر عباس نامی کو موجود دکھایا جائے جو سابقہ واقعات کے ربط و نظم کے خلاف غیر فطری ہے۔ دوسرے یہ مغالطہ جناب عباس بن عبادہ خزرجی کے نام پر دیا گیا ہے۔ اور اُسی قسم کی تقریر قریشی عباس کے منہ سے اُگوائی ہے۔ جیسی عباس بن عبادہ نے انصار کو مستقبل کے خطرات پر آمادہ کرنے کیلئے کی تھی۔ بہر حال اُس رات اُس معاہدہ میں کوئی قریشی موجود نہ تھا۔ عباس بن عبادہ نے انصار کو یہ کیوں نہ کہا کہ تمہیں قریش سے لڑنا پڑے گا؟ اور یہ کیوں کہا کہ ساری دنیا سے جنگ کرنا پڑے گی؟ مطلب واضح ہے کہ انصار کا خاندان رسولؐ کے افراد ہیں۔ جب تک محمدؐ اور اُن کا مشن دنیا میں موجود ہے۔ اُس خاندان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ کوئی اور نصرت کرے یا نہ کرے مگر انصار کو سچ مچ ابوطالبؓ کی طرح ناصر بننے کے لئے تاقیامت اسلام کی نصرت میں دنیا کی ہر مخالف جماعت سے جنگ کرنا ہوگی۔ وہ غالباً جانتے تھے کہ دنیا سے ان کا مطلب قحطانی تصورات، قحطانی مذہب، اور قحطانی نسلیں اور حکومتیں تھا جو مسلسل حقیقی اسلام کے خلاف محاذ آرائی چلی جائیں گی۔ ان کے سامنے رسول اللہ کے چار لفظ اُبھر کر اور پھیل کر آ گئے تھے؛

”خون، خون۔ بربادی، بربادی“

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضورؐ نے ”خون، خون“ فرمایا تو کہیں سامنے فضاؤں میں قتل و غارت کے وہ تمام سین (Scenes) دیکھے جا سکتے تھے۔ جو 11 ہجری سے شروع ہو کر زوال حکومت دہلی تک پیش آنے والے تھے۔ اور جب ”بربادی، بربادی“ فرمایا تو وہ تمام شکست و ریخت، لوٹ مار، تباہیاں، منہ خوار اور گولہ باریاں۔ عبادت خانوں، قلعوں، شہروں، مکانوں کا مسمار کیے جانا، کعبہ کو جلا ڈالنا، مدینہ میں تین روز تک اسلام کے نام پر جان و مال و عصمتیں مباح کر دینا۔ عورتوں، بچوں اور بیکیں لوگوں کو لوٹ لینا، سامنے پھر گیا ہوگا۔ الغرض

عباس بن عبادہ نے حضورؐ کے مدنی خاندان کو اُس مہم سے مطلع کر دیا جس کے لئے ابوطالبؓ نے اپنی اولاد کو تیار کیا تھا اور انتقال کے وقت وصیت کی تھی۔ انہیں احساس دلایا کہ تم آج تک نصرت سے دُور رہے ہو۔ یہ زمانہ، یہ ترین سال کا دور قحطانیوں یعنی قریشیوں پر اتمامِ حجت کا زمانہ تھا۔ وہ بہر حال غیر لوگ تھے انہوں نے جو کچھ کیا، اُس کی صورت ہی اور ہے۔ تم خانوادہ اسماعیلؑ کی مرکزی شاخ سے ہو، تم رسولؐ کے اپنے اقربا ہو، تم ابوطالبؓ کی جگہ نصرت کا ذمہ لے رہے ہو۔ تمہاری عورتوں پر حضرت خدیجہؓ کی ذمہ داریاں عائد ہو رہی ہیں۔ اس وقت سوچ لو، سمجھ لو کہ تمہاری اولاد اور بزرگ مقتل پر قتل ہوئے پڑے ہیں، مال و دولت لٹ چکا ہے، بچے اور خواتین کے قیدی بننے کا وقت آگیا ہے کیا یہ سب تمہیں منظور ہے؟ شاباش سب کو محمدؐ پر قربان کر دو۔ اسلام کو دنیا میں روشناس اور سرخرو کرنے کے لئے آگے بڑھو اور محمدؐ کا ہاتھ پکڑ کر جنت اور خدا کی رحمت میں داخل ہو جاؤ۔ حوارین حضرت عیسیٰؑ کی طرح سب کچھ تیاگ دو، قربان کر دو اور محمدؐ کو لے لو۔

(iii) قریش اور اہل مکہ پر رحم کیا گیا اور نہ تہ تیغ کر دئے جاتے

عباس بن عبادہ کا دلایا ہوا جوش اور مستقبل میں قتل و غارت اور تباہی کی اطلاع نے نوجوانان اسماعیلؑ کو حفظِ ماقدم کا خیال دلایا۔ انہوں نے بگڑ کر کہا کہ کیوں نہ کل منیٰ میں قریش کا صفایا کر دیا جائے؟ افسوس کہ رسول اللہؐ اور خانوادہ رسولؐ ہماری طرح آزاد نہ تھا اور شریعت کا جواز بھی اپنے تحفظ میں استعمال نہ کر سکتا تھا۔ ورنہ کیا پیدی کیا پیدی کا شور با۔ ایک نہایت حقیر گرہ، نہایت بُردل رو باہ صفت جماعت، آنا فنا اُنکا قلع قمع کیا جاسکتا تھا۔ ارے حضور وہ اُنہی سواروں کی مسلح جماعت ہی تو تھی، وہ اُسی مدینہ کے شمشیر زن تو تھے، وہ خانوادہ رسولؐ ہی کے بہادر تو تھے جنہوں نے مکہ میں آکر قریش کے سردار نوفلؓ کا سلام ٹھکرا دیا تھا اور صرف ایک ہی تلوار تو میان سے نکل کر چمکی تھی کہ قریش ہاتھ جوڑ کر جناب عبدالمطلب علیہ السلام کی جائیداد واپس کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ یہ تو رسول اللہؐ اور اُنکے بزرگوں کی انسان دوستی اور مستقل امن پسندی کی پالیسی تھی کہ قریش اور اُنکی محسن کش پالیسیاں کامیاب ہوتی چلی گئیں۔ قسم بخدا اگر ہم موجود ہوتے تو قریش کو جنم ہی نہ لینے دیتے۔ اُنکا بیج ناس کر دیتے۔ اور جو کچھ انہوں نے خاندان رسولؐ کے ساتھ کیا وہ سب کچھ اُنکو برداشت کرنا پڑتا۔ راویوں میں وہ شخص جس نے جناب عباسؓ بن عبادہ پر شک ظاہر کیا ہے وہ یقیناً مخالفِ محاذ کا آدمی تھا جو دوسروں کو اپنی قسم کا سمجھتا تھا۔

(iv) بیعت عقبہ اپنے پرانے، دوست اور دشمن کا آخری فیصلہ ہے

طبری کے اس بیان میں یہ بات فیصلہ کن ہے کہ خانوادہ رسولؐ کا مدنی گروپ یہ نہیں چاہتا کہ غلبہ حاصل ہو جانے کے بعد رسول اللہؐ مکہ میں آکر قحطانی قوم میں سکونت اختیار کر لیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کعبہ انبیاء علیہم السلام کا مرکز رہا ہے۔ اور کعبہ و مکہ میں رہنے کے لئے اُن کے بزرگوں نے بڑی بڑی دقتیں اور مصائب جھیلے ہیں۔ لہذا اُن کے نزدیک ضروری تھا کہ رسول اللہؐ واپس آجائیں۔ مگر اب دل نہ چاہتا تھا کہ اُن کا یہ مقدس خاندان مدینہ سے واپس جائے۔ رسول اللہؐ نے اپنے دور نبوت میں مدنی خاندان کی وجہ سے مرکز کو مدینہ میں تبدیل کر لینا پسند فرمایا اور یہ بتانے کے لئے کہ قریش میرا خاندان نہیں ہے اور نہ مجھے اُن سے کوئی لگاؤ ہے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ میری ہر اُس شخص سے صلح اور دوستی رہے گی جس سے تم صلح و دوستی رکھو گے۔ میں ہر اُس شخص یا قوم سے جنگ کروں گا جس سے تمہاری جنگ ہوگی۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ قریش رسول اللہؐ کے خاندان سے ہیں، دراصل واقعات اور حقائق کو منہ چڑانا ہے جس کا ثبوت

خانہ ساز کہانیوں کے سوا اور کہیں نہیں ملتا۔

قرآن کریم نے دشمن اور مخالف قوموں کو نبیوں کی قومیں یعنی امتیں فرمایا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ قوم نبی کی رشتہ دار ہی تھی۔ یہ بھی نوٹ کرنے کی بات ہے کہ جس شخص نے بیعت کی ابتدا کی اور پہلے بیعت کی وہ خاندان کا نزدیک ترین فرد تھا۔ یہ ایسا فخر تھا کہ بعد میں اسکو بانٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ بات خاص طور پر نوٹ کریں کہ تبلیغ کیلئے بارہ نقیب مقرر کیا جانا اس خاندان کی بڑی قدیم مذہبی روایت ہے۔ بارہ کی تعداد آئمہ حق اور خلفائے خداوندی کی اہم شناخت ہے۔ پھر ان نقیبوں کو حواریان عیسیٰ والی ذمہ داریاں دیا جانا خاص اسلامی مقام ہے جس کو بہترین مسلمان کے انتخاب کا معیار بتایا جاتا ہے اور جو مسلمان حواریان عیسیٰ کے معیار سے گرے ہوئے تھے وہ دراصل تیسرے درجے کے مسلمان تھے۔ جو اگر نیک نہاد اور کوشش کرنیوالے ہوں تو حقیقی مسلمانوں کے درجے تک پہنچ سکتے تھے۔

(21/10)۔ ہجرت کا ماحول، ہجرت کے متعلق تاریخی فریب و فراڈ

ہجرت اور اُس کے بعد کے حالات میں قریش نے وہ تمام بنیادیں استوار کی ہیں جس سے مدینہ میں مکیوں کی اسلامی پوزیشن مضبوط کی جائے اور آئندہ آنے والے مکرو فریب کو اسلامی جامہ پہنایا جاسکے۔ اس لئے ضروری ہے کہ قارئین کے روبرو وہ ماحول رہتا چلا جائے جو ہجرت کے وقت تک مکیوں اور مدنیوں کا فرق واضح کر دے۔ اور جہاں انہیں تاریخی بے ربطی سامنے آئے وہ اُسے نظر حشرات سے ٹھکرا دیں۔ مکہ کا اسلامی ماحول یہ تھا کہ اللہ نے کفار قریش کی مزید تبلیغ قطعاً منع کر دی۔ یعنی اُن میں کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا تھا جس پر کسی تبلیغ و تندیر کا اثر ہو سکے۔ اُن سے قطعاً قطع تعلق کر کے مستقبل میں قیام ولایت حکومت کے احکام نازل ہو چکے تھے۔ اس پر رسول اللہ نے اپنے مدنی خانوادہ کو مخاطب کر لیا تھا۔ اور مدینہ کے لوگوں نے باقاعدہ اعلان اسلام اور نصرت اسلام کی دھوم مچا دی تھی۔ رسول اللہ کی عدم موجودگی میں جس تیزی کے ساتھ چند روز میں سارا مدینہ مسلمان ہو گیا وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جناب ابوطالب ہی کے زمانہ سے مدنی خاندان رسالت، تصدیق رسالت کرتا چلا آ رہا تھا۔ یعنی رسول اللہ کا مدنی خانوادہ، کئی خانوادہ کی طرح روزاؤل سے مسلمان تھا۔ اس حقیقت کو پوشیدہ کرنے کے لئے شاہی تاریخ نے چند کئی مبلغین گھڑ کر اُن کا مدینہ میں تبلیغ کرنا بھی لکھ مارا ہے۔ مگر ہمیں ہجرت سے پہلے اُن ناموں کا اسلامی فہرست میں کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ پھر مبلغ کے درجے پر فائز ماننے کیلئے تو باقاعدہ اس کی تعلیم و مذہبی مہارت پر رسول کی سند درکار ہے۔ یوں نہیں مانا جائیگا کہ:

”الف نے جیم سے کہا کہ ب مدینہ میں تبلیغ کے فرائض انجام دے رہا تھا اور فلاں فلاں شخص کو مسلمان کر دیا تھا۔“

ہمیں اُس جیم کا رسول کی صحبت میں باقاعدہ رہنا، تبلیغ پر لکچر لینا اور اس قدر فرصت کا ملنا دکھانا پڑیگا۔ ورنہ یہ قال قال ایک فراڈی بکواس کا ڈھیر ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہجرت کے وقت جو دو ایک نام کے مسلمان مکہ میں دکھائے گئے ہیں۔ اُن کی گزشتہ تیرین سال کی موجودگی اور کارکردگی صفر کے برابر ناقابل توجہ ہے۔ لہذا ہم آئندہ دس سال کے زمانہ میں بھی ان کو ناقابل توجہ سمجھتے رہنے میں حق بجانب ہونگے۔ جن لوگوں نے شعب ابی طالب کے مصائب میں کبھی حصہ نہ لیا، کہیں نصرت کے وقت نظر نہ آئے، کسی راز اور اہم معاملہ میں مذکور نہیں وہ سب مصنوعی ہیرو ہیں۔ آپ یہ سمجھ کر آگے بڑھیں کہ ہجرت کے وقت خانوادہ رسول کے چند افراد کے علاوہ کوئی مسلمان مکہ میں موجود نہیں

ہے اور اگر کوئی ہے؟ اور اُسے کافر ستاتے نہیں ہیں؟ تو وہ مسلمان لباس میں کفار قریش کے آدمی ہیں جو دونوں طرف سے اپنا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ اور نہ کسی کلمی باشندہ کا آئندہ ایمان لانا تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اسلئے کہ خدا نے اُنکے ایمان لا سکنے کی نفی کر دی ہے۔ لہذا ہم تاریخ کے بیانات کو قرآن کے خلاف اور مشرکین قریش کے حق میں ماننے کو تیار نہیں۔ البتہ یہ ضرور مانیں گے کہ ہجرت کے بعد مشرکین قریش میں سے کچھ لوگوں نے جاسوسی اور قریشی مقاصد کیلئے اسلام کا روپ دھار لیا تھا۔ یہ بات پرویز کی زبان سے سُن لیں پھر ہم آگے بڑھیں گے، فرماتے ہیں کہ:-

”دُعوت و تبلیغ اور نصیحت و تلقین کا وہ سلسلہ جس کا ذکر گذشتہ اوراق میں ہو چکا ہے، برابر جاری رہا اور وہ فولادی ذرات جو اس ریت کے ڈھیر میں پوشیدہ تھے، اس طرح اُڑا اُڑ کر اس مقناطیس حق و صداقت سے آکر ملتے رہے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کے تمثیلی واقعہ میں پرندے آپ کی آواز پر لبیک لبیک!! کہتے ہوئے دوڑے آئے تھے۔ حتیٰ کہ یہ تمام فولادی ذرات جن میں محض فطری کشش سے اس مرکز ہدایت و رشادت کے گرد جمع ہونے کی صلاحیت باقی تھی، جامد پتھر کے ذروں سے الگ ہو گئے۔ تحریک انقلاب آسمانی کا یہ پہلا دور اُسی عمل تلخیص و تنقیح اور اپنی جماعت کی تعمیر و تطہیر کے لئے تھا۔“

تاکہ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں انہیں پاک کر دے، اور جو منکرین حق ہیں وَلَيَمَحْصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ۝ (آل عمران 3/141)

انہیں یک قلم نیست و نابود کر دے۔ ”اب وہی لوگ باقی رہ گئے جو قوت و دولت کے نشہ میں بدمست، محض بر بنائے بغض و عداوت، مخالفت کئے جا رہے تھے۔ تہر دوسر کشی نے اُن سے عقل و بصیرت اور دانش و عبرت کی تمام صلاحیتیں سلب کر لی تھیں۔ تعصب و جہالت نے اُنکی آنکھوں پر پردے ڈال رکھے تھے اور انکار وجود نے ان کے دلوں پر مہر لگا رکھی تھیں۔ چنانچہ اُن کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ (اے پیغمبر) تم انہیں (انکار حق کے نتائج سے) عَلٰی قُلُوبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی ابْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (بقرہ 2/6-7)

روشنی کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں، اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو آنکھیں بند کر لیتا ہے اس کے لئے تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے۔ پس اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ اُن کے دلوں اور کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے، اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے (کوئی بات کتنی ہی سچی ہو، سمجھ نہیں سکتے، کوئی آواز کتنی ہی اونچی ہو سُن نہیں سکتے، کوئی چیز کتنی ہی روشن ہو، دیکھ نہیں سکتے) سو (جن لوگوں نے اپنا یہ حال بنالیا ہے، وہ کبھی ہدایت نہیں پاسکتے۔ کامیابی کی جگہ) اُن کے لئے عذاب جاننا ہے! یہ وہ لوگ تھے جن کے دل میں نہ حُسنِ عمل کے جزا کی تبشیر و ترغیب کچھ ذوقِ سعادت اور ولولہِ انابت پیدا کر سکتی تھی۔ اور نہ ہی ان کی سرکشی و غوایت کے انجام و عواقب کی تنذیر و ترہیب اُن میں جذبہ تضرع و خشیت کی نمود کر سکتی تھی۔ لہذا اُن کے متعلق نبی اکرم سے کہد یا گیا کہ اُن کے پیچھے سر کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر یہ نہیں سنتے تو اُن سے اعراض برتتے۔

فَأَعْرِضْ عَنْ مَن تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ (نجم 53/29)

یہ اسی سلوک کے قابل ہیں۔ ”تو (اے پیغمبر) تم بھی ان لوگوں سے اعراض
برتو جو ہمارے ذکر سے گردن موڑ کر چل دیتے ہیں اور جو دنیوی زندگی کے

سوا کسی اور بات کا ارادہ ہی نہیں کرتے۔“ (معارف القرآن، جلد چہارم صفحہ 340-341)

ہمارے لئے علامہ پرویز کا یہ بیان نہ کوئی سند ہے نہ کوئی دلیل ہے۔ اس لئے کہ ہم یہ سب کچھ قرآن کے خالص بیانات سے دکھا چکے
ہیں۔ یہ بیان صرف اس لئے لایا گیا ہے کہ مسٹر پرویز مشرکین قریش، قحطانی ہیروز کے سب سے بڑے طرفدار اور قریش کے بولتے
چالتے بتوں کے اندھے پرستار ہیں اور ان کا بیان قریش کے خلاف ضرور قابل توجہ ہے۔ ان کی دھاندلی اور فریب دہی کا کمال یہ ہے کہ
قرآن کی زبان اور اپنے قلم سے یہ دکھا کر کہ ہجرت کے وقت قریش میں سے کوئی ایمان لانے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ پھر بھی یہ علامہ
صاحب قریش میں سے کچھ لوگوں کا ایمان لے آنا اور اسلام کے ہیرو بن جانا مانتے ہیں۔ لیکن ہم قارئین کو یہ بتا کر اور یقین دلا کر آگے
بڑھانا چاہتے ہیں کہ وہ ہجرت کے بعد اگر کسی قریشی کا ایمان لانا اور ہیرو بن جانا مانیں گے تو وہ قرآن، پرویز اور ہمارے بیانات اور خود
اپنی عقل کے خلاف ایک غلط فیصلہ کریں گے۔ لہذا ہم قرآن کی روشنی میں آئندہ کسی قریشی کو قلبی حیثیت سے حقیقی مسلمان نہ سمجھیں گے۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ہجرت کی وہ صورت جو قحطانی تاریخ میں پیش کی گئی ہے ہمیں قبول نہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جن لوگوں
کے بھروسے اور وعدہ پر ہجرت کی جارہی ہے ان کا تعلق و ربط برابر قائم رہے۔ یعنی ان کو روانگی کا دن اور وقت معلوم ہو، وہ اس سلسلے میں
انتظام کریں، رسول اللہ کو محفوظ طریقے پر جائے مقررہ سے مدینہ لے کر جائیں۔ وقت کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ بغیر کسی دانشورانہ
پروگرام کے خود کو مادی خطرات میں جان بوجھ کر ڈال دیں۔ اور ایک آدھ لنگڑے لڑے، ناکارہ، بے بصیرت آدمی کو ساتھ لے کر نکل پڑیں
اور کسی طرح مدینہ جا پہنچیں۔ جہاں ہر بات وحی اور مدنی پروگرام کے ماتحت ہو رہی ہو، وہاں یہ اناڑی کی زقند کیسے قابل قبول ہو سکتی ہے۔
عقبہ ثانیہ کے معاہدے میں پورا پروگرام طے ہو گیا تھا۔ قارئین طبری سے سن چکے ہیں کہ حج کے بعد ماہ محرم و صفر دو ماہ مکہ میں قیام طے ہو گیا
تھا۔ تاکہ رسول اللہ متعلقہ انتظام کر سکیں اور سفر کے لئے تیار ہو جائیں اور ماہ ربیع الاول میں روانگی ہو جائے۔ چونکہ عقبہ ثانیہ کا پروگرام
ابلیس نے اپنے قریشی گروہ کو بتا دیا تھا۔ اس لئے کچھ ایسا زمانہ بھی درکار تھا جس میں دشمن اپنا انتظام کر لے۔ مثلاً مدینہ میں اپنا اثر و رسوخ
اور دباؤ برسر کار لا کر ہجرت کو روکنے اور انصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کر دیکھے۔ اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ رسول اللہ نے کوئی خفیہ سازش
کر کے قریش کو مجبور کر دیا تھا ورنہ وہ اسلام کی کامیابیاں روک سکتے تھے۔ چنانچہ جب قریش کو ابلیس نے عقبہ ثانیہ کے پروگرام سے مطلع کر
دیا تو پہلا قدم یہ اٹھایا کہ مدینہ والوں کے کمپ میں آئے انہیں اپنی مخالفت سے مرعوب کیا۔ پھر مدینہ میں اپنا وفد بھیجا اور عبد اللہ ابن ابی کو
ایک خط پہنچایا جس میں رسول اللہ کے خلاف محاذ قائم کرنے کا پروگرام اور اپنی مدد کا وعدہ تھا۔ اپنے نمائندوں کو اسلامی اور غیر اسلامی لباس
میں مدینہ میں تعینات کیا۔ ادھر یہودیوں کو مخالفت کے لئے تیار کیا، تاجرانہ روابط اور سرمایہ کے ضبط ہو جانے کی دھمکی دی۔ یعنی قریشی ٹولہ
جو کر سکتا تھا، اُسے پورا موقعہ دیا گیا۔ اور اگر قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتماعی قتل کا منصوبہ نہ بنایا ہوتا اور نگرانی کا پورا
انتظام نہ کر لیا ہوتا تو آپ ہر گز رات کو سفر نہ کرتے سب سے مل کر روانہ ہوتے۔ اللہ و رسول کی اس پالیسی کو ہر وقت سامنے رکھنا چاہئے کہ

وہ ابلیس اور اُس کے گروہ کو بے بس نہیں کرتے، انہیں تمام مادی مواقع فراہم کرتے ہیں دھوکہ نہیں دیتے۔ تاکہ ابلیس اور اس کا گروہ اپنی پوری قوت و بصیرت استعمال کرنے کے بعد ناکام ہو۔

(21/11)۔ آنحضرتؐ کو قتل کرنے کی اجتماعی اسکیم؛ نجدی شیخ یعنی ابلیس

یہ بڑی معنی خیز بات ہے کہ قریش کی ہدایت کاری کے لئے ابلیس نجد کا باشندہ اور بزرگ بن کر آیا کرتا تھا۔ اور مجلس مشاورت کی صدارت اور راہنمائی میں مصروف رہا کرتا تھا۔ علامہ طبری نے لکھا ہے:-

”کفار کی مجلس مشاورت“: ”قریش نے جب دیکھا کہ اُنکے ملک کے علاوہ دوسرے ملک میں رسول اللہ کے بہت سے پیرو اور ساتھی پیدا ہو گئے ہیں اور مہاجرین اُنکے پاس چلے جا رہے ہیں۔ اُنکو محسوس ہوا کہ مسلمانوں کو اچھی پناہ گاہ مل گئی ہے جہاں اُنکا قابو نہیں چل سکتا۔ اب اُنکو خود رسول اللہ کے مکہ سے چلے جانے کا خوف دامن گیر ہوا اور یہ بات بھی اُنکو معلوم ہو گئی کہ آپؐ نے مدینہ جا کر قریش سے لڑائی کا بیہ کر لیا ہے۔ قریش اس صورت حال پر غور کرنے کیلئے اپنی مجلس میں جو قصی بن کلاب کا گھر تھا اور جہاں مشورہ کئے بغیر وہ کوئی معاملہ طے نہیں کرتے تھے، جمع ہوئے تاکہ رسول اللہ کے معاملے میں باہم مشورہ کریں۔ اسکے متعلق ابن عباس سے مروی ہے کہ جب قریش نے رسولؐ کے معاملے میں اپنی قومی مجلس میں جمع ہو کر مشورہ اور تصفیہ کا فیصلہ کر لیا، وہ مقررہ دن میں جو رسمہ تھا صبح کو وہاں جمع ہوئے۔ ابلیس ایک بڑے بزرگ شیخ کی صورت میں سر پر ایک پرانا کپڑا ڈالے سامنے آیا اور مجلس کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ قریش نے اُسے دروازے پر کھڑا دیکھ کر پوچھا تم کون ہو؟ اُس نے کہا میں نجد کا ایک شیخ ہوں جس کام کیلئے تم جمع ہوئے ہو مجھے بھی اسکی اطلاع ہوئی تو آ گیا ہوں کہ تمہاری گفتگو سنوں اور شاید میں بھی کوئی عمدہ مشورہ اور نصیحت کی صلاح دے سکوں۔ قریش نے کہا بہتر ہے آئیے۔ وہ بھی اُنکے ساتھ مجلس میں آیا۔ وہاں قریش کے تمام اشراف بلا استثناء جمع تھے اُنکے ہر قبیلے کے عمائد موجود تھے۔“ (مسلل دوسرا عنوان لکھا کہ)

”حضرت محمدؐ کے خلاف منصوبے“: ”بنی عبدالمطلب میں سے ربیعہ کے بیٹے شیبہ اور عتبہ تھے اور ابوسفیان بن حرب تھا۔ بنی نوفل میں سے طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم اور حارث بن عامر بن نوفل تھے۔ بنی عبد الدار میں سے النضر بن حارث بن کلدہ تھا۔ بنی اسد بن عبد العزیٰ میں سے ابو البختری بن ہشام، زمعہ بن الاسود اور حکیم بن حرام تھے۔ بنی مخزوم میں ابو جہل بن ہشام۔ بنی ہم میں سے حجاج کے بیٹے نبیہہ اور منبہ۔ بنی نجیح میں سے امیہ بن خلف تھا۔ ان کے علاوہ اور بہت سے بے شمار قریش اور دوسرے لوگ جمع تھے۔ اب گفتگو شروع ہوئی کسی نے کہا کہ اُس شخص کی حالت سے تم سب ہی واقف ہو ہمیں اس بات کا بھی خطرہ ہو گیا ہے کہ کہیں یہ اچانک ہمارے اغیار کو لے کر، جو اُس کے پیرو ہیں ہم پر حملہ نہ کر دے۔ لہذا اب کیا ہونا چاہئے؟ اس کا تصفیہ کیجئے۔ اس پر مشورہ ہونے لگا۔ کسی نے کہا کہ اُسے بیڑیاں پہنا کر قید کر دو اور اوپر سے دروازے کو مستحکم طور پر بند کر دو اور اسی حالت میں اس کے لئے موت کا انتظار کرو۔ آخر اُس جیسے دوسرے شعراء زہیر اور نابغہ وغیرہ کو موت آئی اُسے بھی آئے گی۔ شیخ نجدی نے کہا بخدا میری رائے یہ نہیں ہے، اگر اس طرح تم اُسے قید کر دو گے۔ اس کی اطلاع ضرور اس کے دوستوں اور پیروؤں کو ہو جائے گی، وہ تم پر حملہ کر کے اُسے چھڑالیں گے اور پھر اس طرح تم پر امنڈ آئیں گے کہ تمہارے یہ منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ یہ رائے مناسب نہیں کوئی اور بات سوچو۔ اب پھر مشاورت ہونے لگی۔ ایک نے کہا ہم

اسے یہاں سے نکال کر خارج البلد کئے دیتے ہیں۔ جب وہ ہمارے یہاں سے چلا جائے گا پھر ہمیں اس کی فکر نہیں کہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے ہمیں۔ اس کی اذیت سے فراغت اور اُس کی طرف سے اطمینان ہو جائے گا۔ اور ہماری بات پھر حسب سابق بن آئے گی۔ شیخ نجدی نے کہا بخدا یہ ہرگز تمہارے لئے مفید مشورہ نہیں ہے۔ کیا تم اُس کی شیریں گفتاری، سحر بیانی اور قلوب کو موہ لینے کی قوتِ تسخیر سے واقف نہیں ہو۔ اگر تم نے اس رائے پر عمل کیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ عرب کے کسی بڑے قبیلے کے پاس جائے گا اور اپنی سحر بیانی اور شیریں کلامی سے اُن کو مسح کرے گا۔ وہ تمہارے مقابلہ پر اُس کے ساتھ ہو جائیں گے، پھر اُن کو ساتھ لے کر تم پر چڑھ آئے گا۔ تم کو پامال کر دے گا۔ تمہاری حکومت چھین لے گا اور پھر جو چاہے گا تم سے سلوک کرے گا۔ اس معاملے پر پھر مشورہ کرو۔ اور کوئی دوسری تجویز سوچو۔“ (مسلل عنوان لکھا کہ)

”ابو جہل کی تجویز“: ”ابو جہل بن ہشام نے کہا کہ ایک تجویز ایسی میری سمجھ میں آئی ہے جس پر اب تک تم میں سے کسی کا خیال نہیں گیا۔ حاضرین مجلس نے کہا اے ابوالحکم بیان کرو کیا بات ہے؟ اُس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم ہر ایک قبیلے میں سے ایک ایک دلیر، نجیب اور شریف جوان مرد کا انتخاب کر لو۔ پھر، ہم اُن جوان مردوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک شمشیر بڑاں دیں۔ یہ جماعت اس کے پاس جائے اور سب مل کر ایک وار میں اس کا کام تمام کر دیں۔ اس طرح ہم کو اُس کی طرف سے ہمیشہ کے لئے چین نصیب ہو جائے گا۔ چونکہ ایک جماعت بیک وقت اسے قتل کرے گی اسلئے اس کا قصاص تمام قبائل کے ذمے ہوگا کسی ایک کے ذمہ نہ رہے گا۔ اور بنو عبد مناف میں پھر یہ قدرت نہ ہوگی کہ اس کے لئے سب قبیلوں سے لڑیں، لامحالہ دیت قبول کرنے پر مجبور ہوں گے۔ ہم خوشی سے اُس کا خون بہا سب کی طرف سے ادا کر دیں گے۔ شیخ نجدی نے کہا بے شک یہ شخص صائب الرائے ہے۔ اس کی رائے قابل عمل ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے لئے کوئی بات مفید نہیں۔ اس تصفیہ پر مجلس برخاست اور منتشر ہو گئی۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 128-129)

(21/12)۔ نظام مشاورت و اجتہادِ اہلسن کا نظام ہے

ہم نے یہ طویل بیان اس لئے لکھا ہے کہ قارئین یہ نوٹ کر سکیں کہ اگر کل مدینہ میں یا پرسوں کہیں اور مسلمانوں میں نظام مشاورت، شوری، اجتہاد جاری کیا جائے تو ذہن میں یہ بات موجود ہو کہ یہ طرز فکر اسلام کی نہیں ہے۔ بلکہ یہ جناب شیخ نجدی کی قیادت میں مشرکین قریش کا طرز فیصلہ ہے جسے اہلسن نے اپنے پیروؤں کی مدد سے مسلمانوں میں داخل کیا تھا۔ اور اس فکر کے پھیلانے والے قاتلان محمد و آل محمد ہیں۔ دوسری بات یہ سامنے رہنا چاہئے کہ اس جماعت شوری کا وہ فیصلہ جس کی تائید شیخ نجدی یعنی شیطان نے کی تھی۔ اس میں یہ بات قطعی طور پر واضح ہے کہ اُس ملعون مجلس میں کوئی شخص اولاد عبد مناف میں سے موجود نہ تھا۔ یہ پورا مجمع فحطانی النسل قریش جس نے عبد مناف کے خاندان کو مجبور کرنے کے لئے اور خون بہا دینے کے لئے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے یہ ترکیب نکالی تھی کہ جتنے قبائل مکہ میں موجود تھے اُن میں سے ایک ایک جوانمر حضور کو قتل کر دے۔ لہذا عبد مناف کا سارا قبیلہ مل کر بھی تمام قبائل سے انتقام نہ لے سکے گا۔ سوچئے اور دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کیا اس مشاورت میں مذکور ملعونوں میں سے کوئی ایک شخص عبد مناف کی اولاد ہو سکتا ہے؟ یہ اور سینکڑوں دیگر اسباب اور وجوہات ہیں کہ ہم قریش تو قریش ہیں کئی ایک دیگر لوگوں کو خاندانہ رسول میں شمار کرنے

سے قاصر اور مبرا رہے ہیں۔ جن لوگوں میں نہ غیرت ہو، نہ شرم و حیا ہو، نہ شرافت و دیانت ہو، نہ جذبہ ہمدردی ہو، نہ انصاف ہو، وہ ہرگز عبد مناف کی اولاد نہیں ہو سکتے۔ قریش میں ہم اُن تمام قبائل کی کھجڑی کو داخل سمجھتے ہیں جن کو جناب قصی علیہ السلام نے بنو خزاعہ کو مکہ سے نکالنے کے بعد مکہ میں آباد کر دیا تھا۔ اُن میں بہت سے قبائل تھے سب کو قریش کہا جائے گا۔ یہ بات بہت بعد کی ہے، یہ لوگ خود ساختہ شجرہ بنا کر خانوادہ فہر و نضر و قصی علیہم السلام میں شامل دکھائے اور مشہور کئے گئے۔ ورنہ حقیقت وہی ہے جو ہم نے اور فطری حالات نے ثابت کی ہے۔ لہذا ہجرت سے پہلے مکہ کے اندر جناب علی بن ابی طالبؑ کے سوا اور کوئی خاندان رسولؐ کا مرد موجود نہ تھا۔ اس خاندان کے افراد حبشہ اور دیگر ممالک میں تبلیغ کر رہے تھے جو آنحضرتؐ کے مدینہ پہنچتے ہی مدینہ میں جمع ہو جائیں گے۔

یہاں آخری بار پھر نوٹ فرمائیں کہ قریش سے بڑے قبائل عرب میں موجود تھے اور ابلیس نے یہ بتا دیا تھا کہ صرف ایک بڑا قبیلہ، قریش کا سارا زور توڑ کر انہیں پامال کر سکتا تھا۔ لہذا وہ لوگ جو قریش یا اہل مکہ کو کوئی بڑی طاقت سمجھتے ہوں، کم از کم شیخ نجدی کی بات مان کر انہیں ایک حقیر سا گروہ تسلیم کر لیں۔ اور سمجھ لیں کہ ان کا اتنے طویل زمانے تک رسول اللہؐ پر ظلم و زیادتیاں کرنا، بار بار مدینہ پر حملہ آور ہونا اُن کی طاقت کا ثبوت نہیں بلکہ آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ کے رحم دلانہ اور عادلانہ سلوک کا ثبوت ہے۔ اُن کی امن پروری اور دعوت اصلاح کی دلیل ہے ورنہ اگر کہیں وہ بھی قریش کے ساتھ وہی سلوک روا کر لیتے جو قریش نے اختیار کیا تھا۔ یا جس کا اختیار اللہ نے دیا تھا تو قریش ایک حملہ کی تاب بھی نہ لاسکتے تھے۔ یہ تو حضورؐ کے خاص لطف و کرم نے اُن کی ہمتیں بڑھادی تھیں۔ اور یہ بے رحمی و قساوت قلبی اور احسان ناشناسی قریش ہی کا ابلیسی حصہ تھا۔ کوئی اور قوم ہوتی تو اُس سے یہ کمیہ سلوک ہرگز سرزد نہ ہوا ہوتا۔ یہ تو دنیا کی ایک مثالی قوم تھی اُن کی یہ صفات اور اخلاق اُن کے مخلوط النسل ہونے کا ثبوت تھا۔ اُنکے اجسام میں شریف خون کا ایک بھی قطرہ نہ تھا۔ وہ خالص ابلیسی نظام کی پیداوار تھے جن کے نطفوں میں، خون میں ابلیسی شرکت تھی۔ جن کی عورتیں سراہ طرح دار جوانوں سے جنسی تعلق کی بھیک مانگنے کے لئے آزاد تھیں۔ اس لئے اُن کا سلوک خانوادہ رسولؐ سے کمینگی و دنبائت کی انتہا تک پہنچا ہوا تھا۔ ادھر خانوادہ رسولؐ سے رحم ہوتا تھا تو ادھر ابلیسی نظام قریش سے ستم ہوتا تھا، یہ کرم کرتے وہ ظلم کرتے تھے، یہ درگزر اور معاف کرتے تھے وہ ہر معافی کو اپنی ذلت سمجھ کر سخت تر انتقامی کاروائی کرتے تھے۔ یہ ایک بدکار و ناجار و مکار و ستمگ رقوم اور ایک رحیم و کریم خاندان کی آپ بیتی ہے جو ہم سن رہے ہیں۔

22۔ ہجرت کا حکم اور کفار کا منصوبہ قبل از وقت تدارک

ادھر کفار نے مجلس مشاورت شروع کی ادھر آنحضرتؐ نے خانوادہ نبوت کو اللہ کا حکم نوٹ کرایا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:-

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِينَ ۝ (انفال 8/30)

کفار اور قریش تمہارے خلاف جب یہ چال چل رہے تھے کہ کوئی کہتا تھا کہ تمہیں موت تک کے لئے مضبوط قید میں رکھ دیں۔ کسی کا ارادہ اور تجویز یہ تھی کہ تمہیں جلا وطن کر دیں اور آخری فیصلہ یہ کیا کہ تمہیں ایک نہایت خطرناک

منصوبے کے ماتحت قتل کر دیں۔ ادھر وہ یہ چالیں سوچ رہے تھے ادھر ہم تمہیں محفوظ کرنے کی چال چل رہے تھے۔ اللہ تو تمام چال چلنے

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ
رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝ وَقُلْ رَبِّ اذْخُلْنِيْ مُدْخَلَ
صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ
لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ
اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ (بنی اسرائیل 81-17/79)

والوں سے چال چلنے میں بڑھ کر ہے۔ اور سنو تم رات کے سونے کے اوقات میں تلاوت قرآن کا ایک فاضل وقت مقرر کر لو۔ غنقریب تمہارا پالنے والا تمہیں نہایت قابل حمد و ثنا کے مقام پر مبعوث کرنے والا ہے اور آج سے دعایوں شروع کر دو کہ اے میرے پروردگار مجھے جہاں بھی داخل کر صداقت کے مقام میں داخلہ ہو۔ اور جہاں سے مجھے نکالے وہاں سے

نکلنا بھی صداقت کے لئے ہو۔ اور اے اللہ تو میرے لئے اپنا پسندیدہ مددگار سلطان تجویز کر دے۔ اور یہ بھی کہتے جاؤ کہ حق غالب آگیا ہے اور باطل کے چھکے چھوٹ گئے ہیں۔ یقیناً باطل کا پسپا ہونا تو ایک طے شدہ حقیقت ہے۔

(22/2)۔ قریش کی بدبختی؛ مقام محمود میں حضور کی بعثت ثانیہ

قارئین نے دیکھ لیا کہ رسول کو قریش کی مشاورت کی تینوں تجاویز کا علم ہو گیا۔ اور اللہ نے فرما دیا کہ اُن کی ہر چال پیٹ دی گئی ہے۔ اور وہ اس طرح سے کہ آپ رات کو قرآن کی تلاوت اور تہجد شروع کر دیں اور اپنی اُس بعثت ثانیہ کو اختیار کر لیں جو مقام محمود میں طے ہو چکی ہے۔ یعنی رات کو بیدار رہیے اور آج کی شب اپنے لئے اُس سلطان کو اپنی جگہ تعینات کر دیجئے جو تمہاری موجودگی اور عدم موجودگی میں تمہاری اور اسلام کی نیز مسلمانوں کی نصرت کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اُس مددگار سلطان کے تقرر کے بعد کا زمانہ اور مقام، مقام محمود ہو گا۔ اور بعثت ثانیہ تمہارے مدنی قبیلے میں ہوگی اور سلطان اور وہ بھی قبیلہ حق کو قائم کرنے اور باطل کو بھگا دینے کا کردار ادا کریں گے۔ یہاں ذرا ٹھہر کر علامہ مودودی کا وہ بیان سُن لیں جو انہوں نے سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا کی تفسیر میں لکھا ہے۔

(22/3)۔ مددگار سلطان علامہ مودودی کی نظر میں

چونکہ لوگوں کو علیؑ واولاد علیؑ کے نام سے بخار چڑھتا ہے اور نہیں چاہتے کہ قرآن کریم سے حکومت الہیہ کا قائم ہو جانا ثابت ہو۔ اس لئے اُن پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن کی واضح آیات میں بھی کتر بیونت اور ہیر پھیر کریں اور علیؑ کے راستے میں اپنے اجتہاد کی ٹانگ اڑا دیں۔ چنانچہ اس صاف اور واضح سلطان کے معنی یوں کئے گئے ہیں کہ اس میں علیؑ کی خوشبو تک نہ رہے ملاحظہ ہو:-

”اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنادے (وَأَجْعَلْ لِّي مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا) 100“ (17/80)

100 یعنی یا تو مجھے خود اقتدار عطا کر، یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنادے تاکہ اُس کی طاقت سے میں دنیا کے اس بگاڑ کو درست کر سکوں، فواحش اور معاصی کے اس سیلاب کو روک سکوں، اور تیرے قانونِ عدل کو جاری کر سکوں۔ یہی تفسیر ہے اس آیت کی جو حسن بصری اور قتادہ نے کی ہے، اور اسی کو ابن جریر اور ابن کثیر جیسے جلیل القدر مفسرین نے اختیار کیا ہے، اور اسی کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کرتی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَيَزَعُ بِالسُّلْطٰنِ مَا لَا يَزَعُ بِالْقُرْآنِ، یعنی ”اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے اُن چیزوں کا سدباب کر دیتا ہے جن کا سدباب قرآن سے نہیں کرتا۔“ اس سے ثابت ہوا کہ اسلام دنیا میں جو اصلاح چاہتا ہے وہ

صرف وعظ و تذکیر سے نہیں ہو سکتی بلکہ اُس کو عمل میں لانے کے لئے سیاسی طاقت بھی درکار ہے۔ پھر جب کہ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو خود سکھائی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامتِ دین اور نفاذِ شریعت واجرائے حدود اللہ کے لئے حکومت چاہنا اور اُس کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب و مندوب ہے اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جو اُسے دنیا پرستی یا دنیا طلبی سے تعبیر کرتے ہیں۔ دنیا پرستی اگر ہے تو یہ کہ کوئی شخص اپنے لئے حکومت کا طالب ہو۔ رہا خدا کے دین کے لئے حکومت کا طالب ہونا؟ تو یہ دنیا پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی ہی کا عین تقاضہ ہے۔ اگر جہاد کے لئے تلوار کا طالب ہونا گناہ نہیں ہے؟ تو اجرائے احکام شریعت کے لئے سیاسی اقتدار کا طالب ہونا آخر کیسے گناہ ہو جائے گا؟“ (تفہیم القرآن۔ جلد دوم صفحہ 638)

(22/4)۔ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا کو حکومت، سیاسی قوت اور اقتدار بنادیا گیا

علامہ نے قرآن کے دو الفاظ سے اپنا سارا گھر وندا تیار کر لیا اور ہر آدمی کو اجازت دیدی کہ اجرائے احکام دین کے بہانے اقتدار، سیاسی قوت و حکومت کے لئے کوشاں ہو۔ اور اس سلسلے میں جس قدر جنگ و جدل اور لوٹ مار ہو وہ سب جہاد کہلائے اور دنیا، دین کے نام پر لٹیروں کی دنیا بن جائے۔ ادھر جماعت اسلامی سیاسی اقتدار چاہے، ادھر جماعت علمائے اسلام، اللہ و رسولؐ کے نام پر محاذ آرائی کرے یہ سب جائز ہو گیا۔ یہ نہیں سوچا گیا کہ رسولؐ کو دعا کے لئے کہنا اور خدا سے حکومت مانگنا اور خدا کا حکومت دینا کہاں؟ اور علامہ کا جواز نکالنا، بنی نوع انسان پر فوج کشی کرنا کہاں۔ ان دونوں باتوں میں کیا تعلق ہے۔ اگر اپنے گھر سے باہر نہ نکلیں، کوئی پارٹی بازی نہ کریں، محض خدا سے دعا کر کے حکومت مانگیں تو یہ بھی جائز نہیں۔ اس لئے کہ وہ رسولؐ اللہ نہیں ہیں۔ یہ دعا رسولؐ کو تعلیم دی گئی ہے نہ کہ مولانا اینڈ کمپنی کے اٹھائی گیروں کو۔ اللہ جانتا ہے کہ رسولؐ منشاء باری تعالیٰ سے ذرہ برابر انحراف نہیں کر سکتا۔ لہذا حکومت ملنے پر، اقتدار حاصل ہو جانے پر بھی خدا کے احکام کے ماتحت عدل و انصاف کرے گا۔ لیکن علامہ کے ایرے غیرے فقو خیرے تو خاطی، غیر نبیؐ اور مجتہد ٹائپ کے لوگ ہوں گے۔ اُن کو کیسے رسولؐ کے زمرہ میں داخل کیا جائے گا؟ لہذا یہ بکواس ہے۔ حکومت صرف وہی شخص طلب کرنے کا مجاز ہوگا جسے خدا خود حکم دے کہ تم ہم سے حکومت مانگو اور پھر خدا سے حکومت مانگنا اور خدا کا حکومت دینا اور بات ہے۔ اور جوڑ توڑ، پارٹی بندی، کثرت رائے وغیرہ سے حکومت کا حاصل کرنا اور حکومت کا مل جانا شیطان کی حکومت ہوگا۔ اس کو خدا داد حکومت کہنا محض باطل پرستوں، کفار قریش، مجتہدین اور مودودی ہی کا کام ہو سکتا ہے اور یہ اللہ و رسولؐ اور دین اسلام کے خلاف ہے۔ یہ تو وہ صورت تھی جو علامہ نے قرآن سے خیانت اور بددیانتی کر کے اپنے اجتہاد سے قائم کی تھی۔ جس کا مندرجہ بالا آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب آپ یہ سوچئے کہ علامہ اپنے بیان میں یہ کہہ گئے ہیں کہ یا تو خود رسولؐ اللہ کو اقتدار و حکومت مل جائے یا کوئی دوسری حکومت اُن کی مدد کر دے۔ گویا اللہ کو ابھی یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ حقیقتاً مستقبل میں کیا ہوگا؟ بہر حال علامہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ اس دعا میں رسولؐ کے علاوہ کسی اور کی حکومت و اقتدار بھی شامل ہے۔ اور مندرجہ بالا تمام بکواس میں اتنی ہی سی بات اُنکے قلم سے صحیح نکل گئی ہے۔ مگر طول طویل بیان میں دب کر رہ گئی تھی ہم اُسے ابھار کر سامنے لائے ہیں۔ اب آیت کے الفاظ اور مفہوم پر غور کرنا ہوگا۔ اللہ نے وہاں ایک سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا کا طلب کرنا بتایا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا کا جملہ تو جملہ توصیفی ہے۔ اُس میں سُلْطٰنًا ایک سلطان موصوف ہے۔ اُس کی صفت

نصیراً ہے۔ یعنی اے اللہ میرے لئے ایک مدد کر نیوالا سلطان مقرر کر دے۔ آیت میں اس کا کہیں ذکر نہیں کہ اے اللہ مجھے خود کو سلطناً نصیراً مقرر کر دے یا بنا ڈال۔ وہاں تو واجعل لی۔ بنادے مقرر کر دے میری خاطر، میرے لئے، ایک مددگار سلطان۔ یعنی جو مقرر ہوگا یا بنایا جائے گا وہ رسول اللہ سے الگ ہوگا۔ علامہ نے سلطناً کا ترجمہ اقتدار و حکومت و سیاسی قوت کر لیا۔ حالانکہ اقتدار و حکومت وغیرہ تو خود عربی کے الفاظ تھے۔ اور غالباً خدا کو معلوم بھی تھے۔ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے یہ کہنے کے بجائے کہ واجعل لی اقتداراً، یا واجعل لی حکومتاً کے بجائے (معاذ اللہ) غلطی سے واجعل لی سلطناً نصیراً فرمادیا۔ لہذا مودودی صاحب نے نصیرا کو ترک کرنے کے بعد بھی سلطاناً کے معنی غلط کئے۔ اور اس کے معنی یا ترجمہ کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اسلئے کہ اردو میں سلطان استعمال ہوتا ہے اور سلطان ہرگز بے جان چیز کے لئے اردو میں نہیں ہوتا بلکہ ایک بولتا چلتا بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔ اور مودودی اینڈ کمپنی ہرگز نہیں چاہتی کہ قرآن سے یہ ثابت ہو جائے کہ رسول کو ایک بادشاہ مقرر کرانے کی دعا سکھائی گئی تھی۔ اس لئے کہ پھر مودودی کی مذہبی حکومت قائم نہیں ہوتی بلکہ اس کا غاصب ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ لہذا سلطانا نصیرا، ایک مددگار بادشاہ کا طلب کرنا ایک انسان کا طلب کرنا ہے۔ جس میں اللہ کی طرف سے فطری جذبہ قربانی و نصرت موجود ہو۔ جو کسی بھی حال میں اسلام کی نصرت اور اللہ کی راہ میں قربانی سے دریغ نہ کر سکتا ہو۔ اور یہ دعا اپنی ذاتی حکومت کیلئے اس وجہ سے بھی نہیں ہے کہ ذاتی حکومت رسول اللہ کی ذات تک ختم ہو جائیگی اور اسلام قیامت تک رہے گا۔ اجرائے حدود بقول مودودی اور نفاذ اسلام کا انتظام قیامت تک مطلوب ہونا چاہئے جو سلطانا نصیرا کہہ کر پورا ہو جاتا ہے۔ ایسا مددگار سلطان جو اسلام کی نصرت کا قیامت تک ذمہ لے اور اُس پر آنچ نہ آنے دے۔ اگر اُس دعا کا یہ مطلب نہیں ہے؟ کہ ایسا مددگار سلطان عطا کر جو قیامت تک نصرت دین کرے تو یہ بڑی گھٹیا دعا ہے۔ اور نظام اجتہاد کو ہم صرف اسلئے ابلیسی نظام کہتے ہیں کہ وہ قرآن کی ترجمانی و تفسیر میں اللہ و رسول اور قرآن کو گھٹیا درجہ کی چیزیں بنا کر پیش کرتا ہے۔ تاریخیں، مؤرخین اور خود ابلیس اور اس کا نظام جناب ابوطالب کی نصرت دین سے واقف ہیں اور یہ سب جانتے ہیں کہ اُن کی وصیت کیا تھی۔ انہیں پتہ ہے کہ علی آج رات سے اُس رات تک جو کوفہ کی مسجد میں آئی تھی، سرتھیلی پر رکھے پھرتے رہے۔ پھر اُن کی اولاد کے دس امام یکے بعد دیگرے نصرت اسلام میں سرگرم رہے۔ کر بلا کی قربانی اُسی نصرت کا معراج کمال ہے۔ پھر آج بارہواں امام علیہ السلام اُسی نصرت میں سرگرم ہے۔ لہذا کون خبیث ہے جو حضرت علی علیہ السلام کے سلطانا نصیرا ہونے کا انکار کر کے کوئی دوسرا ناصر پیش کرے جو قرآن کے معیار کے مطابق اور قرآن کریم سے زیادہ اثر انگیز ہو۔ اور جو کچھ قرآن نہ کر سکتا ہوتا تھا کر کے دکھا دے۔

لہذا یہ ماننا ہی پڑیگا کہ جسکو اعلان عام کے روز وزیر اور خلیفہ بنایا تھا، وہی ذات پاک ہے جسکو شب ہجرت رسول اللہ کی جانشینی اور اسلام کی سلطانی کیلئے نامزد کیا گیا۔ جب کہ وہاں یعنی مکہ میں صرف منافقین موجود تھے۔ یا کفار کے گھروں میں کچھ مستضعفین قید و بند میں بیڑیاں پہنے ہوئے اور جو مدت دراز سے اپنے طور پر بھی دعا مانگ رہے تھے۔ پہلے علامہ مودودی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

”آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور یا کردبا لئے گئے ہیں؟ اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں، اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔“

نَصِيرًا (نساء 4/75)

(تفہیم القرآن۔ جلد اول صفحہ 372) اس پر علامہ کا حاشیہ:-

”104۔ اشارہ ہے ان بچوں، مردوں اور عورتوں کی طرف جو مکہ میں اور عرب کے دوسرے قبائل میں اسلام قبول کر چکے تھے مگر نہ ہجرت پر قادر تھے اور نہ اپنے آپ کو ظلم سے بچا سکتے تھے۔ یہ غریب طرح طرح سے تختہ مشق ستم بنائے جا رہے تھے اور دعائیں مانگتے تھے کہ کوئی انہیں اس ظلم سے بچائے۔“ (تفہیم القرآن۔ جلد اول صفحہ 372-373)

یہاں پہلی بات یہ نوٹ کر لیں کہ مکہ میں جو عورتیں اور کمسن و نو جوان بچے مسلمان موجود ہیں وہ گھر سے باہر نکل کر چلنے پھرنے کے لئے اگر آزاد ہوتے تو مکہ سے بھاگ کر کہیں چھپ جاتے، پناہ لیتے اور مظلوم سے بچ نکلتے۔ مگر یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر پرست سنگدل اور بے رحم کافر ہیں جنہوں نے اُن کو قید و بند میں رکھا ہوا ہے۔ لہذا؛ مکہ میں کوئی آزاد شخص مسلمان نہیں ہے۔ محض وہی لوگ ہیں جو کفار کے جاسوس تھے۔ اور اب چند روز میں مکہ سے ہجرت کر کے آئندہ وہ مہاجرین کہلانے لگیں گے۔ لیکن قرآن کی رو سے مکہ میں مذکورہ مظلوموں کے علاوہ کوئی مسلمان موجود نہیں ہے۔ دوسری بات وہی ہے کہ جو دعارسل اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھائی گئی ہے وہی دعا مکہ کے قیدی اور مظلوم مسلمان مانگ رہے ہیں۔ فرق اس قدر ہے کہ مظلوموں کو صرف سلطان یعنی بادشاہ درکار نہیں ہے بلکہ اُن کو ایک ہمدرد، سرپرست رحیم و کریم سلطان درکار ہے جسے ”ولی“ کہتے ہیں۔ لہذا اُن کو ولیاً نصیراً درکار ہے۔ اور ینبغی کہ سلطناً نصیراً کی ضرورت ہے۔ اور یہی جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام ہیں۔ مولانا اس معاملے میں جھوٹے ہیں کہ دیگر قبائل عرب میں مکہ سے باہر بھی کچھ لوگ مظلوم تھے۔

23۔ عالمی، ابدی اور دائمی نصرت یعنی علی ابن ابی طالب علیہما السلام

یہاں تک جناب علی ابن ابی طالب علیہما السلام کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہوا۔ اور ہم اُن الجھنوں کو سلجھانے میں لگے رہے جو سرکاری تاریخ و روایات نے صدیوں کی محنت سے پیدا کی تھیں۔ اور جن کی وجہ سے تصویر کا رُخ کفارِ قریش کی طرف پھر رہتا ہے۔ یہاں سے ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جناب ابوطالب علیہ السلام کے بعد جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے کس طرح اپنے والد بزرگوار کی جانشینی کی اور نصرت محمد مصطفیٰ اور استحکام اسلام و مسلمین میں کیا کردار ادا کیا۔ نہایت مختصر عبارت میں یہ کہہ دینا سو فیصد کافی اور حق ہے کہ جو کچھ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تریسٹھ (63) سال کی جدوجہد کے دوران ظہور میں آیا وہ جناب ابوطالب علیہ السلام کی تمنا اور تربیت کا نتیجہ تھا۔ اور جو کچھ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام سے اُن کی پوری زندگی میں ظہور پذیر ہوا وہ جناب محمد مصطفیٰ کی تمنا اور

ترہیت کا نتیجہ تھا۔ ساری دنیا جانتی ہے اور آسمان اُس حقیقت پر گواہ ہے کہ جناب ابوطالبؑ حضرت محمدؐ کی جگہ روزانہ اپنے بچوں کو لٹاتے رہتے تھے تاکہ اگر دشمن موقع پا کر سوتے ہوئے حملہ کرنے میں کامیاب ہو جائے تو بجائے حضرتؐ کے، ابوطالبؑ کے کسی بیٹے کو قتل کر کے اپنی کوشش میں ناکام ہو جائے۔ یعنی علیؑ اُن بیٹوں میں سے ایک تھے جو رسول اللہؐ کی جگہ بے فکری سے لیٹ کر سو جانے کے عادی تھے۔ ہجرت کی شب رسول اللہؐ کی جگہ سو جانائی بات اس لئے ہو گئی کہ سرکارِ دو عالم گھر سے چلے گئے اور پھر اس گھر کو کبھی اپنا گھر نہ بنایا۔ پھر ایک نئی بات یہ تھی کہ اُس شب میں قریشی کینے بہادر پہلے سے قتل کی اسکیم بنائے ہوئے حملہ کرنے کی تیاری میں مصروف تھے۔ ایک نئی بات یہ تھی کہ رسولؐ کی جگہ سونے کا یہ آخری موقع تھا۔ یعنی حضرت ابوطالبؑ کی شب بیداریوں کا شرہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ جبرائیلؑ و میکائیلؑ کو خدمتِ جناب علیؑ مرتضیٰ علیہ السلام میں بھیجنے کا اہتمام کر رہا ہے۔ قرآن واقعہ نگاری میں سرگرم ہے اور علیؑ علیہ السلام کی سلطانی اسلام کا اعلان کر رہا ہے، اُن کی ازلی وابدی اور دائمی نصرت کی دستاویز لکھ رہا ہے، آج علیؑ اپنی زندگی دے کر مرضات اللہ خرید رہا ہے، آج انہیں ولایت اسلام کا تاج پہنایا جانے والا ہے۔ یہ قصہ غیروں کی غیر دلچسپ زبان سے پیش کرتا ہوں۔

(23/2)۔ شب ہجرت علیؑ علیہ السلام پر نزول جبرائیلؑ و میکائیلؑ

آج خانوادہ رسولؐ میں رسولؐ کی روانگی ہر قلب کو متاثر کئے ہوئے ہے۔ ہر چہرہ اُترا ہوا، ہر دل اُمنڈا ہوا، ہر آنکھ ڈبڈباتی ہوئی ہے۔ ہر لب پر دعائیں ہیں۔ شیعہ جذبات جانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے بازوؤں پر کوئی امام ضامن کی قسم کی کوئی چیز باندھی گئی تھی یا نہیں؟ رخصت، مسافرت اور پُر خطر مسافرت میں تو یہ بات اور بھی ضروری تھی۔ مسافر کے خیریت سے پلٹنے اور بخیر و خوبی رہنے کی دعائیں تو ہر ماں، ہر باپ اور ہر بھائی بہن اور ہر بیٹی نے مانگی ہیں۔ صدقہ دینا کوئی جدید رسم نہیں ہے۔ اسکی ابتدا تو اس روز سے ہونا چاہئے جس دن سے جذباتِ محبت نے جنم لیا تھا۔ رسول اللہؐ جن لوگوں کو بیت النبوةؑ میں چھوڑے جا رہے ہیں اُن میں جناب فاطمہ الزہراءؑ علیہا السلام بھی تو ہیں۔ اب وہ تیرہ سال کی عمر سے آگے بڑھ چکی ہیں۔ ماں کا داغ ابھی مندمل نہیں ہوا ہے کہ والدؐ کے قتل کی اسکیم بن چکی ہے، تلواروں کی چھواؤں میں سے آج باپ نے گزرنا ہے طویل سفر درپیش ہے۔ کل اُنکے جانے کے بعد قریش کی پوری قوت، ساری تلواریں اور تمام غیظ و غضب اور غصہ علیؑ کی طرف منعطف ہونے والا ہے۔ قریش کی کمینہ جھلکتی تیرہ سال سے معلوم ہیں۔ بہر حال علامہ ابن اثیر سے ہجرت کا قصہ سنئے:-

”پیغمبرؐ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو علیؑ ابن ابی طالبؑ کو مکہ ہی میں چھوڑ گئے۔ تاکہ آپؐ کے قرضوں کو ادا کر دیں۔ اور لوگوں کی جو امانتیں آپؐ نے پاس رکھی ہوئی تھیں اُن امانتوں کو واپس کر دیں۔ جس شب میں آپؐ روانہ ہوئے مشرکین گھر کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔ آپؐ نے علیؑ کو حکم دیا کہ میرے بستر پر میری حضری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ خدا چاہے تو تمہارا بال بیکانہ ہوگا۔ علیؑ بستر پیغمبرؐ پر لیٹ رہے۔ خداوند عالم نے جبرائیلؑ و میکائیلؑ پر وحی فرمائی کہ میں نے تم دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے اور تم میں سے ایک کی عمر دوسرے سے زیادہ مقرر کی ہے۔ تم میں سے کون ایسا ہے جو اپنی فاضل مدت حیات دوسرے کو دیدے؟ دونوں نے اپنی زندگی کو عزیز سمجھا اور کوئی بھی اس ایثار پر آمادہ نہ ہوا۔ اس وقت خداوند عالم نے دونوں پر وحی نازل فرمائی کہ تم دونوں علیؑ جیسے کیوں نہ

ہوئے؟ دیکھو میں نے علیؑ اور اپنے نبیؐ کے درمیان بھی بھائی چارہ قائم کیا ہے۔ دونوں کو بھائی بھائی بنایا۔ علیؑ آج محمدؐ کے بستر پر سو کر محمدؐ پر اپنی جان نثار کر رہے ہیں۔ اور انکی زندگی کو اپنی زندگی پر مقدم سمجھ رہے ہیں۔ تم دونوں فوراً زمین پر جاؤ اور انکو ان کے دشمنوں سے بچاؤ۔ دونوں فرشتے زمین پر آئے۔ جبرائیلؑ سرہانے کھڑے ہوئے میکائیلؑ پائنتی۔ جبرائیلؑ پکار کر کہہ رہے تھے مبارک ہو مبارک ہو آپؐ کو۔ کون تمہاری مثل ہو سکتا ہے؟ اے نور چشم ابوطالبؑ، خداوند عالم آپکے ذریعہ ملائکہ پر فخر و مباہات کر رہا ہے۔ اس موقع پر خداوند عالم نے، جبکہ آپؐ مدینہ کی طرف جا رہے تھے، پیغمبر پر یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل فرمائی۔ لوگوں میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو خدا کی خوشنودی کیلئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔“ (اسد الغابہ۔ جلد 4 صفحہ 25)

(23/3)۔ شب ہجرت کے بعد اللہ کی رضا مندیاں علی علیہ السلام کی ملکیت ہیں

سنو اور غور سے سنو کہ مندرجہ بالا بیان میں کیا کہہ دیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ (بقرہ 2/207)

”انسانوں میں سے ایک انسان ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضا مندیاں خریدنے کے لئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔“

آپ جانتے ہیں کہ جس نے اپنی جان کو فروخت کر کے اللہ کی رضا مندی خرید لی ہو، اُس کو آئندہ اُن رضا مندیوں کا مالک ماننا پڑیگا۔ یعنی اگر کسی کو رضی اللہ عنہ کہا جاسکتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ علیؑ اس سے راضی ہو۔ لہذا جو شخص علیؑ کے مخالف کو رضی اللہ عنہ کہتا ہے وہ جھوٹا ہے بلکہ وہ قرآن کریم کو جھٹلانے والا ہے۔ علیؑ و اولاد علیؑ آئندہ خدا کی وہ ملکیت ہیں جن کو اُس نے خوش ہو کر حاصل کیا تھا اور اپنی رضا مندیوں کا انہیں مالک بنادیا تھا۔ اسلئے کہ علیؑ نے اُن قربانیوں کی ابتدا کی تھی جو اولاد علیؑ نے تحفظ اسلام اور نوع انسان کیلئے قیامت تک پیش کرنا تھیں۔ بہر حال یہ ماننا پڑیگا کہ محمدؐ و آل محمدؐ کی رضا مندیاں ہی اللہ کی رضا مندی ہے۔

(23/4)۔ حضرت علیؑ شب ہجرت امام غزالی کی نظر میں

سوائے چند قحطانی ٹائپ کے علما کے باقی تمام علمائے صالحین حضرت علی علیہ السلام کے مقام بلند کے قائل ہیں۔ اور قحطانیوں اور ابلیسی گروہ کا جو حال ہم نے بنایا ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ہم اکیلے شخص ہیں جو قحطانی و ابلیسی فریب کو ہر مقام پر واضح کرتے آئے ہیں۔ شب ہجرت کے سلسلے میں جناب امام غزالی کا بیان بھی پڑھنے کے لائق ہے وہ فرماتے ہیں کہ:-

”علیؑ بستر رسولؐ پر رات کو سو رہے، اُس وقت خداوند عالم نے جبرائیلؑ و میکائیلؑ پر وحی نازل فرمائی کہ میں نے تم دونوں کو بھائی بھائی بنایا اور تم میں سے ایک کی عمر دوسرے کی عمر سے زیادہ کی ہے۔ تم میں سے کون ایسا ہے جو اپنی فاضل زندگی اپنے بھائی کو دے دے؟ دونوں کو اپنی زندگی پیاری معلوم ہوئی۔ اُس وقت خداوند عالم نے دونوں پر وحی نازل فرمائی کہ تم دونوں کیوں نہ ہو گئے علیؑ ابن ابی طالبؑ جیسے؟ کہ میں نے اُسے محمدؐ کا بھائی بنایا اور وہ محمدؐ کے بستر پر سو کر اپنی جان فدا کر رہا ہے اور اُسکی زندگی کو اپنی زندگی پر ترجیح دے رہا ہے۔ تم دونوں ابھی زمین پر جاؤ اور علیؑ کو دشمنوں سے بچاؤ۔ چنانچہ دونوں علیؑ کے پاس آئے جبرائیلؑ سرہانے کھڑے ہوئے اور میکائیلؑ پائنتی اور جبرائیلؑ کہتے جاتے تھے مبارک ہو مبارک ہو۔ کون تمہارے مثل ہو سکتا ہے۔ اے فرزند ابوطالبؑ

خداوند عالم تمہاری وجہ سے ملائکہ پر فخر و مباہات کر رہا ہے۔ اُسی موقع پر خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی (ومن الناس من يشئ ان لا يفتح له باب من ابواب الجنات)۔ لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی کیلئے اپنی جان بچ ڈالتے ہیں۔“ (احیاء العلوم باب الاثار)

(23/5)۔ آنحضرتؐ کی روانگی غار ثور میں قیام و انتظام سفر

جب اللہ کا مقرر کردہ وقت آگیا، آنحضرتؐ تمام اہل بیتؑ سے رخصت ہو کر در دولت سے برآمد ہوئے۔ مٹی کی ایک مٹھی محاصرہ کرنے والوں پر پھینکی اور نہایت اطمینان سے غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ تین شب اور دو روز سفر کے انتظام میں قیام فرمایا۔ تیسرے دن اہل مدینہ کے ساتھ حسب قرار داد مدینہ کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ان دونوں میں حضرت علیؑ علیہ السلام کو امانتوں کے ادا کرنے کی تفصیل، روانگی کی ہدایات بہم پہنچا کر فارغ ہوئے۔ ادھر جناب علیؑ مرتضیٰ علیہ السلام شب ہجرت جس قدر اطمینان سے سوئے اُس کا ساری عمر تذکرہ فرماتے رہے۔ اور اُس وقت آنکھ کھلی جب قریشی نامرد دیواروں پر سے کود کر مکان میں داخل ہو گئے اور چاہتے تھے کہ کمرہ کے اندر جناب علیؑ مرتضیٰ علیہ السلام کو محمدؐ مصطفیٰ سمجھ کر گھیر لیں۔ آپؐ نے بستر سے کود کر خالد بن ولید سے تلوار چھین کر اس گروہ کو لاکارا۔ اُن لوگوں کو یہ دیکھ کر حیرانی بھی ہوئی اور موت بھی سامنے نظر آنے لگی۔ گھبرا کر کہا کہ ہم محمدؐ کو قتل کرنے آئے ہیں۔ آپؐ سے ہمیں کوئی تعارض نہیں ہے یہ بتاؤ کہ وہ کہاں گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ میرے حوالے کر کے نہیں گئے تھے اس لئے یہ سوال ہی غلط ہے۔ قریشی کھنچی ہوئی تلوار سے جان بچا کر دست تاسف ملتے ہوئے واپس چلے گئے اور حضرت علیؑ علیہ السلام کے کسی پروگرام میں دخل انداز نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ آپؐ خانوادہ رسولؐ کے حرم کو لے کر روانگی کے لئے تمام تیاریاں علی الاعلان کرتے رہے۔ امانتیں واپس کرنے کا اعلان اور منادی کرادی، تمام ذمہ داریاں پوری کیں۔ اور بحکم رسولؐ یہ بھی اعلان کرادیا کہ جو لوگ مسلمان ہوں اور اخراجات کی بنا پر روانہ نہ ہو سکتے ہوں وہ بھی ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جائیں اور ہم سے پروگرام معلوم کر لیں۔ جو لوگ اپنی روانگی خفیہ رکھنا چاہتے ہوں وہ ہماری روانگی کے بعد راہ میں ملیں۔ اور وہ مقام بتا دیا جہاں رک کر سب کا انتظار کیا جائے گا۔

(23/6)۔ ہجرت کی راہ میں کانٹے اور خانہ ساز کہانیاں

ہم بار بار عرض کرتے رہے ہیں کہ سرکاری تاریخ نے اپنے ہیرو ہر اُس مقام پر آگے بڑھائے ہیں جہاں مشرکوں کا شرک چھپانے اور کافروں کو مومن دکھانے کا موقع نظر آیا۔ لیکن بڑی قدیم مثال ہے کہ: ”دروغ گور حافظہ نہ باشد۔“ اس سلسلے میں ہم اگر کسی سنجیدہ بحث میں الجھ جائیں تو یقیناً اس بحث کو نہایت حُسن و خوبی سے انجام تک پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن بنظر اختصار چند بنیادی باتوں اور مسلمات کو سامنے رکھ کر یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ہماری بیان کردہ صورتحال کے خلاف جو کچھ بھی کہا یا لکھا گیا ہے وہ بہتان و افتراء کا ذیب کا مجموعہ ہے۔ ساری دنیا متفق ہے کہ رسول اللہؐ نے رات کو کسی وقت اپنے گھر سے قدم نکالا یعنی ہجرت کی اور رات ہی کو غار ثور میں پہنچے۔ اب جو روایت، کہانی یا بیان یہ کہے کہ آنحضرتؐ نے دو پہر کو ہجرت کی تھی، وہ سراسر جھوٹ کا احقانہ بنڈل ہے خواہ بنڈل کا باندھنے والا محمد اسماعیل بخاری کو بنایا جائے یا کسی اور مفسر و محدث عالم کے کاندھے پر رکھ کر یہ بنڈل چلایا جائے۔ دوسری

بنیادی اور مسلمہ بات جو پہلی ہی بات سے تعلق رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی جگہ رات ہی کو حضرت علیؑ کو سلایا تھا اور مشرکین مکہ نے رات ہی کو حضورؐ کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔ لہذا اب یہ بات غلط ہے جس میں یہ کہا جائے کہ فلاں شخص محاصرہ ہو جانے کے بعد حضرت علیؑ کے پاس آیا، دریافت حال کیا اور حضرت علیؑ نے اُس سے باقاعدہ گفتگو کی اور بتایا کہ آنحضرتؐ گھر سے کوہ ثور کی طرف تشریف لے جا چکے ہیں اگر چاہو تو وہاں چلے جاؤ۔ یہ سن کر وہ شخص جس طرح محاصرہ شدہ مکان میں آیا تھا اُسی طرح محاصرین کے سامنے سے بلا کسی منتر جنتر کے چلا گیا۔ اور یہی دو ایسی صورتیں ہیں جو سرکاری تاریخ کی خانہ ساز کہانیوں کی نقاب کشائی کر دیتی ہیں۔ چنانچہ ہم سب سے پہلے، سب سے پہلی اور سب سے معتبر کتاب اور سب سے بلند ترین راوی کو پیش کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ کس طرح سیدھے سادے مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی گئی ہے۔ اور ساری دنیا کو بڑے بڑے نام اور موٹے موٹے لیبل دکھا کر احمق بنایا گیا ہے۔ اور وہ بات منوانا چاہی ہے جو تمام مؤرخین و محدثین اور مفسرین کے مسلمات اور امت کے مشہور تصور اور متواترات کے اتنا ہی خلاف ہے جتنا کہ دن رات کے خلاف ہوتا ہے۔ حضرت امام محمد اسماعیل بخاری اور جناب حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آڑ میں ایک سرکاری کاذب کا بیان سنئے۔

(i)۔ بخاری کا بیان۔ ہجرت دن میں ہوئی

فرماتے ہیں کہ: قالت عائشہ فیمنما نحن يوماً جلوس فی بیت ابی بکر فی نحر الظہیرۃ قال فائل لا بی بکر ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متقیعاً فی ساعۃ لم یکن یا تینا فیہا۔ فقال ابو بکر فداءً لہ ابی و امی، واللہ ماجآء بہ فی ہذہ الساعۃ الامر قال: فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستاذن، فأذن لہ، فدخل۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا بی بکر اخرج من عندک فقال ابو بکر انما ہم اہلک بابی انت یا رسول اللہ، قال فانی قد اذن لی فی الخروج۔ فقال ابو بکر: الصحابة بابی انت یا رسول اللہ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم قال ابو بکر فخذ بابی انت یا رسول اللہ احدى راحلتی ہاتین۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالثمن قالت عائشہ فجہزنا ہما احث الجہاز وصنعنا لہما سفرۃ فی جراب فقطعت اسماء بنت ابی بکر قطعۃ من نطاقہا فربطت بہ علی فم الجراب فیدلک سمیت ذات النطاق قالت ثم لحق رسول اللہ و ابو بکر بغار فی جبل ثور۔ (صحیح بخاری پارہ 15 صفحہ 553 باب ہجرۃ النبیؐ)

”حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ ایک دن دو پہر کے وقت ہم لوگ ابو بکر کے گھر بیٹھے تھے کہ دفعتاً ایک شخص نے ابو بکر سے کہا کہ یہ رسول اللہ اپنا منہ چھپائے ہوئے ایسے وقت آرہے ہیں جب کبھی نہیں آتے تھے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر نے کہا میری ماں اور باپ اُن پر فدا ہوں خدا کی قسم وہ اس وقت کسی خاص ضرورت سے آئے ہیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے اور اجازت لے کر مکان میں داخل ہوئے تو ابو بکر سے فرمایا تمہارے پاس جو لوگ ہیں سب کو باہر کر دو۔ حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ آپ کی بیوی کے سوا اور کون ہے۔ حضرت نے کہا مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا۔ حضرت ابو بکر نے کہا تو اے رسول اللہ ہم بھی ساتھ چلیں۔ رسول اللہ نے فرمایا ہاں چلو۔ حضرت ابو بکر نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اے رسول خدا میری ان دو سوار یوں میں سے ایک آپ لے لیں۔ حضرت نے فرمایا قیمت پر لوں گا۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ فوراً ہم لوگوں نے دونوں آدمیوں کا سامان سفر درست کر دیا

اور ایک ناشتہ دان میں ان کیلئے کھانا تیار کر دیا اور اسماء بنت ابی بکر نے اپنا نطق پھاڑ کر اُس سے اس ناشتہ دان کا منہ بند کر دیا اسی سے وہ ذات النطاق کہی جانے لگیں۔ پھر رسول اللہ اور حضرت ابوبکر ثور پہاڑ کی ایک غار کی طرف چلے گئے۔“ (صحیح بخاری)

قارئین نوٹ کر لیں کہ بخاری کی اس تحریر کے مطابق ہجرت ظہر و عصر کے دوران وقوع میں آئی لہذا یہ روایت اور روایت سے متعلقہ پورا قصہ غلط ہے۔ اب دوسری بات تاریخ طبری سے سنئے۔

(ii) ناممکن الوقوع واقعہ

مندرجہ بالا بیان وقوع میں آنا ناممکن تھا کیونکہ جس رات میں ہجرت ہوئی اُس سے پہلے دن بیت النبوة پر نہ کوئی پہرہ تھا نہ محاصرہ۔ اس لئے رسول اللہ بلا روک ٹوک جس کے گھر اور جہاں جانا چاہتے جاسکتے تھے۔ مگر یہ واقعہ غلط گھڑا گیا ہے۔ اس لئے کہ ہجرت رات میں ہوئی اور طبری سے آنے والی روایت بھی آپ کو رات ہی کا قصہ سناتی ہے سنئے:-

ان ابا بکراتے علیاً فساله عن نبی اللہ فاخبرہ انه لحق بالغار من ثور وقال ان کان لک فیہ حاجة فالحقه فخرج ابو بکر مسرعاً فلحق بنبی اللہ فی الطريق فسمع رسول اللہ جرس ابی بکر فی ظلمة اللیل فحسبه من المشرکین فاسرع رسول اللہ المشی فانقطع۔ قبال نعلہ ففلق الہامة حجر فکثرو مهاوا اسرع السعی فخلا فابوبکر ان یشق علی رسول اللہ فرفع صوته وتکلم فعرّفہ رسول اللہ فقام حتی اتاہ فانطلقا۔ (تاریخ طبری)

”حضرت ابوبکر حضرت علیؓ کے پاس آئے اور پوچھا کہ حضرت رسولؐ خدا کہاں ہیں۔ حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ ثور کے ایک غار کی طرف تشریف لے گئے ہیں اگر تم کو کچھ ضرورت ہو تو ادھر ہی جاؤ۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر دوڑے اور جا کر راہ میں حضرت رسولؐ خدا سے مل گئے۔ رات اندھیری تھی۔ اس میں آنحضرتؐ صلعم نے ابوبکر کی چال کی آواز سنی تو گمان ہوا کہ مشرکین قریش میں سے کوئی آ رہا ہے۔ اس پر آنحضرتؐ اور تیز آگے بڑھنے لگے جس کی وجہ سے آنحضرتؐ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا اس سے انگوٹھا زخمی ہوا۔ اور کثرت سے خون بہنے لگا۔ مگر آنحضرتؐ اب اور بھی تیز چلنے لگے جس سے ابوبکر دوڑے کہ آنحضرتؐ پر مشقت ہوگی اور آپ چلا کر آنحضرتؐ سے بات کرنے لگے۔ اُس وقت آنحضرتؐ نے آپ کو پہچانا اور کھڑے ہو گئے اور یہاں سے دونوں منزل کی طرف چلے۔“ (طبری جلد دوم صفحہ 244)

(iii) طبری کی روایت پر سرسری نظر

اس روایت میں جو چیز پہلے نمبر پر کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ بخاری کی روایت سراسر جھوٹ کا پلندہ تھی۔ اور ہجرت دن میں نہیں بلکہ رات کو ہوئی تھی۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ابوبکر کا تعاقب کرنا خلاف توقع تھا۔ یعنی پہلے سے کوئی ایسا پروگرام یا گفتگو تھی کہ خیال تک آنحضرتؐ کے ذہن میں موجود نہ تھا۔ ورنہ آنحضرتؐ چاروں طرف متلاشی نظروں سے دیکھتے ہوئے اور گوش برآہٹ و آواز سفر کرتے اور اپنے تعاقب کرنے والے کو مشرک نہ سمجھتے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُس کا نام ابوبکر تھا۔ ابوبکر کے اس تعاقب کو اس لئے بھی غیر متوقع اور خلاف امید سمجھنا پڑے گا کہ اس روایت کی رُو سے حضرت علیؓ علیہ السلام نے کسی سابقہ پروگرام سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اگر تمہیں اُن سے کوئی کام ہے تو..... چلے جاؤ۔ ورنہ وہ کہتے کہ آنحضرتؐ تو روانگی کے وقت حضور کو یاد فرما رہے تھے اور مجھ سے یہ پیغام

دینے کو کہہ گئے تھے۔ ہمارے اس اعتراض سے ایک اور روایت غلط ہوگئی۔ یعنی یہ کہ طبری نے لکھا کہ:-

”بعض راویوں نے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ نے علی ابن ابی طالب سے یہ بھی کہا کہ اگر ابن ابی قحافہ تمہارے پاس آئے تو اس سے کہہ دینا کہ میں جبل ثور جاتا ہوں تم میرے پاس آ جاؤ تم مجھے کھانا بھی بھیجنا۔ کرایہ ایک راہنما بھیجنا جو مدینہ کے راستہ لیجائے اور ایک اونٹنی بھی میرے لئے خرید لینا یہ ہدایت دے کر رسول اللہ چلے گئے۔“ (تاریخ طبری جلد اول صفحہ 130)

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ سرکاری تاریخ نے حضرت ابوبکر کی رسول اللہ کی نظر میں کیسی شاندار پوزیشن بنانے کی جھوٹی کوششیں کی ہیں۔ لیکن افسوس انکی قسمت پر کہ ہمارا قلم گینتی پھاؤ ابن کر اس باطل تعمیر کو دھڑا دھڑا مسما کر جاتا جا رہا ہے۔ یہاں یہ مان لیجئے کہ حضرت علی نے معاذ اللہ جھوٹ بولا اور حضرت ابوبکر کو نہ صحیح بات بتائی اور نہ پورا پیغام دیا۔ لیکن اسکو کیا کریں کہ رسول اللہ کو جس شخص سے ایسی توقعات ہوں کہ وہ کھانے کا انتظام کرے گا، راہنما بھیجے گا، سواری پہنچائیگا، زاد راہ فراہم کرے گا، اُس کا تصور تک ذہن میں نہیں ہے اور اُسکی آہٹ کو کسی مشرک کا تعاقب سمجھ رہے ہیں۔ بے تحاشہ دوڑ رہے ہیں، ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھا رہے ہیں، بھاگے چلے جا رہے ہیں اور یہ وہم تک نہیں ہوتا کہ میرے خسر میری محبت میں بے چین ہو کر میرے دیئے ہوئے پیغام کی بنا پر میرے پیچھے نہ آرہے ہوں۔ ایک اور بات جو ہمیں اس روایت میں ہضم کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ داماد اور خسر کی ریس (Race) مکہ کی گلیوں میں نہیں بلکہ بیرون مکہ بیابان میں لگ رہی ہے۔ ورنہ آنحضرت ڈاج (Dodge) دیکر کسی بھی گلی میں مڑ جاتے اور جناب ابوبکر رات کے اندھیرے میں سیدھے دوڑتے چلے جاتے۔ لہذا اب سوال یہ ہے کہ کیا رسول اللہ اتنے کمزور اور معاذ اللہ بزدل تھے کہ دوڑنے، ٹھوکریں کھانے اور جنگل کی جھاڑیوں میں الجھنے کے بجائے کھڑے ہو جاتے۔ آخر ایک ہی آدمی کے پاؤں کی آہٹ تو تھی کوئی گروہ تو تعاقب نہیں کر رہا تھا۔ اور ڈانٹ کر کہتے او مشرک! دشمن خدا خبردار اگر آگے قدم بڑھایا۔ یہ بھی سوال ہے کہ ابھی ابھی ذرا دیر پہلے سورۃ یسین کی وہ آیات جن سے مشرکین کو اندھا کر دیا تھا، وہ کیوں بھول گئے؟ اس مشرک پر پڑھ کر اسے اندھا کیوں نہ کر دیا۔ یہ بات بھی خلاف مصلحت ہے کہ حضرت ابوبکر یہ دوڑ دھوپ کیوں کر رہے ہیں؟ ارے حضور منزل کا پتہ ہے غار ثور پہنچنا ہے، نہ خود دوڑو نہ رسول اللہ کو دوڑنے پر مجبور کرو، آرام آرام سے چلتے رہو، دس پانچ منٹ کے وقفہ سے پہنچ کر یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں آپ کے حکم کے مطابق غلام حاضر ہے۔ قارئین جلد سمجھ کر جواب دیں؟ کہ اگر آپ خدا نہ کرے حضرت ابوبکر کی جگہ ہوتے تو کیا ہمارا یہ عقلی مشورہ ٹھکرا کر آپ بھی بے تحاشا دوڑتے چلے جاتے؟ ہمارا مقصد دماغ یہ بھی سمجھنا چاہتا ہے کہ جس اندھیری رات میں جناب ابوبکر یہ پہچان سکتے ہیں کہ وہ شخص رسول اللہ ہیں، وہاں رسول اللہ اسی اندھیری رات میں یہ کیوں نہیں پہچان سکتے کہ جسے وہ اپنی خداداد الہامی اور نبوتی بصیرت سے مشرک سمجھے ہیں وہ تو ابوبکر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے یہ طے کر لیا تھا کہ پیچھے پلٹ کر ہرگز نہیں دیکھوں گا یا خوف کی وجہ سے (معاذ اللہ) آپ کی بینائی پر بُرا اثر پڑ چکا تھا۔ یہ بات بھی خلاف مصلحت ہے کہ جناب ابوبکر ایسا دانش مند شخص ایسے خطرناک ماحول میں چلا کر بات کرے جو گونج کر میلوں نکل جائے اور راز نہ بھی کھلتا ہو تو ظاہر ہو جائے۔ ایک اور بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ کیا ترپین (53) سال کی عمر تک حضرت ابوبکر کو مکہ سے مدینہ تک کا راستہ معلوم نہ تھا؟ جنگی ساری عمر قحطانی تاریخ کی روشنی میں تجارتی سفر کرتے ہوئے گزری تھی۔ یہ بھی ناقابل قبول اور حالات

واقعات و عقلی تقاضوں کے خلاف ہے کہ کوئی ایسی بات تسلیم کی جائے جس میں روزانہ لواحقین کا مکہ سے غار ثور میں آنا جانا، کھانا پہنچانا، اونٹ لئے پھرنا، بکریوں کا دودھ دودھ کر پلانا بیان کیا گیا ہو۔ جب کہ سرکاری تاریخ کہتی ہے کہ قریش چاروں طرف تلاش اور سراغ رسانی کا جال بچھائے ہوئے ہیں طرح طرح کی باز پرس ہو رہی ہے۔ اور ابو بکر کی فیملی پر خاص متحسناہ نگاہیں جمی ہوئی ہیں اور انکی مستورات کے منہ پر طمانچہ بھی لگا دئے گئے ہیں۔ اسی بنا پر ہم، اور تو اور، جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کا غار ثور میں آنا یا بلائے جانا بھی نہیں مانتے۔ مکہ کا، خصوصاً رسول اللہ سے تعلق رکھنے والوں کا کوئی فرد بھی کئی روز تک غار ثور تو غار ثور ہے، نواح مکہ میں کسی جانب بھی اگر جائیگا تو قریشی نگاہیں اُسکا پیچھا کریں گی۔ لہذا ہم کوئی ایسی بات تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں جو ہجرت کی خدائی، نبوی اور مدنی اسکیم اور اسکے مقاصد کے خلاف پڑتی ہو۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ جناب ابو بکر نے کسی جگہ رات کو چھپ کر یہ پتہ لگا لیا تھا کہ رسول اللہ روانہ ہو چکے ہیں اور یہ بھی کہ انہوں نے تعاقب کیا تھا۔ اور یہ بھی عقلی تقاضہ کے عین مطابق ہے کہ رسول اللہ نے خلاف توقع اُنکو موجود پا کر اپنی نگرانی میں لے لیا ہو۔ اسلئے کہ انکا اصلی مقصد کے خلاف ثانوی حیثیت سے غار میں موجود ہونا اور رسول اللہ کے مددگاروں کی فہرست سے باہر ہونا ثابت ہے۔

(iv)۔ حضرت ابو بکر اور مکی مسلمانوں پر قرآنی نظر

ع مقطعہ میں آپڑی ہے سخن گستری کی بات۔

صورت حال نے ہم سے قبل از وقت یہ لکھوا لیا اور پھر بھی لکھیں گے کہ مکہ سے جو مسلمان مدینہ میں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے مدینہ کی فضا کو اپنی دس (10) سالہ مجتہدانہ کوششوں سے اس حال کو پہنچا دیا تھا جو سورہ توبہ کی پیش کردہ آیت (9/40) میں اللہ نے دکھائی ہے۔ یعنی اللہ یہ فرما رہا ہے کہ:- **إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذَا أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِي أَثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ**۔ (توبہ 9/40)

اے مسلمانو! اگر تم نے رسول اللہ کی نصرت اور تائید نہ کرنے کا پکا ارادہ کر لیا ہے تو ہمیں کچھ پروا نہیں۔ اس لئے کہ ہم نے تو اپنے رسول کی اس حال میں بھی مدد کی تھی جب کہ تم میں سے کوئی بھی اُس کی مدد کرنے کو تیار نہ تھا۔ حتیٰ کہ غار کے اندر وہ دو میں کا دوسرا تھا اور اپنے دوسرے ساتھی سے مدد کا امیدوار اور طالب ہونے کے بجائے الٹا اس سے کہہ رہا تھا کہ ارے بھائی گھبرائے کیوں جاتے ہو۔ اول تو نبی کا ساتھ ہونا ہی تحفظ کی ضمانت ہے۔ اگر یہ بات تمہارے سمجھنے سے رہ گئی ہے تو کیا تمہیں اب تک یہ بھی یقین نہیں آیا کہ حق پر ہونے کی وجہ سے اللہ ضرور ہمارا ساتھ دے گا۔ چنانچہ اللہ نے اپنے رسول کو سچا ثابت کرنے کے لئے آنحضرتؐ پر اپنا سکینہ نازل کیا۔ اور اُس کی ایسے لشکروں سے تائید و مدد کی جنہیں تم لوگ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے اور کافروں کی بات کو نیچا کر دیا اور اللہ کی بات تو ہمیشہ اونچی رہتی ہی ہے۔ اور اللہ تو ہر حال میں اپنی حکمتوں سے غالب رہا ہے۔“

(v)۔ آیت کا یہ مفہوم کیسے اخذ کیا گیا ہے؟

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیت 9 ہجری میں یا اُس کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یعنی آنحضرتؐ اور اسلام کو مدینہ میں آئے

ہوئے نو سال گزر چکے ہیں۔ بڑی بڑی اور خطرناک جنگوں میں کامیابیاں سامنے آچکی ہیں، ہر قدم کامیابی کی طرف اٹھتا اور بڑھتا چلا آیا ہے۔ حقیقی مسلمانوں نے وفاداری اور جانثاری کا ریکارڈ قائم کر دیا ہے، ہر قسم کی مشکل میں سے گزر چکے ہیں، ہر طرح کی آزمائش میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیادہ سے زیادہ دو سال کی زندگی باقی ہے۔ قرآن کی تنفیذ تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ اب کوئی خاص پروگرام یا تاریخی اہمیت کا کام باقی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں اس آیت (توبہ 9/40) کا مندرجہ بالا الفاظ میں نازل ہونا تلاوت کئے جانا انتہائی توہین، مکمل بے دینی، کمال درجہ کی سردمہری کا کھلا ثبوت ہے۔ یہ سورہ توبہ ہے، نہایت غیظ و غضب کے عالم میں نازل ہوئی ہے۔ اس کو بلا بسم اللہ اس لئے تلاوت کیا گیا ہے کہ خدا کے رحم و کرم کی ہر امید منقطع کر لی گئی ہے۔ تمام مسلمان علما متفق ہیں کہ یہ مشرکین مکہ کو تنبیہ اور تعذیب کے لئے نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس سورہ کی ایک سو انتیس آیتوں میں سے آدھی سے زیادہ مسلمانوں کو مخاطب کرتی ہیں اور ان پر بڑے بڑے جرائم عائد کر کے انہیں عذاب کی بشارت دیتی ہیں۔ اُس مصیبت کو سر سے ٹالنے کے لئے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ جہاں جہاں پر مسلمانوں سے خطاب ہے وہ دراصل منافقوں کو ڈانٹنے کا قصہ ہے۔ مگر صرف یہ کہہ دینا ہمارے نزدیک کافی نہیں ہے۔ اور جب کہ کہنے والا خود مسلمان ہو اور اپنی صفائی میں بلا قرآنی دلیل کے بلا ثبوت بچ نکلنے کی راہ نکال رہا ہو۔ مجرم یا ملزم کا عذر اس کے حق میں بلا ثبوت قبول کر لینا قوانین حق و عدل کے خلاف ہے۔ اس جواب سے اعتراض رفع ہونے کے بجائے دہرا جرم قائم ہوتا ہے۔ یعنی مخاطب تو تھے چند منافقین لیکن کہا گیا کہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَتَأْتِلُمُ إِلَى الْأَرْضِ أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ...** (توبہ 9/38)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے کہا گیا تو تم زمین سے چٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ (تفہیم القرآن۔ علامہ مودودی)

سوچ کر بتائیے کہ اگر ان مومنین کو منافق قرار دیا جائے تو ترجمہ کے قوانین، الفاظ کے معنی اور عربی زبان کے اصولوں پر کتنا ظلم ہوگا۔ خدا کے سامنے وہ کون سی دقت تھی کہ یہاں: **يَا أَيُّهَا الْمُنَافِقُونَ** کی جگہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کہنا پڑا۔ پھر اگر منافق تھوڑے سے لوگ تھے اور اُس وقت حقیقی مسلمانوں کی کثرت تھی تو اصول مخاطب کی بنا پر بھی یہاں منافقوں کا تعین کرنا ضروری تھا۔ یہ کیا گڑبڑ ہے کہ مخاطب تو ہے قلت یا تھوڑی سی تعداد اور الزام عائد کر دیا کثرت پر۔ پھر آیت کے الفاظ میں اُن کے ایمان کی نفی نہیں بلکہ اثبات ہے، عقائد کی کسی خامی کا ذکر نہیں۔ اللہ، رسول، قیامت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کسی چیز پر اعتراض نہیں یعنی وہ لوگ سب پر عمل کر رہے ہیں۔ اعتراض صرف یہ ہے کہ یہ عظیم الشان کثرت آخرت کو نظر انداز کر کے دنیا اور سامان دنیا اور یہاں کی زندگی کو اختیار کئے ہوئے ہے۔ یعنی اب انہیں وہ تمام راحتیں میسر آچکی ہیں، جن کے بعد اب رسول اللہ یا اسلام کی مزید نصرت کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ہم مومنین کی کثرت پر آگے چل کر باقاعدہ قرآن سے محاکمہ قائم کریں گے۔ یہاں تو یہ بتانا ہے کہ مذکورہ آیت میں قلت نہیں بلکہ کثرت مخاطب ہے۔ منافق نہیں بلکہ مومنین کی کثرت سے کہا جا رہا ہے کہ اب تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ یعنی پہلے یہ دور نہیں پڑا تھا۔ یہ کوئی نئی بیماری ہے جو مومنین کی کثرت کو لگ گئی ہے۔ اس کے بعد ان ہی مومنین سے فرمایا گیا کہ:-

إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا... (توبہ 9/39) ”تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو تمہارے بدلے میں نصرت پر لگا دے گا اور تم اس قوم کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔“

قارئین غور فرمائیں کہ پچھلی آیت میں قلت نہیں بلکہ ایک پوری قوم مخاطب ہے۔ اس لئے کہ چند آدمیوں کے بدلے میں ایک پوری قوم کا بدل لینا بالکل بے معنی بات ہے۔ علاوہ ازیں چند منافقوں کا نصرت کرنا یا نہ کرنا اتنا اہم نہیں کہ ساری قوم کو بدل ڈالا جائے۔ نہیں مدد کرتے جائیں جہنم میں۔ دودو جوتے مار کر کسی کمرے یا اندھے کنویں میں بند کر دو۔ جھگڑا ختم ہوا۔ ناظرین یہ قلت نہیں ہے، نہ یہ لوگ منافق ہیں یہ ایک فریب ہے جو فطانی علما نے دیا ہے یہ تمام لوگ قوم قریش کے مومنین ہیں۔ اُن کا وہی مذہب ہے کہ اللہ و قرآن اور وحی کو الگ کر کے نبی کو قومی بصیرت کے ماتحت رکھا جائے۔ اللہ و رسول میں تفریق کر کے ایک درمیانی مذہب تیار ہو چکا ہے۔ 9 ہجری اور بعد کی کثرت اُسی مذہب کی مومن ہے۔ یہی حضرات مخاطب ہیں۔ اُن ہی سے کہا گیا کہ تم نے کبھی بھی رسول اللہ کی نصرت نہیں کی (توبہ 9/40)۔ تریپن اور نو یعنی باسٹھ (53+9=62) سال تک تم صرف مخالف رہے، ناصر نہ بنے۔ اُسی نصرت کی نفی کو اُس وقت بھی بحال رکھا جب رسول غار میں تھے۔ یعنی وہاں بھی کوئی ناصر و مددگار نہ تھا اور خدا کو مدد کرنا پڑی تھی۔ ہم یہ چاہتے تھے کہ اللہ نے یہ کہا ہوتا کہ دیکھو جب رسول غار کے اندر تھے، اُس وقت بھی اُنکی نصرت کو ایک مددگار، ایک دوست، ایک رفیق، ایک ناصر موجود تھا۔ یہ بے تعلقی اور بے رُخی اور وہ بھی باسٹھویں سال کیوں ضروری تھی کہ جب ہمارا رسول ”دو میں کا دوسرا تھا“ - ”ثَانِي اٰثْنَيْنِ“ - یعنی اور باتیں تو کہاں؟ یہ بھی نہ کہا کہ قریشی قسم کا ہی سہی، مومن تھا، نمازی تھا، مقصد ہجرت میں ہم خیال و ہم آہنگ تھا، کچھ نہیں۔ صاف ہری جھنڈی۔ ایکڑے پہ ہندی دو۔ گئے گنائے پورے سو (100) دو میں کا دوسرا۔ یعنی صرف گنتی میں دو عدد تھے اُس میں سے بھی دوسرے کو نکال لیا۔ اور پہلے کی بات کی تو اس قدر کہ مددگار و ناصر و غمخوار تو کیا ہوتا، خود اُسے گھبراہٹ، پریشانی اور ناکامی کا ملال گھیرے ہوئے تھا۔ اسے یہ بھی بتانا پڑا کہ اللہ ہر جگہ اور ہر کسی کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ لہذا نصرت کی وہ نفی برابر برقرار رہی۔ یعنی نہ غار سے پہلے تم اُس کے ناصر و مددگار تھے نہ غار میں اُس کا کوئی مددگار تھا۔ حتیٰ کہ ہم نے حسب سابق وہاں غار میں بھی ایسی فوجوں سے مدد کی حکومت نے نہیں دیکھا۔ یہ وہ فوجیں تھیں جو آنحضرت کی ہجرت اور سفر میں برابر ہمراہ رہیں۔ باقی سب خود ساختہ قصے... اونٹ... راہنما... مددگار، محض گرمی محفل کی بکواس ہے۔ یہ تھا وہ پس منظر جسکے مطابق ہم نے آیت (9/40) کا مفہوم نہایت مختصر الفاظ میں لکھا ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ کو بدل کر یا مصدری معنی کی جگہ اپنی ضرورت کے معنی لا کر، عقل و قرآنی ماحول کے خلاف تصور پیدا کر کے قرآن کا کوئی مفہوم ہمیں ہرگز قبول نہیں ہے۔ ہم کسی کثرت و قلت کے رعب سے، کسی قومی یا ملکی لاج اور عزت کے قائل نہیں۔ جو قرآن کہے مانتے ہیں، جس کی مذمت کرے اس کی زور و شور سے مذمت کرتے ہیں۔ مصنوعی ناک کسی چہرے پر لگانا یا لگی رہنے دینا قرآنی مذہب کے خلاف ہے۔ جن مومنین کا قرآن نے اوپر ذکر کیا ہے اور جنکی کثرت ہمیشہ موجود رہی ہے اُن کا حال سورۃ نساء کی تین چار آیتوں (نساء 4/135-137) میں بیان کیا گیا ہے۔ اُنکو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں اور خود کو بھی اُن آیات پر جانچتے رہیں جن کا مرکزی نقطہ وہی لوگ ہیں جن کو اے مومنین کہہ کر پکارا جاتا رہا ہے۔ اور جو نہ تو اللہ پر قرآن کا بتایا ہوا ایمان رکھتے تھے، نہ رسول پر، نہ قرآن کو اُس طرح کی کتاب مانتے تھے جیسا کہ

قرآن نے بار بار دعویٰ کیا ہے۔ اور نہ ہی سابقہ کتابوں پر اُن کا عملی ایمان تھا؛

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ... الخ (نساء 4/136)

اس کے علاوہ وہ کچھ مومن تھے۔ یعنی وہ اُن سب چیزوں پر ایمان تو رکھتے تھے مگر اُن کا ایمان اجتہادی اور مجتہدین کا طے کیا ہوا ایمان تھا۔ مثلاً وہ اللہ کو عادل ماننا غلط سمجھتے تھے، وہ رسول کی کئی ایک حیثیات قائم کر کے رسول کی ذاتی اطاعت اور ذاتی حکم میں غلطی کا امکان مانتے تھے۔ وہ قرآن میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہونے کا انکار کرتے تھے۔ وہ تمام سابقہ کتابوں کو منسوخ اور ناقابل قبول و ناقابل عمل کہتے تھے اور اس تمام عقیدے کا نام اجتہاد ہے۔ وہ قرآن اور رسول کی اس بات کو مانتے تھے جسے قریش کے ماہرین کی اجتماعی بصیرت سے اختلاف نہ ہو۔ اور اختلاف کی صورت میں وہ قرآن کی آیت اور رسول کے حکم کے معنی بدل کر ایسا مفہوم اخذ کرنا واجب سمجھتے تھے جو قریش کی اجتماعی بصیرت سے ہم آہنگ ہو۔ اسی مذہب کو اختیار کرنے کے لئے انہوں نے ابتدا میں دوسرا قرآن لانے یا اُسی قرآن کو اجتہاد کے ماتحت بدل لینے کی تجویز پیش کی تھی (یونس 10/15)۔ لہذا 9 ہجری تک قریش نے اسلام کی ہر تعلیم کو اجتہاد کے سانچوں میں ڈھال لیا تھا۔ اور وہ لوگ اسی اجتہادی اسلام کے مؤمنین تھے، اُن ہی کی کثرت تھی۔ اُن ہی کے بزرگ لیڈر جنہوں نے از دی عالم اور بحیرا سے ہجرت کی رات آنے سے، تیس چالیس سال پہلے ہی اپنی مجتہدانہ حکومت قائم ہو سکنے کی پیشگوئی سُن رکھی تھی۔ اجتہادی اسلام کی اس کامیابی کے لئے دوڑتے اور چلاتے ہوئے ساتھ آئے تھے۔ انہیں اسی بات کا حزن و ملال تھا کہ اگر خوانخواستہ رسول اللہ اُسی غار میں قتل ہو گئے تو اسلامی حکومت کیسے بنے گی؟ شریعت کے احکام کس طرح نافذ ہوں گے؟ اُن کو اپنی جان کی نہ کبھی پہلے فکر تھی نہ آج کوئی خطرہ تھا۔ وہ قریش میں جیسے بھی ہو عزت و احترام کا مقام رکھتے تھے۔ اُن کو کافروں کی طرف سے کبھی گزند نہیں پہنچا تھا سارے دن اپنا کاروبار کرتے تھے۔ حتیٰ کہ محاصرہ کے وقت بلا دھڑک خانہ رسول میں جانا اور علی سے پیغام لے کر واپس آنا اور کسی پہرہ دار کا چوں و چرا نہ کرنا ذرا دیر پہلے گزر چکا ہے۔ فکر اُن کو رسول اللہ کی یوں اچانک موت کی تھی۔ مگر فطری طور پر نرم طبیعت، بے ضرر اور حلیم الطبع واقع ہوئے تھے لڑنا بھڑنا وغیرہ پسند نہ تھا۔ اس لئے سوائے اس کے کہ مخزون و مغموں ہوں اور کیا کر سکتے تھے؟ آئندہ زندگی میں بھی حتیٰ کہ عہد خلافت میں بھی لوگ انہیں ڈانٹ دیا کرتے تھے اور جو چاہتے تھے اُن سے کرا لیتے تھے۔ لہذا جو کچھ غار میں یا غار سے پہلے اور بعد میں اُن سے ظہور میں آیا اُس سے زیادہ اُن سے امید کرنا حماقت ہے۔ سرکاری تاریخوں اور کتب احادیث میں کئی ایک ایسے مواقع لکھے ہیں جہاں کفار، رسول اللہ کو مار پیٹ رہے ہیں اور جناب ابوبکر الگ کھڑے رو رہے ہیں۔ (تاریخ کامل جلد 2 صفحہ 19، طبری جلد 2 صفحہ 223، ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ دہلوی مقصد دوم صفحہ 110) بخاری میں جو کچھ لکھا ہے وہ سن لیں کافی ہوگا۔

وَقَامَ أَبُو بَكْرٍ دُونَهُ وَهُوَ يَبْكِي فَقَالَ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا يَقُولُ رَبِّيَ اللَّهُ فَانصروا (بخاری مع شرح فتح الباری پارہ نمبر

15 صفحہ 437 مطبوعہ دہلی)۔ ”ابوبکر الگ کھڑے کھڑے رو رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کیا تم ایسے ایک آدمی کو قتل کر ڈالو گے

جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ یہاں تک کہ وہ مارنے والے لوگ چلے گئے۔“

قارئین بتائیں کہ یہاں بھی ثانی اثین والی بات صادق ہے۔ دُور مدہیں۔ دو میں کا دوسرا قریب القتل ہے۔ اور ایک غریب کمزور آدمی رو

رو کر فریاد کر رہا ہے اور کفار سے بچنے کیلئے یہ بھی نہیں کہتا کہ کیا تم خدا کے رسول کو قتل کر ڈالو گے بلکہ صرف رجلا کہہ کر فریاد کر رہے ہیں۔ بتائیے کہ خدا نے غار والی آیت میں یہی نظارہ نہیں پیش کر دیا۔ روئے چلے جا رہے ہیں، بین کر رہے ہیں اور یہ بھی بھول گئے ہیں کہ رونے میں آواز بھی نکل جاتی ہے۔ بہر حال یہ ہیں جناب ابوبکر صدیق جو اتنے امن پسند ہیں کہ خطرناک مواقع پر محمدؐ کو رسولؐ بھی نہیں کہتے بلکہ ایک مرد (رجلا) کہہ کر جھگڑے سے بچ جاتے ہیں۔ اُن سے اس کے علاوہ کوئی اور توقع رکھنا یا اُن کے متعلق کوئی اور غپ شپ مارنا اہل عقل کو، تاریخ و حدیث کے علما کو کیسے قبول ہو سکتا ہے؟ ایک دوسرا موقعہ بھی دیکھ لیں:-

عن انس قال لقد ضربوا رسول الله حتى غشى عليه فقام ابو بكر فجعل ينادى ويقول ويلكم اتقتلون رجلا ان يقول ربى الله قالوا من هذا؟ قالوا هذا ابن ابى قحافه المجنون۔ (ازالہ الخفا مقصد دوم صفحہ 110)

”انس نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ کو اس قدر مارا پیٹا گیا کہ حضورؐ بے ہوش ہو کر گر پڑے تو اس کے بعد ابوبکر اٹھے اور منادی کرنا شروع کر دی اور کہتے تھے کہ ہائے افسوس ہے تم لوگوں پر کیا تم ایسے ایک آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ یہ سن کر لوگوں نے پوچھا کہ یہ منادی کرنے والا کون ہے تو انہیں بتایا گیا کہ یہ ابوقحافہ کا پاگل بیٹا ابوبکر ہے۔“

آپؐ نے بردباری ملاحظہ کی کہ آپؐ کے بے ہوش ہونے تک برابر تشریف فرما رہے۔ جب حضورؐ کو غش آ گیا تب آپؐ نے واویلا شروع کیا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اُن کو انکی قوم نے پاگل کیوں کہا۔ شاید اسلئے کہ غش آ جانے کے بعد انہیں خطرہ محسوس ہوا۔ اس سے پہلے محض وہ تفریحی پروگرام سمجھ کر شو (Show) دیکھ رہے تھے۔ اور اب بہت دیر بعد سمجھے کہ یہ ایکٹنگ (Acting) نہ تھی سچ مچ کی مار پٹائی ہو رہی تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ہیں ثانی اشین کے یار غار و صدیق اکبر کہ اب بھی رسول اللہ نہیں کہا بلکہ وہی رجلا فرمایا گیا۔

(vi)۔ آنحضرتؐ کے ساتھ رہنے کی مادی وجہ اور محبت کا ثبوت

یہی جگہ ہے جہاں پر حضرت ابوبکرؓ کی وہ بے مثال محبت سامنے رکھ لینا چاہئے جس کی بنا پر آپؐ نے عائشہؓ کا رشتہ ازدواج قائم کیا تھا اور پورے عرب کے قبائل و خاندانوں کے خلاف تمام رسومات اور قواعد قومی، ملکی و عقلی کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ یعنی جس زمانے میں جناب خدیجہ علیہا السلام کا انتقال ہوا (10 نبوی) آپؐ نے رسول اللہ کا غم ہلکا کرنے اور اُن کا دل بہلانے کے لئے اپنی چھ سالہ کم سن بیٹی آپؐ کے حضور میں پیش کر دی تھی۔ اب ہجرت کے روز تک اس کو تین سال گزر رہے تھے۔ لیکن ابھی تک رسول اللہ نے اُن سے زوجیت کا تعلق پیدا نہ کیا تھا۔ لہذا ضروری تھا کہ جناب ابوبکرؓ اس مادی رشتہٴ محبت کو پروان چڑھانے اور بیت النبوة کا محرم بننے کے لئے حضورؐ کے ساتھ ساتھ رہیں، تاکہ بدلے ہوئے حالات میں یہ کچا رشتہ ہاتھ سے جاتا نہ رہے۔ چنانچہ آپؐ کے دل میں آنحضرتؐ کی محبت اور ہمدردی ثابت ہے۔ اس سلسلے میں دو ایک بیانات کا سامنے رکھنا ضروری ہے تاکہ ہجرت اور مدینہ کا قیام روشنی میں آ سکے۔

(vii)۔ حضرت عائشہؓ کی ذمہ داریاں اور ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونا

جناب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ السلام اپنی تحقیق یوں لکھتے ہیں کہ:-

وازاں، جملہ آں است کہ چوں حضرت خدیجہؓ متوفی شد صدیق عائشہؓ را در عقد آنحضرتؐ درآورد و درآں باب ادبے کہ بہتر از

آں صورت نہ بندور عایت نمود۔ (قرۃ العینین صفحہ 111)

حضرت ابوبکر کے فضائل سے یہ بھی ہے کہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا تو حضرت صدیق نے جناب عائشہ کو آنحضرت کے عقد میں دے دیا اور اس باب میں اس ادب کو ملحوظ رکھا جس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا۔

عن حبيب مولى عروة قال لما ماتت خديجة حزن عليها النبي فاتاه ابوبكر بعائشه فقال يا رسول الله تذهب ببعض حزنك و ان فى هذه خلفامن خديجة ثم ردها فكان رسول الله يختلف الى ابى بكر - الحديث اخرجه الحاكم من طريق محمد بن عمرو - (مقصد 2 صفحہ 11)

حبیب مولے عروہ بیان کرتے تھے کہ جب حضرت خدیجہؓ نے انتقال کیا تو ان کی جدائی پر حضرت رسول خدا صلعم کو بڑا صدمہ ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر جناب عائشہ کو رسول کی خدمت میں لائے اور کہا یا رسول اللہ یہ آپ کے صدمہ کو کچھ کم کرے گی۔ اور اس میں حضرت خدیجہؓ کی قائم مقامی کی صلاحیت ہے۔ پھر حضرت ابوبکر ان کو واپس لے گئے۔ اس کے بعد حضرت رسول خدا صلعم برابر حضرت ابوبکر کے گھر آنے جانے لگے۔ اس حدیث کو امام حاکم نے محمد بن عمرو کی طریق سے روایت کیا ہے۔

ان دونوں بیانات میں جہاں یہ ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر کو یہ فکر لاحق تھی کہ اپنی بیٹی کو حضرت خدیجہؓ کا قائم مقام بنادیں وہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آپ نے اس سلسلہ میں بڑی عجلت سے کام لیا۔ اور حضرت عائشہ کو اس کم سنی میں آپ کی زوجہ بنانے کی بنیاد رکھ دی تھی۔ اور جیسا کہ سمجھا گیا ہے کہ کوئی عقد نکاح بلا اعلان عام پڑھا گیا تھا، تو سوال یہ ہوتا ہے کہ نہ تو حضرت ابوبکر حضرت عائشہ کا کوئی انتظام کرتے ہیں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کو حضرت عائشہ کو ساتھ لانے کا حکم دیتے ہیں۔ جبکہ حضرت علی علیہ السلام کو وہ فہرست بتادی گئی ہے جن کو لے کر مکہ سے مدینہ کو روانگی ہونے والی ہے۔ اس صورت حال میں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت عائشہ کی پوزیشن کیا ہے۔ اگر وہ زوجہ ہیں؟ تو بڑی بے تکلفی سے حضرت علیؓ کے ساتھ روانہ ہو سکتی ہیں۔ بلکہ ان کے بھائی عبداللہ اور والدہ نیز بہن بھی ساتھ جا سکتی ہیں۔ اور جبکہ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ آنحضرتؐ کو ابوبکر نے حضرت عائشہ کا محرم بنادیا تھا اور حضرت عائشہ کو رسول اللہ کی حرم بھی کہا کرتے تھے۔ چنانچہ ان دونوں حضرات کی ہجرت کے وقت خاموشی سمجھ میں نہیں آتی۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اخراجات کی بنا پر دونوں اس معاملہ کو ایک دوسرے پر ٹال رہے ہوں۔ اخراجات کی کمی رسول اللہ کے لئے تو تسلیم کی جاسکتی ہے لیکن حضرت ابوبکر کو اخراجات کی کوئی کمی نہیں ہے۔ چنانچہ وہ مدینہ پہنچنے کے بعد جب اپنے خاندان کو مدینہ میں بلاتے ہیں تو پہلی فرصت میں اپنی جیب سے وہ تمام اخراجات رسول اللہ کو پیش کرتے ہیں جو حضرت عائشہ کو مادی طور پر رسول اللہ کی زوجہ بنانے کے لئے درکار تھے۔ چنانچہ یہ بیان بھی سن لیجئے کہ حضرت ابوبکر نے اپنے پاس سے چاندی کی ایک بڑی مقدار رسول اللہ کو دی تھی۔

(viii)۔ استحکام تعلق کے لئے حضرت ابوبکر نے اپنی بیٹی اور چاندی دونوں صرف کر دیں

عن عائشه قالت قد منا المدينه فنزلت مع عيال ابى بكر - و نزل الى رسول الله وهو يومئذ بيني المسجد و ابى تنا حول المسجد فانزل فيها اهله و مكثنا اياما فى منزل ابى بكر - قال ابوبكر يا رسول الله ما يمنعك ان تنبى باهلك

فقال رسول الله الصداق فاعطاه ابو بكر اثني عشر اوقية و نشا - فبعث رسول الله الينا و بنى بي رسول الله في بيتي هذا الذي انا فيه - (قرة العنيتين صفحہ 111 وازالة الحفا مقصد 2 صفحہ 11 واستيعاب جلد نمبر 2 صفحہ 765 و مستدرک جلد 4 صفحہ 5 وغیرہ)

”اور خود عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں آئے تو حضرت ابو بکر کے عیال کے ساتھ اترے۔ اور ہمارے قریب ہی حضرت رسول خدا صلعم بھی ٹھہرے تھے۔ حضرت اُس وقت مسجد بنواتے تھے۔ اور مسجد کے گرد ہمارے گھر تھے۔ اُنہی میں حضرت نے اپنے عیال کو بھی اتارا اور ہم لوگ کچھ دنوں تک ابو بکر کے گھر میں رہے۔ ایک روز حضرت ابو بکر نے کہا اے رسول خدا آپ اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کیوں نہیں کرتے۔ حضرت نے فرمایا ابھی مہر کا روپیہ نہیں ہے۔ اس پر حضرت ابو بکر ہی نے حضرت رسول خدا صلعم کو ساڑھے بارہ اوقیہ دیا۔ تب حضرت رسول خدا صلعم نے ہمارے ہاں بھیجا اور جس گھر میں اس وقت میں ہوں اسی میں حضرت نے میرے ساتھ جماع کیا۔“

(ix) - حضرت عائشہؓ سے نکاح کی ایک عجیب صورت نہ خوشی نہ ولیمہ نہ قربانی

جناب طبری حضرت عائشہؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ۔ ”عائشہ کہتی ہیں کہ نکاح کے بعد ہم مدینہ آئے۔ ابو بکرؓ میں خزر ج کے خاندان بنی الحارث کے یہاں فروکش ہوئے۔ ایک دن رسول اللہ ہمارے گھر آئے کچھ انصار اور اُن کی عورتیں آپ کے پاس آگئیں۔ میری ماں میرے پاس آئیں میں اُس وقت جھولا جھول رہی تھی۔ انہوں نے مجھے جھولے سے اتار بالوں میں کنگھی کی میرا منہ دھلایا اور پھر مجھے اپنے ساتھ لے چلیں اور کمرے کے دروازے پر پہنچ کر وہ ٹھہر گئیں۔ میں ڈری میری ماں نے مجھے اندر کر دیا۔ رسول اللہ صلعم کمرے میں پلنگ پر تشریف فرما تھے، میری ماں نے مجھے آپ کی گود میں بٹھادیا اور کہا یہ تمہارے شوہر ہیں، اللہ تم کو ان کے لئے اور اُن کو تمہارے لئے موجب خیر و برکت کرے۔ اس کے بعد تمام لوگ گھر سے چلے گئے۔ رسول اللہ صلعم نے میرے گھر میں میرے ساتھ خلوت فرمائی، مگر اس خوشی میں نہ قربانیاں کی گئیں اور نہ بکری میرے لئے ذبح کی گئی۔ اس وقت میری عمر (9) سال کی تھی۔ پھر سعد بن عبادہ کے یہاں سے حسب معمول رسول اللہ کے لئے کھانا آیا۔ (طبری صفحہ 495-494 جلد اول)

(x) - حضرت عائشہؓ کی تزویج کے متعلق چند قابل غور باتیں

حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ کی زوجیت میں دیئے جانے پر کتب احادیث و تواتر اور تفاسیر میں بہت سی عجیب عجیب بحثیں اور روایات پائی جاتی ہیں۔ ہم نے ہجرت کے واقعہ کو اسکے اغراض و مقاصد کے ساتھ مکمل کرنے کیلئے یہ چند ضروری روایات لکھ دی ہیں جن سے کئی ایک اہم باتیں ثابت ہوتی ہیں اور چند سوالات بھی اُبھرتے ہیں۔ جہاں یہ ثابت ہو چکا کہ حضرت ابو بکر ایک سرمایہ دار اور خوشحال فرد تھے، وہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آپ نے بیت النبوت میں اپنا مستقل اثر و رسوخ قائم کرنے کیلئے نہایت دور اندیشی اور فراخ دلی کا ثبوت دیا ہے اور وہ اس میں کامیاب ہوئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے آج سے تین سال پہلے، جب کہ حضرت عائشہؓ کی عمر کل چھ (6) سال تھی، یہ فرمایا تھا کہ عائشہؓ میں اُس وقت حضرت خدیجہؓ کی قائم مقامی کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں اور تھے کہ حضرت عائشہؓ حقوق زوجیت کو کما حقہ ادا کرنے پر قادر ہیں۔ یعنی وہ خلاف فطرت چھ سال کی عمر میں عاقلہ بھی ہیں، بالغہ بھی ہیں اور امور خانہ داری کے ساتھ ساتھ کنبہ کی دیکھ بھال پر بھی قادر ہیں۔ چونکہ یہ سب کچھ حضرت صدیق نے فرمایا تھا، اس لئے اس بیان پر چھوٹ کا

شبہ تو گناہ ہوگا۔ مگر یہ کیا بات ہے کہ حضرت عائشہ کو رسول اللہ کے پاس سے واپس لے آئے اور کیوں تین سال تک متواتر اپنے اس قول کے خلاف کرتے رہے کہ:-

”یا رسول اللہ یہ آپ کے صدمے کو کچھ کم کرے گی اور اس میں حضرت خدیجہ کی قائم مقامی کی صلاحیت ہے۔“

کیا آپ کا یہ منشا تھا کہ رسول اللہ اس رشتہ کی بنا پر انکے گھر آنا جانا اور متاثر ہونا شروع کر دیں۔ پھر حضرت عائشہ کی والدہ تین سال گزر جانے کے بعد بھی یہ ثابت کر دکھاتی ہیں کہ ابھی اس لڑکی کو نہ منہ دھونا آتا ہے نہ کنگھی کرنا جانتی ہے۔ گویا حضرت خدیجہ کی صلاحیت بھی اسی حد تک محدود تھی۔ ہمیں اس پر کوئی تعجب نہیں ہے کہ حضرت عائشہ کو انکی والدہ نے عورتوں اور مردوں کے بھرے مجمع میں لیجا کر گود میں بٹھا دیا۔ اسلئے کہ عربوں میں جو معاشرہ قائم تھا اُس میں اس قسم کی باتیں عام تھیں۔ یہاں تو دیکھنا یہ ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی جانشینی کی اسکیم کو کس احتیاط، دور بینی اور حسن تدبیر کے ساتھ برسر کار لارہے ہیں۔ مدینہ میں آکر آپ نے ایک روز بھی رسول اللہ کے ساتھ قیام نہ فرمایا بلکہ خزیجہ خاندان میں پہلے سے بنائی ہوئی جگہ پر نزول اجلا فرمایا۔ یعنی مدینہ کے محلہ سَخ میں ایک عدد شادی کی اور رسول اللہ کے انتقال تک مستقل سکونت اُسی محلہ میں رکھی۔ یہ محلہ مسجد نبوی اور بیت الرسالت سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ آپ نے اپنے اہل و عیال کو مکہ سے بلانے کے بعد پہلی فرصت میں اپنے ہی مذکورہ گھر کے اندر رسول اللہ اور حضرت عائشہ کو تخلیہ کے مواقع عنایت فرمائے۔ غالباً آپ یہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ اپنے خاندان کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ حضرت عائشہ کی وجہ سے مستقل سکونت اختیار کریں گے۔ اور اگر ایسا نہ کریں تو آنے جانے کی دقت کی بنا پر حضرت عائشہ کو خانہ نبوت میں رکھیں گے۔ یہ نتیجہ محلہ سَخ میں ایک میل دور رہنے ہی سے مرتب ہو سکتا تھا۔ اگر کہیں آپ نے یہ غلطی کی ہوتی کہ شروع دن سے رسول اللہ کے ساتھ سکونت اختیار کی ہوتی اور وہیں اپنے اہل و عیال کو آباد کیا ہوتا تو رسول اللہ حضرت عائشہ کو ساری عمر انکے والد ہی کے پاس رکھتے اور ہفتے عشرے میں حضرت عائشہ کیلئے، چند گھنٹوں کے لئے پہنچ جایا کرتے۔ اُس میں بھی حضرت علی علیہ السلام، تہجد اور دیگر عبادت اور ملاقاتی حصہ دار بن جاتے۔ اس طرح حضرت ابو بکر اور انکی جانشینی کی اسکیم کو دو ہر نقصان پہنچتا۔ پہلا مالی نقصان کہ بیٹی، داماد اور ملاقاتیوں کے اخراجات تا حیات برداشت کرنا پڑتے۔ دوسرا اور سب سے اہم نقصان یہ ہوتا کہ خانہ رسول میں بننے والی ہر اسکیم اور ہر فیصلے سے مکمل لا تعلقی ہو جاتی۔ اور جو ذمہ داریاں حضرت عائشہ خانہ رسالت میں رہ کر انجام دے سکتی تھیں، اُن سے قطعاً محرومی ہو جاتی اور پیشگوئی کے باوجود رسول اللہ کی جانشینی خواب و خیال بن کر رہ جاتی۔ یہ تھی وہ دور رس اسکیم جس کے ماتحت حضرت عائشہ کو ایام طفولیت سے متعلقہ مقصد کیلئے تعلیم و تربیت اور صحبت رسول سے استفادہ کا انتظام کیا گیا۔ اور ہجرت کے وقت رسول اللہ کو تنہا نکل جانے سے روکا۔ مدینہ آکر دُور قیام کیا اور جلد سے جلد حضرت عائشہ کو متعلقہ ذمہ داریوں پر تعینات کر دیا۔ ساتھ ہی تین میل دُور سکونت رکھ کر خود کو مختلف قسم کے مکاتیب فکر سے ملنے اور اپنے عمل درآمد کو نتیجہ خیز بنانے اور مفتش قسم کے لوگوں کی نظروں سے محفوظ رہنے کا اچھا ٹھکانہ بنالیا۔ یہی وہ گھر ہوگا جہاں راتوں کو مجلس مشاورت کے برپا ہونے کی خبریں قرآن کریم دے گا۔ اور اسی گھر سے آنے والی ایک عورت اور ایک بچہ یہاں کے راز افاش کرتے ہوئے پائے جائیں گے۔ (انتظار کیجئے)

(23/7)۔ علی مرتضیٰ علیہ السلام اور قریش: خانوادہ رسول کی مدینہ کورواگئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ سے نکل جانا قریش کی قومی و سیاسی موت کا پیغام تھا۔ انہوں نے نزدیک و دور کے تمام راستوں اور آبادیوں کو چھان مارا۔ ہر طرف مسلح سواروں نے گشت لگائے، تلاشیاں لیں۔ مکہ سے باہر جانے والوں اور اندر آنے والوں پر کڑی نظر رکھی جا رہی تھی، پوچھ گچھ ہو رہی تھی اور ہر آنے والی ساعت محرومی و ناکامی کا پیام لا رہی تھی۔ اُن کے لئے بڑا اچھا موقعہ تھا کہ وہ جناب علی علیہ السلام اور باقی افراد خاندان کو یرغمال بنا لیتے اور یقین کر لیتے کہ اُن کو چھڑانے کے لئے محمدؐ ضرور واپس آئیں گے۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ایسا کرنے میں کیا چیز مانع ہوئی؟ قحطانی تاریخ کی کہانیوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو تھوڑی دیر تک زیر نگرانی رکھا اور سخت سلوک کیا گیا لیکن اس کے بعد آزاد کر دیا۔ یہ اس لئے قابل قبول نہیں ہے کہ اس آزادی کی وجہ نہیں بتائی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام روز اول سے قریش کو جس شکل میں نظر آتے تھے، وہ ملک الموت سے کچھ زیادہ دہشت ناک تھی۔ ہر وہ شخص جو اسلام کا دشمن ہوتا تھا اُن کے تصور سے بھی خوفزدہ رہتا تھا۔ حضرت علیؑ اور قریش کا معاملہ بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ ذرا سوچئے کہ آپ ایک آدمی کو دیکھ رہے ہیں۔ ذرا سی توجہ ہٹی تھی اب جو نظر پڑی تو اُس فرضی آدمی کا سائز (SIZE) دو گنا نظر آیا۔ حیرانی کے ساتھ جائزہ لیا، آدمی تو وہی ہے۔ اتنی دیر میں دوسرا آدمی اس کی جگہ نہیں لے سکتا تھا۔ نظر جما کر دیکھا تو پتہ چلتا ہے کہ وہ آدمی برابر بڑھتا اور پھیلتا چلا جا رہا ہے ذرا دیر میں وہ دیو قامت ہو گیا۔ آپ یقیناً یہاں کھڑے نہیں رہ سکتے کہیں دُور جا کر دم لیا تو دیکھا کہ بہت بھاگے مگر وہ تو بالکل قریب ہی ہے۔ اگر ہاتھ بڑھا دے تو آپ سے آگے نکل جائے اور چاہے تو تمہیں چٹکی سے اٹھا کر کسی درخت کی چوٹی پر بٹھا دے، مسل کر زمین پر دھول کی طرح جھاڑ دے جیسے کسی کھٹل کو مسل دیا جاتا ہے، جس کے خون سے آپ کی انگلیاں بھی نہیں بھگیں۔ سوچئے کہ کیا آپ ایسے آدمی پر تلوار سے حملہ کر کے کامیاب ہونے کی امید کی حماقت کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اُمید تو رہی الگ آپ کی کھوپڑی سے خیالات و تصورات سب نکل کر بھاگ جائیں گے۔ صرف خوف و دہشت و وحشت گاہ بن کر رہ جائے گی۔ ہمیں یہ علم تو نہیں ہے کہ قریش کے سامنے علیؑ اسی طرح آیا کرتے تھے لیکن علم ہے کہ علیؑ کا ایک مشہور نام مظہر العجائب ہے۔ ہمیں علم ہے کہ حضور علیہ السلام نے جنات کو شکست دی تھی جو ہر صورت کو اختیار کر سکنے والی مخلوق بیان کی گئی ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ جناب مظہر العجائب نے چالیس اور دو بیالیس مقامات پر بیک وقت دعوت میں اپنی موجودگی کا مادی ثبوت دیا تھا۔ یہ بھی خبر ہے کہ آپ نے زمین پر رہ کر معراج کی سرگزشت سنا دی تھی۔ یہ بھی سنا ہے کہ آپ کے ساتھ جو گفتگو ہو رہی تھی وہ علی علیہ السلام کی زبان اور لب و لہجہ میں تھی۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اقصائے عالم میں ہر فرشتہ علیؑ کو ہر لمحہ اپنے سامنے دیکھتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ ان باتوں پر بحثیں اور انکار بھی ہوئے ہیں۔ یہ غپ شب سہی لیکن ہمیں یہ بھی تجربہ ہے کہ زوایا نے نظر کے بدل جانے سے تصویر بدل جاتی ہے۔ ایسی تصویریں دیکھی ہیں کہ ادھر سے دیکھو تو مرد، ادھر سے دیکھو تو عورت۔ یوں دیکھو تو ضعیف بڑھا اور یوں دیکھو تو قوی ہیکل جوان اور گھما لو تو مادرزاد نگہ تصویر۔ یہ سب کچھ آپ کی کھوپڑی میں آنکھوں کے راستے آنے والا سامان ہے۔ تصویر تو وہی کچھ ہے کہ جو کچھ کہہ رہے۔ مگر یہ منکر کھوپڑی کے اپنے کارنامے ہیں یا زوایا نے نظر کے کرشمے ہیں۔ ہمارے پاس ایک چند ورقوں کی کتاب ہے ایسی جو تصویروں سے لکھی گئی ہے، الفاظ سے نہیں۔ پہلا ورقہ کھولو ایک تصویر

مکمل خوبصورت تصویر سامنے ہے۔ دوسرا ورقہ پلٹو اُس تصویر نے لباس بدل لیا ہے۔ پھر ورقہ پلٹو تو وہی تصویر ہے۔ ورقہ پلٹتے جاؤ نئے چہروں کے ساتھ نئے ملبوسات میں نئے نئے انداز میں ایک ہی تصویر اپنی بوقلمونیاں دکھاتی چلی جائے گی۔ غپ شب کہنے والے لوگ بے خطا اور احق ہونے کا ثبوت ہوتے ہیں۔ وہی مجسمہ رات کو، دوپہر کو، دُور سے یکساں حالت میں نظر نہیں آتا۔ کیوں؟ بعض نگاہیں دلوں میں انقلاب پیدا کر دیتی ہیں۔ کیوں؟ بعض مسکراہٹیں دیکھتے دیکھتے غلام بنا لیتی ہیں۔ کیوں؟ بعض انتظار سواہان رُوح اور بعض رُوح پرور ہوتے ہیں۔ کیوں؟ آپ کی منکر کھوپڑی میں سے توڑنے کے بعد جو کچھ نکلتا ہے وہ کچھ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا بکرے کی سری کے اندر سے نکلتا ہے۔ لیکن جب تک یہ کھوپڑی ہتھوڑے سے محفوظ آپ کی گردن پر سوار ہے، اُس میں اُس سامان کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ اُس میں والدہ ہے، والد صاحب ہیں، بھائی بہنیں، دیگر اعزہ، محلے دار دفتر کے سب لوگ، گنوتو ہزاروں، تولوتو ٹٹوں۔ پھر اُس میں بڑے بڑے میدان، پہاڑ، نظارے، سینزریاں، خواب، قصے، میتھی میٹکس کے فارمولے، بازار، گلیاں، موڑ، موٹریں، جہاز۔ ذرا اُس منکر سے انکار تو کروائیے کہ مندرجہ بالا کیوں کا جواب کیا ہے؟ کیا یہ سب غپ شب ہے۔ چھ سات انچ لمبی چوڑی منکرات سے لبریز کھوپڑی حقائق کا انکار تو کر سکتی ہے لیکن حقائق کے وجود کو سامنے سے ہٹا نہیں سکتی۔ جس نے زمین پر رہ کر ستاروں کو ساری عمر دیکھا ہو، ستاروں کی حقیقت کے متعلق اس کے علم و اقرار و انکار کا کیا وزن ہے؟ جس نے کوئی چیز رات کو اندھیرے میں ایک سرسری طور پر دیکھی تھی، وہ اگر دن کی روشنی میں غور سے دیکھنے پر اُسے نہ پہچانے اور بتانے کے بعد نہ مانے، بتائیے کہ اُس کے انکار کا اُس چیز پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ علامہ رومی نے لکھا ہے کہ:- تو علیؑ را بتاریکی دیدہ ای

اے منکر شخص درحقیقت تو نے علیؑ کو اُس کھوپڑی سے دیکھا ہے جس میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ یہ

سب ہے کہ تو نے ایرے غیرے تھو خیروں کو اُن سے برگزیدہ سمجھ لیا ہے۔ (مثنوی مولانا رومؒ)

اور یہ تو ایک حقیقت ہے کہ جس کے سینے میں ساری کائنات سما جائے، اُس شخص کا سائز کیا ہوگا؟ جو اپنے کفِ دست یعنی ہتھیلی کو پوری کائنات سے بڑا کہے، اُس کے باقی جسم کی لمبائی چوڑائی کہاں پہنچے گی؟ جو نفس اللہ ہو، اُسے کن حد و میں محدود کیا جائے گا؟ جو عین اللہ ہو، جو لسان اللہ ہو، جوید اللہ ہو بلکہ خدا کے دونوں ہاتھ ہو۔ اُسے کہاں سما یا جائے گا؟ یہ تو خدا کی کاریگری کا کمال تھا کہ وہ حضرت ہمارے ایسے لوگوں کی خوش قسمتی سے ایسے بنا دیئے گئے کہ ہم بھی زیارت کر سکیں، تصور میں لاسکیں اور ٹوٹے پھوٹے کھوکھلے الفاظ میں کچھ بیان کر سکیں۔ علیؑ قریش کو کیسے نظر آتے تھے؟ اس کا صحیح جواب عمر ابن عبدودؓ، مرحب اور اُن لوگوں کے پاس ہے جنہوں نے علیؑ علیہ السلام کو سچ مچ دیکھا تھا۔ آپ تو علیؑ کا تصور اُن ہی بیانیوں سے کر سکتے ہیں جو کنوئیں کے مینڈک نے سمندر کا تصور کنوئیں کے مقابلہ سے کیا تھا۔ اُس نے کنوئیں کے تین چکر لگا کر کہا تھا کہ جناب سمندر اس سے بڑا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس سے کہا گیا تھا کہ اگر تو ساری عمر کنوئیں میں گھومتا رہے تب بھی سمندر بہت بڑا ثابت ہوگا۔ بہر حال یہ واقعہ ہے کہ جناب علیؑ دن دھاڑے بلا روک ٹوک علی الاعلان مکہ سے مدینہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ انہیں اب مکہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اُن کا قبلہ اُن کا کعبہ مدینہ کی طرف رواں دواں جا رہا تھا۔ اُن کی دین و دنیا سب محمدؐ میں مرکوز تھی وہی سب کچھ تھے۔ وہ نہیں تو پھر ہر چیز بے معنی۔ بڑی مشکل سے فرائض کی ادائیگی اور حکم کی تعمیل کے سہارے تین دن

گزارے۔ چوتھے روز در دولت کے سامنے اونٹ بٹھا دیئے گئے۔ عمار یوں اور پردے کا انتظام ہوا۔ سب سے پہلے اپنی والدہ گرامی جناب فاطمہ بنت اسد کو سوار کیا۔ اور اُن کے ساتھ جناب فاطمہ زہراء خاتون جنت کو بٹھایا۔ پھر جناب حمزہ علیہ السلام کی بیٹی فاطمہ علیہا السلام کو سوار کیا۔ پھر اپنی پھوپھی جناب فاطمہ بنت عبدالمطلب علیہا السلام کو زحمت سفر پر آمادہ کیا۔ یہ چار فاطمائیں خانوادہ رسول کا وہ اثاثہ اور دولت تھیں جن کے لئے جنت و ملک کے سر جھکے ہوئے تھے۔ اُن کے بعد اذن عام ہوا۔ وہ تمام جذبات جو غریب الوطنی کے تصور سے پیدا ہوتے ہیں، جو اپنے مولد اور وطن کو چھوڑتے وقت لازم ہیں، پیشوائی اور رخصت کے لیے حاضر تھے۔ حضرت ام ایمن کے صاحب زادے ابو اوقد لیشی نے قافلہ کی قیادت شروع کی جو رسول اللہ کا خط لے کر آئے تھے جس میں حضور نے اپنی غار ثور سے روانگی اور وہ حکم لکھا تھا جس کے ماتحت خانوادہ رسول کو گھر چھوڑنا تھا۔ مکہ سے دونوں قسم کے مسلمان مرد مدینہ جا چکے تھے۔ بعض کے اہل و عیال مکہ میں منتظر تھے۔ مگر دعوت عام کے باوجود علوی قافلہ کے ساتھ مکہ سے کسی نے نہ سفر کیا، نہ رخصت کو آیا، نہ مشایعت کی۔ یہی وقت تھا کہ یہ معلوم ہوتا کہ جناب ابوبکر نے بھی رسول اللہ سے ہم آہنگ اسکیم بنائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے روبرو انہوں نے اپنے خاندان کی روانگی کا ذکر تک نہیں کیا اور نہ حضور ازراہ رؤت حضرت علی کو لکھ بھیجتے کہ حضرت عائشہ اور ان کی والدہ وغیرہا کو بھی لیتے آنا۔ ہر پھر کر وہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت ابوبکر رسول کے ساتھ آباد ہونے میں دود اور بڑے عظیم نقصانات دیکھ رہے تھے۔ جب خانوادہ رسول مدینہ پہنچ جائے گا تو حضرت ابوبکر رسول سے ایک میل دُور اپنا ٹھکانہ بنا چکیں گے۔ پھر خط آئے گا اور اُن کا خاندان اور رفتہ رفتہ وہ تمام خاندان مدینہ کو روانہ ہو جائیں گے جن کا جانا مشرکین قریش کے لئے مفید تھا اور وہ تمام مظلوم مرد عورتیں اور بچے نہ جانے دئے جائیں گے جن کا اسلام قریش کے لئے مُضر اور خطرناک تھا، مکہ سے روانگی کا یہی معیار تھا۔ یہ تو اللہ کے مرسلہ وہ فوج تھی جس کی بنا پر رسول اور خانوادہ رسول مکہ سے نکل سکے ورنہ قریش کے ارادے، انتظام اور مقاصد کا تقاضہ اس کے خلاف تھا۔ حقیقی مسلمانوں کا مکہ سے نکل جانا انہیں ہرگز گوارا نہ تھا۔ رہ گئے اُن کے اپنے مہاجرین انہیں تو وہ قومی بیت المال کے خرچ پر خود بھیج رہے تھے۔ اور سمجھ چکے تھے کہ اب اسلام کے سیلاب کو روکنے کے لئے داخلی رکاوٹ سے زیادہ موثر دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

(23/8)۔ خانوادہ رسول مدینہ کی راہ میں

قافلہ مرتضوی نواح مکہ سے نکلا تو ابو اوقد نے اونٹوں کو تیز چلانا شروع کیا۔ ذرا دیر بعد حضرت علی نے آہستہ چلنے کے لئے کہا لیکن وہ انسانی حیثیت کے ماتحت یہ چاہتے تھے کہ اُس علاقہ سے جلد نکل جائیں جو قریش کے گشتی شمشیر زنوں، بدوؤں اور نگران جماعتوں کی حدود میں ہے۔ اور جناب علی مرتضیٰ قوت ید اللہی کے اعتماد پر یہ پسند نہ کرتے تھے کہ خانوادہ رسول خصوصاً فاطمات کو سفر کی تھکان تکلیف پہنچائے۔ اس لئے شتر رانی کا کام خود سنبھالا اور ابو اوقد رضی اللہ عنہ کو مطمئن کر دیا کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا ہے کہ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا ہے۔ لہذا اطمینان سے فطری طور پر محتاط سفر جاری ہوا۔ روانگی کے بعد جب مقام حنجان کے قریب سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ ایک گشتی دستہ گھوڑوں پر سوار، ڈھانٹے باندھے، تلواریں ہوا میں لہراتا ہوا سرپٹ چلا آ رہا ہے۔ آٹھ آدمی ہیں، سب اجنبی چہرے ہیں۔ ایک بنی امیہ کا غلام حرب نام ساتھ ہے۔ یعنی کم از کم ایک آدمی ہر جماعت میں ایسا رکھا گیا تھا جو حضرت علی

کو شناخت کر سکے۔ ابو واقدؓ یہ دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ نامعلوم ایسی کتنی جماعتوں سے سابقہ پڑے گا۔ چند ثانیوں کے بعد قدرت خدا سامنے آنے والی ہے کہ جناب علی مرتضیٰؑ نے سوار یوں کو بٹھانے اور اُن کے پیر باندھنے کا حکم دیا تا کہ وہ ڈر کر بھاگ نہ کھڑے ہوں۔ ابو واقدؓ نے یہ خدمت جلد جلد انجام دی اور سرکار علیہ السلام تلوار نکال کر اُس گروہ کی جانب بڑھے اور مناسب فاصلے پر اُن کو روکا اور لکارا کہ خبردار ایک قدم آگے نہ بڑھنے پائے۔ ذرا رک کر سوچئے ایک نوجوان کے روبرو آٹھ شمشیر زن، آزمودہ کار اور خون کے پیاسے لٹیرے ہیں، مستورات ساتھ نہ ہوں تو دل زیادہ قوی ہوتے ہیں۔ اُدھر وہ بزرگ خواتین جنہیں احترام و اکرام کے سوا کبھی درشت کلامی اور خوف و ہراس سے سابقہ نہ پڑا تھا جنگل بیابان ہے۔ دو آدمیوں کا علیؑ کے مقابلہ میں رہنا کافی ہے باقی آدمی اونٹوں اور قافلے کو لوٹ اور تلوار کا نشانہ بنانے کے لئے آجائے میں مختار ہیں۔ یہی وہ وقت ہے جب اللہ کی وہ قدرت سامنے آئے گی جس کی دعاؤں میں، تسبیحوں میں، تلاوت قرآن میں محض نظری حیثیت سے تذکیر کرتے رہتے تھے۔ ایک نہیں چار فاطمہؑ خدا کے روبرو دست بدعا تھیں۔ سب کی نظریں حضرت علی علیہ السلام پر جمی ہوئی تھیں ذرہ برابر گھبراہٹ نہیں۔ اُن کا اطمینان ان کو اطمینان بہم پہنچا رہا تھا۔ سواروں نے رفتار کو قابو میں کیا۔ حیرانی کے عالم میں قریب پہنچے وہی صورت سامنے تھی۔ مگر نہ معلوم کس ساز اور انداز میں تھی۔ اس کا عکس تو مخالف گروہ کے حال سے منعکس ہوگا۔ اگر وہ ایک دم بھاگ کھڑے ہوتے ہیں تو یقیناً اُن کی پوری جسامت سے بڑا ساز ہوگا۔ ٹھہرتے ہیں تو مساویانہ شکل ہو گی۔ وہ رُکے اور کہا کہ تمہارا خیال یہ تھا کہ بلا مزاحمت یوں مکہ سے نکل کر چین سے مدینہ جا پہنچو گے۔ چپ چاپ سیدھے سیدھے واپس چلو ورنہ سمجھ لو کہ تمہارے اعضاء یہاں بکھرے ہوئے ہوں گے اور ہم قافلے کو واپس مکہ پہنچا دیں گے۔ علی علیہ السلام نے نہایت ہی اطمینان سے جواب دیا کہ میں نے اور اس قافلے نے تم لوگوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا۔ میں ان کو لے کر جا رہا ہوں بہتر ہے کہ تم مزاحمت نہ کرو۔ لیکن اگر تمہیں اپنی زندگی دو بھر معلوم ہو رہی ہے تو تمہیں اختیار ہے۔ جس کا دل پہلے موت سے ملاقات کے لئے بے چین ہو وہ آگے بڑھے تا کہ اُس کی منزل آسان کر دوں۔ یہ سن کر جناح نامی ایک شخص آگے بڑھا اور تلوار کا وار کیا۔ اُس کا وار خالی گیا ہی تھا کہ وہ حملائل ہو کر گھوڑے سے اس طرح گرا کہ ایک ہاتھ اور کا ندھا اور سر، زمین پر پڑا تھا اور باقی گھوڑے پر الجھا ہوا رکھا تھا۔ گھوڑا بھی زخمی ہو کر اپنے گروہ کی طرف بے تحاشہ بھاگا اور گروہ بڑی مشکل سے اُسے راستہ دے سکا۔ اتنے میں جناب علی مرتضیٰؑ نے نزدیک ترین آدمی کو جو سوار یوں کو بھڑکانے کے لئے گھوڑا پھیر رہا تھا، جالیا اور آنکھ جھپکنے میں دو ٹوکڑے کر دیئے۔ یہ حال دیکھا تو باقی لوگ گھبرا گئے۔ علیؑ نے کہا تم اپنی راہ لو ورنہ میں تمہیں یہاں سے نکل کرنے دوں گا۔ اس لئے کہ اب ایک گھوڑا بھی میرے قابو میں ہے۔ اُن لوگوں نے واپس جانے ہی میں خیریت سمجھی۔ آپؑ نے ابو واقد سے کہا کہ اب اونٹوں کے پیر کھول دو اور حنینان میں چل کر قیام کرو۔ سجدہ شکر کے بعد روانگی ہوئی اور ذرا دیر بعد قیام ہوا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں ٹھہر کر آپؑ نے مکہ سے خفیہ روانہ ہونے والوں کو پہنچنے کا نشان بتایا تھا۔ اُنہی آنے والوں میں جناب اُم ایمن تھیں۔ یہاں رات بسر کرنے کے بعد منزل در منزل سفر جاری رکھا۔ سفر میں جوتے ٹوٹ گئے پیر زخمی ہو گئے۔ اٹھارہ ربیع الاول کو جب آپؑ محلہ قبا میں پہنچے تو آبلوں پر آبلے پڑ کر، پھوٹ پھوٹ کر، پیر اس قدر زخمی ہو گئے تھے کہ زمین پر رکھنا محال تھا۔ مگر زیارت رسولؐ کا شوق تھا جو کھینچنے لئے چلا جا رہا تھا۔ آخر یہ قافلہ جناب کلثوم بن ہدم کے مکان کے سامنے پہنچا۔ بہت سے لوگ راہ میں

ساتھ ہو گئے تھے۔ رسول کو اطلاع ہوئی تو دوڑتے ہوئے تشریف لائے، گلے لگایا، سب زخم محض ہاتھ پھرتے ہی ختم ہو گئے۔ تکان سفر کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ حضورؐ نے عماری سے باری باری تمام خواتین کو اتارا، گھر میں پہنچایا، سب سے ملے، جذبات و مسرت کا اپنا مقام ہے۔ رسالت و امامت سے جذبات و احساسات میں جلا پیدا ہوتی ہے۔ حضورؐ نے اس دوران مسجد قبا تعمیر کر دی تھی۔ بس اپنے خاندان کا یہاں انتظار فرما رہے تھے۔ اسد الغابہ میں علامہ ابن اثیر، البوراف سے روایت کرتے ہیں کہ:

جب آپؐ مدینہ پہنچے اور آنحضرتؐ کو آپؐ کی آمد کی اطلاع ملی تو فرمایا علیؑ کو ہمارے پاس لاؤ، عرض کیا گیا رسول اللہؐ حاضر ہونے سے معذور ہیں۔ آنحضرتؐ خود تشریف لائے اور بغلیگر ہوئے اور انکی حالت دیکھ کر آبدیدہ ہوئے۔ متورم پاؤں کو دیکھا خون بہہ رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے اپنا لعاب دہن پاؤں پر ملا اور عافیت کی دعا مانگی۔ جناب امیرؓ اچھے ہو گئے پھر کبھی شہادت کے وقت تک پاؤں کے درد کی ان کو شکایت نہ ہوئی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپؐ کا یہ سفر جون کے مہینے میں ہوا تھا جس میں گرمی شدت سے ہوتی ہے۔ ایسے گرم موسم میں کئی سو میل تک پاپیادہ سفر کرنا اور دشمنوں کے ملک کو تنہا عبور کرنا ایسا واقعہ ہے جس کی نظیر زمانہ میں کم تر ملے گی۔ اس واقعہ میں آپؐ کے ایمان، صبر، تسلیم و توکل، جرأت، ہمت، شجاعت، شہامت کا پتہ چلتا ہے۔ (جلد 1 صفحہ 62 سیرۃ علویہ حافظ امجد علی حیدر کا کوروی)

(23/9)۔ نبوت و امامت و خانوادہ رسالت کا قلب مدینہ میں داخلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتظار میں محلہ قبا میں تمہیدی فرائض انجام دیتے رہے۔ یہ محلہ مدینہ کی گنجان آبادی سے دو میل باہر تھا جس طرح محلہ خ ایک میل مخالف سمت میں تھا۔ آپ کے قیام کے دوران مدینہ کے اہل خاندان کو مخصوص حالات میں یہاں آکر ملاقات کے لئے اجازت لینا پڑتی تھی۔ اور کہہ دیا گیا تھا کہ حضرت علیؑ علیہ السلام اور باقی ماندہ افراد خاندان کے پہنچ جانے پر باقاعدہ اطلاع دی جائے گی۔ اس وقت اہل مدینہ یہ سمجھیں کہ رسولؐ و خاندان رسولؐ آپ کے پاس آرہے ہیں۔ اُس وقت تک میں محلہ قبا میں کچھ ضروری پروگرام مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ لہذا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ کا انتظار فرما رہے تھے، اُسی طرح بلکہ زیادہ بے چینی کے ساتھ رسول اللہ کا مدنی خاندان و قبیلہ، دوست و دشمن، دونوں قسم کے مسلمان اور یہود و نصاریٰ الغرض مدینہ کا ہر باشندہ چشم براہ منتظر تھا۔ چنانچہ منادی کرادی گئی کہ کل رسولؐ و خاندان رسولؐ مدینہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہاں سے علامہ شبلی کی زبانی سنئے فرماتے ہیں کہ:-

”لوگوں کو جب تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جوش مسرت سے پیش قدمی کے لئے دوڑے۔ آپ کے تہیالی رشتہ دار بنو نجار، تھیار، سججج کرائے۔ قبا سے مدینہ تک دورویہ جانثاروں کی صفیں تھیں۔ راہ میں انصارؓ کے خاندان آتے تھے۔ ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا ”حضورؐ یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان“ آپ منّت کا اظہار فرماتے اور دعائے خیر دیتے۔ شہر قریب آگیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں:-

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ☆ چاند نکل آیا ہے۔ مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ ☆ کوہ وداع کی گھاٹیوں سے۔

وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا ☆ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔ مَا دَعَى لِلَّهِ دَاعِ ☆ جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔

پھر معصوم لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں:-

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ ☆ ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں۔ يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ ☆ محمدؐ کیا اچھا ہمسایہ ہے آپؐ نے اُن لڑکیوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا ”کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟“ بولیں ”ہاں“ فرمایا کہ میں بھی تم کو چاہتا ہوں۔“

(سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 277-278)

(23/10)۔ مدینہ میں مکئی خانوادہ رسولؐ کی سکونت

مدینہ کا نبوی خاندان چونکہ دو بڑے قبیلوں پر وسیع تھا اور ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ رسولؐ اُسکے گھر کو قبول کریں اور نزدیک تر رہیں۔ اس مشکل کو حل کرنے اور اُس وسیع خاندان کو مطمئن کرنے کا حل یہی تھا کہ حسب سابق فیصلہ اللہ کے احکام پر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اپنے نزدیک تر رشتہ داروں یعنی تنہیال کے بزرگوں سے ایک وسیع اور غیر آباد زمین خریدنا چاہی جو صدیوں سے بیت الرسالتؐ بننے کے خواب دیکھتی چلی آرہی تھی۔ اُدھر خاندان کے لوگ قیمت لینے پر رضا مند نہ تھے۔ بہر حال اُن دونوں یتیم بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت و کفالت کی ذمہ داری لے لی گئی جو اُس قطعہ زمین کے براہ راست مالک تھے اور قیمت لینے پر رضا مند نہ تھے۔ آپؐ نے مدنی خاندان کو خوش کرنے کیلئے انہیں اجازت دیدی کہ جو افراد خاندان علی مرتضیٰ علیہ السلام کے ساتھ اب آئے ہیں اُنکے علاوہ پہلے سے بھیجے ہوئے افراد خاندان جہاں رہتے ہیں وہیں رہیں۔ اور جو حضرات بیرونی ممالک سے واپس آتے جائیں، اُنکو آباد کرنے میں بنو نجار مختار ہیں۔ حضرت سودہ بنت زمعہ جن سے حضرت خدیجہؓ علیہا السلام کے بعد پہلی رفیقہ حیات کی حیثیت سے نکاح کیا تھا اور جو پہلے ہی مدینہ پہنچ چکی تھیں آنحضرتؐ کے ساتھ رہیں گی اور بیت النبوةؐ کی ایک قریبی ممبر کی حیثیت سے مرکز میں قیام فرمائیں گی۔ یوں سکونت کا تصور پورا کیا گیا۔ اور جب تک مسجد نبویؐ اور بیت الرسالتؐ اور بیت الامامةؐ بن کر تیار ہوں اُس وقت تک جناب علیؓ اور اُنکے ساتھ آنے والے تمام افراد خاندان آپؐ کے ساتھ جناب ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں بدستور قیام کریں گے۔

اس پروگرام کے مطابق مسجد نبویؐ کی تعمیر کی گئی۔ اور خاندان رسولؐ کے مکانات اس طرح بنائے گئے کہ اُن کا عقبی دروازہ مسجد کے صحن میں کھل سکے۔ بالکل وسط میں جناب علیؓ علیہ السلام کا مکان بنایا گیا اور اُس کے ساتھ ملا کر داہنے بائیں بیت الرسالتؐ کے حجرے تیار کئے گئے۔ اور جناب ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ کو ایک حجرہ دیا گیا۔ اور وہ تمام حضرات جو جناب ابوالیوبؓ کے یہاں سات ماہ سے مقیم تھے اپنے اپنے حجروں میں منتقل ہو گئے۔ یوں خاندان رسولؐ مدینہ میں آباد ہوا۔

(23/11)۔ بیت الامامةؐ کی مرکزی حیثیت کا تصور

اگر اس مکان پر غائر نظر ڈالی جائے جو تاریخ میں خانہ فاطمہ زہراءؓ کہلائے گا، آپ دیکھیں گے کہ رسولؐ اللہ اس مکان کو اپنا مرکزی نقطہ رکھنا چاہتے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہی وہ مکان ہے جس میں آیہ تطہیر نازل ہونے کے بعد روزانہ ہی رسولؐ اللہ یہ کہہ کر داخل ہوتے تھے کہ سلام ہو تم پر اے اہل بیت رسولؐ۔ لہذا اُن بحثوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ حضورؐ کے اہل بیت میں ازواج داخل ہیں یا نہیں اسلئے کہ رسولؐ کا اپنا گھر ہی یہی تھا اور ازواج رسولؐ کے الگ الگ حجرے تھے جن میں سے کسی ایک کو رسولؐ کا مکان کہنے سے باقی

کی نفی ہو جاتی۔ اسلئے جب ازواج رسول کو تنبیہ کی گئی تو اُن حجروں کو ازواج رسول کے مکان قرار دیا گیا اور سب سے کہا گیا کہ تم اپنے اپنے مکان میں ٹک کر بیٹھ، رہا کرو۔ (قُرُونٌ فِیْ بُیُوتِکُنَّ۔ احزاب 33/33) پھر آنحضرتؐ کبھی بھی کسی زوجہ کے ساتھ مدینہ میں مستقل قیام نہ کر سکتے تھے۔ اس بنا پر ان کی باری مقرر تھی۔ ورنہ مستقل قیام گاہ وہی مکان تھا جسے بیت الرسالت کہا تھا۔ اس کی جائے وقوعہ پر قدیم ریکارڈ میں سے ایک بیان سن لیں۔ محمد اسماعیل بخاری نے لکھا ہے کہ:-

جاء رجل الى ابن عمر ثم سآله عن عليّ - فذكر محاسن عمله و قال هو ذاك بيته اوسط بيوت النبيّ - (بخاری پارہ 14 صفحہ 387) ”ایک شخص حضرت عمر کے بیٹے کے پاس آیا اور علیؑ کے متعلق سوال کیا تو عبداللہ ابن عمر نے حضرت علیؑ کی عملی زندگی کی خوبیاں بیان کرنے کے بعد کہا وہ دیکھو نبیؐ کے گھروں کے وسط میں علیؑ ہی کا گھر ہے۔“

جناب امام نسائی نے اپنی صحیح نسائی میں اس کی تصدیق کی ہے کہ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کا مکان ازواج رسول کے حجروں کے درمیان میں تھا۔ لہذا معلوم ہوا کہ مسجد نبویؐ کی تعمیر سے فراغت کے بعد سب سے پہلے وسط میں حقیقی بیت الرسولؐ بنایا گیا اور اُس کے داہنے بائیں ضرورت کے ساتھ حجرے بنتے چلے گئے۔ اور چونکہ وہ زوجہ جن کی زوجیت کے حقوق کی ادائیگی کیلئے عملاً ضرورت تھی اور جو ہجرت کے تین سال پہلے عملاً زوجہ تھیں، اُن کیلئے سب سے پہلے حجرہ بنایا گیا جو حضرت علیؑ علیہ السلام کے مکان سے متصل ہونا چاہئے۔ بہر حال پہلا سال ہجری پورا ہوتے ہوئے آنحضرتؐ کا مدنی خاندان مسجد کے ساتھ آباد ہو گیا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب حضرت ابوبکرؓ کو یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ رسولؐ سے جو رشتہ چار سال پہلے قائم کیا تھا، اس کا عملی نفاذ کرایا جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ بھی ایک حجرے میں مقیم ہو گئیں۔

(23/12)۔ ازدی عالم اور بحیرا کی پیشگوئی والی جانشینی کے لئے دوسرا قدم

اب وہ وقت آ گیا کہ جناب ابوبکرؓ وہ اقدام کریں جس کی تمہید چار سال پہلے جناب عائشہؓ کو ایام طفولیت ہی میں پیش کر کے قائم کی تھی یعنی اب تو مدینہ میں آچکے۔ رسولؐ کی حکومت تقریباً قائم ہو چکی ہے۔ ازدی عالم اور بحیرا کی پیش گوئی میں صدق کا ثبوت سامنے آ رہا ہے۔ لہذا وہ کام کیوں نہ کیا جائے جو جناب قصی علیہ السلام نے حبش سے شادی کے ذریعہ کیا تھا۔ ادھر خاندان رسولؐ کے معیار کے مطابق جناب فاطمہؓ بھی نکاح کے قابل ہو چکی ہیں۔ میں اپنی بیٹی پہلے سے دے چکا ہوں یہاں تک کہ زفاف کی اُجرت بھی میں اپنے سرمایہ سے دے چکا ہوں۔ میری درخواست ہر ہر حیثیت سے قابل قبول ہوگی اور انکار انتہائی ناانصافی و بے مروتی اور تعصب پر مبنی ہوگا۔ ہم سب اولاد آدمؑ ہیں، طبقہ واریت ہم میں نہیں ہے۔ لہذا یہ بڑا اچھا اور ہر صورت میں مفید موقعہ ہے۔ اگر اقرار ہو تو جانشینی پختہ، انکار ہو تو اُن کے خلاف خاندانی عظمت اور اشرف واعلیٰ طبقہ کے برقرار رکھنے اور ہاشمی اقتدار قائم کرنے کا حربہ پیدا ہو جائے گا اور اس طرح عربوں کی کثرت کے کان پھر کھڑے ہو جائیں گے۔ لہذا بڑی عجلت سے رسولؐ کے پاس پہنچے اور بلا تکلف اور بڑے مستعنی انداز میں اپنا مقصد پیش کر دیا۔ اور نبوت و رسالت و بزرگی کا لحاظ کئے بغیر برابر کے عام آدمی کی طرح مخاطب کیا۔ اس قصہ کو تمام اہل قلم نے بڑی استعجاب سے بیان کیا ہے۔ اور بعض کو بہت تکلیف بھی ہوئی ہے اور بعض نے یہ کہہ دیا کہ یہ واقعہ پیش ہی نہیں آیا۔

(i)۔ جناب شہلی کی ناگواری اور انکار مگر واقعہ لکھنا پڑا ہے

علامہ شہلی نے تحریر فرمایا ہے کہ ”ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے آنحضرتؐ سے درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا جو خدا کا حکم ہوگا۔ پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی، اُن کو بھی آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ وہی الفاظ فرمائے۔ لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں ابن سعد کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہؓ کے حال میں روایت کی ہیں۔ لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔ (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اول صفحہ 366)

(ii)۔ دشمنان اہل بیتؑ کا معیار حق و باطل و حق دشمنی

علامہ شہلی کے لئے عنوان کے الفاظ ہی کافی ہیں۔ بہر حال قارئین یہ سوچیں کہ تاریخ کی نہایت معتبر اور مفصل کتاب یعنی ”طبقات ابن سعد“ علامہ شہلی کے حافظ ابن حجرؒ سے معتبر تر عالم نے جن روایتوں کو لکھا اور تمام مؤرخین و محدثین نے جن کو اختیار کیا، اُن روایات کو اس لئے غلط کہنا غلط ہے کہ ابن حجر کوئی صاحب الہام و وحی نہیں ہیں۔ غلطی تو ابن حجر کی ہے کہ اُس نے نہ لکھا۔ صرف اُس کا نہ لکھنا کسی روایت کے غلط ہونے کی دلیل کیسے ہوا؟ اگر وہ لکھتا اور روایت میں غلطی ثابت کرتا تو پھر ہم غور کرتے۔ لیکن نہ اُس نے لکھا نہ اپنی کوئی رائے ظاہر کی۔ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ روایت صحیح ہے اور ابن حجر جاہل ہے۔ پھر علامہ کو چاہئے تھا کہ خود ہمت کر کے روایت میں کوئی عیب بتاتے جس بنیاد پر غلط لکھا۔ اس کی دوسری خامی قابل مضحکہ ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ فلاں شخص نے فلاں عورت کے حالات فلاں کتاب سے لکھے۔ مگر اُس نے اُس عورت کے حالات میں فلاں مرد کے حالات نہیں لکھے۔ لہذا فلاں مرد کے حالات ہی غلط ہیں۔

یعنی شہلی کا اطمینان جب ہوتا جب حضرت فاطمہؓ کے حالات میں ابوبکرؓ کے حالات لکھے جاتے تب وہ روایت صحیح ہو جاتی۔ یہ ہے قحطانی محققین کی دلیل اور معیار حق۔ اُنہیں بتا دو کہ یہ روایت ابوبکرؓ کے حالات میں ہے۔ اُس کو جناب فاطمہؓ کے حالات میں لکھنا دیوانگی اور جہالت ہوتا۔ پھر یہ اُن دونوں کی انتہائی جسارت ہے جس کا چھپانا شہلی کو مطلوب ہے۔ پھر یہ اُن دونوں کی بڑی گہری اسکیم اور ناکامی کا ثبوت ہے۔ اسلئے بھی شہلی نہیں چاہتے کہ وہ روایت صحیح نکلے جو پردہ کھولتی ہو۔ اور چونکہ اُس وقت کے کئی ایک بہتر اور موزوں تر صحابہؓ نے ایسی درخواست کو گستاخی سمجھ کر اور یہ سمجھتے ہوئے ایسی غلط جرأت نہ کی کہ حضور اللہ کے حکم کے بغیر حضرت فاطمہؓ علیہا السلام کا نکاح بھی کریں گے۔ اور جس سے اللہ حکم دے گا، خود اُسے بلا کر اللہ کا حکم سنا دیں گے اور وہ شخص بڑی خوشی سے اس سعادت کو قبول کر لے گا۔ چنانچہ تمام مسلمان اس یقین پر قائم اور اس معاملہ میں خاموش ہیں۔ مگر یہ دونوں حضرات دراصل بار بار مذکورہ پیشگوئی کے پورا ہونے یا کسی طرح پورا کرنے کی فکر میں ہر کلیدی مقام پر ساتھ ساتھ رہے ہیں۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں آپؐ دونوں موجود ہیں۔ چنانچہ قارئین نوٹ کر لیں کہ اس درخواست سے یہ دونوں حضرات اس گروہ کے راہنما ثابت ہو گئے جو رسول اللہ کی ہر بات اور ہر عمل کو منجانب خدا اور بذریعہ وحی نہیں مانتے تھے۔ اور یقین رکھتے تھے کہ (معاذ اللہ) رسول کی بعض باتیں منجانب اللہ نہیں ہوتیں۔ اور اس حقیقت کو چھپانے کے لئے علامہ شہلی نے روایت کو بلاوجہ بتائے، بلا کوئی مخالف دلیل قائم کئے غلط قرار دیا ہے۔ مگر ہم دکھائیں گے کہ آنحضرتؐ نے صرف انکار نہیں کیا بلکہ اپنی نفرت کا اظہار بھی کیا ہے۔ اور یہیں سے یہ بات ثابت ہے کہ ارحام رسولؐ تمام امت کے افراد پر حرام ہیں۔ چنانچہ اسی گروہ کے

حد سے بڑھنے پر وہ آیات سنائی جائیں گی جن میں ازواج رسولؐ اور اُن سے پیدا ہونے والی بیٹیاں اُمت پر تاقیامت حرام قرار دی جانے والی ہیں (الاحزاب۔ 55-53/33) اور جنکے خلاف رسولؐ کوئی فیصلہ کر ہی نہیں سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ابھی اُن آیات (النجم 4-53) کے تلاوت کرنے کا وقت نہیں آیا ہے۔ رسولؐ اللہ کو علم ہے کہ شراب قطعاً نجس اور حرام ہے، مشرک سے نکاح حرام ہے۔ اسی لئے نہ وہ شراب پیتے ہیں، نہ اُن کا خانوادہ پیتا ہے، نہ وہ مشرک و مشرک سے نکاح کرتے ہیں۔ نہ کبھی کسی مشرک کے نکاح میں شریک ہوئے۔ لہذا یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے ابھی متعلقہ آیات کی تلاوت نہیں کی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ بعض لوگوں نے اپنے شرابی بزرگوں کو ہم پلہ بنانے کیلئے رسولوںؐ پر شراب پینے کی تہمت والی روایتوں کو جاری کیا۔ بعض نے اپنے مشرک راہنماؤں کو رسولؐ کے برابر لانے کیلئے اپنی بیٹیوں کی شادی مشرکوں سے کرنا لکھا اور مانا۔ لیکن یاد رکھو کہ رسولؐ اور خانوادہ رسولؐ نے اعلان نبوت سے پہلے یا بعد ہرگز کوئی ایسا حرام فعل نہیں کیا جو قرآن میں حرام تھا۔ اسلئے کہ اُن کو قرآن کا علم روز ازل سے تھا۔ لہذا اب ہم شبلی صاحب کی توضیح کے لئے چند روایات دکھاتے ہیں تاکہ یہ بات چوڑے میدان ثابت ہو جائے۔

(iii)۔ آنحضرتؐ نے درخواست کو نفرت سے ٹھکرا دیا

جناب علامہ علی متقی اعلیٰ اللہ مقامہ، لکھتے ہیں کہ:۔ جاء ابو بکر الى النبي فقعد بين يديه - فقال يا رسول الله قد علمت منّا صحتي وقد مى فى الاسلام وَاِنّى وَاِنّى - قال وما ذا؟ قال تزوجنى فاطمة فسكت عنه اوقال اَعْرَضَ عنه - فرجع ابو بكر الى عمر فقال هلكت واهلكت - قال وما ذاك قال خطبت فاطمة الى النبي فَأَعْرَضَ عَنّي - قال مكانك حتى اتى النبي فاطمب مثل الذى طلبت - فاتى عمر النبي فقعد بين يديه فقال يا رسول الله علمت منّا صحتي وقد مى فى الاسلام وَاِنّى وَاِنّى قال وما ذاك؟ قال تزوجنى فاطمة - فاعرض عنه فرجع عمر الى ابى بكر - (کنز العمال - جلد 7 صفحہ 113)

”جناب ابو بکر رسولؐ اللہ کے پاس آئے اور مد مقابل کی طرح منہ کے بالکل سامنے بیٹھ گئے اور کہا کہ یا رسولؐ اللہ آپ میری خیر خواہی اور اسلام کی حالت سے واقف ہیں۔ اور میں ایسا اور ایسا اور ویسا ہوں۔ رسولؐ نے بات کاٹ کر کہا پھر کیا؟ ابو بکر نے کہا فاطمہؓ کو میری زوجیت میں دے دیں۔ اسکے جواب میں خاموشی اختیار کر لی یا اُنکی طرف سے منہ پھرا لیا۔ رسولؐ کے اس سلوک پر ابو بکر اٹھ کر عمر کے پاس واپس چلے آئے اور کہا کہ میں ہلاک ہو گیا۔ مجھے مار دیا گیا۔ عمر نے دریافت کیا کہ کیا ہوا کچھ بتاؤ۔ کہنے لگے کہ میں نے رسولؐ سے فاطمہؓ کو زوجیت میں طلب کیا تھا انہوں نے جواب دینے کے بجائے منہ پھرا لیا۔ یہ سن کر عمر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ذرا تم یہاں ٹھہرو میں ابھی رسولؐ کے پاس جاتا ہوں اور وہی کچھ طلب کرتا ہوں جو تم نے طلب کیا تھا۔ چنانچہ فاطمہؓ حضرت عمرؓ کی پاس پہنچے خم ٹھونک کر بالکل سامنے بیٹھے اور کہا کہ اے رسولؐ اللہ آپ میری خیر خواہی اور اسلام کی حالت سے آگاہ ہیں۔ اور میں یوں ہوں اور یوں۔ بات کاٹ کر رسولؐ اللہ نے دریافت کیا کہ پھر کیا ہو گیا؟ عمر نے کہا کہ فاطمہؓ کو میری زوجیت میں دے دیں۔ یہ سنا اور رسولؐ اللہ نے عمر کی طرف سے بھی منہ پھرا لیا۔ چنانچہ عمر بھی اٹھ کر ابو بکر کے پاس واپس آ گئے۔“ (اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیْہ رَاجِعُونَ)

(iv) - قارئین کے غور کرنے کی باتیں

علامہ شبلی کو تو گوارہ نہ تھا مگر اللہ کے معاملات میں شبلیوں کی کہاں چلتی ہے۔ قارئین سوچیں کہ بڑے بڑے صحابہ موجود ہیں۔ وہ حضرات موجود ہیں جنہوں نے مکہ کی زندگی میں اسلام اور رسولؐ کے لئے قربانیاں دی ہیں۔ ابوبکر و عمر سے پہلے ہجرت کرنے والے موجود ہیں۔ خوش رو، نیک نہاد، عبادت گزار، موزوں عمر کے نوجوان و جوان بھی موجود ہیں۔ کسی کے دل میں جنسی تعلق کا ہیجان نہیں ہے۔ کسی طرف سے ایسی حرکت نہیں کی جا رہی ہے۔ یہ کیا وجہ ہے کہ یہی دو بڑھے آدمی ایک دوسرے کی پشت پناہی میں ایک ایسی بات کے پیچھے پڑے ہیں جو نہ اس عمر میں موزوں ہے اور نہ رسولؐ کی اطاعت و عظمت کے شایان شان ہے؟ پھر بیٹیاں دینے میں بھی خلاف فطرت۔ چھ سال کی عمر میں یہی دونوں آگے۔ اور بیٹی لینے کی فکر میں بھی انہی دونوں میں گھ جوڑ اور اتفاق؟ اور ایک دوسرے کو خلافت کے لئے موزوں (Recommend) کرنے میں بھی وہی آگے۔ یزید کے باپ معاویہ کو استقلال اور حکومت دلانے میں بھی وہی دونوں آگے آگے۔ ابوسفیان کے بیٹے یزید کو ملک کا فیلڈ مارشل بنانے اور ایک سال تک عرب میں بغاوت کو کچلنے اور قتل عام کرنے کا مختار قرار دینے میں وہی حضرات راہبر۔ یہ ہی وہ پلان ہے جس کا بھیا نک نتیجہ کر بلا ہے۔ اور جس کا مظلوم ترین نشانہ مرکز انسانیت یعنی حسین علیہ السلام ہیں۔ اور جس کا مقصد طاغوتی حکومت کا قیام اور خلافت الہیہ کا انہدام ہے۔ اور اسی واقعہ کی تفصیلات ہم لکھنا چاہتے ہیں۔

(v) - خدا کے انتظام کو کہاں تک جھٹلاتے رہو گے؟

علامہ شبلی کا سائز تو اس قدر چھوٹا ہے کہ اللہ کے انتظام کے مقابلہ میں ایک چمچر بھی اُن سے کئی کروڑ گنا بڑا ہے۔ اگر ساری دنیا کے اہل قلم اور اہل خلاف جمع ہو جائیں تب بھی اللہ کے نظام کے روبرو وہ سب ملکر اُس مری ہوئی مکھی سے بھی کم ہیں جسے چیونٹیاں گھسیٹنے لئے جا رہی ہوں۔ علامہ سے دس گنا بڑے عالم، حافظ ابن حجر سے کئی گنا بڑے محدث و مؤرخ، ابن اثیر سے سننے اور دیکھنے شہسبیت کہاں ہے؟

خطبہ ابوبکر یعنی فاطمۃ الی رسول اللہ۔ فابی رسول اللہ۔ فقال عمر انت لکھا یا علی۔ (اسد الغابہ)

”جب حضرت ابوبکر نے رسول اللہ سے حضرت فاطمہؑ کے نکاح کی درخواست کی تو رسول اللہ نے نفرت و حقارت سے سر بلند کر لیا۔ اس پر عمر نے حضرت علیؑ علیہ السلام سے کہا کہ اے علیؑ فاطمہؑ تو تمہارے ہی لئے طے شدہ ہے۔“

اُنہیں یہاں حق کا بیان مقصود نہیں ہے۔ بلکہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وحی اور حکم خدا تو ایک آڑ ہے جو جب ضروری ہوتی ہے اختیار کر لی جاتی ہے۔ لیکن ہم بلا وحی والہام کے حالات کے مطابق اور وقوع سے یہ پہلے ہی جانتے ہیں کہ رسول اللہ سب کچھ تمہارے ہی لئے کرتے چلے آ رہے ہیں مگر ہم بھی غافل نہیں ہیں۔ ہماری اسکیم بھی بڑی تاریخ ساز ہے۔

(vi) - منکروں کو احادیث کا انبار واشتہار دکھاتے رہو

اس جدید زمانے کے محققین وہ حقائق بھی چھپا لینا چاہتے ہیں جو پہلے ہی قحطانی و قریشی چھلنی میں چھان کر اور اپنی پالیسی کے مطابق بنا کر دم کے پہلو نکال کر لکھے گئے تھے۔ ہمارے زمانہ کے علما چاہتے ہیں کہ کسی طرح وہ لنگڑے لوے بیانات بھی موجود نہ ہوتے تو

اُن کی گاڑی بلا رکاوٹ چلتی۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم عوام کو اُن روایات پر اطلاع دیں اور اپیل کریں کہ نہ سہی پوری بات آدھی تو مانیں۔ نہ سہی ہماری کتابوں سے اپنی کتابیں تو قبول کریں۔ نہ سہی توہین آمیز بیان، وہ بیانات تو سنیں جن کو بگاڑ کر رسول اللہ کے نام سے آپ کے عظیم علما نے لکھا ہے۔ سنئے مانئے یا نہ مانئے۔ علامہ ملا علی قاری نہایت سنوار کر قابل پسند طریقے پر بیان کرتے ہیں کہ:-

عن انس بن مالک قال خطب ابو بکر الى النبي ابنته فاطمة فقال يا ابي بكر لم ينزل القضاء ثم خطبها عمر مع عدة من القریش كلهم يقول له مثل قوله لابي بكر فقيل لعلي لو خطبت الى النبي فاطمة عسى ان يزوجهكها۔ قال وكيف وخطبها اشرف قریش فلم يزوجهها؟ فخطبها فقال صلى الله عليه وآله وسلم قد امرني ربي بذلك۔ فقال انس ثم دعا نبي النبي بعد ايام۔ فقال لي يا انس اخرج وادع لي ابا بكر وعمر بن الخطاب وعثمان بن عفان وعبد الرحمن بن عوف وسعد بن ابى وقاص وطلحة والزبير وعدة من الانصار۔ قال فدعوتهم۔ فلما اجتمعوا عنده واخذوا مجلسهم وكان على غائبا في حاجة النبي۔ فقال النبي الحمد لله المحمود بنعمته المعبود وبقدرته المطاع بسلطانه المرهوب من عذابه وسطوته النافذ امره في السمائه وارضه الذى خلق الخلق بقدرته وميزهم باحكامه واعزهم بدينه واکرمهم بدينه محمدًا ان الله تبارك وتعالى اسمه وعظمته جعل المصاهرة سببًا لاحقًا وامرًا مفترضًا اوشج به الارحام والزمه للانام۔ فقال عز من قائل وهو الذى خلق من الماء بشرا فجعله نسبًا وصهرًا وكان ربك قديرًا۔ فامر الله تعالى يجرى الى قضائه وقضائه يجرى الى قدره۔ ولكل قضاء قدر۔ ولكل قدر اجل۔ ولكل اجل كتاب يمحوه الله ما يشاء ويثبت ما يشاء وعنده ام الكتاب۔ ثم ان الله تعالى امرني ان ازوج فاطمه بنت خديجه من على ابن ابي طالب۔ فاشهد وانى قد زوجت على اربع مائة مثقال فضة ان رضى بذلك على ابن ابى طالب۔ ثم دعا بطبق من بسر فوضه بين ايدينا۔ ثم قال انهوا فنهينا فبيننا نحن ننهى اذ دخل على النبي۔ فتبسم النبي في وجه ثم قال ان الله امرني ان ازوجك فاطمه على اربع مائة مثقال فضة ان رضى بذلك۔ فقال قد رضى بذلك يا رسول الله۔ قال انس فقال النبي جمع الله شملكما واسعد جدكما وبارك عليكما واخرج منكما كثيرًا طيبًا۔ قال انس فوالله لقد اخرج منهما كثيرًا طيبًا۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مصر جلد 5 صفحہ 575)

”انس بن مالک بیان کرتے تھے کہ ابو بکر نے رسول اللہ سے درخواست کی کہ جناب فاطمہؓ کا نکاح مجھ سے کر دیجئے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ اے ابو بکر خدا نے ایسا نازل نہیں کیا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے بہت سے قریش اور اپنی طرف سے یہی درخواست کی۔ حضورؐ نے وہی جواب دیا جو ابو بکر کو دیا تھا۔ اس پر علیؓ سے کہا گیا کہ اگر تم درخواست کرو تو قریب ہے کہ تم سے فاطمہؓ کا نکاح منظور کر لیں۔ علیؓ نے کہا یہ کیسے؟ جبکہ تمام اشرف قریش کی درخواست رد کر دی گئی؟ حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا تو رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ خدا نے مجھے اُسی کا تو حکم دے رکھا ہے۔ انس کہتے ہیں پھر چند روز کے بعد رسول اللہ نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ اور ابو بکر، عمر بن خطاب، عثمان، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ، زبیر اور انصار کو بلا لاؤ۔ انس گئے اور سب کو بلا لائے۔ جب یہ لوگ اکٹھے ہو گئے اور اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے، اسوقت حضرت علیؓ علیہ السلام رسول اللہ کے کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔ آپؐ کی غیبت ہی میں رسول اللہ نے ایک خطبہ پڑھا۔ جس میں نکاح کی ذیل میں ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کی حمد و ثنا بجالاتا ہوں جو اپنی نعمتوں کی وجہ سے محمود قابل تعریف ہے۔ اور قدرتوں کی وجہ سے قابل عبادت ہے۔ اپنی سلطانی کی بنا پر قابل اطاعت ہے۔ اُس کا عذاب اور غلبہ ایسا ہے کہ محتاط زندگی بسر کرانے والا

ہے۔ اُس کی زمین اور آسمانوں میں ہر جگہ اُسی کا حکم چل رہا ہے۔ وہ ایسی ہستی ہے جس نے مخلوق کو محض اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ اور اُن کو اپنے احکام کے لئے تمیز عطا کی ہے۔ اور اُن کو اپنے دین سے عزت دی ہے اور انہیں محمدؐ ایسا نبی دے کر مفید و بزرگ بنایا ہے۔ یقیناً اللہ کا نام اور اس کی عظمت بلند و بابرکت ہے۔ جنسی تعلق کو، سسرالی رشتہ کو اس نے ایک لازمی فریضہ اور سبب و ذریعہ بنا کر نطفوں کو بچہ دانیوں میں پہنچانے کا نظام تمام جاندار مخلوق میں قائم کیا اور تخلیقی تسلسل کو لازم قرار دیا۔ اور اُس معزز ترین ہستی نے فرما دیا ہے کہ وہی تو اللہ ہے جس نے بشر کو پانی سے بنایا ہے۔ چنانچہ بشر کے لئے نسب اور سسرال کو متعین کر دیا ہے۔ اور تیرا رب اس تمام کاروبار تخلیق پر قادر رہا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا امر یا حکم اُس کے مقرر کردہ فیصلے یا نتیجے کی طرف بڑھاتا ہے۔ اور اللہ کی قضا یا نتیجہ اُس کے مقرر کردہ قدرت کے اندر محدود رہتا ہے۔ اور ہر نتیجہ یا قضا کے لئے ایک مقررہ قدر یا قانون ہے۔ اور ہر مقررہ قانون و قدر کے لئے ایک مدت مقرر ہے۔ اور ہر مدت مقررہ کے لئے ایک (نتیجہ یا قضا) کتاب ہے۔ اللہ کتاب میں جو چاہتا ہے لکھتا اور مٹاتا رہتا ہے۔ اور اللہ کے پاس کتاب کی ماں یا بنیاد ہے۔ اس خطبے کے بعد فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی بیٹی فاطمہ بنت خدیجہ کو علی ابن ابی طالبؑ کی زوجیت میں دے دوں۔ پس تم سب لوگ گواہ رہو کہ میں نے چار سو (400) مثقال چاندی (ایک مثقال برابر ساڑھے چار ماشہ) کا مہر مقرر کر کے فاطمہ کا نکاح علیؑ سے کر دیا ہے۔ بشرطیکہ وہ بھی راضی ہو جائے۔ پھر حضورؐ نے کھجوروں کا طباق منگوایا اور ہمارے درمیان رکھ کر فرمایا کہ کھاؤ۔ ہم سب نے کھانا شروع کیا ہی تھا کہ حضرت علی علیہ السلام بھی آگئے۔ رسول اللہ نے انہیں دیکھا تو مسکرائے۔ اور فرمایا کہ اے علیؑ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہاری رضامندی سے چار سو مثقال چاندی کے مہر پر تم سے فاطمہ بنت خدیجہ کا نکاح کر دوں۔ کیا تم اس پر راضی ہو؟ آپؑ نے فرمایا میں راضی ہوں۔ اس پر رسول اللہ نے دعا کی کہ اللہ تم دونوں کے درمیان میل جول قائم رکھے۔ تم دونوں پر اپنی برکتیں نازل کرتا رہے۔ اور تم دونوں سے اللہ طیب و طاہر اور کثیر نسل جاری کرے۔ انس کہتے ہیں کہ تم بخدا یقیناً اُن دونوں سے بہت پاکیزہ اور کثیر نسل جاری ہوئی۔“ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مصر جلد 5 صفحہ 575)

(vii)۔ منکروں کی آواز روزانہ دیتی اور بے اثر ہوتی جا رہی ہے

مشکوٰۃ وہ کتاب ہے جس کے ساتھ محدثین لفظ شریف ضرور لگا کر بولتے ہیں جس طرح بخاری کو صحیح بخاری کہتے ہیں۔ اسی طرح مشکوٰۃ کو مشکوٰۃ شریف کہتے اور لکھتے ہیں۔ یہ شبلی کے سر سے اونچا پانی ہے یہاں اُن کے پیر نہ ٹکتے تھے۔ اس طویل روایت میں بنیادی باتیں تو وہی ہیں۔ جو خاص پہلو نوٹ کرنے کے ہیں وہ رسول اللہ کا منہ پھر الینا غائب ہے۔ مگر اعراض کی جگہ لفظ ”ابی“ لایا گیا ہے۔ ابلیس نے آدمؑ کو سجدہ کی جگہ ”ابی و استغبر“ سے جواب دیا تھا۔ یعنی ابی بزرگی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مطلب ہم نے لکھ دیا ہے۔ ابی منہ پھرانا نہیں ہوتا، منہ چڑانا اور حقارت اور نفرت سے آنکھ ملانا ہوتا ہے۔ لہذا یہ ثابت ہوا کہ رشتہ کے لئے وہ تمام لوگ بہت گھٹیا درجے کے لوگ تھے۔ جن سے ابی کیا گیا ہے۔ منہ پھرانا تو برابر والے درجے کے لوگوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ لیکن ابی کا حق جب ہی پیدا ہوتا ہے جب مد مقابل بہت گھٹیا اور کمینہ ہو۔ ورنہ شرعاً ابی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ مد مقابل میں حُب نفس اور قلبی بغض و حسد نہ ہو تو ہرگز ابی کی اجازت نہیں ہے۔ اس روایت میں حضرت عمر کا معدد دیگر قریش کے رشتہ مانگنے کا ذکر ہے۔ یعنی ان دونوں نے پورے قبیلہ قریش کو

غصہ دلانے اور اپنی سوشل اسکیم میں تعاون کرنے کے لئے رسولؐ کا یہ طرز عمل اور جواب نوٹ کرایا تھا کہ دیکھو ہم سے اُسے کس قدر نفرت ہے۔ اور وہ ذات پات (Cast & Creed) اور طبقہ واریت کا کتنا حامی ہے؟ یہ پھر ثابت ہوا کہ جناب علی علیہ السلام کے ساتھ رسولؐ کا سلوک کتنا مخصوص اور جانا بوجھا تھا، کہ تمام قریش کو پہلے سے یقین تھا کہ آنحضرتؐ حضرت علیؑ ہی کو داماد اور جانشین بنانے پر تلے ہوئے ہیں اور یہ کہ قریش رسولؐ کے تمام اقوال و اعمال کو وحی کے مطابق یا وحی نہ سمجھتے تھے۔

قارئین اُن تمام ناموں کو نوٹ کر لیں جنہیں اس روایت میں نام بنام بلایا گیا ہے۔ فی الحال مکی مسلمانوں میں یہی لوگ ہیں جو مخصوص گروپ کی صورت میں باقی مکی مسلمانوں کے لیڈر ہیں۔ اور مدینہ میں مکی و قریشی طرز فکر کی اشاعت میں سب سے آگے ہیں۔ آئندہ ہر موڑ پر اُن میں سے کسی نہ کسی کو علیؑ کی راہ میں رکاوٹ بننے دیکھا جائے گا۔ اور اُن کے بھی راہنما اور لیڈر جناب ابوبکر و عمر رہتے چلے جائیں گے۔ جتنے بیانات قرآن میں مد مقابل لوگوں کے لئے آنے والے ہیں، اُن میں یہی گروہ یا اسی گروہ کے افراد کا ذکر ہوگا۔ چونکہ مدینہ میں مکی مسلمان صورت سے الگ پہچانے جاتے تھے اس لئے اُن کے نام کی اہل مدینہ کو ضرورت نہ ہوتی تھی۔ ذکر کے انداز اور اعمال کی تفصیل سے سب الگ الگ پہچان لئے جاتے تھے۔ اس لئے کہ اس گروہ کا مرکزی اختلاف سب کو معلوم تھا۔ اور یہ حضرات عقائد کے مسائل کو چھپاتے بھی نہ تھے بلکہ اُن کی تبلیغ کرتے تھے۔ اور رسولؐ کے علاوہ ہر کسی کو اپنے عقائد کی صحت پر چیلنج کرتے اور مباحثہ جاری رکھتے۔ مگر رسولؐ سے محض اُن کے سب سے بڑے لیڈر افہام و تفہیم کے بہانے بحثیں کرتے ہوئے قرآن میں دکھائے جائیں گے۔ یہ تمام ماہرین مذہبیات و اسرائیلیات و سیاسیات ہیں یا بعض زیر تعلیم حضرات ہیں۔ اُن کا مرکز فی الحال مکہ ہے۔ مدینہ میں ثانوی مرکز یا ماتحت مرکز کے قیام کی گفتگو ابھی جاری ہے۔ یہاں پھر سوچیں کہ خطبہ میں فاطمہ بنت خدیجہؑ فرمایا گیا ہے۔ اگر خدیجہؑ سے پیدا ہونے والی اپنی کسی اور بیٹی کا رسولؐ اللہ نے (معاذ اللہ) کسی کافر، مشرک یا مسلمان سے نکاح کیا ہوتا تو آج قریش کا یہ سارا مجمع آڑے ہاتھوں لے لیتا کہ جناب فاطمہؑ میں کون سے لعل لگے ہوئے ہیں۔ وہ بھی تو خدیجہؑ اور آپؐ دونوں کی بیٹی ہے۔ آپؐ کس بنا پر قریشی شرفا سے انکار کر سکتے ہیں؟ لیکن کسی فرد بشر کا اس وقت یہ اعتراض نہ کرنا سوائے اس کے اور کس بات کی دلیل ہے کہ نہ آپؐ کی خدیجہؑ سے کوئی اور بیٹی تھی اور نہ ہی آپؐ نے کسی غیر خاندان کے فرد سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا تھا۔ چنانچہ قحطانی تاریخ کا بعد میں اختیار کیا ہوا ڈرامہ محض ایک ناول ہے اور کچھ نہیں۔ اور آخری بات یہ نوٹ کر لیں کہ حضرات ابوبکر و عمر نے منگنی کی درخواست کرتے ہوئے اپنا استحقاق یہ کہہ کر جتایا تھا کہ ”آپؐ ہماری خیر خواہی اور اسلامی حالت سے واقف ہیں۔“

اس کے بعد ان حضرات کے ساتھ رسولؐ اللہ کی طرف سے جو سلوک کیا گیا، اس سے کس قسم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے؟ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ اُس سلوک سے ان کی اسلامی خیر خواہی یا اسلامی پوزیشن کی کھلی نفی ہوتی ہے۔ ورنہ کم از کم یہ جواب دینا رسولؐ اللہ پر لازم تھا کہ فاطمہؑ کا نکاح اللہ کے حکم سے علیؑ کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ اس سے تمہارے اسلام اور خیر خواہی پر کوئی ضرب نہیں پڑتی۔ تم بڑے اچھے لوگ ہو، اسلام کے ہمدرد ہو، میرے دوست ہو، مصیبت میں میرے کام آتے رہے ہو۔ لیکن آپؐ نے یہ جواب نہ دیکر اور مذکورہ بالا سلوک کر کے ہمارے لئے یہ دلیل فراہم کر دی کہ یہ لوگ اسلام سے بھی کوئی حقیقی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ اور ان کے متعلق بھی جو کچھ افسانے

شاہی تاریخ میں ملتے ہیں وہ بھی ناول سے کچھ کم نہیں ہیں۔

(viii)۔ انوار خداوندی کا سنگم اور نسل رسولؐ کی ابتدا کی اصل حقیقت

قارئین نوٹ کریں کہ کسی اور پرہویا نہ ہو لیکن حضرت علیؑ پر یہ بہت بڑا اتہام ہے کہ آپؐ نے از خود یا کسی زید و مکر و عمر کے کہنے سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حضرت فاطمہؑ زہراء علیہا السلام سے نکاح کی درخواست کی تھی جو قبول کر لی گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ ذات پاک ہیں جو رسولؐ اللہ کے پورے مشن، انکی ہستی اور عظمت و بزرگی پر احاطہ رکھتے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اُن کو نور محمدؐ کی ایک ہمسرہ جزو ہوتے ہوئے، مکمل قرآن کا علم رکھتے ہوئے اور تخلیق نور سے لے کر قیامت تک کے وحی والہام پر مطلع ہوتے ہوئے، اتنی سی بات معلوم نہ ہو کہ ان کی پہلی زوجہ کون ہوگی؟ فاطمہؑ کا نکاح کس سے ہوگا اور سنو! خواہ ناک چڑھا کر سنو یا خندہ پیشانی کے ساتھ ایمان کے کانوں سے سنو کہ علیؑ کو تو یہ بھی معلوم ہے کہ ابوبکر کی نسل کا آخری آدمی کون اور کب پیدا ہوگا اور آدم سے لے کر قیامت تک جنت اور جہنم میں کون کون جائیں گے؟ جس شخص نے ساری عمر یہ دعویٰ کیا ہو کہ میں یہ بتا سکتا ہوں کہ تم اپنے گھروں میں کیا چیز کہاں رکھ کر آئے ہو؟ تمہارا دم کہاں ٹوٹے گا؟ تم کس حال میں اور کہاں مرو گے؟ اور سنو! یہ باقی کتابوں کے علاوہ خود قرآن کریم سے ثابت ہے کہ کچھ مرد معرفت کے اُس مقام پر فائز ہیں کہ وہ تمام جنتیوں اور جہنمیوں کو پہچانتے ہیں اور پہچانیں گے (اعراف 7/48)۔ لہذا آپؐ ہرگز یہ درخواست نہ کر سکتے تھے۔ آپؐ کو علم تھا کہ اللہ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ اس نتیجہ تک لانے کے لئے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت خاتم صلوٰۃ اللہ علیہم السلام تک ذریت طاہرہ کا سلسلہ اور انتظام چلتا آیا ہے۔ علیؑ اور فاطمہؑ تو وہ نتیجہ تھے جسے برآمد کرنے کے لئے پوری کائنات کروڑوں سال سرگرداں رکھی گئی تھی۔ یوں بھی شرف میں پاسِ ادب، شرم و حیا بڑی مشہور چیزیں ہیں۔ شرفا جان دے دیتے ہیں شرم و حیا برقرار رکھتے ہیں۔ پھر جس نے خود پالا، پرورش کیا، تربیت کی، علوم خداوندی کو ابھارا چکا یا ہو، اُس کو خود ہی خیال ہوتا ہے درخواست کرنا اُس کے احساسات کی توہین ہے۔

(ix)۔ آنحضرتؐ نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں علیؑ و فاطمہؑ کی تزویج کی تھی

اب ایک ایسی روایت سنئے۔ وہی جناب انس بن مالک فرماتے ہیں کہ:-

عن انس بن مالک قال كنت عند النبي فغشيته الوحي فلما افاق قال تدري ما جاء به جبرئيل قلت الله ورسوله اعلم۔ قال امرني ان اتزوج فاطمة من علي۔ فانطلق وادع لي ابا بكر وعمر وعثمان وعلياً وطلحة والزبير وبعده من الانصار فلما اقبل علي قال له يا علي ان الله امرني ان ازوجك فاطمة وقد زوجتكها علي اربعة مائة مثقال فضة ارضيت؟ قال رضى يا رسول الله قال ثم قام علي فخر ساجداً شكراً قال النبي جعل الله منكما كثير الطيب وبارك الله فيكما قال انس فوالله... (رياض النضره جلد 2 صفحہ 184)

”میں آنحضرتؐ کے حضور میں موجود تھا کہ آپؐ پر آثارِ وحی نمودار ہوئے۔ وحی سے فراغت کے بعد خوش ہو کر فرمایا کہ سمجھے بھی خدا نے کیا نازل فرمایا اور جبرئیلؑ کیا خوشخبری لے کر آئے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ مجھے

حکم دیا گیا ہے کہ فاطمہؓ کی زوجیت میں دے دوں۔ لہذا جا کر ابوبکر و عمر و عثمان و علیؓ و طلحہ و زبیر اور انصار میں سے کچھ لوگوں کو بلا لاؤ۔ جب علیؓ آئے تو فرمایا کہ اے علیؓ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فاطمہؓ کو تمہاری زوجیت میں دیدوں۔ چنانچہ میں نے چار سو مثقال چاندی (ایک مثقال = ساڑھے چار ماشہ) (ایک سیر چودہ چھٹانک) پر فاطمہؓ کا نکاح تم سے کر دیا ہے۔ کیا تم خوش ہو؟ عرض کیا میں خوش ہوں یا رسول اللہ۔ انس نے کہا پھر علیؓ اٹھے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ آنحضرتؐ نے دعادی کہ خدا تمہیں برکتیں دے اور تم سے بہت پاکیزہ نسل عطا کرے۔ انس نے کہا کہ خدا کی قسم واقعی اللہ نے کثیر پاکیزہ نسل عطا کی۔“ (ریاض النضر جلد 2 صفحہ 184)

(x)۔ جناب علیؓ و فاطمہؓ کی تزویج روز ازل سے خدا نے مخصوص کر دی تھی

علماء نے اس حقیقت کو برابر تسلیم کیا ہے کہ اللہ نے جناب علیؓ مرتضیٰ کو تمام عالمین کی سیدہ کی شوہریت کے لئے مخصوص کر رکھا تھا اور وحی سے وہ اطلاع دی جا چکی تھی۔ اور یہ بھی کہ خداوند عالم نے اپنے نبیؐ کی ذریت کو حضرت علیؓ کے صلب میں ودیعت کر رکھا تھا۔“

اختصه بتزويج سيدة النساء العالمين واخبر ان ذلك يوحى من الله

تعالى وان الله جعل ذرية نبيه في صلبه۔ (الرياض المستطابه)

جناب علامہ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ: فرمود یا انس آمد مرا جبرئیل از نزد پروردگار عرش و گفت بدستی خدائے تعالیٰ امرے کند ترا کہ تزویج کنی فاطمہؓ را با علیؓ (مدارج النبوة جلد 2 صفحہ 95)۔ ”رسول اللہ نے انس سے فرمایا کہ خداوند عرش کے پاس سے جبرئیل آئے اور مجھ سے کہا کہ خداوند عالم نے آپ کو حکم دیا ہے کہ فاطمہؓ کی زوجیت میں دے دو۔“

قارئین تلاش کریں کہ جناب علامہ شبلی کا جذبہ انحراف کدھر گیا؟ اختصار ملحوظ ہے ورنہ علماء نے تو حقائق کے انبار لگا رکھے ہیں۔

24۔ مکئی یا قریشی مسلمانوں کی پوزیشن اور کارنامے

جب رسولؐ اور خانوادہ رسولؐ مدینہ میں باقاعدہ آباد ہو چکے، یہ خاندان مقام محمود پر فائز ہو چکا، یہود و نصاریٰ سے تعاون کا معاہدہ ہو گیا اور یہ خبریں مکہ کے قریشی مرکز میں روزانہ پہنچنے سے قریشی قسم کے مسلمان مدینہ میں تیزی سے پہنچنے لگے۔ اور قریش کو یہ یقین ہو گیا کہ اب اُن کی مسلمان جماعت رسول اللہ کے فداکاروں میں داخلی تخریب کے لئے قدم جما چکی ہے تو انہوں نے اپنی جارحانہ کاروائیوں کا آغاز کر دیا۔ مدینہ کے گرد و نواح سے مومنین کے جانور، بھیڑ بکریاں اونٹ وغیرہ پر ڈاکے ڈالنا شروع کئے۔ اس کی روک تھام کے لئے آنحضرتؐ نے کئی دفعہ بڑے چھوٹے مسلح گشتی دستے روانہ کئے۔ خود بھی کئی بار سفر اختیار کیا۔ چونکہ مدینہ کی ہر نقل و حرکت اور آنحضرتؐ کا ہر فیصلہ قریشی جاسوس مکہ پہنچانے میں سرگرم رہتے تھے۔ اس لئے خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی۔ چونکہ قریشی جاسوسوں کا جال مسلمان لباس میں رسولؐ کے گھر سے لے کر باہر تک ہر جگہ پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے کسی بات کا پوشیدہ رہنا بہت مشکل تھا۔ اس لئے بھی کہ پرانے مکی مسلمان ہر بات کی تفصیل پہلے معلوم کرتے تھے، سوالات کا انبار لگا دیتے تھے اور عمل سے پہلے ہی قاصد مکہ کو روانہ ہو چکے تھے۔ اور مکہ والوں نے بھی باقاعدہ خبریں وصول کرنے کے لئے جگہ جگہ اپنی کمین گاہیں اور اسٹیشن بنا لئے تھے۔ جہاں سے لوٹ مار کے لئے مسلح

دستے روانہ کرنے کا انتظام تھا۔ مناسب مقام پر یہ انتظام قرآن کریم سے پیش کیا جائے گا۔ یہاں تو اس قدر سمجھ لیں کہ مدینہ میں آکر بھی رسول اللہ اور حقیقی مسلمان چین سے نہیں رہنے دیئے گئے اور اُن کی بے چینی اور تکلیف کا باعث خود قریشی مسلمان ہیں۔ جن کی تعداد روزانہ بڑھ رہی ہے۔ اور چند ہی روز میں قریشی مسلمانوں کی شہ پر سلسلہ جدال و قتال شروع ہونے والا ہے۔ تاکہ مسلمانوں میں عسکری قوت پیدا ہونے سے پہلے ہی انہیں ختم یا کمزور کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں رسول کو بہت سی جنگیں پیش آنے والی ہیں۔ طرح طرح کے خطرات سے مسلمانوں کو دوچار ہونا ہے۔ حقیقی مومنین اور خانوادہ رسولؐ سر ہتھیلی پر رکھ کر دن رات قربانیاں دینے والے ہیں۔ لیکن ہم اُن تمام واقعات و تفصیلات سے دامن بچا کر گزریں گے جن کا براہ راست حسینؑ اور کربلا سے تعلق نہ ہوگا۔ البتہ اُن واقعات اور اُن افراد کا ذکر ضرور کرتے چلیں گے جو کسی نہ کسی طرح کربلا اور اہل کربلا سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں تک بھی ہم نے بہت سے واقعات کو نظر انداز کیا ہے۔ چونکہ ہماری منزل حسینؑ اور کربلا ہے۔ چنانچہ مدینہ کی سکونت اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی شادی کے بعد اب حسین علیہما السلام مادی وجود کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔ اُن کا نانا، والد اور والدہ اور دیگر اقربائے خاندان علیہم السلام اُن دونوں شاہزادوں کو اسلام کا جو ریکارڈ سنائیں گے۔ جو اُن کے مادی تصور پر اثر انداز ہوگا۔ جس سے وہ قریش اور قریش کے مشرک و مسلم گروہوں سے واقفیت حاصل کریں گے۔ دراصل ہمیں وہی ریکارڈ تیار کرنا ہے۔ جسے پڑھ کر آج کا آدمی یہ فیصلہ کرے کہ حسین علیہ السلام کو قریشی محاذ کے سامنے وہی کچھ کرنا چاہئے تھا جو انہوں نے کیا۔ تاکہ آج کا نو جوان بھی قریشی اسلام سے امت کو بچانے کے لئے وہی کچھ کرے جو ہم اور ہمارے رفقاء کا کرتے چلے آ رہے ہیں، تاکہ وہ ویسا اتحاد قائم کریں جو کربلا کے اہل ایمان میں تھا، تاکہ وہ اس ظلم و قوت کا مقابلہ کرنے کی تیاری کریں جو کربلا میں قریشی مسلمانوں سے ظہور میں آیا اور آتا رہتا ہے۔

(i)۔ مکی و قریشی مسلمانوں کی حالت پر علامہ مودودی کا تبصرہ

جیسے ہی آنحضرتؐ قریشی فوج کشی سے دفاع میں مصروف ہوں گے قحطانی تاریخ اپنا جوڑ توڑ اور موزوں قصے شروع کر دے گی۔ اُن کی اُس غپ شب کو یہیں سامنے رکھ لیں۔ جنگ بدر کے وقوع میں آنے سے پہلے کئی ایک فوجی حیثیت کی نقل و حرکت اور طویل سفر و مہمات پیش آنا شاہی تاریخ میں لکھا ہے۔ اس میں نہ حضرت ابوبکرؓ کا کہیں نام ملے گا نہ جناب عمرؓ کہیں نظر آئیں گے نہ کسی اور قریشی مسلمان کو ہیرو بنایا جانا ملے گا۔ بس غزوہ بدر سے شاہی تاریخ کی یہ مہم شروع ہوگی۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ جناب علامہ مودودی کے سُدھرے اور سنوارے ہوئے بیانات سے قریش کے مسلم و مشرک دونوں گروہوں کی پوزیشن دیکھ لیں تاکہ کل کی آنے والی غپ شب پر پانی پڑ جائے۔ امید ہے کہ علامہ کے اُن الفاظ اور جملوں کو نوٹ کرتے چلیں گے جن میں آپ کو قریشی طرفداری کی یوحسوس ہو۔ علامہ تاریخی پس منظر دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

(ii)۔ ”مدینہ کی زندگی سے قبل کا تاریخی پس منظر“ مکہ کی تیرہ سالہ تبلیغ کا نتیجہ

”جنگ بدر اور اُس سے تعلق رکھنے والے حالات پر ایک تاریخی نگاہ ڈال لینی چاہئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ابتدائی دس بارہ سال میں جبکہ آپ مکہ معظمہ میں مقیم تھے، اس حیثیت سے اپنی پنجنگی و استواری ثابت کر چکی تھی کہ ایک طرف اُس کی پشت پر ایک بلند

سیرت، عالی ظرف اور دانشمند علمبردار موجود تھا جو اپنی شخصیت کا پورا سرمایہ اس کام میں لگا چکا تھا اور اس کے طرز عمل سے یہ حقیقت پوری طرح نمایاں ہو چکی تھی کہ وہ اس دعوت کو انتہائی کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لئے اٹل ارادہ رکھتا ہے اور اس مقصد کی راہ میں ہر خطرے کو انگیز کرنے اور ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ دوسری طرف اس دعوت میں خود ایسی کشش تھی کہ وہ دلوں اور دماغوں میں سرایت کرتی چلی جا رہی تھی اور جہالت و جاہلیت اور تعصبات کے حصار اُس کی راہ روکنے میں ناکام ثابت ہو رہے تھے۔ اسی وجہ سے عرب کے پرانے نظام جاہلی کی حمایت کرنے والے عناصر، جو ابتداءً اس کو استخفاف کی نظر سے دیکھتے تھے، کئی دور کے آخری زمانے میں اُسے ایک سنجیدہ خطرہ سمجھنے لگے تھے اور اپنا پورا زور اُسے پھیل دینے میں صرف کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن اُس وقت تک چند حیثیات سے اس دعوت میں بہت کچھ کسرباقی تھی۔“ (مسلسل لکھا کہ:-)

(iii)۔ مکے کے حقیقی مسلمانوں کی پوزیشن تیرہ سال میں بھی پیچ و پوچ تھی

”اولاً، یہ بات ابھی پوری طرح ثابت نہ ہوئی تھی کہ اُسکو ایسے پیروں کی ایک کافی تعداد بہم پہنچ گئی ہے جو صرف اُسکے ماننے والے ہی نہیں ہیں، بلکہ اسکے اصولوں کا سچا عشق بھی رکھتے ہیں، اُسکو غالب و نافذ کرنے کی سعی میں اپنی ساری قوتیں اور اپنا تمام سرمایہ زندگی کھپا دینے کیلئے تیار ہیں، اور اُسکی خاطر اپنی ہر چیز قربان کر دینے کیلئے، دنیا بھر سے لڑ جانے کیلئے، حتیٰ کہ اپنے عزیز ترین رشتوں کو بھی کاٹ پھینکنے کو تیار ہیں۔ اگرچہ مکہ میں پیروان اسلام نے قریش کے ظلم و ستم برداشت کر کے اپنی صداقتِ ایمانی اور اسلام کے ساتھ اپنے تعلق کی مضبوطی کا اچھا خاصا ثبوت دے دیا تھا، مگر ابھی یہ ثابت ہونے کیلئے بہت سی آزمائشیں باقی تھیں کہ دعوت اسلامی کو جانفرو شوں کا وہ گروہ میسر آ گیا ہے جو اپنے نصب العین کے مقابلہ میں کسی چیز کو بھی عزیز تر نہیں رکھتا۔“ (علامہ کا بیان مسلسل جاری)

(iv)۔ حقیقی مسلمان مکہ میں نہیں بلکہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے تھے

”ثانیاً، اس دعوت کی آواز اگرچہ سارے ملک میں پھیل گئی تھی، لیکن اسکے اثرات منتشر تھے، اُسکی فراہم کردہ قوت سارے ملک میں پراگندہ تھی، اسکو وہ اجتماعی طاقت بہم نہ پہنچتی تھی جو پرانے جہے ہوئے نظام جاہلیت سے فیصلہ کن مقابلہ کرنے کیلئے ضروری تھی۔ ثالثاً، اس دعوت نے زمین میں کسی جگہ بھی جڑ نہ پکڑی تھی بلکہ ابھی تک یہ دعوت ہوا میں سرایت کر رہی تھی۔ ملک کا کوئی خطہ ایسا نہیں تھا جہاں وہ قدم جما کر اپنے موقف کو مضبوط کرتی اور پھر آگے بڑھنے کی سعی کرتی۔ اُس وقت تک جو مسلمان جہاں بھی تھا اس کی حیثیت نظام کفر و شرک میں بالکل ایسی تھی جیسے خالی معدہ میں گنین، کہ معدہ ہر وقت اُسے اگل دینے کے لئے زور لگا رہا ہو اور قرار پکڑنے کے لئے اُس کو جگہ ہی نہ ملتی ہو۔“ (مسلسل لکھا کہ)

(v)۔ بقول مودودی رسول اور قرآن تیرہ سال اخلاقی، تمدنی، سیاسی معاشی تعلیم سے خالی رہے

”رابعاً، اُس وقت تک اس دعوت کو عملی زندگی کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے کر چلانے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ نہ یہ اپنا تمدن قائم کر سکی تھی، نہ اس نے اپنا نظام معیشت و معاشرت اور نظام سیاست مرتب کیا تھا اور نہ دوسری طاقتوں سے اسکے معاملات صلح و جنگ پیش

آئے تھے۔ اسلئے نہ تو ان اخلاقی اصولوں کا مظاہرہ ہو سکا تھا جن پر یہ دعوت زندگی کے پورے نظام کو قائم کرنا اور چلانا چاہتی تھی، اور نہ یہی بات آزمائش کی کسوٹی پر اچھی طرح نمایاں ہوئی تھی کہ اس دعوت کا پیغمبر اور اسکے پیروں کا گروہ جس چیز کی طرف دنیا کو دعوت دے رہا ہے اس پر عمل کرنے میں وہ خود کس حد تک راستباز ہے۔ بعد کے واقعات نے وہ مواقع پیدا کر دیئے جن سے یہ چاروں کمیاں پوری ہو گئیں۔ مکی دور کے آخری تین چار سالوں سے یثرب میں آفتاب اسلام کی شعاعیں مسلسل پہنچ رہی تھیں۔ اور وہاں کے لوگ متعدد وجوہ سے عرب کے دوسرے قبیلوں کی بہ نسبت زیادہ آسانی کے ساتھ اس روشنی کو قبول کرتے جا رہے تھے۔ آخر کار نبوت کے بارہویں سال حج کے موقع پر پچھتر (75) نفوس کا ایک وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی تاریکی میں ملا اور اُس نے نہ صرف یہ کہ اسلام قبول کیا بلکہ آپ اور آپ کے پیرووں کو اپنے شہر میں جگہ دینے پر بھی آمادگی ظاہر کی۔ یہ اسلام کی تاریخ میں ایک انقلابی موقع تھا جسے خدا نے اپنی عنایت سے فراہم کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا۔ اہل یثرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدا کے نائب اور اپنے امام اور فرمانروا کی حیثیت سے بلا رہے تھے۔ اور اسلام کے پیروؤں کو ان کا بلا والا اسلئے نہ تھا کہ وہ ایک اجنبی سر زمین میں محض مہاجر ہونے کی حیثیت سے جگہ پالیں، بلکہ مقصد یہ تھا کہ عرب کے مختلف قبائل اور خطوں میں جو مسلمان منتشر ہیں وہ یثرب میں جمع ہو کر اور یثربی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک منظم معاشرہ بنالیں۔ اس طرح یثرب نے دراصل اپنے آپ کو مدینۃ الاسلام کی حیثیت سے پیش کیا اور نبی نے اُسے قبول کر کے عرب میں پہلا دارالاسلام بنالیا۔ اس پیشکش کے معنی جو کچھ تھے اُس سے اہل مدینہ ناواقف نہ تھے۔ اس کے صاف معنی یہ تھے ایک چھوٹا سا قصبہ اپنے آپ کو پورے ملک کی تلواروں اور معاشی و تمدنی بایزکاٹ کے مقابلہ میں پیش کر رہا تھا۔ چنانچہ بیعت عقبہ کے موقع پر رات کی اُس مجلس میں اسلام کے اُن اولین مددگاروں (انصار) نے اس نتیجہ کو خوب اچھی طرح جان بوجھ کر نبی کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا۔ عین اس وقت جب کہ بیعت ہو رہی تھی، یثربی وفد کے ایک نوجوان رکن اسعد بن زرارہ نے، جو پورے وفد میں سب سے کم سن شخص تھے، اُٹھ کر کہا کہ:-

رویداً یا اہل یثرب! انا لم نضرب الیہ اکباد الا بل الا و نحن نعلم انه رسول اللہ و ان اخراجه الیوم مناواة للعرب كافة، وقتل خيارکم، و تعضکم السیوف۔ فاما انتم قوم تبصرون علی ذلک فخذوہ واجروه علی اللہ و اما انتم قوم تخافون من انفسکم خيفة فذروه فبینوا ذلک فهو ا عذر لکم عند اللہ۔

”ٹھہر و اے اہل یثرب! ہم لوگ جو ان کے پاس آئے ہیں تو یہ سمجھتے ہوئے آئے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور آج انہیں یہاں سے نکال کر لے جانا تمام عرب سے دشمنی مول لینا ہے۔ اس کے نتیجے میں تمہارے نو نہال قتل ہوں گے اور تلواریں تم پر برسیں گی۔ لہذا اگر تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت اپنے اندر پاتے ہو تو ان کا ہاتھ پکڑو اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اور اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو پھر چھوڑ دو اور صاف صاف عذر کر دو۔ کیونکہ اس وقت عذر کر دینا خدا کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہو سکتا ہے۔“ اسی بات کو وفد کے ایک دوسرے شخص عباس بن عبدہ بن نضلہ نے دہرایا۔

اتعلمون علام تبایعون هذا الرجل؟ (قالوا نعم، قال) انکم تبایعونہ علی حرب الاحمر والاسود من الناس۔ فان کنتم ترون انکم

اذا نهكت اموالكم مصيبة واشرافكم قتلا اسلمتموه فمن الآن فدعوه، فهو والله ان فعلتم حذى الدنيا والاخرة - وان كنتم ترون انكم وافون له بما دعوتموه اليه على نهكة الاموال و قتل الاشراف فخذوه، فهو والله خير الدنيا والاخرة۔

”جانتے ہو اس شخص سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ (آوازیں، ہاں جانتے ہیں) تم اُس کے ہاتھ پر بیعت کر کے دنیا بھر سے لڑائی مول لے رہے ہو۔ پس اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ جب تمہارے مال تباہی کے اور تمہارے اشراف ہلاکت کے خطرے میں پڑ جائیں تو تم اسے دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو بہتر ہے کہ آج ہی اسے چھوڑ دو۔ کیونکہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہے۔ اور اگر تمہارا ارادہ یہ ہے کہ جو بلا و اثم اس شخص کو دے رہے ہو اس کو اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کی ہلاکت کے باوجود نبھاؤ گے تو بے شک اس کا ہاتھ تھام لو کہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔“

اس پر تمام وفد نے بالاتفاق کہا۔ فانا نأخذہ علی مصیبة الاموال و قتل الاشراف۔

”ہم اسے لے کر اپنے اموال کو تباہی اور اپنے اشراف کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں۔“

تب وہ مشہور بیعت واقع ہوئی جسے تاریخ میں بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔ دوسری طرف اہل مکہ کے لئے یہ معاملہ جو معنی رکھتا تھا وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔ دراصل اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو، جن کی زبردست شخصیت اور غیر معمولی قابلیتوں سے قریش کے لوگ واقف ہو چکے تھے، ایک ٹھکانہ میسر آ رہا تھا۔ اور ان کی قیادت و راہنمائی میں پیروان اسلام، جن کی عزیمت و استقامت اور فدائیت کو بھی قریش ایک حد تک آزما چکے تھے، ایک منظم جتھے کی صورت میں مجتمع ہوئے جاتے تھے۔ یہ پرانے نظام کے لئے موت کا پیغام تھا۔ نیز مدینہ جیسے مقام پر مسلمانوں کی اس طاقت کے مجتمع ہونے سے قریش کو مزید خطرہ یہ تھا کہ یمن سے شام کی طرف جو تجارتی شاہراہ ساحل بحر احمر کے کنارے کنارے جاتی تھی، جس کے محفوظ رہنے پر قریش اور دوسرے بڑے بڑے مشرک قبائل کی معاشی زندگی کا انحصار تھا، وہ مسلمانوں کی زد میں آ جاتی تھی اور اُس شہر گ پر ہاتھ ڈال کر مسلمان نظام جاہلی کی زندگی دشوار کر سکتے تھے۔ صرف اہل مکہ کی وہ تجارت جو اُس شاہراہ کے بل پر چل رہی تھی ڈھائی لاکھ اشرفی سالانہ تک پہنچتی تھی۔ طائف اور دوسرے مقامات کی تجارت اس کے ماسوا تھی۔ (علامہ کا بیان مسلسل جاری ہے)

قریش ان نتائج کو خوب سمجھتے تھے۔ جس رات بیعت عقبہ واقع ہوئی اُسی رات اس معاملے کی بھنگ اہل مکہ کے کانوں میں پڑی اور پڑتے ہی کھلبلی مچ گئی۔ پہلے تو انہوں نے اہل مدینہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑنے کی کوشش کی۔ پھر جب مسلمان ایک ایک دو دو کر کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے اور قریش کو یقین ہو گیا کہ اب محمدؐ بھی وہاں منتقل ہو جائیں گے تو وہ اس خطرے کو روکنے کے لئے آخری چارہ کار اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ہجرت نبوی سے چند ہی روز پہلے قریش کی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی جس میں بڑی ردو کد کے بعد آخر کار یہ طے پا گیا کہ بنی ہاشم کے سوا تمام خاندان ہائے قریش کا ایک ایک آدمی چھانٹا جائے اور یہ سب لوگ مل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کریں تاکہ بنی ہاشم کے لئے تمام خاندانوں سے تنہا لڑنا مشکل ہو جائے اور وہ انتقام کی بجائے خون بہا قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ لیکن خدا کے فضل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد علی اللہ اور حسن تدبیر سے اُن کی یہ چال ناکام ہو گئی اور حضورؐ بخیریت مدینہ پہنچ

گئے۔ اس طرح جب قریش کو ہجرت کے روکنے میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے مدینہ کے سردار عبداللہ بن ابی کو (جسے ہجرت سے پہلے اہل مدینہ اپنا بادشاہ بنانے کی تیار کر چکے تھے اور جس کی تمناؤں پر حضورؐ کو مدینہ پہنچ جانے اور اُس و نزر ج کی اکثریت کے مسلمان ہو جانے سے پانی پھر چکا تھا)۔ خط لکھا کہ ”تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے، ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم خود اُس سے لڑو یا اُسے نکال دو، ورنہ ہم سب تم پر حملہ آور ہوں گے اور تمہارے مردوں کو قتل اور عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے۔“ عبداللہ بن ابی اس پر کچھ آمادہ ہوا، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بروقت اس کے شرکی روک تھام کر دی۔ پھر سعد بن معاذ رئیس مدینہ عمرے کیلئے مکہ گئے۔ وہاں عین حرم کے دروازے پر ابو جہل نے اُن کو ٹوک کر کہا: اَلَا اَرَاکَ تَطُوْفُ بِمَکَّةَ اَمِنًا وَقَدْ اَوَيْتُمُ الضُّبَاةَ وَزَعَمْتُمْ اَنَکُمْ تَنْصُرُوْا نَهْمُ وَتَعِيْنُوْهُنَّ؟ لو لا انک مع ابی صفوان ما رجعت الی اهلک سالماً۔ ”تم تو ہمارے دین کے مرتدوں کو پناہ دو اور اُن کی امداد و اعانت کا دم بھرو اور ہم تمہیں اطمینان سے مکہ میں طواف کرنے دیں۔ اگر تم امیہ بن خلف کے مہمان نہ ہوتے تو زندہ یہاں سے نہیں جاسکتے تھے۔“ سعد نے جواب میں کہا: واللہ لئن منعنی هذا لا منعک ما هو اشد علیک منه، طریقک علی المدینة۔ ”بخدا اگر تم نے مجھے اس چیز سے روکا تو میں تمہیں اُس چیز سے روک دوں گا جو تمہارے لئے اس سے شدید تر ہے، یعنی مدینہ پر سے تمہاری راہ گذر۔“ یہ گویا اہل مکہ کی طرف سے اس بات کا اعلان تھا کہ زیارت بیت اللہ کی راہ مسلمانوں پر بند ہے۔ اور اس کا جواب اہل مدینہ کی طرف سے یہ تھا کہ شام کی تجارت کا راستہ مخالفین اسلام کے لئے پُر خطر ہے۔“ (علامہ کا بیان مسلسل جاری ہے)

(vi)۔ علامہ مودودی نے رسول اللہ کو جارج اور جہاد کو تجارتی جنگیں بنادیا

”اور فی الواقع اُس وقت مسلمانوں کے لئے اس کے سوا کوئی تدبیر بھی نہ تھی کہ اس تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کریں تاکہ قریش اور وہ دوسرے قبائل جن کا مفاد اس راستے سے وابستہ تھا، اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اپنی معاندانہ اور مزاحمانہ پالیسی پر نظر ثانی کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں۔“

(vii)۔ مدینہ پہنچ کر جو انتظامات کئے گئے ان کو نیا دارانہ بنادیا گیا

(بیان مسلسل جاری ہے) ”چنانچہ مدینہ پہنچتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوخیز اسلامی سوسائٹی کے ابتدائی نظم و نسق اور اطراف مدینہ کی یہودی آبادیوں کے ساتھ معاملہ طے کرنے کے بعد سب سے پہلے جس چیز پر توجہ منعطف فرمائی وہ اسی شاہراہ کا مسئلہ تھا۔ اس مسئلہ میں حضورؐ نے دو اہم تدبیریں اختیار کیں۔ ایک یہ کہ مدینہ اور ساحل بحر احمر کے درمیان اس شاہراہ سے متصل جو قبائل آباد تھے ان کے ساتھ گفت و شنید شروع کی تاکہ وہ حلیفانہ اتحاد یا کم از کم نا طرفداری کے معاہدے کر لیں۔ چنانچہ اس میں آپ کو پوری کامیابی ہوئی۔ سب سے پہلے جہینہ سے، جو ساحل کے قریب پہاڑی علاقے میں اہم قبیلہ تھا، معاہدہ نا طرفداری طے ہوا۔ پھر 1 ہجری کے آخر میں بنی ضمرہ سے جن کا علاقہ ینع اور ذوالعشیرہ سے متصل تھا دفاعی معاونت (Defensive Alliance) کی قرارداد ہوئی پھر 2 ہجری کے وسط میں بنی مدلج بھی اس قرارداد میں شریک ہو گئے۔ کیونکہ وہ بنی ضمرہ کے ہمسائے اور حلیف تھے۔ مزید براں تبلیغ اسلام نے اُن قبائل میں اسلام کے حامیوں اور پیروؤں کا بھی ایک اچھا خاصا عنصر پیدا کر دیا۔ دوسری تدبیر آپ نے یہ اختیار کی کہ

قریش کے قافلوں کو دھمکی دینے کے لئے اس شاہراہ پر پیہم چھوٹے چھوٹے دستے بھیجنے شروع کئے اور بعض دستوں کے ساتھ آپؐ خود بھی تشریف لے گئے۔ پہلے سال اس طرح کے چار دستے گئے جو مغازی کی کتابوں میں سرِ یہ حمزہ، سرِ یہ عبیدہ بن حارث، سرِ یہ سعد بن ابی وقاص اور غزوۃ الالباء کے نام سے موسوم ہیں۔ اور دوسرے سال کے ابتدائی مہینوں میں دوزخ و تاختیں اسی جانب کی گئیں جن کو اہل مغازی غزوۃ بواط اور غزوۃ ذوالعشیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان تمام مہموں کی دو خصوصیات قابلِ لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ اُن میں سے کسی میں نہ تو کشت خون ہوا نہ کوئی قافلہ لوٹا گیا جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُن تاختوں کا اصل مقصد قریش کو ہوا کا رخ بنانا تھا۔ دوسرے یہ کہ اُن میں سے کسی تاخت میں بھی حضور نے اہل مدینہ کا کوئی آدمی نہیں لیا۔ بلکہ تمام دستے خالص مکی مہاجرین سے ہی مرتب فرماتے رہے تاکہ حتی الامکان یہ کشمکش قریش کے اپنے ہی گھر والوں تک محدود رہے۔ اور دوسرے قبیلوں کے اس میں الجھنے سے آگ پھیل نہ جائے۔ ادھر سے اہل مکہ بھی مدینہ کی طرف غارتگر دستے بھیجتے رہے۔ چنانچہ اُن ہی میں سے ایک دستے نے گرز بن جابر الفہری کی قیادت میں عین مدینہ کے قریب ڈاکہ مارا اور اہل مدینہ کے مویشی لوٹ لئے۔ قریش کی کوشش اس سلسلے میں یہ رہی کہ دوسرے قبیلوں کو بھی اس کشمکش میں الجھا دیں، نیز یہ کہ انہوں نے بات کو محض دھمکی تک محدود نہ رکھا بلکہ لوٹ مار تک نوبت پہنچادی۔ حالات یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ شعبان 2 ہجری (فروری یا مارچ 623 عیسوی) میں قریش کا ایک بہت بڑا قافلہ، جس کے ساتھ تقریباً پچاس ہزار (50000) اشرفی کا مال تھا اور تیس چالیس سے زیادہ محافظ نہ تھے، شام سے مکہ کی طرف پلٹتے ہوئے اس علاقہ میں پہنچا جو مدینہ کی زد میں تھا۔ چونکہ مال زیادہ تھا، محافظ کم تھے، اور سابق حالات کی بنا پر خطرہ قوی تھا کہ کہیں مسلمانوں کا کوئی طاقتور دستہ اس پر چھاپہ نہ مار دے، اس لئے سردار قافلہ ابوسفیان نے اُس پر خطرہ علاقہ میں پہنچتے ہی ایک آدمی کو مکہ کی طرف دوڑا دیا تاکہ وہاں سے مدد لے آئے۔ اس شخص نے مکہ پہنچتے ہی عرب کے قدیم قاعدے کے مطابق اپنے اونٹ کے کان کاٹے، اُس کی ناک چیر دی، کجاوے کو الٹ کر رکھ دیا اور اپنا قمیص آگے پیچھے سے پھاڑ کر شور مچانا شروع کر دیا کہ:

یا معشر قریش! اللطیمہ اللطیمہ، اموالکم مع ابی سفیان قد عرض لہا محمد فی اصحابہ، لا اری ان تُدرکوا الغوث، الغوث۔

”قریش والو! اپنے قافلہ تجارت کی خبر لو، تمہارے مال جو ابوسفیان کے ساتھ ہیں، محمدؐ اپنے آدمی لے کر اُن کے درپے ہو گیا ہے، مجھے امید نہیں کہ تم انہیں پاسکو گے۔ دوڑ دوڑو مدد کے لئے۔“ اس پر سارے مکہ میں ہیجان برپا ہو گیا۔ قریش کے تمام بڑے بڑے سردار جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ تقریباً ایک ہزار مردان جنگی جن میں سے چھ سوزرہ پوش تھے اور جن میں سوسواروں کا رسالہ بھی شامل تھا، پوری شان و شوکت کے ساتھ لڑنے کیلئے چلے۔ اُنکے پیش نظر صرف یہی کام نہ تھا کہ اپنے قافلے کو بچالائیں، بلکہ وہ اس ارادے سے نکلے تھے کہ اس آئے دن کے خطرے کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیں، اور مدینہ میں یہ مخالف طاقت جو ابھی نئی نئی مجتمع ہونی شروع ہوئی ہے اُسے کچل ڈالیں، اور اس نواح کے قبائل کو اس حد تک مرعوب کر دیں کہ آئندہ کیلئے یہ تجارتی راستہ بالکل محفوظ ہو جائے۔ اب نبیؐ نے جو حالات سے ہمیشہ باخبر رہتے تھے، محسوس فرمایا کہ فیصلہ کی گھڑی آپہنچی ہے اور یہ ٹھیک وہ وقت ہے جب کہ ایک جسورانہ اقدام اگر نہ کر ڈالا گیا تو تحریک اسلامی ہمیشہ کیلئے بے جان ہو جائے گی، بلکہ بعید نہیں کہ اس تحریک کے لئے سر اٹھانے کا پھر کوئی موقع ہی باقی نہ

رہے۔ نئے دارالہجرت میں آئے ابھی پورے دو سال بھی نہیں ہوئے ہیں۔ مہاجرین بے سرو سامان، انصار ابھی نا آزمودہ، یہودی قبائل برسر مخالفت، خود مدینہ میں منافقین و مشرکین کا ایک اچھا خاصا طاقتور عنصر موجود، اور گرد و پیش کے تمام قبائل قریش سے مرعوب بھی اور مذہباً اُن کے ہمدرد بھی۔ ایسے حالات میں اگر قریش مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں تو ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن اگر وہ حملہ نہ کریں اور صرف اپنے زور سے قافلے کو بچا کر ہی نکال لے جائیں اور مسلمان دیکے بیٹھے رہیں تب بھی ایک لخت مسلمانوں کی ایسی ہوا اُٹھ رہے گی کہ عرب کا بچہ بچہ اُن پر دلیر ہو جائے گا اور اُن کے لئے ملک بھر میں پھر کوئی جائے پناہ باقی نہ رہے گی۔ آس پاس کے سارے قبائل قریش کے اشاروں پر کام کرنا شروع کر دیں گے۔ مدینہ کے یہودی اور منافقین و مشرکین علی الاعلان سر اٹھائیں گے اور دارالہجرت میں جینا مشکل کر دیں گے۔ مسلمانوں کا کوئی رُعب و اثر نہ ہوگا کہ اس کی وجہ سے کسی کو اُن کی جان، مال اور آبرو پر ہاتھ ڈالنے میں تامل ہو۔ اس بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عزم فرمایا کہ جو طاقت بھی اُس وقت میسر ہے اسے لے کر نکلیں اور میدان میں فیصلہ کریں کہ جینے کا بل بوتہ کس میں ہے اور کس میں نہیں ہے۔ اس فیصلہ کن اقدام کا ارادہ کر کے آپؐ نے انصار و مہاجرین کو جمع کیا اور ان کے سامنے ساری پوزیشن صاف صاف رکھ دی کہ ایک طرف شمال میں تجارتی قافلہ ہے اور دوسری طرف جنوب میں قریش کا لشکر چلا آ رہا ہے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک تمہیں مل جائے گا، بناؤ تم کس کے مقابلہ پر چلنا چاہتے ہو؟ جواب میں ایک بڑے گروہ کی طرف سے اس خواہش کا اظہار ہوا کہ قافلے پر حملہ کیا جائے۔ لیکن نئی کے پیش نظر کچھ اور تھا۔ اس لئے آپؐ نے اپنا سوال دہرایا۔ اس پر مہاجرین میں سے مقداد بن عمرو نے اٹھ کر کہا۔

یا رسول اللہ، امض لما امرک اللہ، فانا معک حیثما احببت، لا نقول لک کما قال بنو اسرائیل لموسى ”اذھب انت و ربک فقاتلا انا ههنا قعدون (5/24)“ وَلَکِن اذھب انت و ربک فقاتلا انا معکم مقاتلون مادامت عین منا تطرف۔

”یا رسول اللہ، جدھر آپؐ کا رب آپؐ کو حکم دے رہا ہے اُسی طرف چلیے، ہم آپؐ کے ساتھ ہیں جس طرف بھی آپؐ جائیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا دونوں لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ نہیں ہم کہتے ہیں کہ چلئے آپؐ اور آپؐ کا خدا، دونوں لڑیں اور ہم آپؐ کے ساتھ جائیں لڑائیں گے جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہے۔“

مگر لڑائی کا فیصلہ انصار کی رائے معلوم کئے بغیر نہیں کیا جاسکتا تھا، کیونکہ ابھی تک فوجی اقدامات میں اُن سے کوئی مدد نہیں لی گئی تھی اور اُن کیلئے یہ آزمائش کا پہلا موقع تھا کہ اسلام کی حمایت کا جو عہد انہوں نے اول روز کیا تھا اُسے وہ کہاں تک نبھانے کے لئے تیار ہیں۔ اسلئے حضورؐ نے براہ راست اُن کو مخاطب کئے بغیر پھر اپنا سوال دہرایا۔ اس پر سعد بن معاذ اٹھے اور انہوں نے عرض کیا شاید حضورؐ کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ فرمایا ہاں۔ انہوں نے کہا کہ:-

لقد امنّا بک و صدقناک و شہدنا ان ماجئت بہ هو الحق و اعطيناک عہودنا و موثقنا علی السّمع والطاعة فامض یا رسول اللہ لما اردت۔ فوالذی بعثک بالحق لو استعزضت بنا لھذا البحر فخصتہ لخصناہ معک و ما تخلف منا رجل واحد۔ وما نکرہ ان تلقی بنا عدونا غدا انا لنصبر عند الحرب صدق عند اللقاء و لعل اللہ یریک منا ما تقر بہ عینک

فسرنا علیٰ برکۃ اللہ۔

”ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں، آپؐ کی تصدیق کر چکے ہیں کہ آپؐ جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے اور آپؐ سے سب و طاعت کا عہد باندھ چکے ہیں۔ پس اے اللہ کے رسولؐ، جو کچھ آپؐ نے ارادہ فرمایا ہے اُسے کر گزریں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپؐ ہمیں لے جا کر سامنے سمندر پر جائیں اور اُس میں اتر جائیں تو ہم آپؐ کے ساتھ کودیں گے اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم کو یہ ہرگز ناگوار نہیں ہے کہ آپؐ کل ہمیں لے کر دشمن سے جا بھڑیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے، مقابلہ میں سچی جانثاری دکھائیں گے اور بعید نہیں کہ اللہ آپؐ کو ہم سے وہ کچھ دکھوادے جسے دیکھ کر آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں، پس اللہ کی برکت کے بھروسے پر آپؐ ہمیں لے چلیں۔“ (مسلسل)

ان تقریروں کے بعد فیصلہ ہو گیا کہ قافلہ کے بجائے لشکر قریش ہی کے مقابلے پر چلنا چاہئے۔ لیکن یہ فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہ تھا۔ جو لوگ اُس تنگ وقت میں لڑائی کے لئے اٹھے تھے اُن کی تعداد تین سو سے کچھ زائد تھی۔ چھیاسی (86) مہاجر، اکسٹھ (61) قبیلہ اوس کے اور 170 قبیلہ خزرج کے۔ جن میں صرف دو تین کے پاس گھوڑے تھے اور باقی آدمیوں کے لئے ستر (70) اونٹوں سے زیادہ نہ تھے جن پر تین تین چار چار اشخاص باری باری سے سوار ہوتے تھے۔ سامان جنگ بھی بالکل ناکافی تھا۔ صرف ساٹھ (60) آدمیوں کے پاس زہریں تھیں۔ اسی لئے چند سرفروش فداہیوں کے سوا اکثر آدمی جو اس خطرناک مہم میں شریک تھے دلوں میں سہم رہے تھے اور انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جانتے بوجھتے موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ مصلحت پرست لوگ، جو اگرچہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے مگر ایسے ایمان کے قائل نہ تھے جس میں جان و مال کا زیاں ہو، اس مہم کو دیوانگی سے تعبیر کر رہے تھے اور اُن کا خیال تھا کہ دینی جذبے نے اُن لوگوں کو پاگل بنا دیا ہے۔ مگر نبیؐ اور مومنین صادقینؓ یہ سمجھ چکے تھے کہ یہ وقت جان کی بازی ہائی لگانے کا ہے۔ اس لئے اللہ کے بھروسے پر وہ نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے سیدھی جنوب مغرب کی راہ لی جدھر سے قریش کا لشکر آ رہا تھا۔ حالانکہ اگر ابتدا میں قافلے کو لوٹنا مقصود ہوتا تو شمال مغرب کی راہ لی جاتی۔ سترہ رمضان کو بدر کے مقام پر فریقین کا مقابلہ ہوا۔ جس وقت دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور نبیؐ نے دیکھا کہ تین کافروں کے مقابلے میں ایک مسلمان ہے اور وہ بھی پوری طرح مسلح نہیں ہے، تو خدا کے آگے دعا کے لئے ہاتھ پھیلا دئے اور انتہائی خضوع اور تضرع کے ساتھ عرض کرنا شروع کیا۔

اللهم هزم قريش قد اتت بخيلائها تحاول ان تكذب رسولك، اللهم فنصرك الذي وعدتني اللهم

ان تهلك هذه العصابة اليوم لا تعبد -

”خدا یا، یہ ہیں قریش، اپنے سامان غرور کے ساتھ آئے ہیں تاکہ تیرے رسولؐ کو جھوٹا ثابت کریں، خداوند! بس اب آجائے تیری وہ مدد جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، اے خدا اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر پھر تیری عبادت نہ ہوگی۔“

اس معرکہ کارزار میں سب سے زیادہ سخت امتحان مہاجرین مکہ کا تھا جنکے اپنے بھائی بند سامنے صف آرا تھے۔ کسی کا باپ، کسی کا بیٹا، کسی کا چچا، کسی کا ماموں، کسی کا بھائی اسکی اپنی تلوار کی زد میں آ رہا تھا اور اپنے ہاتھوں اپنے جگر کے ٹکڑے کاٹنے پڑ رہے تھے۔ اس کڑی

آزمائش سے صرف وہی لوگ گزر سکتے تھے جنہوں نے پوری سنجیدگی کے ساتھ حق سے رشتہ جوڑا ہوا اور جو باطل کے ساتھ سارے رشتے قطع کر ڈالنے پر تزلزل نہ ہوئے۔ اور انصار کا امتحان بھی کچھ کم سخت نہ تھا۔ اب تک تو انہوں نے عرب کے طاقتور ترین قبیلے، قریش اور اسکے حلیف قبائل کی دشمنی صرف اس حد تک مول لی تھی کہ انکے علی الرغم مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دے دی تھی۔ لیکن اب تو وہ اسلام کی حمایت میں انکے خلاف لڑنے بھی جا رہے تھے جسکے معنی یہ تھے کہ ایک چھوٹی سی بستی جس کی آبادی چند ہزار نفوس سے زیادہ نہیں ہے، سارے ملک عرب سے لڑائی مول لے رہی ہے۔ یہ جسارت صرف وہی لوگ کر سکتے تھے جو کسی صداقت پر ایسا ایمان لے آئے ہوں کہ اس کی خاطر اپنے ذاتی مفاد کی انہیں ذرہ برابر پروا نہ رہی ہو۔ آخر کار ان لوگوں کی صداقت ایمانی خدا کی طرف سے نصرت کا انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اور قریش اپنے سارے غرور طاقت کے باوجود ان بے سرو سامان فدا نیوں کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے، ستر قید ہوئے اور ان کا سرو سامان غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار جو انکے گلہائے سرسبد اور اسلام کی مخالف تحریک کے روح رواں تھے اس معرکہ میں ختم ہو گئے اور اس فیصلہ کن فتح نے عرب میں اسلام کو ایک قابل لحاظ طاقت بنادیا۔“ (تفہیم القرآن۔ جلد دوم صفحہ 127-118)

(24/2)۔ علامہ کی قائم کردہ تمام بنیادیں قریشی اسکیم کی مظہر ہیں

قارئین کرام تفہیم القرآن کی تمام جلدیں اور ہر سورہ پر علامہ کا تبصرہ پڑھ جائیں کہیں بھی علامہ کو اس قدر زور نہیں لگانا پڑا جتنا قرآن کی آٹھویں سورۃ انفال پر صرف کیا ہے۔ چونکہ اس سورہ میں قریشی قسم کے مسلمانوں کی کچھ زیادہ مذمت ہوئی ہے اس لئے ضروری تھا کہ قرآن پڑھنے والوں کے دماغ کو خود ساختہ کہانیوں سے مذمت کی طرف سے ہٹا کر ان پالیسیوں پر لگا دیا جائے جن پر بعد کی حکومتیں عمل پیرا ہوئیں اور جو قرآنی تعلیمات کے سراسر خلاف ہیں۔ چونکہ جنگ بدر رسول اللہ کے خلاف پہلی خطرناک جنگ ہے اور اس جنگ سے نمٹنے کے لئے رسول اللہ نے جو اقدامات کئے تھے، ان پر آئندہ کی جنگی پالیسی اور جنگی اصول مرتب ہوں گے۔ اس لئے لازم تھا کہ قریشی قسم کے مسلمان اپنی ان مارشل ازم والی پالیسیوں کا جواز نکالنے کی کوشش کریں جن سے انہوں نے دنیا میں قتل و غارت کو جہاد کی آڑ میں جاری رکھا۔ اس لئے علامہ نے رسول اللہ کے عملدرآمد کو الٹ پلٹ کر اپنی سیاسی راہیں نکالی ہیں۔ ہم یہاں مختصر طور پر مذکورہ طویل بیان کے مقاصد دکھائیں گے۔

(24/3)۔ رسول اللہ کے مدافعانہ جہاد اور امن پرستی کو مارشل ازم بنادیا

اس پورے بیان میں رسول اللہ کو (معاذ اللہ) ایک جارج اور دوسروں کو جنگ پر مجبور کرنے والا شخص بنا کر دکھایا گیا ہے۔ اور اس کی بنیاد اس فرضی مکالمہ پر رکھ دی ہے جو ابو جہل اور سعد بن معاذ میں دکھایا گیا ہے۔ یعنی اگر تم ہمیں زیارت بیت اللہ سے روک دو گے تو ہم تمہارے تجارت کے راستے پر قبضہ کر کے تمہارا دیوالہ نکال دیں گے۔ اس چیلنج کو بنیاد بنا کر علامہ اور دیگر تمام شاہی مؤرخین نے رسول اللہ کے تمام اقدامات کو اسی تجارتی راہ پر قبضہ کرنے پر محمول کر دیا ہے۔ یعنی آنحضرت کی تمام جدوجہد اور مسلمانوں کی ساری قربانیاں ایک دنیاوی مقصد یعنی قریش کی تجارتی شہ رگ کاٹنے کی غرض سے تھیں اور اس صورت حال کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ پہلے

تمام جارحانہ کاروائیاں رسول اللہ نے شروع کیں اور قریش کی راہیں روکنے کیلئے فوجی دستے دھڑا دھڑا بھیجنا شروع کئے۔ اور علامہ نے کھل کر لکھ دیا کہ یہ اسلئے کیا گیا کہ قریش کو ہوا کا رخ دکھایا جائے اور ایک مستقل دھمکی اور تنبیہ کر دی جائے۔ اور رسول اللہ کے تمام فوجی قسم کے اقدامات میں لفظ تاخت بھی استعمال کیا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ لفظ تاخت اکیلا نہیں بولا جاتا۔ اس کے ساتھ لفظ تاراج لگانا سمجھا جانا ضروری ہوتا ہے۔ تاخت و تاراج کے معنی مشہور ہیں، لوٹ مار قتل و غارت کر کے تباہ و برباد کر دینے کیلئے۔ اس بیان کے پڑھنے والے اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ رسول اللہ نے از خود چھیڑ خوانی شروع کی، مسلح کاروائیاں کیں، مسلح دستوں کی خود بھی قیادت کی، یہاں تک کہ قریش خوفزدہ ہو گئے اور پھر قریش نے اپنے دفاع میں باقی تمام اقدامات اور جنگیں وغیرہ کیں۔ لہذا علامہ نے رسول اللہ کو اور قریش کو دو سیاسی پارٹیاں بنا کر اللہ اور اسلام کو بیچ سے نکال کر دنیاوی اغراض و اقتدار کیلئے اپنے مادی مقاصد اور مفاد کی حفاظت میں مصروف پیکار دکھا دیا تاکہ بعد کی حکومتیں رسول اللہ کی پیروی کی آڑ میں دنیا کو میدان جنگ بنا کر اقوام عالم پر تاخت کرتی رہیں۔ اور اُسے اسلام کہا جاتا رہے۔ پھر علامہ نے یہ بھی بڑے واضح اور کھلے الفاظ میں دکھایا ہے کہ رسول اللہ نے اُن جارحانہ فوجی تاختوں میں صرف مہاجرین کو استعمال کیا انصار کو اُس سے الگ رکھا۔ مطلب یہ کہ آئندہ بھی جارحانہ فوجی تاخت کا اختیار صرف قریشی مہاجرین کو ہوگا۔ لہذا آنے والے دور میں مدینہ کے باشندوں کو حکومت کے معاملے میں دخل نہ تھا۔ انہیں غیر مسلح کر کے محکوم و بے بس رکھا گیا۔ کلیدی مقام تو کہاں انصار کو حکومت کے عام عہدوں سے بھی محروم رکھا گیا اور اولاد عبدالمطلب کی طرح نظر بندی اور محاصرے کے عالم میں زندگی گزارنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ قارئین خود اس مارشل ازم پر علامہ کا بیان دوبارہ پڑھ لیں اور اپنا اطمینان کر لیں۔

(24/4)۔ کلی یا قریشی قسم کے مسلمانوں کی جامعہ تلاشی

علامہ نے اس طویل ترین بیان پر کوئی سند پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے اور یہ سمجھا ہے کہ اُن کے مرید اور معتقد قارئین بلا کسی تاریخی حوالے کے بھی اس بیان کو حق پر مبنی سمجھ کر یقین کر لیں گے کہ جو کچھ علامہ نے لکھا وہ اُسی طرح لفظ بلفظ وقوع میں آیا تھا۔ دراصل علامہ نے شہنشاہی تاریخ کے اختلافی اور جھوٹے پلندوں پر نظر ڈال کر اپنی پسند کا خلاصہ جمع کیا اور قریشی پالیسی کے ساتھ موزوں کر کے یہ بیان داغ دیا۔ لیکن اس میں بھی قریشی مسلمانوں کی چالاکیوں اور فریب کاریوں کو چھپا سکنے میں ناکام رہے۔ اور لکھنا پڑا کہ قریشی مسلمانوں کی کثرت ایسا ایمان رکھتی تھی کہ کلیجے منہ کو آ رہے تھے۔ رسول اللہ اور مومنین کے ارادے اور اعلان جنگ کو دیوانگی سمجھ رہے تھے۔ موت کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے اور موت کے منہ میں جانا نہ چاہتے تھے۔ انہیں مصلحت اندیش لکھا اور اپنی مصلحتوں کو اللہ و رسول اور اسلام و مومنین کے مشن پر ترجیح دینے والا بتایا اور پھر کھل کر اقرار کیا کہ مسلمانوں کی ایک قسم وہ تھی جو ایمان تو لے آئی تھی مگر جان و مال کا زیاں نہ چاہتی تھی۔ ابتدا میں چار و جواہات کا بیان کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا کہ مکہ کی تیرہ سالہ تبلیغ کے نتیجے میں جو قریشی مسلمان ہوئے وہ قطعاً ناقابل اعتماد تھے۔ ان پر کسی خوفناک آزمائش میں کامیاب ہونے کا بھروسہ نہ کیا جاسکتا تھا۔ انہیں ابھی ثابت کرنا تھا کہ وہ اسلام کے لئے اپنی ہر چیز، جان و مال و اولاد قربان کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کسی شخص کو بھی ایسا نہیں بتایا جو اسلام پر جان نثار کرنے کا ثبوت دے چکا ہو۔ لہذا قارئین جنگ بدر سے پہلے کسی قریشی مسلمان کو ہیر و نہ سمجھیں وہ سب معرض امتحان میں ہیں۔ اُن میں جو شخص جنگ بدر

اور اُس کے بعد دس سال میں اپنا مال، اپنی جان، اپنی اولاد کو قربان کرتا ہوا نہ ملے گا ہم اُسے ہرگز حقیقی مسلمان نہ مانیں گے۔ جنگ بدر میں کل چھیاسی مہاجرین بتائے گئے ہیں۔ اُن میں خانوادہ رسولؐ کے وہ افراد بھی ہیں جو شعب ابی طالبؑ کی جان لیوا قید کے تین سال میں ہر آزمائش سے گزر چکے ہیں۔ اُن ہی چھیاسی افراد میں حضرات ابوبکر و عمر و عثمان بھی ہیں۔ چھیاسی آدمیوں پر نظر رکھنا اور اُن کے ایمان و اخلاص کا پتہ چلانا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ لہذا اُن میں سے جو شخص کبھی کسی کافر کے مقابلے میں تلوار لے کر نہیں آیا، نہ ساری دس سالہ مدنی زندگی میں کسی دشمن اسلام کو جہاد میں قتل کیا نہ خود کبھی کوئی زخم کھایا، نہ کسی خطرے میں رسول اللہؐ کے ساتھ ملا۔ بتاؤ اُسے ہم کس طرح سے حقیقی مسلمان یا مسلمانوں کا ہیرو مان سکتے ہیں؟ اسلام کی راہ میں مال خرچ کرنے کی تاریخی کہانیاں پہلے تو اس لئے ناقابل قبول ہیں کہ وہ وظیفہ خور اہل قلم نے ناول نگاری کی ہے۔ دوسرے اسلئے کہ قرآن نے منافقوں کے مال خرچ کرنے کا حال قرآن میں بیان کیا ہے۔ یعنی اسلام کی راہ میں مال خرچ کرنا حقیقی اسلام کی دلیل نہیں ہے۔ کافروں، منافقوں اور ریاکاروں نے بھی یہ کام کیا ہے۔ علامہ کے بیان سے یہ بھی ثابت ہے کہ جنگ و جہاد سے دل چرانے اور آنے بہانے کرنے کی جس قدر مذمت قرآن میں ملے گی وہ تمام قریشی مسلمانوں کی مذمت ہوگی۔ اور چونکہ قریشی مہاجرین ہی وہ لوگ تھے جن کے اعزہ کا مکہ میں رہ جانا اور مقابلہ کیلئے میدان میں آنا علامہ نے تسلیم کیا ہے۔ لہذا قرآن کی ہر وہ مذمت جس میں اپنے رشتہ داروں کی طرف داری، اُن سے محبت و مودت کے تمام اذکار میں مہاجرین مخاطب سمجھے جائیں گے نہ کہ انصار۔ اور قرآن بھرا پڑا ہے یہ پول کھولنے میں کہ قریش کے مہاجرین برابر اپنے عزیزوں کی محبت اور ولایت قائم کرنے میں رسول اللہؐ کے خلاف کوشاں رہے ہیں۔ اور قرآن کے مکمل تلاوت اور نزول تک برابر مہاجرین کی کثرت مکہ اور اہل مکہ کی طرفدار اور رسولؐ و اسلام کی مخالف رہی ہے۔ یہ حقیقت وہاں سامنے لانا ہوگی جہاں ہم قریشی مہاجرین کو قرآن سے پیش کر کے انکا ایمان دکھائیں گے۔

(24/5)۔ اہل مدینہ کے عزائم و قربانی، خانوادہ رسولؐ کا کام

قارئین کے سامنے وہ تمام کوششیں آچکیں ہیں جس سے قریش کو آنحضرتؐ کے شجرہ اور خاندان سے وابستہ کیا گیا تھا۔ لیکن واقعات نے صاف انکار کر دیا کہ قریش ہرگز آنحضرتؐ کے خاندان سے تعلق نہیں رکھتے۔ اور واقعات نے یہ بتا دیا کہ جو لوگ حقیقتاً رسول اللہؐ کے خاندان اور شجرے سے تھے انہوں نے یہ ثابت کر دکھایا کہ مکہ میں قریش اور اُن کے تمام حلیف قبائل کے مقابلہ میں خانوادہ رسولؐ نے اپنی جان و مال و اولاد کی ذرہ برابر کوئی پرواہ نہ کی اور تین سال کا وہ مہلک مقاطعہ، بائیکاٹ اور تشدد نہایت ہمت و محبت و اطاعت سے برداشت کیا جو شعب ابی طالبؑ کے دوران پیش آیا تھا۔ اور یہ کہ یہ کردار نہ قوم کے افراد سے ظاہر ہو سکتا ہے نہ بناوٹی رشتہ داری سے، نہ صرف ایمان لانے اور مسلمان ہو جانے والے اتنی بڑی اور مستقل وفا شعار ی دکھا سکتے ہیں۔ لہذا قریش نہ عزیز و قریب تھے، نہ رشتہ دار، نہ ہم نسب اور ہم قبیلہ تھے ورنہ اُن سے وہی کچھ ظہور میں آتا جو خاندان عبدالمطلبؐ نے کر دکھایا۔ اس کے بعد علامہ نے بیعت عقبہ کے سلسلے میں جن عزائم اور معاہدات کا ذکر کیا ہے اور جو قربانیاں انصار نے بعد میں یا فوراً پیش کی ہیں وہ مولانا کے بقلم خود انصار کو خاندان عبدالمطلبؐ اور خانوادہ رسولؐ کے افراد ثابت کرنے کو کافی ہیں۔ اور تاریخ میں کسی قوم کا محض ایمان لا کر اپنے نبیؐ کے ساتھ ایسا فداکارانہ

سلوک ہرگز نہیں ملتا۔ لہذا اُس و خزرج کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منطی خاندان سے ہونا عملاً بھی ثابت ہو گیا۔ اور تاریخ میں.... ہاں اسی شاہی تاریخ میں انصار کی غداری یا بے وفائی کی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ لیکن قریشی اسلام کے مہاجرین کی غداریاں اور بے وفائیاں آنحضرتؐ اور اُن کے حقیقی مومنین اور اُن کی اولاد کے ساتھ برابر تاریخ اسی فحطانی تاریخ میں اور قرآن میں بھری پڑی ہیں۔

قارئین سنیں! یقین کریں یا نہ کریں کہ مہاجرین قریش کو اُن کی اپنی حکومتوں نے تین سو سال کی متحدہ سر توڑ کوشش اور منظم قتل و غارت اور استبداد سے ہیرو بنایا تھا وہ ہیرو تھے نہیں اور قرآن میں جن مہاجرین کی مدح و ثنا کی گئی ہے اور جن کی آڑ میں مشرک قسم کے مسلمان مہاجرین کو چھپایا گیا ہے، وہ خانوادہ رسولؐ کے افراد تھے یا وہ گنتی کے چند حقیقی مسلمان تھے جن کا قریش سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ہم چیلنج کرتے چلے آئے ہیں اور ہمارا چیلنج چالیس سال سے اہل علم کے سامنے کھڑا ہے کہ لفظ قریش کے ساتھ کسی شخص کے حقیقی مسلمان ہونے کا قرآن سے ثبوت دو۔ قریش اور لفظ ایمان قرآن میں ایک جگہ جمع ہونے والے الفاظ نہیں۔ البتہ قریش اور کفر دونوں کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔

(24/6)۔ علامہ نے مہاجرین کے ساتھ رسول اللہ کو بھی ناقابل اعتماد لکھا

ذرا اس ملعون بیان میں سے علامہ مودودی کا یہ فقرہ سنئے لکھا ہے کہ: ”اور نہ یہی بات آزمائش کی کسوٹی پر اچھی طرح نمایاں ہوئی تھی کہ اس دعوت کا پیغمبر اور اس کے پیروؤں کا گروہ جس چیز کی طرف دنیا کو دعوت دے رہا ہے اس پر عمل کرنے میں وہ خود کس حد تک راست باز ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 119، سطر 16-17)

یعنی چالیس سال رسول اللہ کی عملی زندگی اور تیرہ سال اعلان نبوت کے بعد کی زندگی گزر جانے کے بعد بھی رسول اللہ کی راستبازی ابھی علامہ کے نزدیک ثابت شدہ نہیں ہے۔ رسول پر شک و شبہ تو علامہ اور اُن کے مکتب فکر کو مبارک مگر ہم اس سے یہ دلیل ضرور اختیار کرتے ہیں کہ تیرہ سال میں مکہ کے اندر جو قریشی گروہ اسلام کا پیرو کہلاتا تھا وہ حقیقتاً اور واقعاً ناقابل اعتبار و اعتماد تھا۔ اور اُس کی جانچ پڑتال کر کے اُن میں سے ہر ہر فرد کی جامعہ تلاشی لینا ہر کلمہ گو پر واجب و لازم ہے۔ صرف لفظ مہاجرین کرنا نہیں یا اُن میں سے کسی فرد یا افراد کو مقدس بزرگ سمجھ لینا نہ صرف قرآن و تاریخ و واقعات کے خلاف حماقت ہوگی بلکہ ایسے افراد بے دین ہوں گے جو بلا مخصوص دلیل اور نام بنام ثبوت کے بغیر کسی بھی مہاجر کو دین دار یا حقیقی مومن سمجھیں گے۔ چنانچہ علامہ کی تحریر سے بھی تمام مہاجرین کا ایمان مشکوک، قابل تحقیق اور محتاج ثبوت ثابت ہو گیا ہے۔

(24/7)۔ علامہ نے قریش اور مہاجرین کی جانچ کے لئے اُن کی راہ میں ایک اور مشکل پیدا کر دی

علامہ نے اپنے بیان کی ابتدا میں جو کچھ کہا ہے اس میں رسولؐ کی عالی ظرفی اور بلند سیرتی کو بطور دلیل لکھا ہے۔ رسولؐ کے متعلق وہ کیا سمجھتے ہیں اور کیا لکھتے ہیں؟ یہ تو وہ جانیں۔ لیکن ہم قریشی مسلمانوں کی جانچ میں اعلیٰ ظرفی اور بلند سیرتی کو بھی معیار بنائیں گے، یعنی عالی ظرفی کے ماتحت یہ دیکھیں گے کہ ایمان لانے سے پہلے اُن کا ظرف کیسا تھا؟ ماں باپ کیسے تھے؟ تھے بھی یا نہیں؟ حلال زادے تھے یا

عربی اصول مناکحت کے ماتحت پیدا ہوئے تھے؟ پھر یہ کہ اُن کی عادات و خصلت کیا تھی، حرام خور تو نہ تھے، بد معاش تو نہ تھے، سیرت عمومی کا کیا حال تھا؟ یہ وہ ترازو ہے جس سے تولنے کے لئے سارے عرب میں چند لوگوں کے علاوہ ایک بھی ایسا نہیں نکلتا جسے علامہ کے اصول پر اعلیٰ ظرف اور بلند سیرت قرار دیا جائے۔ لہذا اچانک اُن لوگوں کو ہیر و بنا دینا تو ممکن ہو سکا ہے لیکن اہل عقل و شرافت سے اُن کو ہیر و بنا لینا ممکن نہیں ہے۔ قرآن کریم نے جس مہاجر کا اعلیٰ ظرف ہونا نہ لکھا ہو، ہم اُسے اعلیٰ ظرف نہ مانیں گے۔ لہذا جو شخص چاہتا ہے کہ ہم سے یا ہمارے قارئین سے کسی بھی مہاجر کو اعلیٰ ظرفی اور بلند سیرتی کی سند دلانے وہ پہلے قرآن سے ثبوت لائے اور ہم سے کسی مہاجر کو بزرگ کہلوائے، ہم تیار ہیں۔ آپ کی گھڑی ہوئی کہانیاں اور روایات نہ دلیل ہیں نہ قابل توجہ ہیں۔ وہ تو من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو، کے اصول پر تیار ہوئی ہیں جو قریشی مسلمانوں کو مبارک ہوں۔ قرآن و قول معصوم سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(الف)۔ چند مختلف حقائق جن کو عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے

علامہ نے اپنے اس بیان میں بعض ایسی باتیں مان لی ہیں جن کا وہ اور اُن کے ہم مکتب انکار کرتے رہے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ وہ ہجرت سے پہلے سارے ملک میں اسلام کے اور مسلمانوں کے پھیل جانے کا اقرار کرتے ہیں۔ تاکہ یہ دکھایا جاسکے کہ مسلمانوں کی طاقت بکھری ہوئی تھی۔ ہم کہتے رہے ہیں کہ جناب ابوطالب علیہ السلام کی اسکیم نے تمام بستیوں، تمام قبائل اور اندرون و بیرون ملک اسلام کی اشاعت کر دی تھی۔ البتہ مکہ کے قریشی خطے اور زمین میں اسلام کے بیج کو بنجر زمین کی طرح نتیجہ خیزی سے محروم رہنا پڑا تھا۔ قارئین سوچیں کہ جو مسلمان سارے ملک میں منتشر تھے کیا وہ جمع ہو جانے کے بعد صرف چھپاسی (86) کی تعداد میں ہو سکتے ہیں؟ مولانا سے حساب مانگو اور دریافت کرو کہ کیا سارے ملک میں یہی چھپاسی آدمی پھیلے ہوئے تھے؟ یقین کیجئے کہ جناب علامہ جھوٹوں کے پیر اور فریب سازوں کے راہنما ہیں۔ پھر علامہ نے اقرار کیا ہے کہ اسلام کے درخت کو مکہ کی زمین میں اگنے اور اپنی جڑیں قائم کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ اُن سے پوچھئے کہ پھر کس بنا پر وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اہل مکہ کو اسلام میں کوئی مقام دیں۔ اُن کو اسلام پر کوئی حق حاصل نہیں ہے چہ جائیکہ اسلامی حکومت اور مسلمانوں کی قیادت کا حق۔ یہ حق محض انصار کو ملتا ہے جنہوں نے اسلام کو قائم کیا، پروانہ وار قربانیاں دیں اور خود قریشی مہاجرین کے ناقابل برداشت اور مذموم بوجھ کو اٹھایا۔ اور ساری دنیا سے جنگ و جدل اور دشمنی عملاً مول لے کر وفا کا ثبوت دیا۔ علامہ نے اپنے باطل مقاصد کو اخذ کرنے کے ہنگامہ میں انصار کے متعلق یہ تسلیم کر لیا کہ وہ آنحضرتؐ کو خدا کا نائب اور اپنا امام سمجھ کر مدینہ میں لائے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ فطانی تاریخ نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ قریش یا قریشی مہاجرین نے کبھی رسول اللہؐ کو خدا کا نائب سمجھا ہو۔ لہذا مدنی و مکی اسلام کے ان دونوں مکاتیب فکر میں وہی فرق مان لیا گیا جو ہم میں اور علامہ کے مکتب فکر میں ہے۔ اگر یہ لوگ رسول کو نائب خدا مان لیتے تو ہرگز وحی و غیر وحی اور ذاتی احکام کی شرطیں لگا کر نبی کو (معاذ اللہ) مجتہد نہ کہتے اور اُن کی جگہ ہڑپ نہ کر لیتے۔ اس لئے کہ اُن کی جگہ تو نائب خداوندی کو ہی زیب دیتی تھی نہ کہ مجتہدین کو۔ پھر علامہ سے یہ غلطی بھی ہوئی ہے کہ انہوں نے یہ لکھ دیا کہ رسول اللہؐ ہر بات سے باخبر رہتے تھے۔ لہذا قریشی فوج کی روانگی انہیں پہلے ہی سے معلوم تھی۔ سوال یہ ہے کہ اس باخبری اور اطلاع کا ذریعہ کیا تھا؟ یہ کیوں گول کر گئے؟ اور اگر یہ صحیح ہے تو رسول کو جہلا سے مشورہ کی احتیاج کیسے ہو سکتی تھی؟ پھر اگر یہ باخبری بذریعہ وحی ہوتی تھی تو

قرآن میں وہ اطلاعات کون سی آیات میں ہیں؟ ورنہ یہ بتایا جائے کہ وہ مادی ذریعہ کیا تھا جو آپؐ کو ہر بات سے مطلع رکھتا تھا؟ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کفار کے تجارتی راستے پر تاختوں اور فوجی کاروائیوں میں انصار کو شامل کر لیتے تو عرب قبائل میں جنگ کی آگ پھیل جاتی۔ مطلب یہ کہ رسول اللہ معاذ اللہ آگ تو لگا رہے تھے مگر سارے ملک میں آگ لگانا نہ چاہتے تھے۔ صرف قریش کو جنگ کی آگ میں جلا نا چاہتے تھے۔ ایک اہم بات یہ نوٹ کر لیں کہ جنگ بدر اور اُس کے بعد قریشی پالیسی یہ دکھائی جائے گی کہ بات بات پر اور ہر بات پر قریشی ٹولہ یہ سوال کیا کرے گا کہ یہ حکم آپؐ نے وحی سے دیا ہے یا یہ آپؐ کی ذاتی رائے ہے۔ تاکہ جہاں وہ یہ فرمائیں کہ یہ میری ذاتی رائے ہے تو اس کی تعمیل سے گریز کی راہ کا جواز نکال کر مسئلہ بنالیا جائے۔ مگر جنگ بدر کی روانگی سے پہلے جو نقشہ علامہ نے کھینچا ہے اُس وقت یہ سوال نہیں اٹھایا گیا بلکہ ہر فیصلہ کو رسولؐ کے حوالے کر دیا گیا۔ لہذا مستقبل میں یہ سوال ایک جھوٹی داستان ہوگا جو بعد کی اجتہادی ضرورت کے ماتحت گھڑی گئی تھی۔

(24/8)۔ تیرہ سال نازل ہونے والا قرآن اور تعلیمات اسلام بقول علامہ مودودی اخلاقی تمدنی تعلیم سے خالی

علامہ نے بڑے واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا کہ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی ایک بے کار زمانہ کی حیثیت سے گزری۔ تمدنی و معاشی تعلیم تو کیا ملتی اُس زمانے تک کی تعلیمات خداوندی میں اخلاقی تعلیم بھی نہ تھی سنئے علامہ نے فرمایا تھا کہ:-

”رابعاً۔ اُس وقت تک اس دعوت کو عملی زندگی کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے کر چلانے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ نہ یہ اپنا تمدن قائم کر سکتی تھی۔ نہ اُس نے اپنا نظام معیشت و معاشرت اور نظام سیاست مرتب کیا تھا۔ اور نہ دوسری طاقتوں سے اس کے معاملات صلح و جنگ پیش آئے تھے۔ اس لئے نہ تو اُن اخلاقی اصولوں کا مظاہرہ ہو سکا تھا جن پر یہ دعوت زندگی کے پورے نظام کو قائم کرنا اور چلانا چاہتی تھی۔“ (صفحہ 119 جلد دوم)

دیکھا جناب مولانا کے نزدیک؛ قریش سے صلح و جنگ، شعب ابی طالبؐ میں منظم مظاہرہ اخلاق اور پورے مقاطعہ اور بایکاٹ کے باوجود نظام معیشت کو برقرار رکھنے اور پورے خانوادہ کو زندہ سلامت تازہ دم کامیاب واپس لانے اور سارے ملک میں گھر گھر اسلام پھیلانے کے باوجود علامہ نے کہہ دیا کہ یہ تیرہ سال کی محنت اور قرآن کے بیانات اور اسلامی تعلیمات سب ایک خیالی کاروبار تھا۔ اصل دین اور تمدن مدینہ میں جا کر شروع ہوا تھا۔ یہ اسلئے تاکہ اسلام کی تعلیمات میں اعلان کے بعد والے تیرہ سال کو یک قلم نظر انداز کر کے آنے والی حکومتوں کی پالیسیاں اور مارشل ازم کی بنیاد مدنی خود ساختہ زندگی پر استوار کی جاسکے۔

(24/9)۔ علامہ کے دو فریب رسول اللہ کو حق پر ثابت کرتے ہیں

علامہ کے اس طویل بیان کو غائر نظر سے پڑھنے والے بھی (معاذ اللہ) رسول اللہ کو جارحانہ اقدامات کا ملزم قرار دینے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مگر یہ اللہ کا معجزہ اور آنحضرتؐ کی اخلاقی بلندی کا ثبوت ہے کہ علامہ کے فریب بھی اُن حضرتؐ کی حقانیت اور علامہ کے کذب و افترا کا ثبوت بن جاتے ہیں۔ ہوایہ کہ علامہ نے جارحانہ اقدامات کے لئے خود ساختہ حالات کا ایک فریب تیار کیا۔ اور پھر قریشی مہاجرین

اور قریشی مسلمانوں کے کمینہ خصلتوں کو چھپانے کے لئے ایک دوسری جھوٹی صورت حال پیش کی۔ اگر ہم اُن دونوں کو ایک جگہ لا کر جمع کر دیں تو ادھر آنحضرتؐ کا دامن جارحیت سے پاک ہو جاتا ہے ادھر علامہ کا کذب و افترا کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ سنئے ہمارے نقل کردہ بیان یا تفہیم کے صفحات سامنے رکھ کر تصدیق کیجئے۔

(i) علامہ کی بیان کردہ پہلی صورتحال جس میں رسول اللہ کو (معاذ اللہ) جارح بنایا گیا

(الف)۔ قریش کی تجارتی شاہراہ مسلمانوں کی زد میں تھی۔ (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 121، سطر 14-12)

(ب)۔ اس راہ پر قریش اور تمام بڑے بڑے مشرک قبائل کی معاش منحصر تھی۔ (ایضاً صفحہ 121، سطر 13)

(ج)۔ یہ راہ قریش کی شہرگ تھی۔ ڈھائی لاکھ اشرفی سالانہ کی تجارت اس راہ سے ہوتی تھی۔ طائف وغیرہ کا بھی اس پر انحصار رہا۔

(ایضاً صفحہ 121، سطر 14-16)

(د)۔ فی الواقع اس وقت مسلمانوں کے لئے اس کے سوا کوئی اور تدبیر بھی نہ تھی کہ اس تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کریں تاکہ

قریش اور وہ دوسرے قبائل جن کا مفاد اس راستے سے وابستہ تھا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اپنی معاندانہ و مزاحمانہ پالیسی

پر نظر ثانی کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں۔ چنانچہ مدینہ پہنچتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے... سب سے پہلے جس چیز پر توجہ

منعطف فرمائی وہ اسی شاہراہ کا مسئلہ تھا۔ (جلد دوم صفحہ 122)

(ه)۔ دوسری تدبیر آپ نے یہ اختیار کی کہ قریش کے قافلوں کو دھمکی دینے کے لئے اس شاہراہ پر پیہم چار دستوں کو بھیجا اور خود بھی گئے

دوسرے سال دو تاختیں کیں۔ (تفہیم القرآن۔ جلد دوم صفحہ 123-122)

(و)۔ ان تاختوں کا اصل مقصد قریش کو ہوا کا رخ بتانا تھا۔“ (صفحہ 123)

قارئین ان چھ باتوں سے جارحانہ کاروائیوں کے ذریعہ قریش کو دھمکانا، ہوا کا رخ بتانا اور اُن کو پالیسیوں کے بدلنے پر مجبور کرنا قبول کر لیا

گیا۔ ظاہر ہے کہ اس مہم کے لئے رسول اللہ کے پاس ایسی قوت کا ہونا لازم ہے جو قریش کے سامنے جم کر کھڑی ہو سکے۔ اب دوسرا پہلو:-

(ii) علامہ کی بیان کردہ دوسری صورت حال جہاں مسلمانوں کو خصوصاً مہاجرین کو مظلوم دکھانا تھا

(الف)۔ قریش کے تمام بڑے بڑے سردار جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ تقریباً ایک ہزار مردان جنگی جن میں سے چھ سوزرہ پوش تھے اور

جن میں سوسواروں کا رسالہ بھی شامل تھا پوری شان و شوکت کے ساتھ لڑنے کے لئے چلے۔“ (ایضاً صفحہ 123)

(ب)۔ ”مہاجرین بے سر و سامان، انصار ابھی نا آزمودہ، یہودی قبائل برسر مخالفت، خود مدینہ میں منافقین و مشرکین کا ایک اچھا خاصا

طاقتور عنصر موجود، اور گرد و پیش کے تمام قبائل قریش سے مرعوب بھی اور مذہباً اُن کے ہمدرد بھی۔ ایسے حالات میں اگر قریش

مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں تو ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کا خاتمہ ہو جائے۔“ (ایضاً صفحہ 124 جلد دوم)

(ج)۔ چند سرفروش فدا نیوں کے سوا اکثر آدمی جو اس خطرناک مہم میں شریک تھے دلوں میں سہم رہے تھے۔ اور انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا

کہ جانتے بوجھتے موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ مصلحت پرست لوگ، جو اگرچہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے مگر ایسے ایمان کے قائل نہ تھے جس میں جان و مال کا زیاں ہو، اس مہم کو دیوانگی سے تعبیر کر رہے تھے اور ان کا خیال تھا کہ دینی جذبہ نے ان لوگوں کو پاگل بنا دیا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 125-126)

قارئین کرام یہ ہیں وہ دونوں صورتیں جن میں سے اگر پہلی صورت کو صحیح مان لیا جائے تو دوسری کو غلط قرار دینا ہوگا۔ اسلئے کہ واقعی دوسری صورتحال درپیش تھی اور مسلمان بہادر ایسے ہی بزدل اور منافق اور موقع و مصلحت پرست تھے اور انکی تعداد مٹھی بھر تھی تو ہرگز پہلی صورت میں مذکورہ جارحانہ عمل درآمد کی جرأت ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ اور یہی صحیح ہے کہ آنحضرتؐ نے کوئی شاہراہ یا شاہ رگ نہیں تاکی تھی۔ انہوں نے کسی قسم کی اور کسی مقدار میں اور کبھی بھی جارحانہ تدبیر یا عمل نہیں کیا۔ اور واقعی مہاجرین کی کثرت ایسے ہی لوگوں کی تھی جو مصلحت کے ماتحت قریشی اشاروں پر ساتھ ہو گئے تھے اور اب ان کیلئے بڑی مشکل تھی۔ جنگ کیلئے میدان میں نکلیں تو قریش کا اعتماد اور سہارا کھوئیں، جان بلا ایمان لائے مفت میں ضائع کریں، لڑنے کو نہ نکلیں تو حقیقی مسلمان انہیں منافق قرار دیں۔ اعتماد الگ جائے، رسولؐ کی جانشینی کے خواب پریشان ہو جائیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ اکثر میدان سے خود بھی بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور دوسرے ساتھیوں کو بھی بھاگ نکلنے کا موقع بتاتے ہوئے پائے جائیں گے۔ اور جان بچانے اور دونوں طرف اعتماد بحال رکھنے کیلئے اکثر مشورہ دینے کے بہانے رسولؐ اللہ کے آگے پیچھے چھپے رہا کرتے تھے مگر خطرہ میں ان کے پاس بھی نہ ٹھہرتے تھے۔ چنانچہ جنگ احد میں ان کا اُس وقت کہیں پتہ نہیں چلتا جب رسولؐ اللہ زخمی ہوئے اور آپ کے دندان مبارک شہید ہو گئے تھے کہ جناب فاطمہؓ میدان جنگ میں پہنچ گئیں تھیں۔ مگر یہ حضرات کہیں اتنی دُور چلے گئے تھے کہ بعض بعض تین روز کے بعد پلٹ کر آئے تھے بعض پہاڑوں پر دوڑ کر چڑھ گئے تھے۔ لہذا ثابت ہوا کہ علامہ نے محض فحطانی مارشل ازم کو جائز قرار دینے کیلئے ایک نہایت معاندانہ اور فریب کارانہ طویل تبصرہ کیا تھا۔ اصل حقیقت اسکے سراسر خلاف تھی۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ قریشی قسم کے مسلمانوں پر پردہ ڈالا جائے۔ اس بیان کی خاص بات بھی نوٹ کر لیں۔

(24/10)۔ کیا رسولؐ اللہ بھی (معاذ اللہ) قریش تھے؟

قارئین اُس دعا کے اولین الفاظ پر بھی نظر ڈالیں جو رسولؐ اللہ نے مدنی اور قریشی افواج کو آمنے سامنے دیکھ کر خدا سے مانگی تھی۔ اُس میں علامہ اور تمام علمائے اسلام کے نزدیک یہ فرمایا تھا کہ:-

”اللہم ہذہ قریش قد اتت بخیلًا نہا تحاول ان تکذب رسولک...“ الخ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 126)

”خدا یا! یہ ہیں قریش، اپنے سامان غرور کے ساتھ آئے ہیں تاکہ تیرے رسولؐ کو جھوٹا ثابت کریں؟“

ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر رسولؐ اللہ بھی خاندان قریش یا قبیلہ قریش یا قوم قریش کے ایک فرد تھے تو یہ دعایوں زیادہ اپیل کرتی کہ:-

”خدا یا یہ ہیں میرے خاندان، میرے قبیلے کے قریش جو اپنے خاندانی رشتے کا بھی خیال نہیں کرتے اور تیرے رسولؐ کو جھٹلانے کے لئے تیغ بکف مقابلے میں آئے ہیں اور ان میں ہی کے چند لوگ مجھ پر ایمان لا کر تیرے دین میں داخل ہو چکے ہیں۔ جنہیں فنا کرنے کے لئے یہ لوگ آئے ہیں۔“

قارئین آخری بار سنیں کہ قریش کہتے ہی اس گروہ کو ہیں جو دین خداوندی کا زلی مخالف ہو۔ اور رسول اللہ معاذ اللہ ہرگز قریش نہ تھے۔ یہ سارا بعد کا تیار کیا ہوا افسانہ ہے۔ اس میں اتنا بھی صدق نہیں جتنا ایک ناول میں ممکن ہے۔

(24/11)۔ رسول اللہ کا دُعا مانگنا اور قریش کی خدا سے شکایت کرنا بہت ناگوار گزرا

قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب رسول اللہ خدا سے مسلمانوں کی کامیابی کی دُعا مانگ رہے تھے تو جناب ابوبکر نے رسول اللہ کو دعا سے روک دیا تھا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو علامہ محبت طبری اور محمد اسماعیل بخاری نے لکھا ہے کہ:-

فاخذ ابوبکر بیدہ وقال حسبک یا رسول اللہ قد الحجت علی ربک۔ ”حضرت ابوبکر نے رسول اللہ کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو پکڑ لیا اور کہا کہ یا رسول اللہ بس کریں آپ اللہ کے روبرو کافی گڑگڑا چکے ہیں۔“ (ریاض النضرہ صفحہ 93 بخاری پارہ نمبر 6 صفحہ 6)۔ اس روایت کی تشریح علامہ ابن حجر سے سن لیں فرماتے ہیں کہ:-

لا يجوز ان يتوهم احدان ابابکر كان اوثق بربه من النبي في تلك الحال۔ ”کسی ایک فرد کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس روایت کو دیکھ کر یہ وہم کر بیٹھے کہ رسول اللہ سے ابوبکر خدا کے نزدیک زیادہ معتمد تھے۔“ (فتح الباری پارہ 6 صفحہ 6)

اس روایت پر علما میں طرح طرح کی بحثیں ہوئی ہیں اور سب کسی نہ کسی غلط نتیجے پر پہنچے ہیں۔ بعض نے ابوبکر کے درجہ کو رسول اللہ کے برابر کرنے کیلئے کہا کہ خود ابوبکر پر الہام ہوا کرتا تھا۔ لیکن ہم تو سیدھی سادی پرانی بات جانتے ہیں اور وہ یہ کہ جناب ابوبکر از دی عالم اور بحیرا راہب کی پیشگوئی کو رو بہ عمل آتے ہوئے دیکھ کر اتنے پُر یقین ہیں کہ کسی دُعا وغیرہ کو فضول سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ دعاؤں سے اللہ کے فیصلے نہیں بدلتے، دعا مانگو یا نہ مانگو وہی ہوتا ہے جو خدا نے لکھ رکھا ہے، وہ دعا کے قائل نہیں۔ پھر چونکہ اس دعا میں قریش کی کھلی مذمت ہو رہی تھی جو ناقابل برداشت تھی اس لئے آپ نے اس دعا کو منقطع کر دیا۔ ادھر رسول اللہ دعا کے قائل ہیں، دعا کو واجب قرار دیتے ہیں اور خدا کو یہودی مذہب کی طرح مغلولۃ الید نہیں مانتے۔ پھر انہیں تمام مسلمانوں کے دلوں کو خدا کی طرف رجوع کرانا تھا اور بلند آواز سے یہ اعلان کرنا تھا کہ اس جنگ میں ہماری فتح ہمارے صدق کا ثبوت ہوگی اور یہ کہ خدا نے کامیابیوں کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اور یہ بات قریش کے ایک ہزار افراد کے کان میں دعا کے بغیر نہ جاسکتی تھی۔ اور فتح کے بعد باقی ماندہ قریش یہ نہ سمجھ سکتے تھے کہ رسول اللہ نے سر میدان قریش کو جھوٹا ثابت کر دیا ہے۔ پھر رسول اللہ کا فی الحال مشن یہ ہے کہ وہ علم غیب اور مستقبل کا حال بیان نہ کریں بلکہ ظاہری حالات پر احکام و دعا اور پروگرام کا دار و مدار رکھیں۔ یہ آگے بڑھ کر یہ کیوں بتاتے کہ رسول اللہ نے ابوبکر کو اس غلط عقیدے اور جسارت پر ڈانٹا اور دعا جاری رکھی یہاں تک کہ مشرودہ فتح مادی طور پر دیا گیا۔ جناب ابوبکر کا دعا سے روکنادر اصل ایک فلسفیانہ تصور ہے اور قریش کی مذمت اور خدا سے شکایت نہ کرنے دینا بھی حکمت عملی سے خالی نہیں ہے۔ مسلمانوں کے فلاسفوں میں اکثر یہ دونوں عقائد پائے جاتے رہے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ خدا نے جو کچھ کرنا تھا وہ طے کر کے فیصلہ کر چکا ہے اور اب ہر کام، ہر فعل اور ہر واقعہ اسی فیصلہ کے ماتحت وجود میں آتا چلا جائے گا۔ دعائیں، کوششیں اور فکر و تدبیر بھی اس میں تبدیلی نہیں کر سکتیں۔ پیش آنی ہے وہی جو پیشانی میں ہے۔

بعد میں دو سو سال تک حکومتوں کا یہی مذہب تھا کہ یہاں دنیا میں جو کچھ ہوتا یا کیا جاتا ہے وہ خدا کے حکم و قدرت سے ہوتا ہے۔

انسان مجبور ہے کہ تقدیرات کے ماتحت کام کرے۔ لہذا آدمی جو کچھ بھی کرتا ہے وہ خدا کی تعمیل میں کرتا ہے۔ اُسی عقیدہ کی روشنی میں عرب کے مشرک علما کہتے تھے کہ اگر خدا نے نہ چاہا ہوتا تو ہم نے شرک اور فلسفہ اشتراکیت کو اختیار ہی نہ کیا ہوتا۔ تم جسے فحش کہتے ہو۔ اس پر عمل کرنے کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے (آل عمران 3/26)۔ اسی اصول پر یزید نے کہا تھا کہ فتح و شکست، عزت و ذلت خدا عطا کرتا ہے اور اسی نے اس کو فتح و عزت دی ہے اور خدا ہی نے حسین علیہ السلام کو شکست اور اُنکے خاندان کو ذلیل کیا ہے۔ اس کے خلاف نہ کوئی وحی اتری نہ کوئی فرشتہ آیا تھا۔ لہذا ہر قاتل خدا کا مطیع ہے، ہر مقتول خدا کے حکم سے قتل کیا جاتا ہے، انسان کے تمام افعال اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔ نہ قاتل کو برا کہو نہ قریش کی مذمت کرو، سب خدا کے حکم کے مطابق اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ اس مذہب کے بانی اسلام میں جناب ابو بکر ہیں اور یہ مذہب آج بھی نصیب، تقدیر اور قسمت کے نام پر ہر گھر میں مذکور ہوتا رہتا ہے، شیعہ سنی کی اس میں قید نہیں ہے۔ مستورات سو فیصد اس عقیدے میں پختہ ہیں۔ مردوں میں اٹھانوے فیصد اُسکومان لیتے ہیں۔ دو فیصد مردوں میں کچھ مخالف ہیں مگر عمل اُسی پر ہے۔ کچھ تو لا و عملاً دونوں طرح مخالف ہیں اور اصل حقیقت کو جاننے اور بیان کرتے ہیں۔ اور ہمیں ساری عمر ہو گئی ہے کہ ایم اے، ایم ایس سیز (M.A., M.Sc) تک کو یہ عقیدہ سمجھانا پڑتا رہا ہے۔ یعنی اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں بھی مسئلہ جبر و قدر سے واقفیت نہیں ہے۔ اہل سنت والجماعت کا نہایت صلح کل اور مقابہت سے بھرپور یہی مسئلہ ہے جسکی وجہ سے وہ ایک طرف جناب امام حسین علیہ السلام اور خانوادہ رسول کے قتل عام پر اشک ریز ہوتے ہیں، فاتحہ درود و خیر خیرات کرتے ہیں۔ دوسری طرف یزید، معاویہ، ابن سعد کی بخشش کے امیدوار ہیں۔ وہ ظالم و مظلوم، لاعن و ملعون، قاتل و مقتول اور فاعل و مفعول دونوں کو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے ایسا چاہا کہ یزید و شمر و عمر و سنان..... حسین علیہ السلام اور خاندان رسول کے ساتھ ایسا کریں۔ اور امام حسین اور متعلقین سے چاہا کہ وہ صبر دکھائیں اور قتل ہو جائیں۔ یہ عقیدہ عملی حیثیت سے جناب ابو بکر نے اور اُن کے شرکائے کار نے مسلمانوں میں پختہ کیا، اس پر عمل کرایا، اسکی تعلیم کو آگے بڑھایا لیکن اُن سے پہلے بھی یہ عقائد و اعمال دنیا میں موجود تھے۔ خصوصاً عرب کے مشرکین یا اشتراکین کا یہی عقیدہ تھا۔

25۔ جنگ بدر پر قریش اور قریشی مسلمان قرآن کی نظر میں

علامہ کے طویل بیان پر اس قدر اور سُن لیں کہ جب قریش نے مدینہ میں یہود و نصاریٰ اور اُس و خزرج و دیگر قبائل سے مراسلت کی اور بار بار وفد بھیجے تاکہ آنحضرت اور مہاجرین کو واپس نکال دیا جائے یا نصرت و تعاون کے معاہدوں کو منسوخ کر دیا جائے۔ اور باؤڈالا کہ ہم سیاسی و معاشی بائیکاٹ کریں گے اور ضرورت ہوگی تو فوج کشی کریں گے اور یہ ہماری تجارت کی شاہراہ ایک عالمی اور بین المملکی و مملکتی شاہراہ ہے جس کے تحفظ کے لئے نہ صرف سارے عرب اٹھ کھڑا ہوگا بلکہ جن جن ملکوں سے ہماری تجارت ہوتی ہے اُن کا مفاد بھی جب ہی محفوظ رہ سکتا ہے جب کہ وہ بھی اُس عالمی شاہراہ کی حفاظت میں ہم سے تعاون کریں۔ لہذا محمدؐ کے طرفدار سمجھ لیں کہ وہ ساری دنیا کو لگا رہے ہیں، لہذا اپنی خیر مناؤ۔ محمدؐ اور اُسکے مکی خاندان کے افراد کو واپس کر دو ورنہ تباہی اور بربادی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی مکہ کے تاجروں اور سرمایہ داروں اور تجارت میں روپیہ لگانے والوں کو معلوم تھا کہ ابوسفیان عتقریب لاکھوں روپے کا مال تجارت

لے کر یمن و شام سے آنے والا ہے اور کل تیس آدمی اُس کے ہمراہ ہیں۔ ایک ہزار اونٹوں کا مال سے لدا ہوا قافلہ مدینہ کے قرب و جوار سے گزرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ شریپسند لوگ محمدؐ کے نام پر کوئی پیش قدمی کر گزریں تو مکہ کے یتیموں، بیواؤں، غربا اور مہاجروں کا لگا ہوا سارا سرمایہ لٹ جائے گا۔ مکہ کا ہر آدمی ایک تلاش فقیر ہو کر رہ جائے گا۔ اس فطری، قومی اور معاشی ضرورت کے ماتحت مکہ کے تمام سرداروں نے مل کر مذکورہ شاہراہ اور خود اہل مدینہ کی نگرانی شروع کی۔ مدینہ کے اندر اپنا خفیہ ہیڈ کوارٹر بنایا۔ خفیہ اس لئے کہ عبد اللہ بن ابی جس کو منافقوں کا رئیس مشہور کر کے قریشی مسلمانوں اور حکومتوں نے تمام تخریبی کاروائیوں کا رخ اصلی مرکز سے اُس کی طرف موڑا ہے، جس نے قریش کی کھلم کھلا طر فدراری سے انکار کر دیا تھا اور اپنے قبیلہ اُس کے دباؤ سے ڈرتا تھا۔ البتہ مکہ کے یہود تاجروں میں سے بعض مشترکہ مفاد کی بنا پر قریش کے ساتھی بن گئے تھے۔ مگر وہ اس لئے مجبوراً خاموش اقدام کرتے تھے کہ رسول اللہؐ نے آتے ہی سب سے پہلے اُن ہی سے معاہدہ کر لیا تھا۔ ادھر آپؐ کی اخلاقی خوبیاں، پیاری نصیحتیں اور روادارانہ سلوک مدینہ کے تمام افراد کی زبانوں پر تھا۔ کسی کے عقائد سے بحث، چھیڑ چھاڑ، طعن و طنز یہاں ممنوع تھا۔ نیکی میں سب سے تعاون کا حکم، عام غلطیاں کوتاہیاں نظر انداز کرتے رہنے کا مستقل عمل درآمد اپنے پرانے کے دلوں میں اُتر چکا تھا۔ رسولؐ کی طرف کسی سوء ظن رکھنے والے کا مدینہ میں منہ نوچ لیا جاتا تھا۔ لہذا یہود ہوں یا نصاریٰ، مسلم ہوں یا غیر مسلم، کہیں مشرکین مکہ کو بہکانے اور رسولؐ کے خلاف کوئی بری بات کہنے یا اُن سے کسی ناپسندیدہ فعل کے سرزد ہونے یا غلط حکم دینے کو کوئی ماننے کو تیار نہ تھا۔ اس لئے صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ قریشی قسم کے مسلمان گروہ کا سہارا تھا۔ اور یہ گروہ بھی خالصتاً مشرکین کے لئے کام نہیں کر رہا تھا بلکہ اُن کا دواہر مقصد تھا۔ اول یہ کہ رسولؐ کی جانشینی کی پیشگوئی تک پہنچنا اور دوم یہ کہ اس سلسلے میں مکی مرکز سے بوقت ضرورت مالی اور افرادی مدد و مشورہ لینا۔ لہذا مشرکین کا یہ مسلمان بازو بھی کھل کر نہ رسول اللہؐ کی مخالفت کر سکتا تھا نہ کھل کر مکی مرکز کی حمایت کر سکتا تھا۔ لہذا قریش مجبور تھے کہ اس خفیہ ہمدردی و طر فدراری و سراغ رسانی اور مراسلت ہی پر صبر و قناعت کریں۔ البتہ مکہ سے آنے والے حضرات ادھر مسلمانوں میں کھلم کھلا قیام کرتے اور مہمان رہتے تھے۔ ادھر یہود و نصاریٰ بھی اُن کو منع نہ کرتے۔ قریشی مسلمانوں سے اُن کی رشتہ داریاں تھیں اور اسلامی تعلیم مہمان نوازی پر زور دیتی تھی۔ اعزہ کا اکرام و عزت منع نہ تھا، صاحبان عزت کے احترام کا حکم تھا۔ لہذا مکہ کے قریش جب چاہیں جتنے چاہیں مدینہ میں خود مسلمانوں کے گھروں میں قیام کر سکتے تھے اور کرتے تھے۔ لہذا وہ سب رسول اللہؐ کے اقدامات اور منصوبوں سے اتنا ہی واقف رہتے تھے جتنا کہ مسلمان۔ مکہ والوں کی اسکیمیں معلوم کرنے کا کوئی مادی ذریعہ نہ تھا۔ خانوادہ رسولؐ کے تمام افراد پہلے ہی مکہ سے باہر تھے اور اب مدینہ میں جمع ہو گئے تھے۔ صرف وحی خداوندی باخبر رہنے کا ذریعہ تھی اور یہی سب سے معتمد اور وسیع ترین ذریعہ تھا۔ ان حالات میں رسول اللہؐ کے لئے لازم تھا کہ مسلمانوں کو ہر بات علی الاعلان نہ بتائی جائے ورنہ کوئی اسکیم محفوظ نہیں رہ سکتی۔ یہ سب تھا کہ رسول اللہؐ نے چند ایسے انتظامات فرمائے جو عوام الناس کی علمی سطح سے بلند رکھنا ضروری تھے تاکہ مسلمانوں کے ذریعہ مشرکین ہر اقدام سے واقف نہ ہو سکیں۔ آپکو معلوم ہو چکا ہے کہ عقبہ اولیٰ ہی کے زمانہ سے مدینہ میں بارہ نقیب برسر کار تھے۔ مدینہ آ کر نقابت کے اس نظام کو اور وسیع کر دیا گیا۔ یہاں پر لطف کی بات یہ ہے کہ وہ جماعتیں جن کو مولا حضرات تاختی جماعت کہتے ہیں، اُن کے اغراض و مقاصد کا نام ”سیرِ بے“ یعنی راز سر بستہ کہا گیا ہے۔ یعنی مولوی لوگ یہ زبان بولتے اور لکھتے

چلے آئے ہیں کہ رسول اللہ نے اتنے سِرّیے اور اتنے غزوات کئے ہیں۔ علامہ شبلی وغیرہ نے غزوہ اور سِرّیہ وغیرہ کے فرق بیان کرنے میں (سیرۃ جلد اول صفحہ 587) مولویانہ زور لگایا ہے۔

ہمیں بلا بحث یہ بتانا ہے کہ جہاد کی ذیل میں ہر کوشش آتی ہے۔ قتال میں مسلح کوشش داخل ہے۔ غزوہ اجتماعی مقاصد کے لئے اجتماعی اور اعلانیہ کوشش کو کہتے ہیں جس میں جانی تحفظ کا انتظام ہو۔ ”سِرّیہ“ خفیہ مشن کہلاتا ہے جس کی اطلاع عوام کو نہیں دی جاتی۔ اُسی طرف لفظ نقیب اشارہ کرتا ہے۔ آپ نقاب کے معنی جانتے ہیں۔ نقابت وہ کام ہے جو نقیب کرے گا۔ اور جہاں ضروری ہوگا اپنے اقدام کو زیر نقاب کر دے گا۔ نقب لگانے کے معنی بھی آپ جانتے ہیں۔ لقیہ ہمارے یہاں کا بڑا مشہور لفظ ہے اور قاعدہ کے مطابق اس کے معنی بھی مولویانہ دست برد کی نظر ہو گئے ہیں۔ ہر وہ کام جس میں تقویٰ کو ہر حیثیت سے ملحوظ رکھ کر نتیجہ برآمد کرنا لازم ہو۔ تو یہ بھی ایک لفظ ہے؛ ایسا کلام کرنا کہ مخاطب مطمئن ہو جائے۔ اُس کو صحیح بات بھی معلوم نہ ہو سکے اور جھوٹ بھی نہ بولا جائے۔ یہ سب کچھ اس لئے لکھا گیا کہ اب وہ وقت آ گیا تھا کہ مسلمانوں کے تحفظ کے لئے اور مشرکین مکہ کے سراغ رساں قریشی مسلمان گروہ سے بچنے کے لئے نقیب و نقابت۔ سِرّیات و تو رِیہ و لقیہ کے اسلحہ استعمال کئے جائیں۔ جتنی کہ وحی بھی اس انداز سے تلاوت کی جائے کہ یہ اصول نہ ٹوٹنے پائے۔ جہاں نام ضروری ہوں فلاں یا فلاں فرما دیا جائے کہ مخالف محاذ سمجھ تو جائے مگر اتفاق رائے حاصل نہ کر سکے اور مشرکین کے مدنی خفیہ محاذ کو ناکام کر دیا جائے۔

(25/2)۔ خفیہ مشن (سِرّیہ) سے ایک غلطی جو جنگ بدر کا ثانوی سبب بن گئی

مندرجہ بالا اغراض و مقاصد کے لئے قریش نے نگران دستے چاروں طرف پھیلا دیئے تو مدینہ کے باشندوں کو نقصان بھی پہنچانا شروع کیا تو داخلی و خارجی تحفظ کے لئے رسول اللہ نے بھی خفیہ مشن شروع کر دیا۔ جس سے سراغ رسانی سے لے کر مسلح تحفظ تک کا انتظام کیا گیا اور اس کے بعد قریش کے پھیلے ہوئے نگران دستوں کی جارحانہ کاروائیاں مفلوج ہو گئیں اور اہل مدینہ مزید نقصان سے محفوظ ہو گئے۔ اس خفیہ انتظام کا ہر جگہ بھوت کی طرح مل جانا قریشی انتظام کو مرعوب کر رہا تھا۔ اُدھر ابوسفیان کا قافلہ ملک میں داخل ہو چکا تھا۔ چونکہ اُس شاہراہ کے داہنے بائیں کے قبائل سے آنحضرتؐ معاہدات کر چکے تھے اس لئے قریش کی دشمنی چاروں طرف مشہور ہو چکی تھی۔ اور بہت ممکن تھا کہ کوئی قبیلہ راہ میں قافلہ کو اس لئے لوٹ لے کہ نام تو مسلمانوں کا ہوگا اور قریش فوراً یقین کر لیں گے کہ یہ کام مسلمانوں ہی نے کیا ہوگا۔ اس لئے رسول اللہ کے لئے تو یہ لازم ہو گیا تھا کہ ابوسفیان کے قافلے کو بلا خوف و خطر محفوظ گزرنے میں مدد دی جائے۔ لہذا آپ نے گرد و نواح کے قبائل پر نظر رکھنے اور اس تحفظ کے متعلق انتظام کرنے کی ذمہ داری بھی اُسی خفیہ مشن کے حوالے کر دی۔ ظاہر ہے کہ اُس خفیہ مشن کے تفصیلی حالات نہ عام ہو سکتے تھے نہ تاریخ اُن کو صحیح طور پر جمع کر سکتی تھی۔ نہ اس میں ایسے افراد تعینات کئے جاسکتے تھے جو اس راز کو فاش کریں۔ اس لئے مؤرخین کا یہ کہنا غلط ہے کہ اُس میں انصار کو نہ بھیجا جاتا تھا۔ اُس مشن میں جو لوگ بھی کام کر رہے ہوں اُن کو مخصوص قابلیت و اعتماد کے افراد ہونا لازم تھا۔ اُن میں سے ایک پارٹی پر قریش کے تجارتی قافلہ کو شبہ ہوا۔ یہ اندرون ملک تجارت کے مشن پر تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی اس پارٹی پر رعب ڈالنا شروع کیا اور انہیں تصادم پر مجبور کر دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ مسلم افراد کا تحفظ

اُن کا ایمان کرتا ہے۔ وہ قافلہ ان تین چار مسلمانوں کے ہاتھ سے شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اُن کا ایک آدمی عمرو بن الخزرمی مارا گیا۔ دو آدمی عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کسان کو گرفتار ہونا پڑا۔ جو سامان وہ چھوڑ گئے تھے، اُسے مسلمان جماعت نے مدینہ پہنچانے کے لئے سفر کیا۔ جناب عبداللہ بن جش نے وہ سامان رسول اللہ کے حضور پیش کیا اور واقعہ سنا دیا۔ اس حادثہ میں دو تین قانونی پہلو اُبھرتے تھے۔ اُس کو قرار واقعی طور پر حل فرمانے کے لئے اور بے دین لوگوں تک کو مطمئن کرنے اور انصاف و عدل کا انتہائی معیار واضح کرنے کے لئے پہلے اظہار ناراضگی فرمایا۔ مال لینے سے انکار کر دیا تا کہ آئندہ ذمہ دار لوگ زیادہ سے زیادہ احتیاط مد نظر رکھیں۔ چونکہ قتل اس مہینہ میں ہوا تھا کہ اس میں تلوار اٹھانا منع تھی۔ اور یہ کفار کے یہاں بھی مسلمات میں سے تھا۔ لہذا آپ نے خون بہا کی رقم مکہ میں وارثین کو بھجوا دی۔ دونوں قیدیوں کو فدیہ پر آزاد کر دیا اور قانون سنا دیا کہ:-

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (البقرة 2/217)

تم سے یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ اسلام میں حرمت والے مہینوں میں قتل اور جنگ کی کیا پوزیشن ہے؟ ان کو بتا دو کہ اُن مہینوں میں قتل اور جنگ کی وہی پوزیشن ہے اور حرمت بدستور بزرگ ہے۔ مگر خدا کے کھلے راستوں میں رکاوٹ ڈالنا، خدا سے کفر کرنا، بیت اللہ کی زیارت منع کر دینا اور بیت اللہ کے حقیقی اہل کو جلا وطن کر دینا زیادہ بزرگ قوانین کی خلاف ورزی ہے جو حرمت کے مہینوں میں قتل اور جنگ سے زیادہ بڑے جرائم ہیں۔ اور اللہ کے نزدیک فتنہ و فساد پھیلانا قتل سے بدتر گناہ ہے۔ لہذا اُن کے اعتراض کو کیسے خاطر میں لایا جاسکتا ہے۔ جبکہ انہوں نے یہ طے کر لیا ہو کہ جب تک مسلمانوں کو ان کے دین سے مرتد نہ کر دیں گے، ہر حال و ہر ماہ میں جنگ جاری رکھیں گے۔ اور سنو تم میں سے جو کوئی اسلام سے مرتد ہوگا، اس کی موت واقع ہو جائے گی، اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ دنیا و آخرت میں فائدہ نہ ہوگا اور ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا۔ یہ قانون نافذ کرنے تک عبداللہ بن جش اور اُس کے ساتھی نظام عدل کو سمجھ چکے تھے۔ سارے شہر میں ہتھی کہ مکہ تک رسالت کے بے لاگ عملدرآمد کی دھوم مچنے لگی تھی۔ چنانچہ آیات نے اُس جماعت کا سر بلند کر کے زیادہ ذمہ دار بنادیا۔

(25/3)۔ قریش کی فوج کشی اور جنگ بدر کا سامان

ابوسفیان رسول اللہ کے انتظامات کی دھوم ہر منزل پر سنتا، بڑھتا اور ڈرتا چلا آ رہا تھا۔ آخر اس نے حفظ ما تقدم کے لئے مکہ سے مدد کی روانگی کے لئے قاصد بھیج دیا اور قاصد نے مکہ کو گرم کرنے کے لئے پورا ڈرامہ دکھا دیا۔ یہاں پہلے سے تیاری کئے بیٹھے تھے، آنا فانا روانگی ہوگئی۔ روانگی کی یہ دھوم مدینہ پہنچی تو رسول اللہ نے مسلمانوں کو لے کر مدینہ سے سفر شروع کر دیا۔ تاکہ یہ یقین فراہم ہو جائے کہ تمام مسلمان مدینہ میں موجود تھے اور قافلہ کو لوٹنے کے لئے ادھر سے کوئی پیش قدمی نہیں کی گئی ہے اور مدینہ سے سفر بھی ایسے رخ میں کیا کہ ہر دیکھنے والا اس سفر کو مکہ کی طرف سفر سمجھے۔ مقام بدر پر آ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ موقع فراہم ہونے سے ابوسفیان بہ سہولت قافلہ کو نکال لے

گیا اور قریشی لشکر کو پیام بھیج دیا کہ واپس آ جاؤ ہم محفوظ پہنچ رہے ہیں۔ مگر ابو جہل جو سردار لشکر تھا اس نے سوچا کہ جب اتنا سفر کر ہی لیا تو ذرا اہل مدینہ کو کیوں نہ گرم کرتے چلیں۔ لوگوں نے اس سے اختلاف کیا مگر اُس نے خون بہا وصول ہو جانے کے بعد بھی عمرو بن الخزرمی کے قصاص کا ڈھونگ رچو دیا اور آخر اُسے اس کی موت رسول اللہ کے روبرو کھینچ لائی۔ اور دونوں فوجیں آمنے سامنے قیام پذیر ہو گئیں۔ ایک نے دوسرے کی تعداد کا جائزہ لیا تو مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت ابو جہل کی نگاہ میں ایک حقیر ترین شکار سے زیادہ نہ تھی۔ اس لئے اُسے یقین ہو گیا کہ اب محمدؐ کے دعویٰ کو سر میدان جھوٹا ثابت کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ اور یہ کہ اگر وہ واپس چلا گیا ہوتا تو کیسا سنہری موقع ہاتھ سے نکل گیا ہوتا۔ ہم کہتے ہیں کہ ابو جہل اور بھی خوش ہوا ہوتا اگر اُسے کم از کم اتنا علم اور ہو گیا ہوتا جتنا علامہ مودودی کو ہے۔ کاش اُسے وہ آیت بھی معلوم ہوتی جس میں اللہ نے قریشی قسم کے مسلمانوں کا حال بیان کرنا تھا جو مصلحتاً جنگ کے بعد تلاوت کی جائے گی۔

(25/4)۔ بدر کے روز کس قسم کے مسلمانوں کی کثرت میدان جنگ میں موجود تھی؟

ابو جہل یہ سمجھ رہا ہوگا کہ رسول اللہ کے ساتھ آنے والے لوگ اُسی قسم کے سخت جان اور جان نثار ہوں گے جو تین سال تک شعب ابی طالبؑ میں اپنی وفاؤں کا ثبوت دے چکے تھے۔ لیکن ہم بتا چکے ہیں کہ مدینہ میں قریشی قسم کے مسلمانوں کی کثرت موجود ہے جن میں سے کوئی بھی مرنا تو مرنا ہے در دوسرے پسند نہیں کرتا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم قرآن کریم سے قریشی مہاجرین اور ان کے تیار کردہ مسلمانوں کو پیش کریں۔ قرآن کہتا ہے کہ ایک وقت وہ تھا کہ یہ قریشی مومنین اپنا اعتماد قائم کرنے کے لئے اور مشرکین مکہ کے خلاف اپنی مصنوعی دشمنی ظاہر کرنے کے لئے اٹھتے بیٹھے تقاضہ کیا کرتے تھے کہ:

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نَزَلَتْ سُورَةٌ فَأِذَا نَزَلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُنْظَرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأُولَئِكَ لَهُمْ ۝ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ فَأِذَا عَزِمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صدَّقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقْطِعُوا أَرْحَامَكُمْ ۝ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ ۝ أَفَلَا يَسْتَدْبِرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَى لَهُمْ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ۝ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّيْتُمُ الْمَلَائِكَةَ يَصْضَرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَذْبَارَهُمْ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا اسْحَطَ اللَّهُ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَاحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ۝ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكُمْ فَلَعَرَفْتُمُ بَسْمَهُمْ وَلَتَعْرَفْنَهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجْهَدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَنَّكُمْ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى لَنَ يُضْرَبُوا ۝ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ (محمدؐ 32-47/20)

ہمیں مکہ والوں سے جنگ کرنے کی اجازت کیوں نازل نہیں ہوتی۔ اور جب اللہ نے ایک ایسی محکم سورۃ نازل کر دی جس میں جنگ کی اجازت اور تفصیل ہے۔ تو تم ان کو دیکھ رہے ہو جن کے دلوں میں مرض شرک دورہ کر رہا ہے کہ وہ اب تمہیں اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہکا بکا ہو کر اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسا کہ اُن پر موت نے اپنا تسلط جما کر حالت نزاع طاری کر دی ہو۔ چنانچہ ان پر ایک ولی کو

متعین کر دیا ہے۔ انہیں چاہئے تھا کہ اطاعت کرتے اور پسندیدہ طریقہ اختیار کرتے اور جب کسی حکم کو نافذ کر دیا جائے تو اللہ کی تصدیق کرتے تو انکے لئے بہتر تھا۔ پس کیا ہوتم نزدیک اس بات کے کہ اگر والی ہوتم حکم کے یہ کہ فساد کرو بیچ زمین کے اور کاٹو قرابتیں اپنی (علامہ رفیع الدین مرحوم)۔ یعنی کیا اگر تم پیشگوئی کے مطابق نبی کی ولایت اور جانشینی پر قابض ہو جاؤ تو دنیا بھر میں فساد مچا دو گے اور اپنی تمام ارحام کو یعنی محضی پابندیوں کو اٹھا لو گے۔ یہ وہی جماعت ہے جن پر اللہ نے لعنت کی ہے جنہیں بہرا کر دیا ہے۔ جن کی آنکھوں کو حق بنی سے اندھا کر دیا ہے۔ کیا یہ لوگ قرآن میں تذہب نہیں کرتے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہوں۔ یقیناً ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد اپنے سابقہ مذہب پر واپس لوٹ جائیں گے۔ شیطان نے ان کو جھانسا دے دیا ہے۔ اور انہیں طویل اسکیم میں مبتلا کر دیا ہے۔ اسی لئے انہوں نے دین کے ناپسند کرنے والوں سے یہ معاہدہ کر رکھا ہے کہ ہم بعض معاملات میں تمہاری سو فیصد اطاعت کریں گے۔ اللہ ان کے پوشیدہ منصوبوں سے واقف ہے۔ اُن کا اس وقت کیا حال ہوگا جب فرشتے اُن کی روحوں کو اُنکے اجسام سے جدا کرتے ہوئے ان کے چہروں پر اور پشت پر ضربیں لگائیں گے۔ یہ اسلئے کیا جائے گا کہ انہوں نے اللہ کے ناپسندیدہ راستہ کو اختیار کیا اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کو بُرا سمجھا۔ چنانچہ اللہ نے ان کے آج تک کے نیک اعمال ضائع کر دیئے۔ کیا یہ دلوں میں شرک پوشیدہ رکھنے والے لوگ یہ سمجھتے رہے ہیں کہ اللہ ان کے دلی بغض و حسد کو چھپاتا ہی چلا جائے گا۔ اگر ہم چاہیں تو ابھی ابھی ان کو تمہارے سامنے اٹھا کر دکھا دیں اور تم ان کا باقاعدہ سب سے تعارف کرا دو۔ اور تم سے تو ہم ضرور ہی ان کے لب و لہجہ کا تعارف کرا چکے ہیں اور اللہ تو ان کے اعمال کو جانتا ہی ہے۔ سنو کہ تم سب کو ایسی آزمائش میں ڈال رہے ہیں جس سے تم میں کے صبر سے جہاد کرنیوالے سب کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے اور پھر تمہاری باقی خبروں کو بھی آزمایا جائے گا۔ یقیناً جن لوگوں نے حق کو چھپانے اور اللہ کی راہیں روکنے اور رسول اللہ کو مشقتوں میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہے اور اُن پر ہدایت واضح ہو چکی ہے۔ وہ اللہ کا ذرہ برابر نقصان نہ کر سکیں گے۔ اور بہت جلد ہم ان کے اچھے اعمال کو ضائع کر دیں گے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (بقرہ 2/216)

انہی لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ: تم پر مخالفین اسلام کے ساتھ جنگ کرنا واجب کیا گیا ہے۔ اور وہ تمہیں بہت ناگوار گزر رہا ہے۔ عنقریب ایسا ہوتا ہی رہے گا کہ تمہیں ایک حکم دیا جائے گا جسے تم ناپسند کرتے ہو گے۔ لیکن اس کا نتیجہ تمہارے لئے حقیقتاً بہتر ہوگا۔ اور ایسا بھی ہوگا کہ تمہیں ایک بات بہت محبوب ہو لیکن اس کا نتیجہ تمہارے لئے بہت بھیا نک نکلے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اللہ ہر چیز کا حقیقی علم رکھتا ہے اور تم اُس کے علم سے بے علم ہو۔

(25/5)۔ مدینہ سے نکلنے اور بدر تک پہنچنے کا قریشی نظارہ

جس سورہ پر آپ نے علامہ مودودی کا تھکا دینے والا تبصرہ پڑھا تھا، اب آپ اس سورہ کی قرآنی عبارت پر نظر ڈالیں تو آپ کو وہ بحث ملے گی جس میں پہلے یہ پوچھا جا رہا ہے کہ میدان جنگ میں لوٹ مار جائز ہے یا نہیں۔ اور وہ مال جو دشمن سے میدان جنگ میں

حاصل ہو، اُس میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا ہے کہ نہیں۔ اس بحث کو اللہ تعالیٰ نے نہایت ترکیب سے کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھا اور یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ حقیقی مومن بننے کی کوشش کرو تو تمہیں سب کچھ ہی مل جائے گا۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے رسولؐ سے خطاب میں فرمایا کہ؛

كَمَا آخَرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَرِهُونَ ۝ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝ وَإِذْ بَعَدَكُمْ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنهَآ لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحَقِّقَ الْحَقَّ بِكَلِمَتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُحَقِّقَ الْحَقَّ وَيُطْلِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (الانفال 8/5-10)

جب آپؐ کے پروردگار نے آپؐ کو اس لئے آپؐ کے گھر سے نکالا کہ آپؐ حق کی مستحکم بنیاد قائم کر دیں تو مومنین میں سے ایک گروہ کو بہت ہی ناگوار گزرا اور انہوں نے تمہارے ساتھ اس لئے جھگڑا شروع کر دیا کہ آپؐ کیوں قریش پر حق نافذ کرنے جا رہے ہیں؟ حالانکہ اُن کو اُس کی بڑی واضح ضرورت بتائی جا چکی تھی۔ اُن جھگڑا کرنے والے مومنین کا اُس وقت یہ حال تھا کہ گویا تم انہیں گھیر کر موت کے منہ میں ہانک رہے ہو۔ اور وہ سامنے کھڑی ہوئی موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ یہ خوف و دہشت و بدحواسی اُس حالت میں بھی سوار تھی جب کہ اللہ یہ وعدہ کر چکا تھا کہ قریش کے دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ کو تمہارے قابو میں دے دیا جائے گا۔ مگر تم اپنی بزدلی اور لالچ کی بنا پر یہ چاہتے تھے کہ تم کو مال سے لدا ہوا غیر محفوظ اور کمزور قافلہ ہاتھ لگ جائے۔ اور تم اُسے آسانی سے لوٹ لو اور اُدھر قریش مدینہ کو لوٹ کر عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کر کے تمہیں آگھیرتے اور تم سفید جھنڈی دکھا کر محفوظ ہو جاتے اور رسولؐ مع حقیقی مومنین کے میدان میں ڈھیر کر دئے جائیں اور یوں تم مشرکین مکہ کا حق نمک اور قومی حصہ ادا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ اور حق مٹ جائے۔ لیکن اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ تمہاری قریشی اسکیم کو ناکام کر کے حق کو مستحکم طور پر قائم کر دے اور باطل کو قطعی طور پر واضح کر کے منکرین حق کی جڑیں کھود کر نکال دے تاکہ حق و باطل الگ الگ اپنی حقیقی صورت میں سامنے آجائیں۔ حالانکہ تم اور تمہارے مرکز کے جرائم پیشہ لوگوں پر ہماری یہ اسکیم کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرے۔ اور اے حقیقی مومنین جب تم اللہ سے مدد کی دعا کر رہے تھے تو ہم نے رسولؐ کو جواباً بتا دیا تھا کہ پے درپے تمہاری مدد کے لئے ایک ہزار فرشتے بھیجنے کا پروگرام بنا ہوا ہے۔ یہ خبر ہم نے اس غرض سے دے دی تھی کہ تمہارے قلب مضبوط اور خوش و مطمئن ہو جائیں۔ اور وہ لرزاں و ترساں قریشی مسلمان ڈر ڈر کر اپنا خون خشک کرتے رہیں۔ یوں تو ہر مدد و نصرت اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ خواہ پہلے سے خوشخبری دی جائے یا نہ دی جائے۔ (الانفال 8/5-10)۔ اور پھر وہ بات بھی تو نوٹ کرنے کی ہے کہ:-

”تمہیں اس قدر اطمینان اور بے فکری حاصل ہو گئی کہ میدان جنگ اور سامنے خوفناک دشمن کی کثرت اور تمہیں بستر راحت کی طرح غنودگی آنے لگی تھی۔ پھر اللہ نے آسمان سے دھڑا دھڑا پانی برسانا شروع کیا کہ تم غسل کر لو، پاک صاف ہو جاؤ اور پینے کے لئے پانی کا ذخیرہ جمع کر لو۔ اور شیطان کی طرف سے کوئی جنگی کمزوری تمہارے لئے بہانہ نہ بن سکے۔ اور ریت پانی سے جم جائے تاکہ تم بوقت جنگ قدم جما کر مقابلہ کرو اور دل جمعی سے فتح حاصل کرو۔ اُدھر قریش کی طرف پھسلن ہو جائے اور اُن پر یہ بارش مصیبت بن جائے۔

ساتھ ہی ہم نے فرشتوں کو وحی کردی کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ چلو مومنین کے قلوب میں اعتماد و قوت پیدا کرو اور کافروں کو خوب مرعوب اور خوفزدہ کر دو۔ اُن کی گردنوں اور جوڑ بند پر خوب ضربیں لگاؤ۔ تاکہ اُن کو رسول اللہ کو مشقت میں ڈالنے اور مومنین کی جماعت میں ابتری پھیلانے کی خاطر خواہ سزا ملے۔“ (انفال 13-8/11)

(25/6)۔ جنگ بدر میں قریشی مسلمانوں سے متعلق آیات پر ایک نظر

قارئین کرام یہاں رک کر یہ غور فرمائیں کہ قرآن کریم نے کس تفصیل اور واضح طریقہ پر جنگ بدر کا ریکارڈ ہم تک پہنچایا ہے۔ اگر ہمیں اختصار کا خیال دامنگیر نہ ہوتا تو آپ دیکھتے کہ سیککڑوں صفحات خالص قرآن کے ریکارڈ سے لبریز ہو جاتے۔ لہذا دامن ہمارا تنگ ہے قرآن کے یہاں کمی نہیں ہے۔ دوسری چیز یہ سوچنے کی ہے کہ مذکورہ آیات منافقین کا ذکر نہیں کر رہی ہیں نہ کہیں اب تک لفظ منافق آیا ہے۔ قرآن کھول کر مومنین کی دو قسمیں اور ان دونوں اقسام کے تصورات و عقائد و اقوال پیش کر رہا ہے۔ منافقین تو مومن ہوتے ہی نہیں ہیں۔ اُن کو مومن کہا ہی نہیں جاسکتا۔ خصوصاً اللہ تو اُن کو مومن کہہ ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ وہ دلوں کا حال جانتا ہے۔ البتہ مسلمان غلطی سے روزہ نماز کی بنا پر منافقین کو مومنین کہہ اور سمجھ سکتے ہیں۔ مگر یہاں تو اللہ اور قرآن کی بات ہو رہی ہے۔ یقیناً مسلمانوں میں ایک گروہ بلکہ کثرت ہمیشہ سے ہے جو یہ تو مانتا ہے کہ مسلمانوں میں منافق بھی شامل تھے مگر وہ اس بات کو ہمیشہ سے چھپاتا اور اس بات کا انکار کرتا آیا ہے کہ مسلمانوں کی دو قسمیں تھیں۔ یہ اس لئے کہ وہ گروہ اُس دوسری قسم کے مسلمانوں میں سے اور انہی کا جانشین ہوا ہے اور ہرگز نہیں چاہتا کہ عوام کو اُس کا پتہ چلنے پائے مگر اس کو کیا کریں کہ قرآن کریم کافروں کا تذکرہ کافر کہہ کر کرتا ہے، منافقوں کو بلا تکلف وہ منافق کہتا ہے، مومنین کی دو الگ الگ قسمیں بیان کرتا ہے۔ ایک وہ قسم جو جان نثار ہے، بلا چوں و چرا اطاعت شعار ہے۔ دوسری قسم کے مومنین رسول سے دو بدو و بحث و مجادلہ کرتے ہیں، مشورہ دے کر رسول کی اصلاح کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ رسول کی ذاتی رائے ہی میں نہیں بلکہ وحی کے سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کے حکم میں بھی غلطی کا امکان مانتے ہیں۔ انہیں بشری جذبات و احساسات کی ترازو میں تولتے ہیں۔ اُن کی غلطیاں گن کر بتاتے ہیں۔ اور آج تک علامہ مودودی اور اُن کے ہم مذہبوں کا تحریری عقیدہ یہی ہے۔ قارئین اپنے علما سے بات کر کے ہمیں اُن علما کا نام بتائیں جو رسول اللہ سے اجتہادی غلطی کے قائل نہ ہوں، جو اُن کی ہر بات کو حق مانتے ہوں، جو اُن سے ہر غلطی اور لغزش کی نفی کرتے ہوں۔ ایسے عقیدہ کے لوگوں کو ہم پہلی قسم میں داخل کر کے حقیقی مومنین کہتے ہیں اور باقی کو قریشی مومنین یا مجتہدین یا قطانی مومنین کہتے ہیں۔ یہی وہ جماعت مومنین ہے جن سے منافقین و مشرکین اور یہود و نصاریٰ اور کفار و راطر رکھتے ہیں۔ یہی وہ جماعت ہے جس کے لئے اللہ نے بتایا ہے کہ اُن کے دلوں میں ایمان بیماری کے ساتھ رہتا ہے۔ انہی کا پتہ یہ کہہ کر بتایا کہ انہوں نے غیر مسلم محاذ سے اطاعت کا معاہدہ کر رکھا ہے۔ یہ بھی کہ اُن کے خفیہ منصوبوں سے اللہ واقف ہے۔ اور یہ بھی واضح الفاظ میں بتا دیا کہ وہ رسول اللہ کی جانشینی کی تاک میں ہیں۔ اور ولایت (..... فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ..... سورہ محمد 47/22) حاصل کرتے ہی دنیا کو فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنا ڈالنے والے ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ بتائیے اس سے زیادہ وضاحت اور کیا درکار ہے۔ اُن مومنین اور ان کے مکتب فکر و مذہب کی اور کون سی شناخت اور کن الفاظ میں پیش کی جائے۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مومنین خود جاسوسی کر رہے ہیں۔ یہی

قریشی مسلمانوں کا وہ داخلی محاذ ہے جو مشرکین کا مدد و دغا رہے۔ اُن ہی سے یہ اپیل کی گئی کہ تم تو خود جانتے ہو کہ جس مکہ کو تم چھوڑ کر آئے ہو، تمہیں معلوم ہے کہ مکہ میں نظر بند مسلمانوں پر کیسے کیسے مظالم ہو رہے ہیں۔ تم وہی مومنین تو ہو جو برابر تقاضہ کیا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ ہمیں مشرکین سے جنگ کرنے کی اجازت دے دیتا۔ تو ہم دل کھول کر مظلوموں کی مدد کرتے؛

وَمَا لَكُمْ؟ لَا تَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كُتِبَ عَلَيْنَا الْقِتَالُ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ ... (النساء 77-75/4)

مگر اب تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب اللہ نے تمہیں مشرکین مکہ سے جنگ کی اجازت بھی دے دی اور تاکیدی حکم بھی دے دیا تو تم ٹال مٹول کر رہے ہو؟ تمہاری غپ شپ اور دکھاوے کا ایمانی جوش کہاں گیا؟ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ مکہ میں بے بس و بے کس مومن مرد اور عورتیں اور بچے دن رات اللہ سے فریاد کر رہے ہیں کہ یا اللہ شہر مکہ کے باشندوں نے مظالم کی انتہا کر دی ہے۔ تو ہمیں مظالم سے بچانے اور یہاں سے محفوظ نکال لے جانے کے لئے اپنی جانب سے ایک حاکم (ولی) تعینات کر دے اور اُس حاکم کو اپنی جانب سے ہمارا ناصر و مددگار بنا دے تاکہ وہ مومنین کی مستقل نصرت اور حفاظت کرتا رہے۔ یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ مومنین اللہ کی راہ میں جنگ کیا کرتے ہیں اور کافر طاغوت (جمہوری نظام حکومت) کے مقاصد کے لئے لڑا کرتے ہیں۔ چنانچہ تم لوگ شیطانی حکمرانوں سے جنگ کرو۔ اور اے نبیؐ تم نے دیکھ لیا اُن لوگوں کو جن سے جب یہ کہا گیا کہ جنگ سے ہاتھ روکے رہو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو تو اُس وقت جنگ کرنا چاہتے تھے اور جب جنگ کرنا واجب کر دیا گیا تو مومنین کا ایک گروہ مشرکین کے ادب و لحاظ سے اس قدر خوفزدہ ہے جیسا خدا سے ہونا چاہئے۔ بلکہ یہ گروہ اللہ سے زیادہ کفار کا خوف اور ادب کرتا ہے۔ اور اُسی فریق نے یہ کہا ہے کہ اے پروردگار تو نے ہمارے اوپر مشرکوں سے جنگ کیوں واجب کر دی اور کیوں ہمارے لئے اس جنگ و جدل کو مناسب وقت تک ملتوی نہ کر دیا؟

(25/7)۔ مکہ سے آنے والے مہاجر مسلمانوں کا مخصوص گروہ

سورہ نساء کی مندرجہ بالا آیات نہایت واضح الفاظ میں اُس گروہ کو باقی مہاجرین سے الگ کر کے مُشْتَصِف کر دیتی ہیں جو پیش گوئی کے مطابق رسول اللہ کے بعد حکومت پر قبضہ کرنے کیلئے سایہ کی طرح تعاقب کر رہا تھا۔ جس نے اسلام کی ظاہری زندگی، روزہ، نماز، کلمہ اور سلام و دعا سلسلے اختیار کی تھی کہ صحابہ رسولؐ میں داخلہ مل جائے اور قریب رہ کر قرآنی حکومت الہیہ کی جگہ جمہوری تصور حکومت اور دین میں آزادی رائے کا خاموش پرچار کیا جائے۔ اسی بنا پر وہ گروہ حکم جہاد پر اللہ کو مشورہ دے رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ قرآن کے احکام کو قومی اور ملکی مصلحتوں کو ملحوظ رکھ کر نازل ہونا چاہئے۔ صرف اللہ و رسولؐ کی ذاتی بصیرت پر عمل کرنا اور ماہرین قوم اور دانشوران ملت کی صوابدید کو نظر انداز کر دینا ہرگز مفید نہیں ہو سکتا۔ قومی و ملکی حالات طبقات انسانی کی مختلف ضروریات اور انسانی احساسات و جذبات، ماہرین نفسیات اور

سیاسیات ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ اُنکے تجربات کو پس پشت ڈال کر محض آمرانہ احکام پر اصرار کرنا عقل اور انسانوں کی اجتماعی بصیرت کے خلاف ہے۔ چنانچہ وہ گروہ لوگوں کو چپکے چپکے یہ بتاتا جاتا تھا کہ خدا تو ہرگز ہمارے ان اصول کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ یہ ناتجربہ کارانہ احکام (معاذ اللہ) محمدؐ اپنی محدود عقل سے دیتے ہیں اور قوم کی اجتماعی عقل و بصیرت کو بالائے طاق رکھ کر قومی نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ چنانچہ قرآن اگلی آیت میں انکا یہ تصویروں پیش کرتا ہے کہ:-

وَإِنْ تُصِيبُهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ.. (نساء 4/78)

”جب مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو مسلمانوں کا یہ گروہ کہتا ہے کہ یہ فائدہ اللہ کی طرف سے پہنچا ہے۔ اور جب کوئی نقصان ہو جاتا ہے تو یہ مومن گروہ کہتا ہے کہ یہ رسولؐ کی کوتاہ اندیشی سے ہوا ہے۔“

چونکہ اس گروہ کے مشوروں میں ہر آدمی کو رسولؐ پر نکتہ چینی کا حق ملتا تھا اور اپنی اپنی ذاتی مصلحتوں اور نفع و نقصان کو ملحوظ رکھنا ہر شخص کے مفاد میں تھا۔ ہر شخص اپنے عذرات کو قبول کرانا چاہتا تھا۔ لہذا مسلمانوں کے اس جمہوری گروہ کو کثرت کی تائید حاصل ہونا قابل تعجب نہیں ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ دنیا کا ہر کام اُس کی رائے اور منشا کے ماتحت کیا جائے۔ اور جو بات اُس کی مرضی اور مصلحت کے خلاف ہو ہرگز نہ کی جائے۔ یہ صورت حال تھی جو قریشی مدبرین نے مسلمانوں کے سامنے رکھی اور بتایا کہ کسی ایک شخص کا آمرانہ فیصلہ اور ذاتی حکم ناقابل قبول اور مُضِر ہے۔ خواہ وہ شخص رسولؐ ہی کیوں نہ ہو۔ حاکم صرف اللہ ہے۔ اُس کا حکم مفاد عامہ اور مصلحتِ نوع انسان کے خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ لہذا رسولؐ کے ہر فیصلے اور تشریحی حکم کو اجتماعی عقل و مصلحت کے ماتحت رہنا چاہئے۔ لہذا جہاد کا مندرجہ بالا حکم اُن کی رائے میں فی الحال ملتی رکھنا ہی مفید تھا۔ مگر رسولؐ اللہ اور حقیقی مومنین نے اُن کے عذرات اور مصلحتوں کو دین و ایمان کے خلاف سمجھا۔ اور اُن خطرات کو نظر انداز کر دیا جن سے مدبرین و مفکرین قریشی لرزہ بر اندام تھے۔

(25/8)۔ مسلمانوں کا یہ قریشی گروہ خوفزدہ اور لرزہ بر اندام کیوں ہے

یہاں قارئین یہ سوال کر سکتے ہیں کہ جن مسلمانوں کا تذکرہ مندرجہ بالا آیات (نساء 4/75-77) میں ہوا ہے۔ اُن کو مکہ سے آنے والے مہاجرین کیوں اور کیسے سمجھا جائے؟ کیوں اُس گروہ سے مدینہ کے انصاری مسلمانوں کو الگ خیال کیا جائے؟ ممکن ہے کہ اُس گروہ میں کچھ مکی مہاجرین ہوں اور کچھ مدینہ کے مسلمان انصار ہوں؟ اس سوال کا جواب پہلے علامہ مودودی سے سُن لیں۔ پھر ہم قرآن کے الفاظ سے ثبوت دیں گے۔

(الف)۔ علامہ مودودی آیت (نساء 4/77) کا مفہوم بتاتے ہیں

”اس آیت (4/77) کے تین مفہوم ہیں اور تینوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔“

”ایک مفہوم یہ ہے کہ پہلے یہ لوگ خود جنگ کے لئے بے تاب تھے۔ بار بار کہتے تھے کہ صاحب ہم پر ظلم کیا جا رہا ہے، ہمیں ستایا جاتا ہے، مارا جاتا ہے، گالیاں دی جاتی ہیں، آخر ہم کب تک صبر کریں، ہمیں مقابلہ کی اجازت دی جائے۔ اُس وقت ان سے کہا جاتا تھا کہ صبر کرو اور نماز و زکوٰۃ سے ابھی اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہو، تو یہ صبر و برداشت کا حکم اُن پر شاق گزرتا تھا۔ مگر اب جو

لڑائی کا حکم دے دیا گیا تو اُن ہی تقاضہ کرنے والوں میں سے ایک گروہ دشمنوں کا ہجوم اور جنگ کے خطرات دیکھ دیکھ کر سہا جا رہا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 374-373 حاشیہ نمبر 107)

قارئین یہ تو جانتے ہیں کہ مدینہ کے باشندوں پر مشرک مظالم کبھی نہیں ہوئے۔ یہ تو مکہ میں ایمان لانے والے لوگوں کا حال تھا کہ مشرکین قریش اُن کو ستاتے تھے۔ لہذا وہ جنگ کا تقاضہ کرنے والا گروہ یقیناً مہاجر مسلمانوں کا گروہ تھا۔ اُن میں ہرگز کوئی بھی مدینہ کا مسلمان شامل نہ تھا۔ مولانا کا دوسرا تیسرا مفہوم بھی پڑھ لیں۔ تاکہ اُس قریشی مسلمانوں کے گروہ پر ذرا زیادہ روشنی پڑ جائے لکھتے ہیں کہ:-

”دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تک معاملہ نماز اور زکوٰۃ اور ایسے ہی بے خطر کاموں کا تھا اور جانیں لڑانے کا کوئی سوال درمیان میں نہ آیا

تھا یہ لوگ پکے دیندار تھے۔ مگر اب جو حق کی خاطر جان جو کھوں کا کام شروع ہوا۔ تو اُن پر لرزہ طاری ہونے لگا۔“ (ایضاً)

یہاں قارئین یہ نوٹ کریں کہ آئندہ چل کر جو لوگ حاکم ہوئے وہ مذکورہ گروہ کے بھی حاکم و سرگروہ تھے۔ اور آنحضرت کے دور حیات میں اُن لوگوں کو کسی جنگ یا جہاد میں لڑتے ہوئے نہیں پایا گیا۔ نہ انہیں اُس دوران تلوار کا زخم لگانہ انہوں نے کسی کو زخمی کیا۔ اُنکے ہاتھ سے تمام قریش محفوظ رہے اور اسی بنا پر تمام قریش نے اُن سے اور اُنکی حکومتوں سے بھرپور تعاون کیا اور یہی وہ حضرات تھے جنہوں نے اسلام کی حکومت سے قریش کے سوا تمام اُن قبائل کو محروم کرنے کا قانون (الائمة من القریش - حاکم قریش ہی سے ہوں گے) بنایا۔ جنہوں نے کفار قریش کے خلاف تلوار اٹھائی تھی۔ خصوصاً قبیلۃ انصار اور اہل بیت کو حکومت سے محروم کیا۔ اور اُن سے قیامت تک کفار مکہ کا انتقام لینا طے کیا اور انتقام لیا۔ خاندان رسول کے ساتھ کیا ہوا؟ اس کا جواب اسی کتاب میں سامنے آنے والا ہے۔ اور سنیں کہ علامہ قریش اور قریشی قسم کے مسلمانوں کی عادات اور ذہنیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ ذہنیت رسول اللہ کے انتقال کے بعد دوبارہ کھل کر سامنے آئی جس سے تاریخ کے صفحات رنگین ہیں ملاحظہ ہو:-

”تیسرا مفہوم یہ ہے کہ پہلے تو ٹوٹ کھسوٹ اور نفسانی لڑائیوں کے لئے اُن کی تلوار ہر وقت نیام سے نکل پڑتی تھی اور رات دن کا مشغلہ ہی جنگ و پیکار تھا۔ اُس وقت انہیں خونریزی سے ہاتھ روکنے اور نماز و زکوٰۃ سے نفس کی اصلاح کرنے کیلئے کہا گیا تھا۔ اب جو خدا کیلئے تلوار اٹھانے کا حکم دیا گیا تو وہ لوگ جو نفس کی خاطر لڑنے میں شیردل تھے، خدا کی خاطر لڑنے میں بزدل بن جاتے ہیں۔ وہ دست شمشیر زن اور شیطان کی راہ میں بڑی تیزی دکھاتا تھا اب خدا کی راہ میں شل ہوا جاتا ہے۔“ (ایضاً صفحہ 375-374)

(ب)۔ قرآن کریم کا ایک لفظ اُس گروہ کا تعین کر دیتا ہے

قارئین کرام نے شاید ہماری وہ تصنیفات نہ دیکھی ہوں جن میں ہم نے فحطانی مسلمانوں اور قریشی حکمرانوں کی قرآنی تحریف پر گفتگو کی ہے۔ اس لئے یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ نزول قرآن کے دوران ہی جمہوری مسلمانوں نے قرآن کریم کے الفاظ کی معنوی ادل بدل یعنی تحریف شروع کر دی تھی۔ یعنی ہر لفظ کے مصدری معنی چھوڑ کر ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی میں اور کئی کئی مختلف المصادر الفاظ کو ایک ہی معنی میں استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ تاکہ قرآن کا ہر لفظ مشکوک اور بے معنی ہو کر رہ جائے اور جس کا جو دل چاہے وہ معنی کر کے آیات قرآن کو اپنے مصالح کے مطابق ڈھال سکے۔ قرآن کریم نے قریشی مسلمانوں کے اس کاروبار کو خود قرآن میں قلم بند کر دیا ہے۔

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 478-477 اور آیات بقرہ 2/75، نساء 4/46، مائدہ 5/41)۔ اور اُس زمانے سے آج تک مسلمانوں کا ہر مترجم اور ہر مفسر برابر تحریف کے اس اصول پر کاربند رہتا چلا گیا ہے۔

چنانچہ آیت (نساء 4/77) میں لفظ خشية تو دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ اور تمام مترجمین بلا تکلف لفظ خشية کے معنی ڈرنا، خوفزدہ ہونا یا خوف اور ڈر کر لیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح لفظ رَهْبَةً کے معنی وہی کر لئے جو خشية کے معنی تھے یعنی ڈر۔ خوف (حشر 59/13)۔ حذر الموت کے معنی بھی موت کے ڈر سے کر لئے گئے۔ (بقرہ 2/243 تفہیم جلد اول صفحہ 184) اور پھر وَاتَّقُوا اللَّهَ کے معنی اللہ سے ڈر کر لئے۔ (بقرہ 2/231)

(1) اَشَدَّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ۔ اللہ سے بڑھ کر تہرا خوف ہے۔ (تفہیم صفحہ 406 جلد 5۔ حشر 59/13)

(2) يَحْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً۔ لوگوں سے ایسا ڈر ہے ہیں جیسا خدا سے ڈرنا چاہئے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔ (تفہیم القرآن۔ جلد اول صفحہ 373۔ نساء 4/77)۔ اسی طرح خِيفَةً اور لا تخف کے معنی بھی علامہ نے خوف محسوس کرنا اور ”ڈر نہیں“ کئے ہیں۔ (سورہ ہود 11/70، تفہیم القرآن۔ جلد 2، صفحہ 353)

ان پانچوں الفاظ (خشية۔ رَهْبَةً۔ حذر۔ واتقوا۔ خيفة) کے معنی ایک ہی کر لئے گئے۔ حالانکہ یہ معنی خيفة یا خوف کے ہیں۔ اور خوف اردو میں استعمال بھی ہوتا ہے۔ باقی چاروں الفاظ کے معنی اور مصادر الگ الگ ہیں۔ خشية کے معنی ایسا خوف ہے جو اپنے بزرگ، سرپرست یا محسن سے ایسی حالت میں ہو جبکہ ہمیں اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کا احساس ہو۔ یہ معنی سمجھ لینے کے بعد اب آیت (نساء 4/77) پر غور فرمائیں۔ اللہ نے ارشاد کیا ہے کہ مسلمانوں کا مذکورہ بالا گروہ انسانوں کی عائد کردہ ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی پر اس قدر خوفزدہ ہے جیسا کہ اللہ کے سامنے خشية ہونا چاہئے۔ بلکہ اُس سے بھی کہیں بڑھ کر وہ مسلمان گروہ احساس کوتاہی میں خوفزدہ ہے۔ یہاں ظاہر ہے کہ انسانوں سے مراد مکہ کے کفار قریش ہیں۔ جن سے یہ گروہ اللہ سے بھی زیادہ ڈرتا ہے۔ یہاں بلا کسی الجھن کے آپ دو باتیں سمجھ لیں۔ اول یہ کہ مسلمانوں کا وہ گروہ قریشی گروہ ہے۔ دوم یہ کہ کفار قریش نے اُن مسلمانوں کو کوئی ذمہ داری سونپ رکھی ہے۔ جس کو پورا کرنے میں اُن سے قصور اور کوتاہی ہوئی ہے۔ اور ہم قرآن کریم سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ سب مسلمان جو اس گروہ میں شامل ہیں کفار مکہ کے جاسوس ہیں، یہ سب وظیفہ خوار لوگ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر مکہ میں رہتے ہوئے بھی کفار قریش نے دست درازی یا زبانی درازی نہیں کی۔ بلکہ کفار اُن سے سرپرستانہ سلوک کرتے تھے۔ رسول اللہ اور اُن کا خاندان شعب ابوطالب میں تین سال مقید رہے مگر یہ حضرات چین سے اپنے گھروں میں رہتے رہے۔ اُن سے کفار قریش نے ہر قسم کا تعاون کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ گروہ مشرکین قریش کی رضامندی سے اور اُن کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے مسلمان ہوا تھا۔ اُنہیں اب خوف اس بات کا تھا کہ کہیں قریش پر دلوں میں پوشیدہ یہ راز ظاہر نہ ہو جائے کہ جن قریشیوں کو انہوں نے رسول اللہ کو ناکام کرنے کیلئے تعینات کیا تھا وہ لوگ تو رسول اللہ کی جانشینی کی فکر میں غلطاں ہیں۔ اور شرم و حیا اور لحاظ اس بات کا تھا کہ قریش کا وظیفہ اور تعاون اور ہمہ قسمی مدد برابر لیتے رہے اور اُس کے باوجود اُن کا کام انجام نہ دے سکے۔ نہ رسول کو قتل کیا نہ کوئی اور اہم خدمت انجام دی۔ اس کے برعکس خود حکومت حاصل

کرنے کی فکر میں نہایت دبا کر ذلیل و خوار زندگی گزار رہے ہیں اور ہرگز نہیں چاہتے کہ اب مشرکین مکہ مسلمانوں کو ختم کر کے اُس حکومت سے محروم کر دیں جس کی آس لگائے ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی نہیں چاہتے کہ کفار مکہ کو ناراض کر دیں۔ یا دلی خواہش سے اُن کے خلاف تلوار اٹھائیں۔ یہ تھا وہ خوف جو قریشی مسلمانوں کے دلوں کو پگھلائے دے رہا تھا۔ بس اُن کے پاس ایک ہی صحیح عذر تھا اور وہ یہ کہ ہم آہستہ آہستہ اسلامی تعلیم کو اس طرح تبدیل کر رہے ہیں کہ رسولؐ کے بعد قریش کی تہذیب اور کفار مکہ کا مذہب از سر نو جاری ہو جائے۔ اور حکومت الہیہ کی جگہ عربوں کی پسندیدہ حکومت قائم ہو جائے اور یہ مقصد رسولؐ کو قتل کرنے سے کہیں زیادہ مقدس ہے لیکن شاید کفار مکہ یہ عذر قبول نہ کریں، بہر حال عذر یہی تھا۔ یہ تھی وہ پوری اسکیم جس کو خطرہ میں دیکھ کر اور جسے محفوظ رکھنے کے لئے قریش کے مسلمانوں کے اُس گروہ کا قلبی نقشہ قرآن کریم نے ایک جملہ میں ایک لفظ خشیۃ سے کھینچ کر رکھ دیا۔ اور بتا دیا کہ مسلمانوں کا یہ گروہ اپنے خداوندانِ نعمت کفار مکہ کے سامنے ایسا مودب، ایسا عاجز اور قاصر و خوفزدہ تھا کہ خشیۃ اللہ سے بھی بڑھ گیا تھا۔ لہذا قارئین کرام یہاں ہمیشہ کے لئے نوٹ کر لیں کہ ہر وہ شخص قریش کے اُس مسلمان گروہ کا فرد ہوگا؛

- (i) جو میدان جنگ سے بھاگ جائے؛
- (ii) جو کسی دعوت پر تلوار لے کر کفار کے مقابلے کے لئے نہ نکلے؛
- (iii) جو جنگوں میں رسولؐ کے ساتھ شامل تو رہے مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ نہ خود زخمی ہو نہ کسی دشمن کو زخمی کرے؛
- (iv) جو ہر خطرناک مواقع پر خوف و بزدلی کا ایسا اظہار کرے کہ دیکھنے والے بھی ڈر جائیں؛
- (v) جو رسولؐ اللہ کی رسالت یا اُن کے احکام کو صحیح نہ سمجھے یا اُس پر شک کرے؛
- (vi) جو رسولؐ اللہ سے غلطی کا قائل ہو اور انہیں اس لئے مشورہ دے کہ وہ غلطی سے باز رہیں؛
- (vii) جو صرف قرآن کو کافی سمجھے اور رسولؐ اللہ کی توضیحات اس لئے قبول نہ کرے کہ قرآن کافی ہے۔ مگر؛
- (viii) کبھی فیصلہ کرتے ہوئے نہ قرآن کی آیت سے تعلق رکھے نہ قولِ رسولؐ اور عملِ رسولؐ کو سامنے لائے۔ بلکہ اپنی رائے یا جہلا کے مشوروں سے حکم جاری کرے؛
- (ix) جو کبھی قرآن پڑھتا ہو یا تفسیر قرآن بیان کرتا ہو نہ دیکھا گیا ہو؛
- (x) جس نے اسلام میں جبر و ظلم و قتل و غارت اور لوٹ مار کو اپنی ذاتی یا جماعتی رائے سے اسلام کے نام پر جاری کیا ہو؛
- (xi) جس نے کبھی توحید و رسالت اور علمی عنوانات پر کوئی بیان نہ دیا ہو؛
- (xii) جس نے سرمایہ داری اور طبقہ واریت پیدا کی ہو؛
- (xiii) جو خود اقرار کرے کہ وہ منافق ہے؛
- (xiv) جو خدا اور رسولؐ اور قرآن کے حلال کو حرام کرے یا اللہ و رسولؐ اور قرآن کے کسی حکم کو معطل کر دے؛ یہ تمام لوگ وہی مسلمان ہوں گے جو رسولؐ کو خاطمی سمجھتے ہیں اور اسلامی حکومت پر کثرت رائے کے ذریعہ قبضہ کرنے کی مہم چلاتے آرہے ہیں۔

(25الف-1)۔ جنگ بدر میں گزرنے والے حالات

غزوہ بدر کے متعلق آپ نے قرآن کریم اور علامہ مودودی کے بیانات سے قریشی مشرکین اور اُن کے طرفدار مسلمانوں کے حالات دیکھ لئے۔ اب مختصر اُردو زبان جنگ اور جنگ سے فراغت کے بعد کے حالات پر نظر ڈالیں۔ تاریخ طبری کی رو سے جنگ بدر میں جن مسلمانوں نے حصہ لیا، اُن میں سے کل چودہ (14) مسلمان شہید ہوئے تھے۔ اور کفار کے مرنے والے کل ستر (70) تھے۔ شہداء میں صرف چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔ جنگ بدر ہی میں نہیں بلکہ ہر جنگ میں جن لوگوں نے بے دریغ قربانیاں دیں۔ اور جنہوں نے کفر کو شکست دی وہ رسول اللہ کا اپنا خانوادہ یعنی اوس و خزرج کا نبطی قبیلہ تھا۔ مکہ سے آنے والے مسلمانوں میں محض چند مخلصین تھے یا خود خاندان رسول کے چند بزرگ حضرات تھے۔ اُنکے علاوہ مہاجرین کی کثرت مشرکانہ و مذکورہ اقتدار کی اسکیم ذہن میں رکھتی تھی۔ اُن سے نہ کسی فداکاری کی اُمید تھی، نہ ہی اُنہوں نے کوئی قابل قدر خدمت انجام دی۔ وہ ہر جگہ قریش کی طرفداری اور اُنکے مقاصد کے حصول میں سرگرم ملیں گے۔ اس کا ثبوت خود اُن سرپرست کی زبانی ملاحظہ ہو جو مدینہ پر دوسرا حملہ کرنے کے وقت قریش مکہ اور اُنکے لشکر میں جوش پیدا کرنے کیلئے یہ بتاتا ہے کہ مدینہ پر حملوں کا سبب اور مقصد محض اوس و خزرج کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا ہے۔ طبری کی زبانی وہ اشعار سنئے جو ابوسفیان نے کہے اور لشکر قریش کو سنائے؛ ”جب ابوسفیان مکہ سے مدینہ پر چڑھائی کر رہا تھا اس نے یہ چند اشعار قریش کو جنگ پر براہِ بیعت کرنے کیلئے کہے تھے۔“

کروا علی یثرب و جمعہم	یثرب اور وہاں کے تمام لوگوں پر پیش قدمی کرو، میں چاہتا ہوں کہ
فان ما جمعوا لکم نفل	جو کچھ انہوں نے جمع کر رکھا ہے وہ تمہیں بطور فاضل سرمایہ کے مل جائے۔
ان یک یوم القلب کان لہم	اگر بدر میں اہل یثرب کو کامیابی ہوئی تو
فان ما بعدہ ذول	اب آئندہ تم کو کامیابی حاصل ہو جائے گی۔
آلیت ان لا اقرب النساء ولا	میں نے قسم کھائی ہے کہ نہ میں عورتوں کے پاس جاؤں گا
یمس راسی و خددی الغسل	اور نہ اس وقت تک سر اور منہ دھوؤں گا نہ غسل کروں گا۔
حتی بتیر و قبائل الاوس و الخزرج	جب تک کہ تم اوس و خزرج کے قبائل کو ملیا میٹ نہ کر دو گے۔
ان الفواد مشتعل	اس لئے کہ میرا دل آتش انتقام سے شعلوں کی لپٹ میں جل رہا ہے۔

(تاریخ طبری جلد اول صفحہ 211)

یہ اشعار اور ان کے الفاظ کافی ہیں اس ثبوت کیلئے کہ کفار مکہ کو مہاجر قسم کے قریشی مسلمانوں سے کوئی دشمنی نہ تھی۔ اس لئے کہ اُن کی کثرت اُن ہی کے اشارے سے مسلمان لباس میں ملبوس ہوئی تھی۔ البتہ قریش کو رسول اور اُن کو پناہ دینے والے نبطی خانوادہ کو فدا کر ڈالنے کی تمنا تھی اور یہ کہ بدر کی جنگ میں اوس و خزرج ہی نے قریش مکہ کو شکست دی تھی۔ اُن ہی سے بدلہ لینا تھا۔ رہ گئی وہ کہانیاں جو سرکاری و وظیفہ خوار حضرات نے بعض مہاجرین کے لئے گھڑی ہیں، وہ محض بے سرو پا باتیں ہیں جن کو حالات سے واقف اہل عقل کسی طرح

نہیں مان سکتے۔ البتہ حقیقی مجاہدین کے کارناموں پر قرآن خود گواہ ہے۔ چنانچہ ابھی اُن حضرات کا تذکرہ ہونے والا ہے۔

(25 الف-2)۔ وہ حضرات جنہوں نے کفر کی کمر توڑ دی تھی

جنگ بدر کے آغاز میں تین منچلے قریش تیغ بکف آہنی لباس میں ملبوس نکلے اور اپنے مد مقابل انصاری یا بنی بھادروں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مدینہ کے لوگ ہمارے ہم پلہ نہیں ہیں۔ ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر لوگوں کو بھیجو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب عبیدہ بن الحارث بن مطلب، حمزہ بن عبدالمطلب اور علی بن ابی طالب کو نام بنام حکم دیا کہ جاؤ اور کفر و قریش کے ان نمائندوں سے جنگ کرو۔ یہ حضرات تلواریں سونت کر سامنے آئے اور اپنے حریف کا انتخاب کیا۔ جناب عبیدہ نے شیبہ بن ربیعہ کو، جناب حمزہ نے عتبہ بن ربیعہ کو، اور جناب علی نے ولید بن عتبہ کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ آنا فائز ولید بن عتبہ اس طرح زمین پر گرا کہ ایک بازو اور سر و گردن جھانک ہو گئے۔ اس کے فوراً بعد جناب علی حضرت حمزہ کی مدد کو پہنچے اور عتبہ کو واصل جہنم کیا۔ اور ادھر جناب عبیدہ اور شیبہ میں پیکار جاری تھی، اتفاق ایسا ہوا کہ دونوں کی تلواریں ایک ساتھ چلیں جس سے شیبہ کی کھوپڑی کی ہڈی ٹوٹی اور جناب عبیدہ کی پٹنڈی کی ہڈی کٹ گئی۔ اور دونوں زمین پر گر پڑے۔ حضرت علی نے تیزی سے پہنچ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور جناب عبیدہ کو میدان سے اٹھالائے۔ آپ کی پٹنڈی کی ہڈی کا گودا بہہ چکا تھا۔ موت کے آثار نمایاں تھے۔ آپ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا میں شہید ہوں گا؟ حضور نے فرمایا بے شک تم راہ خدا اور نصرت اسلام میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہو۔ یہ سن کر جناب عبیدہ علیہ السلام نے عرض کیا کہ کاش اس وقت جناب ابوطالب علیہ السلام ہوتے اور دیکھتے کہ اُن کے اس شعر کا پہلا مصداق میں ہوں۔

وَنَسَلَّمْهُ حَتَّىٰ نَصْرُهُ حَوْلَهُ وَنَذَلَّ عَنْ ابْنَانَا وَالْحَلَالِ

تا وقتیکہ ہم اُس (رسول) کی حمایت میں قتل نہ ہو جائیں اور اپنے اہل و عیال اور بیٹوں کو نظر انداز نہ کر دیں ہم کبھی

اُسے بے یار و مددگار نہ چھوڑیں گے۔“ (طبری جلد اول صفحہ 180)

آپ نے دیکھ لیا کہ اولاد عبدالمطلب چونکہ خدا کا عطیہ تھی اور خدا نے جناب عبدالمطلب اور محمد و آل محمد کی نصرت کے لئے مرحمت فرمائی تھی۔ اس لئے محمد کی ضرورت کے ہر لمحہ پر تیار رہنا اور بلا پس و پیش نصرت کرنا اپنی زندگی کا مقصد سمجھتی تھی۔ اور اسی یقین اور اطمینان پر آنحضرت انہیں ہر خطرے میں کود پڑنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ خانوادہ رسول نے اپنا شعار بنالیا تھا کہ جب بھی اسلام خطرے میں ہو، اُمت کے افراد کو محفوظ رکھ کر پہلے خود اپنی جان نثار کرنے میں سبقت کریں۔

(25 الف-3)۔ دست بدست جنگ اور قریش کو شکست

کفار کے اُن تینوں نمائندوں کے قتل پر پھر کسی سورا کو جرأت نہ ہوئی کہ جناب حمزہ و علی علیہما السلام کے مقابلے پر نکلے۔ چنانچہ کفار کے سوار و پیادہ سب طرف سے ٹوٹ پڑے۔ مسلمان بہادروں نے بھی دست بدست جنگ شروع کر دی۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے خوف و ہراس کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے وہ محض تماشائی کی حیثیت سے کہیں رسول اللہ کے ارد گرد دعا کے بہانے دست تاسف مل رہے ہوں

گئے۔ بہر حال حقیقی مسلمانوں نے اس بے جگری سے دفاعی حملہ کیا کہ کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور جو جم کر لڑے جہنم واصل کر دئے گئے۔ کفر کے مضبوط بازو جنگ بدر میں کٹ کر گر گئے۔ ابو جہل اور ستر (70) سردارانِ قریش قتل ہوئے۔ اور اُن میں سے چھتیس (36) بہادرانِ قریش صرف حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اور اس کا ظاہری سبب یہ ہے کہ قریش کے من چلے بہادر علیؑ کو گھیرنے اور آنحضرتؐ کے جانشین کو ختم کر دینے کیلئے اُن پر نرغہ کرتے اور قتل ہوتے جا رہے ہوں گے ورنہ بھگدڑ کے عالم میں ایک تلوار سے اس تعداد کا قتل کرنا ممکن نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ باقی تمام مسلمان مجاہدین کے ہاتھ سے صرف چونتیس (34) آدمی قتل ہو سکے۔ اگر میدان جنگ میں صرف اُس و خزعرجہ کے مجاہدین ہی موجود ہوں تب بھی اُنکی تعداد بقول طبری دوسواکتیس (231) تھی۔ (طبری جلد اول صفحہ 204)

بہر حال یہ سرکاری تاریخوں میں مان لیا گیا ہے کہ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام دو ڈھائی سوانصار کے مقابلے میں بھی بڑے ناصر تھے۔ لہذا یہ اُنہی کو زیب دیتا ہے کہ اللہ قرآن میں اُن حضرت کو اپنی طرف سے مقرر کردہ اور منتخب حاکم اور مسلمانوں کا ناصر قرار دے۔ جس کا ایک ہاتھ اور ایک تلوار اڑھائی سو موئن فداکاروں سے زیادہ مضبوط اور کامیاب ہو۔ (ملاحظہ ہو سورہ نساء کی آیات 77-74/4)

لہذا قارئین آئندہ آنے والے غزوات یا جنگوں میں حضرت علیؑ کی بے پناہ طاقت اور حیران کن شجاعت اور کارناموں کو محلِ تعجب نہ سمجھیں۔ علاوہ ازیں وہ خلیفہ خداوندی ہیں اور قرآن کی رو سے خلیفہ خداوندی کی تخلیق تسویہ اور تحفظ و تقویت کیلئے خدا کے دونوں ہاتھ مصروف رہتے ہیں۔ اور جس کے ساتھ خدا کی پوری طاقت اور قدرت ہو اُس کو کائنات کی ہر چیز پر قدرت تامہ حاصل ہونا ہی چاہئے۔ دوسو پچاس انسان ہی نہیں بلکہ تمام نوع انسان بھی اُس کے مقابلے میں ایک چیونٹی سے حقیر ہے۔

الغرض جناب عبیدہ بن الحارث بن مطلب بارگاہ خداوندی میں سرفراز ہوئے۔ کفار کے ستر (70) سرغنہ گرفتار کر لئے گئے اور باقی ماندہ فوج بدحواسی کے عالم میں ریگستان اور بیابانوں میں منتشر ہو کر، جان بچا کر بھاگ گئی، کفر کا سر جھک گیا، طاغوت کی کمر ٹوٹ گئی، مکہ کے ہر گھر میں کہرام برپا ہو گیا، قدرت خداوندی سے ہر دماغ خوفزدہ تھا۔ اسلام کی کامیابی اور قریش کی ناکامی سامنے کھڑی نظر آرہی تھی۔

(25 الف - 4)۔ اسلامی حکومت پر قبضہ اور کر بلا کے مظالم کا سبب اور پس منظر

جب آنحضرتؐ کی حکومت پر قبضہ ہو گیا تو اکثر یہ غدر کیا جاتا تھا کہ علیؑ کے ہاتھ سے قریش کا ہر خاندان مجروح ہوا، ہر گھر کے ایک دو بہادروں کو انہوں نے قتل کیا۔ لہذا قریش علیؑ کی حکومت تسلیم نہ کریں گے۔ اور کمال یہ ہے کہ جناب ابو بکر خلیفہ اول نے بھی اپنے حاکم یا خلیفہ بن جانے اور حضرت علیؑ کی نامزدگی کو نظر انداز کرنے کا سبب بھی یہی بتایا کہ میں نے اسلام کی خیر خواہی کیلئے اور مسلمانوں میں افتراق اور جنگ و جدل کو روکنے کے واسطے جلدی کی اور خلافت کو قبول کر لیا۔ ورنہ تمام قریش علیؑ کے خلاف کھڑے ہو جاتے۔ اسلئے کہ علیؑ کے ہاتھ سے کوئی خاندان ایسا نہ بچا تھا جس کے چند بہادر علیؑ نے قتل نہ کئے ہوں۔

قارئین کا مذہبی اور ایمانی فریضہ ہے کہ اگر یہ عذر ہر ہر حیثیت سے تاریخ و حدیث سے ثابت ہو جائے تو وہ یہ مان لیں کہ قریش مسلمان ہو جانے کے بعد بھی علیؑ و اولاد علیؑ کے معاملہ میں مسلمان نہ ہوئے تھے۔ نمازی اور تہجد گزار ہوتے ہوئے بھی قریش کو جنگ بدر و احد و خندق وغیرہ میں قتل ہو جانے والے کافروں کا صدمہ تھا۔ وہ اُن کا انتقام لینے کیلئے بے تاب تھے۔ اور اسی انتقام کے لئے انہوں نے

بدروغیرہ کے صدمات کوتازہ رکھا۔ ہر قریشی اور ہر بدوی عرب کے دل میں علیؑ کے خلاف انتقام کی آگ سلگائے رکھی اور طے کر لیا کہ رسول اللہ کا ہر وہ حکم نہ مانیں گے؛ قرآن کی ہر اُس آیت کے مفہوم کو تبدیل کر دیں گے جو علیؑ و اولاد علیؑ کے حق میں ہو۔ اور بار بار کی نامزدگیوں اور عملی نمونوں کے باوجود علیؑ کو خلافت سے محروم کر دیں گے۔ حکومت پر قبضہ کر کے اولاد علیؑ و طرفداران علیؑ کو دنیا سے ختم کر کے اُن کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا منصوبہ برسر کار لائیں گے۔ یہ بات سمجھ لینے کے بعد قارئین کرام کے لئے نہ صرف کر بلا اور اس کے بعد کے مظالم اور سفاکی کا پس منظر سمجھنا آسان ہو جاتا ہے؛ بلکہ مسلمانوں کی کثرت کے مرکزی مکتب فکر کے عقائد و اعمال و مسئلہ خلافت کی بحثوں کو سمجھنا بھی مشکل نہ رہے گا۔ یہ پتہ لگ جائے گا کہ کیوں یہ لوگ رسولؐ کی دو حیثیتیں بتاتے ہیں؟ کیوں اُن سے غلطی کا امکان اور غلطیوں کی فہرست بیان کرتے ہیں؟ کیوں قریشی صحابہ کے اجماع کو واجب الاطاعت مانتے ہیں؟ کیوں تمام صحابہ کو یعنی ہر اُس شخص کو جس نے رسول اللہ کی صحبت میں کچھ وقت گزارا عادل قرار دیتے ہیں؟ کیوں صحابہ کے پورے گروہ کو تنقید و تفتیش سے بالاتر قرار دیتے ہیں؟ اور کیوں سرکاری تاریخ میں منافقوں کی تفصیل اور نام بیان نہیں کئے گئے؟ اور کیوں لاعن (لعنت کرنے والوں) اور ملعون، اور قاتل و مقتول دونوں کو رضی اللہ عنہم کہتے ہیں؟ اُن کے عقیدے پر اُن کے خلیفہ یزید نے یہ کہہ کر مہر کر دی تھی کہ نہ کوئی وحی آئی تھی نہ کوئی فرشتہ آیا تھا۔ یہ تو بنی ہاشم نے عربوں پر حکومت کرنے کے لئے ایک ڈھونگ رچایا تھا۔ کہاں ہیں بدرواحد میں قتل ہو جانے والے قریشی بزرگ اور قریش کے وہ جاں نثار و فداکار جنہوں نے محمدؐ کے مقابلے میں اور عربی نظام و تہذیب کو محفوظ رکھنے کے لئے جان دی تھی۔ وہ آئیں اور دیکھیں کہ اُن کے پوتے یزید نے دشمنان قریش سے کیسا انتقام لیا اور کس طرح اُس نبیؐ کے خاندان اور اُن کے طرفداروں کو تباہ و برباد و ذلیل و خوار کیا کہ رہتی دنیا تک اُس کی مثال نہ ملے گی۔ یہ قریش کے اُس خدا کی فتح ہے جس نے اپنے مخالفوں سے حکومت چھین کر اپنے پیروؤں اور قریشی راہنماؤں کو عطا کر دی۔ اور آج محمدؐ کا خاندان ختم ہوا۔ اُس کے پس ماندگان میں چند مستورات میرے سامنے قیدی بن کر کھڑی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد یہ بھی ماننا پڑے گا کہ عربوں اور خصوصاً قریش کا یہ منصوبہ روز اول سے جاری تھا۔ اور وہ تمام اقدامات اور وجوہات جو ہم نے گزشتہ اوراق میں بیان کی ہیں حرف صحیح اور نہایت مختصر تجزیہ ہیں۔ لہذا حقیقت یہ ہے کہ عربوں نے محمدؐ اور اُن کے ساتھ جو کچھ آیا تھا اُس میں سے صرف اُسی قدر تسلیم کیا جو اُن کے مسماں شدہ سابقہ مذہب اور تمدن کو بحال کر کے دنیا میں مضبوطی سے جاری رکھ سکے۔ اور تمام اقوام اور تمام ممالک کے استیصال اور استحصال میں مددگار ثابت ہو۔

(25 الف-5)۔ حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہونے والے کافر

وہ سرداران قریش اور اہل مکہ کے چشم و چراغ جنہیں حضرت علیؑ کی تلوار نے موت کی نیند سلا کر ایوان ہائے کفر میں اندھیرا کر دیا اور جن کا بدلہ کر بلا میں لیا گیا، تعارف اور ریکارڈ کے لئے یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔ اور اس کی ابتدا میں ہمارے سابقہ عنوان کی تصدیق کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اُدھر تو دست بدست جنگ ہو رہی ہے، سرتن سے گر رہے ہیں، مرنے والوں کی چیخ پکار سے میدان جنگ گونج رہا ہے۔ مگر وہ لوگ جو کفار قریش کے نمائندہ ہیں میدان جنگ میں ٹہلتے اور تماشہ دیکھتے پھر رہے ہیں۔ مسلمان انہیں

مسلمان سمجھ کر قتل نہیں کرتے۔ قریشی کافر انہیں اپنا آدمی سمجھ کر تعارض نہیں کرتے۔ بلکہ اُن کی خیریت معلوم کرتے ہیں اور یہ صورتحال خود جناب عمر کی زبان سے سنئے:-

1- عاص بن سعید بن عاص: یہ شخص فن حرب میں بڑا ماہر اور شجاعانِ عرب میں مشہور زمانہ شخص تھا۔ حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ: ”عاص کا بیٹا سعید بن عاص جو مسلمان تھا ایک دن مسجد نبوی میں آیا اور خاموشی سے ایک طرف کونے میں بیٹھ گیا۔ جب میری نظر اُس پر پڑی تو میں نے اُسے مخاطب کیا اور اُس سے دریافت کیا کہ کیا تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مجھ سے الگ الگ اور خاموش و کبیدہ خاطر رہتے ہو کہ میں نے تمہارے والد عاص کو قتل کیا ہے۔ سنو میرے دل میں بڑی تمنّی تھی کہ میں اُسے قتل کرتا۔ اور اگر میں اُس کا قاتل ہوتا تو ایک کافر کو قتل کرنے کی بنا پر مجھے کسی معذرت کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔ لیکن مجھے تو یہ سعادت نصیب ہی نہیں ہوئی۔ اصل بات یہ ہے کہ جنگ بدر میں میں گزر رہا تھا کہ میری نظر عاص پر پڑی۔ وہ لڑنے کے لئے اس طرح پیچ و تاب کھارہا تھا جیسے مستی میں ساڈ بے چین ہو کر دوڑتا پھرتا ہے۔ میں خوفزدہ ہو کر پہلو بچا کر چل دیا۔ عاص نے دریافت کیا کہ اے فرزند خطاب کدھر جا رہے ہو؟ اتنے میں علیؑ اس پر حملہ آور ہوئے۔ خدا کی قسم ابھی میرے پیر اُٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ علیؑ نے اُسے قتل کر دیا۔ یہ سن کر مسجد نبوی میں حضرت علیؑ نے عمر سے کہا کہ شرک نیست و نابود ہو چکا ہے؟ اسلام نے پہلی باتوں کو مٹا کر ختم کر دیا ہے؟ اے عمر تم لوگوں کو میرے خلاف کیوں بھڑکاتے رہتے ہو؟ یہ سن کر حضرت عمر خاموش ہو گئے۔ سعید نے کہا کہ خدا کی قسم اگر علیؑ کے علاوہ میرے باپ کا قاتل کوئی اور ہوتا تو مجھے ذرا بھی خوشی نہ ہوتی۔ علامہ ابن ابی الحدید نے سعید کا یہ فقرہ بھی اضافہ کیا ہے کہ: ”لَقَدْ قَتَلَهُ كُفُوًا كَرِيمًا وَهُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ لَقَتْلَهُ مِنْ لَيْسَ مِنْ بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ“ یعنی میرے باپ کو ایک ہمسر اور کریم و عزت دار شخص نے قتل کیا ہے۔ خدا کی قسم علیؑ کا میرے باپ کو قتل کرنا زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے بنی ہاشم کے علاوہ کوئی اور قتل کرتا۔“ (نچ البلاغہ کی شرح ابن ابی الحدید وغیرہ)

2- ولید بن عتبہ، 3- طیعمہ بن عدی بن نوفل

4- نوفل بن خویلد: یہ آنحضرتؐ کا سخت ترین دشمن تھا۔ قریش کے یہاں اُس کی بڑی عزت و تکریم تھی۔ اس کی اطاعت کی جاتی تھی۔ اُس کو پیشوایانِ قوم میں سے ایک سمجھا جاتا تھا۔ پیغمبر نے اُس سے محفوظ رہنے کی دعا کی تھی۔ اور اُس کے قتل پر تنبیہ فرمائی اور کہا کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمائی۔

5- عامر بن عبد اللہ؛ 6- نضر بن حارث؛ 7- عبد اللہ بن منذر بن ابی رفاعہ؛ 8- حاجب بن صائب؛ 9- عاص بن منبہ

10- ابو العاص بن قیس بن عدی سہمی؛ 11- اوس بن مغیرہ؛ 12- معاویہ بن عامر؛ 13- حرملہ بن عمر؛ 14- حرملہ بن اسد؛

15- مسعود ابن المغیرہ؛ 16- ابو القیس بن الفاکھہ؛ 17- عتبہ بن ابی المعیط؛ 18- عمر ابن عثمان؛ 19- عمر ابن قیس؛

20- قیس ابن الولید؛ 21- ابن المغیرہ؛ 22- حظلمہ بن البوسفیان برادر معاویہ؛

23- عتبہ بن ابی ربیعہ بن عبد اللہ؛ 24- زمعہ بن اسود؛ 25- عقیل بن اسود؛ 26- علقمہ بن کلدہ؛

27- ابو العاص بن قیس بن عدی؛ 28- معاویہ بن المغیرہ بن ابی العاص؛ 29- لوزان بن ربیعہ؛

30۔ اوس بن المغیرہ بن لوزان؛ 31۔ زید بن ملیص؛ 32۔ غانم ابن ابی عوف؛ 33۔ سعید بن وہب حلیف بنی العامر؛
34۔ عبد اللہ بن جمیل بن زہیر بن الحارث بن اسد؛ 35۔ ابوالحکم بن الانس؛ 36۔ ہشام بن امیہ بن المغیرہ۔

(سیرۃ علویہ صفحہ 66 حافظ محمد علی حنفی کا کوروی اور اعیان شیعہ جلد 3 صفحہ 340)۔ یہ تھے وہ ملعون کفار قریش کے بزرگ و بہادر جنگی شجاعت شہرہ آفاق تھے۔ جو ایک ہی جنگ میں ڈھیر ہوئے اور جن کے غم میں کفر کا دل پکھل کر رہ گیا۔

(25 الف۔ 6)۔ مکہ کے ہر گھر میں مقتولین بدر کی خاموش صف ماتم

قریش مکہ جنگ بدر کی ہزیمت کے بعد اپنی ناک اونچی رکھنے کے لئے بلند آواز سے رونا بھی نہ چاہتے تھے۔ لہذا قومی سطح سے حکم عام دے دیا گیا تھا کہ کسی گھر سے رونے کی آواز بلند نہ ہو۔ ورنہ مدینہ میں خوشیاں منائی جائیں گی اور عربوں کے دل سے اُن کا رعب اُٹھ جائے گا۔ اس پہلو پر طبری کا بیان سن لیں:-

”اس لڑائی میں اسود بن عبد یغوث کے تین بیٹے زمعہ بن الاسود، عقیل بن الاسود اور حارث بن الاسود مارے گئے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ دل کھول کر اپنے بیٹوں پر رونے اسی حالت میں اُس کورات کے وقت کسی کے رونے کی آواز سنائی دی، اس کی بصارت جاتی رہی تھی۔ اس لئے اُس نے اپنے غلام سے کہا کہ ذرا دیکھ کر آؤ کہ کیا رونے کی اجازت ہو گئی ہے؟ اور کیا قریش اپنے مقتولوں پر رونے لگے ہیں؟ میں چاہتا ہوں کہ اپنے بیٹے ابو حکیمہ یعنی زمعہ پر خوب روؤں، کیونکہ اس کے غم سے میرا سینہ کھول رہا ہے۔ غلام نے واپس آ کر بتایا کہ یہ تو ایک عورت کی آواز ہے جو اپنے گمشدہ اونٹ پر رو رہی ہے۔ اس پر اُس نے چند اشعار پڑھے۔ اُن میں اپنے بیٹوں کا دردناک مرثیہ کہا اور یوں اپنے دل کی بڑھاس نکالی۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 193)

(25 الف۔ 7)۔ مال غنیمت لوٹنے اور قیدیوں کے متعلق قرآن اور صحابہ

ہم نے بار بار عرض کیا ہے کہ سرکاری تاریخ میں وظیفہ خواران حکومت نے حکومتوں اور دشمنان اسلام کی بڑی قصیدہ خوانی کی ہے۔ اور ہر واقعہ کو توڑ موڑ کر ہی نہیں لکھا بلکہ اپنے دماغ سے حکومتوں کے لئے موزوں واقعات بھی گھڑے ہیں۔ لیکن یہ ایک معجزہ ہے کہ اُن ہی تواریخ و کتب احادیث میں اُن کے ہاتھ سے حق بھی ٹپکتا رہا ہے۔ تفصیلات اور غپ شب تو خود طبری میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں مختصر اُید دیکھ لیں کہ جب جنگ بدر فتح کر لی گئی اور گرفتار شدہ قیدی اور وہ سامان جمع کیا گیا جسے مسلمان فوج نے اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ اُن مشرک قیدیوں اور مشرکین کے سامان کا کیا کیا جائے۔ چونکہ یہ سوال اس صورت میں پہلی دفعہ سامنے آیا تھا۔ اور اب تک یہ بات بار بار سامنے آچکی تھی کہ قریشی مہاجرین کی کثرت رسول اللہ کی بعض تجاویز اور احکام میں دخل انداز ہوتی رہتی ہے اور آنحضرت کے تمام احکامات کو بلا چون و چرا دلی رغبت سے تسلیم نہیں کرتی اور مفاد عامہ کی آڑ میں یہ چاہتی ہے کہ ہر فیصلہ اُن کی رائے سے کیا جائے۔ لہذا رسول اللہ نے اس مشرکانہ اور جمہوری ذہنیت کو واضح طور پر دلوں سے زبانوں پر لانے کے لئے اور اُن لوگوں کو حقیقی مسلمانوں کے روبرو بے نقاب کرنے کے واسطے جو کچھ کیا اُس کا پتہ طبری کے قریشی بیانات سے چلائیں۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ:-

(الف)۔ اسیران بدر کے متعلق صحابہ کی رائے

”عمر بن الخطاب سے مروی ہے بدر کے دن فریقین کا مقابلہ ہوا، اللہ نے مشرکین کو شکست دی۔ اُن کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر اسیر کر لئے گئے۔ پھر اُس روز رسول اللہ نے ابوبکر، علیؑ اور مجھ سے مشورہ کیا۔ ابوبکر نے کہا اے اللہ کے نبیؐ یہ آپ کے ایک جدی، خاندان والے اور عزیز ہیں۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ اُن سے فدیہ لے لیں تاکہ زرفدیہ سے ہماری قوت بڑھے۔ اور پھر شاید اللہ ایسا بھی کرے کہ اُن کو اسلام لے آنے کی توفیق دے دے۔ اور پھر اس طرح یہ ہمارے قوت بازو بن جائیں۔ اس کے بعد آپؐ نے مجھ سے کہا کہ ابن الخطاب تمہاری کیا رائے ہے۔ میں نے کہا جناب والا بخدا میری ہرگز وہ رائے نہیں ہے جو ابوبکر کی رائے ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ فلاں شخص کو میرے سپرد کر دیں میں اُس کی گردن مارے دیتا ہوں۔ حمزہؓ کے بھائی اُن کے سپرد ہوں تاکہ وہ اُسے قتل کر دیں۔ عقیل کو علیؑ کے حوالے کیجئے۔ وہ اُس کا کام تمام کر دیں۔ تاکہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے قلوب میں کفار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہی اُن کے بڑے سردار، سرخیل اور پیشوا ہیں۔ مگر رسول اللہ نے ابوبکر کا مشورہ مانا اور میری بات نہ مانی اور فدیہ قبول کیا۔“ (مسلسل لکھا)

زرفدیہ قبول کرنے پر پشیمانی: ”دوسرے دن میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ اور ابوبکر بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسولؐ مجھے تو بتائیے کہ آپ دونوں کیوں رو رہے ہیں؟ اگر کوئی رونے کی بات ہے تو میں بھی رونے لگوں گا اور اگر کوئی ایسی بات نہ ہوگی تو بھی آپ دونوں کے گریہ کی خاطر خود بھی روؤں گا۔ آپ نے فرمایا فدیہ قبول کرنے کی وجہ سے مجھے بتایا گیا ہے کہ تم سب پر بہت ہی قریب عذاب نازل ہوگا اور وہ عذاب اس قدر قریب ہے جیسے کہ یہ درخت۔ آپؐ نے اشارے سے ایک درخت کو بتایا جو بالکل قریب ہی تھا اسی موقع پر اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُنْخَنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُ عَنْ غَضِّ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْ لَا كَتَبَ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (الانفال 68-67/8)۔ اس کے بعد اللہ نے مسلمانوں کے لئے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔ چنانچہ دوسرے ہی سال احد میں اُن کو اپنے کئے کی سزا مل گئی۔ ستر صحابہ شہید ہوئے اور ستر اسیر ہوئے۔ دشمن نے آپ کی جھوٹی کو توڑ پھوڑ ڈالا اور آپؐ کے سر کے خود کوریزہ ریزہ کر دیا کہ آپؐ کے چہرے پر خون بہنے لگا۔ نبی صلعم کے صحابہ میدان سے فرار ہو کر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اُس موقع پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

أَوَلَمْآ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ۔ (آل عمران 3/165)

نیز یہ دوسری آیت بھی نازل کی۔ اِذْ تَصْعَدُ وَنَ لَا تَلَوْنَ عَلَى أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِىْ أُخْرٰكُمْ۔

(آل عمران 3/153)۔ (تاریخ طبری۔ جلد اول صفحہ 202-203)

مسلسل دوسری روایت بھی پڑھیں لیں پھر ہم ان دونوں روایتوں پر آپؐ کی رائے معلوم کریں گے۔ جناب طبری مسلسل لکھتے ہیں کہ:-

(ب)۔ ”حضرت ابوبکر؛ حضرت عمر کی رائے“

”عبداللہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن جب قیدی آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ آپ نے صحابہ سے پوچھا کہ انکے ساتھ کیا کیا جائے؟ ابوبکر نے کہا یہ آپ کے ہم قوم اور اہل خاندان ہیں۔ آپ اُنکی جان بخشی فرمائیں اور مہلت دیں شاید اُن پر اللہ مہربان ہو جائے۔ اور یہ اسلام لے آئیں۔ عمر نے کہا اے رسول اللہ صلعم انہوں نے آپ کو جھٹلایا ہے اور آپ کو آپکے گھر سے نکالا ہے۔ آپ ان سب کو قتل کر دیں۔ عبداللہ بن رواحہ نے کہا آپ اُن کیلئے ایک ایسی وادی تلاش کریں جہاں ایندھن وافر ہو۔ پھر ان سب کو اُس میں ڈال کر آگ لگا دیں۔ اس پر عباس نے کہا کہ تم نے تو بالکل ہی خاتمہ کر دیا۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 203)

(ج)۔ طبری اور دیگر سرکاری تواریخ کا اعتبار کیسے کیا جائے؟

قارئین دونوں روایات پر ہمارے ساتھ ساتھ دوبارہ نظر ڈال کر یہ نتائج مرتب کریں کہ:-

اول۔ پہلی روایت میں صرف تین آدمیوں سے مشورہ لینے کا تذکرہ ہوا ہے۔ اور یہ تینوں مہاجرین میں داخل ہیں۔ یعنی حضرت عمر تاریخ میں یہ تاثر چھوڑنا چاہتے تھے کہ رسول اللہ دینی امور میں قبیلہ اوس و خزرج ہی کو نہیں ان تین افراد کے علاوہ تمام مہاجرین کو بھی نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔ پھر یہ دیکھیں کہ:

دوم۔ حضرت عمر نام گنواتے وقت جناب علیؑ مرتضیٰ کو شامل کرتے ہیں۔ مگر مشورہ میں نہ رسول اللہ کا علیؑ سے سوال کرنا دکھاتے ہیں نہ حضرت علیؑ کا دیا ہوا کوئی مشورہ بیان کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ:

سوم۔ رسولؐ کے نزدیک صاحبان عقل و فہم صرف ابوبکر و عمر ہی تھے اور مسلمان گروہ بے بصیرت تھا جسے کوئی عقل تسلیم نہ کرے گی مگر؛

چہارم۔ حضرت عمر یا اُن کے عقیدت مند جانشین یہ چاہتے ہیں کہ صرف اُن کے اور جناب ابوبکر کے علاوہ آنحضرتؐ کی نظر میں دوسرا کوئی شخص قابل قدر نہ دکھایا جائے۔

پنجم۔ یہ بات اس روایت اور ہر روایت سے ثابت ہے کہ جناب علیؑ مشورہ دینے والے اور مشاورت کے قابل گروہ میں ہرگز نہ تھے اور اسی لئے نظام مشاورت کے مخالف تھے۔

ششم۔ دوسری روایت پہلی کے خلاف عام مشورہ کی طرف اشارہ تو کرتی ہے مگر تمام مسلمانوں کو حسب بالا محروم کر کے پھر تین افراد کو بے بصیرت اور صاحب الزائے دکھاتی ہے اور پہلے دونوں حضرات اس دفعہ بھی موجود ہیں۔ یعنی بعد والے لوگوں کے اذہان پر اُن دونوں کو سوار کر دینے کی کوشش بہر حال جاری ہے۔

ہفتم۔ پھر یہ نوٹ کریں کہ پوری گھریلو اور خود ساختہ تاریخ میں یہ تو کہیں نہیں ملتا کہ مندرجہ بالا دونوں حضرات میں سے کسی کو بھی کسی جنگ میں کسی کافر کے ہاتھ سے زخم لگا ہوا یا انہوں نے کسی کافر کو جہاد میں قتل یا زخمی کیا ہو۔ البتہ اُن حضرات کی مستقل سنت اور عمل درآمد یہ رہا ہے کہ:

ہشتم۔ جناب ابوبکر کفار قریش کے ہمیشہ طرفدار رہے اور یہاں بھی وہ قرآن کریم کے صریحی بیانات جو ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کے خلاف قریش مکہ کے ایمان لے آنے کا تذکرہ اور اُمید کرتے ہیں۔ تاکہ جب یہ کفار اُن کی حکومت میں تعاون کریں تو مسلمان کہلا سکیں۔

نہم۔ اور حضرت عمر ہمیشہ اُس وقت جوش دکھاتے ہیں، تلوار نکالنے اور قتل کر ڈالنے کی بات کرتے ہیں جس وقت کوئی مجبور اور بے بس آدمی سامنے ہو یا جس وقت کسی کو قتل کرنا خلاف حکم خداوندی ہو۔ ایسے تمام مواقع ہم الگ اور مستقل عنوان سے تاریخ سے جمع کر کے دکھائیں گے۔ نیز؛

دہم۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قریشی مشرکین ہمیشہ اس کوشش میں مصروف رہے ہیں کہ رسول اللہ کے خاندان کو قریشی مشہور کیا جائے۔ تاکہ اگر اُن کی حکومت قائم ہو جائے، جس کی پیش گوئیاں زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہیں تو قریش خاندان رسول کے رشتہ سے اُس حکومت کے حقدار بن سکیں۔ چنانچہ دونوں روایات میں بدر کے تمام قیدیوں کو رسول کی قوم، رسول کے خاندان کے افراد اور قریبی رشتہ دار کہہ کر قریشی منصوبے کی تائید کی گئی ہے۔ حالانکہ تمام قیدی نہ قریش ہیں نہ اُن سے رسول کی رشتہ داری ہے۔ چنانچہ قیدیوں کے ناموں کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ یہ دعویٰ سراسر باطل ہے۔ جنگ بدر کے وقت رسول کے خاندان کا کوئی فرد کافر نہیں ہے۔ بعض فرضی نام ہیں جیسے عقیل۔ یہ وہ عقیل نہیں جو حضرت علی کے بھائی ہیں۔ بہر حال قریش کی کافرانہ اسکیم ہم شجرہ مقدسہ میں واضح کر چکے ہیں۔

گیارہویں بات۔ از خود ثابت ہے کہ جنگ بدر کے دن تک جناب ابوبکر اور جناب عمر میں اس قدر اختلاف تھا جس قدر موت اور زندگی میں؛ یا ثواب و عذاب میں یا حلال و حرام میں اختلاف ہوتا ہے۔ جس کو ابوبکر زندہ رکھنا چاہتے ہیں، عمر اسے قتل کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ ایک کی بات ماننے کے قابل ہے تو دوسرے کی ٹھکرانے کے لائق ہے۔ ایک کفار قریش کو اپنا قوت بازو بنانے کی فکر میں تھا۔ اور آخر کار اپنا قوت بازو بنا کر رکھا۔ دوسرا قتل کرنے کی فکر میں تھا اور جب موقع ملا تو قتل عام اور نظر بند کر کے رکھا۔

بارہ۔ حضرت عمر کا یہ کہنا کہ عقیل اور حمزہ کے بھائی اور فلاں شخص، جس کو خود قتل کرنا چاہتے تھے؛ کفار مکہ کے بڑے سردار، سرخیل اور پیشوا ہیں۔ ایک سفید اور تاریخی جھوٹ ہے۔ عقیل اور حمزہ کے بھائی قیدیوں میں تھے یا نہیں؟ یہ تو تحقیق طلب ہے لیکن یہ تو تحقیق شدہ بات ہے کہ جناب عمر خاندان بنی ہاشم کو قتل کر دینا ضروری خیال فرماتے ہیں۔

تیرہ۔ حضرت عمر کے بقول حضرت ابوبکر کا مشورہ خدا کو اس قدر ناپسند آیا کہ عذاب نازل کرنے کی دھمکی ملی اور مشورہ دینے والا اور معاذ اللہ خود رسول اللہ مشورہ پر عمل سے پشیمان ہوئے اور روتے رہے۔

چودہ۔ بقول حضرت عمر آخر جنگ احد میں وہ عذاب تمام مسلمانوں پر نازل ہوا اور خود رسول اللہ کو بھی سزا ملنا بیان کر دیا ہے۔ یعنی وہ نہ صرف رسول اللہ کو خاطمی سمجھتے تھے بلکہ یہ بھی کہ معاذ اللہ آنحضرت کو خدا نے انکی غلطی پر سزا بھی دی تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پندرہ۔ سوال یہ ہے کہ غلطی اگر کی تھی تو رسول اللہ اور ابوبکر نے کی تھی۔ یہ کتنی خلاف عدل و خلاف عقل بات ہے کہ اللہ، بقول عمر، تمام مسلمانوں پر عذاب اور سزا نافذ کرتا ہے؟ قرآن سے یہ بات جھوٹ ثابت کی جائے گی۔

سولہ۔ مذکورہ بالا آیات کا ترجمہ پڑھنے سے یہ معلوم ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے آیت کے نہ معنی سمجھے نہ کسی اور نے اُنکو معنی بتائے، ذرا دیر میں ہم ترجمہ میں دکھائیے کہ بیانات نمبر 13 و 14 دونوں غلط تعبیرات ہیں اور یہ کہ بڑے بڑے لوگ قرآن میں تحریف کر رہے تھے۔

سترہ۔ حضرت عمرؓ کے بیان سے یہ بات تصدیق ہوگئی کہ رسولؐ اور خاندان رسولؐ کے علاوہ باقی مہاجرین میں اور کوئی شخص ایسا نہ تھا جسے کفار قریش نے گھر سے نکالا ہو۔ اور ہم یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ مہاجرین کی کثرت قریش مکہ کی اپنی مسلمان جماعت تھی۔ جو داخلی تحریک کے لئے مسلمانوں میں شامل کی گئی تھی۔ جسے قریش نے کبھی نہیں ستایا نہ گھر سے نکالا بلکہ وظائف دیئے۔ اور رسول اللہ کی حکومت پر قبضہ کرانے میں مدد کی اور اُس کے بعد حکومت میں حصہ دار بن گئے۔

(25 الف-8)۔ قرآن کریم نے مال غنیمت اور اسیران جنگ کے لئے کیا فرمایا

علامہ طبری نے جن آیات کا حوالہ دیا ہے ہم یہاں اُن کا ترجمہ علامہ مودودی کے قلم سے لکھتے ہیں تاکہ حضرت عمرؓ کی قرآن فہمی اور دینی بصیرت کے خلاف وہ خود حضرت عمرؓ کا ایک زندہ شاگرد اور عالم گواہی دے۔ پہلی آیت کا ترجمہ یوں ہے:-

(الف)۔ ”کسی نبی کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ اُس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدہ چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے، اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے لیا ہے اُسکی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔ پس جو کچھ تم نے مال حاصل کیا ہے اُسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ (واثقوا کے معنی احسن) یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

(انفال 69-67/8- تفہیم القرآن۔ جلد دوم صفحہ 159-158)

(ب)۔ علامہ کے ترجمہ اور آیت کے منشا پر ایک نظر

قارئین پہلے یہ دیکھیں کہ اللہ نے عذاب یا سزا دینے کی کوئی پیشین گوئی یا ارادہ ظاہر نہیں فرمایا ہے۔ یعنی ہرگز ان آیات میں یہ نہیں کہا گیا کہ۔ ”تم سب پر بہت ہی قریب عذاب نازل ہوگا۔“ لہذا عذاب نازل ہونے کے متعلق تمام باتیں بے بصیرتی اور قرآن کی غلط تعبیر پر مبنی اور ایک قریشی جسارت کا ثبوت ہیں۔ اس آیت میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ:

(ج)۔ مسلمانوں کے قریشی گروہ کا اسلام دنیا طلبی کے لئے تھا

اللہ نے بڑے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ اسلام لانے میں تمہارا ارادہ (تَوَيْدُ وَنَ) یہ ہے کہ تم دنیا حاصل کرو۔ اور اللہ کا ارادہ (وَاللّٰهُ يُرِيدُ) یہ ہے کہ اسلام آخرت کو حاصل کرنے کے لئے لایا جائے۔ یہاں ثابت ہوا کہ رسول اللہ کے ساتھ اس لئے شامل ہوئے تھے کہ اُن کی زندگی اور وفات کے بعد کے زمانے میں دنیا بٹوری جائے اور دنیا کو لوٹنے کے لئے حکومتِ خداوندی پر قبضہ کر لیا جائے تاریخ بھی اسی کا ثبوت دیتی ہے۔ یہ کون لوگ تھے؟ اگر اس کا نام بنام پتہ لگانا ہو تو حضرت عمرؓ کے قتل کے بعد والے مسلمانوں کا مالی جائزہ لینا ہوگا۔ ہر وہ شخص جو لکھ پتی، کروڑ پتی یا سرمایہ دار ہو اور ہر وہ شخص جو اُن سرمایہ دار مسلمانوں کا حاشیہ نشین، طرفدار یا ہم خیال یا ہم مکتب و

ہم فکر ہو۔ وہ اُسی قریشی گروہ کا فرد یا افراد تھے جن کا تذکرہ مندرجہ بالا آیت اور دیگر سینکڑوں آیات میں ہوا ہے اور جس گروہ کو ہم مشخص کرتے آئے ہیں۔ اور جس سے جناب امام حسینؑ اور اُن کے برادرؑ والد کا براہ راست سابقہ پڑنے والا تھا۔ چنانچہ تمام تواریخ نے اُن مسلمانوں کا تذکرہ کیا ہے، اُن کی دولت و ملکیت و سرمایہ کے میزان لکھے ہیں۔ چنانچہ جناب خدا بخش صاحب اپنی کتاب پولیٹکس ان اسلام (Politics in Islam) میں لکھتے ہیں۔ (مصنف ہانکے پور کے متوطن تھے)

- 1- جناب زبیر نے اپنی وفات پر پانچ کروڑ درہم کی جائیداد چھوڑی تھی۔
- 2- عبدالرحمن بن عوف نے ایک ہزار اونٹ اور اتنا روپیہ چھوڑا کہ اُن کی چاروں بیوگان میں سے ہر ایک کو اولاد کا حصہ نکالنے کے بعد اُسی سے سو ہزار درہم تک ملا۔ (یعنی کل سرمایہ تیس لاکھ تھا)
- 3- سعد ابن ابی وقاص نے مدینہ کے قریب ایک عالیشان محل بنایا تھا۔
- 4- طلحہ نے بائیس لاکھ درہم اور دولاکھ دینار (اشرفیاں) چھوڑے۔ اُن کی دولت و جائیداد کی کل قیمت تین کروڑ درہم تھی۔“

(صفحہ 151)

یہ ہیں وہ حضرات جو جناب علیؑ کے ساتھ برسرِ پیکار رہے اور تمام عرب کے سردار و پیشوا تھے۔ عربی تاریخیں تمام مہاجر صحابہ کے سرمایہ کی تفصیل سے بھری پڑی ہیں۔ لہذا آیہ مبارکہ کی پیش گوئی صاف ثابت ہے اور ساری تاریخیں چھان مارنے کے بعد بھی آپ کو انصاری اور ابوطالبؑ کی اولاد والے صحابہ رسولؐ میں ایک بھی سرمایہ دار نہ ملے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ سارا بھٹی خانوادہ تھا جو آخرت کے لئے ایمان لایا اور دنیا دارانہ اسلام لانے والوں کے خلاف رہا۔ اُن کے بائیکاٹ اور قتل عام بھی اسی کا ثبوت ہیں۔

(د)۔ مال غنیمت یا دشمنانِ خدا کو لوٹنا بہر حال ناپسندیدہ ہے

آیت زیرِ نظر میں ایک بات نہایت اہم ہے جس پر بحث و گفتگو کرنے کے بجائے اُس پر دامن بچا کر نکل جانے کی پابندی کی گئی ہے۔ وہ بات اللہ کا وہ نوشتہ ہے جس کا آیت (انفال 8/68) میں تذکرہ ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ مودودی نے چاروں طرف ہاتھ پیر مارے ہیں (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 159، حاشیہ 49 اور جلد پنجم صفحہ 11، حاشیہ 8 تا 10) اور زبردستی یہ منوانے کی کوشش کی ہے کہ وہ نوشتہ جس میں مال و اسباب لوٹنے کی اجازت ملی تھی، سورہ محمدؑ آیت نمبر 4 میں موجود ہے حالانکہ اُس آیت میں مال غنیمت لینے کا ذکر ہرگز نہیں ہے۔ وہاں تو قید کرنے اور پھر قیدیوں کو احسان کر کے رہا کر دینے یا فدیہ و تادانِ جنگ وصول کرنے کی اجازت ہے۔ اور اگر یہ آیت پہلے نازل ہو چکی تھی تو اس غیض و غضب اور عذاب کی دھمکی کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اس لئے کہ جب اللہ نے خود یہ اجازت دے دی تھی اور اس اجازت کے بعد مسلمانوں نے یا رسول اللہؐ نے اس اجازت کے مطابق عمل کیا تو اللہ کو خوش ہونا چاہئے تھا کہ مسلمان تعمیلِ حکم کر رہے ہیں۔ چہ جائیکہ عذاب کی دھمکی اور عذاب کا سزاوار بتانا۔ لہذا ہرگز اُس آیت (محمدؑ 47/4) میں اُس دنیا بٹورنے کی اجازت نہ تھی جس پر دھمکی دی گئی ہے۔ اور آپ خود دیکھ لیں کہ جس چیز کی اجازت ہے وہ دشمنانِ خدا کو گرفتار کرنے، فدیہ لے کر یا احسان کر کے چھوڑ دینے کی اجازت ہے (محمدؑ 47/4)۔ لیکن آیت میں دھمکی ہے۔ وہاں نہ فدیہ کا ذکر ہے نہ احسان کا بلکہ دنیا طلبی کا جرم عائد کیا گیا

ہے۔ اگر فدیہ لینا دنیا طلبی ہوتی تو اجازت نہ دی گئی ہوتی۔ اور اجازت دی گئی تھی تو دھمکی دینا عقل مندی اور انصاف کے خلاف ہوتا۔ لہذا دھمکی جس بات پر ہے وہ لوٹ مار ہے۔ جس کا دبی زبان سے علامہ نے بھی اقرار کر لیا ہے۔

”جنگ میں جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر

باندھنے میں لگ گیا۔“ (جلد دوم صفحہ 159 حاشیہ 49 تفہیم القرآن)

ذرا سوچئے کہ جب فوج ہی بھاگ نکلی تو گرفتاری تعاقب کے بغیر ناممکن تھی۔ لہذا علامہ کا یہ فرمانا کہ مسلمانوں نے دشمن کے تعاقب میں کوتاہی کی، سراسر غلط ہے۔ پیدل لوگ جس قدر تعاقب کر سکتے تھے کیا گیا۔ اور دشمن کے پایادہ لوگوں میں سے جس قدر لوگوں کو گرفتار کر سکتے تھے، کر لیا گیا۔ علاوہ ازیں قرآن میں کہیں بھی بھاگنے والے اور خوفزدہ لوگوں کا ایسا تعاقب جائز نہیں جو علامہ چاہتے ہیں۔ پھر علامہ نے بار بار لکھا اور ترجمہ میں بھی ”يُشْخِنَ“ کا ترجمہ کچل دینا کیا ہے۔ حالانکہ کچل دینا ایک ایسا مکروہ و قبیح اور سنگدلانہ لفظ اور فعل ہے جسے اسلامی اور شریفانہ ذہنیت ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔ مگر علامہ چونکہ مارشل ازم کو اسلام سمجھتے ہیں، اسلئے جہاں موقع ملتا ہے جبر و ظلم و ستم کا جواز نکال لیتے ہیں۔ چنانچہ لفظ ”يُشْخِنَ“ کے بنیادی معنی کی جگہ کچل ڈالنا کر کے اپنی خونخوار ذہنیت کی پیاس بجھالی گئی۔ بنیادی معنی ہیں 1۔ موٹا کرنا، 2۔ گاڑھا کرنا، 3۔ سخت کرنا، 4۔ ہتھیار بند آدمی کا خوب خوب جنگ کرنا۔ یہاں چوتھے اور اُس کے بعد تمام معنی اصل لفظ کے معنی نہیں ہیں بلکہ بھرتی کے معنی ہیں جو تحریف کی اسکیم کے ماتحت بھر دیئے گئے ہیں۔ اور صرف اس لئے کہ یہ لفظ یُشْخِنَ جنگ کے تذکرہ میں آ گیا ہے۔ اس لئے عموماً سخت کرنا سے سخت خونریزی اور کچل دینا کر لئے گئے۔ اگر آیت کے یہی معنی ہوں تو یہ کہنا پڑے گا کہ جب پوری زمین پر دشمنوں کو کچل دیا گیا یا قتل کر کے سب کا خون بہا دیا گیا تو قیدی رکھنا کیوں جائز ہوگا۔ کچھ لوگوں کو کچلنے اور اُن کا خون بہانے کے بجائے اُنہیں تندرست و توانا حالت میں قید رکھنا تو حکم خدا کے خلاف ہوگا۔ لہذا یہ معنی ہی غلط ہیں۔ اللہ کا منشا نہ تمام دشمنان اسلام کو کچل کر رکھ دینا ہے، نہ انہیں قتل کر ڈالنا ہے۔ بلکہ ایسے مضبوط و مستحکم حالات پیدا کرنا ہے جس سے رخنہ اندازی کی گنجائش ہی نہ رہے۔ اور جب تک ایسے حالات تمام دنیا میں پیدا نہ ہو جائیں، اُس وقت تک کسی کو قید کرنا اور اُس کے اختیار و ارادہ کو ختم کر دینا جائز نہیں ہے۔ تاکہ اختلاف کنندہ کو موقع ملے کہ وہ ہجرت کر کے دوسری جگہ چلا جائے۔ اور رفتہ رفتہ تجربہ اور تحقیق سے اسلامی نظام کی حقانیت کو سمجھنے کا موقع اُسے حاصل رہے۔ لیکن جب ساری دنیا اسلامی نظام میں داخل ہو جائے اور صدق دل سے اس نظام پر ایمان لے آئے، تب یہ جائز ہوگا کہ اب اختلاف کرنے والوں کو خواہ اختلاف برائے تخریب ہو یا اختلاف برائے تحقیق ہو ایسی جگہ قید و نظر بند کر دیا جائے کہ تحقیق کا پورا موقع ملے اور تخریب کی گنجائش نہ ہو۔ مگر اُس قید خانہ یا جیل میں بھی اُنہیں کچلنے یا قتل کرنے یا جبراً نماز روزہ ادا کرنے کی ممانعت ہے۔ لیکن اسلام پھیلانے کا یہ طریقہ کہ اسلام کا اقرار کرو، ورنہ قتل کے لئے تیار ہو جاؤ، مارشل ازم ہے اسلام نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ مارشل ازم میں جو نوک شمشیر پر ایمان نہ لائے، اُسے قتل کر کے اُس کا تمام مال اسباب لوٹ لینا، جائیداد پر قبضہ جمالینا، اُس کے بچوں کو غلام بنالینا یا فروخت کر دینا اور اُس کی زوجہ سے اُسی دن ہم بستری کر لینا بھی اسلام ہی کے نام پر جائز ہے۔ جو قارئین یہاں گھبرا جائیں اُن سے اس قدر التماس ہے کہ اگر اُنہیں مندرجہ بالا باتیں ناگوار اور غلط معلوم ہوتی ہیں، تو یہ کہہ دیں کہ خدایا اُن لوگوں پر لعنت کر

جنہوں نے مسلمان ہو کر مندرجہ بالا عمل کیا ہو۔ آپ کی شرافت اور ضمیر کی پاکیزگی کا فراموش اسلام کے ساتھ بھی یہ سلوک ناپسند اور خلاف اسلام سمجھتی ہے۔ کیا کہیں گے آپ اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے یہی سب کچھ مسلمانوں کیساتھ، نمازیوں، تہجد گزاروں کے ساتھ کیا۔ اور لاکھوں مسلمانوں کی عزت و عصمت لوٹی، گھر بار، مال و متاع لوٹے قتل عام کیا۔ عورتوں بچوں کو لونڈیاں غلام بنایا، فروخت کیا۔ اُن کے سروں کے چولہے بنا کر اُن پر ہانڈیاں پکائیں؟ یہ تھی وہ ذہنیت جس کی ممانعت کی گئی اور سارے قرآن میں طرح طرح بار بار منع کیا گیا ہے۔ لیکن مولانا مودودی آج بھی مارشل ازم کو اسلام کہہ کر اور اُسی قسم کی اسلامی جماعت بنا کر نافذ کرنے کی فکر میں ہیں۔ خدا انہیں ہرگز کامیاب نہ کرے، آمین۔ ورنہ یہ دنیا ایک دفعہ پھر نوح انسان کے لئے جہنم بن جائے گی۔ آج دنیا میں مولویانہ ذہنیت سے بڑا اور کوئی دشمن اسلام نہیں ہے۔

(ہ)۔ علامہ مودودی کے ہم پلہ مفکر پرویز صاحب

خالی از دلچسپی نہ ہوگا اگر آپ یہاں ایک انتہائی غالی اہل سنت کا بیان دیکھ لیں۔ جس سے اُن لوگوں کی ذہنیت اور مسلمان ہونے کی وجہ معلوم ہو جائے گی، جن کا ذکر خیر ہم کر رہے ہیں۔ سنی تمام عربوں کے لئے ملاحظہ ہو:-

”عربوں میں جنگ کی سب سے بڑی کشش مال غنیمت تھی۔ اسلام نے چونکہ جنگ اور صلح کے لئے پیمانے ہی مختلف مقرر کئے تھے۔ اس لئے مال غنیمت مقصود بالذات نہ تھا۔ اصل مقصد اعلائے کلمۃ الحق تھا۔ اس میں اگر دشمن شکست کھا کر بھاگ نکلے اور اپنا مال میدان میں چھوڑ جائے تو یہ بے شک حلال اور طیب تھا۔ لیکن اگر جنگ کا محرک جذبہ مال غنیمت ہو جائے؟ تو یہ جنگ باطل کی جنگ ہوگی حق کی نہ ہوگی۔

مال غنیمت: چونکہ مال غنیمت کے متعلق ابھی تک کوئی احکام نہیں آئے تھے۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میدان ہاتھ آنے کے بعد مجاہدین کا مظفر و منصور لشکر مال غنیمت کی طرف لپک پڑا اور بجائے اس کے کہ یہ مال مرکز میں جمع ہو کر تقسیم کیا جاتا۔ سپاہیوں نے اُسے حسب معمول اپنی انفرادی ملکیت سمجھ لیا۔ یہ منشاء خداوندی کے خلاف تھا۔ اس لئے اس پر تادیباً کہا گیا:-

لَوْلَا كِتَابُ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (انفال 8/68)۔ اگر اس بارے میں پہلے سے اللہ کا حکم نہ ہو گیا ہوتا تو جو کچھ تم نے جنگ بدر میں مال غنیمت لوٹا اُس کے لئے ضرور تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔

لیکن چونکہ یہ محض سہو تھا، خرابی نیت نہ تھی اس لئے اس فروگزاشت کو معاف کر دیا گیا۔ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (انفال 8/69)۔ بہر حال جو کچھ تمہیں مال غنیمت میں ہاتھ لگا ہے، اُسے حلال و پاکیزہ سمجھ کر اپنے کام میں لاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔“ (معارف الاسلام جلد 4 صفحہ 527)

(و)۔ پرویز صاحب نے حق کے ساتھ باطل کو بہر حال ملا ہی دیا

حق تو یہ ہے کہ مودودی صاحب نے آیت میں لفظ غَنِمْتُمْ ہوتے ہوئے بھی لفظ مال غنیمت نہ لکھا اور اس سے مراد محض قیدی اور فدیہ لئے۔ لیکن پرویز صاحب نے کہیں بھی فدیہ کا ذکر نہ کیا اور مان لیا کہ عذاب کے نزول کی دھمکی مال غنیمت لوٹنے کیلئے تھی اور مال

غنیمت لوٹا گیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ عربوں کا کافرانہ قدیم معمول تھا اور وہ جنگ کی غرض لوٹ مار ہی سمجھتے تھے اور یہ چیز جہاد کو دنیاوی باطل جنگ بنا دیتی ہے۔ یہ بھی حق ہے کہ پرویز صاحب نے علامہ مودودی کی طرح مسلمانوں اور قارئین کو فریب دینے کیلئے ایک غیر متعلق آیت لکھنے اور تگ بندی کرنے کے بجائے صاف مان لیا کہ اُس روز تک یعنی جنگ بدر تک مال غنیمت کے سلسلے میں احکام نازل ہی نہ ہوئے تھے۔ یہ بھی حق ہے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کے لوٹ مار میں مشغول ہو جانے کو مان لیا ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ باطل یہ ہے کہ آیت (8/67) میں لفظ تَسْرِيدُ وَنْ ہوتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ لوٹ مار کرنے والوں کی نیت بخیر تھی اور لوٹ مار کرنا ایک سہو تھا۔ اور یہ بھی باطل ہے کہ خدا نے اُس جرم کو سہو سمجھ کر یا نیت بخیر دیکھ کر غنیمت کو حلال کر دیا۔ صحیح وہ بات ہے جسے نہ علامہ مودودی سمجھے اور نہ مسٹر پرویز کو پتہ لگا۔ معافی کا سبب تو وہی نوشتہ ہے جسے پرویز تو قطعاً نظر انداز کر گئے اور مودودی صاحب نے گھبرا کر اُسے قرآن ہی کی ایک آیت سمجھا اور ماشاء اللہ غلط سمجھا۔ حالانکہ قرآن کے الفاظ بڑے صریح ہیں ”کتاب“ کے معنی ہر اردو دان جانتا ہے۔ اگر علما کتاب کے معنی ایک دو چار لفظی نوشتہ یا ایک آیت سمجھ لیں تو اسکو الٹی سمجھ کے سوا کیا کہوں۔ اور سَبَقَ کے معنی معمولی اردو دان بھی سابق سے سمجھ سکتا ہے۔ یعنی خدا نے فرمایا تھا کہ اگر ایک سابق یا پہلے والی کتاب نہ ہوتی، لَوْ لَا كَتَبَ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا آخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (8/68) ”اگر اللہ کی طرف سے وہ کتاب جو گزر چکی نہ ہوتی تو جو کچھ تم نے لے لیا ہے اُس پر تمہیں عذاب عظیم سے دوچار ہونا پڑتا۔“

مطلب یہ ہے کہ توریت کے بیانات پر تم نے اجتہاد کر کے بلا حکم رسولؐ یہ مال غنیمت لوٹا ہے۔ اور چونکہ وہ بھی خدا کی کتاب ہے اس لئے آئندہ خدا سے تقویٰ کرو۔ اب تو معاف کئے جاتے ہو۔ لہذا فی الحال اُسے حلال سمجھ لو۔ لیکن ذرا آگے آنے والی دو آیات بھی پڑھ لو اور اُن میں مذکورہ عمل درآمد کے لئے تیار رہو۔

(ز)۔ مالِ فدیہ ہو یا مالِ غنیمت دونوں عارضی ہیں

جس طرح دشمنانِ اسلام کے ساتھ جنگ محض معصوم کی موجودگی میں جہاد کہلائے گی اور دشمنوں کے ہاتھ سے اُس جہاد میں مرنے والا شہید کہلائے گا۔ اُسی طرح قیدیوں سے فدیہ لینا یا بطور احسان بلا کسی تاوان کے آزاد کر دینا اور غنیمت کا حلال ہونا بھی معصوم حکم سے ہوگا۔ ورنہ یہ دنیاوی جنگ ہوگی جو جائز بھی ہو سکتی ہے باطل بھی۔ حلال بھی ہو سکتی ہے حرام بھی اور جہاد کی صورت اور نبیؐ کی موجودگی میں بھی غنیمت اور فدیہ میں لیا ہوا مال واپس کرنیکی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ لہذا مندرجہ بالا آیات کے بعد مسلسل اللہ نے فرمایا ہے کہ:

”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنَّ بَعْلَمَ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرٌ أَلَّا يُؤْتِيَكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أَخَذَ مِنْكُمْ...“ (8/70)

”اے نبیؐ، تم لوگوں کے قبضے میں جو قیدی ہیں اُن سے کہو کہ اگر اللہ کو معلوم ہوا کہ تمہارے دلوں میں کچھ خیر ہے تو وہ تمہیں اُس سے

بڑھ چڑھ کر دیگا جو تم سے لیا گیا ہے۔“ (تفہیم القرآن۔ جلد 2 صفحہ 160)

یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ جس شخص نے کبھی اور کسی حال میں مقتول کی تلوار کے علاوہ مال غنیمت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اس کا نام نامی حضرت علی علیہ السلام ہے۔ اگر کہیں یہ شخص خلفائے ثلاثہ کی طرح مال غنیمت کو جائز رکھتا تو مخالف مجاہد کی جڑیں نکال کر رکھ دیتا۔ طلحہ وزیر و جناب

عائشہ اور معاویہ سب تہ تیغ کر دیئے جاتے اور تاریخ کا رخ مڑ جاتا۔ لیکن ہم اُس صورت میں حضرت علیؑ کو بھی خلفائے ثلاثہ کی قطار میں کھڑا کر دیتے۔ اُن کی بزرگی یہی ہے کہ اُنہوں نے حکم خداوندی کے خلاف عمل تو عمل سانس تک نہیں لیا۔ اگر اُنہوں نے کبھی مالِ غنیمت یا مسلمانوں کی لُٹ میں سے کوئی شے قبول کی وہ اسی اصول پر کہ اُس سے بہتر چیز بڑھ چڑھ کر واپس حقدار کو دی جائے۔

یہاں ایک خاص بات نوٹ فرمائیں کہ خدا کی طرف سے کسی رعایت کا دیا جانا خود یہ بتاتا ہے کہ جس کو رعایت دی جا رہی ہے اُس میں علمی و عملی کمزوریاں موجود ہیں۔ پھر یہ بھی سمجھ لیں کہ اگر کسی کی کمزوری کی بنا پر کوئی رعایت دے دی جائے تو یہ لازم نہیں ہو جاتا کہ اُن رعایتوں سے ہمیشہ فائدہ اٹھا کر اپنی کمزوری کو برقرار رکھا جائے اور کبھی بھی علمی یا عملی ترقی نہ کی جائے۔ یہ جائز ہے کہ ایک شخص کسی فقیر یا بھوکے انسان کو اس لئے روٹی نہ دے کہ وہ خود بھوکا ہے۔ اور اُس کے پاس مثلاً دو ہی روٹیاں ہیں۔ لیکن اگر وہ ایک یا دونوں روٹیاں فقیر کو دے دے تو یہ منع تو نہیں ہے؟ بلکہ ثواب اور خوشنودی تو اُسی حالت میں ممکن ہے جب کہ ہم فرائض سے بڑھ کر زیادہ خدمتِ اسلام کریں۔ ورنہ واجبات و فرائض کی جبری ادائیگی پر نہ کوئی ثواب ہے نہ خوشنودی خدا حاصل ہوتی ہے۔ لہذا اگر چند وجوہات کی بنا پر فدیہ لینا یا لُٹ کا مال حلال کر دیا گیا تھا؟ تو اُس کو بطور پیشہ کیوں اختیار کر لیا جائے؟ چونکہ عربوں کے یہاں تمام خباثتیں دستور کی حیثیت سے جاری تھیں۔ اُن میں پھنسے ہوئے لوگوں کو باہر نکالنے کے لئے اگر تدریج اور رعایت ملحوظ رکھی گئیں تو یہ کوئی غلطی نہ تھی؟ کہ ہر چیز کو حلال اور طیب کہہ کر دو چار بہانے اور حیلے گھڑ کر برابر جاری رکھا جائے؟ لیکن کفار قریش تو اسلام لائے ہی اس لئے تھے کہ اسلام کو اجتہاد کی زد پر رکھ کر اسلام ہی کے نام سے کفر کو از سر نو پھیلا دیا جائے۔ چنانچہ انتقالِ رسولؐ کے فوراً بعد یہ منصوبہ کھل کر سامنے آیا اور صرف پچیس تیس (25-30) سال کے اندر اندر اسلام کے تمام اصول اور تمام احکام کا رُخ بدل دیا گیا اور آج تک یہ عمل جاری ہے۔ حضرت عمرؓ کے بیان میں باقی دونوں آیات کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ وہ یہ بتائیں کہ جنگِ احد میں معاذ اللہ رسول اللہؐ اور مسلمانوں کو وہ عذاب یا سزا ملی جس کا ذکر گزشتہ عنوان اور آیت (انفال 8/68) میں ہوا ہے۔

26۔ جنگِ احد: قریشی مسلمانوں کے حالات، تاریخ اور قرآن سے

”بدر کی شکست کے بعد قریش کے دلوں میں آپ ہی انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی کہ اس پر مزید تیل یہودیوں نے چھڑکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی سال بعد مکے سے تین ہزار کا لشکر جبراً مدینہ پر حملہ آور ہو گیا اور اُحد کے دامن میں وہ لڑائی پیش آئی، جو جنگِ احد کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہزار آدمی مدینے سے نکلے تھے۔ مگر راستے میں سے تین سو منافق یکا یک الگ ہو کر مدینے کی طرف پلٹ گئے۔ اور جو سات سو آدمی آپ کے ساتھ رہ گئے تھے، اُن میں بھی منافقین کی ایک چھوٹی سی پارٹی شامل رہی، جس نے دورانِ جنگ میں مسلمانوں کے درمیان فتنہ برپا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہ پہلا موقع تھا جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے اپنے گھر میں اتنے کثیر التعداد مارِ استین موجود ہیں۔ اور وہ اس طرح باہر (یعنی مکہ) کے دشمنوں کے ساتھ مل کر خود اپنے بھائی بندوں کو نقصان پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں۔“ (تفہیم القرآن۔ جلد 1 صفحہ 230)

(26/2)۔ مدینہ میں منافقوں کا وجود اور مقصد

جناب علامہ مودودی نے مدینہ میں منافقوں کی کثرت تسلیم کرتے ہوئے یہ بھی مان لیا کہ قریش مکہ نے مدینہ میں اُن منافقوں کو داخلی تخریب کے لئے مقرر کر رکھا تھا اور یہ لوگ اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے نئے ہوئے تھے۔ ہم اُن لوگوں کی کثرت کو قریشی مسلمان کہتے ہیں اور اُن کے عقائد بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ علامہ نے یہ دعویٰ غلط کیا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا جب اُن منافقوں کا وجود معلوم ہوا۔ چونکہ سرکاری تاریخ اپنی مصلحتوں کے ماتحت منافقوں کے نام بتانا نہیں چاہتی اور نہیں چاہتی کہ اُس متوازی مذہب اور اُس کے بانیوں کا پتا چلے جو بعد میں جاری ہوا۔ اس لئے اُس مذہب کا ہر نمائندہ منافقوں کا ذکر تو کرتا ہے مگر نہ تو تفصیل میں جاتا ہے نہ اُن کا پورا اتا پتا بتاتا ہے۔ بلکہ اُس قریشی گروہ کے حالات اور وجود کو مشکوک کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ علامہ جنگ اُحد میں جو تین ہجری میں ہوئی، منافقوں کی کثرت تو مان گئے لیکن یہ تاثر دیا کہ جنگ اُحد سے قبل اُس مسلمان گروہ کا کسی کو علم نہ تھا گویا وجود ہی نہ تھا۔ حالانکہ علامہ ہجرت سے قبل بھی مسلسل اُس گروہ کا موجود ہونا لکھ چکے ہیں۔ چنانچہ سورہ بقرہ کے نزول کا زمانہ ”ہجرت مدینہ کے بعد مدنی زندگی کے بالکل ابتدائی دور“ کو لکھا ہے (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 48)۔ پھر سورہ بقرہ کے لئے ایک لمبا چوڑا تاریخی پس منظر لکھا ہے اور اُس کے پس منظر میں یہ بتایا ہے کہ:-

(26/3)۔ منافقوں کی آڑ میں قریشی مسلمان کب سے تھے؟

”دعوتِ اسلامی کے اس مرحلہ میں ایک نیا عنصر بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا اور یہ منافقین کا عنصر تھا۔ اگرچہ نفاق کے ابتدائی آثارِ مکہ کے آخری زمانہ میں بھی نمایاں ہونے لگے تھے، مگر وہاں صرف اس قسم کے منافق پائے جاتے تھے (1) جو اسلام کے برحق ہونے کے تو معترف تھے اور ایمان کا اقرار بھی کرتے تھے لیکن اس کیلئے تیار نہ تھے کہ اُس حق کی خاطر اپنے مفاد کی قربانی اور دنیوی تعلقات کا انقطاع اور اُن مصائب و شدائد کو بھی برداشت کر لیں جو اس مسلکِ حق کو قبول کرنے کے ساتھ ہی نازل ہونے شروع ہو جاتے تھے۔ مدینہ پہنچ کر اس قسم کے منافقین کے علاوہ چند اور قسموں کے منافق بھی اسلامی جماعت میں پائے جانے لگے۔ (2) ایک قسم کے منافقین وہ تھے جو قطعاً اسلام کے منکر تھے۔ اور محض فتنہ برپا کرنے کیلئے جماعتِ مسلمین میں داخل ہو جاتے تھے۔ (3) دوسری قسم کے منافقین وہ تھے جو اسلامی جماعت کے دائرہ اقتدار میں گھر جانے کی وجہ سے اپنا مفاد اسی میں دیکھتے تھے کہ ایک طرف مسلمانوں میں بھی اپنا شمار کرائیں اور دوسری طرف مخالفین اسلام سے بھی ربط رکھیں تاکہ دونوں طرف کے فوائد سے مستمع ہوں اور دونوں طرف کے خطرات سے محفوظ رہیں۔ (4) تیسری قسم اُن لوگوں کی تھی جو اسلام اور جاہلیت کے درمیان متردد تھے۔ انہیں اسلام کے برحق ہونے پر کامل اطمینان نہ تھا۔ مگر چونکہ اُنکے قبیلے یا خاندان کے بیشتر لوگ مسلمان ہو چکے تھے اسلئے یہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ (5) چوتھی قسم میں وہ لوگ شامل تھے جو امر حق ہونے کی حیثیت سے تو اسلام کے قائل ہو چکے تھے مگر جاہلیت کے طریقے اور اوہام اور رسمیں چھوڑنے اور اخلاقی پابندیاں قبول کرنے اور فرائض اور ذمہ داریوں کا بار اٹھانے سے اُنکا نفس انکار کرتا تھا۔ سورہ بقرہ کے

نزل کے وقت ان مختلف اقسام کے منافقین کے ظہور کی محض ابتدا تھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے اُنکی طرف صرف اجمالی اشارات فرمائے ہیں۔ بعد میں جتنی جتنی اُنکی صفات اور حرکات نمایاں ہوتی گئیں اُسی قدر تفصیل کے ساتھ بعد کی صورتوں میں ہر قسم کے منافقین کے متعلق اُنکی نوعیت کے لحاظ سے الگ الگ ہدایات بھیجی گئیں۔“ (تفہیم القرآن - جلد اول صفحہ 48)

(26/4)۔ قریشی قسم کے مسلمان منافقوں سے الگ مُشخص ہو گئے

قارئین کرام دیکھ لیں کہ ہمارے تمام بیانات کی یہاں تصدیق ہو گئی اور آئندہ کے لئے نوٹ کر لیں کہ جن لوگوں کو قرآن کریم میں منافق کہا جاتا رہا ہے، وہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے علامہ صاحب کے اس بیان میں نمبر 2 دیا ہے۔ اور جنہیں علامہ نے پہلی قسم میں داخل کیا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو دل میں کافر تھے۔ لیکن زبان اور ظاہری اعمال سے مسلمان بنے ہوئے تھے۔ اسی قسم میں اُن لوگوں کو بھی داخل کرنا ہوگا۔ جن کو ہم نے نمبر چار (4) دیا ہے۔ اور علامہ نے اُن کو تیسری قسم بنا دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی دل میں مسلمان نہ تھے۔ اپنے کنبہ اور قبیلے کی وجہ سے زبان اور ظاہری اعمال سے مسلمان بنے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ باقی تمام لوگ دل سے مسلمان تھے۔ زبان اور ظاہری اعمال سے اسلام کا اقرار اور رسول اللہ کی تصدیق کرنے والے صدیق تھے۔ مگر اُن کے عقائد اور طرز فکر جُداگانہ تھی۔ وہ اپنے مفاد، اپنی عربی تہذیب اور سلف کی رسم و رواج اور سنت کو رسول اللہ کی ذاتی اور تنہا بصیرت کے فیصلوں پر قربان نہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ رسول کے فیصلوں میں بشریت اور خاندانی جذبات اور اولاد ابوطالب کی طرفداری شامل نہ ہونے پائے۔ وہ وحی اور رسول کے زبانی احکامات میں فرق کرتے تھے، رسول کی دو حیثیتیں قرار دیتے تھے۔ بشریت کی بنا پر رسول سے غلطی کا امکان مانتے تھے اور اُن کی غلطی سے اپنے ابا و اجداد اور سلف صالحین کی سنت اور قومی و ملی مفاد کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جو کفار قریش کے داخلی محاذ کی حیثیت سے مسلمانوں میں مل کر کام کر رہے تھے۔ جو اسلام کی فتح کی صورت میں کفار قریش کی عسکری شکست کو فتح و کامرانی بنا ڈالنے کیلئے خفیہ اور زیر پردہ محاذ (Under Ground) چلانے کے ذمہ دار تھے۔ جو قرآن کی عقلی و عربی تعبیرات سے مسلمانوں کی کثرت کو ہم خیال بنانے اور پوری اسلامی تحریک و حکومت پر قبضہ جمانے کا پلان (Plan) چلا رہے تھے۔ جنہیں اعلان نبوت سے بھی کہیں پہلے اُزدی عالم اور بحیرا راہب سے حکومتِ باطل کی پیشگوئی معلوم ہو چکی تھی۔ ان لوگوں کی مذمت جہاں جہاں قرآن نے کی ہے اور جہاں اُنکے منصوبوں کی پول کھولی ہے، حکومت کے وظیفہ خواروں اور طرفداروں نے کوشش کی ہے کہ اُس قسم کے سارے الزامات اُن منافقین کے ذمہ لگا دیں جو حقیقی منافق تھے یعنی دل سے ایمان نہ لائے تھے۔ اور جو سب کے سب بعد میں ان مسلمانوں کے معاون و مددگار بنتے چلے گئے تھے۔ اسلئے کہ مقصد دونوں کا تخریب تھا۔ جنگ اُحد میں مسلمانوں کا یہ گروہ واضح انداز میں مُشخص ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس قسم کے مسلمانوں کی طرز فکر، مذہبی عقائد اور اعمال پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اور اب ہم جنگ اُحد کے متعلق قرآن کریم سے وہ آیات پیش کرتے ہیں جو قریشی قسم کے مسلمانوں اور مومنین کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ اور جنکو سرکاری علماء و اہل قلم چھپاتے یا حقیقی منافقین کے سرچپکاتے چلے آئے ہیں۔ لیکن قرآن کے الفاظ کو توجہ سے دیکھنے والے صاف سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کس قسم کے لوگوں کی بات ہو رہی ہے۔ یہ نوٹ کر لیں کہ قرآن اُن لوگوں کو مومنین کہہ کر پکارتا ہے، اُنہیں بدعقیدگی کا طعنہ دیتا ہے۔ اُنہیں یہ کہتا ہے

اس کے بعد مسلسل نمبر وار منافقوں اور قریشی قسم کے مسلمانوں کا تذکرہ تیرہ آیتوں (نساء 4/152) تک ہوتا چلا گیا ہے۔ اگر ہم صرف علامہ مودودی کا ترجمہ ہی لکھیں تب بھی کئی صفحات درکار ہیں۔ لہذا تفصیلات خود ملاحظہ فرمائیں۔ ہم نہایت مختصر لب لباب لکھ دیتے ہیں۔ قرآن سے تصدیق فرمائیں۔ کافرانہ حکومت و عزت کے طلبگار منافقین کے ذکر کے بعد مذکورہ قسم کے مسلمانوں کو قرآن کے حوالے سے دوبارہ منع کیا کہ:-

اُن محفلوں میں نہ بیٹھا کرو جہاں دین کی توہین اور مضحکہ ہوتا ہے۔ ورنہ تمہیں بھی اُن ہی کے ساتھ شامل رکھا جائے گا۔ (نساء 4/140) اور جہنم واصل کیا جائے گا۔ پھر منافقوں کے لئے کہا کہ تمہیں میدان میں فتح ہو جائے گی تو کہیں گے کہ ہم بھی اور ہماری بصیرت بھی ساتھ تھی، اس لئے کامیابی ہوئی ہے۔ شکست کی صورت میں کافروں سے کہیں گے کہ ہم نے تمہارے خلاف تلوار کو ہاتھ تک نہیں لگایا ورنہ تمہیں فتح نہیں ہوتی (نساء 4/141)۔ پھر فرمایا کہ منافق اپنی اسکیم سے خدا کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ لیکن خدائی اسکیم اُن کو فریب میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔ اور یہ کہ منافقوں کا روزہ و نماز وغیرہ محض مسلمانوں کو دکھانے کے لئے ریاکارانہ ہے (نساء 4/142)۔ یہ لوگ اپنے اعمال میں نہ خالص کافر ہیں نہ مومن ہیں۔ بلکہ اس فکر میں ڈانواں ڈول ہیں کہ کسی طرح اعمال میں ایک درمیانی راہ نکل آتی (نساء 4/143)۔ پھر مذکورہ قسم کے مومنین کو مخاطب کر کے کہا کہ تم اُن کے منافقوں کی طرح مقررہ و متعینہ مومنین کی حکومت و حاکمیت کے مقابلے میں کافرانہ حکومت و حاکمیت کے چکر میں نہ پڑو۔ کیا تم اس طرح اللہ کو اپنے خلاف ایک سلطان ٹھونسے پر آمادہ کرنا چاہتے ہو؟ یاد رکھو منافق اسی طرز فکر کی بنا پر جہنم کے بدترین درجہ میں ہوں گے۔ البتہ جو لوگ اس طرز فکر کی اصلاح کر لیں اور کافرانہ تصورات سے پلٹ آئیں اور اللہ کے نظام سے اپنی حفاظت طلب کریں اور اپنے اجتہادی دین کو چھوڑ کر خلوص اختیار کر لیں۔ اُن کو مومنین کی حاکم جماعت کے ساتھ شمار کیا جائے گا (نساء 4/144-146)۔ چند فردی تنبیہات کے بعد یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ سب کافرانہ طریقہ ہے اور اللہ و رسول سے کھلا کفر ہے کہ اللہ اور اُس کے رسولوں کی اطاعت و پوزیشن میں تفریق کی جائے۔ اور یہ طے کیا جائے کہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے گی اور رسول کی اطاعت سے انکار کیا جائے گا۔ اور یہ کہ اللہ کو باقی رکھ کر اور رسولوں کو چھوڑ کر ایک درمیانی یعنی اجتہاد کی راہ نکالی جائے گی (نساء 4/150)۔ یہ تصورات خواہ حقیقی منافقین کے ہوں یا مسلمانوں میں ہوں، ایسے لوگ حقیقی اور خالص کافر ہیں۔ ان کے خلاف حقیقی مومنین وہ ہیں جو ایمان و اطاعت میں اللہ و رسول کا فرق پیدا نہیں کرتے۔ (نساء 4/151-152)

قارئین اگر غیر جانبدارانہ انداز میں ان سولہ آیات (4/137-152) کو توجہ سے اور ٹھہر ٹھہر کر آیات کو مسلسل ربط دے کر پڑھیں گے تو انہیں ہرگز شبہ تک نہ رہے گا کہ رسول اللہ کے چاروں طرف اُن لوگوں کی کثرت جنگ احد ہی تک جمع ہو گئی تھی جو رسول اللہ کی حکومت الہیہ کی جگہ ایک قریشی حکومت قائم کرنے کا منصوبہ چلا رہے تھے اور جن کے تمام عقائد اور طرز حکومت آج تک باقی و موجود ہیں۔ یہاں باقی تفصیلات کے ہنگامہ میں ایک بات دب کر رہ جاتی ہے۔ اُسے دوبارہ اُبھر نے کا موقع دیں تو آپ دیکھیں گے کہ جو لوگ مذکورہ قسم کے مسلمانوں کے سردار اور راہنما تھے، اُن کا ذکر اُن کے تاریخی ریکارڈ اور مستقل سنت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ تاکہ ہر شخص

انہیں نہایت سہولت سے پہچان کر ان سے الگ رہے اور گمراہی سے بچے۔

(26/5)۔ قریشی قسم کے مسلمان گروہ کے پیشواؤں کو پہچان لیں

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْذِ عَلَيْهِمْ
وَنَمْنَعَكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (نساء 4/141)

وہ لوگ تمہارے متعلق آخری نتیجہ کا انتظار کر رہے ہیں۔ صورت حال اور اسکیم یہ ہے کہ اگر خدا کی طرف سے کبھی تمہاری فتح ہو جائے تو تم سے یہ کہہ کر اپنا حق قائم کریں کہ جناب ہم اور ہماری بصیرت بھی تو آپ کے ساتھ تھے۔ اور اگر کبھی کافروں کا نصیب جاگ اُٹھے تو ان سے یہ کہہ کر اپنا حق برقرار رکھیں کہ جناب اگر ہم نے تمہارے خلاف تلوار اٹھائی ہوتی تو مسلمان تم پر غالب آ جاتے۔ لہذا تم ہماری ہی پالیسی کی وجہ سے کامیاب ہوئے۔ اگر ہماری پالیسی مانع نہ ہوتی تو تم غالب نہ آ سکتے تھے۔ چنانچہ اس کا فرانہ جد و جہد کا فیصلہ اب قیامت کے دن تک ملتوی ہے۔ اس ہارجیت میں مومنین پر کافروں کی طرف سے کوئی حجة قائم نہیں ہوتی۔ قبل اس کے کہ ہم کچھ عرض کریں، جناب مودودی صاحب کا وہ نوٹ ملاحظہ فرمائیں جو مندرجہ بالا آیت کی وضاحت میں لکھا گیا ہے۔ وہ اپنے انداز پر پردہ پوشی میں فرماتے ہیں کہ:-

”ہر زمانہ کے منافقین کی یہی خصوصیت ہے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے جو فائدے حاصل کئے جاسکتے ہیں ان کو یہ اپنے زبانی اقرار اور دائرۂ اسلام میں برائے نام شمولیت کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ اور جو فائدے کافر ہونے کی حیثیت سے حاصل ہونے ممکن ہیں۔ ان کی خاطر یہ کفار سے جا کر ملتے ہیں اور ہر طریقہ سے ان کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم کوئی ”متعصب“ مسلمان نہیں ہیں، نام کا تعلق مسلمانوں سے ضرور ہے مگر ہماری دلچسپیاں اور وفاداریاں تمہارے ساتھ ہیں، فکر و تہذیب اور مذاق کے لحاظ سے ہر طرح کی موافقت تمہارے ساتھ ہے۔ اور کفر و اسلام کی کشمکش میں ہمارا وزن جب پڑے گا تمہارے ہی پلڑے میں پڑے گا۔“ (تفہیم القرآن۔ جلد اول حاشیہ 171، صفحہ 409-410)

علامہ کا یہ بیان اور قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت کو سامنے رکھ کر ان لوگوں کی لسٹ (List) بنالیں جو ایمان کا اقرار کرنے اور ظاہری اسلامی اعمال بجالانے میں تو بہت پُرانے بلکہ اولین اور سابقین میں شمار کئے جاتے ہوں۔ اور تمام اسلامی جنگوں میں بھی رسول اللہ کے ساتھ بتائے جاتے ہیں۔ لیکن کبھی تیغ بکف ہو کر نہ کسی دشمن خدا اور رسول کو قتل کیا، نہ کسی کو زخمی کیا، نہ خود کوئی زخم کھایا۔ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے کبھی کفر کے خلاف میدان جنگ میں اپنی تلوار میان سے نہیں نکالی۔ مسلمانوں میں اس لئے بزرگ تھے کہ ہر جنگ میں ساتھ ساتھ رہنے کی تکلیف و زحمت گوارا فرمائی، بروقت خطرات سے مطلع کیا، دو (2) رُخا مفید مشورہ دیا۔ کفار میں اس لئے قابلِ قدر و بزرگ کہ ہرگز ان کے خلاف تلوار نہیں نکالی۔ کبھی ان کے استیصال اور تباہی کا مشورہ نہ دیا۔ ان ہی کا ذکر خیر ہے مندرجہ بالا آیت (نساء 4/141) میں۔ اب آپ جنگ اُحد کے تاریخی حالات اور مسلمانوں کے اس خطرناک سیاسی گروہ کے کمالات دیکھ لیں تاکہ قرآن کریم کے بیانات آسانی سے سمجھ میں آسکیں۔

(26/6)۔ جنگ اُحد تاریخ کی نظر میں

تمام تواریخ متفقہ طور پر کہتی ہیں کہ رسول اللہ کو اُن کی رائے کے خلاف مدینہ سے نکل کر میدان اُحد میں جا کر جنگ کرنے پر مجبور کیا گیا۔ جس کا پہلا نتیجہ تو وہی ہوا جو مولانا مودودی نے بھی لکھا کہ تین سو منافق مسلمان رسول اللہ کو چھوڑ کر واپس مدینہ چلے آئے۔ اس لئے کہ اُن کی رائے اور تجربہ یہ تھا کہ مدینہ میں رہ کر جنگ کرنا ہمیشہ حملہ آور کو ناکام کرتا رہا ہے اور باہر نکل کر لڑنا مدینہ والوں کو کبھی راس نہیں آتا۔ یہ بھی تمام تواریخ نے بتایا ہے کہ جب رسول نے مدینہ سے نکل کر جنگ کا مشورہ مان لیا اور خود مسلح ہو گئے تو وہ تمام مسلمان شرمندہ اور پشیمان ہوئے جنہوں نے مدینہ سے نکلنے پر اصرار کیا تھا۔ کفار قریش کی تعداد تین ہزار تھی۔ سات سو (700) زرہ پوش تھے۔ دوسو سوار تھے اور پندرہ مہملیں عورتوں کی تھیں۔ مسلمان کل سات سو تھے۔ اُن میں ایک سوزہ پوش تھے اور صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک رسول اللہ کا، دوسرا ابو بزدہ بن نيار الحارثی کا گھوڑا تھا۔ یہ نوٹ کریں کہ مسلمانوں کی کل تعداد کے برابر کفار قریش کے زرہ پوش ہی تھے۔ یعنی کفار قریش کے ساتھ دو تین سو جنگ آزمائے فاضل تھے۔

میدان جنگ میں پہنچ کر آنحضرت نے اپنی فوج کو ترتیب دی اور پچاس سواروں کو عبداللہ بن جبیر کی ماتحتی میں اپنی فوج کی پشت پر تعینات کیا تاکہ دشمن کی فوج پہاڑ کے پیچھے سے آکر پشت پر حملہ نہ کر سکے۔ اُن سے کہا گیا کہ وہ اپنے مقام سے کسی صورت میں بھی نہ ہٹیں خواہ مسلمانوں کو فتح ہو یا شکست ہو جائے۔ لیکن جس طرح مدینہ میں رہ کر جنگ کرنے کے حکم کو نظر انداز کیا گیا تھا، اُسی طرح عبداللہ بن جبیر کے دستے نے اس حکم کی پابندی نہ کی۔ عبداللہ بن جبیر شہید ہو گئے۔ اور اس کے دستے کی کثرت مال غنیمت لوٹنے کے لئے دوڑ پڑی۔ ان دو خلاف ورزیوں کی وجہ سے ہوا جو کچھ کہ ہوا۔ ایک سو کے قریب حقیقی جانثار اور رسول اللہ کے فرمانبردار بہادر شہید ہوئے۔ فتح شکست سے بدل گئی۔ رسول اللہ شدید زخمی ہوئے۔ کفار پر تلوار نہ اٹھانے والا مسلمان گروہ جہاں جہاں تھا بھاگتا دوڑتا پہاڑ پر چڑھ گیا تاکہ باقی مسلمان بھی میدان سے فرار کر جائیں۔ رسول کے شہید ہو جانے کی خبر پکار کر سُنا دی گئی۔ میدان میں صرف قریش ہی قریش تھے۔ حتیٰ کہ اُن کی عورتیں میدان میں چہل قدمی کر رہی تھیں اور بڑے اطمینان سے مسلمان شہداء کی لاشوں میں بدر کے بہادروں کی لاشیں تلاش کرتی پھر رہی تھیں۔ اور قریشی قسم کا گروہ پہاڑ پر مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہا تھا کہ ابوسفیان سے امان طلب کی جائے۔

(الف)۔ اُحد کے حالات پر طبری کے مختصر بیانات

(i) ابوسفیان کا پیغام کہ تم رسول اور خاندان رسول سے الگ ہو جاؤ ہمیں تم سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ اُس و خیزج نے ٹھکرا دیا۔

اس کے بعد جنگ اُحد شروع ہو گئی۔ (طبری۔ جلد اول صفحہ 233)

(ii) حضرت علی نے قریش کے تمام علمبرداروں کو باری باری قتل کر دیا۔ توجہ ہر قریش کا کوئی دستہ نظر آتا رسول اللہ کے حکم سے حضرت علی وہاں پہنچ کر اسے تہ تیغ کر دیتے تھے۔ بار بار ایسا کرنے پر جبرئیلؑ نے حضرت کی مدح کی تو رسول اللہ نے فرمایا کہ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔ جبرئیلؑ نے فرمایا میں آپ دونوں سے ہوں۔ تمام صحابہ نے یہ آواز سنی:

لَا فِتْنَى إِلَّا عَلَى لَا سَيْفَ إِلَّا ذُو الْفَقَارِ۔ تلوار صرف ذوالفقار ہے اور جو انہر صرف علیؑ ہیں۔ (طبری صفحہ 235-236)

- (iii) وحشی جس نے ہند زوجہ ابوسفیان سے انعام لینے کیلئے حضرت حمزہ علیہ السلام پر دُور سے نیزہ پھینک کر مارا۔ کہتا ہے کہ جناب حمزہ کی صورت ہر وقت میری نظروں میں پھرتی ہے کہ جو سامنے آتا اُسے پاش پاش کرتے بڑھتے جا رہے ہیں۔ (صفحہ 237)
- (iv) جب ابن النضر اس جگہ پہنچے جہاں چند مہاجرین اور انصار اور جناب عمر پناہ لئے بیٹھے تھے۔ تو اس جماعت سے کہا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ میدان جنگ سے کیوں چلے آئے؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ قتل ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر کہا کہ اب زندہ رہ کر کیا کرو گے چلے اُس دین پر قربان ہو جائیں جس پر رسول اللہ قربان ہوئے مگر کوئی نہ اُٹھا۔ میدان میں آئے، ستر زخم کھا کر شہید ہو گئے۔ حضرت عمر کے ساتھ طلحہ بن عبید اللہ بھی یہاں تشریف فرما تھے۔ (طبری۔ جلد اول صفحہ 238)
- (v) ابن قمیۃ الحارثی نے رسول اللہ کے قریب آ کر آپ پر پتھر پھینکا جس سے آپ کی ناک زخمی ہوئی اور نیچے کے چار دانت شہید ہو گئے۔ آپ کا چہرہ خون آلودہ ہو گیا۔ اس صدمہ سے آپ حرکت نہ کر سکے۔ آپ کے صحابہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ بعض مدینہ پہنچے اور بعض پہاڑ پر چڑھ گئے اور ایک چٹان پر جا بیٹھے۔ رسول اللہ آوازیں دیتے رہے۔ (ایضاً صفحہ 240)
- (vi) جب رسول اللہ کے قتل کی خبر پھیلی تو چٹان پر بیٹھے ہوئے صحابہ نے کہا کہ کاش کوئی شخص ایسا ہوتا جو ہماری طرف سے عبد اللہ بن ابی سے کہتا کہ وہ ہمارے لئے ابوسفیان سے امان لے لے۔ یہی لوگ تھے جن کو ابن النضر نے حمایت رسول پر ابھارا مگر وہ اُس سے مس نہ ہوئے۔ (طبری۔ جلد اول صفحہ 240)
- (vii) رسول اللہ زخمی حالت میں اپنے صحابہ کو آوازیں دیتے اور تلاش کرتے چلے۔ چلتے چلتے چٹان پر بیٹھے ہوئے صحابہ کے پاس پہنچے تو اُن میں سے کسی ایک نے کمان میں تیر لگا کر مارنے کی تیاری کی تو رسول اللہ نے چلا کر کہا کہ میں تو رسول اللہ ہوں۔ جب اُن لوگوں نے رسول اللہ کو زندہ پایا تو بہت خوش ہوئے۔ اور آپ بھی خوش ہوئے کہ چند صحابہ حفاظت کے لئے اب بھی تیار ہو گئے۔ اب بہت سے دوسرے صحابہ بھی یہاں جمع ہو گئے اور شکست پر متاسف ہوئے۔ اسی مقام پر وہ مکالمہ ہوا تھا۔ جو ابوسفیان اور حضرت عمر میں بتایا جاتا ہے۔ (طبری۔ جلد اول صفحہ 241)
- (viii) بھاگنے والے صحابہ کوہ اعوض کے دوسری طرف مقام مٹھی تک جا پہنچے، عثمان بن عفان (خلیفہ سوم)، عقبہ بن عثمان اور سعد بن عثمان جنگ اُحد سے بھاگ کر کوہ جلعب جو مدینہ سے کافی دور تھا، چلے آئے اور تین روز کے بعد یہاں سے واپس آئے (صفحہ 242)
- (ix) تین ہجری کے نصف رمضان میں جناب حسن بن علی علیہما السلام پیدا ہوئے اور اسی سال جناب امام حسین علیہ السلام حمل میں آئے (طبری۔ جلد اول صفحہ 253)۔
- قارئین کرام نے دیکھ لیا کہ رسول اللہ کے بعد خلیفہ ہونے والے حضرات نے کیا خدمات انجام دیں اور اُس مخصوص گروہ کے مسلمان کس طرح فرار ہو کر رسول اللہ کی مدد کرتے رہے۔
- (26/7)۔ کتب حدیث و توارخ کے ملے جلے بیانات
- (i) قریش کے علمدار طلحہ نے صف سے نکل کر پکارا۔ کیوں مسلمانو؟ تم میں کوئی ہے کہ یا تو مجھے جہنم میں پہنچا دے یا میرے ہاتھوں

بہشت میں پہنچ جائے۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ نے صف سے نکل کر کہا کہ میں ہوں۔ یہ کہہ کر تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی۔ طلحہ کے بعد اُسکے بھائی عثمان نے علم ہاتھ میں لیا۔ حمزہ مقابلہ کو نکلے اور شانہ پر تلوار ماری جو کمر تک اُتر آئی۔ اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت علیؓ، حضرت حمزہ اور حضرت ابود جانہ فوجوں کے دل میں گھس گئے اور صفیں کی صفیں صاف کر دیں۔“ (سیرۃ النبی صفحہ 375) قارئین اس دست بدست جنگ کے دوران آنحضرتؐ پر کفار نے اس لئے حملہ کیا تھا کہ بہادرانِ مدینہ، فوج کفار میں دُور تک اندر جا چکے تھے۔ اور چند لوگ جو رسول اللہ کے ساتھ اس لئے رہتے تھے کہ مخصوصین میں شمار ہوں اور جنگ بھی نہ کرنا پڑے اور جان بھی محفوظ رہے۔ جب حملہ ہوا تو یہ موقع پرست لوگ رسول اللہ کو چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے تھے۔

(ii) حضرت حمزہؓ دودستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس طرف بڑھتے تھے صفیں کی صفیں صاف ہو جاتی تھیں۔“ (سیرۃ النبی صفحہ 376)

(iii) علمبرداروں کے قتل اور حضرت علیؓ اور حضرت ابود جانہؓ کے بے پناہ حملوں سے کافر فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ بہادر نازنین جو رجز سے دلوں کو ابھار رہی تھیں بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر تیر انداز جو پشت پر تھے وہ بھی غنیمت پر جھک پڑے۔ عبداللہ بن جبیر نے لاکھ منع کیا، نہ مانے۔ چنانچہ عبداللہ کے ساتھ چند جانباڑہ گئے جن کو خالد بن ولید کے دستہ نے شہید کر دیا اور مسلمانوں پر پشت سے حملہ آور ہوا۔ غنیمت لوٹنے والوں نے مڑ کر دیکھا تو تلواریں سروں پر تھیں، بدحواسی چھا گئی۔ مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہونے لگے۔ اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں۔ بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس ہلچل میں کثرت نے ہمت چھوڑ دی۔ آنحضرتؐ کی کسی کو خبر نہ تھی۔ حضرت علیؓ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے مگر رسول اللہ کا پتہ نہ چلتا تھا۔ حضرت انس کے چچا ابن نصرؓ لڑتے بھڑتے موقع سے آگے نکل گئے۔ دیکھا تو حضرت عمرؓ نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیئے ہیں۔ پوچھا یہاں کیا کرتے ہو؟ بولے اب لڑ کر کیا کریں، رسولؐ نے تو شہادت پائی۔ ابن نصرؓ نے کہا اُن کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ یہ عام ارباب سیر کی روایت ہے۔ صحیح بخاری میں یہ واقعہ (یعنی عمر کا فرار۔ احسن) درج ہے مگر عمر کا نام نہیں ہے۔“ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 378 شبلی معہ حاشیہ)

(iv) رسولؐ پر حملے کے لئے دَل کا دَل، ہجوم کر کے بڑھتا تھا۔ لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتے تھے۔ ایک دفعہ ہجوم ہوا تو رسولؐ نے فرمایا کون ہے جو مجھ پر جان فدا کرے؟ زیاد بن سکن پانچ انصار (بخاری) یا سات انصاریوں (صحیح مسلم) کو لے کر بڑھے، لڑے اور سب شہید ہو گئے۔ (سیرۃ النبیؐ شبلی جلد اول صفحہ 379)

قارئین دیکھیں کہ شبلی صاحب نے اس سے پہلے صفحہ 378 پر چند مہاجرین کا رسولؐ کے پاس موجود ہونا بخاری سے لکھا ہے۔ اُن میں ابوبکر و طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص کے نام بھی ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ مہاجر رسول اللہ پر جان فدا کرنے کیوں نہ گئے؟ کیوں ہر قربانی انصار ہی دے رہے ہیں؟ پھر یہ لوگ اُس وقت کہاں تھے جب رسول اللہ کو زخمی کیا گیا؟

(v) ”عبداللہ قُمیہ جو قریش کا مشہور بہادر تھا۔ صفوں کو چیرتا پھاڑتا آنحضرتؐ کے قریب آ گیا اور چہرہ مبارک پر تلوار ماری۔ اس کے صدمہ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں۔ چاروں طرف سے جان نثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا۔

ابود جانه جھک کر سپر بن گئے۔“ (سیرۃ النبیؐ شبلی جلد اول صفحہ 380) یہ کہانی آگے تک بڑھتی ہے۔ پوری پڑھیں اور دیکھیں کہ حضرت ابوبکر کہاں ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ اور افسوس اس پر ہے کہ:-

(vi) ”حضرت فاطمہؓ مدینہ سے میدان جنگ میں آگئیں اور دیکھا کہ چہرہ مبارک سے خون جاری ہے۔ حضرت علیؓ سپر میں بھر کر پانی لائے۔ جناب سیدہ دھوتی تھیں۔ لیکن خون نہیں تھمتا تھا۔ بالآخر ایک ٹکڑا چٹائی کا جلایا اور زخم پر رکھ دیا۔ خون فوراً تھم گیا۔“ (سیرۃ النبیؐ شبلی جلد اول صفحہ 381)

لیکن جناب ابوبکر کہاں ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ چلو خلیفہ دوم و سوم تو پہاڑوں میں ہیں، کم از کم یہ ہی خدمت کر لیتے؟
(vii) علیؓ ابن ابی طالبؓ مع انہ معجروح مکسور الید حمل علی الکفار فہزمہم فجاء جبرئیل و قال یا محمدؐ من ذا الذی بارز الکفار انفاً فانّ اللہ باہی بہ الملائکۃ قال هو علی۔ (مورخ شہیر علامہ دیار کبری)

”حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ باوجود یکہ زخمی اور بازو شکستہ تھے، آپؐ نے کفار پر حملہ کر کے اُن سب کو شکست دیدی۔ اس پر جناب جبرئیلؑ آئے اور کہا کہ یا محمدؐ یہ کون تھا جس نے ابھی ابھی کفار سے مقابلہ کیا تھا؟ اُس پر اللہ اپنے ملائکہ سے فخر و مباہات کر رہا ہے۔ فرمایا کہ وہ علیؓ تھے۔“ (تاریخ خمیس جلد 1 صفحہ 436)۔

(viii) مدارج النبوۃ سے چند جملے اور سن لیں لکھا ہے کہ:-

چوں مسلمانانِ رُوئے بہ ہزیمت آوردند و حضرت رسولؐ را تنہا گذاشتند۔ حضرت در غضب آمد و عرق از پیشانی بہا یولش متقاطر گشت۔ در آں حالت نظر کرد علیؓ ابن ابی طالبؓ کہ بر پہلوئے مبارک ایستادہ است۔ فرمود چوں است کہ تو بہ برادران خود ملحق نہ گشتی۔ علیؓ گفت آیا کافر شوم بعد از ایمان؟ بدرستی کہ مرا بتواقتہ است۔“ (مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ 153)

جب مسلمانوں نے شکست کھائی اور رسولؐ اللہ کو تنہا چھوڑ کر چل دئے۔ آنحضرتؐ کو غصہ آیا اور پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے۔ مگر اس حال میں نظر اٹھائی تو علیؓ کو پہلو میں کھڑا دیکھا۔ دریافت فرمایا کہ تم باقی مسلمانوں کے ساتھ کیوں نہ گئے۔ فرمایا کہ مجھے تو آپؐ کی اقتدا کرنا ہے۔ کیا ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا؟

حضرت علیؓ کے نزدیک رسولؐ اللہ کو زغہ اعدا میں چھوڑ کر فرار کر جانا کفر تھا۔ آپؐ نے اس فتوے سے رجوع نہیں فرمایا۔

(26/8)۔ جنگ اُحد اور اقتدار طلب مسلمانوں پر قرآنی بیانات

(1) جنگ اُحد میں جب کفار کی یلغار کی خبریں مدینہ میں پہنچنا شروع ہوئیں تو قریش کے طرفدار اور اقتدار کے طلب گار مسلمانوں نے اہل مدینہ میں خوف و ہراس پھیلانا شروع کیا۔ ادھر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مدینہ میں قریش مکہ کے قاصد برابر عبد اللہ بن اُبی سے مراسلت جاری رکھے ہوئے تھے تا کہ وہ مدینہ کے یہودیوں اور اوس و خزرج سے الحاق رکھنے والے لوگوں کو رسولؐ اللہ کا ساتھ دینے سے روکے بلکہ قریش کے ساتھ مل کر رسولؐ اللہ اور اُن کے مدنی خاندان کے انصار سے جنگ کریں۔ ان حالات میں آنحضرتؐ نے اللہ کا یہ حکم سُنایا تھا کہ:-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَبِرُوا يَغْلِبُوا مِائَتِينَ

وَأَنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَعْلَمُونَ ۚ (انفال 8/65)

”اے نبیؐ! مومنین میں یہ بتا کر جنگ کی ہمت بڑھاؤ کہ اگر تم میں جم کر لڑنے والے بیس مومن ہونگے تو تمہیں دوسو کافروں پر غلبہ ہوگا اور اگر تم سو (100) مومن ہونگے تو تمہیں ایک ہزار پر غالب رکھا جائیگا۔ وجہ یہ ہے کہ کافر ایمان کی اس قوت اور فرق کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔“

اس فارمولے کی رو سے سات سو (700) مسلمان سات ہزار کافروں پر غالب آنے کے لئے کافی تھے۔ مگر افسوس کہ صرف تین ہزار کافروں نے مسلمانوں کو پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ گویا درحقیقت تین سو بھی اُس قسم کے مسلمان موجود نہ تھے۔ جن کا ذکر قرآن نے صابر کہہ کر کیا ہے۔ ورنہ وہ نہایت آسانی سے تین ہزار کافروں پر غالب آجاتے۔ آپؐ نے دیکھ لیا ہے کہ صرف حضرات علیؑ و حمزہؑ و ابودجانہؑ اور دو تین دیگر مومنین نے کفار کے پیر اکھاڑ دیئے تھے۔ جنگ بدر میں حقیقی مسلمانوں کی تعداد دو سو سے زیادہ نہ تھی۔ باقی سب قریش کے ارسال کردہ مسلمان تھے۔ اب جنگ احد میں اُس قسم کے مسلمانوں کی تعداد چار سو سے اُوپر جا چکی تھی۔ لہذا جنگ اُحد میں تمام قسم کے مسلمانوں کو ملا کر دس گنا قوت کی جگہ اب اوسط طاقت محض دو گنا رہ گئی تھی۔ اگلی آیت اس کو واضح کرتی ہے کہ:-

الَّذِينَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ

وَأَنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۚ (انفال 8/66)

اس وقت اللہ نے تمہارے اندر کمزوری کا پتہ لگا کر تمہاری اوسط قوت میں تخفیف کر دی ہے۔ چنانچہ اب اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو تم دوسو کافروں پر غلبہ پاسکو گے۔ اور اگر تم ایک ہزار ہو گے تو صرف دو ہزار کے اُوپر غالب ہو سکو گے۔ اور یوں تو اللہ برابر صابرین کا ساتھی ہے۔

قوت کی یہ اوسط اُن لوگوں کو بھی شامل کرتی ہے جو تلوار تک نکالنا اور اپنے سر پرستوں سے لڑنا پسند نہ کرتے تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر صابر مومنین ایک سو ہوں گے اور پانچ سو دوسرے مسلمان ہوں تب بھی مومنین ایک ہزار کافروں سے مقابلہ میں کامیاب ہوں گے۔ یعنی اُن کو شمار کئے بغیر حساب کیا کرو تا کہ وقت پر ناکامی نہ ہو۔ اور اللہ صابروں کے ساتھ ہمیشہ سے رہتا چلا آیا ہے۔

قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا بِاللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۚ (بقرہ 2/249)

چنانچہ طاقت کے زمانہ سے مومنین یہ اعلان کرتے آئے ہیں کہ اللہ کا حکم یہ ہے اور اسی بنا پر مومنین کی قلیل تعداد کافروں کی بڑی کثرت پر کامیابی حاصل کرتی رہی ہے۔

(2)۔ آل عمران قرآن کی صورت میں بھی قریش پر ایک مصیبت ہے

شجروں کے بیان میں عمرانؑ اور آل عمرانؑ کی وضاحت ہو چکی ہے۔ اور جنگ اُحد کے تاریخی بیانات میں بھی آپؐ آل عمران علیہم السلام کے سربراہ جناب علیؑ علیہ السلام کے کارنامے ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اب ذرا سورہ آل عمران کو علامہ مودودی کے ریمارکس کے ساتھ سامنے رکھ لیں اور دیکھیں کہ جس طرح علیؑ و اولاد علیؑ مسلمانوں کی اقتدار پسند جماعت کے سامنے سینہ سپر رہ کر اسلام کے صحیح عقائد و اعمال کا تحفظ کرتی ہے۔ بالکل اُنکے والد ماجد علیہ السلام کے نام والی سورہ آل عمران اُن خصوص مسلمانوں کے تمام باطل عقائد و اعمال اور منصوبوں کا

ریکارڈ اُمت مسلمہ تک محفوظ صورت میں پہنچاتی ہے۔ علامہ مودودی اس سورہ آل عمران کے متعلق (تفہیم القرآن میں) لکھتے ہیں کہ:-
 ”زمانہ نزول اور اجزائے مضمون: اس میں چار تقریریں شامل ہیں: پہلی تقریر آغاز سورت سے چوتھے رکوع کی ابتدائی دو آیتوں تک ہے۔ اور وہ غالباً جنگ بدر کے بعد قریبی زمانہ ہی میں نازل ہوئی ہے۔

دوسری تقریر آیت اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَ نُوحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهٖمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ سے شروع ہوتی ہے اور چھٹے رکوع کے اختتام پر ختم ہوتی ہے۔ یہ 9 ہجری میں وفدِ نجران کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی۔

تیسری تقریر ساتویں رکوع کے آغاز سے لے کر بارہویں رکوع کے اختتام تک چلتی ہے۔ اور اس کا زمانہ پہلی تقریر سے متصل ہی معلوم ہوتا ہے۔ چوتھی تقریر تیرہویں رکوع سے ختم سورت تک جنگِ اُحد کے بعد نازل ہوئی ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 228)

سورہ آل عمران کے متعلقات پر علامہ نے تفصیل کے بعد لکھا ہے کہ:-

”(4) جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو جو شکست ہوئی، اُس میں اگرچہ منافقین کی تدبیروں کا بڑا حصہ تھا، لیکن اُسکے ساتھ مسلمانوں کی اپنی کمزوریوں کا حصہ بھی کچھ کم نہ تھا اور یہ ایک قدرتی بات تھی کہ ایک خاص طرزِ فکر اور نظامِ اخلاق پر جو جماعت ابھی تازہ تازہ ہی بنی تھی، جس کی اخلاقی تربیت ابھی مکمل نہ ہو سکی تھی، اور جسے اپنے عقیدہ اور مسلک کی حمایت میں لڑنے کا یہ دوسرا موقع پیش آیا تھا، اُسکے کام میں بعض کمزوریوں کا ظہور بھی ہوتا۔ اسلئے یہ ضرورت پیش آئی کہ جنگ کے بعد اس جنگ کی پوری سرگزشت پر ایک مفصل تبصرہ کیا جائے۔ اور اس میں اسلامی نقطہ نظر سے جو کمزوریاں مسلمانوں کے اندر پائی گئی تھیں، اُن میں سے ایک ایک کی نشان دہی کر کے اسکی اصلاح کے متعلق ہدایات دی جائیں۔ اس سلسلے میں یہ بات نظر میں رکھنے کے لائق ہے کہ اس جنگ پر قرآن کا تبصرہ اُن تبصروں سے کتنا مختلف ہے، جو دنیوی جہل اپنی لڑائیوں (کے ہار جانے) کے بعد کیا کرتے ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 230)

یہاں یہ نوٹ کرتے چلیں کہ علامہ مسلمانوں کو بالکل نئی جماعت فرض کر کے بات کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس جماعت کو قائم ہوئے اور اخلاقی تربیت حاصل کرتے ہوئے تیرہ جمع دو = پندرہ سال ہو چکے تھے، جب قرآن نے آنے والا تبصرہ کیا تھا۔ پھر یہ سمجھ لیں کہ علامہ مسلمانوں میں کمزوریاں تسلیم کرتے ہیں اور بالواسطہ اُن کمزوریوں اور شکست کو منافقوں کے سرچپکاتے ہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ قرآن کا تبصرہ کمزوریوں پر بہت کم مگر سوچے سمجھے منصوبوں اور اجتہادی مسلمانوں کے اجتہاد اور فیصلوں پر زیادہ ہے، لہذا کمزور عقیدہ ہونا اور بات ہے۔ مگر بات تو اُن مخصوص مسلمانوں کی ہو رہی ہے جو ہر بات اپنی عقل و بصیرت و اجتہاد کے ماتحت کرتے ہیں اور رسول کو (معاذ اللہ) ایک عام بشر کی طرح خطا کا رکبہ کراُن کی رائے اور فرمان کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں رہ کر جنگ کرو، یہ کہتے ہیں کہ نہیں میدان میں نکلو۔ وہ فرماتے ہیں کہ اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، یہ لوٹ مار میں لگ جاتے ہیں اور قرآن کریم ہی کی اجتہادی تعبیرات سے رسول کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ لہذا سورہ آل عمران میں پہلے اُن کی قرآن فہمی پر تبصرہ کیا گیا ہے سنئے:-

(3)۔ اقتدار پسند مسلمانوں کی قرآن فہمی اور اجتہاد پر تبصرہ

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاٰخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زُغٌ فَاَتَّبِعُوْنَ مَا

تَشَابَهُ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّسُخُونَ فِي الْعِلْمِ... (آل عمران 3/7)

اللہ بتا رہا ہے کہ ہم وہی تو ہیں جس نے تم پر کتاب نازل کر دی ہے۔ اُس مذکر کتاب میں ایک تو محکم آیات ہیں۔ وہ مونث محکم آیات اُس مذکر کتاب کی اصل و بنیاد یا ماں ہیں۔ دوسری آیات وہ ہیں جو محکم آیات سے مشابہ یا ملتی جلتی ویسی ہی ہیں۔ اب ہوتا یہ ہے کہ جن مسلمانوں کے دلوں میں زلیغ (اجتہاد کا ٹیڑھا پن) ہے۔ وہ اپنا فتنہ پھیلانے اور مسلمانوں کو راسخون فی العلم کے بتائے معنی کے خلاف لیجانے کیلئے اپنے مذکر زلیغ سے جو مفہوم مشابہ ہو جائے اُسی کی پیروی شروع کر دیتے ہیں تاکہ اپنے زلیغ کو قرآن کی سند سے منوایا جاسکے۔ ہمارا یہ ترجمہ اُن تمام ترجموں کے خلاف معلوم ہوگا جو شیعہ اور سنی مترجمین نے کیا ہے۔ افسوس ہے کہ ایسے حضرات بھی مسلمانوں میں مترجم اور مفسر قرآن اور علمائے دین کہلاتے چلے آئے ہیں کہ جن کو عربی زبان کے مذکر و مونث میں تمیز نہ تھی۔ ہم قارئین کی معرفت تمام عربی دان حضرات سے اور خود مترجمین سے بصداہ سوال کرتے ہیں کہ:-

- 1- کیا عربی زبان میں لفظ کتاب مذکر نہیں ہے؟ اور؛
- 2- کیا لفظ آیت یا آیات اور محکمات و متشابہات عربی میں مونث نہیں ہیں؟ اور کیا؛
- 3- لفظ مِنْهُ میں ھُ مذکر واحد غائب کی ضمیر نہیں ہے؟
- 4- اور کیا لفظ ھُنَّ مونث جمع غائب کی ضمیر نہیں ہے؟
- 5- اور کیا عربی میں مذکر اسم کے لئے مذکر اور مونث اسم کے لئے مونث ضمیریں لازم و معمول نہیں ہیں؟
- 6- اور کیا اس آیت زیر نظر میں چار دفعہ ھُ ضمیر مذکر واحد غائب نہیں آئی ہے؟ اور کیا؛
- 7- لفظ زلیغ مذکر نہیں ہے؟؟؟

اگر قارئین اس نتیجے پر پہنچیں کہ ہمارے مقرر کردہ مذکر و مونث صحیح ہیں تو بحث ہو کر فیصلہ ہمارے ترجمہ کی صحت میں ہو گیا۔ اور ہمارا عائد کردہ الزام ثابت ہو گیا۔ اس لئے کہ: اہل زلیغ جس چیز کی اتباع کرتے ہیں اُس چیز کو اللہ نے اس آیت میں مذکر کی ضمیر واحد مذکر غائب ”ھُ“ سے ظاہر فرما کر اُس چیز کو مذکر قرار دیا ہے۔ اس صورت حال میں یہ سمجھنا قطعاً قرآن کے الفاظ اور منشا کے خلاف ہے کہ: ”اہل زلیغ متشابہات کی اتباع کرتے ہیں۔“ اسلئے کہ متشابہات مذکر نہیں بلکہ مونث ہیں۔ اور متشابہات کی پیروی اگر مطلوب ہوتی تو اس آیت کو یوں ہونا چاہئے تھا کہ: فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُنَّ (یا مِنْهَا) پس اہل زلیغ اتباع کرتے ہیں اُس چیز کی جو متشابہات کے مشابہ ہو۔ لہذا فَيَتَّبِعُونَ ما تشابہ مِنْهُ میں واحد مذکر غائب کی ضمیر ”ھُ“ کو اپنے نزدیک ترین مذکر اسم کی طرف پھرنا چاہئے۔ اور وہ اسم ”زلیغ“ کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں۔ لہذا وہ مسلمان اپنے دل میں پوشیدہ زلیغ کو مقصود بنا کر اب قرآن کی ورق گردانی کرتے ہیں۔ اور جہاں بھی زلیغ کا وہ مقصود پورا ہوتا دیکھتے ہیں، کھٹ سے اُسی آیت کو چسپاں کر دیتے ہیں۔ اور اس ترکیب سے قرآن کا رُخ موڑ کر اللہ اور راسخون فی العلم کی منشا کے خلاف لیکن عربی ذہنیت اور مقاصد کے مطابق قرآن کے معنی و مفہام عوام میں پھیلا کر اُن کا تعاون حاصل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس طرح اسلام کے مقابلہ میں ایک اجتہادی اسلام بنا کر سارے مسلمانوں کو اپنے گرد جمع کیا

جائے۔ پھر خلافتِ الہیہ کو اپنی قومی اور ملکی حکومت میں تبدیل کر لیا جائے۔ چونکہ تیسری صدی ہجری کے اواخر میں غیبتِ امام علیہ السلام واقع ہوگئی۔ لہذا اجتہادی مذہب کے اصول و قواعد کو مفاد پرست علمائے شیعہ نے بھی اختیار کر لیا تھا۔ جو غیبت کی بنا پر خوب کامیاب ہوئے اور پھر اُن ہی تصورات کو شیعہ عوام میں پھیلایا۔ حکومتوں کو ہمیشہ اجتہاد اور مجتہدین کی ضرورت رہتی چلی آئی ہے تاکہ حکومت کی تمام پالیسیاں اسلام کی آڑ میں نافذ ہوتی چلی جائیں۔ لہذا شیعہ حکمرانوں نے مذکورہ شیعہ مجتہدین کے وظائف مقرر رکھے، اُن سے خوب کام لیا اور آئندہ دینی مدارس و تعلیمات مجتہدین کے ماتحت رہیں، اس لئے دونوں طرف قرآن کی معنوی تحریف برابر جاری ہوگئی اور آج تک جاری ہے۔ یہ وجہ ہے کہ ترجمہ خواہ شیعہ کا ہو یا اہل سنت نے کیا ہو، معنوی ادل بدل اور ہیر پھیر دونوں کے یہاں ایک ہی اصول پر ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ ہر ترجمہ میں ایک ہی قسم کی غلطی موجود رہتی آئی ہے۔ ہم پہلے شخص ہیں جس نے قرآن کے الفاظ کے مصدري معنی کرنے پر زور دیا اور ایک ایسا انقلاب پیدا کیا جس سے شیعہ سنی تصورات کی جگہ اللہ کی منشا کو مرکزی مقام ملا۔ اور ہماری تصنیفات میں وہ تمام پردے اٹھادئے گئے جو اجتہاد اور مجتہدین نے ڈالے تھے۔ ہم نے زبان وہ استعمال کی جسے کم از کم اسی فیصد لوگ سمجھیں اور خود قرآن پر غور کریں اور علما سے پوچھیں کہ جناب یہ کیا تماشہ ہے؟ آپ کیوں مذکر کو مونث کی جگہ استعمال کرتے ہو؟ کیوں ایک ہی لفظ کے جگہ ادل بدل کر معنی کرتے ہو؟ کیوں ہر لفظ کے ایسے مستقل معنی نہیں کرتے جو ہر جگہ فٹ اور صحیح ہوں؟ کیوں مختلف المصادر الفاظ کے ایک ہی معنی رگڑتے چلے جاتے ہو؟ تشابہات کے جو معنی فریقین نے کئے وہ اور بھی قابل افسوس ہیں۔ اُن کا کہنا یہ ہے کہ قرآن میں کچھ تو واضح اور صاف احکام ہیں اور کچھ آیات ایسی ہیں جن کے معنی مشکوک اور مشتبہ ہیں۔ جن سے آدمی کوئی صحیح مطلب نہیں نکال سکتا۔ بعض نے بلکہ کثرت نے تو یہ کہا کہ تشابہات ایسی آیتیں ہیں کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ بھی اُن کا صحیح مطلب نہ سمجھتے تھے۔ بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ رسول اللہ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ تشابہات کے حقیقی معنی کوئی سمجھتا ہی نہیں ہے۔ پھر سب نے مل کر طے کیا کہ چار پانچ سو آیات کے علاوہ باقی سب تشابہات ہیں۔ یعنی ان چار پانچ سو آیات کے علاوہ قرآن کی کم و بیش چھ ہزار آیتیں عوام کیلئے بیکار ہیں۔ مطلب یہ کہ قرآن کو کوئی ہاتھ نہ لگائے بلکہ مجتہدین کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور جو کچھ وہ فرمادیں نہایت ادب سے اُن کے فرمان کو خدا اور رسول اور معصومین کا حکم سمجھ کر اُن کی اطاعت کی جائے۔ ہماری تصنیفات میں ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کی ہر آیت محکم، واضح اور بلا گنجشک ہے۔ البتہ رسول اور ائمہ کی ہر حال میں احتیاج ہے لیکن اجتہاد و مجتہد کی نہ احتیاج، نہ قرآن و اسلام میں اجتہاد جائز ہے۔ اس کے برعکس اجتہاد حرام ہے۔ اور جو شخص اجتہاد کا قائل ہے وہ قرآن کی واضح آیات کا انکار کرتا اور جھٹلاتا ہے۔ یعنی وہ مانتا ہے کہ نہ اللہ نے قرآن میں دین مکمل کیا نہ رسول اللہ کی احادیث میں انسانوں کے تمام مسائل بیان ہو سکے۔ اور اس لئے جو کچھ اللہ و رسول سے رہ گیا اُس کو پورا کرنے کے لئے اجتہاد و مجتہد کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ نے فرمایا تھا کہ قرآن میں کسی چیز کی کمی نہیں (انعام 6/59) اور ہر چیز کی تفصیل موجود ہے (یوسف 12/111) جس کا ان آیات پر ایمان ہو اُسے کسی خاٹی و خطا کار انسان کے من گھڑت مسائل کی ضرورت نہیں ہے۔ (تفصیلات ہماری کتاب اسلام اور علمائے اسلام میں ملاحظہ فرمائیں)

(4)۔ مسلمانوں کے مجتہدانہ گروہ کو اتباع رسول کا حکم اور معافی کا وعدہ

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ..... قُلْ إِنْ تُحِبُّوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْذَرُ يَدُ اللَّهِ يَعْلَمُهُ اللَّهُ..... قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ..... قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ (آل عمران 32-38/3)

اُس مسلمان گروہ سے کہا گیا کہ مومنین کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے مقرر کردہ مومنین کے بجائے کافروں کو اپنا حاکم بنائیں اور جو ایسا کرے گا اُس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں صرف اُس صورت میں معافی ہے (بقول علامہ) جب کہ ”اپنے بچاؤ کے لئے بدرجہ مجبوری کبھی کفار کے ساتھ تقیہ کرنا پڑے۔“ (جلداول صفحہ 244) تو باطل حکومت کا اقرار کر لو مگر یہ سمجھ لو کہ اللہ تمہیں ذاتی طور پر حکومت باطل کو تسلیم کرنے سے بچ کر رہنے کا حکم دے رہا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف سب کو پلٹنا ہوگا۔ اور اُن اجتہادی مومنین سے یہ بھی کہہ دو کہ اگر مذکورہ حکومت کا تصور تمہارے دلوں کے اندر پوشیدہ رہے یا تم اُسے ظاہر کرو، دونوں صورتوں میں اللہ کو اُس کا علم ہے۔ اُسی تصور کا نہیں بلکہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا علم ہے۔ اور ہر چیز پر اللہ کو قدرت حاصل ہے۔ اُس روز جب کہ ہر شخص اپنے اچھے اور برے اعمال کے ساتھ حاضر ہوگا۔ تو اُسے یہ تمنا ہوگی کہ کاش وہ دن ابھی اُس سے بہت ہی دور ہوتا۔ پھر ایک دفعہ تمہیں اللہ کی پکڑ سے بچنے کا بذاتہ حکم دیا جاتا ہے۔ بار بار حکم کی وجہ اللہ کا بندوں پر مہربان ہونا ہے۔ لہذا آخری بات یہ بتادو کہ اگر تم واقعی اللہ کی اطاعت اور اُس کی محبت کے دعویٰ میں سچے ہو تو یہ دعویٰ اُس صورت میں اللہ کو محبوب ہوگا جب کہ تم میری اتباع کرو۔ اور اس اتباع رسول سے تمہارے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو تم اب تک حکومتِ الہیہ کے خلاف کرتے رہے ہو۔ ورنہ سمجھ لو کہ اللہ حکومتِ الہیہ کے کافروں سے محبت نہیں رکھتا۔ اسلئے کہ:

(5)۔ آلِ ابراہیم و آلِ عمران کی بزرگی اور حکومتِ عالمین پر ماننا لازم ہے

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (آل عمران 33-34)۔ حضرت آدم و نوح علیہما السلام سے لے کر حکومتِ الہیہ قائم کی گئی اور نسلِ ابراہیم و نسلِ عمران کی برتری پوری کائنات پر قائم کرنے کے لئے الرسول یعنی رسول کے تمام اجزاء اور اُن کے تمام جانشینوں کی قدم بقدم یعنی ادھر ادھر دیکھے بغیر اتباع و اطاعت لازم کی گئی ہے۔ آدم ہوں یا نوح، ابراہیم ہوں یا ابوطالب اور اُن کی آل ہوں یہ سب واجب الاتباع اور ایک ہی مسلسل ذریت ہے۔

یہاں قارئین یہ نوٹ کر لیں کہ جہاں جہاں ولی، اولیاء، وَلُوا اور تَوَلَّوْا و مولا کے مقابلہ میں لفظ کافرا یا کافرین آتا ہے۔ وہاں کافرا یا کفر کے معنی اللہ کی قرآنی حکومتِ الہیہ کے منکر اور چھپانے والے مقصود ہوتے ہیں نہ کہ عام کافر۔ لیکن جرائم دونوں کے یکساں ہیں۔ اسی بنا پر وہ لوگ بھی کافر ہیں جو اتباع رسول کے منکر اور اطاعت خدا کے قائل ہوں اور وہ بھی کافر ہیں جو خلافتِ الہیہ کے منکر اور اجتہادی خلافت کے قائل ہیں۔ دونوں کے لئے خدا کے یہاں جہنم بتایا گیا ہے۔ پھر یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ وہ مومنین اپنے دل میں یہ منصوبہ چھپائے ہوئے ہیں مگر اللہ جانتا ہے۔ ولی کے معنی دوست کرنے والے وہی لوگ ہیں جو ولایتِ خداوندی اور حکومتِ الہیہ کے منکر ہیں۔ ورنہ دوست کے لئے عربی میں حبیب و محبوب و صدیق و خلیل و دود و غیرہ کئی ایک الگ الگ الفاظ ہیں۔ مگر ولی کے اولین

معنی حاکم، جودل میں ہمدرد بھی ہو، ہوتے ہیں (دوست اور حاکم)۔

(6)۔ مسلمانوں کا اجتہادی رابطہ عربی یہود و نصاریٰ سے قائم تھا

سورہ آل عمران میں بڑی تفصیل سے عربی یہود و نصاریٰ کے عقائد اور مقاصد بیان ہوئے ہیں۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ ملکی عصبیت کی بنا پر یہودیوں کی اکثریت کفار قریش کے ساتھ شامل رہی اور مسلمانوں کو مٹا ڈالنے میں اُن کی مدد کرتی رہی۔ اور قریش کے انڈرگراؤنڈ محاذ کو اسلام میں داخلی تخریب کیلئے اجتہاد کی تعلیم دینے میں بڑا ہاتھ تھا۔ اور عربوں نے اپنی حکومت کے دوران ہر ایک نہ ایک عیسائی، یہودی یا کسی مجوسی عالم کو راہنمائی کے لئے دربار میں رکھا۔ اس پہلو پر قرآن کریم اُن اجتہادی مومنین کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرِينَ ۝

وَكَيفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ۔ (آل عمران 101-100/3)

وَلَنْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (3/104-105)

اے وہ مومنین اگر تم نے اُن لوگوں کی اطاعت اختیار کر لی جن کو کتاب دی جا چکی ہے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان رکھنے کے باوجود کافر بنا دیں گے۔ اور مسلسل آیات سننے ہوئے اور رسول کی موجودگی میں تم کس طرح کافر بننے جا رہے ہو؟ حالانکہ تم میں کچھ لوگ تو ایسی اُمت بن جانا ضروری تھا۔ جو لوگوں کو دعوتِ خیر دیتی مسلمانوں کو اچھائیوں کا حکم کرتی برائیوں سے روکتی اور وہ فلاح حاصل کر لینے والی ہو جاتی۔ پھر اُن مومنین کو یہ کہہ کر تفرقہ اندازی سے منع کیا گیا کہ دیکھو تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اسلام میں تفرقہ پھیلایا اور ایسی حالت میں بھی اختلاف پیدا کر دئے تھے جب کہ اُن کے پاس بیانات کی صورت میں احکام آچکے تھے۔ اُن لوگوں کے لئے بڑا سخت عذاب ہے۔

قرآن کریم کے یہ بیانات واضح انداز میں یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ گروہ عرب کے اہل کتاب سے ایسا تعلق رکھتا تھا جس میں انہیں یقین تھا کہ اُنکا ایمان خطرہ میں نہیں ہے لیکن اللہ نے بتایا کہ یہ تعلق انہیں ایمان و اسلام سے خارج کر دیگا۔ آیات اور رسول سے اُنکا کوئی رشتہ نہ رہیگا۔ پھر یہ بتایا کہ یہ طرز عمل فرقہ واریت اور اختلافِ مذہب کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور آیاتِ بیانات کے باوجود تفرقہ اندازی میں مدد بنتا ہے۔ اور جس طرز فکر سے اختلاف پیدا ہوتے ہیں اُسی کا نام آگے چل کر اجتہاد رکھا جانے والا تھا۔ یعنی دین میں ایسی جدوجہد یا کوشش جس سے ہر شخص اپنی عقل و بصیرت کے مطابق مسائل اور احکام حاصل کر لے اور کسی دوسرے کی عقل و بصیرت کی تقلید نہ کرے۔

(7)۔ کفار اور حقیقی منافقین کا رویہ دونوں قسم کے مسلمانوں کے ساتھ

پہلے مسلمانوں کو مخالفوں سے ولایت و حکومت کے رشتے سے منع کیا گیا۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ کفار اور حقیقی منافقین سے جان بوجھ کر محبت اور رابطہ رکھتا چلا جا رہا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا

تُخْفِي صُدُورَهُمْ أَكْبَرَ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۝ هَآئِنْتُمْ أَوَّلَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقَوْكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُؤْتُوا بَعْضُكُمُ الْإِنَّا اللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ إِنْ تَمَسَسَكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِيبَكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تُصِيبُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُ هُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ (آل عمران 120-118/3)

اُن کو منع کیا گیا ہے کہ اُن سے رازدارانہ رابطہ نہ رکھو۔ وہ لوگ تمہارے نہیں ہیں۔ وہ تو تمہاری تخریب کے درپے ہیں۔ جس طرح بھی تمہیں نقصان پہنچے وہی طریقہ اختیار کرنا نہیں پسند ہے۔ اُنکی باتوں میں اُن کا بغض ڈھکا چھپا نہیں رہتا۔ اور جو منصوبہ انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے وہ تو بہت ہی بڑا ہے۔ اگر تمہاری عقل برسر کار ہو تو ہم نے اپنی آیات میں اُس منصوبہ کو واضح کر دیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اے مومنین تم اُن سے مطیعانہ محبت رکھتے ہو۔ اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔ اور تم پوری کتاب پر ایمان بھی رکھتے ہو۔ اصل بات تو یہ ہے کہ وہ تمہارے دکھانے کیلئے مومن بنے رہتے ہیں۔ لیکن تخیلہ میں انہیں حقیقی مومنین پر اس قدر غصہ آتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔ یقیناً اللہ تو سینوں کے اندر والے حالات سے واقف ہے۔ تمہیں اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو اُنکو رنج ہوتا ہے اور نقصان ہوتا ہے تو انہیں خوشی ہوتی ہے۔ اگر تم صبر اور احساس ذمہ داری پر کاربند رہو تو تمہیں اُن کی پُر فریب چالیں نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔ لیکن اللہ تو تمہارے تمام اعمال کو اپنے علمی احاطہ میں رکھتا ہے۔

یہاں مسلمانوں کے مذکورہ گروہ کے قلبی تعلقات کی گہرائی اور کافرانہ محاذ سے محبت و خلوص کی انتہا بیان کر دی گئی اور یہ بتا دیا گیا کہ وہ مومنین اس سب کے باوجود پورے قرآن پر ایمان رکھنے کے مدعی بھی ہیں۔ یہاں سابقہ آیات کی تائید میں وہ منصوبہ بھی ظاہر کر دیا جو اسلام میں داخلی تخریب و افتراق اور اختلاف کا موجب ہونے والا ہے۔ یہ پوزیشن اللہ نے اس لئے بیان کی ہے کہ جنگ اُحد اور بعد میں آنے والے واقعات کی اصل وجہ سمجھ میں آسکے۔ اور یہ معلوم ہو سکے کہ مسلمانوں کا وہ گروہ کیوں میدان جنگ میں تلوار نہیں اٹھاتا اور کیوں کفار اُن سے تعارض نہیں کرتے؟ اور کیوں تمام تورخ میں یہ بیان ہوا ہے کہ ابوسفیان نے جب پہاڑ پر چڑھ کر پہاڑ کی چٹان پر بیٹھے ہوئے مسلمان صحابہ سے دریافت کیا کہ کیا محمدؐ زندہ ہیں یا قتل ہو گئے؟ تو اُس وقت اُس نے اُن ہی مسلمانوں کو نام بنام پکارا تھا جن کا زندہ رہنا یقینی تھا۔ اور جن کے متعلق اُسے معلوم تھا کہ وہ اُس کے اپنے آدمی ہیں اور ہرگز خطرہ مول نہ لیں گے۔ یہاں تک کہ عین وقت پر رسول اللہؐ کو بھی چھوڑ کر محفوظ اور بتائے ہوئے مقام پر پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ جب اُن مسلمانوں نے با آواز بلند اپنے زندہ و سلامت ہونے کا اعلان کر دیا، وہ مطمئن ہو کر ”باقی آئندہ“ کہہ کر مکہ روانہ ہو گیا۔

(8)۔ جنگ اُحد کی صبح اور مسلمانوں کے دو گروہ اور ملائکہ

یہاں تک وہ بنیادیں بیان ہو گئیں جن پر اجتہادی اسلام اور اُحد کی شکست کی عمارت اُٹھنا تھی۔ اس کے بعد اللہ نے اُس صبح کے ذکر سے بات شروع کی تھی جو میدان اُحد میں آئی تھی اور فرمایا کہ: -وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ---- الخ (آل عمران 123-121/3)۔ جب آپ علی الصبح اپنے اہل کو لے کر میدان اُحد میں پہنچے اور مومنین کو جنگ کیلئے مناسب مقامات پر

تعیینات کر رہے تھے۔ اور جس وقت تمہارے ساتھی مسلمانوں کے دو گروہوں نے بزدلی دکھائی تھی۔ حالانکہ وہ اللہ کو اپنا حاکم قرار دیتے تھے۔ مومنین کا کام تو یہی ہے کہ وہ اللہ پر توکل کریں۔ اس کا تجربہ بدر میں اُس وقت ہو چکا تھا جب کہ مسلمان بڑی ذلیل حالت میں تھے۔ لہذا اللہ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری پر کاربند رہو شاید کہ تم شکرگزاری کر سکو۔ اور بدر کی فتح و نصرت کو سامنے رکھو۔

اس صورت حال اور تنبیہ کے بعد یہ بتایا گیا کہ ”مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرنے اور اُن کی مدد کیلئے تین ہزار اور پانچ ہزار ملائکہ کو نازل کرنے کا وعدہ اس شرط پر کیا گیا کہ تمام مسلمان صبر اور تقویٰ کا مظاہرہ کریں تو فتح مسلمانوں کی ہوگی۔ لیکن مسلمانوں نے جو کچھ صبر کیا وہ چند آیات (آل عمران 125-124/3) کے بعد آنے والا ہے۔ یہاں مسلمانوں کے اغنیا اور رؤسا کا حال پہلے بیان فرمایا

ہے کہ : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ... (آل عمران 3/130)

”اے مومنین تم ڈبل کر کر کے سود خوری چھوڑ دو اور تقویٰ اختیار کر لو۔“ علامہ مودودی اس آیت پر نوٹ لکھتے ہیں کہ:-

”اُحد کی شکست کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین کامیابی کے موقع پر مال کی طمع سے مغلوب ہو گئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت ٹوٹنے میں لگ گئے۔ اس لئے حکیم مطلق نے اس حالت کی اصلاح کے لئے زر پرستی کے سرچشمے پر بند باندھنا ضروری سمجھا اور حکم دیا کہ سود خوری سے باز آؤ۔“ (تفہیم جلد اول صفحہ 287)

مطلب واضح ہے کہ سود وہی لے گا جو سرمایہ دار ہوگا۔ اور سرمایہ دار ایسی خطرناک حالت میں جہاں جان کا خطرہ سامنے ہو لوٹ میں حصہ نہ لے گا۔ لوٹ میں وہی لوگ حصہ لیں گے جن پر قرض اور سود کا اس قدر دباؤ ہو کہ جان خطرہ میں ڈالنا مفید معلوم ہو سکے۔ لہذا جنگ اُحد میں کوئی سرمایہ دار لوٹ میں شامل نہ تھا۔ بلکہ سود کے مارے ہوئے لوگ سرمایہ داروں کے دباؤ سے لوٹ مار کر رہے تھے تاکہ جنگ کا پانسہ پلٹ جائے اور پہاڑ کی بلندی سے ہدایات وصول کر رہے تھے تاکہ جان بچائی جاسکے۔ یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ مسلک اجتہاد میں سرمایہ داروں کا تحفظ بھی داخل ہے۔ اور اسی وجہ سے چند ہی سال میں مسلمانوں میں کروڑوں پتی سرمایہ دار وجود میں آچکے تھے۔ اور آج تک برابر سرمایہ داری کا تحفظ کیا جا رہا ہے۔ اگلی آیت میں سود خوری کو کفر قرار دے کر جہنم سے ڈرایا ہے۔ یعنی ایسا اسلام قابل قبول نہیں۔ پھر اپنے رحم کی شرط اطاعت رسول کو قرار دیا۔ (آل عمران 3/131-132)

(9)۔ انبیائے سابقہ کی اُمتوں سے اُحد کے مفرو مسلمانوں کا تقابل

چند تنبیہات کے بعد جنگ اُحد کے مفرو مسلمانوں کو یہ بتایا گیا کہ تم سے پہلے انبیاء کی اُمتوں نے اپنے نبیوں کے سامنے جہاد و قتال کئے۔

فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا... (آل عمران 3/146)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُؤْذُواكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَقَبَّلُوا خُسْرَيْنِ ۝

بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ۝ (آل عمران 3/149-150)

مگر اُن کے ساتھ جو کچھ بھی پیش آیا وہ نہ اُس پر شکستہ خاطر ہوئے نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ باطل کے رُوبرو سر جھکایا۔ مگر تم لوگوں نے تو یہ سب کچھ کر دکھایا ہے۔ اور اے سپر انداختہ مومنین اگر تم نے کافروں کی اطاعت جاری رکھی تو وہ تمہیں تمہارے پچھلے

مذہب پر واپس لے جائیں گے۔ اور اُس صورت میں اسلامی طور پر تم پر نقصان میں رہنے والا انقلاب آجائے گا۔ حالانکہ تمہارا حاکم اور خیر خواہ اور سب سے زیادہ ناصر اللہ ہی ہے۔ یعنی تم اللہ کی نصرت، خیر خواہی اور ولایت سے خارج ہو جاؤ گے۔ یہاں پھر واضح ہوا کہ جس منصوبے پر وہ مسلمان چل رہے تھے اُس کفر کی اطاعت کے ساتھ ایام جاہلیت والے سابقہ مذہب کی ولایت بھی لازم تھی اور اللہ سے قطع تعلق تھا۔ اب کچھ ایسی باتیں قرآن سے سنیں جنہیں شاہی تاریخ میں نہیں لکھا گیا۔

(10)۔ کافروں کے مطیع مسلمانوں نے طرز حکومت پر تنازع کھڑا کر دیا تھا۔ نافرمانی کی تھی

رسول اللہ کے ساتھ معاملات حکومت پر مسلمانوں کا جھگڑا کرنا اور طرز حکومت کی نافرمانی کرنا تو تاریخ نے نہیں لکھا ہے۔ مگر قرآن مجید اس معاملے میں خاموش نہیں رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں مذکورہ لفظ امر کے معنی میں تحریف کر کے صورت حال کی سنگینی کو ہلکا کرنے کی کوشش ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ اللہ نے اُحد کی شکست اور مخصوص مسلمانوں کی ذہنیت یوں بیان کی ہے کہ:-

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ حَتَّى إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّا بَعْدَ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ مِنْكُمْ مِمَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ (آل عمران 3/152)

یقیناً اللہ نے اپنا وعدہ نصرت اُس وقت پورا کر دیا تھا جب خود تم اللہ کی اجازت سے محسوس کر رہے تھے کہ تم غالب آنے والے ہو۔ لیکن جب تم نے معاملات حکومت کا تنازع کھڑا کر دیا۔ اور عقیدہ کی کمزوری عین جنگ کے دوران عام کردی اور رسول اللہ کی نافرمانی اختیار کر لی۔ اور یہ ایسی حالت میں کر گزرے جب کہ تمہارے سامنے وہ چیز آگئی جو تمہیں بڑی محبوب ہے۔ چنانچہ تم میں سے کچھ دنیاوی مال و متاع چاہتے تھے، کچھ آخرت کے طلبگار تھے۔ تب تمہارے پیر اُن کے مقابلہ میں اکھڑ گئے تاکہ تمہیں آزمایا جائے۔ پھر اللہ نے تم کو فضول سمجھ لیا، نظر انداز کر دیا اور قتل ہو جانے سے بچالیا۔

مودودی صاحب بھی یہاں لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ کا مطلب حاشیہ نمبر 109 میں یہی بتاتے ہیں کہ قتل و غارت ہو جانے سے بچالیا (تفہیم القرآن۔ جلد اول صفحہ 295)۔

یہاں دو باتیں خاص طور پر نوٹ کر لیں۔ اول یہ کہ یہ مسلمان گروہ معاملات حکومت میں رسول سے متفق نہیں۔ دوسرے یہ کہ اُن کا مشن صرف دنیا تک محدود تھا آخرت کی انہیں پرواہ نہ تھی۔

(11)۔ قرآن کریم نے اُن مسلمانوں کا رسول اللہ کو تنہا چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ جانا بتایا

اُن مسلمانوں نے معاملات حکومت میں تنازع کے بعد جو کمزوری دکھائی تھی وہ یہ تھی کہ رسول اللہ اور دیگر مومنین کو چھوڑ کر چل دیئے تھے قرآن سے سنئے:-

إِذْ تَصْعَدُ وُنَ وَلَا تَلْوَنَ عَلَى أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَتَابَكُمْ عَمَّا بَغِمَ لَكُمْ لِكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (آل عمران 3/153)

اور جس وقت تم پہاڑ پر چڑھ گئے اور رسول تمہیں پیچھے پیچھے آوازیں دے کر بلاتا رہا گیا۔ اور تم نے پلٹ کر اُس کی طرف متوجہ ہونا بھی پسند

نہ کیا تھا۔ اس عمل کے نتیجے میں تمہیں دُور غم حاصل ہوا تاکہ اس کے بعد تمہیں تجربہ ہو جائے کہ اگر آئندہ تمہاری پوشیدہ اسکیم ناکام ہو جائے یا اُس کی وجہ سے کوئی ناگوار صورت حال تمہیں پیش آجائے تو تم اُس دُور غم کے مقابلے میں زیادہ رنج محسوس نہ کرو۔ یعنی وہ دُور غم، یا غم پر غم بطور نمونہ نصیب ہوا۔ اور اللہ تو تمہارے کربوت سے خبردار رہتا ہی ہے۔

ناظرین کے قلوب میں کس قدر وقعت ہو سکتی ہے اُن مسلمانوں کی جو تمام مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ خود آنحضرت کو زغرِ اعدا میں قتل ہو جانے کے لئے فرار کریں۔ اور رسول اللہ اپنی مدد کے لئے پیچھے پیچھے پکارتے رہ جائیں اور یہ لوگ پہاڑ پر آ کر اطمینان سے گزشتہ خامیوں پر اور آئندہ شدت پر غور کرنے لگے تاکہ آئندہ اپنے زیر پردہ منصوبہ کو زیادہ کامیاب بنایا جاسکے۔ چنانچہ اللہ نے مسلسل اُس گروہ کی سازش یوں بیان کر دی کہ:-

(12)۔ امر حکومت میں اپنا مقام منوانے کے لئے شکست کو بہانہ بنایا تھا

...وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (آل عمران 3/154)

مسلمانوں کے اُس گروہ نے اپنے لئے خاص اہمیت ملنے کی خاطر اپنے سابقہ دین کو دلیل بنایا اور خدا کی پوزیشن کا اُسی انداز میں تعین کیا جو حق کے خلاف تھا۔ اور یہ سوال از سر نو اُٹھایا کہ کیا ہم کو معاملات حکومت اور اجرائے احکام میں کوئی مقام دیا گیا ہے؟ جو کہ ہماری تہذیب کی قدیم روایت ہے۔ یعنی ہر حکم اور ہر حکومت ملکی و ملّی مفاد اور بصیرت کے ماتحت رہے۔ اور انہوں نے یہ اعتراض بھی قائم کیا کہ اگر معاملات حکومت میں ہماری بصیرت کو شامل کر لیا ہوتا تو ہمارا اس طرح پر اس جنگ میں قتل عام نہ ہوا ہوتا۔ یعنی جو کچھ ہوا وہ محض رسول اللہ کی ذاتی بصیرت اور آمرانہ پالیسی کی وجہ سے ہوا۔ اے رسول اُن کو بتادو کہ معاملات حکومت میں خطا کاروں کی بصیرت اور مشورہ کا معاملات خلافت الہیہ میں کوئی مقام نہیں ہے۔ یہ حاکمیت محض اللہ کی ہے۔ وہ جس حکم کو مناسب سمجھتا ہے اپنے بے خطا ذریعہ (معصوم) سے نافذ کرتا ہے اور یہ بھی کہ جب اللہ کسی فرد یا افراد کا قتل ہو جانا طے کر لیتا ہے تو خواہ تم اپنے گھروں میں ہو تب بھی قتل ہونے والے خود اپنے ارادے اور اختیار سے چل کر اپنی قتل گاہ میں پہنچ جائیں۔ اور یہ بھی سمجھا دو کہ حکومت کے متعلق تمہارے دلوں کے اندر جو فکر پوشیدہ ہے، اُس میں بھی اللہ تمہاری آزمائش کر رہا ہے تاکہ وہ طرز حکومت ایک دفعہ تمہارے دلوں کے ساتھ ٹرپ کر رہ جائے۔ اللہ سینوں کے اندر پوشیدہ تصورات کا علم رکھتا ہے۔

یہاں دو باتیں نوٹ کر لیں اول یہ کہ یہ گروہ جس قسم کی حکومت پسند کرتا ہے اُس میں انسانی بصیرت کو شریک کرنا لازم ہے۔ اور یہ بھی کہ حکومت کی یہ فکرایام جاہلیت کی طرز فکر پر مبنی اور حق کے خلاف ہے۔ دوم یہ کہ وہ پیشگوئی جو جناب ابوبکر نے اُزدی عالم اور بحیرا راہب سے سنی تھی۔ وہ اسی باطل حکومت کیلئے تھی اور قرآن نے بھی اس آیت میں اس کی تائید کی ہے (لِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ)۔

تاریخ نے اُس طرز حکومت کا قائم ہونا کبھی نہ دیکھا۔ آمریت کو قائم رکھنا پڑا۔ اُس طرز حکومت کے دوہرے دوہرے قتل دیکھے گئے۔ اُس کے اعضاء گلیوں میں بکھرے پڑے رہے۔ ہر زمانہ میں اُس گروہ کے جانشینوں کے دل تڑپتے رہے۔ مگر وہ اس طرز حکومت کو قائم نہ کر سکے اور ہمیشہ اپنی ناکامی پر نالاں رہے۔ کرنا کچھ اور چاہتے۔ ہوتا کچھ اور رہتا۔ اور آج وہ خود تھک کر سوشلزم اور کمیونزم کے سائے میں سانس لے رہے ہیں۔ قرآن کی یہ پیشگوئی کہ حکومت کی یہ فکر تمہارے دلوں کے ساتھ تڑپا کر چھوڑی جائے گی (لِيُمَجِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ) ایک مستقل اور مسلسل تاریخی حقیقت ہے۔ اس حکومت کا راستہ صاف کرنے کے لئے لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ حتیٰ کہ خاندان محمد آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹا دینے کی کوشش جاری رہی۔ کر بلا کی وجہ سے آج بھی اُن خبیث دلوں میں آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور اپنی ناکامی پر دل تڑپ کر رہ جاتے ہیں۔ اگلی آیت اُن کی اس حسرت کا تذکرہ کرتی ہے۔ اُن کے تصورات کو شیطانی بتاتی ہے سُنئے :-

(13)۔ ولایت و حکومت کا وہ تصور شیطانی ہے۔ مومنین کو اس کفر سے بچنا چاہئے

چونکہ مترجمین یہاں بڑی بڑی پگڑیاں اچھلتی دیکھتے ہیں۔ اس لئے آیات قرآن کا رخ موڑنے کے لئے معنی اور مفہوم کو حقیقت سے دور رکھنا لازم سمجھتے ہیں۔ مگر ہمارا فرض ہے کہ ہر لفظ کا پورا تصور پیش کر دیں۔ مختصرات کو مفصل طور پر لکھ دیں تاکہ حق سامنے آ کر کھڑا ہو جائے۔ اللہ نے مسلسل فرمایا کہ:-

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ (آل عمران 155-156/3)

یقیناً تم میں سے جس مسلمان گروہ نے جنگ اُحد کے دن رسول کی حکومت کے خلاف ولایت بنانے پر تنازع کھڑا کیا اور میدان جنگ سے نکل کر پہاڑ پر جا بیٹھے اور اقتدار میں حصہ لینے کی اسکیم پر زور دیا تھا۔ اُن مسلمانوں کا ڈانوا ڈول ہو جانا اُن کی اپنی اسکیموں کی وجہ سے شیطانی کاروبار تھا۔ اور چونکہ اللہ بردبار اور مغفرت کا حامل ہے اس لئے اُن کو اُس روز قتل ہو جانے سے بچا لیا تھا۔ تاکہ اُن کی آنے والی نسلوں کو محرومی نہ ہو جائے اور وہ مغفرت حاصل کر سکیں۔ اے مومنین تم ان کافروں کی طرح نہ ہو جانا۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر اُن کی بصیرت اور فیصلے کے بغیر کوئی شخص سفر کرے یا جہاد کے لئے جائے تو ضرور بے موت مرے گا یا قتل ہو جائے گا۔ اور اگر اُن کے فیصلے کے ماتحت جائے یا جنگ کرے تو ہرگز نہ مرے گا نہ قتل ہوگا۔ یہ رائے قائم کرنے والوں کے دلوں میں حسرت و اندوہ باقی رکھنا اللہ کی ذمہ داری ہے۔ کبھی بھی اُنکی بصیرت کامیاب نہ ہوگی۔ اس لئے کہ زندگی دینے والا اور موت سے دوچار کرنے والا اللہ ہی ہے۔ اور اے مومنین یہ سمجھ کر عمل کیا کرو کہ تمہارا ہر عمل اللہ کی نظر میں ہے۔

یہاں ہم نے عفا اللہ کے وہی معنی کئے ہیں جو مولانا مودودی نے صفحہ 295 کے حاشیہ نمبر 109 میں کئے تھے۔ یعنی اللہ نے اُن کو قتل اور تباہی سے بچا لیا۔ ورنہ عفا، معافی اور عفو کے معنی بخش دینے کے ہرگز نہیں ہوتے۔ یعنی معافی کے معنی مغفرت نہیں ہوتے۔

تحقیق کے لئے آپ (بقرہ 2/219) کا ترجمہ دیکھیں۔ وہاں ہر عالم نے مجبور ہو کر حق سے قریب معنی کئے ہیں (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 167)۔ یعنی فاضل، فالتو اور جس کی فوراً ضرورت نہ ہو۔ قرآن میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اُسکی ہر صورت میں ”عارضی طور پر نظر انداز کر دینا“ معنی کر لیں، کبھی منشاء قرآن کے خلاف نہ ہوگا۔ ورنہ بلا توبہ اور پشیمانی کے اظہار کے شیطان کے چنگل میں پھنسے ہوئے ایسے لوگوں کی بخشش پر ایمان لانا پڑے گا جو رسول اللہ کو قتل ہو جانے کے لئے میدان جنگ میں چھوڑ دیں۔ اور رسول کے حکم پر بھی پلٹ کر نہ آئیں۔ پھر اللہ کا یہ حکم بھی نہ مانیں کہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ..** (8/24)

جب تم کو رسول اللہ بلائیں تو فوراً تعمیل کرو اور حاضر ہو جاؤ تاکہ تمہیں زندگی بخشی جائے۔ اور کھل کر اور اعلانیہ نافرمانی کریں، جو رسول اللہ کے گرد اسلئے جمع ہو گئے ہوں کہ وہ حضرت سیدھے سادے مومن ہیں۔ حلیم الطبع، صاف دل، نرم خو ہیں، زبان میں تاثیر ہے۔ لوگ دل و جان سے اُن پر اور اُنکے احکام پر فدا ہو جانے کو تیار ہیں۔ لاؤ (معاذ اللہ) بے وقوف بنا کر، سیاسی نشیب و فراز سے مرعوب کر کے اپنا اُلوسیدھا کر لو اور موقع ملے تو بنتی ہوئی حکومت میں شریک کار ہو جاؤ یا ایسا مشہور کر دو کہ وہ تو ہر قدم ہماری ہدایات کے ماتحت اُٹھاتے ہیں اور اس طرح ایک دن حکومت پر قبضہ کر لو۔ اس ساری رام کہانی کو قرآن کریم اس طرح سناتا ہے کہ ایک بات کہیں کہہ دی، دوسری کہیں اور سُنادی، تیسری کیلئے اشارہ کر دیا، چوتھی خود لوگوں کے سمجھنے کیلئے چھوڑ دی۔ چنانچہ معاملات حکومت میں شرکت یا حصہ طلب کرنے کا نفی میں صاف انکار کرنے کے بعد اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اُس مسلمان گروہ کے لیڈروں کا جھمکا کس غرض کے ماتحت ہے؟

(14)۔ رسول کی نرم روی سے فائدہ اُٹھانے والے مسلمان

اللہ نے اُس مسلمان گروہ کے ساتھ لگے رہنے کا مقصد یہ بتایا کہ:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ إِنْ يَنْصُرْكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذَلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ (آل عمران 160-159/3)

یہ لوگ حق طلبی یا حق جوئی کے لئے تمہارے ساتھ نہیں ہیں بلکہ اللہ کی رحمت کی بنا پر آپ ان لوگوں کے ساتھ فطری نرم روی اور بردباری کا سلوک کرتے رہتے ہو۔ اُس سے فائدہ اُٹھانے کے لئے یہ لوگ تمہارے گرد جمع رہتے ہیں۔ اگر کہیں آپ درشت مزاج اور شندھو ہوتے یا اب ہو جاؤ تو یہ تمہیں چھوڑ کر چل دیتے۔ لہذا اپنا نرم رویہ جاری رکھو۔ بلکہ اُن کو فی الحال فالتو لوگ خیال کر کے اُن کو مشروط تحفظ کا یقین دلاؤ اور اُن کی بخشش ہم سے طلب کر کے اُن کو ساتھ لگائے رکھو اور وہ طرز عمل اختیار کرو کہ شہد بھی نکل آئے اور کھیاں ڈنک بھی نہ مارنے پائیں (شَاوِرْهُمْ کے معنی) یا وہ رویہ اپنالو جو جانور کو بہلا پھسلا کر سدھانے میں کیا جاتا ہے (شَاوِرْهُمْ کے دوسرے معنی) یا جس طرح نئے جانور پر سواری کی جاتی ہے (شَاوِرْهُمْ کے تیسرے معنی) یا وہ رویہ جس سے مجرم بھی شرمندہ ہو جاتا ہے (شَاوِرْهُمْ کے چوتھے معنی) یا یہ کہ انہیں معاملات حکومت میں مشورہ اور وجہ سے بھی مطلع کر دیا کرو (شَاوِرْهُمْ کے بھرتی کے معنی نمبر 8)۔ لیکن عزم صمیم رکھتے ہو تو فقط اللہ پر توکل کیا کرو۔ اس لئے کہ مندرجہ بالا تمام صورتوں کے خلاف اللہ صرف توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ اور اُن

کو یہ بھی بتا دو کہ اگر اللہ تمہاری نصرت کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ تمہیں رسوا اور ذلیل کرنا چاہے تو کوئی ایسا نہیں جو اللہ کے مقابلے میں تمہاری مدد کر سکے۔ اور یہ بات پھر سنو کہ جو مومن ہوتے ہیں وہ تو صرف اللہ پر ہی توکل کیا کرتے ہیں۔ یعنی رہ گئے کافر وغیرہ وہ توکل کے خلاف عمل درآمد کی فکر میں اپنی تدبیروں، چالوں اور دست و بازو اور کثرت کا سہارا لیا کرتے ہیں۔

(15)۔ مندرجہ بالا آیات پر ایک نظر

یہاں یہ بتانا ہے کہ مجتہدین حضرات مندرجہ بالا آیات کو اپنے نظام اجتہاد کی بنیاد بنانے میں اپنے اُس ذیع کی اتباع کرتے ہیں جس کا ذکر قرآن نے آیات محکمات اور متشابہات میں کیا ہے۔ جہاں ہم نے مونث و مذکر کی گفتگو کر کے اُن کی پوری عمارت کو مسمار کر دیا ہے (ہمارا پیرا نمبر 26/8 کا 3)۔ یعنی اُن کے ذہن میں پہلے سے نظام مشاورت موجود ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ قرآن سے اس پر سند حاصل کریں۔ لہذا شَاوِرْهُمْ کے تمام حقیقی اور مصدری معنی کو چھوڑ کر شاور کے معنی ”مشورہ کر“ بنادیتے ہیں۔ اور شیعہ علما نے بھی کہہ دیا کہ رسول اللہ کو مشورہ کرنے کا (معاذ اللہ) حکم دیا گیا ہے۔ یعنی جو کچھ کسی نے کہا اُسے بلا تحقیق عقل و قرآن کے خلاف اختیار کر لیا۔ عقل کے خلاف اس لئے کہ مشورہ لینے والا حقیقت سے جاہل ہوتا ہے۔ اور وہ اس حقیقت سے بھی جاہل ہوتا ہے کہ زیر نظر حقیقت کا صحیح علم کس کو ہے؟ اگر اُسے معلوم ہوتا تو پچائیت بلانے کے بجائے اُس شخص کے پاس پہنچتا، سوال کرتا، حق معلوم کر کے حق پر عمل کر لیتا۔ لہذا پوری پچائیت اُس کے نزدیک جاہل ہے۔ خود بھی پچائیت کے ہر فرد کے علم سے اور زیر نظر حق سے جاہل ہے۔ جہلا کے اس مجمع میں زیر نظر ضرورت بطور مشکل پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بھائیو اس ضرورت کے پورا کرنے پر مجھے مشورہ دو۔ چونکہ سب جاہل ہیں، اس لئے بحث یا بکواس ہوتی ہے۔ اُس ضرورت سے ملتی ہوئی جو ضرورتیں کسی کو پیش آچکی تھیں اُن کی روشنی میں اُس زیر نظر ضرورت پر گفتگو ہوتی ہے۔ اور آخر میں ان جہلا کی کثرت ایک نتیجہ کو اختیار کر لیتی ہے، اُس پر عمل کر لیا جاتا ہے۔ خرابی سامنے آتی ہے تو پھر مشورہ سے اصلاح (Amendment) کر لی جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہر وقت جبرئیل خدمت میں حاضر، اللہ ہدایت کے لئے موجود، ہر شے کی تفصیل رکھنے والی کتاب پاس۔ اس کے بعد یہ جاہلانہ کام اور طریقہ رسول اللہ کے لئے تجویز کرنا اور اُسے دین کی بنیاد بنالینا کہاں کی عقلندی ہے؟ یہ تھا وہ کافرانہ مطالبہ جو سورہ آل عمران 3/154 میں مذکور ہوا تھا۔ جواب ڈانٹ کرنفی میں ملا تھا۔ (ہمارا پیرا نمبر 26/8 کا 12) اور جس طرز فکر اور مفکرین کی مسلسل مذمت یہاں تک ہوتی چلی آرہی ہے۔ اگر ہم مجتہدین کی بات مان لیں تو اُن کو اُن کے اپنے ترجمہ کی رُو سے یہ ماننا ہوگا کہ جن لوگوں سے مشورہ کا حکم دیا گیا ہے، اُن کو قصور وار و گنہگار کہا گیا ہے۔ ابھی اُن کی بخشش رسول کی دعا پر منحصر ہے۔ ابھی کہیں بھی اُن کے شرمندہ ہونے یا توبہ طلب کرنے کا ذکر نہیں ہوا۔ وہ بدستور گناہ عظیم کے مرتکب اور مجرم ہیں۔ لہذا اگر ایسے مجرموں اور گناہگاروں سے مشورہ کرنا واجب ہے تو اُسی آیت میں اُن سرکشوں کے لئے مغفرت کی دعا کرنا بھی (امر کے صیغہ سے) واجب ہے۔ اور بلا توبہ و اصلاح حال بخش دیا جانا بھی خدا پر واجب ہے۔ یہی نہیں بلکہ عزم صمیم اور توکل علی اللہ اور سورہ آل عمران کی آیات نمبر 3/159-160 کا قرآن سے خارج کرنا یا اُن کا معطل کرنا بھی واجب ہے۔ اور یہ دونوں آیات خارج یا معطل ہو گئیں تو مشورہ کو باطل سمجھنا بھی واجب ہے۔ پھر عربی زبان اور لغات کو بے اعتبار سمجھنا بھی واجب ہے۔ اور جب عربی زبان ہی مشکوک ہے تو قرآن کو ناقابل

اعتبار کتاب سمجھنا بھی واجب ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

یہ ہے مجتہد کا مقصود و منشا کہ میاں چھوڑ و قرآن کو، اس میں کیا دھرا ہے؟ اس میں ناسخ و منسوخ ہے، مطلق و مقید ہے، عام و خاص ہے، یہ چغلق اور مغلق ہے۔ آؤ ہم آپ کو مفید ترین مشورہ دیں گے، اپنی اور تمہاری اصلاح کے لئے تیار رہیں گے، رَل مِل کیجئے کاج۔ ہارے جیتے آوے نہ لاج۔ کثرت کا فیصلہ تھا۔ غلط نکلے تو کثرت کو شرمندہ کرنے کے لئے کثرت کہاں سے آئے گی؟ رہ گئی قلت، وہ ناقابل شمار چیز ہے۔

اُن کو بتادو کہ پورا قرآن کثرت کی مذمت سے لبریز ہے۔ ایک آیت بلکہ ایک لفظ بھی کثرت کی تعریف میں نہیں ہے۔ کثرت خواہ مومنین کی ہو یا کفار کی، قرآن میں مذموم ہے اور ہمیں بقول شخصے قرآن واقعی کافی ہے۔ اس لئے کہ جہاں قرآن ہوگا وہیں صاحب قرآن علیہ السلام موجود ملے گا۔ آنکھیں اور بصیرت درکار ہے۔ یہ دونوں بفضل خدا ہمیں عطا کی گئیں ہیں۔

(16)۔ مسلمانوں کا یہ گروہ ہرگز منافق یا کافر نہ تھا بلکہ مختلف قسم کا مومن تھا

جن مسلمانوں نے جنگ اُحد کے اُن صحابہ کو منافق بنانے یا بتانے کی کوشش کی ہے، جن کا تذکرہ برابر ہو رہا ہے، دراصل وہ خود اُن ہی لوگوں کے مذہب پر گامزن ہیں۔ وہی عقائد رکھتے ہیں اور اُن تمام لوگوں کے بخش دیئے جانے کے عذرات اور طرح طرح کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ قرآن کے معنی و مفاہیم بدلنے سے بھی نہیں چُکتے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب جناب انسؓ کے چچا ابن النضر وہاں پہنچے جہاں بہت سے صحابہ چٹان پر بیٹھے کچھ غور فرما رہے تھے تو ابن النضر نے اُن کو چل کر جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دی تھی اور آخر وہ خود ستراسی (70-80) زخم کھا کر شہید ہو گئے تھے۔ منصوبہ ساز صحابہ نے جو جواب دیا تھا وہ قرآن سے سنئے فرمایا گیا کہ:-

وَلْيَعْلَمِ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا تَبْعَنُكُمْ هُمْ وَلِلْكَفَرِ يَوْمَئِذٍ اقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ۝ الَّذِينَ قَالُوا لَا إِخْوَانَهُمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا..... (آل عمران 168-167/3)

اُن صحابہ سے کہا گیا کہ چلو اللہ کی راہ میں جنگ میں شامل ہو جائیں تو انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہم کو یہ معلوم ہوتا کہ جنگ مفید ہوگی تو بھی ہم تمہاری اتباع نہ کرتے۔ اُس روز یہ صحابہ ایمان کے مقابلہ میں کفر سے زیادہ قریب تھے۔ یہ لوگ وہ باتیں نہیں بتاتے جو اُن کے دلوں میں پوشیدہ ہیں۔ مگر اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو وہ چھپائے ہوئے ہیں۔ یہ وہی حضرات ہیں جو چٹان پر بیٹھے ہوئے تھے اور جنہوں نے یہ کہا تھا کہ اگر ہماری بصیرت کی اطاعت کی جاتی تو یوں قتل عام نہ ہوتا۔

واضح ہوا کہ یہ اہل ایمان لوگ تھے..... اور خود بھی اپنے آپ کو مومن سمجھتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ اُنکے عقائد اور منصوبے کی بنا پر انہیں ایمان کا پورا درجہ نہیں دیتا اور کافر بھی نہیں بتاتا بلکہ کفر سے قریب قریب فرماتا ہے۔ ان ہی مومنین کیلئے ذرا آگے چل کر فرمایا کہ؛ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوْا اللَّهَ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حِطًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوْا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اَنَّمَا نُمِلُّ لَهُمْ خَيْرٌ لَّا يُفْسِدُهُمْ اِنَّمَا نُمِلُّ لَهُمْ لِيَزِدُّوا اِيْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ (آل عمران 178-176/3)

جو لوگ کفر کے سلسلے میں تیز گام ہیں وہ اسلام کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ لہذا اے نبی آپ اُن کے لئے رنجیدہ نہ ہوا کریں۔ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ دنیا کے بعد آخرت میں اُن کا عذاب عظیم کے سوا کوئی اور حصہ نہیں ہے۔ جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر کی خریداری شروع کر رکھی ہے وہ اللہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے البتہ دردناک عذاب کے سزاوار ہیں۔ اور ایمان کی قیمت پر کفر خریدنے والے لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ اُن کو جو ڈھیل دی جا رہی ہے وہ اُن کے لئے مستقلاً مفید ہے۔ یہ ڈھیل تو اسلئے دی جا رہی ہے کہ وہ اپنے گناہوں کو خوب بڑھا سکیں اور پھر اُنہیں ذلیل و خوار کرنے والا عذاب دیا جائے۔

(26/9)۔ وہ مہاجرین اور مسلمان جو واجب التعظیم تھے؛ ایک معیار

اسی سورہ آل عمران کو ختم کرنے سے پہلے جنگ اُحد میں شامل ہونے والے مہاجرین کی بابت فرمایا کہ:-

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَاُخِرَ جُؤًا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوا فِي سَبِيلِي وَقَتْلُوا وَفُتِلُوا لَا كُفْرَانَ عَنْهُمْ سِيَّائِهِمْ وَلَا ذَخْلَهُمْ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ (آل عمران 3/195)

وہ مہاجرین جو اپنے شہر سے جبراً نکالے گئے اور میری (اللہ کی) راہ میں ستائے گئے۔ میرے لئے لڑے اور قتل ہوئے، ضروری ہے کہ اُن کی برائیوں کو چھپا دیا جائے اور لازم ہے کہ ہم اُن کو ایسی جنتوں میں قیام عطا کریں جہاں نہریں رواں دواں ہوں۔ اُن کے لئے اللہ کے یہاں یہ جزا ہے۔ اور بہترین ثواب اللہ ہی کے پاس ہے۔

قارئین یہ پہلی اور آخری بار سمجھ لیں کہ مہاجر وہ ہے جو اسلام کے لئے گھربار چھوڑے، اسلام کے لئے ستایا گیا ہو، نقصان مال برداشت کیا ہو، تمام تعلقات اور سابقہ وسائل اور ذرائع سے اسلام کی وجہ سے محروم ہوا ہو۔ یہی نہیں، راہ خدا میں جنگ کرتا رہا ہو، اللہ و رسول کے احکام پر جان نثار کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہا ہو۔ ان میں وہ شخص شامل نہیں جو اپنی اغراض کے ماتحت مکہ سے مدینہ چلا آیا ہو۔ نہ مکہ میں اُسے ستایا گیا ہو بلکہ مکہ میں خود کا فر اُس کے محافظ اور مددگار ہوں اور جب مدینہ میں آئے تو اُس کا خزانہ (بیت المال) بھی مدینہ میں آیا ہو۔ جن کے اہل و عیال کو مکہ سے نکلنے میں کوئی نہ روکے نہ ستائے بلکہ رخصت کرنے کے لئے آئیں۔ پھر وہ کبھی تلوار نہ اٹھائے، کسی کافر سے نہ لڑے، نہ زخمی ہو، نہ کسی دشمن خدا و رسول کو زخمی کرے۔ اور جب خطرہ ہو تو رسول اللہ کو قتل ہو جانے کے لئے کافروں کے زعمہ میں چھوڑ کر بھاگ جائے۔ رسول اللہ بلاتے رہیں مگر نہ دیکھیں۔ علامہ مودودی مان چکے ہیں کہ مکہ میں ایسے مسلمان موجود تھے؛

”جو اسلام کے برحق ہونے میں تو معترف تھے اور ایمان کا اقرار بھی کرتے تھے لیکن اس کے لئے تیار نہ تھے کہ اُس حق

کی خاطر اپنے مفاد کی قربانی اور اپنے دنیوی تعلقات کا انقطاع اور اُن مصائب و شدائد کو بھی برداشت کر لیں جو اس

مسلم حق کو قبول کرنے کے ساتھ ہی نازل ہونے شروع ہو جاتے تھے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 48)

اس صفحہ کو پورا پڑھنے سے آپ کو علامہ کی ایک اُستادی معلوم ہوگی یعنی بیان تو یہ دیا ہے جو ہم نے یہاں اور اس سے پہلے بھی لکھا۔ مگر ان لوگوں کو منافق قرار دیا ہے۔ اور استادی یہ ہے کہ انہیں منافق کہہ کر بھی منافقین کی اقسام میں شمار نہیں کیا ہے۔ (دیکھو تفہیم صفحہ 48)

اس لئے کہ جو لوگ اسلام کو حق سمجھیں اُس کے حق ہونے کا اعلان و اعتراف کریں، ایمان کا اقرار کریں۔ وہ یقیناً مسلمان ہیں منافق نہیں۔ قربانی دینے اور اپنے مفاد کو مدنظر رکھنے سے وہ کافر یا منافق نہیں ہو جاتے۔ بہت سے بہت آپ انہیں ضعیف الایمان مسلمان کہہ سکتے ہیں اور بس۔ خانوادہ رسول اللہ اور چند دیگر مسلمانوں کے علاوہ مکہ میں زیادہ تر ایسے ہی مسلمان تھے۔ اور وہ چند دیگر مسلمان رسول کے سامنے خدا کو پیارے ہو چکے تھے۔ باقی تمام کی مسلمان اُسی قسم کے لوگ تھے جو اُوپر مذکور ہوئے ہیں۔ لہذا تمام مہاجر نام کے مسلمانوں کو بلا تحقیق اور قرآنی ثبوت کے ہرگز واجب التعمیم نہیں مانا جاسکتا۔ اُن کی کثرت کی صفات یہاں تک سولہ (16) پیروں میں دکھائی جا چکی ہیں۔ یہ تمام قریشی، مکی اور تارخ سے سابق الاسلام حضرات تھے جو برابر رسول کی تعلیمات کے خلاف اپنا اسلامی منصوبہ چلاتے آرہے تھے۔

(26/10)۔ رسول اللہ سے ایک وعدہ جس کا پورا ہونا تاریخ میں کہیں نہیں

جنگ اُحد کے بعد سورہ آل عمران کے اس تبصرے میں بقول مودودی چار قسم کے منافق مسلمانوں میں مخلوط تھے (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 48)۔ اور ہم نے قرآن سے دکھایا ہے کہ وہ لوگ جن کو علامہ منافق قرار دیتے ہیں قریشی یا اجتہادی مسلمان تھے۔ جو مسلسل حکومت اور اسلام کو بدلنے کا پروگرام چلا رہے تھے۔ بہر حال یہ ثابت ہے کہ مسلمانوں میں ایک گروہ مشکوک الایمان تھا۔ اللہ نے اُس گروہ کے لئے جو کچھ فرمایا، وہ ایک ایسا وعدہ ہے جو رسول اللہ سے کیا گیا تھا۔ اور جس کا پورا ہونا آنحضرت کی حیات میں ثابت نہیں۔ نہ بعد کی تاریخوں میں اُس کا پورا ہونا ثابت ہو سکا سنئے اور غور کیجئے فرمایا گیا کہ:-

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ (آل عمران 3/179)

اللہ کے لئے یہ شایان شان نہیں ہے کہ وہ مومنین کو اس حالت میں رہنے دے۔ جس میں تم لوگ اس وقت ہو۔ یہاں تک کہ وہ خبیث مسلمانوں کو نیک نہاد مسلمانوں سے الگ کر کے تمیز قائم کر دے۔ اور اللہ کے لئے یہ بھی شایان شان نہیں ہے کہ وہ تمہیں اپنے اُس پوشیدہ طریق اور وقت پر مطلع کر دے۔ بات یہ ہے کہ اس قسم کی اطلاع اُن رسولوں کو دی جایا کرتی ہے جن کو اس عمل تطہیر کے لئے ضروری اور منتخب کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس تطہیر کے معاملے میں اللہ اور رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور اگر تم اس عمل پر آمد پر ایمان لے آؤ اور متعلقہ ذمہ داریاں پوری کرو تو تمہارے لئے اجر عظیم مقرر ہے۔

اس آئیہ مبارکہ میں یہ وعدہ بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی دونوں اقسام کو الگ الگ کر کے ایک دوسرے کو میز و مشخص کرے گا۔ مگر کیا آپ ہمیں بتا سکتے ہیں کہ وہ نیک نہاد یا طیب مومنین کون کون تھے؟ اور خبیث مومنین کا گروہ کون سا تھا؟ اور یہ بھی بتائیں کہ دونوں گروہ کب الگ ہوئے اور اُن کو الگ کرنے کا کام کس کے ذریعہ سے اور کیسے کیا گیا تھا؟ ان دونوں سوالات کا جواب تاریخ میں نہیں ملتا۔ لیکن ہم نے اپنی کتاب ”مذہب شیعہ، ایک قدیم تحریک و ہمہ گیر قوت“ میں تفصیل سے دیا ہے۔ یہاں تو صرف یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ رسول اللہ اور اسلام پر ایمان لانے والوں کی قسمیں دو تھیں۔ دونوں مسلمان تھے، دونوں برابر باقی رہے اور آج تک باقی ہیں۔ اور دونوں جنت اور

دوزخ میں جا کر باقی رہیں گے۔ اس صورت میں ہم سب کا فرض اور ضرورت یہ ہے کہ ہم پتہ لگائیں کہ ہم کون سے گروہ میں ہیں؟ اور دوسری ضرورت اور فرض یہ ہے کہ اگر ہم خبیث گروہ میں ہوں تو فوراً اُس سے الگ ہو کر طیب یا پاکیزہ گروہ میں شرکت کی کوشش کریں۔

(26/11)۔ طیب مسلمانوں اور خبیث مسلمانوں کی شناخت کیسے ہو؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں تاریخ، تفسیر قرآن، کاغذ اور تعلیم و تعلم کا نظام تھا وہی لوگ خبیث گروہ کے افراد تھے۔ اور خود کو چھپائے رکھنے کے لئے انہوں نے منافقوں کے نام چھپائے اور اُن عقائد کے حاملین پر پردہ ڈالا جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ اور ہم وہ عمل درآمد لکھتے چلے آ رہے ہیں۔ یہی گروہ تھا اور اُسی گروہ کے پیرو قرآن کی واضح آیات کے معنی اُلٹ کر اُن تمام خبیث لوگوں کو چھپانے کے لئے اُس خبیث گروہ کی بخشش کا ڈھنڈورا پیٹتے چلے آئے ہیں تاکہ خبیث گروہ کو طیب گروہ میں مخلوط رکھا جاسکے۔ آج اُن صاحبان اقتدار کے پھیلانے ہوئے جال اور فریب میں سیدھے سادے عوام کی کثرت الجھی ہوئی ہے۔ ذرا سوچئے کہ جس گروہ کے یہاں قاتل اور مقتول دونوں کو رضی اللہ عنہ کہا جائے، جہاں جائز خلیفہ رسولؐ کے باغیوں کو بھی رضی اللہ عنہ کہا جائے، جہاں لعنت کرنے والا بھی صحابہ میں داخل ہو اور جس پر وہ لعنت کرنے والا لعنت کرتا ہے وہ بھی رضی اللہ عنہ ہو۔ جہاں زانی بھی بہترین مسلمان ہو اور پارسا بھی اُس کے برابر ہے۔ وہاں یہ بات خود بخود ثابت ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا گروہ ہرگز نہیں چاہتا کہ قرآن کے مذکورہ خبیث گروہ کا پتہ لگے۔ اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ کسی کو طیب و پاکیزہ اُسی وقت کہا جاسکتا ہے، جب کہ وہ ناپاک اور گندی چیزوں سے الگ رہے، حرام و حلال، جائز و ناجائز کو ملحوظ رکھے۔ جس کے اعمال و افکار میں کسی خبیث چیز کی کھپت نہ ہو، جو ظالم و مظلوم کو برابر نہ سمجھے، جو اپنا رشتہ اللہ، رسولؐ اور مسلمہ پاک و طاہر لوگوں سے قائم کرے۔ جس کے دل میں کسی خبیث اور بدکردار شخص کی گنجائش نہ ہو، جو مومنین کو بے قصور قتل کرنے والوں کو جہنمی اور لعنتی سمجھے، جو ناجائز لعنت بھیجنے والوں کو لعنتی قرار دے۔ تیسری بات یہ ہے کہ نیک لوگ کم ہوتے ہیں، قیمتی چیزوں کی قلت ہوتی ہے، مسجدیں کم ہیں مثلاً ہر محلہ میں ایک یا دو، لیکن بیت الخلا ہر گھر میں ہوتا ہے، عاقل کم جاہل زیادہ ہیں، مسلم کم کافر زیادہ ہیں۔ اسی فطری اور قدرتی انتظام کے ماتحت طیب و طاہر لوگ کم تھے اور کم ہیں۔ خبیث چیزیں اور خبیث لوگ زیادہ تھے اور زیادہ ہیں۔ لہذا وہ حضرات جن کو مسلمانوں کا ہر گروہ اور قرآن مکمل طاہر و مطہر مانتا ہے، جو ایک لمحہ کے لئے کفر و خباثت سے ملوث نہیں ہوئے، جن کا ہر عمل بے داغ اور قابل پیروی تھا، جن کی نسل بھی پاک و پاکیزہ تھی، جنہوں نے پیدائش سے لے کر تادم زیست نہ شراب کو چھو نہ کوئی اور حرام چیز استعمال کی، بلکہ حلال چیزوں میں سے بھی محض مخصوص اشیاء کو استعمال کیا وہ گنتی کے چند لوگ تھے۔ اور جن لوگوں نے اُن کی پیروی اختیار کی وہ بھی قلیل تعداد میں رہے۔ اس لئے کہ اُن پاکیزہ حضرات سے تعلق رکھنے والوں پر حکومتوں نے ہمیشہ مظالم کئے، اُن کا قتل عام کیا، اُن کا خون جائز رکھا، اُن کو لوٹنا ثواب بتایا۔ اور چوتھی بات آخری بات ہے اور اس کتاب میں اُسی نجات دہندہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ جس نے قرآن کے وعدہ کو پورا کیا اور دونوں گروہوں کو ایسا مشخص کر دیا کہ اب کوئی اُس شناخت کو مٹا نہیں سکتا۔ ہر لمحہ، ہر روز، ہر ماہ اور ہر سال اُن دونوں گروہوں کو شناخت کرنے کا سامان پیش نظر ہے۔ گھروں سے لے کر گلیوں، بازاروں اور سڑکوں پر دن رات اُس خبیث گروہ کو شناخت کرنے کے لئے سامان اور ذرائع کی نمائش ہوتی ہے۔ ظالم اور ظالموں کے طرفدار ایک گروہ

ہیں۔ مظلوم اور مظلوموں کے طرفدار دوسرا گروہ ہیں۔ ظالم اور مظلوم ہر گز دونوں رضی اللہ عنہ نہیں ہو سکتے۔ جو انہیں ایک ہی قرار دے اُسے بھی خبیث گروہ میں شمار کر لیں۔

(26/12)۔ قرآن کے خبیث مسلمانوں پر ایک اور نظر

مندرجہ بالا آیت (آل عمران 3/179) میں ایک بہت باریک نکتہ ہے۔ اُس کو سمجھنے کے لئے دوبارہ آیت پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ جس وقت یہ آیت تلاوت کی گئی اُس وقت خبیث اور طیب دونوں قسم کے مسلمان مخلوط ہیں۔ اُن دونوں گروہوں کو تم (انتم) فرمایا گیا ہے۔ لہذا قرآن پڑھنے والوں کے لئے لازم ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں بھی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا... يٰۤاَنتُمْ وغيرہ آیا ہو، وہاں خبیث گروہ کو مد نظر رکھ کر اللہ کی بات پر غور کرنا ہوگا۔ اور یہی وہ نقطہ ہے جسے مترجمین و مفسرین اور علما کی کثرت ہمیشہ نظر انداز کرنا چاہتی رہی ہے۔ لہذا جہاں بھی اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، یعنی اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (ماندہ 5/119، توبہ 9/100، مجادلہ 58/22)، وہاں اُن خبیث مسلمانوں کو الگ رکھنا ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ خبیث مسلمانوں سے ہرگز راضی نہیں ہو سکتا۔ اور جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ خبیث اور طیب دونوں قسم کے مسلمان کو برابر رکھتا یا دونوں سے راضی ہوتا تھا، وہ خود خبیث گروہ کا طرفدار اور خبیث ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کا عقیدہ یہ ہو کہ نزول قرآن کے دوران کے تمام صحابہ یا مسلمان قابل عزت و احترام اور برابر ہیں، اُن کو شناخت کرنا ضروری ہے، یہ شیطانی عقیدہ ہے اور اُس گروہ کی بڑی موٹی شناخت ہے۔ اسلئے کہ صحیح بخاری کی رو سے بھی ایک وہ صحابہ تھے جن کو خود رسول اللہ قیامت میں اپنے صحابہ فرما کر اپیل کریں گے۔ لیکن ملائکہ انہیں گھیر کر جہنم میں لے جائیں گے اور اُن کے وہ کروت و یاد دلائیں گے جو ہم لکھتے آرہے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھیں کہ مندرجہ بالا تینوں آیتوں میں ایک نہ ایک ایسا لفظ یا شرط موجود ہے جس سے وہ خبیث صحابہ الگ ہو جاتے ہیں مثلاً سورہ مجادلہ کی آیت میں (كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ) اُن لوگوں کے دلوں کے اندر ایمان لکھا ہوا اور اللہ کی ایک رُوح اُن کو عطا کی گئی تھی۔ یہ آیت اُن سب کو خارج کر دیتی ہے جو کافر تھے اور پھر ایمان لائے (مجادلہ 58/22)۔ پھر سورہ ماندہ کی آیت میں صرف وہ لوگ مقصود ہیں جو زندگی کے کسی لمحہ میں بھی جھوٹ اور کذب سے ملوث نہ ہوئے ہوں (الصّٰدِقِيْنَ) یعنی رُوح خداوندی کی مستقل تائید حاصل رہی ہو (ماندہ 5/119)۔ تیسری آیت پوری لکھتے ہیں اس لئے کہ اُس میں مہاجرین اور انصار کا خصوصی ذکر ہے۔

(26/13)۔ مستقل رضائے خدا کن مسلمانوں کو حاصل رہی ہے؟

ان تینوں آیات میں یہ نہیں کہا گیا کہ کبھی اللہ اُن لوگوں سے راضی ہوا اور کبھی اُن پر ناراض ہوا۔ اور نہ یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ کبھی کبھی خدا سے راضی ہوتے رہے اور کبھی ناراض رہے یعنی رضائے خداوندی اور اُن لوگوں کا راضی رہنا مستقل اور مسلسل ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی زمانہ میں کافر رہا ہو اُس زمانہ میں اللہ اُس سے راضی نہیں رہ سکتا۔ لہذا آیت کا مطلوب تینوں مقام پر ہرگز وہ شخص نہیں ہو سکتا جس سے خدا کبھی ناراض رہا ہو۔ اور جو شخص ان آیات میں ایسے لوگوں کو شامل کرنے کی ترکیب یا بہانہ کرے جو مغضوب لوگوں میں

داخل رہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ رعایت دینے والا اُسی گروہ کا ممبر ہے جو غیبت و طیب کو خلط ملط کرنا اور رکھنا چاہتا ہے۔ فیصلہ تو ہو گیا لیکن مہاجرین و انصار والی آیت سن لیں، فرمایا گیا کہ:-

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتَخَذُوا مَا يُنْفِقُ قُرْبَتِ عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَالسَّبِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ (توبہ 9/99-100)

عربوں میں سے وہ لوگ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں، وہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی ذیل میں خرچ کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ الرَّسُول (یعنی پورے رسولؐ) کی دُعا اور درود کو تقربِ خداوندی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اور سب سن لیں اور سمجھ لیں کہ قربتِ خداوندی حاصل کرنے کا ضروری ذریعہ یہی ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ اللہ ایسے عربوں کو عنقریب اپنی رحمت میں داخل کر لے۔ یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور مہاجرین و انصار میں سے اور جن لوگوں نے مہاجرین اور انصار کی اچھی اتباع کی اُن میں سے جو سبقت رکھنے والے اور اولین مسلمان ہیں۔ اُن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اور اللہ نے محض اُن لوگوں کے لئے جن سے اللہ راضی ہے جنتیں تیار کر رکھیں ہیں۔ جن میں نہریں جاری ہیں۔ وہ لوگ ہمیشہ کے لئے داخل کئے جائیں گے۔ یہ بہت بڑا کامیاب اجر ہے۔

ان دونوں آیات میں نہ تمام عرب داخل ہیں، نہ تمام انصار شامل ہیں، نہ سارے مہاجرین رحمت و جنت کے حقدار ہیں۔ بلکہ صرف وہ مسلمان داخل ہیں جو رسولؐ کی ذات کو وسیلہ بنائیں۔ دوسری آیت میں مہاجرین اور انصار میں سے محض اولیت اور سبقت حاصل کرنے والوں سے مستقل رضائے خداوندی کو وابستہ کیا ہے۔ اور پھر متبعین میں سے سبقت اور اولیت رکھنے والوں کو داخل کیا ہے۔ نہ کہ ہر مہاجر و ہر انصار اور ہر تبع کو۔ اور پھر یاد کرو کہ یہ کفر سے ایمان میں داخل ہونے میں سبقت نہیں ہے۔ اس لئے کہ کفر کی حالت میں رضائے خداوندی کی نفی کرنا ہوگی اور یہاں مستقل و مسلسل رضا کا ذکر ہے نہ کہ عارضی اور بدلتے والی رضا کا۔ اس لئے کہ اُن ہی لوگوں میں تو وہ لوگ بھی تھے جو ایمان لائے پھر کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا اور یوں کفر کی طرف بڑھتے گھٹتے رہے۔ اب قرآن کریم سے یہ معلوم کریں کہ وہ السَّبِقُونَ الْأَوَّلُونَ کون ہیں؟ چنانچہ ہم پہلے اُن لوگوں کا ذکر کر چکے ہیں جو قرآن کی رُو سے ازلی وابدی مسلمان ہیں۔ جن کے قلوب و ارواح، گوشت پوست، خون اور ہڈیاں اور ہڈیوں کے اندر کا گودا طیب و طاہر ہے۔ خباثت اور نجاست، کفر و شرک و شیطان پاس نہیں پھٹکا ہے۔ جنہوں نے نبوتوں اور امامتوں کو جنم دیا، پالا پرورش کیا اور نبوت و رسالت کی راہ پر چلنا سکھایا۔ سینکڑوں آیات میں سے ایک آیت پھر دہراتے ہیں۔ سنئے اور بچوں کی طرح سچے کر کے ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے، فرمایا کہ:-

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (آل عمران 3/164)

”یقیناً اللہ نے مومنین پر اُس وقت مَنّی احسان کیا تھا جب اُن مومنین کے اندر سے اور اُن ہی مومنین کے نفوس میں سے ایک

نفس کو رسول مبعوث کیا تھا۔ جو اُن مومنین پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے۔ اور اُن مومنین کا تزکیہ مزید کرتا ہے اور اُن مومنین کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ خواہ وہ اس تعلیم و تزکیہ سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں ہی کیوں نہ ہوتے۔

دیکھئے واضح الفاظ میں مومنین موجود تھے۔ جن پر ابراہیمؑ کی دُعا اور نوحؑ مسیح کو پورا کر دکھانے کا احسان کیا تھا۔ جنہوں نے رسول کو جنم دیا تھا اور اس مقام تک پہنچایا تھا۔ یہ ہیں وہ لوگ جن سے اللہ کی مستقل رضا مندی (رضی اللہ عنہم) وابستہ ہے۔ اور انصار میں بنو خزرج کی عورتیں اور مرد بھی اسی خانوادہ کے افراد ہیں۔ جنہوں نے رسولؐ کے پیدا کرنے میں بڑا حصہ لیا تھا۔ اور ازاول تا آخر نصرت میں سروت کی بازی لگائے رہے۔ اور اُسی خانوادہ کے بچے جو ان ہو کر اُن کے حقیقی تبعین بننے چلے آ رہے ہیں۔ اُن تبعین میں پہلے حضرات کو اولین و سابقین میں شامل کیا ہے۔

(26/14)۔ رسول اللہ کے مخالف مسلمان اور سورہ نساء و علامہ مودودی

سورہ آل عمرانؑ نے جنگ اُحد میں مخالف مسلمانوں کے حالات، عقائد اور منصوبوں پر احاطہ کر دیا ہے، اب ہم جنگ اُحد کے بعد اُن مسلمانوں کے مزید حالات سورہ نساء و علامہ مودودی کی مدد سے پیش کرتے ہیں پہلے سورہ نساء کے متعلق علامہ کا شان نزول وغیرہ سن لیں (1)۔ ”زمانہ نزول اور اجزاء مضمون: یہ سورہ (نساء) متعدد خطبوں پر مشتمل ہے جو غالباً 3 ہجری کے اواخر سے لے کر 4 ہجری کے اواخر یا 5 ہجری کے اوائل تک مختلف اوقات میں نازل ہوئے تھے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 316)

(2)۔ شان نزول اور سورہ نساء میں تاریخی واقعات سے بحث

علامہ مودودی آنحضرتؐ اور اسلام کے مخالفین کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:-

”مخالف اصلاح طاقتوں سے جو کشمکش برپا تھی اُس نے جنگ اُحد کے بعد زیادہ نازک صورت اختیار کر لی تھی۔ اُحد کی شکست نے اطراف و نواح کے مشرک قبائل، یہودی ہمسایوں، اور گھر کے منافقوں کی ہمتیں بڑھادی تھیں۔ اور مسلمان ہر طرف سے خطرات میں گھر گئے تھے۔ ان حالات میں اللہ نے (سورہ نساء میں) ایک طرف پر جوش خطبوں کے ذریعہ سے مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے ابھارا، اور دوسری طرف جنگی حالات میں کام کرنے کے لئے انہیں مختلف ضروری ہدایات دیں۔ مدینہ میں منافق اور ضعیف الایمان لوگ ہر قسم کی خوفناک خبریں اڑا کر بدحواسی پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حکم دیا گیا کہ ہر ایسی خبر ذمہ دار لوگوں تک پہنچائی جائے اور جب تک وہ کسی خبر کی تحقیق نہ کر لیں اُس کی اشاعت کو روکا جائے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 317-318)

(3)۔ مسلمانوں کو بھی منافقوں کی آڑ میں چھپایا گیا ہے

”منافقین کے مختلف گروہ مختلف طرزِ عمل رکھتے تھے اور مسلمانوں کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کس قسم کے منافقوں سے کیا معاملہ کریں۔ اُن سب کو الگ الگ طبقوں میں تقسیم کر کے ہر طبقہ کے منافقوں کے متعلق بتا دیا گیا کہ اُن کے ساتھ یہ برتاؤ ہونا چاہئے۔“ (تفہیم القرآن۔ جلد اول صفحہ 318)

علامہ کے یہ بیانات جنگِ اُحد کے بعد مخالف مسلمانوں کے رویہ پر روشنی ڈالنے کیلئے کافی ہیں۔ چونکہ علامہ اپنے گروہ کے مسلمانوں کو زیرِ پردہ رکھنا ضروری خیال فرماتے ہیں۔ اسلئے وہ اسلام کے ہر مخالف کو نفاق کی چادروں میں لپیٹ کر منافق ہی کہتے جاسکتے۔ خواہ قرآن میں اُن کیلئے لفظ منافق استعمال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اُنکے قلم سے ”ضعیف الایمان لوگ“ کا جملہ ٹپک گیا ہے۔ اور ہمارے لئے اسی قدر کافی ہے۔ یعنی رسول اللہ کے زمانہ میں مدینہ کے اندر ضعیف الایمان صحابہ بھی کثرت میں موجود تھے۔ ہم اُنکو ضعیف الایمان نہیں کہتے بلکہ اُنکے ایمان کو بڑا مضبوط لکھتے اور کہتے ہیں۔ اور اگر وہ واقعی ضعیف الایمان تھے تو علامہ کو اُنکے عقائد کو ترک کر دینا چاہئے۔ آئیے اب سورہ نساء کے ساتھ ساتھ چلیں اور دیکھیں کہ جہاں جہاں اللہ نے مسلمانوں کے اُس گروہ کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اُن کی کیا پوزیشن ہے؟ اور حضرت علامہ وہاں کیا رائے ظاہر فرماتے ہیں؟ یہ سمجھ کر قرآن کے بیانات سنیں کہ جنگِ اُحد اور اُس کے بعد تمام مصائب اُسی مسلمان گروہ کی وجہ سے پیش آئے تھے۔

(26/15)۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جنسی شہوت عام کرنا چاہتا تھا

وَاللّٰهُ يُرِيدُ اَنْ يَّتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهْوَاتِ اَنْ تَمِيلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝
يُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (نساء 27-28)

چونکہ انسان اپنی پیدائش میں ضعیف ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمہاری اصلاح پر متوجہ رہے۔ اور تمہیں طاقتور رکھنے کے لئے جنسی تعلقات میں کمی اور تخفیف کر رہا ہے۔ مگر وہ لوگ جو جنسی نظام میں کھل کھیلنے والا مذہب و عمل رکھتے ہیں۔ وہ تمہیں جنسیات کی طرف اتنا مائل کر دینا چاہتے ہیں کہ شہوت رانی کی حد ہی ہو جائے۔

قارئین یہاں منافق کی لفظ کہیں نہیں ہے بلکہ اُن لوگوں کا ذکر ہے جنکی پیروی میں سینکڑوں کنیزیں خلفاء کے محلات میں رکھی جاتی رہیں اور اسکی پرواہ بھی نہ کی گئی کہ وہ کنیز باپ کی مدخولہ ہے۔ ایسی تعلیم دینے والے مسلمانوں کے خلاف یہ آیت آئی ہے مگر علامہ کہتے ہیں کہ:-

(i) ”یہ اشارہ ہے منافقین کی طرف اور قدامت پرست جہلاء اور نواحی مدینہ کے یہودیوں کی طرف“

بتائیے علامہ کو کس نے وحی کی کہ یہ لوگ منافق تھے؟

(ii) ”مثلاً جو شخص کسی ایسے نکاح سے پیدا ہوا تھا۔ جسے اب اسلامی شریعت حرام قرار دے رہی تھی، اس کو یہ کہہ کہہ کر اشتعال دلایا

جاتا تھا کہ لیجئے، آج جو نئے احکام وہاں آئے ہیں اُنکی رُو سے آپ کی ماں اور آپ کے باپ کا تعلق ناجائز ٹھہرا دیا گیا ہے۔“

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 344 حاشیہ نمبر 49)

(26/16)۔ مسلمانوں کا وہ گروہ خدا و رسول کے خلاف جداگانہ مرکز کا مطیع تھا

مسلمانوں کے اُس گروہ کے مرکز کو قرآن کریم نے طاغوت کا نام دیا ہے۔ اور علامہ صاحب نے اس سلسلے میں بات صاف کر دی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:-

(i)۔ ”یہاں صریح طور پر ”طاغوت“ سے مراد وہ حاکم ہے جو قانونِ الہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو؛ اور وہ

نظام عدالت ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 367)

اس سے پہلے فرمایا تھا کہ:-

(ii)۔ ”طاغوت“ لغت کے اعتبار سے ہر اُس شخص کو کہا جائے گا، جو اپنی جائز حد سے تجاوز کر گیا ہو۔ قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقاؐی و خداوندی کا دم بھرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اُصولاً تو اللہ کی فرمانبرداری ہی کو حق مانے، مگر عملاً اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ اس کا نام فسق ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی فرماں برداری سے اُصولاً منحرف ہو کر یا تو خود مختار بن جائے یا اُس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے۔ یہ کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہو کر اُس کے ملک اور اُس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے۔ اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے، اُسی کا نام طاغوت ہے اور کوئی شخص صحیح معنوں میں اللہ کا مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اُس طاغوت کا منکر نہ ہو۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 196 و صفحہ 197 حاشیہ نمبر 286)

اگلے صفحہ کی تفصیلات میں فرمایا کہ:-

(iii)۔ ”اور بے شمار طاغوت باہر کی دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بیوی اور بچے، اعزہ اور اقربا، برادری اور خاندان، دوست اور آشنا، سوسائٹی اور قوم، پیشوا اور راہنما، حکومت اور حکام، یہ سب اُس کے لئے طاغوت ہی طاغوت ہوتے ہیں، جن میں سے ہر ایک اُس سے اپنی اغراض کی بندگی کراتا ہے۔ اور بے شمار آقاؤں کا یہ غلام ساری عمر اسی چکر میں پھنسا رہتا ہے کہ کس آقا کو خوش کرے اور کس کی ناراضگی سے بچے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 197 حاشیہ نمبر 288)

(iv)۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جو رسول کی تہا بصیرت کی جگہ قومی فیصلہ چاہتا تھا

علامہ نے اپنے مسلک کا تحفظ کرتے ہوئے طاغوت کی تعریف بیان کی مگر آخری بیان (iii) میں ازواج اور بچوں کو شامل کر کے اپنی سنجیدگی کا ستیاناس کر دیا۔ یعنی طاغوت کیلئے ضروری نہیں ہے کہ وہ خدا کا منکر ہی ہو۔ اور خدا کی کتاب کو آخری سند نہ مانتا ہو۔ اب اُنکا قابل فہم اور قابل قبول مقصد یہ ہے کہ ہر وہ شخص طاغوت ہے جو قومی و ملکی مصالح کو مد نظر رکھ کر فیصلہ کرتا ہو اور اپنے فیصلے کو حق سمجھتا ہو۔ اب قرآن سنیں کہ رسول کو مسلمانوں کے اُس گروہ کا عملدرآمد بتایا جا رہا ہے، فرمایا گیا کہ:-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَنْتَحٰكُمُوْا
اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُوْا الشَّيْطٰنُ اَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ (نساء 4/60)

اے رسول کیا آپ نے اُن لوگوں کا طریقہ نہیں دیکھا جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ یقیناً جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے اور جو آپ سے پہلے نازل ہوا ہے سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود دل سے یہ چاہتے ہیں کہ اپنے لئے فیصلے اور احکام طاغوت (جمہوری حاکم) سے حاصل کرتے رہیں۔ حالانکہ یقیناً اُس مسلمان گروہ کو یہ حکم دے دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت سے کفر اختیار کر لیں۔ وہ طاغوت سے اسلئے کفر نہیں کرتے کہ شیطان نے یہ طے کر رکھا ہے کہ اُس گروہ کو گمراہ کر کے گمراہی کے پلے پار نکال لے جائے۔

یہاں آخری آیت یہ بتاتی ہے کہ اُن کو گمراہ کر ڈالنے کے لئے شیطان نے ارادہ کر رکھا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ابتدا میں ہدایت پر تھے۔ یعنی مسلمان اور ایماندار تھے اور بدستور ایمان بالقرآن کا اعلان بھی کرتے ہیں۔ مگر اُس ایمان میں طاعنوتی احکام اور فیصلوں سے کوئی خرابی نہیں مانتے۔ یہ ہی وہ دوسری قسم کے مسلمان ہیں جن کو ہم مشخص کرتے آرہے ہیں۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو رسول کی تعبیرات سے طاعنوتی تعبیرات کو مفید اور حق سمجھنے والے مسلمان ہیں۔ یہ خدا کو مانتے ہیں، نبوت کے قائل ہیں، کتبہائے خداوندی پر ایمان رکھتے ہیں، فرق صرف رسول کی ذاتی بصیرت نہ ماننے کا ہے اور کچھ نہیں۔

(v)۔ اُس مسلمان گروہ پر منافق گروہ کا اثر زیادہ تھا

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتُ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّ أَرْدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا (نساء 4/61-62)

اللہ یہ بھی بتاتا ہے کہ جب اُس مسلمان گروہ کو قرآن اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو منافقین کا مستحکم انتظام انہیں رسول کے پاس آنے سے باز رکھتا ہے۔ مگر یہ کیسے ہوتا ہے کہ جب اُنکے اپنے عملدرآمد کی غلطی سے اُن پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو پھر تمہارے پاس اپنی مشکلات کے حل کیلئے بلا تکلف آجاتے ہیں۔ اور اللہ کے نام پر حلفیہ کہتے ہیں کہ طاعنوت سے احکام لینے اور فیصلہ کرانے میں ہم کسی تخریب کو مد نظر رکھے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ ہمارا ارادہ اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اس طریقہ میں زیادہ توفیقات اور لوگوں پر زیادہ احسان مد نظر ہے۔ یعنی طاعنوتی فیصلے مفاد عامہ کو زیادہ ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور بعض معاملات میں آپ محدود نظریہ پیش کرتے ہیں۔ یہ ہے وہ اسلامی تصور جس پر مسلمانوں کا زیر بحث گروہ عمل کرتا چلا جا رہا تھا۔ یہاں پھر ثابت ہوا کہ یہ لوگ کافر یا منافق نہیں ہیں۔ یہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اُس کی قسمیں کھاتے ہیں اور جب ضرورت کا تقاضہ ہوتا ہے تو رسول اللہ سے بھی رجوع کرتے ہیں۔ مگر اُن کے سامنے منافق محاذ ایک زیادہ عوامی طریقہ پیش کرتا ہے اس لئے وہ بعض معاملات میں اُس جمہوری مرکز سے رجوع کرتے ہیں تاکہ اُن کے مفاد مجروح ہونے سے محفوظ رہیں۔ یہاں علامہ کانوٹ پڑھنا مفید ہوگا۔

”اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منافقین کی عام روش تھی کہ جس مقدمہ میں انہیں توقع ہوتی تھی کہ فیصلہ اُن کے حق میں ہوگا اُس کو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آتے تھے۔ مگر جس مقدمہ میں اندیشہ ہوتا تھا کہ فیصلہ اُن کے خلاف ہوگا اُس کو آپ کے پاس لانے سے انکار کر دیتے تھے۔ یہی حال اب بھی بہت سے منافقوں کا ہے کہ اگر شریعت کا فیصلہ اُن کے حق میں ہو تو سر آنکھوں پرور نہ ہر اُس قانون، ہر اُس رسم و رواج اور ہر اُس عدالت کے دامن میں جا پناہ لیں گے جس سے انہیں اپنی منشاء کے مطابق فیصلہ حاصل ہونے کی توقع ہو۔“ (تفہیم القرآن۔ جلد اول صفحہ 367 حاشیہ 92)

یہاں علامہ نے یہ مان لیا کہ مندرجہ بالا گروہ ہندوستانی مسلمانوں کا ایسا مسلمان تھا۔ اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں کو وہ پہلے ضعیف الایمان اور فاسق قرار دے چکے ہیں، انہیں عہد رسول میں منافق کہے چلے جاتے ہیں۔ پھر علامہ نے یہ تو مان لیا کہ قرآن کا وہ مسلمان گروہ رسول اللہ کے پاس اپنے بعض مقدمے نہ لاتا تھا۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ اُن مقدموں کا فیصلہ کس سے کراتا تھا؟ وہ طاعنوت کون تھا؟ اُس

کا نام کیا تھا؟ اس پہلو کو اگر علامہ بیان کر دیں تو اُن کا مذہب اور وہ پوشیدہ طاغوت فنا ہو جائے جس کو حکومت ملنے کے بعد برسوں کی کوشش اور کہانیوں سے اسلام کا مرکز بنایا جائے گا۔ اور اُس کے تمام احکام اور فیصلوں کو خود ساختہ روایات سے قرآن و سنت کے مطابق منوایا جائے گا۔ مگر قارئین دیکھیں کہ جس طریق اور جس مذہب کو قرآن سے کہیں سہارا نہ ملے بلکہ ہر جگہ اُس کی مذمت ہوتی چلی جائے۔ اُس طریق اور اُس مذہب کے جواز پر قول رسول یا سنت رسول ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ بھی علامہ کی چالاکی ہے۔ ورنہ مسلمانوں کی تاریخ میں اُن مقدمات کا کہیں تذکرہ نہیں جو علامہ فرض کر کے دھیان بدل رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ:-

(vi)۔ وہ مسلمان رسول اللہ کی مکمل یعنی ذاتی اطاعت کے قائل نہ تھے

یہ وہ مسلمان گروہ تھا جن کے دلوں میں یہ عقیدہ تھا کہ رسول کی اطاعت ہر بات میں ضروری نہیں۔ بعض معاملات اُن کی ذاتی رائے سے ہوتے ہیں اور بعض اللہ کی وحی کے ماتحت ہوتے ہیں۔ لہذا وہ رسول کی ذاتی رائے کے مقابلے میں اجتماعی مشاورت کا حکم حاصل کرنا مفید سمجھتے تھے۔ مگر اس مطلب کو دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں چنانچہ اللہ نے فرمایا کہ جن لوگوں کا تذکرہ ہوتا آ رہا ہے؛

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۝ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (نساء 4/63-64)

یہی تو وہ مسلمان ہیں جن کے دلوں میں پوشیدہ عقیدہ کا پورا علم اللہ کو ہے۔ آپ ان سے اس طرح بے توجہی برتیں کہ انہیں وعظ و پند بھی ہوتا معلوم ہو اور بات اُن کے دلوں تک پہنچتی رہے۔ اور انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ نے کسی رسول کو بھیجا ہی نہیں سوائے اس کے کہ ہر رسول کی اطاعت کیا جانا اللہ کے حکم کا مقصود تھا۔ اگر یہ مسلمان گروہ ایسا کرتا کہ جب انہوں نے آپ کے حکم کے مقابلے میں قومی حکم اختیار کر کے اپنے اوپر ظلم کیا تھا تو وہ تمہارے پاس آتے، شرمندہ ہوتے، اپنے گناہ کی بخشش چاہتے اور آپ اُن کو بخش دیئے جانے کی سفارش کرتے تو بے شک اللہ کو اصلاح کرنے اور رحم فرمانے والا پاتے۔ یہاں اللہ نے بخشش کو رسول کی سفارش سے مشروط فرمایا اور یہی بات وہ مسلمان نہیں مانتے جو براہ راست اللہ سے تعلق کے قائل ہیں اور وہ رسول کی اطاعت کے بھی قائل نہیں مگر اللہ کی اطاعت کے قائل ہیں۔

(vii)۔ جو کسی بھی صورت میں رسول کو حاکم مطلق نہ سمجھیں وہ سب کافر ہیں

قُلْ وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ أَخْرِجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ۝ وَإِذَا لَا تَيْنَهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَلَهْدِ يَنْهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا (النساء 4/65-69)

اللہ نے قسم کھا کر اُس گروہ کیلئے فرمایا ہے۔ نہیں نہیں تیرے رب کی قسم یہ مسلمان ہمارے معیار کے مومن اُس وقت تک ہرگز نہیں بن سکتے جب تک کہ یہ لوگ اپنے تمام جھگڑوں اور ضرورتوں کیلئے تمہیں حاکم مطلق مان کر آپ کے ہر حکم اور ہر فیصلے کو دل کی گہرائی میں اور غلیّ الاعلان خوشی خوشی تسلیم نہ کرنے لگیں۔ اگرچہ ہم اُن پر خودکشی واجب کر دیں یا شہر بدر ہو جانے کا حکم دیں تو سوائے چند ایک کے اُس مسلمان گروہ کی کثرت حکم کی تعمیل نہ کریگی۔ لیکن اگر وہ ہر وعظ کے مطابق تعمیل کرنے لگتے تو یہ اُن کیلئے بہتر ہوتا اور انہیں ایمان میں زیادہ ثابت قدمی ملتی۔ اور اس صورت میں ہم ضرور اُنکو بڑا اجر دیتے اور ضرور اُنکو صراطِ مستقیم کی ہدایت کرتے۔ اور جو بھی اللہ و رسول کی مذکورہ بالا بلاچوں و چراطاعت کرتا ہے۔ وہ اُن لوگوں میں شمار ہوتا ہے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے جیسا کہ انبیاء اور صدیق حضرات اور شہداء اور صالحین میں سے اور یہ کیسے اچھے رفیق ہوتے۔

(viii)۔ آخر مولانا نے اُس گروہ کی ذہنیت اور اسلام کا تصور مان لیا

یوں تو مولانا ہر قدم پر اُس گروہ کو منافق کہتے رہے ہیں۔ لیکن بار بار کی حاشیہ آرائی میں آخر مان ہی لیا کہ عہد رسول کے مسلمان احکام رسول کے مقابلہ میں اپنی ذاتی خواہشات اور مقاصد کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اور رسول اللہ کے عمل درآمد کو مستقل سند نہ سمجھتے تھے اور اپنے نقصان اور تکلیف سے محفوظ رہنے کا انتظام کرتے تھے۔ رسول کے ذاتی فیصلوں میں مشکوک اور مذہب اور متردد رہتے تھے۔ اور کبھی اسلام اور کبھی طاغوتی راستے پر چلتے تھے (جلد اول صفحہ 369 تمام حاشیوں کا نتیجہ)۔ علامہ کا ایک پورا جملہ تجنبہ ملاحظہ ہو:-
 ”یعنی جب وہ شک چھوڑ کر ایمان و یقین کے ساتھ رسول کی اطاعت کا فیصلہ کر لیتے۔“ (صفحہ 370 حاشیہ 98)

(ix)۔ مسلمانوں کے اُس گروہ کی مزید تصدیق اور اللہ پر پختہ ایمان

قرآن کریم تو برابر اُس مخصوص عقیدے کے مسلمانوں کی موجودگی اور اُن کی ذہنیت کی تفصیل بیان کرتا جا رہا ہے۔ مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی شاہی تاریخ اُن لوگوں کے نام کیوں نہیں بتاتی؟ یہ پردہ داری کیوں ہے؟ ایسے خمیٹ مسلمانوں کو پچھپا کر کیا فائدہ مد نظر تھا؟ کیا بعد والی حکومتیں اور حاکم ہی وہ لوگ تھے جن کے لئے اللہ نے کہا کہ:

وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيَبْتَغِيَنَّ فَإِنْ أَصَابَكُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْنَا إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَاهِدِينَ (4/72)

یقیناً تم لوگوں میں وہ مسلمان بھی موجود ہیں جو ٹال مٹول کرنے اور ہر کام میں دیر آید درست آید پر عمل کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اگر تم پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو وہ گروہ کہتا ہے کہ یہ اللہ کا اُس پر بڑا فضل ہوا کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ شامل نہ تھا۔ یعنی اُس مصیبت میں رسول کی بصیرت ذمہ دار ہے۔ اور اُس گروہ کی شمولیت سے کبھی مصیبت نہیں آسکتی۔

علامہ نے نیوٹ لکھا ہے کہ ”ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ (وہ گروہ) خود توجہی چراتا ہی ہے، دوسروں کی ہمتیں بھی پست کرتا ہے۔ اور اُن کو جہاد سے روکنے کے لئے ایسی باتیں کرتا ہے کہ وہ بھی اُس کی طرح بیٹھ رہیں۔“ (تفہیم جلد اول صفحہ 371 حاشیہ نمبر 102)۔

یعنی وہ گروہ تمام مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا لینے اور اپنے عقائد کو پورے ملک میں پھیلا دینے کا مشن چلاتا جا رہا تھا۔

(x)۔ جن مسلمانوں نے جنگ سے جان بچائی علامہ کا فتویٰ

علامہ کا وہ معیار جس کی بنا پر رضی اللہ عنہم لکھا جاسکتا ہے:-

”یعنی اللہ کی راہ میں لڑنا دنیا طلب لوگوں کا کام ہے ہی نہیں۔ یہ تو ایسے لوگوں کا کام ہے: (1) جن کے پیش نظر اللہ کی خوشنودی ہو، (2) جو اللہ اور آخرت پر کامل اعتماد رکھتے ہوں، (3) اور دنیا میں اپنی کامیابی و خوشحالی کے سارے امکانات اور اپنے ہر قسم کے دنیوی مفاد اس اُمید پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں کہ اُن کا رب اُن سے راضی ہوگا، (4) اور اس دنیا میں نہیں تو آخرت میں بہر حال اُن کی قربانیاں ضائع نہ ہوں گی۔“ (تفہیم جلد اول صفحہ 372 حاشیہ 103)

قارئین بتائیں کہ جو اللہ کی خوشنودی کو مد نظر ہی نہ رکھیں، جنہیں اللہ و آخرت پر یقین ہی نہ ہو، جو اپنے مفاد اور کامیابی کے ہر ہر امکان کے پیچھے دوڑیں، بلکہ عین میدان جنگ میں رسول کو دشمنوں میں گھرا ہوا چھوڑ جائیں اور آوازیں سن کر بھی رسول کی طرف پلٹ کر نہ دیکھیں۔ کیا ایسے لوگ رضی اللہ عنہم ہو سکتے ہیں؟ اب سوچئے کہ قرآن نے جن لوگوں پر لعنت کی ہو ان کو رضی اللہ عنہم لکھنے والے کس مذہب کے لوگ ہو سکتے ہیں؟ اور اللہ کے نزدیک اُس مذہب اور اہل مذہب کی کیا پوزیشن ہو سکتی ہے؟ بات وہی ہے کہ حکومت اور مال و زر اور تلوار کی طاقت سے اُن ہی لوگوں نے ایک خانہ ساز تاریخ تیار کرائی۔ افسانوں اور خود ساختہ کہانیوں کو احادیث کا نام دیا، قرآن میں معنوی تبدیلیاں کیں اور ایام جاہلیت کے مذہب کو اسلام کے نام سے پھیلا دیا۔ ہر مخالف اور حقیقتِ حال سے واقف افراد اور خاندانوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا، ہر بولتی زبان گدّی سے کھنچوا دی گئی، عورتوں، بچوں اور ضعیفوں پر بھی رحم نہ کیا گیا۔ اُن لوگوں کے خلاف جس ہستی نے سب سے بڑا، مستقل اور کبھی ختم نہ ہونے والا محاذ بنایا اور دنیا میں سب سے بڑی قربانی پیش کی، اُسی نجات دہندہ کے حالات کی تمہیدات آپ کے سامنے ہیں۔ قرآن کریم نے اُن کی قربانی کا نام ذبحِ عظیم رکھا ہے۔ وہی بزرگوار ہیں جنکے ہاتھوں مومنین کی تطہیر کا وعدہ پورا ہوا تھا۔ جنہوں نے خبیث مسلمان گروہ کی کثرت کو پاک و طیب مومنین کی قلت سے الگ کیا اور الگ باقی رکھا۔ اور ایسا فول پروف (Fool Proof) انتظام کیا کہ دوبارہ مخلوط و مشکوک کرنے کی تمام کوششیں رائیگاں ہوتی چلی گئیں۔ ملعون لوگ گن گن کر الگ کر دئے گئے اور رضی اللہ عنہم الگ ہو گئے۔

(xi)۔ مدینہ میں ایک گھر ہے جہاں اسلامی پالیسی کے خلاف خفیہ مشاورت ہوتی ہے

مکہ سے آنے والے لوگ عموماً ایک ہی علاقہ میں آباد ہوئے تھے۔ اور جن کو فوراً جگہ نہ ملی تھی وہ وقت گزرنے پر رفتہ رفتہ پاس پاس آباد ہو گئے تھے۔ مکی مسلمانوں یا مدنی مسلمانوں میں اگر کوئی ایسا معاملہ ہوتا جس میں چار آدمی کسی مشورہ کے لئے جمع ہوتے تو سارے شہر میں یہ مشاورت پھیل جاتی تھی۔ لیکن ایک گھر ایسا بھی تھا جہاں جمع ہونے والوں کا پتہ نہ چلتا تھا۔ جہاں حسب ضرورت مسلمانوں کا مخالف محاذ جب چاہتا تھا راتوں کو رسول اللہ کی پالیسیوں کے خلاف مشاورت کرتا رہتا تھا یہی طاغوت کا مرکز تھا، یہیں سے اجتہادی احکام جاری ہوتے تھے، یہیں پر کچھ مہاجرین توریت اور بنی اسرائیل کا اجتہاد سیکھتے تھے۔ اور رسول اللہ کو برسر عام توریت پڑھ کر اجتہادی

مسائل پر چلانا چاہتے تھے۔ رسول اللہ کی تجہیز و تکفین کے دن تک یہ مرکز وہیں پوشیدہ رہا۔ اس کے بعد چوری کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اُس گھر اور راتوں کو وہاں مشورے ہوتے رہنے کا ذکر بھی قرآن نے محفوظ کر کے ہم تک پہنچا دیا ہے۔ اور اُس مسلمان گروہ کے بنیادی عقیدہ کا ذکر کر کے اُن کا تعین کر دیا ہے، ارشاد ہے کہ؛

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ۖ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّنُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا (النساء 81-80/4)

جو کوئی الرسول کی اطاعت کرتا ہے یقیناً وہی اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ اور جو بھی الرسول کے خلاف حکومت یا ولایت اختیار کرتا ہے۔ تو ایسے مخالفین پر جبر کرنے والا محافظ آپ کو نہیں بنایا گیا۔ یہ لوگ الرسول کی اطاعت کا اقرار تو کرتے ہیں۔ مگر جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں یا الگ ہوتے ہیں تو اُن مسلمانوں میں کی ایک جماعت ایک گھر میں رات کو تمہارے اقوال و اعمال اور پالیسیوں کے خلاف منصوبہ و مشاورت سے اپنا عملدرآمد تیار کرتی ہے۔ اور اُنہیں خبر نہیں کہ اللہ کا نظام اُن کے تمام مشوروں اور منصوبوں کو ریکارڈ کرتا جاتا ہے۔ آپ ادھر توجہ نہ دیں اور اللہ کے انتظام پر بھروسہ کریں اور اللہ ہی بھروسہ کے لئے کافی ہے۔

قارئین نوٹ کر لیں کہ رسول اللہ کے خلاف جو صحابہ رات کو خفیہ مشاورت کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو رسول اللہ کی حکومت اور اقتدار میں حصہ طلب کرنے کا خفیہ منصوبہ رکھتے تھے (آل عمران 3/154)، یہی لوگ ہیں جن کو شاورُہم فی الامر (3/159) میں نمایاں کیا گیا تھا، یہی مسلمان ہیں جو کفر کی طرف سرعت سے جا رہے تھے (3/176)، جن کو ڈھیل دی جا رہی ہے (3/178)۔ یہی وہ خبیث مسلمان ہیں جن کو طیب مومنین سے الگ کرنے کا وعدہ ہوا ہے (3/179) اور یہی وہ لوگ ہیں جو اسلام میں نظام مشاورت قائم کریں گے۔ اور جن کی آزمائش ان کے قلبی تصورات کے ماتحت کی جائیگی (لَيَسْتَلِي اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ) (3/154) اور آخر اُس گھر کے افراد اللہ کا مرتب کرایا ہوا ریکارڈ لے کر (نساء 4/81) بیٹ الامامت میں چلے آئیں گے۔

(xii)۔ مخالف مرکز میں مجتہدین اور فقیہان کفر کی تعلیمات

جس گھر میں مشوروں اور چھپ چھپ کر مسلمانوں کے منصوبے بنانے کا ذکر ہوا ہے۔ وہاں مستقبل کے لئے مسائل گھڑنے والے مجتہد اور فقیہ بھی موجود ہیں جو اُس داخلی محاذ کے لئے اپنے قیاس و استنباط سے قرآن کریم اور احادیث رسول کی تعبیرات کو نیا رخ دیتے جاتے ہیں۔ اُن کے اجتہادی مسائل سے عوام کا رخ رسول اللہ سے پھرتا جا رہا ہے۔ رسول اللہ کو یہ کہہ کر تسلی دی جا رہی ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا سَمْعُونُ لِلْكَذِبِ سَمْعُونُ لِقَوْمٍ آخِرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ يَحْزِنُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنَّ أُوتِيْنَاهُمْ هَذَا فَخَذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتُوهُ فَاخْذَرُوا (المائدہ 5/41)

اے رسول! اور متعلقین رسول تم سب اُن لوگوں کے عملدرآمد پر رنج نہ کرو جو کفر کی طرف لے جانے میں بڑی تیزی سے کام کر رہے ہیں۔ اور جو اُن لوگوں میں سے ہیں جو دل سے ایمان نہیں لائے مگر زبان سے اقرار دیتے ہیں اور جن میں کچھ یہودی بھی ہیں۔ یہ ظاہری مومن اور

یہودی مل کر نظام تکذیب کی تائید کے لئے جاسوسی کر رہے ہیں۔ اور جاسوسی ایک ایسی قوم کی خاطر کر رہے ہیں جو آپ کے پاس کبھی نہیں آئی۔ اور جس کا کام یہ ہے کہ کلام خدا و رسول کی معنوی تحریف اس انداز میں کرے جس سے اصل مفہوم الٹ کر اُن کے حق میں ہو جائے۔ اُس قوم یا پارٹی نے اپنے عوام کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ اگر رسول اللہ کے احکامات اُن کے تحریف کردہ مفہوم کے مطابق ہوا کریں تو انہیں اختیار کر کے ان پر عمل کر لیا کرو۔ اور اگر رسول کے احکام اُن کے خلاف ہو کریں تو ترکیب سے بچ نکلا کرو۔

ہم نے اُس قوم کو مجتہد اور فقہا قرار دیا ہے جو قرآن و حدیث میں تحریف کرنے کے لئے جاسوسی کر رہی ہے اور جس کا حکم ماننا مذکورہ مسلمانوں پر واجب ہے۔ یعنی مجتہدین کا یہ گروہ رسول اللہ کے مد مقابل اور حریف، جس کے احکام مسلمانوں کے اُس گروہ میں اُسی طرح مانے جاتے ہیں جیسے رسول اللہ کے احکام حقیقی مومنین میں واجب التعمیل ہیں۔ اب اس مجتہد اور فقیہ گروہ کا اثر و رسوخ اور رسول اللہ کے مقابلہ میں انتظام اور قرآن کا وہ لفظ ملاحظہ ہو جس کے معنی ہم نے مجتہدین اور فقہا کئے ہیں۔ اللہ نے بتایا ہے کہ وہ مسلمان جو مذکورہ بالا قوم (5/41) کے زیر اثر ہیں اور جاسوسی کرتے رہتے ہیں۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَا تَبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا (نساء 4/83)

جب اُن کو ایسے احکام معلوم ہو جاتے ہیں۔ جن میں امن و امان اور جنگ کا ذکر ہوتا ہے۔ تو فوراً اُن کو پبلک میں پھیلا دیتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر وہ اُن احکام کی وضاحت کرانے کے لئے رسول اللہ اور رسول کے مقرر کردہ حاکموں یا صاحبان حکم کے پاس آتے تو اُس گروہ کے اُن لوگوں کو اس خلاف ورزی کا پتہ لگ جاتا جو اُن کے یہاں استنباط اور استدلال یعنی اجتہاد اور فقہات پر تعینات ہیں۔ اور اگر اللہ نے اپنی رحمت اور فضل سے اُس مسلمان گروہ کی روک تھام کا انتظام نہ کر رکھا ہوتا تو اے حقیقی مومنین تم میں سے چند قلیل تعداد لوگوں کے علاوہ سب نے شیطان کی پیروی اختیار کر لی ہوتی۔

قارئین یہ نوٹ کریں کہ سرکاری طرز کے ترجموں میں لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ سے اولی الامر علیہم السلام کو مراد لیا گیا ہے اور اگر یہ مراد صحیح مان لی جائے تو پھر رسول اللہ کو بھی شامل کرنا لازم ہوگا۔ اس لئے کہ جس دلیل سے اولی الامر کو مراد لیا جائے گا۔ اُسی دلیل سے رسول اللہ کو داخل کرنا پڑے گا۔ اور رسول اللہ ہوں یا اولی الامر ہوں یا دونوں ہوں، اُن کو استنباط اور اجتہاد اور قیاس اور گمان کی نہ احتیاج تھی نہ اُن کیلئے یہ جائز تھا۔ اس لئے کہ جہاں وحی خداوندی ہر لمحہ موجود ہو، جہاں روح خداوندی تائید کیلئے ساتھ رہتی ہو وہاں اجتہاد ایسی ملعون و مردود چیز سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ لہذا وہ مجتہدین و فقہا یہودی طرز فکر کو مسلمانوں میں نافذ کرنے کا مشن چلا رہے تھے۔ اور مذکورہ گھر اُن ہی کا اڈہ تھا۔ یہی لوگ طاغوت تھے جن سے ہر مسلمان کو کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا (بقرہ 2/256 اور نساء 4/60)۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے اسلام کے ہر حکم کو تبدیل کر کے اسلام کے نام پر کفر کو دوبارہ جاری کیا تھا۔ اور آج تک جاری ہے۔ یہی مذہب ہے جس میں رسول کو محض بشر کہا جاتا ہے۔ نور کا انکار کیا جاتا ہے۔ اُن سے غلطیاں سرزد ہونا مانا جاتا ہے۔ اور رسول کے واضح احکام اور قرآن کی واضح آیات کے مقابلہ میں قومی و ملکی اور طاغوتی مصلحتوں کو مد نظر رکھ کر فیصلہ کر لیا جاتا ہے اور مثلاً کہہ دیا جاتا ہے کہ:-

”جب اسلام کمزور تھا اب طاقتور ہے لہذا مولفۃ القلوب کا حصہ بند کیا جاتا ہے۔“ (وغیرہ وغیرہ)
لیکن قرآن میں یہ اور اس قسم کے کئی احکام موجود ہیں مگر حکومت نے اُن کو معطل کر دیا ہے۔ برسرِ عام اُسی مسجد نبوی میں کہا گیا کہ:- ”دو متعہ زمانہ رسولؐ اور خلیفہ اولؓ کے زمانوں میں حلال تھے۔ میں اُن کو حرام کرتا ہوں۔ جو عورتوں سے متعہ کرے گا میں اُسے سنگسار کروں گا۔“

پھر حکومت کے طرفدار لوگ طرح طرح کی تاویلیں اور فریب سازیاں کر کے کثرت کو ورغلا تے اور دھوکہ دیتے چلے آئے ہیں۔

(xiii)۔ یہی مسلمان گروہ کافروں اور منافقوں کا دوست تھا

چونکہ مسلمانوں کے گروہ کو کفارِ قریش اور یہود و نصاریٰ کے علما کا تعاون حاصل تھا اسلئے یہ مسلمان کفار اور منافقین کے معاملہ میں دوستی اور رواداری لازم سمجھتے تھے۔ اور اُن کے خلاف رسولؐ اللہ سے تعاون نہ کرتے تھے۔ لہذا اللہ نے مسلمانوں کی اُن دونوں اقسام کا ذکر کر کے یہ بتادیا کہ حقیقی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا ایک گروہ منافقین کے ساتھ مل کر اپنا منصوبہ چلا رہا ہے۔ لہذا فرمایا گیا کہ:

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ وَاللَّهُ أَرَادَ كَسِبَ بِمَا كَسَبُوا أَتَرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۚ وَذُو لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يَهَابُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوا وَهُمْ وَافْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا (نساء 88-89)

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقین کے معاملہ میں تم دو گروہ بن کر رہ گئے ہو؟ حالانکہ اللہ نے اُن کے مخالفانہ کاروبار کی وجہ سے اُنہیں کفر کی طرف پلٹا دیا ہے۔ کیا تم یہ ارادہ کر رہے ہو کہ جسے اللہ نے گمراہ کر دیا ہو یا جسے اللہ ہدایت نہ کرے، اُسے تم ہدایت کر سکو گے۔ سنو کہ جسے اللہ ہی گمراہ کر دے اُس کو تم راہِ راست پر نہیں لگا سکتے۔ کیا تمہیں اُن کی مودت و محبت اس قدر ہے کہ تم بھی اُن ہی کی طرح کفر اختیار کر لو۔ پھر تو تم بالکل اُن کے مساوی ہو جاؤ گے۔ اگر ہو سکتا ہے تو کم از کم اُنہیں اپنا ہمدرد حاکم تو نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت تو کر دکھائیں۔ لیکن اگر وہ اس کے باوجود ولایت قائم کرنے میں کوشاں ہوں تب تو جہاں بھی اُنہیں پاؤ پکڑ کر قتل کر دیا کرو اور یہ نہیں کر سکتے تو اسی قدر کر لو کہ اُن میں سے کسی کو بھی اپنا ہمدرد حاکم یا مددگار نہ بنایا کرو۔

جن مسلمانوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ منافق نہیں بتائے گئے۔ بلکہ مسلمانوں کا دوسرا گروہ قرار پائے۔ ہم اُسی گروہ اور اُس کے لیڈروں کا تذکرہ کرتے ہوئے آرہے ہیں۔ یہ لوگ نہ ضعیف الایمان ہیں، نہ کمزور ہیں، نہ کسی فریب میں مبتلا ہیں۔ بلکہ یہ وہ مسلمان ہیں جو ہدایت کاری اور تبلیغ میں اللہ کے انتظام سے بھی زیادہ اچھا انتظام کرنے کی فکر میں ہیں۔ اور بصیرت کی روشنی میں مسلمانوں کے دوسرے گروہ سے خود کو عقلمند سمجھتے ہیں۔ اور سوچ سمجھ کر منافقوں کے ساتھ مودت و محبت اور رابطہ رکھتے ہیں۔ اُن کو اپنے جیسا مسلمان بناسکنے کا یقین رکھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ اسلام اور اُس کے قوانین کو سارے عربوں کے لئے مفید اور قابل قبول بنادینا، حکومت الہیہ کی جگہ قومی حکومت قائم کر دینا، اور ظاہری دشمنی کو خیر باد کہہ کر محض منصوبے کا بدل لینا اُس مقصد کو بھی حاصل کر لیتا ہے جو کافروں اور منافقوں کا مقصد ہے۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جنگ و جدل کیا جائے۔ رسولؐ کو خاموشی اور پرامن طریقہ سے شکست ہو جائے تو کیوں دردِ سر مول لیا جائے؟ یہ

پہلو جس جس منافق اور کافر کی سمجھ میں آتا جاتا ہے وہ بخوشی اُسی قسم کے اسلام میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ یہ تھا ہدایت کا وہ طریقہ جو اللہ و رسولؐ کے یہاں نہ تھا اور اس لئے مسلمانوں کا یہ گروہ کافروں اور منافقوں سے زیادہ اُمیدیں رکھتا تھا۔ اور اُن کے تعاون سے قومی و ملکی ولایت و حکومت میں تعاون چاہتا تھا۔ اور دن رات اس مسلمان گروہ کا حلقہ تبلیغ اور اثر و رسوخ بڑی سرعت سے پھیلتا جا رہا تھا۔ اسی سرعت اور اثر انگیزی کو **يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ** (آل عمران 3/176) فرمایا گیا جس سے رسولؐ کو فکر و ملال ہوتا ہے۔ یہاں اس گروہ کے منصوبہ کا لب لباب دو دفعہ یہ کہہ کر بتایا کہ تم منافقوں میں سے اولیا اور ولی نہ بنانا۔ یعنی اللہ جس چیز کو سب سے زیادہ بُرا قرار دیتا ہے اور مسلمانوں کا وہ گروہ جس مقصد کو سب سے زیادہ مد نظر رکھتا ہے وہ خدا و رسولؐ کے خلاف ولایت و حکومت کا قیام ہے۔ بتائیے مسلمانوں کے اُس گروہ کے وجود اور اُن کے مقاصد پر اس سے زیادہ اور کونسا ثبوت قرآن سے درکار ہے؟

(xiv)۔ خانہ طاعوت، خفیہ میٹنگ، رسولؐ اللہ کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش

جس نظام اجتہاد اور طاعوت کے طرفدار مسلمانوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ وہ ظواہر شریعت کی آڑ لے کر اس انداز میں مسائل و معاملات کو پیش کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کے بیانات سے عام مسلمانوں کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ گروہ حق پر ہے۔ حالانکہ آپؐ محض اُس گروہ کے خیالات کو الفاظ کی صورت میں زبان پر جاری کرانے کیلئے ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ تاکہ عوام الناس اُن مسلمانوں کی چالاکوں سے واقف ہو کر اُن سے ہوشیار رہیں۔ اور آیت پڑھ کر اُن لوگوں پر اتمام جنت بھی کر دیں۔ اور انہیں یہ موقع بھی نہ ملے کہ ہمیں تو سرے سے نظر انداز کر رکھا ہے۔ ہماری بات ہی سننا گوارا نہیں ہے۔ چنانچہ آپؐ اُس گروہ کو بحث و اظہار خیال کا پورا موقع دیتے ہیں۔ اور اُنکے موقف کی تائید میں اِس حد تک جاتے ہیں کہ عدالت و انصاف کی حد ہو جائے اور خود اللہ فرمادے کہ آپؐ نے اس خیانت کا رگروہ کی طرف سے کافی وکالت کر لی ہے (نساء 4/105) اور اس حد تک طرفداری دکھادی ہے کہ آپؐ کو اُن کیلئے جھگڑا کرنے والا کہا جاسکے (نساء 4/107)۔ مگر اصل حقیقت بتا دو کہ:

يَسْتَحْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَحْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّنُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝ هَآنَتُمْ هَآؤُلَآءِ جَدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا۔ (النساء 109-108)

مسلمانوں کا یہ راہنما گروہ انسانوں سے تو اپنا منصوبہ چھپا سکتا ہے مگر اللہ سے تو نہیں چھپا سکتا۔ اِس لئے کہ اللہ تو اُن کے ساتھ اُس گھر میں بھی موجود ہوتا ہے جہاں یہ مسلمان راہنما راتوں کی تاریکی میں اللہ کی مرضی کے خلاف پوشیدہ منصوبہ سازی کرتا ہے۔ اور اللہ تو جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں اُس پر احاطہ رکھتا ہے۔ چلو یہاں دنیا میں تو یہ مسلمان گروہ اپنے راہنماؤں کی طرفداری میں جھگڑتا رہے گا۔ مگر یہ تو بتائیں کہ قیامت میں اللہ کے روبرو اُن کی طرفداری میں کون جھگڑے گا یا یہ کہ کون اللہ کے سامنے اُن کا وکیل بنے گا؟

یہاں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قیامت تک اُن مجتہدین یا اُن طاعوتی راہنماؤں کی طرفداری کرنے والے مسلمان موجود رہیں گے۔ مگر قیامت کے دن وہ سب جہنمی ہوں گے۔ یہاں مسلمان یہ سوچیں کہ مسلمانوں کے کون سے فرقے کے راہنما ایسے لوگ ہیں جن کا ذکر

یہاں ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ علیؑ واولاد علیؑ علیہم السلام والے راہنماؤں کے لئے تو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ وہ خود جنتی ہیں اور امت کو جنتی بنانے کا مشن رکھتے تھے۔ اُن کے علاوہ کچھ اور لوگ ہیں جو راہنما بن گئے یا بنا لئے گئے۔ اُن کا پتہ لگانا اور اُن سے الگ ہو جانا امت کے ہر فرد پر واجب ہے۔ ورنہ عاقبت بخیر نہیں۔ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ یہ راہنما، نزول قرآن کے دوران والے لوگ ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ ہمارے زیر نظر عنوان میں جس قدر آیات کے حوالے دیئے گئے ہیں اُن کا تعلق مصدقہ طور پر مسلمانوں سے ہے۔ چنانچہ علامہ مودودی بھی اپنے حاشیہ نمبر 140-143 میں جو کہانی لکھتے ہیں اس میں بھی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ پورا رکوع مسلمانوں کی شان میں ہے۔ (تفہیم القرآن۔ جلد اول صفحہ 397-393)

(xv)۔ فصل عظیم اور لامحدود علم نے رسول اللہ کو عرب دانشوروں سے بچالیا

قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ؛ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضْلُوكَ وَمَا يُضْلُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ..... (النساء 4/113-114)

اگر اللہ نے رسول اللہ کو اپنے فضل عظیم اور ہمہ گیر رحمت کے حصار میں نہ رکھا ہوتا تو دانشوران عرب نے آپؐ کو اپنا ہمنوا بنا کر گمراہ کر دیا ہوتا۔ لیکن اللہ کا انتظام ہی ایسا ہے کہ وہ رسول اللہ کو گمراہ کرنے اور اُن کی تحریک کو نقصان پہنچانے کے بجائے خود ہی گمراہی اور نقصان میں پھنستے چلے گئے۔ پھر یہ بتایا گیا کہ ہم نے تمہارے اوپر اپنی کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تمہیں اُن تمام چیزوں کی تعلیم دی ہے جن کا آپؐ کو علم نہ تھا۔ لہذا اُن مسلمانوں کی سرگوشیوں میں ذرہ برابر خیر و اصلاح نہیں ہے۔

یہاں دو باتیں نوٹ کرنے کی ہیں کہ مجتہدین کا زیر نظر گروہ اپنی اسکیم کو حق کے اس قدر قریب لا کر پیش کر رہا تھا کہ مندرجہ بالا خدائی انتظام کے بغیر اُس کو قبول کرنا لازم تھا۔ لہذا عوام الناس، جو اللہ کے اُس بے پناہ علم و حکمت اور فضل عظیم کے حصار میں نہیں ہوتے، اُن کا محفوظ رہ جانا ناممکن تھا۔ اسلئے مسلمانوں کی کثرت کو مجتہدین کا ہمنوا ماننا پڑیگا۔ اور یوں بھی مسلمانوں کی کثرت کو اللہ نے قرآن میں یہی مقام دیا ہے۔ اسی اصول پر یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ جو لوگ رسولؐ کے زمانہ میں باطل کو حق بنا کر پیش کرنے میں اس قدر مشاق ہوں کہ (معاذ اللہ) رسولؐ کو گمراہ کر سکنے کی امید پیدا کر لیں، وہ یقیناً اپنی آزادی اور اقتدار و حکومت کے زمانہ میں ایسا انتظام ضرور رکھیں گے کہ اُنکے منصوبے کی ہر بات قرآن و حدیث سے ثبوت حاصل کر سکے۔ لہذا وہ تمام کہانیاں اور وہ سب روایات جو رسول اللہ کے نام سے بیان کی گئی تھیں اور جو قرآن کے خلاف اور اُس گروہ کے حق میں ہوں ناقابل قبول ہیں۔ جو زندگی میں (معاذ اللہ) رسولؐ کو گمراہ کرنا چاہتے ہوں وہ انتقال کے بعد بھی آنحضرتؐ کو (معاذ اللہ) گمراہ بنا کر پیش کریں تو کیا تعجب ہے؟ لہذا ہر حدیث کا اُس طرز فکر کی روشنی میں جانچنا لازم ہے۔ مثلاً اُس گروہ کا مسلمانوں میں موجود ہونا اور آخر تک موجود رہنا ثابت ہے۔ لہذا ہر وہ قول و غلط اور اُس گروہ کی تائید میں ہوگا جس قول کا مطلب یہ ہو کہ رسولؐ کی وفات کے وقت کے تمام لوگ عادل یا قابل عزت تھے۔ اس لئے کہ ایسا کہنے والا قرآن کی تکذیب کرتا اور گمراہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے مذکورہ گروہ کے یہاں اُن احادیث کا موجود ہونا لازم ہے جن سے یہ ثابت ہو

جائے کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ گمراہ تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ گروہ برسر عام رسول اللہ کی موجودگی میں سرگوشیاں کرتا رہتا تھا۔ اللہ نے بتایا کہ اُس گروہ کے افراد کی سرگوشیوں میں کسی مقدار میں بھی خیر اور نیکی نہیں ہوتی۔ یعنی یہ خفیہ نظام محض شر و فساد کا حامل ہے۔ اس گروہ کیلئے علامہ مودودی کے ترجمہ کے ساتھ ایک اور آیت ملاحظہ ہو جس سے اُن سرگوشیوں اور زردیدہ نگاہوں کا مقصد معلوم ہوگا۔

وَإِذَا مَا أَنْزَلْتُ سُورَةً نَّظَرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُمْ مِنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝ (توبہ 9/127)

”جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں کہ کہیں کوئی تم کو دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ پھر چپکے سے نکل بھاگتے (کھسک جاتے) ہیں۔ اللہ نے اُن کے دل پھیر دئے ہیں کیونکہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں۔“ (تفہیم القرآن۔ جلد دوم صفحہ 254)

سرگوشی اور آنکھ مٹکا کرنے والوں کو چھوڑ کر آپ اُس گروہ کے علامہ کا حال دیکھیں کہ آیت میں انصَرَفُوا۔ اور صَرَفَ ایک ہی مصدر سے آنے والے الفاظ ہیں۔ مگر اردو میں بالکل غلط مصدروں کا ترجمہ رگڑ دیا۔ بتائیے؟ نکلتا، بھاگتا، اور پھیرنا کا آپس میں کیا معنوی رشتہ ہے۔ اس قدر محتاط لوگوں کا مجمع عام سے گھبرا کر نکلتا اور بھاگنا ممکن ہی نہیں ورنہ رازداری کہاں رہے گی۔ کہنا یہ چاہئے تھا کہ ”چپکے سے کھسک جاتے ہیں، اللہ نے اُن کے قلوب کو کھسکا رکھا ہے، وہ اللہ کے اس انتظام کو سمجھ سکنے والی قوم نہیں ہے۔“

مگر علامہ عربوں کو بے وقوف اور جاہل ثابت کرنے میں اپنے مذہب کا تحفظ سمجھتے ہیں۔ جو لوگ نظروں ہی نظروں میں پوری اسکیم ایک دوسرے کو ٹھیک ٹھیک پہنچا دیں، وہ لوگ علامہ کے نزدیک ناسمجھ لوگ ہوتے ہیں، اللہ مولانا کو عقل عطا کرے۔

(xvi)۔ رسول اللہ کو اجتہاد پر آمادہ کرنا، قرآن سے ہٹانا، دستور جاہلیت پر چلانا

قرآن بار بار دانشوران عرب کی اُن کوششوں کا تذکرہ کرتا ہے جن سے اجتہادی علماء رسول اللہ کو بھی اجتہاد پر آمادہ کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ حضرت کسی طرح قرآن کے بعض احکام سے ہٹ کر اُن مسلمانوں کے آباؤ اجداد کے طریقہ کو بھی شامل کر لیں؛

وَأَن احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ۝
أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ (مائدہ 50-54)

چنانچہ فرمایا کہ آپ کو چاہئے کہ مسلمانوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ احکام سے احکام جاری کریں اور مسلمانوں کی مصلحتوں اور خواہشوں کی پیروی نہ کیا کریں۔ اور مسلمانوں سے بچ کر رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں چکر دے کر اللہ کے بعض نازل کردہ احکام سے موڑ لے جائیں۔ اس پابندی کے باوجود بھی اگر وہ اپنا تصور ولایت برقرار رکھیں تو یہ جان لو کہ اُن کے بعض گناہوں کی پاداش میں اللہ نے ارادہ کر ہی لیا ہے کہ اُن کو نتائج کی مصیبت سے دوچار کر دے۔ اور یقیناً ان مسلمان لوگوں کی کثرت فاسق یعنی بے لگام ہے۔ کیا یہ مسلمان ہو کر جاہلیت کا دستور و قانون نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے احکام سے

اچھے احکام دینا کسی کے بس کی بات نہیں۔ مگر یہ بات تو صاحب یقین و ایمان قوم کے لئے ہے۔ معلوم ہوا کہ مذکورہ قسم کے مسلمان دانشور قرآن کے بعض احکام میں اصلاح کی کوشش جاری رکھے ہوئے تھے تاکہ عرب تمدن و تہذیب محفوظ رہے اور قرآن کو ملکی و قومی تحفظ کا آلہ کار بنالیا جائے۔ اگر بعد والوں کے مذہب میں استسنان اور استصحاب اور تمام مصالح ملکی و قومی اور مفاد عامہ کو بنیاد بنا کر کسوٹی کے طور پر استعمال کیا گیا ہو تو ہم نہایت اطمینان سے سابقین و آخرین کے مذہب کو قرآن کے خلاف قرار دینے میں حق بجانب ہیں۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ جن لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے وہ منافق نہ تھے بلکہ اُسی قسم کے مسلمان تھے جو بعد میں برابر اُن ہی کے مذہب پر چلتے رہے ہیں۔ قارئین نوٹ کر لیں کہ جنگ اُحد کے بعد اور جنگ خندق سے پہلے پہلے مجتہدین کے ساتھ مسلمانوں کی کثرت شامل ہو چکی تھی۔ اب سوچئے کہ مجتہدین کی روز افزوں کوشش نے چار (4) ہجری سے گیارہ (11) ہجری تک سات سال میں کس قدر غلبہ حاصل کر لیا ہوگا؟

(xvii)۔ اُن صحابہ کو منافق کہنا سازش ہے وہ مسلمان تھے

دراصل ہر وہ شخص خود منافق ہے جو نزول قرآن کے دوران والے مسلمانوں کو منافق کہتا ہے۔ قرآن کریم بار بار اور با اصرار و تکرار اُن صحابہ کو مسلمان کہتا چلا آ رہا ہے جو اپنے دلوں میں اجتہاد کو تنفیذ قرآن کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے، وہ وہی عقیدہ رکھتے تھے جس پر بعد کی حکومتیں اور آج کے مذہب کی کثرت عمل پیرا رہی ہیں۔ جو رسول کی بشری غلطیوں سے احکام خداوندی کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے اور آج تک یہی چاہا جاتا رہا ہے کہ رسول اللہ ہر آیت مسلمان دانشوروں کے سامنے تلاوت کر دیں۔ اور پھر اُس آیت کے منشا اور مراد کے تعین اور عملی تنفیذ کے لئے اُن صحابہ سے مشورہ کریں اور اجتماعی بصیرت کے فیصلے کو نافذ کرتے رہیں۔ آج کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ اُن صحابہ کا یہ مقصد نہ تھا۔ یا یہ کہ یہ طریقہ باطل ہے۔ آج تو ماشاء اللہ مسلمانوں کی کثرت کے یہاں رسول کی دو حیثیتوں پر اتفاق ہے۔ ذاتی حیثیت، (معاذ اللہ) جس میں نہ صرف غلطی کا امکان تھا بلکہ غلطیوں کا سرزد ہونا اور غلطیوں کی فہرست پر بھی سب متفق ہیں۔ بس وہ صحابہ دینی ہمدردی کے ماتحت رسول کے ہر فیصلہ کو قبول کرنا نہ چاہتے تھے۔ جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ فیصلہ وحی کے حکم سے کیا گیا ہے یا ذاتی حکم سے۔ یعنی وہ رسول کی ذاتی اطاعت و تعمیل و اتباع کے قائل نہ تھے۔ لہذا قرآن نے اُس ذہنیت کی مسلسل مذمت کی ہے۔ مذمت سے گھبرا کر یہ سازش کی گئی کہ ہر مذمت کو منافق اور کفار و یہود کے سرچپکا دیا جائے۔ اور قرآن کے اُن مسلمان صحابہ کو جن کی مسلسل اور مستقل مذمت ہوئی ہے، الگ کر لیا جائے یا مشکوک کر دیا جائے مگر عمل اُن ہی کے مذہب پر کیا جائے۔ لیکن قرآن کریم اُن دونوں، یعنی لیڈروں اور پیروؤں کو باطل پرست کہتا ہے۔ اُس سازشی گروہ کو چیلنج کر دیں کہ اب لکھی جانے والی آیات سے خود کو یا اُن مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کریں۔ یہاں بات ہی اے مومنین کہہ کر شروع کی جا رہی ہے۔ اور وہ تمام صفات بیان ہو رہی ہیں جو آج کی کثرت کو پسند ہیں۔

(xviii)۔ مومنین یہود و نصاریٰ والی ولایت کے قیام سے الگ رہیں

سنئے ارشاد ہے کہ:۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْيَهُودَ وَالنَّصٰرَىٰ اَوْلِيَّآءَ ۚ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَّآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهٗ

مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا آتَاءُ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ ۝ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ۝ (المائدة 53-55)

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ہو۔ تم یہود و نصاریٰ والی حکومت قائم نہ کرنا۔ اس لئے کہ اُن کا طرز حکومت و ولایت اُن ہی کے لئے ہو سکتا ہے۔ اور تم میں سے جو انہیں یا اُن کی طرز حکومت کو اپنائے گا وہ یقیناً یہود و نصاریٰ ہی کے ساتھ شمار ہوگا۔ یقیناً اللہ اُس قوم کو ہدایت نہیں کرتا جو ظالمین کی ولایت و امامت کی قائل ہو۔ چنانچہ آپ اُن مومنین کو برابر دیکھ رہے ہیں جن کے دلوں میں ظالمین کی ولایت و امامت بیماری بن کر رہتی ہے کہ وہ اُسی مذمومہ ولایت میں کوشاں ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم اُس تصور کی خلاف ورزی سے اس لئے خشیت میں مبتلا رہتے ہیں کہ ولایت و امامت کے بارہ (12) موعودہ چکروں اور بھنور میں نہ پھنس جائیں۔ اے نبی ہمارا حکم اور کامل فتح جس روز ظہور کریں گے تو یہ لوگ جس طرز حکومت اور مذہب کو اپنے اندر بطور راز محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ اُس کے قائم کرنے پر نادم ہو کر صبح کریں گے۔ اور اُس روز تمام مومنین بیک زبان یکا را انھیں گے کہ کیا یہ وہی عہد رسولؐ والے مسلمان ہیں جو بڑے زور شور سے یہ عہد کیا کرتے تھے کہ وہ حقیقتاً ہمارے ساتھی مومن ہیں؟ اُس روز اُنکے تمام اعمال تباہ ہو کر انہیں خسارہ کی مبارکباد ملے گی۔ (بات مسلسل جاری ہے)

(xix)۔ ولایت و خلافت الہیہ کا مکر مرتد ہے۔ وہ قوم جس کا ہر فرد محبوبِ خدا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةً لَّيْمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ وَلِيُكْمِلَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكَافِرَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُم مِّنْ مُّؤْمِنِينَ ۝ (المائدة 54-57)

اے مخصوص عقیدے والے مسلمانوں، تم میں سے جو کوئی ولایت خداوندی سے مذہباً مرتد ہو جائے تو سمجھ لے کہ عنقریب اللہ ایک ایسی قوم کو سامنے لانے والا ہے کہ جسے اللہ محبوب رکھتا ہے اور وہ قوم اللہ کو محبوب رکھتی ہے۔ جو مومنین کے لئے خود کو ذلتوں میں ڈال دے اور کافروں پر عزت کی دھاک بٹھا دے۔ جو کسی کی ملامت سے نہ ڈرے اللہ کی راہ میں کامیاب جنگ کرے۔ یہ صفات اور مرتبہ جو اُس قوم کا ہے اللہ کا فضل ہے، جو اُن ہی کو ملتا ہے جو مشیت خداوندی میں روز ازل سے اُس کے لئے مقرر ہو۔ اور سنو کہ اللہ و رسولؐ اور مذکورہ مومنین کے علاوہ تمہارا کوئی ولی و حاکم نہیں ہو سکتا۔ وہ مومنین وہ حضرات ہیں جو نماز کو قیام بخشتے ہیں اور حالت فقر و فاقہ اور ناداری میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ یا اپنی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کی مسلسل کوشش میں نادار و بے سرمایہ رہتے ہیں۔ اور سنو کہ جو کوئی اُن مومنین کو اپنا ولی و والی و حاکم بنائے جن کی ولایت، ولایتِ خدا و رسولؐ ہوتی ہے، وہی گروہ اللہ کا گروہ ہوتا ہے۔ اور گروہ خداوندی ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ چنانچہ اے مومنین اس صورت حال کو سمجھ لینے کے بعد اب تم کفار یا سابقہ اہل کتاب میں سے اُن لوگوں کو ولی و حاکم نہ بنالینا جو تمہارے مذکورہ بالا

دین کو مذاق اور تفریح کہتے ہوں۔ اور اگر تم واقعی مومنین ہو تو تم اُن کی حکومت کو تقویٰ اور پارسائی کے خلاف سمجھنا۔ یہاں رک کر تمام علما سے دریافت کریں کہ:-

- (i) 3 ہجری یا 4 ہجری کے بعد وہ کون سی قوم تھی جو 3 و 4 ہجری کے وقت تک موجود نہ تھی اور جس کا ہر فرد محبوب خدا تھا؟
- (ii) جس کا جہاد مسلسل جاری رہا اور جس کا ہر فرد مومنین کی عزت بحال رکھنے کے لئے اپنی ذلت کی پرواہ نہ کرتا تھا؟
- (iii) جو کافروں کے مقابلے میں ہمیشہ عزت و احترام کا حقدار رہتا رہا اور جس کو پابندی دین کے لئے ملامت کی جاتی رہی۔ لیکن اُس نے ملامت کرنے والوں کی پرواہ کئے بغیر اپنے دین کی اطاعت جاری رکھی؟
- (iv) پھر وہ کون لوگ تھے جنہوں نے حاکم بن کر اسلام کو مذاق بنا دیا؟
- (v) وہ کون سا گروہ ہے جس کا دین ہمیشہ غالب رہا؟ اور اُن کو ساری دنیا کے عقلا اور باضمیر انسان ہمیشہ حزب اللہ سمجھتے

رہے اور اُن کے تمام مخالفوں کو ساری دنیا نے غلط کار اور شیطانی گروہ قرار دیا؟

سنو اور یاد رکھو کہ میدان کربلا کے علاوہ کبھی ایسی قوم صفہ ہستی پر نظر نہیں آئی جس میں مندرجہ بالا صفات بحیثیت مجموعی موجود ہوں۔ یہ بھی نوٹ کیا ہوگا کہ ہم نے یہاں راکعون کے مصدری معنی کئے ہیں۔ اور یہ ہمارا مستقل طریقہ اور اصرار ہے کہ مصدری معنی کئے جائیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو لوگ نماز قائم کرتے ہوں وہ رکوع ضرور کریں گے۔ لہذا الگ سے صرف رکوع کا ذکر کرنا اور اُس رکوع کو والیان اسلام کی شناخت بتانا ایک تکلف ہے جس کی ضرورت ہی نہیں۔ اس سے بہتر صورت تو یہ تھی کہ فرمایا جاتا کہ:-

1- والذین آمنوا الذین یؤتون الزکوٰۃ فی الصلوٰۃ۔

وہ صاحبان ایمان لوگ جو لوگ کہ نماز کے دوران زکاۃ دیتے ہیں۔ یا

2- والذین آمنوا الذین یؤتون الزکوٰۃ و ہم یصلون۔

وہ صاحب ایمان لوگ جو لوگ کہ نماز پڑھتے ہوئے زکاۃ دیتے ہیں۔

لیکن ہمارے ترجمہ سے کسی تبدیلی، تحریف اور تکلف کے بغیر وہ تمام راستے خود بخود بند ہو جاتے ہیں جو ولایت معصومین کے مخالف گروہ نے اس آیت کے ترجمہ و تاویل میں اختیار کئے ہیں۔ اور جو معنی ہم نے کئے ہیں، اُدھر وہ لغت اور قواعد کی رو سے سو فیصد صحیح ہیں۔ ادھر تاریخ اور حالاتِ آئمہ معصومین علیہم السلام کے عین مطابق ہیں۔ یعنی جو زکوٰۃ کی خاطر سال کے سال نادار رہتے ہیں، نہ کہ سال بھر حقداروں کو محروم رکھ کر مال جمع کر کے سال کے بعد زکوٰۃ نکالنے والے لوگ۔ ہمارے والے علما سن لیں کہ ہمارے طریقہ سے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ دوازدہ آئمہ کی حاکمیت ثابت ہوتی ہے اور الذین امنوا کی جمع اور واحد کی بحث بھی مرجاتی ہے۔ اس لئے ہم نے کوئی کمال تحقیق یا ریسرچ نہیں دکھائی ہے۔ بلکہ سادہ سی بات کہ ہر لفظ کے مصدری معنی اختیار کرنے کو پہلا نمبر دیں۔

یہاں علامہ مودودی سے یہ سن لیں کہ عہد رسول کے جن مسلمانوں کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ وہ تمام نمازی، پرہیزگار اور راہ خدا میں

جہاد کرنے والے لوگ تھے۔ مگر تصور ولایت کے خلاف عقیدہ نے اُن کے تمام اعمال ضائع کر دیئے۔

”یعنی جو کچھ انہوں نے اسلام کی پیروی میں کیا، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، زکوٰۃ دی، جہاد میں شریک ہوئے، قوانین اسلام کی اطاعت کی، یہ سب کچھ اس بنا پر ضائع ہو گیا کہ اُن کے دلوں میں اسلام کیلئے خلوص نہ تھا۔“
(تفہیم القرآن۔ جلد اول صفحہ 481، حاشیہ 86)

اب کوئی یہ نہ کہے کہ فلاں فلاں نے یوں خدمت اسلام انجام دی اور یوں مال خرچ کیا اور یوں توپ ماری۔ ہر دعویدار کو پہلے قرآن کی آیت سے خلوص ثابت کر کے بتانا ہوگا کہ فلاں اور فلاں قرآن کی رُو سے مخلص لوگ تھے۔ مخلص کی بات ہوگی تو سن لیں کہ اللہ کے مخلص بندوں پر شیطان کا تسلط نہیں ہوتا (حجر 15/42) اور جن لوگوں نے خود اعلان کیا ہو کہ اُن پر مستقل طور پر شیطان حاوی رہتا رہا ہے۔ اور جنہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کون سا وقت ہوتا ہے کہ شیطان غلبہ کر لے گا۔ وہ لوگ تو بہر حال نہ اسلام کے مخلص تھے نہ اُن کے اعمال کی جزا قیامت میں ملنا ہے۔ وہ مستقل خسارہ میں رہنے والے لوگ تھے۔

27۔ جنگ احزاب تاریخ اور قرآن سے

جنگ اُحد کے دوران اور اُس کے بعد قریشی مذہب کے مسلمانوں کی جدوجہد اور کارنامے سامنے آچکے۔ اُن کے عقائد و اعمال پر تاریخی و قرآنی اسناد ملاحظہ کر لی گئیں۔ اب ہم جنگ احزاب کو، جسے جنگ خندق بھی کہا جاتا ہے؛ مختصر طور پر سامنے لاتے ہیں اور صرف وہ حالات لکھنا چاہتے ہیں جس میں خانوادہ رسولؐ اور اُن کی حکومت کے مخالفین کا عمل درآمد معلوم ہو سکے یا حقیقی مومنین کے چند مخصوص اور متعلقہ حالات معلوم ہو جائیں۔

جنگ احزاب ماہ شوال 5 ہجری میں واقع ہوئی۔ اُس وقت جنگ اُحد کو پورے دو سال گزر چکے تھے۔ یعنی ماہ شوال 3 ہجری کے بعد بہت سے واقعات پیش آچکے تھے جن کی تفصیل میں جانا اس کتاب کا مقصد نہیں ہے۔ ہمارا مقصد صرف اس قدر دکھانا ہے کہ وہ مسلمان جو انتقال رسولؐ کے بعد سریر آرائے حکومت ہوئے۔ اُن کا اور اُن کے حلقہ احباب کا اس جنگ اور دیگر مہمات میں کس قدر حصہ تھا؟ اور اُن کا ہم خیال طبقہ کیا کچھ کرتا رہا تھا؟ اور جو حکومت اُن کے بعد چلتی رہی، اُس سے محمدؐ اور خانوادہ محمدؐ کا کیا اور کیسا تعلق تھا۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ کون سے بنیادی اختلافات تھے جن کی وجہ سے کربلا کا میدان سامنے آیا؟ اور کس وجہ سے حسین علیہ السلام کے مخالف لا الہ الا اللہ کے دشمن بنائے گئے۔ اور یہ کہ حسین علیہ السلام کے مخالفین اور اُن کی حکومت کا مذہب کیا تھا؟ اُن میں اور اولین خلفاء کے تصور اسلام میں اگر کوئی فرق و اختلاف تھا تو کیا تھا؟

(27/2)۔ جنگ احزاب تواریخ اور محدثین کی نظر میں

منفقہ طور پر مانا گیا ہے کہ جنگ میں بہت سے قبیلے اور گروہ شامل ہوئے تھے۔ اسی لئے اس جنگ کا نام جنگ احزاب رکھا گیا ہے۔ بدر و اُحد کے تجربہ کے بعد قریش نے اسلام کو مٹانے کی یہ آخری کوشش کی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ اس جنگ میں سارے عرب کو جھونک دیں۔ یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ ابوسفیان کے ساتھ دس ہزار جنگ آزمابہادروں نے حملہ کیا تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے کل تعداد تین ہزار تھی

چونکہ اس جنگ میں ایک بہت لمبی اور گہری خندق کھودی گئی تھی اس لئے اس جنگ کو جنگ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ خندق کی کھدائی نہایت محنت اور جانفشانی کا کام تھا۔ لیکن تمام تاریخیں کہیں بھی یہ ذکر نہیں کرتیں کہ جناب ابوبکر و عمر و عثمان اور ابو عبیدہ جراح وغیرہ بعد کے ہیرو حضرات نے اس مہم میں کوئی خدمت انجام دی ہو۔ نہ اس جنگ میں کہیں ان حضرات سے مشورہ کا تذکرہ کیا گیا۔ البتہ جناب سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ پیش پیش ملتے ہیں۔

(ii)۔ خطرات میں بھی رسول اللہ کی مدد سے جی چرانا اور جواب تک نہ دینا

علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ:- ”محاصرہ اس قدر شدید اور پُر خطر ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ ”کوئی ہے جو باہر نکل کر محاصرین کی خبر لائے؟“ حضرت زبیر کے سوا اور کوئی صدا نہیں آئی۔ آنحضرتؐ نے اسی موقع پر حضرت زبیر کو حواری کا لقب دیا تھا۔“ (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 424)

(iii)۔ محدثین کی سازش، بعض لوگوں کو ہیرو بنانے کی کوشش

چونکہ مندرجہ بالا صورت حال میں صحابہ نے کوتاہی اور کم ہمتی کا ثبوت دیا تھا۔ اس لئے شبلی نے صحابہ سے خطاب نہیں لکھا بلکہ صحابہ کو عام لوگ بنا کر ”لوگوں سے خطاب کیا“ لکھا ہے۔ حالانکہ اس زمانہ کا ہر شخص اور خصوصاً جنگ میں شریک تو لازماً صحابی رسولؐ کہلاتا ہے۔ پھر اپنے بیان اور زبیر کے حواری بنانے کے ثبوت میں حاشیہ لکھا ہے:-

”نمبر ۲ صحیح بخاری، ذکر غزوہ احزاب و صحیح مسلم کتاب الفضائل۔ لیکن ابن ہشام نے اس موقع پر حضرت حذیفہ بن یمان کا نام لکھا ہے۔ اس لئے محدثین میں ان دونوں ناموں کے واقعوں کی تطبیق میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر اور زرقانی نے بدلائل یہ ثابت کیا ہے کہ محاصرین میں سے قریش کی تحقیق حال کیلئے حضرت حذیفہؓ اور بنو قریظہ کی تحقیق خبر کیلئے حضرت زبیرؓ گئے تھے۔ یہ تفصیل واقدی اور نسائی نے اپنی روایتوں میں کی ہے۔“ (فتح الباری جلد 7 صفحہ 312، زرقانی جلد 2 صفحہ 138) (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 425 حاشیہ)

محدثین کی دوڑ دھوپ کے باوجود اس قدر غلطی ہو گئی کہ اچھا موقع تھا کہ یہ بھی لکھ دیا جاتا کہ جناب ابوبکر قبیلہ غطفان کی اور جناب عمر قبیلہ بنو اسد کی اور حضرت عثمان قبیلہ سلیم کی خبریں لینے گئے تھے۔ اس طرح غزل کا مطلع و مقطع دونوں چست ہو جاتے اور مجلسازی میں خامی بھی نہ رہتی۔ یہ ہے محدثین کا کہانیاں گھڑ گھڑ کر اپنے راہنماؤں کو ہیرو بنانے کی کوشش۔

(iv)۔ جاسوسی کے سلسلے میں زبیر و دیگر صحابہ کی تفصیل

جناب حذیفہ یمانی بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم اُس رات کو بھوک اور سردی نے ہمیں ایسا ستایا تھا کہ خدا ہی کو اس کی خبر ہے۔ کچھ رات گزرے آنحضرتؐ بیدار ہوئے اور چند رکعت نماز ادا کر کے بعض صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کون ہے کہ اس وقت جائے اور دشمنوں کی خبر میرے پاس لائے؟ جسکے عوض خدا تعالیٰ اسکو بہشت میں میرا رفیق بنائے۔ حذیفہ کا بیان ہے کہ ہم میں سے کسی نے بھی خوف، بھوک اور سردی کے سبب جواب نہیں دیا تو حضرتؐ پھر نماز میں مشغول ہو گئے۔ اس سے فارغ ہو کر دوبارہ فرمایا کہ کوئی ہے جو اس

قوم کی خبر ہمیں لا دے۔ جسکے عوض خدا اُسکو بہشت میں میرا رفیق بنا دیگا؟ مگر اب بھی کسی نے جواب نہیں دیا۔ جب تین مرتبہ فرما چکے اور کوئی صاحب آمادہ نہ ہوئے تو آنحضرتؐ نے صحابہ کرام سے تین چار صاحبوں کا نام لیکر فرمایا کہ جا کر خبر لا دو مگر ہر شخص پہلو تہی کرتا رہا۔

(v)۔ ابو بکر خود نہیں جاتے بلکہ جنابِ حدیفہ کا نام تجویز فرماتے ہیں

مورخین و محدثین نے لکھا ہے کہ:-

لَمَّا كَرَّرَ قَوْلَهُ أَلَاءَ رَجُلٍ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ يَكُونُ مَعِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَمْ يَجِبْهُ أَحَدٌ قَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ حَدِيفَةُ (سيرة حلبية جلد 2 صفحہ 327)۔ ”جب حضرت نے کئی بار صحابہ سے کہا کہ کیا کوئی ایسا مرد ہے جو جا کر مجھے اُس دشمن قوم کی خبر لا دے اور قیامت میں میرا رفیق بن جائے؟ حضرت ابو بکر نے کہا کہ اے رسول اللہ حدیفہ کو بھیج دیں۔“ علامہ علی متقی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر نے کہا کہ ”یا رسول اللہ ابعت حدیفہ اے رسول اللہ حدیفہ کو بھیج دیں۔“ (کنز العمال جلد 5 صفحہ 279)

(vi)۔ جنت میں رسول اللہ کا رفیق بننے سے ابو بکرؓ و عمرؓ کا انکار

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ ”حدیفہ بیان کرتے تھے کہ جب کسی صحابی نے حضرتؐ کی فرمائش پوری کرنے پر رضامندی نہ کی تو فرمایا کہ اے ابو بکر تم جاؤ۔ ابو بکر نے جواب دیا کہ میں اللہ اور رسولؐ سے معافی چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم اگر چاہتے تو جاسکتے تھے۔ پھر حضرتؐ نے عمر سے کہا۔ انہوں نے بھی کہا کہ میں اللہ اور رسولؐ سے معافی چاہتا ہوں۔ تب حضرتؐ نے فرمایا کہ اے حدیفہ تم جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔ چنانچہ اُٹھا اور جا کر خبر لا دی۔“ (تفسیر درمنثور جلد 5 صفحہ 185)

کسی جنگ میں حضراتِ شیخین کا تلوار بکف جنگ کرنا تو بڑی بات تھی، وہ غریب تو دشمن کی خبر لینے اور رسولؐ کا جنتی ساتھی بننے سے بھی محروم رہے۔ حالانکہ اس کام میں کسی بہادری کا ظاہر کرنا ضروری نہ تھا۔ چھپتے چھپاتے رات کے اندھیرے میں جانا تھا۔ دُور دورہ کرنا اندازہ کرنا تھا کہ دشمن شب خون مارنے کی تیاری تو نہیں کر رہا ہے۔ مگر افسوس کہ جان ہی نہ رہی تو جانشینی کیسے ممکن ہوگی؟

(vii)۔ آخر اللہ اور علیؑ نے جنگ خندق فتح کرادی۔ ہیر و چھپے رہے

بعد والے ہیر و زمانہ رسولؐ میں نہ ہیر و تھے نہ اُن کا کوئی قابل شمار اسلام کے لئے خدمت یا کارنامہ تھا۔ یہ تو تین سو سال اُس حلقہ فکر میں حکومت کے رہنے کا کرشمہ تھا کہ وہ لوگ اسلام کے ہیر و بنائے جاسکے جنہیں ماشاء اللہ علوم قرآن سے ذرہ برابر حصہ نہ ملا تھا۔ اور عہدِ رسولؐ میں کوشش کے باوجود اُن کے حق میں ایک کہانی بھی ایسی نہ گھڑی جاسکی جس کی تصدیق ہو کر اُن کے اسلام اور اسلام سے ہمدردی کا پتہ لگ سکتا۔ البتہ اسلام کے خلاف ایسے اعمال و اقوال اس گھریلو اور خود ساختہ تاریخ میں بھی مل جاتے ہیں جو اُن کی ذہنیت اور اسلام میں داخل ہونے کی وجہ اور مقصد کی پول کھول دیتے ہیں۔ اور قرآن کریم تو اُن کے سارے گروہ اور پوری قوم کو خدا اور رسولؐ کے مخالف قرار دینے میں ذرہ برابر تکلف نہیں کرتا۔ اب ذرا اللہ و رسولؐ اور قرآن و تاریخ کے حقیقی ہیر و کا حال جنابِ شبلی سے سن لیں:-

”چونکہ اس طریقہ میں کامیابی نہیں ہوئی اسلئے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے۔ تمام فوجیں یکجا ہوں۔ قبائل کے تمام سردار آگے آگے تھے۔ خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم عریض تھی۔ یہ موقع حملہ کیلئے انتخاب کیا گیا۔ عرب کے مشہور بہادروں یعنی ضرار، جبیرہ، نوفل، عمرو بن عبدود نے خندق کے اُس کنارے سے گھوڑوں کو ہمیز کیا تو اس پار تھے۔ اُن میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا۔ اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا، بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔ تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا۔ اور عرب کے دستور کے مطابق پکارا کہ مقابلہ کو کون آتا ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ ”میں“، لیکن آنحضرتؐ نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ حضرت علیؑ بیٹھ گئے۔ لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہ آتا تھا۔ عمرو نے دوبارہ پکارا۔ اور پھر وہی ایک صدا جواب میں تھی۔ تیسری دفعہ جب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علیؑ نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے۔ غرض آپؐ نے اجازت دی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پر عامہ باندھا۔ عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کریگا تو ایک ضرور قبول کروں گا۔ حضرت علیؑ نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی تیرا یہ قول ہے؟ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:-

حضرت علیؑ: میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لے آ۔

عمرو: یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت علیؑ: لڑائی سے واپس چلا جا۔

عمرو: میں خاتونانِ قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔

حضرت علیؑ: مجھ سے معرکہ آرا ہو۔

عمرو ہنسا، اور کہا کہ مجھ کو اُمید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی۔ حضرت علیؑ پیادہ تھے، عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا، گھوڑے سے اتر آیا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری کہ کوچیں کٹ گئیں۔ پھر پوچھا کہ تم کون ہو؟ آپ نے نام بتایا۔ اُس نے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا، ہاں، لیکن میں لڑنا چاہتا ہوں۔ عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا۔ پر تلے سے تلوار نکالی۔ اور آگے بڑھ کر وار کیا۔ حضرت علیؑ نے سپر پر روکا لیکن سپر میں ڈوب کر نکل آئی۔ اور پیشانی پر لگی۔ گوزخم کاری نہ تھا۔ تاہم یہ طغریٰ آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا۔ قاموس میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے۔ ایک عمرو کے ہاتھ کا۔ اور ایک ابنِ ملجم کا۔ دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علیؑ نے وار کیا۔ اُن کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اُتر آئی۔ ساتھ ہی حضرت علیؑ نے تکبیر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ عمرو کے بعد ضرار اور جبیرہ نے حملہ کیا۔ لیکن جب ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا۔ حضرت عمر فاروق نے (بھاگتے ہوئے) ضرار کا تعاقب کیا۔ ضرار نے مُڑ کر برہمے کا وار کرنا چاہا لیکن (کچھ سوچ کر) روک لیا۔ اور کہا عمر! اس احسان کو یاد رکھنا۔ نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گر پڑا صحابہ نے تیر مارنے شروع کیے اُس نے کہا مسلمانو! (کمیوں ایسا کام نہ کرو) میں شریفانہ موت چاہتا ہوں۔ حضرت علیؑ نے درخواست منظور کر لی اور خندق میں اتر کر

تلوار سے مارا کہ شریفوں کے شایان شان تھا۔“ (شبلی سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 427-428)۔ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:-
 ”یہ حالات اگرچہ اجمالاً تمام کتابوں میں ہیں لیکن ہم نے جو تفصیل لکھی ہے وہ طبقات ابن سعد اور تاریخ الخمیس سے ماخوذ ہے۔“

(viii)۔ تفصیل کے باوجود مولانا شبلی نے بہت سے حقائق کو جان بوجھ کر چھپایا

سب سے پہلے علامہ نے وہ قصہ چھپا لیا جو جناب عمر نے عمرو بن عبدود کے چیلنج پر مسلمانوں کو سنا کر ان کی ہمتیں توڑنے کا انتظام کیا تھا۔ پھر عمرو بن عبدود نے جنت و جہنم کے طعنے دے کر مسلمانوں کو جوش دلایا وہ چھپا گئے۔ وہ کہتا رہا کہ اے محمد تمہارے صحابہ میں کوئی ایسا نہیں جو میرے ہاتھ سے جنت میں جانا چاہتا ہو؟ انہوں نے یہ بھی نہ لکھا کہ حضرت علی کی روانگی پر رسول اللہ نے کیا دعا کی؟ ان کو کُل کُفر کے مقابلہ میں کُل ایمان فرمایا۔ یہ بھی چھپا لیا کہ فتح کے بعد علی کی ایک ضرب کو ثقلین کی ساری عبادت سے افضل قرار دیا گیا۔ یہ بھی نہ بتایا کہ عمرو بن عبدود کی بہن نے علی کی مدح کی تھی۔ یہ بھی نہ لکھا کہ خندق کے پار آنے والے چھ کافر بہادر تھے۔ جو سب ذوالفقار سے واصل جہنم ہوئے۔ طرفدارِ کفر میں عمرو بن عبدود کی غیرت کو گھوڑے سے اترنے اور کوچیں کاٹنے کا سبب قرار دیا۔ حالانکہ تیسری بات ہی یہ تھی کہ پیدل ہو کر مجھ سے جنگ کرا یا نہ ہو کہ تو گھوڑا دوڑا کر بھاگ جائے۔ اس لئے وہ اتر اور گھوڑے کی ٹانگیں اپنے جم کر لڑنے کے ثبوت میں کاٹ دیں۔ پھر ذوالقرنین کے لقب کی غلط تعبیر کرنے کے لئے پیشانی زخمی ہونے کو مان لیا۔ اور دوسرا زخم ابن ملجم کا شمار کر لیا جو دو دن سے زیادہ کسی نے نہ دیکھا تھا۔ تاثر یہ دیا کہ بعد وفات ذوالقرنین مشہور ہوئے۔ کوئی پوچھے کہ پیشانی یا گالوں پر زخم کا ذوالقرنین یا سینگوں سے کیا تعلق؟ یہ اور بہت کچھ اور مولانا کو معلوم تھا۔

(ix)۔ جو کچھ ضرار نے کہا وہ بڑا معنی خیز ہے اور اس کا عمل عبرت انگیز ہے

علامہ کے بیان میں آپ نے دیکھ لیا کہ جب عمرو بن عبدود قتل ہو گیا تو خندق کے پار آ جانے والے بہادر بے تحاشہ جان بچا کر بھاگے۔ یہی وہ وقت تھا جب کہ حضرت عمر کی تلوار میں کھجلی ہوا کرتی تھی۔ جناب عمر ضرار کے پیچھے دوڑے، غالباً یہ خیال آ گیا ہو گا کہ اب ضرار پلٹ کر نہ دیکھے گا۔ مگر افسوس کہ ضرار نے جب سرکارِ فاروق کو دیکھا تو پلٹا نیزہ اٹھایا لیکن خوفزدہ چہرہ دیکھا یا نہ معلوم کیا خیال آ گیا کہ حضرت عمر کو معاف کر دیا اور کہا کہ اے عمر اس احسان کو بھلا نا نہیں۔ اَنَا لِلّٰہِ وَاَنَا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ کیا نورانی چہرہ تھا جس پر شکست خوردہ کافر بھی احسان کر رہا ہے؟

(x)۔ حضرت عمر نے تمام مسلمانوں کو خوفزدہ کر دیا

اُدھر عمرو بن عبدود اپنے مقابلہ کی دعوت دے رہا ہے۔ طعن و طنز سے آنحضرتؐ کا دل دکھا رہا ہے۔ ادھر جناب عمر مسلمانوں کو بتا رہے ہیں کہ عمرو بن عبدود نے ایک ہزار ڈاکوؤں سے مقابلہ کر کے ان کے قافلہ کو بچا لیا تھا اور ڈھال کی جگہ عمرو نے اونٹ کا بچہ بائیں ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا۔ (معارج النبوة رکن 4 صفحہ 161)

(xi)۔ علی علیہ السلام مکمل ایمان تھے اور عمرو بن عبدود مکمل کفر کا نمائندہ تھا

اُدھر حضرت عمرؓ نے تمام صحابہ کو یہ بتایا کہ عمرو بن عبدود کے مقابلہ پر جو جائے گا فٹ بال بنالیا جائے گا۔ لہذا چپ چاپ استغفر اللہ و رسولہ کا ورد کرتے رہو۔ اُدھر جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے صبر کا پیالہ پھلک گیا۔ لہذا اس دفعہ آپؐ نہ بیٹھے اور جب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ وہ عمرو بن عبدود ہے تو عرض کیا کہ میں علیؓ بن ابی طالب ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہؐ نے نائب و جانشین کے سر پر عمامہ باندھا، دامن سمیٹا، تلوار محنت فرمائی اور رخصت کیا۔ اور خدا کے رُود دعا کیلئے ہاتھ پھیلا کر فرمایا:۔

إلهی اخذت عبیدہ منی یوم بدر و حمزة یوم احد و هذا علی اخی و ابن عمی فلا تذرنی فردًا وانت خیر الوارثین۔ خداوند اتو نے بدر کے روز عبیدہ کو مجھ سے لے لیا اور حمزہؓ کو اُحد کے روز لے لیا۔ اور یہ میرا بھائی اور چچا کا بیٹا ہے۔ خدایا تو مجھے تنہا نہ چھوڑنا۔ اس کی حفاظت کرنا، کامیاب واپس لانا اور تو تمام وارثوں سے بہتر وارث ہے۔

(منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند امام احمد جلد 4 صفحہ 125)

جناب شبلی اور اُن کے ہم خیال بہت سے لوگوں نے بڑے بڑے اہم واقعات کو اختصار کے پردے میں چھپا دیا ہے۔ مگر وہ مورخین بھی حق کے دباؤ میں کچھ نہ کچھ لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں جو فضائل محمدؐ و آل محمدؐ کو کلیتاً چھپا جانا چاہتے تھے۔ چنانچہ یہ بھی لکھ ہی دیا گیا کہ جب حضرت علیؓ مقابلہ کے لئے چلے تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ: لبرز الایمان الی الشریک کلہ۔ پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ (حیوة النبیؐ جلد 1 صفحہ 238) اور (سیرۃ محمدیہ جلد 2 صفحہ 102) یہ بیان اُس وقت کے تمام مومنین کی پوزیشن واضح کرتا ہے۔

(xii)۔ عمرو بن عبدود کو موت نظر آرہی تھی اس لئے لڑنا نہ چاہتا تھا

لکھا بھی جا چکا اور یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ عمرو بن عبدود جنگ بدر میں شامل ہوا تھا۔ اور یہ بھی کہ وہ زخمی ہو کر گیا تھا۔ مگر تاریخ نے یہ چھپا لیا کہ وہ زخمی کس کے ہاتھ سے ہوا تھا؟ اور جو تین بہادر کافر سب سے پہلے میدان سے نکلے عمرو اُن میں کیوں نہ تھا؟ اور یہ بھی معلوم ہے کہ قریش کا بچہ بچہ عمرو کو جانتا تھا۔ لہذا بڑے تعجب کی بات ہے کہ عمرو بدر میں نمایاں ہو کر سامنے کیوں نہ آیا؟ بہر حال جب عمرو کو حضرت علیؓ نے اپنا نام بتایا تو بدر اُسے یاد آ گیا ہوگا۔ علیؓ کی تلوار کی کاٹ آنکھوں میں پھر گئی ہوگی۔ اس لئے عمرو نے یہ تو نہ کہا کہ میں موت سے ڈرتا ہوں۔ مگر یہ کہا کہ تمہارے والد میرے دوست تھے۔ مجھے تمہارا خون بہانا گوارا نہیں ہے۔ لیکن جواب ملا کہ مجھے تمہارا خون بہانا بہت پسند ہے۔ چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

”ہمارے استاد بیان کرتے تھے کہ خدا کی قسم عمرو بن عبدود نے جو علیؓ کو واپس جانے کے لئے کہا تھا وہ اُن پر ترس کھا کر نہیں کہا تھا۔ بلکہ اُن سے خوفزدہ ہو کر اُس نے یہ بات کہی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ علیؓ نے بدر میں کتنی تباہی مچائی۔ قریش کے کتنے نمودار و سربرآوردہ جوانوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ جانتا تھا کہ اگر میں نے مقابلہ کر لیا تو جان سے ہاتھ دھونا ہوں گے۔ شرم کے مارے کمزوری تو دکھانہ سکتا تھا۔ لہذا خیر خواہی اور رحم دلی کی آڑ لینا چاہتا تھا۔ اور وہ قطعی جھوٹا تھا۔“ (شرح نہج البلاغہ)

(xiii)۔ حضرت علیؑ نے داؤد کی مثل بن کر دکھایا۔ تلاوت قرآن

حضرت جابرؓ نے کہا تھا کہ علیؑ کا عمرو بن عبدود کو قتل کرنا بالکل حضرت داؤدؑ اور طالوتؑ کے قصے سے مشابہ ہے۔ (مستدرک جلد 3 صفحہ 33) جن کا ذکر خداوند عالم نے یوں کیا ہے: فہزموہم باذن اللہ و قتل داؤد جالوت۔ یعنی طالوت کے ہمراہیوں نے جالوت کی فوج کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ عبد اللہ ابن مسعودؓ آیت و کفی باللہ المومنین القتال و کان اللہ قویاً عزیزاً کو اس طرح پڑھا کرتے تھے۔ و کفی باللہ المومنین القتال بعلیؑ و کان اللہ قویاً عزیزاً۔ اللہ نے لڑائی میں علیؑ کی وجہ سے مومنین کو کفایت کی اور اللہ غالب اور قوی ہے۔ (ارج المطالب صفحہ 75 ینابیع المودة صفحہ 77 تفسیر درمنثور)

(xiv) حضرت علیؑ یا کُلّ ایمان کی وہ ضرب جس سے کُلّ الشریک قتل ہو گیا تھا

اگر رسولؐ کو صادق القول سمجھ لیا جائے تو واقعی حضرت علیؑ کی وہ ضرب جس سے عمرو بن النار ہوا تھا، ساری کائنات اور جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔ یعنی ہر عبادت کرنے والا کُلّ ایمان کا کوئی جز اپنے اندر رکھتا ہے۔ لہذا تمام عابدوں کی عبادت جزوی ہو گی اور تمام جزوی عبادت ملا کر اُس شخص کی عبادت سے کم ہوگی۔ اور وہ ایک ضرب جو پورے شرک کی موت بن جائے اور جس کی بنا پر آئندہ قیامت تک عبادت جاری رہے وہ یقیناً ساری کائنات کی عبادت سے افضل ہے۔ اور ہم تو یہ بھی جانتے ہیں کہ ساری کائنات اور جن وانس جن کی وجہ سے اور جن کے لئے پیدا ہوئے۔ اور جنہوں نے ہر مخلوق کو عبادت و تسبیح، ایمان و اسلام اور اللہ سے متعارف کرایا، اُن کی عبادت کے ساتھ کیسے مقابلہ و موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک ضرب کو ثقلین یا اُمت کی عبادت سے افضل کہنا محض متوجہ کرنا ہے، اُس مقام بلند کی طرف جو ولایت و امامت محمدیؐ رکھتا ہے۔ ورنہ یہ حقیقت حال نہیں۔ اس لئے کہ حقیقت محمدیہ و علویہ الفاظ میں محدود نہیں کی جاسکتی۔ جناب شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:-

”از علی مرتضیٰ در غزوہ خندق مبارز ہا و مقاتلہا واقع شد از حدّ قیاس و عقل بیروں چنانکہ در اخبار واقع شدہ است

لمبارزۃ علی بن ابی طالب یوم الخندق افضل من اعمال اُمتی الی یوم القیامۃ۔ و آنحضرت دعا ہا کرد در حق علیؑ

مرتضیٰ و شمشیر خود را کہ ذوالفقار نام داشت بُوے عطا نمود۔“ (مدارج النبوة جلد 2 صفحہ 213)

حضرت علیؑ علیہ السلام سے جنگ خندق میں جو بہادری اور شجاعت اور جو جو کارنامے ظہور پذیر ہوئے وہ حدود عقل اور قیاس عقلیہ کی حدود میں نہیں سما سکتے۔ چنانچہ احادیث میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وارد ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ حضرت علیؑ کا جہاد میری اُمت کے اُن تمام اعمال سے افضل ہے جو وہ قیامت تک بجالاتی رہے گی۔ نیز جناب رسالتؐ نے حضرت علیؑ کیلئے اللہ سے دعائیں فرمائیں اور اپنی ذوالفقار نام کی تلوار آپکو مرحمت فرمائی تھی۔“ (مدارج النبوة جلد 2 صفحہ 213)

(xv)۔ علیؑ کی شرافت اور بزرگی بہتے ہوئے آنسو روک دیتی ہے

حضرت علیؑ کے سینکڑوں کارنامے ایسے ہیں جن کی نظیر ساری دنیا میں نہیں ملتی۔ تمام مسلمان جانتے ہیں کہ ملک عرب

لیٹروں، ڈاکوؤں اور خونخوار وحشیوں سے آباد تھا۔ یہاں قتل و غارت اور لوٹ مار بچوں کی گھٹی میں پڑتی تھی۔ یہ عادات اسلام اختیار کرنے کے بعد بھی عربوں میں کئی سو سال تک برقرار رہیں۔ لیکن خانوادہ رسول کا پہلا بزرگ حضرت اسماعیل علیہ السلام جس دن سے سرزمین عرب پر آباد ہوا اُسی روز سے عربوں کی اصلاح کیلئے اپنا مشن شروع کر دیا۔ اس خانوادے کے افراد ہر ہر زمانے میں بے نظیر و بے مثال رہتے چلے آئے۔ حضرت علیؑ اُن ہی بزرگوں کی اولاد اور ورثہ تھے۔ اُن پر اُنکے سابقہ و آئندہ بزرگ فخر کرنے میں حق بجانب ہیں۔ یہ وہ پہلے انسان ہیں کہ جائز چیزوں میں سے بھی وہ چیزیں اختیار کرتے تھے جو زیادہ سے زیادہ پسندیدہ خدا ہوں۔ جائز انتقام کی جگہ احسان پیشہ، جائز حق کو لینے کے بجائے فلاح انسانیت پر اپنا حق قربان کرنے پر آمادہ، اُنکے نزدیک مالِ غنیمت کا لوٹنا عین قرآنی معیار پر ناپسندیدہ تھا۔ اس مستقل عادت کے ہزاروں اخلاق ساز نتائج میں سے ایک بے مثال نتیجہ ملاحظہ ہو۔ علامہ دیار بکری نے تاریخ النخیس میں اور دیگر مورخین نے بلا اختلاف اپنی اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ:-

”جب حضرت علیؑ نے عمرو ابن عبدود کو قتل کر دیا تو عرب کے دستور کے خلاف عمرو بن عبدود کے سامان کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ جب عمرو کی بہن بھائی کی لاش پر آئی اور دیکھا کہ قاتل نے عمرو کا کوئی سامان نہیں لیا بلکہ اُسی طرح اس کے بدن پر چھوڑ دیا ہے تو کہنے لگی۔ مَا قَتَلَهُ إِلَّا كُفُو كَرِيم یعنی میرے بھائی کو قتل کرنے والا یقیناً کوئی اُس کا ہمسرا اور کریم و رحیم شخص ہے۔ پھر اُس نے قاتل کا نام معلوم کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ عمرو کو جناب علیؑ بن ابی طالبؑ نے قتل کیا ہے۔ یہ سن کر عمرو کی بہن نے یہ اشعار کہے۔

لَوْ كَانَ قَاتِلَ عَمْرٍو غَيْرَ قَاتِلِهِ لَكُنْتُ أَبُكِي عَلَيْهِ آخِرَ الْأَبَدِ

لَكِنْ قَاتِلُهُ مِنْ لَا يِعَابَ بِهِ مَنْ كَانَ يَدْعِي قَدِيمًا بَيْضَةَ الْبَلَدِ

اگر عمرو کا قاتل علیؑ کے سوا کوئی اور ہوتا تو میں اپنے بھائی کے غم میں ابد الاباد تک روتی رہتی۔ مگر میرے بھائی کا قاتل تو وہ بزرگ ہے جس میں کسی قسم کا عیب نہیں نکل سکتا۔ اور جسے قدیم الایام سے تمام آبادیوں کی اصل پکارتے اور کہتے چلے آئے ہیں۔

(تاریخ النخیس جلد اول صفحہ 548)

(xvi)۔ علیؑ اور عمرو بن عبدود شعر کی نظر میں؛ قحطانی مغالطہ انصار کا نسب

چونکہ خندق پار بڑھ کر آنے والے تیغ آزماء، ضربت حیدری سے واصل جہنم ہو گئے تھے۔ اور یہ تماشا جتنا بند فوج نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس لئے ہر بہادر کا دل سینہ میں بیٹھ گیا، ہر تلوار اپنے آپ سے محروم ہو گئی، ہر تیراٹھا ہو گیا، جنگ بدر پھر یاد آ گئی۔ مخالف فوج کا ہر فرد اور مختلف حملہ آور قبائل کا ہر قبیلہ کسی طرح ذوالفقار سے بچ نکلنے کی فکر میں مبتلا ہو گیا۔ اب جنگ کرنا موت کے منہ میں کودنے کے مترادف تھا۔ اُدھر اللہ نے ایک تاریخ ساز اندھیری چلا دی۔ آنکھوں کے سامنے پہلے ہی غم کا اندھیرا اور مایوسی کے بادل تھے۔ اُس آندھی نے رہے سہے حواس گم کر دیئے۔ پھر جو دشمن کی فوج میں سراپیمگی اور بھگدڑ پھیلی ہے وہ دیدنی تھی۔ یہ شکست قریش کے تمام عزائم اور جنگی امیدوں کی شکست بن کر رہ گئی۔ اور پھر قریش کو فوج کشی کی ہمت نہ ہو سکی۔ گوشعرا اور مستورات انہیں غیرت دلا کر ابھارنے میں کوشاں رہے۔ مگر مدبرین اور دانشوران قریش اپنا نوشتہ تقدیر پڑھ چکے تھے۔ عمرو کی موت پر مسلمانوں نے اطمینان کا سانس

لیا، اُن کی مسرت کی کوئی حد نہ تھی۔ اُدھر قریش کی ہر آنکھ سے اس موت پر ہمیشہ آنسو بہتے رہے۔ ان کے شعرا نے عمرو کے کئی ایک مرثیے لکھے۔ جہاں اُن مرثیوں میں عمرو کی غیر معمولی شجاعت و سخاوت کا ذکر کیا گیا تھا، وہیں حضرت علی علیہ السلام کی محیر العقول جوانمردی و دلیری کا بھی اعتراف کیا گیا تھا۔ مرثیہ لکھنے کی یہ چھیڑ چھاڑ جناب حسان بن ثابت کی وجہ سے شروع ہوئی۔ حضرت حسان نے اپنے ایک قصیدے میں عمرو بن عبدود کے قتل کو انصار سے منسوب کیا۔ اس لئے کہ انصار حقیقتاً خانوادہ رسولؐ کے افراد تھے دونوں نبطی الاصل تھے۔ رسول اللہ کی والدہ اور اُن کی دادی یعنی باپ عبد اللہ کی والدہ بھی خزرجی تھیں۔ مگر قحطانی گروہ نے جہاں اور شجروں کو مخلوط رکھا تھا وہاں آنحضرتؐ کے نسب کو بھی مشکوک کر کے قریش بنادیا تھا۔ اور یہ بات تو قطعاً پوشیدہ کر دی گئی تھی کہ انصار اور رسول اللہ کا نسب ایک ہے، یہ ایک خاندان کے افراد ہیں۔ اور کافرانہ چیرہ دستیوں کو بے اثر کرنے کے لئے خاندان رسولؐ اور خود رسولؐ نے ایسا رویہ اختیار کیا تھا کہ خزرج یا انصار ایک غیر قبیلہ معلوم ہوتے رہے۔ تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ انصار کی نصرت نسبی عصبيت کی بنا پر تھی۔ یہ ایک ہی خاندان تھا۔ اگر نصرت و جانثاری دکھائی تو کیا ہوا اپنے گھر کی نبوت و حکومت تھی۔ اُسے پروان چڑھانے کے لئے سردھڑکی بازی لگادی۔ اس الزام سے بچنے کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی گئیں۔ حضرت علیؑ کی ثابت شدہ اور مضبوط حکومت سے برابر دست برداری، انصار کی مطلق خاموشی، واقعہ کر بلا، یہ سب اس لئے تھا کہ کسی طرح خاندانی نبوت و حکومت کا حربہ ناکام کر دیا جائے۔ ورنہ قریش اور اُن کی جمیعت اور طاقت تو تباہ کر دئے گئے تھے۔ وہ مٹھی بھر لوگ چوں بھی نہ کر سکتے تھے۔ انہیں کبھی، مچھر اور چیونٹی کی طرح مسل کر پھینکا جاسکتا تھا۔ اُن کا بیج ناس، ستیاناس اور قطع نسل کوئی مشکل نہ تھا۔ مگر ہائے افسوس کہ حکومت اور وہ بھی خاندانی حکومت ہی تو قائم کرنا مقصود نہ تھا۔ یہ تو نبوت و امامت کی مجبوریاں تھیں۔ جن کی بنا پر ہر آدمی کو آزاد رکھنا ضروری تھا۔ جبر و ظلم و استبداد سے پاک رہنا تھا۔ دشمن کی عیاری، چالاکی، فریب اور غداری سے واقف ہوتے ہوئے جواباً بھی جبر اور فریب نہ کیا جاسکتا تھا۔ فتح مکہ کے دن تمام قریش قانون عام اور قرآن کی رو سے واجب القتل تھے۔ اُن کے لئے تو قرآن کا فتویٰ یہ تھا کہ یہ لوگ جہاں ملیں، جس حال میں ملیں انہیں قتل کر ڈالو۔ لیکن انہیں قتل کیوں نہ کیا گیا؟ اور اُلٹا کیوں سینے سے لگایا گیا؟ کیوں اپنے جائز حقوق چھوڑ دئے گئے؟ صرف اس لئے کہ یہ حکومت کا ڈھونگ نہ تھا، یہ اقتدار کی اسکیم نہ تھی۔ یہ تو ساری نوع انسانی کے فلاح و بہبود کا نبوی وازلی منصوبہ تھا۔ اس لئے اس کے علمبرداروں نے ظلم سبے اور دعائیں دیں۔ جو خبیث گروہ دریا پر اس لئے قبضہ کرے کہ اپنے مخالف کو پیاسا مار دیا جائے، اُس کی سزا یہ تھی کہ اُسے ایک ایک بوند پانی کے لئے تڑپاڑپا کر مارا جائے۔ اس کے خلاف اُن سے دریا چھین کر اُن پر پانی بند نہ کرنا، اُس قوم و گروہ پر رحم کرنا ہی تو تھا۔ مگر اُس قوم نے کیا کیا؟ دودھ پیتے شیر خوار بچوں تک کو پانی نہ دیا۔ جس نے اپنے رجیمانہ و کریمانہ عمل سے ایک بہن کے غم کو بہادرانہ و شریفانہ صبر میں بدلاتھا، اُس کی اولاد کے ساتھ کیا کیا گیا؟ اس خاندان کی ایک بہن جب اپنے بھائی کی لاش کے پاس آئی تھی تو اُس پر کیا گزری تھی؟ کیا اُسے اپنے باپ کا عمل درآمد اور عمرو بن عبدود کی بہن یاد نہ آئے ہوں گے۔ ارے یہ وہ ملعون و مردود و خبیث لوگ تھے جو اسلام لا کر کافروں ہی سے نہیں بلکہ طاغوت و شیطان سے بھی بدتر و خبیث تر ہو گئے تھے۔ انہوں نے جو خود ساختہ اسلام اختیار کیا وہ محض اس لئے تھا کہ علیؑ و اولاد علیؑ کا صفحہ ہستی سے نام مٹا دیں۔ یہ قحطانی و شیطانی سنت تھی کہ احسان کا بدلہ ظلم و ستم سے دیا جائے۔ بہر حال انہوں نے غلط شجرہ نسب مشہور کیا۔ اور اپنی

حاکمانہ قوت سے اس قدر ڈھنڈورا پیٹا، ایسا لگتا رہا پروپیگنڈا جاری رکھا کہ بڑے بڑے محققین تک مغالطوں اور فریب میں مبتلا ہو کر رہ گئے۔ اُس فریب کا حال دیکھنے کے لئے حسان بن ثابت کا فخریہ کلام اور اُس کا مخالف سمت کے شاعر سے جواب سنئے:-

(xvii) - حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فخریہ قصیدہ - عمرو کے قاتل انصار

حضرت حسان بن ثابت خود بھی انصاری اور نبطی ہیں۔ اور حقیقتاً ہر وہ شخص انصار میں داخل ہے اور قیامت تک انصار میں داخل ہوتا چلا جائیگا جو نبوت و رسالت اور امامت کی نصرت کرے۔ لہذا حقیقتاً عمرو کا قتل سب سے بڑی نصرت اسلام تھی۔ اُس کا قاتل اسلام کا سب سے بڑا ناصرت تھا، نبطی تھا۔ لہذا اس پر ہر ناصرا سلام اور انصار کو فخر کا حق ہے اور حسان بن ثابت اور مدینہ کے انصار کو یہ حق پہلے نمبر پر پہنچتا ہے۔ چنانچہ یہ فخر سو فیصد بلا تلبیلی الفاظ، حق اور حق بجانب ہے۔ حضرت حسان نے فرمایا کہ:-

امسى الفتى عمر و بن عبد يمتعي
بجنوب يثرب غارة لم تنظر
ولقد وجدت سيوفنا مشهورة
ولقد وجدت جنادنا لم تقصر
ولقد رأيت غداة بدر عصابة
ضربوك ضرباً غير ضرب الخسر
اصبحت لا تدعى ليوم عزيمة
يا عمرو او الجسيم امر منكرو

اے قریش تم نے یہ نہیں دیکھا کہ تمہارا عمرو بن عبدود ایسا بہادر جوان
یثرب کے جنوب میں اُس نشیب میں پڑ گیا جہاں وہ چاہتا تھا۔
پھر تم نے ہمیشہ ہماری تلواروں کو کھنچا ہوا اور جنگ کے لئے تیار پایا ہوگا۔
اور ہمارے گھوڑوں کو بھی دیکھا ہوگا جو میدان جنگ و سفر میں کوتاہی نہیں کرتے۔
ابھی کل تم نے جنگ بدر میں اُن لوگوں کو بھی دیکھا ہوگا
جو تمہیں ایسی مار دے رہے تھے جو تمہاری طرح تھکے ہارے لوگوں کی مار نہ تھی۔
اے عمرو تمہیں وہاں پہنچا دیا گیا جہاں سے تمہیں خطرات اور عظیم مصیبت کے وقت بھی
یہ قریش اب بڑا نہیں سکتے۔

(xviii) - قریش کے شاعر کا جواب انصار کی مذمت اور علیؑ کی مدح

مذکورہ بالا فخطانی مغالطہ کی بنا پر قریشی شاعر یہ تو مانتا ہے کہ قریش کی شکست علیؑ کے ہاتھ سے ہوتی رہی۔ مگر انصار کو وہ خانوادہ رسولؐ سے الگ سمجھ کر اُن کو مذکورہ بالا فخر کا حقدار نہیں سمجھتا، وہ کہتا ہے کہ:-

كذبتم و بيت الله لا تقتلوننا
ولكن بسيف الهاشميين فافخروا
بسيف ابن عبد الله احمد في الوغا
بكف علي نلتم ذاك فاقصروا
ولم تقتلوا عمر و بن عبد بيا سكم
ولكنه الكفو لهزبر الغصنفر

خانہ کعبہ کی قسم تم نے جھوٹ بولا ہے تم ہمیں کب قتل کر سکتے تھے
البتہ ہاشمیوں کی تلوار پر جس قدر دل چاہے تم فخر کیا کرو۔
یہ تو یوں ہوا کہ احمد بن عبد اللہ کی تلوار اور
علیؑ کے ہاتھوں تمہیں یہ عزت نصیب ہوگئی لہذا تم ڈینگیں مارنے میں کمی کر دو۔
تم نے اپنی قوت سے عمرو بن عبدود کو قتل نہیں کیا۔
البتہ ایک ہمسر شریف صف شکن شیر نے عمرو کو قتل کیا تھا۔

عَلَى الذی فی الفخر طال بناءُهُ
فلا تكثرُوا الدعوی علینا فتحقروا
ببدر خرجتم للبراز فردکم
شیوخ قریش جهرة و تاخروا

وہ علی تھا جس کے فخر و فضیلت کی عمارت بہت بلند ہے۔

لہذا ہمارے سامنے اپنے دعویٰ کو واپس لو اور خود کو حقیر و ذلیل سمجھو۔

رہ گیا بدر کے روز تمہارا مقابلہ کیلئے نکلنا وغیرہ۔ اس میں تو جب تمہارے افراد سامنے آئے

تو بزرگان قریش نے انہیں حقارت سے جھڑک کر واپس کر دیا تھا۔ اور ان سے

مقابلہ کرنے میں اپنی بے عزتی کی خیال کی تھی۔

فَلَمَّا اتاهم حمزة و عبدة
وَجَاءَ عَلَى بالمهند يخطر
فقالوا نعم اكفاء صدق فاقبلوا
اليهم سراعا اذبحوا و تجبروا
فجال على جولة هاشمية
فدمرهم لماعتوا و تكبروا
فليس لكم فخر علينا بغيرنا
وليس لكم فخر بعد فيذكروا

ہاں جب حمزہ اور عبیدہ اور جناب علیؑ ہندی تلواریں لے کر پہنچے تو بزرگان قریش نے کہا کہ

اب بات ٹھیک ہوئی کہ ہمارے ہم سر مقابل آئے۔

اس کے بعد قریشی بہادر بڑی تیزی سے حملہ آور ہو گئے۔

اس لئے کہ وہ تو پہلے سے سرکش باغی اور جابر تھے ہی۔

پھر یہ ہوا کہ علیؑ نے تلوار کا ہاشمی کرتب دکھا کر انہیں تباہ و برباد کر دیا

اس لئے کہ ان لوگوں نے خود سری اور تکبر کا رویہ اختیار کر رکھا تھا۔

لہذا تمہیں اُس وقت تک فخر و عزت حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ تم اُس فخر و عزت میں

ہمارے علیؑ کو شامل نہ کرو۔ یعنی علیؑ ہمارے قبیلہ قریش سے ہے۔ اس بنیاد پر

تمہارے فخر کا باعث ہم ہی ہیں۔ اور یاد رکھو کہ ہمارے بغیر اب آئندہ بھی تمہیں کوئی فخر و عزت حاصل نہ ہوگی۔

یہ تھا صدیوں سے پھیلا یا ہوا وہ مغالطہ جس میں محدثین و مورخین اور شعرائے عرب و عجم کی کثرت مبتلا چلی آئی ہے۔ اور جس

کے خلاف آثار و احادیث موجود ہوتے ہوئے غلط تاویل و تعبیر اور پروپیگنڈے سے آج تک سیدوں کو قیداری اور قریشی بنایا جاتا رہا ہے۔

جس کو ہم نے خانوادہ رسولؐ کا شجرہ بیان کرتے ہوئے نصوص و آثار قطعیہ سے باطل قرار دیا ہے۔

(27/3)۔ جنگ خندق اور قریشی قسم کے مسلمانوں پر قرآنی ریکارڈ

چونکہ جنگ خندق کے حملہ آور مختلف قبائل و اقوام سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے اس جنگ کو جنگِ احزاب کا نام قرآن نے عطا

کیا ہے اور اسکے ریکارڈ کیلئے سورہ احزاب خاص طور پر اتاری ہے۔ علامہ مودودی سے بھی تصدیق کرالیں وہ زمانہ نزول یوں لکھتے ہیں:-

”زمانہ نزول:- اس سورۃ کے مضامین تین اہم واقعات سے بحث کرتے ہیں۔ ایک، غزوہ احزاب جو شوال 5 ہجری میں پیش آیا۔

دوسرے غزوہ بنی قریظہ جو ذی القعدہ 5 ہجری میں پیش آیا۔ تیسرے حضرت زینبؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح جو اسی سال ذی

القعدہ میں ہوا۔“ (تفہیم القرآن۔ جلد 4، صفحہ 54)

(ii) علامہ نے جنگ خندق کا تقریباً پورا واقعہ سورہ احزاب کے تاریخی پس منظر کے نام سے لکھا۔ مگر اپنے بزرگوں کا پردہ رکھنے کے

لئے خندق کے اس پار آنے والوں حتیٰ کہ عمرو بن عبدود کی جنگ کا حال بالکل غائب کر گئے اور لکھ دیا کہ طویل محاصرہ اور سردی اور آندھی سے تنگ آ کر قریش واپس چلے گئے اور بس۔ یہ بڑا احسان کیا کہ اپنے بزرگوں کی سازش کو منافق مجاز کے ذمہ لگا کر ظاہر فرما دیا۔ وہ اُن کے قلم سے پڑھ لیں۔ علامہ یہ بتاتے ہیں کہ جب مدینہ کا قبیلہ بنو قریظہ قریش کے ساتھ مل گیا اور رسولؐ سے کیا ہوا عہد توڑ دیا تب:-

(iii) ”یہ خبر بہت جلدی مدینہ کے مسلمانوں میں پھیل گئی اور اُن کے اندر اس (خبر) سے سخت اضطراب پیدا ہو گیا۔ کیونکہ اب وہ دونوں طرف سے گھیرے میں آ گئے تھے۔ اور اُن کے شہر کا وہ حصہ خطرے میں پڑ گیا تھا جدھر دفاع کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ اور سب کے بال بچے بھی اُسی جانب تھے۔ اس پر منافقین کی سرگرمیاں اور تیز ہو گئیں۔ اور انہوں نے اہل ایمان (جو اوپر مذکور ہو چکے) کے حوصلے پست کرنے کے لئے طرح طرح کے نفسیاتی حملے شروع کر دیئے۔ کسی نے کہا کہ ”ہم سے وعدے تو قیصر و کسریٰ کے ملک فتح ہو جانے کے لئے جارہے تھے، اور حال یہ ہے کہ ہم رفع حاجت کے لئے بھی نہیں نکل سکتے۔ کسی نے یہ کہہ کر خندق کے مجاز سے رخصت مانگی کہ اب تو ہمارے گھر ہی خطرہ میں ہیں ہمیں جا کر اُن کی حفاظت کرنی ہے۔ کسی نے یہاں تک خفیہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ (قریش) حملہ آوروں سے اپنا معاملہ درست کر لو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے حوالے کر دو۔ یہ ایسی شدید آزمائش کا وقت تھا کہ جس میں ہر اُس شخص کا پردہ فاش ہو گیا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی نفاق موجود تھا۔ صرف صادق و مخلص اہل ایمان ہی تھے جو اس کڑے وقت میں بھی فداکاری کے عزم پر ثابت قدم رہے۔“ (تفہیم القرآن۔ جلد 4 صفحہ 60)

(iv)۔ منافقین کے پردہ میں مجتہد مسلمان جنہوں نے اسلام کے احکام کو تبدیل کر کے سر کے بل کھڑا کر دیا

اس بیان سے معلوم ہوا کہ جنگ خندق کے بعد ہر منافق کو سارے حقیقی مسلمان پہچان چکے تھے۔ اور کوئی مشرک اب ڈھکا چھپا نہ رہا تھا۔ مگر علامہ نے بہر حال منافقین کی فہرست پیش نہیں کی، نہ تاریخ نے یہ کام کیا، نہ قرآن کے حکم کے مطابق اس منافق گروہ سے جنگ کی گئی۔ لہذا ثابت ہوا کہ علامہ نے سفید جھوٹ بولا ہے اور اپنے بزرگوں کی پردہ داری کی ہے۔ اس لئے کہ صادق اور مخلص مسلمان تو وہ ہو سکتے ہیں جو کسی خبر سے ہر اس اہل اور مضطرب نہ ہوں، نہ گھر کی فکر کریں نہ انہیں اولاد و ازواج کا دکھ ستائے۔ لہذا اگر منافق تھے بھی تو وہ تمام مسلمان منافق تھے جن کے گھبرانے کا اولین تین سطروں میں ذکر کیا ہے۔ یہ واقعی سچ ہے کہ وہ تمام لوگ مومنین و صادقین اور مخلصین تھے جو جنگ خندق میں اپنی جان خطرہ میں ڈال کر اسلام کی فتح کا باعث ہوئے۔ اور وہ سب بقول علامہ منافق تھے جو جنت میں رسول خدا کے رفیق بننے کی دعوت پر بھی معافی مانگیں۔ جن پر کفار نیزہ نہ مار کر احسان کریں۔ لیکن ہم انہیں منافق ماننا بڑی سازش کا شکار ہو جانے کے برابر سمجھتے ہیں۔ وہ تمام مجتہد مسلمان تھے۔ جنہوں نے رسول کی حیات اور بعد ممات ہمیشہ اجتہاد کیا اور اسلام کے احکام کو تبدیل کر کے سر کے بل کھڑا کر دیا۔ یہی وہ لیڈر تھے جن کے اعمال کو منافقین کی حرکات کہہ کر چھپانے کی کوشش کی جاتی رہی۔ اُدھر منافقوں کے نام چھپائے جاتے رہے اور آخر میں منافقوں کو اس لئے غائب کر دیا گیا کہ یہ لیڈر حضرات نفاق کا پردہ ہٹا کر اولین و سابقین صحابہ بنا کر سامنے لائے جاسکیں۔ اور پھر اُن کو مسلمانوں کی ہدایت و سربراہی کے منصب پر فٹ کیا جاسکے۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ اُن لوگوں کے اقوال و اعمال اور عقائد و احکام مجتہد وہی تھے جو قرآن کریم، کفار و مشرکین اور منافقین کے بیان کرتا رہا ہے۔ اور وہی عمل درآمد اُن سب

مسلمانوں کا بتایا گیا جن کو منافق نہیں بلکہ مومن کہہ کر قرآن نے بار بار پکارا اور اُن کے مذموم اقوال و اعمال و عقائد پر مسلسل طعنہ زنی، تنبیہات اور سزائیں سنائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام مخالفین اسلام مختلف محاذوں پر، طاغوتی راہنمائی کے ماتحت اپنا اپنا کام انجام دے رہے تھے:

ایک گروہ تیغ بکف کھل کر ہر ممکن مخالفت کر رہا تھا اُن کو قرآن نے کھلا کافر اور دشمن قرار دیا۔ اُس کا مقصد آنحضرت اور اسلام و مسلمانوں کو قطعاً ختم کر دینا تھا۔

دوسرا گروہ پہلے گروہ کے لئے جاسوسی کرنے اور مسلمانوں میں بددلی پھیلانے اور پھوٹ ڈالنے کے لئے اسلام کا عارضی لباس پہنتا اور اُتار رہا تھا۔ اس گروہ کو قرآن نے منافق کہہ کر پکارا ہے۔

تیسرا گروہ اس لئے تعینات کیا گیا تھا کہ اگر پہلے اور دوسرے گروہ کو کسی طرح شکست ہو جائے تو یہ تیسرا گروہ روزِ اوّل سے اعلانیہ مسلمان ہونے کی وجہ سے مسلمانوں میں اعتماد پھیلانے اور اسلامی احکام اور مسائل کو اجتہادی سانچوں میں ڈھالنے کے لئے کام کرتا رہے۔ تاکہ پہلے گروہ کی شکست کے بعد اسلام ایک قومی و ملکی مذہب بن جائے اور پورا ملک اور مندرجہ دونوں گروہ اسلام کا اعلان کر کے اپنے تیسرے گروہ کے دست و بازو بن جائیں۔ اور پھر یہ کثرت اجتہادی اسلام کو ایک قومی و ملکی حکومت بنانے میں استعمال کر سکے۔ اور اس طرح جو مقصد تلوار اور کھلی مخالفت سے حاصل نہ ہو سکے اُسے تیسرا مسلمان گروہ پُر امن رہ کر حاصل کر لے۔

یہ کہانی ہے جو قرآن کے بیانات میں طرح طرح سنائی جاتی رہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ رفتہ رفتہ مخالفین کے سارے گروہ مسلمانوں میں غائب ہو کر رہ گئے۔ اور تین چار ناموں کے سوا کسی منافق کا پتہ نہ چلا کہ وہ کون تھا؟ اور کہاں چلا گیا؟

(۷)۔ علی و اولاد علی کے خلاف عربوں کا محاذ

انتقالِ رسولؐ تک اُس تیسرے گروہ کے ساتھ کئی لاکھ مسلمان شامل ہو چکے تھے۔ مگر مخالفین کی پوری اسکیم سے واقفیت محض قریشی مسلمانوں تک محدود تھی۔ البتہ قومی و ملکی حکومت کا تصور سارے عرب میں پھیلا دیا گیا تھا۔ رسولؐ کا (معاذ اللہ) مجتہد ہونا اور اجتہاد میں غلطیاں کر جانا سارے ملک میں مشہور کر دیا گیا تھا۔ خاندانِ ہاشم و ابیطالب کی نسلی حکومت کے نقصانات اور خطرات کو عام کر دیا گیا تھا۔ علیؑ اور اولاد علیؑ کی طرف پیغمبرؐ کا جھکاؤ مذموم کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ اُن تمام کے تمام خاندانوں کو علیؑ کے خلاف متحد و مضبوط کر دیا گیا تھا جنکے جنگ جو، سوراؤں کو علیؑ نے قتل کیا تھا۔ اُنہیں اور دیگر کئی قبائل کو خاص طور پر علیؑ کی حکومت سے خوفزدہ کر دیا گیا تھا۔ انہیں علیؑ اور اُنکے حامیوں سے مطلع کر کے تنبیہ کر دی گئی تھی کہ یہ گروہ ہمارے اور تمہارے حالات سے کماحقہ واقف ہے۔ اور اگر علیؑ کی حکومت قائم ہوگئی تو وہ تمہیں خبیث مسلمان (آل عمران 3/179) قرار دے کر پاکیزہ مسلمانوں کی تطہیر کیلئے قتل و غارت کرنے میں تم پر وہ تمام جرائم عائد کریں گے جو آج تک پوشیدہ چلے آ رہے ہیں۔ لیکن اگر ہماری قومی و ملکی حکومت قائم ہو جاتی ہے تو ہم ہرگز ایسی تطہیر نہیں کر سکتے جس میں خود ہمارا اپنا قتل واجب ہے۔ ہم ہر پردہ پڑا رہنے دیں گے، سارے مسلمانوں کو مخلوط رہنے دیں گے، منافق و غیر منافق کا سوال ختم کر دیں گے اور جو تطہیر پر زور دے گا اُسے تلوار کے گھاٹ اُتار دیں گے۔ تفرقہ اندازی اور مفسدہ پردازی کا مجرم قرار دیں گے۔ اور ہم سب مل کر

آپس کی مشاورت سے حکومت کریں گے۔ ایک دوسرے کی کوتاہیاں چھپائیں گے۔ لیکن علیؑ واولاد علیؑ اور اُنکے حامی مسلمان ہرگز رُو رعایت نہ کریں گے اور قرآن کے احکام کی بلفظہ تعمیل کریں گے۔ جہاں لکھا ہے کہ ”اُن لوگوں کو جہاں پاؤ گرفتار کرو اور قتل کردو“ (بقرہ 2/191) اور تمہیں اپنی جان بچانے کیلئے قرآن سے کوئی سہارا اور آیت نہ ملے گی۔ یہ تھی وہ اسکیم جو عرب میں آگ کی طرح پھیلتی چلی گئی۔ یہ تھی وہ دہشت اور نفرت جس نے علیؑ واولاد علیؑ کے خلاف عربوں کی کثرت کو متحد و متفق و منظم کر دیا۔ اور جسکی وجہ سے علیؑ واولاد علیؑ علیہم السلام کی نسل کو منقطع کرنے پر روز افزوں تعاون ملتا چلا گیا۔ اور آخر اس سارے منصوبے کا بھانڈا خلیفہ المسلمین یزید نے بھرے دربار میں پھوڑ دیا۔ اور اُس منصوبے پر جان دینے والے اپنے بزرگان قریش کو یاد کیا۔ مبارکباد کی درخواست کی اور کہہ دیا کہ رسولؐ کے بعد ہم نے علیؑ واولاد علیؑ کی حکومت کا ڈھونگ ناکام کر کے رکھ دیا اور یہ کہ اس کوشش میں خدا کا فضل اُن قریشی بزرگواروں کے ساتھ رہا۔

(27/4)۔ صرف حملہ آوروں کو دیکھ کر آنکھیں پتھرانے اور بدعقیدگی پھیلانے والے مومنین

قارئین پردہ پوشی کرنے والے علما سے دریافت کریں کہ جن لوگوں کو قرآن مومنین کہہ کر پکارے۔ اور جن کو اپنے انعامات یاد دلا کر اپیل کرے تم اُن کو کس دلیل سے منافق بنا سکتے ہو؟ سنو کہ وہ تمہارے ہی ایسے بدعقیدہ لوگ تھے جو مسلمانوں کو بددل کرنے اور اُن میں بدعقیدگی پھیلانے کے لئے وہ ڈھونگ رچا کرتے تھے جو قرآن سن رہا ہے کہ:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَكُمْ جُنُودٌ فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ إِذْ جَاءَكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونًا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا هَلْ يَنزِلُ لَكُمْ قُرْآنٌ مِّنْ سَمَوَاتٍ مَّحْنُومًا ۝ وَلَوْ دَخَلْتُ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سَأَلُوا الْفِتْنَةَ لَأَنزَلْنَاهَا وَمَاتَ لَكُم مِّمَّا تَبْتَغُونَ ۝ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهِدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ أَنْ يُوَلِّوَهُمُ الْبَارَ ۝ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ۝

(احزاب 33/9-15)

اے مومنین اُس وقت اور اُس صورت حال کو یاد کرو جس وقت کہ تم پر چاروں طرف سے فوجوں کی آمد کا حال کھلاتو تمہاری آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور تمہارے کلیجے دھڑک دھڑک کر منہ کو آنے لگے۔ اور تم نے اللہ کے انتظام کے خلاف اپنی بدعقیدگی اور قیاس آرائیاں شروع کر دیں۔ تو مومنین کیلئے یہ وقت بڑی ہی سخت جھنجھوڑ ڈالنے والی آزمائش کا تھا۔ جب کہ منافق گروہ کے ساتھ وہ مومنین بھی یک زبان ہو گئے جنکے دلوں میں اجتہاد کی بیماری ہے۔ اور اعلان کر دیا کہ رسولؐ نے اللہ کی طرف سے جو وعدہ کیا تھا وہ ایک فریب سازی نکلا۔ اور منافقوں اور مومنین کے ایک مخلوط گروہ نے پکار کر کہہ دیا کہ اے مدینہ سے آنے والے لوگو اب تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ لہذا واپس مدینہ چل دو۔ چنانچہ مومنین کے ایک فریق نے اُس اعلان کی تعمیل اور مدینہ کو واپسی کیلئے نبیؐ سے یہ کہہ کر اجازت طلب کی کہ اُنکے گھر خطرہ میں ہیں اُنہیں واپس جا کر اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرنا ہے۔ حالانکہ اُنکے گھر اور اہل و عیال کسی خطرہ میں نہ تھے۔ حقیقتاً جنگ سے بچ کر بھاگ

جانے کے سوا اُنکا اور کوئی مقصد نہ تھا۔ البتہ اگر وہ یہ موقع پاتے کہ دشمن مدینہ کے اطراف سے داخل ہو جاتا اور اُن مومنین کو اپنے ساتھ شامل ہو کر لڑنے کی دعوت دیتا تو یہ فوراً آمادہ ہو کر فتنہ و فساد پھیلانے میں کوئی توقف نہ کرتے۔ یہ اُن ہی مومنین کا حال تھا جنہوں نے جنگ اُحد میں فرار کیا تھا اور پھر یہ عہد کیا تھا کہ ہم آئندہ اپنی چھپی قدیم ولایت کے قیام کی خاطر ہرگز نہ بھاگیں گے۔ اس بد عہدی پر بہر حال اُن سے مواخذہ ضرور ہوگا۔ گواہ نہیں اس کا موقع نہ ملا، اسلئے کہ اللہ نے اُن پر ایسی فوجیں بھیج دیں جو مومنین کو نظر نہ آئیں اور ایک آندھی مسلط کر کے اُن کو مذکورہ دشمن کی فوج سے بچنے کی نعمت عطا کر دی اور اللہ اُن کے کرمات اور کردار کو برابر دیکھتا جا رہا ہے۔

قارئین نے دیکھا کہ منافق لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے والا گروہ قرآن کے واضح الفاظ میں وہی مومن گروہ ہے جس کے دل میں قومی و ملکی حکومت کا منصوبہ برسر کار ہے۔ یہی وہ دانشوران اسلام ہیں جنہیں چھپانے کے لئے آج تک زور لگایا جا رہا ہے اور قرآن اُن ہی کو مشخص کرانے کی مہم چلاتا آیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جنگ اُحد میں فرار ہوئے تھے۔ اور پہاڑ پر چڑھ کر آئندہ کیلئے منصوبہ تیار کر رہے تھے۔ یہی لوگ تھے جو رسول اللہ کے پکارنے کے باوجود نکل بھاگے تھے۔ اور آنحضرت کو قتل ہو جانے کیلئے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ تاریخ نے اُن میں سے چند بزرگوں کے نام بتا دیئے ہیں۔ آپ وہ نام پڑھیں اور پھر اُن لوگوں کے دوستوں، عزیزوں اور ہم خیال لوگوں کو اُس فہرست میں شامل کر لیں۔ یوں مسلمانوں کا وہ گروہ نام بنام تاریخ سے مشخص ہوتا چلا جائے گا۔ پھر اُن کے عقائد و تصورات مذہبی جہاں جہاں، جس جس طبقہ اور گروہ میں ملیں، اُن سب کو مسلمانوں کی اُس قسم میں داخل کر لیں تو تعداد لاکھوں اور پھر کروڑوں تک جا پہنچے گی۔ یعنی سرکاری تاریخ اور یہ سرکاری مذہب کی فریب سازی اہل عقل کے سامنے حائل نہیں رہ سکتی۔ البتہ سیدھے سادے عوام دھوکے کھاتے رہے ہیں لیکن وہ مجرم نہیں ہیں۔ مجرم وہ لوگ ہیں جو تحقیق کرنے سے جی چرائیں یا جان بوجھ کر اُس مذہب کو حق قرار دیں۔ اور باطل کو حق ثابت کرنے کیلئے قرآن کریم کے الفاظ کے حقیقی معنی کو بدل ڈالیں، خواہ مخواہ مومنین کو منافق قرار دیں۔

(27/5)۔ علامہ مودودی کا اضطراب اور کوشش

علامہ مودودی یہ مان کر چلے ہیں کہ مذکورہ بالا آیات (احزاب 15-33/9) میں مومنین مخاطب ہیں اور برابر اُن لوگوں کو مومنین مانا جنکی آنکھیں پتھر اگئی تھیں اور کلیجے منہ کو آرہے تھے۔ لیکن (احزاب 11/33) جب دوبارہ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ آیات وحاشیہ میں یہ فرمایا کہ ”ایمان لانے والوں سے مراد یہاں وہ سب لوگ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان کر اپنے آپ کو حضور کے پیروؤں میں شامل کیا تھا جن میں سچے اہل ایمان بھی شامل تھے اور منافقین بھی۔ اس پیرا گراف میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے گروہ کا مجموعی ذکر کیا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 77-76 حاشیہ 21)

علامہ کی چالاکی یہ ہے کہ ”المؤمنون“ کے معنی اس آیت (احزاب 11/33) میں ”ایمان لانے والے“ کر کے گویا آیت میں ”الذین“ کا اضافہ کر دیا ہے۔ اسلئے کہ ایمان لانے والے یا ایمان لانے والوں کی عربی ”الذین امنوا“ ہے نہ کہ ”المؤمنون“ جس کا ترجمہ ”مومن“ یا مومنین یا خاص مومنین کرنا لازم ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک کھلی بے دینی اور قرآن میں خیانت ہے کہ اللہ جنہیں المؤمنون فرمائے اُس عقیدہ کا علامہ مومنین میں منافقین بھی شامل کر دے۔

(ii) علامہ کی بددیانتی اور خیانت دس قدم بھی نہ چلی

قرآن کریم کا معجزہ یہ ہے کہ علامہ صرف دس آیتوں کے ہی بعد خائن اور بددیانت ثابت ہو گئے۔ اس لئے کہ بانیسیوں آیت (احزاب 33/22) میں پھر ”المؤمنون“ فرما دیا گیا اور اب علامہ مجبور ہوئے کہ المؤمنون کا صحیح ترجمہ کریں اور پھر یہاں بھی ایک لفظ کا اضافہ تو قرآن کے الفاظ میں کریں اور ایک عدد بریکٹ کا اضافہ اپنے ترجمہ میں کر دیں۔ چنانچہ قرآن کے الفاظ اور ترجمہ دیکھیں:-
 ”وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ - اور سچے مومنوں (کا حال اُس وقت یہ تھا کہ) جب انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا۔“ یہاں علامہ نے لفظ سچے کو بلا بریکٹ کے لکھا ہے حالانکہ اس مطلب کے لئے آیت کو یوں ہونا چاہئے تھا:-

”وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الصَّادِقُونَ الْأَحْزَابَ“

علامہ اور اُنکے تمام طرفداروں کو چیلنج کر دیں کہ یہاں ہماری غلطی دکھائیں ورنہ علامہ کی خیانت تسلیم کر لیں۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ اگر قرینہ موجود ہو تو مفاہیم کی وضاحت میں ایسا ترجمہ قبول کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ہم علامہ کو اس شرط پر یہاں معاف کر سکتے ہیں کہ وہ احزاب 33/11 میں اپنے منافق اور نفاق کے تاثر کو نکال کر وہاں بھی ”مؤمنون“ ترجمہ کریں۔ اس لئے کہ لفظ دونوں جگہ ایک ہی ہے۔ یہ ناقابل قبول ہے کہ المؤمنون کا ترجمہ کہیں کچھ اور، کہیں کچھ اور کیا جائے۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ دونوں جگہ مخصوص مومنوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ البتہ دونوں کے ایمان میں خاص فرق ہے جو ہم واضح کرتے آرہے ہیں۔ ایک وہ مومن گروہ ہے جس کا ذکر الاحزاب 33/9 سے لے کر الاحزاب 33/21 تک ہوا ہے جو حملہ آوروں کو دیکھ کر خوف و ہراس پھیلانے کے لئے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ کر آنکھیں ادل بدل اور اوپر چڑھا کر دل کے دورے پڑنے کا بہانہ کرتے ہیں۔ دوسرے گروہ والے مسلمان وہ ہیں جو حملہ آوروں کو دیکھ کر اظہارِ مسرت و اطمینان اور تصدیق رسالت و ایمان کرتے ہیں۔ ذرہ برابر نہ گھبراتے ہیں نہ خطرہ محسوس کرتے ہیں نہ گھروں اور بچوں کو خطرہ میں سمجھتے ہیں نہ بھاگنے کا پلان (Plan) بناتے ہیں۔ علامہ ہی اگر اس گروہ کو سچے مومن قرار دیں تو ہمیں اعتراض نہیں۔ بشرطیکہ دوسرے گروہ کو چھوٹے مومن لکھیں۔ یا ایک کو حقیقی مومنین کا گروہ مانیں اور دوسرا مجتہد مومنین کا گروہ تسلیم کریں۔ اور جب تک اور جسے اللہ خود منافق نہ کہے، اُس وقت تک کسی مومن کو منافق اور نفاق کی چادر نہ اڑھائیں۔ صاف الفاظ میں مان لیں کہ مسلمان دو قسم کے تھے۔ ایک وہ جو ہر حال میں اللہ و رسول پر اعتماد کرتے تھے۔ دوسرے وہ جو مشاورت کو اور اپنی بصیرت کو دخل دیتے تھے۔ اور رسول کی ہر ہر بات نہ مانتے تھے۔ بلکہ وحی اور ذاتی رائے کی تفریق کرتے تھے۔ یا ایک دفعہ یہ لکھ دیں کہ رسول سے کسی حال اور کسی موقع پر اور کسی مقدار میں غلطی کو کوتاہی کا امکان نہ تھا۔ جو ایسا خیال کرے وہ منافق ہے۔ ہم مطمئن ہو جائیں گے۔ مگر افسوس کہ علامہ نے انہی عقائد کو اختیار کیا ہے جو ان کے الفاظ میں منافقین کے عقائد تھے۔ اور ہمارے الفاظ میں مجتہد مسلمانوں کے عقائد تھے۔ اگر علامہ ان کو منافق کہتے ہیں تو علامہ ان کے عقائد کی پیروی کی بنا پر منافق ہیں۔ ورنہ وہ بھی مجتہد مومن تھے اور علامہ بھی ان مجتہدین کی پیروی میں مجتہد مسلمان و مومن ہیں۔ مانو کس بات کو مانتے ہو؟

(iii) قارئین نے دیکھ لیا کہ مندرجہ بالا آیات (احزاب 33/9-15) میں اللہ نے مذکورہ مومنین کو ایمان کے اُس کنارہ پر دکھایا ہے جہاں وہ اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ اگر پچھلی طرف سے مخالف فوجیں آجائیں تو وہ مخالف فوج کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ اسی لئے تو

ہم نے عرض کیا ہے کہ مخالفین کا تیق کف محاذ ہو یا جاسوس منافق گروہ ہو یا وہ المومنون ہوں، یہ تینوں ایک ہی مقصد پر اپنی قوت و بصیرت کو مرکوز کئے ہوئے تھے۔ یہ سب ایک دوسرے کے دست و بازو تھے۔ البتہ محاذ کی ظاہری حیثیت سے اُنکے نام کافر، منافق اور مومن الگ الگ رکھے گئے ہیں۔ نتیجے میں تینوں جہنمی تھے۔ یعنی جہنمی کافر، جہنمی منافق اور جہنمی مومن یعنی ایمان و نماز سمیت جہنم۔

(27/6)۔ اسلامی تحریک میں کمزوری، بخیلی اور بزدلی کے ڈھونگ سے رکاوٹ ڈالنے والے

یہ بات نوٹ کریں کہ مسلمانوں کا وہ گروہ جو قریشی اسکیم کو اسلامی رنگ دینے پر تعینات تھا۔ سچ مچ نہ بزدل تھا، نہ بخیل تھا، نہ جنگ و جدل میں کمزور تھا۔ اس لئے کہ یہ سب حضرات خاندانِ قریش ہی کے سپوت اور جانباز لوگ تھے۔ یہ کہیں باہر سے امپورٹ نہیں کئے گئے تھے۔ یہ سب نڈر، جنگ آزما بہادر لوگ تھے۔ مگر چونکہ انہوں نے طاغوت کے خلاف زور آزمائی نہ کرنا طے کر لیا تھا، اس لئے یہ حضرات کمزوری، بزدلی اور تنگدستی کا ڈھونگ رچائے رہتے تھے۔ کہیں رسول اللہ کے ساتھ ساتھ اور آگے پیچھے رہ کر مسلمانوں کو یہ دکھاتے تھے کہ بھائیو ہم اہم معاملات میں رسول کی راہنمائی سے فرصت ہی نہیں پاتے۔ تلوار کس وقت اٹھائیں؟ نام لے کر پکارے جاتے تو استغفر اللہ و رسولہ کا ورد کرنے لگتے۔ اور جب خطرہ رسول کی ذات تک آپہنچتا تو کمزوری کے عذر سے جان بچا کر بھاگ جاتے۔ میدان میں نکلتے بھی تو ایسے خوفناک تصورات اور قصے سناتے اور عبرت خیز ماحول پیدا کر دیتے تھے کہ جس سے بڑے بڑے منچلے بہادروں کی ہمت بھی پست ہو جائے۔ عمرو بن عبدود کے تقاضوں، طعن اور توہین آمیز کلمات سنتے رہے اور تمام صحابہ کو خوفزدہ کرنے کے لئے عمرو کے مہیب کارنامے سناتے رہے۔ یہاں یہ بھی یاد دلانا ہے کہ قرآن کریم اس پوشیدہ سمجھوتے کو ظاہر کر دیتا ہے کہ اگر حملہ آور مسلمانوں تک پہنچ جائیں یا اُن پر قابو پالیں تو زیر بحث مومنین کو کوئی خطرہ نہیں، اس لئے کہ وہ حملہ آوروں کے ہمنوا ہونے میں توقف و تامل نہیں کرتے (احزاب 33/14)۔ اسی سمجھوتے کے ماتحت ضرار نے حضرت عمر کو نیزہ نہ مارا تھا اور یہ کہہ کر معاف کر دیا تھا کہ جاؤ اس احسان کو بھول نہ جانا۔ (علامہ شبلی سیرۃ النبیؐ۔ جلد اول صفحہ 428 پہلی سطر)

(27/6)۔ الف)۔ مومنین کو پسپا کرانے اور اسلامی تحریک میں رکاوٹ ڈالنے والے مسلمان

قرآن کریم مسلسل اُن مسلمانوں کا تذکرہ کرتا ہوا اُن کے عقائد پر تنقید و مذمت کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ ”اگر تم موت سے بچ بھی نکلو تو چند روز ہی تو مفادِ دنیا سے مستفید ہو سکو گے، ہمیشہ تو زندہ نہ رہ سکو گے؟ پھر اگر اللہ تمہیں نقصان یا فائدہ پہنچانا چاہے تو کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اللہ کے انتظام سے تمہیں بچاتا رہے؟ تمہیں اپنے انتظام پر غلط بھروسہ ہے۔ اصلی ہمدردِ حاکم اور ناصر اللہ کے سوا کوئی اور ہے ہی نہیں“ (احزاب 33/16-17)۔ پھر فرمایا کہ:

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَاسَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِالنَّسَةِ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ أُولَئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُوا فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي

رَسُولُ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا (الاحزاب 33/18-22)

اللہ اُن لوگوں کو جانتا ہے جو جنگی اور دیگر اسلامی تحریکوں میں رکاوٹ پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اور تم میں شامل رہتے ہیں اور باقی اپنے مسلمان بھائیوں کو اپنے مسلک کی طرف دعوت دیتے رہتے ہیں۔ اور ہر قسم کی سختیوں اور دقتوں میں برائے نام حصہ لیتے ہیں تاکہ تمہیں اسلام کی کامیابی پر خرچ کرنے اور مشقت برداشت کرنے میں بخیل بنادیں۔ جب خوف و دہشت کا موقع آتا ہے تو آپؐ کو دکھا کر آنکھیں اور سرا سطح گھمانے لگتے ہیں جیسے موت کی حالت میں غش اور چکرا رہا ہو۔ تاکہ تم اُس حال کو واقعی سمجھ کر انہیں جنگ کا حکم نہ دے سکو۔ اور جب خطرہ ٹل جاتا ہے تو یہ نہایت چرب زبانی اور لسانی طراری سے تمہارا سامنا کرتے ہیں اور خیر و صلاح کے حصول میں بدستور بخیل رہتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اسلامی پالیسی کو بخنہ تسلیم نہیں کیا ہے۔ اُن کے ایسے ایمان کی بنا پر اُن کے تمام نیک اعمال اللہ نے برباد کر دئے ہیں۔ اور ایسے اعمال کو تباہ کر دینا اللہ کیلئے بڑا آسان اور معمول بہ ہے۔ اُنکے حساب سے ابھی جتنا بند افواج موجود ہیں۔ انہیں اُن افواج کا آجانا اُس صورت میں پسند آتا جب کہ وہ مسلمانوں کی فوج سے کہیں دُور کے عربوں میں ہیڈ کوارٹر بنا کر وہاں سے مسلمانوں کی خبریں حاصل کرنے کا انتظام کر سکے ہوتے۔ اب اس صورت میں تو یہی ممکن ہے کہ اگر وہ جنگ میں حصہ لیں تو بہت ہی کم شرکت کریں۔ مطلب یہ ہے کہ کفار نے اِن داخلی محاذ کے لوگوں کے پروگرام کی تکمیل سے قبل حملہ ظاہر کر دیا۔ مسلمانوں کے لئے تو رسول اللہ کے اعمال و افکار و احکام میں ہی راہنمائی منحصر ہے۔ یعنی جو لوگ اللہ اور آخرت میں یقین اور اُمید رکھتے ہیں اور کثرت سے ذکر خدا کرتے ہیں، وہ رسول کی مطلق اطاعت کرتے ہیں۔ اور جب اُن مومنین نے جتنا بند افواج کو دیکھا تھا تو اُن کے ایمان اور سپردگی میں اس لئے اضافہ ہوا تھا کہ اللہ و رسول نے قبل از وقت اُن افواج کی آمد اور دیگر حالات کی اطلاع دے رکھی تھی۔ چنانچہ اُن کے فرمان کے مطابق افواج کی خبر صحیح نکلی، لہذا فتح کی پیشگوئی صحیح نکلا لازم ہے۔ چنانچہ وہ مومن نہ خوفزدہ ہوئے نہ کوئی خطرہ محسوس کیا بلکہ پیش از وقت خود کو فاتح اور کامیاب و کامران ہونے پر خوش ہو گئے۔ ایمان و تسلیم میں اضافہ و استحکام اُسی کا نتیجہ تھا۔

(27/7)۔ جنگ احزاب اور غزیرہ پر فتح، شہدائے سابقہ و آئندہ پر یمارکس

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝ لَيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ۝ وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَاحِبَيْهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۝ وَأَوْرَثَكُم أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَّمْ تَطُوهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا (الاحزاب 33/23-27)

مسلسل یہ بتایا گیا کہ مومنین میں وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے جو معاہدہ کیا تھا پورا کر دکھایا ہے۔ اُن میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی شرائط پوری کر چکے ہیں اور بعض شرائط کے پورا کرنے میں بلا کم و کاست مشغول اور منتظر ہیں اور اُن شرائط میں کسی طرح کی رد و بدل نہیں کی ہے تاکہ

اُن کی تصدیقات کی وجہ سے سچوں کو اُن کی سچائی کی جزا ملتی چلی جائے۔ رہ گئے منافق وہ اگر توبہ کر لیں تو اللہ مختار ہے کہ اُن کی توبہ قبول کر لے ورنہ اگر چاہے تو اُن کو عذاب سے دوچار کر دے۔ البتہ اللہ بخشنے والا اور رحیم ہے۔ اللہ نے کفار کی جتھابند افواج کو اُن کے غیظ و غضب میں لپٹا ہوا واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ اور اُن کو ذرہ برابر اچھائی نصیب نہ ہونے دی۔ اور یوں جنگ فتح کرانے میں اللہ نے مومنین کو کافی مدد دی۔ اور اللہ تو قوی اور ہر حال میں غالب رہنے والا ہے ہی۔ اسکے بعد جن یہودیوں نے قریش کی جتھابند افواج کی پشت پناہی کی تھی۔ آخر وہ اہل کتاب بھی اپنے قلعوں سے نیچے اتر آئے کیونکہ اُنکے دلوں میں قریشی شکست سے رعب اور دبدبہ قائم ہو گیا تھا۔ لہذا اُنکے ایک فریق کو تم قتل کر رہے تھے اور ایک فریق کو گرفتار کر رہے تھے۔ اس طرح اللہ نے تمہیں اُن کی زمینوں، شہروں اور اموال کا وارث بنادیا۔ اور ایسی زمین تمہیں دی جہاں تمہارے قدم بھی نہ پہنچے تھے اور اللہ بہر حال ہر چیز پر قادر ہے۔

(27/8)۔ حضرت عائشہؓ وہاں جا پہنچیں جہاں حضرت عمرؓ طلحہؓ چھپے ہوئے تھے

جناب علامہ طبری حضرت عائشہؓ کی زبانی لکھتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:-

”میں ایک باغ میں گھس گئی جہاں چند مسلمان بیٹھے تھے۔ اُن میں عمر بن الخطاب بھی تھے۔ اور ان میں ایک اور شخص تھا جس نے خو کو پوری طرح پہن رکھا تھا کہ اُس میں سے صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ عمر نے مجھ سے کہا تم بڑی دلیر ہو یہاں کیوں آئیں؟ ممکن ہے کہ بھاگنا پڑے یا کسی اور مصیبت میں پڑ جاؤ۔ اب وہ اس طرح ملامت کرنے میں میرے پیچھے پڑ گئے کہ میں چاہتی تھی کہ زمین شق ہو جائے اور میں اُس میں دھنس جاؤں۔ اتنے میں خود والے نے اپنا چہرہ ظاہر کیا وہ طلحہؓ تھے۔ اُنہوں نے عمر سے کہا کہ بہت کچھ کہہ چکے۔ فرار اور پسپائی اب صرف خدا ہی کی طرف تو ہے۔“ (تاریخ طبری۔ جلد اول صفحہ 288)

قارئین یہ بات تو پردہ تاریخ میں چھپ گئی کہ حضرت عائشہؓ اس طرح کیوں پھر رہی تھیں؟ اور انہیں حضرت عمرؓ نے ملامت میں کیا کیا کہا؟ کیوں کہا؟ اُنکو کیا اندیشے تھے؟ مگر یہ بات پھر نوٹ کر لیں کہ جنگ اُحد میں جس طرح عمرؓ طلحہؓ پہاڑ کی چٹان پر جا بیٹھے تھے، اُسی طرح یہ حضرات یہاں بھی ایک باغ میں پوشیدہ بیٹھے ہوئے پائے گئے۔ اور جناب عائشہؓ پر یہ پوزیشن ظاہر ہو جانے کی وجہ سے سخت ناراض ہوئے اور صاف کہہ دیا کہ اگر فرار کرنے کی صورت پیدا ہوگئی تو ہم مرد تو بھاگ جائیں گے تم کیسے بھاگو گی؟ اور گرفتاری کی صورت میں ناقابلِ بیان مصیبت سے دوچار ہو جاؤ گی۔ یہ ہیں اسلام کے عظیم الشان اور بے نظیر ہیرو۔ جناب طلحہؓ نے حضرت عائشہؓ کو ملامت سے نجات دلائی۔ یہی جناب جنگ جمل تک زندہ تھے اور جناب عائشہؓ کی کمانڈ میں اپنی شجاعت دکھا رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا باقی ازواج سے الگ ہو کر قلعہ سے نکلنا اور یوں افواج اور پناہ گاہوں کا دورہ کرنا اور جنگی حالات پر مطلع رہنا ہی تو وہ قابلیت تھی جس کی بنا پر جناب زبیر اور حضرت طلحہؓ نے اُن کی ماتحتی میں اپنے مخالف سے نبرد آزما کی اور ثابت کر دیا کہ وہ دونوں حضرات معاملات و شدائد جنگ اور فوج کشی سے بے تعلق رہتے رہے تھے۔ یہ نوٹ کر کے جنگ خندق کی تفصیل کو ختم کر دیں کہ جناب طلحہؓ حضرت عمرؓ کو یہ یاد دلاتے ہیں کہ بھاگنا بھی تو اب اللہ ہی کی طرف سے ہوگا۔ اللہ سے بچ کر کہاں بھاگ سکتے ہیں؟

28۔ غزوہ حدیبیہ یا صلح حدیبیہ کے تاریخی و قرآنی حالات

6۔ ہجری میں آنحضرتؐ نے حج کے ارادے سے مکہ کا سفر کیا۔ اور بڑھتے ہوئے مکہ سے ایک منزل قریب ایک حدیبیہ نام کے کنویں کے پاس مقیم ہوئے۔ اس سفر کی اطلاع ملتے ہی قریش نے ادھر ادھر کے قبائل کو ساتھ ملا کر جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ لیکن اُن کے دلوں کی گہرائی میں خوف و ہراس اور ناکامی کی لہریں موجزن تھیں۔ وہ دل سے یہ نہیں چاہتے تھے کہ پھر جنگ اور ہزیمت نصیب ہو۔ مگر یہ کہہ کر کہ ہم کمزور ہیں، اپنا رعب و داب اور عزت بھی گنوانا نہ چاہتے تھے۔ ادھر رسول اللہؐ اس طرح آئے تھے کہ اگر قریش مسلح مزاحمت کریں تو جم کر جنگ کی جاسکے ورنہ حج کعبہ کے بعد وہ واپس تشریف لے آئیں گے اور از خود دعوت جنگ نہ دیں گے۔ چنانچہ دونوں طرف سے آخر صلح پر رضامندی ہو گئی اُسی صلح کا نام صلح حدیبیہ ہے۔ اس صلح میں ہیر و حضرات کے چند واقعات و حالات موجود ہیں جن سے اُن کے منصوبے پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

(28/2)۔ اسلامی ہیر و قریش کے اشارے پر بھاگ جانے میں مشہور و معروف تھے

جنگی تیاری تو کر لی گئی مگر قریش لڑنا نہیں چاہتے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کو مرعوب کر کے واپس جانے پر آمادہ کر لیا جائے۔ چنانچہ غیر رسمی گفتگو کے لئے انہوں نے عروہ بن مسعود اشقی کو بھیجا۔ اُس نے رسول اللہؐ کو صورت حال سے مطلع کرتے ہوئے جو اہم اطلاع دی وہ طبری سے سنیئے:-

”مجھے جو مختلف صورتیں تمہارے ساتھ نظر آ رہی ہیں۔ اُن میں ایسے ہی لوگ ہیں جن کی فطرت یہ ہے کہ وہ بھاگ جائیں اور تم کو دشمن کے زرعہ میں چھوڑ دیں۔“ (طبری۔ جلد اول صفحہ 330)

قارئین سوچیں کہ عروہ نے کسی کا نام نہیں لیا ایک عام بات کہی تھی۔ ہر فوج میں کمزور دل و دماغ کے چند لوگ ممکن ہیں اور رسول اللہؐ کی ساری فوج کا جنگ اُحد میں بھاگ جانا سارے عرب میں مشہور ہو چکا تھا۔ بڑے بڑے ہیر و رسول اللہؐ کو چھوڑ کر بھاگے اور پہاڑ پر جا بیٹھے تھے۔ اسی لئے رسول اللہؐ عروہ بن مسعود کی تردید نہیں کرتے بلکہ خاموشی سے اُس کی نصیحت و باتیں سن رہے تھے۔ مگر جناب ابوبکر جھنجلا کر بے قابو ہو گئے اور عروہ سے فرمایا کہ:-

”ثُلُوت کی شرمگاہ کو چُوس۔ کیا ہم بھاگ جائیں گے اور ان کو چھوڑ دیں گے؟“ (طبری جلد اول صفحہ 330)

علامہ شبلی نے بات کو سنوا کر یوں لکھا کہ:- ”حضرت ابوبکر کو اس بدگمانی پر اس قدر غصہ آیا کہ گالی دے کر کہا کہ کیا ہم محمدؐ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟“ (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اول صفحہ 451)

ہمیں گالی اور فحش گوئی پر کوئی تعجب نہیں ہے یہ تو اُن حضرات کا عام اخلاق تھا۔ تعجب تو اس پر ہے کہ صرف حضرت ابوبکر ہی کو کیوں غصہ آیا؟ یہاں تو اور بھی کئی ایک بھگوڑے تھے۔ اُن میں سے کوئی اور کیوں نہ بولا؟ اس بات کو عروہ کے جواب نے ظاہر کر دیا ہے۔ اور وہ جواب شبلی و طبری اور تمام مؤرخین نے لکھا ہے۔ حقیقت یہ تھی اور جناب ابوبکر کا غصہ سے بے تاب ہو جانا اور رسول اللہؐ کے ادب و لحاظ کو نظر انداز کر

دینا بھی اس لئے فطری تھا کہ عروہ پر جناب ابوبکر کا کوئی احسان تھا۔ اور اُس احسان کے باوجود وہ رازداری کے خلاف بھاگ جانے کی شرمناک تشہیر کر رہا تھا اور سامنے موجود ہوتے ہوئے بھی عروہ کی آنکھ میں مروت و لحاظ نہ تھا۔ اور اگر حضرت ابوبکر گالی دے کر اُس کی بات نہ کاٹ دیتے تو نہ معلوم وہ اور کیا کیا کہہ ڈالتا۔ اس لئے اُس کا منہ بند کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ یہ بات اپنے موقع پر صحیح تھی اور خود حضرت ابوبکر نے بیان کیا ہے کہ:۔ لما کان یوم احد انصرف الناس کلّهم عن رسول اللہ فکت اول من فاء۔ (تاریخ الخلفاء جلد 1 صفحہ 485) ”جب اُحد کے روز تمام صحابہ رسول کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو واپس رسول کے پاس آنے والا میں پہلا شخص تھا۔“

رسول اللہ کے انتقال کے بعد اس کا اقرار بہت خطرناک نہ تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے بھی اعلان فرمایا کہ:۔

عن عائشة قالت کان ابوبکر اذا ذکر یوم احد بکی ثم قال ذاک کان کُلّہ یوم طلحة۔

ثم انشاء یحدث قال کُنْتُ اَوَّل من فاء یوم احد۔ (کنز العمال۔ جلد اول صفحہ 275)

”ابوبکرؓ کی یہ حالت تھی کہ جب اُحد کے دن کا ذکر ہوتا تو وہ رونے لگتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اُحد کے دن

کی ساری ذمہ داری طلحہ کے سر ہے۔ پھر بیان کرتے کہ میں وہ پہلا آدمی تھا جو اُحد کے روز واپس آیا تھا۔“

لہذا معلوم ہوا کہ غصہ صرف اس بات پر آیا کہ عروہ احسان فراموشی کر رہا تھا۔ ورنہ وہاں حضرت عمر بھی موجود تھے۔ انہیں عروہ پر غصہ نہیں آیا اسلئے کہ عروہ پر اُن کا کوئی احسان نہ تھا۔ رہا جنگ سے بھاگ جانا؟ یہ مشہور اور ناقابل اخفا تھا۔ چنانچہ خود ہی اعلان کرتے رہے کہ:۔

خطب عمر یوم الجمعة فقرأ آل عمران وکان یعجبہ اذا خطب ان یقرأها فلما انتہی الی قوله ان الذین

تولّوا منکم۔ قال لما کان یوم احد فہزمنا ففرت حتی صعدت الجبل فلقد رائتینی انزده کاننی اروی۔

(تفسیر درمنثور جلد نمبر 2 صفحہ 88، تفسیر طبری جلد 4 صفحہ 90 و کنز العمال جلد اول صفحہ 238)

حضرت عمر نے جمعہ کے روز خطبہ دیا اور سورہ آل عمران پڑھتے اور تعجب کرتے جاتے تھے۔ جب اُس آیت پر پہنچے جس میں فرمایا

گیا ہے کہ یقیناً تم میں سے بھاگنے والے بھاگ گئے تھے تو کہا کہ اُحد کے روز جب ہمیں شکست ہوگئی تو میں بھاگا یہاں تک کہ

پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہاں میں نے اپنا یہ حال نوٹ کیا کہ گویا میں جنگی بکروں کی طرح کودنے میں مشاق ہوں۔“

عروہ نے یقیناً ان حضرات پر طعن کیا تھا ورنہ غصہ و گالی کی بات نہ تھی۔

(ii)۔ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ کا حکم تسلیم نہیں کیا

آنحضرتؐ نے عمر بن الخطاب سے فرمایا کہ تم مکہ جاؤ اور اشراف مکہ کو میرے آنے کی غرض سے مطلع کرو۔ انہوں نے آپؐ سے

عرض کیا کہ مجھے وہاں جانے میں اپنی جان کا خوف ہے۔۔۔۔۔ میں آپ کو ایسا شخص بتاتا ہوں جس کی مکہ میں مجھ سے زیادہ عزت

واثر ہے اور وہ عثمان بن عفان ہیں۔ (طبری جلد اول صفحہ 334)

ناظرین نوٹ کر لیں کہ جن لوگوں کو اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل سے اپنی جان زیادہ پیاری تھی وہی میدان جنگ سے بھاگ جانے میں

حق بجانب تھے۔ وہی لوگ جنت میں رسولؐ کے ساتھی بننے میں معافی چاہتے تھے کہ زندگی بڑی عزیز تھی۔ اور جانشینی بلا زندگی کے قطعی طور

پر ناممکن تھی۔ لہذا ضروری تھا کہ جس طرح ممکن ہو زندہ رہو۔

(iii)۔ رسول اللہ پر ایمان کی دو قسمیں؛ اُن کے ذاتی فیصلے ناقابل قبول تھے

علامہ طبری نے لکھا ہے کہ:- ”طویل گفتگو کے بعد صلح طے پائی۔ زبانی شرائط کا تصفیہ ہو چکا تھا۔ اور اب صرف عہد نامہ کا لکھنا باقی

تھا۔ عمر بن الخطاب نے اُن شرائط کو ناپسند کیا۔“ (طبری جلد اول صفحہ 336)

اسکے بعد علامہ طبری نے وہ بحث لکھی ہے جو حضرت عمر نے ابو بکر سے کی تھی جس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ سب باتیں صحیح ہیں تو پھر:-

”کیوں ہم اپنے دین کے معاملے میں ایسی بات مانیں جس سے کمزوری ظاہر ہوتی ہو؟ ابو بکر نے کہا۔ عمر چوں و چرا نہ کرو۔ بس تم

فی الحال اُن کے ساتھ رہو۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ عمر نے کہا کہ اور میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ

کے رسول ہیں۔“ (طبری جلد اول صفحہ 336)

عہد خلافت میں ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر کو جناب ابو بکر نے عارضی خاموشی اختیار کرنے کے لئے کہا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ اس وقت شور

مچانا مصلحت کے خلاف ہوگا۔ جب وقت آئے گا تو ایسے تمام احکام اور فیصلے تبدیل کر لئے جائیں گے جن میں رسول اللہ نے (معاذ اللہ)

بشری کمزوری دکھائی ہوگی۔ چنانچہ حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں مولفۃ القلوب وغیرہ قسم کے احکام کو یہی کہہ کر بدل دیا تھا کہ اُس وقت

اسلام کمزور تھا، اب طاقتور ہے۔ رسول اللہ دب گئے تھے اب دب کر کیوں رہیں؟ یہاں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ دونوں حضرات آپ کو رسول

تو مانتے تھے مگر بشری تقاضوں کی بنا پر اُن کا ہر حکم ماننا ضروری نہ سمجھتے تھے۔

(iv)۔ علامہ شبلی حضرت عمر کی گستاخانہ بحث کا اقرار کرتے ہیں

”حضرت عمر کو اپنی اُن گستاخانہ معروضات کا، جو بے اختیاری میں اُن سے سرزد ہوئیں تمام عمر سخت رنج رہا۔“ (سیرۃ جلد اول صفحہ 457)

وہ طرز فکر جو بعد وفات رسول جاری رہی شبلی کی تکذیب کرتی ہے۔ اور یقین ہو جاتا ہے کہ وہ تمام گستاخانہ بحث دل کی گہرائی اور پوری

بصیرت کے ماتحت کی گئی تھی۔ ورنہ سینکڑوں احکام رسول منسوخ نہ کر دیئے جاتے جن کی تفصیل اپنے مقام پر آنے والی ہے۔

(v)۔ تمام مسلمانوں کا گمراہی کے قریب پہنچ جانا۔ تاریخ طبری

”مسلمانوں کو فتح کا یقین تھا اور وہ آپ کے ساتھ عمرہ کرنے مدینہ سے نکلے تھے۔ مگر اب جب اُنہوں نے دیکھا کہ اس نہج پر صلح ہو رہی

ہے اور ہم بے نیل و مرام واپس جائیں گے۔ اور خود رسول اللہ نے قریش کی بات مان کر اُن کی منشا کے مطابق صلح کی ہے۔ مسلمانوں کے

دلوں میں اس کا اس قدر سخت رنج و تعب پیدا ہوا کہ قریب تھا وہ سب دینی طور پر ہلاک ہو جائیں۔“ (طبری جلد اول صفحہ 337)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ کا دب کر صلح کرنا کسی بھی قریشی قسم کے مسلمان کو پسند نہ آیا تھا۔ اور یہ بھی کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ تک اُسی

قسم کے مسلمانوں کی کثرت تھی جو رسول اللہ پر چھائی رہتی تھی۔ ایک اور نظارہ ملاحظہ ہو کہ رسول اللہ نے بار بار حکم دیا کہ تمام مسلمان قربانی

کریں اور سرمنڈوائیں لیکن کوئی تیار نہ ہوا۔ شبلی سے سنئے اور اُن کی پردہ داری بھی دیکھئے، لکھتے ہیں کہ:-

”آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ لوگ یہیں قربانی کریں لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا یہاں تک کہ جیسا

کہ بخاری کتاب الشروط میں ہے کہ تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا۔“ (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 458)

یہاں یہ بات نوٹ کریں کہ صحابہ کو لوگ اور شخص کہہ کر بات کی شدت کو ہلکا کیا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ تمام صحابہؓ نے رسولؐ کے احکام کی مکمل خلاف ورزی کی تھی اور کثرت اُن صحابہ کی تھی جو رسولؐ کے احکام کی نافرمانی کیا کرتے تھے اور محض وہ حکم مانتے تھے جو اُن کے مرکز کے حکم کے مطابق ہو (مائدہ - 5/41) ورنہ اب صاف انکار کر دیتے تھے۔ یہ بھی پردہ داری ہے کہ کوئی بھی حکم ماننے کو تیار نہ ہوا تا کہ حقیقی مومنین کو بھی قریشی مومنین کے ساتھ شمار کر کے برابر کر دیا جائے۔ لیکن خدا نے اُن کے کذب و افترا کو اُن ہی کے قلم سے ثابت کیا سنئے:-

”اُس روز بعضوں نے تعمیل میں سرمنڈایا اور بعض نے بال کٹوائے رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اللہ سرمنڈانے والوں پر اپنا رحم فرمائے،

صحابہ نے کہا یا رسولؐ اللہ اور بال کٹوانے والوں پر؟ آپ نے پھر سرمنڈوانے پر رحم کی دعا کی۔“ (طبری جلد 1 صفحہ 339)

(vi)۔ بیعت رضوان مذکورہ نافرمان صحابہ کا پردہ فاش کرتی ہے

مشرکین قریش سے جنگ کی صورت میں ضروری تھا کہ جنگ اُحد و احزاب کے بھگوڑے لوگوں کو ایک دفعہ پھر معاہدہ کے ذریعہ پابند کیا جائے اس لئے تمام مسلمانوں سے از سر نو بیعت لی گئی۔ اس بیعت کا نام بیعت رضوان ہے۔ اور یہیں سے رضی اللہ عنہم کا قصہ شروع ہوتا ہے۔ مگر آیت کے الفاظ پر لا تقربوا الصلوة کی طرح نظر ڈالی جاتی ہے، و انتم سکاری کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا تھا کہ: لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَ

أَتَاهُمْ فُتْحًا قَرِيبًا وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُ وَنَهَاكَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (فتح 18-19/48)

یقیناً اللہ مومنین سے اُس وقت راضی ہوا جب کہ وہ درخت کے نیچے خود کو تہا رہے ہاتھ فروخت کر رہے تھے۔ چنانچہ جو جو کچھ اُن کے قلوب کے اندر تھا اس سے بھی اللہ لا علم نہ تھا۔ اسی بنا پر اللہ نے اُن کو پُر سکون رکھنے کا انتظام کیا اور اس خاموشی کے بالعوض مستقبل میں فتح پانے اور کثیر مال غنیمت حاصل کرنے کا بدلا مقرر کیا۔ یعنی جو کچھ دلوں میں تھا اور بعض زبانوں تک آیا بھی، اُس کو فتنہ و فساد بنادینے سے روک دیا۔ یہی شناخت ہے اللہ کی حکمت اور ہر حالت میں غلبہ کی۔ یہاں دونوں قسم کے مومنین کی صورتیں صاف نظر آ رہی ہیں۔ یعنی ایک وہ جو مال غنیمت اور فتح کی غرض سے شامل تھے۔ دوسرے وہ جو دل کے اندر اور باہر اللہ و رسولؐ کے مطیع تھے۔

(vii)۔ تمام ہیر و اللہ و رسولؐ کے خلاف فتح کو شکست سمجھتے رہے

علامہ مودودی کی زبان سے پڑھیں ارشاد ہوتا ہے کہ:-

”صلح حدیبیہ کے بعد جب فتح کا یہ مژدہ سنایا گیا تو لوگ (یعنی صحابہ) حیران تھے کہ آخر اس صلح کو فتح کیسے کہا جاسکتا ہے؟ ایمان کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو (زبردستی) مان لینے کی بات تو دوسری تھی۔ مگر اُس کے فتح ہونے کا پہلو کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ آیت سن کر پوچھا۔ یا رسولؐ اللہ، کیا یہ فتح ہے؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں (ابن جریر طبری)۔ ایک اور صحابی (نام بتاؤ) حاضر ہوئے اور اُنہوں نے بھی یہی سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا ای وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّهُ الْفَتْحُ۔“ ”قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے

یقیناً فتح ہے“ (مسند احمد اور مسند ابوداؤد)۔ مدینہ پہنچ کر ایک اور صاحب (کون؟) نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ”یہ کیسی فتح ہے؟ ہم بیت اللہ جانے سے روک دئے گئے، ہماری قربانی کے اونٹ بھی آگے نہ جاسکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ ہی میں رک جانا پڑا، اور اس صلح کی بدولت ہمارے دو مظلوم بھائیوں (ابوجندل اور ابوبصیر) کو ظالموں کے حوالے کر دیا گیا۔“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ ”بڑی غلط بات کہی گئی ہے یہ۔ حقیقت میں تو یہ بہت بڑی فتح ہے....“ (تفہیم جلد 5 صفحہ 43 حاشیہ نمبر 1)

پہلی بات تو یہ ہے کہ بیعت رضوان کے وقت اللہ کے علم میں حضرت عمر اور اُن کی پارٹی کے دوسرے مندرجہ بالا لیڈر اور اُن کی قلبی حالت تھی۔ یعنی بیعت کی رضا مندی میں پُر خلوص لوگ داخل ہیں نہ کہ ٹوٹل۔ اس لئے کہ ٹوٹل کی کثرت نے قربانی اور سرمنڈانے میں نافرمانی کی تھی اور مدینہ تک اپنے مشکوک و شبہات پھیلاتے چلے آئے تھے۔ اور اللہ و رسولؐ کے فیصلے کے بعد دل تنگ رہنا مومن کا کام نہیں ہے۔ (نساء۔ 4/65) دوسری بات یہ ہے کہ مشکوک اور شک کی بنا پر نافرمان مومنین یا صحابہ کے راہنما کو خاص طور پر رسول اللہ نے بلا کر قرآن کی آیت سنائی، شبلی صاحب سے سنئے:-

”تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے خدا نے اُس کو فتح کہا۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمر کو بلا کر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اُنہوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ فتح ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں۔“ (سیرۃ جلد اول صفحہ 458) اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ کی راہ میں لکھا ہے۔ یعنی ابھی تک سردار اور راہنما حضرات مشکوک چلے جا رہے تھے مگر اس کے باوجود مومنین تھے۔

(28/3)۔ حضرت علیؑ اور دیگر ہیر وز کا اسلام و کفر سے رشتہ و تعلق

شاہ ولی اللہ نیز ترمذی و نسائی نے ریکارڈ کیا ہے کہ:- قال حدثنا علی بن طالب بالرحبة فقال لما كان يوم الحدیبیة خرج الينا انا من المشركين فيهم سهيل بن عمرو و انا من رؤساء المشركين - فقالوا يا رسول الله خرج اليك انا من ابنائنا و اخواننا و ارفائنا - وليس لهم فقه في الدين و انما خرجوا فراراً من اموالنا و فباعنا فارددهم الينا فان لم يكن لهم فقه في الدين سنفقههم فقال النبي يا معشر القريش لتنتهن أو لبيعن الله عليكم من يضرب رقابكم بالسيف على الدين قد امتن الله قلوب به على الايمان قالوا من هو يا رسول الله؟ فقال له ابو بكر من هو يا رسول الله؟ فقال عمر من هو يا رسول الله؟ قال هو خاصم النعل و كان اعطى نعله علياً يخصفها - ثم التفت الينا علي فان رسول الله قال من كذب علي معتمداً فليتبوء مقعده من النار - (رياض النضرۃ جلد 191، ازالة الخفاء جلد صفحہ 256، جامع ترمذی صفحہ 460، اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 26، مستدرک جلد 2 صفحہ 138)

حضرت علیؑ نے کوفہ کے میدانِ رحبہ میں بسلسلہ تقریر فرمایا کہ غزوہ حدیبیہ کے موقع پر ہمارے پاس مشرکین کے چند آدمی آئے۔ اُن میں سہیل بن عمرو اور قریشی سرداروں میں سے کچھ لوگ تھے۔ انہوں نے رسول اللہ سے کہا کہ آپ کے پاس ہمارے بیٹوں بھائیوں اور غلاموں میں سے کچھ ایسے لوگ آگئے ہیں جو دین میں فقاہت کا درجہ نہیں رکھتے۔ اُن کے آنے کا حقیقی سبب یہ ہے کہ ہمارے اموال اور جائیداد کے انتظام کی ذمہ داریوں سے جان بچا کر بھاگے ہیں۔ آپ اُن لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیں۔ اگر اُن کو فقاہت نہ آتی ہوگی تو

ہم اُن کو دینی فقہات سکھا کر فقیہ اور مجتہد بنادیں گے۔ نبیؐ نے فرمایا کہ اے گروہ قریش اگر تم اپنی فقیہانہ چال بازیوں سے باز نہ آؤ گے تو یاد رکھو کہ اللہ تمہارے اوپر ایک ایسے شخص کو مبعوث کر دے گا جو تلوار سے تمہاری گردنیں مارے گا۔ لوگوں نے رسولؐ سے دریافت کیا حضورؐ وہ کون ہوگا۔ خصوصاً ابوبکر و عمرؓ نے پوچھا کہ وہ کون ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کے قلب کو اللہ نے آزمایا ہے۔ وہ ہے جو اس وقت جوتی کی مرمت کر رہا ہے۔ رسولؐ اللہ نے علیؓ کو اپنی جوتی مرمت کے لئے دے رکھی تھی اور علیؓ مرمت کر رہے تھے۔ اس کے بعد علیؓ نے یاد دلایا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اُن پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے اللہ اسے منہ کے بل جہنم میں داخل کرے گا۔ مطلب یہ کہ میں نے یہ واقعہ غلط بیان نہیں کیا۔

(28/4)۔ شیخین مستقل طور پر قریش کے غیر مشروط ہی خواہ تھے

امام نسائی نے مندرجہ بالا حدیث کو ذرا سے فرق سے لکھا ہے:-

جاء النبیُّ اُناسٌ من قریش فقالوا یا محمدُ انا جیرانک و حلفاءک و انّ مِنْ غَیْبِنَا قد آتوک لیس لہم رغبۃ فی الدّین ولا رغبۃ فی الفقہ انما فَرّوا من ضیاعنا و اموالنا فارادہم الینا۔ قال لا بوبکر ما تقول؟ قال صدقوا انہم لجیرانک و خلفاءک فتغیّر وجہ النبیِّ ثم قال لِعُمَرَ ما تقول؟ قال صدقوا انہم لجیرانک و خلفاءک فتغیّر وجہ النبیِّ ثم قال یا معشر القریش..... الخ۔

قریش میں سے چند لوگ نبیؐ کے پاس آئے اور کہا کہ اے محمدؐ ہم آپ کے ہمسایہ پڑوسی ہیں اور حلیف ہیں۔ ہمارے کچھ غلام آپ کے پاس بھاگ آئے ہیں۔ اُن کو نہ دین سے کوئی رغبت ہے اور فقیہ بن جانے میں بھی دلچسپی نہیں رکھتے ہیں۔ وہ ہماری جائیداد اور املاک کو چھوڑ چھاڑ کر بھاگے ہیں۔ آپ اُن لوگوں کو ہمیں واپس کر دیں۔ آنحضرتؐ نے ابوبکرؓ سے دریافت کیا تم اس معاملے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ قریش سچ کہتے ہیں۔ یہ آپ کے پڑوسی بھی ہیں اور حلیف بھی ہو گئے ہیں۔ یہ جواب سن کر آپ کا چہرہ غصہ سے تبدیل ہو گیا۔ پھر عمرؓ سے پوچھا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ انہوں نے بھی یہی کہا کہ قریش آپ کے ہمسایہ ہیں اور اب حلیف بھی ہیں اور اپنے قول میں صادق ہیں۔ یہ سن کر پھر آپ کا چہرہ غصہ میں بدل گیا۔ اور کہا کہ اے گروہ قریش تم اپنی مجتہدانہ چال کیوں سے باز نہ آؤ گے تو تم پر اللہ ایسے شخص کو تعینات کرے گا جس کے ایمان کا اللہ نے امتحان کر لیا ہے۔ وہ تمہاری گردنیں جدا کرے گا۔ پوچھا گیا کہ وہ کون ہوگا۔ فرمایا کہ جوتے کی مرمت کرنے والا وغیرہ۔“ (خصائص نسائی صفحہ 8,14)

(28/5)۔ رسولؐ اللہ قریش کے ہمسایہ اور حلیف بھی نہ تھے۔ چہ جائیکہ ہم نسب؟

یہاں قارئین نوٹ کر لیں کہ قریش سے حضورؐ کا کوئی رشتہ اور تعلق نہ تھا۔ صلح حدیبیہ کی بات صرف تحریری معاہدہ پر تھی نہ کہ حلف پر۔ حلیف ہونے سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ قریش اور خانوادہ رسولؐ میں کوئی سابقہ زمانہ کا تعلق نہیں ہے۔ یعنی دعویٰ نبوت سے پہلے یا بعد قریش کو خاندان رسولؐ نے کبھی اپنا خاندانی حلیف تک نہیں بنایا تھا۔ اُدھر اُس وقت تک قریش بھی ہم نسب ہونے کا دعویٰ نہ رکھتے تھے۔ ورنہ یہ کمزور اپیل نہ کرتے۔ اہل خاندان اور ہم نسبی کی جگہ پڑوسی نہ بنتے۔ لہذا جہاں جہاں نسب ایک لکھا ہوا ملے اُسے بعد کی خود ساختہ تاریخ سمجھنا لازم ہے۔

(28/6)۔ اجتہادی مسلمان اور صلح حدیبیہ قرآن کی نظر میں

صلح حدیبیہ کا تذکرہ سورہ فتح میں ہوا ہے۔ اور سورہ فتح کا نزول 6 ہجری میں تسلیم شدہ ہے۔ اس صلح میں کل چودہ سو مسلمانوں کا مکہ میں آنا اور بیعت رضوان میں شریک ہونا بھی مسلمانوں کے مسلمات میں سے ہے۔ پھر اُن لوگوں نے جو خبیث اور طیب مسلمانوں کو مخلوط رکھ کر اپنے لیڈروں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ بیعت رضوان میں شامل ہونے والے ان چودہ سو صحابہ میں ہر شخص پر خلوص، فداکار اور حقیقی قسم کا مومن تھا۔ اُن میں سے نہ کوئی منافق تھا نہ کمزور عقیدہ کا مسلمان تھا۔ حالانکہ سابقہ بیانات میں ثابت ہو چکا ہے کہ سوائے چند صحابہ کے باقی سب نے رسول اللہ کی نافرمانی کی تھی۔ اور لیڈر قسم کے لوگوں نے نبوت پر شک کیا تھا۔ جن میں حضرت عمر پیش پیش تھے۔ بہر حال سورہ فتح میں بیعت رضوان پر ایک آیت (19-48/18) پیرا نمبر 28/2 (vi) میں پہلے آچکی ہے۔ جہاں اُس گروپ کے مسلمانوں کی قلبی کیفیات کے تذکرہ نے باطل گھروندے کو گرا دیا ہے۔ اب ابتدا سے سورہ فتح ملاحظہ ہو اور حدیبیہ میں شامل ہونے والے مسلمانوں کا حال دیکھیں۔

(ii)۔ اجتہادی مسلمانوں پر اتمام حجت لامحدود رعایات

سورہ الفتح کی دوسری آیت، جو صاحبانِ ربیع حضرات کو گمراہ رہنے میں سہارا دیا کرتی ہے۔ اسلئے کہ اس آیت میں ایک لفظ ”ذنب“ آگیا ہے۔ اور اجتہادی گروپ چونکہ انبیاء اور رسل کو (معاذ اللہ) خطا کار اور مجتہد قرار دیتا ہے۔ اسلئے ذنب کے معنی اُنہوں نے گناہ اور قصور کر لئے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گناہ کا سرزد ہونا ثابت کر کے اُنکی جانشینی اور خلافت کو گناہگاروں اور خبیث الباطن لوگوں کیلئے جائز کر کے یزید و معاویہ کی خلافتوں اور حکومتوں کو خلافت الہیہ قرار دیا جاسکے۔ یہی مقصد تھا جس کو حاصل کرنے کیلئے اجتہادی دانشوروں نے وہ سب کچھ کیا جو ہم لکھتے آرہے ہیں۔ اور اس مقصد میں اُنہیں ناکام کرنے کیلئے وہ تمام قربانیاں دی گئی تھیں جن کا منتہی امام حسین علیہ السلام ہیں۔ اور آیت زیر نظر (فتح 48/2) کی تلاوت بھی اُسی ناہنجار مقصد کو باطل ثابت کرنے کیلئے کی گئی ہے۔ قرآن میں تحریف، عربی زبان کا ستیاناس، کروڑوں بے گناہوں کا قتل و غارت اور ساری دنیا کو فتنہ و فساد کی راہ پر گامزن کرنا یہ سب کچھ اسلئے کیا گیا کہ تعلیمات خداوندی کو اجتہاد کے ماتحت لایا جاسکے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اُن لوگوں کو اس مقصد میں کبھی بھی اُس معیار پر کامیابی ممکن نہ ہوئی جو اس کے اولین منصوبہ سازوں نے مقرر کیا تھا۔ ہر ہر قدم فداکارانِ اسلام کی لاشوں پر رکھ کر گزرنے پر اُن کا دامن ہمیشہ بے گناہوں کے خون سے رنگین رہا۔ ساری دنیا میں اُن پر نفرت و حقارت کی بوچھاڑ رہی۔ دنیا کی تمام اقوام و ممالک نے اُن کو ڈاکو، لٹیرے اور کمینہ خصلت لوگ قرار دیا۔ اُنہیں چاروں طرف سے گھیر کر اُن سے اسلحے چھینے، اُنکی قوت و حکومت کو تباہ کر کے انہیں بھکاری بنا دیا اور آج وہ جہاں بھی ہیں، جس حال میں بھی ہیں، چھوٹا بڑا کانسہ گدائی لئے ہوئے اُن لوگوں سے بھیک مانگتے نظر آتے ہیں جن کو تیرہ سو سال سے کافر کہتے چلے آرہے ہیں۔ مگر قرآن کی معنوی تحریف سے اب تک باز نہیں آئے ہیں۔ ہم اُنکے داؤ پیچ سے مسلمانوں کو مطلع رکھنے کیلئے اپنی زندگی وقف کئے ہوئے ہیں۔ اور اب آپ کو مذکورہ آیت کے معنی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

(iii) ذنب کے حقیقی لغوی معنی کرنے میں نہ کوئی قباحیت ہے نہ وقت

قارئین یہاں آپ زحمت فرما کر عربی سے اُردو اور عربی سے انگریزی زبان کی دو معتبر ترین ڈکشنریوں سے ذنب کے اولین معنی پر نظر ڈالیں۔

ذَنْبٌ، ذَنْبًا 1: کھوج لگانا، 2: دُم کے پیچھے پیچھے چلنا، 3: پیروی کرنا، 4: آگے والے کا نشان قدم نہ چھوڑنا، 5: دُم کو زمین پر ٹکانا۔

ذَنْبُ الْعِمَامَةِ: پگڑی کا شملہ لٹکانا، دُم چھلا لگانا، ذَنْبُ الْكِتَابِ: کتاب کا دیباچہ لکھنا، کتاب کا تتمہ لکھنا، ذنب الجراد: بکڑی کا انڈے دینے کے لئے زمین میں دھسنا، کسی چیز میں دُم لگانا۔

ذَنْبٌ oi ذَنْبًا To track any one

ذَنْبٌ To become spotted on its stalk (date)

ذَنْبٌ ہ To make a tail to a turban, To add an appendix to a book.

تَذَنْبٌ To follow a path ,To make a tail to, To enter the end of a valley.

اگر آپ لغات کو برابر وہاں تک پڑھیں جہاں تک ذنب سے بننے والے الفاظ لکھے ہوئے ہیں تو کہیں کہیں آپ کو گناہ اور قصور بھی لکھا ہوا مل جائے گا۔ یعنی بعض لوگوں نے اس لفظ کو اپنی جہالت یا ادبی رنگین مزاجی سے گناہ یا قصور کی جگہ بھی رگڑ دیا ہے۔ جہالت اس لئے کہ انہیں عصیاں و معاصی؛ اثم و آثم؛ خطا و خاطی؛ جرم و مجرم کا نہ فرق معلوم تھا نہ صحیح استعمال کی خبر تھی۔ شاعرانہ وادیانہ رنگینی اس لئے کہ یہ لوگ ابرو کو کمان اور شمشیر بنانے، اور نظر کو تیر لکھنے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ اور حقیقی بات یہ ہے کہ تیرہ سو سال سے حکومتوں کے خزانے قرآن کو اور عربی زبان کو متزلزل و مشکوک کرنے پر صرف ہوتے رہے ہیں اور ہم یہ تفصیلات جگہ جگہ لکھتے چلے آئے ہیں۔ لہذا قصور و وقاصر اور قصر خود عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی کمی کرنے کے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ذنب کے ترجمہ میں لکھ دیا جاتا ہے۔ لہذا یہ سب بکواس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ چونکہ رسول اللہ پر لازم تھا کہ اللہ کی اُن تمام تعلیمات کو مد نظر رکھ کر عمل کریں اور احکام دیں جو اُدْم سے لے کر اُن کے زمانہ تک اللہ نے بھیجی تھیں۔ اُن کا مستقل فریضہ تھا کہ وہ ہر وقت اللہ کی تعلیم اور مطلوبہ نتیجہ کو سامنے رکھیں۔ اور وہاں تک نوع انسانی کو لے جانے کے لئے مختلف طبیعتوں اور حالات کا کھوج لگائیں اور کامیابی کے لئے ایسی تدریج قائم کریں کہ عمل کرنے والوں کا ہر قدم اُس راہ پر پڑے یا اُس راہ کی طرف بتدریج مڑتا جائے جو انتہائی طور پر مطلوب ہے۔ اس تمام عمل در آمد کو لفظ ”ذنب“ سے ظاہر فرمایا گیا۔ چونکہ کسی چیز کے کھوج لگانے یا کسی کی قدم بہ قدم پیروی کرنے میں غلطی، خطا اور بھول چوک کا امکان ہے اور انبیاء علیہم السلام کو ہر لغزش و خطا، اور بھول چوک اور گناہ یا عصیان سے پیدائشی طور پر منزرہ اور معصوم رکھا گیا ہے۔ اس لئے اللہ کی طرف سے ایسا داخلی و خارجی انتظام لازم ہے جس سے اُن حضرات کا ہر خیال اور ہر عمل اور ہر حکم بلا ناغہ محفوظ و مامون رہے۔ اب اُس آیت مبارکہ کو دیکھیں۔ وہاں رسول اللہ کے ہر عمل کی گارنٹی دی گئی ہے۔

(iv)۔ آنحضرت کی راہنمائی قیامت تک کامیاب اور معصوم رہے گی

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّغُفْرِ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ

عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا (فتح 3-48/1)

سورہ فتح میں فرمایا گیا کہ: یقیناً ہم نے اس مقصد کے لئے کھلی فتح آپ کو دی ہے تاکہ اللہ تمہاری تحقیقی تعفیذ اسلام کے ماضی حال و مستقبل کو قطعاً محفوظ کر دے اور اپنی نعمتوں کو آپ کے لئے پوری کر دے اور حسب سابق حال و مستقبل میں آپ کے نظام کی راہنمائی و ہدایت کاری صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ اور اب اور آئندہ تمہیں ہمیشہ غالب رہنے والی نصرت سے نوازتا رہے۔

قارئین ہمارے اس ترجمہ میں سابقہ پیرا گراف کی معنوی وضاحت میں اس قدر اور اضافہ کیا گیا ہے کہ غَفَرَ يَغْفِرُ مغفرة کے حقیقی معنی کئے گئے ہیں۔ مغفراً اُس ٹوپی (Helmet) کو کہتے ہیں جو سر پر اس لئے پہنی جاتی ہے کہ تلوار سے سر میں زخم نہ لگے۔ ہر ڈکشنری ہماری تائید کرے گی۔ گناہوں کی بخشش اس لئے کہا گیا کہ گناہوں سے محفوظ کر دینا، گناہوں پر کنٹوپ چڑھا کر انہیں چھپا دینا مرادی معنی ہیں۔ حقیقی معنی محفوظ کر دینا، غلاف میں محفوظ کرنا وغیرہ۔ پھر یغفر، یتیم، یہدی اور ینصر مضارع کے صیغے ہیں۔ اُن میں حال اور مستقبل دونوں کے معنی ہوتے ہیں۔ دونوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ کھوج لگا کر پیروی کرنے کو ہم نے ”تحقیق کر کے تعفیذ“ قرار دیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ آنحضرت کو گناہ گار و خطا کار کہنا چاہتے ہیں اُن کا منہ بند کر کے کالا کر دیا گیا ہے۔

(v)۔ گناہوں کی بخشش کا مسلمہ قانون کیا ہے؟

اس آیت (فتح 2/48) میں گناہوں کی بخشش کے معنی کرنے والوں کو بتا دو کہ قرآن کریم اور عقل سلیم جرم و گناہ کی بخشش کے لئے پہلے نمبر پر مجرم یا گناہ گار کی شرمندگی اور انفعال ضروری ہے۔ پھر اپنے جرم و گناہ پر توبہ اور طلب استغفار لازم ہے۔ یعنی عملاً اُس نقصان کو پورا کرنے میں انہماک اور دل سے خدا کے یا متعلقہ فرد کے روبرو ممت و لجاجت کے مطلوبہ معیار اور حد پر پہنچنا۔ اس کے بعد بھی بخشش یا نہ بخشنا متعلقہ فرد یا خدا کا احسان ہیں۔ اُن پر لازم نہیں کہ وہ ضرور بخش دیں۔ پھر یہاں تو یہ بات ہی الٹ جاتی ہے۔ یعنی ایک تو گناہ گار ہے، معافی اور مغفرت طلبی اور شرمندگی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ پھر مجرم کو فتح مبین دی جاتی ہے۔ تاکہ وہ فتح مبین اسکے جرائم یا گناہوں کو بلا طلب دھوڑالے۔ یہی نہیں بلکہ آئندہ بھی جس قدر گناہ یا جرائم کرے وہ سب بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہ کھلا ہوا ظلم ہے۔ عقل اس قسم کی بات ماننے سے قاصر ہے۔ اور قرآن کا قانون اس کے خلاف ہے۔ ایک ایسی آیت بتلائی جائے جس میں گناہ گار یا مجرم کو بلا طلب اور بلا توبہ بخش دیئے جانے کا وعدہ ہو یا جس میں کسی شخص کو مستقبل میں جرائم اور گناہ کی کھلی چھٹی دی گئی ہو؟ ہے کوئی جو بات کرے؟ یا ہماری وضاحت اور معنی پر غلط ہونے کی دلیل قائم کرے؟ یعنی ہے کوئی مردود جو مسلمان بھی ہو اور رسول اللہ کو (معاذ اللہ) گناہ گار کہنے اور ثابت کرنے کیلئے ہم سے دو دو باتیں کرے یا خط و کتابت کرے؟ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ بعض جہلانے بریکٹ وغیرہ لگا کر ترجموں اور حاشیوں میں لکھا ہے کہ ”اے رسول آپ کی امت کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔“ مطلب واضح ہے کہ یزید و معاویہ، حجاج اور خود مترجمین کے اور اُن کے تمام بزرگوں کے گناہ قیامت تک معاف ہو گئے۔ لہذا ابوسفیان وغیرہ جنتی ہیں۔

(vi)۔ مومنین کی وہ قسم جن کے ایمان میں اضافہ ہوتا رہا

قارئین کو یاد ہوگا کہ مومنین کی ایک قسم وہ تھی جن کے دلوں کے اندر اللہ نے روز ازل سے ایمان لکھا ہوا بھیجا تھا (المجادلہ 58/22)۔ جو ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی کفر سے ملوث نہیں ہوئے۔ دوسری قسم کے مومنین کا تذکرہ سورہ فتح میں بھی کیا جا رہا ہے۔ یہ وہ ہیں جو ایک دفعہ ایمان لائے پھر کبھی کفر و نفاق سے ملوث نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ ایمان میں اضافہ ہی اضافہ کرتے چلے گئے۔ اُن کیلئے فرمایا کہ:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفَّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا (فتح 48/4-5)

جس نے مذکورہ بالا فتح اور گارنٹی عطا کی وہی تو ہے جس نے مومنین کے دلوں میں اس غرض سے سکون نازل کر دیا تاکہ وہ اپنے سابقہ ایمان میں زیادتی کرتے چلے جائیں۔ اور آسمانوں و زمینوں کی سب چھوٹی بڑی افواج اللہ کے کنٹرول میں ہیں۔ اور اللہ اس سلسلے کا علم و حکمت رکھنے والا ہے اور یہ علم و حکمت ہی کا تقاضہ ہے کہ مندرجہ بالا مومنین اور مومنات کو نہروں والی جنتوں میں داخل کر دے اور اُن کی برائیوں کو چھپا دے۔ اور وہ سب انتظام کر دینا اللہ کے یہاں بڑے مرتبہ پر فائز ہو جانے کے برابر ہے۔ مطلب واضح ہے کہ جو لوگ آنحضرتؐ کی تحقیقی اور حسب حال تنفیذ پر بلا شک و شبہ ایمان لاتے جائیں گے اور ہر ہر بات کو بلا پُوج و چرا قبول کر کے اپنے ایمان میں اضافہ کریں گے۔ اُن میں اگر برائیاں ہوں گی بھی تو اللہ اُن سب برائیوں کو چھپا دے گا۔ نامہ اعمال میں محض نیکیاں رہ جائیں گی۔

(vii)۔ مصنوعی منافق اور اشتراکی لوگوں کی پوزیشن

یہاں پسندیدہ مومنین کے بعد اب ایک قابلِ تعجب بات یہ بتائی جا رہی ہے کہ:-

وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ
وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (فتح 48/6)

جو منافقین اور منافق عورتیں اور جو مشرکین اور مشرک عورتیں اللہ کے متعلق بُرے بُرے قیاسات اور گمان پھیلا رہے ہیں۔ اُن کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اور اُن کو ایک بُرے دائرے میں گھیرا جا چکا ہے۔ اور اللہ نے اُن پر محروم رہنا اور مغضوب ہونا واجب کر دیا ہے اور اُن کے لئے جہنم میں بُرا ٹھکانہ تیار کر دیا گیا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ مشرکین اور منافقین تو سر سے پیر تک غلط عقائد رکھتے ہیں۔ اُن سے اللہ کو بدگمانیوں کی اس قدر شکایت کیوں ہے؟ رہ گیا جہنم! وہ تو تیار ہی کافروں اور مشرکوں کے لئے کیا گیا ہے۔ لہذا مشرکوں کو جہنم کی دھمکی نئی بات نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کس قسم کے مشرک و منافق ہیں جن پر غصہ، غضب، لعنت اور جہنم صرف بدگمانی کی بنا پر لازم کیا گیا ہے؟ کیا یہ ممکن مان لیا جائے کہ اگر مشرکین و منافقین اپنی بدگمانی ترک کر کے اللہ کے متعلق حسن ظن رکھنے لگیں تو مذکورہ غصہ اور لعنت و سزا ختم ہو جائے گی؟ قارئین نوٹ کر لیں کہ یہ

حقیقی مشرکین اور منافقین کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ یہ مصنوعی بناوٹی مشرک و منافق ہیں مگر دل میں اور باقی ظاہری اعمال میں مسلمان ہیں۔ یہ وہ ہی گروہ ہے جو کافروں اور مشرکوں اور منافق جماعت کو یہ یقین دلانا چاہتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں مرحلہ وار کام کر رہے ہیں۔ اور بدستور کافروں و مشرک ہیں۔ اُن پر اسلامی تعلیمات کا ذرہ برابر اثر نہیں ہوا ہے وہ دل کی گہرائی میں اپنے سابقہ مذہب پر برقرار ہیں۔ اصل منشا یہ ہے کہ جس طرح مسلمان کہلانے کے لئے ظاہری اعمال میں اشتراک کی بنا پر اُن کو مومنین کہا جاتا ہے، اُسی طرح مخالف سمت میں شمولیت کی وجہ سے انہیں مشرک و منافق کہا گیا ہے۔ مگر اُن لوگوں میں اللہ سے بدگمانی اگر نہ ہو تو عقائد کی درستی ممکن ہے۔ اور یہ بدگمانی دینی حکومت و احکام میں اشتراک کا خیال اور تقاضہ ہے۔

یہ نوٹ کریں کہ جس طرح اللہ نے مومنین کے ایمانی اضافہ کے بعد آسمان وزمین کی افواج کا ذکر کیا تھا۔ اُسی طرح یہاں اُن مخصوص مشرکوں کے تذکرہ کے بعد بھی یہ بات دہرائی گئی ہے۔ (فتح 48/7)

(viii)۔ بیعت رضوان میں وفاداروں کے وفاداروں قسم کے مسلمان تھے

اگر صلح حدیبیہ کی بیعت میں شریک ہونے والے چودہ سو مسلمان سارے کے سارے رسول اللہ سے ہم آہنگ اور وفادار ہوتے اور اُن میں کوئی شخص بھی مقاصد رسول کو الٹ ڈالنے والا نہ ہوتا تو یہ آیت نہ آتی کہ:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمِنْهُ فَسَوْفَ يَجْرُءُ عَظِيمًا ۝ (فتح 48/10)

یقیناً جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی (48/18) انہوں نے آپ کی بیعت کر کے اللہ سے بیعت کی تھی۔ اور اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ اب ایسی صورت کے بعد بیعت کرنے والوں میں سے جو اُس بیعت کے مقصد کو الٹ لے اُس کی ذمہ داری اُسی کی گردن پر ہوگی اور جو کوئی اللہ کے اس معاہدہ پر وفاداری کا ثبوت دے گا۔ اُسے اللہ عنقریب اجر عظیم عطا کرے گا۔ وہ لوگ مایوس کر دیئے گئے جو وفاداروں اور غداروں اور بدگمانیاں کرنے والوں کو رضی اللہ عنہم میں مخلوط رکھنا چاہتے تھے۔

(ix)۔ عرب کے عام مسلمانوں کو مجتہدین کی تبلیغ نے کیسا بنا دیا تھا؟

آپ نے شاید خیال کیا ہو کہ جب جنگ احزاب میں مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی تو مکہ کی اس مہم میں صرف چودہ سو کیوں رہ گئی؟ ایک وجہ تو یہ تھی کہ آنحضرتؐ نے اعلان جنگ نہ کیا تھا۔ صرف عمرہ میں ہمراہ چلنے کی دعوت دی تھی۔ لہذا مال غنیمت اور لونڈی غلام کے لالچ میں شریک ہونے والے کیوں خواہ مخواہ زحمت برداشت کریں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ آنحضرتؐ کو مکہ والے ہرگز بیت اللہ تک نہ پہنچنے دیں گے بلکہ مکہ سے باہر ہی ختم کر دیں گے۔ اس صورت میں مدینہ کی حکومت پر اُن کا اپنا قابو ہو جائے گا۔ ادھر آنحضرتؐ کے ہمراہ جانے والوں میں چونکہ اُن کے بڑے بڑے سرغنہ لیڈر ہیں اور کثرت بھی اُن کی اپنی ہے۔ لہذا مکہ والوں سے تعاون اور امداد کا بندوبست اور رابطہ بھی قائم ہو جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم نے اُن تمام عربوں کو جو مدینہ اور نواح مدینہ میں پیچھے رہ گئے تھے، مُخَلَّفُونَ کہا ہے۔ مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی سورہ فتح میں پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں کے وہ عزرات جو وہ پیش کریں گے اور جو جو باتیں بنائیں گے،

بتا دیئے گئے تھے۔ یعنی یہ کہ وہ کہیں گے کہ ہم اپنے اموال و اہل عیال کے معاملات میں الجھے ہوئے تھے۔ ہم آپ سے بخش دیئے جانے کی التجا کرتے ہیں۔ مگر اُن کی تمام باتیں دل سے نہیں بلکہ فریب سازی اور آپؐ کو ہموار کرنے کیلئے ہوں گی (فتح 48/11)۔ اُنکو یہ گمان بھی تھا کہ اب قیامت تک بھی رسول اللہ اور مومنین کی قلیل تعداد اپنے اہل و عیال کے پاس مدینہ نہ آسکیں گے۔ وہ یہ خیال کر کر کے بہت خوش ہو رہے تھے (فتح 48/12)۔ پھر اللہ نے جنگ خیبر اور غنیمتوں کی طرف توجہ دے کر سورہ فتح میں بتایا کہ وہ زیر بحث عربی مسلمان اُس جنگ میں ہمراہ چلنے کی درخواست کریں گے اور جب آپؐ انکار کریں گے تو آپؐ کو حاسد قرار دیں گے۔ (فتح 48/15)

... فَإِنْ تَطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (فتح 48/16)

اُنکو بتا دینا کہ ہم تمہیں ایک زبردست قوت والی قوم سے جنگ کرنے کی دعوت دینگے۔ اُس میں اگر تم نے اطاعت کی تو اللہ تمہیں اچھا اجر دیگا اور اگر تم نے اُسی طرح اللہ کے خلاف ولایت اختیار کی جیسا کہ اس سے پہلے کرتے رہے ہو تو تمہیں عذاب الیم سے دوچار کیا جائیگا۔

29۔ جنگ خیبر میں مسلمانوں کی فتوحات و تاریخی حالات

خیبر یہودیوں کا مرکزی مقام تھا۔ اسلام کی مقبولیت اور پیش رفت نے اُن تمام یہودیوں کو مایوس کر دیا تھا جو دین موسوی کی جگہ اجتہادی مذہب کے حامی اور راہنما تھے۔ چونکہ یہ قریش کی مذہبی راہنمائی کرتے چلے آ رہے تھے۔ اور اسلام کی مخالفت میں اُنکے معاون اور حلیف تھے۔ اسلئے ہر جنگ میں قریش کی ہر ممکن خفیہ و اعلانیہ مدد کرتے تھے۔ اور جنگ اُحد اور احزاب میں بدعہدی و غداری کے مرتکب بھی ہوئے تھے۔ اور مدینہ و نواح مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر و نواح خیبر کے علاقوں میں جمع ہو گئے تھے۔ یہاں اُنکا اجتماع اس غرض سے تھا کہ مسلمانوں پر اجتماعی یورش کر کے اُنکو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ جنگ احزاب میں قریش کے ساتھ مل کر ایک ملی جلی کوشش میں ناکام ہو جانے کے بعد اب وہ آخری مقدر آزمائی کی تیاریاں مکمل کر چکے تھے۔ تمام عرب میں اپنے نمائندوں کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف نفرت و اشتعال پیدا کر کے جنگ پر آمادہ کر رہے تھے۔ اپنے مقروض قبائل کے سرداروں کو ہموار کر چکے تھے۔ اُدھر رسول اللہؐ کی کوششوں سے تمام مسلمانوں کو مطلع رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ یہودی حملہ کو خود خیبر میں جا کر روک دیا جائے۔ تاکہ یہود اور دیگر قبائل کی بے پناہ فوجیں مدینہ کے باغات اور فصلوں کو تباہ نہ کر سکیں۔ لہذا آپؐ نے اعلان جنگ کر دیا اور تمام مسلمانوں کو حملہ میں شرکت کی دعوت دی۔ ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا کہ ہر مسلمان یہ سمجھ کر ہمراہ چلے کہ وہ خالص فی سبیل اللہ جہاد کیلئے جا رہا ہے۔ اس اعلان کی وجہ سے کل چودہ یا سولہ سو مسلمان جنگ خیبر کیلئے ہمراہ چلے۔ باقی حضرات مذکور و مشہور مقاصد کیلئے مدینہ و نواح مدینہ میں موجود رہے۔ شبلی یہ وجہ بتاتے ہیں کہ: ”ایک مدت تک لوگ (یعنی صحابہ رسولؐ) جہاد کو عرب کے قدیم طریقہ کے موافق معاش کا ذریعہ سمجھتے رہے۔

اس لڑائی (خیبر) تک بھی یہ غلط فہمی رہی۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں یہ پردہ اُٹھا دیا گیا اور اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اس لڑائی میں صرف وہ لوگ (یعنی صحابہ رسولؐ) شریک ہوں جنکا مقصد جہاد اور اعلائے کلمۃ الحق

ہو۔“ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 481-480)

یعنی علمائے یہود نے یہ تاثر دیا ہے کہ صلح حدیبیہ کی طرح اس جنگ میں بھی خالص و مخلص صحابہ شامل ہوئے تھے۔ لیکن ابھی ذرا دیر بعد جنگ سے فرار کرنے والوں کی موجودگی ان ہی حضرات کے قلم سے آنے والی ہے۔ اور خالص و مخلص صحابہ جان قربان کر دیا کرتے ہیں۔ جنگ میں کافروں کو پیچھے دکھا کر بھاگائیں کرتے۔ وہ حضرات سینہ پر دشمن کا وار سہتے ہیں نہ کہ..... پر۔

(29/2)۔ جنگ خیبر میں اسلام کے ہیروز اور جنگی کارنامے

خیبر کا علاقہ مدینہ سے دو سو میل تھا۔ یہاں پہنچ کر آنحضرتؐ نے یہود کی مختلف آبادیوں اور چھوٹے چھوٹے، چاروں طرف پھیلے ہوئے قلعوں اور مورچوں کو فتح کر کے یہود کے سب سے بڑے قلعہ قموص کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ بتایا جاتا ہے کہ حضورؐ کے سر میں دردِ شقیقہ تھا اسلئے آپ اپنے خیمہ میں رہے۔ اور قلعہ پر حملہ کیلئے کوئی حکم یا پروگرام نہیں بتایا۔ لہذا یہ اچھا موقع تھا اسلئے جناب ابوبکرؓ نے فوج کی کمانڈ سنبھالی اور فوج کا علم لے کر قلعہ پر فوج کو بڑھایا اور ناکام واپس آئے۔ دوسرے روز جناب عمرؓ نے یہی پروگرام چلایا لیکن ناکام واپس ہوئے۔ اُن دونوں کے حملوں اور ناکامی کی تفصیل مختلف کتابوں سے ملاحظہ فرمائیں۔

(ii)۔ حضرات ابوبکر اور عمر کا از خود حکم و سرداری لینا اور میدان سے فرار کرنا

علامہ ابن حجر نے لکھا کہ: لَمَّا كَانَ يَوْمَ خَيْبَرَ اخَذَ ابُو بَكْرٍ اللِّوَاءَ فَرَجَعَ وَلَمْ يَفْتَحْ لَهُ فَلَمَّا كَانَ الْغَدَاةَ اخَذَهُ عُمَرُ فَرَجَعَ وَلَمْ يَفْتَحْ لَهُ۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ 7 صفحہ 9) ”جب جنگ خیبر شروع ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے علم لیا اور قلعہ فتح کئے بغیر واپس لوٹے۔ پھر جب اگلادین ہوا تو عمرؓ نے فوج کا علم لیا اور واپس آئے قلعہ فتح نہ ہوا۔“ حبیب السیرؒ میں ہے کہ: ”روزِ اوّل عمر بر حرب اقدام نمود و روز دوم ابوبکر بمقتالہ پرداخت انہزام یافت۔ مردم اُورا ملامت می کردند۔ روز سوم باز عمر بامر قتال قیام فرمود و منہزم شدہ۔ او لشکریاں بخین منسوب می داشت و لشکریاں اُورا چوں بہ معسکر خیر البشر رسید و خسرو کو اکب مواکب متوجہ دیا و مغرب گردید۔ حضرت رسالت علیہ السلام فرمود لا عطين الراية رجلا کواراً غیر فرّار یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ یفتح اللہ علی یدہ۔“ پہلے دن حضرت عمرؓ نے جنگ کی مگر انکو کامیابی نہ ہوئی۔ روز دوم ابوبکرؓ نے جنگ کی مگر شکست کھا کر لوٹے۔ ابوبکرؓ کو فوج کے جوان ملامت کرتے رہے۔ تیسرے دن پھر حضرت عمرؓ نے گئے مگر پھر شکست کھا کر پلٹ آئے اور کہا کہ میری فوج نے نامردی کی مگر فوجیوں نے کہا کہ عمرؓ نے نامردی کی ہے۔ جب فوج خیر البشر کے پاس پہنچی اور آفتاب چھپ گیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو ہوا سو ہوا۔ کل میں فوج کا علم اور سرداری ایسے مرد کو دوں گا جو جم کر لڑنے والا ہے ہرگز بھاگنے والا نہیں ہے۔ اسلئے کہ اُسے اللہ و رسولؐ سے محبت ہے اور اللہ و رسولؐ اُس سے محبت کرتے ہیں اور اس جنگ کو اللہ اسی کے ہاتھ سے فتح کرائے گا۔ (صفحہ 132)

یہاں یہ بات خاص طور پر نوٹ کریں کہ مؤرخین نے شیخین کے فرار کا اقرار بڑے تکلف اور دبی زبان سے کیا ہے۔ مگر سب نے یہ مان لیا ہے کہ رسول اللہؐ نے آخر فوج کا علم حضرت علیؓ کو دیا اور کواراً غیر فراد کہہ کر تمام سابقہ حملہ آوروں کا جم کرنے لڑنا اور خوفِ جان سے فرار کرنا ثابت کر دیا ہے۔ جو لوگ تعصب و طرفداری نہیں رکھتے وہ حقائق کی تہہ تک ضرور پہنچ جاتے ہیں لیکن متعصب لوگ سورج کا بھی

انکار کر دیتے ہیں۔ بہر حال پوری فوج کی شکست اور سرداروں کی وجہ سے فراثابت ہے اور یہ ایک معجزہ ہے کہ اللہ نے اُن کا قلم مجبور کر کے لکھوا لیا۔

(iii)۔ ہیر و زروزِ اوّل سے اعتماد و تقرب کی تاک میں لگے رہتے تھے

خیبر کے سفر میں جناب علیؑ مرتضیٰ بوجہ آشوب چشم ہمراہ نہ آئے تھے۔ خدا کو یہ منظور تھا کہ آنحضرتؐ ناؤ علیؑ پڑھ کر حاضری کا حکم دیں اور مظہر العجاوب ہونے کا ثبوت فراہم ہو جائے۔ چنانچہ جب قلعہ قموص پر مسلمانوں کو پے درپے ناکامی ہو گئی اور لوگوں نے بار بار قسمت آزمائی کر لی تو حضورؐ نے اعلان فرمادیا کہ کل اُس شخص کو علم دیا جائے گا جو جم کر لڑے گا، خیبر کو فتح کرے گا اور سابقہ سردارانِ فوج کی طرح فرار نہ کرے گا۔ کیونکہ حضرت علیؑ موجود ہی نہیں ہیں اور دو سو میل سے رات بھر میں آجانا ناممکن ہے۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ وہ خوش نصیب شخص جو خیبر کا فاتح ہوگا، اُن ہی چودہ یا سولہ سو مسلمانوں میں سے کوئی ایک ہے۔ اس لئے ہر دل میں یہ تمنا تھی کہ کاش کسی طرح وہی اس سعادت کا حامل بن جائے۔ صحابہ رات بھر نہیں سوئے، باتیں ہوتی رہیں۔ صبح کو رسولؐ کے سامنے بن ٹھن کر پیش ہونے اور آنحضرتؐ کو متوجہ کرنے اور علم حاصل کرنے کی تدبیریں سوچی جاتی رہیں۔ اور تو اور وہ لوگ بھی رات بھر اس تمنا میں غلطاں و پیچاں رہے جو جنگ سے بچ نکلنے اور فرار کر جانے میں مشہور و معروف تھے اور تین دن برابر بھاگتے رہے تھے یہ نظارہ ملاحظہ فرمائیں:-

علامہ شبلی کا بیان: ”یہ رات نہایت اُمید اور انتظار کی رات تھی۔ صحابہ نے تمام رات اس بے قراری میں کاٹی کہ دیکھئے کہ

یہ تاجِ فخر کس کے ہاتھ آتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے قناعت پسندی کی بنا پر کبھی حکومت اور سرداری کی تمنا نہیں کی لیکن جیسا

کہ صحیح مسلم باب فضائل علیؑ میں مذکور ہے کہ اُن کو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا میں اُن کی خودداری بھی قائم نہ رہ

سکی۔“ (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 487)

جناب علامہ کی خوشامد و متعصبانہ زبان اور تحریریں ناقابلِ اعتنا ہیں۔ اس کے باوجود یہ معلوم ہو گیا کہ علامہ کے نزدیک بھی اگلی صبح کو علم حاصل کرنے کی کوشش میں سنجیدگی، خودداری اور باوقار طریقوں سے ہٹ کر بچکانہ روش اختیار کر لی تھی۔ یعنی اس کی قطعاً پرواہ نہ کی تھی کہ بزدل کہنے والے صحابہ کیا کہیں گے، اسلامی فوج کے سامنے کس منہ سے آئیں گے اور علم طلب کرنے کے لئے سیدہ تان کر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر رسول اللہؐ کو متوجہ کریں گے۔ بہر حال شبلی نے شرما کر باقی واقعات نہیں لکھے اور ناول نویسی کی طرح ایک دم صبح کر دی اور لکھا کہ:- ”صبح کو دفعتاً یہ آواز کانوں میں آئی کہ ”علیؑ کہاں ہیں؟“ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی۔ کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا۔“ (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 487)

اگر حضرت علیؑ موجود تھے یعنی باوجود شدید آشوب چشم کے اُن کو ہمراہ لایا گیا تھا۔ تب تو ثابت ہے کہ رسول اللہؐ پہلے سے جانتے تھے کہ وہ سولہ سو صحابہ بالکل بے کار و ناکام ثابت ہوں گے۔ علیؑ کو ساتھ رکھوں تاکہ آڑے وقت میں کام آئیں۔ اس صورت میں وہ آواز غیر متوقع کیوں ہوگی۔ کیا رسول اللہؐ کا لعب دہن آج تک کئی دفعہ آزمودہ نہیں ہے؟ کیا شبلی صاحب اس طرح کرامت کے منکر ہیں۔ غیر متوقع اس لئے ہے کہ علیؑ دو سو میل کے فاصلے پر مدینہ میں ہیں اور ابھی صحابہ کو ناد علیاً مظہر العجائب تَجَدُّهُ عَوْنًا لِّکَ فِی

النوائب کا تجربہ نہیں ہوا ہے۔ اس بھروسے پر حضرت عمرو دیگر صحابہ کوشاں اور پُر امید ہیں کہ علم اُن ہی میں سے کسی کو ملے گا۔ علیؑ موجود ہوتے تو ہر لمحہ ہر بھاگنے والا علیؑ کی طرف ہوتا۔ اور ہر دفعہ سوچتا کہ اس ہزیمت کے بعد علیؑ کو بھیجا جائے گا۔ علیؑ ہر دل و دماغ پر سوار رہتے تھے۔ مواقع جنگ پر ایک لمحہ کے لئے اُن کی طرف سے لوگوں کا دھیان نہ ہٹتا تھا۔ کافر بھی خوفزدہ رہتے تھے اور تمام مجتہدین اور ہیر و زبھی چوکتا رہتے تھے۔ اور اپنے منصوبوں پر پھونک پھونک کر قدم رکھا کرتے تھے۔ یہ تو خوابوں میں ڈراتے رہنے والا مجسمہ تھا اور ذرا دیر میں مدینہ سے آنے والا ہے۔

جناب طبری نے لکھا ہے کہ:-

”علیؑ اُس وقت وہاں موجود نہ تھے۔ اس وجہ سے قریش کے ہر فرد کی یہ اُمید تھی کہ شاید اُسی کو علم دیا جائے۔ دوسری صبح علیؑ اپنے اونٹ پر سوار رسول اللہؐ کی فروگاہ میں آئے اور آپؐ کے خیمہ کے قریب آکر اُنہوں نے اپنا اونٹ بٹھایا۔ اُنکی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ قطری کپڑے کی پٹی آنکھوں پر بندھی تھی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا قریب آؤ۔ علیؑ آپؐ کے قریب آئے آپؐ نے اُنکی آنکھوں میں اپنا تھوک لگا دیا۔ جس سے درد جاتا رہا۔ وہ اُس وقت چلے گئے۔ پھر آپؐ نے اُنکو اپنا علم دیا۔“ (تاریخ طبری۔ جلد اول صفحہ 361)

حضرت عمرؓ کا اپنا اعلان

قال عمر ابن الخطاب لقد اعطى علي ابن ابي طالب ثلاث خصال لا ن تكون لي خصلة منها احب الي من ان اعطى حمر النعم۔ قيل وما هن؟ قال تزوجه فاطمة بنت رسول الله و سكناه المسجد مع رسول الله يحل له فيه ما يحل له و راية يوم خيبر۔ (مسند امام حاکم صفحہ 26، متدرک جلد 3 صفحہ 125)

”حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ علیؑ ابن ابیطالبؓ کو تین صفات ایسی دی گئیں تھیں کہ اگر مجھے اُن میں سے ایک بھی مل جاتی تو وہ مجھے سرخ اونٹوں کی قطار سے زیادہ محبوب ہوتی۔ پوچھا گیا کہ وہ تین خصلتیں کون سی ہیں؟ بتایا کہ فاطمہؓ بنت رسولؐ سے نکاح۔ مسجد میں اُن کی سکونت کہ علیؑ کے لئے بھی مسجد میں وہی کچھ جائز تھا جو رسولؐ کو جائز تھا۔ اور خیبر کے دن علیؑ کو فوج کی سرداری اور علم کا عطا کیا جانا۔“

(iv)۔ حضرت علیؑ کا حملہ کے لئے روانہ ہونا اور فتح کرنا

شبلی ماشاء اللہ دشمنی اہل بیتؑ میں اس قدر راسخ ہیں کہ ہم عصر بزرگوں سے لیکر اپنے تمام سابقہ بزرگان کی ہر وہ روایت غلط قرار دیتے ہیں جس میں ذرا سی گنجائش نکل آئے اور علیؑ و آل علیؑ کی منقصدت کا امکان ہو۔ بہر حال افتتاح اُنہی کے قلم سے دیکھیں:-

علامہ شبلیؒ نے مان لیا کہ:- ”آنحضرتؐ نے اُن کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ جب اُن کو علم عنایت ہوا تو اُنہوں نے عرض کی کہ کیا یہود کو لڑ کر مسلمان بنالیں؟ ارشاد ہوا کہ بہ زمری اُن پر اسلام کو پیش کرو۔“

قارئین اعتماد علویؑ ملاحظہ ہو کہ روایت سے قبل یقین ہے کہ کامیاب ہوں گا۔ اور یہ کہ جبراً، یا لڑ کر کسی کو مسلمان کرنا کافرانہ طریقہ ہے۔ چند سطروں کے بعد لکھا کہ:-

”لیکن یہود اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ مرحب قلعہ سے رجز پڑھتا ہوا نکلا:-

قد علمت خیبر انی مرحب
شاکی السلاح بطل مجرب

خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں
دلیر ہوں، تجربہ کار ہوں، مسلح ہوں۔

مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اُس کے اوپر لگی خود تھا۔ مرحب کے جواب میں حضرت علیؑ نے یہ جڑ پڑھا۔

أَنَا الَّذِي سَمَتْنِي أُمِّي حَيْدَرَه
كَلَيْتَ غَابَاتٍ كَرِيهَ الْمَنْظَرَه

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا۔
میں شیر نستان کی طرح مہیب اور جاہلانہ ہیئت رکھتا ہوں۔

مرحب بڑے طمطراق سے آیا۔ لیکن حضرت علیؑ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی۔ اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی۔ اُس پہلوان کا مارا جانا عظیم الشان واقعہ تھا۔ اس لئے عجائب پسندی نے اُس کے متعلق نہایت مبالغہ آمیز افواہیں پھیلا دیں۔“
(سیرۃ النبیؐ - جلد اول صفحہ 488-487)

مطلب یہ کہ ناصبی دماغ میں در خیبر کا اکھاڑ لینا، دروازہ کو ڈھال کی جگہ استعمال کرنا وغیرہ ہضم نہ ہو سکا۔ مگر یہ بھی غنیمت ہے کہ فاتح خیبر اور قاتل مرحب، محمد بن مسلمہ کو بنانے والوں کو کاذب کہہ کر حضرت علیؑ کے اس شرف کو غصب نہیں کیا۔ (صفحہ 489)
کوئی دریافت کرے کہ مرحب کا قتل کرنا عظیم الشان واقعہ کیوں؟ وہ بھی ایک آدمی تھا اور اُس کا قتل یا شکست ایک آدمی کا قتل یا شکست کے بجائے عظیم الشان واقعہ کیوں ہے؟ اُن کی روح کو ایصالِ ثواب میں بتا دو کہ مرحب ہی تو وہ شخص ہے جس کے سامنے سے تمام ہیر و زار پوری فوج روزمرہ بھاگتی رہی۔ یعنی وہ اکیلا شخص جب گھوڑا دوڑا کر بڑھتا تھا تو مسلمان فوج اور سپہ سالار حضرات اپنے کیمپ میں آکر دم لیتے تھے۔ اور ایک دوسرے کو بزدل اور نامرد کہہ کر اپنی جان بچاتے تھے۔ وہ اکیلا سولہ سو بہادروں کے مقابلہ میں زیادہ تھا۔ اس لئے اُس کا قتل عظیم الشان واقعہ ہے۔ عمرو بن عبدود ایک ہزار بہادروں کے برابر شمار ہوتا تھا تو مرحب کو سولہ سو کے برابر ماننا چاہئے۔
(v) علامہ شبلی اور اُن کے ہم خیال علما کو اُن کے بزرگوں کی طرف سے سنادو۔

چند اہل سنت بزرگوں نے لکھا: فَهَـضَ وِ عَلِيه حُلَّه حمراء فاتی خیبر فاشرف علیہ رجل من یهود فقال من انت؟

قال انا علی ابن ابی طالب۔ فقال الیہودی غلبتم یا معشر الیہود۔

اور تسلیم کیا کہ جب علیؑ علم لے کر روانہ ہوئے تو اُس وقت آپ سرخ حُلّہ زیب تن کئے ہوئے تھے۔ جب آپ قلعہ کے دروازے کے قریب پہنچے تو قلعہ کے اوپر سے ایک یہودی نے پوچھا تم کون ہو؟ حضرت نے فرمایا کہ میں علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔ اس پر یہودی نے پکار کر کہا کہ اے قوم یہود تم مغلوب ہو چکے ہو۔“ (تاریخ کامل جلد 2 صفحہ 83، ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ مقصد دوم صفحہ 256، ریاض النضرۃ جلد 2 صفحہ 187)
شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا کہ :-

علیؑ علم برگزفہ رواں شدہ۔ پائے حصارِ قوص آمد و علم را بر تودہ از سنگ ریزہ کہ در آنجا بود دزد۔ یکے از احبار یہود کہ بالائے حصار بود پرسید کہ اے صاحب علم تو کیستی و نام تو چیست؟ گفت منم علیؑ ابن ابی طالب۔ پس آن یہودی با قوم خویش گفت سو گند بتوریت کہ شما مغلوب شدید۔ این مرد فتح ناکردہ بر نہ خواہد گشت۔ ظاہر آن خبر صفات علیؑ و شجاعت او را می دانست

کہ درتوریت وصف اور خواندہ بود۔ (مدارج النبوة جلد دوم صفحہ 300)

حضرت علیؑ علم لے کر روانہ ہوئے اور قلعہ قموص کی فصیل کے پاس پہنچ کر آپؑ نے اس علم کو پتھروں کے ایک تودہ پر گاڑ دیا۔ یہ دیکھ کر قلعہ کے اوپر سے ایک یہودی عالم نے پوچھا کہ اے علم والے تو کون اور تیرا نام کیا ہے؟ آپؑ نے کہا میں علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔ یہ سننا تھا کہ اس یہودی عالم نے اپنی قوم کو بتایا کہ توریت کی قسم اب تم مغلوب ہو جاؤ گے۔ کیونکہ یہ شخص وہ ہے جو بغیر قلعہ فتح کئے واپس نہیں جائے گا۔ غالباً وہ یہودی عالم حضرت علیؑ کی صفات اور شجاعت توریت میں پڑھ چکا تھا۔

دروازہ کو ڈھال بنا کر جنگ کرنا: فصر به رجل من اليهود فطرح ترسه من يده فتناول عليّ باباً كان عند الحصن فترس به عن نفسه فلم يزل في يده وهو يقاتل حتى فتح الله عليه ثم القاه من يده حين فرغ فلقد رايتني في نفر سبعة أنا سأمهم نجهد عليّ أن نقلب ذلك الباب فما نقله۔

”جب جنگ زور سے ہو رہی تھی تو ایک یہودی نے حضرت علیؑ کے دست مبارک پر ایک ضرب لگائی کہ ڈھال ہاتھ سے گر گئی۔ آپؑ نے فصیل کے نزدیک والا دروازہ اکھاڑ کر ڈھال کا کام لینا شروع کر دیا اور جنگ جاری رکھی۔ یہاں تک کہ اللہ نے آپؑ کو فتح عطا کی۔ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد آپؑ نے اُس دروازہ کو ہاتھ سے ڈال دیا۔ وہ اس قدر وزن دار تھا کہ ہم آٹھ آدمی مل کر بھی اسے الٹ پلٹ نہ سکے۔“ (تاریخ طبری جلد اول اور تاریخ کامل جلد 2 صفحہ 84 وغیرہ)

یہ واقعہ مرحب کے قتل ہو جانے کے بعد کا ہے۔ جب آپؑ تنہا یہودی فوج سے نبرد آزما تھے۔ جب افواج بھاگ کر قلعہ کے اندر داخل ہو گئیں تو آپؑ نے اپنی فوج کو خندق کے پار لانے کے لئے قلعہ خیر کا دروازہ اکھیڑ کر پل بنا دیا۔ یہ وہ دروازہ تھا جس کا تواریخ میں ستر (70) آدمیوں سے پل نہ سکنا لکھا ہے۔ مرحب کے قتل کے بعد یکے بعد دیگرے آپؑ نے ربیع بن الحقیق اور یاسر اور عنتر وغیرہ چھ بہادروں کو قتل کیا تھا (فواح میزی) آخر اہل قلعہ نے امان طلب کی اور حضرت علیؑ جنگ بند کر کے آنحضرتؐ کی اجازت لینے کے لئے حاضر ہوئے تو سرکارِ دو عالمؐ نے اظہارِ مسرت فرمایا، مبارکباد اور دعائیں دیں، تفصیل سنئے۔

(vi) فاتح خیر علیہ السلام کا استقبال اور مبارکباد؛ اللہ و رسولؐ کا ممنون ہونا

صاحب مدارج النبوة تحریر فرماتے ہیں کہ: چون علیؑ مہم کفارِ قرادہ بدرگاہ آنحضرتؐ متوجہ گشت۔ آنحضرتؐ ہجرتِ تہدییہ وے استقبال و استبشار از خیمہ بیروں آمد۔ وے رادر کنار گرفت و میان دو چشم وے بوسہ داد و فرمود بلغنی ثناءک المکھورو صنیعک المذکور قدر رضی اللہ عنہ و رضیت انا عنک۔ پس حضرت امیرؑ گریہ کر دے فرمود آنحضرتؐ ایں گریہ شادی است یا گریہ اندوہ؟ فرمود علیؑ بلکہ گریہ شادی است و گفت چگونہ شاد باں نباشم کہ تو از من راضی باشی۔ فرمود آنحضرتؐ نہ من تنہا اتوراضیم بلکہ خدا و جبرئیل و میکائیل و جملہ فرشتگان از راضی اند۔“ (مدارج النبوة جلد دوم صفحہ 302)

حضرت علیؑ کا فروع کی مہم سر کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنجنابؐ آپؑ کو اتادیکھ کر خیمہ سے باہر تشریف لائے اور مبارکباد اور بشارت کے لئے بڑھ کر اُن کو سینے سے لگایا، دونوں ابرؤوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اور فرمایا کہ اے علیؑ تمہاری

خدمات اسلام اور کارکردگی اور تمہاری وہ مدح جو شکر یہ کی مستحق ہے پہلے ہی مجھے پہنچا دی گئی ہے۔ اللہ تم سے راضی ہو چکا اور میں بھی بہت ہی خوش ہوں۔ جبریل و میکائیل اور تمام ملائکہ آج خوش ہیں۔ ان جملوں سے حضرت علی علیہ السلام کا خوشی کے مارے دل بھرا آیا تھا اور رسول اللہ نے بے چین ہو کر پوچھا تھا کہ یہ رونا خوشی کا ہے یا تمہیں کوئی رنج پہنچا ہے؟.....

(vii)۔ فاتح خیبر کے لئے رجعت الشمس۔ غروب کے بعد سورج دوبارہ نکلا

فتح خیبر کے بعد جب واپسی پر آنحضرتؐ نے صہبا کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تو حضورؐ پر نزول وحی شروع ہوا۔ آپؐ حضرت علیؑ کے زانو پر سر رکھے ہوئے تھے۔ وحی کو اس قدر طول ہوا کہ سورج غروب ہو گیا اور حضرت علیؑ نماز عصر نہ پڑھ سکے۔ حضورؐ نے اللہ سے دعا فرمائی سورج دوبارہ نکلا اور سر کاڑ ولایت نے نماز ادا کی۔ مؤرخین و محدثین نے اس واقعہ کو طرح طرح سے بیان کیا ہے کہ:-

ومن کراماته الباهرة ان الشمس ردت عليه لما كان راس النبي في حجرة والوحى ينزل عليه وعلى لم يصلي العصر فما سرى عنه صلى الله عليه وسلم الا وقد غربت الشمس فقال النبي اللهم انه كان في طاعتك و طاعة رسولك فاردد عليه الشمس فطلعت بعد ما غربت وحديث روها صححه الطحاوي والقاضي عياض في الشفاء ه حسنه شيخ الاسلام ابو زرعه وغيره ورد و اعلى جمع قالوا انه موضوع۔ (فتح المبين بر حاشية سيرة نبوية زيني دحلان جلد 1 صفحہ 182)

آپؐ کی واضح و روشن کرامات میں سے یہ بھی ہے کہ آپؐ کے لئے آفتاب پلٹا گیا۔ پیغمبرؐ آپؐ کی آغوش میں سر رکھے ہوئے تھے۔ وحی کا نزول ہو رہا تھا۔ اور علیؑ نے عصر کی نماز نہ پڑھی تھی۔ وحی کے اختتام تک آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ آنحضرتؐ نے دعا کی کہ یا اللہ علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں مصروف تھے۔ اُن کے لئے سورج کو واپس کر دے۔ آفتاب غروب ہو جانے کے بعد دوبارہ واپس ہوا۔ آفتاب کے دوبارہ پلٹنے کی حدیث کو امام طحاوی نے صحیح قرار دیا ہے اور قاضی عیاض نے بھی شفاء میں اس کی صحت کی تصریح کی ہے۔ شیخ الاسلام ابوزرعه نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور اُن سب نے اُن لوگوں کی تردید کی ہے جنہوں نے اُسے گھڑنت قرار دیا تھا۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ:-

واما عود الشمس بعد غروبها فقد وقع له في خيبر فعن اسماء بنت عميس قالت كان يوحى اليه وراسه الشريفه في حجر علي ولم يسرعنه حتى غربت الشمس وعلي لم يصلي العصر۔ فقال له رسول الله أصليت العصر؟ قال لا۔ فقال اللهم انه كان في طاعتك و طاعة رسولك فاردد عليه الشمس۔ قالت اسماء

فرايتها طلعت بعد ما غربت وهو من اجل اعلام النبوة فليحفظ۔ (تفسير روح البیان جلد 2 صفحہ 406)

آفتاب کا غروب ہونے کے بعد پلٹنا غزوہ خیبر کے موقع پر وقوع ہوا۔ اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ پر وحی نازل ہونے لگی اور آپؐ کا سر علیؑ کی گود میں تھا۔ وحی کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہ ہوا جب تک کہ سورج غروب نہ ہو گیا۔ اور علیؑ نماز عصر نہ پڑھ سکے۔ پیغمبرؐ نے دریافت کیا کہ تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ فرمایا نہیں۔ آنحضرتؐ نے دعا کی خدایا! تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں مصروف تھا۔ لہذا سورج کو اُن کے لئے پلٹا دے۔ اسماء کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آفتاب غروب ہو

جانے کے بعد پھر چمکنے لگا۔ آفتاب کا پلٹنا نبوت کی علامات میں سے ہے۔ لہذا اُسے یاد رکھنا ضروری ہوا۔
 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے رہبر کس میں لکھا ہے کہ: ”رؤیت کی روایت کو علامہ طحاوی نے اپنی کتاب مشکل الاثار اسماء بنت عمیسؓ سے دو طریقوں سے لکھا ہے۔ اور لکھ کر تحریر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں مسلم الثبوت ہیں اور اُن کے راوی سب کے سب ثقہ ہیں۔
 قاضی عیاض نے شفاء میں، صاحب بشری الیث نے اپنی کتاب میں۔ حافظ علاء الدین مغلطی نے اپنی کتاب الزہر الیاسم میں اُسے نقل کیا ہے۔ ابوالفتح ازدی نے اس حدیث کو صحیح اور ابوزرعہ نے اور ہمارے پیر و مرشد حافظ جلال الدین سیوطی نے الدر المنثورہ فی الاحادیث المشترکہ میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (ازالة الخفا مقصد 2 صفحہ 271)

30۔ فتح مکہ اور قریش مکہ کی پوزیشن؛ اجتہادی تصورات کی مقبولیت

صلح حدیبیہ کے بعد اسلامی تبلیغ پورے عرب میں آزادی کے ساتھ پھیلتی چلی گئی۔ اور لوگوں نے اسلام کے مبلغین کی تعلیمات کو ٹھنڈے دل سے سننا شروع کیا۔ اور ماضی کے تجربات کی بنا پر یہ یقین کرنا پڑا کہ ایک روز سارے عرب کو اسلام کا حلقہ بگوش ہونا ہی پڑے گا۔ ادھر اجتہادی تصورات اور قومی و ملکی حکومت کے فوائد بھی یہی تقاضہ کر رہے تھے کہ جتنا جلد ہو سکے اُن دانش وران قوم کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں۔ تاکہ قرآن کی منصوص اور خانوادہ نبوت کی خاندانی حکومت کے خطرات سے حفاظت ہو سکے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا تھا کہ صلح حدیبیہ اور جنگ خیبر میں صرف چودہ یا سولہ سو مسلمان شریک ہوئے تھے۔ اور بمشکل کل ظاہری تعداد تین ہزار سے اوپر نہ تھی۔ لیکن صرف دو سال کے بعد جب مکہ کی فتح کے لئے آنحضرتؐ چلے تو اب ہمہ قسمی مسلمانوں کی تعداد دس ہزار سے بڑھ چکی تھی۔ یہاں یہ نوٹ کر لینا چاہئے کہ عربوں کو اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے کے لئے کوئی ظاہری رد و بدل بھی کرنا نہ پڑتی تھی۔ نام اور ولدیت بدستور وہی باقی رہتی تھی۔ لباس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہ تھی۔ پیشوں اور معاشرت میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ یعنی صورت شکل، لباس، نام اور دیگر تمام ظاہری حالات سے مسلمانوں اور عربوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ ہر وہ شخص جو اعلانیہ اسلام کا انکار نہ کرے بلکہ خاموشی سے مسلمانوں میں ملا جلا رہے، مسلمان ہی سمجھا جاتا تھا۔ لہذا اعلانیہ مخالفت ختم ہوتے ہی سب کو مسلمان سمجھ لیا جاتا تھا۔ قبیلے کا ایک شخص آنحضرتؐ کے پاس آکر اعلان اسلام کر دیتا تھا۔ اسکے بعد سارے قبیلے کو مسلمان شمار کر لیا جاتا تھا۔ یعنی کفر نے خاموشی سے اسلام میں داخلہ لے لیا تھا۔ یوں دھڑا دھڑا لوگ گروہ درگروہ، قبیلہ در قبیلہ اور فوج در فوج مسلمانوں میں داخل ہوتے اور تعداد بڑھاتے جا رہے تھے۔ تاریخ و کتب احادیث سے کوئی ایسا طریقہ معلوم نہیں ہوتا جس سے ہر مسلمان ہونے والے کے متعلق یہ یقین کیا جاسکے کہ وہ تمام عقائد اسلام سے واقف اور اُن سب کا اقرار کرتا تھا۔ لہذا لوگوں نے زبان مخالفت بند کر لی تھی۔ اور اپنا دنیاوی مفاد مسلمان کہلانے میں سمجھ لیا تھا۔ مدینہ سے دور دراز کے علاقوں پر ایسی مکمل نگرانی بھی ناممکن تھی۔ جس سے ہر شخص کے نمازی ہونے کا یقین فراہم ہوتا رہے۔ اور جہاں جہاں ایسی نگرانی تھی بھی، وہاں بھی دل کی گہرائی کا پتہ لگانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ چنانچہ مدینہ کی مسجد نبویؐ میں نمازیوں کے اندر سب قسم کے لوگ پوشیدہ تھے۔ اُسی طرح جبری مقامات پر پوشیدہ رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے برابر بلا ناغہ مسلمانوں کی کثرت کو فاسق (لاقانون) و فاجر (خلاف

ورزی کرنے والا) قرار دیا ہے۔ سوائے چند ایک کے (الا قلیلا) سب کو شیطان کے راستے پر بھی بتایا ہے۔ اور پھر اجتہاد کے سربراہوں نے اعلان کیا ہے کہ شیطان کا تسلط اُن پر اکثر و بیشتر ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ کہ اگر اجتماعی بصیرت اُن کی بروقت راہنمائی نہ کرے تو اُنکی ذاتی، اسلامی و قرآنی بصیرت اُنکو شیطان سے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔

(30/2)۔ فتح مکہ میں جو جس حال میں تھا اُسے اُسی حال میں چھوڑ دیا گیا

تمام مؤرخین و محدثین نے متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ کہہ کر تمام قریش اور اہل مکہ اور نواح مکہ کو آزاد کر دیا کہ آج میں تم سے ماضی کے لئے کوئی مواخذہ نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ حقیقی مہاجرین بھی تم سے اپنے حقوق طلب نہیں کرتے۔ اس اعلان سے خوفزدہ قریش کی جان میں جان آئی۔ اس لئے کہ اُن میں سے ننانوے فیصد (99%) سرداران قریش کا قانوناً، اخلاقاً اور شرعاً قتل واجب تھا، اُن کے تمام اموال کی ضبطی فرض تھی۔ وہ سب خوش ہو گئے اور بعض نے اعلان اسلام کر دیا، بعض نے خاموش تعاون شروع کر دیا۔ اور اب اُن کا داخلی محاذ اُن سب کی فلاح و بہبود کے لئے خاص طور پر حرکت میں آ گیا۔ چنانچہ قدیم ممبران نے اہل مکہ کے اسلام لانے کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا اور انتقال رسولؐ سے پہلے ہی پہلے تمام اہل مکہ کو فرسٹ کلاس مسلمان بنا کر دکھا دیا گیا۔ حالانکہ قرآن سے یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ خواہ اُن کی تنذیری کی جائے یا نہ کی جائے، اُن میں اب کوئی اسلام لانے والا نہیں ہے۔ لہذا قارئین اُن تمام مہاجرین کو الگ سے نوٹ کریں جو فتح مکہ کے بعد مکہ کے لیڈروں کا اسلام ثابت کرنے میں کوشاں نظر آئیں۔ ایسی تمام روایات قرآن کے خلاف اور باطل ہیں جو اُس فہرست میں سے کسی ایک یا سب کو مسلم یا مؤمن قرار دیں جو فتح مکہ کے روز کافر تھے۔ سوائے اُن نوجوانوں اور بچوں کے جو فتح مکہ کے روز نابالغ تھے۔ یہ کوشش کرنے والا گروہ وہی ہے جو طیب اور خبیث مسلمانوں کو مخلوط رکھ کر رضی اللہ عنہم کہتا چلا آیا ہے۔ حالانکہ قریش مکہ نے فتح مکہ کو اپنی انتہائی توہین سمجھا اور کبھی انہوں نے اسے فراموش نہیں کیا۔

(30/3)۔ سرداران قریش کے دلوں میں فتح مکہ نے آگ سلگادی

علامہ شبلی ابنہ کمپنی نے اہل مکہ و قریش کے کفر پر اسلام کی چادر اڑھانے کی پوری کوشش کی ہے۔ اور ہمیں بھی اس پر اسلئے اعتراض نہیں ہے کہ اب اُنکے اور قریش کیلئے اسکے سوا چارہ کار باقی ہی نہ رہ گیا تھا۔ مخالفت وہ نہ کر سکتے تھے، زور ٹوٹ چکا تھا، غیر مسلح ہو کر رہ گئے تھے۔ اب تو ضروری تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے اپنے قدیم داخلی محاذ کی ماتحتی قبول کریں اور اسلام کی آڑ میں قومی و ملکی سلطنت کے قیام کی امید پر زندہ رہیں۔ لہذا سوائے چند جو شیعہ دماغوں کے کثرت نے اسلام کی چادر اوڑھ لی تھی۔ مگر یہ اُسی قسم کے مسلمان تھے جس کا تذکرہ قرآن کرتا آرہا ہے۔ جب بلال نے خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی تو بقول علامہ شبلی: ”وہی سرکش جو ابھی رام ہو چکے تھے۔ اُن کی آتش غیرت بھی مشتعل تھی۔ عتّاب بن اسید نے کہا خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اذان کی اس آواز کے سننے سے پہلے ہی اُس کو دنیا سے اُٹھالیا۔ ایک اور سردار قریش نے کہا کہ اب جینا بے کار ہے۔“ (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 521-520)

ظاہر ہے کہ یہ لوگ خدا کو اور اُس کے عزت رکھنے کو مانتے تھے۔ مگر اس طرز اسلام کو نہ مانتے تھے جس نے مکہ فتح کیا تھا۔ یہ لوگ

اگر زندہ رہے؟ جیسا کہ زندہ رہنا ثابت ہے تو ہرگز اُن کا پیچ مچ اسلام لے آنا اور رسول اللہ کا دل سے مطیع ہو جانا وہی لوگ مانیں گے جن کو اپنے تصور مذہب میں اُن لوگوں کے تعاون کی ضرورت ہوگی۔ ورنہ یہ ناممکن تھا کہ وہ محمدؐ و آل محمدؐ کی اطاعت کرتے۔ اب اگر وہ مطیع نظر آئیں گے تو اپنے قومی و مذہبی تصورات کی اطاعت کرتے پائے جائیں گے۔ چنانچہ مدت دراز تک وہ اپنے داخلی محاذ سے تعاون کی بنا پر بحالت کفر بھی رسول اللہ کے ساتھ مل کر جنگوں میں حصہ لیتے رہے۔ شبلی سے سنئے:-

”یہ بات بھی اس موقع پر خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کو امن دیا جاتا تھا وہ اسلام پر مجبور نہیں کئے جاتے تھے۔ تمام مورخین اور ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ حُنین کی لڑائی میں جو فتح مکہ کے فوراً بعد پیش آئی، لشکر اسلام میں مکہ کے بہت سے کفار بھی شامل تھے جو اس وقت تک کافر تھے۔ اور شکست بھی زیادہ تر اسی وجہ سے ہوئی کہ پہلے حملہ میں اُن ہی کافروں کے قدم اُکھڑے اور اس ابتری کی وجہ سے مسلمانوں کے قدم نہ ٹھہر سکے۔“ (سیرۃ النبیؐ - جلد اول صفحہ 527)

یہاں پہلے تو اُن تمام خلفاء اور سلاطین کو اسلام کا مخالف سمجھ لیں جنہوں نے زبردستی اسلام پھیلایا اور جس نے انکار کیا اُسے تہ تیغ کر دیا۔ بلکہ نمازی، پرہیزگار، سو فیصد مسلمانوں کو اسلئے قتل کر دیا کہ وہ اُن کے تصورات کی تائید نہ کرتے تھے۔

پھر یہ نوٹ کریں کہ جس طرح قریش کے داخلی محاذ کے موئین رسول اللہ کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوتے اور خطرے کے وقت بھاگ جاتے تھے، بالکل اُسی طرح قریش مکہ کفر کی حالت میں شریک ہوئے اور داخلی محاذ کے مسلمانوں کے اشارے پر بھاگ نکلے۔ یہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ مسلمانوں یا کافروں کا گروہ اسلئے فرار کرتا تھا کہ اُنکے بھاگنے سے حقیقی مسلمان بھی بھاگ جائیں اور رسول اللہ میدان میں قتل ہو جائیں۔ لیکن اگر حقیقی مسلمان فرار کرتے رہتے تو کوئی جنگ فتح نہ ہوتی اور مکہ بھی فتح نہ ہوتا۔ بخاری نے مکہ کے قریش کو مولفۃ القلوب لکھا ہے۔ یعنی وہ کافر جن کی دل جوئی کی جاتی تھی تاکہ وہ اپنی مخالفت سے باز رہیں۔

لَمَّا كَانَ يَوْمُ حُنينِ هَوازنَ وَمَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَشْرَةُ آلَافٍ وَالطَّلَاقُ۔ (بخاری)

فتح مکہ کے بعد جب جنگ حُنین میں قبیلہ ہوازن سے مقابلہ ہوا تو آنحضرتؐ کے ساتھ دس ہزار لوگ ایک تھے اور طلقاء بھی شامل تھے۔

قارئین نوٹ کریں کہ اب طلقاء اور مولفۃ القلوب کافروں کے دو نئے نام وجود میں آ گئے ہیں۔ یعنی فتح مکہ نے کافروں کیلئے دو عدد

نرم نام فراہم کر دیئے تھے۔ ابوسفیان اور اُن کا پورا خاندان مولفۃ	کان معاویہ مِن مولفۃ القلوبہم۔ تاریخ طبری، تاریخ ابوالفدا۔
القلوب میں شمار ہوتے رہے ہیں۔ تاریخ طبری، تاریخ ابوالفدا۔	و کذا فی روضة الاحباب و تاریخ الامۃ و فی الاکمال فی
یہی قول روضة الاحباب، تاریخ الامت اور اکمال فی اسماء الرجال	اسماء الرجال للعلامة محمد ابن عبید اللہ خطیب صاحب مشکوٰۃ۔

میں بھی ہے جو حضرت علامہ محمد ابن عبید اللہ خطیب صاحب مشکوٰۃ کی کتاب ہے۔

(30/4)۔ طلاق یافتہ کافر لوگ مسلمان نہ تھے۔ انہیں منافق بھی کہا گیا ہے

علامہ نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:-

وقال علامة نووی فی شرح صحيح المسلم - وهم الذين اسلموا من اهل مكة يوم الفتح و سموا

بذلک لَآ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم مِنْ عَلَیْهِمْ وَاَطْلَقَهُمْ وَكَانَ فِیْ اِسْلَامِهِمْ ضَعْفٌ
فَاعْتَقَدَتْ اِمَّ سَلِیْمٍ اِنَّهُمْ مَنَافِقُونَ وَاِنَّهُمْ اسْتَحَقُّوا الْقَتْلَ -

طلاق سے مراد وہ اہل مکہ ہیں جو فتح مکہ کے روز مطیع ہوئے۔ اور ان کو طلاق اسلئے کہا گیا کہ حضور نے ان کو گرفتار اور قتل کرنے سے بچا دیا۔ اُن لوگوں کی اطاعت میں ضعف اور کمزوری تھی۔ اور حضرت ام سلیم کا اعتقاد تو یہ تھا کہ طلاق منافق ہیں۔ اور وہ سب قتل کے مستحق تھے۔

الغرض یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ فتح مکہ کے دن سے اہل مکہ اور قریشی محاذ تلوار اور جارحانہ مخالفت سے محروم ہو گئے۔ اب اُنکی تمام قوت اور تدبیر و تعاون اُن قدیم مسلمانوں کے ساتھ وابستہ ہو گیا جو روز اول سے اسلام کو مجتہدانہ نظام مشاورت میں تبدیل کرنے پر تعینات تھا۔ اس میں جو بات سرداران قریش اور ابوسفیان کو پسند نہ تھی، وہ یہ تھی کہ انہیں اپنے سے گھٹیا درجہ کے لوگوں کے رحم و کرم پر زندہ رہنا تھا۔ اور اب اگر اسلام میں بلند مقام ملنا بھی تھا تو پہلے نمبر پر نہیں ملنا تھا۔ اور ممکن تھا کہ وہ مسلمان گروہ اُن سے حسد کرے جسے خود اُن ہی نے اپنا جاسوس اور وظیفہ خوار مقرر کیا تھا۔ اور جواب مسلمانوں میں اولین و سابقین میں شمار ہونے لگا تھا۔ اسلئے اب ابوسفیان اور تمام قریشی سرداروں پر اُدھر رسول اللہ کی خوشامد ضروری تھی کہ انہیں مسلمانوں میں کوئی مقام مل سکے۔ اُدھر اُن مسلمانوں کے سامنے جھک کر رہنا ہوگا جن کے ساتھ مسلمانوں کے عوام کی کثرت تھی۔ اور جو مدت سے اجتماعی بصیرت اور ملکی حکومت کا پروپیگنڈا کرتے کرتے عرب کے ہیرو بن چکے تھے۔ یعنی اُدھر حضرت علی کا دامن تھا منانا تھا۔ اُدھر اُن کے مخالفین کو بھی خفا نہ کرنا تھا۔ یہی دو عملی تھی کہ ابوسفیان نے پہلی فرصت میں حضرت علی کی نصرت میں مدینہ کو سوار و پیادہ افواج سے گھیر دینے کی پیش کش کی تھی۔ اور اسلامی مصلحت آڑے آگئی تھی۔ مگر ابوسفیان نے جس پر نسبتاً زیادہ اعتماد کیا تھا اور جسے زیادہ صاحب مروت و احسان سمجھا تھا۔ جس سے شرافت و بلند اخلاق کی زیادہ اُمید تھی وہ حضرت علی علیہ السلام ہی تھے۔

(30/5)۔ فتح مکہ اور اہل مکہ و قریش کے ایمان پر قرآن کا حکم ناطق

قارئین کرام یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ فتح مکہ مسلمانوں کی شناخت اور اُن کی درجہ بندی کے لئے ایک اہم مقام اور سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ فتح مکہ سے پہلے تک اسلام لانے والوں کا درجہ اللہ کے یہاں بلند تر ہے اُن حقیقی مسلمانوں سے جو مکہ کے فتح ہو جانے کے بعد اسلام لائے اور تمام شرائط و خدومات کے پابند رہے۔ اس لئے کہ فتح مکہ کے روز کفر کی مسلح قوت تباہ ہو گئی تھی اور اب قریش اور طرفداران قریش کو دب کر رہنا تھا۔ اور مسلمانوں کی راہ سے تمام دقتیں اور مشکلات ہٹ گئی تھیں۔

چنانچہ اللہ نے فرمایا دیا کہ:- لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلَ اُولَئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ

بَعْدُ وَقَتْلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (حدید 10/57)

تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی اُن لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ اور جہاد کیا تھا۔ اُن کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔ اگرچہ اللہ نے

دونوں گروہوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو یا کرو گے اللہ اُس سے باخبر ہے۔
یہ درجہ بندی اُن مسلم طبقات میں کی گئی ہے جو سچ مچ اسلام لائے تھے اور تمام حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرتے رہے۔ اِس میں وہ لوگ جو محض مصلحتاً اسلام لائے، جنگ اور خطرات میں جان بچاتے رہے داخل نہیں ہیں۔ یعنی یہ حقیقی مسلمانوں کے دو طبقات ہیں جن کو فتح مکہ الگ کرتی ہے۔ اب فتح مکہ کے روز اہل مکہ کے اسلام کی پوزیشن قرآن سے ملاحظہ ہو، مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ:-

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَلْيَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝
فَاعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَضِرُونَ ۝ (السجدة 32/28-30)

اگر تم واقعی اپنے غلبہ پانے کے دعویٰ میں سچے ہو تو بتاؤ وہ تمہاری کامیابی اور فتح کہاں ہے؟ اُن سے کہہ دیجئے کہ فتح کے دن ایمان لانا اُن لوگوں کیلئے ذرہ برابر مفید نہ ہوگا جنہوں نے اُس دن تک کفر اختیار کئے رکھا ہوگا۔ اور پھر انکو مزید مہلت بھی نہ ملے گی۔ آپ اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ کر توجہ ہٹالیں اور فتح کا انتظار کریں اور اُنہیں بھی منتظر رہنے دیں۔
اِس کے بعد مکہ کے مفتوح قریش کے ایمان کا ڈھنڈورا پیٹنے والے لوگوں کو نہایت اطمینان سے اُن ہی کے پٹھو اور گروہ میں شمار کرنا لازم ہے۔ اور ہمارا عمل درآمد سو فیصد قرآن کے احکام اور فیصلوں پر ہے۔ ہم قریشی محاذ کے وظیفہ خوار محدثین و مورخین کو ناقابل اعتبار اور قریش کے طرفدار خیال کرنے میں حق بجانب ہیں۔ اور اُنکی ہر اُس بات کو ٹھکرا دیتے ہیں جو قرآن کے خلاف اور اُنکے حق میں ہو۔

31۔ جنگ حنین میں طلقاء اور اُن کے محاذ کے مسلمانوں کا حال

فتح مکہ کی خبر آگ کی طرح سارے عرب میں پھیلتی اور ہمتیں توڑتی چلی گئی۔ عرب قبائل اسی دن کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے بعد طے کر لیا گیا کہ اب بحیثیت مجموعی اعلان اسلام کر دیا جائے۔ اُدھر قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف جو کثرت مال و متاع اور جنگی ساز و سامان میں سارے عرب سے بڑے اور طاقتور تھے، رسول اللہ پر کہہ ہی میں حملہ کے لئے تیار ہو گئے۔ آنحضرت نے تحقیق کے بعد مدینہ سے آئی ہوئی دس ہزار فوج اور مکہ کے طلقاء کی دو ہزار فوج سے ہوازن کی فوج کی طرف کوچ کیا جو حنین کے میدان میں خیمہ زن تھی۔ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ:-

”شوال 8 ہجری مطابق جنوری و فروری 630 عیسوی میں اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار تھی اِس سرو سامان سے حنین پر بڑھیں کہ بعض صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا کہ ”آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے؟“ لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی“ (سیرۃ النبیؐ - جلد اول صفحہ 533)

علامہ شبلی نے پردہ داری کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ لہذا یہاں لفظ ”بے اختیار“ اپنی طرف سے بڑھا دیا تا کہ جرم کا وزن ہلکا ہو سکے اور اُن صحابہ کے نام بتانے سے گریز کر کے بعض صحابہ لکھ دیا تا کہ یہ متکبرانہ جملہ اور ذہنیت مخلوط ہو کر بے اثر ہو جائے مگر انہیں نہیں معلوم کہ دنیا میں وہ لوگ بھی ابھی تک آباد ہیں جو تمام پردوں اور نقابوں کو ہٹا کر وہ چہرے دکھانا طے کئے ہوئے ہیں جو اسلام کی آڑ میں کثرت پرستی کو رائج

کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ تاریخ النہیس جلد دوم صفحہ 111 میں لکھا ہے کہ جناب ابوبکر نے فرمایا تھا کہ: ”لَنْ نُغْلِبَ الْيَوْمَ“ آج ہمیں ہرگز مغلوب نہیں کیا جاسکتا۔“

(31/2)۔ ذرا بیعت رضوان والے اور دیگر مسلمانوں کا میدان جنگ سے بھاگنا ملاحظہ ہو

علامہ شبلی کا مندرجہ بالا بیان صحابہ کے غرور کا نتیجہ مسلسل بتاتا ہے کہ:-

”فتح کے بجائے دہلے اول میں مطلع صاف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو رفقاء خاص میں سے بھی کوئی پہلو میں نہ تھا۔ حضرت ابوقنادہ جو شریک جنگ تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ جب لوگ (یعنی صحابہ) بھاگ نکلے تو میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ وہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے۔ میں نے عقب سے اُس کے شانہ پر تلوار ماری جو زرہ کو کاٹ کر اندر اتر گئی۔ اُس نے مڑ کر مجھ کو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی۔ لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا۔ اُسی اثناء میں، میں نے حضرت عمر کو دیکھا۔ پوچھا کہ مسلمانوں کا..... حال ہے۔ بولے کہ قضائے الہی یہی تھی۔“ (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 534-535)

علامہ شبلی نے حسب عادت خیانت کی ہے۔ جناب ابوقنادہ کے الفاظ اور بیان صحیح بخاری سے ملاحظہ فرمائیں:-

انهزم المسلمون و انهزم معهم فاذا بعمر بن الخطاب في الناس فقلت له ما شان الناس قال امر الله ثم تراجع الناس الى رسول الله۔ (صحیح بخاری پارہ سترہ، پ 17 صفحہ 50 کتاب المغازی)

جنگ حنین میں مسلمان بھاگے تو میں بھی اُن کے ساتھ بھاگا۔ ناگاہ میں نے بھاگتے ہوئے عمر بن الخطاب کو دیکھا تو پوچھا کہ آج مسلمانوں کا یہ کیا حال ہے کہ بھاگے جا رہے ہیں حضرت عمر نے کہا کہ یہ اللہ ہی کا حکم تھا۔ اسکے بعد لوگوں نے رسول اللہ کی طرف واپسی شروع کی۔ قارئین یہ عقیدہ نوٹ کر لیں کہ کوئی کام بلا حکم خدا نہیں ہوتا۔ خدا ہی کے حکم سے فتح ہوتی ہے، اُسی کے حکم سے مسلمان بھاگتے ہیں یعنی مسلمانوں نے تو اللہ کے حکم کی تعمیل کی تھی وہ تو مطیع و فرمانبردار تھے۔ اُن کی کیا خطا؟ جب خدا ہی بھگا دینا چاہے تو مسلمان کیا کریں۔ یہی وہ عقیدہ ہے جس کی بنا پر قاتل و مقتول، ظالم و مظلوم دونوں رضی اللہ عنہم بنائے جاتے ہیں۔ مگر اللہ بھاگنے والوں کو ہمیشہ مجرم قرار دیتا رہا ہے۔

(31/3)۔ جن کو بیعت رضوان کی آڑ میں ہیر و بنایا، اُن کا حال قرآن سے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَأَخَوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ

مِنْكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (توبہ 9/23)

اللہ مومنین سے فرما رہا ہے کہ:- اے مومنین تم اپنے آبا و اجداد اور بھائیوں کو اپنا ولی نہ بناؤ جب کہ وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر سے محبت رکھتے ہوں اور تم میں سے جو کوئی اُن کی ولایت اختیار کرے گا وہی ظالم ہوگا۔

بیعت رضوان کے بعد تو نہ معلوم مسلمانوں نے کیا کیا کیا؟ سورۃ توبہ 9 بجری کے اواخر میں جنگ حنین و جنگ تبوک پر تبصرہ کرتی ہے۔ یعنی رسولؐ کے انتقال سے دو سال قبل مسلمانوں میں وہ مومنین موجود تھے جو کفار کی ولایت کے دلدادہ تھے۔ اور چونکہ فتح مکہ کے بعد کہا گیا

ہے کہ مکہ اور نواح مکہ مسلمان ہو چکا تھا۔ لہذا اب کفار کی ولایت کے معنی وہی ولایت ہے جو کفار کی منشا کے مطابق قومی و ملکی حکومت کا تصور تھا اور اب مسلمانوں کو اُسی سے منع کیا جا رہا ہے۔ اسکے بعد مزید توضیح کی گئی ہے اور بتایا گیا کہ:-

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكَنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبُّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ (توبہ 24/9)

اگر مومنین کو اُنکے باپ دادا یا اولاد اور بھائی بند اور ازواج اور اہل قبیلہ اور مال و متاع اور کاروبار تجارت اور اپنے پسندیدہ مکانات اللہ و رسولؐ اور اُنکے ساتھ مل کر جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں؟ تو پھر تم اس عمل کے نتیجہ بد کا انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا اقتدار و تسلط قائم کر لے اور اللہ فاسقین یعنی لاقانون لوگوں کی ہدایت کرتا ہی نہیں ہے۔ دوبارہ معلوم ہوا کہ مومنین کی کثرت 9 ہجری تک فاسق ہے۔ جسکے تمام کام اعزہ و اقربا اور قوم و قبیلے کے مفاد کو ملحوظ رکھ کر ہو رہے ہیں۔ اور جن کے نزدیک اللہ و رسولؐ و جہاد تمام ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن ہی کو یہ کہا کہ؛

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمُ مُدْبِرِينَ ۝ (توبہ 25/9)

اللہ نے تمہاری اکثر مواقع پر مدد کی ہے۔ ذرا حنین ہی کو یاد کر لو جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز تھا۔ مگر تمہاری وہ کثرت تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین کی وسعتیں تمہارے اوپر تنگ ہو گئیں اور تم اپنی ولایت کے قیام کیلئے پیٹھ پھرا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ قارئین یہ تھے وہ بار بار اور لگاتار فرار کرنے والے مومنین جو اپنی ولایت و حکومت کو قائم کرنے کی اُمیدوں اور پیشگوئیوں کے سہارے ہر حال میں زندہ رہنا چاہتے تھے۔ اور کوئی ایسا خطرہ مول نہ لینا چاہتے تھے جس میں مرنا تو مرنا ہے زخم بھی لگنے کا امکان ہو۔ پھر بھاگنے کو حکم خدا قرار دے کر بے قصور بننے کی کوشش کرتے تھے۔

(31/4)۔ شکست و فرار کا سبب؛ بارہ ہزار فوج کو دوبارہ بھگوزا کہا

علامہ شبلی نے لکھا کہ ”شکست کے مختلف اسباب تھے۔ (1) مقدمہ الحیش (فوج کے آگے چلنے والا دستہ) میں، جو حضرت خالد کی افسری میں تھا زیادہ تر فتح مکہ کے جدید الاسلام نو جوان تھے، وہ جوانی کے غرور میں اسلحہ جنگ پہن کر بھی نہیں آئے تھے۔ (2) فوج میں دو ہزار طلقاء، یعنی وہ لوگ تھے جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے۔ (3) ہوازن قدر اندازی (تیر چلانے) میں تمام عرب میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں اُنکا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا۔ کفار نے معرکہ گاہ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور تیر اندازوں کے دستے پہاڑ کی گھاٹیوں، کھوہوں اور درّوں میں جا بجا جمادینے تھے۔ (4) فوج اسلام نے صبح کے وقت جب خوب اُجالا بھی نہیں ہوا تھا حملہ کیا۔ (5) میدان جنگ اس قدر نشیب میں تھا کہ پاؤں جم نہیں سکتے تھے۔ (6) حملہ آوروں کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزاروں فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ (7) ادھر کمین گاہوں سے قدر اندازوں کے دستے نکل آئے اور تیروں کا مینہ برسایا۔ مقدمہ

الحِش (مع خالد) ابتری کے ساتھ بے قابو ہو کر پیچھے ہٹا اور پھر تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ فَادْبَرُوا عَنْهُ حَتَّى بَقِيَ وَحْدَهُ۔ یعنی سب لوگ پیٹھ دکھا کر رسول کو تنہا چھوڑ گئے۔ تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ بارہ ہزار فوجیں ہوا ہو گئیں تھیں۔ لیکن ایک پیکر مقدس پا بر جا تھا۔ جو تنہا ایک فوج، ایک مُلک، ایک اُقلیم، ایک عالم بلکہ مجموعہ کائنات تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔ آنحضرتؐ نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا معشر الانصار! یعنی اے گروہ انصار؟ آواز کے ساتھ صدا آئی ہم حاضر ہیں۔ پھر آپؐ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا۔ اب بھی وہی (یعنی انصار کی) آواز آئی۔ آپ سواری سے اتر پڑے اور جلال نبوتؐ کے لہجے میں فرمایا میں خدا کا بندہ اور اُس کا پیغمبر ہوں۔ بخاری کی دوسری روایت میں یہ فرمایا تھا کہ؛ اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ۔ میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمَطْلَبِ۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔“ (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 539-537)

قارئین نوٹ کر لیں کہ حقیقی مومنین میدان میں حاضر تھے اور وہ انصار تھے، مہاجرین کی جگہ بھی انصار ہی میں تھی۔ رہ گئے نام کے مہاجرین! وہ تو وہیں کہیں تھے جہاں حکم خدا نہیں لے گیا ہوگا، جہاں ابوقحادہ سے ملاقات ہونا لکھا ہے۔ وہ ہرگز خطرہ میں جان بوجھ کر نہ پڑتے تھے، جان بچانا فرض سمجھتے تھے، قرآن پر بالبصیرت ایمان رکھتے تھے، آتشِ نمرود میں بے خطر کود پڑنا عقل کے خلاف خیال کرتے تھے۔

(31/5)۔ علامہ شبلی سوعلامہ شبلی مگر سید سلیمان صاحب سبحان اللہ

یعنی بڑے میاں سو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ۔ مطلب یہ کہ جہاں جہاں علامہ شبلی سے کتر بیونت اور پردہ داری میں خامی رہ گئی تھی، سید سلیمان ندوی صاحب نے اپنے استاد کی خامیاں درست کر دی ہیں۔ علامہ نے مندرجہ بالا بیان میں طلقاء کو کافر قرار دیا جو سید صاحب کو اس لئے پسند نہ آیا کہ طلقاء میں اُن کے پیرو مرشد لوگ بھی شامل تھے۔ لہذا حاشیہ میں انتہائی دیدہ دلیری سے اُن کو مسلمان لکھا ہے۔ اُدھر بخاری نے اور علامہ شبلی نے تمام فوج کا بھاگ جانا اور حضورؐ کو تنہا چھوڑ دینا لکھ مارا۔ مگر سید صاحب نے بے تکیہ جوڑ توڑ اور پیوند لگا کر یہ دکھانا چاہا ہے کہ ہیر و حضرات نے فرار نہیں کیا تھا اور اگر بھاگے بھی تھے تو سب سے پہلے واپس آ گئے تھے۔ لیکن سید صاحب قرآن کی تکذیب تو کر سکتے ہیں مگر واقعات کو دوبارہ وقوع میں نہیں لاسکتے۔ اب ہم اُن کی حاشیہ آرائی سے مندرجہ بالا فرار میں جو کمی رہ گئی ہے، اُسے پورا کرتے ہیں۔

(31/6)۔ اجتہادی مسلمانوں کے فرار کی ندویانہ وجوہات اور تفصیلات

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ یعنی چلے تھے مجرموں کی طرف داری کرنے لیکن خدا نے سید صاحب کے قلم سے باقی ماندہ جرائم بھی لکھوا دیئے۔ ملاحظہ فرمائیں علامہ السید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ:-

(i)۔ مالِ غنیمت لوٹنے والے مسلمان شکست کا باعث ہوئے

علامہ شبلی نے یہ تذکرہ نہ معلوم کیوں چھوڑ دیا تھا کہ صحابہ مالِ غنیمت لوٹنے میں مشغول ہو گئے تھے۔ یعنی جنگ اُحد کو فراموش کر چکے تھے۔ بہر حال سید صاحب بخاری سے لکھتے ہیں کہ:-

وَأَنَا لَمَّا حَمَلْنَا عَلَيْهِمُ انْكَشَفُوا فَانْكَشَفْنَا عَلَى الْغَنَائِمِ فَاسْتَقْبَلْنَا بِالسَّهَامِ۔ (بخاری غزوہ خنین) ہم نے جب اُن پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے۔ تو ہم لوگ مال غنیمت پر کود پڑے تو انہوں نے ہم کو تیروں پر دھریا۔ (صفحہ 534 حاشیہ سیرۃ النبی جلد اول)

یہاں علامہ نے ترجمہ غلط کیا ہے۔ انکشفوا کے معنی شکست کھا کر پیچھے ہٹنا نہیں بلکہ میدان جنگ کو کھول دینا ہے۔ یعنی دشمن نے پہلے سے سوچی ہوئی اسکیم کے مطابق ادھر ادھر مناسب پوزیشن لے کر وہ مال کھلا چھوڑ دیا جس پر عرب ٹوٹ پڑا کرتے ہیں۔ اور جب مومنین کی فوج جلدی میں مال پر قبضہ کرنے اور اپنے جیب و دامن بھرنے کے لئے دوڑ پڑی تو تیروں کی بوچھاڑ سے حواس باختہ ہو کر جان بچانے کے لئے جدھر منہ اٹھا بھاگ گئی۔

(ii)۔ وہی پُرانے قدیم مومنین جو ہر جنگ کو ہرانے میں کوشاں رہتے تھے

اس کے بعد مسلسل لکھا کہ:-

”(2) دوسری بات یہ ہے کہ شکست کے ظاہری اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس جنگ میں (بھی) کچھ لوگ محض اس غرض سے شریک ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو عین جنگ میں دھوکہ دیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ام سلیمؓ نے جو اس جنگ میں شریک تھیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ان طلاقاً قتل کر دیجئے اُن ہی کی وجہ سے شکست ہوئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں : اَقْتُلْ مِنْ بَعْدِ نَا مِنَ الطَّلَاقِ انْهَزُوا بَكَ۔ ہمارے سوا ان طلاقاً قتل کر دیجئے انہوں نے آپ کو شکست دلوائی۔

یہاں علامہ سید جن طلاقاً کو مسلمان کہتے تھے (حاشیہ صفحہ 537) اُن کا قتل واجب قرار دے کر انکو شکست کا سبب بتا رہے ہیں۔ یہاں علامہ سید کو ابن ابی الحدید کا قصیدہ راہِ تو ضرور یاد آیا ہوگا۔ اس نے کہا کہ:-

ولیس بنکر فی حنین فرارہ ففی احد فرّ خوفاً و خیراً

یعنی حضرت ابوبکر کا جنگ خنین سے فرار کر جانا قابلِ ملامت نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ تو خوفِ جان سے اُحد و خیر

میں بھی بھاگ چکے تھے۔ اَنَا لِلّٰہِ وَاَنَا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ۔

حبیب السیر اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ سب سے پہلے خالد بن ولید نے فرار کیا۔ اس کے بعد قریش بھاگے۔ بعد ازاں باقی اصحاب مہاجر و انصار نے راہ فرار اختیار کی اور حضرت ابوبکر و عمر بھی نہ ٹھہر سکے۔ تہذیب المتین میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ عرسیدہ عورت کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ اُس نے پکارا کہ اے عمر یہ کیا کام کر رہے ہو؟ عمر نے کہا خدا کا حکم یہی ہے۔ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے براء بن عازب سے پوچھا کہ کیا تم لوگ رسول خدا کے پاس سے بروز خنین بھاگ گئے تھے؟ براء نے کہا مگر رسول خدا نے تو فرار نہیں کیا۔ سبحان اللہ کیا جواب ہے۔

(iii)۔ قریش کی ذہنیت۔ ”قریشی دشمن، غیر قریشی دوست سے بہتر ہے“

یہ بات سمجھنے کے لئے کہ علیؓ و اوالاد علیؓ کی نہایت ہمدردانہ و خیر اندیشانہ اور اُمت کے لئے قربان ہو جانے والی عملی زندگی کی قدر

کیوں نہ کی اور اُن کے دشمنوں کے ساتھ عربوں نے کیوں تعاون کیا؟ اپنے قاتلوں کو معاف کر دینے والے لوگوں پر کیوں مظالم کئے؟ اس قسم کے تمام سوالات کا جواب جنگ حنین کے ایک قریشی سے سنئے:-

”جب اُن سرکش اہل مکہ نے جو رسول اللہ کے ساتھ تھے، مسلمانوں کو اس طرح شکست کھا کر بھاگتے ہوئے دیکھا۔ تو اُن میں سے بعض نے اپنی پوشیدہ خباثت کو ظاہر کر دیا۔ ابوسفیان بن حرب کہنے لگا کہ اب مسلمان سمندر سے ادھر نہڑیں گے۔ اُس کے پاس ترکش میں تیر بھرے ہوئے تھے۔ کلدہ بن الحسبل جو اپنے اخیانی بھائی صفوان بن اُمیہ بن خلف کے پاس موجود تھا پکار کر بولا کہ کیا آج محمدؐ کا جادو ختم ہو گیا ہے؟ صفوان نے اُس سے کہا کہ چپ رہ خدا تیری زبان قطع کر دے۔ بخدا میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ قریش کا کوئی شخص میری سرپرستی کرے، بجائے اس کے کہ ہوازن کا کوئی میری سرپرستی کرے۔“ (تاریخ طبری جلد اول صفحہ 414)

یہ تھا وہ جذبہ جس کے ماتحت اُن لوگوں کو اہل بیت کی نہ حکومت پسند تھی، نہ اُن کے احسانات و سرپرستی پسند تھی، نہ اُن کا فداکارانہ سلوک اُن میں جذبہ محبت پیدا کرتا تھا۔ جتنا بڑا احسان اُن پر کیا جاتا تھا، وہ اُسے اُسی قدر بڑا انگ و عار خیال کرتے تھے۔ اِس لئے اُن خبیثوں کو جب موقع ملا غداری کی، بے وفائی کو لازم سمجھا، بے رحمی کو قومی خدمت قرار دیا۔ اُن کے قتل عام کو اپنے مذہب کی خدمت اور ثواب خیال کیا۔ بعض قلوب و اذہان میں وہ ذہنیت آج بھی موجود ہے۔

(31/7)۔ وہ انصار اللہ جنہوں نے ہر حال میں نصرت کی، قرآن جن کی مدح و ثنا کرتا ہے

اِس کتاب کو پڑھنے والے اور تواریخ و احادیث میں سے گزرنے والے قارئین سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ جن لوگوں کو بعض مجبوریوں کی بنا پر ہیر و بنا نا پڑا، درحقیقت وہ اسلام پر فداکاری و جانثاری میں ہیر و نہ تھے۔ اُنہیں گھسیٹ گھسیٹ کر فداکاروں اور جانثاروں کی صف میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ غریب اِس صف سے دُور رہنے کے لئے ہمیشہ کوشاں پائے جاتے ہیں۔ بھاگ جاتے ہیں، پہاڑوں پر چڑھ جاتے ہیں۔ مگر مرید کہتے ہیں کہ نہیں وہ یہاں تھے، وہ وہاں تھے، صف کے پیچھے تھے، ذرا آڑ میں تھے، وہ دیکھنے واپس آنے والوں میں آگے آگے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ وہی تھوڑے بھاگے تھے، ساری فوج بھاگ گئی تھی۔ یعنی رسول اللہؐ تنہا رہ گئے تھے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ علیؑ بھی بھاگ گئے تھے۔ مطلب یہ کہ ”ہم تو ڈو ویں ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوئیں گے۔“ کم از کم حضرت علی علیہ السلام کے لئے ایسا کہنا تکذیب قرآن اور رسولؐ ہے۔ اُن کو گُروا غیور فراد فرمایا گیا۔ یہ ارشاد جہاں کافروں کا منہ بند کرتا ہے وہاں لشکر اسلام میں بھگوڑوں کا ثبوت بھی فراہم کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ساری فوج کا بھاگ جانا لکھنے والے لوگ قرآن کی تکذیب کرتے

ہیں۔ وہاں تو ایک ایسی جماعت سے اللہ کی مستقل محبت کا اعلان ہے جو اللہ کی راہ میں **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَأَنَّهُمْ بُنَيَانٌ مَرْصُوصٌ ۝ (الصف 61/4)** اور جو علیؑ

علیؑ کی اُس قوم (بیطیوں) میں داخل تھے۔ جس کے لئے جنگ خیر میں علم دینے سے پہلے فرمایا تھا کہ اللہ جلد ہی اُس قوم کو لانے والا ہے جو اللہ کو محبوب ہے اور جو اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ اور اگلی آیت میں ایک معصوم سلسلہ ولایت و امامت کا تشخص کیا تھا۔ جن کی ناداری فلاح انسانیت کے لئے ہے۔ جو اُمت کے فقرا و **فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ۔۔ (مانہ 5/54)**

مساکین کی مالی سطح کو بلند کرنے کے لئے غربت و افلاس اور فقر کو اپنانے والے ہیں۔ اور جن کی اتباع سے صرف ایک دن میں مساوات قائم ہو سکتی تھی اور ہو سکتی ہے۔ مگر اُن کی اتباع کو علما و رؤسا نے اس لئے پسند نہ کیا کہ اُن کی اتباع اُن کے نزدیک غیر فطری تھی۔ اُن کے نظریہ میں امیر و غریب، ادنیٰ و اعلیٰ طبقات کا برقرار رکھنا خدا کی اطاعت ہے۔ (مائدہ 5/55) انا لله وانا اليه راجعون۔

پھر تاریخ و احادیث اور عقل سے ثابت ہے کہ اگر رسول اللہ کے ساتھ مندرجہ و مذکورہ بالا جانثار و فداکار قوم نہ ہوتی تو آخری فتح اور ہر جنگ میں آخری فتح کیسے ہو سکتی تھی؟ پُر اعراب گھٹنوں کے بل کیسے جھکایا جاسکتا تھا؟ بھاگ جانے والی فوج خواہ ہزار آدمیوں کی ہو یا بارہ ہزار کی، اگر فرار کے بعد واپس آ بھی جائے تب بھی ندامت اور خوف و ہراس کئی کئی گھنٹوں تک دلوں میں رہنا لازم تھا۔ اور کئی کئی مہینے ایک دوسرے کو منہ دکھاتے ہوئے جی چرانا بھی حیا دار لوگوں کا طریقہ تھا۔ اگر یہ سب کچھ ممکن مان لیا جائے تو یہ بھگوڑی فوج اُس فوج پر کس منتر سے غالب آ سکتی تھی۔ جس کے حوصلے بڑھے ہوئے ہوں، جس نے ابھی ابھی انہیں بھاگنے پر مجبور کیا تھا۔ قارئین نوٹ کریں کہ یہ بھگوڑے کبھی واپس آ تو جاتے تھے مگر اس لئے نہیں کہ اب وہ منتر سیکھ کر آئے ہیں اور دشمن سے لڑ کر انہیں شکست دیں گے۔ بلکہ وہ اس لئے واپس آتے تھے کہ جب مذکورہ بالا جانثار قوم فتح کر لے گی تو یہ بھگوڑے لوٹ مار میں حصہ سے محروم نہ رہ جائیں۔

(ii)۔ محبوب قوم پر نظر رسالت اور باقی مسلمانوں کا حال

یہ گفتگو ہو چکی ہے کہ جب آنحضرت قریش پر اتمامِ حجت کر چکے اور مدینہ میں ہجرت کا فیصلہ فرمایا اور مدینہ کے نمائندوں سے اس مقصد پر گفتگو کی گئی تو اہل مدینہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ ہم اپنی اولاد و ازواج اور بزرگوں کا قتل ہو جانا برداشت کر لیں گے لیکن حضور کی نصرت میں کوتاہی برداشت نہ کریں گے۔ چنانچہ مدینہ کے اِس بطنی خاندان اور خانوادہ رسول کی اِس شاخ نے ہرگز کوئی کوتاہی نہیں کی۔ جن مؤرخین و محدثین نے انصار کے بھاگ جانے کا ذکر کیا ہے وہ یا تو فریب خوردہ تھے یا فریب ساز تھے۔ پھر اُسی گفتگو میں انصار نے یہ سوال کیا تھا کہ جب ہم اپنی جان و مال کی قربانی سے آپ کو غلبہ حاصل کر دیں گے تو کیا آپ واپس اپنی قوم میں چلے جائیں گے؟ چونکہ دینی و اسلامی مصلحت اسی میں تھی کہ آنحضرت اور آپ کے قریبی اجداد یعنی عبدالمطلب و ہاشم علیہم السلام اس معاملے میں خاموش رہیں اور قحطانی شہرت کو چار قدم اور چلنے دیں۔ اور یہ اعلان نہ کریں کہ انصار خانوادہ رسول کی بطنی شاخ ہیں۔ اسلئے عام شہرت کے ماتحت انصار کے عوام یہی سمجھتے تھے کہ سرکارِ دو عالم سے اُن کا کوئی نسبى رشتہ نہیں ہے۔ اور یہ غلط بات بھی تسلیم کی جا رہی تھی کہ حضور خود قریشی ہیں۔ لیکن انصار کا قلب و روح اب یہ نہیں چاہتا تھا کہ رسول اللہ واپس مکہ والی قوم میں جائیں اور اہل مدینہ کو وجود نبوت سے محروم کر دیں۔ اسلئے رسول اللہ نے اعلان کیا تھا کہ میں اب تم سے ہرگز جدا نہ ہوں گا۔ چنانچہ آپ مکہ نہیں گئے بلکہ اپنی لائق طرہ طرح اعلان کرتے رہے۔ اور بلا کسی استثناء قریش کی مطلق مذمت سے یہ ثابت کرتے رہے کہ آنحضرت کا قریش سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اب جنگ خنین میں پھر وہ وقت آیا کہ آنحضرت نے غیروں کو یعنی قریش و مہاجرین کو تالیفِ قلب کیلئے بڑے بڑے حصے دیئے۔ مال غنیمت کا خمس بھی نہ لیا یعنی اپنوں کو اُس مال سے محروم رکھا۔ پھر وہی سوال اُٹھا مگر اس مرتبہ یہ سوال موت کی نیند سونے کیلئے اُٹھا تھا۔ یعنی حقیقت نسبى اور اپنے دینی مقام کی بلندی سے ناواقف انصار نے یہ خیال کیا کہ رسول اللہ نے اپنوں کو یعنی قریش کو سو سو (100) اونٹ فی کس اور مال و زر دیا ہے۔

اور ہم چونکہ غیر ہیں یعنی نہ قریشی ہیں نہ مکی ہیں، اسلئے ہمیں محروم کر دیا۔ یہ چرچا بڑھ کر پورے انصار میں پھیلا۔ آخر جناب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضور کو اس صورتحال سے مطلع کیا اور آخری وضاحت کی درخواست کی۔ آپؐ نے تمام انصار و مہاجرین کو جمع ہونے کا حکم دیا اور مجمع عام میں یہ یادگار خطبہ دیا جو تمام توارخ نے ریکارڈ کیا۔ اُس میں قریش خواہ مہاجر ہوں یا غیر مہاجر ہوں۔ اور انصار کی پوزیشن ایسی واضح کی کہ اس کے بعد کسی دوسری وضاحت کی نہ ضرورت رہی نہ وضاحت کی گئی۔ آپؐ نے جو کچھ فرمایا اُس میں تمام مسلمانوں کو دوحصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ انصار اور دوسرا حصہ باقی تمام مسلمان مہاجر و قریش وغیرہ قریش سب کو داخل کیا۔ اور کہا کہ انصار خاص طور پر سنیں کہ مکہ میں قریش نے میری تکذیب کی، مجھے ستایا، میرے قتل کے پلان بنائے، مجھے گھر سے بے گھر اور وطن سے جلا وطن کیا، اور مجھے اور میرے حامیوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ یہ تھا قریش کا کارنامہ۔ اور انصار نے میری تصدیق کی، میرے لئے دکھ اٹھائے، مصائب جھیلے، مجھے مع میرے اہل و عیال کے پناہ دی، میرے اور میرے دین کے لئے جانیں دیں مال قربان کیا۔ میں نے قریش کو غیر سمجھا وہ حقیقتاً غیر تھے اور غیر ہی رہیں گے۔ میں نے چاہا کہ انہیں اُن کے پسندیدہ مال و دولت سے رام کروں تاکہ وہ اسلام کی طرف مائل ہوں یا کم از کم اسلام دشمنی چھوڑ دیں۔ چنانچہ میں نے انہیں اپنا اور انصار کا حصہ بھی دے دیا کہ انصار خود میرے حصے میں ہیں، میرے اپنے تھے، اپنے ہیں اور ہمیشہ اپنے رہیں گے۔ کیا تمہیں یہ عملدرآمد پسند نہیں کہ مال دنیا باقی سارے مسلمانوں کے حصے میں آئے اور وہ مال و دولت لے کر جائیں اور میں انصار کے حصے میں آؤں اور وہ مال و دولت کی جگہ مجھے لے کر جائیں؟ اس تقریر سے جہاں انصار پھوٹ پھوٹ کر روئے وہیں قرآن کی رُو سے اَھل الذکر تئیں سے ثابت ہو گئے۔ دنیا اور قارئین بتائیں کہ قریش اور ہیر و حضرات کدھر ہیں؟ معیت رسولؐ اُن کو کیسے حاصل ہوگی؟ رہ گئے عبدالمطلبؐ کی اولاد کے لوگ، وہ تو سب انصار ہیں، سب کے سب نبطی الاصل ہیں۔ تمام خانوادہ رسولؐ کے افراد ہیں اور معیت رسولؐ اُن کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ ہاں ابھی ایک موقع ہے۔ اگر وہ علیؑ سے وفادار نہ پیش آئے تو علیؑ اور اولاد علیؑ کی معیت سے معیت رسولؐ حاصل کر سکیں گے۔ ورنہ جنگ حنین کا یہ مسلمہ خطبہ خانوادہ رسولؐ کے سوا سب کو معیت رسولؐ سے محروم کرتا ہے۔ اس کے بعد رسولؐ نے یہ تو کہا ہے کہ ”میرے پاس سے دُور یا دفع ہو جاؤ“، لیکن معیت کے فیصلے میں تبدیلی نہیں کی ہے۔ ہاں وہ افراد بھی ہیں جن کا نام لے کر انہیں اہل بیتؑ کے ساتھ شمار کیا ہے۔ مثلاً حضرت سلمان رضی اللہ عنہ۔ مگر ہیر و زاس زمرہ سے خارج تھے اور خارج رہے۔ اسی خطبہ کے بعد یہ کوشش شروع ہوئی کہ ہیر و ز کو کسی طرح چپکایا جائے۔ کبھی کہا گیا کہ ساری امت یا امت کے تمام صالح افراد رسولؐ کے اہل بیتؑ ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہو بھی تو ہیر و ز کی صالحیت ثابت کرنا پڑے گی۔ ورنہ بے

چارے پھر محروم رہیں۔ لیکن کہا تو یہ گیا ہے کہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا** (الاحزاب 33/56)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو رسولؐ پر درود بھیجو اور اس طرح اطاعت کرو جو تسلیم کرنے کا حق ہے۔ اگر ساری اُمت اہلبیتؑ ہے تو درود کا حکم کس کو دیا گیا ہے؟ وہ مومنین کون ہیں جو درود و سلام بھیجیں گے اور اطاعت کریں گے؟ اور اگر امت کے تمام صالحین آل رسولؐ ہیں تو یقیناً تمام صالحین کو ایمان لانے والوں کے زمرہ سے نکال کر یا تو اُن کو کافر ماننا پڑے گا یا یہ اعتقاد رکھنا ہوگا کہ امت کے صالحین وہ لوگ ہیں جو ایک لمحہ کے لئے کفر و شرک سے کسی طرح ملوث نہیں ہوئے۔ اور الحمد للہ کہ آل محمدؐ وہی حضرات ہیں۔ اسی لئے اُن کا شجرہ نسب

بھی شجرہ طیبہ ہے یعنی اُن کی نسل بھی پاک ہے۔ رہ گئے ہیروز وہ بے چارے اس کوشش میں بھی محروم رہے۔ اُن کا کفر و شرک اباً و جداً ثابت ہے ایمان کی خبر خدا کو ہے۔

32۔ جنگ تبوک اور مسلمانوں کے مختلف حالات و کیفیات

تبوک مدینہ اور دمشق کے درمیان ایک مشہور مقام ہے۔ 9 ہجری کے وسط میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبوک کے سفر پر تیس ہزار فوج کے ساتھ روانہ ہونا تھا۔ اس سفر کے اسباب میں تاریخ مغالطات اور افواہوں سے لبریز ہے۔ قارئین سابقہ اولین عنوانات میں ملاحظہ کر چکے ہیں کہ عرب کے شمال مشرقی خطہ پر خانوادہ رسولؐ کے نطی، غسانی بادشاہ حکومت کرتے تھے۔ اور یہ حکومت خلافت دوم کے زمانہ تک مسلسل موجود تھی۔ یہی وہ حکومت تھی جس کی افواج نے مدینہ میں آکر اپنے ہم نسب قبیلوں اوس و خزرج کو مدینہ کے یہود سے نجات دلائی تھی۔ یہی وہی حکومت تھی جس کے حملہ کا ہر لمحہ عربوں کو اندیشہ رہتا تھا۔ اُسی حکومت کے خوف سے بنی ہاشم کو شعب ابی طالب سے رہائی دی گئی تھی۔ یہی حکومت جس کا ہوا دکھا کر خاندان مصطفویٰ کی خاندانی حکومت کے خلاف عربوں میں قومی و ملکی حکومت کا تصور پھیلایا جا رہا تھا۔ اب عربوں نے چاہا کہ رسول اللہ کو اُن کے خانوادے کی قدیم حکومت سے لڑا دیا جائے تاکہ اُس حکومت کی طرف سے یہ خطرہ مٹ جائے کہ وہ عرب کی قومی و ملکی حکومت کے خلاف حضرت علیؑ کی طرفداری میں فوج کشی کرے گی۔ افواہیں یہ کہہ کر پھیلائی گئیں کہ روم کی عیسائی حکومت غسانیوں کی مدد سے ایک بے پناہ حملہ کرنے والی ہے، جنگ بندی ہو رہی ہے، لاکھوں فوجی تیار کھڑے ہیں اور حکم ملتے ہی دھاوا بولنے والے ہیں۔ افواہوں اور پروپیگنڈے کے لئے باقاعدہ وہ اجتہادی نظام برسر کار تھا جو روز اول سے بڑھتے بڑھتے اب ایک بہت بڑی قوت بن چکا تھا۔ اور تقریباً سارے ملک میں اپنی شاخیں اور ادارے قائم کئے ہوئے تھا۔ خبر مشرق سے چلتی یا مغرب میں ایجاد ہوتی، ہوا کی طرح مکہ و مدینہ پر سے گزرتی ہوئی چاروں طرف پھیل جاتی۔ عوام چونکہ اصلی راز نہ جانتے تھے۔ اس لئے مسلمانوں میں سچ مچ کا خوف و ہراس پھیلتا اور روزمرہ بڑھتا اور ہر دل میں اُترتا جا رہا تھا۔ اُدھر شدید گرمی کا موسم تھا۔ سفر طویل اور غیر علاقہ میں تھا۔ بھاگ جانے کے عادی لوگ چاہتے تھے کہ جنگ پر تو خوب اکسایا جائے لیکن ہمراہ چلنے سے بچنے کی ترکیب بھی نکالی جائے۔ اور کسی غیر متوقع صورت حال میں مدینہ کی اسلامی حکومت سنبھالنے کا انتظام بھی کیا جائے۔ اس جنگ کے لئے روانگی سے قبل حضرت علی علیہ السلام کو مدینہ کا حاکم بنانا بھی اجتہادی اسکیم کی گہرائی کا پتہ دیتا ہے۔ اسی موقع پر حدیث منزلہ اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا قرآنی مقام حضرت علیؑ کے لئے تجویز ہوا تھا۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ جیسے کیسے تیس ہزار کی فوج روانہ ہوئی، تبوک پہنچی، تمام افواہیں غلط نکلیں۔ پورے علاقے کے یہود و عیسائی اور دیگر اقوام نے معاہدے کئے، حضور کو تحفے دیئے، بعض نے اسلام اختیار کیا۔ بعض نے تحفظ کے واجبات ادا کرنا (جزیہ) منظور کیا اور حضور بخیر و خوبی واپس تشریف لائے۔ اور عملاً ثابت کر دکھایا کہ غسانی اور رومی حکومت کے خلاف سازش کی گئی تھی تاکہ آئندہ یہ جماعت ایسی جرأت نہ کرے۔

(32/2)۔ تبوک سے واپسی پر آنحضرتؐ قتل کرنے کی سازش ناکام ہوگئی

چونکہ اس سفر نے عرب کے باقی ماندہ علاقوں پر بھی عملاً رسول اللہؐ کی حکومت قائم کر دی تھی۔ اب اس بات کی ضرورت تھی کہ رسول اللہؐ کو راستے سے ہٹا کر قومی حکومت قائم کی جائے۔ قریش کے تمام رؤسا و امرا اب مسلمانوں میں گھل مل گئے تھے اور انہیں نظم و نسق مملکت پر کافی تجربہ تھا۔ لہذا یہ طے کیا گیا کہ جب آنحضرتؐ وادی عقبہ سے گزریں تو دونوں طرف کی پہاڑیوں پر سے پتھر لڑھکا کر آپؐ کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ موزوں قسم کے لوگ رات کو متعینہ جگہوں پر پہنچے اور انتظام مکمل کر لیا۔ حالانکہ آپؐ نے منادی کرادی تھی کہ جب تک عقبہ کی گھاٹی سے رسول اللہؐ نہ گزر جائیں اُس طرف کوئی مسلمان نہ جائے۔ آخر رسول اللہؐ کی سواری اس طرح چلی کہ جناب حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ اور جناب عمار یا سر رضی اللہ عنہ اونٹ کے پیچھے تھے۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ جب ہم مذکورہ مقام پر پہنچے تو بجلی چمکی اور روشنی پھیل گئی۔ میں نے دیکھا کہ بارہ یا چودہ نقاب پوش ہماری طرف رواں دواں متوجہ ہیں۔ غالباً اس لئے کہ اونٹ کو بھڑکا دیں۔ میں نے حضورؐ کو مطلع کیا۔ سرکار نے اُن کو ڈانٹ پلائی۔ عمار کی رو سے انہوں نے آگے بڑھ کر اُن لوگوں کے اونٹوں کے منہ پر مارا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے تاکہ پہچان نہ لئے جائیں۔ آنحضرتؐ نے پوچھا کہ تم نے اُن لوگوں کو پہچانا کہ وہ کون کون تھے؟ کہا نہیں یا رسول اللہؐ اُن کے منہ پوشیدہ تھے اور اندھیرا بھی تھا۔ آپؐ نے بتایا کہ اُن کا ارادہ اونٹ کو بھڑکا کر مجھے گرانے اور ہلاک کرنے کا تھا۔ حذیفہ نے کہا کہ حضورؐ آپؐ کیوں حکم نہیں دیتے کہ ہم لوگ اُن سب کے سر قلم کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ لوگ تو یہ مشہور کریں گے جن لوگوں کی مدد سے اپنے دشمنوں کو مغلوب کیا اُن ہی کو اب قتل کر رہے ہیں۔ بعد ازاں حذیفہ کو اُن سب کے معہ ولدیت نام بتائے اور پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا۔ (در المنثور۔ روضۃ الاحباب، معارج النبوة، شواہد النبوة، تفسیر جلالین)

(ii)۔ وادی عقبہ پر سازشیں کے گروہ کا مزید اُتارنا

روضۃ الاحباب میں مسلم سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اہل عقبہ میں سے ایک شخص نے حذیفہ سے قسم دے کر پوچھا کہ اصحاب عقبہ کتنے آدمی تھے۔ حاضرین نے حذیفہ سے کہا کہ قسم دی ہے لہذا بتا دو۔ حذیفہ نے جواب دیا کہ وہ چودہ آدمی تھے اور تجھ سمیت پندرہ تھے۔ خدا کی قسم اُن میں کے بارہ دین و دنیا میں دشمنانِ خدا و رسولؐ ہیں اور تین نے عذر کر لیا تھا کہ اُن کو منادی کی اطلاع نہ ہوئی تھی اسلئے وہ اتفاقاً وہاں جا پہنچے تھے اور انہیں سازش کی خبر بھی نہ تھی۔

(iii)۔ کیا منافق بھی صحابہ تھے۔ رسول اللہؐ کا جواب سنئے

انسان العیون میں ہے کہ لیلة العقبة کی صبح کو اُسید بن خفیر کو رسول اللہؐ سے اُن منافقین کا حال معلوم ہوا۔ تو اُسید نے اجازت مانگی کہ اُن تمام لوگوں کو خواہ وہ کسی قبیلے سے ہوں گرفتار کیا جائے اور پھر قتل کر دیا جائے۔ حضرتؐ نے فرمایا میں اس سے کراہت کرتا ہوں کہ کل لوگ یہ الزام عائد کریں کہ جن کی بدولت کفار سے جنگ کی اور غلبہ پایا اب اُن ہی کو قتل کرتے ہیں۔ اُسید نے کہا کہ وہ لوگ آپؐ کے اصحاب نہیں ہو سکتے۔ آپؐ نے فرمایا کیا وہ اظہارِ شہادتین نہیں کرتے۔“

(iv)۔ عقبہ کی سازش میں نامی گرامی لوگ شامل تھے

روضۃ الاحباب میں ہے کہ نام نہ لینے کی یہی وجہ تھی کہ اصحاب عقبہ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ کیونکہ عوام میں سے جو منافق گزرے ہیں اُن کی تشہیر اور ملامت میں اہلسنت نے درگزر نہیں کی ہے۔ اور اُن کی مالداری اور قوم میں رسوخ ہی کی وجہ تھی کہ رسول اللہ نے حدیفہ اور عمار کو اُن کے نام ظاہر کرنے کی ممانعت فرمائی تھی۔ کبھی عام منافقین کے متعلق آپؐ نے ایسا نہیں فرمایا۔ اسی بنا پر اُس فریق کے عالم ابن بابویہ نے حدیفہ بن الیمان کی زبانی اہل سنت کے جلیل القدر صحابیوں کے نام لکھے ہیں۔ مگر ہم ترک ادب سمجھ کر اعراض کرتے ہیں۔“ میزان الاعتدال میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے سوال پر جب حدیفہ نے بار بار راز ظاہر نہ کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ،
 بِاللّٰهِ يٰ اَحْذِ يَفْه اَنَا مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ ۔ اے حدیفہ خدا کی قسم میں منافقین میں سے تھا۔

(v)۔ مسجد ضرار کا مقصد اور انہدام

مسجد ضرار اور اس کے بنانے والوں کا حال بھی قرآن میں موجود ہے۔ اور ہر تاریخ نے اُس کا تذکرہ کیا ہے۔ ہمیں صرف اس قدر کہنا ہے کہ اجتہادی گروہ مسجد نبویؐ کے مقابلہ پر اپنے لئے ایک کمین گاہ چاہتا تھا۔ جہاں اُن کی جماعت اپنے والے اسلام کا باقاعدہ پرچار اور تبلیغ کر سکے۔ یعنی اب اس جماعت کی نمائندگی کرنے والے دانشوروں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ قدیم مکان جو ہجرت کے بعد پہلے دن سے راتوں کو مشاورت کے کام آتا تھا اب ناکافی ہو گیا تھا۔ اور ضرورت تھی کہ مسجد ایسے مقدس مقام کے نام پر اہل حل و عقد کے فیصلوں کو نافذ کیا جائے۔ اور اگر پہلی مسجد والے اختلاف کریں تو یہاں سے قومی حکومت کے قیام کا متفقہ متحدہ اعلان کر دیا جائے اور اختلاف کرنے والوں کو منافق اور فتنہ پرور کہہ کر اُن کا صفایا کر دیا جائے۔ چنانچہ اُن مومنین نے تبوک کے سفر کی تیاریوں کے دوران یہ مسجد بنائی تھی۔ اور چاہتے تھے کہ پہلی نماز کا افتتاح رسول اللہؐ کی قیادت میں کرنا اور دلیل و حجت بنا دیں مگر تبوک کے سفر سے واپسی پر اللہ نے یہ قانون بنادیا کہ ہر اُس مسجد کو مسمار کر دینا لازم ہے جو مومنین میں تفرقہ پیدا کرے۔

33۔ میدان جنگ سے آخری فرار۔ جنگِ وادی الرمل

وادی الرمل مدینہ سے پانچ روز کی راہ پر واقع ہے۔ اس جنگ کو جنگِ سلاسل بھی کہا گیا ہے۔ اور ہم اُسے آخری جنگِ قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد عہد رسولؐ میں آنحضرتؐ کے حکم یا اجازت سے کوئی جنگ نہیں ہوئی ہے۔ حضورؐ کو اطلاع ملی کہ وادی الرمل میں عرب کا ایک گروہ لوگوں کو اس لئے جمع کر رہا ہے کہ مدینہ پر شہنشاہی ماریں۔ آنحضرتؐ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے دعوت عام دی۔ اصحاب صفہ میں سے ایک جماعت تیار ہوئی اور جناب ابو بکرؓ کی سپہ سالاری میں وادی الرمل روانہ ہو گئی۔ اُس وادی میں درختوں اور پتھروں کی بہتات تھی۔ دشمن پہلے سے تاک میں تھا۔ اچانک حملہ ہوا، کئی ایک مسلمان قتل ہوئے۔ باقی پسپا ہو کر فرار کر گئے۔ مدینہ پہنچے تو حضرت عمرؓ کو سردار بنا کر بھیجا گیا۔ اُن کے ساتھ بھی وہی صورت پیش آئی اور شکست و فرار کے بعد مدینہ آئے۔ اب جناب عمرو بن العاصؓ نے سالاری طلب کی اور باوجود اعلیٰ درجے کے تجربہ کے وہ بھی حسب سابق ناکام ہوئے۔ آخر مشکل کشا علیؓ علیہ السلام کا نمبر آیا اور سابقہ تینوں سردار

بھی دشمن کی طرف روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ نے دعائے فتح فرمائی۔ جناب امیرؑ نے نیا راستہ اختیار کیا۔ راتوں کو سفر، دن میں قیام کرتے ہوئے اس طرح بڑھے کہ بے خبری میں دشمن کو گھیرے میں لیا جاسکے۔ جب وادی الرمل قریب آرہی تھی تو آپؐ نے فوج کو حکم دیا کہ اب فوج نہایت آہستہ چلے اور آپؐ تنہا آگے روانہ ہو گئے۔ آپؐ کی رفتار اور رویہ سے عمرو بن العاص کو یقین ہو گیا کہ علیؑ ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ اور میری بڑی بے عزتی ہوگی لہذا ایک دوسری اسکیم فوج کے سامنے رکھ دی۔ یعنی وادی الرمل کی بلندی کی طرف سے چلیں اور رات کو شب خون مار دیں۔ فوج نے تعمیل سے انکار کر دیا۔ اسلئے کہ فوج کو بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ علوی اقدامات اور پیش رفت صحیح ہے۔ مگر جناب ابوبکر و عمرؓ نے ہمت کر کے حضرت علیؑ کو عمرو بن العاص کی اسکیم پر چلنے کا مشورہ دیا۔ لیکن آپؐ اس سازش کو سمجھ گئے اور پیش قدمی جاری رکھی اور صبح ہوتے ہوئے دشمنوں کے سر پر جا پہنچے اور دشمن کو سخت شکست دی۔ صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ وہ قوم انوار ذوالفقار سے اس طرح بھاگی جس طرح سورج کی شعاعوں سے چمگاڈ بھاگتے ہیں۔ مؤلف کشف الغمہ نے لکھا ہے کہ سورہ والعادیات اسی بارے میں نازل ہوئی اور آنحضرتؐ نے اصحاب کو فتح کی بشارت دی۔

جب حضرت علیؑ واپس مدینہ کے قریب پہنچے تو آنحضرتؐ نے تمام صحابہ سمیت استقبال کے لئے پیش قدمی فرمائی۔ حضرت علیؑ آپؐ کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اترے تو حضورؐ نے فرمایا اے علیؑ سوار ہو جاؤ کہ خدا اور اس کا رسولؐ تجھ سے خوش ہیں۔ اے علیؑ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ اس اُمت میں تیرے لئے وہی کچھ نہ کہا جائے جو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے لئے کہا ہے۔ تو میں تیری مدح میں ایسی بات کہتا کہ جس گروہ کے پاس سے تم گزرتے وہ تمہارے دونوں قدموں کے نیچے کی مٹی اٹھا کر برکت طلب کرتے۔ اس کے بعد صاحب حبیب السیر نے یہ اشعار لکھے ہیں:-

چنین گفت آں روز خیرالانام کہ اندیشہ دارم ز بعضی مہام
اُس روز تمام ذی حیات سے افضل رسولؐ نے یہ فرمایا کہ اگر مجھے بعض اہم امور کا اندیشہ نہ ہوتا۔
وگر نہ حدیث ز قدر علیؑ ہمیں گفتم از غایت یک دلی
تو میں علیؑ کی قدر و منزلت پر دل کی گہرائی سے ایسی باتیں بتا دیتا۔
کہ برہر کہ وے ز امت گذر نہادے بجائے قدمہاش سر
کہ اُمت کے جس گروہ کے پاس سے علیؑ گزرتے تو وہ گروہ جہاں علیؑ کے قدموں کے نشان ہوتے وہاں اپنا سر رکھتے۔
ز خاک قدمہاش برداشتے از آن آبروے دگر داشتے۔
اور اُس کی خاک قدم اٹھا کر محفوظ کرتے اور اُس خاک کے توسط سے آبرو مندی طلب کرتے۔

34۔ غزوہ تبوک اور اُس زمانہ میں مجتہدین کے مختلف حالات

یہاں قارئین پہلے یہ نوٹ کریں کہ سورہ توبہ کا جو قرآن کریم کی سورتوں میں نویں نمبر پر ریکارڈ کی گئی ہے، 9 ہجری کے گیارہویں ماہ یعنی ذی قعدہ میں نازل ہونا مانا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سورہ توبہ کی تلاوت کے بعد آنحضرتؐ صرف سولہ مہینے اس ظاہری

دنیا میں رہے۔ یعنی یہ سورہ جسے سورہ برأت بھی کہتے ہیں نہ صرف جنگ تبوک کے حالات پر تبصرہ کرتی ہے۔ بلکہ وہ تمام حالات بھی ریکارڈ کرتی ہے جو انتقالِ رسولؐ سے ایک سال چار ماہ پہلے تھے۔ یعنی مسلمان جو کچھ بن سکتے تھے وہ بن چکے تھے۔ زمانہ رسالت 23 سال اگر مانا جائے تو جو لوگ اس طویل دور میں اپنی سابقہ ذہنیت نہ بدل سکے تو اب ایک سال اور چار ماہ میں اُن پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟ اب علامہ مودودی کی تحقیق بھی سن لیں تاکہ پھر اطمینان سے ہم عہدِ رسولؐ کے مخصوص مسلمانوں کا حال قرآن سے دکھاتے چلے جائیں۔

(34/2)۔ سورہ توبہ یا سورہ بَرَات کا زمانہ نزول واجزاء سورہ

(علامہ مودودی کا قلم) ”یہ سورہ تین تقریروں پر مشتمل ہے:-

”پہلی تقریر آغاز سورہ سے پانچویں رکوع کے آخر تک چلتی ہے۔ اس کا زمانہ نزول ذیقعد 9 ہجری یا اس کے لگ بھگ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس سال حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحاج مقرر کر کے مکہ روانہ کر چکے تھے کہ یہ تقریر نازل ہوئی اور حضورؐ نے فوراً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اُن (ابوبکر) کے پیچھے بھیجا تاکہ حج کے موقع پر تمام عرب کے نمائندہ اجتماع میں اُسے سنائیں اور اُس کے مطابق جو طرزِ عمل تجویز کیا گیا تھا اس کا اعلان کر دیں۔“

”دوسری تقریر رکوع چھ (6) کی ابتدا سے رکوع نو (9) کے اختتام تک چلتی ہے اور یہ رجب 9 ہجری یا اس سے کچھ پہلے نازل ہوئی جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کی تیاری کر رہے تھے۔ اس میں اہل ایمان کو جہاد پر اکسایا گیا ہے اور اُن لوگوں کو سختی کے ساتھ ملامت کی گئی ہے جو نفاق یا ضعف ایمان یا سستی و کاہلی کی وجہ سے راہِ خدا میں جان و مال کا زیاں برداشت کرنے سے جی چرا رہے تھے۔“

”تیسری تقریر رکوع دس (10) سے شروع ہو کر سورہ کے ساتھ ختم ہوتی ہے۔ اور یہ غزوہ تبوک سے واپسی پر نازل ہوئی۔ اس میں متعدد ٹکڑے ایسے بھی ہیں جو انہی ایام میں مختلف مواقع پر اُترے اور بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارۃً الہی سے اُن سب کو یکجا کر کے ایک سلسلہ تقریر میں منسلک کر دیا۔ مگر چونکہ وہ ایک ہی مضمون اور ایک ہی سلسلہ واقعات سے متعلق ہیں اس لئے ربط تقریر میں کہیں خلل نہیں پایا جاتا۔ اس میں منافقین کی حرکات پر تنبیہ، غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں پر زبرد و توبیخ اور اُن صادق الایمان لوگوں پر ملامت کے ساتھ معافی کا اعلان ہے۔ جو اپنے ایمان میں سچے تو تھے۔ مگر جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لینے سے باز رہے۔“

”نزول ترتیب کے لحاظ سے پہلی تقریر سب سے آخر میں آنا چاہئے تھی۔ لیکن مضمون کی اہمیت کے لحاظ سے وہی سب سے مقدم تھی۔“ (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 166-167)

(ii)۔ آخر یہ مان لیا کہ جن مسلمانوں کی مذمت ہوتی رہی ہے وہ سب منافق نہ تھے

ہمیں علامہ کے اس طویل بیان سے تعارض کی اس لئے ضرورت نہیں ہے کہ یہ ہمارے زیرِ نظر عنوان کے خلاف نہیں بلکہ تائید کرتا ہے۔ اور دو تین نہایت اہم حقیقتوں کو ثابت کرتا ہے۔ پہلی بات تو وہی ہے کہ سورہ توبہ انتقالِ رسولؐ سے صرف سولہ ماہ پہلے نازل ہوئی

ہے اور یہ کہ اُس میں نہ صرف منافقوں کی مذمت ہے بلکہ مسلمانوں کی دوسری قسم کی بھی نقاب کشائی ہوئی ہے۔ جن کو علامہ بلا وجہ ضعیف الایمان یا سُست اور کامل کہہ کر جان چھڑالینا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ سُستی کا بلی اور جان پیاری سمجھنے والے اگر واقعی ضعیف الایمان ہوتے ہیں تو اُن تمام صحابہ کو اس زمرہ میں داخل کرنا ہوگا جو جنگ سے جان بچا کر بھاگ جانے کا ریکارڈ قائم کر چکے تھے اور رسول کی جان کو خطرے میں چھوڑ دینا، حکم نہ ماننا، پلٹ کر نہ دیکھنا جن کی عادت تھی۔ ورنہ ہماری طرح یہ ماننا ہوگا کہ وہ اندھی عقیدت والے مسلمان نہ تھے۔ وہ جان و ہاں دینا مفید اور ثواب سمجھتے تھے جہاں قرآن کے احکام کی تنفیذ میں اُن کی اجتماعی بصیرت کو شامل کر کے صلح یا جنگ کا فیصلہ کیا گیا ہو۔ رہ گئی رسول کی ذاتی بصیرت، اُس کا اُن کے یہاں غلطی سے پاک ہونا ناممکن تھا۔ لہذا وہ اُن تمام مواقع پر جان دینا خودکشی کے برابر سمجھتے تھے جہاں اُن سے مشورہ نہ لیا گیا ہو۔ اور رسول کی تنہا ذاتی اور بشری بصیرت سے مہلک صورت حال پیدا ہوئی ہو۔ حضرت عمر کا جنگ سے بھاگتے ہوئے ملامت کرنے والوں کو یہ کہنا کہ ”بھاگنا اللہ کے حکم سے ہوا ہے“ اُسی عقیدہ کا اعلان ہے۔ یعنی جہاں خطرات خود اپنی رائے کا نتیجہ ہوں، وہاں جان کی حفاظت واجب ہے۔ خواہ بھاگ کر ہو یا کسی اور طرح سے ممکن ہو۔ بہر حال وہاں خدا کا حکم یہ ہے کہ؛ اپنی جان کو جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ ڈالو۔ لہذا ہم مسلمانوں کی دو اقسام **لَا تَلْفُتُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ...** (بقرہ 2/195) قرآن کریم سے مسلسل دکھاتے اور اُن کے عقائد کا قرآنی فرق واضح کرتے چلے آئے ہیں۔ دوسری قسم کے مسلمانوں کو منافق یا کمزور عقیدہ مسلمان قرار دینے والے دراصل فریب ساز ہیں۔

(iii)۔ سورہ برأت کو سننے کا حق امیر الحاج حضرت ابوبکر کو کیوں نہ تھا؟

ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام سے عمر میں اتنے ہی بڑے تھے۔ جتنے کہ رسول اللہ تھے۔ یعنی عمر کے حساب سے ابوبکر بزرگ تھے۔ پھر اُن کو سابق الایمان مانا گیا ہے۔ وہ بھی عرب کے باشندے تھے اور عربی زبان جانتے تھے۔ اکیس سال سے قرآن بھی پڑھتے رہے ہوں گے۔ پھر اُن کو پہلے سے امیر الحاج، حاجیوں کا حاکم بنا کر روانہ کیا گیا تھا۔ اگر علامہ مودودی سچے ہیں؟ یعنی واقعی سورہ توبہ حضرت ابوبکر کی مکہ روانگی کے بعد نازل ہوئی تو؟ تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ سورہ توبہ کا نازل شدہ حصہ یا تقریر کسی بھی صحابی کے ہاتھ بھیج دیا جاتا اور حج کا انچارج اُس تقریر کو وہاں پڑھ کر سنادیتا۔ یعنی علی کو خاص طور پر بھیجنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ یہ کیوں ضروری تھا کہ سورہ توبہ علی ہی پڑھ کر سنائیں؟

(34/3)۔ سورہ توبہ کا اعلان سربراہ اسلام ہی کر سکتا تھا

وہ تمام فریب سازیاں اور ہتھکنڈے جو آنحضرتؐ کی قرآنی حکومت کو قومی حکومت بنانے کے لئے استعمال کئے گئے اُن میں سے ایک وہ کوشش بھی ہے جو سورہ توبہ کی تلاوت پر برابر جاری رہی ہے۔ اور جس میں جناب مودودی صاحب نے تمام علما کے خلاف راہ اختیار کی ہے اور لکھ دیا کہ سورہ توبہ حضرت ابوبکر کے مکہ روانہ ہو جانے کے بعد نازل ہوئی تھی تاکہ حضرت ابوبکر کی معزولی کو چھپایا جاسکے۔ علامہ شبلی نے حقائق کو منہ چڑاتے ہوئے تمام سابقہ ریکارڈ پر پانی چھڑکتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ مدینہ سے روانگی ہی اس طرح ہوئی تھی کہ

حضرت ابوبکر امیر حج اور تو انین کے مبلغ بنائے گئے۔ حضرت علیؑ کو سورہ برأت کی تلاوت سونپی گئی۔ اور سعد بن وقاص وغیرہ کو باقی کام بتائے گئے یوں مدینہ سے روانگی ہوئی۔ مطلب یہ کہ ابوبکر معزول نہیں ہوئے۔ سب نے اپنا اپنا کام کیا اور چھٹی ہو گئی۔ مگر شبلی نے یہ جرأت نہ کی کہ سورہ توبہ کو مکہ کی روانگی کے بعد نازل کراتے اور پھر علیؑ کے ہاتھ مکہ بھیجتے۔ بہر حال یہ نئے علامہ حضرات نہ چکے مجتہد ہیں نہ خالص مُقلد ہیں۔ آپ بڑے علما سے اور قدیم ریکارڈ میں تین باتیں نوٹ کریں گے۔ اول: سورہ توبہ دیکر ابوبکر کو مکہ روانہ کیا گیا تھا تاکہ وہ حج میں اعلان و تلاوت کریں۔ یعنی علامہ مودودی نے غلط کہا کہ سورہ توبہ بعد میں نازل ہوئی تھی۔ دوم: ابوبکر کو معزول کر کے علیؑ کو تعینات کیا گیا تھا۔ جنہوں نے ابوبکر سے سورہ توبہ لے لی اور ابوبکر واپس لوٹے۔ سوم: ابوبکر کی معزولی کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اللہ نے سورہ توبہ کی تلاوت سربراہ اسلام کی ذمہ داری قرار دی ہے۔ لہذا محمدؐ تلاوت کریں یا علیؑ یہ کام سرانجام دیں۔ ان حقائق کو قبول کرتے ہوئے وہ تکلفات اور لفظی تحفظات ملاحظہ ہوں جو قدیم ریکارڈ مرتب کرنے والوں نے اختیار فرمائے تھے۔

(ii)۔ سورہ برأت یا توبہ کس کو ملی؟ کون معزول ہوا؟ کس نے اور کیوں تلاوت کی؟

سب سے قدیم اور سب سے مستند کتاب اور مستند علماء لکھ فرماتے ہیں کہ:-

إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ فِي تِلْكَ الْحِجَّةِ فِي مُؤَذِّنِينَ بَعَثَهُمْ يَوْمَ النَّحْرِ يُؤْذِنُونَ أَنْ لَا يَحْجَ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عَرِيَانٌ۔ قَالَ حَمِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ثُمَّ أَرَدَفَ رَسُولُ اللَّهِ بَعْلَى بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَأَمَرَهُ أَنْ يُؤْذِنَ بِبِرَاءَةِ۔ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَاذْنُ مَعْنَى عَلِيٍّ۔

صحیح بخاری میں ہے۔ یقیناً ابو ہریرہ نے کہا کہ اُس حج میں ابوبکر نے مجھے اور کئی ایک ایسے اعلان کرنے والوں کے ساتھ تعینات کیا جو قربانی کے دن یہ اعلان کرنے پر مامور تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔ اور نہ کوئی ننگا ہو کر طواف کر سکے گا۔ حمید بن عبد الرحمن نے بتایا کہ پھر رسول اللہ نے علی بن ابی طالب کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ وہ سورہ برأت (توبہ) کا اعلان کریں۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ حضرت علیؑ نے ہمارے ساتھ سورہ برأت کا اعلان کیا۔

(1) صحیح بخاری میں یہ روایت مختلف الفاظ میں تین جگہ مذکور ہے اور اصل مقصد ہر جگہ واضح ہے۔ علامہ ابن حجر نے حدیث کی شرح میں یہ وضاحت کی ہے کہ: عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ أَبَا بَكْرٍ بِبِرَاءَةٍ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ وَبَعَثَهُ عَلِيٌّ الْمَوْسِمَ ثُمَّ بَعَثَنِي فِي أَثَرِهِ فَادْرَكْتُهُ فَآخِزْتُهَا مِنْهُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ مَالِي؟ قَالَ خَيْرٌ أَنْتَ صَاحِبِي فِي الْغَارِ وَصَاحِبِي عَلَى الْحَوْضِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَبْلُغُ عَنِّي غَيْرِي أَوْ زَجَلُ مَنِي۔

”حضرت علیؑ نے کہا کہ رسول اللہ نے ابوبکر کو سورہ برأت کے ساتھ موسم حج میں اہل مکہ کی طرف بھیجا۔ پھر مجھے اُنکے پیچھے روانہ کیا۔ چنانچہ میں نے اُنکو جالیا۔ اور سورہ برأت اُن سے لے لی۔ ابوبکر نے واپس آ کر رسول اللہ سے دریافت کیا کہ مجھ میں کیا خرابی تھی؟ آپ نے فرمایا بہتر یہی تھا۔ رہ گئے تم تو تم میرے غار کے ساتھی ہیں اور حوض کے ساتھی ہو۔ بات یہ ہے کہ یہ اعلان ایسا ہے۔ جو یا تو خود مجھے کرنا چاہئے یا ایسے شخص کو کرنا چاہئے جو مجھ سے ہو۔ اسکے بعد علامہ ابن حجر نے لکھا کہ:-

عند الطبرانی من حديث أبي رافع نحوه لكن قال آتاه جبرائيل فقال انه لن يؤديها عنك إلا انت

أَوْ رَجُلٌ مِنْكَ - عَنْ حَدِيثِ أَنَسٍ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ بَرَاءَ مَعَ أَبِي بَكْرٍ - ثُمَّ دَعَا عَلِيًّا فَأَعْطَاهَا إِيَّاهُ وَقَالَ لَا

يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَبْلُغَ هَذَا إِلَّا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ - (فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ (19) صفحہ 194)

”طبرانی نے بھی یہی لکھا ہے لیکن یہ بھی ہے کہ ابی رافع کی روایت کی رو سے آنحضرت کے پاس جبرائیل آئے اور کہا کہ تمہاری طرف سے یہ ذمہ داری جب ہی ادا ہو سکتی ہے جب کہ آپ خود یہ اعلان کریں یا ایسا شخص اعلان کرے جو آپ سے ہو۔ اور انس نے یہ روایت کی ہے کہ نبیؐ نے ابوبکر کو براءؓ کے ساتھ بھیجا تھا۔ پھر علیؓ کو بلایا اور یہ ذمہ داری علیؓ کو سونپ دی اور فرمایا کہ کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس اعلان کی تبلیغ کرے سوائے میرے اپنے اہل کے۔“

یہاں تک سورہ کا پہلے سے نازل شدہ ہونا اور ابوبکر کو تعینات کرنے کے بعد حکم خدا معزول کر دینا ثابت ہو گیا۔ حدیث میں غار اور حوض کا ساتھی قرار دیا جانا قابل اعتراض نہیں ہے۔ غار میں واقعی ساتھی تھے۔ اور جیسے ساتھی تھے قرآن نے بیان کر دیا ہے۔ حوض کا ساتھی دراصل حدیث حوض کے ساتھیوں کی حالت بیان کرتا ہے۔ جنہیں ملائکہ حوض سے واپس لے کر کہیں اور پہنچائیں گے۔ پھر ان محدثین اور راویوں کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ رسولؐ سے ہرگز غلطی نہیں ہوتی تھی۔ لہذا یہ الفاظ اُن کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ اس لئے کہ وہ اکثر رسول اللہ کے اقوال کو ذاتی رائے کہہ کر رد کر دیا کرتے ہیں۔ لہذا حوض کا ساتھی فرما دینا اُن کے لئے کس دلیل سے صحیح ہو سکتا ہے؟ سوائے اس کے کہ وہ رسول کے ہر قول و فعل کو منجانب اللہ مانیں۔ اور یہ مانتے ہی اُن کے اجتہاد مذہب کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے اور انہیں ہمارا مذہب اختیار کرنا پڑتا ہے۔ امام نسائی نے یہ لکھا ہے کہ:-

(2) إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ بَعَثَ بَرَاءَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ مَعَ أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ اتَّبَعَهُ بِعَلَى فَقَالَ لَهُ خُذْ هَذَا الْكِتَابَ فَاْمُضْ بِهِ إِلَى

أَهْلِ مَكَّةَ - قَالَ فَلَحَقْتُهُ وَاخَذْتُ الْكِتَابَ مِنْهُ فَانصَرَفَ أَبُو بَكْرٍ وَهُوَ كَتِيبٌ - قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْزِلْ فِي شَيْءٍ؟

قَالَ لَا - إِلَّا أَنِي أَمَرْتُ أَنْ أَبْلُغَهُ أَنَا أَوْ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي - (خصائص نسائی ص 63) ”رسول اللہ نے ابوبکر کے ساتھ سورہ

برأت مکہ والوں کی طرف روانہ کی۔ اسکے بعد علیؓ کو ابوبکر کے پیچھے بھیجا اور اُن سے یہ کہا کہ ابوبکر سے وہ کتاب لے لو اور اہل

مکہ کے پاس لے کر جاؤ۔ حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ میں ابوبکر تک جا پہنچا اور اُن سے وہ کتاب لے لی۔ اسکے بعد ابوبکر دل

گرفتہ ورنجیدہ واپس ہو گئے اور رسول اللہ سے سوال کیا کہ کیا میرے بارے میں کچھ نازل ہو گیا ہے۔ فرمایا تمہارے بارے

میں نہیں۔ ہاں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ یا تو میں سورہ برأت کی تبلیغ کروں یا میری اہل بیت میں سے کوئی تبلیغ کرے۔“

کہا جاتا ہے کہ سورہ برأت کی دس یا چالیس آیات اہل مکہ کو سنائی گئی تھیں۔ اور جدید علامہ مودودی نے پانچ رکوع یعنی سینتیس (37) آیات

بتائی ہیں۔ اور ساتھ ہی شیعہ و سنی دونوں کے علما نے یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ عربوں کا حافظہ مخصوص طریقہ پر تیار کیا گیا تھا۔ لیکن حدیث نمبر 2

میں معلوم ہوا کہ جو کچھ مکہ میں سنانا تھا وہ ایک کتاب تھی۔ یعنی لکھا ہوا سامان تھا۔ لہذا یہ ماننا لازم ہے کہ اگر واقعی چالیس (40) آیات یا کم

تعداد تھی تو نہ تو حافظہ والی بات صحیح ہے نہ حافظان والی روایات صحیح ہیں۔ اور یا یہ کہنا ہوگا کہ پوری سورہ پڑھنے کے لئے دی گئی تھی، یہی ہمارا

موقف ہے۔ ہم نہ عربوں کی کھوپڑی میں کوئی خاص قسم کا دماغ مانتے ہیں، نہ حافظان قرآن کی اُس تعداد اور بھیڑ بھاڑ کو مانتے ہیں۔ اس

لئے کہ اُن لوگوں کو اتنی فرصت کہاں تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ خود آنحضرتؐ کا مرکزی ریکارڈ تیار تھا۔ اُس میں سے جس قدر تلاوت فرمادیا جاتا تھا بعض لوگ جو لکھے پڑھے تھے، لکھ لیتے ہوں گے۔ مگر اُن کا بھی ہر وقت پاس رہنا ثابت کرنا ناممکن ہے۔ یہ لوگ جب تدوین قرآن کا ذکر شروع کرتے ہیں تو باقی حالات اور ضروریات کو برے سے بھلا کر یہ تاثر دیتے ہیں کہ بس ہر وقت لوگ قلم لئے بیٹھے رہتے تھے۔ اور تلاوت کے ساتھ ساتھ ٹیپ ریکارڈ کی طرح لکھ اور رٹ لیتے تھے۔ ذرہ برابر غلطی ممکن نہ تھی۔ نہ جملہ دُہرانے اور دوبارہ سُنانے کی ضرورت تھی، نہ س، ث، اور ص میں گڑبڑ کا امکان تھا۔ یہ سب باتیں شیخ چلی سے کم نہیں۔

(3) شاہ ولی اللہ ایسی حدیث لائے ہیں جس میں حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں اور دونوں حضرات نہ رسولؐ کے اہل میں ہیں نہ اہلبیت میں نہ رسولؐ والوں میں داخل ہیں۔

عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ بعث ابابکر وعمر ببراة الى اهل مكة۔ فانطلقا فاذاهما برآکب۔ فقال من هذا؟ قال انا علی۔ قال واللہ ما علمت الا خیرا فاخذ علی الكتاب فذهب به ورجع ابو بکر وعمر الى المدينة۔ فقالا مالنا يا رسول اللہ؟ فقال ما لکما الا خیرا و لكن قيل لی انہ لا يبلغ عنک الا انت او رجل منک۔ اخرجه الحاكم (قرۃ لعینین صفحہ 234)

”عبداللہ حضرت عمرؓ کے بیٹے نے کہا کہ رسول اللہ نے ابوبکر اور عمرؓ کو اہل مکہ پر سورہ برآة کے اعلان کے لئے بھیجا۔ اور جب وہ جاچکے مگر ابھی راستے ہی میں تھے کہ اُن کو ایک سوار ملا۔ اُنہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ جواب ملا میں علیؓ ہوں۔ ابوبکر بولے کہ میں نے اس سوال میں بھلائی ملحوظ رکھی تھی۔ حضرت علیؓ نے وہ کتاب اُن سے لے لی اور اُسے لے کر روانہ ہو گئے۔ ادھر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ مدینہ لوٹ کر آئے۔ اور دونوں نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ ہم دونوں میں کیا نقص نکل آیا؟ فرمایا خیریت ہے۔ لیکن مجھ سے کہا گیا ہے کہ آپؐ کی طرف سے یہ ذمہ داری صرف اس صورت میں پوری ہو سکتی ہے کہ یا تو تم خود جا کر اس اعلان و سورہ کی تبلیغ کرو یا ایسا آدمی کرے جو تجھ سے ہو۔ یہ روایت امام حاکم نے لکھی ہے۔“

یہاں تک وہ تمام تحریریں باطل ہیں جن میں کہا گیا کہ اُس سال حضرت ابوبکرؓ بدستور حج کے حاکم یا امیر الحاج رہے تھے۔ ہر دفعہ ہر حدیث میں اُن کا مدینہ پلٹ آنا مذکور ہوتا رہا ہے۔

(4) حضرت ابوبکرؓ بیان فرماتے ہیں کہ:-

انّ النبی ببراة لاهل مكة لا يحج بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان ولا يدخل الجنة الا نفس مسلمة۔ ومن كان بينه وبين رسول اللہ مدة فاجلة الى مدته واللہ برى من المشركين۔ ورسوله۔ قال فسرت بها ثلاثا۔ ثم قال رسول اللہ لعلی۔ الحق ابابکر فردّه الیّ وبلغها انت۔ ففعل علی ذلك ورجعت الی المدينة فلما قدمت علی النبی بکیت وقلّت يا رسول اللہ حدث فیّ شیء؟ قال ما حدث فيک الا خیر والکئی امرت ان لا يبلغها منی۔ (مسند امام حاکم جلد 1 صفحہ 2)

نبیؐ نے مجھے اہل مکہ کی طرف سورہ برأت دے کر روانہ کیا تاکہ میں یہ اعلان کروں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔ اور کوئی شخص ننگا ہو کر کعبہ کا طواف نہ کیا کرے گا۔ اور اگر کسی کے ساتھ رسول اللہؐ کا کوئی معاہدہ ہے وہ وقت مقررہ تک قائم رہیگا۔ اور آج سے رسول اللہؐ مشرکوں سے بری الذمہ ہیں۔ ابوبکر نے بیان کیا کہ میں تین دن سفر کر چکا تو رسول اللہؐ نے علیؑ سے کہا کہ تم جا کر ابوبکر سے ملو اور اُس کو میرے پاس واپس کر دو اور خود جا کر سورہ برأت کی تبلیغ کرو۔ چنانچہ علیؑ نے اس حکم پر عمل کیا اور میں مدینہ واپس چلا آیا۔ جب میں خدمت رسولؐ میں پہنچا تو میں نے رورور کر عرض کیا کہ حضورؐ کیا کوئی نئی بات میرے حق میں نازل ہوئی ہے۔ فرمایا کوئی نئی بات نہیں جو ہوا اچھا ہی ہوا ہے۔ لیکن یہ ضرور ہوا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اُس سورہ کی تبلیغ میری ذات یا میرے اہل پر لازم ہے۔

(5) حبیب السیر سے مزید خامیاں دُور ہو جاتی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:-

”چوں امیر المؤمنین ابوبکر بلاملأمت حضرت رسول صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام رسید۔ از آنحضرت پرسید کہ یا رسول اللہ از من چه صادر شد کہ از قرأتِ سورہ برأت ممنوع گشتم۔ رسول اللہ فرمود کہ بچ منقصے بحال تو راہ نیافتہ۔ ولکن الامین هبط الی من اللہ عز وجلّ بانّہ لا یؤدی عنک الا انت اور جل منک وعلیّ منی وھو اخی ووصی ووارثی و خلیفتی فی اھل بیتی و اُمتی بعدی یقض دینی ینجر وعدی ولا یؤدی عنی الا علی۔“

جب امیر المؤمنین ابوبکر راستہ سے واپس ہو کر رسول اللہؐ سے ملے تو آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ مجھ سے کیا قصور ہوا؟ کہ سورہ برأت کی تبلیغ سے منع کر دیا گیا؟ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ تمہاری کوئی توہین نہیں کی گئی ہے۔ لیکن جبرائیلؑ امین خدا کی طرف سے اُترے۔ میرے پاس یہ پیغام لائے کہ یقیناً برأت کی ذمہ داری تمہاری طرف سے جب ہی ادا ہو سکتی ہے جبکہ تم خود یہ اعلان کرو یا کوئی تمہارا اپنا مرد یہ اعلان کرے۔ سنو علیؑ مجھ سے ہے اور وہ میرا بھائی ہے۔ میرا وصی ہے۔ میرا وارث ہے۔ اور میرے اہلبیتؑ اور میری امت پر میرے بعد بھی میرا خلیفہ ہے۔ جو میرا قرض ادا کرنے، میرے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ لہذا سورہ برأت والا اعلان میری طرف سے علیؑ کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا تھا۔“ (تفسیر درمنثور جلد 3 صفحہ 310)

(iii)۔ سورہ برأت خلافتِ بلا فصل پر حجة اور قومی حکومت پر مصیبت ہے

ہم احادیث کے انبار کو ازراہ اختصار ترک کرتے ہیں اور قارئین کو دو باتیں بتاتے ہیں۔ پہلی یہ کہ راویان حدیث اور محدثین عمدہ سے عمدہ اور مفصل بیانات کو کسی طرح مختصر اور بے معنی کر کے بیان کرتے اور لکھتے آئے ہیں۔ یہ بات ہماری لکھی ہوئی پہلی حدیث سے پانچویں تک واضح ہو جاتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ ان تمام احادیث میں ابوبکر و عمر کا اُس عہدہ سے معزول ہونا اور اس معزولی پر رنجیدہ و کبیدہ خاطر ہونا اور رورور کر وجہ دریافت کرنا مسلسل موجود ہے۔ یہاں یہ کہہ کر دلجوئی کی جاتی ہے کہ ہر دفعہ رسول اللہؐ نے خیر فرمایا ہے۔ یہ بھی کہا ہے کہ کوئی نئی بات نازل نہیں ہوئی ہے۔ گویا اس عزل و نصب میں کسی کو معزول کر دینا ہی اُس کی عاقبت بخیر ہونے کے لئے ضروری تھا۔ اور ابوبکر کو اس منصب پر برقرار رکھنا خیر کے بجائے شر و فساد تھا۔ اور چونکہ ابوبکر کی یہ منزلت نہ تھی کہ وہ اس منصب سے معزول ہو جانا اپنی توہین یا کسر شان سمجھیں، اس لئے یہ کہا جاتا رہا ہے کہ جو کیا گیا وہ درست ہی درست ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ اُن کا امت پر خلیفہ

بنادیا جانا اللہ و رسولؐ کے نزدیک خیر نہ تھا بلکہ شر تھا۔ اور غالباً حضرت عمرؓ نے جو یہ فرمایا تھا کہ ابوبکرؓ کی خلافت کے شر سے ہم لوگ محفوظ رہ گئے، اسی طرف اشارہ تھا۔

پھر جب یہ طے ہو گیا کہ آنحضرتؐ کی ذمہ داریاں علیؓ کے سوا کوئی دوسرا فرد امت ادا کر ہی نہیں سکتا تو رسولؐ اللہ کی جانشینی اور رسالت و نبوت کی تمام ذمہ داریاں قیامت تک کے لئے کس طرح امت کے خاطر افراد کی سپردگی میں دی جاسکتی تھیں؟ اگر ایک سورہ یا ایک سورہ کی چالیس میں سے دس آیات تک مجمع عام میں سنانا ابوبکر و عمر کے لئے منجانب خدا جائز نہ تھا تو سارے قرآن کی تبلیغ کیسے اُن کو سونپی جاسکتی تھی؟ خصوصاً جبکہ قرآن کا نجات کی تمام تفصیلات کا حامل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ادھر رسولؐ اللہ کو (معاذ اللہ) خطا کا رہنا ضروری تھا۔ ادھر قرآن کو چند گئے چُنے احکام اور مشابہات و مجملات کا مجموعہ قرار دینا تھا۔ تاکہ ہر جاہل اجتہاد کی آڑ میں قرآن کے نام پر سربراہ اسلام اور محی الدین بن جائے۔ اور ”مَنْ ثَرَا حَاجِيْ بَكْوِيْمٍ ثُوْمَرًا مِّثْلًا بَكْوٍ“ کے مَن سمجھوتے سے اسلامی نظام چلانے کا دعویٰ کر دیا جائے۔ اور جو بات سمجھ میں نہ آئے غیر مسلم حکومت اور حکمرانوں کے فیصلوں کو سامنے رکھ کر سمجھ لی جائے۔ چنانچہ ہمیشہ غیر مسلم دانشوروں کا سہارا لیا جاتا رہا ہے۔ غیر مسلم نظامہائے حیات کے ساتھ لفظ اسلام یا اسلامی لگا کر انہیں مسلمان نقاب پہنایا جاتا رہا ہے۔ قوانین مصر و بابل اور رومۃ الکبریٰ اور پھر برٹش لا کو چند لفظ ادھر ادھر کر کے اختیار کیا جاتا رہا ہے اور آج تو کمیونزم و سوشلزم بھی بڑے دھڑلے سے اسلامی بن کر یا بنا کر سامنے لایا جا رہا ہے۔

(34/4)۔ سورہ بَرَات کے اعلان کی جھلکیاں اور عظمت

سورہ بَرَات کا اعلان قیامت تک پیدا ہونے والے تمام سرکش جابروں، سبعیت و بربریت کے سب نمائندوں اور تمام طاغوتی اداروں کو مخاطب کرتا ہے۔ یہ اعلان چاہتا ہے کہ تمام اسلام دشمن اور انسان کش قوتیں لرز کر رہ جائیں۔ ہر وہ دل سینہ میں بیٹھ کر رہ جائے جس میں تخریب کے جذبات موجزن رہتے ہوں۔ ہر وہ بازو و شل ہو کر رہ جائے جو تیر اندازی اور تیغ زنی میں نامور ہے۔ وہ تمام سیاسی منصوبہ ساز جماعتیں آج وجہ اللہ، لِسَانُ اللہ، عَيْنُ اللہ، يَدُ اللہ اور قُوَّت پروردگار کا لب و لہجہ سنیں۔ اُس کی غیر متزلزل اور بے پناہ اسکیم سے متعارف ہوں۔ اُن کے سامنے آج اُن کی تمام کوششیں، تمام زور آزمائیاں، تمام محاربات، تمام تجربات یکجا طور پر دم توڑتے نظر آجائیں۔ اُن کے کانوں میں مرحب و معتز و عبدود کی آخری چیخیں گونجنے لگیں۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے ذوالفقار کی چمک اور شجاعان کفر کے سروں کی بارش کا نظارہ پھر جائے۔ وہ اُن کو بتادے کہ آج تک تمہاری ساری تنگ و دو؛ تمہارے تمام مادی وسائل اور تمہاری ہر دماغی و عقلی کاوش بچوں کی اُس کوشش کے برابر بھی نہ ہوئی جو وہ جنگوں کی چمک دمک کو سمجھنے اور پھونک مار کر بجھا دینے کیلئے کیا کرتے ہیں۔ اس قدر حقیر و کمزور سامان کی مدد سے اللہ کے پھیلنے چلنے آنے والے نور کو اپنے ہونٹوں اور لسانی بکواس سے اندھیرے میں

بدل دینا چاہتے ہیں۔ جبکہ اللہ نے یہ ٹھان رکھا ہے کہ وہ يُرِيْدُ وَنَ أَنْ يُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبٰى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُّنْمَ نُوْرُهُ وَاَنْ يُّنْمَ نُوْرُهُ كَمَا يُّنْمُ نُوْرُهُ ۝ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِ يُظْهِرَ عَلٰى الدِّيْنِ كَلِمَةً وَاَنْ يُّنْمَ نُوْرُهُ كَمَا يُّنْمُ نُوْرُهُ ۝ (توبہ 9/32-33)

ہستی کی کرشمہ سازیاں تو تمہارے سامنے ہیں جس نے اُس رسول کو ہدایات بہم پہنچائیں اور دین حقیقی دے کر بھیجا۔ جس کے جانشین و نائب کی حیثیت سے میں یہ اعلان کر رہا ہوں کہ یہ دین حق تمام نظامہائے باطل پر غالب آ کر رہے گا۔ چاہے نظام اشتراک کے ممبران پر گراں ہی کیوں نہ گزرے۔ اس پروگرام کو آگے بڑھانے کے لئے یہ طے کر لیا گیا ہے کہ اب شرکاء نظام شرک کی جان و مال کی ذمہ داری

اللہ و رسول پر نہیں ہے۔ لہذا اللہ و رسول کی جانب سے تمام انسانوں کے لئے اس حج اکبر میں اعلان کیا جاتا ہے کہ تمام مخالف گروہ توبہ کر لیں تو بہتر ہے۔ ورنہ اگر انہوں نے ولایت بازی جاری رکھی تو سن لیں کہ اللہ و رسول اُن سے بری الذمہ ہیں۔ وہ ہرگز اللہ کو عاجز نہ کر سکیں گے۔ ایسے لوگوں کو

دردناک عذاب کی خوشخبری دیتا ہوں۔ آج سے چار ماہ تک کی مہلت دی جاتی ہے (توبہ 9/2) اس میں اپنا جیسا چاہیں انتظام کر لیں۔ لیکن چار ماہ کے بعد مشرکین جہاں ملیں گے اُن کو پکڑا جائے گا۔ اُن کی تاک میں بیٹھا جائے گا۔ انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا جائے گا۔ اور جرائم سے باز نہ آنے والوں کو قتل کر دیا جائے گا (توبہ 9/5)۔ حق پوشی کرنے والوں کو ذلیل و خوار کیا جائے گا (توبہ 9/2)۔ معاہدہ شکن اور غداری کرنے والوں سے کوئی رعایت نہ کی جائے گی (توبہ 9/7)۔ اس لئے کہ وہ اپنے غلبہ اور اقتدار کی حالت میں تمام اخلاق اور ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتے ہیں (توبہ 9/8)۔ قرابت داری اور احساس فرض کی جگہ ظلم و جبر میں سبقت لے جاتے ہیں (توبہ 9/10)۔ اب آئندہ ہر معاہدہ شکن اور مسلمانوں کو دینی طعنہ دینے والوں کے ساتھ درگزر کی جگہ تلوار سے کام لیا جائے گا۔ اور ہر اُس آدمی کو قتل کر دیا جائے گا جو کفر کی امامت کرے گا (توبہ 19/12)۔ وہ تمام مشرکین جو اپنے عملی اقدام سے کفر کی شہادت دیتے ہیں۔ انہیں بیت اللہ کی تعمیر اور مرمت کی اجازت بھی نہ ہوگی۔ اُن کی تمام دینی خدمات برباد اور اُن پر جہنم واجب ہو چکا ہے (توبہ 9/17)۔ تعمیر مسجد حرام اور حاجیوں کو آب رسانی وغیرہ کی وجہ سے وہ صاحبان ایمان کے برابر نہیں لائے جاسکتے (توبہ 9/19)۔ اب کافروں کو یہ موقع نہ ملے گا کہ مقدس مہینوں میں جنگ کو حلال کر سکیں اور بد اعمالی کو حسین لبادہ پہنا سکیں (توبہ 9/37)۔ اب انتہی یہ ہے کہ مشرک کے لئے مغفرت کے دروازے بند ہیں۔ حتیٰ کہ رسول کی سفارش بھی بے اثر رہے گی۔ (توبہ 9/113)

(ii)۔ اعلان برأت کا مخاطبہ اُس مومن گروہ کی طرف جو مشترک قومی حکومت چاہتا ہے

قارئین سورہ برأت میں کافروں اور مشرکوں سے جو کچھ کہا گیا وہ آپ نے دیکھ لیا ہے اور یہ سب کچھ چند آیات میں سما گیا ہے۔ لیکن وہ مسلمان گروہ جس کا ہم تذکرہ کرتے رہے ہیں؛ اور جس کا معاملہ علیؑ اور اولاد علیؑ سے پیش آنے والا ہے۔ اور جنہوں نے نہایت سرد جنگ جاری رکھی ہے۔ اور اُن تمام مقاصد کو اسلام کا لباس پہنا دیا ہے جو کفار کا تیغ بکف محاذ چاہتا تھا۔ اب سورہ برأت میں اُن کا حصہ، اُن کے مقاصد، اُن کی کارکردگی اور خفیہ و اعلانیہ عمل درآمد ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت علی علیہ السلام، لسان اللہ سے فرما رہے ہیں کہ مومنین کا وہ گروہ جو اب دے کہ کیا تم کفار و مشرکین کو چیلنج مل جانے کے بعد بھی اُن سے جنگ نہ کرو گے؟ جنہوں نے معاہدوں کو برابر نظر انداز کیا اور خلاف ورزیاں کیں اور رسول اللہ کو نکال کر شہر بدر کرنے کی ہمت کی اور جنہوں نے پہلے ہی نمبر پر تم کو اپنا آلہ کار بنانے سے ابتدا کی

تھی۔ کیا تم اُن بدعہدوں سے اب بھی مودبانہ تعظیمی خوف محسوس کرتے ہو؟ سوچو کہ اگر تم واقعی مومنین ہو تو اللہ تعظیمی خوف کا زیادہ حقدار ہے۔

اَلَا تَتَّقَاتُلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا اٰیْمَانَهُمْ وَهُمْ مُوَاخِرَاجُ الرُّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ
اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (توبہ 9/13)

لہذا تمہیں اُنکے بجائے اللہ کو مد نظر رکھنا چاہئے۔ اب تم سب ہوشیار ہو جاؤ، کہ تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ تم چیلنج شدہ بدعہد قوم سے جنگ کرو گے تو یقیناً اللہ اُس قوم کو تمہارے ہاتھ سے عذاب میں مبتلا کریگا اور اس صورت میں تمہاری نصرت بھی کریگا۔ اور اُنہیں ذلیل و خوار کر دیگا۔ اور ایمان لانے کی کوشش کرنے والی قوم کے دلوں کی بیماری کو شفا دے گا۔ اور اسلام کے خلاف بیماری نے جو غیظ و نفوس مسلمانوں کے دلوں میں باقی رکھا ہے۔ اُسے اللہ ٹھنڈا کر کے الگ کر دے گا۔ اور جو نو مسلم چاہیں گے اللہ اُن کی توبہ بھی قبول کر لے گا۔ چنانچہ اللہ علیم بھی اور حکیم بھی ہے۔ یعنی مذکورہ بیماری سے آگاہ بھی ہے اور اُس کو شفا دے سکنے والا حکیم بھی ہے (توبہ 9/14-15)۔ لہذا تمہیں پھر تاکید کی جاتی ہے کہ تم اُن لوگوں سے جنگ کرو گے جو نہ تو ایمان ہی لاتے ہیں نہ اُن چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں جو اللہ و رسولؐ نے حرام کر دی ہیں۔ اور نہ مسلمہ دین حق پر کار بند ہوتے ہیں۔ حالانکہ اہل کتاب میں شمار ہیں۔ اس صورت میں اگر وہ اپنا تحفظ چاہتے ہیں تو انہیں اپنی جان و مال کی حفاظت کی جزا دینا ہوگی اور ایک گھٹیا مذہب کا اعلان کرنا ہوگا تو تعارض نہ کیا جائے گا (توبہ 9/29)۔ اُن کا یہ عقیدہ کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ کفار کی تقلید میں ہے، جھوٹ ہے، تہمت ہے۔ اور یہ اس لئے رائج ہوا ہے کہ انہوں نے احکام خداوندی کی جگہ اپنے مقدس بزرگوں اور علما کو واجب الاتباع اور خدا کی جگہ سمجھ لیا ہے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ اللہ ہی معبود ہے نہ کہ مسیح وغیرہم (توبہ 9/30-31)۔ یہ مقدس بزرگ اور اُن کے علما لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں۔ اور اللہ کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو راہ خدا میں خرچ کرنے کے بجائے مال و دولت کا ذخیرہ بڑھاتے ہیں۔ ایک دن آنے والا ہے۔ جب اُن چاندی سونے کے سکوں سے اُن کا سارا جسم داغا جائے گا۔ انہیں سونا چاندی ذخیرہ کرنے پر عذاب الیم کی بشارت دیدو۔ (توبہ 9/34-35)

پھر سنو کہ کیا تمہاری مجتہدانہ بصیرت کے حساب سے یہ بات صحیح ہے کہ تمہیں بلا یہ ثابت کئے نجات دے دی جائے گی کہ تم میں سے کون کون جہاد سے جان چڑاتا رہا؟ اور کس کس نے اللہ و رسولؐ اور فطری مومنین کے علاوہ غلط مرکز کدول میں جگہ دی؟ حالانکہ اللہ تمہارے تمام اقدامات و تصورات سے خبردار ہے (توبہ 9/16)۔ چنانچہ سنو اور یاد رکھو کہ جو لوگ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں، خواہ تمہارے باپ بھائی ہوں، اُن کو ولی یا حاکم نہیں بنایا جاسکتا۔ اور جو ایسی ولایت و اقتدار کو اختیار کر لے وہ ظالم ہے۔ مختصر یہ کہ اگر تم لوگوں کو اللہ و رسولؐ اور اُن کے حکم سے جہاد کرنے سے کوئی اور چیز عزیز تر ہے تو تمہیں برے نتائج سے دوچار ہونے کا انتظار کرنا چاہئے۔ اور اس قسم کی قوم نہ ہدایت پاسکتی ہے نہ قانون کی فرماں بردار بن سکتی ہے خواہ ایسی قوم کثیر تعداد رکھتی ہو۔ چنانچہ جنگ حنین میں تمہاری کثرت تھی اور تمہیں اپنی کثرت پر ناز بھی تھا۔ مگر ہوا یہ کہ وہ کثرت تمہارے کسی کام نہ آئی اور ہم نے جس طرح بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کی، جنگ حنین میں بھی تمہیں بچالیا۔ حالانکہ تمہارے لئے زمین کی وسعتیں تنگ ہو گئی تھیں اور تم رسولؐ اللہ کو چھوڑ کر اپنی زیر بحث ولایت کا سہارا لینے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے تھے (توبہ 9/23-25)۔ لہذا اے مومنین اس سال کے بعد مشرکین کو مسجد حرام کے پاس آنے سے روکنا

ہے اس لئے کہ وہ ایک ناپاک گروہ ہے۔ اور اپنی تنگدستی اور لالچ کی بنا پر اُن کی رعایت نہ کرنا۔ اگر اللہ نے چاہا تو تمہیں جلد ہی دولت مند بنا دے گا۔ وہ بہر حال حالات کا جاننے والا اور تدارک کر دینے والا حکیم ہے۔ (توبہ 9/28)

یاد رکھنا کہ اللہ نے نبیؐ کو کافروں اور منافقوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے اور جہاد کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ لہذا اُن کا اور اُن کے طرفداروں کا ٹھکانہ جہنم تجویز ہو چکا ہے (توبہ 9/73)۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ مشرکین کو کُلیتہً واجب القتل سمجھو جیسا کہ وہ مومنین کو مجموعی حیثیت سے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ (توبہ 9/36)

(iii)۔ اعلانِ سورہ بُرأت کے ساتھ ساتھ قریش کے داخلی محاذ کے مسلمانوں کا تشخص اور تعارف بھی کر دیا گیا

اب وہ مومنین بتائیں کہ اُن کے اس عمل درآمد کا کیا مطلب ہے؟ کہ جب بھی اُن سے اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے کہا جائے تو وہ سب زمین گیر ہو جائیں اور ایک قدم بڑھانا بھی انہیں پسند نہ آئے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تم دنیا ہی کی زندگی کو اختیار کرنا طے کر چکے ہو اور تمہیں آخرت کی پروا نہیں ہے۔ حالانکہ سامانِ آخرت دنیاوی مال و متاع سے کہیں زیادہ مفید ہے (توبہ 9/38)۔ بہر حال اب اگر تم جنگ کے لئے نہ نکلو گے تو تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اور تمہاری جگہ ایک ایسی قوم تبدیل کر لی جائے گی جو تمہاری قسم کی مسلمان نہ ہوگی اور اللہ کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے آمادہ رہے گی اور تم اس تبادلہ کے بعد بھی اللہ کو ضرر نہ پہنچا سکو گے۔ یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری جگہ دوسری قوم کا لے آنا اللہ کی قوت و قدرت سے باہر ہے۔ وہ جب چاہے ایسا کر سکتا ہے (توبہ 9/39)۔ اگر تم رسول اللہ کی مدد نہ بھی کرو تب بھی اللہ تو یقیناً اُن کی مدد کرتا چلا آیا ہے۔ تم نے تو نبیؐ کی اُس وقت بھی مدد نہ کی تھی جب کافروں نے اُن کو مکہ سے نکال دیا تھا اور جب وہ غار کے اندر دو (2) ہوتے ہوئے بھی ثانوی پوزیشن میں تنہا ہی تھا۔ اور اُس کا ساتھی اُس کی مدد اور دل جوئی کرنے کے بجائے بے قرار ہوا جارہا تھا۔ اور رسول اُس سے کہہ رہے تھے کہ اللہ ہمارے ساتھ یہاں بھی ہے۔ اُس کی مدد پر یقین کرو اور حزن و ملال سے باز رہو۔ اُس وقت بھی اللہ نے اپنے بے یار و مددگار نبیؐ کی مدد ایسی فوجوں سے کی تھی جو تمہیں نظر نہیں آتیں۔ اور اس طرح سکون و اطمینان فراہم کر دیا تھا۔ اور کافروں کے چیلنج کو بے حقیقت اور اپنے چیلنج کی عظمت کو بلند کر دیا تھا۔ اور اللہ تو ایسی حکمت کا مالک ہے جو ہر حال میں غالب ہی رہتی ہے (توبہ 9/40)۔ لہذا تمام مسلمانوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ احکامات کی تعمیل میں ساز و سامان کے ساتھ ہو یا بے سروسامانی کا عالم ہو، فوراً نکل پڑا کرو اور باقی مصروفیات سے نفرت اختیار کر لیا کرو۔ اگر تم کو علم ہے تو تمہارے لئے تعمیل ہی میں خیریت ہے۔ اللہ نے نبیؐ کو یہ بتا رکھا ہے کہ اگر غزوہ تبوک کے بجائے کوئی قریب کا سفر ہوتا اور اُس میں فائدہ بھی قریب اور ممکن الحصول دکھائی دیتا تو تم لوگ ضرور نبیؐ کی اتباع کرتے۔ لیکن تمہاری اجتہادی بصیرت نے اُس اتباع کو مشقت ہی مشقت بنا کر دکھایا۔ لہذا اپنے ذاتی فیصلے کے ماتحت تم نے نبیؐ کی اتباع نہ کی تھی۔ اور نبیؐ کو تمہارے متعلق یہ بھی بتا دیا تھا کہ جب تم غزوہ تبوک سے بخیر و خوشی واپس آ جاؤ گے تو مومنین کا وہ گروہ جو اپنی بصیرت و مصلحت کی اتباع کرتا ہے، حلفیہ طور پر بیان دے گا کہ ہم واقعی بہت مصروف تھے۔ اگر ممکن ہو سکتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ ہی روانہ ہو جاتے۔ لہذا اے گروہ مومنین تم اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہو اور یقیناً تم سب ایمان داری کے ساتھ کاذب اور دروغ باف ہو۔ (توبہ 9/40 اور 9/41-42)

اللہ نے نبیؐ سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ آپؐ کا مسلمانوں کے اُس گروہ کو جھوٹے سچے کا الگ الگ تشخص کرائے بغیر اجازت دے دینا اور اس طرح اُن کو غزوہٴ تبوک سے باز رکھنا ہماری پسند کے مطابق تھا۔ اسلئے نتیجہ کا خیال کر کے اُسے اُس وقت نظر انداز کر دیا تھا۔ اس لئے کہ اگر مومنین کا پیچھے رہ جانے والا گروہ دل سے یہ ارادہ کر چکا ہوتا تو اُس نے سفر کی تیاری کی ہوتی۔ مگر اللہ کو اُن کا اٹھنا اور تبوک میں شامل ہونا نا پسند تھا۔ اس لئے اللہ نے اُن کو اپنے انتظام سے باز رکھا۔ اور اُن کی ذہنیت سے کہہ دیا کہ تم مدد سے ہاتھ کھینچ کر بیٹھنے والوں کے ساتھ ہی رہو۔ اور اے نبیؐ اگر وہ تمہارے ہمراہ چلتے تو مسلمانوں کے اندر تخریب کے سوا کسی مفید چیز کا اضافہ نہ کرتے۔ اور عوام مومنین میں فتنہ انگیزی کے لئے دوڑ دھوپ میں مصروف رہتے۔ اس لئے کہ تمہارے عام مومنین میں وہ لوگ کافی تعداد میں ہیں جو اُن کی پالیسیوں اور مفید نظر بیانات کو بڑی دلچسپی سے سنتے ہیں۔ اور اللہ اُن توجہ دینے والے ناعاقبت اندیش مومنین سے واقف ہے۔ یقیناً زیر نظر مسلمانوں کا گروہ ہمیشہ سے تمہارے احکام میں فتنہ انگیز انقلاب لانا چاہتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ حق قائم ہو گیا اور اللہ کے احکام ظاہر اور غالب ہو گئے اور انہیں برابر نا گوار گزارنا رہا۔ جنگ تبوک سے بچنے کے لئے اجازت مانگنے والے مسلمانوں میں اس ذہنیت کے لوگ بھی تھے جو جنگ کو فتنہ قرار دیتے ہیں۔ اُن کو بتا دینا کہ حقیقت یہ ہے کہ تا ئید رسولؐ نہ کرنا اور جنگ سے باز رہنا ہی فتنہ ہے۔ اور اس قسم کے ایماندار کافروں کو جہنم نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ اُن سے کہہ دو کہ جو لوگ جنگ کا حکم ملنے کے بعد جنگ سے بچنے کی اجازت مانگتے ہیں، وہ یقیناً ایسے مومن ہوتے ہیں کہ وہ نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اُن کا ایمان اُن کے دلوں میں شش و پنج پیدا کرتا رہتا ہے اور وہ ہمیشہ متردد رہتے ہیں۔ یعنی بعض احکام کو قبول کرنے اور پھر بعض احکام کو رد کرنے کی اجتہادی مشق میں مصروف رہا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب تمہیں کوئی اچھا نتیجہ اور فائدہ ملتا ہے تو انہیں اپنے اجتہاد کی غلطی پر ملال ہوتا ہے۔ اور تمہیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو بڑی مسرت اور اطمینان سے اعلان کرتے ہیں کہ جناب ہم نے اپنی مرزئی ولایت کے ماتحت اپنا اجتہادی فتویٰ پہلے ہی نافذ کر دیا تھا۔ اس لئے ہمارے فیصلے کے خلاف عمل کرنے سے نقصان تو ہونا ہی تھا۔ اُن کو بتا دو کہ ہمارے لئے جو کچھ اللہ نے لکھ دیا ہے وہی ہمیں پیش آیا کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہہ دو کہ تم ہمارے متعلق دو باتوں کے علاوہ کچھ اور سوچ بھی نہیں سکتے۔ اور اُن دونوں میں سے جو بھی ہمیں پیش آئے وہ ہمارے لئے بھلائی اور مفید ہی ہے۔ لہذا تم اپنی سوچ اور انتظار میں گھائلے میں ہو۔ اور ہم تو تمہارے لئے صرف ایک بات سوچ چکے ہیں اور اسی کے انتظار میں ہیں کہ یا تو اللہ تمہیں ہمارے ہاتھوں عذاب میں مبتلا کرے گا یا خود عذاب دیگا۔ لہذا عذاب کا انتظار تم بھی کرو اور ہم بھی کر رہے ہیں۔ (توبہ 52-43/9)

لہذا اے مومنین اب صورت حال یہ ہے کہ تم اب خواہ بخوشی یا نا گوار کی کے ساتھ خدا کی راہ میں مال صرف کرو، اللہ اب تمہارا مال خرچ کرنا قبول نہ کریگا۔ اسلئے کہ تم مومن ہوتے ہوئے ایک بے لگام اور لا قانون قوم ہو۔ تم سے مالی مدد قبول نہ کئے جانے کا اسکے سوا اور کوئی سبب نہیں ہے کہ نہ تو تم اللہ و رسولؐ پر جس طرح چاہتے تھو ویسا ایمان لائے ہو، نہ تم نے نماز کو نماز کی غرض سے اختیار کر رکھا ہے، نہ تمہارے مال خرچ کرنے کا وہ مقصد ہے جو خدا و رسولؐ چاہتے ہیں۔ تم نے اللہ و رسولؐ پر ایمان اس طرح اختیار کیا کہ وہ کفر بن کر رہ گیا ہے۔ تم نے نماز کو ڈھیلا کر کے اختیار کیا ہوا ہے۔ مال خرچ کرنے میں تم اپنے لئے خطرہ اور ناساز گاری محسوس کرتے ہو (توبہ۔

9/53-54) رسول اللہ سے کہہ دیا گیا تھا کہ مومنین کے اموال و اولاد کو دلیل حق نہیں سمجھنا چاہئے اور نہ متعجب ہونا چاہئے۔ اسلئے کہ یہ اموال و اولاد تو وہ انتظام ہے جسکے سبب سے اللہ اُکود دنیا میں ہی عذاب دے کر دم توڑ دینے والے بنانا طے کر چکا ہے۔ (توبہ 9/55)

تمہارا یہ راز بھی معلوم ہو چکا ہے کہ تم مسلمانوں کو اپنے مسلمان ہونے کا حلفیہ یقین بھی دلاتے رہتے ہو، نمازیں بھی پڑھتے ہو، اتفاق بھی کرتے ہو۔ اس کے باوجود حقیقی مسلمانوں کو بتایا جا چکا ہے کہ وہ تم ایسے مسلمان نہیں ہیں۔ بلکہ یہ وہ مسلمان ہیں جو ایک نیا فرقہ بناتے چلے آئے ہیں اور بناتے رہیں گے۔ اور اگر مسلمانوں کے اس فرقہ کو مسلمانوں میں کوئی ایسا سرپرستی کرنے والا لے گیا جو بڑی احتیاط سے انہیں اجتہادی گہرائی تک لے جائے اور پہلے ہی سے اس نظام میں دخل رکھتا ہو تو یہ اسلامی نظام کو چھوڑ کر اُسی کی ولایت و حکومت کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ (توبہ 9/56-57)

اے تفرقہ انداز مومنین تمہاری ایک شناخت یہ بھی ہے کہ تم اللہ و رسول کی رضا جوئی کو چھوڑ کر مسلمانوں کی عوامی کثرت کو رضامند کر کے اپنے ہاتھ مضبوط کرنا چاہتے ہو۔ اور اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تم نے حلفیہ بیانات کا حربہ استعمال کیا ہے (توبہ 9/62)۔ لیکن مومنین سارے مل کر بھی اگر تم سے راضی ہو جائیں اور تمہارے حلفیہ بیانات سے دھوکہ کھائیں تب بھی اللہ تم سے رضامند نہ ہوگا۔ اس لئے کہ فاسق ایک ہو یا پوری قوم ہو اللہ اسکی پرواہ نہیں کیا کرتا ہے۔ (توبہ 9/96)

مومنین کا وہ گروہ جو دنیا ہی کو ملحوظ رکھتا ہے اور جنگ کا حکم ملنے پر جزمین گیر ہو جاتا ہے (توبہ 9/38)۔ جو نمازیں بھی پڑھتا ہے (توبہ 9/54) اور مسلمان ہونے پر بار بار قسمیں کھاتا ہے (توبہ 9/56)۔ اُس وقت بہت خوش ہوا تھا جب وہ رسول کے ساتھ جنگ تبوک میں جانے سے باز رہا اور اپنی جان و مال کو جہاد میں خرچ کرنا بُرا سمجھا۔ اور لوگوں کو یہ کہہ کر جنگ کے سفر سے روکا کہ حد درجہ کی گرمی میں نہ جاؤ (توبہ 9/81)۔ اس گروہ کی کسی پارٹی سے ملاقات پر اور آئندہ جنگ میں شمولیت کی درخواست پر رسول اللہ کو حکم دیا گیا تھا کہ مسلمانوں کی اس جماعت کو صاف جواب دے دینا اور کہہ دینا کہ اب تم قیامت تک میرے ساتھ جنگ پر نہ لے جائے جاؤ گے اور نہ کسی دشمن سے میری معیت میں لڑنے کی اجازت پاؤ گے۔ یہ صرف اس بات کی سزا ہے کہ جنگ تبوک کے موقع پر ایک دفعہ پہلے تم الگ ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ لہذا اب تم بھی باقی بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو (توبہ 9/83)۔ اُن کا تو طریقہ ہی یہ ہے کہ جب بھی ایمان کے ثبوت میں جنگ کرنے کا حکم کسی سورۃ میں نازل ہوا۔ اُن میں کے صاحبان اثر اور دولتمند لوگ آپ سے چھٹی مانگنے اور پیچھے چھوڑ دیئے جانے کی اجازت لینے آ جاتے ہیں۔ اور اُن کو پسند ہی یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ گھروں میں رہا کریں۔ اُن کے دلوں پر ایک مہر لگی ہوئی ہے اس لئے وہ حقیقی تفقہ سے الگ رہتے ہیں (توبہ 9/86-87)۔ اُن ہی مومنین کی دیکھا دیکھی گردنواں کے عرب بھی عذرات کے بنڈل لے کر آتے رہے تاکہ انہیں بھی جنگ سے چھٹی دیدی جائے اور وہ جھوٹے وعدے کرنے والے لوگوں کے ساتھ جنگ تبوک میں نہ گئے۔ اُن لوگوں میں سے جس جس نے کھلا کفر کیا تھا۔ اُن کو عذاب الیم دیا جانے والا ہے (توبہ 9/90)۔ اُن سب مومنین پر مواخذہ ہوگا جو غنی اور سرمایہ دار اور جنگ کے لئے فٹ ہوتے ہوئے بھی آپ سے اجازت مانگتے ہیں (توبہ 9/93)۔ یہ لوگ جنگ سے واپسی کے بعد عذرات و معذرت کے ساتھ تمہارے پاس آئیں گے۔ اُس وقت اُن سے کہنا کہ معذرت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ

نے تمہاری پوشیدہ کاروائیوں کی خبر دیدی ہے ہم تمہاری معذرت کو نہیں مانتے۔ مستقبل قریب میں اللہ اور اُس کا رسول تمہارے ظاہری و باطنی اعمال پر نظر رکھیں گے۔ پھر جب تم سب کچھ کر چکو گے تو تمہیں اللہ عالم الغیب والشہادۃ کے سامنے لوٹایا جائے گا اور وہ تمہارے تمام کارناموں پر مطلع کر دے گا (توبہ 9/94)۔ عنقریب جب تم اُن کی طرف واپس پلٹو گے تو حلفیہ بیانات سے نظر اندازی اور رفعِ گذشت چاہیں گے تم بھی صرف نظر کر لینا۔ کیونکہ یہ گروہ ناپاک کاروبار کر رہا ہے اور اس کی سزا جہنم میں دیا جانا طے کر لیا گیا ہے (توبہ 9/95)۔ عام عربوں کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کفر و نفاق میں حد بھر بڑھے ہوئے ہیں اور اللہ کی حدود و احکام سے ناواقف رہنا اُن کے لئے بہت زیادہ ممکن ہے۔ یہ لوگ دین کے واجبات کو جرمانہ اور ٹیکس سمجھتے ہیں۔ اور ہر اُس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں جس میں مسلمانوں کو ایک چکر میں ڈالا جاسکے (توبہ 9/97-98)۔ دوسرا گروہ عرب کے عوام کا وہ ہے جو اللہ و رسول پر ایمان بھی لایا ہے اور اُس کا ایمان یہ بھی ہے کہ اسلامی واجبات کی ادائیگی قربتِ خداوندی اور رسول کی صلوة کا حقدار بناتی ہے (توبہ 9/99)۔ لہذا مدینہ کے باشندہ مسلمانوں کو مدینہ کے گرد و نواح کے عرب مسلمانوں کو تو ہرگز یہ زیبا نہیں دیتا کہ وہ رسول اللہ کو چھوڑ کر اپنے نفس کی رغبت پر عمل کرتے۔ اُن کی ہر وہ خدمت جو دین کے لئے ہو اور ہر قسم کی زحمت و تکلیف جو وہ اس سلسلے میں اٹھائیں قابلِ جزا ہے۔ اُن کے تمام اعمال اور ہر چھوٹا بڑا خرچ بہترین جزا کا حقدار ہے۔ (توبہ 9/120-121)

ہر سورہ کے نزول پر مسلمانوں کے ایک گروہ کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے گروہ کے درمیان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ سورہ اُن کے مقاصد کے جواز پر کچھ لائی ہے یا نہیں۔ چنانچہ مومنین کے اس گروہ کے دل میں مرضِ اجتہاد کی بنا پر خباثت اور ناپاکی کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ لوگ اس کو مد نظر نہیں رکھتے کہ ہر سال اُن کو ایک یا دو دفعہ فتنہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ پھر بھی نہ یہ توبہ کرتے ہیں نہ سبق لیتے ہیں۔ اسی حالت میں اُن کو موت آتی جائے گی اور خاتمہ کفر پر ہوگا (توبہ 9/124-126)۔ چنانچہ جب بھی کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو تلاوت کے دوران یہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے جاتے ہیں کہ اُن کے ان اشاروں کنایوں کو کوئی دوسرا تو نہیں دیکھ رہا ہے۔ اور اگر ایسا ہو تو وہاں سے کھسک جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اللہ نے اُن کے قلوب ہی کو کھسکانے کا انتظام کر رکھا ہے اور وہ نظام خداوندی کو سمجھنے سے قاصر قوم بن کر رہ گئے ہیں (توبہ 9/127)۔ اُن کو اس کا بھی احساس نہیں کہ رسول اُن کی ہر تکلیف کو ناپسند کرتا ہے۔ اُن کی فلاح و بہبود کے لئے بڑا حریص اور اُن پر رؤف اور رحیم ہے۔ مسلمانوں کے اُسی گروہ میں وہ لوگ بھی ہیں جو رسول اللہ کو مال کی تقسیم پر ملزم اور خطا کا رقرار دیتے ہیں۔ اُن کا حال یہ ہے کہ اگر اُن کو حصہ دیا جائے تو راضی رہتے ہیں ورنہ ناراض ہو جاتے ہیں (توبہ 9/58)۔ حالانکہ اُس مال میں فقرا اور مساکین وغیرہ کے علاوہ کسی کا حق نہیں ہوتا۔ اُن ہی مسلمانوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو کانوں کا کچا کہہ کر اذیت دیتے ہیں۔ اُن کو معلوم ہو کہ نبی کے کان مومنین کی بھلائی پر مرکوز رہتے ہیں۔ اور وہ اللہ کی اور اُن مومنین کی بات سنتے ہیں جن پر وہ ایمان لائے ہیں اور جن کی باتوں پر عمل کرنے سے خیر ہی خیر مطلوب ہے۔ لہذا نبی مومنین کے لئے مجسمہ رحمت ہیں۔ اُن کو اذیت دینے والے مومنین کے لئے دردناک عذاب مقرر ہے۔ (توبہ 9/58-61)

(iv)۔ سورہ برأت میں مشرکین کا وہ گروہ جو دل میں کافر مگر بظاہر مسلمان ہے

مدینہ کے گرد و نواح میں منافقوں نے اپنا ٹھکانا بنا رکھا ہے اور مدینہ شہر کے لوگوں میں سے بھی کچھ ایک گروہ کو نرم کر لیا ہے۔ یہ گروہ صرف اللہ کو معلوم ہے۔ عنقریب اُن کو ڈبل عذاب دیا جائیگا۔ پھر ایک عظیم عذاب پر وارد کیا جائے گا (توبہ 9/101)۔ منافقوں کے مرد و عورتیں بعض پروگراموں میں متحد ہیں۔ مثلاً وہ سب بُرے بُرے اقدامات کی ترغیب دیتے ہیں اور مسلمہ اچھائیوں کو جاری ہونے سے روکتے ہیں اور دست درازی یا جارحیت سے باز رہ کر تمام پروگرام چلاتے ہیں اور تمام منافق لاقانونیت کے حامی ہیں۔ اور اللہ نے بھی منافق مردوں عورتوں اور کافروں کے لئے اُن کے مختلف پروگراموں کی سزا میں جہنم اور لعنت کا وعدہ کیا ہے۔ سابقہ ادوار میں بھی منافق گزرے ہیں جو زیادہ طاقت و مال و دولت اور افرادی قوت رکھتے تھے۔ انہوں نے دنیا میں اپنے حصہ کا فائدہ اٹھایا تھا اور اب یہ منافق بھی فائدہ اٹھا لیں۔ انہوں نے بھی اسلام میں غور و خوض کی راہ نکالی تھی، یہ منافق بھی اجتہادی فکر جاری کر لیں۔ مگر وہ اور یہ دونوں اپنے اچھے اعمال ضائع کر چکے ہیں۔ اور اب نقصان ہی نقصان اُن کا حصہ ہے (توبہ 9/67-69)۔ منافقین ہر لمحہ اس اندیشہ میں مبتلا رہتے ہیں کہ کہیں قرآن کی کسی سورۃ میں اُن کے قلبی منصوبوں کی قلعی نہ کھول دی جائے اور اسی بنا پر بڑا بچ کر محتاط پروگرام چلاتے ہیں۔ اور اپنی سنجیدہ بحثوں کو ہنسی اور دل لگی کی چادر میں لپیٹ دیتے ہیں۔ اور کہہ دیتے کہ ہم تو تفریحاً بحث و تنقید کر رہے تھے۔ اُن کو بتا دو کہ تمہاری معذرت بے کار ہے۔ یقیناً اُن بحثوں اور تنقید میں تم نے حق کی آڑ میں باطل اور کفر کیا ہے حالانکہ تم ایمان لا چکے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم بعض بے قصوروں کو تم میں سے معاف کر دیں لیکن جو مجرم گروہ ہے اُسے بلاشبہ عذاب دیں گے (توبہ 9/64-66)۔ نبیؐ کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ کافروں کی طرح اب منافقوں سے بھی سختی سے پیش آئیں اور اُن سے بھی جہاد کریں۔ یہ لوگ اسلام اختیار کر چکنے کے بعد اسلام کو کفر میں بدلنے کی تعلیم دیتے جاتے ہیں اور قسمیہ و حلفیہ بیانات دے کر کفر کی تعلیم کو اسلام ثابت کر رہے ہیں۔ اور ایسے نتیجہ کی آس لگائے بیٹھے ہیں جو ابھی تک حاصل نہیں کر سکے ہیں۔ اور یہ احسان فراموشی اس لئے کر رہے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے اپنے فضل و کرم کو عام کر کے انہیں بھی غنی اور سرمایہ دار بن جانے کا موقع دیا ہے۔ اگر یہ لوگ توبہ کر لیں تو انکی خیریت ہے۔ اور اگر ولایت بازی کریں تو عذاب ہی عذاب ہے۔ اُن میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے معاہدہ کیا تھا کہ اگر اُن کو استطاعت دی گئی تو وہ اسلام پر ضرور خرچ کیا کریں گے اور صالح افراد بن جائیں گے۔ چنانچہ جب اللہ نے اپنے فضل سے اُن کو مال دار بنا دیا تو بنخیل بن کرنی ولایت اختیار کر لی۔ اس کی سزا میں اللہ نے اُن کو منافقوں میں شمار کر لیا۔ کیا انہیں اتنا بھی پتہ نہیں کہ اللہ اُن کے خفیہ منصوبوں اور سرگوشیوں پر مطلع ہے؟ حالانکہ اللہ تو غیب کی تعلیم دیتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو اُن مومنین کا مذاق اڑاتے ہیں اور اُن پر الزام تراشیاں کرتے ہیں جو اُن کے مشوروں کو نظر انداز کر کے اپنا سب کچھ خدا و رسولؐ کو سپرد کئے ہوتے ہیں۔ (توبہ 9/73-79)

(34/5)۔ سورہ برأت پر ایک اور نظر و تجزیہ

سورہ برأت کو کتاب کی صورت میں لکھ کر پہلے سے تیار کرنا تاریخ میں کہیں مذکور نہیں ہے۔ اور کیوں مذکور ہو؟ مسلمانوں کو اللہ کا

شکر کرنا چاہئے کہ اس سورہ کو آپ تک پہنچانے کا انتظام کیا۔ یہی تو وہ سورہ ہے جو بحیثیت مجموعی دشمنان اسلام کو رُشناس کراتی ہے جو دشمنوں کے داخلی اور خارجی تمام محاذوں پر روشنی ڈالتی ہے۔ جو اُن کے تمام منصوبوں اور خفیہ و علانیہ اقدامات کی نقاب کشائی کرتی ہے اور جس سے آئندہ چلنے والی تمام حکومتوں اور فرقوں کی بنیادوں اور مقاصد پر اطلاع ملتی ہے۔ جو یہ ثابت کر دیتی ہے کہ سربراہ اسلام کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اور اُن ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی صلاحیت کس میں تھی؟ اور وہ کون شخص تھا؟ جو کفار و مشرکین و منافقین اور مسلمانوں کے تمام گروہوں کو مخاطب کر کے ایسی زبردست تیغ کر سکتا تھا جس میں خود مجرم و ملوث نہ ہو۔ جس میں شرک و کفر و نفاق کا ایک لمحہ کے لئے بھی شائبہ نہ ہو۔ جس کے ابا و اجداد میں سے کوئی کافر و مشرک و منافق نہ ہو، تا کہ سورہ برأت کے ہر چیلنج پر بلا غدغہ عمل کر سکے اور کسی زندہ یا مردہ کافر و مشرک اور منافق کی طرف داری اور رُرو رعایت کا شبہ تک نہ ہو سکے۔ اگر وہ خود یا اُس کے ابا و اجداد اور اعزہ کبھی کافر و مشرک و منافق رہے ہوں؟ اُس پر کفر و شرک و نفاق کی طرف داری کا فطری الزام لگ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ لوگ جو کسی طرح بھی اور کسی مقدار میں بھی کافروں، مشرکوں اور منافقوں سے رُرو رعایت کرتے رہے وہ یقیناً کبھی خود کافر و مشرک و منافق تھے یا اُن کے ابا و اجداد وغیرہ بھی کافروں، مشرکوں و منافق رہے تھے۔ لہذا ایسا شخص نہ رسول ہو سکتا تھا نہ رسول کی جگہ اعلان برأت اور جانشینی کے لئے موزوں ہو سکتا تھا۔ اس لئے سورہ برأت کا اعلان جس ذات پاک سے کرایا گیا، وہ ایسی مکمل ہستی تھی جس کے قد و قامت سے کفر و نفاق و شرک کے تمام ادارے اور سب ممبران بخوبی مطلع تھے۔ وہ مکمل ایمان تھا، جسمہ اسلام تھا۔ اس لئے اُسے یہ بات زیب دیتی تھی کہ وہ حضرت، ایمان کے ابتدائی درجہ سے لے کر انتہائی درجہ کے مومنین کو مخاطب کریں۔ اُنہیں اُن کے نقائص اور کوتاہیوں پر تنبیہ فرمائیں اور غلط کاروں کو مواخذہ اور سزا کی دھمکی دیں۔ اُنہیں کسی بھی درجے کا مومن پلٹ کر جواب نہ دے سکتا تھا۔ اس لئے کہ اسلام و ایمان میں اُن کا وہی مقام تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابدی و ازیلی مقام ہے۔ وہ سازشیں کرنے والوں کو ڈانٹ سکتے تھے۔ اس لئے کہ رسول کے علاوہ وہ کسی پارٹی اور گروپ سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ اُن کا رشتہ اخوت بھی رسول سے تھا۔ وہ اسلامی جنگوں میں کمزوری دکھانے والوں اور بار بار یا ایک بار بھاگ جانے والوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھ کر یہ بتا سکتے تھے کہ ہے کوئی اس مجمع میں یا باہر کہیں عرب میں جو سامنے آنے کی جرأت کرے اور زندہ رہ سکے؟ کسی بھگوڑے کو اعلان برأت نہ سونپنا اس لئے اُس کے لئے خیر و بہتر تھا کہ مجمع میں سے کئی آدمی اُٹھ کر اُس کو ڈانٹ سکتے تھے اور کہہ سکتے تھے کہ تم تو کل ہمارے سامنے سے بھاگے تھے یا بھاگنے والوں میں ہمارے ساتھ تھے۔ اور ممکن تھا کہ وہ خوف کے مارے اعلان برأت چھوڑ کر پھر بھاگ جاتا یا غش کھا کر گر پڑتا۔ لیکن علی کے سامنے کسی کی آواز تو بلند ہونا ایک طرف، کوئی اُن سے نظر نہ ملا سکتا تھا۔ البتہ دل میں علیؑ و اولاد علیؑ کے خلاف آگ سلا سکتا تھا۔ اور یہ پلان بنا سکتا تھا کہ علیؑ اور اُس کی اولاد کی حکومت قائم نہ ہونے کی جان توڑ کوشش کرے گا۔ ورنہ واقعی وہ سورہ برأت کے اعلان کے مطابق نظام کفر و نفاق و شرک سے ملوث ہر شخص سے انتقام لیں گے، عذاب میں مبتلا کریں گے۔ یعنی ادھر علیؑ، لسان اللہ سے سورہ برأت کا اعلان کر رہے تھے ادھر مخالف محاذ علیؑ و اولاد علیؑ سے خوفزدہ ہو کر اُن کے خلاف قومی حکومت کے مبلغین کے ہاتھ مضبوط کرنے کا تہیہ کر رہا تھا۔ ہر شخص کے سامنے سے اُس کی کر تو ت گزر رہی تھی۔ اور وہ علیؑ کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچنے کا تصور کر رہا تھا اور ہر تصور سے لرز اُٹھتا تھا۔ اور اپنی خلاصی، محض دشمنی علیؑ و

اولاد علیؑ میں دیکھ رہا تھا۔ قومی حکومت کا تصور دینے والوں کو دل میں داد دے رہا تھا اور طے کر رہا تھا کہ اپنی پہلی فرصت میں مومنین کے اُس مرکز سے وابستہ ہو جائے گا جس کی تنبیہ کے لئے سورہ برأت تلاوت کی گئی ہے۔ قارئین نے غور کیا ہوگا کہ کفار و مشرکین کے لئے سورہ برأت کا دسواں (1/10) حصہ متعلق ہے۔ اور منافقین کو بھی کل تیرہ آیات یعنی سورہ کے دسویں (1/10) حصہ میں مخاطب کیا گیا ہے۔ لیکن قریش کے مومن محاذ کے لئے تریسٹھ (63) سے زیادہ آیات موجود ہیں۔ اور حقیقی مومنین کے لئے چند آیات بطور نمونہ و تذکرہ آئی ہیں۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ سورہ برأت کا مقصد محض اُس دوسری قسم کے مسلمانوں کی نصیحت و تعارف تھا۔ یہ بات اس لئے بھی سو فیصد صحیح ہے کہ تاریخ نے فتح مکہ کے دن تمام کفار مکہ کو مسلمان مان لیا ہے۔ لہذا سورہ برأت کا مخاطب گروہ تاریخی حیثیت سے مسلمان تھا مگر قرآن نہیں مانتا۔ وہ کافروں، منافقوں اور مشرکوں کا وجود مسلسل بتاتا ہے۔ اس لئے ہم تاریخ کے ہر اُس بیان کو مردود سمجھتے ہیں جو کفار و مشرکین و منافقین اور دوسری قسم کے مومنین کو غائب کر دینا چاہتا ہے۔ یا کافروں کو ایک دم مسلمان کر کے یا منافقوں کو مسلمانوں میں مخلوط کر دیتا ہے۔ اور یہ تاثر دیتا ہے کہ انتقالِ رسولؐ تک رفتہ رفتہ سب گروہ حقیقی مسلمان صحابہ بن چکے تھے۔ حالانکہ جوں جوں وقت انتقالِ قریب آتا گیا اسلام دشمنی بڑھتی اور دلوں کی گہرائی تک اُترتی گئی اور اسلامی و قرآنی تعلیمات کے خلاف ایک قومی و ملکی حکومت بنانے کا تصور اور علیؑ و اولاد علیؑ کی مخالفت سارے ملک میں پھیل گئی اور قریش کی کثرت اس پر متفق اور ہم آہنگ ہو گئی۔ اور رفتہ رفتہ کھل کر اپنے خیالات اور ارادوں کا اظہار و اعلان و تبلیغ شروع کر دی۔ خود سورہ برأت میں اُسی گروہ کی کثرت مخاطب ہے۔ کفار و مشرکین اُس مسلمان گروہ کے سرپرست یا ولی یا اولیاء یا حاکم تھے۔ منافق بیچ کی کڑی تھے جو کفار و مشرکین اور اُن مسلمانوں میں رابطہ قائم رکھتے اور مرکزی ہدایات پہنچاتے تھے۔ اور آنحضرتؐ اور حقیقی مومنین کے تصورات و اقدامات کی کافر و مشرک مرکز میں اطلاع دیتے تھے۔

(34/6)۔ انتقالِ رسولؐ تک سورہ برأت والے مومنین ایمان کے کس درجہ پر تھے

چونکہ مسلمانوں کو یہ یقین اور تجربہ ہو چکا تھا کہ آنحضرتؐ کسی بھی کلمہ گو کو اُس وقت تک قتل نہ کریں گے جب تک کہ وہ خود ایسا جرم نہ کر گزرے جس کی سزا قرآن میں قتل ہی ہو۔ وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ رسول اللہؐ کسی غیر مسلم گروہ سے بھی اُس وقت تک جنگ نہیں کرتے جب تک پوری جماعت پر قرآن سے جنگ واجب نہ ہو جائے۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ کفار قریش کے انتہائی مظالم کے باوجود نہ انہیں قتل کیا، نہ کوئی اور جبر کیا، بلکہ اُلٹا انہیں معاف کر دیا۔ اور تالیفِ قلب کے لئے انہیں مال و متاع اور فی کس سو (100) سو (100) اونٹ بھی دیئے اور اُن کیلئے مولفۃ القلوب کے نام سے ایک مستقل فنڈ قائم کر دیا۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ جنگِ حنین اور دیگر روزمرہ کے واقعات میں وہ اپنے مخصوص مومنین اور جانثاروں کو مال و متاع سے محروم کر کے غیروں کو پہلا نمبر دے دیا کرتے تھے۔ اور انہیں یہ بھی تجربہ ہو چکا تھا کہ علیؑ و اولاد علیؑ اور دیگر حقیقی پیروان اسلام کا قلبی ارادہ اور عمل یہ ہے کہ وہ بھی مندرجہ بالا حالت میں رسول اللہؐ کے قدم بقدم چلیں گے۔ بس یہ وہ یقینیات تھے، جن کی بنیادوں پر مسلمانوں کے اُس گروہ نے حیاتِ رسولؐ میں اور بعد انتقالِ رسولؐ کلمہ گوئی کے دائرہ میں رہ کر ہر وہ کام کیا جو کافر بھی نہ کرتے اور جو کچھ کیا اُسے اسلام کی اجتہادی تعبیرات کے ماتحت کیا اور خود کو حق پر سمجھا۔ اور بعد والوں نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا اور جہاں کہیں بعد والوں سے تاویل نہ ہو سکی وہاں اجتہادی غلطی کا پردہ ڈال کر اُس مسلمان گروہ کو بچا لیا۔

(ii)۔ سورہ حجرات کی رُو سے سورہ برأت والے سرکش مجتہد صحابہ

سورہ حجرات مدینہ کے آخری دور میں رسول اور مومنین کے حالات یوں سناتی ہے کہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ و رسول کی موجودگی میں اور اُنکے سامنے ہی۔ اُن پر سبقت لے جانے اور پیش قدمی کرنے سے تو باز رہا کرو۔ اور اے وہ لوگو جو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ (حجرات 2-49/1)

ایمان لائے ہو تم لوگ رسول کی بات کا جواب جھڑک کر اور اتنی بلند ڈانٹ کے ساتھ نہ دیا کرو، جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کی آواز پر چھا جانے اور دوسروں کی بات کو چیخ چیخ کر بدایا کرتے ہو۔ تمہیں تقویٰ کو ملحوظ رکھنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں اُنکے ضائع ہو جانے کا شعور تک بھی نہ ہونے پائے۔ یاد رکھو کہ اللہ نہ صرف سنتا ہے بلکہ تمہارے اقوال و اعمال کا علم بھی رکھتا ہے۔ غور فرمائیں کہ دونوں آیات یکے بعد دیگرے نازل ہوئیں اور لکھی ہوئی موجود ہیں۔ یہاں اگر دوبارہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا نہ لایا جاتا بلکہ پہلی آیت کو ”وَلَا تَرْفَعُوا“ سے ملا دیا جاتا تو کیا فرق پیدا ہو جاتا؟ مومنین کو مسلسل خطاب تھا۔ کسی اور کا تذکرہ بیچ میں نہ آیا تھا جو دوبارہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کہنا لازم ہو جاتا۔ یہ تکرار بتاتی ہے کہ کچھ لوگ اُن مومنین کو بعد میں منافق کہہ کر اُن کا دامن پاک کرنا چاہیں گے۔ اسلئے بار بار یہ کہا گیا کہ وہ ایسے ایمان لانے والے لوگ تھے جو نہ اللہ کے کلام کی پرواہ کرتے تھے نہ رسول کے احکام کی فکر کرتے تھے بلکہ اپنی اسلامی سوجھ بوجھ سے خود ہی فیصلے صادر کر لیا کرتے تھے۔ علامہ مودودی بھی مانتے ہیں کہ:

”جو شخص اللہ کو اپنا رب اور اللہ کے رسول کو اپنا ہادی اور رہبر مانتا ہو، وہ اگر اپنے اس عقیدے میں سچا ہے تو اُس کا یہ رویہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اپنی رائے اور خیال کو اللہ و رسول کے فیصلے پر مقدم رکھے یا معاملات میں آزادانہ رائے قائم کرے۔ اور اُن کے فیصلے بطور خود کر ڈالے۔“ دو یا تین سطروں کے بعد لکھا کہ:-

”یہ ارشاد اپنے حکم میں سورہ احزاب کی آیت 36 سے ایک قدم آگے ہے۔ وہاں فرمایا گیا تھا کہ جس معاملے کا فیصلہ اللہ اور اُسکے رسول نے کر دیا ہو اُسکے بارے میں کسی مومن کو خود کوئی الگ فیصلہ کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا اور یہاں فرمایا گیا ہے کہ اہل ایمان کو اپنے معاملات میں پیش قدمی کر کے بطور خود فیصلے نہیں کر لینے چاہیں۔“ (تفہیم 5 صفحہ 70)

اب بتائیے قارئین کی کیا رائے ہے۔ کیا ڈبل ڈبل ایسے اہل ایمان کا وجود ثابت نہیں ہو گیا جو محض اپنی ذاتی رائے سے اللہ و رسول کے خلاف فیصلے کرنے اور ڈانٹ ڈپٹ کر رسول کو خاموش کرنے کی برابر کوشش کرتے رہے۔ اور جنہوں نے اللہ و رسول کے احکامات اور اسلامی ضروریات کو بالکل نظر انداز کر کے اپنی مصلحتوں کے ماتحت قومی و ملکی حکومت بنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا؟ یہ ہے قرآن اور یہ ہیں وہ ڈبل مومنین جن کے لئے سورہ برأت کا اعلان ہوا تھا۔ مگر یہ رحم و کرم کے آڑ میں اپنا کام برابر کرتے رہے۔ اور قرآن کی رُو سے اُن کے تمام اعمال ضائع ہو گئے اور نہ انہیں اور نہ آپ کو پتہ چلا کہ وہ خالص مخلص جہنمی بن گئے تھے۔ یہی تو صحابہ کا وہ گروہ تھا جو حوض کوثر پر رسول کا ساتھی تھا۔ لیکن ملائکہ اُس گروہ کو ہانک کر لے گئے اور رسول اللہ الصحابی الصحابی کہتے رہ گئے۔ (صحیح بخاری)

(iii)۔ وہ مومنین جو رسول اللہ سے اپنی اسلامی تعبیرات کی اطاعت چاہتے تھے

عوام مومنین سے فرمایا گیا کہ جن لوگوں کو ہم نے بار بار اور طرح طرح سے فاسق، یعنی اللہ و رسول کے احکام میں اجتہاد کرنے والے کہا ہے، جب وہ کوئی ایسی خبر لائیں جو اُس وقت تک معلوم نہ تھی تو اس پر یقین یا عمل کرنے سے پہلے اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی پوری قوم کو مصیبت میں ڈال دو۔ اور پھر ندامت کا شکار ہو جاؤ۔ (حجرات 49/6)

اب اگلی آیت میں دوبارہ یَاٰیہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہے بغیر مومنین سے کہا گیا کہ؛

چنانچہ یہ جان رکھو کہ تمہارے اندر رسول اللہ موجود ہیں۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ یُّطِیْعُكُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ اِغْرَدِیْنَ کے احکام کی کثرت میں تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تم دشواریوں میں الجھ جاؤ۔ اس لئے رسول تمہاری وَالْفُسُوْقُ وَالْعِصْیَانُ اُولٰٓئِکَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ وَنَّو (حجرات 49/7)

اطاعت نہیں کرتا کہ تمہیں ایمان محبوب ہو سکے۔ تم ایمان سے اپنے دلوں کو مزین کر سکو۔ اور تمہیں کفر سے، لاقانونیت سے اور نافرمانیوں سے نفرت ہو جائے۔ جو ایسا کریں کہ رسولؐ سے اپنی اطاعت کا جنوں چھوڑ دیں، ایمان کو اپنالیں، کفر و فسق و عصیان سے نفرت کریں وہی راشد لوگ ہوتے ہیں۔

(iv)۔ مومنین میں دواپسے گروہ موجود رہے جن میں جنگ ممکن تھی اور جنگ ہوئی

مسلمانوں کا مسلمانوں سے جنگ اور قتل عام کرنا مستقل طور پر جاری رہا۔ مگر قرآن نے اس حقیقت کا پہلے سے اعلان کر دیا تھا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جارحانہ تصورات رکھتا چلا جائے گا۔ اور کلمہ گولوگوں پر تلوار سے مسلط ہو جانا جائز سمجھے گا (حجرات 49/9) اُن میں بغاوت بھی جاری رہے گی۔

(v)۔ یَاٰیہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عہد رسولؐ میں کیا کیا کر رہے تھے۔ دوا لگ الگ گروہ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو دوسرے مسلمان گروہ سے مسخرہ پن نہ کرو، نہ مرد مردوں سے مذاق کریں، نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ نہ بُرے بُرے القاب تراشیں۔ ایمان لانے کے بعد یہ عمل درآمد فسق کہلاتا ہے۔ (حجرات 49/11)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، ظن اور گمان سے بچتے رہو۔ جاسوسیاں نہ کرتے پھرو اور غیبت چھوڑ دو۔ یہ مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے برابر ہے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کر لو (حجرات 49/12)

(vi)۔ عربوں کی زبان پر تینیسویں (23) سال تک بھی ایمان تھا مگر دل خالی تھے

عرب زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لا چکے ہیں۔ مگر اُن کو بتا دو کہ اُن کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ چنانچہ انہیں اسلام لانے کی دعوت دو اور اللہ و رسولؐ کی اطاعت کرنے سے اعمال کی مقبولیت بتا دو (حجرات 49/14)۔ مومن صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ و رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد کسی دوسری الجھن میں نہ اُلجھے ہوں۔ اور جنہوں نے جان و مال دونوں سے جہاد کیا ہو، وہی صدیق بھی ہیں

(حجرات 49/15)۔ ظاہر ہے کہ ایمان کی ان کم از کم شرائط میں سے اگر ایک بھی رہ جائے تو وہ نہ صدیق ہو سکتا ہے۔ نہ وہ مومن حقیقی کہلا سکتا ہے۔

(vii)۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جو اللہ کو دین کی تعلیم دیتا تھا اور رسولؐ پر اسلام لانے کا احسان جتاتا تھا

جس گروہ کو سورہ برأت نے مخاطب کیا اور جس کے تعارف پر ہم زور دے رہے ہیں اور جو رسولؐ اللہ کی تعبیرات اور قرآن فہمی میں غلطی کا امکان اور غلطیاں مانتا تھا اور یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وہ اپنی اجتماعی یا اجتماعی بصیرت سے قرآن کو نافذ کرنے میں سو فیصد اللہ کی منشا پر عمل کر سکتا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ قرآن اور دین فہمی میں اُس انتہائی مقام پر جا پہنچا تھا کہ آخر اللہ کو یہ کہنا پڑا کہ:

ان مومنین سے دریافت کرو کیا تم اللہ کو اپنے اختیار کردہ دین کی تعلیم دینا چاہتے ہو؟ اُس
اللہ کو جو آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے
فَلْ اَتَعْلَمُوْنَ اللّٰهُ بِدِينِكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ يٰمُنُوْنَ عَلَيْكُمْ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَا تَمْنُوْا عَلٰى اِسْلَامِكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هٰذَا كُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (حجرات 49/16-17)

سب کا عالم ہے۔ اور اے رسولؐ وہی مومنین تم پر اسلام اختیار کر لینے کا منتی احسان جتلاتے ہیں کہ انہوں نے اسلام کو اپنا مذہب بنالیا ہے۔ اُن سے کہہ دو کہ تم اپنے اختیار کردہ اسلام کا کوئی احسان مجھ پر نہ رکھو۔ بلکہ اللہ ہی تم پر یہ احسان رکھتا ہے کہ اُس نے ہی تو تمہیں ایمان کی طرف راہنمائی کی تھی۔ تم احسان مانتے اگر تم سچے ہوتے۔

یہاں شاید قارئین پہلی آیت (حجرات 49/16) کے متعلق یہ سوچیں کہ ”اللہ کو تعلیم دینا“، کوئی استعارہ، اشارہ یا کنایہ ہوگا ایسا نہیں ہے۔ یہ آج تک بدستور ہو رہا ہے اور اللہ کو برابر تعلیم دی جاتی رہی ہے۔ اسکی مثال علامہ مودودی کے یہاں ہزاروں جگہ ملیگی۔ مثلاً سورہ

یوسف کی آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:- ”بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی... وَلٰكِنْ تَصْدِیْقُ الَّذِیْ بَیْنَ يَدَیْهِ وَتَفْصِیْلُ كُلِّ شَیْءٍ ۝ وَهٰذِیْ وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ (یوسف 12/111)

ہدایت و رحمت“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 438)۔ پہلی مثال تو یہ ہے کہ اللہ نے آیت میں لفظ ”قوم“ فرمایا ہے۔ مگر علامہ کے نزدیک یہاں قوم نہیں بلکہ الذین ہونا چاہئے۔ یعنی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ کی جگہ للذین یؤمنون ہونا صحیح تھا۔ دوسری مثال یہ کہ آیت میں اللہ نے یہ بتایا ہے کہ قرآن میں ہر ایک چیز کی تفصیل موجود ہے (تَفْصِیْلُ كُلِّ شَیْءٍ) اور علامہ نے ترجمہ میں یہ مطلب لکھا ہے مگر حاشیہ میں یہ بتایا کہ:-

”بعض لوگ ”ہر چیز کی تفصیل“ سے مراد خواجواہ دنیا بھر کی چیزوں کی تفصیل لے لیتے ہیں۔“ (تفہیم ایضاً حاشیہ 80)

مطلب یہ کہ اللہ نے کہنے کو تو ہر شے کی تفصیل کہہ دیا ہے مگر حقیقتاً قرآن میں ہر شے کی تفصیل ہے نہیں۔ مطلب یہ کہ اللہ نے

”تَفْصِیْلُ كُلِّ شَیْءٍ“ کی جگہ ”تَفْصِیْلُ كُلِّ شَیْءٍ مَّا یَهْدِی الْاِنْسَانَ“ کہنا چاہئے تھا۔

یہ ہے وہ تعلیم جو اللہ کو دی جا رہی ہے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ کے صحابہ نے اُس کی ابتدا کی تھی۔ وہ کھل کر کہتے تھے کہ فلاں آیت میں اللہ کا یہ مطلب نہیں بلکہ یہ مطلب ہے۔ کبھی کہا جاتا تھا کہ بے شک الفاظ تو یہی ہیں۔ یعنی منطوق تو یہی ہے۔ مگر اُن الفاظ کا یا اُس منطوق کا مفہوم یہ نہیں بلکہ یہ ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ علامہ ہوں یا کوئی اور ہو۔ وہ یہ باتیں بلاوجہ کی مدد کے بتا دیتے ہیں۔ یعنی اُن کو اپنی

اجتہادی بصیرت کے سامنے نہ وحی کی احتیاج ہے نہ نبی کی ضرورت ہے۔

قارئین نے مندرجہ بالا آیات (حجرات 17-49/16) میں یہ نوٹ کر لیا ہوگا کہ یہ اللہ کو تعلیم دینے اور رسولؐ پر احسان رکھنے والے وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے ایمان کی طرف راہنمائی کی تھی۔ یعنی یہ منافق نہیں بلکہ مومنین تھے۔

سورۃ الحجرات (49) کے حوالے اس لئے لائے گئے ہیں کہ اس سورہ کے ”بعض احکام مدینہ طیبہ کے آخری دور میں نازل ہوئے“ (مودودی) یعنی انتقالِ رسولؐ تک، پیرا نمبر 34/6 میں مذکور مسلمان موجود تھے۔

(viii)۔ آنحضرتؐ کی زندگی کے بالکل آخری زمانہ میں سودخور مومنین

سورۃ بقرہ کے نزول پر علامہ نے لکھا کہ:-

”سود کی ممانعت کے سلسلہ میں جو آیات نازل ہوئی ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں۔ حالانکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بالکل آخری زمانہ میں اُتری تھیں۔“ (تفہیم جلد 1 صفحہ 46)۔ اب قرآن سنئے:-

علامہ کا ترجمہ: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اُسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کرلو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ

یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُّوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ (بقرہ 279-278/2)

لینے کے تم حق دار ہو۔ نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔“ (تفہیم جلد اول صفحہ 217 و صفحہ 218)

یہاں لطیفہ یہ ہے کہ وہ لوگ فرسٹ کلاس مومنین کہلاتے ہیں۔ نماز، روزہ، حج زکوٰۃ، تہجد سب بجالاتے ہیں۔ اُن مومنین سے کہا گیا کہ:- ”اگر تم مومن ہو تو باقی سود چھوڑ دو؟ یعنی یہ عبادت گزار مومن، نہ متقی ہیں، نہ مومن ہیں بلکہ ظالم ہیں، سودخور ہیں۔ اُن کے ساتھ جنگ کرنا واجب ہے۔ لیکن پھر بھی ہیں وہ مومن ہی۔

(ix)۔ جنگ اُحد 3 ہجری سے 11 ہجری تک مومنین حکمِ خدا کے خلاف سود لیتے رہے

ذرا سوچئے کہ وہ کیسے مسلمان صحابہ تھے؟ جن کو جنگ اُحد کے بعد حکم دیا گیا تھا کہ تم سود در سود لینا بند کر دو۔ لیکن وہ اس قسم کے مومن تھے کہ برابر آٹھ سال تک یعنی انتقالِ رسولؐ تک سود لیتے رہے۔ اُن ہی کو مخاطب کر کے جنگ کی دھمکی دی گئی تھی۔ اور چونکہ وحی رسالت آنحضرتؐ پر ختم ہو گئی لہذا قرآن کریم سے ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ مذکورہ دھمکی کے بعد بھی اُنہوں نے سود لینا بند کیا تھا یا نہیں؟ آٹھ سال پہلے کا حکم ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ نے کہا تھا کہ:-

”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو یہ ہر لمحہ بڑھتا اور

یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ (آل عمران 131-130/3)

دو ہر اچوھر ہوتے جانے والا سود کھانا بند کر دو اور اللہ

کے سامنے جا کر بُرے نتائج بھگتنے سے بچتے رہو۔ شاید تم فلاح پاسکو گے۔ اور اللہ کی اُس آگ میں جلنے سے بچو جو اللہ نے کافروں کے لئے تیار کر رکھی ہے۔“

علامہ صاحب نے ان آیات پر حاشیہ نمبر 98 میں مان لیا ہے کہ یہ حکم جنگ اُحد کی شکست کے بعد اور آئندہ شکست سے بچانے کے لئے دیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت کے انتقال کے وقت تک مسلمانوں کی کثرت ایسی بڑی بڑی نافرمانیاں کر رہی تھی کہ اللہ و رسولؐ نے اُس کثرت پر فوج کشی اور جنگ کو جائز رکھا ہے۔ یہ وہ مسلمان ہیں جن کو کفار قریش نے اسلام کے اعلان کے ساتھ ہی رسول اللہ کے حلقہ احباب میں داخل کر دیا تھا۔ اور پھر ضرورت پڑنے پر درمیانی رابطہ کے لئے وہ گروہ تعینات کیا تھا جو دونوں طرف شامل رہتا تھا۔ جسے عموماً قرآن نے منافق کہا ہے۔ اس لئے کہ وہ پہلے گروہ کی طرح مُستقل مسلمان نہ رہ سکتا تھا۔ اور حالتِ امن اور جنگ میں جاسوسی و دیگر خدمات انجام دیتا تھا۔ کفار قریش نے اپنے ان دونوں، مسلمان اور منافق، گروہوں کی ہر ذمہ داری قبول کی تھی اور قرآن کی زبان میں یہ عہد کر لیا تھا کہ:-

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَنْفَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ (عنکبوت 29/12-13)

کفر پر قائم لوگوں نے ایمان اختیار کرنے والے لوگوں سے کہا تھا کہ دیکھو تم ہماری پالیسی کے مطابق عمل کرتے چلے جانا ہم تمہاری ہر خطا اور لغزش برداشت کریں گے۔ اللہ نے بتایا کہ وہ جھوٹے ہیں۔ قیامت میں کوئی بھی کسی دوسرے کی خطاؤں کی سزا نہ پائے گا بلکہ اپنی اپنی خطاؤں کی پاداش ہر خطا کار کو خود بھگتنا پڑے گی۔ یہ بات صحیح ہے کہ اُن کافروں کو دوسری سزا دی جائے گی۔ یعنی غلط کاری کرانے اور غلط

کام کرنے کا دوسرا بوجھ اُٹھائیں گے۔ اور یقیناً بروز مواخذہ ہم اُن کی تمام ایجادوں اور فریب سازیوں پر جواب طلب کریں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ (عنکبوت 29/52)

”اور جو لوگ اُس باطل پالیسی کو مان گئے اور اس نئے ایمان سے اللہ کے دوبارہ کافر ہو گئے وہ لوگ ہی خسارہ میں رہنے والے ہیں۔“

یہ بات سمجھنے اور یقین کرنے کے لئے کہ کفار قریش نے بالکل ابتدا ہی میں مندرجہ بالا گروہ تعینات کئے اور ذمہ داری اپنے سر لی

تھی۔ آپ کو سورہ عنکبوت کا شان نزول (صفحہ 672 جلد 3) دیکھنا ہوگا اور یہ دیکھیں کہ:-

(34/7)۔ علامہ مودودی، کفار قریش کی سازش میں مسلمانوں کو ابتدا ہی سے شامل جانتے ہیں

یہ نہایت اہم اور فیصلہ کن عنوان ہے جس کی تحقیق نہ صرف واجب ہے بلکہ عہد رسولؐ کے مسلمانوں کی اقسام اور انتقال رسولؐ کے بعد والے بیرونی کی تہمید (23) سالہ اسلامی زندگی اور اسلام اختیار کرنے کے مقاصد بھی اس عنوان سے واضح ہو جاتے ہیں۔ مگر آپ کو علما کے ماہرانہ بیانات میں سے چھان کر حقیقت نکالنا پڑے گی۔ اور اُن کے محتاط جملوں میں سے وہ سامان الگ کرنا ہوگا جو احتیاط کے باوجود بے احتیاطی سے یا غلط اعتماد کی وجہ سے کہیں کہیں ٹپک پڑا کرتا ہے۔

(ii)۔ مکہ میں ابتدائی مومن اور منافق جماعت کا فرق؛ مومن ہی منافق تھے

سورہ عنکبوت کے زمانہ نزول کے بیان میں لپٹ کر ایک بڑی حقیقت چپکے سے باہر نکل آئی ہے اُس پر نظر ڈالیں فرمایا گیا کہ:-
 ”زمانہ نزول: آیات 56 تا 60 سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ یہ سورہ ہجرت حبشہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی تھی۔۔۔ بعض مفسرین نے صرف اس دلیل کی بنا پر کہ اس میں منافقین کا ذکر آیا ہے اور نفاق کا ظہور مدینہ میں ہوا ہے، یہ قیاس قائم کر لیا ہے کہ اس سورہ کی ابتدائی دس آیات مدنی ہیں اور باقی سورہ مکی ہے۔ حالانکہ یہاں جن لوگوں کے نفاق کا ذکر ہے وہ وہ لوگ ہیں جو کفار کے ظلم و ستم اور شدید جسمانی اذیتوں کے ڈر سے منافقانہ روش اختیار کر رہے تھے اور ظاہر ہے کہ اس نوعیت کا نفاق مکہ ہی میں ہو سکتا تھا۔“ (تفہیم جلد 3 صفحہ 672)
 قارئین کو اس قدر کافی ہے کہ مکہ ہی کے دور میں وہ جماعت پیدا ہو گئی تھی جو دل سے اسلام پر ایمان رکھتی تھی۔ مگر اُن سے بعض ایسے اعمال سرزد ہوتے تھے جو خدا کا رومنین کے شایان شان نہ ہوتے تھے۔ یہ خیال مولانا کا ہے کہ وہ ظلم و ستم کی بنا پر ایسے اعمال کے مرتکب ہوتے تھے۔ اور ہمارا خیال وہ ہے جو قرآن کے سابقہ عنوان اور آیات (عنکبوت 13-29/12) سے تصدیق شدہ ہے۔ یعنی کفار قریش نے اُن کو مسلمان رہ کر اُن کے مقاصد کی تائید کرتے رہنے کی سازش میں شریک کیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض مومنین دل سے ایمان لائے ہوں اور خوف کی بنا پر اُس سازش میں شریک ہوئے ہوں۔ کسی طرح بھی ہو۔ ایسی مومن جماعت ثابت ہو گئی جو ایمان رکھتے ہوئے قریش کے مقاصد میں مددگار تھی۔ فرق یہ ہے کہ ہم اُن کو منافق نہیں کہتے اور اُن کا وجود آخر تک مانتے ہیں۔ اور باقی علما اُن کو منافق کہہ کر، اُن کی مذمت کر کے، اُن کو غائب کر کے، تمام مسلمانوں کی بھیڑ میں چھپا دینا چاہتے ہیں۔ کبھی اُن پر ضعیف الایمان ہونے کا غلاف چڑھاتے ہیں۔

(iii)۔ الفاظ کا ہیر پھیر حقیقت کو چھپا نہیں سکتا، دل سے ایمان والی دوسری جماعت

علامہ کا دوسرا بیان ملاحظہ ہو۔ جہاں زیر نظر مومن جماعت کو نو جوانی، ضعیف الایمانی، بومسلمی اور خوفِ جان کی چادر اڑھائی جا رہی ہے سنئے اور چوکنا رہ کر غور کیجئے:-

(اول) ”سورہ کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ اُسکے نزول کا زمانہ مکہ معظمہ میں مسلمانوں پر بڑے مصائب و شدائد کا زمانہ تھا۔ کفار کی طرف سے اسلام کی مخالفت پورے زور شور سے ہو رہی تھی اور ایمان لانے والوں پر سخت ظلم و ستم توڑے جا رہے تھے۔ (دوم) ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ (عنکبوت) ایک طرف صادق الایمان لوگوں میں عزم و ہمت اور استقامت پیدا کرنے کے لئے، اور دوسری طرف ضعیف الایمان لوگوں کو شرم دلانے کے لئے نازل فرمائی۔“

قارئین اس سورہ میں کل اُنہتر (69) آیات ہیں۔ کہیں ڈھونڈے سے آپ کو نہ مصائب و شدائد ملیں گے نہ مخالفت کا زور شور نظر آئے گا نہ کہیں مسلمانوں پر ظلم و ستم کا ذکر پایا جائے گا۔ یعنی علامہ کے بیان کا (اول) حصہ اُنکے اپنے تصورات ہیں جو اُنکے ذہن کے علاوہ اُس سورہ میں کہیں نہیں ہیں۔ اور اللہ نے یہ کہہ کر کہ اے مسلمانو! اہل کتاب سے مجادلہ و بحث ذرا اچھے اور پسندیدہ طریقہ سے کیا کرو، ہاں البتہ

اندھیر مچانے والوں سے اکھڑ طریقہ اختیار کر سکتے ہو (عنکبوت 29/46)۔ علامہ کے ظلم و ستم کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ اسلئے کہ جن پر علامہ والے مظالم ہو رہے ہوں وہ بحث تو کہاں جواب تک نہ دیں گے۔ البتہ ایک لفظ ”اُوْذِی“ ضرور استعمال ہوا ہے (عنکبوت 29/10) مگر یہاں کسی خاص، شدید اور اجتماعی اذیت کا ذکر نہیں ہے اور ہم اس آیت (عنکبوت 29/10) پر الگ سے بات کر نیوالے ہیں۔

علامہ کے بیان (دوم) میں ایک مومن جماعت کا وجود مانا ہے مگر اُنکو ضعیف الایمان کہنا فریب ہے ہم اس فریب کو واضح کریں گے۔

(سوم) ”اس سلسلے میں اُن سوالات کا جواب بھی دیا گیا ہے جو (علامہ کے نزدیک) بعض نوجوانوں کو اُس وقت پیش آرہے تھے۔ مثلاً اُن کے والدین اُن پر زور ڈالتے تھے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ چھوڑ دو۔ اور ہمارے دین پر قائم رہو۔ جس قرآن پر تم ایمان لائے ہو اُس میں بھی تو یہی لکھا ہے کہ ماں باپ کا حق سب سے زیادہ ہے۔ تو ہم جو کہتے ہیں اُسے مانو ورنہ تم خود اپنے ہی ایمان کے خلاف کرو گے۔“ (تفہیم القرآن۔ جلد 3 صفحہ 672/673)

مولانا جو چاہتے تھے اُسے حاصل کرنے کی کوشش میں یہ بھول گئے کہ وہ لاشعوری میں یہ بتا رہے ہیں کہ کفار قریش مسلمانوں کو قرآن کی تاویل کرنا اور مسلمان رہتے ہوئے مقاصد کفر کی تائید سکھا کر اپنے نوجوان گروہ کو مسلمانوں میں بھیج رہے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ ماں باپ کی اطاعت قرآن کی آڑ لے کر کرتے رہو تا کہ ہمارے مقاصد مجروح نہ ہوں۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو مسلمان نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت موجود تھی جو کفار ماں باپ کے زیر تعلیم تھی اور اُس جماعت کو قرآن کے لیول (level) پر تیار کیا جا رہا تھا۔

(چہارم) ”اسی طرح بعض نو مسلموں سے اُنکے قبیلے کے لوگ کہتے تھے۔ عذابِ ثواب ہماری گردن پر تم ہمارا کہا مانو۔“ (ایضاً)

یہاں نو مسلم کہہ کر مسلمانوں کی زیر بحث جماعت کو تسلیم کر لیا جو ہمارے لئے کافی ہے۔ یہی وہ جماعت ہے جو اللہ و رسول کو شاگردوں کی طرح دین کی تعلیم دینے اور رسول سے اپنی اطاعت کرانے میں کوشاں رہی۔ ایسی جماعت کو ضعیف الاعتقاد، نو مسلم اور نوجوان کہہ کر بات ٹالنا بڑی چالاکی اور پُرکاری ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ سن لیں کہ علامہ نے جو دیباچہ سورہ عنکبوت پر لکھا ہے اُسکے بعض جملوں کو چھوڑ کر، جملوں کی کثرت کا ثبوت سورہ مذکورہ میں کہیں نہ ملے گا مقابلہ کر کے تصدیق فرمائیں۔

(iv)۔ قریش کس قسم کے لوگوں کو مسلمانوں میں شامل رکھ کر کام لینا چاہتے تھے؟

علامہ سے جوش میں ایک بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ”روایات میں متعدد سرداران قریش کے متعلق یہ مذکور ہے کہ ابتداءً جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے، اُن سے مل کر یہ لوگ اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو ابوسفیان اور حرب بن امیہ بن خلف نے اُن سے مل کر بھی یہی کہا تھا“ کہ:-

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ ۖ (عنکبوت 29/12)

تمہاری خطاؤں کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ (ایضاً جلد 3 صفحہ 682/683)

(v)۔ قریش کے طرفدار مسلمانوں کی پالیسی علیہ اسلام تک؛ ڈبل فائدہ

یہ دیکھ لیا گیا کہ سورہ عنکبوت، ہجرت حبشہ سے کہیں پہلے نازل ہونے والی سورتوں میں بتائی گئی ہے۔ اور جن داخلی شہادتوں کی بنا

پر یہ طے کیا گیا ہے، اُن ہی شہادتوں کی وجہ سے ہم اس سورہ کی تلاوت اُس وقت مانیں گے جب کہ مذکورہ بالا سازش کفار تیار کر چکے ہوں اور ایک مسلمان گروہ کو اپنے ساتھ ملا کر اپنے مقاصد کی تعلیم دے چکے ہوں۔ اور اسلام کے مسائل کی اس انداز سے تاویل کرنا بتا چکے ہوں کہ وہ مسائل مقاصد قریش کا تحفظ بھی کریں اور اسلامی بھی رہیں۔ جب یہ سب کچھ ہو چکے تب سورہ عنکبوت کی تلاوت کی جانا چاہئے۔ تاکہ مسلمانوں کو اُن کے عمل درآمد کی غلطی یا صحت کا موازنہ کرنے اور آئندہ ہوشیار رہنے کا موقع ملے اور مسلمانوں کو بتایا جائے کہ:

مسلمانوں میں ایسے مومن بھی ہیں جن کی پالیسی یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان کا نعرہ لگاتے رہیں اور ہر حال میں خود کو محفوظ رکھ کر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ لگے رہیں تاکہ کبھی اُن پر غیر حاضری کا الزام نہ لگایا جاسکے۔ اور

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ..... الخ (عنکبوت 29/10)

جب اللہ کے معاملے میں وہ کسی نقصان یا تکلیف سے دوچار ہو جائیں تو انسانوں کے پیدا کردہ فتنوں کو اللہ کی طرف منسوب کر کے اُس نقصان یا تکلیف کا آنا منجانب اللہ قرار دیا کریں۔ (مثلاً میرا اور تمام مسلمانوں کا رسول کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جانا منجانب اللہ تھا) اور جب کبھی اللہ کی طرف سے نصرت میسر آئے تو فوراً اپنے ہمیشہ ساتھ ساتھ رہنے اور ناصرو مددگار ہونے کا اعلان کر دیا کریں۔

اسی پالیسی پر اللہ نے اسی آیت میں یہ ریمارک دیا کہ پالیسی میکرز (Makers) کے نزدیک گویا اللہ وہ سب کچھ نہیں جانتا جو تمام عالمین کے باشندوں کے دلوں میں پوشیدہ ہے۔ یعنی

أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ (عنکبوت 29/10)

کافروں نے اللہ کو زبانی باتوں سے دھوکا دے رکھا ہے۔

اس آیت کی مرمت کیلئے علامہ نے کئی ایک نوٹ دیئے اور حاشیہ آرائی کی ہے مگر حق پھر بھی ظاہر ہو کر رہا ہے اور نہ صرف ہمارے لکھے ہوئے مفہوم کی تصدیق ہو گئی ہے۔ بلکہ مومنین کی زیر نظر جماعت کا مقصد اور حیات رسول میں اُن مومنین کا عمل درآمد بلکہ انتقال کے بعد کی کاروائی پر بھی روشنی پڑ گئی ہے۔ سنئے علامہ فرماتے ہیں کہ:-

(vi) - بُزْدَلِ مَخْطَا بَهْغُوڑے مومنین، کیسے بہادر جان ثار ہیر و زبن جاتے ہیں

”اگرچہ کہنے والا ایک شخص ہے، مگر ”میں ایمان لایا“ کہنے کے بجائے کہہ رہا ہے ”ہم ایمان لائے“، امام رازی نے اس میں ایک لطیف نکتے کی نشان دہی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ منافق اپنے آپ کو ہمیشہ زمرہ اہل ایمان میں شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے (یعنی غیر حاضری منظور نہیں) اور اپنے ایمان کا ذکر اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ بھی ویسا ہی مومن ہے جیسے دوسرے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بزدل اگر کسی فوج کے ساتھ گیا ہے اور اس فوج کے بہادر سپاہیوں نے لڑ کر دشمنوں کو مار بھگایا ہے، تو چاہے اُس نے خود کوئی کارنامہ انجام نہ دیا ہو، مگر وہ آکر یوں کہے گا کہ ہم گئے اور ہم خوب لڑے اور ہم نے دشمن کو شکست فاش دے دی۔ گویا آپ بھی اُن ہی بہادروں میں سے ہیں جنہوں نے داد شجاعت دی ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 3، صفحہ 681، حاشیہ 13)

اس بیان میں قرآن کریم کی بتائی ہوئی پالیسی کی تصدیق ہوگئی کہ یہ گروہ مومن ہے، اعلان ایمان کرتا رہتا ہے۔ کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اُن ہی میں کا مسلمان نہیں ہے۔ بلکہ وہ گروہ مسلمانوں کی کثرت کی طرف سے بات کرتا ہے اور اُن کا نمائندہ بن جانے کی قابلیت رکھتا ہے۔ علامہ صاحب مانتے ہیں کہ اُس گروہ کے مومنین اسلام کے نام پر نکسیر کا پھوٹنا بھی پسند نہیں کرتے مگر وقت آنے پر سبقت لے جاتے ہیں۔ ”جب اس دین کی خاطر سردھڑ کی بازی لگا دینے والوں کو اللہ تعالیٰ فتح و کامرانی بخشے گا تو یہ شخص (گروہ) فتح کے ثمرات میں حصہ بٹانے کے لئے آ موجود ہوگا۔“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 681 حاشیہ 15)

یہ پالیسی آنحضرتؐ کی زندگی بھر جاری رہی اور رسالت کی فتح اور کامرانی کا ثمرہ بانٹنے والوں نے مکمل قبضہ کر لیا۔ اور نہ کسی نے دیکھا نہ کسی نے لکھا کہ اُس گروہ نے کبھی بھی اسلام کے لئے سر کی یادھڑ کی بازی لگائی ہو۔ جنہوں نے ساری زندگی سردھڑ کی بازی لگائے رکھی، جنہوں نے ہاری اور ہرائی ہوئی تمام بازیاں جیت کر دیں، اُن کا کام ہمیشہ قربانی دینے کا تھا، وہ اسلام کے لئے برابر قربان ہوتے رہے اور ہم اُسی قسم کے مومنین کو خبیث گروہ سے الگ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ مومنین کے خبیث گروہ کے افراد و عادات اُمت کے ہر طبقہ پر واضح ہو جائیں اور اُن کی شناخت میں وہ گنجلک نہ رہے جو علامہ اینڈ کمپنی نے بڑی محنت سے پیدا کی ہے۔

(vii)۔ دل سے ایمان لانے اور مومن رہنے والے بھی کفار کے طرفدار ہو سکتے ہیں؟

قارئین اس سلسلے کا یہ آخری عنوان ہے۔ اس کے بعد ہم پھر خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در دولت پر حاضر ہوں گے۔ یہاں علامہ کا ایک اور بیان سن لیں جس میں وہ ہر بزدل اور قریش کے طرفداروں کے لئے شرع کی آڑ فراہم کر کے ہر اُس مومن کو معاف کرتے ہیں جو مذکورہ بالا ”آمنا“ کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے کفر کی اعانت کرے یا کفر کا اعلان کرے یا اسلام کی مخالفت کرے، جنگ سے جان بچانے کے لئے بھاگ جائے، رسول اللہ کو قتل ہونے کے لئے تہادشمنوں کے نزعہ میں چھوڑ جائے۔ یعنی جو کوئی ایسا موقع ہی نہ آنے دے کہ وہ راہ خدا میں شہید کر دیا جائے۔ بالکل پکا مومن ہے بشرطیکہ دل سے ایمان لایا ہو۔ یعنی دل میں ایمان اُبال کھا رہا ہو اور وہ بکٹ بھاگا چلا جا رہا ہو۔ رسول اللہ مدد کے لئے پکار رہے ہوں اور وہ ایمان بھرے کانوں سے سنتا دوڑتا چلا جا رہا ہو۔ وہ اللہ کے یہاں جناب علامہ مودودی کے فتویٰ کو دکھا کر معاف کر دیا جائے گا۔ سُنئے علامہ کی ایک نازک بحث کان لگا کر سُنئے ارشاد ہے:-

(اول) ”یہاں اتنی بات اور سمجھ لینی چاہئے کہ ناقابل برداشت اذیت یا نقصان، یا شدید خوف کی حالت میں کسی شخص کا کلمہ کفر کہہ

کر اپنے آپ کو بچالینا شرعاً جائز ہے۔ بشرطیکہ آدمی سچے دل سے ایمان پر ثابت قدم رہے۔“ (مسلل لکھا کہ)

(دوم) ”لیکن بہت بڑا فرق ہے اُس مخلص مسلمان میں جو بحالت مجبوری جان بچانے کے لئے کفر کا اظہار کرے، اور اُس مصلحت

پرست انسان میں جو نظریہ کے اعتبار سے اسلام ہی کو حق جانتا اور مانتا ہو۔ مگر ایمانی زندگی کے خطرات و مہالک دیکھ کر کفار سے جا ملے۔“

(سوم) ”بظاہر اُن دونوں کی حالت ایک دوسرے سے کچھ زیادہ مختلف نظر نہیں آتی۔“ (مسلل لکھ رہے ہیں کہ)

(چہارم) ”مگر درحقیقت جو چیز اُن کے درمیان زمین و آسمان کا فرق کر دیتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ:-“

(1) ”مجبوراً کفر ظاہر کرنے والا مخلص مسلمان نہ صرف عقیدے کے اعتبار سے اسلام کا گرویدہ رہتا ہے، بلکہ عملاً بھی اُس کی دلی

ہمدردیاں دین و اہل دین کے ساتھ رہتی ہیں۔ اُن کی کامیابی سے وہ خوش اور اُن کو زک پہنچنے سے وہ بے چین ہو جاتا ہے۔ مجبوری کی حالت میں بھی وہ مسلمانوں کا ساتھ دینے کے ہر موقع سے فائدہ اُٹھاتا ہے، اور اس تاک میں رہتا ہے کہ جب بھی اس پر سے اعدائے دین کی گرفت ڈھیلی ہو وہ اپنے اہل دین کے ساتھ جا ملے۔ اس کے برعکس، (مسلسل)

(2) ”مصلحت پرست آدمی جب دین کی راہ کٹھن دیکھتا ہے، اور خوب ناپ تول کر دیکھ لیتا ہے کہ دین حق کا ساتھ دینے کے نقصانات کفار کے ساتھ جاننے کے فوائد سے زیادہ ہیں، تو وہ خالص عافیت اور منفعت کی خاطر دین اور اہل دین سے مُنہ موڑ لیتا ہے۔ کافروں سے رشتہ دوستی استوار کرتا ہے اور اپنے مفاد کی خاطر اُن کی کوئی ایسی خدمت بجالانے سے بھی باز نہیں رہتا ہے جو دین کے سخت خلاف اور اہل دین کے لئے نہایت نقصان دہ ہو۔“ (مسلسل لکھا کہ)

(پنجم) ”لیکن اس کے ساتھ وہ اس امکان سے بھی آنکھیں بند نہیں کر لیتا کہ شاید کسی وقت دین حق ہی کا بول بالا ہو جائے۔ اس لئے جب کبھی اُسے مسلمانوں سے بات کرنے کا موقع ملتا ہے، وہ اُن کے نظریے کو حق ماننے اور اُن کے سامنے اپنے ایمان کا اقرار کرنے اور راہ حق میں اُن کی قربانیوں کو خراج تحسین ادا کرنے میں ذرہ برابر بخل نہیں کرتا، تاکہ یہ زبانی اعترافات سندر ہیں اور بوقت ضرورت کام آئیں۔“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 682-681 حاشیہ 15)

(viii)۔ علامہ کے اُستادانہ بیان پر طالب علمانہ نظر ڈالیں اور استادیاں نوٹ کریں

علامہ نے تسلیم کیا ہے کہ (1)۔ یہ دونوں قسم کے آدمی دل سے اسلام کو حق مانتے ہیں۔ (2) اور یہ دونوں آدمی کفار کی گرفت میں رہتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں، جہاں تک زبان سے ایمان کے اقرار کا تعلق ہے اور کفار کے ہاتھوں میں گرفتاری کا معاملہ ہے، ہر آدمی کو معلوم ہو سکتی ہیں۔ اس لئے کہ ایمان کا اقرار کانوں سے سنا جاسکتا ہے اور قید و بند آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ جاننا کہ وہ دونوں آزاد ہوتے تو کیا کرتے؟ اُسی وقت معلوم ہو سکتا ہے جب قید و بند سے آزاد ہو کر مسلمانوں میں آجائیں اور وہ کام کریں جو علامہ پسند یا ناپسند کرتے ہیں۔ اور تمام مسلمان دیکھ لیں کہ وہ عملاً کیا کر رہے ہیں؟ تب اُنکے عمل کی وجہ سے انہیں مندرجہ دو اقسام میں سے کسی میں داخل کیا جائیگا۔ ورنہ وہ تمام باتیں فرضی اور علم غیب پر مبنی ہوگی جنکو بڑی تفصیل سے علامہ نے لکھا اور آپ نے پڑھنے کی زحمت اُٹھائی ہے۔ گویا عملاً یہ فرق محض فرضی ہے یا خدا سے دریافت کرنے کا ہے۔ اور علامہ نے اپنے بیان (سوم) میں استادی کی ہے یعنی بجائے یہ لکھنے کے کہ:- ”بظاہر اُن دونوں کی حالت میں ذرہ برابر اختلاف نہیں ہے۔“ یہ لکھا کہ ”دونوں کی حالت کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔“

پھر علامہ نے وہ فارمولہ بتایا جس سے ہر آدمی یہ جان سکتا کہ وہ اذیت، نقصان یا خوف واقعی ناقابل برداشت تھا یا نہیں؟ اگر محض اُن کے کہنے سے یہ مان لیا جائے کہ واقعی ناقابل برداشت تھا تو اُس کا کوئی قرآنی معیار اور جانچ کا انسانی و عملی طریقہ بھی نہیں بتایا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ دونوں حقیقتاً اور تجرباً قید و بند میں تھے تو ہمیں اُن کی ہر بات کو صحیح ماننا ہوگا۔ لیکن اگر وہ وہاں آزادانہ چل پھر سکتے تھے، ہتھکڑی اور بیڑی نہ تھی تو قرآن اُن کو ہجرت اور بھاگ کر آ جانے کا حکم دیتا ہے اور وہ دونوں خلاف ورزی کے مجرم اور قابل سزا ہیں، مگر ہوں گے مسلمان ہی۔ پھر علامہ نے اُن دو قسم کے فرضی مسلمانوں کے فرضی فرق کو بیان کرنے میں دیانت سے کام نہیں لیا

ہے۔ صاف دکھائی دیتا ہے کہ علامہ یہ طے کر کے بیٹھے تھے کہ ایک کی فرضی حمایت، فرضی طرفداری کی انتہا کر دیں گے اور دوسرے کی فرضی مذمت میں فرضی عیوب پیدا کریں گے۔ اور الفاظ بھی دونوں کے لئے الگ الگ ایجاد کریں گے۔ یعنی ایک کو فرضی طور پر مخلص اور دوسرے کو مصلحت پرست قرار دیا۔ ایک کو محض کفر کا اظہار کرنے والا کہا تو دوسرے کو کفار سے خود جا کر مل جانے والا بنا کر دکھا دیا۔ علامہ نے ایک کو اسلام کا ہر حال میں گرویدہ بنایا دوسرے کو عافیت اور منفعت طلبی کا مجرم بنا دیا۔ الغرض علامہ کا پورا بیان دو چار مجرموں کو محفوظ کرنے کے بہانوں سے لبریز ہے۔ مگر افسوس کہ ہم جن لوگوں کا تذکرہ قرآن سے لکھتے چلے آئے ہیں، وہ کبھی دشمن کے کیپ میں قید نہ تھے۔ روزِ اوّل سے اسلامی کیپ میں رہے، ہر جگہ ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں مگر خطرات میں اللہ کے حکم کا بہانہ کر کے بھاگ جاتے ہیں۔ کبھی دشمن پر تلوار نہیں اٹھاتے، کبھی خطرے میں باہر نہیں نکلتے۔ نام لے کر بلانے پر، نہ جانے کے لئے معافی طلب کر لیتے ہیں۔ دنیا میں خیریت اور منفعت کے لئے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں، جنت میں رسول اللہ کے ساتھی بننے سے توبہ اور استغفار کرتے ہیں۔ پھر سورہ عنکبوت جس ”آمنابا اللہ“ والی پالیسی کا ذکر کرتی ہے۔ اُس کے مطابق لفظ بلفظ عمل کرتے ہیں۔ جہاں موقع ملتا ہے کفار قریش کی طرفداری کر کے رسول اللہ کو ناراض کرتے ہیں۔ قریش کی رضا مندیاں حاصل کرنے میں عمر گزارتے ہیں۔ راتوں کو رسول اللہ کی جاسوسی کرتے ہیں۔ راتوں کو مشورے اور منصوبہ سازیاں کرتے ہیں۔ رسول کے فیصلوں پر کھل کر اعتراضات اور شکوک کا اعلان کرتے ہیں۔ انہیں قتل ہو جانے کے لئے تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ موقع ملتا ہے تو رات کو انہیں قتل کرنے کی سازش کرتے ہیں۔ یہ وہ مسلمان ہیں جن کے لئے قرآن نے فرمایا کہ اگر تم کو حکومت مل گئی تو تم ساری دنیا کو فتنہ و فساد سے بھر دو گے۔ اور ناتے رشتے کے جھگڑوں کو ختم کر کے آزاد جنسی نظام قائم کر لو گے (محمدؐ 47/22)۔ اور اُس مومن جماعت کے سربراہ کی شناخت یہ کہہ کر بیان کی ہے کہ جب وہ اقتدار حکومت سنبھالے گا تو نہ صرف ساری دنیا کو فساد سے بھر دے گا بلکہ تمام کھیتیاں تباہ کرے گا اور ایک خاص نسل کے ہلاک کرنے کا انتظام بھی کرے گا (بقرہ 2/205)۔ یہ تھا وہ انتہائی نتیجہ جو قریش کی ”آمنابا اللہ“ والی پالیسی پر مرتب ہونا تھا۔ اور جسے قرآن کریم نے نہایت تفصیل مگر حکمتِ خریل و تمہیل کے ساتھ ترتیب دے دیا تھا۔

35۔ بَيُّتُ الرِّسَالَتِ وِ اِمَامَةِ کے متعلقات اور حالات

عنوان نمبر 20 کے بعد قریش کے منصوبوں اور اقدامات پر گفتگو ہوتی رہی۔ اُن کے تینوں محاذوں کا تعارف اور پالیسیاں بیان کی گئیں۔ اُن کے ہیر و زکا تعین و تشخص ہوا۔ اُن کے تیغ بکف محاذ کی شکست اور فتح مکہ سامنے آئی۔ خانہ کعبہ اور گرد و نواح سے بتوں کی اعلانیہ عبادت اور حکومت ختم ہو گئی۔ سورہ برأت کے دباؤ سے تمام عوام اور سردارانِ قریش خاموشی کے ساتھ اپنے مسلمان محاذ میں شامل ہو گئے۔ اور توحید و نبوت کو اجتہادی شرائط کے ساتھ مان لیا گیا۔ مگر امامت و حکومت کو خاندانِ نبوت سے نکالنے اور ایک قومی و ملکی حکومت بنانے پر اتفاق کر لیا گیا۔ اور یہ طے کر لیا گیا کہ اب اسلام ہی کے نام پر قومی و ملکی مفاد کا تحفظ کیا جاسکتا ہے۔ لہذا اُن تمام تصورات اور بیانات و رجحانات کو شرک قرار دے کر مسترد کر دینا طے پا گیا جن سے خاندانی، موروثی یا شخصی حکومت کی بُو آتی ہو۔ یا جن میں کسی انسان کو

اللہ اور انسانوں کے درمیان وسیلہ یا واسطہ بنانے کا تقاضہ ہوتا ہو۔ یا کسی انسان کو دوسرے انسانوں پر مسلط کرنا مقصود ہو۔ یا کسی کی ایسی فضیلت بیان کی جائے جو عام انسانوں کی عقلی سطح سے بلند ہو۔ اگر بتوں کی عزت و احترام اس لئے شرک تھا کہ انہیں تقرب خداوندی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا تو پھر ہر وہ ذریعہ اختیار کرنا شرک قرار دے دو جو کسی بھی انسان کو تقرب کا ذریعہ، واسطہ یا وسیلہ قرار دے۔ چنانچہ خود رسول کی پوزیشن ایک انسان سے زیادہ ماننا بھی شرک بنا دو۔ یہاں تک کہ کسی انسان کو لفظ ”یا“ کہہ کر پکارنا بھی شرک ہے۔ ایسا خالص بے شرک اسلام اور توحید پھیلانے پر تمام سرداران قریش متفق ہو گئے۔ اور رسول اور جانشینان رسول کو شرک کے نام پر اللہ اور انسانوں کے درمیان سے ہٹانے کا پروگرام جاری ہو گیا۔ یہ سب کچھ دس ہجری سے پہلے پہلے ظہور میں آچکا تھا۔

(35/2)۔ بیت الرسالة کی شاخ ازواج رسول

آپ کو معلوم ہے کہ جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کا انتقال مکہ ہی میں ہو گیا تھا۔ اور مشیت خداوندی کے ماتحت اُن سے پیدا ہونے والی اولاد میں سے جناب فاطمہ علیہا السلام کے سوا کوئی باقی نہ بچا تھا۔ یہی نہیں بلکہ یہ بھی طے شدہ امر خداوندی تھا کہ خدیجہ الکبریٰ کے بعد بھی کسی زوجہ کی اولاد زندہ نہ رہے۔ چنانچہ حضور نے اُن کے بعد مختلف سن و سال کی عورتوں سے رشتہ زوجیت قائم کیا۔ اُن میں کنواری عورتیں بھی تھیں، بیوائیں بھی تھیں، لیکن کسی کے مقدر میں یہ نہ تھا کہ اُن سے اولاد پیدا ہو یا زندہ رہے۔ اور خطائی تاریخ نے جن جن لڑکیوں کو اولاد رسول میں داخل کیا، اُن کی نسل بھی منقطع ہو گئی تاکہ آئندہ نسل رسول حضرت فاطمہ سے جاری ہو اور کسی قسم کا شک و ریب الہم ذلک الکتاب میں نہ رہے۔ اور کوئی آگے بڑھ کر یہ نہ کہہ سکے کہ میں بھی فلاں ترکیب سے اولاد یا نسل رسول میں سے ہوں۔ یہ تہری انتظام تھا جس نے اُن تمام لوگوں کے منہ بند کر دیئے اور اُن کی تمام اُمیدوں پر پانی پھرا دیا جو نسل رسول کو بگاڑنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے چلے آ رہے تھے۔ اور جانشین رسول کے لئے نواسوں یا رسول کے بیٹوں کے سرپرست بن جانے کے خواب دیکھتے اور دعائیں مانگتے چلے آ رہے تھے۔ جنہوں نے رسول کے کئی ایک چچا اور بھتیجے گھڑ رکھے تھے۔ بہر حال حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد حضور کے سامنے جناب ابوبکر نے اپنی پانچ چھ سالہ بیٹی کو زوجیت کے لئے پیش کیا اور چاہا کہ حضور اس طرح اپنا غم غلط کرتے رہیں۔ لیکن کم سنی کی بنا پر انہیں واپس کر دیا گیا۔ اور جناب سودہ بنت زمعہ علیہا السلام کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اس محترم خاتون نے جناب فاطمہ الزہراء علیہا السلام کے ساتھ ایک پیاری ماں کی طرح سلوک کیا۔ اور مدینہ کی ہجرت سے تین سال قبل ہی سے خانوادہ رسول کی خدمات انجام دینا شروع کر دیں۔

(ii)۔ مدینہ میں بیت الرسالة کے ساتھ حضرت سودہ کا حجرہ اور قیام

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مسجد نبوی کے تیار ہو جانے کے بعد مسجد کی دیوار کے ساتھ ساتھ خانوادہ رسول کے مکانات بنائے گئے تھے۔ وسط میں بیت الرسالة تھا۔ اُس کے ادھر ادھر دونوں طرف اُن حضرات کے حجرے اور مکانات تھے جو جناب علی مرتضیٰ کے ساتھ ہجرت کر کے آئے تھے۔ اُن ہی حجروں میں حضور کی زوجہ جناب سودہ کا حجرہ تھا۔ اور بعد میں آنے والی ازواج رسول کے لئے اُن

ہی حجروں سے ملحق حجرے تعمیر ہوتے اور بیت الرسالۃ سے دُور تر بنتے گئے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابو بکر پہلے ہی روز رسول اللہ کو محلہ قبا میں چھوڑ کر محلہ سُخ پہنچ گئے تھے۔ اور وہاں ایک نئی شادی کر لی تھی۔ اور جب اپنے اہل و عیال کو مکہ سے بلایا تو انہیں بھی محلہ سُخ میں آباد کیا تھا۔ جب آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ اپنی مصروفیات کی بنا پر اُس دور دراز محلہ میں اُن کے گھر نہیں آتے تو آپ نے حضرت عائشہ کا تین سالہ پُرانا نکاح یاد دلایا اور چاہا کہ آنحضرت بھی محلہ سُخ کو اپنا دارالقرار بنالیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ کو عملاً زوجہ بنالینے کی بات کی۔ جواب میں مالی عذر پیش کیا گیا تو اپنے پاس سے ضروری اخراجات کا انتظام کر دیا اور ایک دن جناب عائشہ کی والدہ نے حضرت عائشہ کو بہت سے مردوں اور عورتوں کے روبرو آنحضرت کی گود میں جا بٹھایا۔ آپ کی عمر اُس وقت بھی صرف نو سال کی تھی۔ بہر حال لکھا گیا ہے کہ اُسی روز وہیں حضرت ابو بکر کے گھر میں عملاً اُن کو زوجہ بنالیا گیا۔ لیکن کوئی ولیمہ یا خوشی نہیں منائی گئی۔ حتیٰ کہ کھانا بھی حسب معمول جناب سعد بن عبادہ کے گھر سے آیا جسے بقول تاریخ و کتب احادیث دونوں نے بیٹھ کر کھالیا۔ لیکن اس کے بعد بھی رسول اللہ نے ابو بکر کے گھر میں مستقل قیام نہ کیا۔ ادھر سے مایوس ہو کر آخر حضرت ابو بکر نے اپنی بیٹی کو رخصت کر دیا۔ اور اب جناب عائشہ کے لئے بھی ایک حجرہ بنادیا گیا۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی کا ایک غیر محتاط بیان سُن لیں۔

(iii) - ازواج رسول کے حجروں کی تعمیر اور مقام وقوع

”مسجد نبوی جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج مطہرات کے لئے مکان بنوائے اُس وقت تک حضرت سودہ اور حضرت عائشہ عقد نکاح میں آچکی تھیں۔ اس لئے دو ہی حجرے بنے۔ جب اور ازواج آتی گئیں تو اور مکانات بنتے گئے۔ یہ مکان کچی اینٹوں کے تھے۔ اُن میں سے پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے۔ جو حجرے اینٹوں کے تھے اُن کے اندرونی حجرے بھی ٹٹیوں کے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت زینب، حضرت جویریہ، حضرت میمونہ، حضرت زینب بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے۔ اور حضرت عائشہ، حضرت صفیہ اور حضرت سودہ مقابل جانب تھیں۔۔۔۔۔ یہ مکانات چھ چھ یا سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لائے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا۔“ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 282/281)

ہمیں نہیں معلوم کہ علامہ نے حضرت حفصہ بنت عمر کو کیوں نظر انداز کر دیا حالانکہ وہ کافی سینئر ازواج میں شامل تھیں۔

(iv) - آنحضرت کی دیگر ازواج کا بیت الرسالۃ سے متعلق ہونا

حضرت حفصہ بنت عمر کا جب دوسرا یا تیسرا شوہر بھی مر گیا تو حضرت عمر نے حضرت ابو بکر اور عثمان سے درخواست کی وہ حفصہ سے نکاح کر لیں۔ دونوں کے انکار پر رسول اللہ سے شکایت اس انداز میں کی گئی کہ حضور نے حضرت حفصہ کو 3 ہجری میں زوجہ بنا لیا۔ اس کے کچھ ماہ بعد حضور نے حضرت زینب بنت خزیمہ سے نکاح کیا جو بیوہ تھیں۔ اور آٹھ ماہ بعد انتقال فرما گئیں۔ 4 ہجری میں حضور نے اپنی پھوپھی زاد بیوہ بہن ہند عرف حضرت ام سلمہ سے نکاح کیا۔ جو واقعہ کربلا کے بعد 62 ہجری میں وفات کو پہنچیں۔ 5 ہجری میں زید بن حارثہ کے طلاق اور عدت کے بعد آپ نے جناب زینب بنت جحش کو زوجیت میں لیا۔ 6 ہجری میں جناب برہ عرف جویریہ اور جناب ریحانہ بنت زید بن عمرو سے نکاح فرمایا۔ جناب جویریہ اُسی سال انتقال فرما گئیں۔ پھر 7 ہجری میں حضرت میمونہ بنت

حارث اور جناب رملہ عرف ام حبیبہ زوجیت میں آئیں۔ اور جنگ خیبر کے بعد 7 ہجری میں جناب صفیہ بنت حنیٰ بن اخطب سے نکاح کیا۔ آپ کی ایک اور زوجہ جمیلہ نام کی تھیں۔ 8 ہجری میں بادشاہ اسکندریہ نے جناب ماریہ قبطیہ کو آپ کے نکاح میں دیا جن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور پندرہ ماہ کی عمر میں خدا کو پیارے ہو گئے۔

یہ تمام ازواج اپنے اپنے حجروں میں رہتی تھیں۔ اللہ نے اُن حجروں کو اُن ہی کی طرف منسوب کیا ہے اور اُن سے کہا ہے کہ:-

”تم جاہلیت کے اولین دور کی طرح اپنی سچ دھج اور بناؤ سنگھار کی نمائش کے
لئے گھروں سے نہ نکلا کرو بلکہ تم سب اپنے گھروں میں پابندی سے موجود
الاولیٰ... (احزاب 33/33)

رہا کرو۔ اور چونکہ یہ مکانات رسول اللہ نے بنا کر دیئے تھے اس لئے اُن گھروں کی ملکیت آنحضرتؐ سے منسوب کر کے فرمایا گیا کہ:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ..... (احزاب 33/53)

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو جب تک تمہیں اجازت نہ مل جائے نبیؐ کے گھروں میں نہ داخل ہوا کرو۔ لہذا اُن گھروں میں رہنے والیاں صرف ازواج النبیؐ کہلاتی تھیں یعنی اہل بیوت النبیؐ۔ لیکن بیت الرسالۃ میں رہنے والے حضرات اہل بیت یا اہل بیت الرسالۃ کہلاتے تھے۔ چونکہ نبیؐ کا مستقل قیام کسی بھی زوجہ کے یہاں نہ رہتا تھا، نہ رہ سکتا تھا، نہ تمام مسلمانوں کو یہ بتانا آسان اور ممکن تھا کہ کس رات کو کس زوجہ کی باری ہے اور یہ کہ باری منسوخ نہیں ہوئی ہے لہذا سرکارِ دو عالمؐ کا مستقل قیام جس گھر میں رہتا تھا اور جہاں سے مستقل ہدایات و احکامات کا اجرا ہوتا تھا۔ اور جہاں ضرورت مند لوگ پورے یقین و اطمینان سے حاضر ہوتے تھے اُس گھر کا نام ’بیت الرسالۃ‘ تھا اور بیت الرسالۃ میں مستقل رہنے والے حضرات کو اہلیت کہا جاتا تھا۔ لہذا عارضی رشتہ کے لوگوں کو اہلیت سمجھنا یا کہنا قرآن کے خلاف ایک سازش ہے۔ اُسی طرح جس طرح کسی زوجہ کی شان میں جس و ناپاکی سے طہارت کا مخصوص حکم یا احکام نازل ہوئے بغیر تمام ازواج کے ساتھ لفظ مطہرات کا اضافہ کر دینا ایک سازش ہے۔ ازواجِ رسولؐ کی پوزیشن قرآن کریم میں واضح ہے اور جو قرآن کریم نے اُنکے متعلق فرمادیا ہے اُس سے کم یا زیادہ کہنے والے یقیناً تکذیب قرآن کرنے کے مجرم ہیں۔ رہ گیا یہ فرضی اصول کہ نبیؐ کی ہر زوجہ کو بھی نبیؐ یا نبوت کا ہم پلہ ہونا چاہیے، قرآن کی واضح آیات کے مخالف ہے اور حضرت نوحؑ اور لوطؑ علیہما السلام کی ازواج کا جہنمی ہونا قرآن کی اُسی سورہ میں واضح ہے (تحریم 66/10) جس میں آنحضرتؐ کی دوا ازواج کے محاذ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور ہم مناسب مقام پر سورہ تحریم کو پیش کریں گے۔ البتہ جن ازواج سے نسل نبوت و رسالت جاری ہوتی ہے اُن کا مقام و انتظام مخصوص طریقے پر خدا کے ذمہ ہے۔ دنیا کی زندگی میں عورتوں کیلئے اس سے بڑی سزا اور تکلیف کوئی نہیں کہ اُن کو مقطوع النسل یا بانجھ رکھا جائے۔ بہر حال ازواجِ رسولؐ تو اپنے مقام پر ہیں۔ بعض خبیثوں نے ساری اُمت کو اہلیت اور آل محمدؐ میں داخل کرنے کی اسکیم چلائی۔ مقصد یہ تھا کہ آل محمدؐ کے مقام بلند کو گھٹایا جائے یا ساری دنیا کو اُس مقام بلند میں داخل کر کے اُس کی بلندی و عظمت کو خاک میں ملا دیا جائے۔

(v)۔ نجات دہندہ عالم اپنے باپ اسمعیلؑ کی جگہ ذبحِ عظیم اور نانا حضرت محمدؐ مصطفیٰ کو مرتبہ شہادت پر فائز کرنے والا حسینؑ

4 ہجری میں حضرت ام سلمہؓ علیہا السلام نے نبیؐ کے گھر میں قدم رکھا اُس وقت جناب امام حسن علیہ السلام کی عمر ایک سال کے

قریب پہنچی تھی کہ 15 شعبان 4 ہجری کو جناب امام حسین علیہ السلام نے بیت الرسالۃ کے توسط سے ساری دنیا کو پیام نجات دیا۔ سرکارِ دو عالم نے خاندانی سنت کے مطابق کانوں میں اذان و اقامت کے ساتھ تحفظ اسلام کا پیغام سنایا۔ سر کے بالوں کے برابر چاندی تصدق کی گئی ساتویں روز عقیقہ کیا گیا۔ اس مولود مسعود کی پیدائش پر مافوق الفطرت و عادت واقعات میں اس قدر اور اضافہ تھا کہ خانوادہ رسول میں مسرت کے ساتھ گریہ و بکا کا سامان بھی تھا، ملائکہ تہنیت کے ساتھ ساتھ واقعہ کربلا پر متاسف و گریاں بھی تھے۔ حضرت اُم سلمہ علیہا السلام کو خاک کربلا آج ہی دی گئی تھی جو شہادت کی اطلاع کیلئے خون بن جانے والی تھی۔ یہی دن تھا جس روز عزاداران حسین علیہ السلام کیلئے وعدہ جنت کیا گیا تھا۔ یہی وہ مبارک وجود تھا جس نے پختن پاک کی تعداد کو پورا کیا۔ یہی ذات والا صفات تھی جس سے نو (9) سربراہان اسلام نے وجود حاصل کرنا اور تاقیام قیامت کا نکتی راہنمائی کی ذمہ داری اختیار کرنا تھی۔ اور تمام بنی نوع انسان کو علوم خداوندی سے مالا مال کرنا تھا، جنہوں نے تسخیر کائنات و موجودات کا لامحدود سبق دینا تھا۔ جہاں سرکاری تاریخ ہر واقعہ کو مشکوک کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتی، وہیں حضرت امام حسین علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ بھی اختلاف کا شکار ہوا ہے۔ بعض نے لکھا کہ امام حسن کی پیدائش کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے، بعض نے لکھا کہ ایک سال دس ماہ بعد پیدا ہوئے، بعض نے 3 شعبان اور بعض نے 5 شعبان تاریخ پیدائش بتائی۔ یہ سب کچھ اسلئے کیا جاتا رہا کہ پبلک اور اہل قلم کو غلط باتیں سننے کی عادت پڑ جائے اور غلط درغلط میں الجھ کر لوگ گمراہ ہو جائیں۔

(35/3)۔ امام حسین علیہ السلام کی روحانی، جسمانی اور فنی و فکری تربیت

جس طرح ہم نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ کے فضائل میں کچھ نہیں لکھا اسی طرح ہم امام حسین علیہ السلام کے فضائل و درجات بیان نہ کریں گے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان حضرات کے فضائل سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ہم تو ان کے متعلق وہی کچھ لکھنا چاہتے ہیں جو نوع انسان کی نجات کا ذریعہ بن سکے اور جس پر ہر متلاشی حق عمل پیرا ہو سکے۔ چنانچہ امام کی روحانی تربیت کے لئے اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ ان کو پالنے والے محمدؐ علیؑ اور فاطمہؑ تھے۔ جہاں ہر لمحہ جبرائیلؑ و میکائیلؑ و اسرافیلؑ و عزرائیلؑ حاضر رہتے ہوں، جہاں سے نعمات خداوندی ساری کائنات و موجودات میں تقسیم ہوتی ہوں، جو علوم خداوندی کا مرکزی مقام ہو، جو گھر انوار خداوندی سے لبریز رہتا ہو، وہاں تربیت کا کونسا پہلو ہے جس میں کسی خامی کا وہم کیا جاسکے۔ اور پھر جب زیر تربیت بچہ کا ابتدائی مقام ہی عقول انسانی کی رسائی سے باہر ہو تو یہ کن الفاظ اور کس عبارت میں سمجھایا جاسکے گا کہ تربیت کے بعد وہ بچہ کہاں اور کس مرتبہ پر پہنچا؟

(ii)۔ خانوادہ رسالت کے ائمہ علیہم السلام کا مقام بوقت ولادت

شکم مادر میں کلام سنا اور قرآن کی آیات تلاوت کرنا۔ اپنی ماں کو خدا کے روبرو سجدہ کرنے پر مجبور کرنا۔ نہ آسانی سے سمجھ میں آنے کی بات ہے نہ ماننے کی بات ہے۔ لیکن مسلمانوں کی کتب احادیث ایسی تفصیل سے بھری پڑی ہیں۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحجۃ باب مولید الائمہ کی پہلی ہی حدیث بتاتی ہے کہ ائمہ پیدا ہوتے ہی زمین پر اس طرح تشریف فرما ہوتے ہیں کہ دونوں ہاتھ زمین پر ٹکے ہوئے اور سر آسمان کی طرف بلند۔ زمین پر ہاتھ اس لئے کہ اللہ کے جس قدر علوم آسمان سے زمین پر نازل ہوئے ان کو قبضہ میں کر لیں۔ آسمان کی طرف متوجہ اس لئے کہ وہاں سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ اب فلاں بن فلاں مضبوطی اختیار کر۔ کیونکہ تیری تخلیق اللہ کے

یہاں ایک عظیم الشان منزلت رکھتی ہے۔ تو تمام کائنات میں برگزیدہ ہستی ہے۔ اور میرے تمام رازوں کا محرم راز ہے۔ تو میرے علوم کا گنجینہ ہے۔ تو میری وحی کا امین ہے۔ زمین میں میرا خلیفہ ہے۔ میں نے تجھ پر اور جو تیری ولایت و حکومت کو اختیار کرے اُس پر رحمت نازل کرتے رہنا واجب کر لیا ہے۔ اور تمہیں جنت کا عطا کیا جانا طے کر دیا ہے۔ اور تم سب کو اپنے قربت و پڑوس میں جگہ دیدی ہے۔ اور اپنی عزت و جلال کی قسم جو تم سے عداوت رکھے اس کے لئے سخت عذاب مقرر کر دیا ہے۔

قارئین اگر ہم خانوادہ رسولؐ کے فضائل و مناقب کو حدیث کی صورت میں لکھنا شروع کر دیں تو ایک لاکھ صفحات بھی کافی نہ ہوں گے۔ اسلئے ہم قارئین کو روزمرہ کی زبان میں وہ حالات و واقعات سنارہے ہیں جو ساتھ ساتھ سمجھ میں آتے جائیں اور خود ان کی اپنی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جن بزرگواروں کے حالات زیر بحث ہیں، محیر العقول مقام رکھتے ہیں۔ جن کو بُنایا لا اللہ مانا گیا ہو، جو خود مجسمہ دین و دین پناہ ہوں۔ جن کے لئے سرور کائنات فرمائیں کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔

(35/4)۔ بچپن کی سنی ہوئی لوریاں قلب و ذہن میں پیوست ہو کر رہ جاتی ہیں

آج بھی بچوں کو سنانے کے لئے لوریاں دینے کا طریقہ دیکھنے میں آتا ہے۔ لوری دینے والا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ مگر بچہ کا لاشعور اُس لوری کے مفید و مضرا جزاء کو ترتیب دے کر خواب کی صورت میں سامنے لاتا ہے۔ اور کام کی چیز ذہن میں اُبھر کر نقش ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور اگر لوری دینے والا نفسیات انسانی سے واقف ہو تو بچہ کو جیسے چاہے بنا سکتا ہے۔ اور اگر لوری دینے والا باعث تخلیق کائنات ہو، کائنات کے ہر ہر ذرہ کا ہادی و راہنما ہو جس کے روبرو ملائکہ اور ساری کائنات کو وجود بخشا گیا ہو، جو خود ہی لوح و قلم و عرش و کرسی ہو تو لوری کی ابتدا اور انتہا کا کیا ٹھکانا ہوگا؟ اور لوری سننے والا اگر حسینؑ ہو تو مادی وجود اُس یادداشت کے سامنے غائب ہو جائے گا۔ اُس کے سامنے تخلیق کے سارے مناظر گزرتے جائیں گے۔ یہ مادی وجود آدمؑ و ابلیس کی دُشمنی کو سمجھنے میں مدد دے گا۔ تمام انبیاء اور انکی مختصی قابل فہم بن کر رہا عمل کا سبق دیں گی۔ اب نورانی کیفیات مادی ساز و سامان میں چمک دمک پیدا کر دیں گی۔ اب مجرد الفاظ اپنے محسوس معنی کے ساتھ ذوق فکر و نظر کو لذات سے روشناس کریں گے۔ عالم نور کے مشاہدات، مادی ظہور کی میزان پر اپنی اثر انگیزی کو دوبالا کر لیں گے۔ یوں مادی وجود دم و معاون بنتا چلا جائے گا۔ پھر لوری کبھی محبوب کبریا دیں گے، کبھی مشکل کشائے دو جہاں توجہ فرمائیں گے۔ کبھی لُختِ جگر رسولؐ یعنی فاطمہؑ لوری دیں گی۔ کبھی جبرائیلؑ امین جھولا جھلا کر لوری دیں گے۔ لوری کبھی نظم میں ہوگی کبھی نثر میں۔ لوری دینے والے کا چہرہ ہشاش و بشاش ہوگا تو لوری سننے والا لذت انبساط حاصل کرے گا۔ کسی غم انگیز واقعہ کو لوری میں سناتے ہوئے آنکھوں سے بہنے والے آنسو دیکھ کر لوری سننے والا ایک فولادی اور مصمم جذبہ سے دو چار ہوگا۔ اور پہاڑوں اور طوفانوں سے ٹکر لینے کی تیاریاں کرے گا۔ پھر لوری کبھی اپنی زبان میں ہوگی کبھی کسی ماسبق بزرگ کے الفاظ میں ہوگی۔ لوری میں کبھی پاک باطنی کا ذکر ہوگا۔ کبھی شجاعت کے کارنامے سامنے لائے جائیں گے، کبھی رحم و کرم و صبر و رضا کا سبق اور نمونہ ہوگا، کبھی فداکاری و جان نثاری کا تذکرہ ہوگا۔ کبھی فخر و مباهات و فضائل اور مناقب کا بیان اور معیار ہوگا۔ کبھی بے خوفی و ہمت و آزادی ضمیر کا سبق دیا جائے گا۔ کبھی غارتگرانِ دین و دنیا کے مظالم پر نفرین کی جائے گی۔ کبھی غرباور مظلوموں کی داستان سنائی جائے گی۔

(35/5)۔ خانوادہ رسولؐ کی کہانی معصوم زبان میں لوریاں

(1) یہ سنتے ہوئے سو جاؤ اور خوابوں کی دنیا سے گزر کر وہاں پہنچو جہاں جہاں اللہ نے تمہیں اور تمہارے ماں باپ کو اپنی معرفت کا وسیلہ بنایا تھا۔ جہاں پوری کائنات کی تخلیق کو تمہارے تصدق میں پیدا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ جب ہم سب نے ملائکہ کو تسبیح و سجدہ کرنا سکھایا تھا۔ اور جو چیز زیور وجود پہنتی جاتی تھی ہم اُس کو خالق کائنات کی معرفت و ہدایت بہم پہنچاتے جاتے تھے۔ جب یہ کہا گیا کہ اگر تمہیں پیدا نہ کرنا ہوتا تو یہ کائنات پیدا نہ کی جاتی۔ کائنات کی ہر چیز تمہارے لئے ہے۔ تم نے ساری مخلوق سے پہلے اقرار ربوبیت خداوندی کیا تھا۔ ساری کائنات کی فلاح اور بہبود کے تم ہی ذمہ دار ہو۔ تم ہی سب کی طرف سے جوابدہ ہو۔ وہ دیکھو کہ کائنات اس منزل تک آ پہنچی کہ حضرت آدمؑ کو وجود بخشا گیا۔ تمہارا نور اُن کی پیشانی میں پہنچا تو انہیں کائنات کے تمام اسما سے تعارف حاصل ہو گیا۔ وہ دیکھو کہ عزائیل نے کائنات اور ملائکہ کے ساتھ مل کر حضرت آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا۔ اس لئے کہ غیر خدا کو سجدہ کرنے کا حکم خداوند عالم کی حقیقی منشا نہیں ہو سکتی۔ یہاں اُس نے حکم کے الفاظ کو محل نظر سمجھا۔ اُس کے اجتہاد میں خدا کے الفاظ کی لفظ بلفظ اطاعت ضروری نہ تھی۔ بلکہ الفاظ پر عقل و بصیرت، موقع محل اور اصول و مبانی کی روشنی میں عمل کرنا ضروری تھا۔ پھر جو سامان حضرت آدمؑ کی تخلیق میں استعمال ہوتے ہوئے دیکھا تھا وہ ابلیس کے نزدیک گھٹیا تھا۔ اور اُن کی سجدہ کی حد تک تعظیم کے منافی تھا۔ وہ پوری نوع انسان کا ابوالآب اور نمائندہ تھا۔ اُس کو سجدہ کے معنی ابلیس نے ساری نوع انسان کو سجدہ سمجھا۔ اور وہ عہد الست بر بکم کے وقت اولاد آدمؑ میں بہت سے خبیثوں کو بھی دیکھ چکا تھا۔ الغرض اُس نے سجدہ نہ کیا۔ معتبوب ہونے پر اُسے یقین آ گیا کہ اللہ اپنے الفاظ کی بلا تاویل اطاعت چاہتا تھا۔ اُس نے اللہ پر الزام عائد کیا کہ تو نے مجھے میری عقل و ساخت کے ذریعہ مغالطہ میں ڈال کر اغوا کر دیا ہے۔ اور اگر ایسے انتظام کے بعد اغوا ہو جانا واقعی لعنتی، جہنمی اور شقی بنا دیتا ہے تو سن کہ میں اُسی اصول کے ماتحت تمام ذریت آدمؑ کو اغوا کر دوں گا۔ اور جن چند مخصوص لوگوں پر کامیاب نہ ہوں گا۔ اُن کی تعداد قلیل ہونے کی بنا پر ناقابل اعتنا ہوگی۔ لہذا مجھے ایک مدت تجربہ عطا کر دے تاکہ میں اپنے دعویٰ کو عملی طور پر آزما کر ثابت کر سکوں۔

(2) خدا نے اپنی قدرت اور قوت کو بے پناہ اور لامحدود ثابت کرنے کیلئے ابلیس کو حکم عدولی اور نافرمانی اور چیلنج کی سزا نہیں دی بلکہ طویل ترین عمر و مہلت و اختیار عطا کیا۔ وہ تمام سامان، وسائل اور مواقع فراہم کئے جس سے وہ نوع انسان کو اغوا کر سکے اور تنگی داماں کا شکوہ نہ کرے۔ یہ عدل کا تقاضا تھا کہ صاحب عقل و ارادہ مخلوق کو مجبور کر کے احکام کی اطاعت نہ کرائی جائے۔ بلکہ اُسے مکمل آزادی دی جائے، عقل و بصیرت و اجتہاد و مشاورت کے تمام مواقع فراہم کئے جائیں، فریب دہی اور فریب خوردنی سے بے خوف رہ کر حق کو ثابت کرنے میں ہر بہانہ اور عذر ختم کر دیا جائے۔ ہر پہلو پر اتمام حجت کر کے فرار کی تمام راہیں بند کر دی جائیں تاکہ ہر شخص خود اپنی عقل و بصیرت کے معیار پر اپنا مجرم ہونا مان لے اور قلب کی گہرائی کے ساتھ اقرار کرے کہ اُسے تمام رعایات اور مواقع اور سہولتیں فراہم کی گئیں مہلت و مواقع دئے گئے۔ لیکن اُس نے ہر مرتبہ غلط رویہ اختیار کیا اور اب وہ ہرزاکا مستحق ہے۔

(3) نور چشم زہراءؑ اور غور کرو کہ اگر ابلیس کو وہیں ملائکہ اور آپ حضرات یعنی ”عالمین“ کے سامنے حکم عدولی، نافرمانی، سرکشی اور

چیلنج کی سزا دے کر جہنم واصل کر دیا جاتا تو دنیا میں گمراہی کا نام و نشان تک نہ ہوتا۔ وہ مسلسل قتل عام نہ جاری رہا ہوتا جس میں اقوام و قبائل اور نسلیں تباہ و برباد ہوتے رہے۔ معصوم بچے قتل ہوتے رہے، بے گناہ اور نیک انسانوں کے خون کے دریا بہتے رہے۔ نہ کوئی لوٹ مار ہوتی نہ بدکاری و بد معاشی ہوتی، نہ قوانین اور انبیاء کی ضرورت ہوتی، نہ نافرمانی اور اطاعت شعاری کا جھگڑا ہوتا۔ یہ دنیا دیگر حیوانات کی طرح انسانوں کے لئے بھی یکساں ہوتی۔ نہ مکانات محل اور چھوٹی پڑیاں ہوتیں، نہ ترقی ہوتی نہ کسی ترقی اور عروج کا تصور ہوتا۔ یہ سمندر، یہ دریا، یہ پہاڑ، یہ شمس و قمر اور ستارے انسانوں کے لئے بھی کوئی اہمیت نہ رکھتے۔ نہ اُن کا علم ہوتا نہ اُن سے فائدہ اٹھایا جاتا، نہ کھیتی ہوتی نہ زمین کے دھینوں اور خزانوں کا علم ہوتا، نہ اُن سے استفادہ کی راہ نکلتی، نہ یہ روٹیاں اور کھانے ہوتے، نہ یہ لباس و آرائش کا سامان ہوتا۔ سردی گرمی اور بارشوں اور طوفانوں کی بھرمار سے انسانوں کی صورت بدل کر رہ جاتی۔ یہ بھی اُسی طرح کی شکل رکھتے جو بندروں اور بن مانسوں کی ہوتی ہے۔ ساری کائنات کی تمام مخلوقات و موجودات کو یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ اُن کا کوئی خالق ہے؟ وہ خالق کیسا ہے؟ اُس کی قدرت و قوت کیا ہے؟ کیسی ہے اور کتنی ہے؟

(4) محبوب خدا کے لاڈ لے یہ دنیا جس میں تم نے قدم رکھا ہے بڑی حسین مصلحتوں کے ماتحت اس قدر خوبصورت اور خوب و بنائی گئی ہے۔ اس کو اُس کی حقیقی صورت عطا کرنے کے لئے تمہیں یہ مادی لباس پہنایا ہے۔ تمہارے نانا کی ذمہ داری تمہارے ہاتھوں پوری کرنا مقصود خداوندی ہے۔ اللہ کی وہ صفات جن کا تعارف ابھی تک نامکمل ہے وہ تمہاری صفات سے ظہور پذیر ہوں گی۔ آپ ہی خدا کے تعارف کا آخری وسیلہ اور منتہا کمال ہیں۔ اسی تعارف کے لئے آپ حضرات کو وجود بخشا گیا۔ اسی تعارف کی غرض سے ملائکہ و جنات اور دیگر تمام مخلوقات کو پیدا کیا گیا۔ اور صاحبان عقل و ارادہ مخلوق کو بلند ترین درجات اور لامحدود قدرت و اختیارات دینے کے لئے تمہیں واسطہ و ذریعہ بنایا گیا۔ ابلیس کو اس لئے وجود و مہلت اور قدرت دی گئی کہ وہ نوع انسان کو آپ حضرات کی تعلیمات کے مقابلہ میں اپنی سرکشی اور بصیرت سے متبادل راہیں دکھائے۔ اور صراطِ مستقیم سے بہتر راہ پر گامزن کرنے کا لالچ دے۔ اور انسان اپنی عقل و اختیار سے دونوں راہوں میں ایک راہ کا آزادانہ انتخاب کریں۔ تاکہ ہدایت و گمراہی کا حصول علی وجہ البصیرت قائم ہو۔ نہ کوئی اتفاقیہ گمراہ ہو سکے نہ ہدایت پاسکے۔ تاکہ ہر شخص کا عمل خالص اس کا اپنا سوچا سمجھا عمل ہو اور اُس کو اُس عمل کی صحیح جزا ملے۔

(5) ابھی کل ہی کی بات ہے کہ تمہارے نانا اور اُن کے تمام خاندان کو بھوکا پیاسا مرنے کے لئے تین سال تک قید رکھا گیا تھا۔ اُن پر آب و دانہ بند کر دیا گیا تھا۔ ایسا مکمل بائیکاٹ کیا گیا تھا کہ شادی، بیاہ اور اُن سے ملنا جلنا، اُن کا قید سے باہر نکلنا تین سال تک بند رکھا گیا۔ اُن کی خطا یہ تھی کہ تمہارے نانا عربوں کو زمین سے اٹھا کر ترقی کے آسمان تک پہنچانا چاہتے تھے۔ مگر انہیں یہ منظور نہ تھا کہ یہ کام حضرت محمد مصطفیٰؐ تھا کریں۔ وہ چاہتے تھے اور آج بھی چاہتے ہیں کہ اللہ کے تمام احکامات پر اُن کے مشورے اور تجربے سے استفادہ کیا جائے اور جس حکم کو اُن کی اجتماعی بصیرت جس طرح مفید سمجھے اُس طرح نافذ کیا جائے۔ اُن کا آج تک یہ یقین ہے کہ رسول بشری تقاضوں سے متاثر ہو کر منشاء خداوندی کے خلاف حکم دے سکتا ہے۔ پھر اُن کو یہ خوف بھی دامن گیر رہا کہ آپ کے خاندان کی موروثی حکومت کو اس نبوت سے مزید استحکام ملے گا اور عربوں کو قیامت تک اُس ابراہیمی حکومت و امامت کے ماتحت رہنا پڑے گا۔ اور یہ شخصی

حکومت اُن پر جبر و ستم کرتی چلی جائے گی۔ اس سے بچنے کے لئے اُنہوں نے حکومت قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اور آپؐ کے نانا کے سامنے پورے ملک کی جان و مال اور حکومت پیش کر دی۔ تاکہ یہ اصول عملاً ثابت ہو جائے کہ قریش ہی کسی کو سارے عرب پر حاکم بنانے کا اختیار رکھتے ہیں اور وہی حکومت سے معزول کر سکتے ہیں۔ چونکہ یہ حکومت، حکومتِ الہیہ نہ ہوتی بلکہ ایک مشاورتی انسانی حکومت ہوتی، آپؐ کے نانا نے اس حکومت کو لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ انسانوں کے دینے سے ملنے والی چیزوں میں اگر چاند سورج بلکہ ساری کائنات بھی ہو تب بھی اُن حضرت کو منظور نہیں ہے۔ اس لئے کہ حقیقی مالک تو اللہ ہے وہ جو کچھ دیگا اُسے استقلال ہوگا لہذا بات ختم ہوگئی۔ قریش اپنی افرادی، مالی اور عقلی قوت کے بل بوتے پر آپؐ کے پورے خاندان کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر تل گئے اور آپؐ کے دادا جناب عمرائے اللہ و رسولؐ کے احکام پر قربان ہو جانے پر اڑ گئے۔ اے راحتِ جان بتو! آپؐ کے دادا نے پورے خاندان کو اپنے ایک پہاڑ کے درہ میں جمع کر کے جس بصیرت کا اور اعتماد تو کل خداوندی کا ثبوت دیا؛ اُس کی وجہ سے اللہ نے قرآن میں اُن کی مدح و ثنا کی ہے، اُن کے نام سے سورہ آل عمران رکھی گئی۔ اُنہیں رسولؐ اور اسلام اور مسلمانوں کی پناہ گاہ قرار دیا ہے۔ آپؐ کے دادا ساری رات آپؐ کے نانا کی حفاظت کرتے تھے۔ راتوں کو بار بار اُن کی جگہ آپؐ کے باپ کو لٹا دیا کرتے تھے۔ اُنہوں نے آپؐ کے والد کو قیامت تک اسلام کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا ہے۔ اس ذمہ داری کا سب سے بڑا اور سب سے پُر خطر حصہ آپؐ کے حصے میں آیا ہے۔ اہل آسمان اور پورے خاندان کی نظریں آپؐ پر جمی ہوئی ہیں۔ آپؐ جلدی سے جوان ہوا آپؐ کے ماں باپ آپؐ کا سہرا دیکھنے کے آرزو مند ہیں۔ آپؐ کی خاموشی، آپؐ کی مسکراہٹ اُنہیں آس دلاتی ہے۔ وہ دونوں اور سارا خاندان آپؐ کے بولنے، چلنے پھرنے، نشست و برخاست الغرض آپؐ کے ہر عمل اور ہر نقل و حرکت کو اُس ترازو میں تول تول کر دیکھیں گے جو آپؐ کے دادا نے نصرت محمدؐ اور اسلام کیلئے تیار کی ہے۔ آپؐ کی پیدائش پر ہونٹ مسکرائے تو آنکھوں نے آنسو بھی بہائے ہیں۔

(ii) حضرت عمران علیہ السلام کا اعلان و پیغام ہر محافظ اسلام کے نام

اے رحمۃ خدا اور رحمۃ للعالمین کے پیارے سُن! کہ آپؐ کے دادا فرمایا کرتے تھے کہ:-
واللہ لَن یصلوا الیک بجمعہم
حتیٰ اوسد فی التراب دفینا
اِذْ هَبْ بُنَیْ فَمَا عَلَیْکَ مَخَافَۃٌ
وَالْبَشَرُ بِذَاکَ وَقَرْمَنَکَ عِیَوْنَا
اَنْتَ النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ قَرَمَ اعْزَہْ سَوْدٌ
لِمَسْوَدِیْنِ اِکَارَمٌ طَابُوا وَطَابَ الْمَوْلَدُ
نَعْمَ الْارْوَمَۃُ اَصْلُهَا عَمْرُو الْحَطِیْمِ الْاَوْحَدُ
اللہ کی قسم جب تک میں زندہ ہوں اور مجھے دفن نہ کر دیا جائے۔
دشمنانِ رسولؐ اُن کے قریب نہیں آسکتے ہیں۔
بیٹے بلا خوف و خطر دعوت اسلام جاری رکھو اس معاملہ میں، میں تمہیں
بشارت دیتا ہوں اور آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک میرے ذمہ ہے۔
یقیناً اے محمدؐ تم اللہ کے نبی ہو۔ تم صاحب عزت اور روشن سردار ہو۔
تم پاک اور تمہاری نسل بھی بزرگ اور پاکیزہ ہے۔
کتنی شاندار ہے وہ نسل و نسب و خاندان جس میں عمرو حطیم
یعنی جناب ہاشمؐ ایسے یگانہ روزگار حضرات ہوں۔

ہشتمہ الربیكة فی الجفہ ن وعیش مکة انکد
جنہوں نے ناندیں بھر بھر کر شور بے میں پوری ہوئی روٹیوں سے اُس قحط میں اہل
مکہ کی ضیافتیں کیں جس نے انہیں بدول اور مکہ رکھ دیا تھا۔

فجرت بذلک سُنَّہ فیہا الخبیزۃ تشرّد
اُسی وقت سے یہ سُنّت جاری ہوئی ہے کہ؛

روٹی اور شور بے کا شدید بڑی ناندوں میں پیش کیا جائے۔

وَلَنَّا السَّقَايَةَ لِلْحَجِيجِ بِهَایمات الغنجد
زیارت کعبہ کیلئے آنے والوں کے واسطے کھانے پینے کا انتظام ہم ہی کرتے ہیں اور
پانی میں انگور ملا دیتے ہیں۔

والمآزمان وماحوت عرفاتها والمسجد
مکہ وثنی کا علاقہ اور عرفات اور مسجد سب ہماری ملکیت ہے۔

وبطاح مکة لا یری فیہا بخیع اسود
مکہ کے ارد گرد ابھی سیاہ خون والے لوگ جمع نہیں ہوئے ہیں۔

أنی تضام ولم امت وانا الشجاع العربد
لہذا اے رسول آپ پر کوئی کیسے ظلم کر سکتا ہے

جب کہ ہم ابھی زندہ و موجود ہیں، اور ہم شجاع و بہادر ہیں۔

وینوایک کانہم اسد العربین توقد
اور تمہارے بھائی علیؑ و عتقرؑ وغیرہ شجاعت میں شیروں کے مانند ہیں۔

ولقد عہد تک صدیقاً فی القول لا تترید
میں نے آپؐ کو ہر بات میں صادق القول پایا اور آپؐ حق سے ذرہ برابر بھی نہیں بڑھتے

مازلت تنطق بالصواب وانت طفل امرد
آپؐ جب سے برابر سچ بولتے چلے آئے جب آپؐ نہایت چھوٹے سے بچے تھے۔

أمن تذکر دھر غیر مامون
کیا آپؐ زمانہ کے غیر محفوظ ہونے پر رنجیدہ ہو؟

اصبحت مکتباً تبکی لمحزون
یا رنجیدہ و مغموم لوگوں کے رنج و غم پر ملال خاطر ہے؟

أمن تذکر اقوام ذوی سفہ
کیا آپؐ اقوام کی ایسی بے عقلی پر مغموم ہیں جس سے وہ خطرات کی پرواہ کیے بغیر دین

یغشون بالظلم من یدی الی الدین
کی طرف دعوت دینے والوں کو ظلم و ستم سے بچا لیتے ہیں؟

(iii)۔ قریش کے سامنے حضرت عمرانؑ کا قصیدہ لامیہ اور اعلان حق

اے نونہال خانوادہ رسولؐ! اپنے دادا کے وہ جذبات سُن جو وہ قریش کے متعلق رکھتے تھے اور جو کچھ اپنے خاندان سے امید رکھتے تھے
انہوں نے فرمایا تھا کہ:-

خلیلی ما اذنی لا ول عاذل
اے دوست میں ملامت کرنے والے کی بات سُننا پسند نہیں کرتا خواہ ملامت صحیح ہو یا غلط۔

بصغواء فی حق ولا عند باطل
اور اے دوست آدمی کی رائے کے متعلق میں یہ کہتا ہوں کہ رائے، رائے ہی ہوتی ہے۔ وہ

خلیلی ان الرای لیس بشرکۃ
بدیہی اور سامنے کی حقیقت نہیں ہوا کرتی اور یہ بھی کہ مشکل مراحل میں رائے کی راہ میں رکاوٹ

ولا نہنہ عند الامور البلا بل

بھی نہیں آتی۔

جب میں نے یہ دیکھ لیا کہ اس قوم میں محبت کا نام و نشان نہیں ہے اور انہوں نے تمام تعلقات اور وسائل منقطع کر دیے ہیں۔

کھلم کھلا دشمنوں سے حلیہ معاہدے کر کے دشمنی اور اذیت پہنچانے کا انتظام کر لیا ہے۔

مخالفین کے احکامات ماننا شروع کر دیا ہے۔ وہ مخالفین جو غصہ میں اپنی انگلیاں چبایا کرتے تھے۔

لہذا میں نے بھی خود کو خون ریز نیزوں اور تلواروں کے سنبھالنے پر آمادہ کر لیا اور جنگی سامان تو ہمارے سرداروں کی میراث میں چلا ہی آ رہا ہے۔

اس سلسلے میں میں نے اپنے بھائیوں کے گروہ کو خانہ کعبہ کے پاس مدعو کیا اور غلاف کعبہ کو تھاما۔

اور ہم سب کعبہ کے سامنے اُس مقام پر کھڑے ہوئے جہاں ہر عبادت گزار نماز نوافل بجالاتا ہے۔

وہاں میں نے اعلان کیا کہ میں ہر بدگوئی کرنے والے باطل پرست کے طعن و طنز سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

عیب جو دشمن اور عیب جوئی کرنے والوں سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں اور اُن لوگوں سے بھی خدا کی پناہ چاہتا ہوں جو دین میں ایسی باتیں ملا دیتے ہیں جن کا ہم نے ارادہ تک بھی نہیں کیا ہے۔

ہم رسول اللہ کی نصرت اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک کہ ہم اپنی ازواج اور بیٹوں کو نہ بھلا دیں۔

اور اُس وقت تک نصرت کریں گے جب تک ہم کینہ پروروں کو اُسی طرح نیزہ سے گرا ہوا نہ دیکھ لیں جس طرح اُونچے کنارے پر چلنے والا گرتا ہے۔

بیت اللہ کی قسم اب ہماری کوشش یہی ہوگی کہ ہماری تلواریں اب سربرا آوردہ دشمنوں کو قتل کریں۔

وہ تلواریں اُن جوانوں کے ہاتھوں میں ہیں جو سردارانِ قوم قابلِ وثوق اور میدان کارزار میں شہاب اور بہادر ہیں۔

وہ نورانی چہرے والے سردار جن کے چہروں کے واسطے سے بارش ہوتی ہے۔

وَلَمَّا رَأَيْتُ الْقَوْمَ لَا وَدَّ عِنْدَهُمْ
وَقَدْ قَطَعُوا كُلَّ الْعَرَى وَالْوَسَائِلِ
وَقَدْ صَارَ حَوْنًا بِالْعِدَاةِ وَالْأَذَى
وَقَدْ طَاعُوا أَمْرًا بَعْدَ الْمَزَايِلِ
وَقَدْ حَالَفُوا قَوْمًا عَلَيْنَا أَظَنَّةَ
يَعْضُونَ غِيظًا خَلَفْنَا بِالْأَنَامِلِ
صَبَرْتُ لَهُمْ نَفْسِي بِسَمَرَاءَ سَمْحَةً
وَأَبْيَضَ غَضَبٍ مِنْ تَرَاثِ الْمَقَاوِلِ
وَاحْضَرْتُ عِنْدَ الْبَيْتِ رَهْطِي وَأَخَوْتِي
وَأَمْسَكْتُ مِنْ أَثْوَابِهِ بِالْوَصَائِلِ
قِيَامًا مَعَ مُسْتَقْبِلِينَ رِتَاجَهُ
لَدَى حَيْثُ يَقْضَى خَلْفُهُ كُلُّ نَافِلٍ
أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مِنْ كُلِّ طَاعِنٍ
عَلَيْنَا بِسُوءٍ أَوْ مَلْحٍ بِأَطْلٍ
وَمَنْ كَاشَحَ يَسْعَى لَنَا بِمَعْيِبَةٍ
وَمَنْ مَلَحَقَ فِي الدِّينِ مَالِمَ نَحَاوِلِ
وَنَنْصُرُهُ حَتَّى نَنْصُرَ دُونَهُ
وَنَذْهَلُ عَنْ ابْنَانِنَا وَالْحَلَالِ
وَحَتَّى تَرَى ذَا الرَّدْعِ يَرْكَبُ رَدْعَهُ
مِنْ الطَّعْنِ فَعَلَ الْإِنْكَبَ الْمُتَحَامِلِ
وَأَنَا وَبَيْتُ اللَّهِ مِنْ جَدِّ جَدْنَا
لَتَلْتَبَسْنَ أَسْيَافُنَا بِالْأَمَائِلِ
بِكُفَى فِتْنٍ مِثْلَ الشَّهَابِ سَمِيدٍ
أَحَى ثِقَةً عِنْدَ الْحَفِیْظَةِ مَاسِبِلِ
وَأَبْيَضَ يَسْتَسْقَى الْغَمَامَ بُوْجْهَهُ

جو یتیموں کے فریادرس اور یتیموں کے محافظ ہیں۔
وہ جن کے سایہ میں بنی ہاشم کے کمزور لوگ پناہ لیتے ہیں۔
اور جہاں سے نعمتیں حاصل کرتے ہیں۔
وہ ذات جو سچائی تو لے کر ترازو اور میزان ہے۔ جو تولنے میں جو برابر کی نہیں ہونے دیتا۔
اور معیار کے مطابق صحیح وزن کرنے والا ہے۔
کیا تمہیں اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ ہمارا بیٹا محمدؐ جھوٹا نہیں ہے۔ اور ہم تو
بکواس کرنے والوں کی پرواہ کرتے نہیں ہیں۔
اپنی زندگی کی قسم، میں جان و مال سے زیادہ احمدؐ کو چاہتا ہوں اور اُس حبیب کی طرح
محبوب رکھتا ہوں جو ہر وقت ساتھ ساتھ رہتا ہو۔
اے بیٹے تم ساری دنیا کو اپنے جمال سے منور کرنے میں کمی نہ کرو اور ہر محفل کی زینت
بنے رہو۔ مگر عداوت رکھنے والوں کیلئے ایک مصیبت بن جاؤ۔
خداوند بندگان نے اُس کی بھرپور تائید کی ہے۔ اور اپنے دین کو ظاہر کر دیا ہے جو
خالص حق ہے۔ جس میں باطل کا شائبہ تک نہیں ہے۔

(iv)۔ عربوں کے بائیکاٹ کی اطلاع پر حضرت عمرؓ نے قریش کی ناکامی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا

کیا تمہیں یہ علم نہیں کہ ہم نے محمدؐ کو اُسی طرح نبی پایا جیسے کہ موسیٰ، جن کی بابت
پہلی تمام کتابوں میں صراحت کی گئی ہے۔
اور جو کچھ تم نے بائیکاٹ کے عہد نامہ میں لکھا ہے وہ تمہارے لئے بلائے جان
بن جائے گا۔
ہوش میں آؤ۔ جاگ جاؤ قبل اس کے کہ تم قبر کے کنارے پہنچ جاؤ جبکہ مجرم کے
ساتھ بے گناہ یعنی گندم کے ساتھ گھن بھی نہ پس جائے۔
سُوءگراہوں اور بہکائے ہوئے لوگوں کی بات مان کر ہماری مودۃ اور قربت
حاصل ہو جانے کے بعد ہمارے احکامات سے قطع تعلق نہ کرو۔
اور جنگ کو سہارا نہ دو، اسلئے کہ جنگ مزہ چکھنے والے کا منہ کڑوا کر دیا کرتی ہے۔
رب کعبہ کی قسم ہم تختیوں اور مصائب سے تنگ آ کر محمدؐ کو تمہارے حوالے نہ کریں گے۔

ثمال الیتامی عصمة للارامل
یلوذہ الہالاک من آل ہاشم
فہم عندہ من نعمۃ وفواضل
و میزان صدق یخبس شعیرۃ
ووزان صدق وزنہ غیر غافل
اَلَمْ تعلموا اَنَّ ابننا لا مکذب
لدینا ولا نعبا بقول الا باطل
لعمری لقد کفلت وجدا باحمد
واحبتہ حب الحبيب المواصل
فلا زال فی الدنیا جمالا لا ہلہا
وشینا لما عادى وزین المحافل
وآیدہ رب العباد بنصرہ
واظہر دینا حقہ غیر باطل

اَلَمْ تعلموا اِنَّا وجدنا محمدًا
نبیًا کموسى خط فی اول الكتب
وان الذی رقصتم فی کتابکم
یکون لکم یومًا کراعیۃ السقب
افیقوا افیقوا قبل ان یحضر الشری
ویصبح من لم یجن ذنبًا کذی ذنب
وَلَا تبتغوا امرًا لغواۃ و تقطعوا
اوامرنا بعد المودۃ والقرب
ولا تستجیبوا حربًا و رُبما
امر علی من ذاقہ حلب الحرب
فَلَسْتَا ورب البیت نسلم احمدًا
لعزاء من عض الزمان ولا کرب

یہ سوچو کہ اس سے پہلے ہم سے تمہاری چمکتی ہوئی تلواروں کی زور آزمائی نہیں ہوئی ہے۔

تمہیں کسی ایسے میدان کا رزار میں ہم سے پالا ہی نہیں پڑا ہے۔ جہاں نیزہ بازی ہو رہی ہو۔ اور خوف سے بچو پیاسے اونٹوں کی طرح مردار خوری کا انتظار کر رہے ہوں۔ جسے معرکہ جنگ کہتے ہیں وہاں بہادروں کے نعروں اور گھوڑوں کی دوڑ دھوپ کے سوا اور کوئی تفریح نہیں ہوتی۔

کیا ہمارے باپ جناب ہاشم علیہ السلام ہمیشہ میدان جنگ کے لئے کمر ہمت باندھ کر تیار نہ رہتے تھے؟ اور کیا انہوں نے اپنے بیٹوں اور اولاد میں نیزہ بازی اور تیغ زنی کیلئے تیار رہنے کی وصیت نہیں چھوڑی تھی؟

ہم جنگوں سے تھکنے والے نہیں ہیں۔

اور نہ کبھی جنگ کا شکوہ زبان پر لاتے ہیں۔

لیکن ہم اہل عقل و شعور ہیں۔ تحفظ بنی نوع انسان کے لئے جنگ کرتے ہیں۔

ہمارے رعب سے بہادروں کی روحیں پرواز کر جاتی ہیں۔

قریش نے رسولؐ سے کہا کہ تم وہ شخص ہو جس کی باتیں سلف کے خلاف اور کفر و دلیل پر منحصر ہیں۔

حالانکہ احمدؓ نے جو کچھ قریش کے سامنے پیش کیا وہ قطعاً صحیح اور جھوٹ سے پاک ہے۔

ہم اعلان کرتے ہیں کہ اُن لوگوں کی قسم ہے جو حج کے لئے سوار ہوتے ہیں

اور مکہ اور کعبہ کے احترام کی قسم کہ:

وہ لوگ ہرگز محمدؐ کو ہم سے چھین نہیں سکتے جب تک کہ وہ ہماری تلواروں کی گرمی سے

بھون نہ دیئے جائیں۔

تم بہت جلد اپنے گھروں کو طویل نیزوں اور تیز گام گھوڑوں کے محاصرہ میں پاؤ گے۔

جن پر نجیب اور شریف سرداران بنی ہاشم سوار پائے جائیں گے۔

اے قریش تم محمدؐ کے معاملے میں بیوقوفانہ رویہ اختیار نہ کرو اور گمراہ و بہکائے ہوئے

لوگوں کی پیروی نہ کرو۔

ولما تبين منكم ومنا سواف

وايد اترت بالقساسة الشهب

بمعترك منك ترى قصد القناء

به والضياح العرج تعكف كالشرب

كان محال الخيل في حجراته

وغمجمة الا بطل معركة الحرب

اَليس اَبونا هاشم شدا زره

واوصى بنيه بالطعان وبالضرب

وَلَيْسَ غل الحرب حَتَّى نَمَكُنَا

ولا نشتكى ما قد ينوب من النكب

ولكننا اهل الحقاظ والنهى

اذا طار ارواح الكماة من الرعب

وَقَالُوا لَا حَمْدُ انت امرء

خولف الحديث ضعيف السبب

وَإِنْ كَانَ أَحْمَدُ مَا جَاءَ هَم

بصدق ولم ياتهم بالكذب

فانا وحج من راكب

وكعبة مكة ذات الحجب

تنا لون احمد او تصطلوا

ظيالة الرماح وحد القضب

وتعتبر فوابين ابياتكم

صدور العوالى وخيلا شرب

عليها صناديد من هاشم

هم الانجيون فى المنتجب

فلا تسفحوا احلامكم فى محمد

ولا تبتغوا امرا الغوات الا شائم

تمہاری یہ تمنائیں کہ تم رسول اللہ کو قتل کر ڈالو گے، اُس احق کی عقل کو ظاہر کرتی ہے جو خواب میں اسکیم بنا رہا ہو۔

قسم بخدا تم اُن کو قتل نہیں کر سکتے جب تک کہ جنگ میں تمہارے جڑے اور کھوپڑیاں ٹوٹ نہ جائیں۔

تم کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ ہم تمہارے دباؤ سے محمدؐ کو تمہارے حوالے کر دیں گے اور جنگ و مقابلہ کیے بغیر خاموش بیٹھ رہیں گے۔

ہماری قوم میں صاحبانِ فضیلت وہ لوگ ہیں جو دشمنوں کے غلط رویہ کو برداشت نہیں کرتے اور ہماری قوم وہ ہے جو ماں اور باپ دونوں طرف سے حضرت ہاشمؑ کی اولادِ آل ہیں۔ اللہ کے سارے بندوں میں محمدؐ سب سے زیادہ امانت دار امین اور خدا کے حبیب ہیں۔ پھر وہ خدا کی طرف سے مہرِ نبوت کی شناخت کے حامل ہیں۔

دنیا کے لوگ رسولؐ کی بیعت اور اُن کے برہانِ ملاحظہ کر رہے ہیں۔ اور اُن کی قوم کے جاہل بھی علما کی مثل ہوتے ہیں۔

پھر یہ وہ نبیؐ ہیں جن پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ جو شخص اُن کی نبوت کو مان لے گا، ہرگز کبھی نادم نہ ہوگا۔

جن فحش کاموں سے منع کیا گیا تھا اُن سے باز نہیں آتے۔ حیلے بہانے کرنا اُن کے یہاں مستقل طور پر جائز ہے۔

کیا وہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ عثمان بن مظعونؓ پر غضب ناک ہوئے تھے۔

تو اُس کے منہ پر طمانچے اس طرح پڑ رہے تھے کہ اُس کی آنکھوں کا لحاظ ہی نہ کیا جا رہا تھا۔ دل نشین طعن کئے جا رہے تھے اور بھاری مار ماری جا رہی تھی۔

اگر میں جلد نہ مر گیا تو قریش کو اُن کی دشمنی کا بدلہ اُسی پیمانہ سے دوں گا جس سے انہوں نے سلوک کیا۔ اور میں اس میں گھانا اٹھانے والا نہ ہوں گا۔

یا پھر وہ اپنی کرتوتوں سے باز آ جائیں گے۔ اور خود کو ہمارے ہاتھوں میں سونپ کر اطاعت کے لئے سر جھکا لیں گے۔

گو ہم ظلم سے روکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ہم ہی پر ظلم و ستم کرنے لگے تو پھر ہم آزمودہ کار تلواروں سے مدافعت کرتے ہیں جن کی دھارتیز اور تازہ ہوتی ہے۔

تمنیتو ان تقتلوه وانما

اما نیکم ہدی کا حلام نائم

وانکم واللہ لا تقتلونه

ولما تروا قطف اللہی والجمام

زعمتم بانا مسلمون محمدًا

ولما نقارف دونہ ونزاحم

من القوم مفضل ابی علی العدی

تمکن فی الفرعین من آل ہاشم

امین وحبیب فی العباد مسوم

نجاثم رب قاهر فی الخواتم

یری الناس بُرہاناً علیہ و ہیبتہ

وما جاہل فی قومہ مثل عالم

نبیؐ آتاه الوحی من عند ربہ

ومن قال لا یقرع بہا سن نادم

لا ینتھون عن الفحشاء

ما امروا والعذر فیہم سبیل غیر مامون

آلا یرون اذل اللہ جمعمہم

انّا غضبنا لعثمان بن مظعون

اذ یلطمون ولا یخشون مقلنتہ

طعنًا دراکا و ضربًا غیر موہون

فسوف نجزیہم ان لم امت عجلا

کیلا بکیل جزاء غیر مغبون

أو ینتھون عن الامر الذی وقفوا

فیہ یرھنون منا بعد بالدون

وتمتع الضیم من ینبغی مضاتنا

بکل مطرو فی الکف مستون

اور جو جنگی جنون رکھنے والوں کی کھوپڑی سے تمام بدبضی نکال دیتی ہیں۔

اور وہ وقت آجاتا ہے کہ جب بڑے بڑے سخت کوش عاجزی اختیار کر لیتے ہیں۔

اور سختیوں سے گھبرا کر عقلمند بن جاتے ہیں۔

یہ بھی کہ وہ اللہ کی طرف، اُس انوکھی کتاب کے نزول پر ایمان لے آئیں۔

جو موسیٰ اور ذی نون علیہما السلام جیسا نبی ہے۔

وہ نبی حق اور واضح دین لے کر آیا ہے جس میں کوئی خامی اور نقص نہیں ہے۔ جیسا

سورہ البین کی آیات میں کافی وضاحت موجود ہے۔

اور خدا کی قسم اے رسول، قریش جب تک مجھے سُپر دزین نہ کر دیں وہ سب مل کر بھی

آپ پر دست درازی نہ کر سکیں گے۔

خدا کا جو حکم ملا ہے آپ اُس پر قائم رہیں اور اُس پر میری بشارت سُنیں اور اپنی اور ہماری

آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں۔

آپ نے مجھے دعوت اسلام دی جب کہ میں پہلے سے آپ کو صادق القول جانتا ہوں۔

یقیناً آپ نے تصدیق اسلام کی اور پھر آپ اُمین بھی ثابت ہوئے۔

بالتحقیق میں جانتا ہوں کہ جو دین محمدؐ نے پیش کیا ہے وہ سارے عالم کے مذاہب سے

بڑھ کر ہے۔

بائیکاٹ والے صحیفہ میں جو کمینہ پن کیا گیا تھا اگر وہ کسی غیر موجود قوم کے علم میں

آجائے تو اُسے بہت تعجب ہوگا۔

اللہ نے اُنکی کافرانہ اسکیم کو اُس معاہدہ کے کاغذ سمیت مٹا دیا اور وہ سب منصوبہ خاک

میں ملا دیا جو انہوں نے ایک حق گو غیر عرب سے انتقام کیلئے بنایا تھا۔

قریش کا فیصلہ آخر کار باطل ہو گیا۔ واضح ہو کہ جو کوئی حق کے خلاف جعل سازی کرے گا

وہ جھوٹ کے غار میں گرے گا۔

اگر یہ قریش کبھی میدان مفاخرت میں جمع ہو کر ہماری خاندانی فضیلت کا مقابل کریں

تو جناب مغیرہ عرف عبد مناف بے عیب نکلیں گے۔

اور اگر جناب عبد مناف کے انساب کا مطالعہ کیا جائے گا تو جناب ہاشم کی اولاد

سارے جہاں سے شریف تر نکلیں گی۔

و مرهفات كان الملح خالطها

يشقى بها الداء من هام المجانين

حتى تقرر جال لا حلوم لها

بعد الصعوبة بالاسماح واللين

او يؤمنوا بكتاب منزل عجب

على النبي كموسىٰ او كذى نون

ياتى بامر جلى غير ذى عوج

كما تبين فى آيات ياسين

والله لن يصلوا اليك بجمعهم

حتى اوسد فى التراب رهينا

فاصدع بامرک ما عليك غضاضة

والبشر بذاک وقرمنک عیونا

ودعوتنى و علمت انک صادق

ولقد صدقت و كنت ثم امينا

ولقد علمت بان دين محمد

من خير اديان البرية دينا

وقد كان فى امر الصحيفة عبرة

متى ما يخبر غائب القوم يعجب

محى الله عنها كفرهم وعقوقهم

وما نقموا من ناطق الحق معرب

فاصبح ما قالوا من الامر باطلا

ومن يختلق ما ليس بالحق يكذب

اذا جمعت يوما قریش لمفخر

فعند مناف سرهاو صميمها

وان حصلت انساب عبد منافها

ففى هاشم اشرافها و قديمها

وان فخرت يومًا فان محمدًا

هو المطفئ من سرها و كريمها

تداعت قريش غثها و ثمينها

علينا فلم تظفر و طاشت حلومها

و كنا قديمًا لا نفر ظلامه

اذا ما ثنوا صعر الحدود نقيمها

ونحمي حملها كل يوم كريمها

ونضرب عن احجارها من يرومها

بنا انتعش العود و الذواء و انما

با كنا فنا تندی و تنحی ارومها

اور اگر آج اس زمانہ میں فخر کا حق دیکھنا ہو تو سارے عرب میں محمدؐ کریم ترین ہیں۔

جن پر ہر ایک فخر ختم ہوتا ہے۔

قریش نے ہمارے خلاف ہر قسم کے دعوے جاری رکھے مگر انہیں اپنے کسی دعوے میں

کامیابی نصیب نہ ہوئی اور آخر کار اُن کی عقلیں ماری گئیں۔

ہم تو کسی ظلم اور اندھیر کو پہلے ہی برداشت نہیں کرتے۔ چنانچہ جب بھی قریش اکڑ کر

چلے ہم نے انہیں سیدھا کر دیا۔

ہم ہر ناگوار و دشوار حالت میں قریش کی حمایت و حفاظت کرتے چلے آ رہے ہیں اور

اُن کی طرف سے سنگین دفاع کرتے رہے ہیں۔

ہم وہ لوگ ہیں جن کیلئے خشک درخت ہرے ہو جاتے ہیں۔ اور ہمارے ہی زیر تربیت وہ

بنیادی چیزیں ہیں جن سے سرسبزی اور پھولنا پھلنا تعلق رکھتا ہے۔ ہم ہی خدا کا وہ سلسلہ ہیں

جس سے نشوونما جنم لیتے ہیں۔

(v)۔ حضرت عمرانؑ ختم نبوت اور قیام امامت کے ذمہ دار تھے

مشکل کشا کے لاڈ لے آپؐ نے سنا کہ آپؐ کے دادا کس حد تک اسلام اور رسولؐ اسلام کے تحفظ اور نفاذ میں کوشاں تھے؟ اور

انتقال کے بعد تک کی فکر اور انتظام اپنے ذمہ لے رکھا تھا اور کس قدر اطمینان و یقین کے ساتھ قریش کا حال اور مستقبل بیان فرماتے رہتے

تھے۔ ابھی چند روز کے بعد آپؐ خود قریش کے چہرے دیکھنا شروع کرو گے۔ وہ چہرے جن پر دشمنی محمدؐ و آل محمدؐ عیاں ہے، وہ چہرے جن پر

اسلام کی نقاب پڑی ہوئی ہے، وہ چہرے جن سے اُنکے قلب میں پوشیدہ انتقام کی تپش نکلتی ہے، وہ چہرے جو حضرت ابوطالبؑ کے قصائد و

خطبات سن کر جھلس گئے۔ جنہوں نے تمہارے والد کو پہلا نشانہ بنایا ہے۔ جو ابوطالبؑ کی جگہ حضرت علیؑ اور اُن کی اولاد سے بدلہ لینے کی

اسکیمیں بنارہے ہیں۔ اسلئے کہ تمہارے دادا نے حفاظتِ محمدؐ اور فروغِ اسلام کیلئے علیؑ و جعفرؑ کو ذمہ داری سونپی تھی اور فرمایا تھا کہ:-

اِنَّ عَلِيًّا وَ جَعْفَرًا ثَقَتِي

عِنْدَ مَلَمِ الزَّمَانِ وَ النُّوْبِ

وَ اللّٰهُ لَا اخْذَلَ النَّبِيَّ وَلَا

يَخْذُلُهُ مِنْ بَنِي ذُو حَسْبِ

لَا تَخْذَلُوا وَ انصُرُوا ابْنَ عَمِّكُمْ

اخِي لَا مِي مِنْ بَيْنِهِمْ وَ ابِي

یقیناً مصائب اور ناسازگار زمانہ میں میرے دو بیٹے علیؑ و جعفرؑ قابلِ اعتماد اور ذمہ دار ہیں۔ قسم

بخدا نہ میں رسولؐ اللہ کو بے یار و مددگار چھوڑوں گا۔ اور نہ ہی میرے یہ دونوں بیٹے خاندانی معیار

کے خلاف اُن کی نصرت سے باز رہیں گے۔ لہذا میرے اس اعلان کی تصدیق کے لئے اے

علیؑ و جعفرؑ تم دونوں اپنے چچا زاد بھائی رسولؐ کو بے یار و مددگار نہ چھوڑ دینا۔ ہمارے ماں باپ

اُس رسولؐ پر قربان ہو جائیں۔ تم دونوں اُن کی نصرت کا مسلسل ذمہ لینا۔

اے جان پد حسیں! تمہارا خاندان روزِ اوّل سے نصرتِ محمدؐ کے لئے تخلیق کیا گیا ہے۔ دین اسلام کو اقصائے عالم میں روشناس

کرانا اور نعماتِ خداوندی سے تمام مخلوقات اور نوع انسان کو مالا مال کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ وہ وقت اپنے سامنے لائیں جب ابھی نہ حضرت آدم کو وجود بخشا گیا تھا۔ نہ دیگر انبیاء اور اُمّیں وجود میں آئی تھیں۔ اُس وقت اللہ نے تمام نوع انسان اور انبیاء کو عالمِ ذر میں مخاطب کیا تھا۔ اور تمام اُمتوں سے اُن کے انبیاء کے معاملہ میں عہد لیا تھا کہ دیکھو؛

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَضْتُمْ وَآخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَضْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (آل عمران 81-82/3)

جب میں تمہیں پوری کتاب اور حکمت میں سے تمہارے لئے ضروری ہدایات دے چکوں اور پھر تمہارے پاس ایک ایسا رسول پہنچے جو تمہارے پاس پہنچی ہدایت کی تصدیق کرے تو ضروری ہے کہ تم سب اُس پر ایمان لاؤ اور ضروری ہے کہ تم سب اُسکی نصرت کرو۔ کیا تم ایمان لانے اور اُس کی نصرت

کرنے کا اقرار کرتے ہو؟ اُس وقت تمام نے اقرار کیا تھا اور یہ ذمہ داری قبول کر کے خدا کو شاہد بنایا تھا اور یہ فیصلہ ہو گیا تھا کہ جو آنحضرتؐ پر ایمان نہ لائے گا یا ایمان تو لائے گا مگر نصرت نہ کرے گا تو وہ فاسقوں میں شمار ہوگا۔ اور نتیجتاً جہنمی ہوگا۔

آپؐ نے عالمِ انوار میں اور پھر اپنے بزرگوں کے ساتھ برابر دیکھا کہ آپ کا خانوادہ اور اُن پر ایمان لانے والے مومنین برابر محمدؐ اور اُن کے اسلام کی نصرت میں اپنی جان لڑاتے رہے، سردھڑکی بازیاں لگاتے رہے اور معاندین و مخالفین پر اتمامِ حجت کرتے رہے۔ اُن سب کے ساتھ خداوندِ عالم کا قہری انتظام بھی قدم قدم پر مددگار تھا۔ اور وہ سب مامور تھے کہ ہر خطرہ میں خدا سے مدد و نصرت طلب کریں۔ بات بات میں اُن کی مدد کی جاتی رہی انہیں کبھی دشمنوں کے ہاتھوں میں بے بس نہ رکھا گیا۔ بات بات پر ملائکہ کی افواج مدد کو پہنچتی رہیں۔ اپنے نانائے کو دیکھو کہ ادھر قریش آنحضرتؐ کے خلاف مکر و فریب اور قتل و ناکامی کے منصوبے بناتے تھے۔ ادھر اللہ قریش کو ناکام کرنے کی قہری اور مکر و کید کی کمر توڑ اسکیم بنا کر انہیں ناکام کرتا رہا۔

مگر اے جانِ عالم آنحضرتؐ کے تمکّن اور غلبہ کے بعد اللہ کی اسکیم بہت مختلف ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ سرکارِ رسالت کے بعد علیؑ و اولاد علیؑ ایک ایسا حیران کن مظاہرہ کرے کہ اہلسنی انگشتِ بدن اُن رہ جائے۔ ملائکہ اور انبیاء ماسبق اور خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دل تھام کر رہ جائیں۔ اور قدم قدم پر اللہ اکبر، سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کہتے ہوئے تم پر ناز کریں۔ اپنی تمام تکلیفیں بھول جائیں۔ تمہارے صبر و استقلال و سپردگی کو دیکھ کر تمنا کریں کہ اے کاش ہم بھی حسینؑ کے ساتھ ہوتے اور عملاً اُس صراطِ مستقیم پر چلتے جس کی ہمیشہ دعائیں مانگیں اور تمنائیں کیں تاکہ ہم بھی اُس عظیم المرتبہ مقام پر فائز ہوتے جو حسینؑ اور اُن کے انصار کے حصہ میں آیا تھا۔ جہاں ملائعہ اعلیٰ پر اور صفحاتِ کائنات پر آنکھیں نم آلود ہیں، وہیں آپ کے کارناموں کو دیکھنے کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ تمام انبیاء و اوصیاء تمہاری سلامتی کے لئے دستِ بد عاہیں۔ کاتبِ تقدیر اور مالکِ لوح و قلم ہر محو و اثبات پر آمادہ ہے، تمہارے جواب کا انتظار ہو رہا ہے، تمہارے ہونٹوں کی طرف نظریں لگی ہوئی ہیں۔ تم ہنستے ہو تو ساری کائنات ہنستی ہے۔ تمہیں خاموش اور رنجیدہ دیکھ کر دل اُمنڈ آتے ہیں۔ ایک ایسا دل شکن منظر سامنے سے گزر جاتا ہے جسے دیکھنے کے لئے بھی آپ کا دل گردہ درکار ہے۔ ایک جھلک سے آنکھیں بند ہو جاتی ہیں، دل ٹرپ کر بیٹھ

جاتا ہے، رُوح پرواز کر جانا چاہتی ہے۔

(vi)۔ سابقہ ادوار میں انبیاء اور ائمہ معجزات کے سہارے پر تھے

اے نونہالِ گلستانِ زہراء آپ کے دور سے پہلے ادوار میں آپ کے آباؤ اجداد کی تائید میں اکثر و بیشتر معجزات ظہور پذیر ہو کر ثواب میں سے حصہ بانٹ لیتے تھے۔ یعنی مشکل مہم میں اللہ شریک ہو کر آپ کے بزرگوں کا مرتبہ تو بڑھاتا تھا مگر اُنکے ثواب میں وہ زور نہ رہتا تھا جو بلا معجزہ مہم سر کرنے میں ہونا چاہئے تھا۔ لہذا آپ سے پہلا دور یہ ثابت کرنے کا دور تھا کہ دیکھو اللہ کی ساری توجہ اور پوری طاقت انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے ساتھ ہے۔ مگر آپ کو اپنے دور میں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اب خانوادہ رسول اور انبیاء کی ذریت طاہرہ خارج سے آنے والے معجزات اور غیبی تائیدات سے آگے بڑھ کر خود بذاتہ معجزہ بن گئی ہے۔ اُن کا مادی انتظام خود معجزہ ساز ہے۔ وہ ہر انسان کو ایسا سبق اور نمونہ دیں گے کہ وہ اپنے مادی جسم سے معجزات دکھائے۔ اعمال و افعال سے اس مادی جسم کو رشک نور بنانے میں کوشاں ہو۔ خدا کی تائیدات و معجزات اس کے انتظار میں رہیں۔ ملائکہ پشت پر حکم کا اور اجازت کا اشتیاق لئے ہوئے ساتھ ساتھ چلیں، وہ مدد کے آرزو مند ہوں اور یہ قوانین خداوندی کی اطاعت اور فرماں برداری سے ہر مشکل کو حل کرنا سیکھے۔ اور اللہ کی تمام قوتوں کو ساتھ لئے ہر مرحلہ میں کامیاب ہوتا اور مبارکباد لیتا چلا جائے۔

لہذا اے دلہندہ مرتضیٰ! پہلے آپ اپنے والد بزرگوار کے اقدامات کو بخشم خود دیکھیں گے۔ پھر اپنے برادرِ عزیز علیہ السلام کے زندگی کے واقعات ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور اُن بزرگوں کے عملدرآمد میں مادی سامان کی داخلی معجزہ سامانیاں آپ کے سامنے آئیں گی۔ پھر آپ کا مشکل ترین اور بے پناہ محضر شروع ہوگا۔ اور تمام اولین و آخرین کے لئے ایک مثال بن جائے گا اور پوری نوع انسان کی راہنمائی کے لئے قیامت تک کفایت کرے گا۔ جس پر ہر مذہب و ملت و ہر مکتب فکر کے لوگ بلا تکلف عمل کر سکیں گے۔ لوگ خدا اور انبیاء کو مانیں یا نہ مانیں لیکن تمہیں ہر شخص مانے گا۔ خراج عقیدت پیش کرے گا، تمہارے قدموں کو اپنے آنسوؤں سے دھوئے گا، تمہاری یادگاروں کی راہ میں آنکھیں بچھائے گا، تم سے منسوب چیزوں کے رُوبرو سر جھکائے گا، تمہارے کردار کو سامنے رکھ کر ہر طوفان سے ٹکرا جائے گا، تمہاری قربانیوں کو دیکھ کر فروغ انسانیت کے لئے دنیا کی ہر قیمتی چیز نثار کر کے مسکرائے گا۔ اے فرزند رسول! کیا آپ کے لئے اللہ کے یہاں کوئی کمی تھی؟ کیا اللہ معاذ اللہ معجزات دکھاتے دکھاتے تھک گیا تھا؟ کیا آپ کو وہ دعا تعلیم نہ کی گئی ہوگی؟ جس کو پڑھنے کے بعد رسول اللہ کو کافر نہ دیکھ سکے؟ کیا آپ کو منع کر دیا گیا ہے؟ کہ آپ سورہ فیل نہ پڑھنا؟ جس طرح ابرہہ ایسا بادشاہ تخت سے اتر کر آپ کے دادا عبدالمطلب کے قدموں میں آ بیٹھا تھا۔ کیا آپ کے زمانہ کا بادشاہ ابرہہ کے مقابلہ میں ایک بزدل اور نامرد نہ تھا؟ مگر یہ عبدالمطلب تھے اور وہ سرکارِ دو عالم تھے۔ مگر آپ اُن دونوں کی تنہا، سارے انبیاء کا مقصود و منہی؛ آپ راکب دوشِ مصطفیٰ اور باعثِ نجات دوسرا؟ جہاں نبوت و رسالت کی انتہا ہے وہاں سے آپ کی ابتدا، جہاں قد و قامت رسالت کی بلندی پہنچتی ہے وہاں سے آپ کی قامت بلند تر ہے۔ آپ کی خوشنودی کا مقام یہ ہے کہ اللہ اپنی عبادت کو ملوثی کر دے تاکہ آپ وہ عبادت سکھا جائیں جو کائنات کے تمام عابدوں کے لئے مثال بن جائے۔ اور آپ سے محبت و عقیدت اور آپ کی اطاعت رفتہ رفتہ سارے انسانوں کو خدا پرست بنادے۔

(vii)۔ حضرت عبدالمطلبؑ کی گود میں رسالتؐ نے لوریاں سنی تھیں

اے گناہگاروں کے سہارے! اے فاطمہؑ کے راج ڈلارے! اے اللہ کے سب سے پیارے حسینؑ ذرا وہ وقت سامنے لاؤ اور اُس نظارے پر نظر ڈالو جب آج سے ستاون (57) سال پہلے آپؐ کے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔ جب تمہارے دادا عبدالمطلبؑ انہیں لوریاں دے کر اپنے سینے پر سُلا کر رہے تھے۔ انہیں بتایا کرتے تھے کہ بیٹے تمہارا وقار بڑھانے کے لئے اللہ نے اصحابِ فیل کا وہ حال بنایا تھا کہ ساری دنیا کی اقوام میں ایک تاریخی مثال قائم ہو کر رہ جائے۔ ابرہہ بادشاہ ساٹھ ہزار افواج اور خونخوار کوہِ صفت ہاتھیوں کے بے پناہ غول کے ساتھ خانہ کعبہ کو مسمار کرنے اور اُس کے ملبہ سے اپنے ملک میں کعبہ تعمیر کرنے کے خیال سے مکہ آیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ جب میں نے اُس طوفانِ بلا کی اطلاع پائی تو اہل مکہ کو شہر خالی کرنے اور اپنی جانیں بچانے کے لئے پہاڑوں اور دُور دراز علاقوں میں پناہ لینے کا مشورہ دیا۔ لوگ پہلے ہی بھاگ رہے تھے۔ اور میرے مشورے کے بعد مکہ خالی ہو گیا۔ صرف میرے خاندان والے اپنے گھروں میں قدرتِ خداوندی کا تماشا دیکھنے کے لئے باقی رہ گئے۔ دعائیں ہو رہی تھیں۔ تمہارا واسطہ دے کر خدا سے التجائیں کی جا رہی تھیں کہ فوج نے مکہ سے باہر پڑاؤ ڈالا۔ گرد و نواح سے تمام اونٹ، بکریاں، بھیڑیں، گھوڑے الغرض جو کچھ ملا فوجی پکڑ کر لے گئے۔ ابرہہ کا قاصد مجھے بلانے کے لئے آیا۔ میں بادشاہ کے سامنے پہنچا تو وہ تیزی سے تخت سے اُتر اور میرے قدموں میں آ بیٹھا۔ یہ خدا کی شان تھی، یہ آپؐ کی برکت و وجاہت و صولت تھی۔ بادشاہ نے چاہا کہ میں اُسے واپس پلٹ جانے کے لئے کہوں اور وہ مجھے خوش کرنے کے لئے کعبہ سے تعارض نہ کرے اور ہمارے خاندان پر ایک تاریخی احسان چھوڑ جائے۔ میں نے اُسے بتایا کہ دیکھو یہ کعبہ خانہ خدا ہے اور اُس کی حفاظت اللہ کی ذمہ داری ہے۔ اگر میں تم سے درخواست کر کے کعبہ کو بچالوں تو یہ حقیقت چھپ کر رہ جائے گی کہ کعبہ کو خدا نے اپنی قدرت سے بچایا تھا۔ کہا یہ جائے گا کہ عبدالمطلبؑ نے منت سماجت کر کے، ہاتھ پیر جوڑ کر بادشاہ کو خوش کر لیا تھا اور اُس نے بطور احسان کعبہ کو چھوڑ دیا تھا۔ اے بادشاہ سُن کہ یہ میری اور میرے اللہ دونوں کی توہین ہے۔ میں ساری دنیا کو اللہ کی قدرت اور اللہ کی نظر میں اپنی عزت دکھانا چاہتا ہوں۔ اگر تم میری فرمائش پر اصرار ہی کرتے ہو تو جو اونٹ وغیرہ تمہارے فوجی لے آئے ہیں انہیں واپس بھجوا دو۔ اس سے زیادہ میں کوئی فرمائش نہ کروں گا۔ میں بادشاہ کو حیران چھوڑ کر رخصت ہوا اور فوج کو تیاری کا اور کعبہ کی مسامری کا حکم دیا گیا۔ اُدھر فوج نے بڑھنا شروع کیا ادھر میں نے کعبہ میں دعا اور خاندان نے آمین شروع کی پھر کیا ہوا؟ آسمانوں میں اندھیرا پھیلنا، اباہیل پرندوں نے پُوری فوج پر سنگباری شروع کی، بھگدڑ مچ گئی۔ ہر کنکری نہ صرف پیامِ اجل تھی بلکہ جس کے لگتی تھی اُسے کچل کر رکھ دیتی تھی۔ بیٹے سورہ فیل وہ نظارہ پیش کرے گی۔ یہ قریش، یہ اہل مکہ جنہیں ہم نے ہمیشہ خطرات سے محفوظ رکھا، بڑے احسان فراموش ہیں۔ یہ تمہارے ساتھ بھی دعا اور غدر سے پیش آئیں گے۔ انہوں نے میرے ساتھ میرے بچپن میں، میری یتیمی پر بھی قریش نے رحم نہ کھایا تھا۔ میرے والد ماجد کے دسترخوان پر پلے ہوئے لوگوں نے مجھ پر ظلم کیا تھا۔ جنہیں ہم خاندانی اخلاق اور دستور کے مطابق چچا کہا کرتے تھے۔ وہ ہماری زمینوں اور کنوؤں پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے تھے اور ہمیں ڈانٹ کر بھگادیتے تھے۔ پُورا شہر خاموش رہتا تھا کوئی مدد کو تیار نہ ہوتا تھا۔ آخر بیٹے میں نے مدینہ میں اپنے خاندان کو خط لکھا۔ میرے ماموں مسلح دستہ کے ساتھ پہنچے اور نوفل سے تلوار کی دھار پر مجھے میری

جائیداد واپس دلائی۔ بیٹے تمہارے لئے بھی وہ وقت مقدر ہے۔ جب تمہیں مکہ چھوڑنا پڑے گا۔ تمہارے قتل کے منصوبے بنیں گے۔ تمہارا یہ مکان گھیر لیا جائے گا۔ آخر کار تمہارا مدینہ والا نبطی خاندان تمہیں کامیاب کر دے گا۔ اُن کے ہاتھوں یہ قریش بار بار ذلیل و خوار ہوں گے۔ میں نے تمہاری نصرت کا انتظام کر دیا ہے۔ میں نہ ہوں گا مگر میرے بعد امام زمانہ ابوطالب تمہیں اپنے بچوں سے زیادہ پیار سے رکھیں گے۔ تم پر اور تمہاری تحریک پر قربان ہونے والی ایک خاص نسل تیار کر کے دیں گے۔ اپنی زندگی کے آخری سانس تک آپ کی تائید و نصرت کریں گے۔ ہاں اے فرزند علیؑ یہ تھی تمہارے ایک دادا کی ایک لوری اور کہانی۔

اب یہ بھی سُن لو کہ تمہارے خاندان میں کوئی کام حکم خدا کے بغیر نہیں کیا جاتا۔ حضرت عبدالمطلبؑ کو داماد بنانے کے لئے شاہان روم و شام اور شیوخ و رؤسائے اقوام اپنی درخواستیں بھیجتے تھے۔ اُن کی بیٹیاں اُن کے وفد کے ہمراہ حضرت عبدالمطلبؑ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تاکہ آپؑ اپنی ہمسر لڑکی کو انتخاب کر کے زوجیت کی عزت بخشیں۔ معلوم ہے؟ وہ لوگ یہ کوشش کیوں کرتے تھے؟ تاکہ تمہارے نانا اور تم دونوں اُن کی نسل کی خاتون سے جنم لینے کی عزت بخشو اور وہ تنہا لی رشتہ پر فخر کر سکیں۔ مگر تمہارے خاندان کا عملدرآمد وحی کے بغیر جاری نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ فخر آپؑ کے اپنے خاندان میں رہنا تھا۔ اس لئے حضرت عبدالمطلبؑ کی شادی بھی اپنے ہم نسب قبیلہ خزرج میں ہوئی۔ یعنی حضرت عبداللہؑ کی والدہ گرامی مدینہ کی تھیں۔ پھر جناب عبداللہؑ کی شادی بھی مدینہ ہی میں کی گئی۔ یعنی آپؑ کے نانا کی والدہ بھی آپؑ کے ہم نسب خزرجی تھیں۔ آپؑ کے بھلی قبیلہ کی سب سے بڑی آبادی مدینہ میں ہے۔ حضرت عبدالمطلبؑ کی والدہ گرامی بھی اُسی خاندان اور مدینہ ہی کی تھیں۔ اور عبدالمطلبؑ تو پیدا بھی مدینہ ہی میں ہوئے تھے۔ اور جب آٹھ نو سال کے ہو گئے تو جناب مطلب علیہ السلام اُن حضرت کو مکہ لائے تھے۔ جہاں سردارانِ قریش نے اُن کی جائیداد پر قبضہ کرتے چلے جانے کی مہم چلا رکھی تھی اور اُسی زمانہ میں یہ دعا مانگی تھی کہ یا اللہ مجھے جلد ایسے اطاعت شعار فرزند عطا فرما کہ جو قریش کے مقابلہ میں میری نصرت کریں۔ اس مَنّت کے پورا ہو جانے پر ہی تو جناب عبداللہؑ کو قربان کرنے کا مرحلہ پیش آیا تھا۔ اور آپؑ کو ذبح عظیم تک پہنچانے کے لئے عبداللہ علیہ السلام کو بچا لیا گیا تھا تاکہ سرور کائنات پیدا ہوں اور آپؑ سے نسل رسولؐ چلانے کے لئے حضرت عبداللہؑ کو جوانی ہی میں اٹھالیا گیا تھا تاکہ رسولؐ کا اور کوئی بھائی و بہن نہ ہو۔ پھر رسولؐ اللہ سے پیدا ہونے والی کسی اولاد کو دنیا میں رہنے اور نسل چلانے کا موقع نہیں دیا گیا۔ تاکہ اللہ یہ فرما سکے کہ رسولؐ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ اس نفی کے بعد پھر آپؑ دونوں بھائیوں کو قرآن میں بیٹے کہہ کر نسل رسولؐ کا جاری رہنا بتایا۔ اور پھر حکومت و امامت و ولایت آپؑ سے مخصوص کرنے کے لئے امام حسنؑ کی اولاد کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔ اور یوں تمہیں پالنے کا مطلب ساری نسل رسولؐ کو پالنا اور پرورش کرنا بن گیا۔ اور یہ عزت ہمیں حاصل ہوئی۔ تمہارا اچھو لا بھٹھلا نا، تمہیں لوریاں دے کر سُٹانا ہمارے درجات کی بلندی کا سبب ہے۔

(35/6)۔ نبوت و رسالت و خلافت و حکومت اور امامت اور کتاب و حکمت کے مالک

آپؑ کو یاد ہے کہ اللہ نے سورہ آل عمران (82-81/3) میں تمام اُمّتوں اور تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کو اس شرط پر حکمت اور کتاب میں سے حصہ دینے کا وعدہ کیا تھا کہ وہ سب آپؑ پر اور آپؑ کے ماں باپؑ اور نانا پر ایمان لائیں گے اور اُن کی نصرت کریں گے۔

گویا وہ تمام نبوتیں اور رسالتیں تمہید تھیں اُس حقیقی نبوت و رسالت و خلافت و حکومت و امامت کی جو آنحضرتؐ اور آپؐ حضرات کو دی گئی تھی اس بات کی وضاحت فرماتے ہوئے اللہ نے قرآن میں کہا کہ:-

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا (نساء 4/54)

”کیا یہ قریش ان عطیات پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے ابراہیمؑ کی آل کو عطا کیا ہے۔ یقیناً ہم نے آل ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت دی اور انہیں عظیم ترین حکومت کا مالک بنا رکھا ہے۔“

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

واقعاتِ کربلا

(مرکزِ انسانیت حصہ دوم)

36۔ منتخب احادیث، مناقب و معجزات حسین علیہ السلام

(36/1)۔ پہلی حدیث: عَنِ الْمُنَاقِبِ لَابْنِ شَهْرٍ أَشُوبَ بِإِسْنَادِهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَثِيرٍ: "إِنَّ قَوْمًا أَتَوْا الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَقَالُوا حَدِّثْنَا بِفَضَائِلِكُمْ - قَالَ: لَا تَطِيقُونَ وَاتَّحَازُوا عَنِّي حَتَّى أَشِيرَ إِلَى بَعْضِكُمْ فَانْطَاقُ؟ سَأَحَدُكُمْ فَيَتْبَعُوا عَنْهُ فَكَانَ يَتَكَلَّمُ مَعَ أَحَدِهِمْ حَتَّى ذَهَشَ وَوَلَّهَ وَجَعَلَ يَهَيِّمُ وَلَا يَجِيبُ أَحَدًا وَانْصَرَفُوا عَنْهُ - (كتاب اكسير العبادات في اسرار الشهادات صفحہ 157)

”علامہ ابن شہر آشوب اپنی سندات کے ساتھ اپنی کتاب المناقب میں عبد الرحمن ابن کثیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک قوم امام حسین علیہ السلام کے پاس آئی اور درخواست کی کہ ہمیں اپنے فضائل سے متعلق حدیثیں سنائیں۔ امام نے فرمایا کہ تم میں ہماری فضیلت کی حدیث سننے اور برداشت کرنے کی طاقت نہیں۔ اسلئے تم ذرا دُور ہٹ کر بیٹھو، یہاں تک کہ میں تم میں سے کسی ایک کو بطور امتحان الگ سے حدیث سناؤں گا۔ اگر اُس میں برداشت کی طاقت ہوئی تو پھر میں سب کو بلا تکلف احادیث سنانا شروع کر دوں گا یہ سُن کر وہ لوگ دُور جا کر ٹھہر گئے۔ چنانچہ امام اُن میں سے ایک کیساتھ باتیں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ شخص خوف و دہشت میں لرزہ بر اندام ہو گیا اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے بات کرنے کے قابل نہ رہا۔ پھر وہ لوگ اسے لے کر چلے گئے۔“

دوسری حدیث: وَقَدْ رَوَى الرَّوَنْدِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَثِيرٍ عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: أَتَى الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَسُ فَقَالُوا: يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ حَدِّثْنَا بِفَضْلِكَ الَّذِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ؟ فَقَالَ: إِنَّكُمْ لَا تَحْمِلُونَهُ وَلَا تَطِيقُونَهُ - قَالُوا: بَلَى نَحْتَمِلُ - فَقَالَ: إِنْ كُنْتُمْ صَاقِقِينَ فَلْيَتَّبِعْ أَثْنَانِ وَاحِدٌ فَانْ أَحْتَمِلْ حَدَّثَكُمْ - فَتَحَى أَثْنَانِ وَحَدَّثَ وَاحِدًا فَقَامَ طَائِرُ الْعَقْلِ فَأَرَّ أَعْلَى وَجْهَهُ فَكَلَّمَهُ صَاحِبَاهُ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِمَا جَوَابًا وَانْصَرَفَا - (اكسير العبادات في اسرار الشهادات صفحہ 157)

”علامہ راوندی نے اپنی سندات سے روایت کیا ہے کہ عبد الرحمن بن کثیر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف سے بتاتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ کچھ لوگ امام حسینؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یا ابا عبد اللہ ہمیں اپنے خداوند فضائل میں سے کچھ حدیثیں سنائیں۔ فرمایا کہ تم ہمارے فضائل کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ کہنے لگے کیوں نہیں آپ سنائیں، ہم برداشت کریں گے۔ فرمایا کہ اگر تم لوگ چوکنار ہو اور اپنے میں سے دوا دمی الگ کھڑے کر دو اور خود بھی دُور ٹھہرو تو میں تم میں سے ایک شخص کو حدیث سناؤں گا۔ اگر اُس نے برداشت کر لیا تو پھر تم سب کو حدیثیں سنا دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور آپ نے ایک شخص کو حدیث سنائی تو اُس کی عقل کے طوطے اڑ گئے۔ دیوانہ وار حرکتیں کرنے لگا۔ چہرہ کا رنگ اُڑ گیا۔ اُن دونوں ساتھیوں نے اُس سے دریافت حال کیا تو وہ اُن کا جواب بھی نہ دے سکا۔ یہ دیکھ کر سب چلے گئے۔“

تیسری حدیث: قَالَ وَبِهَذِهِ الْإِسْنَادِ قَالَ: أَتَى رَجُلٌ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَقَالَ: حَدِّثْنِي بِفَضْلِكَ الَّذِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قَالَ: إِنَّكَ لَنْ تَطِيقَ حَمْلَهُ - قَالَ: بَلَى حَدِّثْنِي يَا بَنَ رَسُولَ اللَّهِ احْتَمَلَهُ فَحَدَّثَهُ الْحُسَيْنُ بِحَدِيثٍ فَمَا فَرَّغَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ حَدِيثِهِ حَتَّى ابْيَضَ رَأْسُ الرَّجُلِ وَلَحِيَّتُهُ وَنَسِيَ الْحَدِيثَ فَقَالَ الْحُسَيْنُ ادْرَكَتْهُ رَحْمَةُ اللَّهِ حَيْثُ نَسِيَ الْحَدِيثَ - (ایضاً صفحہ 157)

”مذکورہ سندات کیساتھ کہا ہے کہ امام حسینؑ بن علی بن ابی طالب علیہما السلام کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ مجھے اُن فضائل میں

سے کچھ سنا میں جو اللہ نے آپ حضرات کو دیئے ہیں۔ فرمایا کہ تجھ میں برداشت کی طاقت ہرگز نہیں ہے۔ اس نے عرض کیا کیوں نہیں؟ جناب بیان فرما کر دیکھ لیں میں برداشت کرونگا۔ چنانچہ آپ نے اُسے ایک حدیث سنانا شروع کی اور ابھی فارغ نہ ہوئے تھے کہ اُس آدمی کا سر اور داڑھی سفید ہو گئی اور جو سنا تھا بھول گیا۔ آپ نے فرمایا کہ کہنے کیا حال ہے اور تم تو سن کر بھی بھول گئے۔“ اور راوندی نے یہ بھی کہا ہے کہ:-

چوتھی حدیث: وقال الراوندى وعن الباقر عن ابيه قال صار جماعة من الناس بعد الحسن الى الحسين فقالوا ما عندك من عجائب ابىك النبي كان يريناها؟ فقال هل تعرفون ابي؟ قلنا كُنَّا نعرفه - فَرَفَعَ سَرًّا عَلَى الْبَابِ بَيْتٌ ثُمَّ قَالَ: انْظُرُوا إِلَى الْبَيْتِ فَنَظَرْنَا فَإِذَا امير المؤمنين - فَقُلْنَا نَشْهَدُ أَنَّكَ خَلِيفَةُ اللَّهِ حَقًّا وَأَنَّكَ وَلَدُهُ - (كتاب اسرار العبادات فی اسرار الشهادات صفحہ 157-158)

”راوندى نے امام محمد باقر سے اور انہوں نے امام زین العابدین کی طرف سے بیان کیا کہ لوگوں کی ایک جماعت امام حسنؑ کے انتقال کے بعد امام حسین علیہ السلام کے پاس آئی اور کہا کہ آپ کے پاس اپنے والد کے عجائبات میں سے کیا کچھ ہے؟ تاکہ ہم جو آپکے والد سے دیکھا کرتے تھے۔ آپ سے بھی دیکھیں اور آپ کو برحق امام سمجھیں؟ حسینؑ نے پوچھا کہ کیا تم علیؑ کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم بخوبی پہچانتے ہیں۔ آپ نے کمرے کے دروازے کا پردہ اٹھا کر کہا کہ اب ذرا گھر کے اندر دیکھو۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت علیؑ موجود ہیں۔ تب ہم نے کہا کہ بیشک آپ اللہ کے خلیفہ اور اپنے باپ کے ویسے ہی بیٹے ہیں جیسے وہ تھے۔“

پانچویں حدیث: وَفِي خبر الصَّفَّارِ بِإِسْنَادِهِ عن الحسن العسكري قال سئل الحسين بن علي بعد مضي امير المؤمنين فقال لاصحابه اتعرفون امير المؤمنين؟ اِذَا ارْتَمَوْهُ؟ قَالُوا نَعَمْ - قال: فارفعوا هذا الستر، فرفعوه فاذا هم به لا ينكرون - فقال لهم امير المؤمنين انه يموت من مات منّا وَلَيْسَ بِمَيِّتٍ وَيَبْقَى مِنْ بَقِي مَنَاحِجَةٍ عَلَيْكُمْ - (ایضاً صفحہ 158)

”اور جناب صفار کی حدیث میں اُن ہی کے سند سے امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ امام حسینؑ سے حضرت علیؑ کے انتقال کے بعد پوچھا گیا تو آپ نے اپنے صحابہ سے کہا کہ اگر تم علیؑ کو اب دیکھو تو کیا پہچان لو گے؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ ذرا یہ پردہ اٹھا کر دیکھو۔ پردہ ہٹایا تو امیر المؤمنینؑ اس طرح سامنے تھے کہ انکار کی گنجائش نہ تھی۔ حضرت علیؑ نے اُن سے فرمایا کہ ہم میں سے جو بھی مرتا ہے وہ مرتا تو ہے مگر میت رہتا نہیں۔ اور جو باقی رہتا ہے وہ اس لئے کہ تم پر حجتہ قائم رہے۔“

قارئین یہ سمجھ لیں کہ جو علما ان احادیث میں بیان شدہ حقائق کو نہیں مانتے وہ شیعوں کے علمائیں بلکہ تخریب کیلئے شیعوں میں ملے ہوئے ہیں

(36/2)۔ تمام مخلوق آئمہ اہلبیت کی اطاعت کرتی ہے

علامہ کشی رضی اللہ عنہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:-

چھٹی حدیث: روى الكشى باسناده عن حمزان ابن اعين انه قال سمعت الصادق عليه السلام يحدث عن آباءه عليهم السلام ان رجلاً كَانَ مِنْ شِيعَةِ امير المؤمنين مريضاً شديداً الحمى فعاده الحسين بن علي فلَمَّا دخل من باب الدار رحلت الحمى عن الرجل فقال له قدر ضيئت بما اوتيتم حقاً وحقاً والحمى تهرب منكم - فقال له: و الله ما خلق الله خلقاً الا وقد امر بالطاعة لنا -

”حمران بن اُعیُن نے بیان کیا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنے آبا کی حدیث بیان کرتے سنا ہے۔ فرماتے تھے کہ ایک شخص علی مرتضیٰ کے شیعوں میں سے شدید بخار میں مبتلا تھا۔ امام حسین علیہ السلام اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ جب گھر کے دروازے میں قدم رکھا تو اس شیعہ کا بخار رخصت ہو گیا۔ اُس شخص نے کہا کہ میں آپ حضرات کے مقام بزرگ پر اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ کو دیا گیا ہے اُس پر صدق دل سے راضی ہوں۔ آپ سے بخار بھی ڈر کر بھاگ جاتا ہے۔ فرمایا کہ اللہ نے کوئی بھی ایسی چیز پیدا نہیں کی کہ جسے ہماری اطاعت کا حکم نہ دیا ہو۔“ (کتاب اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات صفحہ 158)

(36/3)۔ ماضی و مستقبل کے عالم بعید ترین مقامات کو دکھانے والے

ساتویں حدیث: وَعَنْ كِتَابِ عِيُونِ الْمُعْجَزَاتِ الْمُنْسُوبِ إِلَى السَّيِّدِ الْمُرْتَضَى عَنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثٍ أَنَّهُ قَالَ لَأُمِّ سَلْمَةَ إِنِّي خَارِجٌ وَإِنِّي مُقْتَوْلٌ لَا مُحَالَاةَ فَإِنَّ الْمَقْدَرِ الْمَقْدُورِ وَإِنِّي لَا عَرَفَ الْيَوْمَ وَالسَّاعَةَ الَّتِي أَقْتُلُ فِيهَا وَالبَقْعَةَ الَّتِي أَدْفَنُ فِيهَا - يَا أُمَّ سَلْمَةَ فَإِنَّ أَحَبَّتِ أَنْ أُرِيكَ مَضْجَعِي وَمَضْجَعِ أَصْحَابِي وَمَكَانِي فَقَعْتُ - قَالَتْ قَدْ شِئْتُ فَتَكَلَّمُ بِاسْمِ الْأَعْظَمِ فَانْخَفَضَتِ الْأَرْضُ حَتَّى أَرَأَى هَا الْمَكَانَ وَالْمَضْجَعَ وَمَذْبَحَهُ وَتَنَاوَلَ مِنَ التُّرْبَةِ وَاعْطَاَهَا وَهَذَا الْحَدِيثُ فِي كِتَابِهِ الْهَدَايَةِ لِبَعْضِ الْأَصْحَابِ عَلَى نَمَطٍ يَقَارِبُ مَا مَرَّ حَيْثُ وَرَدَ فِيهِ أَنَّ أُمَّ سَلْمَةَ نَهَتْهُ عَنِ الْخُرُوجِ إِلَى الْعِرَاقِ وَخَوَّفَتْهُ مِنَ الْقَتْلِ فَقَالَ يَا أُمِّ إِنِّي لَمْ أَذْهَبُ الْيَوْمَ ذَهَبْتُ غَدًا وَإِن لَمْ أَذْهَبُ غَدًا ذَهَبْتُ بَعْدَ غَدٍ - إِنِّي لَا عَرَفَ الْيَوْمَ الَّذِي أَقْتُلُ فِيهِ وَالسَّاعَةَ الَّتِي أَقْتُلُ فِيهَا وَالحَفْرَةَ الَّتِي أَدْفَنُ فِيهَا - فَإِنَّ أَحَبَّتِ أَنْ أُرِيكَ مَضْجَعِي وَمَكَانِي ؟ قَالَتْ قَدْ شِئْتُ فَمَا زَادَ عَلَى أَنْ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فَخَفَضَتْ لَهُ الْأَرْضَ حَتَّى أَرَاهَا مَكَانَهُ وَمَكَانَ أَصْحَابِهِ ثُمَّ قَالَ إِنِّي مُقْتَوْلٌ يَوْمَ عَاشُورَاءَ يَوْمَ السَّبْتِ -“ (اليضاف صفحہ 158)

”کتاب عیون المعجزات میں جو سید مرتضیٰ سے منسوب ہے۔ لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے جناب ام سلمہ علیہا السلام سے کہا کہ اللہ کے فیصلوں اور طے شدہ احکام سے بچ نکلنا ناممکن ہے۔ یقیناً مجھے مدینہ سے نکلنا ہے، بلا رکاوٹ قتل ہونا ہے۔ میں اُس روز اور اُس گھڑی سے مکاحقہ واقف ہوں جس میں مجھے قتل ہونا ہے اور میں زمین کے اس ٹکڑے سے واقف ہوں جس میں مجھے دفن ہونا ہے۔ اے ام سلمہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنے اور اپنے صحابہ کے لیٹنے کی جگہ اور اپنا ٹھکانہ دکھا سکتا ہوں۔ ام سلمہ نے کہا کہ میں دیکھنا چاہتی ہوں دکھا دیں۔ پس آپ نے اسم اعظم پڑھا اور فوراً زمین نے اطاعت کی یہاں تک کہ زمین نے اطاعت کی اور ام سلمہ کو وہ مقام اور دفن ہونے کا قتل ہونے کی جگہ دکھائی دینے لگیں اور آپ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر تربت کی جگہ سے مٹی اٹھالی اور ام سلمہ کو دیدی اور یہی حدیث اُنکی کتاب ہدایت میں بعض اپنے صحابہ کیلئے قریب قریب اسی طرح لکھی ہے جیسا کہ آپ نے پڑھی۔ اُس میں واقعہ یوں بیان ہوا ہے۔ کہ ام سلمہ نے آپ کو عراق جانے سے روکا تھا اور قتل ہونے سے ڈرانا چاہا تھا۔ اُس وقت آپ نے فرمایا تھا کہ اے اماں اگر میں آج نہ گیا تو کل جاؤں گا اور اگر کل نہ گیا تو پرسوں جاؤں گا۔ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ دن اور وقت کون سا ہے جب میں قتل کیا جاؤں گا۔ اور میں اپنے دفن ہونے کے گڑھے پر بھی مطلع ہوں۔ اگر تم پسند کرو کہ میں تمہیں اپنی قبر اور مکان دکھا دوں تو میں تیار ہوں۔ ام سلمہ نے دیکھنے کی خواہش کی تو اتنی دیر بھی نہ گزری تھی۔ جتنی دیر میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہیں کہ زمین انکے روبرو مطیع ہوگئی اور آپ نے ام سلمہ کو اپنے اور اپنے صحابہ کے دفن ہونے وغیرہ کے مقامات دکھا دیئے۔ پھر فرمایا کہ میں دس محرم کے روز قتل کیا جاؤں گا جو سبت کا دن ہوتا ہے۔“

(36/4)۔ سُوکھے درختوں کا ہر پھل اہو کر پھلوں سے لد جانا اور سفید بالوں کا سیاہ ہو جانا

آٹھویں حدیث: وَعَنْ كِتَابِ مَنَاقِبِ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ بِإِسْنَادِ صَاحِبِهِ عَنْ مُحَمَّدِ الْكِنَانِيِّ عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثٍ أَنَّ الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ فِي سَفَرٍ فَزَلَّ تَحْتَ نَخْلَةٍ يَابِسَةٍ فَادْخَلَ النَّخْلَةَ وَأَوْرَقَتْ وَحَمَلَتْ رَطْبًا فَصَدَّوْا إِلَى النَّخْلَةِ فَادْخَلُوا مَعَهَا مَا كَفَاهُمْ - وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ حَبَابَةَ الْوَالِبِيَّةِ عَنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثٍ أَنَّهَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ بَعْدَ مَا أَبْيَضَ شَعْرُ رَأْسِهَا فَدَعَا لَهُ فَاسْوَدَّ شَعْرَهَا - (ایضاً صفحہ 158)

”کتاب مناقب فاطمہ علیہا السلام میں مصنف نے اپنی سند سے محمد الکنانی کی زبانی بیان کیا کہ امام جعفر صادق کی حدیث ہے کہ حسین علیہ السلام نے ایک سفر میں ایک سوکھی ہوئی کھجور کے نیچے قیام فرمایا۔ اور دعا فرمائی تو درخت سرسبز و شاداب ہو گیا اور پھلوں سے لد گیا۔ لوگوں نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق کھجوریں توڑ لیں۔ انہوں ہی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حبابہ امام حسین علیہ السلام کے پاس اس حال میں حاضر ہوئیں کہ اُن کے سر کے بال سفید ہو چکے تھے۔ اور دعا کے لئے عرض کیا تو اُن کے بال سیاہ ہو گئے۔“

(36/5)۔ گمشدہ اُونٹوں کا مقام بتانا اور محفوظ واپس ملنا

نویں حدیث: الراوندي في كتابه وعلى بن يونس في الصراط المستقيم وقد روى السيد ولي بن نعمة الله الرضوي في كتاب مجمع البحرين في مناقب السبطين نقلاً عن كتاب البهجة عن ابن عباس ان اعرابياً قال للحسين يابن رسول الله فقدت ناقتي و لم يكن عندي غيرها؛ و كَانَ أَبُوكَ يرشد الضالة و يبلغ المفقود إلى صاحبه، فقال له الحسين اذهب الى الموضع الفلاني تجد ناقتك واقفة و في مواجهها ذئب اسودّ - قال فتوجه الاعرابي الى الموضع ثم رجع فقال للحسين يابن رسول الله وجدت ناقتي في الموضع الفلاني - (أكسير العبادات في اسرار الشهادات صفحہ 159)

”ابن عباس نے بیان کیا کہ ایک دیہاتی عرب امام حسینؑ کے پاس آیا اور کہا کہ میری اونٹنی گم ہو گئی ہے۔ اور اسکے علاوہ میرے پاس اور ہے نہیں اور آپ کے والد صاحب گم شدہ چیزوں کا پتہ بتا دیا کرتے تھے اور کھوئی ہوئی چیزیں اُنکے مالکوں کو واپس دلادیا کرتے تھے۔ اُس سے حسین علیہ السلام نے کہا کہ تم فلاں مقام پر جاؤ۔ وہاں تمہیں تمہاری اونٹنی کھڑی ہوئی ملے گی اور ایک کالا بھیڑیا اس کی نگرانی کر رہا ہوگا۔ ابن عباس نے کہا کہ وہ اس مقام پر پہنچا پھر واپس آ کر بیان کیا کہ اے فرزند رسولؐ مجھے میری اونٹنی اُس جگہ سے مل گئی ہے۔“

دسویں حدیث: قد روى بعض اصحابنا في كتاب اسمه تحفة في الكلام قال روى عبد الله بن عباس قال كنت جالساً عند الحسين فجاءه اعرابي وقال ضل بعيري وليس لي غيره وانت ابن رسول الله ارشدني اليه فقال اذهب الى موضع كذا وكذا فانه فيه وفي مقابله اسد فذهب الى ذلك الموضع فوجده كما قال عليه السلام - (ایضاً صفحہ 159)

کتاب تحفہ فی الکلام میں بعض اصحاب نے روایت کی ہے کہ: ”ابن عباس ہی نے یہ بھی بیان کیا کہ میں حسین علیہ السلام کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک دیہاتی عرب آ کر اُن سے کہنے لگا کہ میرا اونٹ کھو گیا ہے۔ اور میرے پاس دوسرا نہیں ہے۔ آپ رسول اللہ کے فرزند ہیں۔ مجھے اس کا پتہ بتائیے۔ فرمایا کہ تمہارا اونٹ ایسے اور اس قسم کے مقام پر ملے گا وہاں ایک شیر اس کی حفاظت کر رہا ہے۔ چنانچہ وہ گیا اور جیسا کہ حسینؑ نے بتایا تھا۔ وہیں سے اس کا اونٹ مل گیا۔“

قارئین نوٹ کریں کہ بھیڑیے اور شیر کی موجودگی میں اوّل تو جانور کا محفوظ رہنا ممکن نہ تھا۔ پھر کسی آدمی کا اُن کے مقابلہ پر جانا مشکل تھا۔ لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ امام کے حکم سے اُن گمشدہ اونٹوں کی نگرانی کرائی گئی تھی۔ اس لئے بھیڑیے اور شیر نے کچھ نہ کہا اور مالکوں کے پہنچنے پر غائب ہو گئے۔ ضروری نہیں کہ روایت میں ہر بات سچے کر کے بتائی جائے۔ جیسا کہ ہم اپنے مخاطب کے سمجھنے کی ہر بات چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہتے کہ تو پہلے کھڑا ہو۔ پھر دونوں ٹانگوں سے چل۔ آنکھوں سے دیکھ کر چلنا، کہیں ٹھوکر نہ کھانا، کودنا ہوا نہ چلنا، اپنا منہ یا کوئی اور چیز نہ توڑ لینا، کسی چیز پر نہ چڑھ جانا، فلاں فلاں راستے سے گزر کر صراحی کے پاس جانا۔ گلاس کو صاف کرنا، پانی سے بھرنا، پانی کی صفائی رنگ و بو دیکھنا اور پانی کا گلاس لے کر واپس آنا اور مجھے دینا۔ اس لئے کہ ہر شخص یہ تمام باتیں سمجھتا اور جانتا ہے۔ بس یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ”مجھے پانی پلاؤ“۔ یہ تین الفاظ اتنی لمبی بکواس سے بچا لیتے ہیں۔ بشرطیکہ ہمارا مخاطب ہماری زبان سمجھتا ہو، عاقل و بالغ ہو، پانی کے اور گلاس کے مقام سے واقف ہو۔ جتنی زیادہ جہالت ہوگی اتنی ہی زیادہ وضاحت کرنا پڑے گی۔ اور ایمان و یقین بھی ہماری مدد کرتے ہیں۔ بے ایمان ہر واضح بات کو بھی الٹا کر لیا کرتا ہے۔

(36/6)۔ جبرائیل و میکائیل و اسرافیل ماں بیٹے کی خدمت کرتے تھے

گیارہویں حدیث: وَعَنِ الْمُنْتَخَبِ عَنْ امِ اَيْمَنٍ قَالَتْ مَضِيْتُ ذَاتَ يَوْمٍ اِلَى مَنْزِلِ سَتَى (یعنی سیدی) و مولاتی فاطمۃ الزہراء لَا زُورَها فی منزلِها و کان یومًا خَارًا مِنْ اَیامِ الصَّیْفِ فَاتِیْتُ اِلَى بابِ دارِها و اِذَا اَنَا بِالْبَابِ مَغْلَقٍ فَظَرْتُ مِنْ شَفَوقِ الْبَابِ فَادْبَا فاطمۃ الزہراء نائِمۃ عند الرّحی و رايت الرّحی تطحن البزّ وھی تدور من غیرید تدیرھا؛ و المهد ایضًا اِلَى جانبِھا و الحسین نائم و المهد یمتدّ و لم ارمِ یهزّه و رايت کفّ یسبح اللّٰه قریبًا مِنْ کَفِّ فاطمۃ الزہراء۔ قالت ام ایمن فَتَعَجَّبْتُ مِنْ ذَلِکَ فَرَكَنَھا و مَضِیْتُ اِلَى سِیدِی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیہ و آلہ و سلّمْتُ علیہ و قلتُ لَهُ یارسول اللّٰه اِنّی رايتُ عَجَبًا، ما رايتُ مثله قطّ ابداً فقال لی مَا رَأَیْتَ یا اَیْمَنُ؟ فَقُلْتُ اَنّی قَصَدْتُ مَنْزِلَ سَتَى فاطمۃ الزہراء اِلَى آخِرِ الْقِصَّةِ۔ فقال یا اُمّ ایمن اَعْلَمِی اَنَّ فاطمۃ الزہراء صائِمۃ وَهِيَ مُتَعَبۃ جائِعۃ و الزمان قیظ فالقی اللّٰه علیہا النعاس فنامت فسبحان مَنْ لَا ینام، فوکل اللّٰه ملک یطحن عنھا قوت عیالِھا و ارسل اللّٰه مَلَكًا آخر یمهد الحسین علیہ السلام لِتَلْأَیِزَ عَجَلْھا مِنْ نومِھا، وَوَكَّلَ اللّٰه مَلَكًا آخر یسبح اللّٰه تعالیٰ قریبًا مِنْ کَفِّ فاطمۃ یكون ثواب تسبیحہ لَهَا لِأَنَّ فاطمۃ لَمْ تفتَرعن ذکر اللّٰه تعالیٰ۔ فاذا نامت جعل اللّٰه ثواب تسبیحہ لِفاطمۃ فَقُلْتُ یارسول اللّٰه اخبرنی مَنْ یكون الطحان و مَنْ الذی یمهدُ الحسین علیہ السلام و یناغیہ و مَنْ المسیح؟ فتبسّم ضاحکًا و قال اَمَّا الطحان فجبرئیل و اَمَّا الذی یمهدُ الحسین فهو میکائیل و اَمَّا المَلِکُ المسیح فهو اسرافیل۔“ (ایضاً صفحہ 159-160)

”کتاب منتخب میں ام ایمن کہتی ہیں کہ ایک دن میں اپنی سیدہ اور اپنی ملکہ فاطمہ زہراء کے گھر گئی تاکہ وہاں اُنکی زیارت کروں گی۔ وہ گرمی کا دن تھا۔ سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ جب میں مکان کے دروازے پر پہنچی تو دروازہ بند تھا۔ چنانچہ میں نے دروازہ کی تھریوں میں سے اندر جھانکا۔ دیکھتی کیا ہوں کہ چکی کے پاس فاطمہ تو سو رہی ہیں اور چکی آٹا پیس رہی ہے اور وہ بلا کسی ہاتھ کے گھوم رہی ہے اور پہلو میں حسین کا جھولا ہے اور حسین بھی سو رہے ہیں اور جھولا برابر حرکت میں ہے۔ اور جھولا جھلانے والا کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ اور دیکھتی کیا ہوں کہ فاطمہ کے ہاتھ کے پاس ہی ایک ہاتھ تسبیح کو باقاعدگی سے گھمانے میں مصروف ہے۔ ام ایمن کہتی ہیں کہ مجھے یہ سب کچھ دیکھ کر تعجب ہوا۔ میں

وہاں سے ہٹی اور اپنے سردار مولانا رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ سلام کر کے میں نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے کچھ ایسی عجیب باتیں دیکھی ہیں کہ آج سے پہلے نہ دیکھی تھیں نہ سنی تھیں۔ آپ نے پوچھا کہ اے ام ایمن تم نے کیا دیکھ لیا ہے؟ میں نے بتایا کہ میرا قصد تھا کہ میں اپنی سیدہ فاطمہؓ زہراءؓ کی زیارت کروں میں وہاں گئی۔ الغرض میں نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ فرمایا کہ اے ام ایمن تمہیں معلوم ہونا چاہئے فاطمہؓ روزہ سے ہے۔ بھوک کا غلبہ اور بچکی پیسنے اور خانہ داری کی محنت سے ناتواں اور تھکی ہوئی تھیں۔ اور یہ وقت بھی آسودہ حال لوگوں کے سونے کا ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ نے اُن پر نیند کا غلبہ کر دیا اور وہ چکی پیستے پیستے اُٹ گئیں اور سو گئیں۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ اللہ نے ایک فرشتہ کو تعینات کر دیا کہ وہ فاطمہؓ کے گھر والوں کیلئے آٹا پیسے۔ اور ایک فرشتے کو حسینؓ کا جھولا جھلانے پر لگا دیا تاکہ آرام سے سوتے رہیں اور اپنی والدہ کو بے چین نہ کریں۔ پھر چونکہ فاطمہؓ ذکر خداوندی میں وقفہ نہیں ہونے دیتیں، اسلئے ایک فرشتہ اُن کی جگہ تسبیح پڑھنے پر متعین کر دیا گیا تاکہ جب تک فاطمہؓ سوتی رہیں اُنکی تسبیح کا ثواب برابر ملتا رہے۔ ام ایمن نے عرض کیا کہ حضور مجھے یہ بھی بتادیں کہ چکی پیسنے والا کون سا فرشتہ ہے۔ اور جھولا جھلانے اور لوری دینے والا کون ہے اور تسبیح کون سا فرشتہ پڑھتا ہے۔ آپ مسکرائے اور ہنس کر فرمایا کہ وہ جو آٹا پیتا ہے وہ جبرائیلؑ ہے۔ حسینؓ کا جھولا جھلانے والا میکائیلؑ ہے۔ اور فاطمہؓ کی جگہ تسبیح پڑھنے والا اسرافیلؑ ہے۔“

بارہویں حدیث: وَعَنِ الْمَنَاقِبِ جَاءَ الْحَدِيثُ أَنَّ جِبْرِئِيلَ نَزَلَ يَوْمًا فَوَجَدَ الزَّهْرَاءَ نَائِمَةً وَالْحُسَيْنَ قَلِقَ عَلَى عَادَةِ الْأَطْفَالِ مَعَ أَمَهَاتِهِمْ فَقَعَدَ جِبْرِئِيلَ يُلْهِمُهُ عَنِ الْبُكَاءِ حَتَّى اسْتَقِظَتْ فَاعْلَمَهَا رَسُولُ اللَّهِ بِذَلِكَ۔ (ایضاً صفحہ 160)

”کتاب المناقب میں حدیث ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جناب جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے تو دیکھا کہ جناب فاطمہؓ زہراءؓ علیہا السلام سو گئی ہیں اور امام حسینؓ علیہ السلام بچوں کی عادت ظاہر کرنے کے لئے ماں کی توجہ چاہتے ہیں۔ جبرائیلؑ یہ دیکھ کر رے اور حسینؓ کو بہلاتے رہے۔ یہاں تک کہ سیدہ سلام اللہ علیہا خود بیدار ہو گئیں۔ اس واقعہ کو نبیؐ نے رسول اللہ کو سنایا۔“

قارئین یہاں رک کر ایک بات سنیں اور ہمیشہ یاد رکھیں کہ ہر وہ روایت قابل قبول نہیں ہے جس میں سخاوت کی آڑ میں اُن حضرات کے پاس مال و دولت کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہو۔ اس لئے کہ دوسری طرف حکومت وقت یہ دکھانا چاہتی ہے کہ اہلبیتؑ کو معاویہ وغیرہ وظیفہ دیتے تھے۔ اس قسم کی روایات حکومت کی مشینری نے گھڑوائیں اور شیعہ مجتہدین نے بلا تکلف شیعہ کتابوں میں لکھیں۔ اہلبیتؑ پر کھلی تہمت لگانا تو ممکن نہ تھا۔ لیکن سخاوت و شجاعت و صبر و ضبط و خشوع و خضوع میں لپیٹ لپیٹ کر سینکڑوں روایات تیار کرائی گئیں اور ناسمجھ اور بھولے لوگوں کو فریب دیا گیا۔ کتاب اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات ایک زبردست اور حقیقی شیعہ عالم آقا قدر بندگی کی ہے۔ مگر آپ مجتہدین کے ساتھ رہے، اُن ہی کا تیار کیا ہوا نصاب پڑھا اور تحریک تشیع اور نظام اجتہاد کی پالیسیوں سے ناواقف رہے۔ اس لئے فضائل کی تعداد بڑھانے کے لئے ایسی روایات بھی قبول کر لیں۔ مثلاً ایک شخص نے مدح و ثنا کا قصیدہ پڑھا (معاذ اللہ) حسینؓ بہت خوش ہوئے۔ خادم سے پوچھا کہ حجاز سے آئے ہوئے مال میں سے کتنا باقی ہے؟ اُس نے بتایا کہ چار ہزار دینار موجود ہیں۔ فرمایا کہ لاؤ۔ یہ شخص اس مال کا سب سے بڑا حقدار ہے۔ پھر وہ چار ہزار دینار اُس کو بڑی عاجزی اور معذرت کے ساتھ دے دیئے۔ سوچئے کہ جس گھر میں فاقہ رہتا ہو، جن کی محبت کی بنا پر لاکھوں شیعوں کو کہیں ملازمت اور روزگار نہ ملتا ہو، جو زندگی سے تنگ کر کے چھوڑ دیئے گئے ہوں۔

جہاں چاروں طرف فقر و مساکین کا ہجوم ہو وہاں سخاوت کی آڑ میں یہ اسراف ہضم کر دیا گیا۔ اور اسی قسم کی سینکڑوں روایات ہمارے لٹریچر میں پچھادی گئی ہیں۔ مگر یہ سب ہماری قدیم کتابوں میں نہیں ہے۔ چوتھی صدی کے بعد شیعہ مجتہدین کے زیر سایہ یہ اسکیم پروان چڑھی۔ (تفصیلات ہماری باقی تصنیفات میں دیکھیں)۔ اور اُن ہی حکومتوں کے تیار کردہ فضائل کو فضائل سمجھ کر یا نا سمجھی سے اپنی تصنیفات میں جگہ دی۔ اور ساتھ ہی اُن حقیقی فضائل محمد و آل محمد پر ناک بھوں چڑھانا شروع کیا جو اُن کی عقلی رسائی سے ارفع و اعلیٰ تھے۔ اور ہماری قدیم اور مستند، اصول کافی ایسی، کتابوں میں برابر چلے آ رہے تھے۔ یعنی حقیقی فضائل کا انکار اور دشمن محاذ کے نقلی فضائل پر اصرار ہوتا چلا آیا۔ جن فضائل و مراتب کو اور جن اختیارات اور خدا داد قدرتوں کو دشمنان محمد و آل محمد پسند نہیں کرتے اُنکی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

(36/7)۔ امام حسن علیہ السلام کے لاتعداد فضائل و معجزات پر چند نمونے

قد ذکر الشيخ العاملي نقلا عن كتاب صاحب مناقب فاطمة وولدها باسناده عن الاعمش عن ابراهيم عن منصور قال: رَأَيْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَقَدْ خَرَجَ مَعَ قَوْمٍ يَسْتَسْقُونَ، فَقَالَ لِلنَّاسِ أَيُّمَا حَبِيبِكُمُ الْمَطْرُامُ الْكَبِيرُ دَامَ اللَّوْلُو؟ فَقَالُوا يَا بَنَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ مَا حَبِيبٌ - فَقَالَ عَلَى أَنْ لَا يُؤْخَذَ أَحَدٌ مِنْكُمْ لِدِينَاهُ شَيْئًا فَاتَاهُمْ بِالثَلَاثِ، وَرَأَيْنَاهُ يَأْخُذُ الْكُوكَبَ مِنَ السَّمَاءِ ثُمَّ يَشْبِهَا فَتَطِيرُ كَالْعَصَا فَيُرِى مَوَاضِعَهَا وَعَنهُ عَنِ ابْنِ مُوسَى عَنْ قَبِيصَةَ قَالَ كُنْتُ مَعَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَهُوَ صَائِمٌ وَنَحْنُ نَسِيرُ مَعَهُ إِلَى الشَّامِ وَلَيْسَ مَعَهُ زَادٌ وَلَا مَاءٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا مَا هُوَ عَلَيْهِ رَاكِبًا - فَلَمَّا أَنْ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَاءَ فَتَحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَعَلَّقَتْ فِيهِ الْقَنَادِيلَ وَنَزَلَتْ الْمَلَائِكَةُ وَمَعَهُمُ الْمَوَائِدُ وَالْفَوَاكِهُ وَطُسُوسٌ وَأَبَارِيقٌ وَنَحْنُ سَبْعُونَ رَجُلًا فَنَاقِلٌ عَنْ كُلِّ حَارٍ وَبَارِدٍ حَتَّى امْتَلَأْنَا وَامْتَلَأَتْ ثُمَّ رَفَعَتْ عَلَى هَيْئَتِهَا لَمْ تَنْقُصْ (الحديث)۔ اکسیر العبادات و اسرار الشہادت۔ صفحہ 288

”جناب الشیخ العالمی نے کتاب مناقب فاطمہ سے اپنی سندات کے ساتھ نقل کیا ہے کہ اعمش نے ابراہیم سے اور انہوں نے منصور سے روایت کیا اور کہا کہ میں نے امام حسن بن علی بن ابی طالب علیہم السلام کو دیکھا کہ وہ بارش طلب کرنے والی ایک قوم کے ساتھ باہر تشریف لائے اور لوگوں سے کہا کہ یہ بتاؤ تمہیں بارش یا سردی یا موسیوں میں سے کون سی ایک چیز پسند ہے؟ تاکہ اللہ سے وہی چیز تمہیں دلوا دوں؟ لوگوں نے عرض کیا اے فرزند رسول ہمیں وہی کچھ پسند ہے جو حضور کو پسند ہو۔ اس پر فرمایا کہ مجھے یہ پسند ہے کہ تمہاری دنیاوی ضروریات میں سے جو کوئی، کوئی ایک چیز بھی نہیں مانگتا اُسے تینوں چیزیں دی جاتی ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ امام حسن علیہ السلام آسمان سے ستاروں کو پکڑ رہے تھے اور اُن کو دوبارہ اُن کی جگہ پر قائم کر رہے تھے اور ستارے اپنے مقام سے چڑیوں کی طرح ادھر ادھر اڑ رہے تھے۔“

دوسری حدیث۔ اور مذکورہ بالا کتاب ہی میں موسیٰ کے بیٹے نے قبیصہ سے روایت کیا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں امام حسن علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ جب کہ آپ روزہ سے تھے۔ اور ہم ملک شام کی طرف چلے جا رہے تھے۔ امّ کے ساتھ کوئی زاد راہ نہ تھا، نہ کھانا تھا نہ پانی تھا۔ بس سواری کے علاوہ اُن کے پاس اور کوئی چیز نہ تھی۔ جب آسمان سے سرخی یعنی شفق غائب ہو گئی اور آپ نے عشا کی نماز پڑھ لی۔ تو آسمان کے دروازے کھل گئے۔ اور روشنی کی قدیلیں لٹکی لگیں۔ ملائکہ کا نزول شروع ہوا۔ بہت سے دسترخواں (ماندہ) اور پھلوں کا نزول ہوا۔ پانی کے لبریز برتن اور لوٹے فراہم ہو گئے۔ ہم ستر آدمی تھے۔ سب نے

ہر چیز کھائی، یہاں تک کہ ہم سیر ہو گئے۔ اور تمام ٹھنڈی اور گرم چیزوں سے لطف اندوز ہوئے۔ امام حسنؑ نے بھی سیر ہو کر کھایا۔ اُس کے بعد وہ تمام نعمتیں اپنی اسی حالت میں اُوپر اُٹھیں اور چلی گئیں اور اُن میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔“

یہ ہے محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے مالک کون و مکان اور سرور کائنات ہونے کا ثبوت اور یہ ہیں وہ خدا داد قدرتیں اور اختیارات جن کی وجہ سے اُمت کی کثرت انہیں اپنی نجات کا وسیلہ اور مشکل کشا سمجھتی ہے اور چند ابلیسی گروہ کے علما امت کو مشرک قرار دیتے ہیں۔ اور سُنئے کتاب مذکور کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:-

وقد ذكر صاحب الكتاب المذكور عن سويد الازرق عن سعد بن منقذ قال: رايت الحسن بن علي عليهما السلام بمكة وهو يتكلم بكلام وقد رفع البيت اوقال حوله فتعجبنا منه فكنّا نحدث ونصدق حتى رايناه في المسجد الاعظم بالكوفة فحدثنا به ابن رسول الله صلى الله عليه واله اَلَسْتُ فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا؟ فقال لو شئت تحولت مسجدكم في خريقة وهو ملتقى النهر بين الفرات ونهر الاعلى فقلنا افعل ففعل ذلك ثم رده فكنّا نصدّق بعد ذلك بالكوفة بمعجزاته وباسناده عن ابراهيم بن كثير قال رايت الحسن بن علي عليهما السلام وقد استسقى ماء فابطى عليه فاستخرج من سارية المسجد ماء فشرب منه فسقى اصحابه. ثم قال لو شئت يسقيكم لبنًا وعسلًا فقلنا فاسقنا لبنًا وعسلًا من سارية المسجد مقابل الروضة لئن فيها فاطمة۔

(ايضاً کتاب اکبر العبادات - صفحہ 289-288)

”کتاب مذکور کے مصنف نے سويد الازرق سے اور سعد بن منقذ سے روایت لکھی ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے حسن بن علی علیہما السلام کو دیکھا کہ وہ ایک خاص کلام پڑھ رہے ہیں۔ مکہ میں انہوں نے خانہ کعبہ کو بلند کر دیا (یا یہ کہا کہ خانہ کعبہ کے گرد و نواح کو بلند کیا) تو ہمیں بہت تعجب ہوا۔ ہم اس واقعہ کو بیان تو کرتے تھے۔ مگر ہمیں یقین نہ آیا تھا۔ یہاں تک کہ ہم نے انہیں کوفہ کی بڑی مسجد میں دیکھا اور یاد دلایا کہ اے فرزند رسول آپ نے ہمارے سامنے ایسا ایسا کر کے نہ دکھایا تھا۔ فرمایا ہاں ہاں اگر میں چاہوں تو تمہاری اس مسجد کو ہواؤں میں پھینک دوں کہ وہ نہر فرات یا بڑی نہر میں گری ہوئی ملے۔ ہم نے کہا کہ ذرا کر کے دکھائیے۔ آپ نے ویسا ہی کیا اور پھر اُسے اس کے سابقہ مقام پر رکھ دیا۔ اُس روز سے ہم نے حسن بن علیؑ کے معجزات کی تصدیق شروع کی۔“..... ”اور اُن ہی کی سندات سے ابراہیم بن کثیر کی روایت لکھی ہے۔ جس نے کہا کہ میں نے حسن بن علیؑ کو دیکھا کہ انہوں نے پانی طلب کیا لیکن پانی آنے میں دیر ہو گئی تو آپؑ نے مسجد کے ستون سے پانی جاری کر دیا۔ خود پیا اور اُن کے صحابہؓ نے پیا۔ اور فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو تمہیں اسی طرح دودھ اور شہد جاری کر کے پلا سکتا ہوں۔ عرض کیا گیا کہ حضورؐ ایسا کر کے دکھائیں۔ آپؐ نے شہد اور دودھ جاری کر کے پلا دیا۔ اور یہ وہ ستون تھا جو اُس روضہ کی طرف ہے جس میں فاطمہؑ دفن ہیں۔“

37۔ عزاداری حسین علیہ السلام

(37/1)۔ دُکھی انسانیت کا قبلہ مُراد

عزاداری محمدؐ (آل ان میں داخل ہے) ایک ایسا مادی یا محسوس قابلِ عمل نظام تھا (اور ہے) کہ جس سے بنی نوع انسان کے قلوب فتح کیے گئے۔ جس نے ظلم و استبداد کی عمارتیں تہ و بالا کر ڈالیں۔ آزادیِ ضمیر و روح کا ایک ایسا انقلاب برپا کیا جو مختلف صورتوں میں ساری دنیا میں پھیل گیا۔ دانشمندان بنی نوع انسان نے اس نظام کے اصولوں سے طرح طرح کے محاذِ آزادی قائم کیے۔ مختلف مگر مقصد سے مطابق نام رکھے۔ مظلوم کی حمایت، ظالم کی فنا، وقارِ انسانیت کی بلندی، بے مایہ و بے چارے انسانوں کو اقوامِ عالم کے دوش بدوش پہنچانا۔ مستورات کو اُن کا صحیح مقام فراہم کرنا، بچوں کی پرورش پر خاص توجہ دینا، ایسے بوڑھے، ایسے جوان اور مستورات تیار کرنا جیسے معرکہ کربلا میں پیش کیے گئے تھے۔ الغرض ایک قوم و وجود میں لانا جو طاغوتی طاقتوں کے بالمقابل حیثیت سے کامیاب ہو، جو میدانِ کارزار کے لیے اپنا خون چھڑک کر مسکرا سکے جو اپنے حسین اور عزیز جسم کو قیمہ کی صورت میں اس طرح اُچھالے کہ نام نہاد مقدس لوگ لرز اُٹھیں، آنکھیں بند کر لیں اور اپنے لباس و پوشاک بچانے کے لیے ہٹ کر کھڑے ہوں۔

یہ ایک قہری نظام یا تاریخی جبر تھا کہ ہمہ قسمی مخالفت کی گئی۔ دن رات سینکڑوں محبانِ نظام کو صدیوں تک تہ تیغ کیا گیا، ہاتھ پیر کاٹے گئے۔ سوشل بائیکاٹ ہی نہیں رہا بلکہ صدیوں تک ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس نظام کے ممبروں کو قتل کیا جاتا رہا۔ باپ اپنے بچوں اور اہلیہ سے اپنا صحیح تعارف کرانے سے ڈرتے تھے۔ اس سب کے باوجود وہ قوم واقعہ کربلا کی خون آمیز مٹی سے پیدا ہو گئی۔ آسمان کی آنکھوں نے اُن بہادروں کو دیکھا ہے۔ جو مقتید و محصور ہونے کے باوجود سینکڑوں کی تعداد میں کربلا پہنچے۔ اور قہرِ مظلوم کے چاروں طرف حلقہ بنایا۔ تلواریں میان سے کھینچ لیں۔ شدتِ انفعال، حالتِ مجبوری اس زمین کیلئے مزید خون کی ضرورت اور ایک خاکی نظامِ قربانی کی بنیاد رکھنے کیلئے ہاتھ پوری لمبائی تک بلند ہوئے، جائز و ناجائز کی پُر اسرار پابندیوں سے اُپر اُٹھے اور آنا فانا اپنی اپنی تلواریں اپنے سینوں کے پار ہو گئیں۔ مسلسل ایک محسوس قیامت جاری رہی۔ اور خدا کے فضل سے ایسے دلیر و جان فروش لوگوں کی ایک قوم مسلسل موجود ہے اور یہ عزاداری محمدؐ و آلِ محمدؐ کی فداکارانہ محبت و کردار کی وجہ سے زندہ ہے۔ اس قوم کے جذبہٴ محبت نے تنکوں کے تعزیوں پر، ایک نقلی علم پر، ایک کرائے کے گھوڑے پر محمدؐ و آلِ محمدؐ اور شہدائے بنی نوع انسان کے ارواح مقدسہ کو تشریف لانے پر آمادہ کیا۔ گھوڑا کسی بے ادبی کی بنا پر بگڑا، ماتم اور زنجیر زنی میں شدت پیدا ہوتے ہی سر جھکا لیا، معلوم ہوا کہ سرکارِ تشریف فرما ہیں۔ بے اولاد، اندھے، محتاج اور طرح طرح کے مصائب میں مبتلا انسان اُنہی کے جذبہٴ قربانی کے صدقہ میں بامراد ہوتے رہے۔ اس استفادہ میں مذہب و ملت کی شرط نہ تھی۔ یہود و اہل ہنود الغرض تمام بامراد لوگوں کیلئے یہ نظامِ عزاداری ایک قبلہٴ مراد بن گیا۔ ہندو، انگریز اور مہاراجہ ننگے پیر چلتے تھے، لاکھوں روپیہ ہر سال اس عزاداری پر خرچ کرتے تھے۔ حد ہو گئی کہ تبرک مسلمانوں سے تیار کراتے تھے اور اُن ہی سے مٹھائی وغیرہ تقسیم کراتے تھے۔ جو ساری دنیا کو معہ مسلمانوں کے ناپاک قرار دیتے تھے۔ وہ اس دربار میں اپنا ناپاک ہونا بلا تکلف تسلیم کرتے تھے۔ (اقتباس۔ دُکھی انسانیت کا قبلہٴ مراد۔ عزاداری شہدائے کربلا۔ احسن)

(37/2)۔ روایات وحکایات وسامان عزرا

ذَكَرَهُ الشَّيْخُ عَبْدِ الْحُسَيْنِ الْأَعْمَشُ فِي قَصِيدَتِهِ وَهِيَ أَنَّ رَجُلًا مِنْ سَكَّانِ بَعْضِ بِلَادِ الْهِنْدِ كَانَ ذَا تَقْوَى وَوَرَعَ وَمُحِبًّا لِلَّهِ وَاهْلًا بَيْتَ رَسُولِهِ وَكَانَ ذَا أَمْوَالٍ كَثِيرَةٍ وَثَرَوَةٍ وَفِيرَةٍ وَكَانَ ذَابَةً فِي كُلِّ عَامٍ مِنْ شَهْرِ الْمَحْرَمِ نَصَبَ مَجْلِسَ عَزَاءٍ وَأَقَامَةَ مَأْدِبَةٍ ذَكَرَ مَصَائِبَ آلِ أَهْلِ الْكِسَاءِ وَكَانَ يَحْضُرُ فِي مَجْلِسِ الْقِرَاءَةِ الرَّثَاةِ وَكَانَ يَبْذُلُ لَهُمْ أَمْوَالًا كَثِيرَةً لِأَجْلِ ذِكْرِهِمُ الْمَصَائِبَ فَيَجْتَمِعُ فِي مَكَانٍ وَسِعٍ لَهُ الْخَلْقُ كَثِيرُونَ فَيَكُونُ وَيَنْجُبُونَ وَيَجْزَعُونَ عَلَى أَهْلِيَّتِهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَكَانَ يَسْطِ الْمَوَائِدَ وَيَطْعَمُ الْفُقَرَاءَ وَالْمَسَاكِينَ بِلِ كُلِّ مَنْ يَحْضُرُ فِي مَجْلِسِ الْعَزَاءِ الْأَطْعَمَةَ الطَّيِّبَةَ فِي الْأَوَانِي النَّفِيسَةِ وَكَانَ يَفْرَشُ فَرْشًا ثَمِينَةً وَكَانَ هَذَا الْأَطْعَامُ مِنْهُ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَبِالْجُمْلَةِ كَانَ يَصْرِفُ خَيْرَ أَمْوَالِهِ وَكَثَرَهَا فِي أَقَامَةِ مَجْلِسِ الْعَزَاءِ - فَإِذَا انْقَضَتِ الْعَشْرَةُ مِنْ شَهْرِ مُحْرَمٍ كَانَ يَعْطِي الْفَرَشَ الْمَفْرُوشَةَ الْفُقَرَاءَ وَالْمَسَاكِينَ وَكَانَ فَعَلَ ذَلِكَ عِنْدَهُ فِي كُلِّ سَنَةٍ فِي شَهْرِ الْمُحْرَمِ مِنْ قَبْلِ الْأُمُورِ الْمُحْتَوَمَةِ الَّتِي يَحِبُّ الْوَفَاءَ بِهَا - وَقَدْ اتَّفَقَ فِي عَامٍ مِنَ الْأَعْوَامِ أَنَّ وَالِي ذَلِكَ الْبَلَدِ قَدِمَ مَعَ جَمْعٍ مِنْ خِدْمَتِهِ وَحَشَمِهِ وَجَلَّوْزَتِهِ عَنِ السَّكَّةِ الَّتِي كَانَتْ دَارَ ذَلِكَ الرَّجُلِ فِيهَا وَكَانَ ذَلِكَ الْعَبُورُ عَنْهَا فِي يَوْمٍ مِنْ أَيَّامِ أَقَامَةِ الْعَزَاءِ - وَقَدْ سَمِعَ ذَلِكَ الْوَالِي الْأَصْوَاتَ مَعَ ضَجَّةٍ قَدْ عَلَتْ وَضَوْءًا قَدْ رَجَّتْ بِهَا الْأَرْضُ رَجًّا - فَقَالَ لِخِدْمَتِهِ أَخْبِرُونِي مَا هَذِهِ الصَّيْحَةُ وَالضَّجَّةُ وَالْبُكَاءُ وَالنَّيَاحَةُ وَآيِنْ ذَا وَفِي بَيْتٍ مِنْ يَكُونُ هَذَا الْجَمْعُ الْكَثِيرُ مِنَ الْخَلْقِ؟ قَالَوا فِي هَذَا الْبَيْتِ وَهُوَ بَيْتُ الرَّافِضِيِّ مِنَ الرَّفِضَةِ وَدَابَهُ فِي كُلِّ سَنَةِ أَقَامَةِ الْعَزَاءِ عَلَى مَقْتُولِ كَرْبَلَا فَأَمَرَ بِأَحْضَارِهِ مَكْنُوفًا فَلَمَّا أَحْضَرَ عِنْدَهُ سَبَّهَ وَشَتَمَهُ أَوَّلًا ثُمَّ قَالَ لِخِدْمَتِهِ أَضْرِبُوهُ بِالسَّيَاطِ فَهَاجَتِ السَّيَاطُ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ انْهَبُوا الْأَمْوَالَ مِنْهُ وَسَلْبُوا ثِيَابَهُ وَهَكَذَا الْبَسَهُ وَثِيَابَ جَمِيعِ عِبِيدِهِ وَخِدْمَتِهِ وَنِسَائِهِ وَأَطْفَالِهِ وَجَمِيعٍ مِنْ يَأْوِي إِلَيْهِ - ففَعَلُوا مَا أَمَرُوا بِهِ فَصَارَ ذَلِكَ الرَّجُلُ الصَّالِحَ مَنُهَوًى مُحَقَّرًا مَهَانًا حَتَّى إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ عِنْدَهُ مَا يَسِرُّهُ وَيَقِيهِ مِنَ الْحَرِّ الْبَرْدِ فَمَضَتْ عَلَيْهِ أَيَّامُ تِلْكَ السَّنَةِ فَلَمَّا أَقْبَلَ شَهْرَ الْمُحْرَمِ فِي الْعَامِ الْآتِي وَتَذَكَّرَ مَا قَدْ فَاتَ مِنْهُ وَمَا مَضَى بَدَتْ زَفَرَاتُ قَلْبِهِ وَبَكَى وَأَنَّ أَيْنَسًا كَادَ أَنْ يَنْصَدِعَ عَنْهُ الصَّفَا وَكَانَتْ عِنْدَهُ زَوْجَةٌ صَالِحَةٌ فَقَالَتْ لَهُ مَا هَذِهِ الزَّفَرَاتُ وَالْبُكَاءُ وَالْأَتَيْنُ وَالصَّيْحَةُ أَذَلِكَ لِأَجْلِ مَفَاتٍ مِنْكَ الْأَمْوَالِ وَالْجَاهِ وَالْجَلَالِ وَالْعِزَّةِ وَالْمَنَالِ؟ فَقَالَ لَهَا مَا حَرَقَتْ قَلْبِي وَبَكَائِي إِلَّا عَلَى فُوتِ أَقَامَةِ عَزَاءِ سَيِّدِ الشَّهَدَاءِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَتَّى - فَقَالَتْ لَا تَحْزَنْ بَلْ اسْتَبْشِرْ بَأَنَّ لَنَا وَلَكَدَّافَحُذُهُ وَآذِهِ بِهِ إِلَى بَعْضِ بِلَادِ الْهِنْدِ مِنَ النُّوَاحِي الْبَعِيدَةِ وَقُلْ لِلنَّاسِ أَنَّ هَذَا عَبْدٌ لِي فَيَعْلَمُ هُنَاكَ فَاتَ بِثَمَنِهِ حَتَّى نَصَرَفَ فِي عَشْرَةِ الْمُحْرَمِ فَجَزَاهَا خَيْرًا فَاسْتَبْشَرَ الرَّجُلُ وَسُرَّ وَحَمِدَ لِلَّهِ تَعَالَى وَشَكَرَ لَهُ - فَلَمَّا دَخَلَ وَلَدَهُمَا - فَصَالَهُ الْقِصَّةُ - قَالَ أَفَدَى نَفْسِي ابْنَ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى وَابْنَ عَلِيٍّ مَرْتَضَى وَابْنَ فَاطِمَةَ الزَّهْرَا عَلَيْهِمُ السَّلَامُ - فَآخَذَ ذَلِكَ الرَّجُلُ بِيَدِهِ وَلَدَهُ فِي صَبِيحَةِ يَوْمٍ وَسَارَ بِهِ قَاصِدًا بَلَدًا بَعِيدًا عَنْ بَلَدِهِ فَلَمَّا آتَى اقْرَبَ الْقُرَى وَالْبِلَادِ مِنْ بَلَدِهِ رَأَى فِتْنَةً جَلِيلًا عَظِيمًا مُهِيبًا جَمِيلًا وَقَدِ اضْأَنُورُ جَبْهَتُهُ الْإِفَاقَ - فَقَالَ لَهُ ذَلِكَ الْفَتَى أَيْنَ مَضِيكَ وَمَا الَّذِي تَرِيدُ بِهَذَا الْغِلَامِ؟ فَقَالَ أَبِيعَهُ فَقَالَ بِكُمْ تَبِيعَهُ فَقَالَ بِكَذَا فَاعْطَاهُ ذَلِكَ الْفَتَى مَا ذَكَرَهُ مِنْ غَيْرِ تَوَقُّفٍ وَمِمَّا كَسَتْ - فَلَمَّا أَخَذَ الرَّجُلُ الثَّمَنَ رَكَضَ وَاسْرَعَ إِلَى بَلَدِهِ فَرَحًا مَسْرُورًا فَلَمَّا اسْتَقَرَّ فِي مَنْزِلِهِ كَانَ يَتَحَدَّثُ لَزَوْجَتِهِ بِمَا جَرَى فَبَيْنَمَا هُمَا يَتَحَدَّثَانِ وَيَفْرَحَانِ إِذَا بِالْوَلَدِ قَدَآتَا هُمَا فَقَالَا لَهُ - هَلْ فَرَرْتَ مِنَ الْمُشْتَرَى؟ قَالَ لَا - فَقَالَا مَا ذَا مَرَكْتَ؟ فَقَالَ لِأَبِيهِ - أَنَّكَ لَمَّا أَخَذْتَ الثَّمَنَ وَسِرْتَ وَغَبْتَ عَنْ نَظَرِي خَفَنْتَنِي الْعَبْرَةَ - فَقَالَ لِي ذَلِكَ الْفَتَى الْمُشْتَرَى لِمَا ذَاتُ بَكَى بِأَغْلَامٍ؟ قُلْتُ لِفَرَاقِ سَيِّدِي فَآنَهُ كَانَ يَبْرِي وَيُحَسِّنُ إِلَيَّ غَايَةَ الْإِحْسَانِ - فَقَالَ لِي مَا أَنْتَ بَعِيدٌ لِدَا لِكَ الْبَايِعِ بَلْ أَنْتَ وَلَدُهُ؟ فَقُلْتُ مَنْ أَنْتَ يَا سَيِّدِي؟ فَقَالَ أَنَا الَّذِي فَعَلَ أَبُوكَ مَا فَعَلَ لَا جَلَّ أَقَامَةُ عَزَائِي أَنَا

الغریب المشرّد انا الذی قتلونی عطشاناً من غیر جرمٍ اَقَرَّ اللّٰهُ عینیک لا تضطرب ولا تخزن اِنِّیْ اَرَدُکَ فی هذا لَآنَ فی اسرع الخطی الی ابویک فاذا حضرت عندهما فقل لهما اَنَّ المال الذی فَاتَ منکم سیر حبه الوالی الیکم ویزیدکم من البرّوا الاحسان والرّفد والعطاء۔ فیینما هم يتحدثون اذ طَرَقَ طَارِقُ الباب قائلاً لِلرَّجُلِ الصّالح اجب الْآنَ والی البلاد فَلَمَّا حضر عند الوالی عَظَمَتْهُ وَبَجَلَّتْهُ وَقَالَ معتزلاً اجعلنی من حلِّ فِائِنِی قداذیتک فاعطاه جمیع ما اخذ منه وزادله برّه واحسانه وقال اَیُّها الرجل الصّالح ابذل جَدَّک وجهدک فی اقامه عزاء الامام علیه السلام فانی اوصلک بالعطاء فی کُلِّ عامٍ بعشرة الاف دراهم وانی قد استبصرت وتشیعت مع اهلی واقربائی وکل من یاوی الیَّ فَإِنَّهُ قَدْ آتَانِی الامامُ المظلوم العطشان روحی له الفداء وقال لی ا تُوذِی مَنْ یقیم عزائی وتهیئهُ وتاخذ منه امواله وعبیده واملاکهُ فَرَدُّکُلْ ذلک الیه والتمس منه اَنْ یسمح علیک ویعفو عنک و لا لِأَمْرِ الارض بان تخسف بِک وباموالک فَعَجَّلَ فی طلب الرجل قبل اَنْ یُنزل الیک البلاء۔ ثُمَّ قَالَ فِیْهَا اَنَا استغفرت اللّٰهُ تعالیٰ تُبْتُ إِلَیْهِ وَاهْتَدِیْتُ بهدایت الامام علیه السلام الی صراط المستقیم والحمد للّٰهِ رب العالمین۔ (اکسیر العبادات صفحہ 335-336)

علامہ الشیخ عبدالحمید اعظم اپنے قصیدہ میں بیان کرتے ہیں کہ ہندوستان کے کسی شہر میں ایک شخص بڑا ہی متقی اور پرہیزگار اور محب آل اللہ و محب اہلبیت رسول تھا۔ بڑا ہی مالدار اور صاحب دولت و ثروت تھا۔ اسکا طریقہ یہ تھا کہ مجالس عز اور مصائب اہلبیت کی شاندار محفلیں قائم رکھتا تھا۔ اور اُس کی مجالس میں قرآن کے قاری اور ذاکر اور مرثیہ خوان کثرت سے شریک ہوا کرتے تھے۔ اور وہ بڑی کشادہ دلی سے محمد و آل محمد کے فضائل و مصائب بیان کرنے والوں پر روپیہ خرچ کیا کرتا تھا اور اس کے ایک وسیع مکان میں لوگوں کا بہت بڑا اجتماع ہوا کرتا تھا۔ جہاں اہلبیت کے مصائب پر لوگ گریہ و زاری اور آہ و نالہ اور بے قراری سے پرسہ دیتے تھے۔ وہ ضرورتمندوں کی حاجتوں کے پورا کرنے میں ہمیشہ تائید کرتا اور غربا و فقرا اور مساکین کے طعام و اکرام میں مصروف رہتا تھا۔ اور جو لوگ مجالس عز میں شرکت کرتے تھے۔ اُن کیلئے بہترین کھانے، عمدہ برتنوں اور قیام کا انتظام رکھتا تھا۔ مجالس کیلئے قیمتی فرش و فرش فراہم رکھتا تھا۔ اور دن رات مہمان آل محمد کی خدمت میں لگا رہتا تھا۔ الغرض اپنے اموال کا بہترین اور زیادہ حصہ قیام عزاداری پر صرف کرتا تھا اور جب محرم کا عشرہ ختم ہوتا تھا تو تمام فرش و فرش اور سامان غربا اور مساکین کو دے دیتا تھا۔ یہ عزاداری کا اہتمام کرنا اس کیلئے اُن ہی لازمی کاموں میں سے تھا جو زندگی کے باقی پروگرام میں ضروری ہوتے ہیں اور جن کو بجالانا اشد ضروری ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ وہ وفا شعاری کے ساتھ عزاداری کی رسومات بجالایا کرتا تھا۔ آخر کار اُن ہی برسوں میں سے ایک برس یہ اتفاق ہوا کہ اُس شہر کا حاکم مع اپنے نوکروں، چاکروں، سپاہیوں اور مشیروں کے اُس راہ سے گزرا جس پر اُس عزادار کا مکان تھا۔ اور یہ دن اُن ہی ایام میں سے تھا جن میں برابر عزاداری برپا رہا کرتی تھی۔ چنانچہ اُس نے آہ و بکا کی بلند آوازیں سنیں اور مصائب سن کر مہمان محمد و آل محمد کی چیخیں اور فریادیں جو زمین کو ہل رہی تھیں۔ اُسکے کانوں میں یہ شور و غوغا پہنچا تو اُس نے اپنے خادموں سے کہا کہ مجھے بتاؤ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیسی فریادیں ہیں (صیحہ) یہ شور و غل (ضجہ) کہاں بلند ہے؟ یہ رونا پیٹنا یہ نوحہ کیوں ہے؟ کس کے گھر میں ہے؟ اُسے بتایا گیا کہ یہاں رافضیوں میں کا ایک رافضی رہتا ہے۔ اُس کا عملدرآمد یہ ہے کہ ہر سال کر بلا کے مقتولوں کی عزاداری قائم کرتا ہے۔ حاکم نے حکم دیا کہ اُس رافضی کو حاضر کیا جائے۔ جب اس کی مشکلیں باندھ کر پیش کیا گیا۔ تو حاکم نے اُسے گالیاں دیں، طعن و طنز کیا۔ پھر حکم دیا کہ اُسے کوڑے مارے جائیں۔ اُس کا مال

واسباب چھین لیا جائے۔ چنانچہ اس عزادار کو کوڑوں سے پیٹا گیا۔ لیکن اُس نے عزاداری چھوڑنے کا اقرار نہ کیا تو اس کا مال واسباب ضبط کر لیا گیا، اس کے خادم چھین لئے گئے۔ اُس کے اور اس کے بچوں کے، بیوی کے اور تمام متعلقین کے کپڑے تک لوٹ لئے گئے۔ اُسے بالکل محتاج کر دیا گیا۔ چنانچہ وہ نیک شخص بُری طرح ذلیل و خوار کر دیا گیا۔ ہر ممکن توہین کی گئی۔ اُس کے پاس کوئی ایسی چیز باقی نہ چھوڑی جس سے وہ آرام و راحت پاسکے۔ اس کے اور اس کے اہل و عیال کے پاس سردی اور گرمی سے بچنے کا بھی کوئی سامان نہ چھوڑا۔ بڑی مصیبتوں سے یہ عزادار خاندان دن بسر کر رہا تھا کہ پھر ماہ محرم قریب آ پہنچا۔ یہ صدمہ اب پوری طرح اُبھر آیا۔ آنکھوں کے سامنے عزاداری کے وہ نظارے پھر گئے۔ وہ ماتم کا سماں، وہ عزادارانِ مظلوم کا جہنم، وہ دن رات مومنین کی خدمت اور خاطر تواضع، وہ مرثیہ خوانوں اور ذاکروں کا آنا اور دل بھر کے فضائل و مصائب بیان کرنا۔ ہائے افسوس اب میں کیا کروں گا۔ دل بھر آیا روئے کی صدا اور چیخیں بلند ہو گئیں۔ مگر اس کے پاس ایک بہت بڑی دولت ابھی باقی تھی۔ برابر کی نغمسار و عزادارِ فاطمہ الزہراء، سوگوار اور اُس کی غربت میں رفیقہ حیات۔ اس نے رونے کی آواز سُنی دوڑی آئی اور رونے کا سبب پوچھا اور کہا کہ کیا یہ بے قراری اور چیخیں اس لئے ہیں کہ ہمارا مال و دولت و عزت و جاہ و جلال چھین گیا ہے؟ شوہر نے کہا نہیں یہ بات نہیں۔ بلکہ محرم سر پر آ گیا ہے ہم بے دست و پا اور قلاش ہو چکے ہیں۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ میں اس لئے بے قرار ہوا جا رہا ہوں کہ ہم اس دفعہ عزائے مظلوم پر پانہ کر سکیں گے۔ سوگوار زوجہ نے کہا کہ یہ بات ہے تو غم نہ کرو بلکہ خوش ہو جاؤ کہ ہم یہ موقعہ پاسکے کہ حضرت فاطمہؑ اور اُن کے لال کے حضور اپنا بچہ پیش کر سکیں۔ سنو آپ میرے لاڈلے بچہ کو کہیں دور دراز شہر میں لے جاؤ اور اُسے اپنا غلام کہہ کر فروخت کر دو۔ اُس کی قیمت سے ہم امام مظلوم علیہ السلام کی عزاداری کا انتظام کریں گے۔ مولّا ہماری مدد کرنے والے ہیں۔ وہ شخص اپنی زوجہ کی یہ ہمت افزا تقریر سن کر واقعی خوش ہو گیا۔ اسے دعائیں دیں۔ اسی اثنا میں اُن کا چہیتا بچہ آ گیا۔ دونوں نے صورتِ حال بیان کی۔ بچہ نے نہایت خندہ پیشانی سے کہا کہ امی جان میں خود کو رسول اللہ اور علی مرتضیٰ اور فاطمہ الزہراء علیہم السلام کے بیٹے امام مظلومؑ کا فدیہ مقرر کرتا ہوں۔ آپ مجھے بخوشی میری خوشی سے بیچ ڈالیں۔ عزاداری کو جاری رکھیں میں جہاں بھی ہوں گا آپ کی اور عزاداری کی بقا اور سلامتی کی دعا کرتا رہوں گا۔ اگلے روز دونوں باپ بیٹا سفر پر روانہ ہو گئے اور کسی دُور سے دُور شہر کے ارادے سے چلتے جا رہے تھے۔ جب اپنے شہر سے قریب ترین شہر میں داخل ہونے والے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک حسین و جمیل و عظیم و پُر جلال جوان سامنے ہے۔ جس کی پیشانی کا نور چاروں طرف پھیل رہا ہے۔ اُس پُر ہیبت نو جوان نے پوچھا کہ تم نے کہاں جانے کا ارادہ کیا ہے؟ اور اس لڑکے کے لئے تمہارا کیا ارادہ ہے؟ باپ نے جواب دیا کہ میں اُسے فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ جوان نے پوچھا کہ تم اُس کی کتنی قیمت چاہتے ہو؟ اُس نے ایک معقول رقم بتائی تو جوان نے بلا قیمت کم کرائے بلا توقف ادا کر دی۔ اور اس طرح باپ اپنے بیٹے کی محبت قربان کر کے امام کی عزاداری کے لئے تیز گامی سے واپس لوٹا۔ مکان پر آ کر اپنی زوجہ کو اس قربانی کا قصہ سنا ہی رہا تھا کہ اُن کا بچہ بھی واپس آ گیا۔ اُسے دیکھتے ہی دونوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ کیا تم خریدار سے بچ کر بھاگ آئے ہو؟ بچہ نے مسکرا کر کہا کہ ہرگز نہیں۔ میں بھاگنے والا نہیں تھا۔ بلکہ جب آپ قیمت لے کر چلے میں برابر آپ کو دیکھتا رہا۔ جب آپ میری نگاہوں سے غائب ہو گئے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میری آواز گلے میں سے گھٹی گھٹی نکلنے لگی

تو بزرگوار جوان نے پوچھا کہ تم اس قدر بے قرار کیوں ہو گئے؟ میں نے سنبھل کر کہا کہ وہ شخص میرے ساتھ بڑی محبت بڑے پیار اور بہت احسان و کرم سے پیش آیا کرتا تھا۔ اُس کی جدائی میں بے چین ہو گیا تھا۔ اُس جوان نے کہا کہ تم یقیناً اُس کے بیٹے ہو غلام نہیں ہو۔ میں نے دریافت کیا حضور آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میں وہی ہوں جس کے لئے تمہارے والد نے وہ کچھ کیا جو ایک باپ سے ممکن نہ تھا۔ میں ہی وہ مظلوم شہید ہوں جسے بیا س قتل کیا گیا جبکہ میں بے جرم و خطا تھا۔ میرے بچوں کو میرے سامنے ذبح کیا گیا۔ میرے عزیز و اقربا کو پیاسا قتل کیا گیا۔ ہماری مستورات کو لوٹا گیا۔ ہمارے خیموں کو آگ لگا دی گئی۔ خیر میں تمہیں جلد تمہارے والدین کے پاس بھیجتا ہوں۔ اُن کے نام اپنا خط دیتا ہوں۔ جب تم اُن کے پاس پہنچو تو اُن سے کہنا کہ تمہارے شہر کا حاکم تمہارا تمام ضبط شدہ مال واپس دے گا اور عمدہ سلوک کرے گا۔ احسان و اعزاز و داد و دہش سے پیش آئے گا۔

وہ اس گفتگو میں مصروف ہی تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور آواز دے کر کہا کہ تم فوراً حاکم کے پاس پہنچو۔ چنانچہ وہ مومن جب حاکم کے پاس حاضر ہوا اس نے بڑی تعظیم و تکریم کا سلوک کیا اور معذرت خواہ ہوا۔ اور درخواست کی کہ بھائی مجھ سے درگزر کر کے مجھے آزادی عطا کر، میں نے تمہیں بہت تکلیف پہنچائی ہے۔ اسکے بعد جو کچھ ضبط کیا گیا تھا سب واپس دیا۔ اور اُسکے ساتھ بہت احسان اور سلوک سے پیش آیا اور کہا کہ اے نیک انسان تم قیام عزاداری اور اہتمام مہانداری اور مجالس و جلوس میں پوری پوری آزادی سے جد و جہد کرو۔ میں بھی دس ہزار درہم ہر سال اس نیک کام کے لئے تمہیں نذر کیا کروں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ میری آنکھیں کھل گئیں۔ اس حادثہ نے مجھے صراطِ مستقیم پر پہنچا دیا اور میں نے مع اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے مذہب حقہ اختیار کر لیا۔ بھائی امام حسین علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے تھے۔ اور فرمایا تھا کہ تم نے ایسے مومن کو؛ اذیت دی، اُسے تباہ کر دیا، اس کا تمام اثاثہ چھین لیا، اُسکی تمام املاک و جائیداد ضبط کر لی جو میری عزاداری قائم کرتا تھا۔ جو میرا اور میرے بچوں کا دنیا سے تعارف کراتا تھا۔ جو ہماری بھوک اور پیاس کو یاد دلانے کیلئے غربا و مساکین کی بھوک اور غربت دور کرتا تھا۔ جو ظالموں سے نفرت کرنا اور مظلوم کی حمایت انسانوں کو سکھاتا تھا۔ فوراً اس کا چھیننا ہوا سامان واپس کر دو، ورنہ میں زمین کو حکم دیتا ہوں کہ وہ تمہیں اور تمہارے تمام عزیز و اقربا اور اولاد و ازواج و دولت کو نگل جائے۔ اُس شخص کو بلانے میں عجلت کر، اُس سے معافی مانگ اور اگر وہ معاف کر دے تو خیر ورنہ تم پر بلاؤں کا نزول ہو جائے گا۔ پھر کہا کہ بھائی میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے گناہ کیلئے اللہ سے عرض کرو میں بھی استغفار کر رہا ہوں، توبہ کرتا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے امام مظلوم کے ہاتھ سے ہدایت کی اور میں صراطِ مستقیم پر فائز ہو گیا۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد و آل محمد اجمعین۔

(37/3)۔ ذاکرینِ حسینؑ اور عزاداری

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مَنِ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرِي لِلَّذِينَ (هود 114/11)

(1)۔ دردا نگیز صورتِ حال

دشمنانِ اسلام اپنی تمام کوششوں، کاوشوں اور ظلم و استبداد کے باوجود کسی زمانہ میں بھی اسلام کو پھیلنے سے نہ روک سکے۔ اسلام کا کفر و شرک سے آخری مقابلہ اہل عرب کے ساتھ ہوا۔ اور ساری دُنیا جانتی ہے کہ صدی کا چوتھائی عرصہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ مشرکین

مکہ اور پورے عرب نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور سارے ملک میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و حکومت و تعلیمات پر عوام الناس نے ایک اُمت کی حیثیت سے عمل شروع کر دیا۔ اور اسلام کے نام پر انھیں جو کچھ بھی بتایا گیا دل و جان سے اسے قبول کرتے اور عمل کرتے آج تک چلے آ رہے ہیں اور قیامت تک عمل کرتے چلے جائیں گے۔ یعنی عوام اُمت نے کبھی بھی اللہ و رسول کی تعلیمات کے خلاف نہ سوچا نہ عمل کیا۔ لیکن اُمت میں داخل دانشوران قوم و ملت نے جو کچھ کیا اور جس طرح کیا اور جن وجوہات کی بنا پر کیا وہ ایک داستانِ الم ہے۔ اور قرآن کریم میں لکھی ہوئی محفوظ ہے۔ اگر اسلام میں داخلی تصادم، خانہ جنگیاں، قتل عام اور تعلیماتِ رسولؐ سے بغاوت نہ کی جاتی تو اُمتِ اسلامیہ صدی کی دوسری چوتھائی میں معراج اور تسخیر کائنات کی منزل میں ہوتی۔ اور آج کہاں ہوتی؟ قرآنی پروگرام کی رُو سے آج اُمتِ مسلمہ کو ترقی کے سدرۃ المنتہیٰ سے گزر کر کہیں عرشِ اعظم کے گرد و نواح میں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن جس تصورِ اسلامی کو دانشورانِ اُمت کی کثرت نے اختیار کیا تھا اور جس پر آج تک عمل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ جس کے تحفظ میں عوام الناس کی کثرت کو ہر زمانہ میں مصروف و مشغول رکھا گیا ہے اور جس تصور کو قائم رکھنے کے لئے آج بھی ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے۔ اُس کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ گُرہ ارض کی ایک چوتھائی رقبہ پر عارضی حکومت سے آگے نہ بڑھا۔ اور اقوامِ عالم سے اور خود ہم مسلک حکومتوں سے تصادم سے ہمیشہ دوچار رہا۔ اور آج امت جہاں جہاں اور جن جن ممالک میں ہے دُنیا کی پسماندہ اقوام میں شمار ہے۔ اور ہمارے سربراہانِ حکومت دن رات مسلمانوں کو دنیا کی ترقی یافتہ غیر مسلم اقوام کے برابر لانے کی کوشش میں مبتلا ہیں۔ اور انھیں اس کوشش میں بھی غیر مسلم و بے دین حکومتوں سے مدد مانگنے پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے۔ غیر مسلم و بے دین حکومتوں نے زمین و آسمان پر اپنا اقتدار قائم کر لیا ہے۔ یہود و نصاریٰ اور منکرینِ خدا مسلمانوں کو کائناتی علوم سکھا رہے ہیں۔ انھیں دنیا میں سہولت و آسائش سے زندگی بسر کرنے کا سامان ایجاد کر کے دے رہے ہیں۔ سر سے پیر تک اور گھر سے باہر تک کوئی ایسی چیز نہیں جو مسلمانوں کی ایجاد و تحقیق ہو۔ زندگی کے ہر شعبہ میں اُن کی نظریں اُن لوگوں کی طرف لگی رہتی ہیں جنہیں یہ کافر و بے دین و جہنمی و گمراہ کہتے ہیں۔ ہم اور تمام اہل عقل اس بدترین نتیجہ سے واقف ہیں۔ اور ہم اور تمام اہل عقل یہ جانتے ہیں کہ مسلمان جب تک اس خود ساختہ قدیم تصور اور اس خود ہمیدہ ترقی پر قائم ہیں ہرگز ترقی یافتہ غیر مسلم و بے دین اقوام کے برابر نہیں آ سکتے۔ اس لئے کہ وہ تمہارے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتے۔ اور وہ تمہیں کسی صورت میں وہ سامان اور وہ دماغ نہیں دے سکتے جو تمہیں اُن کے برابر لے آئے۔ تم مذہباً و مسلکاً اُن کے دشمن رہتے چلے آئے ہو۔ وہ اپنے دشمن کو اپنے برابر آ جانے میں جب ہی مدد دے سکتے ہیں جب وہ سب کے سب چند سال کے لئے پاگل ہو جائیں۔ لیکن وہ پاگل بناتے ہیں بنتے نہیں۔ انھیں اپنے کافرانہ نظام پر اور اپنی عقل و بصیرت و قوم و ہم آہنگی پر اس قدر بھروسہ اور یقین ہے کہ مسلمانوں کو اپنی غلامی سے آزاد کر کے کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا۔ مسلمانوں کی آزاد حکومتیں قائم کرانے سے نہ ڈرے۔ مسلمان حکومتوں کو سامانِ جنگ دینے سے نہیں گھبراتے۔ وہ جانتے ہیں کہ تمہارا مذہب ہی تصور اُن کے کافرانہ تصور سے بار بار پٹنا اور شکست کھاتا رہا ہے۔ اور تم اُس تصور کو اپنا دین سمجھنے کی بنا کبھی پر چھوڑنے والے نہیں۔ لہذا تم سے کبھی خطرہ محسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔

(2)۔ وہ تصور کیا ہے جس سے مسلمانوں کا یہ حال ہوا؟

جس تصور پر دانشورانِ اُمت کی کثرت ہمیشہ متفق رہی یہ ہے کہ:-

- (1) آنحضرتؐ کی وفات کے بعد دانشورانِ اُمت اپنی ذاتی سوجھ بوجھ و اسلامی معلومات اور آپس کے مشورہ سے جو فیصلہ کریں گے وہ اللہ کی منشا اور اللہ کا حکم اور اسلامی فیصلہ ہوگا۔ (2) اور پوری اُمت بلکہ ساری نوعِ انسان کے لئے واجبِ تعمیل ہوگا۔ (3) اُس کا مخالف اللہ و رسولؐ کا مخالف اور اسلام سے خارج ہوگا۔ (4) مخالفت پر ضد اور خلاف ورزی کرے تو واجبِ القتل ہوگا۔ (5) اُمت کے کسی فرد یا گروہ کو اس فیصلے کے خلاف فیصلہ یا کوئی اور فیصلہ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ (6) ورنہ ایسا فرد یا گروہ بھی واجبِ القتل ہوگا۔ (7) کوئی شخص جب تک مذکورہ بالا دانشور گروہ سے اجازہ یا اجتہاد کی سند حاصل نہ کر لے۔ قرآن و حدیث سمجھنے کے باوجود فتویٰ، فیصلہ یا حکم صادر نہ کر سکے گا۔ (8) اور یہ کہ مذکورہ بالا دانشور گروہ میں یا پوری بنی نوعِ انسان میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہو سکتا جس سے غلطی سرزد نہ ہو۔ حتیٰ کہ خود آنحضرتؐ سے بھی (معاذ اللہ) غلطیاں ہوتی رہی ہیں۔ (9) اور یہ کہ قرآن اور احادیثِ رسولؐ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی ضروریات و احتیاجات و تقاضات کا حل پیش نہیں کرتے۔ (10) ایسا حل مندرجہ بالا دانشور گروہ اپنی بصیرت اور مشورہ سے ہر زمانہ میں پیش کرے گا۔ اور وہ اللہ و رسولؐ کا واجبِ تعمیل فیصلہ ہوگا۔ اور اس کی مخالفت بھی سب سابقِ حرام و قابلِ تعزیر ہوگی (سُبْحَانَ اللہ و بحمدہ)۔ (11) قرآن و حدیث کی ہر وہ تعبیر و تفسیر و روایت ناقابلِ قبول و مردود ہوگی جو مندرجہ بالا قسم کے دانشوروں کی سند کے بغیر یا اُن کی تعبیر و تفسیر و روایت کے خلاف ہو۔ (12) مندرجہ بالا دانشور گروہ پر تنقید و تبصرہ کرنے والا اسلام سے خارج ہوگا۔

(3)۔ اسلامی تعلیمات کا ایک قدیم تصور!

تمام موجودہ کتبِ خداوندی میں یہ تصور موجود ہے اور قرآنِ کریم نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس تصور کی تصدیق فرمائی ہے کہ ہر رسولؐ یا نبیؐ بحکمِ خدا اپنا جانشین تیار و تجویز کرتا ہے۔ اور وہ جانشین اپنے رسولؐ یا نبیؐ کی تمام تعلیمات و صفات کا وارث و حامل ہوتا ہے۔ اور اُمت کے سامنے، اُن تمام ذمہ داریوں کے لئے جواب دہ ہوتا ہے جو اس نبیؐ یا رسولؐ کی کتاب میں مذکور ہوتی ہیں۔ لہذا اُمتِ محمدیہؐ میں چونکہ نبوت و رسالت و سلسلہٴ وحی ختم و مکمل ہو گیا اسلئے جانشین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمتِ محمدیہؐ کی اُن تمام ضروریات و احتیاجات و تقاضات کا ایسا حل و تدراک پیش کرنے اور تعلیم دینے کا ذمہ دار ہے۔ جس میں کسی قسم کی خامی یا غلطی کا امکان نہ ہو۔ اور چونکہ قرآنِ کریم میں اللہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ:-

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدہ 5/44)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (المائدہ 5/45)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (المائدہ 5/47)

”ہر معاملہ میں اللہ کا نازل کردہ حکم دیا جائے گا۔ اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ حکم کے ساتھ فیصلہ نہ کرے وہ کافر و ظالم و فاسق ہے۔“

ظاہر ہے کہ جو حکم قرآن مجید میں نازل شدہ آیت کے الفاظ میں دیا جائیگا۔ اس میں نہ کوئی خامی ہو سکتی ہے نہ کسی غلطی کا امکان ہو سکتا ہے۔ اور اسی شرط سے یہ حقیقت بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم میں تمام انسانی ضروریات و متعلقات موجود ہونا چاہئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے آئندہ نبوت و رسالت و وحی کا سلسلہ ختم و مکمل کر دیا ہے اور طرح طرح یہ بتا دیا ہے کہ قرآن کریم میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے اور یہ کہ: ”مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِنْ تَصْدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ“ (یوسف 12/111)

”یہ قرآن خود ساختہ احادیث کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ تو تمام موجودہ تعلیمات خداوندی کی تصدیق کرنے والا ہے اور ہر شے کی تفصیل اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور اس قوم کے لئے ہدایت و رحمت ہے جو قرآنی پوزیشن پر ایمان لاتی ہے۔“

یعنی جو قوم یہ مانتی ہی نہیں کہ قرآن کی زیر قلم آیت میں جو کچھ فرمایا وہ سچ ہے۔ تو نہ وہ ہر شے کی تفصیل قرآن میں مانتی ہے۔ نہ وہ قرآن میں تلاش کی زحمت گوارا کرے گی اور نہ اسے قرآن میں ملے گی۔ تمام متعلقہ تفصیلات کو نظر انداز کر کے یہ عرض کر دیں کہ یہ زیر نظر اسلامی تصور نہ صرف یہ کہ شخصی حکومت چاہتا تھا۔ بلکہ اس کا قدرتی و قرآنی تقاضہ یہ بھی ہے کہ جانشین رسول پوری کائنات کی تفصیلات پر اُسی طرح مطلع ہو جیسا کہ قرآن کے عالم و معلم و رسول کو ہونا چاہیے۔ ان دو خرابیوں کی بنا پر دانشورانِ اُمت نے اس تصور کو اختیار کیا جس پر وہ ایک قومی حکومت قائم کر کے آپس کے مشورہ اور دانشوروں کی کثرت کے فیصلوں سے قرآن کا نہیں بلکہ قومی حکومت کا نظام چلا سکیں۔ اور شخصی اطاعت اور خاندانی حکومت کی آمریت سے محفوظ رہ سکیں۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ ابن عباس سے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ: ”اُن کی زیر قیادت قوم کو یہ پسند نہ تھا کہ جس خاندان میں نبوت رہی ہے۔ اُسی خاندان میں نبوت کے بعد حکومت بھی رہے۔“ (الفاروق وغیرہ جلد اول صفحہ 104-103)۔ اس ناپسندیدگی کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نزولِ قرآن کے دوران برابر ہوتا رہا۔ اور آپؐ نے اس قوم کے اس ارادہ کی اللہ سے شکایت کی تھی اور فرمایا تھا کہ:

وَقَالَ الرَّسُولُ يَرْبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝ (فرقان 25/30)

”اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ کر دوسرے ہدایت کار کی طرف ہجرت کر لی ہے۔“

اگلی آیت میں اللہ نے رسولؐ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

”تمہارے ساتھ ہی نہیں بلکہ یہ تو روزِ ازل سے ہر نبی کے ساتھ ساتھ چلنے والا ایک نظام ہے۔ جس میں انبیاء کے دشمن اپنی مجرمانہ کاروائیاں کرتے چلے آتے ہیں۔ لیکن تمہارے نظام کی ہدایت کاری اور نصرت کے لیے تمہارا پروردگار کافی ہے۔“ (فرقان 25/31)

قارئین کرام اگر چاہیں تو ان دونوں آیات سے پہلی تین آیات (فرقان 29-25/27) میں وہ نظارہ دیکھ لیں جہاں قیامت کے دن دو گہرے دوست اللہ کے سامنے اپنی اس کارکردگی پر بیان دے رہے ہیں۔ جس کے بھروسہ پر قرآن کو مجبور کیا تھا۔ اور آنحضرتؐ کا مقرر کردہ راستہ چھوڑ کر آپس میں طے کردہ تصور و طرزِ حیات اختیار کر لیا تھا۔ بہر حال قومی و ملکی مصلحت کے ماتحت خاندانِ نبوت میں حکومت کا رہنا مفید نہیں سمجھا گیا۔ اور چونکہ دانشورانِ قوم کی کثرت یہی چاہتی تھی۔ اور خاندانِ نبوت ذاتی اقتدار و آمریت کا بھوکا نہ تھا۔ اُسے اُمت کی خدمت و ہدایت و رہنمائی کرنا تھی۔ اس کی اپنی ذاتی غرض تھی۔ اس کا ثبوت دینے کیلئے خاندانِ نبوت نے

اس حکومت کو حکومتِ الہیہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ قومی حکومت کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ اور قرآن کی حکم عام کی رو سے یہ طے کر لیا:۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا عَلٰى الْبَيْرِ وَالْتَقَوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلٰى الْاِثْمِ وَالْعُدُوْا نِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (مانہ 5/2)

”ہر نیکی میں تعاون کریں گے۔ گناہوں اور بے راہ روی میں ساتھ نہ دیں گے۔ اور وہی عمل کریں گے جو رسول اللہ نے کفارِ مکہ کے ساتھ کیا تھا۔ کہ خانہ کعبہ میں داخلہ بند کرنے والی قوم سے عداوت اور زیادتی سے پیش نہ آئیں گے۔ اللہ کے حضور میں احساسِ فرض قائم رکھیں گے۔ جس کے نتیجے میں اللہ سخت تر تعاقب کیا کرتا ہے۔“

چنانچہ حضرت علیؑ نے اختلافِ تصور کو برقرار رکھتے ہوئے بے مثال و بے نظیر صبر و تعاون کیا۔ اور ہر اُس مشکل میں بلا تکلف مدد کی جو قرآنی و انسانی قانون کی رو سے جائز تھی۔ حالانکہ وہ بقولِ حضرت عمر تمام اُمت میں سب سے بڑے قاضی تھے (ازالۃ الخفا) لیکن باوجود استحقاقِ کبھی مسئلہ بتانے سے انکار نہ کرتے تھے۔ اور یہ دباؤ نہ ڈالتے تھے کہ ہر حکم میری اجازت سے نافذ کیا جائے۔ اور فلاں و فلاں احکام کیوں اپنی ذاتی رائے سے جاری کیے ہیں؟ انھوں نے کبھی جذبہ انتقام سے کام نہ لیا۔

(4)۔ حضرت علیؑ کے قرآنی تصور کو دنیا سے ختم کرنے کا نظام!

اس تعاون اور مہلت کے باوجود قومی حکومت نے وہ تمام راہیں بند کر دیں جن سے قومی حکومت اور پچائتی قوانین کی مدت و ابطال ممکن تھا۔ چنانچہ صرف اُن احادیث کو بیان کرنے کی اجازت تھی جو پچائتی قوانین میں مددگار ہو سکیں۔ لہذا تفسیرِ قرآن، فضائلِ محمدؐ و آلِ محمدؐ، غزوات اور جہاد میں مسلمانوں یا صحابہ کے کارنامے، منافقین اور سازشی مسلمانوں کے حالات، معراج، علوم القرآن، مکی زندگی اور قبلِ بعثت کے حالات، عرب کے نظامِ جنسی اور عبادات وغیرہ سے متعلق تمام احادیث کا بیان کرنا بند کر دیا گیا۔ تمام اہل علم صحابہ کو مدینہ میں مسلسل نظر بند رکھا گیا، مدینہ کی عورتوں کا شہر سے باہر جانا بند کر دیا گیا، ازواجِ رسولؐ تک کی زبان بند کر دی گئی، سوائے حکومت کے مقرر کردہ لوگوں کے کسی اور کو اجازت نہ تھی کہ کوئی مسئلہ بیان کرے یا حدیثِ رسولؐ سنائے۔ اس بلیک آؤٹ کو جاری رکھتے ہوئے حضرت امیر معاویہ نے پچائتی حکومت اور پچائتی تصور کی تائید کرنے والی تاریخ اور حدیث کی کتابیں لکھوانا شروع کیں اور اُن تمام صحابہ اور عوام کو تلوار و زہر سے ختم کرنے کے احکام نافذ کیے۔ زیادہ اور دیگر افسرانِ حکومت کے ہاتھوں روزانہ سینکڑوں مہاجرین و انصارِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کا قتل ہوتا رہا۔ قرآنی تصور کو ختم کرنے کیلئے اور علیؑ و اولاد علیؑ علیہم السلام سے تمام اُمت کو متفرق کرنے کے لیے ہر مسجد اور ہر منبر سے لعنت جاری رکھنے کا حکم نافذ کیا۔ ایک صدی تک یہ تمام احکامات نافذ العمل رہے۔ معاویہ کے بعد قومی حکومت اور تصور کو برقرار رکھنے کے لیے خاندانِ رسولؐ کو کربلا کے میدان میں قتل کر دیا گیا۔ اور بقیۃ السیف کو قید و بند میں رکھا گیا۔ الغرض پچائتی تصور اور حکومت نے برابر تین سو سال تک سر توڑ کوششیں کیں۔ لاکھوں مخالفوں کو دار و رسن قتل و غارت کا نشانہ بنایا۔ مگر علیؑ کا تصور قرآنی برقرار رہا۔ وہ تمام احادیث جو پچائتی حکومت نے بند کر دی تھیں مرتب و مدوّن ہوتی رہیں۔ علمائے شیعہ اور نیک نہاد علمائے اہلسنت نے کئی ہزار کتابیں حدیث و تفسیر کی لکھیں اور خطرناک حالات میں بھی اُن کی حفاظت کی اور جتنا ہوسکا پبلک میں پھیلائیں۔ واقعات کربلا کے بیان کرنے والوں کی زبانیں کاٹی جاتی

تھیں۔ قبر کی زیارت کے لیے آنے والوں کو قتل کی شرط پر زیارت کی اجازت ملتی تھی۔ لوگ غول درغول زیارت کر کے شہید ہوتے رہے۔ اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے قبر مظلوم کو دریا برد کرنے پر عمل کیا گیا لیکن ناکامی ہوئی۔ آخر یہ رعایت ملی کہ دو آدمی زیارت کریں اور ایک قتل ہو جائے۔ یوں بھی زائرین کی تعداد بڑھتی گئی۔ آخر دونوں ہاتھ کٹوانے اور زیارت کر لینے کی رعایت ہوئی۔ پھر ایک ہاتھ کاٹا جانے لگا۔ اور پچاسی حکومت کو ان سرفروش و فداکار ذاکرین و مجاہدین کے سامنے گھٹنے ٹیکنا پڑے جو ہر وقت کفن بردوش واقعات کر بلا اور فضائل محمد و آل محمد کی نشر و اشاعت کے لیے سردھڑکی بازی لگائے ملک بھر میں اور بیرون ملک ہندوستان و چین و روس تک جا پہنچے تھے (ملاحظہ فرمائیں کتاب، مذہب شیعہ ایک قدیم تحریک)۔ آخر شیعوں کو زندہ رہنے کی سہولتیں حاصل ہوئیں۔ اور انہوں نے اپنا تبلیغی پروگرام پُر امن حالات کے لیے مرتب کیا۔ اور وہ کئی ہزار کتابیں پبلک اور علمائے فریقین کے سامنے آئیں جو اُس دورِ ہلاکت و ظلم و جبر میں عام نہ ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ محدثین کے پاس احادیث و تفاسیر کے انبار جمع ہو گئے۔ صرف علامہ محمد اسماعیل بخاری کا ذکر کر دینا کافی ہے۔ جنہیں چھ لاکھ احادیث پہنچ چکی تھیں۔ شیعہ محدثین کھل کر احادیث و تفاسیر معصومین علیہم السلام کی تدوین و تبلیغ کر رہے تھے۔ بغداد میں اور بڑے شہروں میں عاشورہ محرم و عزاداری ہونے لگی تھی۔ اذانوں میں عَلَیَّ وَلِیِّ اللّٰہِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ کے اعلان کی اجازت مل گئی۔ اور اُمت نہایت تیز گامی کے ساتھ حقیقی اسلام میں داخل ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ حالات حکومتِ وقت کے لیے خوشگوار نہ تھے۔ اور اب ظلم و جبر کا وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ قوت کا توازن شیعوں کے حق میں تھا۔ وزراء حکومت تک ملتِ شیعہ کے افراد تھے۔ اس وقت مدبرین حکومت نے شیعہ وزرا اور اُمرا کو نہایت خطرناک مگر حسین مشورہ دیا۔ یعنی شیعہ پبلک کے لیے شیعہ شریعت کے احکام دیئے جائیں۔ اور اہل سنت کی قانونی کتابوں کی طرح شیعہ شریعت، مرتب و مدوّن کر کے مرکزی حیثیت سے حکومت اور عدالتوں کو استعمال کے لیے دی جائے تاکہ اُمت میں جو پسند کرے اپنا مقدمہ شیعہ عدالت میں لے جاسکے۔ یہ ہے وہ خطرناک اسکیم جس نے حضرت عمر کے قائم کردہ نظامِ اجتہاد کو شیعہ علما میں رائج کر دیا۔ بلا سوچے سمجھے علمی سوجھ بوجھ رکھنے والے شیعہ اور علمائے شیعہ، ملتِ شیعہ کی خدمت کے خیال سے حکومت میں مختلف عہدوں پر فائز ہو گئے۔ اور جب تک اہل سنت کے اُصولِ فقہ و شریعت کی نقلیں تیار ہوں اور جب تک شیعہ شریعت پر کتابیں سامنے آئیں، بعض شیعہ علما نے اپنے منصبِ حکومت کے مطابق زبانی مسائل سے فیصلہ دینا شروع کر دیئے۔ اور یہی زمانہ ہے اور یہی سب سے بڑا سبب ہے کہ حضور امامِ حجت قائم آل محمد بن امام حسن عسکری علیہم السلام نے قطعی غیبتِ کبریٰ اختیار فرمائی۔ تاکہ علما کے یہ اجتہادی مسائل امام زمانہ کی سند سے محروم رہیں۔ ادھر یہ اجتہاد جاری ہوا ادھر شریعت کی تصنیف و تالیف کے لیے اُن تمام کتابوں کو حاصل کرنا ضروری ہو گیا جو ادھر ادھر خانہ نشین علما یا کتب خانوں میں تھیں۔ چنانچہ روپیہ دے کر، جان لے کر، جیسے ہو سکا کتابیں جمع کی گئیں اور آخر تیسری صدی کے اواخر تک ہزاروں کتابوں میں سے صرف ساڑھے تین کتابیں شیعوں کے پاس رہیں۔ باقی کو زمین کھا گئی یا سمندر نگل گیا۔

(5)۔ دُشمنانِ عزاداری سے چند باتیں: شیعہ و سنی علما کی تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف احادیث کی چار سو (400)

ایسی کتابیں موجود تھیں جو آئمہ علیہم السلام کے حکم سے لکھی گئیں۔ جن کی تصدیق آئمہ علیہم السلام نے کی تھی اور اپنی مہریں ثبت کی

تھیں۔ اس معصوم شیعہ ریکارڈ کو دشمنوں کی مدد سے تباہ کر دینے کے بعد ہم سے یا ذاکر بن حسین علیہ السلام سے یہ کہنا کہ تم نے فلاں روایت غلط پڑھی ہے یا فلاں واقعہ کسی حدیث کی یا تاریخ کی کتاب میں نہیں ہے۔ بڑی سفاکانہ و ظالمانہ جسارت ہے۔

پہلی بات: آپ سے عرض ہے کہ آپ کے ذہن میں حقیقتاً کتاب سے سند مانگنا نہیں ہے۔ یعنی آپ کا منشا اور ارادہ نہیں ہے کہ اگر ہماری بیان کردہ روایت یا واقعہ کسی کتاب میں ہوتا تو آپ اُسے ضرور تسلیم کر کے اُس پر عمل کرتے۔ لا واللہ آپ کے اعتراض کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے۔ اس لیے کہ سینکڑوں ایسی روایات اور واقعات کتابوں ہی میں نہیں بلکہ قرآن میں لکھے ہوئے موجود ہیں۔ مگر آپ اور آپ کے بزرگوں نے اُنکو نہ مانا۔ مثلاً ہم نے ابھی قرآن کی چند آیات لکھی ہیں (ماندہ 45، 47، 44/5)۔ کیا آپ آج تیار ہیں کہ ان آیات کے حکم پر عمل کریں اور اجتہاد کو چھوڑ دیں؟ پھر ہم نے سورۃ یوسف کی آخری آیت (12/111) لکھی ہے۔ کیا آپ یہ اعلان کرنے کو تیار ہیں کہ کائنات کی تمام چھوٹی بڑی اشیاء کی تفصیل قرآن میں موجود ہے۔ لہذا آپ اجتہادی احکام جاری کرنے سے توبہ کرتے ہیں؟ کتابوں میں لکھا ہے کہ اہل حرم نے سینہ کو بی کی، منہ پر خراشیں اور زخم ہو گئے۔ ماتم میں خون جاری ہوا۔ شیعوں کے ایک گروہ نے تلوار سے ماتم کیا اور دورانِ ماتم شہید ہو گیا۔ اور آئمہ نے اُس کیلئے دعائے خیر کی (جماعتِ توابین)۔ ہم نے ماتم شبیر نام کی کتاب لکھی، مراجع تقلید کے فتاویٰ لکھے، اور اپنے ماخذ کتاب کا نام لکھا۔ کیا آپ تیار ہیں کہ مومنین کے ساتھ مل کر زنجیر و قمہ اور تلوار کا ماتم کریں؟ اور اس ماتم کو حرام کہنے والوں کی مذمت کریں؟ نہیں آپ تو ہرگز محمدؐ و آلِ محمدؐ کے شیعہ نہیں ہیں۔ آپ ہرگز کسی سند اور کسی کتاب کے ماننے والے نہیں ہیں۔ آپ تو دشمنانِ عزاداری ہیں۔ آپ کا اور آپ کی لکھی ہوئی کتابوں کا نام خواہ ہیرے جواہرات ہوں یا ہفوات الشیطان ہو۔ آپ کا مقصد عزاداری کو بتدریج بند کرنا اور بند کرنا ہے۔ اگر آپ اہل سنت کا لیل لگائے ہوئے ہیں تو آپ کو معلوم ہے کہ خالد بن ولید پر ماتم ہوا، آہ و بکا کا کھرام برپا ہوا۔ اور خلیفہ ثانی نے پسند کیا۔ اور حضرت عائشہ نے اس جھوٹی روایت کی مذمت کی جس میں نوحہ و ماتم سے مُردہ پر عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور مظلوموں کو رونے سے روکنے کیلئے رسول اللہؐ پر افتر کیا گیا تھا۔ اور یہ بھی اُس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ جسے ایک ولی اللہ نے لکھا ہے اور الہامی کتاب کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اور کتاب کا نام اِذَا لَئِلُ الْخِفَا عَنْ خِلَافَةِ الْخُلَفَا رکھا۔ اور تمام قدیم و جدید ہندوستانی مجتہدین اُن کو حکیم الامت کہتے ہیں۔ کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ عزاداری کے جلوسوں میں ماتم نہ سہی، روتے ہوئے نکلا کریں گے؟ آپ کو ہمارے یہاں کے بعض مجتہدین اپنا بڑا بھائی کہتے ہیں اُمید ہے کہ آپ بھی عزاداری میں شریک ہو جائیں گے تو اُنہیں شرم آئے گی۔ اور وہ نوحہ و ماتم کے شروع ہونے سے پہلے ہی مجلس سے نکل بھاگنا بند کر کے جلوسِ عزاداری کے ساتھ چلنے لگیں گے۔

دوسری بات: پھر آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ آپ نے نہ شیعوں کی ساری کتابیں دیکھی ہیں نہ اہلسنت کی تمام کتابیں آپ کی نظر سے گزری ہیں۔ شیعوں اور سنیوں کی تمام کتابیں پڑھنا تو بہت بڑی غپ ہے۔ آپ کے گروہ کے کسی عالم نے تمام کتابوں کا بیس ہزارواں (1/20000) حصہ بھی نہیں دیکھا پڑھنا تو بڑی بات ہے۔ پڑھنے کے لیے تو آپ کو کم از کم پانچ زبانوں پر عبور ہونا لازم ہے۔ اور آپ کے ان بزرگوں کو دواڑھائی زبانوں سے زیادہ معلوم نہ تھیں۔ اور اُن دواڑھائی زبانوں کا جو حال تھا وہ ہماری تصنیفات میں مثالوں کے ساتھ لکھا ہوا ہے پڑھ کر لطف اندوز ہوں۔

تیسری بات۔ پھر یہ بھی بتانا ہے کہ جن کتابوں کے سہارے پر آپ اعتراض جڑتے رہتے ہیں وہ کتابیں دو حال سے خالی نہیں ہوتیں۔ اول یہ کہ وہ تمام کتابیں امیر معاویہ اور اُن کے قبل و بعد کی حکومتوں کی سرپرستی میں لکھی گئی ہیں۔ اُن میں کوئی ایسی روایت یا واقعہ نہیں لکھا جاسکتا تھا جو حکومتوں کے مذہب اور پالیسی کے خلاف ہوتا۔ ورنہ اُن کے خلاف بغاوت ہو جاتی۔ دوم یہ کہ وہ کتابیں اجتہاد کی چھلنی میں سے چھان کر حکومت کے پھیلانے ہوئے تصورات و خود ساختہ روایات و حالات سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہیں۔ اور اپنے بڑے بھائیوں کا لحاظ رکھ کر تیار گئی ہیں۔ مثلاً فلاں بات یا فلاں عقیدہ شرک ہے، لہذا چھوٹے بھائیوں نے اُن تمام عقائد سے بچ کر کتابیں لکھیں ہیں۔ مثلاً حضرت محمد مصطفیٰ اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے علم غیب کی نفی وغیرہ اپنے بڑے بھائیوں کی خوشنودی کے لئے کی گئی اور تمام متعلقہ آیات و احادیث کا انکار یا تاویل کر لی گئی۔ لہذا وہ کتابیں لیبیل کے باوجود مذہبِ شیعہ کی کتابیں نہیں ہیں۔

چوتھی بات۔ یہ بھی عرض کرنا ہے کہ ہم ایسی کتاب اور ایسے علماء پر ایک دم اعتماد نہیں کر لیتے بلکہ ان پر تحقیق و تنقید کی نظر ڈالتے ہیں۔ جن میں کوئی ایک بات بھی مذہبِ شیعہ کے خلاف لکھی ہو۔ مثلاً تین بیٹیوں کا اضافہ کرنا یا کفار و مشرکین کو داماد مان لینا۔ چنانچہ ہم ایسے علماء کی مذمت واجب سمجھتے ہیں اور حق بات دشمن کی کتاب میں ہویا زبان سے نکلے قبول کر لیتے ہیں۔ بتائیے ہم یہ کیسے مان لیں کہ آنحضرت سے بھول چوک سرزد ہوئی تھی۔ ہم ہر اُس شخص کو گمراہ سمجھتے ہیں جو معصومین علیہم السلام سے کسی قسم کی اور کسی مقدار میں غلطی، خطا یا بھول مانتا ہو۔ عالم ہو تو مذمت زیادہ کی جائے گی۔ اہلسنت ہو تو دھوکے میں مبتلا سمجھ کر سمجھانا واجب ہوگا۔ پھر کیا ہم ایسے اشخاص کو شیعہ سمجھیں جو اذان میں علی ولی اللہ کہنے کی نفی کرتے ہوں۔ یا ولایت علویہ کو اذان و نماز سے خارج کرتے ہوں۔ حالانکہ علیؑ خود ایک صراطِ مستقیم ہے۔ ولایت خود مکمل دین ہے، ولایت کے بغیر تمام اعمال باطل ہیں۔

پانچویں بات۔ آپ کو یہ بھی بتانا پڑیگا کہ واقعات کر بلا کا ہر پہلو نہ صرف درد انگیز ہے بلکہ مولویانہ ذہنیت کے لیے خلافِ شریعت بھی ہے۔ اور اُس کے مبلغِ علم سے اتنا ہی بلند ہے جتنا مقامِ محمدؐ و آلِ محمدؐ مادی فکر و اجتہاد سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ چونکہ مولوی کی خود ساختہ اور خود فہمیدہ شریعت میں یہ خود کشی کے مترادف ہے۔ اور اس بحث میں بڑے بڑے پھنے خان مجتہدین بوکھلائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اور عزاداری پر اعتراض کرنے والے وہی لوگ ہیں یہ اُن لوگوں کو بھی حق پر مانتے ہیں جو امام حسینؑ کے ساتھ نہیں تھے اور اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور خود کو پکا مومن و مسلم سمجھ رہے تھے۔ اُن کے یہاں جان بچانے کے لیے، سرمایہ بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے لیکن جہاں دین اسلام خطرہ میں ہو وہاں جان دینا جائز نہیں ہے۔ تلوار اور ڈنڈے کو سجدہ جائز ہے۔ مالِ حرام یا مالِ مخلوط بالِحرام جائز ہے۔ یعنی دنیا کی ہر شرمناک بات جائز ہے، بردہ فروشی جائز ہے، وقتِ ضرورت ایامِ حیض میں زوجہ کی اُلٹ پلٹ جائز ہے، کنیز بازی جائز ہے، لیکن حضرت علیؑ یا امام حسینؑ یا علیؑ اصغرؑ علیہم السلام کا تابوت بنانا، شبیہ بنانا، جھولا بنانا، ناجائز ہے۔ اس لیے کہ یہ جھوٹ موٹ کا جنازہ ہے اور مومن کی یہ شان نہیں کہ وہ کوئی جھوٹی بات یا جھوٹا کام کرے۔ پھر اس جھوٹ موٹ کے تابوت کا وہ احترام کرنا نہ صرف جھوٹ ہے بلکہ شرک ہے۔ اس قسم کی مومنانہ ذہنیت کو کر بلا اور اس کے متعلقات و حالات و عزاداری کی رسومات سمجھانا ہے تو مشکل، لیکن ہم اپنے اُس طبقہ کو سمجھانا ضروری سمجھتے ہیں جو ماڈرن تصورات کی بنا پر عزاداری کی بہت سی رسومات کو بیک ورڈ (Backward)

اور پست ذہنیت کی نمائش کہہ کر ماحتمی حلقوں کا دُور سے معائنہ فرمایا کرتا ہے۔

پہلے تو یسُن لیں کہ آپ کا یہ خادم یونیورسٹی کی انتہائی تعلیم سے مرصع ہے اور اس دنیا کا کوئی ملک کوئی بڑا شہر ایسا نہیں ہے جس سے کما حقہ وہاں رہ کر واقفیت نہ حاصل کی ہو۔ اور اس موڈرن زمانہ کی سائنس سے لبریز تین زبانوں پر عبور رکھتا ہے۔ فضاؤں اور آسمانوں سے عملی واقفیت بھی رکھتا ہے۔ مختصر اُیوں عرض کر دوں کہ آپ کی خدمت اور ملازمت کیلئے ہر طرح موزوں اور فٹ نوکر ہے۔ ایم ایس سی تک آپ کے بچوں کو پڑھا سکتا ہے۔ سائنکالوجی، میتھ پولیٹکس اور لاء کی انتہائی حدود تک آپ کی خدمت کر سکتا ہے۔ ڈرافٹس مین ہے، آرٹسٹ بھی ہے، الغرض موسٹ ماڈرن ہو کر ماحتمی دستہ میں زنجیر زنی کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب کا ڈاکٹر ہوتے ہوئے مجلس میں بلائمنہ ڈھانپے دھاڑیں مار کر رونے میں نہیں شرماتا۔ کیوں؟ (جواب اسی کتاب اور اسلام میں جنسی تعلقات میں ملاحظہ ہو)۔

بہر حال سائل معترض کو یہ بتانا ہے کہ ہمارے ذاکرین حسین واقعاتِ کربلا کے سلسلے میں وہ سنت، وہ عملی کیفیات و جذباتِ شہداء و اہلِ حرم علیہم السلام پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو الفاظ و بیان کے دائروں میں نہیں سماتے۔ اور اسی لیے خود اہلِ حرم سے جو روایاتِ مصدقہ اور مجتہدین کی مسلمہ ریکارڈ کی گئی ہیں اُن میں بھی چونکہ الفاظ ہی ہیں۔ اس لئے الفاظ اور لغاتِ حجازی کا رٹہ مارنے والوں کو ان روایات میں بھی اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ان لکھروں کے پیٹنے والوں نے یہ مان لیا ہے کہ روایات بالمعنی جائزہ ہے۔ لیکن وہ دشمنی اور سنگدلی ہی کیا جو پسرِ مردہ ماں اور سامنے ذبح ہوتے بھائی کو دیکھنے والی بہن کے لڑکھڑاتے ہوئے الفاظ اور بے قابو دل کا لحاظ کرے؟ اس مردود نے ادھر اور دقیا نوسی منطق پڑھ کر نفسیات کو منطقی ڈنڈے سے سمجھنے کی کوشش کی اور موجود ہوتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں کھلی ہوتیں تو شاید چہرہ کے اُتار چڑھاؤ سے الفاظ کی بھول بھلیاں سے نکل کر کچھ سمجھ جاتا۔ لیکن نہ اُس کا باپ اس کے سامنے قتل ہوا نہ بیٹا پیاسا ذبح کیا گیا۔ نہ وہ کبھی بھوکا پیاسا رہا۔ بہر حال ایک اندھے کو جو عقل کا بھی اندھا ہو، سمجھنا بہت مشکل ہے۔ جسے یہ ہی معلوم نہ ہو کہ وہ سنتا کیسے ہے؟ الفاظ کو سننے کے بعد دماغِ دل پر کیا گزرتی ہے؟ اور وہ کیسے سمجھتا ہے؟ سمجھ کر اس کے منہ سے چیخ کیوں نکل جاتی ہے؟ یا دل رونے کیوں لگتا ہے؟ یا قوتِ گویائی عارضی طور پر کیوں مفلوج ہو جاتی ہے؟ کپکی اور جسم میں رعشہ کیوں پیدا ہو جاتا ہے؟ اور بے تحاشہ قہقہہ کیوں بلند ہو جاتا ہے؟ الفاظ تو وہی تھے۔ جو اُن ہی الف، بے، جیم وغیرہ سے لکھے جاتے ہیں یا بنتے ہیں۔

کوئی اُنہیں سمجھائے کہ حضور اُس حادثہِ جانناہ کے بعد واقعاتِ کربلا جن جن کانوں تک جن جن الفاظ میں پہنچے وہ تو سب مختلف سن و سال کے لوگوں نے مختلف الفاظ میں پہنچائے۔ مگر نتیجہ سب کا ایک ہی تھا۔ ظالم سے نفرت اور مظلوم سے محبت، ظالم کی تباہی اور مظلوم کی نجات۔ انقلاب کے گرداب کے سامنے جو آیا اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس تجربہ کے بعد طرفدارانِ مسلکِ یزیدی نے موقع ملتے ہی زبانوں پر پھر بے بٹھادیے۔ حکومت کی ساری مشینری حرکت میں آگئی۔ اور عزا دارانِ حسین اور ذاکرین آلِ محمد کو مشکلات اور جان لیوا حالات نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ حضرت عمر کا قائم کردہ پرچہ نویسوں، جاسوسوں اور مجرموں و پولیس کا جال تیزی کے ساتھ پھیلا دیا۔ کون اہلِ حرم سے ملتا ہے؟ کیا باتیں ہوتی ہیں؟ حکومت کے خلاف کون سا جملہ، کون سا لفظ اور کون سا اشارہ نفرت کاری کرتا ہے۔ لوگ دُور دُور سے آتے، اُن میں وہ لوگ بھی ہوتے جو مزاجِ خانوادہٴ رسولؐ سے واقف اور معرفتِ اہلیت و ہمدردی رکھتے

تھے۔ ناواقف لوگ بھی انسانی ہمدردی کے ماتحت آ کر ملتے تھے۔ وہ لوگ بھی ہوتے تھے جو حکومت کی طرف سے تاریخ لکھنے پر تعینات تھے۔ وہ بھی ملتے جو اہلیت کا مرکزی ریکارڈ تیار کر رہے تھے۔ وہ لوگ بھی آتے جو اپنی ذاتی یا جماعتی وجوہ کی بنا پر حکومت کے دشمن تھے اور پبلک کی ہمدردی و پشت پناہی کیلئے اہلیت اور دیگر ستائے ہوئے لوگوں کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اُس صورت حال کو سامنے رکھیے اور ہمیں بتائیے اور سوچ سمجھ کر بتائیے یا کسی روایات کے جانچنے والے ذاکروں پر تنقید کرنے والے علامہ سے دریافت کر کے بتائیے کہ اُن مختلف الحال اور مختلف المقاصد ساکنین کو الگ الگ شناخت کرنے اور سب کو اطمینان بخش جواب دینے کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟ تاکہ آئندہ اہل حرم محفوظ بھی رہیں، کوئی بات خلاف واقعہ بھی نہ کہیں۔ اور تمام مسلمانوں کو حکومت کے مقاصد و مظالم اور محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے پروگرام کا علم بھی ہو جائے اور تمام مسلمان ظلم و استبداد کو فنا کرنے کے لیے متحد و متفق بھی ہو جائیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے اس سوال کا جواب تمام انسانوں کی مجموعی قابلیت سے بھی نہ دیا جائے گا۔ اور تمام زبانوں کے تمام الفاظ مل کر بھی یہ ضرورت پوری نہ کر سکیں گے۔ یہ سبب ہے کہ روایات بیان ہو چکنے اور کتابوں میں لکھی جانے اور موجود ہونے کے باوجود نہ اُن واقعات کی ترجمانی کر سکیں نہ اُن کی کیفیات و جذبات کو پیش کر سکیں جو امام حسین اور دیگر شہداء علیہم السلام کے ساتھ چلی گئیں۔ نہ اہل حرم کے محسوسات و قلبی واردات کو احاطہ کر سکیں اور نہ قیامت تک یہ حقیقت روایات کے قابو میں آسکتی ہے۔ اور یہی وہ مشکل ہے جس کی وجہ سے بڑے بڑے علما واقعات کر بلا کو نتیجہ خیز و اثر انگیز انداز میں پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ اس کی پہلی وجہ تو یہی تھی کہ وہ حضرات روایات کے کھوکھلے الفاظ سے ترجمانی شہداء و اہل حرم کرنا چاہتے رہے ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ انہوں نے محض تمنا شائی اور قصہ گو کی پوزیشن اختیار کئے رکھی ہے۔

لیکن ذاکرین حسین علیہ السلام روایات و الفاظ کی تہ میں اتر جاتے ہیں۔ پھر الفاظ و جذبات و محسوسات کے راستے سے میدان کر بلا پہنچ جاتے ہیں۔ وہ شہیدانِ کربلا اور مخدراتِ عصمت اور اطفالِ حسینؑ کی کیفیات و محسوسات کو اپنے اوپر طاری کر لیتے ہیں۔ اور پھر مومنین کے سامنے اپنے دل کی گہرائی سے اُبھرنے والے الفاظ میں وہ صورت حال پیش کر دیتے ہیں جو خود اُن پر طاری ہوتی ہے۔ اگر وہ واقعہ خود اُن پر گزرا ہوتا۔ وہ خود کو زیرِ گفتگو شہید یا فرد کی فطری پوزیشن میں اس طرح رکھ دیتے ہیں کہ دونوں کے فطری محسوسات و قلبی واردات ایک ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کے منہ سے نکلنے والا ہر لفظ متعلقہ شہید یا فرد کے جذبات یا کیفیات مومنین کے قلوب تک پہنچاتا ہے اور وہ نتیجہ مرتب کر دیتا ہے جو لوگوں کو حسینی مشن کا فرد بنانے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے ذاکرین کی مجالس کامیاب ہوتی ہیں۔ اور روایت زدہ بڑے بڑے علما کامیاب ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ روایات کے غلاف نے انہیں اس آبِ حیات سے محروم (Water Proof) کر دیا ہے جو محمدؐ و آلِ محمدؐ سے محبت و خلوص کے جذبات و تصورات کے چشمہ سے نکلتا ہے۔ ہم پر جو کیف طاری ہوتا ہے۔ اُس میں تلوار کی نوک کا ہمارے گوشت میں گھسنا، چھریوں کا پے در پے سرو سینہ پر برسنا، ہمیں سہانا معلوم ہوتا ہے۔ اور ہر دوسرا وار زیادہ زور سے اور جانچ کے کرنے کو دل چاہتا ہے۔ ان کیفیات اور متعلقہ لذت کو ماتمیوں اور شہدائے کربلا کے علاوہ کوئی نہیں سمجھتا۔ اور یہ کیفیت اور لذت جب تک حاصل نہیں ہو جاتی کوئی کامیاب ذاکر نہیں بن سکتا۔ لیکن یہ کیفیت اور لذت قطعاً فطری اور قابلِ فہم ہے۔ یعنی ہمارے ذاکرین اور ماتمی حضرات اُس عالم میں جا پہنچتے ہیں جسے معنوی کر بلا کہا جاتا ہے۔ وہاں امام مظلوم علیہ السلام کا قُرب محسوس ہوتا ہے۔

اُنکے چہرے پر قلبی نگاہیں پڑتی ہیں تو اپنا جسم و جان، مال و زر، اولاد اور تمام متعلقات اپنا وجود کھود دیتے ہیں۔ اور جس کا ذکر یا ماتم کر رہے ہوتے ہیں اُسکی طرف سے اُسی کی طرح تمام ذمہ داریاں اختیار کر لیتے ہیں۔ اور یوں امام حسینؑ کے حضور فدا ہو جانے کا جذبہ طاری ہو جاتا ہے۔ لوگ ذاکرین حسینؑ اور ماتمی دستوں کے صرف چہرے دیکھ کر رُٹپ جاتے ہیں۔ پھر اُنکے پر خلوص اور درد میں ڈوبے ہوئے الفاظ کو بلا کا نظارہ دیکھ کر رُٹپ جاتے ہیں۔ اور ہر شریک مجلس یا جلوس اپنی فطری آنکھوں سے وہی کچھ دیکھتا ہے جس نے ذاکر یا ماتم کرنے والے کو اُس فداکاری کی حد پر لاکھڑا کیا ہے۔ ہمارے خون کا ہر قطرہ وہی وزن رکھتا ہے جو امام حسین علیہ السلام کے مشن پر فدا ہو جانے والے شہدائے خون کے قطرات رکھتے ہیں۔ ہمارا خون پاک ہو جاتا ہے۔ ہم خون میں نہائے ہوئے اور خون میں لتھڑے ہوئے لباس سے بلا وضو دورانِ جلوس نماز پڑھتے ہیں۔ نماز میں ولایت مرتضویٰ کی شہادت کا اعلان کرتے ہیں۔ اور سلام میں سرکارِ حجت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام پڑھتے ہیں تو سرکارِ قائم آلِ محمدؑ کو اپنے سامنے پاتے ہیں۔ یوں اپنے خون، گوشت اور آنسوؤں سے سجا کر اُنکے حضور میں شہدائے کربلا کا پُرس و تعزیت پیش کرتے ہیں۔ اُن کی نگاہِ کرم ہمارے زخموں کو مندمل کر دیتی ہے۔ ہمیں زیادہ قربانی کی توفیق عطا کرتی ہے۔ یہ باتیں ملازم کی سمجھ سے بہت بعید ہیں۔

(6)۔ واقعہ کربلا اور روایات پر ایک واقعاتی نظر!

امام حسین علیہ السلام مع اپنے اعزہ اور انصار کے چاروں طرف سے فوجوں کے زرخے میں گھرے ہوئے تھے۔ اُس گھیرے کے اندر کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ کوئی نہیں جان سکتا تھا اگر امام حسین علیہ السلام صرف اُن تیغ آزمابہادروں اور فداکاروں کو لائے ہوتے جو کربلا میں شہید ہوئے۔ لیکن حضورؐ یہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے مشن اور کربلا کی ایسی لامحدود داستانِ عزا چھوڑ جائیں جو قیامت تک نئے نئے انداز سے بیان ہوتی چلی جائے اور ساری دنیا کو اس مشن کا والا و شیدا اور فریفتہ بنالے۔ جس میں قوتِ نشوونما کبھی کم نہ ہونے پائے۔ جو دنیائے اسلام کے ہر واقعہ، ہر حادثہ اور ہر داستان پر چھا جائے۔ جو اپنی فطری قوت سے انسانیت کے جذبات و محسوسات و کیفیات کو اپنے اندر جذب کر کے انسانوں کے ہر طبقہ اور ہر مکتبِ فکر کو اپنے چاروں طرف مرکز کر لے۔ اس مقصد کے لیے وہ اپنی بہنوں، بیٹیوں اور دوسری مُخَدَّراتِ عصمت کو اپنے خاندان کے نوخیز اور کم سن اور شیرخوار بچوں کو بھی ساتھ لائے تھے۔ وہ مدینہ میں بھی ایسی ہستیاں چھوڑ آئے تھے۔ جو دن رات مقاصدِ حسینیؑ اور سفر کی ہولناکیوں کا تذکرہ جاری رکھیں۔ جنہیں فطری رشتہ اور قربت کا لگاؤ چین سے سونے اور کھانے پینے سے باز رکھے۔ جو پورے مدینہ کی آنکھوں کو کربلا، کوفہ و شام کی طرف لگائے رکھیں۔ جو ہر مسافر سے اور قاصد سے اور ہر راہرو سے کاروانِ حسینیؑ کی نقل و حرکت اور خیریت دریافت کر کے اس سفر اور اُس مقصد کو پورے ملک میں پھیلا دیں۔ جو ہر آنے والے کو خط سوچنے کے لیے سارا سارا دن راہ گزاروں پر بیٹھ کر وقت گزار دیں۔

وہ جانتے تھے کہ جب تک نتائجِ برآمد نہ ہو لیں گے۔ حکومتِ وقت احتیاطی تدبیروں سے غافل رہے گی اور اس غفلت سے فائدہ اٹھانا اُن حضرات کی ذمہ داری ہوگی جو تلواروں کی زد پر نہ رکھے جائیں گے۔ اُن کے سامنے ماضی، حال اور مستقبل کے پردے حائل نہ تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اُن کی شہادت کے بعد اُدھر خلیفۃ المسلمین کی افواج میں شادیاں بچیں گے۔ اور اُدھر اُن کے اہل

حرم اور بہن پر مصائب ٹوٹ پڑیں گے۔ شامِ غریباں اُن کے سامنے بچپن سے کھڑی رہتی تھی۔ اُن کے سامنے ہمیشہ وہ دردناک منظر پھرتے رہتے تھے جو کربلا سے دمشق تک اہل حرم کے ساتھ وقوع پذیر ہونا تھے۔ بازوؤں کا چومنا اُسی کا ثبوت ہے کہ گرفتاری معلوم تھی۔ وہ جانتے تھے کہ کوفہ کی گلی گلی پھرایا جائے گا۔ تاکہ حضرت علیؑ کے تیار کردہ خاندان کو کربلا کا عملی نتیجہ دکھا کر آئندہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی نصرت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا جائے۔ کوفہ کے باشندوں کی تعداد شہدائے کربلا میں سب سے زیادہ تھی۔ اُن کے سروں کو باقی شہدائے کربلا کے ساتھ جلوس میں بھیجنا بہت ضروری تھا تاکہ کوفہ کے باشندوں اور شہدائے خاندانوں کو ہر شہید سے نام بنام متعارف کرایا جائے۔ اور بتایا جائے کہ خلیفۃ المسلمین کے خلاف اُٹھنے والوں کا یہ حشر کیا جائے گا۔ خلیفہ کی سو فیصد اطاعت نہ کرنے پر اگر خود خاندانِ رسولؐ اور حسینؑ کے ساتھ رعایت نہیں ہے تو کسی اور کا شمار کہاں ہوگا؟ حکومت کا منشا تو صرف طرفدارانِ رسولؐ اور آلِ رسولؐ کی ہمتوں کو توڑنا تھا۔ لیکن اُس کا ردِ عمل یہ تھا کہ شہید کے بچے، والدین و ازواج و اعزہ، امام زین العابدینؑ اور حضرت زینبؑ سے سوالات کر رہے تھے۔ تاکہ اپنے شہیدوں کی بہادری، فداکاری کی داستان سنیں اور خاندان میں مثالی حیثیت سے برقرار رکھیں۔ یہی وہ پہلا موقع تھا کہ اہل حرمؑ نے داستانِ کربلا اہل کوفہ کے قلوب اور افہان میں ودیعت کر دی۔ میں نہیں مانتا کہ یہ جلوس اور اس کا گشت ایک دن اور چوبیس گھنٹوں میں ختم ہو گیا تھا۔ جس مقصد کے لیے ابنِ زیاد نے اہل حرمؑ اور شہدائے کربلا کا یہ جلوس نکالا تھا وہ ایک دن چند گھنٹوں میں مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔ کوفہ ایسے گنجان آباد اور عظیم الشان اور وسیع و عریض شہر کی ہر گلی اور گھر کے پاس سے گزرنا اور ہر شہری کو ہمت شکن اطلاعات بہم پہنچانا کم از کم ایک ہفتہ چاہتا ہے۔ بہر حال یہ وہ پہلا آزاد موقع تھا کہ خاندانِ رسولؐ نے کربلا کی تمام تفصیلات کھلے بندوں شیعیانِ کوفہ تک پہنچا دیں۔ لکھنے والوں نے لکھیں، سننے والوں نے سنیں۔ الغرض وہ تاریخ جو انتقالِ رسولؐ کے بعد حکومت کی پالیسی کے قبرستان میں دفن تھی، لوگوں کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ وہ تاریخ جو حکومت لکھوا اور پھیلا رہی تھی آج برہنہ ہو رہی تھی۔ یہی جلوس اور یہی گشت اور اہل حرمؑ کے یہی بیانات تھے جنہوں نے کوفہ میں وہ مرکز قائم کیا جس نے پنجاب کی حکومت کے خلاف انقلاب برپا کئے۔ مصر و افریقہ و ایران و عراق میں شیعہ حکومتوں کی بنیاد رکھی اور ایک دن اُسے تباہ کر کے رکھ دیا۔ یہی وہ دشمنی تھی جس کی بنا پر کوفہ کے شیعوں کو حکومت کی تاریخ میں بدنام کرنے کی ہر شرم انگیز کوشش کی گئی۔ حضرت زینبؑ و زین العابدینؑ علیہما السلام کے خطبات تھے۔ جنہوں نے کوفہ میں کبھی نہ ختم ہونے والی بے چینیاں بھر دیں۔ امام حسینؑ علیہ السلام کا نوکِ نیزہ کی بلندی سے قرآن پڑھنا دلوں کو چیرتا چلا جاتا تھا۔ یہ وہ معجزہ تھا کہ جس نے آئندہ کے لئے راہِ خدا میں فدا ہو جانا آسان کر دیا۔ کوفہ سے فراغت کے بعد اہل حرمؑ کو دربارِ یزید میں کچھ بیان دینے کا موقع ملا۔ لیکن یہاں کوفہ ایسی آزادی نہ تھی۔ قید خانہ میں بھی زبانِ آزاد رہی اور ہر ملاقاتی کو بے محابا حالات سنائے گئے۔ یہاں تک کہ حقائق کربلا خلیفۃ المسلمین کے حرم تک جا پہنچے۔ پھر بڑا اور آزاد موقع وہ تھا جب اہل حرم کی درخواست پر ایک جلسہ عام اور مجلسِ عزاکے قیام کی اجازت ملی۔ اور قید سے رہائی سے ذرا پہلے تین روز تک مردوں اور عورتوں کو حضرتِ امام زمانہ اور جنابِ زینبؑ علیہا السلام نے ابنِ زیاد اور عمر سعد اور شمر وغیرہ کے مظالم اور کربلا کے واقعات سے مطلع کیا اور تاریخ کو دہرایا۔ اس کے بعد یعنی کامل ایک سال کی قید سے رہائی کے بعد دمشق سے کربلا اور کربلا سے مدینہ تک بالکل آزادی تھی۔

لیکن مدینہ پہنچنے کے چند روز بعد ہی پابندی عائد ہو گئی۔ اس لیے کہ ملک میں چاروں طرف بغاوت کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ اور اس بغاوت سے بنی اُمیہ کے دشمن فائدہ اٹھانے کا اعلان کر چکے تھے۔ اب وہ زمانہ آ گیا تھا جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اب حضرت عمر کا قائم کردہ جاسوسی، پولیس، اور پرچہ نویسوں کا جال ذرائع کر کے بچھا دیا گیا تھا۔ اب ذکر حسین جرم بن گیا تھا۔ اب اہل حرم اور اہل کوفہ وغیرہ کی زبانی وہ روایات تیار کرانے کا وقت آ گیا تھا۔ جس سے حکومت کی مخالفت ختم ہو جائے۔ اہل حرم کو یوں عزت و آرام سے رکھا گیا، یوں چند روز بعد آزاد کر دیا گیا، یوں انہیں خوش کر کے وطن واپس بھیجا گیا، صرف 72 آدمی میدانِ کربلا میں قتل ہوئے، صرف ایک دن پانی بند رہا۔ الغرض جن روایات اور جس تاریخ کو معیار بنا کر ذکر کرین پر تنقید کی جاتی ہے وہ حکومت کی طرف سے پھیلائی اور مرتب کی ہوئی روایات ہیں۔ اور جو روایات ہمارے ذکر کرین بیان کرتے ہیں وہ وہی روایات ہیں جو خاندانِ اہل بیت علیہم السلام اور محبانِ آلِ محمدؐ کی زبانوں پر جاری تھیں، جو بچوں نے اپنے بزرگوں سے سنیں، جو دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ سے بچا کر بیان کی جاتی تھیں۔ جن کی رو سے خانوادہِ رسولؐ اور شیعوں میں مختلف رسومات جاری ہوئیں۔ اور ایسے خاموش انداز میں سینہ بسینہ اور خانہ بخانہ آگے بڑھیں کہ یزید کے ہم مذہب لوگ بھی رفتہ رفتہ اُنہیں بجالانے لگے اور آج تک بجالا رہے ہیں۔ زبان پر پہرہ ہے لہذا وہ خاموشی سے ایک بچہ کو شربت کی چھوٹی سی مشک دے کر محلہ میں شربت پلانے بھیج دیتے۔ جب بچہ عزا دارانِ حسینؑ کو شربت پلانے پہنچتا تو سارا مجمع یا گھر کے سارے افراد سر و سینہ پیٹنے لگتے۔ اُنکے سامنے سقائے سکینہ کے تصورات کو آنے سے کوئی پہرہ نہ روک سکتا تھا۔ وہ لوہے کی ایک پتلی سی زنجیر بچوں کو پہنانے کی رسم ادا کرتے تو حضرت زین العابدینؑ کی یاد دلوں کو بر ما کر رکھ دیتی۔ وہاں کسی بہن کا شکایتوں سے لبریز خط پڑھنے کی رسم ادا ہوتی تو گریہ اور پیہم نالہ وزاری جاری رہتی۔ وہ کسی بچی کے ہاتھ میں کنگنا باندھ دیتے تو حضرت قائم علیہ السلام کی شادی یاد آنے سے کون روک سکتا تھا۔ بے اولادوں اور مصیبت کے ماروں کو کوئی رسم ادا کرنے کی منت منواتے۔ اور مراد بر آنے کے بعد متعلقہ لوگ اس رسم کو ایک دوسرے کو بتاتے اور منت بلا تفریق قوم و ملت چاروں طرف پھیلتی چلی جاتی۔ ہر امامِ زمانہ علیہ السلام اپنے اپنے زمانوں میں ایسی منتوں کا ثمرہ فراہم کرتے جاتے تھے۔ یوں عزا داری کی اور بہت سی دوسری منتیں مسلمانوں، یہود و نصارا اور ہندوؤں میں پھیلتی گئیں۔ اگر اصل باتیں کتابوں میں لکھ دی جاتیں تو وقت کا قاضی، ملا اور حاکم اُس کو فوراً بند کر کے متعلقین کی گردنیں کٹوا دیتا۔ چنانچہ آج سینکڑوں ایسی منتیں موجود ہیں جن کا ذکر کتابوں میں نہیں ہے۔ اور جنہیں حکومت کے ہم مذہب علما شرک کہتے ہیں۔ لیکن اُمت کی کثرت اُن مشرکوں کے منع کرنے سے اپنا کام نہیں چھوڑتی۔ یہاں ہم دونوں قسم کے لیبل لگانے والے علما کو روک کر یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اے پاکدامن لوگو!! اے دین اسلام کی صحیح تعمیل کر نیو! اے خدا کے مقرب بندو! آؤ اور اپنی پسندیدہ و آزمودہ کوئی ایسی عبادت پیش کرو جس سے اُمت کو ایسا یقین پیدا ہو کہ اس عبادت کو اپنی مشکلات کے حل کیلئے بطورِ منت اختیار کیا ہو؟ اور اس سے عام طور پر مرادیں بر آئی ہوں؟ ہمیں معلوم ہے کہ تمہاری کوئی عبادت ایسی نہیں ہے۔ اسلئے کہ حقیقی اور خدا کے علم کے مطابق تم نے عبادتوں کو عبادت کی مفتاح (کنجی) کے بغیر اختیار کیا ہے۔ تم نے اجرِ رسالت کو غصب کیا ہے۔ تم نے ولایتِ علویہ سے کنارا کشی اختیار کی ہے اور اذان و نماز سے اُسے خارج کر کے اپنی عبادتوں کو مہمل اور بے اثر بلکہ اُلٹا مضر بنا لیا ہے۔ تمہاری تمام مصیبتیں تمہاری نماز کی وجہ سے تم پر

نازل ہو رہی ہیں۔ تم عزاداری حسین علیہ السلام کی مخالفت بند کر دو، ذاکرین کے خلاف محاذ آرائی بند کر دو اور ولایتِ محمدیہ اور اجر رسالت کی ادائیگی کو لازم گردان لو، تو تمہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کامیابی حاصل ہونے کی ضمانت ہم لیتے ہیں۔

(37/4)۔ عزاداریِ معصومینؑ کو اثر انگیز بنانے میں شاعر و شعر کی پوزیشن

(1) ایک شعر کا بدلہ جنت ہے۔ ذکرہ الصدوق (رہ) فی العیون باسنادہ عن عبد اللہ بن الفضل الهاشمی قال

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام مَنْ قال فینا بیت شعر بنی اللہ تعالیٰ بیتاً فی الجنة۔

”جناب صدوق نے اپنی کتاب العیون میں عبد اللہ بن فضل سے روایت کیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس کسی نے ہمارے فضائل و مصائب کو ایک شعر میں ظاہر کیا اس کے لئے اللہ جنت میں ایک مکان تیار رکھے گا۔“

(2)۔ شاعر اہلبیتؑ کو رُوح القدس کی تائید حاصل رہے گی

ومنها خبر علی بن سالم بن ابیہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ما قال فینا قائل بیت شعر حتی یؤید بروح القدس۔

”اور اسی کتاب میں علی بن سالم اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص ہماری شان میں شعر نہیں کہتا جب تک اُسے رُوح القدس کی تائید حاصل نہ ہو جائے۔“

(3)۔ اہلبیتؑ کی شان میں شعر کہنے والے کا شہر زیارت گاہ ملائکہ اور انبیاء رہے گا

ومنها خبر الحسن بن الجهم قال سمعت الرضا علیہ السلام یقول ما قال فینا مومن شعرا بمدحناہ إلا بنی

اللہ له مدینة فی الجنة اوسع من الدنیا سبع مَرات یزوره فیہا کل ملک مقرب و کل نبی مرسل۔

ایضاً۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کوئی مومن ہماری مدح میں شعر کہے تو اللہ اُس کے لئے جنت میں ایک شہر تیار رکھے گا جو اس دنیا سے سات گنا بڑا ہوگا۔ اور اللہ کے خاص خاص فرشتے اور رسول اس شہر کی زیارت کیا کریں گے۔

(4)۔ کیمیت نامی شاعر کو مدح اہلبیتؑ پر رُوح القدس کی تائید حاصل تھی

ومنها ما ذکرہ الشیخ الاجل محمد بن عبد العزیز الکشی فی کتاب الرجال باسنادہ الی زرارة قال دخل

الکیمیت بن زید علی ابی جعفر علیہ السلام وانا عنده فانشده من القلب متیم مستہام فلما فرغ قال علیہ

السلام للکیمیت لاتزال مؤیداً بروح القدس ما دمت تقول فینا۔

ایضاً۔ محمد بن عبد العزیز کشی نے کتاب الرجال میں زرارہ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا کہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس تھا جب کیمیت شاعر حاضر ہوا اور اُس نے امامؑ کے روبرو اہلبیتؑ کی مدح میں دل کی گہرائی اور خلوص سے اشعار پڑھے۔ جب وہ فارغ ہوا تو امامؑ نے فرمایا کہ جب تک تم ہمارے فضائل میں اشعار کہتے رہو گے تمہیں برابر رُوح القدس کی تائید حاصل رہے گی۔

(5)۔ مرثیہ و نوحہ لکھنے والوں کو آزمائش کی اجازت حاصل ہے

ومنها خبر عبد اللہ بن الصلت قال کتب الی ابی جعفر ابن علی الرضا علیہما السلام تأذن لی ان اذنی

ابا الحسن علیہ السلام اعنی اباه قال وکتب الی اندبنی واندب ابی۔

ایضاً۔ عبداللہ بن صلت نے کہا کہ میں نے امام محمد تقی علیہ السلام کو لکھا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے والد امام رضا علیہ السلام کا مرثیہ لکھوں۔ راوی کہتا ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام نے جواب میں لکھا کہ میرے لئے اور میرے والد دونوں کیلئے نظم میں حالات بیان کر دو۔

(6)۔ امام محمد باقر علیہ السلام حالات نظم کرنے کی اجازت دیتے ہیں

ومنها خبر ابی طالب التیمی قال کتبتُ إلی ابی جعفر علیہ السلام بابیات شعرٍ و ذکرْتُ فیها أباهُ و سئلته أن یاذن لی فی أن أقول فیہ؛ ففقطع الشعر و حبسه و کتب فی صدر ما بقی من القرطاس قد احسنتُ جزاک اللہ خیراً۔

اور اُسی میں ہے کہ ابوطالب تیمی نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو چند اشعار امام زین العابدینؑ کے حالات میں لکھ کر بھیجے اور اجازت مانگی کہ میں اس سلسلے کو اور آگے بڑھاؤں؟ امام محمد باقر علیہ السلام نے کاغذ کا وہ حصہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا جس میں اشعار تھے اور باقی ماندہ کاغذ پر یہ لکھ کر مجھے بھیجا کہ مجھے اشعار پسند آئے اسلئے رکھ لئے اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔

(7)۔ مرثیہ خوان وقصہ خوان اور نوحہ پڑھنے والوں کی مدح و ثنا

ومنها خبر عبد اللہ بن حماد عن ابی عبد اللہ علیہ السلام و ذکر حدیثاً طویلاً فی ثواب زیارة الحسین علیہ السلام إلی أن قال بلغنی أن قومًا یاتونہ من نواحی الکوفہ و ناسًا غیرہم و نساء یندبنہ و ذلک فی النصف من شعبان فمن بین قاری یقرء و قاص یقص و نادب یندب و قائل یقول المراثی فقلت له نعم قد شهدت ما تصفه۔ فقال الحمد للہ الذی جعل للناس من یعدو الینا و یمدحنا و یرثی لنا و جعل عدونا من طغر علیہم من قربتنا و غیرہم یهدرونہم و یقبحون ما یصنعون۔

عبداللہ بن حماد نے ذکر کیا کہ امام جعفر صادق نے امام حسینؑ کی زیارت کے ثواب پر ایک تفصیلی حدیث بیان فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ کوفہ کے گرد و نواح سے ایک قوم امامؑ کے مزار پر آتی ہے اور اُسکے علاوہ بھی اور لوگ آتے ہیں اور ماہ شعبان کے درمیانی ایام میں عورتیں اور مرد وہاں امام حسینؑ کا قصہ بیان کرتے ہیں، قاری قرأت کرتے ہیں اور نوحہ مرثیہ پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ جی ہاں میں نے ایسا کر نیوالوں کو خود دیکھا ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر اور حمد بجالاتا ہوں جس نے انسانوں میں ایسے لوگ تیار کر دیئے جو ہمارے دین کی اشاعت میں اور ہماری مدح و ثنا میں اور ہمارے مرثیہ میں وقت صرف کرتے ہیں اور ہمارے دشمنوں کو ایسا بد بخت بنا دیا جو ہمارے مرثیہ خوانوں، مدح خوانوں وغیرہ پر خفا رہتے ہیں، انہیں دھمکاتے ہیں اور انکی رسوم و اعمال کی برائی کرتے ہیں۔

(8)۔ ترنم و دردناک آواز میں گلوکار، ماہر موسیقی کا مرثیہ امامؑ کے حضور میں

دشمنانِ محمد و آلِ محمد و طرفدارانِ قاتلانِ حسینؑ ہر اُس عمل کو، ہر اُس رسم کو، ہر اُس طریقے کو حرام کہتے چلے آ رہے ہیں جن سے محبت اہلبیتؑ پیدا ہوتی ہو۔ جن سے عزاداری حسین علیہ السلام میں اثر انگیزی و انقلاب خیزی پیدا ہوتی ہو۔ جن سے حسینؑ اور شہدائے کربلا علیہم السلام کا غم اور اُن سے ہمدردی اور اُنکے دشمنوں سے نفرت و عداوت دل میں اُتر جائے۔ واضح احادیث اور رسولؐ کے عمل اور معصومینؑ کی مسلسل سنت کی موجودگی میں بھی وہ لوگ مرثیہ اور نوحہ کو ترنم اور دردناک آواز میں گا کر پڑھنے کو حرام کرتے رہے ہیں۔

حالانکہ انہیں ایک حدیث بھی ایسی نہ مل سکی جس میں امام حسینؑ یا دیگر معصومین علیہم السلام کی خوشی میں گانے کی یا اُن کے غم میں گاکر مرثیہ ونوحہ پڑھنے کی ممانعت یا کراہت یا برائی کی گئی ہو۔ اسکے برعکس مدینہ میں رسول اللہ کے استقبال پر اور حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام کی شادی پر مدینہ کی مسلمان خواتین اور ازواج نبیؐ کا مل کر کوٹھوں پر اور شارع عام میں گانا مصدقہ وسلمہ احادیث وتواتر کے ریکارڈ میں دونوں طرف موجود ہے۔ گانے بجانے اور بے حیائی کے کام کرنے کو اللہ اور معصومینؑ نے حرام قرار دیا ہے۔ مگر عزاداری حسینؑ اور میلاد النبیؐ میں کوئی بے حیائی اور گناہ انگیز کام نہیں ہوتا۔ لیکن دشمنان اسلام نے رسول اللہ اور آل محمدؐ کو اسلئے عام انسانوں کے برابر کھڑا کیا تھا تا کہ جو حکم عوام الناس کیلئے دیا جائے اُس میں اُن مقدس ہستیوں کو بھی شامل کر لیا جائے۔ ٹھیک ہے عام اور فطری اموات پر بے قراری اور سوگ استقلال سے منانا منع ہے۔ لیکن مخصوص صورت میں قتل و موت مستثنیٰ ہے اور رسولؐ و معصومینؑ کے رنج و غم کی صورت سب سے الگ ہے۔ یہاں عام حکم اسی صورت میں لگ سکتا ہے جب کہ یہ عوام کے برابر اور عوام میں شامل ہوں۔ اس سلسلے میں آپ ہماری کتاب ”غنا حرام ہے مگر منافق جھوٹے ہیں“ ضرور پڑھیں اور دیکھیں کہ ہم نے مسئلہ غنا اور گانے میں بھی اُن کی مذہبی کمر توڑ دی ہے۔ یہاں آپ یہ دیکھیں گے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ایک ماہر موسیقی اور مشہور گانے والے شخص ابی عمارہ سے ترنم کے ساتھ گاکر مرثیہ سنانے کے لئے فرمائش کرتے ہیں سنئے:-

روى الصدوق في الامالي وابن قولويه في الكامل بسند يهما عن ابى عمارة المنشد عن ابى عبد الله جعفر الصادق عليه السلام قال قال لي يا ابا عماره انشدني في الحسين بن علي عليهما السلام - فانشدته فبكي ثم انشدته فبكي - قال فوالله ما دلت انشدته فبكي حتى سمعت البكا من الدار - فقال يا ابا عماره من انشد في الحسين بن علي شعرا فابكي خمسين فله الجنة ومن انشد في الحسين شعرا فابكي ثلاثين فله الجنة ومن انشد في الحسين شعرا فابكي عشرين فله الجنة ومن انشد في الحسين شعرا فابكي عشرة فله الجنة ومن انشد في الحسين شعرا فابكي واحدا فله الجنة ومن انشد في الحسين شعرا فبكي فله الجنة ومن انشد في الحسين شعرا فابكي فله الجنة - (مجلس التاسع كتاب اقناع الائم على اقامة الماتم)

”جناب صدوق رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب امالی میں اور ابن قولویہ نے اپنی کتاب الکامل میں ابوعمارہ سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا کہ مجھ سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے امام حسینؑ کا مرثیہ ترنم سے گاکر سنانے کے لئے فرمایا۔ چنانچہ میں نے مرثیہ پڑھا اور آپ روئے۔ میں نے پھر مرثیہ سنایا۔ آپ پھر روئے۔ راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم وہ برابر روتے رہے اور میں مرثیہ سناتا رہا۔ یہاں تک کہ گھر کے اندر اہل حرم کے رونے کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ آخر میں فرمایا کہ اے ابوعمارہ اگر کوئی حسینؑ کا مرثیہ ترنم سے پڑھے اور پچاس آدمیوں کو رولادے تو اُس کے لئے جنت ہے۔ اور اگر مرثیہ پڑھ کر تیس آدمیوں کو رولادے تو بھی اُس کو جنت ملے گی۔ اور اگر بیس آدمیوں کو رولادے پھر بھی جنت لازم ہے اور اگر اٹھ کے مرثیہ سے دس آدمیوں کو رولادے پھر بھی جنت کا ملنا لازم ہے اور اگر امام حسینؑ کا مرثیہ پڑھ کر ایک آدمی کو رولادے تب بھی جنت لازم ہے۔ اور اگر تہا مرثیہ پڑھے اور روئے تب بھی جنت ہے اور اگر مرثیہ پڑھتے ہوئے رونے کا منہ بن جائے تب بھی جنت ملے گی۔

(الف)۔ ایک وضاحت : ایسی احادیث بہت ہیں کہ جن میں رونے اور رُلانے کی تعداد اور جنت کا ذکر ہوا ہے۔ اس سلسلے میں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ رونے اور رُلانے والوں کے لئے جنت تو ہر حال میں اُن کا حق اور حصہ ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ مجلس حسین علیہ السلام ہر حال میں قائم کی جائے گی اور جنت ملنا واجب ہوگا۔ خواہ ذکر تھا ہو، خواہ اتنا کم پڑھا جائے کہ ابھی دل پگھلا نہیں تھا اور صرف آثارِ غم ظاہر ہونے پائیں اور ذکر حسین علیہ السلام ختم کرنا پڑے۔ یہ صورتِ حال تقاضہ کرتی ہے کہ ہر آدمی ہر روز چند جملے، چند اشعار یا واقعات روزانہ پڑھے یا سُنے تب دنیاوی مصروفیات کو اختیار کرے۔ اور اسکی پرواہ نہ کرے کہ فلاں اور فلاں لوازمات و اہتمام ہوں تب مجلس حسین قائم کروں گا، ہر گھر میں دو چار یا زیادہ اشخاص ہوتے ہیں۔ یعنی ہر گھر میں روزانہ ذکر حسین کم از کم اتنا ضرور اور روزانہ ہو جانا واجب ہے جس سے دل رنجیدہ ہو جائے خواہ آنکھیں بھیگیں یا نہ بھیگیں خواہ آنسو نکلیں یا نہ نکلیں۔ پھر اس قسم کی احادیث سے یہ بھی واجب ہو جاتا ہے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ مہمانِ اہلبیت و مسلمانوں کو جمع کرنا چاہئے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے زمانہ میں پچاس مومنین سے زیادہ ایک جگہ جمع ہو کر عزاداری نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ حکومت کے جاسوس اور دیگر انتظامات رکاوٹ بنتے تھے اور مومنین کی تعداد بھی ہر جگہ اور ہر وقت اس سے زیادہ آزادی سے جمع نہ ہو سکتی تھی۔ ہم نے چند مصائب کے جملے یا چند اشعار کے ساتھ چند ”واقعات“ کے الفاظ بھی لکھ دیئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ گاہ اور تسبیح ایک واقعہ ہے۔ سجدہ ایک واقعہ ہے۔ اگر ایک مومن کو نماز شروع کرتے وقت سجدہ گاہ دیکھ کر سجدہ گاہ پر سجدہ کرنے کا مقصد یاد آ جائے تو اس مٹی کو دیکھ کر وہ پانی سمجھ میں آنا چاہئے جس میں یہ مٹی گھول کر اس صورت میں لائی گئی۔ پھر اس مٹی سے کر بلا تک ذہنی رسائی قدرتی ہے۔ وہاں اُتتا پانی بھی نہ ملا جو آپ کی سجدہ گاہ بنانے میں صرف ہوا تھا اور جب بھی مومن سجدہ کرے تو اُسے حضرت علیؑ کا سجدہ اور حسینؑ کا سجدہ یقیناً یاد آئے گا۔ اُس کے تصور میں وہ تلواریں بھی آئیں گی جو ابنِ ملجم اور شمر جیسے ملاعین کے ہاتھ میں دی گئی تھیں۔ اور جس مومن کے ذہن میں یہ تصورات پیدا ہو جائیں گے اُس کا دل یقیناً رنجیدہ اور چہرہ غمزدہ ہو جائے گا۔ لہذا وہ واجب ادا ہو جائے گا جو ہر تہا تہا شخص پر فرض بتایا گیا ہے۔ اگر زیارات کو سمجھ کر پڑھ لیا جائے جو آپ روزانہ پڑھتے ہیں تب بھی منہ کا بگڑنا تو الگ، بے قرار ہو کر رونا آ جائے گا۔ کاش ہماری یہ باتیں مومنین تک پہنچ کر اُن کی سمجھ میں آجائیں۔ آمین۔

(ب)۔ دوسری وضاحت : یہ یاد رکھیں کہ قرأت کرنے، تلاوت کرنے اور انشاء کرنے میں بڑا فرق ہے۔ تفصیل تو ہماری کتاب میں ملے گی۔ یہاں یہ سمجھ لیں کہ۔ نَشَد، یَنْشُد اور اِنْشَاد و تَنْشِید کے معنی کسی مفید بات کو کسی اچھے معاملہ کو یا کسی سبق آموز قصے کو بلند آواز میں مفید ترین انداز سے دل کی گہرائی تک اُتار دینا ہیں۔ اس میں آواز کو نشیب و فراز سے گزارا جاتا ہے (Elevation of Voice)، آواز میں درودِ نرم بھرا جاتا ہے۔ چہرہ کے اُتار چڑھاؤ سے سننے والوں کو اس بات؛ اُس معاملہ یا سبق سے دوچار کر دیا جاتا ہے اور سُننے والوں کے دل انشاء کرنے والے کی مٹھی میں چلے جاتے ہیں۔ وہ جہاں بھی چاہے سننے والوں کو ہنساتا، رُلاتا اور حیران کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن مولانا حضرات نے جہاں اور دینی الفاظ کا ستیاناس کیا ہے وہیں اپنے باطل مقاصد کے لئے ان الفاظ کو بھی تباہ کر دیا ہے۔ اور جہاں دل چاہا استعمال کر کے حقیقی معنی کو مشکوک کر دیا ہے۔

(9)۔ مرثیہ، تلاوت یا قرأت سے اثر انگیزی کھودیتا ہے

چونکہ یزید اور اُس کی قومی حکومتوں کے مذہب میں بے حیائی اور جنسی انکسیت جائز تھی، وہاں حسین و جمیل عورتیں درباروں اور محافل میں رقص و سرود اور جذبات نوازی کرتی تھیں۔ اس لئے آل محمدؑ نے اپنے پیروؤں کو اُن سے دور رکھنے اور گناہوں سے بچانے کے لئے اُن اعمال و حرکات کو حرام قرار دیا تھا۔ اس لئے بعض شیعہ خصوصاً وہ شیعہ جو آئمہ علیہم السلام کی صحبت اور تعلیم سے زیادہ بہرہ یاب نہ تھے یہ سمجھنے لگے تھے کہ گانا ہر حال اور ہر معاملے میں حرام ہے۔ اُدھر مخالف محاذ بھی نہیں چاہتا تھا کہ گانا یا انشاد مرثیوں میں شامل ہو کر مخالفین کے خلاف زیادہ کامیاب ہو سکے۔ ایسے تصورات رکھنے والا ایک شاعر جو اعلیٰ درجے کا اثر انگیز گانے والا بھی تھا۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کے لئے حاضر ہوتا ہے اور فرمائش پر مرثیہ سناتا ہے۔ مگر مندرجہ غلط واقفیت کی بنا پر ازراہ ادب سادہ لب و لہجہ میں قرأت یا تلاوت شروع کرتا ہے تو امام علیہ السلام اُسے منع فرماتے ہیں کہ مجھے یہ تلاوت و قرأت پسند نہیں بلکہ جیسے تم عام محفلوں میں جلسوں میں بے تکلف گاتے ہو اور لوگوں کی توجہات و جذبات کو مرکوز کر لیتے ہو، اس طرح غم حسینؑ میں مرثیہ سنناؤ۔ تب اُس شاعر کی ہمت بلند ہوئی، اصل مسئلہ سمجھا اور پھر مرثیہ سنایا۔ یہ سارا واقعہ اُن ہی کی زبان میں علما نے لکھا ہے کتابوں میں موجود ہے۔ اس کے باوجود سرکاری قسم کے مقدس لوگ منکر ہیں اور نہیں چاہتے کہ مرثیہ اور نوحہ انقلاب پیدا کر دے، واقعہ سنئے:-

وروی ابن قولویہ فی الکامل عن الی ہارون المکفوف قال دخلت علی ابی عبد اللہ علیہ السلام

فقال لی انشدنی فانشدتہ۔ فقال لا۔ کما تنشدون و کما ترثیہ عند قبرہ فانشدتہ۔

أَمَرُ عَلِيٍّ جَدُّ الْحُسَيْنِ وَأَقْلَ لَا عَظْمَةَ الزَّكِيَّةِ

قال فلما بکی امسکت انا فقال مُرْفَمَرَزْتُ۔ ثم قال زدنی۔ فانشدتہ۔

یا مریمُ قُومِیْ وَانْدَبِیْ مَوْلَاکِ وَعَلَى الْحُسَيْنِ فَاسْعُدِیْ بِبُکَاکِ

فبکی وتهاجج النساء فلما سکتن قال لی یا ہارون من انشد فی الحسین فابکی عشرة فله الجنة ثم جعل ینقص واحدا

واحدا حتی بلغ الواحد فقال من انشد فی الحسین فابکی واحد فله الجنة۔ ثم قال من ذکرہ فبکی فله الجنة (اتقان اللام)

اور ابن قولویہ نے اپنی کتاب الکامل میں ابوہارون مکتوف سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں امام جعفر صادق علیہ

السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ تم امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ پڑھ کر سنناؤ۔ چنانچہ میں نے سادہ طریقہ پر پڑھنا شروع کیا تو فرمایا کہ یوں نہیں۔ مجھے اُس طریقے پر سنناؤ جیسا کہ تم اہل فن لوگ عام طور پر پڑھا کرتے ہو یا جیسے تو امام حسینؑ کی قبر پر میری عدم موجودگی میں آزادی سے پڑھا کرتا ہے۔ اُس طرح پڑھو۔ چنانچہ اسی طریقے سے پڑھا اور جناب سید حمیری کے مرثیہ کا پہلا شعر سنایا۔

”جب امام مظلومؑ کی قبر پر میرا گزر ہوا تو میں نے اُن کی عظمت و جلال کی بنا پر ایک پیر پر کھڑے ہو کر تعظیم کی۔“

امامؑ پر گریہ طاری ہوا۔ جب حضورؑ بلند آواز سے رونے لگے اور میں نے دیکھا کہ میری آواز نہ سن سکیں گے تو میں خاموش ہو گیا۔ جب حضورؑ ذرا سنبھلے تو فرمایا کہ مرثیہ میں آگے بڑھو۔ میں نے مرثیہ بڑھایا۔ پھر فرمایا اور زیادہ پڑھو تو میں نے یہ شعر پڑھا کہ:-

”اے مریم اٹھو اور اپنے آقا و مولّا کے مصائب پر پین کرو۔ اور غم حسین علیہ السلام پر گریہ وزاری کے لئے مستعد ہو جاؤ۔“ حضور بھی رورہے تھے اور اندراہل حرم خواتین میں تو بڑی بے قراری اور گریہ وزاری کا ہنگامہ برپا تھا۔ جب خواتین کا رونا بند ہوا تو فرمایا کہ اے ابوہارون جو کوئی حسین علیہ السلام کا مرثیہ اسی انداز میں پڑھے اور دس مومنین کو رلا دے تو اس کے لئے جنت لازم ہوگئی۔ پھر آپ نے ایک ایک کی تعداد کم کر کے (2,3,4,5,6,7,8,9) یہی اجر سنایا۔ یہاں تک کہ فرمایا کہ جو کوئی اسی طرح مرثیہ پڑھے اور غم مظلوم میں ایک مومن کو رلا دے اُس پر بھی جنت واجب ہوگئی اور جو کوئی امام مظلوم کا سادہ طور پر ذکر کرے اور روئے تو اُس کے لئے بھی جنت ہے۔“ ظاہر ہے کہ سادہ ذکر سے اثر اور گریہ کم ہونا قدرتی امر ہے۔

مومنین نوٹ کریں کہ ابوہارون کے ساتھ ساتھ اصلی شاعر کو مرثیہ تیار کرنے کا ثواب بھی ملتا رہے گا۔ یعنی مرثیہ لکھنا ایک ایسا مستقل اور مستحکم نیک کام ہے کہ اُس سے قیامت تک مومنین جنت کے حق دار بنتے چلے جائیں گے اور خود شاعر کو تمام پڑھنے والوں کے ساتھ ساتھ الگ سے جنت اور لا انتہا ثواب ملتا رہے گا۔

(10)۔ مرثیہ کو فنی اثر انگیزی سے پڑھنا ملائکہ کو مجلس میں اتار لیتا ہے

آپ جانتے ہیں کہ جناب داؤد علیہ السلام جس لُحْن و ترنّم سے اللہ کی حمد و ثنا و نظم کرتے تھے، اُسے سُننے اور حضرت داؤد کے ساتھ مل کر اللہ کے گیت گانے کے لئے چرند و پرند جتنی کہ پہاڑ تک اللہ کی طرف سے مامور تھے (انبیاء 21/79، سبا 4/10، ص 38/18-19) اور حضرت داؤد کی زبور میں بڑا حصہ نظم میں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کو صاحب المزامیر (تمام موسیقی کے آلات اور سازوں کے موجد) فرمایا ہے۔ اور زبور میں آج تک بھی ایک سو پچاس مزامیر یعنی حمد خداوندی کے گیت ہیں (الکتاب المقدس صفحہ 54 تا 164 جلد دوم۔ المطبعة الكاثولیکیّة بیروت)۔ قدیم و جدید عربی زبان میں کتاب کو ”سفر“ بھی کہا جاتا ہے۔ اور اسی لئے اُن حضرات علیہم السلام کو سفرة بھی کہا گیا ہے جو بیت النبوة میں ہر وقت قدیم و جدید الہامات خداوندی کو تحریری کتاب کی صورت میں لکھتے رہتے تھے (فی صُحُفٍ مُّكْرَمَةٍ ۝ مَرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝ عیس 80/13-16)۔ چنانچہ زبور کا ایک معنوی نام ”سفر المزامیر“ ہے (گیتوں کی کتاب)۔ اس کتاب کے شروع میں کتاب کا مقصد وغیرہ بتاتے ہوئے یہ عبارت لکھی ہے کہ:-

”لَا بُدَّ لِلصَّلَاةِ ، وَخَاصَّةً الصَّلَاةِ الْعُمُومِيَّةِ ، إِذَا تَفَتَّحَتْ مِنْ أَنْ تَصْبِحَ أَحْيَا نَاغِيَاءَ ، نَشِيدًا تَرَأَفَقَهُ عِنْدَ الْحَاجَةِ آلَاتِ الْمَوْسِيقَى..... فلهذا السفر هو مجموعة اصبحت عاجلاً او اجلاً رسميّة، مجموعة اناشيد اقبلها اسرائيل وكثرا استعمالها في رتب الهيكل واجتماعات دينية اخرى۔“ (ایضاً صفحہ 52)

”اس عبارت کا لب لباب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اس کتاب کے تمام گیت نماز کے افتتاح میں ضروری و لازمی ہیں۔ اور اگر ضروری ہو تو ویسے بھی موسیقی کے آلات کی مدد سے مجالس و محافل میں بطور عبادت گائے (نشید، انشاد، اناشید) جاسکتے ہیں۔ اور بنی اسرائیل نے دینی اجتماعات میں ان گیتوں کو کثرت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔“

ہم نے یہ سب کچھ اسلئے آپ کے سامنے رکھ دیا کہ قدیم الہامی کتابیں اور قرآن کریم نیز منج البلاغہ کی سند سے مرثیہ اور فضائل اور حمد خداوندی نظم میں ترنم کے ساتھ گائی جاتی رہی ہے۔ اور ایسے گانے کو حرام کہنے والوں کے پاس خود ساختہ تصورات کے سوا کوئی قدیم وجدید دلیل نہیں ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ لفظ زمر کے معنی تمام لغات میں آلات موسیقی میں سے وہ آلہ ملیں گے جس میں پھونک مار کر بجایا جاتا ہے (نفیری، الغوزہ، بٹن وغیرہ)۔ قیامت کے دن صورت کو پھونک مار کر بجایا جائے گا (الزمر 39/68-73)۔ پہلی آواز یاسر یازمر سے مخصوص بندوں کے سوا سب مرجائیں گے، غش کر جائیں گے۔ دوسری آواز یاسر یازمر سے تمام گزشتہ موجودہ مخلوق حساب کے لئے زندہ ہو جائے گی۔ تمام انبیاء اور امتوں کے گواہ علیہم السلام حاضر ہو جائیں گے۔ زمین کا مرنے والا رب حساب کے لئے جلوہ فرما ہوگا تو یہ دنیا تو اسے جگمگا اٹھے گی۔ ساری کائنات کے ریکارڈ کی کتاب سامنے کھل جائے گی۔ حساب کے بعد ایک آواز یاسر والے لوگ جہنم میں اور دوسری سُر والے لوگ جنت میں چلے جائیں گے۔ یہ ہے وہ قصہ اور باجا (صور) جس کے سُر والے اور تاثیر کی وجہ سے سورۃ الزمر نام رکھا گیا اور یہ ز۔م۔ر وہ بنیاد ہے جس سے زمزمار و مزامیر و زمزمور اور صاحب مزامیر بنتے ہیں۔ اور حضرت علی علیہ السلام بھی حضرت داؤد کو اس لقب سے یاد کرتے ہیں۔ لہذا حمد خداوندی یا فضائل محمد و آل محمد کے گیت گانا واجب ہے اور خصوصاً جناب سید الشہد اعلیہ السلام کے مرثیہ کو ترنم سے پڑھنا مندرجہ بالا حساب کتاب سے بری الذمہ کر کے جنتی بنا دیتا ہے۔ اب روایت سنئے اور ملائکہ کی مجلس حسینؑ میں شرکت ملاحظہ فرمائیے۔

وَرَوَى الْكَشَى فِي كِتَابِ الرِّجَالِ بِسَنَدِهِ عَنْ زَيْدِ الشَّهَامِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ وَنَحْنُ جَمَاعَةٌ مِنَ الْكُوفِيِّينَ فَدَخَلَ جَعْفَرُ بْنُ عَفَّانَ عَلَى أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَرَّبَهُ وَأَذَنَاهُ ثُمَّ قَالَ يَا جَعْفَرُ؟ قَالَ لَبَّيْكَ جَعْلَنِي اللَّهُ فِدَاكَ - قَالَ بَلَّغْنِي أَنَّكَ تَقُولُ الشَّعْرَ فِي الْحُسَيْنِ وَتَجِيدُ؟ فَقَالَ لَهُ نَعَمْ جَعْلَنِي اللَّهُ فِدَاكَ - قَالَ قُلْ - فَاَنْشَدَهُ فَبَكَى وَمَنْ حَوْلَهُ حَتَّى صَارَتِ الدَّمُوعُ عَلَى وَجْهِهِ وَلَحِيَّتِهِ - ثُمَّ قَالَ يَا جَعْفَرُ وَاللَّهِ لَقَدْ شَهِدْتُ مَلَائِكَةَ اللَّهِ الْمُقَرَّبِينَ هَاهُنَا يَسْمَعُونَ قَوْلَكَ فِي الْحُسَيْنِ وَلَقَدْ بَكَوْا كَمَا بَكِينَا وَكَثُرَ وَلَقَدْ أَوْجَبَ اللَّهُ تَعَالَى لَكَ يَا جَعْفَرُ فِي سَاعَتِكَ الْجَنَّةَ بِأَسْرَها وَغَفَرَ اللَّهُ لَكَ - فَقَالَ يَا جَعْفَرُ لَا زَيْدُكَ؟ قَالَ نَعَمْ يَا سَيِّدِي - قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ قَالَ فِي الْحُسَيْنِ شَعْرًا فَبَكَى وَابَكَى بِهِ إِلَّا أَوْجَبَ اللَّهُ لَهُ الْجَنَّةَ وَغَفَرَ لَهُ - (ايضاً اقناع اللائيم)

”جناب علامہ کشی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب الرجال میں زید شہام کی زبانی لکھا ہے کہ وہ کہتا تھا کہ ہم کوفہ کے باشندوں کی ایک جماعت جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس موجود تھی۔ جبکہ جعفر بن عفان شاعر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اُسے بالکل اپنے قریب بلا کر بٹھایا اور کہا کہ اے جعفر۔ جعفر نے جلدی سے کہا کہ جی حضور کیا حکم ہے؟ اللہ مجھے آپ پر قربان ہونے کا موقع دے۔ امام نے فرمایا کہ مجھے تمہارے متعلق یہ خبر پہنچی ہے کہ تم امام حسین علیہ السلام کے فضائل و مصائب کو اشعار میں نظم کرتے اور نئے نئے انداز میں پیش کرتے رہتے ہو؟ جعفر نے کہا کہ یہ بات صحیح ہے۔ اللہ مجھے آپ کے اوپر نثار ہونے کا موقع دے۔ امام نے فرمایا کہ اچھا کچھ سُنا دو۔ پھر جعفر نے ترنم کے ساتھ مرثیہ سنایا تو امام بھی اور تمام حاضرین بھی خوب روئے۔ یہاں تک کہ امام کے چہرے اور داڑھی کو آنسوؤں نے ترکر دیا۔ پھر امام نے فرمایا کہ اے جعفر قسم بخدا اس مجلس عزاء میں اللہ کے مقرب بارگاہ فرشتے بھی حاضر ہوئے

اور انہوں نے بھی تمہارا مرثیہ سنا اور وہ بھی ہماری ہی طرح بے قرار ہو کر روئے۔ اور یقیناً اللہ نے اُسی وقت تیرے لئے جنت کو واجب کر دیا اور ساتھ ہی تیرے تمام گناہ بخش دیئے۔ پھر فرمایا کہ اے جعفر کیا میں تجھے اس کے علاوہ جو کچھ زیادہ ہو اوہ نہ سناؤں؟ جعفر نے عرض کیا کہ اے میرے سید و سرور ضرور سنائیں۔ فرمایا کہ دیکھو کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہو سکتا جو امام حسین علیہ السلام کے حق میں کوئی شعر کہے اور خود روئے اور دوسروں کو رلا دے اور اللہ اس کو بخش نہ دے اور جنت اس پر واجب نہ کر دے۔“

(11)۔ فضائل و مصائب امام حسینؑ کے گیت اور مرثیہ پر دوسری روایت

”وَرَوَى الصَّدُوقُ فِي ثَوَابِ الْأَعْمَالِ وَابْنُ قُتُوبٍ فِي الْكَامِلِ بِسَنَدٍ يَهْمَا عَنْ أَبِي هَارُونَ الْمَكْفُوفِ قَالَ قَالَ لِي أَبُو عَبْدِ اللَّهِ يَا أَبَا هَارُونَ انشُدْنِي فِي الْحُسَيْنِ فَاَنْشُدْتَهُ - فَقَالَ لِي اَنْشُدْنِي كَمَا تَنْشُدُونَ يَعْنِي بِالرَّقَّةِ - قَالَ فَاَنْشُدْتَهُ: - أَمْرٌ عَلَى جَدِّهِ الْحُسَيْنِ (الْبَيْتِ) فَبِكِي - ثُمَّ قَالَ - زِدْنِي - فَاَنْشُدْتَهُ الْقَصِيدَةَ الْآخَرَى فَبِكِي وَسَمِعْتُ الْبِكَاءَ مِنْ خَلْفِ السِّتْرِ - فَلَمَّا فَرَغْتَ قَالَ يَا أَبَا هَارُونَ مَنْ اَنْشُدَ فِي الْحُسَيْنِ شِعْرًا فَبِكِي وَابِكِي عَشْرَةَ كُتِبَتْ لَهُمُ الْجَنَّةُ وَمَنْ اَنْشُدَ فِي الْحُسَيْنِ شِعْرًا وَابِكِي وَابِكِي خَمْسَةَ كُتِبَتْ لَهُمُ الْجَنَّةُ وَمَنْ اَنْشُدَ فِي الْحُسَيْنِ شِعْرًا فَبِكِي وَابِكِي وَاحِدًا كُتِبَتْ لَهُمَا الْجَنَّةُ وَمَنْ ذَكَرَ الْحُسَيْنَ عِنْدَهُ فَخَرَجَ مِنْ عَيْنِهِ مِنَ الدَّمْعِ مِقْدَارَ جَنَاحٍ ذَبَابٍ كَانَ ثَوَابُهُ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلَمْ يَرْضَ لَهُ بَدُونُ الْجَنَّةِ - (اَيْضًا اقْنَاعُ اللَّائِمِ)

”اور جناب صدوق رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ثواب الاعمال میں اور علامہ ابن قلوبیہ نے کتاب کامل میں ابو ہارون سے روایت کیا ہے کہ اُس نے بتایا کہ مجھ سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابو ہارون مجھے امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ سناؤ۔ میں نے مرثیہ سادہ لب و لہجہ میں سنانا شروع کیا تو فرمایا کہ مجھے اسی فی انداز میں دردا گنیز و رقت خیز طریقہ پر سناؤ جیسا کہ تم لوگ عام طور پر پڑھا کرتے ہو۔ چنانچہ میں نے یہ شعر پڑھا (یعنی وہی کچھ جو روایت نمبر 9 میں ہے)۔

أَمْرٌ عَلَى جَدِّهِ الْحُسَيْنِ - وَأَقْلُّ لِعَظَمَةِ الزَّكِيَّةِ - اِمَامٌ نَافِلٌ فِي شَعْرِ بَرِّكَ يَفْرَمَا - پھر فرمایا کہ اور زیادہ سے زیادہ پڑھو۔ تب میں نے دوسرا قصیدہ سنایا۔ جس پر اِمَام بھی روئے اور پردہ کے پیچھے سے اہل حرم کے رونے کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ جب میں فارغ ہوا تو فرمایا کہ اے ابو ہارون جو شخص امام حسین علیہ السلام کی مصیبت پر ایک شعر اسی انداز میں پڑھے اور خود روئے اور دس مومنین کو رلائے تو اُن سب کے لئے جنت لکھی گئی۔ اور جو کوئی اسی طرح ایک شعر پڑھے اور خود روئے اور پانچ اشخاص کو رلائے اُن کے لئے بھی جنت لکھی گئی اور جو کوئی اِمَام مظلوم کی مظلومی پر اسی طرح ایک شعر پڑھے اور خود روئے اور ایک مومن کو رلا دے تو اُن دونوں کے لئے بھی جنت لکھی گئی۔ اور جس کسی کے سامنے امام حسین علیہ السلام کا تذکرہ کیا جائے اور اُس کی آنکھوں سے مکھی کے پر کے برابر آنسو نکل آئے تو اُسے ثواب دینا اللہ کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے اور اللہ اُسے جنت دیئے بغیر راضی نہیں ہوتا۔“

(الف)۔ مصنف اقناع اللائم کی طرف سے مندرجہ بالا حدیث کی تشریح

”قوله “بِالرَّقَّةِ” بكسر الراء المشددة اي بالطريقة التي تستعملونها عند الانشاد التي فيها الرقة والطلاوة والتي توجب التأثير في القلب لا مجرد التلاوة وهو المراد في رواية الاولى (نمبر 9) كما تنشدون و كما تراثيه عند قبره - ومنها مَنْ فَسَّرَ الرقة هنا بالبلدة التي على الفرات التي هي بفتح الراء -“ (اَيْضًا اقْنَاعُ اللَّائِمِ)۔

جس کتاب سے ہم یہ حوالے لکھ رہے ہیں۔ اس کتاب کا نام ”اقناع اللائم علی اقامة الماتم“ (یعنی ماتم پر ملامت کرنے والے کو مطمئن کرنے والی کتاب)۔ اس کتاب کے مصنف جناب علامہ مرحوم السید محسن الایمن الحسینی العالمی ہیں جو زبردست مورخ و محدث اور مجتہد اور بیسیوں ضخیم کتابوں کے مصنف اور بزرگ علمائے شیعہ میں سے ہیں، لکھتے ہیں کہ:-

”روایت میں لفظ ”رِقَّتْ کے ساتھ پڑھنے“ کے معنی اس طریقے سے پڑھنا یعنی انشاد کرنا ہوئے جس میں دل پکھل جاتا ہے۔ اور روحانی حُسن و لذت پیدا ہوتی ہے اور جو براہ راست قلب پر اثر انداز ہوتا ہے۔ سادہ طریقے پر الفاظ کا مُنہ سے ادا کرتے جانا نہیں جیسا کہ اسی شاعر کی پہلی روایت (نمبر 9) میں امام جعفر صادقؑ نے یہ کہہ کر واضح کیا تھا کہ ”جیسا کہ تم فنی حیثیت سے پڑھا کرتے ہو یا جیسا کہ تو امام حسینؑ کی قبر پر عموماً پڑھتا ہے (کما تنشدون وکما ترثیہ عند قبرہ)۔“

اور ایک ایسا شخص بھی ہے جس نے ”رِقَّتْ“ سے وہ بستی مراد لے کر جان چھڑالی جو دریائے فرات پر ہے اور جس کا نام رِقَّتْ نہیں بلکہ رَقَّتْ ہے“ (یعنی اُس نے زیر اور زبر کی بھی پرواہ نہیں کی ہے)۔

(ب)۔ ہماری رائے اور تجویز

ہمارے علما کو جو دقت پیش آتی ہے وہ اُن کی اپنی پیدا کردہ ہے۔ لہذا ”خود کردہ راعلا جے نیست“۔ اگر یہ حضرات قاعدے کے مطابق ہر لفظ کے بُیادی یا مصدری معنی اختیار کرتے اور الفاظ سے بازی گری کو چھوڑ دیتے تو لفظ انشاد، نشید، ناشد کے معنی میں کوئی دقت پیش نہ آتی۔ ناشد الشعر کے معنی ہی صاف ہیں۔

الشعر الذی ینشدہ القوم۔ بعضهم بعضاً وما یتَرَنَّمُ به مِنَ النثر والنظم (المختار)

”کسی عمدہ نثر یا نظم کی عبارت کو گانے یا ترنم کے ساتھ پڑھنا۔“

چونکہ یہ سب لوگ اپنے قلوب کے اندر ایک غلط تصور پال کر ترجمہ و تفسیر کرتے ہیں اس لئے قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ امام علیہ السلام جس طرح مرثیہ سُنا پسند کرتے تھے۔ وہی طریقہ تو ہماری قوم میں ایک ہزار سال سے چلا آ رہا ہے۔ سوز و گداز و درد و غم میں بھری ہوئی آواز میں ایک یا کئی آدمیوں کا مل کر پڑھنا جو مجلس کو تڑپا کر رکھ دیتا ہے۔ یہ ایک خاص طرز و طریقہ ہے جو صرف مرثیہ کے لئے مخصوص ہے۔ اس میں آلاتِ موسیقی کی احتیاج نہیں ہوتی۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جسے تحت لفظ کہا جاتا ہے۔ اور یہی دو طریقے روز اول سے چلے آ رہے ہیں۔ یہ قومی سنت آئمہ علیہم السلام کے زمانہ سے جاری رہتی چلی آ رہی ہے۔ اس پر جو شیعہ شخص اعتراض کرتا ہے وہ ہر گز شیعہ نہیں ہو سکتا۔ وہ دشمنانِ اہلبیتؑ کا ایجنٹ ہوتا ہے۔ جو ہماری قوم و مذہب میں رہنے اور تخریب کرنے کا وظیفہ پاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو ہمارے پاس بھیجنا چاہئے تاکہ اُن کی نوکری چھڑا کر انہیں پُر خلوص شیعہ بنادیا جائے۔

(12)۔ مصائب حسینؑ میں شعر کہنے والا شاعر و موسیقار و شرابی آخر دنیا ہی میں بخشا گیا

مولوی ذہنیت کو انتہائی تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے جب اُس کے سامنے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ 1: محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کی محبت اور توجہ سے ہر بڑے سے بڑا گنہگار بخشا جائے گا۔ 2: اور محمد و آل محمدؑ سے بغض و دشمنی رکھنے والا ہر نمازی و تہجد گزار و روزہ دار و حاجی

و پر ہیز گار جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ 3: اوّل الذکر کو اُن کے ایمان اور محبت محمد و آل محمد کی موجودگی میں کوئی گناہ نقصان نہ پہنچائے گا۔ 4: اور ثانی الذکر کو محمد و آل محمد سے بغض و عداوت کی موجودگی میں اُن کا ایمان باللہ و ایمان بالرسول اور عبادت کوئی فائدہ نہ پہنچائیں گے۔ حالانکہ یہ چاروں باتیں چار حدیثوں میں ہیں۔ مگر ابلیسی ذہنیت اِن کا انکار کرتی ہے اور یزید، ابن زیاد و عمر سعد اور شمر ایسے دشمنانِ انسانیت اور دشمنانِ خدا و رسول اور قاتلانِ حسین و آل رسول کو بخشوانے کے لئے محمد و آل محمد کو اللہ سے الگ کر کے اور اللہ کو قادرِ مطلق کا مسکہ لگا کے اُن کیلئے لعنت کے منکر اور دعائے مغفرت کے قائل ہیں۔ یعنی جو لوگ اُنکے خود ساختہ مذہب کی تائید میں قتلِ حسین کا گناہ کر لیں وہ تو قابلِ معافی ہیں اور جن سے حالات و فطرت کے دباؤ سے گناہ ہو جائیں وہ قابلِ معافی نہیں ہو سکتے۔ آئیے اُنکی تواضع کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کے شرابی شاعر اور گویئے کا حال سنئے۔ یہ وہی شاعر ہے جس کے دو شعر ہماری روایات (نمبر 9، 11) میں دوسرے لوگ پڑھتے اور بخشنے جاتے رہے۔ اُن کا نام السید بن محمد الحمیری تھا۔ اُن کے متعلق علامہ الشیخ ابو عمر و محمد بن عمر بن عبد العزیز الکشی (قصبہ کش جرجان) نے لکھا ہے کہ جب جناب زید بن زین العابدین قتل کر دیئے گئے تو فضیل الرسان امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:-

1- ”قُلْتُ يَا سَيِّدِي أَلَا انْشَدَكَ شِعْرًا؟ قَالَ امْهَلْ - ثُمَّ امْرُ بَسْتَوْرَ فَسِرْلَتُ وَ بَابُ ابْ فَفَتَحْتُ ثُمَّ قَالَ انْشَدْ فَانْشَدْتَهُ قَالَ سَمِعْتُ نَجِيًّا مِنْ وِراءِ السُّتُرِ قَالَ: مَنْ قَالَ هَذَا الشُّعْرُ؟ قُلْتُ السَّيِّدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْحَمِيرِيُّ - فَقَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ - فَقُلْتُ إِنِّي رَأَيْتُهُ يَشْرَبُ بِالنَّبِيذِ - فَقَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ - قُلْتُ إِنِّي رَأَيْتُهُ يَشْرَبُ النَّبِيذَ الرِّسْتَاقَ - قَالَ تَعْنِي الْخَمْرُ؟ قُلْتُ نَعَمْ - قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُغْفِرَ لِمُحِبِّ عَلَى -“

”حضور اجازت دیں تو میں آل محمد کے مصائب پر چند اشعارِ ترنم سے سناؤں؟ فرمایا ذرا ٹھہرو۔ یہ کہہ کر آپ نے مستورات کے لئے پردے پھیلانے کا حکم دیا۔ جب پردے پھیل گئے اور زنانہ ڈیوڑھی کے دروازے کھل گئے یعنی خواتین مرثیہ سننے کے لئے پردہ کے پیچھے آگئیں تو فرمایا کہ اب تم سوز و ترنم سے مرثیہ پڑھو۔ میں نے مرثیہ پڑھا (اور مذکورہ بالا شرابی سید اور شاعر کے بارہ اشعار پڑھے جو ہم نے نہیں لکھے... احسن)۔ راوی فضیل کہتا ہے کہ میں نے پردہ کے پیچھے سے آنے والی وہ بلند شور، واویلا اور چیخیں سنیں جو امام کے حرم میں بلند تھیں۔ امام نے آخر میں دریافت کیا کہ یہ اشعار کس کے تھے؟ میں نے بتایا کہ یہ السید بن محمد الحمیری کے اشعار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ اس پر اپنی رحمت نازل کرے۔ میں نے گہرا کر کہا کہ حضور اُس کے لئے رحمت کی دعا کا کیا فائدہ، میں نے خود اپنی آنکھوں سے نبیذ پیتے دیکھا ہے؟ امام نے دوبارہ رحمت خداوندی کی عادی۔ میں نے صاف صاف کہہ دینا مناسب سمجھا اور کہا کہ حضور میں نے ازراہ ادب الفاظ کو ہلکا کر دیا تھا۔ ورنہ بات یہ ہے کہ میں نے تو اُسے مارکیٹ کی بنی ہوئی نبیذ پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ امام نے فرمایا کہ تیرا مطلب یہ ہے کہ وہ قرآن کی حرام کردہ شراب پیتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی وہ نشہ میں چکنا چور کر دینے والی شراب پینے کا عادی ہے۔ آپ نے تیسری دفعہ پھر رحمت کی دعا کی اور فرمایا کہ اللہ کے لئے کیا بعید ہے کہ وہ دوستانہ اران علی کو بخش دے۔“

2- حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ مُحَمَّدُ بْنُ رَشِيدٍ الْهَرَوِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي السَّيِّدُ وَ سَمَاءُ وَ ذَكَرَ أَنَّهُ خَيْرٌ قَالَ سَأَلْتُهُ عَنْ الْخَبَرِ

الذی یروی ان السید اسودّ وجهه عند موته ؟ فقال ذلك الشعر الذی یروی له فی ذلك ماحدثنی
ابوالحسن بن ایوب المروزی قال روى أنّ السید بن محمد الشاعر اسودّ وجهه عند الموت فقال: هكذا
يفعل بأولیاکم یا امیر المؤمنین؟ قال فابیضّ وجهه كأنه القمر ليلة البدر۔ فانشاء يقول؛

”مجھ سے ابوسعید محمد بن رشید ہروی نے بیان کیا اور کہا کہ اُس سے السید نے بتایا اور اُس نے کہا کہ میں نے اُس خبر کے متعلق پوچھا جس
میں یہ روایت ہوا ہے کہ وقت موت سید بن محمد شاعر کا منہ کالا ہو گیا تھا۔ بتایا گیا کہ اس سلسلے میں سید کے چند شعر ہیں جنہیں ابوالحسن بن
ایوب مروزی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ روایت یہ ہے کہ السید بن محمد شاعر کا بوقت موت منہ کالا ہو گیا تو اُس نے حضرت علیؑ کو یاد کیا
اور بطور شکوہ کہا کہ: ”اے امیر المؤمنین کیا آپ اپنے چاہنے والوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔“

کہا گیا ہے کہ یہ کہتے ہی سید کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح دکھنے لگا۔ اور اُس نے فوراً حضرت علیؑ کی شان میں یہ اشعار بنا ڈالے؛

أَحَبُّ الدِّينِ مَنْ مَاتَ مِنْ أَهْلِ وَدَّهِ تَلَقَّاهُ بِالْبُشْرَى لَدَى الْمَوْتِ يَضْحَكُ

میں اُس ذات پاک سے محبت کرتا ہوں کہ جس کے چاہنے والا جب مرتا ہے

تو اُس کو اپنی زیارت کرائے ہیں، بشارت دیتے ہیں اور وہ دوستدار علیؑ بنتا ہے۔

وَمَنْ مَاتَ يَهُوًى غَيْرَهُ مِنْ عَدُوِّهِ فَلَيْسَ لَهُ إِلَّا إِلَى النَّارِ مَسْلُكُ

اور جو کوئی بھی اُن کے دشمنوں کا دلدادہ ہوتا ہے تو مرنے کے وقت

اُس کو اور کچھ نہیں بس جہنم کا راستہ دکھا کر جہنم وصل کر دیا جاتا ہے۔

أَبَا حَسَنٍ أَفَدَيْكَ نَفْسِي وَاسْرَتِي وَمَالِي وَمَا أَصْبَحْتُ فِي الْأَرْضِ أَمْلِكُ

اے امام حسنؑ کے والد میں تم پر اپنی جان اور اپنا کنبہ قربان کرتا ہوں۔

اور سب کچھ آپ پر نثار کرتا ہوں جو اس دنیا میں میری ملکیت میں ہے۔

أَبَا حَسَنٍ إِنِّي بِفَضْلِكَ عَارِفٌ وَإِنِّي بِحَبْلِ مِنْ هَوَاكَ لِمَمْسُكُ

اے حسنؑ کے والد میں یقیناً آپ کے مقام بلند اور فضل و کرم کی معرفت رکھتا ہوں

اور میں تو آپ کی پسندیدہ محبت کے سہارے کو تھامے ہوئے ہوں۔

وَأَنْتَ وَصِيَّ الْمُصْطَفَى وَابْنُ عَمَّةٍ فَنَانَا نَعَادِي مَبْغُضِيكَ وَنَتْرُكُ

آپ اپنے چچا زاد بھائی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی ہیں اور میں نے آپ کے دشمنوں

اور آپ سے بغض رکھنے والوں سے دشمنی اور علیحدگی اختیار کی ہوئی ہے۔

مَوَالِيكَ نَاجٍ مُؤْمِنٍ بَيْنَ الْهَدَى وَقَالِيكَ مَعْرُوفِ الضَّلَالَةِ مُشْرِكُ

میں جانتا ہوں کہ آپ کے موالی نجات یافتہ اور ہدایت یافتہ ہیں۔

اور آپ کو تو ملی حیثیت سے برائے نام ماننے والے جانے پہچانے گمراہ اور مشرک ہیں۔“

3- ”وحدثنی نصر بن الصباح قال حدثنا احمد بن محمد بن عیسیٰ عن عبدالرحمن بن ابی نجران عن عبد اللہ بن بکیر عن محمد بن النعمان۔ قال دخلتُ علی السید بن محمد الحمیری وهو لمابه قداسود وجهه وازرقت عیناه وعطش کبدہ وسلب الکلام وهو یومئذ یقول لمحمد بن الحنفیة وهو من حشمه وکان ممّن یشرّب المسکر فجئت وکان قدّم ابو عبد اللہ علیہ السلام الکوفة لانه کان انصرف من عند ابی جعفر المنصور فدخلت علی ابی عبد اللہ علیہ السلام فقلت جعلت فداک انی فارقت السید بن محمد الحمیری لمابه قداسود وجهه وازرقت عیناه وعطش کبدہ وسلب الکلام فانه کان یشرّب المسکر۔ فقال ابو عبد اللہ علیہ السلام اسرجوا جماری فاسرج له فربک ومضى ومضیت معه حتی دخلنا علی السید وأن جماعۃ محدقون به فجلس ابو عبد اللہ عند راسه وقال یاسید؟ ففتح عینه ینظر الی ابی عبد اللہ علیہ السلام ولا یمكنه الکلام وقداسود وجهه فجعل ینکی وعینہ الی ابی عبد اللہ علیہ السلام ولا یمكنه الکلام۔ وانا کنتین منه انه یرید الکلام ولا یمكنه قرأنا اباعبد اللہ علیہ السلام حرک شفّیه فطق السید فقال جعلنی اللہ فداک ابا ولیاک یفعل هذا؟ فقال ابو عبد اللہ علیہ السلام یاسید قل بالحق یکشف اللہ ما یرک ویرحمک ویدخلک جنة الّٰہی وعدا لیاہ۔ فقال فی ذلک تجعفرت بسم اللہ واللہ اکبر وأیقنت أنّ اللہ یغفو ویغفر فلم یرح ابو عبد اللہ علیہ السلام لقی السید بن محمد الحمیری فقال سمتک اُمک سیداً ووفقت فی ذلک وانت سید الشعرا ثم انشد السید فی ذلک۔“

”اور مجھ سے نصر بن صباح نے بیان کیا اور کہا کہ اُن سے احمد بن محمد بن عیسیٰ نے اور اُن سے عبدالرحمن بن ابی نجران نے اور اُن سے عبد اللہ بن بکیر نے اور اُن سے محمد بن النعمان نے کہا کہ میں السید بن محمد الحمیری کے پاس گیا اور وہاں دیکھا کہ اس کا منہ کالا ہو گیا ہے اور آنکھیں نیلی پڑ گئی ہیں اور اُس کا جگر کباب ہو رہا ہے اور زبان گنگ ہو کر رہ گئی ہے۔ اور وہ اس سلسلے میں محمد بن حنفیہ کے حلقے سے تعلق رکھتا تھا اور خوب شراب خوری کیا کرتا تھا۔ میں وہاں سے واپس آیا اور اُن ہی دنوں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام میرے پاس ٹھہرے ہوئے تھے اور اُسی وقت خلیفہ عباسی ابو جعفر منصور کے پاس سے ملاقات کے بعد واپس آئے تھے۔ میں پہنچا تو میں نے اُن سے بتایا کہ سید بن محمد حمیری کے پاس سے ابھی ابھی آیا ہوں۔ اُس کا منہ اللہ نے کالا کر دیا ہے، اُس کی آنکھیں نیلی ہو گئی ہیں، اُس کا جگر جل رہا ہے اور اللہ نے اُس کی قوت گویائی چھین لی ہے۔ اور یہ شراب خوری کی سزا ہے جو اُسے ملی ہے۔ یہ سنتے ہی امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ میری سواری پر زین کسو۔ میں نے سواری تیار کر دی۔ آپ سوار ہو کر سید کی طرف چلے، میں بھی ہمراہ چلا گیا۔ وہاں دیکھا ایک جماعت اُسے گھیرے بیٹھی ہے۔ بہر حال جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سید کے سر ہانے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اے سید۔ یہ سُن کر سید نے آنکھیں تو کھول لیں اور امام کی طرف دیکھا بھی مگر بولنے کی طاقت نہ تھی۔ اور اپنے کالے منہ کے ساتھ رونا شروع کیا اور نظریں امام کے چہرہ پر جمائے رکھیں۔ لیکن بات کرنا اور بولنا اُس کے لئے ممکن نہ تھا اور میں بڑے واضح انداز میں یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ امام سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ مگر آواز پر قدرت نہیں رکھتا۔ ہم سب نے امام کو دیکھا کہ اُن کے ہونٹوں نے حرکت کی تو فوراً سید کے منہ سے نکلا کہ اللہ مجھے آپ پر نثار ہونے کا موقع دے یہ فرمائیے کہ کیا آپ حضرات کے چاہنے والوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے سید یہ جملہ منہ سے کہو کہ ”اللہ بحق محمد وآل محمد تمہارا خراب حال درست کرے گا اور تم پر رحم کرے گا اور تمہیں جنت کا حق دار بنائے گا۔“

جس جنت کا وعدہ اُس نے اپنے چاہنے والوں کے لئے کیا ہوا ہے۔“ سید نے اس سلسلے میں کہا کہ اے اللہ میں تجھے جعفرؑ کا واسطہ دیتا ہوں اور تیرے ہی نام سے ابتدا کر کے تجھے اللہ اکبر سمجھتا ہوں۔ راوی نے کہا کہ اُس وقت مجھے آنکھوں دیکھا یقین آ گیا کہ واقعی اللہ محمدؐ و آل محمدؐ کے لئے درگزر کرتا ہے اور مغفرت فرمادیتا ہے اور ابھی امامؑ روانہ نہ ہوئے تھے کہ سید بن محمد حیرى تندرست و توانا ہو گیا اور امامؑ نے فرمایا کہ تیری ماں نے تیرا نام بہت ہی درستی سے ”سید“ رکھا تھا۔ لہذا تو شاعروں کا سردار (سید الشعراء) ہے۔ پھر سید نے ایک اور قصیدہ تیار کیا۔ (رجال کشی صفحہ 184 وغیرہ)

(37/5)۔ مصائب محمدؐ و آل محمدؐ میں ہم سوگواروں کا مقام؟

(1)۔ غمگین ہونے اور رونے کی جزا اور ثواب

پہلی حدیث: فی محاسن البرقی مسنداً عن فضیل بن یسار عن الصادق علیہ السلام قال من ذکرنا عنده ففاضت عيناه ولو مثل جناح الذباب غفر الله ذنوبه ولو كانت مثل زبد البحر۔

کتاب محاسن برقی میں فضیل بن یسار نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ جس کے رو برو ہمارا ذکر کیا جائے اگر اُس کی آنکھوں میں آنسو آجائیں۔ خواہ آنسو کبھی کے پر کے برابر کیوں نہ ہو۔ اللہ اُس کے تمام گناہ بخش دے گا۔ خواہ اُس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (یعنی سمندر جتنا جھاگ پیدا کر سکے گا)۔

دوسری حدیث: فی خبر ابی ہارون المکفوف عن الصادق علیہ السلام فی حدیث ومن ذکر الحسینؑ

عنده فخرج من عينيه من الدموع مقدار جناح ذباب كان ثوابه على الله ولم ير ض له بدون الجنة۔

امام جعفر صادق علیہ السلام ہی نے فرمایا کہ جس کے سامنے حسین علیہ السلام کا ذکر کیا جائے اور اُس کی آنکھوں سے مکھی کے پر کے برابر آنسو نکل آئے تو اُس کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے۔ اور اُس شخص کو جنت دینے کے سوا اللہ خوش نہ ہوگا۔ (یعنی کم ثواب نہ دیگا)۔

تیسری حدیث: عن علی بن الحسین علیہما السلام من قطرت عيناه او دمطت عيناه بواہ الله بهافي الجنة غرقاً يسكنها احقاباً۔

امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ جس کی آنکھوں سے قطرے ٹپکیں یا آنسو ٹپکیں اللہ اُس سے جنت کے چوبارہ میں ہمیشہ کیلئے آباد کریگا۔

چوتھی حدیث: عن الصادق فی حدیث طویل يذكر فيه حال الحسينؑ والله لينظر الى من يبكيه فيستغفر له ويسئل اباه الاستغفار له

ويقول له يا ايها الباكي لو علمت ما عذ الله لك لفرحت اكثر مما حزنك والله يستغفر له من كل ذنب وخطيئة۔

امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ امام حسینؑ کے غم میں جو کوئی روتا ہے تو امام حسینؑ اُسے دیکھتے ہیں اور اُس کیلئے بخشش مانگتے ہیں اور اپنے والد علیؑ سے بخشش مانگنے کیلئے کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے میرے مصائب اور غم میں رونے والے اگر تجھے یہ علم ہوتا کہ اللہ نے تیرے لئے کیا کیا نعمتیں تیار کر رکھی ہیں؟ تو تو اپنے غم ورنج کے مقابلہ میں زیادہ مسرت و خوشی حاصل کرتا اور یقیناً وہ اسکی ہر خطا اور غلطی معاف کریگا

پانچویں حدیث: عن الباقر عليه السلام قال ايما مومن دمع عينا لقتل الحسين دمة حتى

تسيل على خده بواہ الله بهافي الجنة غرقاً يسكنها احقاباً۔

محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کوئی بھی مومن جس کی آنکھوں سے شہادتِ حسینؑ پر آنسو نکلیں اور ایک آنسو بھی گال پر بہہ جائے تو اللہ اسے جنت کے چوبارہ میں ہمیشہ کے لئے آباد کرے گا۔

چھٹی حدیث: عن الصادق قال من ذكرنا عنده ففاضت عيناه حرم الله وجهه على النار۔

جعفر صادق نے فرمایا کہ جس کے روبرو ہمارا ذکر ہو اور اس کی آنکھیں بھیگ جائیں تو اللہ اسکے اوپر جہنم کو حرام کر دے گا۔

ساتویں حدیث: عن ابی جعفر انه قال ليس من عبد يذكر عنده اهل البيت فيرق لذكرنا الا مسحت الملائكة ظهره

و غفر له ذنوبه كلها الا ان يجنى بذنب يخرجه عن الايمان۔

محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی ایسا بندہ نہیں جسکے سامنے اہلبیتؑ کا ذکر کیا جائے اور اُس پر رقت طاری ہو جائے تو ملائکہ اُسے شاباش نہ دیں اور اسکے تمام گناہ بخشے نہ جائیں۔ البتہ ایسے بندے کے گناہ نہیں بخشے جائیں گے جو ایسا گناہ بھی لے کر آئے جس نے اُسے ایمان سے خارج کر دیا ہو۔ مثلاً محصوین علیہم السلام سے عداوت یا بغض رکھتا ہو۔ (جیسے یزید وغیرہ کا رونا)۔

آٹھویں حدیث: وقال في الملهوف وعن آل رسول انهم قالوا من بكى وابكى فينا مائة فله الجنة ومن بكى وابكى خمسين فله الجنة ومن بكى وابكى ثلاثين فله الجنة ومن بكى وابكى عشرة فله الجنة ومن بكى وابكى واحدا فله الجنة ومن تبكى فله الجنة كتاب ملهوف میں اہل بیت رسولؐ کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو کوئی ہم پر ایک سو (100) مرتبہ روئے اور رُلّائے اس کے لئے جنت ہے۔ جو پچاس (50) دفعہ روئے اور رُلّائے اور اس کے لئے بھی جنت ہے۔ اور جو تیس (30) بار روئے اور رُلّائے اس کے لئے بھی جنت ہے۔ جو دس (10) دفعہ روئے اور رُلّائے اُس کے لئے بھی جنت ہے۔ اور جو صرف ایک بار روئے اور رُلّائے اس کے لئے بھی جنت ہے۔ اور رونے کی سی صورت بنائے اُس کے لئے بھی جنت ہے۔

نوٹ: یاد رہے کہ جو پیدائشی مومنین ہوتے ہیں اور عمر رسیدہ ہوتے ہیں یا کوئی نیا دنیاوی صدمہ دامن گیر رکھنے والے مومنین ہوتے ہیں، انہیں محمد و آل محمد علیہم السلام کے حالات سننے کا زیادہ موقع ملا ہوتا ہے۔ اُنکے قلوب غمِ اہلبیتؑ سے بھرے رہتے ہیں اور ذرا سے اشارے پر آنسو بہنے لگتے ہیں بلکہ وہ محض فضائلِ سُن کر بے قرار ہو جاتے ہیں۔ اور وہ نواورد مومنین یا اہلسنت کے صالح حضرات یا نوجوان حضرات جن کو حالات پر کم اطلاع ہوتی ہے اُنکے قلوب پر دیر میں اثر ہوتا ہے۔ اس لئے یہ تعداد فطرت کے مطابق ہے۔ اور جہاں یہ اندیشہ ہو کہ روتا دیکھ کر لوگ مجھے ستائیں گے وہاں رونے ایسا منہ بنانا یا بن جانا بھی خطرہ سے خالی نہ ہوگا۔ خطرہ مول لینے والے کو یقیناً جنت ملنا چاہئے۔

نویں حدیث: وعن المنتخب روى عن الصادق عليه السلام انه كان اذا هلّ هلال عاشوراء اشتدّ حزنه وعظم بكائه على مصائب جده الحسين والناس ياتون عليه من كلّ جانب ومكان يعزّونه به الحسين وينوحون معه على مصاب الحسين فاذا فرغوا من البكاء يقول لهم أيها الناس اعلموا ان الحسين حيّ عند ربّه يرزق حيث يشاء وهو دائماً ينظر الى موضع معسكره مصرعه ومن حلّ فيه من الشهداء وينظر الى زوّاره والباكين عليه والمقيمين العزاء عليه وهو اعرف بهم وباسمائهم واسماء آبائهم وبدرجاتهم ومنازلهم في الجنة والله ليرامن يبكى عليه فيستغفر له ويسئل جده واباه وأمه واخاه ان يستغفر والباكين على مصابه والمقيمين

عزائہ ویقول لویعلم زائری والباکی علیٰ مالہ من اجرٍ عند اللہ لکان فرحہ اکثر من جزعہ وأن زائری والباکی علیٰ لینقلب الی اہلہ مسروراً وما یقوم من مجلسہ إلا وما علیہ ذنب و صار کیوم ولدتہ امہ ۔

کتاب منتخب میں امام جعفر صادق کے متعلق لکھا ہے کہ جیسے ہی محرم کا چاند نظر آتا اُن کا غم و الم و مصائب حسینؑ میں حد کو پہنچ جاتے تھے۔ ہر طرف سے مؤمنین آتے اور اُن کو امام مظلوم کا پرسہ دیتے اور اُن کے ساتھ مل کر نوحہ پڑھتے اور اُن مظالم پر گریہ و زاری کرتے جو کر بلا میں ہوئے۔ اور جب مجلس ختم ہوتی اور رونا بند ہو جاتا تو امام جعفر صادق تمام عزاداروں کو بتاتے تھے کہ دیکھو حسینؑ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور جہاں چاہیں رزق پاتے ہیں۔ اور وہ اپنی قتل گاہ اور خیام کو نظروں میں رکھتے ہیں۔ اور اُن سب شہدا کو بھی نگاہ سے اوجھل نہیں ہونے دیتے جو کر بلا میں شہید ہوئے۔ اور ہر زیارت کر نیوالے اور رونے والے کو بھی دیکھتے ہیں۔ اور عزاداری کرنے والوں کو بھی دیکھتے رہتے ہیں۔ اور وہ اُن سے واقف ہیں۔ اُنکے اور اُن کے آبا و اجداد کے نام بھی جانتے ہیں۔ اور جنت میں جو اُن لوگوں کے درجات اور مکانات ہیں اُن پر بھی مطلع ہیں۔ اور اپنی زیارت کرنے والوں اور اپنے غم میں رونے والوں کو بھی ہر وقت دیکھتے رہتے ہیں۔ اور اُن کے لئے بخشش و نجات طلب کرتے ہیں اور اپنے نانا رسول اللہ اور اپنے بابا علیؑ سے اور اپنی والدہ فاطمہؑ زہراء سے اور اپنے بھائی حسنؑ مجتبیٰ سے بھی کہتے ہیں کہ عزاداروں اور زائرین کی مغفرت اللہ سے طلب کریں۔ اور فرماتے ہیں کہ اگر میرے زائرین اور سوغواروں کو پہلے ہی یہ معلوم ہو جاتا کہ اُن کیلئے کیسے کیسے اجر و ثواب مقرر ہیں تو انہیں ان کے غم سے زیادہ خوشی ہوا کرتی۔ اور یہ بھی کہ میرے زائرین اور عزادار قیامت کے روز اپنے اہل و عیال کے پاس مسرور اور ہشاش بشاش پلٹیں گے۔ اور وہ حضرات ابھی مجلس عزا سے اٹھنے بھی نہیں پاتے کہ اُنکے اوپر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا اور وہ ویسے ہی ہو جاتے ہیں جیسے اُس روز تھے جس دن اُن کی ماں نے انہیں جنم دیا تھا۔

دسویں حدیث: عن الباقر علیہ السلام قال کان علی بن الحسین یقول اَیُّما مومن ذمعت عیناہ لقتل الحسین حتی تسیل علی خدہ بواہ اللہ بہا غرقاً یسکنہا احقبا و اَیُّما مومن ذمعت عیناہ حتی تسیل علی خدہ فیما مَسَّنَا من الادی من عدونا فی الدنیا بواہ اللہ مَبُوءٌ صدق۔ و اَیُّما مومن مَسَّه اَذی فذمعت عیناہ حتی تسیل علی خدہ من مضاضة ما وادی فینا صرف اللہ عن وجہہ الادی و اَمَنَہ یوم القیمۃ من سخطہ و النار۔ محمد باقر نے فرمایا کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ جس کسی مومن کی آنکھوں سے قتل امام مظلوم پر آنسو نکل کر گالوں پر بہہ جائے اسکو اللہ جنت میں دو منزلے مکان میں بسائے گا۔ اور جس مومن کی آنکھیں اسلئے آنسو بہائیں کہ ہمیں ہمارے دشمنوں کی طرف سے دنیا میں ایذا و تکلیف پہنچی تو اللہ اُسے حق و صداقت سے لبریز ٹھکانا عطا کرے گا۔ اور جس کسی مومن کی آنکھیں اس لئے آنسو بہائیں کہ اُسے ہمارے دکھ درد میں شریک رہنے کی بنا پر ایذا دی جائے یا ہم سے وابستگی کی بنا پر ستایا جاتا ہے تو قیامت کے روز اللہ اُسے ہر تکلیف سے محفوظ اور امن و سلامتی میں داخل کرے گا۔ اپنے غصہ اور جہنم سے دُور رکھے گا۔

دس: الف۔ قال الرضا علیہ السلام من تذکر مصابنا فبکی و ابکی؛ لم تبکی عینہ یوم تبکی العیون۔ الخ

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی ہم پر گزرنے والے حالات بیان کر کے روئے اور دوسروں کو رُلائے گا اُس کی آنکھیں اُس دن نہ روئیں گی جس روز ہر آنکھ کو رونا پڑے گا۔

گیا رھویں حدیث: عن الرضا عليه السلام انه قال يابن شبيب ان كنت باكيًا لشيئ فابك للحسين - الى ان قال يابن شبيب ان بكيت على الحسين حتى تصير دموعك على خديك غفر الله لك كل ذنب اذنبته صغيرًا كان أو كبيرًا؛ قليلًا كان أو كثيرًا؛ يابن شبيب ان سرك ان تلقى الله عز وجل ولا ذنب عليك فزر الحسين - يابن شبيب ان سرك ان تسكن الغرف المبنية في الجنة مع النبي فالعن قتلة الحسين - يابن شبيب ان سرك ان يكون لك من الثواب مثل ما لمن استشهد مع الحسين عليه السلام فقل مني ذكرته: ”يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا“ - يابن شبيب ان سرك ان تكون معًا في درجات العلى من الجنان فاحزن لحزننا وافرح لفرحنا وعلبك بالولايتنا فلو ان رجلاً أحب حجرًا لحشره الله معه يوم القيامة۔ (صفحہ 40)

”امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اے شیب کے بیٹے اگر تجھے کسی چیز پر رونا ہو تو حسین علیہ السلام کی مظلومی پر رونا کر اور اگر تو ان پر روئے اور آنسو تیرے گالوں پر بہنے لگیں تو اللہ تیرے تمام گناہ بخش دے گا خواہ تو نے چھوٹے گناہ کئے ہوں یا گناہان کبیرہ کا مرتکب ہوا ہو۔ خواہ تیرے گناہ کم ہوں یا زیادہ ہوں۔ اور اگر تجھے یہ صورت حال خوش کرتی ہو کہ تو خدا سے اس حال میں ملے کہ تجھ پر کوئی گناہ نہ ہو تو حسین سے وابستہ ہو جا۔ اور اگر تجھے یہ پسند ہو کہ اللہ تجھے ان چوباروں میں آباد کرے جو اُس نے جنت میں بنائے ہیں؟ اور یہ کہ تجھے رسول اللہ کے ساتھ رہنا نصیب ہو تو تو قاتلان حسین پر لعنت اپنا معمول بنالے۔ اور ابن شیب اگر تو اس میں خوش ہو کہ تجھے وہ ثواب اور درجہ ملے جو حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہونے والوں کو ملا ہے تو تجھے جب بھی حسین اور واقعات کر بلا یاد آئیں تو یہ کہا کر کہ: ”اے کاش میں بھی اُن کے ساتھ ہوتا اور وہ تمام تکالیف و مظالم اور بھوک و پیاس برداشت کرتا ہوا شہید ہوتا اور اس طرح اُس عظیم الشان مقام پر فائز ہو جاتا۔“ اور اے شیب کے فرزند اگر تجھے یہ پسند آتا ہو کہ تو جنت میں ہمارے ساتھ بلند ترین درجات میں رہے تو ہمارے رنج میں رنجیدہ اور ہماری خوشی میں خوش رہنا لازم کر لے ہماری حکومت قائم کرنے میں مصروف ہو جا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخص پتھر سے بھی محبت کرتا ہے تو قیامت کے روز اُس پتھر کے ساتھ اُسے بھی شاریا جائے گا۔“ (یعنی بت پرستوں کے ساتھ محشور ہوں گے)۔

(2)۔ عزاداری اور تذکرہ اہلبیت کی مجالس اسلام کو زندگی اور استحکام بخشی ہیں

بارھویں حدیث: وفي قرب الاسناد عن الصادق عليه السلام قال للفضيل تجلسون وتحدثون؟ قلت نعم۔ فقال ان تلک المجالس أحبها فأحيوا أمرنا فرحم الله من أحياء امرنا بافضيل من ذكرنا أو ذكرونا عنده ثم ذكر مثله۔ (صفحہ 39)

کتاب قرب الاسناد میں ہے کہ جناب صادق علیہ السلام نے پوچھا کہ اے فضیل کیا تم کہیں جمع ہو کر بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کیا کرتے ہو۔ عرض کیا جی ہاں۔ تب فرمایا یقیناً مجھے وہ مجالس بہت محبوب ہیں۔ چنانچہ اُن کے ذریعہ سے ہمارے امر (دین) کو برقرار رکھو جو ہمارا ذکر کرے یا جس کے سامنے ہمارا ذکر ہو، انہیں چاہئے کہ وہ اس کی مثال قائم کریں اور ذکر برابر جاری کرتے جائیں۔ اللہ ایسے لوگوں پر اپنی رحمت نازل کرے گا۔

تیرھویں حدیث: قال الرضا عليه السلام من تذكره مصابنا فبكي وابكي لم تبك عينه يوم تبكي العيون

ومن جلس مجلساً يحیی فیہ امرنا لم یئمت قلبه یوم تموت القلوب۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جو ہم پر گزرنے والے حالات کا ذکر کرے اور روئے اور دوسروں کو رولائے تو اُس کی آنکھیں اُس دن نہ

روئیں گی جس دن ہر آنکھ کو رونا پڑے گا۔ اور جو کوئی ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں ہمارے دین کو زندہ کیا جا رہا ہو تو اُس کا قلب اُس روز نہ مرے گا جس دن سب قلوب مرجائیں گے۔ (یعنی وہ مسلسل زندہ رہے گا)۔

(3)۔ آئمہ کا محرم میں عملدرآمد حسینؑ پر رونا گناہوں کو چھاڑ دیتا ہے

چودھویں حدیث: قال الرضا عليه السلام في حديث فعلى مثل الحسين فليكن الباكون فإن البكاء عليه يحط الذنوب العظام ثم قال كان ابى اذا دخل شهر المحرم لا يرى ضاحكاً وكانت الكابة تغلب عليه حتى يمضى عشرة ايام فاذا كان يوم العاشر كان ذلك يوم مصيبته وحزنه وبكائه۔

امام رضا علیہ السلام نے ایک عملی حدیث میں فرمایا ہے کہ امام حسینؑ کی مثال ایسی ہے کہ اُن پر رونے والوں کو دیکھ کر تو بھی رونے لگے گا۔ اور جو کوئی اُن پر روئے گا اُس کے گناہان کبیرہ تک تھڑ جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ میرے والد علیہ السلام محرم کے آتے ہی اتنے غمگین ہو جاتے تھے کہ اُن کو اس مہینے میں کوئی ہنستا ہوا نہ دیکھتا تھا۔ اور اُن پر قلبی بے چینیاں غالب آ جاتی تھیں۔ اور جب دس دن گزر جاتے اور دسواں دن آتا تو یہ دن اُن پر مصیبت ورنج و محن اور گریہ و زاری کا دن ہوا کرتا تھا۔

(4)۔ اہلبیتؑ کے لئے خون ناحق پر اور مومن کی توہین پر رونا

پندرھویں حدیث: عن الصادق عليه السلام قال من دمعت عيناه فينا دمعاً لدم سفك لنا اوحق لنا نقضناه او عرض انتهك لنا اولا حد من شيعتنا بواه الله تعالى بهافي الجنة حقبا۔

جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کسی کی آنکھیں ایک دفعہ بھی اُس خون ناحق پر روئیں جو ہماری راہ میں قربانی دے کر بہایا گیا ہو؛ یا اُس نقصان پر روئیں جو ہمارے تحفظ میں ہوا ہو یا اُس توہین پر روئیں جو ہمارے ساتھ وابستگی کی بنا پر ہوئی ہو یا ہمارے شیعوں میں سے کسی کے قتل و نقصان و توہین پر روئیں۔ تو اللہ تعالیٰ اُس رونے والے کو مستقلاً جنت میں رکھے گا۔

(5)۔ رونے والی آنکھوں کو حوض کوثر نظر کر دیا جائے گا

سولھویں حدیث: ذكر حديثنا طويلاً يتضمن ثواباً جزيلاً يقول امام جعفر الصادق فيه وما من عين بكت لنا الا نعمت بالنظر الى الكوثر وسقيت مع من احبنا۔

ایک طویل حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے عظیم الشان ثواب اور اجر بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کوئی ایسی آنکھ جو ہم پر روئی ہوگی ایسی نہ بچے گی جسکے سامنے حوض کوثر پیش نہ کر دیا جائے اور جو ہمارے باقی چاہنے والوں کیساتھ مل کر حوض کوثر سے سیراب نہ کیا جائے

(6)۔ شیعوں کی ذمہ داریاں اور اُن کا مقام

سترھویں حدیث: عن امير المؤمنين عليه السلام ان الله اطلع الى الارض فاخترنا واختار لنا شيعة ينصروننا ويفرحون لفرحنا ويحزنون لحزننا ويبدلون اموالهم وانفسهم فينا اولئك منا و الينا وقال عليه السلام كل عين يوم القيامة باكية وكل عين يوم القيامة ساهرة الا عين من اختصه الله بكرامته وبكى على انتهك من الحسين وآل محمد صلى الله عليه وآله۔

جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذاتی علم سے اُس زمینی مخلوق کی طرف دیکھا جو یہاں گزرنا تھی تو ہمیں مخصوص

ذمہ داریوں کے لئے انتخاب کیا۔ پھر ہمارے ساتھ تائید کرنے والوں اور اشاعت کرنے والے شیعوں کو چُنا۔ جو ہماری نصرت کریں، اور ہماری خوشی میں خوش ہوں اور رنج میں غمگین ہوں اور اپنی جان و مال کو ہمارے مشن پر فراخ دلی سے صرف کریں۔ وہی لوگ ہم سے ہیں اور ہم سے متعلق ہیں۔ پھر فرمایا کہ بروز قیامت ہر آنکھ رو رہی ہوگی اور ہر آنکھ بے چینی سے کھلی ہوگی۔ سوائے اُن آنکھوں کے جن کو اللہ نے اپنے کرم سے خصوصیت بخشی جو حسینؑ اور آلِ محمدؑ کی ہتک، حرمت پر روتی رہی ہوں۔ وہ آنکھیں چین و مسرت کی حامل ہوں گی۔

(7)۔ غمگین رہنا تسبیح ہے، عزم صمیم عبادت، رازداری جہاد ہے

اٹھارھویں حدیث: عن الصادق علیہ السلام نَفْسُ الْمَهْمُومِ لَظْلَمْنَا تَسْبِيحَ وَهَمَّهُ لَنَا عِبَادَةٌ وَكُتْمَانٌ سِرْنَا جِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قَالَ الصَّادِقُ يَجِبُ أَنْ يَكْتُبَ هَذَا الْحَدِيثَ بِالذَّهَبِ۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ہم پر جو مظالم ہوئے اُن پر غمگین رہنا مسلسل تسبیح پڑھنے کے برابر ہے اور ہمارے نظام کے قیام کیلئے ہمت و ارادہ کرنا مسلسل عبادت ہے اور ہماری پالیسی کی حفاظت کرنا اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔ اور چاہئے کہ اس حدیث کو سونے سے لکھا جائے۔

(8)۔ شیعوں کی شناخت اور مقام بلند اور عبد اور مولیٰ کے حقیقی معنی و تعلق

انیسویں حدیث: عن الصادق علیہ السلام قَالَ رَحِمَ اللَّهُ شِيعَتَنَا أَنْهُمْ أَوْذَوْا فِينَا وَلَمْ نَوْذُ فِيهِمْ شِيعَتَنَا مِنْ قَدْ خَلَقُوا مِنْ فَاضِلِ طِينَتِنَا وَعَجَّنُوا بَنُورَ وَلَايَتِنَا۔ رَضُوا بِنَا أَيْمَةً وَرَضِينَا بِهِمْ شِيعَةً يَصِيبُهُمْ مَصَابِنَا وَيَكْتُمُهُمْ أَوْصَابِنَا وَيَحْزَنُهُمْ حُزْنُنَا وَيَسْرَهُمْ سُرُورُنَا وَنَحْنُ ابْنُ نَتَأَلَّمُ لِنَأَلِمَهُمْ وَتَطْلُعُ أَحْوَالُهُمْ۔ فَهَمُّ مَعْنَا لَا يَفَارِقُونَنَا وَلَا نَفَارِقُهُمْ لَأَنَّ مَرْجِعَ الْعِبَادِ إِلَى سَيِّدِهِ وَمَعُولِهِ إِلَى مَوْلَاهُ فَهَمُّ يَهْجُرُونَ مَنْ عَادَانَا وَيَمْدَحُونَ مَنْ وَالَانَا وَيَبَاعِدُونَ مَنْ إِذَا نَا۔ اللَّهُمَّ أَحْيِ شِيعَتَنَا فِي دَوْلَتِنَا وَابْقِهِمْ فِي مَلِكُنَا وَمَلِكُنَا۔ اللَّهُمَّ إِنْ شِيعَتَنَا مِنَّا وَمُضَافِينَ إِلَيْنَا فَمَنْ ذَكَرَ مُصَابِنَا وَبَكَى لَا جَلْنَاسْتَحْيِ اللَّهُ أَنْ يَعَذِّبَهُ بِالنَّارِ۔

امام جعفر صادقؑ علیہ السلام نے فرمایا اللہ ہمارے شیعوں پر رحمت نازل کرے یقیناً انہیں ہم سے وابستگی پر ستایا جاتا ہے۔ اور اُن سے ہمارے شیعوں کو ایذا نہیں پہنچتی ہے۔ یقیناً انہیں ہماری باقی ماندہ طینت سے پیدا کیا گیا اور ہمارے نور ولایت سے اُن کا خمیر اٹھایا گیا۔ وہ ہماری امامت پر راضی ہوئے اور ہم اُنکی شیعیت پر خوش ہیں۔ اُنکے دلوں پر ہماری مصیبتیں اثر انداز ہوتی ہیں۔ اور اُنکو ہمارے رنج سے رنج ہوتا ہے۔ اور ہماری خوشی سے خوش ہوتی ہے۔ وہ ہمارے مصائب پر روتے ہیں اور ہمیں بھی اُنکے غم و الم سے غم ہوتا ہے۔ ہم اُنکے حالات سے ہر وقت مطلع رہتے ہیں۔ وہ ہر حال میں ہماری نظروں میں گویا ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ وہ ہم سے جدا نہیں ہوتے نہ ہم اُن سے الگ رہتے ہیں۔ اس لئے کہ بندہ کیلئے اُس کا مالک ہی اُس کا مرجع ہوتا ہے اور اُس کا ٹھکانہ اُس کا مولا ہی ہوتا ہے۔ وہ اُن لوگوں سے جدا رہتے ہیں جو ہمارے دشمن ہیں اور ہماری ولایت کے ماننے والوں کی مدح و ثنا کرتے ہیں۔ ہمیں ستانے والوں کو دُور رکھتے ہیں۔ اے اللہ ہماری حکومت کے زمانہ میں ہمارے تمام شیعوں کو زندہ کر دینا اور انہیں ہماری مملکت اور ملکیت میں برقرار و موجود رکھنا۔ ہمارے شیعوں میں سے اور ہم سے تعلق ظاہر کرنے والوں میں سے جو کوئی بھی ہماری مصیبت پر روتے اور ہمارا ذکر جاری رکھے اُن کو جہنم کا عذاب دینے میں اللہ کو شرم آتی ہے۔

(9)۔ مؤمنین اور مومنات کی عزاداری اور سوگواری کی اطلاع سے حضرت فاطمہؑ خوش ہو گئیں

بیسویں حدیث: عن المنتخب روی آنہ لما اخبر النبیؐ ابنہ بقتل ولدها الحسینؑ وما یجری علیہ من المحن۔ بکت فاطمہؑ بکاءً شدیداً وقالت یا ابتاہ متی یكون ذلک؟ قال فی زمان خالٍ مِنّی ومنک ومن علیٍّ ومن حسنٍّ۔ فاشتد بکائها۔ وقالت یا ابت فمّن یبکی علیہ؟ ومن یلتزم باقامة العزاء له؟ قال النبیؐ یا فاطمہؑ انّ نساء اُمّتی یبکین علی نساء اهل بیتي ورجالہم یبکون علی رجال اهل بیتي ویجدّدون العزاء جیلاً بعد جیل فی کُلِّ سَنَةٍ فاذا کان یوم القیامة تشفعین انت للنساء وانا اشفع للرجال وکلّ من بکی منهم علی مصاب الحسینؑ اخذنا ہ بیدہ وادخلناہ الجنة یا فاطمہؑ کل عین باکیہ یوم القیامة الاعینا بکت علی مصاب الحسینؑ فانہا ضاحکة مُستبشرة بنعیم الجنة۔

کتاب منتخب میں روایت کیا گیا ہے۔ کہ جب رسول اللہؐ نے حضرت فاطمہؑ کو امام حسینؑ پر گزرنے والے حالات اور قتل کی خبر دی تو آپ بہت شدت سے روئیں اور پوچھا کہ بابا یہ کس زمانہ میں ہونے والا ہے۔ فرمایا کہ اُس وقت نہ میں ہوں گا نہ تم نہ علیؑ ہوں گے نہ حسنؑ ہوں گے۔ یہ سُن کر اُن کی گریہ و زاری میں اور بھی شدت ہو گئی۔ پھر آپ نے پوچھا کہ ایسے حال میں حسینؑ کا غم کون منائے گا اور کون عزاداری کرے گا۔ فرمایا کہ بیٹی میری اُمت کی عورتیں ہماری عورتوں کا غم و سوگ منائیں گی اور مرد ہمارے مردوں پر رویا کریں گے۔ اور سال بسال اور زمانہ بہ زمانہ عزاداری حسینؑ کی تجدید کرتے ہوئے اس غم کو بالکل تازہ رکھیں گے۔ اور تم تمام عزادار عورتوں کی اور میں تمام سوگوار مردوں کی قیامت میں شفاعت کریں گے اور جو کوئی بھی حسینؑ کی مصیبت پر رویا ہوگا، اُن کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر جنت میں داخل کریں گے۔ اے فاطمہؑ قیامت کے روز ہر آنکھ خوف سے روتی ہوگی لیکن وہ آنکھیں جو حسینؑ کے غم میں روئی ہوں گی خوشخبری سُن سُن کر مسکراتی ہوں گی اور جنت کی نعمتوں پر ہنستی ہوں گی۔

(10)۔ شیعہ محمدؐ و آل محمدؐ کے غم میں برابر کے شریک ہیں

اکیسویں حدیث: عن صادق علیہ السلام قال رحم اللہ تعالیٰ شیعتنا لقد شارکونا فی المصیبة بطول الحزن والحسرة علی مصاب الحسینؑ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا رحمت نازل کرتا رہے شیعوں پر جو ہماری مصیبت میں اور ہمارے طویل ترین حزن و ملال و حسرتہ میں شریک رہتے آ رہے ہیں اور مصائب امام حسینؑ علیہ السلام کو دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔

(11)۔ امام رضاؑ کے گھر میں مجلس حسینؑ اور عزاداروں کا مقام بلند

بائیسویں حدیث: وعن المنتخب عن دعل الخزاعی قال دخلت علی سیدی ومولای علی بن موسیٰ رضافی مثل هذه الايام فَرَأَيْتُهُ جالِساً جلسة الحزين الكئيب واصحابه من حوله كذلك فلما رانی مقبلاً قال لی مرحباً بک یادعل مرحباً بناصراً بیدہ ولسانہ آنہ وسع لی فی مجلسہ واجلسنی الی جانبہ ثم قال لی یادعل احبّ انّ تنشدنی شعراً فانّ هذه الايام ايام حزن كانت علینا اهل البیت وایام سرور کانت علی اعدائنا خصوصاً بنی اُمیہ لعنہم اللہ۔ یادعل من بکیو ابکی علی مصابنا و لو واحد کان اجرہ علی اللہ۔ یادعل من زرفت عیناہ علی مصابنا وبکی لما اصابنا من اعدائنا حشرہ اللہ معنا فی زمرتنا۔ یا دعل من بکی علی

مصاب جدی الحسین غفر اللہ له ذنوبہ البتہ ثُمَّ اَنَّهُ نَهَضَ وَ ضَرَبَ سِتْرًا بَيْنَنَا وَبَيْنَ حُرْمَةِ وَاجِلَسَ اَهْلَ الْبَيْتَةِ مِنْ وَّرَاءِ السَّيْرِ لِيَكُوْا عَلٰى مَصَابِ جَدِّهِمُ الْحُسَيْنِ ثُمَّ التَفَتَ اِلَيَّ وَقَالَ يَادْعِيْلَ ارِثِ الْحُسَيْنِ فَانْتَ نَاصِرٌ وَمَادِحُنَا مَادِمٌ حَيًّا فَلَا تَقْصِرْ عَنَّا نَصْرَنَا مَا سْتَطَعْتَ قَالَ دَعِيْلٌ فَاسْتَعْبَرْتُ وَسَالْتُ عِبْرَتِيْ-

کتاب منتخب میں دعیل خزاعی نے بیان کیا ہے کہ میں اپنے سید و مولا جناب امام علی نقی بن امام رضا علیہما السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان ہی دنوں میں تو میں نے اُن کو نہایت مغموم اور دل شکستہ حال میں بیٹھا دیکھا اور اُن کے صحابہ بھی اُسی طرح مغموم اور غمگین اُن کے چاروں طرف بیٹھے تھے۔ جب مجھے آتا ہوا دیکھا تو مجھ سے فرمایا مرحبا اے دعیل مرحبا کہ تیرے ہاتھوں اور زبان کی قوت سے ہم پھیلے جارہے ہیں۔ پھر انہوں نے میرے لئے اپنے پاس جگہ نکالی اور مجھے اپنے پہلو میں بٹھایا اور فرمایا کہ اے دعیل میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیں ہمارے غم بھرے اشعار سناؤ۔ دیکھو یہ دن ہمارے لئے غم والہ دن ہیں اور ہمارے دشمنوں خصوصاً بنی امیہ کے لئے خوشی کے دن ہیں۔ اے دعیل جو ہماری مصیبتوں پر روئے اور لرزائے خواہ ایک ہی دفعہ کیوں نہ ہو اس کا بدلہ اور اجر دینا اللہ پر واجب ہو جاتا ہے۔ اے دعیل دشمنوں کی طرف سے جو مظالم ہم پر ہوئے ہیں اُن کو سُن کر اگر کسی کی آنکھیں بھیگ جائیں اور وہ رونے لگے تو اللہ اسے ہمارے ساتھ محشور کرے گا اور ہمارے زمرہ میں شامل کرے گا۔ اے دعیل جو میرے دادا حسین کے مصائب پر روئے یقیناً اللہ اُس کے تمام گناہ بخش دے گا۔ اس کے بعد اُٹھے اور وہ پردہ پھیلا دیا جو ہم میں اور اُن کے اہل حرم کے درمیان لٹک رہا تھا۔ اور تمام مستورات کو مجلس سُننے اور رونے کے لئے پردے کے پیچھے بٹھادیا۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے دعیل اب تم امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ سناؤ۔ تم اس معاملہ میں ہمارے ناصر و مددگار اور ہماری مدح و ثنا کرنے والے ہو۔ جب تک تم زندہ ہو عزاداری کے معاملے میں ہماری نصرت میں کمی نہ کرنا اور اپنی قوت بھر اس کام کو جاری رکھنا۔ دعیل کہتا ہے کہ پھر میں نے مرثیہ پڑھ کر مجلس کو عبرت انگیز بنادیا۔ اور خود بھی رویا اور سب کو رلایا۔ (یہاں تک اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات کے صفحہ 39 سے 45)

(12)۔ غم امام مظلوم میں بے قراری و بے صبری اور ہائے واویلا جائز ہے

تینیسویں حدیث: وَفِي خَبَرٍ مَّسْمُوعٍ عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثٍ قَالَ اَمَّا تَذَكُّرُ مَا صُنِعَ بِهِ يَعْنِي الْحُسَيْنِ؟ قُلْتُ بَلَى - قَالَ اَتَجْزَعُ؟ قُلْتُ اَيُّ وَاللَّهِ اسْتَعْبِرَ لَذَلِكَ حَتَّى يَرَى اَهْلِيْ اَثَرَ ذَلِكَ عَلَيَّ فَاَمْتَنَعَ مِنَ الطَّعَامِ حَتَّى يَسْتَبِينَ ذَلِكَ فِي وَجْهِ - فَقَالَ رَحِمَ اللّٰهُ دِمْعَتَكَ اَمَّا اَنْتَكَ مِنَ الَّذِينَ يَعْدُوْنَ مِنَ الْجَزَعِ لَنَا وَالَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ لِفِرْحَانَا وَيَحْزَنُوْنَ لِحُزْنَانَا اَمَّا اَنْتَكَ سَتَرَى عِنْدَ مَوْتِكَ حُضُورَ اَبَائِيْ لَكَ وَوَصِيَّتَهُمْ مَلِكُ الْمَوْتِ بَكَ وَمَا يَلْقَوْنَكَ بِهِ مِنَ الْبَشَارَةِ اَنْ مَلِكُ الْمَوْتِ اَرَقَّ عَلَيْكَ وَاشَدَّ رَحْمَةً لَكَ مِنَ الْاُمِّ الشَّفِيقَةِ عَلَيَّ وَلَدَهَا اِلَيَّ عَن قَالَ مَا بَكَى اَحَدُ رَحْمَةً لَنَا وَلَمَّا لَقِينَا الْاَرَحِمَهُ اللّٰهُ قَبْلَ اَنْ تَخْرُجَ الدَّمْعَةُ مِنْ عَيْنِهِ فَاِذَا سَالَ دَمُوعُهُ عَلَيَّ خَذَهُ فُلُوْا نَقْطَرَةً مِنْ دَمُوعِهِ سَقَطَتْ جَهَنَّمَ لَا طُفَافًا حَرَّهَا حَتَّى لَا يَوْجَدُ لَهَا حَرًّا -

مسجع رضی اللہ عنہ نے جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کیا کہ حضورؐ نے اُن سے پوچھا کہ کیا تم امام حسین علیہ السلام کی سرگزشت بیان نہیں کیا کرتے۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں حضور میں تو عزادار ہوں۔ پھر پوچھا کہ کیا تم غم حسین میں بے قرار نہیں ہو جاتے؟ میں نے عرض کیا کہ خدا کی قسم میں تو اس قدر بے قراری سے روتا بیٹتا ہوں کہ میرے گھر والے میرے اوپر اسکا اثر دیکھ سکتے ہیں اور کھانا پینا بند کر

دیتا ہوں یہاں تک کہ میرے چہرے سے ہر کوئی پہچان لیتا ہے۔ فرمایا اللہ تیرے آنسوؤں کی رحیمانہ جزا دے۔ تو اُن ہی لوگوں میں سے ہے جو ہمارے غم میں حد سے بڑھ جاتے ہیں اور جو لوگ ہماری خوشی سے خوش ہوتے ہیں ہمارے غم سے غمگین ہوتے ہیں۔ بہت جلد تم اپنی موت کے وقت میرے آبا و اجداد کو اپنے پاس موجود پاؤ گے اور دیکھو گے کہ وہ ملک الموت سے تمہاری سفارش کریں گے اور تمہیں جنت کی بشارت دیں گے اور ملک الموت تمہارے ساتھ تمہاری مہربان والدہ سے بھی زیادہ نرم سلوک کریگا۔ یہاں تک فرمایا کہ کوئی شخص ہمارے غم میں نہیں روتا کہ اللہ اُسکی آنکھوں سے آنسو نکلنے سے پہلے ہی اس پر اپنی رحمت نازل کر دیتا ہے اور جب آنسو نکل کر اسکی گال پر بہنے لگتے ہیں تو اگر اُن میں سے ایک قطرہ جہنم میں ڈال دیا جائے تو جہنم کی گرمی ختم ہو جائے اور اُس میں آئینے کی طرح ڈھونڈھے سے بھی نہ ملے گی۔

(13)۔ ایک آنسو کا دسواں حصہ سمندر کے مقابلہ میں

چوہیموسیوں حدیث: روی علی بن ابراہیم فی تفسیرہ بسندہ عن الامام جعفر الصادق اَنّہ قال مَنْ ذکّرنا اَوْ ذکّرنا عنده فخرج

مِنْ عینہ دمع مثل جناح بعوضۃ غفر اللہ ذنوبہ لو کانت مثل زبد البحر۔

علی بن ابراہیم نے اپنی تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی ہمارا ذکر کرے یا جس کے روبرو ہمارا ذکر کیا جائے اگر اُس کی آنکھ سے پھر کے ایک پر کے برابر آنسو نکل آئے تو اللہ اُس کے تمام گناہ بخش دے گا خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

(14) عاشورہ کے دن مصائب سے متعلق تمام سنتیں قائم کرنا چاہیے

اس بیان میں علامہ شیخ مفید رضی اللہ عنہ کے الفاظ پر غور کریں اور ذرا سوچیں کہ بہت اہم جملہ لکھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جہاں عاشورہ کے روز تمام لذات اور کھانے پینے سے اجتناب لازم ہے، وہیں مصائب سے متعلق تمام سنتوں کو قائم کرنا بھی اُس روز ضروری ہے۔ جاننے کی بات یہ ہے کہ ”سُنَنِ الْمَصَائِبِ“ کیا ہوتے ہیں۔ اس کا جواب وہی شخص دے سکتا ہے جو کم از کم مصائب کی تمام اقسام اور تمام صورتوں سے واقف ہو۔ اس جملے کا مقصد یہ تو ہونے نہیں سکتا کہ وہ سنت قائم کی جائے جس سے لوگوں پر مصیبتیں ٹوٹ پڑیں۔ اس کے برخلاف سُنَنِ الْمَصَائِبِ کو قائم کرنے کا مقصد اُن تمام طریقوں کو بروئے کار لانا ہوگا۔ جن سے مصائب میں مبتلا ہونا بند کیا جاسکے۔ جن جن لوگوں کو مصائب سے دوچار کیا گیا اُن کا تذکرہ اُن سنتوں میں شامل ہوگا۔ پھر وہ تمام طریقے اختیار کرنا بھی لازم ہوں گے، جن کو دیکھ کر لوگ مصائب سے خوفزدہ ہو کر مصائب سے بچنے کی وہ راہیں اختیار کریں جو عزاداری کی اُن سنتوں میں بتائی جائیں۔ پھر اُن تمام ظالموں کا ذکر کرنا ہوگا جنہوں نے لوگوں کو مصائب میں مبتلا کیا تھا۔ اُن کی ذہنیت، اُن کے مذہبی اصول، اُن کی سیاست اور اُن سے تعاون کرانے والے ذرائع اور وسائل پر بھی نظر رکھنا ہوگا اور عوام الناس کو ایسی ذہنیت، ایسے مذہبی اصول اور سیاست اور فریب سازی و پروپیگنڈے سے مطلع کرنا اور متنفذ و باز رکھنے کے تمام طریقوں کو بھی بروئے کار لانا ہوگا۔ اور یہی وہ سامان ہوگا جس کی طرف سے رسول اللہ نے اشارہ فرمایا کہ ”اُمّت کی مستورات اور مرد عزاداری حسین علیہ السلام میں ہمیشہ تجدید کرتے چلے جائیں گے“۔ (یَجِدُ وَنَ الْعَزَاجِیْلَا بَعْدَ جِبِلِّ فِی کُلِّ سَنَۃٍ۔ حدیث نمبر 20)۔ اب شیخ مفید صاحب کا ارشاد سنئے:-

پچیسویں حدیث: ”وَعَنِ الْمَفِيدِ فِي مَسَارِ الشَّيْعَةِ قَالَ وَفِي الْعَاشِرِ مِنَ الْمَحْرَمِ قَتَلَ الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَجَاءَتْ الرِّوَايَةُ عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِاجْتِنَابِ الْمَلَاذِ فِيهِ وَاقَامَتَهُ سَنَنِ الْمَصَائِبِ وَالْإِمْسَاكَ عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ إِلَى أَنْ تَزُولَ الشَّمْسُ وَالتَّغْدَى بَعْدَ ذَلِكَ بِمَا يَتَغَدَّى بِهِ أَصْحَابُ الْمَصَائِبِ كَالْأَلْبَانِ وَمَا أَشْبَهَهَا دُونَ اللَّذِيزِ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ -“

”کتاب مسار الشیعه میں شیخ مفید نے لکھا ہے کہ دسویں محرم کو امام حسین علیہ السلام کا قتل وقوع میں آیا اور اس سلسلہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان موجود ہے جس میں لذتوں سے دُور رہنے اور مصیبتوں کی سنتوں (یا یہ کہ مصائب کو روکنے) کو قائم کرنے کا تذکرہ ہے اور کھانے پینے سے زوال آفتاب کے بعد تک رُکا رہنا۔ اور اُس کے بعد ایسا کھانا کھانا جو مصیبت زدہ اور غمزدہ لوگ کھایا کرتے ہیں مثلاً دہی یا کھٹے دودھ میں تیار کی ہوئی یا اسی قسم کی اور چیزیں (جیسے کھجور وغیرہ) کھائیں جن میں لذت و ذائقہ ملحوظ نہ رکھا گیا ہو۔ خواہ کھانا ہو یا پینے کی چیزیں ہوں سب کی سب سادہ ہونا چاہئیں۔“ یہ بیان ہی وہ بنیاد ہے جس سے ہر وہ رسم جائز و ضروری ہو جاتی ہے جس سے عزاداری کی اثر انگیزی اور افادیت میں اضافہ ہوتا ہو۔

(15)۔ عشرہ محرم پر تمام معمولات پر غم حسینؑ غالب رہنا چاہئے

چھبیسویں حدیث: ابن فضال عن الرضا عليه السلام قال من ترك السعي في حوائج يوم عاشوراء قضى الله حوائج الدنيا والاخرة ومن كان يوم عاشوراء يوم مصيبة وحزنه وبكائه يجعل الله تعالى يوم القيامة يوم فرحه وسروره وقرت بنا في الجنان عينه ومن سمي يوم عاشوراء يوم بركة وأدخلكم منزله فيه شيئاً يبارك فيه أذكر وحشر يوم القيامة مع يزيد وعبيد الله بن زياد وعمر بن سعد إلى أسفل درك من النار۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص عاشور محرم کے دن اپنی ضروریات زندگی کو نظر انداز کرے گا اللہ اس کی دنیاوی اور اُخروی ضروریات کو از خود پورا کر دے گا۔ اور جو کوئی بھی عاشورے کے دن کو یوم مصیبت اور رونے پینے کا دن بنالے گا تو اللہ قیامت کے دن کو اُس کے لئے خوشیوں اور مسرتوں کا دن بنادے گا اور جنت میں ہمارے ساتھ رہ کر اُس کی آنکھیں بھٹی ہوں گی۔ اور جو کوئی دسویں محرم کو برکت کا دن قرار دے اور اپنے گھر میں اُس روز کسی چیز کا ذخیرہ (اشاک) جمع کرے گا تو اُس چیز میں برکت نہ ہوگی اور اس کا شمار یزید و عبید اللہ ابن زیاد و عمر ابن سعد کے ساتھ ہوگا اور وہ جہنم کے نچلے طبقہ میں جلائے جائیں گے۔

38۔ قافلہ حسینیؑ کا سفر و منازل، کربلا میں آمد اور افواج یزید

(38/1)۔ مدینہ سے روانگی، اہل حرم کا سوار ہونا، سفر کا نظارہ

خانوادہ رسولؐ کی پہلی ہجرت کا انتظام و انصرام جناب علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذمہ داری تھی۔ جسے اُنہوں نے اپنی جان پر کھیل کر انجام دیا تھا۔ اور آپؐ چھوٹی بڑی چار فاطماتؑ (فواطم) کو جان و مال و ناموس کے دشمنوں کے زعم میں سے نکال لائے تھے۔ اُن میں سے ایک فاطمہ بنت اسدؑ آپؐ کی والدہ تھیں۔ دوسری فاطمہ بنت عبدالمطلبؑ آپؐ کی پھوپھی تھیں۔ تیسری فاطمہ بنت حمزہؑ آپؐ کی چچا زاد بہن تھیں اور چوتھی فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین تھیں۔ مدینہ اور اُس کے باشندے رسول اللہؐ کے حضور میں اپنی جان و مال

اولاد پیش کر کے حضرت علیؑ اور حرم رسولؐ کی آمد کے انتظار میں چشم براہ تھے۔ اور جب یہ مقدس خاندان پہنچا تو اُنکے آرام و آسائش کا ہر ممکن انتظام کیا، اُن کی حکومت تسلیم کی، اُن کے شہر سے آنے والوں کو بھی مال و دولت و مکانات اور تمام سہولتیں فراہم کیں۔ خاندان رسولؐ کے ہر فرد کے لئے اپنی آنکھیں بچھاتے تھے۔ اُن کے اشاروں پر چلتے تھے۔ لیکن جب ایک عالم گیر حکومت قائم ہوگئی اور بار بار یہ سنا کہ آنحضرتؐ پوری اُمت کو علیؑ و اولاد علیؑ کو سوئپ کر جائیں گے تو مکہ سے آئے ہوئے اُن مہاجرین نے جو رسولؐ کی قوم کہلاتے تھے، یہ طے کر لیا اور عبداللہ بن عباس کو بتا دیا تھا کہ:-

حضرت عمرؓ: ”تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہ کرتی تھی۔“

حضرت عمرؓ: ”وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت و خلافت دونوں آجائیں۔“ (الفاروق حصہ اول صفحہ 103)

اُس قومی فیصلے کو قرآن نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور ہم نے اپنی تصنیفات میں باقاعدہ یہ اسکیم پیش کی ہے۔ چونکہ اللہ نے یہ فیصلہ روز ازل سے کر رکھا تھا اور اپنی ہر کتاب میں ہر نبیؐ سے اسکا اعلان کر لیا تھا کہ نبوت و حکومت و کتاب کا نفاذ خاندان نبوتؐ ہی میں رہے گا خواہ اقوام عالم انبیاء و خاندان انبیاء سے حسد ہی کیوں نہ کرتی رہیں۔ (نساء 4/54، انعام 91-90/6)

چنانچہ حضرت عمرؓ کے بیان کے مطابق خاندان رسولؐ سے حسد کیا گیا۔ اور خانوادہ نبوتؐ کے خلاف باقاعدہ مہم چلائی گئی اور قرآن کریم کی اس اصولی اور بنیادی تعلیم اور حکم کے خلاف پوری قوم نے عہد رسولؐ ہی میں اجماع کر لیا اور پورے قرآن کو چھوڑ دینے کا منصوبہ جاری کیا اور رسول اللہؐ نے اللہ سے شکوہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:- وَقَالَ الرَّسُولُ يَرْبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ”اے میرے پروردگار یقیناً میری قوم نے اس قرآن سے ہجرت اور جدائی اختیار کر لی ہے۔“ اور یہ کہ قوم کے دو لیڈر دوستوں نے رسولؐ کے خلاف قومی حکومت قائم کرنے کی راہ اختیار کر لی ہے وغیرہ وغیرہ۔ (تفصیل فرقان 25/27-31)

بہر حال مدینہ میں ایک دن وہ آیا کہ خاندان رسولؐ کے تیسرے سربراہ پر مدینہ کی زمین تنگ ہوگئی اور جن اصول و مبانی پر قومی حکومت چلی تھی اُسکی بے تحاشا تیز رفتاری کے طوفان میں رسولؐ کی دوسری ہی نسل کو گچل کر رکھ دیا گیا۔ آج امام حسین علیہ السلام پورے خاندان رسولؐ کو لیکر مدینہ سے نکل رہے ہیں۔ تاکہ وہ تمام امکانی اقدامات کریں جن سے وہ اور خاندان رسولؐ قومی حکومت کی تلوار سے محفوظ رہ سکیں۔ چنانچہ آئیے اُس دروازے پر چلیں جہاں رسول اللہؐ کی بیٹیاں اور بیٹے چھوٹے چھوٹے بچے اور ناموس رسولؐ مکہ کے سفر کیلئے سوار ہوئے تھے۔

الفاضل الاديب المقرئ فنقلتها عنها فهذه الرواية هي ان قد روى عبد الله بن سنان الكوفي عن ابيه عن جده انه قال خرجت بكتاب من اهل الكوفة الى الحسين عليه السلام وهو يومئذ بالمدينة فاتيته فقراه فعرف فقال انظرنى الى ثلاثة ايام فبقيت في المدينة ثم تبعته الى ان صار غرمة بالتوجه الى العراق - فقلت في نفسي امضى وانظر الى ملك الحجاز كيف يركب وكيف جلالته وشانه فاتيته الى باب داره فارايته الخيل مسرجة والرجال واقفين والحسين عليه السلام جالساً على كرسي وبني هاشم حافين به وهو بينهم كأنه البدر ليلة تمامه وكمالها ورايت نحو امر اربعين محملاً وقد زينت المحامل بملايس الحرير والديباج - قال فعند ذلك امر الحسين عليه السلام بني هاشم بان يركبوا محاموهم على المحامل فبينما انا انظر واذا بشاب قد خرج من دار الحسين وهو طويل القامة وعلى خده علامة ووجهه كالقمر الطالع وهو يقول تنحوا عني يا بني هاشم - واذا بامرأتين قد خرجتا

مِنَ الدَّارِ وَهُمَا تَجْرَانِ اذِیَا لَهُمَا عَلَی الْاَرْضِ حَیًّا مِنَ النَّاسِ وَقَدْ حَفَّتْ بِهِمَا اَمَّا نَهْمَا - فَتَقَدَّمَ ذَلِكَ الشَّابُّ اِلَى مُحْمَلٍ مِنَ الْمُحَامِلِ وَجَسَّى عَلَی رُكْبَتَيْهِ وَاخَذَ بَعْضُدهُ یَهُمَا فَارَ کِبَهُمَا الْمُحْمَلُ - فَسَأَلْتُ بَعْضَ النَّاسِ عَنْهُمَا فَقِيلَ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَزَيْنَبُ وَالْاُخْرٰی اَم کَلِثُومٌ بِنْتُ امیرِ الْمُؤْمِنِینَ عَلِیهِ السَّلَامُ فَقُلْتُ وَمَنِ الشَّابُّ فَقِيلَ لِی هُوَ قَمْرُ بَنی هَاشِمٍ الْعَبَّاسُ بْنُ امیرِ الْمُؤْمِنِینَ عَلِیهِ السَّلَامُ - ثُمَّ رَأَيْتُ بِنْتَيْنِ صَغِيرَتَيْنِ کَانَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَمْ یَخْلُقْ مِثْلَهُمَا فَجَعَلَ وَاحِدَةً مَعَ زَيْنَبُ وَالْاُخْرٰی مَعَ ام کَلِثُومٌ فَسَأَلْتُ بَعْضَ النَّاسِ عَنْهُمَا فَقِيلَ لِی هُمَا سَکِیْنَةُ وَفَاطِمَةُ بَنَاتُ الْحُسَیْنِ - ثُمَّ خَرَجَ غَلَامٌ اُخْرَ کَانَ الْبَدْرُ الطَّالِعُ وَمَعَهُ امْرَاةٌ وَعَلٰی کَتِفِهَا طِفْلٌ صَغِيرَةٌ وَقَدْ حَفَّتْ بِهَا امَائِهَا فَارَ کِبَهَا ذَلِكَ الْغَلَامُ الْمُحْمَلُ فَسَأَلْتُ عَنْهَا وَعَنِ الْغَلَامِ - فَقِيلَ لِی - اَمَّا الْغَلَامُ فَهُوَ عَلِیُّ اکْبَرُ ابْنِ الْحُسَیْنِ وَالْامْرَاةُ ام لَیْلِی زَوْجَةُ الْحُسَیْنِ وَالطِّفْلُ عَبْدُ اللّٰهِ الرُّضِیْعُ ابْنُ الْحُسَیْنِ - ثُمَّ خَرَجَ غَلَامٌ اُخْرُو وَوَجْهُهُ کَالْفَلَاقَةِ الْقَمَرِ وَمَعَهُ امْرَاةٌ فَسَأَلْتُ عَنْهُمَا ؟ فَقِيلَ لِی الْغَلَامُ هُوَ الْقَاسِمُ بْنُ الْحُسَیْنِ الْمُجَنَّبِیِّ وَالْامْرَاةُ اُمُّهُ - قَالَ ثُمَّ خَرَجَ شَابٌّ اُخْرٌ وَهُوَ یَقُولُ تَنْحَوْا عَنِّیْ یَابْنِیْ هَاشِمُ تَنْحَوْا عَن حَرَمِ الْغَرِیْبِ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ - فَتَحٰی عَنْهُ بَنی هَاشِمٍ وَاِذَا قَدْ خَرَجْتَ امْرَاةٌ مِنَ الدَّارِ وَعَلِیْهَا اَثَارُ الْمُلُوکِ وَهِيَ تَمْشِیْ عَلٰی سَکِیْنَةٍ وَوَقَارٌ وَقَدْ حَفَّتْ بِهَا امَائِهَا - فَسَأَلْتُ عَنْهُمَا ؟ فَقِيلَ لِی اَمَّا الشَّابُّ فَهُوَ زَیْنُ الْعَابِدِیْنَ بْنُ الْاِمَامِ عَلِیهِ السَّلَامُ وَاَمَّا الْامْرَاةُ فَهِيَ شَاهِ زَنَانُ بِنْتُ الْمَلِکِ اَکْسَرٰی زَوْجَةُ الْاِمَامِ - فَاتٰی بِهَا وَارَ کِبَهَا عَلٰی الْمُحْمَلِ - ثُمَّ اَرَکِبُوا بَقِیَةَ الْحَرَمِ وَالْاطْفَالَ عَلٰی الْمُحَامِلِ - فَلَمَّا تَکَامَلُوا نَادٰی الْاِمَامُ عَلِیهِ السَّلَامُ اِیْنَ اِخِیْ اِیْنَ کَبِشَ کَنْیَتِیْ، اِیْنَ قَمْرُ بَنی هَاشِمٍ ؟ فَجَابَهُ الْعَبَّاسُ - قَائِلًا لَّبِیْکَ لَّبِیْکَ - فَقَالَ لَهُ الْاِمَامُ قَدَّمَ لِیْ بِاِخِیْ جَوَادِی - فَاتٰی الْعَبَّاسُ بِالْجَوَادِ لِیْهِ وَقَدْ حَفَّتْ بِهِ بَنُو هَاشِمٍ فَآخَذَ الْعَبَّاسُ بِرُکَابِ الْفَرَسِ حَتّٰی رَکَبَ الْاِمَامُ عَلِیهِ السَّلَامُ ثُمَّ رَکَبَ بَنُو هَاشِمٍ وَرَکَبَ الْعَبَّاسُ وَحَمَلَ الرَّایَةَ اَمَامَ الْاِمَامِ عَلِیهِ السَّلَامُ - قَالَ فَصَاحَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ صَیْحَةً شَدِیدَةً - وَعَلَتْ اَصْوَاتُ بَنی هَاشِمٍ بِالْبَکَاءِ وَالنَّحِیْبِ الْوُدَاعِ الْوُدَاعِ الْفِرَاقِ الْفِرَاقِ - فَقَالَ الْعَبَّاسُ اِیْ وَ اللّٰهُ هَذَا یَوْمُ الْفِرَاقِ وَمَلْتَقٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ -

(کتاب اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 356-357)

علامہ فاضل الادیب المقرئ نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن سنان کو اپنے والد سے اور اُن کا والد اپنے والد سے روایت کرتا ہے کہ میں کوفہ کے باشندوں کا ایک خط لے کر مدینہ میں امام حسینؑ کے پاس پہنچا۔ انہوں نے خط پڑھا اور فرمایا کہ مجھے جواب کے لئے تین روز کی مہلت درکار ہے۔ میں مدینہ میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ انہوں نے عراق جانے کا پختہ فیصلہ کر لیا۔ ایک دن میں نے دل میں سوچا کہ کیوں نہ امامؑ کے گھر جاؤں اور دیکھوں کہ شہنشاہ حجاز کی سواری کس طرح شاندار اور پُر جلال طریقے پر نکلتی ہے چنانچہ میں امامؑ کے دروازہ پر حاضر ہوا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ سواریاں بہترین زین و لگام سے آراستہ کھڑی ہیں اور بہت لوگ ادب سے کھڑے ہوئے ہیں اور امامؑ ایک کرسی پر جلوہ افروز ہیں۔ اور بنی ہاشم امامؑ کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے ہیں۔ اور وہ بنی ہاشم کے جھرمٹ میں بالکل اسی طرح معلوم ہو رہے تھے جیسے تاروں میں چودھویں رات کا مکمل چاند دکھائی دیا کرتا ہے۔ اور قریب ہی حریر و دیبا سے مڑھ و مڑھین چالیس محملیں اونٹوں پر بچی ہوئی تھیں۔ پھر اُس نے کہا کہ اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے حکم دیا کہ بنی ہاشم کے متعین حضرات اپنی اپنی خواتین کو محملوں میں سوار کرائیں۔ میں یہی سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ امامؑ کے گھر میں سے ایک بڑے ڈیل ڈول کا دراز قد کڑیل جوان نکلا۔ اُس کے گال پر ایک نشان تھا اور چہرہ نکلتے ہوئے چاند کی طرح روشن تھا۔ اُس نے آواز دی کہ بنی ہاشم خلیہ کر لیں اور سر جھکا کر کھڑے ہو جائیں۔ اور اس آواز کے ساتھ ہی گھر میں سے دو خواتین باہر نکلیں۔ جو کنیزوں کے جھرمٹ میں تھیں۔ اُن کے پردہ کا یہ عالم تھا کہ

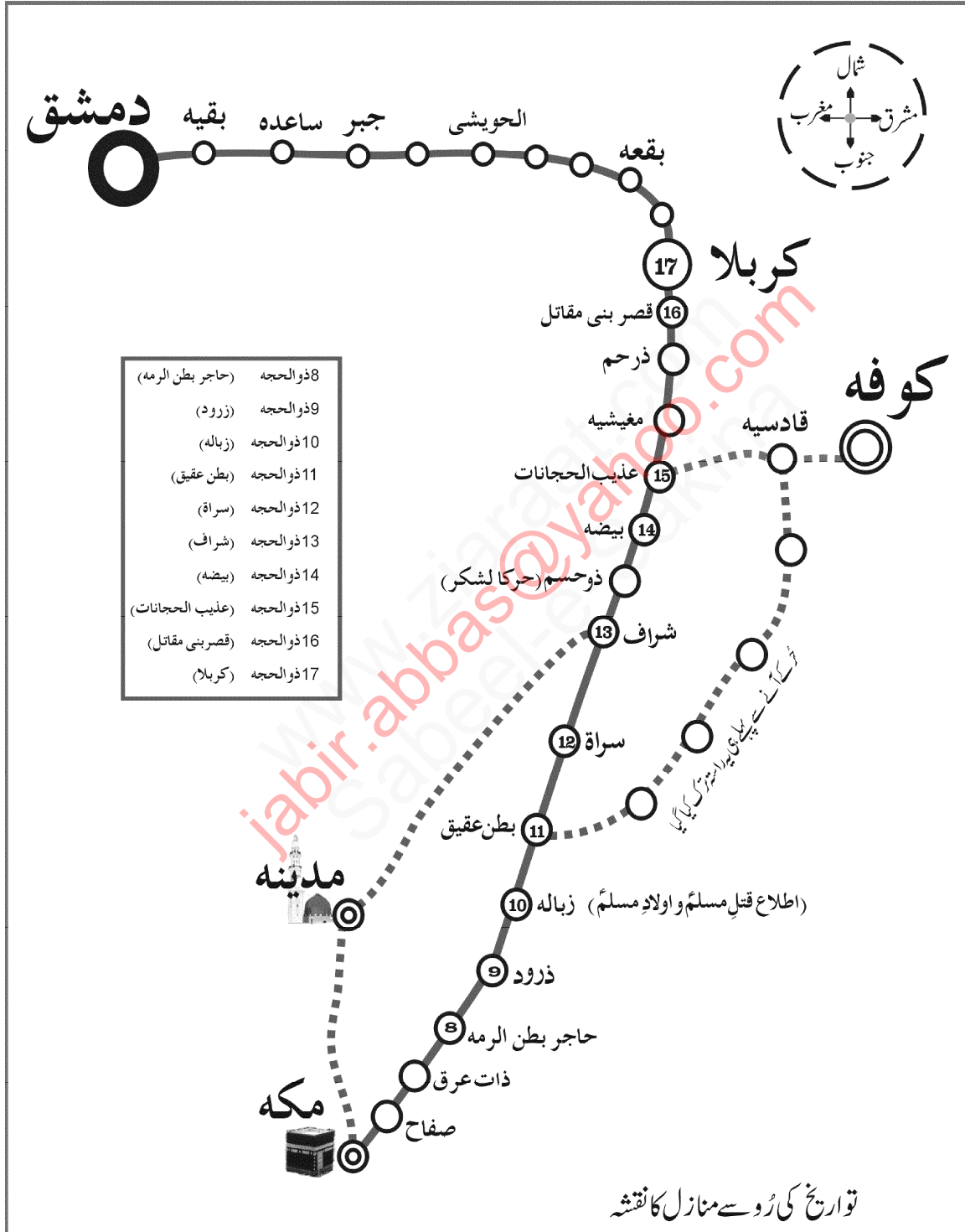
برفے چادریں زمین بوس تھیں۔ اُن کے باہر تشریف لاتے ہی وہ جوان جلدی سے بڑھا اور اُنہیں ایک محل کی طرف راہنمائی کی، اپنے زانو پر پیر رکھوایا اور بازو پکڑ کر دونوں کو باری باری ایک محل میں بڑی تعظیم کے ساتھ سوار کر کے پردہ گرا دیا۔ میں نے بعض لوگوں سے اُن دونوں شہزادیوں کے متعلق دریافت کیا تو بتایا گیا کہ اُن میں سے ایک جناب زینبؓ اور دوسری ام کلثومؓ حضرت علیؓ کی بیٹیاں تھیں۔ میں نے اُس جوان کے متعلق معلوم کیا تو مجھے پتہ لگا کہ وہ جوان قمر بنی ہاشم عباسؓ حضرت علیؓ کے فرزند ہیں۔ پھر میں نے دیکھا دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں چلی آرہی ہیں۔ شاید ہی اللہ نے اتنی حسین و جمیل بچیاں اور بھی پیدا کی ہوں؟ چنانچہ قمر بنی ہاشمؓ نے دونوں بچیوں کو اس طرح سوار کیا کہ ایک کو حضرت زینبؓ کے ساتھ اور دوسری کو جناب ام کلثومؓ کے ساتھ بٹھادیا۔ میں نے ان دونوں کے لئے پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ اُن میں سے ایک حضرت سکینہؓ اور دوسری جناب فاطمہؓ امام حسین علیہ السلام کی بیٹیاں ہیں۔ پھر ایک نو جوان گھر میں سے نکلا جیسے اچانک چاند نکل آئے پیچھے پیچھے ایک خاتون ایک شیرخوار بچے کو گود میں لئے ہوئے سابقہ خواتین کے انداز سے نکلی۔ اُسے بھی کنیریں حلقے میں لئے ہوئے تھیں۔ اُن خاتون کو اس نو جوان نے حسب سابق ایک محل میں سوار کیا۔ میں نے اُن کے اور اُس نو جوان کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ خاتون اُمّ لیلیٰؓ زوجہ حسینؓ تھیں اور نو جوان کا نام علیؓ اکبر بن حسینؓ اور وہ بچہ عبداللہ (علیؓ اصغر) بن الحسینؓ تھے۔ پھر ایک اور نو جوان باہر آیا جس کا چہرہ ماہ پارہ معلوم ہو رہا تھا۔ اور اُن کے ساتھ ساتھ ایک خاتون تھیں۔ میں نے اُن دونوں کے بارے میں معلوم کیا۔ تو مجھے بتایا گیا کہ وہ نو جوان حضرت قاسمؓ، حسنؓ مجتبیٰ کے بیٹے ہیں اور وہ خاتون قاسمؓ کی والدہ ہیں۔ اُن کے بعد ایک اور نو جوان باہر نکلا اور پکارا کہ تخلیہ کیا جائے اور اے بنی ہاشم اپنے سر جھکا کر ادب سے کھڑے ہو جاؤ کہ ابی عبداللہ الحسینؓ کی حرم تشریف لاتی ہیں۔ چنانچہ تمام بنی ہاشم جب سر جھکا کر کھڑے ہو گئے تو ایک خاتون شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ کنیروں کے حلقے میں پُوقار انداز میں برآمد ہوئیں۔ میں نے اُن دونوں کی بابت معلوم کیا تو بتایا گیا کہ وہ کرٹیل جوان حضرت زین العابدینؓ ہیں اور یہ خاتون شہنشاہ ایران کی بیٹی شاہ زناں اور حسینؓ کی زوجہ ہیں۔ چنانچہ زین العابدینؓ آئے اور شاہ زناں کو محل میں سوار کیا۔ پھر باقی اہل حرم کو اسی شان سے سوار کیا گیا۔ اور تمام بچوں کو متعلقہ محلوں میں بٹھایا گیا۔ جب تمام متعلقین سوار ہو چکے تو امّؓ نے آواز دی کہاں ہیں ریگستاں میں راہنمائی کرنے والا؟ کہاں ہے میرا بھائی عباسؓ کہاں ہے بنی ہاشم کا چاند؟ حضرت عباسؓ نے لبیک لبیک سے جواب دیا۔ امّؓ نے فرمایا کہ بھائی میرا گھوڑا لے آؤ۔ جناب عباسؓ نے گھوڑا پیش کیا۔ امّؓ بنی ہاشم کے حلقے کے ساتھ مرکب کے پاس کھڑے ہوئے۔ جناب عباسؓ نے رکاب سنبھالی اور امّؓ کو سوار ہونے میں مدد دی۔ اس کے بعد تمام بنی ہاشم گھوڑوں پر سوار ہو گئے تو جناب عباسؓ بھی سوار ہوئے اور علم سنبھال لیا۔ اور بڑھ کر امام علیہ السلام کے آگے کھڑے ہوئے۔ اہل مدینہ اور بنی ہاشم کے رونے کی آوازیں بلند ہو گئیں، فضائیں چیخوں سے گونجنے لگیں، چاروں طرف سے الوداع الوداع اور الفراق الفراق کی صدائیں آنے لگیں۔ حضرت عباسؓ نے جواباً کہا کہ واقعی آج جدائی کا ایسا دن ہے کہ اب ہماری ملاقات قیامت کے روز ہی ہوگی، یہ فرمایا اور سفر شروع کر دیا۔

(38/2) کوفہ کا راستہ چھوڑ کر بلا کی طرف بڑھنا

امام حسین علیہ السلام نے منزل زبالہ پر حضرت مسلم علیہ السلام کی شہادت کی اطلاع پائی۔ اگلی منزل بطن عقیق میں کی اور یہاں سے کوفہ کا وہ

راستہ ترک کر دیا جو قادیسیہ ہو کر کوفہ جاتا تھا۔ منزل ذو حسم میں حُرکا لشکر آ ملا۔ سفر جاری رکھا۔ عذیب سے قادیسیہ ہو کر کوفہ جاسکتے تھے۔ لیکن یہ طے ہوا کہ نہ مدینہ کی راہ جائیں نہ کوفہ کی۔

☆ نیچے منازل کا نقشہ ہے ☆



یزید کے جواب تک درمیانی راہ چلیں۔ قصر مقاتل پر یزید نے حُرْکُومَنع کر دیا کہ آگے نہ بڑھنے دو۔ لہذا کربلا میں قیام کیا گیا۔ اور یہاں سے حر، ابن سعد اور خولی نے ابن زیاد سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری کیا۔ جو آٹھویں محرم تک جاری رہا۔ اور آخری خط پہنچنے پر جنگ طے ہو گئی۔ اور بنی امیہ کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے قربانی کا دور شروع ہوا۔ اور وہ بنیاد رکھ دی گئی کہ عربوں کی سازشی حکومت ناکام ہوتی چلی جائے؟ اور ایک روز لفظ خلافت اور بیعت دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہ جائے۔ لہذا حسینؑ اور ان کے تمام اقربا و انصار نے جان پر کھیل کر مقصد حسینیؑ کو سو فیصد کامیاب کر دیا۔

(38/3)۔ تمام تواریخ و منازل کی رو سے امام حسینؑ سترہ (17) ذی الحجہ کو کربلا میں پہنچے تھے

ہماری یہ بات بھی لوگوں کو عجیب معلوم ہوگی۔ مگر ہم کوئی عجیب اور حیران کن بات کہتے نہیں ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہم نہ ملکی و قومی حکومت کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوتے ہیں نہ ہی اُس پروپیگنڈے سے فریب خوردہ علما کی بات بلا غور و خوض و تنقید کے تسلیم کرتے ہیں۔ ہمیں سب نے بتایا اور ہم نے تحقیق کے بعد مان لیا کہ امام حسین علیہ السلام آٹھ ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہوئے اور تیرہ منازل طے کر کے کربلا میں پہنچ گئے۔ لہذا تیرہ منازل کا سفر تیرہ روز میں ختم ہو گیا۔ اور اسی طرح بیس ذی الحجہ کو کربلا میں ورود ہونا چاہئے۔ مگر ایک آدھ دن اور کم کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ منزلیں گنواتے ہوئے تیرہ مقامات کے نام تو ضرور بتائے گئے ہیں۔ مگر امامؑ نے قیام مندرجہ تیرہ منازل سے کم منزلوں پر کیا ہے۔ ذرا علما کا بیان سن لیں:-

اول ”(1) صفحہ= اس منزل پر بقول طبری فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ دینوری کا بیان بھی اس کے مطابق ہے۔

(الاخبار الطوال صفحہ 245، شہید انسانیت صفحہ 277)

دوم ”(2) ذات عرق= ابن طاووس نے فرزدق سے ملاقات اس منزل پر لکھی ہے۔ فرزدق چونکہ حج کے ارادے سے جا رہے تھے۔ اور حج کو صرف ایک دن باقی تھا۔ اس لئے یقیناً یہ منزل مکہ سے بالکل نزدیک، شاید دو ہی چار گھنٹے کی راہ پر ہوگی۔ اور اسی لئے امامؑ کا اس منزل پر قیام کرنا ثابت نہیں ہے۔ بلکہ راستے پر چلتے چلتے ٹھہر کر فرزدق سے بات چیت ہوئی اور پھر آپ آگے بڑھ گئے۔ اسی منزل پر عبد اللہ بن جعفرؑ اور یحییٰ بن سعید بن العاص نے امامؑ سے آ کر ملاقات کی۔“ (ایضاً شہید انسانیت صفحہ 278-277)

لہذا معلوم ہوا کہ مکہ سے چل کر منزل ذات عرق تک کل چار یا دو گھنٹے کا سفر کیا تھا کہ فرزدق اور عبد اللہ بن جعفرؑ وغیرہ سے ملاقات کی اور آگے بڑھتے چلے گئے یعنی آپؑ نے آٹھ ذی الحجہ کو منزل حاجر جسے بطن الرمہ بھی کہا جاتا ہے پر قیام کیا اور نو (9) ذی الحجہ کو مقام زرد؛ دس (10) ذی الحجہ کو زبالہ؛ گیارہ (11) ذی الحجہ کو بطن عقیق؛ بارہ (12) ذی الحجہ کو سراة؛ تیرہ (13) ذی الحجہ کو شراف؛ چودہ (14) ذی الحجہ کو منزل ذو حسم پر عارضی پڑاؤ؛ چودہ (14) ذی الحجہ کو بیضہ پر قیام؛ پندرہ (15) ذی الحجہ کو عذیب الحجانا؛ سولہ (16) ذی الحجہ کو قصر بنی مقاتل اور سترہ (17) ذی الحجہ کو کربلا کی آخری منزل پر خیمہ زن ہو چکے تھے۔ اور اب عاشور تک مختلف انتظامات اور پروگرام کے لئے تیئیس (23) روز باقی تھے۔ لہذا امامؑ کا دو (2) محرم کو کربلا میں پہنچنا ایک ایسا فریب ہے جو دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ کو ایک دن انکار و وقوع واقعہ کربلا کا سامان فراہم کرنے کے لئے دیا گیا تھا۔ چنانچہ مرزا حیرت اور شیخ الشیوخ اور مسٹر عزیز صدیقی وغیرہم کا انکار اسی قسم کے

مغالطوں پر منحصر ہے۔ لیکن ہم نے سیدھا سیدھا اور بچوں تک کے سمجھ لینے کا حساب پیش کیا ہے اور یہ سب خود اُن ہی فریب دہندہ و فریب خوردہ علما کے مسلمات کو سامنے رکھ کر ثابت کیا ہے۔ اور انکار کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ صحیح ہے کہ کربلا میں پہنچنے سے اگلے روز عمر سعد ملعون معہ چھ ہزار سواروں کے کربلا میں پہنچا اور اُسی دن سے امام حسینؑ، اہل حرّم، اور صحابہ علیہم السلام پر پانی بند کر دیا۔ اس تیس دن کے عرصہ میں مدفن کی جگہ کا انتخاب و خریداری ہوئی اور یہ عمر سعد کے پہنچنے سے پہلے پہلے ہوئی تھی۔ اس لئے کہ عمر سعد نے تمام راہیں بند کر دی تھیں اور آپؐ کربلا کے میدان میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب آپؐ نے بنی اسد اور آس پاس کے قبائل سے رابطہ قائم کیا اور انہیں شہادت کے بعد کے لئے وصیت کی اور مستورات تک کو آمادہ کر دیا کہ وہ خود دفن شہدا کا کام انجام دیں۔

(38/4)۔ کربلا میں آخری پانی کب اور کون لایا تھا؟

مومنین کو یاد رکھنا چاہئے کہ محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے فضائل اور مصائب میں کمی یا خامی بیان کرنے والی ہر روایت اور ہر راوی اور ہر وہ عالم جو ایسی روایت کو تسلیم کرتا ہے اور اپنی کتاب میں لکھتا ہے، کم از کم فریب خوردہ ورنہ جھوٹا اور فریب کار ہے۔ جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اُن حضرات میں کوئی عیب، کوئی کمی اور کوئی خامی نہ تھی تو اس ایمان کے بعد ہر اس بات کا انکار کر دو جو اُن حضرات میں عیب نکالے، اُن کے مقام بلند میں خامی یا کمی منوانا چاہے۔ یہاں ایک روایت سنئے جس سے بعض کوتاہ اندیش لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ نویں محرم کو خیام حسینیؑ میں پانی لایا گیا تھا۔ یعنی روایت سے یہ سمجھا گیا کہ شہدائے کربلا مسلسل تین روز پیاسے نہیں رہے۔ لہذا اگر روایت کا مطلب بھی یہی ہوتا تو بھی ہم اس کا انکار کر دیتے۔ لیکن یہاں تو روایت صحیح ہے مگر مطلب غلط لیا گیا ہے۔ یعنی وہ تمام علما جو اس روایت سے نویں محرم کو پانی آنے کا مطلب نکالتے ہیں وہ، وہ لوگ ہیں جو کوشش کر کے ہمارے مسلمات کو توڑنا چاہتے ہیں سنئے:-

وفی اَمّالِی الصّدّوق ثم انّ الحسینؑ امر بحفیرة فحفرت حول عسکرہ شبہ الخندق وامر فحشیت حطبًا وارسل ابنہ علیاً فی ثلاثین فارسًا وعشرین راجلاً یستسقوا الماء وهم علی وجل شدید..... ثم قال علیہ السلام لا صحابہ قوموا فاشربوا من الماء یكون آخر زاد کم وتوضؤا واغتسلوا واغسلوا ثيابکم لتکون اکفانکم۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات صفحہ 248)

”حضرت صدوق رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب امالی میں بیان کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے حکم دیا کہ اُن کے لشکر کے عقب پر خندق کی طرح گڑھے کھودے جائیں اور انہیں لکڑیوں وغیرہ ایندھن سے بھر دیا جائے تاکہ وقت ضرورت آگ جلادی جائے اور پس پشت سے حملہ ناممکن ہو جائے۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؑ اکبر کو تیس سوار (حسب سابق) بیس پیادوں کے ساتھ پانی لانے کے لئے بھیجا اور جب پانی آ گیا تو تمام صحابہ اور متعلقین سے فرمایا کہ اُٹھو پانی پیو اور یہ سمجھ کر وضو اور غسل کرو اور کپڑے دھو لو کہ یہ پانی آخری پانی ہے۔ تاکہ تمہارا لباس تمہارا کفن بن جائے۔“

(38/5)۔ روایت میں کہیں نویں محرم کا نام و نشان تک نہیں ہے

اس روایت میں کسی دن اور تاریخ نئی کہ وقت تک کا بھی تعین نہیں ہے۔ مگر جبراً و زبردستی یہ مطلب اخذ کر لیا گیا کہ یہ واقعہ نویں محرم کا ہے۔ یہ روایت یہ بتاتی ہے کہ اس کے بعد پانی نہ آ سکے گا۔ یہ آخری پانی تھا۔ جو لشکر حسینیؑ میں لایا گیا۔ اور چونکہ پانی کافی مقدار

میں تھا۔ اس لئے اب نماز اور عبادت کے لئے تیمم جائز نہ تھا۔ لہذا وضو اور غسل کرنے کا حکم دیا گیا اور بتایا گیا کہ بوقت شہادت جو لباس جسم پر ہوگا وہی کفن قرار پائے گا۔ لہذا اُسے پاک و پاکیزہ ہونا چاہئے۔ لہذا یہ ہم خود سمجھ لیں گے کہ یہ پانی کم از کم دو روز کے لئے کافی ہوگا تاکہ سب لوگ اپنے کپڑے دھو سکیں۔ اور ہم یہ بھی خود ہی سمجھ لیں گے کہ بیس پیدل بہادروں کے ساتھ بیس اونٹ بھی تھے اور بیس عدد چمڑے کے بڑے ٹینک بھی تھے اور یہ کہ یہ اونٹ نہایت طاقتور اور بہت وزن اٹھانے والے تھے اور یہ بھی کہ پانی شدید جنگ کے بعد لایا گیا تھا۔ اور روایت میں لفظ **حولہ** کے معنی ہم خود پشت کی طرف کر لیں گے۔ ورنہ چاروں طرف خندق کھودنا ایک حماقت ہوگا۔ اس لئے کہ خود اپنا راستہ عقلمند انسان نہیں روکتا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی ذی ہوش شخص خود اپنے خلاف کوئی بیان نہیں دے سکتا۔ لہذا خاطمی انسانوں کی اور خصوصاً دشمن انسانوں کی بیان کردہ روایات کو بلا تنقید اور چھان پھان قبول کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ اور یہی غلطی اُن علمائے کی ہے جو طرح طرح کی متضاد و مخالفانہ روایات اپنی کتابوں میں بھر کر بیٹھ گئے اور اہل قلم اور مصنفین میں شمار ہونے کے لالچ میں مذہبی پوزیشن کا ستیاناس کر گئے۔ درحقیقت وہ دشمنانِ مذہب تھے۔ ہم اُن کے بڑے بڑے خود ساختہ اور حکومت نواز القابوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتے۔ ہم علما کو مذہب اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے قائم کردہ معیار پر جانچ کر حقیقی علما کو دشمنانِ دین سے الگ کر لیتے ہیں۔ اور پروپیگنڈے سے ہرگز متاثر نہیں ہوتے۔

(38/6)۔ عمر سعد کی افواج کر بلا میں انیس (19) روز مصروف رہی تھیں

ہم یہ روایت علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ کی کتاب بحار الانوار مترجمہ علامہ جزائری سے اُن ہی کے الفاظ میں لکھتے ہیں سنئے:-
 ”ایک مرد آھن گر (لوہار) باشندہ کوفہ سے روایت کرتا ہے۔ اُس نے کہا جب لشکر عمر سعد بد اختر امام حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے کے لئے شہر کوفہ سے چلا تو میں بھی ہتھیار و اوزار آہنگری لے کر اُن کے ساتھ گیا۔ جس وقت یہ لشکر قریب کر بلا پہنچا۔ تو میں خیموں کی میخیں اور گھوڑوں کی ٹاپیں اور نیزوں کی پیکانیں اُن اشتیاق کے لئے بناتا تھا۔ اور اگر کوئی نیزہ یا خنجر یا تلوار کج (ٹڑھی) ہو جاتی تھی۔ تو میں اُسے درست کر دیتا تھا۔ اور چونکہ میں اس فن میں استاد تھا۔ اس لئے میں نے بہت بہت روپیہ پیدا کیا۔ اور خوب شہرت پائی۔ یہاں تک کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کر بلا میں وارد ہوئے۔ ہم نے بھی بسرعت تمام نہر علقمہ کے کنارے پر خیمے برپا کئے۔ اور لڑائی شروع ہوئی۔ اور امام عالی مقام کومع اصحاب پانی سے محروم رکھا اور سب کو شہید کیا۔ میں انیس (19) دن ان لوگوں کے ساتھ رہا۔ وقت مراجعت مال بسیار لے کر اسیران اہل بیت کے ساتھ اپنے شہر میں آیا۔ عبید اللہ ابن زیاد نے اسیران اہلیت کو قید کر کے یزید کے پاس بھیج دیا۔ اور میں اپنے گھر میں رہا۔“ (مترجمہ بحار صفحہ 150 حصہ دوم)

اگر ہم عمر سعد کا کر بلا پہنچنا تیسری محرم کو مان لیں تو سازشی علما کو یہ ماننا پڑے گا کہ شہادت امام حسین علیہ السلام بیس (20) محرم کو ہوئی اور اُن کے حساب سے عمر سعد اکیس محرم کو کر بلا سے واپس گیا تھا۔ اور یہ ماننا ساری دنیا اور واقعات کے خلاف ہوگا۔ لہذا یہ ماننا ضروری ہے کہ تیرہ محرم کو عمر سعد کر بلا سے واپس گیا تھا۔ اور گیارہ محرم کو اہلیت اور سرہائے شہداء اور وہ لوہار کر بلا سے گیا اور اس سے پہلے وہ لوہار انیس دن کر بلا میں ٹھہرا۔ یعنی عمر سعد کی افواج بائیس (22) ذی الحج کو کر بلا پہنچی تھیں۔ یہ حقیقت مان کر کر بلا کے سانحہ کے تمام

واقعات اپنی اپنی جگہ ٹھیک بیٹھ جاتے ہیں۔

(الف)۔ مندرجہ بالا روایت کتاب المنتخب علامہ طریحی کے قلم سے

اب ہم اس روایت کو باقاعدہ عربی عبارت سمیت اور روز اول تا آخر مکمل طور پر لکھتے ہیں تاکہ تین علما کی سند حاصل ہو جائے۔
یہ نوٹ کریں کہ علامہ فخر الدین طریحی ایک نہایت عظیم المرتبت مجتہد، بے نظیر ادیب و علم اللغت کے ماہر نہایت مایہ ناز کتابوں کے مصنف تھے۔ مذکورہ بالا کتاب المنتخب اُن ہی کی تصنیف ہے اور وہ حضرت قاسم بن امام حسن المجتبیٰ علیہما السلام کی عروسی کے قائل ہیں اور اسی کتاب میں اس کو ثابت کیا ہے اور ہم نے واقعات کو بلا کے سلسلے میں باقاعدہ اس عروسی کا انتہائی مقام تک ثبوت فراہم کیا ہے۔ بہر حال لوہار کی روایت علامہ کے قلم سے بھی سنئے:-

وَعَنِ الْمُنْتَخَبِ حَكِي مِنْ رَجُلٍ كُوفِي حَدَّادٍ قَالَ لَمَّا خَرَجَ الْعَسْكَرُ مِنَ الْكُوفَةِ لِحَرْبِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ جَمَعْتُ وَحْدِي عِنْدِي وَاخَذْتُ أَلْتِي وَسَرْتُ مَعَهُمْ - فَلَمَّا وَصَلُوا وَطَبُوا خِيَمَهُمْ بَنَيْتُ خِيَمَةً وَصَرْتُ أَعْمَلُ أَوْتَادًا لِلْخِيَمِ وَسَكَّاءُ وَمِرَابِطٍ لِلْخَيْلِ وَاسِنَّةَ الرِّمَاحِ وَمَا عَوِجَ مِنْ سِنَانٍ أَوْ خَنْجَرٍ وَسَيْفٍ كُنْتُ بِكُلِّ ذَلِكَ بَصِيرًا فَصَارَ رَزْقِي كَثِيرًا وَشَاعَ ذِكْرِي بَيْنَهُمْ - حَتَّى أَتَى الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَعَ عَسْكَرِهِ - فَارْتَحَلْنَا إِلَى كَرْبَلَا وَخِيَمْنَا عَلَى شَاطِئِ الْعَلْقَمِيِّ وَقَامَ الْقِتَالُ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَحَمُوا الْمَاءَ عَلَيْهِ وَقَتَلُوهُ وَانْصَارَهُ وَبَنِيهِ وَكَانَ مُدَّةً أَقَامَتَنَا وَأَرْتَحَلْنَا تِسْعَةَ عَشْرَ يَوْمًا - فَرَجَعْتُ غَنِيًّا إِلَى مَنْزِلِي وَالسَّبَايَا مَعَنَا فَعَرَضْتُ عَلَى عُبَيْدِ اللَّهِ فَامَرَ أَنْ يَشْهَرَ وَهَمَّ إِلَيَّ يَزِيدُ إِلَى الشَّامِ - فَلَبِثْتُ فِي مَنْزِلِي أَيَّامًا قَلِيلًا وَإِذَا أَنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ رَاقِدٌ عَلَى فَرَاشِي طَيْفًا كَانَ الْقِيَمَةُ قَدْ قَامَتْ وَالنَّاسُ يَمُوجُونَ عَلَى الْأَرْضِ كَالْجَرَادِ إِذَا فَقَدَتْ دَلِيلَهَا وَكُلَّهُمْ دَالِعٌ لِسَانَهُ عَلَى صَدْرِهِ مِنْ شِدَّةِ الظَّمَا وَأَنَا عَتَقْتُ بَأَنِّ مَا فِيهِمْ أَعْظَمَ مَنَى عَطْشًا لِأَنَّهُ كُلُّ سَمْعِي وَبَصْرِي مِنْ شِدَّتِهِ - هَذَا غَيْرُ حَرَارَةِ الشَّمْسِ يَغْلِي مِنْهَا دِمَاغِي وَالْأَرْضُ تَغْلِي كَانِهَا الْقَيْرَ إِذَا اشْتَعَلَ تَحْتَهُ نَارٌ فَحُلْتُ أَنْ رَجُلِي قَدْ تَقَطَّعَتْ قَدَمَاهُ - فَوَاللَّهِ الْعَظِيمِ إِذَا بَرَجَلَ قَدْعُ الْمَوْقِفِ نُورُهُ وَابْتَهَجَ الْكَوْنُ بِسُرُورِهِ رَاكِبًا عَلَى فَرَسٍ وَهُوَ ذَوْشَيْبَةٍ قَدْ حَفَّتْ بِهِ الْوَفْ مِنْ كُلِّ نَبِيٍّ وَوَصِيٍّ وَصَدِيقٍ وَشَهِيدٍ وَصَالِحٍ فَمَرَّكَانَهُ رِيحٌ أَوْ سِيرَ فَلَكَ فَمَرَّتْ سَاعَةٌ وَإِذَا أَنَا بِفَارَسٍ عَلَى جَوَادٍ اعْزَلَهُ وَجْهٌ كَتَمَامِ الْقَمَرِ تَحْتَ رِكَابِهِ الْوَفْ أَنْ امْرَأَتُهُمْ وَأَوَّانُ زَجَرٍ انْزَجَرُوا فَاقْشَعَرَّتِ الْأَجْسَامُ مِنْ لَفْتَاتِهِ وَارْتَعَدَتِ الْفَرَائِصُ مِنْ خَطَرَاتِهِ فَتَأَسَّفْتُ عَلَى الْأَوَّلِ مَا سَأَلْتُ عَنْهُ خَيْفَةً مِنْ هَذَا - وَإِذَا بِهِ قَدْ قَامَ فِي رِكَابِهِ وَإِشَارَ إِلَى أَصْحَابِهِ وَسَمِعْتُ قَوْلَهُ خَذُوهُ وَإِذَا بِأَحَدِهِمْ قَاهِرٌ بَعْضُ ذِي كَلْبَةٍ حَدِيدٌ خَارِجَةٌ مِنَ النَّارِ فَمَضَى بِي إِلَيْهِ فَخَلْتُ كَتْفِي الْأَيْمَنَ قَدْ انْقَلَعَتْ فَسَلْتُهُ الْخَفَّةَ فَرَادَنِي ثَقَلًا فَقُلْتُ لَهُ سَأَلْتُكَ بِمَنْ أَمَرَكَ عَلَى مَنْ تَكُونُ قَالَ مَلِكٌ مِنْ مَلَائِكَةِ الْجِبَارِ قُلْتُ وَمَنْ هَذَا؟ قَالَ عَلِيُّ الْكَرَّارُ قُلْتُ وَالَّذِي قَبْلَهُ قَالَ مُحَمَّدٌ الْمُخْتَارُ - قُلْتُ وَالَّذِينَ حَوْلَهُ قَالَ النَّبِيُّونَ وَالصَّدِيقُونَ وَالشَّهَدَاءُ وَالصَّالِحُونَ وَالْمُؤْمِنُونَ - قُلْتُ أَنَا مَا فَعَلْتُ حَتَّى أَمَرَكَ عَلَى قَالَ إِلَيْهِ يَرْجِعُ الْأَمْرُ وَحَالِكُ حَالٍ هَؤُلَاءِ فَحَقَّقْتُ النَّظَرَ وَإِذَا بِعَمْرِ بْنِ سَعْدٍ أَمِيرِ الْعَسْكَرِ وَقَوْمٍ لَمْ أَعْرِفَهُمْ وَإِذَا بِعُنْقَةٍ سَلْسَلَةٍ مِنْ حَدِيدٍ وَالنَّارُ خَارِجَةٌ مِنْ عَيْنَيْهِ وَآذَنِيهِ فَايَقَنْتُ بِالْهَلَاكِ وَبَاقِيَ الْقَوْمِ مِنْهُمْ مَقْلُودٌ وَمِنْهُمْ مَقْهُورٌ بَعْضُهُ مِثْلِي فَبَيْنَمَا نَحْنُ نَسِيرُ وَإِذَا بِرَسُولِ اللَّهِ الَّذِي وَصَفَهُ الْمَلِكُ جَالِسَ عَلَى كُرْسِيِّ عَالٍ يَزْهُوا أَظْنَهُ مِنَ اللَّوْلُؤِ وَرَجُلَيْنِ ذِي شَيْبَتَيْنِ بَهِيَّتَيْنِ عَنْ يَمِينِهِ فَسَأَلْتُ الْمَلِكَ عَنْهُمَا فَقَالَ نُوحٌ وَابْرَاهِيمُ وَإِذَا بِرَسُولِ اللَّهِ يَقُولُ مَا صَنَعْتَ يَا عَلِيُّ؟ قَالَ مَا تَرَكْتُ أَحَدًا مِنْ قَاتِلِ الْحُسَيْنِ إِلَّا وَاتَيْتُ بِهِ -

فحمدتُ للهِ تعالیٰ علیَّ اَنِّیْ لَمْ اَكُنْ مِنْهُمْ۔ وَرَدَّ عَقْلِیَّ اِلَیَّ وَاِذَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ یَقُوْلُ قَدْ مَوْهَمَ اِلَیْهِ وَجَعَلَ یَسْتَلُّ وَیَبْكِی وَیَبْكِی كُلُّ مَنْ فِی الْمَوْقِفِ لِبُكَائِهِ لِاَنَّهُ یَقُوْلُ لِلرَّجُلِ مَا صَنَعْتَ بِطُفٍّ كَرِبَلَا بَوْلْدِی الْحَسِیْنَ فِیْجِیْبُ یَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنَا حَمِیْتُ الْمَاءَ عَلَیْهِ؛ وَهَذَا یَقُوْلُ اَنَا قَتَلْتُهُ؛ وَهَذَا یَقُوْلُ اَنَا سَلَبْتُهُ وَهَذَا یَقُوْلُ اَنَا وَطَنْتُ صَدْرَهُ بِفَرْسِی - وَمِنْهُمْ مَنْ یَقُوْلُ اَنَا ضَرَبْتُ وَلَدَهُ الْعَلِیْل - فَصَاحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ - وَאוּלَدَاهُ وَاقِلَّةٌ نَاصِرَاهُ وَاحْسِیْنَاهُ وَاعْلَیَّاهُ هَكَذَا جَرِی عَلَیْكُمْ بَعْدِی - اَنْظُرْ یَا اَبِیْ اَدَمُ اَنْظُرْ یَا اِخِی نُوْحٌ كَيْفَ اَخْلَفُوْنِی فِی ذَرِیَّتِی فَبَكَوْ حَتّٰی ارْتَجَّ الْمَحْشَر - فَاَمْرُبُهُمْ زَبَانِیَّةَ جَهَنَّمَ یَجْرُوْنَهُمْ اَوَّلًا فَاَوَّلًا اِلَی النَّارِ فَاِذَا بِهِمْ قَدْ آتَوْا بِرَجُلٍ فَسَنَلُهُ فَقَالَ مَا صَنَعْتَ شَیْئًا فَقَالَ اَمَا كُنْتُ نَجَّارًا قَالَ صَدَقْتَ یَا سَیِّدِی لَكِنِّی مَاعَمَلْتُ شَیْئًا اِلَّا عَمُوْدَ الْخِیْمَةِ لِحَصِیْنِ بْنِ نَمِیْرٍ لِاَنَّهُ اِنْكَسَرَ مِنْ رِیْحٍ عَاصِفٍ فَوَصَلْتُهُ - فَبَكِی فَقَالَ كَثُرَتْ السَّوَادُ عَلٰی وَلَدِی خَذُوْهُ اِلَی النَّارِ فَاخْذُوْهُ وَصَاحُوا لَا حَكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَوَصِیِّهِ قَالَ الْحَدَّادُ فَاِیْقَنْتُ بِالْهَلَاكِ فَاَمْرُبِی فَقَدْ مَوْنِی فَاَسْتَخْبِرْنِی فَاخْبِرْتَهُ فَاَمْرُبِی اِلَی النَّارِ وَفَمَا سَحَبُوْنِی اِلَّا وَانْتَبَهْتُ وَحَكِیْتُ لِكُلِّ مَنْ لَقِیْتُهُ وَقَدْ یَبِیسُ لِسَانُهُ وَمَاتَ نَصْفُهُ وَتَبَرَّءَ مِنْهُ كُلُّ مَنْ یَحِبُّهُ وَمَاتَ فَقِیْرًا۔“ (اَکْسِیْرُ الْعِبَادَاتِ فِی اَسْرَارِ الشَّهَادَاتِ - صَفْحَہ 449-450)

کتاب المنتخب میں ایک کوئی شخص سے جو لوہا ہار تھا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے بتایا کہ جب امام حسین بن علی علیہما السلام کے مقابلہ کے لئے کوفہ سے افواج روانہ ہوئیں تو میں بھی خام لوہا اور لوہاری اوزار لیکر فوج کے ساتھ ساتھ روانہ ہو گیا تھا۔ اور جب افواج وہاں پہنچیں اور انہوں نے خیمے اور طنبلوگانا شروع کئے تو میں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اپنا خیمہ لگایا اور خیموں کی میخیں اور کھونٹے، گھوڑوں کے دہانے، نعل، ہمیزیں۔ نیزوں کی انیاں، مڑی ہوئی برچھیاں اور خنجر اور تلواریں اور چھریوں کی کند شدہ دھاروں کو درست کرنا شروع کر دیا۔ اس لئے کہ میں ان تمام کاموں میں تجربہ و مہارت رکھتا تھا۔ مجھے بڑی آمدنی ہوئی اور ان افواج میں میرا بڑا چرچا رہا۔ اس دوران امام حسین علیہ السلام مع اپنی سپاہ کے آگئے تھے۔ چنانچہ ہمارا قیام اب نہر علقمہ کے کنارہ پر تھا۔ جنگ شروع ہو گئی تھی اور پانی بند کر دیا گیا تھا۔ بہر حال امام حسینؑ اور ان کے خاندان کے افراد اور تمام ان کے مددگاروں کو قتل کر دیا گیا۔ ہمارے قیام کی مدت روانہ ہونے تک صرف انیس (19) روز رہی تھی۔ اس کے بعد میں مالا مال ہو کر قیدیوں کے ساتھ ساتھ اپنے گھر لوٹا۔ اسیران اہلبیت، ابن زیاد کے روبرو پیش کئے گئے۔ اس نے حکم دیا کہ ان کی تشہیر کرتے ہوئے شام میں یزید کے پاس لے جاؤ۔ اسکے بعد مجھے اپنے گھر میں رہتے ہوئے تھوڑے دن ہوئے ہوں گے کہ ایک رات میں سونے کیلئے لیٹا ہوا تھا کہ میں نے ہنگامہ دیکھا کہ قیامت برپا ہو چکی ہے۔ اور انسانوں کے غول سمندر کی موجوں کی طرح تلاطم مچائے ہوئے ہیں اور ٹڈی دل کی طرح بکھرے ہوئے حیران پھر رہے ہیں۔ پیاس کے مارے اُنکی زبانیں سینوں تک لٹکی ہوئی ہیں۔ میری پیاس کا یہ حال تھا کہ میں کسی کو اپنے سے زیادہ پیاسا نہ سمجھتا تھا۔ پیاس کی شدت نے میرے کان اور آنکھ بے حس کر دیئے تھے۔ ادھر سورج کی گرمی نے دماغ کو پگھلا دیا تھا۔ زمین اس طرح جل رہی تھی جیسے تارکول کے نیچے آگ جل رہی ہو۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میرے پیر میری ٹانگوں سے کٹ کر الگ ہو گئے ہیں۔ ادھر ایک عظیم الشان شخص گھوڑے پر سوار نمودار ہوا اور میدان حشر منور ہو گیا اور سارے ماحول پر اُسکی مسرت سے ہیجان پیدا ہو گیا اور خوشی چھا گئی۔ اس کے جلو میں ہزاروں انبیاء، اوصیاء، صدیق و شہدا اور صالحین تھے۔ اور وہ بادتند کی طرح گزرا چلا گیا۔ ذرا دیر بعد ایک اور سوار نظر آیا جو چودہویں رات کے چاند کی طرح روشن تھا اور اسکے ساتھ بھی ہزاروں افراد ہمراہ تھے۔ اُس سوار اور اس کے ساتھیوں نے اس سختی سے دھمکا یا کہ جسم کے روٹنے کھڑے ہو گئے۔

ہوش و حواس گم ہو گئے اور ہر شخص لرزہ بر اندام ہو کر رہ گیا۔ مجھے افسوس ہوا کہ میں نے ڈر کے مارے پہلے سوار کا حال نہ پوچھا۔ بہر حال وہ دوسرا شخص اپنی رکاب میں کھڑا ہوا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس شخص کو یعنی مجھے پکڑ کر حاضر کریں۔ چنانچہ ایک شخص نے میرا بازو اس طرح پکڑا کہ گویا اس کا ہاتھ بھٹی سے نکلا اور دھکتا ہوا لوہے کا ہاتھ ہو۔ وہ مجھے گھسیٹ کر لے چلا۔ میں نے نرمی کے لئے کہا تو اُس نے گرفت اور بھی سخت کر لی۔ میں نے اُسے قسم دی اُسی کی جس کا حکم بجالا رہا تھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں اللہ کا ایک فرشتہ ہوں۔ میں نے پوچھا وہ شخص کون ہے کہا وہ علی ہیں۔ دوسرے شخص کے لئے پوچھا تو محمدؐ بتایا۔ اور یہ پوچھا کہ اُن کے ہمراہی کون ہیں۔ اُس نے بتایا کہ وہ انبیاء ہیں، صدیق ہیں، شہداء ہیں اور صالح مومنین ہیں۔ میں نے کہا کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے؟ فرشتے نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ ہمیں جیسا حکم ملا اس کی تعمیل کرنا ہے۔ ہاں تیرا حال وہی ہوگا جو اُس قوم کا حال ہے۔ سامنے دیکھا تو عمر سعد سپہ سالار لشکر اور اس کے ساتھ ایک انبوہ ہے جسے میں پہچانتا نہیں تھا۔ عمر سعد کی گردن میں لوہے کی آگ سے دہکتی ہوئی زنجیر ہے۔ اور اس کے دونوں کانوں اور آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔ اور اس کے ساتھی بھی طوق و زنجیر میں گرفتار ہیں اور کچھ کو میری طرح گھسیٹے جا رہے ہیں۔ اب مجھے اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ ادھر ہم یوں لائے جا رہے تھے۔ ادھر دیکھا تو رسول اللہ ایک بہت بلند کرسی پر جلوہ افروز ہیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کرسی لُو لُو اور موتیوں کی بنی ہوئی ہے۔ اور رسول اللہ کی داہنی جانب دو نہایت حسین و جمیل اشخاص کھڑے ہیں۔ میں نے فرشتے سے معلوم کیا تو اس نے بتایا کہ وہ حضرت نوحؑ اور جناب ابراہیمؑ ہیں۔ رسولؐ نے علیؑ سے پوچھا کہ اب تک آپ نے کیا کیا ہے۔ فرمایا کہ میں نے قاتلان حسینؑ میں سے کسی کو نہیں چھوڑا سب کو لے کر حاضر ہوا ہوں۔ لو ہار کہتا ہے کہ یہ سُن کر میری جان میں جان آئی میں نے سوچا کہ میں بچ جاؤں گا اس لئے کہ میں قاتلوں میں سے نہیں ہوں۔ میری عقل نے کام شروع کر دیا۔ دیکھا تو رسول اللہ نے فرمایا کہ سب کو باری باری آگے لاؤ۔ لوگ لائے جاتے تھے۔ وہ اپنے اپنے مظالم سناتے تھے اور رسول اللہ اور تمام حاضرین سُن سُن کر روتے جاتے تھے۔ اس لئے کہ ہر شخص سے سوال کیا جاتا تھا کہ تو نے کر بلا میں کیا کیا تھا؟ کوئی کہتا تھا کہ پانی بند کیا تھا۔ کوئی بتاتا تھا کہ میں نے قتل میں حصہ لیا تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ میں نے انہیں لُوٹا تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ میں نے اُن پر گھوڑا دوڑایا تھا۔ کسی نے بتایا کہ میں نے حسینؑ کے بیمار فرزند کو مارا تھا۔ آخر رسول اللہ نے چیخ ماری اور فرمایا کہ ہائے میرے بیٹے، ہائے ناصروں کی کمی، ہائے حسینؑ ہائے علیؑ اکبر تم پر یہ تمام مصیبت گزر گئی۔ دیکھو اے بابا آدمؑ دیکھو اے بھائی نوحؑ دیکھو میرے بعد میری اولاد کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ رسول اللہ کا یہ بیان سُن کر سب رونے لگے اور اہل محشر میں کہرام برپا ہو گیا۔ پھر آنحضرتؐ نے جہنم کے فرشتوں کو حکم دیا کہ اُن سب کو باری باری جہنم کے عذاب میں مبتلا کرو۔ اتنے میں ایک اور شخص کو لایا گیا اور پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ مولا میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ اس پر اُسے بتایا گیا کہ تو عمر سعد کی فوج میں بڑھئی تھا۔ اس نے کہا کہ حضورؐ نے سچ فرمایا ہے۔ میں نے اس کے سوا اور کچھ نہیں کیا کہ آندھی میں حصین بن نمیر کے خیمہ کا بانس ٹوٹ گیا تھا میں نے اُس کی مرمت کر دی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بہر حال تو میرے بیٹے کی مخالف فوج کی تقویت کا باعث ہوا ہے۔ اور حکم دیا کہ اُسے بھی جہنم واصل کرو۔ ملائکہ نے کہا کہ احکام دینے کا حق صرف اللہ، رسولؐ اور اُسکے وصیؑ کو ہے۔ لو ہار کہتا ہے کہ یہ دیکھ کر مجھے اپنی تباہی کا یقین ہو گیا۔ دریافت کرنے پر میں نے بھی حقیقت حال عرض کر دی۔ حکم ہوا کہ اُسے بھی دوزخ میں لے جاؤ۔ جب ملائکہ نے

مجھے گھسیٹا تو دہشت سے میری آنکھ کھل گئی۔ اور صبح کو میں نے اس خواب کی سرگزشت سب کو سُنا دی۔ کہا گیا کہ بعد میں اس شخص کا آدھا جسم بے کار ہو گیا، زبان خشک ہو گئی اور اُسکے تمام شناسا اور دوست اس پر لعنت کرتے تھے۔ آخر وہ فقیری و محتاجی کے عالم میں مر گیا۔“ (اکسیرالعبادات فی اسرارالشہادات - صفحہ 449-450)

مؤمنین نوٹ کریں کہ اس روایت کی موجودگی میں کسی اور روایت کی بتائی ہوئی مدت کو ہرگز قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلے کی باقی تمام روایات نامکمل اور ناقابل قبول ہیں۔ اس لئے کہ کربلا میں قیام کی مدت کم از کم انیس یا بیس دن ہونا لازم ہے۔ اس سے کم مدت میں واقعات کربلا وقوع میں آ ہی نہیں سکتے تھے۔

(38/7)۔ کربلا میں شہدا کی تعداد؛ سروں کی تقسیم اور قتل میں شریک بڑے قبائل

کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں آنے والی افواج کو خالص کوفہ کے باشندوں کی فوج بنانے والے حضرات کی غلطی ثابت کرنے کے لئے ہم یہ دکھاتے ہیں کہ میدان جنگ میں عرب کے مشہور ترین قبائل خاص طور پر شامل ہوئے تھے اور وہی قبائل تھے جو محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے دشمن اور پورے عرب میں پھیلے ہوئے تھے اور انہیں میدان کربلا میں جمع کیا گیا تھا۔ چنانچہ محمد بن ابی طالب لکھتے ہیں کہ:-

(الف)۔ فاعلم انّ محمد بن ابی طالب قال قد روى أنّ رؤس اصحاب الحسين واهلبية كانت ثمانية وسبعين رأساً واقتسمتها القبائل ليقربوا بذلك إلى ابن زياد ويزيد۔ (1) فجاءت كندة بثلاث عشرين رأساً وصاحبهم قيس بن الاشعث (2) وجاءت هوازن باثني عشر رأساً وفي رواية ابن شهر آشوب بعشرين وصاحبهم الشمر (3) وجاءت تميم بسبعة عشر رأساً وفي رواية ابن شهر آشوب بتسعة عشر رأساً (4) وجاءت بنو اسد بستة عشر رأساً وفي رواية ابن شهر آشوب بتسعة رؤس (5) وجاءت مذحج بسبعة رؤس وجاء سائر الناس بثلاثة عشر رأساً۔ وقال ابن شهر آشوب وجاء سائر الجيوش بتسعة رؤس ولم يذكر مذحج قال فذلك سبعون رأساً۔ (اکسیرالعبادات فی اسرارالشہادات صفحہ 470)

”روایت کی گئی ہے کہ امام حسینؑ کے صحابہ اور اہلبیت کے کل سرائٹھتر (78) تھے۔ جنہیں مختلف قبائل میں اس لئے تقسیم کر دیا تھا کہ ابن زیاد اور یزید کی نظر میں ان قبیلوں کی قدر و منزلت بڑھ جائے۔ چنانچہ 1: قبیلہ کندہ کے ساتھ تیرہ (13) سر تھے اور ان پر قیس بن اشعث نگران تھا۔ 2: قبیلہ هوازن کے ساتھ بارہ (12) سر تھے۔ اور ابن شهر آشوب کے مطابق بیس (20) سر تھے۔ اور وہ شمر کی تحویل میں تھے۔ 3: قبیلہ تمیم کو سترہ (17) سر دیئے گئے تھے۔ مگر ابن شهر آشوب نے انیس (19) سروں کا ہونا لکھا ہے۔ 4: قبیلہ بنو اسد کے ساتھ سولہ (16) سر تھے۔ ابن شهر آشوب یہاں کل نو (9) سر لکھتا ہے۔ 5: قبیلہ مذحج کے پاس سات (7) سر تھے۔ اور باقی تمام لوگوں کے ہمراہ تیرہ (13) سر تھے۔ مگر ابن شهر آشوب نے کہا ہے کہ باقی کل فوج کے پاس صرف (9) سر تھے۔ اور اُس نے قبیلہ مذحج کا ذکر ہی نہیں کیا اور کہہ دیا کہ اس طرح شہدائے کربلا کے ستر (70) سر تھے۔

(ب)۔ ان روایات کی پوزیشن اور ہمارا فیصلہ

قارئین و ناظرین یہ سمجھ کر اقدام کریں کہ فوج ابن سعد نے یقیناً نہ تو تمام شہدائے کربلا کے سر کاٹے ہوں گے۔ نہ انہیں تمام شہدا کی لاشیں ہی ملی ہوں گی۔ اس لئے کہ حملہ اولیٰ اور حملہ ثانیہ میں جو جنگ مغلوبہ ہوئی ہے اُن میں شہید ہونے والوں کی تعداد اور قتل ہو کر گرنے کا مقام معلوم ہونا ممکن ہی نہ تھا۔ جن شہدا کے سر کاٹ کر لائے گئے تھے وہ یقیناً وہ حضرات تھے جن کو سارا عرب پہچانتا تھا۔ اور جن کی لاشوں کو امامؑ نے ساتھ کے ساتھ میدان جنگ سے لالا کر ایک جگہ جمع کیا تھا۔ یہ سوال تو زیر بحث رہا ہے کہ امامؑ کے ساتھ کربلا میں کتنے رفقاء اور فداکار تھے؟ بہر حال جن شہدا کا نام بنام ذکر کیا گیا ہے۔ جنہوں نے میدان جنگ میں چیلنج اور وعظ و پند کے بعد جنگ کی تھی اُن کی تعداد ایک سو دس (110) تسلیم شدہ ہے۔ لہذا ہم سرہائے شہدا علیہم السلام کی اُس تعداد کو قبول کریں گے جو صحیح تعداد کے قریب ہوگی۔ اور اس اصول سے ہم مندرجہ بالا روایت میں سے زیادہ سے زیادہ مذکور شدہ تعداد کو اختیار کرتے ہیں اور وہ یوں ہے کہ:-

i۔ قبیلہ کندہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد 13 ہے۔

ii۔ قبیلہ ہوازن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد 20 ہے۔

iii۔ قبیلہ تمیم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد 19 ہے۔

iv۔ بنو اسد کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد 16 ہے۔

v۔ قبیلہ مذحج کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد 7 ہے۔

vi۔ باقی فوج کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد 13 ہے۔

لہذا کل سرہائے شہدا کی تعداد اٹھاسی (88) صحیح تعداد ہے اب بھی بائیس کم رہتی ہے، ایک سو دس (110) ہونے میں۔

(ج)۔ شہدائے بنی ہاشم کی تعداد اور نام مختلف روایات کی تاریکی میں

مومنین اور محبان اہلبیتؑ یہ نوٹ کریں کہ اگر کربلا میں دو چار بنی ہاشم قتل کئے گئے ہوتے تو مخالف قومی حکومت کا جرم ہلکا اور کم گھناؤنا ہوتا۔ لیکن وہاں تو یہ کوشش کی گئی تھی کہ علیؑ اور اولاد علیؑ کا اور اُن کی طرح سوچنے والے تمام ہم خیال لوگوں کا دنیا سے صفایا کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے سربراہان حکومت انتظام کرتے، وصیتیں لکھتے اور بتدریج میدان قتال تیار کرتے چلے آئے تھے۔ رجب سے ماہ ذی الحجہ کی آخری تاریخوں تک چھ ماہ کا زمانہ تو وہ آخری زمانہ ہے جس میں سابقہ سربراہ حکومت کے تیار کردہ پروگرام پر عمل کرنے اور امامؑ کو مدینہ سے نکالنے اور پورے ملک میں ایک سمت کو چھوڑ کر نا کہ بندی کرنے اور افواج کو پھیلانے اور سمیٹنے کا کام انجام دیا گیا۔ تاکہ خانوادہ رسولؐ اور اُس سے ہم آہنگ و ہم مسلک لوگ فطری طور پر ایک نقطہ یعنی کوفہ یا کربلا میں جمع ہو جائیں۔ اور وہاں اُن کا قتل عام کر کے قومی حکومت کا راستہ صاف کر دیا جائے۔ لہذا جو حضرات کربلا کے میدان میں شہدائے کربلا کی تعداد کو کم کر کے پیش کرتے رہے ہیں، وہ یزید اینڈ کمپنی کے جرم کو ہلکا کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔ لیکن ہم چودہویں صدی میں پیدا ہونے کی مجبوری کو کہاں لے

جائیں؟ ہم نظام اجتہاد کی ضائع کردہ ہزار ہا قدیم کتابیں کہاں سے لائیں؟
بہر حال آئیے کم از کم یہ دیکھ لیجئے کہ یزید اینڈ کمپنی کی طرفداری میں اہل قلم نے کتنا حصہ لیا اور کتنا انصاف کیا؟ علامہ در بندی رضی اللہ عنہ
نے لکھا ہے کہ:-

وَأَمَّا عَدَدُ الْمَقْتُولِينَ مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ فَهُوَ مِمَّا اخْتَلَفَ فِيهِ فَلَا كَثْرُونَ عَلَى أَنَّهُمْ كَانُوا سَبْعَةً وَعَشْرِينَ - سَبْعَةٌ مِنْ بَنِي عَقِيلٍ : (1) مُسْلِمٌ
الْمَقْتُولُ بِالْكُوفَةِ وَ (2) جَعْفَرُ وَ (3) عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنُ عَقِيلٍ وَ (4) مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلَمٍ وَ (5) عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُسْلَمٍ وَ (6) مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي
سَعِيدٍ بْنُ عَقِيلٍ (7) وَأَبِي سَعِيدٍ بْنُ عَقِيلٍ - وَزَادَ ابْنُ شَهْرٍ أَشُوبٌ عَوْنًا وَمُحَمَّدُ بْنُ عَقِيلٍ -

وَالثَّلَاثَةُ مِنْ وَلَدِ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ (1) مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ (2) عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ وَ (3) عَوْنُ الْكَابِرِ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ -
وَمِنْ وَلَدِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ تِسْعَةٌ (1) الْحُسَيْنُ إِمَامٌ (2) وَالْعَبَّاسُ وَابْنُهُ (3) مُحَمَّدُ بْنُ الْعَبَّاسِ وَ (4) عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ وَ (5) عِثْمَانُ
بْنُ عَلِيٍّ وَ (6) جَعْفَرُ بْنُ عَلِيٍّ وَ (7) إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَلِيٍّ وَ (8) عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَلِيٍّ وَ (9) أَبُو بَكْرٍ (شَكَّ فِي قَتْلِهِ) -
وَأَرْبَعَةٌ مِنْ بَنِي الْحُسَيْنِ إِمَامٌ (1) أَبُو بَكْرٍ وَ (2) عَبْدُ اللَّهِ وَ (3) قَاسِمٌ وَقِيلَ (4) بِشْرٌ وَقِيلَ عُمَرُ وَكَانَ صَغِيرًا -
وَسِتَّةٌ مِنْ بَنِي الْحُسَيْنِ إِمَامٌ مَعَ اخْتِلَافٍ فِيهِ (1) عَلِيُّ الْكَابِرِ وَ (2) إِبْرَاهِيمُ وَ (3) عَبْدُ اللَّهِ وَ (4) مُحَمَّدٌ وَ (5) حَمْزَةُ وَ (6) عَلِيُّ
وَجَعْفَرُ وَعُمَرُ وَزَيْدٌ وَذَبْحُ عَبْدِ اللَّهِ فِي حَجَرِهِ وَلَمْ يَذْكُرْ صَاحِبُ الْمَنَاقِبِ إِلَّا عَلِيًّا وَعَبْدَ اللَّهِ وَاسْقَطَ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ حَمْزَةَ
وَإِبْرَاهِيمَ وَزَيْدَ وَعُمَرَ -

وَقَالَ ابْنُ شَهْرٍ أَشُوبٌ ”وَيَقَالُ لَمْ يَقْتُلْ مُحَمَّدُ الْصَغِيرُ بْنُ عَلِيٍّ (بِأَقْرَبُ مِنْ زَيْنِ الْعَابِدِينَ) لِمَرْضِهِ وَيَقَالُ رَمَاهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي دَارِمٍ
فَمَا قَتَلَهُ وَقَالَ أَبُو الْفَرَجِ جَمِيعٌ مَنْ قَتَلَ يَوْمَ الطَّفِّ مِنْ وَلَدِ أَبِي طَالِبٍ سِوَى مَنْ يَخْتَلِفُ فِي أَمْرِهِ اثْنَانِ وَعَشْرُونَ رَجُلًا -
(أكسير العبادات في أسرار الشهادات صفحہ 471-470)

اہلبیت میں سے قتل ہونے والوں کی تعداد میں اختلاف کیا گیا ہے کثرت رائے یہ ہے کہ بنی ہاشم کل ستائیس (27) شہید ہوئے۔
اول: اولاد عقیل میں سے سات (7) شہید ہوئے۔ (1) مسلم علیہ السلام جو کوفہ میں قتل ہوئے اور (2) جعفر و (3) عبد الرحمن عقیل
کے دونوں بیٹے۔ پھر (4) محمد اور (5) عبد اللہ مسلم کے بیٹے اور (6) محمد بن ابی سعید بن عقیل (7) اور ابی سعید بن عقیل اور
ابن شہر آشوب نے اولاد عقیل میں عون اور محمد کا بھی اضافہ کیا ہے۔

دوم: اور حضرت جعفر بن ابیطالب کی اولاد میں سے تین شہید 1 محمد بن جعفر 2 اور عبد اللہ بن جعفر 3 اور عون الکبر بن عبد اللہ۔
سوم: اور علی علیہ السلام کے بیٹوں میں سے نو (9) شہید۔ (1) امام حسین علیہ السلام (2) عباس علیہ السلام اور ان کے بیٹے (3) محمد
بن العباس اور (4) عمر بن علی اور (5) عثمان بن علی اور (6) جعفر بن علی اور (7) ابراہیم بن علی (8) عبد اللہ بن علی (9)
ابو بکر بن علی (ان کے کربلا میں قتل ہونے پر شک کیا گیا ہے۔

چہارم: اولاد امام حسن میں سے چار شہید (1) ابو بکر و (2) عبد اللہ و (3) قاسم اور کہا گیا ہے کہ (4) یاتو بشر قتل ہوئے یا عمر قتل
ہوئے۔ بہر حال یہ کمسن بچے تھے۔

پنجم: اولاد حسین علیہ السلام میں سے چھ شہید ہوئے (1) علی اکبرؑ و (2) ابراہیمؑ و (3) عبداللہ جو ان کی گود میں قتل ہوئے (4) محمدؑ اور (5) حمزہؑ (6) علیؑ و جعفرؑ اور عمروؑ و یزیدؑ میں سے کوئی ایک قتل ہوا۔ کتاب مناقب کے مصنف نے علیؑ اکبرؑ اور علیؑ اصغرؑ یعنی عبداللہ کے علاوہ کسی اور کا ذکر ہی نہیں کیا۔ محمد بن ابی طالب نے اپنی فہرست میں حمزہؑ اور ابراہیمؑ اور زیدؑ اور عمروؑ نہیں لکھا ہے۔

اور ابن شہر آشوب نے کہا ہے کہ محمدؑ اصغرؑ یعنی امام محمدؑ باقر اپنے بچپن اور بیماری کی وجہ سے قتل سے محفوظ رہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہیں قبیلہ بنی دارم کا ایک شخص چھپا کر لے گیا تھا۔ اس طرح قتل سے محفوظ رہے۔ ابو الفرج نے لکھا ہے کہ جن ناموں میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اُن کے علاوہ اولاد ابو طالبؑ میں سے بائیس افراد کا قتل ہونا ثابت ہے۔ (صفحہ 471-470)

لیکن دوستوں نے صرف اٹھارہ (18) کا عدد درٹ رکھا ہے۔ یعنی نو (9) شہدات ترکیب سے کم کر دیئے ہیں یہ دوستی ہے؟

(د)۔ حضرت شہر بانو کا ایک اور بچہ گوشواروں والا شہید

مومنین ایک روایت سنیں اور امام مظلوم علیہ السلام کے ننھے بچوں کا تلواروں میں بکھر کر اسلام پر قربان ہو جانا دیکھیں۔

وَقَالَ يَحْيَىٰ بْنُ الْحَسَنِ الْعُلُوِي وَاصْحَابُنَا الطَّالِبُسُون يَذْكُرُونَ أَنَّ الْمَقْتُولَ لَأُمِّ الْوَلَدِ وَأَنَّ الَّذِي اَمَهُ لَيْلَىٰ هُوَ جَدُّهُمْ وَلَدَ فِي خِلَافَةِ عَثْمَانَ - ثُمَّ قَالُوا وَخَرَجَ غُلَامٌ مِنْ تِلْكَ الْاَبْنِيَةِ وَفِي اُذُنَيْهِ دُرَّتَانِ وَهُوَ مَذْعُورٌ فَجَعَلَ يَلْتَقِتُ يَمِينًا وَشِمَالًا وَدَدَتَاهُ يَتَذَبَذَبَانِ فَحَمَلُ عَلَيْهِ هَانِي ابْنُ بَعِيثَ فَقَتَلَهُ فَصَارَتْ شَهْرُ بَانُو تَنْظُرُ اِلَيْهِ وَلَا تَتَكَلَّمُ كَالْمَدْهُونَةِ۔ (ایضاً صفحہ 471)

”بچی! بن حسن علوی کہتا ہے کہ ہمارے محقق صحابہ نے ذکر کیا ہے کہ صاحب اولاد کنیز کا بیٹا جو قتل ہوا اور یہ کہ اس کی والدہ لیلیٰ تھیں اور اُن کا دادا خلافت عثمان کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے یہ کہا ہے کہ خیام حسینیؑ سے ایک بچہ بڑی تیزی سے نکلا جس کے دونوں کانوں میں موتیوں والے بُندے تھے۔ وہ کسی کی تلاش میں حیران اور گھبرایا ہوا دابنے بائیں دیکھتا جاتا تھا کہ اُس پر ہانی ابن بُعیث نے حملہ کر دیا اور بچہ کو قتل کر دیا۔ عین اُس وقت جناب شہر بانو پہنچیں وہ بچہ کی طرف سرگشتگی کے عالم میں دیکھے چلی جا رہی تھیں۔ مگر منہ سے کچھ نہ بول سکتی تھیں۔“ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 471)

اس معصوم بچہ کا تذکرہ نہ علماء کرتے ہیں نہ ذاکروں کو معلوم ہے نہ شہدا کی تعداد میں اُن کا شمار کیا گیا ہے۔

(ه)۔ حسینی لشکر کی تعداد علامہ مسعودی کی تحقیق

علامہ مسعودی اپنی تاریخ مروج الذهب میں لکھتے ہیں کہ:-

قال المسعودی فی کتاب مَرَّوَج الذهب فعَدَلَ الْحُسَيْنُ اِلَىٰ كَرْبَلَا وَهُوَ فِي مَقْدَارِ الْفَارِسِ مِنْ اَهْلِيَّتِهِ وَاصْحَابِهِ وَنَحْوِ مَائَةِ رَاجِلٍ فَلَمْ يَزَلْ يِقَاتِلُ حَتَّى قَتَلَ وَكَانَ الَّذِي تَوَلَّى قَتْلَهُ رَجُلٌ مِنْ مَذْحِجٍ وَقَتْلُ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَخَمْسِينَ سَنَةً وَقِيلَ ابْنُ تِسْعٍ وَخَمْسِينَ سَنَةً وَقِيلَ غَيْرَ ذَلِكَ - وَوَجَدَ يَوْمَ قَتْلِ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِينَ طَعْنَةً وَارْبَعٍ وَثَلَاثُونَ ضَرْبَةً - وَضَرَبَ زُرْعَةَ بْنِ شَرِيكٍ التَّمِيمِي كَفَّهُ الْيَسْرَى وَطَعَنَهُ سَنَانُ بْنُ اَنَسٍ النَّخْعِي ثُمَّ نَزَلَ وَاجْتَزَّ رَاسَهُ وَتَوَلَّى قَتْلَهُ مِنْ اَهْلِ الْكُوفَةِ خَاصَّةً لَمْ يَحْضُرْهُمْ شَامِيٌّ وَكَانَ جَمِيعٌ مَنْ قَتَلَ مَعَهُ سَبْعًا وَثَمَانِينَ وَكَانَ عِدَّةُ مَنْ قَتَلَ مِنْ اصْحَابِ عَمْرِ بْنِ سَعْدٍ فِي حَرْبِ الْحُسَيْنِ ثَمَانِيَةً الْاَفْ وَثَمَانِينَ رَجُلًا -“

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات صفحہ 472)

امام حسین علیہ السلام کر بلا میں آئے تو اُن کی فوج میں ایک ہزار سوار اور ایک سو کے قریب قریب پیادہ تھے۔ اور یہ تعداد اُن کے اہلبیت اور اصحاب کی تھی (یعنی اس میں اغیار شمار نہیں)۔ چنانچہ امامؑ نے برابر جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور اُن کے قتل کی ذمہ داری قبیلہ مذحج کے ایک فرد نے لی تھی۔ اور شہادت کے وقت اُن کی عمر پچپن (55) سال تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُن کی عمر انسٹھ (59) سال وغیرہ تھی اور اُن کے جسم پر تینتیس (33) نیزوں کے گھاؤ تھے اور چونتیس تلوار کے زخم تھے۔ اور اُن کے بائیں ہاتھ پر زرعہ بن شریک نے ضرب لگائی اور سنان بن انس نخعی نے نیزہ کا وار کیا۔ یہ آخری زخم کھا کر آپ زمین پر گرے۔ اور اُن کا سرمہ مبارک کاٹ لیا گیا۔ اور جان لینے کی ذمہ داری خاص طور پر اہل کوفہ کے سرگئی اور اس میں کوئی شامی شریک نہیں ہوا۔ اور جو لوگ امامؑ کے ساتھ قتل کئے گئے اُن کی تعداد ستاسی (87) تھی۔ اور جو لوگ عمر بن سعد کی طرف سے حسینؑ سے جنگ کرنے میں قتل ہوئے اُن کی تعداد آٹھ ہزار اسی (8080) تھی۔“ (اکسیر العبادات صفحہ 472)

(38/8)۔ کر بلا میں افواج یزید کی تفصیل سرکاری تاریخ کا فریب

وہ مومنین جو نظامِ اجتہاد کے تیرہ سو سالہ پروپیگنڈے اور منظم سازش سے متاثر ہو کر بات بات میں گھبرا اُٹھتے ہیں۔ اور ذرا سی غیر مانوس اور خلاف پسند بات سن کر روایات کے غلط ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا کرتے ہیں۔ اور یہ خیال نہیں کرتے کہ جن کتابوں پر وہ ایمان رکھتے ہیں وہ دشمنانِ اسلام اور دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی حکومتوں کے خانہ ساز علماء و محدثین و مؤرخین نے لکھی تھیں اُن میں ایک بات بھی تو ایسی نہیں لکھی جاسکتی تھی جو کسی بھی ملکی اور قومی اور حکومت و وقت کی پالیسی کے خلاف ہوتی۔ اُن کتابوں کے لکھنے والے حکومت کے وظیفہ خوار و تنخواہ دار اہل قلم ہوتے تھے۔ حکومت کے خلاف زبان کھولنے والوں کی زبانیں گدّی سے کھینچی جاتی تھیں، اُن کا گھر بار لوٹ لیا جاتا تھا، اُن کے عزیز واقربا اور بچے تہہ تیغ کر دیئے جاتے تھے۔ پھر اُن ہی کے تیار کردہ ذخیرہ سے شیعہ مجتہدین نے استفادہ کیا اور زیادہ تر اُن ہی کے قدم بقدم چلے۔ اُن نام نہاد شیعہ علما نے رسولؐ کی چار بیٹیاں تسلیم کیں اور اپنی تصنیفات میں نام بنام لکھا۔ اُن ملاعین نے ام کلثومؓ بنت فاطمہؓ کی خلیفہ ثانی سے شادی کو تسلیم کیا اور اپنی کتابوں میں لکھا۔ اُن خبیثوں نے دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ہر سازش میں ہاتھ بٹایا۔ اُنہوں نے یہ مانا اور لکھا کہ میدان کر بلا میں امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ پر خالص کوفیوں کی فوج تھی۔ دیکھئے ہمارے زمانہ کے نہایت سلجھے ہوئے اور خود ہمارے پسندیدہ مقرر و مصنف جناب علی نقی عرف نقن صاحب لکھتے ہیں کہ:-

1: ”مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سرزمین کر بلا پر روز عاشور اہل شام میں سے کسی ایک شخص کی بھی موجودگی ثابت نہیں ہے۔“

(شہید انسانیت صفحہ 335)۔ اگلے صفحہ پر یہ فیصلہ صادر فرمادیا کہ:-

2: ”جتنی فوج واقعہ کر بلا میں حضرت امام حسینؑ کے سامنے موجود تھی۔ وہ تمام تر ”کوفی“ لوگوں کی تھی۔“ (ایضاً صفحہ 336)

آپ نے دیکھ لیا کہ علامہ علی نقی بھی اتنے جہاندیدہ و سنجیدہ ہوتے ہوئے حکومت کی ساختہ پرداختہ تاریخ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جس واقعہ پر اُس تاریخ کے بیانات کی کثرت متفق ہوتی ہے اُس کو ایک تاریخی حقیقت قرار دے کر سو فیصد حق و صحیح سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت کا پتہ لگانے اور صحیح حالات کو سرکاری پروپیگنڈے سے الگ کرنے کا اصول یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہر اُس بیان کو رد کیا جاتا جو اُس ملکی

دومی حکومت کی پالیسی کی تائید کرے، جو نام نہاد مسلمان سربراہوں کو پسند ہو یا اُن کے خلاف قرآن عقائد کے مطابق ہو۔ اب آپ ہمارا طرز عمل دیکھیں اور پتہ لگائیں کہ حق بات کیا ہے؟ اور باطل تصور کون سا ہے؟

(2)۔ امام حسینؑ کے مقابلہ میں یزید لعین نے ملک شام سے افواج بھیجی تھیں

ساری دنیا جانتی ہے کہ خلیفہ ثانی کے زمانہ سے تنخواہ دار مستقل افواج اور تمام مملکت میں چھاؤنیاں قائم کی گئی تھیں تاکہ ضرورت پڑتے ہی ایک اشارہ پر جہاں چاہیں فوج کشی کی جاسکے۔ اُن کے بعد مسلسل فوجی تعداد اور عسکری قوت میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہ زمانہ جب کہ یزید کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کیا گیا وہ زمانہ تھا جب اس دنیا کی کسی حکومت کے پاس ایسی عظیم الشان افواج نہ تھیں جیسی عرب کی قومی حکومت کے پاس تھیں۔ اس حکومت کو ہرگز یہ احتیاج نہ تھی کہ وہ محلہ محلہ اور گاؤں گاؤں ڈھنڈورا پیٹوائے کہ لوگوں کو جہاد کے لئے جمع ہو جاؤ اور جس کے پاس جو ہتھیار ہو لیتے آؤ۔ یہ صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ختم ہو گئی تھی۔ اُن کے بعد ملکی حکومت نے یزید بن ابی سفیان کو فیڈل مارشل بنا کر عسکری قوت کو بنی امیہ میں مرکوز کر دیا تھا۔ ملکی حکومت کے خلاف ہمہ گیر بغاوت کو کچلنے کے بعد بیرونی ممالک پر فوج کشیاں جاری رہیں۔ یزید بن ابی سفیان کے مرنے کے بعد اُن کی جگہ یزید کے والد معاویہ کو افواج کا انتظام سونپا گیا۔ اور معاویہ کے زمانہ میں عسکری قوت ساری دنیا پر چھا گئی۔ اسی فوجی قوت سے یزید کو خلیفۃ المسلمین بنایا گیا۔ حضرت معاویہ نے مدینہ میں آ کر تمام صحابہ کو یزید کے سامنے جھکایا تھا۔ اور خانوادہ نبوتؐ اور اُن سے وابستہ چند صحابہؓ کے علاوہ سب نے بیعت کی اور یزید کو امیر المومنین مان لیا تھا۔ چنانچہ یزید نہیں چاہتا تھا کہ امام حسینؑ اور اُن کے اہل و عیال اس کی خلافت و حکومت اور امیر المومنین کو تسلیم نہ کریں۔ لہذا اُس نے امام حسین علیہ السلام کو گھیر کر اپنی اطاعت کرانے کا انتظام کیا۔ مکہ اور مدینہ اور کوفہ میں اور اُن تمام شہروں میں جہاں جہاں خانوادہ نبوتؐ سے ہمدردی رکھنے والے لوگ رہتے تھے، سیاسی اقدامات کیلئے دانشوران قوم کو تعینات کر دیا تھا۔ اور محبان اہلبیت علیہم السلام پر نگرانی جاری تھی اور جیسا کہ منصور خلیفہ عباسی کی مثال دے کر لکھا گیا ہے۔ چاروں طرف سے خطوط لکھوانے اور رد عمل دیکھنے کا انتظام برسر کار تھا۔ افواج حرکت میں آنے کو تیار تھیں۔ ملک بھر میں علیؑ اور اولاد علیؑ کو پہلے ہی قاتل عثمان اور اسلام سے باغی مشہور کر کے ہر محراب و مسجد سے تبرا و لعنت کرائی جا رہی تھی۔ اور تمام محبان عثمان اور دوستانہ بنی امیہ اور تمام دانشوران قومی حکومت خانوادہ نبوتؐ کو کچلنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ حکومت نے ملکی و قومی علماء و مفتیوں و قاضیوں سے قتل حسینؑ پر فتاویٰ حاصل کر لئے تھے۔ پورے ملک کی اس طرح ناکہ بندی کی جا چکی تھی کہ خانوادہ رسولؐ کا کوئی شخص بچ کر نکل نہ جائے یا کہیں سے حسینؑ کی مدد و نصرت کے لئے عسکری قوت نہ پہنچ جائے۔ ان تمام حقائق اور انتظامات پر بعد کی تمام حکومتوں نے برابر پردہ ڈالنا مناسب سمجھا اس لئے کہ اُن کا مذہب اور قومی و سرکاری پالیسی اُسی بنیاد پر قائم رہتی چلی گئی جو یزید و معاویہ کی پالیسی اور مذہب مقرر کر چکا تھا۔

(3)۔ آخر شہدائے کربلا یزید کی قومی حکومت پر غالب آ گئے اور راز کھل گئے

کربلا کے میدان میں جب قرآن کو رد کرنے والی قرآنی قوم (فرقان 25/30) نے محمدؐ و آل محمدؐ سے بھرپور انتقام لے لیا،

امام حسین اور ان کے رفقاء علیہم السلام کو تہ تیغ کر دیا گیا، رسول کی بیٹیوں اور تمام اہل حرم کو قید کر کے شہر بشہر پھرایا گیا اور آخر کار دمشق کے قید خانہ میں بند کر دیا گیا تو مملکت میں یزید کے خلاف بغاوت پھیل گئی۔ اس پر صرف ایک روایت سن لیں اور دیکھیں کہ کربلا میں پانچ لاکھ کے قریب افواج کہاں سے آئی تھیں؟ اور کس نے بھیجی تھیں؟ ابو مخنف نے لکھا ہے کہ:-

قَالَ قَالَ الرَّوْی اَنَّ اَهْلَ الشَّامِ كَانَتْهُمْ يَنَامُ فَانْتَبَهُوا فَعَطَّلُوا الْأَسْوَاقَ وَجَدُّوا الْعُرَاءَ وَاطْهَرُوا الْمَصِیْبَةَ لِأَهْلِ الْعِبَاءِ وَقَالُوا وَاللَّهِ مَا عَلِمْنَا أَنَّ رَأْسَ الْحُسَيْنِ وَأَنَّمَا قُتِلَ رَأْسٌ خَارِجِي خَرَجَ بَارِضُ الْعِرَاقِ - فَلَمَّا سَمِعَ يَزِيدُ (لَعْنَهُ اللَّهُ) ذَلِكَ اسْتَعْمَلَ لَهُمُ الْأَجْزَاءُ فِي الْقُرْآنِ وَفَرَّقَهَا فِي الْمَسْجِدِ - وَكَانُوا إِذَا صَلُّوا وَفَرَّغُوا مِنْ صَلَاتِهِمْ وَضَعُوا هَابِينَ أَيْدِيَهُمْ لِيَسْتَغْفِرُوا بِهَا عَنْ ذِكْرِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَلَمْ يَشْغَلْهُمْ عَنْ ذِكْرِهِ شَيْءٌ وَالنَّاسُ حِينَئِذٍ مَالَهُمْ حَدِيثٌ إِلَّا حَدِيثُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ - حَتَّى أَنَّ الرَّجُلَ يَقُولُ لِمُصَاحِبِهِ يَا فُلَانُ أَمَا تَرَى إِلَى مَا فَعَلَ بَابُنْ بَنْتُ نَبِيْنَا؟ فَبَلَغَ ذَلِكَ يَزِيدُ وَعَرَفَ أَنَّ أَهْلَ الشَّامِ لَا يَشْغَلُهُمْ عَنْ ذِكْرِ الْحُسَيْنِ شَاغِلٌ - فَنَادَى فِي النَّاسِ أَنْ يَحْضُرُوا إِلَيَّ الْجَمَاعَ فَحَضَرُوا مِنْ كُلِّ جَانِبٍ وَمَكَانٍ فِيمَا تَكَامَلُ النَّاسُ - قَامَ فِيهِمْ خَطِيبًا وَقَالَ يَا أَهْلَ الشَّامِ أَنْتُمْ تَقُولُونَ أَنِّي قَتَلْتُ الْحُسَيْنَ أَوْ أَمَرْتُ بِقَتْلِهِ؟ وَأَنَا قَتَلْتُ ابْنَ مَرْجَانَةَ - ثُمَّ قَالَ لَا أَقْتُلَنَّ مَنْ قَتَلَهُ ثُمَّ دَعَى بِالَّذِينَ حَضَرُوا قَتَلَ الْحُسَيْنَ - فَحَضَرُوا بَيْنَ يَدَيْهِ فَالْتَفَتَ إِلَى شَبْتِ بْنِ رَبِيعٍ وَقَالَ لَهُ - يَا وَيْلَكَ أَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَيْنَ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ أَوْ أَنَا أَمَرْتُكَ بِقَتْلِهِ؟ فَقَالَ شَبْتُ أَنَا وَاللَّهِ مَا قَتَلْتُهُ وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ قَتَلَهُ بَلْ قَتَلَهُ مُصَابِرُ بْنُ الرَّهْبَةِ فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ يَزِيدُ لَعَنَ اللَّهُ وَقَالَ وَيْلَكَ أَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَيْنَ أَمْ أَنَا أَمَرْتُكَ بِقَتْلِهِ؟ قَالَ لَا وَاللَّهِ بَلْ قَتَلَهُ قَيْسُ بْنُ الرَّبِيعِ - فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ - قَالَ أَأَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَيْنَ أَمْ أَنَا أَمَرْتُكَ بِقَتْلِهِ؟ قَالَ لَا - قَالَ يَزِيدُ فَمَنْ قَتَلَهُ قَالَ قَيْسُ قَتَلَهُ شَمْرُ بْنُ ذِي الْجَوْشَنِ فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ وَقَالَ أَأَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَيْنَ أَمْ أَنَا أَمَرْتُكَ؟ قَالَ لَا - قَالَ فَمَنْ قَتَلَهُ؟ قَالَ سَنَانُ بْنُ أَنَسٍ النَّخَعِيُّ - فَقَالَ لَهُ أَأَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَيْنَ أَمْ أَنَا أَمَرْتُكَ؟ قَالَ لَا - قَالَ فَمَنْ قَتَلَهُ؟ قَالَ قَتَلَهُ خَوْلَى بْنُ يَزِيدٍ الْأَصْبَحِيُّ - فَقَالَ لَهُ أَأَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَيْنَ أَمْ أَنَا أَمَرْتُكَ بِقَتْلِهِ؟ قَالَ لَا - فَعِنْدَ ذَلِكَ غَضِبَ يَزِيدُ غَضَبًا شَدِيدًا - وَقَالَ وَيْلَكُمْ يَحِيلَ بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَارَى يَنْظُرُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا - قَالُوا قَتَلَهُ قَيْسُ بْنُ رَبِيعٍ - قَالَ لَهُ أَأَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَيْنَ؟ قَالَ مَا قَتَلْتُ قَالَ آلَا يَا وَيْلَكُمْ مَنْ قَتَلَهُ؟ قَالَ قَيْسُ يَا أَمِيرُ أَنَا أَقُولُ لَكَ مَنْ قَتَلَهُ وَلِيَا لَأَمَانَ؟ قَالَ نَعَمْ - قَالَ وَاللَّهِ مَا قَتَلَ الْحُسَيْنَ إِلَّا الَّذِي عَقَدَ الرِّايَاتِ وَفَرَّقَ الْأَمْوَالَ وَبَذَلَ الْعَطَايَا وَصَبَّ الْمَالَ عَلَى الْأَنْطَاعِ وَسَيَّرَ الْجُيُوشَ جَيْشًا بَعْدَ جَيْشٍ - فَقَالَ يَزِيدُ وَمَنْ ذَاكَ؟ فَقَالَ أَنْتَ وَاللَّهِ مَا قَتَلَ الْحُسَيْنَ غَيْرُكَ يَا يَزِيدُ - فغَضِبَ مِنْ قَوْلِهِ وَقَامَ فَدَخَلَ دَارَهُ فِي قَصْرِهِ - الْخ (أكبر العبادات في أسرار الشهادات - صفحہ 543) ابو مخنف نے لکھا ہے کہ:

”راوی نے کہا کہ اہل شام کی یہ حالت ہوئی جیسا کہ وہ اچانک سوتے سوتے جاگ اٹھے ہوں اور انہیں سخت تنبیہ ہوگئی ہو۔ لہذا ان لوگوں نے اپنے کاروبار اور بازاروں کو اور خرید و فروخت کو بند کر دیا۔ اور عزا داری حسینؑ میں منہمک رہنے لگے اور اہل حرم علیہم السلام کے پاس آ آ کر اظہار رنج و غم کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ خدا کی قسم ہمیں یہ پتہ نہ چلنے دیا گیا کہ یہ حسین علیہ السلام کا سر ہے۔ یہاں تو یہ بتایا جاتا رہا کہ یہ ایک باغی خارجی کا سر ہے۔ جس نے عراق میں حکومت کے خلاف فوج کشی کی تھی۔ جب یہ ملکی حالات یزید کے کانوں تک پہنچے تو اُس نے پبلک کی توجہ بدلنے کا انتظام کیا۔ مثلاً مسجد میں قرآن کے پارے ہر آنے والے کو نماز سے پہلے تقسیم کرانے کا پختہ بندوبست کیا تاکہ جتنی دیر نماز سے پہلے یا بعد نمازی خالی بیٹھیں تو کربلا کی باتوں کے بجائے قرآن پڑھتے رہیں۔ لیکن قرآن کے پاروں

سے وہ لوگ اُس دردِ غم کے قصہ سے باز نہ رکھے جاسکے۔ اور کوئی دوسرا انتظام بھی اُنہیں مشغول کرنے اور کر بلا کو بھلانے کے لئے کافی نہ ہوا۔ اور ہر وقت ہر کسی کی زبان پر شہادتِ حسینیٰ اور کر بلا کے مظالم ہی کا تذکرہ تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جہاں کہیں بھی دو یا زیادہ آدمی اکٹھا ہوتے تو ایک دوسرے سے پوچھتا: کیا بھائی تمہیں وہ حادثہ معلوم نہیں جو یزید کی طرف سے رسول اللہ کی بیٹی فاطمہؑ کے فرزندِ حسینؑ پر گزر گیا ہے؟ بس چاروں طرف یہی باتیں تھیں لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے اور بتاتے تھے۔ آخر کار یزید کو باقاعدہ رپورٹ (Report) دی گئی کہ اگر موثر اقدامات نہ کئے تو ملک اور حکومت تمہارے ہاتھ سے جا رہی ہے۔

چنانچہ یزید نے ایک عام اجتماع کا جبری اعلان اور منادی کرادی۔ اور یہ جلسہ عام جامع مسجد میں منعقد کیا جانا ہر فرد کو معلوم ہو گیا۔ چنانچہ پبلک اور اراکینِ خلافت اور افسرانِ واپکارانِ حکومت سے مسجد لبریز ہو گئی۔ یزید منبر پر گیا اور خطبہ پڑھا اور شکایت کی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سارا ملک مجھے حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قاتل کہہ رہا ہے۔ حالانکہ انہیں مرجانہ حرامزادی کے بیٹے نے قتل کیا ہے۔ اور میں نے طے کر لیا ہے کہ میں اُس شخص کو ضرور قتل کر کے رہوں گا۔ پھر اُن تمام لوگوں کو سامنے بلایا جو کر بلا میں قتل حسین علیہ السلام کے وقت وہاں موجود تھے۔ جب وہ سب حاضر کر دیئے گئے تو یزید نے شبث بن ربیع کو مخاطب کر کے کہا کہ افسوس ہے تیرے حال پر کہ تو نے حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کر ڈالا۔ کیا میں نے تجھے اُن کے قتل کا حکم دیا تھا؟ اس نے کہا کہ نہ آپ نے حکم دیا اور نہ میں نے قتل کیا۔ میں قسم بخدا اُن کے قاتل پر لعنت کرتا ہوں۔ اُنہیں تو غالباً مصابر بن رھیبہ نے قتل کیا تھا۔ اب یزید نے مصابر سے کہا کہ تیرا براہوتو نے حسینؑ کو قتل کیا تھا یا میں نے تمہیں اُن کے قتل کا حکم دیا تھا؟ اُس نے کہا قسم بخدا میں نے ہرگز اُن کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ انہیں قیس بن ربیع نے قتل کیا تھا۔ اب یزید نے قیس سے کہا کہ تجھ پر اللہ کی ملامت ہو کیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا یا میں نے تجھے ان کے قتل کا حکم دیا تھا؟ قیس نے بھی کہا کہ میں نے قتل نہیں کیا۔ یہ سن کر یزید نے کہا کہ پھر کس نے حسینؑ کو قتل کیا تھا؟ قیس نے کہا کہ انہیں شمر نے قتل کیا تھا۔ اب یزید شمر سے مخاطب ہوا کہ خدا تیرا ستیاناس کرے کیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا؟ کیا میں نے تجھے اُن کے قتل کا حکم دیا تھا؟ شمر نے کہا کہ میں نے حسینؑ کو قتل نہیں کیا۔ یزید نے جھنجھلا کے پوچھا پھر کس نے قتل کیا تھا؟ شمر نے سنان بن انس خنی کا نام لے دیا۔ اب یزید نے سنان سے کہا کہ کیا تو نے ہی حسینؑ کو قتل کیا ہے اور کیا میں نے تجھے اُن کو قتل کر ڈالنے کا حکم دیا تھا؟ اُس نے انکار کیا تو پھر یزید نے پوچھا کہ آخر اُن کا قاتل کون ہے؟ سنان نے کہا کہ حسینؑ کو خولی بن یزید اصحی نے قتل کیا تھا۔ اب یزید نے خولی سے دریافت کیا کہ کیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا اور کیا میں نے تجھے قتل کا حکم دیا تھا۔ جب خولی نے بھی انکار کر دیا تو یزید کو انتہائی شدت کا غصہ آیا اور پُر غضب ہو کر یزید نے کہا کہ تم لوگ بات کو ایک دوسرے پر ٹال رہے ہو اور میں نے دیکھا ہے کہ تم پہلے سے ایک دوسرے کو نظروں ہی نظروں میں بات بنانا سکھا رہے ہو۔ اگر میرے غیظ و غضب سے بچنا ہے تو فوراً بتاؤ کہ حسینؑ کا قاتل کون ہے؟ تو سب نے متفقہ طور پر قیس بن ربیع کا دوسری دفعہ نام لیا کہ وہی قاتل حسینؑ ہے۔ یزید نے پھر قیس سے پوچھا مگر اس دفعہ بھی اُس نے صاف انکار کر دیا۔ اب یزید آپے سے باہر ہو چکا تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی آخری فیصلہ سُنا دے۔ لہذا پھر کہا کہ خاتم سب کو غارت کرے آخر حسینؑ کو کس نے قتل کیا ہے؟ اب قیس بن ربیع سمجھا کہ موت تو آنا ہی ہے۔ کیوں نہ ترکیب سے حقیقت حال کہہ گزروں؟ چنانچہ اُس نے سنبھل کر کہا کہ اے امیر میں آپ کو حقیقی قاتل کا

نام اس شرط پر بتادوں گا کہ مجھے جان کی امان مل جائے۔ یزید نے امان کا وعدہ کر کے پوچھا بتاؤ حسینؑ کا قاتل کون ہے۔ قیس نے کہا کہ حسینؑ کو اُس شخص کے علاوہ کسی اور نے قتل نہیں کیا جس نے سردارانِ افواج مقرر کر کے اُن کو اُن کی فوجوں کے پرچم عطا کئے۔ جس نے خاندانِ رسولؐ کی تباہی کے لئے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور پورے ملک میں روپیہ پانی کی طرح بہادیا۔ جس نے لوگوں کو جائیدادیں اور عطیات دے کر سخاوت کا سلوک کیا۔ جس نے حسینؑ کے خلاف نفرت پھیلانے کے لئے مقرروں اور لکچراروں پر دولت انڈیل دی (انطاع)۔ جس نے افواج کا تانتا باندھ دیا اور ایک لشکر کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا بھیج بھیج کر حسینؑ اور اُن کے خاندان اور صحابہ پر دنیا تنگ کر دی۔ یزید نے جلدی سے پوچھا کہ وہ کون شخص تھا؟ قیس نے جم کر کہا کہ وہ شخص خدا کی قسم تیرے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ اے یزید وہ تم ہو جس نے حسینؑ کو قتل کیا۔ یزید کو یہ جرأت و جسارت دیکھ کر اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ اٹھا اور محل کے اندر چلا گیا۔“ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات صفحہ 543)

ذرا اُن لوگوں سے پوچھیں جو کربلا میں کوفہ کی افواج کی راگنی الاپتے ہیں کہ جناب آپ کے خلیفہ المسلمین اور آپ کے امیر المومنین یزید ملعون نے کوفہ سے کون سی فوج تیار کر کے بھیجی تھی؟ یہ شیطان زادہ تو کبھی کوفہ گیا نہیں۔ یاد رکھیں کہ افواج میں کسی ایسے شخص یا جماعت یا قوم کو ہرگز بھرتی نہیں کیا جایا کرتا جس کے دل میں، یا جس کی زبان پر یا جس کے مذہب میں دشمن کی محبت اور وفاداری ہو یا جس پر ایسا شبہ ہو۔ یہ تمام لوگ فریب خوردہ ہیں یا خود فریب ساز ہیں جو کربلا میں خانوادہ نبوتؐ سے ہمدردی یا محبت رکھنے والے کوفیوں کی موجودگی مانتے یا کہتے یا لکھتے ہیں۔ البتہ کوفہ سے ایک ایسی منتخب فوج ضرور گئی تھی جو دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ اور دستدارانِ یزید و معاویہ ہونے میں زیادتی و سعدی سندر رکھتے تھے۔ اور اُس فوج کی تعداد واقعی چند ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ اور سرکاری مورخین نے اُسی فوج کو کل فوج اور کل تعداد مانا ہے۔ اور ملک شام و مصر و دیگر چھاؤنیوں سے آنے والی افواج کا تذکرہ تک نہیں کیا ہے۔ اور کوفہ خود ایک عظیم الشان عسکری مرکز اور اموی حکومت کی بڑی چھاؤنی تھا۔ جہاں مختلف ممالک کی افواج رہا کرتی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس دن حضرت علی علیہ السلام نے مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا تھا۔ اس روز کے بعد اموی حکومت نے کبھی کوفیوں کو فوج میں بھرتی کے لئے موزوں نہیں سمجھا۔ سوائے چند گنتی کے خاندانوں کے مخالف حکومتوں میں کوفہ کی آبادی کی وفادارانہ کا خلوص مشکوک رہا۔ یہاں کے علما اور عوام محبت اہلبیت کے لئے ہمیشہ زیرِ عتاب رہتے چلے گئے۔ حضرت ابو حنیفہ امام اعظم کہاں کے باشندے تھے؟ اُن کی وفاداری کس کے ساتھ وابستہ تھی؟ وہ کس کی تائید میں لڑنے کو اسلامی جہاد فرماتے تھے؟ وہ کس کے لئے عطیات اور چندہ جمع کر کے دیتے تھے؟ واقعی کوفی اگر کسی کے وفادار تھے؟ تو خاندانِ اہلبیت علیہم السلام کے وفادار تھے۔ البتہ امام زمانہ کی اجازت کے بغیر اٹھنے والوں کو کوفہ والے مشکوک سمجھتے تھے۔ اور جب اُن کا شک یقین میں بدل جاتا تھا تو رُخ پھیرنے اور جان بچانے میں تکلف نہ کرتے تھے۔ اور جن کو اہلبیت کا مخلص سمجھ لیتے تھے اُن پر اور اُن کے حکم پر جان نثار کر دیتے تھے۔ لہذا جب آپ کے سامنے اہل کوفہ کی کوئی شکایت آئے تو پہلے احادیث سے یہ پتہ لگائیں کہ وہ شخص امام زمانہ کی طرف سے تعینات تھا یا نہیں؟ ایک بات اور سُن لیں کہ وہ میدان کربلا کو اپنے نمونہ کا آخری میدان سمجھتے تھے۔ وہ صرف قتل ہو جانا پسند نہ کرتے تھے۔ وہ زندہ رہ کر دشمن کی اینٹ سے اینٹ بجانا چاہتے تھے۔ وہ جب دیکھتے تھے کہ

اب میدان میں صرف موت ہے اور موت سستی ہے۔ تو فرار کر جانا واجب سمجھتے تھے تاکہ دشمن کے ساتھ دشمن والے تمام حربے استعمال کریں، دغا کریں، دھوکہ دیں، موقع ملے تو تباہ کریں ورنہ خود محفوظ رہیں۔ اور زندہ رہ کر بہترین مواقع اور موزوں ترین وسائل فراہم کریں اور یوں دشمنان خدا و رسول کے خلاف ایک جیتا جاگتا محاذ مسلسل جاری رکھیں۔ سر پر کفن باندھ کر ٹکنا اور میدان میں ڈھیر ہو جانا خودکشی ہے البتہ معصوم کی قیادت میں کر بلا کی طرح جان سے کھیلنا شہادت ہے۔ غیر معصوم قیادت میں کو فیوں کا عملدرآمد ہی قابل پیروی ہے۔ یعنی جیسے ہی خاطی قائد کی خطا اور ناکام اقدامات کا پتہ لگے اُسے چھوڑ دو۔ مرنے دو قتل ہونے دو۔ گل اُس کی خطاؤں سے تجربہ حاصل کر کے بہتر، درست تر اقدام کرو اور کرتے جاؤ۔ یہ ہے تحریک تشیع جو کوفہ سے شروع ہوئی۔ عرب کی قومی خلافت کے چاروں طرف شیعوں کی حکومتیں بنائیں اور رفتہ رفتہ اُس باطل خلافت کا آخری جنازہ نکال دیا اور یہ لفظ حرف غلط کی طرح سے مٹ کر رہ گیا۔ اور ہر جام و نائی اور پہلوان خلیفہ بن گیا۔

(4)۔ کوفہ کی چھاؤنی سے جوافواج اور سردار، ابن زیاد لعین نے روانہ کئے

جو لشکر یزید روانہ کر رہا تھا وہ شام سے اور مختلف چھاؤنیوں سے روانہ ہو کر کر بلا اور گردونواح میں جمع ہوتے جا رہے تھے اور اُن تمام میدانوں اور راستوں پر چھاتے جا رہے تھے جن سے امام تک نصرت پہنچ سکنے کا ذرا بھی امکان تھا۔ یہاں وہ فہرست ملاحظہ کریں جو ابن زیاد نے کوفہ کی مرکزی چھاؤنی سے ابتدائی ارسال کی تھی۔ اور جس کے بعد برابر افواج بھیجتا رہا۔ یہاں یہ بھی نوٹ کر لیں کہ امام حسین علیہ السلام کا کر بلا میں قیام عموماً دس روز مانا گیا ہے۔ بلکہ زیادہ تر یہ کہا گیا ہے کہ آپ دو محرم کو کر بلا میں وارد ہوئے اور دسویں کو شہید ہو گئے یعنی نو (9) دن میں کر بلا کا حادثہ مکمل ہو گیا تھا۔ اور مورخین کا کمال یہ ہے کہ وہ یہ بھی مانتے اور لکھتے ہیں کہ:-

اول: ”حُر نے کر بلا پہنچ کر ابن زیاد کو خط لکھا کہ میں نے امام حسین کو کر بلا میں ٹھہرنے پر مجبور کر دیا ہے۔“

دوم: ”تین محرم کو عمر سعد کر بلا میں پہنچا اور امام کو پیغام بھیجا اور معلوم کیا کہ وہ کس ارادے سے یہاں آئے ہیں۔ پھر عمر سعد

نے ابن زیاد کو اطلاع دی کہ امام پُر امن ہیں اور کوئی جھگڑا کرنا نہیں چاہتے۔“

سوم: ”ابن زیاد نے حُر کو خط کا جواب بھیجا کہ حسین کو ہرگز حرکت نہ کرنے دو۔“

چہارم: ”ابن زیاد نے عمر سعد کو خط کا جواب بھیجا اور بیعت کا تقاضہ کیا۔“

پنجم: ”عمر سعد نے امام حسین علیہ السلام سے ذاتی ملاقات کی اور خوش ہو کر ابن زیاد کو امام کی صلح پسندانہ شرطیں لکھیں۔“

ششم: ”ابن زیاد نے شمر کو تعینات کیا عمر سعد کو معزول اور قتل کرنے کا اختیار دیا ورنہ تعمیل حکم لازم طور پر کرنے کا تقاضہ کیا۔“

اس خط و کتابت کو سامنے رکھیں اور سوچیں کہ اگر کر بلا سے مکہ والی راہ پر قادیسیہ ہوتے ہوئے کوفہ جانا ہو تو یہ اُس زمانہ میں پانچ منزل کا فاصلہ تھا۔ اور اگر ناک کی سیدھ باندھ کر ریت کے ٹیلے پھلانگتے ہوئے سفر کیا جاتا تو تقریباً پچاس میل کا چھوٹے سے چھوٹا راستہ (SHORT-CUT) تھا۔ کر بلا سے یکے بعد دیگرے دو خطوط ابن زیاد کو پہنچے اور اگر ابن زیاد خط لانے والے اُن ہی قاصدوں کو جواب دے کر اُلٹے پاؤں واپس کر دے تو اُن کے دو دفعہ جانے اور دو دفعہ واپس آنے میں کتنے دن لگنا چاہئیں؟ جبکہ تیز ترین سواری گھوڑا

یا اونٹ ہوتے تھے؟ بہر حال سرکاری پروپیگنڈے اور اندھیر گردی یا دھاندلی صاف نظر آتی ہے۔ لہذا افواج کی تعداد پر تعجب کئے بغیر سنیں کہ:-

(5)۔ کوفہ سے روانہ ہونے والی فوجوں کی ترتیب

(1) قال ابو مخنف ثم ابن زياد نادى معاشر العرب من ياتينى براس الحسين وله عندى ولاية الرى عشر سنين فقام اليه عمر بن سعد وقال "انا ايها الامير" فقال له انت امض و ضيق عليه المسالك وامنع من شرب الما وايتنى براسه - قال سمعاً وطاعة - ثم عقده راية على ستة الاف فارس وامر بالمسير الى الحسين فخرج من عند ابن زياد -

”ابو مخنف نے لکھا ہے کہ ابن زیاد نے ملک عرب میں منادی کرا دی کہ جو شخص میرے پاس حسینؑ کا سر لا بیگا میں اُسے دس سال کیلئے ملک رے کا حاکم بنا دوں گا۔ اس پر عمر سعد نے کہا کہ میں تیار ہوں۔ چنانچہ ابن زیاد نے اُسے چھ ہزار سواروں کا فوجی پرچم دے کر سردار بنایا اور حکم دیا کہ فوراً حسینؑ کی طرف روانہ ہو جاؤ اور اُن پر تمام راہیں بند کر دو، پانی تک نہ پینے دو۔ چنانچہ عمر سعد فوج لے کر روانہ ہو گیا۔

(2) قال ابو مخنف كان اول راية سارت الى حرب الحسين راية عمر بن سعد ودعا من بعده بعروة ابن قيس و ضم اليه الفين فارس امره بالمسير - ودعا من بعده سنان ابن انس النخعي وعقده راية على اربعة الاف فارس ودعى من بعده بالشمير بن ذى الجوشن الضيaby وعقده راية على اربعة الاف فارس وعقد راية سادسة الى خولى بن يزيد الاصبحي و ضم اليه ثلاثة الاف فارس وعقد راية سابعة وسلمها الى القشعم و ضم اليه ثلاثة الاف فارس وعقد راية ثامنة وسلمها الى الحصين بن نمير و ضم اليه ثمانية الاف فارس - وعقد راية تاسعة وسلمها الى ابي قدار الباهلي و ضم اليه تسعة الاف فارس وعقد راية عاشره وسلمها الى عامر بن صريمة التميمي و ضم اليه ستة الاف فارس - (ايضاً اكسير صفحہ 236)

ابو مخنف نے لکھا ہے کہ پہلا پرچم عمر سعد کو دے کر روانہ کیا اور اُس کے بعد ابن زیاد نے عروہ بن قیس کو دو ہزار سواروں کا سردار بنا کر روانہ کیا۔ پھر سنان بن انس نخعی کو چار ہزار سواروں پر سردار بنا کر روانہ کیا۔ پھر شمر کو بھی چار ہزار سواروں کا سردار بنا کر بھیجا..... اور چھٹا پرچم خولی بن یزید کو دیا اور اُسے تین ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔ ساتواں پرچم قشعم کو دیا اور اسے تین ہزار سواروں کا سردار بنا کر بھیجا۔ آٹھواں جھنڈا حصین بن نمیر کو دیا اور آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ بھیجا۔ نواں جھنڈا ابی قدار کو دیا اور نو ہزار سواروں پر سردار بنا کر روانہ کیا اور دسواں پرچم عامر بن صریمہ کو دیا اور چھ ہزار سوار دے کر بھیجا۔“ (ایضاً صفحہ 236)

قارئین نوٹ کریں کہ یا تو ابو مخنف نے گننے میں غلطی کی یا علامہ در بندی رضی اللہ عنہ نقل کرنا بھول گئے۔ اس لئے کہ شمر کی سرداری چوتھے نمبر پر مذکور ہے اور پانچواں جھنڈا اور سردار چھوڑ کر ایک دم چھٹے پرچم اور سردار کا نام خولی بن یزید لکھ دیا ہے۔ لہذا آپ کم از کم دو ہزار سوار میزان میں خود اضافہ فرمائیں۔

- | | | | |
|--------------------------|------------------------------|--|-----------------------------|
| (1) عمر بن سعد 6000 سوار | (2) عروہ بن قیس 2000 سوار | (3) سنان بن انس 4000 سوار | (4) شمر ذی الجوشن 4000 سوار |
| (5) بھول گئے 2000 سوار | (6) خولی بن یزید 3000 سوار | (7) قشعم 3000 سوار | (8) حصین بن نمیر 8000 سوار |
| (9) ابی قدار 9000 سوار | (10) عامر بن صریمہ 6000 سوار | <u>کل میزان (47000) سینتالیس ہزار سوار</u> | |

مندرجہ بالا تفصیل کے بعد محمد بن ابی طالب کی کتاب سے لکھا ہے کہ: ”ابن زیاد نے شبث بن ربعی کو بلوایا اور کہا کہ میں تمہیں حسینؑ کے مقابلہ میں جنگ پر بھیجنا چاہتا ہوں۔ تو اس نے بیماری کا بہانہ کر کے عذر کیا۔ لیکن آخر کار اُسے حاضر ہونا پڑا اور ابن زیاد نے حکم دیا کہ: فقال افعل یا ایہا الامیر فما زال یرسل الیہ بالعساکر حتی تکامل ثلثون الفاً (صفحہ 237-236)۔

تم حسینؑ کے مقابلہ میں ہماری مدد کرو۔ اس نے مان لیا اور اس وقت تک افواج بھیجتا رہا جب تک اُس نے تیس ہزار (30000) کی تعداد پوری نہ کر دی۔“ اس کے بعد اگلی سطروں میں لکھا ہے کہ:-

قال ابو مخنف وسار القوم حتی نزلوا علی الحسین علیہ السلام فی خمسين الف فارس و راجل لیس فیہم شامی ولا حجازی و جمیع القوم من اهل الکوفة بل فی بعض النسخ لابی مخنف نزلوا علی الحسینؑ و ہم فی سبعین الف فارس و راجل و لیس فیہم شامی ولا حجازی ولا بصری و کلہم من اهل الکوفة و معہم السیوف الہندیۃ و الرماح الخطیۃ و الحراب المجلیۃ۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 237)

”اور قوم برابر حسین علیہ السلام کے مقابلہ پر پہنچتی رہی یہاں تک کہ پچاس ہزار کی تعداد پوری ہو گئی جس میں سوار اور پیادہ دونوں قسم کی افواج تھیں۔ اور ان میں کوئی فوجی ملک شام یا حجاز کا نہیں بلکہ وہ سب اہل کوفہ کی اقوام کے تھے اور ابو مخنف نے دوسری تصنیفات میں ستر ہزار فوج لکھی ہے۔ جن میں شامی اور حجازی اور بصرہ کی فوج نہ تھی۔ بلکہ سب کوفہ کے لوگ تھے۔ اور وہ سب ہندوستانی تلواروں اور نقش و نگار والے نیزوں اور صیقل شدہ برچیوں سے مسلح تھے۔“

یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ سامان حرب اور سب کے اسلحہ کی یکسانی اور سب کے پاس ہندوستانی تلواروں کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ادھر ادھر سے زبردستی گھیر کر پکڑے ہوئے لوگ نہ تھے۔ بلکہ آزمودہ کار تعلیم یافتہ و تجربہ کار مستقل فوجی تھے۔ جو شاہی خزانہ سے تنخواہیں لیتے تھے۔ لہذا یہ میزان ستر ہزار نہیں۔ بلکہ ابن زیاد کے (30000+47000) شبث ربعی سمیت ستر ہزار تعداد بنتی ہے جو کوفہ کی چھاؤنی سے بھیجی گئی تھی۔

(6)۔ صحیح تعداد معلوم کرنے کے لئے مقتولوں کی گنتی

ہم نے دیگر تصنیفات میں بڑی تفصیل کے ساتھ اور مسلمہ ثبوت دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ اسی ہزار سے زیادہ کتابوں کو چوتھی صدی کے اوائل میں ضائع کر دیا گیا تھا۔ اُن میں سے صرف حدیث معصومین کی چار سو مصدقہ کتابیں تھیں۔ لہذا جو کچھ کسی طرح بچ گیا اور جو کچھ حکومتوں نے باقی رکھنا چاہا اور خود لکھوا کر پھیلایا۔ اُس کو نہ آخری بات قرار دیا جاسکتا ہے نہ اُس سے حتمی اور یقینی اعداد و شمار مل سکتے تھے۔ اور بعد والے تمام علما مجبور ہوئے ہیں کہ اسی باقی ماندہ ریکارڈ سے حوالے پیش کریں۔ اور اُس میں سرکاری ذہنیت رکھنے والے علما و عوام اپنی قیاس آرائی سے؛ یہ غلط ہے، وہ خلاف عقل ہے، اور یہ ناممکن ہے، اور وہ ہم نے پہلے نہیں سنا ہے کہہ کر شور و غوغا مچاتے چلے آئے ہیں۔ لیکن ہم بہر حال اُسی ریکارڈ سے اپنا مذہب و تصور ثابت کر دیتے ہیں۔ سنیہ کہ یہ کتاب اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات 1319 ہجری میں یعنی آج سے اٹھتر سال پہلے لکھی گئی تھی اور اس میں قدیم ترین کتابوں کی عبارتوں سے واقعات کر بلا پر ٹھوس دلائل قائم

کئے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی نہیں مانتا تو اُسے اُن لوگوں میں شمار کرنا پڑے گا جو قرآن کو بھی نہیں مانتے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم بات کہیں اور اس کا ثبوت فراہم کر دیں۔ ہمارا کام جبراً منوالینا نہیں ہے۔ لہذا سنئے کہ علامہ در بندی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ:-

عَنْ كِتَابِ الْمُقْتَلِ لِلْمَحْدَثِ الْحَاقِقِ ابْنِ عَصْفُورٍ الْبَحْرَانِيِّ قَدْ قُتِلَ مِنَ الْأَعْدَاءِ وَالْكَفَّارِ خَمْسَةَ وَعَشْرِينَ الْفًا مِنْهُمْ فَهَؤُلَاءِ غَيْرُ الْمَجْرُوحِينَ بِيَدِهِ (عَبَّاسُ بْنُ عَلِيٍّ) وَقَدْ قُتِلَ سَائِرُ الْمُسْتَشْهِدِينَ بَيْنَ يَدَيِ الْإِمَامِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْعَتَرَةِ الْهَاشِمِيَّةِ خَمْسَةَ وَعَشْرِينَ الْفًا مِنْهُمْ وَقَدْ قُتِلَ الْإِمَامُ عَلَيْهِ السَّلَامُ رُوحِي لَهُ فِدَاءٌ ثَلَاثُمِائَةَ الْفِ وَثَلَاثِينَ الْفًا وَكَانَ عَدَدُ جَمِيعِ عَسْكَرِ ابْنِ زِيَادٍ أَرْبَعَ مِائَةَ الْفِ وَسِتِّينَ الْفًا فَلَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْمَعْرَكَةِ إِلَّا ثَمَانُونَ الْفًا - وَنَقَلُوا أَيْضًا عَنْ ذَلِكَ كِتَابَ أَنَّ بَعْضَ أَوْغَادِ الطَّغَامِ لَمَّا قَالَ فِي مَجْلِسٍ يَزِيدُ لَعْنَهُ اللَّهُ أَنَّ الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَاءَ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ وَعَتَرْتَهُ فَهَجَمْنَا عَلَيْهِمْ وَكَانَ يُلَوِّذُ بَعْضُهُمْ بِالْبَعْضِ فَلَمْ تَمْضِ سَاعَةٌ إِلَّا قَتَلْنَا هُمْ عَنْ آخِرِهِمْ قَالَتِ الصَّدِيقَةُ الصَّغْرَى زَيْنَبُ سَلَامَ اللَّهُ عَلَيْهَا ثَكَلْتِكِ الثَّوَاكِلُ أَيُّهَا الْكَذَّابُ أَنَّ سَيْفَ أَخِي الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَتْرَكَ فِي الْكُوفَةِ بَيْتًا إِلَّا وَفِيهِ بَاكٍ وَبَاكِتَةٌ وَنَائِحٌ وَنَائِحَةٌ فَهَذَا كُلُّهُ قَدْ نَقَلَهُ جَمْعٌ مِنَ الثَّقَاتِ الْإِثْبَاتِ لَنَا فِي هَذَا الْيَوْمِ - (أكسير العبادات صفحہ 331)

”محدث حاذق جناب علامہ ابن عصفور بحرانی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب المقتل میں لکھا ہے کہ جناب ابو الفضل العباس علیہ السلام نے تنہا پچیس ہزار دشمنانِ خدا اور رسول اور منکرین اسلام کو تہ تیغ کیا تھا۔ زخمی ہونے والے تو ناقابل شمار تھے۔ اور امام علیہ السلام کے باقی عزیزوں اور صحابہؓ نے مل کر پچیس ہزار دشمنوں کو قتل کیا تھا۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے اپنے مختلف حملوں میں تین لاکھ تیس ہزار فوجیوں کو واصل جہنم کیا تھا۔ اور ابن زبید کی طرف سے آنے والی تمام افواج کی کل تعداد چار لاکھ ساٹھ ہزار تھی۔ جس میں سے جنگ ختم ہونے کے بعد صرف اسی ہزار فوجی زندہ بچے تھے۔ اور تمام لکھنے والوں نے اسی کتاب سے یہ بھی لکھا ہے کہ جب یزید کے دربار میں کسی بدنہاد و ناجار شخص نے یہ غپ ماری کہ جناب امام حسینؓ اپنے چند عزیزوں اور صحابہؓ کے ساتھ میدان میں نکلے تو ہم نے انہیں چاروں طرف سے اس طرح گھیر کر حملہ کیا کہ وہ لوگ ایک دوسرے کی آڑ میں چھپتے پھرتے تھے۔ ذرا بھی دیر نہ لگی کہ ہم نے اُن سب کو ڈھیر کر کے رکھ دیا۔ یہ سُن کر جناب صدیقہ ثانی حضرت زینب علیہا السلام نے ڈانٹ کر فرمایا کہ اوکذاب تجھ پر رونے والیوں کا جھوم رہے۔ ارے جھوٹے میرے بھائی کی تلوار نے کوفہ کا کوئی گھرایا نہیں چھوڑا جس میں رونے والے مرد و عورتیں نہ ہوں۔ جس گھر سے نوحہ و فریاد کی مردانہ و زنانہ آوازیں بلند نہ رہیں۔ اس آخری بات کو تمام مؤرخین نے بڑے اطمینان سے مانا اور لکھا ہے اور مندرجہ بالا حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے حضرت زینب علیہا السلام کا یہی ایک بیان کافی ہے۔“ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 331)

(7) عقل پرست منکرین کے لئے چند عقلی اور جہالت کشا نصیحتیں

مسلمان تو جہاں معجزات و کرامات کے ماننے والے ہیں وہیں وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ذوالفقار اللہ کی عطا کردہ تلوار تھی۔ وہ مومنین یہ بھی مانتے ہیں کہ ذوالفقار صرف اُس شخص کو قتل کرتی تھی جس کی نسل میں کوئی مومن پیدا ہی نہ ہونا تھا۔ وہ 1965ء تک یہ مانتے آئے تھے کہ دشمن کی فوج کی قتل و غارت کرنے والے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو صرف دشمنوں کو نظر آتے تھے۔ اور اس جنگ میں دشمن کی فوج بظاہر بلاوجہ بھاگتی اور پیچھے ہٹتی چلی گئی تھی۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ملائکہ بھی مومنین کی مدد کے لئے دشمن کو شکست دینے میں شامل رہے

ہیں (آل عمران 125-124/3)۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ایک عام مومن جو صابر ہو وہ دس کافروں پر غالب آ جاتا ہے۔ یعنی دس مومن صبر کی استعانت سے سو (100) پر اور صابر مومن ایک ہزار پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں (انفال 65/8)۔ یہاں یہ بھی نوٹ کریں کہ اللہ نے مسلمانوں کو طاقت و قوت اور اعانت حاصل کرنے کا ذریعہ دو چیزوں کو بتایا ہے اور ان میں سے ایک صبر ہے اور دوسری صلوٰۃ ہے (سورہ بقرہ 45/2)۔ اور قوت و طاقت اور اعانت کے اس ذریعہ کو اسی سورہ میں اللہ نے دوبارہ سامنے رکھا ہے (سورہ بقرہ 153/2)۔ پھر اس جگہ یہ فیصلہ بھی کر دیا گیا ہے کہ صابرین کو اللہ کی معیت ہر لمحہ حاصل رہتی ہے۔ یہ سبب ہو کسی بھی صابر مومن کا دس دشمنانِ خدا پر غالب آ جانے کا۔ یہاں یہ غلط فہمی نہ ہونے پائے کہ ایک صابر مومن دس کافروں کے برابر ہوتا ہے۔ نہیں وہ دس پر غالب آ جاتا ہے۔ اس کے بعد اپنی قوت نہیں کھو بیٹھتا بلکہ صبر اور قوی ہو جاتا ہے، یقین اور بڑھ جاتا ہے۔ لہذا اس کے بعد وہ سو پر غالب آ سکتا ہے۔ علیٰ ہذا القانون وہ صابر اُدھر صبر میں ترقی کرتا ہے اُدھر ساتھ کے ساتھ اللہ کی معیت توجہ اور نصرت بھی آگے بڑھتی چلی آتی ہے۔ اور یہ سلسلہ ایک عام مومن کو لامحدود قوت و غلبہ عطا کر سکتا ہے شرط وہی ہے کہ صبر و صلوٰۃ سے مدد طلبی میں ترقی جاری رہے۔ یہاں رُک کر اس پر نظر ڈال لیں کہ کیا کوئی ایسا انسان دنیا میں گزرا ہے جو صبر اور صلوٰۃ کے معاملہ میں امام حسین علیہ السلام سے بڑھا ہوا مانا جاسکے؟ کیا تمام انبیاء و رسل علیہم السلام حسین کے زیر بار احسان و قربانی نہیں ہیں؟ اگر یہ صحیح ہے تو ان کو کس قدر قوت و طاقت و غلبہ ملنا چاہئے؟ اور انہیں اللہ کی معیت کس قدر حاصل ہونا چاہئے؟ کیا یہ کہنا مبالغہ یا غلط ہوگا کہ کربلا میں حسینؑ سے نہیں اللہ سے جنگ تھی۔ حسینؑ نہیں بلکہ اللہ اپنے دشمنوں سے لڑ رہا تھا؟ اور اللہ نے میدان کربلا میں تین لاکھ تیس ہزار دشمنوں کو تہ تیغ کیا تھا؟ کیا اب بھی اللہ پر، رسول پر، قرآن پر وحی اور معجزہ پر ایمان رکھنے والا کوئی مومن تعجب کرے گا یا انکار کرے گا؟ اور کرے گا؟ تو کیا وہ اس انکار کے بعد بھی مومن رہے گا؟

پھر یہ سنئے کہ بعض مومن اپنی ترقی کے پہلے ہی قدم پر ایک دو یا دس بیس نہیں بلکہ پوری اُمت کے برابر ہوتے ہیں (نحل 120/16) اور اب اُن کی ترقی کو اگر عام مومن کی طرح ہی مان لیں تو اُن کو اگلے قدم پر دس امتوں پر بھاری ماننا لازم ہوگا۔ رُک جائیں اور سنیں کہ یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں ہے۔ اور آیات و احادیث کے سمندر میں غوطہ لگانے سے آسان یہ ہوگا کہ آپ اقبال کا ایک شعر یاد کریں:- ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا دعائے خلیل و نوید مسیحا

اب سوچیں کہ حسینؑ وہی ہستی ہے نا؟ جس کو اللہ نے ذبحِ عظیم فرمایا (سورہ صافات 108-100/37) اور جن کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کی بلائ گئی اور حضرت اسماعیلؑ کی جان بچ گئی اور اُن کی نسل چلی اور جن کی وجہ سے دعائے خلیل اور نوید مسیحا وجود میں آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ظاہری وجود مل سکا؟ کیا رسول اللہ کا یہ فرمانا کہ میں حسینؑ سے ہوں اور حسینؑ مجھ سے ہے۔ (حُسَيْنِ مِنِّي وَاَنَا مِنْ الْحُسَيْنِ) ساری امت نے نہیں مانا اور کیا اس کے گھٹیا سے گھٹیا اور مادی معنی یہ نہ ہوئے کہ اگر اسماعیلؑ ذبح ہو جاتے تو میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا اور جب میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا تو فاطمہؑ و علیؑ و حسنؑ اور حسینؑ کیسے پیدا ہو جاتے؟ یعنی وہ حسینؑ ہی تو ہیں جن کی قربانی نے ایک پوری امت یعنی حضرت ابراہیمؑ کی نسل کو وجود عطا کرنے میں مدد دی۔ جن کے اجر و ثواب میں یہ ریگستان کے ذروں کے برابر نسل (توریت) پیدا ہوئی۔ کیا تم حسینؑ کو ایک امت کے برابر بھی ماننے کو تیار نہیں؟ پھر اگر ایک پوری اُمت نے ایک امت کے تین لاکھ تیس ہزار منکرین

کو قتل کر دیا تو تمہیں کونسی ذہنیت انکار و تعجب پر مجبور کرتی ہے؟ سر پر لاحول پڑھ کر ہاتھ پھراؤ ایسا نہ ہو کہ کھوپڑی پر شیطان بیٹھا ہو؟ سنو اگر حکم خداوندی نہ مل گیا ہوتا تو امام حسین علیہ السلام تو ایک لامحدود ہستی تھے۔ دنیا کے تمام منکر انسانوں کو تہہ تیغ کرنے کے لئے تو ان کے بچوں میں سے ہر ایک کافی تھا۔ لہذا مسلمان رہنا ہے اور عاقبت بخیر رہنا ہے تو ہرگز انکار کی روش اختیار نہ کرنا۔

غیر مسلم جانتے ہیں کہ اگر گھوڑے کی ناک پر ایک مگّا مار دیا جائے تو گھوڑا پہلے الف ہوگا اور پھر پیچھے گرے گا اور دوسرا گھوڑا اس گھوڑے کی طاقت سے گرے گا اور یہ سلسلہ تمام مل کر کھڑے ہونے والے سواروں اور گھوڑوں میں ایک قیامت برپا کر دے گا۔ لوگ گھوڑوں کے پیروں سے کچل کر رہ جائیں گے۔ کیا تم نے کبھی اینٹوں کی ریل چلتے ہوئے بھی نہیں دیکھی؟ کیا تمہیں جمود (Inertia) اور حرکت (Momentum) اور ضخامت (Mass) اور کشش ثقل (Gravitational Force) وغیرہ سے بھی واقفیت نہیں؟ غیر مسلم یا لاندہب تو عموماً سائنس کی دنیا سے واقف ہوا کرتے تھے؟ کیا تم بھی اہل مذاہب کی طرح اندھی تقلید میں مبتلا ہو؟ ذرا آزما کر دیکھو اور دس اینٹیں پاس پاس لمبائی کے رخ پر کھڑی کر دو اور آگے والی ایک اینٹ کو کسی بچے کے بائیں ہاتھ کی ایک انگلی سے دھکا دو اور وہ پہلی اینٹ جھٹک کر دوسری پر گرے گی اور دوسری تیزی سے تیسری کو گرائے گی۔ اگر پچاس میل تک اینٹیں اسی ترتیب سے کھڑی ہوں اور ایسی پانچ سو لائنیں لگی ہوں تو ایک بچہ چند منٹ میں ہر لائن کی پہلی اینٹ کو گرا دے گا اور اُس کا اتنا زور بھی خرچ نہ ہوگا جتنا پانچ سیر وزن کو سرتک بلند کرنے میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد گرنے اور گرانے کا یہ خود کار سلسلہ اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک آخری اینٹ نہ گر جائے اور وہ وقت جو بچہ نے پہلی اینٹ کو سپرد کی تھی زمین میں محفوظ نہ ہو جائے۔

جب ایک ایسی فوج جو سواروں اور پیدل فوجیوں پر مشتمل ہو ہزیمت کھا کر بھاگتی ہے تو کیا ہوتا ہے؟ یہ بات وہی لوگ سمجھیں گے جو پرانے زمانہ کی افواج سے واقف ہوں۔ جب دست بدست یا جنگ مغلوبہ ہوتی ہے اور کوئی کسی کو شناخت کرنے کا وقت نہیں پاتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ تلوار پیچھے آگے اور داہنے بائیں کسی طرف سے بھی پڑ سکتی ہے تو کیا قیامت برپا ہوتی مولانا لوگ کیا جانیں؟ مگر تمہیں تو معلوم ہونا چاہئے۔ جب گھوڑا موڑنے کی جگہ نہ ہو، جب داہنے بائیں بھاگنے کی راہ نہ ہو اور جان بچانا ضروری ہو اُس وقت عمدہ گھوڑا اور عمدہ سوار اپنے آگے والے سوار یا پیدل پر سے گزرنا چاہے گا۔ اور ہوگا کیا؟ دونوں مریں گے۔ دوسروں کی راہ رکے گی وہ بھی گریں اور مریں گے۔ دُھول اُڑنے سے کون روکے گا۔ آنکھوں میں خوف اور موت کی تاریکی سے کون سا سرمہ بچائے گا؟ سنو یزید اُسی قوم کا لاڈلا بیٹا تھا جس قوم کی رسول اللہ نے اللہ سے شکایت کی تھی (فرقان 25/30)۔ یزید اُسی قومی حکومت کا جانشین اور خلیفہ تھا جو رسول اللہ اور تمام انبیاء اور پوری نوع انسان کی دشمن تھی (فرقان 25/31)۔ اور بقول علما جو خاندان نبوت میں حکومت اور خلافت کا جمع ہونا پسند نہ کرتی تھی (الفاروق حصہ اول صفحہ 103)۔ یزید اُسی ماں، اُسی باپ اور دادا کا بیٹا تھا جن کے سر پرست اور چشم و قلب ذوالفقار سے قتل ہوئے تھے۔ جن کی روح اور بدن پر حسینؑ کے باپؑ کی تلواروں کے زخم آج بھی تازہ تھے۔ یزید کو حکومت سونپنے والے؛ یزید کی تائید کرنیوالے وہی لوگ تھے جو علیؑ کے اور مسلمان بہادروں کے سامنے سے ہمیشہ بھاگتے رہے تھے۔ علیؑ کو دیکھ کر جن کی روح پرواز کرنے کو تیار ہو جاتی تھی۔ جنکے دلوں میں آگ، انتقام کی آگ سلگتی رہتی تھی۔ یہ فوج جو حسینؑ کے روبرو تھی جانتی تھی کہ حسینؑ کون ہے؟ عباس

کون ہے؟ اور یہ کہ حسینؑ کی خیمہ گاہ میں نہ صرف محمدؐ و علیؑ وفا طمہ اور حسنؑ موجود ہیں، نہ صرف تمام انبیاء اور ملائکہ موجود ہیں۔ بلکہ خود اللہ قادر مطلق، جبار و قہار اپنی پوری قوتوں اور قدرتوں کے ساتھ موجود ہے۔ ارے دوستو! جب حسینؑ کسی صحابی کی مدد کو رکاب میں پیر رکھتے تھے تو یہ بزدلوں، کمینوں، نطفہ نا تحقیقوں کی فوج پہلے سے جان بچانے اور بھاگنے کو تیار ہو جاتی تھی اور جب ذوالجناح قہر خداوندی کی طرح ٹوٹ کر جھپٹتا تھا تو اسکے سموں سے نہ معلوم کتنے سواروں کے جسم سر پریدہ رہ جاتے تھے۔ وہ فوج کے اس سمندر کے سروں پر سے گزرتا تھا اور آن کی آن میں کفر کا یہ بادل پھٹ جاتا تھا۔ سرگڑ گھوڑے سے اترتے تھے، مقتول سے باتیں کرتے تھے اور آخر کار گھوڑے پر پاپیدل لے کر آتے تھے۔ یہ ہر صحابی اور ہر ناصر کیلئے تشریف لے جانا مشہور و معروف و معلوم و مقبول و مسلمات میں سے ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر فوج میدان سے میلوں نہ بھاگ جائے یا خود کو خطرہ میں، مستقل اور اچانک آپڑنے والے خطرہ میں محسوس نہ کرے تو حسین علیہ السلام ایک دفعہ بھی فوج کے بیچ میں جا کر واپس نہ آ سکتے تھے۔ یہ میدان کا رزار جس کیلئے جو کچھ بھی ہو ہوا کرے؟ حسین علیہ السلام کی طاقت آزمائی کا میدان نہ تھا۔ انہوں نے یہاں اپنی طاقت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ورنہ یہ پانچ لاکھ نہیں پچاس کروڑ بھی ایک انگلی کے اشارہ سے مٹی کا ڈھیر بن جاتے۔ انہوں نے عہد تو یہی کیا تھا کہ وہ اپنی خداداد طاقت کو استعمال نہ کریں گے۔ اور صرف ایسے اقوال و اعمال پیش کریں گے جن سے تمام انبیاء و رسلؑ اور شرافت کا سر بلند ہو جائے۔ جن سے ابلیس اور اُس کا گروہ ہمیشہ کیلئے سر نہ امت جھکا لے۔ جن سے نوع انسان کیلئے دینی و دنیاوی نجات کے راستے چوپٹ کھل جائیں۔ صرف اپنی پیدائش سے روز عاشور تک کئی سو مرتبہ منانے، سمجھانے اور رونے اور رلانے کے باوجود اپنے اُس ارادہ پر برقرار رہے جو روز ازل کیا تھا۔ اللہ نے موقعہ پر موقعہ دیا، نبیؐ سے کہلوا یا، جبریلؑ نے عرض کیا، لیکن آپ نے نوع انسان کی باعزت نجات اور سر بلندی کی راہ سے ہٹا پسند نہ کیا۔ ورنہ اللہ تو وہی اللہ تھا جو لوح محفوظ پر لکھی ہوئی جس چیز یا پالیسی کو چاہے مٹا سکتا ہے اور اس کی جگہ جو چاہے لکھ سکتا ہے (سورہ رعد 13/39)۔

بہر حال حسینؑ نے محض وہ مادی اور جسمانی قوت بھی پوری استعمال نہ کی جو معجزاتی قوت و قدرت کے علاوہ تھی۔ دشمن کی فوج کا ہر حملہ پر کوفہ کی دیواروں سے ٹکرانا مشہور و معلوم ہے۔ یہ پچاس سے سو میل تک کا فاصلہ سامنے والی فوج طے نہ کرتی تھی۔ بلکہ فوج کا ایک پُرا دوسرے پر اور دوسرا پُرا تیسرے پر اینٹوں کی ریل بن کر گرتا تھا۔ حسینیؑ مجاہد فوج کے آخری حصہ تک نہ جاتا تھا نہ ضرورت تھی۔ یہ اسلامی لباس میں قرآن گلے میں ڈالے ہوئے کفر کی کالی بھیڑیں تھیں۔ اسد اللہ کی اولاد کی صورت اُن کے آبا و اجداد اور اولاد کے لئے پیغام موت تھی۔ یہ فطری اور تاریخی صورت حال تھی۔ یزید نے اسی صورت حال کو یاد دلایا تھا۔ جب اپنے ہم مذہب آبا و اجداد کو بدر واحد و خندق و احزاب و جمل و صفین کے مقتولوں کو یاد کیا تھا۔ علیؑ سے ٹکرانے کے بعد یہ طے ہو گیا تھا کہ خلیفہ یا سپہ سالار میدان میں نکل کر کبھی نہ لڑے گا ورنہ تاریخ بدل گئی ہوتی۔ سو بار بلانے پر بھی یہ بزدل اور کمینہ لوگ مقابلہ پر نہ آتے تھے۔ سرکاری اور مذکورہ قوم کی خانہ ساز روایات کو شیطان کے یا ابلیس کے چیلوں کے حوالے کر کے یہ سینیں کہ جب تک اُن ملاعین کو یہ یقین نہ ہو گیا کہ حسین علیہ السلام ایفاء عہد کر چکے یہ لاکھوں بھیڑوں کی فوج خیام حسینیؑ سے برابر اتنی دور رہی جتنی دور تیر نہیں جاسکتا تھا۔ تاکہ حسینیؑ لشکر سے نکلنے والے مجاہد کو شناخت کیا جاسکے۔ اور ضرورت پڑنے پر بلا خطرہ مول لئے بھاگنے کی راہیں کھلی رہیں۔ لیکن اُدھر سے آنے والا ہر بہادر کچھ اس طرح

بڑھتا تھا اور گھوڑے کو کاوا دیتا تھا کہ لشکرِ عمر سعد کے دماغوں پر چھا جاتا تھا، ہر شخص کو اپنے سامنے نظر آتا تھا۔ مرتا کوئی تھا گرتا کوئی اور تھا کاش منکرین اُدھر کی فوج میں ہوتے تو ہمیں سمجھانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ بلکہ وہ ہمیں سمجھاتے جیسا کہ زیادہ تر چشم دید حال اُسی طرف کے لوگوں نے بیان کیا ہے۔ تم نے پڑھا ہے کہ حُر صرف دعا مل جانے کے بعد جب میدان میں تشریف لائے تو میمنہ میسرہ پر اور میسرہ میمنہ پر گرتا جاتا تھا۔ یعنی داہنا بازو فوج کا بائیں بازو کی جگہ پناہ لینے کے لئے بھاگتا تھا۔ تو بائیں طرف والی فوج الٹ کر داہنے پر گرتی تھی اور یوں خود اپنی تلواروں اور اپنے گھوڑوں اور اپنے نیزوں سے جہنم واصل ہونے کے لئے تانتا باندھ لیتی تھی۔ حسین و عباس و علی اکبر و قاسم علیہم السلام اور دیگر اولاد علیؑ تو ایک امنڈا ہوا قہر خداوندی تھے۔ اُن کو چھوڑو تم ضعیف اور بڈھے صحابہ کی جنگ اور تا بڑوڑ حملوں ہی کو دیکھ لو۔ ارے جن مسلمانوں کی بیس ہزار فوج کو چالیس خارجی مار کر ڈھیر کر دیں اور میدان سے فرار پر مجبور کر دیں۔ اُس فوج کا اللہ کے شیروں اور ذوالفقار و ذوالجناح کے سامنے مچھروں، مکھیوں اور کیڑوں سے زیادہ تصور ایک یزیدی تصور ہے۔ اگر تم ایک منٹ میں کروڑوں مچھر مار سکتے ہو تو تین لاکھ تیس ہزار پر تعجب کیوں ہے؟ اور ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھ لو کہ عاشور کی رات تو ویسی ہی اور وہی رات تھی جو جیٹھ کے مہینے کی چند گھنٹوں کی رات ہوتی ہے۔ لیکن عاشور کا دن جیٹھ کے دن کے برابر کا نہ تھا۔ یہ دن بہتر (72) گھنٹے کا دن تھا۔ تم پھر حیران ہو جاؤ گے اور تمہارا کفر پھر تمہیں سانس کی دنیا سے جلا وطن کر دے گا۔ پھر تمہارا بغض تمہاری عقل کو اندھا، بہر اور گونگا کر دے گا۔ ارے اوجان بوجھ کر حقائق کا انکار کرنے والو۔ وہ تم ہی تو ہو جو چودہ دن کی رات اور چودہ دن کا ایک دن مانتے ہو؟ وہ تم ہی تو ہو جو اب ایمان لاکچے کہ اس دنیا میں۔ ہاں ہاں اسی خطہ ارض پر چھ ماہ کا یعنی چار ہزار تین سو بیس گھنٹے کا دن اور اتنی ہی لمبی رات ہوتی ہے۔ تم کہو گے کہ ہم اس لئے مانتے ہیں کہ ہم زمین کی ساخت، گردش اور سورج اور زمین کے محور (Orbit) اور رفتار کو جانتے ہیں۔ سو تم جاننے والوں اور ماننے والوں کی تعداد کتنی ہے؟ اور نہ جاننے والوں اور نہ ماننے والوں کی تعداد کتنی ہے؟ یعنی تمہیں دل کی گہرائی اور پورے اطمینان کے ساتھ پاگل کہنے والوں کی تعداد تم سے کئی کروڑ زیادہ نہیں ہے؟ اور اگر وہ تمہارے اتنی تعلیم و تجربہ حاصل کرنے سے پہلے تمہاری بات کو بکواس اور تمہیں سب کو مل کر دیوانہ کہتے رہیں؟ تو کیا تم ان حقائق کو ماننا چھوڑ دو گے؟ اس لئے ہم نے تمہیں عقل کے اندھے کہا کہ تم ہمارے ساتھ وہی سلوک کرتے ہو جو جہلا تمہارے ساتھ کرتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہ اپنی جہالت کی بنا پر مجرم نہیں لیکن آئن سٹائن کے دور یا ایٹمی دور کے علمائے عقلیات ہونے کی بنا پر تم مجرم اور گردن زدنی ہو۔ سو تم ہماری دینی تعلیم حاصل کرو۔ وہ دینی تعلیم نہیں جو یزیدی مذہب کے راہنماؤں نے اسلامی تعلیم کے نام سے پھیلائی ہے۔ بلکہ وہ تعلیم حاصل کرو جو محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم نے دی تھی۔ جسے پھیلنے سے روکنے کے لئے کربلا میں اُس خاندان کا قتل عام کیا گیا۔ وہ تعلیم حاصل کرو تا کہ تمہاری سمجھ میں آئے کہ ایک لکڑی کیسے اڑدہا بن سکتی ہے؟ دو تین فرلانگ لمبا چوڑا اور دو تین منزل اونچا انگاروں سے دھکتا ہوا ڈھیر کیسے ایک، صرف ایک انسان کے لئے سلامتی کا سامان بن جاتا ہے؟ اور کوئی اور ہاتھ ڈالے تو جل کر خاک سیاہ کر دیتا ہے۔ تم عقل کے دروازے بند کر کے چاہتے ہو کہ عقل ترقی کرے؟ تم غار سے غار میں جا کر چاہتے ہو کہ وہاں سورج چمکے؟ ارے بھائیو تعلیم حاصل کرو یا نہ کرو، مانو یا نہ مانو، اگر اربوں انسان یہ نہیں جانتے کہ چھ ماہ کا دن بھی ہوتا ہے یا یہ نہیں مانتے کہ بہتر گھنٹے کا دن ہو سکتا ہے؟ تو اُن کے نہ جاننے اور ماننے سے حقیقت تو نہیں بدلتی۔ البتہ اُن کی جہالت

و حماقت کا علم ضرور ہوتا ہے۔ سنو! جس ہستی کی بات ہو رہی ہے وہاں چاند و سورج اور ستارے اور زمین و آسمان سب سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ سب اُن کے مسخر اور فرمانبردار ہیں (ابراہیمؑ 33-32/14)۔ اُن کیلئے سورج کا واپس پلٹنا یا پلٹنا یا ایک جگہ ٹھہرنا اور پورے نظام شمسی کا اطاعت کرنا مومنین کے لئے قابلِ تعجب یا ناممکن نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مومنین خود علم کا دامن چھوڑ کر دین کی تحقیق پندتوں اور پروہتوں اور احبار و رہبان و خطائے اجتہادی کے قائلین کو سپرد کر چکے ہوں۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ:۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ لَتَجْزِیَ الْفُلُکُ.... الخ۔ وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِنْہٗ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (سورہ الباقیہ 13-12/45 و سورہ لقمن 20/31 وغیرہ)

یہ کائنات اور اس کائنات کی تمام موجودات، سورج و چاند و ستارے، ملائکہ اور جنات، ہوائیں اور حادثات، نباتات و جمادات و حیوانات تمام تمہارے قبضہ اقتدار و تسلط میں دے دی ہیں۔ ذرا اس معاملہ میں تفکر و تعقل سے کام لو کہ امت میں وہ کون لوگ تھے؟ جن کے لئے امت نے یہ تسلیم کیا کہ یہ قرآن کا بیان اُن پر صادق آتا ہے؟ کیا قومی حکومت و خلافت کا کوئی حاکم اُن میں شمار ہے؟ اور ہے تو اس کا نام بتاؤ یا معلوم کرو۔ المختصر جانشینانِ رسولؐ تو بہت سے گزرے اور بہت سے آج بھی امامؑ زمانہ اور رسولؐ کے جانشین بنے بیٹھے ہیں اور حسب سابق امت کو لوٹنے، تباہ کرنے اور فتوے دے دے کر جہنمی بنانے میں مصروف ہیں۔ مگر کیا انہیں رسولؐ یا امامؑ سے کائنات پر اقتدار و تسلط میں سے بھی کچھ ورثہ یا حصہ ملا ہے؟ ارے دوستو! جسے یہ گروہ تعلیمات خداوندی کہتا ہے وہ اُن کی خود ساختہ ابلیسی تعلیم ہے۔ وہ اصول و قواعد دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ نے تیار کئے تھے۔ جنہیں آج اسلام کے نام پر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج اُن لوگوں نے امت کو غیر مسلموں سے علم و دولت و استعانت کی بھیک مانگنے پر مجبور کر کے رکھ دیا ہے۔

(8)۔ کر بلا میں ساتویں محرم کی صبح سے خیام حسینیؑ میں پانی نہیں پہنچا

یہ گفتگو ہو چکی ہے کہ دو (2) محرم سے نو (9) محرم تک واقعات کر بلا کا اختتام پذیر ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ دو، تین اور چار محرم کو کر بلا سے روانہ ہونے والے خطوط کا جواب ابن زیاد کی طرف سے پہنچنے کے لئے کم از کم چھ روز درکار ہیں۔ اور یہ سب کچھ نو (9) محرم تک ہو چکنا چاہئے۔ تاکہ ابن زیاد کا آخری خط ملنے کے بعد نویں محرم کو اعلانِ جنگ ہو۔ یعنی عمر بن سعد کا پہلا تیر اور اس کی تائید میں ہزاروں تیر عملاً اعلانِ جنگ کریں۔ امامؑ کی طرف سے پھر اتمامِ حجت کیا جائے اور آنے والی رات یعنی شبِ عاشور کی مہلت لی جاسکے۔ پھر یہ بھی مد نظر رکھنا ہوگا کہ جناب امام علیہ السلام نے اپنے اور اپنے اعزہ و انصار کے لئے قبرستان کی زمین بھی خریدی تھی۔ اس لئے بھی لازم ہے کہ کر بلا میں امامؑ کی آمد ماہِ ذی الحجہ کے اواخر میں اور ماہِ محرم سے کئی روز پہلے ہونا چاہئے۔ ہم یہاں ایک اور خط کا تذکرہ کرتے ہیں جو عمر سعد کی شکایت کے طور پر خولی بن یزید الصمعی نے لکھا تھا۔ اور یہ ملعون اُن دس سردارانِ افواج میں سے ایک تھا جنہیں ابن زیاد نے خود پرچم اور افواج دیکر کر بلا بھیجا تھا۔ اور اُس کے جواب میں عمر سعد کو جنگ کا حکم آیا تھا۔ وہ خط ملاحظہ فرمائیں:-

قال ابو مخنف ثم ان عمر بن سعد عبر الفرات وکان یخرج کلّ لیلۃ ویبسط بساطاً ویدعوا بالحسین علیہ السلام ویتحدثان جمیعاً حتی یمضی من اللیل شطره وکان خولی من اقصى الناس قلباً علی الحسین فلما نظر الی ذلک کتب کتاباً الی ابن زیاد

يقول فيه اما بعد يا ايها الامير ان عمر بن سعد يخرج كل ليلة ويبسط بساطاً ويدعوا بالحسين ويتحدثان حتى يمضي من الليل شطره قد ادر كنه عليه الرحمة فامرہ ان ينزل على حُكمك اَو اَنْ يسلّم الامر الى حُتي اكفيك امرہ - فَلَمَّا قَرَأ ابن زياد كتابه كتب الى عمر بن سعد اما بعد يابن سعد فقد بلغني اَنْك تخرج كل ليلة وتبسط بساطاً وتدعوا بالحسين وتحدثان عامّة من اللّيل فامرہ ان ينزل حُكمي فان فعل فهو الفرض وان ابى فامنعہ من شرب الماء الفرات فقد حرّمته عليه وحلّته على الكلاب والخننازير فلما قرأ ابن سعد دعي بحجر بن الحرّ وعقده راية على الفين فارس و امرہ ان ينزل على شرعة الماء ويمنع الحسين واصحابه من شرب الماء ودعي شيب بن ربعي وعقده راية على اربعة الاف فارس و امرہ ان ينزل على الشرعة ويضيق على الحسين واصحابه - (اكسير العبادات في اسرار الشهادات - صفحہ 239)

”علامہ ابوحنفہ نے کہا ہے کہ یقیناً عمر ابن سعد نے جب دریائے فرات کو عبور (پار) کر لیا تو اُس نے یہ معمول بنالیا کہ روزمرہ رات کو مسند وغیرہ کا انتظام کراتا اور امام حسین علیہ السلام کو بلا کر کافی رات گئے تک باتیں کرتا تھا۔ خولی جو کہ حسین کے لئے سب سے زیادہ بے رحم تھا۔ اُس نے یہ حالات دیکھے تو ابن زیاد کو خط بھیجا اور بتایا کہ عمر بن سعد روزانہ راتوں کو حسین کے لئے مسند و فرش و فرش بچھواتا ہے اور کافی کافی رات گزرنے تک اُن سے کچھ باتیں کرتا رہتا ہے۔ اور میں سمجھ چکا ہوں کہ وہ حسین کے ساتھ نہایت رحم لانہ سلوک کرنا چاہتا ہے۔ لہذا اُسے حکم دیں کہ یا تو آپ کے حکم کی تعمیل کرے یا فوج کا چارج میرے حوالے کر دے تاکہ میں اُس حکم کی تعمیل کروں۔ جب ابن زیاد نے یہ خط پڑھا تو عمر سعد کو خط بھیجا اور لکھا کہ مجھے یہ صورت حال معلوم ہو چکی ہے کہ تو روزانہ رات رات بھر حسین کو بلا کر اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتا ہے۔ دونوں خوب باتیں کرتے ہو۔ لہذا حسین کو حکم دے کہ وہ میرے حکم کی تعمیل کریں جو کہ ایک فریضہ ہے۔ اگر مان لیں تو ٹھیک لیکن اگر سرکشی کریں تو دریائے فرات کا پانی اُن پر بند کر دو۔ اس لئے کہ میں اُن پر وہ پانی حرام کر رہا ہوں اور کتوں اور سوزوں کے لئے حلال رکھتا ہوں۔ جب عمر سعد نے یہ خط پڑھا تو حجر بن حُر کو بلا کر دو ہزار سواروں کا نشان لشکر دیا اور حکم دیا کہ فرات کے کنارہ پر فوج لگا دو اور حسین واصحاب حسین پر پانی بند کر دو۔ اس کے بعد شیب بن ربعی کو چار ہزار سواروں کی سرداری دے کر اُسے بھی حکم دیا کہ جاؤ فرات کو گھیر لو اور حسین اور اُن کے ساتھیوں کو پانی نہ لینے دو۔“ (اکسير العبادات في اسرار الشهادات - صفحہ 239)

(9)۔ پانی کب بند ہوا؟ ساتویں محرم کو؟ پھر حضرت عباسؓ کب پانی لائے؟

روایات کے سرکاری وغیرہ سرکاری ہنگامہ خیر فریب کے باوجود یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ امام حسین علیہ السلام اور اہل حرم اور صحابہ علیہم السلام صبح عاشور تین دن کے پیاسے تھے۔ اور یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ خیام حسینی میں ایک دفعہ حضرت عباس علیہ السلام پانی لائے اور افواج سے جنگ کے بعد جبراً قوت بازو سے پانی لائے اور سقائے سکینہؑ کا لقب پایا۔ اور ایک دفعہ حضرت علی اکبر علیہ السلام اُسی طرح لڑ کر پانی لائے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ پانی کی ممانعت اور افواج کی تعیناتی ابن زیاد کے حکم سے ہوئی تھی۔ اور مذکورہ بالا خط عمر سعد کو ساتویں محرم سے پہلے پہلے ملنا چاہئے۔ تاکہ ساتویں کو فوج دریائے فرات کو گھیر لے۔ پھر اگر کوفہ تک اُس زمانہ میں جانے اور آنے کے لئے چھ دن کا سفر مان لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ خولی نے یکم محرم کو شکایت کا خط لکھا جو تین محرم کی شام کو ابن زیاد تک پہنچا اور چار محرم کو ابن زیاد نے خط لکھا جو چھ محرم کی شام کو عمر سعد نے پڑھا اور رات میں افواج نے دریائے فرات کو گھیرے میں لے لیا۔ یہاں یہ

بھی ماننا پڑے گا کہ عمر سعد اور امام کی رات کی ملاقاتیں یکم محرم سے پہلے پہلے وقوع میں آچکی تھیں۔ یعنی امامؑ کر بلا میں یکم محرم کے قبل سے موجود تھے۔ اور یہی کہہ کر ہم چلے گئے۔ پھر اگر یہ مانا جائے کہ ابن زیاد کا ممانعتی خط چھ محرم کو آیا تھا اور ساتویں کو پانی بند ہوا تھا تو خیام حسینیؑ میں حضرت عباسؑ اور حضرت علیؑ اکبر کے پانی لانے کا یا تو انکار کرنا پڑے گا جو مسلمات کا انکار ہوگا۔ یا یہ ماننا پڑے گا کہ امام حسینؑ اور ان کے انصار و اہل حرم تین روز سے پیاسے نہیں رہے اور یہ ماننا بھی مسلمات کے خلاف ہوگا۔ لہذا حقیقت اسی قدر ہے کہ امام حسین علیہ السلام محرم شروع ہونے سے قبل کر بلا میں موجود تھے۔ اور لڑ کر پانی کا لانا ساتویں محرم سے پہلے کا واقعہ ہے۔ یہاں یہ بھی یاد کریں کہ ہم نے عنوان نمبر 5 ”کوفہ سے روانہ ہونے والی فوجوں کی ترتیب“ میں ابن زیاد کا یہ حکم بھی لکھا ہے کہ:-

فَقَالَ لَهُ أَنْتَ أَمَضِ وَضَيِّقْ عَلَيْهِ الْمَسَالِكَ وَامْنَعَهُ مِنْ شَرْبِ الْمَاءِ وَابْتَنِي بِرَأْسِهِ قَالِ سَمِعًا وَطَاعَةً - ثُمَّ عَقَدْلَهُ رَايَةً عَلَى سِتَةِ آلَافٍ فَارْسَ وَامْرَ بِالْمَسِيرِ إِلَى الْحُسَيْنِ - (أكسير العبادات في أسرار الشهادات - صفحہ 236)

”ابن زیاد نے عمر سعد کو کہا کہ تم روانہ ہو جاؤ اور ان پر تمام راہیں بند کر دو اور ان کے لئے پانی پینے کی ممانعت کر دو اور میرے پاس ان کا سر لے کر حاضر ہو۔ عمر سعد نے کہا کہ میں نے سنا، سمجھا اور میں اطاعت کرتا ہوں۔ پھر ابن زیاد نے اس کو چھ ہزار سواروں کا علم دیا اور حکم دیا کہ امام حسینؑ کی طرف تعیل حکم کے لئے روانہ ہو جاؤ۔“

لہذا ہم مانتے ہیں کہ جس روز بھی عمر سعد مع لشکر کر بلا میں پہنچا، اُسی روز سے امام حسینؑ اور اہل حرم اور انصار ان حسین علیہم السلام پر پانی بند کر دیا گیا تھا۔ اور اُس روز کے بعد پانی بڑور شمشیر حاصل کیا جاتا رہا۔ لیکن جب چاروں طرف تل رکھنے کو جگہ نہ رہی اور شامی افواج کر بلا میں پہنچ گئیں تو قدرتی طور پر دریا تک پہنچنا ناممکن ہو گیا۔ یہ صورت حال چھٹی (6) محرم تک سامنے آچکی تھی۔ اس کے بعد بھی پانی لانے کی کوششیں برابر جاری رہیں۔ لیکن ساتویں محرم سے دسویں محرم تک جان نثاران حسینؑ نے بچوں کے لئے پانی لانے کی کوشش میں جتنا خون نثار کیا اگر اُس کا آدھا پانی بھی خیام حسینیؑ میں پہنچ جاتا تو تاریخ کا رُخ بدل جاتا۔ بہر حال صرف ایک دفعہ ایک خالی مشک پہنچی جس میں پانی کی نمی تھی اور چاروں طرف بچوں کا ہجوم تھا۔

(10)۔ ساتویں محرم سے پہلے پہلے پانی لانے کی ایک مہم سقائے سیکینہ کی سرکردگی میں

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ عمر سعد نے روز اول ہی سے پانی بند کر دیا تھا اور ناکام تجربوں اور ابن زیاد کی تاکید و تنبیہ کی بنا پر فرات کی نگرانی کیلئے برابر فوجیں بڑھاتا چلا آ رہا تھا۔ لہذا امامؑ کی طرف سے بھی ہر دفعہ فداکاروں کی تعداد میں اضافہ کر کے پانی منگایا جاتا تھا۔ اس سلسلہ کا وہ واقعہ سُنئے جس میں حضرت عباسؑ علمدار علیہ السلام کو حضرت سیکینہ علیہا السلام کا سقہ بننے کا موقع ملا تھا۔

قال محمد بن ابي طالب وقد ضيق عمر بن سعد عليهم غاية التضييق فلما اشتد العطش بالحسين دعى باخيه العباس فضم اليه ثلثين فارساً وعشرين راكباً وبعث معه عشرين قربة - فاقبلوا في جوف الليل حتى دنوا من الفرات فقال عمر وبن الحجاج من انتم؟ فقال رجل من اصحاب الحسين يقال له هلال ابن نافع البجلي ابن عم لك جئت اشرب من هذا الماء - فقال عمرو اشرب هنئياً - فقال هلال ويحك كيف تامرني ان اشرب والحسين بن علي ومن معه يموتون عطشاً؟ فقال عمرو صدقت

ولكن امرنا بامر لا بد أن تنتهي إليه - فصاح هلال لأصحابه فدخلوا الفرات فصاح عمرو بن الحجاج بالناس وأقتلوا قتلاً شديداً فكان قوم يقتلون وقوم يميلون حتى ملاء وهاولم يقتل من أصحاب الحسين أحد ثم رجع القوم إلى معسكرهم فشرّب الحسين ومن كان معه - فلذا سمى العباس سقاء - ثم أرسل الحسين عليه السلام إلى عمر بن سعد أتى أريد أن أكلمك فالتقى الليل بين عسكري وعسكرك - فخرج ابن سعد في عشرين وخرج الحسين في مثل ذلك - فلما التقيا امر الحسين أصحابه أن تنتحوا عنه وبقي معه اخوه العباس وابنه عليّ وامر ابن سعد بمثل ذلك وبقي معه ابنه حفص و غلام له - فقال عليه السلام ويلك يا بن سعد اما تتقي الله الذي اليه معادك ؟ اتقاتلني وانا ابن من علمت - ذوهو لاء القوم وكن معي فانه اقرب لك الى الله - فقال عمر بن سعد اخاف ان يهدم دارى - فقال عليه السلام ائبئها لك - فقال اخاف ان تؤخذ ضيعتي - فقال الحسين انا اخلف عليك خيراً منها من مالى بالحجاز - اقول وفى بعض الاخبار قال ائى اخلف عليك البغيغة وهى عين عظيمة بالحجاز وكان معاوية أعطاه فى ثمنها الف الف دينار من الذهب فلم يبعه - (صفحہ 239-240)

”حضرت علامہ محمد بن ابی طالب نے لکھا ہے کہ عمر بن سعد نے جب پانی حاصل کرنے میں بہت تنگی پیدا کر دی اور امامؑ کے سامنے پیاس کی شدت حد کو پہنچ گئی تو حضورؐ نے اپنے بھائی عباسؑ کو بلایا اور اُن کے ساتھ تیس جنگجو گھوڑے سوار اور بیس اونٹ سوار جو پانی لا کر لائیں گے اور بیس (20) پانی بردار چمڑے کے بڑے ٹینک (Tanks) بھیجے اور پانی لانے کا حکم دیا۔ یہ حضرات رات کو دریا کنارے پہنچے جب ڈھلوان پر اُترنے لگے تو سردار فوج جوڈیوٹی پر تھا اور جس کا نام عمرو بن الحجاج تھا پکارا تم کون ہو۔ ادھر سے جواب دیا گیا کہ حسینؑ کے صحابہ میں سے وہ شخص بول رہا ہے جسے ہلال ابن نافع بجلی کہتے ہیں اور تمہارا قومی بچا زاد بھائی ہے۔ چاہتا ہوں کہ اس بہتے ہوئے پانی میں سے کچھ پانی پی لوں۔ اُس نے خوش ہو کر کہا نوش جان کرو ضرور پیو۔ ہلال نے کہا کہ یہ تو تمہاری بہت بری بات ہے کہ مجھے تو پانی پینے کی اجازت دیتے ہو حالانکہ حسینؑ بن علیؑ مع اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں اور مستورات اور صحابہ کے پیاس کی شدت سے قریب المرگ ہیں۔ عمرو بن الحجاج نے کہا تم نے صحیح کہا مگر ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ اُن پر پانی بند رکھیں۔ یہ سُن کر ہلال ابن نافع نے حسینؑی بہادروں کو پکارا کہ فوراً پانی بھر لیں۔ ادھر عمرو بن حجاج نے فوج کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ حسینؑی بہادروں نے دفاعی جنگ شروع کی، پانی بھرنے والی پارٹی فرات میں داخل ہو گئی۔ ادھر پانی بھرا جا رہا تھا ادھر گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ جب پانی بھر لیا گیا۔ تو حسینؑی جوان پانی لے کر روانہ ہوئے۔ اُن میں کوئی ایک شخص بھی قتل نہیں ہوا حالانکہ دشمن کے مقتولوں کا ڈھیر ہو گیا۔ حضرت عباسؑ علیہ السلام نے اہل حرم اور صحابہ میں پانی تقسیم کیا۔ امام علیہ السلام نے سب کے ساتھ پانی پیا اور حضرت علمدار علیہ السلام کو سقائے سکینہ کا لقب دیا۔

پانی سے سیراب ہو چکنے کے بعد امام حسینؑ علیہ السلام نے عمر ابن سعد کو پیغام بھیجا کہ میں تم سے گفتگو کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ چنانچہ آج رات دونوں افواج کے درمیان آ کر مجھ سے ملاقات کرے۔ چنانچہ عمر سعد بیس سپاہیوں کے ساتھ مقررہ مقام پر آیا تو امام علیہ السلام بھی بیس بہادروں کی ہمراہی میں پہنچے۔ جب دونوں آمنے سامنے آ گئے تو امامؑ نے اپنے صحابہ کو علیحدہ ٹھہرنے کا حکم دیا اور حضرات عباسؑ و علیؑ اکبر علیہم السلام کو اپنے پاس رکھا۔ ادھر عمر ابن سعد نے بھی ایسا ہی کیا اور اپنے بیٹے حفصؑ اور ایک غلام کو موجود رکھا۔ امامؑ نے فرمایا کہ تمہارے لئے یہ بہت بری بات ہے کہ تم میرے ساتھ جنگ کرنے پر تیار ہو کر یہاں آ گئے۔ کیا تم اللہ کے سامنے نہ جاؤ گے؟

کیا تمہیں خوف خدا نہیں؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں کس کا فرزند ہوں؟ پھر تم اس قوم کے طرفدار ہو؟ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ عمر سعد نے کہا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ ابن زیاد میرا گھربار منہدم و برباد کر کے رکھ دے گا۔ امّ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے گھربار تعمیر کروں گا۔ اُس نے کہا مجھے یہ خوف بھی ہے کہ وہ میری جائیداد و مال و منال ضبط کر لے گا۔ امّ نے فرمایا کہ میں اپنے مال میں سے اُس سے بہتر حجاز میں فراہم کر دوں گا۔ مصنف کتاب نے کہا کہ بعض دوسری روایات میں یہ ہے کہ امّ نے فرمایا کہ میں تمہیں اپنا وہ چشمہ دے دوں گا جسے بعیغہ کہا جاتا ہے۔ اور جس کی افادیت کی بنا پر معاویہ اُسے دس لاکھ سونے کے دیناروں (اثر فیوں) میں خریدنا چاہتا تھا۔ لیکن اُسے فروخت نہیں کیا گیا تھا۔

قال محمد بن ابی طالب فقال عمر بن سعد لی عیال و اخاف علیہم ثم سکت ولم یجبه الی شیء فانصرف عنه الحسین و هو یقول مالک ذبحک اللہ علی فراشک عاجلاً ولا غفر لک یوم حشرک انی لارجو الا تاكل برالعراق الا یسیراً قال ابن سعد فی الشعیب کفایة عن البرمستہڑا۔ (اکسیر صفحہ 239-240)

مسلسل محمد بن ابی طالب نے لکھا ہے کہ عمر بن سعد نے یہ بھی کہا کہ میرے بال بچے اور اہل و عیال بھی تو ہیں۔ اب حضرت امام حسین علیہ السلام خاموش ہو گئے۔ اور کوئی جواب نہ دیا اور اُسے یہ پیشینگوئی سنائی کہ تم حکومت رے سے محروم رہو گے۔ اور جلد اپنے پلنگ پر قتل کر دیئے جاؤ گے۔ قیامت میں تمہاری بخشش نہ ہوگی اور مجھے یہ امید ہے کہ تم عراق کے گیہوں بہت کم کھا سکو گے۔ ابن سعد نے مذاق سے کہا کہ نہ ملے گیہوں تو جو کھانا کافی ہے۔

(11)۔ راتوں کو بار بار ملاقاتیں مندرجہ بالا ملاقات کے بعد وقوع میں آئی تھیں

یہ وہ ملاقات تھی جو فوجی تحفظ اور قواعد کی رُو سے تکلفات کے ساتھ وقوع میں آئی تھی۔ لیکن اُن راتوں کی ملاقاتوں میں سپاہیوں کی ہمراہی کا قطعاً ذکر نہیں ہے جن کو سازش سمجھ کر خولی نے شکایتی خط ابن زیاد کو لکھا تھا۔ بہر حال اس ملاقات سے پہلے پانی بند تھا اور قوت بازو اور جنگ و جدل سے حاصل کیا جاتا تھا۔ اور اس ملاقات کے بعد سلسلہ نصیحت اور وعظ شروع ہوا۔ زہیر بن قین علیہ السلام اور دیگر سربراہان و صحابہ علیہم السلام ابن سعد سے برابر گفت و شنید کرتے رہے اور عمر بن سعد بھی برابر شرمندہ و لا جواب ہوتا رہا۔ آخر وہ وقت آیا کہ عمر سعد کے ارادوں میں لغزش پیدا ہوئی۔ اور اس کے بعد اُس نے ایسی راہ نکالنے کے لئے امام علیہ السلام سے مسلسل کئی روز راتوں کو ملاقات اور صلاح و مشورہ شروع کیا تھا جس پر خولی نے چغلی کھائی۔ اور آخر کار کر بلا کی جنگ ٹھن گئی تھی۔

(38/9)۔ امام حسین کے صحابہ کا مقام اور فضائل

کر بلا میں شہید ہونے والے فداکارانِ محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے فضائل و مناقب میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ یہ وہ حضرات ہیں جن پر تمام آئمہ معصومین علیہم السلام دن رات اور ہر نماز کے بعد دو دو سلام بھیجتے رہے ہیں۔ اور تمام مومنین پر زیارتوں میں اُن پر دو دو سلام بھیجنا واجب کیا ہے اور یہ تمنا کی ہے کہ:۔ یَا لَیْتَنَا کُنَّا مَعَکُمْ فَفَقُورُ فَوْزًا عَظِیْمًا۔ (زیارتیں)

کاش ہم تمہارے ساتھ ہوتے اور اُس عظیم المرتبہ مقام پر فائز ہو جاتے جس پر آپ حضرات فائز ہوئے۔

بہر حال چند روایات ملاحظہ فرمائیں:-

”عن الارشاد فَجَمَعَ الحُسَيْنُ اصحابه عند قرب المساء قال سيد الساجدين فدنوت منه لاسمع مايقول لهم وَأَنَا إِذَاكَ مريض فسمعت ابي يقول لاصحابه..... - اما بعد فَأَنِّي لا اعلم اصحابا أَوْفَى ولا خيراً من اصحابي ولا اهلبيت ابرّ ولا اوصل من اهلبيتي فجزاكم الله عنى خيراً - أَلَا وَآئِي لاَ ظَنٌّ يَوْمًا لَنَا مِنْ هَؤُلَاءِ إِلَّا غَدًا - أَلَا وَآئِي قَدِ انْذَنْتُ لَكُمْ فَاَنْطَلَقُوا جَمِيعًا فِي جَلٍّ لَيْسَ عَلَيْكُمْ مِنْهُ نَصْرٌ وَهَؤُلَاءِ الْقَوْمُ فَانْهَمُوا لِي بِرِدُونٍ غَيْرِي - فَقَالَ لَهُ اخوته وَاَبَاؤُهُ وَاَبْنَاؤُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ وَلَمْ نَفْعَلْ ذَلِكَ لِنَبْقَى بَعْدَكَ لَا أَرَانَا اللَّهَ ذَلِكَ بَدَاهُمْ بِهَذَا الْقَوْلِ عَبَّاسُ بْنُ امِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ثُمَّ تَابَعُوهُ - قَالَ ثُمَّ نَظَرَالِي بَنِي عَقِيلٍ فَقَالَ حَسْبُكُمْ مِنَ الْقَتْلِ بِصَاحِبِكُمْ مُسْلِمٌ أَذْهَبُوا فَقَدْ انْذَنْتُ لَكُمْ وَفِي الْأَمَالِي فَقَامَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُسْلِمٍ بَنِي عَقِيلٍ فَقَالَ يَا بَنِي رَسُولِ اللَّهِ مَاذَا يَقُولُ لَنَا النَّاسُ أَنَّ نَحْنُ خَذَلْنَا شَيْخَنَا كَبِيرًا وَسَيِّدَنَا ابْنَ سَيِّدِ الْأَعْمَامِ وَابْنَ نَبِيِّنَا سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ لَمْ نَضْرِبْ مَعَهُ بِسَيْفٍ وَلَمْ تَقَاتِلْ مَعَهُ بِرَمْحٍ لَا وَاللَّهِ وَنَرُدُّ مَوْرَدَكَ وَنَجْعَلُ أَنْفُسَنَا دُونَ نَفْسِكَ وَدِمَائِنَا دُونَ دِمَائِكَ فَاذْأَنَحْنُ فَعَلْنَا ذَلِكَ فَقَدْ قَضَيْنَا مَا عَلَيْنَا وَخَرَجْنَا مِمَّا لَنَا مِنَّا - وَعَنِ الْإِرْشَادِ وَقَالُوا سُبْحَانَ اللَّهِ فَمَا يَقُولُ النَّاسُ يَقُولُونَ إِنَّا تَرَكْنَا شَيْخَنَا وَسَيِّدَنَا وَبَنِي عَمومتنا خَيْرَ الْأَعْمَامِ وَلَمْ نَرْمِ مَعَهُمْ بِسَهْمٍ وَلَمْ نَطْعَنْ مَعَهُمْ بِرَمْحٍ وَلَمْ نَضْرِبْ مَعَهُمْ بِسَيْفٍ وَلَا نَدْرِي مَا صَنَعُوا - لَا وَاللَّهِ مَا نَفْعَلُ ذَلِكَ وَلَكِنْ نَفْدِيكَ بِنَفْسِنَا وَأَمْوَالِنَا وَاهْلِينَا وَنَقَاتِلُ مَعَكَ حَتَّى نَرُدَّ مَوْرَدَكَ فَقَبِحَ اللَّهُ الْعِيشَ بَعْدَكَ - (أكسير العبادات - صفحہ 247-246)

کتاب الارشاد میں ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے تمام صحابہ کو قریباً شام کے وقت جمع کیا۔ امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے کہ میں بیماری ہی کے عالم میں اتنا قریب پہنچ گیا کہ امام جو کچھ صحابہ سے فرمائیں میں سن سکوں۔ چنانچہ امام نے خطبہ دیا، حمد و ثنا کی اور فرمایا کہ میں نے اپنے صحابہ سے زیادہ وفا پرست اور بلند مرتبہ صحابہ کسی کے نہیں پائے اور نہ کسی کے اہلیت میرے اہلیت سے بڑھ کر پارسا اور ہم آہنگ تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو میری جانب سے بہترین جزا عطا کرے۔ غور سے سنو کہ میرے نزدیک صرف آج کا دن ایسا ہے کہ ہم سب زندہ ہیں۔ لیکن کل جو دن آ رہا ہے اس میں ہم سب قتل ہو جائیں گے۔ میں آپ سب کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ سب حضرات قتل سے محفوظ رہنے کے لئے اس رات کے اندھیرے میں رخصت ہو جائیں میری طرف سے آپ پر کوئی مواخذہ اور پابندی باقی نہیں ہے۔ اور میں تمہارا مقام بلند اور اس کی جزا بیان کر چکا ہوں۔

کتاب ملخوف میں یوں کہا گیا ہے کہ تم سب لوگ میرے اہلیت میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ لو اور یہاں سے بچا کر نکال لے جاؤ۔ اور مجھے ان لوگوں سے نمٹنے کے لئے تنہا چھوڑ دو۔ حقیقت اس قدر ہے کہ انہیں میرے علاوہ کسی اور سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس پر امام کے بھائیوں، بیٹوں اور عبداللہ بن جعفر و مسلم کی اولاد نے کہا کہ ہم ایسا ہرگز نہ کریں گے کہ آپ کے بعد زندہ باقی رہیں۔ خدا ہمیں ایسی صورت حال سے دوچار نہ کرے۔ یہ جواب پہلے حضرت عباسؓ نے دیا۔ اُن کے بعد باقی سب نے اُن ہی کی پیروی میں جواب دیا۔ اس کے بعد امام نے اولاد عقیل کی طرف دیکھا اور اپیل کی کہ دیکھو تمہارے بزرگ، مسلم نے جو قربانی پیش کی ہے وہ تمہارے شایان شان اور مقبول ہے۔ لہذا تم میری اجازت سے چلے جاؤ۔ کتاب امالی میں ہے کہ یہ سُن کر عبداللہ بن مسلم کھڑے ہوئے اور عرض

کیا یا رسول اللہ کے فرزند ہمیں لوگ ملامت کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم نے اپنے بزرگ اور سن رسیدہ سردار کو، اپنے والدین اور چچاؤں کے سردار کو، اپنے نبی کے بیٹے کو مصائب میں تنہا چھوڑ کر جان بچالی اور اُن کی طرفداری میں تلوار اٹھا کر جنگ نہ کی۔ خدا کی قسم ہم اُسی حالت میں رہنا چاہتے ہیں جو آپ پر گزرنے والی ہے۔ اور اپنی زندگیاں آپ کے اوپر نثار کر دینا چاہتے ہیں۔ اور آپ کے تحفظ میں اپنا خون بہا دینا طے کیا ہوا ہے۔ اور جب ہم ایسا کر چکیں گے تب کہیں وہ فریضہ ادا ہوگا جو ہم پر قائم ہے۔ کتاب الارشاد میں یوں ہے کہ اولاد عقیل نے عرض کیا کہ حضور اگر ہم ایسا کریں تو لوگ ہمیں ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم نے بزرگ ترین شخص کو اور اپنے اور چچا زادوں کے سردار کو اور اپنے نبی سید الانبیاء کے بیٹے کو تنہا چھوڑ دیا تھا۔ اور ہم لوگ اُن کے ہمراہ شمشیر بکف جنگ نہ کر سکے۔ اور ہم سینوں پر تیر کھانے اور نیزوں کی مار سے ڈر کر بھاگ آئے تھے۔ اور ہم نہیں سمجھتے اور کیا الزامات عائد ہوں گے۔ واللہ ہم ہر گز یہاں سے نہ ٹلیں گے۔ اور اپنا سب کچھ جان و مال و اولاد و اہل و عیال سب آپ کے اوپر قربان کر دیں گے۔ اور آپ کی حمایت میں اس وقت تک شمشیر زنی کریں گے جب تک اسی حالت میں داخل نہ ہو جائیں جس میں آپ کا داخلہ طے شدہ ہے۔ خدا آپ کے بعد زندہ رہنے والوں کی زندگی کو بدترین زندگی بنا دے۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 247-246)

وفی الملهوف ثم قام مسلم بن عوسجة وقال نحن نخليك هكذا ونصرف عنك وقد احاط بك هذا العدو؟ لا والله لا يراني الله ابداً حتى اكسر في صدورهم رمحي واضاربهم بسيفي مائتة قائمته يدي ولو لم يكن لي سلاح اقاتلهم به لقد فاتهم بالحجارة ولم افارقك واموت معك - وعن الارشاد والله لا نخليك حتى يعلم الله اننا قد حفظنا غيبة رسول الله فيك والله لو علمت اني اقتل ثم احیی ثم احرق ثم احیی ثم اذرنی يفعل ذلك بی سبعین مرة ما فارقتك حتى القی حمای دونک وکیف لا افعل ذلك وانما هی قتلة واحدة ثم هی الکرامة الّتی لا انقضاء لها ابداً. (ایضاً صفحہ 247)

”کتاب ملہوف کی رو سے پھر مسلم بن عوجہ اُٹھے اور عرض کیا کہ کیا ہم آپ کو ان دشمنان خدا میں گھرا ہوا چھوڑ کر جاسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ قسم بخدا ہرگز نہیں۔ اللہ ہمیں کبھی ایسا دن نہ دکھائے البتہ میں تو باز نہ آؤں گا یہاں تک کہ میں اُن کے سینوں میں اپنے نیزہ کی انی کو توڑ دوں اور میں اس وقت تک شمشیر زنی کرتا رہوں گا جب تک میری تلوار کا قبضہ میرے ہاتھ میں رہے گا۔ اور اگر میرے پاس اسلحہ نہ رہیگا تو میں اُن سے پتھر مار مار کر جنگ جاری رکھوں گا۔ اور مرنے سے پہلے آپ سے جدا نہ ہوں گا۔ آپ کے ساتھ جیوں گا آپ کے ہمراہ مروں گا۔ کتاب ارشاد میں ہے کہ مسلم بن عوجہ نے یوں کہا تھا کہ خدا کی قسم ہم لوگ ہرگز آپ کو اُس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک اللہ کو یہ نہ دکھادیں کہ ہم نے رسول اللہ کی موجودگی آپ کے وجود سے ثابت کر دی ہے اور اگر مجھے علم بھی ہو جائے کہ مجھے قتل کیا جائے گا اور پھر زندہ کر کے آگ میں جلادیا جائے گا۔ اور پھر زندہ کر کے دروں میں تبدیل کیا جائے گا۔ اور یہ کہ میرے ساتھ لاتعداد مرتبہ ایسا کیا جاتا رہے گا۔ تب بھی میں آپ سے جدا نہ ہوں گا۔ یہاں تک کہ میں اپنی زندگی بہترین صورت میں آپ کے اوپر قربان نہ کر دوں اور میں ایسا کیوں نہ کرگزروں جبکہ یہ صرف ایک دفعہ قتل ہو کر ایسی عظیم الشان زندگی مل جانے کا ذریعہ ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی؟ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 247)

اور کتاب مہکھوف میں بالکل یہی بیان جناب سعید بن عبداللہ الحنفی نے دیا تھا۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ میں آپ کی ذات میں رسول اللہ کی حفاظت کا ثبوت دوں گا (حتیٰ یعلم اللہ انا قد حفظنا فیک رسول اللہ) اور آپ کے قتل کو رسول اللہ کا قتل ثابت کروں گا۔

ثم قام زهير بن القين وقال والله يابن رسول الله لو دت آتني قتلث ثم نشرت الف مرة وأن الله تعالى قدر فعنك القتل وعن هؤلاء الفتية من اخوتك وولدك واهل بيتك - قال وتكلم جماعة من اصحابه بنحو ذلك - وقالوا انفسنا لك الفداء نفيك بايدينا ووجوهنا فاذا نحن قتلنا بين يديك تكون قدوفينا لرنا وقضينا ما علينا - (ايضاً)

اس کے بعد زہیر بن قین اٹھے اور عرض کیا کہ مجھے یہ بہت محبوب ہے کہ مجھے ہزار بار قتل کیا جائے اور اللہ آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو اور آپ کے نوخیز و نو جوان و جوان بھائیوں اور بیٹوں کو بچالے۔ اسی طرح تمام صحابہ نے بیانات دیئے اور کہا کہ ہماری زندگیاں آپ کے اوپر قربان ہو جائیں تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے اپنے پروردگار سے وفاداری کا ثبوت دے دیا اور جو فرض ہم پر عائد تھا اُسے ادا کر دیا ہے۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 247)

(2) - شہدائے کربلا کے بیانات پر انہیں وہ آنکھیں عطا کر دیں کہ سارا مستقبل سامنے آ گیا

وفى الخرائج مسنداً عن ابى حمزة الثمالى عن على بن الحسين زين العابدين عليهما السلام كنت مع ابى فى الليلة التى قتل فى صبيحتها فقال لاصحابه هذه الليلة فاتخذوها جملاً فإن القوم انما يريدوننى ولو قتلونى لم يلتفتوا اليكم وانتم فى حل وسعة - فقالوا لا والله لا يكون هذا ابداً - فقال عليه السلام انكم تقتلون غداً كلكم لا يفلت منكم رجل قالوا الحمد لله الذى شرفنا بالقتل معك - ثم دعا وقال لهم ارفعوا رؤوسكم وانظروا - فجعلوا ينظرون الى مواضعهم ومنازلهم من الجنة وهو يقول لهم هذا منزلك يا فلان وهذا قصرك يا فلان وهذه زوجتك يا فلان - فكان الرجل يستقبل الرماح والسيوف بصدرة ووجهه ليصل الى منزله من الجنة وعن العلامة مسنداً عن عمارة عن الصادق عليه السلام عن اصحاب الحسين واقdamهم على الموت فقال انهم كشف لهم الغطاء حتى راوا منازلهم من الجنة فكان الرجل منهم يقدم على القتل ليبادر الى خوراء يعانقها والى مكانه من الجنة - (اكر العبادات فى اسرار الشہادات - صفحہ 247)

کتاب الخرائج میں ابی حمزہ سے روایت ہے کہ جناب امام زین العابدین نے فرمایا کہ اُس رات کو جس کی صبح امام حسین علیہ السلام شہید ہو جائیں گے میں آپ کے ہمراہ تھا۔ جب آپ نے اپنے تمام صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا کہ آپ لوگ اس رات کے پردہ میں یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔ تمہیں میری طرف سے پورا اختیار اور اجازت حاصل ہے۔ اس لئے کہ ان لوگوں کا مقصد صرف مجھے قتل کر دینا ہے۔ یہ تمہاری راہ میں حارج نہ ہوں گے۔ صحابہ نے یہ سن کر کہا کہ خدا کی قسم یہ بات ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر چل دیں۔ امام نے فرمایا کہ یہ سن لو کہ تم میں سے کل کوئی شخص بھی زندہ نہ بچے گا سب قتل کر دیئے جاؤ گے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ کے صدقہ میں قتل ہو جانا دنیا کا سب سے بڑا شرف و بزرگی ہے۔ جس پر ہم اللہ کی حمد و ثنا اور شکر بجالاتے ہیں۔ امام نے صحابہ کا یہ استقلال اور جذبہ قربانی کی یہ انتہا دیکھ لی تو فرمایا کہ اچھا اب تم سر اٹھا کر ذرا اپنا اپنا مقام دیکھ لو۔ یہ فرمانا تھا کہ تمام صحابہ کو جنت میں اُن کا مقام بلند اور مکانات اور تمام متعلقات نظر آنے لگے۔ اور امام نام بنام فرماتے اور بتاتے جا رہے تھے کہ وہ مکان تمہارا ہے۔ وہ محل تمہارے لئے

ہے۔ اور یہ تمہاری زوجہ ہے۔ یہ دیکھ دیکھ کر ہر آدمی چاہتا تھا کہ جلدی سے تلوار یا نیزہ اُس کے سینے سے پار نکل جائے۔ تاکہ وہ جنت میں جلدی سے جا پہنچے۔ اور علامہ نے عمارہ سے روایت کیا ہے کہ امام جعفر صادق فرماتے تھے کہ امام حسینؑ کے صحابہ کو موت سے بے خوف ہو کر مرنے میں عجلت کرنا اور ایک دوسرے پر سبقت میں کوشاں ہونا اس لئے بھی تھا کہ اُن کے سامنے سے غیب کے پردے ہٹا دیئے گئے تھے اور انہوں نے جنت میں اپنا اپنا ٹھکانہ دیکھ لیا تھا۔ وہ سامنے کھڑی ہوئی حوروں سے گلے ملنے کے لئے بے چین تھے۔ اس لئے انہوں نے نہایت بے جگری اور خوشی خوشی سے خود کو قربان کر دیا تھا۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 247)

(3)۔ نہ بعد کر بلا قربانی بند ہوئی نہ امامؑ زمانہ نے انعام بند کیا ہے

عزاداران و سوارانِ حسین علیہ السلام خاص طور پر غور سے سنیں کہ سانحہ کربلا کے بعد آئمہ علیہم السلام نے دشمنان اسلام کے مقابلہ میں بنفس نفیس تیغ بکف میدان جنگ میں نہ آنے کی بات کی تھی۔ اس لئے کہ یہ مادی شکست مادی وسائل فراہم نہ کرنے کی بنا پر ہوئی تھی۔ یہ مومنین کا فریضہ تھا کہ وہ تمام مل کر مادی وسائل فراہم کرتے اور خانوادہ رسولؐ اور امام زمانہ حسین علیہ السلام کا مادی تحفظ کرتے۔ جس طرح یزید و ابن زیاد نے لاکھوں کی تعداد میں افواج و اسلحہ میدان میں بھیجے، راہیں بند کیں اور وہ سب کچھ کیا جس سے خانوادہ رسولؐ دنیا سے مٹ کر رہ جائے۔ اُسی طرح جہاں مومنین موجود تھے اور جہاں جہاں ماہِ رجب سے لے کر ماہِ ذی الحجہ (چھ ماہ) تک اطلاع پہنچی تھی۔ وہاں وہاں سے مومنین اُسی طرح نکل نکل کر فداکاری کے لئے کربلا میں آتے جس طرح کوفہ سے سینکڑوں شیعہ مومنین آئے اور شہید ہوئے۔ حالانکہ کوفہ کی طرح کہیں اور مارشل لانا فائدہ نہ تھا۔ بڑے راستے اگر بند تھے تو چھوٹے راستوں سے آتے۔ جماعت کی صورت میں آنا بند تھا تو فرداً فرداً ایک ایک دودو کر کے پہنچتے۔ لیکن کوفہ کے علاوہ تمام واقف کار مسلمان مکہ و مدینہ اور دیگر شہروں میں بیٹھے رہے۔ کھاتے پیتے اور عیش مناتے رہے۔ نمازیں پڑھتے اور خود کو صحیح دین اسلام پر فائز سمجھتے رہے۔ لیکن کربلا کے میدان میں اُن سب کا اہل باطل اور اسلام سے خارج ہونا ثابت کر دیا گیا۔ اُن کی عبادتیں اور نمازیں ہمیشہ کے لئے ضائع ہو گئیں۔ اور حق و باطل یا اسلام و کفر میں ایک بَین فرق اور تمیز قائم کی گئی۔ اور یہ قدرتی اور فطری طور پر طے پا گیا کہ اب ہر امام عصر علیہ السلام خود کو قومی و ملکی حکومت کے یزیدی جانشینوں سے محفوظ رکھے اور مومنین میں وہ جذبہ پیدا کرے جو کربلا کے مجاہدین میں موجود تھا اور آئندہ مومنین کو قتل عام سے محفوظ رکھ کر ایسے محفوظ اقدامات کی تعلیم دے جن سے اس مستبد اور غاصب حکومت کو بتدریج ختم کیا جاسکے۔ چنانچہ یہ عرض کیا جا چکا کہ کوفہ ہی سے وہ تحریک اُٹھی تھی۔ جس نے نام نہاد اسلامی مملکت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ اگر یہ سلسلہ اُسی صورت میں چلتا رہتا تو نہ بارہویں امام علیہ السلام کو غیبت کبریٰ کا اعلان کرنا پڑتا نہ مومنین کو بعد کی ذلت و خواری اور خاالی قیادت کی بیڑیاں پہننا پڑتیں۔ لیکن دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ نے رفتہ رفتہ نظامِ اجتہاد کو شیعوں پر مسلط کر کے اُن کا جزو مذہب بنادیا اور یوں ملتِ شیعہ سینکڑوں مجتہدین کی تقلید میں ہزاروں ٹکڑوں اور جماعتوں میں بکھر گئی اور مرکزیت کی لفظ تک کو بھول گئی۔ بلکہ اُن کے خاالی اور دشمن اسلام قائدین نے اُن لوگوں اور جماعتوں پر کفر و الحاد کے فتاویٰ جڑنا شروع کر دیئے جو حکومتوں سے برسرِ پیکار تھے۔ اور یہی مقصد تھا شیعوں میں نظامِ اجتہاد قائم کرنے کا کہ دشمن حکومتوں کو داخلی تعاون ملے اور شیعوں کو خود شیعہ لیبل کے علما حکومتوں کے خلاف تیغ آزمار بننے سے روک دیں۔ چنانچہ حکومت مصر جو خالصتاً شیعہ

حکومت تھی کے خلاف بد مذہبی اور بد نسبی کا فتویٰ دیا گیا۔ اور تمام علمائے شیعہ نے دستخط کئے اور یوں مخالف مذہب کے علما کی تائید کی۔ صرف جناب علامہ سید رضی (مرتبہ نجب البلاغہ رضی اللہ عنہ) باقی رہ گئے تھے۔ اور سنی محضر پر دستخط اور تصدیق کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور حکومت وقت سے ٹکر لینے کی بنا پر زہر سے شہید کر دیئے گئے تھے۔ بہر حال جب نظام اجتہاد نے شیعوں کو بھی اسی قسم کی زندگی اور اسی قسم کی عبادتوں اور روزہ نماز میں لگا کر مطمئن کر دیا۔ جس قسم کی زندگی مخالف علما اور مخالف حکومتوں کے مذہب نے رائج کی تھی۔ اور بجائے معصوم قیادت و اطاعت کے، خطا کاروں کی قیادت و تقلید شیعوں پر مسلط ہو گئی تو امام زمانہ علیہ السلام اور اُن کا نظام پردہ غیبت میں چلا گیا اور شیعوں کو مجتہدین کے حوالہ کر دیا گیا۔ جہاں مذہبی اسپرٹ اور مذہبی تحقیق اور مذہبی مقاصد کو اندھی تقلید کی چھری سے ذبح کر دیا گیا۔ صرف شہادت حسین علیہ السلام اور عزاداری باقی رہ گئی۔ جس سے مذہب معصومین علیہ السلام کے آثار و جذبات باقی رہتے چلے آئے۔ لیکن رفتہ رفتہ عزاداری کو بھی تبدیل کر دیا گیا۔ اور آج جو رسومات عزاداری اور طریق عزاء نظر آتا ہے یہ وہ نہیں جو سو سال پہلے تھا۔ بزرگوں سے معلوم کر کے دیکھو اور جو طرز عمل سو سال پہلے تھا وہ وہ نہیں تھا جو اس سے پہلی صدی میں تھا۔ یعنی رفتہ رفتہ بدعت و شرک و الحاد کا ایسا شور و غوغا مچایا گیا کہ تمام وہ رواسم ختم ہو گئے جن سے قلوب میں انقلاب پیدا ہوتا تھا۔ پھر یہ عزاداری جو ہندو پاکستان میں ہے۔ یہ ایران میں مفقود ہے۔ اس لئے کہ وہ مجتہدین کا گڑھ ہے۔ وہاں شیعہ مذہب کا نام اور شور تو ملتا ہے۔ لیکن شیعہ مذہب کا کام اور مقصد تبدیل کر دیا گیا ہے۔ حد یہ ہے کہ ہمارے مخالفین مثلاً حضرات ایران کی مثال دے کر کہتے ہیں کہ یہاں بھی ویسی ہی عزاداری ہونا چاہئے جیسی ایران میں ہوتی ہے۔ یعنی نہیں ہوتی ہے۔ لہذا اس مثال سے وہ یہاں عزاداری کو بند کرانے میں زبانی تحریری اور عدالتی ہمہ قسمی کوششیں کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور ہر صوبہ میں ہمارے خلاف مقدمات دائر ہیں۔ لیکن مجتہد خوش ہیں۔ اُن کا مقصد یہی تھا کہ وہ رفتہ رفتہ ملت شیعہ کو یزیدی حکومت کے مذہب پر لگا دیں یا کم از کم جذبہ فداکاری اور عاقبت اندیشی اور ذاتی تحقیق و تجسس اور ترقی کو ختم کر دیں تو دیکھ لیں کہ یہ تمام چیزیں ختم ہو گئی ہیں۔ نماز روزہ کہیں کہیں باقی ہے۔ لیکن ننانویں عشریہ نو فیصد نمازی جو کچھ نماز اور زیارتوں میں پڑھتے ہیں وہ طوطے کی طرح رٹا ہوا ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہم کیا پڑھ رہے یا کیا کہہ رہے ہیں؟ تحفۃ العوام سے بھی ننانویں فیصد شیعوں کو واقفیت نہیں ہے۔ مسلمانوں میں پوری ملت کا کوئی مقام نہیں ہے۔ مسلمہ حقوق نہیں ہیں۔ اُن کے نام نہاد لیڈر دو دو تین تین ہزار روپیہ ماہوار پر پکے ہوئے ہیں (نوٹ: مصنف کی یہ تحریر 1977 عیسوی کی ہے۔ ناشر)۔ دو تین ہزار انجمنیں اور ادارے ہیں۔ اور آپس میں مذہب اور مساجد اور امام باڑوں کے نام پر لڑتے رہنا اور قتل تک کر گزرناروزمرہ کا معمول ہے۔ غداروں کے ہاتھ بک جانا، پوری قوم کا سودا کر لینا ابھی دو تین ہفتہ کی بات ہے۔ بہر حال کہنا اس قدر تھا کہ اگر آج کوئی مومن اپنی جان و مال و اہل و عیال کو امام زمانہ کے مقاصد کی انجام دہی میں لگانے کا تہیہ کر لے تو امام علیہ السلام کی طرف سے اُس کی مدد و نصرت ہر لمحہ منتظر ہے۔ وہ امام حسین علیہ السلام کے بعد برابر جاری رہی ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں کتاب ”اسلام میں نظام ہدایت و تقلید“)

(4)۔ شہدائے کربلا علیہم السلام کا مقام رسول اللہ کی زبانی رسول اللہ کے بھائی

رسول اللہ پر جن حضرات کا غم طاری رہتا تھا، جن سے شوقِ ملاقات کے لئے سرور کائنات بے چین رہتے تھے اور جن کے لئے

مالکؓ دو جہاں تفکر فرمایا کرتے تھے۔ وہ اصحابِ حسینؑ علیہم السلام تھے۔ چنانچہ جناب علامہ صدوق رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ:-
 ”ان الصدوق قد روى مرفوعاً الى النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال اتدرون ما غمى وفي اى شىء تفكرى والى اى شىء اشتاق؟ قال اصحابه لا يارسول الله ما علمنا بهذا من شىء۔ اخبارنا بغمك وتفكرك وتشوقك۔ قال النبىؐ اخبركم انشاء الله۔ ثم تنفس فقال هاه شوقاً الى اخوانى من بعدى۔ فقال ابوذر يارسول الله لسنا اخوانك قال صلى الله عليه وآله لا وانتم اصحابى۔ و اخوانى يجيئون من بعدى۔ شانهم شان الانبياء قوم يفرّون من الالباء والامهات ومن الاخوة والاختوات ومن القربات۔ كلهم ابتغاء مرضات الله يتركون المال لله ويدلون انفسهم بالتواضع لله لا يرغبون فى الشهوات وفضول الدنيا مجتمعون فى بيت من بيوت الله كأنهم غرباء۔ تريهم محزونين لخوف النار وحُب الجنة۔ فمن يعلم قدرهم عند الله۔ ليس بينهم قرابة ولا مال يعطون بعضهم لبعض اشفق من الابن على الوالد، والوالد على الولد، والاخ على الاخ۔ هاه شوقاً اليهم ويفرغون انفسهم من كذا الدنيا ونعيمها بنجاة انفسهم من عذاب الابد ودخول الجنة لمرضات الله؛

واعلم يا اباذر ان للواحد منهم اجر سبعين بدرىً يا اباذر واحد منهم اكرم على الله من كل شىء خلق الله على وجه الارض۔ يا اباذر قلوبهم الى الله وعملهم لله۔ لو مرض احدهم له فضل عبادة الف سنة صيام نهارها وقيام ليلها وان شئت حتى ازيدك يا اباذر؟ قلت نعم يارسول الله زدنا۔ قال لو ان احداً منهم اذا مات فكانت مات من فى الدنيا من فضله على الله۔ وان شئت ازيدك قلت نعم يارسول الله زدنى۔ قال يا اباذر لو ان احدهم يؤذيه قملة فى ثيابه فله عند الله اجر اربعين عمرة واربعين حجة واربعين غزوة وعنتق اربعين نسمة من ولد اسماعيل ويدخل واحد منهم اثني عشر ألفاً فى شفاعته۔ فقلت سبحان الله ما ارحمه بخلقه والطفه واكرمه على خلقه۔ فقال النبىؐ اتعجبون من قولى؟ وان شئتم حتى ازيدكم؟ قال ابوذر نعم يارسول الله زدنا۔ فقال النبىؐ يا اباذر لو ان احداً منهم اُشْتُهِى شَهوة من شهوات الدنيا فيصبر ولا يطلبها كان له من الاجر بذكر اهله ثم يغتم ويتنفس كتب الله بكل نفس الفى الفى حسنة ومحى عنه الفى الفى سيئة ورفع له الفى الفى درجة۔ وان شئت حتى ازيدك يا اباذر؟ قلت جيبى رسول الله زدنى۔ قال لو ان احداً منهم يصبر مع اصحابه لا يقطعهم ويصبر فى مثل جوعهم وفى مثل غمهم كان له من الاجر كاجر سبعين ممن غزا معى غزوة تبوك الى ان قال ثم قال المقصّر منهم افضل عند الله من الف مجتهد من غيرهم، يا اباذر ضحكهم عبادة وفرحهم تسبيح ونومهم صدقة وانفا سهم جهاد وينظر الله اليهم فى كل يوم ثلث مرات۔ يا اباذر انى اليهم لمشتاق ثم غمض عينيه وبكى شوقاً ثم قال اللهم احفظهم وانصرهم على من خالف عليهم ولا تخذلهم واقر عينى بهم يوم القيمة الا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون۔“ (يونس 10/62) (اكسير العبادات صفحہ 253-254)

”رسول اللہ نے اپنے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھے ہو کہ مجھے کس چیز کا غم رہا کرتا ہے؟ میں کس معاملہ میں غور و فکر میں ڈوب رہتا ہوں اور یہ کہ میں کس چیز کا مشتاق ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں از خود اس کا علم نہیں ہو سکا۔ برائے نوازش آپ ہمیں اپنے غم و فکر و شوق پر مطلع فرمائیے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ انشاء اللہ ابھی بتاتا ہوں۔

اسکے بعد آپؐ نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا کہ مجھے اپنے اُن بھائیوں کا اشتیاق ہے جو میرے بعد ہوں گے۔ اس پر ابوذرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ فرمایا کہ نہیں تم بھائی نہیں بلکہ میرے صحابی ہو۔ میرے وہ بھائی تو میرے بعد

آنیوالے ہیں۔ اُن کی شان وہی ہے جو انبیاء کی شان ہوتی ہے۔ وہ ایک ایسی قوم ہے جو اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں اور تمام اعزہ و اقربا کو چھوڑ کر اللہ کی رضا جوئی کیلئے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ وہ اللہ کے مقابلہ میں مال و دولت ترک کر دیں گے۔ اللہ کے دین کی عزت بڑھانے کیلئے اپنے لئے ذلت اختیار کر لیں گے۔ دنیا کی فضول چیز اور لذتوں میں کوئی دلچسپی نہ لیں گے۔ وہ غریب و نادار لوگوں کی طرح تمام مکانات کو چھوڑ کر اللہ کے ایک گھر میں ایک ہی کنبہ کی طرح جمع ہو جائیں گے۔ جہنم کے خوف اور جنت کی محبت کے بارے میں وہ لوگ فکر مند رہتے ہیں۔ اللہ کے یہاں اُن کی جو قدر و قیمت ہے اُسے کون جان سکتا ہے۔ اُن میں آپس میں کوئی جذباتی رشتہ داری نہیں ہے۔ اسکے باوجود وہ آپس میں ایک دوسرے سے سلوک کرنے میں اُس سے بھی کہیں بڑھ کر ہیں جو ایک باپ یا ایک بھائی اپنے بیٹے اور بھائی سے کرتا ہے یا ایک بیٹا اپنے باپ سے کرتا ہے۔ میرا اشتیاق اسی عمل کی بنا پر ہے کہ اُنہوں نے دنیا کے اُلجھاؤ سے خود کو فارغ کر لیا ہے اور دنیا کی نعمتوں کو اسلئے نظر انداز کر دیا ہے کہ وہ جہنم سے محفوظ رہ کر اللہ کی رضا مندیاں اور ابدی جنت حاصل کر لیں۔

اور اے ابو ذر! یہ جان لو کہ اُن میں کا ہر شخص جنگ بدر کے ستر مومن مجاہدوں کے برابر درجہ رکھتا ہے اور اللہ نے جتنی مخلوق پیدا کی ہے اُس سے اُن میں کا ہر شخص اللہ کو زیادہ پسند ہے۔ اے ابو ذر! اُن کے دل اللہ سے وابستہ ہیں۔ اُن کے اعمال صرف اللہ کیلئے مخصوص ہیں۔ اگر اُن میں سے کوئی بیمار ہو جائے تو اُن کو دن میں روزہ اور رات بھر کھڑے ہو کر عبادت کرنے والے کا ایک ہزار سال کا فاضل ثواب دیا جائے گا۔ اور اگر تم چاہو تو اے ابو ذر میں کچھ مزید فضیلت بیان کروں۔ میں نے کہا کہ ضرور بتائیں یا رسول اللہ! فرمایا کہ اگر اُن میں سے کوئی ایک مرے گا تو گویا ساری مخلوق کے مرنے کے برابر شمار کیا جاتا ہے۔ اگر کہو تو اور بیان کروں؟ عرض کیا کہ فرمائیے۔ فرمایا کہ اے ابو ذر! اگر اُن میں سے کسی کو اتنی ایذا بھی پہنچ جائے جتنی ایک بچوں کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔ تو اللہ کے یہاں اُس کے بدلے میں چالیس حج اور چالیس عمرے کرنے اور چالیس جہاد کرنے اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کے چالیس غلاموں کو آزاد کرانے کا اجر ہے۔ اور اُن کو بارہ ہزار انسانوں کی شفاعت کا حق دیا جاتا ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ! اللہ اس قدر تو کسی بھی مخلوق پر مہربان اور کرم و نوازش کرنے والا نہیں جتنا اُن لوگوں پر ہے۔ رسولؐ نے کہا کہ کیا تم میری باتوں پر تعجب کرتے ہو؟ اگر چاہو تو میں ابھی اور فضیلت بیان کروں۔ ابو ذرؓ نے کہا یا رسول اللہ! اور بیان فرمائیے۔ نبیؐ نے فرمایا اے ابو ذر! اگر اُن میں سے کسی کو دنیا کی چیزوں میں سے کسی لذیذ چیز کی خواہش ہو اور وہ صبر کرے اور اُسے حاصل نہ کرے تو اُس کو ایک توبہ اجر ملے گا جو اس شخص کو ملے گا جسے وہ چیز حاصل ہو۔ پھر اس کیلئے ہر سانس پر چالیس لاکھ نیکیاں اللہ لکھے گا اور چالیس لاکھ بُرائیاں اس کی مٹا تار ہے گا اور اسی طرح ہر سانس پر چالیس لاکھ درجے بلند کرتا جائے گا۔ اگر کہو تو اور بیان کروں؟ میں نے کہا اے میرے حبیب بیان فرمائیں۔ فرمایا کہ اگر اُن میں سے کوئی ایک اپنے ساتھیوں کے ساتھ صبر میں ہم آہنگ رہے مثلاً بھوک اور غم میں ساتھ دے تو اُسے اُن ستر مجاہدوں کا ثواب ملے گا جو کہ غزوہ تبوک میں میرے ساتھ ثابت قدم رہے تھے۔ یہاں تک کہ یہ بھی فرمایا کہ اُن میں کا وہ شخص جو بالکل کوشش نہ کرے وہ دوسرے مومنین میں سے ایک ہزار کوشش کرنے والوں کے برابر ہوگا۔ اے ابو ذر! اُن کا ہنسنا بھی عبادت ہے۔ اُن کی مسرت مسلسل تسبیح کے مانند ہے۔ اُن کا سونا ہر وقت صدقہ کرنے کے برابر ہے اور ہر روز اللہ اُن پر تین مرتبہ نظر کرم کرتا ہے۔ اے ابو ذر! یقیناً میں ایسے ہی بھائیوں کا مشتاق ہوں پھر اُن کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور شدت

شوق میں آ کر کارروائی لگے اور دعا کی کہ یا اللہ انہیں اُنکے مخالفوں کے مقابلہ میں تحفظ و نصرت عطا فرمانا، انہیں شرمسار نہ کرنا اور قیامت کے روز انکی زیارت سے میری آنکھیں ٹھنڈی کرنا۔ خبردار اے لوگو اللہ کے ولی نہ خوف زدہ ہوتے ہیں نہ اُن پر کوئی پریشانی حاوی ہوتی ہے (سورہ یونس 10/62)۔“ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 354-353)

قارئین یاد کریں کہ امام حسین علیہ السلام نے آنحضرتؐ کی مندرجہ بالا حدیث کی طرف راہنمائی فرمائی تھی جب کہا تھا کہ میرے صحابہؓ اور اہلبیتؑ سے بڑھ کر کسی کے صحابہؓ اور اہل بیت نہیں ہیں۔

(5) - شہدائے کربلا کو نیزہ و شمشیر و سنان و تیروں کی بارش کوئی ڈکھ نہ پہنچا سکی

مومنین نفسیات کے اُس فطری قانون کو سامنے لائیں جو رنج کو راحت میں، تکلیف کو مسرت میں اور درد کو لذت میں بدل دیتا ہے اور جو اُن حضرات سے تعلق رکھتا ہے جو محبت کی انتہا تک جا پہنچتے ہیں۔ جس کا الف فطری قانون سے شروع ہوتا ہے یعنی؛

رنج سے خوگر ہو انسان تو مٹ جاتا ہے رنج مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

عادت وہ ابتدائی چیز ہے کہ اگر پہنتے ہو جائے تو آدمی جس چیز کا عادی یا خوگر ہو جائے تو وہ قوانین اُس پر کارگر اور اثر انداز نہیں ہوتے۔ جو غیر عادی اشخاص پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً نشہ کا عادی انسان اپنے ہوش و حواس کو جس حالت میں بحال رکھتا ہے۔ وہاں اُس شخص کے ہوش و حواس ساتھ چھوڑ دیں گے جس نے کبھی نشہ نہ کیا ہو۔ اُسے نشہ آور چیز کی ذرا سی مقدار بدحواس کر سکتی ہے۔ اسی طرح بحران اور ہیجان و ہنگاموں سے گزرتے رہنے والا شخص بڑی سے بڑی مشکل میں ڈٹ کر، ہوش و حواس کی درستی بحال رکھ کر مشکل کے حل کا راستہ نکالتا ہے۔ لیکن ایک عام آدمی جسے آرام و آسودگی کی زندگی سے باہر نکلنے کا موقعہ نہیں ملا وہ ذرا سی خلاف مزاج و خلاف عادت بات کے سامنے بدحواس ہو جاتا ہے۔ پھر جس معاملہ پر ہم لکھ رہے ہیں یہ محمدؐ و آل محمدؑ صلوٰۃ اللہ علیہم کی محبت کا معاملہ ہے۔ پھر یہ محبت خواہ مخواہ یا حادثاتی نہیں۔ بلکہ یہ دیکھ کر خود بخود پیدا ہوتی ہے کہ وہ حضرات نوع انسان پر قربان ہو گئے۔ انسانی فلاح و بہبود کو قائم کرنے کے لئے اُن حضرات نے اپنی جان و مال و اولاد و اقربا اور گھر بار سب نثار کر دیا۔ اُمت کی نجات سے زیادہ کسی اور چیز کو ترجیح نہیں دی۔ اور اُن کو اُن کے مقاصد سے باز رکھنے کے لئے رسولؐ کی قوم نے اُن پر ایسے مظالم اور تشدد جائز رکھے جن کو نہ مومن پسند کرتا ہے نہ کافر جائز سمجھتا ہے۔ یعنی محمدؐ و آل محمدؑ سے محبت دوسری محبت ہے یعنی اُن سے محبت پوری نوع انسان اور خود اپنی ذات کی اعلیٰ صفات سے محبت ہے۔ اور اس محبت میں مظلومی کی بنا پر دشمنان انسانیت سے نفرت و بغض و عداوت و انتقام کے شعلے بھی بھڑکنے لگتے ہیں۔ اور اس محبت کو حکم خداوندی اور اجر خداوندی روز افزوں قوت و شدت عطا کرتا جاتا ہے۔ یہ محبت قلب و ذہن اور روح انسانی پر چھا جاتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ مجاہد محمدؐ و آل محمدؑ کسی تکلیف، کسی مصیبت اور کسی حادثہ پر بدحواس نہیں ہوتے۔ اُن کے سامنے محمدؐ و آل محمدؑ اور اُن کے انصار اور چاہنے والوں کی زندگیاں اور کردار رہتا ہے۔ اور اُن پر گزر جانے والے مصائب و شدائد کے سامنے ہر مصیبت ہیچ و حقیر معلوم ہوتی ہے۔ وہ صبر و استقامت و برداشت اور جرأت میں اُس راہ پر چلنا چاہتے ہیں جو محمدؐ و آل محمدؑ نے چل کر دکھائی تھی۔ ہمارا زنجیر و تلوار و قلم کا ماتم یہی دیکھنے اور دکھانے اور جانچنے کا ذریعہ ہے کہ آیا ہمارا دماغ و دل اور ہمارا جسم محبت محمدؐ و آل محمدؑ سے لبریز ہے یا نہیں۔ آیا ہمیں زنجیر و تلوار کی ضرورتیں

راحت پہنچاتی ہیں یا اُن سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے اور آیا وہ محبت ہمارے زخموں کو بلا دوا مندمل کرتی ہے یا ہمیں مادی دواؤں کی احتیاج باقی ہے۔ جس منزل پر شہدائے کربلا تھے، ہمیں اُس کی تیاری و امتحان کے لئے یہ ماتم نہایت ضروری اور صحیح معیار ہے۔ اگر تلوار کی کاٹ میں ہمیں لذت ملے؟ اگر خون بہہ جانے کے بعد مادی کمزوری لاحق نہ ہو؟ اگر زخم صبح ہوتے ہی تندرست ہو جائیں تو یہ ثبوت ہے اللہ تعالیٰ کی تائید کا، محبت اہلبیت کا اور ثبوت ہے معجزات اور ہمارے مذہب و عملدرآمد کے سو فیصد صحیح ہونے کا۔ ورنہ ایک پھانس، ایک ذرا سی چوٹ کئی روز دکھتی اور پکتی ہے۔ یہ ہے وہ انقلاب جو محبان اہلبیت علیہم السلام میں پیدا ہوتا ہے۔ اور عام قانون فطرت اُن کا مطیع ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کو معصوم حدیث میں ملاحظہ فرمائیں:-

”وفی الخراج مسنداً عن ابی جعفر علیہ السلام، قال الحسن بن علی بن فضال قال قال یا بُنَیَّ انک ستساق الی العراق وَهَیْ ارض قدالتقی بها النبیون و اوصیاء النبیین وَهَیْ ارض تدعی عُمُوراً وَاَنْک تستشهد بها ویستشهد معک جماعة من اصحابک لایجدون الم مس الحدید وتلی یانار کونی برداً و سلاماً علی ابراهیم یكون الحرب علیک وعلیهم سلاماً فابشروا فواللہ لئن قتلونا فاننا نرد علی نبیناً۔“ (اکسیر صفحہ 248)

”کتاب الخراج میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ امام حسینؑ نے اپنے صحابہ سے قبل شہادت فرمادیا تھا کہ مجھ سے رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ اے میرے بیٹے عنقریب تمہیں گھیر کر عراق کی طرف لے جائیں گے اور وہ، وہ زمین ہوگی جہاں نبیوں اور نبیوں کے اوصیاء زیارت کرتے رہے ہیں۔ اور اُس سرزمین کو عموریہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یقیناً تم اُس زمین پر شہید کئے جاؤ گے اور تمہارے ساتھ تمہارے صحابہ کی ایک جماعت بھی شہید کی جائے گی۔ تمہیں اور انہیں لوہے (کی تلواروں، برچھیوں، نیزوں اور تیروں) سے دُکھ نہ پہنچے گا۔ تم یہ پڑھ دینا کہ اے آگ تو ابراہیمؑ پر ٹھنڈی اور سلامت رکھنے والی بن جا۔ تو وہ جنگ تم پر اور تمہارے صحابہ پر سلامتی کا سبب بن جائے گی۔ لہذا تم سب کو میری طرف سے مبارکباد اور بشارت ہو۔ خدا کی قسم ہمارے قتل سے ہم یقیناً اپنے نبیؐ کے ساتھ وارد ہوں گے۔“

یہاں محبان اہلبیتؑ نوٹ کر لیں کہ مادی ترقی اور قانون کی تعمیل کے ساتھ ساتھ اگر مذکورہ آیت (انبیاء 21/69) بھی پڑھ لی جائے تو محبت کی طاقت لامحدود ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آپ ماتم سے پہلے یہ آیت ضرور پڑھ لیا کریں تاکہ جذبہ فداکاری تائید ربانی اور ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی دعائیں تمہیں امن و سلامتی کے آغوش میں لے لیں۔ اور حیات ابدی عطا کر دیں۔

39۔ کربلا میں حسینیؑ قربانیاں

قبل اس کے کہ ہم انسانی تاریخ کا وہ آخری کارنامہ پیش کریں۔ جس نے نوع انسان کو ہر جبر و استبداد کا کامیاب مقابلہ کرنا سکھایا۔ جس نے راہ رسم و وفا کی انتہائی معراج سامنے رکھ دی۔ جس نے موت ایسی تلخ حقیقت کو آسان و شیرین بنا دیا۔ جس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کی مکمل تعلیم پر عمل کرنے والا ایک مقدس گروہ پیش کیا۔ جس میں ایسے مومنین دیکھے گئے جن کی مثل نظیر سورج کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ جس میں دودھ پیتے بچے سے لے کر عمر رسیدہ مرد اور خواتین موجود تھیں۔ مگر ہر سیدہ میں صرف ایک دل اور ہر سر میں صرف ایک دماغ برسر عمل تھا۔ جو اپنے فکر و عمل میں قطعاً ہم آہنگ تھے۔ جنہوں نے اپنی اطاعت و وفا شعار کی کو ایسے معیار پر

پیش کیا کہ قوانین فطرت حیران و ششدر رہ گئے۔ ملائکہ اور انبیاء انگشت بندناں تھے۔ خود اُن کا راہنمائی اُن پر فخر کرتا رہا۔ اللہ نے اُن کی مدح و ثنا جاری رکھی اور انہیں پوری کائنات میں وہ مقام بلند عطا کیا۔ جو صرف اُن ہی کے شایانِ شان تھا۔ اُن کا صبر و ضبط و تحمل و استقلال و جذبہ فداکاری اپنی مثال آپ ہے۔

(39/2)۔ واقعات کربلا کے متعلق بیانات و روایات کا قرآنی معیار

مومنین کرام نوٹ فرمائیں کہ جس حکومت نے خانوادہ رسول کو مع سربراہ اسلام بھوکا پیاسا تہ تیغ کیا ہو؟ جس خلافت میں محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے ننھے ننھے بچوں اور بے بس ویکس عورتوں پر رحم کرنا حرام ہو؟ جس کے مذہب میں خاندان رسول اور علی مرتضیٰ علیہ السلام پر اُن کی زندگی میں اور بعد وفات بھی تمام مساجد کے منبروں سے تبرا اور لعنت کرنا ضروری ہو؟ جو حکومت عرب و عجم کے تمام ممالک میں اس لعنت کی رسم کو تریسٹھ سال (99ھ) تک جاری رکھے؟ جس حکومت کے عہد میں ایسے علما اور مفتی موجود ہوں جو امام حسین علیہ السلام کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیں۔ اُس حکومت کے لئے لازم تھا کہ خود کو بے قصور اور مجبور ثابت کرنے کے لئے اُن ہی مذکورہ قسم کے علما اور محدثین اور راویوں سے ایسی روایات تیار کرائے، ایسے قصے کتابوں میں لکھوائے جن سے اُسے آنے والی نسلیں بُرا نہ کہیں، جن میں قصور آل رسول کا نکلے، جن سے علی و خاندان علی علیہم السلام کے فضائل کی نفی ہوتی ہو۔ لہذا ہر وہ روایت غلط اور مردود ہے جس میں مذکورہ خلافت و خلفا کی مدح یا طرفداری کا شبہ بھی پیدا ہوتا ہو۔ جس سے اہلبیت علیہم السلام کے مقام بلند میں کسی بھی قسم کا نقص نکلتا ہو۔ مثلاً ہر وہ روایت باطل و مردود ہے جس میں آئمہ اہلبیت علیہم السلام کو، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عام انسانی سطح پر اتارنے کا وہم تک بھی موجود ہو۔ یا جس میں محمد وآل محمد علیہم السلام کو کسی بات یا واقعہ سے جاہل و ناواقف دکھایا گیا ہو۔ خواہ ایسی روایات اور بیانات شیعہ راویوں یا شیعہ علما کے نام سے بیان کئے گئے ہوں یا خود شیعہ علما نے غلط فہمی کی بنا پر یا حکومت کے عالمگیر پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اپنی کتابوں میں لکھ لیا ہو یا نظام اجتہاد کے تیار کردہ شیعہ نما علما نے شیعوں کو فریب دینے کیلئے اپنی مصنوعی کتابوں میں درج کیا ہو۔ پھر وہ تمام روایات بھی مردود اور باطل ہیں۔ جن سے کربلا کے فداکاروں میں یا اہل حرم میں کسی قسم کا اختلاف رائے ظاہر ہوتا ہو یا جن روایات میں امام حسینؑ، بنی ہاشم یا صحابہ کا عاجزی کرنا ثابت ہوتا ہو۔ یا کسی خاتون اور کسی فداکار کا تکلیف اور پیاس کے سبب بے قرار ہو جانا اور دشمنوں کے روبرو فریاد کرنا ظاہر ہوتا ہو۔ مردوں یا عورتوں کا دشمنوں کے روبرو بے قرار ہو کر رونا بیان کرنے والی تمام روایات باطل ہیں۔ مثلاً علامہ اخوند ملا آقا ابن عابد بن رمضان جو اپنے زمانہ میں لفظ فاضل در بندی سے مشہور و معروف تھے۔ اور علماء سوء کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے۔ اور اُن تمام علما کی کھل کر مذمت کرتے تھے جو فضائل محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم میں کسی قسم کی بھی کمی کرتے تھے۔ ایسے زبردست اور صحیح العقیدہ عالم نے اپنی بے مثل کتاب اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات میں دو تین جگہ ایسی روایات لکھ دی ہیں جس میں حضرت سیدہ یا دیگر اہل حرم، امام حسینؑ سے گرفتاری سے بچنے کیلئے مدینہ بھیجنے کا تقاضا کرتے ہیں۔

علامہ رضی اللہ عنہ نے تمام ناپسندیدہ روایات کی بھرپور اور مدلل تردید و ابطال کیا ہے۔ مگر مذکورہ روایت کی نہ تردید کی اور نہ کسی ناگواری کا اظہار کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نے اُس کو صحیح سمجھا ہے۔ بہر حال ہم کسی ایسی روایت کو ہرگز تسلیم نہ کریں گے جو مزاج

رسول و اہلبیت رسول کے یا قرآن کے متعینہ اصولوں کے خلاف ہو۔ خواہ اُس پر تمام علما متفق ہوں، خواہ اُسے تمام کتابوں میں صحیح مانا گیا ہو۔ ہم مانتے ہیں کہ اہل حرم، صحابہ حسین اور خود امام حسین علیہ السلام روئے اور بعض مواقع پر بے قرار ہو کر روئے۔ مگر وہ ایسا موقع ہرگز نہ تھا کہ دشمنانِ اہلبیت دیکھیں اور مذاق اڑائیں۔ منظر عام پر صبر و ضبط و تحمل و بے پناہ نظم و ضبط کا مظاہرہ برقرار رکھا۔ ساتھ ہی دلیل و حجت و حق گوئی اور تبلیغ و ہدایت و اتمامِ حجت کو جاری رکھا۔ استغاثہ بار بار فرمایا مگر یہ تصور قائم نہیں ہونے دیا کہ اب حسینؑ ہتھیار ڈال دیں گے۔ بلکہ یہ موقعہ دیا کہ اگر کوئی غیور و جوانمرد مسلمان ہو تو حُرّ کی طرح باہر نکلے یا کوئی دستہ اپنی نجات کیلئے ظالم حکومت سے بغاوت کرے اور جہاں جہاں تک کائنات میں سربراہِ اسلام امام زمانہ کی آواز پہنچے کوئی یہ کہنے والا باقی نہ رہے کہ اگر مجھے علم ہوتا کہ اسلام اور سربراہِ اسلام کو نصرت کی ضرورت ہے تو میں ضرور مدد کرتا۔ لہذا آپؑ نے اہل مکہ و مدینہ پر باقاعدہ اتمامِ حجت کیا۔ مکہ میں حج کیلئے آنیوالے مختلف ممالک کے لوگوں پر اتمامِ حجت کیا اور حج کو چھوڑنے کے اسباب اور خلیفۃ المسلمین کے ارادے اور احکامات، اور اپنے سفرِ عراق اور وہاں جا کر تمام اقدامات اور نتائج اور خاندانِ رسول کا تہ تیغ کیا جانا تفصیل سے کئی روز بیان کیا۔ تاکہ یہ حادثہ ساری دنیا میں جا پہنچے۔

(2/39- الف)۔ امام کے صحابہ اور خاندان کے بہادروں کا میدانِ جہاد میں للکارنا

مومنین کے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام روزِ اوّل سے اسلام کو ایک واضح حقیقت بنانے کیلئے ذمہ دار قرار دیئے گئے تھے۔ تاکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اور کتبائے خداوندی کی تعلیمات کو نظامِ طاغوتی سے محفوظ کر کے نوعِ انسان میں قائم و برقرار رکھیں۔ دورانِ نزولِ قرآن رسول اللہ کی قوم نے تعلیماتِ قرآنی کو نظر انداز کر کے اپنی ملکی و قومی حکومت قائم کرنے کیلئے اسلام کے نام پر جو مذہب و مسلک اختیار کیا اس کا اللہ و رسول اور قرآن سے کوئی تعلق نہ تھا۔ (فرقان 25/27-31)

اسکے بعد قومی حکومت اپنے خود ساختہ اسلام کو اُس حد پر لے آئی کہ اگر حسین علیہ السلام آگے نہ بڑھیں اور اپنی اور حقیقی مسلمانوں کی قربانی اور اتمامِ حجت و وضاحت مقاصدِ اسلامی کا ایک ہمہ گیر نظام پیش نہ کرتے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی تعلیمات تباہ ہو جاتیں اور اہل مکہ کا نظامِ شرک اسلامی لباس میں اسلام بن کر دنیا میں بے روک پھیلتا چلا جاتا۔ لیکن یہ کارنامہ انجام دینا اس قدر مشکل و ہمت شکن اور ناقابلِ برداشت مظالم سہنے اور ذلت و توہین سے گزرنے کا لازمی تقاضہ رکھتا تھا کہ خود اللہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ حسینؑ اور ان کے رفقاء کا علیہم السلام اس امتحان سے گزریں۔ وہ چاہتا تھا؛ اور ابلیس سے روزِ اوّل ہی فرما چکا تھا کہ میں تجھے اور تیری پیروی کرنیوالوں کو بلا تکلف جہنم میں جھونکتے جھونکتے جہنم کو لبریز کر دوں گا (ص 38/85، اعراف 7/18)۔ قارئین یہ ضرور جانتے ہونگے جہنم کی گنجائش اس قدر ہے کہ تمام جن اور انسان بھی اُسے لبریز نہیں کر سکتے اور بقول محمد اسماعیل بخاری اور کتاب بخاری، تمام جہنمیوں کے داخلہ کے بعد بھی جب جہنم نہ بھرے گا تو جہنم فریاد کریگا کہ یا اللہ اپنا وعدہ پورا کر تو اللہ ایک مخلوق پیدا کر کے جہنم میں ڈالے گا مگر جہنم (ہل من مزید) اور زیادہ اور زیادہ کہے گا جب کئی دفعہ مخلوق پیدا کر کے ڈالی جا چکے گی اور جہنم نہ بھرے گا اور ہل من مزید پکارتا رہیگا تو آخر اللہ جہنم میں اپنا پیر رکھ دیگا تب جہنم کہے گا کہ میں بھر گیا یعنی اللہ کو مسلمان حکومتوں کے پھیلانے ہوئے مذہب سے گمراہ ہوتے چلے جانے والے لوگوں کو جہنم میں ڈالنے سے کوئی دکھ یا تکلیف یا شکست نہ ہونا تھی۔ مگر اللہ ہی نے ابلیس سے یہ بھی فرمایا تھا کہ تیری تمام کوششوں،

کاوشوں اور قدرت و اختیار کا ہمارے مخلص بندوں پر ذرہ برابر اثر نہ ہوگا (حج 15/42) اور ابلیس نے خود و مرتبہ اعلان کیا تھا کہ تمام نوع انسان کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا البتہ تیرے مخلص بندوں پر ہاتھ نہ ڈال سکوں گا (لَا غَوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ حج 15/39-40)۔ چنانچہ اس چیلنج کے بعد ابلیس ہر نبی کے عہد میں ہر اُمت کی کثرت کو گمراہ کرتا چلا آیا۔ یہاں تک کہ خاتم الانبیاء و الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو خود ہی یہ اعلان فرمایا کہ ”اے میرے پروردگار یقیناً میری قوم نے اس قرآن سے اور اُس کی تعلیمات سے علیحدگی اور ہجرت اختیار کر لی ہے (فرقان 25/30)۔ پھر اللہ نے اس قوم کو اُس سلسلے کی کڑی اور جرائم پیشہ فرمایا جو ہر نبی کے مقابلے میں گمراہ کرتا چلا آ رہا تھا (25/31 فرقان)۔ علاوہ ازیں شیطان کی کامیاب مہم کا یہ فرما کر ثبوت دیا کہ: ”وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝“ (سبا 34/20) ”ابلیس نے اُن سے اپنی پیروی کرا کے اپنے دعویٰ کو سچا کر دکھایا۔ مومنین میں سے بھی ایک فریق ہی ابلیس کی پیروی سے بچ کر باقی سب نے اس کی اطاعت اختیار کر لی تھی۔“

اور یہ بھی اعلان کیا کہ: اُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمِّ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ۝ (الاحقاف 46/18) (حم سجدہ 41/25) (بنی اسرائیل 17/16) (نقص 28/63) (یسین 36/7) ابلیسی ادارہ اس قول کو سابقہ تمام جنوں اور انسانوں کی امتوں میں بھی سچا ثابت کرتا چلا آیا ہے۔ اور ابلیس کی پیروی کرنے والے ہمیشہ برابر خسارہ میں رہتے آئے ہیں۔ اس لئے کہ ہم بھی اپنی بات کو صحیح اور حق ثابت کرنے پر تلے ہوئے رہے ہیں۔ یعنی ہم نے جو کچھ ابلیس سے کہا تھا۔ اُسے پورا کرنے میں کوئی خوف لاحق نہیں ہے۔ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ (السجدہ 32/13) اگر ہم چاہتے تو ہر ذی حیات کو گمراہی سے بچا کر ہدایت سے نواز دیتے لیکن ہم تمام جنات اور انسانوں سے جہنم ضرور بالضرور بھر دیں گے۔“

قارئین ہماری دی ہوئی تمام آیات کو نمبر وار قرآن میں دیکھیں کہ اللہ ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والوں پر کس قدر غضبناک ہے اور جہنم میں دھکیلنے کیلئے کس قدر مستحکم ارادہ ہے۔ لیکن محمد مصطفیٰ اور اُن کے اہلبیت صلی اللہ علیہ وسلم اجمعین رحمۃ اللعالمین ہیں۔ وہ نوع انسان کو جہنم سے بچانے، نجات دلانے اور جنت میں پہنچانے کیلئے درمیان میں آ جاتے ہیں۔ اور ایک ایسی قربانیوں کی راہ نکالتے ہیں کہ غضب خداوندی رحم و کرم سے بدل جائے۔ امام حسین علیہ السلام اس سلسلے میں نجات بنی نوع انسان کیلئے جو کچھ کر گئے اُس کا تذکرہ قیامت تک نوع انسان کو دوزخ سے ہٹاتا اور جنت کی طرف بڑھاتا رہے گا۔ کر بلا میں پہنچنے سے پہلے بھی کئی دفعہ اللہ نے چاہا کہ حسین علیہ السلام نوع انسان کو جہنمی بننے کیلئے آزاد چھوڑ دیں۔ اور یہ بھی چاہا کہ وہ ملائکہ و جنات سے مدد لے کر اُس ہوش و باور جم انگیز قربانی سے باز رہتے قوت و اقتدار سے حکومتِ وقت کو تباہ کریں۔ لیکن امام حسین علیہ السلام رضا مند نہ ہوئے چنانچہ میدان کر بلا میں وہ پیغام اور ملائکہ کی مدد پھر آ پہنچی جس کا ذکر حدیث میں ہوا ہے کہ:-

أَنَّهُ رَوَى عَنْ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ لَمَّا التَّقَى الْحُسَيْنُ وَعُمَرُ بْنُ سَعْدٍ (لعین) وَقَامَتِ الْحَرْبُ أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى النَّصْرَ حَتَّى رَفَرَفَ عَلَى رَأْسِ الْحُسَيْنِ ثُمَّ خَيَّرَ بَيْنَ النَّصْرِ عَلَى أَعْدَائِهِ وَبَيْنَ لِقَاءِ اللَّهِ تَعَالَى مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ۔ فَاخْتَارَ لِقَاءَ اللَّهِ تَعَالَى۔ (أكسير العبادات بحوالہ المصنف صفحہ 268)

امام جعفر صادق نے امام محمد باقر کی زبانی سنایا کہ جب عمر سعد سے جنگ ٹھن گئی اور تمام جت ہو گیا۔ تو اللہ نے ملائکہ کو نازل کیا جو امام کے سر پر پرواز کر رہے تھے۔ اور اللہ نے یہ وعدہ بھی کر لیا کہ اے حسین تم ہماری یہ مدد قبول کر لو ہم تمہیں اختیار دیتے ہیں کہ ملائکہ کی مدد سے دشمنان خدا اور رسول کو تباہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لو۔ اس صورت میں بھی آپ کا اجر و ثواب وہی برقرار رہیگا جو تمہاری ہمہ گیر قربانی اور فداکاری کی صورت میں مقرر کیا جا چکا ہے۔ اور تمہیں یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے پسندیدہ اور نجات آفرین پروگرام پر عمل کر لو۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے پروگرام کے وسیلے سے خدا کے حضور حاضر ہونے کو پسند اور اختیار کیا۔

یعنی امت محمدیہ کی نجات کو پہلا نمبر دیا۔ اللہ کے مقرر کردہ اسی معیار پر آپ نے اپنے تمام رفقاء کے کار کو آزادی و اختیار دیا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو امام کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں اور اس صورت میں بھی اپنا پورا اجر و ثواب اللہ سے حاصل کریں۔ لیکن جس طرح اُنکے امام نے بلا حقیقی پروگرام پر عمل کئے اجر و ثواب کو قبول نہ کیا اور امت کی نجات کو پہلا نمبر دیا تھا بالکل اُسی طرح اور اُسی معیار پر اُن کے ساتھیوں نے راہ خدا میں فدا ہو جانا پسند فرمایا۔ اور میدان جنگ میں جانے میں سبقت لیجانے کی تیاریاں اور تدبیریں کرنے لگے۔

(39/3)۔ جنگ کا آغاز لشکرِ حسینؑ پر تیروں کی بارش سے کیا گیا

وفی الملهوف ایضاً تقدّم عمر بن سعد لعنه الله عليه فرمى نحو عسكر الحسين بسهم وقال اشهدوا لى عند الامير انى اول من رمى واقلت السهام من القوم كأنها القطر - فقال عليه السلام لاصحابه قوموا رحمكم الله الى الموت الذى لا بد منه فان هذه السهام رسل القوم اليكم - (أكسير العبادات فى اسرار الشهادات - صفحہ 268)

”پھر کتاب ملھوف میں لکھا گیا ہے کہ عمر (لعین) بن سعد فوج سے آگے نکلا اور اُس ملعون نے یہ کہہ کر لشکرِ حسین علیہ السلام پر تیر چلایا کہ اے لوگو امیر المؤمنین کے سامنے گواہ رہنا کہ میں نے پہلا تیر چلایا تھا۔ اُسکے تیر چلاتے ہی عمر سعد کے مسلمان فوجیوں نے اپنی اپنی کمانوں سے اس طرح تیر رہا کئے کہ گویا بارش ہو رہی ہے۔ یہ دیکھ کر امامؑ نے فرمایا کہ اے فداکارانِ اسلام اللہ تم پر اپنا رحم و کرم کرے آؤ اُس موت کو لبیک کہیں جس سے ملاقات لازم ہو چکی ہے۔ یقیناً اُس قوم (سورہ الفرقان 25/30) کے یہ تیر اُسی موت کے پیغامبر ہیں۔

اصحابِ حسین علیہم السلام کی شہادت کے واقعات

(39/4)۔ حضرت حرّیٰ بے قراری انتہا کو پہنچ جاتی ہے

وعن الارشاد فلما رأى الحرين يزيد ان القوم قد صمموا على قتال الحسين قال لعمر بن سعد اى عمر امقاتل انت هذا الرجل؟ قال اى والله فتناً شديداً ايسره ان تسقط الرؤس وتطيح الايدي - قال اقمالكم فيما عرضه عليكم رضاً قال عمر املو كان الامر الى لفعلت ولكن اميرك قداًبى فاقبل الحرحتى وقف من الناس موقفاً ومعه رجل من قومه بقال له قرّة بن قيس فقال له يا قرّة هل سقيت فرسك اليوم؟ قال لا - قال فما تريد ان تسقيه؟ قال قرّة فظننت والله انه يريد يتسحقى فلا يشهد القتال فكره ان اراه حين يصنع ذلك فقلت له لم اسقه - قال وانا منطلق فاسقيه فاعتزل ذلك المكان الذى كان فيه - فوالله لو اطلعت على الذى يريد لخرجت معه الى الحسين عليه السلام -

تبیروں کی وساطت سے اعلان جنگ ہو گیا۔ صحابہ حسین رضی اللہ عنہم نے بھی جواب میں تیرا رسالہ کئے۔ تیس ہزار سے زیادہ تیر اندازوں کے جواب میں دو تین سو تیروں کا چلنا مادی حساب میں صفر کے برابر ہوتا ہے۔ لیکن سردار لشکر اور سپاہ پر وہ دو تین سو تیر لاکھوں تیروں سے گراں گزرے۔ تین روز کے بھوکے پیاسے مردوں، عورتوں اور بچوں کی طرف سے اعلان جنگ کو قبول کر لینا ایک ایسا مظاہرہ تھا۔ جو نہ پہلے کبھی دیکھا اور سنا گیا تھا، نہ کسی طرح ممکن تھا۔ ہر دل میں لرزہ تھا، جسم کانپ رہے تھے، وہ جانتے تھے کہ حق کس طرف ہے؟ اللہ کی تمام قوتیں اور قدرتیں کس کا ساتھ دیں گی؟ اگر کوئی ارضی یا سماوی عذاب آیا تو وہ کس پر نازل ہوگا؟ اُن کا اجتماع حاکم وقت کے جبر و قہر اور لالچ و خوف کی بنیاد پر تھا۔ وہ سب کچھ دیکھ اور سُن چکے تھے کہ امام حسین علیہ السلام نے ہر وہ شرط پیش کر دی تھی جو جابر و ظالم بادشاہوں کو بھی قبول کرنا پڑتی۔ مگر ابن زیاد نے یہ سمجھا کہ حسینؑ خوفزدہ ہو کر یہ شرائط پیش کر رہے ہیں۔ جیسے ہی طبل جنگ بجے گا۔ وہ (معاذ اللہ) ہتھیار ڈال کر امان کے طالب ہو گئے اور یوں یزید کو خلیفۃ اللہ اور امیر المؤمنین مان لیں گے۔ عمر بن سعد بھی کچھ اسی قسم کی کم و بیش امیدیں رکھتا تھا۔ لیکن تیروں کا جواب تیروں سے ملا تو اب سوال یہ تھا کہ آیا چاروں طرف سے حملہ کیا جائے؟ بہادرانہ مد مقابل طلب کر کے جنگ آزمائی کیجائے؟ عمر سعد ملعون ابھی تک طریق جنگ کے فیصلے کو تاخیر میں ڈالتا جا رہا تھا۔ تاکہ سرداران لشکر کا رد عمل دیکھے۔ اُدھر حُر بن یزید نے یہ یقین کر لیا تھا کہ اب یہ سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر سپاہ حسینؑ پر حملہ کر نیوالا ہے اور حملہ ہو جانے کے بعد میرے لئے تدارک مافات کی راہیں بند ہو جائیں گی۔ اُسکے سامنے حق و باطل دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ عذاب جہنم اور جنت میں حسینؑ اور صحابہؓ کا بلند مقام سامنے تھا۔ اُس نے تین دن اور رات غور کیا تھا۔ اور ہر دفعہ حسینؑ کے حضور حاضر ہو جانے، معافی طلب کرنے اور شہادت پانے کے فیصلے پر پہنچتا چلا آیا تھا۔ اُس نے مزید اتمام حجت کیلئے اور حکومت کے خفیہ ارادوں سے واقفیت کیلئے عمر سعد سے پوچھا کہ کیا تمہارا ارادہ حسینؑ سے جنگ کرنے کے سوا کچھ اور نہیں ہے؟ عمر سعد یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ ہونے والا ہے۔ اُسے جنگ کہنا تو مذاق ہے ارے بھائی آدھے گھٹنے میں یہ بھی پتہ نہ چلے گا کہ حسینؑ نام کا کوئی شخص یہاں آیا اور مقیم رہا تھا۔ بلکہ عمر سعد اپنے منصبی ارادہ کا یوں اظہار کرتا ہے کہ جنگ نہیں بلکہ وہ ایک نہایت خطرناک بڑی مہلک اور شدت و آفت خیز معرکہ ہوگا۔ اُس میں سرتنوں سے جدا ہو کر لڑھکتے پھریں گے۔ لاشوں کے انبار لگ جائیں گے۔ کٹے ہوئے ہاتھوں کے جوڑے پھڑکڑگم ہو جائیں گے۔ حُر نے پوچھا کہ تم لوگوں نے حسینؑ کی شرائط پر کیوں عمل نہیں کیا؟ عمر سعد نے کہا کہ اگر اختیار مجھ تک محدود ہوتا تو میں ضرور عمل کرتا۔ مگر تمہارے امیر نے انکار کر دیا ہے۔ یہ سُن کر حُر فوج سے آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ فوجیوں سے بڑھ کر سرداری کی جگہ ٹھہرا۔ اُس وقت حُر کے پاس اُس کی قوم کا ایک شخص موجود تھا جسے قرۃ بن قیس کہتے تھے۔ حُر نے اُس سے کہا کہ اے قرہ کیا تم نے آج اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا ہے۔ قرہ نے کہا کہ نہیں میں نے پانی نہیں پلا لیا۔ حُر نے کہا پھر کیا تمہارا ارادہ اُسے پانی پلانے کا نہیں ہے؟ قرہ کہتا ہے کہ میں نے حُر کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ وہ میری موجودگی کو ناپسند کر رہا ہے۔ اور تنہائی چاہتا ہے اور شاید جنگ میں شمولیت بھی پسند نہیں کرتا۔ میں نے جواب میں کہا کہ میں نے فی الحال پانی نہیں پلا یا اور پانی لانے کا بہانہ کر کے میں اُسے تنہا چھوڑ کر چلا آیا۔ خدا کی قسم اگر مجھے اُس نے اپنے ارادہ سے مطلع کر دیا ہوتا تو میں بھی امام حسین علیہ السلام کی نصرت کیلئے اُسکے ساتھ ہی چلا جاتا۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 268 بحوالہ کتاب الارشاد شیخ مفید)

(39/5)۔ حضرت خُزّی سرمداری فوج اور دنیا کو امام پر قربان کرنے میں مصروف ہیں

حضرت خُزّی نقل و حرکت معمول کے خلاف دیکھ کر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونا ایک قدرتی صورت حال تھی۔ لیکن وہ ہر چیز سے لاپرواہ ہو کر اُن لوگوں کا دل ٹٹولنے میں مصروف تھے۔ جو اُن کی جُرأت و جسارت کے اعتماد پر اُن کے ہمراہ فوج سے نکلنے اور سپاہِ حسینیٰ میں جانے کی ہمت کر سکیں۔ ابھی ابھی آپ نے دیکھا تھا کہ قرہ بن قیس نے کہا تھا کہ انہیں علم ہو جاتا تو وہ بھی حضرت خُزّی کے ساتھ نکل جاتے۔ لیکن قرہ بن قیس کے متعلق ابو مخنف نے یہ لکھا ہے کہ جب خُزّی نے چلنے کے لئے کہا تو قرہ نے صاف انکار کر دیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جناب خُزّی نے غالباً قرہ سے پہلی گفتگو کے بعد ایسے وقت اپنا ارادہ ظاہر کیا جب قرہ بن قیس کو یہ یقین ہو گیا کہ اب فوج سے نکلنا دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہو جانے کے مترادف ہوگا اور کوشش ناکام ہو جائے گی۔ بہر حال قرہ بن قیس کا قصہ ابو مخنف سے سنئے:-

قال ابو مخنف فاقبل الحر علی ابن عم له يقال قرّة بن قیس وقال له یا بن العم ألا تری الی الحسنین یستجیر فلابجار ویسغیث فلابغاث فهل لك أن تذهب الیه ونقاتل بین یدیه ونفدیه بارواحنا فلعلنا نفوز بالشهادة ونكون فی زمرته یوم القیامة؟ فقال له لاجابة لی فی ذلک؛ قال فاقبل الحر علی ولده وقال له یابنی لاصبر لی علی النار ولا علی غضب الجبار ولا یكون خصمی غدا محمد المختار یابنی سرینا الی الحسنین علیہ السلام نقاتل بین یدیه فلعل الله أن یتبنا مع الشهداء فنفوز بالشهادة؟ فقال له لست مخالفک یا اباہ فیماتا مرنی بہ۔ فی الارشاد فاخذ یدنومین الحسنین قلیلاً قلیلاً فقال له المهاجر بن اوس ماترید یا بن یزید۔ اترید أن تحمل فلم یجبه فاخذہ مثل الکوفی فقال له المهاجر أن امرک لمرب و الله ما رأیتک فی موقف قطّ مثل هذا۔ ولو قیل لی من اشجع اهل الکوفة لما عدو تک فما هذا الذی اری منک فقال له الخرنی والله اخیر نفسی بین الجنة والنار فوالله لا اختار علی الجنة شیئاً ولو قطعّت وحرقت۔ (اکبر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 268-269)

”خُزّی آگے بڑھے اور اپنے چچا زاد بھائی قرہ بن قیس کے پاس پہنچے اور اُس سے کہا کہ اے بھائی کیا تم نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا کہ حسین علیہ السلام امداد چاہتے ہیں اور کوئی مدد کو تیار نہیں۔ وہ نصرت کے لئے پکارتے ہیں کوئی نصرت پر آمادہ نہیں ہوتا۔ کیا تم میرے ساتھ چلنے اور اُن حضرات کے سامنے اُن کی طرف سے جہاد کرنے اور اپنی جانوں کو اُن پر فدا کرنے کے لئے تیار ہو سکتے ہو؟ تاکہ ہم درجہ شہادت پر فائز ہو جائیں اور اُن کے ساتھیوں میں ہمارا شمار ہو جائے اور بروز قیامت اُن ہی کے درجہ میں مقام بلند مل جائے؟ قرہ نے کہا کہ مجھے اُن کے معاملہ میں کوئی احتیاج نہیں ہے۔“

چونکہ ابو مخنف اُس گفتگو کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا جو قرہ اور جناب خُزّی کے درمیان گھوڑے کو پانی پلانے سے متعلق تھی۔ لہذا معلوم ہوا کہ قرہ سے یہ آخری گفتگو بہت بعد میں ہوئی اور اُس وقت قرہ اپنا خیال بدل چکا تھا۔ بہر حال آگے لکھا ہے کہ:-

”جناب خُزّی اپنے فرزند کے پاس آئے اور کہا بیٹے مجھ میں واصل جہنم ہونے اور اللہ کے غضب کو برداشت کرنے اور رسول اللہ کا مخالف اور مد مقابل بننے کی ہمت نہیں ہے۔ بیٹے آؤ چلیں امام مظلوم کے سامنے حاضر ہو جائیں اور اُن کی حمایت میں جنگ کرتے کرتے شہید ہو جائیں۔ یقین ہے کہ اللہ ہمیں حسینی شہدا کی فہرست میں لکھ لے گا اور ہم مقام شہادت پر سرفراز ہو جائیں۔ بیٹے نے عرض کیا کہ میں آپ کا مخالف نہیں۔ جو حکم ہے میں اطاعت کے لئے حاضر ہوں۔ کتاب ارشاد بتاتی ہے کہ خُزّی اور اُن کا بیٹا دونوں آہستہ آہستہ سپاہِ حسینیٰ

کی طرف بڑھنے لگے۔ مہاجر بن اوس نے حُر سے کہا کہ اے حُر تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کیا تم حسینؑی فوج پر حملہ کا ارادہ کر رہے ہو؟ حُر نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن اس اچانک سوال سے حُر پر بجلی سی گر پڑی جسم میں کپکپی محسوس ہوئی۔ مہاجر نے پھر کہا کہ اے حُر تمہارا حال شش و پنج میں پھنسے آدمی ایسا معلوم ہو رہا ہے۔ میں تو تمہیں اہل کوفہ میں بہادر ترین شخص یقین کرتا ہوں مگر جو حال آج میں دیکھ رہا ہوں ایسا میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ حُر نے کہا کہ بھائی میں جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا ہوں اور جہنم کے مقابلہ میں جنت کو اختیار کرنے کی فکر میں مبتلا ہوں۔ اور جنت پر کسی اور چیز کو ترجیح دینے کو تیار نہیں ہوں خواہ مجھے کھڑے کھڑے کر کے آگ میں جلادیا جائے۔“

(39/6)۔ حضرت حُرؓ نے گھوڑے کو مہینز کیا اور حسینؑی دربار میں باریاب ہو گیا

یہاں یہ نوٹ کرتے چلیں کہ گوہم اس ذخیرہ شہادت میں کتاب اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات کے حوالجات پیش کر رہے ہیں۔ مگر یہ تمام بیانات تاریخ طبری اور دیگر تواریخ سے ثابت ہیں۔ اور ہر وہ بات جو قرآن و رسولؐ اور آل رسولؐ کے معیار کے مطابق ہوگی اُس کا صحیح اور مصدقہ ہونا بھی لازم ہے۔ بہر حال حضرت حُرؓ کے متعلق کتاب المہوف کہتی ہے کہ:-

وفی المہوف ثُمَّ ضرب فرسُهُ قاصِدًا إِلَى الْحُسَيْنِ وَيدَهُ عَلَى راسِهِ وَهُوَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَبْتُ فُتُبَ عَلٰى فَقَد اَرَعْتَ قُلُوبَ اَوْلِيائِكَ وَاَوْلَادَ بَنَتِ نَبِيَّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُو مَخْنَفٍ فَجَعَلَ الْحَرِيقُ قَبْلَ الْاَرْضِ بَيْنَ يَدَيِ الْحُسَيْنِ فَقَالَ لَهُ اَرْفَعِ رَاسَكَ يَا شَيْخَ فَرْعِ رَاسِهِ - وَعَنِ الْاِرْشَادِ فَقَالَ لَهُ جَعَلْتَ فِدَاكَ يَا بَنَ رَسُولِ اللّٰهِ اَنَا صَاحِبُكَ الَّذِي حَبَسْتُكَ عَنِ الرَّجُوعِ وَسايرتك في الطريق وجععتك بك في هذا المكان وما ظننت اَنَّ القوم يردّون عليك ما عَرَضْتَ عليهم ولا يبلغون منك هذه المنزلة و اللّٰهُ لَوْ عَلِمْتُ اَنَّهُمْ يَنْتَهَوْنَ بكَ اِلَى مَا ارَى مَا رَكِبْتُ مِثْلَ الَّذِي رَكِبْتَ وَاَنَا تَائِبٌ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِمَّا صَنَعْتُ فَتَرَى لِي مِنْ ذٰلِكَ تَوْبَةً - فَقَالَ لَهُ الْحُسَيْنُ نَعَمْ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْكَ فَانْزِلْ - قَالَ فَاَنَا لَكَ فَارِسًا خَيْرٌ مِنِّي رَاجِلًا قَاتِلَهُمْ عَلٰى فَرَسِي سَاعَةً وَاِلَى النِّزُولِ اٰخِرَ مَا يَصِيرُ اَمْرِي - (ايضاً اكسیر العبادات صفحہ 269)

”اس کے بعد حضرت حُرؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر پوری رفتار سے سپاہ حسینؑی کی طرف بڑھا دیا۔ اور بطور پناہ طلبی اپنا ایک ہاتھ اپنے سر پر رکھا۔ اور باواز بلند کہتے چلے آ رہے تھے کہ اے اللہ میں خود کو تری سپردگی میں دیتا ہوں تو میری توبہ قبول فرما۔ یقیناً میں نے تیرے برگزیدہ حضرات کو اور تیرے نبیؐ کی بیٹیؑ کی اولاد کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کیا ہے۔ اور ابو مخنف لکھتا ہے کہ حُرؓ امام حسینؑ کے روبرو زمین بوس ہوا، زمین چومتا رہا۔ یہاں تک کہ امامؑ نے فرمایا کہ اے شیخ اٹھو سر بلند کرو۔ حُرؓ نے سر اٹھالیا۔ (کتاب ارشاد کہتی ہے کہ) حُرؓ نے دست بستہ عرض کیا کہ میں وہی بدنصیب شخص ہوں۔ جس نے آپ کو نظر بند کر کے آپ پر تمام راہیں بند کی تھیں۔ میں وہی مجرم ہوں جو آپ کے ساتھ ساتھ سایہ کی طرح لگا رہا اور آپ کو یہاں تک لانے میں کوشاں ہوا۔ اور آخر کار آپ کو اس بیابان میں لا کر یوں بے دست و پا محصور کر دیا۔ اے فرزند رسولؐ میری زندگی آپ پر قربان ہو تم بخدا مجھے یہ گمان تک نہ ہوا تھا کہ یہ قوم آپ کی پیش کردہ تمام شرائط کو نا منظور کر کے آپ کو اس موجودہ صورت حال سے دوچار ہونے پر مجبور کر دے گی۔ واللہ اگر مجھے یہ خبر ہوتی کہ میرے اقدامات کا یہ نتیجہ ہوگا جو اس وقت تک میری آنکھوں نے دیکھا ہے۔ تو میرا عمل در آمد وہ نہ ہوتا جو میں نے کیا ہے۔ میں اللہ کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

اپنی ہر حرکت پر نادم و پشیمان ہوں۔ آپ میری حالت اور سابقہ اعمال کو دیکھتے ہیں۔ مجھے معاف فرمادیں اور میری توبہ قبول ہونے میں میری مدد فرمائیں۔ امام علیہ السلام قلوب کا حال جانتے تھے۔ خُراس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا؟ امام رحمۃ خداوندی کے فرزند تھے۔ مجسمہ رحم و کرم و شرافت تھے۔ مسکرا کر فرمایا ہاں ہاں اللہ ضرور تمہاری توبہ قبول کر لے گا۔ میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ خدا تمہیں بہترین جزا سے نوازے گا۔ تم ہمارے مہمان ہو۔ ہمارے ساتھ قیام کرو۔ ہمیں کوئی شکوہ و شکایت نہیں ہے۔ یہ تو سب جانتے تھے کہ ایسے عالم میں مہمان کی کیا خدمت کی جاسکتی تھی؟ بہر حال خُراس کے دل میں اطمینان و چین پیدا ہوا۔ غالباً امام کے جواب سے دل میں رقت بھی پیدا ہوئی ہوگی۔ خیموں کے اندر بھی مہمان کی آمد نے مختلف رنج و غم اور مسرت کے تاثرات پیدا کئے ہوں گے۔ خُراس نے عرض کیا حضور میرے گناہوں کی یہ معافی تقاضہ کرتی ہے کہ میں آپ سے اجازت مانگوں اور آپ کی طرف سے آپ کے بہادر محافظوں کی صورت میں ذرا اس ملعون قوم سے تھوڑا سا جنگ کر لوں کہ مخالف فوج میں اعلان ہو جائے کہ خُراس وہاں پہنچ کر مقبول اور پسندیدہ فداکار بن گیا جہاں جانے کے لئے اُس کا چہرہ شرمسار تھا۔ رہ گئی مہمانداری وہ تو میں آپ کے ساتھ ابد الابد رہوں گا۔“

تاریخ طبری کہتی ہے کہ ”امام نے یہ بھی فرمایا کہ تیری والدہ نے تیرا نام بجا طور پر خُراس رکھا تھا۔ لہذا تم دنیا میں بھی خُراس اور آزادی کے نشان ہو اور آخرت میں بھی ہر مواخذہ سے آزاد ہو۔ اور خُراس نے کہا تھا کہ حضور میں اب گھوڑے سے اُسی وقت اُتروں گا جب لڑتے لڑتے اور دشمنان خدا کو قتل کرتے کرتے نڈھال اور ناتواں ہو جاؤں گا۔ مجھے اجازت دیجئے۔ امام نے فرمایا تھا کہ اچھا بھائی تم اپنی تمنا پوری کرنے میں آزاد و مختار ہو۔“ (صفحہ 274 جلد 4)

(39/7)۔ حضرت خُراس معافی مل چکنے کے بعد طرح طرح پیش کیا گیا ہے

امام حسینؑ سے حرّ کی ملاقات تاریخ طبری سے سنئے:- ”عرض کی یا بن رسول اللہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں۔ میں وہی شخص ہوں جس نے آپ کو واپس نہ جانے دیا۔ جو راستہ بھر آپ کے ساتھ ساتھ رہا۔ جس نے آپ کو اسی جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ قسم ہے خداوند وحدہ لا شریک کی میں ہرگز یہ نہ سمجھا تھا کہ جتنی باتیں آپ اُن لوگوں کے سامنے پیش کریں گے وہ اُن میں سے کسی بھی امر کو نہ مانیں گے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی۔ میں دل میں یہ سوچے ہوئے تھا کہ بعض باتوں میں اُن لوگوں کی اطاعت کروں تو کیا مضائقہ ہے۔ تاکہ یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ میں نے اُن کی اطاعت سے انحراف کیا۔ ہوگا یہی کہ حسینؑ جن باتوں کو پیش کریں گے۔ یہ اُن باتوں کو مان لیں گے۔ واللہ اگر میں جانتا کہ آپ کی کوئی بات یہ لوگ قبول نہ کریں گے تو میں اس امر کا مرتکب نہ ہوتا۔ مجھ سے جو تصور ہو گیا ہے۔ میں خدا کے سامنے اُس سے توبہ کرنے اور آپ پر اپنی جان فدا کرنے کو آیا ہوں۔ میں آپ کے سامنے مرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یہ فرمائیے کہ کیا میری یہ توبہ قبول ہو جائے گی؟ فرمایا ہاں ہاں خدا تیری توبہ ضرور قبول کرے گا۔ اور تجھے بخش دے گا۔ تیرا کیا نام ہے؟ عرض کیا میرا نام خُراس ہے۔ فرمایا تو آزاد ہے۔ تیری ماں نے جس طرح تیرا نام خُراس رکھا ہے۔ انشاء اللہ تو دنیا و آخرت دونوں جگہ آزاد ہے۔ اب گھوڑے سے اُتر آؤ۔ خُراس نے عرض کیا کہ میرا گھوڑا پر ہنا اترنے سے بہتر ہے۔ ایک ساعت اُن لوگوں سے جنگ کروں گا۔ جب میرا آخری وقت ہوگا تب گھوڑے سے اُتروں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا جو تمہارا دل چاہے کرو اللہ تم پر رحم فرمائے۔“ (ایضاً صفحہ 274 جلد 4)

نہ یہاں یہ بات قابل قبول ہے اور نہ صورت حال اور مقامِ امامؑ کے شایانِ شان ہے کہ معافی مانگنے کے لئے آنے والا سرتاپا جسمہٴ ندامت خُڑ گھوڑے پر سوار رہے اور امامؑ زمین پر بیٹھے یا کھڑے رہیں۔ اور خُڑ اتنا طویل بیان دے، نہ پاس ادب ملحوظ رکھے نہ حکم مانے۔ لہذا سابقہ روایت کی رُو سے زمین بوس ہونا صحیح ہے۔ دراصل معافی کے بعد خُڑ فوراً گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ارادہ جنگ ظاہر کیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ گھوڑے سے اُترو تم تو ہمارے مہمان ہو۔ اس پر حضرت خُڑ نے یہ دلیل پیش کی کہ میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے آپ کو موجودہ صورت حال سے دوچار کیا۔ لہذا مجھے یہ حق دیجئے کہ میں اُسی میدان میں قربان ہونے والوں میں پہلا شخص ہو جاؤں اور جنت میں آپ کے پالنے والوں کے حضور میں سب سے پہلے پہنچوں۔ اس پر آپؐ نے خوش ہو کر اجازت دے دی۔

(39/8)۔ حضرت خُڑ نے اپنے قبیلے کے ساتھ ساتھ پوری فوج اور ابنِ سعد کو خطاب کیا

”معافی مل جانے اور حقیقی خُڑ بن جانے کے بعد حضرت خُڑ اپنے اصحاب کی طرف بڑھے اور اعلان کیا کہ سنو کہ حسینؑ نے جو شرائط پیش کی تھیں۔ اُن میں سے کسی ایک بات کو بھی مان لیا جاتا تو تم کو اُن سے جنگ و جدل کرنے کی نوبت نہ آتی۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا امیر عمر بن سعد ہے تم یہ گفتگو اُس سے کرو تو بہتر ہوگا۔ خُڑ نے عمر سعد سے دوبارہ وہی گفتگو کی جو پہلے کر چکا تھا۔ ابنِ سعد نے جواب دیا کہ میری خواہش یہی تھی۔ اگر ہو سکتا تو میں یہی کرتا۔ اب خُڑ نے اہل کوفہ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ خدام کو ہلاک اور تباہ کرے۔ تم نے اُنہیں بلایا۔ اور جب وہ چلے آئے تو انہیں دشمنوں کے حوالہ کر دیا۔ تم اُن پر جان نثار کرنے کو کہتے تھے اور اب انہیں قتل کرنے کے لئے اُن پر حملہ کر رہے ہو۔ اُن کو تم نے گرفتار کر لیا ہے۔ اُن کا سانس لینا بند کر دیا۔ اُن کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اُن کو خدا کی وسیع و عریض دنیا میں کہیں نکل جانے کا موقعہ بھی نہ دیا۔ کہ وہ اور اُن کے اہلیت امن سے زندہ رہ سکتے۔ اب وہ قیدی کی طرح تمہارے ہاتھوں میں ہیں۔ تم نے اُن پر اُن کے رفقا پر اُن کی مستورات اور بچوں پر دریا کے بہتے ہوئے پانی کو بند کر دیا ہے۔ جو یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے کھلا ہے۔ جس میں جنگلی جانور اور سُر غوطہ لگاتے ہیں۔ اور اُن کے تمام بچے، جوان اور عورتیں اور بوڑھے پیاس سے قریب ہلاکت پہنچ چکے ہیں۔ محمد رسول اللہ کی ذریت کے ساتھ تم نے اُن کے بعد کتنا بدترین سلوک کیا ہے؟ اگر آج اور اسی وقت تم اپنے ارادوں سے باز نہ آؤ گے اور توبہ نہ کرو گے تو خدا تمہیں محشر کی تشنگی سے نہ بچائے گا۔ یہ سن کر پیداہ فوج نے خُڑ پر تیر برس سنا شروع کر دیے۔“

(ایضاً صفحہ 274-275)

(39/9)۔ ایک بدترین فریب جس میں عموماً علماُ لُجھے اور اُلجھتے چلے آئے ہیں

اس تاریخی اور سرکاری فریب کو سمجھنے کے لئے دو بنیادی حقائق سامنے رکھ لیں۔ پہلی حقیقت یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے بار بار ذکر فرمایا ہے کہ کوفہ سے اُن کو بلانے کے لئے اتنے خطوط آئے کہ بوریاں بھر گئیں۔ اور آپ کا کر بلا تک آنا بظاہر اُن ہی خطوط کی بنا پر تھا۔ حالانکہ روز ازل سے آپ کی شہادت متعین، مقرر اور مشہور چلی آرہی تھی۔ یعنی وہ خطوط محض شرعی حجة تھے۔ اور یہ شرعی عذر و حجة دو چار ذمہ دار افراد کے ایک ہی خط سے پوری ہو چکی تھی۔ اور ایسے ایک دو یا چند خطوط واقعی کوفہ کے حقیقی شیعوں نے لکھے تھے۔

سوال یہ ہے کہ باقی ہزاروں اور لاتعداد خطوط کس نے لکھے تھے؟ اس سوال کا جواب تاریخ طبری اور تاریخ اُمت کے ایک بیان سے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ سنئے کہ 145 ہجری میں محمد بن عبداللہ بن حسن بن حضرت امام حسن علیہ السلام نے خلیفہ منصور عباسی کے مقابلہ میں اعلان جنگ کیا اور اہل مدینہ کے ایک جلسہ میں بڑے یقین سے یہ دعویٰ کیا کہ:-

”میں نے مدینہ کو اس خیال سے اپنا مرکز نہیں بنایا ہے کہ یہاں کے لوگ زیادہ قوت رکھتے ہیں۔ بلکہ صرف اس وجہ سے کہ میں یہاں کے باشندوں سے محبت رکھتا ہوں۔ میں تو یہاں اُس وقت آیا ہوں جب کہ دنیاۓ اسلام کے ہر مقام سے لوگوں نے میری امامت کی بیعت کر لی ہے۔“

یہ لکھ کر مورخ لکھتا ہے کہ:- ”اہل مدینہ یہ سُن کر خوش ہو گئے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں تھی۔ بلکہ خلیفہ منصور نے اپنی طرف سے جا بجا ایسے لوگوں کو متعین کر دیا تھا۔ جو محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسنؑ کے پاس خطوط بھیجا کرتے تھے۔ کہ یہاں کے لوگ آپ کی امامت پر راضی ہیں۔ اس سے اُن کو یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ ہر مقام کے لوگ میری امامت کو تسلیم کر چکے ہیں۔ اور حمایت کے لئے آمادہ ہیں۔“ (تاریخ اُمتہ حیراچوری جلد 4 صفحہ 93-92 اور تاریخ طبری)

اس تاریخی بیان سے یہ حقیقت سمجھ میں آ جانا چاہئے کہ خلافت امویہ کی پیرو خلافت عباسیہ نے محمد بن عبداللہ الحسنی کے ساتھ وہی سیاسی چال چلی تھی جو کوفہ میں بلانے کے لئے یزید علیہ اللعن کے دانشوروں نے چلی تھی۔ اور چاروں طرف سے ایسے ہزاروں خطوط لکھوائے تھے جو سب اہل کوفہ کے جعلی ناموں سے منسوب تھے۔ پھر اُن مخالف حکومتوں نے ہر بیان میں اس پر زور دیا کہ کوفہ کے لوگوں نے غداری کی اور یہ کہ لشکر عمر سعد و ابن زیاد میں تمام لوگ کوئی تھے۔ یہی رنگ حضرت حُرّ کے بیان میں بھرا گیا ہے۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ میدان کر بلا میں شہید ہونے والوں کی عظیم کثرت کوفہ کے باشندوں کی تھی۔ اور جن لوگوں نے واقعی امام کو خطوط لکھے تھے وہ سب اُن شہدا میں شریک تھے۔ اور جو باقی رہے وہ ابن زیاد کی قید میں طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے بند رہے۔ اور ایک سال واقعہ کر بلا کے بعد سفارشوں سے ایک ایک دودو کر کے رہا ہوئے یا جیل میں تشدد سے مر گئے۔

کوفہ وہ شہر تھا جہاں واقعہ کر بلا کے بعد تحریک تشیع کا مرکز قائم ہوا، کوفہ ہی وہ شہر تھا جہاں کے شیعہ اور سنی دانشوروں نے عرب کی ملکی خلافت کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ مصر و یلم اور افریقہ میں شیعہ حکومتیں قائم کیں اور تیغ بکف رہ کر خلافت ملکی کو تباہ و برباد کیا تھا اس لئے کوفہ کو بدنام کرنا بہت ضروری تھا۔ تفصیلات ہماری کتاب ”مذہب شیعہ، ایک قدیم تحریک و ہمہ گیر قوت“ میں ملاحظہ ہوں۔ اہل تحقیق کی نظر میں کوفہ اور کوئی محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے نام و نشان اور تصورات کو دنیا بھر میں پھیلانے میں راہنما رہتے چلے آئے ہیں۔ اور اُن سے فداکاری و جان سپاری میں کوئی شخص آگے نہیں بڑھنے پایا ہے۔ البتہ وہ ابتدا میں چند غلطیاں کر گئے انہیں حکومت نے فریب دیا تھا۔ مگر انہوں نے بہت جلد مجتمع ہو کر ایک ہمہ گیر پالیسی بنائی اور رفتہ رفتہ حکومت سے بہتر، منظم اور موثر اقدامات کا کامیاب سلسلہ شروع کیا اور مرکزی ہدایات حاصل کرنے کا نظام قائم کیا تھا۔ ابتدائی ایام میں اُن کی محبت و عقیدت و قربانیاں انفرادی تھیں۔ دشمن کے سیاسی لیڈر اُن کو غلط راہوں پر ڈالنے اور اجتماعی اقدامات سے روکنے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ یہی حال آج ملت شیعہ کا ہے۔ جو انہیں

اتحاد کی آڑ میں بدنام اتحاد کی حمایت کی دعوت دیتا ہے وہ خود بکاؤ مال تھا۔ جو انہیں فساد میں ہدایات دے رہا ہے وہ اپنی زبان سے دو ہزار روپیہ ماہانہ وظیفہ حاصل کرنے کا اعلان کرتا رہا ہے (1977 عیسوی)۔ سینکڑوں انجمنیں اور ادارے آکاش نیل کی طرح شیعوں کو لپٹے چلے جا رہے ہیں، آپس میں کوئی رابطہ نہیں، اجتماعی منشور نہیں۔ جس کا جھدرل چاہتا ہے چند فضائل و مصائب پڑھ کر انہیں کھینچ کر لے جاتا ہے اور موقع ملنے پر ان کا سیاسی سودا کر کے فروخت کر دیتا ہے۔ کراچی میں مشہور ہو جاتا ہے تو لاہور بھاگ جاتا ہے۔ وہاں کاروبار فیل ہونے لگتا ہے تو پھر نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر کراچی میں اور ادارہ کھول لیتا ہے۔

حضرت مسلم کی آمد سے پہلے ہی حکومت کے سپاہی، سیاسی لیڈر اور جاسوس مومنین کی صفوں میں داخل ہو چکے تھے۔ خود کوفہ کا وہ گورنر جو ابن زیاد سے پہلے شیعوں کا طرفدار معلوم ہوتا تھا حکومت کے اشاروں پر گامزن تھا۔ مومنین کے ٹھکانوں اور لیڈروں کی فہرستیں بنا رہا تھا۔ اُسی نے ابن زیاد کو تمام معلومات فراہم کی تھیں۔ جس سے آن کی آن میں شیعوں کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ اور انہیں انفرادی کوششوں پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ جس کو موقع ملا کر بلا پہنچا ورنہ گرفتار ہو گیا۔ اور کم از کم ایک سال ورنہ امیر مختار کے انقلاب تک قید رہا۔

یہ بات بڑی احمقانہ ہے کہ کوفہ کے تمام شیعہ لشکر عمر سعد میں تھے۔ ابن زیاد و عمر سعد تو دنیا کے زبردست سیاسی لیڈر اور جرنیل تھے۔ کوئی معمولی عقل کا جرنیل بھی کسی باغی شخص کو یا دشمن کے طرفداروں کو اپنی فوج میں بھرتی نہ کرے گا۔ خصوصاً جب کہ جنگ بھی اُسی شخص سے ہو جس کی عقیدت و محبت بھرتی کئے جانے والوں کے دلوں میں ثابت ہو چکی ہو۔ ایسے موقع پر تو ہر ایسے شخص کو دور سے دور رکھا جاتا ہے جس پر یہ شبہ بھی ہو کہ وہ موقع ملنے پر بغاوت کریگا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعوں کے سربراہ و ردہ لیڈروں کو قید کیا گیا، قتل عام کیا گیا۔ کوفہ میں مارشل لا لگا کر لوگوں کو گھروں کی چاردیواری میں بند رہنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ یہ ایک سرکاری فریب ہے جو ہمارے علما اور محدثین کی مدد سے پھیلا یا گیا کہ کربلا میں پوری فوج کوفہ کے باشندوں کی تھی۔ عمر سعد کی فوج کی تعداد کے برابر تو پورے کوفہ کے مردوں، عورتوں اور بچوں کو شامل کر کے بھی نہیں بنتی۔ ہمارے ریکارڈ میں امام کو شکست دینے کیلئے پانچ لاکھ سپاہی مختلف چھاؤنیوں سے جمع کئے گئے تھے اور یہ تعداد ان اہل علم کیلئے لازم تھی جو یہ جانتے تھے کہ ملک یمن و ایران و اندرون عرب سینکڑوں زبردست قبائل کے بلکہ بول دینے کا اندیشہ دامنگیر تھا۔ جو اُس وقت اسلئے نہ ہوا کہ امام مظلوم نے مدد و نصرت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ تاکہ اسلامی خلافت کے اسلام و ایمان کا پردہ چاک کر دیا جائے اور ایک دفعہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ یہ ملکی حکومت، یہ محمدؐ کی جانشینی کی دعویٰ حکومت سر سے پیر تک اور اندر سے باہر تک کفر و شرک و نفاق والحاد کا ایک انبار ہے۔ اُسکی بنیاد اور اس کے ستون و اراکین کافروں، مشرکوں، منافقوں اور ملحدوں سے مرکب ہیں۔ اور یہ کہ اُن میں ہر فرد دشمن محمدؐ و آل محمدؐ ہے۔ یہ وجہ تھی کہ لوگ باہر سے مدد کو نہ آ سکے اور جو آئے واپس کر دیئے گئے۔ خود اپنے ساتھیوں اور اولاد و اعزہ کو رخصت کرنا چاہتے رہے۔ تاکہ ملکی مذہب کے لوگ کھل کر اطمینان سے ہر ممکن ظلم کر سکیں اور ثابت ہو جائے کہ کربلا میں حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں کے سوا کوئی حقیقی مسلمان نہ تھا۔ سب کا اپنا اپنا خود ساختہ و پسندیدہ مذہب تھا۔

(39/10)۔ حضرت خُزّ کے چند اور بیانات اور اپنے بیٹے کو نثار کرنا

(1) ”ابن نما کہتے ہیں کہ حضرت خُزّ نے امام علیہ السلام کو بتایا کہ حضورؐ جب ابن زیاد نے دیکھا کہ میں آپ سے ملنے کے لئے تیر کی

مارکی حد سے نکل گیا تو میرے پیچھے سے مجھے ایک ندادی گئی کہ ”اے خُرمہیں مبارکباد“ میں نے پلٹ کر آواز دینے والے کو دیکھنا چاہا تو میں نے کسی کو نہ دیکھا۔ میں نے سوچا کہ آپ کے فداکاروں میں شمولیت پر این زیاد تو مبارکباد نہ کہہ سکتا تھا۔ امامؑ نے فرمایا کہ بہر طور تم قابل مبارکباد اور بڑے بلند مقام پر فائز ہو گئے ہو۔“ (ایضاً اکسیر العبادات - صفحہ 269)

(2) وَفِي الْمَلْهُوفِ قَالَ الْحَرَفَاذُ كُنْتُ أَوَّلَ مَنْ خَرَجَ عَلَيْكَ فَاذْنُ لِي أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ قَتِيلٍ بَيْنَ يَدَيْكَ لَعَلِّي أَكُونَ مِمَّنْ يَصَافِحُ جَذَكُ فِي الْقِيَمَةِ - ”ملھوف میں لکھا ہے کہ خُرمہ نے کہا کہ چونکہ میں پہلا شخص ہوں جو آپ کے خلاف عمل پیرا ہوا۔ لہذا مجھے اجازت جہاد بھی پہلے ملنا چاہئے کہ میں پہلا جان قربان کرنے والا کہلاؤں اور بروز قیامت آپ کے نانا سے سب سے پہلے مصافحہ کروں۔“ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 269)

(3) قَالَ أَبُو مَخْنَفٍ ثُمَّ إِنَّ الْحَرَّاقِلَ عَلِيَّ وَلَدَهُ وَقَالَ يَا بُنَيَّ احْمِلْ عَلَى أَعْدَاءِ اللَّهِ وَأَعْدَاءِ رَسُولِهِ فَحَمَلَ الْغَلَامُ وَلَمْ يَزَلْ يِقَاتِلُ حَتَّى قَتَلَ مِنَ الْقَوْمِ أَرْبَعَةَ وَعَشْرِينَ رَجُلًا ثُمَّ قُتِلَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ فَلَمَّا نَظَرَ إِلَيْهِ أَبَاهُ فَرِحَ فَرَحًا شَدِيدًا وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي اسْتَشْهَدَ وَلَدِي بَيْنَ يَدَيِ الْحُسَيْنِ - ”ابو مخنف نے لکھا کہ اس کے بعد جناب خُرمہ اپنے بیٹے سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ بیٹے تم اُن دشمنانِ خدا اور دشمنانِ رسولؐ پر حملہ کرو۔ لڑ کے کے حملے سے چوبیس نامور سپاہی واصل جہنم ہوئے اور وہ نوجوان شہید ہو گیا۔ خدا اُس پر اپنی رحمت نازل کرے۔ جب حضرت خُرمہ کو معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا امام پر قربان ہو گیا تو اُنہیں جوان بیٹے کی شہادت سے انتہا درجہ کی طمانیت و مسرت حاصل ہوئی اور انہوں نے کہا کہ میں حمد و ثنا بجالاتا ہوں اُس اللہ کے حضور میں جس نے میرے بیٹے کو بھی یہ توفیق دی کہ وہ امامؑ کے روبرو شہید ہو سکا۔“ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 269)

(4) فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَبْرَزُ قَوْلٍ لَّا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ قَبَّرَ نَحْوَ الْقَوْلِ وَجَالَ وَصَالَ وَأَشْهَرَ نَفْسَهُ بَيْنَ الْفَرِيقَيْنِ..... - وعن الارشاد وَفَحَمَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ يَرْمُونُ بِالنَّبْلِ .. - ثُمَّ حَمَلَ عَلَى الْقَوْمِ وَلَمْ يَزَلْ حَتَّى قَتَلَ مِنَ الْقَوْمِ خَمْسِينَ رَجُلًا - قَالَ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ يَا وَيْلَكُمْ ارْشَقُوهُ بِالنَّبْلِ وَالسِّهَامِ فَفَعَلُوا ذَلِكَ وَجَعَلُوا يَرِشِقُونَ حَتَّى جَعَلُوهُ كَالْقَنْفَذِ وَحَمَلُوا عَلَيْهِ حَمْلَةً رَجُلٌ وَاحِدٌ.... - امامؑ نے خُرمہ کو رخصت کرتے وقت فرمایا کہ حملہ کے لئے سبقت کرو اور کہتے جاؤ کہ قوت کا سرچشمہ اور ہر چیز کو اطاعت کے دائرہ میں گھیر کر رکھنے کی قدرت اللہ کے سوا کسی اور کے پاس ہرگز نہیں ہے۔ وہی بلند ترین اور صاحب عظمت ہستی ہے۔ چنانچہ حضرت خُرمہ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور موت کی طرح فوج پر گھوڑے کو جولانی دی اُن پر ٹوٹ کر گرے اور دونوں طرف کے لوگوں کو اپنا تشخص کرایا۔ کتاب ارشاد نے کہا کہ اُس قوم نے بھی خُرمہ پر تیروں کا مینہ برسایا۔ لیکن حضرت خُرمہ نے برابر حملہ جاری رکھا اور اس دفعہ بھی پچاس سو رماؤں کو تہ تیغ کر دیا۔ فوج میں بھگدڑ مچی تو عمر سعد نے پکار کر شرم دلاتے ہوئے کہا کہ تم کم از کم دُور سے تیروں کا جھکڑ چلا دو۔ چنانچہ خُرمہ پر اس قدر تیر بارانی کی گئی کہ اُن کو سہاوی کی طرح تیروں سے بینہ دیا گیا۔ مگر خُرمہ برابر امامؑ کی بتائی ہوئی تسبیح لا حول ولا قوتہ ... پڑھ رہے تھے۔ بڑھ بڑھ کر اور جھوم جھوم کر تلواروں پر تلواریں برسا رہے تھے۔ اور عنترہ شاعر کا وہ شعر بھی پڑھتے جارہے تھے کہ میں نے برابر اپنے گھوڑے کو اُن کی فوج پر اس طرح چڑھائے رکھا کہ گھوڑے کی گردن کے نیچے کئی کئی بہادر سپاہی دبے رہتے تھے اور میں اُن کے

سر بکھیرتا چلا جا رہا تھا۔ میرے گھوڑے نے اس طرح گویا خون کی ایک چادر اوڑھ رکھی تھی۔ حملہ جاری تھا۔ فوج پسپا ہو رہی تھی۔ سرداران فوج دُور سے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اور حضرت حُرّ فوج کے محرمّٰنِ اُج میں غوطہ لگاتے اور اُبھرتے چلے جا رہے تھے۔ کہ حصین بن تمیم نے حُرّ کو دیکھا۔ حُرّ قادیسیہ میں اُس کے ماتحت رہ چکا تھا۔ حصین نے یزید بن سفیان سے کہا کہ دیکھو وہ حُرّ تمہارے سامنے ہے۔ جسے قتل کرنے کی تمنا تمہارے دل میں ہے۔ تم نے کہا تھا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حُرّ حسین سے جا کر مل جائے گا تو میں ایک نیزہ مار کر اسے قتل کر دیتا۔ یہ سُن کر یزید بن سفیان حُرّ کے قریب پہنچا۔ مخاطب کیا چیخ دیا۔ حصین بن تمیم کہتا ہے کہ ایسا معلوم ہوا کہ گویا یزید بن سفیان کی موت حُرّ کی مٹھی میں بند تھی۔ اس لئے کہ حُرّ نے اُس کی لاکر پر سپاہیوں کے نزعہ میں سے خود کو نکالا اور یزید کے سامنے آیا اور ایک ہاتھ سے اسے قتل کر دیا۔ اس ہولناک منظر نے فوج کے دل چھڑا دیئے اور کوئی باہر نہ نکلا تو حُرّ حسین علیہ السلام کے پاس حاضر ہو گئے۔ امام مظلوم نے دعائیں دیں۔ اہل حرمّ نے شکر یہ ادا کیا۔ اِس کا نہ کہیں تذکرہ ہے نہ موقعہ ہی تھا کہ حُرّ کے زخموں کی مرہم پٹی بھی ہو سکی یا نہیں۔ اور ایک تیر نکالنے کے سوا کسی اور کے تیر کا نکالنا بھی مذکور نہیں ہے۔ (اکسیر۔ صفحہ 269-270)

5) قَالَ وَحَمَلَ عَلَى الْقَوْمِ وَقَاتَلَ قِتَالًا شَدِيدًا إِلَى أَنْ قُتِلَ مِنَ الْقَوْمِ مَقْتَلَةً عَظِيمَةً... - وَقَالَ فَبَرَزَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ شَقِيقٍ فَمَالَبَتْهُ إِلَى أَنْ قَتَلَهُ الْحَرِثُ بْنُ بَرَزَالِيهِ حَرِثُ الْبَاهِلِيِّ وَقَالَ أَنَا عَلَى دِينِ الرَّحْمَنِ فَقَالَ الْحَرِثُ عَلَى دِينِ الشَّيْطَانِ فَحَمَلَ عَلَيْهِ فَقَتَلَهُ - فَصَاحَ ابْنُ الْحِجَااجِ بِالنَّاسِ يَا حَمَقَاءُ اتَدْرُونَ مَنْ تَقَاتِلُونَ اتَقَاتِلُوا فَرَسَانَ أَهْلِ الْمِصْرِ؟ هَؤُلَاءِ النَّاسُ لَا يَخَافُونَ الْمَوْتَ وَقَدِ اسْتَمَاتُوا قِتَالًا يَبْرُزُ إِلَيْهِمْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَانْهَمَ قَلِيلُونَ وَقَلِيلٌ مَا يَنْبَغُونَ فَوَاللَّهِ لَوْ تَرَمَوْهُمْ بِالْحِجَارَةِ لَقَتَلْتُمُوهُمْ - فَقَالَ ابْنُ سَعْدٍ صَدَقْتَ وَالرَّأْيُ مَا بَرِمَتْ فَارْسَلْ إِلَى النَّاسِ مَنْ يَقْسِمُ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا يَبَارِزَ أَحَدًا مِنْهُمْ أَحَدًا - (اکسیر۔ صفحہ 258)

”حضرت حُرّ نے پھر اُس قوم پر شدید ترین حملہ کیا اور ایک بہت بڑی تعداد کو ذبح کر ڈالا۔ اُسی دوران اُن کے مقابلہ پر عبداللہ بن شقیق آیا اور ذرا بھی دیر نہ لگی کہ حضرت حُرّ نے اُسے قتل کر دیا۔ فوراً حرث الباہلی حملہ آور ہوا وہ کہتا جاتا تھا کہ میں رحمان کے دین پر ہوں حضرت حُرّ نے یہ کہا کہ تو شیطان کے دین پر ہے اور ایک ہی وار میں اس کا صفایا کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر حجاج کے بیٹے نے اپنے رسالہ کو لاکر اور کہا کہ او حق لوگو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم مصر کے بہادروں سے لڑ رہے ہو؟ ارے جاہلو یہ تو وہ بہادر ہیں جو موت سے بے خوف ہیں۔ ہتھیلی پر سر رکھ کر میدان میں نکلے ہیں۔ ارے اُن کے مقابلہ میں ایک ایک کر کے نکلتا بند کر دو ورنہ یہ تم سب کو ڈھیر کر دیں گے۔ یہ تو تعداد میں اتنے کم تھے اور کم ہوتے جا رہے ہیں کہ اگر تم چاہو تو پتھروں سے انہیں ختم کر سکتے ہو۔ یہ سُن کر عمر سعد نے کہا کہ تو نے بالکل سچ کہا اور بڑی مستحکم رائے دی ہے چنانچہ پوری فوج کو قسم دینے کا انتظام کیا گیا کہ کوئی بہادر سے بہادر شخص بھی حسین فوج کے بہادروں کے مقابلہ میں تنہا تنہا مقابلہ پر نہ جائے۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 258)

6) فَبَرَزَ الْحَرِثُ إِلَيْهِمْ... ثُمَّ حَمَلَ وَلَمْ يَزَلْ يَقَاتِلُ حَتَّى قُتِلَ مِنَ الْقَوْمِ مِائَتِينَ وَثَمَانِينَ فَارْسًا فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْحَصِينِ وَكَانَ وَالْيَا عَلَى شَرِطَةِ ابْنِ زَيْدٍ لَعَنَهُ اللَّهُ مَنْ يَخْرُجَ إِلَى هَذَا الْغَادِرِ وَالنَّاسِ فَتَحَامَاهُ النَّاسُ وَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِ أَحَدٌ مِنْ عَظَمِ بَاسِهِ وَشَدَّ مِرَاسَهُ فَلَمَّا رَأَى النَّاسُ قَدِ اتَّقَشَعُوا عَنْهُ خَرَجَ إِلَيْهِ بِنَفْسِهِ وَهُوَ ابْنُ الْحَصِينِ لَعَنَهُ اللَّهُ فَحَمَلَ عَلَيْهِ الْحَرِثُ فَطَعَنَهُ فِي صَدْرِهِ وَخَرَجَ السِّنَانُ مِنْ ظَهْرِهِ فَجَدَلَهُ صَرِيحًا وَعَجَلَ اللَّهُ بِرُوحِهِ إِلَى النَّارِ وَبُئِسَ الْقَرَارُ فَكَانَ رُوحُهُ كَانَتْ فِي يَدِ الْحَرِثِ فَحَالَ وَصَالَ وَنَادَى هَلْ مِنْ مَبَارِزٍ إِلَى فِتْنِي

غیر عاجز ہذا یوم الروع والہزاهز فلم یبرز الیہ احد... وعاد الی الحسین؛

وقال یامولای اعلم لما خرجت من الکوفة قد عقدت لی ابن زیاد رایة الف فارس الذین صحبونی الیک فبینما انا سائر فی طریقی واذا انا بمناد من خلفی البشر یأخر بالجنة فالتفت فلم ارا جندا فقلت فی نفسی هذا الشیطان یتفت بی ویشرنی بالجنة وانا سائر الی حرب الحسین ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وانا احدث نفسی بانی اصیر الیک فقال له الحسین ابشر یاخر بالجنة فاحمد اللہ الذی وفقک فان المنادی کان الخضر فاقبل الحر علی ولده بکیر وقال له ودع مولک الحسین فجاء الی الحسین وقال السلام علیک یا بن رسول اللہ فانی معک فی هذه الساعة فنسئل اللہ تعالیٰ ان یجمعنا بک علی الحق فی جنات النعیم یامولای آلیس قد رضیت عنا؟ فقال نعم انی قد راض عنکم۔ قال فادع لنا یامولای۔ قال فرفع الحسین یدہ الی السماء وقال اللهم انی اسئلك ان ترضی عنہما فانی راض عنہما۔

قال وحمل الحر وابنه حملة رجل واحد۔ فاقبل المیمنة علی المیسرة والمیمنة علی المیسرة وحمل فی القلب فقتلا فی حملتہما مائین فارس۔ ثم عادا ووقف بین یدی الحسین واقبل الحر علی ولده وقال جعلت فداک احمل علی اعداء اللہ ورسولہ۔ فحمل البکیر علی القوم وقتل منهم خمسين مباراؤہم بالرجوع فلقیہ الحر وقال اما سمعت قول اللہ عزوجل یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوهم الاذبار (انفال 8/15)۔ فعاد الغلام راجعا الی القوم فحمل علیہم وقتل منهم خلقا کثیرا ونضخہم بالجراح فقال لہم ابن سعد حملوا علیہ باجمعہم فلما رای ابن الحر ذلک کر راجعا الی اصحابہ فعطف علیہ ابوہ وجماعة من اصحاب الحسین فالتقوا وثار الغبار وارتفع القسطل حتی ما احد یعرف صاحبه قال فاقطعوا ولد الحر جماعة من اصحاب ابن سعد وحملوہ علی اطراف الرماح واشفار والصفاح وهو یقول اشہد ان لا اله الا اللہ وان محمدا رسول اللہ ثم قضی نحبه فلما رای الحر ولده قد قتل فرح واستبشر وقال الحمد للہ الذی استشهدک بین یدی الحسین ولم تمت جاهلا فلما انجلت الغبرة ورجع کل منهم الی صاحبه واذا فی المعركة قتلاء لا یعلم بہم وبعدهم الا اللہ تعالیٰ وقیل عدد القتلی فی تلک الساعة اربعة الاف فارس واتی الحر الی ولده وحمله علی الحسین علیہم السلام ورجع اولئک القوم الی اصحابہم فمن کان لہ نسب اوقرب جعل یطلبہ من بین القتلاء ثم حمل اصحاب الحسین ومعہم الحر حملة حنق۔ ثم حمل علی القوم واقبل المیمنة علی المیسرة وبالعکس ولم یزل یقاتل اربعین فارسا وقد کل ساعده فکثر وعلیہ القوم والجنود ثم حمل علیہم وضرب فیہم بالسيف ضرب الاعمی بعصاه حتی قتل منهم خلقا کثیرا۔ فرشقوا بالنبل ففقرت بہ فرسہ فنزل عنہا۔ فضرب فیہم بالسيف حتی تکاثروا علیہ وشک فی قتله رجل اسمه مسرخ فقتلوه۔ (اکبر۔ صفحہ 258-259)

”حضرت حرؓ نے پھر حملہ کیا اور یہاں تک مسلسل جنگ کی کہ دشمنان خدا و رسولؐ کے دوسو اسی بہادروں کو واصل جہنم کر دیا۔ عمر بن الحسین جو ابن زیاد کا پولیس افسر تھا پکارا کہ ہے کوئی جو اس غدار اور عہد شکن کا کام تمام کرے؟ لیکن فوج حضرت حرؓ کی شدت جنگ اور بے تحاشہ جان بازی کے خوف سے تنگ آ چکی تھی۔ جب عمر بن حصین نے دیکھا کہ لوگ خوفزدہ ہو چکے ہیں اور سامنے سے بھاگ رہے ہیں تو خود میدان میں نکلا۔ اور حضرت حرؓ نے سامنے آتے ہی ایک نیزہ اس طرح سینے میں مارا کہ کمر سے پار نکل گیا۔ گھوڑے سے زمین پر گرا اور اللہ نے اُس کی روح کو جہنم میں جلدی سے روانہ کر دیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ گویا عمر کی موت حضرت حرؓ کی مٹھی میں بند تھی۔ پھر وہ دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑے کشتوں کے پستے لگا دیئے اور پکارتے جاتے تھے کہ ہے کوئی جو حسینی مجاہد سے مقابلہ پر آئے۔ کوئی ہے جو ایسے جوان سے

مقابلہ پر آئے جسے کوئی سورما عاجز نہیں کر سکا۔ آج موت کی طرف چل چلاؤ کا دن ہے۔ آج جانبازی و اکھیر پچھاڑ کا موقع ہے۔ جب کوئی باہر نہ نکلا تو آپ ایک دفعہ پھر امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے؛

اور عرض کیا کہ حضور جب ابن زیاد نے مجھے ایک ہزار فوجیوں کا سردار بنا کر علم دیا اور میں چلا اور آپ سے آ کر ملا۔ تو جب میں اپنی راہ چلا آ رہا تھا اچانک پس پشت سے ایک آواز آئی تھی کہ اے خُڑ تجھے جنت کی خوشخبری ہو۔ تو میں نے پلٹ کر تلاش کیا تو آواز دینے والے کو میں دیکھ نہ سکا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں تو امام حسین علیہ السلام سے جنگ کے لئے روانہ کیا گیا ہوں جو کہ رسول اللہ کی بیٹی کے فرزند ہیں۔ مجھے تو جہنم کی بشارت ملنا چاہئے تھی۔ یہ غالباً شیطان ہے جو مجھے جنت کی خوشخبری دے کر جرات دلا رہا ہے۔ میرے دل میں یہ بات بھی آئی تھی کہ شاید میں آپ کی نصرت ہی کے لئے جا رہا ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے خُڑ واقعی تجھے جنت کی بشارت دی گئی تھی۔ خدا کا شکر کرو جس نے تمہیں یہ توفیق عطا کی، وہ بشارت دینے والا بزرگ جناب خضر علیہ السلام تھے۔ اس کے بعد خُڑ اپنے چھوٹے فرزند کے پاس آئے اور کہا بیٹے تم بھی اب اپنے مولا حسین سے وداع ہولو۔ چنانچہ بکیر بن خُڑ حاضر ہوئے اور کہا سلام ہو آپ پر اے فرزند رسول میں یقیناً ان حالات میں آپ کے ساتھ شامل ہوں اور ہم خدا سے امیدوار ہیں کہ وہ ہمیں نعمتوں سے لبریز جنت میں بھی آپ کی خدمت میں اکٹھا کرے گا۔ اے مولا کیا آپ ہم دونوں سے خوش نہیں ہیں؟ فرمایا ہاں میں تم دونوں سے راضی اور دل شاد ہوں۔ خُڑ کے فرزند بکیر نے عرض کیا کہ حضور آپ ہم دونوں کے لئے اللہ سے دعا فرمادیں۔ امّا نے آسمان کی طرف دونوں ہاتھ بلند کر کے فرمایا کہ اے اللہ میں سوال کرتا ہوں کہ تو ان دونوں سے راضی ہو جائیں بھی اُن سے راضی ہو چکا ہوں؛

کہا گیا ہے کہ پھر خُڑ اور اُنکے بیٹے نے مل کر اس ہم آہنگی سے حملہ کیا کہ گویا ایک ہی بہادر حملہ آور ہے۔ چنانچہ انہوں نے فوج کو اس طرح الٹ پلٹ دیا کہ فوج کا داہنا حصہ بائیں پر اور بایاں حصہ داہنے حصہ پر گرتا پڑتا مارا مارا پھر رہا تھا۔ اسکے بعد دونوں پھر امام کے سامنے حاضر ہو گئے۔ ذرا دیر بعد حضرت خُڑ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میں قربان جاؤں بیٹے اب تم تنہا اُن دشمنان خدا اور رسول پر حملہ کرو۔ چنانچہ بکیر حملہ آور ہوئے اور پچاس بہادروں کو مقابلہ پر بلا کر قتل کر دیا۔ پھر پلٹ کر آئے تو حضرت خُڑ نے کہا کہ کیا تم نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ جب اے مومنین تم کفار کے حملہ آوروں کا ہجوم دیکھو تو اُن کی طرف پیٹھ نہ کیا کرو۔ یہ سن کر بچہ پھر دشمن کی فوج پر حملہ آور ہو گیا اور اُن میں سے ایک بہت بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اُن پر زخموں کی بارش کر دی۔ ابن سعد نے کہا کہ پوری فوج اُس پر اجتماعی حیثیت سے حملہ کرے۔ جب خُڑ کے فرزند نے یہ حال دیکھا تو سپاہ حسین سے رجوع کیا۔ چنانچہ جناب خُڑ اور حسین کے صحابہ کی ایک چھوٹی سی جماعت فوج یزید پر ٹوٹ پڑی۔ اور اُسکی مدد پر چاروں طرف بکھر گئی۔ ایسا حملہ کیا کہ گرد و غبار اٹھا، لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں، شور و غوغا مگر گئے مارے گئے، دوڑ و مدد کرو کی فریادیں بلند ہو گئیں۔ یہ حال ہو گیا کہ کوئی اپنے اپنے پرانے کو نہ پہچانتا تھا۔ آپس ہی میں تلوار چل رہی تھی۔ بھاگنے اور جان بچانے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ اس افراتفری میں حضرت خُڑ کا فرزند کہیں اکیلا گھر گیا اور اُسے نیزوں اور تیروں کی باڑھ پر رکھ لیا گیا۔ وہ کلمہ پڑھتا ہوا شہید ہو گیا۔ جب خُڑ کو پتہ چلا کہ بکیر شہید ہو گیا تو خوش ہو کر اللہ کا شکر کیا کہ اُس نے اسکے بیٹے کو حسین پر قربان ہو جانے کا موقع دیا اور جہالت کی موت سے بچا کر شہدا میں شامل کیا۔ جب گرد و غبار کم ہوا اور دشمن کی فوج میدان

سے فرار کر گئی اب لوگوں نے ایک دوسرے کو پہچاننا اور اپنے ساتھیوں کی لاشیں اٹھا کر امام کے رو برو لانا شروع کیں۔ اس معرکہ میں قتل ہونے والوں کی صحیح تعداد تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن بتایا گیا ہے کہ چار ہزار سپاہی قتل ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت حُرؓ نے اپنے فرزند کی لاش لاکر امام کے سامنے رکھ دی اور دوسرے شہدا کی لاشیں اٹھا کر لاتے رہے۔ دشمن نے بھی اپنے مقتولوں کو سینٹا شروع کیا۔ پھر جناب حُرؓ نے آخری حملہ کیا اور ایک دفعہ دشمن کی فوج کو تہہ وبالا کر کے رکھ دیا اور چالیس بہادروں کو مار گرایا اور عام لوگوں میں سے لاتعداد کوڈھیر کر دیا۔ لیکن اُدھر سے بھی جان لیوا حملہ جاری تھا۔ حضرت حُرؓ کا گھوڑا بیکار ہو گیا تو پیادہ دو ہتھی تلواریں مارتے ہوئے قلب لشکر میں گھس گئے اور داہنے بائیں سے بے پرواہ ہو کر جو سامنے آتا قتل کرتے جارہے تھے کہ ایک شخص مسرخ نامی نے برابر سے حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ صحابہ حسینؓ نے پھر حملہ کیا اور حضرت حُرؓ کی لاش اٹھالائے۔

فاشترک فی قتله ایوب بن مسرّخ ورجل آخر من فرسان اهل الکوفة و فی امالی الصدوق فاتاها الحسین ودمه یشخب فقال علیه السلام بَخِّ یا خُرانت خُر کما سَمَّیت فی الدنیا والاخرۃ۔ و فی ملهوف فحمل الحرّ الی الحسین علیہ السلام فجعل یمسح التراب عن وجهه ویقول انت الحرّ کما سَمَّیتک اُمّک حرّاً فی الدنیا والاخرۃ۔ (اکسیر صفحہ 270)

حضرت حُرؓ کے قاتلوں میں ایک ایوب بن مسرخ اور دوسرا کوفہ کے فوجیوں میں سے ایک آدمی شریک تھا۔ حضرت صدوق کی کتاب امالی میں ہے کہ جب حُرؓ کو امام کے سامنے لایا گیا تو خون بہہ رہا تھا۔ آپؓ نے فرمایا مبارک ہو اے حُرؓ تمہیں مبارک ہو۔ تم اپنے نام کی تصدیق میں دنیا اور آخرت دونوں جگہ آزاد ہو۔ کتاب ملهوف میں لکھا گیا ہے کہ جب حُرؓ کو امام کے پاس اٹھا کر لایا گیا تو آپؓ نے حُرؓ کے چہرے سے مٹی صاف کی اور فرماتے جاتے تھے۔ کہ تم واقعی حُرؓ ہو جیسا کہ تمہاری ماں نے تمہارا نام آزاد رکھا تھا۔ تم دنیا اور آخرت میں دونوں جگہ آزاد ہو۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 270)

(39/11)۔ حضرت حُرؓ سے تعارف اور امام کی فتح پر دلیل

نام ونسب۔ حُرؓ بن یزید بن ناجیہ بن قعب بن عتاب بن ہرمی بن ریح بن ربیع بن حظلہ بن مالک بن زید مناة بن تمیم۔ اسلئے ریاحی، ربیع اور تمیمی بھی کہلاتے تھے۔ حُرؓ کا دادا عتاب بادشاہ ملک حیرہ نعمان بن منذر کے اعلیٰ درجہ کے درباریوں میں سے تھا۔ علاوہ ازیں جناب حُرؓ کوفہ کے رئیسوں میں سے تھے۔ اور ابن زیاد کی افواج میں بہادر سرداروں اور افسران میں سربراہ و درہ تھے۔ اور وہ فوج جو قادیسیہ کی ناکہ بندی اور امام حسینؓ کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے تعینات تھی، حُرؓ اُسی فوج کے سردار تھے۔ اور امام حسینؓ علیہ السلام کو گھیر کر لانے کے خطرناک کام پر تعینات کئے جانے سے وہ اعتماد اور شجاعت میں پُر یقین معلوم ہوتا ہے جو دشمنوں کو حُرؓ پر تھا۔

(الف) حق و حریت انسانی کی خطرناک حمایت

یزید اور یزیدی افواج سے وابستہ رہنے میں دنیا کی تمام سہولتیں، نعمتیں، انعام و مراد مندی، کامیابی کا یقین، آسائش و راحت اور آب و غذا سب کچھ فراہم تھا۔ افسری و سرداری و اقتدار حاصل تھا۔ مسلمانوں کی کثرت کی اور مسلمان کثرت کے مذہب کی تائید حاصل تھی۔ لیکن امامؓ کی طرف تمام صورت حال ہی ہمت شکن تھی۔ قلتِ تعداد؛ بے کسی و بے بسی، بربادی کا سو فیصد یقین۔ تین روز سے قطعاً

آب و دانہ بند، حکومت کا عتاب جس کے نتیجے میں اپنی اور اپنے بعد تمام اہل و عیال کی تباہی کا خوف۔ لیکن اس سب کے باوجود دنیا کی تاریخ میں یہ بے نظیر مثال قائم ہو گئی کہ امام حسین علیہ السلام کے بچوں اور عزیز و اقربا اور صحابہ میں سے کوئی بھی حسینؑ کو چھوڑ کر فوج یزید یا یزیدی کی پناہ میں نہیں گیا۔ نہ حسینؑ کی حیات میں اور نہ بعد شہادت، کسی ایک کم سن بچے نے بھی حسینؑ مشن کے خلاف عمل نہ کیا۔ پھر یہی نہیں بلکہ یزیدی فوج کا ایک بہادر سردار ہوتے ہوئے جناب حُرؑ نے حسینؑ فتح کا اعلان کیا اور یزیدی اقبال و اقتدار کی پشت پر ایک لات ماردی۔ اور دنیا میں حریتِ انسانی کی قدروقیمت کا ایک بلند ترین مینار چھوڑ گئے تاکہ دُور دُور سے لوگ دنیاوی راحتوں کو نظر حقارت سے ٹھکرا کر حسینؑ مشن میں شامل ہونے کے لئے آتے رہیں۔ چنانچہ آج بھی حسینؑ کی طرف آنے والوں کا کثرت کی طرف سے بایکٹ کیا جاتا ہے۔ ہر محکمہ اور شعبہ میں اُن پر تعصب کی بجلیاں گرتی رہتی ہیں۔ ترقیوں اور سہولتوں سے محروم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ چاروں طرف سے انگلیاں اُٹھتی ہیں۔ سرگوشیاں ہوتی ہیں۔ محلوں اور گلیوں اور بازاروں اور تمام سوشل اداروں میں دشمنوں ایسا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ غیر مسلم مسلمان سمجھ کر ستاتے ہیں۔ مسلمان حسینؑ ہونے کا انتقام لیتے ہیں۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک اور اسکول سے لے کر اختتامِ تعلیم اور حصولِ ملازمت تک اُسے حسینؑ ہونے کا مجرم سمجھا جاتا ہے۔ یقین کیجئے کہ تمام اعمال و اخلاق و عبادات سے قطع نظر کسی شخص کا صرف اعلانِ شیعیت کر دینا ہی اتنی بڑی قربانی اور عبادت ہے کہ جس کے مقابلے میں کسی شخص یا جماعت کی ساری عبادتیں بھی نہیں لائی جاسکتیں۔ اور اگر یہ حسینؑ ہونے کی بنا پر اخلاق و عبادت پر بھی فائز ہو جائے تو یہ اکیلا اس اُمت کی شفاعت کے لئے کافی ہے۔ یہ ہے وہ مقام جسے حاصل کرنے کے لئے حضرت حُر علیہ السلام نے ملکی و قومی حکومت و مذہب و اقتدار و وسائلِ حیات کو ٹھکرا دیا تھا۔ اور یہ ہے وہ قربانی جو ہر شیعہ فرد کرتا ہے۔ اور یہ ہے وہ عبادت جو دن رات اور صبح و شام اور ہر لمحہ اس کے اعمال نامہ میں لکھی جاتی ہے۔ اُس کا ماتم حسینؑ میں اپنا خون بہانا، گوشت کا قیمہ کر کے چھڑکنا، آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش کرتے رہنا، دن رات جاگنا، لذات دنیاوی سے کنارہ کشی اختیار کرنا اُس کی ایسی عبادتیں ہیں جن کی کوئی دوسری مثال نہیں ہے۔ پھر خوش اخلاقی، لوگوں سے محبت و وفا، خیرات و خدمتِ قومی اور حقیقی نماز و روزہ، زیارات و حج بھی اگر ساتھ میں شامل ہیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کا حساب نہیں کیا جاسکے گا۔ اس لئے کہ اگر ایک آنسو جنت واجب کر دیتا ہے تو بتائیے جنتوں سے اُس کا اجر نہ چکایا جاسکے گا۔ اُن کا اجر تو یہ ہوگا کہ اُنہیں محمد و آلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کی براہِ راست خدمت سونپی جائے تاکہ جبرائیل و میکائیل و اسرافیل کے ساتھ رہیں۔ اللہم صلی علی محمد و آل محمد۔

(39/12)۔ حضرت حُرؑ پر امام علیہ السلام کا مرثیہ اور دعا

جب جناب حُرؑ نے امام علیہ السلام کے چہرہ کو دیکھتے دیکھتے آنکھیں بند کر لیں اور خدمتِ علی و بتول و رسول علیہم السلام میں جا پہنچے تو حضور اُٹھے اور خیمہ میں آکر رونے لگے اور فرماتے جاتے تھے کہ:-

فنعلم الحُرَّ حرَّ بنی رباح	صبورٌ عند مشتبک الرماح
ونعم الحُرُّ اذا واسا حسیناً	و جاد بنفسه عند الکفاح
ونعم الحُرُّ فی رھج المنایا	اذا الابطال تخطر بالصفاح

سيجزى فى المعاد جنان الخلد مع الحور الخرائد و الصياح
لقد فاز الذى نصره حسيناً و خاب الاخسرون بنو السفاح

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَكَى وَ قَالَ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّ اِلَيْهِ رَاجِعُونَ - قَتَلَ وَ اللّٰهُ اَسَدٌ مِّنْ اَسَادِ اللّٰهِ يَذَّبُ عَنْ حَرَمِ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ ثُمَّ اَنَّهُ اسْتَغْفَرَهُ - (اكسير العبادات فى اسرار الشهادات - صفحہ 259)

حُرِّكْنَا اِجْهَارِہَا کہ خود بھی اللہ کے یہاں حساب اور باز پرس سے نجات پا گیا اور اپنے سارے ریاچی قبیلے کو بھی آزاد کرا گیا۔ اور نیزوں اور تیروں کو صبر و شکر سے اپنے جسم پر سہتا چلا گیا۔ حُرَّیوں بھی خوب ثابت ہوا کہ جب دشمن کی افواج سے جنگ کی تو خوشی خوشی اپنی زندگی حسینؑ پر قربان کر گیا۔ موت کے طوفانی ہنگامہ میں بھی حُرَّ قابل ستائش رہا جہاں بڑے بڑے سُورما خطرہ محسوس کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فوراً اُسے دائمی جنت کی جزا دے گا۔ اور انہیں حسین اور کنواری حوروں سے تزویج کرے گا۔ یقیناً وہ تمام لوگ اعلیٰ درجہ پر فائز ہو گئے جنہوں نے حسینؑ کی مدد کی اور تباہ و برباد ہوئے اور خسارہ میں رہا وہ قبیلہ جس کی نسل زنا اور بدکاری سے چلی آرہی تھی۔ پھر اُمّ نے روتے ہوئے فرمایا کہ یقیناً ہم اللہ کی ملکیت ہیں اور ہمیں اُسی کے حضور پلٹ کر جانا ہے۔ اللہ کے شیروں میں سے یہ شیر بھی قتل ہو گیا جو رسول اللہ کے حرم کا تحفظ کرتا تھا۔ پھر حُرَّ کے درجات میں اضافہ کی دعا فرمائی۔ (ایضاً)

(39/13)۔ میدان کر بلا میں آخری اتمام حجت انیسؑ کا پہلی کی زبانی اور پہلا حملہ

وَدَعَى بَانِيسَ الْكَاهِلِي وَقَالَ لَهُ اَذْهَبْ اِلَى هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ عَسَى اَنْ يَّرْجِعُوا عَنْ قِتَالِي - وَ اَنَا اَعْلَمُ اَنَّهُمْ لَا يَفْعَلُونَ - وَلَكِنْ لَتَكُونَ عَلَيْهِمُ الْحُجَّةُ اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ اِذَا التَّقِيْنَا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَجَدَى رَّسُولُ اللّٰهِ - فَاَنْطَلَقَ اَنِيسُ الْكَاهِلِي اِلَى عَمْرِ بْنِ سَعْدٍ مَلْعُونٍ وَدَخَلَ عَلَيْهِ وَلَمْ يَسَلِّمْ - فَقَالَ لَهُ مَا مَنَعَكَ يَا اَخَا كَاهِلٍ اَنْ تَسَلِّمْ عَلَيَّ اَلَسْتُ اَنَا بِمُسْلِمٍ فَوَاللّٰهِ مَا كَفَرْتُ بِاللّٰهِ مَذْكَرْتُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ؟ فَقَالَ لَهُ اَنِيسُ الْكَاهِلِي وَكَيْفَ عَرَفْتُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَانْتَ تَرِيدُ تَقْتُلُ ابْنَ بَنْتِ رَّسُولِ اللّٰهِ وَهَذَا الْفِرَاتُ يَلُوحُ بِصَفَائِهِ تَشْرَبُ مِنْهُ الْكِلَابُ وَ الْخَنَازِيرُ - وَ عَتْرَةُ مُحَمَّدٍ يَمُوتُونَ عَطَشًا - ثُمَّ اَنْكَ تَقُولُ اَنَا مُؤْمِنٌ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ؟ كَذَّبْتَ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ - فَ نَكَسَ رَاسَهُ ابْنُ سَعْدٍ وَبِيَدِهِ قَضِيبٌ فَجَعَلَ يَحِثُّ بِهِ الْاَرْضَ فَرَفَعَ رَاسَهُ وَقَالَ وَاللّٰهِ اِنِّي اَعْلَمُ اَنَّ قَاتِلَهُ فِي النَّارِ بِلَاشِكٍ وَ لَا بَدَا اَنْ اَكْتُبَ اِلَى ابْنِ زِيَادٍ وَهُوَ يَكْتُبُ اِلَى يَزِيدٍ اَنْ يَعْفُونِي عَنْ هَذَا الْاَمْرِ - ثُمَّ بَكَى وَقَالَ يَا لَيْتَنِي لَمْ اَخْلُقْ وَلَيْتَ الْمَوْتُ اخَذَنِي مِنْ مَوْضِعِي هَذَا وَلَمْ اَبْتَلْ بِهَذَا الْاَمْرِ - قَالَ وَرَجَعَ اَنِيسُ الْكَاهِلِي اِلَى الْحُسَيْنِ وَاخْبَرَهُ بِذَلِكَ ثُمَّ اِنَّهُ يَشْتَدُّ الْحَرْبَ بِالْحُسَيْنِ وَاصْحَابِهِ فَصَبَرُوا اِلَى نِصْفِ النَّهَارِ وَهُمْ يَقَاتِلُونَ فِي وَجْهِ وَاحِدٍ - قَالَ فَلَمَّا رَاى ذَلِكَ ابْنُ سَعْدٍ ارْسَلَ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِهِ عَنْ يَمِينِ الْحُسَيْنِ وَشِمَالِهِ وَمِنْ وَرَائِهِ وَمِنْ كُلِّ جَانِبٍ وَنَاحِيَةٍ - فَصَبَرُوا وَحَمَلَ اَصْحَابُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمُ بِالْئِيلِ وَشَقًا - فَغَضِبَ ابْنُ سَعْدٍ غَضَبًا شَدِيدًا وَامْرًا بِاحْرَاقِ الْبُيُوتِ فَقَالَ الْحُسَيْنُ دَعُوهُمْ فَاصْبِرُوا عَلَيَّ مَا يَأْتِيكُمْ مِنْهُمْ فَانَّهُمْ لَمْ يَصِلُوا اِلَيْكُمْ وَ لَا تَقَاتِلُوهُمْ الْاَمِنْ وَجْهٍ وَاحِدٍ - وَحَمَلَ الشَّمْرَ وَقَوْمَهُ حَتَّى طَعَنُوا فَسَطَاطَ الْحُسَيْنِ فَكَشَفَهُمُ الْحُسَيْنُ عَنْهُ وَقَالَ يَا وَيْلَكَ يَا شَمْرُ تَحْرُقُ حَرَمَ رَّسُولِ اللّٰهِ ؟ فَقَالَ شَمْرٌ نَعَمْ يَا حُسَيْنُ - قَالَ فَرَفَعَ الْحُسَيْنُ رَاسَهُ اِلَى السَّمَاءِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَا يَعْجُزُكَ الشَّمْرُ اَنْ تَحْرُقَ دَمَهُ فِي النَّارِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ قَالَ فَغَضِبَ الشَّمْرُ وَكَفَرَ وَتَمَرَّدَ وَقَالَ اَحْمِلُوا عَلَيْهِمْ حَمَلَةً وَاحِدَةً فَحَمَلُوا عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ وَ مَكَانٍ فَثَبَّتْ لَهُمْ اَصْحَابُ الْحُسَيْنِ وَكَانَ اِذَا قَتَلَ الرَّجُلُ مِنْ اَصْحَابِ الْحُسَيْنِ بَيِّنَ النِّقْصِ فِيهِمْ لِقَائِهِمْ وَ اِذَا قَتَلَ جَمَاعَةٌ مِنْ اَصْحَابِ ابْنِ زِيَادٍ

لایبیں فیہم لکثر تہم۔ قال فلمّا رای ذلک ابو ثمامۃ الصیدادی وقال جعلت فداک یابن رسول اللہ قد اختلف علینا القوم من کلّ جانب ومکان ونحن مقتولون لامحالة وهذه الصلوة قد حضرت فصل بنا فانا نریہا آخر صلوة نُصلّیہا فلعلّنا نلقى اللہ عزوجل علی اداء فريضة۔ فقال الحسین ذکرتنی بالصلوة جعلک اللہ من المصلّین الذاکرین هذا العمری اول وقتہا ثم اذن الحسین بنفسہ۔ ثم قال ویلک یابن سعد انسیت شرائع الاسلام اقصر عن الحرب حتی نُصلّی وتصلّی باصحابک ونعود الی مانحن الیہ من الحرب۔ فاستحیی ابن سعد ان یجیہ فنادیہ الحصین بن تمیم صلّ یاحسین مابدی لک فلک ان تصلّی فان اللہ لایقبل صلوتک فاجاہہ حبیب بن مظاهر وكان واقفاً بین یدی الحسین۔ فقال ثکلتک امک وعدمک قومک لاتقبل صلوة ابن بنت رسول اللہ وتقبل صلوتک یابن الخمارة۔ قال فغضب الحصین لما ذکر اسم امّہ۔ (اکسیر صفحہ 259-260)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے انیس کا ہلی کو بلوایا اور فرمایا کہ گو میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔ لیکن ہم ان لوگوں کو قیامت تک اور قیامت میں لا جواب کرنے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ ان پر اتمام حجت کر دی جائے۔ چنانچہ تم اس قوم کے پاس جاؤ اور انہیں ایک دفعہ پھر اللہ و رسولؐ سے ڈراؤ ممکن ہے کہ وہ میرے ساتھ جنگ سے باز آجائیں۔ ورنہ جب ہم سب اللہ و رسولؐ کے سامنے جائیں گے تو ہم سرخرو رہیں گے۔ یہ سن کر انیس عمر سعد کے پاس پہنچا اور اُس سے سلام نہ کیا تو عمر سعد نے کہا کہ اے کاہلی بھائی تم نے مجھے سلام کیوں نہ کیا؟ کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ قسم بخدا جب سے مجھے اللہ و رسولؐ کی معرفت ہوئی ہے میں نے اللہ اور رسولؐ کا کفر نہیں کیا ہے۔ انیس نے کہا کہ تم نے اللہ و رسولؐ کی کس قسم کی معرفت حاصل کی ہے؟ تو رسولؐ اللہ کی بیٹی کے فرزند کو قتل کرنے کا انتظام کر رہا ہے اور ساتھ ہی اللہ و رسولؐ کی معرفت کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ ارے فرات میں گتے اور سور پانی پیتے اور نہاتے ہیں اور رسولؐ اللہ کی اولاد پیاس سے لپ دم ہے اور تو پھر بھی اللہ و رسولؐ پر ایمان کا مدعی ہے۔ اے دشمن خدا و رسولؐ تو سر اسر جھوٹا ہے۔ عمر سعد سر جھکائے بیٹھا تھا اور اپنے ہاتھ میں جو چھڑی لئے ہوئے تھا اُس سے زمین کرید رہا تھا۔ آخر اُس نے اوپر دیکھا اور کہا کہ میں بلا شک وشبہ جانتا ہوں کہ حسینؑ کا قاتل جہنمی ہے یقیناً میں ابن زیاد کو اور وہ یزید کو لکھے گا کہ مجھے اس کام سے معاف کر دیں پھر رو کر کہنے لگا کہ کاش میں پیدا نہ ہوا ہوتا اور کاش مجھے یہیں بیٹھے بیٹھے زمین نگل جاتی اور مجھے اس آزمائش سے نجات مل جاتی۔ راوی نے بتایا کہ اس گفتگو کے بعد انیس تو امامؑ کے پاس آیا اور ادھر عمر سعد کی حالت سنائی مگر نتیجہ یہ نکلا کہ حسینؑ اور صحابہؓ حسینؑ پر شدید حملہ کر دیا گیا۔ اور انصار ان حسینؑ ایک ہی جانب سے صبر و استقلال سے مدافعت جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ زوال کا وقت سر پر آ گیا۔ راوی نے بتایا کہ جب عمر سعد نے صحابہ حسینؑ کا یہ اطمینان سے لڑنا دیکھا تو اُس نے امامؑ کے صحابہؓ پر دہشتے بائیں آگے پیچھے اور ہر طرف سے حملہ کر دیا۔ ادھر انصار ان حسینؑ نے بھی نہایت ضبط و تحمل سے تیروں اور تر کشوں اور نیزوں سے دفاع جاری رکھا۔ اس استقلال اور حم کر لڑنے اور منتشر نہ ہونے پر عمر سعد کو سخت غصہ آیا۔ اُس نے یہ ترکیب بتائی کہ خیام حسینؑ میں آگ لگا دو۔ تاکہ حسینؑی فوج میں انتشار پھیل جائے۔ ادھر امامؑ نے فرما دیا کہ تم توجہ ہی نہ دو اور دیکھتے رہو کہ وہ کیا کر سکتے ہیں وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے۔ تم ایک ہی طرف سے دفاع کرتے رہو۔ چنانچہ شمر اور اس کی فوج نے اس طرح حملہ کیا کہ امامؑ کے خیمہ میں تیروں اور نیزوں سے سوراخ ہو گیا اور امامؑ نے شمر کو دیکھ کر کہا کہ اے شمر کیا تو رسولؐ اللہ کے حرم کو جلادینا چاہتا ہے۔ شمر نے کہا ہاں یہی ارادہ ہے۔ راوی کہتا ہے کہ امامؑ نے آسمان کی طرف سر بلند کیا اور کہا کہ

اے اللہ تجھے شمر ایسا عاجز و ناتواں نہیں کر سکتا کہ تو قیامت میں اُس کا خون جہنم کی آگ میں نہ بہا سکے۔ یہ سُن کر شمر نے اور زیادہ کفر و سرکشی پر کمر باندھ لی اور فوج کو حکم دیا کہ حسینؑ سپاہ پر چاروں طرف سے حملہ کرو اور ایک ہی حملہ میں انہیں ختم کر دو چنانچہ حملہ کیا گیا۔ ہوتا یہ تھا کہ اگر انصاران حسینؑ میں سے کوئی ایک بھی شہید ہو جاتا تھا تو اُن کی تعداد میں کھلی ہوئی کمی نظر آنے لگتی تھی اور یزیدی فوج میں ایک پورے گروہ کے قتل ہو جانے پر بھی کمی محسوس نہ ہوتی تھی۔ وجہ ظاہر ہے کہ حسینؑ کی طرف تو گئے چنے آدمی تھے اور دوسری طرف ایک لامحدود و لاتعداد ڈی دل تھا۔ جس میں ہزاروں کے قتل ہو جانے پر بھی کمی محسوس کرنا مشکل تھا۔ بہر حال صحابہ علیہم السلام نے نہایت پامردی سے اس شدید ترین حملہ کو بھی روکے رکھا اور کامیابی نہ ہونے دی۔ اس خطرناک صورت حال میں جناب ابو ثمامہ نے امامؑ سے عرض کیا کہ یا ابن رسول اللہ ہمارے اوپر ان لوگوں نے چاروں طرف سے حملہ کر رکھا ہے اور ہمیں آخر قتل ہو جانا ہے مگر کیوں نہ ہم اس سر پر کھڑی ہوئی نماز کو آپ کی اقتدا میں بجائے آئیں تاکہ ہم اللہ کے سامنے فرائض کو ادا کرنے والوں کی حیثیت سے پہنچیں۔ امامؑ نے خوش ہو کر فرمایا کہ تم نے مجھے نماز یاد دلائی اللہ تمہیں نمازیوں اور ذاکروں میں قبول فرمائے اور یہ تو نماز کا اولین وقت ہے۔ اس کے بعد امامؑ نے بنفس نفیس اذان دی۔ اور پھر عمر سعدؓ سے کہا کہ خدا تجھے غارت کرے تو نے اسلام کے تمام قوانین کو طاق نسیان پر رکھ دیا ہے۔ جنگ روکنے کا حکم دے ہم بھی نماز پڑھ لیں تم بھی مع اپنی فوج کے نماز پڑھ لو۔ اس کے بعد فوراً ہم اسی جنگی پوزیشن میں واپس آ جائیں جس میں اب ہیں۔ عمر سعدؓ خود تو انہیں جواب دیتے ہوئے شرمایا مگر حصین بن تمیم سے کہلوا یا کہ اے حسینؑ جس طرح دل چاہے تم نماز پڑھ لو مگر تمہاری نماز کو اللہ قبول نہیں کر سکتا۔ حبیبؑ ابن مظاہر نے اُس ملعون کو جواب دیا کہ تیرے غم میں تیری ماں روئے اے غمخوارہ کے بیٹے تیری نماز تو مقبول ہوگی اور رسولؐ کی بیٹی کے فرزند کی نماز قبول نہ ہوگی۔ خدا تیرا اور تیری قوم کا ستیاناس کرے۔ راوی کہتا ہے کہ اپنی ماں کی توہین سے حصین بن تمیم کو بہت غصہ آیا۔ اور؛

(39/14) حصین بن تمیم کا قتل ہو جانا حبیبؑ ابن مظاہر کی جنگ اور شہادت

فقال له يا حبيب ابرز الىّ تجدني في مبارزتك سريعاً - قال فسَلَّم حبيب بن مظاهر على الحسين وودّعه وقال إنّ فاتتني الصلوة معك يا ابن رسول الله فاني أصليها في الجنة واقراء جدك واباك وأمك وَاخاك منك السلام - ثُمَّ بَرَزَ إِلَى الْحَصِينِ وانشاء يقول: انا حبيب وابي مظاهر - وفارس والهيجاليت قسور - وفي يميني صارم وبأثر - وانتم ذو عدد و اكثر - ونحن اوفي منكم واصبر - ونحن في كل الامور اجدر - الموت عندى عسل وسكر - من البقاء بينكم يا خسر - ونحن اعلى حجة واطهر - حقا ورَبِّي شاهدٌ وحاضرٌ - اضربكم ولا اخاف المحذر - عن الحسين ذو الفخار والاطهر - قال ثُمَّ حمل على الحصين فضربه فوقعت الضربة في خيشوم فرسه فقطعه فوثبت به فارمته الى الارض فقتلته ثُمَّ ان حبيب حمل عليهم وقتل منهم ازاها على مائة فارس ورجع وفيه خمس جراحات - فشدّها وركب فرساً اشقرّ ثُمَّ حمل عليهم وقاتل قتالاً شديداً وحمل على رجل من اهل الشام اسمه **بريد بن صريم** وضربه على اُم راسه فقتله ولم يزل يقاتل حتّى قتل من القوم مقتلة عظيمة ثُمَّ حمل عليهم وانشاء يقول: انّى ارى يوماً عظيم المنكر - يذكر حتى البعث يوم المحشر - يا ويلكم اما علمتم انّ سبط الرسول الطاهر المطهر - يا ويلكم كا تبتّموا امامكم - ثُمَّ غدرتم بئس ذامين معشر - مَنْ غيرة تدعون اذنا ديتّموا - يا بن البتول الطهر يا بن حيدر - يا ويلكم

کفر تموا برکم۔ حین بدلتم بیزید الاخسر۔ یا ویلکم من النبی المصطفیٰ۔ تَبَا لَکُمْ مَن فَعَلَ هَذَا الْمُنْکَرُ ؟

قال فبینما حبیب بن مظاهر کذلک اذا خرج الاخوص وكان عدو لاهل البيت فتلقاه حبیب وصاح به صیحة عظیمة وقال له تکلّمَت بشرک من کفرک ثم حمل علیه وهو یقول اللهم قد بانت عداوة هذا الکافر لولیک وابن بنت نبیک فاعنی وانصرنی علیه ثم انه عمد الی الاخوص فانفذ السنان من ظهره وقال خذها من مولی لعلی بن ابیطالب۔ ثم حمل علی اصحاب ابن سعد ولم یزل یضرب فیهم بالسیف ثم دعی الی البراز فلم یبرز الیه احد فبرز وفحمل علی المیمنة فالجأها الی المیسرة فقتل منهم خلقا کثیرا۔ فالتقاء جماعة من اصحاب ابن سعد مقدار الف فارس قد تعب من کثرة القتال ثم ضرب منهم ملعون علی ام راسه واستشهد امام الحسین۔ فلما قتل حبیب بان الانکسار فی وجه الحسین فقال اِنَّ الله وَاَنَا الیه راجعون وعند الله تعالی نحتسب انفسنا رحمک الله یا حبیب لقد کُنْتُ فاضلاً تختم القرآن فی رکعة واحدة ثم بکی علیه وبکی الانصار۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادت صفحہ 261-260)

حصین ابن تمیم نے جناب حبیبؑ کو جنگ کا چیلنج کیا اور اپنی بہادری کی غپ ماری۔ اس پر جناب حبیبؑ نے اُمّام کو سلام کیا۔ وداع ہوتے ہوئے کہا کہ سرکارِ اگرمیری یہ نماز فوت ہوگئی تو میں جنت میں آپ کے نانا اور والدہ اور بھائی کے ساتھ نماز پڑھوں گا اور آپ کا اُنہیں سلام پہنچاؤں گا۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھتے ہوئے چیلنج کرنے والے حصین بن تمیم کی طرف آئے۔ میں حبیب ہوں میرا والد مظاہر ہے۔ میں وحشت ناک میدانِ جنگ میں لڑنے والا بہادر ہوں۔ میرے داہنے ہاتھ میں کاٹنے والی اور جُدائی ڈالنے والی تلوار ہے اور تمہاری افرادی قوت کثرت میں ہے اور ہم تمہارے مقابلہ میں بہت با وفا اور بُردبار ہیں۔ اور ہر پہلو سے موزوں ترین لوگ ہیں۔ میرے نزدیک موت شہد کے مانند ہے جس سے مجھے سرور حاصل ہوگا۔ تمہارے اندر فنا اور نقصان ہی نقصان ہے۔ اور ہم بالکل نمایاں طور پر حق بجانب ہونے کی دلیل ہیں۔ حق یہ ہے اور اس کے حق ہونے پر میرا اللہ حاضر رہنے والا گواہ ہے۔ میں تم پر لگا تار ضربیں لگاؤں گا اور کسی طرح منہ نہ موڑوں گا۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے ساتھ ہی جناب حبیبؑ نے حصین پر حملہ کر کے تلوار کی ضرب لگائی۔ وار خالی دینے کی وجہ سے حصین تو بچ گیا مگر تلوار گھوڑے کی ناک پر لگی اور منہ کٹ کر رہ گیا اس صدمہ سے گھوڑا الف ہوا اور زمین پر گرا اور حصین اُس کے نیچے روند گیا۔ اس کے بعد جناب حبیبؑ نے لشکرِ عمر سعد پر کھلا حملہ کر دیا اور زرادیر میں ایک سو سے زیادہ ملائین کو ڈھیر کر کے رکھ دیا۔ پھر واپس خیام میں آئے اور اپنے پانچ زخموں کی مرہم پٹی کر کے پھر ایک سرکش سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور دوسرا بہت شدید اور خطرناک حملہ کیا۔ اسی دورانِ برید بن صریم مقابلہ پر آیا اور حبیبؑ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ وہ لگا تار قتل کرتے چلے گئے یہاں تک کہ لاتعداد لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور برابر یہ اشعار بھی پڑھتے جاتے تھے اور تلوار پر تلوار مارتے جاتے تھے۔ میں ایک نہایت ناپسندیدہ دن کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ جو روز قیامت کے ہنگامے کی یاد دلاتا ہے۔ خدا تمہیں برباد کرے تم یہ جانتے ہو کہ حسینؑ پاک و پاکیزہ کرنے والے رسول کا نواسہ ہے۔ تم غارت ہو جاؤ تم نے خود ہی اپنے اُمّام کو خط لکھ کر بلایا۔ پھر تم نے تمام دنیا کی اقوام کے دستور کے خلاف اُن سے دھوکہ کیا اور لڑنے کے لئے آ گئے۔ حسینؑ کے علاوہ وہ کون ہے جسے تم حیدر اور بتولؑ کا بیٹا کہہ کر پکارو گے؟ اے بدکارو تم نے تو اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ہے۔ اس لئے کہ تم نے حسینؑ کے بدلے میں اپنا امام یزید جیسے دیوالیہ کو

بنالیا ہے۔ اللہ تمہیں تباہ کرے، نبی مصطفیٰ کی طرف سے ایسا ناجائز سلوک کسی نے کیا ہے؟

کہا گیا کہ حبیب ابن مظاہر جنگ میں مصروف تھے کہ ایک دشمن اہلیت اُخوص نامی ملعون میدان میں آیا جو امام حسینؑ پر فتح پانے کی نذر ماننے کا دعویٰ کر رہا تھا۔ حبیبؑ نے اُسے بڑی سختی سے لٹکا کر اور کہا کہ میں تجھے تیرے کافرانہ کلام پر موت کی خبر دیتا ہوں اور یہ کہتے ہوئے اس سے جنگ شروع کی کہ اے اللہ اس ملعون کی آل رسول سے عداوت اور تیرے ولی سے اور تیرے نبیؐ کی بیٹی سے دشمنی کھل کر ظاہر ہے۔ لہذا تو میری اعانت اور نصرت کرتا کہ میں اُس کو قتل کر سکوں۔ اسکے بعد خاص ارادہ کر کے نیزہ مارا کہ نیزہ کی بھال اسکے سینے میں گھس کر رہ گئی اور کہا کہ میرے مولا علی ابن ابیطالب علیہما السلام کی طرف سے یہ انعام لے کر مر جا۔ پھر عمر سعد کے مخصوص لشکر پر حملہ کر دیا اور دھڑا دھڑا تلواریں مارتے رہے اور اپنے مقابلہ پر کسی سورا کو بھیجنے کا نعرہ لگاتے رہے لیکن کوئی اکیلا اُنکے مقابلہ پر نہ آیا۔ ادھر جناب حبیبؑ جنگ کرتے کرتے اور قتل پر قتل کرتے ہوئے تھک چکے تھے۔ ادھر عمر سعد نے ایک ہزار سواروں کی ایک فوج سے اُن پر خصوصی حملہ کر دیا۔ اس ہنگامہ میں کسی ملعون نے پیچھے سے آکر اُنکے سر پر ایک کاری تلوار ماری۔ جس سے آپ امام حسینؑ کے سامنے شہید ہو گئے۔ اُنکے قتل ہونے پر اُمام کا چہرہ اُتر گیا اُداسی اور رقت طاری ہو گئی۔ آپ نے اناللہ پڑھا اور اللہ کے روبرو فیصلے کا اعلان فرمایا اور کہا کہ اے حبیبؑ تم صاحب فضل و کمال تھے تم ایک ایک رکعت میں قرآن ختم کر دیا کرتے تھے۔ اُمام اور اُمام کے تمام انصار نے اُنہیں رو کر رخصت کیا اور رحمت بھیجی۔ (ایضاً)

(39/15)۔ انصار ابن حسین علیہم السلام کی شہادت کا پتہ چل جانا خود ایک مُعجزہ ہے

قومی حکومت کے انتظام اور قومی امیر المومنین یزید کی سب سے پہلی شکست یہ تھی کہ واقعات کر بلا چھپائے نہ جاسکے اور اُن تمام انتظامات کی آہنی چادروں کو پھاڑ کر باہر نکل گئے جو پچاس سال پہلے تیار کی گئی تھیں اور تین سو سال بعد تک ڈھکی جاتی رہیں۔ ذرا سوچئے کہ کر بلا اور کوفہ پہنچنے والا ہر راستہ افواج کے سخت پہرہ میں ہے اور کسی شخص یا جماعت کی مجال نہیں کہ یزیدی انتظام سے بچ کر کوفہ یا کر بلا میں پہنچ جائے۔ ادھر سرکاری مؤرخین و اہل قلم کی رُو سے بھی امام حسینؑ اور اُن کے انصار ایک لقمہ و دق بیابان میں تیس ہزار فوجیوں کے نرغے میں محصور ہیں۔ ذرا سوچئے کہ یہاں کے حالات کو تمام دنیا سے مخفی رکھنا کتنا آسان تھا؟ اگر امام حسین علیہ السلام مستورات اور اہل حرم اور بچوں کو ہمراہ نہ لے جاتے؟ اگر یزید اہل حرم کو قید کر کے اُن کی تشہیر اور گشت نہ کراتا؟ تو کر بلا میں گزرنے والی ایک بات بھی کسی کو معلوم نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن معصوم انتظام اور صبر و ضبط نے یزیدی حکومت کو غلط اعتمادی میں مبتلا کر دیا۔ اُس نے پچاس سالہ پروپیگنڈے سے یہ سمجھ لیا کہ علیؑ و خاندان علیؑ سے ساری دنیا متنفر ہو چکی ہے۔ اُسے اسلام اور مسلمانوں کا دشمن سمجھتی ہے۔ اب مسلمانوں میں کوئی شخص اُن کی طرفداری نہ کرے گا۔ بہر حال قدرت خداوندی نے یزید اور اُس کے دانشوران حکومت کو یکے بعد دیگرے اِس طرح اُلجھایا اور اُنہیں ایسی سیاسی تدبیروں میں لگا دیا کہ خود اُن کے دماغوں، ہاتھوں اور زبانوں سے واقعات کر بلا ہر دماغ و زبان پر طاری ہو گئے۔ اور اُنہیں مجبور کیا کہ وہ خود اپنے مخلوق، گھروں اور شہر میں عزاداری حسینؑ اور تاریخ کر بلا کا قیام کریں اور ایک دفعہ تمام حالات و واقعات و شہادات اپنی صحیح صورت، مکمل تفصیل اور عملی ترتیب کے ساتھ مدون ہو گئے۔ اور عزاداری کی صورت میں رسومات و عبادات میں داخل ہو گئے۔

لیکن قومی حکومت کو جب بھی موقع ملا اُس نے پوری کوشش کی اور اپنی پوری قوت اور مشینری اس بات پر لگادی کہ قرآن کی حقیقی تعلیم کی طرح واقعات کر بلا اور اُن واقعات کے اسباب و علل اور اُن واقعات کا احیا کرنے والوں کو مٹا دیا جائے۔ یا مشکوک کر دیا جائے یا فطری ترتیب کو الٹ پٹ دیا جائے۔ چنانچہ تین سو سال تک یہ سب کچھ کیا جاتا رہا۔ حکومت نے قدیم ریکارڈ اور کتابوں کو گھروں اور کتب خانوں سے نکلوا کر ضائع بھی کیا اور ایسی کتابیں، ریکارڈ اور روایات بھی تیار کرائیں جن سے پوری تاریخ کو عموماً اور کر بلا کی تاریخ کو خصوصاً تبدیل کر کے پیش کیا جاسکے۔ مثلاً کر بلا کا کارنامہ انجام دینے کے لئے پانچ چھ لاکھ فوج کو گھٹا کر چند ہزار تک لایا گیا۔ اور دُور ازکار بحش کر کے اُس غلط اور فرضی تعداد کو مسلمہ بنا کر اُمت میں پھیلایا گیا۔ مثلاً حسینؑ کی افرادی قوت اتنی قلیل تھی کہ اُس کو فنا کرنے کے لئے تین چار ہزار آدمیوں کی فوج کافی تھی۔ چنانچہ قومی یازیدی حکومت کی جانشین حکومتیں اور قومی مذہب سے منسوب حکومتیں آج تک برابر ہی تاریخ تیار کراتی اور کچھلی تاریخ یعنی خود اپنے بزرگوں اور خلفا و بادشاہوں کی لکھی ہوئی تاریخ کو بھی بدلتی چلی آ رہی ہیں۔ ہمیں قومی مذہب کی حکومتوں اور سرکاری علما سے اتنا شکوہ کبھی نہیں رہا جس قدر شکایت اُن علما سے رہی ہے جو خود کو شیعہ کہلاتے رہے ہیں اور تائید سرکاری تاریخ کی کرتے رہے ہیں۔ اور اس تائید کا نام تحقیق و تنقید رکھتے چلے آئے ہیں۔

(الف) شہادتوں کی ترتیب کا کیا ذکر وہاں تو شہدا کی تعداد کو عدا غلط مشہور کیا جاتا رہا

سرکاری علما اور قومی حکومت کا کمال یہ ہے کہ آج ہر شیعہ سنی کر بلا میں شہید ہونے والے شہدا کی تعداد بہتر بتا دے گا۔ یعنی تیرہ سو سال کی محنت و کوشش سے بہتر (72) کی تعداد ہر قلب و زبان پر اطمینان کے ساتھ بٹھادی گئی۔ یہ تو عوام ہیں جنہیں تاریخ اور بحث و تجویز سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اُنہیں جو کچھ علما نے مساجد اور منبروں سے چیخ چیخ کر بار بار بتایا اُنہیں یاد ہو گیا اور علما کے اعتماد پر اُسے ہی حق سمجھا۔ لیکن ہمیں علما کے قابل اعتماد ہونے یا نہ ہونے سے بحث نہیں ہے۔ بحث اس سے ہے کہ شہدائے کر بلا علیہم السلام کی غلط تعداد کیوں لکھی اور بیان کی جاتی ہے؟ خصوصاً جب کہ صحیح تعداد بھی معلوم ہو اور اپنے ہاتھ سے لکھی بھی جائے۔ چنانچہ یہاں ہم اس کی چند مثالیں لکھتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ سرکاری تاریخ سے اخذ کیا ہوا نتیجہ کس طرح علما کے دماغوں پر سوار رہا ہے۔ اور کہیں بھی اُسے فراموش نہیں کیا گیا۔ اور بار بار بہتر (72) بہتر (72) کی رٹ جاری رکھی ہے۔

(ب) علامہ علی نقی مجتہد عرف نقی صاحب اور شہدائے کر بلا کی تعداد؟

علامہ کے بیانات سنئے اور ہمارے شکوہ کو جائز یا ناجائز قرار دیجئے۔

(اَوّل) ”ایک جگہ گھیر لئے جانے کے بعد حفاظت خود اختیاری کے اصول پر بہتر (72) کے ساتھ تیس ہزار (30000) کا

مقابلہ کر لینا تو عین شجاعت و ہمت اور صحیح طریقہ کار ہے۔“ (شہید انسانیت - صفحہ 304)

(دوم) ”اکثر مورخین کے بیان کے مطابق یہ تیس (30) سوار اور چالیس پیادے سے زیادہ نہیں تھے۔“ (صفحہ 334)

یہ تعداد علامہ کو صحیح معلوم ہوتی ہے اس کا اعلان سنئے فرماتے ہیں کہ:-

(سوم) ”رہ گئے اہل کوفہ اُن میں سے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ روز شہادت چالیس آدمی تھے۔ اور مجموعاً آپ کے سپاہیوں کی تعداد ستر (70) تھی“ (ایضاً صفحہ 342) یہاں علامہ نے بہتر میں سے بھی دو کم کر دیئے ہیں اور دیکھئے: (چہارم) ”واقعی تاریخ کا ایک یادگار اور حیرت انگیز سانحہ ہے کہ تیس ہزار (30000) فوج کے سامنے بہتر بھوکے پیاسے ہوں۔“ (شہیدانسانیت - صفحہ 381)

یہ چاروں بیانات اس حقیقت کو ثابت کرتے ہیں کہ علامہ کے سرپرست (70) یا بہتر کی تعداد سوار ہے۔ اور جب اطمینان سے کوئی جملہ لکھتے ہیں تو بہتر کے دائرہ سے باہر نہیں نکلتے۔ لیکن انہیں معلوم ہے کہ ستر یا بہتر کی تعداد سر اسر غلط اور سرکاری بکواس ہے۔ اسلئے کہ جب علامہ نے الگ الگ شہدا کا حال اور نام لکھے تو انصاران حسینؑ کی تعداد بانوے (92) لکھی۔ (ایضاً صفحہ 431) اور اس کے بعد مع امام بنی ہاشم کی تعداد اٹھارہ (18) بتائی (ایضاً صفحہ 461) اور یوں کل شہدائے کربلا علیہم السلام کی تعداد مجموعاً (18+92) ایک سو دس (110) ہو گئی۔ مگر باقی ہر جگہ بہتر کی رٹ لگائے رکھی۔ اور پھر یہ بھی سن لیں کہ:-

(پنجم) ”دوسرے واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ تعداد سو (100) سے زیادہ اور دو سو (200) سے کم تھی۔“

(شہیدانسانیت - صفحہ 334) اور یہ کہ:-

(ششم) ”یہ شرم کی بات سمجھنا چاہئے کہ ایک ایسی قلیل تعداد پر جو دو سو (200) سے بھی کم ہو حملہ کیا جائے اُس بڑی فوج کی طرف سے جو تیس ہزار (30000) سے کسی طرح کم نہ ہو اور پھر تیروں کے بے پناہ باران سے ابتدا کی جائے۔“

(شہیدانسانیت - صفحہ 361)

ہمارا شکوہ یہی تھا کہ زیادہ تعداد معلوم ہوتے ہوئے؛ اقرار کرتے ہوئے اور بار بار لکھنے کے باوجود قومی و سرکاری تائید کو نہ چھوڑا جائے اور شیعوں اور سُنیوں میں غلط تعداد مشہور کرنے پر سارا زور لگادیا جائے۔ علما کا یہ طریقہ ایک ہزار سال سے جاری چلا آ رہا ہے۔ اس طرح پوری اُمت کی زبان پر بہتر بہتر چڑھا دیا گیا۔ یہی حال اُن حضرات نے ہر حقیقت کو بدلنے اور بدلی ہوئی بات کو شہرت دینے کے لئے جاری رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ کربلا میں انصاران حسین علیہم السلام کی شہادت کی ترتیب بھی اُن ہی نے مشہور کی ہے۔ جو دو مرتبہ ایک سو (100) سے زیادہ لکھنے کے بعد بھی آخر میں آخری فیصلہ یہی کرتے ہیں کہ:

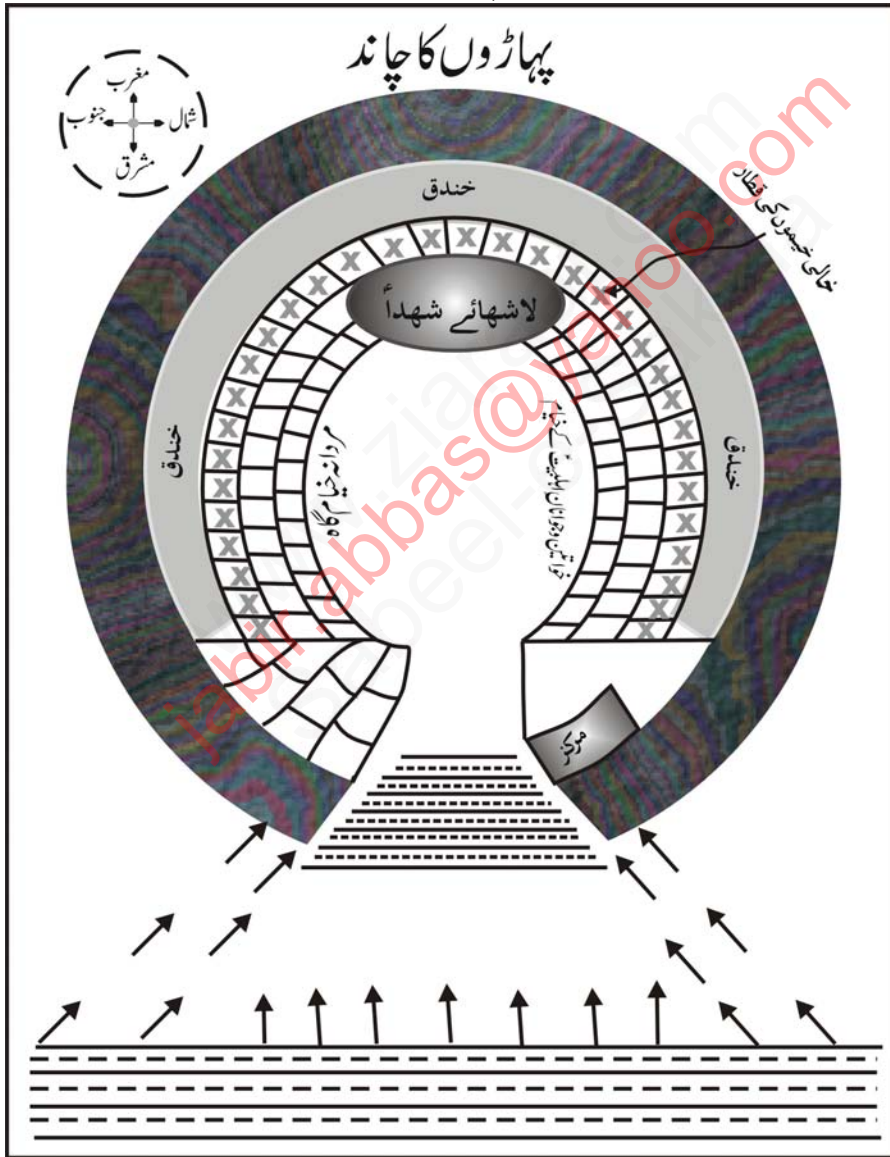
”لیکن عالم تصور میں اُس منظر کو سامنے لاؤ کہ صرف بہتر (72) آدمیوں کی صف ایستادہ ہے۔“ (شہیدانسانیت صفحہ 383) بہر حال یہ وہ مُرغ ہیں جن کی ابتدا سے ایک ہی ٹانگ دیکھی جاتی رہی ہے۔

(39/16) شہدائے کربلا کی جنگی ترتیب اور قدرتی تحفظ اور حسینی انتظام

امام حسین علیہ السلام نے کربلا پہنچ کر ابتدا سے انتہا تک تمام انتظامات کر دیئے تھے۔ یعنی اپنے اور اپنے رفقاء کے کار کے قبرستان کی زمین تک خرید لی تھی۔ بنی اسد کی تمام چھوٹی بڑی بستیوں میں مردوں، عورتوں اور بچوں تک کو یہ بتا دیا تھا کہ دشمن کی افواج کے روانہ ہو جانے کے بعد تم شہدائے کربلا کو دفن کرنا۔ جب تک مادی طور پر آپ نے فوجوں کا جھوم نہ دیکھ لیا ایک چاروں طرف سے کھلے

میدان میں قیام رکھا۔ لیکن پہلے ہی سے وہ مقام انتخاب کر لیا تھا جہاں سے آپ نے دفاعی جنگ لڑنا تھی۔ چنانچہ جیسے ہی افواج کی بھیڑ شروع ہوئی اور عملاً یہ دیکھ لیا گیا کہ افواج یزید کے قیام کا نقشہ کیا ہوگا؟ آپ نے اپنے خیام اُس آخری مقام پر نصب کرادیئے جہاں سے تمام قربانیاں پیش کی جائیگی اور جہاں سے اہلبیت کو گرفتار کیا جائے گا اور جہاں کا قیام دشمن کی افواج کو شروع سے آخر تک وقت اور پریشانی میں مبتلا رکھے گا۔ اور کھل کر حسب منشا حملہ سے باز رکھے گا۔ اور جو مقام دشمن کی دس کروڑ افواج کو بھی سمیٹ کر تین ہزار کی تعداد تک اُتار لاتا اور باقی تعداد کو بے اثر اور بے کار کر دیتا۔ ذرا اس نقشہ پر نظر ڈالیں۔

(خیام حسینی کا نقشہ)



آپ یہ ہلالی شکل دیکھتے ہیں۔ یہ پہاڑیوں کا ایک مسلسل غیر منقطع سلسلہ ہے جسے خیر پہلے اور حائر اب کہا جاتا ہے۔ یہ وہ قدرتی تحفظ تھا

جسے امامؑ نے منتخب کیا تھا۔ اور جس کے اندر قیام فرمانے سے پہلے ہی خندق وغیرہ تیار کرائی گئی تھی اور یہ کام نہایت خاموشی سے کر لیا گیا تھا۔ اس لئے کہ اس شعبہ اہیاطالبؑ کے ہم شکل چاند مناد ہانہ کو بند کرتے ہوئے باہر میدان میں عارضی قیام رکھا تھا۔ تاکہ افواج کی آمد اور قیام کے طریقے پر اطلاع رہے اور چاند کے اندر ہونے والے انتظام کا دشمن کو پتہ نہ چل سکے۔ چنانچہ چاند کے اندر پہاڑی سلسلہ کے ساتھ ساتھ اندر کی طرف خندق کھدوائی گئی اور جنگل سے جھاڑ جھنکار جو کچھ ملا کٹوا کر خندق میں ڈالا گیا تاکہ اگر ضرورت ہو تو آگ روشن کر دی جائے۔ تاکہ اگر کوئی سخت جان پہاڑ پر چڑھ کر ادھر اترے تو خندق اور پھر خندق کی آگ اور شعلے اُس کو روک دیں۔ پھر خندق کے ساتھ ساتھ خالی خیموں کی قطار اس طرح آپس میں ایک دوسرے سے ملا کر کھڑی کی گئی تھی کہ داخل ہونے والے کو بہت دشواری کا سامنا کرنا لازم تھا۔ اس قطار کے ساتھ ساتھ اہل حرمؑ اور بنی ہاشمؑ کے خیمے شمال میں اور انصاران اہلبیتؑ کے خیمے جنوب میں ملا کر باندھے گئے تھے۔ انتہائی کنارہ پر مغرب میں قنات لگا دی گئی تھی جس میں شہیدوں کی لاشیں محفوظ کی جانا تھیں۔

جس غرض سے ہم نے یہ نقشہ آپ کے سامنے رکھا ہے وہ یہ ہے کہ دشمن کی وہی تعداد قابل شمار تھی جو اس چاند یا مورچہ کے دھانہ کے قطعاً سامنے آ سکے۔ یعنی وہ تمام افواج عملاً بے کار تھیں جو اس مورچہ کے چاروں طرف بیس بیس میل تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اسلئے کہ اُن کے نیزے، تیر اور تلواریں پہاڑوں میں سے گزر کر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اور جو افوج دہانہ کے بالکل سامنے تھیں اُنکے بھی صرف وہ لوگ قابل شمار اور تیجہ خیز ہو سکتے تھے۔ جو آگے والی صف میں ہوں۔ اُنکے پیچھے والے اگر تیر چلاتے تو وہ تیر اُن سے اگلی اپنی صف کو مار ڈالتے۔ لہذا دہانہ کے سامنے والی پہلی صف ہی خطرناک ہو سکتی تھی۔ اسلئے کہ اُسی ایک صف کے تیر فوج حسینیؑ کو گزند پہنچا سکتے تھے۔ صف کی لمبائی اگر دہانہ سے ادھر اور ادھر نکل جائے یعنی اگلی صف کی چوڑائی سے لمبی ہو جائے تو اُسکے تیر پہاڑوں میں لگیں گے یا ضائع ہو جائیں گے یا خود اپنے آدمیوں کو زخمی کریں گے۔ لہذا جو فوج امامؑ کی فوج پر حملہ کرنے کیلئے آتی رہی اُسے خود کو اس مورچہ کے سامنے آ کر مورچہ کے دہانہ کے سامنے صف آرا ہونا لازم اور مورچہ کو مد نظر رکھ کر اپنی ترتیب اور مطلق العنانی کو خیر باد کہنا اور اپنی مرضی کے خلاف موزوں صورت اختیار کرنا پڑتی تھی۔ اگر وہ اپنے تیر کا رگر کرنے کے فاصلے پر آتے تھے تو حسینیؑ لشکر کے تیروں کی زد میں آ جاتے تھے۔ دُور سے تیر بارانی کرتے تھے تو خود اپنے تیر ضائع کرتے تھے۔ دست بدست جنگ میں اُنہیں مورچہ کے دھانہ سے دور رہنا لازم تھا۔ اس مورچہ کی صورت کو یاد رکھنے سے آپ بہت سی خود ساختہ سرکاری روایات کو نہایت اطمینان سے غلط قرار دے سکیں گے۔ حسینیؑ لشکر کی یہ پوزیشن دشمن کو من مانی کرنے سے برابر روکتی رہی ورنہ پانچ چھ لاکھ فوج تو پھونک مار کر تین سو افراد کو اڑا سکتی تھی۔ اس دہانہ کے حرم والی سمت کی ابتدا امامؑ کے خیمے سے ہوتی تھی۔ یہاں بھی ایک قنات کے ذریعہ سے پردہ کا انتظام تھا۔ اور حضرت زینبؑ اور دیگر خواتین امامؑ کے خیمہ تک بے تکلفانہ آ جاسکتی تھیں۔ دہانہ کے دوسری جانب حضرت عباسؑ کا خیمہ تھا۔ جہاں سے انتظامی و نگرانی اور گشت کے احکامات جاری ہوتے تھے۔ حسینیؑ لشکر حسب ضرورت دہانے کے سامنے صف آرا ہوتا تھا۔ یہیں سے حملوں کو روکا جاتا تھا اور یہیں سے دشمن کی فوج پر حملہ اور جوابی کارروائی کیلئے انصاران حسینیؑ جاتے تھے۔ اس مقام سے وہ نہر علقمہ جس کو دریائے فرات کہا گیا ہے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ وہاں سے پانی لینے کیلئے جانے کے معنی دشمن کی ٹڈی دل فوج کا دل چیر کر جانا پڑتا تھا۔ یہ ایک سب سے بڑی مشکل تھی جو اس مورچہ میں اوّل سے

آخر تک برقرار رہی۔ اور یہ ذمہ داری نیز کھانا پکوانے، تقسیم کرانے اور اسلحہ کی مرمت وغیرہ حضرت عباس علیہ السلام کی تھی۔

(39/17)۔ کر بلا کی جنگ میں دشمن کے بڑا نہاد اقدامات اور شہدائے کر بلا کی تین اقساط

مومنین جانتے ہیں کہ صبح عاشور اعلان جنگ کے لئے عمر سعد ملعون نے پہلا تیر چلایا اور اُس کی تائید میں ہزاروں تیر اُس میدان میں آ کر گرے جو دونوں افواج کے درمیان جنگی تگ و دو کے لئے خالی چھوڑا گیا تھا۔ تیروں کی اس بارش سے یہ بتانا مقصود تھا کہ انصاران حسینؑ اس ٹڈی دل فوج کا ایک حملہ بھی برداشت نہ کر سکیں گے۔ لیکن جو لوگ راہ خدا میں قربان ہو جانا طے کر چکے تھے جو موت کا انتظار کر رہے تھے اُن پر ذرہ برابر خوف طاری نہ ہوا۔ اور یزیدی فوج کے جواب میں ادھر سے بھی چند تیر سر کئے گئے۔ اور اس کے بعد دشمن کے شمشیر آزمائے لوگوں نے میدان میں نکلنا اور حسینیؑ سرفروشوں کے ہاتھوں قتل ہونا شروع کیا۔ یہ سلسلہ جاری تھا کہ جناب حُرّ حاضر ہو گئے اور انہوں نے اور اُن کے فرزند نے باری باری دشمن کو لاکار لاکار کر مد مقابل طلب کئے، قتل کئے اور جب ضرورت ہوئی دشمن کی فوج میں ڈوب کر نکلتے اور سینکڑوں ملائین کا صفایا کرنے میں شامل رہے۔ اسی طریقہ جنگ میں جناب حُرّ کے فرزند شہید ہوئے۔ عمر سعد کو خود بھی یقین ہو گیا اور سرداران فوج نے اُسے مشورہ بھی دیا کہ اس طرح بدست بدست جنگ میں کئی روز لگ جائیں گے اور اس دوران بہت ممکن ہے کہ حسین علیہ السلام کے لئے کمک پہنچ جائے۔ اور وہ انتظام ناکام ہو جائے جو کوفہ اور کر بلا آنے والے راستوں کی ناکہ بندی کے لئے کیا گیا ہے۔ یا کسی طرف سے آنے والی بڑی فوج ایک نیا محاذ کھول کر ایک نئی مصیبت کھڑی کر دے۔ وہ جانتے تھے کہ حج سے لوٹ کر جانے والے لوگوں نے پوری مملکت میں حسینؑ کا حج چھوڑنا اور یزیدی افواج کی نقل و حرکت اور حسینؑ سے جبر اُبیعت لینے کی کوشش کی خبروں سے ہيجان پھیلا دیا ہوگا۔ وہ جانتے تھے کہ کر بلا میں ایرانیوں کی شہزادی اور اُن کی اولاد بھی خطرہ میں تھی۔ اور بہت ممکن معلوم ہوتا تھا کہ ایران سے لوگ مدافعت کے لئے روانہ ہو جائیں۔ یا قبیلہ طے کی طرف سے حملہ ہو جائے اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ یہ خوف تمام سرداران یزید کے دل و دماغ پر حاوی تھا۔ ادھر لشکر حسینیؑ سے نکلنے والا بوڑھا و جوان شیروں کی طرح چھپتا تھا اور فوج کو تہس نہس کرتا ہوا ادھر سے ادھر سے گزر جاتا تھا۔ لہذا عمر سعد کو یہ طے کرنا پڑا کہ حسینیؑ لشکر پر اجتماعی حملے کئے جائیں۔

(39/18)۔ شہدائے کر بلا کی اقساط اور علامہ در بندی کی ترتیب

اس فیصلے سے پہلے دست بدست جنگ میں شہید ہونے والے انصار کی تعداد کو ہم پہلی قسط کہتے ہیں۔ اور اجتماعی حملوں کے دوران شہید ہونے والے انصار دوسری قسط کہلائیں گے۔ پھر اسکے بعد نماز ظہر تک شہیدوں کی تیسری قسط ہوگی۔ اور اسکے بعد آخری قسط ہے جس میں خود امام حسینؑ بھی داخل ہیں۔ جنگ کی یہ چاروں صورتیں تو معلوم و مشہور ہیں لیکن کس قسط میں کون کون شہید ہوئے؟ اور کون کس سے پہلے یا کس کے بعد شہید ہوا؟ اس کا صحیح تعین کرنے میں اختلاف ہے۔ لہذا ہم علامہ در بندی کی ترتیب کے ساتھ شہدائے کر بلا علیہم السلام کی جنگ اور شہادت کو پہلا نمبر دیں گے۔ اور من و عن اُنکی کتاب سے شہادتیں پیش کریں گے اور اسکے بعد جہاں جہاں ضرورت ہوگی وضاحت کر کے گجھک کو دور کر دیں گے۔ انشاء اللہ والا امام علیہ السلام

(39/19)۔ انصاران حسینؑ کا میدان جہاد میں نکلنے کا طریقہ

وَفِي الْبَحَارِ قَالُوا وَكَانَ كُلُّ مَنْ أَرَادَ الْخُرُوجَ وَدَّعَ الْحُسَيْنَ وَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَنَ رَسُولِ اللَّهِ - فِجِيهَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَنَحْنُ خَلْفُكَ وَيَقْرَأُ ”فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا“ (احزاب 33/23)۔ (اکسیر صفحہ 271)

”علامہ محمد باقر مجلسیؒ نے کتاب بحار الانوار میں لکھا ہے کہ لشکر حسینؑ سے جو بھی جہاد کے لئے نکلتا تھا۔ سب کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پہلے امامؑ سے اجازت لیتا اور وداع ہوتا تھا۔ پھر کہتا تھا کہ سلام ہو آپؑ پر میرا، اے فرزند رسولؐ۔ امامؑ جواب میں فرماتے تھے کہ تم چلو ہم سب تمہارے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ پھر ساتھ ہی یہ آیت پڑھتے تھے کہ اُن میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنی ذمہ داری مکمل کر دی ہے اور وہ بھی ہیں جو اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی تاک میں منتظر ہیں۔“ (سورہ احزاب 33/23)

(39/20)۔ حضرت بُرَیْرُ بنِ خَظِرِ الہمدانی علیہ السلام کی جنگ و شہادت

ثُمَّ بَرَزَ بِرَبْرِ بْنِ خَضِيرٍ الْهَمْدَانِي بَعْدَ الْحَرِّ وَكَانَ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ - فَبَرَزَ وَهُوَ يَقُولُ : أَنَا بُرَيْرٌ وَأَبِي خَضِيرٌ - لِيَثُيْرُوعَ لَأَسْدَ عِنْدَ الزَّيْبِرِ - يَعْرِفُ فِينَا الْخَيْرَ أَهْلَ الْخَيْرِ - أَضْرِبُكُمْ وَلَا أَرَى مِنْ صَيْرٍ - كَذَلِكَ فَعَلَ الْخَيْرُ مِنْ بُرَيْرٍ - وَجَعَلَ يَحْمِلُ عَلَى الْقَوْمِ وَهُوَ يَقُولُ اقْتَرِبُوا مِنِّي يَاقِتِلَةُ الْمُؤْمِنِينَ - اقْتَرِبُوا مِنِّي يَاقِتِلَةُ أَوْلَادِ الْبَدْرَيْنِ - اقْتَرِبُوا مِنِّي يَاقِتِلَةُ أَوْلَادِ رَسُولِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَذُرِّيَةِ الْبَاقِينَ وَكَانَ بِرَبْرِ أَقْرَأُ أَهْلَ زَمَانِهِ فَلَمْ يَزَلْ يَقَاتِلُ حَتَّى قُتِلَ ثَلَاثِينَ رَجُلًا فَبَرَزَ إِلَيْهِ رَجُلٌ يَقَالُ لَهُ يَزِيدُ بْنُ مَعْقِلٍ فَقَالَ لِبُرَيْرٍ أَشْهَدُ أَنَّكَ مِنَ الْمَضْلِيِّينَ - فَقَالَ لَهُ بِرَيْرٌ هَلَمْ فَلَنَدْعِ اللَّهَ أَنْ يَلْعَنَ الْكَاذِبَ وَأَنْ يَقْتُلَ الْمُحَقَّ مَنَا الْمَبْطِلَ فَتَصَالُوا فَضْرَبَ يَزِيدُ لِبُرَيْرٍ ضَرْبَةً خَفِيفَةً لَمْ تَعْمَلْ شَيْئًا وَضَرْبَةً بِرَبْرِ ضَرْبَةً قَدَّتِ الْمَغْفِرَةَ وَصَلَتْ إِلَى دِمَاغِهِ فَسَقَطَ قَتِيلًا - (اکسیر العبادات صفحہ 271)

(سابقہ روایت مسلسل جاری ہے) پھر جناب بُرَیْرُ بنِ خَظِرِ الہمدانی جہاد کیلئے میدان جنگ میں نکلے اور فرما رہے تھے کہ میں ہوں بُرَیْرُ اور میرا باپ ہے خَضِيرُ اور میں وہ شیر ہوں کہ جس کی گرج سے تمام شیر خوفزدہ رہتے ہیں۔ ہمارے خاندان کے متعلق تمام نیک کردار لوگ نیکیوں اور بھلائیوں ہی کا ذکر کرتے ہیں۔ میں تمہیں بلا تکلف قتل کروں گا اور خود کو حق بجانب سمجھوں گا۔ اور بُرَیْرُ سے ہمیشہ اسی قسم کے نیک کام ہوا کرتے ہیں۔ دشمنانِ دین پر برابر حملہ کرتے جاتے تھے اور ہر قتل پر لاکارتے تھے کہ آؤ میرے پاس آؤ اے مومنین کے قاتلو۔ آؤ میرے پاس آؤ اے جنگ بدر میں رسولؐ سے جنگ کرنے والوں کی اولاد آؤ میں تمہیں جہنم میں بھیجوں اے دونوں جہانوں کے رسولؐ کی اولاد سے جنگ کرنے والو اور اُن کی باقی ذریت کے قاتلو آؤ۔ اور بُرَیْرُ اپنے زمانہ کے تمام قاریوں اور حافظانِ قرآن سے بڑھ کر تھے۔ انہوں نے بلا ہاتھ رو کے جنگ جاری رکھی اور تیس ملعونوں کو واصل جہنم کر دیا تو ایک شخص یزید بن معقل نامی سامنے آیا اور کہا کہ اے بُرَیْرُ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم گمراہ کرنے والوں میں سے ایک ہو۔ بُرَیْرُ نے کہا آؤ اللہ سے فیصلہ کرو الیس اور کہیں کہ اے اللہ ہم دونوں میں سے جو گمراہ ہو یا دوسروں کو گمراہ کرتا ہو اُس کو حق پرست کے ہاتھ سے قتل کرادے اور اس پر لعنت بھی کر۔ اُس نے مان لیا اور ایک وار کیا جس سے جناب بُرَیْرُ پر کوئی آنچ بھی نہ آئی۔ اب جناب بُرَیْرُ نے ایک تلوار ماری جو لوہے کے خود کو کاٹ کر دماغ میں درا آئی اور وہ ملعون مرکز زمین پر گر گیا۔

وَفِي الْمَلْهُوفِ وَخَرَجَ بُرَيْرُ بْنُ خَضِيرٍ وَكَانَ زَاهِدًا عَابِدًا فَخَرَجَ إِلَيْهِ يَزِيدُ بْنُ مَعْقِلٍ فَاتَّفَقَا عَلَى الْمَبَاهِلَةِ إِلَى اللَّهِ فِي

أَن يَقْتُلَ الْمُحَقِّقَ مِنْهُمَا الْمَبْطُلَ وَتَلَاوِيًا - فَقَتَلَهُ وَلَمْ يَزَلْ يَقَاتِلُ حَتَّى قَتَلَ وَفِي الْبَحَارِ أَيْضًا قَالَ فَحَمَلُ وَجَلٍ مِنْ أَصْحَابِ ابْنِ زِيَادٍ فَقَتَلَ بُرَيْرًا قَالَ وَكَانَ يُقَالُ لِقَاتِلِهِ بَحِيرُ بْنُ أَوْسٍ الصَّبِيِّ فَجَالَ فِي مِيدَانِ الْحَرْبِ - قَالَ ثُمَّ ذَكَرَ بَعْدَ ذَلِكَ أَنَّ بُرَيْرًا كَانَ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ وَجَاءَهُ ابْنُ عَمٍّ لَهُ وَقَالَ وَيْحَكَ يَا بَحِيرُ قَتَلْتَ بُرَيْرَ بْنَ خَضِيرٍ قَالَ بَائٍ وَجْهَ تَلْقَى رَبَكَ غَدًا؟ قَالَ فَندَمَ الشَّقِيُّ وَانْشَاءً يَقُولُ فَلَوْ شَاءَ رَبِّي مَا شَهِدْتُ قِتَالَهُمْ وَلَا جَعَلَ النِّعْمَاءُ عِنْدَ ابْنِ جَائِرٍ؟ لَقَدْ كَانَ ذَاكَ الْيَوْمَ عَارًا وَسَبَّةً يُعِيرُ بِهَا لَنَا بِنَا عِنْدَ الْمَعَاشِرِ - فَيَا لَيْتَ أَنِّي كُنْتُ فِي الرَّحِمِ حُضَةً وَيَوْمَ حُسَيْنٍ كُنْتُ ضَمْنِ الْمَقَابِرِ فَيَا سَوْآتَا مَاذَا أَقُولُ لَخَالَتِي وَمَا حُجَّتِي يَوْمَ الْحِسَابِ الْقِمَاطَرِيُّ؟ (الكسيرة العبادات في أسرار الشهادات صفحہ 271)

اور کتاب ملہوف میں لکھا ہے کہ بُریر ایک عابد و زاہد بزرگ تھے۔ چنانچہ جب اُن کے مقابلہ پر یزید بن معقل آیا تو دونوں میں یہ بات طے ہوئی کہ وہ اللہ سے فیصلہ طلب کریں تاکہ حق و باطل کا فیصلہ اللہ اس طرح کر دے کہ حق پرست کے ہاتھ سے باطل پرست کو قتل کر دے۔ چنانچہ دونوں نے لڑنا شروع کیا یہاں تک حضرت بُریر نے یزید بن معقل کو قتل کر کے اپنے حق پر ہونے کا ثبوت دے دیا۔ کتاب بحار نے بتایا ہے کہ ابن زیاد کے خاندان کے بحیر نامی ایک شخص نے اچانک حملہ کر کے بُریر کو قتل کر دیا۔ اور لگا میدان جنگ میں جولانیاں کرنے۔ لوگوں نے اُسے بتایا کہ بُریر ایک نہایت صالح شخص تھا اور اس کے چچا زاد بھائی نے کہا کہ اے بحیر بن اوس تو بُریر کو قتل کر کے کل خدا کو کیسے مُدھکائے گا؟ کہتے ہیں کہ اس پر وہ لعین نادم ہو کر یہ اشعار پڑھنے لگا۔ اگر میرا اللہ نہ چاہتا تو میں اس جنگ میں شامل کیسے ہو سکتا تھا؟ اور اگر یزید ایسا جابر و ظالم ہوتا تو اللہ اسے اپنی نعمتوں سے کیسے نوازتا؟ یہ صحیح ہے کہ مجھ سے بہت برا فعل سرزد ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے آج کے بعد میرے اور میرے خاندان کی مذمت ہوتی رہے گی۔ کاش میری ماں کے پیٹ میں میرا حمل حیض کے خون کے ساتھ نکل گیا ہوتا۔ اور حسینؑ سے جنگ کے دن سے پہلے ہی میں قبرستان میں دفن ہو چکا ہوتا۔ افسوس ہے کہ ایسی حالت میں میں اپنے خالق کو کیا جواب دوں گا۔ اور وہ کون سی حجت ہے جو پیش کر سکوں گا؟ (الكسيرة العبادات - صفحہ 271)

(الف)۔ قومی حکومت اور مذہب تمام انسانی گناہوں کو اللہ کے ذمہ لگاتے ہیں

مومنین غور فرمائیں کہ راوی نے اس روایت میں یہ سمجھا ہے کہ بحیر ملعون حضرت بریر علیہ السلام کو قتل کر کے نادم ہو گیا تھا۔ حالانکہ ندامت کا تقاضہ یہ تھا کہ اُسی وقت فوج یزید سے نکل گیا ہوتا۔ وہ ہرگز نادم نہیں ہوا بلکہ وہ اپنے قومی عقیدہ کو سمجھنے میں اپنے قصور کا اعلان کرتا ہے اور یہ سمجھنا چاہتا ہے کہ یہ کیا بات ہے کہ اللہ نے یزید کو دنیا کی تمام نعمتیں اور حکومت دے رکھی ہیں۔ حالانکہ وہ جابر و ظالم سمجھا جا رہا ہے۔ اگر سچ مچ ایسا ہوتا تو خدا ہرگز اُسے یہ انعامات نہ دیتا۔ پھر وہ کہتا ہے کہ اگر اللہ یہ چاہتا کہ میں یزید کی حمایت میں جنگ نہ کروں تو اللہ کے مقابلہ میں میری کیا مجال تھی جو میں یہ جنگ قتل وغیرہ کر سکتا۔ وہ یہ مانتا ہے کہ یہ قتل مجھے دنیا میں بدنام اور قابل مذمت کرے گا اور اللہ کے سامنے بھی میرے پاس مذکورہ دلیل کے علاوہ کوئی اور دلیل نہ ہوگی۔ یعنی تو نے ایسا چاہا تھا اس لئے میرے ہاتھ سے یہ قتل اور گناہ ہوا۔ لیکن وہ جانتا ہے کہ اس کے قومی مذہب میں اللہ ایسا قادر مطلق ہے کہ (معاذ اللہ) ایک بے گناہ کو جہنم میں اور ایک گناہ گار کو جنت میں داخل کر دے۔ یہ ہے وہ الجھاؤ جس سے نکلنے اور جس کو سمجھنے کے لئے وہ خبیث نادم معلوم ہو رہا تھا۔ یہی کیفیات یزید و عمر

سعد وغیرہ سے ظاہر ہوتی تھیں۔ مگر وہ حقیقتاً نام کبھی نہیں ہوتے تھے۔ وہ اعتراض کرنے والوں کو یہ عقیدہ سنا کر خاموش اور حیران کرنے کی ترکیب کیا کرتے تھے۔ تاکہ ہر گناہ اور ہر جرم اُن سے ہٹ کر قادرِ مطلق سے جا ٹکرائے۔

(ب)۔ حضرت بُرّیہؓ کا تعارف: بہت سن رسیدہ، عابد و زاہد اور حافظ قرآن تھے۔ حضرت علی علیہ السلام کے پسندیدہ صحابہ میں سے تھے۔ کوفہ کے باشندہ اور قبیلہ ہمدان سے تھے۔ کوفہ کی مسجد میں قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ جب حُرّ نے امام کا راستہ روکا تھا تو آپ نے حُرّ اور اس کے لشکر کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: ”اے فرزند رسول خدا کی قسم یہ تو ہم پر اللہ کا احسان ہوا ہے کہ ہمارے سامنے ایسا موقعہ پیدا کر دیا ہے کہ ہم آپ کی حمایت میں جنگ کریں اور آپ کی نصرت کرتے ہوئے ہمارے بدن کے اعضا کٹ جائیں اور قیامت کے دن آپ کے جد بزرگوار ہم سے خوش ہو کر ہماری سفارش کریں۔ اور وہ لوگ ہرگز نجات نہیں پاسکتے جو اپنے نبی کے نواسے کی بربادی چاہیں اور اُن سے جنگ کریں۔ افسوس ہے ایسے لوگوں پر وہ خدا کو کیا منہ دکھائیں گے اور بہت بُری گزرے گی اُن پر جب وہ جہنم کے عذاب میں نالہ و فریاد کر رہے ہوں گے۔“

وہ یزید بن معقل جس سے میدان جنگ میں مباہلہ کیا تھا بُرّیہؓ کا بہت پرانا واقف کا رہتا۔ دونوں میں مذہبی مباحثے ہوتے رہتے تھے۔ کربلا میں جب اُس کا حضرت بُرّیہؓ سے سامنا ہوا تو اُسے خیال آیا کہ لاؤ سپاہِ حسینیؑ کی قلت اور بھوک پیاس کی مصیبت کو دلیل بنا کر بُرّیہؓ کو بد مذہب ثابت کر دوں۔ چنانچہ اُس نے کہا کہ اے بُرّیہؓ دیکھا تمہارے غلط عقائد کی بنا پر خدا نے تمہارے اور تمہارے راہنماؤں کے ساتھ کیا کیا؟ حضرت بُرّیہؓ نے جواب دیا کہ میرے ساتھ تو اللہ نے نہایت مبارک سلوک کیا ہے کہ مجھے حسین علیہ السلام کی نصرت کیلئے قبول فرمالیا ہے البتہ تو بڑا بد نصیب ہے کہ یزید ایسے ملعون کا حمایتی ہے۔ یزید بن معقل نے کہا کہ کیا تمہیں یاد ہے کہ ایک دن ہم دونوں بنی لوزان کے محلّہ میں سے گزر رہے تھے اور تم نے کہا تھا کہ عثمان گنہگار اور معاویہ خود گمراہ اور دوسروں کا گمراہ کرنے والا ہے۔ اور سچے امام علی بن ابی طالب ہیں؟ بُرّیہؓ نے کہا مجھے یاد ہی نہیں بلکہ میرا آج بھی یہی ایمان ہے۔ یزید نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم گمراہ ہو۔ اسکے بعد مباہلہ اور جنگ کا واقعہ آپ نے دیکھ لیا ہے۔

یہاں یہ اور بتانا ہے کہ جب حضرت بُرّیہؓ یزید بن معقل کے سر میں گھسی ہوئی اور لوہے کے خود میں الجھی ہوئی تلوار نکالنے میں مصروف تھے۔ اُس وقت رضی بن مقدّ عبدی نے ان پر حملہ کر دیا۔ اور بُرّیہؓ کو لپٹ گیا اور دونوں میں کشتی ہونے لگی۔ جناب بُرّیہؓ نے اُسے اٹھا کر زمین پر پٹھا اور سینہ پر چڑھ بیٹھے۔ اب وہ حرامزادہ چیخنے لگا اور مدد کے لئے پکار رہا تھا۔ اس حالت میں بحیر نے پشت سے نیزہ مارا تھا۔ اور آپ شہید ہو گئے تھے۔

(39/21)۔ جناب ابو وہبؒ عبد اللہ بن خباب الکلبیؒ مع زوجہ شہید ہوئے

وفی البحار ثم برز من بعده ابو وہب عبد اللہ بن خباب الکلبی وقد كانت معه أمّه وزوجته يومئذٍ. فقالت قُمْ يَا بُنَيَّ فانصر ابن بنت رسول الله - فقال اَفْعَلْ يَا أُمّاهُ وَلَا اقصر فَبَرَزَ وهو يقول: اِنْ تَنَكروني فانا ابن الکلبی - سوف تروني وترون ضربی - وحملتني ووصلتني في الحرب - ادرک ثاری بعد ثار صبحی - وادفع الکرب اَمّام الکرب - ليس جهادی في الوغا

باللعب - ثم حمل فلم يزل يقاتل حتى قتل منهم جماعة فرجع إلى امه وامراته فوقف عليهما - فقال يا أمها أرَضَيْتِ ؟ فقالت مارَضَيْتُ أَوْ تَقْتُلِ مِنْ بَيْنِ يَدَيِ الْحُسَيْنِ... - فقاتل بين يدي ابن رسول الله فيكون غداً في القيمة شفيعاً لك بين يدي الله فرجع قائلاً : إِنِّي رَزَعْتُمُ لَكَ أُمُّ وَهْبٍ - بالطنن فيهم تارة والضرب - ضرب غلام موقن بالرب - حتى يذيق القوم مرّ الحرب - إِنِّي إِمْرَاءُ ذُمْرَةٍ وَغَضِبَ - ولست بالخوار عند النكب - حسبي إلهي من عليهم حسبي - فلم يزل يقاتل حتى قتل تسعة عشر فارساً واثنا عشر رجلاً ثم قطعت يدها فاخذت امرأته عموداً واقبلت نحوه وهي تقول فداك ابي وأمي دون الطيبين حرم رسول الله - فاقبل كسى يردّها إلى النساء فاخذت بجانب ثوبه فقالت لَنْ أَعُودَ أَوَامُوتُ مَعَكَ - فقال الحسين جزيتم من اهليتي خيراً - ارجعي إلى النساء رحمك الله - فانصرفت وجعل يقاتل حتى قتل رحمه الله قال فذهبت امرته تمسح الدم عن وجهه - فبصر بها شمر فامر غلاماً له فضر بها بعمود كان معه وشدها وقتلها وهي أول امرأة قُتِلَتْ في عسكر الحسين عليه السلام. (الكبير - صفحہ 271-272)

کتاب بحار الانوار میں ہے کہ: پھر حضرت بُریر کے بعد جناب ابو وہب عبد اللہ بن خباب الکھی میدان جہاد میں نکلے۔

ہوایوں کہ اُن کے ہمراہ اُن کی والدہ اور زوجہ بھی حرمِ حسینی میں قیام پذیر تھیں۔ والدہ نے اندر سے آواز دے کر کہا کہ بیٹے اب تم بھی اُٹھو اور رسول کی بیٹی کے فرزند کی نصرت کو جاؤ۔ وہب نے کہا کہ امی جان میں امام کی نصرت میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کروں گا۔ میدان میں آئے تو لکار کر بتایا کہ اگر تم مجھ سے واقف نہیں ہو تو سنو کہ میں ابو وہب عبد اللہ قبیلہ کلب سے ہوں اور بہت جلد تم لوگ مجھے بھی اور میری تلوار کی چوٹیں بھی دیکھو گے۔ اور تمہیں میرا بدبہ اور حملوں کی شدت اس وقت معلوم ہوگی جب میں تم سے انصاران حسین کا بدلہ لوں گا۔ میں جنگ کی تکلیفوں کو جنگ ہی کر کے دُور کر دیا کرتا ہوں، میرا لڑنا بچوں کا کھیل تماشا نہیں ہوتا۔ یہ کہتے کہتے جو حملہ کیا تو ایک پوری صف کو قتل کر کے رکھ دیا اور پھر والدہ اور زوجہ کے پاس آئے اور ذرا دیر وہاں ٹھہرے۔ اور والدہ سے دریافت کیا کہ اماں آپ میرے جہاد سے خوش ہوئیں۔ ماں نے کہا کہ بیٹے میں تو جب خوش ہوں گی جب تم فرزند رسول پر قربان ہو جاؤ گے۔ چنانچہ دوبارہ جنگ شروع کرو اور واپس جا کر یہاں تک لڑو کہ قربان ہو جاؤ۔ تاکہ کل قیامت میں اللہ کے سامنے حسین تمہاری ضمانت لیں۔ چنانچہ یہ کہتے ہوئے میدان میں آئے کہ اے وہب کی پیاری اماں میں تمہارے ارادوں اور تمنائوں کا ضامن ہوں۔ دشمنانِ حسین پر نیزوں اور تلواروں کی بار بار ضربیں لگاؤں گا۔ اور ایک نوجوان پر یقین مومن والے حملے کروں گا یہاں تک کہ دشمنوں کو جنگ کا لڑاؤ اذائقہ حاصل ہو اور اُن کے دانت کھٹے ہو جائیں۔ میں تو ایک غضبناک زبردست مرد ہوں۔ ایسا نہیں کہ خطرات میں کمزوری دکھاؤں۔ مجھے میرا حسب و نسب اور میرا اللہ ہی درکار ہے۔ برابر حملہ کرتے رہے یہاں تک کہ اُنیس (19) سواروں اور بارہ پیدل فوجیوں کو قتل کر دیا۔ اس دوران اُن کے ہاتھ کٹ گئے۔ فوراً اُن کی زوجہ خیمہ کی چوب لے کر پہنچی۔ کہہ رہی تھی تم رسول اللہ کے پاکیزہ حرم کی حفاظت کر رہے تھے میرے ماں اور باپ تم پر قربان ہوں میں بھی لڑوں گی اور تمہارے ساتھ مروں گی۔ وہب نے چاہا کہ اپنی زوجہ کو حرم میں پہنچائے لیکن اُس خاتون نے کہا کہ میں ہرگز واپس نہ جاؤں گی اور پھر وہب کے کپڑوں کو پکڑ کر لپٹ گئی۔ امام نے آواز دی کہ تم دونوں نے اہلیتِ رسول کا حق خوب ادا کر دیا ہے۔ اب تم حرم میں واپس چلی آؤ۔ امام کے حکم سے واپس چلی گئی۔ اور وہب نے اُسی حالت میں پھر لڑنا شروع کر دیا۔ لیکن اب ہاتھ نہ تھے۔ کسی نے اچانک حملہ کیا اور آپ شہید ہو گئے۔ یہ دیکھ کر اُن کی زوجہ پھر لاش پر پہنچی اور اُن کے چہرے سے خون صاف کرنے

لگی۔ ادھر شمر نے دیکھ لیا۔ اُس ملعون نے اپنے ایک نوجوان کو حکم دیا وہ چپ چاپ آیا اور چوب خیمہ اُس مومنہ کے سر میں مارا اور قتل کر دیا۔ لشکر حسینؑ سے یہ پہلی خاتون ہے جو یوں قتل کی گئی۔

(الف)۔ ابو وہب عبد اللہ سے تعارف : ابو وہب عبد اللہ بن عمیر بن عباس بن عبد قیس بن علیم بن خباب الکلبی کوفہ کے باشندے تھے۔ قبیلہ اُن کا ہمدان تھا۔ کوفہ سے باہر ایک کنواں تھا جسے مُرجعہ کہا جاتا تھا۔ وہیں اپنے ذاتی مکان میں رہائش تھی۔ یہیں اُن کے اپنے باغات تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ اور والدہ دونوں وہیں رہتی تھیں۔ یہ بھی علی مرتضیٰ علیہ السلام کے صحابہ میں داخل تھے۔ وہ کوفہ سے دور رہنے کی وجہ سے اُس انقلاب سے قطعاً ناواقف تھے۔ جو کوفہ میں حضرت مسلمؑ کی آمد کے بعد واقع ہوا تھا۔ جب عبید اللہ ابن زیاد نے اُن کے باغات کے پاس خلیہ میں ڈیرہ لگایا اور افواج کی آمد و رفت شروع ہوئی تو وہب متوجہ ہوئے اور تمام صورت حال معلوم ہو گئی۔ اپنی والدہ اور زوجہ سے رخصت ہونا چاہا تو اُنہوں نے ضد کی کہ ہم بھی اہل حرم کے ساتھ رہیں گے۔ چنانچہ راتوں رات سفر کیا اور آخر امّام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ دراصل ابو وہب نے برابر سے ہونے والے ایک اور شخص کے وار کو روکنے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کی انگلیاں کٹ گئی تھیں جن کو بعض راویوں نے ہاتھ کا کٹنا قرار دیا ہے۔ بہر حال آپ اس کے بعد ڈھال (سپر) استعمال نہ کر سکے اور اس زخمی اور بلا انگلیوں کے ہاتھ کے بعد بھی برابر جنگ کرتے رہے اور والدہ کا حکم بجالائے۔ اللہ تمام محبان محمد و آل محمد کو اُن کے ساتھ شمار کرے آمین۔

(ب)۔ نام کی یکسانی نے دو اشخاص کو ایک ہی بنا دیا

راویوں نے انصاران حسین علیہم السلام میں دو ایسے نام بیان کئے ہیں جن دونوں میں لفظ ”وہب“ آیا ہے۔ اس لئے بعض علما نے دو مختلف آدمیوں کو ایک ہی سمجھ لیا ہے۔ جس شہید کا ابھی ابھی تعارف ہوا ہے۔ اُس کے نام کو کتاب بحار الانوار میں ”وہب بن عبد اللہ بن کلبی“ لکھا گیا ہے۔ اور علامہ در بندی نے بھی بحسنہ نقل کر لیا ہے۔ لیکن جو حالات تحریر فرمائے ہیں وہ وہب بن عبد اللہ کے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ حالات جناب ”ابو وہب عبد اللہ بن عمیر بن عباس“ سے متعلق ہیں۔ اس لئے ہم نے بحار کی مندرجہ بالا روایت میں وہب بن عبد اللہ کی جگہ ابو وہب عبد اللہ بن عمیر لکھا ہے۔ اور تعارف میں بتایا ہے کہ جناب ابو وہب عبد اللہ بن عمیر حضرت علی علیہ السلام کے صحابہ میں سے تھے۔ یعنی کافی عمر کے انسان تھے۔ اور وہب اُن کے بیٹے کا نام تھا۔ اور اُن کی کنیت ابو وہب اور نام عبد اللہ بن عمیر تھا۔ لیکن دوسرے شخص کا نام ہی وہب تھا اور اُس کے والد کا نام عبد اللہ تھا۔ یہ ایک نوجوان شخص تھا۔ اپنی شادی کے بعد لہن کو رخصت کرا کے مع بارات واپس آتے ہوئے راہ میں امام حسین علیہ السلام سے ملا تھا۔ اُس کے دیگر اعزہ کے ساتھ ساتھ اُس کی والدہ بھی ہمراہ تھی۔ جنہوں نے امّام کے ساتھ ساتھ سفر کرنا شروع کیا تھا۔ راہ میں تمام حالات پر مطلع ہوئے اور وہ ماں، بیٹا اور نو عروس منع کرنے کے باوجود امّام کے ساتھ رہنے پر مصر رہے۔ باقی بارات کے لوگوں کو رخصت کر دیا۔ میدان کر بلا میں وہب شہید ہوا اور اُس کی والدہ اور لہن اہل حرم کے ساتھ رہیں۔ ان دونوں شہیدوں کے حالات کو گڈ مڈ کر کے ایک بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر روایات میں فرق بالکل واضح ہے۔ چنانچہ علامہ مجلسی مندرجہ بالا روایت کے بعد دوبارہ اسی شہادت کو لکھتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سوچتے کہ پہلی روایت میں مذکور شخص

حضرت علیؑ کا صحابی ہے اور دوسری روایت والا وہب امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان لایا ہے، ملاحظہ ہو:-

(39/22)۔ جناب وہبؓ بن عبد اللہ کی جنگ اور شہادت

ثم قال في البحار: ”رايت حديثاً انَّ وهب هذا كان نصرانياً فاسلم هو وامه على يدى الحسين فقتل في المبارزة اربعة وعشرين راجلاً واثني عشر فارساً - ثم اخذ اسيراً فاتى به ابن سعد - فقال ما اشد صولتك ثم فضربت عنقه ورمي براسه الى عسكر الحسين فاخذت امه الراس فقيلت ثم رمث بالراس الى عسكر ابن سعد فأصابته رجلاً فقتلته ثم شذت بعمود الفسطاط فقتلتك رجلين فقال لها الحسين ارجعي يا أم وهب أنت وابنك مع رسول الله صلى الله عليه وآله فإن الجهاد مرفوع عن النساء فرجعت وهى تقول إلهي لا تقطع رجائي - فقال لها الحسين عليه السلام لا يقطع الله رجاءك يا أم وهب -

(أكبر العبادات في اسرار الشهادات - صفحہ 272)

پھر علامہ محمد باقر مجلسی نے کتاب بحار میں لکھا ہے کہ: ”میں نے ایک اور حدیث دیکھی ہے جس میں وہبؓ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ عیسائی تھا۔ وہ اور اُسکی والدہ دونوں امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان لائے اور اسلام اختیار کیا۔ اور میدان کربلا میں امام کی طرف سے دست بدست جنگ کرتے ہوئے وہب بن عبد اللہ نے لشکر یزید کے چوبیس پیدل فوجیوں اور بارہ سواروں کو قتل کیا پھر گرفتار ہو گیا۔ جب عمر بن سعد کے سامنے پیش کیا گیا تو عمر نے کہا کہ تیرا بہت دبدبہ اور رعب تھا۔ اسکے بعد اُسکا سر کاٹ کر لشکر حسینؑ میں پھینکا گیا۔ جہاں اُسکی والدہ نے وہبؓ کے سر کو بوسے دیئے اور پھر سر کو واپس عمر کی فوج پر بہت زور سے پھینکا جس سے ایک شخص مر گیا۔ پھر چوب خیمہ لے کر حملہ آور ہوئی اور دملعونوں کو قتل کیا۔ اب امامؑ نے آواز دی اور کہا کہ اے ام وہب اب تم واپس آ جاؤ۔ عورتوں پر جہاد کرنا واجب نہیں ہے۔ تم دونوں سے میں خوش ہو گیا اور تم اور تمہارا بیٹا اب رسول اللہ کے ساتھیوں میں شمار ہو گئے ہو۔ وہبؓ کی والدہ نے اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ میری امیدوں کو برقرار رکھنا۔ امامؑ نے تصدیق فرمائی کہ اے ام وہب اللہ تیری امیدوں اور مرادوں کے خلاف نہ کرے گا۔“

یہ ہے وہ دوسری روایت جس میں شہید ہونے والا ابو وہبؓ نہیں بلکہ وہبؓ ہے۔ اس کا نام عبد اللہ نہیں بلکہ عبد اللہ اُس کے باپ کا نام ہے۔ یہ شخص نہ پہلے سے مسلمان تھا اور نہ ہی حضرت علیؑ علیہ السلام کا صحابی تھا۔ بلکہ ایک نوجوان عیسائی شخص تھا۔ اس نے بارہ نہیں بلکہ چوبیس پیدل فوجی قتل کئے تھے۔ انیس (19) نہیں بلکہ بارہ سوار قتل کئے تھے۔ لہذا اُسے ابو وہب سمجھنا بے سمجھی اور حماقت ہے۔

(39/23)۔ حضرت عمرو بن خالد ازدی کی شہادت

وفي البحار ثم برز من بعده عمرو بن خالد الازدى وهو يقول: إِلَيْكَ يَا نَفْسِ إِلَى الرَّحْمَنِ - فَأَبْشُرُوا بِالرَّوْحِ وَالرَّيْحَانِ - الْيَوْمَ تَجْرَيْنَ عَلَى الْإِحْسَانِ - قَدْ كَانَ مِنْكَ غَابِرُ الزَّمَانِ - مَا خُطُّ فِي اللَّوْحِ لَدَى الدَّيَّانِ - لَا تَجْزَعِي فِكُلِّ حَيٍّ فَاِنَّ وَالصَّبْرَ اخْطَى لَكَ بِالْأَمَانِ - يَامَعْشَرَ الْأَزْدِ وَبَنِي قَحْطَانَ - ثُمَّ قَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ - (أكبر العبادات - صفحہ 272)

اور بحار الانوار میں لکھا گیا ہے کہ وہب بن عبد اللہ کے بعد جناب عمرو بن خالد ازدی جہاد کیلئے نکلے۔ وہ جنگ کرتے جاتے تھے اور اپنے آپ کو یوں مخاطب کر رہے تھے کہ اے عمرو کے نفس تو رحمان کی راہ پر روانہ ہو جا اور اس سفر کی بنا پر مسرتوں اور مبارکبادوں کا تحفہ

لیتا جا۔ آج ہی تو وہ دن ہے جس روز تو احسان و سلوک کی راہ پر چلا جا رہا ہے۔ گزشتہ ایام میں تجھے اللہ تعالیٰ اُس قربانی کے لئے تیار کرتا رہا تھا جو لوح محفوظ میں تحریر چلی آ رہی تھی۔ تجھے کسی قسم کا ہراس و بے چینی کیوں ہوگی۔ جب کہ تو جانتا ہے کہ زندہ ہستی فنا ہونے والی ہے۔ اے قحطان کی اولاد اُس دن کہ از دی قبیلے کے لوگوں کیلئے امان طلب کرنے سے باقی تمام راہیں بہتر ہیں۔ برابر جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ حسینؑ پر قربان ہو گئے۔ اللہ اُن کو ہماری بخشش و اصلاح کا ذریعہ بنائے آمین۔

(39/24)۔ خالد بن عمرو بن خالد از دی کی شہادت

وفی المناقب ثم تقدم ابنه خالد بن عمرو وهو يرتجز ويقول: صبراً على الموت بنى قحطان - كيما تكونوا في رضى الرحمن - ذى المجد والعزة والشان - وذى العلى والطول والاحسان - يا ابت قد صرت فى الجنان - فى قصر رب حسن البيان -

کتاب مناقب میں لکھا گیا ہے کہ جناب عمرو بن خالد کے بعد اُن کے فرزند جناب خالد بن عمرو نے یہ رجز (چیلنج) پڑھتے ہوئے حملہ کیا کہ اے قحطان کی اولاد دموت پر صبر کرنے کا نتیجہ رحمن کی رضا مندیاں ہوتی ہیں اور رحمن ہی تمام بزرگیوں، ساری عزت اور شان کا مالک ہے۔ اور وہی رفعتوں کشائشوں اور احسان کا خالق و مالک ہے۔ اے میرے پیارے باپا تم تو جنت میں سدھار گئے اپنے رب کے بنائے ہوئے حسین اور مستحکم محل میں جا پہنچے لیکن میں بھی فوراً پہنچ رہا ہوں۔ آخر جام شہادت پی لیا۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 272) (اس روایت کو بحار میں علامہ ابن شہر آشوب سے لیا ہے)

(الف)۔ عمرو بن خالد سے تعارف اور تفصیلات میں حضرت عباسؓ کا کارنامہ

ان دونوں باپ بیٹوں کے متعلق چند باتیں جاننا ضروری ہیں نام و نسب؛ عمرو بن خالد بن حکیم بن حزام الاسدی الصیداوی الازدی یہ کوفہ کے باشندے اور اشراف میں سے ہیں۔ اہلبیت رسولؐ کے مخلص شیعوں میں سے تھے۔ حضرت مسلم علیہ السلام کی شہادت کے ہنگامہ اور ابن زیاد کی طرف سے گرفتاریوں کے سیلاب سے بچ کر جو لوگ کوفہ سے نکلے اور امام کی نصرت کے لئے وہاں پہنچے اُن میں سے جناب عمرو اور اُن کے بیٹے اور ایک اُن کے غلام سعد بھی تھے۔ چنانچہ جب امامؑ کے قاصد قیس بن مسہر صیداوی کو گرفتار کر لیا گیا اور امامؑ کا خط اُن سے چھین لیا گیا تو انہوں نے قتل سے پہلے پہلے امامؑ کا یہ پیغام زبانی پہنچا دیا تھا کہ: امام علیہ السلام مقام حاجر میں آ گئے ہیں۔ جو نصرت کرنا چاہے وہاں پہنچ جائے۔ یہ خبر سُن کر جناب عمرو اپنے مذکورہ بیٹے، غلام اور تین اور ساتھیوں سمیت منزل عذیب الحجانات میں آ کر امامؑ سے ملے، ساتھ ساتھ رہے۔ اور روز عاشور اُن پانچوں حضرات نے ضرورت پڑنے پر دشمن کی فوج پر حملہ کیا تھا۔ جب یہ حضرات شمشیر زنی کرتے کرتے اُس ٹڈی دل فوج میں ڈوب گئے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے تو امامؑ نے اپنے بھائی کو اُن کی تلاش اور مدد اور واپس لانے کے لئے بھیجا۔ جناب عباسؑ نے حملہ کیا دشمن کی فوج کو تہہ و بالا کرنا اور اُن بہادروں کو تلاش کرنا شروع کیا۔ آپ نعرہ مارتے اور پکارتے بڑھتے جاتے تھے۔ دشمن کی فوج نے یہ دیکھ کر کہ جان اسی صورت میں بچ سکتی ہے کہ اُن پانچوں جوانوں سے الگ ہٹیں اور اُس شیر الہی کو اُن کے مقصد میں کامیاب ہونے دیں۔ لہذا بادل چھٹنا شروع ہوئے آپ نے اُن حضرات کو آگے آگے رکھا اور دفاع کرتے ہوئے لے کر واپس آئے۔ دشمن کی فوج پھر جمع ہونا شروع ہوئی۔ اپنے کیمپ کے پاس آتے آتے فوج

پھر گھر آئی۔ ان جوانوں سے صبر نہ ہوا پھر پلٹ کر حملہ آور ہو گئے۔ زمنوں سے چور چور تو پہلے ہی تھے۔ اب جو دوبارہ جنگ شروع کی تو تمام جنگی احتیاط کی راہیں رک گئیں۔ خوب لڑے اور پانچوں حضرات ایک جگہ شہید ہو گئے۔ حضرت عباس علیہ السلام نے واپس آ کر امام کی خدمت میں تمام واقعہ بیان کیا۔ امام نے دعائیں دیں اور لاشیں منگوا کر گنج شہیداں میں امانت رکھ دیں۔

(39/25)۔ سعد بن حنظلہ التیمی (جناب عمرو بن خالد کے غلام) کی شہادت

یہ بزرگوار بھی مندرجہ بالا پانچ صحابہ میں سے ہیں اور اپنے آقا کے ساتھ نصرت امام کے لئے عذیب الہجانات کی منزل سے ساتھ ساتھ آئے اور حضرت عباس علیہ السلام کے سامنے شہید ہوئے اُن کے متعلق چند الفاظ سن لیں۔ کتاب بحار الانوار میں لکھا ہے کہ:- قال محمد بن ابيطالب ثُمُ برز من بعد خالد بن عمرو وسعد بن حنظلہ التیمی مولیٰ عمرو بن خالد وَهُوَ يرتجز ويقول: صبراً على الاسياف والاسنة - صبراً عليها لدخول الجنة وحور عين ناعمات هنة - لمن يريد الفوز بالظنة - يانفس للراحة فاجهد نه - وفي طلاب الخير فارغبته - ثم حمل وقاتل قتالا شديداً ثم قُتِلَ - (اکسیر صفحہ 272)

علامہ محمد بن ابیطالب نے کہا کہ پھر جناب عمرو بن خالد کا غلام سعد بن حنظلہ تیمی یہ چیخ دیتے ہوئے میدان میں جنگ کرنے لگے کہ: تلواروں اور برچھیوں پر ہم اس لئے ضبط و تحمل دکھا رہے ہیں کہ ہمیں جلدی سے جنت میں داخلہ ملے اور وہاں کی نعمتیں اور حورائے جنت ہماری ہم نشین ہوں۔ یہ جزا اُن لوگوں کے لئے مقرر ہے جو ظن و گمان کے بجائے حق الیقین سے قربانی پیش کریں لہذا اے میرے نفس تو ہمیشہ کی راحت اور ابدی مسرت کے لئے خوب محنت کر لے اور خیر طلبی پر پورا زور لگا دے۔ خوب لڑے اور شہید و کامیاب ہو گئے۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 272)

(39/26-27)۔ باپ اور بیٹے مجمع بن عبد اللہ اور عائد بن مجمع کی شہادت

پورا تعارف: مجمع بن عبد اللہ بن مجمع بن مالک بن ایاس بن عبد مناة بن سعد العشرۃ المذحجۃ العائذی - زمانہ نبوت میں پیدا ہوئے تھے۔ اُنکے والد جناب عبد اللہ رسول اللہ کے صحابہ میں سے تھے۔ اور مجمع جناب علی مرتضیٰ کے اصحاب میں داخل تھے۔ جنگ جمل و صفین میں امیر المؤمنین کے ناصر تھے۔ جیسا کہ تذکرہ ہو چکا مجمع اور اُنکے فرزند عائد دونوں عمرو بن خالد (نمبر 23) کے ساتھ عذیب الہجانات پر امام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اُن پانچ شہدا میں شریک تھے۔ جنہوں نے مل کر دشمن کا مقابلہ کیا اور جناب عباس علیہ السلام جن کو نزعہ افواج سے نکال کر لائے اور پھر وہ حضرات جوش ایمانی کی بنا پر دوبارہ حملہ آور ہو گئے تھے۔ اور پانچوں حضرات ایک ساتھ ایک مقام پر شہید ہوئے۔ یہ دونوں باپ اور بیٹا بھی کوفہ کے باشندے تھے۔ اُن حضرات کے مرتبہ کا کیسے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ جن کی نصرت کیلئے حضرت عباس علمبردار علیہ الصلوٰۃ والسلام تعینات کئے جائیں؟

(39/28)۔ جناب عمیر بن عبد اللہ المذحج کی شہادت اور افواج شام کی بوکھلاہٹ

وفی البحار و خرج من بعده عمير بن عبد الله المذحجي وهو يرتجز ويقول: قد علمت سعد وحي مذحج - آئی لدی

الہیجا لیس مخرج۔ اعلو بسیفی ہامۃ المذحج۔ و اترک القرن لذی التعرج۔ فربۃ الضیع الازل الاعرج۔ وَلَمْ یَزَلْ یَقَاتِلْ حَتّٰی قَتَلَهُ مُسْلِمُ الضَّبَابِی وَعَبْدُ اللّٰهِ الْبَجَلِی۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 272)

بحار الانوار میں لکھا گیا ہے کہ پھر جناب عمیر بن عبد اللہ ندجی رجز (چیلنج) پڑھتے ہوئے یزیدی افواج پر حملہ آور ہوئے۔ وہ فرماتے جاتے تھے کہ: قبیلہ سعدی اور ندج جانتے ہیں کہ میں جنگ کے دوران ایک وحشی شیر ثابت ہوتا ہوں۔ اور صرف ایک شخص پر تلوار اٹھاتا ہوں جو سامان جنگ سے بالکل آراستہ اور بہادرانہ جنگ کا عادی ہو۔ اور کشتوں کے پُشتے اور لاشوں کے ڈھیر لگا تا اور بچّوں اور درندوں کی خوراک بنانے میں ماہر ہوں۔ برابر دوستی تلواریں مارتے اور قتل کرتے جا رہے تھے کہ اُن پر مسلم ضبابی اور عبد اللہ نے برابر سے اچانک ایک ساتھ حملہ کیا اور وہ شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

(39/29)۔ جناب نافع بن ہلال کی جنگ اور دشمن فوج کی پسپائی اور نیا فیصلہ

اس وقت تک جنگ کا بہادرانہ طریقہ جاری تھا۔ ادھر سے منچل لوگ باہر نکلتے، مد مقابل طلب کرتے اور شمشیر زنی اور بہادری کے جوہر دکھاتے۔ اسی طرح انصاران حسین میدان میں نکلتے اور جذبہ ایمانی کی قوت و قدرت کا مظاہرہ کرتے رہے اور نتیجہ میں دشمن فوج کو شدید نقصان ہوتا رہا۔ لیکن فی الحال یزیدی سپہ سالاران فوج دست بدست جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں اور کسی مناسب موقع کا انتظار کر رہے ہیں۔

وفی الارشاد بَرَزَ نَافِعُ بْنُ هَلَالٍ وَهُوَ يَقُولُ: اَنَا ابْنُ هَلَالٍ الْبَجَلِی۔ اَنَا عَلِیُّ دِیْنِ عَلِیٍّ۔ فَبَرَزَ اِلَیْہِ مَزَاحِمُ بْنُ حَرِیْثٍ فَقَالَ اَنَا عَلِیُّ دِیْنِ عِثْمَانَ۔ فَقَالَ لَہِ نَافِعُ اَنْتَ عَلِیُّ دِیْنِ شَیْطَانٍ وَحَمَلْ عَلَیْہِ فَقَتَلَهُ۔ فَصَاحَ عَمْرُو بْنُ الْحِجَّاجِ یَا حَمِقًا تَذَرُونَ مَنْ تَقَاتِلُونَ؟ اَتَقَاتِلُونَ فِرْسَانَ اَہْلِ الْمَصْرِ؟ تَقَاتِلُونَ قَوْمًا مُسْتَمِیْتِیْنَ۔ لَا یَبْرِزُ اِلَیْہِمُ مِنْکُمْ اَحَدٌ۔ فَانْهَمُ قَلِیلٌ وَقَلْ مَا یَقِیُونَ۔ وَاللّٰہُ لَوْلَمْ تَرْمُوْهُمْ اِلَّا بِالْحِجَارَةِ لَقَتَلْتُمُوْهُمْ۔ فَقَالَ لَہِ ابْنُ سَعْدٍ صَدَقَتْ الرَّای مَارَیْتَ فَارْسَلْ فِی النَّاسِ مَنْ یَعِزُّمْ عَلَیْہِمُ الْاِیَّارُ زَجَلْ مِنْکُمْ رَجُلًا مِنْہُمْ۔ وَزَادَ فِی الْبَحَارِ... (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 272-273)

کتاب ارشاد میں ہے کہ اسی عالم میں جناب نافع بن ہلال رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی فوج پر ٹوٹ کر گرے اور اعلان فرمایا کہ: میں ہلال بجلّی کا بیٹا ہوں اور علی مرتضیٰ کے دین پر ہوں۔ یہ سُن کر اُن سے لڑنے کیلئے مزاحم بن حریث نکلا اور اعلان کیا کہ میں عثمان کے دین پر ہوں۔ نافع نے یہ کہہ کر حملہ کیا کہ تو یقیناً شیطان کے دین پر ہے اور اُسے آنا فانا جہنم واصل کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر مد مقابل فوج کے سردار عمرو بن الحجاج نے چیخ کر کہا کہ اے احمق لوگو! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جن سے تم برسریکا رہو وہ کون لوگ ہیں؟ کیا تم نے انہیں مصری جوان سمجھ لیا ہے؟ ارے تم اُن سے جنگ کر رہے ہو جنہوں نے موت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے جو جان پر کھیل رہے ہیں۔ ہرگز ایک ایک دودو کر کے اُن سے لڑنے کو نہ نکلو ورنہ وہ تمہیں ڈھیر کر کے رکھ دیں گے۔ تم اجتماعی حملے کرو یہ تو بہت قلیل تعداد میں ہیں۔ اور اب جو باقی رہ گئے ہیں وہ اور بھی کم ہو گئے ہیں۔ تم تو اگر اُن پر پتھروں ہی سے حملہ جاری رکھو تو اُن سب کو قتل کر سکتے ہو۔ عمر سعد نے عمرو بن حجاج کی تصدیق کی اور کہا کہ اُن پر اجتماعی حملے کا انتظام کرو، یوں دست بدست جنگ میں کامیابی نہ ہوگی۔ کتاب بحار الانوار میں بعض دوسری کتابوں سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ عمرو بن حجاج نے کہا کہ اگر تم یوں اُنکے مقابلے پر جاتے اور انہیں بلاتے رہو گے تو اُن کا آنا،

مقابلہ کرنا اور غالب رہنا کبھی ختم نہ ہوگا۔ اُس نے لشکرِ حسینیؑ کے پاس ہی سے اپنی فوج کو نصیحت کی کہ دیکھو تم اپنے دین میں اور خلیفہ کی اطاعت میں کمی اور شک و شبہ کو جگہ نہ دو اور جن لوگوں نے دین میں خرابی پیدا کی اور دین سے الگ ہو گئے اُن کو قتل کرنے میں تکلف نہ کرو۔ یہ سُن کر امامؑ نے جواب میں تقریر کی اور یہ بھی کہا کہ اوجاج کے بیٹے تو لوگوں کو میرے خلاف اُکسانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ارے کیا ہم دین سے نکل گئے ہیں اور تم دین پر قائم ہو۔ بہت جلد تمہیں یقین آ جائیگا کہ ہم دونوں میں سے کون دین سے نکل گیا ہے اور کون جہنم میں داخلہ کا پہلے حقدار بن جاتا ہے۔ کتاب ارشاد کی رُو سے پھر عمرو بن حجاج نے اپنی فوج کا اجتماعی حملہ کیا اور انصارانِ حسینیؑ نے گھمسان کی لڑائی سے دفاع کیا۔

(39/30)۔ مسلم بن عوسجہ کا حملہ اور شہادت: عمرو بن حجاج کی فوج کا یہ اجتماعی حملہ نہر فرات کی جانب سے ہوا تو ادھر جناب نافع بن ہلال اس اجتماعی حملہ میں گھر گئے اور ادھر جناب حبیبؑ ابن مظاہر اور جناب حُر اور چند دیگر انصار نے بڑھ کر اس پوری فوج پر فہر خداوندی کی طرح بلہ بول دیا۔ اس حملہ کے وقت مسلم بن عوسجہ کا حال الگ سے بیان کرنا اور جناب نافع بن ہلال اور دیگر شہداء کا الگ الگ حال بیان کرنا ناممکن تھا مگر جو کچھ بتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ جناب نافع شہید ہو گئے۔

وفی المناقب بعد عمیر بن عبد اللہ ثم برز مسلم بن عوسجة مرتجزاً - ان تسئلوا عنی فانی ذوالید - من فرع قوم فی رزی بنی اسد - فمن بغانا جائز عن الرشد - وكافر بدین جبار و صمد - وفی الملهوف بالغ مسلم بن عوسجة فی قتال الاعداء وصبر علی احوال البلاء حتی سقط الی الارض وبه رمقی فمشی الیه الحسینؑ ومعہ حبیب بن مظاہر فقال له الحسینؑ رحمک اللہ یا مسلم: فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَلُوا تَبْدِيلًا ۝ (احزاب 33/23) ودنی منه حبیب وقال عز علی مصرعک یا مسلم ابشر بالجنة - فقال له مسلم قولاً ضعيفاً بشرک اللہ بخیر - ثم قال له حبیب لو لا اننی اعلم انی فی الاثر لاحبت ان توصی الی بکل ما هممک فقال له مسلم فانی اوصیک بهذا و اشار الی الحسینؑ فقال له حبیب - لانعمنک عیناً ثم مات رضوان اللہ علیہ وعن محمد بن ابيطالب وصاحت جارية له یاسیdale یا بن عوسجة فنادی اصحاب ابن سعد مستبشرین قتلنا مسلم بن عوسجة فقال شبت بن ربیع لبعض من حوله ثکلتکم امهاتکم اما انکم تقتلون انفسکم بايديکم وتذلون عزکم اتفرحون بقتل مسلم بن عوسجة اما والذی اسلمت له لرب موقف له فی المسلمین کریم۔ (اکبر العبادات - صفحہ 273)

کتاب مناقب میں لکھا گیا ہے کہ عمیر بن عبد اللہ کی شہادت کے بعد پھر مسلم بن عوسجہ حملے کے دوران فرما رہے تھے کہ اگر تم مجھ سے دریافت کرو کہ میں کون ہوں تو میں بتاؤں گا کہ میں صاحبِ قوت و قدرت فرد ہوں اور یہ کہ میں بنی اسد کی شاخ پر لگنے والا پھل ہوں۔ جو لوگ ہم سے بغاوت کرتے ہیں وہ ظالم و گمراہ اور دین خداوندی سے خارج و کافر ہوتے ہیں۔ کتاب ملہوف میں ہے کہ جناب مسلم بن عوسجہ میدانِ جنگ کی گہرائی میں اُتر گئے اور تمام دُشمنوں اور خطرات کی طرف سے بے پرواہ ہو کر حملہ پر حملہ کرتے چلے گئے یہاں تک کہ زخموں سے نڈھال ہو کر زمین پر گرے اور ادھر جناب امامؑ اور حبیبؑ ابن مظاہر پہنچے تو ابھی حالتِ نزاع میں تھے۔ امامؑ نے دعائے خیر دی اور آیت پڑھی کہ اُن میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی ذمہ داری مکمل کر دی اور وہ بھی ہیں جو انتظار میں مصروف ہیں۔ اور دونوں نے ذرہ برابر معاہدہ میں رد و بدل نہیں کیا ہے۔ پھر جناب حبیبؑ ابن مظاہر بھی حضرت مسلمؑ کے قریب آئے اور کہا کہ اے مسلمؑ تمہارا اس

حال میں دیکھنا تو مجھے غم و رنج میں مبتلا کرتا ہے۔ مگر اس کے نتیجے میں میں تمہیں جنت کی بشارت دیتا ہوں۔ مسلم بن عوسجہ نے نہایت کمزور آواز سے کہا کہ خدا تمہیں بھی بشارت دے۔ حبیبؑ نے کہا کہ اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ میں بھی فوراً تمہارے پاس پہنچنے والا ہوں تو تم سے درخواست کرتا کہ مجھے کوئی وصیت کرتے جاؤ۔ مسلم نے کہا میری اس سے بڑی اور کوئی وصیت نہیں ہے کہ امام کی نصرت میں کمی نہ ہونے دینا اور اپنی جان قربان کر دینا۔ اس کے بعد خدمت علی و بتول و رسول علیہم السلام میں حاضر ہو گئے۔ مسلم بن عوسجہ کی ایک کینز نے نعرہ فریاد بلند کیا اور ہائے میرے سردار ہائے مسلم بن عوسجہ کہہ کر رونا شروع کیا تو فوج ابن سعد کے کچھ لوگوں نے خوش ہو کر کہا کہ ہم نے مسلم بن عوسجہ کو قتل کر دیا۔ شبث بن ربعی نے اُن کو ڈانٹ کر کہا کہ تمہاری مائیں تمہارے سوگ میں روئیں۔ ارے تم تو خود اپنے ہاتھوں خود کو قتل اور اپنی عزت کو ذلت سے بدل رہے ہو۔ تم کتنے ناعاقبت اندیش ہو کہ مسلم بن عوسجہ جیسی ہستی کو قتل کر کے خوش ہو رہے ہو۔ حالانکہ مسلم مسلمانوں میں ایک بہت بزرگ مقام رکھتے تھے۔

(الف)۔ مسلم بن عوسجہ سے تعارف: اصحاب حسین علیہ السلام میں بہت مخصوص پوزیشن رکھتے تھے۔ پورا نام اور کنیت وغیرہ:- ابو جحل مسلم بن عوسجہ بن سعد بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی سعدی۔ بہت ممتاز و معزز عربوں میں سے تھے۔ رسول اللہ کی زیارت و صحبت سے شرفیاب تھے۔ راویان حدیث میں سے ہیں۔ کافی سن رسیدہ ہو چکے تھے۔ حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کی آمد سے آخر وقت تک تمام خطرناک خدمات انجام دیں اور ابن زیاد کے انتظام سے بچ کر مع اہل و عیال کربلا میں امام سے آکر مل گئے۔ شب عاشور جب امام نے اپنے عزیزوں اور انصار کو عام اجازت دی تھی تو سب سے پہلے مسلم بن عوسجہ نے اپنا بیان دیا تھا۔ اور کہا تھا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم آپؐ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ بخدا میں ان دشمنان دین سے لڑتے لڑتے اپنا نیزہ اُن کے سینے میں توڑ دوں گا۔ اور جب تک تلوار کا قبضہ پکڑنے کی طاقت رہے گی تلواریں مارتا چلا جاؤں گا۔ اور اگر اسلحہ نہ ہوگا تو میں اُن پر سنگ باری کروں گا مگر آپ سے جدا نہ ہوں گا۔ وہ سن و سال کی رو سے بوڑھے تھے۔ لیکن جذبہ ایمانی اور ولولہ قربانی اُن میں جوان تھا۔ وہ عمرو بن حجاج کے اجتماعی حملہ کو روکنے والوں کے ساتھ دشمن کی فوج میں گھسے اور دشمن کو چند انصاران حسینؑ نے بھگا دیا۔ اور جب دشمن میدان چھوڑ کر فرار کر گیا تو مسلم بن عوسجہ قربان ہو چکے تھے۔ گویا اپنے امام کی زیارت کا انتظار کر رہے تھے کہ حضورؐ نے پہنچ کر رخصت کیا۔ بھاگی ہوئی افواج پھر جمع ہو گئیں اور اس دفعہ شمر ملعون کی کمانڈ میں اجتماع کیا جانا طے پایا۔ ادھر انصاران حسینؑ انتظار فرما رہے تھے۔

(ب)۔ شمر ملعون، سپاہ حسینؑ پر حملہ کرتا ہے

وَعَنِ الْارْشَادِ ثُمَّ تَرَجَعَ الْقَوْمُ إِلَى الْحُسَيْنِ فَحَمَلَ شَمْرُ بْنُ ذِي الْجَوْشَنِ فِي الْمَيْسِرَةِ فَثَبَّتْهُ وَطَأَتْهُ وَحَمَلَ عَلَى الْحُسَيْنِ وَاصْحَابِهِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ وَقَاتَلَهُمْ اصْحَابُ الْحُسَيْنِ قِتَالًا شَدِيدًا فَاخَذَتْ خَيْلُهُمْ تَحْمِلُ وَانْمَاهُمْ اِثْنَانِ وَثَلَاثُونَ فَارْسًا فَلَا يَحْمِلُونَ عَلَى جَانِبٍ مِنْ خَيْلِ الْكُوفَةِ اِلَّا كَشَفُوهُمْ۔ فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ عُرْوَةُ بْنُ قَيْسٍ وَهُوَ عَلَى خَيْلِ الْكُوفَةِ بَعَثَ إِلَى ابْنِ سَعْدٍ اِمَاتَرِي مَا تَلْقَى خَيْلِي مِنْ هَذِهِ الْعَدَةِ الْيَسِيرَةِ اَبْعَثْ إِلَيْهِمُ الرِّجَالَ وَالرَّمَاةَ۔ فَبَعَثَ إِلَيْهِمُ بِالرَّمَاةِ وَقَاتَلَ اصْحَابُ الْحُسَيْنِ الْقَوْمَ اَشَدَّ قِتَالٍ۔ وَفِي الْبَحَارِ فَدَعَى عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ الْحَصِينَ بْنِ نَمِيرٍ فِي خَمْسِ مِائَةٍ مِنَ الرَّمَاةِ فَاقْتَتَلُوا حَتَّى دَنَوْا مِنَ الْحُسَيْنِ

واصحابہ فرشقوہم بالنبل فلم یلبثوا أن عقرواخیولہم وقاتلوہم حتی انتصف النهار واشتد القتال ولم یقدروا أن یاتوہم الا من جانب واحد لاجتماع ابنیتہم وتقارب بعضہا من بعض فارسل ابن سعد الرجال لیقوضوہا عن ایمانہم وعن شمالہم لیحیطو بہم واخذ الثلثة والاربعة من اصحاب الحسین یتخلّلون فیشدّون علی الرجال یعرض وینبہ فیرمونه عن قریب فیصرعونه فیقتلونه۔ فقال ابن سعد احرقوہا بالنار فاضر موافیہا فقال الحسین دعوہم یحرقوہا فانہم اذا فعلوا ذلک لم یجوزوا الیکم۔ فكان کما قال وقیل اتاہ شہب بن ربعی وقال افزعنا للنساء ثکلتک اُمک فاستحیاء فاخذوا لایقاتلوہم الا من وجہ واحد۔

وعن الارشاد وجائہم شمر فی اصحابہ فحمل علیہم زہیر بن قین فی عشرة رجال من اصحاب الحسین فکشفوہم عن البیوت وعطف علیہم شمر فقتل من القوم جمیعاً وردّ الباقین الی مواضعہم.... وکثر القتل والجراح فی اصحاب ابی عبد اللہ الی أن ذالت الشمس۔ وفی البحار فلما رای ذلک ابو ثمامہ الصیداوی قال للحسین علیہ السلام یا ابا عبد اللہ نفسی لنفسک الفداء افتریوا منک هؤلاء ولا والله لا تقتل حتی اقتل دونک واحبّ أن القی اللہ تعالی ربّی وقد صلیت هذه الصلوة۔ فرفع الحسین راسہ الی السماء وقال ذکرّت الصلوة جعلک اللہ من المصلین۔ نعم هذا اول وقتہا۔ ثم قال سلوہم أن یکفّوا حتی نصلی۔ قال ابو مخنف فاذن الحسین علیہ السلام بنفسہ فلما فرغ من الاذان نادى یاویلک یا عمر بن سعد انسیت شرایع الاسلام الاتقف عن الحرب حتی نصلی وتصلون ونعود الی الحرب۔ فلم یجبه۔ فننادی الحسین علیہ السلام استحوذ علیہ الشیطان۔ فننادی الحصین بن نمیر یا حسین صل ما بادلک فانّ اللہ لایقبل صلوتک۔ فقال لہ حبیب بن مظاهر وكان واقفاً بین یدى الحسین۔ ثکلتک امک وعدموک قومک وكيف لا تقبل صلوة ابن بنت رسول اللہ وتقبل صلوتک یا بن الخمار؟ فغضب الحصین حین ذکرأُمہ وبرز نحوہ وعندذلک یقول: دونک ضرب السیف یا حبیب۔ وافاک لیث بطل مجیب۔ فی کفہ مہند قضیب۔ کانہ من لمعة حلیب۔ ثم نادى یا حبیب ابرز الی میدان الحرب قال فسلم حبیب علی الحسین وودّعہ وقال واللہ یا مولی انی ارجو أن لا تقضى صلوتک الا وانا اصلی فی الجنة واقرأ جَدّک واباک وامک واکاک عنک السلام۔ ثم برز الی الحصین وهو یقول: انا حبیب وابی مظاهر۔ وفارس الہیجاء ولیث قسور۔ وفی یمینی صارم مذکر۔ وانتم ذو عدد واکثر۔ ونحن منکم فی الحروب اصبر۔ ایضاً وانا فی الامور اقدر۔ واللہ اعلى حجة واطهر۔ منکم وانتم نفر لا تنصروا۔ سبط رسول اللہ اذا یستنصر۔ یا شر قوم بالہدی قد کفروا۔ ثم حمل فی اثر شعرہ علی الحصین فضربه ضربة فوقعت فی وجہ حصانہ فقطع خیشومہ فوثب الحصان فرماہ عن ظہرہ الی الارض فہم أن یعلوہ بسیفہ ضربة اخرى فحامی عنہ اصحابہ واستنقذوہ وفی البحار نقلاً عن مناقب وقاتل قتلاً شدیداً وقال ایضاً۔ أقسم لو کنا لکم اعداء۔ او شطركم ولیتم الاکتا داً..... وعن محمد بن ابيطالب فقتل اثنین وستین رجلاً۔ وعن المناقب ثم حمل علیہ رجل من بنی تمیم فطعنہ فذهب لیقوم فضربه الحصین بن نمیر علی راسہ بالسیف فوقع ونزل التمیمی فاجتزأ راسہ فہذ مقتلة الحسین فقال عند اللہ احتسب نفسی وحماء اصحابی۔ وقیل بل قتله رجل یقال لہ بدیل بن صریم واخذ راسہ فعلقہ فی عنق فرسہ فلما دخل مکة رآہ ابن حبیب وهو غلام غیر مرہق فوثب الیہ فقتلہ واخذ راسہ وعن محمد بن ابيطالب قتله الحصین بن نمیر وعلق راسہ فی عنق فرسہ۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 273-274)

کتاب ارشاد کی رو سے بھاگی ہوئی افواج پھر جمع ہو گئیں اور شمر نے اُنکو لے کر بائیں طرف سے حملہ کیا اور تیر و تلوار و نیزہ سے امامؑ اور امامؑ کے صحابہ پر ٹوٹ پڑے اور ہر طرف سے گھیرنے کی کوشش شروع کر دی۔ لیکن حسینؑ انصار نے زبردست دفاعی جنگ کی

اور بڑھ بڑھ کر حملے جاری رکھے۔ حالانکہ اس حملہ کو روکنے میں حصہ لینے والے بتیس (32) مجاہد تھے۔ اور وہ اہل کوفہ پر حملہ ہی نہ کرتے تھے بلکہ صرف ایک نقطہ پر دفاع کر کے دشمن کو سخت نقصان پہنچانے میں مصروف تھے اور جب اہل کوفہ زد پر آ گئے تو اُنکی دھجیاں اڑا دیں۔ یہ دیکھ کر اُنکے سردار لشکر عروہ بن قیس نے عمر سعد کو اطلاع بھیجی کہ تم صبح سے میری فوج کی تباہی اور فرار دیکھ رہے ہو۔ لہذا میری فوج کو دم لینے کی چٹھی دو اور سپاہ حسینیؑ پر نئی فوج تیر اندازوں کی بھیجو۔ چنانچہ تیر اندازوں کا زبردست لشکر آ گیا۔ اُس سے بھی صحابہ حسینؑ نے زبردست ٹکری اور جھکے چھڑا دیئے۔ اور کتاب بحار میں یہ لکھا ہے کہ عمر سعد نے جب اس حملہ کو پسپا ہوتے دیکھا تو اس نے حصین بن نمیر کو پانچ سو تیر اندازوں کے ساتھ مدد کو بھیجا۔ اب جنگ نہایت بے جگری سے بھڑکی اور اندھا دھند تیر بارانی کی جانے لگی۔ اور دشمن لوگ امامؑ اور اصحاب امامؑ کے قریب آ پہنچے۔ لیکن انصار گھوڑوں کے اندر گھس گئے اور گھوڑوں کی ٹانگیں کاٹنا اور اُنکے منہ پر ضربیں لگانا شروع کیا تو گھوڑے اُلٹ اُلٹ کر گرنا شروع ہو گئے۔ گھوڑوں کے سوار گھوڑوں سے دب کر مر رہے تھے۔ یہ ہنگامہ ٹھیک دو پہر تک جاری رہا لیکن فوج کو برابر سے حملہ کرنے کا موقع نہ ملا۔ مگر دشمن کے لوگ صحابہ حسینیؑ کے بالکل قریب تک پہنچ گئے۔ تو عمر سعد نے اور ملک بھیج دی تاکہ لوگ ادھر ادھر سے بچا کر خیموں تک پہنچ جائیں اور چاروں طرف سے گھیر لیں اور خیموں کو گرا دیں مگر خیموں کا یکبارگی گرا دینا ناممکن تھا۔ وہ آپس میں بڑی مضبوطی اور حکمت عملی سے بندھے ہوئے تھے۔ درحقیقت دشمن کے سپاہی خود گھر کر رہ گئے تھے۔ ادھر انصار نے تین تین چار چار کی ٹولیاں بنا کر اُن پر حملہ شروع کیا اور اُن اندر آ جانے والے لوگوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ عمر سعد نے یہ قتل عام دیکھ کر کہا کہ خیموں میں آگ لگا دو۔ وہ اس کوشش میں مصروف ہوئے تو امامؑ نے صحابہ کو پھر جمع ہو جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اُنکو آگ لگانے دو اگر یہ آگ لگا دیں تو اُن کیلئے تمہارے قریب آنا قطعاً ناممکن ہو جائے گا۔ تم صرف سامنے سے دفاع کرو۔ اتنے میں شبث بن ربعی ادھر آ گیا۔ اور اُس نے عمر سعد کو خیمہ جلانے کے حکم پر برا بھلا کہا تو اسے حیا آ گئی اور جنگ صرف ایک طرف سے جاری رہی۔ شبث بن ربعی نے چونکہ قریب سے محاذ دیکھ لیا تھا اسے یقین ہو گیا کہ آگ لگانا مفید نہ ہوگا۔ اسلئے وہ لوگ باز رہے۔

ادھر کتاب ارشاد کی رُو سے شمار اور اس کی داخل شدہ فوج پر جناب زبیر بن عقیل نے دس صحابہ کے ساتھ حملہ کیا اور سوائے چند ایک دشمنوں کے جو بھاگنے میں کامیاب ہو گئے سب کو اُسی جگہ قتل کر دیا البتہ شمر نکل بھاگا۔ بہر حال اُس وقت تک سپاہ حسینیؑ میں صحابہ کی کثرت قتل اور زخمی ہو چکی تھی اور دن ڈھل چکا تھا۔ کتاب بحار میں لکھا گیا ہے کہ جب ابو ثمامہؓ صیداوی نے دیکھا کہ ظہر کا وقت ہو گیا ہے تو امامؑ سے عرض کیا کہ میں صدقہ ہو جاؤں میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ قریب سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں آپ پر آئیں آئے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ یہ نماز ادا کر لوں تاکہ اپنے پروردگار کے روبرو نماز ادا کئے ہوئے حاضری دوں۔ امامؑ نے آسمان کی طرف وقت کو دیکھا اور فرمایا کہ تم نے مجھے نماز یاد دلائی ہے اللہ تمہیں نمازیوں کے ساتھ رکھے۔ ٹھیک ہے یہ اولین و افضل وقت ہے ان لوگوں سے نماز کی اجازت اور جنگ بند کرنے کے لئے کہو۔ ابو مخنف نے لکھا ہے کہ پھر امام حسین علیہ السلام نے بنفس نفیس خود اذان دی اور جب اذان سے فارغ ہوئے تب ابن سعد کو آواز دی کہ اے عمر بن سعد خدا تیرا برا کرے کیا تو نے اسلام کے تمام قوانین کو بھلا دیا ہے۔ کیا تو نماز کا وقفہ دینے کو تیار نہیں کہ ہم بھی نماز پڑھ لیں اور تم لوگ بھی نماز ادا کر لو۔ پھر ہم

جنگ کی موجودہ پوزیشن میں آجائیں گے۔ مگر عمر سعد نے جواب ہی نہ دیا تو امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ عمر سعد پر ابلیس نے قابو پار کھا ہے۔ یہ سن کر حصین بن نمیر نے جواب دیا کہ اے حسین جس طرح چاہو نماز پڑھ لو مگر تمہاری نماز اللہ کے یہاں قبول نہ ہوگی۔ حبیبؓ ابن مظاہر نے جواب میں کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ رسولؐ کے نواسے کی تو نماز قبول نہ ہو اور تمہاری نماز قبول ہو جائے اے خمارہ کے بیٹے تیری ماں تیرے غم میں صف ماتم بچھائے۔ اپنی ماں کی توہین سے حصین کو بہت غصہ آیا اس نے کہا کہ اے حبیبؓ تو میری اس تلوار سے بچ کر نہیں جاسکتا۔ ایک بہادر جنگجو کا سامنا کرنے کے لئے تیاری کر لے اور اُس کے سامنے جس کے ہاتھ میں ہندوستانی فولاد کی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے والی تلوار ہے جس میں ہر وقت خون جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ پھر حبیبؓ کو لاکر کہا کہ میدان جنگ میں نکل۔ حضرت حبیبؓ نے امامؐ پر سلام بھیجا اور عرض کیا کہ میں ہرگز آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کو ترک کر دینا پسند نہ کرتا لیکن یہ وقت ایسا ہے کہ غیرت اسلامی کا تقاضہ ہے کہ میں اس ملعون کو جواب دوں۔ اگر میری یہ نماز قضا ہوتی ہے تو میں جنت میں آپ کے نانا، والد، والدہ اور بھائی کو آپ کا سلام پہنچاؤں گا اور وہیں نماز ادا کروں گا۔ اس کے بعد رخصت ہو کر حصین بن نمیر کے سامنے آئے اور جواب میں بتایا کہ میں حبیبؓ ہوں میرے والد مظاہر تھے۔ میں میدان جنگ میں بہادروں کا منہ موڑ دینے والا بہادر ہوں۔ ہر چند کہ تم تعداد میں زیادہ ہو لیکن جم کر لڑنے اور صبر و تحمل میں ہم زیادہ ہیں۔ میرے ہاتھ میں سروتھن میں جدائی ڈالنے والی تلوار ہے اور ہم تمام اعمال میں تم سے زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔ اور ہمارا مسلک اور ہماری دلیل و حجت غالب ہے۔ اور تم وہ لوگ ہو جو سبط رسولؐ کے مخالف ہو اور جب کہ اُسے نصرت کی ضرورت ہے۔ تم نصرت کے بجائے اسکے قتل پر آمادہ ہو۔ تم شری ترین اور کافروں کو ہو۔ پھر حصین پر حملہ کیا اور ایک زبردست ضرب لگائی جو حصین کے بجائے اُسکے گھوڑے پر پڑ گئی اور گھوڑے کی ناک کٹ گئی۔ گھوڑے نے اُسے زمین پر پٹخ دیا۔ حبیبؓ نے بڑھ کر دوسری ضرب لگانا چاہی تو حصین کے اصحاب نے اُسے جھرمٹ میں لے کر بچا لیا اور لے کر بھاگ گئے۔ اس کے بعد حبیبؓ نے عمر سعد کی فوج پر ایک زبردست حملہ کیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ اور کہتے جاتے تھے کہ اگر ہماری تعداد تمہارے برابر یا کسی قدر کم ہوتی تو تم ہمارے سامنے بھاگتے پھرتے۔ اے بدترین اور ملعون قوم تم انتہائی کمینہ نسل کے لوگ ہو کر ہمارے مقابلہ پر آئے ہو۔ اور علامہ محمد بن ابیطالب نے لکھا ہے کہ جناب حبیبؓ نے باسٹھ ملائین کو قتل کیا تھا۔ اور مناقب میں لکھا ہے کہ بنی تمیم میں سے ایک شخص نے پیچھے سے ایک نیزہ مارا۔ حبیبؓ سنبھلنے نہ پائے تھے کہ حصین بن نمیر نے تلوار سر پر ماردی اور آپ زمین پر گر گئے۔..... (اکسیر۔ صفحہ 274-273)

(39/31)۔ حضرت حبیبؓ ابن مظاہر کی شہادت لکھی جا چکی (پیر نمبر 14)

یہاں جناب حبیبؓ کی جنگ اور شہادت کا بیان سلسلہ کلام کی بنا پر کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی آپ کے سامنے وہ روایات بھی لانا منظور تھا جن میں جناب حبیبؓ کی شہادت اور اُن کے قاتل کو مشکوک کیا گیا ہے۔ چونکہ بعض اہل قلم نے حصین بن تمیم کی جگہ حصین بن نمیر لکھ دیا اور حصین بن نمیر اہل حرمؐ کی دمشق روانگی تک زندہ ملتا ہے۔ اس لئے انہیں ضرورت پیش آئی کہ گھوڑے سے گرنے کے بعد اُسے زندہ رکھا جائے۔ بہر حال یہ روایات جو ابھی ابھی گزریں تمام ایک غلطی کو نبانے کے لئے تیار کی گئیں۔ لیکن اُن کے الفاظ اور مقصد خود اُن کی خامی واضح کرتے ہیں۔

(39/32)۔ نماز کو زندگی بخشنے والا امام کا محافظ جس نے کربلا کی نماز کو آفاقی شہرت دی

مولانا علامہ اور مجتہد حضرات اپنی مردہ نمازوں کو جاری رکھنے اور اُس مصنوعی نماز کے ذریعہ اُمت کا استحصال کرنے کے لئے کربلا کی نماز کا اکثر ذکر کیا کرتے ہیں۔ اور کہا کرتے ہیں کہ دیکھو نماز اتنی ضروری ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے کتنے خطرناک اور جان لیوا حالات میں بھی نماز کو نہ چھوڑا اور تیروں کی بارش میں بھی نماز ادا کی۔ ہمیں یہاں مجتہدین کے اس قول کے متعلق وہی بات کہنا ہے جو اللہ نے منافقوں کے قول کے متعلق سورہ منافقون کی ابتدا میں کہی تھی۔ یعنی تمہارا یہ کہنا کہ: ”ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ یقیناً ضرور اللہ کے رسول ہیں“ (نَشْهَدُ اَنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ) اور اللہ کو علم ہے کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ منافقوں کی یہ بات صحیح ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ لہذا ہم بھی کہتے ہیں کہ مولانا علامہ و مجتہد حضرات نے صحیح کہا کہ نماز بہت ہی ضروری چیز ہے اور اُسے تیروں کی بارش میں بھی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ یعنی صحیح بات صحیح ہے خواہ اُسے منافق ہی کیوں نہ کہے مگر پھر اللہ نے فرمایا کہ: ”اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ منافقین یقیناً ضرور جھوٹے ہیں۔“ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (سورہ منافقون 63/1)۔ یہ اسلئے کہ وہ اس قسم کی صحیح باتوں کی آڑ میں راہ خداوندی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔“ اِتَّخَذُواْ اٰيْمٰنَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّواْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (منافقون 63/2)۔ لہذا ہم بھی کہتے ہیں کہ وہ لوگ اُسی گروہ کے نقش قدم پر چلتے چلے آئے ہیں جو امام حسین علیہ السلام کا مد مقابل تھا، نمازی تھا، تہجد گزار تھا اور حافظان قرآن بھی اُس میں تھے۔ اور اُن کا اعلان و عقیدہ یہ تھا کہ حسینؑ کی وہ زیر بحث نماز قابل قبول نہ تھی۔ اور آج اُس قسم کے نمازی ہندوؤں، عیسائیوں، یہودیوں، کافروں اور بے دین لوگوں سے مدد کی بھیک مانگتے ہیں۔ دنیا کے ہر شعبہ میں اُن کی ہدایات و راہنمائی کے محتاج ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ نہ وہ لوگ وہ نماز پڑھتے ہیں جو تیروں کی بارش میں بھی ضروری ہے نہ اللہ اُن کی نماز کو قبول کرتا ہے۔ بلکہ اُنہیں ذلت اور مسکنت کے عذاب میں مستقل طور پر مبتلا کر دیا ہے (آل عمران 3/112) اُن میں مستقل انتشار و افتراق و اختلاف اور عداوت پیدا کر دی ہے۔ (قرآن)

ہمیں مولانا علامہ اور مجتہد حضرات سے یہ شکوہ اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ نماز نماز۔ اور امام حسینؑ کی کربلا والی نماز کے نعرے تو مارتے رہتے ہیں۔ لیکن اُن دو (2) سرفروشوں کا ذکر کبھی بھول کر بھی نہیں کرتے جن کے صدقہ میں یا جن کی قربانی سے وہ نماز ادا کی جاسکتی تھی۔ ورنہ نہ نماز بچتی نہ دوران نماز امام حسینؑ بچتے نہ یہ شہرت و عظمت نماز کو ملتی۔ جن دو فداکاروں نے نماز کو بچالیا اور نماز کو قیامت تک کے لئے حیات جاودا بخشی اُنہوں نے چونکہ خود نماز نہ پڑھی تھی، اس لئے مولانا علامہ اور مجتہد حضرات اُن کا تذکرہ نہیں کرتے تاکہ کہیں اُس قسم کے بے نمازوں یعنی نماز پر جان دینے والوں کی تعداد نہ بڑھ جائے۔ لیکن یہ گروہ جہاں اپنی ہراسیمہ میں ناکام و نامراد رہا، وہیں وہ اس تعداد کو ختم کرنے میں بھی محروم رہا۔ اور آج نماز پر جان دینے والوں کی تعداد لاکھوں پر مشتمل ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے سر و سینہ کو تلواروں، زنجیروں، چھریوں اور قمے کی تواضع کے لئے پیش کرتے ہیں۔ اور جناب سعید بن عبد اللہ حنفی علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔ اور جکوا آج بھی محمد حسینؑ ڈھکوحیسی مجتہد شیعیت سے خارج ایک الگ فرقہ قرار دیتے ہیں۔ اور زنجیر و قمہ و تلوار اور چھریوں کے ماتم کو حرام لکھتے ہیں۔ اور یہی وہ گروہ ہے جو اذان و نماز میں سے ذکر امامت و خلافت بلا فصل کو خارج کرتا ہے اور اعلان و اعتقاد

ولایت و امامت کے بغیر اذان و نماز کو مکمل اور صحیح لکھتا ہے اور ہم انہیں ملعون کہتے ہیں۔ اور ان کی پسندیدہ نماز کو تمام بزرگ، اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام ہمیشہ منع کرتے چلے آئے ہیں۔ اور ہم بھی انکی خود ساختہ نماز کی ممانعت کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی کثرت کا مولویانہ نماز کو نہ پڑھنا بھی انکی نماز کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ آئیے حقیقی نماز اور نمازی دیکھئے۔

(الف)۔ جناب سعید بن عبد اللہ حنفی سے تعارف آپ کوفہ کے معزز شیعوں میں سے ہیں۔ کوفہ سے امام حسین علیہ السلام کو بلانے کا جو آخری خط بھیجا گیا تھا۔ اُسے لے کر امام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اُن کے ساتھ جناب ہانی بن ہانی بھی تھے۔ امام نے اپنے جواب میں لکھا کہ:- ”ہانی اور سعید میرے پاس تمہارے خطوط لے کر آئے اور یہ دونوں تمہارے آخری نمائندے ہیں جو مجھ تک

پہنچے ہیں۔“ اور یہ کہ ”میں تمہاری جانب اپنے چچا زاد بھائی اور معتمد عزیز مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں۔“

حضرت سعید بن عبد اللہ نے جناب مسلم کی خدمت اور تائید میں کوئی کمی نہیں کی تھی۔ شب عاشور سعید نے امام کو یہ جواب دیا تھا کہ:

”خدا کی قسم ہم آپ کا ساتھ ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ بخدا اگر میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر زندہ آگ میں

جلا دیا جاؤں، پھر میری خاک ہوا میں منتشر کی جائے اور یہ سب کچھ میرے ساتھ ستر (70) مرتبہ کیا جائے تو بھی آپ سے

اور آپ کے مقصد سے جدا نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ آخری موت مجھے آپ کے قدموں میں آئے۔“

مؤمنین اس اعلان کو قلوب کی گہرائی میں اتار لیں اور پھر یہ دیکھیں کہ جناب سعید نے محض زبانی دعویٰ نہ کیا تھا۔ بلکہ جو کچھ انہوں نے کہا عملاً کر کے دکھایا۔ وہ وفاداری، محبت اور جان نثاری کی ایک ایسی مثال ہے کہ اس دنیا میں اس آسمان کی آنکھوں نے نہ اُس سے پہلے

دیکھی اور نہ اُس کے بعد اس کی نظیر ملی۔ وہی نماز جس کا شہرہ ہے، وہی نماز جو حسینیؑ نماز بن کر بطور ضرب المثل دنیا کی ہر قوم و ملت میں قابل

صد افتخار بن گئی، وہ عاشور کے دن ظہر کی نماز تھی۔ امام نے جناب سعید بن عبد اللہ حنفی اور جناب زبیر العقیل کو حکم دیا کہ تم دونوں تیروں

کو روکنے کے لئے میرے آگے کھڑے ہو جاؤ تا کہ میں تمام صحابہ اور اہل خاندان کو نماز پڑھا دوں۔ وہ دونوں حضرات کھڑے ہوئے،

اقامت ادھر کہی گئی اور ادھر دشمن کی فوج کے تیر اندازوں نے اپنے تیر کمانوں میں لگائے، شت لی۔ ادھر نماز شروع ہوئی ادھر تیر امام

پر برسنے لگے۔ جناب سعید امام کے سامنے اس طرح کھڑے تھے کہ ہر تیر سیدھا اُن پر آئے۔ وہاں نماز جاری تھی یہاں سعید داہنے

بائیں جھک جھک کر ہر آنے والے تیر کو اپنے جسم پر وصول کر رہے تھے۔ سینے اور پیٹ میں کھڑکیاں کھل گئی تھیں۔ ادھر نماز مکمل ہوئی ادھر

سعید زمین پر گرے اور امام نے سینہ سے لگالیا۔ چند باتیں ہوئیں، امام نے پیار کیا، شاباش دی اور رسول اللہ اور اپنے والد اور والدہ کے

حضور پیش کر دیا۔

(ب)۔ جناب سعید بن عبد اللہ کی شہادت روایات کے الفاظ میں

آپ کو یاد ہے کہ جناب ابو ثمامہ نے نماز ظہر ادا کرنے کی تمنا ظاہر کی تھی۔ اُس وقت شدت سے جنگ جاری تھی۔ حسینیؑ مجاہد لشکر

یزید سے دُور دُور تک مقابلہ پر گئے ہوئے تھے۔ امام نے اذان دی تو انصار ان حسینؑ کو نماز کی اطلاع ہوئی۔ ادھر عمر سعد سے جنگ روکنے

کی بات شروع تھی کہ جناب حبیب بن مظاہر علیہ السلام کو حصین بن تمیم کے مقابلہ پر جانا پڑ گیا۔ یہ دیکھ کر جو مجاہد جہاں تیغ آزماتھا وہیں جم

کر لڑتا رہا۔ چنانچہ جناب زہیر بن قین بھی جنگ میں مصروف تھے اور اشعار پڑھتے اور قتل کرتے جا رہے تھے۔

أَنَا زُهَيْرٌ وَأَنَا ابْنُ الْقَيْنِ - وَفِي يَمِينِي مَوْهَفُ الْحَدِيثِ - أَذَبُ بِالسَّيْفِ عَنِ الْحُسَيْنِ - ابْنِ عَلِيٍّ الطَّاهِرِ الْجَدِيدِ - اضْرِبْكُمْ ضَرْبَ غَلَامِ زَيْنِ - الْيَوْمَ يَقْضِي الدِّينَ أَهْلُ الدِّينِ - وَنَشْتَفِي مَنْ قَتَلَ أَهْلَ الشَّيْنِ - بِأَبْيَضٍ وَاسْمُ وَدِينِي - ثُمَّ حَمَلْ عَلَى الْقَوْمِ فَقَتَلَ مِنْهُمْ عَشْرِينَ رَجُلًا وَحَشَى أَنْ تَفُوتَهُ الصَّلَاةُ فَرَجَعَ وَقَالَ يَا مَوْلَايَ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَفُوتَنِي الصَّلَاةُ مَعَكَ فَصَلَّ بِنَا - وَفِي الْبَحَارِ قَالَ الْحُسَيْنُ لَزُهَيْرِ بْنِ الْقَيْنِ وَسَعِيدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْحَنْفِيِّ تَقَدَّمَا أَمَامِي حَتَّى أَصَلَّى الظُّهْرَ فَتَقَدَّمَ أَمَامَهُ... فَاسْتَهْدَفَ لَهُمْ يَرْمُونَهُ بِالنَّبْلِ كُلَّمَا اخْتَدَا الْحُسَيْنُ يَمِينًا وَشِمَالًا قَامَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَا زَالَ يَرْمِي بِهِ حَتَّى سَقَطَ إِلَى الْأَرْضِ وَهُوَ يَقُولُ اللَّهُمَّ الْعَنِهِمْ لَعْنُ عَادُو ثُمُودَ اللَّهُمَّ ابْلُغْ بَنِيكَ السَّلَامَ وَابْلُغْهُ مَا لَقِيْتُ مِنْ أَلَمِ الْجَوَاحِ فَإِنِّي أَرَدْتُ بِذَلِكَ نَصْرَةَ ذُرِّيَّةِ نَبِيِّكَ صَلَوَاتِكَ عَلَيْهِ وَآلِهِ ثُمَّ مَاتَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَرَضَوَانَهُ عَلَيْهِ فَوُجِدَ بِهِ ثَلَاثَةُ عَشَرَ سَهْمًا سِوَى مَا بِهِ مِنْ ضَرْبِ السِّيفِ وَطَعْنِ الرَّمَاكِ - (اکیس صفحہ 274، بحار وغیرہ تمام کتب)

میں زہیر ہوں اور میرے والد قین تھے۔ میرے داہنے ہاتھ میں کفر و ایمان کی حد بندی کرنے والی تلوار ہے اور میں حسین کی حفاظت اپنی تلوار سے کر رہا ہوں۔ وہ حسین جو علی کا بیٹا اور نانا و دادا کی طرف سے پاک و پاکیزہ ہے۔ میں تم پر ایک شاندار نو جوان والی ضربیں لگاتا رہوں گا۔ آج وہ دن ہے جس دن دینداروں پر جتنا لگا پچھلا قرضہ ہوگا سب ادا ہو جائے گا۔ اور ہم بد دین و بد باطن لوگوں کو قتل کر کے تمام دینی و دنیاوی جسمانی و روحانی بیماریوں سے شفا حاصل کر لیں گے۔ بد باطن و بد مذہب خواہ سفید رنگ کے ہوں یا بھور رنگ رکھتے ہوں، غلام ہوں خواہ آزاد ہوں، سب کے ساتھ یکساں سلوک کروں گا۔ برابر حملہ جاری رکھا یہاں تک کہ بیس نام آوروں کو تہ تیغ کر دیا۔ اذان سن چکے تھے۔ اندیشہ ہوا کہ نماز نہ جاتی رہے۔ پلٹ کر آئے اور عرض کی یا مولا میں نماز کے خوف سے واپس آیا ہوں لہذا آئیے ہمیں یہ نماز پڑھا دیجئے۔ کتاب بحار میں ہے کہ امام نے زہیر بن قین اور سعید بن عبد اللہ حنفی سے کہا کہ تم دونوں میرے آگے کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ میں ظہر کی نماز پڑھا دوں۔ چنانچہ وہ دونوں بڑھ کر آگے جاؤ اور خود کو دشمنوں کے تیروں کا نشانہ بنا دیا۔ جو تیر امام پر آتا تھا۔ سعید اُسے داہنے بائیں جھک جھک کر اور سینہ بڑھا بڑھا کر اپنے اوپر لیتے جا رہے تھے۔ تیروں کی بارش لگتا رہتی رہی، نماز جاری رہی۔ ادھر نماز ختم ہوئی ادھر سعید زمین پر گرے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اے اللہ دشمنان اسلام پر عاد و ثمود والی لعنت کر۔ اور اپنے نبی کو میرا اسلام پہنچا اور بتا دے کہ میں نے اس نیت سے کہ میں حضور کی اولاد کا تحفظ کر رہا ہوں، یہ تمام محنت و کوشش و تکلیف برداشت کی ہے۔ اور اے اللہ محمد اور اُن کی آل پر اپنا درود و سلام جاری رکھ۔ یہ کہا اور فوت ہو گئے۔ اُن پر اللہ کی رحمتیں اور رضامندیاں نازل ہوتی رہیں۔ اُن کے جسم میں سے تیرہ (13) تیر نکالے گئے۔ علاوہ ازیں تلواروں اور نیزوں کے زخم لگے تھے۔“

(39/33)۔ جناب زہیر بن القین کی شہادت اور تعارف

زہیر بن قین بن قیس بکلی۔ عرب کے نامی گرامی لوگوں اور خاندان سے تھے کوفہ میں آباد تھے۔ جنگ جمل و صفین کے بعد مسلمانوں میں معاویہ کے طرفداروں کو عثمانی اور علی کے طرفداروں کو علوی کہا جانے لگا۔ زہیر عثمانی لقب سے مشہور و معروف تھے۔ اہلبیت سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ زہیر نے اپنے بال بچوں سمیت وہ حج (60 ہجری) کیا جسے امام نے چھوڑ دیا تھا۔ حج سے واپسی کے سفر میں وہ دن آ گیا کہ اب ہر منزل امام حسین کے ساتھ ساتھ سفر ہو رہا ہے۔ جہاں امام علیہ السلام کے خیمے لگتے ہیں، اُس جگہ سے دُور

دُور قیام کرتے ہوئے سفر ہو رہا ہے۔ زہیرؓ کو امامؑ کے سفر کی غرض و غایت معلوم ہے۔ اور سمجھتے ہیں کہ اس وقت ہر مسلمان پر اُن کی نصرت واجب ہے۔ مگر ادھر اہل و عیال کا خیال اُدھر یزیدی مملکت اور جابرانہ و قاہرانہ انتظام و فوجی طاقت سے ٹکرا کر کھلی تباہی کا فیصلہ کرنا آسان کام نہ تھا۔ اس لئے امامؑ کا سامنا نہ کرنا چاہتے تھے۔ اُدھر امام علیہ السلام اپنے انصار کی فہرست کے تمام افراد کو روز ازل سے جانتے پہچانتے تھے۔ چنانچہ جب تمام مادی اسباب فراہم ہو گئے تو حضور نے زہیرؓ بن قین کو بلوایا۔ یہ واقعہ زروود کی منزل پر ظہور میں آیا۔ اور اُس روز کے بعد زہیرؓ نے اپنے اہل و عیال کو رخصت دے دی اور امامؑ کے ساتھ سایہ کی طرح رہنا شروع کر دیا۔ اور طے کر لیا کہ وہ حسینؑ پر اپنا خون اور زندگی نچھاور کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔ چنانچہ جب آخری منزل پر چڑھ رہا تھا تو زہیرؓ نے کہا تھا کہ ہمیں خُڑ کی فوج سے جنگ کی اجازت دیں۔ ہم اُن کو ذرا دیر میں ٹھکانے لگا دیں گے ورنہ پھر افواج کی بھرمار ہو جائے گی۔ مگر امامؑ نے اجازت نہیں دی تھی اور کربلا میں قیام کر لیا تھا۔ پھر نویں محرم کو زہیرؓ نے عزہ بن قیس کو نصیحت کی تھی کہ دشمن کی فوج سے الگ ہو جاؤ۔ عزہ نے کہا تھا کہ اے زہیرؓ تم تو عثمانی گروہ سے تھے۔ زہیرؓ نے کہا کہ اب میں حسینؑ کا آدمی ہوں۔ خدا کی قسم میں نے حسینؑ سے کوئی رابطہ نہ رکھا تھا نہ کوئی وعدہ کیا تھا۔ راستہ میں ملاقات ہو گئی تو مجھے رسول اللہؐ یاد آ گئے۔ اپنے فرائض میں آل رسولؐ کی نصرت سامنے آ گئی۔ اور بس اب میں اُن پر قربان ہو جانے کا انتظار کر رہا ہوں۔ شب عاشور جب سب کو آزادی دے دی گئی اور بیعت اٹھالی گئی تو باقی صحابہ کی طرح زہیرؓ بن قین نے بھی اعلان کیا تھا کہ:-

”بخدا میں پسند کرتا ہوں کہ ایک دفعہ قتل ہوں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں،

یوں ہی ہزار دفعہ ہو۔ لیکن آپ اور آپ کے خاندان کے یہ جوان محفوظ رہ جائیں۔“

پھر صبح عاشور جناب زہیرؓ کو امامؑ نے اپنی مختصر سے فوج کے میمنہ (دائیں بازو) کا سردار مقرر فرمایا تھا۔ یہی زہیرؓ تھے جنہوں نے کیمپ میں شمر کی فوج کو داخلہ کے بعد دس جوانوں کی مدد سے نکال کر شکست دی تھی۔ اُن کو دشمن کی فوج کے تمام سردار پہچانتے تھے۔ اور مقابلہ میں آنے کے لئے نام لے کر پکارتے تھے۔ اور ابھی ابھی آپ نے دیکھا کہ سعیدؓ بن عبد اللہ کے ساتھ زہیرؓ ہی وہ بہادر ہے جس کو امام علیہ السلام نے تیروکنے کے لئے اپنے آگے کھڑا کیا تھا۔ اور یہی زہیرؓ تھے جو نماز کے لئے جنگ چھوڑ کر حاضر ہوئے تھے۔ دشمن کی طرف سے آنے والا ہر وہ تیر و نیزہ زہیرؓ کے جسم پر لگتا رہے گا جسے سعیدؓ نہ روک سکیں گے۔ نماز ختم ہونے کے بعد زخمی تو کافی تھے۔ مگر قربانی کا شوق ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ لہذا دشمن پر آخری حملہ کر دیا۔

”وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ مِائَةً وَعِشْرِينَ رَجُلًا فَشَدَّ عَلَيْهِ كَثِيرٌ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ الشَّعْبِيِّ وَمُهَاجِرِ

بْنِ أَوْسٍ تَمِيمِي فَقَاتَلَا - فَقَالَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِينَ صَرَخَ زَهِيرٌ لَا يَبْعَدُكَ اللَّهُ يَا زَهِيرُ - وَلَعَنُ قَاتِلُكَ

لَعَنَ الَّذِينَ مَسَخُوا قِرْدَةً وَخَنَازِيرَ -“ (اکسیر العبادات صفحہ 275)

چنانچہ علامہ محمد بن ابیطالب نے لکھا ہے کہ زہیرؓ نے جنگ جاری رکھی اور ایک سو بیس آدمیوں کو قتل کیا۔ اسی دوران کثیر بن

عبد اللہ شععی اور مہاجر بن اوس نے گھات لگا کر بڑی شدت سے حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے زہیرؓ اللہ کبھی

تمہیں ہم سے جدا نہ کرے اور تیرے قاتلوں پر ویسی لعنت کرے جیسی اُن لوگوں پر کی تھی جنہیں سُو ر اور بندر بنا دیا تھا۔

(الف)۔ نماز ظہر کے بعد امام علیہ السلام کا خطاب جنت کا نظارہ کرانا شہداء کا مقام دکھانا

قال ابو مخنف فصلى مولانا ابو عبد الله الحسين صلوات الله عليه باصحابه صلوة الظهر فلما فرغ عن الصلوة حرصهم على القتال وقال يا كرام هذه الجنة قد فتحت ابوابها واتصلت انهارها وابتعث ثمارها وهذا رسول الله صلى الله عليه وآله والشهداء الذين قتلوا في سبيل الله يتوقعون قدومكم ويتباشرون بكم - فحاموا عن دين الله ودين نبيه وذُوبوا عن حرم رسول الله وحرم ذريته ثم صاح بنسائه اخرجن - فخرجن منشرات الشعور مهتكات الجيوب يبكين ويقلن يا معاشر المسلمين وباعصبة الموحدين - الله في ذرية نبيكم غاروا عليهم وحاموا عنهم ثم صاح الحسين ياممة التنزيل وباحفظة القرآن حاموا عن هؤلاء الحريم ولا تفشلوا عنهم - فلما سمعوا كلام الحسين بكوا بكاء شديدا ثم قالوا يا بن رسول الله نفوسنا ذون نفسك الفداء ودمائنا دون دمك الوقاء والله لا يصل اليك واليهن سوء وفينا عرق يضرب فقال الامام جزاكم الله عنا خيرا وابشروا بالجنة والقدر وم علي جدى محمد المصطفى وابي علي المرتضى وأمي فاطمة الزهراء واخي الحسن وجعفر الطيار والشهداء الذين قتلوا مع جدى رسول الله صلى الله عليه وعليهم اجمعين وكلهم مشتاقون اليكم - فلما سمع زهير هذا من الامام برز الى القوم ... وهو يقول مخاطبا للحسين - اليوم تلقى جدك النبأ - وحسنا والمرضى عليا - (اكسير العبادات صفحہ 275)

علامہ ابو مخنف نے لکھا ہے کہ ہمارے مولا ابو عبد اللہ الحسین علیہ السلام نے اپنے صحابہ کے ساتھ نماز ظہر ادا کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کو جنگ پر ابھارنے کیلئے فرمایا کہ اے باضمیر دوستو! کھو بیہ جنت ہے اس کے دروازے آپ کیلئے کھلے ہوئے ہیں۔ دیکھو نہریں بہہ رہی ہیں پھل پکے ہوئے ہیں اور یہ دیکھو رسول اللہ اور شہدائے راہِ خدا تمہارے پہنچنے کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ اور تمہیں مبارکباد دے رہے ہیں چنانچہ آپ کیسوی کے ساتھ دین خدا و رسول کی حمایت کریں اور رسول اور رسول کی اولاد کے حرم اور خواتین کا تحفظ کریں۔ پھر آپ نے اہل حرم اور تمام خواتین کو پروگرام کے مطابق باہر نکل آنے کا حکم دیا تو زینب و کلثوم اور تمام مستورات اس طرح نکلیں کہ آہ و فریاد اور نالہ و بکا کر رہی تھیں اور فرما رہی تھیں کہ اے گروہ مسلمانانِ اوراے وحدانیت خداوندی کے ذمہ دار لوگو! تمہارے نبی کی ذریت پر یہ کیسی مشکل گھڑی ہے ان کی حمایت کو اٹھوان کی مشکلات میں کام آؤ۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے فریاد کی کہ اے وہ لوگو! جن کی مدح و ثنائیں قرآن نازل ہوا ہے۔ اے محافظانِ قرآن تم ان رسول زاد یوں کے پردہ اور عزت کی حفاظت و حمایت کرو اور اپنے خیالات کو منتشر نہ ہونے دو۔ جب صحابہ نے یہ حال دیکھا اور یہ کلام سنا تو بڑی بے قراری سے روئے اور عرض کیا کہ یا مولا! ہماری زندگیاں آپ کے اوپر قربان ہوں گی۔ ہمارا خون آپ کی حفاظت میں بہے گا۔ جب تک ہماری نبض میں حرکت باقی ہے آپ کو اور حرم رسول کو ذرہ برابر ناگواری کا سامنا نہ ہوگا۔ امام نے فرمایا خدا تمہیں ہماری طرف سے بہترین جزا دیگا۔ میں تمہیں جنت کی بشارت دے رہا ہوں۔ مبارک ہو کہ میرے نانا محمد مصطفیٰ اور میرے والد علی مرتضیٰ اور میری والدہ فاطمہ زہراء اور میرے برادر حسن مجتبیٰ اور جعفر طیار اور وہ تمام شہداء جو رسول اللہ کے دین پر قربان ہوئے تمہارے مشتاق ہیں، اور تمہارے پہنچنے کا انتظار فرما رہے ہیں۔ یہ باتیں سن کر ہی تو جناب زہیر زخموں سے چورچور ہوتے ہوئے بھی امام سے یہ کہہ کر دشمن پر حملہ آور ہوئے تھے کہ آج آپ کے نانا اور والد علی اور حسن سے ملاقات ہوگی۔

(ب)۔ نماز ظہر کے متعلق چند گزارشات

یہاں یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ سرکاری علما نے اس عجیب و غریب نماز کو غائب کرنے کی کوشش کرتے ہوئے یہ مشہور کر دیا کہ ”جناب امام حسین علیہ السلام اور اُن کے صحابہ علیہم السلام نے الگ الگ اپنی اپنی نماز اشاروں سے پڑھی تھی۔“

قال ابن نما وقيل سيدنا الحسين بن علي بن ابي طالب عليهم السلام واصحابه فرادى بالأياماء (اكسير صفحہ 275)

اس طرح گویا اُن دونوں جانفرو شوں کی محیر العقول قربانی کو ضائع کرنے کی کوشش کی گئی اُدھر امام حسینؑ اور تمام صحابہ کی شجاعت اور بے خوفی کو ختم کر دینا چاہا گیا۔ اور علامہ در بندی نے بھی اس ملعون روایت کو نقل کر لیا۔ پھر دوسرے علما نے اپنی طرف سے اُس نماز کو نماز خوف بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور جہاں موقع ملا روایت میں لفظ ”صلوۃ الخوف“ کا خود ہی اضافہ کر دیا ہے تاکہ یہ نماز اُن کے فقہی مسائل کے دائرہ میں اور اُن کے ماتحت آجائے۔ حالانکہ اس نماز کا طریقہ عہد رسولؐ میں کہیں نہیں ملتا۔ یہ اپنی شان کی خود مثال ہے۔ البتہ آئندہ کے لئے اُس کو راہنما بنایا گیا ہے۔

(39/34)۔ عبد الرحمن بن عبد اللہ الیزنی کی شہادت

وفى البحار بعد شهادت سعيد بن عبد الله ثم قالوا ثم خرج عبد الرحمن بن عبد الله اليزنى وهو يقول: أَنَا بَنُ عَبْدِ اللَّهِ مِنْ آلِ يَزْنَ - دِينَي عَلَى دِينِ حُسَيْنٍ وَحَسَنٍ - أَضْرِبُكُمْ ضَرْبَ فَنَى مِنَ الْيَمَنِ - أَرْجُوا بِذَاكَ الْقَوْزَ عِنْدَ الْمُؤْتَمِنِ - ثم حمل فقاتل حتى قتل - بحار الانوار میں ہے کہ سعید بن عبد اللہ کے بعد انہوں نے کہا ہے کہ جناب عبد الرحمن بن عبد اللہ یہ چیلنج کرتے ہوئے میدان جنگ میں نکلے کہ میں عبد اللہ ہوں اور آل یزنی کی طرف سے امامؑ کی نصرت کر رہا ہوں۔ اور میرا دین وہی ہے جو جناب حسینؑ اور حسنؑ کا دین ہے۔ میں تمہیں وہ ماردوں گا جو جو انان یمن کی شان ہے۔ اور تم سے جنگ کر کے میں اللہ سے بہت بڑے مرتبہ کا امیدوار ہوں۔ آپ نے برابر حملے کئے اور دشمنان دین کو قتل کرتے چلے گئے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اُن پر اللہ کی رحمتیں برسی رہیں۔ (اکسیر صفحہ 275)

(39/35)۔ جناب عمرو بن قرظہ انصاری کی شہادت

عمرو بن قرظہ بن کعب بن عمر بن عائد بن زید مناة بن ثعلبة بن کعب بن خزرج انصاری۔ قرظہ بن کعب رسول اللہ کے صحابی تھے۔ جنگ اُحد اور بعد کے جہادوں میں شریک رہے۔ حضرت علیؑ کے زمانہ میں کوفہ کے حاکم رہے۔ جنگ صفین میں امیر المومنین کے ساتھ رہے۔ اور ہر جنگ میں شریک رہے۔ اُن کے دو بیٹے تھے۔ جن میں سے عمرو امام حسینؑ کے ناصر اور زیر تعارف ہیں۔ دوسرا بیٹا ابن سعد کی فوج میں تھا۔ اور اُس کا نام علی بن قرظہ تھا۔ دونوں ہی کوفہ کے باشندے تھے۔

وفى البحار والملهوف فخرج عمرو بن قرظة الانصارى فاستاذن الحسين عليه السلام فاذن له فقاتل قتال المشتاقين الى الجزاء وبالع في خدمته سلطان السماء حتى قتل جمعا كثيرا من حزب ابن زياد وجمع بين سداد وجهاد وكان لا ياتي الحسين سهم الا اتقاه بيده ولا سيف الا تلقاه بمهجته فلم يكن يصل الى الحسين سوء حتى اتخن بالجراح وقال يا بن رسول الله اوقيئت؟ فقال نعم انت امامي في الجنة فاقرء رسول الله مني سلام او اعلمه اني في الاثر - فقاتل حتى قتل رضوان الله عليه۔ (اکسیر صفحہ 275)

اور کتاب بحار و ملہوف میں ہے کہ پھر عمرو بن قرظہ انصاری نے امّ سے اجازت طلب کی تو امّ کی اجازت کے بعد انہوں نے وہ جنگ کی جو بہترین جزا کے مشتاق لوگوں کو کرنا چاہئے۔ اور اللہ بادشاہِ سماوات کی خدمت میں اس طرح پہنچے کہ ایک بہت بڑی دشمن جماعت کو قتل کر چکے تھے اور جہاد اور صلح پسندی دونوں کی شرائط کو ملحوظ رکھا تھا۔ امّ کی طرف جو تیر آتا تھا اُسے اپنے اوپر لیتے اور تلوار کا جو وار ہوتا تھا خود ڈھال بن جاتے تھے۔ چنانچہ جب تک زخموں سے پُور پُور نہ ہو گئے امّ تک کوئی گزند نہ پہنچا۔ جب گرے تو امّ سے دریافت کیا کہ حضور آپ میری وفار پر تصدیق فرمادیں۔ حضورؐ نے فرمایا میں خوش ہو گیا مجھ سے پہلے جنت میں پہنچو، رسول اللہ سے میرا اسلام کہو اور بتاؤ کہ وہ جلد حاضر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد رخصت کر دیا۔ خدا کی رحمت اُن پر۔ (اکسیر العبادات صفحہ 275)

(39/36)۔ جون علیہ السلام جو کبھی ابوذر غفاری کے غلام تھے

جناب جون (جونز) بن حوی بن قتادہ بن اُعور بن ساعدہ بن عوف بن کعب بن حوی۔ اُن کو حضرت علیؑ نے خرید کر آزاد کیا اور جناب ابوذرؓ کے ساتھ رکھا۔ جب قومی حکومت نے حضرت ابوذرؓ کو جلاوطن کر کے ربذہ کے ریگستان میں بھیجا تو جونؓ اُن کے ہمراہ رہے۔ 32 ہجری میں ابوذرؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؑ کے پاس مدینہ آ گئے اور امام حسنؑ کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ امام حسینؑ کے ہمراہ کر بلا چلے آئے۔ کر بلا میں امّ نے بہت چاہا کہ جونؓ کو رخصت کر دیں لیکن وہ قدموں سے لپٹ گئے اور عرض کیا کہ حضور مجھے اُس مرتبہ پر فائز ہونے کا موقعہ دیں جو آپ کے اوپر قربان ہونے سے ہی مل سکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ میں حسب و نسب میں بہت گھٹیا ہوں۔ میرے جسم سے بدبو آتی ہے۔ میں سیاہ رنگ و نسل کا آدمی ہوں۔ مگر مجھے آپؑ کی محبت سے امید ہے کہ مجھے اُنچے سے اُنچے درجہ میں جگہ دلوائے گی۔ میں اس وقت تک جدا نہ ہوں گا جب تک اپنا سیاہ گوشت اور خون آپؑ حضرات کے خون میں نہ ملا دوں۔ اور سُرخ و سفید رُو ہو کر آپ کے والدین سے نہ ملوں۔ ذرا دیکھیں تو سہی کہ میں کس بے جگری سے اپنی قربانی پیش کرتا ہوں۔ امّ نے صبر کیا اور جونؓ کو درجہ شہادت پر فائز ہونے کا موقعہ دیا۔ اور اُسے اللہ و رسولؐ کے سامنے قابلِ فخر مرتبہ حاصل کرنے میں ہر مدد دی۔ خدا ہمیں بھی جون علیہ السلام کے صدقہ میں قبول فرمائے آمین۔

”وفی الملهوف ثم برز جون مولی ابی ذر و کان عبد السود فقال الحسین علیہ السلام انت فی اذن منی فانما تبعنا طلباً للعافیة فلا تبتل بطریقنا۔ فقال یابن رسول اللہ انا فی الرخاء الحس قضاکم وفي الشدة اخذکم و اللہ ان ریحی لمتن وان حسی للثیم ولونی لاسود فتنفس علی بالجنة فیطیب ریحی ویشرف حسی ویبیض وجهی لا واللہ لا افارکم حتی یختلط هذا الدم الاسود مع دماءکم وعن محمد بن ابی طالب ثم برز للقتال وهو ینشد ویقول: - کیف ترى الکفار ضرب الاسود؟ بالسيف ضرباً عن بنی محمد۔ اذب عنهم باللسان والید - ارجوبه الجنة يوم المورد - وعن المناقب کان رجزه هکذا: کیف یری الفجار ضرب الاسود؟ بالمشرفی القاطع المهند۔ بالسيف صوّناً عن بنی محمد۔ اذب عنهم باللسان وبالید - ارجو یداک الفوز عند المورد - عن الاله الاحد الموحّد - اذلا شفیع عنده کاحمد۔ ثم قاتل حتى قتل فوقف علیہ الحسین وقال اللهم بیض وجهه وطیب ریحہ واحشره مع الابرار وعرف بینہ وبين محمد وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ - وروی عن الباقر عن علی بن الحسین علیهما السلام ان الناس کانوا یحضرُونَ المعركة ویدفنون القتلی فوجدوا جونا بعد عشرة ایام یفوح منه رائحة المسک۔“ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 275-276)

کتاب ملہوف اور بحار میں لکھا ہے کہ پھر حضرت جونؑ جو جناب ابوذرؓ کی تحویل میں تھے اور ایک حبشی سیاہ رنگ کے غلام ہوا کرتے تھے۔ میدان جنگ میں نکل آئے۔ اُن سے امامؑ نے کہا تھا کہ تمہیں ہمارے ساتھ سہولت کے دنوں میں کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں ان موجودہ مصائب میں مبتلا نہ کروں۔ چنانچہ تمہیں میری طرف سے جانے کی اجازت ہے۔ جونؑ نے عرض کیا کہ حضورؐ میں نے آپؐ کے ساتھ راحت و آرام کی زندگی بسر کرنے کا تمام سامان پایا اب میں تکالیف کی بنا پر جدا ہو کر جانا برداشت نہیں کر سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ ایک سیاہ رنگ کی گھٹیا نسل سے ہوں۔ بدبودار پسینہ آتا ہے۔ لوگ پاس بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ مگر مجھے آپؐ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ مجھے جنت میں داخلہ کا موقعہ دیں گے، میری بدبو کو خوشبو سے بدل دیں گے، میرے رنگ کو سفید کر دیں گے اور مجھے بلند حسب و نسب میں شمار فرمائیں گے۔ خدا کی قسم میں تو آپؐ کو ہرگز نہ چھوڑوں گا اور اپنا سیاہ خون آپؐ حضرات کے خون میں بہا کر ملا دوں گا۔ لہذا امامؑ نے اجازت دے دی اور جونؑ یہ پڑھتے ہوئے جنگ کو نکلے کہ کفار کا لے ہاتھ کی چوٹوں کا مزا چکھیں۔ اُس تلوار کی ضرب سہیں جو اولاد محمدؐ کی نصرت میں تم پر گرے گی۔ میں آل محمدؐ سے دشمنوں کو اس لئے اپنی زبان اور ہاتھوں سے دور کروں گا کہ مجھے بروز حساب جنت میں داخلہ ملے گا۔ کتاب مناقب میں اُن کا چیلنج ذرا سی تبدیلی کے ساتھ یوں لکھا ہے کہ یہ ناجائز قوم اب کالے ہاتھوں کی مار کھانے کو تیار ہو جائیں۔ اور ہندوستانی ساخت کی تیز دھار تلوار کو برداشت کریں۔ وہ تلوار جو اولاد محمدؐ کے تحفظ میں اُٹھی ہے۔ اور میں ہاتھوں اور زبان سے اُن کے دشمنوں کو دفع کر دوں گا۔ یہ دفاعی جنگ کرنے سے مجھے یقین ہے کہ میں اللہ تعالیٰ واحد و یکتا کے حضور میں اعلیٰ درجہ پاؤں گا۔ اور روز حساب سرخ و ہو جاؤں گا۔ اس لئے کہ اللہ کے حضور میں محمدؐ کی طرح کسی اور کو شفاعت کا حق نہیں ہے۔ پھر حضرت جونؑ نے مسلسل جنگ جاری رکھی اور دشمن کی فوج کا قتل عام کرتے رہے یہاں تک کہ محمدؐ و آل محمدؐ پر قربان ہو گئے۔ امامؑ تشریف لائے اور اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ جونؑ کا رنگ سفید کر دے اور اس کو خوشبو سے معطر کر دے۔ پھر اُسے اپنے مخصوص پاکیزہ لوگوں میں شمار فرمائے اور اُسے محمدؐ و آل محمدؐ میں صاحب معرفت و شہرت کر دے۔ امام محمدؑ باقرؑ نے امام زین العابدین علیہ السلام کی زبانی بتایا کہ لوگ میدان کارزار میں مقتولوں کو دفن کرنے کی غرض سے آمد و رفت رکھتے تھے۔ دس روز کے بعد جونؑ کو دیکھا تو اُن میں سے مُشک کی خوشبو نکل نکل کر چاروں طرف پھیل رہی تھی۔

(39/37)۔ جناب عبد اللہ بن خالد الصیداوی علیہ السلام

وفی الملهوف ثم برز عبد الله بن خالد الصيداوى فقال للحسين يا ابا عبد الله جعلت فداك قد هممت ان الحق باصحابك وكرهت ان تخلف فاراك وحيدا من اهلك قتيلا۔ فقال له الحسين تقدم فانا لاحقون بك عن ساعة۔ فتقدم فقاتل حتى قُتِل رضوان الله عليه۔ (أكسير العبادات فی اسرار الشہادات صفحہ 276)

کتاب ملہوف میں ہے کہ پھر جناب عبد اللہ بن خالد صیداوی میدان جنگ میں آئے تھے۔ اور انہوں نے اجازت یہ کہہ کر لی تھی کہ یا ابا عبد اللہ میں آپؐ پر قربان ہو جاؤں میں نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ حق صرف آپؐ کے ساتھیوں کے ساتھ ہے۔ اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آپؐ کو یہاں یکہ و تنہا قتل ہوتے ہوئے دیکھوں۔ لہذا مجھے اجازت عطا فرمائیں کہ میں قربان ہو جاؤں۔ امام علیہ السلام نے اجازت

دی اور فرمایا کہ جاؤ آگے بڑھو یقیناً ہم سب ذرا دیر بعد تمہارے پاس پہنچتے ہیں۔ جناب عبداللہ نے جان توڑ حملہ کیا اور برابر جنگ میں منہمک رہے یہاں تک کہ اپنی زندگی محمدؐ و آل محمدؐ پر قربان کر دی۔ اُن پر ہمارے ہزاروں سلام۔

(39/38)۔ حضرت حنظلہ ابن اسعد شیبامی الہمدانی علیہ السلام

حنظلہ بن اسعد بن شہام بن عبداللہ بن اسعد بن حاشد بن ہمدان الہمدانی الشیبامی۔ شیعانِ کوفہ میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔ حافظ قرآن اور عمدہ مقرر تھے۔ نہایت جرأت مند بہادر تھے۔ عمدہ مقرر ہونے کی بنا پر امامؑ نے کئی بار حنظلہ کو عمر ابن سعد کے پاس بھیجا تھا۔ تاکہ اتمامِ حجت کریں۔ عاشور کے روز جب بہت سے صحابہ شہید ہو چکے تو: قَالَ وَجَاءَ حَنْظَلَةُ ابْنِ اسْعَدِ الشَّيْبَامِيِّ فَوَقَفَ بَيْنَ يَدَيِ الْحُسَيْنِ يَبْقِيَهُ السِّهَامَ وَالرِّمَاحَ وَالسِّيَوفَ بِوَجْهِهِ وَنَحْرِهِ وَاحْذِ يَنَادِي يَقُومُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ - مِثْلَ ذَابِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ - وَيَقُومُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ - يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُذْبِرِينَ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ (سورہ مؤمن 33-40)۔ یاقوم لاتقتلوا حسیناً فیستحکم اللہ بعذاب وقدخاب من افتری۔ وعن المناقب فقال له الحسين يا بن اسعد رحمك الله انهم قد استوجبوا العذاب حين ردوا عليك ما دعوتهم اليه من الحق ونهضوا اليك يشتمونك واصحابك فكيف بهم الآن وقد قتلوا اخوانك الصالحين۔ قال صدقت جعلت فداك افلا نروح الى ربنا فلنحق باخواننا۔ فقال له روح الى ما هو خير لك من الدنيا وما فيها والى ملك لا يبلى۔ فقال السلام عليك يا بن رسول الله صلى الله عليك وعلى اهل بيتك وجمع بيننا وبينك في الجنة۔ قال آمين آمين وفي الملهوف فتقدم فقاتل قتال الابطال وصبر على الاحتمال الا هو الاله حتى قُتِلَ رضوان الله عليه۔ (أكسير العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 276)

جناب حنظلہ امام کے سامنے آ کر کھڑے ہوئے تاکہ جو تیر و تلوار و نیزہ امامؑ پر مارا جائے اُسے اپنے اوپر لے لیں اور یزیدی فوج کو خطاب کریں چنانچہ فرمایا کہ: اے قوم یزید مجھے تمہارے متعلق یہ خوف ہے کہ تم پر ویسا ہی دن نہ آجائے جیسا کہ اکثر اقوام پر آتا رہا ہے۔ جیسے قوم عاد و ثمود پر عذاب نازل ہوا تھا۔ یا اُنکے بعد والی اقوام تباہ ہوئی تھیں۔ لیکن اللہ نے اُن کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی تھی۔ صرف اُن کو اُن کے اعمال کی سزا جزا دی تھی اور اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ تک بھی نہیں کیا کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ روز محشر جب تم اس دنیا سے پلٹ کر اللہ کے سامنے پیش ہو گے تو تمہیں اللہ کے عذاب سے محفوظ رکھنے والا کوئی بھی نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ تم امام حسینؑ سے جنگ مت کرو ورنہ تم پر قہر خداوندی نازل ہو جائے گا۔ اور یاد رکھو کہ اللہ کے متعلق غلط بات کہنے والوں کا انجام تباہی ہوا کرتا ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ اے اسعد کے بیٹے خدا تم پر رحمت نازل کرے۔ یہ لوگ تو اُسی وقت عذاب کے مستحق ہو گئے جب اُنہوں نے تمہاری حق بات کو قبول نہ کیا۔ اور تم لوگوں کے خلاف جنگ کی تیاری کی تھی۔ اور اب تو یہ لوگ تمہارے بہت سے مقدس ساتھیوں کو قتل کر چکے ہیں۔ حنظلہؑ نے عرض کیا کہ حضورؐ نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔ اس کے بعد حنظلہؑ نے کہا کہ حضورؐ اب ہم کیوں نہ اپنے رب کے سامنے حاضر ہو جائیں اور کیوں نہ اپنے فداکار ساتھیوں سے ملیں؟ اور کیوں نہ اُس دنیا میں جا پہنچیں جہاں زوال کا گزر نہیں ہو سکتا؟ پھر کہا کہ درود و سلام ہو آپؐ پر اے فرزند رسولؐ اور درود و سلام ہو آپ کے اہل و عیال پر۔ اور اللہ جلد ہمیں آپ کے ساتھ جنت میں داخل فرمائے۔ امامؑ نے آمین کہی اور جنگ کی اجازت دی۔ چنانچہ جناب حنظلہؑ نے دشمن پر تار و توتڑ حملے کئے اور ایک بہادر نوجوان کی طرح

گھمسان کی جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ امام پر جان نثار کردی۔ اللہ اُن پر ہمیشہ رحمتوں کی بارش کرتا رہے۔

(39/39)۔ جناب یحییٰ بن سلیم المازنی کی شہادت

عن المناقب فخرج يحيى بن سليم المازني وهو يرتجز ويقول - لا ضربَ بنَ القومِ ضَرْبًا فَيَصْلَا - ضَرْبًا شَدِيدًا فِي الْعِدَاةِ مَعْجَلًا - لَا عَاجِزًا فِيهِ وَلَا مُؤَلَّوًّا - وَلَا اخافَ الْيَوْمَ مَوْتًا مُقْبَلًا - لَكِنِّي كَاللَّيْثِ اَحْمَى اَسْبَلًا - ثُمَّ حَمَلَ فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِ - (أكسير العبادات في اسرار الشهادات - صفحہ 276)

کتاب مناقب میں لکھا گیا ہے کہ پھر جناب یحییٰ بن سلیم یہ چیلنج دیتے ہوئے میدان جنگ میں مصروف قتال ہوئے کہ آج میں اُس قوم پر یقیناً فیصلہ کن دھاوا بول رہا ہوں۔ اور ایسی ضربیں لگا رہا ہوں جو فرار کرانے میں جلدی کرتی ہیں۔ نہ میں ناتواں ہوں اور نہ میدان چھوڑنے والا ہوں اور نہ سامنے کھڑی ہوئی موت سے ڈرتا ہوں۔ لیکن میں تو شیر کے بہادر بچوں کی حفاظت اور حمایت شیروں کی طرح کر رہا ہوں۔ بچ کر جانے اور اپنی حفاظت کی پرواہ کئے بغیر لڑتے اور لاش پر لاش گراتے گراتے آخر خود بھی زخموں کی تاب نہ لا کر گرے اور جنت میں جا پہنچے۔

(39/40)۔ حضرت قرہ بن ابی قرہ الغفاری کی رخصت

ثُمَّ خَرَجَ مِنْ بَعْدِهِ قَرَّةُ بْنُ أَبِي قَرَّةٍ الْغَفَارِيُّ وَهُوَ يَرْتَجِزُ - قَدْ عَلِمْتُ حَقًّا بَنُو غِفَارٍ - وَخُنْدَفٌ بَعْدَ بَنِي نِزَارٍ - بِأَنِّي اللَّيْثُ لَدَى الْغِيَارِ - لَا ضَرْبَ بَيْنَ مَعْشَرِ الْفَجَّارِ - بِكُلِّ عَضْبٍ ذَكَرْتُ بَارٍ - ضَرْبًا وَجِيعًا عَنْ بَنِي الْأَخْيَارِ - رَهْطَ النَّبِيِّ السَّادَةِ الْأَبْرَارِ - قَالَ ثُمَّ حَمَلَ فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ - (أكسير العبادات - صفحہ 276)

اُن کے بعد قرہ بن ابی قرہ غفاری یہ چیلنج کرتے ہوئے فوج پر جا گرے۔ تمام غفاری اور خندف اور نزار کی اولاد کو علم ہے کہ میں دشمن کے مقابلہ میں شیر نر ہوں۔ میں یقیناً اُن بدبھاد و ناہنجار لوگوں پر پے در پے ضربیں لگاؤں گا۔ جو بڑی دردناک ضربیں ہوں گی اور رسولؐ کے گروہ اور پاک اولاد اور تمام نیکوں کے سرداروں کی حمایت میں ہوں گی۔ اور جن سے اُن ملائین کا ذکر فرما ہو جائے گا۔ کہتے ہیں کہ برابر جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ شہادت پا گئے۔

(39/41)۔ جناب مالک بن انس مالکی یا انس بن الحارث الکاهلی

وَخَرَجَ مِنْ بَعْدِهِ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ الْمَالِكِيُّ وَهُوَ يَرْتَجِزُ وَيَقُولُ: قَدْ عَلِمْتُ مَالِكُ الدُّوْدَانِ - وَالْخَنْدَقُ فَيُونُ وَفَيْسُ غِيْلَانِ - بِأَنَّ قَوْمِي آفَةُ الْأَقْرَانِ - لَدَى الْوِغَا وَسَادَةُ الْفُرْسَانِ - مَبَاشِرُوا الْمَوْتَ بَطْنُ آنٍ - لَسْنَا نَرَى الْعِجْزَ عَنِ الطَّعَانِ - آلَ عَلِيٍّ شِيعَةَ الرَّحْمَانِ - آلَ زِيَادِ شِيعَةَ الشَّيْطَانِ - ثُمَّ حَمَلَ فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ - وَعَنْ ابْنِ نَمَا اسْمُهُ أَنَسُ بْنُ الْحَارِثِ الْكَاهَلِيُّ -

اُن کے بعد جناب مالک بن انس میدان میں آئے اور یہ چیلنج سنا رہے تھے کہ مالکی اور دودانی اور خندفی، اور قیس اور غیلانی قبیلوں کے لوگ جانتے ہیں کہ میری قوم اپنے مد مقابل کے لئے ایک تباہ کن آفت ہے۔ ہم وہ سردار ہیں جو نیزوں اور تلواروں کے ساتھ موت کا استقبال کرتے ہیں۔ ہم نیزوں کے سامنے عاجزی و ناتوانی ظاہر نہیں کرتے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ اولاد علیؑ اللہ ورحمان کے شیعہ ہیں اور زیاد کی اولاد شیطان کی شیعہ ہے۔ حملے پر حملہ کرتے رہے یہاں تک کہ اسلام پر قربان ہو گئے۔ علامہ ابن نما نے کہا ہے

کہ اُن کا نام انس بن حارث کاہلی تھا۔

انس بن حارث بن نبیہ بن کاہل بن عمرو بن صعب بن اسد بن خزیمہ اسدی کاہلی۔ صحابی رسولؐ تھے۔ احادیث کے راوی تھے۔ رسول اللہؐ سے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی پیش گوئی سنی تھی اس لئے برابر منتظر رہتے چلے آئے تھے۔ کربلا کے زمانہ میں نہایت ضعیف ہو چکے تھے۔ حبیب ابن مظاہر سے بھی سن و سال میں زیادہ تھے۔ جہاد کی اجازت دیتے ہوئے امامؑ شرماتے تھے۔ اور انہیں دیکھ کر رو رہے تھے۔ انہوں نے اپنی کمر سیدھی رکھنے کے لئے پڑکا بندھوایا تھا۔ بھوؤں پر رومال باندھا تھا۔ رخصت کے وقت امامؑ نے دعائیں دی تھیں۔ لیکن آپؐ نے جو اشعار سنئے اُن میں کہیں کمزوری اور ضعف کا نام و نشان تک بھی نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اولاد رسولؐ پر مصائب کا کتنا ہجوم تھا؟ وہ قومی مسلمان کس قدر خون کے پیاسے تھے؟ کہ اس قدر ضعیف العمر لوگ اور بچے تک یہ چاہتے رہے کہ خود قربان ہو جائیں اور آل رسولؐ کو بچالیں۔

(39/42)۔ جناب عمر بن مطاع الجعفی کی شہادت

وَعَنِ الْمُنَاقِبِ ثُمَّ خَرَجَ مِنْ بَعْدِهِ عُمَرُ بْنُ مَطَاعٍ الْجَعْفِيُّ وَهُوَ يَقُولُ: أَنَا ابْنُ جَعْفٍ وَابْنِ مَطَاعٍ - وَفِي يَمِينِي مَرْهَفٌ قِطَاعٌ - وَاسْمُ رَاسِهِ لَمَاعٌ - يَرَى لَهُ مِنْ ضَوْئِهِ شُعَاعٌ - الْيَوْمَ قَدْ طَالَبَ لَنَا الْقَرَاعُ - ذُوْنَ حُسَيْنٍ الضَّرْبُ وَالسَّطَاعُ - يَرْجَى بِذَاكَ الْفَوْزُ وَالِدَفَاعُ - عَنْ حِوَارِ جَبِينٍ لَا نَتَفَاعُ - ثُمَّ حَمَلَ فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ - (أكسير العبادات - صفحہ 276)

کتاب مناقب بتاتی ہے کہ اُن کے بعد عمر بن مطاع یہ کہتے ہوئے حملہ آور ہوئے کہ میں قبیلہ جعف کا پروردہ ہوں۔ میرا باپ ابی مطاع ہے اور میرے داہنے ہاتھ میں پتلی لچکدار کاٹ ڈالنے والی چیز ہے۔ جس کے سر پر دکنے والا دستہ (Handle) ہے۔ جس میں شعاعیں ہنگامہ مچائے رکھتی ہیں۔ آج کا دن ہم سے جنگی گردوغبار اور شور و غوغا کا طلب گار ہے۔ تاکہ امام حسین علیہ السلام کے دشمنوں کی چیخیں بلند ہوں۔ دشمنان آل محمدؐ کو تباہ کرنے سے اُس روز فائدہ ہوگا جس دن کوئی چیز کام نہیں آتی اور جہنم سے نجات ملے گی۔ اس طرح جوش و خروش سے اُس وقت تک جنگ کی جب تک نڈھال نہ ہو گئے۔ آخر جام شہادت پی لیا۔

(39/43)۔ حجاج بن مسروق علیہ السلام کی قربانی

یہ جعف بن سعد العشیرہ کی نسل سے تھے۔ کوفہ کے نامور شیعوں میں شمار تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے۔ جب امامؑ مکہ تشریف لائے تو حجاج کوفہ سے مکہ گئے اور امامؑ کی صحبت میں رہنا شروع کر دیا۔ نماز کے اوقات پر اذان دینے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ امامؑ کے ساتھ ساتھ کربلا آئے۔ لشکرِ حرّ کے آنے کے بعد جو پہلی نماز ہوئی تھی سب نے لکھا کہ اذان حجاج نے دی تھی۔

وَفِي الْبَحَارِ قَالُوا ثُمَّ خَرَجَ الْحَجَّاجُ بْنُ مَسْرُوقٍ وَهُوَ مُؤَذِّنُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ يَقُولُ: أَقْدَمَ حُسَيْنٌ هَادِيًا مَهْدِيًا - الْيَوْمَ نَلْقَى جَدَّكَ النَّبِيَّ - ثُمَّ ابَاكَ ذَا النَّدَاءِ عَلِيًّا - ذَاكَ الَّذِي نَعْرِفُهُ وَصِيًّا - وَالْحُسَيْنُ الْخَيْرُ الرِّضَى الْوَلِيًّا - وَذَوَا الْجَنَاحَيْنِ الْفَتَى الْكَمِيًّا - وَاسِدَ اللَّهِ الشَّهِيدَ الْحَيًّا - ثُمَّ حَمَلَ فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ - (أكسير العبادات - صفحہ 276)

کتاب بحار میں ہے کہ پھر جناب حجاج بن مسروق میدان میں نکلے۔ جو کہ امامؑ کے مؤذن بھی تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے

حسینؑ آپ ہادی اور مہدی کی حیثیت سے آگے بڑھے۔ آج میں آپ کے نانائے سے ملوں گا۔ پھر میں دنیا بھر کے سخی علیؑ سے ملاقات کروں گا۔ جن کو میں بحیثیت وصیؑ جانتا ہوں۔ اور وہ حسن مجسم اور خیر محض ولیؑ ہیں۔ پھر جناب جعفر طیار ایسے بہادر سے ملوں گا اور پھر جناب حمزہؑ اسد اللہ زندہ شہیدوں سے ملاقات ہوگی۔ یہ کہہ کر جو حملہ کیا تو شہید ہو کر ہی دم لیا۔

(39/44)۔ جناب ابراہیم بن الحسین کا حملہ و شہادت

قال ابو مخنف ثم برز من بعده ابراهيم بن الحسین فانشاء يقول: اقدم حسين اليوم نلقى احمدًا - ثم اباک الطاهر المسددا - والحسن المسموم ذاک الاسعدا - وذالجناحین حلیف الشهداء - وحمزة اللیث الکمی السیدا - فی جنة الفردوس فازوا سعدا - ثم حمل علی القوم ولم یزل یقاتل حتی قتل من القوم سبعین رجلاً وقُتِلَ - (اکسیر العبادات صفحہ 277)

ابو مخنف بیان کرتے ہیں کہ اُن کے بعد جناب ابراہیم بن حسین جنگ کے لئے نکلے اور یہ اعلان کرتے اور دشمن پر حملہ کرتے رہے کہ آج میں حسین علیہ السلام سے آگے چلتا ہوں اور ہمیں احمد صلوة اللہ علیہ وآلہ سے ملنا ہے۔ پھر اے حسینؑ ہمیں آپ کے نیک کردار والد سے اور سب سے سعید ترین، زہر سے شہید حسنؑ سے اور پھر تمام شہیدوں کے ذمہ دار جعفر طیار سے اور جناب حمزہؑ ایسے لاجواب بہادر سید سے جنت میں جا کر ملنا اور سعادت مندی حاصل کرنا ہے۔ برابر تیغ زنی کرتے رہے یہاں تک کہ دشمن کی فوج کے ستر بہادروں کو موت کے گھاٹ اتار کر شہید ہو گئے۔

(39/45)۔ حضرت معلّا بن معلّا کی جنگ و شہادت

وقال برز المعلّا ابن المعلّا وكان معروفاً بالشدة والبأس والصعوبة والمراس وانشاء يقول: انا المعلی وانا ابن البجلی - دینی علی دین الحسین بن علی - اضربکم بصارم لم یغلل - واللہ ربی حافظی من زلّی - وناصری ثم مزکیّ عملی - یوم معادی رہہ تو کولی - ثم حمل علی القوم ولم یزل یقاتل حتی قتل من القوم اربعة وعشرین - ثم اخذوه اسیراً ووقفوا بین یدی ابن سعد فقال للہ درک من رجل ما اشد نصرتک لصاحبک ثم ضرب عنقه - (اکسیر العبادات صفحہ 277)

اور ابو مخنف ہی نے کہا ہے کہ اُن کے بعد معلّا ابن معلّا جنگ کے لئے نکلا اور اپنی شدید جنگ اور مشکل پسندی اور دشمن کو مصیبت میں ڈالنے کے لئے مشہور تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں ہی معلّا ہوں۔ میں حسینؑ ابن علیؑ کے دین پر ہوں۔ میں تمہارے سروں پر بلا خیانت تلواریں ماروں گا۔ اور خدا کی قسم ڈمگانے سے میرا اللہ مجھے محفوظ رکھے گا۔ وہ مجھے پاک کرنے والا اور میری نصرت کرنے والا ہے۔ اور روز حساب مجھے اپنے اُسی پروردگار پر بھروسہ ہے۔ یہ اعلان کرتے کرتے ابن سعد کی فوج کے چوبیس آدمی قتل کر ڈالے۔ تھک جانے پر انہیں گرفتار کر کے ابن سعد کے سامنے پیش کیا گیا تو کہا اللہ بچائے ایسے شخص سے جو اپنے مالک کی نصرت میں اتنا سخت ہو۔ پھر انہیں قتل کر دیا گیا۔

(39/46-47)۔ حضرات طرمّاح بن عدی اور معلّا بن حنظلہ الغفاری

قال وبرز الطرمّاح بن عدی وقاتل قتلاً شديداً ثم قُتِلَ رحمه الله - ثم برز المعلی بن حنظلہ الغفاری وجعل یقاتل حتی انکسر رمحه فی یدہ فانتنضی سیفہ وجعل یضاربهم حتی کُلّ ساعده و قتل منهم مقتلة عظيمة فکبی به جواده فرماه علی وجهه الی

الارض فداروابه من كل جانب ومكان وقتلوه ضرباً وطعنًا۔ (اکسیرالعبادات۔ صفحہ 277)

ابومنصف ہی نے جناب طرمح بن عدی کا میدان جنگ میں ٹکنا اور سخت معرکہ لڑائی کے بعد قتل ہو جانے کا قصہ لکھا ہے۔ پھر لکھا کہ اُن کے بعد معلیٰ بن حنظلہ الغفاری میدان میں نکل آئے اور نیزہ کے ٹوٹ جانے تک لڑتے رہے۔ اس کے بعد اپنی تلوار نکال کر اُس وقت تک ہنگامہ خیز حملہ جاری رکھا جب تک اُن کے بازوؤں نے تھک کر جواب نہ دے دیا۔ دشمنان اسلام کی ایک بہت عظیم کثرت کو تہ تیغ کر دیا۔ پھر اُن کے گھوڑے نے ٹیڑھا ہو کر انہیں زمین پر اتار دیا۔ یہ دیکھ کر فوج کے لوگوں نے اُن کو ہر سمت سے گھیر لیا اور نیزہ و تلواروں سے قتل کر دیا۔

(39/48)۔ حضرت جابر بن عروہ غفاری کی شہادت

وكان شيخاً كبيراً قد شهد مع رسول الله صلى الله عليه وآله يوم بدر وحنين وجعل يشدّ وسطه بالعمامة ودعا بعصابة حمراء فعصب بها حاجبيه ورفعها عن عينيه والحسين ينظر اليه وهو يقول شكر الله لك فعالك يا شيخ ثم حمل على القوم وهو يقول: قد علمت حقاً بنو غفاری۔ وخندف ثم بنو نزاری۔ بنصرنا لاحمد المختار۔ يا قوم حاموا عن بني الاطهار۔ الطيبين السادة الابرار۔ ولم يزل يقاتل حتى قتل من القوم ستين رجلاً ثم استشهد بين يدي الامام۔

یہ بھی بہت ضعیف العمر صحابی رسولؐ تھے۔ بدر و حنین میں رسولؐ اللہ کے زمانہ میں جہاد کیا۔ انہوں نے بھی اپنی کمزور دھڑ سے مضبوط باندھا اور ایک کپڑا منگوا کر اپنی بھوؤں کو اوپر اٹھا کر باندھ دیا تاکہ بھوؤں کے بال آنکھوں پر لٹک کر نظر میں رکاوٹ نہ بنیں۔ حضرت جابرؓ یہ کر رہے ہیں اور امام علیہ السلام اس بزرگ کے اہتمام اور انتظام کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ آخر امامؑ نے فرمایا کہ اے بزرگ اللہ تمہارے ان پُر خلوص اعمال کا مشکور ہے۔ اس تیاری کے بعد یہ کہہ کر دشمن پر حملہ کر دیا کہ قبیلہ نزار اور خندف کے تمام لوگ اور تمام غفاری حضرات اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ہم لوگ آل محمدؐ کی نصرت میں ہمیشہ آگے آگے رہتے آئے ہیں۔ لہذا اے لوگو تم سب بھی محمدؐ کی پاک و پاکیزہ اولاد اور سرداروں کی ایک جماعت کی حمایت کرو۔ برابر حملے کرتے اور قتل کا باز اگر گرم رکھتے رہے اور دشمنوں کے ساتھ آدمی تہ تیغ کر دیئے اور امام علیہ السلام کے دیکھتے ہی دیکھتے اُن پر قربان ہو گئے۔

(39/49)۔ حضرت مالک بن داؤد کی جان نثاری

قال وبرّ من بعده مالک بن داؤد هو يشدّ ويقول: اليكم من بطل ضرغام۔ ضرب فني يحمي عن الامام۔ ارجو ثواب المَلِكِ العلام۔ سبحانه مقدّر الاعوام۔ ثم حمل على القوم ولم يزل يقاتل حتى قتل من القوم خمسة رجلاً ثم قُتل رحمه الله۔ (اکسیرالعبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 277)

اور لکھا ہے کہ اُن کے بعد جناب مالکؓ بن داؤد یہ کہتے ہوئے حملہ آور ہوئے کہ ایک بہادر جوان تم پر شیر کی طرح حملہ کرتا ہے۔ جس نے امامؑ کی حمایت میں تم پر تلواروں کی بارش کرنا ہے۔ اور اس حمایت اور جہاد کا بدلہ اللہ سے لینا ہے۔ کیا ہی بے عیب ہے وہ ہستی جو تمام تقدیریں مقرر فرماتی ہے۔ عمر ابن سعد کی فوج پر مسلسل حملے کئے اور اُس وقت تک ہاتھ نہ روکا جب تک جان میں جان رہی۔ اور پندرہ فوجیوں کو قتل کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

(39/50)۔ حضرت جنادہ بن الحارث انصاری کی شہادت

جناب جنادہ بن کعب بن حارث نے مکہ معظمہ کے قیام کے دوران امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کی۔ آپ مع اپنی زوجہ اور بیٹے عمرو کے حج کے لئے مکہ آئے ہوئے تھے۔ وہاں سے امامؑ کے ساتھ کربلا آئے اور تمام حالات میں شریک رہے۔

وعن المناقب ثُمَّ خَرَجَ جَنَادَةُ بْنُ الْحَارِثِ الْأَنْصَارِيُّ وَهُوَ يَقُولُ : اَنَا جَنَادَةُ وَأَنَا ابْنُ الْحَارِثِ لَسْتُ بِخَوَّارٍ وَلَا بَنَّاكُثَ - عَنْ بَيْعَتِي حَتَّى يَرْتَنِي وَارْتَنِي - الْيَوْمَ ثَارَى فِي الصَّعِيدِ مَا كُتْ - ثُمَّ حَمَلْتُ فَلَمْ يَزَلْ يِقَاتِلُ حَتَّى قُتِلَ رَحِمَهُ اللَّهُ - (الكبير العبادات صفحہ 277)

کتاب مناقب میں لکھا ہے کہ پھر جناب جنادہ یہ اشعار پڑھتے ہوئے دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ میں جنادہ ہوں اور کعب بن حارث کا بیٹا ہوں۔ نہ تو میں کم ہمت و کمزور ہوں اور نہ ہی میں اپنی بیعت کو مرتے دم تک توڑنے والا ہوں۔ میں تو نصرت کے معاہدے کو اپنے وارثوں کے حوالہ کر کے آگے بڑھانے والا ہوں۔ آج میں اس طرح دشمن آل محمدؑ سے بدلہ لوں گا کہ میرے اعضا کٹ کٹ کر زمین پر اپنا ٹھکانہ بنالیں۔ برابر حملہ آور رہے یہاں تک کہ قربان ہو گئے۔

(39/51)۔ جناب عمرو بن جنادہ علیہما السلام دس سال کی عمر میں قربان ہوئے

عمرو بن جنادہ ماں باپ کے ساتھ امامؑ کی صحبت میں رہتے چلے آ رہے تھے۔ اہلبیت کے بچوں کے ساتھ مکہ سے وہ باتیں سنتے چلے آ رہے تھے جو خاندان نبوت میں شہادت امام حسین علیہ السلام کے متعلق مشہور ہو چکی تھیں۔ شہدائے کربلا کے مدارج اور دین و دنیا میں اُن کا مقام سنتے اور پروردگان اہلبیت کی امنگیں دیکھ رہے تھے۔ عاشور کے دن تک یہ طے کر چکے تھے کہ میں بھی اُن بچوں پر اور امامؑ پر قربان ہو جاؤں گا۔ یقیناً یہ ارادہ ماں باپ دونوں کو معلوم تھا۔ چنانچہ والدین کی رضا مندی آخر ثابت ہو گئی۔ جناب جنادہ کی جنگ ماں اور بیٹے دونوں نے دیکھی۔ ادھر جنادہ شہید ہوئے ادھر یہ کم سن بچہ جنگی لباس اور چھوٹی سی تلوار سے مسلح خدمتِ امامؑ میں اجازت کے لئے حاضر ہو گیا۔ مولانا نے بچہ کو سر سے پیر تک دیکھا۔ آنکھیں آنسو برسائے لگیں۔ وہ بچے نظر کے سامنے پھر گئے جو زار دیر بعد حضرت زینبؑ رخصت کرنے والی ہیں۔ گویا یہ بچہ بچوں کی شہادت کی بسم اللہ کر رہا ہے۔ آپ نے اجازت دینے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ ابھی ابھی اس بچہ کا باپ شہید ہوا ہے۔ بھلا اس یتیم کی ماں کے دل پر کیا مصیبت گزر جائے گی؟ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اُس مظلومہ پر ساری دنیا کے مصائب ایک دم ٹوٹ پڑیں۔ اُس کے لئے شوہر کی قربانی ہی بہت زیادہ ہے۔ بچہ دوڑ کر پیروں سے لپٹ گیا اور عرض کیا حضورؐ مجھے میری ماں نے یہ لباس پہنایا ہے۔ اُسی نے یہ لباس تیار کر کے رکھا ہوا تھا۔ اُسی نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ مولاً چاہیں تو دریافت فرمائیں۔ بچہ کی ہمت، معصومانہ انداز، اور ادھر والدہ کی درخواست آخر امامؑ نے بچہ کو شہاد کی ہمسری کی اجازت دے دی۔

ثُمَّ خَرَجَ مِنْ بَعْدِهِ عَمْرُو بْنُ جَنَادَةَ وَهُوَ يَقُولُ - أَضَقُّ الْخَنَاقِ مِنْ ابْنِ هِنْدٍ وَارْمِهِ - مِنْ عَامَةِ بَفَوَّارِ الْأَنْصَارِ - وَمَهَاجِرِينَ مَخْضَبِينَ رَمَاحِهِمْ - تَحْتَ الْعِجَاجَةِ مِنْ دَمِ الْكَفَّارِ - خَضِبْتُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ مُحَمَّدًا فَالْيَوْمَ تَخْضِبُ مِنْ دَمِ الْفَجَّارِ - فَالْيَوْمَ تَخْضِبُ مِنْ مَاءِ أَرَاذِلِ - رَفَضَ الْقُرْآنُ لِنَصْرَةِ الْأَشْرَارِ - طَلَبُوا بَنَاهُمْ بَدْرًا ذَا آتَوْنَا - بِالْمَرْهَفَاتِ وَبِالْقَنَا الْخَطَّارِ - وَاللَّهُ رَبِّي لَا أَزَالُ مُضَارِبًا - فِي الْفَاسِقِينَ بِمَرْهَفٍ تَتَّارِ - هَذَا عَلَى الْأَزْدَى حَقٌّ وَاجِبٌ - فِي كُلِّ يَوْمٍ تَعَانِقُ وَكَوَّارِ - (الكبير صفحہ 277)

بعد میں بچہ؛ عمرو بن جنادہ میدان جنگ میں آیا اور اُس ملعون لشکر کو بتایا کہ: میں آج اپنے کردار و قربانی سے ہندہ کے بیٹے یزید کو لگو گرفتہ اور لا جواب کر دوں گا۔ اور عوام الناس اور انصار ان محمد و آل محمد کو یزید کے خلاف اٹھنے کی جرأت دلاؤں گا۔ وہ لوگ عہد نبوی میں جہاد کرتے رہے اور اب گھروں میں بٹھادیئے گئے۔ میں اُن کے نیروں اور تلواروں کو دشمنانِ اسلام کے خون سے رنگین دیکھ رہا ہوں۔ ان لوگوں نے فتنہ و فساد پھیلانے والوں اور شر پسند گروہ کا ہمنوا بن کر قرآن کو ترک کر دیا ہے (فرقان 25/30) اور یہ کمینہ لوگ بدر و احد میں قتل ہو جانے والے کافروں کا انتقام محمد و آل محمد سے لینے کیلئے امام حسینؑ اور خاندانِ نبوت کا قتل عام کرنا چاہتے ہیں۔ میں بھی اُن پر جی توڑ کر حملہ کر رہا ہوں۔ اسلئے کہ نصرتِ امامؑ ازدی قبیلہ پر واجب ہے اور ہمیں جم کر بڑھ بڑھ کر تلواروں کو گلے لگانے کا حق حاصل ہے۔ ہم اُنکے خون سے اپنی تلواروں اور نیزوں کو خضاب کریں گے۔ بچہ جوانوں سے بہتر اور بے باک جنگ کرتے کرتے قتل ہو گیا۔ اُن شیطین نے بچہ کا سر کاٹ کر لشکرِ حسینؑ میں پھینک دیا۔ ماں نے سر اٹھایا، بوسے دیئے اور کہا کہ میرے معصوم لاڈلے تو نے مجھے خوش کر دیا میں دخترِ رسولؐ کے سامنے سرخرو ہو گئی۔ اسکے بعد ایک فولادی گرز لے کر دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑی اور کہتی جاتی تھی کہ:-

انا عجزو سیدی ضعیفہ - خاویۃ بالیۃ نحیفہ - اضربکم بضربۃ عنیفۃ - دُون بنی الفاطمۃ الشریفۃ۔ (اکسیر - صفحہ 277)

میں ایک سن رسیدہ اور کمزور عورت ہوں۔ مگر میرا امامؑ بڑی قوتوں کا مالک ہے۔ تم میری کمزوری، بڑھاپے اور ناتوانی پر نہ جانا میں تمہیں ایسی طاقت و ضربیں لگاؤں گی اور اولادِ فاطمہؑ کا ایسا دفاع کروں گی جو رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا۔

وَصَرَبَتْ رَجُلَیْنِ فَفَقَتَلَتْهُمَا فَامْرُؤُا الْحُسَيْنِ بِصَرْفِهَا وَدَعَى لَهَا۔ (اکسیر العبادات - صفحہ 277)

چنانچہ اس مومنہ نے دو فوجیوں کو قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر امامؑ نے اُسے واپس بلوالیا اور صبر کی تلقین فرمائی۔

(39/52)۔ عبد الرحمن بن عروہ علیہ السلام کی شہادت

قال ثُمَّ خَرَجَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عُرْوَةَ فَقَالَ: قَدْ عَلِمْتُ حَقًّا بَنُو غَفَّارٍ - وَخَنَدَفَ بَعْدَ بَنِي نِزَارٍ - لِنَضْرِبَنَّ مَعْشَرَ الْفَجَّارِ - بِكُلِّ عَضْبٍ ذَكَرَ بَنَارٍ - يَاقَوْمَ ذُوْدَ وَاعِنَ بَنِي الْاِخْيَارِ - بِالْمَشْرِفِ وَالْقَنَا الْخَطَّارِ - ثُمَّ قَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ۔ (اکسیر - صفحہ 277)

لکھا گیا ہے کہ پھر جناب عبد الرحمن بن عروہ یہ کہتے ہوئے تیغ آزمایا ہوئے کہ خندف اور بنو غفار اس حقیقت سے آگاہ ہیں اور نزار کی اولاد بھی پریقین ہے کہ ہم آج بدنہاد و ناجار معاشرہ کو خوب پیٹیں گے۔ اور ہر وہ حربہ استعمال کریں گے جو اُن کو تباہ کرنے میں مفید ہو۔ اے نیک بخت لوگو آگے بڑھو اور مل کر مجسمِ نیک خاندان کا تحفظ کرو۔ اور تلوار و نیزہ و سنان اُن سے دور کر دو۔ یہ کہتے اور جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ جان قربان کر دی۔

(39/53)۔ جناب شاذب بن عبد اللہ شاکری ہمدانی علیہ السلام

آپ قبیلہ شاکری کی ہمدانی شاخ سے تھے اور عابس بن ابی شمیہ شاکری کے غلام تھے۔ کوفہ کے شیعوں میں نہایت نام آور اور مقبول فرد تھے۔ حافظِ حدیث اور شہسوار میدانِ جنگ تھے۔ حضرت علیؑ مرتضیٰ سے علوم حاصل کئے تھے۔ اسلئے کوفہ کے لوگوں کے واسطے راہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔ لوگوں کو حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ جب حضرت عابس جناب مسلمؑ کا خط لیکر امام حسینؑ علیہ السلام کے

پاس مکہ میں آئے تو جناب شاذب بھی ہمراہ تھے۔ یہاں سے یہ دونوں امام کے ہمراہ کربلا آئے اور روز عاشور دونوں قربان ہوئے۔
وجاء عابس بن شبيب الشاكري ومعه شاذب مولی شاکر۔ فقال يا شاذب ما في نفسك ان تصنع؟ قال ما صنع اقاتل حتى
أقتل۔ قال ذاك الظن بك فتقدم بين يدي ابي عبد الله عليه السلام حتى يحسبك كما احتسب غيرك فان هذا يوم ينبغي لنا
ان نطلب فيه الاجر بكل ما نقدر عليه فانه لا عمل بعد اليوم وانما هو الحساب۔ (اکسیر صفحہ 277-278)

حضرت عابس کے ہمراہ جناب شاذب بھی تھے۔ روز عاشور عابس نے شاذب سے معلوم کیا کہ بھائی اب کیا ارادہ ہے؟
شاذب نے کہا کہ میں اسکے سوا اور کوئی ارادہ نہیں رکھتا کہ میدان میں نکلوں اور امام کی نصرت میں جنگ کروں اور ان پر اپنی زندگی قربان
کر دوں۔ عابس یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ بھائی مجھے تم سے یہی اُمید تھی لہذا اجازت کیلئے امام کے حضور میں جاؤ اور ان کی نظر
میں وہ مقام حاصل کر لو جو دوسرے انصار نے حاصل کیا ہے۔ آج وہ دن ہے جس دن ہمیں وہ تمام اجرا اور مراتب حاصل کرنے میں اپنی
پوری قدرت صرف کر دینا لازم ہے۔ جو اس شہادت کے نتیجے میں ملنے والے ہیں۔ اسکے بعد کوئی عمل قابلِ قدر نہ رہے گا۔ ہمارے لئے
یہی یوم حساب ہے۔ اور بس۔ شاذب آگے بڑھے اجازت لی اور جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ اور قیامت کے حساب سے فارغ ہو گئے۔

(39/54)۔ جناب عابس بن شبيب علیہ السلام کی شہادت

عابس بن شبيب بن شاکر بن ربیعہ بن مالک بن صعب بن معویہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد الحمدانی الشاکری۔
بنو شاکر قبیلہ ہمدان کی ایک بڑی شاخ ہیں۔ اور ان کے متعلق حضرت امیر علیہ السلام نے جنگ صفین میں خوش ہو کر فرمایا تھا کہ اگر میرے
رفقا میں ان لوگوں کی تعداد صرف ایک ہزار بھی ہو جائے تو حق و باطل کے فیصلے جس طرح ہونا چاہئیں ہونے لگیں۔ یہ لوگ عرب میں
جنگ آزما بہادر شمار ہوتے تھے۔ ان کا لقب ہی **فتیان الصباح** (جو ان مردانِ صبح) مشہور تھا۔ عابس کوفہ کے رؤسا میں سے تھے۔ بہت عمدہ
مقرر، عابد و زاہد و بہادر تھے۔ آپ نے اور حبیب ابن مظاہر نے جناب مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور زندگی قربان کر دینے کا عہد
کیا تھا۔ اور حضرت امام حسینؑ کے پاس خط لے کر گئے تھے۔ اور ایک لمحہ کے لئے جدانہ ہوئے تھے۔

فتقدم عابس وسلم علی الحسين وقال يا ابا عبد الله اما والله ما امسى علي وجه الارض قريب ولا بعيد اعز علي ولا احب منك
ولو قدرت علي ان ادفع عنك الضيم او القتل بشيء اعز علي من نفسي ودمي لفعلت السلام عليك يا ابا عبد الله اشهد اني علي
هداك وهدى ابيك ثم مضى بالسيف نحوهم۔ قال ربیع بن تمیم فلما رايته مقبلاً عرفته وقد كنت شاهدته في المغازی كان
اشجع الناس فقلت ايها الناس هذا اسد الاسود هذا ابن شبيب لا يخرجن اليه احد منكم فاخذ ينادي الارجل الارجل فقال ابن سعد
ارضخوه بالحجارة من كل جانب۔ فلما راي ذلك القى درعه ومغفرة ثم شذ على الناس فوالله لقد رايته يطرد اكثر من مئتين من
الناس۔ ثم انهم تعطفوا عليه من كل جانب فقتل رحمه الله عليه فرايت راسه في ايدي رجال ذوى غدة هذا يقول انا قتلتُه
والاخر يقول كذلك فقال ابن سعد لا تختصمو هذا لم يقتله انسان واحد حتى فرق بينهم بهذا القول۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 278)

جب حضرت شاذبؑ قربان ہو چکے تو عابس خدمتِ امامؑ میں آئے اور عرض کیا کہ حضور میرا سلام ہو آپ پر بخدا اس دنیا میں
مجھے آپ سے زیادہ نہ کچھ اور محبوب ہے نہ آپ سے زیادہ میری نظر میں کسی چیز کی عزت و توقیر ہے۔ اگر مجھے یہ قدرت ملتی کہ میں اپنے سر

سے زیادہ قیمتی کوئی چیز آپ پر قربان کروں تو میں دریغ نہ کرتا۔ اب تو میرے پاس یہ میری حقیر سی زندگی ہی ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ میرا آخری سلام قبول فرمائیں اور میں خدا کے حضور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں آپ کے والد کے دین پر برقرار رہا ہوں۔ رخصت لی میدان میں تیغ بکف پہنچے تو ایک شخص ربیعہ بن تمیم نے پہچان لیا۔ وہ کہتا ہے کہ جب میں نے عابس کو آتے دیکھا تو پہچان لیا کہ میں نے اس سے پہلے انہیں کئی ایک لڑائیوں میں جنگ کرتے دیکھا تھا۔ اور اُن کی بے جگری اور شجاعت سے واقف تھا۔ میں نے اپنی فوج سے کہا کہ دیکھو ایک زبردست شیر حملہ کیلئے آ رہا ہے۔ تم میں سے کوئی تنہا تنہا مقابلہ نہ کرنا۔ ورنہ مارے جاؤ گے۔ اُدھر عابس نے لکارا کہ ہے کوئی سورما جو میرے مقابلہ پر آئے۔ مگر کوئی باہر نہ نکلا۔ اُدھر عمر سعد نے پکار کر کہا کہ چاروں طرف سے پتھروں کی بارش کر دو۔ لہذا پتھر برسنا شروع ہوئے تو حضرت عابس نے زرہ بکتر اور خود اتار کر پھینک دیا اور تلوار لے کر اُن پر ٹوٹ پڑے۔ جدھر توجہ کرتے تھے سو سودو و سو آدمیوں کے دستے سامنے سے بھاگتے پھرتے تھے۔ آخر بہت کوشش کے بعد انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا گیا اور عابس نے حق دہستی محمد و آل محمد ادا کر دیا۔ ذرا دیر بعد دیکھا گیا کہ ہر شخص یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ میں نے عابس کو قتل کیا ہے۔ عمر سعد نے فیصلہ کیا کہ کسی اکیلے شخص نے اُن کو قتل نہیں کیا بلکہ تم سب اُن کے قاتل ہو۔ اس طرح لوگوں کا یہ جھگڑا ختم ہوا۔

(56-39/55)۔ حضرات عبداللہؑ اور عبدالرحمنؑ فرزند ان عروہ بن حراق

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلے سے جناب حراق غفاری بھی حضرت علی علیہ السلام کے صحابی تھے۔ اور جمل و صفین و نہروان کی جنگوں میں داد شجاعت لیتے رہے تھے۔ اُن کے پوتے جناب عبداللہؑ اور جناب عبدالرحمنؑ بھی کوفہ کے باشندے اور مقبول و پسندیدہ شیعہ تھے۔ یہ دونوں بھائی بھی کربلا کے مجاہدوں میں شامل چلے آ رہے تھے۔ نماز ظہر کے بعد جو انصار ان حسینؑ باقی تھے وہ پروگرام کے مطابق اب جلدی جلدی جام شہادت پینا اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔ تاکہ نماز عصر تک پروگرام مکمل ہو جائے۔ یہی عجلت تھی کہ جناب عابس نے زرہ و بکتر و خود اتار دیا تھا۔ ورنہ وہ کافی دیر تک دشمن کو روک سکتے تھے۔ ننگے بدن پر پتھر اور تیر و تلوار کھانا بتاتا ہے کہ امامؑ کی طرف سے جلدی کی ہدایت کی گئی تھی۔ یعنی اب جو بھی میدان جنگ میں جا رہا تھا وہ شجاعت و فن سپہ گری کو نظر انداز کر کے صرف اپنی جان فدا کرنے کی غرض سے جا رہا تھا۔

ثُمَّ جَاءَ الْحُسَيْنَ عَبْدَ اللَّهِ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ الْغَفَارِيَّ فَقَالَا يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ السَّلَامِ عَلَيْكَ اَنَا جِئْنَا لِنَقْتُلَ بَيْنَ يَدَيْكَ وَنَدْفَعُ عَنْكَ فَقَالَ مَرْحَبًا اَدْنُوا مِنِّي فَدَنِيَ مِنْهُ وَهُمَا يَبْكِيَانِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا ابْنِي أَخِي مَا يَبْكِيَكُمَا؟ فَوَاللَّهِ اِنِّي لَا ارْجُوا اَنْ تَكُونَا بَعْدَ سَاعَةٍ قَرِيبَى الْعَيْنِ۔ فَقَالَا جَعَلَنَا اللَّهُ فِدَاكَ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَا عَلَيَّ اَنْفُسَنَا نَبْكِي وَ لَكِنْ نَبْكِي عَلَيْكَ نَرِيكَ قَدْ احْيَيْتَ بَكَ وَلَا نَقْدِرُ عَلَى اَنْ نَنْفَعَكَ۔ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ جِزَا كَمَا اللَّهُ خَيْرٌ يَا ابْنِي أَخِي بُوْجِدَ كَمَا مِنْ ذَلِكْ وَمَا سَاتَكُمَا اِيَّايْ بِاَنْفُسِكُمَا اَحْسَنَ اللَّهُ جِزَاءَ الْمُتَّقِينَ۔ ثُمَّ اسْتَقْدَمَا وَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُولِ اللَّهِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَعَلَيْكُمَا السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ فَقَاتَلَا حَتَّى قُتِلَا۔ (اُكْسِرُ الْعِبَادَاتِ فِي اَسْرَارِ الشَّهَادَاتِ صَفْهُ 278)

چنانچہ حضرت عابسؑ اُدھر شہید ہوئے اُدھر یہ دونوں بھائی امامؑ کے حضور حاضر ہوئے اور سلام کیا۔ پھر کہا کہ سرکارؑ ہم آپ کے

تحفظ اور دفاع میں آپ کے سامنے قتل ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔ امّام نے شاباش دی اور فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔ دونوں قریب تو آگئے مگر امّام کے محبت سے لبریز سلوک پر دل بھرا آیا اور صدائے گریہ بلند ہوگئی۔ امّام نے پوچھا کہ اے میرے بھائی کی یادگار وتم کیوں رونے لگے؟ خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک ذرا دیر میں تم مطمئن، خندہ زن اور خوش ہو جانے والے ہو۔ دونوں نے عرض کیا کہ حضورؐ ہم اپنی کسی تکلیف یا دقت پر نہیں روئے۔ بلکہ ہمیں آپ کی تکلیف رلا رہی ہے۔ آپ چاروں طرف سے نزعہ میں ہیں۔ انصار ختم ہوتے جا رہے ہیں اور آنے والی تکلیف دور کرنے کے لئے ہم موجود نہ ہوں گے۔ اور اُن غلاموں کا ہاتھ رسولؐ کے بچوں پر بھی اُٹھے گا یہ تصور ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ امّام نے فرمایا کہ اے میرے بھائی کے جوان بیٹو! خدا تمہیں بہترین جزا دے میں تمہاری قربانی اور تصورات اور فداکاری پر بہت خوش ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ اللہ تمہیں متقین والی مقررہ جزا عطا کرے۔ اس کے بعد دونوں نے آخری سلام کیا۔ میدان میں آئے اور شہید ہو جانے میں کوشاں ہوئے اور آخر قربان ہو گئے۔

(39/57)۔ ترکستان کے ایک خادم سرتاج مہمانِ اہلبیتؑ (اَوْصَجیؑ) کی شہادت

ہمیں تلاشِ بسیار کے بعد اس ہزار سالہ شیعہ سنی ریکارڈ میں اس قابلِ فخر شہید کا نام نہ ملا۔ اور ہر جگہ اُسے ”ترکی غلام“ کہہ کر تعارف کرایا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ وہ امّام حسین علیہ السلام کا غلام تھا۔ اور یہ کہ وہ حافظ قرآن اور قاری قرآن بھی تھا۔ اور یہ کہ امّام نے اُسے امّام زین العابدین علیہ السلام کو ہبہ کر دیا تھا۔ اور جب اُس نے اذنِ جہاد مانگا تو امّام نے فرمایا کہ تم سید سجاد سے اجازت لو۔ مومنین سوچیں کہ ایسے مشہور و معروف صحابی کا نام کیوں اور کیسے غائب ہو گیا ہوگا؟ جب کہ عام لوگوں کے غلاموں کے نام معلوم تھے اور لکھے گئے؟ بہر حال ہمارے ریکارڈ میں اُن کا نام اَوْصَجیؑ ہے۔ اور اتفاق سے اِس نام (اَوْصَجیؑ) کے معنی بھی خادم ہی ہیں۔ وہ لوگ جو ہوٹل میں کھانا کھانے والوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور حسبِ طلب کھانے کی چیزیں لا کر پیش کرتے ہیں اُن کو بھی اَوْصَجیؑ کہا جاتا ہے۔ جنہیں انگریزی میں ویٹر (Waiter) منتظر رہنے والا کہا جاتا ہے۔ اُن کو ترکستان میں بھی اَوْصَجیؑ کہا جاتا رہا ہے۔ بہر حال اُن کی شہادت بحار الانوار اور علامہ در بندی رضی اللہ عنہ سے سُنئے۔

ثُمَّ خَرَجَ غُلَامٌ تُرْكِيٌّ كَانَ لِلْحُسَيْنِ وَكَانَ قَارِئًا لِلْقُرْآنِ فَجَعَلَ يِقَاتِلُ بِرَ تَجْزُو يَقُولُ: الْبَحْرُ مِنْ طَعْنِي وَضَرْبِي وَ يَصْطَلِي - وَالْجَوْ مِنْ سَهْمِي وَ نَبْلِي يَمْتَلِي - اِذَا حَسَامِي فِي يَمِينِي يَنْجَلِي - يَنْشَقُّ قَلْبَ الْحَاسِدِ الْمَبْجَلِي - فَقَتَلَ جَمَاعَةً ثُمَّ سَقَطَ صَرِيحًا فَجَاءَهُ الْحُسَيْنُ فَبَكَى فَوَضَعَ خَدَّهُ عَلَى خَدِّهِ فَفَتَحَ عَيْنَهُ فَرَأَى الْحُسَيْنَ فَنَبَسَمَ ثُمَّ صَارَ إِلَى رِبِهِ - (أكسير العبادات صفحہ 278)

پھر جنابِ ترکی خادمِ میدان میں آئے جو قاری قرآن اور امّام کے غلام تھے۔ انہوں نے حملہ کیا اور کہتے جاتے تھے کہ: میرے نیزہ اور شمشیر کی گرمی سے سمندروں میں آگ بھڑک اٹھتی ہے، میری تیر بارانی فضاؤں کو لبریز کر دیتی ہے۔ جب میرے داہنے ہاتھ میں رہنے والی محروم کرنے والی باہر نکلتی ہے تو حسد کرنیوالوں کے دل اسکی چمک سے پھٹ جاتے ہیں۔ مخالف فوج کی بہت بڑی تعداد کو واصلِ جہنم کیا۔ آ خر زخموں سے نڈھال ہو کر زمین پر تشریف لائے۔ فوراً امّام حسین علیہ السلام پہنچے سینے سے لگایا۔ اُنکے گالوں پر اپنے گال رکھ دیئے۔ اَوْصَجیؑ نے آنکھیں کھولیں امّام کو گلے میں باہیں ڈالے دیکھ کر مسکرائے، اشارے سے سلام کیا اور اپنے رب کے حضور چلے گئے۔

(39/58)۔ یزید بن زیاد بن الشعثاء کی شہادت

قَالَ ثُمَّ رَمَاهُم يَزِيدُ بْنُ زِيَادٍ بَنَ الشَّعْثَاءِ بِشِمَانِيَةِ اسْهَمَ مَا اخْطَا مِنْهَا بِخَمْسَةِ اسْهَمٍ وَكَانَ كَلَّمَارِي قَالَ الْحُسَيْنُ اللَّهُمَّ سَدِّدْ رَمِيْتَهُ وَاجْعَلْ ثَوَابَهُ الْجَنَّةَ فَحَمَلُوا عَلَيْهِ وَقَتْلُوهُ۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 278)

پھر یہ بتایا گیا کہ یزید بن زیاد بن شعثاء نے میدان جنگ میں آ کر اپنے باقی ماندہ آٹھ تیر دشمن افواج پر چلائے۔ جن میں سے بعد کے پانچ تیروں نے خطائیں کی اور ان پانچ مخصوص نشانوں پر جا کر لگے جو مطلوب تھے۔ امام نے بھی دعا کی تھی کہ یا اللہ اُس کے تیروں کو ٹھیک نشانے پر پہنچا اور ہر تیر کے بدلے میں اُسے جنت عطا فرما۔ آخر کار دشمن کی افواج نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور آپ نے امام علیہ السلام کے قدموں پر جان نثار کر دی۔

(39/59)۔ ابو عمرو و شعیب بن عبد اللہ نہشلی علیہ السلام

آپ حضرت علی علیہ السلام کے صحابی تھے۔ جنگ صفین و نہروان اور جنگ جمل میں شریک تھے۔ پھر امام حسین علیہ السلام کے ناصر و مددگار رہے۔ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور پھر کربلا کے سفر میں سایہ کی طرح رہے۔ وعن ابن نما قال حدث مهران مولیٰ بنی کاهل قال شہدت کربلا مع الحسینؑ فرأیت رجلاً یقاتل قتلاً شديداً لا یحمل علی قوم الا کشفهم ثم رجع الی الحسین علیہ السلام ویرتجز ویقول: ابشر هدیة الرشد تلقی احمدًا۔ فی جنة الفردوس تعلوا صعدًا۔ فقلت من هذا۔ فقال ابو عمرو والنهشلی وقیل الخثعمی۔ فاعترضه عامر بن نهشل احد بنی اللات من ثعلبة فقتله واجتزراسه وکان ابو عمرو وهذا متجهدا کثیر الصلوة۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 278)

اُنکی بابت لکھا ہے کہ مهران نے روایت کی ہے کہ میں کربلا میں امام کے پاس حاضر تھا۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ بڑی خطرناک جنگ کرتا ہے۔ اور جس طرف حملہ آور ہوتا ہے عمر سعد کی فوجیں سامنے سے بھاگتی اور میدان چھوڑتی چلی جاتی ہیں۔ لڑائی کے دوران امام کی خدمت میں واپس آیا اور اپنی جنگ پر داد اور سند طلب کرنے کیلئے یہ شعر پڑھا کہ: آپ مجھے اپنے نانا احمد سے ملاقات کی خوشخبری سنائیں اور فرمائیں کہ تُو جنت میں بلند مرتبہ پانے والا ہے۔ میں نے معلوم کیا تو بتایا گیا کہ یہ شخص ابو عمرو و شعیب نہشلی یا خثعمی ہے۔ امام سے کچھ سنا ہوگا واپس آیا تو میدان جنگ میں ایک شخص عامر بن نہشل نے انہیں قتل کر کے سر کاٹ لیا۔ یہ ابو عمرو و تہجد گزار اور کثرت سے نمازیں پڑھنے والے تھے۔ رخصت کے بعد جنگ نہ کی اور جلدی سے شہید ہو گئے۔

(39/60)۔ جناب ابو شعثاء یزید بن مہاجر کندی بھدلی کا تعارف اور شہادت

مومنین نے اٹھاون نمبر پر یزید بن زیاد کی شہادت ملاحظہ کی تھی۔ اُن کے دادا کا نام شعثاء تھا۔ چونکہ وہ بھی تیر اندازی میں ماہر تھے اور اُن کے بھی پانچ تیر ٹھیک نشانے پر لگے تھے۔ اور زیر قلم شہید بھی تیر اندازی میں ماہر ہے۔ اور ان کے بھی پانچ تیر ٹھیک نشانے پر لگے ہیں۔ اور اتفاق سے لفظ شعثاء بھی دونوں کے تعارف میں آ گیا ہے۔ اس لئے بعض علما نے اُن دونوں کو ایک ہی شخص سمجھا ہے۔ اور یہ خیال نہیں کیا کہ اول الذکر (58) کا دادا شعثاء ہے اور دوسرا خود ہی ابو شعثاء ہے۔ اور یہ کہ اول الذکر کے باپ کا نام زیاد ہے اور دوسرے

کے باپ کا نام مہاجر ہے۔ بس پانچ تیر گن کر عقل ماری گئی۔ بہر حال زیر قلم یزید بن مہاجر شیعان کوفہ کے بہادروں، عبادت گزاروں اور شرفاء میں نام آور تھے۔ جب حُر نے امام کی راہ رو کی اس سے پہلے یزید بن مہاجر امام کے ساتھ شامل ہو چکے تھے۔ جب کربلا میں ابن زیاد کا قاصد حُر کے پاس آیا اور یہ حکم لایا کہ امام کو حرکت کرنے سے روک دو۔ تو یزید بن مہاجر نے اُس قاصد کو پہچان لیا۔ اُس کا نام مالک بن نسر بدی تھا۔ چونکہ وہ ہم قبیلہ یعنی کندی تھا اس لئے ابوشعشا نے اُسے ایسا خط لانے پر ملامت کی۔ اس نے جواب دیا کہ بھائی میں نے تو اپنے امام کی اطاعت کی ہے۔ ابوشعشا نے کہا کہ ٹھیک ہے تو نے اپنے امام یزید کی اطاعت کی مگر خدا کی نافرمانی اور گناہ کیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے بتا دیا ہے کہ کچھ امام وہ ہیں جو باطل کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ لہذا تو نے ایک گمراہ اور گمراہ کرنے والے امام کی اطاعت کی اور اللہ کی مخالفت کر کے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لیا ہے۔

روز عاشورہ انہوں نے جنگ کی اجازت لی اور امام کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ پھر اپنی تیر اندازی کا کمال پیش کیا۔ آٹھ میں سے پانچ تیر اُن اشخاص پر چلائے جن کا مرنا طے کیا ہوا تھا۔ اور انہیں قتل کیا۔ تین تیروں نے خطا کی۔ اس کے بعد تلوار نکال کر دشمن کی فوج میں ڈوب گئے۔ باقی تذکرہ علامہ سے سنئے: وَخَرَجَ يَزِيدُ بْنُ مِهَاجِرٍ فَقَتَلَ خَمْسَةَ مِنْ أَصْحَابِ عَمْرِو بْنِ النَّشَابِ وَصَارِمِ الْحُسَيْنِ وَهُوَ يَقُولُ: اَنَا يَزِيدُ وَابِي الْمِهَاجِرُ - كَانَنِي لَيْثٌ بَغِيلٌ حَادِرٌ - يَارَبِّ اِنِّي لِلْحُسَيْنِ نَاصِرٌ - وَلَا بَنَ سَعْدَ تَارِكٌ مِهَاجِرٌ - وَكَانَ يَكْنِي اَبَا الشَّعْشَاءِ مِنْ بَنِي بَهْدَلَةَ مِنْ كَنْدَةَ - (أكسير العبادات - صفحہ 278)

”پھر جناب یزید بن مہاجر میدان میں نکلے۔ عمر سعد کے مخصوص صحابہ میں سے پانچ کو تیروں سے قتل کیا اور پھر حسین کے ساتھ چلے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ: میرا نام یزید ہے میرے والد مہاجر تھے۔ میں جنگل کے شیروں سے زیادہ بہادر ہوں۔ اے اللہ گواہ رہنا کہ میں حسین کا مددگار ہوں۔ اور ابن سعد کو ترک کرنے اور اُس کو چھوڑ کر ہجرت کرنے والا ہوں۔ اور اُن کی کثیت ابوشعشا تھی۔ فدا کا رانہ جنگ کی اور دین پر نثار ہو گئے۔

(62- 39/61) - حضرات سیف بن حارث بن سریع و مالک بن عبد اللہ بن سریع

وفى البحار وتقدم سيف بن ابى الحارث بن سريع، ومالك بن عبد الله بن سريع الجابريان بطن من همدان يقال لهم بنوا جابر امام الحسين ثم التقيا فقال السلام عليك يا ابن رسول الله - فقال عليهما السلام ثم قاتلا حتى قُتِلَا - (أكسير العبادات في اسرار الشهداء - صفحہ 278)

یہ دونوں آپس میں چچا زاد بھائی تھے۔ مگر دونوں ایک ہی ماں سے تھے۔ یعنی ایک بھائی کے انتقال کے بعد دوسرے بھائی نے اپنے بھائی کی بیوہ سے نکاح کر لیا تھا۔ جن دنوں عمر سعد سے صلح کی گفتگو ہو رہی تھی۔ دونوں بھائی کربلا میں نصرت کے لئے حاضر ہو گئے تھے۔ روز عاشورہ دونوں بھائی اجازت کے لئے حاضر ہوئے سلام کیا۔ امام نے سلام کا جواب اور اجازت دی۔ فدا کا رانہ اور غلج پسندانہ جہاد کیا۔ اور امام پر قربان ہو گئے۔

(39/63) - سوید بن عمرو بن ابی المطاع النخعی آخری شہید حضرت سوید بھی نہایت بوڑھے تھے۔ اور آپ کو تمام صحابہ کے بعد

جنگ کی اجازت دی گئی تھی۔ آپ کے بعد اور کوئی صحابی و ناصر موجود نہ تھا۔ آپ کے بعد خاندان بنی ہاشم کے افراد کی جنگ و شہادت شروع ہوئی تھی۔

وفی الملهوف و تقدم سوید بن عمرو بن ابی المطاع و كان شریفاً کثیر الصلوة فقاتل قتال الاسد الباسل و بالغ بالصبر علی الخطب النازل حتی سقط بین القتلی و قد اثنخن بالجراح فلم یزل کذلک و لیس به حراک حتی سمعهم یقولون قُتِلَ الحسین فتحمّل و اخرج من خفّه سگینا و جعل یقاتلهم بها حتی قُتِلَ رضوان اللہ علیہ۔ (کبیر العبادات۔ صفحہ 276)

کتاب ملہوف میں لکھا ہے کہ پھر جناب سوید بن عمرو و اجازت کے لئے آگے بڑھے۔ آپ ایک شریف النسل اور کثیر الصلوة تھے۔ آپ نے ایک بھرے ہوئے شیر کی طرح حملے جاری رکھے اور تلواروں کی بوچھاڑ پر کمال کا صبر دکھایا۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو کر زمین پر گر گئے اور انہیں دوسری لاشوں کے ساتھ مردہ سمجھا گیا۔ وہ مسلسل اس بے ہوشی کے عالم میں مُردوں کے اندر پڑے رہے۔ ہوش اُس وقت آیا جب چاروں طرف وہ لوگ امامؑ کے قتل ہو چکنے کا اعلان کر رہے تھے۔ آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے اسلحہ سے محروم ہو چکے تھے۔ اس لئے ایک چھڑا نکالا اور نزدیک ترین دشمنوں پر حملہ کیا اور اُس وقت تک وار کرتے رہے جب تک دوبارہ بے ہوش ہو کر زمین پر نہ گر گئے۔ اور امامؑ پر آخری قربانی نہ چڑھا دی۔ اللہ کی رحمتیں شامل رہیں۔

(39/64)۔ بشیر بن عمرو بن الاحدوث الحضرمی علیہ السلام: آپ کوفہ کے محلہ بنی کندہ میں سکونت پذیر تھے۔ اسلئے لوگ انہیں قبیلہ کندہ کے فرد سمجھنے لگے تھے۔ اور ریکارڈ میں کہیں کہیں آپ کو کندی بھی کہا گیا ہے۔ کربلا کے قیام میں انہیں اطلاع ملی کہ اُنکا بیٹا عمرو ملک رے کی سرحد پر گرفتار ہو گیا ہے۔ امامؑ نے خاص طور پر رخصت عنایت فرمائی لیکن آپ بیٹے کو آزاد کرانے کیلئے نہیں گئے۔ وہ جانتے تھے کہ وہ اس طرح شہادت سے محروم رہ جائیں گے اور یہ محرومی انہیں کسی صورت منظور نہ تھی۔ چنانچہ نماز عصر سے کچھ پہلے محمد و آل محمد علیہم السلام پر قربان ہو گئے۔

(39/65-66-67)۔ یزید بن حبیط عبدی اور دو بیٹے؛ عبد اللہ اور عبید اللہ بن یزید بن حبیط عبدی علیہم السلام

یہ بیٹوں باپ بیٹہ بصرہ کے نامی گرامی شیعہ تھے۔ یزید بن حبیط ابوالاسود دؤلی کے احباب میں سے تھے۔ بصرہ میں ابن زیاد کے حکم سے شیعوں کو نظر بند رکھا گیا تھا تا کہ وہ امام علیہ السلام کی نصرت کو نہ نکل سکیں۔ لیکن جب یزید بن حبیط نے مصمم ارادہ کر لیا تو وہ اپنے دونوں بیٹوں سمیت بصرہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اُن کی تقلید میں ایک ایک دو دو کر کے کئی ایک مجاہد ابلیت نصرتِ امامؑ کیلئے بصرہ سے نکل آئے۔ جب یہ حضرات ابطح کی منزل میں فروکش ہوئے تو معلوم ہوا کہ کچھ دُور امامؑ کے خیام ہیں۔ وہ سب امامؑ سے ملاقات کیلئے حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ امام علیہ السلام خود اُن سے ملنے کے لئے تشریف لے جا چکے ہیں۔ چنانچہ اپنے ڈیرہ میں واپس آئے تو سرکار سے ملاقات ہوئی۔ اور اس کے بعد امامؑ کے ساتھ ساتھ رہتے کربلا پہنچے اور کربلا میں پروگرام کے مطابق شہید ہوئے۔

(39/68-69)۔ قعب بن عمرو نمری اور حجاج بن زید سعدی تمیمی علیہما السلام

بصرہ کے شیعوں میں سے تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے مسعود بن عمرو ازدی کو عراق کی رواجی کے متعلق اطلاع دی تھی۔

انہوں نے شیعان بصرہ کو نصرت امامؑ پر متوجہ کرنے کے لئے تقریر کی اور امامؑ کی خدمت میں خط لکھا تھا۔ اس خط کو قنعب اور حجاج لے کر کر بلا میں آئے اور نصرت امامؑ میں شہید ہوئے۔

(39/70)۔ عمر بن جندب حضری علیہ السلام: آپ کوفہ کے باشندوں میں سے تھے۔ امیر المومنینؑ کے صحابی تھے۔ جمل وصفین میں شانہ بشانہ جنگ میں شامل رہے۔ جب حکومت بنی امیہ نے شیعوں کا قتل عام کرنا شروع کیا اور بہت سے سرگرم شیعوں کو جناب حجر بن عدی کے ساتھ گرفتار کیا گیا تو عمر بن جندب روپوش ہو گئے اور اُس دن تک پوشیدہ رہے جس دن زیاد حرام زادہ واصل جہنم ہوا۔ پھر برابر تحریک میں کام کرتے رہے۔ حضرت مسلم علیہ السلام کی ماتحتی میں بھی خدمات انجام دیں۔ اُن کی شہادت کے بعد مخفی طور پر کوفہ سے نکلے کر بلا میں امامؑ کے ساتھ رہے اور شہید ہوئے۔

(39/71)۔ سعد بن حارث علیہ السلام: آپ کو حضرت علیؑ اور امام حسن علیہم السلام کی خدمت کا شرف حاصل تھا۔ امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ آئے۔ ہمارا رہے اور مکہ سے کر بلا میں خدمات انجام دیتے ہوئے پہنچے۔ یہاں آ کر تمام مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کئے۔ وقت آنے پر شہید ہوئے۔

(39/72)۔ سلمان بن مضارب بن قیس ابن جلی علیہ السلام: حضرت زہیر بن قین کے چچیرے بھائی تھے۔ اور اُن ہی کے ساتھ حج کر کے وطن واپس آتے ہوئے امام علیہ السلام کا ساتھ جو ہوا تو پھر دامن نہ چھوڑا یہاں تک کہ امامؑ سے پہلے جنت میں پہنچے۔

(39/73)۔ سالم بن عمرو بن عبد اللہ علیہ السلام: قبیلہ فضاء سے تھے۔ کوفہ کے سرگرم شیعوں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت مسلمؑ کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کی اور گرفتار کر لئے گئے۔ لیکن جیل سے فرار کیا اور روپوش رہے۔ جب امام حسین علیہ السلام کے کر بلا میں پہنچنے کی اطلاع ملی تو قبیلہ کلب کے کئی آدمیوں سمیت امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب نے درجہ شہادت حاصل کیا۔

(39/74)۔ بکر بن حنی تیمی علیہ السلام: ابن زیاد کی افواج میں شامل ہو کر کر بلا پہنچے۔ جنگ شروع ہونے سے دو تین روز قبل خاموشی سے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں کے حالات اور مقاصد سمجھ لینے کے بعد واپس نہیں گئے اور نہایت جرأت و جسارت کا مظاہرہ کرتے رہے بار بار دشمن پر حملوں میں حصہ لیا اور جناب حجرؑ سے پہلے جام شہادت پیا۔ یہ اکثر مختلف قسم کی ڈیوٹیاں انجام دینے میں جناب عباس علمدار علیہ السلام کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ پانی لانے اور پہرہ دینے اور لشکر کیلئے کھانا تیار کرنے میں مصروف رہا کرتے تھے۔

(39/75-76-77)۔ کردوس، قاسط اور مقسط بن زہیر بن حارث تغلبیان علیہم السلام

یہ تینوں بھائی حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے صحابہ میں سے ہیں۔ تمام جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دیتے رہے۔ جب امام حسن علیہ السلام کوفہ سے مدینہ تشریف لے گئے تو یہ خاندان کوفہ ہی میں رہتا رہا۔ حضرت مسلمؑ کے ساتھ حد بھر تعاون کیا۔ اور شہادت کے بعد چھپ کر کوفہ سے کر بلا پہنچے اور امام علیہ السلام پر قربان ہو گئے۔

(39/78)۔ عمار بن ابی سلامہ دالانی علیہ السلام: حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ: ”عمار بن ابی سلامہ بن عبد اللہ بن عمران بن راس بن دالان ہمدانی نے رسالت مآب کا زمانہ پایا تھا۔ جناب علی مرتضیٰ کے ساتھ جمل و صفین و نہروان میں شریک رہے اور کربلا میں امام حسینؑ کے سامنے شہید ہوئے۔“ یہ بزرگ بھی مکہ سے ہمراہ آئے تھے۔

(39/79)۔ عمار بن حسان طائی علیہ السلام: عمار بن حسان بن شریح بن سعد بن حارثہ بن لام بن عمرو بن ظریف بن عمرو بن ثمامہ بن ذبل بن جذعان بن سعد بن طے۔ محمد و آل محمدؑ کے فداکار مشہور و معروف شیعہ تھے۔ نسلی طور پر سختی و بہادر تھے۔ اُن کے والد حسان بن شریح امیر المؤمنین علیہ السلام کے مشہور صحابہ میں سے تھے۔ اور جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے۔ جناب عمار مکہ سے امامؑ کے ساتھ کربلا آئے اور روز عاشورہ اولین حملوں میں شہید ہوئے تھے۔

(39/80)۔ جناب نصر بن ابی نضر علیہما السلام: ابو نضر نجاشی بادشاہ کے خاندان سے تھے۔ بچپن ہی سے خاندان رسالت میں آگئے تھے۔ رسولؐ کی خدمت میں رہے۔ حضورؐ نے اُن کی تربیت و تعلیم اپنے ہاتھ میں رکھی۔ بعد وفات حضرت علیؑ کے ساتھ رہے۔ آپ کے باغوں کی دیکھ بھال اُن کے ذمہ تھی۔ اُن کے بیٹے نصر نے بچپن اور جوانی حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کی خدمت میں گزاری۔ جب امام حسین علیہ السلام نے مدینہ چھوڑا تو برابر سفر و حضر میں ہمراہ رہے۔ کربلا میں اپنی جان قربان کی۔

(39/81-82)۔ مسعود بن حجاج تمیمی اور اُن کے بیٹے عبد الرحمن بن مسعود علیہما السلام

یہ دونوں حضرات بھی کوفہ کے باشندے اور مشہور شیعہ تھے۔ جب کوفہ میں پوری آبادی کو نظر بند کر دیا گیا تو ان دونوں نے اُٹام تک پہنچنے کے لئے ابن زیاد کی فوج میں داخلہ اختیار کر لیا اور سرکاری افواج کے ساتھ کربلا پہنچ گئے۔ اور یوں امامؑ کے حضور میں آئے اور مقبول بارگاہ امامت ہو کر امامؑ کے صحابہ میں شریک رہے اور عاشورہ کے دن درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

(39/83)۔ جناب نعیم بن عجلان انصاری علیہ السلام

جناب نعیم بن عجلان بن نعمان بن عامر بن زریق قبیلہ انصاری خزرجی شاخ سے تھے۔ یہ پورا خاندان ہمیشہ آل محمدؐ کا مددگار رہا۔ جب حضرت علیؑ نے کوفہ کو اپنا دار الحکومت بنایا تو بہت سے خاندان کوفہ میں آباد ہو گئے تھے۔ اور برابر وہاں رہ کر نصرت اسلام میں سر دھڑکی بازی لگاتے رہے۔ صاحب موصوف کے بڑے بھائی نعمان بن عجلان بحرین پر حضرت علیؑ کے گورنر تھے۔ جناب نعیم بن عجلان مکہ سے کربلا کے سفر کے دوران امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور برابر ساتھ ساتھ رہے اور اولین حملوں میں شہید ہوئے۔

(39/84-85)۔ حلاس بن عمرو اور اُن کے بھائی نعمان بن عمرو زیدی علیہما السلام

دونوں بھائی باشندگان کوفہ اور صحابہ امیر المؤمنین سے تھے۔ جنگ صفین میں نصرت کی تھی۔ کوفہ میں نظر بندی سے بچنے اور کربلا پہنچنے کیلئے ابن زیاد کی فوج میں بھرتی ہو کر کامیاب ہوئے۔ جب افواج کے ساتھ میدان کربلا میں آئے تو امامؑ سے ملے۔ تمام حالات سنا کر مقبول ہوئے۔ روز عاشورہ دونوں بھائی اولین حملوں میں جان توڑ کر لڑے اور جنت کو سدھارے۔

(39/86)۔ جناب مسلم بن کثیر صدیقی الازدی علیہ السلام: آپ نے عہد رسالت مآب سے فیض پایا۔ حضرت علی علیہ السلام کے صحابہ میں داخل تھے۔ جمل جیسی جذباتی جنگ میں بڑے جوش و خروش سے حصہ لیا۔ اُسی جنگ میں آپ کی ٹانگ میں تیر کا زخم آیا تھا۔ جس کی وجہ سے ایک ٹانگ ذرا کمزور ہو گئی تھی۔ کوفہ سے خفیہ طور پر نکلے اور کربلا میں پہنچ کر دین و دنیا میں سرخرو ہو گئے۔

(39/87)۔ عمرو بن ضبیعہ بن قیس بن ثعلبہ تمیمی علیہ السلام: یہ ایک بہادر سپاہی تھے۔ حضرت مسلم علیہ السلام کی آمد تک کوفہ کے جمہور میں شامل تھے۔ اور قومی و حقیقی اسلام کا فرق نہ سمجھتے تھے۔ لیکن حسینی انقلاب نے انہیں جھنجھوڑ کر جگایا۔ حضرت مسلم کی آمد اور شہادت نے نور ایمان بچشا۔ ابن زیاد کی افواج میں مل کر کربلا آئے اور امام پر قربان ہو گئے۔

(39/88)۔ جناب عقبہ بن صلت جہنی علیہ السلام: مکہ سے روانگی کے وقت اور دوران سفر بہت سے لوگ اسلئے امام کے ساتھ شامل ہو گئے کہ آگے چل کر امام کی قربت اور بڑے بڑے عہدے ملیں گے، دولت و عزت ملے گی۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ موقعہ شناس لوگ اولین و سابقین میں شریک ہو گئے تھے۔ لیکن جب امام حسین علیہ السلام نے لوگوں کی اس بھیر کو برابر بڑھتے دیکھا تو منزل زبالہ پر آپ نے ایک تقریر کی، اپنا مقصد بیان فرمایا اور یقین دلایا کہ کربلا میں کوئی ناصرو مددگار زندہ نہ بچے گا۔ مع ان کے سب قتل ہو جائیں گے۔ یہ وضاحت سن کر تمام موقعہ پرست لوگ رفتہ رفتہ جدا ہو گئے۔ اور صرف وہ حضرات رہ گئے جنہوں نے یہ طے کر لیا کہ ہمیں جان دینا ہے اور امام کے کسی معاملے میں دخل نہیں دینا ہے۔ ایسا فیصلہ کرنے والوں میں سے ایک خوش قسمت شخص جناب عقبہ بن صلت بھی تھے۔ جو جہینہ کے آوارہ گرد اور خانہ بدوش صحرائیوں میں سے تھے۔ وہ پورے سفر میں ساتھ رہے اور ہر روز نہایت استقلال سے صبح کرتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح عاشور آگئی اور آپ امام پر قربان ہونے والے اولین شہدا میں شریک ہوئے۔

(39/89)۔ حضرت قارب علیہ السلام: حضرت قارب بن عبد اللہ بن اریقظ لیشی دو یمنی۔ یہ خاندان رسالت کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے۔ اور امام حسین علیہ السلام کے مخصوص خادموں میں سے تھے۔ جناب سیکندہ کی مادر گرامی حضرت رباب علیہا السلام کی ایک خادمہ فلیبہ علیہا السلام تھیں جن سے عبد اللہ بن اریقظ کی شادی کی گئی تھی۔ اور ان سے جناب قارب بن عبد اللہ پیدا ہوئے تھے۔ یہ خانوادہ رسول کی خدمت کرتے ہوئے جوان ہوئے اور اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور کربلا تک اہلیت کے ہر حال میں شریک رہے۔ اور اولین حملوں میں برابر دفاع کرتے کرتے جنت الفردوس کو روانہ ہو گئے۔

(39/90)۔ جناب عبد اللہ بن بشر بن ربیعہ خثعمی علیہ السلام

کوفہ کے نام آور خاندانوں میں ان کا خاندان سرفہرست تھا۔ کوفہ کا مشہور قلعہ نما احاطہ جو ”جہانہ بن بشر“ کہلاتا ہے اسی خاندان کی نشست گاہ تھی۔ امام حسین کے کربلا پہنچنے کے حالات و مقاصد پر مطلع ہوئے تو ابن زیاد کی فوج میں مل کر کربلا آئے اور امام کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ روزانہ پند و نصائح سنتے رہے یہاں تک کہ دسویں محرم کو اولین شہدا میں شامل ہو گئے۔

(39/91)۔ عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کدن ارجمی علیہ السلام جس زمانہ میں کوفہ سے امام حسین علیہ السلام کو بلانے کے خطوط کی

اموی پالیسی زوروں پر تھی اور قومی حکومت امام حسینؑ کو کوفہ کی راہ میں گھیرنے کے انتظامات کر رہی تھی تو شیعوں کو بھی خطوط لکھنے پر اُکسایا گیا تھا۔ بہر حال اُس زمانہ میں کوفہ سے آنے والے خطوط اور وفود کے ساتھ جناب عبدالرحمن بن عبداللہ، قیس بن مسہر صیداوی اور عمار بن عبید سلولی آئے تھے۔ اور اُن ہی کی ہمراہی میں جناب مسلم علیہ السلام کو کوفہ روانہ کیا گیا تھا۔ اس کے بعد کوفہ میں ابن زیاد کے تسلط کے بعد سوال یہ تھا کہ امّ کو مکہ سے کوفہ آنے کی ممانعت کی جائے اور بتایا جائے کہ کوفہ آنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ عبدالرحمن؛ ابن زیاد کی نگرانی سے بچ کر نکلے اور امام حسین علیہ السلام کو راہ میں ملے اور پھر امّ کے اشاروں پر چلتے ہوئے کر بلا پہنچے۔ یہاں کے تمام ابتدائی انتظامات میں پیش پیش رہے۔ خندق کی کھدائی اور اس میں ڈالی جانے والی لکڑیوں کا انتظام اُن ہی کے سپرد تھا۔ روز عاشورہ پہلے حملہ میں تیس انصار کے ساتھ شہید ہوئے تھے۔

(39/92)۔ جناب عامر بن مسلم عبدی بصری علیہ السلام: یہ بصرہ کے قدیم باشندے اور اُن شیعوں میں سے تھے جو جناب ماریہ بنت منقذ علیہا السلام کے مکان پر جمع ہو کر نصرت امام علیہ السلام کی اسکیم چلایا کرتے تھے۔ یہ بھی جناب یزید بن شیبہ (نمبر 65) کے ساتھ بصرہ سے نکل کر منزل ابطح میں قدمبوس ہوئے اور انتظامات میں مندرجہ بالا عبدالرحمن (نمبر 91) کے دست راست تھے اور ساتھ شہید ہونے والوں میں سے ہیں۔ ان دونوں کی اولاد برابر تحریک تشیع میں سرگرم رہی۔ یہاں تک کہ قومی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اور وہ تمام لوگ تہ تیغ کر دیئے گئے جو یزید و معاویہ کی حکومت میں کلیدی مقام رکھتے تھے۔

(39/93)۔ مجمع بن زیاد بن عمر و جہنی علیہ السلام: یہ بھی جناب عقبہ بن صلت (نمبر 88) کے ساتھ منزل زبالہ کے لکچر کے بعد ثابت قدم رہے۔ اور دونوں ہم قبیلہ تھے۔ دونوں ہر کام میں ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے۔ انصاران حسین علیہ السلام میں سب سے زیادہ جذباتی تھے۔ بات بات پر تیغ بکف ہو جاتے تھے۔ اور سستی و کاہلی کو ناپسند کرتے تھے۔ ہر وقت دشمن پر ٹوٹ پڑنے کا بہانہ تلاش کرتے رہتے تھے۔ پہلے حملہ میں شہید ہوئے۔

(39/94)۔ قاسم بن حبیب بن ابی بشر ازدی علیہ السلام

کوفہ کے نہایت جرأت مند شیعوں میں سے تھے۔ کوفہ کی نظر بندی اور فوجی نگرانی سے بچنے کے لئے ابن زیاد کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ چھٹی محرم کو کر بلا پہنچے اور فوج سے نکل کر امّ کے انصار میں شامل ہو گئے۔ دن رات امّ کی اور انصاران امّ کی خدمت بجالاتے تھے۔ دسویں محرم کو تیسرے حملہ میں جام شہادت پیا۔

مندرجہ ذیل چھ حضرات بصرہ سے آنے والی دوسری پارٹی میں شامل تھے اور منزل نینوا میں امّ سے آ کر ملے تھے:

(95)۔ جناب حباب بن عامر بن کعب تمیمی

(96)۔ جناب منیع بن زیاد بن عبداللہ خثعمی

(97)۔ جناب عمران بن کعب بن حارث اشجعی

(98)۔ زبیر بن بصریؓ؛ اور

(99)۔ حنظلہ بن عمر شیبانیؓ؛ اور

(100)۔ حباب بن حارث طائیؓ علیہم السلام

(39/101)۔ رافع بن عبد اللہ علیہ السلام: آپ مسلم بن کثیر از دی (نمبر 86) کے غلام تھے۔ اور اُن ہی کے ساتھ کوفہ سے چھپ کر نکلے اور کربلا میں دشمنان اسلام کے مقابلہ پر جم کر امام علیہ السلام کی نصرت کی اور بعد ظہر والے اُن شہداء میں شامل ہوئے جنہیں جلدی جلدی جام شہادت پینے کی تاکید کی گئی تھی تاکہ عصر کے وقت تک پروگرام مکمل کیا جاسکے۔

(39/102)۔ یزید بن مغفل جعفی علیہ السلام

آپ حضرت علی علیہ السلام کے سربراہ و درہ صحابہ اور سپہ سالاروں میں سے تھے۔ مکہ معظمہ سے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ملحق ہوئے۔ کربلا تک اہلبیت کے آرام و آسائش کا انتظام اُن کے ذمہ تھا۔ ہر منزل پر سامان رسد اور ضروری اشیاء کی خرید کرتے تھے۔ کربلا میں بھی منتظم کی حیثیت برقرار رہی لیکن جب انصاران حسینؑ کی تعداد قریب الختم تھی تو امامؑ نے بڑی مشکل سے جنگ کی اجازت دی۔ سینکڑوں دشمنوں کو فی النار کر کے جنت کی سند حاصل کی۔ آپ کی لاش پر اہل حرمؑ نے نوحہ کیا تھا۔

(39/103-104)۔ زیاد بن عریب ہمدانی علیہ السلام اور ان کے بیٹے عامر علیہ السلام

کنیت ابو عامر تھی۔ آپ کے والد عریب صحابی رسولؐ تھے۔ اس لئے پورا خاندان بڑا پاکباز اور عبادت گزار تھا۔ آپ اپنے بیٹے عامر کے ساتھ حج کے لئے مکہ آئے۔ وہاں امامؑ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ حالاتِ حاضرہ اور تقاضائے وقت امامؑ سے سن کر یہ فیصلہ کر لیا کہ اب ایک لمحہ کے لئے امامؑ کو غیر محفوظ نہ چھوڑوں گا۔ چنانچہ اپنے فرزند سے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور چاہا کہ عامر واپس بصرہ پلٹ جائے۔ لیکن حضرت عامرؑ تو خود یہ طے کر چکے تھے کہ والد صاحب ضعیف ہیں انہیں گھر روانہ کر کے میں امامؑ کے ساتھ سفر کروں گا۔ بہر حال دونوں امام علیہ السلام کے ساتھ سایہ کی طرح لگے رہے۔ رات کو باری باری جاگتے اور اہل حرم علیہم السلام کا پہرہ دیتے تھے۔ سفر کی منزلوں میں اور پھر کربلا کے قیام میں یہی عمل در آمد جاری رکھا۔ امامؑ کو دونوں اس قدر محبوب تھے کہ بار بار اجازت مانگتے مگر اجازت نہ دی جاتی۔ آخر آخری شہداء کی صف میں شمار ہوئے۔ شدید جنگ کی سینکڑوں شامیوں کو واصل جہنم کیا اور اسلام علیک یا ابا عبد اللہ کہتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(39/105)۔ کنانہ بن عقیق تغلی علیہ السلام

آپ عابد و زاہد اور حافظ قرآن تھے۔ کوفہ کے باشندوں میں سے ایک بہادر انسان تھے۔ حضرت علی علیہ السلام کی صحبت پائی تھی۔ جب جناب مسلم علیہ السلام کوفہ میں آئے تو کنانہ نواح کوفہ میں اپنے باغات اور کھیتوں پر گئے ہوئے تھے۔ واپس اُس روز آئے جس دن ابن زیاد نے شہر میں داخلہ پر پابندی عائد کر دی تھی۔ آپ نے تمام حالات سے مطلع ہو کر کربلا کی راہ لی اور جنگ شروع ہونے

سے پہلے ہی امام علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور روز عاشور پہلے حملہ میں شہید ہو گئے۔

(39/106)۔ عبدالرحمن بن عبد رب انصاری الخزرجی علیہ السلام

آپ صحابہ رسولؐ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام سے علوم اسلام حاصل کئے تھے۔ آپ نے مکہ میں امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کی اور اسکے بعد آپکے ساتھ ساتھ کر بلا آئے۔ ہمیشہ اس کوشش میں رہا کرتے تھے کہ امام کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ یہاں تک کہ امام ضروریات سے فارغ ہونے کو جاتے تو آپ خیمہ کے دروازہ پر کھڑے رہتے تھے۔ کر بلا میں پہنچنے کے بعد انصاران حسینؑ میں وعظ و نصیحت کی ذمہ داری پوری کرتے تھے۔ روز عاشورہ اولین شہدا کے ساتھ شامل رہے۔

(39/107)۔ ضرغامہ بن مالک تغلی علیہ السلام: شیعان کوفہ میں ممتاز تھے۔ اہلبیتؑ کے فداکاروں میں مشہور تھے۔ حضرت مسلم علیہ السلام تشریف لائے تو ان سے بیعت کی، جنگ میں شریک ہوئے۔ شکست کے بعد روپوش ہو گئے۔ اور موقع ملنے پر یزیدی افواج کے ساتھ کر بلا پہنچے۔ امام سے ملے اور روز عاشورہ اولین حملوں میں شہید ہوئے۔

(39/108)۔ سیف بن مالک عبدی بصری علیہ السلام: شیعان بصرہ میں ذمہ دار پوزیشن رکھتے تھے۔ اور روزانہ حضرت ماریہ بنت منقذ کے مکان پر شیعوں کے اجتماع میں شرکت فرماتے تھے۔ اور جب یزید بن غبیط (نمبر 65) نے بصرہ چھوڑا تو ان کے ساتھ ہی سفر کیا اور مقام ابطح میں امام سے آکر ملے اور پہلے ہی حملہ میں اپنے بصری ساتھیوں کے ساتھ جنگ کو نکلے اور برابر ہر حملہ میں شریک ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ امام کو خوش کر دیا اور آخر اپنی زندگی بچھا کر دی۔

(39/109)۔ جناب سلیم بن عبد اللہ علیہ السلام: آپ یمن کے رہنے والے تھے۔ امام حسن علیہ السلام نے ایک یہودی سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ لیکن وہ ہمیشہ آپ کی خدمت میں رہے۔ اور جب معاویہ سے صلح کے بعد آپ نے مدینہ کو مراجعت کی تب بھی جناب سلیم ہمراہ آئے۔ اور انتقال حسنؑ کے بعد امام حسین علیہ السلام کی صحبت و خدمت میں رہتے رہے۔ مدینہ سے کر بلا تک کے سفر میں ہمراہ تھے۔ روز عاشورہ شہید ہو کر جنت میں بھی ہمراہ رہنے کا انتظام کر لیا۔

(39/110)۔ جناب سالم علیہ السلام: آپ حضرت عامر بن مسلم العبدي (نمبر 92) کے غلام تھے۔ اور اپنے آقا کے ساتھ بصرہ سے اسی پہلی پارٹی میں آئے تھے۔ جو یزید بن غبیط (نمبر 65) کی راہنمائی میں امام علیہ السلام سے مقام ابطح میں آکر ملی تھی۔ ان کے ساتھ ہی جناب سالم تمام اولین حملوں میں شریک ہوئے تھے۔

(39/111)۔ عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر جہنی علیہ السلام

یہ ذکر ہو چکا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ موقع پرستوں کا ہجوم برابر بڑھتا ہی چلا گیا اور جب امام کا قافلہ میاہ جہنیہ (جہنیہ قبیلے کے کنوؤں) پر پہنچا تو جہنیہ قبیلے کے بہت سے بھولے بھالے لوگ بھی ساتھ ہو گئے۔ بالآخر حضرت مسلم علیہ السلام کے شہید ہوجانے کی اطلاع کے بعد امام نے منزل زبالہ پر اپنا فیصلہ سنایا کہ میں حصول اقتدار کیلئے نہیں بلکہ وعدہ شہادت پورا کرنے جا رہا ہوں

اور میرے ساتھ میرے تمام انصار کو قتل ہونا ہے۔ تو سب مغالطہ دور ہو گیا اور صرف وہی مومنین باقی رہ گئے جو اسلام اور سربراہ اسلام پر قربان ہو جانا چاہتے تھے۔ چنانچہ جناب عباد بن مہاجر بھی اُن حضرات میں شامل رہے جن پر تمام باضمیر انسان اپنا اسلام بھیجتے رہیں گے اور جو امت مسلمہ کی نجات کی ذمہ داری لینے والے ہیں۔ چنانچہ آپ اولین شہدائے کربلا میں سے ہیں۔

(39/112)۔ سوار بن ابی عمیر نہمی علیہ السلام: سوار بن منعم بن حابس بن ابی عمیر بن نہم الحمدانی کربلا میں ورود کے بعد امام کی خدمت میں پہنچے۔ آپ راویان حدیث میں شمار تھے۔ اُن کی موجودگی میں عمر سعد سے صلح اور اتمام جنت کی گفتگو ہوتی تھی۔ جب دسویں محرم کو عمر سعد نے اپنا پہلا فیصلہ کن حملہ کیا تو جناب سوار اس حملہ کو پسپا کرنے والے انصار کے ساتھ دشمن کی افواج پر حملہ آور ہوئے یہ حملہ پسپا کر دیا گیا۔ اس میں دشمن کے ہزاروں بہادر واصل جہنم ہوئے۔ جب مقتولوں کا حساب لگایا گیا تو سپاہ حسینی کے سو سوار قتل ہو چکے تھے۔ اس حملہ میں جناب سوار بن ابی عمیر بھی تھے۔ لیکن اُنہیں دشمن کی فوج نے زندہ دیکھ کر گرفتار کر لیا۔ اور عمر سعد کے سامنے پیش کیا۔ تو اُن کے قبیلے کے لوگوں نے دباؤ ڈال کر اُن کو رہا کر لیا۔ مگر وہ زخموں سے جان بر نہ ہو سکے۔ اور چند روز بعد انتقال فرما گئے۔ اور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اسی حملہ کو کتابوں میں حملہ اولیٰ کہا گیا ہے۔ اس حملہ میں فوجیں اس طرح گڈمڈ ہو گئی تھیں اور انصاران حسینؑ جنگ کرتے ہوئے دُور دُور نکل گئے تھے کہ اپنے پرانے کی شناخت ناممکن ہو گئی تھی۔ جب یزیدی افواج میدان چھوڑ کر بھاگ گئیں تو جس قدر انصار کی شناخت ہو سکی اُن کے لاشے گنج شہیدان میں لائے گئے اور ساٹھ ستر انصار کا پتہ نہ چل سکا۔ لہذا وہ تعداد جو ریکارڈ میں آئی ہے اُس میں کم از کم ساٹھ مزید نام شامل ہونا چاہئیں۔ مگر اب یہ سب کچھ ناممکن ہے۔

(39/113)۔ حبشہ بن قیس نہمی علیہ السلام: آپ کے متعلق حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حبشہ بن قیس بن مسلمہ بن طریف بن ابان بن سلمہ بن حارثہ ہمدانی نہمی کے دادا سلمہ بن طریف صحابہ رسولؐ میں شامل تھے۔ اور خود حبشہ بن قیس بھی راوی حدیث تھے۔ روز عاشورہ حسین بن علی علیہما السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔

(39/114)۔ حارث بن مہبان علیہ السلام: حارث کے والد نبھان جناب حمزہ بن عبدالمطلب علیہما السلام کے خادم تھے۔ اور نہایت بہادر اور شہسوار تھے۔ امیر حمزہؑ کی شہادت کے بعد انتقال فرمایا۔ جناب حارث نے حضرت علی علیہ السلام کی صحبت و خدمت اختیار کر لی۔ اُن کے بعد امام حسنؑ اور پھر امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ساتھ رہے۔ جب امامؑ نے مدینہ چھوڑا تو جناب حارث ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کربلا میں وارد ہوئے اور حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

(39/115)۔ زاہر بن عمرو اسلمی کنندی علیہ السلام: صحابہ رسولؐ میں مخصوص درجہ رکھتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے۔ جنگ خیبر کے مجاہد تھے۔ نہایت شجاع اور بے خوف انسان تھے۔ محبت و مودۃ اہلبیتؑ میں ممتاز تھے۔ جب زیاد حرامزادے نے شیعوں پر مظالم شروع کئے اور عمرو بن لُحَمّ خزاعی نے زیاد کے خلاف محاذ بنایا تو جناب زاہر بن عمرو اُن کے دست راست تھے۔ جب معاویہ نے عمرو کی گرفتاری کا فرمان جاری کیا تو جناب زاہر بھی گرفتاری سے بچنے کے لئے رُو پوش ہو گئے۔ یہاں تک کہ زیاد واصل جہنم ہو گیا۔ 60

ہجری کے حج پر آئے ہوئے تھے کہ امام سے ملاقات ہوگئی اور یہیں سے قسمت نے اس مقام کی طرف بلند کرنا شروع کیا جو انسانی ترقی کا منتہائے کمال ہے۔ آپ امام کے ساتھ ہو لئے اور کربلا کے سفر میں انقلاب زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کربلا میں آنے تک یہ بات درجہ یقین تک پہنچ گئی کہ آج مومن صرف وہی شخص ہے جو امام کی نصرت میں جان و مال سے دریغ نہ کرے۔ بہر حال آپ پہلے حملہ میں شہید ہوئے اور شہدا کی پہلی صف میں جگہ پائی۔

(39/116)۔ زہیر بن سلیم بن عمرو ازدی علیہ السلام

آپ باقاعدہ شامی فوج کے شہسوار تھے اور اپنے خیال میں کسی باغی خارجی کے خلاف فوج کشی میں حکومت کی طرف سے جہاد کے ارادے سے آئے تھے۔ مگر تین چار روز میں تمام فریب کھل گیا۔ جنگ خارجی سے نہیں خود رسول اللہ سے، علی و بتول و حسن علیہم السلام سے جنگ تھی۔ صلح کی گفتگو سے ذرا سی امید بندھی تھی جو ابن زیاد کے خط سے ٹوٹ گئی۔ لہذا شب عاشور نوں محرم کو دشمن کی فوج سے نکلے امام کے سامنے خود کو پیش کیا۔ اگلے روز جام شہادت نوش کر کے ابدی زندگی اور اہلبیت کی قربت حاصل کر لی۔

(39/117)۔ حجاج بن زید سعدی تمیمی علیہ السلام: آپ بصرہ کے قدیم باشندوں میں سے تھے۔ امام نے مکہ سے روانہ ہوتے وقت بصرہ کے چند رؤسا کو خطوط سے اطلاع دی تھی۔ وہاں سے مسعود بن عمرو ازدی نے جواب میں لکھا تھا کہ میں نے آپ کی نصرت کے لئے مومنین کو مطلع کر دیا ہے۔ یہ خط انہوں نے جناب حجاج بن زید کے سپرد کر دیا تھا۔ چنانچہ خط لے کر امام کی خدمت میں آئے اور انصاران سید الشہد اعلیہ السلام میں شریک رہ کر ہمیشہ کی زندگی اور محمد و آل محمد کی قربت حاصل کر لی۔

(39/118)۔ ادھم بن امیہ عبدی بصری علیہ السلام: بصرہ کے شیعہ مرکز کا بار بار ذکر ہوا ہے۔ جناب ادھم بھی اُس سے متعلق تھے۔ اور روزانہ حضرت ماریہ بنت منقر علیہا السلام کے مکان پر اجتماع میں شریک ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ جب بصرہ سے پہلی پارٹی روانہ ہوئی تو جناب یزید بن ثبیٹ کے ساتھ جناب ادھم بھی روانہ ہوئے اور مقام ابطح پر آ کر امام کے انصار میں شمار ہو گئے تھے۔ اور دسویں محرم کے اولین حملوں میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔

(39/119)۔ جناب حارث بن امراء القیس بن عابس کندی علیہ السلام: یہ بھی قومی قسم کے مسلمان تھے۔ اور ملکی حکومت کی طرفداری میں بہت سے جنگوں میں نبرد آزما کر چکے تھے۔ چنانچہ یہ بھی کسی اسلام سے باغی خارجی سے جہاد کرنے کی نیت سے نکلے تھے۔ ابن زیاد کی افواج میں سردار تھے۔ مگر کربلا میں وہ تمام فریب کھل گیا جو پچاس سال سے پبلک کو دیا جاتا رہا تھا۔ خلافت و امامت کی حقیقی صورت سامنے آ گئی تھی۔ گفتگوئے صلح کے نتائج کا انتظار کر رہے تھے۔ جیسے ہی یہ یقین ہوگا کہ اب جنگ ضرور ہوگی۔ اور امام اسلام پر اپنی اور اولاد رسول و انصاران اہلبیت کی جان نثار کر رہیں گے۔ آپ نہایت خاموشی سے انصاران حسین میں آ کر شامل ہو گئے۔ دنیا و مافیہا کو امام زمانہ کے سپرد کر کے عاشور کے روز اولین حملوں میں شہید ہو گئے۔

(39/120)۔ جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ علیہ السلام: یہ بھی اُن ہی لوگوں میں سے تھے جو معرفت دین و امامت سے

عاری تھے۔ چنانچہ میدان کربلا میں ابن زیاد کے افواج کے ساتھ آئے یہاں آکر سپاہ شام میں پھیلی ہوئی خبریں سنیں۔ تحقیق حال شروع کی تو معلوم ہوا کہ جنگ نواسہ رسولؐ اور فرزند علیؑ و بتولؑ سے ہے تو اپنے احباب کو نصرت امامؑ کے لئے تیار کیا اور گفتگوئے صلح کے نتیجے تک یزیدی فوج میں ٹھہرے رہے۔ لیکن نویں محرم کی تیر اندازی اور اعلان جنگ کے بعد شب عاشور میں بہت سے دوستوں سمیت فوج سے نکلے اور امامؑ کے آگے معذرت کے طالب ہوئے امامؑ نے خوش ہو کر دعائیں دیں۔ صبح عاشور مع اپنے احباب کے جہاد کیا اور حملہ اولیٰ میں سب شہید ہو گئے اور جس طرح دوسرے بہت سے انصار کے نام نہ معلوم ہوئے تھے اُسی طرح اُن کے بیسیوں ساتھی بھی ہمیں نام و پتہ سے محروم کر گئے۔

(39/121)۔ جلہ بن علی شیبانی علیہ السلام: آپ کوفہ کے قدیم باشندے تھے۔ جنگ صفین میں اپنی شجاعت اور ایمان کی دھاک بٹھا چکے تھے۔ حضرت مسلم علیہ السلام کی آمد پر ابتدا سے انتہا تک تمام خدمات میں پیش پیش رہے۔ نصرت میں جنگ کی لیکن ناکامی کے بعد روپوش ہو گئے۔ ابن زیاد کی پولیس اور جاسوسوں کے ہاتھ نہ آئے۔ چھپتے چھپتے مکہ کی راہ پر روانہ ہوئے تاکہ جہاں امامؑ ملیں اُن کا دامن تھام لیں۔ چنانچہ اُن کو خبر ملی کہ امامؑ راستہ بدل کر کربلا کی طرف جا رہے ہیں۔ یوں تلاش کرتے ہوئے کربلا پہنچے۔ کوفہ کی تمام سرگزشت امامؑ کو سنائی اور انصاران حسین علیہ السلام میں شامل رہ کر دسویں محرم کو حملہ اولیٰ میں شہید ہو گئے۔

(39/122)۔ امیہ بن سعد بن زید طائی علیہ السلام: آپ بھی علی مرتضیٰ علیہ السلام کے صحابہ میں بڑے جنگ آزما بہادر تھے۔ جنگ صفین سے جنگوں میں برابر شریک رہے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی تاکہ خانوادہ نبوتؐ کی توجہ حاصل رہے۔ ہر وقت ہر خدمت کے لئے کمر بستہ رہتے تھے۔ حضرت مسلم علیہ السلام کے ساتھ تمام مصائب میں شریک رہے۔ ناکامی کے بعد اُن دنوں کربلا پہنچے جب امامؑ اتمام حجت کی بات کر رہے تھے۔ آخر روز عاشورہ شہید ہو کر رسول اللہؐ کی خدمت میں جا پہنچے۔

(39/123)۔ جابر بن جراح تمیمی علیہ السلام: آپ بھی کوفہ کے باشندے اور جنگ آزموہ شیعہ تھے۔ جناب مسلم علیہ السلام کے رفقاء کار میں شامل رہے۔ حالات کے پلٹا کھا جانے کے بعد وہ بھی دشمنوں کی گرفت سے بچنے اور کربلا پہنچنے کے لئے روپوش ہو گئے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ امامؑ کربلا میں پہنچ چکے ہیں تو ابن زیاد کی افواج کے ساتھ ساتھ کربلا میں آئے اور خاموشی سے خدمت امامؑ میں باریاب ہو گئے۔ یہ بھی حملہ اولیٰ کے شہداء میں سے ہیں۔

(39/124)۔ منج بن سہم علیہ السلام: منج کے والد گرامی امام حسین علیہ السلام کے خادم تھے۔ آپ نے اُن کی شادی ایک خاتون حسینیہ نامی سے کی تھی جو پہلے نوفل بن حارث کی کنیز تھیں اور اُن سے امامؑ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ اُسی حسینیہ سے منج پیدا ہوئے تھے۔ دونوں ماں بیٹے امامؑ زین العابدین کے ساتھ رہتے تھے۔ مدینہ سے سفر ہوا تو کربلا تک ساتھ آئے اور خانوادہ رسولؐ کے ساتھ ہر مصیبت میں شریک رہے اور جیسے ہی جنگ شروع ہوئی جناب منج نے اذن جہاد کی درخواست کی اور اجازت لینے میں کامیاب ہوئے اور پہلے حملہ میں جان نثار کر دی۔

(39/125)۔ جنادہ بن حارث سلمانی علیہ السلام: آپ کوفہ کے قدیم باشندہ تھے۔ قبیلہ مرادوندج کی شاخ سلمان کے رؤسا میں سے تھے۔ عہد رسولؐ میں ہوش سنبھالا تو علیؑ مرتضیٰ علیہ السلام کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ جنگ صفین میں اپنی جنگی مہارت کی دھوم مچا دی تھی۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسن اور پھر امام حسین علیہما السلام سے والہانہ وابستگی برقرار تھی کہ حسینؑ انقلاب شروع ہوا۔ حضرت مسلم علیہ السلام کی آمد اور شہادت کے دوران ہر ممکن فریضہ ادا کیا۔ بگڑے ہوئے حالات میں بھی ہمت نہ ہاری۔ روپوش ہو کر ابن زیاد کے چنگل سے نکل گئے اور امام حسین علیہ السلام سے کربلا کے قریب جا کر ملاقات کی اور روز عاشور تک کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جنگ شروع ہوئی تو اوّلین حملوں میں دشمن کے سینکڑوں فوجیوں کو قتل کیا اور مقام شہادت پر فائز ہوئے۔

(39/126)۔ جندب بن ححیر کندی علیہ السلام: آپ بھی کوفہ کے قدیم باشندوں اور سربرآوردہ شیعوں میں سے تھے۔ امیر المؤمنین کے مخصوص صحابہ میں شمار تھے۔ جنگ صفین میں کئی رسالوں کے سردار رہے تھے۔ حضرت علیؑ علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام سے وابستہ رہے۔ جناب مسلمؑ کی آمد سے قبل آپ کوفہ سے روانہ ہو کر اپنے کاروباری انتظام کے لئے قادسیہ جا چکے تھے۔ جب حصین بن نمیر نے قادسیہ پر پڑاؤ ڈالا تو پوچھنے اور جلدی جلدی سفر کا انتظام کیا اور منزل بطن عقیق پر امامؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ وہاں سے کربلا تک اور روز عاشور کی صبح تک آپ نے تمام متعلقہ فرائض کو بڑی تندہی اور جذبہ محبت سے انجام دیا۔ جنگ کے آغاز میں دست بستہ اجازت طلب کی اور اوّلین حملوں میں سینکڑوں دشمنوں کو قتل کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(39/127)۔ اسحاق بن مالک اشتر علیہ السلام

حضرت مالک اشتر رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور محمدؐ و آل محمدؑ سے محبت و مودۃ سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔ حضرت علیؑ علیہ السلام کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے۔ اُن کے ایک فرزند ابراہیم بن مالک اشتر نے آگے چل کر حکومت یزید کے مقابلہ میں محاذ بنایا تھا۔ دوسرے بیٹے اسحاق علیہ السلام ہیں۔ اُن کی کارکردگی اور کربلا میں فداکاری پر چند جملے ملاحظہ ہوں:-

فَبَرَزَا إِلَيْهِمْ شَيْخٌ يَقَالُ لَهُ إِسْحَاقُ بْنُ مَالِكٍ الْأَشْطَرِ أَخُو أَبِي إِهْرَيمَ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْطَرِ - وَجَعَلَ يَقْصِدُ أَصْحَابَ الرِّايَاتِ وَيَطْعَنُ فِي صُدُورِهِمْ حَتَّى قَتَلَ مِنْهُمْ جَمَاعَةً فَوْقَ يَسْتَرِيحَ فَحَرَّصَهُ أَصْحَابُ الْحُسَيْنِ عَلَى الْجِهَادِ وَشَوَّقَهُ إِلَى الْجَنَاتِ - فَحَمَلَ عَلَى الْقَوْمِ وَابَادَ الْفُرْسَانَ وَقَتَلَ الشَّجْعَانَ حَتَّى قَتَلَ مِنَ الْقَوْمِ أَزْهَى عَلَى خَمْسِ مِائَةِ فَارِسٍ وَقُتِلَ رَحِمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ - (أكبر العبادات - صفحہ 261)

”پھر دشمن کی افواج پر ابراہیم بن مالک اشتر کے بھائی حضرت اسحاق بن مالک اشتر حملہ آور ہوئے اور زیادہ تر اُن لوگوں پر حملہ کرتے تھے جو فوجی پرچم لئے ہوئے ہوتے تھے تاکہ پرچم گرتے ہی فوج فرار کرے اور وہ بے تحاشہ قتل عام کریں۔ چنانچہ وہ دشمن کے سپاہیوں اور سرداروں کے سینے نیزہ سے چھلنی کرتے رہے۔ فوج سامنے سے ہٹی تو ذرا سانس لینے اور حملہ کا رخ جانچنے کیلئے رک گئے۔ اتنے میں انصاران حسینؑ نے داد دینا اور ہمت افزائی کرنا اور جنت کا شوق دلانا شروع کیا۔ لہذا پھر حملہ آور ہوئے اور افواج کا نام و نشان مٹاتے بہادروں کو تہ تیغ کرتے چلے گئے یہاں تک کہ اُن میں سے پانچ سو سے زیادہ سواروں کو واصل جہنم کیا۔ اور آخر زخموں سے نڈھال ہو گئے اور امامؑ پر اپنی جان قربان کر دی۔ اللہ کی رحمت اُن پر نازل ہوتی رہے۔

(39/128)۔ حرّیز بن عبد اللہ علیہ السلام

ان کو علما نے جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا غلام اور ایسا نو جوان لکھا ہے کہ ابھی نابالغ تھے۔ چنانچہ سنئے ارشاد ہے کہ:-
وَحَرَجَ بَعْدَهُ غَلَامٌ أَمْرَدٌ لَابِي ذُرَّ الْغَفَارِي يُقَالُ لَهُ حَرْزٌ - فَحَمَلَ عَلَى الْقَوْمِ وَلَمْ يَزَلْ يُقَاتِلُ حَتَّى قُتِلَ مِنَ الْقَوْمِ ثَلَاثًا مَبَازِرَ
وَاسْتَشْهَدَ إِمَامُ الْحُسَيْنِ - (أكبر العبادات - صفحہ 263)

اور ان کے بعد (یعنی ہلال بن نافع کے بعد) حضرت ابوذر غفاری کا ایک نابالغ لڑکا (غلام) میدان میں نکلا جسے حرز کہا جاتا تھا۔ اس نے اسلام کی دشمن قوم پر تار و تار حملے جاری رکھے یہاں تک کہ ان میں سے تین سو فوجیوں کو قتل کر کے رکھ دیا۔ اور امام حسین علیہ السلام پر قربان ہو کر شہید ہو گئے۔ (ممکن ہے کہ یہ غفاری خاندان ہی کا نو جوان ہو)

(39/129)۔ عمیر بن مطاع الجعفی علیہ السلام

ان کے برادرِ بزرگ جناب عمر بن مطاع بھی (نمبر 42) کر بلا کے شہداء میں داخل ہیں مندرجہ بالا شہید (حرّیز) کے بعد آپ کو امام سے اجازت ملی چنانچہ لکھا ہے کہ:-

ثُمَّ بَرَزَ مِنْ بَعْدِهِ عَمِيرُ بْنُ مَطَاعٍ وَحَمَلَ عَلَى الْقَوْمِ وَهُوَ يَقُولُ: أَنَا عَمِيرُ وَابِي مَطَاعٌ - وَفِي يَمِينِي مُرْهَفٌ قَطَّاعٌ - كَأَنَّهُ فِي ضَوْئِهِ شُعَاعٌ - ادْنَوْا فَقَدْ طَابَ لَنَا الْقِرَاعُ - دُونَ الْحُسَيْنِ الْمَوْتِ وَالنِّزَاعِ - فَذَاكَ وَالِيهِ الْفَتْنَى الْمَطَاعُ - قَالَ ثُمَّ حَمَلَ عَلَى الْقَوْمِ وَلَمْ يَزَلْ يُقَاتِلُ حَتَّى قُتِلَ مِنَ الْقَوْمِ خَمْسِينَ فَارِسًا - ثُمَّ اسْتَشْهَدَ إِمَامُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ - (أكبر صفحہ 263)

ابوذر غفاری کے غلام کے بعد عمیر بن مطاع میدان میں نکلے اور یہ کہتے ہوئے دشمنوں پر حملہ کر دیا کہ میں عمیر ہوں میرا باپ مطاع ہے۔ اور میرے داہنے ہاتھ میں کاٹ کاٹ کر جدا کرنے والی تلوار ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس تلوار کی چمک دمک میں شعاعیں خارج ہوتی ہیں۔ ذرا میرے سامنے قریب آ جاؤ کہ ہمیں لوگوں کو زد و کوب کرنا بہت پسند آتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ امام حسینؑ کی خاطر موت کو اپنے اوپر لے لیں۔ اور یہی مطاع کے پروردہ نو جوانوں کا شیوہ ہونا چاہئے۔ مسلسل حملوں پر حملہ جاری رکھا یہاں تک کہ یزیدی فوج کے پچاس سواروں کو قتل کر کے امام حسین علیہ السلام پر نثار ہو گئے۔

(39/130)۔ حضرت عمر ابن الکلبی علیہ السلام: ثُمَّ أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْكَلْبِيِّ قَالَ يَا بَنَتَ رَسُولِ اللَّهِ أَتَاذَن لِي بِالْخُرُوجِ إِلَيْهِمْ

وَكَانَ رَجُلًا طَوِيلًا شَدِيدَ السَّاعِدِينَ بَعِيدًا مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ - فَقَالَ لَهُ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اخْرُجْ إِنْ شِئْتَ وَكَانَ يَحْسِبُهُ مِنَ الْأَقْرَانِ فَبَرَزَ - وَامْرَأَتُ بِنْتُ سَعْدَانَ يَبْرُزُ لَهُ فَارِسَانٌ مِنْ عَسْكَرِهِ لَمَارَاهُ فَبَرَزَ إِلَيْهِ وَقَالَ لَهُ مَنْ أَنْتَ؟ فَانْتَسَبَ إِلَيْهِمَا - فَقَالَا لَهُ، مَا نَعْرِفُكَ فَلَیْخْرِجَ الْيَنَازِ هِيرَ بَنِ الْقَيْنِ أَوْ حَبِيبَ بَنِ مَظَاهِرَ أَوْ يَزِيدَ بَنِ الْحَصِينِ أَوْ يُبَارِثَةَ بَنِ مَقْبِلَ أَوْ قِدَامَةَ بَنِ مُسْلِمٍ - فَقَالَ لَهُمَا الْكَلْبِيُّ يَا وَيْلَكُمْ لَا يَخْرِجُ لِحَرْبِكُمْ أَحَدًا وَهُوَ كُفُوٌ لَكُمْ فَشَدَّ أَعْلَاهُ فَنَوْدَى احْفَظْكَ نَفْسُكَ مِنْهُمَا - ثُمَّ حَمَلَ عَلَيْهِمَا فَقَطَعَ وَاحِدًا مِنْهُمَا وَضَرَبَ الْآخَرَ عَلَى هَامَتِهِ فَفَلَقَهَا وَأَقْبَلَ يَجُولُ عَلَى الْقَوْمِ وَيَصُولُ وَهُوَ يَقُولُ: إِنْ تَنَكَرَّ وَنِي فَا نَا ابْنُ الْكَلْبِيِّ - عِبِلَ الذُّوَاعِينَ شَدِيدَ الضَّرْبِ - أَضْرَبَكُمْ ضَرْبًا بَجْدَ الْعَضْبِ - وَلَسْتُ بِخَوَافٍ عِنْدَ الْحَرْبِ - فَلَا مَلَّ عِنْدَ الضَّرْبِ - أَكْشَفَ عَنْ مَوْلَايَ كُلَّ الْكَرْبِ - إِنِّي غَلَامٌ مَوْمنٌ بَرَبِّي - حَسْبِيَ الْهَيَّ وَبِهَذَا حَسِبَ - قَالَ أَبُو مُخَنَفٍ وَكَانَتْ امْرَأَتُهُ مَعَ النِّسَاءِ فَلَمَّا نَظَرَتْ إِلَيْهِ وَهُوَ بَيْنَهُمَا

يجول اخذت عمودًا من حديد واقبلت لزوجها تساعده فقالت دونك هو لاء الملاعين وانا من وراءك فحملت بالعمود على القوم فاقبل اليها ليردّها بفقيت تجاز به فقالت واللّه لا اعود حتّى اموت معك فقال لها الحسين جزيتم من اهلبيت خيرا؛ ارجعي يرحمك الله فانصرفت إلى النساء وقاتل الكلبي قتلاً شديداً - ثم برز اليه رجلان آخران من اصحاب الشمر فقتلتهما وحمل عليه رجلان آخران بكير بن خضير وهاني بن الحضرمي فثلاه رحمة الله عليه - فخرجت زوجته اليه وجلست عند راسه تمسح التراب عن عينيه وهي تقول هنياً لك بالجنة فقال الشمر لغلّامه رستم اضرب راسها بالعمود يارستم فضر بها فماتت عند زوجها - (أكسير العبادات في اسرار الشهادات - صفحہ 263-264)

پھر عمر ابن کلبی نے عرض کیا کہ اے فرزند دختر رسول کیا مجھے ان لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت ملے گی؟ یہ عمر بن کلبی ایک طویل القامت اور چوڑے چکلے شانوں اور مضبوط بازوؤں والے جوان تھے۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ اچھا اگر تمہیں یہی پسند ہے تو اجازت ہے۔ بہر حال تمہیں اپنی قربت میں رکھنا بھی مجھے پسند ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ میدان میں آئے۔ عمر سعد نے انہیں اور ان کے ڈیل ڈول اور تیور دیکھے تو اپنی فوج کو چوکنا کرتے ہوئے کہا کہ اس شخص کے مقابلہ میں دو بہادر سوار نکلیں۔ چنانچہ دو سوار سامنے آئے اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ حضرت عمرؓ نے انہیں اپنا نام و نسب بتایا تو کہنے لگے کہ ہم تمہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ہمارے مقابلہ میں زہیر بن قین کو یا حبیب ابن مظاہر کو یا یزید بن حصین کو یا بشر ثبٹ بن قبل یا قدامہ بن مسلم کو آنا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ خدا تمہیں غارت کرے یہ کیا خرہ ہے کہ تمہارے مقابلہ کیلئے بھی ناپ تول کرتہارا، ہمسر بھیجا جائے۔ یہ سن کر انہوں نے عمر کلبی پر شدید حملہ کیا اور احباب نے آواز دی کہ ذرا ان دونوں سے ہوشیار ہو کر لڑنا۔ چنانچہ انہوں نے جو جوابی حملہ کیا تو ان میں سے ایک کو دو ٹکڑے کر دیا دوسرے کی کھوپڑی پر تلوار مار کر اسے پھاڑ دیا۔ اور یوں فارغ ہو کر گھوڑے کی جولانیاں اور کرتب دکھانے لگے۔ اور یہ شعر پڑھنے لگے۔ اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو سنو کہ میں کلبی ہوں۔ چیرتی چلے جانے والی آنکھوں والا زبردست وار کرنے والا ہوں۔ میں تمہیں قطع برید کی ہنرمندی والی ضربیں لگاؤں گا۔ میں جنگ و قتل سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔ اور میرا وارنچ نکلنے کا موقعہ نہیں دیا کرتا۔ میں اپنے مالک و مولیٰ سے ہر تکلیف کو دور رکھنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے رب پر ایمان رکھنے والا لڑکا ہوں۔ یہی میرا حسب و نسب ہے اور اللہ ہی میرا خالق اور درجات بلند کرنے والا ہے۔

علامہ ابوحنیفہ نے لکھا ہے کہ عمر کلبی کی زوجہ حرم حسینؑ کے ساتھ تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ شوہر صاحب لڑنے کے بجائے گھوڑے کے کرتب دکھا رہے ہیں تو لوہے کا ایک ڈنڈا لے کر اسکی مدد کیلئے میدان میں آ گئی۔ اور کہا کہ بے فکر ہو کر ان ملائین پر حملہ کرو میں تمہارے پیچھے سے تحفظ کروں گی۔ یہ کہہ کر فوج پر گرز سے حملہ آور ہو گئی۔ شوہر نے بڑھ کر اسے واپس بھیجنا چاہا تو دوڑ کر الگ جا کھڑی ہوئی اور کہا کہ قسم بخدا میں ہر گز واپس نہ جاؤں گی اور یہیں تمہارے ساتھ ساتھ لڑ کر مروں گی۔ یہ دیکھ کر امامؑ نے آواز دی اور فرمایا کہ تمہیں ہم اہلبیت کی طرف سے بہترین جزا ملنا طے پا گیا۔ اب اے خاتون حرم میں واپس آ جا۔ امامؑ کے حکم سے واپس پلٹ گئی اور عمر نے شدید جنگ چھیڑ دی۔ اُس طرف رُخ تھا کہ برابر سے سے شمر کے دو آدمی حملہ آور ہوئے۔ پلٹ کر دونوں کو قتل کیا ہی تھا کہ دو اور نے حملہ کر دیا۔ یہ دونو مکیر بن خضیر اور ہانی بن حضرمی تھے۔ ان کے اچانک حملہ سے آپ شہید ہو گئے۔ اب پھر ان کی زوجہ خیام سے نکلی اور لاش

پر آئی، شوہر کی آنکھوں سے مٹی صاف کرتی جاتی تھی اور کہہ رہی تھی کہ تمہیں خوشی خوشی جنت میں جانا مبارک ہو۔ وہ سر کے پاس یوں منہمک بیٹھی تھی کہ شمر ملعون نے اپنے غلام رستم سے کہا کہ اس عورت کو قتل کر دو۔ اس لعین نے سر میں گرز مارا تو وہ مومنہ بھی اپنے شوہر کے پاس مر گئی اور یوں دونوں جنت میں بھی رفیق رہے۔

(39/131)۔ جناب یزید بن الحسین علیہ السلام: وخرج من اصحاب ابن سعد یزید بن مقبل بن بنی اسد۔ فخرج اليه من اصحاب الحسين يزيدي بن الحصين فقلبا وتضاربا فسبقه يزيدي بن الحصين بضربة فلم تعمل به فضربه ضربة ثانية فقطع بهامغفرة و فلق هامته فخر صريعاً و عجل الله بروحه الى النار ثم صال و جال و حمل على القوم حملة الاسد الغضبان فقتل منهم جماعة و عاد الى موضعه و هو يقول: انا يزيدي ما انا بالفاشل۔ اضربكم عن الحسين بن علي۔ ضرب غلام ارجحي بطل۔ حتى الاتي يوم حشر عملي۔ ثم عاد الى البراز فبرز اليه مره بن منقذ العبدى فتجاولا ساعة ثم تفرقا عن سلامة ثم حمل كل واحد منهما على صاحبه فلزم بعضهما بعضاً فتماسكا ثم انهما وقعا الى الارض ثم ان يزيدي بن الحصين وقع على صدره و هم ان يذبحه ولزم السيف بيده فنادى يا اهل الحمية؟ فحمل عليه كعب بن جابر الازدي بالرمح فطعنه بظهر ابن الحصين و اما ابن العبدى فقطع انفه و بعض وجهه فقال له مرة قد انعمت علي يا اخا الازد بنعمه لانساها لك۔ فرجع كعب الى اخته نورة فقالت له۔ لم لانصرت الحسين فقد آتيت بذنب عظيم۔ (اكسير العبادات۔ صفحہ 264)

اور ابن سعد کی فوج سے یزید بن مقبل نکلا جو قبیلہ اسد سے تھا۔ اُس سے مقابلہ کیلئے حسینی فوج سے جناب یزید بن حصین نکلے۔ کچھ دیر دونوں گھات لگاتے رہے اور ایک دوسرے پر وار کرتے رہے۔ اس رد و بدل میں یزید بن حصین نے ایک وار بدل لیا اور پلٹ کر جوتلو اور لگائی تو لوہے کا خود دو ٹکڑے ہوا تلو اور کھوپڑی کو توڑتی ہوئی نکل گئی اور یزید بن مقبل زمین پر جا گرا۔ اور اللہ نے اسے جہنم میں پہنچانے میں عجلت سے کام لیا۔ پھر یزید بن حصین نے گھوڑے کو جولانی دی اور دشمن کی فوج کو ڈالتے رہے۔ جب کوئی مقابلہ پر نہ آیا تو فوج پر گھوڑا ڈال دیا اور غضبناک شیر کی طرح یزیدی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ گھمسان کے بعد اپنی جگہ لوٹ کر قیام کیا اور یہ اشعار پڑھے۔ میں یزید ہوں اور منتشر الخیال ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں تمہیں حسین ابن علی کی طرف سے مار دے رہا ہوں۔ ایسی مار جو ایک منتخب نوجوان بہادر کے شایان شان ہو۔ اور میدان حشر میں میرے سامنے قابل فخر عمل بن کر آئے۔ پھر مد مقابل طلب کرنا شروع کیا۔ چنانچہ مرہ بن منقذ سامنے آیا۔ تھوڑی دیر دونوں گھوڑے کو گردش دے کر موزوں موقع تلاش کرتے رہے۔ پھر ذرا دُور دُور ہٹ کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر قریب ہوئے کہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو کر زمین پر آ گرے۔ اچانک جناب یزید بن الحسین مرہ کے سینے پر چڑھ بیٹھے تلو اور نکال کر زخم کرنا ہی چاہتے تھے کہ مرہ نے مدد کے لئے اپنی فوج سے فریاد کی۔ لہذا کعب بن جابر ازادی نے دُور سے یزید بن حصین کی کمر میں ایک تیر پیوست کر دیا جس سے اُن کی شہادت واقع ہو گئی۔ اس کے بعد اُن بزدل اور بے غیرت دشمنوں میں سے ابن العبدی نے اُن کی ناک کاٹ لی اور چہرے کو ٹکڑے کر دیا۔ اب مرہ بن منقذ کے ہوش ٹھکانے آئے تو اُس نے تیر مارنے والے سے کہا کہ تم نے مجھ پر ایسا احسان کیا ہے جسے میں کبھی نہ بھولوں گا۔ پھر وہ تیر مارنے والا ملعون کعب بن جابر جب اپنی بہن سے ملا تو اسکی بہن نے کہا کہ تو حسین علیہ السلام کی نصرت تو کیا کرتا تو نے اُنکے ناصر کو تیر مار کر ایک عظیم گناہ کیا ہے۔ اُس کی اُس مومنہ بہن کا نام نُورہ تھا۔

(39/132)۔ جناب عمیر بن الحسین علیہ السلام: قال ابو مخنف فخرج من اصحاب الحسين اخو ذلك المقتول وكان اسمه عمير بن الحسین الانصارى وانشاء يقول۔ قد علموا جماعة الانصار۔ اننى ساحمى عن نبى المختار۔ ضرب غلام غير نكس شار۔ دُونَ الحسين مهجتي ودارى۔ ثم حمل على القوم وقتل اناساً كثيرة وانشاء يقول: نحن رجال من بنى جربان۔ فان قومي سادة الاقربان۔ آل على شيعه الرحمن۔ وآل حرب شيعه الشيطان۔ قال ثم قاتل بين يدى الحسين قتلاً شديداً وقتل منهم خلقاً كثيراً ازها على اربعة الاف فارس فقتل رحمة الله عليه۔ (اكسير العبادات۔ صفحہ 264)

یزید بن حصین کی شہادت کے بعد ابو مخنف علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ یزید کے بھائی عمیر نے میدان میں آ کر یوں تعارف کرایا کہ انصار کی جماعت جانتی ہے کہ میں نبی مختار صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں جنگ کر رہا ہوں۔ اس لئے میری ہر ضرب مایوسی اور شک و شبہ سے پاک ہوتی ہے۔ میں امام حسین علیہ السلام پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے آیا ہوں۔ پھر یزیدی فوج پر ایک زبردست حملہ کیا اور بہت کثرت سے لوگوں کو قتل کیا۔ پھر کہا ہم اولاد جربان کے لوگ ہیں اور تمام گرد و پیش کے لوگوں کے سردار ہیں۔ علی کی آل رحمان کی تبلیغ و اشاعت کرتی ہے۔ اور حرب کی اولاد شیطان کا مذہب پھیلانے والی ہے۔ راوی نے کہا ہے کہ پھر امامؑ کے سامنے دشمن پر اس بے جگری سے اور دلیرانہ حملے جاری رکھے کہ دشمن کی افواج کو تہہ و بالا کر دیا۔ اتنی مخلوق ماری گئی کہ جس کا اندازہ چار ہزار سے زیادہ لگایا گیا ہے۔ جنگ کرتے کرتے آخر جام شہادت پیا اور راہی جنت ہو گئے۔

(39/133-134)۔ اولاد حارث میں سے جناب شریف اور جناب مالک علیہما السلام

ثم خرج من بعد هما اولاد الحارث وهما شريف ومالك فقربا من الحسين وهما بيكيان۔ فقال لهما وما بيكيكما فوالله انى لارجوان تكونا قرينين؟ فقال جعلنا الله فداك كيف لانبكى حيث نراك قد احاطت بك الاعداء ولا نقدر نمنعهم عنك۔ فقال لهما الحسين جزاكم الله خيراً فى مواساتكم لنا فقاتلا قتلاً شديداً فقتلا من القوم سبعمائة فارس وفتلاً رحمة الله عليهما۔ (اكسير العبادات۔ صفحہ 265-264)

ان دونوں بھائیوں کی شہادت عبداللہ اور عبدالرحمن (نمبر 55-56) پسران عروہ بن حراق کے بعد لکھی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ: اُن دونوں کے بعد اولاد حارث میں سے شریف اور مالک امامؑ کے قریب پہنچے۔ دونوں رو رہے تھے۔ امامؑ نے دریافت کیا کہ تم کس لئے روتے ہو میں تو بڑی امید رکھتا ہوں کہ تم دونوں میرے ساتھ ساتھ رہو۔ دونوں نے عرض کیا کہ اللہ ہمیں آپ پر قربان ہونے کا موقع دے ہم کیسے نہ روئیں کہ آپ کو چاروں طرف سے گھیرا جا رہا ہے اور ہم یہ قدرت نہیں رکھتے کہ ان لاکھوں آدمیوں کو آپ سے دور کر دیں۔ امامؑ نے دعا دی اور فرمایا کہ اللہ تمہیں ان فداکارانہ احساسات کی بہترین جزا دے۔ اذن جہاد کے بعد دونوں بھائیوں نے جی توڑ کر بڑی شدید جنگ لڑی اور دشمن کی فوج کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ سات سو ملّا عین کو واصل جہنم کر کے شہید ہو گئے۔

(39/135)۔ عبداللہ بن عمر الکندی علیہ السلام

آپ کی شہادت حنظلہ بن سعد کے بعد یوں لکھی گئی ہے کہ:-

ثم برز من بعده عبد الله بن عمر الكندی وقاتل قتلاً شديداً وتكاثر عليه الاقوام فحمل عليهم حملة رجل واحد

وہو یقول : اِنِّیْ مِنْ کُندۃِ عَالِیِ الْاَصْلِی - اطعنکم بالرمح قبل النّصل - ضرب غلام لم یکن بالفشل - عَنِ الْحُسَیْنِ وَهُوَ جَلِیلِ الْاَصْلِ - ثم انه قاتل قتلاً شديداً حَتَّى قَتَلَ خَمْسِینَ مَبَارِزاً وَاسْتَشْهَدَ اَمَامَ الْحُسَیْنِ - (اکسیر صفحہ 265)

”اُن کے بعد جناب عبداللہ بن عمر الکندی میدان میں آئے اور گھمسان کی جنگ کی۔ یہ اسلئے کہ اُن پر چاروں طرف سے یزیدی افواج ٹوٹ پڑی تھیں۔ لیکن وہ تنہا اس شان اور دبدبہ سے حملہ کر رہے تھے کہ میدان میں اُنکے سوا کوئی جنگ آزما معلوم نہ ہوتا تھا۔ پھر وہ جنگ کے دوران یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے کہ:۔ یقیناً میں قبیلہ کندہ کا بہادر نونہال ہوں۔ میرا خاندان بہت بلند مرتبہ کی بنیاد رکھتا ہے۔ میں تمہیں بچ کر نکلنے سے پہلے ہی برچھی اور نیزہ سے گھائل کروں گا۔ اور ایسے نوجوان کی طرح ماروں گا جس کا وار پھسلتا نہیں ہے۔ میں حسینؑ کا دفاع کر رہا ہوں جو تمام بنیادوں کی بنیاد اور تمام بزرگیوں کی حامل نسل سے ہیں۔ اسکے بعد مسلسل شدت سے قتل عام کرتے رہے اور عام لوگوں کے علاوہ پچاس لاکھ لکھ کرنے والے سوراہے تک کئے اور امام حسین علیہ السلام کے سامنے شہید ہو گئے۔“ اللہ اُن پر اپنی رحمتوں اور نوازشوں کی بارش کرتا رہے۔ اور تمام مجاہدین محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کو اُنکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(39/136)۔ جناب مبارک بن عبداللہ علیہ السلام

حضرت حجاج بن مسروق شہدائے کربلا میں بہت مشہور ہستی ہیں۔ مکہ سے امام کے مؤذن تھے۔ حر کے راستے میں ملنے پر انہوں نے ہی اذان دی تھی۔ اُن کے ساتھ اُن کا غلام بھی کربلا میں جنگ کرتا ہوا شہید ہوا تھا۔ یہ واقعہ سنئے:۔

قَالَ وَخَرَجَ فِيْ اَثَرِهِ مَوْلٰی یَقَالُ لَهُ مَبَارَكٌ فَحَمَلَا عَلٰی الْقَوْمِ وَالتَّقِيَا بِحِمَاةٍ مِنْ اَصْحَابِ ابْنِ سَعْدٍ - فَتَفَرَّقُوا وَجَفَلُوا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِمَا الْاَعْدَاءُ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ فَشَدَّ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلٰی ظَهْرِ صَاحِبِهِ وَجَعَلَا يَقَاتِلَانِ حَتّٰی قَتَلَا مِنْ الْقَوْمِ مِائَةً وَخَمْسِیْنَ رَجُلًا وَفَتَّلَا رَحْمَةً اللّٰهُ عَلَيْهِمَا - (اکسیر صفحہ 266)

راوی نے بتایا کہ جناب حجاج بن مسروق کے قدم بقدم، اُن کا غلام، جسے مبارک کہا جاتا تھا، بھی جنگ کیلئے نکلا۔ اور دونوں نے ملکر عمر ابن سعد کی افواج پر حملہ کیا۔ اور ادھر ابن سعد کی افواج بھی اُن پر ٹوٹ کر گریں۔ مگر اُن دونوں بہادروں نے افواج کو بتر پتر کر دیا اور اپنے سامنے سے بھگادیا۔ لیکن پھر افواج کو مجتمع کیا گیا۔ اور ہر چہار جانب سے دوبارہ اُن دونوں پر حملہ جاری ہو گیا۔ اب دونوں نے ایک دوسرے کا تحفظ اور دیکھ بھال کرتے ہوئے جم کر شدید مقابلہ اور مقاتلہ شروع کیا اور ساتھ ساتھ رہتے ہوئے دفاع اور حملوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور اس طرح تیغ زنی کی کہ عمر سعد کی مختلف حملہ آور افواج میں سے ایک سو پچاس جنگجو بہادروں اور عام فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آخر مشیت خداوندی کے سامنے سر جھکا کر امام زمانہ پر قربان ہو گئے۔

(39/137-138)۔ جناب مالک اور رشید علیہما السلام

قال ابو مخنف فبرز فارس یقال له مالک وحمل حملة صادقة فقتل جماعة وقاتل قتلاً شديداً فحمل عليه القوم باجمعهم فقتلوه وبرز من بعده رجل یقال له رشيد فحمل عليهم وقتل منهم عشرين فارساً فقتله القوم عند مقتلة العباس بن امير المؤمنين فوقع عليها وفي رواية اخرى انهما قتلا جميعاً ودفنا في قبر واحد - (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات صفحہ 265)

جناب عابس بن لیث شاکری کے بعد جناب علامہ ابوحنیف علیہ الرحمہ دو بہادر انصار کا تذکرہ کرتے ہیں کہ: ”اُس کے بعد ایک سوار میدانِ مقابلہ میں نکلا جسے مالک کہا گیا ہے۔ جس نے سپاہِ عمر سعد پر صحیح معنی میں سخت حملہ کیا۔ ایک تباہ کن جنگ لڑی، بہت سے دشمنوں کو قتل کیا۔ آخر سپاہِ شام نے یکجہتی سے مل کر اُن پر چاروں طرف سے حملہ کیا اور وہ شہید ہو گئے۔ اُن کے بعد ایک اور ناصر حسینؑ میدان میں آیا جسے رشید کہا جاتا تھا۔ اُس نے بھی زبردست جنگ کی اور بیس تیغ آزمالوگوں کو تہ تیغ کیا۔ لیکن اس پر بھی ساری فوج نے یورش کی۔ چنانچہ جہاں آج کل حضرت عباس بن علی علیہما السلام کا مزار ہے اس جگہ شہید ہو کر گرے۔ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ ان دونوں مالکؑ اور رشیدؑ نے اکٹھا اور مل کر حملہ کیا تھا اور اُن دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا۔ اُن دونوں پر ہم سب کا سلام۔

(39/139-140)۔ حضرات عبداللہ بن سلیم اور منذر بن مشعل علیہما السلام

یہ دونوں حضرات قبیلہ بنی اسد سے تھے۔ یہ امامؑ کے ساتھ مکہ سے روانہ نہ ہوئے تھے۔ بلکہ حج سے فارغ ہو کر بڑی تیزی سے منزلیں طے کرتے ہوئے منزلِ زرو پر امام علیہ السلام سے آ ملے تھے۔ اس منزل پر ایک شخص کوفہ کی سمت سے آتا ہوا دکھائی دیا تو حضرت امام حسین علیہ السلام ٹھہر گئے تاکہ اُس سے کوفہ کے حالات معلوم کریں۔ مگر وہ شخص دُور سے یہ دیکھ کر کہ کچھ لوگ اُس سے بات کرنے کے لئے رُکے کھڑے ہیں۔ راستہ چھوڑ کر دوسری طرف روانہ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر امامؑ نے اپنا سفر شروع کر دیا لیکن مندرجہ بالا دونوں اسدی جوان چپکے سے نکلے اور اس شخص کا محتاط تعاقب کیا اور گویا اتفاق سے بلا کسی خاص ارادہ کے اس کے قریب جا پہنچے اور باتوں باتوں میں یہ معلوم کر لیا کہ حضرت مسلم اور ہانی علیہما السلام قتل ہو چکے، اُن کی لاشوں کو بازاروں میں گھسیٹا گیا ہے اور کوفہ کی ناکہ بندی کی گئی ہے۔ آمدورفت بند ہے اور یہ سب کچھ وہ شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا تھا۔ یہ دونوں حضرات مسلمؑ اور امامؑ کے منصوبہ سے واقف تھے۔ اور اس بات کو بہت ہی خطرناک سمجھے کہ مسلمؑ وہابی کی شہادتِ مجمع عام میں امامؑ کو بتائی جائے۔ لہذا منزلِ زبالہ پر پہنچ کر دونوں نے امامؑ سے تخلیہ کی درخواست کی تو امامؑ نے فرمایا کہ ان حاضرینِ صحابہ سے کوئی راز نہیں رکھا گیا ہے، بلا تکلف بات کرو۔ انہوں نے مذکورہ شخص کے تعاقب اور تفتیش کا حال ذکر کیا اور جناب مسلمؑ وہابی علیہما السلام کی شہادت کی تفصیل سُنادی تھی۔ اور اپنی رائے دے دی تھی کہ ایسی صورت میں کوفہ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی منزل پر امامؑ نے اعلان فرمایا تھا کہ میرے ساتھ وہ لوگ رہیں جو میرے ساتھ قتل ہونے اور شہداء کی فہرست میں نام لکھوانے کے لئے تیار ہوں۔ عبداللہ بن سلیم اسدی اور منذر بن مشعل اسدی برابر امامؑ کے ساتھ ساتھ کر بلا پہنچے اور پروانہ وارا امامؑ اور اہل حرمؑ کے تحفظ و آسائش میں کوشاں رہے۔ یہاں تک کہ دسویں محرم کو تین روز کے بھوکے پیاسے اولین حملوں میں باقی انصار کے ساتھ شانہ بشانہ جنگ کرتے ہوئے امام علیہ السلام پر قربان ہو گئے۔

(39/141)۔ حضرت عمارہ بن عبید سلولی علیہ السلام

آپ کوفہ کے قدیم باشندوں اور سرگرم جوانانِ شیعہ میں سے تھے۔ یہ اُس دوسرے وفد میں امام حسین علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے تھے۔ جس میں جناب قیس بن مسہر صیداوی اور عبدالرحمن بن عبداللہ اور حظلہؑ اسدی شریک تھے اور جو کوفہ سے تریپن (53) درخواستیں لے کر چلا تھا۔ اس وفد کے پہنچنے پر امامؑ نے جناب مسلمؑ علیہ السلام کو اُن ہی کے ساتھ کوفہ بھیجا تھا۔ چنانچہ یہ تمام حضرات، حضرت

مسلم کے آگے پیچھے اور ساتھ ساتھ رہتے رہے۔ ہر مشکل اور ہنگامہ میں ثابت قدم رہے اور وہ جنگ بھی لڑے جس میں حضرت مسلم گرفتار و شہید ہوئے۔ بعدہ ابن زیاد کے انتظام سے بچ کر نکلے اور منزل ذوحسم کی راہ میں عبدالرحمن بن عبداللہ سمیت امام کی قد موسیٰ حاصل کی۔ کربلا تک آئے تمام معرکوں اور حملوں میں آخری سانس تک ساتھ دیا اور جنگ مغلوبہ میں شہید ہوئے۔

(39/142)۔ جناب عقبہ بن سمعان علیہ السلام

آپ امام حسین علیہ السلام کے نشی اور ریکارڈ کیپر (Record Keeper) تھے۔ مکہ میں حضور کی ملازمت اور خدمت میں آئے۔ گردن و نواح سے آنے والے خطوط کو ترتیب وار رکھنا، امام کو سنانا اور جواب لکھنا آپ کی مخصوص ذمہ داری تھی۔ جب حُرّ کے روبرو امام نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی اور بتایا کہ تمہارے شہر کے لوگوں نے مجھے بلایا ہے تو جناب عقبہ بن سمعان ہی کو آپ نے حکم دیا تھا کہ خطوط کا وہ تھیلا لاکر دکھاؤ جو کوفہ والوں کے خطوط سے بھرا ہوا ہے۔ جب جناب عقبہ نے حُرّ کے سامنے وہ خطوط رکھے تو حُرّ حیران رہ گیا اور کہا کہ میں اس تمام عملد آمد سے ناواقف ہوں اور میرا ان لوگوں سے کوئی رابطہ اور تعلق نہیں ہے۔

(39/143)۔ ابو ثمامہ عمرو بن عبداللہ بن کعب الصائد علیہ السلام

آپ ہی نے میدان کارزار کی شدت میں امام علیہ السلام کے ساتھ نماز ظہر پڑھنے کی تمنا کی تھی۔ آپ ہی کی درخواست پر وہ نماز ادا کی گئی تھی جو دنیا میں مثالی اور یادگار نماز بن کر آگے بڑھتی اور ہر نمازی کو اُس کی پوزیشن دکھاتی چلی جا رہی ہے۔ آپ ہی کوفہ میں جناب مسلم کے لشکر کی ترتیب اور اسلحہ کی فراہمی اور زر اعانت جمع کرنے کے ذمہ دار تھے۔ آپ کوفہ میں ناکامی کے بعد نافع بن ہلال کے ساتھ چھپ کر نکلے اور امام علیہ السلام سے سفر کے دوران جا ملے اور نماز ظہر ادا کرنے کے بعد حبیب ابن مظاہر علیہ السلام کے تحفظ کے لئے تعینات ہوئے اور اُن تک نہ پہنچ سکے بلکہ راستے میں گھیر لئے گئے اور بڑی سنسنی خیز جنگ کرتے اور بڑھتے رہے۔ باسٹھ شامیوں کو قتل کیا اور جب حبیب ابن مظاہر کے قتل ہو جانے کا نعرہ سنا تو جنگی احتیاط ختم کر کے دودستی تلواریں مارتے ہوئے دشمن کی سپاہ میں ڈوب گئے اور بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کو آپ ہی کے ایک ہم قبیلہ شخص نے دھوکہ سے قتل کر دیا جو دشمن کی فوج میں شریک تھا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تمام مجاہد محمد و آل محمد کو اُن کے ساتھ شمار فرمائے آمین۔

(الف)۔ انصاران حسین علیہم السلام کی پوزیشن پر چند اشارات

اس دنیا کی تاریخ میں جس طرح امام حسین علیہ السلام کا مقام و مرتبہ اپنی مثال اور نظیر نہیں رکھتا۔ اُسی طرح اُن کے انصار کے مقابلہ میں نہ کسی نبی و رسول کے انصار لائے جاسکتے ہیں نہ کسی عالمی یا ملکی و قومی تحریک کے فداکار اُن کے روبرو سر بلند کر سکتے ہیں۔ 61 ہجری کے بعد کے تمام شجاعانِ اقوام عالم اور تمام فداکارانِ نوع انسان انصاران حسین علیہم السلام کے سامنے سر نیاز جھکانا باعث عزت و برکت سمجھتے رہے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ جن حضرات کو امام حسین علیہ السلام نے یہ سند دے دی ہو کہ تم اپنی وفاداری ثابت کر چکے ہو میں تمہیں آزادی دیتا ہوں۔ تم بھی چلے جاؤ اور میرے خاندان کے تمام افراد کو بھی لے جاؤ۔ تمہارے لئے وہ مرتبہ طے پا چکا ہے جو میرے

ساتھ اسلام پر قربان ہو چکنے کے بعد ملنے والا ہے۔ تم یہاں سے نکل جاؤ تم سے کوئی مزاحمت نہ کرے گا۔ اُن کو صرف میری بیعت یا میرا سر درکار ہے۔ لیکن اس اطمینان بخش بیان اور معصوم امام زمانہ کی سند کے بعد بھی وہ نہیں جاتے اور آخری سانس تک نصرت امام میں لیتے ہیں۔ اُن کی آنکھوں کے رُو برو مسکرا کر داعی اجل کو لبیک کہتے ہیں۔ یہ نظارہ اس آسمان کی آنکھوں نے صرف ایک دن دیکھا تھا۔ پھر یہ سوچئے کہ اگر اُن میں سے کوئی ایک یا سب کے سب چلے جاتے تو کیا اُنہیں وہ مرتبہ نہ ملتا جو شہادت کے بعد ملا؟ یقیناً وہ مرتبہ امام کی سند اور رضامندی پر منحصر تھا اور ضرور ملنا تھا مگر وہ آنکھوں سے اوجھل ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ وہ نہ چاہتے تھے کہ گھٹیا قسم کے لوگ اُنہیں بزدل کہنے یا زندگی کو زیادہ پیارا سمجھنے والا کہنے کا موقعہ پاسکیں۔ جیسا کہ ضحاک بن عبداللہ کے متعلق لوگوں کو موقع مل گیا تھا۔

(39/144)۔ ضحاک بن عبداللہ علیہ السلام سے امام علیہ السلام کا وعدہ

تاریخ طبری ایک ایسے مجاہد کا ذکر کرتی ہے جس نے امام سے اپنی کسی ایسی ضرورت کا اظہار کیا تھا جو امام اُنکے مابین بطور راز رہ گئی۔ بہر حال امام نے تو اپنے انصار کو بلا جنگ و جدل کئے ہی جانے کی اجازت دے رکھی تھی۔ لہذا اُس مجاہد کو اجازت کیوں نہ دیتے جو تین دن سے سب کے ساتھ بھوکا پیاسا رہا ہو اور صبح سے لیکر وقت عصر تک برابر ہر حملہ میں تیغ زنی کرتا رہا ہو؟ طبری سے سنئے لکھا ہے کہ:-

”ضحاک بن عبداللہ مشرقی نے جب دیکھا کہ انصار حسینؑ کام آگئے اور اب آپؑ اور آپ کے اہلبیتؑ پر دشمنوں کو دسترس حاصل ہو گئی ہے۔ اور سوید بن عمرو شعمی اور بشیر بن عمرو حضرمی کے سوا انصار میں کوئی (سوائے بنی ہاشم) باقی نہ رہا۔ تو اُس نے آپؑ سے کہا کہ یا بن رسول اللہ میں نے جو بات آپؑ سے کہی تھی۔ وہ آپؑ کو معلوم ہے۔ میں نے یہی کہا تھا کہ جب تک کسی شخص کو آپؑ کی طرف سے قتال (جنگ) کرتے ہوئے دیکھوں گا میں بھی قتال کئے جاؤں گا۔ جب دیکھوں گا کہ اب کوئی (سوائے بنی ہاشم) لڑنے والا نہیں رہا۔ تو میں بھی چلا جاؤں گا۔ اس پر آپؑ نے فرمایا تھا کہ اچھا چلے جانا۔ آپؑ نے جواب دیا تو بچ کہتا ہے۔ مگر اب کیوں کر جاسکتا ہے؟ اگر جاسکتا ہے تو نکل جا۔ یہ سُن کر ضحاک۔۔۔ اپنی گھوڑی کے پاس آیا۔ اُس نے جب دیکھا کہ انصار حسینؑ کے گھوڑوں کو دشمن پے کر رہے ہیں تو اپنی گھوڑی کو اپنے رفیقوں کے ایک خیمہ میں جو سب کے بچ میں تھا چھپا دیا تھا۔ اور خود پیادہ جنگ میں مشغول تھا۔ اُس نے اُس دن دو شخصوں کو قتل کیا تھا اور ایک کا ہاتھ اڑا دیا تھا۔ آپؑ نے اُس کے لئے دعا کی تھی کہ تیرا ہاتھ کبھی شل نہ ہو۔ خدا تیرے ہاتھ کو قطع نہ کرے۔ (مسلل لکھا ہے کہ)

(الف)۔ ضحاک کو میدان جنگ سے جانے کی اجازت

”غرض جب اُسے اجازت مل گئی تو اُس نے خیمہ سے گھوڑی کو نکالا اور اُس کی پیٹھ پر جا بیٹھا۔ کوڑا مارا گھوڑی نے سموں پر بوجھ دیا ہی تھا کہ اُس نے گھوڑی کو لوگوں کے انبوہ پر ڈال دیا۔ سب نے راستہ دے دیا۔ اُن میں سے پندرہ شخصوں نے اس کا تعاقب کیا۔ شطّ فرات پر ایک قریہ شقیہ قریب واقع تھا۔ وہاں تک یہ جا پہنچا۔ یہ لوگ بھی اس کے قریب پہنچ گئے تھے۔ اب اُس نے مڑ کر اُن کی طرف دیکھا۔ کثیر بن عبداللہ شعمی اور ایوب بن مشرح خیوانی اور قیس بن عبداللہ صاندی نے اُسے پہچان کر کہا کہ یہ تو ضحاک بن عبداللہ ہمارا ابن عم ہے۔ خدا کے واسطے اُس پر ہاتھ نہ ڈالو۔ اُن لوگوں میں تین شخص بنی تمیم سے تھے۔ پکارا اُٹھے واللہ ہم تو اپنے بھائیوں اور اپنے ساتھ

والوں کا کہنا کریں گے۔ اُن کے ابن عم پر ہاتھ نہ ڈالیں گے۔ جب اُن تینوں تمیموں نے اُن تین شخصوں کے ساتھ اتفاق کیا تو اور لوگ بھی اُس کے تعاقب سے باز آئے اس طرح خدا نے اُسے بچالیا۔“ (ترجمہ طبری جلد چہارم صفحہ 289-290)

(ب)۔ انصارانِ حسین علیہم السلام کی دنیاوی و تاریخی پوزیشن

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی مسلمانوں کے نزدیک کوئی پوزیشن ہے تو امام پر قربان ہونے والوں میں آٹھ صحابہ رسول بھی تھے۔

(1) مسلم بن عوجہ (2) زاہر بن عمرو سلمیٰ کنڈی (3) شیبہ بن عبد اللہ مولیٰ ہمدان (4) عبد الرحمن بن عبد رب انصاری خزرجی (5) عمار بن ابی سلامہ دالانی (6) مسلم بن کثیر صدفی (7) حبیب بن مظاہر (8) انس بن حارث اسدی۔

یہ سب حضرات قومی مذہب اور قومی حکومت کے مخالف اور امام حسینؑ کے مذہب سے ہم آہنگ تھے۔ اور حسینی مشن پر آزادانہ نثار ہو گئے۔ اسکے برعکس قومی حکومت کے طرفداروں میں بھی اگر صحابہ تھے تو وہ حسینؑ کے دشمن تھے۔ پھر یہ سوچئے کہ انتقال رسولؐ سے لیکر کربلا کے زمانہ تک پچاس سال کا زمانہ گزر چکا تھا۔ اسلئے ان آٹھ حضرات میں کوئی بھی بچپن یا ساٹھ سال عمر سے کم کا شخص نہیں ہو سکتا۔ اس سے زیادہ عمر کے لوگوں میں انس بن حارث، عبد الرحمن بن عبد رب، حبیب بن مظاہر، مسلم بن عوجہ اور سوید بن عمرو شعمی بھی تھے۔ لہذا ان عمر رسیدہ اور جہاں دیدہ صحابہ کی موجودگی ثابت کرتی ہے کہ یہ جنگ اور یہ قربانیاں کسی غلط فہمی اور دنیاوی جذبات کا نتیجہ نہ تھیں۔

(ج)۔ انصارانِ حسین علیہم السلام میں حضرت علیؑ کے صحابہ علیہم السلام

وہ حضرات جو اسلام کے مرتضوی تصور اور خلافت الہیہ پر ایمان رکھتے تھے اور قومی حکومت کو دینی حکومت نہ سمجھتے تھے۔ اور جنہوں نے حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور حضرت معاویہ و عمرو عاص وغیرہ کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی اور اُن کے تصور مذہبی کو باطل ٹھہرا کر اُن کو شکست دی۔

(1) عبد اللہ بن عمیر کلبی (2) جمع بن عبد اللہ مذحجی (3) جنادہ بن حارث سلمانی (4) جندب بن حیر کنڈی (5) امیہ بن سعد طائی (6) جبلة بن علی شیبانی (7) حارث بن نبہان (8) حلاس بن عمرو زدی (9) شیبہ بن عبد اللہ نھشلی (10) قاسط بن زہیر تغلی (11) کردوس بن زہیر تغلی (12) مقسط بن زہیر تغلی (13) نعمان بن عمرو زدی (14) نعیم بن عجلان انصاری (15) ابو ثمامہ صاندی (16) شوذب بن عبد اللہ (17) جون غلام ابوذر غفاری (18) حجاج بن مسروق جعفی (19) سعد بن حارث (20) یزید بن مغفل جعفی (21) عمر بن جندب حضرمی۔ یہ حضرات علوم آل محمدؐ کے ورثہ دار اور اسلام کے حقیقی فلسفے پر مطلع تھے۔

(د)۔ انصارانِ حسین علیہم السلام میں حافظانِ قرآن کریم

(1) بریر بن خضیر ہمدانی جو سید القراء کے لقب سے مشہور اور معلم قرآن تھے۔ (2) عبد الرحمن بن عبد رب انصاری (3) کنانہ بن عتیق تغلی (4) نافع بن ہلال الجبلی (5) حنظلہ بن اسعد شامی (6) غلام ترکی اُضمی۔

(ہ)۔ انصارانِ حسین علیہم السلام میں راویانِ حدیث

- (1) مسلم بن عوسجہ (2) حبشہ بن قیس نہمی (3) زاہر بن عمرو اسلمی (4) سوار بن ابی عمیر نہمی (5) عبدالرحمن بن عبد رب انصاری (6) حبیب بن مظاہر اسدی (7) نافع بن ہلال (8) شوذب بن عبداللہ (9) انس بن حارث اسدی

(و)۔ انصارانِ حسین علیہم السلام کی دیگر خصوصیات

اُن میں جذبہ خدا پرستی اور راست کرداری اپنے انتہائی مقام تک پہنچا ہوا تھا۔ وہ سب دین پر دنیا و مافیہا کو قربان کرنے میں نجات سمجھتے تھے۔ وہ سب اپنے امام کو اللہ کا حقیقی نمائندہ اور جانشین سمجھ کر اطاعت کرتے تھے۔ وہ سب حکومت اور حکومت کی مادی قوت قاہرہ کو ہیج سمجھتے تھے۔ انہیں اپنے حق پر ہونے میں ذرہ برابر شک و شبہ نہ تھا۔ اُن سب کے قلوب کا اللہ کی طرف سے امتحان ہو چکا تھا۔ وہ سب جنت و جہنم و حقائق کائنات کو بے حجابانہ سامنے دیکھ رہے تھے۔ اُن سب میں حسینؑ روح کام کر رہی تھی۔ اُن سب کے دل ایک ساتھ دھڑکتے تھے۔ نبضیں مل کر چلتی تھیں۔ وہ سب حسینؑ مشن کی مشین کے موزوں ترین پرزے تھے۔ اُن سب کو اللہ و امامؑ نے عصمت صغریٰ کے درجہ تک بلند کر دیا تھا۔ اُن سے غلطی اور غلط فہمی کی نفی کر دی گئی تھی۔ تلوار اور نیزہ، برچھیاں اور تیرا نہیں دکھ پہنچانے سے قاصر تھے۔ وہ سب موت کو دائمی حیات سمجھ کر اُس کو دعوت دے رہے تھے۔ وہ سب موت کے مُتمنی تھے اور موت پر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے۔ وہ سب ایک سیکنڈ زندہ نہ رہنا چاہتے تھے۔ مگر اذنِ امامؑ لازم سمجھتے تھے۔ وہ سب عاشقانِ خدا اور رسولؐ تھے۔ وہ آلِ رسولؐ کو اپنا نجات دہندہ اور مالک و مختار سمجھتے تھے۔ نزولِ قرآن کے بعد قرآن کے معیار کے مطابق حقیقی مومن وہی اور صرف وہی تھے۔ (توبہ 9/24)

(146-39/145)۔ حضراتِ کُرّ اور حبیبؑ ابنِ مظاہر کے غلامِ علیہم السلام

ہمارے سن و سال کے حضرات جانتے اور بزرگوں سے سنتے چلے آئے ہیں کہ حبیبؑ ابنِ مظاہر کے ساتھ بھی اُن کا غلام اور بھائی آئے تھے۔ اسی طرح جنابِ کُرّ کے ساتھ اُن کا غلام بھی کربلا میں شہید ہوا تھا۔ لیکن سرکاری دستِ شفقت برابر شیعہ افراد و آثار پر پھرتا رہا۔ اُدھر اُن کا روپیہ اور سرمایہ گردش میں رہا جس نے بولنے والوں کی زبانوں اور لکھنے والوں کے قلموں کو گردش سے باز رکھا۔ یوں رفتہ رفتہ مظلوموں کی تعداد اور نام و نشان کو پوشیدہ کر دیا گیا۔ مومنین دیکھ رہے ہیں کہ آج بھی وہ زبانیں اور وہ قلم یکے ہوئے ہیں جن سے ملتِ شیعہ کا تحفظ وابستہ ہے۔

40۔ کربلا میں خانوادہ نبوتؐ کی شہادت اور قربانیاں

علامہ دربندی رضی اللہ عنہ انصارانِ حسین علیہ السلام کا ذکر ختم کر کے لکھتے ہیں کہ:-

وفي الملهوف وجعل اصحاب الحسين عليه السلام يسارعون الى القتل بين يديه وكانوا كما قيل: قَوْمٌ اِذَا نُوذِرُوا الدَّفْعَ مُلِمَّةً-والخيل بين مُدْعَسٍ ومُكْرَدَسٍ-لَبَسُوا القلوب على الدروح واقبلوا-يتهافتون الى ذهاب الانفس-وفي البحار لما قُتِلَ اصحاب الحسين و لم يبق الا اهليته وهم ولد علي وولد جعفر وولد عقيل وولد الحسن وولد عليهم السلام-اجتمعوا يوّدع بعضهم بعضاً- (اكسير العبادات في اسرار الشهادات صفحہ 278)

کتاب ملخوف میں ہے کہ آخر اصحاب حسین علیہ السلام نے امامؑ کے سامنے جلدی جلدی قتل ہو جانے پر کربا ندھ لی اور وہ صورت حال ہوگئی جیسا کہ کہا گیا ہے کہ: اصحاب حسینؑ کا گروہ ایسی قوم کا معاملہ معلوم ہو رہا تھا جسے کسی منزل کی طرف روانگی کیلئے جلدی جلدی سامان جمع کرنے کا حکم دے دیا گیا ہوا اور وہ قوم چاروں طرف سے برچیوں، نیزوں اور سواروں میں گھری ہوئی ہو۔ جس نے قافلہ سالار کے حکم کی تعمیل میں اپنے قلب و جگر اپنی زیر ہوں پر اوڑھ کر جان سپاری کیلئے ایک دوسرے کو دھکیل کر خود بڑھنا شروع کر دیا ہو۔ اور کتاب بحار الانوار میں لکھا گیا ہے کہ جب تمام انصار ان حسین علیہم السلام قتل ہو چکے اور اولاد علی مرتضیٰ و اولاد حسن مجتبیٰ اور اولاد جعفر طیار اور اولاد عقیلؑ اور اولاد حسینؑ کے علاوہ کوئی مددگار نہ رہا تو خانوادہ نبوتؑ کے یہ تمام چھوٹے بڑے حضرات ایک جگہ جمع ہوئے۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے وہ باتیں کیں جو مرنے والے لوگوں کے دلوں کو ہلکا کر دیتی ہیں۔ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر رخصت ہوئے۔

اہل حرم کو اپنی اپنی وصیت کی، کوتاہیوں کو نظر انداز کرنے کی التجا کی، مدینہ والوں کو پیغامات دیئے۔ اس موقع پر حضرت صغریٰ علیہا السلام کو کون فراموش کر سکتا تھا؟ کون تھا جو علی اصغر علیہ السلام کو گود میں لینا اور پیار کرنا بھول جاتا؟ حضرت سیکہ علیہا السلام تو خود ہی چلتی پھرتی سوالات کی بولتی چلتی تصویر تھیں۔ اُن کو اطمینان دلا کر خوش کر دینا بڑا مشکل اور نفسیاتی مسئلہ تھا۔ بہر حال سب طرف سے فارغ ہو کر اولاد رسولؐ امامؑ کے سامنے صف بستہ کھڑی ہوگئی۔ امام علیہ السلام نے آنسوؤں سے لبریز نظر ڈالی بارگاہ خداوندی میں سب کو پیش کیا۔

(1)۔ جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل علیہم السلام

آپ کی والدہ جناب رقیہ بنت علی بن ابی طالبؑ تھیں۔ یعنی عبداللہ امامؑ کے بھانجے بھی تھے اور بھتیجے بھی۔ اُنکے والد مسلم بن عقیلؑ کربلا کے شہدائے تہید تھے۔ لہذا خاندانی وراثت کی حیثیت سے اولاد ابی طالبؑ میں اب پہلا نمبر حضرت مسلمؑ کی اولاد کا حق تھا۔

قال ابو مخنف وبرز عبد الله بن مسلم بن عقیل فوق فبا آء الحسین۔ ثم قال یا سیدی ائذن لی بالبراز؟ فقال علیہ السلام کفاک وکفی اهلک من القتل والشکل وقال ممّاهم فیہ۔ فقال یاعمّ بایّ وجه القی اللہ سبحانہ وقد استلمت سیدی ومولای؟ واللہ لا کان ذلک ابداً۔ ثم انشاء ویقول: نحن بنو هاشم الکرام۔ نحی عن ابن السید الامام۔ نسل علی الاسد الضرغام۔ سبط النبی المصطفیٰ التهامی۔ ثم حمل علی القوم فقتل منهم خلقاً کثیراً (فقتال حتی قتل ثمانیة وتسعين رجلاً فی ثلاث حملات علامہ محمد بن ابی طالب) فرماہ رجل من المعاندين بسهم فقتله وعجل اللہ بروحه الی الجنة (فوضع عبد اللہ یدہ علی جبهة یتقیہ فاصاب السهم کفہ ونفذ الی جبهته فسمرها به فلم یستطع تحریکها ثم انتحی برمحہ فطعنہ فی قلبہ فقتله عمرو بن صبیح کتاب الارشاد) فلما نظر الحسین الی ذلک اقبل الیہ وکشفہم عنہ وحمله علی جواده واقبل به الی الخیمۃ فطرحہ فیہا ثم رجع الی اصحابہ و قال یاقوم احملوا بارک اللہ فیکم وبادروا الی الجنة ودار الامان خیر من دار الھوان۔ (اکسیر صفحہ 279)

چنانچہ جناب عبداللہ آگے بڑھے اور کوئی مانع نہ ہوا۔ امامؑ کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کیا کہ اے میرے سید و مولاً میں حاضر ہوں مجھے میدان و مقابلہ کی اجازت مرحمت فرمائیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ بیٹے تمہیں اور تمہارے گھر والوں کیلئے حضرت مسلمؑ کا قتل اور صدمہ کافی ہے۔ اب تمہیں میدان جنگ میں جانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا مقام بلند ہو چکا ہے۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ حضورؐ میں اللہ کو کیسے منہ دکھاؤں گا جب کہ میں اپنے سردار و مولاً کو پختی ہوئی تلواروں میں چھوڑ دوں۔ قسم بخدا یہ

بات تو ہم سے ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ کہہ کر امام کو خوش و رضا مند کیا کہ جناب ہم تو بنی ہاشم کی غیور و معزز اولاد ہیں۔ علی جیسے غضبناک شیر کی نسل سے ہیں اور محمد مصطفیٰ کے نواسے کی حمایت اگر اولاد امام نہ کرے گی تو اور کون کریگا۔ اسکے بعد ایک تباہ کن حملہ کیا اور لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے اسی طرح تین حملے کئے اور اٹھانوے دشمنوں کو تہ تیغ کیا تھا کہ ماتھے سے پسینہ صاف کرنے کو ہاتھ پھرایا اور ادھر عمر بن صبیح نے ایک تیر چھوڑا جس سے ہاتھ پیشانی کے ساتھ بندھ کر رہ گیا۔ بہت کوشش کی کہ تیر نکال دیں لیکن ممکن نہ ہوا۔ ساتھ ہی ایک دوسرا تیر سینے پر لگا جو دل کے پار نکل گیا اور ان کی روح کو جنت میں لیجانے کیلئے اللہ نے بھی عجلت کی۔ امام نے یہ دیکھ کر دشمن کی افواج پر حملہ کیا۔ جب دشمن بھاگ کھڑے ہوئے تو آپؐ نے عبد اللہ کی لاش کو اپنے گھوڑے پر اٹھایا اور خیام میں آئے اور لاش کو لٹا کر اپنے صحابہؓ سے کہا کہ یہ لو اسے بھی سنبھالو۔ اللہ تمہیں برکت عطا کرے اور جنت میں لے جائے۔ دنیا کے ذلت آمیز گھر سے جنت ایسا پر امن مقام کہیں بہتر ہے۔

(2)۔ محمد بن مسلم علیہما السلام

وفی البحار محمد بن مسلم بن عقیل امہ ام الولد قتله فیما رویناہ عن ابی جعفر ابو جرحم الازدی ولقیط بن ایاس الجہنی (اکبر صفحہ 279)۔ یہ دوسری والدہ سے عبد اللہ کے بھائی تھے۔ آپ بھی حضرت عبد اللہ علیہ السلام کے قتل ہو کر گرنے پر حملہ آور ہوئے تھے تاکہ بھائی کی لاش اٹھالائیں۔ لیکن چاروں طرف سے تیر بارانی ہوئی اور ابو جرحم ازدی ولقیط بن ایاس جہنی ملاعین کے تیر کار گر ہوئے اور آپ شہید ہو گئے۔ غالباً یہیں سے یہ طے پایا ہوگا کہ لاشوں کو اٹھانے کیلئے امام علیہ السلام خود جائینگے یا خود نام تجویز فرمائیں گے۔

(3)۔ جناب احمد بن مسلم بن عقیل علیہم السلام

فاستاذن من الحسین للبراز فاذن له فبرز وهو يقول: اطلب ثار مسلم من جمعکم۔ یا شر قوم ظالمین فسقة۔ اضربکم بصارم ذی رونق۔ ضرب غلام صادق من صدقة۔ انشئ عمن لقانی ناکصاً۔ ولم اکُنْ مِمَّنْ یحب الشفقة۔ کم جاحد لَمَّا التقانی فی الوغا۔ صیرتہ کاللبنة المفلفة۔ قال ثم حمل علی القوم ولم یزل یضرب رجلاً بعد رجل حتی قتل خلقاً کثیراً فیینما هو یقاتل اذا تاه سهم فاستشهد امام الحسین علیہ السلام۔ (اکبر العبادات۔ صفحہ 261)

جناب احمد بن مسلم امام حسینؑ سے اجازت لے کر میدان میں تشریف لائے اور یہ کہتے ہوئے دشمنان دین پر حملہ کر دیا کہ میں آج تم سب سے اپنے والد مسلم بن عقیل کا انتقام لوں گا۔ اے ظالم و فاسق اور دنیا کی شریر ترین قوم۔ میں تمہیں زیور بر کرنے والی تلوار کی ضربیں لگاؤں گا۔ وہ ضربیں لگاؤں گا جو حق پسند گروہ کا حق پرور جوان لگایا کرتا ہے۔ مجھے جو بھی عہد شکن ملے گا اُسے کاٹ کر دوہرا کر دوں گا۔ میں ذرہ برابر ایسے لوگوں پر رحم و شفقت نہ کروں گا۔ چنانچہ اگر کوئی ضدی اور سرکش مجھ سے ملاقات کرے گا میں اُسے پھٹے ہوئے دودھ کی طرح بنا کر پھینک دوں گا۔ راوی نے کہا کہ انہوں نے اس طرح حملے کئے کہ آدمی پر آدمی گراتے چلے گئے اور ایک کثیر مخلوق کو قتل کر ڈالا۔ وہ اسی انہماک سے لوگوں کو تہ تیغ کر رہے تھے کہ اچانک ایک تیر آ کر لگا اور آپ امام کے سامنے شہید ہو گئے۔

(4)۔ عبید اللہ بن مسلم بن عقیل علیہم السلام

وقال صدوق فی امالیہ وبرز عبید اللہ بن مسلم بن عقیل وانشاء یقول: اقسمتُ لا اقتل الا حراً۔ وقد وجدت الموت شیئاً مُراً۔

اکرہ ان ادعی جیاناً فَرَا۔ ان الجبان من عصا و فَرَا۔ فقتل منهم ثلاثة عشر رجلاً ثم قُتِلَ رحمة الله عليه۔ (اکسیر العبادات صفحہ 279)

جناب علامہ صدوق رضی اللہ عنہ نے اپنی امالی میں لکھا ہے کہ پھر جناب عبید اللہ بن مسلم بن عقیل نے یہ کہتے ہوئے حملہ کیا کہ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ میں صرف آزاد بہادروں کو قتل کروں گا۔ مجھے موت صرف اُس حالت میں کڑوی اور ناگوار ہے جب کہ میں اُسے بھاگتے ہوئے یا بزدلی کی حالت میں دعوت دوں۔ یقیناً میدان جنگ سے بھاگ جانا یا گناہ کرنا حقیقی بزدلی ہے۔ اور یزیدی فوج کے تیرہ آدمی قتل کر ڈالے اور اس کے بعد شہید ہو گئے۔ اللہ ان پر رحمت کرے۔

(5)۔ حضرت جعفر بن عقیل علیہما السلام

وفی البحار قال محمد بن ابیطالب وغیرہم ثم خرج من بعده جعفر بن عقیل وهو یرتجز ویقول: اناعلام الابطاحی الطالبی۔ من معشر فی ہاشم وغالب۔ ونحن حقاً سادة الذوائب۔ هذا حسین اطیب الاطائب۔ من عترة البرّ النقی العاقب۔ قال ابو مخنف وهو یقول: یامعشر الکھول والشبان۔ اضربکم بالسيف والسنان۔ ارضی بذاک خالق الانسان۔ ثم رسول الملك الدیان۔ ثم حمل علی القوم ولم یزل یقاتل حتی قتل من القوم خمسة واربعین رجلاً۔ ثم قتله بشر بن سوط الهمدانی لعنة الله علیه۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات صفحہ 279)

علامہ محمد بن ابیطالب وغیرہ علما نے لکھا ہے کہ پھر جناب جعفر بن عقیل میدان میں نکلے اور یہ بتاتے ہوئے حملہ آور ہوئے کہ میں حضرات ہاشم اور غالب کے خاندان کا جوان ہوں جو بطنی و مکہ کے سردار تھے۔ اور ہم تمام قبائل و اقوام کے سردار ہیں اور یہ حسینؑ تو پاکیزگی میں سب سے ہی بڑھ کر ہیں۔ بقول ابو مخنف دشمنان اسلام سے یہ بھی کہا کہ اے عمر رسیدہ اور جوانو! تم دونوں خبردار ہو جاؤ میں تم کو بلا تکلف تلوار اور برچیوں سے قتل کروں گا تاکہ میں انسانوں کے خالق اور تمام ادیان کے مالک رسول کو خوش کر سکوں۔ حملہ کرتے کرتے پینتالیس (45) ملائین کو واصل جہنم کیا اور انہیں بشر بن سوط ہمدانی ملعون نے دھوکے سے شہید کر دیا۔

(6)۔ جناب عبدالرحمن بن عقیل علیہما السلام

وفی البحار ثم خرج من بعده اخوه عبدالرحمن بن عقیل وهو یقول: ابی عقیل فاعرفوا مکانی۔ من ہاشم و ہاشم اخوانی۔ کھول صدق سادة الاخوانی۔ هذا حسین شامخ البیان۔ وسید الشیب مع الشبان۔ فقتل سبعته عشر فارساً ثم قتله عثمان بن خالد الجھنی۔ (اکسیر العبادات صفحہ 279)

کتاب بحار میں ہے کہ اُن کے بعد اُن کا بھائی عبدالرحمن بن عقیل میدان جنگ میں آئے اور اعلان کیا کہ میرا والد عقیل ہے۔ تم میرے مقام بلند سے واقف ہو جاؤ۔ میں ہاشمی ہوں اور میرے ہاشمی بھائی حقیقی سید و سردار ہیں۔ اور یہ حسینؑ تو عظیم ترین بنیاد ہیں۔ اور تمام پیرو جوان کے سردار ہیں۔ اتنی مسلسل اور شدید جنگ کی کہ سترہ (17) ملائین کو قتل کیا۔ عثمان بن خالد جھنی نے اچانک تیر مار کر شہید کیا تھا۔

(7)۔ حضرات عبداللہ بن عقیل (8)۔ عبداللہ اکبر بن عقیل اور (9)۔ محمد بن ابی سعید بن عقیل (10)۔ جعفر بن محمد بن عقیل۔

(11)۔ علی بن عقیل علیہم السلام

وقال ابو الفرج وعبد الله بن عقیل بن ابی طالب أمه ام الولد قتله عثمان بن خالد الجھنی وقال ابو الفرج وبشر بن

حوط الفایضی فیما ذکرہ المدائنی عثمان بن خالد جہنی ورجلٌ من ہمدان ومحمد بن ابی سعید بن عقیل امہ ام الولد قتله لقیط بن یاسر الجہنی رماہ بسہم فیما رویناہ عن المدائنی عن ابی مخنف عن سلیمان بن ابی راشد عن حمید بن مسلم و ذکر محمد بن علی ابن ابی حمزہ انہ قتل معہ جعفر بن محمد بن عقیل و ذکر ایضاً ان علی بن عقیل امہ ام الولد قتل یومئذٍ ۔“ (اکسیر العبادات صفحہ 279) (حالات میں ترجمہ بحار صفحہ 240-239 حصہ اول)

”ترجمہ جزائری“: ”اُنکے بعد عبداللہ پسر عقیل بروایت ابوالفرج ماں اُن کی خادمہ تھیں معرکہ قتال میں آئے اور ایک جماعت کو قتل کیا۔ پس بروایت حمید بن مسلم ضربت عثمان بن جہنی اور بشیر ابن حوط فایضی سے شہادت پائی۔ بروایت مدائنی اُن کے بعد عبداللہ کبیر ابن عقیل ابن ابی طالب میدان کارزار میں آئے اُن کی ماں کنیر تھیں۔ اور ضربت عثمان بن خالد جہنی اور ایک اور شخص ہمدانی سے شہادت نوش فرمایا۔ پھر بروایت حمید بن مسلم محمد پسر ابی سعید ابن عقیل میدان میں آئے اُن کی ماں بھی ام الولد تھیں اور اعدا میں سے ایک گروہ کو قتل کرنے کے بعد لقیط بن یاسر جہنی کے تیر سے شہید ہوئے۔ محمد بن علی بن حمزہ نے روایت کی ہے کہ جعفر بن محمد بن عقیل بھی کربلا میں سعادت شہادت پر فائز ہوئے۔ محمد بن علی بن حمزہ نے عقیل بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ علی پسر عقیل بھی صحرائے کربلا میں شہید ہوئے۔ اُن کی ماں بھی کنیر تھیں۔

(12)۔ جناب محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار علیہم السلام

انکی والدہ کا نام خواصاء بنت حفصہ بن ثقیف جو قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تھیں۔ یہ حضرت اور اُن کے بھائی حضرت عون جو جناب زینب علیہا السلام سے تھے۔ دونوں کو جناب عبداللہ بن جعفر طیار نے امام کے ساتھ روانہ کیا تھا۔

وفی البحار ثم قالوا وخرج من بعده محمد بن عبد الله بن جعفر بن ابی طالب وهو يقول: نشكو الى الله من العدد وان - فقال قوم في الردى عميان - قد تركوا معالم القرآن - ومحكم التنزيل والتبيان - واطهر والكفر والطغيان - ثم قاتل حتى قتل عشرة انفس ثم قتله عامر بن نهشل التميمي - (اکسیر العبادات صفحہ 279)

کتاب بحار الانوار میں ہے کہ پھر جناب محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب علیہم السلام یہ کہتے ہوئے میدان میں نکلے کہ ہم ان لوگوں کی زیادتیوں کا شکوہ اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں۔ یقیناً ان لوگوں نے تعلیمات قرآن کو ترک کر دیا ہے (فرقان 25/30) قرآن کے واضح اور بے لچک بیانات کو اور اُن کے مقاصد کی مخالفت اور اللہ و رسول سے سرکشی کی ہے (فرقان 25/27-31) اور جنگ کے دوران دس ملائین کو قتل کیا۔ آخر میں عامر بن نہشل تمیمی کے ہاتھ سے شہادت پائی۔

(13)۔ جناب عون بن عبداللہ بن جعفر طیار علیہم السلام

آپ کی والدہ گرامی جناب زینب علیہا السلام ہیں۔ چنانچہ آپ امام علیہ السلام کے بھتیجے بھی تھے اور بھانجے بھی تھے۔ جناب محمد کو بھی حضرت زینب ہی نے پرورش کیا تھا۔ اس لئے انہیں بھی حضرت زینب کا بیٹا کہا جاتا تھا۔ دونوں بھائیوں میں محبت و یگانگت بھی مثالی تھی۔ ثم خرج من بعده عون بن عبد الله بن جعفر وهو يقول: ان تنكروني فانا ابن جعفر - شهيد صدق في الجنان اظهر - يطير فيها بجناح اخضر - كفي بهذا شرفا في المحشر - ثم قاتل حتى قتل من القوم ثلاثة فوارس ثمانية عشر رجلاً - ثم قتله عبد الله

بن بطة الطائی۔ (اکسیر العبادات صفحہ 280)

پھر اُن کے بعد جناب عون بن عبد اللہ بن جعفر یہ فرماتے ہوئے میدان جنگ میں نکلے کہ اگر تم مجھے نہیں جانتے تو پہچان لو کہ میں جعفرؓ کا پوتا ہوں جس نے حق پرستی میں شہادت کا درجہ حاصل کیا اور ساری دنیا سے پہلے آج بھی جنت میں سبز پروں سے پرواز کرتے ہیں۔ ہمیں قیامت میں اتنا ہی فخر کافی تھا۔ اس کے بعد یہاں تک جنگ کی کہ تین سواروں اور اٹھارہ پیادوں کو واصل جہنم کیا اور عبد اللہ ابن ابہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

(14)۔ جناب عبد اللہ ابوبکر بن علی بن ابی طالب علیہم السلام

فَاوْلُ مَنْ خَرَجَ مِنْ وَلَدِ عَلِيٍّ ابْنِ بَكْرٍ عَلِيُّ وَاسْمُهُ عُبَيْدُ اللَّهِ وَأُمُّهُ لَيْلَى بِنْتُ مَسْعُودِ بْنِ خَالِدِ بْنِ رَبِيعِ التَّمِيمِيَّةِ فَتَقَدَّمَ وَهُوَ يَرْتَجِزُ: شَيْخِي عَلِيُّ ذُو الْفَخَارِ الْأَطُولُ - مِنْ هَاشِمِ الصَّدَقِ الْكَرِيمِ الْمَفْضَلُ - هَذَا حُسَيْنُ بْنُ النَّبِيِّ الْمُرْسَلِ - عَنْهُ نَحَامِي بِالْحَسَامِ الْمَصْقَلِ - نَفْدِيهِ نَفْسَ مَنْ أَخِ مَبْجَلٍ - فَلَمْ يَزَلْ يُقَاتِلُ حَتَّى قَتَلَهُ زَجْرُ بْنُ بَحْرٍ النَّخَعِيُّ وَقِيلَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَقِبَةَ غَنَوِي۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 280)

آپ کا نام عبد اللہ عرفیت ابوبکر تھی۔ مادر گرامی لیلیٰ دختر مسعود بن خالد تمیمی تھیں۔ امام سے جہاد کی اجازت لیکر میدان کارزار میں آئے اور یہ کہتے ہوئے فوج اشقیاء پر حملہ کر دیا: میرے بزرگ علی ہیں۔ جن پر فخر کرنے کیلئے لامحدود فضائل ہیں اور وہ خود ہاشمی ہیں جہاں حق و صداقت اور بزرگی جمع ہو کر رہ گئی ہے۔ اور یہ حسینؑ نبی مرسلؐ کے بیٹے ہیں۔ ہم اُن ہی کا دفاع تلواروں سے کر رہے ہیں۔ ہم اپنے اس معزز بھائی پر اپنی اپنی جان قربان کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے اور سامنے آنے والے دشمنانِ اہلبیتؑ کا صفایا کرتے جا رہے تھے کہ اچانک زجر بن بحرؓ نے یا بقول دیگر عبد اللہ بن عقبہ غنوی نے حملہ کیا اور آپ جنت کو سدھار گئے۔

(15)۔ جناب عمر بن علی بن ابی طالب علیہم السلام

ثُمَّ بَرَزَ مِنْ بَعْدِهِ اخُوهُ عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ وَهُوَ يَقُولُ: اضْرِبْكُمْ وَلَا أَرَى فِيكُمْ زَجْرًا - ذَاكَ الشَّقِيُّ بِالْنبِيِّ قَدْ كَفَرَ - يَا زَجْرُ يَا زَجْرُ تَدَانِي مِنْ عَمْرِ - لَعَلَّكَ الْيَوْمَ تَبُوءُ مِنْ سَقَرٍ - شَرِّ مَكَانٍ فِي حَرِيقٍ وَسَعَرٍ - لَا نَكَ الْجَاهِدُ يَاسِرَ الْبَشَرِ - ثُمَّ حَمَلَ عَلِيُّ زَجْرُ قَاتِلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ وَاسْتَقْبَلَ الْقَوْمَ وَجَعَلَ يُضْرِبُ بِسَيْفِهِ ضَرْبًا مُنْكَرًا وَهُوَ يَقُولُ: خَلَوْا عِدَاةَ اللَّهِ خَلَوْا مِنْ عَمْرِ - خَلَوْا عَنِ اللَّيْثِ الْعَبُوسِ الْمَكْفَهَرِ - يُضْرِبُكُمْ بِسَيْفِهِ وَلَا يَفِرُّ - وَلَيْسَ فِيهَا كَالْجَبَانِ الْمُنْحَجَرِ - فَلَمْ يَزَلْ يُقَاتِلُ حَتَّى قُتِلَ۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 280)

آپ جناب عبد اللہ کے ماں جائے بھائی تھے۔ اپنے بھائی کی شہادت کے بعد میدان میں نکلے اور یہ کہتے ہوئے یزیدی فوج پر حملہ کر دیا کہ میں تمہیں اس وقت تک مارتا رہوں گا جب تک میں زجر بن بحر کو نہ دیکھ لوں۔ وہ ایسا بدنصیب ہے کہ اُس نے نبیؐ پر دست درازی کر کے کفر اختیار کر لیا ہے۔ اوزجر، اولعون زجر، تو کہاں ہے ذرا عمر کے پاس آ جا کہ تجھے جہنم میں پہنچا دوں۔ تو تو بڑا سرکش بنتا ہے اور تمام انسانوں سے بڑھ کر مفسدہ پرداز ہے۔ آ جاتا کہ تجھے تیرے شایان شان جلاؤ لٹانے والے مکان میں پہنچا کر چھوڑوں۔ پھر زجر کو ڈھونڈ کر اپنے بھائی کے انتقام میں قتل کر دیا۔ اور اس کے بعد فواج عمر سعد پر یکسوئی سے حملہ کیا۔ اُس حملہ میں بھی کہتے جاتے تھے کہ اے دشمنانِ خدا عمر کے سامنے سے ہٹ جاؤ ہٹ جاؤ ایک پھاڑ کھانے والے شیر کے سامنے سے بھاگ جاؤ۔ وہ تمہیں اپنی تلوار سے

ٹکڑے ٹکڑے کر رگا بھاگے گا نہیں۔ اس میں میدان سے بھاگنے والی بُدلی نہیں ہے۔ اسی طرح بدترین ماردیتے دیتے شہید ہو گئے۔

(16)۔ جناب عثمان بن علی حضرت عباس کے ماں جائے بھائی علیہم السلام

ثُمَّ بَرَزَ مِنْ بَعْدِهِ أَخُوهُ عَثْمَانُ بْنُ عَلِيٍّ وَامَةُ أُمِّ الْبَنِينَ بِنْتُ الْخُرَامِ بْنِ خَالِدٍ مِنْ بَنِي كَلَابٍ وَهُوَ يَقُولُ: إِنِّي أَنَا عَثْمَانُ ذُو الْمَفَاخِرِ - شَيْخِي عَلِيُّ ذُو الْفَعَالِ الظَّاهِرِ - وَابْنُ عَمِّ النَّبِيِّ الطَّاهِرِ - أَخِي حُسَيْنٌ خَيْرُ الْأَخَائِرِ - وَسَيِّدُ الْكِبَارِ وَالْأَصَاغِرِ - بَعْدَ الرَّسُولِ وَالْوَصِيِّ النَّاصِرِ - فَرَمَاهُ خَوْلَى بْنُ يَزِيدَ الْأَصْبَحِيَّ عَلِيٌّ جَبِينَهُ فَسَقَطَ عَنْ فَرْسِهِ - وَقِيلَ قُتِلَ عَثْمَانُ بْنُ عَلِيٍّ وَهُوَ ابْنُ أَحَدِي وَعَشْرِينَ سَنَةً وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّمَا سَمَّيْتُهُ بِاسْمِ عَثْمَانَ بْنِ مِظْعُونٍ - (أكبر العبادات صفحہ 280)

پھر اپنے بھائی کے بعد جناب عثمان بن علی میدان جنگ میں نکلے۔ اُن کی والدہ کا نام اُم البنین بنت الخزام بن خالد تھا۔ جو بنی کلاب کے بہادر قبیلے سے تھے۔ وہ یہ کہتے ہوئے حملہ آور ہوئے کہ میں عثمان ہوں۔ طرح طرح کے فخر میرے ساتھ وابستہ ہیں۔ میرا بزرگ والد علی ہے جس کے کارنامے سب پر ظاہر ہیں۔ جو رسول اللہ کے چچا زاد اور پاکیزہ بھائی ہیں۔ اور میرا بھائی حسین تمام بہترین لوگوں کا مرکز ہیں۔ اور تمام چھوٹے بڑے انسانوں کے سردار ہیں۔ اور رسول کے بعد دین کے مددگار اور وصی ہیں۔ خولی بن یزید نے گھات میں بیٹھ کر ایک تیراں کی پیشانی پر مارا جس سے آپ گھوڑے سے زمین پر آ گئے۔ کہا گیا ہے کہ جناب عثمان اکیس سال کی عمر کے جوان تھے۔ حضرت علی نے فرمایا ہے کہ میں نے اُن کا نام اپنے دوست عثمان بن مظعون کے نام پر رکھا ہے۔

(17)۔ حضرت جعفر بن علی حضرت عباس کے ماں جائے بھائی علیہم السلام

ثُمَّ بَرَزَ مِنْ بَعْدِهِ أَخُوهُ جَعْفَرُ بْنُ عَلِيٍّ وَامَةُ أُمِّ الْبَنِينَ وَهُوَ يَقُولُ: إِنِّي أَنَا جَعْفَرُ ذُو الْمَعَالِي - ابْنُ عَلِيٍّ الْخَيْرِ ذِي النُّوَالِ - حُسْبِي بَعْمَى شَرَفًا وَخَالِي - أَحْمَى حُسَيْنًا ذَا النَّدَى الْمُفْضَالَ - ثُمَّ قَاتَلَ فَرَمَاهُ خَوْلَى الْأَصْبَحِيَّ فَاصْبَابَ شَقِيقَتِهِ وَعَيْنَهُ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ - (أيضاً)

پھر اُن کے بھائی جناب جعفر بن علی میدان میں آئے۔ اُن کی والدہ بھی ام البنین تھیں۔ یہ کہہ کر لشکر کا صفایا شروع کیا کہ میں بلند مراتب والا جعفر ہوں۔ میرے والد علی مجسمہ خیر اور سخی ہیں۔ میرے چچا اور خالو تمام صاحبان شرافت و عزت ہیں اور ہم صاحب فضل و بخشش حسین کی حمایت میں تیغ آزمایں۔ گھمسان کی جنگ سے چھٹکارا پانے کے لئے پھر خولی ملعون نے تیر چلایا جو کنپٹی اور آنکھ سے پار نکل گیا۔ اُن پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔

(18)۔ جناب عبداللہ بن علی حضرت عباس کے ماں جائے بھائی علیہم السلام

ثُمَّ بَرَزَ أَخُوهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَلِيٍّ قِيلَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَعَشْرِينَ سَنَةً وَلَا عَقَبَ لَهُ - وَهُوَ يَقُولُ: أَنَا ابْنُ ذِي النِّجْدَةِ وَالْأَفْضَالِ - ذَاكَ عَلِيٌّ الْخَيْرِ ذُو الْفَعَالِ - سَيْفُ رَسُولِ اللَّهِ ذُو النِّكَالِ - فِي كُلِّ قَوْمٍ ظَاهِرُ الْأَحْوَالِ - فَقَتَلَهُ هَانِي بْنُ ثَبِيتٍ الْخَضْرَمِيُّ - (أكبر صفحہ 280)

اُن کے بعد حضرت عبداللہ بن علی مرتضیٰ علیہما السلام میدان کارزار میں نکلے۔ آپ کی عمر پچیس سال تھی۔ آپ نے یہ اشعار پڑھتے ہوئے دشمنان اسلام کا قتل عام شروع کیا: میں بزرگیوں اور فضل و کمال والوں کا بیٹا ہوں اور وہ علی مرتضیٰ ہیں جنکے قابل فخر کارنامے لوگوں کی زبانوں پر جاری ہیں۔ وہ رسول اللہ کی ایسی تلوار تھے جس نے کفر و شرک کے منصوبوں کو تہہ وبالا کر دیا۔ اور دنیا کی تمام اقوام اُن کی کارکردگی پر مطلع ہیں۔ وہ بڑے انہماک اور موت سے بے فکر تیغ زنی کر رہے تھے کہ ہانی بن ثبیت نے دُور سے تیر مار کر شہید کر دیا۔

(19-20)۔ جناب محمد الاصر اور جناب ابراہیم بن علی مرتضیٰ علیہم السلام

وعن نصر بن مزاحم أنَّ محمدًا الاصر بن علي بن ابي طالب أمه أم الولد وعن المدائني ان رجلا من بني ابا نذر قتلته، وعن محمد بن علي بن حمزه أنه قتل يومئذ ابراهيم بن علي بن ابي طالب وامه ام الولد۔ (أكبر العبادات صفحہ 280)

”ان کے بعد محمد الاصر فرزند جناب امیر علیہ السلام لشکر مخالف کے سامنے آئے اور بروایت امام محمد باقر ان کی والدہ کنیز تھیں۔ آپ ایک ملعون تھیں جو فرزند ان ابان بن دارم سے تھا، کی تلوار سے شہید ہوئے۔ ابو الفرج نے محمد بن علی بن حمزہ سے نقل کیا ہے کہ ابراہیم فرزند جناب امیر المومنین بھی معرکہ کر بلا میں شہید ہوئے۔“ (ترجمہ بحار الانوار حصہ اول صفحہ 245 علامہ جزائری)

(الف)۔ ہمیں بھی کچھ کہنا ہے

ہم یہ شکوہ کرتے رہے ہیں کہ ملت شیعہ اور محمد و آل محمد کے دشمنوں نے اُس تمام ریکارڈ کو تباہ کیا اور کوشش کی کہ ہر بات کو مشکوک کر دیا جائے۔ اور جہاں تک ہو سکے یزید اور یزید کے سرپرستوں اور ہم مذہبوں کے جرائم چھپائے جائیں یا کم از کم کر کے دکھائے جائیں۔ کر بلا کی تعداد میں کمی کرنا اور مختلف روایات کی ایجاد سے اُس تعداد کو مشکوک اور مشتبہ کرنا سی پالیسی کا پتہ دیتا ہے۔ چنانچہ وہ علماء جو اس تعداد کو کم کر کے دکھانے میں مدد کرتے رہے ہیں ہم نے اُن کی بھی شکایت کی ہے۔ یہاں یہ کہنا ہے کہ سرکاری علماء نے شہدائے کر بلا کی کل مخلوط تعداد (72) بہتر بہتر بہتر۔ اور شہدائے بنی ہاشم (18) اٹھارہ اٹھارہ پر اس قدر زور دیا کہ آج ہر شیعہ سنی کی زبان پر بہتر اور اٹھارہ ہے اب وہ علماء جو بہتر اور اٹھارہ کو برقرار رکھنے میں کوشاں نظر آئیں۔ جو ہر اُس روایت کو غلط قرار دیں جس میں یہ تعداد بڑھتی ہوئی نظر آئے یقیناً سرکاری علماء میں شمار کئے جائیں گے۔ اس اصول پر مندرجہ بالا دونوں شہدائے بنی ہاشم یعنی محمد الاصر اور ابراہیم پسران علی علیہ السلام کی پوزیشن پر نظر ڈالیں۔ تمام کتابوں میں اُن کو شہدائے کر بلا میں شمار کیا اور لکھا۔ اور خود علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ نے بھی اُن کو شہدائے کر بلا میں شمار کیا اور لکھا مگر ساتھ ہی یہ دُعا بھی لگا دی کہ:-

”ابو الفرج نے محمد بن علی بن حمزہ سے نقل کیا ہے کہ ابراہیم فرزند جناب امیر المومنین علیہ السلام بھی معرکہ کر بلا میں شہید ہوئے مگر یہ ذکر میں نے کسی اور سے نہیں سنا اور نہ کسی انساب میں پایا۔“ (ترجمہ بحار حصہ اول صفحہ 245)

اس دُمدار بیان سے پڑھنے والے شخص پر جو اثر ڈالنا چاہا ہے وہ یہ نہیں کہ حضرت ابراہیم بن علی کی شہادت قاری کے دل میں یقین کے ساتھ قائم ہو جائے۔ یعنی علامہ رضی اللہ عنہ بحار الانوار کے پڑھنے والوں کو نہایت اطمینان سے مشکوک کرنے اور شہدائے کر بلا کی تعداد کم کرنے والوں میں شامل ہیں۔ پھر یہ سوچیں کہ جس دلیل اور جس بنیاد پر شہدائے کر بلا کی تعداد کو کم اور مشکوک کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ:-

(1)۔ علامہ نے کسی اور سے نہیں سنا۔ اور (2)۔ علامہ نے کسی سلسلہ نسب کی کتب میں نہیں دیکھا۔

اہل عقل سوچیں کہ یہ دونوں باتیں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ اگر علامہ پیدا ہی نہ ہوئے ہوتے تو گزشتہ زمانہ کی تاریخ اور واقعات و حقائق پر کیا اثر پڑتا؟ اور اگر علامہ نے کوئی بات، کوئی حقیقت یا کوئی واقعہ نہیں سنا تو کیا یہ مان لیا جائے کہ وہ تمام چیزیں دنیا میں موجود نہیں تھیں

یا موجود نہیں ہو سکتیں جو علامہ نے سُنی یاد رکھی نہ ہوں؟ پھر علامہ رضی اللہ عنہ یہ نہیں کہتے کہ کسی عالم سے نہیں سنا، کسی محدث یا نسب سے نہیں سنا۔ وہ یہ بھی نہیں کہتے کہ انہوں نے سنا چاہا لیکن کوئی نہ سنا سکا، انہوں نے پوچھنا چاہا مگر کوئی بتانہ سکا، بس علامہ نے سنا نہیں۔ یعنی گلی بازار یا دفتر میں کسی نے بھی کسی سے یہ بات نہیں کہی، کہتا تو علامہ سُن لیتے۔ دوسری بات یہ کہ علامہ نے نسب نامہ کی کتاب میں نہیں پڑھا۔ سوال یہ ہے کہ علامہ آج سے تقریباً چار سو سال پہلے کے آدمی ہیں۔ یعنی زمانہ رسول اللہ سے ایک ہزار سال بعد کے آدمی ہیں۔ اُن ایک ہزار سال میں شیعہ ریکارڈ اور شیعوں کے ساتھ کیا کیا ہوا؟ علامہ کو یقیناً معلوم ہوگا۔ انہیں معلوم ہوگا کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی تصدیق شدہ چار سو کتابیں صرف علم الحدیث کی غائب کر لی گئیں؟ انہیں معلوم ہوگا کہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی لائبریری سے اسی ہزار کتابیں حکومت بغداد کے رؤسا اور عہدیداروں میں تقسیم ہو کر شیعوں سے غائب کر لی گئیں؟ انہیں معلوم ہوگا کہ یزید کے جانشین خلفانے چھ سو سال میں شیعوں کے خلاف کتنی نہیں چلائیں؟ انہیں یقیناً معلوم ہوگا کہ تاریخ وحدیث وتفسیر و فقہ و مغازی و مقاتل کی وہ کتابیں جو بلا کسی پابندی کے رائج چلی آئی ہیں وہ کس نے لکھوائیں؟ کن لوگوں نے لکھیں اور ان میں کتنی تبدیلیاں درود بدل ہوتی چلی آئی ہے؟ انہیں یقیناً معلوم ہوگا کہ سرکاری احکام سے شجرے اور نسب نامے بدلے گئے۔ غلط ناموں سے تیار کئے گئے خود رسول اللہ کا اپنا شجرہ نسب یا نسب نامہ بدل کر پیش کیا گیا۔ ان تمام معلوم صورتوں میں علامہ کا یہ کہنا کہ ”نہ کسی کتاب انساب میں پایا“ ستم ظریفی ہے۔ ہمیں یہ حق ہے کہ معلوم کریں کہ علامہ نے نسب پر کون کون سی کتابیں پڑھی تھیں؟ علامہ کی نسب دانی کا کمال اور مذہب شیعہ کی خدمت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ علامہ رضی اللہ عنہ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کا نکاح عمر سے مانتے ہیں اور رسول اللہ کی چار بیٹیاں اور تین بیٹیوں کا کافروں اور منافقوں سے نکاح بھی مانتے اور لکھتے ہیں (حیات القلوب)۔ لہذا ہم علامہ کی صرف وہ بات تسلیم کرتے ہیں جو مذہب شیعہ اور تعلیمات آئمہ علیہم السلام کے خلاف نہ ہو۔

(21)۔ حضرت عبید اللہ بن علی بن ابی طالب علیہم السلام

حضرت علی علیہ السلام کے فرزند عبید اللہ علیہ السلام کی شہادت کو بھی علامہ محمد باقر رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر علما نے محل نزاع بنا کر مشکوک کرنے بلکہ غلط کہنے کی جسارت کی ہے۔ حالانکہ شیعہ آثار و روایات میں سے یہ جملہ خود اُن ہی علما نے لکھا بھی ہے کہ:-

وعن عبید اللہ الطلحی ان عبید اللہ بن علی قُتِلَ مع الحسین علیہ السلام۔ قیل وهذا خطأ وانما قُتِلَ عبید

اللہ بن علی يوم الدار قتله اصحاب المختار۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 280)

”عبید اللہ طحی سے روایت کیا گیا ہے کہ عبید اللہ بن علی بن ابی طالب امام حسین علیہ السلام کے ساتھ (کر بلا میں)

قتل ہوئے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بات غلط ہے اس لئے کہ عبید اللہ بن علی بن ابی طالب تو اُس روز قتل

ہوئے تھے جس دن امیر مختار کے صحابہ قتل کئے گئے تھے۔“ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 280)

یہاں آپ نے دیکھ لیا کہ کر بلا میں حضرت عبید اللہ بن علی مرتضیٰ علیہا السلام کی شہادت بیان کرنے والے راوی کا نام لکھا ہے۔ لیکن اس شہادت کو غلط کہنے والے کے نام کی بھی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ بلکہ اُسے بلا نام و نشان اس لئے غلط مان لیا گیا کہ اس سے شہدائے کر بلا کی

تعداد کم ہوتی تھی اور یہی یزیدی سرکاری پالیسی کی تائید ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ روایت غلط ہے جو شہدائے کربلا کی تعداد گھٹائے یا کسی دشمن اہلیت کو شہدائے اہلیت میں داخل کر کے تعداد بڑھائے۔ لہذا امیر مختار کے ساتھ شہید ہونے کی بات منزل من اللہ نہیں ہے وہ بھی ایک روایت ہوگی اور روایت قبول کرنے کا معیار یہ ہے کہ دشمنان اسلام کی تائید میں روایت نہ ہو۔ اللہ و رسول کے خلاف روایت نہ ہو۔ سرکاری و قومی مذہب کی پالیسی روایت سے صحیح نہ ثابت ہوتی ہو۔

(الف)۔ جھوٹوں کو باہر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں اپنے گھر میں کافی ہیں۔

ہمارے دوست ایک بات غور سے سنیں اور یاد رکھیں تاکہ بوقت ضرورت سندر ہے اور کام آئے۔

1- ثُمَّ بَرَزَ مِنْ بَعْدِهِ أَخُوهُ جَعْفَرُ بْنُ عَلِيٍّ وَأُمُّهُ امُ الْبَنِينِ اَيْضًا وَعَنْ أَبِي الْفَرَجِ أَنَّهُ ابْنُ تِسْعَةِ عَشْرَ سَنَةً۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 280)

ترجمہ: ”پھر اُن کا بھائی جعفر بن علی میدان میں نکلا اور اُن کی ماں بھی ام البنین ہی تھیں اور ابو الفرج نے

لکھا ہے کہ اُن کی یعنی جعفر بن علی کی عمر اُنیس (19) سال تھی۔“

2- ”اور جعفر بن علی اُنیس (19) برس کے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔“

(علامہ محمد باقر کتاب بحار الانوار ترجمہ جزائری حصہ اول صفحہ 245)

اب قارئین و سامعین و ناقدین ہماری بات سنیں کہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی شہادت رمضان 40 ہجری (چالیس ہجری) میں ہوئی تھی۔ اور اس پر علامہ محمد باقر ہی نہیں بلکہ ساری دنیا متفق ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ (معاذ اللہ) شب ضربت آپ کا حمل جناب ام البنین کو رہ گیا تھا۔ تو زیادہ سے زیادہ ماہ رجب 41 ہجری میں جناب جعفر بن علی کو پیدا ہو جانا چاہئے تھا۔ لہذا فرض کر لو کہ وہ پیدا ہو گئے تھے۔ تب انہیں ماہ رجب 60 ہجری میں اُنیس سال کا ہونا چاہئے تھا لیکن وہ ماہ محرم 61 ہجری میں اُنیس سال کے ہوتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ماہ محرم 42 ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ اور اُن کا حمل جناب ام البنین کو ماہ ربیع الآخر 41 ہجری میں رہا تھا۔ یعنی اُس وقت جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی شہادت کو سات آٹھ ماہ ہو چکے تھے۔ مومنین سوچیں کہ اس سے بڑا جھوٹ اور اس سے بڑی گالی اور کیا ہو سکتی ہے جو یہ تاریخ و جغرافیہ و علوم کائنات سے جاہل لوگ دیں گے؟ بتائیے 40 ہجری میں انتقال کرنے والے شخص کا بچہ 61 ہجری میں کس علامائی حساب سے اُنیس سال کا ہوگا؟ جن لوگوں کو جمع تفریق اور ضرب تقسیم حتیٰ کہ سو تک گنتی نہ آتی ہو، اگر وہ علامہ اور مولانا ہو جائیں تو کیا تعجب ہے؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یقین کیجئے کہ حکومت کی طاقت اگر حاصل ہو جائے تو اُن پڑھ، جاہل مطلق لوگ بادشاہ، سلطان اور خلیفہ بن سکتے ہیں۔ اور اُن ہی کے سہارے کورے لٹھ اور احمق لوگ علامہ، مولانا، مرجع الخلاق، ثقہ الاسلام، شیخ الاسلام اور شیخ الطائفہ بن جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اصل کام تنخواہ داروں سے لیا جاتا ہے اور نام علامہ اور بادشاہ کا ہوتا ہے۔ مومنین یقین فرمائیں کہ یہ لوگ گدی نشین تھے۔ جس طرح ایک پیر صاحب کا بیٹا یا ایک بادشاہ کا بیٹا پیر صاحب اور بادشاہ سلامت کے مرنے پر باپ کی گدی پر بیٹھ جاتا ہے اور کوئی مرید یا رعایا کا فرد دم

نہیں مار سکتا۔ اسی طرح یہ لوگ بادشاہ اور علامہ وغیرہ تھے۔ نہ کوئی اُن کا امتحان لینے والا تھا نہ کوئی اُن پر اعتراض و تنقید کر سکتا تھا۔ حکومت کا ڈنڈا یا علم کا عصا ہاتھ میں تھا۔ سزائے موت کے اختیارات زبان کی نوک پر تھے۔ خزانہ اور مال حرام کے انبار پر تصرف حاصل تھا۔ جس کو چاہتے تھے خرید لیتے تھے۔ یہ خرید و فروخت آج بھی جاری ہے اور ہر زمانہ میں جاری رہی ہے۔ حکومت ہی کی طاقت تو ہے کہ ایک جاہل شخص اعلان کرتا ہے کہ قرآن کا وہ ترجمہ غلط ہوگا جو اُس کی پسند کے خلاف ہو۔ ایسی کتاب ضبط کر لی جائے گی جس میں کسی آیت کا ایسا ترجمہ ہوگا جو اُن کی بارگاہ جہالت کی سند نہ رکھتا ہو، یہی ہے؛

جس کی لاشی اُس کی بھینس۔ یعنی ”جس کی حکومت اُس کا قرآن“ اور ہر مولانا و علامہ کا لاشی رکھنا اور لٹھ بندی لازم سمجھنا بھی قابل فہم ہے۔ کیسا کم بخت ہوگا وہ شخص جو رسم علمائی کے لئے لاشی لے کر جائے اور پشاور میں لاشی بھول کر واپس کراچی آجائے اور لاشی یاد نہ آئے؟ اور لاشی پہنچانے کیلئے پشاور سے کسی غریب کو کراچی کا سفر کرنا پڑے۔ یعنی لاشی اس کیلئے مصیبت ہے۔ بہر حال ہم اور تمام محبانِ اہلبیت علیہم السلام اُن جہلا اور خلفاءِ علما کے محتاج نہیں ہیں۔ ہم اپنے مذہب اور مذہبی ریکارڈ پر فخر کرتے ہیں۔ ہم چٹکی بجاتے ہی حق و باطل الگ الگ کر دیتے ہیں۔ ہمیں یہ سرکاری ریکارڈ اور یہ سرکاری علما فریب نہیں دے سکتے۔

(22)۔ حضرت عباس بن علی بن ابی طالب علیہم السلام

(23)۔ حضرت علی اکبر بن حسین علیہما السلام

(24)۔ حضرت احمد بن حسن علیہما السلام

(25)۔ حضرت قاسم بن حسن علیہما السلام

(26)۔ گوشتاروں والا بچہ علیہ السلام

(27)۔ حضرت علی اصغر شیر خوار علیہ السلام

(28)۔ حضرت عبداللہ بن حسن علیہما السلام

(29)۔ حضرت امام حسین علیہ السلام

ان حضرات علیہم السلام کی شہادتیں اپنی خصوصیات اور روح فرسا حالات کی بنا پر الگ الگ لکھی جائیں گی۔

نوٹ: واضح رہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے چھ فرزندوں میں سے حضرت علی الاعلیٰ عرف زین العابدین علیہ السلام کے علاوہ باقی پانچ صاحبِ زادے میدانِ کربلا میں شہید ہوئے تھے۔ اور اس سرکاری ریکارڈ میں صرف حضرات علی اکبر و علی اصغر علیہما السلام کا ذکر ملتا ہے۔ باقی تین صاحبِ زادے:-

(30)۔ علی الاوسط عرف محمد علیہ السلام

(31)۔ علی الثالث عرف جعفر علیہ السلام

(32)۔ علی الرابع عرف حسن علیہ السلام

شہید ہونے کے باوجود سرکاری علما نے اپنے اشاروں کنایوں میں چھپائے۔ مثلاً ایک گوشواروں والا بچہ کہہ کر نام غائب کیا۔ ایک کی جگہ حضرت قاسم کو چھوٹا بچہ بنا کر دکھادیا۔ حالانکہ وہ عاقل و بالغ و جوان تھے اور ایک کو ابو بکر فرزند حسن بنا دیا۔ حالانکہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے صرف تین صاحبزادے شہید ہوئے اور عبد اللہ بن مسلم علیہ السلام کی باقاعدہ جنگ دکھا کر (ترجمہ بحار صفحہ 238) پھر عبد اللہ بن مسلم کو ایک بچہ معصوم بنا کر دوبارہ شہید کر دیا (ایضاً صفحہ 250) یعنی اس طرح تین شہدائے کرام کی تعداد کو کم کر دیا گیا۔ لہذا مومنین میدان کربلا میں اولاد ابوطالب علیہ السلام کے شہدائے کرام کی تعداد کو اٹھارہ کے بجائے تیس (32) سمجھیں اور جھوٹوں پر حسب الحکم لعنت کرتے رہیں۔

موجودہ ریکارڈ سے شہدائے کربلا کی تعداد

شہدائے کربلا کی تعداد پر علما نے بہت کچھ لکھا بڑی تحقیق کی لیکن پبلک تک جو کچھ پہنچا وہ یہ ہے کہ کربلا میں کل بہتر حضرات کی شہادت ہوئی تھی۔ جن میں اٹھارہ بنی ہاشم بھی تھے۔ لیکن اُسی لٹے پٹے اور بچے کچھے ریکارڈ سے کل تعداد (158 = 126 + 32) ایک سو اٹھاون نام بنام آپ کے سامنے ہے۔ اور اگر حملہ اولیٰ میں شہید ہونے والوں اور غیر معروف شہدائے کرام کے نام معلوم ہو سکتے تو یہ تعداد اتنی ہی ہو جاتی جتنی کہ حقیقی مومنین کی تعداد جنگ بدر میں تھی۔ یعنی اگر تین سو تیرہ میں سے وہ منافق نکال دیئے جائیں جو مہاجرین و انصار میں سے ملے جلے موجود تھے (تفہیم جلد صفحہ 48 مودودی) تو سرفروشان بدر کی تعداد کے برابر شہدائے کربلا کی تعداد بنتی ہے۔ لیکن تعداد معلوم ہو یا نہ ہو یہ معلوم ہے کہ امام حسینؑ بھی محمدؐ تھے۔ اور اُن بارہ محمدوں میں اختلاف ناممکن ہے۔ لہذا تعداد میں بھی اختلاف ناممکن تھا۔

41۔ شہادت حضرت عباس علیہ السلام

(1)۔ حضرت عباس علیہ السلام سے تعارف: حضرت عباسؑ کو امام حسین علیہ السلام اپنے لئے ایک علامہ اور ذخیرہ فرمایا کرتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے کربلا کی پیشین گوئی کو پروان چڑھانے کے لئے اپنے حصے کی جو خدمات انجام دی تھیں اُن میں سے ایک یہ تھی کہ وہ انصار ابن حسینؑ مظلوم میں شامل ہونے کے لئے ایک محسوس و مادی انتظام کر گئے تھے۔ یعنی اپنی شہادت کے بعد عباسؑ کی صورت میں موجود رہنے کا بندوبست کر دیا تھا تا کہ اہل کربلا حیدر کرار کو ہر وقت اپنے سامنے اور اپنے ساتھ پائیں۔ لہذا انہوں نے عرب کے ایک مشہور ترین بہادر خاندان کو کربلا کے لئے اپنا مددگار بنایا۔ حضرت ام البنین کی صورت میں اُس خاندان کی تمام صفات و شجاعت کو اپنے گھرائے اور انہیں بتایا کہ ہمیں فرزند رسولؐ حسینؑ کے لئے ایک ایسا وفا پرست بہادر خدمتگار فراہم کرنا ہے جیسا کہ حضرت ابوطالبؑ اور فاطمہ بنت اسدؑ نے جناب محمدؐ مصطفیٰ کے لئے تیار کیا تھا۔ اس طرح اللہ نے تمام حیدری صفات و شجاعت و وفا و تسلیم و رضا کا ایک مجسمہ حضرت عباسؑ کی صورت میں عطا کیا۔ اور پھر اُن کی تائید و تقویت کے لئے حضرت ام البنینؑ کو مسلسل تین بیٹے اور عطا کئے۔ یہ تھا وہ ذخیرہ خداوندی جو علی مرتضیٰ اور حضرت ام البنینؑ نے جمع کیا تھا اور بروقت امام حسینؑ کو سونپ دیا تھا۔ چونکہ یہ ذخیرہ معجزاتی تدبیر اور پیش بینی کا ایک چلتا پھرتا ثبوت تھا۔ اس لئے اس کو علامہ، نشان اور معجزہ قرار دیا گیا۔ اس لئے بھی کہ حضرت علیؑ علیہ السلام نے جو کچھ سوچا تھا اور جو امیدیں قائم کیں وہ تمام حضرت علیؑ کی زندگی ہی میں بے نقاب ہو چکی تھیں۔

حضرت عباس علیہ السلام جناب امام کو اپنا آقا اور مالک سمجھ کر نقل و حرکت کرتے تھے۔ اُن کی زبان سے کبھی کسی نے امام کے لئے لفظ بھائی نہیں سنا تھا۔ اُنہوں نے ہمیشہ سر جھکا کر سامنے آنے کی پابندی کی تھی۔ وہ کبھی امام حسین علیہ السلام کی موجودگی میں بلند آواز سے نہ بولتے تھے۔ جہاں قلب کے ساتھ سر جھکا رہتا تھا وہیں دونوں ہاتھ بندھے رہتے تھے۔ آپ کو امام کے رُوبرو تو کہاں ویسے بھی کبھی ہنستا ہوا نہیں دیکھا گیا تھا۔ آپ اسم بامسٹی تھے۔ سوتے ہوئے بھی چہرے کے رعب و جلال کا یہ عالم ہوتا تھا کہ دیکھنے والے کو اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں نگاہ کا بار پڑنے سے جاگ نہ جائیں۔ حُسن و جمال میں آپ نے خدیجۃ الکبریٰ سے لے کر فاطمہؓ ہر اہل تک اور حضرت ہاشمؓ سے لے کر محمد مصطفیٰؐ، علی مرتضیٰؑ اور حسنؑ مجتبیٰؑ تک سب سے منتخب حصہ پایا تھا۔ خانوادہ نبوتؐ ہی کو نہیں بلکہ ہر دیکھنے والے فرد کو آپ کے چہرہ میں اُمید و تمنا کا پیغام ملتا تھا۔ اُنہیں دیکھ کر ڈھارس بندھتی تھی، ہمت و طاقت ملتی تھی۔ اسی لئے مالک کائنات امام علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ بھائی تمہاری جدائی سے میری کمر ٹوٹ گئی، میں بے سہارا رہ گیا۔ بھیا تمہارا موجود ہونا دشمنوں پر دبدبہ اور خوف قائم کئے ہوئے تھا۔ تمہارے بعد وہ مجھے تنہا سمجھ لیں گے اور اُن کی جراتیں بڑھ جائیں گی۔

(الف)۔ حضرت اُم البنین کے خاندان کا اثر و رسوخ

اُم البنین کا نام بھی فاطمہؓ تھا۔ اُن کے والد حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر الوحید بن کلاب تھے۔ اُن اور اُنکے آباؤ اجداد کی عظمت پورے عرب میں تسلیم کی جاتی تھی۔ اپنے زمانہ کا جلیل القدر شاعر لُبید بن ربیعہ تھا۔ جس کا ایک قصیدہ اُن سات قصیدوں میں سے تھا۔ جن کو لا جواب سمجھ کر خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا تھا اور جو آج بھی دنیا کے ادب و شاعری کا سلطان ہے۔ بادشاہ حیرہ کے دربار میں اسی شاعر نے بادشاہ نعمان بن منذر کو مخاطب کر کے اپنے بزرگوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ:-

نَحْنُ بَنُو أُمِّ الْبَنِينِ الْأَرْبَعَةِ - وَنَحْنُ خَيْرُ عَامِرٍ مِنْ صَعْصَعَةٍ - الضَّارِبُونَ الْهَامَ وَسُطُ الْمَجْمَعَةِ -

”ہم لوگ اُم البنین کے چار بیٹے ہیں۔ اور ہم خاندان عامر بن صَعْصَعَة کی نسل کے بہترین افراد ہیں۔

وہ افراد جو فوجوں کی بھیڑ میں گھس کر کھوپڑیوں پر ضربیں لگاتے ہیں۔“

نعمان بن منذر ایسے متکبر بادشاہ اور اُس کے اہل دربار نے اس فخریہ بیان پر کوئی اعتراض نہ کر کے اس خاندان کی شجاعت پر سند دیدی۔ اور دیکھنے کے حضرت علی علیہ السلام کا انتخاب کیسا رہا۔ یعنی اُم البنین نام کی خواتین اس خاندان میں ہمیشہ شجاعت کو جنم دینے اور پال پوس کر پروان چڑھانے میں شہرت عام رکھتی تھیں۔ پھر یہ دیکھنے کے بادشاہان حیرہ پر ہی نہیں بلکہ اُس خاندان کی عزت و عظمت بنی امیہ تک اثر اندازی کرتی چلی آرہی تھی۔ چنانچہ کوفہ میں اُم البنین کے خاندان کا ایک شخص، جسے حضرت اُم البنین کا بھتیجا بھی کہا گیا ہے، رہتا تھا۔ جس کا نام عبد اللہ بن ابی الملح بن حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر الوحید بتایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص معززین اہل کوفہ میں سے سرکاری آدمی تھا۔ جس وقت ابن زیاد نے شمر کو وہ خط دیا تھا جس میں عمر سعد کو معزول کرنے کی دھمکی دی تھی اور امام حسینؑ کو قتل کرنے کا آخری حکم لکھا تھا۔ اُس وقت مذکورہ بالا عبد اللہ، ابن زیاد کے پاس بیٹھا تھا۔ اس نے ابن زیاد سے کہا تھا کہ حسینؑ کے ساتھیوں میں میرے خاندان کی لڑکی اُم البنین کے چار بیٹے بھی شامل ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اُن کو قتل کے حکم سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ چنانچہ ابن زیاد نے ایک

امان نامہ لکھ کر شمر ہی کے ہاتھ ارسال کر دیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ امان نامہ عبداللہ نے خود اپنے غلام بنام کزمان کے ہاتھ روانہ کیا تھا۔ اور اتفاق سے یہ شمر ملعون بھی اسی خاندان سے ہونے کا مدعی تھا اور اُس نے بھی کربلا میں آتے ہی خیام حسینی کے قریب آ کر کہا تھا کہ کہاں ہیں ہماری بہن کے بیٹے عباسؑ اور عبداللہؑ و جعفرؑ و عثمانؑ؟ یہ سُن کر چاروں بھائی سامنے آئے اور مقصد معلوم کیا۔ شمر نے کہا کہ آپ لوگ امان میں ہیں۔ حضرت عباسؑ نے جواب دیا کہ تمہاری امان پر اور امان دینے والے پر لعنت ہے۔ ہم کو تو امان ہے اور فرزند رسولؐ کو امان نہیں ہے؟ شمر ملعون شرمندہ واپس چلا آیا۔ سنا ہے کہ پھر وہ غلام امان نامہ لے کر پہنچا تو اُسے جواب دیا گیا کہ ہمارے بھائی عبداللہؑ کا شکریہ ادا کرنا اور کہنا کہ ہمیں اللہ کی امان کافی ہے، ابن زیاد کی امان درکار نہیں ہے۔

(2)۔ حضرت عباس علیہ السلام کا سن و سال و تربیت: آپ 26 ہجری میں پیدا ہوئے اور چودہ سال حضرت علی علیہ السلام کی تعلیم و تربیت میں پورے کئے۔ 40 ہجری میں باپ کا سایہ سر سے اٹھا تو دس برس اپنے بھائی اور امام زمانہ حضرت حسن علیہ السلام کی توجہ اور صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ 50 ہجری میں برادر بزرگ نے شہادت پائی تو اب خالصتاً اپنے آقا و مولا کا دامن تھام لیا۔ کربلا میں آپ اپنی عمر کے چونتیسویں (34) سال کو مکمل کر چکے تھے۔ یہاں مومنین پھر یہ نوٹ فرمالیں کہ کربلا میں امام حسن علیہ السلام کا کوئی بیٹا دس سال سے اور حضرت علی علیہ السلام کا کوئی بیٹا بیس سال سے کم نہیں ہونا چاہئے۔ ہر وہ روایت قلم زد کر دینا چاہئے جس میں اس حقیقت کے خلاف نظر آئے۔

(3)۔ حضرت عباس علیہ السلام شہادت سے پہلے: اگر مدینہ سے روانگی کا نظارہ آنکھوں کے سامنے ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ وہی پہلادان تھا جب جناب عباس علیہ السلام کو امامؑ نے اپنا علم سونپا تھا اور آپ اہل حرمؑ کے نمائندہ کی حیثیت سے کاروان کربلا کو لے کر چلے تھے۔ وہ حضرت عباسؑ ہی تھے جن کی معرفت ہر ملاقاتی امام علیہ السلام سے ملاقات کرتا تھا۔ اور اگر امام علیہ السلام کسی سے ملاقات کے لئے جاتے تھے تو حضرت عباسؑ اور علی اکبرؑ سایہ کی طرح ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ کربلا کے قیام میں پورے کیمپ کا انتظام حضرت عباسؑ کے ذمہ تھا۔ آپ کے ماتحت ہر شعبہ کے فداکار منتظم موجود تھے۔ لیکن امامؑ کے حضور حضرت عباسؑ ہی جوابدہ اور ذمہ دار تھے۔ چونکہ نہر فرات کیمپ سے دُور تھی اس لئے پانی کا اسٹاک رکھنا اہم ترین ذمہ داری تھی۔ گرمی کا موسم تھا عورتوں، کم سن بچوں اور شیرخوار بچوں کا ساتھ تھا۔ اور سب کی مختلف ضروریات فراہم کرنا آپ ہی کے ذمہ تھا۔ اوائل ذی الحجہ سے یکم محرم تک پانی پر کوئی تصادم نہیں ہوا تھا۔ لیکن دو محرم سے چھٹی محرم تک گھمسان کی جنگ کر کے پانی لایا جاتا رہا۔ پانی پر جنگ میں جو انصار شہید ہوئے اُن کے نام بھی شہدا کی فہرست میں نہیں ہیں۔ یہ پانی ہی کی دقت تھی جسے دُور کرنے کے لئے حضرت عباسؑ آخری سانس تک مصروف رہے۔ اُسی پانی کی وجہ سے سقائے سیکنہ کا لقب ملا تھا۔ اور پانی ہی تھا جس کی وجہ سے باقی شہدا سے بہت دُور قیام فرمایا۔

وہ عباسؑ ہی تھے کہ اگر دشمنوں کی افواج میں گھر جانے والے بہادروں کو بچا کر واپس لانا منظور ہوتا تھا تو امامؑ انہیں حکم دیتے تھے اور آپ فوج کا سینہ چیر کر، بلا ایک زخم کھائے سب کو بچا کر لے آتے تھے۔ چنانچہ جناب عمر بن خالد صیداوی اور اُن کے ساتھیوں کو

آن کی آن میں فوجوں کو بھگا کر واپس لے آئے تھے۔ اسی قسم کے مواقع ہوتے تھے جہاں حضرت عباسؓ کو کھل کر لڑنے اور حملہ کرنے کی چھوٹ ملتی تھی۔ ورنہ امامؑ کی طرف سے کوئی نہ کوئی پابندی لگی رہتی تھی۔ ذرا سوچئے کہ ایک ہاتھ میں علم ہو تو تلوار چلانا آسان کام نہیں۔ علم کے پھریرے کا لہرانا؛ گھوڑے کو کاوا دینے اور موڑنے میں علم پر ہوا کا دباؤ آزادی اور ہنرمندی سے تلوار چلانے میں برابر حارج رہنا لازم تھا۔ پھر داہنے ہاتھ سے جیسے کیسے تلوار چلا بھی لی جائے تو دشمن کے وار کو روکنے کا تو کوئی فنی طریقہ نہیں تھا۔ ڈھال یا سپر پر تلوار روکی جاتی ہے۔ اُسی سے نیزے اور برجھی کا وار روکا جاتا ہے۔ وہاں ڈھال کیسے کام دے سکتی تھی۔ پھر نو جوانان بنی ہاشمؑ اور اکثر انصار کے پاس زرہ و بکتر اور خود بھی نہ تھا۔ سادہ کپڑوں سے تیروں، تلواروں اور نیزوں کی بوچھاڑ میں کود پڑتے تھے۔ حقیقت اسکے سوا کچھ نہیں کہ یہ حضرات صرف حصول شہادت کا شرعی بہانہ ڈھونڈنے نکلتے تھے۔ اور جناب عباسؓ کو تو لڑنے اور دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ہی نہ دیا گیا۔ جب بھی کوئی فیصلہ کن حملہ کیا بھائی کی آواز آئی بھئی یہ لوگ ظالم و بے رحم ہیں لیکن تم تو رحمۃ للعالمین کے بیٹے ہو۔ جسم کا خون گرم بھی نہ ہونے پاتا تھا کہ بلا لئے جاتے تھے۔ فَإِنَّ الْعَبَّاسَ، عَلَى مَانَقَلِهِ ثِقَاتٍ وَاثْبَاتٍ عَنْ كِتَابِ الْمُقْتَلِ لِلْمَحْدُثِ الْحَاقِقِ ابْنِ عَصْفُورِ الْبَحْرَانِيِّ، قَدْ قُتِلَ مِنَ الْأَعْدَاءِ وَالْكَفَّارِ خَمْسَةٌ وَعَشْرِينَ الْفَأَمْنَهُمْ - فَهُؤُلَاءِ غَيْرُ الْمَجْرُوحِينَ بِيَدِهِ - وَقُتِلَ سَائِرُ الْمُسْتَشْهِدِينَ بَيْنَ يَدَيِ الْأَمَامِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْعَتَرَةِ الْهَاشِمِيَّةِ خَمْسَةٌ وَعَشْرِينَ الْفَأَمْنَهُمْ وَقَدْ قُتِلَ الْأَمَامُ عَلَيْهِ السَّلَامُ رُوحِي لَهُ الْفِدَاءُ ثَلَاثُمِائَةَ الْفِ وَثَلَاثِينَ الْفَأَمْنَهُمْ وَكَانَ عَدَدُ جَمِيعِ عَسْكَرِ ابْنِ زِيَادٍ أَرْبَعًا مِائَةً الْفِ وَ سِتِّينَ الْفَأَمْنَهُمْ بَقِيَ مِنْهُمْ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْمَعْرَكَةِ الْأَثْمَانُونَ الْفَأَمْنَهُمْ - (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 331)

ایسے اتفاقیہ حملوں میں بھی آپؑ نے بقول جناب علامہ محدث ابن عصفور بحرانی پچیس ہزار (25000) ملائین کو قتل کیا زخمیوں کا شمار اس سے الگ ہے۔ اور باقی شہدائے بنی ہاشمؑ اور انصار نے مل کر پچیس ہزار (25000) دشمنان دین کو واصل جہنم کیا۔ اور تنہا امام حسینؑ علیہ السلام نے تین لاکھ تیس ہزار (3,30,000) شامیوں کو تہ تیغ کیا۔ جبکہ یزیدی فوج کی کل تعداد چار لاکھ ساٹھ ہزار (4,60,000) تھی۔ جن میں سے معرکہ کربلا کے بعد کل اسی ہزار افراد باقی بچے تھے۔“

یہاں دو باتیں بالکل واضح ہیں اوّل یہ کہ اگر ان حضرات کو اپنا وعدہ پورا کرنا منظور نہ ہوتا تو ساری دنیا کے انسان مل کر بھی انہیں شکست نہ دے سکتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح فضائل محمدؐ و آل محمدؐ کو علمائے اپنی عقلی حدود اور گرفت سے باہر دیکھ کر ان میں کتر بیونت کی ہے اور ان تمام احادیث کا انکار کر دیا ہے جن میں کوئی ایسی فضیلت تھی جو ان کے خالص معیار سے بلند ہو۔ اُسی طرح انہوں نے اوّل تو ان لوگوں کی تعداد لکھی ہی نہیں جو شہدائے کربلا کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور اگر کسی نے غلطی سے تعداد لکھ دی تو اُس نے اسی قدر لکھا جتنا خود ان کے اپنے لئے ممکن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کو شہادتیں ملیں گی، یہ لکھا ہوا ملے گا کہ فلاں نے بڑی شدید جنگ کی (قَتَلَ قِسَالًا شَدِيدًا) مگر ان کے ہاتھ سے کسی ایک کا قتل ہونا بھی نہ ملے گا۔ پلٹ کر وہ بیانات دیکھیں جو ہم نے ان کے ترجمہ کی صورت میں پیش کئے ہیں اور اب خود حضرت عباسؓ کی شہادت میں دیکھ لیں کہ دشمنوں کے مقتولوں کی تعداد حتی الوسع غائب کرنے کی کوشش صاف معلوم ہوگی۔ آئیے علامہ در بندی کے قلم سے سنئے۔

(4)۔ برادران حضرت عباسؓ کی شہادت سرکاری علما کا طرز بیان

قال الشيخ المفيد في الارشاد ولما رأى العباس كثرة القتل في اهله قال لاخوانه من أمه وهم عبد الله وجعفر وعثمان، يا بني أُمِّي تقدموا حتى أريكم نصحتهم لله ولرسوله فانكم لا ولد لكم فتقدم عبد الله فقاتل قتالاً شديداً - فاختلف هو وهاني بن ثابت الخضر مي بضر بتين فقتله هاني فتقدم بعده جعفر بن علي فقاتل فقتله ايضاً هاني وتعمد خولي بن يزيد الاصبحي عثمان بن علي وقد قام مقام اخوته فرماه فصرعه وشد عليه رجل من بني دارم فاجتزأ راسه -“ (اكسير العبادات - صفحہ 318)

”شيخ مفيد نے اپنی کتاب ارشاد میں لکھا ہے کہ جب عباسؓ نے اپنے گروہ کے قتل ہو جانے والے لوگوں کی کثرت کو دیکھا تو اپنے مادر زاد بھائیوں عبد اللہؓ، جعفرؓ اور عثمانؓ سے کہا کہ اب تم جنگ کے لئے آگے بڑھو تاکہ میں تمہیں اللہ اور رسولؐ کے سامنے پیش کر سکوں اور تمہارے پیچھے تو کوئی اولاد بھی نہیں ہے۔ چنانچہ عبد اللہؓ آگے بڑھے اور بہت سخت جنگ کی اسی دوران ان میں اور ہانی بن ثابت حضری میں تلوار کی دو چوڑوں کی رد و بدل ہوئی تو ہانی نے عبد اللہؓ کو قتل کر دیا۔ ان کے بعد جعفرؓ میدان میں آئے وہ بھی ہانی سے لڑے۔ ان کو بھی ہانی نے قتل کر ڈالا۔ پھر عثمانؓ میدان میں آئے اور جعفرؓ کی جگہ کھڑے ہوئے تو انہیں خولی بن یزید اصبحی نے اُلجھالیا اتنے میں بنی دارم کے ایک شخص نے تیر مارا اور عثمانؓ کا سر کاٹ لیا۔“

(5)۔ کیا ہم نے غلط کہا تھا؟

یہ بیان پڑھنے سے جو تصور قائم ہوتا ہے وہ جناب علامہ در بندی کے الفاظ میں سننے کے قابل ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔

”فإن طريفة أكثر الرثاء وذاكرى المصائب في ذلك الباب غير مرضية بل لو فتشت كيفية قرائتهم وذكرهم المصائب لوجدت أنهم كأنهم يقرؤون طروس فتوحات بنى أمية وبنى زياد لعنهم الله أي رضي أبو الفضل العباس؟“ (اكسير العبادات - صفحہ 332)

”بلاشبک وشبہ اکثر ذاکروں اور مرثیہ خوانوں کا اس سلسلے میں بہت ہی ناپسندیدہ طریقہ ہے۔ چنانچہ اگر تم تحقیق و تفتیش کرو گے تو تم ان لوگوں کو ایسے حال میں پاؤ گے کہ گویا وہ بنی امیہ اور ابن زیاد کی اولاد کی فتح اور شجاعت کی داستان کہہ رہے ہیں۔ کیا اس سے ابو الفضل العباسؓ خوش ہوں گے؟“

چنانچہ شیخ مفید کا مندرجہ بالا بیان سو فیصد اس کی مثال ہے۔ حضرت عباسؓ کے تین بھائیوں کو دو آدمیوں کے ہاتھ سے قتل کر دینا اور ان دونوں میں سے کسی ایک کے ایک زخم تک نہ آنا کس طرف کا کمال ہے؟ اس بیان سے کون خوش ہوگا؟ بنی امیہ یا اولاد فاطمہؓ؟ پھر قتالاً شديداً مصرعہ طرح یہاں بھی موجود ہے۔ مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ ایک آدمی نے علیؑ کے دو بیٹوں کو کھانے لگا دیا۔ اس میں قتالاً شديداً کس نے کیا اور قتالاً خفيفاً و قتالاً ذليلاً کس کے حصہ میں آیا؟ انا لله وانا اليه راجعون۔

ہمیں ان حضرات کی لکھی ہوئی عبارتوں کا ترجمہ پیش کرنا پڑتا ہے۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم چودہویں صدی میں پیدا ہوئے۔ اور ہمیں جو کچھ ملا وہ ان حضرات کا پس خوردہ ہے۔ اگر کہیں کہیں اور کبھی کبھی بیچ میں حقیقی علمائے شیعہ دخل اندازی نہ کرتے رہتے تو آج واقعی بنی امیہ اور ان کے سرپرستوں کا مذہب و مسلک ہوتا۔

(6)۔ حضرت زہیر بن قین آگ پر تیل ڈالتے ہیں

وفی نقل آخرانہ قیل آتی زہیر الی عبد اللہ بن جعفر بن عقیل قبل أن یقتل۔ فقال له یا اخی ناولنی الرّایہ فقال له عبد اللہ أوفی قصور عن حملها؟ قال لا۔ ولكن لی بہا حاجة۔ قال فدفعها الیہ واخذ ہازہیرو آتی فجاءہ العباس بن علی وقال یابن امیر المؤمنین اُرید أن احدثک بحدیث وعیتہ فقال حدّث فقد جلا وقت الحدیث۔ حدّث ولا حرج علیک فانما تروی لنا متواتر الاسناد؟ فقال له اعلم یا ابا الفضل انّ اباک امیر المؤمنین علیہ السلام لَمَّا اراد أن یتزوَّج بامک ام البنین بعث الی اخیہ عقیل وكان عارفاً بانساب العرب۔ فقال علیہ السلام یا اخی اُرید منک أن تخطب لی امرأة من ذوی البیوت والحسب والنسب والشجاعة لکی اصیب منها ولداً یكون شجاعاً وعضداً ینصر ولدی هذا و اشارا لکی الحسین لیواسیہ فی الطف کربلا وقد اد خَرک ابوک لمثل هذا البوم فلا تقصر عن حلائل اخیک وعن اخواتک۔ قال فارتعد العباس وتمطی فی رکابہ حتی قطعہ وقال یازہیر تشجعنی فی مثل هذا البوم واللہ لا رینک شیئاً ما رأیتہ قط..... (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 318)

حضرت زہیر نے ایک اسکیم بنائی اور وہ عبد اللہ بن جعفر بن عقیل کے پاس آئے جو اُس وقت علم اُٹھائے ہوئے تھے اور کہا کہ بھائی جان یہ علم مجھے دیدو۔ عبد اللہ نے پوچھا کہ کیوں کیا مجھ میں کوئی عیب نظر آ رہا ہے؟ عرض کیا کہ یہ بات نہیں بلکہ مجھے علم سے ایک کام لینا ہے۔ چنانچہ انہیں پرچم مل گیا۔ وہ علمدار کی صورت میں جناب عباس کے پاس آئے اور کہا کہ اے امیر المؤمنین کے فرزند میں آپ کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں۔ فرمایا ہاں ضرور سناؤ۔ حدیث سننے کے لئے یہ بہترین وقت ہے اور تم تو صحیح سند کے ساتھ حدیث سناتے ہو۔ لہذا کوئی حرج نہیں ہے۔ زہیر بن قین نے عرض کیا کہ ایک دن حضرت علی نے اپنے بھائی عقیل کو بلایا اور بتایا کہ مجھے حسین کے لئے ایک ایسے بیٹے کی ضرورت ہے جو بے مثل بہادر ہو۔ انتہا درجہ کا اطاعت شعار ہو جو مجسمہ وفا و فداکاری ہو اور حسین کے لئے کربلا میں خدمات انجام دے اور اُن پر خود کو قربان کر دے۔ لہذا تم عرب کے کسی عالی حسب و نسب و شجاع خاندان کی لڑکی سے میرا پیغام دو۔ اس مرتضوی اسکیم کے ماتحت امیر المؤمنین نے ام البنین سے نکاح کیا تھا۔ یوں تمہیں اپنی طرف سے ذخیرہ کر کے پال پوس کر جوان کیا تھا، آج وہ دن آ گیا ہے۔ اُمید ہے کہ تم امام حسینؑ اپنے بھائی علیہ السلام کی ازواج اور خود اپنی بہنوں اور خاندان رسولؐ کے بچوں کے تحفظ میں کوئی کسر اُٹھانہ رکھو گے۔ یہ سنا تو حضرت عباسؑ جوش نصرت و محبت سے لرز گئے۔ اور رکاب میں وزن دیکر انگڑائی لی تو دونوں رکابیں ٹوٹ گئیں اور کہا کہ بھائی زہیر تم مجھے شجاعت کا سبق دے رہے ہو۔ جزاک اللہ میں انشاء اللہ آپ حضرات کو آج وہ کچھ کر کے دکھاؤں گا جو تم نے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ زہیر خوش ہو گئے ہوں گے۔ مجمع میں ہمت و جرأت کئی گنا ہو گئی ہوگی۔ یہ خبر امام کو بھی ضرور پہنچی ہوگی۔ عباس تو علیؑ تھے۔ آپ تو زہیر کی فکر و غلوں کی داد دیں۔

(7)۔ حضرت عباسؑ کی رخصت کا ایک نظارہ؛ بھائیوں میں باتیں

وفی بعض التالیفات اصحابنا انّ العباس لَمَّا رآی وحدتہ آتی اخاہ وقال یا اخی هل من رخصتہ فبکی الحسین بُکاءً شدیداً حتی ابتلت لحيته بالدموع وقال یا اخی كُنْتُ العلامة من عسکری ومجمع عددنا فاذا انت غدت و ت یؤل جمعنا الی الشتات و عمارتنا تنبعث الی الخراب۔ فقال العباس فداک روح اخیک یاسیدی قد ضاق صدري من حیوة الدنيا وأُرید أن اخذ

الغار من هؤلاء المنافقين۔ فقال الحسين اذا غدت الى الجهاد فاطلب لهؤلاء الاطفال قليلاً من الماء۔ قال فلما اجاز الحسين عليه السلام اخاه العباس للبراز۔ برز كالجبل العظيم وقلبه كالطود الجسيم لانه كان فارساً هماماً وبطلاً ضرغاماً وكان جسوراً على الطعن والضرب في ميدان الكفاح والحرب۔ (أكسير العبادات في اسرار الشهادات۔ صفحہ 318)

”ہمارے بزرگوں کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جب جناب عباس علیہ السلام نے اپنے بھائی کی تنہائی کی شدت محسوس کی تو بھائی کے پاس حاضر ہوئے۔ اور ہمت کر کے عرض کیا کہ کیا مجھے جنگ کی رخصت مل سکتی ہے؟ امام پہلے ہی سمجھ چکے تھے۔ یہ سن کر بے تحاشہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، آواز رک گئی، یہاں تک کہ آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہو گئی۔ سنبھل سنبھل کر فرمایا۔ بھائی تم تو جانتے ہو کہ میں تمہاری جدائی برداشت کرنے کی طاقت فی الحال نہیں رکھتا۔ پھر یہ بھی تو سوچو کہ تم تو میرے لئے اور میری فوج کے لئے ایک خدائی علامت ہو۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارا وجود ہمارے تمام انصار و اقربا اور حرم رسول کے لئے باعث طمانیت اور یک جہتی ہے۔ جب تم نہ ہو گے ہمارے ساتھیوں کے دلوں میں کمزوری اور انتشار پیدا ہو سکتا ہے۔ اور ہماری یگانگت و یکسوئی کی یہ عمارت زمین بوس ہو سکتی ہے۔ حضرت عباس امام کے روبرو دوبارہ نہ بولتے تھے۔ مگر وقت نے مجبور کیا تو عرض کیا کہ حضور میرا دل اب زندگی سے قطعاً اکتا چکا ہے۔ برداشت کی قوت جواب دے چکی ہے۔ اگر اجازت مل جائے تو میں اُن مصنوعی مسلمانوں سے اپنے تمام شہدائے انتقام لے لوں۔ مطلب یہ تھا کہ ذرا کھل کر جنگ کر لوں اور دشمن کے کمپ میں بھی اندھیرا کر دوں تو پھر سوچوں کہ زندہ رہوں یا نہ رہوں؟ امام بھائی کا ارادہ سمجھ رہے تھے۔ اور جانتے تھے کہ اگر عباس کو غیر مشروط انتقام لینے کی اجازت دے دی تو تاریخ کا دھارا بدل جائے گا۔ لہذا سوچ کر فرمایا کہ اچھا بھائی دیکھو جب تم میدان جہاد میں پہنچو تو پہلا کام یہ کرنا کہ ان ننھے ننھے بچوں کے لئے اُن لوگوں سے تھوڑا پانی لے لینا۔ حضرت عباس نے اس مشروط اجازت کو بھی غنیمت سمجھا اور وہاں سے اس طرح دشمن کی طرف چلے جیسے کوئی عظیم الشان پہاڑ اپنی جگہ سے چلے اور زمین میں گر گڑا ہٹ اور زلزلہ آجائے اور پہلو میں اس اجازت سے ایک ایسا دل محسوس ہوتا تھا جو کسی بہت بڑی چٹان کی طرح جم کر کھڑا ہوا ہو۔ اور آج معلوم ہو رہا تھا کہ دنیا میں صرف وہی ایک عظیم الشان بہادر ہیں، وہی یگانہ روزگار شجاع شیر ہیں۔ اور کیوں نہ ہو کہ وہ تلوار اور نیزہ بازی اور میدان حرب و ضرب میں سب سے زیادہ جسارت و جرأت کا مجسمہ تھے۔“

یہاں ہمیں وہ نظارہ یاد آ رہا ہے جو ایک حقیقی شیعہ مومن اور محبت اہل بیت سے سرشار و سگووار عظیم الشان شاعر نے کھینچا تھا کیا خوب فرمایا تھا کہ:-

رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

ہمیں معلوم ہے کہ دشمنان دین میں بدحواسی پھیل جایا کرتی تھی۔ وہ فرار کے لئے اپنے گھوڑوں کی باگیں سنبھال لیا کرتے تھے۔ انہوں نے کئے حملوں میں تجربہ کر لیا تھا۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ اگر پہلے سے راہ فرار اور اصول فرار (PLANNED RETREAT) طے نہ کیا جائے تو آن کی آن میں ہزاروں فوجی گھوڑوں سے گر کر کچل کر مر جاتے ہیں۔ اور چونکہ فوجوں پر فوجیں تعینات تھیں اور کئی میل کا علاقہ چاروں طرف والی افواج سے اٹاکٹ بھرا ہوا تھا۔ اس لئے ایک فوج کا میدان سے ہٹنا یا بھاگنا پیچھے والی تمام افواج کو حرکت میں لائے بغیر ناممکن تھا۔ اس لئے بدحواسی اور افراتفری مچ جانا اور موت کا فوجوں کے سروں پر ناچنا ایک فطری

وقدرتی عمل تھا۔ لہذا وہ تاک لگائے رہتے تھے کہ کب حضرت عباسؓ رکاب میں پیڑ ڈالتے ہیں۔ وہ مزاحمت بھی مجبوراً کرتے تھے۔ تاکہ ذرا پیچھے والوں کی ترتیب فرار قائم ہو لے تو چلیں۔ یعنی لفظ عباسؓ وہاں پیغام موت تھا۔

(8) حضرت عباسؓ علیہ السلام اتمام حجت کرتے ہیں

قال فهمزہ جوادہ نحو القوم حتی توسط المیدان فوقف وقال یابن سعد هذا الحسین ابن بنت رسول الله يقول انکم قتلتم اصحابه واخوته وبنی عمه وبقی فريدًا مع اولاده وعیاله وهم عطاش قد احرق الظماء قلوبهم فاسقوهم شربة من الماء لان اطفاله وعیاله وهطوا الی الهلاک وهو مع ذلك يقول دعونی اخرج الی طرف الروم أو الهند واخلی لکم الحجاز والعراق واشترط لکم ان غدا فی القیمة لا احاصمکم عند الله - حتی یفعل الله بکم ما یرید - فلما اوصل العباس الیهم الکلام عن اخیه فمنهم من سکت ولم یرد جوابًا ومنهم من جلس یمکی - فخرج الشمر و شبت بن ربعی فجاء انحو العباس وقال قل لا خیک لو کان کُل وجه الارض ماء وهو تحت ایدینا ما سقینا کم منه قطرة الا ان تدخلوا فی بیعة یرید فبسم العباس ومضى الی اخیه الحسین واعرض علیه ما قالو فطأ فطأ راسه الی الارض وبکی حتی بل ازیاقه - (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادت - صفحہ 318-319)

”بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عباسؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی میدان جنگ کے درمیان آ کر افواج کے سامنے کھڑے ہوئے اور ابن سعد سے کہا کہ امّ کا پیغام یہ ہے کہ تم لوگوں نے اُن کے تمام اصحاب و انصار کو قتل کر دیا۔ اُن کے بھائیوں اور بھائیوں کی اولاد کو بھی نہ چھوڑا۔ چنانچہ اب وہ تنہا رہ گئے صرف اُن کی اپنی اولاد باقی ہے اور مستورات باقی ہیں۔ اور یہ سب پیاس کی شدت سے قریب المرگ ہیں۔ کیا تم ایسی حالت میں بھی اُن کے لئے اس بہتے ہوئے پانی میں سے صرف ایک دفعہ پینے کا پانی بھی نہیں دے سکتے؟ اور ساتھ ہی وہ پھر یاد دلاتے ہیں کہ اگر تم اب بھی تیار ہو جاؤ تو وہ ملک روم یا ملک ہندوستان میں جلاوطن ہو جائیں اور عراق و حجاز میں تمہیں آزاد چھوڑ دیں۔ اور وہ یہ شرط بھی ماننے کو تیار ہیں کہ بروز قیامت وہ تمہارے خلاف اللہ کے سامنے شکوہ اور دعویٰ نہ کریں گے تاکہ اللہ کو جو پسند ہو وہ سلوک تمہارے ساتھ کرے۔ جب حضرت عباسؓ نے امّ کا یہ پیغام پہنچا دیا تو حالت یہ تھی کہ بعض لوگ بالکل خاموش تھے بعض رورہے تھے۔ پھر شمر ملعون اور شبت بن ربعی آگے بڑھ کر حضرت عباسؓ کے قریب آئے اور کہا کہ سنو اور اپنے بھائی کو جا کر بتاؤ کہ اگر یہ ساری زمین پانی بن جائے اور پھر وہ تمام پانی ہمارے قابو میں ہو تب بھی ہم اُن کو پانی کا ایک قطرہ تک نہ دیں گے۔ البتہ یہ دوسری صورت ہے کہ وہ یزید کی بیعت کر لیں۔ یہ جواب سن کر جناب عباسؓ علیہ السلام ”مسکرائے“ اور اپنے بھائی حسینؓ علیہ السلام کے پاس واپس چلے آئے اور اُن ملائین کا جواب پیش کر دیا۔ امام حسینؓ نے اپنا سر زمین کی طرف جھکا لیا اور اتنا روئے کہ گریبان بھیگ گیا۔“

یہاں مومنین یہ نوٹ کر لیں کہ ابھی دشمن کی فوج خیام حسینیؓ سے اتنی دُور ہے کہ جناب عباسؓ گھوڑے کو ایڑ لگا کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے جاتے ہیں اور جہاں سے اُن ملائین کو مخاطب کرتے ہیں وہ میدان کا وسط ہے۔ یعنی حضرت عباسؓ جس مقام پر ٹھہرے وہاں سے بھی افواج اتنی دُور تھیں کہ اُن تک حضرت عباسؓ کی آواز پہنچ سکتی تھی۔ ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ افواج اتنے فاصلے پر تھیں کہ خیام حسینؓ میں سے کسی کے رونے کی آواز لشکر تک نہیں جاسکتی تھی۔ اور یہ کہ امام حسینؓ اور اُن کے انصار و اہلبیت میں سے کسی نے یہ پسند نہیں کیا کہ اُن کی بے قراری یا گریہ و زاری کا دشمنانِ خدا اور رسولِ مذاق اڑائیں۔ لہذا مذاکرہ اور منبر کے رکھوالوں کو چاہئے کہ وہ بھی اس کا خیال رکھیں۔

دیکھئے حضرت عباس علیہ السلام شمر اور شبث کے جواب پر مسکرائے تاکہ اُن کی ہمت ٹوٹ جائے اور یہ خیال پیدا نہ ہونے پائے کہ امام کی ہمت جواب دے چکی ہے۔ لیکن جب حضرت عباس نے امام کو جواب سنایا تو آپ رونے لگے۔ اول اس لئے کہ ابھی ابھی حضرت عباس کی جدائی ہونے والی ہے۔ دوم اس لئے کہ علیؑ اصغر معصوم اور تین سال سے لے کر دس سال تک کے بچوں کی تکلیف فطری ہے۔ سوم اس لئے کہ لاکھوں ملائین جہنم سے بچنا نہیں چاہتے۔ اُمت کی تکلیف بھی انبیاء و ائمہ ہی کو ہوا کرتی ہے۔

(9)۔ حضرت عباس علیہ السلام داغ جدائی دیتے ہیں

آپ نے دیکھا کہ حضرت عباسؑ کو مشروط اجازت ملی۔ زبردستی سے پہلے، بطور اتمام حجت پانی مانگا تو جواب آپ نے سُن لیا۔ امام صورت حال پر گریاں ہوئے۔

فسمع الحسين عليه السلام اصوات الاطفال وهم ينادون العطش العطش فلما سمع العباس ذلك رمق بطرفه الى السماء وقال الهى وسيدى اريد ان اعتد بعدتى واملاء لهؤلاء الاطفال قربة من الماء فركب فرسه واخذ رمحه والقربة فى كتفه وقيل بين عينيه وودع اخوه وقصد الفرات وسار حتى اتى الى الشريعة واذا دونها عشرة الاف فارس مدرعة - فلما يهولوه فصاحت به الرجال من كل جانب ومكان من انت يا غلام - فقال انا العباس بن علي بن ابي طالب - ثم نادى يابنى فلاح انا ابن اختكم ام عاصم الكلابية وانا عطشان واهل بيت محمد يزادون من الماء وهى مباح للكلاب والخنازير ونحن منه محرومون واليها بالحسرة ناظرون فقال له عمر بن الحجاج يعز علي يا ابن الاخت مانزل بك من العطش ولو علمت لارسلت اليك الماء - دونك والفرات يابن الاخت. فسار العباس حتى نزل الفرات وجعل يملأ القربة - (اكسير العبادات - صفحہ 319) (روایت باقی ہے)

اتنے میں دونوں بھائیوں نے بچوں کے رونے اور پانی مانگنے کی آوازیں سُنیں تو جناب عباسؑ بے چین ہو گئے۔ آسمان کی طرف نگاہِ حسرت اٹھائی اور کہا کہ یا الہی اور اے میرے سید و مولاً میں اپنے وعدہ اور مدت کو پورا کر کے گزرنا چاہتا ہوں۔ اور ان بچوں کیلئے پانی کی ایک مشک بھر کر لانا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے، اپنا نیزہ لیا، مشک کندھے میں لٹکائی، بڑھ کر بھائی سے وداع ہوئے اُن کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ فرات کے ارادہ سے چلے یہاں تک کہ جب نہر کے گھاٹ کے قریب پہنچے تو وہاں دس ہزار مسلح اور زرہ بکتر سے آراستہ فوج کو پہرہ پر پایا۔ اور جیسے ہی فوجیوں نے اُن کو دیکھا چاروں طرف سے اور ہر جگہ سے سوال ہونے لگا کہ تم کون ہو اور کیوں آئے ہو؟ فرمایا کہ عباسؑ بن علیؑ بن ابیطالبؑ ہوں۔ اسکے بعد آواز دی کہ اے فلاجی قبیلے کے لوگو! تمہاری بہن کا، اُم عاصم کلابیہ کا بیٹا ہوں اور میں بھی اور محمدؑ کے اہلبیتؑ بھی پیار سے ہیں۔ ایک ایک بوند پانی کو ترس رہے ہیں۔ حالانکہ سُوْر اور کتے تک پانی سے محروم نہیں کئے گئے اور ہمیں محروم رکھا گیا ہے۔ ہم حسرت و یاس سے دریا کو بہتا ہوا دیکھتے ہیں۔ عمرو بن الحجاج نے کہا کہ اے ہمیشہ زادے مجھے تم پر گزرنے والی مصیبت پر بڑا دکھ ہوا۔ تمہیں میری ہمدردیاں حاصل ہیں۔ اگر مجھے علم ہوتا تو میں وہیں تمہارے پاس پانی بھجوا دیتا۔ جاؤ فرات تمہارے لئے کھلی ہے۔ چنانچہ جناب عباسؑ فرات پر آئے اور کئی روز کی سوکھی مشک کو پانی میں ڈال کر نرم کرنا اور بھرنا شروع کیا۔

فبلغ خبره الى عمر بن سعد فقال علي بن الحجاج حيث يقوى علينا اعدائنا - فبعث اليه عمرو بن الحجاج وهو يقول لا تعجل علي انما عملت ذلك لاحتمال علي قتله ونهر عليه الرجال وقال دونكم والعباس فقد حصل بايدكم - فَلَمَّا

راهم العباس وقد تسارعوا اليه وهو مكب على الماء وهم أن يشرب فذكر عطش اخيه الحسين عليه السلام فلم يشرب وخط القربة عن عاتقه واستقبل القوم - استقبل القوم بضربهم بسيفه وكأنه النار في الاحطاب وينشد ويقول: - اَنَا الَّذِي اعْرِفُ عِنْدَ الْمُجْرِمَةِ - بَابِنَ عَلِيِّ الْمُسَمَّى حِيدَرَةَ - فَاتَّبَعُوا الْيَوْمَ لَنَا يَا كُفْرَةَ - لَعْنَةُ الْحَمْدِ وَآلِ الْبَقَرَةِ - ثُمَّ حَمَلَ عَلَى الْقَوْمِ وَهُوَ يَقْتُلُ فِيهِمْ حَتَّى قَتَلَ مِنْ اِبْطَالِهِمْ وَسَادَاتِهِمْ مِائَةً ثُمَّ عَادَ إِلَى الْقَرْبَةِ فَاحْتَمَلَهَا عَلَى عَاتِقِهِ وَهُوَ يَقُولُ: لِّلَّهِ عَيْنٌ رَأَتْ مَا قَدِ احْطَا بِنَامِنِ اللَّثَامِ وَاَوْلَادِ الدَّعِيَّاتِ يَاحِبْدَا عَصَبَةَ جَادَتِ بِنَفْسِهَا حَتَّى تَحِلَّ بَارِضُ الْغَاضِرِيَّاتِ الْمَوْتَ تَحْتَ ذَبَابِ السَّيْفِ مَكْرَمَةً اِذَا كَانَ مِنْ بَعْدِهِ سَكَنَى الْجَنَاتِ - ثُمَّ حَمَلَ عَلَى الرِّجَالِ وَجَدَلَ اِبْطَالَ حَتَّى قَرَّبَ مِنْ اخِيهِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ يَقُولُ: يَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ - اِنْ يَرِيدُ الْقَوْمُ فَقْدَكَ - لَنْ يَنَالُوكَ بِسَوْءٍ - اِنَّمَا نَالُوهُ جَدَكَ - اِنْ عِنْدِي مِنْ مَصَابِي - مِثْلُ مَا اَنْ هُوَ عِنْدَكَ - (مسلسل صفحہ 319)

ادھر عمر بن سعد کو یہ اطلاع مل گئی تو اُس نے حکم دیا کہ عمرو بن حجاج کا سر کاٹ کر میرے سامنے پیش کرو۔ اس لئے کہ وہ ہمارے دشمنوں کو پانی پلا کر قوی کرنا چاہتا ہے۔ ادھر عمرو بن حجاج پہنچا اور بتایا کہ میں نے اس حیلہ اور فریب سے عباسؑ کو گھیرنے کا موقعہ پیدا کر لیا ہے۔ چنانچہ افواج کو حکم دیا کہ عباسؑ نہایت آسانی سے تمہاری دسترس کے اندر ہے۔ چاروں طرف سے حملہ کرو اور قتل کر ڈالو۔ ادھر حضرت عباسؑ پانی پر جھکے ہوئے مشک بھرنے میں مصروف تھے۔ اضطرابی حالت میں ایک چلو پانی پینے کے لئے اٹھایا تو بھائی حسینؑ اور بچوں کی پیاس یاد آگئی۔ پانی ہاتھ سے پھینک دیا اور دیکھا کہ چاروں طرف فوجیں گھیرا ڈالتی ہوئی آگے بڑھتی چلی آرہی ہیں۔ یہ دیکھ کر افواج کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے اور فوج پر حملہ کر دیا۔ اور تلوار اُن کو اس طرح جہنم میں پہنچا رہی تھی جیسے سوکھی لکڑیوں میں آگ بھڑکتی اور پھیلی ہے۔ اور ساتھ ہی جوش دلانے کے لئے یہ اشعار پڑھ رہے تھے کہ: میں وہ شخص ہوں جسے فوجوں میں گھر جانے کے بعد ہی ٹھیک ٹھیک پہچانا جاتا ہے۔ میں بیٹا بھی تو اس کا ہوں جسے اژدھا کا جبر اچیر ڈالنے کی بنا پر گھوارے ہی سے حیدر کہا جاتا تھا۔ اے گروہ کفار بات جب ہے اگر آج تم عزتِ حمداور آلِ بقرہ کے سامنے جم کر لڑو۔ برابر حملے کرتے، فوجوں کو بھگاتے اور لاش پر لاش گراتے رہے۔ یہاں تک سو فوجیوں کو فی النار اور اُن کے سرداروں اور بہادروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور جب میدان صاف ہو گیا تو واپس فرات پر آئے جہاں مشک چھوڑی تھی۔ اُسے کندھے پر لٹکایا اور یہ شعر پڑھے۔ اللہ ہی کے پاس وہ آنکھیں ہیں جو یہ دیکھتی ہیں کہ ہمیں کس گروہ نے گھیر رکھا ہے۔ یہ قابلِ صدمامت زنا کے لئے بلانے والیوں کی اولاد ہیں۔ وہ کیسا قابلِ فخر گروہ ہے جو اپنی جان قربان کرنے اور سخاوت دکھانے کے لئے خود قربان گاہ میں آ پہنچے۔ تلوار کے نیچے مرنا بڑی بزرگی کی بات ہے خصوصاً جب کہ ایسی موت کے بعد جنت میں مستقل سکونت حاصل ہوتی ہو۔ پھر حملہ کیا اور بہادروں و سرکشوں کو ڈھیر کرتے امامؑ کے قریب ہوتے گئے۔ اور یوں مخاطب کیا کہ اے بھائی حسینؑ اگر یہ قوم تمہیں فنا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تو سنو تمہیں ذرہ برابر گزند نہ پہنچا سکے گی سوائے اس کے کہ تمہارے جد رسولؐ کو گزند پہنچائے۔ میرے پاس پہنچنا بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ آپؐ تک پہنچ جانا۔

قال وكان في عسكر عمر سعد رجل يقال له المارد بن صديف التغلبي فلما نظر مافعله العباس من قتل الابطال خرق اطماره ولطم على وجهه - ثُمَّ قَالَ لِاصْحَابِهِ لَا بَارَكَ اللَّهُ فِيكُمْ اِمَا وَاللَّهِ لَوْ اخَذَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَلَأَ كَفَّهُ تَرَابًا الطَّمَرِ تَمَوْهُ وَلَكِنْكُمْ تَظْهَرُونَ النَّصِيحَةَ وَانْتُمْ تَحْتَ الْفَضِيحَةِ ثُمَّ نَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ اَقْسَمُ عَلَى مَنْ كَانَ فِي رَقَبَتِهِ بَيْعَةٌ لِلْأَمِيرِ يَزِيدُ وَكَانَ تَحْتَ الطَّاعَتِ

الا اعتزل عن الحرب وامسك عن النزال فانا لهذا الغلام الذى قدا بالرجال وقتل الابطال واردى الشجعان وافناهم بالحسام والسنان ثم من بعده اقبل اخاه الحسين ومن بقى من اصحابه معه - فقال الشمر اذ قد ضمنت انك تكون كفوا الناس اجمع ارجع معى الى الامير عمر بن سعد واطلعه على انك تاتيه بالقوم اجمعين اذا كان بك غنى عنا - فقال له المارد ياشمر اما والله ما فيكم خير لا نفسكم فكيف تعيرون غيركم ؟ فقال له الشمر هانحن نرجع الى رايبك وامرك ونظر فعالك معه - ثم قال شمر للناس اعتزلوا على الحرب حتى ننظر مايكون منهما - (مسلسل - اسير العبادات فى اسرار الشهادات - صفحہ 319)

راوى نے بتایا کہ عمر سعد کے لشکر میں ایک شخص بنام مارد بن صديف تھا۔ جب اُس نے حضرت عباسؓ کی مچائی ہوئی تباہی اور بہادروں کی لاشوں کا انبار دیکھا تو اپنا منہ پیٹ لیا۔ اور کپڑے پھاڑ ڈالے پھر اپنی فوج والوں سے کہا کہ خدا تمہارے کاموں میں کبھی برکت نہ دے ارے نامردو! تم تو اتنی تعداد میں ہو کہ اگر اس پر ایک ایک مٹھی مٹی کی ڈال دو تو وہ دفن ہو کر رہ جائے۔ لیکن تم تو کسی کی نصیحت کی پرواہ نہیں کرتے اسی لئے تم ذلیل و خوار ہوتے چلے آ رہے ہو۔ پھر بہت بلند آواز سے کہا کہ تم میں جس جس شخص کی گردن میں امیر یزید کی بیعت کی ذمہ داری ہے اور جو شخص اس کی اطاعت لازم سمجھتے ہیں وہ جنگ بند کر دیں اور اپنی اپنی جگہ تماشہ دیکھنے کیلئے کھڑے ہو جائیں۔ یہ لڑکا جو ابھی ابھی تمہارے مردوں کو فنا کے گھاٹ اتار گیا، جس نے تمہارے پہلو انوں کو تہ تیغ کر دیا، جس نے تمہارے بہادروں کو رڈی کی ٹوکری میں بھر دیا اور تلوار و نیزہ سے فنا کر ڈالا، میں اُسے قتل کروں گا پھر اس کے بھائی حسینؓ اور اُن کے باقی ماندہ صحابہ کو تہ تیغ کروں گا۔ اس پر شمر نے کہا کہ جب تم یہ ضمانت لے رہے ہو کہ تم تنہا ہماری مجموعی فوج کے ہم پلہ ہو تو آؤ امیر عمر سعد کے پاس چل کر اسے مطلع کریں کہ تم ساری قوم کی جگہ اکیلے مقابلہ کے لئے کافی ہو۔ اور یہ کہ تجھے ان افواج کی بالکل احتیاج نہیں ہے۔ مارد نے جواب میں کہا کہ تم لوگ حد بھر مکینہ ہو تمہارے اندر سے جو بات نکلے گی اس میں کبھی اچھائی ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے تم اپنے سوا سب میں کیڑے نکالتے ہو۔ شمر نے کہا اچھا بھائی ہم سب تمہاری رائے پر عمل کرتے ہیں اور تمہاری جنگ اور اقدام دیکھتے ہیں۔ اس کے بعد شمر نے حکم عام دے دیا کہ جنگ روک دو اور کھڑے ہو کر تماشہ دیکھو کہ ان دونوں کا کیا بنتا ہے۔

فا قبل المارد بن صديف وافرغ عليه درعين ضيقين الزرد وجعل على راسه بيضة عادية وركب فرسا شقرا على مايكون من الخيل واخذ بيده رمحا طويلا فبرز الى العباس بن علي عليه السلام فالتفت العباس فراه وهو طالب يردد ويرق فعلم انه فارس القوم فثبت له حتى اذا قارب به صاح به المارد يا غلام ارحم نفسك واغمد حسامك واظهر للناس استسلامك - فالسلامة اولي من الندامة - فكم من طالب امر حيل بينه وبين ما طلبه وغافطة اجله واعلم انه لم يجاربك في هذا اليوم رجل اشد قسوة مني وقد نزع الله الرحمة عليك من قلبي وقد نصحت ان قبلت النصيحة ثم انشا يقول: اني نصحتك ان قبلت نصيحتي - حذرا عليك من الحسام القاطع - ولقد رحمتك اذ رايتك يافعا - ولعل مثلي لا يقاس بيافع - اعط القياد تعش بخير معيشة - اولي فد ونك من عذاب واقع - قال فلما سمع العباس كلامه وما آتى به من نظامه قال له ما ريك آتيت الابعمى ولا نطق لا بتفضيل غير آتى ارى جعلك في مناخ تذرروه الرياح اوفى الصخر الاطمس لا تقبله الانفس وكلامك كالسراب يلوح فاذا قصد صارار صا بوارا والذى اصلته ان استسلم اليك فذاك بعيد الوصول صعب الحصول وانا يا عدو الله وعدو رسوله فمعدود للقاء الابطال والصبر على البلاء في النزال ومكافحة الفرسان وبالله المستعان فمن كملت

هذه الاوصاف فيه فلا يخاف ممن برز اليه - ويلك اليس لي اتصال برسول الله صلى الله عليه وآله وانا غصن متصل بشجرته وتحفة من نور جوهره ومن كان من هذه الشجرة فلا يدخل تحت الذمام ولا يخاف من ضرب الحسام وانا ابن علي لا اعجز من مبارزة الاقران وما اشركت بالله لمحبة بصرو لا خالفت رسول الله فيما امر وانا منه والورقة من الشجرة وعلى الاصول تثبت الفروع فاصرف عنك ما ملته فما انا ممن ياسى على الحيوية ولا يجزع من الوفاة فخذ في الجدة واصرف عنك الهزل فكم من صبي صغير خير من شيخ كبير عند الله تعالى ثم انشاء يقول: صبرا على جور الزمان القاطع - ومنية ما ن لها من دافع - لاتجز عن فكل شئ هالك - حاشا لمثلني ان يكون يجازع - فلئن رماني الدهر منه باسهم - وتفرق من بعد شمل جامع - فكم لنا من وقعة شابت لها - قمم الاصاغر من ضراب قاطع - (مسلسل - اكسير العبادات - صفحہ 320-319)

چنانچہ مارد بن صدیف آگے بڑھا اور دو عدد بڑی چست زر ہیں پہنیں - سر پر بیضوی خود پہنا اور بادامی رنگ کا گھوڑا منگوا کر سوار ہوا - ایک لمبائیز اسنچالا اور حضرت عباسؓ کے مقابلہ میں نکلا - جناب عباسؓ نے توجہ سے دیکھا کہ وہ اُن کو طلب کرتا ہے - گرجتا گوندتا چلا آ رہا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ اپنی قوم کا سب سے بہادر بے خوف سُورما ہے - جب وہ قریب آیا تو اُس نے حضرت عباسؓ کو لاکر کر کہا کہ اے لڑکے اپنی جان پر رحم کر، تلوار میان میں رکھ اور لوگوں کے سامنے اپنی اطاعت اور عاجزی کا اعلان کر - برخوردار سلامتی ندامت اور پشیمانی سے بہر حال بہتر ہوتی ہے - اور سنوا کثر ایسا ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں اس میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور محرومی کے سوا کچھ نہیں ملتا - اور یہ بھی سمجھ لے کہ آج تک تمہارا مقابلہ مجھ سے زیادہ سخت مزاج بہادر سے نہیں ہوا ہے - شکر کرو کہ تیرے لئے اللہ نے میرے دل میں رحم ڈال دیا ہے - اسی لئے میں تمہیں نصیحت کر رہا ہوں شاید یہ نصیحت تم پر اثر انداز ہو جائے اور تم میری ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے والی تلوار سے بچ نکلو - میں تمہیں بھرپور جوانی میں دیکھ رہا ہوں اور کہیں تم مجھے اپنا ایسا نوجوان نہ سمجھ بیٹھنا - لہذا خود کو موت کے عذاب سے بچاؤ - زندہ رہنے اور خیر و خوبی حاصل کرنے کیلئے اطاعت شعاری اختیار کرلو - حضرت عباسؓ نے یہ سب کچھ سنا اور اسے سر سے پیر تک دیکھا تو فرمایا کہ:

باتیں تو تم نے اچھی خاصی کی ہیں لیکن ان کے پیچھے حقیقت نہیں ہے - تمہاری گفتگو کھوٹی ہے، تمہارا کلام بے جان و بے مقصد ہے - سمجھدار لوگوں کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں ہے - اس کھوکھلے پن پر تم اپنی اطاعت کے لئے کہتے ہو جسے کوئی بھلا آدمی قبول نہیں کرے گا - اے دشمن خدا اور رسولؐ تو جانتا ہے کہ کس سے مخاطب ہے - ارے ہم لوگ وہ ہیں جو بہادروں کے سامنے سے ہٹتے نہیں ہیں - اور آفات اور دشواریوں کے روبرو جھکتے نہیں ہیں - میدان جنگ میں ڈٹ کر تیغ زنی کرتے ہیں - خدا تجھے غارت کرے کیا تو یہ نہیں جانتا کہ میں شجر رسالتؐ کی شاخ ہوں - کیا تو نہیں جانتا کہ میں براہ راست رسولؐ اللہ سے متصل اور اُسی شجرہ سے ہوں اور رسولؐ اللہ کے نور کے جوہر میں شامل ہوں - اور جو اس شجرہ سے ہوتے ہیں وہ کسی کے ماتحت نہیں رکھے جاسکتے - اور تلواروں سے نہیں ڈرتے - اور میں تو علیؑ کا بیٹا ہوں - ہم ساری دنیا کے ہم عصر بہادروں سے نہیں جھکتے - ہم نے آنکھ جھپکنے کے لمحہ میں بھی شرک نہیں کیا - کبھی رسولؐ کی مخالفت نہیں کی ہے - جن لوگوں کی یہ پوزیشن ہو، تو سمجھتا ہے کہ وہ تیرے ایسے ناہنجار شخص سے ڈر جائیں گے - ہم شجر رسالت کے پھل پھول اور پتے ہیں - ہم میں سب کچھ اُسی اصل سے آیا ہے - بہر حال میں تمہاری غپ کو رسمی سمجھ کر نظر انداز کرتا ہوں - اور یہ بتاتا ہوں کہ تو اپنی

ساری ہنرمندی اور جنگجویی کو جمع کر کے میرے ساتھ مقابلہ کر۔ میں نہ زندگی کی فکر کرتا ہوں نہ موت سے ڈرتا ہوں۔ یہ بھی سُن رکھ کہ اللہ کے نزدیک بہت سے چھوٹے بچے بڑے بڑے شیعوں اور پختہ عمر کے لوگوں سے بہتر ہوتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ ابھی ذرا دیر میں معلوم ہوئے جاتا ہے۔ پھر یہ اشعار پڑھ کر سُنائے: جو زمانہ خود قائم نہ رہتا ہوا اور خود منقطع ہو جاتا ہوا اُس کے سخت کام ہونے پر صبر کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ اور جو زمانہ کی سختیوں اور دشواریوں کو دفع کر سکتا ہوا اُس سے تعلق رکھنا ضروری ہے۔ کسی حالت میں عاجزی اور بے بسی کا اثر نہ لینا چاہئے اس لئے کہ ہر چیز فانی ہے۔ بخدا مجھ ایسے لوگوں کو فریاد و فغاں پر اس حالت میں بھی مجبور نہیں کیا جاسکتا جبکہ یہ سارا زمانہ تیروں کا انبار بن کر وہ سارے تیر مجھ پر برسا دے اور ایسی حالت بھی نہیں جب کہ میری ساری بساط بکھر جائے۔ کوئی واقعہ یا حالت ہم پر ایسی نہیں آسکتی کہ ہم اُسے اپنی ہمت و جرأت کی ضربیں لگا کر سمیٹ کر نہ رکھ دیں۔

قال فَلَمَّا سَمِعَ الْمَارِدُ كَلَامَ الْعَبَّاسِ وَمَاتِي بِهِ مِنْ شَعْرِهِ لَمْ يُعْطِ صَبْرًا ذُوْنَ أَنْ حَقَّقَ عَلَيْهِ بِالْحَمْلَةِ وَبَادَرَهُ بِالطَّعْنَةِ وَهُوَ يَظُنُّ أَنَّ امْرَأَهُ هَيِّنٌ وَقَدْ وَصَلَ إِلَيْهِ وَقَدْ مَكَنَهُ الْعَبَّاسُ مِنْ نَفْسِهِ حَتَّى إِذَا وَصَلَ إِلَيْهِ السِّنَانُ قَبَضَ الْعَبَّاسُ عَلَى الرَّمْحِ وَجَذَبَهُ إِلَيْهِ فَكَادَ يَقْلَعُ الْمَارِدُ مِنْ سِرْجِهِ فَخَالَاهُ الرَّمْحُ وَرَدَّ يَدَهُ إِلَى سَيْفِهِ وَقَدْ تَخَلَّلَهُ الْخِجَلُ عِنْدَ مَمْلُوكٍ مِنْهُ رَمَحَهُ قَالَ فَشَرَعَ الْعَبَّاسُ الرَّمْحَ لِلْمَارِدِ فَصَاحَ بِهِ يَاعِدُ وَاللَّهِ إِنِّي أَرْجُو مِنَ اللَّهِ تَعَالَى أَنْ أَقْتُلَكَ بِرُمْحِكَ فَجَالَ الْمَارِدُ عَلَى الْعَبَّاسِ وَقَحَمَ عَلَيْهِ فَبَادَرَهُ الْعَبَّاسُ وَطَمَعَ جَوَادَهُ فِي خَاصِرَتِهِ فَشَبَّ بِهِ الْجَوَادُ وَوَثَبَ الْمَارِدُ فَادَّاهُ عَلَى الْأَرْضِ وَلَمْ يَكُنْ لِلْعَيْنِ طَاقَةٌ عَلَى الْقِتَالِ الْعَبَّاسُ رَاجِلًا لِأَنَّهُ كَانَ عَظِيمَ الْحِجَّةِ ثَقِيلَ الْخُطْوَةِ فَاضْطَرَبَتِ الصَّفُوفُ وَتَصَايَحَتِ الْأَلُوفُ وَنَادَاهُ الشُّمَرُ لِابَّاسِ عَلَيْكَ ثُمَّ قَالَ لِأَصْحَابِهِ وَيَلَكُمْ أَدْرَكُوا صَاحِبَكُمْ قَبْلَ أَنْ يَقْتُلَ - قَالَ فَخَرَجَ إِلَيْهِ غَلَامٌ لَهُ بِحِجْرَةٍ يَقَالُ لَهَا الطَّائِيَةُ فَلَمَّا نَظَرَ إِلَيْهِ الْمَارِدُ فَرَحَ بِهَا وَكَفَّ خَجَلَهُ وَصَاحَ يَا غَلَامُ عَجَلْ بِالطَّائِيَةِ قَبْلَ حُلُولِ الدَّاهِيَةِ فَاسْرِعْ بِهَا الْغَلَامُ إِلَيْهِ - فَكَانَ الْعَبَّاسُ أَسْبَقَ مِنْ عَدُوِّ اللَّهِ الْبِيْهَةِ فَوَثَبَ وَثَبَاتٍ مَسْرِعَاتٍ وَصَلَ بِهَا إِلَى الْغَلَامِ فَطَعَنَهُ بِالرَّمْحِ فِي صَدْرِهِ فَخَرَجَهُ مِنْ ظَهْرِهِ وَاحْتَوَى عَلَى الْحِجْرَةِ فَرَكَبَهَا وَعُطِفَ عَلَى عَدُوِّ اللَّهِ فَلَمَّا رَأَى تَغْيِيرَ وَجْهِهِ وَحَادَ فِي امْرَأَتِهِ فَاقْبَضَ بِالْهَلَاكِ - ثُمَّ نَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ يَاقَوْمُ أَغْلِبْ عَلَى جَوَادِي وَاقْتُلْ بِرُمْحِي بِأَلْفَا مِنْ سَبَّةٍ وَمَعِيرَةٍ - (مسلسل - اكسير العبادات - صفحہ 320)

کہتے ہیں کہ جب مارڈ نے یہ کلام سُنا اور یہ تیور دیکھے تو اس کے پاس حملہ کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ رہا۔ چنانچہ اُس نے نہایت معمولی صورت حال سمجھ کر نیزہ سے پہل کر دی۔ حضرت عباسؑ نے اس کی ہمت بڑھائی اور نیزہ کو آنے دیا یعنی اپنی جگہ سے حرکت نہ کی اور جیسے ہی نیزہ کی بھال قریب آئی آپ نے جھپٹ کر نیزہ پکڑ لیا۔ اب مارڈ بہت پریشان تھا۔ اس کے خواب میں یہ صورت حال نہ آئی تھی۔ وہ نیزہ چھڑانا چاہتا تھا اور جناب عباسؑ اچانک اُسے گھوڑے سے گرانے کی فکر میں تھے۔ لیکن مارڈ کے ہاتھ سے نیزہ چھوٹ گیا۔ اُس نے اپنی خجالت مٹانے کیلئے تلوار پر ہاتھ ڈالا۔ ادھر حضرت عباسؑ نے اس کی طرف یہ کہہ کر نیزہ بڑھایا کہ اے دشمن خدا میں اللہ سے چاہتا ہوں کہ تجھے تیرے ہی نیزہ سے قتل کروں۔ ادھر مارڈ نے گھوڑے کو کاوا دیا اور حضرت عباسؑ پر وار کرنے کی تاک لگائی لیکن حضرت عباسؑ نے اس کے گھوڑے کو نیزہ مار دیا۔ لہذا گھوڑا بے قرار ہو گیا اور مارڈ کو زمین پر پٹخ دیا۔ اب اس ملعون میں حضرت عباسؑ سے لڑنے کی طاقت نہ تھی اسلئے کہ وہ بہت موٹا بھی تھا اور پیر اور پنڈ لیاں بھی بہت بھاری تھیں۔ یہ تماشا دیکھ کر افواج کی صفوں میں بے چینی

پھیل گئی لاکھوں آوازیں بلند ہو گئیں۔ شمر نے پکارا کہ تو فکر نہ کر امداد آ رہی ہے۔ اور فوج سے کہا کہ جلدی مدد کو پہنچو ایسا نہ ہو کہ قتل کر دیا جائے۔ راوی کہتا ہے کہ ماردا غلام ایک گھوڑا لے کر بڑھا جسے طاویہ کہا جاتا تھا۔ ماردا نے دیکھا تو خوش ہوا اور چیخا کہ او غلام جلدی سے گھوڑا لاتا کہ میں آفت سے بچ جاؤں۔ غلام نے غلت کی لیکن حضرت عباسؓ ماردا سے قبل غلام کے قریب آئے اور جلدی سے غلام کے سینے میں نیزہ مار کر گرایا اور اُس کے گھوڑے پر خود سوار ہو گئے۔ اور پھر ماردا کی طرف آئے۔ ماردا نے دیکھا تو خوف سے چہرہ اُتر گیا اور سمجھ گیا کہ اب موت سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ چیخ مار کر پکارا۔ ارے دوڑو میرا گھوڑا بھی چھین لیا میرا نیزہ بھی اُچک لیا۔ ہائے میرے لئے اس سے بڑی بے عزتی اور شرمساری اور گالی اور کیا ہو سکتی ہے۔

قال فحمل شمر واتبه سنان بن انس وخولى بن يزيد الاصبحى واحمد بن مالك وبشر بن سوط وجُملة من الجيش فنفضوا لَآعِنَةً وَقَدَمُوا الْاَسِنَّةَ وَجَرَدَ وَالسِّيَوفَ وَتَصَايَحَتِ الرِّجَالُ وَمَالَتْ نَحْوَ الْعَبَّاسِ فَنَادَاهُ اخوه الحسين عليه السلام ما انتظارك يا اخي بعد؟ واللّٰه فقد غدر القوم بك۔ قال ونظر العباس الى سرعة الخيل ومجيهم كالسيل فعطف عليه برمحه فناداه المارد يابن على رَفَقًا باسيرك يَكُونُ لَكَ شَاكِرًا۔ فقال له العباس ويلك اَبِمَثَلِي يَلْقَى اليه الخدع والمحال ما صنع بالاسير۔ وقد قرب المسير۔ ثُمَّ طَعَنَهُ فِي نَحْرِهِ وَذَبَحَهُ مِنَ الْاِذْنِ اِلَى الْاِذْنِ۔ فانجدل صريعًا يخور في دمه ووصلت الخيل والرجال الى العباس فعطف عليهم وهو على ظهر الطاوية وكانت الخيل تزيد عن خمسمائة فارس فلم يكن الا ساعة حتى قتل منهم ثمانين رجلًا واشرف الباقيون على الهرب فعندما حمل عمر بن سعد وَرَحَفَتْ فِي اثره الاعلام ومالت اليه الخيل فصاح به اخوه الحسين يا اخي استند الى لا دفع عنك وتدفع عني فجعل العباس يقاتل وهو متأخرو قدادر كنه الخيل والرماح كأجام القصب وصار يضرب فيهم يمينًا وشمالًا الى اَن وصل الى اخيه الحسين فصاح به الشمر يابن على اِن كنت قد رَجَلْتَ المارد عن الطاوية وقتلته فهى واللّٰه التى كانت لا خيبك الحسن يوم ساباط المداين فلما وصل العباس الى اخيه الحسين عليه السلام ذكر له ما قاله الشمر من خبر الطاوية فنظر الحسين وقال هذه واللّٰه الطاوية التى كانت لِمَلِكِ الرِّىِ وَاِنَّه لما قتله ابى على بن ابيطالب وبهبا لاخى الحسن وصارت الطاوية تلوذ بمولنا الحسين ودخل العباس الى خيمة الحرم بالسَّقاء الَّذِي معه فتوا سوا به الاطفال ولم يَرَوْا لِاِنَّه مابقى فيه الا مقدار اربعة اواق ماء لما وقع فيه من السهام وبقي العباس متفكرًا فى حالهم وما هم فيه۔ (أكبر العبادات فى اسرار الشهادات۔ صفحہ 321-320)

راوی کہتا ہے کہ پھر شمر نے اور اس کے ساتھی سرداروں، سنان بن انس و خولی بن یزید صبحی و احمد بن مالک و بشر بن سوط نے حملہ کر دیا اور تمام افواج تلوار سونت کر، نیزے بڑھا کر حضرت عباسؓ کی طرف بڑھنے لگیں۔ یہ دیکھ کر جناب امام حسینؑ نے آواز دی کہ بھائی ہوشیار ہو جاؤ افواج کا حملہ ہو رہا ہے اب آپ کیا انتظار کر رہے ہیں؟ یقیناً اس قوم نے آپ کے ساتھ بد معاملگی کی ہے۔ یعنی دونوں کی جنگ کا فیصلہ ہو جانے تک کسی کو حرکت نہ کرنا تھا۔ اُدھر جناب عباسؓ نے ماحول پر نظر ڈالی چاروں طرف سے فوجیں اور سردار بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ جیسا کہ سیلاب اور طوفان کا پانی دوڑتا چلا آیا کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر جناب عباسؓ نے ماردا کو دیکھا اس پر اس کے نیزہ سے حملہ کرنا چاہا تو ماردا نے کہا کہ اے فرزند علیؑ آپ اپنے قیدی پر رحم کریں وہ ہمیشہ آپ کا مشکور رہے گا۔ حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ ارے بد معاش تو میرے ایسے ماہر جنگ کو بھی جُل دینے کی ہمت کر رہا ہے۔ اور مجھے سکھا رہا ہے کہ قیدی کے ساتھ کیا سلوک کیا جانا چاہئے؟

حالانکہ تیری موت سر پر کھڑی ہے۔ اس کے بعد اس کی گردن پر نیزہ مارا اور ایک کان سے دوسرے کان میں سے نیزہ پار کر دیا۔ تڑپ کر زمین پر گرا اور اپنے خون کے اندر خراٹے لینے لگا۔ ادھر پیدل اور سوار فوجیں حضرت عباسؓ کے قریب آ گئیں۔ آپ طاویہ پر سوار نیزہ لے کر بڑھے ادھر افواج کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی ادھر حضرت عباسؓ لاشوں کے ڈھیر لگا رہے تھے۔ ذرا سی دیر جنگ ہوئی تو فوجیں بھاگ کھڑی ہوئیں اور آپ نے اسی (80) جوانوں کو قتل کر دیا۔ پانچ سو کا رسالہ بھاگ گیا تو عمر سعد اور اس کے بڑے بڑے سرداروں نے زبردست حملہ کیا اور افواج پھر واپس آنے لگیں۔ امّامؑ نے آواز دی کہ بھائی تم پھر گھیرے میں لئے جا رہے ہو۔ تم افواج کو اس طرح دھکیلو کہ تم میرے قریب تک آ جاؤ پھر میں تمہارے تحفظ میں لڑوں اور تم میری پشت پر دفاع کرو۔ یہ سن کر حضرت عباسؓ نے فوجوں کو پیچ سے دھکوں میں کرنا شروع کیا اور لڑتے ہوئے چلے۔ داسنے اور بائیں دونوں طرف کی صفوں کو درہم برہم اور قتل کرتے بڑھتے نزدیک آ رہے تھے۔ آخر وہ فاصلہ رہ گیا جہاں سے امام علیہ السلام شریک جنگ ہو سکتے تھے۔ اتنے میں شمر ملعون نے آواز دی اور کہا کہ اے فرزند علیؑ تم نے مار کو پایادہ کیا پھر اُسے قتل کر ڈالا تو سنو کہ یہ طاویہ نام کا گھوڑا تمہارے بھائی حسنؑ مجتبیٰ کا ہے جو مدائن میں رہ گیا تھا۔ جب حضرت عباسؓ امّامؑ سے ملے تو شمر کی یہ بات آپ کو بتائی۔ امام علیہ السلام نے طاویہ کو دیکھا اور فرمایا کہ قسم بخدا یہ وہی گھوڑا ہے جو ملک رے کے بادشاہ کے پاس تھا۔ جب ہمارے والد علیؑ بن ابی طالبؑ نے اس بادشاہ کو شکست دی اور قتل کر دیا تو یہ گھوڑا انہوں نے بھائی حسنؑ کو دے دیا تھا۔ ساتھ ہی گھوڑے نے بھی امّامؑ کو پہچان لیا اور سر جھکا کر پیار کرانے لگا۔ ادھر جناب عباسؓ مشک لے کر بچوں میں چلے گئے۔ تمام بچے جمع ہو گئے۔ مگر تیروں کے لگنے کی وجہ سے مشک میں چار چھٹانک کے قریب پانی بچا تھا۔ بچے سیراب نہ ہو سکے اور عباسؓ علیہ السلام کے منہ کو تکتے لگے۔ سقائے سکینہ نہایت رنج و فکر میں تھے۔ اور دوبارہ پانی لانے کا موقعہ چاہتے تھے۔ بچوں کی بے چینی بڑھنا بالکل قدرتی بات تھی۔ آج چوتھا دن بلا پانی کے گزر رہا تھا۔ اور دشمنوں کا چاروں طرف ہجوم تھا۔

(10)۔ حضرت عباسؓ امام اور اہل حرم علیہم السلام پر قربان ہو گئے

مؤمنین! جو صورت حال ابھی ابھی بچوں اور اہل حرمؑ کے سامنے آئی وہ بہت صبر آزمائی تھی۔ کسی بچہ یا بڑے نے حضرت عباسؓ سے شکوہ نہیں کیا۔ انہوں نے بلندی سے وہ کوشش، محنت اور خطرات دیکھے تھے جو حضرت عباسؓ نے پانی لانے کے لئے کی اور بیچ کر خیام تک پہنچے۔ لیکن شکوہ نہ کرنے سے پیاس کی تکلیف تو کم نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی حضرت عباسؓ خیام سے نکل کر امّامؑ کی خدمت میں آئے بچوں میں پھر شدت تشنگی کا چرچا ہونے لگا۔

وفی بعض الكتب المعتبرة انه لما اشتد العطش بال بيت الرسول وسمع الحسين الاطفال وهم ينادون العطش العطش سمع العباس فرمق بطرفه الى السماء وقال الهی وسیدی اريد اعتذرتی واملاء لهؤلاء الاطفال قربة من الماء۔ فلما راوا قاصداً في الفرات احاطوا به من كل جانب ومكان فقال لهم يا قوم انتم كُفَرَةٌ ام مسلمون؟ هل يجوز في مذهبكم ودينكم ان تمنعوا الحسين وعياله شرب الماء؟ والكلاب والخنازير يشربون منه والحسين عليه السلام مع عياله واطفاله يموتون عطشاً۔ اما تذكرون عطش القيامة؟ فلما سمعوا كلام العباس وقف خمسمائة رجل ورموه

بالنبال والسهم وفي رواية عبد الله الاهوازی عن جدّه قال اسحق بن جثوه لما اقبل العباس والجواد خلفه فتور ناعليه النبال كالجراد الطائر فصيرنا جلده كالقنفذ ورجع الى ماكنّاه - قال فحمل عليهم العباس فتفرقوا عنه هاربين كما يفرق عن الذئب الغنم و غاص في اوساطهم حتّى قتل منهم على ما نقل ثمان مائة فارس - (أكبر العبادات - صفحہ 321-322 مسلسل)

یہاں تک کہ بچوں کی آوازیں امام حسین علیہ السلام نے سنیں اور حضرت عباس علیہ السلام نے بچوں کی تکلیف رفع کرنے کا پھر ارادہ فرمایا تو پھر آسمان کی طرف دیکھا اور اللہ سے عرض کیا کہ یا الہی میں اپنا وعدہ پورا کرنے اور پانی کی مشک بھرنے جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے، نیزہ لیا اور کاندھے پر مشک ڈالی اور روانہ ہو گئے۔ جب یزیدی افواج نے دیکھا کہ حضرت عباس نے فرات جانے کا ارادہ کیا ہے تو انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ حضرت عباس نے اُنکو لکار کر سوال کیا کہ تم لوگ مسلمان ہو یا کافر ہو؟ یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے مذہب میں یہ جائز ہے کہ امام حسینؑ اور اُن کی مستورات اور بچوں پر پانی بند رکھو اور گتے و سوراخ پانی پیتے رہیں؟ اور حسینؑ مع اپنے اہل و عیال اور بچوں کے پیاسے مرجائیں؟ جب یزیدیوں نے حضرت عباسؑ کی یہ باتیں سنیں تو پانچ سو تیر اندازوں نے اُن پر تیروں کی بارش برسادی۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب حضرت عباسؑ میدان میں آئے تو اُنکا گھوڑا اُن کے پیچھے تھا۔ اس وقت تیر اندازوں نے اس طرح تیر برسائے جیسے ٹڈی دل سبزہ پر اُترتا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عباسؑ کا جسم سہا ہی کی طرح تیروں سے بیندھ کر رکھ دیا تھا۔ لیکن اس حالت میں جب حضرت عباسؑ نے افواج پر حملہ کیا تو اُنکے سامنے سے فوجیں اس طرح بھاگ رہی تھیں جیسے بھیڑیوں کے سامنے سے بھیڑ بکریاں بھاگ کرتی ہیں۔ اور حضرت عباسؑ حملہ کے دوران افواج میں غوطہ مارتے اور باہر نکلتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے آٹھ سو آدمی قتل کر ڈالے۔ (مسلسل)

(11)۔ پانی پہنچنے کا نتیجہ عمر بن سعد کی نظر میں؟

(مسلسل باقی حصہ) ترجع الى رواية عبد الله الاهوازی عن جدّه قال اسحق لما اتخذ العباس الى المشرعة وملاء القرية۔

- (1) صاح عمر سعد عليهم يا ويلكم ان شرب الحسين قطرة ماء صار اكبركم اصغركم۔ (أكبر - صفحہ 322)
 - (2) قال يا ويلكم ارشقوا القرية بالنبل۔ فو الله ان شرب الحسين الماء افناكم عن آخركم اما هو الفارس ابن الفارس والبطل المداعس۔ (أكبر العبادات في اسرار الشهادات - صفحہ 323)
- اور جب حضرت عباسؑ فرات کے گھاٹ پر پہنچے اور مشک کو پانی سے بھر لیا اور مشک کو کاندھے پر ڈال لیا۔ اور دریا سے نکل کر چلے تو عمر بن سعد نے چلا کر فوج سے کہا:-

(1)۔ عمر بن سعد نے گھبرا کر پکارا کہ خدا تمہیں غارت کرے اگر حسینؑ نے پانی کا ایک قطرہ بھی پی لیا تو وہ تمہارے بڑوں کو چھوٹا یعنی جاہ و جلال رکھنے والوں کو بھیک مانگنے والا بنا کر چھوڑے گا۔

(2)۔ عمر بن سعد نے فوج سے کہا کہ خدا تمہیں غارت کرے اُس کی مشک کو تیروں سے چھلنی کر ڈالو۔ خدا کی قسم اب اگر حسینؑ نے پانی پی لیا تو وہ تم سب کو اول سے لے کر آخری آدمی تک فنا کر دیں گے۔ سو کہ وہ ایک جوانمرد بہادر ہے اور بہادر کا بیٹا ہے۔ وہ ایک بے بدل سورما اور تلوار کے گھاٹ اُتارنے والا ہے۔

(12)۔ حضرت عباس علیہ السلام مشک لے کر چلے تو افواج کی آہنی دیوار سامنے تھی

قال ثم صَعَدَ من المشرعة فاخذہ النبل من کل مکان وهو یقاتل والقربة علی کفہ حتی صار درعہ کالقنفذ..... ثم حمل علی القوم فقاتلہم قتال شدیدا و فرّقہم یمیناً و شمالاً و قتل رجلاً ابطلاً و انشأ یقول: لا ارب الموت اذا لموت رقی۔ حتی اوارى میتاً عند اللقا۔ نفسی لنفس الطاهر المطهر وقا۔ ولا اخاف طارقاً ان طرقت۔ بل اضرب الحام و افری المفرق۔ انی انا العباس صعب باللقاء۔ لنفسی لنفس الطاهر السبط وقا۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 322-323 مسلسل)

راوی نے بیان کیا کہ جب جناب عباس علیہ السلام گھاٹ سے نکل کر میدان میں آئے تو چاروں طرف سے تیروں کا نشانہ بنائے گئے۔ مگر پانی کی مشک بہر حال اُن کے کاندھے پر لٹک رہی تھی۔ اور اُن کا جسم سہاکی کی مانند تیروں سے چھنا ہوا تھا اور اُسی حالت میں افواج پر تباہ کن حملہ جاری رکھا۔ انہیں داہنے بائیں بکھیرتے اور بھگاتے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ جن چن کر بہادروں کو ٹھکانے لگاتے جاتے تھے اور فیخر یہ اشعار پڑھ رہے تھے: میں سامنے کھڑی موت سے نہیں گھبراتا۔ اور خواہ میری اپنی لاش بھی مقتولوں میں گرا دی جائے۔ میری جان حسینؑ ایسی پاک و پاکیزہ ہستی پر قربان ہے۔ اور میں آفات و مصیبت کو سامنے دیکھتے ہوئے بھی ڈرتا نہیں ہوں۔ بلکہ میں تو تول تول کر سروں پر ضربیں لگا رہا ہوں اور کٹے ہوئے سروں کو بکھیرتا جا رہا ہوں۔ یقیناً میں اسم باسٹی عباس ہوں جس کی طرف دیکھنا بھی مشکل ہے۔ میں نے اب اپنی زندگی رسولؐ کے پاکیزہ نواسے پر قربان کرنا طے کر رکھا ہے۔

(13)۔ آخر شہادت کا اشارہ ہوا اور عباسؑ نے حکم قضا کو لبیک کہہ دیا

قال فحملوا علی العباس حملة منكرة فقتل منهم مائة وثمانين فارساً ثم انشاء یقول: اَقْدَمُ حُسَيْنًا هَادِيًا مَهْدِيًا۔ اَلْيَوْمَ تلقى جدک النبیؐ۔ و حمزة و المرتضى علیاً و تلقى حقاً فاطم الزکیا۔ وقال لایخیه حسینؑ اعلم یا ختی ان الاجال بید اللہ تعالیٰ و قد تقاربت و السلام علیک و رحمة اللہ و برکاتہ۔ ثم حمل فیہم حتی قتل منهم عدۃ رجال۔ فحمل علیہ ابرص بن شیبان فضر به علی یمینہ فطارت مع السیف فاخذ السیف بشمالہ و انشاء یقول: و اللہ لو قطعتموا یمینی۔ لا احمین مجاہداً عن دینی۔ و عن امام صادق الیقین۔ سبط النبیؐ الطاهر الامین۔ نبی صدق جائنا بالدين۔ مصدقاً بالواحد الامین۔ قال فحمل علی القوم فقتل منهم رجلاً کثیراً و نکس ابطلاً و القربة علی ظہرہ۔ فضر به عبد اللہ بن یزید الشیبانی علی شمالہ فطارت مع سیفہ فانکب علی السیف بغیمہ و حمل علی القوم و انشاء یقول: یا نفس لا تخش عن الکفار۔ و ابشری برحمة الجبار۔ مع النبیؐ سید الابرار۔ مع جملة السادات و الانصار۔ قد قطعوا ببغیہم یساری۔ فاصلہم یارب حرّ نار۔ قال ثم حمل علی القوم و یداه تنضخار دمًا۔ فحملوا علیہ جمیعاً فقاتلہم قتلاً شديداً۔ فضر به حکیم بن الطفیل من وراء نخلة بعمود حديد علی راسہ الشریف فسقط مخّ راسہ علی کتفیه فہوی عن متن فرسہ و صاح إلی اخیه الحسین۔ وقال ادر کنی یا ابا عبد اللہ۔ (اکسیر۔ صفحہ 323-321)

راوی نے بتایا کہ تمام افواج نے مل کر ایک نہایت خطرناک حملہ کیا اور جناب عباسؑ نے اس آخری حملہ میں بھی ایک سو اسی (180) ملائین کو قتل کر دیا لیکن ساتھ ہی الوداعی اشعار پڑھنا شروع کر دیئے۔ فرماتے تھے اے میرے ہادی اور مہدی بھائی حسینؑ میں نے تم پر قربان ہو جانے کے ارادے سے پیش قدمی شروع کر دی ہے۔ تاکہ مجھے آج ہی تمہارے نانا نبیؐ کی زیارت ہو جائے۔

اور حضرات حمزہ اور علی مرتضیٰ سے ملاقات کر لوں۔ اور اپنی نیک سیرۃ والدہ فاطمہ سے مل لوں اور بھائی کو آواز دے کر کہا کہ بھیا آپ تو جانتے ہیں کہ وقت اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ دونوں مجھ سے بالکل قریب کھڑے ہیں۔ لہذا اے بزرگوار بھائی رخصت ہو لو۔ میرا سلام اور اللہ کی رحمت و برکت قبول کر لینا۔ یہ فرمایا اور پھر بہت بڑی تعداد قتل کیا۔ اس جذب و شوق کے دوران ایک ملعون ابرص بن شیبان نے پیچھے سے داہنے بازو پر تلوار ماری اور آپ کا ہاتھ لٹک کر رہ گیا۔ آپ نے بایاں ہاتھ بڑھا کر داہنے ہاتھ سے تلوار لے لی اور غضبناک ہو کر حملہ کیا اور یہ اشعار پڑھے۔ حالانکہ تم نے میرا داہنا بازو کاٹ لیا لیکن میں تو اپنے دین کی حمایت بائیں ہاتھ سے بھی جاری رکھے ہوئے ہوں۔ اور اس ہاتھ سے بھی ایک سچے اور پریقین امام کی مدد کر رہا ہوں۔ جو طاہر و امین رسول کا نواسہ بھی ہے۔ اُس رسول کا نواسہ جو امانت کے خالق اور یگانہ خدا کا مصداق ہے۔ یہ پڑھتے ہوئے بھی حملہ جاری رکھا اور کثرت سے لوگوں کو قتل کیا اور سوراخوں کے سرزمین پر جھکا دیئے۔ اور مشک ابھی تک کا ندھے پر لٹک رہی تھی۔ پھر ایک ملعون عبداللہ بن یزید شیبانی نے پیچھے سے آ کر بائیں بازو پر تلوار ماری اور ہاتھ مع تلوار کے لٹک گیا۔ لیکن حضرت عباس تیزی سے جھکے اور تلوار منہ میں پکڑ کر پھر حملہ جاری کر دیا اور فرخیر اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ اے عباس کی جان تو کافروں کے سامنے عاجز نہ ہو جانا۔ میں تجھے خداوند جبار کی رحمت کی مبارکباد دیتا ہوں۔ تجھے مبارک ہو کہ تو نبی سید الارباب اور تمام سادات اور انصار کے حضور پہنچنے والی ہے۔ کوئی پرواہ نہیں اگر تیرا بایاں بازو بھی ان باغیوں نے کاٹ دیا ہے۔ میرا اللہ انہیں جہنم کی گرمی کی مار دے گا۔ اس دوران حکیم بن طفیل ایک درخت کے پیچھے سے نکلا اور اس ملعون نے آپ کے سر مبارک پر لوہے کا گرز مار دیا۔ جس سے سر پھٹ کر کا ندھوں پر لٹک گیا۔ اور آپ گھوڑے پر نہ رہ سکے۔ اب آواز دی کہ اے بھیا حسین آئیے یہاں سے آپ کی امداد اور احتیاج ہے۔

(14)۔ دونوں بھائیوں کی آخری ملاقات اور الوداع

قال اسحاق فأتاه الحسين كالصقر اذا انحدر على فريسته ففر قهقهة يميناً وشمالاً بعد أن قتل من المعروفين سبعين رجلاً فجاء نحو العباس وهو ينادى واخاه واعباساه الآن انكسر ظهري وقلت حيلتي ثم انحنى عليه لحمله إلى الخيام ففتح العباس عينيه فرأى اخاه الحسين يريد أن يحمله فقال له إلى أين تريد بي يا أخي؟ فقال إلى الخيام فقال يا أخي بحق جدك رسول الله عليك أن لا تحملني، دعني في مكاني هذا - فقال عليه السلام لِمَاذَا؟ قال لَأَنِّي مُسْتَح من ابنتك سُكَيْنَةَ وقد وعدتها بالماء ولم ائتها به - فقال الحسين جزيت عن اخيك خيرا حيث نصرتنى حياً وميتاً قال فوضعه في مكانه ورجع الى الخيام وهو يكفكف دموعه بكمه فلما راهوا مقبلاً آتت اليه سَكَيْنَةُ ولزمت عنان جواده وقالت يا ابتاه هل لك علم بعَمَى العباس اراه ابطاً وقد اوعدني بالماء وليس له عادة أن يخلف وعده اهُوَ يجاهد الاعداء فعندها بكى الحسين وقال يا بنت إن عمك قتل وبلغت روحه الجنان فلما سَمِعَتْ زَيْنَب صرخت ونادت واخاه واعباساه واقلة ناصرته وضيعته من بعدك - فقال الحسين اى والله من بعده واضيعته والانقطاع ظهره فجعل النساء يبكين ويندن عليه وبكى الحسين معهم - (أكسير صفحہ 321)

اسحاق نے بتایا کہ حضرت عباس کے بلانے پر امام حسین عباس کے پاس اس طرح پہنچے جیسے ایک باز یا شاہین اپنے شکار پر جھپٹتا ہے اور افواج کو داہنے بائیں بھگا دیا اور حضرت عباس کے قاتل اور مشہور لوگوں میں سے ستر آدمی بھی ٹھکانے لگا دیئے۔ اس کے بعد

حضرت عباسؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اے بھائی عباسؓ آخر تم نے مجھ سے جدائی اختیار کر لی۔ اور تمہارے جانے سے بھائی میری کمر ٹوٹ گئی۔ میرے پاس کوئی تدبیر باقی نہیں رہی۔ یوں کہتے ہوئے حضرت عباسؓ کی لاش پر جھکے تاکہ اُن کو اٹھالیں۔ حضرت عباسؓ نے آنکھیں کھول دیں بھائی کو دیکھا۔ پوچھا بھئی کیا ارادہ ہے۔ مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو؟ امامؑ نے فرمایا کہ باقی شہدا کے پاس خیام میں لے جاؤں گا۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا بھائی تمہیں تمہارے نانا رسول اللہؐ کا واسطہ دیتا ہوں مجھے یہیں رہنے دو اور خیام میں نہ لے جانا۔ امامؑ نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ بھائی میں نے تمہاری لاڈلی بیٹی سے پانی لانے کا وعدہ کیا تھا۔ اور میں اپنی دونوں کوششوں میں بھی یہ وعدہ پورا نہ کر سکا۔ میں شرمندہ ہوں اور نہیں چاہتا کہ اپنا منہ اُس معصومہ کو دکھاؤں جب کہ وہ بدستور پیاسی بھی ہے اور باقی بچوں سے یہ کہتی رہی ہے کہ میرے چچا پانی ضرور لائیں گے۔ امامؑ نے بھائی کو دعادی اور کہا کہ میری طرف سے تمہاری جزا میں کوئی کمی اور خامی نہیں رہی ہے آپؑ نے زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی میری برابر نصرت کی ہے۔ آستین سے بہتے ہوئے آنسو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے بھائی کو جنت روانہ کیا اور خود خیام میں واپس آئے۔ تمام بچے اور حضرت سکینہؓ نظریں جمائے دیکھ رہے تھے۔ جیسے امامؑ پہنچے حضرت سکینہؓ نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا کہ بابا جان آپ کو میرے چچا عباسؓ ملے؟ وہ کہاں ہیں؟ مجھ سے پانی کا وعدہ کر گئے تھے۔ کیا وہ ابھی تک دشمنانِ خدا اور رسولؐ سے جنگ میں الجھے ہوئے ہیں؟ یہ وہ صورت حال تھی جس سے بچنے کے لئے حضرت عباسؓ نے مقتل شہدا سے ہمیشہ دُور رہنے کی التجا کی تھی اور چاہا تھا کہ اُن کی معصوم بیٹی اُن کا چہرہ نہ دیکھے۔ لیکن امام حسین علیہ السلام اس صورت حال سے کیسے بچ سکتے تھے۔ انہیں تو غم و الم و درد و دکھ اور صدمات کا ہر رخ مکمل کرنا تھا۔ بیٹی کی معصومانہ باتیں اور بالواسطہ شکوہ سنا کر صبر کیا اور فرمایا کہ اے میری دُکھیا بیٹی تمہارے چچا قتل ہو کر جنت کو چلے گئے ہیں۔ جب یہ جواب اہل حرمؑ اور حضرت زینب علیہا السلام نے سنا تو ایک گہرا مہر پرا ہو گیا۔ سب نے نوحہ و زاری شروع کی حضرت زینبؓ فرما رہی تھیں کہ اے بھیا عباسؓ! اپنی دُکھیا بہن اور مظلوم بھائی کو تنہا چھوڑنا کیسے برداشت کر لیا؟ بھیا عباسؓ تمہیں معلوم ہے کہ اب بچوں کے سوا امامؑ کا کوئی ناصر نہیں ہے۔ بھائی تمہارے جانے سے ہمیں لامحدود نقصان پہنچا ہے۔ ہم تمہیں دیکھ کر یہ یقین رکھتے تھے کہ جب تک تم موجود ہو ہمیں اور امامؑ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ بھیا عباسؓ تمہاری خطا نہیں آخر کہاں تک دُکھ سہتے؟ امامؑ نے پھر فرمایا کہ بھائی تم کیا گئے ہماری قوت و طاقت اور شان و رعب و داب سب چلا گیا۔

42۔ شہادت حضرت علی اکبر علیہ السلام

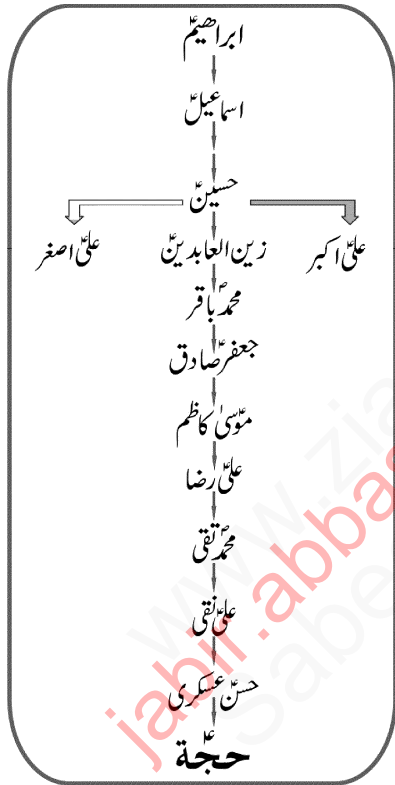
(1)۔ حضرت علی اکبر علیہ السلام سے تعارف: ذہن میں بنیادی حقائق و عقائد اگر پیوست نہ ہوں تو انسانی دماغ میں متضاد و متخالف تصورات کو قبول کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ زیارت ناحیہ میں جناب علی اکبر علیہ السلام کو یوں مخاطب کیا گیا ہے۔

”السلامُ علیَّ اَوَّلِ قَتِيلٍ مِنْ نَسْلِ خَيْرِ سَلِيلٍ مِنْ سُلَالَةِ اِبْرَاهِيمَ الْخَلِيلِ“

”حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے نسلی خلاصہ کے سلسلے کی بہترین کڑی کے پہلے شہید تم پر سلام ہو“

اس جملے سے بعض علما نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت علیؑ اکبر اولاد ابوطالب علیہم السلام میں سب سے پہلے شہید ہوئے ہیں۔ جو واقعات فطریہ

حسینؑ کے خلاف ہے۔ زیارت کے مندرجہ بالا جملے کی تشریح بہت طول چاہتی ہے۔ لیکن چند اشاروں سے بات سمجھا دینا چاہتے ہیں۔
اول یہ کہ یہاں نسل ابراہیمؑ نہیں کہا ورنہ ہمارے سوا باقی تمام شیعہ سنی علما نے ابوسفیان و معاویہ و یزید کو بھی نسل ابراہیمؑ میں شمار کیا۔ لیکن وہ تو وہ ہیں ہم تو تیم و عدی اور پورے قریش کو بھی قحطانی النسل ثابت کرتے ہیں۔ پھر نسل ابراہیمؑ کے خلاصہ یعنی عطر و نچوڑ پر بھی اکتفا نہیں کی بلکہ اس خلاصہ یا نچوڑ کی بھی بہترین اور پہلی شہید ہونے والی کڑی یا فرداؤل فرمایا ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام پھیلی ہوئی نسل سٹی ہوئی صورت میں اس نسل کا خلاصہ ہوا۔ اور اس بنیادی خلاصہ کا ایک سلسلہ حضرت ابراہیمؑ سے آگے چلا اور کر بلا تک پہنچا۔ اُس کر بلا میں پہنچنے والے خلاصہ کے بہترین اور پہلے شہید فرد حضرت علیؑ اکبر ہیں۔ یہاں یہ اُلجھن پیدا ہو جائے گی کہ کیا حسینؑ کے مقابلہ میں



علیؑ اکبر بہترین فرد تھے یا ہو سکتے تھے؟ جواب یہ ہوگا کہ ہرگز نہیں۔
 حسینؑ تو حسین علیہ السلام تھے۔ علیؑ اکبر تو زین العابدینؑ اور حضرت عباسؑ کے مقابلہ میں بھی کم رتبہ تھے۔ یہ سوال اور جواب دراصل دونوں بے موقعہ اور غلط ہیں۔ بات ہی کچھ اور ہے جس کو نہ سمجھنے سے یہ تضاد اُلجھن پیش آتی ہے اور آتی رہے گی۔ سُنئے :- کسی سلسلہ نسب کی وہ شاخ اُس پورے سلسلہ یا نسل کا خلاصہ ہوتا ہے جو اوپر سے نیچے کو یا نیچے سے اوپر کو جانشینوں کو مسلسل کرتی ہے۔ مثلاً حضرت حجۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اوپر کو چلیں تو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام، علی نقی، محمد تقی، علی رضا، موسیٰ کاظم، جعفر صادق، محمد باقر، زین العابدین، امام حسینؑ، امام حسنؑ اور علی علیہ السلام کو ایک سیدھی شاخ مسلسل کرتی ہے اور باقی بھائیوں اور اولاد کو داہنے بائیں چھوڑتی جاتی ہے۔ یہ شاخ سلالہ یا خلاصہ ہے۔ باقی نسل اسی سے

نکلتی اور پھیلتی ہے۔ لہذا حضرت حسن علیہ السلام کے بعد امام حسینؑ اس سلسلے کی بہترین فرد ہیں لیکن وہ قتل ہونے والوں میں اول نہیں۔ پھر امامؑ کے دوسرے بھائی اور بھتیجے وغیرہ سب اس خلاصہ سے داہنے بائیں رہ جاتے ہیں۔ اس لئے وہ پہلے شہید ہوں یا بعد میں اُن کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اب امام حسینؑ کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام شہادت سے باہر رہے۔ لہذا اولاد امامؑ میں جو پہلا شہید ہے وہ علیؑ اکبر ہیں۔ اور زیارت کا یہی مطلب ہے نہ کہ پوری اولاد ابوطالبؑ میں پہلا شہید۔ لہذا بات یہ ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں جو جانشین کا سلسلہ چلا اس میں ہر جانشین اور وصی حضرت ابراہیمؑ کی نسل کا خلاصہ، نچوڑ، عطر یا سلالہ تھا۔ کر بلا میں امام حسین علیہ السلام نسل ابراہیمؑ کا خلاصہ تھے۔ اس خلاصہ کی اولاد میں سے پہلا شہید علی اکبر علیہ السلام ہیں۔ دوسرا، تیسرا، چوتھا نمبر باقی امامؑ زادوں کو ملے گا اور حضرت علیؑ اصغر علیہ السلام کا آخری نمبر ہوگا۔ اور اُن کے بعد زین العابدین علیہ السلام نسل ابراہیمؑ کا خلاصہ یا سلالہ ہوں گے۔ اس

لئے شہادت کی فہرست سے باہر رکھے گئے۔ لہذا بنی ہاشم میں پہلا قتل نہیں بلکہ خلاصہ نسل ابراہیمی میں سے پہلا شہید کہہ کر سلام کیا گیا۔

دوم یہ کہ کربلا میں ترتیب شہادت اس اصول پر قائم ہوئی تھی کہ انصار ان حسین حقیقی معنی میں انصار ان حسین بنا چاہتے تھے۔ یعنی جب تک اُن میں سے کوئی ایک بھی زندہ رہے گا وہ حسین اور خاندانہ حسین کو گزند نہ پہنچنے دیں گے۔ یعنی قتل ہونے میں انصار پہلا نمبر لیں گے اور دوسرا نمبر حسین علیہ السلام کو دیں گے۔ جب انصار حقیقی معنی میں انصار بن کر شہید ہو چکے تو اب اولاد ابوطالب حسین اور حسین کے بچوں کا تحفظ کرے گی اور انہیں گزند نہ پہنچنے دے گی۔ لہذا پہلا نمبر نہ حسین کا ہوگا نہ علی اکبر کا اسلئے کہ اس خلاصہ کی نصرت ہی میں شہادت واجر ہے۔ پھر جس طرح انصار نے امام سے اجازت حاصل کرنے کو معیار بنالیا تھا، وہی طریقہ اولاد ابوطالب نے جاری رکھا۔ ورنہ جھگڑا ہوتا اور ہر کوئی پہلا نمبر لینا چاہتا۔ لہذا امام جس کو چاہتے تھے اجازت دیتے تھے اور جس کو چاہتے تھے منع کر دیتے تھے۔ انہوں نے اولاد ابوطالب میں سے پہلا نمبر حضرت مسلم کی اولاد کو اسلئے دیا کہ وہ حضرت مسلم کا داغ اٹھا چکے تھے۔ آپ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد کو آخری نمبر دیا اور یہ فطری بات تھی۔ اگر امام حسن مجتبیٰ بھی کربلا میں ہوتے تو امام حسین پہلے اپنی اولاد کو قربان کرتے پھر خود قربان ہوتے اور یوں انصار حسن میں شمار ہوتے۔

(2)۔ لفظ اکبر کی بنا پر ایک اور مغالطہ

اول قتل کے معنی سمجھ لینے کے بعد اب یہ دیکھیں کہ جناب امام حسین علیہ السلام وہ تاریخی ہستی ہیں جنہوں نے اپنے تمام بیٹوں کے نام علی رکھے تھے۔ یہاں یہ کہنا ہے کہ نام تو سب کے علی رکھے تھے۔ مگر شناخت اور تعین کے لئے ہر فرزند کے نام علی کے ساتھ ایک لقب یا عرفیت بھی رکھ دی تھی تاکہ جس کا ذکر ہو وہی سمجھا جائے اور جسے بلایا جائے وہی آئے۔ لہذا شہید ہونے والوں میں سب سے بڑے فرزند علی اکبر علیہ السلام تھے۔ اس لقب اکبر کی وجہ سے بعض بڑے علما یہ سمجھے کہ علی اکبر علیہ السلام تمام فرزند ان حسین میں سب سے بڑے تھے۔ اور جب بڑے علما نے یہ سمجھ لیا کہ وہ سب سے بڑے تھے تو ضروری ہوا کہ اس سمجھ کو ثابت بھی کیا جائے۔ لہذا اچھلکے ملاحظہ فرمائیں۔

امر ششم۔ در سن شریف حضرت علی اکبر (چھٹی بات حضرت علی اکبر کی عمر کیا تھی)

(1) علامہ مجلسی درجاء از محمد بن ابیطالب نقل فرمودہ کہ آن بزرگوار در وقوعہ طفہ ہجہ ۵ سال بود کہ پنج سال از حضرت زین العابدین کو چک تر بود۔ ومیفر مایدا ص ۵۱۱ ہمیں است (منتخب التواریخ۔ صفحہ 350)

(2) ودر ارشاد است میفر ماید نوزدہ سالہ بودہ۔ (ایضاً صفحہ 350)

(3) وشہید در دروس و کفعمی فرمودند کہ بیست و پنج سالہ بودہ کہ دو سال از حضرت زین العابدین بزرگ تر بودہ ومتمثل است کہ این قول اتوی باشد: اولاً بجہت آنکہ جھور محمد شین ومورنین ”علی شہید“ را ”علی اکبر“ نوشتہ و حضرت زین العابدین را ”علی اصغر“ و ثانیاً۔ در مقاتل فرمودہ کہ حضرت زین العابدین در مجلس یزید فرمودہ: ”وکان لی اخ اکبر منی سبی علیاً فقتلہ“ وثالثاً۔ در سرآورد در مقاتل در احوالات حضرت علی اکبر فرمودہ اند و لد علی بن الحسین فی خلافتہ عثمان وقد روی عن جدہ علی بن ابیطالب و کفعمی وشہید اول در دروس اختیار ہمیں را فرمودہ اند۔“ (منتخب التواریخ۔ صفحہ 350-351)

- (1)۔ علامہ محمد باقر مجلسی کتاب جلاء العیون میں محمد بن ابی طالب سے نقل کرتے ہیں کہ اُن بزرگوار کی عمر کربلا میں اٹھارہ سال تھی اور وہ امام زین العابدین سے پانچ سال چھوٹے تھے۔ اور یمارکس یہ دیتے ہیں کہ یہ عمر سب سے صحیح ہے۔“ (ایضاً 350)
- (2)۔ شیخ مفید نے کتاب ارشاد میں لکھا ہے کہ علی اکبر اُنیس سال کے تھے۔ (ایضاً)
- (3)۔ اور شہید اول محمد کی نے اپنی کتاب دروس میں اور علامہ کفعمی نے فرمایا ہے کہ حضرت علی اکبر پچیس سال عمر کے تھے یعنی حضرت زین العابدین سے دو سال بڑے تھے۔“ (یہ لکھ کر مورخ کہتا ہے کہ) ”احتمال یہ ہے کہ علی اکبر علیہ السلام کا امام زین العابدین سے بڑی عمر والا قول زیادہ قوی قول ہو۔ اس لئے کہ:-

اول۔ اس دلیل سے کہ تمام شیعہ سنی محدثین اور مورخین نے کربلا میں شہید ہونے والے علی کو ”علی اکبر“ (یعنی بڑا علی) لکھا ہے۔ اور حضرت زین العابدین کو ”علی اصغر“ لکھا ہے۔

دوم۔ اس دلیل سے کہ مقاتل کی کتابوں میں لکھا ہے کہ زین العابدین نے دربار یزید میں یہ کہا تھا کہ مجھ سے بڑا میرا ایک اور بھائی تھا۔ اس کا نام علی تھا۔ جسے کربلا میں قتل کر دیا گیا۔ اور،

سوم۔ اس لئے کہ کتاب سرائر اور مقاتل کی کتابوں میں علی اکبر کے حالات میں لکھا ہے کہ علی اکبر خلافت عثمان کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور روایت بھی علی مرتضیٰ نے کی ہے اور اسی لئے کہ شہید اول اور کفعمی نے کتاب الدروس میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔“

غلطی کو نباتنے کے لئے حضرت علی اکبر علیہ السلام کو شادی شدہ اور صاحب اولاد بنادو

مومنین اپنے باپ دادا سے سنتے چلے آئے کہ علی اکبر علیہ السلام اٹھارہ سالہ نوجوان تھے۔ اور جناب فاطمہ صغرا علیہا السلام نے اپنے بیانات اور خط میں یہ بات بھی فرمائی تھی کہ بھیا مجھے اپنی شادی میں ضرور بلانا۔ لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ ہمارے علما تو اُن کی شادی خفیہ طور پر کرا کے بچوں والا بنائے بیٹھے تھے۔ ادھر کوئی شیعہ اور سنی یہ نہیں جانتا کہ وہ پچیس چھپیس سال کے بال بچوں والے سن رسیدہ آدمی تھے۔ بہر حال آئیے دوسرا چٹکلا اور اس کی دلیل بھی سُن لیں۔

امر ہفتم۔ (ساتویں بات شادی شدہ عیال دار علی اکبر)

(1) بدان کہ از بعضی از اخبار استفادہ میشود کہ حضرت علی اکبر در یوم الطف مزوجہ وصاحب اولاد بودہ (ایضاً صفحہ 351)۔ چنانچہ در کافی است کہ راوی از حضرت رضا سوال کرد کہ آیا میشود کہ مردے تزویج نمایند زنی را وام ولد پدر آن زن را؟ فرمود بلے۔ پس عرض کرد بما خبر رسیدہ کہ حضرت زین العابدین تزویج فرمود دختر حضرت امام حسن مجتبیٰ و کنیز ام ولد حضرت مجتبیٰ را؟ حضرت فرمود چنین نیست۔ بلکہ حضرت زین العابدین تزویج فرمود دختر امام حسن و کنیز ام ولد علی اکبر را کہ در کربلا شہید شد۔“ (منتخب التواریخ۔ صفحہ 351)

(2) و در زیارت ماثورہ از شمالی از حضرت صادقؑ روایت کردہ کہ در زیارت علی بن الحسین المقتول بالطف بگوئید۔ ”صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَعَلَى عِزَّتِكَ وَاهْل بَيْتِكَ وَآبَائِكَ وَأَبْنَائِكَ“۔“ (منتخب التواریخ۔ صفحہ 351)

(1)۔ ”یہ سمجھ لو کہ بعض احادیث سے یہ فائدہ ملتا ہے کہ حضرت علی اکبر واقعہ کربلا میں شادی شدہ اور صاحب اولاد تھے۔ چنانچہ کتاب کافی

میں لکھا ہے کہ راوی نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے سوال کیا کہ آیا جائز ہے کہ ایک شخص ایک عورت سے شادی کرے اور اسی عورت کے باپ کی ایسی کنیز کو بھی بیوی بنالے جس سے اولاد ہو چکی ہو؟ امامؑ نے فرمایا کہ ہاں ہاں جائز ہے (لاحول ولا قوۃ)۔ یہ سُن کر راوی نے عرض کیا کہ جناب مجھے معلوم ہوا ہے کہ امام زین العابدینؑ نے امام حسنؑ کی بیٹی سے شادی کی اور پھر امام حسنؑ کی ایک ایسی کنیز کو بھی بیوی بنالیا جس سے امام حسنؑ کے یہاں اولاد ہو چکی تھی؟ آپؑ نے فرمایا کہ بات یوں نہیں تھی۔ بلکہ امام زین العابدینؑ نے امام حسنؑ کی بیٹی سے شادی کی تھی اور حضرت علی اکبرؑ کی اُس کنیز کو بھی زوجہ بنالیا تھا۔ جس سے علی اکبرؑ کے یہاں اولاد پیدا ہو چکی تھی۔ اور یہ علی اکبرؑ کے بلا میں شہید ہو گئے تھے۔

(2)۔ زیارتوں میں ثمالی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ علی بن حسینؑ جو کر بلا میں شہید ہوئے اُن کی زیارت پڑھتے ہوئے یہ بھی کہا کرو کہ:-

”صلوۃ بھیجے اللہ تم پر اور تمہاری عزت پر اور تمہارے اہل بیت پر اور تمہارے آبا و اجداد پر اور تمہارے بیٹوں پر۔“

اب اگر ہم ان بیانات کی پول کھولیں تو بہت طوالت میں الجھ جائیں گے۔ اس قدر کہنا کافی ہے کہ یہ تمام بدہضمی کی باتیں ہیں۔ بات وہی صحیح ہے کہ آپؑ اٹھارہ سالہ نوجوان غیر شادی شدہ تھے اور بس۔

یہ طرز فکر اور یہ اسلامی ریکارڈ مرتب کرنے کا یہ طریقہ سرکاری سرمایہ کے زور سے اختیار کیا گیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہی طریقہ عادت بن گیا۔ اسی کو تحقیق و تفتیش کا معیار سمجھا جانے لگا۔ اور اُن لوگوں نے بھی اسے اختیار کر لیا جن کا حکومتوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ حکومتوں کے دشمنوں نے بھی اسی طریقے کو مدرسوں میں سیکھا۔ اسی کو سنتے سنتے علم کی سندی اور اُسی کے مطابق عمل کرتے کرتے مر گئے۔ یوں شعوری و لاشعوری حیثیت سے سرکاری مذہب گھر گھر آ پہنچا۔ آج شیعہ علماء کی ایک بات بھی ایسی نہیں جو سرکاری طریقہ کے خلاف ہو۔ شیعہ مذہب کا کتابی ڈھانچہ بالکل وہی ہے جو سرکاری مذہب کے علما نے تیار کیا تھا۔ صرف نام بدلے ہوئے ہیں۔ لیبل شیعہ کا لگا ہوا ہے۔ کہیں کہیں دشمنانِ اہلبیتؑ کی مذمت بھی ملتی ہے اسلئے وہ کتابیں شیعوں کی کہلاتی ہیں۔

مومنین سُنیں کہ ہم ہرگز اُن علما کا اعتبار نہیں کر سکتے جو عرب کی قومی اور جرگہ ٹائپ کی حکومتوں کی تائید میں محمد و آل محمدؑ کے خلاف بیانات لکھیں، جو حضرت قاسم علیہ السلام کی شادی کا انکار کریں اور اسی غرض سے انہیں ایک نابالغ بچہ بنا کر دکھائیں۔ جو حضرت فاطمہؑ صغریٰ کے مدینہ میں چھوڑنے کا انکار کریں اور اسی مقصد کیلئے امام حسین علیہ السلام کی چار بیٹیوں میں سے دو کم کر کے دکھائیں۔ اور حضرت سکیئہؑ کے زندانِ شام میں انتقال کا انکار اسلئے کریں کہ انہیں زندہ دکھا کر (معاذ اللہ) ایک شاعرہ، گلوکارہ اور لطیفہ سنخ بنا ڈالیں۔ یہی علما تھے جنہوں نے رسولؐ کی کئی بیٹیاں گھڑیں اور کافروں سے اُنکے نکاح کئے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن اور اسلام کو پاؤں نہ بنادیا۔

(3)۔ حضرت علی اکبرؑ کی والدہ اور تنہالی پوزیشن

آپ کی والدہ علیہا السلام کا نام حضرت لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود بن معبد ثقفی تھا۔ حضرت لیلیٰ کے دادا اور علی اکبر علیہ

السلام کے پرانا کی خاندانی پوزیشن کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اُن کی مدح و ثنا کی ہے۔ اور کئی ایک احادیث میں اُن کا نہایت پیارے الفاظ میں تذکرہ فرمایا ہے۔ مثلاً:-

(1) دراصاب ابن حجر از حضرت پیغمبر نقل کردہ: قال مثل عروۃ مثل صاحب یسین دعی قومہ الی اللہ فقتلوه۔ (مختب صفحہ 309)

کتاب اصابہ فی تمیز الصحابہ میں ہے کہ عروہ کی مثال صاحب یسین کی سی ہے کہ اُنہوں نے اپنی قوم کو خدا کے دین کی طرف دعوت دی اور قوم نے اُنہیں قتل کر دیا۔

(2) واز جابر از حضرت پیغمبر روایت کردہ کہ فرمود:

عَرَضَ عَلَيَّ الْاَنْبِيَاءُ قَالَ وَرَأَيْتُ عِيسَىٰ فَاِذَا اَقْرَبَ مِنْ رَايْتُ بِهِ شَبِيهًا عَرَوْهُ بَنُ مَسْعُودٍ۔ (مختب التواريخ۔ صفحہ 309)

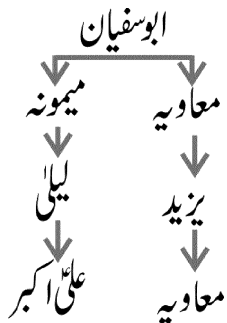
اور جابر نے رسول اللہ سے روایت کیا کہ فرماتے تھے کہ میرے سامنے تمام انبیاء کو پیش کیا گیا تھا۔ جب میں نے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قریب سے دیکھا تو انہیں جناب عروہ کے ہم شکل پایا۔

جناب لیلیٰ کی دہیال یعنی علی اکبر علیہ السلام کی انھیال رسول اللہ کے بیان سے قابل احترام ثابت ہوگئی۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت علی اکبر علیہ السلام کی پوزیشن ادھر اپنے والد حسینؑ، دادا علیؑ اور رسول اللہ کی وجہ سے اور ادھر نانا عروہ بن مسعود کی بنا پر تمام اُمت کے لئے واجب الاحترام ہے۔ اور یہ احترام و عزت اس طرح اور مضبوط ہو جاتی ہے کہ ابوسفیان نے عروہ بن مسعود کے بیٹے کو اپنا داماد بنایا تھا۔ اور اپنی بیٹی میمونہ کی شادی ابی مرہ بن عروہ بن مسعود سے کی تھی۔ اور حضرت علی اکبر علیہ السلام کی والدہ اُسی میمونہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی نواسی تھیں اور اس کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی اکبر علیہ السلام جہاں تمام دنیا اسلام اور مومنین کے لئے واجب التعظیم ہیں وہیں تمام کافروں، مشرکوں اور منافقوں کے لئے بھی علی اکبر واجب التکریم ہیں۔ اس لئے کہ اُن سب کا سردار اور راجنما ابوسفیان تھا۔

اب یہ دیکھئے کہ امیر معاویہ اور یزید پوری مملکت اسلامیہ کے بادشاہ اور خلیفہ تھے۔ لہذا وہ تمام مسلمان جو اُنکی خلافت اور امیر المومنین پر ایمان رکھتے ہیں اُن پر واجب ہے کہ یزید اور معاویہ کا احترام کریں۔ اور ابوسفیان، اُن کی بیٹی میمونہ اور اُن کی نواسی لیلیٰ کا بھی احترام کریں۔ یہ احترام یوں بھی واجب ہے کہ جناب میمونہ اور لیلیٰ اُنکے خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کی بہن اور چھوٹی بھی تھیں اور علی اکبر علیہ السلام اُن ہی کے بیٹے تھے۔ اور معاویہ کے نزدیک مسلمانوں کے حقیقی خلیفہ اور امیر المومنین بنائے جانے کے سب سے زیادہ حقدار تھے۔

معاویہ کا یہ اعلان حضرت علی اکبر کو خود معاویہ سے بلند مقام دیتا ہے۔ اور تاریخ میں موجود ہے۔ ذرا اس خاکہ کو دیکھئے:-



معاویہ اور میمونہ بہن بھائی ہیں۔ لہذا میمونہ خلیفۃ المسلمین کی بہن ہونے کی وجہ سے واجب الاحترام ہیں اور یوں بھی کہ شریفوں کے یہاں بیٹیاں اور بہنیں خاندان کی عزت و عصمت ہوا کرتی ہیں۔ یعنی معاویہ و ابوسفیان کی عزت تھیں میمونہ اور لیلیٰ۔ اور اُن کا بیٹا علی اکبر یقیناً خاندان بنی اُمیہ کے لئے واجب الاحترام تھا۔ اور اس کی سند میں خلیفۃ المسلمین معاویہ نے کہا تھا کہ ”علی اکبر اس لئے دنیا میں سب سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں کہ اُن میں بنی

ہاشم کی شجاعت اور بنی ثقیف کی خودداری اور بنی امیہ کی سخاوت مجتمع ہیں۔ پھر مذکورہ خاکہ میں معاویہ اور میمونہ بہن بھائی ہیں۔

اور یزید و حضرت لیلیٰ بہن بھائی ہیں۔ اور اس طرح جناب علی اکبر علیہ السلام شہنشاہ وقت اور مملکت اسلامیہ کے خلیفہ کے خواہر زادے یعنی بھانجے تھے۔ بتائیے اس سے بڑی دنیاوی و دینی عزت اور کیا ہو سکتی ہے جو حضرت علی اکبر کو حاصل نہ تھی؟ وہ نہ صرف اولاد رسولؐ تھے بلکہ سو فیصد ہم شکل رسولؐ بھی تھے۔ دیدار رسولؐ کو ترسنے والی آنکھیں انہیں دیکھ کر ٹھنڈی ہو جاتی تھیں۔ عہد رسولؐ کے بعد پیدا ہونے والوں کے لئے وہ رسالت و رسولؐ کا نظارہ پیش کرتے تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے بڑی حسرت و یاس سے فرمایا تھا کہ:-

”اے اللہ جب ہم تیرے رسولؐ کی زیارت کے مشتاق ہوا کرتے تھے۔ تو علی اکبر کو دیکھ کر ہمیں تسلی و تشفی مل جاتی تھی۔ اب اسے بھی تیری راہ میں قربان کر رہا ہوں۔“

کتنا سنگدل، کتنا کمینہ، کتنا زلیل اور کیسا بے دین تھا یزید کہ اُس نے اپنی بہن کے شوہر حسینؑ اور اپنی بہن کے فرزند علی اکبر کا ذرہ برابر لحاظ نہ کیا؟ اپنی حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے اُس نے اللہ و رسولؐ اور شرافت انسانی کو داؤ پر لگا دیا۔

مومنین نوٹ کریں کہ ساری دنیا میں عربوں کی وضع داری اور اقربا و قبیلہ کی حمایت اور مہمان داری وغیرہ کے ڈھول بجائے جاتے ہیں۔ رسولؐ اللہ نے عربوں کے تمام سربرآوردہ قبائل میں شادیاں کیں۔ جناب امام حسنؑ بھی تقریباً سارے عرب کے داماد تھے۔ امام حسینؑ بھی تو معاویہ کے داماد تھے۔ مگر اولاد علیؑ ہونے کے جرم میں عربوں نے نسل رسولؐ کا قتل عام کرنے میں دین تو الگ خود اپنے رسم و رواج کو بالائے طاق رکھ دیا۔ خدا و رسولؐ کے احکام تو کہاں؟ اپنی ملکی و قومی شرافت کا منہ کالا کر دیا۔ نسل رسولؐ مٹانے کی کوشش پچاس سال کی گئی (بقرہ 2/205) اور یزید نے اپنے بزرگوں کے منصوبہ کو پروان چڑھا دیا۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ نسل رسولؐ توریت و قرآن کی پیشگوئیوں کے مطابق ساری دنیا میں پھیل گئی اور مسلم و غیر مسلم دونوں میں واجب الاحترام رہتی چلی آئی اور کر بلا کے شہدا کی یاد اُن کا سوگ اور عزاداری دنیا کے چپے چپے پر منائی جانے لگی۔ مسلم و غیر مسلم، امیر و غریب راجا و بادشاہ اور فقیر و گداگر سب مل کر ماتم حسینؑ کرتے ہیں۔ لیکن نسل بنی امیہ دنیا سے مٹ گئی۔ اور یزید کے سرپرستوں کی تسلیں خود یزید نے حرام کاری کی جھینٹ چڑھا دیں اور آگے جس کی نسل چلی وہ یزیدی افواج کے نطفہ سے چلی۔ اور آل محمدؐ پر ظلم کرنے والوں کی نسل یزید کی کوشش سے یقینی طور پر حرامی ہو گئی۔ بارہ ہزار فریادیوں نے تین روز مدینہ کے باشندوں کی مستورات سے دن رات زنا کیا۔ اور تاریخی طور پر سب کے یہاں اس زنا سے اولاد دھوئی اور وہی اولاد آگے چل کر پھر دشمنان محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم رہتی چلی آئی ہے۔ یہ تھی وہ سزا جو حسینؑ کی نصرت سے دل چرانے اور یزید کی تائید کرنے کے سبب سے ملی تھی۔ عرب کے بڑے لوگوں میں کوئی شخص صحیح النسب ہونے کا مادی ثبوت نہیں دے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہاں حسب و نسب کو دوسرا نمبر دیا جاتا ہے۔ اور ضرورت کے وقت عمل کی آڑ لے لی جاتی ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں اور علم و تجربہ اس پر شاہد ہے کہ اگر نطفہ حرام ہے؟ اور خوراک حرام ہے؟ اگر مادی و ذہنی ماحول خراب ہے؟ اگر شرافت و اخلاق جمیلہ ورثہ میں نہیں ملے ہیں تو نیک عملی و پارسائی ناممکن ہے۔ بلند خیالی و عالی حوصلگی اور وسعت قلب اور وفا شعاری ہرگز ممکن نہیں ہے۔ لہذا دیکھ لو تاریخ میں جھانک کر دیکھ لو کہ

اُن کی نسلوں میں آج تک غداری، فریب اور جلسا سازی موجود ہے۔ مسلمانوں سے بڑے مجرم دنیا میں کہیں نہ ملیں گے۔ اور مسلمانوں میں جو شریف و پارسا اور بزرگ تھے یا آج ملیں وہ اُدھر کے نہیں بلکہ محمدؐ و آل محمدؐ کے زمرہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ دوستانہ اہلبیتؑ ہوتے ہیں اور دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ کے دشمن ہوا کرتے ہیں۔ حکومت کے پروپیگنڈا کا مشہور کردہ شخص یا اشخاص قابل تحقیق و تنقید ہوتے ہیں۔ اس پروپیگنڈے نے جہاں نئے نبی گھڑے وہیں کچھ اولیا اور قطب بھی بنا ڈالے ہیں۔

(4)۔ اموی خاندان اور اموی درباروں کے شعرا کی زبانی علی اکبر کا مقام

ابوعبیدہ اور خلف احمر نے درباری شعرا کا کلام نقل کیا ہے۔ اس کا نمونہ ملاحظہ ہو:-

”اُنکی مثال اس دنیا میں کہیں اور نہیں ملتی۔ اُن کے ضیافت خانہ میں ہر وقت مہمانوں اور بے سہارا غربا و یتامی کیلئے گوشت اور روٹیاں پکتی رہتی ہیں۔ وہاں آگ اس لئے شعلہ ور رکھی جاتی ہے کہ دن میں بھی اور رات کے اندھیروں میں بھی دُور سے دیکھنے والا سمجھ لے کہ اُسکی مدد کا ٹھکانا وہاں ہے۔ وہ اس دنیا اور دنیاوی سامان کو دین کے مقابلہ میں بیچ سمجھتے ہیں۔ وہ حق کو باطل کے بدلے میں فروخت نہیں کرتے۔ میری تمام مدح سرائی حضرت علیؑ کے فرزند کی شان میں ہے۔ جو سخاوت اور بخشش کا مرکز ہیں جو بڑے حسب و نسب والی خاتون کے لاڈلے ہیں۔“

معاویہ اور درباری شعرا کی یہ قصیدہ خوانیاں حقیقت کی آڑ میں یہ چاہتی تھیں کہ حسینیؑ شیرازہ منتشر ہو جائے۔ اولاد میں پھوٹ پڑ جائے۔ مگر معصوم انتظام حکومتوں اور شہنشاہیت کے قابو میں نہیں آتا۔ اور دیکھ لو کہ ملکی حکومتوں کی پچاس سالہ کوششیں اور مال و متاع و سرمایہ رائیگاں گیا اور حسینیؑ فتح ہو کر رہی۔

(5)۔ حضرت علی اکبر کی رخصت روایات کے الفاظ میں

قال محمد بن ابی طالب وابن شہر آشوب فی المناقب اَنَّهُ لَمَّا تَقَدَّمَ عَلٰی بْنِ الْحُسَيْنِ وَامَه لَيْلٰی بِنْتُ اَبِي مَرْثَةَ بْنِ مَسْعُودِ الثَّقَفِيِّ رَفَعَ الْحُسَيْنُ سَابِقَتَهُ نَحْوَ السَّمَاءِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدْ عَلٰی هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ إِلَيْهِمْ غِلَامٌ اَشْبَهَ النَّاسَ خَلْقًا وَخُلُقًا وَمَنْطَقًا بِرَسُولِكَ كُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی نَبِيِّكَ نَظَرْنَا اِلٰی وَجْهِهِ۔ اَللّٰهُمَّ اَمْنَعِهِمْ بِرَكَاتِ الْاَرْضِ وَفَرَقِهِمْ تَفْرِيقًا وَاجْعَلْهُمْ طَرَائِقَ قَدَرًا وَلَا تَرْضِ الْوَلَاةَ عَنْهُمْ اَبَدًا۔ فَانْهَمُ دَعَوْنَا لِنَنْصُرُوْهُ ثُمَّ عَدُوْا عَلَيْنَا يَقَاتِلُوْنَنا۔ ثُمَّ صَاحَ الْحُسَيْنُ بِعُمَرَ بْنِ سَعْدٍ مَّالِكٍ قَطَعَ اللّٰهُ رَحِمَكَ وَلَا بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ اَمْرِكَ وَسَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَنْ يَذْبَحُكَ بَعْدِيْ عَلٰی فِرَاشِكَ كَمَا قَطَعْتَ رَحِمِيْ وَلَمْ تَحْفَظْ قِرَابَتِيْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ثُمَّ رَفَعَ الْحُسَيْنُ صَوْتَهُ وَتَلٰی اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلٰی الْعٰلَمِيْنَ۔ ذُرِّيَّةَ بَعْضِهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (عمران 33-34) وقال السيد وخرج علي بن الحسين وكان من اصبح الناس وجهًا واحسنهم خلقًا فستاذن اباه في القتال فاذن له ثم نظر آليس منه ثم ارخى عينيه وبكا وقال اللهم اشهد فقد برز اليهم..... وقال ابو الفرج في المقاتل باسناده الى سعيد بن ثابت قال لما برز علي بن الحسين ارخى الحسين عينيه فبكى ثم قال اللهم فكن انت شهيد عليهم فقد برز اليهم غلام اشبه الخلق برسول الله صلى الله عليه وآله وسلم۔ (أكسير العبادات - صفحہ 359-360)

علامہ محمد بن ابی طالب نے اور علامہ ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب مناقب میں لکھا ہے کہ جب علی اکبر بن حسینؑ اجازت لے

کرمیدان کی طرف چلے اور یہ وہ تھے جن کی والدہ لیلیٰ بنت ابی مرہ بن مسعود ثقفی تھیں۔ تو امام علیہ السلام نے آسمان کی طرف اپنی انگلی اٹھائی اور فرمایا کہ اے اللہ تو گواہ رہ کہ اب اس قوم کی طرف وہ جوان چلا ہے جو چال ڈھال اور گفتار و رفتار و اخلاق میں اور صورت شکل میں تیرے رسولؐ سے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔ ہمیں جب تیرے رسولؐ کی یاد ستاتی تھی اور انہیں دیکھنے کا شوق بھرک اٹھتا تھا تو علیؑ اکبر کو سامنے بٹھا کر اور نظر بچا کر دیکھا کرتے تھے تو دل سیر ہو جایا کرتا تھا۔ اب یہ نعمت بھی مجھ سے چھینی جا رہی ہے اور ایک دفعہ پھر ہمیں رسولؐ اللہ کا داغ سہنا پڑ رہا ہے۔ یا اللہ اس ظالم گروہ پر زمین کی برکت بند کر دے۔ اُن میں انتہائی تفرقہ ڈال دے اور انہیں مختلف راہوں میں منتشر کر دے اور اُن کے سر براہوں سے کبھی راضی نہ ہونا۔ ان لوگوں نے ہمیں بلایا اور نصرت کا وعدہ کیا۔ ہم آئے تو ہمارے دشمن بن گئے اور ہم سے برسرِ جنگ ہو گئے۔ پھر عمر بن سعد کو پکار کر کہا کہ خدا تیرے اعزہ و اقربا کو بھی تجھ سے جدا کرے اور کبھی تجھے برکت عطا نہ کرے۔ تیری تمام اسکیموں کو تباہ کر دے۔ اور تجھ پر ایسے شخص کو مسلط کرے جو تجھے تیرے بستر اور تیری مسند پر ذبح کر ڈالے۔ اور تیرے ساتھ اللہ کوئی رعایت نہ کرے جیسا کہ تو نے میرے متعلق رسولؐ اللہ کا حق ادا نہ کیا اور اُس رشتہ کو نظر انداز کر دیا جو میرا رسولؐ اللہ سے ہے اور میرے خاندان کا قتل عام کر دیا۔ اس کے بعد امامؑ نے بلند آواز سے یہ آیت پڑھی کہ یقیناً ہم نے آدمؑ اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کی آل کو اور آل عمرانؑ (ابوطالب) کو تمام عالمین پر فضیلت عطا کی ہے اور وہ سب آپس میں ایک دوسرے کی ذریت ہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا بھی ہے اور یہ سب کچھ دیکھنے والا بھی ہے۔ اور جناب سید ابن طاووس نے لکھا ہے کہ علیؑ اکبر میدان میں نکلے تو تمام انسانوں سے خوبصورت اور سب سے خوب سیرت تھے۔ اپنے والد سے اجازت مانگی انہوں نے اجازت دے کر نظروں سے علیؑ اکبر کا تعاقب جاری رکھا۔ آنکھیں آنسو بہاتی رہیں اور فرماتے جاتے تھے کہ یا اللہ تو گواہ رہنا کہ علیؑ اُن کی طرف جا رہا ہے۔ دیکھتے رہے اور نگاہ یا س تعاقب کرتی رہی۔ اور علامہ ابوالفرج نے لکھا ہے جب علیؑ اکبر میدان کو چلے تو امامؑ نے علیؑ اکبر پر نگاہ حسرت ڈالی اور فرمایا کہ اے اللہ تو گواہ رہ کہ آخر اُس نوجوان کو بھی تری راہ میں قربانی کے لئے بھیج دیا ہے جو ساری دنیا سے زیادہ رسولؐ اللہ کا ہم شکل تھا۔ علیؑ اکبر جا رہے تھے اور امامؑ کی نظریں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں آنسو بہہ رہے تھے۔ یہاں تک کہ میدان جنگ میں پہنچ گئے۔

(6) حضرت علی اکبر علیہ السلام کی جنگ

وقال المفید وابن نما فشذ علی الناس وجعل یقول: انا علی بن الحسین بن علی۔ نحن بیت اللہ اُولی بالنبی۔ تالّٰہ لایحکم فینا ابن الدعی۔ اماترونی کیف اَحْمٰی عن اَبی۔ ففعل ذلک مراراً واهل الکوفة یتقون قتله وفي بعض التالیفات انه لما برز علی بن الحسین دعی عمر بن سعد بطارق بن کثیر وکان فارساً مناعاً وبطلاً دفاعاً۔ فقال له انت الذی تاكل نعمة الامیر وتاخذ منه العطا یا فاخرج الی هذا الغلام وجنّی براسه۔ فقال یا ابن سعد انت تاخذ ملک الرّی وانا اخرج الیه بل الواجب ان تخرج انت الیه الا ان تَضْمَن لى عند الا میر ان تكون امارۃ الموصول لی۔ فحینذ اخرج الیه واتیك براسه۔ قال فضمن له ذلک فخرج طارق الی مبارزة علی بن الحسین وقا تلہ وجادله قتالاً شدیداً فضر به علی بن الحسین ضربه منکرة فانجدل صریعاً وعجل اللہ بروحه الی النار۔ قال فخرج اخو المقتول فاستقبله علی بن الحسین ولم یزالا فی کُرُوفٍ حتی وصل الیه علی بن الحسین فعطف علیہ بضربة وقعت علی عینیه فخر صریعاً۔ قال فخرج الیه ولد طارق فما کان الا هنیئة حتی ارداه قتیلاً وطلب

البراز فلم یبرز الیہ احد۔ فہتف عمر بن سعد بیکر بن غانم وندبہ فبرز الیہ۔ فَلَمَّا بَرَزَ تَغَيَّرَ لَوْنُ الْحُسَيْنِ۔ فقالت لیلیٰ اُمّ علیّ الاکبر مِمَّا تَغْيِرُکَ یَا سِیدِی لَعَلَّہُ قَدْ اَصَابَہُ شَیْءٌ؟ قال لا و لکن قد برز الیہ مَنْ یَخَافُ الیہ مِنْہُ فَادْعِی لَوْلَدِکَ عَلِیٌّ فَانِّی قَدْ سَمِعْتُ مِنْ جَدِّی رَسُولَ اللّٰہِ اَنْ دَعَاءَ الْاُمِّ یَسْتَجَابُ فِی حَقِّ وَلَدِہَا۔ قال فَجَرَدَتْ رَاسِہَا وَہِی فِی الْفَسْطَاطِ وَدَعَتْ لَہُ الْاِیُّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ بِالنَّصْرِ عَلَیہ۔ وقال وجرى بينهما حربٌ شديداً حتى انخرق درع بکر بن غانم من تحت ابطه فعاجله علی بن الحسین بضربة قسمه نصفين لارحمه اللّٰہ۔ فلم یزل یقاتل حتى صَحَّ النَّاسُ مِنْ کَثْرَةِ مَنْ قَتَلَ مِنْہُمْ۔ اَنَّهُ قَتَلَ عَلِیَّ عَطَشَہُ مِائَۃً وَعِشْرَیْنَ رَجُلًا۔ ثُمَّ رَجَعَ۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 359-360)

علامہ شیخ مفید اور ابن نما نے لکھا ہے کہ اکبر علیہ السلام نے افواج پر سخت حملہ کیا اور کہتے جاتے تھے کہ میں علیؑ ہوں اور حسینؑ ابن علیؑ کا فرزند ہوں۔ اور ہم خانہ خدا ہیں اور نبیؐ کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں اور سب سے زیادہ نبیؐ سے قریب ہیں۔ خدا کی قسم لوگوں کو بلانے والی عورتوں کی اولاد ہم پر حکم نہیں چلا سکتی۔ اور کیا تم میرے حملوں سے یہ نہیں کہو گے کہ میں اپنے والد کی حمایت میں لا جواب جنگ کر رہا ہوں؟ اسی طرح کئی مرتبہ حملے کئے اور اہل کوفہ اُن سے جنگ کرتے ہوئے جھکتے تھے۔ ہمارے علما کی بعض تصنیفات میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت علیؑ اکبر میدان میں آئے اور مد مقابل طلب کیا تو عمر بن سعد نے طارق بن کثیر کو بلایا۔ یہ شخص بڑا بہادر اور من چلا جنگ جو تھا۔ جب وہ آیا تو ابن سعد نے کہا کہ امن کے زمانہ میں تم خلیفہ کی طرف سے نعمتیں کھاتے رہتے ہو اور تنخواہ اور دوسرے عطیات وصول کرتے رہتے ہو۔ اب وقت آیا ہے کہ اس نوجوان کے مقابلہ پر جاؤ اور میرے پاس اُس کا سر لے کر آؤ۔ طارق کو عمر بن سعد کی باتیں ناگوار گزریں۔ اس نے جواب دیا کہ ملک رے تو حاصل کرو تم اور مقابلہ کو نکلوں میں۔ مقابلہ کو نکلتا تو دراصل تم پر واجب ہے نہ کہ مجھ پر؟ البتہ اگر تم یہ ضمانت دو کہ تم مجھے خلیفہ سے موصول کی حکومت دلا دو گے تو میں مقابلہ کو تیار ہوں ورنہ نہیں۔ اس پر عمر بن سعد نے ضمانت لے لی۔ اب طارق بڑی اکڑ فون اور ٹھٹھا دکھاتا ہوا چلا۔ جب علی اکبر علیہ السلام کے پاس پہنچا تو دونوں میں بڑی خطرناک لڑائی ہوئی۔ آخر جناب علیؑ اکبر نے ایک بڑی مہلک ضرب لگائی جس سے وہ تڑپ کر کرا اور اللہ نے جلدی سے اس کی روح کو جہنم میں پہنچا دیا۔ راوی نے کہا کہ پھر طارق کا بھائی بھی بڑے جوش و خروش سے مقابلہ پر آیا تو جناب علیؑ اکبر نے اُسے داؤ پر رکھا اور ایک وار کیا جو اس کی آنکھوں پر پڑا اور آدھی کھوپڑی دور جا گری اور وہ بھی واصل جہنم ہو گیا۔ راوی نے بتایا کہ پھر طارق کا بیٹا سامنے آیا تو ذرا سی دیر میں وہ بھی ڈھیر ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اسکے بعد علی اکبر علیہ السلام لوگوں کو اپنے مقابلہ پر بلاتے رہے لیکن خوف کا مارا کوئی باہر نہ نکلتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر عمر بن سعد نے بکر بن غانم کو تعریفی الفاظ کے ساتھ پکارا اور اُسکی ہمت افزائی کی۔ چنانچہ وہ میدان میں آیا اُدھر امام علیہ السلام کے چہرہ کا رنگ بدلا۔ اور قاتل کے پیچھے کھڑی ہوئی حضرت لیلیٰ نے اپنے سرتاج کے چہرہ کا بدلنا دیکھ لیا تو دل دھک سے ہو کر رہ گیا۔ وہ تو امام کے چہرہ سے بیٹے کی حالت دیکھ رہی تھیں۔ دل تھام کر بولیں کہ اے میرے آقا خیریت ہے؟ آپ کے چہرہ کا رنگ کیوں بدلا تھا۔ کیا بچے پر کوئی خطرہ واقع ہونے والا ہے؟ تسلی کیلئے فرمایا کہ نہیں ایسا نہیں ہے۔ جو آدمی مقابلہ پر آیا ہے علیؑ اکبر کے متعلق اُس سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ بات سنو! میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ ماں کی دعا بچوں کے حق میں فوراً قبول ہوتی ہے لہذا تم

علی اکبر کے لئے اللہ سے دعا مانگو۔ اللہ تمہارے بچہ کو اُس پر غالب کرے گا۔ یس کن روہ قنات سے ہٹ گئیں اور اُن کا سر نظر آنا بند ہو گیا۔ یہی مطلب تھا کہ وہ کہیں وہ خطرناک جنگ نہ دیکھ لیں جو علی اکبر کو پیش آنے والی تھی۔ وہ تو اُدھر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مصروف ہو گئیں ادھر جناب علی اکبر علیہ السلام کو بکر بن غانم سے بڑی خطرناک اور جان لیوا جنگ درپیش تھی۔ وار پر وار ہورہے تھے اور بکر بن غانم قابو میں نہ آتا تھا کہ اچانک امام زادے نے دیکھا کہ بکر بن غانم کی زرہ بغل کے نیچے سے پھٹ گئی ہے۔ پھر تو جلدی سے ایک تلوار تاک کر اُسی جگہ لگائی اور یوں اُس ملعون کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا (اللہ اس پر رحم نہ کرے)۔ پھر عام حملہ ہو گیا اور لیلیٰ کے لال نے ذرا دیر میں ایک سو بیس ملائین کو تہ تیغ کر کے رکھ دیا اور جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ لوگوں میں ہائے واویلا کی فریاد بلند ہو گئی۔ میدان صاف دیکھا تو بابا کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ پیاس تو چار روز سے لگی ہوئی تھی۔ اب شدت انتہا کو پہنچ چکی ہوگی۔

(7)۔ حضرت علی اکبر میدان خالی کر کے بابا کی خدمت میں آتے ہیں

یقیناً یہ خیال بھی رہا ہوگا کہ والدہ کا دل جنگ کے دوران دہلتا رہا ہوگا۔ میں جاؤں گا تو ذرا تسلی ہوگی۔ کچھ دعائیں ساتھ لے آؤں گا۔ رہ گئے بہت سے زخم اور بہتا اور ٹپکتا ہوا خون تو ایسی حالتیں دیکھتے دیکھتے اہل حرم کا سارا دل گزرا ہے۔ بہر حال بیٹے کو آتادیکھ کر باپ اور والدہ نے کیا محسوس کیا ہوگا۔ پھر بھی کس بے چینی سے منتظر ہوں گی۔ بہنیں اور دیگر خواتین اور بچے بھی تو دیکھ رہے ہوں گے۔ اُن سب کے قلوب کی حالت ہر ایک کے الگ الگ تاثرات راویوں کو بیان کرنے کی فرصت کہاں تھی؟ وہ بیان بھی کرتے تو لکھنے والے پھر بھی آزاد تھے لکھتے یا نہ لکھتے۔ تکلیفات نہ راویوں پر گزری تھیں نہ اہل قلم کے دلوں میں وہ درد تھا۔ جو کچھ لکھ دیا اسی کو غنیمت سمجھ کر سُنئے :-

ثُمَّ رَجَعَ إِلَى أَبِيهِ وَقَدْ أَصَابَهُ جَرَاحَاتٌ كَثِيرَةٌ فَقَالَ يَا أَبَا الْعَظَشِ قَدْ قَتَلَنِي وَثَقَلَ الْحَدِيدُ أَجْهَدَنِي فَهَلْ إِلَى شُرْبَةِ مَنِ الْمَاءِ سَبِيلٌ أَتَقْوَى بِهَذَا عَلَى الْأَعْدَاءِ؟ فَكَى الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَالَ يَا بُنَيَّ عِزِّي عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى أَبِيكَ أَنْ تَدْعُوهُمْ فَلَا يَجِيبُكَ وَتَسْتَغِيثُ بِهِمْ فَلَا يَغِيثُكَ يَا بُنَيَّ هَاتِ لِسَانَكَ - فَاخِذْ لِسَانَهُ فَمَصْهُ وَدْفِعْ إِلَيْهِ خَاتَمَهُ وَقَالَ خُذْ هَذَا الْخَاتَمَ وَامْسُكْهُ فِي فَيْكِ وَارْجِعْ إِلَى قِتَالِ عَدُوِّكَ فَإِنِّي أَرْجُو أَنَّكَ لَا تَمْسِي حَتَّى يَسْقِيكَ جَدُّكَ بِكَاسِهِ الْإِوْفَى شُرْبَةً لَا تَنْظُمَاءُ بَعْدَهَا أَبَدًا فَاخِذْ الْخَاتَمَ فِي فِيهِ فَرْجِعْ إِلَى الْقِتَالِ... (أكسير العبادات - صفحہ 360)

پھر جناب علی اکبر میدان جنگ سے اپنے والد کے پاس چلے آئے اور انہیں بہت کثرت سے زخم لگے ہوئے تھے۔ آتے ہی عرض کیا کہ بابا مجھے تیغ زنی کے ساتھ ساتھ پیاس کی شدت نے قریب المرگ کر دیا ہے۔ کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ ایک گھونٹ پانی کامل جائے تو میں ان دشمنانِ دین سے منٹنے کی قوت پاسکوں۔ امام کا دل بھرا آیا اور روتے ہوئے فرمایا کہ بیٹے تیرے باپ کو اور تمہارے دادا علی علیہ السلام کو اور رسول اللہ کو دھڑ بھڑ صدمہ ہے کہ وہ اپنے معاہدہ کی پابندی کی بنا پر ایسی حالت میں ہیں کہ تم اُن سے فریاد کرتے ہو اور ہم سب تمہاری فریاد کا تذکر نہیں کر سکتے۔ تم مدد کو بلاؤ اور ہم مدد نہ کر سکیں۔ اچھا بیٹے ذرا اپنی زبان آگے بڑھاؤ۔ اس کے بعد علی اکبر کی زبان کو چوسا اور فرمایا کہ یہ میری انگوٹھی لے لو۔ اسے اپنے منہ میں رکھو اور چوستے ہوئے جنگ کرو۔ مجھے اُمید ہے کہ تمہیں اُس وقت تک پیاس نہ ستائے گی جب تک تمہیں تمہارے دادا ایسا شربت نہ پلا دیں کہ جس سے پھر کبھی بھی تمہیں پیاس نہ لگے گی۔ آپ نے انگوٹھی منہ

میں رکھی اور میدان جنگ میں آ گئے۔

(8)۔ حضرت علی اکبر علیہ السلام دوبارہ میدان جنگ میں

فرجع وهو يقول: اَنَا عَلَى لَا أَقُولُ كَذِبًا - اتبع جَدِّي المصطَفَى المَهْدَبَا - اضربكم بالسَّيْفِ ضَرْبًا مَعْجَبًا - ضَرْبُ غِلَامٍ لَا يُرِيدُ الْهَرَبَا - ثُمَّ حَمَلَ عَلَى الْقَوْمِ فَقَتَلَ وَاحِدًا وَثَمَانِينَ رَجُلًا وَهُوَ يَقُولُ: الْحَرْبُ قَدْبَانَتْ لَهَا الْحَقَائِقُ - وَظَهَرَتْ مِنْ بَعْدِهَا مَصَادِقُ - وَاللَّهِ رَبُّ الْعَرْشِ لَا تَفَارِقُ - جَمْعُكُمْ أَوْ تَغْمِدُ الْبَوَارِقُ - فَلَمْ يَزَلْ يُقَاتِلُ حَتَّى قَتَلَ تَمَامَ الْمَأْتِينَ - ثُمَّ حَمَلَ وَلَمْ يَزَلْ يُقَاتِلُ حَتَّى قَتَلَ مِنَ الْقَوْمِ الْفَأَ وَخَمْسَمِائَةَ فَارِسٍ فَقَرَّبَهُ مِنْقَذُ بْنُ مَرَّةٍ الْعَبْدِيُّ فَقَالَ عَلِيُّ آثَامُ الْعَرَبِ لَيْنُ مَرْبَى هَذَا الْغِلَامِ وَهُوَ يَفْعَلُ بِالنَّاسِ مَا فَعَلَهُ لَا تُكَلِّنُهُ أَبَاهُ فَكَمَنَّ لَهُ - فَمَرَّ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ يَشُدُّ عَلَى النَّاسِ كَمَا شَدَّ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ، فَضْرِبُهُ بِالرَّمْحِ فِي ظَهْرِهِ فَخَرَّ عَنْ جَوَادِهِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ اسْتَوَى جَالِسًا وَهُوَ يَنَادِي يَا أَبَاهُ عَلَيْكَ مِنِّي سَلَامٌ هَذَا جَدِّي مُحَمَّدٌ المصطَفَى وَهَذَا جَدِّي عَلِيُّ المَرْتَضَى وَهَذِهِ جَدَّتِي خَدِجَةُ الْكُبْرَى وَهَذِهِ جَدَّتِي فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ وَهُمْ إِلَيْكَ مُشْتَاقُونَ - فَاقْبَلِ الْحُسَيْنُ وَفَرَّقَ الْقَوْمُ عَنْهُ - فَتَصَارَخَنَ النِّسَاءُ فَقَالَ لَهُنَّ الْحُسَيْنُ اسْكُنْنَ فَإِنَّ الْبُكَاءَ أَمَامُكُنَّ وَاخْذِرْنَ وَلَدَهُ وَوَضَعَهُ فِي حَجَرِهِ وَجَعَلَ يَمْسُ الدَّمْعَ عَنْ وَجْهِهِ يَقُولُ يَا بُنَيَّ لَعَنَ اللَّهُ قَوْمًا قَتَلُوا مَا شَدَّ جُرْأَتُهُمْ عَلَى اللَّهِ وَعَلَى أَنْهَاقِ حُرْمَةِ الرَّسُولِ وَانْهَمَلَتْ عَيْنَاهُ مِنَ الدَّمْعِ - ثُمَّ قَالَ عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَا يَا بُنَيَّ أَمَا أَنْتَ فَقَدْ اسْتَرَحْتَ مِنَ الدُّنْيَا وَضَمِيمِهَا وَقَدْ صُرْتَ إِلَى رُوحِ رِيحَانٍ وَبَقِيَ أَبُوكَ فَمَا اسْرِعْ لِحَقْوَقِهِ بِكَ ثُمَّ حَمَلَهُ عَلَى جَوَادِهِ وَاقْبَلَ بِهِ إِلَى الْخِيْمَةِ فَطَرَحَهُ فِيهَا - قَالَ عِمَارَةُ بْنُ رَاقِدٍ إِنِّي نَظَرْتُ إِلَى امْرَأَةٍ قَدْ خَرَجَتْ مِنْ فُسْطَاطِ الْحُسَيْنِ كَانَهَا الْبَدْرُ الطَّالِعُ وَهِيَ تَنَادَى وَأَوْلَدَاهُ امْهَجَا قَلْبَاهُ يَالَيْتَنِي كُنْتُ هَذَا الْيَوْمَ عَمِيًّا أَوْ كُنْتُ وَسَدْتُ تَحْتَ أَطْبَاقِ الثَّرَى... وَاجْبِيَاهُ وَابْنَ إِخَاهُ... فَانْكَبَتْ عَلَيْهِ فَجَانَّهَا الْحُسَيْنُ فَسْتَرَّ وَجْهَهَا بَعْبَانَهُ حَتَّى ادْخَلَتْ الْخِيْمَةَ - فَقُلْتُ لَكُوفِي مَنْ هَذِهِ اتَّعَرَفُهَا؟ قَالَ نَعَمْ هَذِهِ زَيْنَبُ أُخْتِ الْحُسَيْنِ. ثُمَّ أَمَرَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِتْيَانَهُ احْمِلُوا إِخَاكُم فَحَمَلُوهُ حَتَّى وَضَعُوهُ بَيْنَ يَدَيْ الْفُسْطَاطِ - (أكسير العبادات في أسرار الشهادات - 360-361)

ماں کا لا ڈالا، پھوپھی کا پیارا اور ضعیفی میں باپ کا سہارا پھر میدان جنگ میں آیا اور یہ کہتا ہوا یزیدی افواج پر چھپنا کہ میں علی ہوں اور قطعاً جھوٹ نہیں بولتا ہوں - میں اپنے تہذیب کے بانی دادا مصطفیٰ کا پیرو ہوں - میں تمہیں حیران کن تلواریں کی مار دوں گا - ایسی مار جو جم کر لڑنے والا نو جوان مارا کرتا ہے - پھر ایک شدید حملہ کیا اور اکیاسی (81) فوجیوں کو قتل کر ڈالا اور وہ کہتے جاتے تھے کہ جنگ بہت سے حقائق پر پردہ ڈال دیتی ہے - مگر جنگ کے بعد تمام ہی حقائق اور سچائیاں ابھر کر ظاہر ہو جایا کرتی ہیں - رب العرش کی قسم تمہاری اس کثیر فوج کے سامنے سے نہ ہٹیں گے - خواہ تمام روشنیاں پردہ پوش ہو جائیں -

برابر جنگ جاری رکھی کہ اس دفعہ بھی دو سو ملایین کو قتل کر دیا - پھر اور تیز تر حملہ کیا اور دھڑ دھڑ تلوار چلاتے رہے یہاں تک کہ اس حملہ میں ایک ہزار پانچ سو (1500) دشمنوں کو واصل جہنم کیا - علی اکبر تو بے تحاشہ جنگ میں مصروف تھے کہ اُن کے نزدیک منقذ بن مرہ عبدی آیا اور ساتھیوں سے کہا کہ اگر یہ نو جوان دوبارہ حملہ کرتا ہوا پھر ادھر سے گزرا اور اسی طرح محویت میں قتل عام کیا تو میں اس کے باپ کو اس کے غم میں مبتلا نہ کر دوں تو اللہ سارے عرب کے گناہوں میں مجھے ماخوذ کرے - چنانچہ حضرت علی اکبر اُسی شدت اور محویت سے حملہ کرتے اور لوگوں کو قتل کرتے ہوئے آ رہے تھے اور منقذ گھات میں لگا ہوا تھا - جب اس ملعون کے پاس سے گزرے تو اُس نے

تول کر نیزہ کمر میں مارا جو پار نکل گیا اور لیلیٰ کا بیٹا گھوڑے سے زمین پر گرا۔ جلدی سے سنبھل کر زمین پر بیٹھ گئے اور آواز دی کہ اے بابا میرا آخری سلام قبول کیجئے۔ مجھے لینے کیلئے یہ میرے دادا محمد مصطفیٰ اور علی مرتضیٰ اور یہ میری دادی فاطمہ زہراء اور خدیجہ الکبریٰ آئے ہیں اور یہ سب آپ کی آمد کے مشتاق ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے افواج پر حملہ کیا اور آن کی آن میں فوجوں کو بھگا کر بیٹے کے پاس پہنچے۔ اُدھر خیمہ میں اہل حرم بے قرار ہو گئے اور خواتین کی چیخیں بلند ہو گئیں۔ امّا نے پکارا کہ صبر کرو خاموش ہو جاؤ تمہارے رونے کا وقت آنے والا ہے۔ پھر اپنے بیٹے کا سر اٹھا کر گود میں رکھا اور چہرہ سے خون صاف کرنا شروع کیا۔ اور کہتے جاتے تھے۔ اے بیٹے اللہ تمہیں قتل کرنے والی قوم پر لعنت کرے۔ اللہ کے خلاف اُن کی جراتیں کتنی بڑھ گئیں اور اُس کے رسول کی توہین کرنے میں کتنے بے باک ہو گئے۔ امام کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ پھر فرمایا اے بیٹے تیرے بعد یہ دنیا ہمارے کس کام کی ہے۔ بیٹے تم تو اس دنیا اور یہاں کی تمام چیزوں کو چھوڑ کر چلے گئے میں بھی اب تمہارے پاس پہنچنے میں دیر نہ کروں گا۔ پھر جوان بیٹے کی لاش کو اٹھا کر اپنے گھوڑے پر رکھا اور خیمہ میں لا کر رکھ دیا۔ عمارہ بن راقد بتاتا ہے کہ میں نے دیکھا ایک خاتون چاند کی طرح طلوع ہوئی وہ کہتی آرہی تھی کہ ہائے میرے لال، ہائے میرا دل صدمہ سے پھٹا جاتا ہے۔ اے کاش میں یہ دن دیکھنے سے پہلے پہلے اندھی ہو گئی ہوتی۔ کاش مجھے آج سے پہلے زمین میں گہرا دفن کر دیا گیا ہوتا۔ ہائے میرے بھائی کے پیارے بچے۔ یہ کہتی ہوئی لاش پر گر پڑی۔ جلدی سے حسین آئے اپنی عبا سے اُن کا منہ ڈھکا اور خیمہ میں داخل کر دیا۔ میں نے ایک کوئی سے معلوم کیا تو اُس نے بتایا کہ وہ خاتون حضرت امام حسینؑ کی بہن جناب زینب علیہا السلام تھیں۔ پھر امّا نے نوجوانوں کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کی لاش اٹھاؤ اور اس کے بعد علی اکبر علیہ السلام کی لاش کو قنات کے مقابل رکھو دیا۔ جہاں باقی شہداء کے اجسام موجود تھے۔

(9)۔ ہماری معذرت اور جرأت و جسارت

اس عنوان کے ماتحت ہمیں بہت کچھ کہنا ہے۔ اور اُمید ہے کہ واقعاتِ کربلا کے اختتام کے بعد عرض کر سکوں گا۔ یہاں اس قدر بتانا بہت ضروری ہے کہ علم الحدیث اور روایت سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری کے اواخر میں اور اُسکے بعد لکھی جانے والی حدیث کی کتابوں میں اُنکے لکھنے والے محدثین نے احادیث کو توڑ توڑ کر بکھیر دیا ہے۔ یعنی جس حدیث میں دو مسائل پر معصوم نے بیان دیا تھا محدثین نے اس حدیث کے دو ٹکڑے کر کے دونوں مسئلوں کو الگ الگ کر لیا۔ تین مسائل والی حدیث کے تین ٹکڑے کئے، چار والی کے چار اور دس والی کے دس الگ الگ ٹکڑے کر ڈالے۔ یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے احادیث لکھنے سے پہلے مسائل کی ایک فہرست بنائی پھر اس فہرست سے عنوانات لے کر اب احادیث کے توڑے ہوئے ٹکڑوں میں سے وہ ٹکڑا وہاں لکھ دیا جہاں متعلقہ مسئلہ تھا۔ اس طرح ایک ایک حدیث ٹوٹ ٹوٹ کر اُس کتاب کے مختلف صفحات میں بکھر گئی۔ اور یہ ناممکن ہو گیا کہ معصوم زبان سے نکلی ہوئی کوئی حدیث ایک جگہ پوری اور مکمل مل جائے۔ اس صورت حال کی جدید تصدیق علامہ علی نقی عرف نقن اور سید العلماء لکھنوی کی کتاب ”تدوین حدیث“ میں تفصیل سے موجود ہے۔ ہمیں یہ بتانا ہے کہ یہی سلوک اُن روایات کے ساتھ کیا گیا جو واقعاتِ کربلا بیان کرتی ہیں۔ یعنی یہاں بھی کوئی روایت ایک جگہ مل جانا مشکل ہے۔ ہم جس جرأت اور جسارت پر معذرت خواہ ہیں وہ یہ ہے کہ ہم نے واقعاتِ کربلا لکھنے

میں کسی سابقہ اہل قلم کی تقلید نہیں کی ہے نہ کریں گے۔ اور اُن تمام توڑے ہوئے ٹکڑوں کو ہر جگہ جمع کر دینے میں تکلف نہیں کرتے جو کسی شہید، مجاہد یا اہل حرم کی پوری شہادت، پوری جنگ یا پوری بات سامنے لانے میں مددگار ہوں۔ اور جنہیں اس لئے توڑا گیا تھا کہ شہادت یا جنگ یا کسی بیان میں اختلاف کے بہانے سے کمزوری اور بے اعتباری پیدا کی جائے۔ ہمارا اصول یہ ہے کہ مثلاً چار پانچ میل میدان جنگ میں لڑتی ہوئی افواج میں سے کوئی شخص بھی سارے میدان کو اور سارے میدان میں گزرنے والے واقعات کو نہیں دیکھ سکتا۔ لہذا یہ قدرتی اور فطری بات ہوگی کہ جس راوی نے کسی مجاہد کی جنگ دیکھی اور کہا کہ اُس نے پچاس آدمی قتل کئے تو راوی کا یہ بیان سارے میدان جنگ کا بیان نہیں ہو سکتا بلکہ اُس سمت یا جگہ سے متعلق ہے جہاں وہ راوی تھا۔ دوسرا راوی کہتا ہے کہ اُسی مجاہد نے دو سو آدمی قتل کئے یہ دوسری جگہ اور دوسری سمت کی صورت حال ہے۔ اس لئے کہ اگر دونوں راوی ایک ہی جگہ ہوتے تو دونوں ایک ہی تعداد دیکھتے اور کہتے۔ لہذا حضرت علی اکبر علیہ السلام ہوں یا کوئی اور مجاہد ہو اُن کے متعلق مختلف مقتولوں کی تعداد مختلف سمتوں میں جنگ کا نتیجہ ہے۔ اس لئے وہ تمام مختلف بیانات مختلف تو ہیں اور ہونا چاہئے۔ مگر اُن سب کی تعداد کا مجموعہ متعلقہ مجاہد کے مقتولوں کی صحیح تعداد ہے۔ لہذا ہم مکھی پر مکھی نہیں ماریں گے اور جہلا یا فریب ساز گروہ کی تقلید نہیں کریں گے۔ اور کسی راوی کو یہ پوزیشن نہیں دیں گے کہ وہ ہیلی کاپٹر ہوائی جہاز میں بیٹھا ہوا پورے میدان جنگ کو دیکھ رہا تھا۔ اور جو کچھ اُس نے کہا وہ آخری اور غلطی سے پاک بیان ہے۔ دراصل ہمارا اصول تحریر و شمنانِ اہلیت کی کسر توڑتا ہے، اُن کی نقاب کشائی کرتا ہے اور مومنین کو صحیح صورت سے قریب تر لاتا ہے۔ اس لئے لکیر کے فقیر اور سرکاری علما کو نہ ہم پسند آ سکتے ہیں نہ ہمارے بیانات اُن کی سند پا سکتے ہیں۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم سوائے سرکارِ زمانہ حضرت حجة علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی اور سے نہیں ڈرتے اور اُن کے سوا کسی اور کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔ اور نہ اُن کے علاوہ کسی اور فرد یا قوم کے محتاج ہیں۔ لہذا ہم آزاد ہیں کسی عالم کا ہم پر رعب نہیں کسی سے ذاتی دلچسپی نہیں۔ وہ اور ہم دونوں خاطی ہونے میں برابر ہیں۔ اس لئے وہ بھی اور میں بھی تنقید سے ارفع و اعلیٰ نہیں۔ غلطی کی مذمت، غلطی کا اقرار، غلطی کی اصلاح ہم سب پر واجب ہے اور ہمارا اسی پر عمل ہے۔

43۔ شہادت حضرت قاسم علیہ السلام و دو فرزند ان امام حسن علیہ السلام

(1)۔ حضرت احمد (ابوبکر) بن حسن مجتبیٰ علیہم السلام سے تعارف

اولادِ امام حسن علیہ السلام میں سے صرف تین بیٹوں کو کربلا میں ہمراہ لایا گیا تھا۔ حالانکہ اور بھی کئی بیٹے بلکہ ان تینوں سے بڑے بیٹے بھی موجود تھے۔ کربلا میں آنے والے تینوں بھائیوں میں سب سے بڑے بیٹے اور حضرت علی اکبر علیہ السلام کے ہم سن جناب قاسم بن الحسن تھے۔ اُن سے چھوٹے جناب احمد عرف ابوبکر تھے اور سب سے چھوٹے جناب عبداللہ بن الحسن تھے اور یہ بارہ سال کے قریب عمر رکھتے تھے۔ اور تینوں بھائی امام زمانہ علیہ السلام پر قربان ہو گئے تھے۔ ان تینوں بھائیوں کی شہادتوں اور حالات کو مشکوک کرنے کی کوشش اب پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ مگر آج سے پہلے اُن کے حالات لکھنے میں علما نے بہت سے چکر کھائے اور بہت سے چکر دیئے ہیں۔ کہیں سن و سال کا چکر، کہیں دوسرے بھائیوں کو کربلا کے شہداء میں شامل کرنے کا چکر۔

(الف)۔ جناب احمد بن حسنؒ کے اجازت طلب کرنے کا سبب

امام حسین علیہ السلام کا عملدرآمد اور انتظام یہ حقیقت واضح کر دیتا ہے کہ آپ اپنے بھائی کی اولاد کو اُس وقت تک اجازت نہ دینا طے کئے ہوئے تھے جب تک تمام عذرات ختم نہ ہو جائیں۔ اور ان تینوں بھائیوں کا خاموشی سے انتظار کرنا اور اجازت کیلئے صبر نہ کرنا یہ بتاتا ہے کہ امام علیہ السلام کا ارادہ تینوں بھائیوں کو معلوم بھی تھا۔ چنانچہ اولاد ابوطالب علیہم السلام کے کم سن، نوجوان، جوان اور بزرگ حضرات اجازت لیتے جہاد کرتے اور شہادت پر فائز ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب امامؑ نے استغاثہ فرمایا اور اپنی نصرت کے لئے اتمام حجت کیا۔

روی ابو مخنف عن حمید بن مسلم أَنَّ الْحُسَيْنَ بَعْدَ قَتْلِ أَصْحَابِهِ جَعَلَ يَنَادِي وَاعْرِبْنَا؛ وَاقِلَّةٌ نَاصِرَاهُ أَمَامِنُ مُعِينٌ يَعِينَا؟ أَمَامِنُ نَاصِرٌ يَنْصُرُنَا؟ أَمَامِنُ ذَابَ يَذُبُّ عَنَّا فَخَرَجَ إِلَيْهِ غَلَامَانِ كَانَهُمَا قَمَرَانِ أَحَدُهُمَا أَحْمَدُ وَآخَرُ قَاسِمُ ابْنِ الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُمَا يَقُولَانِ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ مُرْنَا بِمَرْكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ۔ فَقَالَ لَهُمَا ”حَامِيَا عَنِّي حَرَمَ جَدِّكَمَارَسُولَ اللَّهِ۔“ (أكسير العبادات في أسرار الشهادات - صفحہ 285-284)

چنانچہ ابو مخنف نے حمید بن مسلم سے روایت کیا ہے کہ جب تمام ساتھی قتل ہو گئے تو امامؑ نے یہ نیدادینا شروع فرمائی۔ ہمارا اجنبی ہونا حد کو پہنچ گیا۔ ہمارے مددگار بہت کم تھے وہ بھی ختم ہو گئے۔ کیا کوئی مددگار رہے جو ہماری اعانت کرے؟ کیا کوئی ایسا ناصرنہیں جو ہماری نصرت کرے؟ کیا کوئی ایسا حمایتی نہیں جو ہمارا دفاع کرے؟ اس آواز پر دو چاند ایسے نوجوان باہر نکلے اور کہا کہ اللہ آپ پر درود بھیجے ہم دونوں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کو حاضر ہیں۔ فرمایا تم جاؤ اور ”حرم رسولؐ کی حمایت کرنا۔“

یہ روایت خود بتاتی ہے اور استغاثہ کا مطلب بھی یہی ہے کہ جب تک ناصرو مددگار و دفاع کرنے والے موجود ہوں استغاثہ کرنا سعی لا حاصل یا بے معنی بات ہے۔ عملاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت احمد و قاسم علیہما السلام کے علاوہ کوئی ایسا ناصر موجود نہ تھا جو جہاد کے لئے جاسکے۔ یعنی تمام اولاد ابوطالبؑ درجہ شہادت پر فائز ہو چکی تھی۔ ورنہ وہ بھی استغاثہ پر سامنے آ جاتے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ امامؑ ان دونوں بھائیوں کو اجازت دینے کا وقت ابھی تک موزوں نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے جواب بھی ایسا دیا ہے جو انہیں مایوس کر دے۔ یعنی اُس جواب کے یہ معنی بھی ہوتے ہیں کہ تمہیں مستورات کے ساتھ رہنا ہوگا اور اُن کی حمایت کرنا ہوگی۔ تم میدان جنگ میں نہیں بھیجے جاؤ گے۔ اس روایت کے علاوہ جناب علامہ صدوق رضی اللہ عنہ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ جب امام حسنؑ کے صاحبزادوں نے جنگ کی اجازت مانگی اس وقت تمام ہاشمی افراد قتل ہو چکے تھے۔ لہذا وہ ترتیب جسے بہت شہرت دی گئی غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اولاد ابوطالبؑ میں بچوں کے علاوہ صرف یہ دونوں بھائی باقی تھے اور آخری شہید ہیں جو جنگ کر کے شہید ہوئے۔ انکے بعد امام علیہ السلام کی اپنی شہادت ہے۔

(ب)۔ حضرت احمد بن حسن علیہ السلام کی شہادت

بڑی کوشش کے بعد یہ معلوم نہ ہو سکا کہ امامؑ کے منع کر دینے کے بعد کس بہانے سے حضرت قاسم دوبارہ تنہا اجازت مانگنے آئے تھے۔ اور انہیں ایک بہت معقول اور پسندیدہ بات کہہ کر دوبارہ پھر منع کر دیا تھا۔ اور وہ الگ تنہائی میں مغموں و مخزون بیٹھ گئے تھے۔ اس

دوران جب احمد علیہ السلام نے دیکھا کہ بڑے بھائی نے دوسری دفعہ اجازت طلب کرنے کی جسارت کی ہے تو آپ بھی قسمت آزمائی کے لئے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خاموش کھڑے رہے۔ بچانے یہ انداز دیکھ کر پاس بٹھایا۔ باتوں باتوں میں اندازہ ہوا کہ احمد کو زیادہ روکنا اُس کی ہمت پر اثر انداز ہوگا۔ لہذا اجازت دے دی۔

وفی الملهوف ثم برزو هو يقول: إن تنكروني فانا ابن حيدرة - ضرغام اجام وليث فسورة - على الاعادى مثل ربيع صرصة - اذا اقبل نحو الجيش قال ربيعه الشاكري لابن سعد هذا اسد من اولاد الحسن بن علي فنادى اصحابك ان لا يخرج اليه احد - فامر ابن سعد ان يحملوا عليه حملة رجل واحد - فحمل عليهم احمد بن الحسن وغاص في بحر الجيوش وهو شاهر سيفه يضرب بهم طولا وعرضا ويجفلون الناس بين يديه كما يجفل الغنم منالذئب وهو يفرس فيهم مثل الاسد ويقتل يمينا وشمالا فقتل منهم اربعمائة فارس فطعنوا عليه بالنبل والرمح فاحتأ شوہ من كل جانب فوقع عليه السلام لوجهه وصاح يا عمار ادركني فجلني الحسين كما جلني الصقر و فرّق الجيوش يمينا وشمالا ثم وقف به وقال يعز علي عمك مصرعك لعن الله قوم قتلوك ثم حملہ علی جواده واقبل به إلى الخيمة فطرحه فيها -

کتاب ملہوف میں بیان ہوا ہے کہ پھر احمد بن الحسن میدان جنگ کو یہ کہتے ہوئے چلے کہ اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو جان لو کہ میں حیدر کا فرزند ہوں۔ مجبور کر دینے والا شیر درندہ اور بہادر ہوں۔ اور دشمنانِ دین کے لئے تباہ کن آندھی کا طوفان ہوں۔ جب آپ فوج کے قریب پہنچے تو ربیعہ شاہکری نے ابن سعد سے کہا کہ حسن کی اولاد میں سے یہ ایک شیر ہے۔ اپنی فوج سے کہہ دے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی تہمتا تہنا نہ جائے ورنہ موت کھا جائے گی۔ عمر بن سعد نے پکار کر کہا کہ تم سب مل کر ایک شخص واحد کی طرح کا حملہ کرو۔ اُدھر جناب احمد نے فوج پر اس طرح حملہ کیا کہ اُن میں ڈوب گئے اور تلوار سے اُن کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک اور آگے سے پیچھے تک ضربیں لگاتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ اور فوجیں اُن کے سامنے سے اس بدحواسی سے بھاگ رہی تھیں جیسے کہ چیتے اور بھیڑیے کے سامنے بکریاں اور بھیڑیں بھاگتی اور ایک دوسرے پر گرتی ہیں۔ اور وہ ان کے اندر اس طرح گھوڑا دوڑاتے پھرتے تھے۔ جیسے ایک شیر بے روک حملہ کرتا ہے۔ اور داہنے اور بائیں مقتولوں کی لاشیں بکھری نظر آ رہی تھیں۔ چنانچہ اُن میں سے چار سو سواروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اُدھر دوسری طرف سے اجتماعی تیر باران کیا گیا، برچھیاں پھینکی گئیں۔ آخر آپ زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور پکارا کہ اے بچا جان مدد کو آئیے۔ اُدھر امام علیہ السلام شاہین کی طرح جھپٹا مار کر پہنچے اور اُن کو چیرتے اور داہنے بائیں بھگاتے ہوئے آئے اور پاس کھڑے ہوئے۔ احمد جنت کو سدھار چکے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹے تمہارا قتل ہو کر گرنا تمہارے چچا پر بہت شاق ہے۔ خدا اُس قوم پر لعنت کرے جس نے تمہیں قتل کیا ہے۔ اس کے بعد اُن کو اپنے گھوڑے پر اٹھایا اور گنج شہیداں میں لا کر رکھ دیا۔

(2)۔ حضرت قاسم علیہ السلام کو کر بلا میں اپنے والد ماجد کا معجزہ ضرور یاد آیا ہوگا

وہ حضرات جو کر بلا کی سب سے بڑی آزمائش یعنی حضرت قاسم اور جناب فاطمہ کبریٰ علیہما السلام کی قربانی سے واقف ہیں۔ امام حسن علیہ السلام کا یہ معجزہ پڑھیں اور سوچیں کہ اُن کے والد اور چچا علیہم السلام اُن کے لئے کیا کچھ نہ کر سکتے تھے؟ اور دنیا کی وہ کون سی

چیز ہو سکتی تھی جو ان دونوں کے لئے فراہم نہ کر سکتے تھے؟ اس کے باوجود خانوادہ نبوت کے لاڈلے نوجوان دنیا اور اُس کی راحتوں و سہولتوں اور خواہشوں سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ تھے سُنئے: ذکر الشیخ الحر العاملی نقلاً عن مجمع البحرین فی مناقب السبطین للسیّد ولی بن نعمۃ اللہ الحسینی فحاصل ما ذکرہ اَنَا الْمَلِکُ مِنْ مُلُوکِ الصِّینِ کَانَ لَهُ وَزِیرٌ وَلَوْزِیرُهُ ابْنٌ فِی غَايَةِ الْحَسَنِ وَالْجَمَالِ وَكَانَ الْمَلِکُ یَحِبُّهُ مَحَبَّةً عَظِیمَةً وَلِلْمَلِکِ ابْنَتُهُ فِی حَسَنِهَا وَجَمَالَهَا فَائِقَةٌ فِی الْإِفَاقِ وَكَانَ الْمَلِکُ یَحِبُّهَا مَحَبَّةً عَظِیمَةً ثُمَّ أَنَّهُمَا عَشَقَتَا ابْنَ الْوَزِیرِ وَابْنَ الْوَزِیرِ عَشَقَهَا فَلَعَلَّمَ الْمَلِکَ بِذَلِكَ فَامَرَ بِقَتْلِهِمَا فَقَتَلَا - ثُمَّ نَدِمَ نَدَامَةً عَظِیمَةً لَشِدَّةِ حُبِّهِمَا عَلَيْهِمَا فَاحْضَرَ الْوَزِیرُ وَالْعُلَمَاءُ وَ أَخْبَرَهُمْ بِذَلِكَ وَسَأَلَهُمْ عَنِ التَّدْبِیرِ فِی أَحْیَائِهِمَا فَقَالُوا هَذَا لَا یَقْدِرُ عَلَیْهِ إِلَّا رَجُلٌ فِی الْمَدِینَةِ یَقَالَ لَهُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ بْنِ أَبِیطَالِبٍ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ أَنَّهُ یَقْدِرُ أَنْ یَدْعُوَ اللَّهَ فِی حَیْثُمَا - فَقَالَ كَمْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْمَدِینَةِ؟ قَالُوا مِیسْرَةٌ سِتَّةَ أَشْهُرٍ - فَاحْضَرَ رَجُلًا وَقَالَ أَذْهَبَ إِلَى الْمَدِینَةِ فِی شَهْرٍ وَآتَنی بِالْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ وَالْأَقْتَلَکَ، فَخَرَجَ الرَّجُلُ مَغْمُومًا فَتَبَاعَدَ عَنِ الْبَلَدِ وَتَوَضَّأَ وَصَلَّى وَدَعَا اللَّهَ أَنْ یَفْرَجَ عَنْهُ وَ إِذَا بِالْحَسَنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَدْ حَضَرَ عِنْدَهُ فَضَرَبَ الرَّجُلُ بَرَجْلَهُ وَهُوَ سَاجِدٌ - فَقَالَ لَهُ قُمْ فَقَامَ وَقَالَ مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ أَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ بْنِ أَبِیطَالِبٍ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ فَرَجَعَ إِلَى الْمَلِکِ - فَخَبَرَهُ فَفَرَحَ فَرَحًا شَدِیدًا ثُمَّ امْرَأَ بِحَضْرَةِ ابْنَتِهِ وَابْنَ الْوَزِیرِ فَاحْضَرَ وَالتَّمَسَ الْمَلِکُ مِنَ الْحَسَنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ أَنْ یَسْتَلَّ اللَّهَ سَبْحَانَهُ فِی حَیْثُمَا - فَدَعَا اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فَاحْیَا هُمَا اللَّهُ بِدَعَائِهِ ثُمَّ زَوَّجَ ابْنَتَهُ الْمَلِکَ بِابْنِ الْوَزِیرِ - (اکبر العبادات - صفحہ 289)

”جناب الشیخ حر عاملی رضی اللہ عنہ مجمع البحرین فی مناقب السبطین سے لکھتے ہیں (یہ کتاب علامہ السید ولی بن نعمۃ اللہ الحسینی کی تصنیف ہے) کہ چین کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی بیٹی اپنے حسن و جمال اور علم و عادات و خصال میں بے نظیر تھی اور بادشاہ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ ادھر اُس کے وزیر کا بیٹا بھی اپنے اوصاف اور حسن صورت و سیرت میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا اور بادشاہ کو اُس سے بھی انتہائی محبت تھی۔ دونوں میں قربت کی بنا پر محبت ہو گئی اور یہ محبت والہانہ عشق کی حد تک جا پہنچی اور آخر ایک روز بادشاہ کو شاہزادی اور وزیر کے بیٹے کی محبت کا علم ہو گیا۔ تو دونوں کو قتل کرا دیا۔ اور بعد میں حد بھر نادام و پشیمان و پریشان ہوا۔ تمام علما اور دانشوروں کو اور اپنے وزیر کو بلایا اور کہا کہ کیا کوئی ایسی تدبیر ہے کہ وہ دونوں زندہ ہو جائیں۔ اُسے بتایا گیا کہ یہ ناممکن ہے۔ البتہ مدینہ میں حسن بن علی بن ابیطالب علیہم السلام ہیں اگر وہ اللہ سے دعا کریں تو یہ زندہ ہو سکتے ہیں۔ اُس نے مدینہ کی مسافت معلوم کی تو بتایا گیا کہ چھ ماہ کا راستہ ہے۔ چنانچہ ایک شخص کو حکم دیا گیا کہ تم ایک ماہ کے اندر اندر مدینہ پہنچو اور امام حسن علیہ السلام کو ساتھ لے کر آؤ ورنہ میں تمہیں بھی قتل کروں گا۔ وہ مومن حواس باختہ رنج و غم اور خوف کا مارا روانہ ہوا۔ جب شہر سے دُور نکل گیا تو اُس نے وضو کیا نماز پڑھی اور پلک پلک کر اللہ سے اپنی خلاصی کی دعا مانگنا شروع کی۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک بزرگ ہستی سامنے ہے۔ اُن کے پیروں پر گرا اور سجدہ کیا۔ امام نے حکم دیا کہ کھڑے ہو جاؤ۔ وہ اٹھا تو پوچھا کہ حضور آپ کون ہیں؟ فرمایا میں ہی حسن بن علی ہوں۔ وہ بادشاہ کے پاس واپس گیا اور واقعہ سے مطلع کیا۔ بادشاہ کو ناقابل برداشت مسرت ہوئی۔ حکم دیا کہ دونوں مردوں کو حاضر کرو۔ اُس کے بعد دونوں کو لے کر امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور التجا کی کہ حضور ان کے لئے اللہ سے دعا فرمادیں کہ وہ انہیں زندگی عطا کر دے۔ حضور نے دعا کی تو خدا نے دونوں کو زندہ کر دیا۔ اب بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی وزیر کے لڑکے سے کر دی۔“

یہی وہ جگہ ہے جہاں ہمیں امام حسن علیہ السلام کی وصیت اور اُس انتظام کا خیال آنا چاہئے جو حضورؐ نے اپنے دلہند حضرت قاسمؑ کی شہادت کیلئے فرمایا تھا۔ اور جسکی بنا پر واقعہ کربلا کو چار چاند لگ گئے تھے۔ اور واقعہ کربلا ایسے عالم میں بھی دلوں میں درد و غم اور آنکھوں میں عقیدت و محبت اہلبیتؑ کے آنسو بھر دیتا ہے۔ جبکہ امیر و غریب کا گھر مہمانوں سے کچا کھچ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ چاروں طرف مسرتیں بکھری ہوئی ہوتی ہیں۔ مبارک و سلامت کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ عزیز و اقربا پچھلے رنج و شکایات بھول جاتے ہیں۔ دولہا اور دلہن کی مائیں اگر بیوہ ہوں تب بھی سہرا دیکھنے کی تمناؤں میں مسرت و خوشیوں کے جھوم میں ہوتی ہیں۔ گھر سجائے جاتے ہیں خوشی کے ترانے گائے جاتے ہیں۔ خوشی کا یہ ایسا موقع ہوتا ہے کہ اس میں رنجیدہ بات کرنا برا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن محمدؐ و آل محمدؑ سے محبت کرنے والے مومنین اُس مسرت و شادمانی کو اپنے آنسوؤں سے استقلال بخشتے ہیں۔ انہیں وہ شادی یاد آتی رہتی ہے جو میدان کربلا میں ہوئی تھی۔ وہ منگنی سے لے کر عقد نکاح تک ہر ہر قدم پر ہر رسم ادا کرتے وقت اُدھر حضرت قاسمؑ کو اور ادھر فاطمہؑ کبریٰ کو ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے یاد کرتے ہیں۔ کنگنا باندھا جاتا ہے تو دلوں میں دعاؤں اور عقیدت کا طوفان برپا رہتا ہے۔ اگر یہ حادثہ نہ گزرا ہوتا اور اگر صبر و ضبط و تعمیل حکم و وصیت کا یہ مظاہرہ نہ کیا جاتا؟ تو ہماری زندگی کا ایک گوشہ کربلا کی برکتوں سے محروم رہ جاتا۔ موت و مصائب اور مشکلات میں رنج و غم کے مواقع پر ہی دار و مدار رہ جاتا۔ اور ہم مسرت سے لبریز حالات اور نئی زندگی شروع کرنے والے دن و رات میں شہدائے کربلا کو یاد نہ کر سکتے تھے۔ امام حسن علیہ السلام کی وصیت نے ہماری زندگی کے ایک عظیم الشان پُرسرت موقع کو آہوں اور آنسوؤں سے برکت دینے کا انتظام کر دیا، نہ صرف یہ بلکہ:-

(3)۔ اپنے بھائی امام حسینؑ کی قربانی کو انتہائی معیار سے بھی بلند کر دیا

محمدؐ و آل محمدؑ صلوٰۃ اللہ علیہم کا ہر فرد صاحب معجزہ تھا۔ انہیں کائنات کی ہر چیز پر حکومت و قدرت حاصل تھی۔ لیکن انہوں نے انسانوں کو خاک سے اٹھا کر ترقی کے عرشِ اعظم تک پہنچانا تھا۔ اس لئے اپنے ہر عملی نمونہ کو انسانی فطرت اور قوانین قدرت کے ایسے فطری مدارج کے ساتھ پیش کیا کہ عورتیں، بچے اور ناقص الخلقہ اور محتاج و لنگڑے اور اندھے کانے لوگ بھی ترقی کی راہ پر سہولت سے گامزن ہو سکتے ہیں اور بتدریج عروج کمال تک پہنچ سکتے ہیں۔ پھر اسلام نے حضرت آدمؑ سے لے کر جناب خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انسانوں کو آزادی رائے اور حریت ضمیر میں انتہائی حدود تک مختار رکھا۔ حق اور مفید ترین احکام کو بھی جبراً نافذ کرنے سے باز رہا۔ اور یہ اصول طے کر دیا کہ انسان حق قبول کریں تو دل کی پوری رضامندی کے ساتھ قبول کریں ورنہ ناحق و کفر پر برقرار ہیں۔ ہمیشہ ”لا اکراہ فی الدین“ کو اپنا نصب العین بنا کر ہر نبیؐ نے انسانوں کو اسلام کی دعوت دی اور انہیں قطعاً آزاد رکھتا کہ ہر شخص کو اُس کے فکر و عمل کی پوری پوری جزا ملے۔ اس اصول کو برقرار رکھنے کی بنا پر انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو ہر قسم کی تکلیفوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر اُن حضرات نے اپنی خداداد قوت کو تبلیغ دین میں استعمال کیا ہوتا تو کفر و نفاق و باطل کا نام و نشان تک ڈھونڈے سے نہ ملتا۔ لوگ کھل کر اور پوشیدہ طور پر فریب کرتے تھے، مومنین کو دھوکہ دیتے تھے، ہر ممکن جبر و تشدد اور قتل و غارت اور لوٹ مار کرتے تھے۔ لیکن انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی طرف سے جبر و تشدد تو کہاں برابر کے انتقام اور بدلہ لینے کی اجازت بھی بڑی مشکل سے اور مشروط اجازت ملتی تھی۔ جوں جوں

انسانی شعور ترقی کرتا جاتا تھا۔ اسلام کے راہنما برابر آزادی و حریت انسانی کو زیادہ سے زیادہ چھوٹ دیتے چلے آتے تھے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں اور بعد کے زمانہ میں بھی اُن لوگوں کو شامل رہنے دیا جاتا تھا جو بظاہر اسلام کو پسند کرتے تھے دلوں میں پورا یقین نہ رکھتے تھے۔ جو شرمے شرمائے عبادات اور جہاد میں شامل رہتے تھے۔ سوائے چند شرم پر وف لوگوں کے نہ معلوم مروت اور قومی غیرت اور اپنے عہد و بیعت کو نبانے کے لئے کتنے مسلمان شہید ہوئے ہوں گے؟ کہ اگر اُن کو کر بلا کے راہنما کے معیار پر آزادی ملی ہوتی تو وہ ہر گز اپنی جان نہ دیتے۔ کبھی پہلے یہ نہیں کہا گیا تھا کہ:-

”جاؤ تم آزاد ہو۔ میں اپنی بیعت اور معاہدہ کی پابندی بٹاتا ہوں۔ اور چونکہ تم میری اجازت سے میدان چھوڑ کر جاؤ گے۔ اسلئے تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں ماخوذ نہ کیا جائیگا۔ مجھے میری اجازت سے تنہا چھوڑ جانا تمہیں کسی سزا کا مستحق نہیں بنائے گا میں تمہیں پھر بھی اپنے انصار میں شمار کروں گا۔ اور دیکھو آنکھوں کی مروت اور ایک دوسرے سے شرمانے کا موقعہ بھی ختم کرتا ہوں، ذرا دیر بعد یہ تمام شمعیں اور چراغ بجھا دیئے جائیں گے۔ رات کے پردہ میں جس کا جدر دل چاہے چلا جائے۔ دیکھو میرے ساتھ رہنے والوں میں سے صرف ایک بیمار اور ایک بچہ باقی رہے گا۔ ہم سب کو اسی جگہ قتل کر دیا جائے گا صرف یہ رات درمیان میں ہے۔ کل سہ پہر تک یہاں لاشوں اور کٹے ہوئے ہاتھ پیروں کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا۔ میرے اہل و عیال لوٹ لئے جائیں گے، خیموں کو جلا دیا جائے گا اور جو عورتیں ہمارے ناموس کے ساتھ ہوں گی وہ بھی اُن کے ساتھ قید کر لی جائیں گی۔ شہر بہ شہر سر برہنہ پھرایا اور قید رکھا جائے گا۔ لہذا چراغ گل کر دو اور وداع ہو جاؤ۔ خدا حافظ۔“

آزادی رائے اور رضامندی قلب کا یہ وہ معیار تھا جسے نہ کبھی انبیاء و رسلؑ نے پیش کیا نہ کبھی اتنا موقعہ دیا گیا وہاں تو خود آنحضرتؐ کو اس بات پر جھڑکا گیا کہ تم نے اُن لوگوں کو عام اجازت کیوں دے دی جو میدان جہاد سے چلے جانے کے عذرات پیش کر رہے ہیں؟ (توبہ 9/43)۔ وہاں تو جہاد سے فرار کر نیا والوں اور جان بچانے کی فکر میں رہنے والوں کی انتہائی مذمت کی گئی ہے۔ انہیں اسلام سے خارج اور عذاب کا حقدار قرار دیا گیا ہے بہر حال یہ حسینیؑ معیار تھا۔ اس معیار کا جواز قائم کرنے کیلئے رسول اللہؐ نے عام اجازت دی تھی۔ مگر یہ آخری معیار تھا اور ایسا معیار تھا کہ حسین علیہ السلام کے سامنے شہید ہونے والوں پر خود شہادت اور قربانی اور اللہ و رسولؐ فخر کریں۔ اُنکے تمام امتحانات ہو چکے تھے۔ وہ ہر مرحلہ پر کامیاب و کامران شہادت کی تمام منازل سے گزر آئے تھے۔ اب تو یہ دیکھنا باقی تھا کہ امامؑ کے ذہن میں میرا کون سا نمبر ہے۔ چنانچہ ہر دفعہ کئی کئی امیدوار اجازت کیلئے سامنے آ کھڑے ہوتے تھے، ہر ایک نمبر لے جانے کی فکر میں تھا۔ اپنے حقدار ہونے پر دلیل لائی جاتی تھی، اہل حرم کی سفارش پیش کی جاتی تھی گویا جان کی بازی لگی ہوئی تھی۔ ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش جاری تھی۔ یہ ایک ایسا نظارہ تھا جس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ جان دینا؛ یہ سمجھ کر جان دینا کہ بس جان دینا ہے، بڑا مشکل کام ہے۔ یہ بہت ہی مشکل کام ہے اگر جان بچانے کے تمام مواقع بھی موجود ہوں اور یہ اور بھی مشکل کام ہے اگر جان بچانے والوں کو محض جان بچانے اور حسینؑ کی نصرت سے دستکش ہو جانے پر انعام و اکرام بھی ملنے کا یقین ہو۔ چونکہ رفقاءؑ حسینیؑ میں سے ہر ہر فرد مخالف فوج کیلئے عذاب خداوندی کی صورت میں حملہ آور ہوتا تھا اسلئے اُن میں کا ہر شخص لاکھوں دشمنوں پر بھاری تھا اور کسی ایک فرد کی کا

میدان سے ہٹ جانا لاکھوں آدمیوں کے ہٹ جانے کے برابر تھا۔ اسلئے دشمن کی طرف سے ہر ممکن انعام کے وعدے ہو چکے تھے۔ مخالف فوج کے سرداران لشکر اپنی کوششیں کر چکے تھے۔ کوئی ماموں بن کر آتا رہا، کوئی کنیزوں کی طرف سے رشتہ نکال کر لالچ دیتا رہا۔ یہ سب حیلے اور امتحان ختم ہو چکے تھے مگر ابھی ایک پہلو باقی تھا، فطرت اُسے سامنے لا رہی تھی۔ لیکن امام حسین علیہ السلام طرح دے رہے تھے، صورتحال کو چھان چھان کر خالص کر رہے تھے۔ حضرت قاسم علیہ السلام متعدد بار اجازت کی تمنا لئے ہوئے آئے اور موقعہ کسی اور کو دیا جاتا رہا۔ ہر دفعہ نئی تیاری اور نئے انداز سے آتے مگر یہاں تو ایک سے ایک بڑھ کر تھا نمبر پیچھے ہٹتا رہا۔ آئیے ہم ایک اور بات سنائیں۔

(4) حضرت قاسم علیہ السلام نے امامت حسین کی تصدیق اور اولاد حسن کے دعویٰ کی تکذیب کرنا تھی

دنیا کی تمام اقوام میں باپ کے مرنے کے بعد بڑے بیٹے کو مرنے والے کا جانشین بنانے کی رسم آج تک جاری ہے۔ خاندان کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ قبیلہ یا خاندان کا کوئی بزرگ بڑے بیٹے کے سر پر اپنے ہاتھ سے پگڑی باندھ کر دستار بندی کی رسم ادا کرتا ہے۔ نصیحتیں کرتا ہے، باپ کے اوصاف اور آئندہ کی ذمہ داریوں کا ذکر کر کے اُسے اُس کے بھائیوں، بہنوں اور والدہ کے لئے ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔ بعد میں بھائیوں میں تفرقہ پڑ جائے، دشمنی ہو جائے تو یہ بات اس رسم سے الگ اور آپس کے تعلقات پر منحصر ہے۔ اس رسم کے استقلال اور قدامت کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ خیال رہا ہے کہ نبوت اور امامت کی جانشینی بھی بڑے بیٹے کا حق ہوتا ہے۔ لیکن یہ اس لئے غلط ہے کہ خاندانوں اور اقوام کے سربراہ خود مختار ہوتے ہیں۔ مگر نبی اور امام خود مختار نہیں ہوتے۔ وہ اللہ کے احکام کے پابند ہوتے ہیں۔ پھر خاندان یا قوم و قبیلہ یہ ذمہ داری نہیں لیتا کہ جس بڑے بیٹے کو جانشینی دی جائے وہ ضرور ہی پسندیدہ اور ذمہ دارانہ روش پر برقرار رہے گا۔ اس کے برخلاف جسے امام یا نبی مقرر کیا جاتا ہے وہ اللہ کی ذمہ داری کے ماتحت ہر حال میں پسندیدہ اور ذمہ دارانہ روش پر برقرار رہتا ہے۔ اس کے اعمال و افکار پر عقلائے زمانہ ہمیشہ تحسین و آفرین کہتے رہے ہیں اور اسی مستقل صورت حال کو ہم لوگ عصمت کہتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ نبوت اور امامت علم خداوندی میں روز ازل سے طے شدہ ہوتی ہے۔ اور اسی علم خداوندی کی وجہ سے نبی و امام معزول نہیں کئے جاتے۔ خاندانی اور قومی سربراہ معزول ہوتے رہتے ہیں۔

بہر حال جناب امام حسن علیہ السلام کے بعد اُن کے بڑے بیٹے کو علم خداوندی اور علم نبوت کے ماتحت نہ امام بنایا گیا نہ بنایا جاسکتا تھا۔ مگر قومی اور خاندانی رسم کے ماتحت یہ تصور آگے بڑھا کہ امام حسین کی جگہ جناب امام حسن علیہ السلام کے بڑے بیٹے کو امام بنانا چاہئے تھا۔ اور یہ کہ امام حسین علیہ السلام نے (معاذ اللہ) اپنے بڑے بھائی کی امامت کو غصب کر کے اولاد حسن کو محروم کر کے رکھ دیا تھا۔ یہ آواز اپنی پوری بلندی اور بے تکلفی کے ساتھ ساتویں امام کے زمانہ میں تاریخ و حدیث میں ریکارڈ کی گئی۔ اور امام حسن علیہ السلام کے ایک پوتے نے کھل کر جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو نہایت گستاخانہ اور آمرانہ انداز میں خط لکھا۔

خط کا خلاصہ: ”تم اپنی امامت کے اظہار کا شوق رکھتے ہو۔ باوجودیکہ خدا نے اپنی مدد کو تم سے روک کر تمہیں ذلیل بنا دیا ہے۔ اور تم نے میری امامت میں رخنہ اندازی کی ہے اور رضائے خداوندی کے خلاف عمل کیا ہے۔ تم نے اپنے باپ (امام جعفر صادق) کی طرح اندر ہی اندر سازش کر کے اپنی امامتوں کا ڈھونگ رچایا ہے۔ حالانکہ اللہ کے یہاں ہماری امامت ثابت اور حق ہے۔ تم لوگ اپنی

نفسانی خواہشات میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو گئے۔“ (اصول کافی۔ ترجمہ ظفر حسن امروہی جلد اول صفحہ 447)

اس سے پہلے امام حسنؑ کے ایک اور پوتے نے امام موسیٰ کاظمؑ سے اپنی امامت پر بیعت کا زبانی تقاضہ کیا تھا۔ اُس کو امامؑ نے یہ جواب دیا تھا:۔ ”اے میرے چچا زاد بھائی مجھے اس امر کی تکلیف نہ دو جس کی تکلیف تمہارے چچا زاد بھائی

محمد بن عبداللہ نے تمہارے چچا امام جعفر صادق کو دی تھی۔“ (ایضاً جلد اول صفحہ 446)

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ امام حسن علیہ السلام کی اولاد نے جو تشدد اور مظالم کئے وہ کتاب کافی میں مذکور ہیں۔ ہم محمد بن عبداللہ بن حسن بن الحسن علیہ السلام کے چند جملے اور احکام لکھتے ہیں:۔

(1)۔ محمد نے کہا آپ کو میری بیعت کرنا پڑے گی۔ تاکہ آپ کی اور آپ کی اولاد کی جان بچ جائے۔ آپ کو بیعت کے بغیر نہ

چھوڑوں گا۔ خواہ بخوشی میری امامت پر بیعت کرو یا بجبر کرو۔ حضرتؑ نے سختی سے انکار کر دیا تو محمد نے قید کرنے کا حکم دے دیا۔

اور قید پر امامؑ کے احتجاج میں کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے محمدؐ کو نبوت دے کر ہمیں عزت بخشی میں تم کو ضرور قید رکھوں گا۔

اور تم پر سختی روا رکھوں گا۔ امامؑ کو خاموش رہنے کی تاکید کرتے ہوئے حضرت زید بن زین العابدینؑ کے بیٹے نے کہا کہ۔ اگر اب

آپ کچھ بولے تو میں آپ کا منہ توڑ دوں گا۔ بہر حال حضورؐ کو قید کر کے ہر قسم کی سختی اور تشدد کا حکم دے دیا گیا۔ ایک شخص نے آپ کو

دھکے مکے دیئے اور قید خانہ میں بند کر دیا۔ اور امامؑ کا اور اُن کے خاندان کا تمام اثاثہ لوٹ لیا۔“

(کافی ترجمہ ظفر حسن امروہی جلد اول۔ صفحہ 440 تا 442)

(2)۔ مذکورہ بالا شخص کے باپ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بحث کے دوران کہا تھا کہ:۔ ”امرا امامت میں حسینؑ کو کیوں

اولاد حسنؑ پر ترجیح دی گئی؟ اُس امامت کو بڑے بھائی ہی کی اولاد میں رہنا چاہئے تھا۔“ (ایضاً صفحہ 435)

یہ بحث کرنے والا شخص عبداللہ بن حسن بن امام حسنؑ تھا۔ اور یہ شخص چاہتا تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام اپنی جگہ اُس کے بیٹے

محمد بن عبداللہ کو امام برحق تسلیم کر کے (معاذ اللہ) اپنی اور اپنے والد محمد باقر اور زین العابدینؑ اور امام حسینؑ علیہم السلام کی امامتوں کو

باطل ثابت کر دیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُس سے اُس کے بیٹے کے متعلق فرمایا تھا کہ:۔ ”واللہ میں تمہارے بیٹے کو ایک

ایسا بدترین اور گندہ نطفہ سمجھتا ہوں۔ جو مردوں سے نکل کر عورتوں تک پہنچا ہے۔“ (صفحہ 436)

(1) حضرت قاسمؑ اور (2) عبداللہؑ اور (3) احمدؑ حضرت امام حسن علیہ السلام کے وہ مقدس بیٹے تھے جن کو حضرت امام حسین علیہ السلام

اپنے ساتھ مدینہ سے لے کر چلے گئے۔ اور اولاد امام حسنؑ میں سے باقی کسی لڑکے کو نہ لائے تھے۔ ان تینوں صاحبزادگان میں بھی حضرت

قاسمؑ کا تقدس اور عظمت اس لئے زیادہ ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اُن کے لئے ادھر امام حسین علیہ السلام کو وصیت کی تھی اور

ادھر خود حضرت قاسم علیہ السلام کو تحریری حکم لکھ کر بطور تعویذ پہنا دیا تھا۔ اور یہ وہ شرف تھا جو امام حسنؑ کے کسی اور بیٹے کو حاصل نہ تھا۔ اسکے

باوجود وہ لوگ اپنے دماغوں میں امامت کا خطر رکھتے اور امام حسینؑ اور دیگر ائمہ علیہم السلام کے مد مقابل حریف اور دشمن رہتے چلے گئے۔

اگر انہیں یہ موقع ملا ہوتا کہ حضرت قاسمؑ زندہ رہ جاتے تو ظاہر بین نظروں میں اُن کی امامت کی ہو جاتی۔ اس لئے امام حسین علیہ السلام

حضرت قاسمؑ کو زندہ رہنے اور قتل سے بچنے اور پھلنے پھولنے کا صبر آزمایا موقعہ دے رہے ہیں۔ اور سرسری طور پر اذن جہاد نہیں دینا چاہتے۔ اُن کے سامنے قیامت تک کا مستقبل روشن ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ اولاد حسنؑ اپنی جھوٹی امامت کو یہ کہہ کر مضبوط کر لے کہ:-

”حضرت قاسمؑ نہایت کم سن تھے۔ آزادی رائے اور حریت ضمیر پر پوری طرح نہ مطلع تھے نہ اس ہنگامی حالت میں اُنہیں سوچنے سمجھنے کا موقعہ دیا گیا، اُنہیں صحیح صورت حال پر اطلاع نہ تھی، چاروں طرف بکھرے ہوئے عقیدتمندانہ جذبات، خاندانی جرأت و شجاعت، شرم و حیا اور مروت و محبت کے سیلاب میں بہہ گئے۔ علی اکبرؑ کے مقابلہ میں کم درجہ میں رہنا پسند نہ کیا میدان میں نکلے اور شہید ہو گئے۔“

امام حسین علیہ السلام حضرت قاسم علیہ السلام پر خاص نظر رکھے ہوئے تھے۔ وہ اُن کو ہی نہیں بلکہ خود کو ساتھ ساتھ سخت سے سخت فطری آزمائش میں ڈال کر نکلتا ہوا اور کامیاب ہوتا ہوا دکھانا چاہتے تھے۔ اور مستقبل میں سر اٹھانے والے ہر اعتراض کو کچل کر رکھ دینا چاہتے تھے۔ الحمد للہ کہ دونوں بچپن ہی سے کامیاب ہوئے اور امامت اور تصدیق امامت کو اتنا بلند کر کے دکھایا کہ وہ انسانوں کے آسمانِ فطرت و جذبات پر چھا گئی۔ اور مسرت و انبساط کے سورج کی کرنوں میں تڑپا دینے کی تاب و توانائی بن کر برسے لگی۔ اور ہر دو لہا و لہن بننے والے جوڑوں کے دلوں میں جا بیٹھی۔

مرنا بڑا مشکل ہے اگر نو جوانی ہو۔ اور تمام ارمانِ جوان ہوں اور تمنائیں دل کی چار دیواری سے باہر نہ نکلی ہوں۔ مرنا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے جب بزرگ، چاہنے والے بزرگ موجود ہوں۔ اور جینے کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ ارمان پورے کرنے کا انتظام بھی کر دیں۔ یہ مشکل اور الجھ جاتی ہے اگر ماں اور وہ بھی بیوہ؛ اور بڑھیا ماں موجود ہو اور ساری عمر سہرا دیکھنے کی آس لگائے چلی آ رہی ہو۔ اور یہ مشکل اتنی لباس پہن لیتی ہے اگر اللہ یا رسولؐ یا امامؑ زندہ رکھنے کا انتظام کر دیں۔ اسکی گرفت مضبوط تر ہو جاتی ہے اگر دود و معصوم مل کر پروان چڑھانے اور دنیا میں رکھنے کا قدیم و جدید و متفقہ فیصلہ صادر کر دیں۔ حضرت قاسمؑ کی راہ میں دو اماموں نے، جان سے عزیز رکھنے والے باپ اور چچا نے مشکلات کے پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ یہی کافی تھا کہ نصرت سے دستکش ہو جائیوں سے مواخذہ نہ ہوگا۔ مگر حسینؑ معیار اور بلند ہوا اور دستکش ہو جانے کا حکم مان لینے والوں کو اپنے انصار میں شمار کرنے کا وعدہ بھی کر لیا۔ مرنا مشکل اور جینا تو یہیں جائز اور آسان ہو گیا تھا۔ بار بار درخواست پر اجازت نہ دے کر زندہ رکھنے کا میلان ظاہر نہیں کیا تو اور کیا کیا تھا؟ پھر اپنی حیثیتی بیٹی سے عقد نکاح کا مطلب یہ کہاں ہوا کہ خواہ مخواہ اُسے بیوہ کرنے اور بیوہ کھلوانے کو پسند کرتے تھے۔ اور داماد کو اپنی آنکھوں کے سامنے ایڑیاں رگڑتے اور زخموں سے چور چور دیکھنا کون پسند کر سکتا ہے؟ کیا امامؑ زمانہ کی رضا جوئی اور اُن کی بیٹی کی جوانی پر رحم کھانا۔ اُنکے لئے جینا بڑی بات ہوتی؟ اُدھر امام علیہ السلام کے لئے دو گنی ذقتیں اور دوہری مصیبت سامنے آ کھڑی ہوئی۔ مرحوم بھائی کا، امامؑ اور حاکم بھائی کا وصی اور لاڈلا بچہ، بیوہ ماں کا بیٹا؟ اور ابھی ابھی عملاً خود داماد بنایا ہوا دو لہا۔ اجازت دینا؛ مرنے کے لئے جانے دینا آسان ہوا یا مشکل میں اضافہ ہوا؟ یہ تو بڑی جذباتی مشکل پیدا کر لی گئی ہے۔ کیا اب حضرت زینبؑ، ام الیٰلیٰؑ، شہر بانوؑ اور گھر کی ساری بچیاں اجازت میں جائز طور پر حائل نہ ہو جائیں گے؟ لیکن واہ قاسمؑ، آہ قاسمؑ، مرحبا امامؑ زادے، ہم اور ہمارے تمام بچے اور دو لہے تم پر قربان۔ آپ نے باپ کا حکم مانا، چچا کی رضا مندی پر سر جھکایا یہ تو سب آسان تھا۔ لیکن آپ نے اپنی چچا زاد بہن اپنی تازہ ترین مظلوم اور دکھیا دلہن سے کیا کہا؟

اُسے کیا کہہ کر تسلی دی؟ انہیں اُس آنے والی طویل ترین زندگی پر کس طرح رضامند کیا؟ آپ نے باقی بہنوں، بھائیوں، پھوپھیوں اور ناموس حسینی کو کس طرح رضامند کیا؟ اور اس تمام الجھاؤ سے، اس تمام دل شکن اور حیرت انگیز امتحان سے نکل کر چچا کے سامنے اجازت کے لئے پھر آکھڑے ہوئے؟ یہ کیا تھا؟ فطرت انسانی کو مطمئن کرنے والا وہ کون سا نسخہ تھا کہ پورا ماحول آپ کا طرفدار ہو گیا؟ امام حسین علیہ السلام کو شاباش دینا اور مرجعہا کہنے کی جرأت کرنا تو صرف اللہ اور اُن کے پالنے والوں کے شایان شان ہے۔ ہمیں یہ ضرور کہنا ہے۔ اے حسینؑ آپ واقعی حلال مشکلات تھے۔ مگر آپ نے جناب قاسمؑ کی راہ میں مشکلات پیدا کیں۔ اور جب حلال مشکلات خود ہی مشکلیں پیدا کر دے تو پناہ کا ٹھکانہ کہاں ملے گا؟ آپ کا دامن صاف تھا اور حضرت قاسمؑ نے اُسے اپنے سہرے سے اور مہکا دیا۔ آنے والی نسلوں کو بتا دیا کہ میرے سامنے دنیا اور اُس کی ساری مسرتیں، تمام اُمیدیں، کل نشیب و فراز و لذتیں آ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ مگر میں نے یہ ثابت کرنا تھا کہ برحق امامؑ کون ہے؟ امام حسینؑ یا اولادِ امام حسنؑ؟ رہ گئیں دنیا کی مسرتیں وہ از روئے قرآن ہمارے لئے امامؑ پر قربان ہو جانے کے بعد بھی موجود رہیں گی (آل عمران 3/169، بقرہ 2/154)۔ اور رزق میں سب کچھ داخل ہے۔ زوجہ بھی اور والدہ بھی نعمت میں داخل ہیں۔ میں حسینؑ پر قربان ہو کر تمام مادی پابندیوں سے آزاد اور ہر مادی لذت پر قادر ہو جاؤں گا۔ چند ساعت کے لئے یہ اذلی وابدی موقعہ کیوں کھودوں۔ شاید دُہن کو یہی آیات جھکی ہوئی آنکھوں کے ساتھ سنادی ہوں۔ بہر حال ہمیں معلوم ہے کہ آنحضرتؐ بعد انتقال اپنی پسندیدہ ازواج سے رابطہ رکھتے رہے ہیں (کافی جلد اول صفحہ 559)۔ چنانچہ حضرت قاسم علیہ السلام کی محرومی صرف اہلبیت علیہم السلام کے سوگ کھلنے اور قاتلان حسینؑ کے انتقام تک محدود رہی۔

(5)۔ حضرت قاسم بن الحسن علیہما السلام

ہم نے حضرت قاسم علیہ السلام کے متعلق تمام متعلقہ تفصیل قلمبند کرنی ہیں۔ یعنی میدان کر بلا میں اُنکا اذنِ جہاد مانگنا اور منع کر دیئے جانے پر مایوسی کے عالم میں تنہا جا کر بیٹھنا اور اجازت حاصل کرنے کی تدابیر اور وسائل و سفارش کی راہیں سوچنا، والد کی نصیحت کا یاد آنا، تعویذ کھولنا، پڑھنا اور امام علیہ السلام کے روبرو پیش ہونا۔ پھر امامؑ کا بھائی کی وصیت سنانا، حضرت فاطمہؑ کبریٰ سے عقد نکاح کرنا، اسکے باوجود جناب قاسمؑ کا جہاد کی اجازت مانگنا پھر امامؑ کا اپنے ہاتھ سے لباس تیار کر کے جہاد کیلئے بھیجنا۔ میدان جنگ کا حال، میدان سے واپسی، دوبار رخصت ہو کر جنگ کے لئے جانا تفصیل سے لکھیں گے۔ چونکہ حضرت قاسمؑ کے حالات میں سرکاری علمائے بخلی اور ذاتی اجتہاد سے کام لیتے رہے ہیں۔ اسلئے ہم اُن کی شہادت تفصیل سے بیان کریں گے۔ تاکہ نور علی النور بن کرنا پینا علما کو بینائی عطا کرے۔

(6)۔ سہرے، سہاگ اور کفن بدوش دو لہا و دہن کی قربانی احادیث کی زبانی

یہاں ہم اُس دلدوز و الم انگیز شہادت کا تذکرہ، مذہب حقہ کے قدیم ریکارڈ سے کریں گے جو ہماری بیاہ اور شادیوں اور مسرت انگیز محفلوں کو دوام بخشنے اور دنیاوی غم و مہوم کو ہم سے دُور رکھنے کی ضمانت بنا کر پیش کی گئی تھی اور جسے مومنین کی نظروں سے گرانے اور بھلانے کیلئے دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ نے طرح طرح کے فریب دیئے۔ ”یہ روایت غلط ہے۔“ یہ عقل و وقت کے تقاضے کے خلاف ہے۔“ یہ

کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے، کوئی اُن سے پوچھے کہ تمہارے یہاں وہ کون سی مشین ہے جو غلط اور صحیح کا فیصلہ کرنے میں معصوم ہو؟ جس سے غلطی ناممکن ہو؟ اور یہ کہ جسے تم عقل کہتے ہو وہ کیا چیز ہے؟ کیا عقل کیلئے مغالطہ ناممکن ہے؟ کیا آلات عقل یعنی حواس خمسہ کبھی کسی حالت میں معطل نہیں ہو سکتے؟ کیا مشاہدہ کی سینکڑوں غلطیاں مسلمات میں داخل نہیں؟ کیا مشاہدہ ہی کی ایک غلطی کا نام ”سراب“ نہیں ہے؟ کیا فیصلہ کرنے میں ایک آدمی کے ”دو دل“ ہو جانا اُسکی عقل کی ناکامی کا دوسرا نام نہیں ہے؟ کیا ”مشورہ“ انسانی عقل کے دیوالہ کا اعلان نہیں؟ کیا اونچا سننا؛ بہرہ ہونا؛ کمزوری؛ نظر؛ کوتاہی فہم؛ ذائقہ کا بدلنا وغیرہ آلات عقلیہ کے نقائص نہیں؟ پھر یہ بتاؤ کہ وہ ہزاروں کتابیں کہاں ہیں؟ جو آئمہ علیہم السلام نے تیار کرا کے اُمت میں چھوڑی تھیں؟ وہ حدیث کی چار سو کتابیں کیا ہوئیں کہاں گئیں جو آئمہ کی تصدیقات اور آئمہ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم کی محنت شاقہ کا نتیجہ تھیں؟ کیا وہ اسی ہزار کتابیں تم نے پڑھ لی ہیں جو السید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی لائبریری سے باہر نکلیں اور غائب کر دی گئیں۔ ارے خدا کے بندو! کم از کم یہ کہہ دیا کرو کہ جتنی کتابیں میں نے یا ہم نے پڑھیں اُن میں کہیں یہ روایت یا فلاں روایت مجھے یا ہمیں نہیں ملی۔ اگر آپ یہ بات فرمایا کریں تو دو فائدے ہونگے۔ اول یہ کہ تمہیں دروغ بانی کی سزا نہ ملے گی۔ دوسرے یہ کہ اُمت تمہارے محدود مطالعہ اور محدود علم کو سامنے رکھ کر گمراہ ہونے سے محفوظ رہے گی۔ تمام کتابیں تو بہت بڑی بات ہے۔ تم نے تو کسی ایک لائبریری کی بھی ساری کتابیں نہیں پڑھیں۔ یہ بھی ایک بڑی بات ہے۔ تم نے تو کسی چھوٹی سی لائبریری کی تمام کتابوں کے نام بھی نہیں پڑھے۔ تمہیں، تم میں سے کسی کو بھی تین سو مفید کتابوں کے نام بھی نہیں آتے۔ سنو ہم تم سب کو، تمہارے پورے سلسلے کو جانتے ہیں ہمارے سامنے صرف اتنا کہو جتنا سچ مچ جانتے ہو۔ تمہیں اگر آدم پٹمین (Adam Pitman) کی لائبریری دکھانا ہو تو قلب کے ڈاکٹر کو پہلے موجود رکھنا ہوگا۔ تاکہ خدا خواستہ کہیں..... اور ایسپولینس وقت پر نہ مل سکے۔ بہر حال جس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ روایت یا فلاں روایت کسی کتاب میں نہیں ہے۔ اُس سے بڑا جھوٹ بڑید و شرم و ابن زیاد (ملعون) نے بھی نہیں بولا تھا۔

اور سنو کہ واقعہ کربلا کے بعد آج تک حضرت قاسم علیہ السلام کے بیٹے ثانی یا قاسم منشی اور شہزادہ قاسم کا مزار شمرانات کے گاؤں رے کے علاقہ میں زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ اور ایران و عراق کا بچہ بچہ واقف ہے اور تمام لکھے پڑھے لوگ یہ بتا سکتے ہیں کہ اُنہیں بنی امیہ نے رے شہر میں شہید کیا تھا۔ اور پھر اُنکو اُنکے والد ماجد جناب قاسم بن الحسن علیہ السلام کے سراقدر کے مزار کے پاس دفن کیا گیا تھا۔ یہ دونوں مزار مسلسل اور مشہور چلے آ رہے ہیں۔ وہاں کے لوگ اُن پر فخر کرتے ہیں۔ ایسی عملی اور مشہور و مشہود و ٹھوس اور مادی دلیل اور زیارت گاہ کے موجود ہوتے ہوئے کسی دوسری دلیل و روایت کی کوئی احتیاج نہیں۔ سورج خود اپنے وجود کی دلیل ہے۔ اسی کو درایت کہتے ہیں۔ اسکے سامنے کسی روایت کا ہونا نہ ہونا اسکے وجود پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

أَنَّ تِلْكَ الْقَضَايَا مِنَ الْأُمُورِ الْمَتَسَامِعَةِ الْمُنْتَظَرَةِ عِنْدَ أَهْلِ تِلْكَ الْقُرَى مِنَ قُرَى الشُّمَرَانَاتِ (بَاقَاتِ عِلَاقَةِ) يَرْوِيهِ الْخَلْفُ عَنِ السَّلَفِ فِي كُلِّ عَصَرٍ مِنَ الْأَعْصَارِ وَفِي كُلِّ قَرْنٍ مِنَ الْقُرُونِ رَوَايَةً عَلَى نَمَطِ التَّسَامُعِ وَالتَّظَاوُفِ بِحَيْثُ يَفِيدُ الْعِلْمُ وَالْيَقِينُ بِالنَّسَبِ إِلَى الْمَطْلَبِ حَتَّى أَنَّ أَهْلَ الْقَرْيَةِ الَّتِي فِيهَا الْمَقْبَرَةُ الشَّرِيفَةُ وَالْقُبَّةُ الْمُبَارَكَةُ لِهَذَيْنِ السَّيِّدَيْنِ الطَّاهِرَيْنِ الشَّهِيدَيْنِ يَفْتَخِرُونَ فِي كُلِّ عَصَرٍ مِنَ الْأَعْصَارِ وَبِأَهْلِهِ فِي كُلِّ قَرْنٍ مِنَ الْقُرُونِ بِأَنَّ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ وَاسْلَافَهُمُ الْآقِدَ مِيقَاتٍ

نصروا شهزادہ قاسم بن قاسم بن الحسن علیہم السلام وبذلوا مُہجَہم دونہ فی حروبہ و مقاتلاتہ مع بنی امیہ ویعدون ذلک فی انسابہم واحسابہم شرفاً عظیماً ومفخرًا کبیراً وبعیون اہال جملۃ من القری الشمرانات ویذُ مَوْنُہُم بتخلف ابائہم الاولین واسلافہم الاقد مین عن نُصرة شهزادہ قاسم وبحضور ہم فی عسکر بنی امیۃ فاہال تلک القری بین ساکنین فی ہذا المقام بقبولہم تطرق العار والخجالة علیہم و بین المنکر عدم نصرة اسلافہم لہ و لیس فیہم مَن ینکر اصل تلک الوقائع وینفی تلک القضایا ومنہا انہ لَمَّا قتل شهزادہ قاسمً واراد جُمعُ دَفنہ فی موضع شہادتہ اُوموضع آخر وجدت صیحة عالیۃ من جانب مدفن راس القاسم بن الحسن علیہما السلام مشتملۃ علی مقالة ادفنوا الطیب الطاهر عند الطیب الطاهر وذلك ایضاً من الامور المتسامعة المتظافرة عند اہل تلک القرية بل عند اہال تلک القری یرویہ الخلف عن السلف فی کلّ عصر وقرن - ومنہا وجود الاثار الظاہرة والامارات الواضحة والعلامات الساطعة والشواہد الامعة وذلك مثل ظهور خوارق العادات وقضا الحوائج عند تلک المقبرة الشریفۃ ثم ان شئت البیان فی معرفۃ تلک المقبرۃ فاعلم انہا واقعة فی قریۃ مسماة بدز العليا وهی فی السّمت الشمالی من الطهران وبعد هامن الطهران بما یقرب من مسافة فَرَسَخَین والحجرۃ الّتی قد وضع الراس الشریف فیہا ای من حَجرات رَاوتلک الامرۃ الصالحة الانصاریۃ قدصارت ببرکات الراس الاطهر الانور منبع ماءٍ وتلک الحجرۃ فی السمت الشرقی من المقبرۃ المطهرۃ والمسافة بینہما بما یقرب من مسافة الف قدم ویكون دَأْنَمًا فی ذلک المنبع حیثان صغار فی غایۃ الكثرة ولا یخرج واحد منہا الی خارج منبع الماء ولا یصید الناس شیئاً من تلک الحیتان احتراماً وتعظیماً لذلك المكان الشریف - واما مصرع القاسم الثانی المشتهر بشہزادہ قاسم وموضع شہادتہ فكان فی قریۃ مسماة بدز السفلی ویقال لہادز آشوب وذلك هو المشہور عند الناس ولعل تستمیتہا بذلک لاجل وقوع القتال والمعركة فیہا والمسافة بینہا و بین المقبرۃ المبارک بمقدار نصف فرسخ - ثم ان سبب دفن جسد القاسم الثانی عند مدفن راس ابیہ دون مصرعہ ومشہدہ هو ما اشرنا الیہ وقد وضع من قديم الزمان الی الآن مدفن راس القاسم ومدفن جسد ولده صندوق واحد کما فی سائر المشاهد المقدسة والضرائح المطهرۃ وبالجملة فان تلک المقبرۃ الشریفۃ مطاف ومزار الشیعة من قديم الزمان الی الآن اُی بذلک الوصف وبذلک العنوان بمعنی أنّہا مدفن راس القاسم بن الحسن المجتبی ومدفن جسد ولده فهذا النمط من التسامع والتظافر والسيرۃ المستمرہ ممّالا یحتاج الی اقامة البینۃ وشواہد آخر علی طبقۃ واما مقبرۃ زوجۃ القاسم ای بنت سید الشهداء روحی لہ الفداء وهی المسمّاة عند الناس بزیدۃ خواتون فہی واقعة فی محلّۃ من محلات الرّی والمسافة بینہا و بین مقبرۃ سید الاجل عبد العظیم الحسنی المشتهر عند الناس بشہزادہ عبد العظیم بما یقرب من ثلث فرسخ وقد حدثنی جَمْعٌ کثیرٌ بوجود امارات وشواہد کثیرۃ دالّۃ علی صدق تلک القضیۃ اُی علی کون قبر بنت سید الشهداء اُی زوجۃ القاسم فی ذلک المكان وقد صرف وانفق فی ہذہ الازمنۃ واحد من التجار الاختیار اموالاً کثیراً فی تعمیر تلک المقبرۃ الشریفۃ وما یتعلق بہا من القبة والحجرات والصحن ونحو ذلک - (کتاب کسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 292-291)

لہذا یہ صورت حال تو ان فیصلہ شدہ امور میں سے ایک ہے جو آنکھوں سے دیکھے ہوئے اور کانوں سے مسلسل سنتے چلے آئے والے ہوتے ہیں اور ان واقعات ومشاہدات کوشمرانات کے علاقہ کے تمام گاؤں اور آبادیوں کے باشندے اپنے بزرگوں سے سنتے اور دیکھتے اور اپنے بعد والوں کوسناتے اور دکھاتے چلے آ رہے ہیں۔ اور زمانوں میں سے ہر زمانہ میں اور صدیوں میں سے ہر صدی میں

اس کی حقیقت کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے جو علم الیقین کی حد سے بڑھا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں ان دونوں طیب و طاہر سیدوں اور شہیدوں پر گرد و نواح کے باشندے فخر و مباہات مسلسل اپنے ابا و اجداد سے سنتے اور کرتے چلے آ رہے ہیں اور انہیں اپنے قدیم اور ان اولین بزرگوں پر بھی فخر ہے۔ جنہوں نے شہزادہ قاسم بن قاسم بن الحسن علیہم السلام کی مدد اور نصرت میں بنی امیہ سے جہاد و جنگ لڑی تھی۔ اور اپنے تمام وسائل کو بہ روئے کار لائے تھے۔ اور اپنے ان کارناموں پر اپنے خاندانوں اور بزرگوں کی شرافت اور عظیم الشان قدر و منزلت پر فخر کرتے چلے آئے ہیں۔ اور شمرانات کے ان باشندوں کی مذمت کرتے چلے آئے ہیں جن لوگوں نے اُن کی نصرت کے بجائے بنی امیہ کا ساتھ دیا تھا۔ اس علاقہ کے دونوں قسم کے باشندے یہ قبول کرنے میں شرمندگی، بے عزتی اور خجالت محسوس کرتے ہیں کہ ان کے ابا و اجداد یا قبیلے کے لوگوں نے جناب شہزادہ قاسم کی نصرت نہ کی تھی۔ یا یہ کہ وہ ان کے دشمنوں کے ساتھ مل کر شہزادہ کے مقابلہ پر آئے تھے۔ یا دشمن کی مدد کی تھی۔ پھر یہاں کا کوئی بھی باشندہ ہوا ان واقعات و حالات سے نہ ہی انکار کرتا ہے اور نہ ہی کوئی ناواقفیت و لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی معلوم و مشہور ہے کہ شہزادہ قاسم جب شہید ہو گئے اور ایک جماعت نے اُن کو وہیں دفن کرنا چاہا جہاں وہ قتل ہوئے تھے تو اس جماعت نے ایک بلند آواز سنی جو پکار پکار کر یہ کہہ رہی تھی کہ ”اس پاک و مقدس ہستی کو پاک و مقدس ہستی کے پاس دفن کرو۔“ یہ پکار بھی اس طرح سنی اور سمجھی ہوئی اور ہر طرف مشہور و معلوم ہے کہ اُسی زمانہ سے برابر پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو بتاتے چلے آ رہے ہیں۔ اور ایک سے ایک کہتا اور سنتا چلا آ رہا ہے، نسلوں پر نسلیں اور زمانوں پر زمانے گزرتے اور اُن واقعات کو ساتھ لئے چلے آ رہے ہیں۔ پھر وہاں ایسے واضح آثار و نمایاں علامات اور منہ بولتے نشانات اور ابھری ہوئی مجسم شہادتیں موجود ہیں۔ جن کا فراہم ہو جانا عام حالات و عادات میں ناممکن ہوتا ہے۔ اور وہ تو یوں بھی اُن بزرگوں کے وجود کا ثبوت ہیں کہ وہاں لوگوں کی مرادیں برآتی رہی ہیں۔ معجزات و کرامات کا ظہور ہوتا چلا آ رہا ہے۔ یہ مقبرے لوگوں کی دعاؤں اور مشکلات میں مدد دینے کے مرکز مانے جاتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں حکایات و واقعات لوگوں کی زبانوں پر جاری رہتے ہیں۔ اور اگر آپ یہ چاہتے ہوں کہ اُن مقبروں کا قابل دید تعارف کرایا جائے تو یہ سنئے کہ جناب شہزادہ قاسم ثانی بن قاسم بن الحسن علیہم السلام کا مقبرہ جس گاؤں میں ہے اُس کا نام بدر العلیا ہے۔ اور یہ گاؤں طہران سے شمال کی جانب ہے۔ اور طہران سے اس گاؤں کا فاصلہ تقریباً چھ میل ہے اور یہی فاصلہ جناب قاسم علیہ السلام کے سرمبارک کے مقبرہ کا ہے۔ اور یہیں سے ایک انصاری نیک عورت کا مزار نظر آتا ہے۔ حضرت قاسم علیہ السلام کے سرمبارک کی برکت سے یہاں پانی کا چشمہ برآمد ہوا تھا۔ جو برابر لوگوں کو فیضیاب کرتا چلا آیا ہے۔ یہ مقبروں سے مشرق کی سمت میں ہے اور تقریباً ایک ہزار قدم کا فاصلہ ہے۔ اس چشمہ میں ہمیشہ چھوٹی مچھلیاں بہت کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ اور نہ تو اُن میں سے کوئی مچھلی چشمہ سے باہر نکلتی ہے اور نہ ہی لوگ احترام کی وجہ سے اُن کا شکار کرتے ہیں۔

جناب شہزادہ قاسم ثانی علیہ السلام کا مقام شہادت اور قتل ہو کر گرنے کا مقام اُس گاؤں میں ہے جسے بدر السفلی کہا جاتا ہے۔ اُسے دَآ شوب بھی کہتے ہیں۔ اور شاید اس نام کا لوگوں میں مشہور ہو جانا اس بنا پر ہوا کہ وہاں شدید جنگ و قتال وقوع میں آیا تھا۔

شہادت کے اس مقام کے اور مقبرہ شہزادہ قاسم کے مابین ایک ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہے۔ اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ جناب قاسم ثانی کو ان کی شہادت کے مقام پر کیوں دفن نہ کیا گیا اور کیوں ان کے والد بزرگوار قاسم بن الحسن کے سر مبارک کے مقبرہ کے پاس دفن کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اور جس طرح باقی مزارات مقدسہ کا طریقہ رہا ہے اسی طرح شہزادہ قاسم اور ان کے والد کے سر مبارک کیلئے ایک ہی صندوق رکھا گیا تھا جو قدیم زمانہ سے آج تک برقرار ہے۔ اور زمانہ قدیم سے آج تک یہ دونوں مزار مجانب محمد و آل محمد کے طواف کی اور زیارت کی جگہ رہتے چلے آئے ہیں۔ اور شیعوں کا یہاں جمع ہونا، طواف و زیارت کرنا یہ سمجھتے ہوئے جاری رہا ہے کہ یہ شہزادہ قاسم بن قاسم بن الحسن المجتبیٰ کا مزار ہے۔ اور یہ ان کے والد قاسم بن الحسن علیہما السلام کے سر مبارک کا دفن ہے۔ یہ حیثیت مسلسل سیدہ بسینہ اور بنی بنی سے دوسرے انسان کو پہنچتی اور اثر انداز ہوتی چلی آئی ہے۔ یہ ایک قومی و ملکی سیرت ہے جس پر مسلسل عملدرآمد برقرار ہے اور اس کو کسی اور ثبوت و دلیل کی ہرگز احتیاج نہیں ہے۔ ایک اور مجسم ثبوت وہاں یہ ہے کہ حضرت قاسم بن الحسن علیہما السلام کی زوجہ یعنی دختر جناب سید الشہد اعلیہ السلام جناب فاطمہ کبریٰ، جن کو اہل فارس زبیدہ خاتون بھی کہتے ہیں۔ ان کا مقبرہ بھی رے کے ایک محلہ میں موجود ہے۔ اور اس مقبرہ کے اور جناب شہزادہ عبدالعظیم الحسنی کے مقبرہ کے مابین ایک میل کا فاصلہ ہے۔ اور مجھ (علامہ دربندی) سے بہت بڑی تعداد نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ یہ مزار جناب زوجہ قاسم بنت سید الشہد اعلیہم السلام کا ہے۔ اور ان کے مزار وقبہ اور حجرات و صحن و چار دیواری بنانے پر ایک نیک تاجر نے بہت سی دولت خرچ کی ہے۔ اور اس کا بہت مال مختلف طریقوں سے صرف ہوتا رہا ہے۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 291-292)

(7)۔ حضرت قاسم مایوسی میں کامیابی کے لئے راہنمائی حاصل کرتے ہیں

جب مجھے بھائی نے دیکھا کہ جناب قاسم کو اجازت نہیں ملی تو وہ حاضر ہوئے اور اس مرتبہ انہیں اجازت مل گئی اور یوں جناب احمد بن امام حسن علیہ السلام مقاصد حسینی پر قربان ہو گئے۔

فَجَلَسَ الْقَاسِمُ مَهْمُومًا مَغْمُومًا بَاكِي الْعَيْنَيْنِ حَزِينِ الْقَلْبِ وَاجَازَ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اخُوْتَهُ لِلْبِرَازِ وَلَمْ يَجْزِهِ - فَجَلَسَ مُتَأَلِّمًا وَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى رَجْلَيْهِ وَذَكَرَ أَنَّ أَبَاهُ قَدِ رَطَبَهُ عَوْدَةٌ فِي كَيْفِهِ الْأَيْمَنِ وَقَالَ لَهُ: "إِذَا صَابَكَ أَلَمٌ وَهَمٌّ فَعَلَيْكَ بِحَلِّ الْعَوْدَةِ قَرَأْتُهَا وَفَهِمْتُ مَعْنَاهَا وَاعْمَلْ بِكُلِّ مَا تَرَاهُ مَكْتُوبًا فِيهَا" - فَقَالَ الْقَاسِمُ لِنَفْسِهِ مَضَى سَنِينَ عَلَيَّ وَلَمْ يَصْبُنِي مِثْلَ هَذَا أَلَمٍ فَحَلَّ الْعَوْدَةَ وَقَضَّهَا وَنَظَرَ إِلَى كِتَابَتِهَا إِذَا فِيهَا - (اکسیر العبادات - صفحہ 286)

اور جناب قاسم علیہ السلام سب سے الگ اور مغموم و محزون بہتی ہوئی آنکھوں سے کامیابی کی راہ تلاش کر رہے تھے۔ دل حزن و ملال میں ڈوبا جا رہا تھا۔ بھائی کو اجازت مل گئی مجھے اجازت بھی نہ مل سکی۔ آخر میری قسمت میں کون سا انقلاب لکھا ہے؟ بارئِ نوح و الم سے تھکا ہوا سرگشتوں پر رکھے ہوئے امام کے حضور میں سفارش کر سکنے والوں کی فہرست ذہن میں گزر رہی تھی کہ اچانک والد سامنے آ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا تھا کہ میں تمہارے داہنے بازو پر یہ تعویذ باندھ رہا ہوں جب تمہارے اوپر رنج و الم کی گھٹا چھائے تو اس تعویذ کو کھول کر پڑھنا۔ اُس کا مقصد اور معنی سمجھنا اور جو اُس میں لکھا ہو اُس پر من و عن عمل کر گزرنے۔ قاسم نے دل میں فیصلہ کیا کہ مجھ پر آج تک

موجودہ غم و اہم سے بڑا حادثہ نہیں گزرالہذا تعویذ کو کھول لیا مہر توڑ دی نظر ڈالی تو اُس میں لکھا تھا۔

(8)۔ تعویذی وصیت سے پہلے حسینیؑ مقصد اور قاسمیؑ ذہن سے رابطہ پیدا کیجئے؟

اجازت طلبی پر امامؑ نے قاسمؑ کو دل شکن جواب نہیں دیا تھا۔ بلکہ ایک بہت پیاری دُور رس مگر غور طلب بات کہی تھی۔

فقال له الحسين عليه السلام ”يَا بْنَ الْأَخِ أَنْتَ مِنْ أَخِي عَلامَةٌ وَأُرِيدُ تَبْقَى لِي لَا تَسْلَى بِكَ“، وَلَمْ يُعْطَ الْإِجَازَةَ لِلْبِرَازِ۔

(اکسیرالعبادات فی اسرارالشہادات۔ صفحہ 286)

فرمایا تھا کہ: ”اے میرے بھائی کے بیٹے تم میرے بھائی کی طرف سے ایک ”علامہ“ ہو۔ اور میں یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ تم باقی رہو۔

تاکہ میں تم سے تسلی و اطمینان حاصل کر سکوں۔“ اور جہاد کی ان کو اجازت نہ دی۔“

(9)۔ امامؑ کا مقصد بقائے قاسمؑ ہے، بقا کا انتظام ہونے پر اجازت ملے گی

آپ نے دیکھا تھا کہ حضرت عباسؑ علمبردار علیہ السلام کیلئے لفظ علامہ استعمال کیا گیا تھا۔ وہ حضرت علیؑ علیہ السلام کی جانب سے علامہ تھے۔ مگر امامؑ نے اُن کو باقی رکھنے کی بات نہیں فرمائی نہ اُن کی بقا کا ارادہ کیا۔ نہ اُن کو اپنے لئے دائمی تسلی کا ذریعہ بنایا۔ وہ صرف ان معنی میں علامہ تھے کہ عہد مرتضویؑ سے لیکر کربلا کی شہادت تک عباسؑ کا وجود اور فکر و عمل علی مرتضیٰ کے مادی انتظام کی تصدیق کرتا ہوا چلا جائے اور امامت کی ہمہ گیر نظر اور قوت کو تمام مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اب حضرت عباسؑ کی بقا شہداء کی صورت میں خود بخود درہے گی۔ لیکن وہ بقا جو حضرت قاسمؑ کیلئے درکار ہے شہداء کی حیات و بقا کے ساتھ ساتھ کچھ زیادہ واضح اور قابل فہم حیات و بقا ہے۔ اُس بقا کو فراہم کرنے کا مادی محسوس انتظام سامنے آنے کا انتظار رہا تھا۔ نظر امامت دیکھ رہی تھی کہ قاسمؑ کربلائی رسم کے مطابق اجازت مانگ رہے ہیں۔ اس اجازت میں رنگ بقا بھر کر دینا ہے۔ اُس اجازت کے ساتھ مادی محسوس تسلی کا دامن باندھنا ہے تاکہ شہادت، شہید اور شعوری حیات کے عملی معنی واضح ہو جائیں اور اُن سے علامات خداوندی کے سمجھنے میں آسانی ہو جائے (نساء 4/41 اور سورہ نحل 16-14/16) اور ساتھ ہی اس سلسلے میں سلسلہ نبوت و رسالت و امامت کے سابقہ وصی اور امام علیہ السلام کی ہدایات بھی شامل ہو جائیں۔ لہذا جناب قاسمؑ کو اس پیارے انکار کی صورت میں ایک جھٹکا دیا گیا۔ جس نے قاسمؑ کا رخ حالاتِ حاضرہ سے موڑ کر سابقہ مشکل کشا سے وابستہ کر دیا۔

(10)۔ تعویذی وصیت اور مادی محسوس بقا کی طرف پہلا قدم

حضرت قاسم علیہ السلام نے پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا کہ:-

يَا وَلَدِي قَاسِمُ أَوْصِيكَ أَنْتَ إِذَا رَأَيْتَ عَمَلَ الْحُسَيْنِ فِي كَرْبَلَا وَقَدْ احْتَاطَ بِهِ الْأَعْدَاءُ فَلَا تَتْرَكَ الْبِرَازَ وَالْجِهَادَ لِلْأَعْدَاءِ اللَّهُ وَاعْدَاءُ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا تَبْخُلْ عَلَيْهِ بِرُوحِكَ وَكُلَّمَا نَهَاكَ عَنِ الْبِرَازِ عَاوَدَ لِإِذْنِ لَكَ فِي الْبِرَازِ لَتَحْصَنَ فِي السَّعَادَةِ الْآبِدَةِ۔“ (اکسیرالعبادات فی اسرارالشہادات۔ صفحہ 286)

”اے میرے بیٹے قاسمؑ میری وصیت یہ ہے کہ جب تم کربلا میں امام حسینؑ کا عمل درآمد اور اقدامات دیکھ لو اور جب انہیں دشمن

احاطہ میں لے لیں۔ تو تم دشمنانِ خدا و رسولؐ سے جہاد کرنے کو نہ چھوڑنا اور اپنی جان قربان کرنے میں بخل و کمزوری نہ دکھانا۔ اور اگر حسینؑ تمہیں میدانِ جنگ میں نکلنے سے منع کر دیں تب بھی اجازتِ طلبی کا اعادہ کرتے رہنا یعنی نئے نئے انداز سے اجازت مانگتے رہنا۔ یہاں تک کہ امّ تمہیں جہاد کی اجازت دے دیں۔ اور تم اس طرح سے دائمی سعادت کے حصار یا قلعہ میں محفوظ ہو جاؤ۔“

حضرت قاسمؑ امام حسن علیہ السلام کی اس تحریر سے اتنا یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ اب مجھے ضرور اجازت مل جائے گی۔ اسلئے کہ امام حسینؑ پر عام قاعدہ کی رو سے بھی اُن تمام احکام کی تعمیل واجب تھی جو سابقہ امّ نے زبانی یا تحریری صورت میں جاری کئے ہوں۔ اور اس پر بھی غور لازم تھا کہ جب سابقہ امّ کو یہ معلوم تھا کہ امام حسینؑ علیہ السلام قاسمؑ کو اجازت سے منع کر دیں گے تو لازم ہے کہ انہیں باقی حالات بھی اُسی طرح معلوم ہوں جس طرح امام حسینؑ کا دشمنوں میں گھر جانا معلوم تھا۔ اور یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ انہیں امام حسینؑ کا وہ ارادہ بھی معلوم تھا جس میں قاسمؑ کے لئے باقی شہداء سے کچھ زیادہ واضح اور محسوس و مادی تسلی دینے والی بقادر کا تھی۔ بہر حال حضرت قاسمؑ نے وصیت پڑھی۔ دل رنج و الم سے ہلکا ہو گیا۔ چچا سے اجازت لینے کا ارادہ پختہ ہو گیا۔

(11)۔ امّ کی مشکلات اور آزمات میں اضافہ مگر قاسمؑ کی بقا کا دوسرا قدم

فَقَامَ الْقَاسِمُ مِنْ سَاعَتِهِ وَآتَى إِلَى الْحُسَيْنِ وَعَرَضَ مَا كَتَبَ الْحَسَنُ عَلَى عَمِّهِ فَلَمَّا قَرَأَ الْحُسَيْنُ الْعُودَةَ بَكَاءَ شَدِيدًا وَنَادَى بِالْوَيْلِ وَالْثُجُورِ وَتَنَفَسَ الصَّعْدَاءُ وَقَالَ يَابْنَ أَخِي هَذِهِ الْوَصِيَّةُ لَكَ مِنْ أَبِيكَ وَعِنْدِي وَصِيَّةٌ أُخْرَى مِنْهُ لَكَ وَلَا بُدَّ مِنْ انْفَاذِهَا۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 286)

حضرت قاسمؑ علیہ السلام جلدی سے اٹھے، چچا کے پاس آئے اور جو کچھ امام حسن علیہ السلام نے لکھا تھا وہ پیش کر دیا۔ امّ نے دل تھام کر بھائی کی تحریر دیکھی، ہدایات پڑھیں اور نہ معلوم کیا کیا یاد آگیا؟ ماضی و مستقبل میں نظر کہاں کہاں پہنچی کہ بے قرار ہو گئے۔ پھوٹ پھوٹ کر روئے اور دشمنانِ دین پر لعنت کر رہے تھے۔ اُن کے اعمالِ زشت پر ملامت کر رہے تھے۔ سانس پھول گئی تھی۔ ذرا سنبھلے تو فرمایا کہ بیٹے یہ وصیت تو تمہارے لئے ہے اور تمہیں اس پر عمل کا اختیار ہے۔ لیکن تمہارے متعلق مجھے بھی بھائی نے اسی قسم کی وصیت کی تھی اور اب وقت آ گیا ہے کہ اُس پر فوراً عمل کر لیا جائے۔

(12)۔ امّ نے اپنی قربانیوں کو انقلاب انگیز اور دھماکہ خیز دوام عطا کر دیا

فَمَسَكَ الْحُسَيْنُ عَلَى يَدِ الْقَاسِمِ وَادْخَلَهُ الْخِيْمَةَ۔ وَقَالَ لَأُمِّ الْقَاسِمِ أَلَيْسَ لِلْقَاسِمِ ثِيَابٌ جَدَدٌ؟ قَالَتْ لَا۔ فَقَالَ لَا خِيَمَةَ زَيْنَبُ ابْنَتِي بِالصُّنْدُوقِ۔ فَاتَتْهُ بِهِ وَوَضَعَ بَيْنَ يَدَيْهِ۔ فَفَتَحَتْهُ وَاخْرَجَ مِنْهُ قَبَاءَ الْحَسَنِ وَالبَسَهُ الْقَاسِمُ وَلَفَّ عَلَى رَأْسِهِ عِمَامَةَ الْحَسَنِ وَمَسَكَ بِإِدْنِ ابْنَتِهِ الَّتِي كَانَتْ مَسْمُومَةً لِلْقَاسِمِ۔ فَعَقَدَ لَهُ عَلَيْهَا۔ وَافْرَدَ لَهُ خِيْمَةً وَاخْذَ بِإِدْنِ ابْنَتِهِ وَوَضَعَهَا بِيَدِ الْقَاسِمِ وَخَرَجَ عَنْهَا۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 286)

امام حسینؑ علیہ السلام اسی صورت حال کے فطری طور پر از خود پیدا ہونے کا انتظار فرما رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت قاسمؑ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ خیام کے اندر لائے۔ ظاہر ہے کہ تمام رسولؐ زادیاں اور بچے جمع ہو گئے ہوں گے۔ امّ نے قاسمؑ کی والدہؑ اپنی

بزرگ بھابی کو بلایا اور خلاف توقع سوال کیا کہ بھابھی جان کیا قاسم کا کوئی نیا جوڑا کپڑوں کا نہیں ہوگا؟ یہ بڑا ہی دردناک سوال تھا۔ لیکن مختصر جواب ملا کہ بھائی نیا جوڑا تو کوئی موجود نہیں ہے۔ آپ نے اپنی بہن اور کر بلا کی مشکلات حل کرنے والی بہن زینب سے کہا کہ ذرا مجھے صندوق لا دو جس میں مرحوم بھائی جان امام حسن کا لباس رہتا ہے۔ حضرت زینب گئیں اور وہ صندوق لا کر بھائی کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے صندوق کھول کر بھائی کی قبائلی۔ بھیا کی علامہ قاسم کے زیب تن کی۔ پھر بھائی کا عمامہ نکال کر قاسم کے سر پر باندھا۔ حضرت قاسم سے منسوب اپنی بیٹی (فاطمہ کبریٰ) کا ہاتھ پکڑا اور دونوں کا عقد پڑھ دیا۔ پھر قاسم کی مشکلات اور اذن جہاد کی آزمائش کو بڑھانے کے لئے دونوں کو ایک الگ خیمہ میں لائے۔ اور یہاں بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر قاسم علیہ السلام کی دنیاوی و دینی اور کر بلائی ذمہ داریوں کو لامحدود کرنے کی خاطر بیٹی کا ہاتھ قاسم کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اور یہ سمجھ کر خیمہ سے باہر نکل آئے کہ خانوادہ نبوت کا پروردہ قاسم وہ سب کچھ خود ہی سمجھ لے گا۔ جو ایک باپ اپنی بیٹی سپرد کرتے ہوئے رو کر کہا کرتا ہے۔ کر بلا کے حالات سے قطع نظر کر کے یہ موقعہ تو خود ہی رقت انگیز ہوتا ہے۔ اُس پر غیر اور تعلق لوگوں کی آنکھیں ڈبڈب جاتی ہیں۔ پھر یہاں تو جان لیوا دشمن بالکل قریب تھے۔ میدان میں نکلنے کیلئے لگا رہے تھے۔ اگر امام باقاعدہ بیٹی کی سفارش کرنے لگتے تو دل تڑپ جاتا اور قلب سے چیخیں بلند ہو جاتیں۔ امام نہ چاہتے تھے کہ دشمن اُن کا رونا سنیں اور اس رونا کے غلط معنی کر لیں۔ لہذا جلدی سے بیٹی کا ہاتھ پکڑاتے ہی باہر نکل آئے۔ ہمیں نہیں معلوم اپنے مرکزی مقام پر آئے یا بہن اور بھابھی کو مبارکباد دینے گئے۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ بچوں کے تاثرات کیا تھے؟

(13)۔ حضرت قاسم علیہ السلام نے اپنی ذمہ داریوں کی ترتیب و عمل میں آخر تعاون حاصل کر لیا

آن کی آن میں حضرت قاسم کو ایک ذمہ دار شخص بنا دیا گیا۔ اُن کے سامنے دنیا کی سب سے زیادہ نازک اور واجب الادا ذمہ داری آ کر کھڑی ہو گئی۔ زندہ رہنے کا بڑے سے بڑا دنیاوی مقصد سامنے تھا۔ لیکن جہاں مستقبل کی آسائش اور آرزوئیں اور امنگیں کا نا پھوسی کر رہی تھیں وہیں یزیدی افواج کے نعرے، میدان مقابلہ میں بلانے کے طعنے اور امام کے میدان میں نکل پڑنے کا اندیشہ پکار رہا تھا۔ مگر واہ رے قاسم۔ نوجوانان نوع انسان تم پر فخر کرتے رہیں گے۔ صبر و ضبط تحمل اور جذبہ فداکاری تمہارے نام کی تسبیح پڑھتے رہیں گے۔ تم نے دو امانوں کی دوہری آزمائش میں کامیابی کی راہ نکال کر ایسا نمونہ پیش کیا کہ تمام بننے والے دولہا دلہن اور اُن کے ماں باپ اور بہن بھائی ہمیشہ بطور یادگار مناتے چلے جائیں گے۔

فَعَادَ الْقَاسِمَ يَنْظُرُ ابْنَةَ عَمِّهِ وَبِكِي إِلَى أَنْ سَمِعَ الْأَعْدَاءَ يَقُولُونَ هَلْ مِنْ مُبَارَزٍ فَرَمَى بِيَدِ زَوْجَتِهِ وَارَادَ الْخُرُوجَ مِنَ الْخِيَمَةِ فَجَذَبَتْ ذَيْلَهُ وَمَانَعَتْهُ عَنِ الْخُرُوجِ وَهِيَ تَقُولُ لَهُ مَا يَخْطُرُ بِبَالِكَ وَمَا الَّذِي تُرِيدُ تَفْعَلُهُ؟ قَالَ لَهَا أُرِيدُ مَلَاقَةَ الْأَعْدَاءِ فَانْهَمِ يَطْلُبُونَ الْبَرَازَ وَإِنِّي أُرِيدُ مَلَاقَتَهُمْ فَلَزِمَتْهُ ابْنَةُ عَمِّهِ فَقَالَ لَهَا خَلِي ذَيْلِي فَإِنَّ عَرَسَنَا آخِرُنَا هِيَ الْآخِرَةُ - فَصَاحَتْ وَنَاحَتْ وَأَنْتَ مِنْ قَلْبِ الْحَزِينِ وَدُمُوعُهَا جَارِيَةٌ عَلَى خَدَيْهَا وَهِيَ تَقُولُ: يَا قَاسِمُ أَنْتَ تَقُولُ عَرَسَنَا آخِرُنَا هِيَ الْآخِرَةُ - وَفِي الْقِيَامَةِ بَأَيِّ شَيْءٍ أَعْرِفُكَ وَفِي أَيِّ مَكَانٍ أُرِيكَ؟ فَمَسَكَ الْقَاسِمُ يَدَهَا وَضَرَبَهَا عَلَى رَدْنِهَا وَقَطَعَهَا وَقَالَ يَا ابْنَةَ الْعَمِّ أَعْرِفْنِي بِهِذِهِ الرَّدْنِ الْمَقْطُوعَةِ - قَالَ فَأَنْفَجَعَ أَهْلَ الْبَيْتِ بِالْبَكَاءِ لِفِعْلِ الْقَاسِمِ وَبَكَوْا بَكَاءً شَدِيدًا وَنَادَوْا بِالْوَيْلِ وَالثَّبُورِ - (أكسير العبادات صفحہ 286-287)

الغرض جناب قاسمؑ نے اللہ و امام زمانہ سے طاقت و ہمت طلب کرتے ہوئے قرآن ناطق کی بیٹی کی طرف نظر بلند کی اور غالباً چہرہ سے استقلالِ فاطمہؑ کبریٰ کا اندازہ کرنا چاہا ہوگا۔ مگر اُس معصوم و مظلوم و بے کس چہرہ پر نہ معلوم کیا نظر آیا کہ خود بے قرار ہو کر رونام شروع کیا لیکن ساتھ ہی دشمنوں کی آواز آئی کہ حسیٰ خیاں میں کوئی موجود ہے جو ہمارے مقابلہ پر نکلے۔ یہ سن کر قاسمؑ نے امامؑ کا پکڑا یا ہوا ہاتھ چھوڑ دیا اور خیمہ سے میدانِ جنگ میں جانے کے ارادہ سے باہر نکلتا چلا تو اُس معصومہؑ نے دامن تھام لیا، خیمہ سے نکلنے میں مانع ہوئیں۔ اور عرض کیا کہ مجھے اپنی قلبی کیفیت بتائیں اور اس تازہ رشتہ کے متعلق مستقبل کا پروگرام سمجھائیں اس لئے کہ امامؑ کا فعل بے معنی نہیں ہو سکتا؟ حضرت قاسمؑ کے سامنے وہ رعایت بھی تھی جو جناب امام حسین علیہ السلام نے شبِ عاشور عموماً اور عاشور کے دن فرداً فرداً سب کو دی تھی۔ اس وقت زندہ رہنے کیلئے امامؑ کی بیٹی اور اہلِ حرمؑ کی حمایت کا بھی جائزہ عذر تھا۔ لیکن باپؑ کی وصیت میں قطعاً لچک نہ تھی۔ پھر ابدی طور پر محفوظ قلعہ میں داخلہ اور امامؑ کے لئے دائمی تسلی یوں زندہ رہنے سے بے معنی ہو جاتی تھی۔ اس لئے جناب قاسمؑ نے بعید ترین معنی کو ذمہ لیا۔ الفاظ میں سامنے رکھ دیا اور فرمایا کہ فی الحال میرا یہی ارادہ ہے کہ جاؤں اور دشمنانِ اہلبیتؑ سے جنگ کروں۔ اور اپنی شادی کے معاملے کو آخرت تک تاخیر میں ڈال دوں۔ اور ازدواجی زندگی پر موجودہ صورت حال کو ترجیح دے دوں۔ لہذا تم مجھ سے تعاون کرو خوشی سے میرا دامن چھوڑ دو اور یہ ذمہ داری پورا کر لینے دو۔ اس سے اللہ و رسولؐ اور امامؑ زمانہ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور ہم دونوں کے لئے وہ خود ان نظام کر دیں گے۔ یہ سن کے جناب فاطمہؑ کبریٰ نے ایک چیخ ماری اور بڑی دل گداز آواز میں اظہارِ غم و الم کیا۔ دل تڑپ رہا تھا شوہر اور مظلوم باپؑ کی موت سامنے دکھائی دے رہی تھی، رخساروں پر آنسو جاری تھے۔ آخر میں سنبھلیں اور لفظ آخرت کے مشہور معنی کو سامنے رکھ کر سوال کیا کہ آپ نے یہ تو فرمادیا کہ ہم اپنی شادی اور ازدواجی زندگی کو آخرت تک ملتوی کرتے ہیں۔ مگر مجھے یہ تو بتادیں کہ عرصہ قیامت میں آپ کی شناخت کیا ہوگی؟ اور میں کس طرح آپ کو پہچانوں گی اور آپ کو کس جگہ تلاش کروں گی؟ غالباً معصومہؑ کے ذہن میں شہدائے کربلا کے سر بُریدہ اور بلا سر محسوس ہونے کا خیال ہوگا۔ بہر حال حضرت قاسمؑ نے دوبارہ اُن کا ہاتھ پکڑا اور اُن کے ہاتھ میں اپنی آستین پکڑا کر پھاڑ دی اور فرمایا کہ اے میرے مظلوم بچہ! مجھے پھٹی ہوئی آستین سے شناخت کر لینا۔ بتایا گیا ہے کہ اہلبیتؑ، قاسمؑ کبریٰ کی باتیں سن رہے تھے۔ قیامت میں شناخت کی ترکیب سن کر اہلِ حرمؑ میں گریہ و زاری کا کہرام برپا ہو گیا۔ اور تمام خواتین بے تابانہ ہائے واویلا اور دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر نفرین و لعنت کر رہی تھیں۔ یہ فریاد شروع ہوتے ہی حضرت قاسم علیہ السلام خیمہ سے باہر نکلے اور امامؑ کے حضور اذنِ جہاد کے لئے حاضر ہو گئے۔

(14)۔ حضرت قاسم علیہ السلام کو اجازت دی گئی لباسِ عروسی کفن کی صورت میں بدلایا گیا

یہاں تک قارئین نے جوان و سن رسیدہ صحابہ کی رخصتیں اور شہادتیں دیکھیں۔ پھر ہاشمی کم سن نوجوانوں، جوانوں اور سن رسیدہ بزرگوں کو اجازت مانگتے اور رخصت ہوتے دیکھا۔ ذرا دیر پہلے جناب احمد بن امام حسنؑ مجتبیٰ نے اجازت لی تھی۔ میدانِ جنگ کو گئے تھے۔ اُن سے بھی پہلے جناب علی اکبر علیہ السلام نے داغِ جدائی دیا تھا۔ مگر امامؑ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے آراستہ نہ کیا تھا۔ کسی کو کفن نہ پہنایا تھا۔ یہ خصوصیت جناب قاسمؑ ہی کو حاصل ہوئی۔ اس لئے کہ شاہانہ جوڑا یا عروسی کے کپڑے بھی امامؑ نے خود پہنائے تھے۔ اور اب

اُن ہی عروسی کے کپڑوں کو کفن کی صورت میں تبدیل کریں گے۔ یہ بات تمام سرکاری غیر سرکاری، اپنے اور پرانے، جدید و قدیم علمائے تسلیم کی ہے۔ انہیں سوچنا چاہئے تھا کہ امامؑ کے سلوک میں قاسمؑ کے ساتھ یہ خصوصیت کیوں تھی؟ یہاں تو سب اپنے پاؤں چل کر عمداً موت کی طرف گئے تھے۔ یہ کیا بات ہے کہ آپ صرف حضرت قاسم علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ:-

قال مَنْ رَوَى فَلَمَّا رَأَى الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّ الْقَاسِمَ يَرِيدُ الْبِرَازَ قَالَ لَهُ يَا وَلَدِي أَمَشِي بِرِجْلِكَ إِلَى الْمَوْتِ؟ قَالَ وَكَيْفَ يَاعَمُّ وَانْتَ بَيْنَ الْأَعْدَاءِ وَحِيدًا غَرِيبًا فَرِيدًا لَمْ تَجِدْ مُحَامِيًا وَلَا صَدِيقًا - رُوِيَ عَنْكَ الْفَدَاءُ وَنَفْسِي لِنَفْسِكَ الْوَقَاءُ - ثُمَّ إِنَّ الْحُسَيْنَ شَقَّ أَزْيَاقَ الْقَاسِمِ وَقَطَعَ عِمَامَتَهُ نَصْفَيْنِ - ثُمَّ ادَّاهَا عَلَى وَجْهِهِ - ثُمَّ أَلْبَسَ ثِيَابَهُ بِصُورَةِ الْكُفَنِ وَشَدَّ سَيْفَهُ بِوَسْطِ الْقَاسِمِ وَارْسَلَهُ إِلَى الْمَعْرَكَةِ - (أكسير العبادات في أسرار الشهادات - صفحہ 287)

بیٹے کیا تم اپنے پاؤں سے چل کر موت کی طرف جانا چاہتے ہو؟ حضرت قاسمؑ نے جواب دیا کہ میں اپنے پاؤں چل کر موت کی طرف کیسے نہ جاؤں اے چچا جب کہ آپؑ تنہا رہ گئے۔ حالت مسافرت میں اکیلے رہ گئے اور آپؑ کو بھی اب اپنا حامی اور دوست نہیں دکھائی دیتا۔ اور صرف اسی قدر تو نہیں ہے کہ آپؑ بے یار و مددگار رہ گئے ہیں بلکہ آپؑ تو خونخوار دندوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اور حالت یہ ہے کہ اگر میں اپنی زندگی قربان کر کے آپؑ کو بچا سکوں اور یہ لوگ آپؑ کی جگہ مجھ پر مظالم کرنے اور مجھے قتل کرنے پر رضامند ہو جائیں تو مجھے اس سے زیادہ اور کچھ بھی عزیز نہیں ہے۔ میرے اچھے چچا جان مجھے اجازت دیجئے کہ میں اُدھر آپؑ کے بزرگ بھائی کی وصیت پوری کر دوں اور ادھر دائمی سعادت کے قلعہ میں داخل ہو جاؤں اور پھر آپؑ مجھے باقی رکھنے اور اپنی تسلی کا ذریعہ بنانے کے ارادہ کو پورا فرمائیں۔ امامؑ نے قاسمؑ پر انتظار کو سخت پایا۔ قاسمؑ نے دونوں اماموں کی شرطیں پوری کر دی تھیں۔ تہہ در تہہ آزمائشوں سے کامیاب گزر چکے تھے۔ عقل و جذبات اور شوہر و زوجہ ہم خیال و ہم آہنگ ہو چکے تھے۔ امامؑ نے نوخیز دُلہا کو باقی جوانان بنی ہاشم سے الگ شناخت کرانے کے لئے اُن کا گریبان چاک کیا، کالر اور کنٹھی پھاڑ دی۔ عمامہ کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کیا۔ آدھا عمامہ سر پر باندھا اور دونوں شملے چہرے کے داہنے بائیں سے سینے پر لٹکا دیئے۔ اور آدھے عمامے سے قاسمؑ کے لباس کو کفن کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ تلوار مضبوطی سے میان میں لگا دی۔ اور چند ہدایات دیں۔ سر سے پیر تک دیکھا۔ آنکھوں سے آنسو برساتے ہوئے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت عطا فرمادی۔

حضرت قاسم علیہ السلام کے سامنے جو میدانِ جنگ اب آنے والا ہے وہ اُس جہاد سے بہت سہل ہے جس سے آپؑ ابھی ابھی کامیابی سے فارغ ہوئے ہیں۔ اور اُسی سے کامیابی نے یہ موقعہ فراہم کیا ہے کہ آپؑ تیغ بکف دشمنانِ اسلام سے لڑنے چلے ہیں۔ وہ جنگِ فرائض و اصول کے تحفظ میں جذبات کے مقابلہ میں جنگ تھی۔ اُس جنگ کو فتح کرنے کیلئے آنسوؤں، جھکی ہوئی نگاہوں، سعادت مندانہ توجہ اور منت و سماجت و تسلی و دلاسا کے اسلحہ کے بہترین اور بروقت استعمال کی ضرورت تھی۔ اور یہ پیش پا افتادہ جنگِ امامؑ زمانہ اور اسلامی اقدار کے تحفظ میں کی جا رہی ہے۔ اس جنگ میں دشمنانِ انسانیت اور پیرِ وان طاغوتیت سے مقابلہ ہے۔ یہاں تبلیغ و اتمامِ حجت کی ٹیکنیک اور تیغ و شمشیر کی مہارت درکار ہے۔ یہاں اپنا خون اور اپنی جان پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ سب کچھ خانوادہٴ

نبوت و امامت کے لئے نہایت آسان ہے۔ اللہ رسولؐ پر قربان ہوتے چلے جانا اولاد ابوطالبؑ اور آلِ علیؑ کی سنت و عادت ہے۔

(15)۔ کفن پوشِ حسینؑ دُلہا خون میں نہا کر کر بلا کو سرخرو کر گیا

حضرت قاسمؑ نے میدانِ کارخ کیا تو اہلبیتؑ کی نگاہیں، تمنائیں اور دعائیں سمٹ کر دُلہا پر مرکوز ہو گئیں۔ اُدھر یزیدی افواج کی نظریں اُس لباسِ جنگ کی عُدت پر جم کر رہ گئیں۔ دلوں میں طرح طرح کے سوالات اور خدشات پیدا ہونے لگے۔ یہ مجاہد بالکل انوکھا تھا۔ اپنی چال ڈھال اور مثال آپ تھا۔ اُن کے ساتھ حضرت علی اکبر علیہ السلام کا حُسن و جمال اور سُن و سال بھی چلا آ رہا تھا۔ اُن کے پہلو میں حضرت عباس علیہ السلام کی شان و شوکت و شجاعت و دبدبہ رواں دواں بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ یہ کفن پوشی کے ساتھ ساتھ دونوں شملوں کا چہرہ کے سامنے بچکولے کھانا اور چاند کی طرح بادل سے نکلنا اور چھپ جانا پہچاننے میں حارج تھا۔ ایک بجلی سی چمکتی اور گرتی معلوم ہو رہی تھی۔ حسینؑ مجاہد کا مقابلہ پر دیر سے آنا اور مرنے سے پہلے ہی کفن پہن لینا قلوب میں دہشت و کمزوری پیدا کر رہا تھا۔ دیر کا سبب یہی خاص تیاری ہے؟ وہ اس بڑھتے چلے آنے والے مجاہد کو خطرات اور آفات کا فرشتہ سمجھ رہے تھے۔ اُس کی رفتار اور سہا دینے والی سنجیدگی دلوں میں کپکپی پیدا کر رہی تھی۔ علی اکبر و عباسؑ کی جنگ کے نظارے، فوجوں کا اُلٹ اُلٹ کر گرنا نظروں کے سامنے پھر رہا تھا۔ آخر دُلہا آیا عمر بن سعد کو لاکارا اور فرمایا کہ:-

يَا عُمَرُ اَمَّا تَخَافُ اللّٰهَ؟ اَمَّا تَرَا قَبَ اللّٰهِ؟ يَا اَعْمَى الْقَلْبِ اَمَّا تَرَا عَمَى رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ عُمَرُ بَنَ سَعْدٍ: اَمَّا كَفَاكُمُ التَّجْبِرُ؟ اَمَّا تَطِيعُوْنَ يَزِيْدَ؟ فَقَالَ الْقَاسِمُ لَا جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا - تَدْعِي الْاِسْلَامَ وَاَل رَسُوْلَ اللّٰهِ عَطَشَانًا، ظِمَانًا قَدَا سَوَدَتِ الدُّنْيَا لَا عَيْنُهُمْ فَوْقَ هَيْئَةٍ فَمَارِى اَحَدٍ تَقْدَمُ اِلَيْهِ فَرَجِعْ اِلَى الْخِيْمَةِ - (أكسير العبادات - صفحہ 287)

اے عمر کیا تجھے اللہ کا خوف نہیں ہے؟ کیا تو اللہ کے سامنے اپنے اعمال کا جوابدہ نہیں ہوگا؟ کیا تو رسول اللہ کے احسانات کو قابلِ رعایت نہیں سمجھتا؟ عمر بن سعد نے حیران ہو کر کہا: کیا تمہیں اتنا جبر و تشدد بھی خاموش رکھنے کیلئے کافی نہ ہوا؟ کیا تم اب بھی یزید کی اطاعت پر آمادہ نہیں ہو؟ حضرت قاسمؑ نے جواب دیا کہ اللہ کبھی تجھے جزائے خیر نہ دے۔ ارے ملعون تو اسلام اور مسلمانی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور جس سے تو نے اسلام حاصل کیا ہے، اُس رسول کی اولاد کو بھوکا پیاسا رکھنا اور قتل کرنا جائز سمجھتا ہے۔ حالانکہ اُن کی نظر میں دنیا ایک تاریک مکان کے مانند ہے۔ اس ڈانٹ ڈپٹ کے بعد کچھ دیر منتظر رہے کہ مقابلہ پر نکلنے کا تقاضہ کرتے رہنے والوں میں سے کوئی مقابلہ پر آئے گا۔ مگر وہاں خوف و دہشت سے ایسی خاموشی چھائی ہوئی تھی جیسے اُن کے سروں پر موت ناچ رہی ہو۔ آخر آپ نے خیم میں واپسی اور اہلِ حرم کو تسلی دینے کا ارادہ کیا۔

(16)۔ ہاشمیؑ دُلہا اتمامِ حجت کے بعد خیم میں آتا ہے

فَرَجَعَ اِلَى الْخِيَامِ وَ سَمِعَ صَوْتَ ابْنَةِ عَمِّهِ تَبْكِي - فَقَالَ لَهَا هَا اَنَا جِئْتُكَ فَهَضَّتْ قَائِمَةً عَلَى قَدَمَيْهَا وَقَالَتْ مَرْحَبًا بِالْعَزِيْزِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَرَانِيْ وَجْهَكَ قَبْلَ الْمَوْتِ - فَنَزَلَ الْقَاسِمُ الْخِيْمَةَ فَقَالَ: يَا بِنْتَ الْعَمِّ مَالِيْ اصْطَبَارٌ اَنْ اَجْلِسَ مَعَكَ وَالْكَفَّارُ يَطْلُبُوْنَ الْبَرَازَ فَوَدَّعَاهَا فَخَرَجَ وَرَكِبَ جَوَادَهُ وَحَمَاهُ فِي حُوْمَةِ الْمَيْدَانِ - (أكسير العبادات - صفحہ 287)

حضرت قاسم خيام کے قریب پہنچے تو فاطمہ کبریٰ کے رونے کی آواز سُنی تو اُن سے فرمایا کہ یہ یوں آپ کے پاس آ گیا ہوں۔ اب رونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ معصومہ جلدی سے کھڑی ہوئیں اور عرض کیا کہ آپ کا آنا ہم سب کو مبارک ہو۔ اللہ آپ کو غلبہ عطا کرے۔ میں اُس اللہ کی شکر گزار ہوں جس نے مجھے مرنے سے پہلے آپ کی زیارت پھر کرا دی ہے۔ اُدھر لشکر سے مقابلہ پر بلانے کا تقاضہ پھر کیا گیا۔ حضرت قاسم نے کہا کہ اے میرے چچا کی بیٹی میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں اطمینان سے تمہارے پاس بیٹھوں اور یہ کفار طعن و تشنیع سے میدان میں للکار رہے ہیں۔ یہ کہہ کر وداع ہوئے۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے میدان جنگ کی طرف موڑا۔

(17)۔ حضرت قاسم علیہ السلام کی جنگ کا منظر اور کامیاب واپسی

ثم طلب المبارزة فجاء اليه رجل يعد بالف فارس فقتله القاسم وكان له اربعة اولاد فخرجوا الى مبارزة القاسم واحدا بعد واحد فجعلهم مقتولين - ثم ضرب القاسم فرسه بسوط ودعا يقتل بالفرسان الى ان ضعفت قوته فهدم بالرجوع الى الخيام واذا بالازرق الشامي قد قطع عليه الطريق وعارضه فضربه القاسم على ام راسه فقتله وسارا القاسم الى الحسين وقال ياعمناه العطش العطش ادركني بشربة من الماء فصبره الحسين واعطاه خاتمه وقال حطه في فمك مضه - قال القاسم فلما وضعته في فمي كانه عين ماء فارتويت وانقلبت الى الميدان - (الكبير العبادات - صفحہ 287)

جناب قاسم علیہ السلام نے میدان جنگ کو گرم کرنے کے لئے اپنا گھوڑا میدان جنگ کی طرف موڑا اور دشمنانِ دین کو مقابلہ پر للکارا۔ اُدھر سے ایک ایسا شخص مقابلہ پر آیا جسے ایک ہزار سواروں کے برابر شمار کیا جاتا تھا۔ آپ نے آتے ہی اُسے ڈھیر کر دیا۔ پھر اس کے چار بیٹے باری باری مقابلہ پر آئے انہیں بھی ٹھکانے لگا دیا۔ پھر حضرت نے گھوڑے کو چابک لگایا اور گھوڑے کو دشمن کی فوج پر ڈال دیا۔ ذرا ہی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔ آپ کو تھکن اور کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ آپ نے پھر خيام میں چکر لگانے کا ارادہ کیا اور چلے جا رہے تھے۔ اُدھر ایک شخص بنام ازرق شامی گھات میں لگا ہوا تھا۔ آپ نے دیکھا تو وہ مقابلہ پر آ گیا۔ حضرت قاسم علیہ السلام نے اُس کی کھوپڑی پر ایک ضرب لگائی اور دار الفنا روانہ کر دیا۔ وہاں سے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ننھے بچوں کی طرح عرض کیا کہ چچا پیاس کی انتہا ہو چکی ہے کیا آپ ایک دفعہ پینے کا پانی فراہم کر سکیں گے؟ امام اپنا ریکارڈ کہاں توڑتے۔ انہوں نے دلاسا دیا اور فرمایا کہ بیٹے میری انگوٹھی اپنے منہ میں رکھو اور اُسے چوس کر دیکھو۔ حضرت قاسم علیہ السلام نے جوں ہی وہ انگوٹھی اپنے منہ میں رکھی تو معلوم ہوا کہ وہ تو پانی کا ایک چشمہ تھی۔ دولہا سیراب ہو کر پھر میدان جنگ میں پلٹ آیا۔

(18)۔ حضرت قاسم علیہ السلام شہید ہو کر عارضی طور پر جدا ہو گئے

انه حمل على القوم ولم يزل يقاتل حتى قتل من القوم مائتي فارس قال مسلم الخولاني وكان جاني رجل من اهل الشام فقال والله لافاتني هذا الغلام فاني اراه قد زاد في تمرده - فقلت له يا ويلك امانا تحفظ قربته من رسول الله فلم يعبا بكلامي دون ان هجم عليه وهو مؤول وضربه على راسه فجذله صريعا فصاح ياعمناه ادركني فحمل الحسين على الرجل وضربه ضربة قطع بها نصف راسه فصاح الرجل الغوث الغوث فحمل عمر بن سعد بجمع الجيش وحمل الحسين حتى فرغ الخيل عنه ثم وقف به وهو يفحص رجليه والحسين يبكي ويقول اللهم انت تعلم انهم دعونا لينصرونا فخذلونا اللهم احبس عنهم

قَطْرَ السَّمَاءِ وَاحْرَمَهُمْ بِرَكَاتِكَ اللَّهُمَّ فَرَقَهُمْ شَعْبًا وَاجْعَلْهُمْ طَرَائِقَ قَدَرًا وَلَا تَرْضَ عَنْهُمْ الْوَلَاةَ أَبَدًا اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتُ حَبَسْتُ عَنْكَ النَّصْرَ فَاجْعَلْهُ لَنَا ذَخِيرًا عِنْدَكَ ثُمَّ نَظَرًا إِلَى الْغَلَامِ وَقَالَ بُعْدًا لِقَوْمٍ قَتَلُوكَ وَمِنْ خَصْمِهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جَذَكَ وَأَبُوكَ يَعْزُّو اللَّهَ عَلَيَّ عَمَّكَ أَنْ تَدْعُوهُ فَلَا يَجِيبُكَ أَوْ يَجِيبُكَ فَلَا يَنْفَعُكَ وَاللَّهِ هَذَا يَوْمٌ كَثُرُوا تَرَهُ وَقُلَّ نَاصِرُهُ ثُمَّ حَمَلَ عَلَى صَدْرِهِ وَالْقَاهُ بَيْنَ الْقَتْلَى مِنَ أَهْلِيَّتِهِ - (أكسير العبادات في أسرار الشهادات - صفحہ 286-285)

حضرت قاسم علیہ السلام خیام سے آتے ہی یزیدی افواج پر حملہ آور ہوئے اور برابر قتل عام جاری رکھا یہاں تک کہ دو سو سواروں کو واصل جہنم کر دیا۔ مسلم خولانی بیان کرتا ہے کہ میرے پہلو میں ایک شامی فوجی تھا۔ اس نے کہا کہ اس نوجوان کو میں برابر دیکھتا رہا ہوں یقیناً اُس نے جو انمردی کی حد کر دی ہے۔ میں ضرور اُسے قتل کروں گا۔ میں نے اُس سے کہا کہ خدا تجھے غارت کرے کیا تو اُس کی رسول اللہ سے رشتہ داری کا بھی لحاظ نہ کرے گا۔ اُس نے میری بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ سوائے اس کے کہ وہ گھات میں لگ گیا۔ اور جیسے ہی اُسے موقع ملا اُس نے قاسم علیہ السلام کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ تڑپ کر گرے اور آواز دی کہ اے چچا جان مدد کو آئیے۔ امام حسین علیہ السلام نے تیزی سے حملہ کیا اور اس قاتل کو ایک ایسی تلوار ماری کہ اُس کا آدھا سر کٹ گیا۔ اور مدد کرو مدد کرو، بچاؤ بچاؤ پکارنے لگا تو عمر بن سعد نے پوری فوج سے حملہ کیا۔ اور ادھر امام نے فوج پر حملہ کر کے انہیں ادھر ادھر بھگا دیا۔ اور حضرت قاسم علیہ السلام کے پاس کھڑے ہوئے اور آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ ہمیں ان لوگوں نے بلایا کہ وہ ہماری نصرت کریں گے۔ لیکن اُنہوں نے ہماری مدد نہ کی۔ یا اللہ اُن پر بارش بند کر دے۔ اور اپنی برکت اُن پر حرام کر دے۔ اُن میں ایسا تفرقہ ڈال دے کہ وہ ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو جائیں۔ اور اُن کے کسی حاکم سے راضی نہ ہونا۔ اے اللہ تو نے ہماری نصرت کو روک لیا ہے اُسے ہماری خاطر اپنے پاس ہمارے لئے ذخیرہ رکھ۔ پھر حضرت قاسم علیہ السلام کی طرف دیکھا جو ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ فرمایا کہ اے بیٹے اللہ اُن لوگوں کو فنا کرے جنہوں نے تمہیں قتل کیا ہے۔ تمہارے دادا اور والد قیامت میں اس گروہ سے انتقام لیں گے۔ بیٹے تیرے چچا پر یہ صورت حال بڑی شاق گزری ہے کہ تم مدد کو بلاؤ اور میں مدد نہ کر سکا اور مدد کو آیا تو تمہیں اس مدد سے فائدہ نہ پہنچا۔ قسم بخدا یہ ایسا دن تھا جس نے پے در پے مصائب سے دوچار رکھا اور رفتہ رفتہ میرے تمام ناصروں کو ختم کر دیا۔ پھر دو لہا کو اس طرح اٹھایا کہ اُس کا سینہ اپنے سینہ سے لگا رکھا تھا۔ اور انہیں لا کر اہل بیت کے باقی مقتولوں میں لٹا دیا۔

44۔ شہادت حضرت علی اصغر طفل شیر خوار علیہ السلام

(1)۔ امام زمانہ، نجات دہندہ، نوع انسان قاسم علیہ السلام کی شہادت کے بعد

مجاہد اہلبیت علیہم السلام سوچیں کہ اگر عمر ابن سعد کو یا کسی اور یزیدی افواج کے سردار کو یہ یقین ہو جاتا کہ اب خیام حسینی میں ایک بیمار نوتاوان جوان اور امام حسین کے علاوہ کوئی اور مرد ایسا نہیں جو بارہ سال سے زیادہ عمر رکھتا ہو۔ تو وہ یقیناً حملہ اولیٰ کی طرح کا حملہ کر دیتے۔ لیکن حملہ اولیٰ کے بعد اُنکو جو تلخ تجربہ ہوا تھا۔ اُسکی وجہ سے پھر تمام دن اُنکو یہ علم نہ ہو سکا کہ لشکر حسینی میں کتنے افراد باقی ہیں اور نہ یہ ہمت ہوئی کہ وہ اجتماعی حملہ کریں۔ ہم نے آپکے سامنے اس درہ نما گھاٹی کا نقشہ کھینچ دیا تھا۔ جس میں سپاہ اور حرم حسینی نے پڑاؤ

ڈالا تھا۔ حملہ اولیٰ میں جب وہ وقت آیا تھا کہ جب تمام خیموں کو گرانے اور آگ لگانے کیلئے حملہ کی اسکیم بنائی گئی تھی اور اُدھر امام نے تمام انصار کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک حصے نے میدان جنگ میں تہلکہ مچا رکھا تھا۔ دوسرا حصہ خیموں کے اندر دو دو چار چار کر کے بٹھادیا گیا تھا۔ اور امام کے علاوہ کوئی شخص حسینیؑ کیمنپ میں نظر نہ آتا تھا۔ اس خالی کیمنپ کو دیکھ کر ہمت بڑھی اور فوج کے سپاہی اندر داخل ہو گئے اور پھر خیموں میں داخل ہو گئے۔ ذرا دیر میں اندر بیٹھے ہوئے انصار نے اُن کی لاشیں خیموں سے باہر پھینک دیں یہ لوگ بہت حیران ہوئے۔ الغرض جو جدھر سے اندر گیا مر کر باہر آیا۔ یوں ہزاروں آدمی ضائع کئے اور یہ اندازہ پھر بھی نہ ہوسکا کہ حسینؑ کے انصار کی تعداد کیا ہے؟ اُن کی زبانوں پر بھی منزل زبالہ پر باقی رہ جانے والوں کی وہی تعداد بہتر (72) تھی جو علما میں مشہور چلی آرہی ہے۔ لیکن حملہ اولیٰ کی تعداد کے بعد انہیں یقین ہو گیا کہ انصار ان حسینؑ ہرگز بہتر نہیں تھے۔ اور لگاتار ادھر سے جوانوں کا جا کر جہاد کرنا اور شہید ہونا انہیں حیرانی و تعجب کا شکار رکھتا رہا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ حملہ اولیٰ میں اور اس کے بعد بہتر کی تعداد کئی دفعہ ختم ہو چکی ہوتی مگر وہاں تو مجاہدین کا سلسلہ ختم ہی ہونے میں نہیں آتا۔ اور امامؑ برابر کرسی نشین نظر آتے ہیں۔ وہ یہ بھی بار بار آزمائے گئے تھے کہ جیسے ہی کوئی حسینیؑ مجاہد حسینؑ کو مدد کے لئے آواز دیتا ہے۔ وہ بجلی کی طرح کوند کر شاہین کی طرح جھپٹا مار کر اور شیروں کی طرح فوجی بکریوں کو بھگا کرتن تہا مجاہد کو اٹھالے جاتے ہیں اور ہر دفعہ ہزاروں سپاہیوں کو قتل کر جاتے ہیں۔ لہذا جب وہ بالکل اکیلے رہ جائیں گے تو خود میدانِ مقابلہ میں نکلیں گے۔ اور یہی شناخت ہوگی اس بات کی کہ اب آپ تنہا رہ گئے ہیں۔ اب وہ امامؑ کے استغاثہ کے معنی بھی یہ نہ لیں گے کہ امامؑ بے یار و مددگار رہ گئے ہیں۔ اس لئے کہ ابھی ابھی آپ نے استغاثہ کیا تھا اور سب نے دیکھا کہ آپ یکہ و تنہا نہ تھے۔ کیوں کہ اس کے ذرا دیر بعد ایک کفن پوش مجاہد میدان میں نکلا اور سینکڑوں سپاہیوں کو تہ تیغ کر گیا تھا۔ یہ تھی وہ صورتِ حال جو امامؑ کے طرز عمل اور جنگی اقدامات نے دشمن کے سروں پر سوار کر دی تھی۔ اور وہ بڑی گونگوار تشویش میں مبتلا تھے۔ اور کسی بڑے دھماکہ کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

(2)۔ امام حسینؑ کی تنہائی، استغاثہ اور استغاثہ کا نتیجہ؟

وقد نقله البعض على وجه خاص و كأنه قد ظفر بالخبر الوارد فيه وذلك حيث قال الله عليه السلام لمارى وحدته و قتل جميع انصاره و دغ عياله و اطفاله الصغار و خرج الى الميدان و بقى واقفا متحيرا متكئا على رمحه مرة ينظر الى اخوته و اولاده و بنى اخيه و بنى عمه صرعى مقتولين مجدلين و مرة ينظر الى غربته و وحده و انفرد به و مرة ينظر الى النساء و غربتهن و وحدهن و عطشهن و ما ير جعن اليه من الأسر و الدل و مرة ينظر الى شماتة الاعداء و تصميم لقتله ثم نادى بصوت عالٍ حزين "أما من ناصرٍ ينصرنا؟ أما من مغيثٍ يُغيثنا؟ هل من موحٍ يخاف الله فينا؟ أما من ذابٍ يذب عن حرم رسول الله؟ (أكبر العبادات في اسرار الشهادات - صفحہ 396)

اور بعض اہل علم نے اُس خبر کو، خاص وجوہات کی بنا پر، نہایت صحیح سمجھا ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ امام حسینؑ علیہ السلام نے جب اپنی تنہائی کو دیکھا اور اپنے تمام مددگاروں کے قتل ہو چکنے پر نظر ڈالی اور اپنے اہل و عیال کے مصائب پر متوجہ ہوئے اور ننھے بچوں کی مظلومی کو سامنے رکھا اور میدان میں اپنے نیزہ پر سہارا لے کر متحیر اور پریشان ایسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں سے کبھی اپنے تڑپتے ہوئے

مقتول بھائیوں کو دیکھ رہے تھے۔ کبھی اپنی اولاد کی لاشوں کو دیکھتے تھے۔ کبھی اپنے بھائیوں اور بچاؤں کی اولاد کے مقتولوں کے خون آلود چہرے دیکھ رہے تھے۔ اور کبھی غریب الوطنی اور پردیس میں تنہائی اور بے یار و مددگار رہ جانے پر غور فرما رہے تھے۔ اور اہل حرم اور مستورات کی غریب الوطنی، پردیس میں بے وارث و مددگار رہ جانے کا سماں سامنے کھڑا ہوتا تھا۔ کبھی تصویر ہی تصویر میں دیکھتے تھے کہ زینبؓ و کلثومؓ و سکینہؓ اور تمام خواتین قید کر کے لے جانی جا رہی ہیں۔ اُن کے بھوکے پیاسے بچے بھی قید ہیں۔ دشمنانِ آلِ محمدؐ انہیں طعنے دے رہے ہیں، اُن کی توہین و تذلیل کر رہے ہیں۔ اور کبھی یہ سوچتے تھے کہ اب ان لوگوں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ مجھے قتل کر کے رہیں گے۔ اب ان میں سے کوئی نصرت کو تیار نہ ہوگا۔ لہذا مجھے قتل ہونے سے پہلے ایک دفعہ پھر تمام حجت کر دینا چاہئے اور یہ تمام حجت پوری کائنات میں پہنچا دینا چاہئے تاکہ زمین و آسمان کی ساری مخلوق ذمہ دار پوزیشن اختیار کر لے اور کوئی غلط طور پر نجات حاصل نہ کر سکے اور کوئی بلا وجہ گمراہ و جہنمی نہ بن سکے۔ چنانچہ آپ نے نہایت غمگین و دلد و زلب و لہجہ میں بہت بلند آواز میں پکارا کہ:-

”کیا کوئی ایسا مددگار نہیں ہے جو ہماری نصرت کرے؟ کیا کوئی ایسا فریادرس نہیں ہے جو ہماری فریاد سن کر چلا آئے؟ کیا کوئی بھی توحید کا قائل ایسا نہیں جو اللہ کے خوف سے ہماری مشکلات دور کرے؟ کیا کوئی محافظ ایسا نہیں جو حرمِ رسولؐ کا دفاع کرے؟“

(3)۔ یہاں ہمیں دو باتیں کہنا ہیں

امام مظلومؑ پر جو کیفیات اور حال و مستقبل میں وارد ہونے والے واقعات گزر رہے تھے اُن کا بیان الفاظ میں کر دینا ہمارے لئے ناممکنات میں سے ہے۔ البتہ ہم اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ امامؑ پر وہ سب کچھ گزرا جسے بیان کرتے ہوئے چودہ سو سال کے قریب زمانہ گزر چکا اور جو ابھی تک پورا بیان نہیں ہو سکا۔ ہمیں تو یہ بتانا ہے کہ اس روایت میں لفظ ”میدان“ سے سرکاری دماغ نے یہ سمجھا ہے کہ امامؑ نے یہ استغاثہ ”میدان جنگ“ میں کھڑے ہو کر کیا تھا۔ اس سمجھ کا پاگل ہونا یا بہت چالاک ہونا کئی مادی محسوس دلائل سے ثابت ہے۔ اول۔ یہ کہ اس روایت میں صرف لفظ ”میدان“ ہے۔ ”مَیْدَانُ الْحَرْبِ“ نہیں ہے اور میدان ہر کشادہ اور زیرِ آسمان جگہ کو کہتے ہیں۔ دوم۔ یہ کہ جہاں بھی امام حسین علیہ السلام کھڑے تھے وہاں سے انصار و خاندانِ نبوتؐ کے تمام شہداء کی لاشیں نظر آنا لازم ہے۔ سوم۔ یہ کہ امامؑ کو اتنی دیر تک میدان جنگ میں کھڑے رہنے دینا ادھر ابنِ سعد اور لشکرِ یزید کی ثابت شدہ عادت اور عمل کے خلاف ہے۔ جنگ شروع ہو جانے کے بعد امامؑ پر حالتِ نماز میں تیر بارانی کی گئی تو اب کیا چیز مانع ہے۔ چہارم۔ یہ کہ امامؑ کا دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے سامنے یوں تصورات و خیالات میں محکھڑا رہنا اور پھر اُن کے سامنے یہ استغاثہ کرنا نہ صرف امامؑ کی توہین و بے عزتی ہے بلکہ جن لوگوں کو بار بار آزمایا گیا اُن سے استغاثہ بے معنی اور آرمودہ را آرمودہ ہے جو امامؑ ہرگز نہ کریں گے۔ پنجم۔ یہ کہ یہ وہی استغاثہ ہے جس کا پوری کائنات میں سنا جانا سرکاری علما نے بھی مان لیا ہے۔ لہذا یہ استغاثہ اُس میدان میں کھڑے ہو کر کیا گیا تھا جو حسینیؑ کیمپ میں خیام کے اندر تھا۔ جہاں سے تمام لاشیں بھی نظر آ سکتی تھیں اور دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کو بھی سنائی دے سکتا تھا۔ ششم۔ یہ کہ یہ استغاثہ سننے کے بعد سے کم سن شیرخوار نے خود کو جھوٹے سے گرا دیا تھا اور ایک چیخ ماری تھی۔ چیخ سن کر ماں، بہنیں اور پھوپھیاں، جو قوت کے پاس امامؑ کا استغاثہ سن رہی تھیں دوڑ کر اندر خیمہ میں گئیں تو صحیح صورت حال سمجھ کر امامؑ کی بے کسی اور بچہ کی کوشش پر آہ و فریاد، نالہ و شیون بلند ہوا۔

اور امامؑ نے دریافت کیا کہ یہ نیا رونا پیٹنا کیسا ہے؟ تو انہیں علیؑ اصغر علیہ السلام کا اقدام سنایا گیا۔ یہاں سوال یہ ہے کہ اگر آپؑ میدان جنگ میں ہوتے تو اہل حرمؑ سے دریافت کرنے کے لئے انہیں میدان جنگ سے آنے کے لئے وہ مسافت طے کرنا پڑتی جو خیام سے وہاں تک تھی اور اس کا روایت میں تذکرہ نہیں ہے۔ لہذا آپؑ اپنے کمپ کے اندرونی میدان میں تھے۔ اگر آپؑ میدان جنگ میں ہوتے تو باقی بچوں کو میدان جنگ میں جا کر اپنی نصرت پیش کرنا پڑتی اور روایات کے مطابق جناب محمدؑ باقر اور جناب عبداللہ بن الحسنؑ مجتبیٰ تو کم از کم ابھی باقی ہیں۔ اُن کا میدان جنگ میں آ کر نصرت پیش کرنا بھی روایات میں نہیں ہے۔ لہذا یہ استغاثہ خیام کے میدان سے کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ باقی تمام بیانات و مقامات غلط ہیں۔

(4)۔ استغاثہ مظلومؑ پر ششماہہ بچہؑ اپنی تکلیف بھول گیا تھا

علامہ در بندری رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:-

والامرا لا عجب انی لَمَّا وَصَلْتُ فی الکتابۃ الی ہذا المقام وَرَجَعْتُ فی ہذہ اللیلۃ بعد تقبیل العتبۃ الی المنزل صادفت فی الطریق ثقۃ من الثقات وَجرت قضیۃ شہادۃ ہذا الطفل الرضیع سلام اللہ علیہ وعلی ابیہ۔ فقال انّ قضیۃ قَطَعَهُ القمط الفانیہ النفسہ الشریفہ علی الارض مِمَّا ذکرہ العالم الفاضل المحدث الحاج ملا رضا الاستر آبادی فی کتابہ وَحاصل ما اخبرنی اَنَّهُ ارْتَفَعَتْ الْعَجَّة وَالضَّجَّة بَین النِّسوان فی الخیمۃ وَرَفَعْنَ الصَّوْت بِالْبِکَاء وَرَجَعَ الْاِمَامُ الی نَحْو الْخِیام وَسَلَّ الصَّدِیقَةُ الصَّغْرٰی اعْنٰی زَیْنَبٌ عَنْ سَبَبِ تِلْکِ الْحَالۃ فَاخْبَرْتُهُ بِمَا صَنَعَ الْوَلَدُ بَعْدَ اسْتِغَاثَتِہِ وَاسْتِنصَارِہ۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 395)

علامہ در بندری رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:- عجیب اتفاق ہوا کہ جب میں یہ کتاب لکھتا ہوا یہاں تک پہنچا اور اُسی رات کو حرم میں حاضری دینے کے بعد پلٹا تو راہ میں ایک بہت ثقہ بزرگ سے ملاقات ہوئی اور طفل شیر خوار سلام اللہ علیہ کی اور اُن کے والد کی شہادت کا تذکرہ نکلا تو اُنہوں نے فرمایا کہ حضرت علیؑ اصغرؑ کا چھو لے کے تسمہ کو توڑ دینے اور خود کو زمین پر گرا دینے کا واقعہ جناب علامہ و محدث الحاج ملا رضا استر آبادی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ اس کا نچوڑ یہ ہے کہ جب علیؑ اصغرؑ والے خیمہ میں مستورات کے اندر شور و اویلا اور چیخوں کا ہنگامہ برپا ہوا اور اُن کی آوازیں بلند ہوئیں تو امامؑ متوجہ ہوئے اور خیمہ کے پاس آئے۔ جناب زینبؑ علیہا السلام سے اس تازہ حالت کا سبب معلوم کیا تو بی بی علیہا السلام نے فرمایا کہ آپ کے استغاثہ پر حضرت علیؑ اصغرؑ نے جھولے کا تسمہ توڑ کر خود کو زمین پر گرا دیا تھا۔ اس منہی سی جان کی اس پیشکش اور ارادہ نصرت پر ہم لوگ بے قرار ہو گئے تھے۔

(5)۔ استغاثہ حسینیؑ نے عرش خداوندی کو ہلادیا ملائکہ میں فریاد بکا

مومنین یاد رکھیں کہ حضرت زینبؑ کا جواب سن کر لازم تھا کہ امام حسینؑ علیہ السلام علیؑ اصغرؑ کو اُنکی کوشش پر داد دیں، پیار کریں۔

چنانچہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:-

فَتَقَدَّمَ الی باب الخیمۃ فقال لَزَیْنَبٌ ناولنی ولدی الرضیع لَا وَدَعَهُ فَاخَذَهُ وَاهْوٰی الیہ لِبِقْبَلِہ.....

”میرے نسلی بہادر بچہ کو میرے پاس لاؤ تا کہ میں اُس سے رخصت ہوں۔ چنانچہ جناب زینبؑ بچہ کو لائیں تو اُسے گود میں لے لیا اور

پیار کرنے کے لئے جھکے۔“ اس صورت حال کو یہیں چھوڑ کر اب ذرا بارگاہ خداوندی کو سامنے لاؤ کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔

فَلَمَّا نَادَىٰ هَذَا النَّدَاءُ تَزَلَّتْ أَرْكَانُ الْعَرْشِ وَقَوَّامُهُ وَبَكَتِ السَّمَاوَاتُ وَضَجَّتِ الْمَلَائِكَةُ وَاضْطَرَبَتِ الْأَرْضُ فَفَقَلَ
بِاجْمَعِهِمْ يَارَبَّنَا هَذَا حَبِيبُكَ وَقَرَّةُ عَيْنِ حَبِيبِكَ فَادِّنْ لَنَا لِنُصْرَهُ وَهُوَ (صلوات اللہ علیہ) فی هذه الحالة إِذَا وَقَعَتْ صَحِيفَةٌ
قَدْ نَزَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ فِي يَدِهِ الشَّرِيفَةِ فَلَمَّا فَتَحَهَا وَرَأَى أَنَّهَا الْعَهْدُ الْمَاخُوذُ عَلَيْهِ بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ خَلْقِ الْخَلْقِ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا
فَلَمَّا نَظَرَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى ظَهْرِ تِلْكَ الصَّحِيفَةِ فَادَّاهُو مَكْتُوبٌ فِيهَا بِخَطِّ وَاضِحٍ جَلِيِّ يَا حَسْبَئِیْ نَحْنُ مَاحْتَمِنَا الْمَوْتَ وَمَا الزَّمَنُ
عَلَيْكَ الْمَوْتَ وَمَا الزَّمَنُ عَلَيْكَ الشَّهَادَةَ فَلَمْ يَخْيَرْ وَلَا يَنْقُصْ حَقِّكَ عِنْدَنَا - فَانْ شِئْتَ أَنْ نَصْرَفَ عَنْكَ هَذِهِ الْبَلِيَّةُ فَاعْلَمْ
أَنَّا قَدْ جَعَلْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِينَ وَالْمَلَائِكَةَ وَالْجَنِّ كُلَّهُمْ فِي حَكْمِكَ فَامْرُفِيهِمْ بِمَا تَرِيدُ مِنْ أَهْلَاكَ هَؤُلَاءِ الْكُفْرَةُ الْفَجْرَةُ فَادَّا
بِالْمَلَائِكَةِ قَدْ مَلَأُوا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ بِأَيْدِيهِمْ حَرِيَّةً مِنَ النَّارِ يَنْتَظِرُونَ لِحُكْمِ الْحُسَيْنِ وَأَمْرَهُ فِيمَا يَأْمُرُهُمْ بِهِ مِنْ أَعْدَادِ هَؤُلَاءِ
الْفُسْقَةِ فَلَمَّا عَرَفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَضْمُونِ الْكِتَابِ وَمَا فِي تِلْكَ الصَّحِيفَةِ رَفَعَهَا إِلَى السَّمَاءِ وَرَمَى بِهَا إِلَيْهَا - وَقَالَ وَدِدْتُ أَنْ أَقْتَلَ
وَاحِيِي سَبْعِينَ مَرَّةً أَوْ سَبْعِينَ أَلْفَ مَرَّةً فِي طَاعَتِكَ وَمَحَبَّتِكَ وَإِنِّي قَدْ سَامَتِ الْحَيَوةُ بَعْدَ قَتْلِ الْإِخْوَةِ سَيِّمًا إِذَا كَانَ فِي قَتْلِي نَصْرَةٌ
دِينِكَ وَأَحْيَاءُ أَمْرِكَ وَحَفِظَ نَامُوسُ شَرْعِكَ ثُمَّ اخْذَعْلِيهِ السَّلَامَ رَمَحَهُ وَلَمْ يَأْذِنْ لِلْمَلَائِكَةِ بِشَيْءٍ وَبَاشَرَ الْحَرْبَ بِنَفْسِهِ
الشَّرِيفَةِ - (أكسير العبادات - صفحہ 396)

وہاں عرش اعظم زلزلہ میں ہے۔ عرش کے ستون لرز رہے ہیں۔ آسمان رو رہے ہیں۔ ملائکہ چیخیں مار رہے ہیں۔ زمین میں
اضطراب پھیلا ہوا ہے۔ اور سب مل کر اللہ سے عرض کرتے ہیں کہ یہ تیرے پیارے رسولؐ کا فرزند ہے اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور چین
کے ساتھ جو حالت درپیش ہے ہمیں اجازت دے کہ ہم اُن کی نصرت کریں۔ اللہ نے اجازت دے دی۔ اُدھر امامؑ کے ہاتھ میں آسمانوں
سے ایک کتابچہ اُتر آیا۔ آپؐ نے کھول کر دیکھا تو یہ وہی عہد تھا جو امامؑ سے تخلیق کائنات سے قبل لیا گیا تھا۔ اور امامؑ اس معاہدہ کے پابند
تھے۔ اور کر بلا کی شہادت وغیرہ اس میں تحریر تھی۔ مگر اُس کی پشت پر لکھا تھا کہ جو بڑا واضح اور بڑے بڑے حروف میں لکھا ہوا تھا۔ کہ اے
حسینؑ یہ صحیح ہے کہ ہم نے اس معاہدہ میں تمہاری شہادت اور موت کو تم پر لازم قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم تمہیں اختیار دیتے ہیں
کہ اگر آپؐ چاہیں تو ہم اس معاہدہ کو واپس لے لیں اور ساتھ ہی تمہارے اجر اور مرتبہ میں کوئی کمی بھی نہ ہونے پائے۔ لہذا ہم اس
آزمائش کو ختم کئے دیتے ہیں۔ اور ہم یہ انتظام کر چکے ہیں کہ آسمانوں، زمینوں اور جن و ملائکہ کو تمہارے حکم کے ماتحت کر دیا جائے۔
لہذا اُن کو جو کچھ تمہارا دل چاہے حکم دو، وہ تعمیل کے لئے زمین و آسمان میں پھیل چکے ہیں اور ہر ایک جہنمی اسلحہ سے مسلح ہے۔ تم چاہو تو ان
کافروں اور لاقانون لوگوں کو ہلاک کر دو یہ سب آپؐ کے حکم کے منتظر ہیں۔ اگر چاہو تو وہ ان تمام فاسقوں کو ملک عدم پہنچا دینے کو تیار
ہیں۔ جب امام علیہ السلام نے یہ سب کچھ پڑھ لیا تو اُس کتاب کو آسمان کی طرف بلند کیا اور پھر اوپر کو روانہ کر دیا اور فرمایا کہ اے اللہ
اگر میں تیری اطاعت کے لئے اور تیری محبت میں اور تیرے دین کو زندہ کرنے میں اور تیری شریعت کو بحال رکھنے میں ستر مرتبہ
یا ستر ہزار مرتبہ زندہ کیا اور پھر قتل کیا جاؤں تب بھی مجھے کوئی گرائی و ناگواری نہ ہوگی۔ میں نے تیرے دین کے لئے دنیا کی زندگی اور اپنے
پیادوں کی زندگیوں کو قربان کر دیا ہے اور اب میں قربان ہوتا ہوں۔ یہ فرمایا اور جنگ جاری رکھنے کے لئے اپنا نیزہ اور تھیا رسنبھال لئے

(6)۔ مگر امامؑ نے شیر خوار کی نصرت قبول فرمائی، میدان جنگ اور شمشاہہ

(7)۔ حضرت علی اصغر علیہ السلام کی شہادت قومی حکومت کے مُنہ پر طمانچہ

علامہ طبری نے اپنی کتاب احتجاج میں لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ کے تمام صحابہ اور اقربا قتل ہو چکے اور وہ تنہا بلا مددگار اکیلے رہ

گئے اور سوائے علیؑ زین العابدین اور دوسرے دودھ پیتے بچے کے کوئی باقی نہ رہا تھا جس کا نام عبداللہ تھا۔ چنانچہ امام حسینؑ خیمہ کے دروازہ پر آئے اور فرمایا کہ مجھے علیؑ اصغرؑ کو لاکر دو تا کہ میں اسے الوداع کہہ دوں اور رخصت ہوں۔ چنانچہ جب بچہ کو لایا گیا تو آپ نے اسے پیار کرنا شروع کیا اور فرمایا کہ خدا غارت کرے اُس قوم کو جس کے خلاف محمدؐ مصطفیٰ دعویٰ دائر کریں گے اور بہن سے فرمایا کہ اے زینبؓ میں تمہیں اس بچے کے لئے وصیت و سفارش کرتا ہوں یہ کل چھ مہینے کا بچہ ہے۔ حضرت زینبؓ بولیں کہ بھائی وصیت و سفارش سے پہلے یہ غور فرمائیں کہ یہ بچہ تین روز سے پیاسا ہے۔ اُس کے لئے ان لوگوں سے ایک دفعہ پینے کا پانی مانگ دیکھو۔ مطلب یہ کہ شاید اس کی کم سنی اور شیر خوارگی پر رحم آجائے۔ چنانچہ امام حسینؑ نے بچہ کو ہاتھوں پر لیا اور میدان میں آ کر افواج سے کہا کہ تم نے میرے تمام شیعوں کو اور میرے خاندان کے لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔ یہ ننھا سا بچہ باقی رہ گیا ہے جو پیاس کی وجہ سے قریب المرگ ہے۔ تم لوگ اس بچہ کو ایک دفعہ پانی پلا دو۔ امامؑ یہ اپیل کر رہے تھے، اتنے میں ایک شخص جسے حرمہ کہا جاتا تھا، نے تاک کر بچہ کی گردن پر تیر مارا اور بچہ امام کے ہاتھوں پر تڑپ کر رہ گیا۔ امامؑ نے بچہ کا خون آسمان کی طرف روانہ کرنا شروع کیا اور اللہ سے کہا کہ اے اللہ میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ ان ظالموں نے محمدؐ کی ذریت کو دنیا سے ختم کر دینے پر کمر باندھ رکھی ہے اور کسی کو باقی چھوڑنا نہیں چاہتے۔ پھر آپ بچہ کی لاش کو لئے ہوئے خیام کی طرف پلٹے۔ شعی نے وضاحت کی ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام بچہ کی لاش کو لئے ہوئے مستورات کے قریب پہنچے تو بچہ خون میں نہایا ہوا تھا اور حسینؑ رو رہے تھے۔ جب اُن کے رونے کی آواز خواتین نے سنی تو مستورات اُن کی طرف چلیں اور دیکھا کہ وہ علیؑ اصغرؑ کی لاش کو سینہ سے لگائے ہوئے آرہے ہیں اور بچہ مر چکا ہے۔ جب انہوں نے یہ حال دیکھا تو چیخیں بلند ہو گئیں اور بچے پر بے قرار ہو کر رونا شروع کیا۔ پھر ام کلثومؓ نے بچہ کو لے کر سینے سے لگایا اور زخمی گردن کو اپنی گردن سے لپٹا لیا۔ اور اُس پر درد انگیز بین کرنا شروع کر دیئے۔ فرماتی تھیں ہائے رسول اللہ ہائے محمدؐ اور ہائے علیؑ مرتضیٰ آپ دونوں کے بعد دنیا نے ہمیں کیا کیا دکھایا اور کیسا کیسا ستایا ہے۔ بچہ کو خون میں نہلایا اور تیروں سے اُس کی دودھ بڑھائی کی رسم ادا کی ہے۔ افسوس ہزار افسوس کہ انہوں نے ہماری آنکھوں اور سینے میں زخم ڈال دیئے ہیں۔ حمید بن مسلم کہتا ہے کہ میں ابن سعد کی فوج میں تھا۔ میں نے اس بچہ کو دیکھا ہے جو حسینؑ کے ہاتھوں پر قتل ہوا تھا۔ اور جب وہ خیمہ کے پاس پہنچے تھے تو ایک ایسی خاتون نکلی کہ جس کے باہر آنے سے سورج کی روشنی پھٹکی پڑ گئی تھی۔ اپنے طویل دامن میں اُلجھا لُجھ جاتی تھیں، کبھی بیٹھتی تھیں کبھی کھڑی ہو جاتی تھیں اور فریاد کرتی آرہی تھیں ہائے میں قربان جاؤں اپنے بیٹے پر ہائے بیٹے تجھے ذبح کر دیا گیا ہائے میرے لال میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔ افسوس میری طاقت ختم کر کے جا رہے ہو۔ اُن کے بین سن سن کر بنی امیہ بھی رو رہے تھے۔ اسی حالت میں وہ بچہ کے قریب پہنچ کر اُس پر گر پڑیں اور بہت دل شکن بین کرتی رہیں۔ اُن کے پیچھے پیچھے کچھ لڑکیاں موتیوں کی طرح بکھر گئیں اور فریاد و بکا کا دردناک منظر فضا پر چھا گیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ امام علیہ السلام اس حال میں بھی افواج کو اپنی طرف سے نصیحت و ہدایت کر رہے تھے۔ لیکن اس اندوہناک حالت کو دیکھ کر واپس آئے اور اُس خاتون کو بچہ کی لاش سے دلا سہ دیتے ہوئے جدا کیا۔ اُن کے پردہ کے لئے اُن کے چہرہ کو ڈھک دیا اور بڑی منت و سماجت سے خیمہ کے اندر واپس کیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ ام کلثومؓ تھیں اور وہ لڑکیاں فاطمہؓ کبریٰؓ و سکینہؓ اور رقیہؓ اور زینبؓ وغیرہ تھیں۔ مجھے خود کو سنبھالنے کی طاقت حاصل نہ

تھی کثرت گریہ نے آنکھوں سے نوارے چھوڑ رکھے تھے۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنی تلوار سے قبر کھودی اور شکر کی نماز ادا کی۔ پھر بچے کو دفن کر دیا۔ اور ہاتھ جھاڑ کر احباب و اصحاب اور عزیزوں اور اولاد کی قربانی سے فارغ ہو گئے۔

(8)۔ اُمّام کی اولاد کو اور کر بلا کی قربانیوں کو کم کرنے کا ایک اور ثبوت

ہم تو مذہبی طور مخالفین محمد و آل محمد کے مخالف ہیں، دشمن ہیں اور اُن کے مذہب و تصورات کو کسی صورت میں پسند نہیں کرتے۔ اس لئے ہماری بات بلا غیر جانبدار گواہ کی تصدیق یا مسلمہ بین الفریقین دلیل کے ماننا غلط ہے۔ اس لئے یہاں ایک مجتہد اور علامہ عصر مفتی سید طیب آغا الموسوی الحسینی الجزائری کا بیان سُن لیں اور امام حسینؑ اور اُن کے بیٹوں علیہم السلام کے ساتھ انصاف کریں اور ہمارے بیانات کی تصدیق فرمائیں لکھتے ہیں:-

”معلوم ہونا چاہئے کہ واقعہ کر بلا میں امام حسین علیہ السلام کے دوشیز خوار بچے پر پیکان ظلم سے شہید کئے گئے۔ ایک کا نام عبداللہ جبکہ ذکر مؤلف (محمد باقر مجلسی) علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔ یہ بچہ روز عاشور متولد ہوا تھا۔ انکی والدہ ماجدہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ تھیں دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اسکے دہن میں اپنی زبان دے رکھی تھی۔ جس کو وہ بچہ بوجہ تشنگی چوس رہا تھا کہ عبداللہ بن عقبہ غنوی نے ایک ایسا تیر مارا کہ وہ بچہ باپ کی آغوش میں درجہ شہادت پر فائز ہو گیا۔ (دیکھو فرسان الہیاء صفحہ 242 تالیف شیخ ذبیح اللہ محلاتی) دوسرا بچہ علیؑ اصغر تھا۔ جسکی شہادت کا واقعہ عام طور پر زبان زدِ ذاکرین ہے۔ مؤلف علیہ الرحمہ اور بعض دیگر علما نے صرف عبداللہ کا ذکر اس بنا پر کیا ہے کہ اُنکو خیال گزر را کہ دونوں ایک ہی ہیں۔ حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ یہ دونوں بچے علیحدہ تھے۔ جیسا کہ دونوں کے نام، والدہ، عمر، کیفیت شہادت کے اختلاف سے ظاہر ہے۔ حضرت علیؑ اصغر کی شہادت کا واقعہ شیعہ اور سنی دونوں مؤرخین نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ صاحبِ ناخ التواریخ لکھتے ہیں: ”ایک مرتبہ خیمہ سے نالہ و شیون کی آوازیں بلند ہوئیں۔ علیؑ اصغر جو ابھی چھ مہینے سے زیادہ عمر نہ رکھتے تھے پیاسے بھوکے رو رہے تھے۔ کیونکہ اُن کی ماں کا دودھ شدتِ عطش سے سوکھ گیا تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے یہ دیکھ کر فرمایا میرے بچے کو میرے سپرد کر دتا کہ اس کو بھی وداع کروں۔ پس آپ نے اُس بچے کا قنداق پکڑ کر اُسے چوما اور فرمایا: **وَيْلٌ لِّهَؤُلَاءِ الْقَوْمِ اِذَا كَانَ جَدُّكَ مُحَمَّدٌ خَصَمَهُمْ**۔ ہر اسکی حالت پر افسوس ہے جسکے دشمن بروز قیامت تیرے جد محمد مصطفیٰ ہونگے۔ پھر آپ اُس بچے کو لے کر صفِ اعدا کے سامنے آئے۔ گویا فرما رہے تھے کہ بارِ الہا اب میری جھولی میں سوائے اس گوہر کے کچھ باقی نہیں رہا۔ اب اس کو بھی تیری بارگاہ میں فدیہ کرنے لایا ہوں۔ اُس وقت آپ نے کوفیوں سے خطاب کیا کہ اے شیعیان آلِ ابوسفیان اگر مجھ کو گنہگار جانتے ہو تو اس بچے کا کیا تصور ہے؟ اس کو تو پانی پلا دو۔ کیوں کہ اُسکی ماں کا دودھ شدتِ عطش سے خشک ہو گیا ہے۔ اُمّام کی بات کا کسی نے جواب نہ دیا۔ حُرملہ بن کاہل اسدی نے اُس بچے کی طرف ایک ایسا تیر روانہ کیا۔ جو علیؑ اصغر کے گلے پر پڑا اور خون جاری ہوا۔ امّام نے فرمایا اے پروردگار اس بچے کے خونِ ناحق کو ناقہٴ صالحؑ کے خون سے کمتر نہ قرار دے۔ الخ (ناخ التواریخ جلد 6 صفحہ 225)۔ اسی مضمون کے قریب قریب اہلسنت میں سے علامہ سبط ابن جوزی نے بھی اپنی کتاب تذکرہ خواص میں ذکر کیا ہے۔ اسکے علاوہ دیگر کتب میں یہ واقعہ ہائلہ اور تفصیل سے مذکور ہے یہاں بخوف طوالت ترک کیا کیوں کہ مقصود صرف ترجمہ ہے۔ تحقیق نہیں۔ ج۔ ز۔ 12“ (ترجمہ بحار الانوار حصہ اول۔ صفحہ 252 و صفحہ 253 حاشیہ میں)

(9)۔ مولانا مفتی و مجتہد جزائری کے لئے چند باتیں

علامہ نے آخری سطور میں شکایت کا موقع فراہم کر دیا۔ شکایت یہ ہے کہ علامہ موصوف، بحار الانوار کے حسینی حصہ کا ترجمہ کر کے شیعہ پبلک کو دینا چاہتے تھے۔ اور انہوں نے ترجمہ کر دیا۔ جوشائع ہوا اور 1962ء سے دھڑا دھڑ بکتا اور ناشر و مترجم کے بینک بیلنس میں اضافہ کرتا چلا آ رہا ہے۔ اگر علامہ کا مقصد روپیہ کمانے کے علاوہ یہ بھی تھا کہ ملت شیعہ کو امام حسینؑ، خانوادہ نبوتؑ اور واقعات کر بلا کے صحیح حالات معلوم ہوتے تو انہوں نے بہت غلط کتاب کا انتخاب کیا اور اس انتخاب کی غلطی کو خود ہی بیان بھی کر دیا یعنی فرمایا کہ: ”یہی وجہ ہے کہ اس میں بہت سی ضعیف و غیر معمول بہ روایات بھی آ گئی ہیں۔ کیونکہ مؤلف کا مقصد تحقیق نہ تھا بلکہ جمع آوری تھا۔“ (حرف آغاز ترجمہ حصہ اول صفحہ 7)

یعنی علامہ نے ایسی کتاب کا انتخاب کیا جس میں ”بہت سی ضعیف و غیر معمول بہ روایات“ بھی تھیں۔ اور جس کے مؤلف کا مقصد تحقیق نہیں تھا۔ یعنی علامہ جزائری نے اُدھر ضعیف اور غلط روایات والی کتاب کا ترجمہ کر کے شیعوں میں ضعیف و غلط روایات آگے بڑھانے کا کام کیا اور جس طرح چار سو سال قبل کے عالم نے تحقیق کئے بغیر شیعوں کو غلط اور ضعیف روایات میں الجھایا تھا۔ اُسی طرح جزائری صاحب بھی صرف ترجمہ کرنے پر اکتفا کریں گے۔ تحقیق سے اُن کا بھی کوئی سروکار نہیں ہے۔ بات واضح ہو گئی کہ یہ مشہور و معروف علما شیعوں کو تحقیق سے دُور رکھنا چاہتے رہے ہیں۔ بتائیے اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ملت شیعہ کے قائدین، علما اور راہنما شیعوں کو یوں گمراہ کرنا اور رکھنا چاہیں۔ اور شیعہ مومنین بلا غور و فکر کئے اُن کے پیچھے دوڑتے چلے جائیں؟ حالانکہ شیعہ مذہب کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ معصوم کے سوا ہر خالی کی بات بلا تنقید ہرگز قبول نہ کی جائے۔ بہر حال یہ اندھے اور تحقیق کے دشمن علامت شیعہ کو تباہ نہ کریں تو اور کس کو تباہ کریں۔

(10)۔ امام کے استغاثہ پر حضرت امام زین العابدین کا رد عمل؟ اعلان امامت

یہ بات قطعاً قدرتی اور قابل فہم ہے کہ استغاثہ کے فوراً بعد حضرت علی اصغر علیہ السلام نے بڑی عجلت اور صبر آ زمانہ انداز میں خود کو پیش کر دیا ورنہ قاعدہ کی رُو سے حضرت زین العابدین علیہ السلام کو پہلا نمبر لینا چاہئے تھا۔ اب یا تو یہ کہئے کہ حضرت علی اصغر جانتے تھے کہ امام زین العابدینؑ شہدا کی فہرست میں شامل نہیں ہیں اور یہ نمبر صرف میرا ہے۔ اس لئے انہوں نے بلا وقفہ اور بلا تاخیر خود کو جھولے سے گرا دیا اور جب تک شہید نہ ہو گئے اہل خیام کو لگاتار مصروف رکھا اور اتنا ہوش ہی نہ لینے دیا کہ کوئی اور استغاثہ کے جواب میں خود کو پیش کرے۔ یا یہ کہہ لیں کہ امام زین العابدینؑ اتنے بیمار تھے اور غشی کا یہ عالم تھا کہ استغاثہ نہ سن سکے مگر یہ ناممکن تھا۔ اس لئے کہ اُس استغاثہ کو اللہ نے ہر مخلوق کو ہر حال میں پہنچایا تھا۔ پھر یہ کہنا پڑے گا کہ سید سجاد علیہ السلام ضعف و نقاہت کی بنا پر جلد حاضر نہ ہو سکے۔ بہر حال میرا ایمان پہلی بات پر ہے۔ کچھ بھی ہو حضرت علی اصغرؑ کی شہادت کے بعد جناب امام زین العابدینؑ کے متعلق علامہ ابو الفرج اصفہانی نے لکھا ہے کہ:-

فی رواية ابی الفرج ثم النفث سید الشہداء عن یمینہ فلم یراحداً من الرجال والنفت عن یمسارہ فلم یراحداً۔ فخرج

علی بن الحسین زین العابدین وکان مریضاً لا یقدر أن یسلّ سیفه وام کلثوم تنادی خلفه یابئی ارجع - فقال باعمتاه زینبی اقاتل بین یدی ابن رسول الله - فقال الحسین یام کلثوم خذیه لئلا تبقى الارض خالیة من نسل آل محمد - وقال یاولدی ماترید تصنع؟ قال یا اباہ إن نداءک قد قطع نیاط قلبی وهیج ساکن لئی وارید ان افدیک بروحی - فقال علیه السلام یاولدی انت مریض لیس علیک جها د وانت الحجة والامام علی شیعنی وانت ابو الائمة علیهم السلام وکافل ایتام والمتکفل للارامل وانت الراذ لحرمی الی المدینة وحاشا لله ان تبقى الارض بلا حجة من نسلی وکانی یراک یاولدی اسیر ذلیل مغلوله یداک موثوقة رجلاک - فقال علی بن الحسین اتقتل وانا انظر الیک؟ لیت الموت اعد منی الحیوة روحی لروحک الفداء ونفسی لنفسک الوقاء - فقال الحسین یاعلی انت الخلیفة من بعدی والوالی علی شیعنی والقائم باوامر الدین والهادی الی صراط المستقیم والحافظ لعلوم ابی وجدی ثم اعتنقه وبکی بکاء شدیداً ولا یخفی علیک ان علی بن الحسین المسعودی قدر وی فی کتاب اثبات الوصیة فی حدیث ان الحسین فی وقت قتاله بکر بلا احضر علی بن الحسین وکان علیاً واوصی الیه بالاسم الاعظم وموارث الانبیاء وعرفه انه قد دفع العلوم والصحف والمصاحف والسلاح الی ام سلمة وامرها ان تدفع جمیع ذلك الیه - قال وروی انه علیه السلام فی ذلك دعا ابنه الکبری فاطمة فدفع الیها کتاباً ملفوفاً وأمرها ان یسلمه الی اخیه علی بن الحسین فسل العالم ای شیء کان فی الکتاب فقال فیہ و الله جمیع ما یتحتاج الیه ولد آدم الی فناء الدنیا وقیام الساعة - (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 397-398)

شہادت علی اصغر علیہ السلام کے بعد امام نے اپنے داہنے بائیں دیکھا تو کوئی قابل نصرت مرد موجود نہ تھا۔ اُس وقت جناب زین العابدین باہر نکلے تو ام کلثوم نے پکارا کہ اے بیٹے واپس آ جاؤ۔ اس لئے کہ وہ سخت بیمار تھے اور اتنی طاقت ہی نہ رکھتے تھے کہ تلوار بلند کر سکیں۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ پھوپھی ماں مجھے میرے حال پر چھوڑ دو تا کہ میں بھی فرزند رسول کے سامنے جہاد کروں۔ ادھر امام نے فرمایا کہ بہن اُن کو واپس لے جاؤ تا کہ زمین نسل آل محمد سے خالی نہ رہ جائے۔ اور حضرت مجاہد سے کہا کہ بیٹے تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ عرض کیا کہ بابا جان آپ کے استغاثہ نے میرے قلب کی نالیوں کو کاٹ ڈالا اور میرے غور و فکر کی قوت کو ہیجان میں ڈال دیا ہے۔ اور میرا اب یہ ارادہ ہے کہ میں آپ پر اپنی جان فدا کر کے رہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا اے بیٹے تم بیمار ہو اور بیمار پر جہاد واجب نہیں ہوتا اور تم حجت خداوندی ہو۔ اور ہمارے شیعوں پر امام ہو اور تم بعد میں آنے والے اماموں کے والد ہو۔ اور تم یتیموں اور بیواؤں اور لاوارث خواتین کی کفالت کے ذمہ دار ہو اور تم میرے حرم کو مدینہ میں واپس لے کر جانے والے ہو۔ اور اللہ کو ہرگز یہ بات پسند نہیں ہے کہ ہماری نسل سے اس زمین پر کوئی بھی حجت خدا موجود نہ رہے۔ اور میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم قیدی بنائے گئے ہو، ذلیل کئے جا رہے ہو۔ اور اے بیٹے تمہیں طوق وزنجیر پہنایا گیا ہے اور پاؤں اونٹ کے نیچے باندھے گئے ہیں۔ یہ سن کر سید مجاہد نے عرض کیا کہ اے بابا یہ کیسا ہولناک منظر ہوگا کہ آپ قتل ہوں اور میں دیکھتا رہوں۔ کاش میری یہ زندگی موت سے بدل گئی ہوتی؟ میری روح آپ کی روح پر فدا ہوتی اور میری زندگی آپ کے تحفظ میں کام آتی؟ امام نے فرمایا کہ بیٹے تم میرے بعد خلیفہ خداوندی ہو اور ہمارے شیعوں کے حاکم ہو اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہو۔ اور میرے اور میرے باپ دادا کے علوم کے محافظ ہو۔ پھر حضرت زین العابدین کو گلے

لگا کر رخصت ہو گئے اور بہت گریہ کیا۔ یہ بھی مخفی نہ رہے کہ علامہ مسعودی نے اپنی کتاب اثبات الوصیۃ میں لکھا ہے کہ امّام نے میدان جنگ میں نکلنے سے پہلے امام زین العابدینؑ کو حاضر ہونے کا حکم دیا حالانکہ وہ بیمار تھے۔ اسکے بعد انہیں اسم اعظم اور وراثت انبیاء کی وصیت کی۔ اور انہیں بتایا کہ میں نے حضرت ام سلمہؓ کو قرآن کریم اور دیگر کتبہائے خداوندی اور اسلحہ اور دیگر علوم خداوندی کی کتابیں سوپ دی تھیں۔ اور انہیں بتا دیا تھا کہ جب تم واپس مدینہ پہنچو تو تمام تبرکات وغیرہ تمہیں دے دیں۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اپنی بیٹی جناب فاطمہؓ کبریٰ کو ایک لپٹی ہوئی کتاب دی تھی کہ جب مناسب ہو تو اپنے بھائی زین العابدینؑ کے حوالے کر دینا۔ امّام سے معلوم کیا گیا تھا کہ اس کتاب میں کیا مضمون تھا؟ فرمایا کہ قیامت تک جن جن چیزوں کی نوع انسان کو احتیاج ہوگی سب کا ذکر و تذکرہ اور حصول کا طریقہ اس میں لکھا ہوا تھا۔ یوں سلسلہٴ امامت جاری رکھنے کیلئے حضرت زین العابدینؑ کو شہادت سے مستثنیٰ کر کے شدید ترین اور ہاشمی مردوں کیلئے ناقابل برداشت مصائب و آلام کا نشانہ بنا دیا گیا۔ قید و بند، تذلیل و توہین، اہل حرم کے ساتھ ملک بھر میں تشہیر، رسول زادوں کی بے پردگی، اُن کی اسیری اور تذلیل و توہین برداشت کرنا۔ زندان شام کی صعوبتوں سے گزرنا اور مدینہ تک تمام حالات بتا دیئے گئے۔

45۔ راہنمائے شہدائے نوع انسان یعنی امام حسینؑ سید الشہد اعلیہ السلام

وہ حضرات جو بات بات میں مادیت کو دلیل اور معیار بنایا کرتے ہیں۔ وہ علما اور دانشوران انسانیت جو ہر اس بات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں جو اُن کے مقرر کردہ حدودِ آدمیت سے باہر نکلتی ہو۔ مثلاً ایک آدمی پہاڑ نہیں اٹھا سکتا، آدمی یہ نہیں کر سکتا، آدمی سے وہ نہیں ہو سکتا، یہ ممکن ہے وہ ناممکن ہے۔ ایسے علما اور دانشور ہمیں بتائیں کہ اگر اُن کے سامنے اُن کا بچہ قتل کیا جائے تو اُن پر کیا کیا کیفیات طاری ہوں گی؟ اور اگر وہ بچہ شیر خوار ہو تب؟ اگر وہ تین روز کا بچہ سا بھی ہو تب؟ اور وہ علما اور دانشور خود بھی تین روز سے بھوکے اور پیاسے ہوں تب؟ اور اگر وہ بچہ اٹھارہ یا انیس سال کا کڑیل جوان اور بے نظیر حسینؑ ہو تب؟ اور اگر پانچ بیٹے قتل کئے جائیں تب؟ پھر اگر اُن کی وجہ سے اور اُن کے لئے تین سو سے زیادہ مردوں، عورتوں اور بچوں کو تین چار روز سے بھوکا پیاسا رکھا اور قتل کیا گیا ہو تب؟ اور قتل ہونے والوں میں نمازی، پرہیزگار و تہجد گزار و حافظانِ قرآن اور علما و دانشور ہوں تب؟ اور اُن میں درجنوں بھائی اور بھتیجے اور بھانجے بھی بھوکے پیاسے آنکھوں کے سامنے قتل کئے گئے ہوں تب؟ اور اگر یہ نو (9) صورتیں پیدا ہونے تک اُن علما و دانشوروں کے جسم سے کئی سیر خون بھی نکل چکا ہو تب؟ اور اگر تیروں اور تلواروں اور نیزوں سے اُن کا اپنا جسم بھی زخموں سے بھرا ہوا ہو تب؟ ہمیں وہ کیفیات الفاظ میں بتائیں اور وہ تمام مادی وجوہ بتائیں جو اُس کا دماغی توازن برقرار رکھیں، جو اُس کو پاگل نہ ہونے دیں؟ جو اُس کی حرکت قلب کو رکنے نہ دیں؟ جو اُسے نڈھال کر کے گراند دیں؟ جو اُسے مخالفین کے سامنے ہاتھ پھیلائے سے روک سکیں؟ جو اُسے برابر سرکشی پر قائم رکھیں؟ اور جو اُن تمام حادثات و مظالم گزر جانے کے بعد بھی اُسے گھٹنوں جنگ کرنے کے قابل رکھیں؟

مادہ پرستوں سے یہ سترہ سوال اس لئے کئے گئے ہیں کہ وہ ہم سے دریافت کیا کرتے ہیں کہ امام حسینؑ علیہ السلام نے اتنے آدمیوں کو کیسے قتل کیا؟ فلاں مجاہد نے اتنے بہادروں کو کیسے شکست دی؟ ہمارا مختصر جواب یہ ہے کہ جس مادی قوت سے امّام نے وہ سترہ

سوال حل کئے اُسی طاقت سے میدانِ کربلا میں سب کچھ کیا۔ اس قدر اور سن لیں کہ وہ سب کچھ اُن کی مادی قوت کی انتہا نہ تھی۔ اُنہوں نے اپنی مادی قوت کا ہزارواں حصہ (1/1000) بھی استعمال نہیں کیا۔ اُن کی مادی قوت پوری کائنات کو آن کی آن میں مسمار کر کے رکھ سکتی تھی۔ اور یہ کہ مادہ اور مادی قوت ہماری زبان میں اُس تمام سامان کو اور اُس تمام قوت کو کہتے ہیں جو اللہ نے پیدا کیا اور انہیں عطا فرمایا۔ ہمارے یہاں اللہ کے علاوہ باقی سب کچھ مادہ یا مادی ہے۔ ملائکہ ہوں یا ارواح ہوں تو رہو یا ظلمات ہوں یہ تمام مخلوق مادہ اور فانی ہیں۔ یہاں صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک خالق اور دوسری مخلوق۔ اور مخلوق میں وہ مخلوق بھی ہے جو تم ایسے علما و دانشوروں کو گنا لانا اَضْلُ (اعراف 7/179) اور ابو جہل قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ تم نہ مادہ کو جانتے ہو نہ مادی قوتوں اور وسعتوں سے واقف ہو۔ نہ تمہیں قوت و طاقت معلوم نہ اُن کا فرق معلوم نہ حدود و اربعہ معلوم۔ نہ تم دین سے واقف نہ تمہیں دنیاوی علوم سے واسطہ۔ تم نے اپنی جہالت کی نمائش کے لئے چند جاہلانہ اصول گھڑے اور پھر اپنے جہل مرکب میں اُلجھ کر رہ گئے۔ سُنو! حسینؑ کا رنا مے سنو!!

(1)۔ امام حسین علیہ السلام کی رخصت اور میدانِ جنگ کو روانگی

اس وقت امام حسینؑ کے قلب و ذہن پر جو سب سے زیادہ پریشان کرنے والی فکر و تشویش غالب ہے اور جس چیز نے اُن کو آخری سانس تک نہ یکسوئی سے جنگ کرنے دی اور نہ اُنہیں چین سے جاں بحق ہونے دیا۔ وہ یہ تصور تھا کہ میرے میدان میں نکلتے ہی دشمنانِ اہلبیتؑ کو یہ یقین ہو جائے گا کہ اب حسینؑ کیپ میں کوئی اور مرد باقی نہیں ہے۔ اور اس یقین کے بعد ہر لمحہ یہ ممکن رہتا چلا جائے گا کہ کوئی فرد یا افراد یا فوجی دستہ اہل حرمؑ پر حملہ کر دے، خیام کو لوٹ لے یا خیام میں آگ لگا دے۔ اب آپ اہل حرمؑ سے یعنی اپنی ازواج سے، اپنی بہنوں، بیٹیوں، بھتیجیوں، بھانجیوں اور شہدا کی بیواؤں سے اور پسر مردہ ماؤں سے رخصت ہونا چاہتے ہیں۔ جنہوں نے اسلام پر اپنی جائیں قربان کر دیں اور اپنی ماؤں اور بیویوں کو اہل حرمؑ کے تحفظ میں چھوڑ دیا تھا۔ اس رخصت میں ایک بہت دردناک بات سامنے آئے گی۔ اور وہ یہ ہے کہ امام علیہ السلام جہاں اپنی شہادت کے بعد اہل حرمؑ کی قید اور لوٹے جانے کا غم دل میں چھپائے ہوئے ہیں وہیں یہ خیال بھی ہے کہ اُن کے جسم کا لباس بھی لوٹ لیا جائے گا۔ چنانچہ آپ لباسِ جنگ پہنتے ہوئے سب سے نیچے ایسا لباس پہننا چاہتے ہیں جو بالکل بیکار ہو، جو کسی کے کام نہ آ سکے۔ اور جب باقی کپڑے اتار لئے جائیں تو اُس بوسیدہ لباس کو چھوڑ دیا جائے۔ تاکہ امامت کا پردہ اور شرم برقرار رہ سکے۔ وہ بڑا صبر آزماء وقت تھا جب آپ نے اپنی چاہنے والی بہن سے ایسا لباس مانگا اور اُن کے سوالات کے جوابات دیئے اور اصل مقصد ظاہر کیا۔ بہر حال آپ نے اتنا ہی نہیں کیا بلکہ باقی لباس بھی مناسب جگہ سے پھاڑ پھاڑ کر پہنتے جا رہے تھے۔ اب آپ روایات میں جھانکنے اور پہلی بات یہ نوٹ کر لیجئے کہ ہم نے علما کی لکھی ہوئی مشہور تعداد اٹھارہ (18) بنی ہاشمؑ کی جگہ بتیس (32) شہدائے اہلبیتؑ اسی ریکارڈ سے نام بنام پیش کئے اور اب آنے والی روایت میں وہ تعداد جسے تمام شہدائے کربلا کی تعداد بتا کر بہتر (72) ٹوٹل مشہور کیا گیا تھا وہ تعداد صرف شہدائے بنی ہاشمؑ کی تعداد ثابت ہوتی ہے۔ اور جب نام بنام ایک سو چھپیس (126) انصار اور حملہ اولیٰ کے غیر معروف سولہ (16) شہدا کی تعداد میں بہتر (72) بنی ہاشمؑ کے شہدا جمع کر دیئے جائیں (72+16+126=214) تو یہ تعداد بڑھ کر دو سو چودہ ہو جاتی ہے۔ اور منافقوں کو نکال کر یہ وہی تعداد ہے جو جنگِ بدر میں مومنین علیہم السلام کی تھی۔

(2)۔ امام حسین علیہ السلام میدان جنگ کی تیاری کرتے ہیں (روایات کے الفاظ میں)

وفی المنتخب أنَّ الحسینَ نظرَ الى اِثْنَيْنِ وَسَبْعَيْنَ رَجُلًا مِنْ اهل بيته صرعى، فالتفتَ إِلَى الخيامِ وَنادى يَاسْكِينَةَ يَا فاطمة يَا زَيْنَبَ يَا ام كلثومَ عَلَيَكِنَّ مِنِّي سَلامٌ۔ فسادته فاطمة يَا بَـةَ اَتَسَلَّمَتِ المَوتَ ؟ فقالَ عَلَيه السَلامُ كَيفَ لَا يَستَسلِمُ مِنَّ لَا نَاصرَ لَه ولا مَعيينَ؟ فَتَصارَخَن النِّسَاءُ فَسَكَتَهُنَّ الحسِينُ وَقَالَ اسكُنِي فَإِنَّ البَكاءَ أَمَامُكَنَّ۔ ثُمَّ قَالَ لَا خَته يَا خَته ايتَينِي ثُوبَ عَتِيقٍ لَا يَرجِبُ فِيهِ أَحَدٌ مِنَ القَومِ اجعلَہ تَحتَ ثِيَابِي لَنَلَّا أَجَرَدُ مِنْهُ بَعْدَ قَتْلِي۔ ثُمَّ أَتَوهُ بَتَّانُ فَابُي أَن يَلْبِسَہ وَقَالَ هَذَا اللباسُ اهلِ الذِمَّةِ ثُمَّ أَتَوهُ بِشَيٍّ أَوْسَعُ مِنْهُ دُونَ السَّرَاوِيلِ وَفَوقَ الثَّيَابِ فَلَبِسَہ فَارتَفَعَتِ اصواتُ النِّسَاءِ بِالبَكاءِ والنحيبِ ثُمَّ أَتَوِي بِثُوبٍ فَخَرَقَہ وَمَزَقَہ مِن اطرافِہ وجعلَہ تَحتَ ثِيَابِہ وَكانَ لَہ سَروالٌ جَدِيدٌ فَخَرَقَہ ايضًا لَنَلَّا يَسلُبُ مِنْهُ۔ قَالَ فَلَمَّا لَبَسَ الحسِينُ ذَلِكَ الثَّوبَ المَخرَقَ وَدَعَا اهلَہ وَاولادَہ واقبلَ عَلَيَّ ام كلثومُ وَقَالَ لَها أُوَصِّيكُ يَا خَيتَہ بِنَفسِکِ خَيرًا فَإِنِّي بَارِزٌ إِلَى هَؤُلَاءِ القَومِ۔ فَاقبَلَتِ سَكِينَةَ وَهِيَ صَارِخَةٌ وَكانَ يَحِبُّها شَدِيدًا فَضَمَّها إِلَى صَدْرِہ وَمَسَحَ دُمُوعَها بِكَفِّہ وَقَالَ سَيَطُولُ بَعْدِي يَاسْكِينَةَ فَاعْلَمِي مِنْكَ البَكاءَ إِذَا الحَمَامُ دَهانِي لَا تَحرقِي قَلْبِي بِدُمُوعِکِ حَسْرَةً مَادامَ مِنِّي الرُوحُ فِي جَنَمانِي۔ (أكبر العبادات في اسرار الشهادات - صفحہ 404)

کتاب المنتخب میں لکھا گیا ہے کہ امام علیہ السلام نے خاندان اہلبیت کی بہتر (72) لاشوں پر نظر ڈالی۔ پھر خیام کی طرف متوجہ ہوئے اور حسرتناک آواز دی اور پکارا کہ اے بیٹی سکیں اور اے فاطمہ اور اے بہن ثانی زہرا زینب اور اے ام کلثوم اور تمام اہل حرم تم پر میرا آخری سلام ہے۔ آؤ مجھے رخصت کر دو یہ سن کر تمام خواتین اور بچیاں گرد و پیش جمع ہو گئیں۔ آخری رخصت کے الفاظ نے سب کا دل ہلا کر رکھ دیا اور اپنی بے چارگی اور دشمنوں کا ظلم اور زیادتیاں آنکھوں کے سامنے پھر گئیں۔ حضرت فاطمہ کبرائی نے ہمت کر کے سوال کر ہی دیا کہ بابا ہمیں کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ کر آپ نے مر جانے کو منظور کر لیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بیٹی جس شخص کا کوئی مددگار اور پشت پناہ نہ ہو وہ اس کے سوا اور کیا کر سکتا ہے؟ یہ سن کر اہل حرم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور چیخیں بلند ہو گئیں۔ امّ نے تسلی و دلاسا دیا اور فرمایا کہ ابھی تو تمہیں آنے والے زمانہ میں بہت رونا ہے۔ پھر اپنی بہن سے کہا کہ مجھے کوئی اتنا بوسیدہ اور پرانا لباس لا کر دو جو کسی کے کام نہ رہا ہو، تاکہ میں اُسکی وجہ سے برہنہ کیا جانے سے بچ سکوں اور جب سب کپڑے اتار لئے جائیں تو اُسے کوئی نہ لے۔ اس پر انہیں ایک نیکر نما لباس دیا گیا۔ آپ نے اُسے ناپسند کر دیا کہ وہ پناہ گیروں کا لباس تھا۔ پھر ایسا لباس دیا گیا جو شلوار سے تنگ لیکن نیکر سے کشادہ تھا۔ جب آپ نے اسے پہن لیا تو خواتین پھر بے قرار ہو گئیں۔ پھر ایک اور کپڑا دیا گیا۔ آپ نے اسے بھی ادھر ادھر مناسب جگہوں سے پھاڑ کر بیکار کیا اور نیچے پہن لیا۔ ایک نئی شلوار دی گئی اُسے بھی پھاڑ کر پہنا تاکہ لوٹنے سے بچ جائے۔ جب آپ نے یہ پھٹا پرانا لباس پہن لیا تو اب اپنی ازواج اور اولاد اور متعلقین سے رخصت ہونا شروع کیا۔ چنانچہ جناب ام کلثوم سے فرمایا کہ اے میری صاحب جلال بہن میری وصیت یہ ہے کہ صبر کرنا میں میدان جنگ میں جا رہا ہوں۔ تم سے امید ہے کہ خیر و خوبی سے اگلے مرحلہ طے کرو گی۔ پھر حضرت سکیں روتی اور ہلکتی ہوئی آگے آئیں جن سے امّ کو شدید ترین محبت تھی۔ انہیں گود میں لیا اور اپنی آستین سے آنسو پونچھ کر سینہ سے لگا لیا اور کہا کہ بیٹی مجھ سے تمہاری ملاقات میں کچھ طول اور دیر ہو جائیگی۔ دیکھو اس دوران تمہارا رونا اور تمہارے آنسو میرے قلب کو جلاتے رہیں گے اور میں اپنے جسم میں تمہارے لئے بہت بے قرار ہوں گا۔ مطلب یہ تھا کہ اب تم اپنی پھوپھی کے سینے پر سو جایا کرنا پھر میں جلد ہی تم سے

ملوں گا تو اپنے سینے پر سُلا کر روگا۔ میری اچھی بیٹی مجھے جانے دو میں ذرا اُن لوگوں کو سزا دے دوں جنہوں نے تمہارے چچا کو ابھی تک پانی نہیں لانے دیا ہے۔ مومنین یاد کریں کہ زندانِ شام میں یہی وہ وعدہ تھا جو خواب میں پورا کیا گیا تو حضرت سیکند نے ضد کی اور کہا تھا کہ بابا جان کو فوراً بلاؤ وہ پھر اتنے ہی طویل زمانہ تک نہ آئیں گے۔ آخر بچی نے خود پہنچ کر اپنے بابا سے ملاقات کی تھی۔

(3)۔ میدانِ جنگ میں پبلک اور رسول اللہ کی قوم سے امام حسینؑ کا شکوہ؟

وفي المناقب ثم برز عليه السلام فقال يا اهل الكوفة قُبْحًا لَكُمْ وَتُرْحَاوْ بؤسًا وتعمسًا حين استصرختمونا ولهيئ فاتيئناكم مرجفين فشحذتم علينا سيفًا كان في ايماننا وحششتكم لاعدائكم من غير عدل افشوه فيكم ولا ذنب كان منا اليكم فهلّا لكم الولايات اذ كر هتمونا تركتمونا والسيف مشيم والجاش طامن والرأى لما يستحصد لِكِنُّكُمْ اسرعتم الي بيعتنا كسرع الد باوتها فتم اليها كتهافت الفرش ثم تقضتموها سفهاً وضلةً وفتكًا لطواغيت الامة وبقية الاحزاب۔ (أكبر العبادات۔ صفحہ 405)

اور کتاب المناقب میں لکھا ہے کہ پھر امام علیہ السلام میدانِ جنگ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اے اہل کوفہ تمہارے حق میں تمام خرابیاں، تمام بدنصبیاں اور تمام تأسف اور تمام تباہیاں اس لئے حق بجانب ہیں کہ تم نے ہمیں بے چین کر ڈالنے والی چیخ و فریاد کر کے بلایا تھا۔ اور جب ہم بلا کسی تیاری اور اہتمام کے تمہارے پاس آگئے تو تم لوگوں نے نہایت چالاکی سے اُن تلواروں کو ہمارے خلاف کھینچ لیا جو ہمارے مددگاروں کے ہاتھ میں تھیں۔ تم دشمن کی اُس پالیسی کی رو میں بہہ گئے جو انہوں نے تمہارے درمیان جاری کر رکھی تھی۔ لہذا تم نے دشمن کے ہاتھ مضبوط کرنے میں نہایت کوتاہ اندیشی اور گمراہی کا ثبوت دیا۔ اب ہمارے پاس تمہارے لئے مذمت اور ملامت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس لئے کہ تم نے ہمیں جان لیوا مشکلات میں پھنسا دیا۔ ہمیں بے یار و مددگار کر کے دشمن کے ہاتھوں میں دے دیا اور ہمارے خلاف میان سے تلواریں سُنوت کر ہمارے مقابلہ پر آگئے۔ حالانکہ ہم نے تمہارا کوئی قصور نہ کیا تھا۔ تمہارے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا تھا۔ اس کے باوجود تم نے بڑے اطمینان سے دشمن کے ساتھ مورچہ بندی کر لی۔ حالانکہ تم نے چیونٹیوں کی کثرت کی مانند ہماری بیعت پر ہجوم کیا، بیعت کی، معاہدہ کیا اور ہماری نصرت کے لئے زمین پر فرش کی طرح پھیل کر اطاعت شعاری دکھائی۔ لیکن حماقت اور گمراہی سے اس معاہدہ کو توڑ دیا اور الگ ہو کر اس امت کے طاغوتوں اور اُن کے تیار کردہ گروہوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ اور تعلیمات قرآن کو پس پشت ڈال دیا۔ یہی نہیں بلکہ ہمیں کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ کر الگ ہوئے اور پھر ہم سے جنگ کرنے اور ہمیں قتل کرنے کے لئے ہمارے سامنے کھڑے ہو۔ اور ہمارے سیکڑوں انصار اور میرے بچوں اور خاندانِ نبوت کے تمام افراد کو قتل کر چکے ہو۔ میں دبنے والا نہیں اس لئے آج بھی میں ظالم اور ظالم کی قوم پر اللہ کی لعنت کرتا ہوں۔

(4)۔ دشمنانِ اسلام کو امام حسینؑ کا چیلنج اور قرآنی قوم کا اور اپنا فرق اور فخر

كفروا القوم وقد ما رغبوا، عن ثواب الله رب الثقلين. قتل القوم علياً وابنه، حسن الخير كريم الابوين. حنفاً منهم وقالوا اجتمعوا، احشروا الناس الى حرب الحسين۔ يالقوم من اناهم رذل، جمعوا الجمع لاهل حرمين۔ ثم صاروا وتواصوا كلهم، باجتياحي لرضاء الملتحين۔ لم يخافوا الله في سفك دمي، لعبيد الله نسل الكافرين۔ وابن سعد قدر ما منى عنوة، بجنود كوكوف الهاطلين. لالشئىء كان منى قبل ذا، غير فخرى بضياء الفرقدین۔ بعلى الخير من بعد النبىء، والنبي الهاشمى

الوالدین - خیرۃ اللہ من الخلق ابی، ثُمَّ اُمّی فَاَنَابُنُ الخیرتین - فَصَّةٌ قَدْ خَلَصَتْ مِنْ ذَهَبٍ، فَاَنَا الْفَصَّةُ وَابْنُ الذَّهَبِیْن - ذَهَبٌ فِی ذَهَبٍ، وَالْجَیْنُ فِی لَجَیْنٍ فِی لَجَیْنٍ - اُمّی الزَّهْرَاءُ حَقًّا وَابِی، وَارِثُ الْعِلْمِ وَمَوْلَى الثَّقَلِیْن - خَصَّهُ اللّٰهُ بِعِلْمٍ وَتَقَى فَاَنَا الْاَزْهَرُ ابْنُ الْاَزْهَرِیْن - وَاَنَا ابْنُ الْعُیْنِ وَالْاُذْنِ اَلَّتِی، اَذْعَنَ الْخَلْقَ لَهَا فِی الْخَافِقِیْن ثُمَّ جَبْرِیْلُ بِنَامِفْتَخَر، شَامِخًا یَزْهَوَاهُ الْحُسَیْنُ - شِیعَةُ الْمَخْتَارِ طَبِیْوَانِفْسُکُمْ، فَغَدًا تَسْقُوْنَ مَاءَ اللَّجَیْنِ - اَفَلَا تَفْتَخِرُوْنَ حُبْنَا؟ بَابِی وَالْجَدُّ نَوْرُ الْخَافِقِیْن. کُلُّ مَنْ یَسْمَعُ یَعْرِفُ فَضْلُنَا، مَاسُوْی مَا کَانَ زَیْنُ الْوَلَدِیْن. مَنْ لَهْ جَدُّ کَجَدِّی فِی الْوَرْدِی، اَوْ کَشِیخِی فَاَنَا ابْنُ الْعَلَمِیْن. فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ اُمّی وَابِی، قَاصِمُ الْکُفْرِ بِدُرُوْحِیْن - عَبْدُ اللّٰهِ غُلَامًا یَافِعًا - وَفَرِیْشُ یَعْبُدُوْنَ الْوُثْنِیْن - اَللَّاتُ وَالْعَزَّى مَعًا - وَعَلِیٌّ کَانَ صَلَّی الْقِبْلَتَیْن - فَاَبِی شَمْسٍ وَاُمّی قَمَرٍ - فَاَنَا الْکَوْکَبُ وَابْنُ الْقَمَرِیْن - وَلَهُ فِی یَوْمٍ اَحَدٍ رَفْعَةٌ - شَفَّتِ الْغُلَّ بِفَضْلِ الْمَعْسُکَرِیْن - ثُمَّ فِی الْاَحْزَابِ وَالْفَتْحِ مَعًا - کَانَ فِیْهَا حُتْفُ اَهْلِ الْفِیْلَیْقِیْن - فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ مَاذَا صَنَعْتُ - اُمَّةٌ السُّوءِ مَعًا بِالْعِتْرَتَیْنِ - عِتْرَةُ الْبِرِّ النَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی - وَعَلِیُّ الْوَرْدِ یَوْمَ الْحِجْفَلِیْن - (اکسیر العبادات - صفحہ 405 اور ترجمہ بحار وغیرہ، تمام مقاتل کی کتابیں)

جو قوم پہلے ہی سے دونوں جہانوں کے رب اور اللہ کی طرف سے بدلہ ملنے کی منکر (یونس 10/15) اور کفر کی طرف راغب تھی۔ اُس نے آخر کفر کو اختیار کر لیا (فرقان 25/30) رسول کی اُسی قوم نے علی کو اور اُن کے بیٹے حسن کو قتل کر کے راستے سے ہٹایا اور جرم یہ تھا کہ وہ والدین کی طرف سے رحیم و کریم لوگوں کی اولاد تھے۔ یہ سب کچھ رسول کی قوم نے کینہ اور حسد کی وجہ سے کیا تھا۔ اور اب وہی قوم (فرقان 25/30) ملک بھر میں سے لوگوں کو جمع کر کے انہیں حسین سے جنگ کے لئے میدان میں لائی ہے۔ یہ قوم تمام مخلوق سے زیادہ ذلیل لوگ ہیں۔ دارالامان اور حریم کے نگہبانوں اور مالکوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اور نسل رسول کو مٹانے کے لئے آپس میں ایک دوسرے کو وصیت و نصیحت کرتے ہیں تاکہ دو عدد ملحدوں کی رضا مندی حاصل کر لیں۔ اُن میں سے ایک عبید اللہ ابن زیاد ہے۔ جسے خوش کرنے کے لئے اللہ سے بھی نہیں ڈرتے اور میرا خون بہانا چاہتے ہیں۔ دوسرا عمر ابن سعد بن وقاص ہے۔ جو فوجوں کا سیلاب لے کر مجھ سے جنگ کر رہا ہے۔ میرا اس کے علاوہ کوئی قصور نہیں کہ میں ساری کائنات کو روشن کرنے والی دو ہستیوں پر عملاً فخر کرتا ہوں۔ ایک علی ہے جسے میں نبی کے بعد سب سے بہتر کہتا ہوں۔ دوسرا خود نبی ہے جسے میں عام انسان ماننے کے بجائے ہاشمیوں کی اولاد سے ایسی ہستی مانتا ہوں جو اللہ کی تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہے۔ چنانچہ میرا باپ بھی ساری مخلوق سے اچھا تھا اور میری والدہ بھی۔ لہذا میں دو مجسم اچھائیوں کا بیٹا ہوں۔ میں وہ چاندی ہوں جسے اللہ نے سونے میں سے صاف کر کے نکالا ہے۔ چنانچہ میں دوسو نوں کا بیٹا چاندی ہوں۔ سونا بھی ایسا سونا ہوں کہ جو خود سونا دَر سونا تھا۔ اور چاندی بھی ایسی چاندی ہوں جو خود چاندی در چاندی برآمد ہوتی چلی آئی ہے۔ میری ماں حقیقی زہراء ہے اور میرا باپ علم خداوندی کا وارث اور دونوں جہان کا حاکم و مولیٰ ہے۔ اُسے اللہ نے اپنے علم اور تقویٰ کے لئے خصوصیت دی ہے۔ چنانچہ میں ایک روشن اور دمکتا ہوا فرد ہوں اور دو روشنیوں کا بیٹا ہوں۔ میں پوری کائنات کو دیکھنے والی آنکھ کا اور ہر مخلوق کی بات سننے والے کان کا بیٹا ہوں۔ یہ وہ آنکھ اور کان ہے جس سے مشرق اور مغرب کی ہر چیز اپنے وجود پر سند لیتی ہے۔ اور دیکھو جبریل کا قد و قامت اور قدرت جن کی وجہ سے برقرار ہے اور جن پر خود جبریل فخر کرتا ہے وہ حسین ہیں۔ اے ملتِ شیعہ کے افراد تم پسندیدہ ہستیاں بننے میں مصروف رہو۔ تاکہ کل تمہیں نعمتیں اور چاندی ایسا شفاف پانی ملے۔ تم تو میرے باپ دادا کی محبت پر فخر کرتے ہو جو مشرق

اور مغرب کے دوڑ رہیں۔ اور سنو جو بھی ہمارے فضائل سن لیتا ہے وہ ایمان لے آتا ہے۔ ہاں وہ لوگ نہیں مانتے جو ماں باپ کی طرف سے خالص نہیں۔ اس دُنیا میں کوئی ایسا شخص ہے جس کا دادا میرے دادا جیسا ہو یا میرے کسی بھی بزرگ کی برابری کر سکے؟ لہذا میں دو سرِ برآوردہ اور مشہور ترین انسانوں کا بیٹا ہوں۔ میری ماں فاطمہ زہراء ہے تو میرا باپ وہ ہے جس نے جنگ بدر و حنین میں کافروں کی کمر توڑ دی تھی۔ لہذا میں بھی اس کر بلا میں وہ نمونہ دکھا دوں گا۔ چنانچہ میرے والد علیؑ نے تو بچپن ہی سے اللہ کی عبادت کی تھی۔ اور قریش تو ہمیشہ سے آج تک بت پوجا اور لات و عزی کی عبادت کرتے آئے ہیں۔ اور علیؑ وہ ہستی تھا جس نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے۔ چنانچہ میرا باپ عبادت گزاروں کا سورج اور میری ماں ماہتاب تھی اور میں وہ دوہرے نور والا ستارہ ہوں جو آفتاب اور ماہتاب کا بیٹا ہے۔ جنگ احد میں بھی علیؑ کو بلندی اور بالادستی حاصل ہوئی جب کہ انہوں نے دشمنوں کی افواج کو نچوڑ کر دوستوں کی پیاس بجھائی۔ پھر جنگ خندق اور فتح مکہ میں بھی علیؑ ہی نے کئی قسم کی فوجیں لانے والوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس بدترین امت نے اللہ کی راہ میں دونوں عترتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ محمد مصطفیٰ کی نیک ترین عترت کو ان کی محنت اور قربانیوں کا کیا بدلہ دیا؟

(5)۔ امام حسین علیہ السلام کا پہلا جنگی نمونہ بہادری کا انتخاب

قال ابو الفرج ثم انه برز ودعى الناس الى البراز وهم يبرزون فارسا بعد فارس فلم يزل يقتل كل من دنى منه من عيون الرجال حتى قتل منهم مقتلة عظيمة وهو يقول الْقَتْلُ اَوَّلِي مِنَ رَكُوبِ الْعَارِ وَالْعَارُ اَوَّلِي مِنْ دُخُولِ النَّارِ - وجعل عمر بن سعد يحصى القتلى في هذه المبارزة حتى قتل من وجوه القوم سبع مائة وثمانين فارسا ولم يزل يقاتل حتى قتل الف وتسع مائة رجل وخمسين رجلا سوى المجروحين قال عمر بن سعد لقومه اَتَدْرُونَ لِمَنْ تَقَاتِلُونَ؟ هذا ابن انزع البطين هذا ابن قتال العرب فاحملوا عليه من كل جانب فحملوا بالطعن مائة وثمانون واربعة الاف فرموه بالسهم وحالوا بينه وبين رحاله۔

(أكبر العبادات۔ صفحہ 407-406)

علامہ ابو الفرج اصفہانی اور دیگر علما نے لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے تعارف اور اتمام حجت کے بعد چیلنج کیا اور یزیدی افواج کے بہادریوں کو مقابلہ پر آنے کی دعوت دینا شروع کی اور ادھر سے یکے بعد دیگرے دعویداران شجاعت آتے رہے۔ اور اُمّام ہر قریب آنیوالے کو تہمتیں دیتے کرتے رہے۔ یوں چیدہ چیدہ سو رماؤں کی ایک بہت بڑی تعداد تلوار کے گھاٹ اتار دی اور آپ ہمت بڑھانے کیلئے یہ جملہ بھی فرماتے جاتے تھے کہ شرمساری اور ندامت سے قتل ہو جانا بہتر ہے اور جہنم میں جانے سے بُردلی اور ننگ و عار اور شرمساری بہتر ہے اس قوت و ہنر کے مظاہرے کی جنگ میں قتل ہونے والوں کی تعداد عمر ابن سعد گنتا جا رہا تھا۔ اُسکی گنتی کے مطابق سات سو اسی (780) بہادر قتل ہوئے مگر اُمّام برابر قتل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مقتولوں کی تعداد ایک ہزار نو سو پچاس (1950) تک جا پہنچی۔ تو عمر سعد نے اپنی افواج میں اعلان کرایا کہ تمہارا برا ہو کیا تمہیں یہ پتہ نہیں کہ تم کس سے برسرِ پیکار ہو؟ ارے یہ تو سارے عربوں کو دھڑا دھڑا قتل کر نیوالا ہے۔ یہ تو پیٹ کا اور دل کا پوشیدہ حال باہر نکالنے والا ہے۔ اس پر تو چاروں طرف سے اور ہر جانب سے مل کر حملہ کرو۔ چنانچہ ایک سو چوراسی ہزار یعنی ایک لاکھ چوراسی ہزار فوجیوں نے نیزہ و شمشیر اور تیروں سے حملہ کیا اور انکے اور انکے خیم کے درمیان حائل ہو گئے۔

(6)۔ امام کا دشمن افواج پر پہلا حملہ اور جنگی مہارت و قوت کا دوسرا مظاہرہ

وفی المنتخب ثم انه عليه السلام يحمل عليهم ويقاثلهم حتى قتل منهم الوفا وفي كتاب شهاب الدين حتى قتل خلقا كثيرا وقد اثنى عليه بالجراح والذي حصل له من الجراح ثمانون ضربة من الرماح والنبال وقد قتل منهم اربعة الاف فارسا وثمان مائة راجل انى ان قال وجعل الحسين يحمل عليهم ويقاثلهم حتى قتل منهم زهاء من اربعة وعشرين الف فارس ولا يُبين النقص فيهم لكثرتهم وقد اثنى على الجراح وذكر انه وقع فيه ثلثمائة وستون جراحة مابين طعنة ونبلة وقد قتل منهم عشرين الف فارس۔ قال ثم مضى الى الخيام۔ (اكسير العبادات۔ صفحہ 407)

قارئین نے دیکھا کہ اُوپر والی روایت میں وہ کام ہو گیا جو امام کے لئے سب سے زیادہ تکلیف کا باعث تھا۔ یعنی امام سے خیار چھپ گئے افواج بیچ میں آ گئیں۔ اب امام کی پہلی کوشش اس پر صرف ہوگی کہ جس طرح بھی ہو سکے افواج کو خیار کے سامنے سے دُور ہٹائیں۔ لہذا آپؑ نے حملہ کیا اور لا تعداد لوگوں کو قتل کیا۔ حملہ اس قدر شدید تھا کہ تعداد کا شمار اُس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک سرداران افواج سے اُن کی فوج کی الگ الگ تعداد کا ٹوٹل اور پھر باقی رہ جانے والوں کی تعداد معلوم نہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ راوی جو خود بھی جنگ میں مصروف ہو یا سرکاری پرچہ نویس یا جاسوس ہو وہ صحیح تعداد نہیں جان سکتا۔ وہ یہی کہے گا کہ لا تعداد آدمی قتل کئے یا یہ کہے گا کہ ہزاروں سینکڑوں اشخاص قتل کئے۔ لیکن جو آدمی سرداران فوج پر نظر رکھے اور دیکھے کہ وہ اپنی فوج کی مقتول تعداد کی جگہ مرکز سے کتنے آدمی مانگتے ہیں؟ وہ یقیناً اپنا ٹوٹل پورا رکھنے کے لئے سپہ سالار عمر بن سعد سے مدد طلب کریں گے اور جتنے آدمی وہ مانگیں گے وہ وہی تعداد ہوگی جو مرگئی یا زخمی ہو کر لڑنے کے قابل نہ رہی تھی۔ اور جس کی فوج کا کوئی آدمی بھی نہ مرا ہو گا وہ بالکل مرکز سے مزید سپاہی نہ مانگے گا۔ لہذا جن راویوں نے تعداد بتائی ہے وہ اسی قاعدے کے مطابق بتائی ہے۔ اور جنہوں نے باقاعدہ گنتی نہیں کی لاشوں کے ڈھیر دیکھے، وہ لا تعداد یا ہزاروں یا سینکڑوں کہہ کر تعداد بتانا چاہیں گے۔ اب یہ سنئے کہ امامؑ نے حملہ کیا تو گشتوں کے پُشتے لگ گئے۔ جو فوج ناقص ہو جاتی رہی وہ سامنے سے ہٹتی رہی۔ اُس کی جگہ دوسری فوج لیتی رہی۔ ہٹنے والی فوج مقتولوں کی تعداد گن کر مدد مانگتی رہی اور لوگوں کو علم ہوتا رہا کہ کس فوج یا دستے میں کتنے نئے سپاہی آئے۔ چنانچہ ایک فوج نے چار ہزار آدمی مانگے یہ تعداد مرنے والوں کی تھی۔ پھر دوسری افواج پر حملہ کیا گیا فوجیں ہٹتی اور نئی افواج اُن کی جگہ لیتی رہیں۔ کچھ دیر کے بعد مرنے والوں کی نئی تعداد چوبیس ہزار ہو گئی۔ حملے برابر جاری رہے۔ امام قتل عام کرتے رہے اور حضورؐ کو زخم بھی لگتے اور بڑھتے رہے۔ لیکن اس کے باوجود خیموں کے سامنے والی افواج میں کمی اور نقصان محسوس نہ ہوتا تھا۔ اس لئے کہ کمی ہوتے ہی دوسری فوج اُس کی جگہ لے لیتی تھی۔ یعنی یوں تبدیلی کے وقت پہلی ناقص اور دوسری تازہ دم فوج کے آنے جانے سے تعداد زیادہ تو معلوم ہونا قدرتی تھا۔ لیکن کمی محسوس ہونا اُسی وقت ممکن ہو سکتا تھا جب قتل عام اس شدت سے ہو رہا ہو کہ سرداران فوج کو تبدیلی کا موقع نہ رہے۔ چنانچہ امام علیہ السلام نے پھر مقتولوں کی دوسری کھپ بیس ہزار کردی اور اب خیموں کے سامنے کا میدان اس لئے صاف ہو گیا کہ شدید کمی کی بنا پر میدان میں موجود سردار مدد کے آنے کا انتظار نہ کر سکتے تھے۔ بہر حال امامؑ نے فوجوں کو دھکیل دیا اور خیریت معلوم کرنے کے لئے خیار کی طرف رُخ کیا۔ اب تک حضورؐ کے جسم پر تین سو ساٹھ زخم آ چکے تھے۔ جن

میں سب قسم کے ہتھیاروں کے زخم تھے۔ چنانچہ اسی حال میں امامؑ چلے۔

یہ پہلا وقت ہوگا کہ امامؑ کو حضرت زینبؑ وام کلثومؑ و سکینہؑ اور دیگر بہنیں اور بیٹیاں اور ازواج مطہرات دیکھیں گی۔ اور آپؑ زخموں سے چورچور ریلیں گے۔ لیکن آج تو وہ دن ہے کہ جو بھی خیام میں واپس آیا وہ زخموں سے چورچور تھا۔ اور یہ حسرت دلوں میں رہ گئی کہ اُن سے بات کی جائے۔ اہل حرمؑ تو حضرت علی اکبرؑ و عباسؑ و قاسمؑ علیہم السلام کے محض زندہ واپس آنے پر بھی شکر گزار ہوئے تھے۔ دل تو پھٹ کر رہ جائیں گے لیکن امامؑ سے بات تو ہو سکے گی، اُن سے دعائیں تو مل سکیں گی، آڑے وقت اُن کی ہدایات تو کام آئیں گی۔ امامؑ کی رفتار پر نظریں جمی ہوئی تھیں۔ گھوڑے کا بڑھتا ہوا ہر قدم قابل تعظیم تھا۔ یکا یک گھوڑا رکا۔ اور امامؑ نے اُسے چلانے کی کوشش بھی نہ کی۔ کیا امامؑ واپس پلٹ جائیں گے؟ کیا خیام میں زیارت کرانے نہ آئیں گے؟ کئی قسم کے خیالات آسکتے تھے۔ شاید اس لئے پلٹ جائیں کہ بیٹیاں زخمی حالت میں دیکھ کر بے قرار ہو جائیں گی؟ اہل حرمؑ اُدھر سانس روکے ہوئے منتظر تھیں۔ لیکن امامؑ کی توجہ اللہ کی عنایات نے جذب کر لی تھی۔ صورت حال پلٹا کھانا چاہتی تھی۔

(7)۔ اللہ نے پھر چاہا کہ امامؑ ارادہ شہادت بدل دیں؟

قَالَ ثُمَّ مَضَى إِلَى الْخَيْمِ فَتَلَقَاهُ مَلَكٌ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ الْخَيْمَ وَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ مَهْلًا فَإِنِّي مَرَرْتُ بِالسَّمَوَاتِ فَوَجَدْتُهَا مُتَغَيِّرَةً مُظْلِمَةً وَوَجَدْتُ جَمِيعَ أَهْلِهَا يَبْكُونَ لِمُصِيبَتِكَ وَقَدْ أَرْسَلَنِي إِلَيْكَ رَبُّكَ وَهُوَ مُخَيَّرُكَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَنَعِيمِ الْآخِرَةِ فَإِنِ اخْتَرْتَ الدُّنْيَا فَمَرْنِي حَتَّى أَنْزِلَ لَكَ الْمَلَائِكَةَ تَمْلَأُ الدُّنْيَا فَإِنِ أَمَرْتَهُمْ أَنْ يَأْكُلُوا الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا فِي طَرَفَةِ عَيْنٍ لَفَعَلُوا ذَلِكَ وَإِنِ ارْتَدْتَ لِلْحَقِّ بِجَدِّكَ وَأَبِيكَ وَأُمِّكَ وَآخِيكَ وَأَنْتَ فِي يَوْمِكَ هَذَا تَصِيرُ إِلَيْهِمْ۔ فَقَالَ الْإِمَامُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنِّي أُرِيدُ الْحَقَّ بِهِمْ۔ (أكسير العبادات۔ صفحہ 407)

خیام تک پہنچنے سے پہلے اللہ کا سلام پہنچا اور ایک فرشتے نے کہا کہ سلام ہو آپؑ پر اے شیر خوار کے بابا جان ذرا ٹھہر کر ایک بات سُن لیجئے کہ میں ابھی ابھی آسمانوں میں سے گزرا تو دیکھا کہ ساری کائنات کی حالت دگرگوں ہے۔ تاریکی غم چھائی ہوئی، مساوات کی تمام ہی مخلوق آپؑ کی مصیبت پر نالہ و فریاد کر رہی ہے۔ چنانچہ تمہارے پالنے والے نے مجھے بھیجا ہے اور آپؑ کو دنیا اور نعمات آخرت کے معاملہ میں مختار بنا دیا گیا ہے۔ اگر آپؑ چاہیں تو اتنی دیر ٹھہر جائیں کہ آسمانوں سے ملائکہ کو اترنے اور ساری دنیا میں پھیل جانے کے لئے کہہ دوں۔ چنانچہ اگر آپؑ حکم دیں گے تو ملائکہ اس دنیا کو مع اس کے ساز و سامان کے نکل جائیں گے۔ اور پلک جھپکنے میں تمام تکلیفات ختم ہو جائیں گی اور اگر آپؑ اپنے دادا، والد، والدہ اور بھائی علیہم السلام سے ملنا چاہیں تو آج ہی آپؑ کو اُن کے پاس جانے کا بھی اختیار ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے دنیا تباہ کرنا منظور نہیں البتہ اپنے دادا، بابا، اماں اور بھائی علیہم السلام کے پاس پہنچنا منظور ہے۔

(8)۔ امام علیہ السلام کی دوسری رخصت اور ہدایات

وَفِي خَيْرِ ابْنِ شَهْرٍ أَشْرَبَ ثُمَّ وَدَّعَ حَرَمَهُ مَرَّةً أُخْرَى وَأَمَرَهُمْ بِالصَّبْرِ وَوَعَدَهُمُ الثَّوَابَ وَالْأَجْرَ وَأَمَرَهُمْ بِأَنْ يَلْبَسُوا أَزْرَهُمْ وَيَسْتَعْدُوا لِلْبَلَاءِ۔ وَقَالَ أَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ حَافِظُكُمْ وَحَامِيكُمْ وَسِينَجِيكُمْ مِنْ شَرِّ الْأَعْدَاءِ وَيَجْعَلُ عَاقِبَةَ أَمْرِكُمْ إِلَى خَيْرٍ وَيَعْدَبُ أَعَادِيَكُمْ بِأَنْوَاعِ الْعَذَابِ وَيَعُوْضُكُمْ عَنْ هَذِهِ الْبَلِيَّةِ أَنْوَاعَ النِّعَمِ وَالْكَرَامَةِ۔ وَلَا تَشْكُوا وَلَا تَقُولُوا بِالسُّنَّتِمْ مَا يَنْقُصُ

قدر کم۔ ثم انشاء: علیکم سلام اللہ یا آل احمد، فانی ارانی عنکم سوف ارحل۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 408)

فرشتے کو جواب دینے کے بعد خیام میں تشریف لائے ابھی تک اہل حرم کو دشمنوں سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ امام علیہ السلام نے اس مرتبہ جو باتیں کیں وہ خود بتا رہی ہیں کہ اب امام کا وقت قریب ہے اور اب امام آخری ہدایات دے رہے ہیں۔ سب کو صبر کرنے کی تاکید فرمائی اور اطمینان بخش اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا اور حکم دیا کہ وہ لباس پہن لو جو بے صبری، بے قراری اور غصہ کو روکتا ہے۔ اور آنے والے امتحان کے لئے مستعد ہو۔ اور یہ جان رکھو کہ یقیناً اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ تمہارا حامی و مددگار ثابت ہوگا۔ تمہیں دشمنوں کے شر سے نجات دے گا۔ اور تمہارے دشمنوں کو طرح طرح کا عذاب دے گا۔ اور تمہیں نعمتوں اور کرامتوں کی تمام اقسام عطا کرے گا۔ لہذا اپنی زبان پر شکوہ اور ایسے الفاظ کو آنے سے روکنا جو تمہارے معیار سے گرا ہوا ہو اور تمہارے درجات کے خلاف ہو۔ پھر آپ نے دوسری دفعہ وداع کیا اور فرمایا کہ اے آل احمد تم پر میرا سلام ہو مجھے بتایا گیا ہے کہ تم بھی جلد سفر کرو گے۔

(9)۔ امام حسین علیہ السلام دوبارہ میدان جنگ میں آگئے

ثم توجه الى قتال اعدائه فطلب عنهم المبارزه فخرج تميم بن قحطبة وهو من أمرآ الشام وقال يابن عليّ الى متى الخصومة؟ فقد قُتل اولادك واقرباؤك ومواليك۔ فانت بعد تضرب بالسيف مع عشرين ألفاً؟ فقال عليه السلام انا جنث الى محاربكم ام انتم جنتم الى محاربتى انا منع الطريق عنكم ام انتم منعتموه عنى وقد قتلتم اخوانى واولادى وانصارى وليس بينى وبينكم الا السيف فلا تكثر المقال فتقدم الى حتى ارى ما عندك فصاح صيحة وسلّ السيف وضرب عنقه فتبعه خمسين ذراعاً فخاف العسكر من ضربه عليه السلام فصاح يزيد الابطحى عليهم انكم عجزتم عن رجل واحد وتفرون عنه؟ ثم جاء بين يدى الامام وكان مشهوراً بالشجاعة۔ فلما راه عسكر عمر بن سعد فى قبالة اظهروا البشارة والسروور ولكن خاف اهل بيت منه حين رآوه تجاهه۔ فصاح عليه السلام الا تعرفنى فتجننى فى قبالى كمن لا خوف له فلم يجبه وسلّ السيف۔ فسبقه عليه السلام وضرب على وسطه بالسيف ففقدّه نصفين۔ فلما نظر الشمر (لعين) الى ذلك قال لعمر بن سعد ايها الامير والله لو برز الى الحسين اهل الارض لافناهم عن آخرهم فالرأى أن نفرق عليه فرقتين فرقة بالسيف والرماح وفرقة بالنبل والسهام وفى خبر آخر من ابى مخنف على نقل زيد فرقة ثالثة بالاثلوب ففعلوا ذلك وجعلوا يرشقوه بالنبل والسهام ويطعنوه بالرماح ويضربوه بالسيف حتى اثنى بالجراح وفى الخبر الاول فجعل الحسين تارة يحمل على الميمنة وتارة على الميسرة حتى قتل على مانقل ما يزيد على عشرة الاف فارس ولا يبين النقص فيهم لكثرتهم حتى اثنى به بالجراح وعن بعض النسخ انه قتل فى هذه الحملة خمسين ألفاً وكان الجيش سبعين ألفاً غير سواد الاعظم۔ فى الملهوف قال بعض الرواة فوالله ما رايت مكثوراً قط قد قُتل ولده واهل بيته واصحابه اربط جاشاً منه وإن كانت الرجال لتشدّ عليه فليشد عليها بسيفه فتكشف عنه انكشاف المعزى اذا شدّ فيها الذئب ولقد كان يحمل عليهم وقد تكاملوا ثلثين ألفاً فينهزمون بين يديه كانتهم الجراد المنتشر ثم يرجع الى مركزه وهو يقول لاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 407-406)

اہل حرم کو سمجھا بچھا کر آنے والے مظالم کو برداشت کرنے کی قوت دے کر میدان جنگ میں آئے اور اپنے مقابلے کے لئے جوانمردوں اور نام آور بہادروں کو دعوت اور چیلنج دیا۔ مطلب یہ تھا کہ اب تو میرے جسم سے تقریباً سارا خون بہہ چکا۔ جسم کے تمام

اعضازخمی ہو چکے لہذا ایسی حالت میں مجھ سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ آؤ اور مجھے قتل کر کے ابن زیاد و یزید کو خوش کرنے کی کوشش کر دیکھو۔ اس دعوت پر دشمن فوج کی طرف سے تمیم بن قطبہ میدان میں آیا۔ یہ شخص ملک شام کے دو متمندوں میں سے تھا۔ اُس نے کہا کہ اے علیؑ کے بیٹے آخر تم کب تک قتل عام جاری رکھنا چاہتے ہو؟ یہ صحیح ہے کہ تمہاری اولاد اور عزیز و اقربا اور انصار قتل ہو گئے ہیں۔ لیکن تم نے تو اس کے بعد باقی مقتولوں کے ساتھ ساتھ ابھی ابھی بیس ہزار (20000) انسانوں کو تہ تیغ کر دیا ہے؟ مطلب یہ تھا کہ پہلے حملے سے اس وقت تک آپ نے دو لاکھ چونتیس ہزار سات سو تیس (234730) آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ جن میں دو ہزار سات سو تیس ایسے جنگ آزمودہ بہادر بھی شامل ہیں جن کا جواب عرب میں موجود نہ تھا۔ آخر یہ دو لاکھ چونتیس ہزار سات سو تیس آدمی بھی کسی کے بیٹے، کسی کے بھائی، کسی کے شوہر اور کسی کے باپ تھے۔ کیا لاکھوں انسانوں کو یتیم و یتیمہ اور بے اولاد و بے سرپرست کر کے بھی تمہاری اولاد و اقربا اور انصار کا بدلہ نہیں ہوا جو تم اب پھر میدان میں آ گئے ہو؟ امامؑ نے جواب دیا کہ کیا میں نے تمہارے خلاف اعلان جنگ کیا تھا؟ کیا میں نے تمہارے ساتھ جنگ کا انتظام کیا تھا؟ کیا میں نے تمہارے مقابلہ میں سارے ملک سے سمیٹ کر لاکھوں فوجی جمع کئے تھے؟ کیا میں نے تمہارے ساتھ جنگ کی ابتدا کی تھی؟ کیا میں نے تم پر پانی بند کیا تھا؟ کیا میں نے تمہاری واپسی کے تمام راستے بند کئے تھے؟ کیا میں نے تمہاری صلح کی درخواست بار بار ٹھکرائی تھی؟ کیا میں نے تمہیں اور تمہاری ازواج اور بہنوں، بھائیوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو چار روز سے بھوکا پیاسا رکھا ہوا ہے؟ کیا میں نے تمہارے بار بار پانی مانگنے پر پانی نہیں دیا ہے؟ کیا میں نے تمہارے شیر خوار بھوکے پیاسے بچہ کو پانی کی جگہ تیر سے قتل کیا ہے؟ تم نے ہی یہ سب کچھ کیا۔ میرے بچوں کو میری آنکھوں کے سامنے ذبح کر دیا۔ اب میں تمہا باقی ہوں۔ اب میرے اور تمہارے درمیان یہ تلوار ہے۔ میں اس تلوار کو اُس وقت تک چلاتا رہوں گا جب تک اللہ مجھے منع نہ کر دے۔ اب یہی تلوار فیصلہ کرے گی۔ اس کے بعد تمیم بن قطبہ سے کہا کہ یہ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے آگے بڑھ کر میرے پاس آ تاکہ میں دیکھوں کہ تیرے پاس شجاعت اور میدان جنگ کے لئے کیا سامان ہے۔ اس کے بعد ایک نعرہ مارا اور تلوار کی ایک ایسی ضرب لگائی کہ تمیم کا سر اُچھل کر تیس فٹ دور جا گرا اور دشمن کی افواج اس ضرب سے سہم کر رہ گئیں۔ یہ دیکھ کر یزید اُٹلی نے افواج کو لاکر کہا کہ تمہیں شرم آنا چاہئے تم ایک ضعیف العمر اور زخمی تنہا آدمی کے سامنے بے بسی کا اظہار کر رہے ہو اور اُس کے سامنے سے بھاگ جانا چاہتے ہو۔ اس کے بعد یہ یزید اُٹلی امامؑ کے سامنے مقابلہ پر آ گیا۔ چونکہ یہ ایک مشہور بہادر اور تیغ آزمائش شخص تھا۔ اُسے امامؑ کے سامنے دیکھ کر افواج نے مسرت اور بشارت کا نعرہ مارا اور اس خوشی کے نعرہ سے اہل حرم میں خوف پھیل گیا اور سب کی نگاہیں امامؑ پر مرکوز ہو گئیں۔ اس کے بعد امامؑ نے لاکر کہا کہ غالباً تو مجھے جانتا نہیں اس لئے بلا خوف میرے سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔ اُس نے جواب دینے کے بجائے تلوار بلند کی ہی تھی کہ امام علیہ السلام نے تاک کر اُس کی کمر میں ایک ضرب لگائی تو دو برابر کے ٹکڑے زمین پر تڑپ رہے تھے۔ جب شمر ملعون نے یہ حال دیکھا تو عمر بن سعد سے کہا کہ اے امیر خدا کی قسم اگر یوں ایک ایک کر کے ساری دنیا کے انسان حسینؑ سے لڑنے جائیں گے تو وہ اُن کے آخری آدمی تک کو فنا کر ڈالیں گے۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم فوج کے دو حصے کر دیں اور ایک حصہ تلواروں اور نیزوں والا ہو۔ دوسرا تیروں اور پھینک کر مارنے والی برچھیوں سے مسلح ہو۔ علامہ ابو مخنف نے تین حصے لکھے اور تیسرے کے پاس پتھر بتائے ہیں۔ چنانچہ

سامنے لڑنے والی افواج کو اسی ترتیب میں لایا گیا۔ اور اب امامؑ کو زخموں سے چھلنی بنا ڈالنے کیلئے نیزوں، تلواروں، تیروں، برچھیوں اور پتھروں کی بارش شروع کی گئی۔ پہلی روایت میں ہے کہ امامؑ کبھی دابنے حصہ پر حملہ کرتے کبھی بائیں حصہ پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ یہاں تک کہ دہائی اور بائیں طرف والی افواج میں سے دس ہزار آدمیوں کو واصل جہنم کر دیا۔ لیکن کثرت افواج کی بنا پر ان میں کمی معلوم نہ ہوتی تھی۔ ادھر امامؑ کے جسم پر بہت سے زخم آچکے تھے۔ دوسرے نسخوں میں لکھا ہے کہ اس حملہ میں امامؑ نے پچاس ہزار فوجیوں کو قتل کیا اور مرکزی فوج (Main Body) کے علاوہ یہاں مقابلہ میں ستر ہزار فوج تھی۔ ایک راوی نے کہا کہ میں نے ایسا مجسمہ جرات و ہمت آدمی ہرگز نہیں دیکھا کہ جس کے بچے سے لے کر جوان تک ساری اولاد قتل کر دی گئی ہو، جس کے سامنے اُس کے تمام انصار اور خاندان کے تمام افراد قتل ہوئے ہوں، وہ اپنے ہوش و حواس کو اس شان سے برقرار رکھے اور اس دبدبہ کے ساتھ میدان جنگ میں حسینؑ کی طرح جنگ کرے۔ اور جب افواج حسینؑ پر حملہ آور ہوتی تھیں تو حسینؑ ان پر ایسا شدید حملہ کرتے تھے کہ افواج ان کے سامنے اس طرح بھاگتی تھیں جیسے بکریاں بیڑیے کے حملے سے بھاگتی ہیں اور ان کے سامنے تیس ہزار (30000) فوج بھاگتی پھرتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مٹی دل زمین پر کچلا ہوا پڑا ہے۔ میدان صاف ہو جاتا تھا تو آپ اپنے مرکزی مقام پر پلٹ آتے تھے اور لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم پڑھتے تھے۔

(10)۔ حضرت فاطمہؑ صغریٰ کا خط میدان جنگ میں پہنچتا ہے امام علیہ السلام پھر خیام میں آتے ہیں

جب افواج بھاگ جاتی تھیں تو انہیں دوبارہ جمع ہونے اور صحیح ترتیب قائم کرنے میں کافی دیر لگتی تھی۔ اس دوران امام علیہ السلام خیام کا چکر لگاتے تھے۔ اسی طرح جب حضورؐ فوجوں کے جمع ہونے کا انتظار فرما رہے تھے کہ جناب فاطمہؑ صغریٰ کا قاصد پہنچا۔ پورا قصہ سنئے:-

وعن بعض كتب المقتل: وكان له بنت تسمى فاطمة وكانت حين خروجه من المدينة مريضة - جعلها عند ام سلمة وكانت كل يوم يجئني خلف الباب لعلها تجد من كان له اطلاع بحال والدها - لما طال زمان الفراق ولم يصل الخبر من والدها اشتغلت بالبكاء وترا كمت عليها الاحزان وكتبته كتاباً لوالدها وبين فيها حالها فلما فرغت من كتابتها واشتغلت بالنوح والبكاء لفراق والدها وغيره فاذا اعرابي سمع بكاؤها فتأثر من بكائها - فبكي ساعة ثم علم ان الباكبة بنت الامام وبكاؤها لفراقه عليه السلام - فنادى بصوت عالٍ السلام عليك يا اهل بيت النبوة ومعدن الرسالة انا رجل من البادية اريد الراح الى كربلا فهل لكم حاجة؟ فلما سمعت فاطمة جاءت خلف الباب وردت جواب سلامه وقالت يا اعرابي ان ابنت الحسين عليه السلام فانه لما عزم الى كربلا كنت مريضة فسلمني الى جدتي ام سلمة زوجة رسول الله فالاّن لم تبق لي طاقة من هجرانه وكتبته كتابة وأريد من يوصلها اليه - فاخذها اعرابي منها ففى يوم العاشوراء وقت المحاربة بلغ الى كربلا وسلمها اليه عليه السلام فلما فتحها واطلع على مضمونها بكى بكاءً شديداً ثم جاء عند اهل البيت وقراها لهن فبكين بكاءً شديداً ولم يظهر حال اعرابي انه كان ملكاً او بشراً او ساراً شهيداً ام لا؟ (اكسير العبادات - صفحہ 406)

کربلا کے حالات میں یہ لکھا گیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی ایک اور بیٹی تھی جس کا نام فاطمہؑ تھا اور جو مدینہ سے آپ کی روانگی کے وقت بیمار تھیں اور جسے امامؑ نے حضرت ام سلمہؓ علیہا السلام کی سپردگی میں چھوڑا تھا۔ جب خاندان سے جدائی نے بہت طول کھینچا اور کوئی خیر

خبر نہ ملی تو بی بیؑ نے رونے اور دعائیں کرنے میں وقت گزارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ باپ اور خاندان کے غم نے انہیں گھلا کر رکھ دیا وہ روزانہ اپنے والد، والدہ اور بھائی بہنوں (علیہم السلام) کو خط لکھا کرتی تھیں۔ اور جب خط لکھ کر فارغ ہو جاتی تھیں تو والدین اور بہن بھائیوں کی جگہ خود ہی خط پڑھ کر رویا کرتی تھیں۔ راستے چلتے لوگ یہ نوحہ اور بکا سنتے ہوئے گزر جاتے تھے۔ ایک روز ایک دیہاتی شخص اس گلی سے گزرا اور اُنکے جدائی کے بین اور رونائے کو رک گیا، دل بھرا آیا روتا رہا۔ پھر لوگوں سے معلوم کیا کہ یہ رونے والی بچی کون ہے؟ جب معلوم ہوا کہ یہ بچی امام علیہ السلام کی بیٹی ہے اور اپنے ماں باپ اور خاندان کی جدائی میں رویا کرتی ہے۔ پھر اس شخص نے بہت زور سے کہا کہ میرا اسلام ہو تم پر اے خانوہ نبوت و رسالت! میں بیابانی آدمی ہوں اور کر بلا جانے کا ارادہ رکھتا ہوں کیا آپکو کوئی ضرورت ہے اور میں آپکے کام آسکتا ہوں؟ آواز اتنی بلند تھی کہ حضرت فاطمہؑ صغریٰ نے رونے کے باوجود سُن لی۔ دروازے کے پاس آئیں سلام کا جواب دیا اور بتایا کہ میں حسین علیہ السلام کی بیٹی ہوں۔ جب والد صاحب مدینہ سے جا رہے تھے تو میں بیمار تھی اسلئے مجھے حضرت ام سلمہؓ زوجہ رسول اللہ کے سپرد کر گئے تھے۔ اب مجھ میں اُنکی جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کی طاقت نہیں رہی ہے۔ میں نے اُنکے نام ایک خط لکھا ہے اور مجھے ایسے نیک شخص کی ضرورت ہے جو میرا خط میرے والد کو پہنچا دے۔ چنانچہ اُس شخص نے وہ خط اُن سے لے لیا اور عاشور کے روز اُس وقت کر بلا میں پہنچا جب کہ امام میدان جنگ میں تھے۔ چنانچہ وہ خط امام کے سپرد کر دیا۔ امام نے خط کا مضمون پڑھا تو بہت بے قرار ہو کر روئے پھر اس خط کو لئے ہوئے خیام میں آئے اور صغریٰ کا خط سنایا تو اہل حرم میں فریاد و واویلا اور رونے کا کھرام برپا ہو گیا۔ لیکن اس قاصد کا پتہ نہ چلا کہ وہ کوئی فرشتہ تھا یا آدمی تھا؟ وہ میدان جنگ میں شہید ہو گیا یا زندہ واپس چلا گیا۔“

(11)۔ زعفران میدان کر بلا میں نصرت کے لئے حاضر ہوتا ہے

وعن بعض كتب المقتل عن نور الأئمة عليهم السلام أنه لما أراد أن يحمل عليهم فإذا على غبار وظهر منه شخص مهيبٌ على مركب عجيبٌ و سلم على الامام وعلى جدّه و ابيه و امة فردّ عليه السلام جواب سلامه وقال من أنت وتسلم في هذه الحالة على المظلوم الغريب؟ فقال يابن رسول الله انا زعفران الزاهد سلطان الجن وعسكري في هذه البادية ولقد اعطى ابوك حين غزى مع الجن في بئر العلم السلطنة لابي وبعد وفاته قد انتقلت الى فاذا نحن لنا ان نحارب مع اعدائك هو لاء؟ قال عليه السلام لافانكم ترونهم ولا يرونكم۔ قال فنحن نتصور بصورهم ان قتلنا كُنّا شهداء في سبيلك۔ فقال جزاك الله خيرا يا زعفران فاني سمعت من الدنيا ورايت في الطفت اني القى الله في هذا اليوم شهيدا مجداً فارجع ولا تتعرض لهُؤ لاء القوم فرجع۔ (أكبر العبادات۔ صفحہ 406)

حالات کر بلا کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب امامؑ نے دشمنوں پر پھر حملے کا ارادہ کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک غبار کا بگولا نمودار ہوا اور اُس میں سے ایک بہت خوفناک صورت کا شخص ایک عجیب گھوڑے پر سوار نظر آیا۔ امامؑ پر اور اُن کے دادا، والد اور والدہ پر سلام بھیجا۔ امامؑ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور پوچھا کہ بھائی تم کون ہو جو اس حالت مظلومی اور بے کسی میں بھی مجھے سلام کرتے ہو؟ اُس نے کہا کہ اے فرزند رسولؐ میں زعفران زاهد ہوں اور جنوں کا بادشاہ ہوں۔ اور میری افواج یہیں اسی جنگل میں موجود ہیں۔ جس زمانہ میں آپؐ کے والد نے مشہور کنوئیں پر جنوں سے جنگ کی تھی تو اُن کی حکومت انہوں نے میرے والد کو عطا کی تھی۔ والد کی وفات کے بعد حکومت مجھے مل

گئی ہے۔ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم آپ کی نصرت میں ان دشمنانِ خدا و رسولؐ سے جنگ کریں۔ اور جو ہم میں سے قتل ہو جائے وہ آپؐ کی راہ میں شہادت کا درجہ حاصل کر لے۔ امامؑ نے فرمایا کہ مشکل یہ ہوگی کہ تم انہیں دیکھ سکتے ہو اور وہ تمہیں دیکھ نہ سکیں گے۔ زعفرانے عرض کیا کہ حضور ہم آدمیوں کی صورت میں تبدیل ہوئے جاتے ہیں پھر تو انہیں دقت نہ ہوگی۔ اب آپؐ نے فرمایا کہ بھائی میں دنیا سے بالکل فارغ ہو چکا ہوں اور یہیں اسی میدان میں اور آج ہی اللہ سے ملاقات کرنے والا ہوں۔ لہذا تم واپس چلے جاؤ اور اس قوم سے کوئی تعارض نہ کرو۔ زعفران نے سلام کر کے رخصت ہو گیا امامؑ کی دعا ساتھ لے گیا۔

(12)۔ پھر گھمسان کی جنگ اور اتمامِ حجت اور صحیح جواب

آپؐ نے دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام یزیدی افواج کو کس طرح اُلٹ کر منتشر کر دیتے تھے کہ سردار، فوج کے سپاہیوں کی تلاش کرتے پھرتے تھے اور سپاہی اپنی فوج کے سرداروں کو ڈھونڈتے رہتے تھے۔ اور یوں سابقہ ترتیب کو دوبارہ حاصل کرنے میں بہت دیر اور دقت پیش آتی تھی۔ اور امام علیہ السلام کا ہر دوسرا حملہ سرداروں کی اس دقت کو زیادہ سے زیادہ کرتا جا رہا تھا۔ چنانچہ گزشتہ حملہ کے بعد فوجوں کے جمع ہونے اور بھاگے ہوئے سپاہیوں کے اپنی اپنی فوج میں پہنچنے اور قتل شدہ تعداد معلوم کرنے اور اُس کمی کو پورا کرنے کی رپورٹ عمر بن سعد کو دینے اور مزید کمک لینے میں جو دیر لگی، اُس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ امامؑ نے حضرت فاطمہ صغریٰ علیہا السلام کا خط پڑھا، خیم میں آئے وہاں خط سنایا۔ مجلس گریہ و زاری کے بعد اہل حرمؑ کو تسلی دے کر میدان میں آئے اور یہاں زعفران سے گفتگو ہوئی، اُسے سمجھا کر جزاک اللہ کہہ کر واپس کیا۔ اس کے کہیں بعد فوجیں کنٹرول میں آئیں اور حملہ آور ہوئیں۔

ثُمَّ تَوَجَّهَ إِلَى قِتَالِ أَعْدَائِهِ فَقَتَلَ مِنْهُمْ مَقْتَلَتَهُ عَظِيمَتَهُ وَجَدَلْ أَبْطَالًا وَنَكَسَ فِرْسَانًا وَقَتَلَ مِنْهُمْ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ الْفِ ثَمَانِيَةً وَخَمْسِينَ نَفَرًا - ثُمَّ وَقَفَ قِبَالَةَ الْقَوْمِ وَسَيْفُهُ مُصَلَّتٌ فِي يَدِهِ، آيِسًا مِنَ الْحَيَاةِ عَازِمًا عَلَى الْمَوْتِ وَهُوَ يَقُولُ: أَنَا ابْنُ عَلِيٍّ الطَّهْرُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ - كَفَانِي بِهَذَا مَفْخَرًا حِينَ أَفْتَحَ - وَجَدَى رَسُولَ اللَّهِ أَكْرَمَ مَنْ مَضَى - وَنَحْنُ سِرَاجُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ نَزْهَرٌ - وَقَاطِمَةُ أُمِّي مِنْ سَلَالَةِ أَحْمَدٍ - وَعَمِّي يُدْعَى ذَا الْجَنَاحَيْنِ جَعْفَرٌ - وَفِينَا كِتَابُ اللَّهِ أَنْزَلَ صَادِقًا - وَفِينَا الْهَدْيُ وَالْوَحْيُ بِالْخَيْرِ يَذْكُرُ - وَنَحْنُ أَمَانُ اللَّهِ لِلنَّاسِ كُلِّهِمْ - نَسِيرُ بِهَذَا فِي الْأَنَامِ وَنَجْهَرُ - وَنَحْنُ وُلَاةُ الْحَوْضِ نَسْقِي وَلَا تَنَاسُ - بَكَاسُ رَسُولُ اللَّهِ مَالِيسَ يُنْكَرُ - وَشَيْعَتُنَا فِي النَّاسِ أَكْرَمُ شَيْعَةٍ - وَبُغْضُنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَخْسَرُ - فَطُوبَى لِعَبْدٍ زَارَنَا بَعْدَ مَوْتِنَا - بِجَنَّةٍ عَدْنٍ صَفْوَهَا لَا يَكْذُرُ - أَيُّهَا النَّاسُ خَبَرُونِي هَلْ تَطْلُبُونِي بِقَتْلِ قَتْلَتِهِ مِنْكُمْ أَوْ بِقِصَاصٍ مِنْ جِرَاحَةٍ وَبِمَالِ اسْتِمْلَكْتِهِ مِنْكُمْ أَعْلَى سُنَّةٍ غَيْرِ تَهَا أَمْ عَلَى شَرِيعَةٍ فَرَضَ بَدَلْتُهَا؟ قَالَ فَسَكُّتُوا أَوَّلًا يَقْبَلُوا هَذَا الْقَوْلَ مِنْهُ وَفِي خَبَرِ أَبِي مُخَنِفٍ فَقَالُوا نَقَاتِلْكَ بِغَضَّةٍ لِابْنِكَ وَمَا فَعَلَ بِأَشْيَا خِنَا يَوْمَ بَدْرٍ وَحُنَيْنٍ - (أكسير العبادات - صفحہ 408، 405)

اور امام علیہ السلام نے پھر تلوار بلند کی اور بجلی کی طرح افواج کے طول و عرض اور گہرائی پر چھا گئے۔ بہادرانِ شام اور شجاعانِ عرب تلوار سے سر چھپاتے بے تحاشہ دوڑتے پھرتے تھے لیکن تلوار تھی کہ جرأت و جسارت کی جدھر سے بڑھتی تھی وہاں قیامت برپا کر دیتی تھی۔ چنانچہ امامؑ نے اُسی روز اس حملہ میں ایک ہزار اٹھاون (1058) فوجی سوراقتل کئے اور فوج کے سامنے اُس لاپرواہی اور اطمینان سے کھڑے ہوئے جو ایک ایسی ہستی کے شایانِ شان ہے جو دنیا اور متعلقاتِ دنیا سے فارغ اور موت کا متمنی ہو۔ وہ تلوار کو زمین پر ٹکا کر اس

انداز سے فوج کو مخاطب کرتے ہیں کہ اگر حملہ ہو تو فوراً جوابی کاروائی کر سکیں۔ تلوار سے دشمنوں کا خون بہہ کر زمین میں جا رہا تھا۔ اور آپ فرما رہے تھے کہ میں علیؑ کا بیٹا ہوں جو ہاشمؑ کی اولاد میں ساری دنیا سے افضل ہیں اور مقامِ مقابلہ میں مجھے یہ فخر بہت کافی ہے۔ اور میرے جد رسول اللہؐ ہیں جو گزشتہ و آئندہ مخلوقات میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ اور ہم اللہ کے روشن کئے ہوئے چراغ ہیں جو روئے زمین کو روشن کرتے ہیں۔ اور میری ماں احمدہؓ مصطفیٰ کی نسل کی بنیاد اور خلاصہ ہیں۔ میرے چچا وہ ہیں جنہیں دو (2) خداداد پردوں والا جعفر کہا جاتا ہے۔ ہم ہی میں اللہ کی کتاب حق و صداقت لے کر نازل ہوئی ہے۔ اور ہم ہی میں ہدایت اور وحی کو محدود کر کے ذکرِ خیر کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ ہم ہی تمام نوع انسان کے لئے اللہ کی امان ہیں اور تعلیماتِ خداوندی کی تبلیغ تمام صاحبانِ حیات میں ہم ہی کرتے پھرتے ہیں۔ ہم حوضِ کوثر کے حاکم ہیں اور ہم ہی رسول اللہ کی طرف سے سب کو پلائیں گے اس کا انکار کوئی نہیں کر سکتا۔ ہمارے شیعہ ہی باقی لوگوں کے شیعوں سے افضل و اعلیٰ و برحق ہیں۔ ہمارا بغضِ قیامت میں لوگوں کو بہت خسارے میں رکھے گا۔ مبارک ہو اس بندے کو جو ہماری موت کے بعد ہماری زیارت کرے۔ یہاں اور جنتِ عدن میں جہاں کی شفافیت کبھی گدی نہیں ہوتی۔ اے لوگو مجھے بتاؤ کیا تم اپنے کسی مقتول کے بدلے میں مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ یا کسی کو زخمی کرنے کا بدلہ لینا چاہتے ہو یا میں نے کسی کا مال چھین لیا ہے جس کی سزا دینا چاہتے ہو؟ یا میں نے رسول کے کسی قانون کو بدل دیا ہے؟ یا میں نے شریعت کے کسی فرض کو تبدیل کر دیا ہے۔ راوی نے کہا کہ یہ سب کچھ یزیدی فوج نے چپ چاپ سنا لیکن کوئی مفید جواب نہ دیا۔ علامہ ابو جعفر کے مطابق جو جواب ملا وہ یہ تھا کہ ہم آپ سے اُس غصہ کی وجہ سے جنگ کر رہے ہیں جو تمہارے والد نے جنگِ بدر و حنین میں ہمارے بزرگوں کو قتل کر کے بھر دیا تھا۔

(13)۔ امام حسین علیہ السلام پھر حملہ کرتے ہیں قتل عام میں بھی مومنین کا تحفظ

آخر مخالفین کا مذہب ظاہر ہو گیا وہ مشرک معاشرہ کے طرفدار تھے۔ انہوں نے اسلام کو اس طرح تبدیل کر کے اختیار کیا تھا (یونس 10/15) کہ وہ ابوسفیان اور مشرکین عرب کے منصوبے اور پالیسیوں کی تائید و تنفیذ کر سکیں اور اسی بنا پر جنگِ بدر واحد و خندق و حنین کے مشرک مقتولوں کا انتقام علیؑ اور اولاد علیؑ سے لینا ضروری سمجھتے تھے۔ اُن کے اسلام میں ہر وہ عمل جائز تھا جس سے اولاد علیؑ تباہ کی جاسکے۔ لیکن علیؑ اور ان کی اولاد اُن کافروں اور مشرکوں کو بھی قتل نہ کرتے تھے۔ جن کی نسل میں کوئی مومن پیدا ہونے والا تھا۔ یہی طرزِ عمل امام حسین علیہ السلام نے کر بلا میں بھی برقرار رکھا ہے:-

فی کتاب المجلی روی أنّ الحسین علیہ السلام کان یوم الطّف اذا حمل علی لشکر ابن زیاد یقتل بعضاً و یتبرک آخرین مع تمکّنه من قتلہم فقیل له ذلک فقال علیہ السلام کشف عن بصری فأبصرْتُ النطفَ الّتی فی اصلاہم - فَصَرَفْتُ عَمَّن یخرج من نطفته من هو امن اهل الایمان فترکتہ عن القتل لاستخلاص تلک الذریۃ منه - ورايتُ من لم یخرج منه نطفته صالحۃ فقتلته فی بعض الکتاب أنّ زین العابدین علیہ السلام قال رایت کافراً قد ضرب فی خاصرة ابی برمحہ فلم یقتلہ ابی فلما انتقلت الامامۃ الیّی عرفت أنّ ذلک الکافر کان فی صلبہ من یحُبنا اهل البیت - (اکسیر العبادات - صفحہ 407)

”کتاب مجلی میں ہے کہ روایت کیا گیا ہے کہ کر بلا میں جب امام حسینؑ لشکر ابن زیاد پر حملہ کرتے تھے تو بعض لوگوں کو بے دریغ

قتل کرتے تھے۔ اور بعض کو قابو میں ہوتے ہوئے بھی قتل نہ کرتے تھے۔ بتایا گیا کہ امامؑ سے وجہ معلوم کی گئی تو فرمایا کہ میری آنکھوں سے پردے ہٹائے گئے ہیں میں اُن لوگوں کے صُلبوں کو دیکھ سکتا ہوں۔ چنانچہ جس سے کوئی اہل ایمان پیدا ہونا ہوتا ہے میں اُسے قتل نہیں کرتا ہوں۔ تاکہ اُس سے وہ نطفہ نکل کر آگے بڑھ جائے اور وہ اہل ایمان ذریت وجود میں آسکے۔ لیکن جس شخص سے قیامت تک کوئی مومن پیدا ہی نہ ہونا ہوا اُسے قتل کر دیتا ہوں۔ بعض کتابوں میں ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ اُس نے میرے والد کی کمر میں نیزہ مارا مگر بابا جان نے اُسے قتل نہ کیا جب امامت مجھے ملی تو مجھے معلوم ہو گیا کہ اُس کافر سے حُبِ اہلبیت نے پیدا ہونا تھا۔

(14)۔ خیامِ حسینیؑ پر افواج کا ہجوم کرنا اور امامؑ کے للکارنے سے فوجوں کا ہٹ جانا

پھر دورانِ جنگ ایسا وقت آ گیا کہ یزیدی افواج امام علیہ السلام اور خیموں کے درمیان حائل ہو گئیں اور پھر امامؑ پر لازم ہو گیا کہ فوجوں کو خیام سے ہٹانے کے لئے وہی بے پناہ حملہ کریں جس میں ہزار ہا سپاہیوں کو قتل کرنا ضروری تھا۔

قال ابن ابی طالب وصاحب المناقب والسید ابن طاووس۔ فصاح علیہ السلام بهم وبمحکم یاشیعة آل ابوسفیان ان لم یکن لکم دین وکنتم لاتخافون المعاد فکونوا احراراً فی دنیا کم وارجعوا الی احسابکم ان کنتم عرباً؟ فناده شمر فقال ماتقول یا ابن فاطمة؟ قال اقول انا الذی اقاتلکم وتقاتلونى والنساء لیس علیهن جناح فامنعوا اعتا تکم عن التعرض لحرمی مادمت حیاً۔ فقال الشمر لک ذلک یا ابن فاطمة ثم صاح الشمر الیکم عن حرم الرجل فاقصد وہ فی نفسه فلعمری لھو کفو کریم قال فقصد وہ القوم۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 407)

علامہ ابن ابیطالب اور صاحب المناقب اور ابن طاووس نے لکھا ہے کہ پھر امامؑ نے اُن کو للکار کر کہا کہ اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے اور تم قیامت کی باز پرس اور جزا و سزا کے بھی قائل نہیں ہو تو کم از کم شریف عربوں کے طریقہ پر چلو اور حُریتِ ضمیر ہی کو اختیار کر لو تاکہ تم جنگی نہ کہلا سکو؟ شمر ملعون نے امامؑ سے پوچھا کہ آپ نے یہ کیا طعن کیا ہے؟ فرمایا کہ جنگ مجھ میں اور تجھ میں ہے اور ہم آپس میں برسرِ قتال ہیں۔ یہ کیا شرافت ہے کہ عورتوں کو پریشان کیا جائے۔ اپنے ان فوجیوں کو کہو کہ اہل حرم کی طرف سے ہٹ جائیں اور مجھ سے لڑیں۔ جب تک میں زندہ ہوں اُدھر کوئی نہ جانے پائے۔ شمر نے کہا کہ مجھے آپ کی یہ بات منظور ہے۔ اس کے بعد شمر نے اہل حرم کی سمت والی فوج کو للکارا کہ اُدھر سے سب ہٹ جائیں اور صرف حسینؑ سے سروکار رکھیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ سن کر تمام افواج درمیان سے ہٹ گئیں۔ اور امام حسین علیہ السلام پر ٹوٹ پڑیں۔

ثُمَّ حَمَلَ کَاللَّیثِ کَالْمَغْضَبِ فَجَعَلَ یَضْرِبُ فِیْهِمْ یَمِینًا وَشِمَالًا وَلَا یَلْحَقُ مِنْهُمْ اَحَدٌ اِلَّا یَعِجُّهُ بِسِیْفِهِ وَیَقْتُلُهُ وَالسَّهَامُ تَاخِذُهُ مِنْ کُلِّ نَاحِیَةٍ وَهُوَ تَبْقِیْہَا بَنَحْرِهِ وَیَقُولُ یَا اُمَّةَ السُّوءِ بِسْمَا خَلَقْتُمْ مُحَمَّدًا فِی عَتْرَتِهِ اَمَانُکُمْ لَنْ تَقْتُلُوْا بَعْدَیْ عَبْدِ اللّٰهِ فَنَہَاوْا قَتْلَهُ بَلْ یُھَوِّنُ عَلَیْکُمْ عِنْدَ قَتْلِکُمْ اِیَّیْ وَ اِیْمَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَا رَجْوَانَ یُکْرِمُنِیْ رَبِّیْ بِالشَّہَادَةِ بِھَوَانِکُمْ ثُمَّ یَنْتَقِمُ لِی مِنْکُمْ مِنْ حَیْثُ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ قال فصاح بہ الحصین بن مالک السکونی فقال یابن فاطمة بماذا ینتقم لک مِنّا؟ قال یلقی باسکم بینکم ولسیفک دماء کم ثم یصّب علیکم العذاب الالیم ثُمَّ لَمْ یَزَلْ یَقَاتِلُ حَتّٰی اصَابَتْہُ جَرَاحَاتٌ عَظِیْمَةٌ۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 409)

پھر امامؑ ایک غضبناک شیر کی طرح تڑپ کر افواج پر گرے اور داہنے بائیں جو سامنے آتا تھا اُسے تلوار سے ذبح کرتے جاتے تھے۔ ساتھ ہی حضورؐ پر ہر جانب سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور آپ کے سینہ و گردن میں تیر پیوست ہوتے جا رہے تھے۔ اور آپ یہ فرماتے جا رہے تھے کہ اے بدترین اُمت تم نے رسولؐ کی اولاد اور عترت کے ساتھ بھی بدترین سلوک کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ مجھے قتل کر کے پھر کسی بھی بندہ خدا کو قتل نہ کرو گے۔ اور مجھے قتل کرنے کے بعد درحقیقت تم بے گناہوں کی گردنیں مارنے میں زیادہ جری ہو جاؤ گے۔ اور میں تو اپنے عہد کے مطابق اللہ سے درجہ شہادت پر فائز ہونے کا امیدوار ہوں۔ مگر اللہ تم سے بہت جلد میرا انتقام لے گا۔ اور تمہیں اُس انتقام سے بچ نکلنے کا نہ شعور ہوگا نہ پتہ چلے گا۔ اس پر حصین بن مالک نے پکارا کہ اے فاطمہؑ کے بیٹے بتاؤ کہ اللہ ہم سے کس طرح تمہارا انتقام لے گا؟ امامؑ نے فرمایا کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہو جاؤ گے۔ اور لڑ کر ایک دوسرے کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے اور پھر بھی اللہ تمہیں عذاب دردناک کی مستقل سزا دے گا۔ یہ کہہ کر بدستور امامؑ نے حملہ پر حملہ جاری رکھا اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے جسم پر خطرناک حد تک زخم آ گئے اور ضعف طاری ہو گیا۔

(15)۔ امام مظلومؑ کی آخری رخصت اور شہادت کے لئے میدان جنگ میں آمد

مومنین آخروہ گھڑی آئینچی جب فاطمہؑ کے لاڈ لے نے تلوار میدان میں رکھ لی ہے۔

فَإِنَّمَا هُوَ وَأَقِفْ إِذَا تَاهَ حَجَرُ فَوْقَ فِي جِهَتِهِ فَاحْذِ الثُّوبَ لِيَمْسَحَ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ فَاتَاهُ سَهْمٌ مَحْدَدٌ مَسْمُومٌ لَهُ ثَلَاثُ شُعَبٍ فَوْقَ السَّهْمِ فِي صَدْرِهِ وَفِي بَعْضِ الرِّوَايَاتِ فِي قَلْبِهِ فَقَالَ الْحُسَيْنُ بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ وَرَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ وَقَالَ إِلَهِي أَنْكَ تَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقْتُلُونَ رَجُلًا لَيْسَ عَلَيَّ وَجْهُ الْأَرْضِ ابْنَ نَبِيِّكَ غَيْرِهِ - ثُمَّ اخَذَ السَّهْمَ فَأَخْرَجَهُ مِنْ قَفَاهُ فَانْبَعَثَ الدَّمُ كَالْمِيزَابِ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى الْجَرْحِ فَلَمَّا امْتَلَأَتْ رَمَى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ فَمَارَجَعَ مِنْ ذَلِكَ الدَّمِ قَطْرَةٌ - ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ ثَانِيًا فَلَمَّا امْتَلَأَتْ لَطَخَ بِهَا رَأْسَهُ وَلَحِيَّتَهُ وَقَالَ هَكَذَا أَكُونُ حَتَّى أَلْقَى جَدِّي رَسُولَ اللَّهِ وَأَنَا مَخْضُوبٌ بِدَمِي وَأَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَلَانٌ وَ قَلَانٌ - ثُمَّ ضَعَفَ فَوْقَ - فَكَلَّمَا اتَاهُ رَجُلٌ وَانْتَهَى إِلَيْهِ أَنْصَرَفَ عَنْهُ حَتَّى جَاءَهُ رَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ يُقَالُ لَهُ مَالِكُ بْنُ الْيَسْرِ فَشَتَمَ الْحُسَيْنَ فَضْرَبَهُ بِالسَّيْفِ عَلَى رَأْسِهِ وَعَلَيْهِ بُرْنَسٌ فَمَاتَ دَمًا فَقَالَ لَهُ الْحُسَيْنُ لَا أَكُلْتُ بِهَا وَشَرَبْتُ وَحَشْرُوكَ مَعَ الظَّالِمِينَ ثُمَّ أَلْقَى الْبُرْنَسَ مِنْ رَأْسِهِ ثُمَّ جَاءَ إِلَى الْخِيَامِ وَطَلَبَ خُرْقَةً فَلَمَّا آتَاهُ بِهَا شَدَّهَا عَلَى جِرَاحَتِهِ وَلَبَسَ فَوْقَهَا قَلَنْسُوَةً وَاعْتَمَّ عَلَيْهَا - فَنَادَى فِي تِلْكَ الْحَالَةِ يَا زَيْنَبُ يَا مَ كُلُّوْهُمُ وَيَا سَكِينَةَ يَا رَقِيَّةُ يَا فَاطِمَةَ عَلَيْكُنَّ مِنِّي السَّلَامُ - فَلَمَّا سَمِعَتْهُ زَيْنَبُ بَكَتُ وَجَرَى الدَّمُ مِنْ عَيْنَيْهَا وَنَادَتْ وَاحِدُ تَاهَ أَقْلَةً نَاصِرَاهُ وَأَسْوَأَ مَنَقَلْبَاهُ وَالْأَشْوَمَ صَبَاحَاهُ فَشَقَّتْ ثَوْبَهَا وَنَشَرَتْ شَعْرَهَا وَلَطَمَتْ عَلَى وَجْهِهَا - فَقَالَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَهْلًا لَهَا يَا بِنْتَ مَرْتَضَى إِنَّ الْبَكَاءَ طَوِيلٌ فَارَادَ أَنْ يَخْرُجَ مِنَ الْخِيَمَةِ فَلَصَقَتْ بِهِ زَيْنَبُ فَقَالَتْ مَهْلًا يَا أَخِي تَوَقَّفْ حَتَّى أَزُوِّدَ مِنْ نَظَرِي وَأُوَدِّعَكَ وَدَاعٍ مَفَارِقَ لَا تَلَاقَ بَعْدَهُ فَمَهْلًا يَا أَخِي قَبْلَ الْمَمَاتِ هَنِيئَةً لَتَبَرِدَ لَوْعَةٌ وَغَلِيلٌ فَجَعَلَتْ تَقْبَلُ يَدَيْهِ وَرَجْلَيْهِ وَأَخْطَنَ بِهِ سَائِرَ النِّسْوَانِ وَيَقْبَلُنَ يَدَهُ وَرَجْلَهُ - (أكسير العبادات - صفحہ 422)

اور اب دشمنوں کے سامنے اس طرح کھڑے ہیں کہ جس کا جہاں دل چاہے تلوار و نیزہ و برچھی مارے۔ لیکن دشمنوں پر اس قدر خوف و ہراس طاری ہے کہ کوئی نزدیک نہیں آتا۔ دُور سے تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر رہے ہیں۔ آپ کھڑے ہوئے تھے اور چاروں

طرف سے تیرا آ کر جسم کو چھلنی کر رہے تھے کہ کسی نے آپ کی پیشانی پر پتھر مارا اور خون بہہ کر آنکھوں میں بھر گیا تو آپ نے رومال سے چہرہ کو صاف کرنا شروع کیا۔ تو اچانک ایک لوہے کا تین پھلوں والا زہر میں بجھا ہوا تیرا آپ کے سینے میں دل پر لگا۔ آپ نے بسم اللہ پڑھی اللہ کو یاد کیا اور ملت رسولؐ پر ہونے کا اعلان فرمایا اور آسمان کی طرف سر بلند کر کے فرمایا کہ اے اللہ تو جانتا ہے یہ لوگ ایسے شخص کو قتل کر رہے ہیں جو اس دنیا میں تیرے نبیؐ کا ایک ہی بیٹا ہے۔ پھر آپ نے تیر کو پکڑ کر کمر کی طرف سے کھینچ کر نکال دیا۔ اور خون کا فوارہ پرنالے کی طرح نکلنا شروع ہوا تو آپ نے زخم کے نیچے ہاتھ رکھ دیا۔ جب خون سے چلو بھر گئی تو اُسے آسمان کی طرف پھینک دیا۔ خون کا ایک قطرہ بھی واپس نہ آیا۔ پھر دوبارہ چلو بھر کر خون کو اپنے سر اور ریش پر لیا۔ اور فرمایا کہ میں اسی حالت میں رہوں گا یہاں تک کہ اپنے دادا رسول اللہ سے اپنے خون سے خضاب کئے ہوئے ملاقات کروں اور بتاؤں کہ مجھ پر فلاں اور فلاں نے مظالم کئے اور یہ خون بہایا۔ پھر آپ کو کمزوری محسوس ہوئی۔ آپ کھڑے تھے کہ ایک شخص قریب آیا مگر وار کرنے کی ہمت نہ ہوئی چلا گیا۔ پھر قبیلہ کندہ کا مالک بن یسر آیا۔ اس ملعون نے آپ کے سر پر تلوار مار دی جس سے سر پھٹ گیا اور ٹوپی خون سے بھر گئی۔ امامؑ نے فرمایا کہ تمہیں ان ہاتھوں سے کھانا پینا نصیب نہ ہو۔ اور اللہ تجھے ظالموں میں شمار کرے۔ پھر آپ نے ٹوپی اتار کر پھینک دی اور خیام میں آ کر کوئی کپڑا مانگا۔ اس سے سر کے زخم کو باندھا اور اوپر سے کنٹوپ پہن لیا۔ اوپر سے بی باندھ لی۔ اور اس حالت میں آپ نے اہل حرم کو نام بنام آواز دی کہ اے بہن زینبؓ و کلثومؓ اے بیٹی سیکھنے اے رقیہؓ اے فاطمہؓ کبریٰؓ تم سب پر میرا آخری سلام ہو۔ اپنے بھائی کا آخری سلام سنتے ہی حضرت زینبؓ تڑپ کر رہ گئیں، آنکھوں سے آنسو برسے لگے۔ اہلبیتؑ رسولؐ کی تنہائی، پردیس میں بھائی کے بعد بے بس و بے کس رہ جانا، کسی مددگار و طرفدار کا نہ ہونا اور اس بدترین انقلاب سے مقابلہ کرنا اور روز عاشورہ کی نامبارک صبح یہ سب حالات نظروں کے سامنے پھر گئے۔ بی بیؑ نے اپنے بال کھول ڈالے۔ اپنا سر و سینہ اور منہ پیٹتی ہوئی بھائی کے پاس آئیں تو امامؑ نے فرمایا اے بہن ذرا سنبھلو آپ کو تو ابھی بہت عرصے تک رونا ہے یوں ایک دم سے بے قرار نہ ہو جاؤ۔ تم تو علیؑ مرتضیٰؑ ایسے بہادر انسان کی بیٹی ہو۔ تمہیں تو تمام خواتین اور بچوں کو سنبھالنا ہے۔ یہ کہہ کر امامؑ چاہتے تھے کہ خیمہ سے نکل کر میدان میں آ جائیں مگر حضرت زینبؓ لپٹ گئیں اور فرمایا کہ بھیا ذرا ٹھہرو مجھے اتنا موقع دو کہ میں اپنی نظروں کی پیاس بجھا لوں۔ ذرا آپ کی یہ دردناک تصویر آنکھوں میں بٹھالوں تاکہ مجھے اپنا دکھ درد فراموش ہو جائے۔ بھیا ذرا ٹھہرو میں آپ کو دل بھر کے وداع کر لوں۔ بھیا آپ کی جدائی بڑی طویل ہوگی۔ اب تو مرنے کے بعد ہی آپ سے ملاقات نصیب ہوگی۔ اس لئے اے میرے مظلوم بھائی آؤ میں تمہیں مرنے والوں کی تمنائوں کے ساتھ وداع کروں۔ اے بھیا جلدی نہ کرو ذرا اتنی دیر اور ٹھہرو کہ میں اپنے سینے میں بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کر لوں۔ اپنے دل میں اُمند تے ہوئے طوفانِ غم و الم کو سہارا دے لوں۔ پھر دکھیا بہن سامنے بیٹھ گئیں اور امامؑ کے ہاتھوں اور پیروں کو چومنا اور آنکھوں سے ملنا شروع کیا۔ اُدھر تمام اہل حرم، بہنیں، بیٹیاں اور دیگر خواتین نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور حضرت زینبؓ کی طرح ہاتھوں اور پیروں کو چومنا شروع کیا۔ آہ و وایلا کا شور تھا۔ امامؑ باری باری سب کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں حضرت سیکھنے کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ غالباً بابا کے تمام جسم کو زخموں سے چور چور دیکھ کر گود میں بیٹھنے اور بابا سے لپٹنے سے مایوس ہو کر کہیں دور کھڑی ہوں گی۔ اور بزرگ عورتوں کو وداعی کا موقع دے رہی ہوں گی۔

(16)۔ میدان جنگ میں آخری آمد، دشمنوں کا طنز باطل کرنے کے لئے دریا پر قبضہ

امام مظلوم اپنی بہنوں، بیٹیوں، ازواج اور باقی اہل حرم سے کب اور کس طرح رخصت ہوئے؟ نہ یہ دل شکن صورتِ حال الفاظ کے قابو میں آسکتی تھی نہ لکھی گئی۔ بہر حال ایفائے عہد اور زورِ امامت تھا جو حضور کو پھر میدان میں لے آیا۔ تلوار میان میں رکھے ہوئے آپ دشمنانِ خدا و رسول کی زد پر کھڑے ہو گئے۔ پیر آتے تھے اور سابقہ زخموں میں سے سہولت سے گزر جاتے تھے۔ جو تیر نیازِ خم لگاتا تھا آپ اُسے کھینچ کر زخم کو اور کشادہ کر دیتے تھے۔ تاکہ دوسرے تیر آسانی سے گزر سکیں۔ ہر نئے تیر کو اسی طرح کھینچ کر نکالتے جاتے تھے۔ یہ وہ صبرِ آزما اور دردناک نظارہ تھا جو آسمان کی آنکھوں نے اس زمین پر پہلی اور آخری بار دیکھا۔ یہی وہ ہوشِ باسین تھا جو مومنین اور مجاہدانِ آلِ محمد کے قلوب پر چھا جاتا ہے تو اُنکے دماغ سے احساسِ درد و تکلیف محو کر دیتا ہے۔ ادھر اُس نظارہ کا سایہ جسم پر پڑتا ہے۔ ادھر تلوار اور چھریوں کے وار اور زخمِ ماتم کرنے والوں کو لذتِ آفرین معلوم ہونے لگتے ہیں۔ جسم سے خون کے فوارے چھوٹنے سے فداکارانِ اہلبیت کو سکونِ قلب اور قوتِ ایمانی ملتی ہے۔ امام قومی حکومت کی افواج کو عملاً دکھا رہے تھے کہ ہمیں اسلام اور قرآن کے مقابلہ میں اپنی جان، اپنا گوشت اور خون پیارا نہیں ہے۔ دشمن یہ سمجھ رہے تھے کہ اب تلوار اٹھانے کی سکت باقی نہیں ہے۔ شاید اب پانی کا لالچ دینے سے حسینؑ یزید کی اطاعت قبول کر لیں۔

وفی البحار قال له رَجُلٌ لَا تَرَى الْفِرَاتَ يَا حُسَيْنٌ كَأَنَّهُ بَطُونُ الْحَيَاتِ وَاللَّهُ لَا تَذُوقُهُ أَوْ تَمُوتُ عَطْشًا..... قَالَ أَبُو الْفَرَجِ الْأَصْفَهَانِيُّ جَعَلَ الْحُسَيْنُ يَطْلُبُ الْمَاءَ وَالشَّمْرَ يَقُولُ وَاللَّهُ تَرَوُهُ أَوْ تَرِدُ النَّارَ..... فَكَلَّمَا حَمَلَ بِفَرْسِهِ عَلَى الْفِرَاتِ حَمَلُوا عَلَيْهِ بِاجْمَعِهِمْ حَتَّى أَجْلَوْهُ عَنْهُ قَالَ ابْنُ شَهْرٍ أَشْرَبَ رَوَى أَبُو مُخَنَّفٍ عَنِ الْجَلُودِيِّ أَنَّ الْحُسَيْنَ حَمَلَ عَلَى الْأَعْوَرِ سَلْمَى وَعُمَرَ بْنِ الْحَجَّاجِ الزُّبَيْدِيَّ وَكَانَ فِي أَرْبَعَةِ الْأَفْ رَجُلٍ عَلَى الشَّرِيعَةِ فَهَزَّ مَهْمُ وَأَقْحَمَ الْفَرَسَ عَلَى الْفِرَاتِ فَلَمَّا أَوَّلَغَ الْفَرَسَ بَرَأْسَهُ لِيَشْرَبَ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهُ أَنْتَ عَطْشَانٌ وَأَنَا عَطْشَانٌ وَاللَّهُ لَا ذُقْتَ الْمَاءَ حَتَّى تَشْرَبَ. فَلَمَّا سَمِعَ الْفَرَسَ كَلَامَ الْحُسَيْنِ رَفَعَ رَأْسَهُ وَلَمْ يَشْرَبِ الْمَاءَ كَأَنَّهُ فَهَمَ الْكَلَامَ. فَقَالَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَشْرَبُ وَأَنَا أَشْرَبُ. فَمَذَّ الْحُسَيْنُ يَدَهُ فَعَرَفَ الْمَاءَ فَقَالَ لَهُ فَارَسٌ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ تَتَلَذَّذُ بِشَرَبِ الْمَاءِ وَقَدْ هَتَكَ حَرَمَكَ. - فَنَفَضَ الْمَاءَ مِنْ يَدِهِ وَحَمَلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْقَوْمِ فَكَشَفَهُمْ فَادَا الْخِيْمَةَ سَالِمَةً وَعَرَفَ أَنَّهَا خِدْيَةٌ مِنْهُمْ لِيَحْرَمُوهُ مِنْ شَرَبِ الْمَاءِ. (أكسير العبادات - صفحہ 407, 408, 409)

چنانچہ انہیں اُن کی پیاس یاد دلانے کے لئے ایک شخص نے کہا: اے حسینؑ کیا تم دریائے فرات کو نہیں دیکھتے کہ وہ صاف و شفاف ہونے میں سانپ کے پیٹ کی طرح چمکتا ہوا بہتا چلا جا رہا ہے۔ مگر سُوتَم اُس میں سے ایک قطرہ بھی نہ چکھ سکو گے اور یوں ہی پیاسے قتل کر دیئے جاؤ گے۔ علامہ ابوالفرج اصفہانی نے لکھا ہے کہ امام حسینؑ علیہ السلام نے پانی مانگنا شروع کیا تو شمر ملعون نے کہا (معاذ اللہ) قسم بخدا تمہیں جہنم میں جانے سے پہلے ہر گز پانی سے سیراب ہونا نہ ملے گا۔ یہ تھی وہ گھڑی جب افواج اور سردارانِ افواج کو یقین ہو گیا کہ اب حسینؑ میں چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کی بھی قوت نہیں ہے۔ اب وہ افواج کے محاصرہ کو توڑ کر دریا تک کیسے جاسکتے ہیں۔ یہی وقت تھا جب امامؑ پر لازم ہو گیا کہ ایک دفعہ پھر تلوار نکالیں اور دریا پر قبضہ کر کے دکھائیں کہ ہمیں پانی حاصل کرنے کی اس وقت بھی قدرت ہے۔ چنانچہ آپ نے دریا کی طرف بڑھنا شروع کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر فرات پر تشریف لائے تو نگرانِ فوج نے امامؑ پر حملہ

کر دیا۔ اور برابر اجتماعی حملہ جاری رکھا یہاں تک کہ امامؑ کو دریا سے دُور رکھتے رہے۔ علامہ ابن شہر آشوب نے کہا کہ علامہ ابو مخنف نے روایت کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے نگران افواج پر اور افواج کے دونوں سرداروں اعمور سلمیٰ اور عمر بن حجاج زبیدی پر سخت حملہ کیا اور اُس کنارے پر چار ہزار فوجی تھے اُن کو شکست دے کر دریا پر قبضہ کر لیا اور گھوڑے نے پانی کو دیکھ کر لگام کے دھاند کو چبانا اور پھولنا شروع کیا تاکہ پانی پیئے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ تُو بھی پیسا سا ہے اور میں بھی تیرے ساتھ پیسا سا رہا ہوں۔ خدا کی قسم جب تک تُو پانی نہ پی چکے گا میں پانی نہ چکھوں گا۔ جب گھوڑے نے امامؑ کی یہ شرط سنی تو سر بلند کر کے کھڑا ہو گیا اور پانی نہ پیسا جیسا کہ اُس نے امامؑ کی بات پوری طرح سمجھ لی تھی۔ اس پر امامؑ نے فرمایا کہ میری اجازت ہے۔ تم پانی پیو اور میں بھی پیتا ہوں۔ چنانچہ امامؑ نے پانی کا ایک چلو بھرا اور کلی کی ہی تھی کہ فوج کے ایک سوار نے کہا کہ آپؑ تو پانی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور آپؑ کے خیام میں اہل حرمؑ کی بے عزتی کی جارہی ہے۔ آپؑ نے پانی وغیرہ چھوڑا، تیزی سے باہر نکلے اور گھاٹ سے نکلتے ہی عمر سعد کی افواج پر ایسا حملہ کیا کہ فوجیں بھاگیں اور تتر بتر ہو گئیں۔ اب جو دیکھتے ہیں خیام بالکل محفوظ اور سلامت تھے۔ دشمنانِ اسلام نے اپنی دانست میں دریا کے گھاٹ سے ہٹانے کے لئے یہ چال چلی تھی کہ حسینؑ کو اہل حرمؑ کا نام لے کر دھوکہ دیا جائے اور اس طرح پانی پینے سے روک دیا جائے۔ مومنین جانتے ہیں کہ خیام اور اہل حرمؑ کا تحفظ ہی تو امامؑ کی شرعی ذمہ داری تھی۔

(17)۔ امام علیہ السلام دوبارہ دریا کے گھاٹ پر قبضہ کرتے ہیں

ہم یہ کہہ کر آگے بڑھے تھے کہ امامؑ مظلوم کو جس فکر نے آخری سانس تک پریشان رکھا وہ اہل حرمؑ کا تحفظ تھا۔ جس طرح تمام انصارانِ حسین علیہم السلام پر امامؑ اور اہل حرمؑ کا تحفظ واجب تھا اور جب تک اُن میں سے ایک بھی زندہ تھا امامؑ کو یا اولاد ابوطالب علیہم السلام کو گزند نہیں پہنچا۔ اور جس طرح اولاد ابوطالب علیہم السلام پر حسینؑ اور اولادِ حسینؑ کا تحفظ واجب تھا اور جب تک اُن میں سے کوئی بھی باقی تھا امامؑ اور اہل حرمؑ پر آئینہ تک نہ آنے دی۔ اور جس طرح اولادِ حسینؑ پر حسینؑ اور اہل حرمؑ کا تحفظ واجب تھا اور جب تک وہ سب شہید نہ ہو گئے امامؑ اور اہل حرمؑ کو اطمینان حاصل رہا۔ اُسی طرح اب امام علیہ السلام پر دخترانِ فاطمہؑ زہراء اور باقی اہل حرمؑ کا تحفظ واجب ہے۔ اور آپؑ دیکھیں گے کہ جب تک امامؑ مظلوم کے ہاتھ پاؤں چلتے رہے اہل حرمؑ کو گزند نہ پہنچے گا۔ یعنی میدانِ کربلا میں مقاصدِ حسینیؑ کو مکمل کرنے اور نتیجہ خیز بنانے کیلئے اہل حرمؑ سب سے قیمتی ذخیرہِ نبوت و رسالت تھے۔ بہر حال اہل حرمؑ کی توہین ناقابلِ برداشت بات تھی۔ اس لئے آپؑ فوراً دریا سے چل دیئے اور ایک دفعہ پھر یہ دکھا دیا کہ افواج کا ہڈی دل بادل کس طرح پھٹتا اور بکھرتا چلا جاتا ہے۔ چونکہ آپؑ کو یہ دکھانا تھا کہ میں جبراً پانی پی سکتا ہوں۔ میں پورے گھاٹ پر قبضہ کر سکتا ہوں۔ میں اور میرے رفقاء کا مجبوراً نہیں بلکہ اپنے اختیار اور رضامندی سے بھوکے پیاسے رہے ہیں۔ تاکہ وعدہ شہادتِ اعلیٰ ترین معیارِ خداوندی سے بڑھ کر پورا ہو جائے۔ وہ جانتے تھے کہ اُن کا گھوڑا تک پانی نہ پئے گا۔ مگر وہ لوگوں کو دکھانے اور دلیل قائم کرنے کے لئے گھوڑے کو لائے تھے اور ہزاروں دشمنوں نے دیکھا کہ دونوں نے اختیار رکھتے ہوئے، دریا پر قبضہ ہوتے ہوئے پانی نہ پیا۔ پانی منہ کے اندر تھا۔ صرف نگلنے کی دیر تھی اور ضرورت تھی۔ دشمنوں نے دیکھا کہ امامؑ نے غرہ کر کے پانی کی گھٹی کر دی۔ وہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ میں جو تم سے بار بار پانی مانگتا اور پانی کے لئے

طرح طرح کی اپیلیں کرتا رہا ہوں، وہ پیاس سے مغلوب ہو کر نہ تھیں۔ وہ اس لئے نہ تھیں کہ تم پانی دیتے تو میں یا میرے اہل خاندان یا صحابہ تمہارا دیا ہوا پانی پی لیتے۔ جس طرح ہمارا گھوڑا پانی میں کھڑا ہو کر پانی نہیں پیتا اُسی طرح ہمارے بچے تمہارا دیا ہوا پانی نہ پیتے۔ یہ سب اپیلیں اتمام حجت کے لئے تھیں۔ وہ سب باتیں تمہاری دشمنی کی انتہا دکھانے اور تمام نوع انسان میں تمہیں ملعون بنانے کے لئے تھیں۔ یہ دیکھو میں پھر دریا پر قبضہ کر کے دکھاتا ہوں تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ اتفاقی طور پر حسینؑ گھاٹ پر پہنچ گئے تھے۔ فوج غافل رہی ہوگی، کوئی پہرہ والا گروپ سو گیا ہوگا، ایسا نہیں ہوا۔

وَفِي بَعْضِ الرِّوَايَاتِ أَنَّهُ مَرَّةٌ أُخْرَى جَاءَ إِلَى الشَّرِيعَةِ وَغُرْفَ غُرْفَةِ مِنَ الْمَاءِ وَأَرَادَ أَنْ يَشْرِبَ فَتَذَكَّرَ عَطَشَ أَطْفَالِهِ وَنَسَاهُ فَصَبَّ الْمَاءَ وَلَمْ يَشْرِبْهُ - وَعَنْ رِيَاضِ الشَّهَادَةِ فِي الْخَبَرِ أَنَّهُ حِينَ خَرَجَ مِنَ الْمَاءِ وَوَصَلَ إِلَى الْخِيَامِ قَتَلَ أَرْبَعَمِائَةِ رَجُلٍ مِنْهُمْ - (أكسير العبادات - صفحہ 408)

بلکہ یہ بیانات موجود ہیں کہ آپ نے دوبارہ گھاٹ پر حملہ کر کے قبضہ کیا اور چٹو بھر کر منہ میں ڈالا اور ارادہ کیا کہ پانی پی لیں مگر بچوں اور عورتوں کی پیاس یاد آ گئی اس لئے پانی پھینک دیا اور نہ پیا۔ کتاب ریاض الشہادۃ میں روایت ہے کہ جب آپ دریا سے نکل کر خیام تک آئے تو آپ نے دشمن کی فوج کے چار سو ملائین کو تہ تیغ کیا تھا۔“

(18)۔ ہماری دو باتیں نوٹ کر لیں

پہلی بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا روایت میں راوی نے اپنے ذاتی خیال کو شامل کر دیا ہے۔ یعنی اُس نے نہ معلوم کس ذریعہ سے امام کے پانی پینے کے ارادہ کا پتہ لگا لیا؟ ارادہ تو ایک قلب و ذہن میں پوشیدہ چیز کا نام ہے۔ اور جب تک امام یا کوئی اور شخص یہ نہ کہے کہ میں نے پانی پینے یا فلاں کام کرنے کا ارادہ کیا تھا، کسی کو کسی کا ارادہ معلوم نہیں ہو سکتا۔ اُس نے یہ بھی کہہ دیا کہ امام کو بچوں اور مستورات کی پیاس یاد آ گئی اس لئے پانی نہ پیا۔ یہ بھی علم غیب کی اطلاع ہے اور راوی عالم الغیب نہ تھا۔ اُس نے قیاس سے کام لیا ہے جو باطل ہے۔ یاد آنا یا بھول جانا بھی ذہنی و قلبی افعال ہیں اور اُن پر بھی بلا بتائے اطلاع ناممکن ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر دریا سے خیام تک جانے میں چار سو فوجیوں کو قتل کرنا پڑا تو میدان جنگ سے دو دفعہ دریا کے گھاٹ پر قبضہ کرنے اور فوجوں کو بھگانے میں بھی کچھ لوگ مارے جانا چاہئیں؟ مگر ہمارے راوی اور اہل قلم حکومتوں یا فرصت کے اشاروں پر مختصر نویسی کرتے اور واقعات اور تفصیل کو چھپاتے چلے آئے ہیں۔ دریا پر دو دفعہ قبضہ کرنے میں کئی ہزار سپاہیوں کو قتل کئے بغیر چارہ نہیں تھا۔ افواج کھیاں نہیں ہوتیں کہ پھونک مارنے سے اڑ جائیں۔ وہاں تو بھاگنے والوں کا کورٹ مارشل ہوتا ہے اور قتل تک کی سزا دی جاتی ہے۔ لہذا فوج کے سپاہی بلا جان پر کھیلے بھاگ بھی نہیں سکتے اور جب بطور سزا بھی جان ہی دینا ہوگا تو وہ لڑ کر کیوں نہ مرے؟ اور کیوں بے عزتی مول لیں؟ کیوں نہ میدان جنگ میں جان پر کھیلیں کہ حکومت اُن کے پسماندگان کی کفالت کرے؟

(19)۔ امام مظلوم سے اسلامی جد و جہد اور اسلامی جہاد کا انتقام لے لیا گیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے لے کر شہادت تک رسول کی نام نہاد قوم (فرقان 25/30) کو جو نقصان

پہنچا اُسے دانشوران قوم نے فراموش نہیں کیا۔ بلکہ اُس نقصان کو ہر دم تازہ رکھنے کے لئے طرح طرح کے انتظامات کئے۔ جو لوگ نقصان پہنچانے اور قریشی نظم و نسق و تہذیب و رسوم کے تباہ کرنے میں جان و مال و اولاد کی بازی لگائے رہے۔ وہ مدینہ کے نبی انصار اور علی مرتضیٰ علیہم السلام تھے۔ جنہوں نے نظام کفر و شرک کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ جن کی اسلامی تلوار نے اسلامی جہاد میں کفر و شرک کے تمام سرکردہ سرغنوں کو تہ تیغ کیا تھا۔ اور قریش نے مجبور ہو کر اپنے چہرہ پر اسلام کا نقاب ڈال کر لا الہ الا اللہ پڑھ دیا تھا۔ تاکہ تعلیمات قرآن و اسلام کو کفر و شرک کے تباہ شدہ نظام کے احیاء کے لئے تبدیل کرنے میں دقت نہ ہونے پائے (یونس 10/15) اور رفتہ رفتہ قرآن کی نبوی تفہیم کو چھوڑ کر طاغوتی تعلیم و حکومت قائم کر لی جائے (نساء 4/60)۔ چنانچہ رسول اللہ نے قرآن کے ذریعہ سے اپنی نام نہاد قوم قریش کے مندرجہ بالا منصوبہ اور اسکیم کا اعلان کر دیا تھا۔ اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ مسلمان اور مومن صرف وہی لوگ ہوں گے جو علیؑ اور انصار مدینہ کی طرف سے بغض و کینہ نہ رکھیں (بخاری و کافی وغیرہ تمام کتب احادیث) یعنی اُمت کو یہ سکھایا تھا کہ اُن دونوں (علیؑ و انصار) سے بغض و کینہ رکھا جائے گا۔ اُن سے انتقام لیا جائے گا۔ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ رسول کی آنکھ بند ہوتے ہی یہ انتقام شروع ہو گیا تھا۔ اور 61 ہجری تک پہنچتے پہنچتے انصار کی کثرت نے سپر انداختہ ہو کر قریشی یا قومی حکومت کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ لیکن علی مرتضیٰ قرآن و اسلام کی تعلیم پر قائم اور قریشی یا قومی حکومت کا نشانہ ظلم و ستم بنے رہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کو تیس سال بھی نہ گزرے تھے کہ قریشی یا قومی اسلام کی رو سے حضرت علیؑ کو پورے عالم اسلامی میں (معاذ اللہ) ملعون قرار دے دیا گیا۔ قومی مملکت کی ہر مسجد و محراب و منبر سے اُن پر نام لے کر (معاذ اللہ) لعنت کرنا قریشی اسلام میں واجب ہو گیا۔ عرب و عراق و ایران و دہلیم و مصر و ترکستان اور یمن و ہندوستان (سندھ) میں یعنی جہاں جہاں کوئی مسجد تھی، جہاں جہاں قریشی قسم کے مسلمان عبادت گزار بستے تھے، وہاں ہر جگہ اپنی عبادات و اعمال کو اللہ کے حضور مقبولیت کا درجہ ملنے کے لئے حضرت علیؑ پر (معاذ اللہ) لعنت کی جاتی تھی۔ اور یہ عبادت سوسال کے قریب عمر بن عبدالعزیز (رح) کی بیعت تک جاری رہی۔ اور اُسے حکماً بند کرنے کی وجہ سے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو زہر دے کر ختم کر دیا گیا۔ یعنی قریشی اسلام کی یہ عبادت اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز ایک ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ علیؑ کی شہادت کے بعد اولاد علیؑ میں سے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو قریشی مذہب و ملت و حکومت کا باغی اور دشمن سمجھا گیا اور قریشی حکومت یا قومی یا ملکی حکومت نے اُن کو باری باری ختم کرنے پر پورا زور لگا دیا۔ اس تباہی اور بربادی کو روکنے اور قومی یا قریشی حکومت و مذہب کو تباہ و برباد کرنے کے لئے امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت و رسالت کے آخری منصوبے اور مہم کو برسر کار لانے کے لئے جو کچھ کیا وہ مومنین کے سامنے آتا جا رہا ہے۔ امام علیہ السلام کے ذاتی پروگرام کا آخری مرحلہ اپنی زندگی کو اپنے خالق و مالک کے حضور پیش کرنا تھا جو خانوادہ نبوت کے لئے نہایت آسان کام تھا۔ لیکن امامؑ اپنی جان قربان کر کے منصوبہ نبوت و رسالت کو ختم نہ کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ اُن کی ہر قربانی، قربانیوں کے تمام دروازے کھول دے اور نوع انسان انسانی حریت اور آزادی ضمیر کے تحفظ کے لئے سربکف اور کفن بردوش ہو کر طاغوتی طاقت اور ہر ایلیسی حکومت سے ٹکرانا سیکھ لے۔ اور اپنے خون و گوشت اور اموال و اولاد کو قربان کرنے میں دائمی لذت حاصل کرنے کا راز معلوم کر لے۔ چنانچہ امامؑ نے قومی حکومت و مذہب کو بے نقاب کیا۔ اُن کو اس طرح اُبھارا کہ وہ بلا تکلف ایسے اعمال و مظالم کر گزرے جو

شیطان سے بھی ممکن نہ تھے۔ خود معصوم نے اعلان کیا اور آپ نے پڑھا ہے کہ:-

(1) ”اگر اللہ و رسولؐ نے مسلمانوں کو اولاد علی پر ظلم و ستم کرنے کا حکم دیا ہوتا؟ تب بھی وہ اس سے زیادہ مظالم نہ

کرتے جو کربلا میں کئے گئے۔“ اور عبد اللہ ابن عمرؓ نے کہا تھا کہ:

(2) ”اگر کربلا والی جنگ کافروں، عیسائیوں اور یہودیوں سے ہوئی ہوتی تو وہ ہرگز وہ شرمناک مظالم نہ کرتے جو

مسلمانوں نے کئے۔“

امام علیہ السلام یہ دکھانا چاہتے تھے کہ قومی اسلام کے پیرو جانوروں کو پیا سا رکھنا تو گناہ سمجھتے تھے۔ مگر اولاد علیؑ کو بھوکا پیا سا رکھنا عبادت و اطاعت خداوندی جانتے تھے۔ قریشی مسلمان جانور کو ذبح کرنے سے پہلے اسے دانہ اور پانی دینا واجب سمجھتے تھے۔ لیکن اولاد علیؑ کو پیا سا رکھ کر ذبح کرنا قومی دین کی خدمت خیال کرتے تھے۔ الغرض امام حسینؑ انسانیت کو جھنجھوڑ کر جگانا چاہتے تھے۔ وہ ظلم و ظالم کے خلاف دلوں میں ایسی نفرت و عداوت بھر دینا چاہتے تھے جو قیامت تک ہر انسانی بچہ کو ورثہ میں ملتی اور بڑھتی چلی جائے۔ وہ مظلوم سے ہمدردی و محبت و جذبہ قربانی کا ایسا سیلاب لانا چاہتے تھے جو تمام ظالموں، جابروں اور غاصبوں کو بہالے جائے، جو ہر فریب ساز و غدار کو ڈبو کر رکھ دے۔ وہ اللہ کی راہ میں انسانی فلاح و بہبود کیلئے جان دینے والوں کو آنکھوں دیکھا نوک نیزہ پر بولنے والا زندہ جاوید بنا دینا چاہتے تھے۔ یہ تمام مقاصد حاصل کرنے کیلئے جان دینا بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ ایسا کٹھن کہ اس قصہ کو صرف کانوں سے سننا اور زبان سے کہنا دلوں کو پگھلا کر آنسوؤں کی راہ سے نکال دیتا ہے۔ حسینیؑ قربانیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی جو لوگ زندہ رہے وہ یا تو اللہ کی مخصوص برگزیدہ ہستیاں تھیں یا پھر وہ ایسے ملعون و مردود اشقیاء تھے جن سے فراعنہ و منارید و طواغیت و شیاطین و ہامان و شداد بھی پناہ مانگتے اور شرماتے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ ایک شخص تنہا ہے جسم چھلنی سے زیادہ زخمی ہے۔ یعنی دُور سے آ رہا سوراخ گنے جاسکتے ہیں۔ وہ زمین پر گرتا ہے تو تیر و پتھر برسائے جاتے ہیں۔ وہ کسی طرح اٹھ کر بیٹھتا ہے تو تیر و پتھر برسائے جا رہے ہیں۔ اُس میں کروٹ تک لینے کی سکت نہیں، وہ بے ہوش ہے، بے بس ہے۔ اب یہ کیوں ضروری ہے کہ اُس کا سر بھی کاٹا جائے؟ وہ لباس جو اُس نے میدان جنگ میں آنے سے پہلے پہنا تھا اب لاکھوں سوراخ رکھتا ہے۔ خون بار بار بہہ کر کپڑوں کے سوراخوں میں بھرا ہوا جما ہوا ہے۔ بھلا اُس لباس کو اتارنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ کس کام میں آ سکتا ہے؟ مگر واہ رے فرقانی (25/30) مسلمانو؟ انہوں نے امامؑ کے ایسے لباس کو بھی اتار لیا۔ اتار لیا بڑا مہذب لفظ ہے بلکہ یوں کہئے کہ لُٹ لیا۔ جھین جھپٹ ہوئی رہی، لباس جسم کے جن اعضا سے نکالنا مشکل ہوا اُن اعضا کو کاٹ کر پھینک دیا گیا۔ صرف اسلئے کہ عمر بن سعد و ابن زیاد و یزید ایسے قریشی مسلمان خلیفہ اور راہنمایان دین کو دکھا کر یہ ثبوت دیں کہ وہ قتل فرزند رسولؐ میں بروقت اور قریب ترین حملہ آوروں میں سے تھے۔ اور اس طرح جائزہ، انعام اور جانید از زیادہ سے زیادہ مل سکے۔ اگر کربلا میں کافر ہوتے فرقانی مسلمان نہ ہوتے؟ اگر کربلا میں رسولؐ کی قوم کے مسلمانوں کی جگہ عیسائی ہوتے؟ اگر کربلا میں یہود و مجوس یا ہندو ہوتے تو وہ ایسے زخمی اور بے بس و بے کس دشمن قتل نہ کرتے بلکہ اُسے اٹھا کر اپنے حاکم کے رو برو پیش کرتے۔ اس کا علاج و معالجہ کرتے۔ تندرست ہو جاتا تو توبہ کراتے یا جیل میں رکھتے۔ مرجاتا تو دفن کرتے۔ مگر واہ واہ حافظان قرآن لوگو۔ واہ رے نمازی و تہجد گزار

مسلمانو۔ واہ رے قرآن کے پاسبانو۔ تم نے ایک نہیں دو سو چودہ (214) مظلوموں کو بلا دفن چھوڑ دیا اور ثواب سمجھا۔ خدا تم پر، تمہارے دین و مذہب پر، تمہارے طرفداروں پر لعنت کرتا رہے۔ تمہیں دنیا و آخرت میں بھکاری بنا کر ملعون و لعنتی بنا کر رکھے۔ تمہیں اقوام عالم کی نظروں میں جرائم پیشہ اور محسن کش بنا کر ذلیل و خوار رکھے۔ تمہیں بار بار وہی سزا دے جو یزید ملعون نے دی تھی۔ جو حضرت امیر مختار علیہ السلام نے دی تھی۔ آمین لاکھوں بار آمین۔

(20)۔ فرقانی مسلمانوں کا آسمان نبوت و رسالت و امامت کو زمین پر گرانا

مجاہد اہل بیت سنیں کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو بھی سرکاری یا فرقانی علما نے گڈ مڈ کر کے پیش کیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے اور جس انداز سے لکھا ہے اُسے پڑھ کر اختلافات و تضادات کا ایک ہنگامہ سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور قاری پر اثر انداز ہونے اور مفید نتیجہ مرتب کرنے کے بجائے اُسے الجھن میں ڈال دیتا ہے۔ اور وہ یہ طے کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے کہ کون سی بات کو صحیح اور کس کو غلط قرار دے؟ ہم بھی وہی روایات لکھتے چلے آ رہے ہیں جو تیرہ سو سال سے ریکارڈ میں موجود چلی آ رہی ہیں۔ لیکن ہم سرکاری چال اور فرقانی قوم کی ترتیب کو جوڑ سے اُکھاڑ دیتے ہیں۔ اسلئے اُنکا اختلاف و تضاد مٹ جاتا ہے۔ اور بات صاف ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ اب ہم وہ تمام مرحلے پیش کرتے ہیں جن سے گزر کر امام مظلوم نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور اپنے نانا، والد، والدہ اور بھائی سے ملاقات کی تھی۔

فما فی الملهوف لابن طاؤس أَنَّهُ لَمَّا اتَّخَذَ الْحُسَيْنُ بِالْجِرَاحِ وَبَقِيَ كَالْقَنْفِذِ طَعْنَهُ صَالِحُ بْنُ وَهْبٍ الْمُرِّيَّ عَلَى خَاصَرَتِهِ طَعْنَةً فَسَقَطَ الْحُسَيْنُ عَنْ فَرَسِهِ إِلَى الْأَرْضِ عَلَى خَدِّهِ الْاِيمَنَ وَهُوَ يَقُولُ بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ثُمَّ قَامَ إِمَامٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ قَالَ الرَّاوی فَخَرَجْتُ زَيْنَبُ مِنْ بَابِ الْفِسْطَاطِ وَهِيَ تَنَادَى وَاحِاهُ وَاسِيْدَاهُ وَاهْلُ بَيْتِنَاهُ لَيْتَ السَّمَاءُ اطْبَقَتْ عَلَى الْأَرْضِ وَلَيْتَ الْجِبَالُ تَدْكُ دَكَّتْ عَلَى السَّهْلِ؟ قَالَ وَصَاحَ الشَّمْرُ بِاصْحَابِهِ مَا تَنْتَظِرُونَ بِالرَّجْلِ؟ قَالَ وَحَمَلُوا عَلَيْهِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 423)

کتاب ملہوف میں ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام زخموں سے نڈھال ہو گئے اور سہابی کے مانند اُن کے جسم پر ہر جگہ تیر لگ چکے تو صالح بن وہب ملعون نے امام مظلوم کی کوکھ میں ایک نیزہ مارا۔ جس سے آپ داہنے رخسار کے بل گھوڑے سے زمین پر گرے اور فرمایا اللہ کے اسم گرامی کے سہارے زمین پر گرتا ہوں (بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ) اور ملۃ محمدیہ کے تحفظ میں زمین بوس ہو رہا ہوں (وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ)۔ راوی بتاتا ہے کہ بھائی کو گھوڑے سے گرتا دیکھ کر صدیقہ صغریٰ حضرت زینبؓ خیمہ کے دروازہ سے باہر نکل آئیں اور آواز دی کہ ہائے بھائی؛ ہائے خلاصہ اہلیت رسول؛ ہائے ہمارے سردار و سرپرست، ہائے افسوس ہماری یکسی کاش آسمان زمین پر گر جاتا اور آپ کو بچا لیتا۔ کاش دنیا کے پہاڑ چل کر آتے اور اس میدان و بیابان میں روک بن جاتے کہ ان ظالموں کے ہاتھ آپ تک نہ پہنچتے۔ ادھر حضرت زینبؓ اپنا دوسرا اقدام سوچ رہی تھیں ادھر افواجِ سکنت کے عالم میں تھیں کہ امام حسین علیہ السلام اُٹھ کر پھر کھڑے ہو گئے۔ اور ایسی خطرناک صورت حال پیش کردی کہ شمر ملعون نے چیخ کر افواج کو چوکنہ کرنا ضروری سمجھا اور چاروں طرف سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ لہذا ادھر چاروں طرف سے حملہ ہوا ادھر حضرت زینبؓ کو بھائی کے پاس پہنچنے کی ضرورت نہ رہی اور جنگ جاری ہو گئی۔

ورنہ ایک شخص پر چاروں طرف سے ہزار ہا انسانوں کے حملہ کی ضرورت نہیں تھی۔ دو چار آدمی جاتے اور قتل کر ڈالتے۔ حملہ تو اُس پر کیا جاتا ہے جو خود حملہ کر رہا ہو۔ اور ہزاروں آدمی چاروں طرف سے اُس پر حملہ کرتے ہیں جو کئی سو آدمیوں کے قابو میں نہ آ سکتا ہو۔ لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ امام علیہ السلام اُٹھے (قَامَ) گھوڑے پر سوار ہو کر دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ افواج کو چوکنا کیا جائے اور چاروں طرف کی افواج کو حسینی حملہ کو روکنے اور قتل کرنے کا حکم دیا جائے۔ ورنہ چاروں طرف سے ایک شخص واحد پر حملہ کرنے کے معنی اپنے ہاتھوں اپنی افواج کو ہلاک و قتل کرانا ہوں گے۔ یعنی اُدھر سے آنے والے تیر اُدھر والوں کو لگیں گے۔ اور سب مارے جائیں گے۔ مطلب واضح ہے کہ حسین علیہ السلام جدھر رخ کریں اُدھر کی افواج حملہ کو روکیں اور جسے موقع ملے وہ امام پر ضرب لگائے۔ ہماری باتیں تمام عقلمند پسند کریں گے۔ لکیر کے فقیر کو اس کرتے رہیں گے۔ مختصر بات یہ ہے کہ اچانک امام پر مہلک نیزہ کی ضرب پڑی۔ آپ گرے، اُٹھے، سنبھلے اور دوبارہ حملہ کر دیا اور جنگ جاری ہو گئی اور بس۔

(21)۔ امام علیہ السلام پر دوبارہ مہلک وار اور دوسری دفعہ گھوڑے سے گرنا

شمر کے حکم سے جب دوبارہ حملہ کیا گیا اُس وقت کا حال یوں لکھا گیا ہے کہ: وَحَمَلُوا مِنْ كُلِّ جَانِبٍ فَضْرِبَهُ زُرْعَةُ بْنُ شَرِيكٍ عَلِيَّ كَتَفَهُ الْيَسْرَى وَضْرِبَ الْحُسَيْنَ زُرْعَةُ فَضْرَعَهُ وَضْرِبَهُ آخِرُ عَلِيٍّ عَاتِقَهُ الْمُقَدَّسَ بِالسَّيْفِ ضَرْبَةً كَتَبَهَا لَوْجُهُ وَكَانَ قَدْ أَعْيَا وَجَعَلَ يَنْوُءُ وَيَكْبُ فَطَعْنَهُ سَنَانُ بْنُ أَنَسٍ النَّخَعِيُّ فِي تَرْقُوتهِ تَمَّ انْتِزَاعُ الرَّمَحِ فَطَعْنَهُ فِي بَوَانِي صَدْرِهِ ثُمَّ رَمَاهُ سَنَانُ أَيْضًا بِسَهْمٍ فَوَقَعَ السَّهْمُ فِي نَحْرِهِ فَسَقَطَ وَجَلَسَ قَاعِدًا فَتَزَعُ السَّهْمُ مِنْ نَحْرِهِ وَفَرَّقَ كَفَيْهِ جَمِيعًا فَكَلِمًا امْتَلَأَ مِنْ دَمَاءٍ خَضِبَ بِهِمَا رَأْسَهُ وَلَحِيَّتَهُ وَهُوَ يَقُولُ هَكَذَا أَلْقَى اللَّهُ مُخَضَّبًا بِدَمِي مَغْصُوبًا عَلَى حَقِّي وَأَمَّا أَبُو مُخَنَفٍ فَقَالَ فِي كِتَابِهِ قَالَ الشُّمَيْرُ أَيُّهَا الْأَمِيرُ إِنَّ هَذَا الرَّجُلَ يَفْنِيْنَا عَنْ آخِرِنَا مَبَارَزةً قَالَ كَيْفَ نَصْنَعُ بِهِ قَالَ نَنْفَرُ عَلَيْهِ ثَلَاثَ فِرَقٍ فِرْقَةٌ بِالنَّبْلِ وَالسَّهَامِ وَفِرْقَةٌ بِالسَّيْفِ وَالرَّمَاكِ وَفِرْقَةٌ بِالنَّارِ وَالْحِجَارَةِ وَنَعْمَلُ عَلَيْهِ۔ (أكسير العبادات - صفحہ 423)

یزیدی افواج نے ہر چہار جانب سے امام پر حملہ شروع کیا۔ ظاہر ہے کہ امام ہاتھ پر ہاتھ رکھے سر جھکا کے نہ بیٹھے تھے۔ چنانچہ موقع ملنے پر زرعہ بن شریک نے جلدی اور گھبراہٹ میں حضور کے داہنے کاندھے پر تلوار ماری۔ اگر حواس ٹھکانے ہوتے تو سر پر مارتا۔ امام نے پلٹ کر تلوار کا ایک وار کیا اور دھوکے سے وار کرنے والے زرعہ کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔ جنگ برابر جاری رہی اور دشمنوں کے مد مقابل لوگ قتل ہو کر گرتے رہے۔ آخر امام پر ایک ملعون نے گھات لگا کر وار کیا جو آپ کے مونڈھے پر پڑا جس سے آپ ایک دفعہ پھر منہ کے بل زمین پر گرے اور سنبھلے اور کھڑے ہونے کی کوشش میں مصروف تھے کہ سنان بن انس نخعی نے دُور سے برچھی پھینک کر ماری جو آپ کی گردن کے نیچے ہنسی کی ہڈی کے پاس لگی اور امام نے اُسے نکال کر پھینک دیا۔ سنان بن انس نے دوسری برچھی پھینکی جو سینے سے نیچے لگی چنانچہ اُسے بھی نکال کر پھینکا۔ اس کے بعد سنان بن انس ملعون ہی نے ایک تیر پھینکا جو حضور کی گردن میں آ پار ہو گیا۔ امام نے وہ تیر بھی نکال کر پھینک دیا اور زخم سے جو خون بہہ رہا تھا اُسے دونوں ہاتھوں میں جمع کرنا اور سروریش پر ملنا شروع کیا اور فرماتے جاتے تھے کہ میں اپنے خون سے خضاب کئے ہوئے اللہ سے ملاقات کروں گا اور بتاؤں گا کہ کس طرح حقوق نبوت و رسالت و امامت غصب

کر کے چھینے گئے۔ علامہ ابوحنفہ کہتا ہے کہ شمر نے عمر بن سعد سے کہا کہ اے سپہ سالار یہ شخص چیلنج اور سوچی سمجھی جنگ کی موجودہ صورت میں ہمارے آخری آدمی تک کو فنا کے گھاٹ اُتار دے گا۔ اُس نے پوچھا پھر کیا کریں کہ فنا ہونے سے محفوظ رہیں اور اُس پر غالب آجائیں؟ اُس نے کہا کہ ہمیں اپنی افواج کو تین صورتوں میں ترتیب دینا چاہئے۔ فوج کا ایک حصہ برچیوں اور تیروں سے مسلح ہو۔ دوسرا حصہ تلواروں اور نیزوں پر مشتمل ہو اور تیسرے کے پاس آتشباری اور سنگباری کا سامان ہونا چاہئے اور ہمیں تیزی سے حملہ کرنا چاہئے۔

(22)۔ امام کے دوبارہ گرنے والی مندرجہ بالا روایت پر محققانہ نظر ڈالئے۔

یہ روایت ہمارے بڑے بڑے اور بزرگ علما نے ان ہی الفاظ میں لکھی ہے۔ اور تاثر یہ دیا ہے اور یہی خود سمجھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام پر اتنی دُور سے وار کئے جارہے ہیں کہ دشمن نیزہ یعنی بَلْم یا بھالا مار سکے یعنی صرف تین چار فٹ کے فاصلہ پر امام گھوڑے پر سوار یا زمین پر کھڑے ہیں۔ پھر نیزہ لگنے سے تین چار فٹ کے فاصلہ پر منہ کے بل گرے پڑے ہیں۔ اور اُسی فاصلہ پر اُٹھنے اور بیٹھنے اور کھڑے ہونے کی کوشش میں بار بار گر پڑتے ہیں۔ حملہ چاروں طرف سے ہے۔ مگر وار کرنے والا ایک ہی شخص یعنی سنان بن انس ہے۔ باقی فوجی کیا کر رہے ہیں۔ نہ راوی کو پتہ نہ یہ علما ہی جانتے ہیں۔ پھر سنان دونیزے مارتا ہے۔ اس کے بعد وہ تیرکمان سے تیر چلاتا ہے۔ جو حلق کے نیچے گردن میں آ کر لگتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ ایک نیزہ کے فاصلے پر ہے تو تیر چلانے کے لئے تیس چالیس فٹ (کم از کم) پر کیوں چلا جاتا ہے۔ وہ راوی یا ان علما کی طرح عقل کا اندھا تو نہیں ہے۔ وہ تو فنِ جنگ اور جنگی چالوں میں یزیدی فوج کا ماہر ترین ملعون ہے۔ وہ چار فٹ کے فاصلے سے گردن پر تلوار کیوں نہیں مارتا کہ ایک ہی وار میں شہید کر کے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے؟ بات یوں ہے کہ امام علیہ السلام حملے کے دوران جب اس فوج پر حملہ آور ہوتے ہیں جس میں سنان بن انس ہے۔ تو وہ چھپ چھپا کر اور گھات لگا کر برچی پھینکتا ہے۔ جو ہنسی کے پاس لگتی ہے۔ امام کا مسلسل عمل در آمد یہ ہے کہ وہ جب موقع ہوتا ہے تیر و سنان (برچی) کو نکال کر پھینک دیتے ہیں۔ چنانچہ برچی نکال کر پھینک دی۔ امام کی عادت یہ بھی ہے کہ جب موقع ملتا ہے آپ اپنا خون زمین پر گرنے نہیں دیتے۔ لیکن برچی سے نکلنے والا خون اس لئے نہ روک سکے کہ اُسی جگہ اور اُسی نشانہ سے دوسری برچی سینے کے آس پاس آگتی ہے۔ چنانچہ حسب قاعدہ آپ نے اُسے بھی نکالا اور چونکہ اُسی نشانہ اور اُسی جگہ سے ایک تیر آ کر گلے میں لگتا ہے تو آپ کو سینے کا خون سنبھالنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ پھر آپ وہ تیر گردن سے کھینچ کر پھینک دیتے ہیں۔ اور گردن سے نکلنے والے خون کے اُونچے بھر بھر کر سروریش مبارک پر ملتے اور اللہ سے ملاقات کا طریقہ بتاتے ہیں یعنی آپ قطعاً ہوش و حواس میں ہیں اور دشمن کی طرف سے بے فکر رہ کر خون کا تقدس برقرار رکھتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ دشمن کی افواج کافی فاصلے پر ہیں ورنہ اگر دشمن ایک نیزہ کے فاصلہ پر ہوتے تو اتنی دیر میں سینکڑوں تلواریں جسم مبارک پہ پڑ جاتیں۔ اُدھر اگر سنان بن انس نیزہ کے فاصلے پر آ سکتا تھا تو باقی لوگوں کو قریب آنے سے کون روک سکتا تھا؟ اور جس وقت سنان نیزہ کے بعد نیزہ مار رہا تھا۔ اُسی وقت چاروں طرف سے اور لوگ نیزے اور تلواریں مار سکتے تھے۔ لہذا علما کے یہ بیانات غلط ہیں۔ دشمن کی فوج تو اُس وقت بھی بہت دور رہے گی جب آپ بے حس و حرکت ہو کر لیٹے ہوئے ہوں گے۔

(23)۔ امامؑ پر نئی ترتیب سے حملہ اور جوابی حملہ میں حضورؐ کا تیسری دفعہ گرنا

مندرجہ بالا بیان میں آپؐ نے جو کچھ دیکھا وہ سب کچھ امام علیہ السلام کو مغلوب کرنے کے لئے کافی نہیں ہوا۔ بلکہ شمر نے اپنی افواج کے فنا کر دیئے جانے کے خطرے سے بچنے کے لئے نئی ترتیب قائم کی اور اُس نئی ترتیب سے پھر حملہ کیا۔ لہذا امامؑ کا گرنا ایک فطری امر ہے۔ آپؐ ہزاروں زخم کھائے ہیں۔ جسم کا خون ہر زخم سے بہتا رہا ہے۔ لہذا بدن خون سے خالی ہو چکا، ایسی حالت میں کسی ضرب سے گرجانا قابل تعجب بات نہیں ہے۔ جو چیز عقول کو حیران کرتی اور قابل تعجب ہے، وہ ہے امامؑ کا گر کر اٹھنا اور از سر نو دشمن کے لئے مصیبت بن جانا اور انہیں بار بار نئی ترتیب اور نئی طرز جنگ اختیار کرنے پر مجبور کرنا۔ اور یہی چیز ہے جسے علما نظر انداز کرتے رہے ہیں۔ لہذا سنئے کہ نئی ترتیب سے جو حملہ اب کیا جا رہا ہے اُس کا کیا نتیجہ ہوا؟ شمر کہہ رہا ہے کہ:-

نَعَجَلْ عَلَيْهِ فَجَعَلُوا بِرِشْقُونَهُ بِالسَّهَامِ وَيَطْعُونَهُ بِالرَّمْحِ وَيَضْرِبُونَهُ بِالسَّيْفِ حَتَّى اثْنَوْهُ بِالْجِرَاحِ - وَاعْرَضَهُ خُولَى بَنُ يَزِيدَ الْاَصْبَحَى بِسَهْمٍ فَوَقَعَ فِي لَبَنَةٍ فَارْدَاهُ عَنْ ظَهْرِ جَوَادِهِ إِلَى الْاَرْضِ صَرِيحًا يَخْرُودُ بِهِ وَرَوَى أَنَّ السَّهْمَ رَمَاهُ ابُو قَدَامَةَ الْعَامِرِي فَجَعَلَ يَنْزِعُ السَّهْمَ بِيَدِهِ وَيَتَلَقَّى الدَّمُ بِكَفِّهِ وَيَخْضَبُ بِهِ لِحْيَتَهُ وَرَأْسَهُ الشَّرِيفَ وَيَقُولُ هَكَذَا الْقَى رَبِّي اللَّهُ وَالْقَى جَدِّي رَسُولُ اللَّهِ وَاشْكُوا إِلَيْهِ مَا نَزَلَ بِي وَخَرَّ صَرِيحًا مَغْشِيًا عَلَيْهِ فَلَمَّا افَاقَ مِنْ غَشِيَّتِهِ وَثَبَ لِيَقُومَ لِلْقِتَالِ -

وَقَالَ ابُو مَخْنَفٍ وَبَقِيَ الْحُسَيْنُ مَكْبُورًا عَلَى الْاَرْضِ مَلْطَحًا بِدَمِهِ ثَلَاثَ سَاعَاتٍ مِنَ النَّهَارِ رَمَقَ بَطْرِفُهُ إِلَى السَّمَاءِ وَهُوَ يَقُولُ صَبْرًا عَلَى قَضَائِكَ يَا رَبَّ لَا إِلَهَ سِوَاكَ يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيثِينَ - وَأَمَّا الْمَجْلِسِيُّ فَقَالَ فِي كِتَابِهِ قَالَ صَاحِبُ الْمَنَاقِبِ وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَلَمَّا ضَعَفَ نَادَى شَمْرُ الْمَلْعُونُ مَا وَقَفَ كُمْ وَمَا تَنْتَظِرُونَ بِالرَّجُلِ قَدَاتِخْتَهُ الْجِرَاحِ وَالسَّهَامَ حَمَلُوا عَلَيْهِ ثَكَلَتْكُمْ امْهَاتُكُمْ فَحَمَلُوا عَلَيْهِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ - (أكبر العبادات - صفحہ 423)

اُس نئی ترتیب والی افواج امام حسینؑ کو تیروں سے چھلنی بنائیں، نیزوں سے گھائل کریں اور تلواروں کی پیہم ضربیں لگائیں۔ اور یوں انہیں مغلوب اور بے بس کر کے رکھ دیں۔

اس مشورہ کے مطابق حملہ ہوا۔ یہاں امام علیہ السلام اس حملہ کے جواب میں کیا کر رہے ہیں؟ مسٹر ابو مخنف یہ نہیں لکھتے۔ اس لئے کہ امامؑ ہی کے واقعات تو چھپانا اور کم از کم بیان کرنے کا حکم تھا۔ لیکن مومنین خود سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے زبردست منظم اور اجتماعی حملہ کے دوران امامؑ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھ سکتے تھے۔ اور اگر بیٹھتے تو ایسے حملے کی ضرورت نہ ہوتی۔ دو چار آدمی جاتے اور مغلوب کر لیتے۔ لہذا امامؑ کے متعلق ماننا ہوگا کہ وہ حضرتؑ بھی اپنی اُس جسمانی طاقت سے بھرپور دفاع اور حملہ و قتل عام کر رہے تھے جو اس قدر خون نکل جانے کے بعد اور اس قدر زخمی ہو جانے کے بعد آپؑ کے جسم میں باقی تھی۔ بہر حال دونوں طرف سے جنگ جاری تھی اور ظاہر ہے کہ امامؑ کے سامنے آنے والا ہر شخص قتل ہو کر گرتا جاتا تھا۔ اسی دوران چالاک لوگ گھات لگاتے اور وار کرنے کی تاک میں رہتے تھے۔

الغرض خولی بن یزید اصبحی یا ابو قدامہ العامری نے موقعہ پا کر ایک تیر پھینکا جو امامؑ کے سینہ میں لگا جس سے امامؑ گھوڑے سے زمین پر گرے۔ خون کی وجہ سے حلق میں سے خرخراہٹ کی آواز نکل رہی تھی لیکن آپؑ نے اُس تیر کو نکال کر پھینک دیا اور خون کو حسب قاعدہ ہاتھوں میں لے کر سروریش پر ملتے جاتے تھے اور فرما رہے تھے کہ میں اپنے رب اللہ سے اور اپنے نانا رسول اللہ سے اسی حالت میں

ملوں گا۔ اور اُن سے اپنی مظلومیت اور تمہارے مظالم کا شکوہ کروں گا۔

یہاں رک جائیں اور اس جملہ کو جو کئی بار اور بار بار فرمایا گیا ہے سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔ خون میں لتھڑا ہوا چہرہ اور سر کے بال اور داڑھی اللہ و رسولؐ کو دکھانے کا کام کب کیا جائے گا؟ اگر راسخ العقیدہ یعنی بدعقیدہ لوگوں کا خیال رکھا جائے تو یہ کہنا لازم ہوگا کہ امامؑ کی اللہ و رسولؐ سے ملاقات قیامت میں ہوگی۔ یعنی ایک لامحدود و لا انتہی مدت تک یہ ماننا ہوگا کہ وہ خون ہزاروں لاکھوں سال تک سوکھنے جھنے اور جھڑنے اور سڑنے نہ پائے گا بلکہ سر و چہرہ اور داڑھی خون میں تر اور گیلی رہے گی۔ اور یہ بھی ماننا پڑے گا کہ قبر میں بھی اُس خون، اُس چہرہ اور اُس داڑھی اور اُس سر میں کوئی مادی تغیر نہ ہوگا۔ لیکن اتنی دُور دراز مدت تک کی بات کو کہنے سے اُن ملاعین پر کیا اثر ہوگا؟ اثر تو جب ہوگا جب یہ محسوس کرایا جائے کہ ادھر میری روح بظاہر تن سے جدا ہوگی اور ادھر میں فوراً اُسی تن بدن و سر و چہرہ اور داڑھی و شکل و شمائل سے اللہ و رسولؐ سے ملوں گا۔ اور شکوہ کی بنا پر تم پر عذاب نازل ہوگا۔

پھر یہ سوچیں جہاں صرف دو چار سو گھوڑے سوار ہوں وہاں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اس لئے کہ سواروں کے نیچے گھوڑے اور خصوصاً تندرست، چاق و پویو بند گھوڑے چین سے خاموش کھڑے نہیں رہتے۔ کوئی زمین پر پیر مارتا ہے، کوئی ہنہناتا ہے۔ ہر گھوڑا گام کو ڈھیلا کرانے کے لئے بار بار جھٹکے مارتا ہے۔ مکھیوں کی وجہ سے سر و گردن اور سارا جسم جھڑجھڑی لے کر ہلاتا ہے۔ یوں اُن کا ساز اور زبور جھنکار پیدا کرتا ہے۔ ناک صاف رکھنے کے لئے تمام گھوڑے بار بار خرخر خرخر کرتے اور پھڑکیاں بجاتے ہیں۔ غفلت میں سواروں کی ہمیز کی نوک چبھ جانے سے گھوڑے آلف ہو جاتے ہیں۔ اچھلنے کودنے لگتے ہیں۔ الغرض ہزار ہا گھوڑے جہاں موجود ہوں وہاں امامؑ کا کلام سُننا اُسی حالت میں ممکن ہے کہ امامؑ کو سنبھلنے اور دوبارہ اُٹھ کر حملہ کرنے کے وقفہ میں نہ صرف سواران افواج بلکہ اُن کے گھوڑے بھی سہمے ہوئے بے حس و حرکت کھڑے ہوں۔ اور سابقہ کے بار بار کے تجربوں سے یہ یقین ہو گیا ہو کہ امام حسینؑ اس دفعہ بھی ضرور اُٹھیں گے اور پھر قیامت برپا کریں گے۔ نہ معلوم کس کس آدمی اور گھوڑے کو دو ٹوکے ہونا ہیں۔ جو شخص ہر تیر کو خواہ کہیں لگا ہو، ہر برجی کو خواہ دل میں بیوست ہو، گلے کی شریان و شاہ رگ میں سے گزری ہو نکال کر پھینکنے کا عادی ہو، جو خون کی ایک بوند زمین پر نہ گرنے دیتا ہو اُس سے کون بے فکر ہو سکتا تھا۔ چنانچہ آپؐ شہادت کے ان ہی مراحل میں عنقریب دیکھیں گے کہ امامؑ بے حس و حرکت لیٹے ہوئے ہیں اور کوئی شخص خوف و ہراس کے مارے قریب نہیں آتا۔ سرداران افواج دھمکیاں دے رہے ہیں اور بڑے بڑے سرکش ملاعین خوفزدہ ہیں کہ کہیں اچانک اُٹھ کر ہمارا صفایا کر کے پھر نہ لیٹ جائیں۔ چنانچہ ابھی ابھی آپؐ کے سامنے روایت کہتی ہے کہ:

اللہ و رسولؐ سے ملاقات کی بات کہہ کر آپؐ لیٹ گئے اور خراٹے لینے لگے اور آپؐ پکونش آ گیا۔ اور ابو مخنف غشی اور بے ہوشی کی اس مدت کو تین گھنٹے (ثلاث ساعات) کہتا ہے۔ اور غشی کی حالت میں اُٹام کو منہ کے بل خون میں نہایا ہوا دکھاتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ اوندھے منہ لیٹے ہوئے امامؑ آسمان کی طرف گوشہ چشم سے دیکھ کر فرماتے ہیں کہ اے اللہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے اپنی ذات کو خوشی اور اطمینان سے تیری رضا مندی حاصل کرنے اور تیرا حکم بجالانے میں تیرے حوالے کر رکھا ہے۔ اور تیری ذات وہ ذات ہے جو تمام فریاد کرنے والوں کی فریاد رسی کرتی ہے۔

یہاں مومنین پھر سوچیں کہ ان لوگوں نے اوندھے منہ کیوں کہا، کیوں نہ اُس حالت کو حالت سجدہ سمجھا؟ جب کہ آپ اللہ کو مخاطب بھی کر رہے ہیں۔ اُسکی مدح و ثنا اور دعا بھی فرما رہے ہیں۔ بہر حال یہ وہی حضرات ہیں جنہوں نے چاہا تھا کہ دربارِ یزید میں اہل حرم کی صرف ایک پیشی دکھا کر دس بارہ روز میں رہا کر دیا جانا ثابت کر دیں۔ لیکن ہم نے اُنکی روایات کو جب فطری اور عقلی ترتیب سے لکھا تو پیشیوں کی تعداد اور قید کی مدت ایک سال تک جا پہنچی۔ آئیے پھر مندرجہ بالا روایت دیکھئے لکھا ہے کہ:-

شمر ملعون نے گم سم اور حیران و ششدر کھڑی ہوئی افواج کو لاکار اور کہا کہ تمہارے غم میں تمہاری مائیں رویا کریں تم یوں بے حس و حرکت کھڑے کھڑے کیا انتظار کر رہے ہو؟ ارے دیکھو جس شخص کو لاتعداد زخموں نے نڈھال کر دیا ہے اُسکی طرف سے مطمئن نہ ہو جاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ آیا۔ ہوشیار خبردار حملہ کرو اور چاروں طرف سے حملہ کرو ورنہ تمہاری خیریت نہیں ہے۔

(24)۔ امام علیہ السلام پر پھر حملہ ہوا، چوتھی بار امام کا زمین پر آنا

راوی اور علما اپنی عادت کے مطابق یہ تو لکھتے ہیں کہ شمر ملعون نے فوج کو ڈانٹا بُرا بھلا کہا اور ہر جانب سے حملہ کا حکم دیا اور حملہ کیا گیا۔ لیکن یہ نہیں بتاتے کہ حملہ کیوں کیا گیا؟ اگر امام بے ہوش پڑے تھے تو صرف تین چار آدمی جاتے اور کام تمام کر دیتے۔ لاتعداد افواج کا حملہ اور وہ بھی چاروں طرف سے حملہ خود بتاتا ہے کہ یزیدی افواج اور شمر ملعون پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑی ہے جس سے چھٹکارے کے لئے اجتماعی اور پوٹرنی حملہ کی ضرورت ہے بہر حال حملہ ہوا۔

فحملوا علیہ من کل جانب فرماہ الحصین بن نمیر فی فیہ و ابویوب الغنوی بسہم فی حلقہ و طعنہ سنان بن انس النخعی فی صدرہ و طعنہ صالح بن وہب المزنی علی خاصرتہ فوقع الی الارض علی خذہ الایمن ثم استوی جالساً و نزع السہم من حلقہ۔ ثم دنا عمر بن سعد الحسین قال حمید و خرجت زینب بنت علی و قرطابا و یحویان بین اذنیہا و ہی تقول لیت السماء انطبقت علی الارض یا عمر بن سعد اقتل ابو عبد اللہ و انت تنظر الیہ و دموع عمر تسيل علی خذیہ و لحيته و هو یصرف وجهہ و عن الارشاد فلم یجبہا عمر بشیء فقلت و یحکم اما فیکم مسلم فلم یجبہا احد بشیء۔ (اکبر العبادات - صفحہ 423)

اور ہر چہار جانب سے حملہ ہوا۔ لڑائی کے دوران موقعہ پا کر حصین بن نمیر نے امام کے منہ پر کچھ پھینک کر مارا۔ پھر ابوایوب غنوی کو موقعہ ملا تو اُس نے آپ کے حلق پر ایک تیر مار دیا۔ آپ نے دوسری طرف رخ کیا تو سنان بن انس نے سینہ پر ایک برچھی پھینکی۔ اور دوسری طرف سے صالح بن وہب نے پھر کوکھ میں برچھی پھینک ماری۔ اس سے آپ پھر زمین پر داہنے رخسار کے بل تشریف لائے۔ راوی حمید کہتا ہے کہ امام کو گرتا دیکھ کر جناب زینب خیاں سے نکل آئیں۔ آپ اس طرح آ رہی تھیں کہ دونوں گوشوارے کانوں میں بیتابی سے متحرک تھے۔ ادھر عمر بن سعد بھی امام کی طرف ذرا قریب پہنچ گیا تھا۔ حضرت زینب فرما رہی تھیں اے کاش آج آسمان زمین کو ڈھک لیتا اور میرے بھائی بچ جاتے اور یہ لوگ تباہ ہو جاتے۔ انہوں نے عمر بن سعد سے کہا کہ امام کو قتل کیا جائے اور تو آنکھوں سے دیکھتا رہے؟ عمر بن سعد کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اُس کے گالوں اور داڑھی پر سے گزر رہے تھے۔ اُس نے حضرت زینب کو جواب دینے کے بجائے شرم سے منہ پھرالیا۔ اور کتاب ارشاد میں ہے کہ عمر بن سعد نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر شہزادی نے فرمایا کہ خدا تمہیں غارت کرے کیا تم

میں کوئی بھی مسلمان نہیں ہے۔ اس پر بھی کسی نے اُنہیں جواب نہ دیا۔ اسکے بعد امام اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ یعنی یہ سجدہ حلق میں تیر پیوست کئے ہوئے بجلائے اور اسکے بعد تیر کو نکال کر پھینک دیا۔

یہاں مومنین اتنا سوچیں کہ راوی اور علما عمر بن سعد کو زار و قطار روتا ہوا دکھاتے ہیں۔ غالباً ان لوگوں کے سینے میں بھی عمر بن سعد ہی کی قسم کا دل ہوگا۔ کیونکہ کبھی کبھی یہ لوگ بھی رونے لگتے ہیں۔ مگر ہم یہ تو مانتے ہیں کہ ایک وقت یزید بھی رویا تھا۔ لیکن یہ نہیں مانتے کہ جنگ شروع ہو جانے کے بعد عمر رویا ہو۔ یزید کا رونا بغاوت اور انتقام کے خوف سے تھا۔ عمر بن سعد کو ابھی کسی قسم کا خوف نہیں ہے۔

(25)۔ امام مظلوم کا آخری مرحلہ شہادت اور فراقی قوم کے مظالم کی انتہا

یہاں مجاہد اہلبیت دلوں کو تھام کر سنیں کہ مندرجہ بالا روایت میں آپ کے نجات دہندہ امام علیہ الصلوٰۃ والسلام جو زمین پر گرے تو پھر اُٹھ نہ سکے یہیں امام علیہ السلام لیٹے ہوئے تھے۔ جب حضرت زینبؓ بے قراری میں خیام سے نکل آئی تھیں۔ اور عمر بن سعد اور فوج سے مخاطب ہوئی تھیں۔ اُنکی آواز سن کر امام اُٹھ کر بیٹھ گئے تھے تاکہ بہن مطمئن ہو کر پلٹ جائے اور یہ سمجھ لیں کہ اس دفعہ پھر حسب سابق بھائی کھڑے ہو جائیں گے اور فوج پر حملہ کریں گے لیکن جب سیدہ کی لاڈلی اور بھائی کی پیاری بہن لوٹ کر چلی گئیں تو امام نے اُٹھنے اور کھڑا ہونے کی کوشش فرمائی تو اُٹھتے ہی گر پڑے تھے۔ روایت مذکورہ کے الفاظ یہ ہیں: وَهُوَ يَكْبُ مَرَّةً وَيَقُومُ أُخْرَى۔ آجنگاب دونوں ہاتھوں کا سہارا لیکر کبھی اُٹھتے تھے کبھی گر جاتے تھے۔ جب امام مظلوم کو یقین ہو گیا کہ اب جسمانی قوت جواب دے چکی ہے تو ماضی اور مستقبل پر نظر ڈالی۔ اہل حرم کے مصائب سامنے آئے تو نفاہت پوری طرح دل و دماغ پر چھا گئی۔ ماضی کو دیکھا تو تمام شہدائے قتل ہونا آنکھوں کی روشنی پر اثر انداز ہوا۔ اپنی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس جسم نے، ان ہاتھوں پیروں نے حد کمال تک ساتھ دیا۔ فاطمہ کے دودھ کی طاقت تھی جس نے یہ قوت برداشت عطا کی تھی کہ ہزاروں زخم کھا کر بھی یزیدی افواج پر بھاری مصیبت بنے رہے۔ ہاتھ پیر سینہ سامنے تھا۔ آ رہا سوراخوں میں سے سوراخ اور گھاؤ نظر آ رہے تھے۔ آپ مطمئن ہو گئے کہ اُن کے اعضا نے کوتاہی نہیں کی ہے۔

(26)۔ شہید ہوتے ہوئے آخری قربانی بڑے بھائی کی نشانی عبداللہ بن حسن علیہم السلام

یہ وہ صورت حال ہے جہاں امام علیہ السلام بے حس و حرکت دکھائی دے رہے ہیں اور سرداران فوج کو بھی یقین آچکا ہے کہ اب آجنگاب اُٹھ نہیں سکتے۔ کسی میں یہ جرأت نہیں ہے کہ پاس آ کر اطمینان حاصل کرے۔ وہ سوچ رہے ہیں کہ نہ معلوم زندہ ہیں یا اللہ کو پیارے ہو چکے (والقوم فی حیرۃ فی قتله خوفاً اَنَّهُ حَىٌّ اَمَ مات ؟)۔ فراقی قوم آجنگاب کے قتل کرنے میں حیرت و تعجب اور خوف سے دوچار کھڑی ہے اور سوچ رہی ہے کہ آیا آپؐ زندہ ہیں یا مر چکے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر زندہ ہیں تو جو قریب جائے گا وہ مارا جائے گا۔

قال ابو مخنف فابتدر اليه اربعون رجلاً كُلُّ منْهُمْ يُريدُ وَنْ جَزَّ راسه الشريف وعمر بن سعد ملعون يقول يا ويلكم عجلوا عليه وکان اول من ابتدر اليه شُبَّ بن ربعي الملعون وبيده السيف مَحْدٌ وَدَبَّ فِدْنِي مِنْهُ لَيْتَ جَزَّ راسه الشريف فرمقه بطرفه فرمى السيف من يده و وُلَّى هارباً وهو يقول ويحك يابن سعد تريد اَنْ تكون برياً من قتل الحسين واهراق دمه واكون انا مطالباً بدمه معاذ الله اَنْ القى الله تعالى بدمك يا حسين۔ (أكسير العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 424)

فخرج عبد الله بن الحسن بن علي عليهم السلام وهو غلام لم يراهق من عند النساء فَلَحَقَتْهُ زَيْنَبُ بنت علي لَتَحْبَسَهُ قَابِلِي وامتنع امتناعاً شديداً فقال لا والله لا افارق عَمِّي فجاء حَتَّى وقف إلى جنب الحسين فاهوى بحر بن كعب وَقِيلَ حرمله بن كاهل الى الحسين بالسيف فقال له الغلام ويلك يا ابن الخبيثة اتقتل عَمِّي فضربه بالسيف فاتقاها الغلام بيده فاطنّها الى الجلد فاذا هي معلقة فنادى الغلام يا أُمّاه؟ فاحذه الحسين وضّمّه اليه وقال يابن اخي اصبر على منازل بك واحتسب في ذلك الخير فانّ الله يلحقك بآبائك الصالحين قال الراوى فرماه حرمله بن كاهل بسهم فذبحه وهو في حجر عمّه الحسين عليه السلام.

بہر حال ابو مخنف سناتے ہیں کہ آخر چالیس ملائین کا انتخاب کیا گیا جو امام مظلوم کا سر کاٹنے کو تیار ہو سکیں۔ عمر بن سعد نے اُن چالیس حرامزادوں کو بھی خاموش دیکھا تو کہا کہ خدا تمہیں غارت کرے جلدی کرو۔ مطلب یہ کہ ممکن ہے سنبھل کر اُٹھ بیٹھیں اور پھر ایک دفعہ جنگی مشین کو حرکت میں لانا پڑے۔ چنانچہ ایک شخص جس نے سب سے پہلے جرأت دکھائی وہ شبث ابن ربعی تھا۔ وہ ایک مخصوص طویل اور نحرار تلوار لئے ہوئے اسلام کو ذبح کرنے کے پختہ ارادے سے امام کے قریب آیا تو حضور نے آہٹ سُن کر گوشہ چشم سے اُس کی طرف دیکھا۔ جیسے ہی نظریں ملیں وہ مرد دو تلوار پھینک کر ہانتا کا نپتا دوڑا اور عمر بن سعد سے کہا کہ خدا تیرا بُرا کرے تو خود تو قتل حسین اور اُن کا خون بہانے سے بری الذمہ رہنا چاہتا ہے۔ اور مجھے اُن کے قتل کا ذمہ دار بنانا چاہتا ہے؟ میں اللہ سے پناہ چاہتا ہوں اے حسین کہ میں آپ کے قاتل کی صورت میں اللہ سے ملاقات کروں۔

مومنین یاد فرمائیں کہ ہم نے جو نقشہ اور مقام خیام حسینی کا دکھایا ہے وہ پہاڑوں کی بلندی کی بنا پر بہت اونچا مقام تھا۔ وہاں سے میدان جنگ کی طرف کو مسلسل ڈھلوان زمین چلی جاتی تھی۔ اور پورا میدان خیام سے نظر آتا تھا۔ جب امام علیہ السلام کافی دیر تک گھوڑے پر سوار ہوتے نظر نہ آئے تو تمام اہل حرم کی نگاہیں میدان جنگ پر جم کر رہ گئیں۔ فوج کا ایک دائرہ میں اطمینان سے کھڑے رہنا اور صرف تیس چالیس آدمیوں کا اس دائرہ کے بیچ میں جمع ہونا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ تمام اہل حرم دعا کیلئے ہاتھ بلند کئے ہوئے دیکھ رہے تھے کہ:

اچانک جناب عبد اللہ بن الحسن مجتبیٰ علیہما السلام عورتوں میں سے بھاگے اور میدان کی طرف نکلے جناب زینبؓ نے دوڑ کر پکڑا تاکہ بھتیجے کو موت کے منہ میں جانے سے باز رکھیں۔ مگر بچہ نے سخت مزاحمت کی اور کہا کہ پھوپھی جان میں بخدا کسی طرح بھی اپنے چچا سے دُور نہیں رہوں گا۔ چنانچہ عبد اللہ علیہ السلام اس خورد سال کے باوجود دوڑتے ہوئے فوجوں میں سے گزرتے ہوئے امام مظلوم کے پاس آ کر ٹھہرے۔ یہاں بحر بن کعب ملعون نے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرملہ نے امام علیہ السلام پر تلوار بلند کی تو بچہ نے کہا کہ او خبیث عورت کے بیٹے کیا تو میرے چچا کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ اُدھر بحر بن کعب نے تلوار ماری ادھر بچہ نے تلوار کا وار اپنے بازو پر روکا تو بازو کٹ کر لٹک گیا صرف کھال لگی رہ گئی۔ بچہ نے بچوں کی طرح اپنی ماں کو پکارا۔ امام نے بچہ کو پکڑ کر اپنی گود میں لے لیا اور فرمایا کہ بیٹے جو کچھ ہوا اُس پر صبر کرو اور اسے اپنے حق میں بہتر سمجھو یقیناً جلد ہی اللہ تمہیں تمہارے باپ دادا سے ملاقات کرائے گا۔ اتنے میں حرملہ بن کاهل نے تاک کر ایک تیر چلایا جس نے بچہ کو ذبح کر کے رکھ دیا اور اُس معصوم نے چچا کی گود میں جان دیدی۔ اور یہ آخری قربانی تھی جو امام نے پیش کی۔

(27)۔ شہید ہونے سے پہلے پہلے امام علیہ السلام کے زخموں کی تعداد

وہ آخری زخم جس سے امام علیہ السلام کی شہادت واقع ہوئی تھی گلوئے مبارک پر لگایا گیا تھا۔ لیکن مومنین نے دیکھا ہے کہ جہاں تمام بدن زخموں سے چھو رہا تھا۔ وہاں گردن میں بھی بار بار اور کئی بار تیرا رپا رنکل چکے تھے۔ اور تیروں کو کھینچ کر نکالنے سے گردن کا ہر زخم بھی کافی کافی کشادہ ہوتا رہا تھا۔ یعنی امام کے لئے گلا کٹنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ جو چیز میدان کر بلا میں امام کے لئے سب سے مشکل تھی وہ اہل حرم کے مصائب و آلام تھے۔ جو کسی لمحہ امام کے سامنے سے نہ ہٹائے جاسکے۔ بہر حال آپ امام کے جسم پر زخموں کی تفصیل بھی اس انداز سے لکھی ہوئی دیکھیں گے جو انداز آدمی کو مطمئن کرنے کے بجائے مشکوک کرتا ہے۔ اور علمائے شیعہ زخموں کے معاملہ میں بہت گھبراتے اور طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں۔ بہر حال پہلے علما کا بیان سن لیں پھر ہم چند فطری حقائق پیش کریں گے۔ تاکہ پیدا کردہ اختلاف و تضاد دور ہو کر بات فطری ہو جائے۔

قال صاحب المناقب والسید حتی اصابته اثنان وسبعون جراحة۔ (2) وقال ابن شهر آشوب وقال ابو مخنف عن جعفر بن محمد بن علی قال وجدنا بالبحرین ثلاثین طعنة واربعاً وثلاثین ضربة۔ (3) قال الباقر علیہ السلام اصیب الحسین ووجد به ثلاثمائة وبضعة وعشرون طعنة برمح و ضربة بسيف ورمیه بسهم۔ (4) وروی ثلثمائة وستون جراحة۔ (5) وقیل ثلث وثلاثون ضربة سوی السهام۔ (6) والف وتسعمائة جراحة۔ (7) وعن کتاب عیون الحیاة ان فی رواية انه اصابه اربعة الاف جراحات من السهام ومائة وثمانون من السیوف والسنان وفي البحار وكانت درعه كالشوك فی جلد القنفذ وروی انها كانت كلها فی مقدمة۔ (اکبر العبادات۔ صفحہ 409)

کتاب مناقب کے مصنف اور سید نے کہا ہے کہ اُس وقت تک امام کے جسم پر بہتر (72) زخم آچکے تھے۔ (2) اور ابن شهر آشوب اور ابو مخنف نے جعفر بن محمد بن علی زین العابدین علیہم السلام سے روایت کی ہے کہ ہم نے تینتیس برچھیوں کے زخم اور پونتیس تلواروں کی چوٹیں امام کے جسم پر پائیں۔ (3) امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ امام کے جسم پر تین سو بیس اور کچھ زیادہ زخم آچکے تھے جن میں نیزوں، تلواروں اور تیروں کے زخم بھی شامل تھے۔ (4) اور یہ روایت بھی ہے کہ تین سو ساٹھ زخم تھے۔ (5) اور تیروں کے زخموں کو چھوڑ کر تینتیس (33) زخم بھی بتائے گئے ہیں۔ (6) اور ایک ہزار نو سو زخم آنے کی روایت بھی ہے (7) اور کتاب عیون الحیات میں یہ روایت ہے کہ آپ کے جسم مبارک پر تیروں کے چار ہزار زخم اور ایک سو اسی تلواروں اور برچھیوں کے زخم تھے اور کتاب بحار میں یہ لکھا گیا ہے کہ امام حسین کی زرہ ایسی ہو گئی تھی جیسی تنکوں کی وجہ سے ساہی کی کھال ہوتی ہے۔ اور روایت یہ ہے کہ زخموں کی یہ صورت امام کے جسم کے آگے کی تھی۔ یعنی پس پشت کی گنتی نہیں اور ایک بے وقوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام کے جسم کے اگلے حصہ پر زخم آئے تھے چونکہ آپ نے دشمن کی طرف پشت نہ کی تھی۔

(28)۔ امام مظلوم کے زخموں کی حقیقی پوزیشن

سب سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ یہ ساتوں روایات یا اطلاعات غیبی اطلاعات نہیں۔ یعنی کسی امام معصوم نے بطور حصر یہ تعداد نہیں

بتائی ہے جو ہم اُن میں سے کسی ایک اطلاع کو آخری اور صحیح کہہ کر باقی کو ٹھکرا دیں۔ پھر یہ سمجھ لیں کہ ان میں سے کوئی اطلاع باقاعدہ زخموں کو گن کر جانچ کر نہیں دی گئی ہے اور ابتدائی یا پہلے دوسرے حملے کے سوا زخموں کا صحیح طور پر گن لینا نہ تو ممکن تھا اور نہ کسی نے باقاعدہ گنتی کی تھی۔ اہلیت کی طرف سے جو اطلاعات (نمبر 2، 3) ہیں۔ تو اُن حضرات کو تو امام کی زیارت اور اُن سے بات کرنے ہی کا وقت نہ ملتا تھا انہیں صدمات میں اسکی فرصت کہاں تھی کہ وہ زخم گننے بیٹھ جائیں اور جب تک تمام زخم نہ گن لیں امام کو آئے ہی نہ دیں۔ لہذا اُنکی دی ہوئی اطلاعات بھی آخر تک لگنے والے زخموں کی تعداد نہیں ہو سکتی۔ اسلئے کہ سر میں پٹی باندھنے کے بعد وہ خیام میں گئے تو ہیں مگر نہ اندر تک پہنچے اور نہ وہاں ٹھہرے۔ مثلاً دریا سے ہٹانے کیلئے جب جھوٹ بولا گیا تو آپ خیام میں چکر لگانے آئے اور دشمن کے حملہ کا اثر نہ پا کر واپس دوبارہ دریا پر قبضہ کرنے چلے گئے۔ اُسکے بعد جو چار مرتبہ سجدہ کیلئے زمین پر اترے اور اس دوران جو زخم آئے اُن کی اطلاع علم امامت کے علاوہ دوسرے طریقہ سے نہ ہو سکتی تھی۔ بات یہ ہے کہ جس نے سب سے کم تعداد بتائی اُس نے یا ابتدائی حملے کی اطلاع دی کہ جب تک زخم ہی کم آئے تھے اور بتدریج تعداد بڑھتی گئی اور اطلاع دینے والوں نے بھی اُسی حساب سے جتنے زخم نظر آ سکے بتا دیئے۔ پھر زخموں کا یہ حال تھا کہ ایک ہی جگہ تیر یا ہر چھیاں لگ لگ کر ایک بڑا سوراخ ہو جاتا تھا۔ جس نے بڑے بڑے گھاؤ ہی دیکھے اس نے بھی تعداد کم بتانا تھی۔ پھر راوی نے جس جگہ اور جس طرف سے اور جس وقت دیکھا اُس وقت تک جتنے زخم قابل شمار ہو سکے ذکر کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام مظلوم کے جسم کے ہر انچ میں کئی کئی زخم تھے۔ جن کو اگر گن لینا ممکن ہوتا تو ہزاروں زخم بتائی ہوئی تعداد سے زیادہ پائے جاتے یعنی اُن ساتوں اطلاعات کی میزان (72+67+320+360+33+1900+4180=6932) چھ ہزار نو سو تیس بھی کل تعداد سے کم ہے۔ پھر یہ ایک بکواس ہے کہ امام نے جنگ کے دوران کوئی زہر پہن رکھی تھی۔ اور اگر زہر پہنی بھی ہوتی تو وہ لوہے کی ہوتی ہے۔ اُس میں تیروں کا گھسنا اور ٹھہرنا چندو خانے کی باتیں ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے حملہ سے بچنے کیلئے دشمن کو پشت نہیں دکھائی۔ مگر یہ بکواس ہے کہ امام کی پشت پر کوئی زخم نہ تھا۔ اسلئے کہ بار بار چاروں طرف سے حملہ کا ذکر اور حملہ ہوتا رہا ہے۔ لہذا آگے پیچھے داہنے بائیں ہر طرف زخم ہی زخم تھے۔ کہیں انگلی رکھنے کی بھی ایسی جگہ نہ تھی جہاں سے انگلی پار نہ نکل جائے۔ امام اس حالت میں ہیں اور چالیس انتخاب شدہ زنا زادے باری باری قتل کرنے کو آ رہے ہیں۔ لیکن قتل وہی کریگا جس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی۔

(29)۔ فرزند رسول اور نجات دہندہ نوع انسان کو کس طرح قتل کیا گیا؟

آپ نے دیکھا تھا کہ شبث بن ربعی نے خوفزدہ ہو کر قتل حسینؑ سے انکار کر دیا تھا۔ مگر وہاں تو چالیس ملاعین واشتقیا تھے۔ دو چار کے انکار سے کیا ہو سکتا تھا؟

فا قبل الیہ سنان بن انس النخعی فکان کوسجاً قصیراً لوجه ابرص فقال ثکلتک أمک وعد موک قومک لِمَ رَحَفْتُ عَنْ قَتْلِهِ؟ فقال یا وایلیک آنہ فتح عینیہ فی وجهی فشبہتا عینی رسول اللہ فاستحییْتُ اَن اقتل شبیہاً لرسول اللہ فقال لہ یا وایلیک هلُم الی السیف فانا احق منک بقتله فاخذ السیف وهَمَّ اَن یعلو راسه فنظر علیہ السلام الیہ فارتعد السنن فرعاً منه وسقط السیف من یدہ ووَلَّی ہارباً۔ فا قبل الیہ الشمر الملعون فقال ثکلتک أمک ما ارجعک عن قتلہ فقال یا وایلیک آنہ فتح فی

و جہی عینیہ فذکرت شجاعة ابيه فذهلت عن قتله۔ فقال الشمر ياويلک انک لجبان فی الحرب هَلُمَّ اِلَيَّ بالسَّيفِ فوالله ما احدث حقَّ مِنِّي بدم الحسين انی لا قتله سواء الشبه المصطفیٰ او علی المرتضیٰ۔ فاخذ السیف من يده وركب صدر الحسين۔ فنظر اليه فلم يَرَهُ مِنْهُ وقال له لا اظنَّ اَنِّي كمن اتاک فَلَسْتُ اَرَدُ عن قتلك يا حسين فقال له الحسين عليه السلام مَنْ اَنْتَ فلقد اَرْتَقَيْتَ مرتقًا عظيمًا طال ما قبله رسولُ الله؟ فقال اناملعون بن ملعون انا الشمر الضبابي فقال الحسين اَمَا تعرفني فقال ولد الزنا بلی انت الحسين بن علی بن ابي طالب و امك فاطمة الزهراء و جدك محمد المصطفیٰ و جدتك خديجة الكبرى۔ فقال عليه السلام ياويلک عرفتنی فلم تقتلنی فقال الملعون المبروص اطلب بقتلك الجائزة عن يزيد بن معاوية فقال الحسين اَيُّما حبَّ اليک شفاعة جدی رسولُ الله اَوْ جائزة يزيد الملعون بن الملعون فقال دانق من جائزة يزيد احبَّ اِلَيَّ منك و مِن شفاعة جدك و ابيک۔

فقال عليه السلام اذا كان لا بدَّ من قتلي فاسقني شربة من الماء فقال هيهات هيهات و الله ما تذوق الماء اُتذوق الموت غصّة بعد غصّة و جرعة بعد جرعة فقال يابن ابي تراب اَلَسْتُ تزعم ان اباک علی الحوض يسقى مَنْ احبَّ؟ اصبر حتى يسقيک ابوک۔ فقال عليه السلام سَأَلْتُک بالله الا ما كشفت لی عن لثامک لانظر اليک؟ قال فكشف له عن لثامه فاذا هو ابرص اعور له بوز كبوز الکلاب و نفر کنقر الخنزير۔ فقال له الامام عليه السلام صدق جدی رسول الله صلى الله عليه وآله۔ فقال الشمر الملعون و ما قال جدك؟ قال سمعته يقول لَأَبِي عَلِيًّا ياعليّ يقتل و لدک هذا ابرص اعور له بوز كبوز الکلاب و نفر کنقر الخنزير۔ فقال الشمر الملعون تشبهني بالکلاب و الله لا ذبحنک من القضاء جزاء لما شبهني جدك۔ فضربه بِرِجْلِهِ فَالْقَاهُ عَلَيَّ فَقَاهُ ثُمَّ بَلَحِيته وَهَمَّ بقتله۔ فضحك الحسين عليه السلام و قال اَنْتَ الابقع الذی رائيتک فی منامي بلغ فی دم اهل بيتی۔ قال الشمر الملعون اقتل لا ابالي فضربه بسيفه اثنتی عشر ضربة وَاجْتَنَزَّ راسه و علاه علی فَنَاقَ طَوِيلَةً۔ (اکبر العبادات۔ صفحہ 424 تا 426)

بہر حال شبث کے بعد سنان بن انس نخعی آگے بڑھا جو کہ بکرے کی سی داڑھی رکھتا تھا اور گھنونی صورت والا تھا۔ اور بھاگنے والے سے کہا کہ تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے اور تیری قوم فنا ہو جائے۔ بھلا تو حسین کے قتل سے کیوں باز رہا اور بھاگ آیا؟ اس نے کہا کہ خدا تیرا ستیاناس کرے۔ ارے جب انہوں نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا تو میری آنکھوں نے گویا رسول اللہ کو دیکھا۔ مجھے شرم آئی کہ میں ہم شکل رسول کو قتل کر ڈالوں۔ سنان بن انس نے کہا تیرا ستیاناس لا تلوار مجھے دے میں ہی تم سے زیادہ حسین کو قتل کرنے کا حقدار ہوں۔ چنانچہ اس سے تلوار لے کر چلا اور ہمت کر رہا تھا کہ امام مظلوم کا سر مبارک جدا کر دے اتنے میں آنجناب علیہ السلام نے سنان کی طرف دیکھا تو وہ لرزنے لگا۔ ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور لڑکھڑاتا ہوا بھاگ گیا۔ شمر ملعون اُس کے پاس آیا اور ڈانٹ کر پوچھا کہ اوناں گئے بھلا تو کیوں قتل سے باز رہا؟ سنان نے کہا بے شرم جب انہوں نے میرے چہرے کو دیکھا تو مجھے اُن کے والد کی شجاعت یاد آگئی۔ چنانچہ میری ہمت نے جواب دے دیا۔ شمر نے کہا خدا تجھے غارت کرے تو میدان جنگ میں ہمیشہ کا بُر دل ہے۔ لاؤ تلوار مجھے دو۔ خدا کی قسم حسین کو قتل کرنے اور اُن کا خون بہانے میں کوئی بھی مجھ سے زیادہ حقدار نہیں ہے۔ میں یقیناً انہیں قتل کر دوں گا خواہ اُن میں محمد مصطفیٰ کی شہادت آتی ہو یا وہ علی مرتضیٰ کے ہم شکل کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ سنان کے ہاتھ سے تلوار لی اور امام کے سینہ مقدس پر چڑھ کر

بیٹھ گیا۔ امامؑ نے اُس کی طرف دیکھا مگر شمر ہر اس اُنہ ہوا اور بولا کہ جو لوگ تمہارے قتل کے لئے مجھ سے پہلے آئے تھے میں ویسا نہیں ہوں۔ اے حسینؑ میں تمہیں قتل کئے بغیر پلٹنے والا نہیں ہوں۔ امامؑ نے پوچھا تو کون ہے؟ تو اُس عظیم الشان جگہ پر چڑھا بیٹھا ہے جسے رسول اللہؐ بہت بہت دیر تک چومتے رہتے تھے۔ شمر نے کہا میں ملعون ہوں ملعون کا بیٹا شمر ضبابی ہوں۔ امامؑ نے فرمایا کیا تو مجھے نہیں جانتا۔ شمر نے کہا کیوں نہیں میں جانتا ہوں تم حسینؑ بن علیؑ بن ابیطالبؑ ہو۔ تمہاری ماں فاطمہؑ زہراءؑ ہیں۔ تمہارے نانا محمدؐ مصطفیٰؐ ہیں۔ تمہاری دادی خدیجہ الکبریٰؑ ہیں۔ آنجنابؑ نے فرمایا کہ خدا تجھے سمجھے جب تو یہ سب کچھ جانتا ہے تو پھر مجھے قتل کیوں کرنا چاہتا ہے؟ اس ملعون نے کہا کہ تمہارے قتل کرنے سے مجھے انعام و جاگیر ملے گی۔ اور یزید کی رضامندی حاصل ہوگی۔ امامؑ نے فرمایا کہ تجھے میرے نانا رسول اللہؐ کی شفاعت زیادہ پیاری ہے یا یزید کا انعام زیادہ محبوب ہے؟ شمر نے کہا کہ مجھے یزید بن معاویہ سے ملا ہوا تھوڑا سا انعام بھی آپ سے اور آپ کے نانا رسول اللہؐ کی اور آپ کے والدؑ کی شفاعت سے بہت زیادہ پسند ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا اگر میرا قتل کرنا ہی تجھے لازماً منظور ہے تو قتل سے پہلے مجھے ایک گھونٹ پانی پلا دے۔ شمر ملعون نے جواب دیا کہ افسوس ہزار افسوس خدا کی قسم تمہیں پانی ہر گز چکھنے کو نہ دیا جائے گا۔ البتہ تمہیں گھونٹ گھونٹ کر کے موت کا ذائقہ غم و غصہ کے ساتھ ساتھ چکھنا پڑے گا۔ پھر طنز کیا کہ اے حسینؑ کیا تمہارا گمان باطل یہ نہیں ہے کہ تمہارا باپ ابوترابؑ ساتی حوض کوثر ہے اور وہ اپنے پسندیدہ لوگوں کو حوض کوثر کا پانی پلائیں گے۔ لہذا تم اس وقت تک صبر کرو جب تک تمہارے والدؑ حوض کوثر سے سیراب کریں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تجھے اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ تو مجھے ذرا اپنا یہ گلوبند یا مفلر (Muffler) کھول کر دکھا دے۔ شمر نے سر و گردن سے مفلر کھول کر دکھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ شمر کا دہن گتے کی تھوٹنی کی مانند ہے اور اُس کی گردن سُر کی طرح ہے۔ یہ دیکھ کر امامؑ نے فرمایا کہ سچا ہو گیا وہ قول جو میرے دادا رسول اللہؐ نے فرمایا تھا۔ شمر نے پوچھا کہ آپ کے دادا نے کیا کہا تھا؟ فرمایا میں نے رسول اللہؐ کو اپنے والد علیؑ سے یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ اے علیؑ تیرے بیٹے کو ایسا شخص قتل کرے گا جس کا دھانہ گتے کی تھوٹنی کی طرح ہوگا اور جس کی گردن کوتاہ اور سُر کے مانند ہوگی۔ اور وہ برص کے سفید داغ رکھتا ہوگا۔ یہ سن کر شمر نے غضبناک ہو کر کہا کہ میں تمہیں پس پشت سے ذبح کروں گا اسلئے کہ تم نے مجھے کتے اور سُر کے مانند قرار دیا اور یہ بدلہ ہوگا اُس قول کا جو تمہارے دادا نے میرے لئے بیان کیا۔ یہ کہہ کر اُس ملعون نے ایک ٹھوکرماری اور آپ کو مُنہ کے بھل اُلٹا دیا۔ اور کمر پر بیٹھ کر امامؑ مظلوم کی داڑھی پکڑ کر ذبح کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ امام علیہ السلام نے ہنس کر فرمایا بلاشبہ تو وہی ابلق کتا ہے جسے میں نے آج رات خواب میں اپنے اہلبیتؑ کا خون چاٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ شمر ملعون نے کہا کہ میں تمہیں بلا خدشہ اطمینان سے قتل کر رہا ہوں۔ اس کے بعد اُس حرامزادے نے اپنی تلوار کی بارہ ضربیں لگا کر حق و حقانیت اور سچائی کی گردن کاٹ ڈالی اور ایک طویل نیزہ پر امام مظلومؑ کے قرآن پڑھتے ہوئے سر کو بلند کر کے فرقانی حکومت اور نسل کے جہنمی ہونے کا اعلان کر دیا۔ امامؑ باوازا بلند فرما رہے تھے کہ:-

ایاشمر تقتلنی وحیدرۃ اُبی۔ و جدی رسول اللہ اکرم مہتدی۔ و فاطمۃ اُمی والزکی ابن الیدی۔ و عَمی هو الطیار فی جنة الخلد۔ اَلَا یَا زینبُ یا سَکینۃ۔ اَیَا ولدی من ذایکون لکم بعدی۔ اَلَا یَا رقیۃ یا ام کلثوم انتم۔ و دِیعۃ رَبّی الیوم قد قرب

الوعدی۔ ایشامرارحم ذالعلیل وبعده۔ حریماً بلاکفل بلی امرهم بعدی سابی لکم جدی واسعد من بکی۔ علی رزیکم والفوز فی جنۃ الخلد۔ سلام علیکم مآثر فراقکم۔ فقوموا التودیع فی هذا آخر العهدی۔ (اکسیرالعبادات۔ صفحہ 425)

اے شمرخبردار رہ کہ تو نے مجھے ہی نہیں بلکہ میرے والد حیدرؑ کو اور میرے نانا رسولؐ کو اور میری ماں فاطمہؑ کو اور میرے بھائی حسنؑ کو اور میرے چچا جعفرؑ کو بھی قتل کر دیا ہے۔ اور یہ قتل عام جنت میں رہنے والوں کا کیا گیا۔ اے بہن زینبؑ اور اے بیٹی سکینہؑ اور اے میری اولاد تم پر کیا کیا آفات گزرنے والی ہیں۔ اے رفیقہؑ اور اے ام کلثومؑ تم سب میرے رب کی طرف سے میرے پاس امانت ہو۔ اور یقیناً اب تم میرے وعدہ کو پورا کر دکھاؤ گے۔ اے شمر میرے بیمار و ناتواں بیٹے پر اور میرے بے سہارا حرم پر رحم کرنا۔ اے میرے اہل حرمؑ تم پر میرے نانا رسولؐ اللہؐ رو رہے ہیں اور جو تم پر روئے گا اور تمہاری مصیبت میں شریک رہے گا وہ جنت میں بڑے درجات پر فائز ہوگا۔ تم پر میرا، بعد قتل بھی سلام جاری ہے۔ لہذا تم بڑی مضبوطی اور استقلال سے میرے منصوبہ کی تکمیل میں مصروف ہو جاؤ۔ میرے عہد اور معاہدہ پر یہ آخری تاکید ہے۔ حضرت زینبؑ فرماتی تھیں کہ:-

(1) بَنَاتُ مُحَمَّدٍ أَصْحَابَاتُ سَبَايَا (2) يُسْفَنَ مَعَ الْأَسَارَى وَالنِّهَابِ (3) مُعْبَرَةٌ الدُّيُولُ مُكْشِفَاتِ (4) كَسْبِي الرُّومَ دَائِمَةً الْكِعَابِ (5) لَنْ أُبْرَزْنَ كُرْهًا مِنْ حِجَابِ (6) فَهَنْ مِنَ التَّعَفُّفِ فِي حِجَابِ (7) أَيْخَلُ فِي الْفُرَاتِ عَلَى حُسَيْنٍ (8) وَقَدْ أَضْحَى مُبَاحًا لِلْكَلَابِ (9) فَلَيْ قَلْبٌ عَلَيْهِ ذُو النَّهَابِ (10) وَلَيْ جَفْنٌ عَلَيْهِ ذُو النَّسْكَابِ۔ (بحار الانوار)

ہائے افسوس کہ رسولؐ اللہؐ کی بیٹیاں گرفتار کر لی گئیں اور انہیں ٹوٹ کھسوٹ کر قیدیوں کی طرح ہانکا جا رہا ہے۔ اُن کے دامن گرد آلود اور چہرے کھلے ہوئے ہیں۔ روم کے قیدیوں کی طرح اُن کے پیرنگے اور زخمی ہیں۔ اگرچہ ہمیں زبردستی بے پردہ کیا گیا۔ لیکن ہمارا چلن اور نبویؐ پارسائی ہمارا پردہ بن گئی ہے۔ بہتے ہوئے دریائے فرات کا پانی بند کر کے ان لوگوں نے حسینؑ اور اُن کے بچوں سے بخلی اور ظلم کیا حالانکہ جانوروں اور کتوں کے لئے پانی کو آزاد رکھا۔ بھیا میرے قلب و جگر میں غم و الم کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اور میری آنکھیں تمہارے لئے آنسو بہانے میں مصروف ہیں۔

ہماری اور تمام مجاہد و آل محمدؐ کی طرف سے قاتلان حسینؑ اور قاتلان اولاد و اقربائے حسینؑ اور قاتلان انصاران حسینؑ پر اور اُن کی قوم و مذہب پر قیامت تک لعنت جاری رہے آمین۔ اللہ جلد از جلد ہمارے امام آخر الزمان قائم آل محمدؐ ابن حسن عسکری علیہم السلام کی حکومت قائم کرے۔ آمین بحق معصومینؑ آمین۔ والسلام علی صاحب العصر و الزمان۔

بقلم خادم المسلمین محمد احسن۔ 25 جولائی 1977ء

46۔ ذوالجناح کی خدمات اور سر قاسم علیہ السلام کا دردناک سفر

(1)۔ حضرت شہربانو اور زوجہ قاسم علیہم السلام اور ذوالجناح کی نئی زندگی؟

چونکہ علمائے مجتہدین نے دین و دنیا کو سمجھنے اور بیان کرنے کے لئے اپنی ناقص و محدود عقل کو آخری مرتبہ دے دیا تھا۔ اس لئے قرآن و حدیث کی جو بات اُن کی سمجھ اور عقل کے دائرہ میں نہ سما سکی اُس کا یا تو انکار کر دیا یا قرآن و حدیث میں بیان شدہ صورت کو مسخ کر کے اور قرآنی حقیقت کو اپنی عقل کے سانچے میں ڈھال کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ کربلا میں جناب قاسم علیہ السلام کا عقد نکاح اُن کے عقل کے تقاضے اور ذہنی ماحول پر فٹ (Fit) نہیں ہوتا۔ تو باوجودیکہ واقعہ زبان زد عوام تھا، روایات موجود تھیں۔ ملت شیعہ رسومات عزاداری میں حضرت قاسم اور فاطمہ کبریٰ علیہما السلام کو طرح طرح سے یاد کرتی چلی آتی تھی۔ مجتہدین نے اس دردناک اور معجزاتی واقعہ کا کھلا انکار کرنا طے کر لیا اور اپنے دائرہ اثر و رسوخ میں مسلسل انکار جاری رکھا۔ اسی طرح ہزاروں روایات موجود ہوتے ہوئے اُن کی عقل نے امام حسن علیہ السلام کے بہت سے نکاح کرنا پسند نہ کیا۔ لہذا مسلسل انکار جاری رکھا۔ پھر امام حسن کے متعلق ملت شیعہ کو یہ تصور دیا کہ اُن کی اولاد گویا ختم ہو گئی تھی۔ اُن لوگوں کی لکھی یا لکھوائی ہوئی ساری کتابیں پڑھ جائیں آپ کو دس بارہ افراد سے زیادہ نام نہ ملیں گے جن کا ذکر اُن حضرات نے امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں کیا ہے۔ یہ رویہ اور انکار اس لئے اختیار کیا گیا کہ اُن کے پاس اُن اعتراضات و سوالات کا جواب نہ تھا جو امام حسن کی اولاد پر واقع ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اُن کی کثرت ہمیشہ مخالف حکومتوں کی طرح آئمہ معصومین علیہم السلام کی مخالف اور عملاً ظلم و ستم کرتی رہی۔ لہذا علمائے مجتہدین اُن سے فارغ ہو کر بیٹھ گئے اور ملت شیعہ کو اس سلسلے میں تاریخ سے جاہل رکھا۔ پھر اُن کی سمجھ میں یہ معمہ بھی نہ آیا کہ حضرت شہربانو علیہا السلام کہاں گئیں؟ اُنہوں نے کہا کہ حضرت شہربانو امام زین العابدین کی پیدائش کے چند روز بعد انتقال فرما گئی تھیں۔ لہذا نہ کربلا میں آئیں نہ اہل حرم کے ساتھ قید ہوئیں۔ مگر انہیں یہ بتانا چاہئے تھا کہ وہ دوسری شہربانو کہاں گئیں جو امام حسن علیہ السلام کے عقد میں آئی تھیں؟ ساری دنیا جانتی ہے، تاریخ اور خود مجتہدین مانتے ہیں کہ دو شہزادیاں ایران سے آئی تھیں۔ اور دونوں نے حسین علیہما السلام کو اپنی شوہریت کے لئے انتخاب کیا تھا۔ پھر وہ یہ تو مانتے ہیں کہ ذوالجناح بعد شہادت خیمہ میں آیا تھا۔ مگر یہ نہیں بتاتے کہ اس کے بعد وہ ذوالجناح کہاں گیا؟ ہم یہاں یہ دکھاتے ہیں کہ حضرت قاسم، فاطمہ کبریٰ اور شہربانو علیہم السلام کو اس دنیا میں عملاً برقرار رکھنے اور تمام نعمات زندگی سے استفادہ کرنے کے لئے ایک زیادہ واضح زندگی عطا کی گئی تھی۔ اور ذوالجناح اُن کی اس زندگی میں مُمد و معاون رہنے کے لئے باقی رکھا گیا تھا۔ تاکہ شہداء کی لازوال اور مکمل حیات کا نمونہ سامنے آجائے۔

(2)۔ شہادت کے بعد ذوالجناح کی خدمات مسلسل جاری ہیں

مومنین جانتے ہیں کہ ایک روز وہ تھا جب امام حسین علیہ السلام چھوٹے سے بچے تھے اور ذوالجناح نے اُنہیں سوار ہونے میں مدد دی تھی۔ اور ایک روز وہ آیا جس دن ذوالجناح نے سرکار امام علیہ السلام کو اپنی پشت سے زمین پر تشریف لانے اور سجدہ شکر بجالانے

میں مدد دی اور جب حالتِ سجدہ میں حضورؐ پر قاتلوں نے ہجوم کیا تو ذوالجناح نے بھی دشمنوں پر برابر حملہ جاری رکھا۔ لیکن کثرتِ ازدحام میں امامؑ پر وہ کچھ گزر گیا جو سرکارؐ نے روزِ ازل سے منظور فرمالیا تھا۔

عَنِ الْمُنْتَخَبِ نَقَلَ أَنَّهُ لَمَّا قَتَلَ الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَعَلَ جَوَادُهُ يَصْهَلُ وَيَحْمَحُمُ وَيَتَخَطَّى الْقَتْلَى فِي مَعْرَكَةٍ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ فَنَظَرَ إِلَيْهِ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ لَعَنَهُ اللَّهُ فَصَاحَ بِالرِّجَالِ خَذَوْهُ وَاتُونِي بِهِ وَكَانَ مِنْ جِيَادِ خَيْلِ رَسُولِ اللَّهِ - قَالَ فَتَرَاكَضَتِ الْفَرَسَانِ إِلَيْهِ فَجَعَلَ يَرِفُ بِرِجْلَيْهِ وَيَمْنَعُ عَنْ نَفْسِهِ وَيَكْدُمُ بِفِمْهِ حَتَّى قَتَلَ جَمَاعَةً مِنَ النَّاسِ وَنَكَسَ فَرَسَانَا عَنْ خِيُولِهِمْ فَلَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ فَصَاحَ ابْنُ سَعْدٍ وَيْلَكُمْ تَبَاعَدُوا عَنْهُ وَدَعَوْهُ لِنَظَرٍ مَا يَصْنَعُ - فَتَبَاعَدُوا عَنْهُ فَلَمَّا آمَنَ الطَّلَبُ جَعَلَ يَتَخَطَّى الْقَتْلَى وَيَطْلُبُ الْحُسَيْنَ حَتَّى إِذَا وَصَلَ إِلَيْهِ جَعَلَ يَشْتُمُ رَأْيَ حَتِّهِ وَيَقْبَلُهُ بِفِمْهِ وَيَمْرُغُ نَاصِيَتَهُ عَلَيْهِ وَهُوَ مَعَ ذَلِكَ يَصْهَلُ وَيَبْكِي بُكَاءَ الثَّكَلِيِّ حَتَّى أَغْجَبَ كُلُّ مَنْ حَضَرَ - قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ قَيْسٍ رَأَيْتُ الْجَوَادَ رَاكِضًا وَقَدْ تَفَرَّقَ النَّاسُ عَنْهُ وَهُوَ رَاجِعٌ نَحْوَ الْخَيْمِ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ أَحَدٌ وَحَمَلَ عَلَيْهِمْ وَقَصَدَ الْفَرَاتَ وَوَثَبَ وَثْبَةً فَإِذَا هُوَ فِي وَسْطِ الْفَرَاتِ ثُمَّ غَاصَ وَلَمْ يَعْرِفْ لَهُ إِلَى الْآنَ خَيْرٌ وَقَدْ ذَكَرُوا أَنَّهُ يَظْهَرُ عَلَى يَدِ الْقَائِمِ مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ - (أكسير العبادات - صفحہ 436)

بہر حال جب دشمنانِ خدا اور رسولؐ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا چکے اور غم کم ہوا۔ تو ذوالجناح برابر حملہ کرتا ہوا اور ہنہنا کر چنگھاڑتا ہوا امام علیہ السلام کو لاشوں میں تلاش کرتا ہوا چلا آ رہا تھا اور سمجھ چکا تھا کہ علیؑ و فاطمہؑ کی یادگار اور رسولؐ کا لاڈلا حسینؑ شہید ہو چکا ہے۔ عمر کی نگاہ پڑی تو اُس نے لوگوں کو پکارا کہ اس گھوڑے کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ یہ سن کر بہت سے فوجیوں نے گھوڑے کو گھیرے میں لے لیا۔ لیکن ذوالجناح نے بھی اگلی اور پچھلی ٹانگوں سے لوگوں کے سروں کو اپنے سُموں کی مار سے پکچلتا اور دانتوں سے چبانا شروع کیا اور دشمنوں کی ایک جماعت کو واصلِ جہنم کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر عمر بن سعد نے آواز دی کہ اپنی جان بچاؤ اور گھوڑے کو اُس کے حال پر چھوڑ دو اور دُور دُور ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ جب ذوالجناح پر حملہ بند ہوا تو اُس نے حسبِ سابق بے تحاشہ ہنہانا اور روتے ہوئے لاشوں میں امامؑ مظلوم کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اور جب لاشِ مبارک کو شناخت کر لیا اور سرِ مبارک کو غائب دیکھا تو بلبلایا بلبلایا کر بے قراری سے جسمِ مبارک کو سونگھتا اور چومتا جاتا تھا۔ اور اپنی پیشانی خون آلودہ بدن پر ملتا تھا۔ اور غمزدہ ماں کی طرح آہِ وزاری اور بین کرتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اور جو لوگ دیکھ رہے تھے وہ بھی حیران و غمگین ہو رہے تھے۔ عبداللہ بن قیس کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ وہ گھوڑا امامؑ سے رخصت ہو کر اس تیزی سے اہلِ حرم کے خیموں کی طرف دوڑا کہ فوج کے بادل چھٹ گئے اور کسی کو اُسے روکنے یا پکڑ لینے کی قدرت نہ ہوئی اور اس کے بعد دیکھا گیا کہ گھوڑے نے نہرِ فرات کا قصد کیا اور راہ میں آنے والی فوج پر بے تحاشہ حملہ کیا۔ دریا میں چھلانگ لگا دی اور ایک دفعہ دریا نے فرات کے نصف میں نظر آیا اور پھر ایک غوطہ لگایا۔ اُس کے بعد آج تک اس کے متعلق کچھ اور معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ یہ ضرور کہا گیا ہے کہ وہ حضرت امام مہدی قائم آل محمد صلوٰۃ اللہ کے ہاتھ پر ظاہر ہوگا۔

(3)۔ ذوالجناح کا اہلِ حرم کے خیموں میں اطلاع دینا

عَنِ الْجُلُودِيِّ أَنَّهُ لَمَّا صَرَعَ الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَعَلَ فَرَسُهُ يَحَامِي عَنْهُ فَيَثْبُغُ عَلَى الْفَارَسِ فَيَخْبِطُهُ عَنْ سِرْجِهِ وَيَدُومُهُ حَتَّى قَتَلَ الْفَرَسَ أَرْبَعِينَ رَجُلًا - ثُمَّ تَمْرَغُ فِي دَمِ الْحُسَيْنِ وَقَصَدَ نَحْوَ الْخِيْمَةِ وَلَهُ صَهِيلٌ عَالٌ وَيَضْرِبُ بِيَدِهِ الْأَرْضَ - قَالَ

ابو مخنف وبقول فی حَمَمَتِهِ الظلیمة الظلیمة من امة قتلت ابن بنت نبیہا فتعجبوا من ذلك وصار یطلب الخیم ویصهل صهیلاً عالياً وقدماء البریة من صهیله حتی قرب من الخیم فَسَمِعَتْ زینب صهیله فَعَرَفَتْهُ - فاقبلت علی سکینة وقالت جاء ابوک بالماء فاستقبلیه - قال فخرجت سکینة فَنَظَرَتْ اِلَى الفرس غارباً والسرْح خالیاً وَهُوَ یَصْهَلُ وینعی صاحبه فَلَمَّا رَأَتْهُ هَتکت خمارها وصاحت واقتیلاً؛ واَحْسیناً؛ وا محمدًا؛ وا علیاً؛ وا فاطمناً؛ وا غریناً؛ وا بعد سفراً؛ وا کرباً هذا الحسینُ بالعراء مسلوب العمامة والرداء؛ وا محمدًا هذا الحسینُ معقودمه فی ارض کربلا و جسمه بالعرآء؛ هذا الحسینُ بدنه بارض وراسه باخری؛ بابی من براسه الی الشام یهدی؛ بابی من امسى عسکره یوم الاثنين نهبا - ثُمَّ اَنّھا وَضَعَتْ یدها علی رَاسِهَا وانشأت مات الفخار ومات الجود والکرم واغبرت الارض والآفاق والحرم۔ (اکسیرالعبادات۔ صفحہ 436)

علامہ جلودی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ جب امام مظلوم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو اُن کے گھوڑے نے اُن کا تحفظ شروع کیا۔ وہ آگے بڑھ کر سامنے آنے والے سوار پر اُچھل کر حملہ کرتا۔ اُسے زین سے گھسیٹ کر زمین پر گراتا اور برابر کچلتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ ذوالجناح نے دشمن کے چالیس افراد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس کے بعد امام کے خون میں خود کو تر کیا اور خیام حسینیٰ میں پہنچا۔ بلند ترین فریاد کرتے ہوئے اگلے پاؤں کو زمین پر مارتا اور ہنہناتا اور چلاتا اور پکارتا تھا۔ علامہ ابو مخنف نے لکھا ہے کہ ذوالجناح یہ کہہ رہا تھا؛ اور سب لوگ اُس کے ہمہ سے یہ سمجھ کر حیران ہو رہے تھے کہ بڑی ہی ظالم اور جفا کار ہے یہ اُمت جس نے اپنے نبی کی بیٹی کے فرزند کو تین دن بھوکا پیاسا رکھ کر مع اہل و عیال کے قتل کر دیا ہے۔ وہ چیخیں مارتا، ہنہناتا اور خیمہ حسینیٰ کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اُس کی دردناک چنگھاڑ سے فضا گونج رہی تھی۔ جب اُس کی چیخیں خیمہ حسینیٰ میں پہنچنا شروع ہوئیں اور وہ اہلبیت کے خیام کے قریب پہنچا تو حضرت زینب علیہا السلام نے اُس کے ہنہانے کو پہچان لیا اور باہر آنے سے پہلے جناب سکینے کے پاس گئیں اور کہا کہ غالباً تمہارے بابا جان پانی لے کر آئے ہیں گھوڑے کی آوازیں قریب سے آرہی ہیں۔ آؤ بیٹی چل کر امام کا استقبال کریں۔ دونوں پھوپھی اور بھتیجی جلدی جلدی خیمہ کے دروازے پر پہنچیں۔ جو نظارہ سامنے تھا اُسے دیکھ کر سکینے نے اوڑھنی سر سے اتار کر پھینک دی۔ گھوڑا زخموں سے پُور چڑھ رہا تھا۔ زین خالی تھی۔ وہ حضرت زینب اور سکینے کو دیکھتے ہی قریب آیا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا اگر زبان بھی ہوتی تو ناقابل بیان تھا۔ وہ خود اپنی اور امام مظلوم کی بولتی چالتی داستانِ غم و اندوہ تھا۔ تمام مستورات چاروں طرف جمع ہو گئیں۔ بزرگ خواتین کے پاس اتنا وقت کہاں تھا؟ یہ کسے ہوش تھا کہ ننھی سکینے کو اس روح فرسا حالت سے بچا کر علیحدہ لے جائیں۔ وہ گھوڑے کے گلے میں لپٹ گئیں اور بے قراری میں کہتی جاتی تھیں کہ ہائے میرے مظلوم بابا۔ ہائے بے بسی و بے کسی کے عالم میں قتل ہو جانے والے سر پرست۔ ہائے نانا جان آپ کے پیارے حسین قتل کر دیئے گئے۔ افسوس دادا جان آپ ہمارے تحفظ میں کچھ نہ کر سکے۔ ہائے نانی جان آپ پر کیا گزری؟ ہائے بابا آپ کو ہمیں اس غربت اور بے چارگی کے عالم میں چھوڑ جانے کا کتنا دکھ ہوا ہوگا؟ ہائے افسوس آپ کو ہمارے بارے میں اس دُور دراز سفر و پردیس میں رہ جانے کی کتنی تکلیف سہنا پڑی ہے؟ اے نانا زاد دیکھئے آپ کا لاڈلا حسین قتل ہو کر زمین پر لیٹا ہوا ہے۔ اے نانا جان کیا آپ حسین کو ایسی حالت میں دیکھنا پسند کریں گے کہ وہ اس گرمی سے دکھتی ہوئی زمین پر بلا آرام و لباس کے خون میں ڈوبے ہوئے پڑے ہوں؟ سر کٹا ہوا ہو، لباس لوٹ لیا گیا ہو، روح جسم سے جدا ہو چکی ہو، نہ عمامہ ہو نہ ردا ہو۔ نانا جان اب یہی تو باقی ہے نا؟ کہ

<http://fb.com/ranajabirabbas>

قَدَمَاتُ فِي النَّفَاسِ مِنْ وَلَادَةِ الْإِمَامِ - وَفِي بَعْضِ كِتَابِ التَّوَارِيخِ الْمَعْتَبَرَةِ أَنَّ شَهْرَ بَانُوِيَةِ الْيَمَنِ كَانَتْ فِي كَرْبَلَاهِي أُمُّ فَاطِمَةَ زَوْجَةَ الْقَاسِمِ وَقَدْ أَوْصَتْ سَيِّدَ الشَّهَادَةِ رُوحِي لَهُ الْفِدَاءُ بَانَ تَرْكِبَ جَوَادُهُ بَعْدَ الشَّهَادَةِ فَهُوَ يُوَصِّلُهَا إِلَى الْأَرْضِ الْمَقْدَرَةِ لَهَا وَالْأَمْرِ الَّذِي مَاضِيَةِ إِلَيْهِ فَهِيَ عَلَى مَا فِي الْأَلْسِنَةِ مَشْهُورٌ غَايِبَةٌ فِي جَبَلٍ مِنْ جِبَالِ الرِّيِّ فِي مَكَانٍ قَرِيبٍ مِنْ مَقْبَرَةِ السَّيِّدِ الْأَجَلِّ الثَّبَتِ الثَّقَةِ ذِي الْمَنَاقِبِ الْمَفَاخِرِ السَّيِّدِ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْحَسَنِ - وَقَدْ شَاعَ وَزَاعَ فِي الْأَلْسِنَةِ أَنَّ فِي قَلْعَةِ الْجَبَلِ يَرَى شَيْئًا يَشْبَهُ قِطْعَةً مِنْ خُمَارِ الْمَرْأَةِ أَوْ أَزَارَهَا وَلَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَقْرُبَ مِنْ ذَلِكَ الْمَكَانِ إِنْسَانٌ ذَكَرَ - بَلِ الْمَرْأَةُ الْجَبَلِيَّةُ - أَيْضًا إِذَا كَانَ مَا فِي بَطْنِهَا جَنِينًا ذَكَرًا وَفِي ذَلِكَ الْكِتَابِ أَنَّ شَهْرَ بَانُوِيَةَ لَمَّا رَكِبَتْ جَوَادَ الْإِمَامِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَرَادَتْ أَنْ تَمْضِيَ إِلَى الْأَرْضِ الَّذِي كَانَتْ مَأمُورَةً بِهِ تَمَسَّكَتْ بِهَا فَاطِمَةُ بَنَتْهَا فَقَالَتْ لَا أَفَارُكَ فَارْدَفَتْهَا عَلَى الْجَوَادِ فَلَمَّا طَوَى الْجَوَادُ الْأَرْضَ وَوَصَلَ إِلَى الرِّيِّ فِي قَرِيبٍ مِنْ سَاعَةِ بِأَذْنِ اللَّهِ تَعَالَى - فَقَالَتْ شَهْرٌ بَانُوِيَةُ لِفَاطِمَةَ انْزِلِي هُنَا فَإِنَّ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ أَخَوَالَكِ يَتَكَفَّلُونَ أُمُورَكَ وَيُرَاعُونَ شَانَكَ - فَأَنَّى مَاضِيَةِ إِلَى أَمْرٍ أَوْ صَانِي بِهِ الْإِمَامُ فَلَا يَجُوزُ لِي التَّخَلُّفُ عَنْهُ - وَلَا لِأَحَدٍ الْإِطْلَاعُ عَلَيْهِ وَلَا مِشَارَكَةٌ فِيهِ - فَانْزَلَتْ فَاطِمَةُ عَنْ ظَهْرِ الْجَوَادِ فَحَضَّتْ شَهْرٌ بَانُوِيَةَ إِلَى مَا كَانَتْ مَأمُورَةً بِالْمَضِيِّ إِلَيْهَا - وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِذَلِكَ وَحُجَّجُهُ الطَّاهِرُونَ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ.

(أكبر العبادات - صفحہ 439)

”ایک ذیلی گفتگو جس میں چند امور کا بیان کیا جاتا ہے جاننا چاہئے کہ حضرت شہر بانو علیہا السلام کے بارے میں جو کچھ ابن شہر آشوب نے لکھا ہے وہ کسی اور کے یہاں مذکور نہیں پایا گیا ہے۔ اگر وہ واقعات اُسی طرح سے وقوع میں آئے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے تو علامہ دربندی کے نزدیک وہ خاتون جسے شہر آشوب نے شہر بانو قرار دیا ہے۔ وہ شہر بانو نہیں ہو سکتیں جو امام زین العابدین علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ اس لئے کہ وہ تو امام کی پیدائش کے بعد چند روز زندہ رہیں اور نفاس کی مدت پوری ہونے سے بھی پہلے انتقال فرما گئی تھیں۔ لہذا اس شہر بانو کو اُس شاہ زنان کے علاوہ ہونا چاہئے۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ خاتون بادشاہ یزدجرد کی دوسری بیٹی تھیں۔ جو امام حسن علیہ السلام کے عقد میں آئی تھیں اور اُن کے انتقال کے بعد امام حسین علیہ السلام نے ان سے عقد کیا تھا۔ اور ان ہی سے جناب فاطمہ کبریٰ پیدا ہوئی تھیں۔ جو کربلا میں وصیت کے مطابق حضرت قاسم علیہ السلام کی زوجیت میں آئی تھیں۔ چنانچہ بعض تواریخ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا میں وہی شہر بانو موجود تھیں۔ اور یہ کہ امام حسین علیہ السلام نے اُن شہر بانو کو یہ وصیت کی تھی کہ تم میری شہادت کے بعد میرے گھوڑے پر سوار ہو جانا وہ تمہیں اس سرزمین پر پہنچا دے گا جہاں پہنچنا تمہارے لئے مقدر کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ حضرت شہر بانو کی غیبت کی یہ سرگزشت برابر سینہ بسینہ ایک نسل سے دوسری نسل برابر سنتی چلی آرہی ہے کہ وہ جناب کربلا سے آ کر ملک رے کے پہاڑوں میں سے فلاں پہاڑ میں غائب ہو گئی تھیں۔ اور وہ مقام سید جلیل القدر شاہ عبد العظیم کے مقبرہ سے قریب ہی تھا۔ اور یہ حقیقت بھی اُس علاقہ میں مشہور اور زبان زد خلاق ہے کہ اُس پہاڑی کی چوٹی پر ایک ایسی چیز دکھائی دیتی رہی جو اوڑھنی کے پٹو سے مشابہ تھی۔ اور کسی مرد کو وہاں جانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ البتہ حاملہ عورتیں جاسکتی تھیں۔ خواہ اُن کے شکم میں بچہ ہو یا لڑکی ہو۔ اور اُسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت شہر بانو نے مقررہ مقام پر جانے اور وصیت پوری کرنے کا ارادہ کر لیا اور ذوالجناح پر سوار ہو گئیں تو جناب فاطمہ کبریٰ نے دامن تھام لیا اور عرض کیا کہ امی جان میں آپ سے جدا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انہیں بھی اپنے ساتھ سوار کر لیا اور روانہ ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے ذرا سی دیر میں زمین نے سمٹ کر دونوں کو ملک رے کے علاقہ میں پہنچا دیا۔ یہاں پہنچ کر جناب شہر بانو علیہا السلام نے کہا کہ بیٹی تم یہاں اُتر جاؤ۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں تمہارے خالو اور نضیال کے لوگ رہتے ہیں۔ وہ تمہاری تمام ضروریات کے کفیل ہوں گے اور تمہاری شان برقرار رکھیں گے اور اب مجھے وہاں پہنچنا ہے جہاں تمہارے والد امام علیہ السلام نے حکم دیا تھا۔ جس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ نہ کسی اور کو وہاں ساتھ لے جانے کی اجازت ہے۔ نہ یہ راز بتانا ہے کہ وہ مقام کہاں ہے؟ چنانچہ جناب فاطمہ کبریٰ علیہا السلام گھوڑے سے اُتریں اور ماں کو رخصت کیا اور حضرت شہر بانو وہاں چلی گئیں جہاں جانے کا حکم ملا ہوا تھا۔ یہ راز اللہ اور معصومین علیہم السلام کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔

(5)۔ حضرت شہر بانو علیہا السلام کے متعلق روایات میں اختلاف فریب نظر ہے

یہاں ہمیں چند جملے عرض کرنا ہیں۔ آپ علامہ در بندی رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ ایک مختصر سی روایت اور اُن کے ریمارکس (Remarks) پہلے سُن لیں تو عرض کریں گے۔ انہوں نے مندرجہ بالا روایت سے پہلے لکھا تھا کہ:-

وَيَسْتَفَادُ مِنْ ابْنِ شَهْرٍ أَشُوبَ عَلِيٍّ مَا نَقَلَ عَنْهُ فِي الْبَحَارِ أَنَّ شَهْرَ بَانُو يَهُ لَمْ تَسْلُبْ ثِيَابَهَا وَذَلِكَ حَيْثُ قَالَ وَجَاؤًا بِالْحَرَمِ اسَارَى
إِلَّا شَهْرَ بَانُو يَهُ فَإِنَّهَا اتْلَفَتْ نَفْسَهَا فِي الْفِرَاتِ وَيُمْكِنُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ بَعْدَ ذَلِكَ النِّهْبِ وَالْعَارَةِ۔ (اکسیر صفحہ 438-439)
ثُمَّ عَلَى الْبِنَاءِ عَلَى الصَّحَةِ الْخَبَرِ الدَّالِّ عَلَى الْقَاءِ شَهْرَ بَانُو يَهُ نَفْسَهَا فِي الْفِرَاتِ لِأَبَدٍ مِنْ أَنْ نَقُولَ أَنَّ هَذَا لَمْ يَصْدُرْ مِنْهَا
إِلَّا بِرِخْصَةٍ مِنْ سَيِّدِ الشَّهَدَاءِ أَوْ أِذْنٍ مِنْهُ رُوِيَ لَهُ الْفِدَاءُ وَذَلِكَ الْحِكْمَةُ خَفِيَّةٌ عَنْ ادِّرَاكِ عَقُولِنَا أَيَّاهَا۔
(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 439)

”ابن شہر آشوب سے جو کچھ کتاب بحار میں لکھا گیا ہے۔ اُس سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت شہر بانو اس وقت موجود نہ تھیں جب اہل حرم کو لوٹا گیا اور نہ ہی وہ قیدی بنائی جاسکیں اس لئے کہ وہ اس سے پہلے ہی دریائے فرات میں خود کو تلف کر چکی تھیں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ فرات میں ڈوب جانا اُس لوٹ اور توہین کے بعد واقع ہوا ہو۔“

پھر دوسری مذکورہ روایت کے بعد آخر میں لکھا ہے کہ:- ”اگر ہم حضرت شہر بانو کے دریائے فرات میں کود جانے والی روایت کو صحیح مان لیں تو بھی یہ تو ماننا پڑے گا کہ وہ جناب سید الشہداء کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر ایسا نہیں کر سکتی تھیں۔ بہر حال یہ ایک راز و اسرار پر مبنی حکمت ہے۔ جسے ہماری عقول سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ حضرت قاسم علیہ السلام کی کربلا میں شادی کی تفصیلات اپنے سامنے رکھیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ فرمان یاد کریں کہ تم میرے بھائی کی ایک ایسی علامت ہو جسے میں، باقی رکھنا اور اپنے لئے باعث تسلی و تسکین بنانا چاہتا ہوں۔ پھر شہزادہ حسن بن قاسم اور سر مبارک جناب قاسم اور جناب فاطمہ کبریٰ زوجہ قاسم کے مقبروں کو ذہن میں لائیں (جن کا ذکر عنوان نمبر 43 کے نمبر 6 میں گزر چکا ہے) تو یہ ذوالجنح پر سوار ہو کر جناب شہر بانو اور حضرت فاطمہ کبریٰ کا اُسی علاقہ میں آنا ایک مربوط و لازم و ملزوم واقعات ہیں۔ اور مقصد قطعاً واضح ہے کہ جناب امام حسین حضرت قاسم اور فاطمہ کبریٰ علیہا السلام سے تاقیامت تسلی حاصل کرتے

رہیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ اُنکے ساتھ وہ تمام شہدائے کربلا اور اسیران کربلا علیہم السلام اُس تسلی میں برابر کے شریک رہیں گے۔ اور اسی انتظام و اہتمام کے لئے ضروری تھا کہ جناب شہر بانو اور اُن کی بظاہر بیوہ بیٹی کو اس علاقہ میں بھیج دیا جائے جہاں سے شہدائے کربلا و اسیران کربلا کی عزاکا باقاعدہ بندوبست جاری ہوگا۔ جو علاقہ دنیا میں مذہب حقہ کی نصرت کے لئے چُنا گیا تھا۔ اللہ ہر وہ انتظام کرنے کو تیار تھا جس سے حسینؑ اور رفقاءِ حسینؑ کی راحت مقصود ہو۔ اس لئے جناب فاطمہؑ کبریٰ، جناب شہر بانو اور ذوالجناح کو وہ حیات ابدی عطا کی گئی جس سے تمام اہلبیت و مجاہدان اہلبیت مستفید ہوتے رہیں۔

پھر آپ نے یہ پڑھا ہے کہ ذوالجناح نے بھی دریائے فرات میں غوطہ لگایا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ اُس وقت دونوں ماں بیٹیاں گھوڑے پر سوار تھیں یا گھوڑا دونوں کا پہلے سے منتظر تھا۔ اور دیکھنے والوں نے دھوکہ کھایا۔ ذوالجناح نے دونوں کو منزل مقصود پر پہنچا دیا۔ لہذا نہ گھوڑے نے خود کشی کی نہ جناب شہر بانو دریائے ڈوب گئیں۔ بلکہ نظروں کو اس سے زیادہ کچھ نظر نہ آیا اور وہ تینوں مسافر صحیح و سلامت وہاں پہنچے جہاں سے کاروان کربلا دنیا کی اقوام میں پیغامِ عزاداری لے کر روانہ ہونا تھا۔

(6)۔ حضرت قاسم علیہ السلام کے سر مبارک کا دردناک سفر اور شمر آں میں دفن کیا جانا

حضرت علامہ دربندی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ میرے پاس فارسی زبان کی ایک کتاب کا ایک حصہ ہے۔ اس کا نام بحر الانساب ہے۔ اور اس میں مصنف نے آئمہ طاہرین علیہم السلام کی اولاد اور اُن سے پیدا ہونے والی نسلوں کا پھیلاؤ اور مختلف ملکوں میں جا کر آباد ہونا اور اُن پر دشمنوں نے جو مظالم کئے اور اُن کے حالات لکھے ہیں۔ اُسی کتاب میں مصنف نے حضرت قاسم بن الحسن علیہما السلام کے سر مبارک کے سلسلے میں لکھا ہے۔ مصنف نے اُس کتاب میں کہا ہے کہ:-

قال فی ذلک الکتاب اَنَّهُ لَمَّا دَخَلَتِ الرَّؤُوسُ الْمُطَهَّرَةُ الطَّيِّبَةُ مِنْ شَهِدَاءِ کَرْبَلَا - اَمْرًا بِن زِيَادٍ لَعَنَهُ اللّٰهُ مَنَادِيًا بَانَ يَنَادِي النَّاسَ اِلَى الْجَمْعِ وَالنَّظَرَ اِلَى تِلْكَ الرَّؤُوسِ وَالسَّبَايَا مِنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ اَظْهَارِ السُّرُورِ وَالْفَرَحِ وَالِاشْتِغَالِ بِالْمَلَاهِي وَالْمَلَاعِبِ وَ اَظْهَارِ الشَّمَاتَةِ وَالِاسْتِهْزَاءِ بِالنَّسَبَةِ اِلَى اَهْلِيَّةِ الْاَظْهَارِ - فَلَمَّا اجْتَمَعَ النَّاسُ فِي الْاَزْقَةِ وَالسَّكَّكِ وَالْمِيَادِينِ وَنَظَرُوا لَى السَّبَايَا مِنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ اِلَى رُؤُوسِ مُطَهَّرَةٍ وَ سُرُورِ فَرَحٍ بِذَلِكَ غَايَةِ الْفَرَحِ وَ السُّرُورِ اتَّبَعَ آلُ اَبِي سَفْيَانَ وَ حَزَنَ وَ اغْتَمَّ بِذَلِكَ غَايَةَ الْغَمِّ وَ الْحَزَنَ اَشْيَاعُ آلِ مُحَمَّدٍ فَقَصَدَ جَمْعٌ مِنَ الشَّيْعَةِ اَنْ يَخْرُجُوا عَلٰى اِبْنِ زِيَادٍ وَ تَقْلِبُوا عَلَيْهِ الْاُمُورَ وَيَخْلَصُوا الرَّؤُوسَ الْمُطَهَّرَةَ وَ الْحَرَمَ مِنْ اِيَادِي الْكُفَّارِ - فَلَمَّا اطَّلَعَ اِبْنُ زِيَادٍ عَلٰى قَصْدِهِمْ هَذَا بِاَخْبَارٍ عَنْ بَطَانَتِهِ وَ خَوَاصِهِ اَمْرَ الرَّؤُوسَاءِ الَّذِينَ كَانُوا فِي يَوْمِ الطُّفِّ بَانَ يَسْرُحُو الرُّؤُوسَ الْمُطَهَّرَةَ وَ السَّبَايَا مَعَ عَسْكَرٍ عَظِيمٍ اِلَى الشَّامِ وَ جَمَعَ مِنَ الرَّؤُوسَاءِ وَ اَمْرَ عَلِيِّ الْكُلِّ اِبْنَ سَعْدٍ - وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعَسَاكِرُ مِنَ الْكُوفَةِ مَسَاحَةِ يَوْمَيْنِ - قَالَ وَاحِدٌ مِنَ الرَّؤُوسَاءِ وَ هُوَ حَصِينُ بْنُ نَمِيرٍ الْكَنْدِيُّ وَ هُوَ الَّذِي كَانَ رَئِيسًا وَ اَمِيرًا عَلٰى عَسْكَرِ الْعَجَمِ فِي يَوْمِ الطُّفِّ لَوْنَتَ عَلِيٍّ بِالرُّجُوعِ اِلَى الرَّيِّ لَكُنْتُ اَتَمَمْتُ احْسَانَكَ لِي - فَاِنِّي خَرَجْتُ مِنْهَا مَذْمُومَةً سِتَّةَ اَشْهُرٍ - فَاِنْ فِي رَجُوعِي اِلَيْهَا نَشَرْتُ حَقَائِقَ الْاَحْوَالِ وَ السُّرُورِ وَ الْفَرَحِ لِمَنْ فِي بَيْعَةِ يَزِيدٍ وَ مَنْ هُمْ مِنْ اتِّبَاعِ آلِ اَبِي سَفْيَانَ - فَاِذْنُ لَهُ اِبْنُ سَعْدٍ بِالرُّجُوعِ اِلَى الرَّيِّ وَ اعْطَاهُ جَوَائِزَ كَثِيرَةً مِنْ ثِيَابٍ فَاخْرَةٍ وَ جِيَادٍ اَصِيلَةٍ - فَلَمَّا ارَادَ السَّيْرَ اِلَى طَرَفِ الرَّيِّ - قَالَ اُرِيدُ مِنْكَ رَأْسًا مِنْ هَذِهِ الرَّؤُوسِ فَلْيَكُنْ ذَلِكَ الرَّاسُ مِنْ رُؤُوسِ اَوْلَادِ اَبِي تَرَابٍ فَاحْمِلْهُ اِلَى الرَّيِّ فَانَّ ذَلِكَ هَدِيَّةٌ عَظِيمَةٌ وَ عَطِيَّةٌ كَثِيرَةٌ بِالنَّسَبَةِ اِلَى

اهلها من اتباع آل ابي سفيان ومن في عنقه بيعة يزيد - فاعطاه الراس الطيب الطاهر الشهيد الجليل القاسم بن امام الحسن المجتبي روي له الفداء - وكلما كان يمر على قرية أو بلد في مسيرة إلى الرى يستقبله اهل ذلك البلد وتلك القرية وكانوا يعظمونه ويحجلونه غاية التعظيم والتبجيل ويظهرون السرور والفرح ويبدلون أموالاً كثيرة وأشياء نفيسة ويزينون الدكاكين والأسواق ويشتغلون بالملاهي والملاعب وغير ذلك من اسباب الفرح والسرور وينفقون الأموال في الاطعام وقد افترط في ذلك اهل همدان فانهم قد بدلوا له اموال كثيرة ونثر وأعلى راسه اطباق من الدنانير والدراهم وهذا النحوس السلوك من اهل البلاد والقرى - إنما كان ليقربوا به إلى يزيد وابن زياد وابن سعد وخواصهم لعنهم الله اجمعين ودهر الداهرين ابد الابدين -

فلما ورد الرى فرح بوروده وما جاء به من قضايا يوم لطف وما جرى على اهلبيت رسول الله معاشر المحبين لآل ابي سفيان لعنهم الله جميعاً - كان جمع من شبانهم وكهولهم ورجالهم ونسائهم يستهزئون بالراس الشريف ويشغلون بالملاهي والملاعب والتغنيات بالطنابير والمزامير ونحوها عنده - بل أن جمعا منهم كانوا يجعلونه عوض صولجان ويضربون بالعصا والاشباب ويديرونه في الميادين والمادب ومحتشد من الناس فكان شغلهم طول النهار كذلك ويسلمونه إلى امرأة وقت الغروب على نهج الوديعه لتحفظه في الليل - وكانت تلك المرأة من سلالة جابر بن عبد الله الانصارى - وكان اسمها جارية خواتون وما كانت مطلعة على حقيقة الامر وكيفية الحال في قضية الراس الشريف - فجرى ديدنهم في مدة من الزمان على هذا الشغل من اللعبة بالراس الشريف طول الايام لعبة الصولجان وتسليمه في الليالي إلى تلك المرأة الغافلة عن حقيقة الحال وكان مسكن وتلك المرأة في قرية من قرى الشمرانات وكان العامل في الرى - في ذلك الزمان رجل شديد الكفر والعناد من اتباع بنى امية وكان اسمه طغرل وقد بذل أموال كثيرة اتبع بنى امية حين ورود ابن نمير الكندى إلى الرى بالراس المطهرة اظهار السرور والاخلاص ليزيد وهو الذى كان يحرض الناس على اللعنة بالراس الشريف وجعله كالصولجان - ثم ان تلك المرأة العجوزه المومنة الغافلة عن حقيقة الامر دخلت ذات ليلة جُمعة القبة التي كان فيها الراس الاطهر الطيب الانور رأت الانوار تسطع من ذلك الراس الشريف وكان القبة مملوءة بالنور والضياء فكادت ان تغمى عليها من كثرة الدهشة وشدة التعجب والحيرة - ثم دنت منه فعظمه وقبله وغسله بماء الورد والمسك وطيبه وعطره بانوار من الطيب والعطر - فاشعلت شموعاً كافورية في اطرافه الاربعة وبكت بكاء شديداً وتضرعت وابتهلت إلى الله عز وجل وسألته اظهار امره فمنعت نفسها عن غلبة النعاس والنوم عليها حتى مضى نصف الليل فبينما هي بين بكاء وتفكر فاذا قد دخلت القبة سبت نسوة ذوات انوار باهرة ساطعة فحينئذ ارتفع الراس المتور من مكانه مقدار ذراع ونطق بقدره الله وخاطب انورهن نوراً واشد هن حزناً واكثرهن بكاء واعظمنهن قدراً - وقال السلام عليك يا أئمة السلام عليك يا هراءاً والله قتل بنى امية رجالنا وذبحوا اطفالنا وسبوا نساءنا وفرقوا بين رؤسنا واجسادنا وداروا بنسائنا ورؤسنا عن البلد إلى البلد - فلما سمعت الزهراء هذا الكلام من الراس ضجت وبكت بكاء شديداً وضجت وبكت لبكائها النسوة التي كن معها - ثم التفت اليهن وقالت يا فاطمة بنت اسد يا ماما يا خديجة يا جدتاه يا آمنه ويا مريم ام عيسى ويا آسية اماترين ما فعلت أمة ابي بناهل البيت ؟ ثم اخذت الراس الشريف وقبلته وضمته الى صدرها الشريف ثم اخذت تلك النسوة الراس الشريف واحدة بعد واحدة فقبلته وضمته الى صدورهن فبكت الزهراء وصاحت وبكين وصحن صيحة عالية وبكت وصاحت الملائكة والحدود العيون لبكائهن - ثم قالت الزهراء للراس الشريف

ياولدى يا قاسم صبراً صبراً فاعلم أنه اذا قامت الساعة وحشر الله الاولين والآخرين اضع على راسي عمامة جدك امير المؤمنين المتلخمة من دماء الطيبة الطاهرة واضع على كتفي الايمن قميص ابيك الحسن المجتبى المتلخمة بالسهم واضع على كتفي الايسر قميص عمك الممزق بضربات بالسيوف وطعنات الرماح والسهم واركب ذا الجناح جواده واخذ بقائمة عرش الله ولا ادخل الجنة الاممكم ومع اشياكم إلا بعد انتقام من اعدائكم وقتلتكم-

ثُمَّ دَنَتْ الْعَجُوزَةُ الْمُؤْمِنَةُ الْجَاهِلَةُ بِالْحَالِ وَالْغَافِلَةُ عَنْ كَيْفِيَةِ أَمْرِ الرَّاسِ الشَّرِيفِ مِنَ الصَّدِيقَةِ الْكُبْرَى فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَقَالَتْ يَا سَيِّدَةَ النِّسَاءِ وَيَا بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ أَغْفِيَنِي وَتَجَاوِزِي عَنْ ذُنُوبِي وَخَطِيئَتِي وَلَا تَشْكِي مِنِّي عِنْدَ أَبِيكَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَأَنِّي وَاللَّهِ شَيْعَتُكَ وَأَنِّي كُنْتُ جَاهِلَةً بِحَقِيقَةِ الْحَالِ فِي أَمْرِ الرَّاسِ الشَّرِيفِ - فَبَكَتْ وَتَضَرَّعَتْ وَتَمَسَّكَتْ بِالْأَذْيَالِ الطَّاهِرَةِ مِنَ الصَّدِيقَةِ الْمَعْصُومَةِ الْمَظْلُومَةِ فَقَالَتْ الزَّهْرَاءُ الْمَعْصُومَةُ أَيَّتُهَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ صَدَّقْتِ فِيمَا قُلْتِ فَانْكِ مِنْ مُحِبِّينَا وَشَيْعَتِنَا وَلَا يَبَاسَ عَلَيْكَ فِيمَا جَهِلْتِ بِهِ - فَإِنِّي لَا أَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا وَأَنْتِ مَعَنَا ثُمَّ أَنَّهُ لَمَارَاتُ شِدَّةِ خَشْيَةِ الْمَرْأَةِ وَخَوْفِهَا مِنَ اللَّهِ لِأَجْلِ مَا صَدَّرَ مِنْهَا جَهَالَةَ كَتَبَ لَهَا بِخَطِّهَا الشَّرِيفِ كِتَابَ الْإِمَانِ مِنَ النَّارِ فَاعْطَاهَا الْكِتَابَ ثُمَّ غَابَتِ النَّسُوءُ الَّتِي كُنَّ مَعَهَا عَنْ عَيْنِ تِلْكَ الْمَرْأَةِ الصَّالِحَةِ - ثُمَّ أَنَّهُ تَلَوَّتْ أَمْعَانَهَا عَلَى الْكَأْبَةِ وَالْحُزْنَ وَاسْهَرَتْ اللَّيْلَةَ إِلَى آخِرِهَا - فَلَمَّا أَصْبَحَتْ حَكَتِ الْقِصَّةَ الْمُبْدِئَةَ إِلَى النِّهَايَةِ لَوْلَهَا الْمُسَمَّى بَعْدَ اللَّهِ فَقَالَتْ لَهُ يَا عَبْدَ اللَّهِ يَا وَلَدِي إِنْ أَرَدْتَ تَرْضِيَنِي وَتُرَاعِي حَقُوقِي فَلَا بَدَّ أَنْ تَفْدِيَ رَأْسَكَ الرَّاسَ نَافِلَةَ الْمُصْطَفَى وَالْمُرْتَضَى وَالزَّهْرَاءِ وَابْنِ الْحُسَيْنِ الْمَجْتَبَى وَصَهْرِ الْحُسَيْنِ سَيِّدِ الشَّهَادَةِ بِكَرْبَلَا فَأَنَّهُ قَدِ قَرَّبَ وَقْتُ أَنْ يَجِيئَ الْكَفَّارُ مِنَ الرَّيِّ إِلَى هَذِهِ الْقَرْيَةِ وَيَطْلُبُوا مِنِّي رَأْسَ الْقَاسِمِ كَعَادَتِهِمْ كُلَّ يَوْمٍ - قَالَ عَبْدُ اللَّهِ سَمْعًا وَطَاعَةً يَا أُمَّاهُ فَيَا لَيْتَ أَنْ يَكُونَ لِي الْفِ نَفْسُ الْفِ رَأْسُ أَفْدَى كُلِّ ذَلِكَ فِي وَلايَةِ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ فَافْعَلِي مَا تَرِيدِينَ - فَذَبَحَتْ الْمَرْأَةُ بِيَدِهَا رَأْسَ وَلَدِهَا عَبْدَ اللَّهِ - فَمَاضَتْ سَاعَتَانِ أَوْ سَاعَةٌ إِلَّا أَنَّ الْكَفَّارَ فَجَأُوا مِنَ الرَّيِّ إِلَى تِلْكَ الْقَرْيَةِ فِي الشَّمْرَانِ فَطَلَبُوا مِنَ الْمَرْأَةِ رَأْسَ الْقَاسِمِ فَاعْطَتْهُمْ رَأْسَ وَلَدِهَا عَبْدُ اللَّهِ فَاشْتَبَهَ الْأَمْرَ عَلَى الْكَفَّارِ فَجَاءُوا بِرَأْسِ عَبْدِ اللَّهِ إِلَى الرَّيِّ - فَلَمَّا دَخَلُوا الْمِيدَانَ وَاجْتَمَعَ النَّاسُ اشْتَغَلُوا كَسَايَ الْأَيَّامِ بِالْفُسُوقِ وَالْعِصْيَانِ بِالنِّغْيَاتِ وَضَرْبِ الطَّبَائِيرِ وَالْمِزَامِيرِ وَتَصْوِيتِ الْأَطْبَالِ وَالبُوقَاتِ وَجَعَلَ الرَّاسَ صَوْلْجَانَهُ وَضَرَبَهُ بِالْعِصَاءِ وَالْأَخْشَابِ فَلَمَّا ضُرِبَ الرَّاسُ بِالْعِصَا وَالْأَخْشَابِ انْكَسَرَتْ جَمْعَتُهُ وَتَفَرَّقَتْ أَجْزَائُهُ وَجَرَى مَخَهُ وَعَلِمُوا حِينَئِذٍ أَنَّ ذَلِكَ الرَّاسَ لَيْسَ بِرَأْسِ الْقَاسِمِ بْنِ الْحُسَيْنِ كَمَا كَانُوا قَدْ شَاهَدُوا فِيهِ مِنَ الثَّبَاتِ وَالْقَوَامِ وَالرِّصَانَةِ وَالْمَتَانَةِ وَالْقُوَّةِ الْأَصْلِيَّةِ الْهَاشِمِيَّةِ النُّورَانِيَّةِ النَّبَوِيَّةِ - فَخَرَجُوا مِنَ الرَّيِّ وَسَارَعُوا إِلَى قَرْيَةِ تِلْكَ الْمَرْأَةِ الصَّالِحَةِ لِيَأْخُذُوا مِنْهَا رَأْسَ الْقَاسِمِ وَكَانَ إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ آخِرِ تِلْكَ الْمَرْأَةِ الصَّالِحَةِ قَائِمًا بِبَابِ الْبَسْتَانِ فِي تِلْكَ الْقَرْيَةِ - فَلَمَّا شَاهَدَ مِنْ بَعِيدٍ مَجِيئَ الْكَفَّارِ إِلَى الْقَرْيَةِ لَطَّلَبَ رَأْسَ الْقَاسِمِ مِنْ أُمِّهِ - سَارَعَ إِلَيْهَا وَخَبَّرَهَا بِالْقَضِيَّةِ - فَبَكَتْ وَتَضَرَّعَتْ وَابْتَهَلَتْ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَدَعَتْهُ مُسْتَشْفِعَةً بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَعَتَرَتْهُ الْمَعْصُومِينَ الْمَظْلُومِينَ وَمَتَوَسَّلَتْ بِهِمْ لِأَنَّهُ يَمِيتُهَا اللَّهُ قَبْلَ وَصُولِهِمْ إِلَى الْقَرْيَةِ حَتَّى لَا تَرَى وَجْهَ الْكَفَّارِ فِي مَطْلَبَتِهِمُ الرَّاسَ الشَّرِيفَ مِنْهَا - فَاجَابَ اللَّهُ دَعْوَتَهَا وَقَضَتْ نَحْبَهَا -

ثُمَّ أَنَّ صَاحِبَ هَذَا الْكِتَابِ الْفَارِسِيَّ قَالَ أَنَّ شَخْصًا مِنْ نَسْلِ عِمَارِ بْنِ يَاسِرٍ كَانَ سَاكِنًا فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ فِي رُودِ بَارْفَلَمَا أَطَّلَعَ عَلَى قَضِيَّةِ الشَّرِيفِ خَرَجَ مَعَ جَمْعٍ مِنْ خُدَمِهِ وَأَصْحَابِهِ فَوَصَلُوا إِلَى الشَّمْرَانِ وَقَاتَلُوا فِيهَا الْكَفَّارَ وَقَتَلُوا جَمْعًا مِنْهُمْ ثُمَّ دَفَنُوا الرَّاسَ الشَّرِيفَ الطَّيِّبَ الطَّاهَرَ - وَهَكَذَا تِلْكَ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ وَهَكَذَا جَسَدُ وَلَدِهَا فِي مَوْضِعٍ يُسَمَّى بِدَرِينْدَ عَلِيًّا - وَهَذَا تَرْجُمَةُ مَا ذَكَرَ صَاحِبُ الْكِتَابِ بِالْفَارِسِيِّ وَقَدْ نَقَلْنَاهُ عَنْهُ أَيْضًا فِي مَجْلِسِ شَهَادَةِ الْقَاسِمِ بْنِ الْحُسَيْنِ الْمَجْتَبَى وَإِنْ شِئْتَ بَيَانُ ذَلِكَ وَإِنْ

افضیٰ الی بعض التکرار فاعلم انہ لَمَّا نقل وروود شہر بانو مع بنتھا زیبۃ اى عرس القاسم الی بلدۃ الری کمانقلنا ذلک عنہ فی مجلس شہادۃ القاسم۔ قال انہ لَمَّا غابت شہر بانو فی الغار فی الجبل وبقیت زیبۃ فی الری وسکت فیہا سمعت بذلک امرأۃ صالحۃ من نسل عمار بن یاسر وكانت ساکنۃ حینئذ فی قلعة رودبار فخرجت منها وجاءت الی الری فكانت تخدم زیبۃ وتشل بحوائجہا فلَمَّا ولدت زیبۃ القاسم المثنیٰ جاؤا الیہا اخوالہا من نسل یزدجرد فحملوها وولدها الی الشمران فكانوا یخدمون القاسم المثنیٰ غایۃ الخدمۃ ویشتغلون بتربیۃ تعظیمہ وتبجیلہ۔

فلَمَّا آل الامر فی دولۃ بنی اُمیۃ الی امارۃ الحجاج بن یوسف وكان قد انفذ الجیوش الوفیرۃ والعساكر الكثیرۃ الی بلاد عجم لیقتلوا کُلَّ مَنْ ہو من نسل محمد المصطفیٰ وعلی المرتضیٰ وکُلَّ مَنْ یعینہ فی اى بلد اوقریۃ ومکان كانوا اورد عسکر عظیم من تلک العساكر الی الری بل ذکر ان الحجاج الملعون كان فی ذلک العسکر فاخبرہ شیخ ملعون من شیوخ الری وكان یسمی بابی ہریرۃ یكون نافلۃ الحسن المجتبیٰ عند اخوالہ من نسل یزدجرد الملقب بملوکاں وہم ساکنون مع خدمہم وغلمانہم واتباعہم فی الشمران۔ فَلَمَّا اطلع الحجاج الملعون فرح فی غایۃ الفرح وسار مع عسکرہ الی قلعة الشمران فخرج الملوك مع اصحابہم واتباعہم فحمی وطیس المحاربة وقامت الحرب علی ساقہا واشتدت نیران المجادلة والتهب شہب المقاتلہ بین المسلمین والکفار فصارت الغلبۃ والنصرۃ فی اول الامر للمسلمین حتی انہم قتلوا من الکفار مقتلۃ عظیمۃ وجماعۃ غفیرۃ الی ان وصل الی الکفار اعوان وانصار کثیرۃ من مواضع شتی فکثرت جنودہم ووفرت جموعہم فصارت الغلبۃ لہم حتی انہم قتلوا جمیعاً من طائفۃ ملوک واخلوا القاسم المثنیٰ اسیراً حیاً ثم قتلوه۔ فَلَمَّا رجع الحجاج مع عسکرہ من المجادلة اراد من كانوا باقین من معشر الملوکاں من اخوال القاسم المثنیٰ ان یدفونہ فی موضع من مواضع دربند علیاً فسمعوا صوتاً وکلاماً من مدفن الراس الشریف للقاسم بن الامام الحسن المجتبیٰ ایہا الملوکاں ادفنوا قرۃ عینی ونافلۃ ابی وعمی عند مدفن راسی ولا تفرقوا بین راسی وبین ولدی۔ فدفنوه۔ (اکبیر العبادات و اسرار الشہادات صفحہ 472 تا 475)

شہدائے کربلا کے سرہائے مبارکہ کو فہ میں داخل ہونے والے تھے تو ابن زیاد نے منادی کرنے کا حکم دے دیا تھا کہ تمام لوگ جمع ہو کر ان قیدیوں اور سروں کو دیکھیں۔ اور دشمن پر فتح پانے کی خوشی اور جشن منایا جائے، رنگ رلیاں اور کھیل تماشوں کی محفلیں منعقد کی جائیں اور دشمن قیدیوں کی توہین اور مذاق بنایا جائے۔ چنانچہ جب لوگ ہجوم درہجوم گلی کوچوں اور میدانوں اور شہر کے چوکوں میں جمع ہو گئے اور انہوں نے خانوادہ رسول کے اہل حرم کو قیدی دیکھا۔ اور سرہائے مبارکہ کو نیزوں پر آویزاں پایا تو ادھر بنی امیہ اور آل سفیان اور ان کے ہم مذہب لوگوں کو انتہائی مسرت وطمینان حاصل ہوا۔ اور ادھر محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے ماننے والوں اور چاہنے والے شیعوں کو غم و اندوہ اور تباہی کے تصورات نے گھیر لیا۔ اور ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ ابن زیاد کے مقابلہ میں نکلیں اور اس کے نظام کو درہم برہم کر دیں اور سروں کو چھین کر اہل حرم کو آ زاد کرالیں۔ لیکن ابن زیاد کے جاسوسوں اور مخصوص لوگوں نے اس ارادہ کی اطلاع بروقت پہنچادی۔ اس کے بعد ابن زیاد نے ان تمام سرداران فوج کو جمع کیا جو کربلا میں شریک جنگ ہوئے تھے۔ اور حکم دیا کہ بہت بڑی افواج کے پہرہ میں اہل حرم اور شہدائے سروں کو لے کر ملک شام کا سفر کریں۔ ان سب پر عمر ابن سعد کو حاکم بنا کر روانہ کر دیا۔ جب یہ افواج کوفہ سے دو روز کی مسافت طے کر چکیں تو ایک سردار نے جس کا نام حصین بن نمیر کنذی تھا۔ ابن سعد سے کہا کہ مجھے اپنے شہرے

سے نکلے ہوئے چھ مہینے گزر چکے ہیں۔ یہ شخص کربلا میں عجمی افواج کا سردار بھی تھا۔ اور شہر رے کا ایک امیر و کبیر باشندہ بھی تھا۔ اس نے درخواست کی کہ اگر اُسے گھر جانے کی اجازت دے دی جائے تو وہ نہایت ہی احسان مند اور شکر گزار ہوگا۔ اور یہ کہ اُس کے واپس جانے سے پبلک کو حقیقت حال معلوم ہوگی۔ اور جو لوگ یزید کی حکمرانی اور خلافت کو برحق مان کر بیعت کئے ہوئے ہیں اور جو لوگ ابوسفیان کی آل کے وفادار اور ہم مذہب ہیں اُن کو ہماری فتح پر بڑی خوشی اور اطمینان ہوگا۔ ابن سعد نے حصین بن نمیر کو کپڑوں اور اصریل گھوڑوں وغیرہ کا انعام دے کر جانے کی اجازت دے دی۔ چلتے وقت حصین نے کہا کہ مجھے ابوترابؑ کی اولاد میں سے ایک سربھی دے دو جو وہاں کی رعایا کے لئے ایک عظیم الشان تحفہ اور ہدیہ اور اُن کے شایان شان عطیہ ہوگا۔ اور ہماری کامیابی کا ثبوت بنے گا۔ اور اس سے یزید کے مطیع اور فرمانبرداروں اور بنی امیہ کے طرفداروں میں اطمینان و خوشی کی لہر دوڑ جائے گی۔ چنانچہ ابن سعد نے حصین کو جناب امام حسن مجتبیٰ کے صاحب زادے قاسمؑ کا سر مبارک لے جانے کی اجازت دے دی تاکہ حصین کا بیان کردہ مقصد حاصل ہو جائے۔

چنانچہ وہ سر مبارک لے کر حصین چلا اور جس گاؤں یا جس قصبہ اور شہر سے ملک رے کی طرف جا رہا تھا، اُس شہر یا گاؤں کے لوگ حصین بن نمیر کی بہت تعظیم و تکریم بجالاتے تھے۔ اور اس فتح و کامیابی پر حد بھر مسرت و راحت کا اظہار کرتے تھے۔ اور اُسے کثرت سے مال و اسباب اور بہترین چیزوں کے تحفے پیش کرتے تھے۔ اور اپنی دکانوں اور مکانوں اور گلی کو چوں کو سجاتے تھے۔ اور سامان عیش و مسرت اور کھیل کود اور تماشاؤں کا انتظام کرتے تھے۔ اور غربائیں مال تقسیم کرتے، کھانے پینے کا سامان دیتے اور دعوتیں کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں ہمدان کے باشندوں نے تو سب کو مات کر دیا تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے حصین بن نمیر کے سر پر سے درہم و دینار کے طباق بھر بھر کے ٹارکے اور کثیر دولت اُس کے سامنے پیش کی۔ یہی حال ہر شہر اور ہر قریہ سے گزرتے ہوئے پیش آیا۔ وہ تمام لوگ جو یزید اور ابن زیاد اور عمر بن سعد کی قربت چاہتے تھے، اس منحوس سلوک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اور اُن کے اہلکاروں کی نظر میں نمایاں ہو جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اللہ اُن سب پر ابدال باد تک اور جب تک زمانہ باقی ہے لعنت کرتا رہے۔

چنانچہ جب حصین بن نمیر رے میں پہنچا اور وہاں وہ تمام مصائب اور مظالم بیان کئے جو رسول اللہ کی اولاد پر گزرے تھے اور سر حضرت قاسم علیہ السلام ثبوت میں پیش کیا گیا۔ تو آل ابوسفیان اور اُن سے محبت کرنے والے اور اُن کے ہم مذہب مسلمانوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اُن کے جوان، بوڑھے، بچے اور مرد اور عورتیں جمع ہو کر رنگ رلیاں منانے میں مصروف ہو گئے۔ سر کو درمیان میں رکھ کر مذاق اڑاتے تھے۔ گانا بجانا، طبلے اور طنبورے اور ساز رنگیاں بجائی جاتی تھیں۔ کھیل کود اور تماشے کئے جاتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ بعض لوگ سر مبارک کو گیند کی جگہ استعمال کرتے تھے۔ میدانوں اور جلسوں میں لکڑیوں اور ہاکیوں سے ادھر سے ادھر مارتے اور گھماتے تھے۔ اور لوگوں کو تماشہ کے لئے مدعو کرتے اور روپیہ صرف کرتے تھے کہ سب دیکھیں۔ تمام دن اُن لوگوں کا یہی مشغلہ تھا۔ رات ہونے پر وہ لوگ اُس سر کو ایک عورت کے پاس حفاظت کے لئے بطور امانت رکھ دیا کرتے تھے۔ اور وہ عورت جناب جابر بن عبد اللہ انصاری کی نسل سے تھی۔ اُس کا نام جاریہ خاتون تھا۔ اور وہ اُس سر مبارک سے اور متعلقہ حقائق و حالات سے قطعاً ناواقف تھی۔ چنانچہ وہ لوگ حسب عادت سر مبارک سے مدت دراز تک کھیلتے اور تفریح کرنے کے مشغلے میں مصروف رہتے چلے گئے۔ دن بھر کھیلتے اور گیند کی طرح سلوک

کرتے رہے اور رات کو اس عورت کے پاس امانتاً رکھتے رہے۔ یہ عورت ایک ایسے گاؤں میں رہتی تھی جو شمرانات کے گاؤں میں سے ایک گاؤں تھا۔ اس زمانہ میں شمرانات کے علاقہ کا عامل یعنی گورنر ایک بہت سخت دشمن اور کفر و عداوت میں بنی اُمیہ کا پیرو تھا۔ جس کا نام طغرل تھا۔ حصین بن نمیر کنڈی کی آمد کے بعد اس شخص نے یزید کی خوشنودی کے لئے بہت سی دولت خرچ کر دی تھی۔ تاکہ اپنا خلوص اور فتح پر کامیابی کی خوشیاں منانا دکھا کر ترقیاں حاصل کرے۔ یہی آدمی تھا جو لوگوں کو مال و دولت خرچ کرنے پر ابھارتا تھا۔ اور اُسی نے سر مبارک کو گیند کی جگہ استعمال کرنے کی رائے دی تھی۔ اور لوگوں کو سر مبارک پر لعنت کرنے کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ پھر وہ حقیقتِ حال سے غافل مومن بڑھیا ایک رات اتفاق سے اُس کمرہ میں چلی گئی جس میں رات کو سر مبارک رکھا جایا کرتا تھا اور وہ شبِ جمعہ تھی۔ اُس نے دیکھا کہ سر مبارک سے نور اور روشنی کی شعاعیں بلند ہو رہی ہیں، پورا کمرہ روشن ہو گیا ہے۔ اور اچانک یہ سب کچھ دیکھ کر دہشت اور خوف کی شدت سے اس پر غشی کی سی حالت طاری ہو گئی۔ وہ حیران ہو ہو کر دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ سر مبارک کے قریب گئی اور اسے نہایت ادب و احترام کے ساتھ اٹھایا، بوسہ دیا، مشک و گلاب کے پانی سے دھویا، اس پر خوشبو اور عطر لگایا اور اس کے چاروں طرف کا فوری موم بتیاں روشن کر دیں۔ اور اللہ کے حضور میں نہایت شدت سے رور و کر حقیقت حال جاننے کی درخواست اور دعا کرنے لگی اور نیند و غفلت کو پاس پھٹکنے سے روکتی رہی یہاں تک کہ آدھی رات ہو گئی۔ بڑھیا رونے اور دعائیں کرنے میں مشغول تھی کہ اچانک کیا دیکھتی ہے کہ چھ نورانی خواتین کمرہ میں داخل ہوئیں جن کے چہروں سے نور جگمگا رہا تھا۔ عین اُس وقت وہ سر پر نور ادب سے ایک گز کے قریب بلند ہوا اور قدرتِ خداوندی سے اُس خاتون سے ہم کلام ہوا جو اُن میں سب سے زیادہ پر نور، سب سے زیادہ غمگین اور سب سے زیادہ گریہ فرما رہی تھیں اور سب سے زیادہ عظیم المرتبہ تھیں۔ اور کہا کہ سلام ہو میرا اے امی جان فاطمہؑ زہراءؑ۔ دیکھو خدا کی قسم امی جان بنی اُمیہ نے ہمارے تمام مردوں کو قتل کر دیا اور ہمارے بچوں کو ذبح کر دیا اور ہماری مستورات کو قیدی بنا لیا۔ اور ہمارے سروں کو ہمارے بدنوں سے جدا کر دیا اور اس پر بھی اپنا ظلم بند نہیں کیا۔ بلکہ ہماری خواتین کو اور ہمارے سروں کو شہر بہ شہر اور ایک بستی سے دوسری بستی میں تشہیر کرتے پھرے۔ یہ سب کچھ سنتے سنتے فاطمہؑ زہراءؑ تڑپ تڑپ کر چیخیں مار مار کر رونے لگیں۔ اور اُن کے رونے اور تڑپنے سے اُنکی ہمراہی خواتین بھی رونے لگیں۔ ذرا فاقہ ہوا تو فاطمہؑ زہراءؑ نے اُن خواتین سے کہا کہ اے اماں اے فاطمہؑ بنتِ اسد اور اے امی خدیجہؑ اے دادی آمنہؑ اور بزرگوار مریمؑ اور اے آسیہؑ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میرے باپ کی امت نے ہم اہلبیتؑ کے ساتھ کیا کیا مظالم کئے ہیں؟ پھر سر مبارک کو گود میں لیا پیا کر لیا اور سینہ سے لپٹا لیا۔ اُن کے بعد تمام خواتین نے سر مبارک کو باری باری یکے بعد دیگرے گود میں لیا اور پیا کر لیا اور اپنے سینوں سے لگایا۔ حضرت فاطمہؑ زہراءؑ رو رو کر فریاد کرتی تھیں اور وہ خواتین بھی ہائے واویلا کی صدائیں بلند کر کے رو رہی تھیں اور اُن سب کے ساتھ ملائکہ اور حواریں بھی گریہ و زاری میں مصروف تھیں۔ اُسی دوران فاطمہؑ علیہا السلام نے سر مبارک سے کہا کہ بیٹے تم صبر کرو اور سمجھ لو کہ جب قیامت آئے گی اور اللہ تمام اولیٰین و آخرین مخلوق کو حساب کے لئے حاضر کرے گا۔ اُس وقت میں تمہارے دادا علیؑ کا وہ عمامہ سر پر رکھوں گی جو اُن کے خون میں تر ہو تھا۔ اور اپنے داہنے کندھے پر تمہارے والد حسنؑ کی وہ قمیص رکھوں گی جو ہر کی قے سے بھیگی تھی۔ اور بائیں کا ندھے پر تمہارے چچا حسینؑ کی وہ قمیص رکھوں گی جو تلواریں اور نیزوں اور تیروں سے چھلنی اور خون میں لتھڑی ہوئی

ہے۔ پھر میں حسینؑ کے گھوڑے ذوالجناح پر سوار ہو کر اللہ کے عرش کے ستون کو پکڑ کر کھڑی ہو جاؤں گی۔ اور جنت میں اُس وقت تک داخل نہ ہوں گی جب تک تم سب اور تمہارے شیعہ داخل نہ ہو جائیں۔ اور میں تمام شہدا کا انتقام حاصل نہ کر لوں اور تمہارے دشمنوں اور قاتلوں کو قرا واقعی سزا نہ دلا دوں۔

پھر وہ بڑھیا مومنہ سر مبارک کی کیفیت سے ناواقف اور مذکورہ تمام ہی حالات سے غافل آگے بڑھی اور حضرت فاطمہؑ زہراء صدیقہ کبریٰ سے عرض کیا کہ اے تمام عالم کی عورتوں کی سردار، اے رسولؐ سید المرسلین کی بیٹی آپ مجھے معاف کر دیں اور اپنے والد سے میری شکایت نہ کریں۔ بخدا میں پہلے سے تمہارے شیعوں میں سے ہوں۔ مجھے اس سر مبارک کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔ رو رو کر کہتی تھی کہ مجھے ذلت و رسوائی سے بچالیں۔ سیدہ مظلومہؑ کا دامن پکڑ کر فریاد کرتی تھی، منت و سماجت کر کے اپنی لاعلمی کی خطاؤں سے معافی طلب کرتی تھی۔ حضرت فاطمہؑ نے خوش ہو کر فرمایا کہ اے خاتونِ تو بالکل سچی ہے۔ تجھے حقیقت حال کا علم نہ تھا۔ بے شک تم اس تمام بیان میں سچی ہو جو تم نے کہا ہے۔ یقیناً تم ہمارے چاہنے والوں اور ہمارے شیعوں میں داخل ہو اور تمہارے ذمہ کوئی مواخذہ اور باز پرس نہیں ہے۔ سنو کہ میں ہرگز جنت میں قدم نہ رکھوں گی سوائے اس کے کہ تم ہمارے ساتھ ہوگی۔ اور جب خاتونِ قیامت نے اُس عورت کو اللہ کے خوف سے بے حال دیکھا اور اُس کو اُس کی نادانی پر بہت شرمندہ پایا تو اپنے دست مبارک سے اس کے لئے جہنم سے نجات کا پروانہ لکھا اور اُسے دے کر وہ اور تمام ساتھی خواتین اس نیک نہاد عورت کی آنکھوں سے غائب ہو گئیں۔ پھر تو اس عورت کا رنج و غم سے یہ حال ہوا کہ پیٹ میں مذکورہ مصائب سے ہوک اٹھتی تھی۔ اسی حالت میں باقی رات جاگ کر گزاری۔ صبح ہوئی تو اوّل سے آخر تک سارا واقعہ اپنے بیٹے عبداللہ کو سنایا۔ اور کہا کہ اے عبداللہ اے جانِ مادر اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میرے حقوق ادا کر کے مجھے راضی کر لو تو اپنا سراسر مبارک پر قربان کر دو۔ جو جناب محمدؐ مصطفیٰ اور مرتضیٰ اور فاطمہؑ زہراء کی نسل پر قربان ہو جانے کے برابر ہے اور جو امام حسنؑ کے بیٹے کو اور امام حسینؑ کے داماد کو زندہ کرنے کا اجر دے گا۔ وہ وقت بالکل قریب آ لگا ہے جب وہ حق پوش گروہ حسب معمول رے سے اس گاؤں میں آنے والا ہے۔ اور مجھ سے حضرت قاسمؑ کا سرمائے کا جیسا کہ روزانہ اُن کا عملدرآمد ہے۔ اور اب میں نہیں چاہتی کہ اپنے ہاتھ سے یہ اُن کو توہین کے لئے دوں۔ عبداللہ اطاعت شعار اور محمدؐ و آل محمدؐ کا فدا کار تھا۔ اُس نے عرض کیا کہ اے امی جان میں بخوشی اطاعت کے لئے تیار ہوں۔ کاش میرے پاس ایک ہزار جسم ہوتے اور ایک ہزار سر ہوتے تو میں سب کو آل محمدؐ پر نثار کر دیتا۔ لہذا جلدی سے کر گزریں جو آپ کو پسند ہے، مجھے پسند ہے۔ ماں نے بیٹے کو ذبح کیا، سرتن سے جدا کر کے الگ رکھا اور اُسے پرانی حالت میں تبدیل کیا۔ ایک دو گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ وہ لوگ آ گئے اور قاسمؑ کا سرمائے، ماں نے بیٹے کا سردے دیا۔ ان لوگوں کو شبہ تک نہ ہوا لے کر چل دیئے۔ اور رے میں آ کر اس میدان میں داخل ہوئے جہاں پر لوگ حسب معمول جمع تھے اور ڈھول باجے، طنبورے طبلے بجا بجا کر گانے بجانے اور رنگ رلیوں میں مصروف رہا کرتے تھے۔ چنانچہ آج جب اُس سر کو گیند کی طرح استعمال کیا گیا تو وہ چند ہی ضربوں سے شکستہ ہو گیا۔ کھوپڑی الگ ہو گئی اور ٹکڑے ادھر ادھر بکھر گئے۔ مغز نکل کر الگ جا پڑا۔ اب وہ لوگ یہ سمجھ گئے کہ یہ سر قاسمؑ بن حسنؑ کا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اُس میں نہ وہ قوت ملی نہ مضبوطی پائی گئی اور چند ہی منٹ میں چوراہو کر رہ گیا۔ بہر حال یہ بھی غور طلب تھا کہ سر کو دوسرے سر سے تبدیل کر دینا

بھی آسان نہ تھا۔ جب تک کسی اور آدمی کو قتل نہ کر دیا جائے۔ اس پیچیدگی کو حل کرنے کے لئے مذکورہ مومنہ کے گھر آن ضروری تھا۔ چنانچہ یہ لوگ اُس گاؤں کی طرف روانہ ہوئے۔ بڑھیا کا دوسرا بیٹا اسماعیل اپنے گاؤں کے باغ میں دروازے پر کھڑا تھا۔ جب سر کا حال جاننے کے لئے لوگ باغ کے پاس پہنچے تو اسماعیل نے اُن کو آتے ہوئے دیکھا تو دوڑتا ہوا ماں کے پاس آیا اور اطلاع دی کہ دشمنوں کا گروہ حضرت قاسم کے سر مبارک کو لینے کے لئے آرہا ہے۔ اس نیک بی بی نے رورو کر، گرگڑا، گرگڑا کر اللہ سے دعائیں اور التجائیں کرنا شروع کیں۔ محمدؐ و آل محمدؐ اور اہلبیت علیہم السلام کی مظلومی کے واسطے دیئے اور عرض کیا کہ مجھے دنیا سے اٹھالے اور اُس ذلت سے بچالے جو اُن دشمنان اہلبیت کی طرف سے ممکن ہے۔ مجھے اُن خبیثوں کا منہ دیکھنے سے قبل ہی محمدؐ و آل محمدؐ کی خدمت میں بلا لے۔ چنانچہ اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی اور اس کی منت پوری ہو گئی۔

اس کے بعد فارسی کی اس کتاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ قزوین اور گیلان کے درمیان ایک شہر رودبار تھا۔ جہاں حضرت عمادؑ یا سر کی نسل سے ایک مومن رہتا تھا۔ اُس نے اپنے خادموں اور صحابہ کو لے کر حملہ کیا اور تمام دشمنوں کا شمران کے علاقہ سے صفایا کر دیا اور حضرت قاسم کے سر کو اور عبداللہ اور اس کی والدہ کو در بند علیؑ نام کے گاؤں میں دفن کر دیا۔ اور ہم نے اسی فارسی کتاب میں جو کچھ مصنف نے لکھا تھا۔ اسے عربی میں ترجمہ کر کے یہاں نقل کر دیا ہے۔ اور دوبارہ یہ بتانا ہے کہ اگر وہ حالات جو حضرت قاسم بن حسن المجتبیٰ کی شہادت والی مجلس میں بیان کئے ہیں، اس کی مزید تفصیل درکار ہو اور اُسے دُہرانہ گراں معلوم نہ ہو تو جاننا چاہئے کہ حضرت شہر بانو کا اپنی بیٹی زبیدہ سمیت، جو حضرت قاسم علیہ السلام کی دلہن تھیں شہر رے میں پہنچنا نقل کیا ہے۔ اور جیسا کہ ہم نے نقل کیا ہے۔ تو اس میں کہا گیا ہے کہ جب حضرت شہر بانو اُس مذکورہ پہاڑ کی کھوہ میں غائب ہو گئیں اور حضرت زبیدہ تنہا رہ گئیں تو ایک نیک عورت جو سابقاً رودبار کے قلعے میں مقیم تھی، وہ وہاں سے شہر رے میں آ کر جناب زبیدہ کے پاس رہنے لگی۔ اور وہی آپ کی خدمت اور دیگر امور خانہ داری و ضروریات زندگی کی ذمہ دار رہی۔ جب حضرت قاسم کا بیٹا قاسم شہر رے (دوسرا قاسم) زبیدہ سے پیدا ہوئے تو یزدجرد کے خاندان والے اُن کے خالوصا حبان وہاں آئے تو وہ حضرت زبیدہ علیہا السلام اور جناب ننھے منے یادگار قاسم، قاسم ثانی علیہ السلام کو اپنے ہمراہ شمران لے گئے۔ اور وہاں اُن دونوں کی خدمت اور شہزادہ کی تربیت میں مصروف ہو گئے اور اُن کی خاندانی عظمت و جلالت کو چاروں طرف پھیلا دیا۔

جب بنی اُمیہ کی حکومت میں حجاج بن یوسف ملعون کو اختیارات و اقتدار ملا تو اُس نے سارے عجم میں دشمنان محمدؐ و آل محمدؐ کی افواج پھیلا دیں اور منشیہ تھا کہ جہاں جہاں اُن کے مددگاروں کا پتہ چلے انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیا جاسکے۔ چنانچہ ہر بستی اور ہر شہر و مکان کا پتہ چلانا شروع کیا گیا۔ اس مقصد کے لئے خود حجاج ملعون ملک رے پہنچا اور یہاں ایک ملعون شیخ نے جس کا نام ابوہریرہ تھا، حجاج کو بتایا کہ جناب حسن المجتبیٰ کی ایک یادگار یہاں اپنی تہیال میں موجود ہے جو یزدجرد کی نسل سے ہیں اور اُن کا لقب ملوک (بادشاہان) مشہور ہے۔ اور وہ شمران میں نہایت ٹھاٹھ سے اپنے خادموں، غلاموں اور پیروؤں کے ساتھ سکونت پذیر ہیں۔ چنانچہ جب حجاج ملعون کو یہ اطلاع ملی تو حد بھر خوش ہوا۔ اور اپنی افواج لے کر شمران کی جانب بڑھا۔ جب خاندان ملوک کو پتہ چلا کہ اُن کے قلعہ پر فوج کشی ہو رہی ہے تو وہ سب مع اپنے صحابہ اور خاندان اور پیروؤں کے میدان جنگ میں نکل آئے اور جنگ کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں،

لڑائی کا تند و گرم ہو گیا۔ اور حرب و ضرب کی آگ شعلہ زن ہو گئی تو میدان کا رزار و پیکار جم کر کھڑا ہو گیا۔ لاشیں گرنے لگیں سرتن سے رخصت مانگنے لگے۔ اور حقیقی مسلمانوں نے قومی نام نہاد مسلمانوں کو اپنی قوت کا اندازہ کرایا تو دشمن کے پاؤں ڈمگ گئے۔ لاتعداد لوگ اُن کے قتل ہوئے لیکن ملک میں بکھری ہوئی افواج مدد کو آتی رہیں۔ رفتہ رفتہ یہ شاہی خاندان قتل ہو گیا۔ حضرت قاسم ثانی کو زندہ گرفتار کر لیا گیا اور موقعہ پا کر قتل کر دیا گیا۔ جب جنگ ختم ہوئی اور حجاج نے واپسی اختیار کی تو شاہی خاندان کے وہ افراد جو قاسم ثانی کے خالوؤں میں سے باقی تھے، انہوں نے قاسم ثانی کو دور بند علی کے قصبہ میں دفن کرنا چاہا۔ تو انہیں حضرت قاسم بن الحسن کے سر مبارک کے مقبرہ سے آواز آئی اور فرمایا گیا اے خاندان ملوک میری رونق نظر اور میرے والد اور چچا کی نشانی کو میرے پاس دفن کرو۔ مجھ میں اور میرے بیٹے میں جدائی اور دُوری پیدا نہ کرو۔ اسی ہدایت کے مطابق قاسم ثانی علیہ السلام کو حضرت قاسم علیہ السلام کے سر مبارک کے مقبرہ کے نزدیک دفن کیا گیا تھا۔ (یہ پوری روایت اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات صفحہ 472 تا 475 مکمل ہوئی)

(2)۔ علامہ دوربندی آخر مجتہدین کے مسلک کی رعایت کرنے پر مجبور ہو گئے

علامہ حضور نے مندرجہ بالا روایت لکھنے کے بعد نظام اجتہاد کا منہ بند کرنے کے لئے اس روایت کے مختلف پہلوؤں پر نہایت فاضلانہ نظر ڈالی ہے۔ اور حضرت قاسم اور قاسم ثانی اور حضرت علی اکبر اور حضرت عباس اور شہدائے خاندان ہاشم علیہم السلام کے فضائل یاد دلانے ہیں۔ اُن سب کو عصمت صغریٰ کے درجہ پر فائز ثابت کیا ہے۔ لیکن جب انصاری مومنہ کا تذکرہ کیا تو آپ نے اُس کے بیٹے کے سر کی قربانی کا ذکر کرتے ہوئے بہت معذورانہ گفتگو کی ہے اور اُس خاتون کو احکام شریعت کے بھول جانے یا ازراہ لاعلمی و جہالت خلاف شریعت فعل کرنے کی خطا کا رمان کر پھر اس کے قصور میں اُسے معذور و قابل معافی قرار دیا ہے۔ پہلے علامہ حضور کا بیان سن لیں تو ہم اپنا مسلک و مذہب بیان کریں گے، فرماتے ہیں کہ:-

وَأَمَّا قَضِيَّةُ ذَبْحِ الْمَرْأَةِ الْإِنْصَارِيَّةِ وَلِدَهَا؟ فَالْجَوَابُ عَنْهَا أَنَّ فِرَاطَ الْمُحَبِّتِ وَكَثْرَةَ الْإِخْلَاصِ وَالْمُودَةِ مِنْهَا بِالنِّسْبَةِ إِلَى أَهْلِيَّةِ الْعَصْمَةِ قَدْ سَارَ سَبَبًا لِنِسْبَانِهَا الْحُكْمَ الشَّرْعِيَّ مِنْ كَوْنِ ذَلِكَ مُحَرَّمًا بَلْ مِنَ الْكِبَائِرِ عَلَى أَنْ كَوْنَهَا أَوَّلًا عَامَةً بِالْحُكْمِ الشَّرْعِيِّ فِي الْمَسْئَلَةِ - أَوَّلَ الْكَلَامِ وَبِعِبَارَةٍ أُخْرَى أَنَّ هَذِهِ الْمَسْئَلَةَ فِي الْحَقِيقَةِ تَنْحَلُّ إِلَى مَسْئَلَةٍ مَعْدُورِيَةِ الْجَاهِلِ وَعَدْمِهَا فِي الْعِبَادَاتِ وَالتَّحْقِيقِ فِيهَا أَنَّ الْجَهْلَ يُوجِبُ الْمَعْدُورِيَّةَ وَيُورِثُ الثَّوَابَ عَلَى الْفِعْلِ كَسَائِرِ الْعِبَادَاتِ الصَّحِيحَةِ لَا مُطْلَقًا بَلْ مَادَامَ كَانَ الْمَكْلَفُ قَاصِرًا لَا مُقَصِّرًا - (الخ) (أكسير العبادات - صفحہ 475)

”انصاری خاتون کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے معاملہ کا جواب یہ ہے کہ وہ عورت اہلیت کی محبت کے جوش اور اخلاص کی شدت میں شرعی حکم کو بھول گئی تھی جو فعل حرام تھا بلکہ ایک گناہ کبیرہ تھا۔ اور اگر وہ حکم شرعی سے ناواقف تھی تو معذور تھی لہذا جہالت کی بنا پر اُسے اپنے عمل کا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ قاعدہ ہے۔“

ہم عرض کرتے ہیں کہ وہ خاتون چونکہ حقیقی معنوں میں شیعہ تھی۔ لہذا اُس نے اُس مصنوعی اور خود ساختہ شریعت پر عمل نہیں کیا جو رسول اللہ کی قوم نے بنائی تھی (فرقان 25/27-30) اور تمام ادیان اور انبیاء کی تعلیمات کو یک قلم ضائع اور منسوخ کر دیا تھا بلکہ خود قرآن

ورسول کی جاری کردہ شریعت میں سے بھی اہم ترین احکام کو ناسخ و منسوخ کی چھری سے ذبح کر دیا تھا۔ اُس نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کی پیروی و اتباع میں یہ قربانی پیش کی تھی (صافات 108-37/102) اور ثبوت دیا کہ آخری رسول کے زمانہ کے افراد برابر اس قربانی کو جاری رکھتے چلے آ رہے ہیں۔ اللہ نے فی الآخِرین (37/108) فرما کر آخری اُمت کو اس قربانی کے جاری رکھنے کی تاکید کی ہی ہے۔ اُسی قربانی کو انتہائی بلندی سے پیش کرنے کے لئے حضرت اسماعیلؑ کی جگہ امام حسینؑ کو ذمہ دار بنایا گیا تھا (صافات 108-37/107)۔ اور اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی حکم دیا ہے کہ:-

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (نحل 123/16) وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا (نساء 4/125) آپ کو ابراہیمی شریعت پر عمل کرنے کی وحی کی جا چکی ہے اور اُس شخص سے بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے جو اللہ کیلئے مَنہ کے بل گردن کٹانے کو اختیار کر لے اور یوں وہ اللہ پر احسان کرنے والا بن جائے۔ لہذا اے رسول آپ ابراہیمؑ کی ملت کی پیروی میں اُسی طرح راہ خدا میں اپنا سر پیش کریں اور سمجھ لو کہ ہم نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنا رکھا ہے۔ اسی آیت (نساء 4/125) کی رو سے رسول اللہ، امام حسین علیہ السلام کی قربانی پیش کر کے خود بھی شہدا میں شامل ہوئے اور ملت ابراہیمؑ کی عملاً پیروی کی تھی۔ رہ گئے وہ لوگ جو اسلام اور رسول اسلام اور تمام ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی تعلیمات کو منسوخ کرتے ہیں، ایک آیت قرآن سے پیش کر کے دکھائیں جس میں سابقہ شریعتوں کے باطل و بیکار ہو جانے کا تذکرہ موجود ہو۔ قیامت تک اُن کو قرآن سے ثبوت نہ ملے گا۔ لہذا حقیقی اسلام آئمہ معصومین علیہم السلام کی اطاعت اور پیروی سے حاصل ہوتا ہے، مجتہدین کی پیروی سے نہیں۔ اسلئے کہ وہ معصوم ہیں اور یہ خطا کار و گناہ گار و مجرم (فرقان 25/31) اور دشمنان خدا اور رسول ہیں۔ اُن کا خود ساختہ اسلام حقیقتاً کفر ہے۔ اور ہم محبان محمد و آل محمد کفر سے بہت دور ہیں۔ ہم اپنے ہاتھ سے اپنا خون اور گوشت محمد و آل محمد کے قدموں پر چھڑکنا اور شہدائے کربلا کے ماتم میں ششیر و قمہ کا ماتم کرتے ہوئے مرجانا حیات جاوید و شہادت سمجھتے ہیں۔ یہ ہے میرا مذہب اور تمام سوگواران اور عزاداران حسینؑ کا مذہب۔ جس کا دل چاہے ہمیں غلط سمجھے اور اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے مختار ہے۔ (تفصیلات کتاب نظام ہدایت و تقلید میں ملاحظہ ہوں)

47۔ بعد شہادت کربلا کے واقعات

شہادت کے بعد کے واقعات میں سے ہم نے ذوالجناح اور جناب شہر بانوؑ اور اُن کی دختر فاطمہؑ کے حالات حضرت قاسم علیہ السلام کی شادی اور شہادت کے سلسلے میں لکھ دیئے ہیں (عنوان نمبر 43، 46)۔

(1)۔ خیامِ حسینیؑ پر یلغار، لوٹ مار اور آتش زنی

اس عنوان میں ہم تمام متعلقہ روایات و واقعات من و عن لکھنے کے بعد اُن پر تنقید و وضاحت آخر میں پیش کریں گے۔ فی الحال آپ روایات اور اُن کا ترجمہ پڑھتے جائیں۔ (عربی عبارات اکسیر العبادات صفحہ 437 تا 439)

1- وفی ملهوف فتسابق القوم علی نهب بیوت آل رسول اللہ وقر عین الزهراء البتول حتی جعلوا یبزعون

ملحفة المرأة عن ظهرها وخرجن بنات الرسول وحریمہ یتساعدن علی البكاء ویند بن لفراق الحماة والاحباء۔

کتاب ملخوف میں ہے کہ پھر اُس فرقاتی قوم (25/30) نے آل رسول کے خیام میں لوٹ مار کرنے کی بازی لگادی اور ایک دوسرے پر چھین جھپٹ میں سبقت کرنے لگے۔ حضرت فاطمہؓ زہراءؓ کی آنکھوں میں اُس وقت اندھیرا چھا گیا جب وہ لوگ رسولؐ زادیوں کے دوپٹے اور اوڑھنیاں کھینچ کھینچ کر زبردستی چھین رہے تھے۔ اور جب لٹ چکنے کے بعد، رسولؐ کی بیٹیاں اور اہل حرم خیموں سے باہر نکل کر نالہ و فریاد اور بین کر کر کے ایک دوسرے کے رونے میں تسلسل قائم کئے ہوئے تھیں اور باری باری اپنے پیارے بھائیوں بھتیجیوں اور طرفداروں پر نوحہ کر رہی تھیں۔

2- وفي البحار عن صاحب المناقب ومحمد بن ابی طالب فَأَقْبَلَ أَعْدَاءَ اللَّهِ حَتَّى احْدَقُوا بِالْخِيَامِ وَمَعَهُمْ شَمْرُ الْمَلْعُونِ فَقَالَ ادْخُلُوا فَاسْلُبُوا بَزِيَّتَهُنَّ فَدَخَلَ الْقَوْمُ فَاحْذُوا مَا كَانَ فِي الْخِيَامِ حَتَّى افْضُوا إِلَى قُرْطِ كَانَ فِي أُنْ أُمِّ كَلْتُومِ أُخْتِ الْحُسَيْنِ فَاحْذُوا وَهَزَمُوا أُذُنَهَا حَتَّى كَانَتِ الْمَرْأَةُ لِنَسَازِ ثَوْبِهَا عَلَى ظَهْرِهَا حَتَّى ثَلَعَبَ عَلَيْهَا - وَاحْذِ قَيْسَ بْنِ الْأَشْعَثِ قَطِيفَةَ الْحُسَيْنِ فَكَانَ يُسَمَّى قَيْسَ الْقَطِيفَةِ وَاحْذِ نَعْلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ بَنِي أَوْدٍ يُقَالُ لَهُ الْأَسْوَدُ ثُمَّ حَالَ النَّاسُ عَلَى الْوَرَسِ وَالْحَلِيِّ وَالْحَلْلِ وَالْأَبْلِ فَانْتَهَبُوهَا -

کتاب بحار میں صاحب مناقب اور محمد بن ابی طالب سے نقل کیا گیا ہے کہ شمر کے ساتھ دشمنان خدا آگے بڑھے اور خیام کو نرغہ میں لے لیا۔ شمر ملعون نے حکم دیا کہ رسولؐ زادیوں کی تمام فاضل اور آرائش کی چیزیں لوٹ لو۔ اس حکم پر جو کچھ بھی خیام میں موجود تھا سب لوٹ لیا گیا۔ انگوٹھیاں، چھلے، ہاتھوں، پیشانی اور پاؤں کے زیورات اور کنارکانوں کی بالیاں، جھمکے کانوں سے کھینچ لئے گئے۔ چنانچہ امام حسین علیہ السلام کی بہن ام کلثومؓ کی بالیاں اور گوشوارے زبردستی کھینچ کر لوٹ لئے اور کانوں سے خون بہتا رہا۔ مرد عورتوں سے اوڑھنیاں چھیننے میں کوشاں تھے۔ عورتیں مزاحمت کر رہی تھیں۔ مگر مرد چالاکی سے ڈھیل دے کر اطمینان دلاتے اور اچانک چالاکی سے جھکامار کر چھین لیتے اور مستورات بھاگتی جان بچاتی چلی جاتیں۔ قیس بن اشعث نے امام حسین علیہ السلام کی فلائین کی قمیص اڑالی۔ اسی لئے اُس کا نام قیس القطیفہ پڑ گیا تھا۔ قبیلہ اود کا ایک شخص امامؐ کے جوتے لے اڑا اُسے اُسود کہا جاتا تھا۔ پھر تمام لٹیروں نے بھاری اور متقل سامان اور اسلحہ وغیرہ جمع کرنا شروع کیا۔ لباس و زیورات اور خانہ داری کا تمام سامان، اونٹ گھوڑے، بستر، گدے، تکیے الغرض جو کچھ ملا سب جمع کیا اور لے کر چلے گئے۔

3- قال ابو مخنف فَلَمَّا ارْتَفَعَ ضَجِيجُ حَرَمِ الْحُسَيْنِ وَكَثُرَ بَكَائِهِمْ صَاحَ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ اَكْسَبُوا عَلَيْهِمُ الْخِيَمَ يَأْوِيْلَكُمْ اَضْرَمُوْهَا بِالنَّارِ وَقَالَ رَجُلٌ لَّا حَاجَةَ لَنَا فِي سَلْبِهِمْ اَحْرِقُوا الْخِيَمَ وَمَنْ فِيْهَا بِالنَّارِ فَقَالَ رَجُلٌ كَانَ يَهُوِي النَّبِيَّ يَأْوِيْلَكُمْ مَا كَفَاكُمْ مَا فَاعَلْتُمْ بِالْحُسَيْنِ وَبَاهِلِ بَيْتِهِ وَانْصَارِهِ حَتَّى تَحْرِقُوْنَ النِّسَاءَ وَالْاطْفَالَ مِنْ آلِ رَسُولِ اللَّهِ لَقَدْ رَزَعْتُمْ عَلٰى اَنْ لَا يَخْسِفَ اللَّهُ بَنَاءَ الْاَرْضِ ثُمَّ قَالَ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ اَنْهَبُوا الْخِيَمَ - قَالَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ عَلِيٍّ بِنِ ابِي طَالِبٍ كُنْتُ فِيْ ذَلِكَ الْوَقْتُ واقفةً فِيْ جَانِبِ الْخِيْمَةِ اَدْخَلَ عَلٰى رَجُلٍ اَزْرَقَ اللَّعْمَيْنِ وَهُوَ خُوْلَى بْنُ يَزِيْدٍ الْاَصْبَحِيْ فَاحْذَى جَمِيْعَ مَا كَانَ فِيْهَا وَنَظَرَ اِلَى زَيْنِ الْعَابِدِيْنَ وَهُوَ مَطْرُوْحٌ عَلٰى نَطْعٍ مِنَ الْاَدِيْمِ وَذَلِكَ اَنَّهُ كَانَ مَرِيضًا فَحَذَبَ النَّطْعَ مِنْ تَحْتِهِ وَرَمَى بِهِ الْاَرْضَ وَالتَفَتَ اِلَى فَاحْذَى قَنَاعِيْ مِنْ رَاسِيْ وَنَظَرَ اِلَى

قرطین کانافی اذنی فجعل یعالجها حتی زعهما بعد حرم و هو مع ذلک یبکی - فقلْتُ له لعنک اللہ تسلبنی و انت تبکی ؟ قال نعم ابکی لما اراه یحلّ بکم - فقلْتُ له قطع اللہ یدیک ورجلیک و احرقک اللہ بنار الدنیا قبل نار الاخرة لاتسلبنی ولا تبک قال اخاف ان یاخذها غیری -

علامہ ابو مخنف نے لکھا ہے کہ جب امامؑ کے حرم سے آہ وزاری اور فریاد و بکا کا شور بلند ہوا تو عمر بن سعد ملعون نے پکار کر کہا کہ اُن کے اوپر اُن کے خیموں کو گرا دو۔ خدا تمہارا بُرا کرے خیموں میں آگ لگا کر خاک کر ڈالو۔ ایک شخص نے کہا کہ اب ہمیں لوٹنے کی احتیاج نہیں ہے۔ بس خیموں کو اور جو بھی اندر ہو اُس کو آگ سے جلا ڈالو۔ ایک اور شخص جو رسولؐ کا لحاظ کرتا تھا بولا کہ خدا تمہیں غارت کرے کیا حسینؑ اور اُن کے اہلبیتؑ اور انصار کے ساتھ جو کچھ تم نے کیا اُس کے بعد بھی ظلم سے تمہارا دل نہیں بھرا جواب تم آلِ رسولؐ کی عورتوں اور ننھے بچوں کو آگ میں جلانا چاہتے ہو؟ پھر یہ بھی خیال ہے کہ اللہ تمہیں زمین میں نہ دھسائے گا۔ اس پر عمر بن سعد نے آگ لگانے کے بجائے صرف لوٹنے کا حکم دیا۔ حضرت زینبؑ فرماتی ہیں کہ میں اُس وقت خیام کے داہنی طرف کھڑی تھی کہ جو ایک گربہ چشم (نیلی آنکھوں والا) ملعون داخل ہوا۔ یہ لعین خولی بن یزید تھا۔ اُس نے خیام میں سے تمام سامان اٹھوا لیا۔ پھر مجھ پر اُس کی نظر پڑی تو میری بالیاں اور گوشوارے چھین لئے۔ میری پردہ کی چادر لے لی۔ امام زین العابدینؑ کو دیکھا جو بیمار تھے اور ایک مٹی کے چبوترے پر چڑے کے گدے پر لیٹے تھے۔ اُس ملعون نے وہ گدے اکھیچ لیا اور انہیں زمین پر گرا دیا۔ جب خولی میری بالیاں اُتارنے میں مصروف تھا تو روتا بھی جا رہا تھا۔ میں نے کہا خدا تجھ پر لعنت کرے تو ہمیں ٹوٹ بھی رہا ہے اور روتا بھی ہے۔ کہنے لگا ہاں میں تمہاری مصیبت پر روتا ہوں۔ میں نے کہا کہ اللہ تیرے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹے اور تجھے جہنم کی آگ سے پہلے پہلے دنیاوی آگ میں جلنا نصیب کرے۔ تو نہ ہمیں ٹوٹ اور نہ ہم پر رو۔ اُس نے کہا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر میں نے نہ اُٹا تو میرے علاوہ کوئی اور لوٹ کر لے جائے گا۔

4- قال ابو مخنف و اللہ ما مضت الا ایام و لیالی قلائل و ظهر المختار بن ابی عبیدہ الثقفی بارض کوفہ یطالب بدم الحسین و الاخذ بشارہ فوقع بخولی بن یزید الا صبحی و هو ذلک الرجل قال فلما اوقف بین یدیه قال ما صنعت بیوم کربلاء ؟ قال ما صنعت شیئاً الا انی اخذت من تحت زین العابدین طعناً کان ناعماً علیہ و سلبت زینب قناعها و اخذت القرطین کانافی اذنیہا - فقال له یا عد و اللہ و ائنی شیء ینکون اعظم من هذا ؟ و ائنی شیء سمعتها تقول ؟ قال قالت قطع اللہ یدیک ورجلیک و احرقک اللہ بنار الدنیا قبل نار الاخرة - فقال المختار و اللہ لأجین دعوتها - ثم امر بقطع یدیه ورجلیہ و احراقہ بالنار -

ابو مخنف نے بتایا کہ قسم بخدا ابھی چند ہی روز اور تھوڑی سی ہی راتیں گزرنے پائی تھیں کہ سر زمین کوفہ میں مختار بن ابوعبیدہ ثقفی نے ظہور کیا اور خون حسین علیہ السلام کا بدلہ لیا۔ یہی خولی ملعون پکڑا ہوا آیا اور مختار کے سامنے پیش کیا گیا تو مختار نے دریافت کیا کہ تو نے کربلا میں کیا کارگزاری انجام دی تھی؟ خولی نے کہا کچھ بھی تو نہیں بس اتنی سی بات ہے کہ میں نے وہ گدیلا لے لیا تھا جو زین العابدینؑ کے نیچے بچھا ہوا تھا۔ اور یہ کہ میں نے حضرت زینبؑ کی چادر اور وہ گوشوارے لے لئے تھے جو اُن کے کانوں میں تھے۔ خولی سے کہا گیا کہ تیرے نزدیک یہ کچھ بھی نہیں۔ ارے ملعون تو اس سے بڑا اور کون سا ظلم کر سکتا تھا؟ اور یہ بتا کہ تُو نے حضرت زینبؑ سے اُنہیں لوٹے ہوئے کیا سنا تھا؟ خولی نے کہا کہ فرمایا تھا کہ اللہ تیرے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹے اور اللہ تجھے جہنم کی آگ سے پہلے دنیا کی آگ

میں جلانے مختار نے کہا کہ اللہ کی قسم میں ضرور اُن کی دعا کو پوری ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ پھر حکم دیا کہ خولی کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹ کر اُسے آگ میں زندہ جلا دیا جائے۔

5- وَعَنِ الْمُنْتَخَبِ أَنَّ فَاطِمَةَ الْكُبْرَى قَالَتْ كُنْتُ واقفة باب الخيمة وَأَنَا انظر إلى أبي وأصحابي مجزوزين كالأصاحي على الرمال والخيول على أجسادهم تحول وَأَنَا أفكر فيما يقع علينا بعد أبي من بني أمية يقتلوننا أو يأسروننا فإذا برجل على ظهر جواده يسوق النساء بكعب رُمحه وهن يلدن بعضهن بعض وقد اخدما عليهن من اخمره واسورة وهن يصحن وا جداه وابناه وا علياه واقلة ناصراه واحسنه أما من مجير يجيرنا أمان ذايذ ود عنا - قالت فَطَارَ فَوادى وارعدت فرائصي فجعلت اجيل بطرفي يميناً وشمالاً على عمتي ام كلثوم خشية منه أن ياتيني فيينا انا على هذه الحالة فإذا به قد قصدني ففَرَرْتُ منه منهزمة وانا اظن اني اسلم منه فإذا به قد تبعني فذ هلت منه وإذا بكعب الرمح بين كتفي فسقطت على وجهي فحزم أذني واخذ قرطى ومقنعتي - وترك الدماء تسيل على خدي ورأسي تصهر الشمس وولّى راجعاً الى الخيمة وانا مغشى على واذا انا بعمتي عندى تبكى وهى تقول قُومِي نمضي ما علم ماجرى على البنات وعلى اخيك العليل فقمي وقلتي يا عمّنا هل من خرقه استربها عن أغين النظارة فقالت يابُنَيْتَاهُ وَعَمَّتْكَ مِثْلُكَ فرائث راسها مكشوفة ومتنها قد اسودت من الضرب فيها رجعنا الى الخيمة ألا وقد نهبت وما فيها واخى على بن الحسين مكبوب على وجهه لا يطيق الجلوس من كثرة الجوع والعطش والاسقام فجعلنا نبكى عليه ويبكى علينا -

کتاب منتخب میں بیان ہوا ہے کہ جناب فاطمہ کبریٰ علیہا السلام کہتی تھیں کہ میں خیمہ کے دروازے پر کھڑی اُن حالات پر غم و فکر میں مبتلا تھی جو میرے بابا اور انصار پر گزر رہے تھے۔ میں دیکھ رہی تھی کہ وہ سب قربانی کے جانوروں کی طرح سرکٹائے زخمی اور خون میں نہائے پڑے تھے۔ اور اُن پر گھوڑوں کا اڑایا ہوا گرد و غبار اڑتا پھرتا تھا۔ اور میں برابر اس سوچ میں تھی کہ دیکھو بابا کے بعد ہم پر کیا کیا گزر گئی ہے۔ اور بنی امیہ نے کیسے کیسے مظالم توڑے۔ ہمارے سر پرستوں اور انصار کو قتل کر ڈالا۔ ہمیں قیدی بنانا طے کر لیا۔ میں یہی سوچ رہی تھی کہ کیا دیکھتی ہوں کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار نیزہ کی بھال سے عورتوں کو ہانکتا پھر رہا ہے۔ اور مستورات ایک دوسری کے پیچھے پناہ کے لئے دوڑتی پھر رہی ہیں۔ اور اُس نے اُن کی چادریں اور زیورات چھین رکھے ہیں۔ اور وہ فریاد کر رہی ہیں ہائے دادا جان بچاؤ، ہائے بابا مدد کو آؤ، ہائے علی مشکل کشائی کرو، ہائے ہمارے مددگار ختم ہو گئے، ہائے امام حسن ہماری مصیبت دیکھو۔ کیا کوئی پناہ دینے والا ایسا ہے ہی نہیں جو ہماری حفاظت کرے۔ کیا کوئی باہمت شخص نہیں ہے جو ان ملاعین کو ہم سے دُور کر دے؟ فاطمہ کبریٰ کہتی ہیں کہ میرا دل اچھلنے لگا۔ میرے اعضا میں کپکپی پیدا ہو گئی، میں برابر وہ ظلم دیکھتی رہی۔ داسنے بائیں اپنی پھوپھی ام کلثوم کو نظروں سے تلاش کرتی رہی اور ڈر رہی تھی کہ کہیں وہ شخص مجھ تک نہ آ جائے، میں اسی حال میں تھی کہ وہ تو آ گیا۔ میں اس سے ڈر کر پیچھے کو بھاگی۔ میرا خیال تھا کہ میں بچ نکلوں گی لیکن اُس نے میرا پیچھا کیا۔ میں نے اُسے دھوکہ دینے کی کوشش کی مگر اتنے میں اُس کے نیزہ کی انی میرے کندھوں کے بیچ میں پشت پر لگی اور میں گر پڑی۔ اُس نے میرے کانوں کو چیرتے ہوئے میرے گوشورائے نکال لئے، میری نقاب چھین لی۔ میرے سر اور کانوں سے خون بہہ کر میرے گالوں پر سے گزر رہا تھا۔ میں اُٹھ کر خیمہ کی طرف واپس آئی اور بے ہوش ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو اپنی

پھوپھی کو اپنے پاس پایا جو میرے پاس بیٹھی رو رہی تھیں۔ مجھے ہوش میں دیکھا تو کہا کہ بیٹی اُٹھو چلو دیکھیں کہ باقی بچیوں اور تمہارے بیمار بھائی پر کیا گزری؟ میں نے کھڑے ہو کر کہا کہ پھوپھی اماں مجھے سر ڈھکنے اور نظروں سے بچنے کے لئے کوئی پردے کے لئے کپڑا دو۔ فرمایا کہ بیٹی تیری پھوپھی بھی تیری طرح سر برہنہ ہے۔ اب توجہ سے دیکھا تو واقعی اُن کا سر کھلا تھا۔ اور پیشانی پر چوٹ کا نیل بھی پڑا ہوا تھا۔ پھر ہم بھائی کے خیمہ میں آئے وہاں سے بھی سب کچھ لوٹ لیا گیا تھا۔ میرے بیمار بھائی منہ کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ بھوک پیاس اور بیماری کی وجہ سے اُٹھنے بیٹھنے کی قوت نہ تھی۔ ہم اُن کی حالت پر اور وہ ہمارے حال پر رو رہے تھے۔

6- عن امالی صدوق مسندا عن عبد الله عن امه فاطمة بنت الحسين قالت دخل العامة علينا الفسطاط وانا جارية صغيرة في رجلى خلخال من ذهب وجعل رجل يفص الخلخالين من رجلى وهو يبكى فقلت مايبيك يا عبد الله فقال كيف لا ابكى وانا اسلب ابنة رسول الله فقلت لا تسلبني قال اخاف ان بجيبي غيرة فياخذه قالت وانتهبوا ما في الابنية حتى كانوا ينزعون الملاحف عن ظهورنا۔

جناب صدوق رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ سے اور انہوں نے اپنی والدہ فاطمہ بنت حسین سے روایت کی ہے کہ وہ کہتی تھیں کہ میں چھوٹی سی لڑکی تھی اور میرے پاؤں میں سونے کی پازیب تھی۔ جب ہمارے خیام میں فوجی عوام گھس آئے تو ایک شخص نے میرے پاؤں سے پازیب نکالنا شروع کی اور ساتھ ہی رونا بھی شروع کر دیا۔ میں نے کہا کہ اے دشمن خدا تو کس بات پر روتا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ کیسے نہ روؤں میں رسول کی بیٹی کو لوٹ رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ پھر تو یہ ظلم نہ کرو اور میری پازیب نہ لے۔ اُس نے کہا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ کوئی اور شخص آ کر اتار لے گا۔ پھر فرماتی ہیں کہ اُن لوگوں نے سب ہی کچھ لوٹ لیا یہاں تک کہ ہماری چادریں اور پردہ تک کی ہر چیز چھین لی۔“

7- وفي الملهوف روى حميد بن مسلم قال رايت امرأة من بكر بن وائل كانت مع زوجها في اصحاب عمر بن سعد فلما رأت القوم قد احتجموا على نساء الحسين في فسطاطهن وهم يسلبونهن اخذت سيفاً واقلت نحو الفسطاط وقالت يا آل بكر بن وائل اتسلبوا بنات رسول الله؟ لاحكم الا لله بالثارات رسول الله فاخذها زوجها وردها الى رحله۔

کتاب ملهوف میں حمید بن مسلم نے بیان کیا کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا جو بکر بن وائل کے قبیلے سے اور فوج میں اپنے شوہر کے ساتھ تھی۔ جب اس عورت نے دیکھا کہ عمر بن سعد کی فوج نے خیموں میں جا کر امام حسین کے حرم پر ہجوم کر لیا ہے۔ اور وہ اہل حرم کو لوٹ رہے ہیں تو اس عورت نے تلوار نکالی۔ اور خیام حسینی کے قریب آ کر پکارا کہ اے بکر بن وائل کی اولاد کیا تم بھی رسول زادیوں کو لوٹ رہے ہو۔ اللہ کے سوا اور کوئی بھی حکم دینے والا نہیں ہے۔ اور آل رسول کا بدلہ لینا واجب ہے۔ یہ دیکھ کر اُس کا شوہر آیا اور اسے واپس اپنی قیام گاہ میں لے گیا۔

8- وفي البحار أنّ شهر بانويه لم تسلب ثيابها وذلك حيث قال وجاء بالحرم اسارى الا شهر بانويه فانها اتلفت نفسها في الفرات۔ هذا يمكن ان يكون ذلك بعد ذلك النهب والعاره۔ (أكسير العبادات۔ صفحہ 437-439)

کتاب بحار الانوار میں لکھا ہے کہ حضرت شہر بانو علیہا السلام کے کپڑے نہیں لوٹے جاسکے۔ اس لئے کہ انہوں نے فرات میں

ڈوب کر اپنی جان دے دی تھی۔ اور تمام اہل حرم کو قیدی بنایا گیا۔ مگر جناب شہر بانو قیدیوں میں نہیں تھیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ لوٹ مار کی توہین کی بنا پر شہر بانو دریائے فرات میں ڈوب کر مر گئی ہوں۔‘ (اکسیر صفحہ 437 تا 439)

(2) دشمنان اسلام کی لوٹ مار پر چند وضاحتیں

- 1- لوٹ مار کے سلسلے میں پہلی بات یہ سمجھ لیں کہ امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا میدان جنگ اور جسم مبارک سے لوٹا ہوا لباس اس قابل نہ رہ سکتا تھا کہ وہ کسی بھی کام آ سکے۔ اسلئے کہ اُس میں ہزاروں سوراخ تھے اور کئی کئی سوراخ مل کر بڑے بڑے جھراڑ بن گئے تھے۔ یہ خون میں بسا ہوا دھجی دھجی لباس صرف یہ ثابت کرنے کیلئے لوٹا گیا تھا کہ وہ ملائین اُن چالیس منتخب آدمیوں میں سے ہیں جنہیں قتل کیلئے تعینات کیا گیا تھا تا کہ انہیں سب سے زیادہ انعام مل سکے۔ اسکے علاوہ اُس لباس کا کوئی بھی مصرف نہ تھا۔
- 2- البتہ ایک ٹوپی ایسی ضرورت تھی جسے دھونے کے بعد پہننا جاسکتا تھا اور پہننا گیا تھا۔ وہ ٹوپی خون میں لت پت ہو جانے کی بنا پر امام علیہ السلام نے خود پھینک دی تھی جسے مالک بن بشیر نے اٹھالیا تھا۔ جب وہ کربلا سے فارغ ہو کر اپنے گھر پہنچا تو ٹوپی کو دھوتے دیکھ کر اُس کی زوجہ نے کہا کہ او بے حیا تو فرزند رسول کو لوٹ کر میرے گھر لایا ہے، نکل میرے گھر سے خدا تیری قبر کو آگ سے بھرا رکھے۔ پھر وہ ملعون بسبب نفرین امام ہمیشہ بدترین حالت میں رہا۔ اُسی نے سر مبارک پر تلوار ماری اور اس ٹوپی کو خون سے بھرا تھا۔ اور امام نے فرمایا تھا کہ تجھے ان ہاتھوں سے کھانا پینا نصیب نہ ہو۔ گرمیوں میں اُس کے دونوں ہاتھ خشک لکڑیوں کی طرح ہو جاتے تھے اور سردیوں میں اُن سے خون ٹپکتا رہتا تھا۔ (بخاری)
- 3- جس لباس کو پہننے سے لوگوں کو اللہ کی طرف سے سزائیں ملیں وہ لباس وہ تھا جو امام نے خیمہ میں اتارا تھا اور اس کی جگہ پرانا لباس پہننا تھا۔
- 4- وہ سامان جو ادھر ادھر پڑا ملا یا اہل حرم کی مستورات اور لڑکیوں اور بچوں کے بدن سے لوٹا گیا۔ وہ تمام انفرادی طور پر لوگ لیکر چل دیئے تھے۔ اور سرداران فوج کی تحویل اور ریکارڈ سے باہر رہا۔ یہی فردا فردا لوٹا ہوا سامان تھا جسے واپس کرنے اور لوٹ کے سامان کی فہرست میں شامل کرانے کے خیال سے عمر بن سعد نے کہا تھا کہ لوٹا ہوا تمام سامان واپس دو اور اکثر علمائے سمجھے کہ عمر بن سعد ملعون نے وہ سامان اہل حرم کو واپس دینے کیلئے کہا تھا۔ جو واپس نہ دیا گیا۔ درحقیقت وہ سامان عمر بن سعد کو بھی نہ مل سکا۔
- 5- لباس میں زیورات کا ذکر پڑھ کر یہ سمجھنا واقعات کے خلاف ہے کہ اہلبیت رسولؐ آسودہ حالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ تمام زیورات اُوپر بزرگوں سے نسلاً بعد نسل چلے آ رہے تھے۔ یعنی تبرکات میں شمار تھے۔
- 6- لوٹے جانے والے سامان میں ہزار ہا روپیہ کی مالیت کا سامان تھا۔ تمام انصار کا سامان بھی خیمہ میں موجود تھا۔ لہذا وہ تمام سامان جو مقتول تھا یا محفوظ طریقہ پر رکھا ہوا تھا وہ عمر بن سعد کی تحویل میں دیا گیا۔ پھر ابن زیاد کے ملاحظہ سے گزرتا ہوا یزید ملعون تک پہنچا۔ یہی سامان تھا جو بالکل محفوظ رہ سکا اور قلعہ سے باہر والے قید خانہ کے مکان میں منتقلی کے وقت واپس دیا گیا تھا۔
- 7- لوٹ کے سامان میں غلہ اور باورچی خانہ کے بہت سے برتن تھے۔ اتنے کہ جن میں تین چار سو آدمیوں کے لئے کھانا پک

سکے اور کھلایا و تقسیم کیا جاسکے۔

8- اور تین چار روز تک تین سو کے قریب آدمیوں اور اونٹوں اور گھوڑوں کے پینے کا پانی جن برتنوں، ٹنکیوں (Tanks) اور مشکوں میں آسکے وہ سب بھی اس ٹوٹ میں شامل تھا۔ یہ بھی واپسی کے وقت اٹام کا ذاتی مال تھا۔ یزید لعین نے نہ احسان کیا نہ اُس کا احسان سر پر لیا گیا۔

9- امام علیہ السلام کے ہمراہ سردی گرمی کیلئے بسترے و پارچہ جات، گدے تکیے تو شکلیں، ٹینٹ، قناتیں اور طوفانی ہوا اور بارش میں محفوظ رہنے کا تمام سامان۔ خندق کھودنے، دریا پار کرنے، غلہ رکھنے کا بھی تمام محفوظ سامان تھا۔ اسلحہ تھے، زرہیں تھیں، احرام کا تمام ضروری سامان تھا۔ کرسیاں تھیں۔ خط و کتابت کا سامان تھا۔ نقد روپیہ بھی تھا۔ اُسی میں سے مدفن کی زمین خریدی گئی تھی۔

10- لوٹے جانے والے سامان میں اونٹ، گھوڑے اور خچر و گدھے بھی تھے۔ عماریاں اور کجاوے بھی تھے نماز کے لئے ایک مسجد سے زیادہ سامان موجود تھا۔

نوٹ: (1) جو شیعہ علمایہ چاہتے اور لکھتے رہے کہ خلیفہ ثانی حضرت علیؑ کے (معاذ اللہ) داماد تھے۔ انہیں یہ پسند نہیں آتا کہ حضرت ام کلثوم علیہا السلام کربلا میں موجود ہوں۔ جو شیعہ علمایہ پسند کرتے اور لکھتے رہے کہ رسولؐ کی ایک نہیں بلکہ چار بیٹیاں تھیں، وہ یہ نہیں چاہتے کہ امام حسین علیہ السلام کو دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ حضرت فاطمہؑ صغرا کو مدینہ میں چھوڑا ہوا دکھایا جائے۔ اس لئے جہاں اُن کا دل چاہتا ہے حضرت فاطمہؑ صغرا کو کربلا میں دکھا دیتے ہیں۔ چنانچہ روایت نمبر پانچ میں یہی عمل کیا گیا ہے کہ فاطمہؑ کبریٰ کا نام فاطمہؑ صغریٰ لکھ دیا گیا تھا۔ جسے ہم نے صحیح کر دیا ہے۔ یہ علمائے شیعہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ حضرت سکینہؑ کا زندان شام میں انتقال دکھایا جائے یا انہیں تین سال کی بچی لکھا جائے۔ وہ انہیں جوان دکھاتے ہیں۔ اُن کی جگہ ڈائلاگ بولتے ہیں۔ اور کربلا کے بعد زندہ دکھا کر ایک شرمناک صورت حال پیدا کرتے ہیں۔ وہ ہی علمایہ ہیں جو حضرت قاسم علیہ السلام کے نکاح اور وصیت کے منکر ہیں۔ لیکن ہم نے یہ تمام مندرجہ بالا حقائق اُن کی مرضی اور پسند کے خلاف دو ٹوک طریقہ پر لکھے اور نہایت قوت سے ثابت کئے ہیں اور ہماری غرض ہی یہ تھی کہ واقعات کربلا پر ڈالے ہوئے تمام سرکاری اور قومی پردے اٹھا کر صحیح حالات مومنین کے سامنے رکھ دیئے جائیں۔ یہ حضرات کربلا کے میدان میں بھولے سے بھی جناب امام محمد باقر علیہ السلام کا تذکرہ نہیں کرتے۔ نہ انہیں قیدیوں میں دکھاتے ہیں، نہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ کس طرح زندہ رہے۔ حالانکہ آپ کی عمر شریف دس گیارہ سال سے زیادہ تھی۔

نوٹ: (2) ہم یہ لکھنا بھول گئے کہ دمشق سے رہائی و روانگی کے وقت عماریاں اور کجاوے اور دیگر سفری سامان بھی یزید کا احسان نہ تھا۔ بلکہ یہ وہی سامان تھا جو خیام حسینیؑ سے لوٹا اور سرکاری اسٹور میں جمع کیا گیا تھا۔ مومنین یہ سمجھ لیں کہ دس بارہ من تو وہ ریگستان میں گاڑے جانے والے اسکرپو (Screw) ٹائپ کے کھونٹے تھے جنہیں آج پکٹ (Picket) کہتے ہیں ہمراہ تھے۔ یہ کھونٹے کئی کئی فٹ لمبے اور بوتل کی ڈاٹ نکالنے والے اسکرپو (Screw) کی شکل کے ہوتے ہیں۔ جو ریگستانی آندھیوں میں نہیں اُکھڑ سکتے۔ جنہیں دودو آدمی گھماتے ہیں تاکہ ریت کے نیچے پکی زمین تک پہنچیں اور طوفانی جھکڑوں میں بھی خیموں کو ہلنے نہ دیں۔ ذرا سوچئے کہ حُر کی فوج

کے ایک ہزار آدمیوں اور ایک ہزار گھوڑوں نے سیر و سیراب ہو کر پانی پیا تھا۔ یہ بات تمام اہل قلم نے مانی اور لکھی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ پانی کسی منتر کے زور سے نہ آیا تھا بلکہ امامؑ کے ساتھ تھا۔ ذرا حساب لگا کر بتائیے کہ کتنی بالٹیاں درکار ہوں گی ایک ہزار گھوڑوں کو پانی پلانے کے لئے؟ اگر دو چار بالٹیاں ہوتیں تو پانی پلانے میں کتنی دیر لگتی؟ اور یہ کہ کتنی دیر میں سب کو فارغ کیا گیا تھا؟ یہ باتیں علما کے جاننے کی نہیں تھیں۔ یہ سمجھ دار و تجربہ کار لوگوں کے سمجھنے کی باتیں ہیں۔ اُس پانی کے خرچ ہو جانے کے بعد پانی ختم نہیں ہو گیا تھا۔ بتائیے وہ سارے پانی کتنے اور کیسے برتنوں میں سمائے گا۔ اُسے اُٹھانے اور ٹھنڈا رکھنے کا کیا انتظام تھا؟ علما کی جانے بلا۔ انہیں تو یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کہیں اُن کی تنخواہ یا وظیفہ پر تو چوٹ نہیں پڑتی۔ مذہب پٹ جائے بلا سے، رسولؐ اور اسلام کی عزت و وقار خاک میں مل جائے اعدا و ذب اللہ سے، کوئی خاندان کوئی قوم یا کوئی ملک تباہ ہو جائے لاحول ولاقوة سے۔ مگر مولانا مقتدانا کی بات پر حرف نہ آئے خواہ قرآن بدل جائے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

(3)۔ حضرت امام زین العابدینؑ اور محمد باقرؑ کیسے قتل سے محفوظ رہے

آپ اور ساری دنیا جانتی ہے کہ امام زین العابدینؑ علیہ السلام پوری قد و قامت کے انسان ہیں۔ امام محمد باقرؑ علیہ السلام کے والد ہیں۔ اُن کو کسی بھی حیثیت سے بچہ نہیں کہا جاسکتا۔ سوائے پیار کے جب کہ بڑھا باپ یا ماں یا دادا و دادی مخاطب کریں یا ذکر کریں تو وہ البتہ بچہ کہہ سکتے ہیں اور کہتے ہیں۔ یا طنز کرنے والا بڑھا یا میدان جنگ میں کوئی بہت گھسا پٹا گھاگ، گرگ باران دیدہ و جنگ آزمودہ یہ کہہ سکتا ہے کہ تم ابھی بچے ہو، جاؤ تم پر رحم آرہا ہے۔ لیکن امام زین العابدینؑ جن حالات سے گزر رہے ہیں اُن میں اُن کو بچہ یا لڑکا کہنا قطعاً مناسب نہیں ہے۔ یہ بھی سوچیے کہ جو لوگ شمشاہے شیر خوار سے لے کر اٹھارہ سال تک ہر عمر و سن و سال کے بچوں، لڑکوں، نوجوانوں اور جوانوں کو قتل کرتے رہے ہوں وہ کیوں اولاد حسینؑ کو یہ کہہ کر زندہ چھوڑ دیں گے کہ جانے دو بچہ ہے اسے قتل نہ کرو۔ بہر حال آپ روایات سنئے اور صحیح بات سمجھنے کے لئے تیاری فرمائیے۔

1- وقال ابو مخنف واقبلوا علی علی بن الحسین ليقتلوه فقال بعضهم لبعض يا قوم هذا صبي صغير السن لم

يبلغ الحلم فلا يحل لكم قتله وجعل بعضهم يمنع بعضاً عن قتله۔

علامہ ابو مخنف نے لکھا ہے کہ وہ لوگ علی بن الحسینؑ کو قتل کرنے کے لئے بڑھے تو اُن میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ اے قوم کے لوگو یہ تو ایک بچہ ہے بہت ہی کم سن ہے۔ ابھی سمجھ بوجھ کی حد کو بھی نہیں پہنچا ہے۔ اس کو اس عمر میں قتل کر ڈالنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔ بہر حال انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو اُن کے قتل سے منع کر دیا۔

2- وعن المنتخب وأما علی بن الحسینؑ فإنه أقبل إليه الشمر مع جماعة وأرادوا قتله فقبل هو صبي عليل لا يحل قتله

فترك ثم أقبل اليهم عمر بن سعد فضجّت النساء في وجهه بالبكاء والنحيب حتى زهل اللعين وارتعدت فرائضه وقال لهم لا تقرّبوا هذا الصبي ووكل بعلی بن الحسینؑ و عیالہ من حضر وقال لهم احفظوهم واحذروا من أن يخرج منهم احد فلما رأوا ام کلثوم ماحلّ بهم بکت وانشاءت۔

کتاب منتخب میں یوں ہے کہ رہ گئے علی بن الحسینؑ تو یہ ایک حقیقت ہے کہ اُن کے قتل کا ارادہ کیا گیا تھا۔ لیکن کہا یہ گیا کہ وہ ایک بیمار کم سن بچہ ہے اُس کا قتل جائز نہیں ہے۔ چنانچہ انہیں چھوڑ دیا گیا۔ پھر اہل حرم کی طرف عمر بن سعد آیا۔ مستورات نے اُس کے بالمواجہ فریاد و بکا اور ایسی چیخیں بلند کیں کہ وہ ملعون دہل کر رہ گیا اور اُس کے اعضا کانپ کر لرزنے لگے۔ اور اس نے اپنی فوج کے لوگوں سے کہا کہ خبردار اس طفل کے قریب بھی نہ جانا۔ اور جو لوگ نگرانی پر تعینات تھے اُن کو علی بن الحسینؑ اور امامؑ کے اہل و عیال کو سونپا اور اُن سے تاکید کی کہ اُن کی حفاظت کرو اور چونکہ یہ دیکھو کہ ان میں سے کوئی ایک فرد بھی قید سے باہر نہ نکل جائے۔ یہ انتظام اور مصائب دیکھ کر جناب ام کلثومؑ بہت روئیں۔

3- وفي الارشاد قال حميد بن مسلم فوالله لقد كنت ارى المرأة من نسائه وبنا ته واهله تنازع ثوبها عن ظهرها حتى تغلب عليه فيذهب به منها ثم انتهينا الى علي بن الحسين وهو منبسط على فراش وهو شديد المرض ومع شمر جماعة من الرجال فقالوا له الا تقتل هذا العليل فقلت سبحان الله ايقتل الصبيان انما هذا صبي فلم ازل حتى دفعتم عنه - وجاء عمر سعد فصاح بالنسائي وجهه وبكين فقال لاصحابه لا يدخلن احد منكم بيوت هؤلاء النسوة ولا تعرضوا لهذا الغلام المريض فسالته النسوة يسترجع ما اخذ منهن لتسترن به فقال من اخذ من متاعهن شيئا فليرد ه عليهن - فوالله ما رد احد منهم شيئا فوكل بالفسطاط وبيوت النساء وعلي بن الحسين جماعة ممن كانوا معه وقال احفظهم لنألا يخرج منهم احد ولا تسؤوا اليهم ثم عاد الى مضربه -

اور کتاب ارشاد میں ہے کہ حمید بن مسلم نے روایت کیا ہے کہ واللہ میں حسین علیہ السلام کی ازواج اور بیٹیوں اور دیگر مستورات کو دیکھتا تھا کہ وہ اپنے لباس کی سختی سے حفاظت کر رہی تھیں یہاں تک کہ جب مغلوب ہو جاتی تھیں تو چادر وغیرہ کو چھوڑ دیتی تھیں تو لوگ لے جاتے تھے۔ پھر ہم لوگ علی بن الحسینؑ کے پاس پہنچے تو وہ سخت بیمار تھے اور ایک فرش پر بے ہوش پڑے تھے۔ اور شمر بھی ایک جماعت لے کر آ پہنچا۔ جماعت نے کہا کہ کیوں اے شمر کیا تم اس بیمار کو قتل نہ کرو گے؟ میں نے کہا کہ سبحان اللہ کیا بچے بھی قتل کئے جاتے ہیں؟ یقیناً یہ تو ایک بچہ ہے۔ بہر حال میں مسلسل علی بن الحسینؑ کا دفاع کرتا رہا۔ پھر عمر بن سعد آ گیا تو تمام خواتین نے اُس کی موجودگی میں رونا اور پکارنا شروع کر دیا تو عمر بن سعد نے اپنے صحابہ سے کہا کہ تم میں کوئی بھی ان خواتین کے رہائشی خیموں میں داخل نہ ہونے پائے اور اس نوجوان (عابد) بیمار سے کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔ اُسے بالکل آزاد چھوڑ دو۔ پھر اہل حرم نے عمر بن سعد سے لُٹا ہوا سامان واپس کرنے کو کہا تا کہ وہ پردے میں رہ سکیں۔ عمر بن سعد نے کہا کہ جس کسی نے اُن کا سامان لیا ہو وہ اُس کو واپس لا کر ان کو دے دے۔ قسم بخدا اس حکم کے باوجود کسی نے بھی کوئی چیز واپس نہ کی۔ پھر جس جماعت کو ساتھ لایا تھا اُس کو خیم اور عابد بیمار کو سپرد کر کے اُن کو ذمہ دار بنایا۔ اور کہا کہ تم سب سختی سے ان کی نگرانی اور حفاظت کرنا۔ ان میں سے کوئی یہاں سے نکل کر نہ چل دے اور دیکھو ان لوگوں کے ساتھ کوئی بری بات اور برا سلوک نہ کیا جائے۔ یہ کہہ کر اپنے مرکز میں چلا گیا۔

4- وعن اخبار الدول وهم شمر بقتل علي بن الحسين وهو مريض فخرجت اليه زينب بنت علي بن ابي طالب فوقعت عليه وقالت والله لا يقتل حتى اقتل فكف عنه - (اکسیر صفحہ 437 تا 438)

کتاب اخبار الدول میں ہے کہ شمر ملعون نے یہ ہمت وارادہ کر لیا تھا کہ وہ علی بن حسین علیہم السلام کو حالت بیماری ہی میں قتل کر ڈالے۔ لیکن جناب زینب بنت علی بن ابی طالبؓ باہر نکلیں اور عابد بیمار علیہ السلام پر گر پڑیں اور اعلان کر دیا کہ جب تک پہلے مجھے قتل نہ کر دیا جائے گا زین العابدین کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح شمر قتل سے باز رکھا گیا تھا۔

(4)۔ دونوں اماموں کی حفاظت اللہ کی ذمہ داری تھی

چونکہ سلسلہ امامت کا قیامت تک جاری رہنا اللہ نے روز ازل سے طے کر رکھا تھا اور ہر نبیؐ کو اُسی امامت کے قیام کے تمہیدی احکام دیئے تھے۔ اُس کی پیشین گوئیاں برابر ہر نبیؐ اور ہر کتاب نے کیں۔ لہذا اُسی سلسلہ کے تحفظ کے لئے حضرت ابراہیمؑ کو آتش نمود سے بچایا گیا۔ اور اُسی نسل کو جاری رکھنے کے لئے حضرت اسماعیلؑ کو محفوظ رکھا گیا۔ اور انتظار کیا گیا کہ حضرت اسماعیلؑ سے لے کر امام حسین علیہ السلام تک تمام بزرگ پیدا ہو کر آئندہ چلنے والے سلسلہ امامت کو جاری رکھنے والے افراد کو تیار کر دیں۔ چنانچہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے بعد کے لئے ایک نہیں دو امام تیار کر دینے کے بعد اُس ازلی عہد کو مکمل کر دیا جو انسانی فلاح و نجات کے لئے درمیان میں آیا تھا۔ لہذا اب اُن دونوں آئمہ علیہما السلام کو محفوظ رکھنا اللہ کی ذمہ داری تھی۔ اور وہ اس ذمہ داری کو انجام دینے کے لئے کہیں زیادہ قوی و قادر ہے۔ لیکن اللہ کے کام عموماً محسوس و مشہور اور مادی انتظام کے ساتھ ظہور پذیر ہوا کرتے ہیں۔ آپ نے ان روایات میں یہ دیکھا کہ پہلی دونوں روایات میں نام تو بے شک امام زین العابدین کا (علی بن حسین) لیا گیا ہے۔ لیکن اُن میں آپؑ ہرگز مراد نہیں ہو سکتے۔ سوائے اُس قدرت و قوت کے کہ آئمہ علیہم السلام جس صورت و شکل و ساز میں چاہیں ظہور فرما سکتے ہیں۔ لیکن یہ عام قانون ہے کہ جب تک حالات عام انسانی قدرت و انتظام سے باہر نہ نکل جائیں معجزاتی قوت و قدرت استعمال نہیں کی جاتی۔ چنانچہ کم سنی ایک فطری انتظام تھا۔ جو بچہ تھپیار نہ لگائے میدان جنگ میں بھی نہ آئے اور شدت سے بیمار و نحیف بھی ہو اُس کا قتل ہر مذہب و ملت میں حرام اور قابل شرم رہا ہے۔ اور یہ تمام چیزیں جناب امام محمد باقر علیہ السلام میں ثابت تھیں۔ وہ کم سن بھی تھے اور شدید بیمار بھی تھے۔ چونکہ جنگ بند ہو چکی تھی اب چند سرداران فوج اور عمر سعد کے علاوہ کوئی کسی کو قتل کرنے کا مجاز نہ تھا۔ اور مذکورہ حالات تو خصوصی اہمیت و توجہ چاہتے تھے۔ بہر حال یہ امام پنجم علیہ السلام کے لئے اللہ کا فطری انتظام تھا۔

2- حضرت امام زین العابدین کے تحفظ کے لئے پہلی چیز اُن کا تلوار نہ اٹھا سکرنا، میدان جنگ میں نہ آنا، اور بیماری سے نحیف و زار ہونا۔ دوسرے راوی نے اُن کو بھی بچہ کہہ کر آنے والوں کو مغالطہ دیا۔ اور خود بیان کیا کہ میں لوگوں کو آخرتک اُن کے قتل سے باز رکھتا رہا۔ تیسری اور آخری چیز اہل حرم کی کوشش اور جناب زینب علیہا السلام تھیں جو آخر تک اُن کو محفوظ رکھنے اور خود قتل ہو جانے پر کمر باندھ رہیں حتیٰ کہ یزید ملعون کو بھی اپنے احکام واپس لینا پڑتے رہے تھے۔ البتہ امام زین العابدین علیہ السلام کو معجزاتی قوت اس وقت استعمال کرنا ناگزیر ہو گیا تھا جب لاش ہائے شہد اکوفن کرانے کے لئے ابن زیاد کے قید خانہ سے کربلا آنا پڑا تھا۔ باقی تقریباً تمام اعمال فطری انسانی قوت کے اندر رہے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ نہ سب انسان برابر ہیں نہ اُن کی قوتیں اور قدرتیں برابر ہیں۔ قوت و قدرت، علم و اطاعت قوانین خداوندی کے ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ جو عمل نیچے کی سطح پر ناممکن ہوتا ہے وہ اوپر جا کر ممکن ہو جاتا ہے۔

بعض باتیں بعض کے لئے معجزہ یعنی عاجز کرنے والی ہوتی ہیں۔ اور بعض کے لئے معمولی و فطری کام کی ہوتی ہیں۔ عام عقل چونکہ اسباب و علل و انتظام و قوانین کو نہیں سمجھتی اس لئے معجزہ کہہ کر بیٹھ جاتی ہے۔ لیکن محققین اس سے آگے بڑھتے ہیں، راہنماؤں پر اور نظام کائنات اور خالق کائنات پر ایمان لاتے ہیں خود کو اُن کے سپرد کر دیتے ہیں۔ بلا اندیشہ و دغدغہ اطاعت کرتے ہیں، سوالات کرتے ہیں، سیکھتے اور سمجھتے ہیں۔ اپنی محدود عقل سے اجتہاد کر کے آخری فیصلہ نہیں کرتے ہیں۔ اس لئے ناممکن کو ممکن اور کائنات کو مسخر کر لیتے ہیں۔

(5)۔ بعد مغرب بروز عاشوراء امام مظلوم کا تمام شہداء علیہم السلام کو نعمات جنت کھلانا پلانا

إِنَّ جَمَلَةَ مَا وَقَعَ فِي يَوْمِ الْعَاشُورَاءِ فِي وَقْتِ الْمَغْرِبِ مَا هُوَ مِنْ أَعْجَابِ الْأُمُورِ وَأَعْظَمِهَا وَهُوَ مَا نَقَلَ عَنْ كِتَابِ تَظَلُّمِ الزَّهْرَاءِ فَنَاتِي هَهُنَا بِتَمَامِ مَا نَقَلَ عَنْهُ وَلَا انْقِصَ مَعَهُ شَيْئًا فَقَالَ النَّاظِلُ الثَّقَفُ وَفِي كِتَابِ تَظَلُّمِ الزَّهْرَاءِ فِي مَسْنَدِ سَيِّدَةِ الْبَتُولِ مَسْنَدًا عَنْ الْمَفْضَلِ بْنِ عَمْرِو قَالَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ لِمَا مَنَعَ الْحُسَيْنَ وَأَصْحَابَهُ مِنَ الْمَاءِ نَادَى الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيهِمْ مَنْ كَانَ ظُمْنَا فُلَيْجِي فَأَتَاهُ رَجُلٌ بَعْدَ رَجُلٍ فَيَجْعَلُ ابْهَامَهُ فِي رَاحَتِهِ فَلَمْ يَزَلْ يَشْرِبُ الرَّجُلُ بَعْدَ الرَّجُلِ حَتَّى ارْتَوَدَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ وَاللَّهِ لَقَدْ شَرَبْنَا شَرَابًا مِثْلَ شَرْبِهِ أَحَدٌ مِنَ الْعَالَمِينَ فِي دَارِ الدُّنْيَا فَلَمَّا قَاتَلُوا الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَصَارُوا مَاصِرًا وَكَانَ فِي يَوْمِ الْعَاشُورِ عِنْدَ الْمَغْرِبِ أَقْعَدَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَجُلًا مِنْهُمْ فَيَسْمِيهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ وَأَسْمَاءَ آبَائِهِمْ فَيَجْبِيهِ الرَّجُلُ بَعْدَ الرَّجُلِ فَيَقْعُدُ وَنَحْوَهُ ثُمَّ يَدْعُو بِالْمَائِدَةِ فَيُطْعِمُهُمْ مِنْ طَعَامِ الْجَنَّةِ وَيَسْقِيهِمْ مِنْ شَرَابِهَا ثُمَّ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاللَّهِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَأْهُمْ عِدَّةً مِنَ الْكُوفِيِّينَ وَلَقَدْ كَرَّرَ عَلَيْهِمْ لَوْ عَقَلُوا - قَالَ ثُمَّ خَرَجُوا لِرِسَالِهِمْ فَعَادَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ إِلَى بِلَادِهِ ثُمَّ أَتَى بِجِبَالِ الرِّضْوَى فَمَا بَقِيَ أَحَدٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا أَتَاهُ وَهُوَ عَلَى سُرِيرٍ مِنْ نُورٍ قَدْ حَفَّتْ بِهِ أِبْرَاهِيمُ وَمُوسَى وَعِيسَى وَجَمِيعُ الْأَنْبِيَاءِ وَمِنْ وَرَائِهِمُ الْمُؤْمِنُونَ وَمِنْ وَرَائِهِمُ الْمَلَائِكَةُ يَنْظُرُونَ مَا يَقُولُ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَ فِيهِمْ بِهَذِهِ الْحَالَةِ إِلَى أَنْ يَقُومَ الْقَائِمُ فَإِذَا قَامَ الْقَائِمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَافُوا فِيمَا بَيْنَهُمُ الْحُسَيْنُ حَتَّى يَأْتِيَ كَرِبَلًا فَلَا يَبْقَى سَمَاوِيٌّ وَلَا أَرْضِيٌّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا حَفُّوا بِالْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ - الْحَدِيثُ - هَكَذَا نَقَلَ هَذَا النَّاقِلُ وَلَقَدْ رَأَيْتُ فِي كِتَابٍ غَيْرِهِ مَا يَغَايِرُ هَذَا بَعْضُ الظَّاهِلِ وَذَلِكَ حَيْثُ نَقَلَ وَكَانَ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ عِنْدَ الْمَغْرِبِ فَيَكُونُ ذَلِكَ الْيَوْمُ الثَّالِثُ الْعَاشُورَاءَ فَيَكُونُ مَا ذَكَرَ فِي الْحَدِيثِ وَاقَعَ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي عَشَرَ مِنَ الْمَحْرَمِ - (أكسير العبادات - صفحہ 440)

عاشوراء کے دن مغرب کے بعد جو واقعات پیش آئے اُن میں سب سے حیران کن اور سب سے عظیم الشان واقعہ وہ ہے جو کتاب تظلم الزہراء سے نقل کیا گیا ہے۔ لہذا ہم اس واقعہ کو اس مستند نقل کرنے والے سے بلا کم و کاست آپ کے سامنے لکھتے ہیں۔ ناقل نے لکھا ہے کہ کتاب تظلم الزہراء میں جناب سیدہ کی سند سے اور پھر مفضل بن عمر کی سند سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا بیان ہے کہ فرمایا جب امام پر اور اُن کے صحابہ پر پانی بند کیا گیا تھا تو امام نے اپنا اختیار دکھانے کے لئے سب کو بلایا اور کہا کہ جو بھی پیاسا ہو یہاں آئے۔ چنانچہ ایک کے بعد ایک آتا گیا اور امام اس کے منہ میں اپنی انگلی دیتے گئے۔ یہاں تک کہ تمام انصار کو سیراب کر دیا۔ صحابہ آپس میں کہتے تھے کہ آج تو ہم نے ایسی چیز پی ہے کہ کائنات میں کسی نے نہ پی ہوگی۔ اس کے بعد جب امام سے جنگ شروع ہوگئی اور جو کچھ گزرنا تھا گزر گیا تو مغرب کے قریب امام حسین علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اپنے مقتول صحابہ کا ایک ایک کر کے نام پکارتے

اور آبا و اجداد بتاتے جاتے تھے اور شہداء یکے بعد دیگر آ کر حاضر ہوتے جاتے تھے۔ اور لیک لیک کہتے ہوئے آتے تھے اور امامؑ کے گرد حلقہ بنا کر کھڑے ہوتے جا رہے تھے۔ پھر امام علیہ السلام نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا اور جنت کی نعمتیں دسترخوان پر چُن دی گئیں۔ تب آپؑ نے کھانے پینے کا حکم دیا اور تمام انصار اور (اہل حرمؑ) نے کھانا کھایا اور جنت کا پانی پیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس واقعہ کو بہت سے کوفیوں نے دیکھا۔ اور یہ دومرتبہ کیا گیا تاکہ اہل کوفہ کی عقل متوجہ ہو۔ پھر تمام شہداء نے اپنی اپنی سوار یوں کا رخ کیا اور سب اپنے اپنے شہروں اور گھروں کو چلے گئے۔ گھروں سے پھر جبال رضویؑ پر سب جمع ہوئے اور مومنین میں سے کوئی بھی آنے سے باقی نہ رہا۔ اور جناب امام حسین علیہ السلام نور کے منبر پر تشریف فرما ہو گئے۔ اور اُن کے گرد تمام انبیاءؑ نے حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ علیہم السلام نے حلقہ بنایا۔ اُن کے پیچھے تمام مومنین کھڑے ہوئے اور اُن کے پیچھے ملائکہ نے صف بنائی۔ اور انتظار کرنے لگے کہ دیکھو امامؑ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ حالت بدستور اُس وقت تک برقرار رہے گی جب تک امامؑ عصر و الزمان ظہور نہ فرمائیں۔ جب وہ ظہور فرمائیں گے تو امام حسین علیہ السلام کی طرف سے سب شہداء و مومنین کو اُن کی وفاداریوں اور جانفروشیوں کا اجر دیا جائے گا۔ پھر کربلا میں آئیں گے۔ اُس وقت نہ کوئی آسمانی مخلوق غائب رہے گی نہ کوئی ارضی مخلوق ایسی ہوگی جو امامؑ کے چاروں طرف حلقہ کر کے نہ کھڑی ہو اور جس کو اس کا اجر نہ ملے۔“ اسی طرح میں نے دوسری کتابوں میں بھی دیکھا ہے۔ وہاں چند لفظی تغیرات ہیں۔ مثلاً کہیں اس واقعہ کو تیرہویں محرم کو قرار دیا گیا ہے اور کہیں بارہ محرم کو لکھا ہے۔“ (اکسیر العبادات - صفحہ 440)

(6)۔ اس روایت پر کسی تعجب اور حیرانی کی ضرورت نہیں ہے

علامہ در بندی ذرا دور چل کر گھبرا گئے ہیں۔ حالانکہ وہ بڑا قوی اور مستحکم ایمان رکھنے والے بزرگ ہیں۔ مگر ماحول کے علما کے اعتراض اور بکواس کا خیال رکھ کر ذرا ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ لیکن جو لوگ قرآن و حدیث پر سچ بچ ایمان لائے ہیں اُن کو ذرہ برابر تعجب نہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ قرآن سے تمام شہداء کی زندگی اور کھانا پینا اور تمام وہ راحتیں و آسائشیں وصول کرنا ثابت ہے جو لفظ رزق میں داخل ہیں۔ اور قرآن میں کہیں یہ اشارہ بھی نہیں کہ شہداء اپنے اُسی بدن سے نہیں بلکہ کسی اور قسم کے جسم کے ساتھ زندہ رہیں گے۔ اس لئے کہ دوسرے اجسام کو دنیاوی رزق کی احتیاج ہی نہیں ہوتی ہے۔ یہ خیالی و قیاسی و شیخ چلی کی باتیں قرآن سے ثابت نہیں ہیں۔ البتہ مادی عقل کی رسائی سے یہ باتیں بہت بعید ہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ کوئی اور مثالی جسم دے دیا گیا تھا تب تو بات ہمارے شعور کے اندر آ جاتی ہے۔ حالانکہ اس سب کو شعور سے بلند و باہر فرمایا گیا ہے۔ لہذا ہر وہ تاویل باطل ہے جو شعور کو مطمئن کرنے کے لئے ہو۔ ہم تو حضرت قاسم علیہ السلام کے زفاف اور اولاد ہونے کے واقعہ سے پہلے متعارف کرا چکے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ شہداء دوبارہ دنیا داری کی زندگی کو اختیار نہ کریں۔ جنت سے کھانے پینے کی اشیا کا آنا حوارین عیسیٰؑ کے لئے اگر مانا جاتا ہے تو حضرت فاطمہؑ جو خاتون جنت ہیں اور حسنینؑ جو جوانان جنت کے سردار ہیں کے لئے منافق کے علاوہ کون انکار کرے گا؟ (ماندہ 5/113)۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کے شاہد بننے اور اطمینان قلب حاصل کرنے کے لئے حضرت عیسیٰؑ کے صحابہ جنتی نعمتیں دنیا میں مانگتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ یہ کہہ کر مانگتے ہیں کہ آسمانی نعمتیں اس لئے کھلا دے کہ ہمارے اوّل کے لئے بھی عید ہو جائے اور ہمارے آخر والے کیلئے بھی عید ہو جائے (تَكُونُ لَنَا عِيدًا لَا وَلَنَا

وَآخِرِنَا - ماندہ (5/114)۔ تو سوچئے کہ حضرت عیسیٰ آخروالاکس کو فرماتے ہیں؟ حضرت مریم اور حضرت فاطمہؑ پر یہ نعمتیں طباق بھر بھر کر پہلے سے نازل ہوتی چلی آئی ہیں (آل عمران 3/37)۔ اُن کے بچوں کے لئے لباس آتا رہا ہے۔ یہیں یہ سمجھ لیں کہ اسیران اہل حرم کو برابر ایک سال تک مسلسل یہی دسترخوان نصیب رہا۔ اس لئے کہ وہ اُن ملائین کا احسان نہ لے سکتے تھے۔ جنت ہی سے اُن کا لباس آتا رہا جو ملائین کو نظر نہ آتا تھا۔

یہ بھی سُن لیں کہ جب یہ مانا جاسکتا ہے کہ عبدالقادر جیلانی کی محفل آج تک لگتی ہے تو اس معاملے میں کسی مسلمان کو کیا تکلف ہو سکتا ہے کہ قیامت تک جناب سید الشہداء کی محفل میں انبیاء و ملائکہ حاضر رہیں گے؟ تمام اولیاء اللہ نے محمد و آل محمدؑ کی محفلوں کا تذکرہ کیا ہے اور اُن کے غلام آج بھی اُن محفلوں میں باریاب ہو سکتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ نے محض لیبل پر مومن لکھ کر گلے میں ڈال لیا ہے۔ دل کو مومن بنالواپنی جان و مال و اولاد کو پیش کر دو تمہارے لئے اُن کے دروازے کھلے ہیں۔ مگر تم نے کافروں، عیسائیوں، یہودیوں اور منکرین خداوندی کے دروازے سنبھال رکھے ہیں اُن ہی کو رازق سمجھتے ہو۔ وہ ہی تمہارے مشکل کشا ہیں۔ تم نے حقیقی مشکل کشا کو (معاذ اللہ) بُت قرار دیا ہے (علامہ عزیر) اور اُن سے مدد مانگنے کو شرک قرار دیا ہے۔ لعنة الله على الكاذبين۔

(7) لاشئہ امام علیہ السلام کے پامال کرنے میں ناکام کر دیا گیا تھا

بار بار عرض کیا گیا ہے کہ واقعات کر بلا کے بیانات میں کہیں کہیں صحیح واقعات تک رسائی ناممکن رہی ہے۔ کہیں کسی واقعہ کو مختلف لوگوں نے جتنا حصہ دیکھا بیان کر دیا۔ اس طرح ایک ہی واقعہ کئی صورتوں میں ٹوٹ کر بیان ہوا۔ کہیں سرکاری پالیسی نے صورت حال کو بدلنے کی کوشش کی تاکہ واقعہ کی سنگینی کو ہلکا یا غائب کر دیا جائے۔ چنانچہ لاشئہ سید الشہداء اور دیگر شہداء علیہم السلام کی پامالی کی روایت سرکاری عملہ تو ہرگز بیان نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ اس سے اُن کی بے رحمی اور حیوانیت بڑھ کر سامنے آتی تھی جو وہ نہیں چاہتے تھے۔ البتہ یہ روایت کسی ایسے راوی نے بیان کی ہے جو شہادت کے بعد اُس گفتگو اور انتظام کو دیکھتا سنتا رہا جو عمر بن سعد نے پامالی کے سلسلے میں کیا تھا۔ اُس ملعون نے اپنی فوج کے دس ملائین کو منتخب کیا اور اُن کی ڈیوٹی لگادی کہ وہ کل صبح یعنی گیارہ محرم کو لاشئہ امام مظلوم علیہ السلام کو پامال کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ سننے کے بعد راوی اگلے روز کر بلا میں موجود نہیں تھا۔ چونکہ وہ یہ دیکھتا رہا تھا کہ عمر بن سعد کے تمام احکام پر ضرور عمل کیا جاتا رہا اور امام پر ہمہ قسمی مظالم بڑی کشادہ دلی سے ہوتے رہے۔ اس لئے اُسے یقین رہا کہ پامالی کے حکم پر بھی یقیناً عمل ہوا ہوگا۔ لہذا وہ یہ روایت بیان کرتا رہا کہ لاشئہ امام پامال کیا گیا تھا۔ لہذا روایت نے شہرت پائی اور وہ زبانوں اور کتابوں میں محفوظ رہتی چلی آئی اور آج تک ہمارے یہاں بیان ہوتی رہتی ہے۔ اور اس حیثیت سے بالکل صحیح ہے کہ عمر بن سعد ملعون اپنی طرف سے تو پامال کر چکا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ کے انتظام نے اُس ملعون کو نامراد کر دیا۔ پہلے پامالی والی روایت سُن لیں۔

(8) دس ملائین کا انتخاب اور پامالی والی روایت

وفی الملهوف ثَمَّ نادى عمر بن سعد فى اصحابه من ينتدب للحسين فيوطى الخيل ظهره وصدرة فانتدب منهم عشرة وهم (1) اسحق بن هوية الذى سلب الحسين عليه السلام قميصه و (2) اخنس بن مرثد و (3) حكيم بن الطفيل السنبى

و (4) عمر و بن الصبیح الصیداوی و (5) رجاء بن منقذ العبدی و (6) سالم بن خثیمۃ الجعفی و (7) صالح بن وهب الجعفی و (8) داخط بن ناعم و (9) ہانی بن ثبیث الحضرمی و (10) اسید بن مالک فداسوا الحسین علیہ السلام بحوافیر خیلہم حتی رَضُوا ظہرہ و صدرہ قال و جاء هؤلاء العشرة حتى وقفوا على ابن زياد فقال اسيد بن مالك احد العشرة نحن رضنا الصدر بعد الظهر بكل يعبوب شد يد الاسر فقال ابن زياد من انتم فقال نحن الذين وطئنا بخيولنا ظهر الحسين حتى طحن صدره قال امرهم بجائزة يسيرة قال ابو عمر والزاهد فنظر في هؤلاء العشرة فوجدناهم اولاد الزنا - فهؤلاء اخذهم المختار فشد ايدهم وارجلهم بسكك الحديد واطاء الخيل ظهورهم حتى هلكوا۔ (بحار صفحہ 268) (اکسیر العبادات۔ صفحہ 441)

کتاب ملخوف میں ہے کہ پھر عمر بن سعد نے اپنے صحابہ کو آواز دی اور پوچھا کہ تم میں سے کون کون یہ ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ امام حسینؑ کے سیدہ اور کمر کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کرے؟ مندرجہ ذیل دس اشخاص نے یہ ذمہ داری لی:

(1) اسحق بن ہویہ جس نے امائم کی قمیض لوٹی تھی (2) اخس بن مرشد (3) حکیم بن طفیل (4) عمرو بن صبیح صیداوی (5) رجاء بن منقذ (6) سالم بن خثیمہ (7) صالح بن وهب (8) داخط بن ناعم (9) ہانی بن ثبیث (10) اسید بن مالک۔ اُن ملاعین نے لاشہ مظلوم پر گھوڑے دوڑائے اور اُنکی کمر اور سیدہ کو کچل کر پامال کر دیا۔ راوی نے یہ بھی کہا کہ یہ دس آدمی ابن زیاد کے پاس آئے اور اُن دس میں سے اسید بن مالک نے کہا کہ عشرہ کے دن ظہر کے بعد ہم نے بڑے طاقتور گھوڑوں کی ٹاپوں سے حسینؑ کی کمر اور سیدہ کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ ابن زیاد نے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے امام حسینؑ کی لاش کو پامال کیا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ ابن زیاد نے انہیں معمولی سا انعام دینے کا حکم دیا۔ ابو عمر و زاہد نے بتایا کہ جب ہم نے غور کیا تو وہ دس آدمی حرامزادے ثابت ہوئے اور امیر مختار نے اُن دس آدمیوں کو زمین پر لٹایا کیلوں سے ٹھونک دیا پھر اُنکے اوپر گھوڑے دوڑائے گئے یہاں تک کہ واصل جہنم ہو گئے۔“

(9)۔ پامالی کی روایت پر تنقیدی نظر

علامہ محمد باقر نے بحار میں اسی روایت کو پورا لکھا ہے اور اس کو لکھ کر یہ بھی لکھ دیا کہ: ”بنا بر روایت کتاب کافی کلینی یہ ہے کہ لاش مطہر کو اشقیاء پامال نہ کر سکے تھے۔ اور بعض موانع کی وجہ سے اس ارادہ فاسد سے باز رہے۔“ (ترجمہ بحار صفحہ 269)

یہاں پہلے تو یہ نوٹ کر لیں کہ غالباً علامہ یہ لکھنا اور ماننا پسند نہیں کرتے کہ پامالی روکنے کے لئے ایک شیر آیا تھا۔ اس لئے اپنی ذاتی رائے سے حقیقت بیان کرنے کے بجائے ”بعض موانع کی وجہ سے باز رہے“ اور چونکہ انہوں نے شیعوں کی معتبر ترین کتاب کی روایت نہیں لکھی اور پامال نہ ہونے کو ترجیح نہیں دی۔ لہذا معلوم ہوا کہ علامہ کافی کا اعتبار بھی نہیں کرتے ہیں۔ اب اس روایت کو دیکھئے کہ یہ روایت پامالی کی ذیل میں یہ واقعہ بروز عاشور بتاتی ہے اور واقعات اور وقت کی تنگی، اس کو غلط ثابت کرتی ہے۔ پامالی کے لئے یہ انتخاب اور پامالی کا عمل درآمد اگر وقوع میں آیا ہوتا تو یہ لوگ خود ابن زیاد کے سامنے انعام کے لئے پیش نہ ہوتے۔ بلکہ قاعدہ و قانون کی رُو سے انہیں ابن سعد پیش کرتا اور انعام دلاتا۔ چونکہ واقعہ پیش نہ آ سکا اور اُس میں اُن دس آدمیوں کی نہ خطا تھی نہ کوتاہی اس لئے وہ انعام کے لئے عمر بن سعد سے مایوس ہو کر ابن زیاد کے سامنے پیش ہوئے اور بتایا کہ جناب ہم تو تیار تھے اور ہم نے گویا پامالی انجام دے دی۔ لہذا

ہمیں ہماری جرأت و آمادگی کا انعام ملنا چاہئے۔ پھر انہیں معمولی سا انعام ملنا بھی اسی کا ثبوت ہے کہ وہ پامالی کے لئے صرف آمادہ ہوئے تھے۔ پامال نہ کر سکے تھے۔ یہ بھی غور کریں کہ روایت میں یہ ہے کہ جب وہ ابن زیاد کے پاس گئے تو یہ شعر پڑھا۔

نحن رضنا الصد بعد الظہر بکل یعوب شد ید الاسر

”عاشور کے روز ہم نے ظہر کے بعد بڑے طاقتور گھوڑوں کی ٹاپوں سے حسینؑ کے سینہ اور کمر کو پامال کیا تھا۔“

ابن زیاد کے سامنے اور ابن زیاد سے جب یہ شعر کہہ دیا گیا تو اب ابن زیاد کو یہ دریافت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ تم کون لوگ ہو؟ (مَنْ اَنْتُمْ؟) اور نہ انہیں دوبارہ یہ کہنے کی ضرورت ہوتی کہ ہم نے لاشہ حسینؑ پامال کیا تھا۔ معلوم ہوا کہ راوی صاحب دربار میں موجود تھے اور اُن سے اسید بن مالک نے وہ شعر پڑھ کر غپ ماری اور راوی نے یقین کر لیا کہ پامالی سچ مچ ہوئی تھی۔ پھر اس روایت میں غلط مبالغہ موجود ہے جو اس کو غلط ثابت کرتا ہے۔ سینے اور پشت کو پامال کرنا مبالغہ ہے۔ اگر لاش سیدھی پڑی ہو تو پشت و کمر نیچے اور سینہ اوپر ہوگا۔ لہذا سینے پر گھوڑوں کے سم پڑیں گے۔ اور اگر لاش الٹی پڑی ہے تو گھوڑوں کے سم پشت پر پڑیں گے۔ سینہ نیچے رہے گا۔ سینہ اور پشت کو الگ الگ پامال کرنے کے لئے لاش کو پلٹنا ضروری ہوگا۔ جس کا روایت میں ذکر نہیں۔ لہذا نہ شانے محفوظ رہیں گے نہ ٹانگیں بچیں گی، اس لئے روایت میں پامالی محض خیالی ہے واقعی نہیں ہے۔

(10)۔ وہ صحیح روایات جو پامالی کی تردید کر کے صحیح واقعہ بیان کرتی ہیں

وفی المنتخب لما قتل الحسين عليه السلام اراد القوم ان يوطئوه الخيل فقالت فضة لزينب ياسيدتي ان سفينة صاحب رسول الله كان بمركب فضربه الريح فتكسر فسبح ففقدته البحر الى جزيرة فاذا هو باسد فدى من فحشى سفينة ان ياكله فقال يا ابا الحارث انما والى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فهمهم بين يدى حتى اوقفه على الطريق فركبه ونجا سالماً وادى اسداً فى خلف مخيمنا فدعيني امضى اليه فاعلمه بما صانعون غداً فقالت شانك قالت فمضيت اليه فقلت يا ابا الحارث فرفع راسه ثم قلت اتدري ما يريدون ان يعملوا غداً بابى عبد الله عليه السلام يريدون ان يوطئوا الخيل ظهره قالت فقام الاسد فمشى حتى وضع يده على جسد الحسين وجعل يمرغ وجهه بدم الحسين ويكى الى الصباح فلما اصبح بنو امية اقبلت الخيل يقدمهم ابن الاخنس فلما نظروا اليه قال لهم عمر بن سعد فتنة لا تشيروها وانصرفوا وانصرفوا۔ (أكسير العبادات صفحہ 441)

کتاب منتخب میں ہے کہ جب امام علیہ السلام قتل کر دیئے گئے تو اس ملعون قوم نے ارادہ کیا کہ لاش امامؑ پر گھوڑے دوڑائے جائیں۔ چنانچہ جناب فضہؑ نے حضرت زینب علیہا السلام سے عرض کیا کہ اے میری سردار سفینہ نامی ایک شخص کشتی میں سوار جا رہا تھا طوفانی ہوانے کشتی کو توڑ دیا۔ سفینہ نے تیرا شروع کیا یہاں تک کہ سمندر نے اُسے کنارہ پر لا کر لیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ ایک شیر موجود ہے۔ اور اسکے بالکل پاس آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ سفینہ نے نہایت عاجزی سے کہا کہ اے شیر میں رسول اللہ کے خادموں میں سے ہوں تاکہ شیر کہیں اُسے کھانہ جائے۔ شیر نے عاجزانہ آواز نکالی اور اپنے اوپر سوار ہونے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ سفینہ سوار ہو گیا۔ پھر شیر نے اُسے صحیح و سالم اپنی اس وادی (جنگل) میں لا اُتاراجو ہمارے خیموں کے پیچھے ہے۔ اگر اجازت دیں تو میں جا کر شیر کو کل کے ارادہ پر مطلع کر دوں۔ حضرت زینبؑ

نے کہا کہ بہتر ہے جو تمہیں پسند ہو کرو۔ فضہ کہتی ہیں کہ میں چل کر شیر کے پاس پہنچی اور اُس سے کہا کہ اے ابا الحارث کیا تجھے معلوم ہے کہ اس نابکار و ناجائز قوم کا ارادہ کیا ہے۔ اُن لوگوں نے طے کیا ہے کہ کل لاشہ امامؑ پر گھوڑے دوڑا کر اُنکو پامال کر دیا جائے۔ فضہ کہتی ہیں کہ یہ سن کر شیر اٹھا اور چلتا رہا یہاں تک کہ لاش امامؑ پر اپنا ہاتھ رکھا اور خون امامؑ سے اپنے چہرہ کو تر کر لیا اور ساری رات صبح تک روتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو بنی امیہ مع گھوڑوں کے آئے، آگے آگے اخس کا بیٹا تھا۔ جب اُن لوگوں نے شیر کو دیکھا تو ابن سعد نے اُن سے کہا کہ یہ تو ایک فتنہ سامنے ہے۔ واپس چلو اُسے نہ چھیڑو۔ لہذا وہ گروہ واپس چلا گیا۔“ دوسری روایت یوں ہے کہ:-

امر عمر بن سعد الملعون اَنْ تَطْوَ الخيل عليه غداً فسمعتُ جارية الحسين عليه السلام فحكّت لزنبً اخته۔ فقالت ما الحيلة؟ قالت زينبُ انّ سفينة عبد رسول الله نجاه الاسد على ظهره لما قال له انا عبد رسول الله وسمعت ان في هذه جزيرة اسد فامضى اليه فقولى له اَنْ عسكر ابن سعد يريدون غداً بطاؤاً بخيولهم ابن رسول الله فهل انت تاركهم۔ فلما مضيت اليه الجارية وقالت ما قلتها زينبُ الى قولها فهل انت تاركهم؟ اشار براسه۔ لا۔ فلما كان الغدا قبل الاسد يازاً والعسكر واقف فظن ابن سعد انه جاء ياكل من لحوم الموتى فقال دعوه نرى ما يصنع فاقبل يدور القتلى حتى وقف على جسد الحسين فوضع يده على صدره وجعل يمرغ خذّه بدمه فيبكي فلم يحبسراً حذّ أن يقر به فقال ابن سعد فتنه فلا تهيجوها فانصرفوا عنه۔ هكذا ذكر مجتبى الاسد الى المصرع في كتب جمع من اصحاب المقاتل۔ (أكبر العبادات صفحہ 441)

عمر بن سعد نے حکم دیا تھا کہ کل لاش حسینؑ پر گھوڑے دوڑائے جائیں۔ امامؑ کی ایک کنیز نے یہ حکم زینب علیہا السلام سے بیان کیا اور پوچھا اس سے بچانے کی کیا ترکیب کی جائے؟ فرمایا کہ رسول اللہ کا ایک غلام سفینہ نامی تھا جسے ایک شیر نے اپنے اوپر سوار کر کے بچا لیا تھا۔ جب اُس نے کہا اے شیر میں غلام رسول ہوں۔ اور میں نے سنا ہے کہ وہ شیر یہیں اسی جزیرہ میں رہتا ہے۔ لہذا تم جاؤ اور اس شیر سے کہو کہ عمر بن سعد کی فوج کل حسینؑ کے لاشہ کو پامال کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے کیا تو انہیں نہ روکے گا۔ جب کنیز شیر کے پاس پہنچی اور حضرت زینبؑ کا پیغام دیتے ہوئے یہ جملہ کہا کہ کیا تو انہیں ایسا کرنے دے گا؟ تو شیر نے سر ہلا کر کہا کہ، نہیں۔ جب صبح ہوئی تو شیر دھاڑتا چنگھاڑتا بڑھتا ہوا میدان جنگ میں چلا آیا۔ اور فوج کھڑی ہوئی تھی۔ عمر بن سعد نے خیال کیا کہ شاید یہ شیر مقتولوں کا گوشت کھانے کے لئے آیا ہوگا۔ اس نے فوج سے کہا کہ اُسے آزاد چھوڑ دو۔ دیکھتے ہیں وہ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ شیر مقتولوں کو دیکھتا بھالتا چلا گیا یہاں تک کہ لاشہ امامؑ پر آکر ٹھہر اور اُنکے سینہ پر ہاتھ رکھا اور اُن کے خون سے اپنے گالوں کو نگین کرنے لگا اور روتا جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر عمر بن سعد ملعون نے کہا کہ یہ ایک فتنہ ہے اُسے جوش نہ دلانا۔ اس کے بعد وہ سب چل دیئے اور کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ قریب جاتا۔“ اسی طرح تمام اہل قلم نے شیر کی مقتل میں آمد لکھی ہے۔

(11)۔ عمر بن سعد (لعین) نے شیر کو فتنہ کیوں کہا؟ اور فوج نے تیروں سے حملہ کیوں نہ کیا؟

عمر بن سعد بقول اپنے بزرگوں اور بقول سرکاری تاریخ کے ایک ایسے صحابی سعد بن وقاص کا بیٹا تھا۔ جس کو (معاذ اللہ) جنت کی بشارت دے دی گئی تھی۔ اس بات سے یہ تو ماننا پڑے گا کہ عمر بن سعد بن وقاص ملعون، محمدؐ مصطفیٰؐ اور علیؑ مرتضیٰؑ کی پوزیشن سے خوب

واقف تھا۔ لہذا اُس نے اس شیر کو جنگلی جانوروں اور درندوں میں شمار ہونے والا شیر نہیں سمجھا۔ بلکہ اس شیر کے وجود میں خُدا کی ہاتھ نظر آیا اور اس صورت حال کو خدا کی طرف سے ایک خطرناک قسم کی آزمائش یقین کیا اور سوچا کہ اب تیرا تلواری کام نہ دے گی؟ لہذا اپنے ارادے سے باز رہنے میں خیریت دیکھی اور چل دیا۔ اس لئے بھی کہ ایک جنگلی جانور یہ تمیز نہیں رکھتا کہ وہ ہزاروں لاشوں میں سے امام مظلوم کی لاش کو شناخت کر لے اور پھر اُن کا خون اپنے چہرہ پر ملے اور روتا رہے۔ اُدھر حضرت زینب علیہا السلام کا بڑے اطمینان سے یہ بتانا کہ شیر وہاں ضرور ملے گا۔ اور شیر کا ملنا، شیر کا آدمی کی بات سمجھنا، سر ہلا کر اپنی منشا بتانا اور حسب وعدہ آ کر اپنا فریضہ انجام دینا بتاتا ہے کہ نبی علیہا السلام کے والد اور والدہ یہیں اس بیابان میں موجود ہیں اور اُن کی مدد کی درخواست کے لئے وہ بھی اور اللہ کی پوری کائنات منتظر ہے۔ یہ سب کچھ نبی کو معلوم تھا۔ لہذا اپنے لئے مدد طلب نہیں کی کہ ابھی امتحان کی منزل سے گزرنا تھا۔ مگر اپنے مظلوم بھائی کی بے حرمتی منظور نہ تھی۔ اُن کا امتحان مکمل ہو چکا تھا۔ اُن کے لئے مدد مانگنا غلط نہ تھا۔

(12)۔ حضرت علیؑ کا مظہر العجایب ہونا ہر جگہ پہنچنے کی قدرت کا ثبوت اور فضائل

ثُمَّ لَا يَخْفَى عَلَيْكَ أَنَّ فِي قِصَّةِ الْأَسَدِ تَحْقِيقًا ذَكَرَهُ بَعْضُ الْمُحَقِّقِينَ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ فَتَاتِي هُنَا بِمَآذِرِهِ وَذَلِكَ حَيْثُ قَالَ وَأَمَّا حَقِيقَةُ الْأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَهُوَ النُّورُ الْإِلَهِيُّ أَوَّلُ الْمَوْجُودَاتِ كَمَا قَالَهُ أَخُوهُ وَابْنُ عَمِّهِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاهْلِيَّتِهِ خُلِقْتُ أَنَا وَعَلِيُّ مِنْ نُورٍ وَاحِدٍ وَكَانَ بِتِلْكَ الْحَقِيقَةِ الْمَفَاضُ عَلَيْهَا الصُّورَةُ النُّورَانِيَّةُ قَبْلَ خَلْقِ الْمَوْجُودَاتِ وَبِهَا كَانَ مَعْلَمًا لِلْمَلَائِكَةِ جِبْرِئِيلَ وَمِنْ دُونِهِ وَكَانَ أَيْضًا مَعَ الْأَنْبِيَاءِ كَمَا قَالُوا عَلَيْهِ السَّلَامُ كُنْتُ مَعَ إِبْرَاهِيمَ فِي نَارِ النَّمْرُودَ وَجَعَلْتَهَا بَرْدًا وَسَلَامًا وَكُنْتُ مَعَ مُوسَى وَعَلِمْتُهُ التَّوْرَاتِ وَمَعَ عِيسَى وَعَلِمْتُهُ الْإِنْجِيلَ وَمَعَ سُلَيْمَانَ وَسَخَّرَ لَهُ الْمَتَمَرَّةَ مِنَ الشَّيَاطِينِ وَعَدَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَقَالَ جِبْرِئِيلُ لِلنَّبِيِّ أَنَّ اللَّهَ بَعَثَ عَلِيًّا مَعَ الْأَنْبِيَاءِ بَاطِنًا وَمَعَكَ ظَاهِرًا - ثُمَّ جَرَى التَّقْدِيرُ بِتَوْلِيهِ وَخُرُوجِهِ إِلَى هَذَا الْعَالَمِ الْمَشَاهِدِ الْمَخْصُوصِ أَنْبِضَ عَلَى تِلْكَ الْحَقِيقَةِ النُّورَانِيَّةِ صُورَةً بَشَرِيَّةً مُتَنَاسِبَةً لِهَذَا الْعَالَمِ غَيْرَ أَنَّهَا لَا تَقْصُرُهَا عَلَى صُورَةٍ وَاحِدَةٍ بَلْ صُورَةٌ مُتَعَدِّدَةٌ مُتَنَاسِبَةٌ وَغَيْرُ مُتَنَاسِبَةٍ - أَمَّا الْأَوَّلَى فِيمَا رَوَى مُتَوَاتِرًا مِنْ أَنَّهُ يَحْضُرُ عِنْدَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكَافِرٍ وَقَتَ الْمَوْتِ وَقَدْ يَمُوتُ فِي اللَّحْظَةِ وَاحِدَةً الْآفِ مِنَ النَّاسِ وَغَيْرِهِمْ فَحُضُورُهُ عِنْدَ جَمِيعِهِمْ يَكُونُ بِتِلْكَ الصُّورَةِ الْمُتَكَثِّرَةِ الْمَفَاضَةِ عَلَى تِلْكَ الْحَقِيقَةِ وَكَذَلِكَ مَا رَوَى أَنَّهُ كَانَ فِي لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ ضَيْفًا عِنْدَ أَرْبَعِينَ مِنَ الصَّحَابَةِ - (أكسير العبادات صفحہ 441-442)

وَأَمَّا الثَّانِيَةُ فِيمَا رَوَى وَوَرَدَ فِي وَاقِعَةِ الطُّفُوفِ مِنْ أَنَّ أَسَدًا كَانَ يَجِيئُ عِنْدَ قَرَبِ اللَّيْلِ إِلَى تِلْكَ الْأَبْدَانِ الْعَارِيَاتِ وَكَانَ يَتَخَطَّاهُمَا حَتَّى يَقِفَ عَلَى بَدَنِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا سَيِّدِ الشَّهَادَةِ وَرُوحِي لَهُ الْفِدَاءُ وَيَجْلِسُ عِنْدَهُ وَيَقْبَلُهُ وَيَكِي فَقَالَ الْجَنُّ الَّذِينَ كَانُوا يَنْوَحُونَ عَلَى الْحُسَيْنِ فِي تِلْكَ الْفَلَاةِ هَذَا الْأَسَدُ هُوَ أَبُوهُ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ - وَيُظْهِرُ مِنْ ذَلِكَ التَّحْقِيقِ أَيْضًا السِّرَّ الْوَارِدَ فِي أَنَّ الْأَئِمَّةَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ كَانَ النَّاسُ يَرَوْنَهُمْ عَلَى الصُّورِ الْمُخْتَلِفَةِ وَالْحَالَاتِ الْمُتَفَرِّقَةِ وَيُظْهِرُ مِنْهُ أَسْرَارَ كَثِيرَةٍ هَذَا وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ أَنَّ مَا ذَكَرَهُ هَذَا السَّيِّدُ الْفَاضِلُ وَالْمُحَدِّثُ الْحَاضِقُ مِمَّا يَرْجِعُ بَعْدَ امْعَانٍ إِلَى مَا حَقَّقْنَا مَرَارًا مِنْ ثُبُوتِ الْمَقَامَاتِ النُّورَانِيَّةِ لِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَوْلَادِهِ الْمَعْصُومِينَ وَتَصَرُّفَاتِ أَرْوَاحِهِمُ الطَّيِّبَةِ الْبَاهِرَةِ وَنَفُوسِهِمُ الْقَدْسِيَّةِ الْقَاهِرَةِ فِي أَبْدَانِ مِثَالِيَّةٍ كَثِيرَةٍ وَقَوَالِبِ بَرَزَخِيَّةٍ وَفِرَّةٍ مِنْ غَيْرِ فَرَقٍ فِي ذَلِكَ بَيْنَ أَيَّامِ حَيَاتِهِمْ وَبَيْنَ أَيَّامِ مَمَاتِهِمْ وَكَذَلِكَ بَيْنَ الزَّمَانِ الَّتِي لَمْ يُولَدْ وَآلَمْ يَظْهَرُوا فِيهِ فِي الْأَجْسَادِ الدُّنْيَوِيَّةِ وَالنَّشَاةِ الشَّهَوْدِيَّةِ وَبَيْنَ الزَّمَانِ الَّذِي وَظْهَرُوا فِيهِ فِي النَّشَاةِ الدُّنْيَوِيَّةِ - نَعَمْ إِنَّ هُنَا شَيْئًا

وَهُوَ أَنَّهُ يُسْتَفَادُ مِنْ مَلاحِظَةِ مَجْمُوعِ الْأَخْبَارِ وَالْآثَارِ الْوَارِدَةِ فِي قَضِيَةِ الْأَسَدِ بَعْدَ امْعَانِ النَّظَرِ وَالتَّامُّلِ فِيهَا أَنَّ الْأَسَدَ الَّذِي جَاءَ إِلَى الْمَصْرِعِ بِدَعْوَةِ فَصَّةٍ غَيْرِ الْأَسَدِ الَّذِي كَانَ الْجَنُّ يَقُولُونَ أَنَّهُ امِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَكَيْفَ كَانَ؟ فَإِنْ مَانَقَلَهُ هَذَا السَّيِّدُ الْفَاضِلُ وَالْمُحَدِّثُ الْحَادِثُ مِمَّا يَوْجَدُ نَقْلَهُ أَيْضًا فِي كَلَامِ جَمْعٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَبَقِيَ الْكَلَامُ فِي بَيَانِ حَالِ السَّفِينَةِ الَّتِي كَانَ عَبْدُ رَسُولِ اللَّهِ - (أَيْضًا)

پھر مؤمنین سے یہ حقیقت بھی مخفی نہ رہے کہ کربلا میں شیر کی آمد کا قصہ محدثین میں سے بعض محققین نے جس حیثیت سے لکھا ہے وہ ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی حقیقت حقیقتاً نور الہی ہے نہ کہ مادہ اور جسم و جسمانیات، وہ تمام مخلوق سے پہلے وجود ہیں۔ جیسا کہ اُنکے بھائی، چچا کے بیٹے محمد صلوات اللہ علیہ و اہلبیتہ نے فرمایا کہ مجھے اور علیؑ کو ایک ہی نور سے پیدا کیا گیا تھا۔ اس نورانی حقیقت کی بنا پر انہیں تمام موجودات سے قبل ایک نوری صورت تفویض کی گئی تھی۔ اور اُسی نورانی صورت اور جسم کی حالت میں علیؑ نے جبرئیلؑ اور دیگر ملائکہ کو تعلیم دی تھی۔ اور وہ تمام انبیاء کے ساتھ بطور معلم رہتے چلے آئے تھے۔ جیسا کہ خود علیؑ نے فرمایا ہے کہ میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ نمرود والے آتشکدہ میں بھی تھا اور میں نے ہی آگ کو ٹھنڈا اور سلامت رکھنے والا بنایا تھا۔ اور میں حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بھی تھا۔ میں نے ہی اُن کو تورات کی تعلیم دی تھی۔ میں حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ بھی تھا اور میں نے اُن کو انجیل کی تعلیم دی تھی اور میں حضرت سلیمانؑ کے ساتھ بھی تھا۔ جہاں میں نے جنوں کے سرکش گروہ کو سلیمانؑ کے سامنے مطیع کر دیا تھا۔ اور اسی طرح بہت سے انبیاء کی گنتی کرتے چلے گئے اور فرمایا کہ جبرئیلؑ نے رسول اللہؐ سے کہا تھا کہ اللہ نے علیؑ کو باقی انبیاء کے ساتھ خفیہ طور پر مبعوث کیا اور آپؐ کے ساتھ ظاہری جسم سے مبعوث کیا۔ چنانچہ ایسا کرنے کیلئے تقدیر جاری ہوئی تاکہ وہ پیدا ہو کر اس مشہود و مخصوص عالم میں ظاہر ہوں۔ اسلئے اُنکی نورانی حقیقت کو یہ ظاہری جسم کا لباس پہن دیا گیا تاکہ وہ مناسب صورتوں میں ظہور فرمائیں اور محسوسات کی اس دنیا میں بشری حیثیت سے بھی موجود رہیں۔ اور صورت بشری ہی میں قید ہو کر نہ رہ جائیں۔ بلکہ انہیں بہت سی مختلف و مناسب اور غیر مناسب صورتوں میں ظہور کی قدرت دی گئی تھی۔ مثلاً پہلی تو یہی دیکھیں کہ متواترات سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام ہر مرنے والے مومن و کافر کے پاس تشریف لاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ہر لمحہ لاکھوں آدمی مرتے ہیں۔ لہذا اُن سب کے پاس آنا اُن ہی مختلف اور متعدد صورتوں میں ہوتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں اور یہ اسی نورانی حقیقت کی قدرت ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ آپ بیک وقت چالیس صحابہ کے یہاں مہمان تھے۔ (یہاں علامہ در بندی نے یہ چھوڑ دیا کہ عین اسی وقت رسول اللہؐ کے پاس اور عرش اعظم پر بھی موجود تھے۔ اور کافی کی رو سے ملائکہ کے پاس سے بھی غائب نہ ہوئے تھے)

اور جیسا کہ میدان کربلا میں واقع ہوتا رہا کہ ایک شیر روزانہ رات کو اُس میدان میں آتا اور بے گور و کفن پڑی ہوئی لاشوں کو پہچانتا اور امام مظلوم تک پہنچتا تھا۔ وہاں جا کر پاس بیٹھ جاتا اور گریہ و زاری کرتا رہتا تھا لاش کو چومتا رہتا تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ اس جنگل میں امامؑ پر جنات نوحہ و گریہ کرتے تھے۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ شیر امام مظلوم کے والد امیر المؤمنین تھے اور اس تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام کو جو انسان مختلف صورتوں اور مختلف حالات میں دیکھتے تھے وہ بھی یہی قدرت و قوت تھی اور اس سے بہت سے راز کھل جاتے ہیں کہ اس سید اور محدث اور فاضل نے جو تذکرہ کیا ہے اس سے وہ حقائق بھی ثابت ہو جاتے ہیں جو ہم نے بار بار لکھے

ہیں۔ اور جن سے علی و اولاد علی علیہم السلام کی قوت تصرف پر روشنی پڑتی ہے کہ اُن حضرات کی ارواح مقدسہ و پاکیزہ اور اُنکے نفوس مقدسہ اور غالب رہنے والے اجسام بہت سے مثالی جسم رکھتے تھے اور بہت سے برزخی قابلوں کے حامل تھے۔ اور جس طرح اور جس صورت میں اور جہاں چاہتے تھے اور جب چاہتے تھے ظہور فرمایا کرتے تھے۔ تاکہ متعلقہ ذمہ داریاں بروقت پوری کرتے رہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لیں کہ یہ آزادی اور یہ تصرفات کسی خاص وقت کے پابند نہ تھے بلکہ حیات ظاہری میں بھی اور ظاہری موت کے بعد بھی اور اسی طرح قبل پیدائش جسمانی اور بعد جسمانی پیدائش کے بھی اور اسی طرح سے دنیاوی جسم کے زمانہ میں بھی اور جسمانی حالت سے قبل بھی اُن حضرات کو یہ قدرت و تصرفات عملاً حاصل تھے۔ ہاں یہاں ایک اور بات بھی ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں وارد ہونے والی تمام روایات و واقعات پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ شیر کوئی اور تھا جو حضرت فضہ کے بلانے سے آیا تھا۔ اور وہ شیر جداگانہ تھا۔ جس کو جنہوں نے امام کا والد بتایا تھا۔ جو راتوں کو آیا کرتا تھا۔ اور یہ ہونی نہیں سکتا۔ جیسا کہ محدث حاذق اور عالم فاضل سید نے اور علما کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ شیر جس نے سفینہ کو بچایا تھا اُس کا اور سفینہ کا قصہ تو ابھی باقی ہے جو رسول اللہ کا غلام تھا۔

(13)۔ غلام کا نام سفینہ (یعنی کشتی) کیوں پڑ گیا اور اُس کا قصہ سنئے

فاعلم أنَّ النَّبِيَّ كَانَ لَهُ عَبْدٌ اسودُّ فِي سَفَرٍ فَكَانَ كُلُّ مَنْ اعْبَى الْقِيَّ عَلَيْهِ بَعْضَ مَتَاعِهِ حَتَّى حَمَلَ شَيْئًا كَثِيرًا فَمَرَّ بِهِ النَّبِيُّ فَقَالَ أَنْتَ سَفِينَةٌ وَهَذَا الْعَبْدُ سَافِرٌ بَعْدَ النَّبِيِّ فِي الْبَحْرِ فَانْكَسَرَتِ السَّفِينَةُ بِأَهْلِهَا فَخَرَجَ هَذَا الْعَبْدُ إِلَى جَزِيرَةٍ مِنْ جَزَائِرِ الْبَحْرِ وَحَدَّهُ فَمَشَى سَاعَةً فَلَقِيَ اسدًا فَقَالَ لَهُ أَنَا سَفِينَةٌ عَبْدُ رَسُولِ اللَّهِ فَاذْكُرْ لِي نَحْوَهُ الْاسدُ وَأَشَارَ إِلَيْهِ أَرْكَبُ إِلَيْهِ ظَهْرِي فَارْكَبْ عَلَيَّ ظَهْرَهُ فَاسْرِعْ فِي الْمَشْيِ حَتَّى آتِي بِهِ بِلَدَةِ الْقَرِيبَةِ فَرَأَاهُ النَّاسُ عَلَى ظَهْرِ الْاسدِ فَنَزَلَ وَرَجَعَ الْاسدُ۔“ (أكبر العبادات - صفحہ 442)

یہ سمجھ لو کہ رسول اللہ کے ساتھ ایک حبشی خادم تھا۔ آپ کے ساتھیوں کے پاس جو کچھ سامان تھا اُس پر لاد دیا تھا۔ اور وہ بڑی آسانی سے اس بہت سارے سامان کو لے کر رسول اللہ کے ہمراہ چلتا رہا۔ تب آنحضرت نے خوش ہو کر فرمایا کہ تم تو اچھی خاصی ایک کشتی ہو۔ بہر حال اُس غلام کو بعد انتقال نبیؐ سمندری سفر پیش آیا جس میں وہ کشتی اور اس کے ساتھی ضائع ہو گئے۔ اور سفینہ ایک جزیرہ میں جا نکلا جو سمندر کے اندر واقع تھا۔ کچھ دیر تک سفینہ پیدل چلتا رہا۔ اتنے میں اُسے ایک شیر مل گیا اور سفینہ کے قریب آ گیا۔ سفینہ نے شیر سے کہا کہ میں رسول اللہ کا غلام ہوں۔ یہ سن کر شیر نے اشارہ کیا کہ تم مجھ پر سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ سوار ہو گیا۔ پھر شیر بڑی تیزی سے اُسے لے کر چلا یہاں تک کہ ایک شہر آ گیا۔ یہاں کے لوگ سفینہ کو شیر پر سوار دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ یہاں پہنچا کر شیر واپس چلا گیا۔

مومنین سوچیں کہ کہ بلا تو ملک عراق میں تھا۔ وہاں سفینہ والا شیر کیوں رہتا تھا۔ اُسے تو کہیں سمندر میں ہونا چاہئے تھا۔ مگر جس شیر کی بات ہو رہی ہے اور جس شیر کے پاس حضرت فضہ کو بھیجا گیا تھا وہ حلال مشکلات تھا۔ اُس کے لئے سمندر اور خشکی کسی جگہ کی پابندی نہ تھی۔ جہاں مستحق فریاد کرے وہاں موجود ہونا اُن کے فضل و کرم کا تقاضہ تھا۔

(14)۔ روزانہ شب کو آنے والے شیر کا قصہ بھی سن لیں

ثم لا يخفى عليك أنَّ قضية الاسد الذي يقولون الجنَّ انه امير المؤمنين عليه السلام قد نقلها صاحب المنتخب عن

رجل اسدی علیٰ نہج مفصل وذلك انه قال كنت زارعاً على نهر العلقمي بعد ارتحال العسكر بنى أمية فرايت عجائب لا اقد راحكى الا بعضه منها انه اذا هبت الرياح تمر نفخات كنفخات المسك والعنبر فاذا سكنت أرى نجومًا تنزل من السماء الى الارض وترقى من الارض الى السماء مثلها وانا منفرد مع عيالي ولا ارى احداً اسئله عن ذلك وعند غروب الشمس يقبل اسداً من القبلة فادلى عنه الى منزلى فاذا اصبحت طلعت الشمس ذهبت من منزلى اراه مستقبلاً القبلة ذاهباً فقلت فى نفسى ان هؤلا خوارج قد خرجوا على عبيد الله بن زياد فامر بقتلهم وارى منهم مالم اراه من سائر القتلى فوالله هذه الليلة لابد من المساهره لا بصر هذا الاسد تاكل من هذه الجثث ام لا فلما صار عند غروب الشمس فاداً به قد اقبل فحققتُه فاذا هو هائل المنظر فارتعدت منه وخطر ببالي ان كان مراده لحوم بنى آدم فهو يقصدنى وانا احاكى نفسى بهذا فمثلته وهو يتخطى القتلى حتى وقف على جسد كانه الشمس اداطلعت فبرك عليه فقلت ياكل منه واذا يمرغ وجهه عليه وهو بهمهم ويد مدم فقلت الله اكبر ما هذا الاعجوبة فجعلت احرسه حتى اعتكر الظلام واذا بشموع معلقة ملاءت الارض واذا ببكاء ونحيب ولطم مفجع نقصدت تلك الاصوات فاذا هى تحت الارض ففهمت من ناع فيهم يقول واحسيناه واماماه فاقشعر جلدى فقربت من الباكي واقسمت عليه بالله وبرسوله من تكون فقال انا نساء من الجن فقلت وما شانكن فقلن فى كل يوم وليلة هذا عز آتنا على الحسين الذبيح العطشان فقلت هذا الحسين الذى يجلس عنده الاسد؟ قلن نعم - اتعرف هذا الاسد؟ قلت لا - قلن هذا ابوه على بن ابي طالب - (كسيرة العبادات فى اسرار الشهادات - صفحہ 442)

کتاب منتخب میں لکھا گیا ہے کہ ایک اسدی قبیلہ کا شخص بیان کرتا تھا کہ میں نہر علقمہ پر اہل چلار ہاتھا اور یہ قصہ جب کا ہے جب بنی امیہ کی افواج جا چکی تھیں۔ میں نے اُس دوران ایسی عجیب چیزیں دیکھی تھیں کہ مجھ میں بعض بعض کے علاوہ باقی کو بیان کرنے کی طاقت ہی نہیں ہے۔ مثلاً جب ہوا چلتی تھی تو مقتولوں کے میدان سے مشک و عنبر کی خوشبو آتی رہتی تھی۔ جب میں ذرا ٹھہرا تو میں نے دیکھا کہ آسمان سے ستارے اُس قتل گاہ میں اترتے اور قتل گاہ سے آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں۔ میں چونکہ مع اہل و عیال کے وہاں تنہا تھا اور یہ موقع نہ تھا کہ یہ ماجرا کسی سے معلوم کروں۔ سورج غروب ہونے کے وقت میں نے دیکھا کہ ایک شیر قبلہ کی سمت سے آ رہا ہے۔ اُسے دیکھ کر میں اپنے گھر کو چلا آیا۔ جب صبح ہوئی اور سورج نکل آیا تو میں اپنے گھر سے نکل کر باہر آیا تو میں نے اس شیر کو قبلہ کی طرف منہ کئے ہوئے جاتے دیکھا۔ میں نے دل میں کہا کہ خدا یا یہ کہا جاتا رہا ہے کہ کچھ خارجی لوگوں نے عبید اللہ ابن زیاد کے خلاف بغاوت کی تھی اور اس نے ان باغیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔ اور میں ان مقتولوں سے ایسے واقعات کا ظہور دیکھ رہا ہوں جو کبھی کسی اور مقتول کے متعلق نہیں دیکھا گیا ہے۔ خدا کی قسم آنے والی رات کو جاگتا رہوں گا۔ تاکہ میں حقیقتِ حال کو کو دیکھوں اور یہ پتہ لگاؤں کہ وہ شیر ان لاشوں کو کھاتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ جب شام ہونے کے قریب ہوئی تو ٹھیک وقت پر شیر آ گیا۔ جب میں نے ٹھیک یقین کر لیا تو میں نے تعاقب کیا تو اچانک شیر کا سامنا ہو گیا۔ میں نے جان کا خطرہ محسوس کیا کہ اگر واقعی وہ آدمی کا گوشت کھاتا ہے تو پہلے مجھے لقمہ بنا لے گا۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ شیر نے لاشوں کو پہچاننا شروع کیا اور چلتے چلتے ایک ایسی لاش پر رک گیا جو نکلتے ہوئے سورج کی طرح روشن تھی۔ میں نے سوچا کہ شاید وہ شیر اس میں سے گوشت کھائے گا۔ مگر عجیب بات ہوئی کہ اس نے اس لاش کے سامنے سجدہ کیا

اور عاجزی سے گڑ گڑایا۔ میں نے کہا اللہ اکبر یہ تو نہایت عجیب معاملہ ہے۔ میں برابر اس کی نقل و حرکات پر نظر جمائے رہا۔ یہاں تک کہ جیسے ہی اندھیرا ہوا روشنی کی شمعیں لٹکنے لگیں کہ سارا بیابان جگمگانے لگا۔ اور ساتھ ہی چاروں طرف سے رونے اور پینے کی صدا بلند ہو گئی۔ میں نے اُن آوازوں سے قریب ہونے اور سُنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ آوازیں زمین کے نیچے سے آرہی ہیں۔ اب میں سمجھا کہ اُن کی فریاد کیا تھی۔ وہ آواز کہتی تھی کہ ہائے حسینؑ اور ہائے ہمارے امامؑ۔ یہ سُن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں رونے والے کے قریب پہنچا اور کہا کہ میں تمہیں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم کون لوگ ہو؟ جواب ملا کہ ہم جنت کی عورتیں ہیں اور ہم دن رات پیاسا ذبح کر دیئے جانے والے حسینؑ کی عزاداری اور سوگ میں مصروف ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا حسینؑ وہی ہیں جن کے پاس شیر بیٹھا ہوا ہے۔ جواب ملا کہ ہاں وہی حسینؑ ہیں۔ اور کیا تو جانتا ہے یہ شیر کون ہے؟ میں نے انکار کیا تو بتایا کہ یہ شیر حسینؑ کا باپ علیؑ ہے۔ پس میں بے قرار ہو گیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (فوجت ودموعی تجری علی خدی) (اکسیر صفحہ 442)

(15)۔ شہادت کے بعد بھی دردناک مظالم اور شہداء علیہم السلام کی زندگی کی ایک مثال

امام حسین علیہ السلام پر وہ تمام غصہ اُتار دیا گیا جو قوم قریش کو جنگ بدروا حد و حنین وغیرہ کے قومی مقتولوں کے لئے آیا تھا۔ حسینؑ اور اُن کے اہل و عیال سے وہ تمام بدلے اور انتقام لے لئے گئے جو اللہ، محمدؐ اور علیؑ سے نہ لئے جاسکتے تھے۔ لیکن امام حسینؑ نے بھی قوم قریش کی نقاب نوچ کر ہمیشہ کے لئے اس قوم کا حقیقی چہرہ نوع انسان کو دکھا دیا۔ عربوں کی شرافت؛ اُن کی تواضع و مہمانداری؛ مظلوم کی حمایت؛ پناہ مانگنے والے کو پناہ دینا اور پھر اُس کی حفاظت میں خاندانوں اور قبیلوں کا جان و مال و اولاد قربان کر دینا؛ سخاوت و فراخ دلی و شجاعت؛ مستورات اور بچوں کی غیر مشروط حمایت وغیرہ کی داستانیں بکواس بنا کر رکھ دیں اور ثابت کر دیا کہ وہ شیاطین سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔ نہ اُن کی دنیا کا اعتبار کرنا چاہئے نہ اُن کے دین و مذہب کو قابلِ اعتماد سمجھنا چاہئے۔ وہ نمازی اور تہجد گزار اور حاجی اور روزہ دار ہوتے ہوئے، قرآن کے حافظ ہوتے ہوئے بھی ہامان و شداد و نمرد و فرعون سے کہیں زیادہ بے رحم، کینہ پرور اور ظالم و خبیث ہو سکتے ہیں۔ اُن کی شکل و صورت اور سیرت پر کبھی بھروسہ نہ کرنا چاہئے۔ وہ سب کچھ ہو سکتے ہیں مگر مومن و مخلص نہیں ہو سکتے۔ اُن کی مائیں خونخوار و غدار ہوتی ہیں۔ وہ ابلیس کی شرکت سے جنم لیتے ہیں۔ اور شرافت و سخاوت و شجاعت و علم کے دشمن ہوتے ہیں۔ الغرض امام حسینؑ نے اس قوم کو ننگا کر دیا۔ اُن کی ذہنیت کو صبر و ضبط سے اُبھارا بھار کر کھل کھیلنے اور انتہائی مظالم کر گزرنے پر مجبور کر دیا اور دکھا دیا کہ یہی وہ ملعون نسل ہے جس پر روز ازل سے اللہ و ملائکہ و انبیاء اور تمام شریف انسانوں کی لعنت واجب ہے۔ ہماری مجالس، ہماری عزاداری اور تمام رسوم اُسی قوم سے اور اُس قوم کے مخالفین اللہ و محمدؐ و علیؑ سے تعارف کے لئے وقف ہیں۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اُس قوم سے انسانوں کو ہوشیار رکھیں۔ اور اس قوم کی شناخت یہ ہے کہ وہ ہم پر مظالم کرے، ہماری رسوم و عبادات و اقوال و افعال پر پابندی لگائے۔ یہ قوم مُردوں، ملعونوں اور گلے سڑے لوگوں کا تحفظ کرنا چاہتی ہے۔ اور ہم زندہ جاوید اور درود و سلام کے حقداروں اور نعمات خداوندی فراہم کرنے والے حضرات کی پالیسیوں اور مذہب کی اشاعت کرنے پر مامور ہیں۔ اور اللہ کا فضل ہے کہ ہم قتل عام ہوتے رہنے کے باوجود آج دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی سُن رکھیں کہ جو صفات حسنہ اور اخلاق عالیہ تمام عربوں کے لئے غصب کر کے مشہور کئے ہیں،

وہ بھی وہ مال ہے جو علیؑ وبتولؑ اور اللہ کے رسولؐ کی اولاد اور اُنکے آباؤ اجداد علیہم السلام سے لُٹا اور غصب کیا گیا تھا۔ ورنہ اُس قرآنی قوم (فرقان 25/30) کی ذہنیت اور کردار کیلئے اُس قومی قسم کے مسلمان کو دیکھئے جو کعبہ میں کھڑا ہوا تھا۔

(16)۔ ایک راسخ العقیدہ، محسن کش اور اللہ، رسولؐ اور کعبہ سے لپٹا ہوا مسلمان

جس طرح یزید اور اُس کے مسلمان بزرگ و راہنماؤں نے خود کو قابلِ بخشش سمجھا اور اپنے پیروؤں کو سکھایا کہ پابندی سے نمازیں پڑھتے رہو، زکوٰۃ دیتے رہو، روزے رکھتے رہو، حج کرتے رہو۔ اس کے بعد جو بھی کرو گے اللہ معاف کر دے گا۔ قتلِ حسینؑ اور خاندانِ رسولؐ کا قتل عام زیادہ سے زیادہ ایک گناہ کبیرہ تھا۔ اور اللہ گناہ کبیرہ کو معاف کر سکتا ہے۔ اس لئے روزہ نماز وغیرہ کے ساتھ ساتھ یزید کی بخشش کی دعا بھی مانگا کرو۔ اُس پر لعنت بھیجنا خود گناہ ہے۔ اور آج تو یزید پر درود و سلام پڑھنے والے لوگ بھی اسی راسخ العقیدہ گروہ میں پیدا ہو گئے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ (معاذ اللہ) محمدؐ مصطفیٰؐ کو قتل کرنا بھی ایک گناہ کبیرہ ہی ہے۔ کیا اس قتل کے بعد بھی بخشش کی امید کرو گے؟؟ جواب ہونا چاہئے کیوں نہیں ضرور بخشش کی امید ہے۔ خدا قادر مطلق ہے۔ پھر یہ نمازیں یہ روزے یہ عبادتیں کہاں جائیں گی؟ یہ ضرور کام آئیں گی۔ اس (ملعون) عقیدے والے سنیں کہ:-

عَنِ الْمُنْتَخَبِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ لَمَّا اسْتَشْهَدَ سَيْدِي وَمَوْلَايَ الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَحَجَّ النَّاسُ مَنْ قَابَلَ دَخَلْتُ عَلَى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ يَا مَوْلَايَ قَدْ قُرِبَ الْحَجُّ فَمَاذَا تَأْمُرُنِي؟ فَقَالَ امْضِ عَلَى نَيْتِكَ فَحُجَّ فَحَجَّجْتُ؛ فَبَيْنَمَا أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ إِذَا تَابِرَ جِلْمُ الْمَقْطُوعِ الْيَدَيْنِ وَوَجْهَهُ كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمَظْلَمِ وَهُوَ مُتَعَلِّقٌ بِاسْتَارِ الْكَعْبَةِ وَهُوَ يَقُولُ اللَّهُمَّ رَبِّ هَذَا الْبَيْتِ الْحَرَامِ اغْفِرْ لِي وَمَا أَحْسَبُكَ تَفْعَلُ وَلَوْ تَشْفَعُ سَكَّانُ سَمَوَاتِكَ وَارْضِيكَ وَجَمِيعُ مَا خَلَقْتَ لِعَظَمِ جُرْمِي - قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ فَشَغَلَتْ وَشَغَلَ النَّاسُ عَنِ الطَّوَافِ - حَتَّى خَفَّ بِهِ النَّاسُ وَاجْتَمَعُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا يَا وَيْلَكَ لَوْ كُنْتُ ابْلِيسَ مَا يَنْبَغِي لَكَ أَنْ تَتَيْسَ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ - فَمَنْ أَنْتَ؟ وَمَا ذَنْبُكَ؟ فَبَكَى وَقَالَ يَاقَوْمُ أَنَا غَرَفْتُ بِنَفْسِي وَذَنْبِي وَمَا جَنِيْتُ ... (أكسير العبادات - صفحہ 443 مسلسل)

کتاب منتخب میں سعید بن مسیب نے بیان دیا کہ جب میرے سردار اور مولا امام حسینؑ علیہ السلام شہید کر دیئے گئے۔ اور آنے والے حج کی لوگوں نے تیاریاں شروع کر دیں تو میں جناب امام زین العابدینؑ علیہ السلام کے حضور میں پہنچا اور پوچھا کہ حضور حج قریب آ گیا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے کیا حکم ہے؟ فرمایا ٹھیک ہے تم اپنی نیت کے ساتھ حج کر لو۔ میں نے امامؑ کے حکم کے مطابق حج کیا۔ جب میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص آیا؛ جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے تھے اور اس کا چہرہ ایسا کالا تھا جیسا کہ کسی اندھیری رات کا ٹکڑا ہو۔ اس نے خانہ کعبہ کے پردہ کو پکڑا اور یہ کہنا شروع کیا کہ اے اللہ اس مقدس گھر کے رب تُو مجھے بخش دے۔ حالانکہ میں یہ نہیں سمجھتا کہ تو مجھے بخش سکتا ہے خواہ میری بخشش کے لئے تمام باشندگانِ آسمان و زمین اور تیری ساری مخلوق مل کر میری سفارش کریں۔ اس لئے کہ میرا جرم معافی و سفارش سے کہیں بڑا ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا کہ میں اور سب لوگ یہ سب کچھ سنتے اور اپنے اپنے طواف میں مشغول رہے۔ رفتہ رفتہ طواف ختم ہوتا گیا اور لوگ اُس کے چاروں طرف جمع ہو گئے تو ہم نے کہا کہ بندہ خدا اگر تو ابلیس بھی ہوتا تب بھی تجھے اللہ کی رحمت سے مایوسی کا اعلان نہ کرنا چاہئے تھا۔ بھلا بتا تو سہی تو کون ہے؟ اور تیرا وہ گناہ کیا ہے؟ اس

پروہ آدمی رونے لگا اور کہا کہ اے میری قوم کے لوگو میں خود کو سب سے زیادہ جانتا ہوں اور اپنے گناہ اور کردار پر مطلع ہوں۔ یہاں رُک کر یہ سوچیے کہ حاجیوں کی یہ کثرت سمجھتی اور یقین رکھتی ہے کہ اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ یعنی اس راسخ العقیدہ گروہ کے نزدیک کوئی ایسا گناہ ممکن ہی نہیں ہے جسے اللہ رحم کھا کر معاف نہ کر سکے حتیٰ کہ اُس کے نزدیک اللہ ابلیس کو بھی بخش سکتا ہے۔ پھر اُس شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ ہرگز اُس کے گناہ کو معاف نہیں کر سکتا خواہ تمام ملائکہ، تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اور تمام ارواح مقدسہ اور تمام صالح بندے اور تمام مخلوق سفارش و شفاعت کرے۔ گو یہ شخص جہنمی ہے مگر اُس کا عقیدہ صحیح ہے۔ ایسے سینکڑوں گناہ ہیں جن کو اللہ ہرگز معاف نہیں کر سکتا۔ مثلاً شرک اور مشرک کو اللہ ہرگز معاف نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے فرمان کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتا۔ ایسا قادر مطلق ماننا جو غلط و باطل کام بھی کر سکے سب سے بڑی بے دینی ہے اور یہی لب لباب ہے قومی یا یزیدی مذہب کا۔ رہ گیا رحمت سے مایوس نہ ہونا تو اُس آیت میں رحمة سے رحمة للعالمین مقصود ہیں۔ اور مخاطب وہ حضرات ہیں جو رحمة للعالمین کے بندے ہوں۔ ورنہ مشرکین و کافرین و کمیونسٹ سب کو ہر حال میں قابلِ بخشش ماننا ہوگا جو قرآن کریم کی رو سے باطل ہے۔ (زمر 39/53)

(17)۔ اس ملعون و جہنمی شخص نے لاشہ حسینؑ مظلوم کے ساتھ کیا کیا تھا؟

وَقُلْنَا لَهُ تَذَكَّرْ لَنَا - فَقَالَ اَنَا كُنْتُ جَمَالًا لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا خَرَجَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى الْعِرَاقِ وَ كُنْتُ أَرَاهُ إِذَا ارَادَ الْوُضُوَّ لِلصَّلَاةِ يَصْنَعُ سِرَازِيلَهُ عِنْدِي فَارَى تَكَنُّهُ تَغْشَى الْإِبْصَارَ بِحُسْنِ إِشْرَاقِهَا وَ كُنْتُ أَتَمَنَّا هَا تَكُونُ لِي - إِلَى أَنْ صِرْنَا بِكربلا وَ قَتَلَ الْحُسَيْنَ وَ هِيَ مَعَهُ - فَدَفَنْتُ نَفْسِي فِي مَكَانٍ مِنَ الْأَرْضِ - فَلَمَّا جَنَّ اللَّيْلُ خَرَجْتُ مِنْ مَكَانِي فَرَأَيْتُ فِي تِلْكَ الْمَعْرَكَةِ نُورًا لَا ظِلْمَةَ وَ نَهَارًا لَا لَيْلًا وَ الْقَتْلَى مَطْرَحِينَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ فَذَكَرْتُ لِحَبِيبِي وَ شَفَايَ التَّكَّةَ فَقُلْتُ وَ اللَّهُ لَا طَلَبَنَّ الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ - وَ أَرَجَوَّ أَنْ تَكُونَ التَّكَّةُ فِي سِرَازِيلِهِ فَاخْذُهَا وَ لَمْ أَزَلْ أَنْظُرُ فِي وَجْهِهِ الْقَتْلَى حَتَّى آتَيْتُ الْحُسَيْنَ فَوَجَدْتَهُ مَكْبُورًا عَلَى وَجْهِهِ - (أكسير العبادات - صفحہ 443 مسلسل)

ہم نے اُسے اپنا حال سنانے کیلئے کہا تو اُس نے بتایا کہ جب امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے عراق کا سفر کیا تو میں اُن کا شریک تھا۔ جب آپ وضو کرنے کا ارادہ فرمایا کرتے تھے تو آپ اپنی شلوار میرے پاس رکھا کرتے تھے۔ میں نے اُس شلوار کا ازار بند جو دیکھا تو اُسکی خوبصورتی اور جگمگاہٹ سے میری آنکھیں چکاچوند ہو گئیں۔ اور میں اس تمنا میں مبتلا ہو گیا کہ وہ کمر بند میرے پاس ہوتا۔ بہر حال ہم کربلا میں آپنچے اور امام قتل ہو گئے اور وہ کمر بند اُنکے ساتھ ہی رہا۔ میں نے خود کو ایک جگہ پوشیدہ کر دیا۔ اور جب رات کا اندھیرا گہرا ہو گیا تو میں باہر نکلا۔ میدان جنگ کی طرف دیکھا تو وہاں تُو رہی تُو رکھرا ہوا تھا اور رات کے بجائے وہاں دن کی روشنی تھی۔ اور مقتول زمین پر پکھرے پڑے تھے۔ اُس وقت مجھے اُس کمر بند کیلئے تمنائیں اور بے چینیاں یاد آ گئیں اور میں نے طے کیا بخدا مجھے امام علیہ السلام کی تلاش کرنا لازم ہے۔ اور میں یہ آرزو کر رہا تھا کہ خدا کرے وہ کمر بند اُنکی شلوار میں ضرور موجود ہو اور میں اُسے حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو جاؤں۔ لہذا میں بلا وقفہ مقتولوں کے چہروں کو دیکھتا اور امام حسینؑ کو تلاش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آخر میں اُنکی لاشہ پر پہنچا وہ منہ کے بل پڑے ہوئے تھے۔

(الف)۔ بلا سر کی لاش میں حس و شعور باقی تھا

وَهُوَ جُثَّةٌ بِلَارَاسٍ وَنُورُهُ مُشْرِقٌ مَرْمَلٌ بِدَمَائِهِ وَالرِّيحُ سَافِيَةٌ عَلَيْهِ - فَقُلْتُ هَذَا وَاللَّهِ الْحَسِينُ - فَنَظَرْتُ إِلَى سِرَاوِيلِهِ كَمَا كُنْتُ أَرَاهُ فَدَنَوْتُ فِيهِ وَضَرَبْتُ بِيَدِي إِلَى التَّكَةِ لَأَخْذِهَا فَذَا هُوَ قَدْ عَقَدَهَا عَقْدًا كَثِيرًا فَلَمْ أَزَلْ أَحْلَاهَا حَتَّى حَلَلْتُ عُقْدَةً مِنْهَا فَمَدَّ يَدَهُ الْيُمْنَى فَقَبِضَ عَلَى التَّكَةِ فَلَمْ أَقْدِرْ عَلَى اخْذِهَا عَنْهَا وَلَا أَصَلَ إِلَيْهَا فَدَعَنِي النَّفْسُ الْمَلْعُونَةَ إِلَى أَنْ أَطْلُبَ شَيْئًا أَقْطَعُ بِهِ يَدَهُ فَوَجَدْتُ قِطْعَةَ السِّيفِ مَطْرُوحَةً فَاخْذْتُهَا وَانْتَكَيْتُ عَلَى يَدِهِ وَلَمْ أَزَلْ أَحْزَاهَا حَتَّى فَصَلْتُهَا عَنْ زَنْدِهِ - ثُمَّ نَحَيْتُهَا عَنْ التَّكَةِ وَمَدَدْتُ يَدِي إِلَى التَّكَةِ لَأَحْلَاهَا فَمَدَّ يَدَهُ الْيُسْرَى فَقَبِضَ عَلَيْهَا - فَلَمْ أَقْدِرْ عَلَى اخْذِهَا - فَاخْذْتُ قِطْعَةَ السِّيفِ فَلَمْ أَزَلْ أَحْزَاهَا حَتَّى فَصَلْتُهَا عَنْ زَنْدِهِ وَمَدَدْتُ يَدِي إِلَى التَّكَةِ لَأَخْذِهَا فَذَا الْأَرْضُ تَرْجَفُ وَالسَّمَاءُ تَهْتَزُّ وَادًّا بِغَلْبَةِ عَظِيمَةٍ وَبُكَاءٍ وَنَدَاءٍ وَقَائِلٌ يَقُولُ وَالْبَنَاءُ وَامْقَتُولَاهُ وَالدَّبِيحَاهُ وَالحَسِينَاهُ وَغَرِبَتَاهُ يَأْتِي قَتْلُوكَ وَمَاعَرِفُوكَ وَمِنْ شَرَبِ الْمَاءِ مَنَعُوكَ - فَلَمَّا رَأَيْتُ ذَلِكَ صَعَقْتُ وَرَمَيْتُ نَفْسِي بَيْنَ الْقَتْلَى وَإِذَا بِنَثْلَةٍ نَفَرُوا مَرَأَةً وَحَوْلَهُمْ خَلَائِقٌ وَقُوفٌ وَقَدْ امْتَلَأَتِ الْأَرْضُ بِصُورِ النَّاسِ وَاجْنَحَةِ الْمَلَائِكَةِ وَإِذَا بِوَاحِدٍ مِنْهُمْ يَقُولُ يَا بَنَاءُ يَا حَسِينُ فِدَاكَ - (أكبر ایضاً)

وہ ملعون بتاتا ہے کہ اُن کی لاش بے سر سے نور بلند ہو رہا تھا اور وہ خون میں نہائے ہوئے تھے۔ اور ہوائیں مٹی کی خوشبو اُن پر برسا رہی تھیں۔ میں نے یقین کر لیا کہ امام حسینؑ کی لاش یہی ہے۔ میں نے اُن کی شلوار کا وہی انداز پایا جو میں دیکھا کرتا تھا۔ چنانچہ میں قریب ہوا اور کمر بند نکالنے کے لئے کمر بند کو کھینچنا چاہا۔ مگر کیا دیکھتا ہوں کہ امامؑ نے کمر بند میں کئی ایک گرہ لگا رکھی تھیں۔ چنانچہ میں گرہ پر گرہ کھولتا جا رہا تھا کہ جب آخری گرہ کھول لی اور کمر بند نکالنا چاہا تو امامؑ نے اپنا داہنا ہاتھ اٹھا کر آزار بند کو پکڑ لیا۔ میں نے چھڑانے کی لاکھ کوشش کی مگر ناکام رہا۔ میرے ملعون نفس نے مجھے ایسی چیز تلاش کرنے کا مشورہ دیا جس سے امام کا ہاتھ کاٹا جاسکے۔ تلاش کرنے پر ایک ٹوٹی ہوئی تلوار مل گئی جس سے میں نے کلائی پر سے امام کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور اُسے کمر بند سے الگ کر دیا۔ اس کے بعد جب میں نے کمر بند نکالنے کیلئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو امامؑ نے بایاں ہاتھ اٹھا کر کمر بند پر رکھ لیا۔ اور باوجود ہر کوشش کے میں اُن کے بائیں ہاتھ کو بھی نہ ہٹا سکا۔ چنانچہ میں نے تلوار کا ٹکڑا اٹھایا اور بایاں ہاتھ بھی کلائی کے جوڑ سے جدا کر دیا۔ اور اب جو میں نے کمر بند نکالنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو زمین میں زلزلہ آ گیا اور آسمان ہلنے لگے۔ اور بلند آوازوں میں گریہ و بکا کا شور بلند ہو گیا۔ اور کوئی کہہ رہا تھا کہ ہائے میرے بیٹے۔ ہائے قتل کر کے ڈالے جانے والے۔ افسوس تمہیں ذبح کر کے ڈال دیا گیا۔ ہائے اے حسینؑ تیرے غریب الدیار ہونے کا ملال ہے۔ اے بیٹے تم پر پانی بند رکھا گیا۔ تمہاری قدرو منزلت کو نظر انداز کر دیا گیا۔ پھر تمہیں قتل کر کے یوں بے دفن چھوڑ دیا گیا۔ جب میں نے یہ حالات دیکھے تو میں باقی لاشوں میں گر پڑا۔ اس کے بعد جو دیکھا کہ تین مرد اور ایک عورت ہے اور اُن کے گرد بہت بھیڑ ہے۔ زمین انسانی صورتوں سے اور ملائکہ کے پروں سے کچھ کچھ بھر گئی ہے اور ایک شخص کہہ رہا ہے کہ اے میرے بیٹے حسینؑ تم پر تمہارا نانا رسولؐ قربان ہو جائے۔ اور تیرا باپ علیؑ اور تیری والدہ فاطمہؑ اور تیرا بھائی حسنؑ قربان ہو جائیں۔ (روایت جاری ہے)

(ب)۔ یہاں امام علیہ السلام کے جسم پر اُن کا سر مبارک موجود تھا

جَدَّكَ وَابُوكَ وَامَّتُكَ وَاخُوكَ - وَإِذَا بِالْحَسِينِ قَدْ جَلَسَ وَرَأْسُهُ عَلَى بَدَنِهِ وَهُوَ يَقُولُ لَيْكِ يَا جَدَّاهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَيَا بَنَاءَهُ

یامیر المؤمنین ویاأُمّاءُ یافاطمةَ الزهراءَ ویااخأَالمقتولِ بِالسَّلمِ علیکم مِنّی سلامٌ -ثمّ انّه بکی وقال یاجدّاه قتلوا واللّٰه رجالنا یاجدّاه سلّبوا واللّٰه نساءُنا یاجدّاه نهبوا واللّٰه رجالنا یاجدّاه ذبحوا واللّٰه اطفالنا یاجدّاه یعزّ واللّٰه علیک أنّ تری حالنا وما فعل الکفار بنا واذاهم جلسوا یبکون حولہ علی ما اصابہ وفاطمةٌ تقول یااباہُ یا رسولَ اللّٰه اَمَأتَری ما فعلت اَمَتَک بولدی اتاذن لی أنّ اخذ من دم شیبہ واخضب به ناصیتی والقی اللّٰه عزّوجلّ مُختَصِبَةً بِدم ولدی الحسین۔

یہ سنتے ہی امام حسین علیہ السلام اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اُن کا سر مبارک اُن کے بدن پر موجود تھا۔ اور وہ فرما رہے تھے کہ اے نانا رسول اللہ، اے بابا علی امیر المؤمنین، اے اماں فاطمہ زہراء، اے بھائی زہر سے قتل ہونے والے میرا آپ سب پر سلام ہے۔ پھر امام مظلوم نے روتے ہوئے فریاد کی کہ اے نانا خدا کی قسم ہمارے تمام مردوں کو قتل کیا گیا۔ اے نانا اللہ کی قسم ہماری مستورات کو لوٹا گیا۔ اے نانا قسم بخدا ہمارے خیمے اور رہائش گاہوں میں لوٹ مار مچائی گئی اور کچھ نہ چھوڑا گیا۔ اے نانا واللہ ہمارے بچوں کو ذبح کر دیا گیا۔ اے نانا آپ کے لئے تو ہمارا حال دیکھنا بھی بہت غم انگیز ہے۔ چہ جائیکہ اُن کے اقدامات کا سامنے سے گزرنا۔ وہ سب بیٹھے ہوئے حسین کے چاروں طرف رو رہے تھے۔ اور گزشتہ حالات پر آنسو بہا رہے تھے۔ اور فاطمہ کہہ رہی تھیں کہ اے بابا دیکھو آپ کی اُمت نے میرے بیٹے اور اولاد کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ میں اپنے بیٹے کے سروچہرہ کا خون اپنی پیشانی پر لوں اور اس حالت میں اللہ سے ملاقات کروں؟ (اکسیر العبادات - صفحہ 443 مسلسل)

(ج)۔ وہ سروچہرہ زخمی و خون آلودہ تھا۔ خون سے مسح

یہاں پھر رک جائیں اور غور فرمائیں کہ امام حسین علیہ السلام کا ایک سر کوفہ میں ہے۔ اور دوسرا سر اس وقت جسم پر ہے۔ یہ کوئی نقلی یا غیر مادی یا مثالی سر نہیں ہے۔ اُس میں وہ تمام زخم موجود ہیں، خون سے لتھڑا ہوا ہے۔ گردن اُسی طرح تیروں سے چھلنی ہے۔ اور پھر رسول اللہ اور اُن کے ہمراہی اُس خون سے مسح کرتے ہیں۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے اجازت مانگی کہ میں اپنے بیٹے کے سروچہرہ کا خون اپنی پیشانی پر لوں اور اس حالت میں اللہ سے ملاقات کروں؟

وقال لها خذی وناخذی فاطمة۔ فرایتهم یاخذون من دم شیبۃ الحسین علیہ السلام وتمسح به فاطمة ناصیتها والنبیّ وعلیّ والحسن یمسحون به نحوهم وصدورهم وایدیهم الی المرافق وسمعت رسول اللّٰه یقول فَدَبْتُکَ یا حسین یعزّ واللّٰه أنّ اَراک مقطوع الراس مرمّل الجبینین رَامِی النحر مکبوباً وعلیّ قفاک قد کساک الذراری من الرمول وانت طریح مقتول مفطوع الکفّین بابنّی من قطع یدک یمنی وثنی بالیسری؟ فقال یا جدّاه کان معی جمال من المدینة وکان یرانی اذ وضعت سرّاویلی للوضوء فیتمنی أنّ تكون تکتی له فما منعی أنّ دفعها الیه الا لَعَلَّمِیْ اَنّہ صاحب هذه الفعلة - فلما قُتِلْتُ خرج یطلبنّی بین القتلی فوجدنی جثّة بلاراس فتفقّد سرّاویلی فراى التکة وکنْتُ عقدتها عقداً کثیرة فضرب بیده الی التکة فحلّ عقده منها فمددت یدى الیمنی فقبضت علی التکة فطلب فی المعركة قطعة سیف مکسور فقطع به یمینی ثم حلّ عقده اخری فقبضت علی التکة بیدى الیسری کیلا یحلّھا فتکشف عورتی فتحریدى الیسری فلما اراد حلّ التکة حسّ بک فرمى نفسه بین القتلی فلما سمع النبی صلی اللّٰه علیہ وآلہ کلام الحسین بکی بکاء شدیداً و آتی الیّ بین القتلی الیّ أنّ وقف نحوی فقال مالی و مالک

يَا جَمَالَ تَقْطَعُ يَدَيْنِ طَالٍ مَا قَبْلَهُمَا جِبْرِئِيلٌ وَمَلَائِكَةُ اللَّهِ السَّمَوَاتِ أَجْمَعُونَ تَبَارَكَ بِهَا هَلِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِينَ أَمَا كَفَاكَ
مَصْنَعُ بِهِ الْمَلَاعِينَ مِنَ الذَّلِّ وَالْهَوْنِ اهْتَكُوا نِسَائِهِ مِنْ بَعْدِ الْخُدُودِ وَانْسِلَالِ السُّتُورِ سَوَّدَ اللَّهُ وَجْهَكَ يَا جَمَالَ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ وَقَطَعَ اللَّهُ يَدَيْكَ وَجَعَلَ فِي حِزْبٍ مِنْ سَفْكَ دِمَائِنَا وَتَجَرَّءَ عَلَى اللَّهِ فَمَا اسْتَتَمَّ دَعَائِهِ حَتَّى شَلَّتْ يَدِي وَحَسَّسْتُ
بُوجْهِي كَانَهُ الْبَسَ قِطْعًا مِنَ اللَّيْلِ مَظْلَمًا وَبَقِيَتْ عَلَى هَذِهِ الْحَالَةِ فَجِئْتُ إِلَى هَذَا الْبَيْتِ اسْتَشْفَعُ وَانَا أَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يَغْفِرُ لِي أَبَدًا - فَلَمْ
يَبْقَ فِي مَكَّةَ أَحَدٌ إِلَّا وَسَمِعَ حَدِيثَهُ وَتَقَرَّبَ إِلَى اللَّهِ بِلَعْنَتِهِ وَكُلُّ يَقُولُ حَسْبُكَ مَا جَنَيْتَ يَا لَعِينُ - (أكبر صفحہ 443 تا 444)

رسول اللہ نے فرمایا کہ بیٹی تم بھی ملو اور ہم سب بھی حسین کا خون مل کر جائیں گے۔ چنانچہ وہ ملعون راوی کہتا ہے کہ میں نے
دیکھا کہ اُن سب نے امام کے سر و چہرے سے خون لیا۔ اور حضرت فاطمہؑ نے اپنی پیشانی پر ملا اور نبیؐ و علیؑ نے اپنی گردنوں
اور سینوں پر وہ خون ملا اور وضو کی جگہ ہاتھوں پر اور کہنیوں تک مل لیا۔ اور میں نے سنا کہ رسول اللہ فرما رہے تھے کہ اے بیٹے میں تم پر
قربان ہو جاؤں خدا کی قسم مجھ پر بہت شاق گزرا ہے۔ تمہارا سر بریدہ ہونا، پیشانی کا خون آلود ہونا، گردن کا تیروں سے زخمی ہونا اور تمہارا
پس پشت سے ذبح کیا جانا۔ اور اس طرح دھول میں اٹے ہوئے ہونا۔ اور تمہیں ہتھیلیاں کاٹ کر قتل کر کے یوں چھوڑ دیا جانا دفن تک نہ
کیا گیا۔ بیٹے یہ بتاؤ کہ تمہارے دونوں ہاتھ کس ظالم نے کاٹ ڈالے؟ امام مظلومؑ نے عرض کیا کہ اے نانا مدینہ سے میرے ساتھ ایک
ساربان آیا تھا۔ جب میں وضو کے وقت اپنی شلوار اتار کر اس کو دیا کرتا تھا تو وہ اُس کمر بند کو دیکھتا اور اس کی تمنا تھی کہ وہ اُسکے پاس ہوتا۔
جس چیز نے مجھے وہ کمر بند اس کو دینے سے روکا وہ میرا وہ علم تھا جس میں اُس کا یہ فعل نظر آتا تھا۔ جب میں قتل ہو گیا تو یہ مجھے مقتولوں میں
تلاش کرتا ہوا آیا اور مجھے سر بریدہ حالت میں بے کس و بے بس سمجھا اور اس نے میری شلوار میں وہ کمر بند موجود پایا۔ اس کو نکالنے میں وہ
گرہ رکاوٹ بنیں جو میں نے کئی ایک لگا رکھی تھیں۔ بہر حال اس نے گرہ کھول لی اور جب وہ کمر بند نکالنے لگا تو میں نے داہنے ہاتھ سے
اُسے پکڑ لیا۔ اُس نے میدان جنگ سے ایک ٹوٹی ہوئی تلوار تلاش کی اور اس سے میرا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ پھر آخری گرہ کھول کر چاہتا تھا
کہ کمر بند نکال لے تو میں نے بائیں ہاتھ سے کمر بند پکڑ لیا تاکہ میں برہنہ نہ ہو جاؤں تو اُس نے میرا بائیں ہاتھ بھی کاٹ دیا اور چاہتا تھا
کہ کمر بند نکال لے۔ لیکن اُس نے آپ کی آمد محسوس کر لی اور خود کو مقتولوں میں چھپا دیا۔ جب رسولؐ نے حسینؑ کا یہ بیان سنا تو وہ بہت
بے قرار ہو کر روئے اور مقتولوں میں میرے پاس آ کر رک گئے اور کہا کہ یہ میں سن کر آیا ہوں، ارے ملعون تجھے کیا ہو گیا تھا تو نے اُن
دونوں ہاتھوں کو کاٹ دیا جن کو جبرئیلؑ اور آسمانی فرشتے بہت دیر تک چومتے رہتے تھے۔ اور جن کی وجہ سے اہل آسمان اور اہل
زمین برکت حاصل کرتے تھے۔ کیا تجھے وہ مظالم کم معلوم ہوئے جو ملائین پہلے ہی کر چکے تھے۔ ہر قسم کی ذلت پہنچائی، توہین کی اور اہل حرم
کی بھی ہتک حرمت کی، اُن کو لوٹا گیا، بے پردہ کیا گیا اس کے باوجود تو نے بھی رعایت نہ کی۔ ارے ملعون خدا دنیا و آخرت میں تیرا منہ
کالا کرے۔ تیرے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے اور تجھے اُن لوگوں کے ساتھ شامل کرے جنہوں نے ہمارا خون بہایا۔ ابھی حضورؐ کی دعا ختم بھی
نہ ہوئی تھی کہ میرے دونوں ہاتھ شل ہو گئے۔ میرا چہرہ اندھیری رات کی مانند کالا ہو گیا اور میں اس حالت میں رہتا چلا آ رہا ہوں۔ اب
خانہ کعبہ میں معافی مانگنے آیا ہوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ اللہ مجھے ہر گز معاف نہ کرے گا۔ چنانچہ مکہ میں کوئی ایسا شخص نہ بچا جس نے

اس شخص کا یہ قصہ نہ سنا ہو اور اُس نے اُس پر لعنت بھیجنے میں اللہ کی خوشی نہ سمجھی ہو۔ اور ہر شخص اُس سے کہتا تھا کہ اے ملعون جیسا کیا ویسا بھگت۔ سچ ہے جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

(18)۔ امام حسینؑ کا سر مبارک رسول اللہؐ نے کوفہ سے کیسے منگایا؟

اسی روایت کو کتاب تاج المملوک میں بھی لکھا گیا ہے وہاں یہ وضاحت بھی ہے کہ:۔ وَاِذَا بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ قَدْ مَدَّ يَدَهُ إِلَى نَحْوِ الْكُوفَةِ فَمَارَدَ هَا لَا وَفِيهَا رَأْسُ الْحُسَيْنِ فَرَكِبَهُ عَلَى الْجَسَدِ وَاجْلَسَهُ فَوَاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَقَدْ خَلَّتْهُ كَأَنَّهُ لَمْ يَذْبَحْهُ الشَّمْرُ فَلَمَّا رَأَى جَدَّهُ نَادَى السَّلَامَ عَلَيْكَ يَا جَدَّهُ فَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔ (اکسیر العبادات - صفحہ 444)

کیا دیکھتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنا ہاتھ کوفہ کی سمت میں بلند کیا اور اُس وقت تک ہاتھ بلند رکھا جب تک امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک ہاتھ میں نہ آ گیا۔ پھر اسے امامؑ کے جسم میں لگا دیا خدا کی قسم جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ایسا معلوم ہوا کہ گویا شمر نے امام کا سر کاٹا ہی نہ تھا۔ پھر رسول اللہؐ نے امام کو بٹھا دیا۔ جیسے ہی امامؑ نے دیکھا تو کہا السلام علیک یا نانا جان۔ رسولؐ نے سلام کا جواب دیا۔

(19)۔ رسول اللہؐ دیگر انبیاءؑ مبارک پر بار بار آتے رہے

قال ابو مخنف قال الطرماح بن عدی كنت في واقعة كربلاء وقد وقع في ضربات وطعنات فأتخني بالجراح فلو حلفت صادقاً إني كنت نائماً اذا رايت عشرة فوارس قد اقبلوا وعليهم ثياب بيض يفوح منهم روائح المسك فقلت في نفسي يكون هذا عبید اللہ بن زیاد قد اقبل لطم جسد الحسينؑ فرائتم حتى نزلوا على القتلى ثم ان رجلاً منهم تقدم الى جسد الحسينؑ فجلس قريباً منه ومد يده الى نحو الكوفة فاذا برأس الحسينؑ اقبل من نحو الكوفة فركبه على الجسد فعاد كما كان باذن اللہ فاذا هو رسول اللہ ثم قال يا ولدي قتلوك اتراهم ماعرفوك ومن شرب الماء منعوك ثم التفت الى من كان معه وقال يا ابي آدم ويا ابي نوح ويا ابي ابراهيم ويا اخي مؤسلى ويا عيسى اترون ماصنعت امتي بولدى من بعدى لانا لهم اللہ شفاعة يوم القيامة۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 447)

علامہ ابو مخنف نے لکھا ہے کہ طرماح بن عدی نے بتایا کہ میں واقعہ کربلا میں موجود تھا۔ اور تلواروں اور نیزوں کے زخموں سے نڈھال پڑا تھا۔ اگر قسم کھانا ضروری ہو تو میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں نیند کے عالم میں تھا کہ کیا دیکھتا ہوں دس آدمی سفید لباس میں گھوڑوں پر سوار چلے آ رہے ہیں۔ میں سمجھا کہ یہ عبید اللہ بن زیاد کی پارٹی ہوگی شاید امام حسینؑ کو دفن کرنے کیلئے آئے ہوں۔ میں دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ لوگ مقتولوں کے پاس آ کر گھوڑوں سے اتر پڑے اور ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور امامؑ کی لاش کے قریب بیٹھ گیا اور کوفہ کی طرف اپنا ہاتھ بلند کیا۔ میں نے دیکھا کہ کوفہ کی طرف سے امامؑ کا سر آ گیا اور اُس شخص نے اُسے امامؑ کے جسم سے ملایا تو وہ بحکم خدا ویسا ہی ہو گیا جیسا پہلے تھا۔ یہ بزرگ رسول اللہؐ تھے انہوں نے فرمایا کہ اے بیٹے تیری قدر نہ کی گئی بلکہ تجھے پیاسا قتل کیا گیا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا اے بابا آدم اور اے بابا نوح اور اے بابا ابراہیم اور اے بھائیو موسیٰ وعیسیٰ کیا تم نے یہ دیکھ لیا کہ میرے بعد میری امت نے میرے فرزند کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ اللہ ان لوگوں کو میری شفاعت سے قیامت میں محروم رکھے گا۔

(20)۔ اس سلسلے میں آخری گزارش

شہادت سید الشہد اعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کبوتروں اور دیگر پرندوں کا غم و الم منانا۔ خون میں نہا کر مختلف مقامات پر جانا، شہادت کی اطلاع دینا، خونِ مظلوم سے معجزات کا نمودار ہونا۔ جنات کے نوے وغیرہ ہزار ہا ایسے واقعات و حالات ہیں جن کو کسی ایک کتاب میں سمیٹنا ممکن نہیں ہے۔ چونکہ ہم صرف وہ حالات و واقعات لکھنا چاہتے ہیں جن میں سرکاری قسم کے علمائے کتبیونت کی ہے یا اختلاف پیدا کئے ہیں۔ اس لئے شہادت کے بعد وقوع میں آنے والے باقی حالات سے صرف نظر کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارے علمائے لکھ دیا ہے اُسی کو کافی سمجھتے ہیں۔ یہ اصول یاد رکھنا لازم ہے کہ ہر وہ بات غلط ہے جس میں معصومین علیہم السلام کی توہین محسوس ہو۔ جس میں انہیں عام انسانی جذبات سے مغلوب دکھایا جائے۔ جس میں اُن سے بھُول، چوک (ترکِ اولیٰ) خطا اور غلطی یا شک و شبہ سے ملوث کیا جائے۔ جس میں انہیں سہولت پسندی، سرمایہ داری اور آسودہ حالی میں مبتلا دکھایا جائے۔ اگر ان چیزوں کا شائبہ نہ ہو تو ہر بات قبول کی جاسکتی ہے ورنہ نہیں۔ (احسن)

(21)۔ شہدائے کربلا کے دفن پر چند بیانات و شہادات

فاغلمُ اَنَّهُ ذَكَرَ بَعْضُ الثَّقَاتِ اَنَّهُ رَوَى السَّيِّدُ نَعْمَةُ اللّٰهِ الْجَزَائِرِي فِي كِتَابِ مَدِينَةِ الْعِلْمِ عَنْ رَجَالِهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَسَدِيِّ اَنَّهُ قَالَ وَكَانَ اِلَى جَنْبِ الْعَلْقَمِيِّ حَيٌّ مِنْ بَنِي اَسَدٍ قَتَمَشَتْ نِسَاءَ ذَلِكَ الْحَيِّ اِلَى مَعْرَكَةِ فَرَاوَانِجُثْ اَوْلَادِ الرَّسُولِ وَافْلَا ذَحْشَاشَةَ الزَّهْرَاءِ الْبَتُولِ وَاَوْلَادِ عَلِيِّ امِيرِ الْمُؤْمِنِينَ فَحَلَّ الْفُحُولُ وَجُثَّتْ اَوْلَادُ هَمٍّ فِي تِلْكَ الْاَصْحَارِ وَهَاتِيكَ لِقْفَارُ تَشْخَبِ الدَّمَاءِ مِنْ جِرَاحَاتِهِمْ كَانَتْهُمْ قَتَلُوا فِي تِلْكَ السَّاعَةِ فَنَدَّ اَخْلَ النِّسَاءِ مِنْ ذَلِكَ تَمَامَ الْعَجَبِ فَابْتَدَرْنَ اِلَى حَيِّهِنَّ وَقُلْنَ لَا زَوْجَهُنَّ مَا شَهِدْنَهُ ثُمَّ قُلْنَ لَهُمْ بِمَا ذَاتَعْتَدُونَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ وَامِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَفَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اِذَا رَدَّ تَمَّ عَلَيْهِمْ؟ حَيْثُ اَنْتُمْ لَمْ تَنْصُرُوا اَوْلَادَهُ وَلَا دَافَعْتُمْ عَنْهُمْ بِضَرْبَةِ سَيْفٍ وَلَا بِطَعْنَةِ رِمْحٍ وَلَا بِحَذْفَةِ سَهْمٍ؟ فَقَالُوا اَنَا نَخَافُ بَنِي اُمِيَّةٍ وَقَدْ لَحِقْتَهُمُ الدَّلَّةُ وَشَمَلْتَهُمُ النَّدَامَةُ مِنْ حَيْثُ لَا تَنْفَعُهُمْ وَبَقِيْنَ النِّسْوَةُ يَجْلُنَ حَوْلَهُمْ وَيَقْلُنَ لَهُمْ اِنْ فَاتَتْكُمْ النِّصْرَةُ تِلْكَ الْعَصَابَةُ النَّبَوِيَّةُ وَالذَّبُّ عَنْهَا تِيكَ الشَّنْشَنَةُ الْعَلِيَّةُ الْعُلُوِيَّةُ۔ قَقْوُمُوا الْاَن اِلَى اجْسَادِهِمُ الزَّكِيَّةِ فَوَارَوْهَا؛ فَانَّ لَعِيْنَ ابْنَ سَعْدٍ قَدْ وَارَى اجْسَادَ مَنْ ارَادَ مَوَارَاتَهُ مِنْ قَوْمِهِ فَبَادَرُوا اِلَى مَوَارَاتِ اجْسَادِ آلِ رَسُولِ اللّٰهِ وَارْفَعُوا عَنْكُمْ بِذَلِكَ الْعَارِ فَمَاذَا تَقُولُونَ اِذَا قَالَتِ الْعَرَبُ لَكُمْ اَنْتُمْ لَنْ تَنْصُرُوا ابْنَ بَنْتِ نَبِيِّكُمْ مَعَ قَرْبِهِ وَحُلُولِهِ بِنَادِيكُمْ؟ فَقَوْمُوا وَاغْسَلُوا بَعْضُ الدَّرَنِ مِنْكُمْ۔ قَالُوا نَفْعَلُ ذَلِكَ۔ فَاتُوا اِلَى الْمَعْرَكَةِ وَصَارَتْ هَمَّتُهُمْ اَوَّلًا اَنْ يُوَارُوا جُثَّةَ الْحُسَيْنِ ثُمَّ الْبَاقِيْنَ فَجَعَلُوا يَنْظُرُونَ الْجُثَّةَ فِي الْمَعْرَكَةِ فَلَمْ يَعْرِفُوا جُثَّةَ الْحُسَيْنِ مِنْ بَيْنِ تِلْكَ الْجُثَّةِ لِأَنَّهَا بِلَارُؤُسٍ وَقَدْ غَيَّرَتْهَا الشَّمْسُوسُ۔ فَبَيْنَا هُمْ كَذَلِكَ وَاِذَا بَفَارِسُ مَقْبِلِ الْيَهُمِ حَتَّى اِذَا قَارَبَهُمْ قَالَ مَا بِالْكُمْ؟ قَالُوا اَنَا آتَيْنَا لِنُوَارِيَ جُثَّةَ الْحُسَيْنِ وَجُثَّتْ وَلَدَهُ وَانْصَارَهُ وَلَمْ نَعْرِفْ جُثَّةَ الْحُسَيْنِ۔ فَلَمَّا سَمِعَ ذَلِكَ جَنَّ وَأَنَّ وَجَعَلَ يِنَادِي وَابْتَاهُ وَابَاعَبَدُ اللّٰهُ لِيَتَك حَاضِرًا وَتَرَانِي اَسِيرًا ذَلِيلًا ثُمَّ قَالَ لَهُمْ اَنَا ارْشَدَكُمْ اِلَيْهِ فَنَزَلَ عَنْ جَوَادِهِ وَجَعَلَ يَتَخَطَّى الْقَتْلَى فَوَقَعَ نَظَرُهُ عَلَيَّ جَسَدِ الْحُسَيْنِ فَاحْتَضَنَهُ وَهُوَ يَبْكِي وَيَقُولُ يَا ابْتَاهُ بِقَتْلِكَ قَرَّتْ عَيُونُ الشَّامِيَّوْنَ يَا ابْتَاهُ بِقَتْلِكَ فَرَحَتْ بَنِي اُمِيَّةٍ۔ يَا ابْتَاهُ بَعْدَكَ طَالَ حَزْنُنَا يَا ابْتَاهُ بَعْدَكَ طَالَ كَرْبُنَا۔

قال ثُمَّ اَنَّهُ مَشَى قَرِيبًا مِنْ مَحَلِّ جُثَّتِهِ فَاهَالَ يَسِيرًا مِنَ التُّرَابِ فَبَانَ قَبْرُ مُحْفُورٍ وَلِحْدُ مَشْقُوقٍ فَنَزَلَ الْجُثَّةَ الشَّرِيفَةَ

دواراها فی ذلک المرقدا الشریف - کما هو الآن قال ثم انه جعل يقول هذا فلان وهذا فلان والاسد یون یوارونه فلما فرغ منهم مشى الى جثة العباس بن امیر المؤمنین فانحنى علیها وجعل ینتحب ویقول یاعماہ لیتک تنظر حال الحرم والبنات وهن تنادین وا عطشاه وا غربتاه - ثم امر بحفر لحدہ وواراه هناك -

ثم عطف علی جثث الانصار وحفره حفیرة واحدة وواراهم فیها الاحیب بن المظاہر حیث ابی بعض بنی عمہ ذلک ودفنه ناحیة عن الشہداء - قال فلما فرغ الاسد یون من مواراتہم قال لهم ہلموا النوارى جثة الحر الریاحی - قال - فتمشى وهم خلفه حتى وقف علیہ وقال امانت فقد قبل اللہ توبتک واذ فی سعادتک ببذلک نفسک امام ابن رسول اللہ قال - واراد الاسد یون حملہ الی محل الشہداء فقال لابل فی مکانہ فاروہ - قال فلما فرغوا من مواراتہ ركب ذلک الفارس جواده فتعلق بہ الاسد یون فقالوا لہ بحق من واریتہ من انت ؟ فقال انا حجة اللہ علیکم انا علی بن الحسین جثت لاوارى جثة ابی ومن معہ من اخوانی واعمامی واولاد عمومتی وانصارہم الذین بذلوا مہجہم ذونہ والان اناراجع الی سبحن ابن زیاد وامانتہم فہنیاً لکم لاتجزعوا اذا تضاموا فینا - فودعہم وانصرف عنہم واما الاسد یون فانہم رجعوا مع نساءہم الی حیہم انتہی -

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 456 تا 457)

جاننا چاہئے کہ بعض نہایت معتبر حضرات نے بیانات دیئے ہیں۔ چنانچہ جناب علامہ سید نعمت اللہ جزاؤی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی کتاب ”مدینۃ العلم“ میں اپنے پسندیدہ راویوں سے اور عبد اللہ اسدی کی زبانی لکھا ہے کہ وہ کہتا تھا کہ نہر علقمہ کی ایک جانب قبیلہ بنی اسد کی ایک عارضی بستی تھی۔ وہاں سے کچھ عورتیں میدان کربلا کی طرف آنکلیں۔ وہاں انہوں نے اولاد رسول کے مقتول لاشے اور فاطمہ زہراء اور علی مرتضیٰ کی اولاد کے تڑپتے ہوئے اعضا اور جوانوں اور بچوں کے ایسے بدن دیکھے جن سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ گویا وہ ابھی ابھی قتل کئے گئے ہوں۔ یہ حیران کن صورت حال دیکھ کر اُن کو بہت تعجب ہوا۔ وہ جلدی جلدی اپنی بستی میں آئیں اور اپنے شوہروں سے جو کچھ دیکھا بیان کیا۔ اور کہا کہ تم رسول اللہ، امیر المؤمنین اور فاطمہ الزہراء کے سامنے جاؤ گے تو تم لوگ اُن کے سامنے اس کا کیا عذر کرو گے کہ تم نے اولاد رسول کی مدد کیوں نہ کی؟ کیوں تم نے اُن پر برسنے والی تلواروں اور تیروں کا دفاع نہ کیا، نہ انہیں تیروں کے حملے سے بچایا؟ اُن کے شوہروں نے کہا کہ ہمیں بنی امیہ کی طرف سے تباہی کا خطرہ تھا۔ عورتوں کی طعنہ زنی پر انہیں حد بھرندامت اور ذلت محسوس ہو رہی تھی۔ مگر اُن کے عذرات عورتوں کو مطمئن نہ کر سکے۔ وہ برابر انہیں گھیرے رہیں اور برابر تقاضہ کرتی رہیں کہ چلو مان لیا کہ تم خانوادہ نبوت کی نصرت سے قاصر رہے اور تم نے کسی وجہ سے بھی فطرت و ظہور علویہ کا دفاع نہ کیا مگر اب کیا بہانہ ہے؟ اُٹھو چلو فوراً اُن کے مقدس اجسام و اعضا کو زمین میں پوشیدہ کرو۔ عمر بن سعد ملعون نے اپنی قوم کی لاشوں کو تو دفن کر دیا لیکن خاندان رسول کے شہیدوں کو چھوڑ دیا۔ ذرا سوچو کہ عرب کے لوگ تمہیں کیسی ملامت کریں گے کہ تم لوگوں نے قریب ہوتے ہوئے نہ اُن کی نصرت کی نہ رسول کی بیٹی کی اولاد کو غسل و کفن دیا۔ لہذا اٹھو اور عمر بھر کی طعنہ زنی سے بچو اور اپنے قصور کی گندگی کو جس قدر ہو سکے دھو ڈالو۔

وہ لوگ آمادہ ہو گئے مقتل میں جا پہنچے اور چاہا کہ سب سے پہلے امام حسین علیہ السلام کے جسم مبارک کو دفن کریں اور اُنکے بعد باقی حضرات کو ترتیب وار دفن کریں گے۔ مگر لاشوں میں تلاش کرنے کے باوجود لاش حسینؑ کو شناخت نہ کر سکے۔ اور سب یہ تھا کہ تمام

شہداء کے لاشے بلاسروں کے پڑے تھے۔ علاوہ ازیں زخموں اور خون اور مٹی نے لاشہ ہائے مقدسہ کو متغیر کر دیا تھا۔ وہ اسی فکر و کوشش میں مبتلا تھے کہ انہیں ایک سوار آتا ہوا دکھائی دیا۔ جب وہ قریب آیا تو اُس نے کہا کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ جواب دیا کہ ہم اُمّام کو دفن کرنا چاہتے ہیں اور اُنکے بعد اُن کے عزیزوں اور انصار کو دفن کرنا ہے مگر ہم اُنکو پہچاننے میں قاصر ہیں۔ یہ سنا تو اُس نوجوان نے پکارنا شروع کیا کہ اے بابا جان آپ کہاں ہو؟ اے علیٰ اصغر کے چاہنے والے آپ کدھر ہو؟ کاش آپ مجھے دیکھتے کہ میں اسیری اور ذلت کی حالت سے یہاں آیا ہوں۔ امام زین العابدینؑ اپنے گھوڑے سے اترے پھر اُن لوگوں سے فرمایا کہ اس معاملہ میں میں تمہاری راہنمائی کرونگا۔ اب اُن کی نظر امام حسینؑ کے جسم پر جا چکی، جا کر سینہ سے لپٹ گئے اور روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ ہائے بابا آپ کو قتل کر کے اہل شام کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں لیکن ہمارے سروں پر مصائب ٹوٹ پڑے۔ ہائے ابا جان آپ کے قتل سے اُمیہ کی اولاد کو بڑی مسرت ہوئی لیکن ہمارے قلوب میں زخم پڑ گئے۔

راوی کہتا ہے کہ پھر امام لاشہ حسینؑ کے قریب ذرا سی دُور گئے اور ایک جگہ سے تھوڑی سی مٹی ہٹائی تو وہاں ایک تیار قبر معہ لحد کے نکلی۔ چنانچہ حضورؐ کے جسم مبارک کو قبر میں اتارا اور مٹی دے دی۔ وہ قبر آج تک وہیں ہے۔ پھر آپ نے ایک ایک لاش کو بتانا شروع کیا اور اسدی لوگ سب کو دفن کرتے گئے۔ جب اُن سے فارغ ہوئے تو حضرت عباسؑ کی لاش پر پہنچے اور جھک کر تعظیم کرتے ہوئے فرمایا اے چچا جان! آپ نے اہل حرمؑ اور ننھے ننھے بچوں کی وہ فریادیں تو سُنیں ہوں گی جو وہ پیاس کی شدت سے کر رہے تھے۔ دیر تک فریاد اور چیخوں کے بعد آپ نے قبر کھودنے کا حکم دیا اور چچا عباسؑ کو دفن کیا۔

پھر آپ لاشہ انصارؑ کے پاس آئے اور سب کے لئے ایک بڑی قبر تیار کر کے انہیں ایک حال میں اور ایک جگہ دفنایا۔ البتہ حبیبؑ ابن مظاہر کے چچا زادوں میں سے کچھ لوگ مانع ہوئے تو انہیں باقی انصارؑ سے الگ کر لیا اور شہداء کے قرب ہی میں دفن دیا گیا۔ راوی نے کہا کہ جب اسدی حضرات اُن سب کے دفن سے فارغ ہو چکے تو امامؑ نے فرمایا کہ میرے ساتھ آؤ تاکہ ہم جنابِ حُرّ کی لاش کو بھی دفن کر دیں۔ پھر کہتا تھا کہ یہ پوری جماعت مع امامؑ وہاں پہنچی تو امامؑ لاش کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ مبارک ہو اللہ نے نہ صرف تمہاری توبہ قبول کر لی بلکہ تمہاری سعادت مندی میں بھی بہت اضافہ کر دیا۔ اس لئے کہ آپ نے امامؑ کے حضور میں اپنی جان بڑی فراخ دلی سے قربان کر دی۔ اسدیوں نے ارادہ کیا کہ حُرّ کی لاش کو اُٹھا کر باقی شہداء کے پاس لے چلیں مگر امامؑ نے فرمایا کہ اُن کو اسی جگہ دفن کیا جائے گا جہاں اس وقت وہ ہیں۔ بہر حال انہیں بھی دفن کر دیا گیا۔

اس کے بعد امامؑ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اسدیوں نے عرض کیا کہ حضورؐ آپ کو اُن ہی کی قسم جن کو آپ نے دفن کیا ہے بتائیے آپ کون ہیں؟ فرمایا میں تم پر اللہ کی حجت اور علیؑ بن حسینؑ ہوں۔ اپنے والد، اپنے بھائیوں، چچاؤں اور چچوں کی اولاد اور تمام انصار علیہم السلام کو دفن کرنے کے لئے آیا تھا۔ اور اب پھر ابن زیاد کی قید میں جا رہا ہوں۔ تم خوش ہو جاؤ اور چونکہ تم ہم سے وابستہ ہو گئے اس لئے کوئی غم و اندیشہ دل میں نہ رکھو۔ پھر امامؑ اُن سے رخصت ہو کر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد اسدی قبیلہ کے لوگ بھی اپنی مستورات سمیت اپنے گاؤں کو واپس آ گئے۔

(22)۔ چند وضاحتیں نوٹ فرمائیں۔ ذوالجناح؛ کربلا سے روانگی

پہلی بات یہ نوٹ کریں کہ وہ تمام روایات غلط ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ عمر بن سعد کی تمام افواج عاشور کے دن یا گیارہ محرم کو کربلا سے روانہ ہو گئی تھیں۔ اس لئے کہ امام مظلوم عصر کے بعد شہید ہوئے۔ اس کے بعد لاشہائے شہدائے کربلا کو پامال کرنے کے لئے عمر بن سعد نے مشورہ کیا۔ بڑی مشکل سے چند ملائین کی جماعت تیار ہوئی۔ لیکن شیر کے آجانے کی وجہ سے یہ اسکیم ناکام ہو گئی۔ اور شہادت کے بعد ہی اُن جہنمیوں نے خیام حسینی کو لٹا اور جلایا تھا۔ پھر یہیں وہ رات آئی تھی جسے شام غریباں کے نام سے ساری دنیا کے عزادار و سوگوارانِ حسینؑ مناتے ہیں۔ پھر مندرجہ بالا روایت اور سینکڑوں دیگر روایات سے یہ حقیقت ثابت اور مسلمہ ہے کہ عمر بن سعد کی فوج اپنے تمام مقتولوں کو دفن کرنے کے بعد روانہ ہوئی تھی۔ اور یہ کام دوروز سے کم میں نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا یاد رکھیں کہ گیارہ محرم کو سرہائے شہدائے کربلا اور اہل حرمؑ کو روانہ کیا گیا تھا مگر ابن سعد اور باقی افواج تیرہ محرم کو روانہ ہوئی تھیں۔ اور عمر بن سعد کے کوفہ پہنچنے سے پہلے اسیرانِ اہل حرمؑ اور سرہائے شہدائے کربلا کو کوفہ کے بازاروں اور گلیوں میں کئی گشت کرائے جا چکے تھے۔ تاکہ کوفہ و گردونواح کا ہر شخص سہم کر رہ جائے اور حکومت کے کسی مخالف کی مدد و نصرت سے باز رہے۔

دوسری بات یہ کہنا ہے کہ امام علیہ السلام نے بنی اسد کے اُن لوگوں پر مواخذہ نہیں کیا بلکہ انہیں انصارانِ حسین علیہم السلام میں شمار کر لیا اور اپنے سے وابستہ (تضاموا فینا) قرار دیا جو کفن و دفن میں مُد ہوئے۔ یہ وہی اصول ہے کہ جو لوگ مجبوری میں مدد نہ کر سکیں اور آزادی ملنے پر دل نہ چرائیں وہ عقلاً و مذہباً و قانوناً مجرم نہیں ہوتے۔

تیسری بات یہ کہ بنی اسد کی مستورات کے پہنچنے تک شہدائے زخمیوں سے خون جاری تھا۔ جو اُن کی حیاتِ ابدی کا ثبوت ہے۔ ورنہ روح جسم سے نکلنے ہی خون جھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ مستورات جلد سے جلد تیرہ محرم کو افواج کی روانگی کے بعد ہی قتل گاہ میں آ سکتی تھیں۔ اور اس وقت تک شہدائے قتل کو بہتر (72) گھنٹوں سے زیادہ گزر چکے تھے۔

چوتھی حقیقت یہ ہے کہ امام زین العابدین کا بیک وقت دو جگہ موجود ہونا ثابت ہے اور جو لوگ جسم مثالی وغیرہ کی اصطلاحات کی آڑ لیا کرتے ہیں اُن کا منہ بند کرنے کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر آنا اور باقی محنت و مشقت میں حصہ لینا کافی ہے۔ اور یہ گھوڑا ذوالجناح کے علاوہ دوسرا نہیں سکتا ورنہ قید سے نکلنا اور گھوڑا حاصل کرنا بلا راز کھولے ممکن نہیں ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ذوالجناح امامؑ زمانہ کی تحویل میں رہے گا تاکہ اپنا فرض ادا کرتا رہے۔

پانچویں بات دوبارہ ثابت ہے کہ امام مظلوم نے تمام شہدائے کربلا کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا سوائے مخصوص شہدائے کربلا۔ اور امام زمانہ نے سب کو وصیت کے مطابق دفن کرایا تھا۔ اور یہ کہ سید الشہدائے کربلا کا انتظام خالص اللہ کی طرف سے کیا ہوا پہلے سے موجود اور امام کو معلوم تھا۔ لیکن ان حقائق کی موجودگی میں بھی جو علمائے شیعہ ان چیزوں کے منکر ہیں، ان کا مذہب و مسلک یقیناً محمدؐ و آل محمدؐ کے خلاف ہے، اُن سے خبردار رہیں۔

48۔ اہل حرم اور سرہائے شہدائے علیہم السلام کا کربلا سے کوفہ کا سفر

(1) کربلا سے روانگی، اہل حرم کا سوار ہونا مدینہ سے روانگی کی یاد

مومنین مدینہ سے روانگی کا حال سنئے ہوئے بھی کربلا میں اہل حرم کی بے کسی پر بے چین ہو جاتے ہیں۔ اور اب مدینہ سے شاہانہ روانگی کی یاد از سر نو دل میں درد پیدا کرتی چلی جائیگی۔ چنانچہ دل سنبھال کر سنئے کہ وہی راوی، عبداللہ بن سنان کو فی بیان کرتا ہے کہ:-

ثم صاروا قاصدين الكوفة فسرت معهم حتى وصلنا كربلا قال فنزلوا فيها فما كانت الاهيئة حتى رخصت عليهم الجموع والكتائب واحاطوا بهم من كل جانب ومنعواهم الماء الى ان جرى عليهم ماجرى من القتل والنهب والسبي فعند ذلك امر ابن سعد لعنه الله بان تحمل النساء على الاقتاب بلا وطاء وحجاب فقد مت النياق الى حرم رسول الله وقد احاط القوم بهن وقيل لهن تعالين واركنن فقد امر ابن سعد بالرحيل فلما نظرت زينب عليها السلام الى ذلك نادت وقالت سوّد الله وجهك يا بن سعد في الدنيا والاخرة تامر هؤلاء القوم بان يركبونا ونحن ودائع رسول الله - فقل لهم يتباعدون عنا حتى يركب بعضنا بعضا قال فتنحوا عنهن فتقدمت زينب عليها السلام ومعها ام كلثوم وجعلت تنادي كل واحدة من النساء باسمها وتركبها على المحمل حتى لم يبق احد سوى زينب عليها السلام فنظرت يميناً وشمالاً فلم تری احد سوى زين العابدين عليه السلام وهو مريض فانت اليه وقالت قم يا بن اخي واركب الناقة - فقال يا عمته اركبي ودعني انا وهؤلاء القوم فرجعت الى ناقته لانها لم تقدر على مخالفة الامام فالتفت يميناً وشمالاً فلم تراً اجساداً على الرمال ورؤسا على الاسنة بايدي الرجال فصرخت وقالت وا غربناه وا احاه وا حسيناه و عباساه و رجالاه واضيعناه بعدك يا ابا عبد الله - قال فلما رايتهم على هذه الحالة ذكرت خروجهم من الحجاز وما كانوا عليه من العزة والرفعة والعظمة والجلالة فبكيت على حالهم وما جرى عليهم - ثم قال فلما نظر الامام زين العابدين عليه السلام الى ذلك لم يتما لك على نفسه دون ان قام وهو يرتعش من الضعف فاخذ عصاه يتوكأ عليها آتى الى عمته وثنى ركبتيه وقال اركبي فلقد كسرت قلبي وزدت كربى فاخذ ليركبها فارتعش من الضعف وسقط على الارض فلما راه الشمر لعنه الله اتى اليه وبيده سوط فضربه به وهو ينادى وا جداه وا محمداه وا علياه وا حسيناه فبكت زينب وقالت ويلك يا شمر رفقا بيتيم النبوة وسليل الرسالة وحليف التقى وتاج الخلافة فلم تنزل تقول كذا حتى نحتته عنه - قال واذا بجارية مسنة سوداء قد اقبلت الى زينب فاركبته فسنلت عنها - فقالوا هذه فاطمة الزهراء عليها السلام قال ثم اركبوا الامام عليه السلام على بعير اعجف فلم يتمالك الركوب من شدة الضعف فاخبروا بذلك ابن سعد فقال قيدوا رجليه من تحت بطن الناقة ففعلوا ذلك وساروا بهم تلك الحالة - (أكبر العبادات في اسرار الشهادات - صفحہ 357 تا 358)

مدینہ سے حسینی قافلہ چلا تو میں ساتھ ساتھ رہا یہاں تک کہ ہم سب کربلا پہنچے۔ بہت جلد انہیں لشکروں کے ہنگاموں نے چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ کوئی سمت محفوظ نہ رہی پھر حسینی جماعت پر پانی بند کر دیا گیا۔ رفتہ رفتہ خانوادہ رسول اور صحابہ حسین علیہم السلام پر وہ سب کچھ گزر گیا جو ناقابل بیان اور ناقابل برداشت تھا۔ قتل عام کیا گیا، خیم حسینی کو لوٹ لیا گیا، اہل حرم اور بچوں کو قیدی بنالیا گیا۔ جب یہ سب کچھ ہو چکا تو ابن سعد ملعون نے حکم دیا کہ رسول کی بیٹیوں اور تمام عورتوں اور بچوں کو ننگی کمر والے اونٹوں پر بے پردہ سوار کیا جائے۔ اس حکم کے ساتھ ہی اونٹ پاس لا کر کھڑے کئے گئے اور ہجوم نے اہل حرم کو چاروں طرف سے گھیرا اور کہا جانے

لگا کہ آؤ جلدی جلدی سوار ہو جاؤ۔ اُدھر عمر بن سعد ملعون نے رواں گئی کا حکم بھی دے دیا۔ جب جناب زینب علیہا السلام نے یہ حالت دیکھی تو قہر آلود زبان میں آواز دی کہ اواہن سعد! اللہ دنیا اور آخرت میں تیرا منہ کالا کرے۔ اس ناہنجار قوم سے کہہ کہ ہم سے دُور ہو جائے تاکہ ہم آپس میں ایک دوسرے کو سوار کر سکیں۔ ارے خبیث ہم تو رسول اللہ کی امانت ہیں۔ چنانچہ ہجوم کو دُور ہٹا دیا گیا۔ اب جناب زینب آگے بڑھیں اُنکے ساتھ جناب کلثوم مدد کر رہی تھیں۔ شہزادی تمام خواتین اور بچوں کو نام بنام پکارتی جاتی تھیں اور دونوں بہنیں مل کر سوار کراتی جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ سب کو سوار کر دیا اور کوئی باقی نہ رہا تو آپ نے داہنے بائیں متلاشی نظروں سے دیکھا تو صرف امام زین العابدین بیماری کے عالم میں موجود تھے۔ آپ قریب گئیں اور فرمایا اے میرے بھائی کی یادگار اُٹھو میں تمہیں اونٹ پر سوار کرادوں۔ امام نے فرمایا کہ پھوپھی اماں آپ سوار ہو جائیں اور مجھے اور اس قوم کو ہماری حالت پر چھوڑ دیں۔ حضرت زینب علیہا السلام امام زمانہ کا حکم بجالانے کیلئے اپنے اونٹ پر تشریف لائیں۔ اب جو پھر داہنے بائیں نظر ڈالی تو کچھ بھی نظر نہ آیا صرف یہ دیکھا کہ شہداء کی لاشیں زمین پر پڑی تھیں اور اُنکے سر نیزوں پر بلند کئے ہوئے لوگ کھڑے تھے۔ اب دل قابو سے باہر ہو گیا چیخ ماری اور کہا اے بھائی تمہارے بعد ہمارا کوئی پرسان حال نہیں۔ اے عباس تم کہاں ہو، اے انصار حسین مدد کو کیوں نہیں آتے۔ ہائے ہماری یہ بے کسی اور بے بسی، ہائے ہمارا تحفظ کرنیوالے سب بے دست و پا ہو گئے۔ جب راوی نے یہ جگر خراش حالت دیکھی تو وہ کہتا ہے کہ مجھے اُس شہزادی اور اُن کے خاندان کی مدینہ سے رواں گئی یاد آ گئی۔ کہاں وہ جوانان بنی ہاشم کا احترام و بزرگی سے سوار کرانا؟ کہاں وہ شان و عظمت کا عالم؟ کہاں یہ مصیبت اور لا چاری کی حالت؟ میں بھی تڑپ تڑپ کر رونے لگا۔ پھر سناتا ہے کہ جب حضرت امام زین العابدین نے یہ اندازہ کیا کہ اُن میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں ہے اور جسم کانپ رہا ہے تو اپنا عصا سنبھالا اور اُس کے سہارے سے اُٹھے اور پھوپھی کے پاس آئے تاکہ اُنکو سوار ہونے میں مدد دیں۔ اور سوار ہونے کیلئے عرض کیا تو میرا دل پھٹا جاتا تھا اور بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ سوار کرنا چاہتا تھا تو طاقت نے جواب دے دیا، بدن میں رعشہ پیدا ہوا اور آپ زمین پر گر گئے۔ شمر ملعون کو ڈالنے ہوئے آیا اور مارنا شروع کیا۔ امام رسول اللہ اور علی کی یاد میں تڑپ اُٹھے حسین علیہ السلام یاد آئے۔ حضرت زینب نے شمر کو ملامت کرتے ہوئے کہا ملعون یہ سرمایہ نبوت کا یتیم ہے۔ ارے خبیث یہ خلاصہ رسالت ہے۔ ارے ظالم یہی خلافت کا تاج ہے۔ ارے اس مجسمہ پر ہیز گاری پر رحم کر۔ وہ یہ فرماتی جا رہی تھیں آخر شمر الگ ہٹ گیا۔ اتنے میں ایک کالے رنگ کی بڑھیا کینز حضرت زینب علیہا السلام کے پاس پہنچی اور انہیں سوار ہونے میں مدد دی۔ میں نے اس بڑھیا کے متعلق معلوم کیا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت فاطمہ زہراء علیہا السلام کی کینز فاضلہ ہے۔ راوی نے کہا کہ اس کے بعد فوجوں نے امام کو ننگی پیٹھ والے اونٹ پر سوار کیا تو اُن میں سنبھل کر بیٹھنے کی قوت نہ تھی اور گرنے کا یقین تھا۔ ابن سعد کو اس کی اطلاع دی گئی تو اُس ملعون نے حکم دیا کہ امام کے دونوں پیراؤں کے پیٹ کے نیچے باندھ دیئے جائیں۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور اسی حالت میں وہ لوگ قیدیوں کو لے کر کربلا سے کوفہ روانہ ہو گئے۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 357 تا 358)

(2)۔ کوفہ میں اہل حرم اور اہل کوفہ کا رویہ؛ مختلف بیانات

(الف)۔ اِنَّ ابا مخنف قال وروی ابو جندبہ اسدی و فی بعض النسخ حذیفة قال کنت بالكوفة سنة قتل الحسين - فَرَأَيْتُ نِسَاءَ

اہل الکوفہ مشققات الجیوب، ناشرات الشعور لا طمات الخدود مخمشات الوجوه۔ فاقبلتُ إلى شيخ كبير فقلتُ ما هذا البكاء والنحيب؟ فقال هذا لاجل راس الحسين۔ فبینما انا کذلک واذا العسكر قد اقبلوا والسبا یا معهم۔ فرایتُ جاریة علی بعر بغير وطاء۔ فسلتُ عنها فقيل لی هذِهِ ام کلثوم اخت الحسين۔ فدنوت منها فقلتُ لها حدیثنی بما جرى علیکم؟ فقالت مَن انت؟ یاشیخ فقلتُ مَن اهل البصرة فقالت اعلم یاشیخ انی کنت نائمة فی الخیمة اذ سمعتُ صهيل الفرس فاخرجتُ راسی واذا بالفرس عارٍ والسرج خالٍ فصرختُ وصرخت النساءُ معی وسمعتُ فی جانب الخیمة هاتفاً اسمعُ صوته ولا اری شخصه وهویقول..... قتلوا ابن سید البریة ظلمًا فما یقول الظالمون غدًا اذا نظروا الی نیران الحجیم قد طاشت بافعالهم العقول واورثوا القلب حسرة لا تزول وفجعوا الرسول بقتلهم اولاد البتول وجعلوا العزیز مهانًا۔ فقلت له بحق معبودک مَن انت فقال انا ملک مَن ملوک الجنّ جنّت انا وقومی لنصرة الحسين فوجدناه قد قتل ثم قال واسفاه علیک یا ابا عبد اللہ ثلاث مرات۔

(ب)۔ قال وصار اهل الکوفہ یطعمون الاطفال بمثل ثلاث تمرات وثلاث جوزات فصاحت به ام کلثوم وقالت یا اهل الکوفہ الصدقة علینا حرام وجعلتُ تاخذ ذلک من ید الاطفال وافواهم وترمی به الی الارض فضجت الناس بالبكاء والنحيب۔ فقالت ام کلثوم تقتلنا رجالکم وتبکینا نساء کم لقد تعدّ یتیم علینا عدوانا عظیمًا۔ لقد جئتم شیئًا اذًا تکاد السموات یتفطرن منه وتنشق الارض وتخرّ الجبال هذًا۔ فبینما هی فی کلامها واذا بصیحة قدار تفعت واذا برأس الحسين ومعه ثمانية عشر رأسًا من اهل بیتہ۔ فلما نظرت ام کلثوم الی راس اخيها بکت وشقت جبینہا۔ (کسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 476 تا 477)

(الف)۔ ابو جحف نے لکھا ہے کہ ابو جریہ اسدی نے اور دوسری مجلدات میں حذیفہ نے بیان کیا کہ میں شہادت حسین علیہ السلام والے برس کوفہ میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ کوفہ کی مستورات گریبان چاک کئے ہوئے، بالوں کو بکھیرے ہوئے اپنا منہ پیٹتی ہوئی گالوں کو نوچتی ہوئی چیخیں مار مار کے بے حال ہوئی جا رہی ہیں۔ میں نے ایک بوڑھے شخص سے پوچھا کہ یہ روٹنا پیٹنا، منہ کھوٹنا اور فریاد و بکا کس لئے ہے؟ اس نے کہا یہ سب کچھ حسینؑ کے سرمبارک کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ فوج اور قیدی آگئے۔ میں نے ایک نوجوان خاتون کو بلا زین کے اونٹ پر دیکھا تو لوگوں سے معلوم ہوا کہ وہ حسینؑ کی بہن ام کلثومؑ ہے۔ میں قریب گیا اور پوچھا کہ تم اپنی سرگزشت مجھے سناؤ۔ فرمایا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا میں بصرہ کے رہنے والوں میں سے ہوں۔ تب انہوں نے کہا کہ اے شیخ سنو کہ میں خیمہ میں حالت نقاہت و نیند کی طرح غفلت میں پڑی تھی کہ اچانک میں نے گھوڑے کی ہنہانے کی دردناک آواز سنی تو گھبرا کر خیمہ سے سر نکال کر دیکھا تو گھوڑا بہت بُرے حال میں خالی زین کے ساتھ فریاد کر رہا تھا۔ میں یہ دیکھ کر سمجھ گئی کہ میرا بھائی قتل کر دیا گیا۔ میری چیخیں بلند ہو گئیں تو تمام مستورات میں کہرام برپا ہو گیا۔ ساتھ ہی ایک درد انگیز نوحہ کی آواز بالکل خیمہ کے پاس سے بلند ہوئی مگر فریاد کرنے والا نظر نہ آتا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اُن ظالموں نے ساری مخلوقات کے سردار کے فرزند کو بے قصور قتل کر دیا۔ جب کل کو وہ جہنم کے آگ کے شعلوں کے سامنے جائیں گے تو وہاں کیا عذر پیش کریں گے۔ اُن لوگوں کے بدترین اعمال سے عقلیں سرگردان ہو کر رہ گئیں، دلوں میں غم و حسرت نے جگہ پکڑ لی۔ انہوں نے اولاد بتولؑ کو قتل کر کے رسولؐ کو بے چین کر دیا۔ اُنہوں نے نہایت بزرگ ہستی کی توہین کی ہے۔ میں نے اسے اُس کے معبود کی قسم دے کر معلوم کیا تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں بادشاہان جنات میں سے ایک بادشاہ ہوں،

میں مع اپنی قوم کے امام کی مدد کے لئے آیا تھا۔ مگر یہاں آ کر دیکھا کہ امام مظلوم شہید ہو چکے۔ ہائے حسینؑ ہائے ابا عبد اللہؑ ہمیں آپ تک بروقت نہ پہنچنے کا انتہائی افسوس اور صدمہ ہے۔ یہی افسوس تین مرتبہ بلند آواز سے ظاہر کیا۔

(ب)۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ کوفہ والے اُن کے بچوں کو تین تین کھجوریں اور اٹھ کھانے کو دے رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ام کلثومؑ نے چلا کر کہا کہ اے کوفہ والو کیا تم نہیں جانتے کہ ہم اولادِ رسولؐ پر صدقہ حرام ہے۔ اور ساتھ ہی بچوں کے ہاتھوں اور منہ میں سے نکال نکال کر زمین پر پھینکنا شروع کیا۔ یہ سُن کر اہل کوفہ تڑپ اُٹھے چیخیں اور فریاد کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر ام کلثومؑ نے کہا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ارے ظالمو تمہارے مردوں نے ہمارے خاندان کا قتل عام کر دیا اور تمہاری عورتیں ہمارے حال اور ہمارے مقتولوں پر روپیٹ رہی ہیں؟ تم نے تو ہمارے ساتھ دشمنی کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ تم نے تو وہ کام کیا ہے کہ جس سے آسمان پھٹ پڑتا، زمین دھنس جاتی اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ جناب ام کلثومؑ یہ فرما رہی تھیں کہ آواز گریہ بلند ہو گئی دیکھا تو امام حسینؑ اور اٹھارہ بنی ہاشمؑ کے سر نیزوں پر آ رہے ہیں۔ جب حضرت ام کلثومؑ نے دیکھا تو پھر شہزادی بھائی کے سر کو دیکھ کر بے قابو ہو گئیں اور آہ وزاری کرنے لگیں۔

(3)۔ اہل حرمؑ نگے سر کھلے چہروں سے لائے گئے چادریں اور برقعے بار بار چھینے گئے

دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ نے ہزاروں ایسی روایات گھڑا کر اپنے علما اور اہل قلم سے کتابوں میں لکھوائیں، ملک بھر میں پھیلائیں جن سے اُدھر یزید اور اس کے ہم مذہب لوگوں کا جرم ہلکا ہو جائے اور ادھر اختلافات کی آڑ لے کر حقائق کا انکار کر دیا جائے۔ اور عربی سازش سے ناواقف علمائے شیعہ نے نظامِ اجتہاد کی ساختہ پرداختہ روایات کو اس لئے اپنے یہاں لکھ لیا کہ انہیں کر بلا کے متعلق زیادہ سے زیادہ حالات و واقعات کا علم ہو سکے۔ لیکن یہ اہتمام نہیں کیا کہ کر بلا کے واقعات و حالات و بیانات کو محمدؐ و آلِ محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم کے مزاج و بیان کردہ اصول کے آئینہ میں دیکھ کر حق و باطل کو جدا کر دیا جائے۔ اور نظامِ اجتہاد کے خود ساختہ اصولوں اور معیار کو نظر انداز کر کے روایت یا روایات میں سے وہ پہلو رد کر دیا جائے جو معصوم اصولوں اور مسلمات سے ٹکراتا ہو۔ چنانچہ ہم آنے والی روایت میں اس کا نمونہ اور طریقہ پیش کرتے ہیں۔ ہمارے مسلمات میں سے یہ حقیقت سب نے مانی ہے کہ کر بلا میں خاندانِ رسولؐ کو قتل کیا گیا اور رسولؐ زاد یوں کو لوٹا گیا۔ ہر وہ کپڑا لے لیا گیا جو کُرتے اور پاجاموں کے علاوہ تھا۔ پھر حرمِ رسولؐ کو بلا پردہ اور بلا گدوں کی محمولوں میں قیدی بنا کر کوچہ و بازاروں میں پھرایا گیا۔ البتہ یہ کئی دفعہ ہوا اور ایسا ہونا فطری تھا کہ صاحبانِ غیرت و شرافت نے کئی مرتبہ اہل حرمؑ کو سر و سینہ اور چہرہ ڈھکنے کیلئے مستورات نے چادریں وغیرہ دیں اور پھر اُن حرامزادوں نے چھین لیں۔ لہذا روایات میں اگر کہیں برقعہ اور چادر کا ذکر ملے تو اُس کا یہ مطلب سرکاری ہے کہ لوٹنے والوں نے چادریں اور برقعے چھوڑ دیئے تھے اور سر و منہ برہنہ قیدی نہیں بنایا گیا تھا۔ اور یہ مطلب بھی اموی پالیسی ہے کہ چونکہ روایات میں اختلاف ہے لہذا واقعہ ہی غلط ہے۔ چنانچہ مومنین روایات کے اُس بیان کو قبول فرمائیں جو محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کی عزت و شرافت و اصول کے شایانِ شان ہو۔ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ اُنٹوں پر محمل کا مطلب ہر حال میں یہ نہیں ہے کہ وہ پردہ دار سواری تھی۔ ہرگز نہیں، محمل تو وہ کجاوہ ہے جو اُنٹ کی بے ڈھنگی کو پر بیٹھنے کی سہولت فراہم کرتا ہے۔ اُس میں چار ڈنڈوں پر ایک چھت سی ہوتی ہے اور اُنٹ کی پشت پر فٹ کر دیا جاتا ہے۔ اُس کیلئے ایک چوکور پردہ الگ سے ہوتا ہے۔ کجاوہ یا محملیں کہیں بھی رکھی رہتی

ہیں مگر اُنکے غلاف یا پردے اتار کر سنبھال کر رکھے جاتے ہیں۔ لہذا وہ مجلس جن پر رسول اللہ کے اہل حرم اور بچے سوار کئے گئے تھے وہ بلا پردہ کجاوے تھے اور امام زین العابدین علیہ السلام کے اونٹ پر یہ بھی نہ تھانگی پیٹھ کا اونٹ تھا۔ روایت سنئے اور حق و باطل میں تمیز کیجئے۔

(4)۔ کوفہ تک بے پردہ لانا اور کوفہ میں داخلہ سے قبل پبلک کا چادریں دینا

1- اما کلام السيد فى الملهوف فى ذلك المقام فهو أنّ عمر بن سعد بعث براس الحسين فى ذلك اليوم وهو يوم عاشورا مع خولى بن يزيد الاصبهى وحמיד بن مسلم الازدى الى ابن زياد۔

2- وامر برؤس الباقين من اصحابه واهل بيته وقطعت وسرح بها مع شمر بن ذى الجوشن وقيس بن الاشعث وعمر بن الحجاج لعنهم الله فاقبلوا حتى قد موا بها الكوفة۔

3- واقام بقية يومه واليوم الثانى الى زوال الشمس ثم رحل بمن تخلف من عيال الحسين وحمل نساؤه على احلاس اقصاب الجمال بغير وطاء مكشفات الوجوه بين الاعداء وهن ودائع سيد الانبياء وساقوهن كما يساق سبي الترك والروم فى اشد المصائب والهموم۔

4- الى أنّ قال الراوى فلما قاربوا الكوفة اجتمع اهلها للنظر اليهن فاشرفت امراة من الكوفيات فقالت من اى الاسارى اتنن؟ فقلن نحن من اسارى محمد فنزلت المرأة من سطحها فجمعت لهن ملاء وازارا ومقانع فاعطتهن فتغطين۔

5- قال الراوى وكان مع النساء على بن الحسين نهكته العلة والحسن بن الحسن فكان قد واسى عمه وامامه فى الصبر على الرماح وانما ارتث وقد اثخن بالجراح۔ (اكير العبادات فى اسرار الشهادات۔ صفحہ 478)

1- اُس موقع پر سید صاحب نے اپنی کتاب ملخوف میں یہ لکھا ہے کہ عمر بن سعد ملعون نے شہادت کے روز یعنی دسویں محرم کے دن میں خولی بن یزید اور حمید بن مسلم کے ہمراہ ابن زیاد کے پاس روانہ کر دیا تھا۔

2- اور ابن زیاد نے امام حسین علیہ السلام کے باقی عزیزوں اور صحابہ کے سر کاٹنے کا حکم دیا اور انہیں شمر اور قیس بن اشعث کے ساتھ روانہ کیا جو چلتے ہوئے کوفہ پہنچے۔

3- اور عمر بن سعد عاشور کے دن اور دوسرے روز کر بلا میں زوال کے وقت تک مقیم رہا پھر امام حسین علیہ السلام کے بچے اور عورتیں جو قید کی گئی تھیں انہیں بلا گدے کے سادہ ٹاٹ کے کجاووں والے اونٹوں پر سوار کر کے کھلے منہ دشمنوں کے انبوہ میں گھیر کر لے چلا حالانکہ وہ سید الانبیاء صلوٰۃ اللہ علیہ کی امانت اور اہل حرم تھے۔ انہیں اس طرح ہانک کر لے گئے جیسے ترک اور روم کے قیدیوں کو ہانکا کرتے تھے اور یہ بھی خیال نہ کیا گیا کہ یہ بچے اور یہ خواتین کتنی شدید مصیبتوں اور رنج و غم میں مبتلا ہیں اور تقریباً سب ہی بیمار و نڈھال ہیں۔

4- آخر راوی نے بتایا کہ جب لشکر اور یہ اہل حرم کوفہ کے قریب پہنچے تو اہل کوفہ ان قیدی مستورات کو دیکھنے کیلئے جمع ہو گئے۔ چنانچہ کوئی عورتوں میں سے ایک عورت نے بڑھ کر پوچھا کہ تم کون سے قیدی ہو؟ الحرم نے جواب دیا کہ خانوادہ محمد کے حرم ہیں۔ اس عورت نے اہل حرم کے لئے چادریں، پاجامے اور برقعے جمع کئے اور رسول کی بیٹیوں کو دیئے اس طرح انہوں نے سر اور منہ ڈھکا۔

5- راوی کہتا ہے کہ اہل حرم کے ساتھ جناب امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام بیماری کی وجہ سے نہایت لاغر و نحیف و

کمزوری کے عالم میں قید تھے۔ اور امام حسن علیہ السلام کے بیٹے حسن اپنے چچا اور امام کیلئے تسلی کے الفاظ کہہ رہے تھے اور آگے آگے نیزہ پر اُن کا سر مبارک تھا جو زخموں سے مغلوب کئے گئے تھے۔

(5)۔ روایت پر تنقیدی نظر۔ حق و باطل الگ الگ

اس روایت کے وہ الفاظ جن پر سرہائے شہدایا اسیران اہل حرم اور لشکر عمر بن سعد کی رواگنی کا ذکر ہے وہ عملی حیثیت سے غلط ہیں اور ہم صحیح پوزیشن بتا چکے ہیں۔ پھر کربلا سے کوفہ پہنچنے کے لئے بھی علما نے یہ نہیں دیکھا کہ اُس زمانہ میں کربلا سے کوفہ جانے کیلئے کون سا راستہ تھا اور کتنا فاصلہ تھا؟ لہذا عاشور کے روز کوئی سر یا شخص کربلا سے نہیں گیا۔ البتہ گیارہ محرم کو اہل حرم اور سرہائے شہد اورانہ ہوئے تھے۔ اس روایت میں اور کئی روایات میں حسن بن امام حسن علیہ السلام کی موجودگی ایک کھلا ہوا فراڈ ہے۔ امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے تین شہزادے ہمراہ آئے تھے اور تینوں کربلا میں شہید ہوئے۔ اور باقی اولاد امام حسنؑ چونکہ مسلسل آئمہ معصومین علیہم السلام کی دشمن جان رہی ہے اسلئے سیاست ملکی اُن کے ناموں کو مقدس بنانے کیلئے کوشاں رہی ہے۔ البتہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام اہل حرم کے ہمراہ تھے اور اس روایت میں اُن ہی کو حسن بن الحسن سمجھا گیا ہے۔

(6)۔ کوفہ میں عید بھی اور ماتم بھی۔ رونے والے بھی اور ہنسنے والے بھی

کوفہ کے لوگوں کی حالت پراگلی روایت روشنی ڈالتی ہے۔ مگر ایک بات وہاں نظر انداز کر دی گئی ہے۔ وہاں خوشیاں منانے والے تو مشکل سے دو چار مرد اور عورتیں ممکن مانے جاسکتے ہیں۔ حالانکہ واقعات و حالات و معصوم بیانات سے ثابت ہے کہ کوفہ کا کوئی گھر اور کوئی خاندان ایسا نہیں تھا۔ جس کا کوئی نہ کوئی فرد میدان کربلا میں قتل نہ ہوا ہو۔ اور سرکاری بیان کے مطابق تو کربلا میں خالص کوفہ کے باشندوں کی فوج تھی۔ لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ کوفہ کے کسی گھر میں کوئی مرد زندہ بچا ہی نہ چاہئے اور چونکہ مرد موجود تھے۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ کربلا کی افواج میں کوفہ کے چند افراد کے علاوہ باقی تمام بیرونجات کے باشندوں کے فوجی تھے۔ لہذا ہنسنے والوں کے ساتھ ساتھ رونے والوں کی پوزیشن بھی مشکوک تھی۔ یعنی یہ پتہ چلانا کہ رونے والیاں یا رونے والے شہدائے کربلا کے غم میں روتے تھے یا خود اپنے مقتولوں پر رورہے تھے؟ بہر حال مومنین روایات کو شیعہ ذہن کی چھلنی میں چھان کر سنا کریں روایت سنیں:-

(الف)۔ قَالَ السَّهْلُ الشَّهْرُ زُورِي أَقْبَلْتُ فِي تِلْكَ السَّنَةِ مِنَ الْحَجِّ فَدَخَلْتُ الْكُوفَةَ فَرَأَيْتُ الْإِسْوَاقَ مَعْطَلَةً وَالِدَ كَاكِينٍ مَقْفَلَةً وَالنَّاسَ بَيْنَ بَاكِ وَضَاكِ فَدَنَوْتُ إِلَى شَيْخٍ مِنْهُمْ فَقُلْتُ مَالِي أَرَا النَّاسَ بَيْنَ بَاكِ وَضَاكِ الْكُفْمُ عَيْدٌ لَسْتُ أَعْرِفُهُ؟ فَاخْذُ بِيَدِي وَعَدِّلْ عَنِ النَّاسِ ثُمَّ بَكَى الشَّيْخُ بَكَاءً عَالِيًا - وَقَالَ يَا سَيْدِي مَا لَنَا عَيْدٌ وَلَكِنْ بَكَأُوهُمْ (وَضَحَكُهُمْ) وَ اللَّهُ مِنْ أَجْلِ عَسَاكِرِينَ - أَحَدُهُمَا ظَافِرٌ وَالْآخَرُ مَقْتُولٌ فَقُلْتُ وَمَنْ هَذَانِ الْعَسَاكِرَانِ؟ فَقَالَ عَسَاكِرُ الْحُسَيْنِ مَقْتُولٌ وَعَسَاكِرُ ابْنِ زِيَادٍ مَلْعُونٌ ظَافِرٌ ثُمَّ بَكَى بَكَاءً عَالِيًا.....

(ب)۔ قَالَ سَهْلٌ فَلَمَّا اسْتَمْتَمَ كَلَامُهُ حَتَّى سَمِعْتُ بَوَاقَاتٍ تَضْرِبُ وَالرَّايَاتُ تَخْفِقُ وَإِذَا بِالْعَسَاكِرِ قَدْ دَخَلَ الْكُوفَةَ وَسَمِعْتُ صَيْحَةً عَظِيمَةً وَإِذَا بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ يُلُوحُ وَالنُّورُ يَسْطَعُ مِنْهُ فَخَنَقْنِي الْعَبْرَةُ لِمَا رَأَيْتُهُ - ثُمَّ أَقْبَلْتُ السَّبَايَا مُقَدِّمَهُمْ عَلَيَّ بْنُ الْحُسَيْنِ ثُمَّ أَقْبَلْتُ مِنْ بَعْدِهِ أَمَّ كَلْثُومٌ وَعَلَيْهَا بَرَقَ أَرَكُنٌ وَهِيَ تَنَادَى يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ غَضُّوا أَبْصَارَكُمْ عَنَّا أَمَّا تَسْتَحْيُونَ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِنَّ

تَنْظُرُوا إِلَى حَرَمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَهُمْ عَرَايَا - فَوْقُفُوا بِبَابِ بَنِي خَدِيمَةَ وَالرَّاسِ عَلَى قَنَاةٍ طَوِيلَةٍ وَهُوَ يَقْرَأُ سُورَةَ الْكَهْفِ إِلَى أَنْ يَبْلُغَ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا (كهف 18/9) قَالَ سَهْلٌ فَبَكَيْتُمْ وَقُلْتُ يَا بَنِي رَسُولِ اللَّهِ رَاسُكَ اعْجَبَ ثُمَّ وَقَعْتَ مَغْشِيًّا عَلَى فَلَمِ افْتَقَ حَتَّى خَتَمَ السُّورَةَ - انْتَهَى كَلَامُ أَبِي مَخْنَفٍ - (أكبر العبادات - صفحہ 477)

(الف)۔ سہل کہتا ہے کہ میں اُسی سال حج کے بعد کوفہ میں داخل ہوا تو بازاروں کو خالی اور دکانوں کو مقفل دیکھا۔ اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ کچھ رو رہے تھے اور کچھ ہنس رہے تھے۔ بات سمجھنے کے لئے میں اُن میں سے ایک شیخ کے پاس گیا اور پوچھا کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ یہاں کچھ لوگ تو غم میں مبتلا ہیں اور کچھ لوگ خوشیاں منا رہے ہیں۔ کیا آپ کے یہاں آج کوئی ایسی عید ہے جسے میں مسلمان ہوتے ہوئے بھی نہیں جانتا؟ اُس شیخ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لوگوں سے الگ لے گیا اور بلند آواز سے روتے روتے کہا کہ اے معزز شخص آج کوئی عید نہیں ہے۔ اُن کا رونا اور ہنسنا دو لشکروں کی وجہ سے ہے۔ جن میں سے ایک کوفہ فتح حاصل ہوئی ہے۔ اور دوسرا قتل ہو گیا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون سے لشکر تھے؟ جواب دیا کہ حسینی لشکر قتل ہو گیا اور ابن زیاد ملعون کا لشکر کامیاب ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر بہت بے قراری سے رویا۔

(ب)۔ پھر سہل کہتا ہے کہ جیسے ہی اُس شیخ کی بات ختم ہوئی تو میں نے فوجی باجوں اور بگل کی آوازیں سُنیں اور ساتھ ہی فوج کے پھریں اور پرچم لہراتے ہوئے نظر آئے۔ لشکر کے داخل ہونے پر میں نے ایک زبردست فریاد سُنی اور ساتھ ہی امام حسین علیہ السلام کا نور برساتا ہوا سُر سامنے آ گیا۔ جسے دیکھتے ہی عبرت سے میری گھٹکی بندھ گئی آواز گلے میں پھنس کر رہ گئی۔ اسکے بعد رسول اللہ کے اہل حرم قید شدہ حالت میں سامنے آ گئے۔ اُنکے آگے آگے امام زین العابدین تھے اور اُن کے بعد حضرت ام کلثوم کی سواری تھی انکا برقعہ آگے جھکا ہوا تھا۔ اُنہوں نے ڈانٹ کر لکھا کہ اے اہل کوفہ اپنی آنکھیں جھکا لو۔ کیا تمہیں رسول اللہ کے حرم پر نظر ڈالتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ خصوصاً جب کہ وہ پورا لباس بھی پہنے ہوئے نہ ہوں۔ اس کے بعد یہ جلوس بنی خدیمہ کے دروازہ پر رک گیا۔ سر حسین ایک لمبے نیزہ پر بلند تھا۔ اور سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ جب تلاوت میں یہ آیت پڑھی کہ کیا اصحاب کہف اور اصحاب رقیم کا واقعہ پڑھ کر تمہیں تعجب ہوتا ہے؟ وہ تو ہمارے بہت سے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا (کہف 18/9)۔ سہل کہتا ہے کہ مجھ پر گریہ نے اس قدر ہجوم کیا کہ میں یہ کہتا ہوا بے ہوش ہو گیا اے فرزند رسول تمہارا یہ سُر آیت میں مذکورہ تمام معجزات سے بڑھ کر ہے۔ اس کے بعد مجھے جب ہی ہوش آیا جب سورہ کہف کی تلاوت ختم فرما چکے تھے۔

(7- الف)۔ غم حسین علیہ السلام میں جان لیوا ماتم مظلومہ کر بلا کی سنت ہے

ملت شیعہ کے وہ تمام اعمال و رواسم جو عزاداری امام حسین علیہ السلام کی نشر و اشاعت میں مُمد ہوئے یا آئندہ فروغ عزاداری کے لئے ضروری ہوں، کسی خارجی دلیل و ثبوت سے بے نیاز ہیں۔ ہم اس سلسلے میں کسی اعتراض کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور ہر خارجی و داخلی اور اپنے اور پرانے معترض کو بلا تکلف، بلا غور و فکر دشمنانِ اہلبیت میں شمار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ عزاداری کسی بھی موجود معترض کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔ وہ اپنے مذہب و مسلک پر عمل کریں ہمیں اُن کے ہر اس عمل و رسم پر کوئی اعتراض نہیں جو اُن کے مذہب کے اولین

اور معصوم راہنماؤں کی سنت ہو۔ اور اگر وہ کسی خطا کار گروہ کی خود ساختہ سنت پر عمل کریں تب بھی ہمیں اعتراض نہ ہوگا بشرطیکہ اُس سے دوسرے انسانوں کو نقصان نہ ہوتا ہو۔

مومنین یہ بھی یاد رکھیں کہ دشمنانِ عزاداری کی طرف سے رسومات و روایات عزاداری کے متعلق طرح طرح ثبوت مانگا جاتا رہا ہے۔ اور ایک ہزار سال سے برابر ثبوت دیا جاتا رہا ہے۔ مگر نہ انہوں نے عزاداری کو جائز سمجھا اور نہ آئندہ کسی ثبوت کے فراہم ہو جانے پر وہ عزاداری کرنے کو تیار ہوں گے۔ گویا یہ اُن کی ایک ترکیب ہے کہ ہماری قوت اور ہمارے وقت کو ثبوت فراہم کرنے میں الجھا کر عزاداری پر توجہ دینے سے روکتے اور ٹوکتے چلے جائیں۔ لہذا اُن سے کہہ دینا چاہئے کہ جناب آپ عزاداری کو بدعت سمجھیں یا حرام کہیں، ہم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہم آپ سے بات کر کے اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ لہذا آپ اپنی مخالفانہ اسکیم یک طرفہ جاری رکھیں۔ وہ ایک غلطی تھی کہ طرفداران عزاداری تمہیں مخاطب کر کے تم سے ہدایت پا جانے کی امید رکھتے اور محنت کرتے تھے۔ ہم تمہیں آزاد کرتے ہیں، چھٹی دیتے ہیں اور یہی وہ علاج و نسخہ ہے جو تمہیں مع تمہارے مرض نفاق کے ختم کر دے گا۔ رہ گئے عوام وہ تو محمد وآل محمد علیہم السلام پر اپنی جان و مال قربان کرنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ اور ہم عزاداری امام حسینؑ کے ذریعہ سے اُن ہی کو مخاطب کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جس مذہب میں خانوادہ رسولؐ کا قتل عام جائز ہو، اُسے اختیار کرنا یا اُن لوگوں کی طرفداری کرنا جو شیر خوار بچوں کو پیسا قتل کرنا جائز سمجھتے ہوں، ہمیں پسند نہیں ہے۔ یہی وہ تعارف ہے جس سے تمام باطل مذاہب سے اور تمام موقع پرست لیڈروں سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور لوگ دامنِ اہلبیتؑ سے جوق در جوق وابستہ ہوتے جاتے ہیں۔ اور معترضین ہمیں عزاداری سے روک کر اپنے باطل مذہب اور باطل راہنماؤں کے اعمال پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہم ساری دنیا کو بتاتے ہیں کہ اُن کے بزرگوں نے خانوادہ رسولؐ کو کس طرح تباہ کیا تھا۔ وہ کیسے مردود و ملعون اور قابلِ نفرت لوگ تھے کہ دنیا کے انسان ہی نہیں بلکہ شیطان و بے رحمی و بے غیرتی بھی اُن کے اعمال پر نفیر کرتے ہیں۔ آئیے کوفہ میں اسیرانِ اہلِ حرّم کی تشہیر کا ایک اور واقعہ سنیں:-

قال فی البحار ”رایت فی بعض الكتب المعتمدة“ روی مرسلًا عن مسلم الجصاص قال دعانی ابن زیاد لعنه الله لإصلاح دار الا مارة بالكوفة فبینما انا اُجصص الابواب واذا انا بالزَعَقَاتِ قَدَارْتَفَعَتْ مِنْ جَنَابَاتِ الْكُوفَةِ فَاقْبَلْتُ عَلٰی خَادِمٍ كَانَ مَعَنَا وَقُلْتُ مَا لِيْ اَرٰی الْكُوفَةَ تَضَجُّ ؟ قَالَ السَّاعَةُ اَتُوا بِرَاسِ خَارِجِيْ خَرَجَ عَلٰی يَزِيْدَ - فَقُلْتُ مَنْ هَذَا خَارِجِيْ؟ فَقَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فَتَرَكْتُ الْخَادِمَ حَتّٰی خَرَجْتُ وَلَطَمْتُ وَجْهِيْ حَتّٰی خَشِيتُ عَلٰی عَيْنِيْ اَنْ تَذْهَبَا وَغَسَلْتُ يَدِيْ مِنَ الْحَصِّ وَخَرَجْتُ مِنْ ظَهْرِ الْقَصْرِ وَآتَيْتُ اِلَى الْكَنَاسِ فَبَيْنَمَا اَنَا واقف والناس يتوقعون وصول السبايا والرؤس اذ قد اقبلت نحو اربعين شقة تحمل على اربعين جملاً فيها الحرم والنساء واولاد فاطمة واذا بعلي بن الحسين على بعير بغير وطاء واوداجه تستخب دماً وهو مع ذلك يبكي ويقول يا أمة السوء لاسقيا لربكم الى آخر ما ذكر - قال وصار اهل الكوفة يناولون الاطفال الذين على الحامل بعض التمر و الخبز والجوز فصاحت ام كلثوم وقالت يا اهل الكوفة ان الصدقة علينا حرام وصارت تاخذ من يدى الاطفال وافواهم ترمى به الى الارض - قال والناس يكون على ما صابهم - ثم ان ام كلثوم اطلعت رأسها من المحمل وقال لهم صة يا اهل الكوفة تقتلنا رجالكم وتبكيانا نسأؤكم فالحاكم بيننا وبينكم الله يرم فصل القضاء - فبينما هي تخاطبهن اذا الضجة قد ارتفعت واذا هم اتوا

بالرؤس یقعد مهم راس الحسینؑ وهو راس زهری قمری اشبه الخلق برسول الله ولحيته كسواد الشيخ قد اتصل بها الخضاب ووجهه دارة قمر طالع والريح تلعب بها يميناً وشمالاً۔ فالتفت زينبؑ فرأت راس اخيها فنطحت جبينها بمقدم المحمل حتى رأينا الدم يخرج من تحت قناعها واوميت اليه بحرقه وجعلت تقول:-

يا هلاً لا لما استتم كمالاً۔ عاله خسفه فابدى غروباً۔ ماتوهمت يا شقيق فوأدى۔ كان هذا مقدراً مكتوباً۔ يا أخى فاطمة الصغیره كلمها۔ فقد كاد قلبها أن يذوباً۔ يا أخى قلبك الشقيق علينا۔ ماله قد قسى وسار صليباً۔ يا أخى لو ترى علياً لدى الاسر؟ مع اليتيم لا يطيق وجوباً۔ كلماً او جعوا بالضرب ناداك۔ بذل فيض دمعاسكوباً۔ يا أخى ضمّه اليك وقربه۔ وسكن فواده المرعوباً۔ ما ذل اليتيم حين ينادى۔ بابيه ولا يراه مجيباً۔ (كسير العبادات۔ صفحہ 477-478)

علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب بحار الانوار میں لکھتے ہیں کہ ”میں نے بعض معتبر کتابوں میں بالواسطہ روایات دیکھی ہیں۔“ کہ مسلم نام کا ایک حنفی فقیہ جو مکانوں کی تعمیر و اصلاح اور سجاوٹ کا کام کرنے کی وجہ سے جصاص کہلاتا تھا۔ بیان کرتا ہے کہ ابن زیاد نے مجھے کوفہ کے دربار کو سجانے اور اصلاح کرنے کے لئے بلایا۔ میں دروازوں کی درستی میں مصروف تھا کہ کوفہ کے ایک گوشہ سے چیخیں اور شور و غل اور فریاد ہائے واویلا بلند ہوا۔ میں نے اپنے ایک مددگار خادم سے معلوم کیا کہ میں یہ کیساں رہا ہوں یہ کوفہ میں کیسی فریاد بلند ہے؟ اُس نے بتایا کہ ابھی ابھی ایک باغی کاسر لایا گیا ہے۔ جس نے یزید کی حکومت سے بغاوت کی تھی۔ میں نے معلوم کیا کہ وہ باغی کون تھا۔ اس نے کہا کہ حسین بن علیؑ۔ میں نے خادم کو وہیں چھوڑا اور اپنا منہ اس بے اختیاری سے پیٹتا ہوا چلا کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید میری دونوں آنکھیں جاتی رہی ہیں۔ بہر حال میں نے اپنے ہاتھوں سے پلاسٹر وغیرہ دھویا اور محل کی پشت سے نکل کر گرجوں کے پاس آیا۔ وہاں لوگ قیدیوں اور سروس کی آمد کی توقع لئے کھڑے تھے۔ میں جا کر کھڑا ہوا ہی تھا کہ چالیس بے پردہ کجاوے دکھائی دیئے جو چالیس اونٹوں پر بندھے ہوئے تھے اور ان میں اولاد فاطمہؑ اور حرم رسول علیہم السلام اور بچے اور دیگر عورتیں تھیں۔ اور ساتھ ہی علی بن حسینؑ زین العابدینؑ بے کجاوہ، بلا کسی سہارا لینے اور پکڑنے والی چیز کے ننگی پیٹھ کے اونٹ پر نظر آئے، طوق کی وجہ سے گردن سے خون جاری تھا۔ فرما رہے تھے کہ اے بدترین امت تجھے کبھی سیراب ہونا نصیب نہ ہو (وغیرہ جو کچھ لکھا گیا ہے)۔ اس کے بعد اہل کوفہ نے سوار یوں پر بیٹھے ہوئے بچوں تک پہنچنا شروع کیا اور انہیں کھجوریں، روٹیاں اور اخر وٹ وغیرہ دینا شروع کر دیئے۔ جناب ام کلثومؑ نے ڈانٹ کر کہا کہ اے کوفیو! ہم پر صدقہ کی چیزیں حرام ہیں۔ اور ساتھ ہی بچوں کے ہاتھوں اور منہ میں سے لے لے کر زمین پر پھینک دیا۔ جصاص نے کہا کہ لوگ پیش آمدہ مصیبت پر نالہ و زاری کر رہے تھے۔ ام کلثومؑ نے حمل سے باہر سر نکالا اور ڈانٹ کر کہا کہ خاموش ہو جاؤ۔ تمہارے مردوں نے ہمارا قتل عام کر دیا اور تمہاری مستورات ہم پر نالہ و زاری کرتی ہیں۔ ہمارا اور تمہارا فیصلہ اب اللہ ہی کرے گا۔ ادھر تو ام کلثومؑ عورتوں کو خطاب فرما رہی تھیں ادھر ایک زبردست کہرام برپا ہوا۔ ہوا یہ کہ سر ہائے شہداء آ گئے۔ جن کے آگے آگے امام حسینؑ کا سر مبارک زہرہ اور قمر کی صورت میں دمک رہا تھا۔ اور یعنہ رسول اللہ کے سر کی نمائندگی کر رہا تھا۔ ریش مبارک خضاب آلود اور ہوا سے لہرا رہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چاند بدلی سے نکل رہا ہو۔ یہ دردناک منظر جناب زینبؑ نے دیکھا تو آپ نے اپنی پیشانی کو حمل میں اس زور سے مارا کہ پیشانی شق ہو گئی اور خون بہتا ہوا آپ کی نقاب سے نیچے دکھائی دینے لگا۔ اور سر مبارک کی طرف اشارہ کرتی جاتی

تھیں اور فرما رہی تھیں کہ:-

- (1) اے میرے چاند درجہ کمال پر پہنچتے ہی تمہیں چاند گہن لگ گیا اور تم غروب ہو گئے۔
- (2) اے میرے جگر پارے میں تو وہم بھی نہ رکھتی تھی کہ میرے مقدر میں یہ سب کچھ لکھا ہے۔
- (3) اے بھیا یہ سیکنڈ ہے اس ننھی سی فاطمہ سے بات کرلو۔ بھیا قریب ہے کہ اُس کا دل صدمہ سے بکھر جائے۔
- (4) اے بھیا تمہیں کیا ہو گیا تم تو ہم پر بڑے مہربان تھے۔ یہ کیا بات ہے کہ تم نے اپنا دل اتنا سخت کر لیا ہے؟
- (5) اے بھائی کیا تم نے عابد بیمار کو اس قید و بند میں نہیں دیکھا ہے؟ اسے یتیمی اور بے کسی کے ساتھ ساتھ بار بار اونٹ سے گرنے اور اٹھنے کی طاقت نہیں ہے۔
- (6) پھر یہ بھی تو دیکھو کہ جب اُسے ضربیں لگائی جاتی ہیں تو وہ درد سے تڑپ کر آپ کو پکارتا ہے۔ بہتے ہوئے آنسوؤں سے ناتوانی میں آپ کو یاد کرتا ہے۔
- (7) اے بھیا قربان جاؤں ذرا سا قریب ہو کر عابد کو سینہ سے لگا لو تاکہ اُس کے دل کو آپ تسکین دے کر اس کے خوف کو دور کر سکو۔
- (8) بھلا کسی یتیم کے لئے اس سے بڑی مصیبت اور دل شکنی اور کیا ہوگی کہ وہ دکھیا اپنے باپ کو آوازیں دے اور اسے باپ کی طرف سے جواب بھی نہ ملے۔

(ب)۔ سابقہ کتابوں میں ثبوت دینا اگر مقبول ہے تو آئندہ منہ بند رکھیں

ہمارے نام نہاد مجتہدین اور مخالفین قرآن کریم اور کتب حدیث کے بیانات کو جس اصول سے مستند سمجھتے ہیں۔ اُسی اصول سے ہمارے بیانات کو مستند اور صحیح سمجھنا اُن پر لازم ہے۔ مثلاً قرآن کریم نے فرمایا کہ:-

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِيْ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْ مِنَ التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلِ یَّآئِیْ مِنْ بَعْدِیْ اَسْمُهُ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَیِّنَاتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ (الصف 61/6)

”اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے اسرائیل کی اولاد میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اور جو کچھ تورات میں سے میرے سامنے ہے اُسکی تصدیق کرتا ہوں۔ اور ایک ایسے رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آنے والا ہے۔ اور جس کا نام احمد ہوگا۔

چنانچہ جب بنی اسرائیل کے پاس حضرت محمد بنام احمد آئے تو انہوں نے کہہ دیا یہ تو ایک کھلا ہوا ثابت شدہ جادو ہے۔“

سوال یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس آیت کے بیان کو صحیح سمجھا اور اُس پر ایمان لائے۔ حالانکہ جو انجیل موجود چلی آرہی ہے اُس میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ بیان نہ آج ہے نہ عہد رسولؐ میں موجود تھا۔ مگر قرآن میں حوالہ موجود تھا۔ اسلئے مان لیا گیا اور یہ ضد نہیں کی گئی کہ ہمیں انجیل میں دکھاؤ تب قرآن کے اس حوالہ یا اقتباس کو مانیں گے۔ مگر عیسائیوں نے انکار کیا اور کہا کہ یہ بیان اس لئے غلط ہے کہ انجیل میں نہیں۔ مسلمانوں نے کہا کہ تم نے یا تمہارے بزرگوں نے انجیل کی عبارتوں کو تبدیل کر دیا ہے۔ اصلی انجیل میں یہ بیان ضرور موجود ہوگا۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ: محمدؐ اللہ کا رسولؐ ہے۔ اور جو لوگ اُسکے ساتھ ہیں وہ آپس میں بڑے مہربان ہیں اور کفار پر بہت ہی سخت ہیں۔ تم اے رسولؐ جب بھی انہیں دیکھتے ہو یا دیکھو گے تو انہیں اللہ کی رضا مندیاں اور فضل حاصل کرنے کیلئے رکوع اور سجود میں پاؤ گے۔ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ۔ اُنکی مثال توریت اور انجیل دونوں میں ہے (الفخ 48/29)۔ اسی قسم کے سینکڑوں بیانات قرآن میں موجود ہیں اور علمائے اسلام نے توریت و انجیل و زبور میں موجود نہ ہوتے ہوئے بھی قرآن کے بیان کو مستند سمجھا ہے۔

دوسرا پہلو۔ اُدھر صحاح ستہ اور ادھر کتب اربعہ کو اعتبار کا آخری درجہ حاصل ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا صحاح ستہ کے مرتب کرنے والوں اور کتب اربعہ جمع کرنے والوں سے تمام راویوں کی ذاتی ملاقات ہوئی تھی؟ تمام اہلسنت اور شیعہ علما کا اتفاق ہے کہ اُن لوگوں سے ہرگز تمام راویوں کی ملاقات نہیں ہوئی۔ پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ جن کتابوں سے انہوں نے اپنی کتابوں میں حدیث نقل کی ہیں کیا اُن کتابوں کے تمام مصنفین سے اُن کی ملاقات ہوئی تھی؟ اس کا جواب بھی نفی میں ہے۔ پھر یہ سوچیں کہ مذکورہ حدیث کے ذخیرہ کی دس کتابوں میں اُن کے مؤلفین نے کہیں کسی سابقہ یا اپنے زمانہ کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ لیکن شیعہ اور سُنی دونوں قسم کے علما اُن کتابوں کو اور اُن کے مصنفین کے بیانات و تحریرات کو مستند سمجھتے ہیں۔

تیسرا پہلو یہ ہے کہ تمام قدیم کتابوں میں سند بیان کرنے یا حوالہ دینے کی مثالیں اسی وزن کی ہوتی تھیں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا روایت میں علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب بحار الانوار میں لکھا ہے کہ: ”رَأَيْتُ فِي بَعْضِ الْكُتُبِ الْمَعْتَبَرَةِ“

”میں نے بعض معتبر کتابوں میں دیکھا ہے“۔ سوچئے کہ تمام شیعہ علما محمد باقر مجلسی سے یہ نہیں پوچھتے کہ جناب وہ معتبر کتابیں کون سی تھیں؟ اور اُن کا اعتبار کس بنیاد پر کیا گیا ہے؟ اور جناب نے اُن کے نام تک بتانے کی تکلیف کیوں گوارا نہ کی؟ کہ اگر ہم آج اُن ہی کتابوں سے حوالہ دیں تو عزاداری کے یہ منکر شیعہ علما انکار نہ کریں۔ بہر حال ہمیں یہ قرآن اور حدیث اور محمد باقر مجلسی کی مثالیں لکھ کر عزاداران حسین علیہ السلام کو یہ بتانا ہے کہ آپ اُن منافقین کے سوالات اور اعتراضات کے جواب میں یہ فرما دیا کریں کہ تم اپنی راہ لو، نو دو گیارہ ہو جاؤ۔ ہم عزاداری میں جو کچھ کرتے ہیں وہ سب محمدؐ و آل محمدؐ کی سنت ہے۔ جس پر دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ بھی گواہ ہیں۔ مگر تم ایسے دوستدارانِ اہلبیتؑ ہو کہ تم سے کفار و یہود و عیسائی و مجوسی و ہندو اور بے دین لوگ بھی بہتر ہیں۔ ہم اپنا سر پھوڑتے ہیں، سینوں پر زنجیریں، چھریاں اور تلواریں مارتے ہیں۔ یہ سنت صدیقہ صغریٰ جناب زینب علیہا السلام ہے اور تمام صحابہ حسینؑ اور تمام شیعیان ماسبق کی سنت ہے۔ سُو دشمنِ شبیرؑ سے ہندو ہر حال میں بہتر ہے۔ خدا تم پر لعنت کرتا رہے۔ بلاشبہ تم قاتلانِ حسینؑ کی نسل سے ہو۔ یقیناً تم وہی لوگ ہو جن کو نیک اہلسنت بھی دشمنانِ اہلبیتؑ کہتے ہیں۔ تم ہی وہ لوگ ہو جن کی موجودگی نے حقیقی شیعوں کو بھی طعن و طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ تم نے ہی یزیدی حکومت اور اس کی جانشین حکومتوں کی پالیسی پر عمل کیا۔ اور بلاسند و بلاثبوت اور بلا دلیل بہت سے فضائل و مصائب محمدؐ و آل محمدؐ کا انکار کیا ہے۔ تم ہی ایک سانس میں عزاداری کی روایات کو غلط قرار دیتے ہو۔ وہ ملائین تم ہی ہو جنہوں نے یہود و نصاریٰ کے مجتہدین کی حرفِ بحر، لفظ بلفظ اور قدم بقدم پیروی کی۔ جس طرح انہوں نے توریت و انجیل سے وہ ثبوت و سند نکال دی جو قرآن نے پیش کی تھی۔ تم نے قرآن کے معنی تبدیل کئے یعنی ایک ایک لفظ کے سینکڑوں معنی مشہور کئے اور پھر جن معنی کا چاہا انکار کر دیا۔ اس ایک قرآن کے اتنے ہی

قرآن بنائے جتنے تم نے فرقے بنائے تھے۔ تمہارے ہی گروہ کے لوگ نبوت کو جاری مانتے ہیں۔ تم ہی عذاب جہنم کو عارضی مانتے ہو۔ پھر تم نے پچھلی صدی کی کتابوں کی عبارتوں کو تبدیل کیا۔ تم ہی نے بحار الانوار اور سینکڑوں شیعہ علما کی کتابوں میں تبدیلیاں کر کے شائع کر لیا۔ تم ہی نے معتبر کتابوں کو ضائع کیا۔ تم ہی معتبر کتابوں کو شائع ہونے سے روکتے ہو۔ تم ہی مناظرہ بازی کر کے مسلمانوں کو لڑاتے ہو۔ تم ہی شیعوں سے اہلسنت کو متنفر کرتے رہے ہو۔ تم ہی تو ہو جو جناب قاسم بن الحسنؑ کی شادی کا انکار کرتے ہو۔ سنو ہم تمہیں تمہارے ایک منکر و منافق بزرگ کا بیان دکھاتے ہیں۔ مگر تمہیں اُس کا نام نہیں بتائیں گے۔ تاکہ تمہارا دل بے چین رہے۔ اور تمہیں تلاش میں سرگرداں رہنا پڑے اور جب بھی ملے تو تمہیں ندامت و خجالت و رسوائی کا سامنا ہو۔ مگر ہمارے پاس وہ کتاب موجود ہے، شائع ہوتی ہے اور ملنے کا پتہ بھی ہزار ہا انسانوں کو معلوم ہے۔ اور وہ کتابیں بھی دنیا میں موجود و معلوم ہیں جن کا اُس مجتہد نے حوالہ دیا ہے۔ مومنین سُنیں اور منافقین و معترضین کو سنا کر جلائیں۔ کتاب فارسی میں ہے۔ لہذا فارسی عبارت اور ہمارا ترجمہ پیش خدمت ہے:-

(ج)۔ حضرت قاسمؑ کی عروسی کے منکرین و منافقین کی زبانی ثبوت

مسئلہ پنجاہ و دویم۔ دامادی حضرت قاسم سلام اللہ علیہ در کتب معتبرہ بنظر انور عالی رسیدہ و خبری در خصوص آن حکایت از آئمہ ہدی (س) وارد شدہ یا نہ؟ (صفحہ 348)

سوال نمبر 52۔ حضرت قاسم سلام اللہ علیہ کی دامادی کے متعلق جناب عالی کی نورانی نظر میں معتبر کتابوں سے کیا ثابت ہوتا ہے اور خاص طور پر آئمہ ہدی صلوٰۃ اللہ علیہم کی زبانی کوئی حدیث موجود ہے یا نہیں؟

1۔ جواب عرض میکنم سوای حکایتی کہ شیخ فخر الدین الطریح النجفی رحمہ اللہ در ”منتخب“ در مجلس سابع عشر در لیلة التاسع از عشر محرم نقل کردہ است۔ دیگر روایتی ندیدہ ایم۔ بعض محدثین اصحاب مثل سید ہاشم بحرانی در ”مدینۃ المعاجز“ و بعض دیگر در کتب مقاتل کہ نقل نمودہ اند از منتخب طریحی نقل کردہ اند۔ و سوای آن بنظر نہ رسیدہ است و نسبت باہل بیت نمی دہد۔

”جواب عرض کیا جاتا ہے کہ میں نے شیخ فخر الدین طریح (العالم المحدث الفقیہ الشیخ فخر الدین طریحی مصنف لغت مجمع البحرین، احسن) نجفی کی کتاب منتخب کی سترہویں مجلس میں یہ روایت دیکھی ہے۔ جسے انہوں نے نویں محرم کے سلسلے کے سامنے نقل کیا ہے۔ اُس روایت کے علاوہ ہم نے کوئی اور روایت نہیں دیکھی ہے۔ اور بعض محدثین حضرات نے مثلاً سید ہاشم بحرانی محدث نے اپنی کتاب ”مدینۃ المعاجز“ میں اور دوسرے محدثین نے واقعہ کر بلا کی کتابوں میں علامہ مذکور فخر الدین طریحی کی کتاب ”منتخب“ ہی سے نقل کر لیا ہے۔ لہذا اُس روایت کے علاوہ میری نظر سے کوئی اور نہیں گزری۔ اور اس روایت کو بھی وہ اہلبیت سے نسبت نہیں دیتے ہیں۔

2۔ اما در نسخ التواریخ باتتبع تائی کہ داشتہ است در تعداد اولاد حضرت امام حسن علیہ السلام کہ در کر بلا بودند مینویسد۔ اما حسن بن حسن کہ اور احسن مثنی گویند در خاطر داشت کہ دختر امام حسین علیہ السلام در حبالہ نکاح در آورد۔ چون این خبر را بعرض حسین علیہ السلام رسانیدند اورا حاضر ساخت و فرمود ایک فاطمہ و سیکندر دختران متند ہریک را خواستار باشی با تو کا بین خواہم بست؟ حسن شرمناک سرفرو داشت و سخن نہ کرد۔ حسین فرمود سن دختر خود فاطمہ را کہ با مادر من شبیہ تر است با تو کا بین خواہم بستم۔ ابونصر بخاری گوید فاطمہ (معاذ اللہ و لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔ احسن) از حسن

سہ پسر آوردنِ عین عبد اللہ کہ اور عبد اللہ محض گویند دویم ابراہیم و اور ابراہیم غمر گویند سیم حسن و اور احسن مثلث گویند۔ تا آنکہ میگوید و از این حدیث مکتشف افتاد کہ حدیث دامادی قاسم بن حسن در کربلا و تزویج کردن حسین علیہ السلام فاطمہ را با اواز کا ذیب روایت است و حسین علیہ السلام را دو دختر افزود نہ بود یکی فاطمہ زوجہ حسن مثنی و آن دیگر سکیہ بود۔ بعضی گویند اور دختر تری دیگر بود کہ زینب نام داشت۔ و اگر باخبارنا استوار متوسل شوند کہ اورا فاطمہ دیگر دو ماہ پندیریم خواہیم گفت کہ او فاطمہ صغری است کہ در مدینہ جای داشت۔ اور انتواں با قاسم بن حسن بست۔

البتہ نسخ التوارخ میں بڑی چھان بین کے بعد امام حسن علیہ السلام کی اُس اولاد کا ذکر کیا گیا ہے جو کربلا میں موجود تھی۔ اس سلسلے میں وہاں لکھا ہے کہ ”حسن بن حسن علیہ السلام جن کو حسن مثنی (حسن کی کاپی) بھی کہا جاتا ہے۔ اُسکے دل میں تھا کہ وہ امام حسین علیہ السلام کی بیٹی کو اپنے عقد میں لائے۔ جب یہ خبر امام حسینؑ کو دی گئی تو آپ نے اُسے بلایا اور کہا کہ میری یہ دو بیٹیاں فاطمہ اور سکیہ ہیں ان میں سے جسکو تم مانگو میں تم سے نکاح کر دوں؟ وہ بہت شرمندہ ہوا کوئی جواب نہ دیا اور سر جھکا لیا۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ میں اپنی بیٹی فاطمہ کو جو میری والدہ سے بہت مشابہ ہے (معاذ اللہ) تیرے نکاح میں دیتا ہوں۔ ابو نصر بخاری (خارجی) کہتا ہے کہ فاطمہ کے یہاں سے حسن مثنی سے تین بیٹے پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک عبد اللہ تھا جسے عبد اللہ محض کہا گیا ہے۔ دوسرا ابراہیم تھا جسے ابراہیم غمر کہا گیا ہے۔ تیسرا بھی حسن تھا جسے حسن مثلث (تکونا) کہا گیا ہے۔ تا آنکہ میگوید اور اس حدیث سے انکشاف ہوتا ہے کہ دامادی قاسم کا قصہ کربلا میں امام حسین نے فاطمہ کبریٰ سے اُنکا نکاح کیا تھا۔ یہ روایت راویوں کے جھوٹ کی دلیل ہے اور امام حسین علیہ السلام کے یہاں صرف دو ہی بیٹیاں تھیں۔ اُن میں سے ایک فاطمہ تھیں جو حسن مثنی کی زوجہ تھیں اور دوسری بیٹی سکیہ تھیں۔ بعض علما نے لکھا ہے کہ امام حسینؑ کی ایک اور بیٹی زینب نام کی بھی تھی۔ اگر ہم کمزور قسم کی احادیث کو اختیار کر لیں اور مان لیں کہ امام حسین علیہ السلام کی تیسری بیٹی بھی تھی تو ہم تو یہ کہیں گے کہ وہ تیسری بیٹی وہ فاطمہ صغری ہونا چاہئیں۔ جن کو مدینہ میں چھوڑا گیا تھا۔ مگر اُنکی شادی حضرت قاسم سے نہیں کی جاسکتی تھی۔

3- عرض میکنم در ”بحار“ روایت نموده است۔ روى ان الحسن بن حسن خطب الى عمه الحسين احدى ابنتيه فقال له الحسين (ع) اختر يائسني اجهما اليك فاستحبي الحسن ولم يحرجوا فقال له الحسين فاني قد اخترت لك ابنتي فاطمة فهي اكثر شبيها لفاطمة امي بنت رسول الله وقبض الحسن بن الحسن مجتبیٰ وله خمس وثلاثون سنة واخوه زيد بن الحسن حي۔ فلما مات الحسن بن الحسن ضربت زوجته فاطمة بنت الحسين بن علي (ع) على قبره فسطاطا وكانت تقوم الليل وتصوم النهار وكانت تشبه بالحرور لعين لجمالها۔ فلما كانت راس السنة قالت لموا اليها اذا اظلم الليل فقوضوا هذا الفسطاط۔ فلما اظلم الليل سمعت قائلاً يقول ”هل وجد واما فقد و؟“ فاجابه آخر يقولوا۔ ”بل ينسوا فانقلبوا“

میرا کہنا یہ ہے کہ بحار الانوار میں علامہ محمد باقر مجلسی نے روایت لکھی ہے کہ حسن بن حسن علیہ السلام نے اپنے چچا امام حسینؑ سے اُن کی ایک بیٹی سے شادی کرنے کی درخواست کی تو امام حسین علیہ السلام نے حسن مثنی سے کہا کہ اُن دونوں میں سے جو تمہیں زیادہ پسند ہو اُسے اختیار کر لو۔ مگر حسن مثنی نے شرم کی وجہ سے کوئی جواب نہ دیا۔ تب امام حسینؑ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے اپنی بیٹی فاطمہ کو تجویز کرتا ہوں اس لئے کہ وہ میری والدہ فاطمہ سے بہت مشابہ ہے۔ حسن مثنی نے اُن کو نکاح میں لے لیا۔ اور اُس وقت حسن مثنی کی عمر پینتیس

(35) سال کی تھی۔ اور ان کا بھائی زید بن امام حسن اس وقت زندہ تھا۔ پھر حسن شنی نے اپنے بھائی کو وصیت کی تھی۔ جب حسن شنی مر گیا تو اُس کی زوجہ فاطمہ بنت حسین بن علی نے حسن شنی کی قبر پر خیمہ اور قاتیں لگا کر وہیں رہنا اور راتوں کو عبادت کرنا اور دن بھر روزہ سے رہنا شروع کیا اور وہ اپنی خوبصورتی میں حوران جنتی کی مانند تھیں۔ جب اسی حالت میں ایک سال پورا ہو گیا تو فاطمہ نے اپنے خادموں سے کہا کہ جب رات کا اندھیرا چھا جائے تو تم لوگ خیمہ اور قاتیں اکھاڑ لینا۔ چنانچہ جب رات چھا گئی اور خوب اندھیرا ہو گیا تو فاطمہ نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ:-

”کیا انہوں نے وہ چیز حاصل کر لی جو ان کے ہاتھ سے جاتی رہی تھی؟“ دوسرے نے جواب دیا کہ:-

”نہیں نہیں بلکہ وہ مایوسی کے عالم میں ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے۔“

4- ودر تعداد بنات امام حسین علیہ السلام در بحار چند روایات ذکر میکند کہ دو دختر داشتند سکینہ و فاطمہ۔ ودر بعض روایات دختری مسماة زینب۔ وروایتی از کمال الدین بن طلحہ در ”کشف“ نقل میکند کہ وہ اولاد داشتند۔ شش پسر و چہار دختر۔ اما تعداد اسماء بنات را سہ اسم بیش نمی کند۔ زینب و سکینہ و فاطمہ۔ و میگوید این قول مشہور است و بعضی دو دختر حکایت کرده اند۔

کتاب بحار الانوار میں امام حسین علیہ السلام کی اولاد کی تعداد کے متعلق کئی روایات موجود ہیں۔ کسی میں دو بیٹیاں سکینہ اور فاطمہ بتائی ہیں۔ بعض روایات میں ایک بیٹی زینب نامی بھی بتائی ہے۔ اور علامہ کمال الدین بن طلحہ نے اپنی کتاب ”کشف“ میں ایک روایت لکھی ہے۔ جس میں امام حسین علیہ السلام کی دس (10) اولادیں تھیں۔ جن میں چھ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ مگر لڑکیوں کے نام گناتے ہوئے صرف تین نام زینب، سکینہ اور فاطمہ بتائے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ روایت ہی مشہور روایت ہے۔ اور بعض نے دو بیٹیوں کی کہانی کہی ہے۔

5- عرض میکنم یا این است کہ در حکایت کشف یک اسم سقط شدہ و یا آنکہ تدفیع دارد۔ و علی ای حال حقیقت امر درست معلوم نیست و خدا نا است۔ میں عرض کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا ناموں کی تعداد میں یا تو چوتھی بیٹی کا نام لکھنے سے رہ گیا یا لکھنا نہیں چاہا ہے۔ (اور احسن کہتا ہے کہ یا بعد کے بد معاشوں نے نام غائب کیا ہے) بات یہ ہے کہ صحیح حقیقت خدا ہی جانتا ہے۔ ان لوگوں کو معلوم نہ تھی۔

6- وروایت ”منتخب“ کہ معروف است آنطور دلالت میکند چیزی کہ تائید صحت آنرا میکند فقرہ ”وحي کودک“ است کہ از کتب عہد عتیق است و در میان یہود و نصاری معتبر است و خبر از رسالت خاتم (ص) و شہادت سید الشہد (ع) نیز و شہادت اصحاب و یاران آنحضرت و عروسی کہ آنروز واقع میشود و مبدل شدن آن بجز امید و قرینہ صدقی است کہ تائید میکند صحت نوع حکایت را۔ ولی در اخبار ماثورہ خود مان کہ روایت از معصومین (ع) باشد ذکر آن را ندیدہ ایم۔“ (از صفحہ 348 تا 351)

علامہ فخر الدین طریحی کی کتاب ”منتخب“ کی روایت جو ملت شیعہ میں مشہور و معروف ہے وہ مندرجہ بالا دس اولادوں والی روایت کے طریقہ پر ہے۔ اور جو چیز اس روایت کی صحت پر دلیل بنتی ہے۔ وہ اس روایت کا ایک فقرہ ہے یعنی ”وحي کودک“ یہ فقرہ عہد عتیق (آنحضرت سے قبل) کی کتابوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور یہودی اور عیسائی علما و عوام میں مشہور و مستند ہے۔ اور اس روایت میں

خاتم الانبیاء کی نبوت و رسالت اور سید الشہداء کی شہادت اور امام حسینؑ کے دوستوں اور صحابہ کی شہادت کی پیشینگوئی ہے اور ساتھ ہی اس عروسی کی تفصیل ہے جو ہجوم رنج و غم اور عزاداری میں تبدیل ہو جانے والی تھی۔ اور اس روایت کی صحت پر یہ پیشین گوئی قرینہ صدق ہے۔ مگر ہمارے یہاں آئمہ معصومین علیہم السلام کی زبانی جو احادیث موجود ہیں اُن میں میں نے نہیں دیکھا ہے۔“ آگے بڑھنے سے پہلے یہ بھی سُن لیں:-

7- موافق استنباط بعض از محدثین زینبؑ و ام کلثومؑ را یکی میثمر دند و اختلاف روایات دریں مقام بسیار است۔ (آخری رسالہ صفحہ 18)

بعض محدثین کی تحقیق میں زینبؑ اور ام کلثومؑ کو ایک ہی ہستی شمار کیا گیا ہے۔ اس مقام میں روایات بہت مختلف ہیں۔“

(د)۔ دروغ بافوں کو گھر تک پہنچا کر چھوڑنا چاہئے۔ روایت پر تنقید

مومنین کے لئے اس پورے اور طویل بیان میں بھی ثابت ہے کہ میدان کربلا میں امام حسین علیہ السلام نے حضرت قاسم اور حضرت فاطمہ علیہما السلام کی شادی کی تھی اور یہ کہ یہ سب کچھ روز ازل سے تمام انبیاء کی زبانی بطور پیشین گوئی روایت ہوتا چلا آ رہا تھا۔ مگر ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے آبا و اجداد اور اُن کے آبا و اجداد مسلسل تیرہ سو سال سے رسومات عزاداری میں اس عروسی کو مانتے اور مناتے چلے آ رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں کسی روایت اور عالم کے بیان اور تصدیق کی ہرگز احتیاج نہیں ہے۔ یہ ملت شیعہ کی وہ سنت ہے جو آئمہ علیہم السلام کے زمانہ سے جاری چلی آ رہی ہے۔ رہ گئی کتابیں اور کتابوں کے لکھنے والے علما اور اُن کی سمجھ اور اُن کے فیصلے اور اُن کا انکار اور اُن کا اقرار؟ اس کے متعلق بہت کچھ کہنا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ وہ عملی سنت جو آئمہ علیہم السلام کے زمانہ سے اجتماعی طور پر چلی آ رہی ہے وہ مسلسل اور غیر منقطع ہے۔ یعنی ملت شیعہ کسی ایک لمحہ کے لئے بھی دنیا سے غائب نہیں ہوئی۔ ہر وقت ماضی و مستقبل ہم آہنگ رہتے چلے آئے۔ یعنی جو شیعیان اہلبیتؑ امام زین العابدین کے عہد میں موجود تھے، اُن میں سے چند حضرات مر گئے اور چند بچوں کا اضافہ ہوا تو امام محمد باقر علیہ السلام کا زمانہ آ گیا۔ خود امام محمد باقر بھی امام زین العابدین کے زمانہ کے فرد تھے۔ اُن کے عہد میں کثرت اُن شیعوں کی تھی جو سابقہ امام کے زمانہ کے لوگ تھے۔ پھر چند شیعہ مر گئے چند بچے اور پیدا ہو گئے یہاں تک کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ آ گیا۔ اور امام جعفر صادق بھی امام محمد باقر کے زمانہ کے فرد تھے۔ اسی طرح ہر امام کے عہد میں سابقہ زمانوں کے حالات و رسوم و احکامات جاننے والی ملت شیعہ مسلسل موجود رہتی چلی آئی اور آج تک موجود ہے۔ یعنی اس ملت کے دماغوں میں، اُس کی زبانوں پر، اُس کے اعمال میں، اُن کے رسام و عبادات میں وہ سب کچھ موجود ہے جو آئمہ معصومین علیہم السلام کے اعمال و اقوال و افکار سے برآ مد ہوا تھا۔ لہذا ہمیں ان کتابوں کی ضرورت بھی ہے اور ان کا ہونا ہمارے لئے مفید بھی ہے۔ لیکن ہمارا اور ہمارے مذہب کا اور ہماری رسام و عبادات کا وجود ان کتابوں کا محتاج نہیں ہے۔ وہ ہماری زیبائش اور تفصیلات اور تحقیقات کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ لیکن ہمیں وجود عطا نہیں کرتیں۔ وہ اگر ہماری ملت کی سنت جاریہ کے خلاف کچھ کہیں تو وہ کچھ ٹھکرا دیا جائے گا۔ وہ ہماری تصدیق میں مدد دیں، ہمارے کردار کو بلند کریں، ہمیں قوت و ہمت و علوم عطا کریں تو وہ ہماری ہیں۔ اور جو بات ہماری ملت کی تکذیب کرے وہ دشمنوں کی ہے۔ ہم اور ہماری اسی سنت کے لئے فرمایا گیا تھا کہ:

لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الْبَاطِلِ - میری امت باطل پر مجتمع اور متفق نہ ہوگی۔ یہ اُس گروہ کا ذکر ہے جسے معصوم نے تیار کیا ہوا اور جو معصومین کے اعمال و افکار و عادات کو سینہ بسینہ اور قدم بقدم عملاً لے کر چلتا ہوا حوض کوثر تک پہنچے۔ ہم یہ تو مان سکتے ہیں کہ ایسے زمانے، ایسے سال اور ایسے مہینے اور ایسے ہفتے اور ایسے دن اور ایسی گھڑیاں آئی ہیں کہ کسی قوم میں یا شیعوں میں ایک بھی عالم یا فقیہ یا محدث موجود نہ ہو۔ لیکن ہم یہ نہیں مانتے کہ کوئی ایسا لمحہ گزرا ہے کہ حجت خداوندی موجود نہ رہی ہو۔ یا مذکورہ بالا سنت جاریہ اور ملت شیعہ اس تیرہ سو چھتیس (1336) سال میں یا تیرہ سو ستاونویں (1397) سال میں موجود نہ رہی ہو۔

دوسری بات علما کے متعلق ہے۔ اور علما کا مسلمہ یہ ہے کہ حقیقی علما صرف آئمہ معصومین اور محمد صلوٰۃ اللہ علیہم تھے (حدیث)۔ اور علما نے یہ بھی مانا ہے کہ یہ علما تمام خاطی ہیں۔ اُن سب سے خطا نہ صرف ممکن تھی بلکہ اُن کی خطاؤں کا انبار کتاب الخلاف اور کتاب المختلف میں دیکھا جاسکتا ہے۔ نبخ البلاغہ اُن کی نقاب کشائی کے لئے ایک زبردست معصوم ریکارڈ ہے۔ اُن کے اپنے اقوال اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ پھر اُن علما کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اُن ہی میں مخلوط اور ملے جلے وہ علما ہیں جنہیں علمائے سوء یعنی نانبجا رو بدکردار علما۔ اور اُن ہی میں کچھ اچھے علما بھی ہیں۔ اور اگر ہم نبخ البلاغہ کے معیار پر جانچیں تو بہت سے مشہور و موجود عمامہ پوش و عبا قبا بردوش شیوخ و مرجع خلائق قسم کے لوگوں کی کثرت علمائے سوء کے دائرے میں ملے گی۔

یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اُمت میں بد عملی اور بے دینی جب بھی شروع ہوگی وہ اس لئے ہوگی کہ اس سے پہلے علما اور امرا بد عملی اور بے دینی میں مبتلا ہو چکے ہوں گے (حدیث)۔ یعنی گمراہی کی طرف علما کا جانا پہلے ہے۔ اور اُمت کا نمبر بعد میں ہے۔ لہذا جو علما ہر زمانہ میں بادشاہوں، حکمرانوں کے تنخواہ دار و وظیفہ خوار رہے ہیں۔ اور جاگیروں اور کروڑوں روپے کی ملکیت رکھتے تھے وہ سب علمائے سوء میں داخل ہیں۔ اُن کی تصنیفات اور تحریروں میں سے ہر وہ بات نفی کر دی جائے گی جو حکمرانوں کی پالیسی کی تائید اور معصومین اور ملت شیعہ کی مخالفت کرے۔

پھر اُن علما میں وہ لوگ بھی ہیں جو یہ مانتے ہیں کہ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہؓ علیؓ کی شادی خلیفہ دوم کے ساتھ ہوئی تھی۔ وہ علما اور کتابیں بھی ہیں جن میں رسول اللہ کی چار بیٹیاں حضرت خدیجہ سے تسلیم کی گئیں اور اُن کا کافروں اور منافقوں سے نکاح ہونا مانا گیا ہے۔ ہم ایسے علما کو دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ سمجھتے ہیں اور اُن کی بات بلا تنقید و تحقیق نہیں مانتے۔

پھر علما، اہلبیت کے خلاف سازشوں میں شریک رہے ہیں۔ اور انہوں نے خطا کار ہوتے ہوئے اپنی پیروی و اطاعت کو واجب قرار دیا ہے جو احکام خدا اور فرامین معصومین کے خلاف ہے۔ لہذا علما کا وزن اُسی وقت بنتا ہے، اُن کی قدر و قیمت اُسی حالت میں ثابت ہوتی ہے جب کہ اُن پر کوئی ایسا الزام قائم نہ ہوتا ہو جو آئمہ علیہم السلام نے عائد کیا ہو۔ اور اُن کے احکام اور فیصلے اور فتاویٰ قرآن کریم اور احادیث معصومین کے الفاظ میں ہوں۔ ذاتی رائے اور خطا کارانہ بصیرت کو دخل نہ دیا گیا ہو۔ ورنہ ہم ایسے علما کی قیمت لگانا اور قدر کرنا تو بڑی بات ہے ہم تو اُن تمام لوگوں کو ملعون و مردود سمجھتے ہیں جو دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ کی پیروی میں فتویٰ دیتے ہوں۔

مندرجہ بالا فارسی زبان کے بیان میں یہ جو کہا گیا ہے کہ انہیں حدیث کی کتابوں میں کوئی حدیث ایسی نہیں ملی جس میں حضرت

قاسم و حضرت فاطمہ کبریٰ علیہما السلام کی عروسی کا تذکرہ ہو۔ یہ جواب جب کسی عالم کی طرف سے دیا جاتا ہے تو مومنین یہ سمجھ لیتے ہیں کہ واقعی ایسی کوئی حدیث موجود نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اُس عالم نے حدیث کی تمام کتابوں کو پڑھا ہے؟ اور کیا تمام حدیث کی کتابیں علما کے پاس موجود ہیں؟ پہلے سوال کے متعلق سنئے کہ آج یا کل یعنی اِس زمانہ میں اور کسی سابقہ زمانہ میں کسی عالم نے حدیث کی تمام کتابیں ہرگز نہ پڑھی ہیں نہ پڑھی تھیں، نہ پڑھی جاسکتی تھیں۔ یعنی یہ بات ناممکن تھی اور ناممکن رہتی چلی آئی ہے۔ اسلئے کہ چوتھی صدی شروع ہونے کے بعد صرف علم الحدیث کی چار سو کتابیں ضائع کر دی گئی تھیں۔ جن کو اربعہ مائۃ (400) کہا گیا ہے۔ اور سنی و شیعہ دونوں کے ریکارڈ میں اُن کا موجود ہونا اور آئمہ معصومین علیہم السلام کا مصدقہ ہونا ثابت ہے۔ لہذا چوتھی صدی کے اور اُسکے بعد کے علما کا اُن ضائع شدہ کتب حدیث کو پڑھنا ناممکن تھا اور ہے۔ اب یہ سوچئے کہ جب چار سو حدیث کی کتابیں موجود ہی نہیں ہیں تو یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ عروسی حضرت قاسمؑ پر کوئی حدیث موجود ہی نہیں تھی؟ ہم اُن فریب سازوں سے کہیں گے کہ جناب آپکے بزرگوں نے حدیث کے اس عظیم القدر ذخیرہ کو تباہ اور ضائع اسلئے کیا تھا کہ آنے والے مومنین کے سامنے اُن تمام حقائق کا انکار کر سکو جو اُن چار سو حدیث کی کتابوں میں موجود تھے؟ اور دو چار کتابیں پڑھ کر کہہ دو کہ ایسی کوئی بھی حدیث موجود نہیں ہے۔ جس سے عروسی قاسمؑ ثابت ہو جائے؟ اسی لئے ہم نے اس عنوان کا نام دَرَوغِ بافوں کو گھر تک پہنچا کر چھوڑنا رکھا ہے۔ لہذا مومنین ہر منکر کو ٹوک کر جھوٹا کہہ دیں اور سنیں کہ اُن میں کسی کو اپنے کو سچا ثابت کرنے کا سامان نہ ملے گا۔ پھر سوچیے کہ اہلسنت کے ریکارڈ میں ہزاروں کتابیں حدیث پر موجود ہیں۔ کیا اُن منکرین نے وہ تمام کتابیں پڑھی ہیں؟ ظاہر ہے کہ نہیں ہرگز نہیں؟ اور پھر اہلسنت کے سینکڑوں محدثین میں سے ایک محدث محمد اسماعیل بخاری کو لے لیں۔ اُنکو چھ سات لاکھ حدیثیں ملی تھیں۔ یہ اُنکا مسلمہ بیان ہے۔ اب سوچیے کہ انہوں نے اپنی حدیث کی کتاب بخاری شریف میں کل چھ سات ہزار حدیثیں لکھی ہوئی چھوڑیں۔ باقی پانچ یا چھ لاکھ چورانوے ہزار حدیثیں کہاں گئیں؟ کون کھا گیا؟ کس نے غائب کیں؟ بتائیے وہ احادیث ان منکرین نے پڑھی ہیں؟ پھر کیسے ہم اُن مردود و ملعون منکروں کی بات کو اہمیت دیں؟ اس عنوان پر ہماری کتابیں (نظام ہدایت و تقلید اور اسلام اور علمائے اسلام وغیرہ) ملاحظہ ہوں۔ ہم نے منکروں کی جڑیں نکال کر پھینک دی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ نے ہماری کوئی کتاب نہ پڑھی ہو یا ہم سے کبھی بات نہ کی ہو۔ یا آپکو ہمارا دنیا میں موجود ہونا ہی معلوم نہ ہو۔ بہر حال ملت شیعہ نہ میری محتاج ہے نہ کسی اور عالم کی یا کتابوں کی محتاج ہے۔ وہ خود ایک بولتی چلتی حقیقت ہے۔ اور اُنکے سر پر اُن کا امام حجت فی العالمین موجود ہے اور بس۔ السلام علیک یا صاحب العصر والزمان۔

(ہ)۔ اولادِ امام حسین علیہ السلام کو کم کرنے والے قاتلانِ حسینؑ سے کم نہیں

نسل رسولؐ کو دنیا سے مٹانے کی کوشش برابر جاری رہتی چلی آئی ہے۔ ابتدائی دانشوروں نے اولادِ رسولؐ اور خاندانِ رسولؐ کو ختم کرنے کے لئے اُن کے فضائل و مناقب بیان کرنے سے روکا۔ اُن کی عظمت کو اُمت کی نئی نسل کے دماغوں سے کم کیا۔ اُن کو اقتصادی اور سیاسی مشکلات میں الجھا کر اُن کو حقیر و بے دست و پا کیا۔ زرو جواہر و جاگیریں دے کر لوگوں کا رُخ اُن کی طرف سے ہٹایا۔ رفتہ رفتہ اُن کی کسر شان کے لئے حکایات و روایات گھڑوا کر پھیلائیں اور اُن کے مخالفین کی مدح و ثنا کو نصابِ تعلیم میں داخل کر کے بچوں کو تربیت

دی۔ بتدریج انہیں سازشی مشہور کیا اور رفتہ رفتہ اُن پر لعنت و تہرہ جاری کیا۔ اور جب وقت اُن کے ہاتھ آیا تو کربلا میں اُن کا قتل عام کر دیا۔ اور یوں اپنے خود ساختہ اسلام کو نافذ کرنے کے لئے اطمینان و فراغت حاصل کر لی۔ لیکن جب کربلا کا خون اُبلا، جب مظالم نے پلٹ کر ظالموں کو پچھانا تو قتل عام کرنے والی نسل دنیا سے مٹ گئی۔ انقلاب نے اس خود ساختہ مذہب کا گلا گھونٹ دیا۔ اب ضروری ہوا کہ اولاد رسولؐ پر گزرے ہوئے مظالم کو ہلکا کیا جائے۔ پبلک کے دلوں سے نفرت اور جوش انتقامِ مظلوم کو نکالایا کم کیا جائے۔ تو واقعات کربلا کی روایات و حالت کو ادل بدل کر، رعایات و عنایات کا رنگ دے کر پھیلایا۔ اور یوں تلوار و نیزہ و سنان کی جگہ قلم کی نوک اور زبان کا مٹھاس استعمال کیا گیا۔ وہ لوگ جو نوکِ قلم سے قاتلانِ حسینؑ کی طرف داری کرتے رہے ہیں وہی ہیں جنہوں نے کہا کہ:-

- 1- حضرت زینبؑ ہی کا نام ام کلثومؑ تھا۔ وہ دو بہنیں نہ تھیں۔
- 2- کربلا میں صرف دو بیٹیاں تھیں۔ ایک فاطمہؑ صغرا اور ایک سکینہؑ۔ اور انہوں نے یہ بھی لکھا کہ سکینہؑ کربلا سے مدینہ آئیں۔ معاذ اللہ کئی ایک نکاح کئے۔ اور قاتلانِ حسینؑ کے طرفداروں سے بھی نکاح کئے۔ وہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی طرح اُن کو ایک عیاش عورت لکھتے ہیں۔ افسوس شیعوں کے اُن علما پر ہے جو دوستی کا نقاب پہن کر برابر دشمنوں کی تائید میں اُن روایات کو لکھتے اور مومنین کو مشکوک کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ تم نے ایسی روایات کو لکھنا اب تک کیوں نہیں چھوڑا؟ اسی لئے ناکہ شیعوں میں اختلاف رہتا چلا جائے۔ اور ہمارا دشمن تمہارا نام لے کر تمہاری کتاب کا حوالہ دے کر ہمیں ٹوکے اور روک کر کہے کہ جناب شیعہ علما نے مانا اور لکھا ہے کہ:-
- 3- امام حسینؑ کے صرف تین بیٹے تھے۔ علیؑ بن الحسینؑ، علیؑ اکبرؑ، علیؑ اصغرؑ۔ پھر ان خبیثوں نے ان تینوں ناموں کو بھی مشکوک کر دیا ہے۔ وہ ملائین لوگ جناب امام زین العابدینؑ علیہ السلام کو علیؑ اصغرؑ کہتے ہیں۔ اور سینہ میں برچھی کھانے والے اٹھارہ سالہ نوجوان کو حضرت زین العابدینؑ سے بڑا کہتے ہیں۔ اور ہمارے قدیم ذاکرین کی بیان کردہ روایات کو جب دل چاہتا ہے غلط قرار دیتے ہیں۔

(و)۔ امام حسینؑ علیہ السلام کی اولاد کی صحیح تعداد اور اسمائے گرامی

- جناب علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ کی کتاب بحار الانوار سے وہ چند روایات پیش کی جاتی ہیں جن میں مخالف محاذ کا زہریلا اثر نہیں ہے۔
- (1) ”کتاب کشف الغمہ میں کمال الدین بن طلحہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی دس اولادیں تھیں۔ چھ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ (1) علیؑ اکبر (2) علیؑ اوسط (3) علیؑ اصغر اور (4) محمدؑ (5) عبد اللہ اور (6) جعفرؑ۔ بیٹیاں (1) زینب (2) فاطمہ (3) سکینہ (4)۔“ اسی تعداد کو علامہ مجلسی نے مشہور اور صحیح لکھا ہے۔ (ترجمہ جزائری صفحہ 160)
 - (2) مندرجہ بالا روایت سے پہلی روایت میں بھی یہی نام لکھے ہیں۔ اور اُس روایت کو کتاب مناقب سے لکھا ہے۔ اور اس کے بعد والی روایت ابن خشاب سے لکھی ہے۔ اُس میں بھی یہی نام مذکور ہیں۔ (ترجمہ جزائری صفحہ 161-160)

اب ہماری دو باتیں یاد رکھیں۔ اوّل یہ کہ وہ تمام روایات غلط، باطل اور جھوٹی ہیں جن میں تعداد اس سے کم بتائی گئی ہے اور دوم یہ کہ دس اولادیں بتا کر صرف دس ہی نہیں دس اولادوں کی تفصیل میں چھ (6) بیٹے اور چار (4) بیٹیاں لکھ کر ایک نام کا رہ جانا دس کی تعداد کو کم نہیں کرتا بلکہ اس کو بھول جانا، غلطی کر جانا یا بعد والوں کا حرام زندگی کرنا کہا جائے گا۔ کاتب سے اور نسخہ نویسوں سے بھی سہو ایسا ممکن ہے۔ لہذا بیٹیوں کے نام پورے کر لیں۔

بیٹیوں کے اسمائے گرامی

- 1- جناب فاطمة الكبرى علیہا السلام عرف زبیدہ منسوبہ و منکوحہ جناب قاسم علیہ السلام۔
- 2- فاطمة الاوسط علیہا السلام عرف رقیہ وزینب کربلا میں موجود۔
- 3- فاطمة الصغریٰ علیہا السلام کو مدینہ میں رکھا گیا تھا۔
- 4- فاطمة السکينة علیہا السلام زندان شام میں وفات پائی۔

بیٹوں کے اسمائے گرامی

- 1- حضرت علی الاعلیٰ عرف زین العابدین علیہ السلام۔
- 2- حضرت علی اکبر علیہ السلام مومنین میں مشہور و محبوب نوجوان۔
- 3- حضرت علی الاوسط عرف محمد کم سن شہید اور بے توجہی کا نشانہ۔
- 4- حضرت علی الثالث عرف جعفر علیہ السلام کم سن شہید اور بے توجہی کا نشانہ۔
- 5- علی الرابع علیہ السلام عرف الحسن علیہ السلام کم سن شہید اور بے توجہی کا نشانہ۔
- 6- علی الاصغر علیہ السلام مشہور شیر خوار عرف عبداللہ۔ زیارت میں اُن ہی کی وجہ سے امام حسین علیہ السلام کو اَبَاعَبْدِ اللّٰہ کہا جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے سب بیٹوں کا نام [علیٰ اور بیٹیوں کا نام فاطمہ رکھا تھا۔ اس پر یزید ملعون نے بھی تعجب کیا تھا۔ اُس خبیث کا مطلب یہ تھا کہ اُس کے آبا و اجداد اور خاندان میں جن ناموں سے زیادہ نفرت و عداوت تھی وہی نام حسین کو سب سے زیادہ پیارے تھے۔ لعنت و تبرا کی بنا پر جن ناموں کو رکھنا چھوڑ دیا گیا تھا۔ حسین نے وہی نام رکھ کر بھی خود بنی اُمیہ کو چیلنج کر رکھا تھا۔ اور اُن کے بعد اُن کی اولاد میں آئمہ علیہم السلام نے بھی اُن ہی کی سنت پر عمل کیا تھا۔

ہم نے جو کچھ لکھا اور لکھتے ہیں وہ مستند ترین ریکارڈ سے لکھتے ہیں اور وہ ریکارڈ دو قسم کا ہے۔ قسم اوّل خاص ریکارڈ ہے۔ وہی ریکارڈ ہے جس سے جو چیز ثابت ہو جاتی ہے وہ باوجود کوشش کے بند نہیں ہوتی، مثالی نہیں جاسکتی۔ مثلاً زنجیر و شمشیر و قمہ کا ماتم مجتہدین کی کثرت کے نزدیک حرام ہے۔ وہ منع کرتے کرتے فتوے دیتے دیتے تھک گئے مگر مومنین نے اُسے بند کرنا تو کہاں کم بھی نہ کیا۔ ہر سال

اس میں ترقی و شدت ہوتی چلی آتی ہے۔ اور یہ برکت امام عصر علیہ السلام کی خوشنودی کا ثبوت ہے۔

دوسرا ریکارڈ عام ہے۔ اس کی بھی دو اقسام ہیں۔ اول وہ جو چوتھی صدی سے پہلے کی چار سو کتابوں میں سے اب تک باقی اور محفوظ ہے۔ مگر نظام اجتہاد کے اختیار سے باہر موجود ہے۔ دوسرا وہ جو چوتھی صدی کے بعد تیار کیا گیا تھا اور علمائے حکومت کی دستبرد سے بچا ہوا محفوظ ہے۔ ہم اپنے مذہب کا ہر دعویٰ اور ہر مسئلہ ان تمام اقسام کے ریکارڈ سے ثابت کرتے ہیں۔ اور یہ سب اقسام ہماری دسترس کے اندر ہیں۔ لیکن ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جب بار ثبوت تمہارے ذمہ ہوتا ہے تو یہ کہنا اور لکھ دینا کافی سمجھتے ہو کہ:-

(الف)۔ ”بعض مؤلفات متاخرین میں ہے کہ۔“ (ترجمہ بحار جزائری صفحہ 116)

(ب)۔ ”بعض کتب مناقب معتبرہ میں نقل ہے کہ۔“ (ایضاً صفحہ 140)

(ج)۔ ”بعض مؤلفات علما میں بروایت مرسلہ بعض اصحاب سے اس طرح وارد ہوا ہے کہ۔“ (ایضاً صفحہ 144)

(د)۔ کتب معتبرہ میں مسلم حصّاص سے روایت ہے۔“ (ایضاً صفحہ 17-18) (دیکھو حصہ دوم ترجمہ جزائری)

لہذا تمہیں بھی اسی قسم کا ثبوت اگر دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ اور اگر ہم کوئی بیان لکھ کر اُس کے آگے مثلاً ”آت، لات، کات، یو، یو، سو، خل، ع، غط، شط، دھت یا ہشت وغیرہ لکھ دیں تو تم کیوں قبول نہ کرو گے؟ ارے بڑے حضرات صاحبان آپ نے تو اتنے داؤ گھات۔ اتنی چالاکیاں اور اتنے مکر استعمال کئے ہیں کہ آپ کے ساتھ کوئی غلط اور بدترین سلوک ناجائز نہیں ہے۔ تمہارے ساتھ جو سلوک لازم ہے وہ قرآن میں یوں مذکور ہے:-

إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۖ وَأَكِيدُ كَيْدًا ۖ فَمَهْلِكُ الْكَافِرِينَ أَهْلُهَا (الطّٰرِق 86/15-17)

”حقیقت یہ ہے کہ وہ حق پوش گروہ چالاکیاں فریب اور دھوکہ دہی کو اصول حیات بنائے ہوئے ہے۔ لہذا مجھے قیام قیامت تک مہلت دے دو کہ میں بھی اُن کے ساتھ چالاکی فریب اور دھوکہ کو اپنے معیار سے استعمال کروں۔“ چنانچہ اسی اصول پر:-

فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا (النّٰس 4/76) ”تم شیطان پرست لوگوں کو جس طرح بھی ممکن ہو قتل کر ڈالو۔ یقیناً ایسا عمل درآ مد کیا جائے تو شیطان کی تمام چالاکیاں، فریب اور دھوکہ دہی بڑی کمزور ثابت ہوگی۔“

بھائی جان تمہیں صرف اُن لوگوں کو ستانے میں کمال حاصل ہے جو دنیا میں قاتل کو بھی دعا دیتے تھے، شربت پلاتے تھے۔ تمہاری نجات کے لئے فاقوں کی حالت میں رات رات بھر کھڑے رہ کر دعائیں مانگتے تھے اور کوئی غلط قدم نہ اٹھا سکتے تھے۔ کوئی قول و فعل اپنے معیار سے گرا ہوا نہ کر سکتے تھے۔ اس مجبوری سے تم نے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ اُن کے حقوق غصب کئے۔ اُنہیں اپنی رعیت بنا کر بھی انہیں چین سے نہ رہنے دیا۔ اور آخر تم نے چاہا کہ اُن کا نام و نشان تک مٹا دو۔ اس لئے ہم آگے بڑھے، ہم خاطمی تھے، ہم گناہ گار تھے۔ ہم نے چاہا کہ ہم تمہیں تمہارے اصولوں اور ہتھیاروں سے تباہ کریں اور ایسا کرنے میں کسی جرم و گناہ کا خوف نہ کریں اور مٹا کر چھوڑیں۔ تو دیکھو تم آج کل کہاں ہو؟ وہ خلافت کہاں ہے؟ وہ بیعت کدھر ہے۔ وہ فری اسٹائل شریعت سازی کدھر گئی؟ وہ تاج و تخت کس نے چھین لیا؟ اب تم ہو کا سہ گدائی ہے اور کفار و بے دین لوگوں کے، یعنی تمہارے حقیقی ہم مذہبوں کے، دروازے ہیں اور بھیک مانگنے کی

نئی نئی ادا نہیں ہیں۔ جن کے ٹکڑوں پر پلٹے ہوئے ہی کولوٹتے ہو۔ جن ناموں کے واسطے سے بھیک مانگتے ہوئے ہی کو برا بھلا کہتے ہو۔ دنیا کی اقوام میں اور خود مسلمانوں میں تمہارے معزز القاب اب گالی بن کر رہ گئے۔ تمہیں ہر ملک میں فتنہ انگیز و شریک و شریک قرار دیا جاتا ہے۔ اور ابھی تمہاری سزا کی انتہا نہیں ہوئی ہے۔ کسی چنگیز، کسی ہلاک اور کسی پاشا یا کسی ناصر خداوندی کا انتظار کرو۔ کسی توپ کے دھانے کا ابھی تیار ہونا باقی ہے تاکہ فضا میں پھر تمہاری دھجیاں اڑتی ہوئی دیکھی جاسکیں۔ تمہارے یہاں راہ چلتے لوگوں کو مار ڈالنا جائز ہے۔ مسافروں کی گاڑیاں جلادینا حلال ہے۔ اگر الف پر قابو نہ ہو تو بے سے یہ تک تمام انسانوں کا قتل، جلانا اور پیاسوں کے منہ میں پیشاب کرنا؛ ہاتھ پیر کاٹ لے جانا اسلام کی خدمت ہے۔ تم بے گناہوں کو قتل کرنے اور قتل کرانے؛ اقوام و ممالک کو مفلوج کر کے رکھ دینے کا نام جہاد رکھتے ہو۔ تم شریک و شریک اور مکانات و دکانوں کو جلانے والوں کی حرام موت کو شہادت کہتے ہو۔ تم مسلمان نہیں ماشاء اللہ شیطان ہو۔

49۔ کوفہ سے دمشق مختلف منازل و مراحل میں گزرنے والے واقعات و حالات

حرم رسولؐ اور سرہائے شہد اکوفہ سے دمشق کس طرح پہنچے؟

یہاں ہم وہ روایات جمع کریں گے جن کی مدد سے یہ عنوان تکمیل کو پہنچتا ہے۔ مومنین ہر روایت کے ہر لفظ کو مذکورہ بالا اصول تنقید کے ماتحت رکھ کر قبول کریں۔ اور جو بات ملت شیعہ کی سُنّۃ جاریہ کے خلاف معلوم ہو، جس پر ہمارے سن رسیدہ بزرگ متفق نہ ہوں اُسے بلا سوچے سمجھے اختیار نہ کریں۔ چنانچہ آئیے اور علامہ در بندی رضی اللہ عنہ کی محنت سے مستفید ہونے اور اُن کی روح کو خوش کرنے کی تیاری کیجئے۔ اور اُن کو اُن کی کوشش اور خدمت سید الشہد اعلیٰ السلام پر داد اور دعا دیجئے۔

(1)۔ ابن زیاد ملعون کا انتظام اور روانگی کے احکام؛ کوفہ سے شام

علامہ مرحوم لکھتے ہیں کہ:- المجلس السابع والعشرون من كتاب اكسير العبادات في اسرار الشهادات في انفاذ ابن زياد الاسارى والرؤس المطهرة وبيان ماجرى من الكيفيات والحالات في المنازل والمراحل بين الكوفة والشام فنذكر اول في هذا المجلس ما في الكتاب الصغير لابي مخنف - فاعلم - انه قال ثم دعا ابن زياد براس الحسين فاحضر بين يديه وطيبه بالمسك والعنبر الهندي ثم دعى بشمر بن ذى الجوشن الضبابي وخولي الاصبحي لعن وضم اليهما الفا وخمس مائة فارس وامرهم ان يسيروا بالحرم وسبايا والرؤس الى دمشق وان يشهر وهم في جميع البلدان - قال فلما رايت ذلك جمعت رأيي الى المسير معهم فجهزت وسيرت مع القوم فلما نزلوا القادسية انشأت ام كلثوم صلوات الله عليها تقول - ماتت رجالي وافنى الدهر ساداتي وزادني حسرات بعد لوعات صالوا الليام علينا بعد ما علموا ان ابنت رسول بالهدى يا ترى يسروننا على الاقتاب عارية كاننا بينهم بعض الغنيمات يعز عليك يا رسول الله ما صنعوا باهل بيتك بانورا لبريات كفرتم برسول الله ويلكم اهديكم من سلوك في الضلالات -

قال ابو مخنف وساروا بالرؤس الى شرقى الجصاصة ثم عبروا تكريت واخذوا على طريق البر ثم على الاعمي ثم على دير عروة ثم على صلتيا ثم على وادى النخلة نزلوا فيها وابتوا - قال وسموا بكاء نساء الجن على الحسين - قال ثم رحلوا من وادى النخلة واخذوا على الينا وكانت عامرة بالناس فخرجت المخدرات والكهول والشبان ينظرون الى راس الحسين ويصلون عليه

وَعَلَىٰ جَدَّةٍ وَابِيَّةٍ وَيَلْعَنُونَ مَنْ قَتَلَهُ وَيَقُولُونَ يَاقَتْلَةُ أَوْلَادِ الْأَنْبِيَاءِ أَخْرَجُوا مِنْ بِلَدِنَا -

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 498-497)

کتاب اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات کی ستائیسویں (27) مجلس میں ابن زیاد ملعون کا سرہائے شہداء اور اسیران اہل حرم کو دمشق بھیجا اور مختلف منازل و مراحل میں گزرنے والے واقعات و حالات کا ذکر جناب علامہ ابوحنیفہؒ کی چھوٹی کتاب سے بیان کیا جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ پھر راوی نے کہا کہ ابن زیاد نے امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک طلب کیا جو اُس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس خمیٹ نے سر مبارک کو مشک سے معطر کیا۔ اور ہندوستانی غبر لگایا۔ پھر شمر بن ذی الجوشن ضبابی کو اور خولی اصبھی (خدا اُن دونوں پر لعنت کرے) کو بلایا۔ اور اُن کی ماتحتی میں ایک ہزار پانچ سو سالہ کے سوار سوئے اور انہیں حکم دیا کہ وہ اہل حرم قیدیوں کو اور سرہائے شہداء کو دمشق لے جائیں اور راستے میں آنے والے تمام شہروں میں اُن کی رسوائی اور پبلک کو متاثر کرنے کے لئے تشہیر و تعارف کرایا جائے۔ راوی نے کہا کہ میں نے بھی ساتھ ساتھ چلنے اور حالات کو ریکارڈ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور تیاری کر کے چل دیا۔ جب وہ گروہ قیدیوں وغیرہ کو لئے قادسیہ پہنچا تو جناب ام کلثومؓ نے بطور مرثیہ یہ بین کئے کہ:-

ہمارے مرد بھی مار دیئے گئے ہمارے سرداروں کو دنیا والوں نے فنا کرنے کی مہم بھی جاری کی۔ اور انتہائی مظالم کے بعد ہمیں حسرت و یاس میں مبتلا رکھنے کا انتظام بھی کیا گیا۔ اُن ناہنجار لوگوں نے یہ جانتے ہوئے بھی ہمارا قتل عام کر دیا کہ ہم اُس رسولؐ کی بیٹیاں ہیں جو دنیا کی ہدایت کیلئے آیا تھا۔ ہمیں نگہی پشت اونٹوں پر اس طرح تماشہ بنائے پھرتے ہیں گویا ہم جہاد میں حاصل کی ہوئی مال غنیمت کی چیزیں ہیں جن کو دیکھ کر مسلمان خوش ہوں گے اور ایمان میں ترقی ہوگی۔ اے اللہ کے رسولؐ میں آپ کو اُس عملدرآمد پر پُرسہ دیتی ہوں جو آپ کی اُمت نے تمام مخلوق سے بڑھی ہوئی پُر نور اہلبیتؑ کے ساتھ روا رکھا۔ تم لوگ قابلِ نفرین ہو اسلئے کہ تم نے اُس رسولؐ کی ایسی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا جو بھٹک جانے والوں کی راہنمائی کرتی ہیں۔

اس کے بعد ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ وہ لوگ اہل حرم اور سرہائے شہداء کو لئے ہوئے مشرقی بھاصہ کی جانب چلے پھر شہر تکریت کو پار کیا پھر بیابانی راستے سے گزرے اور اُعلیٰ ہوتے ہوئے عروہ کے گر جانے پھر وہاں سے صلیتا آئے۔ پھر آگے بڑھ کر وادی نخلہ میں پڑاؤ ڈالا اور وہیں رات گزاری۔ یہاں رات بھر قوم جنت کی آہ و زاری اور اُن کی مستورات کے مریخے اور نوے سنتے رہے۔ راوی کہتا ہے کہ صبح کو یہ لشکر وادی نخلہ سے چلے اور موضع الیانا میں پہنچے جو بہت گنجان آباد تھا۔ چنانچہ بہت سی خواتین اور بڑھے اور جوان غول درغول جمع ہو گئے اور امام حسین علیہ السلام کے سر کو دیکھ کر اُن پر اور اُن کے باپ دادوں پر درود و سلام بھیجتے تھے۔ اور جن لوگوں نے امام حسینؑ اور اُن کے فداکاروں کو قتل کیا تھا اور اہل حرم کی تشہیر اور رسوائی میں مصروف تھے، اُن سب پر لعنت و ملامت کر رہے تھے اور تقاضہ کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ اے لوگو تم نے انبیاء علیہم السلام کی اولاد کا قتل عام کیا ہے تم ہمارے شہر سے فوراً نکل جاؤ۔

فَاخْذُوا عَلَى الْكُحِيلِ وَآتُوا جَهَنَّمَ وَانْفِذُوا إِلَى عَامِلٍ مُّوَصَّلٍ أَنْ تَتَلَقَّانَا فَإِنَّ مَعَنَا رَأْسَ الْحُسَيْنِ - فَلَمَّا قَرَأَ الْكِتَابَ

امر باعلام والمدينة تزینت وتداعت الناس من كل جانب ومكان وخرج الوالى فتلقا هم على ستة اميال فقال بعض القوم مالخبر

فقالوا راس الخارجى بارض العراق قتله ابن زياد وبعث براسه الى يزيد - فقال رجل منهم يا قوم هذا راس الحسين صلوات الله عليه فلما تحققوا ذلك اجتمعوا فى اربعين الف فارس من الاوس والخزرج وتخالفوا ان يقتلوهم وياخذوا منهم راس الامام ويدفنوه عندهم ليكون فخراً لهم الى يوم القيامة - فلما سمعوا ذلك لم يدخلوها واخذوا على تل أعفر - ثم على جبل سنجار فوصلوا الى نصيبين فنزلوا بها وشهروا الرؤس والسبایا - قال فلما رأّت زينب عليها السلام راس اخيها بكت وانشأت تقول - تشهرونا فى البرية عنوة - والدنا اوحى اليه جليل - كفرتم بربّ العرش ثم نبیة كان لم يجبكم فى الزمان رسول لحاكم اله العرش ياشر أمة لكم فى لظى يوم المعاد عويل -

قال ابو مخنف وجعلوا يسيرون الى عين الورد وآتوا الى قريب وكتبوا الى صاحب دعوات ان تلقانا لان معنا راس الحسين - قال فلما قرء الكتاب امر بضرب البوقات فخرج فتلّقاهم وشهروا الرؤس وادخلوا من باب الاربعين ونصبوه فى الرحبة من زوال الظهر الى العصور واهلها طائفة يكون وطائفة يضحكون وينا دون هذا راس الخارجى خرج على يزيد بن معاوية - قال وتلك الرحبة التى نصب فيها راس الحسين لا يجتاز فيها احد وتقضى حاجته الى يوم القيامة - وياتوا ثملين من الخمر الى الصباح - قال وآتوا الى قنسرین وكانت عامرة باهلها فلما بلغهم ذلك اغلقوا الابواب وجعلوا يلعنونهم ويرمونهم بالحجارة ويقولون يا فجرة يا قتلة اولاد الانبياء والله لا دخلتم بلدنا فحلوا عنهم فبكت ام كلثوم سلام الله عليها وانشأت تقول : كم نصبون لنا الاقتاب عارية كأننا من بنات الروم فى البلد اليس جدى رسول الله ويلكم هو الذى دلّكم قصدا الى الرشيد يأمة السوء لاسقيا لربعكم الا عذابا كما حيى البلد -

قال وآتوا الى معرة النعمان واستقبلوهم فتحوا لهم الابواب وقد موالهم الاكل والشرب بقية يومهم ورحلوا فيها ونزلوا شيرز وكان فيها شيخ كبير فقال يا قوم هذا راس الحسين صلوات الله عليه فتخالفوا ان لا يجوزوا فى بلدهم فلما عاينوا ذلك منهم لم يدخلوها وساروا الى كفرطاب وكان حصناً صغيراً فغلقوا عليهم الابواب - فتقدم اليهم خولى فقال الستم فى طاعتنا فاسقونا الماء فقالوا والله - لانسقيكم قطرة واحدة وانتم منعمت الحسين واصحابه واطفاله الماء - فحلوا منه فاتوا سيبور - فانشا على بن الحسين يقول : ساد العلوج فما ترضى بذا العرب وصار يقدم رأس الأمة الذنب بالرجال فمايتى الزمان به من العجب الذى ماثله عجب آل رسول على الاقتاب عارية وآل مروان يسرى تحتهم بخب -

قال - وكان فيها شيخ كبير وقد شهد عثمان بن عفان مجمع اهل سيبور المشائخ والشبان فقال يا قوم ان الله كره الفتنة وقد مرّه الراس فى جميع البلدان ولم يعارضوه احد فدعوه يجوز فى بلدكم - فقال الشبان والله لا كان ذلك ابداً - ثم عمدوا الى القنطرة فقطعوها - فخرجوا عليهم شاكين فى السلاح - فقال لهم خولى اليكم عنا - فحملوا عليه واصحابه فقاتلوهم قتلاً شديداً - فقتلوا من اصحاب خولى ستمائة فارس وقتل من الشبان خمس فوارس رحمهم الله - فقالت ام كلثوم (سلام الله عليها) ما يقال لهذه المدينة؟ فقالوا سيبور فقالت عذب الله شرايهم وارخص اسعارهم ورفع ايدى الظلمة عنهم - قال ابو مخنف فلو ان الدنيا مملوءة ظلماً وجوراً لمانا لهم الا قسطاً وعدلاً - ثم ساروا حتى وصلوا حماوة - فغلقوا الابواب فى وجوههم وركبوا الستور وقالوا والله لا تدخلون بلدنا هذا ولواقبتنا من اخرنا - فلما سمعوا ذلك ارتحلوا وساروا الى حمص وكتبوا الى صاحبها ان معنا راس الحسين وكان اميرها خالد بن النشيط - فلما قرء الكتاب امر بالاعلام فنشرت والمدينة تزينت وتدعى الناس من كل جانب ومكان وخرج وتلقاهم على حد مسير ثلاثة اميال واشهروا الراس وساروا حتى آتوا حمص فدخلوا الباب

فاز دحمت الناس بالباب فرموهم بالحجارة حتى قتل بالباب ستة وعشرون فارساً - واغلاقوا الباب في وجوههم فقالوا اكفر بعد ايمان ام ضلال بعد هدى؟

فخرجوا ووقفوا عند كنيسة قسيس وهي دار الخالد بن النشيط فتخالفوا أن يقتلوا خولى وياخذوا منه الراس ليكون فخراً لهم الى يوم القيامة فبلغهم ذلك فرحلوا عنهم خائفين وآتوا بعلبك وكتبوا الى صاحبها أن معنارأس الحسين فامر بالجوارى وبايد يهن الدفوف ونشرت الاعلام وضربت البوقات واخذوا الحلوق والسكر والسويق وباتوا ثملين - فقالت ام كلثوم ما يقال لهذه البلدة؟ فقالوا بعلبك فقالت اباد الله تعالى حضراتهم ولا اعدب الله شرابهم ولا رفع الظلمة عنهم قال لو أن الدنيا مملوءة عدلاً وقسطاً لمانا لهم الا ظلماً وجوراً -

وباتوا تلك الليلة ورحلوا منه وادر كههم المسى عند صومعة راهب - فلما جن الليل عليهم دفعوا الراس الى جانب الصومعة - فلمّا عسعس الليل سمع الراهب دويّاً كدّ وى الرعد وتسبيحاً وتقديساً واستأنس انواراً ساطعة فاطلع الراهب راسه من الصومعة فنظر الى الراس فاذا هو يسطح نوراً قد لحق النور بعنان السماء ونظر الى باب قد فتح من السماء والملائكة تنزلون كتائب كتائب ويقولون السلام عليك يا ابا عبد الله - فجزع الراهب جزعاً شديداً فلما اصبحوا هموا بالرحيل فاشرف الراهب عليهم ونادى من زعيم القوم؟ فقالوا خولى بن يزيد الاصبحت فقال الراهب له وما الذى معكم؟ فقالوا راس الخارجى خرج بارض العراق قتله ابن زياد - فقال ما اسمه؟ فقالوا اسمه الحسين بن على بن ابي طالب وامه فاطمة الزهراء وجدّه محمد المصطفى - فقال الراهب تبّالكم ولما جنتم فى طاعته - فقد صدق الاخبار فى قولهم انه اذا قتل هذا الرجل تمطر السماء دمّاً عبيطاً ولا يكون هذا الا فى قتل نبي أو وصى نبي - ثم قال اريد أن تدفعوا الى هذا الراس ساعة واحدة وارده عليكم فقال خولى ما كنت اكشفه الا عند يزيد بن معاوية واخذ منه الجائزة وقال الراهب كم جائزتك قال بدرة فيها عشرة الاف مثقال - فقال الراهب انا أعطيك البدره فقال احضر ما ذكرث - فاحضر الراهب الدرهم ودفعها اليهم فدفعوا الى الراهب الراس وهو على القنّة فجعل الراهب يقبله ويبكى ويقول بعزّو الله علىّ يا ابا عبد الله اذالقيت جدك محمد المصطفى فاشهد لى انى اشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد أن محمداً عبده ورسوله وان علياً ولى الله - ودفع الراس اليهم - فجعل يسمون الدرهم واذا هى بايد هم خزف مكتوب عليها وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ (شعرا 26/227) فقال خولى لاصحابه اكتبوا هذا الخبر يا ويلكم عن الخزى بين الناس قال سهل فهتف هاتف ينشد بهذه الابيات ويقول:-

اترجوا أمة قتلت حسيناً؟ شفاعة احمد يوم الحساب - وقد غصبوا لاله وخالفوه ولم يخشوه فى يوم الماب -
اللعن الا له بنى زياد - واسكنهم جهنم فى العذاب - قال فلما سمعوا ذلك دهشت عقولهم وجدّوا فى السير حتى دخلوا دمشق - (اكسير العبادات فى اسرار الشهادات - صفحہ 498 تا 500)

یہ حالات دیکھ کر انہوں نے چپکے سے کھیل کا راستہ اختیار کیا اور جھنیہ میں آ پہنچے۔ اور وہاں سے موصل کے شہر کے گورنر کو حکم نامہ بھیجا کہ ہم سر حسینؑ لئے ہوئے آرہے ہیں۔ لہذا تم متعلقہ انتظامات کر کے ہمارے استقبال کے لئے پہنچو۔ گورنر نے خط پڑھا تو حکم دیا کہ پبلک کو مطلع کیا جائے کہ شہر کو سجائیں۔ چنانچہ لوگ انبوه درانبوه ہر طرف سے نکل کھڑے ہوئے اور گورنر نے چھ میل سے یزیدی فوج کا استقبال کیا۔ چنانچہ لوگوں میں سے بعض نے حالات دریافت کئے تو بتایا گیا کہ عراق کے ایک باغی کو ابن زیاد نے قتل کیا اور اس کا سر خلیفہ

یزید کو بھیجا ہے۔ مگر ایک شخص نے بتادیا کہ یہ تو حسینؑ کا سر ہے۔ جب تحقیق سے صحیح ثابت ہو گیا تو قبیلہ اوس و خزرج کے چالیس ہزار بہادروں کو لے کر اہل حرمؑ اور سرہائے شہدائے آزاد کرانے کے لئے جنگ کی تیاری شروع کی تاکہ شہدائے سروں کو اپنے یہاں دفن کرنے اور اسیران اہل حرمؑ کو آزاد کرانے کا فخر قیامت تک اُن کے حصہ میں آجائے۔ چنانچہ جب انہیں اس بغاوت کا علم ہوا تو شہر موصل میں داخلہ کا خیال چھوڑ کر تل اعرض کی راہ لی اور سنجار کے پہاڑ سے گزرتے ہوئے نصیبین کے قریب پہنچے اور ڈیرہ ڈال کر اہل حرمؑ اور سروں کو شہر میں گھمایا۔ اس دوران جناب زینب علیہا السلام نے بھائی کے سر کو دیکھ کر نوحہ پڑھا اور سب کو بتایا کہ تم لوگ اپنی دشمنی کی بنا پر اُن حضرات کو ساری دنیا میں ذلیل کرنا چاہتے ہو جن کے والد پر خداوند جلیل کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ تم نہ صرف رب العرش کے کافر ہو گئے بلکہ تم نے اللہ کے رسولؐ سے بھی روگردانی کر لی۔ تمہیں زمانہ رسولؐ میں بھی ایمان نصیب نہ ہوا تھا۔ اے امت کے شریر ترین لوگو! تم اللہ کے سامنے حاضری کے دن کائنات کے حاکم کے سامنے عذاب سے بچنے کا کیا بہانہ کرو گے؟

ابو مخنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ نصیبین سے چلے تو عین الورد کے قریب پہنچے اور وہاں سے اپنے مبلغ کو لکھا کہ ہمارے ہمراہ سر حسینؑ ہے استقبال کو پہنچو۔ یہ حکم پڑھ کر اُس نے بگل اور نفیریاں بجانے کا حکم دیا اور استقبال کو نکلا۔ پھر تمام سروں اور اہل حرمؑ کو شہر میں گشت کرانے کے لئے چالیسویں دروازے سے داخل ہوئے اور تشہیر کے بعد چوراہے پر سروں کو نصب کر دیا۔ اور دوپہر کے بعد سے شام تک شہر کے باشندے تماشا دیکھتے رہے۔ کچھ لوگ روتے بھی تھے، کچھ ہنس کر کہتے تھے کہ یہ ایک باغی کا سر ہے جس نے خلیفہ یزید بن معاویہ سے بغاوت کی تھی۔ راوی نے کہا کہ جس جگہ امام حسینؑ کا سر لٹکا یا گیا تھا وہاں قیامت تک کسی کی حاجت پوری نہ ہوگی نہ وہاں سے گزرنا مفید ہوگا۔ یہ ملا عین نشہ شراب سے پُور پُور وہاں رات گزار کر قسریں میں آئے یہ بہت ہی گنجان آبادی تھی۔ جب یہ لوگ قریب پہنچے تو انہوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے اور اُن پر لعنت اور پتھروں کی بارش کر دی۔ اور کہتے جاتے تھے کہ اے بدکردار و ناجار لوگو! تم نے انبیاء کی اولاد کو قتل کیا ہے۔ تم ہمارے شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ حضرت ام کلثومؓ نے رورور کر مرنے پڑا کہتی تھیں کہ:-

تم تو ہمیں اُسی طرح ننگے انٹوں پر لئے پھر رہے ہو۔ جیسے گویا ہم ملک روم کی بیٹیاں ہوں۔ اے لوگو! کیا میرے جد رسول اللہؐ نہیں ہے؟ خدا تمہیں غارت کرے، اُنہوں نے ہی تو تمہیں بھلائی کی راہ دکھائی تھی۔ اے ناجار امت خدا تمہاری زمینوں کو کبھی سیراب نہ کرے۔ تمہیں ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھے۔ جیسے کہ وہ آبادیوں کو زندہ رکھنے پر قادر ہے تمہیں عذاب دینے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

راوی نے کہا کہ پھر وہ لوگ معرة العمان میں پہنچے تو اُن کا استقبال کیا گیا دروازے کھولے گئے۔ کھانے پینے کا تمام سامان دن بھر دیا جاتا رہا۔ یہاں سے چلے تو مقام شیرز میں ٹھہرنے کے ارادہ سے قریب پہنچے تو وہاں ایک سن رسیدہ شیخ نے بتادیا کہ یہ تو سر حسینؑ ہے۔ اُن کی مخالفت کرو اور شہر میں داخل نہ ہونے دو۔ جب یہ حال دیکھا تو شہر میں داخل نہ ہوئے اور کفر طاب کی طرف چل دیئے یہاں شہر کے چاروں طرف چھوٹی دیوار تھی۔ انہوں نے دروازے بند کر لئے اور اُن کا داخلہ بند کر دیا۔ خولی قریب گیا اور کہا کہ کیا تم ہماری رعیت نہیں ہو، ہمیں پانی تو لینے دو۔ جواب ملا کہ قسم بخدا ہم تمہیں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ دیں گے اسلئے کہ تم نے امام حسینؑ اور اُنکے بچوں اور صحابہ پر پانی بند کیا تھا۔ چنانچہ وہ ملا عین وہاں سے چل دیئے اور سیبور میں پہنچے تو امام زین العابدین علیہ السلام نے اعلان کیا کہ:

آخر کار کمینہ اور رذیل لوگ سردار اور سید بن بیٹھے۔ یہ تو عربوں کو پہلے کبھی پسند نہ آتا تھا۔ اور اُمت کے سروں پر بدکردار لوگ چڑھ بیٹھے ہیں۔ اے لوگو! یہ تو وہ تعجب انگیز صورت حال ہے کہ اس کی مثال کا ملنا بھی حیران کن بات ہوگی۔ ایسا زمانہ بھی کبھی آنا تھا کہ رسولوں کی اولاد نگنی پیچھے کے اونٹوں پر لونڈی غلاموں کی طرح سوار کی جائے اور آل مروان اس طرح سفر کرے کہ اُس کے نیچے ریشمی غالیچے اور گدے ہوں اور سروں پر سائبان لگے ہوں۔

راوی کہتا ہے کہ سیبور میں ایک ایسا بوڑھا شخص تھا جس نے عثمان کا زمانہ دیکھا تھا۔ اُس نے شہر کے تمام جوانوں اور بوڑھوں کو جمع کیا اور کہا کہ اللہ کو فتنہ و فساد پسند نہیں ہے۔ دیکھو یہ سر تمام شہروں میں گشت کرایا گیا ہے۔ اور کوئی ایک شخص بھی روکنے والا نہ ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اُس کو اپنے شہر میں داخل ہونے سے روک دو۔ جوانان قوم نے کہا کہ خدا کی قسم وہ ہرگز اندر داخل نہ ہو سکیں گے۔ چنانچہ وہ رکاوٹوں کو ہٹاتے ہوئے اسلحہ لے کر اُن پر پل پڑے۔ خولی نے اُن سے کہا کہ ہم سے دُور رہو۔ اس پر اُن جوانوں نے خولی اور اس کے لشکر پر زبردست حملہ کر دیا اور حم کر زبردست جنگ کی۔ چنانچہ خولی کی فوج کے چھ سو سوار قتل ہو گئے۔ اور ان میں سے کل پانچ جوان مقتول ہوئے اللہ اُن پر رحم فرمائے۔ حضرت ام کلثومؓ نے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ اُسے سیبور کہتے ہیں تو آپ نے دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ اُن کی پینے کی چیزوں کو خوش ذائقہ رکھے۔ اور اُن کی ضروریات کی چیزوں میں ارزانی اور فراوانی عطا کرے اور ظالموں کے ہاتھوں کو اُن تک رسائی نہ دے۔ ابوحنفہؓ نے کہا ہے کہ اگر ساری دنیا ظلم اور ستم سے لبریز ہو جائے تب بھی یہ لوگ عدل اور رحم کرم سے وابستہ رہیں گے۔ اس کے بعد لشکر ابن زیاد وہاں سے چلا اور حمادات کے پاس پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے بھی اُن پر اپنے دروازے بند کر لیے اور پردے گرا دیئے اور کہا کہ تم لوگ ہمارے شہر میں داخل نہ ہو سکو گے اگرچہ ہم میں کا آخری آدمی بھی مارا جائے۔ جب اُن ملائین نے یہ سنا تو وہاں سے چل دیئے اور حمص کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور حمص کے گورنر کو حکم بھیجا کہ ہم سر حسینؑ لئے ہوئے آرہے ہیں۔ وہاں کا گورنر خالد بن شیط تھا۔ اس نے خط پڑھتے ہی پبلک کو مطلع کیا شہر کو راستہ کرنے کا حکم دیا اور پبلک ہر چہار طرف سے اُمنڈ آئی۔ وہ تین میل دُور سے استقبال کر کے لایا۔ اور سر ہائے شہداء اور اسیران اہل حرمؑ کی تشہیر کرتے ہوئے شہر کی طرف بڑھے۔ اور دروازہ شہر میں داخل ہوئے تو چاروں طرف سے لوگوں نے ازدحام کر لیا اور پتھر اور شروع کر دیا۔ باہر نکال کر دروازے بند کر لئے۔ چھبیس ملعون وہیں مر گئے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ کیا ہم ایمان و ہدایت کے بعد کافرو گمراہ ہو جائیں۔

یہ ملائین وہاں سے نکل کر قسیس کے گرجا پر آئے جہاں گورنر کا مکان تھا۔ لوگوں نے اُن کا پیچھا کیا تاکہ خولی کو قتل کر کے اُس سے سر حسینؑ چھین لیں اور اس طرح انہیں قیامت تک فخر حاصل ہو جائے۔ جب یہ پتہ خولی کو چلا تو ڈر کے مارے جلدی سے اپنی فوج لے کر چل دیا۔ اور شہر بعلبک کو روانہ ہو گیا۔ ساتھ ہی وہاں کے گورنر کو لکھا کہ ہم حسینؑ کا سر لئے ہوئے آرہے ہیں۔ گورنر نے عورتوں کو حکم دیا وہ ڈھول بجاتی ہوئی نکلیں، بگل بجنے لگے اور سارے شہر میں اطلاع ہو گئی۔ ادھر اُن ملائین نے ٹولیاں بنائیں گول میزوں پر بیٹھے شراب کا دور چلایا، کھایا پیا اور مست و مخمور ہو کر سو رہے۔ حضرت ام کلثومؓ نے اس شہر کا نام معلوم کیا اور بد دعا کی کہ خداوند ان لوگوں کو پھلنے پھولنے سے دور رکھے۔ اُن کے پینے کی چیزوں کو بد مزہ کر دے اور اُن کو مظالم کا نشانہ بنائے رکھے۔ کہا گیا ہے کہ اگر ساری دنیا عدل و داد سے

لبریز ہو جائے تب بھی اُن لوگوں کو ظلم و ستم کے علاوہ کچھ اور نہ ملے گا۔

وہ لوگ رات بھر ٹھہر کر راہب کے گرجا کو روانہ ہوئے اور شام کے قریب وہاں جا پہنچے جب رات ہو گئی تو انہوں نے سروں کو گرجا کے پاس محفوظ کر دیا۔ جب رات گہری ہو گئی تو گرجا کے راہب نے بجلی کے گرجے کی ایسی آوازیں سنیں اور سُبُوحُ قُدَّوَسْ کی آوازیں آنے لگیں۔ اور زمین سے آسمان تک نور کا ایک فوارہ سا چھوٹا ہوا دکھائی دیا۔ راہب نے گرجا سے باہر سر نکال کر ادھر ادھر دیکھا تو نظر آیا کہ ایک نور زمین سے بلند ہو کر آسمان تک پہنچ رہا ہے۔ اور آسمان میں ایک دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جس سے ملائکہ گروہ درگروہ نازل ہو رہے ہیں اور سب السلام علیک یا ابا عبد اللہ کہتے جاتے ہیں۔ یہ نظارہ دیکھ کر راہب کو حد درجہ کی بے چینی ہو گئی۔ صبح کو ملائین کا گروہ چلنے کیلئے تیار ہوا تو راہب وہاں حاضر ہوا اور پوچھا کہ سردار لشکر کون ہے۔ معلوم ہوا کہ خولی بن یزید ہے۔ راہب نے کہا کہ تم لوگوں کے ساتھ کیا چیز ہے۔ بتایا گیا کہ ایک خارجی کا سر ہے جس نے عراق میں بغاوت کی تھی اور ابن زیاد نے اُسے قتل کر دیا تھا۔ راہب نے کہا کہ اس کا نام کیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ حسین بن علی بن ابی طالب تھا۔ اسکی والدہ فاطمہ زہراء ہیں اسکا نانا محمد مصطفیٰ ہے۔ راہب نے کہا تمہیں اور جسکی تم نے اطاعت کی؟ تم دونوں کو اللہ برباد کرے۔ یقیناً اُنکی باتوں سے سابقہ احادیث و اخبار سچے ثابت ہو گئے۔ یقیناً اسی شخص کے قتل پر انسانی خون آسمان سے برساتا تھا جو کہ کسی نبی یا نبی کے وصی ہی کے قتل پر برسا کرتا ہے۔ پھر راہب نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک گھڑی کیلئے مجھے یہ سر دے دیا جائے پھر میں واپس کر دوں گا۔ خولی نے کہا کہ اُسے تو یزید ہی کے سامنے کھولا جائے گا۔ اور وہاں سے مجھے انعام ملے گا۔ راہب نے پوچھا کہ تمہارے انعام کی رقم کتنی ہوگی؟ اُس نے کہا کہ دس ہزار مثقال کی ایک تھیلی ہوگی۔ راہب نے کہا کہ یہ رقم میں دیتا ہوں۔ خولی نے کہا کہ رقم یہاں لے آؤ۔ چنانچہ رقم دے کر اُس نے سر لے لیا۔ اور سر مبارک کو بوسے دیتا جاتا تھا۔ اور رو کر کہہ رہا تھا کہ اللہ مجھے عز و ادوار بنائے میرا پرہیز قبول کرے۔ یا ابا عبد اللہ اپنے نانا سے ملاقات کے وقت میری طرف سے انہیں بتانا کہ میں نے اسلام اختیار کر لیا ہے۔ میں شہید ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں اور یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اُسکے رسول ہیں۔ اور یقیناً علی اللہ کے ولی اور آپکے بعد حاکم ہیں۔ اسکے بعد اُس نے سر مبارک واپس دے دیا اور گرجے میں چلا گیا۔ اب انہوں نے راہب کے دیئے ہوئے روپیوں کو آپس میں بانٹنا شروع کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سب مٹی کی ٹھیکریاں بن گئے ہیں اور اُن پر لکھا ہے کہ بہت جلد ظلم کرنے والے لوگوں کو پتہ چلے گا کہ اُن کے ظلم نے پلٹ کر انہیں انقلاب کے حوالے کر دیا ہے (شعرا 26/227)۔ اور یہ دیکھ کر خولی نے اپنے سب ساتھیوں سے کہا کہ لوگوں میں ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ اس واقعہ کو قطعی طور پر پوشیدہ رکھا جائے۔ ادھر ایک غیبی آواز نے مخاطب کیا اور کہا کہ حسینؑ کو قتل کرنے والی اُمت کو کیسے یہ امید ہو سکتی ہے کہ محمدؐ قیامت میں اُن کی شفاعت کریں گے۔ حالانکہ اُس اُمت نے اُنکے حقوق غصب کئے اور ہر طرح اُن کی آل کی مخالفت کی اور محمدؐ سے بالکل لاپرواہ رہے۔ لہذا یاد کی اولاد اور متعلقین کیلئے قیامت میں محمدؐ کی طرف سے لعنت اور عذاب جہنم کے سوا اور کچھ نہ ملے گا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سُن کر اُن لوگوں پر دہشت نے غلبہ کیا اور اُن کی عقل ششدر رہ گئی۔ لہذا جلدی جلدی سفر کرتے ہوئے دمشق پہنچ گئے۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 498-500)

(2)۔ کوفہ سے دمشق تک سفر پر مختلف وضاحتیں اور اختلافات

عزاداروں کے اور علما و ذاکرین کے علم میں یہ بات رہنا چاہئے کہ واقعاتِ کربلا اور متعلقاتِ شہداء و سید الشہداء علیہم السلام کے بیان میں بعض اختلافات ملکی سیاست اور قومی حکومت نے جان بوجھ کر پیدا کئے ہیں۔ اور بعض اختلافات فطری و قدرتی طور پر پیدا ہوئے ہیں۔ لہذا ہمیں ہر وہ بات قبول کرنی چاہئے جو مقصدِ امام حسین علیہ السلام کی تائید کرتی ہو۔ اور ہر وہ بات نظر انداز کر دینا چاہئے جو محمد و آل محمد کی مخالفت کرتی ہو۔ لہذا راوی کا یا راویوں کے بیان کا اختلاف ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ہم یا آپ جب کوئی واقعہ الفاظ میں بیان کرتے ہیں تو اُس میں اتنی اثر انگیزی نہیں ہوتی۔ جتنی اُسی واقعہ کی تمثیل میں ہوتی ہے۔ مثلاً آپ نے سینما میں ایک پکچر دیکھی۔ پھر اُسے اپنی زبانی دوسروں کو سنایا تو اُن سننے والوں پر وہ اثر نہیں ہوتا جو آپ پر ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو پکچر دیکھتے وقت دکھ ہوا ہو اور رونا آ گیا ہو۔ مگر آپ سے سننے والوں کو رونا کیوں نہیں آتا؟ پھر اُسی پکچر کا حال اگر دس آدمی سنائیں تو سب کے بیانات یکجہ و بلفظ ایک نہ ہوں گے۔ پھر سننے والے جب دوسروں سے اسی واقعہ کا بیان کریں تو مزید اختلاف نظر آئے گا۔ یہ اختلاف فطری ہے، ہر دیکھنے والا مختلف قابلیت کے ساتھ دیکھتا اور یاد رکھتا ہے۔ قابلیتوں کے اختلاف سے حافظہ اور بیان پر اثر پڑتا ہے۔ ایک بچہ بعض چیزوں کو قطعاً غور سے نہیں دیکھتا اور بعض میں بہت دلچسپی لیتا ہے۔ اُن دونوں حالتوں کا اثر اس کے بیان پر پڑتا ہے۔ عورتیں، پھر شادی شدہ مرد اور عورتیں، پھر پہلے سے دشمنی یا دوستی رکھنے والوں کا دیکھنا اور بیان کرنا الگ الگ وزن کا ہوتا ہے۔ یہ تمام فطری صورتیں احادیث بیان کرنے اور سننے اور لکھنے والوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ راوی اور محدث بھی آدمی ہی ہوتے ہیں۔ وہ بھی بوڑھے، جوان، بچے اور عورتیں ہی ہوتے ہیں۔ اُن کے ساتھ اور اُن کے دیئے ہوئے یا لکھے ہوئے بیانات کے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا چاہئے جو آپ باقی آدمیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ کربلا میں ابن سعد بھی تھا؛ شمر بھی تھا؛ حصین بن نمیر بھی تھا؛ خولی بھی تھا۔ اور یہ سب تقریباً ہم پلہ اور قابلیت میں یکساں بھی تھے۔ اور اُن میں سے ہر کوئی پوری فوج یا افواج کی سپہ سالاری سنبھال سکتا تھا۔ لیکن سپہ سالار عمر بن سعد تھا۔ اور یہ لوگ باقی سردارانِ فوج کی طرح مختلف قسم کی ایک ایک فوج کے ذمہ دار تھے تمام افواج کے نہیں۔ لہذا اُن سے نہ تو تمام افواج کا اجتماعی حال معلوم کرنا چاہئے نہ وہ مجموعی حالات پر مطلع ہو سکتے تھے۔ اور نہ اُن کے بیانات کو اجتماعی حیثیت دینا صحیح ہوگا۔ وہ شخص جس سے یہ امید تھی کہ وہ وہاں کی ہر بات کی ذمہ داری لے گا، جس سے ہر سوال دریافت کیا جائے گا، وہ صرف عمر ابن سعد تھا۔ باقی سردارانِ فوج مجبوری حالات کے ذمہ دار تھے۔ لہذا لازم ہے کہ جب اہلِ حرم اور سرہائے شہداء علیہم السلام دربارِ یزید میں جائیں تو وہاں عمر بن سعد موجود ہو۔ تاکہ وہ یزید؛ خلیفہ وقت؛ اُس وقت کے قومی و ملکی مسلمانوں (فرقان 25/30) کا امیر المومنین؛ تاجدارِ عرب و عجم اور عزیزِ یوں اور محمودیوں کے امام کے ہر سوال کا جواب دے سکے۔ اور ہم نے دکھایا ہے اور پھر بھی ذکر کریں گے کہ عمر ابن سعد کی ماتحتی میں اہلِ حرم اور سرہائے شہداء کو بھیجا گیا تھا۔ وہاں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ حضرت قاسم علیہ السلام کا سر مبارک حصین بن نمیر کے ساتھ ملک رے لے جایا گیا تھا۔ اور حصین نے عمر بن سعد سے اجازت لے کر یہ سفر کیا تھا۔ ابھی سابقہ روایت کے طویل سفر میں یہ دیکھا گیا کہ شمر بن ذی الجوشن اور خولی بن یزید کو ایک ہزار پانچ سو سواروں کے ساتھ اہلِ حرم اور شہداء کے سروں کو بھیجا گیا تھا۔ ان مواقع کو دیکھ کر بعض لوگوں کو

عموماً اور دشمنانِ آلِ محمدؐ کو خصوصاً یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ ان روایات میں اختلاف ہے۔ لیکن اگر آپ کے سامنے وہ مقصد ہے جس کو حاصل کرنے کیلئے اہلِ حرمؑ اور سرہائے شہدائِ یزید کے پاس بھیجے گئے تھے تو عقلی تقاضہ بھی ہے اور روایت بھی موجود ہے کہ عمر ابن سعد ایک فوج اور اہلِ حرمؑ اور شہدائے سروں کو لے کر یزید کے دربار میں گیا تھا۔ تاکہ یزید کے ہر سوال اور کر بلا کی ہر تفصیل کی وضاحت کر سکے۔ یہ ممکن ہے کہ عمر بن سعد کو چند باتیں معلوم نہ ہوں یعنی وہ چند سوالات کا جواب نہ جانتا ہو۔ لیکن سپہ سالارِ اعظم ہونے کی وجہ سے وہ یہ جانتا ہے کہ وہ چند باتیں کون سے سردار سے متعلق ہیں۔ لہذا وہ سردار کو کھڑا ہونے کا حکم دیگا۔ وہ بتائے گا کہ (مثلاً) پانی بند ہو جانے کے بعد کون کون بہادر لشکرِ حسینؑ سے دریا کے کنارے آئے اور پانی لے گئے۔ ظاہر ہے کہ عمر بن سعد دریا کنارے جا کر نہ بیٹھ سکتا تھا۔ لہذا لازم ہے کہ عمر بن سعد ہی نہیں بلکہ تمام متعلقہ سردارانِ افواج دربارِ یزید میں موجود ہوں۔ خواہ روایات میں سب کا نام ملے یا نہ ملے۔ حصین بن نمیر ملک رے چلا گیا۔ لیکن جب دربارِ یزید میں اُس کی ضرورت ہو، اُسے اُس سے پہلے چھٹی ختم کر کے پہنچ جانا چاہئے۔ اور یہ چھٹی دینا بھی اس اصول کے ماتحت رہنا چاہئے کہ کوفہ سے دمشق تک کا سفر کتنے روز میں پورا کروں گا۔ کہاں کہاں منزل کی جائے گی۔ کون سے مقام ایسے ہوں گے جہاں آبادیاں زیادہ ہیں۔ لہذا ایسی منزلوں پر اس وقت تک قیام رہے گا جب تک گرد و نواح میں گاؤں گاؤں قیدیوں اور سروں کی تشہیر نہ ہو جائے۔ پھر دمشق پہنچ کر بھی عمر بن سعد کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ کس روز سب کو پیش کرے۔ اور اس کے تعین کے لئے پہلے وہ تنہا دربار میں حاضر ہوگا۔ فوجی مصلحتیں پیش کرے گا۔ درباری رعایت اور حالات کے ماتحت دونوں تاریخ کا تعین کریں گے۔ لہذا اُس روز تمام متعلقہ لوگوں کو وہ جہاں بھی ہوں عمر سعد کے ہیڈ کوارٹر میں رپورٹ کر دینا لازم ہوگا۔ یہ معاملہ اس طرح نہ ہوگا کہ ملاجی کا جب دل چاہا اذان دیدی۔ جب دل میں آیا تالا لگا کر بازار میں چلا گیا۔ یہ کام اس زمانہ کی انتہائی ترقی یافتہ حکومت کے پروگرام اور آدابِ مملکت کے ماتحت کیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے دربار میں یزید اور اس کے اسٹاف کے علاوہ کوئی رعایا یا حکومت کا آدمی نہ ہو تا کہ جائزہ لیا جاسکے۔ اور جب عمر بن سعد وہ رد عمل سنائے گا جو سرہائے شہدائے حرمؑ کی تشہیر پر مختلف شہروں میں ہوا تو اُس کو صیغہ راز میں رکھنا چاہئے۔ بہر حال اختلافِ اختلاف کا شور مچانے والے بد قسمتی سے نہ اُس زمانہ کی تاریخ سے واقف، نہ سیاسیات و تمدن پر مطلع، نہ مذہبیات اور عمرانیات سے آگاہ، نہ درایت و اصول تحقیق سے آشنا، نہ جغرافیہ و ارتقا کی خبر یعنی کورے علامہ و مفتی ہوتے ہیں۔ یا اجتہاد کے کولھو میں ایک دائرہ میں گھومنے والے نیل یا بھینسے کی طرح ہوتے ہیں۔ بہر حال اُن کو بھی ساتھ لے کر چلنا ہے۔ آدمِ بلا البلیس اچھے معلوم نہ ہوتے تھے۔ یہ ہماری جوڑی میں ہیں۔ یہ نہ ہوں تو ہم محنت ہی نہ کریں۔ اُن کی مہربانی ہے کہ ہم طرح طرح کوشش کرتے ہیں اور کھود کھود کر حقائق کو باہر نکالتے ہیں۔

یہ بھی نوٹ کریں کہ افواج میں ہر سردار اور ہر عہدیدار کا ایک نائب (Assistant) سیکنڈ ان کمانڈ (Second In Command) ہونا ضروری ہے تاکہ ہر لمحہ حکم جاری رہے۔ لہذا ضروری نہیں کہ عمر بن سعد ہر وقت فوج کے ساتھ چپکار ہے۔ راہ میں وہ جہاں مناسب ہوگا آملے گا۔ راہ میں تشہیر اور داخلی انتظام کے علاوہ اور کوئی مہم نہیں ہے۔ ہر نائب اپنا اپنا کام کرتا رہے گا۔ البتہ روانگی کے دن اور دربار میں پیشی کے وقت عمر ابن سعد کا حاضر ہونا لازم ہے۔ وہ تمام سرداروں کو چھٹی دے سکتا ہے، نائب کام کرتے رہیں

گے۔ خود کوفہ میں یارہ میں کسی اور شہر میں زیادہ دن قیام کر سکتا ہے۔ اُس کے ساتھ بچے، قیدی اور مستورات نہ ہوں گی۔ اس لئے وہ اور اس کا ذاتی اسٹاف تیز چل سکتا ہے۔ پھر سرہائے شہد اور اسیران اہل حرم پر ایک ہی شخص تعینات نہ تھا۔ کئی شخص الگ سروں اور قیدیوں کے انچارج تھے اور روزانہ بدلتے رہتے تھے۔ اسلئے ناموں کا اختلاف کوئی بات ہی نہیں ہے۔ جس راوی نے خولی کو دیکھا خولی کا نام لے دیا۔ دوسرے نے اسی کام پر کسی اور کو تعینات دیکھا اس کا نام لکھ دیا۔ پھر ڈیوٹی والوں کی فطری ضروریات بھی ہوتی تھیں۔ پیشاب یا بیت الخلاء جانے کے لئے دوسرے شخص کو عارضی چارج دیا گھنٹے بھر بعد خود سنبھال لیا۔ لہذا اختلاف اختلاف پکارنے والوں پر آدمی بننے اور غور کرنے کا تقاضہ کریں۔ اور پھر علامہ در بندی رضی اللہ عنہ کا وہ بیان سنیں جو مذکورہ بالا سفر دمشق کے بعد لکھا ہے۔

انتھلی کلام ابی مخنف فی ذکر ماجری فی المنازل الی بین کوفہ و دمشق۔ ولکن لا یخفی علیک ان نسخ الكتاب مختلفة۔ ففی بعض النسخ یوجد شیء زائد علی مانقلنا؛

حضرت ابو مخنفؒ نے کوفہ سے دمشق تک کے سفر اور مختلف منازل میں گزرنے والے حالات پر جو کچھ لکھا وہ یہاں ختم ہو گیا۔ لیکن آپ پر یہ بات پوشیدہ نہ رہنا چاہئے کہ ابو مخنف کی اس کتاب کے بہت سے حصے ہیں۔ چنانچہ بعض نسخوں میں ہمارے تحریر کردہ حالات سے کچھ زیادہ بھی ہے؛

(3)۔ سابقہ بیان کی وضاحت و تفصیل

وہو عند قوله: ”وساروا بالرؤس الی شرقی الجصاصة ثم عبروا تکريت وهو هکذا۔“
وكتبوا الی عامله، ای بلد تکريت، أن تلقانا بالزاد والعلوفة فان معنا راس الحسين۔ فلما قرء الكتاب امر با لاعلام فنشرت والبوقات فضربت والمدينة تزيت وتداعت الناس من كل جانب ومكان۔ ثم خرج الوالی فتلقاهم وکانوا کل من سالهم یقولون هذا راس خارجی خرج علی یزید بن معاوية۔ قتله ابن زیاد وقد انفذ براسه الی یزید بن معاوية۔ فقال لهم رجل نصرانی یاقوم انی کنت بالكوفة وقد قدّم هذا الراس ولبس هو راس خارجی بل هو راس الحسين۔ فلما سمعوا ذلك عمدوا الی النواقيس فضربوها فجمع الرهبان اليهم من البیع اعظاماله وقالوا برئنا من قوم قتلوا ابن بنت نبيهم۔ فبلغهم ذلك فلم يدخلوها۔ ثم رحلوا من تکريت واخذوا علی طریق البر۔“ هذا هو زائد۔ ثم الی آخر مانقلنا أوّلاً۔
(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 500)

اور وہ اُس بیان کے قریب ہے جہاں کہا گیا ہے کہ: ”وہ لوگ سرہائے شہد کو لے کر مشرقی جصاصہ کی طرف چلے اور انہوں نے تکريت کو عبور کیا۔“ وہ اضافہ شدہ عبارت یہ ہے کہ: ”انہوں نے تکريت کے گورنر کو لکھا کہ تم ہمارے لئے سامان سفر، کھانے کی اشیاء اور گھوڑوں اور اونٹوں کے گھاس اور دانہ وغیرہ لے کر ہمارے استقبال کو پہنچو۔ ہمارے ساتھ حسینؑ کا سر ہے۔ جب گورنر نے حکم نامہ پڑھا تو شہر گرد و نواح میں اس خبر کو پھیلانے، بگل باجے بجانے اور شہر کو سجانے کا حکم دیا اور تمام پبلک کو ہر چہار جانب سے تماشہ کیلئے آنے کی دعوت دی اور اسکے بعد حسب ہدایت گورنر استقبال کو پہنچا۔ جو کوئی اُن ملائین سے پوچھتا تھا تو وہ جواب میں یہ کہتے تھے کہ یہ ایک ایسے خارجی کا سر ہے جس نے یزید بن معاویہ کے خلاف جنگی بغاوت کی تھی۔ اور جسے ابن زیاد نے جنگ کر کے قتل کیا۔ اُسی کا سر یزید بن

معاویہ کے پاس بھیجا گیا ہے۔ یہ سُن کر ایک عیسائی نے پکار کر کہہ دیا کہ میں اُس روز کوفہ میں تھا جس دن یہ سر لایا گیا تھا۔ یہ کسی خارجی کا سر نہیں ہے، یہ تو حسین بن علی کا سر ہے۔ انہوں نے یہ سنتے ہی ناقوس بجانا شروع کر دیئے اور اس پر گرجے کا بڑا راہب بطور تعظیم باہر نکل آیا۔ اور اُن سب نے کہا کہ ہم ایسے گروہ اور قوم سے بیزار ہیں جس نے اپنے نبی کی بیٹی کے فرزند کو قتل کر دیا ہے۔ جب یہ خبر لشکر مسلمانان میں پہنچی تو وہ نکریت میں داخلہ سے باز رہے۔ اور انہوں نے بڑی راستہ اختیار کیا۔ اور چل دیئے۔“ یہ عبارت ہمارے بیان سے زیادہ ہے۔ باقی وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے۔“

(4)۔ کوفہ سے دمشق کے سفر پر ایک تشریحی نظر

یزید اور اُس کے ہم مذہب مسلمانوں کے یہاں شہدائ کی جسمانی حیات ہمیشہ مشکوک رہی ہے۔ یہ وجہ تھی کہ ابن زیاد نے دمشق روانہ کرنے سے پہلے سر اقدس کو خوشبوئیں لگوائیں تھیں۔ یعنی اپنے خیال میں سر مبارک کو گلے سڑنے سے بچانے کے لئے وہ مسالہ لگایا تھا جو مصری لوگ اپنے مُردوں کو دفن سے پہلے لگاتے تھے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ابن زیاد ملعون نے سر مبارک کو مقدس سمجھ کر معطر کیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس خبیث ابن خبیث نے دندان مبارک کے ساتھ بے ادبی نہ کی ہوتی۔ یہاں یہ بھی نوٹ کریں کہ طویل سفر میں جہاں بھی ذکر کیا گیا ہے ایک سر کا ذکر ہوا ہے۔ باقی سروں کا کسی بیان میں ذکر نہیں آتا۔ لہذا یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ صرف امام مظلوم علیہ السلام کے سر کو معطر کیا گیا تھا۔ نہیں بلکہ یہ ملاعین گلے اور سڑنے سے بچانے کے لئے تمام سر ہائے شہدائ کو اُس مسالے سے تر کرتے رہتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ اُن کی اس ٹیکنیک سے وہ محفوظ رہتے ہیں۔ ورنہ بدبو اُٹھتی اور گل جاتے۔ (لا حول ولا قوۃ الا باللہ)

یہ بھی ایک نمایاں حقیقت ہے کہ یزید اور اُس کی قومی حکومت مسلسل علی و خاندان علی علیہم السلام سے ڈرتی اور خطرات سے بچنے کی کوشش کرتی چلی آئی تھی۔ اُن کا روزاؤل سے ہر اقدام اپنی کافرانہ حکومت کو محفوظ رکھنے کے ماتحت رہا۔ وہ انتہائی قدرت و سطوت و فوجی قاہرانہ طاقت رکھتے ہوئے بھی کھل کر یہ نہ کہہ سکی کہ ہم حسینؑ سے جنگ کرنے کیلئے افواج بھیج رہے ہیں۔ یا ہم نے حسینؑ اور اُن کے خاندان کو قتل کیا ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا سفر میں بھی اور دیگر بیانات میں بھی لوگوں کو فریب دینے کیلئے یہ کہا جاتا رہا ہے کہ ایک خارجی نے مسلمانوں کی حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی یا کی ہے۔ اُس کی فوج کو شکست دی گئی اور سر کاٹ کر یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔ یا یہ کہ اُس خارجی کے مقابلہ میں افواج بھیجی جا رہی ہیں۔ اور لوگوں کو اس خارجی کے خلاف حکومت سے تعاون کرنا چاہئے۔ خارجی اس لئے کہا گیا کہ وہ لوگ مسلمانوں کو کافر سمجھتے تھے۔ اُن کا قتل جائز قراریتے تھے۔ اور جب موقع ملتا تھا مسلمانوں کو لُوٹنے اور قتل کر ڈالتے تھے۔ اُن کی عورتوں اور بچوں تک کو توار کے گھاٹ اتارنے میں تکلف نہ کرتے تھے۔ اور اس زمانہ کے مسلمان اُن سے حد بھر خوفزدہ اور متنفر رہتے تھے۔ لہذا امام حسین علیہ السلام کے خلاف مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے انہیں خارجی کہنے سے بہتر اور کوئی حربہ نہ تھا۔ یہ سبب تھا کہ یزید و ابن زیاد کو زیادہ سے زیادہ تعاون ملا۔ اگر میدان کر بلا میں امام حسینؑ، خاندان ابنی ہاشم کے دیگر حضرات اور صحابہ بار بار اور طرح طرح اپنا تعارف نہ کراتے تو یہ پتہ بھی نہ چلتا کہ خاندان رسول کا قتل عام ہوا تھا۔ پھر اسیران کر بلا میں اگر عورتیں اور بچے نہ ہوتے اور انہیں گاؤں درگاؤں اور شہر بشہر نہ پھرایا گیا ہوتا اور انہوں نے اپنا حسب و نسب و تعارف پیش نہ کیا ہوتا

تو خارجی قرار دینے والا حربہ واقعی کامیاب ہو جاتا اور یہی سمجھا اور تاریخ میں لکھا جاتا کہ ایک باغی و خارجی گروہ قتل کیا گیا تھا۔ پھر آپ نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کوفہ سے دمشق تک اپنے گورنروں کو تو صحیح مگر ادھوری بات لکھی جاتی تھی۔ یعنی ہمارے ساتھ حسینؑ کا سر ہے۔ اور باقی سروں کا ذکر نہ کیا جاتا تھا۔ تاکہ گورنر تحفظ کا انتظام بھی کرے اور زیادہ سروں سے گھبرائے بھی نہیں۔ اور اگر خط غلط ہاتھوں میں پڑ جائے تو تباہی کا سامنا نہ ہو جائے۔ لیکن عوام کو ہر جگہ خارجی کہہ کر ٹھنڈا رکھنے اور دھوکہ دینے کا عمل جاری رہتا چلا گیا۔ لہذا معلوم ہوا کہ علیؑ و خاندان علیؑ اور حسینؑ کی طرف سے جو خوف و دشمنان اسلام کے دلوں میں جاگزین تھا، وہ کربلا کے قتل عام کے بعد بھی برقرار اور اُن کے سروں پر سوار رہتا چلا آیا ہے۔ یزید کی حکومت اُس وقت دنیا کی سب سے بڑی، سب سے قوی، سب سے منظم حکومت تھی۔ اُس حکومت کے پاس پچاس لاکھ سے زیادہ فوج تھی مگر حسینؑ سے خوفزدہ تھی۔ کٹا ہوا سر نیزہ پر تھا مگر عرب کے مارے دشمن کا دل کانپتا تھا۔ حسینؑ کی اُسی قوت نے آخر ایک قہار و جبار اور بے پناہ حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ بنی امیہ پر زمین تنگ ہو گئی، چُن چُن کر ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں قتل کیا گیا۔ انہیں رونے والا بھی کوئی نہ بچا اور اس طرح وہ نسل منقطع ہو گئی جس نے روزِ اوّل سے نسل رسولؐ کو فنا کرنے کی سازش کر کے حکومت بنائی تھی (بقرہ 205-204/2) اور ساری دنیا کو غلام بنا لینے کا منصوبہ چلایا تھا۔ لوگوں نے وہ نام رکھنا چھوڑ دیئے۔ آج تک یزیدی فرقہ نے بھی اپنے کسی بچہ کا نام ابوسفیان نہیں رکھا ہے۔ یزید و شرواہن زیاد و عمر سعد گالی بن کر رہ گئے۔ ایک ہندو بھی یزید کہلانا پسند نہیں کرتا۔ دنیا میں صدیوں اموی کہلانا دشمنان اسلام کی شناخت رہا ہے۔

(5)۔ کوفہ سے دمشق تک سفر پر دیگر علما کی وضاحتیں

آپ نے کوفہ سے دمشق تک سفر کا ایک رواں دواں بیان سن لیا ہے۔ اب چند دیگر علما کی کتابوں سے اُسی سفر کی چند روایات کا اضافہ اس لئے ضروری ہے تاکہ سابقہ بیان میں جہاں جہاں خامی ملے اُسے پورا کر لیا جائے۔ اور واقعات کے دوسرے پہلو بھی سامنے آجائیں۔ چنانچہ سابقہ سفر کی روایت میں امام زین العابدین علیہ السلام کو طوق و زنجیر پہنانے کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ اور صرف قیدی (سبایا) کہنا کافی سمجھا گیا ہے۔ یعنی قیدی کو تو طوق و زنجیر اور تھکڑی وغیرہ پہناتے ہی ہیں۔ لہذا ذکر کی کیا ضرورت ہے۔ پھر یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ جانے والے لشکر کی ترتیب کیا تھی؟ مقدمہ میں یعنی ایڈوانس گارڈ (Advance Guard) میں کون تھا؟ پچھلے حصے کی حفاظت کون کرتا تھا؟ اُنکی تعداد کیا تھی؟ میمنہ اور میسرہ (Flank Guard) پر کون اور کتنے لوگ تھے؟ مستورات کا چارج کس کے پاس تھا؟ سروں کو کون کون اٹھائے ہوئے تھے؟ اُن کا افسر کون تھا؟ باقاعدہ بیان کی بہت سی چیزیں نہیں ہیں۔ اس لئے علما نے روایات جمع کیں تاکہ کہیں سے کچھ ملے تو کمی پوری ہو۔ بہر حال اب پھر روایات سنئے اور خود اپنی سوچ بوجھ سے تکمیل کرتے جائیے۔

(1)۔ قال ابن الصباغ فی الفصول المهمّة انّ ابن زیاد ارسل بالحرم والسبایا وراس الحسین الى الشام الى

یزید بن معاویة مع شخص یقال له زجر بن قیس ومعہ جماعة وهو مقدّمهم و ارسل بالنساء والصبيان

علیٰ اقتاب الجمال ومعهم علی بن الحسین وقد جعل ابن زیاد الغلّ فی یدیه وفی عنقه۔

(2)۔ وفی رواية السيد أنّ الذی سارابهم وکان مقدّم العسکر بمفخر بن ثعلبة العائذی و ذلك حیث قال

السيد و استدعى ابن زياد بمخفرة بن ثعلبة العائذي فسلم اليه الراس والاسرى والنساء وسار بهم الى الشام كما يسار بسببا الكفار يتصفح وجوههن اهل الاقطار۔

(3)۔ وَأَمَّا المفيد فافتصر على كلام قليل في المقام وهو أنَّ ابن زياد دفع راس الحسين الى زجر بن قيس ودفع اليه رؤس اصحابه وسرحه الى يزيد بن معاوية وانفذ معه ابا بردة بن عوف الازدى وطارق بن ابي ظبيان في جماعت من اهل كوفة حتى وردوا بها على يزيد بد مشق۔ (اکبر صفحہ 500)

(1) ابن صباغ نے اپنی کتاب فصول الحکمہ میں لکھا ہے کہ ابن زیاد نے ایک شخص بنام زجر بن قیس کے ساتھ حرم حسینیؑ کو اور قیدیوں کو اور سر حسینؑ کو ملک شام یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا۔ اس شخص کے ساتھ ایک جماعت مددگاروں کی کردی اور خود اسے اُن کے آگے بطور مقدمہ تجویز کر دیا۔ اور عورتوں اور بچوں کو اونٹوں پر سوار کرایا اور طوق وزنجیر گردن میں اور زنجیر ہاتھوں میں پہنا کر امام زین العابدین علیہ السلام کو بھی ساتھ کر دیا۔

(2) اور سید ابن طاووس کی روایت کہتی ہے کہ دمشق جانے والے لشکر کا مقدمہ یعنی آگے چلنے والا محافظ مخر بن ثعلبہ عائدی تھا۔ چنانچہ اُن کا جملہ یہ ہے: ”ابن زیاد نے مخر بن ثعلبہ عائدی کو بلایا اور اسے سر حسینؑ اور قیدی اور عورتیں سپرد کیں اور وہ اُن کو لیکر شام کو چل دیا۔ گویا جس طرح کافروں کے قیدیوں کو لے جایا کرتے تھے۔ اور اُن کے چہروں کو لوگ تکتے تھے۔ یعنی بے پردہ روانہ کر دیا گیا تھا۔ (3) اور شیخ مفید رضی اللہ عنہ نے تو اختصار اور گول بیان دینے میں حد کردی اور انہوں نے کہا کہ: ”ابن زیاد نے زجر بن قیس کو سر حسینؑ اور باقی شہداء کے سر حوالے کئے اور اسے یزید کی طرف روانہ کر دیا۔ اور زجر بن قیس کے ساتھ کوفہ کی ایک جماعت کردی جن میں سے ایک ابو بردہ بن عوف تھا ایک طارق بن ابی ظبیان تھا۔ بہر حال یہ لوگ سب کو لے کر چلے یہاں تک کہ وہ سب شام میں یزید بن معاویہ کے پاس پہنچ گئے۔

(الف)۔ ان تینوں علما اور روایات کے اختلاف کا حقیقی مقصد

یہ تینوں علما اور تینوں روایات اس سفر کی ابتدائی ترتیب اور صورت پر جو روشنی ڈالتی ہیں اُسے ترتیب وار یوں سمجھنا چاہئے کہ:-

اول۔ اس سفر میں اہل حرم قیدیوں کی صورت میں موجود ہیں اور سب نے مانا ہے۔

دوم۔ اس میں تمام سرہائے شہداء اور سر مبارک امام حسینؑ بھی ہے۔ باقی سروں کا ذکر اکثر نہیں کیا گیا تھا، یہ کمی پوری ہوگئی ہے۔

سوم۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے طوق وزنجیر کا ذکر نہیں ہوتا۔ مگر یہاں باقاعدہ تفصیل موجود ہے۔

چہارم۔ پہلی روایت میں ”حرم اور قیدی“ (بالحرم والسبایا) اور دوسری روایت میں ”قیدی اور عورتیں“ (والاسرى والنساء)

قیدیوں کی دو قسمیں ہیں۔ یعنی امام حسین علیہ السلام کے خیام سے گرفتار کئے جانے والوں کے علاوہ بھی کچھ قیدی تھے۔ اور یہ وہی لوگ ہو سکتے تھے جنہوں نے کھل کر لڑنے سے انکار کیا ہو یا کوئی اور ایسا جرم کیا ہو جو سرداران فوج کو مجبور کرے کہ وہ اُسے گرفتار کر لیں اور جنگ کے بعد سزا دلوائیں۔ ورنہ یہ دونوں الفاظ (سبایا اور اسری) بے معنی ہو جاتے ہیں۔ جب کہ سب کو معلوم ہے کہ سر امام حسینؑ اور صحابہ

کے سر اور حرم حسینی اور حسینی خاندان کے بچے تفصیل سے بیان ہو چکے۔ اور ہم کسی بات کو بے معنی نہیں مانتے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ اہل حرم، اُن کے بچے اور تمام شہدا کے سروں کے علاوہ کچھ قیدی اور بھی تھے۔ اور یقیناً وہ قیدی امام کی جانب کے نہ تھے۔

پنجم۔ یہاں پھر معلوم ہوا کہ اہل حرم سے چادریں، برقعے اور وہ تمام لباس پھر چھین لیا گیا تھا جس سے سرو منہ چھپایا یا پردہ کیا جاسکے۔ اور یہ کہ اس سفر میں بھی پردہ دار محملیں نہ تھیں۔ بلکہ اقتساب الجمال ایک ذومعنی جملہ ہے۔ اور اسی سے بعض علما نے یہ سمجھا ہے کہ حرم رسول کو بھی ایک دوسرے سے باندھ کر اونٹوں پر سوار کیا گیا تھا۔ یعنی کجاوہ بھی نہ تھا کہ گرنے سے محفوظ رہیں۔

ششم۔ دوسری روایت میں لفظ عسکر آ جانے سے فوجی ترتیب سامنے آ جاتی ہے۔ اور وہ اختلاف رفع ہو جاتا ہے جو مختلف اشخاص کے ناموں کے آ جانے سے پیدا ہوتا ہے۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ پہلی روایت اور تیسری روایت میں مذکور جر بن قیس اور اُن کے ساتھ والی جماعت جو پہلی روایت میں مذکور ہے اور وہ دونوں آدمی، ابو بردہ بن عوف اور طارق بن ابی ظلیان جو تیسری روایت میں مذکور ہیں محض قیدیوں کے آگے بطور مقدمہ رہنے والے لوگ ہیں۔ جو روانگی اور پہلی منزل تک تعینات رہیں گے۔ پھر ڈیوٹی کی صورت بدل جائے گی اور دوسرے لوگ لگادیئے جائیں گے۔

ہفتم۔ پوری فوج کا حفاظتی مقدمہ یعنی سب سے آگے رہنے والا دستہ مخضر بن ثعلبہ کی تحویل میں تھا۔ اور یوں تینوں روایات ایک دوسری کی تفصیل و تائید اور صورت حال کی تکمیل کرتی ہیں۔

ہشتم۔ علامہ در بندی علیہ الرحمہ نے شیخ مفید رضی اللہ عنہ کے اختصار کی شکایت فرمائی ہے۔ یہ شکایت اس حقیقت کو نظر انداز کرنے سے پیدا ہوئی ہے کہ چوتھی صدی تک واقعات کر بلا اپنی پوری تفصیل اور فطری صورت حال کے ساتھ مسلمانوں اور عرب کے عیسائیوں، یہودیوں اور مجوسیوں کے بچہ بچہ کو معلوم و مشہور تھے۔ اس لئے علما موٹی موٹی باتیں لکھ دینا کافی سمجھتے تھے۔ تاکہ اُن کا مذاق نہ اڑایا جائے۔ مثلاً صرف اتنا کہہ دینا کافی سمجھا جاتا ہے کہ فلاں شخص ہم سے ملنے آیا تھا۔ اور سب لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ ٹانگوں سے چل کر اور آنکھوں سے دیکھتا ہوا آیا تھا۔ اور مکان کا پتہ بھی جانتا تھا۔ اور ملنے جلنے کے فوائد سے بھی آگاہ تھا۔ اگر یہ باتیں زبان سے کہی بھی جائیں یا قلم سے لکھی بھی جائیں تو سننے والے یقیناً بور بھی ہوں گے اور مضحکہ بھی اڑائیں گے۔ لہذا یاد رکھیں کہ عزاداری امام مظلوم علیہ السلام کی ہر بات معلوم و مشہور و پبلک میں معمول تھی۔ لیکن چوتھی صدی کے بعد جب شیعوں میں وہ گروہ در آیا جو دشمن محاذ کا مشن لے کر آیا تھا۔ اُس نے طرح طرح کے اعتراضات شروع کئے اور آج تک اُن کا منہ کھلا ہوا ہے۔ اس کے بعد یہ سوالات اٹھے کہ فلاں بات جو تم کرتے ہو یا کہتے ہو وہ کون سی روایت میں ہے اور وہ روایت کون سی کتاب میں ہے؟ غلطی یہ کی گئی کہ انہیں منہ لگایا گیا اور اُن کے اعتراضات کا جواب دیا گیا۔ یوں مناظرہ بازی اور لعن طعن شروع ہو گیا اور یہی اس خبیث گروہ کا مقصد تھا۔ اُن سے کہا جاتا کہ جناب آپ اپنا راستہ ناپیں یہ ہمارے آئمہ اور انبیاء علیہم السلام کی عملی سنت ہے۔ ہم اس کو آنکھوں دیکھی سنت سمجھ کر عمل پیرا ہیں۔ اور ادھر سے ادھر اور اُس سے مس نہ ہوں گے تو وہ لوگ خاموش ہو جاتے۔ جیسے آپ اپنے ملک میں دیکھیں کہ یہاں عیسائی، یہودی، پارسی، بدھ مت والے،

آغا خانی، بہائی، بوہرے کسی مسلمان مولانا اور مسٹر کو منہ نہیں لگاتے۔ لہذا کوئی مسلمان علامہ یا مفتی یا ادارہ اُنکے ساتھ نہیں الجھتا۔ وہ خاموشی سے مسلمانوں کے اُن عوام کو جو سرمایہ دارانہ نظام کے ٹھکرائے ہوئے ہیں اور اُن خواص کو جو تعلیم یافتہ ہونے کی بنا پر مولویانہ بد اخلاقی، ترش مزاجی اور بے سروپا عقائد و اعمال سے بیزار ہیں روزانہ تبلیغ اور عملی فائدہ پہنچا کر اپنے مذاہب میں شامل کرتے اور مسلمانوں کو پانی میں نمک کی طرح گھولتے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن شیعوں میں علما کا وہ ٹولہ جو باہر سے آکر شیعہ بنارہا، مخالفانہ اعتراض کو بیان کر کے شیعوں کو مشکوک کرتا رہا۔ مثلاً ہاں بھائی ام کلثوم تو مدت ہوئی مدینہ میں مر گئی تھی۔ خلیفہ دوم سے اس کے یہاں بچے بھی پیدا ہوئے تھے اور وہ معہ بچوں کے ایک ہی دن مر گئے تھے اور اکٹھی ہی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی۔ لہذا آؤ میں معترض کو دوسرا جواب دوں۔ چنانچہ کتاب لکھی اس میں تند و سخت زبان استعمال کی، کفر و نفاق کے الزامات عائد کئے اور دو چار عدد کلثوم بنا ڈالیں۔ اس طرح کتاب بکی، مولانا کا کاروبار چلا، فریقین میں قلم اور تلوار کی جنگ ہونے لگی۔ وہی لوگ جو تعزیہ دیکھ کر ادب سے جھک جاتے تھے منہ کو آنے لگے بدعت بتانے لگے۔ لہذا آپ ہر اس شیعہ عالم سے ہوشیار رہیں جو ہمارے مسلمات کا انکار کرتا ہو۔ تلوار و شمشیر کے ماتم کو حرام کہنے والا ام کلثوم علیہا السلام کا منکر و غیرہ دشمن اہلبیت کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔

نہم۔ ذرا یہ سوچئے کہ ننانوے فیصد روایات میں یہ ذکر نہیں کہ اسیران اہل حرم کو اور اُن کے اطفال کو فوج یزید نے اس سفر میں یا کسی اور سفر میں کھانا یا پانی دیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ یہ ذکر بھی نہیں کہ کربلا میں اور کسی سفر میں یزیدی افواج نے کھانا کھایا تھا۔ یا کھانے کا انتظام کس سردار کے ہاتھ میں تھا۔ اور فوجیوں کو میدان جنگ میں کھانا کیسے اور کون پہنچاتا تھا۔ تو کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ یہ سب لوہے کے بنے ہوئے پٹیلے تھے۔ نہ پیٹ تھانہ بھوک لگتی تھی۔ ارے مومنو یہ کام سنس یا عقل عمومی کی بات ہے۔ اس کے نہ لکھنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کی عدم موجودگی سے اصل واقعہ پر اثر پڑتا ہے۔ البتہ قیدیوں اور اہل حرم کے ساتھ دشمنی تھی انہیں ستانا اُن کا مقصد تھا۔ اس لئے علما کو چاہئے تھا کہ اس کا پتہ لگاتے اور بتاتے کہ وہ ننھے ننھے بچے اور وہ رسول زادیاں کہاں سے کھاتی تھیں۔ لیکن اس پر ماشاء اللہ کسی نے توجہ نہیں دی۔ اس بات کو تو خوب اچھا لٹا چاہئے تھا۔ مگر مگر؟

وہم۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات ہی غلط ہے کہ ابن زیاد نے فرداً فرداً لوگوں کو اس سفر میں بجالانے والی ڈیوٹیاں تقسیم کی تھیں۔ یہ کام سپہ سالار کا تھا۔ ہاں شاید عمر بن سعد کو مشورہ دے دیا ہو کہ فلاں فلاں ملعون ذرا سخت برتاؤ کرے گا اُسے فلاں جگہ ڈیوٹی پر لگانا۔ اور راوی نے یہ سمجھ لیا کہ ابن زیاد نے راستے بھر کی ڈیوٹیاں خود بتادی تھیں۔ لہذا پھر سنو کہ شیعوں کو شیعہ ذہنیت سے حق و باطل کو الگ کر لینا چاہئے اور ملازم کو انگوٹھا دکھا کر چلتا کر دینا چاہئے۔

(6)۔ کوفہ سے دمشق کو روانگی کی تیاری پر مزید وضاحت

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ دربار یزید میں اسیران اہل حرم کی پیشی کے وقت عمر بن سعد اور تمام سرداران افواج کا حاضری موجود ہونا لازمی اور فطری تقاضا تھا۔ تاکہ کربلا کی ہم کے متعلق یزید اور اہلکاران حکومت کے ہر سوال پر مکمل جواب دیا جاسکے۔ لہذا سابقہ تینوں روایات ہوں یا آئندہ آنے والی روایات ہوں اُنکو پورے انتظام کی جزئیات سمجھنا بھی لازم ہے۔ چنانچہ اب وہ روایت سنیں جو مندرجہ

بالا روایت کی نہ صرف خامی دور کرتی ہے۔ بلکہ اس سفر کا ثانوی اور سیاسی مقصد بھی واضح کرتی ہے۔

(الف)۔ اسیرانِ کربلا اور سرہائے شہدائے کشمیر تا کہ پبلک کی جرأت ختم ہو جائے

پچھلی تینوں روایات میں اسیرانِ اہلِ حرم کی تشہیر کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ظاہر کہ اسیرانِ اہلیت اور رسول زاد یوں کو ہر شہر اور ہر بستی میں پھرانا اور سرہائے شہدائے کا مضحکہ اور تماشا بنانا کسی بڑے حکمران کی اجازت کے بغیر ایک خطرناک کام تھا۔ ایسی اجازت دینے کا مجاز پہلے نمبر پر خود بیزید تھا، دوسرے نمبر پر ابنِ زیاد آتا ہے۔ اور ابنِ زیاد کی اطاعت شعاری اور دیگر دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بھی بلا بیزید کی لفظی، زبانی یا تحریری یا معنوی اجازت کے یہ خطرناک کام نہ کرے۔ یاد رکھیں تشہیر ہی تھی؛ جس نے بنی امیہ کی اس جابر و مستحکم حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ جگہ جگہ جوابی کارروائی کا اندیشہ تھا۔ لوگوں کا بے قابو ہو جانا ممکن تھا۔ چنانچہ ایسا ہوتا رہا۔ جھڑپیں اور مسلح تصادم بھی ہوئے۔ اس فوج کو جان کے لالے بھی پڑ گئے۔ لہذا ہرگز مرکزی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کیا جانا چاہئے تھا۔ چنانچہ غور سے سُنئے:-

عَنِ الْمُنْتَخَبِ أَنَّ اللَّعِينِ ابْنَ زِيَادٍ دَعَى بِالشُّمْرِ وَخَوْلَى وَشَبْثَ بْنَ رُبْعٍ وَعُمَرُ بْنُ الْحُجَّاجِ وَضَمَّ إِلَيْهِمْ الْفَارِسَ وَزَوْدَهُمْ وَأَمَرَهُمْ بِأَخْذِ الرُّؤُسِ وَالسَّبَايَا إِلَى دِمَشْقٍ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَشْهَرُوهُمْ فِي كُلِّ بَلَدٍ أَنْ يَدْخُلُونَهَا فَسَارُوا عَلَى الْفَرَاتِ وَأَخَذُوا أَوَّلَ مَنْزِلٍ فَنَزَلُوا وَكَانَ الْمَنْزِلُ خَرَابًا فَوَضَعُوا الرُّؤُسَ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَالسَّبَايَا مَعَهُ وَإِذَا بِكَفِّ خَارِجٍ مِنَ الْحَائِطِ وَقَلَمٌ يَكْتُبُ بِدَمٍ أَتَوْا جَوَامِعَ قَتَلَتْ حُسَيْنًا إِلَى آخِرِ الْآبِيَاتِ فَفَزَعُوا مِنْ ذَلِكَ وَارْتَا عَوَا وَرَحَلُوا مِنْ ذَلِكَ الْمَنْزِلِ۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 500)

”علامہ فخر الدین طریحی کی کتاب المنتخب میں لکھا ہے کہ ابنِ زیاد نے شمر اور خولی اور شبث بن ربعی اور عمرو بن الحجاج اور اُن کے ماتحت ایک ہزار سواروں کا رسالہ مقرر کیا اور راشن اور گھوڑوں کے لئے گھاس اور دانہ فراہم کیا۔ اور حکم دیا کہ تمام سرہائے شہدائے اور تمام قیدیوں کو دمشق لے کر جائیں۔ اور انہیں یہ حکم بھی دیا کہ وہ جس آبادی میں بھی داخل ہوں وہاں اُن کا گشت کراتے جائیں۔ چنانچہ وہ کوفہ سے چلے اور پہلی منزل فرات پر کی اور ڈیرہ لگا دیا۔ مگر جہاں ٹھہرے وہ ایک غیر آباد مکان تھا۔ اس لئے انہوں نے سر مبارک کو اور قیدیوں کو اپنے پاس محفوظ کیا۔ جیسے ہی جم کر بیٹھے تو دیوار کے باہر سے ایک ہاتھ قلم لئے ہوئے برآمد ہوا اور دیوار پر لکھا کہ کیا اس اُمت کو نجات کی امید ہو سکتی ہے جو حسینؑ کو قتل کر دے؟ وہ دستِ غیبی یہ اشعار لکھ رہا تھا۔ اور شمر وغیرہ کی خوف کے مارے روح نکلی جا رہی تھی۔ جلدی جلدی سامانِ سنبھالا اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔“

(ب)۔ اس روایت میں کیا ہے؟ اس کا ہم سے کیا تعلق ہے؟

پہلی بات یہ سمجھ لیں کہ یہ چاروں اشخاص جن کو حکم دینا بتایا گیا ہے کربلا میں کئی کئی ہزار سواروں اور پیادوں کے سردار تھے۔ اور یہاں شمر ایسے بڑے سرداروں کو ایک ہزار سوار دیئے گئے۔ جو اکیلے کے لئے بھی تو بین انگیز تعداد ہے۔ پھر یہ نہیں بتایا گیا کہ اُن چاروں میں افسرِ اعلیٰ کون ہوگا۔ لہذا یہ احکام آخری احکام نہیں ہیں بلکہ بطور ہدایات سرسری تجویز ہے۔ اور اس سے جو کچھ سمجھا جاسکتا ہے وہ اس قدر ہے کہ یہ چاروں باری باری اسیروں اور سروں کی حفاظت کے لئے تعینات کئے گئے تھے۔ تاکہ خطرہ کے وقت تیغ بکف تحفظ کر سکیں اور اُس وقت تک کامیاب مقابلہ کریں جب تک عمر بن سعد کی طرف سے مرکزی مدد نہ آجائے۔ یعنی جب گشت کرایا جائے گا

تو یہ ایک ہزار سوار اور اُن چاروں میں سے ڈیوٹی والا شخص ساتھ رہے گا۔ اور فوج کا مرکزی حصہ آرام کر رہا ہوگا۔ جسے آج کل مین باڈی (Main Body) کہا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ پہلے کسی روایت میں راشن اور گھوڑوں کی خوراک کا ذکر نہ ہوا تھا۔ یہاں معلوم ہوا کہ یہ چاروں پوری فوج کے کھانے کا انتظام بھی کریں گے اور ابن زیاد نے راشن کسی منتر سے نہ دیا ہوگا۔ بلکہ راشننگ کے محکمہ کو حکم دیا ہوگا اور اس کام میں کئی روز لگے ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ راشن کو لے جانے کے لئے اونٹ بھی فراہم کئے جانا ضروری ہیں۔ معلوم ہوا کہ ضروری اور فطری چیزوں کا اگر ذکر نہ بھی ہو تو اُن کی نفی نہ کی جائے گی بلکہ تسلیم کیا جائے گا۔ لہذا اگر ہر معاملہ میں سپہ سالار یعنی عمر سعد مخاطب نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ماتحت افراد یا سردار شمر وغیرہ اسی کے حکم سے حاضر ہوتے ہیں۔ اور وہ سند اور پروانہ حاصل کرتے ہیں جو اُن سے متعلق ہے اور ذاتی طور پر متعلقہ ذمہ داری کے رجسٹر میں دستخط کرتے ہیں۔ تاکہ باز پرس کی ذمہ داری اُن پر قائم رہے۔ اور اس طرح ابن زیاد بھی ذاتی طور پر اُن کو تنبیہ و تاکید کرتا ہے تاکہ غدر باقی نہ رہے۔

(7)۔ تکریت والی روایت کی مزید تفصیل عیسائیوں کا مذہبی احتجاج اور باقی سفر

یہ روایت اس سے پہلے (نمبر 3 میں) مختصراً گزر چکی ہے۔ یہاں علامہ شعی کی تحقیق سنئے:-

(1)۔ فی رواية عن الشعبي أنّ ابن زياد امران يفوز الراس الشريف وأن يحشى مسكاً وكافوراً ثم سيّره مع خولى في خمس مائة فارس وراجل إلى يزيد فساروا على جادة الكبرى حتى وصلوا بالقرب من تكريت فكتبوا إلى صاحبها أن تلقانا فان معنا راس الخارجى خرج على يزيد فقال لهم رجل نصراني من اهل تكريت يا قوم راقبوا الله في حالكم انا كُنْتُ في الكوفة ذلك اليوم حاضراً ماهوراس خارجي بل هوراس الحسين بن علي بن ابي طالب الوليل لكم باظلمة - ثم ان النصارى حملوا الانجيل وخرجوا معه بالنواقيس والصلبان وعلوا على صنيعة تعرف بالخضراء فلما وصل الراس الشريف اليهم ضربوا النواقيس اعظاماً لله تعالى عز وجل وقالوا الهنا وسيدنا انا برآء من أمة قتلت ابن بنت نبيها عطشاناً واهله وصحبه وشيعته ومنعوا خولى أن يدخل بالراس الى مد ينتهم - فساروا في البرية حتى وصلوا صليتا فزّلوا على ماء يقال له الخضرون فسمعوا هناك نوح الجن وهما تفأ يقول: - بنات الجن اتبكين بنات الها شميات - بنات المصطفى احمد يكيين شجيات - ويلطنن خدوذا كالدنا نيرنقيات - ثم ساروا الى أن وصلوا الى موضع يعرف بالكحيل وساروا الى جهينة ثم نزلوا وكتبوا الى صاحب موصل أن تلقانا فان معناراس خارجي - فامر صاحب الموصل بنشر الرايات فضربت البوقات والطبول وتداعت الناس من القبائل فقال بعضهم - ما الخبر؟ قالوا آتى براس خارجي خرج في العراق على يزيد - فقال رجل من اهل الايمان يامعشر الاسلام الوليل لكم ولما يحل بكم هذا راس ابن بنت رسول الله الحسين بن علي صلوات الله عليهم اجمعين قتل بكر بلا وهم سآئرون به الى يزيد -

(2)۔ قال ابو مخنف حدثني من حضرت ذلك اليوم انه جرّد بالموصل ثلاثون الف سيف وتحالفوا على قتل خولى ومن معه قبله ذلك فلم يدخل البلد وأخذ على تل عفراً ثم على عين الوردة -

(3)۔ وعن المنتخب ثم انهم لما قاربوا بعلبك كتبوا الى صاحبها بان تلقانا فان معناراس الحسين - فامر بالرايات

فنشر وخرج الصبيان يتلقونهم على نحو من ستة اميال فرحاً بهم - الخ (أكبر العبادات - صفحہ 501-500)

(1) ”شعی نے روایت کیا ہے کہ ابن زیاد نے حکم دیا کہ حسینؑ کا سر لایا جائے تاکہ اُسے مشک و کافور کا مسالہ لگایا جائے۔ پھر اُسے خولی کی سپردگی میں دیا اور پانچ سو سوار اور پیادے بھی اسکی ماتحتی میں دیئے تاکہ وہ یزید کی طرف لے جائیں۔ چنانچہ وہ روانہ ہوئے اور شاہراہ سے سفر شروع کیا۔ جب تکریت کے قریب پہنچے تو انہوں نے وہاں کے گورنر کو لکھا کہ ہم سے آ کر ملاقات کرے۔ اس لئے کہ ہمارے ساتھ ایک خارجی کا سر ہے جس نے یزید کے خلاف مسلح بغاوت کی تھی۔ جب یہ بات ایک عیسائی کو معلوم ہوئی تو عیسائی نے اُن سے کہا کہ میں اُس دن کوفہ میں حاضر و موجود تھا جس دن یہ وہاں لایا گیا تھا۔ یہ کسی خارجی کا سر نہیں یہ تو امام حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام کا سر ہے۔ اے میری قوم کے لوگو تم اپنی حالت پر اللہ سے پناہ چاہو۔ ارے ظالمو خدا تمہیں غارت کرے۔ اُس عیسائی کا بیان سُن کر تمام عیسائیوں نے انجیل کو اٹھایا اور ناقوس اور صلیبیں لے کر صنیعہ پر چڑھ گئے اور جب سر مبارک اُن سے قریب لایا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی فرض کردہ تعظیم کیلئے ناقوس بجایا اور اللہ سے التجا کی کہ اے ہمارے معبود اے ہمارے مالک ہم اس قوم سے بے زار ہیں جس نے اپنے نبیؐ کے نواسے کو قتل کر دیا۔ اُسے اور اس کے صحابہ کو، اُن کے شیعوں کو، اُن کی اولاد و آل کو پیاسا ہی قتل کر دیا۔ پھر اُنہوں نے خولی کو منع کر دیا کہ وہ سر حسینؑ لے کر اُن کے شہر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ لوگ پلٹ گئے، بڑی راستہ سے ہو کر صلیتیا پہنچے اور خضر بن میں پڑاؤ ڈالا تو وہاں پر انہوں نے جنوں کے نوے سُنے جن میں کوئی غیبی آواز کہہ رہی تھی کہ:-

جنوں کی بیٹیاں ہاشمی بیٹیوں کو رو رو کر پرستہ رہی ہیں اور اُدھر احمد مصطفیٰ کی

بیٹیاں بے قراری سے رو رہی ہیں اور اپنے منہ کو پیٹ پیٹ کر دندار بنالیا ہے۔

پھر وہ لوگ یہاں سے چلے اور کھیل نام کے ایک موضع سے ہوتے ہوئے جھنیہ پہنچے اور قیام کیا اور وہاں سے موصل کے گورنر کو لکھا کہ ہم سے ملاقات کرو اس لئے کہ ہمارے ہمراہ ایک خارجی کا سر ہے۔ چنانچہ موصل کے گورنر نے پرچم لہرانے اور جھنڈیاں لگانے اور بگل بجانے اور طبلے بجا کر تمام قبائل کے لوگوں کو مدعو کرنے کا حکم نافذ کیا۔ اسی دوران لوگ آپس میں ایک دوسرے سے صورت حال کو سمجھنے کا سوال کرنے لگے۔ کسی نے کہا کہ عراق میں ایک خارجی نے حکومت یزید کے خلاف مسلح بغاوت کی تھی اُس کا سر لایا گیا ہے۔ یہ سُن کر ایک مومن محمدؐ و آل محمدؐ نے بتا دیا کہ یہ سر کسی خارجی کا نہیں ہے۔ خدا تمہارا بُرا کرے یہ تو رسول اللہؐ کی بیٹی فاطمہؑ کے فرزند حسینؑ کا سر ہے۔ جسے یہ لوگ یزید کے پاس لے کر جا رہے ہیں۔ حسینؑ کو کر بلا میں قتل کیا گیا تھا۔

(2) ابو جحف لکھتے ہیں کہ مجھے ایک ایسے شخص نے بتایا ہے جو اُس دن موصل میں موجود تھا کہ وہاں پرتیس ہزار کھچی ہوئی تلواروں میں خولی اور اس کی فوج کو قتل کرنے کا عہد کیا گیا۔ جب اس کا روائی کا علم اُن لوگوں کو ہوا تو وہ موصل میں داخل نہ ہوئے بلکہ وہاں سے بچ کر نکل گئے اور تلّ عفر ہوتے ہوئے عین الوردہ پہنچے۔

(3) علامہ طریحی نے المنتخب میں لکھا ہے کہ پھر بعلبک کے قریب پہنچے تو وہاں کے گورنر کو لکھا کہ ہمارے ساتھ حسینؑ کا سر ہے تم ہم سے آ کر ملو۔ گورنر نے پرچم لہرانے کا حکم دیا اور خوب اس خبر کو پھیلایا اور بچے تک شہر سے نکل نکل کر سات میل دُور تک استقبال کی خوشی میں پہنچ گئے۔

(الف)۔ تینوں روایات پر پھر نظر ڈالیں اور مفید حقائق نوٹ کریں

سب سے پہلے نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ ان روایات میں کچھلی روایت والے تین سرداروں کا ذکر نہیں ہے۔ مگر یہ خولی اُن میں بھی موجود تھا۔ یعنی خولی بہت اہم شخصیت ہے کہ اس کا ذکر سر حسین علیہ السلام کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ پھر یہ دیکھیں کہ ان تینوں روایات میں نہ اہل حرم کا ذکر ہے، نہ قیدی ساتھ ہیں، نہ باقی شہداء کے سروں کا تذکرہ ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ خولی جناب امام کے سر کی نگرانی اور تشہیر کا خاص طور پر ذمہ دار تھا۔ اور اسے باقی فوج سے ہٹ کر مرکز سے دور تک جانے اور مرکز میں واپس آ جانے کا اختیار ابن زیاد کی طرف سے بھی ملا ہوا تھا۔ اور یہ بھی کہ اُسے مرکزی فوج سے آگے اور پہلے روانہ کر دیا گیا تھا۔ تاکہ دریائے فرات کے گرد و نواح کی بستیوں میں تشہیر کرے اور مرکز میں واپس آتا رہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ جن مقامات پر مخالفانہ رد عمل ہوا وہاں کے گورنروں کو اصل حقیقت نہیں بلکہ خارجی کا سرتایا گیا ہے۔ یعنی ہر گورنر بھی سو فیصد قابل اعتماد نہ رہا تھا۔

یہ خاص طور پر نوٹ کریں کہ یہود و نصاریٰ نے ہمیشہ محمد و آل محمد کی مخالفت کرنے والوں کو دشمن سمجھا۔ چنانچہ اس سفر میں بھی یہی ہمدردی برسر کار رہی ہے۔ جن یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی قرآن و حدیث میں آئی ہے وہ دراصل عرب کے وہ باشندے تھے اور اُن ہی عربوں کے قبائل سے تھے جو دنیاوی اغراض کے ماتحت تصوراتی طور پر یہودی یا عیسائی مذہب اختیار کئے ہوئے تھے۔ مگر اُن کے دل عربی تھے۔ اُن میں وہی خصائل و عادات تھیں جو مشرکین مکہ میں تھیں۔ وہ اُن ہی کے عزیز و اقربا اور حلیف تھے۔ ورنہ جو نسلاً و مذہباً یہودی اور عیسائی تھے وہ ہمیشہ محمد و آل محمد کے طرف دار رہے اور ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ چادر فاطمہؑ زہراءؑ مسلمانوں کے یہاں نہ بھیجی جاتی تھی بلکہ یہود و نصاریٰ میں بھیجی جاتی تھی۔ اور یہ ایک ہی ایسی بات ہے جس سے مسلمانوں کی قلبی پوزیشن آشکار ہو جاتی ہے۔ یہی جذبہ تھا کہ محمد و آل محمد کے ہر فرد کے انتقال پر عیسائی حکومتیں اور رعایا سوگ منا کی چلی آئی ہیں۔ حقیقی مومنین اور حقیقی یہود و نصاریٰ دو بھائی بھائی پیغمبروں کی اولاد ہیں۔ دونوں چچا زاد بھائی ہیں۔ وہ عربی بچانے تھے، نہ عربی ماموں تھے، نہ عربی ذہنیت رکھتے تھے۔ یہ عرب ہی تھے جنہوں نے نہ رسالت کی رعایت کی، نہ دامادی کا لحاظ کیا۔ امام حسن تین سو سے زیادہ عربوں کے داماد تھے۔ مگر وہاں داماد کو بھی قتل کرنا جائز تھا۔ وہاں بیٹی کو رہن رکھنا، فروخت کرنا، اس کی کمائی کھانا ہی جائز نہ تھا بلکہ وہ لوگ دشمن سے انتقام لینے کے لئے بھی بیٹیوں کو استعمال کرتے تھے۔ وہ بیٹی کو اس لئے بھی دے دیتے تھے کہ کل اُس بیٹی اور اُس کے شوہر کی جائیداد اور ورثہ کے مالک بن بیٹھیں گے۔ اس ذہنیت کے لوگ خواہ اسلام کا لیل لگائیں یا یہودی و عیسائی بن جائیں وہ بدلے نہیں وہ مذہب کو بدل دیتے ہیں۔ توریت و زبور و انجیل اور قرآن کو بدل دیتے ہیں۔ (فرقان 25/27-31) مگر خود ہرگز نہیں بدلتے۔ بدل جانا اُن کی توہین ہے۔

یہ بھی دیکھتے جائیں کہ کربلا کے حادثہ کے بعد وہ بغاوت جو یزیدی حکومت کا تختہ اُلٹے گی، پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ اور اُسے اُبھارنے اور صحیح رُخ و طریقہ اختیار کرنے میں یہی تشہیر اہلیت مدگار بنی تھی۔ یہی کام صحیح اور حقیقی قسم کی عزاداری اور جلوسوں سے لیا گیا تھا۔ مگر آج یہ مقصد فوت ہو چکا ہے۔ اب عزاداری کے بڑے گھٹیا مقاصد سامنے رکھ دیئے گئے ہیں۔ مثلاً رونے اور ماتم کرنے کا مقصد نجات اخروی بتا کر علما نے عزاداری کی روح کو تباہ کر دیا۔ نجات اخروی تو محبت اہلیت کا لازمی نتیجہ تھا جو تحصیل حاصل ہے۔ بعض نے

کہا کہ عزاداری کا مطلب نمازی بننا ہے۔ لیکن تمام قاتلان حسینؑ نماز گزار اور اکثر حافظان قرآن بھی تھے۔ بہر حال عزاداری کا مقصد دنیا سے جبر و ظلم و ستم و استحصا ل و غربت و بے بسی و بے کسی کو تباہ کرنا ہے۔ ہر اُس حکومت کو مٹا دینا اس کا مقصد ہے جو نوع انسان پر کسی بھی قسم کا ظلم کرے۔ تمام مختلف النسل اور مختلف المذہب انسانوں میں محبت و ایثار کا پیدا کرنا اُس کا مقصد ہے۔ جس نماز کا مولانا تقاضہ کرتے ہیں وہ دشمنان حسینؑ کی نماز ہے۔ اور ایسے نمازی آج لاکھوں بلکہ کروڑوں ہیں اور وہی تمام مصائب کے باعث و ذمہ دار ہیں۔

ان روایات سے ایک خاص بات نوٹ کرنا ضروری ہے کہ کوفہ سے دمشق تک کئی مختلف راہیں جاتی تھیں۔ اور پہلی روایت میں اس کا ثبوت ہے۔ جس میں موجود ہے کہ پھر وہ شاہراہ یا بڑے راستے سے چلے (فَسَارُوا عَلَى جَادَةِ الْكُبْرَى)۔ اس سے ہمیں یہ سمجھنے کا حق ہے کہ ہم یہ کہیں کہ عمر سعد جو اس پورے سفر اور تمام افواج اور جماعتوں اور سرداروں اور افراد کا حاکم اعلیٰ تھا، اُسی شاہراہ پر رہتا تھا اور تمام ضروری اور بنیادی انتظام کرنے والے اہلکار اُس کے پاس رہتے تھے۔ وہیں راشن وغیرہ کی سپلائی کا انتظام ہوتا تھا۔ اور فوج کا بڑا حصہ (Main Body) اُسی مرکز میں رہتا تھا۔ اور اسی مرکز کی طرف سب پارٹیوں اور ٹولیوں کی آمد و روانگی ہوتی تھی۔ اسی کی تائید میں یہ روایت ملاحظہ ہو جس میں پچاس آدمیوں کی پارٹی تشریف کو جاتی ہے۔

(ب)۔ تمام پارٹیوں کی آمد اور روانگی مرکز سے ہوتی تھی

زیر قلم روایت کو علامہ محمد باقر مجلسی نے بھی کتاب بحار الانوار میں لکھا ہے۔ مگر علامہ در بندی اس روایت سے پہلے ایک جملہ اعتراض کی صورت میں بھی لکھتے ہیں۔

فِيمَا يَتَعَلَقُ بِهَذِهِ الْمَقَامَاتِ فَاعْلَمْ أَنَّهُ قَدْ ذَكَرَ جَمْعٌ مِنْ أَصْحَابِ الْمَقَاتِلِ مَا يَتَعَلَقُ بِالرَّاسِ الشَّرِيفِ رُوحِي لَهُ الْفِدَاءُ مِمَّا وَقَعَ فِي مَنْزِلٍ مِنَ الْمَنَازِلِ فِيمَا بَيْنَ الْكُوفَةِ وَالشَّامِ إِلَّا إِنَّهُمْ لَمْ يَعْنُوا ذَلِكَ الْمَنْزِلَ وَلَمْ يَذْكُرُوا اسْمَهُ - وبيان ذلك إِنْهُمْ " قالوا أَنَّهُ رَوَى ابْنُ لَهْيَعَةَ وَغَيْرُهُ حَدِيثًا اخْتَدْنَا مِنْهُ مَوْضِعَ الْحَاجَةِ قَالَ كُنْتُ أَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَإِذَا بَرَجَلُ يَقُولُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَمَا رَيْكَ فَاعِلًا - فَقُلْتُ لَهُ يَا عَبْدَ اللَّهِ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تَقُلْ مِثْلَ هَذَا فَإِنَّ ذُنُوبَكَ لَوْ كَانَتْ مِثْلَ قَطْرِ الْإِمَارَةِ وَرَقِ الْأَشْجَارِ فَاسْتَغْفِرْتَ اللَّهُ غَفْرًا لَكَ فَانَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ - قَالَ فَقَالَ لِي تَعَالَى حَتَّى أَخْبِرَكَ بِقَصَّتِي فَاتَيْتُهُ فَقَالَ: "اعْلَمْ إِنَّا كُنَّا خَمْسِينَ نَفَرًا مَعَ رَأْسِ الْحُسَيْنِ إِلَى الشَّامِ وَكُنَّا إِذَا مَسِينَا وَضَعْنَا الرَّاسَ فِي التَّابُوتِ وَشَرَبْنَا الْخَمْرَ حَوْلَ التَّابُوتِ - فَشَرَبَ أَصْحَابِي لَيْلَةً حَتَّى سَكَرُوا وَلَمْ أَشْرَبْ مَعَهُمْ -

فَلَمَّا جَنَّ اللَّيْلُ سَمِعْتُ رَعْدًا وَرَأَيْتُ بَرْقًا فَإِذَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ قَدْ فَتَحَتْ وَنَزَلَ آدَمُ وَنُوحٌ وَابْرَاهِيمُ وَاسْمَاعِيلُ وَاسْحَاقُ وَنَبِيْنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ أَجْمَعِينَ وَمَعَهُمْ جِبْرَائِيلُ وَخَلَقَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ - فَنَدَا جِبْرَائِيلُ مِنَ التَّابُوتِ وَخَرَجَ الرَّاسَ وَضَمَّهُ إِلَى نَفْسِهِ وَقَبْلَهُ ثُمَّ كَذَلِكَ فَعَلَ الْأَنْبِيَاءُ كُلُّهُمْ وَبَكَى النَّبِيُّ عَلَى رَأْسِ الْحُسَيْنِ فَعَزَّاهُ الْأَنْبِيَاءُ فَقَالَ لَهُ جِبْرَائِيلُ يَا مُحَمَّدُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَآلِكَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَمَرَنِي أَنْ أَطِيعَكَ فِي أَمْتِكَ فَإِنْ أَمَرْتَنِي زَلَزَلْتُ بِهِمُ الْأَرْضَ وَجَعَلْتُ عَالِيَهَا سَافِلَهَا كَمَا فَعَلْتَ بِقَوْمٍ لَوْ طُفَّ فَقَالَ النَّبِيُّ لَا يَجِبُ رَأْسُكَ فَإِنْ لَمْ يَدَى اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - قَالَ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيْهِ ثُمَّ آتَى قَوْمٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَقَالُوا إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَمَرَنَا بِقَتْلِ قَتْلَةِ الْحُسَيْنِ - فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ شَانَكُمْ بِهِمْ فَجَعَلُوا يَضْرِبُونَ بِالْحَرَبَاتِ ثُمَّ قَصَدْنِي وَاحِدٌ مِنْهُمْ بِحَرْبَتِهِ لِيَضْرِبَنِي - فَقُلْتُ الْإِيمَانُ الْإِيمَانُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ أَذْهَبَ فَلَا غُفْرَانَ لَكَ - فَلَمَّا أَصْبَحَتْ رَأَيْتُ أَصْحَابِي كُلَّهُمْ جَائِعِينَ رَمَادًا -

ثم قال صاحب المناقب وبإسنادى الى ابى عبد الله الحدادى عن ابى جعفر الہند وانى باسنادہ فى هذا الحديث فيه زيادة عند قوله ليحمله الى يزيد قال كل من قتله جفَّت يده وفيه اذسمعت صوت برق لم اسمع مثله فقيل قد اقبل محمد فسمعت صوت صهيل الخيل وقعقة السلاح مع جبرائيل وميكائيل وسرافيل والكروبيين والروحانيين والمقربين وفيه فشكى النبى الى الملائكة والنبیین قال قتلوا ولدى وقرة عینی وكلهم قبل الراس وضمه الى صدره والباقي يقرب بعضها من بعض۔“
(أكبر العبادات صفحہ 501- ترجمہ جزائری بحار دوسرا حصہ صفحہ 29 تا 30)

یعنی: ”یہ بیان اس سلسلہ میں ہے جو اس سفر کے مقامات سے تعلق ظاہر کرے گا۔ جاننا چاہئے کہ مقاتل پر لکھنے والوں یعنی شہادت امام حسینؑ پر کتنا میں لکھنے والوں کی ایک جماعت نے سر مبارک کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے جو کوفہ سے شام تک کے سفر کی منزلوں میں سے کسی منزل میں پیش آیا تھا۔“ مگر اُن تمام اہل قلم نے نہ تو اُس منزل کا تعین کیا اور نہ ہی اُس کا نام بتایا۔“ اور اُس واقعہ کا بیان یوں ہے کہ اُن تمام اہل قلم نے لکھا اور کہا ہے کہ ابن لہیعہ وغیرہ نے ایک حدیث بیان کی ہے اور اُس میں سے ہم صرف اُس قدر لکھیں گے کہ جتنی ہمیں ضرورت ہے۔ راوی نے کہا کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک میں نے ایک شخص کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ اے اللہ مجھے بخش دے میرے گناہ معاف کر دے لیکن میں جانتا ہوں کہ تو ایسا نہ کرے گا۔ میں نے اُس سے کہا کہ بھائی اے بندہ خدا اللہ کے سامنے غیر ذمہ دار نہ بات نہ کہہ یقیناً اللہ تیرے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا۔ خواہ تیرے گناہ بارش کے قطروں کے برابر ہوں یا درختوں کے پتوں کے برابر ہوں۔ وہ یقیناً غفور الرحیم ہے۔ یہ سُن کر اس نے کہا کہ بھائی میرے ساتھ آؤ تاکہ میں تمہیں اپنا وہ قصہ سناؤں جس کی بنا پر میں یوں دعا کرتا ہوں۔ لہذا میں قصہ سننے اُس کے ساتھ گیا۔ اُس نے سُنایا کہ بھائی یہ سمجھ لو کہ ہم اُن لوگوں میں سے پچاس آدمی تھے جو سر حسینؑ کو کوفہ سے شام لے جانے پر تعینات تھے۔ اور ہماری پارٹی کا طریقہ یہ تھا کہ جہاں ہمیں شام ہو جاتی تھی تو ہم سر حسینؑ کو تابوت میں بند کر کے اُس کے چاروں طرف موجود رہنے، کھانے پینے اور سونے کا انتظام کرتے تھے۔ اور اُسی حلقہ اور دائرہ میں شراب بھی پیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک رات میں نے شراب نہیں پی۔ میرے ساتھیوں نے اتنی پی لی کہ وہ مست و مدہوش اور نشہ میں چورچور ہو کے لیٹے اور سو گئے مگر میں بیدار رہا۔

جب رات خوب گہری ہو گئی تو میں نے گرج کی آواز سنی اور میں نے بجلی چمکتے دیکھی اور ساتھ ہی دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور حضرت آدم و نوح و ابراہیم و اسماعیل و اسحاق اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہم و آلہم اجمعین اُتر آئے ہیں۔ اور اُن کے ساتھ حضرت جبرائیل اور ملائکہ علیہم السلام کا گروہ بھی آ گیا ہے۔ اس کے بعد جبرائیلؑ تابوت کے قریب گئے اور امام حسینؑ کا سر مبارک نکالا، اسے بوسہ دیا، سینے سے لگایا۔ پھر تمام انبیاء نے یہی عمل کیا۔ آنحضرتؐ نے گریہ فرمایا تو تمام انبیاء نے عزاداری کی، حضورؐ کو پُرسہ اور تسلی دی۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ اے محمدؐ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ کی اُمت کے بارے میں آپ کی اطاعت کروں۔ لہذا اگر حضورؐ حکم دیں تو میں اس زمین کو اُن پر اس طرح ہلا دوں کہ اوپر کی چیزیں نیچے دھنس جائیں اور اندروالی چیزیں فضا میں بکھر جائیں جیسا کہ میں نے لوط کی قوم کے ساتھ کیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں جبرائیلؑ ایسا نہیں کرنا ہے۔ بات یہ ہے کہ میرا اور اُن کا معاملہ اللہ کے

حضور میں پیش کیا جانا طے پا چکا ہے اور یہ قیامت میں ہوگا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر تمام انبیاء اور حضورؐ نے سر مبارک پر نماز پڑھی۔ اس کے بعد ملائکہ کا گروہ حاضر ہوا اور حضورؐ سے عرض کیا کہ ہمیں اللہ نے ان لوگوں کے قتل کا حکم دیا ہے۔ آپ کا کیا حکم ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں تم آزاد ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اپنے حربوں سے میرے ساتھیوں کو مارنا شروع کیا اور ان میں سے ایک نے مجھ پر بھی حملہ کیا تو میں نے فریاد کی کہ یا رسول اللہ مجھے امان دیں۔ فرمایا جا امان دی مگر اللہ تجھے معاف نہ کرے گا۔ صبح کو میں نے دیکھا کہ میرے تمام ساتھی راکھ بنے ہوئے اُلٹے پڑے ہیں۔

اس کے بعد کتاب مناقب کے مصنف نے اسی روایت کو ذرا سے اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جس مقام پر یہ ذکر تھا کہ یزید کے پاس سر مبارک کو لئے جاتے تھے۔ وہاں مذکور ہے کہ جن لوگوں نے امام حسینؑ کو قتل کیا تھا ان سب کے ہاتھ شل ہو گئے تھے۔ اور جس طرح میں نے اس روز بجلی کی آواز سنی پہلے کبھی نہ سنی تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب محمد مصطفیٰ تشریف لائے اس وقت میں نے ہتھیاروں کی کھنکناہٹ سنی اور ساتھ ہی جبرائیلؑ و میکائیلؑ اور اسرافیلؑ اور کز و بیان اور روحیں اور مقربان بارگاہ خداوندی بھی نازل ہوئے اور یہ بھی لکھا کہ رسول اللہ نے ملائکہ اور انبیاء سے شکایت کی کہ دیکھو ان لوگوں نے میرے نورِ نظر بیٹے کو قتل کر دیا۔ پھر سب نے سر مبارک کو بوسے دیئے اور سینوں سے لگایا۔ اور باقی بیان سابقہ مذکورہ روایت کے قریب قریب ہے۔

(8)۔ تاریخی حقائق میں خیانت کرنے والے گروہ کی تین قسمیں اور ہمارا موقف ثابت

یہ روایت ان لوگوں کی نشاندہی کرتی ہے جو اسلامی ریکارڈ کو تباہ کرنے کی عالمانہ ٹیکنیک استعمال کرتے رہے اور پھر اچھے خاصے نیک اور پر خلوص علماء اس تخریب کار گروہ کی پیروی کر کے نادانی اور غیر شعوری طور سے انکی مدد کرتے چلے آئے۔ بہر حال مندرجہ بالا روایت میں بھی ہمارا موقف ثابت ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ انکے امیر المؤمنین حضرات کا پردہ چاک ہو خواہ اسلام اور اسلامی تاریخ کا ستیاناس ہو جائے۔ وہ بھی یہ نہ مانیں گے کہ کوفہ سے شام کے سفر میں صرف سر حسینؑ گیا تھا۔ اور لے جانے والے لوگوں کی تعداد صرف پچاس تھی اور ان پچاس آدمیوں میں نہ شمر تھا، نہ خولی تھا، نہ کوئی اور مشہور شخص تھا۔ سب پچاس کے پچاس شخص گمنام اور مجہول اور ناقابل تعارف تھے۔ لہذا انکو ہمارے موقف سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس روایت سے ثابت ہے کہ پچاس آدمیوں کی ایک جماعت صرف امام حسین علیہ السلام کا سر لئے ہوئے گردنواح کی آبادیوں میں تشہیر و تعارف و تماشہ کرتی پھر رہی ہے۔ راتیں بھی راہ میں گزرتی ہے۔ اسی طرح بیسیوں پارٹیوں کا مرکزی فوج سے نکل کر مختلف سمتوں میں مختلف سروں کے ساتھ جانا اور حکومت کی پالیسی کا پروپیگنڈا کرنا بھی ممکن اور ثابت ہے۔ پھر اسیران اہل حرمؑ کی تشہیر کیلئے ایک گروہ کا جاتے رہنا بھی ماننا پڑے گا۔ اور یہ بھی ماننا ہوگا کہ جس بڑے راستہ یا شاہراہ پر عمر سعد کا مرکز جا رہا ہے اس پر آنے والے بڑے شہروں میں اجتماعی گشت یعنی تمام اہل حرمؑ تمام سرہائے بنی ہاشم، تمام سرہائے انصارؓ اور سر مبارک جناب امام حسینؑ کا اکٹھا جلوس نکالنا بھی ضروری ہے۔ اور ایسے شہروں کے آنے سے پہلے تمام متفرق پارٹیوں کو مرکز میں پلٹ آنا بھی فطری ہے۔ لہذا ان تمام نکتہ چینیوں کو بتادو کہ تمہاری نکتہ چینیوں تمہاری جہالت و حماقت اور دشمنی محمدؐ و آل محمدؐ کی نمائش کرتی ہیں۔ تم یہی نہیں کہ تاریخ سے جاہل اور محض نکتہ چیں ہو بلکہ تم فوجی اور رسولِ انتظام اور طرزِ عمل

ونظام مملکت اور سیاست سے بھی قطعاً جاہل ہو۔ تمہارے لئے صرف ایک ہی بات سو فیصد صحیح ہے۔ یعنی تم دشمن انسانیت ہو اور کچھ نہیں ہو۔

دوسری بات۔ آپ اس روایت میں یہ دیکھتے ہیں کہ ایک وہ زمانہ تھا جب علما کے پاس کسی واقعہ پر ایک مکمل روایت یا حدیث ہوتی تھی مگر وہ علما اُس پوری روایت کو نہ لکھتے تھے۔ اور اس مکمل روایت میں سے صرف اتنا حصہ اپنی کتابوں میں نقل کر لیتے تھے، جتنا اُن کے خیال میں اُن کی ضرورت کو پورا کرتا تھا۔ اور بڑے بے تکلفانہ انداز میں یہ لکھ دیتے تھے کہ:-

”ہم اُس روایت میں سے اپنی ضرورت کے مطابق لے رہے ہیں۔ (أَخَذْنَا مِنْهُ مَوْضِعَ الْحَاجَةِ)“

یہاں یہ نہ سوچئے کہ اُن کی اُس وقت کیا حاجت یا ضرورت تھی؟ اور روایت کا باقی حصہ کس بنا پر اُن کیلئے غیر ضروری تھا۔ بلکہ یہ سوچئے کہ وہ کتاب یا کتابیں جن میں وہ مکمل روایت یا روایات تھیں، کسی فطری صورت حال یعنی پرانی ہو کر کیڑوں کی نظر ہو گئیں۔ یا سیلاب آیا اور تباہ ہو گئیں۔ یا کسی سازش کے ماتحت ضائع کر دی گئیں۔ تو اس صورت میں اب امت کے پاس وہی کچھ رہ گیا جو اُن علما نے نقل کیا تھا۔ اب بتائیے کہ ہم کیا کریں اور اُس مکمل روایت یا روایات کو کہاں سے لائیں اور کس طرح اُن خبیثوں کے سوالات کا جواب دیں جو بات بات میں عزاداری، فضائل محمد و آل محمد اور حقانیت مذہب پر حدیث مانگتے ہیں؟

پھر آپ نے دیکھا کہ اُس مندرجہ بالا روایت کو لکھنے سے پہلے علامہ فاضل در بندئی نے بھی لکھا ہے۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ ایسے بہت سے علما ہیں اور اُن کی لکھی ہوئی ایسی بہت سی روایات ہیں جن میں کوفہ سے شام تک کے سفر میں کسی واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ نہ لکھا کہ وہ واقعہ کہاں پیش آیا؟ یا وہ کون سی منزل تھی؟ اور اس واقعہ کے ہیر وز کا نام کیا تھا؟ یعنی ایسے علما نے جہاں سے یا جس روایت سے وہ واقعہ نقل کیا وہاں اس روایت میں وہ مقام بھی تھا اور اس منزل کا نام بھی تھا، جہاں واقعہ پیش آیا تھا۔ مگر نقل کرنے والا عالم یا علما صرف واقعہ کا لکھ دینا ضروری اور حاجت کے ماتحت سمجھ کر نقل کر لیتے ہیں۔ اور اُس مقام اور ہیر وز کا نام اور منزل کا تعین غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اب سوچئے کہ اُن علما کی سمجھ اور عملدرآمد نے امت کے ساتھ کیا کیا؟ اور اگر اس قسم کے علما کا مقصد اور ضروری وغیر ضروری کا معیار بھی یہی تھا کہ وہ رفتہ رفتہ اپنی اس ٹیکنیک (Technique) سے اسلامی حقائق کے تمام ثبوت برباد اور گم کر کے چھوڑیں گے؟ تو بتائیے کہ ہم اُن کو دشمنانِ انسانیت اور مخالفانِ محمد و آل محمد کہنے میں کہاں تک خطا وار ہیں؟ پھر اُن کا مقصد یہ تھا یا نہیں؟ اور ہم خطا وار ہیں یا نہیں؟ اس سے وہ ریکارڈ تو واپس نہیں لایا جاسکتا جو، جیسے بھی سمجھئے، ضائع ہو گیا؟

اسی سلسلہ میں اور اُسی مندرجہ بالا روایت میں ایسے علما کا پتہ بھی چلتا ہے اور تحریری ریکارڈ میں موجود ہے جنہوں نے بعض روایات کو قطعاً لکھا ہی نہیں۔ بحار کا یہی حصہ جس کا علامہ جزائری نے ترجمہ کر رکھا اور روپیہ کمایا۔ اسی میں علامہ مجلسی نے سینکڑوں روایات کو نہیں لکھا۔ حالانکہ اُن کے ہمعصر اور ہم مسلک علما نے بھی اور قبل و بعد کے علما نے بھی اُن روایات کو لکھا ہے۔ کیا ایسے علما کو اُس گروہ میں شامل نہ کریں جو بدرجہ روایات و ثبوت کو شعوری یا لاشعوری حیثیت سے کم کرتے اور گم کرتے چلے آئے ہیں؟ بھائی وہ رضی اللہ عنہ سہی، علامہ سہی، جنتی سہی لیکن یہ ہمارے سامنے نقصان کا جو ڈھیر لگا ہوا ہے، یہ جو ہمارے راستے روکنے والا گروہ کھڑا ہے ہم اس سے کیسے محفوظ

رہیں؟ اُن حضرات نے کتابیں پڑھ کر حوالہ دیا لیکن نہ کتاب کا نام لکھا نہ مصنف کا نام بتایا۔ آج اگر ہم وہی حوالہ اپنے ثبوت میں پیش کریں تو اُن حضرات کو کیا جواب دیں جو کتاب اور صاحب کتاب کا نام دریافت کرتے ہیں؟ صفحہ اور سطر کا نمبر تک جاننا چاہتے ہیں؟ اسی سلسلہ کی یہ بات بھی ہے کہ اس روایت میں یہ تو کہنا اور لکھنا ضروری سمجھا گیا کہ ”جبرائیلؑ تابوت کے پاس گئے۔“ (فَلَمَّا نَجَّى نُوحًا مِنَ الْتَابُوتِ) لیکن یہ نہیں کہا کہ پھر ”جبرائیلؑ نے تابوت کا ڈھکنا کھولا“ ایک دم لکھ مارا کہ (وخرج الرأس) اور سر نکالا۔“

ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر صرف یہ لکھ دیا جاتا کہ ”پھر جبرائیلؑ نے سر حسین علیہ السلام نکالا اُسے بوسے دیئے سینے سے لگایا۔“ تو تمام ذی عقل آدمی خود ہی سمجھ جاتے کہ جبرائیلؑ تابوت کے پاس گئے ہوں گے۔ مقفل تھا تو پہلے تالا کھولا ہوگا۔ پھر ڈھکنا اٹھا کر سر مبارک نکالا ہوگا۔ یا ازراہ قوت ملکوتیہ بطور معجزہ سر مبارک نکالا ہوگا۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ آدمیوں کی طرح تابوت کے قریب جانا تو لکھا گیا لیکن ڈھکنا کھولنے کا ذکر غیر ضروری سمجھا گیا؟ یہ ہے وہ طرز عمل جو مذہبی بیانات و روایات کو غیر منطقی، غیر مانوس اور بکواس بنا دیتا ہے۔ اسی طرز عمل کا نتیجہ ہے کہ کتابوں کے نام چھوڑ جانا اس لئے کہ واقعہ مشہور ہے۔ مصنف کا ذکر غائب کر لینا اس لئے کہ سب ہی نے واقعہ کو لکھا ہے۔ منزل و مقام نہ لکھنا اس لئے کہ پڑھنے والا جانتا ہے لیکن مصیبت تو ہم پر آئی ہے۔ یہ رضی اللہ عنہم یا یہ خبیث لوگ تو چین سے جنتی یا جہنمی ہو کر فارغ ہو گئے۔ پھندا تو ہمارے گلے میں ہے اور یہ اُن ہی کا بنایا ہوا پھندا ہے۔ ہم روایت لکھتے ہیں، کتاب کا نام لکھتے ہیں، صفحہ اور باب بتاتے ہیں۔ پھر روایت کو اُدھیر کر اس میں پوشیدہ تمام حقائق کو برہنہ کر کے سامنے کھڑا کر دیتے ہیں۔ لہذا ہماری تصنیفات پڑھنے والوں کی گردن میں کوئی پھندہ نہیں ڈال سکتا۔ بلکہ اُن سے دشمنان اسلام چھپے چھپے پھرا کرتے ہیں اور راستہ چھوڑ کر گزرا کرتے ہیں۔

پھر اسی سلسلے میں کیا یہ سوچنا اور سمجھنا غیر ضروری ہے کہ اُن پچاس آدمیوں کا یہ مستقل عمل کہ سر مقدس کو تابوت میں بند کر کے درمیان میں رکھنا اور اُس کے چاروں طرف بیٹھنا اور لیٹنا اس لئے تھا کہ تابوت محفوظ رہے؟ اور رات کو کوئی اُسے پُرا کر نہ لے جائے؟ اور راوی نے جو اس دن شراب نہ پی اور نشہ میں مدہوش نہ ہوا اس لئے تھا کہ روزانہ ایک شخص پہرہ دے اور اپنے ہوش و حواس برقرار رکھے؟ اور ظاہر ہے کہ فوجوں میں ایک آدمی رات بھر جاگنے اور پہرہ دینے پر نہیں لگایا جاتا بلکہ دو گھنٹے سے زیادہ ڈیوٹی بیک وقت دی ہی نہیں جاتی۔ لہذا یہ بھی لازم تھا کہ راوی یا عالم تمام ضروریات بیان کرتا اور بتاتا کہ وہ شخص ڈیوٹی پر تھا جس نے انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کا تشریف لانا دیکھا تھا۔ اور یہ کہ اُس نے اس حیران کن صورت حال میں گھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے اپنے بعد والے شخص کو پہرہ کیلئے نہ جگایا تھا۔ مگر یہ تو یہ راوی اور یہ علماء اور مصنفین جاہل مطلق تھے یا یہ سازشی گروہ تھا۔ ہم بہر حال ستائے گئے ہیں، ہمارے راستے میں چاروں طرف سے رکاوٹیں ڈالی گئی ہیں۔ مگر یہ امام زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوت ہے کہ حقیقی مومنین کی راہیں بند نہ ہو سکیں۔

تیسری بات۔ جن علمائے مندرجہ بالا روایت کو سرے سے لکھا ہی نہیں اُن کا دشمن اسلام ہونا بلا ثبوت ثابت ہے۔ مگر جن علمائے اس روایت کو پورا نہیں لکھا وہ بھی غالباً انبیاء علیہم السلام کا زمین پر آنا اور ملائکہ کا نازل ہونا نہیں مانتے ورنہ نہ لکھنے کا دوسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ فضائل محمد و آل محمد کے منکر ہیں۔

آخری بات بہت مزے کی ہے اور سمجھنے کیلئے وسعتِ قلب اور فکرِ صحیح کی احتیاج بھی ہے۔ اس بات کو روزمرہ کے حالات اور مسلمانوں کی اخلاقی تاریخ کی مدد سے سمجھئے اور حقائق کو تسلیم کرنے کی ہمت دکھائیے اور سنئے کہ آج دنیا میں مسلمانوں سے بڑھ کر جرم و گناہ میں کوئی قوم ملوث نہیں ہے۔ اُن میں ہر قسم کا مکروہ سے مکروہ اور گناہنا جرم و گناہ ہوتا ہے۔ اخلاق اور پارسائی اُنکے یہاں ایک ثانوی چیز ہے۔ اور اُنکے مقدس اور پارسا کہلانے والے حضرات جب کوئی گناہ کرنے پر آتے ہیں تو وہ غنڈوں اور اوباشوں کو بھی سینکڑوں میل پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ اور کمال یہ کرتے ہیں کہ پھر فتویٰ دے کر اس جرم و گناہ کو حلال اور شریعت کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش بھی کیا کرتے ہیں۔ اگر ہم مثالیں بھی لکھیں تو دس ہزار صفحات کی کتاب تیار ہو جائے گی۔ اسی لئے کہا کہ حق بات تسلیم کرنے کی ہمت دکھائیں۔

پھر یہ حالت مسلمانوں کی آج ہی نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ کے مسلمانوں کا یہی حال رہا ہے۔ نزولِ قرآن کے دوران والے مسلمانوں کی بد اعمالی اور بے دینی سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنا، خود زنا کرنا، عورتوں کو زنا پر مجبور کرنا، اپنی ماؤں سے نکاح کرنا، باپ کی منکوحہ کو زوجہ بنانا، بیٹیوں کی کمائی کھانا، سود کھانا، میدانِ جنگ سے بھاگ جانا، رسولؐ کے خلاف سازش کرنا، رسولؐ کو نماز میں تنہا کھڑا چھوڑ جانا اس سب بد عملی کا سبب کیا تھا؟ اور کیا ہے؟ اس کا جواب وہی ہے جو اس مندرجہ بالا روایت میں اس طواف کرنے والے حاجی اور مقدس شخص نے دیا ہے یعنی یہ کہ اگر کسی کلمہ گو کے گناہ اور جرائم اور ظلم و ستم کی فہرست تمام درختوں کے پتوں اور بارش کے قطروں یا بوندوں کے برابر ہوں تو بھی اللہ غفور الرحیم ہونے کی وجہ سے اُن تمام گناہوں کو بخش دے گا جو اُس نے کئے ہیں۔ لہذا یقین کیجئے کہ مسلمانوں کا ہر ڈاکو، ہرزانی، ہر ظالم، ہر غاصب، ہر قاتل، ہر چور اس یقین پر بڑے سے بڑا گناہ بے فکری سے کرتا ہے کہ اللہ غفور الرحیم ہے۔ پھر یزید کا اور اُسکے کافر و مسلم بزرگوں کا عقیدہ صرف غفوری اور رحیمی اور ستاری و غفاری پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ اللہ کو ایسا قادر مطلق مانتے تھے کہ آدمی جو کچھ ہتھیا کرتا ہے وہ سب اللہ کے حکم و اجازت سے کرتا ہے۔ ہر فعل اللہ کا فعل ہے اور ساری کائنات اور انسان مجبور ہیں، اللہ کی مرضی کے بغیر کچھ کہی نہیں سکتے۔ یہ سب ہے کہ یزید نے اور اُسکے دونوں قسم کے بزرگوں نے اولادِ رسولؐ کو قتل کیا، خانہ رسولؐ کو جلایا، وراثت کو غصب کیا۔ الغرض جتنے گناہ کئے وہ اللہ نے کرائے تھے۔ اسلئے وہ تمام ملائین بے گناہ رہے۔ اور اگر اُن سے کوئی گناہ ہوا بھی تھا تو اللہ غفور الرحیم ہے لہذا اُسے معاف کرنا پڑے گا یا غفوری و رحیمی سے استغفیٰ دینا ہوگا۔

یہاں یہ حقیقت بھی تسلیم کرنا ہوگی کہ ہمارے شیعہ مومنین بھی اعمال و بد کرداری میں بالکل مندرجہ بالا صورت حال میں برابر کے شریک ہیں۔ وہ بھی ماشاء اللہ کوئی جرم و گناہ کرنے سے نہیں جھکتے۔ مگر اُن کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ خدا کرتا ہے۔ وہ خدا کو غفور، رحیم، ستار و غفار وغیرہ ماننے میں بھی شریک ہیں۔ مگر وہ اور تمام نیک اہلسنت ایک اور بات مانتے ہیں جو انہیں گناہوں پر جرأت دلاتی ہے اور وہ ہے شفاعت کا عقیدہ؛ یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ شفاعت کریں گے۔ اور اللہ اُن کی سفارش سے بندوں کے گناہ بخش دے گا۔ شیعہ مومنین اس میں یہ اضافہ کرتے ہیں اور تمام صوفیاء کرام اُن کے ساتھ شامل ہیں کہ رسولؐ کو شفاعت کا یہ بے پناہ حق آلِ محمدؐ نے عموماً اور امام حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلا نے خصوصاً دلویا ہے۔ اور یہ کہ حضرت فاطمہؑ اس شفاعت و سفارش کا عملی مظاہرہ کریں گی اور جن کی سفارش وہ فرمائیں گی اُن کو ہر حال میں بخش دیا جائے گا۔ میں بھی اس سے متفق ہوں۔ مگر مجھے

اور تمام مسلمانوں کو یہ جاننا چاہئے کہ اللہ کی غفوری و رحیمی اور محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کی قربانیاں اور شفاعت کہاں اور کیسے اور کس کے لئے وقوع میں آئیں گی؟ اور شفاعت کا یہ عظیم الشان استحقاق کس صورت میں پیدا ہوتا ہے؟ یا درکھیں کہ یہ جواب بڑی تفصیل چاہتا ہے اور اس کتاب کے دائرہ سے باہر کی چیز ہے۔ لیکن عنوان کی خانہ پُری کرنے کے لئے چند مستحکم اور مستقل اشارات کرنا ضروری ہیں سنئے۔

(الف)۔ وہ مسلمان جن کا ہر گناہ معاف کر دیا جائے گا قرآن کریم شاہد ہے

قُلْ يٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا
اِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (سورہ الزمر 39/53)

مومنین ہوں یا کافر ہوں اس آیت کے الفاظ پر غور فرمائیں۔ قرآن کے تمام ترجمے دیکھیں اور جو اللہ نے کہا یا کہلوا یا ہے اُس کو قرآن کے الفاظ سے سمجھیں مترجمین کی رائے اور سمجھ کو بالائے طاق رکھ دیں۔ اور ہمارے ترجمہ اور بیان کو بھی جب قبول کریں جب وہ سو فیصد قرآن کے الفاظ کے ماتحت ہو۔ سنئے اللہ نے رسول اللہ سے کہا کہ:-

”اے رسول یا اے نبی یا اے محمد تم کہہ دو (قُل)۔ اس قل کے بعد جو کچھ آیت میں ہے وہ محمد مصطفیٰ سے کہلوا یا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ”اے میرے (محمد کے) بندو“ یہاں نہیں کہلوا یا کہ ”اے اللہ کے بندو“ ورنہ عربی کا جملہ یوں ہوتا کہ قل یا عباد اللہ یا قل یعباد اللہ لہذا اللہ نے فرمایا کہ اے محمد تم اپنے بندوں سے کہہ دو۔ پھر ابتدا سے ترجمہ سنئے:-

”اے محمد تم کہہ دو کہ اے میرے (محمد کے) وہ بندو جنہوں نے گناہ اور جرائم کر کر کے اپنی ذات پر زیادتیاں کی ہیں۔

تم رحمۃ خداوندی سے مایوس نہ ہو جانا۔ یقیناً اللہ تمہارے تمام گناہوں کو بخش دے گا یقیناً وہ الرحیم اور الغفور ہے۔“

اس ترجمہ میں جو خامی ہے اُسے اس آیت سے دور کر لیں جس میں اللہ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روز ازل سے پوری کائنات کی تمام مخلوقات کے لئے رحمۃ للعالمین (انبیاء 21/107) بنایا تھا۔ لہذا مکمل ترجمہ یوں ہوگا کہ:-

(1) ”اے محمد تم کہہ دو کہ“ ”اے میرے وہ بندو جنہوں نے گناہوں سے اپنی ذات پر زیادتیاں کی ہیں۔ تم مجھ سے یا میری شفاعت

اور سفارش سے مایوس نہ ہو جانا یقیناً اللہ تمہارے تمام گناہ بخشے گا۔ یقیناً وہ غفوری اور رحیمی کے آخری مقام پر ہے۔“

علماء کی ایک خاص جماعت نے یہ سمجھا ہے کہ اس آیت میں اللہ نے رسول سے اپنے بندوں کو مخاطب کرایا ہے۔ یعنی:-

(2) ”اے محمد تم کہہ دو کہ اللہ کے وہ بندو جنہوں نے گناہوں سے اپنی ذات پر زیادتیاں کی ہیں۔ تم اللہ کی رحمت

سے مایوس نہ ہو جانا۔ یقیناً اللہ تمہارے تمام گناہ بخشے گا یقیناً وہ غفوری اور رحیمی کے آخری مقام پر ہے۔“

بس تمام مسلمان اور تمام علما ان ہی دونوں ترجموں پر تقسیم ہو کر دو گروہ یا دو مذہب بن جاتے ہیں۔ اور یقیناً ان دونوں میں سے کوئی ایک حق پر ہے اور دوسرا باطل پر۔ جو حق پر ہے وہی قابل شفاعت و جنتی ہے۔ دوسرا شفاعت کا منکر و جہنمی ہے۔ اور از خود خوشی سے کوئی جہنمی بننے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ اس کا فیصلہ بھی قرآن کے مسلمات سے کرنا ہوگا۔ لہذا میں پہلے خود کو پیش کر کے کہتا ہوں کہ پہلا ترجمہ میرا ہے۔ اور اگر یہ غلط ہے تو میں جہنمی بھی ہوں اور میرا مذہب بھی باطل ہے۔

آئیے ذرا اس کا فیصلہ ہو جائے۔ ساری دنیا جانتی ہے اور تمام مسلمان اور تمام دیگر مذاہب کے لوگ بھی مانتے ہیں کہ کائنات کی ہر مخلوق عموماً اور تمام ملائکہ و جنات و انسان خصوصاً اللہ کے بندے ہیں۔ خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ہوں حتیٰ کہ شیطان بھی اللہ کا بندہ ہے۔ تمام مشرکین اور منکرین خداوندی بھی اللہ کے عباد یا بندے ہیں۔ اگر دوسرے ترجمہ کو صحیح مان لیا جائے تو قیامت میں تمام کافر و منکر و مشرکوں کی بخشش کا ہونا لازم ہے۔ اور اس عقیدے کے خلاف قرآن بھرا پڑا ہے۔ اور خود رسول کو اُن کی شفاعت کرنے اور مغفرت کرانے کی ممانعت کر دی گئی ہے اور فرما دیا ہے کہ:-

(1) سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ۔ (منافقون 63/6)

”آپ مشرکین کیلئے بخشش طلب کریں یا نہ کریں اُن کیلئے معافی چاہنا اور نہ چاہنا بے سود ہے انہیں اللہ ہرگز نہ بخشے گا۔

(2) اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ۔ (توبہ 9/80)

اُن کیلئے بخشش چاہو یا نہ چاہو اور اگر آپ مشرکین کیلئے ستر (70) مرتبہ بھی بخشش مانگیں اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے والا نہیں ہے۔“

اسی طرح شیطان بھی اللہ کا بندہ ہے اور اُس کے جہنمی ہونے پر تمام مسلمان علماء و عوام اور تمام مذاہب کے لوگ متفق ہیں۔ اور سب یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ لوگ بھی اللہ کے بندے ہی ہیں جو کہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ لہذا دوسرا ترجمہ نہ صرف قرآن کریم کی واضح آیات کا مخالف ہے۔ بلکہ تمام انسانیت اور عقل انسانی کے بھی خلاف ہے۔ اور بلاشبہ و شبہ باطل ہے اور وہ تمام لوگ جو دوسرے ترجمہ پر قائم رہیں منکر قرآن اور جہنمی ہیں۔

ہمارے ترجمہ پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ انسان صرف اللہ کے بندے ہیں۔ انسانوں کو کسی انسان کے بندے کہنا شرک ہے۔ ہم اُن کی اس بات سے بھی متفق ہیں۔ یعنی نہ ہم اپنی طرف سے اپنے فیصلے اور رائے سے کسی انسان یا انسانوں کو کسی انسان کا بندہ کہہ سکتے ہیں اور نہ کوئی نبی یا رسول خود کسی کو اپنا بندہ کہنے کا مجاز ہے۔ اور ایسا کہنا یا سمجھنا واقعی شرک ہے اور کہنے یا ایسا سمجھنے والا حقیقتاً مشرک ہے خواہ کوئی نبی ہو یا غیر نبی ہو۔ مگر زیر بحث آیت میں تو اللہ نے حکم دیا ہے کہ محمدؐ کچھ خاص لوگوں کو اپنا بندہ کہیں بلکہ اُن کو اُن کی نجات کی بشارت اور اللہ کا وعدہ بھی سُنادیں۔ لہذا نہ یہاں، نہ کہیں اور محمدؐ نے لوگوں کو اپنا بندہ بنایا اور نہ ہم نے اپنے خیال سے لوگوں کو محمدؐ کا بندہ کہا۔ یہ قرآن کریم کا بیان ہے جس کا ہم نے لفظ بلفظ ترجمہ کرنے کا گناہ ضرور کیا ہے۔ مگر نہ میں مشرک ہوا نہ میرا نبی تمہارے فتویٰ کی زد پر آیا۔ یہ تو ویسی ہی بات ہے کہ کسی انسان کو یا کسی اور مخلوق کو سجدہ کرنا شرک ہے۔ مگر جب اللہ حکم دے کہ فلاں شخص کو سجدہ کرو تو اُس حکم کو ماننے والے اور بے دھڑک سجدہ کرنے والے ملائکہ اور مومنین ہوتے ہیں۔ اور اُسے شرک سمجھ کر سجدہ نہ کرنے والے ابلیس اور کافر و جہنمی ہوتے ہیں (بقرہ 2/34)۔ لہذا جو لوگ محمدؐ کے بندے نہ ہوں یا جو علماء و عوام محمدؐ کا بندہ ہونا شرک سمجھیں وہ بھی جہنمی کافر اور ابلیس کی اُمت ہیں۔ یہ فیصلہ بھی قرآن نے کیا ہے۔ اب ایک اور بات سُنیں کہ اللہ نے قرآن میں اُن تمام انسانوں کو انسانوں کا بندہ فرمایا ہے جو زرخید تھے۔ اور ساری دنیا جانتی ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں اور آج بھی عرب میں بردہ فروشی ہوتی ہے۔ اور دوسرے ترجمہ کے قائلین اور شیعہ مجتہدین بھی بردہ فروشی کو اسلام میں جائز مانتے ہیں۔ لہذا اللہ نے تمام مسلمان عربوں سے کہا کہ:-

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ (سورہ نور 24/32)

اپنے اندر اُن تمام لوگوں کا نکاح کر دو جو بیوہ یا رنڈ وے ہوں اور تمہارے بندوں اور بند یوں میں سے جو صالح ہوں۔
یہاں اللہ نے انسانوں کو انسانوں ہی کا بندہ کہا ہے۔ اس پر علماء کو اعتراض نہیں ہے۔ مگر محمدؐ کا بندہ بننا اور ہونا اور کہلانا ہی ناپسند نہیں ہے بلکہ اگر اللہ حکم دے تب بھی اُسے شرک کہنا اُن کے مذہب میں جائز ہے۔ اور اسی لئے وہ حقیقی مشرک اور جہنمی ہیں خواہ وہ عبادت کریں، حافظان قرآن اور تہجد گزار ہوں۔ وہ مع اپنی عبادات اور حج و ایمان کے جہنم کے نچلے درجہ میں رہیں گے۔ پھر اللہ نے دو جگہ اور بھی انسانوں کو انسانوں کا بندہ کہا اور تفصیل سے مثال دی ہے سُنئے فرمایا گیا کہ:-

1- ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ..... (نحل 16/75)

2- وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَىٰ مَوْلَاهُ..... (نحل 16/76)

”اللہ ایک ایسے بندے کی مثال دیتا ہے جو کسی دوسرے کا زرخرید ملکیت ہونے کی وجہ سے اُس کا بندہ ہے جسے کسی بھی قسم کا اور کسی چیز پر اختیار نہیں ہے۔“

یہ بندہ کی یا عبد کی تعریف یعنی Definition ہے۔ لہذا اللہ نے جن کو محمدؐ کا بندہ قرار دیا ہے اور جنہیں دائمی نجات کی خوشخبری سنائی ہے وہ وہی لوگ ہیں جو اپنے تمام اختیارات محمدؐ کو سونپ دیں۔ اور اُن کے حکم اور اشاروں پر کھٹ پتلی کی طرح کام کریں۔ دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ:-

”اللہ دوسروں کی مثال بیان کرتا ہے۔ اُن میں سے ایک تو گونگا ہے اور کسی قسم کا اور کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا۔ اور وہ اپنے مولا پر دُوبھر بنا ہوا ہے۔“ یعنی اُس کا مالک اس سے تنگ آچکا ہے۔

یہاں پھر بندہ کی تعریف وہی ہے کہ اُسے خود پر اور کسی اور چیز پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ آیات کا باقی بیان آپ خود پڑھیں۔ ہمیں یہ دکھانا تھا کہ اللہ نے انسانوں کو انسانوں کا بندہ کہا ہے۔ اور بندہ کی تعریف اور تشریح کر دی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ زرخرید بندہ بننا حرام ہے اور اللہ کو ناپسند ہے۔ اب یہ دیکھ لیں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے سامنے انسانوں کو کیسا بندہ ہونا چاہئے اور اللہ کو کیسے لوگ پسند ہیں؟
سُنئے:- مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔ (احزاب 33/36)

ترجمہ و تشریح علامہ مودودی:- ”کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اُسے اپنے اُس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 97 تا 98)

علامہ کی وضاحت:- ”جو حکم اس بیان میں کیا گیا ہے۔ وہ اسلامی آئین کا اصل الاصول ہے۔ اور اُس کا اطلاق پورے اسلامی نظام زندگی پر ہوتا ہے۔ اُس کی رُو سے کسی مسلمان فرد، یا قوم، یا ادارے، یا عدالت، یا پارلیمنٹ، یا ریاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس معاملہ میں اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے کوئی حکم ثابت ہو اُس میں وہ خود اپنی آزادی رائے استعمال کرے۔ مسلمان ہونے کے معنی ہی خدا اور رسول کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے دستبردار ہو جانے کے ہیں۔ کسی شخص یا قوم کا مسلمان بھی ہونا اور اپنے لئے اس اختیار کو

محفوظ بھی رکھنا، دونوں ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ کوئی ذی عقل انسان ان دونوں رویوں کو جمع کرنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ جسے مسلمان رہنا ہو اُس کو لازماً حکم خدا اور رسول کے آگے جھک جانا ہوگا۔ اور جسے نہ جھکنا ہو اُس کو سیدھی طرح ماننا پڑے گا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ نہ مانے گا تو چاہے اپنے مسلمان ہونے کا وہ کتنا ہی ڈھول پیٹے خدا اور خلق دونوں کی نگاہ میں وہ منافق ہی قرار پائے گا۔“

(تفہیم القرآن جلد 4- صفحہ 98 تا 99)

اللہ کی پوزیشن زیر بحث نہیں ہے بحث یہ ہے کہ رسول اللہ کے روبرو مسلمانوں کو کس پوزیشن میں رہنا چاہئے اللہ نے فرمایا ہے کہ:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (نساء 4/65) علامہ کا ترجمہ یوں ہے: ”نہیں، اے محمد تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اُس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 368-369) علامہ کی وضاحت:-

”اس آیت کا حکم صرف حضور کی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ قیامت تک کے لئے ہے۔ جو کچھ اللہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس طریقہ پر اللہ کی ہدایت و راہنمائی کے تحت آپ نے عمل کیا ہے وہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن سند ہے۔ اور اس سند کو ماننے یا نہ ماننے ہی پر آدمی کے مومن ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہے۔ حدیث میں اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونُ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ۔ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس کی خواہش نفس اُس طریقہ کی تابع نہ ہو جائے جسے میں لے کر آیا ہوں۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 369)

بس جناب بات واضح ہو گئی کہ مومن صرف وہ شخص ہے جو رسول اللہ کا بندہ بن جائے۔ یعنی خوشی خوشی اپنے تمام اختیارات اور خداداد قدرت کو رسول اللہ کے تابع کر دے۔ ان بندگان رسول کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ یہی نہیں بلکہ اُن کے نامہ اعمال سے گناہوں کو ساقط کر کے اُن گناہوں کے بدلے میں نیکیاں لکھ دی جائیں گی۔ مومنین وہ آیت زبانی یاد کر لیں جو آپ کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کرنے کی گارنٹی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ:-

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (فرقان 25/70)

”سوائے اُن لوگوں کے جو اصلاح کے لئے واپس پلٹے اور مطمئن ہو گئے اور اصلاحی اعمال اختیار کر لئے وہ

وہی ہیں کہ جن کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل ڈالے گا اور اللہ تو ہمیشہ سے غفور اور رحیم رہتا چلا آیا ہے۔“

یہاں اور ہر جگہ لفظ آمَن کے معنی پر آٹھ سو پچانوے سال قدیم سند علامہ راغب اصفہانی کے یہاں یہ ہے کہ:-

”(امن) أَصْلُ الْأَمْنِ طَمَآنِيَةُ النَّفْسِ وَزَوَالُ الْخَوْفِ۔“ (مفردات راغب اصفہانی صفحہ 24)

”آمَن کی اصل حقیقت نفس انسانی کا مطمئن ہو جانا اور خوف کا قطعاً زائل ہو جانا ہوتی ہے۔“

چونکہ قرآن کو تبدیل کرنے کی پالیسی صرف معنوی تبدیلی تک محدود ہوگئی تھی اس لئے زمانہ رسولؐ سے معنوی تبدیلی جاری ہے اور لغات اور قواعد کی موجودگی میں بھی تحریف جاری رہی ہے (یونس 10/15-16)۔ لیکن ہم قرآن وحدیث کے حقیقی معنی پر اصرار کرتے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں کو یہ کہہ دیا گیا ہو کہ تمہارا مایوسی سے کوئی رشتہ وتعلق نہیں اسلئے کہ تم محمدؐ کے بندے ہو اور تمہارے ہمہ قسمی تمام گناہ اللہ بخشتے گا۔ اُن سے زیادہ مطمئن کون ہو سکتا ہے۔ اُن مطمئن لوگوں ہی سے کہا گیا ہے کہ اُن کی غلطیاں، لغزشیں، خطائیں اور معمولی برائی تک کے بدلے میں نیکیاں عطا کی جائیں گی۔

(ب)۔ بندگان محمدؐ کو اللہ کی طرف سے سو فیصد اطمینان حاصل ہے

یہاں آتے آتے مصنوعی تقدس اور خود ساختہ ایمان کو کئی جھٹکے لگے ہوں گے اور نظام اجتہاد کی گود میں پلنے والے مومنین کے قلوب میں بھی کئی ایک سوال پیدا ہوئے ہوں گے۔ بہر حال ہماری ذمہ داری ہے کہ اس سلسلے میں ہر سوال کا جواب دیں اور قرآن وحدیث کے الفاظ میں جواب دیں۔ اسلئے کہ ہم اجتہادی اور استدلالی جواب کے قائل نہیں ہیں۔ اور قرآن کی رو سے اُن لوگوں کو ظالم و فاسق اور کافر سمجھتے ہیں جو کلام اللہ یا کلام معصومؐ سے جواب نہ دے بلکہ اپنا کلام پیش کرے (ماندہ 47-44/5)۔ نزول قرآن ہی کے زمانہ میں رسولؐ کی قوم نے قرآن اور رسولؐ دونوں کے خلاف سازش کی۔ دودوستوں نے مل کر رسولؐ اور قرآن کے متعینہ صراط مستقیم کے مقابلہ میں ایک قوم پسند راہ عمل اختیار کی اور قرآن کو چھوڑ دیا (فرقان 25/27-31)۔ اُنہوں نے اپنے فیصلے طاعوت سے یا طاغوتی طریقوں سے کرنا اور کرانا شروع کئے۔ لیکن بظاہر یہ کہتے رہے کہ ہم قرآن اور سابقہ تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن درپردہ طاعوت کے مومن بن گئے (نساء 4/60)۔ یہی لوگ تھے جن کو بتایا گیا تھا کہ تم ہرگز مومن و مسلم نہیں ہو جب تک اپنا ہر اختلاف رسولؐ سے حل نہ کرو اور دل کی گہرائی میں بھی طمانیت محسوس کرو (نساء 4/65)۔ اور ہم گناہگاروں کو یہ آزادی ہے کہ ہر ظالم و جابر و غاصب قوم یا مملکت وحکمران کے تباہ کرنے کی اسکیموں میں ہم سے جو بھی غلطی یا گناہ سرزد ہو جائے وہ نیکیوں سے بدل جائے گا۔ اور جس روز ہم محمدؐ کی بندگی اختیار کریں گے اور پھر بندگی سے باہر نہ نکلیں گے اُس دن تک کئے ہوئے تمام سابقہ گناہ خواہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ ہوں معاف کر دیئے جائیں گے یعنی نامہ اعمال سے غائب ہو جائیں گے (آل عمران 3/195)۔ ہمارے یہاں آل محمدؐ کا ہر امام محمدؐ ہے۔ اور چونکہ ہم اُن کے بندے ہیں لہذا کوئی اخلاقی یا گناہ تو دور کی بات ہے ہم تو ہر اس کام سے بھی پرہیز کریں گے اور کرتے ہیں جو محمدؐ و آل محمدؐ کو ناپسند ہو، جولذت نفس کیلئے ہو، جو جلب منفعت یعنی ذاتی نفع اندوزی کے لئے ہو، جس سے نوع انسان کی حق تلفی ہوتی ہو، جس سے انسانیت کی حریت و آزادی سلب ہوتی ہو، جس سے مظلوم کو نقصان پہنچتا ہو، جس سے انسانوں میں قربانی و ایثار کا جذبہ نہ پیدا ہوتا ہو اور جس کی وجہ سے انہیں ہمیں اپنا بندہ کہتے ہوئے یا سفارش کرتے ہوئے شرمانا پڑے۔ ہم مختار علیہ السلام کی طرح کی زندگی جینا چاہتے ہیں۔ ہم کربلا کے فداکاروں کا قتل عام کرنے والوں کی نسل کو منقطع کرنے پر تعینات ہیں۔ ہم اُس ذہنیت کو تلاش کر کے اُس کھوپڑی کا پھوپھو را پھو را کر دینے کی فکر میں رہتے ہیں جس میں وہ ذہنیت اور دماغ رہتا ہو۔ ہمیں اس اسکیم کی تکمیل کے لئے اپنا گھر، اپنے اہل و عیال، اپنے دوست اور احباب کو چھوڑنا؛ اپنا خون اور گوشت محمدؐ و آل محمدؐ کے نام پر پیش کرنا بہت پیارا ہے بہت عزیز ہے اور جو انعامات ہمیں ملنا

ہیں اُن کے سامنے بہت حقیر ہے، بہت قلیل ہے، بہت سستا ہے۔ مگر افسوس کہ ہمارے پاس اس خون اور گوشت کے؛ اس زندگی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ ہم اسی پر روتے ہیں کہ کاش ہمارے پاس کچھ اور بھی ہوتا اور ہم اُسے امام حسینؑ اور اُن کی دُکھیا بہنؑ اور اُن کے مظلوم بچوں کے قدموں پر قربان کرتے۔ مومنین وہ آیت سُن کر اپنے فداکارانہ جذبہ کو ہمیز کریں فرمایا گیا کہ:-

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَا اُضِيعُ عَمَلٌ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْشِىْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَاَلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاٰخَرُوْا
مِّنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْدُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقَتْلُوْا وُقُتِلُوْا لَا اَكْفِرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دَخَلَتْهُمْ جَهَنَّمَ تَجَرُّوْا مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ
ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران 3/195)

”چنانچہ اُن کے پروردگار نے اُن کے لئے فیصلہ کر دیا کہ اللہ تم میں سے کسی برسرِ کار شخص کے کسی بھی عمل کو بے نتیجہ اور ضائع نہ ہونے دے گا۔ خواہ وہ برسرِ کار شخص مرد ہو یا عورت اس لئے تم اس اسکیم میں ایک دوسرے سے وابستہ ہو۔ چنانچہ اس سلسلے میں جو لوگ ترک وطن کریں یا انہیں گھروں سے نکالا یا جلا وطن کر دیا جائے اور اُن پر ایذا اور ظلم کئے جائیں اور اللہ کی راہ میں دشمنان اسلام کو قتل کر ڈالیں یا خود قتل ہو جائیں اُن سب کے گناہوں کو چھپا دیا جائے گا اور اُسی لازمی قانون کی بنا پر انہیں ایسی جنتوں میں داخلہ ملے گا جن میں نہریں جاری رہتی ہیں۔ یہ بدلہ ہوگا اللہ کی جانب سے اُن حضرات کے عملدرآمد کا اور اللہ کے پاس ہی بہترین جزا و بدلہ موجود ہے۔“

قابلِ صدمہ مبارکباد ہیں وہ عزادارانِ حسین علیہ السلام جن کو یہ اطمینان عطا کیا گیا ہے۔

(9)۔ کوفہ سے شام تک سفر و تشہیر عمر بن سعد ملعون کی سرکردگی میں ثابت ہو چکی

ہم نے اس سفر کے متعلق جو کچھ کہا ہے۔ وہ تمام مختلف اور متفرق اور بظاہر متضاد روایات و حالات کو مرکزی نقطہ انتظام سے مربوط و ہم آہنگ کر کے تمام اختلافات کو فطری اور انتظامی صورت دینے کے لئے ایک حقیقت ہے۔ اور کسی دوست یا دشمن کو اُس سے انکار و اختلاف میں اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔ سابقہ روایت میں ابن لہیعہ نے ایک ایسے دشمن اہل بیتؑ کا ذکر کیا ہے جو اپنے اعمال کی بنا پر نجاتِ آخری سے مایوس ہو چکا تھا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ حسین علیہ السلام کے مقابلہ پر جو شخص بھی سمجھ بوجھ کر آیا تھا۔ وہ ایسا ارادہ کرنے سے پہلے یہ جانتا تھا کہ قیامت کے روز وہ جہنمی ہے اور دنیا میں تاحیات ملعون ہے۔ چنانچہ عمر سعد کے اپنے بیانات اس کا ثبوت ہیں۔ اب مومنین سفر شام میں عمر بن سعد کی مرکزیت کے ساتھ ساتھ ایک اور مایوس النجات شخص کا حال سنیں:-

قد ذكر فى تلك الرواية ما نقلها فى البحار عن الخرائج مسنداً الى سليمان بن مهران الاعمش قال بينما انا فى الطواف بالموسم اذ رايت رجلاً يدعوا وهو يقول: ”اللهم اغفرلى وانا اعلم انك لا تغفرلى“ قال فارتعدت فرأيتى من ذلك ودنوت وقلت يا هذا انت فى حرم الله وحرم رسوله وهذا ايام حرم فى شهر عظيم فلم تياس من مغفرة الله قال يا هذا ذنبى عظيم قلت اعظم من جبل تهامة او يوازن الجبال الرواسى؟ قال نعم فان شئت اخبرتكم قلت اخبرنى قال اخرج بنا عن الحرم فخر جئنا منه فقال لى انا احد من كان فى العسكر الميشوم عسكر عمر بن سعد حين قتل الحسين و كنت احداً من الذين حملوا الراس الى يزيد من الكوفة فلما حملناه على طريق الشام نزلنا على دير النصارى وكان الراس معنا مركز على رمح و معه الاحراس فوضعنا الطعام وجلسنا لئلا ناكل فاذا بكفت فى حائط الديركتبت: اترجوا امة قتلت حسيناً شفاعته جده يوم

الحساب؟ قال فجزعنا جزعاً شديداً واهوى بعضنا لياخذها فغابت - ثم عادا صحابى إلى الطعام فاذا الكف قد عادت تكتب: ”فلا والله ليس لهم شفيع - وهم يوم القيامة في العذاب - فقام اصحابنا إليها فغابت - ثم عادوا إلى الطام فعاتت تكتب: وقد قتلوا الحسين بحكم جور - وخالف حكمهم حكم الكتاب -

فامتنت وما هنا ننى اكله - ثم اشرف علينا راهب من الدير فرأى نوراً ساطعاً من فوق الراس فاشرف فرأى عسكرياً فقال الراهب للحراس من أين جئتم؟ قالوا من العراق حاربنا الحسين - فقال الراهب ابن فاطمة بنت نبيكم وابن عم نبيكم؟ قالوا نعم - قال تباً لكم - والله لو كان لعيسى ابن مريم ابن لحملناه على احدنا - ولكن لى اليكم حاجة - قالوا وماهى؟ قال قولوا لرئيسكم عندي عشرة الاف درهم ورثتها من آبائى ياخذها منى ويعطى الراس يكون عندي الى وقت الرحيل - فاذا رَحَلَ رَدَدْتُه إِلَيَّ - فاخبروا عمر بن سعد بذلك - قال خذوا منه الدنانير واعطوه الى وقت الرحيل - فجاؤا إلى الراهب فقالوا هات المال حتى نعطيكم الراس فادلى اليهم جرابين فى كل جراب خمسة الاف درهم - فدعى عمر بالنقاد والوزان فانقذها ووزنها ودفعها الى خازن له - وامر ان يعطى الراس - فأخذ الراهب الراس فغسله ونظفه وحشاه بمسك وكافور كان عنده ثم جعل فى حريمه ووضعها فى حجره ولم يزل يبكى وينوح حتى نادوه وطلبوا منه الراس - فقال ياراس والله لا أملك إلا نفسى فاذا كان غداً - فاشهد لى عند جدك محمد صلى الله عليه وآله انى اشهد أن لا اله الا الله وأن محمداً عبده ورسوله اسلمت على يدك وانا مولىك وقال لهم انى احتاج ان اكلتم رئيسكم بكلمة واعطيه الراس فدعا عمر بن سعد فقال: سئلتك بالله بحق محمد أن لا تعود الى ما كنت تفعل بهذا الراس ولا تخرج هذا الراس من هذا الصندوق فقال له عمر سعد فافعل ماقلت - فاعطاه الراس ونزل من الدير يلحق ببعض الجبال يعبد الله -

ومضى عمر بن سعد ففعل بالراس ما كان يفعل فى الاول - فلما دنى من دمشق قال لاصحابه انزلوا وطلب من خازنه بالجرايين فاحضر بين يديه فنظر الى خاتمه - ثم امر أن يفتح فاذا لدنا نير قد تحولت خزفة فنظروا فى سكتها فاذا على جانبها مكتوب: لا تحسبن الله غافلاً عما يعمل الظالمون وعلى جانب الاخر مكتوب: وَسِعَلِمُ الدِّينَ ظَلَمُوا أَيْ مُنْقَلَبٌ يَقْبَلُونَ - فقال انا لله وانا اليه راجعون - خسرت الدنيا والاخرة ثم قال لغلمانه اطرحوها فى النهر فطرحوا ورحل الى دمشق من الغد هذا - (أكسير العبادات - صفحہ 503 تا 504 ترجمہ بحار جزائری صفحہ 71 تا 72)

ہم جزائری کا ترجمہ لکھتے ہیں: ”قطب راوندی نے خراج (کتاب کا نام) میں سلیمان بن مہران اعمش سے روایت کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک سال میں نے اثنائے طواف خانہ کعبہ میں ایک شخص کو دیکھا۔ وہ اس طرح دعا کرتا تھا کہ ”اے خدا یا میرے گناہوں کو بخش دے اور میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ تو مجھے نہ بخشے گا۔ میں اس کلام کو سن کر لرز گیا۔ اُس کے قریب پہنچا اور اُس سے کہا کہ اے مرد خدا تو اس وقت حرم خدا اور حرم رسول میں ہے اور یہ ایسے متبرک مہینے کے دن ہیں۔ تمہیں اللہ کی رحمت و مغفرت سے مایوسی کا اظہار نہ کرنا چاہئے۔ اُس نے کہا کہ میرا گناہ بہت ہی بڑا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا تہامہ کے پہاڑ سے بھی بڑا ہے یا تمام دریاؤں اور پہاڑوں سے بھی بڑا ہے؟ اُس نے کہا کہ ہاں بڑا ہے۔ اور اگر تم چاہو تو میں اپنا حال بیان کر دوں؟ میں نے بیان کرنے کے لئے کہا تو اُس نے کہا کہ میرے ساتھ کعبہ سے باہر چل۔ چنانچہ ہم دونوں خانہ کعبہ سے باہر آ گئے۔

اُس نے بتایا کہ میں عمر بن سعد ملعون کے منہ لاشکر میں اس وقت بھی شامل تھا جب امام حسینؑ کو قتل کیا گیا تھا۔ اور پھر میں اُن چالیس آدمیوں میں بھی شامل تھا جو سر حسینؑ کو کوفہ سے لے کر یزید کے پاس گئے تھے۔ شام جاتے ہوئے ہم راستہ میں ایک عیسائی گرجا کے قریب ٹھہرے تو سر حسینؑ نیزہ پر پہرہ والوں کی نگرانی میں تھا۔ ہم نے دسترخوان بچھایا تاکہ کھانا کھائیں کہ اچانک گرجا کی دیوار کے اندر سے ایک ہاتھ نکلا اور گرجا کی دیوار پر لکھا کہ ”کیا حسینؑ کو قتل کرنے والی اُمت قیامت میں حساب کے وقت حسینؑ کے نانائے شفاعت کی امید بھی کرتی ہے؟“ وہ شقی کہتا ہے کہ ہم اس حالت سے نہایت خوفزدہ ہو گئے۔ ہم میں سے بعض نے چاہا کہ اُس ہاتھ کو پکڑ لیں لیکن وہ غائب ہو گیا۔ ہم پھر کھانا کھانے کیلئے تیار ہوئے تو وہ ہاتھ پھر نکل آیا اور لکھا کہ قسم بخدا اُن کی شفاعت کوئی نہ کر سکے گا اور وہ قیامت میں عذابِ جہنم سے دو چار ہوں گے۔ پھر ہمارے چند ساتھی اُس ہاتھ کی طرف بڑھے مگر وہ پھر غائب ہو گیا۔ پھر ہم کھانے کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ آ گیا اور لکھا: امام کو جبر و ظلم کے حکم سے قتل کیا گیا تھا اور اُن کا وہ حکم، قرآن کے احکام کے خلاف تھا۔

چنانچہ اُس حال میں کھانا پسند نہ کیا اور میں دستکش ہو گیا۔ اتنے میں ایک راہب دیر سے نکل کر آیا۔ اُس نے دیکھا کہ سر حسینؑ کے اوپر ایک نور بکھرا ہوا ہے۔ ساتھ ہی اس نے پوری فوج پر نظر ڈالی اور پہرہ والوں سے پوچھا کہ تم کہاں سے آرہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم عراق سے آرہے ہیں حسینؑ سے جنگ کرنے گئے تھے۔ راہب نے کہا کون سا حسینؑ؟ کیا تمہارے رسولؐ کا نواسا، فرزندِ فاطمہؑ اور نبیؐ کے چچا زاد بھائی کا بیٹا حسینؑ؟ انہوں نے کہا کہ ہاں اسی حسینؑ سے جنگ ہوئی تھی۔ اُس نے کہا تمہارا حال بڑا قابلِ افسوس ہے۔ ارے لوگو اگر کہیں عیسیٰ ابن مریمؑ کا کوئی بیٹا ہوتا تو ہم اُسے اپنی آنکھوں اور پلکوں پر اٹھاتے۔ بہر حال مجھے تم سے ایک کام ہے وہ کرادو۔ انہوں نے معلوم کیا تو کہا کہ تم اپنے حاکم اعلیٰ کو بتاؤ کہ میرے پاس میرے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملے ہوئے دس ہزار درہم ہیں۔ میں وہ رقم دے کر یہ سراس وقت تک اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں جب تک تم سفر کرو۔ جب تم جانے لگو گے میں تمہیں واپس دے دوں گا۔ یہ بات عمر بن سعد کو بتائی گئی۔ اس نے کہا کہ اس سے وہ رقم لیکر سر عارضی طور پر دیدو۔ قاصد راہب کے پاس آئے اور وہ مال طلب کیا۔ چنانچہ راہب نے دو تھیلیاں جن میں پانچ پانچ ہزار درہم تھے دیدیں۔ عمر بن سعد نے گنتے والوں اور تولنے والوں کو بلایا ٹھیک نکلنے پر رقم اپنے خزانچی کو دے دی اور حکم دیا کہ اُسے سر حسینؑ دے دیا جائے۔ چنانچہ یوں راہب نے سر مبارک حاصل کیا، لیکر گرجا میں آیا سر مبارک کو غسل دیا۔ خشک اور صاف کیا اپنے پاس موجود مشک اور کافور سے معطر کیا اور ایک حریری کپڑے میں لپیٹ کر اپنی گود میں رکھ کر نوحہ کرنے اور بے قراری سے رونے میں اس وقت تک مشغول تھا جب تک کہ لوگوں نے آواز دی اور سر مبارک واپس مانگا۔ آ کر اُن لوگوں سے کہا کہ میں تمہارے حاکم اعلیٰ سے دو باتیں کرنا چاہتا ہوں پھر اُسی کو سردوں گا۔ اسکے بعد امام حسینؑ کے سر مبارک سے مخاطب ہو کر کہا کہ بخدا میرے قابو میں صرف میری زندگی کے علاوہ کچھ نہیں۔ اے مولاً کل کو اپنے نانائے حضورؐ میں میری طرف سے گواہی دینا کہ میں نے حضورؐ کے ہاتھوں پر اسلام اختیار کر لیا تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ جب عمر بن سعد نے بلایا تو اس سے قسم دے کر کہا کہ جو کچھ تم اس سر کے ساتھ کرتے رہے ہو اب دوبارہ نہ کرنا اور اس صندوق میں سے باہر نہ نکالنا۔ عمر سعد نے وعدہ کر لیا کہ آئندہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ راہب نے سر مبارک واپس دے دیا اور گرجا میں واپس آیا۔

اور تیار ہو کر ہمیشہ کیلئے بعض پہاڑوں میں جا کر رہنے لگا اور عبادت خداوندی میں مصروف ہو گیا۔

اُدھر عمر سعد وہاں سے چلا اور سر مبارک کو حسب سابق اُسی طریقہ سے لے کر چلا۔ جب دمشق کے قریب پہنچا تو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا اور خزانچی سے وہ دونوں تھیلیاں منگوائیں جن میں راہب کے دیے ہوئے درہم تھے۔ پہلے یہ دیکھا کہ تھیلیوں کی مہریں ٹھیک ہیں۔ پھر مہریں توڑنے اور درہم باہر نکالنے کا حکم دیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ درہم ٹھیکریوں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ پھر ٹھیکریوں کی تحریر دیکھی تو ایک طرف لکھا تھا کہ ”اللہ کو ظالموں کے اعمال سے غافل نہ سمجھو“ دوسری طرف لکھا تھا کہ ”عنقریب ظلم کرنے والوں کو معلوم ہوگا کہ اُن کی واپسی کس جگہ ہوتی ہے۔ یہ دیکھ کر عمر سعد نے کہا کہ سچ ہے ہم اللہ کے قابو میں ہیں اور اسی کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ ہماری دنیا بھی خراب ہوگئی اور آخرت بھی تباہ ہو چکی ہے۔ پھر اپنے غلاموں کو حکم دیا اُن ٹھیکریوں کو نہر میں پھینک دو۔ چنانچہ غلاموں نے ایسا ہی کیا۔ عمر بن سعد دوسرے روز دمشق میں داخل ہو گیا“۔ (مترجم نے اُسی روز یزید سے ملنا اور سر پیش کرنا اپنے گھر سے لکھ دیا ہے)

(الف)۔ سفر شام کا تذکرہ کسی بھی صورت میں ہو عمر بن سعد کی ماتحتی لازم ہے

ہم چاہتے تھے کہ اس روایت کو علامہ جزائری کے ترجمہ کے ساتھ لکھیں لیکن ترجمہ میں مولویانہ کاٹ تراش اور علامائی انداز نے مجبور کیا کہ اس کو عربی عبارت کی پابندی سے اصلاح کے ساتھ لکھیں۔ بہر حال یہ روایت چالیس آدمیوں کی ایک پارٹی کا اُسی طرح سر حسینؑ کو ملک شام لے جانا بتاتی ہے جیسا کہ سابقہ روایت میں پچاس آدمی بالکل آزاد معلوم ہو رہے تھے۔ لیکن جب مرکزی ہدایات کی ضرورت پیش آئی تو یہ ثابت ہو گیا کہ وہ پارٹی اور ہر جماعت عمر بن سعد کے مرکز سے وابستہ اور ماتحت رہتی تھی۔ اور ہر پارٹی کا مرکز سے رابطہ قائم رہتا تھا۔ خواہ پارٹی انفرادی طور پر مشرق میں جائے یا مغرب میں تشریف کرے اُسے مرکز سے رابطہ رکھنا پڑتا تھا۔ اس روایت نے یہ بھی بتا دیا کہ پہرہ دینے والے (احراس) ہر پارٹی کے ساتھ رہتے تھے۔ اور یہ انتظامی اور عقلی تقاضہ ہے کہ پہرہ دینے والے بار بار تبدیل ہوتے رہیں تاکہ آرام کریں۔ یہاں راہب کا سر مبارک کو دھونا اور صاف کرنا بھی یہی بتاتا ہے کہ سر ہائے شہدا کو معطر و صاف نہ رکھا جاتا تھا۔ بلکہ تحفظ کے لئے دوائیں لگائی جاتی تھیں۔ جن کو صاف کرنا عیسائی راہب کے نزدیک لازم تھا۔

(ب)۔ زیر قلم روایت میں معجزاتی پہلو نظر انداز نہ کیا جاسکا

یہ ایک چیختی ہوئی حقیقت اور سازشی علما کی عادت ہے کہ محمدؐ و آل محمدؑ صلوٰۃ اللہ علیہم کے اثر انگیز حالات و واقعات کو عالمانہ ٹیکنیک اور مختصر نویسی کی مار دے کر کم سے کم اور پھر معدوم کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے مندرجہ بالا روایت میں صرف اتنا پڑھا کہ وہ راہب سر حسینؑ مظلوم کو گود میں رکھ کر روتا رہا اور بس۔ لیکن وہاں جو نہایت اہم اور مؤننین کے عقائد کو مستحکم کرنے والا واقعہ تھا وہ چھپا لیا گیا تھا۔ مگر آخر علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ نے کتاب خصائص سے اس واقعہ کو دوبارہ نقل کر کے مؤننین تک پہنچا دیا۔ سنئے جزائری ترجمہ کرتے ہیں کہ:-

”کتاب خصائص میں مروی ہے کہ جو ملعون سر حضرت امام حسینؑ کے ساتھ تھے۔ ایک منزل میں جسے قسریں کہتے ہیں اُترے۔ اُس

منزل کے قریب ایک دیر (گرجا) تھا۔ اس وقت راہب نے اپنے صومعہ (گرجا) سے اس قافلہ کا حال دیکھنے کے لئے اپنا سر باہر نکالا۔

دید نورے چو آفتاب عیان از سر آن گزین جملہ سران

نور میزد ز آن سر والا چوں زمہر منیر وقت ضحیٰ

دید بر نیزہ آفتابے را کرد یا خود قیامتے برپا

الحاصل راہب نے دیکھا کہ ایک نور عظیم سر بریدہ جناب سید الشہداء سے آسمان تک ساطع ہے۔ یہ حال دیکھ کر راہب دس ہزار درہم موکلان سر حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس لایا اور سر مبارک کو لیکر اپنے گھر لے گیا۔ جب اپنی جگہ پر لایا تو ایک شخص کی آواز اسکے گوش سعادت نیوش میں غیب سے آئی۔ کہ خوشحال تیرا اور خوشحال اس شخص کا جو اس سر انوار کی قدر و منزلت کو پہچانے۔ راہب نے آسمان کی طرف منہ کر کے دعا کی کہ الہی بحق عیسیٰ علیہ السلام تو حکم کر کہ یہ سر مجھ سے کلام کرے۔ سر مبارک نے کلام فرمایا کہ یَا زَاهِبُ اُنْشِئْ شَیْءٌ تَرْیَدُ۔ اے راہب تو کیا چاہتا ہے۔ راہب نے پوچھا مَنْ اَنْتُ۔ کہ آپ کون ہیں؟ سر اطہر نے جواب دیا کہ اَنَا ابْنُ مُحَمَّدٍ المصطفیٰ وَاَنَا ابْنُ عَلِیِّ المَرْتَضٰی وَاَنَا ابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ وَاَنَا المَقْتُولُ بِکَرِّ بِلَا اَنَا مَظْلُومٌ اَنَا العَطْشَانُ۔ یہ فرما کر وہ سر مطہر چپ ہوا۔ راہب نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنا منہ حسینؑ کے منہ پر رکھ دیا اور کہا کہ یا حسینؑ میں اپنا منہ نہ اٹھاؤں گا جب تک کہ آپ نہ فرمائیں گے کہ قیامت کے دن میں تیری شفاعت کروں گا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ میرے جد بزرگوار کے دین میں آ۔ راہب نے بصدق دل کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا۔ اس وقت حضرتؑ نے اسکی شفاعت کو قبول کیا۔ جب صبح طالع ہوئی موکلوں نے وہ سر پر نور راہب سے لیا۔ جب آگے جنگل میں پہنچ کر راہب کے درہموں کو دیکھا تو سب سگریزے ہو گئے تھے۔“ (بحار مترجمہ جزائری۔ صفحہ 135-136)

50۔ سرہائے شہداء اور اسیران اہل حرم کا دمشق میں داخلہ اور متعلقات

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ابن زیاد نے یزید کو خط کے ذریعہ کربلا میں گزرے ہوئے حالات سے مطلع کر دیا تھا۔ فتح کی خوشخبری کے ساتھ ہی یزید کو نہ صرف کربلا میں فوجی طاقت کے بے پناہ نقصان کا علم ہو چکا تھا۔ بلکہ وہ دن رات اس خلیجانی میں بھی مبتلا تھا کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب لوگوں کو صحیح حالات معلوم ہو جائیں گے اور پورے ملک میں حکومت کے خلاف غم و غصہ پھیل جائے گا اور بہت ممکن ہے کہ اُسے ملکی بغاوت کا سامنا کرنا پڑے۔ اور وہ سب لوگ اُس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں جو اُس کے والد کی حکومت بھی پسند نہ کرتے تھے اور حکومت کے قہری انتظام کی قوت کے سامنے مجبوراً خاموش رہتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ اب خاندان رسولؐ میں کوئی ایسا ہمدرد و جان نثار باقی نہیں ہے جو حکومت کے خلاف اٹھنے کی جرأت کر سکے۔ جو لوگ حقیقی اسلام اور نبوی طرز حیات پر مضر ہو سکتے تھے سب تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ اب وہی لوگ باقی ہیں جنہیں ذاتی عناد تو ہو سکتا ہے لیکن اسلام کی حقیقی تعلیمات کو واپس لانے کے لئے جان لڑانے والا کوئی باقی نہیں ہے۔ اب اُس کے سامنے پہلا مقصد یہ تھا کہ وہ تمام اقدامات کرے جن سے اُس کے خلاف غم و غصہ اور جذبہ انتقام نہ ابھرے۔ اور اُس پر قتل حسینؑ و خاندان رسولؐ کے قتل عام کا کھلا الزام بھی قائم نہ ہو سکے۔ اور مناسب مواقع پر ایسے بیانات و اقدامات بھی

ضروری ہیں جن سے یہ ثابت ہو کہ میرا منشا قتل عام تھا، نہ میں اس سے خوش ہوا ہوں۔ مجبوراً مجھے دفاعی اقدامات کا حکم دینا پڑا اور جو اللہ نے تقدیر مقرر کر کے رکھی تھی اُس کی تعمیل ہو گئی ہے۔ میرا اس میں کوئی ایسا قصور نہیں ہے جس کو میں نے اراداً اور خوشی سے کیا ہو۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ اگر اہل شام بھی میرے اقدامات میں مجھے گنہگار سمجھیں تو جس طرح ہو سکے انہیں راضی کیا جائے۔ حسینؑ کے پس ماندگان کو مال و متاع دینے اور اچھا سلوک کرنے سے راضی ہوں تو اس پر عمل کیا جائے۔ اور اگر وہ داخلہ اہل حرمؑ پر اور اہل حرمؑ کے بیانات کے باوجود میری فتح سے خوش ہوں اور محفل رقص و سرود اور جشن منائیں تو خاندان مرتضویؑ کو ذلیل و خوار کر کے اس یقین کے بعد رہا کر دیا جائے کہ اب بغاوت کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

یہ وہ پیچیدہ اور خطرناک صورت حال تھی جو شہادت امام حسین علیہ السلام کی اطلاع کے بعد سے یزید کے ذہنی توازن پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ اور اسی ذہنی کیفیت کی وجہ سے اُس کے آئندہ بیانات و اقدامات میں ایک عجیب اضطرابی صورت نظر آتی رہے گی۔ مثلاً اسیران اہل حرمؑ اور سرہائے شہداء کے دمشق پہنچنے کی خوشخبری لانے والے کو قید کر دینا۔ شمر کو انعام طلب کرنے پر ڈانٹ دینا۔ جب ایک شخص زیادہ سے زیادہ انعام حاصل کرنے کی غرض سے یہ بتاتا ہے کہ اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے حکومت کی اطاعت کی خاطر کتنے بزرگ افراد اور خاندان کا قتل عام کر دیا تو اُسے وہیں قتل کر دینا۔ اور جواب میں کہنا کہ اگر تو انہیں بزرگ سمجھتا تھا تو قتل کیوں کیا؟ مطلب یہ کہ برسر عام بزرگ کہہ کر تو نے مجھے مجرم بنادیا۔ کبھی یہ کہنا کہ میں نے ایک باغی کو قتل کر کے ملک و قوم اور دین کی خدمت کی ہے، کبھی کہنا کہ میں نے قتل کا حکم نہیں دیا تھا، حسینؑ کو زندہ لاتے تو اچھا ہوتا، میں انہیں رہا کر دیتا خواہ میری اولاد خطرہ میں پڑ جاتی۔ یہ سب کچھ اُس کے دماغ کی سیاسی الجھن اور حرکات مذہبی کا ثبوت ہوگا۔ اس صورت حال کو سامنے رکھ کر آنے والے واقعات کو سمجھیں اور دیکھیں کہ دنیا کی سب سے بڑی مملکت کا سب سے جابر و ظالم و قہار بادشاہ چند سو پاپا برہنہ، پابہ زنجیر قیدی خواتین اور ایک بیمار و نحیف و طوق اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے شخص کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟ اور غلبہ و شرافت و اخلاق میں کس درجہ کا ثابت ہوتا ہے؟

(1)۔ شہر بجایا گیا آج دمشق میں عید کا سماں ہے رسولؐ کی بیٹیاں شہر میں آ رہی ہیں

ہم نے عرض کیا کہ لشکر عمر سعد سرہائے شہداء اور اسیران اہل حرمؑ کو لے کر کل دمشق پہنچ گیا تھا۔ رات بھر قیدی اور فوج شہر سے باہر ٹھہرے۔ اور آج رسولؐ زاد یوں کو شہر میں گشت کرایا جائے گا۔ عمر سعد سلامی کے لئے اپنے امیر المومنین (ملعون) سے مل چکا ہے۔ رات بھر فوج وردی بدلنے اسلحہ کو چکانے میں مصروف رہی ہے۔ ادھر شہر کو سجا دیا گیا ہے۔ یزید اپنے محل کی بلندی سے قیدیوں کے جلوس کو دیکھنے کے لئے تیار ہو گیا ہے۔ عمر سعد اور اس کی فوج جلوس کی ترتیب اور تیاری سے فارغ اشارے کا انتظار کر رہے ہیں۔ پورا دمشق اور گرد و نواح کے لوگ شاہ راہ پر دور و دراز منتظر ہیں کہ:-

قال فی البحار وروی صاحب المناقب باسنادہ عن زید عن ابائہ عن سهل بن سعد قال خرجت الی بیت المقدس حتی توسطت الشام فاذا انا بمدینة مطردة الانهار، كثيرة الاشجار قد علقوا الستور والحجب والدياج وهم فرحون مستبشرون وعندهم نساء يلعبن بالدفوف والطبول - فقلت فی نفسي لا نری لاهل الشام عیداً لا نعرفه نحن - فرائت قوماً يتحدثون فقلت

یاقوم الکم بالشام عیداً لانعرفه نحن۔ قالوا یا شیخ نراک اعراباً غریباً۔ فقلتُ انا سهل بن سعد قد رايت محمداً قالوا یا سهل ما عجبک السماء لا تمطر دماً والارض لا تنخسف باهلها؟ قلت ولم ذاک؟ قالوا هذ اراس الحسین وعتره محمداً یهدی من الارض العراق۔ فقلت واعجبا یهدی راس الحسین والناس یفرحون۔ قلت من ای باب یدخل؟ فاشاروا الی باب یقال له باب الساعات۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 510)

ایک شخص جس کا نام سهل بن سعد ہے شہر میں داخل ہوا۔ وہ سناتا ہے کہ میں بیت المقدس سے ہوتا ہوا ملک شام کے ایک شہر میں پہنچا جہاں نہروں اور باغات کی افراط تھی۔ پردے اور فرش و فرش سے آراستہ تھا۔ زرق برق لباس میں ملبوس لوگ خوشیاں منارہے ہیں۔ عورتوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے اور ڈھول اور طبلے بجانے میں مصروف ہیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج اہل شام کوئی عید مناتے ہیں جسے ہم نہیں جانتے۔ اتنے میں میں نے کچھ لوگوں کو آپس میں باتیں کرتے دیکھا۔ میں نے اُن سے یہی سوال کیا کہ آج تمہارے یہاں کوئی عید ہے؟ انہوں نے کہا کہ شیخ صاحب آپ کوئی دیہاتی مسافر معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ بھائیو میں سهل بن سعد رسول اللہ کا صحابی ہوں۔ انہوں نے کہا کیا تمہیں اس بات پر تعجب نہیں ہوتا کہ آج آسمان سے خون کیوں نہیں برستا اور زمین کیوں دھنس نہیں جاتی؟ میں نے سبب پوچھا تو کہا کہ عراق سے حسین کا سراوراؤ لا در رسول قید ہو کر آ رہے ہیں۔ میں نے حیران ہو کر کہا کہ سر حسین لایا جا رہا ہے اور اہل شام خوشیاں منارہے ہیں؟ میں نے پوچھا کس دروازے سے لایا جائے گا؟ جواب ملا کہ اس دروازہ سے جس کو گھنٹہ گھر کا دروازہ کہتے ہیں۔

(2)۔ یزید استقبال کے لئے پرچم بھیجتا ہے خبر لانے والے کو قید کرتا ہے

ادھر لاکھوں مسلمان تماشہ دیکھنے کے لئے منتظر ہیں۔

فَقَابَلَ رَجُلٌ إِلَى یزید بن معاویہ قال اقر الله عینیک ائیہا الخلیفۃ۔ فقال ماذا؟ فقال براس الحسین۔ فقال له یزید ولد الزنا لا اقر الله عینیک۔ ثم امر بحبسہ وامر بمائتہ وعشرین رایۃ وامرهم ان یستقبلوا راس الحسین فاقبلت الرايات و من تحتها التکبیر والتهلیل۔ واذ من تحتها هاتف ینشد ویقول: جاورا براسک یابن بنت محمد۔ مترملاً بد مائة ترمیلاً۔ لایوم اعظم حسرة من یومہ۔ واره رهننا للمنون قتیلاً۔ فکانما هم یابن بنت محمد۔ قتلوا جهازاً عامداً بن رسولاً۔ ویکبرون اذا قتلنا وانما۔ قتلوا بک التکبیر والتهلیل۔ (ابوحنفہ سے اکسیر العبادات۔ صفحہ 509)

ادھر یزید کو رسمی اطلاع دینے کیلئے ایک شخص بھیجا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے اے مسلمانوں کے خلیفہ، اللہ حضور کی آنکھوں کو ٹھنڈا رکھے۔ یزید نے دُعا کا سبب معلوم کیا۔ اُس نے کہا کہ حسین کا سر حاضر کیا جانا کیا خوشی منانے اور مبارکباد دینے کا موقع نہیں؟ یزید نے اُس کو قید کرنے کا حکم دیا۔ اُسے جیل خانہ بھیجنے کے بعد ایک سو بیس پرچم، پرچم بلند رکھنے والے اور ہر پرچم کے نیچے باری باری لا الہ الا اللہ اور نعرہ تکبیر مارنے اور پکارنے والے بھیجے اور حکم دیا کہ وہ حسین کے سر کا استقبال کرنے کیلئے پہنچیں۔ چنانچہ وہ تمام جھنڈے لئے ہوئے شہر سے باہر پہنچے اور جلوس کے آگے آگے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے چلنے لگے۔ ساتھ ہی مجاہد اہلبیت کے کانوں میں ہاتف نبی کی جگر خراش آواز آرہی تھی: اے رسول کی بیٹی کے لاڈ لے یہ لوگ آپ کا سر کاٹ کر یہاں تماشے کیلئے لائے ہیں۔ آپ کا سراپنہ خون میں

آج بھی تر ہے۔ اس منحوس دن سے زیادہ کوئی اور دن حسرت و اندوہ کا سماں پیش نہیں کر سکتا اور یہ لوگ آپ کو قتل کر چکنے پر مسرت و شادمانی منارہے ہیں۔ اے فاطمہؑ کے لال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن لوگوں نے تمہارے پردہ میں رسول اللہ کو قتل کر دینا طے کر رکھا تھا۔ ذرا دیکھو تو اُن لوگوں نے تمہیں بھی نعرہ تکبیر کے شور میں قتل کیا تھا۔ اور اُن کا مقصد اس کے سوا کچھ اور تھا ہی نہیں کہ ان مسلمانوں نے تمہارے ساتھ ہی لا الہ الا اللہ اور تکبیر کو بھی قتل کر دیا ہے۔

(3)۔ سر حسین علیہ السلام اور سرہائے فرزند ان رسولؐ کی ترتیب اور رسولؐ زاد یوں کا جلوس

قال سهل ودخل الناس من باب الخيزران فدخلت في جملتهم واذ اقد اقبل ثمانية عشر راسا وبالسيايا على المطايا بغير وطاء وراس الحسين بيد الشمر وهو يقول انا صاحب الرمح الطويل انا صاحب الدين الاصيل انا قلت ابن سيد الوصيين واتيئ راسه الى يزيد امير المؤمنين - فقالت ام كلثوم كذب يالعين ابن اللعين الال لنعمة الله على قوم الظالمين يا ويلك تفتخر على يزيد الملعون ابن الملعون يقتل من ناغاه جبرائيل وميكائيل ومن اسمه مكتوب على سراق العرش رب العالمين ومن ختم الله بجده سيد المرسلين وقمع بابيه مواد المشركين - فمن اين مثل جدى محمد المصطفى وابى على المرتضى وأمى فاطمة الزهراء صلوات الله عليهم اجمعين؟ فاقبل عليها خولى الاصبى تابين السجاعة وانت بنت السجاعة -

واقبل من بعده راس العباس يحمله قشعم الجعفى - واقبل من بعده راس الحر بن يزيد الرياحى واقبل من بعده راس العون يحمله سنان بن انس النخعي واقبل الرأس على اثرهم - قال سهل واقبلت جارية على بعير مهزول بغير وطاء وهى تنادى وا محمداه وا جداه واعلياه واحسناه واعقياه وعباساه وا بعد سفراه واسو صباحاه - قال سهل فاقبلت اليها فصاحت على فوقعت مغشيا عليه فلما افقت من غشوتى ودنوت منها وقلت لها - يا سيدتى لم تصيحى على؟ فقالت اما تستحيى من الله ورسوله ان تنظر الى حرم رسول الله؟ فقلت والله ما نظرت اليكم بريته فقالت من انت؟ فقلت انا سهل بن سعد الشهرزورى وانا من مواليكم ومحببكم - ثم اقبلت على على ابن الحسين وقلت له يا مولاي هل لك من حاجة؟ فقال لى هل لك من الدراهم شىء؟ فقلت الف دينار والف ورقة - قال خذ منها شيئا وادفع الى حامل الراس وامره ان يعده عن النساء حتى يشتغل الناس بالنظر اليه عن النساء قال سهل ففعلت ذلك ورجعت اليه وقلت له يا مولاي فعلت الذى امرتنى - فقال حشرك الله معنا يوم القيامة -

(ابو جحف اور اكسير العبادات - صفحہ 509 تا 510)

سہل بن سعد صحابی کہتا ہے کہ لوگ خیزران کے دروازے سے داخل ہو رہے تھے۔ میں بھی اُن میں شامل ہو کر اُس جگہ پہنچا جہاں اٹھارہ سرہائے شہداء اور خاندان رسولؐ کے قیدی اور امام حسین علیہ السلام کا سر موجود تھا۔ سر حسینؑ کو نیزے پر بلند کئے ہوئے شمر ملعون اعلان کر رہا تھا کہ میں سب سے طویل نیزے کا علمبردار ہوں۔ میں ہی اصلی دین و مذہب کا نمائندہ ہوں۔ میں نے ہی تمام نبیوں کے وصی کے بیٹے کو قتل کیا ہے اور اُس کا سر کاٹ کر مومنین کے حاکم کے روبرو پیش کرنے کو لایا ہوں۔ حضرت ام کلثوم علیہا السلام نے لگا کر کہا کہ اولعتی اور لعنتی کے بیٹے تو حقیقی اسلام کے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ ارے ملعون تجھ پر اور تیری ظالم قوم پر خدا لعنت کرے۔ اے مردود تو ایک ایسے بزرگ کو قتل کر کے یزید ملعون ابن ملعون پر فخر کر رہا ہے۔ جسے جبرائیلؑ و میکائیلؑ لوریاں دیا کرتے تھے اور بہلایا کرتے تھے۔ جس کا اسم گرامی سر پر وہ عرش کی زینت ہے۔ جسکے ناناً پر اللہ نے سلسلہ نبوت و رسالت کو ختم اور مکمل کیا ہے۔

اور جس کے باپ کے ہاتھوں شرک اور نظام شرک کا مادہ تباہ کر دیا ہے۔ ارے لعین کوئی ہے جو میرے نانا محمد مصطفیٰ اور میرے والد علی مرتضیٰ اور میری ماں فاطمہؓ زہراء کے مقابلہ پر لایا جاسکے؟ بات کاٹنے کیلئے خولی آگے بڑھا اور کہا کہ تم بھی شعلہ بیان شاعر ہو اور ایک شاعرہ ہی کی بیٹی ہو۔

اسکے بعد حضرت عباسؓ کا سر تھا۔ جسے قشعم اٹھائے ہوئے تھا۔ پھر جناب حُر کا سر نیزہ پر تھا۔ اور اُن کے بعد جناب عونؓ کا سر سنن بن انس بلند کئے ہوئے تھا اور اُن کے بعد باقی سر نیزوں پر تھے۔ سہل کہتا ہے کہ اس کے بعد ایک خاتون اونٹ کی نگلی پشت پر سوار تھی جو مجمع کو اپنا تعارف کراتے ہوئے جناب محمد مصطفیٰ علی مرتضیٰ حسن مجتبیٰ و عقیل و عباس علیہم السلام کے موجود نہ ہونے اور موجودہ صورت حال میں مدد نہ کر سکنے کا شکوہ کر رہی تھیں اور اس نقصان اور کمی پر اور اس منحوس صبح پر اظہارِ افسوس فرما رہی تھیں۔ میں اُنکی مدد کے خیال سے اُن کی طرف بڑھا تو انہوں نے نہایت ہیبت انگیز آواز میں مجھے جھڑکا اور میں بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے کے بعد میں نے ناراضی کا سبب معلوم کیا تو فرمایا کہ تمہیں رسول اللہ کے حرم پر نظر ڈالتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ میں نے قسمیہ عرض کیا کہ حضور میں نے آپ حضرات کی طرف ناپسندیدہ ارادہ سے نہیں دیکھا۔ انہوں نے میرا نام معلوم کیا۔ میں نے بتایا اور کہا کہ میں آپ حضرات کا موالی اور محبت ہوں۔ پھر میں نے امام زین العابدین علیہ السلام سے کوئی حاجت معلوم کی تو انہوں نے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ درہم ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ حضور ایک ہزار اشرفیاں اور ایک ہزار ہنڈیاں ہیں۔ فرمایا سر امام اٹھانے والے شخص کو کچھ دے کر خواتین سے دُور رہنے کو کہو، تاکہ لوگ سر کو دیکھنے میں مشغول رہیں اور اہل حرم پر اُن کی نظریں نہ پڑیں۔ سہل کہتے ہیں کہ میں نے اس حکم پر عمل کیا اور آ کر امام کو بتایا کہ حضور آپ کی منشا کے مطابق تعمیل کر دی گئی ہے امام نے دعادی اور فرمادیا کہ اللہ تجھے بروز قیامت ہمارے ساتھ شمار فرمائے اور ہماری نصرت کا اجر عطا کرے۔

(4)۔ دمشق میں داخلہ سے قبل حضرت ام کلثومؓ نے بھی سر ہائے شہداء کو دُور رکھنے کے لئے کہا تھا

قال السيد في الملهوف فلما قربوا من الدمشق دنت ام كلثوم سلام الله عليها من الشمر وكان في جملتهم فقال له اليك حاجة فقال ما حاجتك فقال اذا دخلت بنا البلد فاحملنا في درب قليل النظارة وتقدم اليهم ان يخرجوا هذه الرؤس بين المحامل وينحونا عنها فقد خزينا من كثرت النظر اليها ونحن في هذا الحال - فامر في جواب سوالها ان يجعل الرؤس على الرماح في اوساط المحافل بغيا منه وكفرا وسلک بهم بين النظارة على تلك الصفة حتى آتى بهم باب دمشق فوقفوا درج على باب المسجد الجامع حيث يقام السي - (ملصوف اور اكسير صفحہ 510)

جب دمشق میں داخلہ کیلئے جلوس ترتیب دیا جانے لگا تو جناب ام کلثوم علیہا السلام نے شمر سے کہا کہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ پوچھنے پر فرمایا کہ اہل حرم سے سر ہائے شہداء کو علیحدہ رکھا جائے۔ اور جب تم شہر میں داخل ہو تو ہمیں ایسے راستوں سے گزارو جہاں تماشا کی کم سے کم ہوں۔ ہمارا لباس بھی پورا نہیں ہے۔ اس حالت میں ہماری بہت ذلت ہوگی۔ مگر شمر ملعون نے اپنی کافرانہ دشمنی کی بنا پر حکم دیا کہ سروں کو زنا نہ سوار یوں کے درمیان پھیلا یا جائے اور نیزہ بردار لوگ ہر سواری کے ساتھ ساتھ رہیں۔ اور ایسی راہوں سے گزارا جائے

جہاں زیادہ سے زیادہ ہجوم ہو۔ اس طرح اس جلوس کو دروازہ دمشق پر لائے اور مسجد جامع کے دروازہ کی طرف جانے والے راستہ پر لا کر جلوس کو وہاں کھڑا کر دیا جہاں قیدی کھڑے کئے جاتے تھے۔

(5)۔ اہل حرم بے پردہ علی الصبح دمشق میں داخل ہوئے اور جامع مسجد کی راہ پر ٹھہرایا گیا

وعن امالى الصدوق وقالوا فلما دخلنا دمشق ادخل بالنساء والسبايا بالنهار ومكشفات الوجوه - فقال اهل الشام الجفات ما رأينا سبايا احسن من هؤلاء - فمن انتم ؟ فقالت سكينه بنت الحسين نحن سبايا آل محمد فاقيموا على درج المسجد حيث يقام السبايا - (أكسير العبادات - صفحہ 511)

حضرت صدوق رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب امالی میں لکھا ہے کہ رسولؐ زادیاں منہ کھلے علی الصبح دمشق میں داخل کی گئیں۔ شامی ظالموں نے کہا کہ ہم نے ان قیدیوں سے بہتر قیدی آج تک نہیں دیکھے۔ انہوں نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو؟ تو حضرت سیکہ علیہا السلام نے بتایا کہ ہم خاندان رسولؐ کے افراد ہیں۔ بہر حال ان سب کو مسجد جامع کی راہ میں وہاں کھڑا کیا گیا جہاں اکثر قیدی ٹھہرائے جاتے تھے۔

(6)۔ جلوس کی تشہیر کے دوران اہل حرم کو خچروں پر بھی سوار کیا گیا اور ملعون خاندان بھی کہا گیا

أكسير العبادات (صفحہ 516) کی وہ روایت جس میں امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ ”ہم میں سے اگر کوئی چلنے میں پیچھے رہ جاتا تھا تو اُسے وہ ملائین مارتے تھے۔“ یہ صورت حال اس حالت میں پیش آتی تھی جب اہل حرم کو جلوس میں پیدل چلایا جاتا تھا۔ اونٹوں پر سوار کیا جانا تو بار بار سامنے آتا رہا ہے۔ اب یہ دیکھیں کہ اس تشہیری گشت میں رسولؐ زادیوں کو خچروں پر بھی سوار کیا گیا تھا۔

وقد نقل جمع عن السيد في الاقبال انه قال رايت في كتاب المصاييح باسناده ابي جعفر بن محمد قال قال لي ابي محمد بن علي سئل ابي علي بن الحسين عن حمل يزيد له فقال حملتي علي بعير اضلع بلا و طاء وراس الحسين علي رمح ونسوتنا خلفي علي بغال مكفئة والفارطة خلفنا و حولنا ان دمعت من احدنا قرع راسه بالرمح حتى اذا دخلنا دمشق صاح صائحهم يا اهل الشام هؤلاء سبايا اهل البيت الملعون - (أكسير العبادات - صفحہ 511)

..... امام زین العابدین علیہ السلام نے بتایا تھا کہ مجھے تو ایک بلا زین کے اونٹ پر اُس کی پسلیوں کے ساتھ ٹانگیں باندھ کر سوار کیا گیا تھا۔ اور سر امام مظلوم کو ایک نیزہ پر بلند کر کے آگے رکھا تھا۔ اور ہماری مستورات کو خچروں پر سوار کر کے میرے پیچھے پیچھے رکھا جاتا تھا۔ ہمارے آگے پیچھے چاروں طرف چند خبیث لوگوں کو تعینات رکھا جاتا تھا۔ تاکہ اگر ہم میں سے کسی کے آنسو بہنے لگیں تو اُس کے سر کو نیزہ سے تکلیف پہنچائی جائے۔ اور جب ہم شہر دمشق میں داخل ہو گئے تو ایک ڈیوٹی دینے والا شخص پکارتا جاتا تھا کہ یہ قیدی اُسی گھرانے کے ہیں جس پر تم لعنت کرتے رہے ہو۔

(7)۔ سہل بن سعد نے کئی مرتبہ اہل حرم علیہم السلام کو ہجوم کی نظروں سے بچانے میں مدد کی تھی

ہم نے دکھایا تھا کہ سہل بن سعد دمشق کی سجاوٹ اور اہل شام کی عید ایسی شادمانیاں دیکھ کر گھنٹہ گھر کے دروازہ پر پہنچا تھا۔

رأيت الرايات يتلوا بعضُها بعضًا فاذا نحن بفارس بيده لواء منزع السنن عليه راس من اشبه الناس وجهًا برسول الله فاذا من وراءه رائت نسوة علي جمال بغير و طاء فدنوت من اولاهم فقلت يا جارية من انت فقالت انا سكينه (فاطمه الاوسط

زينب) بنت الحسين فقلت لها الك حاجة الى فانا سهل بن سعد ممن راى جدك وسمع حديثه قالت يا سهل قل لصاحب هذا الراس ان يقدم الراس امامنا حتى يشتغل الناس بالنظر اليه ولا ينظر والى حرم رسول الله - قال سهل فدنوت من صاحب الراس فقلت له هل لك تقضى حاجتى وتأخذ منى اربعمائة دينار؟ قال ماهى قلت تقدم الراس امام الحرم ففعل ذلك فدفعت اليه ما وعدته - (بخاروناقب اوراكسيرالعبادات - صفحہ 510)

وہاں پر جس وقت سرہائے شہداء اور اہل حرم سامنے آئے تو سہل نے دیکھا کہ بہت سے چمکتے ہوئے پرچم چلے آ رہے ہیں اور ایک کے بعد دوسرا بڑھ رہا ہے۔ پھر دیکھا کہ ایک سوار ایک جھنڈا لئے ہوئے ہے۔ جس میں نیزہ کی بھال نہیں لگی ہے اور اس پر وہ سر ہے جو رسول اللہ کے چہرہ سے سب سے زیادہ مشابہ ہے اور اس کے پیچھے ننگی پشت اونٹوں پر قیدی مستورات سوار ہیں۔ میں سب سے پہلی صاحبزادی کے پاس گیا اور کہا کہ میں سہل بن سعد ہوں میں نے آپ کے نانا کو دیکھا ہے اور میں ان سے احادیث سننے والے صحابہ میں سے ہوں۔ کیا آپ کی میں کوئی خدمت بجالا سکتا ہوں۔ انہوں نے اپنا نام سکینہ (فاطمہ الاوسط عرف زینب) بنت حسین بتایا اور کہا کہ اس سر کو اٹھانے والے سے کہہ دو کہ وہ ہمارے آگے آگے چلتا تاکہ لوگ حرم رسول کو دیکھنے کے بجائے سر کو دیکھنے میں مشغول ہو جائیں۔ میں نے نیزہ بردار سے کہا کہ اگر تم میرا ایک کام کر دو تو میں تمہیں چار سواشرافیاں دے سکتا ہوں۔ اس نے کام پوچھا۔ میں نے بتایا تو وہ فوراً حرم کے آگے آگے چلنے لگا۔ اور میں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اسے اشرفیاں دے دیں۔

(8)۔ سرہائے شہداء کی ترتیب میں تبدیلی اور تعداد میں کمی بیشی کا سبب تشہیر کی مصلحت بھی تھی

کسی چوراہے اور دوراہے پر آنے کے بعد ترتیب اس لئے قائم نہ رہتی تھی کہ مقصد تشہیر حاصل کرنے کے لئے چاروں طرف لوگوں کو دکھانے کے لئے سروں کی کچھ تعداد بھیج دی جاتی تھی۔ اور آگے بڑھنے کے وقت سب جمع ہو جاتے تھے۔ اس طرح واپسی پر یہ پارٹیاں اور ان کے ساتھ والے سر آگے پیچھے ہو جاتے تھے۔ پھر ان لوگوں کی ڈیوٹیاں بھی بدلتی رہتی تھیں۔ نئے آنے والے لوگ تمام تاکیدات و ہدایات سے واقف نہ ہوتے تھے۔ بعض رحم دل لوگ خواتین کے کہنے سے بھی جگہ بدل لیتے تھے۔ اور جناب سہل بن سعد جیسے محبان آل محمد بھی اس ترتیب میں تبدیلی کر دیتے تھے۔ اس قسم کے حالات تھے جن کی وجہ سے بعض روایات میں سرہائے شہداء اور اہل حرم کی ترتیب مختلف نظر آتی ہے چنانچہ جلوس کی ایک اور ترتیب ملاحظہ ہو۔

(9)۔ سرہائے شہداء کی ایک اور دشمن پسند ترتیب۔ اور حضرت ام کلثوم کا ڈانٹنا

روایۃ الشعبی علی ما نقله البعض ثم اشرفت تسعة عشر راية حمراء واشرفت السبایا مهتكات بلا وطاء ولا غطاء ثم اقبل راس العباس بن علی علیه السلام یحملہ ثعلبه بن مرة الکلبی وبيده رمح طويل وهو ینشد: انا صاحب الرمح الطویل الذی به - اصول علی الاعداء فی حومة الحرب - طعنْتُ به آل النبی محمد - لان بقلبی منهم اعظم الکربة -

فقالت له ام کلثوم وبلک ائتفخر بقتل اہلبیت محمد فعلیک لعنة الله - فهم ان یضربها بسوط فخشى علی نفسه الخجل من الناس ثم اقبل من بعده راس جعفر بن علی یحملہ نمیر بن ابی جوشن الضبابی و اقبل من بعده راس محمد بن علی ثم اقبل راس ابوبکر بن علی یحملہ انیس بن الحرث العجی و اقبل من بعده راس علی بن الحسین یحملہ مرة بن قیس الهمدانی

واقبل من بعده راس عون بن علیٰ یحملہ جابر السعدی واقبل من بعده راس القاسم بن الحسن یحملہ محمد بن الاشعث الکندی، واقبل من بعده راس یحییٰ بن علیٰ یحملہ عمیر بن شجاع الکندی واقبل من بعده راس عبد اللہ بن عقیل یحملہ قیس بن ابی مرۃ الخزاعی ثم اقبل من بعده بقیۃ الرؤس ثم اقبل راس الحسین بن علیٰ وهو اشبه الخلق برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یحملہ حواش بن خولی بن یزید الاصبحی وقیل غیرہ۔ (اکسیر- صفحہ 511)

علامہ شعبی نے لکھا ہے کہ پھر انیس لال رنگ کے پرچم آئے اور بڑی ہی بے عزتی سے بلازین و عمار کی کے اور بے پردہ قیدیان اہل حرم لائے گئے پھر جناب عباسؓ علمبردار کا سر آیا جسے ثعلبہ بن مرہ کبھی اٹھائے ہوئے تھا اور سر کو ایک لمبے نیزہ پر رکھے ہوئے یہ کہہ رہا تھا کہ میں سب سے طویل نیزہ کا علمبردار ہوں۔ جس پر اس جنگ میں دشمن کے سب سے جری شخص کا سر ہے۔ جسے میں نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ میں نے اسی طویل نیزہ سے نبیؐ کی اولاد پر حملے کئے تھے۔ میرے دل میں اُن کی طرف سے بڑی بے چینی تھی۔ حضرت ام کلثومؓ نے اُس سے کہا تو اولاد رسولؐ کے قتل کرنے پر فخر کر رہا ہے اللہ تجھ پر لعنت کرے۔ یہ سُن کر اس کا ارادہ ہوا کہ وہ کوڑا مارے مگر لوگوں کی وجہ سے ڈرا اور شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ حضرت عباسؓ کے بعد جناب جعفرؓ بن علیؓ کا سر تھا جسے نمیر بن ابی جوشن نیزے پر اٹھائے ہوئے تھا۔ اُنکے بعد محمد بن علیؓ کا سر تھا۔ پھر جناب ابوبکر بن علیؓ کا سر تھا جسے انیس بن حرث نے اٹھا رکھا تھا۔ اُنکے بعد حضرت علیؓ اکبر کا سر تھا جسے مرۃ بن قیس ہمدانی اٹھائے ہوئے تھا۔ پھر جناب عونؓ کا سر تھا جو جابر سعدی کے نیزہ پر تھا۔ پھر جناب قاسم بن حسنؓ مجتبیٰ کا سر محمد بن اشعث اٹھائے ہوئے تھا۔ پھر جناب یحییٰ بن علیؓ مرتضیٰ کا سر عمیر بن شجاع نے اٹھا رکھا تھا۔ اُن کے بعد عبد اللہ بن عقیل کا سر تھا جسے قیس بن ابی مرۃ خزاعی اٹھائے ہوئے تھا۔ اُن کے بعد باقی شہدائے سر تھے اور آخر میں جناب امام حسینؓ علیہ السلام کا سر جو رسولؐ سے مشابہت میں ساری دنیا سے زیادہ تھا لایا گیا جسے حواش بن خولی نے اٹھا رکھا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی نے اٹھا رکھا تھا۔ (اکسیر العبادات- صفحہ 511)

ہم نے عرض کیا ہے کہ ڈیوٹی بدلتے رہنے کا خیال نہ کرنے والے علما نے یہ بھی نہ سمجھا کہ سروں کو اٹھانے والے کیوں مختلف لوگ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اہل قلم دنیا کی تمام نیرنگیوں اور تقاضوں سے جاہل مطلق تھے اور بس۔

(10)۔ دمشق میں تشہیر پر چند توجہات

مندرجہ بالا روایات میں آپ کو یاد ہوگا کہ سہل بن سعدؓ کو حقیقت حال پر مطلع کرنے والے ایسے لوگ تھے۔ جو یہ چاہتے تھے کہ آسمان سے خون برستا اور قاتلان حسینؓ مع خوشیاں منانے والے لوگوں کے زمین میں دھنس جاتے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ دشمنانِ اہلبیتؑ نہ تھے۔ مگر حکومت کے جبر و ظلم کی طاقت کے سامنے احتجاج کی جرأت بھی نہ رکھتے تھے۔ یعنی دمشق مومنین سے خالی نہ تھا، مومنین موجود تھے اور بے چین تھے اور اس جلوس و تشہیرِ اہلبیتؑ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ یعنی دمشق میں گزرنے والے حالات کو حقیقی صورت میں ریکارڈ کرنے والے لوگ حکومت کی پالیسی اور غلط سلط پر پوچھ گچھ سے گمراہ نہیں ہو سکتے تھے۔ خود جناب سہل بن سعدؓ اس تشہیر کے ہر پہلو کو نوٹ کر رہے تھے۔ اور ہر واقعہ کو دیکھنے اور سمجھنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے تھے، بے دریغ و پوچھ کر رہے تھے۔ یہ بھی سمجھ لیں کہ بالکل اسی طرح حکومت کے جاسوس پبلک کے رد عمل کی اطلاعات یزید تک پہنچا رہے ہیں۔ تاکہ وہ آل رسولؐ کے بقیۃ السیف قیدیوں

کیلئے ایک محفوظ و مفید پروگرام بنا سکے۔ آپ نے یہ بھی دیکھا کہ جلوس میں یہ نعرہ بھی لگایا جا رہا تھا کہ ان قیدیوں پر نہ افسوس کی ضرورت ہے نہ اُنکے ساتھ کسی رحم و کرم کے جذبات ظاہر کرنے کی احتیاج ہے۔ اسلئے کہ تم لوگ اس خاندان پر پچیس چھیس سال سے لعنت کرتے چلے آ رہے ہو۔ اس اعلان میں نام نہیں لیا جاتا بلکہ ”اہل البیت الملعون“ لعنتی گھرانے کے لوگ کہا جاتا ہے۔ تاکہ لوگ خود سمجھیں اور فیصلہ کریں کہ وہ کون سا مستقل گھر نہ تھا؟ یہ چال اسلئے چلی گئی تھی کہ اگر ضرورت پڑے تو کہہ دیا جائے کہ ہم نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ پبلک سے راز نہیں رکھا تھا۔ جو لوگ مسلمانوں کی کثرت کے نزدیک پچیس سال سے لعنت کے مستحق ہیں اُن کو صلح بغاوت کے بعد قتل کر دینا جرم نہیں بلکہ جمہور مسلمانوں کی خدمت ہے۔ اور اگر اس خدمت میں کوئی کوتاہی یا زیادتی وقوع میں آگئی ہو تو وہ اُسی قسم کی اجتہادی غلطی یا خطائے اجتہادی ہوگی جیسا کہ سابقہ اور تمہارے پسندیدہ خلفا سے ہوتی رہی ہے۔ بہر حال قاعدہ کے مطابق اس غلطی یا خطا کا اجر بید کو بھی ملنا چاہئے۔ مثلاً حکومت نے اس باغی کو خارجی کہا تا کہ اُس کے ہمدرد و طرفدار پبلک کو بہکا نہ سکیں۔ اور جب وہ مسلمانوں کی کثرت کے تسلیم کردہ خلیفہ اور امیر المومنین کو نہیں مانتا تو وہ اُس کثرت کا بھی مخالف ہوا۔ اور اُس کثرت کے ساتھ ہم آہنگ نہ رہنے کی بنا پر وہ اسلام اور امت سے خارج یا خارجی بھی ہوا۔ لہذا اُسے خارجی مشہور کرنا فریب نہ تھا، نہ خطائے اجتہادی تھی بلکہ ایک حق بات تھی۔ اسی اصول پر شمر نام لے کر وصی رسول کا بیٹا کہہ کر قتل حسینؑ پر فخر کرتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ وصی کا بیٹا حاکم اسلام کا باغی تھا۔ میں اُن کا سر خلیفہ المسلمین اور امیر المومنین کے روبرو پیش کرنے کو لایا ہوں۔ وصی کا بیٹا بہر حال خلیفہ المسلمین کے برابر نہیں ہوتا۔ مگر اس قسم کے اعلان کو یزید پسند نہیں کرتا تھا وہ ٹھنڈی ماردینا چاہتا ہے۔ اسلئے وہ اکثر ایسے لوگوں پر خفا ہوا ہے جو یوں اعلان کرتے پھریں۔

اس تمام پروپیگنڈے اور چھیس سال سے جے ہوئے نظام حکومت اور پبلک کی عادات میں انقلاب لانے کیلئے اسیران اہل حرم کے بیانات ملک میں کتنے عرصہ میں پھیلنے لگے اگر یوں تشہیر نہ کی جاتی؟ یہ تشہیر درحقیقت حکومت کے گلے میں موت کا پھندا تھا جو خود اُس نے اپنے ہاتھ سے اپنی گردن میں ڈال کر کھینچا تھا۔ اسیران اہل حرم کا استقلال اور بدبہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ غلط قسم کے دعویٰ ذرا سی سختی اور مایوس کن صورت حال سامنے دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں۔ اور کوئی بیچ کی راہ نکالنے، صلح کرنے، منت سماجت اور معافی مانگنے کیلئے تیار ہو جایا کرتے ہیں۔ مگر یہ قیدی ایک بے پناہ سکون قلب اور لازوال عزم و ارادہ رکھتے ہیں۔ وہی نہیں اُنکے چھوٹے چھوٹے بچے کسی قسم کی بے چینی اور خوف کا اظہار نہیں کرتے۔ پورے شہر کے لوگوں کی مخالفانہ روش اُن پر اثر انداز نہیں ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر بڑے سے بڑے افسر کو ڈانٹ دیتے ہیں۔ پھر یہ بچے اور مستورات خود دعویٰ دار حکومت یازید کو چیلنج کر نیوالے لوگ نہیں ہیں۔ دعویٰ دار امامت اور سربراہی اسلام کو مع اُسکے تمام صحابہ کے قتل کر دیا گیا اور اب کوئی اُنکی طرف سے حکومت کے خلاف اُٹھنے والا نہیں ہے۔ ایسی مایوس کن حالت میں بھی یہ بچے اور یہ خواتین اپنے سر پرستوں کے برحق ہونے پر اس حد تک مطمئن ہیں کہ اُنکے سامنے ہر تکلیف ہر مصیبت حتیٰ کہ موت بھی راحت ہے۔ اس جو الامکھی اور اس شعلہ حق کو اپنے ہاتھوں گلی گلی پھرایا جا رہا تھا۔ اور دُور دُور تک یہ خیال موجود نہ تھا کہ باطل کا بھڑک اُٹھنے والا مادہ کہیں چپکے سے آگ نہ پکڑ لے۔ بہر حال یہ گشتِ ادھر جاری ہے، لوگ خاموشی سے تماشہ دیکھ رہے ہیں، متاثر ہو رہے ہیں، قلوب و اذان میں سوالات کا سیلاب موجزن ہے۔ بعض لوگ ملعون سمجھ کر بُرا کہتے ہوئے

آتے ہیں اور کسی نہ کسی سے بات کرتے ہیں۔ اور بات کرتے ہی چھپیس سال کے کافرانہ فریب سے باہر نکل آتے ہیں۔ از سر نو کلمہ: ہاں وہ کلمہ جس میں ولایت محمدیہ شامل ہے، پڑھتے ہیں۔ جاسوسوں کی رپورٹ اور مستقبل کے خطرات سے لاپرواہ ہو کر وہیں مجمع عام میں مذہب حقہ کا اعلان کرتے ہیں۔ اور باطل حکومت اور حکومت کے خانہ ساز مذہب کیلئے مصیبت بن جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ جاری ہے۔ سارا دن جاری رہے گا۔ رات کو بھی جلوس چلتا رہے گا تاکہ دمشق مذہب کورات کے چراغاں میں بھی دیکھ سکے۔ تاکہ بازاروں، گلیوں اور محلوں میں شراب و کباب اور ناچ و رقص و سرود کا دباؤ محسوس کر سکے اور سمجھ لے کہ اب محمدؐ کا پیش کردہ مذہب اسلام چراغ لیکر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔ اب قومی وملکی اسلام کا دور دورہ ہے۔ اب وہ قومی اور ملکی شجر اسلام بار آور ہوا ہے جسے آج سے اٹھاون سال پہلے لگایا گیا تھا اور جس کی آبیاری جمہوری اسلام کی حکومت اور کثرت الناس نے کی تھی۔ ادھر یزید کے پاس رپورٹر، نمائندگان حکومت اور کر بلا کے ہیروؤں کی باری باری آمد و رفت جاری ہے۔ ادھر کر بلا میں گزرنے والے حالات سنائے جا رہے ہیں۔ نتائج اور رد عمل پر گفتگو ہو رہی ہے۔ جلوس سے متاثر ہونے والے لوگوں کی رپورٹیں پیش ہو رہی ہیں۔ اسیران اہل حرم کے استقلال کا چرچا ہو رہا ہے۔

(11)۔ اسیران کر بلا کی تشہیر کے دوران یزید کا خفیہ اجلاس جاری ہے

سرکاری علما نے اُمت کو جہاں اور ہزاروں تصورات اور تاثرات غلط دیئے ہیں۔ وہیں اُنہوں نے یہ تصور بھی پھیلایا اور طرفداران حکومت نے اُسے مقبول بھی بنادیا اور بڑے بڑے علمائے اُمت نے اُسے بلا کسی غور و خوض و تنقید کے مانا اور اپنے ریکارڈ میں لکھ بھی لیا کہ اسیران اہل حرم علیہم السلام کوفہ سے سیدھے دمشق آئے اور آتے ہی یزید کے دربار میں پیش کر دیئے گئے۔ دربار میں یزید نے چند اسلام سوز حرکات اور اقدامات کئے۔ جواب میں بعض عوام اور بعض افراد اہلبیتؑ نے احتجاج کیا اور پھر یزید نے اُن حضرات کو جیل خانہ بھیج دیا اور چند روز بعد آزادی دے دی۔ مجلس عزائم کرنے کی اجازت دی اور عزت و احترام سے مدینہ بھیج دیا۔ بس یہ ہے وہ قصہ جسے حادثہ کر بلا کہتے ہیں۔ اور ہم اس تصور کو پیدا کرنے اور پھیلانے والوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اور کوشش کر رہے ہیں کہ اُن ہی لوگوں کے ریکارڈ سے کچھ ایسا موٹا موٹا سامان امت کے سامنے رکھ دیں جس سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ واقعات کر بلا اور کر بلا والوں کے حالات پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ جوں کا توں مان لینے کے قابل نہیں ہے۔ اس میں بہت سے فریبی نکات ہیں۔ اس میں مخالفین محمدؐ و آل محمدؐ کا ہاتھ برابر داخل رہا ہے۔ اُس کی تائید اور تشہیر کے لئے فریقین کے اہل قلم بکتے رہے ہیں۔ جاگیریں اور وظائف لے کر حقائق کو پیچھے ہٹاتے، گھٹاتے اور مٹاتے چلے آئے ہیں۔ اور سرکاری پالیسی کو الفاظ کے ہیر پھیر سے مسلمانوں میں پھیلاتے آئے ہیں۔ لہذا آئیے ہم آپ کو سرکاری چور دروازہ سے خلیفہ وقت یزید ملعون کے خفیہ اجلاس میں لے چلیں۔

فاعلم انّ جمعا قد نسبوا الی ابی مخنف انه ذکر انه لما ورد الرسول علی یزید اللعین کان معصب الراس ویدّاه ورجلاه فی طشت من ماء حار و بین یدیه طیب یعالجه و عنده جماعة من بنی اُمیة یحادثون۔ (مسلسل)

جاننا چاہئے کہ اہل قلم کی ایک جماعت نے جناب علامہ ابو مخنف سے یہ بیان منسوب کیا ہے کہ یزید کے پاس جب قاصد پہنچا تو اُس وقت یزید گرم پانی کے تیلے میں دونوں پیر رکھے ہوئے تھا۔ دونوں بازوؤں اور سر کو گرم پانی کی ٹکڑ کر رہا تھا۔ اور ڈاکٹر صاحب

علاج میں مصروف تھے۔ اور یزید کے پاس بنی امیہ کے مخصوص افراد بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

(12)۔ یزید پر فالج کی صورت میں عذاب کا حملہ ہو چکا تھا

قال: فسئلْتُ عن تعصیب یزید فقيل إنه كان يوم الذی قتل فيه الحسين جالساً في مشرف له وكان تحت مشرف مغنیات يضربن الدفوف ويرقصن ويلعبن وهو يتفرح عليهن۔ فقد كان في تلك الساعة أتاه البشير بقتل الحسين ففرح فرحاً عظيماً وامر المغنیات أن يرفعن اصواتهن بالغناء۔ قال بينما هو في فرحه اذ سقط من المشرف على وجهه الى الارض فانكسر راسه وبده اليمنى ورجله وسقطت من اضراره ثمانية واعابت عينه اليمنى۔ قال فلما جرى عليه ذلك انقلب الفرح ترحاً فرفعته العبيد الى مجلسه فامر باحضار الطبيب فاتاه وداواه وقال بعض ولفي البعض قال فلما وضع الرسول الكتاب بين يديه قال البريد يا امير اقر الله عينيك بورود راس الحسين فظفر يزید اليه شزراً وقال له لا اقر الله لك عينيك ثم قال للطبيب اسرع واعمل ما تريد ان تعمله۔ قال فاصالح الطبيب جميع ما اراد ان يصلحه۔ ثم اخذ الكتاب وقضه وقراء فلما انتهى الى آخره غص على انامله حتى كاد ان يقطعها ثم قال مصيبة عظيمة ورب الكعبة ودفع الكتاب الى من كان حوله من رؤساء بني امية فلما قراؤ الكتاب تكلّموا نحو كلامه الا مروان بن الحكم فانه استبشر ضاحكاً، ثم قال هذا ما كتبت ايدىكم۔

(اكير العبادات فی اسرار الشهادات صفحہ 512)

راوی کہتا ہے کہ میں نے اُن مخصوص لوگوں سے چپکے سے پوچھا کہ یہ بھپا رہ، سنکائی اور گور کیوں کی جا رہی ہے۔ یہ پٹیاں وغیرہ کیوں بندھی ہوئی ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ جس روز امام حسینؑ کے قتل اور فتح کی خبر پہنچی۔ اُس دن قومی مومنین کا خلیفہ اور امیر المومنین اپنے بلند تلیہ گاہ (STAGE) پر چڑھ کر شراب سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اور نیچے حسین و جمیل گانے والیاں دلنواز نغمے گارہی تھیں رقص ہو رہا تھا۔ ساز بج رہے تھے کہ قتل حسینؑ اور فتح کی خوشخبری دینے والا قاصد (بشیر) پہنچا۔ اور باریاب ہو کر نوید فتح سنائی۔ یزید خوشی کے مارے ناچنے لگا۔ گانے والیوں کو بلند آواز سے گانے اور کھل کھیلنے کا حکم دیا اور داد عیش و عشرت کا تمام سامان فراہم ہو گیا۔ وہ اسی نشہ غرور و مسرت میں مصروف تھا کہ اچانک تلیہ گاہ کی مچان سے زمین پر منہ کے بل گرا اور سر ٹکرا کر پھٹ گیا، داہنا ہاتھ اور ٹانگ ٹوٹ گئے اور سامنے کے آٹھوں دانت جھڑ گئے، داہنی آنکھ پر ایسی چوٹ لگی کہ عیب دار ہو گئی۔ اور ذرا دیر میں محفل رقص و سرود اور صورت مسرت و انبساط، غم و الم و حسرت و یاس میں تبدیل ہو گئی۔ خادموں نے اُٹھا کر اُس کی آرام گاہ میں لٹایا۔ ڈاکٹر کو حاضر ہونے کا حکم دیا گیا۔ معالجہ ہوتا رہا اور بعض نقائص اور تکلیف رفع ہو گئی۔ مگر معالجہ جاری تھا اور یہ سب کچھ فالج زدہ اعصاب میں تحریک پیدا کرنے کے لئے کیا جاتا تھا۔ جب قاصد نے یزید کے سامنے سر حسین علیہ السلام کے دمشق میں داخلہ کا اطلاعی پیغام رکھا تو ساتھ ہی کہا کہ اے امیر اللہ تیری آنکھوں کو ایسی ہی خوشخبریوں سے ٹھنڈا رکھے۔ یزید نے اُس کی طرف کبیدہ خاطری سے دیکھا اور قاصد سے کہا کہ اللہ کبھی تیری آنکھوں کو خوشی دیکھنا نصیب نہ کرے۔ ادھر ڈاکٹر سے کہا کہ جو کچھ تمہیں کرنا ہے جلدی جلدی کر کے چلے جاؤ۔ ڈاکٹر نے جلدی جلدی پٹیاں وغیرہ باندھیں اور جان بچا کر بھاگا۔ ادھر یزید نے خط کھول کر پڑھا۔ جب آخری سطریں پڑھ رہا تھا تو اپنی انگلیاں چبانا شروع کیں اس طرح کہ گویا انگلیوں کو کاٹ کر پھینک دینا چاہتا ہے۔ پھر بولا کہ کعبہ کے رب کی قسم یہ سر حسینؑ کا دمشق میں آنا ایک عظیم الشان مصیبت کی آمد

ہے۔ اس کے بعد وہ خط اُن سیاسی ماہرین اور سردارانِ بنی اُمیہ کو دیدیا۔ جو وہاں موجود تھے۔ انہوں نے وہ خط پڑھا تو مروان بن الحکم لعنة علیہما کے علاوہ سب نے یزید ہی کی طرح لرزہ بر اندام کلام کیا۔ لیکن مروان نے ہنستے ہوئے خوش ہو کر کہا کہ دوستو یہ تو آپ حضرات کی اپنی سوچی سمجھی کمائی اور کوششوں کا نتیجہ ہے۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 512)

(الف)۔ اس روایت پر اور اپنے علما کے طرزِ تحریر پر افسوسناک بیان

مومنین ایک جذباتی صورت حال سامنے لائیں گے تب ہمارا مدعا سمجھ میں آ سکے گا۔ میں دو جملے لکھتا ہوں انہیں غور سے پڑھیں اور پھر ہماری بات سنیں جملے یہ ہیں:-

(1)۔ ”کل چند دشمنانِ اہلبیت علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔“

(2)۔ ”کل چند دشمنانِ اہلبیت سے ملاقات ہوئی۔“

مجھے پہلے جملے میں ”علیہم السلام“ پر اعتراض ہے۔ میں ایسے مواقع پر علیہم السلام یا صلوٰۃ اللہ علیہم وغیرہ لکھنا اس لئے پسند نہیں کرتا کہ یہاں یہ سلام اور صلوٰۃ مشکوک ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس سلام اور صلوٰۃ میں دشمنانِ اہلبیت کی طرف بھی رُخ مڑ جاتا ہے۔ پہلے جملے کو خالص اردو میں پھر دیکھیں:- ”کل چند دشمنانِ اہلبیت، سلام ہو اُن پر، سے ملاقات ہوئی۔“

میں ایسے مواقع پر مقدس ناموں یا القاب پر صواد (ؑ) یا عین (ؑ) بنایا کرتا ہوں۔ پھر تحریر میں ایسے بیانات بھی آتے ہیں۔ جہاں ہم یا کوئی اور عالم دشمنانِ اہلبیت کے مظالم کا تذکرہ کرتا ہوا بڑھتا ہے۔ اور دشمنوں کے خلاف ایک مسلسل و مربوط نفرت ذہن میں پیدا ہوتی چلی آتی ہے کہ اچانک بیان میں محمدؐ کا نام آ جاتا ہے۔ اور عالم صاحب لفظ محمدؐ کے ساتھ پہلے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورا لکھ کر پھر آگے بڑھتے ہیں۔ ایسے مواقع پر درود پڑھوا کر عالم صاحب وہ تمام تعمیر مسمار کر دیتے ہیں جو لفظ محمدؐ سے پہلے آئی ہے۔ لہذا ہم ایسے مواقع پر بھی صرف صاد (ؑ) لکھ کر ذہنی تعمیر کو برقرار رکھتے ہیں۔ لہذا دوست نما دشمنوں کے درود و سلام کو بھی ذرا سا ہوشیار رہ کر پڑھنا اور سُنتنا چاہئے۔ اور بے موقعہ درود و سلام کی بھرمار کرنے پر بھی اُن کو ٹوکتے رہنا چاہئے۔ یہ صحیح ہے کہ درود و عبادت ہے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ عبادت بے موقعہ و بے محل نہیں کرنا چاہئے۔ یہ مصنوعی مسلمانوں کا طریقہ ہے جہاں اللہ کا نام آئے تو جل جلالہ کی رٹ لگانا ضروری اور جہاں محمدؐ کا نام آئے وہاں صلی اللہ علیہ وسلم کہے بغیر آگے نہ بڑھیں گے خواہ ایک جملہ میں یا ایک سطر میں چار دفعہ نام آجائے۔ مگر وہ ملائین ہر دفعہ آل محمدؐ کو چھوڑ کر بولیں اور لکھیں گے۔ ہزاروں صفحات کی کتاب پڑھ جائیں ایک دفعہ بھی کہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ملے گا۔ اور دشمنانِ خدا و رسول کی موٹی شناخت یہی ہے کہ آل کو محمدؐ سے الگ رکھا جائے اور جہاں لفظ آل پر بحث ہو وہاں تمام ایرے غیرے تھو خیرے بلکہ ساری امت کو آل محمدؐ کہہ دیا جائے لیکن اگر واقعی وہ علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ اور باقی آئمہ علیہم السلام کے علاوہ دل سے کسی اور کو بھی آل محمدؐ سمجھتے تو ضرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھتے۔ نہ لکھنا ثبوت ہے اُن کے منافق ہونے کا۔ ہم نے یہ عنوان اس لئے لکھا کہ مندرجہ بالا روایت لکھتے ہوئے یہ جملہ سامنے آ گیا کہ:-

”إلا مروان بن الحکم لعین فانہ استبشر ضاحکاً، فلذ لک قطع اللہ تعالیٰ حلاوة الايمان من قلبه ثم قال هذا ما کسبت ایدیکم۔“

ترجمہ ”سوائے مروان بن حکم کے، لعنت کرے اللہ اُس پر، پس وہ یقیناً خوش ہوا ہنستا ہوا، پس اُسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب سے ایمان کا مٹھاس کاٹ دیا۔ پھر کہا کہ یہ تو تمہارے اپنے ہاتھوں کا کیا دھرا ہے۔“

ہم اس قسم کی عبارت کو بکواس کہتے ہیں۔ ارے بھائی سیدھی سی اور مربوط بات یہ ہے اور تھی کہ:-

”مروان خوش ہوا اور ہنسا اور کہا کہ یہ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے“ (چودہ الفاظ میں پورا بیان آ گیا)۔

اتنی سی بات کو لعنت، تعالیٰ وغیرہ کو خواہ مخواہ گھسا کر ایک سادہ سے مطلب کو بکواس بنا دیا۔ اور تماشہ یہ ہے کہ یہ پر خلوص اور جذبات مقدسہ سے بظاہر لبریز عالم، مروان کو اس ہنسنے اور خوش ہونے سے پہلے حلاوت ایمان سے اور پورے اسلام سے بہرہ ور مانتا ہے۔ اور ہم خواہ مخواہ تبر اور لعنت کی بھرمار پر اعتراض کرنے والے یہ مانتے ہیں کہ وہ اسی روز سے مرتد اور واجب القتل ہے جس روز اُس ملعون کو رسول اللہ نے جلاوطن کیا تھا۔ وہ اس وقت بھی مرتد تھا جب عثمان نے اسے واپس بلایا۔ وہ عہد مرتضوی میں بھی مرتد اور دشمن محمد و آل محمد تھا۔ مگر یہ علامہ سرکار اُسے اس روز ہنسنے اور خوش ہونے پر ایمان سے نہیں بلکہ ایمان کے مٹھاس سے محروم کرتے ہیں۔ اور ہم اس قسم کی ڈھیلی تحریروں کو بکواس کہہ بغیر نہیں رہ سکتے۔ یعنی یہ لوگ نہ صرف دنیا کی تمام نیکیوں، نظامہائے حیات اور سیاسیات اور محکمہ جات وغیرہ سے جاہل تھے، بلکہ انہیں سادہ عبارت بھی لکھنا نہ آتی تھی پس اللہ کے ساتھ تعالیٰ لگا کر مسلمان بنے رہتے تھے۔

پھر ہم نے مندرجہ بالا روایت کا ترجمہ کرتے ہوئے علامہ کی عبارت کے ترجمہ میں لفظ ”مخصوص“ کا اضافہ کیا تاکہ اُس تخلیہ کی نشست کی اہمیت سامنے آ جائے۔ لیکن روایت میں نہایت حقیر وغیر اہم الفاظ ہیں۔ ”جماعة من بنی امیہ یحادثون“۔ بنی امیہ کی ایک جماعت باتیں کر رہی تھی۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ یزید ایسے جاہ و جلال کے اور مطلق العنان بادشاہ کے تخلیہ سے عوام کا کیا تعلق؟ اور انہیں وہاں بیٹھ کر آپس میں باتیں کرنے کی مجال کہاں؟ چنانچہ روایت کے آخر میں واضح ہو گیا کہ وہ تمام لوگ بنی امیہ کے امیر و رئیس اور سرداران قوم تھے (دفع الكتاب الى من كان حوله من رؤساء بنی امیة) پھر یزید نے وہ خط اُن لوگوں کو دیا جو اُسکے چاروں طرف رؤساء بنی امیہ موجود تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ روایت کی ابتدا میں ”جماعة من رؤساء بنی امیہ“ ہونا چاہئے تھا تاکہ بات جاندار طریقہ پر شروع ہوتی۔ اور اُن کو رؤساء بنی امیہ کہنا بھی کافی نہیں ہے۔ اسلئے کہ اُن میں سے ایک شخص مروان بن حکم ہے۔ جو خود خلیفہ ہوا اور اُسکے چار بیٹے یزید والی اُسی حکومت کے خلیفہ بادشاہ ہوئے۔ یعنی یزید کے پاس ایسے لوگ بیٹھے تھے جن کو ارباب حل و عقد یا صاحبان بست و کشاد کہتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک یزید کا ہمسروہ و ہم پلہ تھا۔ اور یہ مینگ آئندہ حکومت کی پالیسی اور بقول یزید اُس عظیم الشان مصیبت (سر حسین) سے تحفظ کی تدبیریں سوچنے کیلئے ہو رہی تھی۔ بہر حال یہ اہل قلم روایات کے لکھنے اور راوی کا منشا سمجھنے میں بھی قاصر رہے ہیں۔ تھرڈ کلاس زبان جانتے تھے اور اسی تیسرے درجہ کی زبان میں راوی کا مفہوم رگڑ کر روایت کی جان نکال دیتے تھے۔ یہ وجہ ہے کہ ہمیں کہیں راوی کا منشا واضح کرنے کیلئے، کہیں حالات کا تقاضہ پورا کرنے کیلئے اور کہیں بے ربطی اور گجنگلک دُور کرنے کیلئے اپنے الفاظ ترجمہ میں بڑھانا لازم ہو جاتا ہے۔

(13)۔ شاہی تحلیہ میں اور اربابِ حل و عقد کے سامنے تہا سرحسین علیہ السلام اور سردارانِ فوج

مومنین کو سوائے چند مصائب اور رونے رُلانے کے مُملوں کے علاوہ حادثہ کربلا اور امام حسین علیہ السلام کے مشن کے متعلق کچھ اور بتانا ضروری نہیں سمجھا گیا ہے۔ نہ اس انقلاب خیز قربانی کی تاریخ لکھی گئی نہ واقعات و حادثات کی کوئی ترتیب بتائی گئی۔ یہ وجہ ہے کہ ہر سال تین ماہ عزاداری مناتے ہوئے تیرہ سو سال میں مومنین کو یہ توفیق نہ ملنے پائی کہ وہ مدینہ سے سفر کے بعد مدینہ میں واپسی تک کے حالات تسلسل اور ربط کے ساتھ کسی کو سُنا سکیں۔ بہر حال ہم نے یہ طے کیا ہے کہ اس جانی بوجھی خامی کو دور کرینگے۔ اور کوشش کریں گے کہ ایک ایسا شیعہ ذہن تیار ہو جس میں یہ عالمگیر انقلاب ٹھیک سے جم کر بیٹھے اور وہ نوع انسان کو یہ انقلابی پیغام انقلاب پیدا کرنے کیلئے دیتا رہے۔ ہم نے عرض کیا ہے کہ اسیرانِ اہل حرم علیہم السلام اور سرہائے شہداء صلوٰۃ اللہ علیہم کا تشہیری گشت جاری ہے، جاری رہیگا۔ یہ جلوس رات بھر چلتا رہے گا اور اس دوران یزید کا تحلیہ اور سربراہانِ افواج و مملکت اور پالیسی میکرز یزید کے پاس موجود رہیں گے۔ کوئی ایسا شخص اس تحلیہ یا خفیہ اجلاس میں نہ آسکے گا جس پر حکومت اور اہل کارانِ حکومت کو اعتماد نہ ہو۔ چنانچہ جلوس کے دوران سراقہ کو تنہا لایا گیا اور وہ تمام متعلقہ سردارانِ فوج اور متعلقہ افراد حاضر ہوتے رہے جو کربلا کا حال سنا سکیں، یا پبلک کے رد عمل پر روشنی ڈال کر پالیسی بنانے میں مدد دے سکیں۔ روایت سنئے:-

فاعلم ان ابامخنف قال واقبلوا بالراس الى باب الساعات واقفوا هناك ثلث ساعات ثم اتوا به الى يزيد بن معاوية وكان مروان بن الحكم جالساً الى جنبه - فسئلهم كيف فعلتم به فقالوا جائنا ثمانية عشر من اهل بيته ونييف وخمسين من انصاره - فقتلناهم عن آخرهم وهذا رؤسهم والسبايا على المطايا فجعل مروان بن الحكم هز اعطافه وانشد يقول: - شفيت نفسي من دم الحسين اخذت ثاري وقضيت ذنبي - (الكبير صفحہ 513)

یہ نوٹ کریں کہ ابومخنف نے لکھا ہے کہ متعلقہ ذمہ دار لوگ سر مبارک کو لئے ہوئے باب الساعات پر پہنچے اور وہاں تین گھنٹے توقف کیا پھر سر حسینؑ کو لے کر یزید کے پاس حاضر ہوئے۔ اُس وقت بھی مروان بن الحکم یزید کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ یزید نے اُن لوگوں سے دریافت کیا کہ تم نے یہ کامیابی کس طرح حاصل کی تھی۔ اُنہوں نے کہا کہ مختصر ایوں سمجھ لیجئے کہ حسینؑ اپنے اہلیت کے اٹھارہ نوجوانوں اور پچاس سے کچھ اور انصار کے ساتھ آئے تھے۔ ہم نے اُن سب کو اوّل سے آخر تک قتل کر ڈالا۔ اُن کے سر نیزوں پر اور قیدی اونٹوں پر موجود اور شہر میں گشت میں مصروف ہیں۔ یہ سُن کر مروان بن الحکم جھومنے لگا اور شعر پڑھا کہ اے یزید تو نے حسینؑ کے خون سے میری جان بچادی۔ تو نے میرا انتقام لے لیا اور میرا قرض ادا کر دیا۔

مومنین نوٹ فرمائیں کہ حسبِ قاعدہ یعنی بے اصولی کی پابندی کے ماتحت اس روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ آیا یزید کے پاس مروان کے علاوہ کوئی اور بھی تحلیہ میں تھا یا نہیں؟ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ وہی خفیہ اور اعلیٰ درجہ کی میٹنگ ہے جس میں بنی امیہ کے اہل حل و عقد موجود تھے اور یزید کا معالجہ ہو رہا تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ کربلا کے حالات سُنانے والے نے یہ کہا ہے کہ: ”قیدی اس وقت اونٹوں پر سوار ہیں۔“ (وَالسَّبَايَا عَلَى الْمَطَايَا) اور یہ کہ جلوس ابھی باب الساعات پر پہنچا ہے۔ لہذا یہ وہی میٹنگ ہے۔ اور یہ میٹنگ بھی آج

پورا دن اور ساری رات جاری رہے گی۔ یہاں تک کہ کل صبح اہل حرم مع جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے دربار میں لائے جائیں گے۔ اور حضرت زینب علیہا السلام اپنا مشہور و معروف خطبہ دے کر یزید کے دماغ اور حکومت کی چولیس ڈھیلی کریں گی۔ ہم اسی میٹنگ کا دوسرا بیان پیش کرتے ہیں۔

(14)۔ مبارکباد میں حسینؑ کی اعلیٰ نسب کی کا ذکر واجب القتل جرم ثابت ہوا

فی ذیل خبر سہل بن سعد الذی تقدم صدره علی نهج الذی رواه صاحب المناقب - فدخلوا علی یزید فدخلت معهم وكان یزید جالساً علی السریر وعلی راسه تاج مكلل بالدرّ والیاقوت وحوله كثير من مشائخ القریش - فلما دخل صاحب الراس وهو يقول: اوفرر کالی فضة اودهباً - انا قتلنا السید المحجّب - قتلت خیر الناس اماً و اباً - وخیرهم اذینسون النسباً - قال یزید لو علمت انه خیر الناس لم قتلته؟ قال رجوت الجائزة منك فامر بضرب عنقه فجزّ راسه - (اکسیر العبادات - صفحہ 512)

صاحب مناقب نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا یہ بیان لکھا ہے کہ جب وہ لوگ یزید کے پاس حاضر ہوئے تو میں بھی اُنکے ساتھ ہی تھا۔ اُس وقت یزید جواہرات سے جگمگاتا ہوا تاج پہنے ہوئے تخت خلافت پر بیٹھا تھا۔ اور اُسکے چاروں طرف قریشی بزرگ بیٹھے تھے۔ جب وہ شخص سامنے آیا جو سر امام حسینؑ اٹھائے ہوئے تھا تو اُس نے اپنے قلبی تاثرات اشعار میں پیش کئے:-

”اے ہمارے امیر المؤمنین آپ ہماری سوار یوں، اونٹوں، خچروں، گھوڑوں اور گدھوں کو سونے چاندی سے لاد کر ہمیں انعام عطا کریں اسلئے کہ ہم تیری خاطر ایک بزرگ ترین سید کو قتل کر کے اُس کا سر لیکر حاضر ہوئے ہیں۔ ہم نے جسے قتل کیا ہے وہ ماں باپ سے پیدا ہونے والے تمام انسانوں سے زیادہ عظیم الشان تھا۔ اور حسب و نسب کا جب بھی مقابلہ ہو اُس سے بڑھ کر کوئی نہ ملے گا۔“

یزید نے یسُن کر کہا کہ جب تم یہ جانتے تھے کہ وہ تمام انسانوں سے یعنی مجھ سے بھی بزرگ تر اور قابلِ قدر ہے تو تم نے اُسے قتل کیوں کیا؟ مبارکباد دینے والے نے سہم کر کہا کہ حضور امید یہ تھی سرکار ہم سے خوش ہوں گے اور ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔ یزید نے اُس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور تعمیل میں فوراً اُس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ وہی روسائے بنی اُمیہ یہاں مشائخ قریش کہلائے ہیں۔ البتہ یہاں یزید کو تاج پہنے ہوئے دکھایا ہے۔ لیکن یہ ذکر نہیں کہ وہ پیجامہ اور کرتہ بھی پہنے ہوئے تھا یا نہیں؟ آپ کہیں گے کہ اس کے بتانے کی ضرورت نہ تھی۔ آدمی لوگوں کے سامنے جنگے نہیں بیٹھتے۔ ٹھیک ہے۔ یاد رکھو آدمی یہ بھی جانتے ہیں کہ بادشاہ تاج پہنے یا نہ پہنے وہ بادشاہ ہی ہوتا ہے۔ لہذا سابقہ روایات میں تاج کا ذکر نہ کرنا یزید کو شاہی سے خارج نہیں کرتا۔ اور یہ بھی بتانے کی ضرورت نہ تھی کہ ڈاکٹر کی آمد پر لباس پہنانے والے خادموں نے تاج وغیرہ اُتار لیا تھا۔ اور ڈاکٹر کی کاروائی ختم ہو جانے کے بعد پہنا دیا تھا۔ لہذا کسی بات کا تذکرہ موجود نہ ہونے کو بہانہ بنا کر کسی روایت یا واقعہ کو مشکوک اور غلط کہہ کر رد کر دینا دشمنوں کا طریقہ ہوتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ جو راوی جس چیز کو زیادہ اہمیت دیتا ہے اُس کا ذکر کر دیتا ہے۔ اور روایت سننے یا لکھنے والی ہستی کو آدمی بلکہ عقلمند آدمی بلکہ عالم سمجھ کر غیر ضروری چیزوں کا تذکرہ نہیں کرتا۔ لیکن اگر علما جانبدار ہوں

اور دیانتدار نہ ہوں تو وہ بہانہ تراشیاں کر کے روایات کو ناقابل اعتماد، مجمل، اور ضعیف قرار دے دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود ناقابل اعتبار اور جاہل و حقیر لوگ ہوتے ہیں۔ اُسی خفیہ میٹنگ میں ایک اور بیان سُنیں جس میں کربلا کے حالات کی تفصیل ہے۔ مگر کافی جھوٹ بولا گیا ہے اور اُس بہت و آفت کا ذکر نہیں کیا گیا جو امام حسین علیہ السلام کے جاننا انصار نے افواج یزید پر مسلط کر دی تھی۔

(15)۔ زجر بن قیس کا بیان؛ یزید کا چپ ہونا اور قتل حسینؑ پر سیاسی ریمارکس

یہ بیانات سنتے وقت وہ صورت حال فراموش نہ کر دیں کہ یزید کو لمحہ بہ لمحہ شامی رد عمل کی اطلاعات بھی ملتی جا رہی تھیں۔ اور یزید کے مزاج اور رویہ میں تندی، سختی اور نرمی اُن ہی اطلاعات پر منحصر ہے۔ اور وہ اپنے ہر قول اور ہر اقدام کو اُس فکر کے ماتحت رکھتا جا رہا ہے کہ وقت آنے پر اُس کا ہر قول اور ہر فعل ایک منطقی اور سیاسی عذر بن کر یزید کی پالیسی میں مددگار ثابت ہو۔ نہ تو یزید سے یہ امید کرنا چاہئے کہ وہ بلا سوچے سمجھے بکواس کرتا چلا جائے گا۔ نہ اُس کے منصب کا دباؤ اور ذمہ داری اپنی گرفت ڈھیلی کر سکتے تھے۔ ہم یزید کو اور ہر دشمن خدا اور رسول کو عقلمند اور صاحبان فراست لوگ سمجھتے ہوئے اُن کے اقوال و اعمال پر نظر ڈالتے ہیں اور علماؤں کی طرح ساری دنیا کو بے وقوف نہیں سمجھتے۔ سُنئے: قال المفید وابن نماروی عبد اللہ بن ربیعۃ الحمیری قال کنت عند یزید بد مشق اذا قبل زجر بن قیس حتی دخل علیہ۔ فقال له یزید ما وراک وما عندک؟ قال ابشر یا امیر بفتح اللہ ونصرہ، ورد علینا الحسین بن علی فی ثمانیۃ عشر من اہلبیتہ وستین من شیعتہ فسرنا الیہم فسنلنا ہم ان یتسلموا۔ او ینزلو علی حکم الامیر عبید اللہ۔ او القتال؟ فاختاروا القتال علی استسلام فغد ونا علیہم مع شروق الشمس فاحطنا بہم من کل ناحیۃ حتی اذا اخذت السیوف ماخذھا من ہام القوم جعلوا یہربون الی غیر وزر ویلوز و نبالا کام والحفر لواءا کما یلوز الحمامۃ من الصقر۔ فواللہ یا امیر المومنین ما کان الا جزر جزورا و فوقہ قايل حتی اتینا الی آخرہم فہا تیک اجسادہم معرّدة و ثیابہم مرقلة و خدودہم معفرة تصہرہم الشمس و تسفی علیہم الريح و زوارہم الرخم و العقبان۔ فاطرق یزید ہنیۃ۔ ثم رفع راسہ و قال: قد کنت ارضی من طاعتکم بد و ن قتل الحسین اما لو کنت صاحبہ لعفوٹ عنہ۔ (اکسیر العبادات - صفحہ 512)

ایک سردار حاضر ہے اُس کی ملاقات کا حال عبد اللہ بن ربیعہ سناتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں یزید کی اُس میٹنگ میں موجود تھا جب زجر بن قیس یزید سے ملنے کیلئے آیا تھا۔ جیسے ہی وہ یزید کے سامنے پہنچا۔ یزید نے سوال کیا کہ تو نے اپنے پیچھے لوگوں کو کس حال میں چھوڑا اور یہاں کیا بتانے آیا ہے؟ زجر نے کہا کہ جناب میں آپ کو اللہ کی عطا کردہ فتح اور نصرت پر مبارکباد دیتا ہوں۔ بات یوں ہوئی کہ حسین بن علیؑ اپنے اٹھارہ جوانان اہلبیت اور ساٹھ شیعوں کو لے کر وارد ہوئے تھے۔ ہم نے اُن سے مذاکرات کئے اور اُن کے روبرو تین چیزیں پیش کیں۔ اول یہ کہ وہ سرتسلیم خم کریں۔ دوسری یہ کہ وہ ہمارے سربراہ عبید اللہ کے حکم کی اطاعت کریں۔ سوم یہ کہ جنگ سے فیصلہ کر لیں انہوں نے آخری چیز قبول کی۔ اور ہم نے اگلی صبح سورج طلوع ہونے کے وقت انہیں چاروں طرف سے محاصرہ میں لے لیا اور تلواریں چلنے لگیں۔ ہمارے حملوں کی شدت سے وہ لوگ بھاگے پھرتے تھے اور انہیں کہیں چھپنے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ وہ سوراخوں اور کسی آڑ میں چھپنے کیلئے اُسی طرح کوشاں تھے جیسے وہ کبوتر پناہ گاہ ڈھونڈھتا ہے جس پر شکرہ یا باباز جھپٹتا ہے۔ بہر حال اے قومی امیر المومنین

خدا کی قسم ہم نے ایک ایک کر کے انہیں ڈھیر کرنا شروع کیا اور آخری شخص کو بھی قتل کر دیا۔ اُن کے جسم ہاتھوں اور سروں سے محروم کئے ہوئے پڑے ہیں۔ اُن کے کپڑے خون میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ اُنکے پہلو گرد آلود ہیں۔ تمازت آفتاب اُن کو جھلس رہی ہے۔ آندھیاں اُن پر غبار اڑا رہی ہیں۔ اور گدھ اُن پر منڈلا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ یزید نے سنا ذرا دیر سر جھکائے بیٹھا رہا۔ لوگ خوفزدہ تھے کہ دیکھیں کیا حکم ہوتا ہے مگر خیریت ہوگئی۔ یزید نے سر اٹھایا اور کہا کہ ”میں تمہاری اُس سرکشی سے ویسے ہی خوش ہو جاتا جو تمہارے دل میں حسینؑ کی طرف سے تھی۔ ضروری نہ تھا کہ تم انہیں قتل کر کے ہی میری خوشنودی حاصل کرتے۔ بہر حال اگر میں حسینؑ کے پاس ہوتا تو انہیں معاف کر دیتا۔“

یزید کا یہ آخری جملہ بتا رہا ہے کہ وہ اپنے لئے الفاظ کی پناہ تلاش کر رہا ہے۔ وہ اُس عظیم الشان مصیبت کو سر حسین علیہ السلام کی صورت میں سامنے کھڑی دیکھ رہا ہے جو اُس کے قلبی سکون اور شاہی طاقت کو جھنجھوڑ رہی ہے۔

(16)۔ اسی میٹنگ میں یزید کے مختلف ریمارکس

ملاقاتوں کا سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا جب تک یزید کے سامنے اس فوج کشی اور فوجی مہم کے تمام پہلوؤں کی تصدیق نہ ہو گئی۔ اور وہ ہر ملاقاتی سے سیاسی صورت حال کے مطابق موزوں ترین سلوک کرتا گیا۔ اُس نے اس پہلو پر زیادہ زور دیا کہ وہ امام حسین علیہ السلام کو ہر حال میں قتل نہ کرانا چاہتا تھا۔ اس سلسلے کے لئے ہم چند بیانات اور سامنے لاتے ہیں۔

فلما انتھوا الی باب یزید رفع محضر بن تغلبہ صوتہ فقال هذا محضر بن تغلبہ آتی امیر المومنین بالفجرہ اللیام۔ قال یزید ما ولدت ام محضرا شدّ و الیم۔ قد کنت ارضی من طاعتکم بدون قتل الحسین امالو کنت صاحبہ لعفو عنہ ولكن قبح اللہ ابن مرجانہ۔ (شیخ مفید اور ابن نما۔ اکسیر العبادات صفحہ 512)

چنانچہ محضر بن تغلبہ ملاقات کے لئے حاضر ہوتا ہے اور دربار کے دروازہ پر آ کر آواز بلند پکارتا ہے کہ: یہ محضر بن تغلبہ امیر المومنین کے حضور میں ساری دنیا سے زیادہ قابل ملامت اور بدکار شخص کو لے کر حاضر ہے۔ یزید نے کہا کہ محضر بن تغلبہ کی ماں سے زیادہ قابل ملامت اور بدکار شخص کسی اور عورت سے پیدا نہیں ہوا۔ ارے میں تو تمہاری باغیانہ ذہنیت سے حسینؑ کے قتل کے بغیر بھی راضی تھا۔ افسوس اگر میں حسینؑ کے پاس ہوتا تو انہیں معاف کر دیتا۔ لیکن اللہ ابن زیاد کا برا کرے کہ اُس نے معاف نہ کیا۔

یہاں یزید بالواسطہ یہ بھی دکھاتا ہے کہ وہ کسی اور کے منہ سے امام علیہ السلام کی مذمت پسند نہیں کرتا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ اس شخص کو قتل کر چکا ہے جس نے امام حسین علیہ السلام کی بزرگی اور عالیٰ نسب کا اعلان کیا تھا۔

(17)۔ مردان کا بھائی اور یزید دونوں اللہ اور ابن زیاد کو الزام دیتے ہیں

یزید کے پالیسی میکروں اور اس اجلاس میں شرکت کرنے والے قریشی ارباب بست و کشاد میں مروان کا بھائی عبدالرحمن بن الحکم بھی تمام حالات سُن رہا ہے۔ اس دفعہ اسکی سیاسی رائے بھی سُن لیں۔

قال في المناقب وكان عبد الرحمن بن الحكم قاعدًا في مجلس يزيد قال انشد : لهما يوجب الطف ادنى قرابة - من ابن زياد العبد ذى النسب الوغل - سمية امسى نسلها عدد الحصى - وبنت رسول الله ليست بذى نسل - قال يزيد نعم فلعن الله ابن مرجانة اذا قدم على مثل الحسين بن فاطمة لو كنت صاحبه لما سئلني خصلة الا اعطينته ايها ولد فعث عنه الحنف بكل ما استطعت ولو فيه هلاك بعض اولادى ولكن قضى الله امرًا فلم يكن مردًا - (اكسير العبادات - صفحہ 513-512)

وہ کھڑا ہوا اور کہا کہ اگر حسین سے ابن زیاد کی کوئی ذرا سی بھی نسب اور نسلی قرابت یا رشتہ داری ہوتی تو وہ یزید سے دغا کر کے بھی حسین کی رعایت کر لیتا۔ افسوس ہے کہ ابن زیاد کی ماں کی نسل تو کنکریوں کی طرح پھیل گئی اور فاطمہ بنت رسول کی نسل کا یوں خاتمہ کر دیا گیا۔ یزید نے تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ ”خدا ابن زیاد پر لعنت کرتا رہے اگر وہ حسین کو میرے پاس لاتا یا میں اس کی طرح حسین کے پاس ہوتا تو میں اُن کی عادت و خصلت پر کوئی شرط نہ لگاتا۔ اور جو کچھ بھی وہ مجھ سے طلب کرتے میں انہیں دے دیتا خواہ اس طرح میری کچھ اولاد کی ہلاکت ہو جاتی۔ لیکن اللہ نے جیسا حکم جاری کیا وہ پورا ہو گیا۔ اور اب اللہ کا حکم اور فیصلہ واپس نہیں کیا جاسکتا ہے۔“ یہاں یزید اللہ کے قادر مطلق ہونے کی اور مسئلہ تقدیر کی آڑ لیتا ہے تاکہ مذہبی ملاوٹوں کا منہ بند کر سکے۔ یہی عقیدہ آج بھی کثرت کا ہے۔

(18)۔ سرمبارک نیزہ سے طشت میں؛ شمر کی پیشی؛ یزید کا سنبھلنا، بزرگوں کی یاد

خفیه میٹنگ میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ دوبار آنے کا انتظام کرتے ہیں اور اس مرتبہ پوری رپورٹ تیار کرتے اور بتاتے ہیں کہ:- (الف) قال سهل فدخلت مع من دخل لأنظر ما يصنع يزيد بهم - فامر بحط الرأس عن الرمح وأن يوضع في طشت ذهب ويغطى بمنديل ديبقى ويدخل به عليه - فلما وضع بين يديه سمع غرابًا ينطق فانشد يزيد يقول: يا غراب البين ما شئت فقل - انما تندب امرًا قد فعل - كل ملك ونعيم زائل - وبنات الدهر يلعن بكل - ليت اشياخي ببدر شهدوا - وقعة الخزرج مع وقع الاسل - لروا ولا يستهلوا فرحًا - ثم قالوا يا يزيد لا تشل - لست من خندف أن لم انتقم - من بنى احمدًا ما كان فعل - لعبت هاشمًا بالملك ولا - خبر جاء ولا وحى نزل - قد اخذنا من علي ثارنا - وقتلنا الفارس الليث البطل - وقتلنا القوم من ساداتهم - وعدلناه ببدر فاعدل - فجزينا هم ببدر مثلها - واقمنا مثل بدر فاعتدل - قال: ثم سئلهم يزيد كيف فعلتم به؟ فقالوا جاءنا في ثمانية عشر من اهل بيته ونيف خمسين من اصحابه وانصاره فسللناهم أن ينزلوا على حكم الامير والقتال - فاختاروا القتال فقتلناهم عن آخرهم وهذه رؤسهم واجسادهم بارض كربلاء مطروحة تصهرهم الشمس وتذرى عليهم الرياح وتزورهم العقبان - فاطرق راسه - قال كنت ارضى بطاغيتكم بدون قتل الحسين - (اكسير العبادات - صفحہ 514)

(الف) میں یزیدی اقدامات دیکھنے کے لئے مخصوصین کے ساتھ پھر اجلاس میں گیا تو یزید نے سر امام علیہ السلام کو نیزہ سے اتار کر سونے کے ایک طشت میں رکھنے اور ایک قیمتی ریشمی رومال سے ڈھک کر پیش کرنے کا حکم دیا۔ جب سرمبارک اس کے سامنے رکھا گیا تو ایک کوئے نے محل کی دیوار پر شور مچانا شروع کر دیا۔ یزید نے کوئے کو مخاطب کر کے کہا کہ:-

اے کوئے تو جو چاہے سمجھ اور جو پسند آئے وہ کہتا رہے ہم دیکھ رہے ہیں کہ تو بھی میرے اقدام پر افسوس کا اظہار کر رہا ہے۔ حادثات وقوع میں آئے ہیں اور دنیا کی نعمتیں چھلتی ہوئی معلوم ہو رہی ہیں۔ بد قسمتی نے تباہی کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا ہے۔ کاش

میرے بدر میں قتل ہونے والے بزرگ موجود ہوتے اور دیکھتے کہ خنزرج کے قبیلے کے ساتھ ہماری تلواروں نے کیا کر دیا ہے۔ وہ دیکھتے تو یقیناً خوشی سے اچھل پڑتے اور دعا دیتے اور کہتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ کبھی بے کار نہ ہوں۔ میں خندق میں سے نہ ہوتا اگر احمد کے خاندان سے اُن کی کارکردگی کا انتقام نہ لیا ہوتا۔ یہ تو بنی ہاشم نے اقتدار حاصل کرنے کا ایک بچگانہ کھیل کھیلا تھا نہ کوئی پیشگوئی تھی نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی۔ یعنی دعویٰ نبوت ہی جھوٹا تھا۔ بہر حال ہم نے علیؑ سے اپنے مقتولوں کا بدلہ لے لیا اور ہم نے بڑے بڑے سورما بہادروں کو تہ تیغ کر دیا۔ ہم نے اُن کے سرداروں اور سربراہوں کو لوگوں میں سے ایک بڑی جماعت کو موت کے گھاٹ اتار کر بدر کو واپس لا کر اُن کی طرف پلٹا دیا۔ اور بدر کے قتل عام کا بدلہ چکا کر عدل و انصاف قائم کر دیا۔

سہلؓ کہتے ہیں کہ اسکے بعد یزید نے سوال کیا کہ تم نے کس طرح یہ فتح حاصل کی ہے؟ انہوں نے کہا کہ حسینؑ اٹھارہ بنی ہاشمؓ اور دس بارہ اور پچاس صحابہ اور انصار کے ساتھ آئے۔ ہم نے اُنکے سامنے حکم امیر کی اطاعت اور جنگ رکھ دی اُنہوں نے جنگ منظور کر لی۔ چنانچہ ہم نے آخری فرد تک قتل کر کے رکھ دیا۔ اور اُن سب کے سر حاضر ہیں۔ اور ہاتھ پیر کٹے ہوئے بدن کر بلا کی زمین پر بکھرے پڑے ہیں۔ روزانہ سورج کی گرمی انہیں جھلس رہی ہے۔ ہوائیں اُن پر دھول اڑا رہی ہیں۔ اُن کی زیارت کے لئے گدھ آ رہے ہیں۔ یہ سن کر یزید نے سر جھکا لیا اور کہا کہ میں تو قتل حسینؑ کے بغیر بھی تمہاری باغیانہ ذہنیت سے خوش تھا۔

(ب)۔ زوجہ یزید اجلاس میں بیٹا بانہ آگئی

(ب) فاعلم ان ابامخنف قد قال بعد نقل كلام من قص لي زيد فضايًا يوم الطف واخبره بها ونقل كلام يزيد "كنت ارضى بطاغيتكم بدون قتل الحسين" قال الراوى فسمعتُه بنت عبد الله زوجة يزيد وكان يزيد مشغوفًا بها۔ قال: فدعت برداء فتروّت بها ووقفت من وراء الستر وقالت ليزيد هل عندك من احد قال اجل۔ فامر من كان عنده بالانصراف وقال اللعين ادخلي فدخلت قال فنظرت الى راس الحسين فصرخت فقالت ما هذا الراس الذي معك؟ فقال راس الحسين بن علي بن ابي طالب۔ قال فبكت وقالت يعزّو الله علي فاطمة ان ترى راس ولدها بين يديك۔ وانك يا يزيد لقد فعلت فعلاً استوجب به اللعن من الله ورسوله والله ما انا لك بزوجة ولا انت ببعلي۔ فقال لها مانت و فاطمة؟ فقالت بابيها وبعليها وبينها هدايا الله تعالى والبسنا هذا القميص۔ ويلك يا يزيد باي وجه تلقى الله ورسول الله صلى الله عليه وآله۔ فقال لها يا هند دعى هذا الكلام فما اخترت قتله۔ فخرجت باكية ودخل عليه الشمر۔ (الكسير صفحہ 540)

(ب) مندرجہ بالا جملہ "کُنْتُ اَرْضَى بِطَاغِيَتِكُمْ بِدُونِ قَتْلِ الْحُسَيْنِ" ابھی یزید ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ اچانک ہند بنت عبد اللہ یزید کی زوجہ اور مملکت یزید کی ملکہ پردہ کے پیچھے نمودار ہوئی۔ یزید اس زوجہ سے بہت زیادہ مانوس تھا۔ راوی کہتا ہے کہ ہند نے وہ بیان سُن لیا تھا جو ابھی ابھی کر بلا کے متعلق دیا گیا تھا۔ ہند نے یزید سے کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی اور بھی ہے۔ یزید نے جلدی سے جواب دیا کہ ہاں ہاں ٹھہرو میں تخیل کرتا ہوں۔ چنانچہ موجودین کو دوسرے کمرے میں جانے کا حکم دیا۔ پھر ہند سے کہا کہ تشریف لائیں۔ وہ آئی اور سر حسینؑ کو دیکھا چلا کر پوچھا کہ تمہارے پاس یہ سر کس کا ہے۔ یزید نے دبے الفاظ میں کہا کہ یہ حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب کا سر ہے۔ راوی بتاتا ہے کہ ہند بہت بے قرار ہو کر رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اگر جناب فاطمہؑ اپنے

بیٹے کا سرتیرے پاس دیکھ لیں تو بخدا تو جواب نہ دے سکے گا۔ اے یزید تو نے تو ایسا کام کر لیا ہے کہ تجھ پر اللہ اور رسول کی طرف سے لعنت کرنا واجب ہو گیا ہے۔ ارے ملعون آج سے نہ میں تیری زوجہ ہوں اور نہ تو میرا شوہر ہے۔ یزید نے عاجزی سے کہا کہ بھلا آپ کو فاطمہؑ سے کون سار شتہ ہے کہ اتنا سخت فیصلہ کر رہی ہو؟ ہند نے کہا کہ ارے مردود اُسی کے باپ اور شوہر اور بیٹوں کی وجہ سے تو ہم سب کو دین اسلام کی ہدایت ملی اور اُن ہی کی بنائی ہوئی تو حکومت ہے جسے ہم نے پہن لیا ہے۔ ارے بدنہاد تو اللہ اور اللہ کے رسول سے کیا منہ لے کر ملاقات کرے گا؟ یزید نے بڑے انفعال سے کہا کہ اے ہند اب تو ان باتوں کو جانے دو میں نے اپنے اختیار سے اُن کو قتل نہیں کیا ہے۔ بات سمجھو جلدی نہ کرو۔ یہ سُن کر وہ روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

(ج)۔ شمر ملعون انعام مانگنے آیا اور قتل سے بچ گیا

ہند کے جاتے ہی شمر کو داخلہ کی اجازت مل گئی۔ اجلاس از سر نو جاری ہو گیا۔ شمر نے ابھی ابھی پیش آئی ہوئی مصیبت سے لاعلمی کی بنا پر بڑے نخرے کے ساتھ قصیدہ فتح پڑھنا شروع کر دیا:-

(ج) دخل عليه الشمر و جعل يقول: املاء ركابي فضة وذهباً۔ انى قتلت السيد المهذب۔ باقتلت خير الناس اُمّاً وَاَباً۔ واکرم الناس جميعاً حسباً۔ سيد اهل الحرم والورى۔ ومن على الخلق معاً منتصباً۔ طعنته بالرمح حتى انقلبا۔ ضربته بالسيف كان عجباً۔ قال فنظر اليه يزيد شزراً وقال له اذا علمت انه خير الناس اُمّاً وَاَباً فلم تقتله واملاء الله ركابك نازاً و حطّاً؟ قال اطلب بذ لك الجائزة من عندك۔ قال فلكره يزيد بزبال سيفه وقال لا جائزة لك عندى۔ فَوَلَّى هارباً۔ (اکسیر العبادات - صفحہ 514)

میرے ساتھ جتنے اونٹ اور خچر اور گدھے اور گھوڑے ہیں سب کو سونے اور چاندی سے لاد کر مجھے انعام عطا فرمایا جائے۔ اسلئے کہ میں نے آپ کی اطاعت کے ثبوت میں ایک مہذب ترین سردار کو قتل کر دیا ہے۔ میں نے ایسے بزرگ کو قتل کیا ہے جو ماں باپ کی طرف سے تمام انسانوں سے زیادہ مرتبہ رکھتا تھا۔ اور حسب و نسب میں پوری انسانیت سے زیادہ محترم تھا۔ اور مکہ و مدینہ اور اُن کے علاوہ پوری کائنات کا سردار تھا۔ اور جو بھی اس کے مقابلہ میں مدعی ہو وہ سب سے اعلیٰ درجہ کا تھا۔ لیکن میں نے اُسے یہاں تک نیزوں سے مارا کہ وہ الٹ کر گرا اور اسے تلوار سے ایسی ضربیں لگائیں جن پر جتنا تعجب کیا جائے کم ہے۔ راوی کہتا ہے کہ یزید نے غضبناک ہو کر اسکی طرف دیکھا اور کہا کہ جب تو اُسے تمام انسانوں سے بزرگ جانتا تھا تو تو نے اُسے قتل کیوں کیا؟ شمر نے گھبرا کر کہا کہ حضور یہ سب کچھ میں نے آپ سے انعام حاصل کرنے کیلئے رسماً کہہ دیا ہے۔ یزید نے اپنی تلوار کی نوک چھتاتے ہوئے کہا کہ دُور ہو جاتیرے لئے میرے پاس تلوار کے علاوہ کوئی انعام نہیں ہے۔ وہ وحشت زدہ ہو کر واپس چلا گیا۔

(19)۔ یزید کے تصورات و قلبی حالات علامہ در بندی کی زبانی

علامہ در بندی رضی اللہ عنہ یزید کی ظاہری اور باطنی حالت اور انتظام مملکت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

انَّ يزيد مافرح وسرفى عمره بشىء مثل فرحه وسروره بقتل سيد الشهداء روحى له الفداء وان ما صنعه ابن زياد انما كان بامر منه - نعم ان يزيد كان فى اضطراب وتشويش بعد وصول البشير اليه وبيان ذلك انه لما ورد البشير اليه اولاً

بقدر الاسارى والرؤس المطهرة الى قريب من دمشق وتخيل ثوران الفتنة وهجوم الناس عليه - وتوهم ان ما اسسه معوية ومن معه من قبله من غرسهم في قلوب اهل الشام واطرافها بالتزويقات وتسويلات والوساوس والا كاذيب والا باطيل والاف من الحيلة والمكيدة شجرة العداوة لاميير المؤمنين وسيد الوصيين واهله وعترته صلوة الله عليهم اجمعين لايقاوم لما يشاهده اهل الشام باعينهم - اى كون اهل بيت رسول الله على تلك حالة وكون رؤس رجالهم الرماح و نسائهم و اطفالهم فى ذل الاسر خاف وخشى الناس - اى من اثارتهم الفتنة وهجومهم عليه ففعل وافعل من عصى انامله حتى كاد ان يقطعها وقال ما قال من قوله مصيبة عظيمة ورب الكعبة - وتوهم هذا التوهم روساء بنى أمية ايضاً - فلما دخل الحرم والسبايا دمشق وكان ياتيه فى كل حين وساعة من ياتيه باخبار ما وقع من فرح اهل الشام وسرورهم ولعبهم ولهوهم و ضربهم الدفوف والطبول وجعلهم ذلك اليوم كيوم العيد - علم ان كفرهم ككفره من الامور الثابتة فزال اضطرابه واطمان قلبه وزاد حرصه على ان يبالغ الناس فى تذليل اهل بيت الرسول واستحقارهم واهانتهم والا ستهزاء والشماتة بهم ولا يتكلم احد بما فيه الفضل والمدح والمنقبة لهم فلاجل ذلك امر بقتل الشيخ التائب المذعن بفضائل الرسول صلوات الله عليهم اجمعين وايضاً بقتل حامل الراس الشريف لاجل ابياته الثلاثة مع كونه من اعوانه وانصاره ولعل ذلك الرجل كان حواش بن خولى ويحتمل ان يكون غيره - ثم ان اعوان يزيد وروساء جنوده وعساكره لما كانوا عالمين بما يحب ويفرحه بذكره من تذليل اهل البيت واستحقارهم والشماتة واستهزاء بهم وبما يبغضه من اجراء منقبة وفضيلة لاهل البيت على السنتهم ذكر زجر بن قيس ما ذكر من نسبة الجبن والهرب الى اصحاب سيد الشهداء الى آخر ما ذكره - مع ان يزيد كان عالماً قبل ذلك الوقت بان سيد الشهداء واصحابه قد افنوا معظم جنوده وابدوا واكثر عساكره وكان عالماً ايضاً بان هذا المطلب لم يخف على الناس - (اكسير العبادات - صفحہ 513)

حقیقت یہ ہے کہ یزید کو اپنی زندگی میں اتنی خوشی اور مسرت کبھی اور کسی بات پر نہیں ہوئی تھی جتنی امام حسین علیہ السلام کے قتل کر دیئے جانے سے ہوئی۔ وہ جانتا تھا کہ ابن زیاد نے جو کچھ بھی کیا وہ اُسی کے حکم کی تعمیل میں کیا تھا۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یزید بڑے اضطراب اور تشویش کے عالم میں بھی تھا۔ تو جاننا چاہئے کہ اس کا اضطراب اور تشویش اس روز سے شروع ہوئی تھی جس روز اُسے اسیران اہل حرم اور سرہائے شہدائے دمشق میں پہنچنے کی اطلاع ملی تھی۔ اس دن سے اُسکے سامنے لوگوں کی چڑھائی اور فتنہ و فساد اور بغاوت کے بھوت ناچنے لگے تھے۔ اور جو کچھ معاویہ اور اُس کے ساتھیوں نے علی کے خلاف اہل شام اور گرد و نواح کے لوگوں کو ابھارنے اور دشمن بنانے اور اُن کا مرکزی مقام ختم کرنے کا انتظام کیا تھا وہ ایک وہم اور کمزور فریب معلوم ہونے لگا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ جب لوگ قریب سے خاندان علیؑ و محمدؐ کو دیکھیں گے تو یہ سارا بندوبست یہ تمام ڈھونگ یہ سارا کمزور فریب کا محل زمین پر آگرے گا۔ جھوٹا پروپیگنڈا، فرضی برائیاں اور معاویہ اور اُسکے دوسرے بزرگوں کے خاندان فضائل خاندان نبوت کی تاب نہ لاسکیں گے۔ اُن کے کٹے ہوئے سر نور برسائیں گے۔ اُن کی خواتین اور اُنکے بچے لوگوں کے دلوں کو پگھلا دیں گے۔ اُن کے بیانات ہمارا تانا بانا بکھیر دیں گے۔ سروں کا نیزوں پر بلند ہونا، رسول زاد یوں اور اُنکے بچوں کا قیدیوں کی رسوا کن حالت میں دیکھا جانا لوگوں کو مشتعل کر سکتا ہے اور ایک خطرناک ہنگامہ اور فساد برپا ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر اُسے مسلسل لمحہ بہ لمحہ جلوس کے متعلق اطلاع ملتے رہنے کا انتظام جاری تھا تا کہ پبلک کا رد عمل معلوم ہوتا چلا جائے۔ سر حسینؑ کو ایک عظیم مصیبت اسی خطرہ کو محسوس کر کے کہا گیا تھا۔ اور یہ خطرہ تمام بنی امیہ اور اُن کے لیڈروں پر چھایا ہوا تھا۔ جب

یزید کو یہ معلوم ہوا کہ پبلک کی کثرت کو مسرت ہوئی ہے۔ وہ عید منارہ ہے ہیں، گانے بجانے اور ناچ رنگ اور موسیقی میں مصروف ہیں تو اُس کے اس یقین میں ترقی ہونا شروع ہوئی کہ اسکی پبلک کی کثرت بھی اُسی کی طرح کافر و سرکش اور خاندان علی مرتضیٰ کی مخالف ہے۔ اِس طرح حمایت ثابت ہوتی دیکھ کر اس کا وہ اضطراب دور ہو گیا اور قلب میں مملکتی استحکام پر اطمینان پیدا ہو گیا۔ لہذا لوگوں کو اہلبیت کی تحقیر و تذلیل اور توہین پر مزید ابھارنے کی حرص پیدا ہو گئی۔ چنانچہ اُن کا مذاق اڑانے اور اُن پر طعنہ زنی کرانے پر جری ہو گیا۔ اور اہلبیت کی مدح و ثنا اور فضائل و مناقب بیان کرنے والوں پر تشدد کرنا طے کر لیا۔ یہی سبب تھا کہ اس بوڑھے کو قتل کرا دیا تھا جو امام زین العابدین کے سمجھانے سے ایمان لایا تھا اور دشمنان اہلبیت پر بازاروں میں لعنت کرتا پھرتا تھا۔ اور اسی لئے اُس شخص کو قتل کرایا تھا جس نے امام حسینؑ کی عالی نسب پر اشعار کہے اور سر مبارک لانے پر انعام مانگا تھا۔ شاید وہ حواش بن خوی یا اور کوئی دوسرا تھا۔ جس کے وہاں انصار و مددگار بھی موجود تھے مگر وہ خاموش رہے تھے۔ پھر یزیدی افواج کے سردار اور ارکین سلطنت جانتے تھے کہ یزید، علیؑ و خاندان علیؑ کی مذمت سے خوش ہوتا ہے اور ان کی مدح و ثنا و فضائل بیان کرنے پر غضبناک ہوتا ہے۔ لہذا وہ لوگ امامؑ اور جانثارانِ امامؑ کی جرأت اور بہادری اور اپنی افواج کی بار بار کی ہزیمت بالکل نہ بتاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب زجر بن قیس اور دوسرے سردارانِ افواج نے کربلا کے حالات سنائے تو اپنی افواج کی کسی پسپائی کا اشارہ تک نہ کیا اور سارا زور امام حسین علیہ السلام کے بے بس ہو جانے پر صرف کر دیا اور چند گھنٹوں میں صفایا کر دینا دکھا کر شو (Show) ختم کر دیا۔ لیکن یزید اُن بیانات کو سمجھتا تھا اور پہلے ہی سے جانتا تھا کہ حسینؑ اور صحابہ حسین علیہم السلام نے اُس کی افواج کی کثرت اور اُسکی قوت کے بڑے حصہ کو برباد و ناپید کر کے رکھ دیا تھا۔ اور جو حالت وہ انصارانِ حسینؑ کی بیان کر رہے تھے وہ خود اُن کے فوجی بہادروں کی تھی کہ انہیں کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ افواج کی تباہی عوام الناس کو ایک روز ضرور معلوم ہو کر رہے گی۔

(20)۔ فوج کی تباہی اور سپاہِ حسینیؑ کی شجاعت دمشق میں داخلہ سے پہلے ہی بتادی گئی تھی

علامہ نے مندرجہ بالا بیان میں مسلسل لکھا ہے کہ:-

وکیف لا؟ فان جنوده لَمَّا قاربوا دمشق بالسبایا والروس فبینما هم سائیرین اذ عارضهم فارس راکباً علی جواده - فقال لهم یاویلکم قتلتم ابن بنت نبیکم؟ فقالوا له اُسکُ فوالله لو کُنْتُ حاضراً مَعَنَا لَسَلَلْتُ سیفک قبل اسیافنا فقال لماذا؟ قالوا لا تا وفدنا علی فتیة کمالا سود الضاریة وایدیهم علی قوائم سیوفهم لا یرغبون فی مال ولا یرهبون من قتال یحتطمون الفرسان حطماً - فَلَمَّا رَاوْنَا فَوَاتِبُوا عَلینَا کَمَا یُثَبِّ الاسد علی فریسته فوالله ما قاتلنا هم بل رضا الخلاص فما قدرنا اَلَا بَحْدَ سیوفنا و طعن و ما جنا ولقد صبروا صبر الکرام ولله درهم من نصره و ذمام هذا - (اکسیر العبادات صفحہ 513)

اور کیسے افواجِ یزیدی کی بربادی پوشیدہ رہ سکتی تھی۔ یہ راز تو اس وقت کھل گیا تھا جب یہ خبیث یزیدی فوج سرہائے شہدؑ اور اہل حرم کو لئے ہوئے دمشق کے قریب پہنچے۔ انہیں راہ میں ایک گھوڑا سوار ملا جس نے کہا کہ خدا تمہیں غارت کرے تم نے تو اپنے نبیؑ کی بیٹی کے فرزند کو قتل کر ڈالا۔ انہوں نے کہا بھیا زبان بند رکھو اگر تم ہمارے ساتھ

ہوتے تو تم ہم سے پہلے تلوار کھینچ لیتے۔ سوار نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ انہوں نے کہا کہ بھائی ہم تو ایسے نوجوان کے ہاتھوں میں جا پھنسے تھے جو اسی طرح پیش آئے جس طرح کوئی شیروں کی وادی میں جا پھنچے اور وہاں دھاڑتے ہوئے شیر تلواریں ہاتھوں میں لئے ہوئے چاروں طرف سے ٹوٹ پڑیں۔ ارے وہ تو ایسے ہیبت ناک لوگ تھے جنہیں نہ مال دنیا کی رغبت تھی نہ جان دینے اور جنگ کرنے سے ڈرتے تھے۔ وہ بہادران فوج کو گھیر کر چکنا چور کر دیتے تھے۔ جب ہمیں انہوں نے دیکھا تو ہم پر اسی طرح جھپٹے جس طرح شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ بھائی ہم نے اُن سے جنگ نہیں کی بلکہ ہم تو جس طرح ممکن ہو سکتا تھا اپنی جان بچانے میں مصروف رہے۔ پھر بھی انہیں اپنی تلوار اور نیزہ کی لمبائی سے دور نہ رکھ سکے۔ یقیناً انہوں نے بڑا ہی بزرگانہ صبر دکھایا اور یہ اُن ہی کی عدا اور جاں نثارانہ قربانی کا نتیجہ ہے کہ ہم کامیاب ہو سکے۔ ورنہ نصرت خداوندی کی فراوانیاں اُن ہی کے ساتھ تھیں۔

51۔ یزید ملعون کا دربار اور اسیران اہل حرم و سرہائے شہداء علیہم السلام

علمائے اہل حرم کو دربار یزید میں جس طرح دکھایا ہے اُس پر فطری صورت حال ہی نہیں بلکہ سینکڑوں عقلی تقاضے اور ضرورتِ وقت اور نظامِ حکومت و سیاست بھی متفق نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود بھی بوکھلائے ہوئے تھے۔ انہوں نے گھبرائے ہوئے اور پریشان حال راویوں کی باتوں کو تسلسل اور ربط دینے کے بجائے خود اپنا دماغی توازن کھو دیا تھا۔ اور یہ نہ سوچا کہ انتہائی دردناک حالات سے گزرنے والا شخص ایک پرسکون اور مطمئن شخص کی طرح باتیں نہیں کیا کرتا۔ اُس کے قلب و ذہن میں اضطراب ہوتا ہے۔ اُس کے حافظہ پر حادثہ کا دباؤ ہوتا ہے۔ وہ داستانِ غم کو بیان کرتے ہوئے خود متاثر ہو جاتا ہے۔ وہ بار بار رنجیدہ ہونا ناپسند کرتا ہے۔ وہ جلدی جلدی مختصر طور پر بات کہہ کر اپنی جان چھڑانا چاہتا ہے۔ اور اگر واقعات و مصائب خود اُس کے اوپر گزر رہے ہیں تو عرصہ دراز تک اس قابل نہیں ہونے پاتا کہ ایک غیر متعلق تماشائی کی طرح واقعات بیان کر سکے۔ خود قاتلانِ شہداء ہر کسی کے سامنے صحیح واقعات بیان کرنے سے اس لئے گھبراتے تھے کہ سننے والا انہیں مطعون کرے گا۔ لعنت و ملامت کرے گا۔ البتہ اپنے جرم میں شریک اور دشمنانِ اہلبیتؑ کے روبرو وہ ہر تفصیل کہہ گزریں گے۔ اسی طرح اسیرانِ اہل حرم واقعات کر بلا کی تفصیلات تو بڑی بات ہے لفظ کر بلا سن کر یا کر بلا، کوفہ و شام کا خیال آتے ہی تڑپ جاتے تھے۔ وہ کس طرح اُن مظالم کی تفصیل بیان کر سکتے تھے جو روزِ روشن کو تاریکی شب میں بدل دیتے ہوں۔ جنہیں دیکھ کر سورج اپنا منہ چھپا لے۔ جنہیں دوسروں سے سن کر یزید ملعون ایسا شیطان بھی رونے لگے۔ لاشوں اور سرہائے شہداء کو دیکھنے والے اہلبیتؑ نے گوشت کھانا بند کر دیا تھا۔ وہ تو کسی جانور کے ذبح کرنے کا ذکر بھی نہ سن سکتے تھے۔ بہر حال یہ وہ حادثہ تھا، یہ وہ واقعات و حالات تھے کہ جن پر گزرے وہ حضرات تو صبر و ضبط و تحمل کے پہاڑ تھے۔ وہ اس قدر متاثر ہوئے تو راویوں اور تازہ تازہ سننے والوں کا جو حال ہو وہ کم ہے۔ مگر بعد کے علما کو چاہئے تھا کہ وہ اصولِ فطرت اور عقلی قوانین کی مدد لیتے اور واقعات کو ربط دیتے۔ وہ خلا پورا کرتے جو فطری گھبراہٹ و بوکھلاہٹ سے آج بھی پیدا ہوتا ہے۔ اُس شخص کا بیان بڑی احتیاط چاہتا ہے جو دوڑتا ہوا آئے اور یہ بتانا چاہے کہ ابھی

ابھی چند مسلح اشخاص نے اُس کے والدین، بچوں اور اہلیہ کو قتل کر دیا ہے۔ خون بہہ رہا ہے جلدی چلو میری مدد کرو۔ بہر حال وہ لوگ جن پر کبھی کوئی حادثہ نہیں گزرا، کوئی صدمہ نہیں پہنچا، عیش و عیاشی میں زندگی بسر کی، وہ اگر راوی ہوں یا اہل قلم ہوں تو کیا کہیں گے؟ اور کیا لکھیں گے؟ اور کیا سمجھیں گے اور کیا اثر لیں گے؟ میں نہیں جانتا بس یہ سمجھتا ہوں کہ نہ اُن کی بات قابل اعتبار ہوگی نہ اُن کی تحریر تصنیف پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ اُن کے ہر بیان پر تشکیک و تنقید ضروری ہوگی۔ اور جب تک اُن کی بات تمام فطری و عقلی تقاضوں کو پورا نہ کر دے ہرگز قابل قبول نہ ہوگی۔ چنانچہ ہمارے سامنے روایات و بیانات کا ایک انبار لگا ہوا ہے۔ اُس میں کوئی ترتیب نہیں، کوئی نظم و ضبط و تعین نہیں۔ جس طرح سیمنٹ، بجری اور روڑی کو مکسنگ (Mixing) مشین میں ڈال کر پانی کی مدد سے ملائے جاتے ہیں۔ اُسی طرح علمائے راوی، روایت اور فطرت کو گڈ مڈ کر کے ایک ڈھیر لگا دیا ہے۔ آپ نے یہ واقعات طرح طرح کی کتابوں میں پڑھے، منبر نشین علما سے سُنے، لیکن کیا آپ یا وہ علما اور کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ دربار یزید میں اہل حرم کتنی بار لائے گئے؟ اُس انبار اور ڈھیر سے یہ تاثر ضرور پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب ایک ہی دن کا قصہ ہے۔ مگر قصہ اتنا بڑا ہے کہ اُسے بیس گھنٹوں میں بھی ختم نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال اس سلسلے میں جناب علامہ در بندی رضی اللہ عنہ کا بیان بھی سن لیں۔ پھر کوشش کریں کہ واقعات ایک فطری ترتیب میں آجائیں۔

(الف)۔ دربار یزید میں اہل حرم سے سلوک پر علامہ در بندی کی شکایت

المجلس الثاني والثلاثون من اكسير العبادات في اسرار الشهادات۔ في دخول الحرم والسبايا على مجلس يزيد۔
فلنقدم ههنا قبل الخوض في المطلب مقدّمة وهي ان كلمة اصحاب المقاتل اى في مقام ذكرهم دخول الحرم والسبايا على مجلس يزيد وما وقع بعد ذلك في غائط الخلط وعدم الانتظام وبيان ذلك انه لما لم يكن في كتبهم عنوانات عديدة لما وقع بعد دخول الرؤس المطهرة والحرم والسبايا على مجلس يزيد بمعنى ان يكون لكل مطلب ولكل ماقوع في يوم من الايام عنوان مستقل عليحدة۔ بل اجروا الكلام في المقام ككلام ماقوع في يوم واحد اختلط الامر واشتبه وصار في عدم الانتظام وانضباط في منارحتي ان القاصر في تتبع الروايات والغافل عن اخذ مجامعها اذا نظر الى تلك الكتب ظن ان كل ماقوع في ايام عديدة فقد وقع في يوم واحد وهو يوم دخول الحرم والسبايا دمشق۔ بل ظن ايضا ان ماقوع من رخصة يزيد واذنه لاهليته وغيرهم بان يقيموا مأدبة الماتم والتعزية والندبة على سيدا لشهداء روى له الفداء فقد وقع ايضا في ذلك اليوم مع ان الامر ليس كذلك جدا وكيف لا؟ فان وقوف اهل البيت ومكنهم في الحرب في المكان الخراب مما قد دلت عليه روايات معتبرة۔

ثم بعد الاغماض عن كل ذلك اقول انهم ما اجروا الكلام من جهة الترتيب على نهج واحد فان ابا مخنف (1)۔ ذكر اولاً ما نقلنا عنه من مقالات يزيد حين احضاره الراس الشريف بين يديه (2)۔ ثم ذكر دخول بنت عبد الله زوجته عليه (3)۔ ثم ذكر دخول الشمر عليه (4)۔ ثم ذكر قضية راس الجالوت (5)۔ ثم ذكر قضية جاثليق نصارى (6)۔ ثم ذكر قضية خروج جارية من قصر يزيد وقولها له قطع الله يديك ورجليك (7)۔ ثم بعد كل ذلك قال ثم استدعى يزيد بالحرم فوقفوا بين يديه فنظر اليهن وسئل عنهن الخ (8)۔ ثم ذكر بعد ذلك قضية نقل سكينه ماراته في منامها (9)۔ ثم ذكر قضية صعود الامام سيد الساجدين على المنبر۔ والعجب منه حيث يستفاد من ظاهر كلامه ان كل ذلك انما وقع في يوم واحد (10)۔ بل ما ذكر بعد ذلك ايضا وذلك قضية امر يزيد الناس بقرائه القرآن بعد صلوة الخمس (11)۔ ومن قضية ان يزيدا قام خطيباً وقال يا اهل الشام اني

ماقتلتُ الحسین الخ - اللّٰهُمَّ اَلَا اَنْ یقال تلک القضایا وَاِنْ لَمْ تَکن واقعہ فی یوم واحد اَلَا اَنْ مقصود ابی مخنف کان ہوا الاشارة الى محض الترتیب ولم یلاحظ فی ذلک تعین یوم کُلّ واقعہ من الوقائع ولا ذکر الايام علی نهج التفصیل -

فنحن نذكر انشاء الله الوقائع التي جرت في دمشق في مجالس عديدة فنلاحظ الترتيب ونشير اليه مهما تمكنت من استنباطه من مطاوي الروايات وكلمات اصحاب المقاتل فهانا اذكر في هذا المجلس كيفية ورود اهلبيت والحرم الى مجلس يزيد وهكذا اجملة من الامور المتعلقة بذلك - (أكبر العبادات - صفحہ 516-515)

بتیسویں مجلس۔ اکبر العبادات فی اسرار الشہادات سے اہل حرم اور قیدیوں کے یزید کے دربار میں داخلہ کی بابت:

اصل مطلب پر غور و خوض کرنے سے پہلے ہم بطور تمہید یہ بتاتے ہیں کہ مقاتل پر لکھنے والے حضرات نے داخلہ اہل حرم اور اس کے بعد واقعات میں بہت گڑبڑ کی ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں نہ تو کئی ایک الگ عنوانات قائم کئے، نہ واقعات کی ترتیب کا لحاظ کیا، نہ یہ انتظام کیا کہ واقعات کو ایک دوسرے سے جدا جدا لکھا اور رکھا جائے۔ تاکہ پڑھنے والوں کو یہ معلوم ہو سکتا کہ کون سے واقعات کس کس روز وقوع میں آئے۔ یہ اُسی صورت میں ہو سکتا تھا جب کہ وہ ہر معاملہ کو مستقل عنوان کے ماتحت لکھتے۔ اب تو اُن کی تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک ہی دن میں ہو گیا تھا۔ اس طرح انہوں نے واقعات کو خلط ملط اور مشکوک کر کے رکھ دیا ہے۔ ایسا شخص جس نے تمام روایات کو مسلسل کر کے نہیں دیکھا اور جو غریب روایات میں ربط پیدا کرنے سے ناواقف ہو، وہ تو ان مختلف ایام میں گزرنے والے واقعات کو ایک ہی دن کی سرگزشت سمجھنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اور یہ سب اُسی روز کے واقعات سمجھ لے گا جس دن اہل حرم اور قیدی دمشق میں داخل ہوئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ وہ تو یہ سمجھے گا کہ اس پہلی ہی نشست میں یزید نے اہلیت کو اور دیگر متعلقین کو امام حسین علیہ السلام کی مجلس عزاء اور ماتم برپا کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی۔ حالانکہ یہ سب واقعات ایک ہی روز وقوع میں نہیں آئے تھے۔ اور کیسے ممکن ہو سکتا ہے جب کہ اہلیت کا جنگی قیدیوں کی حیثیت سے رہنا اور ایک مخصوص بدترین مکان میں ٹھہرایا جانا معتبر روایات سے ثابت ہے۔ ورنہ اُسی روز رہائی بھی ہو گئی ہوتی تو اس مکان میں قید ہونے کی بات ہی نہ ہوتی۔

بہر حال اگر ہم اس سے بھی صرف نظر کر لیں تو اس کو کیا کریں کہ اُن سب نے جس ترتیب سے واقعات کو ایک ہی طرح لکھا ہے وہ بھی اُن کی چغلی کھاتے ہیں۔ مثلاً ابو مخنف نے (1)۔ پہلے یزید کی وہ گفتگو لکھی جو سر حسین کے لائے جانے پر کی تھی۔ (2)۔ پھر اُسکی زوجہ کے آنے کا ذکر لکھا۔ (3)۔ پھر شمر کا انبیان کیا ہے۔ (4)۔ پھر اس الجالوت والا معاملہ نقل کیا ہے۔ (5)۔ اس کے بعد عیسائیوں کے جاثیق کی تفصیل بیان کی ہے۔ (6)۔ پھر یزید کے محل سے کنیز کا نکلنا اور یزید کے ہاتھ پاؤں کٹ جانے کی بددعا اُسی کنیز کی زبانی لکھی ہے۔ (7)۔ یہ سب کچھ لکھنے کے بعد اب ابو مخنف یہ لکھتے ہیں کہ یزید نے اہل حرم کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ سامنے آ گئے تو اُن پر نظر ڈالی اور اُن سے سوالات کئے۔ (8)۔ پھر وہ حضرت سکیئہ کا یزید سے اپنا خواب بیان کرنے کا واقعہ لکھتے ہیں۔ (9)۔ پھر امام سید الساجدین کا منبر پر جانا بیان کرتے ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس طرح لکھا ہے کہ اُس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام واقعات پے درپے ایک ہی دن ہوئے۔ (10)۔ بلکہ اسکے بعد یزید کا لوگوں پر پانچوں نمازوں کے بعد قرآن پڑھنے کا

تقاضہ بھی شامل کرنا ہوگا۔ (11)۔ اور یہ بھی اسی روز ماننا ہوگا کہ یزید نے اہل شام کو ایک خطبہ دیا اور کہا کہ اے اہل شام! میں نے حسینؑ کو قتل نہیں کیا ہے۔ گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ سب ایک ہی روز وقوع میں آیا مگر ابو مخنف کا منشا یہ نہیں ہے۔ بلکہ ابو مخنف نے محض واقعات کی ترتیب نقل کی ہے۔ اور کسی واقعہ کو کسی دن کے ساتھ ملا کر لکھنے کا لحاظ نہیں رکھا ہے۔ صرف واقعات لکھتے چلے گئے ہیں۔

لیکن ہم انشاء اللہ اس کا لحاظ رکھ کر وہ تمام واقعات لکھیں گے اور یہ بتائیں گے کہ دمشق میں داخلہ کے بعد واقعات کس ترتیب سے اور کن ایام میں وقوع پذیر ہوئے۔ یہ کام ہم کئی ایک مجلسوں میں انجام دیں گے۔ اور مختلف مصنفین کے بیانات سے اور روایات سے اس طرح استنباط کریں گے کہ مومنین کو اطمینان ہو جائے گا۔ چنانچہ لیجئے ہم اسی زیر قلم مجلس میں اہلبیتؑ اور اہل حرمؑ کا یزید کی مجلس میں پہلے دن آنا اور اس کے متعلق تمام واقعات کو لکھتے ہیں۔ (اکسیر العبادات صفحہ 515-516)

(ب)۔ اہلبیتؑ رسن بستہ پیش کئے گئے تھے

عن المنتخب عن علی بن الحسین علیہما السلام انه قال لَمَّا وَقَدْنَا عَلٰی یَزِیدِ بْنِ مَعْوِیَةَ اَتَوْنَا بِحِجَالٍ وَرَبَقُوْنَا مِثْلَ الْاِغْنَامِ وَكَانَ الْحِجْلُ بَعْنَقِیْ وَعِیْقُ اَمِّ کَلْثُوْمٍ وَبِکْتَفِ زَیْنَبٍ وَسَکِیْنَةُ وَالْبَنَاتِ وَسَاقُوْنَا وَکَلَمْنَا قَصْرَنَا عَنْ الْمَشٰی ضَرَبُوْنَا حَتٰی اَوْقَفُوْنَا بَیْنَ یَزِیدٍ وَهُوَ عَلٰی سَرِیرِ مَمْلَکَتِهِ۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 516)

علامہ فخر الدین طریکی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب المنتخب میں جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی زبانی لکھا ہے کہ فرماتے تھے۔ جب ہمیں اجتماعی طور پر یزید ملعون کے سامنے لے جایا گیا تو ہم سب کو چوپاؤں کی طرح ایک رسے میں اس طرح باندھ رکھا تھا کہ اُس رسے کا ایک سرا میری اور اُم کلثومؑ کی گردن میں بندھا تھا۔ پھر اُس کو زینبؑ و سکینہؑ کے کاندھوں میں باندھا تھا۔ اور اس طرح مسلسل خاندان رسولؐ کی باقی بیٹیاں باندھی گئی تھیں۔ اور ہمیں جانوروں کی طرح ہانکا جا رہا تھا۔ اگر ہم میں سے کوئی چلنے میں ذرا پیچھے رہ جاتا تھا تو وہ لوگ اُسے مارتے جاتے تھے۔ اس طرح ہمیں یزید بن معاویہ ملعون کے روبرو کھڑا کیا گیا۔ جب کہ وہ تخت مملکت پر بیٹھا ہوا تھا۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 516)

مومنین خود یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر اہل حرم کو کسی قسم کی تکلیف اور صدمہ بھی نہ پہنچا ہوتا اور اُن میں سے کوئی بیمار بھی نہ ہوتا تو بھی اس طرح رسوں میں باندھ کر لانے کی ضرورت نہ تھی۔ فوجوں کے تیغ بکف پہرے میں گھری ہوئی مستورات اور بچے کہیں بھاگ کر نہ جاسکتے تھے۔ مگر بدر کے قیدیوں کا بدلہ اولادِ رسولؐ اور علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹیوں سے لینا ضروری تھا۔ تاکہ یزید اپنے باپ اور دادوں کی ارواح کو خوش کر سکے۔ حالانکہ جنگ بدر کے قیدیوں میں سے کسی کو بھی خاندان رسولؐ کے کسی فرد نے گرفتار نہ کیا تھا۔ وہ گرفتار کرنے والے بھی اُسی نسل کے لوگ تھے جس سے یزید تھا۔ قحطانی نسل کے لوگوں کے باندھے ہوئے قیدیوں کی رسیاں البتہ رسولؐ اللہ نے ڈھیلی کرادی تھیں۔ بس یہی گناہ تھا کہ اُنہوں نے نبوت کا دعویٰ کر کے یزید کے ابا و اجداد کی اجارہ داری ختم کر دی تھی۔ اُن کے خداؤں کو کعبہ سے نکال دیا تھا۔ انہیں عام انسانوں کے برابر رکھا جاتا تھا۔ آخردورِ اوّل کی قوم (فرقان 25/30) نے یزید کی صورت میں رسولؐ اللہ اور ان کی بیٹی اور بھائیؑ سے انتقام لے لیا۔

(ج)۔ دربار یزید میں جناب زینب علیہا السلام کے بیانات و جوابات (پہلا دن)

فی بیان جملة ما وقع فی ذلك اليوم ای فی اليوم الاول الذى احضر فيه الرؤس المطهرة والحرم والسبايا فی مجلس یزید فَمِنْ جملة ما وقع فی ذلك اليوم ما صدر من الصديقة الصغرى اعنی زینب بنت امیر المؤمنین وذلك من کلماته الشریفة من الخطبة والاحتجاج علی یزید وغیر ذلک فاعلم ان جمعا من اصحاب مقاتل قد ذکروا واما زینب فانها لما رأت الراس الشریف هوت الی جیہا فشقت ثم نادت بصوت حزين تفرغ القلوب یاحسیناء یاحبیب رسول الله یابن مکة ومنی یابن فاطمة الزهراء سیده النساء یابن بنت المصطفی قال فبکت واللہ کل من کان فی المجلس ویزید ساکت ثم جعلت امرأة بنی هاشم فی دار یزید تنسب علی الحسین و تنادی و احببها و اسید اهل بیتها یابن محمد اہ یاربیع الارامل والیتامی یاقیتل اولاد الادیاء ۔ فبکت کل من سمعها ثم دعی یزید بقضیب خیزران فجعل ینکت به ثنایا الحسین فاقبل علیہ ابوہرزة الاسلمی وقال ویحک یا یزید اَتَنکَت بقضیبک ثغر الحسین بن فاطمة اشهد لقد رایث النبی یرشف ثنایا و ثنایا اخیه الحسن و یقول انتما سید اشباب اهل الجنة فقتل اللہ قاتلکما ولعنه اعد له جهنم و ساءت مصیرا ۔ قال فعضب یزید و امر باخراجه فاخرج سحبا ۔ قال وجعل یزید ینمثل بابیات ابن زبیری: لیت اشیاخی بیدر شہدوا ۔ جزع الخرج من وقع الاسل ۔ فاهلوا فاستهلوا فرحا ۔ ثم قالوا یا یزید ل اَتَشَلُّ (وزاد محمد بن ابیطالب) لَسْتُ من خندف ان لم انتقم ۔ من بنی احمد ما کان فعل ۔ (وفی المناقب) لَسْتُ من عتبة ان لم انتقم ۔ من بنی احمد ما کان فعل ۔

پہلے دن جس روز اسیران اہل حرم اور سرہائے شہدائے کربلا یزید کے سامنے پیش کئے گئے وہاں گزرنے والے تمام حالات اور خصوصاً جناب صدیقہ صغریٰ زینب بنت امیر المؤمنین علیہما السلام کے وہ تمام کلمات اور بیانات اور متعلقہ احتجاجات پیش کئے جاتے ہیں جو انہوں نے یزید ملعون اور متعلقہ لوگوں پر عائد کئے اور ان کو بخجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ لہذا جاننا چاہئے کہ تمام مقاتل کی کتابیں لکھنے والوں نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ جناب زینب علیہا السلام نے جب اپنے بھائی کا سر مبارک اس توہین کے ساتھ رکھا ہوا دیکھا تو ایک جگر خراش آواز میں بین کرنا اور کہنا شروع کیا کہ ہائے حسینؑ بھیا۔ ہائے رسول اللہ کے لاڈلے بیٹے۔ ہائے مکہ اور منی کے وارث۔ ہائے فاطمہؑ زہراء تمام عالمین کی عورتوں کی سردار کے فرزند۔ ہائے بنت رسول کے دلہند۔ کہتے ہیں کہ یزید کے تمام درباری اور حاضرین مجلس زار و قطار رو رہے تھے۔ اور یزید ملعون خاموش بیٹھا ہوا لوگوں کا حال دیکھ رہا تھا۔ لیکن حضرت زینبؑ کی آواز یزید کے محل میں گئی تو وہاں جتنی بنی ہاشم سے تعلق رکھنے والی عورتیں تھیں بے قرار ہو کر نالہ و زاری کرنے لگیں اور پکارتی تھیں کہ ہائے سارے جہاں کے پیارے۔ ہائے رسول کی اہلبیت کے سردار، ہائے محمدؐ کے چشم و چراغ، ہائے یتیموں اور بیواؤں کے پالنے والے، ہائے وہ بزرگ جسے بدکار عورتوں کی اولاد نے قتل کر دیا۔ اُن کی فریاد و بکا جس نے سُنی وہ بھی رو دیا۔ اس کے بعد یزید نے غصہ میں بید کی لکڑی مڑگائی اور دندان مبارک سے بے ادبی کی۔ یہ دیکھ کر ابوہرزه اسلمی رضی اللہ عنہ نے ٹوکا اور کہا کہ اے یزید تو اس چھڑی سے حسین علیہ السلام کے دندان مبارک سے گستاخی کر رہا ہے۔ یقیناً میں نے خود دیکھا ہے کہ رسول اللہ حسینؑ اور حسنؑ کے دانتوں کو چوسا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ تم دونوں جو انان بہشت کے سردار ہو، اللہ تمہارے قاتلوں کو تباہ کر کے ملعون قرار دے گا۔ اور انہیں جہنم ایسی بری جگہ عذاب دیگا۔ کہتے ہیں کہ یہ سُن

کر یزید کو غصہ آیا اور حکم دیا کہ ابو بزرہ کو دربار سے نکال دو چنانچہ اسے گھسیٹ کر نکال دیا گیا۔ کہا گیا ہے کہ یزید نے ابن زبیری کے اشعار کو اپنے حسبِ حال بنا کر پڑھا اور کہا کہ:-

کاش میرے بدر کے زمانہ والے بزرگ دیکھتے کہ آج قبیلہ خزرج کے لوگ تلواروں کی مار سے کیسے بے چین و بے قرار ہیں۔ تم دیکھتے تو خوشی کے مارے مبارکباد کے نعرے مارتے اور دعا دیتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ کبھی بے قدرت نہ ہونے پائیں۔ میں بنی خندف اور عتبہ کی اولاد ہوں تو احمدؓ کی اولاد سے ضرور بالضرورت تمہارا انتقام پورا پورالے کر چھوڑوں گا۔

(نوٹ)۔ مومنین عموماً اور سادات عظام خصوصاً نوٹ کریں کہ یزید، اُس کے آبا و اجداد اور اُس کی قوم (فرقان 25/30) اس حقیقت کو جانتی تھی کہ محمدؐ و علیؑ اور اُن کے آبا و اجداد علیہم السلام اور بنی خزرج ہی حقیقی اولاد اسماعیل علیہم السلام ہیں اور یہ تمام سفیانی قحطانی نسل کے خود ساختہ قریش تھے۔

(د)۔ حضرت زینب علیہا السلام کا یزید لعین کو جواب

قال السيد ابن طاووس وغيره فقامت زينب بنت امير المؤمنين فقالت الحمد لله رب العالمين وصلى الله على محمد رسول الله وآله اجمعين صدق الله كذ لك ثم كان عاقبة الذين اساءوا السواى ان كذبوا بايت الله وكانوا بها يستهزون (30/10) اظننت يا يزيد ذلك لعظم خطرک عنده فشمخت بانفک ونظرت فى عطفک جذلان مسرورا حين رايت الدنيا لك مستوسعة والامور متسقة وحين صفالك ملكنا وسلطانا . مهلا مهلا انسييت قول الله تعالى: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنَّمَا نُمِلُّ لَهُمْ خَيْرًا لَا نَفْسِهِمْ اِنَّمَا نُمِلُّ لَهُمْ لِيَزِدُوا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ (عمران 3/178)

اَمِنْ الْعُدْلِ يَا بِنْتَ الطَّلَقَاءِ تحذيرک حرآئک وامائک وسوقک بنات رسول الله سبايا قد هتکت ستورهنّ وابدیت وجوهنّ تحد وبهنّ الاعداء من بلد الى بلد ويستشر فهن اهل المناهل والمناقل ويتصفح وجوهن القريب والبعيد واللّٰئى والشریف وليس معهن من رجالهن ولّى ولا من حماتهن حمى وكيف يرتجى مراقبة من لفظ فؤء اكباد الاذکياء وبنات لحمه بدماء الشهداء وكيف ولا يستبطى فى بغضنا اهل البيت من نظر الينا بالشنف والشان والاحن والاضغان ثم تقول غير متاتم ولا مستعظم واهلوا واستهلوا فرحا۔ ثم قالوا يا يزيد لا تشل منتحبا على ثنايا ابى عبد الله سيد شباب اهل الجنة تنکتها بمحضرتک وكيف لا تقول وقد نکأت القرحة واستناصلت الشافة باراقتک دماء ذرية محمد و نجوم الارض من آل عبدالمطلب وتهتف باشياخک زعمت انک تناديهن فلتردن وشيكا موردهم ولتودن انک شللت وبکمت ولم تکن قلت ما قلت وفعلت ما فعلت۔

اللهم خذ بحقنا وانتقم من ظالمنا واحلل غضبك بمن سفک دماننا وقتل حماتنا۔ فوالله ما فريت الا جلدک ولا جززت الا لحمک ولتردن على رسول الله بما تحملت من سفک دماء ذريته وانتھکت من حرمة فى عترته ولحمته حيث يجمع الله شملهم ويلم شعتهم وبياخذ بحقهم ولا تحسبن الذين قتلوا فى سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يُرزقون (عمران 3/169) حسبک باللّٰه حاکما و بمحمد خصيما وبجبرئيل ظهيرا وسيعلم سول لک ومکنک من رقاب المسلمين بنس للظالمين بدلا۔ وایکم شر مکانا واضعف جندا۔ (مریم 19/75)

ولئن جرّت علیّ الدواہی مخاطبتک انی لا استضعز قد رک واستعظم تقریعک واستکثر توبیخک لکن العیون

عبراً والصد وحرّاً الا فالعجب كل العجب لقتل حزب الله النجباء بحزب الشيطان الطلقاء فهذه الايدي تنطف من دماننا والافواه تحلب من لحومنا وتلك الجثث الطواهر الزواكي تنناهي العواسل تعقرها امهات الفراعل ولئن اتخذتنا مغنماً لتجدنا وشيكاً مغرمًا حين لا تجد الا ماقذمت وماربك بظلام للعبيد - فإلى الله لمشتكى واليه المعول فكذلك وواسع سعيك وناصب جهدك - فوالله لا تمحو ذكرا ولا تميمت حينا ولا تدرك امدنا ولا ترخص عنك عارها - وهل رأيك الآفند و ايامك الاعدد وجمعك الايدد ويوم ينادي المنادي الا لعنة الله على الظالمين فالحمد لله الذي ختم لاولنا بالسعادة والعفوة ولا خرننا بالشهادة والرحمة ونسئل الله أن يكمل لهم الثواب ويوجب لهم المزيد ويحسن علينا الخلافة انه رحيم ودود حسبنا الله ونعم الوكيل - قال يزيد: يا صبيحة تحمد من صوايح ماهون الموت على النوايح -

(أكبر العبادات في اسرار الشهادات - صفحہ 518 تا 519)

جناب السید ابن طاووسؒ اور دیگر علما نے لکھا ہے کہ یزید کے اشعار سن کر حضرت زینبؓ کھڑی ہو گئیں اور یزید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمام حمد و ثنا عالمین کے پروردگار کے لئے ہے اور درد و سلام محمد رسول اللہ اور اُن کی تمام اولاد کیلئے ہے۔ اللہ نے سچ فرمایا ہے کہ بدکردار اور نانبجار لوگوں کی عاقبت اسلئے تباہ کن ہے کہ انہوں نے آیات خداوندی کو جھٹلایا اور اُن کا مذاق اڑاتے رہے (سورہ روم 30/10)۔ اویزید! کیا تیرا یہ گمان ہے کہ تو نے جو ہمیں فی الحال بے دست و پا کر کے رکھ دیا ہے یہ اللہ نے تجھے عزت دی ہے اور ہمیں ذلیل کیا ہے؟ اور تیری یہ عارضی کامیابی خدا کے یہاں تیرا کوئی بلند مقام تجویز کرتی ہے؟ کیا تجھے تیرا یہ جاہ و حشم اور یہ مصنوعی اختیار و قدرت اس خطب میں مبتلا کئے ہوئے ہے کہ ہماری غصب کی ہوئی یہ حکومت ہمیشہ تیرے قبضہ میں رہے گی؟ تو ذرا ٹھہر جا تجھے بہت جلد اللہ کا وہ فرمان یاد آنے والا ہے جو اُس نے تیرے ہی ایسے لوگوں کے لئے جاری کیا تھا کہ ”کافر لوگ یہ خیال نہ کریں کہ انہیں جو مہلت دی گئی ہے وہ ان کے لئے مفید ہوگی۔ یہ تو اس لئے دی گئی ہے کہ وہ ذرا کھل کر گناہ کر لیں تاکہ انہیں دردناک عذاب دیا جاسکے اور ذلیل و رسوا کیا جاسکے۔“ (عمران 3/178)

اے آزاد کردہ غلاموں کے بیٹے! کیا تیرے مذہب میں اسی کو عدل و انصاف کہتے ہیں کہ تیری آزاد بیویاں اور کنیریں تو خانہ نشین اور پردہ میں رہیں اور رسول اللہ کی بیٹیاں قیدی بنا کر بے پردہ سرنگے شہروں کے بازاروں میں رسوا کی جائیں اور نزدیک و دور والے جمع ہوں، شریف و رذیل سب قسم کے لوگ انہیں بے پردہ دیکھیں، اُن کا مذاق اڑائیں۔ نہ اُن کے ساتھ اُن کے مرد محافظ ہوں نہ اُن کی سرپرستی کرنے والے ہمراہ ہوں۔ مگر افسوس میں کیا کہہ رہی ہوں۔ جن کے منہ سے شہدائے کلچہ کھانے کی بو آتی ہو، جن کا گوشت اور خون ہی شہدائے کا خون پینے والوں کے نطفہ سے بنا ہو۔ اُس سے رحم و کرم و وفا کی امید ہی غلط ہے۔ جو آل رسول کو بغض و عناد اور کینہ بھری نظروں سے دیکھتا ہو، اُس سے کسی قسم کا ظلم و ستم بعید نہیں ہے۔ تو نے حسینؑ کے دندان مبارک پر چھڑی رکھی ہوئی ہے۔ تمام مسلمان جانتے ہیں کہ وہ جوانان جنت کے سردار ہیں۔ تو بڑی بے رحمی سے چھڑی مارتا ہے اور بڑی ہی بے غیرتی سے امید کرتا ہے کہ ترے ملعون بزرگ اس صورت سے خوش ہوتے اور تجھے مزید مظالم کرنے کی دعا دیتے۔ واقعی اگر وہ زندہ ہوتے تو تجھ سے بہت خوش ہوتے اس لئے کہ تو نے آل رسولؑ اور اولاد عبدالمطلبؑ کا قتل عام کیا ہے اور یوں ہمارے دلوں پر گہرا زخم لگایا ہے۔ تو نے زہراءؑ کے چمن کو تاراج

کر دیا ہے۔ جنہیں تو نے قتل کیا ہے وہ اس زمین کو روشن رکھنے والے ستارے تھے۔ اب تو اپنے کافر بزرگوں کو پکارتا ہے۔ کیا وہ تجھے جواب دے سکیں گے؟ ذرا ٹھہر تو بھی اُن ہی کے پاس پہنچنے والا ہے۔ وہاں جا کر تجھے حقیقت معلوم ہوگی۔ وہاں تو تمنا کرے گا کہ کاش تیرے ہاتھ شل ہو گئے ہوتے تو اہلبیت کا خون نہ بہاتا اور تو گونگا ہو گیا ہوتا تاکہ یہ بکواس نہ بکتا۔ خدایا! تو اس شقی سے ہمارا انتقام لے اس پر عذاب مسلط کر۔ اُس سے ہمارا حق چھین لے جس نے ہمارا خون بہایا ہے۔ ہمارے سر پرستوں اور حمایت کرنے والوں کو تہ تیغ کیا ہے۔ لیکن قسم بخدا تو نے خود اپنی ہی کھال اتارنے اور خود اپنی بوٹیاں کٹوانے کا انتظام کیا ہے۔ تو ضرور رسول اللہ کے سامنے لوٹایا جائے گا اور تجھ سے ذریت رسول کا خون بہانے اور اُن کی بے عزتی کرنے کا بدلہ لیا جائے گا۔ وہاں ہمارے بزرگ جمع ہوں گے اور تجھ سے اپنا حق غصب کرنے کا انتقام لیں گے۔ اور وہ لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ راہ خدا میں قتل ہونے والے مر گئے بلکہ وہ زندہ ہیں اور اللہ کی طرف سے تمام سامان حیات اُن کو حاصل ہے (عمران 3/169)۔ لہذا وہاں اللہ حاکم ہوگا۔ محمد مدعی ہوں گے اور جبرائیل اُن کا مددگار ہوگا۔ اُن لوگوں سے بھی مواخذہ ہوگا جنہوں نے تجھے مسلمانوں کی گردنوں پر سوار کیا اور انہیں بدترین بدلہ دیا جائے گا اور پتہ چلے گا کہ کون شریر ترین لوگ تھے اور کس کی فوجیں کمزور تھیں؟ (سورہ مریم 19/75)

گو مجھ پر ظلم و ستم اور مصائب کے پہاڑ آگرے ہیں۔ لیکن اس سے میں پست ہمت نہیں ہوں اور تجھے سرزنش اور ملامت کرنے کے لئے کافی ہوں۔ میں تجھے اس حال میں بھی حقیر و ذلیل و کمزور شخص سمجھتی ہوں جب کہ میری آنکھوں کے آنسو تھمتے نہیں اور جگر پاش پاش ہے۔ اس سے زیادہ تعجب اور کس بات پر کیا جائے کہ اللہ کا برگزیدہ گروہ آزاد کردہ شیطانی گروہ کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔ یہی وہ ہاتھ ہیں جن سے ہمارے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ یہی وہ منہ ہیں جن سے ہمارے گوشت کی بو آرہی ہے۔ ہمارے وارثوں کے پاکیزہ سر بریدہ جسم جنگل میں پڑے ہیں۔ جو بجوؤں کی دوڑ دھوپ اور مکروہ حرکات کو روکے ہوئے ہیں۔ اگر تو نے آج ہمیں مال غنیمت سمجھ لیا ہے تو یہ سمجھ بہت جلد تیرے تباہ کن خسارہ کا تجھے پتہ دے گی۔ اس لئے کہ اللہ اپنے بندوں کے لئے ظالم نہیں، عادل ہے۔ ہم اُسی سے شکوہ کرتے ہیں اور اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اپنی فریب کارانہ اسکیم کو خوب آگے بڑھا، اپنی کوشش حد کو پہنچا دے، اپنی محنت میں خوب اضافہ کر دیکھ۔ مگر اللہ کی قسم! یہ تیری قدرت سے باہر ہے کہ تو ہمارا ذکر خیر دنیا سے مٹا سکے یا تو ہماری ابدی حیات کو موت میں بدل سکے یا اپنے اور اپنے آبا و اجداد کے اور اپنی قوم کے دامن سے بے دینی اور ہمارے قتل عام کا داغ ہٹا سکے۔ اور نہ ہمارے غلبہ کو روک سکے گا۔ کیا تیرے خیال میں تیری حکومت ہمارے اس جھٹکے کو سہمے جائے گی؟ کیا تیری قوت اور قومی اجتماع اور سازش قائم رہ سکے گی؟ یہ سب اس طرح غائب ہو جائے گا جیسے چمقماق سے نکلنے والا شعلہ غائب ہو جاتا ہے۔ اور وہ دن آ جائے گا جب ایک منادی یہ آواز لگائے گا کہ اللہ نے ظالموں کو محروم کر دیا ہے۔ چنانچہ ہم اسی یقین پر اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہیں کہ ہمارا اولین بزرگ کامیابی اور سعادت پر سرفراز ہو کر گیا اور دوسرا بزرگ شہادت و رحمت کا منبع بن گیا۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اُن دونوں کو بہترین جزا عطا کرے اور اُن کو اُن کے مقاصد میں تکمیل عطا فرمائے اور ہماری خلافت کو حسین طریقہ پر برقرار رکھے۔ یقیناً اللہ ہم سے رحم و محبت و مودہ رکھنے والا ہے۔ اور اللہ ہی ہمارے لئے بہترین و کالت و فطانت کے لئے ذمہ دار ہے۔ یزید نے سر اٹھایا اور کہا کہ:-

”اے پھنکارنے اور ڈانٹنے والی خاتون تُو نے سِر زلش کو قابل ستائش بنادیا۔

تیرا اینو حہ سننے کے مقابلہ میں مجھے موت زیادہ آسان تھی۔“ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 518 تا 519)

(۵)۔ حضرت زینب علیہا السلام کا یہی خطبہ دوسری روایت اور دوسرے عالم کے یہاں

علامہ دربندی رضی اللہ عنہ اسی احتجاج کو دوسری سند سے لکھتے ہیں۔ ہم بھی اُسے بطور ریکارڈ مومنین کے لئے ذخیرہ کریں گے۔ لیکن چونکہ دونوں خطبوں میں بہت معمولی سالفظی ومعنوی فرق ہے اس لئے پورے خطبہ کا ترجمہ از سر نو نہیں کریں گے۔ بلکہ صرف مختلف اور نئے جملوں کا ترجمہ پیش کرتے جائیں گے۔ لہذا علامہ کا بیان مسلسل سنئے۔ پہلی روایت کے بعد لکھتے ہیں کہ:- (ہم نئے الفاظ کے نیچے لکیر ڈالیں گے)

وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ أَنَّ هَذِهِ الْمَحَاجَةَ الْبَالِغَةَ قَدْ نَقَلَهَا الطَّبْرَسِيُّ فِي الْاِحْتِجَاجِ وَيَقْرُبُ مَا ذَكَرَهُ مِمَّا نَقَلْنَا عَنْ السَّيِّدِ ابْنِ طَاوُسٍ وَغَيْرِهِ۔ وَأَمَّا تَفَاوُتٌ فِي جُمْلَةٍ مِنَ الْاَلْفَاظِ وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَأْخُذَ بِمَجْمَعِ مَا ذَكَرَهُ الطَّبْرَسِيُّ أَيْضًا۔ فَاعْلَمْ أَنَّهُ قَالَ رَوَى شَيْخُ صَدُوقٍ مِنْ مِشَاوُخِ بَنِي هَاشِمٍ وَغَيْرِهِ مِنَ النَّاسِ أَنَّهُ لَمَّا دُخِلَ عَلَيَّ بِنِ الْحُسَيْنِ وَحَرَمَهُ عَلَيَّ يَزِيدٌ وَجَّيَ بِرَاسِ الْحُسَيْنِ وَوَضَعَ بَيْنَ يَدَيْهِ فِي طُشْتٍ فَجَعَلَ يَضْرِبُ ثَنَابَاهُ بِمَحْضَرَةٍ كَانَتْ فِي يَدِهِ وَهُوَ يَقُولُ : لَعَبْتُ بَنِي هَاشِمٍ بِالْمُلْكِ فَلَا - خَيْرَ جَاءَ وَلَا وَحْيَ نَزَلَ - الْاَيَّاتِ الْخَفِيَّةِ زَيْنَبُ بِنْتُ امِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَأُمُّهَا فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَصَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ - وَقَالَتْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَيَّ جَدِّي رَسُولَ اللَّهِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ صَدَقَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ كَذَلِكَ يَقُولُ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ آسَأُوا وَالسُّوَايَ أَنْ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ (روم 30/10) أَظُنْتُ يَا يَزِيدُ حِينَ أَخَذْتُ عَلَيْنَا أَقْطَارَ الْأَرْضِ وَضَيَّقْتُ عَلَيْنَا آفَاقَ السَّمَاءِ، وَأَصْبَحْنَا لَكَ فِي اسَارٍ، لِسَاقِ إِلَيْكَ سَوْقٍ فِي قَنْطَارٍ، وَأَنْتَ عَلَيْنَا ذَوَا قَنْطَارٍ - إِنْ بَنَانِ اللَّهِ هَوَانًا وَعَلَيْكَ مِنْهُ كَرَامَةٌ وَامْتِنَانًا وَأَنَّ ذَلِكَ لِعَظَمِ خَطَرِكَ وَجَلَالَةِ قَدَرِكَ فَشَمَخْتَ بِأَنْفِكَ وَنَظَرْتَ فِي عَظْفِكَ تَضْرِبُ اصْدَرِيكَ فَرَحًا وَتَنْفُضُ مَذْرُوعِيكَ مَرَحًا حِينَ رَأَيْتَ الدُّنْيَا لَكَ مُسْتَوْتَقَةً وَالْأَمْرَ لَكَ مُتَسَقَةً وَحِينَ صَفَى لَكَ مَلِكُنَا وَخَلَصَ سُلْطَانُنَا فَمَهْلًا مَهْلًا لَا تَطِشْ جَهْلًا أَنْسَيْتَ قَوْلَ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّامَا نُمَلِّئُ لَهُمْ خَيْرًا لَأَنفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمَلِّئُ لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ (عمران 3/178) أَمِنَ الْعَدْلُ يَا بَنِي الطَّلَقَاءِ تَحْذِيرُكَ حَرَاثُوكَ وَأَمَّا أَنْتَ وَسَوْفَكَ بَنَاتِ رَسُولَ اللَّهِ سَبَايَا قَدْ هَتَكَتِ سَتُورَهُنَّ وَابْدَيْتِ وَجُوهَهُنَّ تَحْدُ وَبَهَنَ الْأَعْدَاءُ مِنْ بِلَدٍ إِلَى بِلَدٍ يَسْتَشْرِفُهُنَّ أَهْلُ الْمَنَاقِلِ وَيَبْرِزْنَ لِأَهْلِ الْمَنَاهِلِ وَيَتَصَفَّحْنَ وَجُوهَهُنَّ الْقَرِيبَ وَالْبَعِيدَ وَالشَّهِيدَ وَالشَّرِيفَ وَالْوَضِيعَ وَالْدَنَى وَالرَّفِيعَ لَيْسَ مَعَهُنَّ مِنْ رِجَالِهِنَّ وَلِيٌّ وَلَا مِنْ حِمَاتِهِنَّ حِمًى غُثُوامُنْكَ عَلَى اللَّهِ وَحُجُودِ الرَّسُولِ وَدَفْعًا لِمَاجَاءِ بِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَلَا عِزَّ وَمَنْكَ وَلَا عَجَبَ مِنْ فَعْلِكَ وَأَنْتِ يَرْتَجِي مَنْ لَفْظَ قُوَّةِ أَكْبَادِهِ الشَّهَادَةِ وَبَنَتْ لِحَمِهِ بِدَمَاءِ السَّعْدَاءِ وَنَصَبَ الْحَرْبَ لِسَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَجَمَعَ الْأَحْزَابَ وَهَزَّ السِّيُوفَ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ أَشَدَّ الْعَرَبِ لِلَّهِ حُجُودًا وَانْكَرَهُمْ لَهُ رَسُولًا وَأَظْهَرَهُمْ لَهُ عُذْدًا وَأَنَا وَعَاتَاهُمْ عَلَى الرَّبِّ كُفْرًا وَطَغْيَانًا الْأَنْتِجَةُ خِلَالِ الْكُفْرِ وَضَبَ يَجْرُجُ فِي الصَّدْرِ لِقَتْلِي يَوْمَ بَدْرٍ فَلَا يَسْتَبْطِ فِي بَغْضَانَا أَهْلَ الْبَيْتِ مَنْ كَانَ نَظَرُهُ إِلَيْنَا شَفْأًا وَاشْنَانًا وَاحْنًا وَاضْغَانًا يَظْهَرُ كُفْرَهُ بِرَسُولِهِ وَيَفْصَحُ ذَلِكَ بِلِسَانِهِ وَمَرَحًا بِقَتْلِ وَلَدِهِ وَسَيِّ ذَرِيَّتِهِ غَيْرَ مُتَحَوِّبٍ وَلَا مُسْتَعْظَمٍ لَاهَلُّوْا وَاسْتَهَلُّوْا فَرَحًا ثُمَّ قَالُوا يَا يَزِيدُ لَا تَشَلْ مُنْتَحِبًا عَلَى ثَنَابِ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ وَكَانَ مَقْبَلِ رَسُولِ اللَّهِ يَنْكُتُهَا بِمَحْضَرَتِهِ قَدْ اَلْتَمَعَ

السرور بوجهه لعمری قدنکات القرحة واستاصلت الشافة باراقتک دم سید شباب اهل الجنة وابن یعسوب العرب وشمس آل عبدالمطلب و هتفت باشیاخک و تقرّبت بدمه الی الکفرة من اسلافک ثم صرخت بنداء ک والعمری لقدنادیتهم لو شهد وک ووشیگا تشهد هم وکن یشهد وک ولتودیمینک کمازعت شلت بک عن مرفقها وجدت و اَحْبَبَّت اَمَک لم تحملك و اباک لم یلذک حین تصیر الی سخط اللہ ومخاصمک رسول اللہ - اَللّٰهُمَّ خذْ بِحَقِّنَا وَانْتَقِمْ مِمَّنْ ظَلَمْنَا وَاحِلْ غَضَبْکَ عَلَیْ مَنْ سَفَکَ دِمَانَنَا وَنَقَصَ ذِمَارَنَا وَقَتْلَ حِمَاتِنَا وَهَتَکَ عَنَا سَدَ وَلَنَا وَفَعَلْتَ فَعَلْتُکَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَمَا فَرِیتَ اِلَّا جَلْدَ تَکَ وَمَا جَزَزْتَ اِلَّا لَحْمَکَ وَسَتَرَدَ عَلَیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِمَا تَحْمَلْتُ مِنْ ذَرِیَّتِهِ وَانْتَهَکْتَ مِنْ حَرَمَتِهِ وَسَفَکْتَ مِنْ دِمَاءِ عَتْرَتِهِ وَلَحْمَتِهِ حَیْثُ یَجْمَعُ بِهِ شَمْلُهُمْ وَیَلْمُ بِهِمْ شَعْنُهُمْ وَیَنْتَقِمُ مِنْ ظَالِمِهِمْ وَیَاخُذُ بِحَقِّهِمْ مِنْ اَعْدَائِهِمْ فَلَا یَسْتَفْزِکَ الْفَرَجُ بِقَتْلِهِ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرِزُّوْنَ (عمران 3/169) فَرِحَیْنِ بِمَا اَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ (عمران-3/170) وحسبک باللہ وَلِیَّاوْ حَاکِمًا ویرسول اللہ خصیمًا و بجرّائیل ظهیرًا وسیعلم مَنْ بَوَاکَ و مکنک رقاب المسلمین ان ینس للظالمین بدلًا و اَیکم شَرَّ مَکَاتَا (مریم 19/75) و ما استصغاری قدرک ولا استعظامی تقریبعک توهُمَا لَا نَتَفَاعُ الْخَطَابَ بَعْدَ اَنْ تَرَکْتَ عِیُونَ الْمُسْلِمِیْنَ بِهٖ عِبْرٰی وَ صَدَّوْهُمْ عِنْدَ ذَکَرِ ذَکَ حَرَافَتُکَ قُلُوْبَ الْقَاسِیَةِ وَنَفُوسَ الطَّاغِیَةِ وَاجْسَامَ مَحْشُوَّةٍ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَلَعْنَةِ الرِّسُوْلِ قَدْ عَشَعَشَ فِیْهِ الشَّیْطَانُ وَفَرَّخَ وَمِنْ هُنَا لَکَ مِثْلُکَ مَا دَرَجَ وَنَهَضَ وَ الْعَجَبُ کُلُّ الْعَجَبِ لِقَتْلِ الْاِتْقِیَا وَاسْبَاطِ الْاِنبِیَاءِ وَ سَلِیْلِ الْاَوْصِیَا بِاِیْدِیِ الطَّلَقَاءِ الْخَبِیْثَةِ وَنَسْلِ الْعَهْرَةِ الْفَجْرَةِ تَنْطَفِ اَکْفَهُمْ مِنْ دِمَانِنَا وَتَنْحَلِبُ افْوَاهُهُمْ مِنْ لَحْمِنَا وَلِلْجَنَّةِ الزَّاکِیَةِ عَلَی الْجِیوْبِ الضَّاحِیَةِ تَنْتَهِیْ بِهَا الْعَوَاسِلَ وَتَعْقُرُهَا الْفَرَاعِلُ فَلِیْنِ اتَّخَذَ تَنَا مَغْنَمًا لِتَجِدَ بَنَا وَشِیْکًا مَغْرَمًا حَیْنَ لَا تَجِدُ اِلَّا مَا قَدَمْتَ یَدَاکَ وَمَا لَیْلَکَ بِظَلَامٍ لِلْعَبِیدِ فَالِی اللّٰهِ الْمَشْتٰکِیِ وَالْمَعُوْلِ وَاِلَیْهِ الْمُلْجَاؤُ ثُمَّ کَدِیْدُکَ وَاجْهَدْ جَهْدَکَ فَوَالَّذِیْ شَرَفْنَا بِالْوَحٰی وَالْکِتَابِ وَالنَّبُوَّةِ وَ الْاِنتِجَابِ لَا تَدْرُکُ اَمْدَانَا وَلَا تَبْلُغُ غَايَتَنَا وَلَا تَمَحُوْذُ کُرْنَا وَیَرْخُصُ عَنْکَ عَارِنَا وَهَلْ رَاَیْکَ الْاَفْنَدَ وَ اِیَّامَکَ الْاَعْدَدُ وَ جَمْعَکَ الْاَبْدِیُّومَ یَنَادِی الْمُنَادِی اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ الظَّالِمِ الْعَادِی وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ حَکَمَ لَا وِلِیَّائِهِ بِالْاِسْعَادَةِ وَخَتَمَ لَا صَفِیَّائِهِ بِبُلُوْغِ الْاِرَادَةِ وَنَقَلَکُمْ اِلَی الرَّحْمَةِ وَالرَّافَةِ وَالرَّحُوَانِ وَالْمَغْفَرَةِ وَلَمْ یَشَقْ بِهِمْ غَیْرَکَ وَلَا اِبْتَلٰی بِهِمْ سِوَاکَ وَنَسَلَهُ اَنْ یَّکْمَلَ لَهُمُ الْاَجْرَ وَیَجْزَلَ لَهُمُ الثَّوَابَ وَ الزَّخْرَ وَنَسَلَهُ حُسْنَ الْخِلَافَةِ وَجَمِیْلَ الْاِنَابَةِ اِنَّهُ رَحِیْمٌ وَدُوْدٌ - فَقَالَ یَزِیدُ مَجِیْبًا لَهَا - یَا صَبِیْحَةُ تَحْمَدُ مِنَ الصَّوْاِیِحِ - مَا هُوَ الْمَوْتُ عَلَی النَّوْاِیِحِ - ثُمَّ اَمْرُهُمْ بِرُدِّهِمْ - (اَکْبَرُ الْعِبَادَاتِ صَفْحَ 519-520)

آپ پر یہ بات مخفی نہ رہنا چاہئے کہ یہ اثر انگیز اور انقلاب خیز احتجاج علامہ طبرسی نے بھی اپنی کتاب احتجاج میں نقل کیا ہے اور وہ قریب قریب وہی ہے جو ہم نے علامہ سید ابن طاووس کی کتاب سے اوپر لکھا۔ دونوں میں صرف لفظی فرق ہے۔ اگر آپ ذخیرہ اور تکمیل چاہتے ہوں تو ہم اُسے بھی لکھتے ہیں۔ لہذا جاننا چاہئے کہ علامہ طبرسی کہتے ہیں کہ جناب صدوق رضی اللہ عنہ نے بزرگان بنی ہاشم اور دوسرے لوگوں سے روایت کیا ہے کہ: جب امام زین العابدین کو اور حرم رسول کو یزید کے دربار میں داخل کیا گیا اور جناب امام حسینؑ کا سر مبارک اُس کے سامنے طشت میں لا کر رکھا گیا۔ تو اُس نے ایک اشارہ کرنے والی لکڑی سے (Pointer) امام کے دانتوں پر مارنا شروع کیا اور وہ مذکورہ اشعار بھی پڑھتا جاتا تھا جو پہلے خطبہ میں لکھے جا چکے مگر یہ نیا شعر بھی پڑھا کہ ”بنی ہاشم نے جھوٹ موٹ حکومت اور اقتدار حاصل کرنے کا ڈھونگ رچایا تھا نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی نہ کہیں کوئی ایسی پیشین گوئی موجود تھی جس سے اُن کی حکومت

اور اقتدار کی سند ملتی۔“ یہ اشعار سن کر حضرت زینب علیہا السلام نے وہ خطبہ دیا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ مگر روایت میں حضرت زینب کے تعارف پر زور دینے اور زیادہ واضح تعارف کرانے کے لئے انہیں یہاں فاطمہ کی بیٹی بھی لکھا ہے۔ اور درود پڑھتے ہوئے صدیقہ نے فرمایا اللہ میرے نانا رسول پر درود فرما، تاکہ درباری اُن کی پوزیشن سمجھ لیں اور اپنے بیان اور اشعار میں واضح کیا ہے کہ: ”تو نے ہم پر افواج کی بارش کردی اور ساری زمین کو ہمارے محاصرہ کے لئے بھر دیا اور زمین و آسمان ہم پر تنگ کر کے چند سو قدم زمین میں محصور کر لیا۔ اور آخر کار قتل عام کر کے اگلی صبح ہمیں قیدی بنالیا اور شہر در شہر ہمارا تماشا دکھانے کے لئے جانوروں کی طرح رسوں میں بندھوا کر یہاں تک ہانک کر بلوایا ہے اور آج تو اپنے اقتدار کی نمائش کر رہا ہے۔ اور یہ تاثر دے کر مسلمانوں کو فریب دینا چاہتا ہے کہ اس ظلم و ستم میں اللہ تیرا مددگار رہا اور تجھے گویا اللہ ہی نے یہ قدرت دے کر ترے ہاتھوں ہمیں ذلیل کر لیا ہے؟ اس لئے تیرا سینہ پر ہاتھ مار کر باتیں کرنا اور اترانا گویا حق بجانب ہے۔ پھر اُس ملعون کو قرآن سے اُس کی صحیح پوزیشن بتا کر ظالم و لعنتی اور جہنمی ثابت کر کے اُس کی زبان بندی کی ہے۔ اس کے حسب و نسب پر تنقید کی ہے۔ اُسے اپنے نانا کے آزاد کردہ غلاموں کی اولاد فرمایا اور وہ برسرِ دربار چپ رہا۔ اور بتایا کہ اُس کی ہزار درجہ حقیر بیویاں اور بیٹیاں پردہ میں ہیں اور رسول کی بیٹیاں سر برہنہ کھلے منہ رسوا کی جا رہی ہیں۔ اور انہیں نمائش کے لئے تمام انسانوں کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ یہاں اس پر زور دیا ہے کہ یزید کی یہ تمام جرأت و جسارت حسین علیہ السلام کے مقابلہ پر ہی نہیں بلکہ یہ اللہ و رسول کے سامنے سرکشی اور کفر و انکار اور دین کے ہر پہلو کی مخالفت ہے۔ اور یہ افواج رسول پر چڑھائی کیلئے بھیجی گئی تھیں۔ یہ جنگ یزید نے رسول اللہ سے کی تھی۔ اور یہ کہ یزید نے عرب کے تمام بدمعاشوں، ظالموں، بدکرداروں، باغیوں، سرکشوں، منکروں اور کافروں کو مات کر دیا ہے۔ وہ پبلک تک یہ فیصلہ پہنچا رہی تھیں کہ یزید دین سے عداً خارج ہو گیا ہے۔ اُس نے کھل کر زبانی اور اعلانیہ رسول اللہ کا انکار کیا ہے انہیں قتل کیا ہے۔ اُن کے بچوں کو لوٹا ہے، اُن کو، اُن کی ماؤں بہنوں اور رسول زادیوں کو قید کیا ہے، اُن کو ذلیل و رسوا کیا ہے۔ اور اب حسین کے سر کی توہین کر کے انسانیت سے بھی خارج ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی ثابت کیا کہ وہی نہیں بلکہ اُس کے آباؤ اجداد اور تمام متعلقین بھی اسلام سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ وہ سب کافر تھے، منافق اور فریب ساز تھے۔ اور اُن ہی ملائین کو خوش کرنے اور اُن کا ارادہ اور منصوبہ مکمل کرنے کے لئے یزید نے رسول اللہ کے دین اور اُن کی آل و اولاد کا قتل عام کیا اور سر حسین علیہ السلام کے ساتھ یہ بے رحمانہ سلوک کر رہا ہے۔ اُسے بتایا کہ عنقریب تو پچھتائے گا اور تمنا کرے گا کہ تیری ماں اور تیرے باپ نے تجھے پیدا کرنے کی غلطی نہ کی ہوتی۔ بہر حال اللہ و رسول تجھ سے زبردست مواخذہ کرنے والے ہیں۔ اور تیرے ساتھ ہی وہ لوگ بھی ماخوذ ہونے والے ہیں جنہوں نے بڑی دُور رس ترکیبوں سے یہ حکومت تجھ تک پہنچائی ہے۔ اور واقعاتی دلائل سے وہ تمام مغالطات باطل کر دیئے جو یزید اور اُس کے بزرگ پبلک کو دیتے اور خاندان رسول کے خلاف آمادہ کرتے آئے تھے۔ اور دربار میں موجود تمام سردارانِ دمشق و اہلکارانِ مملکت کے سامنے یزید کو اور اُس تک حکومت پہنچانے والوں کو اللہ و رسول اور اسلام اور پوری نوع انسان کا بے رحم بے حیا دشمن ثابت کر کے یزید کا کھلا ہوا منہ بند کر دیا اور یہ تقریر دمشق اور خانہ یزید میں بغاوت کا سبب بن گئی۔

یہاں ثانی زہراء علیہا السلام کا وہ خطبہ اور انتباہ ختم ہوا جس نے اُدھر قلوب و اذہان میں کبھی ختم نہ ہونے والا درد و غم کا تلاطم

برپا کر دیا اور ادھر ہر جابر و ظالم فرد و حکومت کے خلاف تباہ کن طوفانِ بغاوت جاری کر دیا۔ اور تمام علما و مومنین کو بتایا کہ ہر وہ روایت غلط ہے، ہر وہ بیان باطل ہے، ہر وہ انداز تقریر و تحریر مردود ہے جس سے اسیرانِ اہل حرم کو کسی ظالم و ملعون کے سامنے فریاد کرتے یا عاجزی و منت سماجت اور درخواست کرتے دکھایا جائے۔ ہر وہ جملہ غلط ہے اور ہر وہ لفظ قابلِ مذمت ہے جس سے اہل حرم علیہم السلام کی ہتک و توہین ہوتی ہو۔ جو بھرے دربار میں یزید کو حرامزادہ کہے۔ کافروں، منافقوں اور آوارہ عورتوں کی اولاد قرار دے۔ جو یہ کہہ دے کہ میرے سامنے تیرا ساز بہت حقیر ہے۔ تو اس قابل بھی نہیں کہ شرفاً تجھ سے ہم کلام ہوں۔ بتائیے وہ کیسے عمر سعد و شمر و ابن زیاد کے روبرو عاجزی کریں گے؟ وہ کیسے اپنی بے بسی و بے کسی کا رونا رو کر اُن سے رعایت کرنے کی التجا کریں گے؟ مومنین یا درکھیں کہ یہ جذبہ، ایسے الفاظ، اور ایسے جملے تمام کے تمام دشمنانِ محمد و آل محمدؐ نے رونے رلانے اور مصائب کو بڑھانے کی آڑ لیکر خود ایجاد اور داخل کئے ہیں۔ اہل حرمؑ نے کبھی اُن ملائین سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کی۔ اُنہوں نے کوئی ایسی پیش کش یا رعایت قبول نہیں کی جس پر کمزوری اور لاچاری اور مجبوری کا الزام عائد ہو سکے۔ رحم کھانے والوں کے رحم کو ٹھکرایا، اُن کو ڈانٹا اور اس پورے سانحہ میں؛ کربلا سے رہائی تک، ڈیڑھ سال کے اندر کسی کا احسان نہیں لیا ہمیشہ سر بلند رکھا۔ سر برآوردہ اور سرکشوں کے سر جھکائے۔ اور نوعِ انسان کی سر بلندی کے لئے ہمیشہ کیلئے مستحکم انتظام کر دیا۔ آج ساری دنیا میں محنت کش عوام اُن ہی اصولوں پر حکومتوں سے نبرد آزما ہیں۔ حکومتیں گھٹنے ٹیک رہی ہیں۔

(و)۔ دربارِ یزید میں پہلی پیشی پر چند فطری اور ضروری باتیں نوٹ کریں

آپ نے بھی بار بار دیکھا اور تاریخ کے متفقہ بیانات بھی اس پر شاہد ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی پوزیشن کو مشکوک کرنے اور مسلمان پبلک کی نفرت اور عتاب سے بچنے کے لئے یزید اور اہلکارانِ یزید امام کا ہر حال میں نام نہ لیتے تھے۔ بلکہ یہ شہرت دے رہے تھے کہ ایک خارجی نے مسلح بغاوت کی، جنگ کے لئے میدان میں آیا، اُسے شکست دی گئی۔ قتل کیا گیا اور اُس کے بچوں اور عورتوں کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو خارجی مذہب کے لوگ مسلمانوں کے ساتھ کرتے چلے آ رہے تھے۔ ان اعلانات و بیانات نے پورے ملک کو یکسو اور چین سے رکھا اور پبلک نے ہر اُس سلوک کو جائز سمجھا جو یزید اور اُس کی حکومت اُس باغی خارجی سے کرے۔ چنانچہ پورے ملک کی چھاؤنیوں سے افواج خوشی خوشی آ کر جمع ہوئیں۔ یزید اور اس کے اہل کاروں، افسروں اور سرداروں سے تعاون منہائے کمال تک جا پہنچا۔ امام حسین علیہ السلام کا اولین اور آخری منصوبہ یہ تھا کہ وہ مملکت کے ہر فرد کو اس فریب اور مغالطہ سے باہر نکال کر اپنا صحیح تعارف کرائیں۔ چنانچہ آپ کے ہر اقدام میں یہ تعارف پہلا مقصد رہتا چلا گیا۔ یہی مقصد تھا جسے اپنے بعد قیامت تک جاری رکھنے کے لئے مستورات اور بچوں کو ہمراہ لائے تھے اور جنہوں نے اس مقصد کو عملاً پروان چڑھایا۔ اور ابھی ابھی دربارِ یزید میں اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے صدیقہ صغریٰ نے خطبہ دیا۔ اسیرانِ اہل حرم کے دربارِ یزید تک پہنچتے پہنچتے کربلا، کوفہ اور گردنواح اور راہِ شام میں بہت سے لوگوں کو حقیقت حال پر اطلاع ہو چکی تھی۔ اور لوگوں میں بے چینی کے ساتھ ساتھ حکومت کے خلاف سرکشی نفرت اور بغاوت پرورش پارہی تھی۔ مگر دمشق اور اہل شام ابھی سو فیصد فریب اور پروپیگنڈے کے اندھیرے میں تھے۔ لہذا عقل کا تقاضہ ہے کہ حکومت اپنی دیرینہ پالیسی کے ماتحت کوئی ایسا موقعہ فراہم نہ کرے کہ جس سے وہ گھناؤنا راز کھل جائے جسے باغی خارجی کی آڑ میں چھپایا جاتا رہا تھا۔

اور اچانک مسلمان پبلک آل رسول کا قتل عام اور رسول زاد یوں کی رسوائی کا حال معلوم کر کے بھڑک اُٹھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ پہلے روز سربائے شہدا اور اسیران اہل حرم کو دربار عام اور ہر قسم کے لوگوں کے سامنے نہ بلایا جائے۔ محض مخصوصین اور خاندانی افراد و اہلکاران حکومت کی موجودگی میں یہ پیشی ہو اور خاندان رسول کے باقی ماندہ افراد کا رد عمل اور ارادے دیکھے جائیں۔ کربلا کا حال سنا جائے اور آئندہ کے اقدامات کا پروگرام بنایا جائے۔ چنانچہ اگر پہلے روز دربار عام ہوتا اور حضرت زینب علیہا السلام کا وہ خطبہ عوام الناس نے بھی سن لیا ہوتا تو اگلے ہی روز دمشق میں کھلی بغاوت اور وہ حالات سامنے آ جاتے جو ایک سال میں ظہور پذیر ہوئے۔ لہذا یہی نہیں ماننا ہوگا کہ پہلی پیشی پر مخصوص درباری موجود تھے، بلکہ یہ بھی کہ دربار عام کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ بلکہ ضروری لوگوں اور متعلقہ افسران اور سفیر اور بلائے ہوئے امر اور وسائے قوم مختلف ایام میں حاضر رہتے تھے۔ جن میں ہمیشہ کثرت ان لوگوں کی ہوتی تھی جو اصل حقیقت پر مطلع نہ تھے۔ اور انہیں اسیران اہل حرم کے بیانات سے اطلاع ہوتی تھی۔ پھر وہ باہر کی دنیا میں اپنے متعلقین کو بتاتے تھے۔ جس کا ثبوت لوگوں کو آسانی سے نہ ملتا تھا۔ اس لئے کہ اسیران حرم جس برج میں قید تھے وہ یزید کے اپنے محل اور قلعہ کے اندر تھا اور وہاں تک کسی کی رسائی نہ ہوتی تھی۔ اس طرح گاہے ماہے پیشیاں ہوتی رہیں اور ہر دفعہ کچھ نئے افراد کو حقیقت حال معلوم ہوتی چلی گئی۔ ان تمام عقلی و فطری تقاضوں اور حکومت کی پالیسیوں کا لحاظ رکھے بغیر علما نے دھڑا دھڑ روایات کھینچ ماریں۔ اسی پہلے روز کی پیشی میں علامہ در بندی نے بھی کئی ایک کتابوں سے وہ روایت بھی لکھی ہے جس میں کوئی سرخ رنگ کا شامی کسی رسول زاد کی کوکنیری میں طلب کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخصوص دربار تھا۔ لہذا ہم اُسے دربار عام نہیں مانتے۔ اور جب وہ دربار عام نہ تھا تو کسی گنہگار و مجہول شامی کا دربار میں موجود ہونا غلط ہوگا۔ اور اگر وہ شامی کوئی امیر کبیر سربراہ و درہ فرد تھا، جسے یہ امید تھی کہ یزید اُس کی درخواست پوری کرے گا تو اُس کا نام و نشان ہونا بھی لازم تھا۔ پھر ان ہی مختلف روایات میں یہ بھی ہے کہ اسے یزید نے قتل کر دیا تھا۔ اور یہ بھی ہے کہ جناب ام کلثوم کی بددعا سے اُس پر وہیں دربار میں عذاب نازل ہوا تھا۔ یہ دونوں باتیں بھی تقاضہ کرتی ہیں کہ اُس کا نام و پتہ مشہور و معلوم ہونا چاہئے مگر وہ سب روایات اُسے گنہگار اور مجہول آدمی ثابت کرتی ہیں۔ لہذا مخصوصین کے دربار میں گنہگار شخص کا وجود ممکن نہیں ہے۔ پھر حضرت زینب کے خطبہ کے بعد جب اہلبیت کی پوزیشن واضح ہو گئی تو کسی شہزادی کی بات تو بڑی بات ہے، اب تو اہل حرم کی کنیزوں میں سے بھی کسی کو طلب نہ کیا جاسکتا تھا۔ ایک قیاس یہ بھی کیا گیا ہے کہ خطبہ سے پہلے اُس نے طلب کیا تھا۔ بہر حال یہ ثابت ہے کہ اُسے حقیقت حال معلوم نہ تھی اور ایک روایت میں موجود ہے کہ: فی روايته السيد في الملهوف فقال الشامي من هذه الجارية فقال يزيد هذه فاطمة بنت الحسين و تلک زينب بنت علي۔ قال الشامي لعنک الله يا يزيد تقتل عترت نبيک وتسي ذريته والله ماتوهمت الا انهم سبوا الروم۔ فقال يزيد والله لالحقناک بهم ثم امر به فضرب عنقه۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 520)

سید ابن طاووس کی کتاب الملهوف میں روایت ہے کہ اس شامی نے پوچھا کہ یہ لڑکی کون ہے۔ یزید نے بتایا یہ فاطمہ حسین کی بیٹی ہے۔ اور وہ زینب علی کی بیٹی ہے۔ شامی نے کہا کہ خدا تجھ پر لعنت کرے اے یزید تو نے اپنے نبی کی اولاد کو قتل کر دیا اور نبی کی ذریت کو قیدی بنا رکھا ہے۔ میں نے تو یہ سمجھا کہ یہ روم کے قیدی ہیں۔ یزید نے کہا کہ میں تمہیں بھی اُن کے پاس پہنچا کر اُن میں شامل

کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ اس کے قتل کا حکم دیا اور اُس کی گردن کاٹ دی گئی۔

اس روایت میں حضرت فاطمہ بنت حسینؑ کو مانگنا دکھایا ہے۔ اس سے پہلے ایک روایت میں جناب ام کلثوم علیہا السلام کا نام لیا گیا ہے۔ ایک میں حضرت زینب علیہا السلام کا ڈانٹنا بیان ہوا ہے۔ دوسری میں خود ام کلثومؑ کا شامی کو دھمکانا اور بدعادینا لکھا ہے۔ یعنی روایت میں نہ شامی کا نام ہے نہ یہ معلوم ہے کہ کسے کنیزی میں مانگا تھا۔ لہذا پہلے نمبر پر یہ روایات ناقابل اعتبار ہیں۔ لیکن اگر ازراہ جہالت کسی شامی کا یہ قصہ مان لیا جائے تو یہ واقعہ ہرگز پہلے روز پیش نہیں آیا۔ کسی اور نشست میں شاید پیش آیا ہو۔ پہلے روز جناب زینب علیہا السلام کے خطبے سے پہلے پیش نہ آنے کے کئی دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب شامی نے نام معلوم کیا تو یزید نے نام بتا دئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ خود یزید کو کب اور کس نے یہ نام بتائے تھے؟ لہذا واقعہ اُس روز پیش آیا جب یزید تمام اہل حرمؑ سے متعارف ہو چکا تھا۔ یعنی پہلی پیشی کے بعد ہی ممکن ہے۔ اور آخر میں علامہ نے لکھا ہے کہ:-

ثم لا يخفى عليك انه قد ينسب في السننه جمع الى بعض الكتب ان قضية ذلك الرجل الشامي إنما

وقعت في شان فاطمة بنت امير المؤمنين لا فاطمة بنت الحسين عليه السلام۔ (اکسیر صفحہ 521)

”تم سے یہ بھی مخفی نہ رہے کہ ایک جماعت نے بعض کتابوں میں اس شامی کے قصہ کو جناب فاطمہ بنت علی

علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔ فاطمہ بنت حسین علیہ السلام سے منسوب نہیں کیا ہے۔“

یعنی کربلا میں جناب امام حسینؑ کی کم از کم تین بہنیں موجود تھیں۔ حضرت زینب، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ علیہن السلام۔ ان روایات میں زیادہ تر اُن لوگوں نے دل چسپی لی ہے جو عروسی جناب قائم کے منکر ہیں۔

(ز)۔ پہلی پیشی کے بعد قید خانہ میں بند کیا جانا؛ شاہی باغیوں کا ٹھکانا

جہاں حضرت زینب علیہا السلام کا احتجاجی خطبہ ختم ہوا ہے اور اُس پر یزید نے ایک شعر سے اپنی حالت کی ترجمانی کی ہے وہیں یہ بھی کہا تھا کہ: اس نے حکم دیا کہ ”ان کو دربار سے واپس لے جاؤ (ثُمَّ أَمَرَهُمْ بِرَدِّهِمْ)۔“

چنانچہ اس حکم کو سمجھنے والوں نے اسیران اہل حرم کو اُس برج نما مکان میں لا کر بند کر دیا جہاں اُن لوگوں کو رکھا جاتا تھا جن کی سزا قتل ہوتی تھی۔ اور جہاں وہ سرکش باغی قید رکھے جاتے تھے جو حکومت بنی امیہ کے خلاف مسلح بغاوت اور مزاحمت کرتے تھے۔ یہ مکان اسی مقصد کیلئے بنایا گیا تھا۔ یہاں کسی خاص پہرہ اور نگرانی کی ضرورت نہ تھی۔ اسلئے کہ وہاں سے نکل بھاگنا ناممکن تھا۔ یہاں رکھے جانے والے مجرموں کو کھانا اور پانی وغیرہ دینے کا نہ انتظام تھا نہ اسکی ضرورت تھی۔ اسلئے کہ انہیں آخر قتل کیا جانا ہے۔ اور چونکہ لمبی مدت کا قیام ہی مقصود نہ تھا اسلئے یہاں بارش اور دھوپ اور سردی سے محفوظ رکھنے کا انتظام بھی مد نظر نہ رکھا گیا تھا۔ اس قید کا اوّلین مقصد ہی یہ تھا کہ جو شخص چند روز یہاں رہ جائے وہ آئندہ بغاوت و عداوت کو ہمیشہ کیلئے الوداع کہہ کر توبہ کرے معافیاں مانگے۔ اور اگر گنجائش ہو تو معافی کے بعد رہا ہو کر جائے اور عمر بھر مخالفت کا خواب تک بھی نہ دیکھے۔ یہ قید خانہ تھا جس میں خانوادہ رسولؐ کو رکھا گیا تھا۔ اس جگہ اسیران اہل حرمؑ کتنے زمانہ تک رہے؟ یہ سوال بڑی فراخ دلی سے طے کر دیا گیا ہے۔ بعض علما نے کہا کہ قید خانہ میں رکھا ہی نہیں گیا۔ بعض نے کہا

چار روز رکھا گیا تھا۔ بعض نے صرف دو دن کا قیام تسلیم کیا۔ بعض نے پندرہ روز کم از کم اور بیس روز زیادہ سے زیادہ تسلیم کیا۔ بعض نے فرمایا کہ ماہ صفر میں رہا کر دیئے گئے اور صرف چالیس روز قید خانہ میں رہے۔ لیکن میں اہلبیت علیہم السلام کے گھریلو ریکارڈ اور فطرت کے فراہم کردہ ثبوت کی بنا پر قید خانے کے قیام کو ایک سال مانتا ہوں۔ یعنی 62ھ کے ماہ صفر میں اہل حرم کو سو فیصد رہا کیا گیا تھا۔ سو فیصد اسلئے کہ آخری تین چار ماہ ایک اور مکان میں نظر بند رکھا گیا۔ جہاں سے امائم زین العابدین کو باہر نکلنے اور بازارتک جانے کی اجازت تھی اور کھانے پینے کی چیزیں خود بھی لاسکتے تھے اور لوگ بھی ملاقات کیلئے نگرانی میں آسکتے تھے۔ اُس سے قبل تین ماہ آپ کو معہ اہل حرم ایک عام جیل میں رکھا گیا تھا۔ جہاں سایہ اور پردہ کا انتظام تھا۔ مگر عام قیدیوں ایسا سلوک کیا جاتا رہا۔ یعنی پہلے قید خانہ کی مدت قیام چھ ماہ ہے۔ یہی وہ مدت ہے جس میں تمام اہل حرم کا رنگ بدل گیا تھا۔ صورتیں تبدیل ہو گئی تھیں۔ یہاں تک کہ خود اپنے عزیز و اقربا اور صحابہ نہ پہچانتے تھے۔ اور بتانا پڑتا تھا کہ میں کون ہوں اور لوگ یقین نہ کرتے تھے؟ اور یہی وہ قید خانہ اور قید کی مدت تھی جسے مشکوک کرنے اور چھپانے کی حکومت نے ہمہ گیر کوشش کی اور جو تقریباً کامیاب ہوئی۔ اور اس کامیابی میں خود ہمارے اپنے ہاتھ بھی شامل ہو گئے۔ یہی وہ معاملہ ہے جس پر ڈھونڈنے سے بھی صحیح مدت کی روایات آج دنیا سے ناپید کر دی گئی ہیں۔

(ح)۔ قید نے اہل حرم کی صورتیں اور رنگ بدل دیا تو زمانہ قید کتنا ہونا چاہئے؟

یہاں ہم اس قید خانہ کے متعلق روایات میں سے چند جملے لکھتے ہیں۔ تاکہ اُس دارالحسن اور بیت الموت کے متعلق کچھ تصور قائم ہو سکے اور مومنین کم از کم اتنا تو سمجھ سکیں کہ اُسکے مفصل حالات کا پوشیدہ رکھنا کیوں ضروری تھا اور اس سلسلے میں اہل قلم اور علمائے کیوں فراخ دلی سے کام نہ لیا اور کیوں انتہائی مختصر نویسی ضروری سمجھی گئی اور بحار الانوار ایسی بحر ذخائر کتاب نے بھی اس قید خانہ کو مستقل عنوان نہ بنایا؟

(1)۔ فی بصائر الدرجات عن محمد الحلبي... جعلوهم في بيت فقال بعضهم انما جعلنا في هذا البيت ليقع علينا فيقتلنا تراطن الحرس فقالوا انظروا الى هؤلاء يخافون ان يقع عليهم البيت وانما يخرجون غدا فيقتلون قال علي بن الحسين لم يكن فينا احد يحسن الرطانة غيري ورطانة عند اهل المدينة الرومية۔

(2)۔ مارواه الصدوق في الامالي عن جيلويه... عن الحرث بن كعب عن فاطمة بنت علي قالت ثم ان يزيدا امر بنساء الحسين فجلس مع علي بن الحسين في محبس لا يكنهم من حرولا قرح حتى تقشرت وجوههم۔

(أكسير العبادات۔ صفحہ 525)

(3)۔ وفي الملهوف... ثم أمر بهم الى منزل لا يكنهم من حرولا برد فاقاموا به حتى تقشرت وجوههم وكانوا مدة اقامتهم في البلد المشار اليه..... (انوار النعمانية) قال (علي بن الحسين) الحبس الذي نحن فيه ليس له سقف والشمس تصهر نابه ولا ترى الهواء..... (أكسير العبادات۔ صفحہ 526)

(4)۔ واما الرواية الثالثة ورابعة فكان مفادهما ان مدة مكنتهم فيه كانت مدة طويلة لان تقشر الوجوه بالحر والبرد۔ لا بتحقيق بمكنتهم في السجن في مدة يومين مع ان سياق الروايتين يعطى كثرة المدة وامتدادها۔ فان فرضنا ها اقل من مدة شهر فلا يجوز ان نرضها اقل من عشرين او خمسة عشر يوماً۔ (أكسير العبادات۔ صفحہ 526)

اول۔ بصائر الدرجات میں ہے کہ حکومت کے اراکین نے ہمیں ایک ایسے گھر میں قید کیا کہ قیدیوں نے کہا کہ ہمیں اس مکان میں اس غرض سے رکھا گیا ہے کہ یہ ہم پر گر جائے اور ہمیں مار ڈالے اور نگراں لوگوں نے تو ہمیں مقتول ہی سمجھ لیا۔ وہ اپنی عجیب زبان میں کہتے تھے کہ جن لوگوں کو کل نکال کر قتل کر دیا جائے وہ بھی اس مکان کے گرنے سے ڈر رہے ہیں۔ حضرت سجادؓ نے فرمایا کہ ہم میں میرے سوا کوئی اور ایک بھی ایسی فرد نہ تھی جو رومی باشندوں کی زبان سمجھتی۔

دوم۔ علامہ صدوق نے امالی میں لکھا ہے کہ جناب فاطمہ بنت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ جب یزید نے خاندان حسینیؑ کو قید کر دیا اور قید خانہ میں جا کر بیٹھے اور سید سجادؓ بھی ہمراہ تھے تو اس قید خانہ میں سورج کی تمازت اور سردی سے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہ تھی۔ آخر کار میری اور اُن سب کی شکل و صورت اور چہرے جھلس کر رہ گئے گویا ہماری اصلی کھال اتار لی گئی تھی۔

سوم۔ کتاب ملخوف میں ہے کہ پھر یزید نے انہیں ایسی جگہ رکھنے کا حکم دیا۔ جہاں تمازت آفتاب اور سردی سے بچنے کا امکان نہ تھا۔ چنانچہ اسیرانِ حرمؑ نے وہاں قیام کیا یہاں تک کہ اُن کے چہروں کی کھال جھلس کر اتر گئی۔ اور صورت کا بدل جانا ہی اُن کے قیام کی مدت پر اشارہ کرتا ہے۔ کتاب انوار العما نیہ میں ہے کہ جناب زین العابدینؑ نے فرمایا کہ اس قید خانہ میں جس میں ہم ہیں چھت نہیں ہے۔ نہ وہاں ہوا کا گزر ہے۔ سورج نے ہمیں جھلس کے رکھ دیا ہے۔

چہارم۔ تیسری اور چوتھی روایت سے اُن کے قیام کی مدت بہت طویل معلوم ہوتی ہے۔ اتنی طویل جس میں سردی اور گرمی سے چہرہ کی کھال بدل جائے۔ لہذا دروز کا قیام غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ حالانکہ روایات کی ابتدا سے مدت زیادہ ظاہر ہے۔ اگر ہم ایک مہینے سے کم مدت فرض کریں تو پندرہ بیس روز سے کم تو فرض کر ہی نہیں سکتے۔ (اُکسیر العبادات صفحہ 526)

یہ ہیں وہ مقامات جو حکومت اور تاریخ کی چغلی کھاتے ہیں۔ اور علامہ در بندی رضی اللہ عنہ نے نہ معلوم کس قاعدہ سے پندرہ سے بیس روز کی مدت فرض کر لینا طے فرمالیا۔ غالباً وہی شہرت اُن کو اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئی کہ ایک ماہ سے زیادہ قیام رہا ہی نہیں ہے۔ لیکن ہم کسی تاریخی یا قومی پروپیگنڈے سے گمراہ نہیں کئے جاسکتے۔ ہم جانتے ہیں کہ کر بلا کا حادثہ ماہ جیٹھ میں واقع ہوا۔ لہذا تین چار شدید گرمی کے مہینے اس قید خانہ میں گزرے۔ اور گرمیوں کی راتیں ریگستان میں اس قدر سرد نہیں ہوتیں جو کھال کو جھلس دیں۔ البتہ سردیوں کی راتیں اس قدر سرد ہوتی ہیں اور ذکر دونوں کا ہر جگہ ہوا ہے یعنی حر و برد۔ اور حر و قفر۔ چنانچہ گرمی کے بعد تین چار ماہ سردیوں کے اسی قید خانہ میں گزرنا لازم ہے تاکہ رنگ و صورت کا جھلس کر بدل جانا فطری طور پر قابل فہم ہو سکے۔ یہی ہم نے عرض کیا تھا۔ گرمی اور سردی کسی روایت کی محتاج نہیں۔ گرمی اور سردی کا اثر کسی ثبوت کی احتیاج نہیں رکھتا۔ صورتوں کا بدل جانا ایک حقیقت ثابت اور چشم دید ہے۔ لہذا ہمیں کسی اور ثبوت اور بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ اہل حرمؑ ایک سال قید رہے، ماہ صفر میں رہا کیا گیا۔ دمشق میں ایک ہفتہ عزاداری کی گئی۔ پھر کر بلا کو روانگی ہوئی۔ سرہائے شہدائے دفن کئے گئے۔ اُس کے بعد مدینہ کا سفر ہوا۔

(2)۔ دربار یزید میں دوسری پیشی شاہی مسجد مجمع عام میں

مومنین نے اندازہ کیا ہوگا کہ حضرت زینب علیہا السلام کے خطبہ نے یزید ملعون کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا تھا۔ اُس نے

سوچا تھا کہ یہ قیدی جس مصیبت سے گزر رہے ہیں اور جس شان و شوکت اور طرفدارانِ یزید و معاویہ کی جس بے پناہ کثرت کو دیکھتے ہوئے آئے ہیں اور اس دربار تک پہنچتے ہوئے جو قہرانہ انتظامات نظر سے گزر رہے ہیں۔ اسکے بعد اُن میں سرکشی اور مزاحمت ہرگز باقی نہیں رہ سکتی۔ اُنکی جرأت و جسارت دم توڑ چکی ہوگی۔ اُن میں قوت گویائی فنا ہو چکی ہوگی اور کسی بات کا جواب دینے کی نہ طاقت ہوگی نہ ہمت ہوگی۔ وہ جو کچھ کہے گا خاموشی سے سُنیں گے۔ خوف و ناتوانی انہیں چپ رہنے پر مجبور کرے گی۔ میں اپنے خاندانی اور قومی مذہب اور تصورِ اسلامی کو جس طرح چاہوں گا بیان کروں گا انہیں مجال انکار نہ ہوگی۔ میں عقیدہ جبر و اختیار اور اللہ کے قادر مطلق ہونے کو سامنے رکھ کر خلافت و امامت و حکومت کا قومی تصور پیش کروں گا۔ اپنا اور اپنے آبا و اجداد اور سابقہ حکمرانوں کے برحق ہونے کو اپنی چرب زبانی، شاعری اور شاہانہ شوکت و دبذبہ اور اُنکی خاموشی سے منوالوں گا۔ اوریوں واقعہ کر بلا اور تصوراتِ حسینیؑ کو اسلام کے خلاف ایک بغاوت ثابت کر کے سبکدوش ہو جاؤں گا اور چند روز کے بعد اُنکو رہا کر دوں گا۔ کچھ مال و دولت ساتھ کر دوں گا اس طرح رعایا میں اطمینان پھیل جائے گا۔ اور لوگ یہ کہہ کر اپنے کاروبار میں لگ جائیں گے کہ: ”جو خدا کو منظور تھا وہ ہوا اور وہی صحیح اور بہتر ہوتا ہے جو خدا کو منظور ہوتا ہے۔“

لیکن صدیقہ صغریٰ کے خطبہ سے یقین ہو گیا کہ حسینؑ ہی نہیں بلکہ خود علیؑ زندہ ہیں، حسنؑ کہیں آس پاس ہی ہیں۔ زینبؑ نے کہا تو ہے کہ: ”تو ہمارے زندوں کو مار نہیں سکتا (لَا تُمِيتُ حَيِّنَا)۔“ واقعی جو اندازِ گفتگو اُس خاتونؑ نے اختیار کیا اور جس قوت و جسارت و دبذبہ سے حقائق کو سامنے رکھ دیا اس سے یقین ہوتا ہے کہ اُسے علیؑ و محمدؐ کہیں سامنے نظر آ رہے تھے۔ ورنہ یہ جملہ ذہن میں آ نہیں سکتا تھا۔ غالباً سر حسینؑ اُن کی ہمت افزائی کر رہا تھا۔ یزید کی ذہنی دنیا میں تہلکہ مچ گیا تھا۔ اُس کا قلبی سکون جھنجھوڑ دیا گیا تھا۔ ”میں تجھے ایک حقیر ترین آدمی سمجھتی ہوں۔“ اُسکے کانوں میں گونجتا ہوا جملہ چھری کی نوک بن کر دل میں اترتا چلا جا رہا تھا۔ ”تُو اُس قابل بھی نہیں کہ شریف لوگ تجھ سے بات کریں۔“ ایک بجلی کی طرح کوندتا ہوا جملہ بار بار آنکھوں میں چکا چونڈ پیدا کر رہا تھا۔ بہر حال یزید نے سرجون (SIR JOHNSONESE) کو مشکل کشائی کیلئے بلایا اور طے ہوا کہ زین العابدین علیہ السلام کو تنہا شاہی مسجد میں لایا جائے اور زیرِ منبر بٹھا کر دمشق کا خطیب اعظم علیؑ و اولاد علیؑ کی مذمت میں وہ تمام خانہ ساز و قومی روایات سنائے جن کو سنتے سنتے ملک شام میں بچے جوان ہوئے اور جن پر وہاں کسی شامی کو کسی قسم کا اعتراض نہیں ہے۔ اُس میں خلیفہ سوم کو پیا سار کھ کر قتل کروانا بھی شامل کیا جائے اور پبلک کو بتایا جائے کہ اب یہی خاندان ہمارے خلاف اٹھا تھا۔ اور حکومت و خلافت کو بزرگانِ قوم کی بنیاد سے ہٹا کر اپنی وراثت بنانا چاہتا تھا۔ سارے عراق کو اپنی بغاوت اور اسلامی خلافت کا تختہ الٹنے میں شامل کر لیا تھا۔ اور کسی مفاہمت کے لئے تیار نہ ہوا۔ مسلمانوں کی کثرت اور خلیفہ وقت کی اطاعت سے سرتابی سے باز نہ آیا۔ اس لئے ہم نے ازراہِ مجبوری جنگ کر کے انہیں مغلوب کیا ہے۔ اب یہ مرد باقی ہے ہم اُسے سمجھانا اور مسلمانوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنا چاہتے ہیں۔ سرجون نے بتایا کہ ایسی تقریر کا سننا اور کسی کا اختلاف نہ کرنا زین العابدین کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دے گا اور وہ اپنی پھوپھی کو بھی خاموش اور صبر و سکون سے رہنے کی تلقین کرے گا۔ اور تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ یزید نے اپنے والد کے اس عیسائی استاد اور عالم کی رائے پر عمل کیا اور کل ہونے والے اجتماع کا اعلان کر دیا۔

(الف)۔ شاہی مسجد میں امام چہارم کی طلبی اور قومی واموی سازش کا جواب

اگلی صبح جامع امویہ یعنی شاہی مسجد جب کچھا کچھ بھر گئی۔ سرداران دمشق، اہلکاران حکومت اور قومی امیر المومنین یزید اپنی اپنی مسندوں پر بیٹھ چکے تو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو طوق و زنجیر سے جکڑ کر سنگین پہرہ کے اندر لایا گیا اور نمایاں جگہ پر کھڑا کیا گیا۔ یہ واقعہ اور اس کی تفصیلات علامہ در بندیؒ اور علامہ محمد باقر مجلسیؒ سے سنئے۔ چنانچہ عربی عبارت اکسیر العبادات سے اور ترجمہ جزائری کتاب بحار الانوار سے پیش کیا جاتا ہے:-

وقال ايضاً صاحب المناقب وغيره روى أنَّ يزيداً امر بمنبر وخطيب ليخبر الناس بمساوئ الحسين وامير المؤمنين صلوات الله عليهما - فصعد الخطيب المنبر فحمد الله واثنى عليه ثم اكثر الواقعة في علي والحسين واظن في مدح معاوية ويزيد (لعهما الله) فذكر هما بكل جميل - قال فصاح علي بن الحسين ويذكر انك ايها الخطيب اشتريت مرضاة المخلوق بسخط الخالق فتبوء مقعدك من النار ثم قال علي بن الحسين يا يزيد ائذن لي حتى اصعد هذه الاعواد فا تكلم بكلمات لله فيها رضاء ولهؤلاء الجلوساء فيها اجر وثواب؟ فابى يزيد عليه ذلك - فقال الناس يا امير ائذن له فليصعد المنبر فلعلنا نسمع منه شيئاً - فقال انه ان صعد لم ينزل الا بفضيحتي وبفضيحة آل ابي سفيان - فقبل له يا امير المؤمنين ماندرى ما يحسن هذا - فقال انه من اهليبي قد زفوا العلم زفاً - فلم يزلوا به حتى اذن له - فصعد المنبر فحمد الله واثنى عليه ثم خطب خطبة ابكى منها العيون واوجل منها القلوب - ثم قال؛

ايها الناس اعطينا سنًا وفضلنا بسبع؛ اعطينا العلم والحلم والسماحة والفصاحة والشجاعة والمحبة في قلوب المؤمنين - وفضلنا بأن منّا النبي المختار محمد صلى الله عليه وآله ومنّا الصديق ومنّا الطيار ومنّا اسد الله ومنّا اسد الرسول صلى الله عليه وآله ومنّا اسد هذه الامة - من عرفني فقد عرفني - ومن لم يعرفني انبأته بحسبي ونسبي ايها الناس؛

انا ابن مكة ومنى - انا ابن زمزم والصفاء - انا ابن من حمل الزكوة باطراف الردا - انا ابن خير من ائتمرز وارتدى - انا ابن خير من انتعل واحتفى - انا ابن خير من طاف وسعى - انا ابن خير من حج وكبى - انا ابن من حمل على البراق في الهوا - انا ابن من اسرى من مسجد الحرام الى مسجد الاقصى - وانا ابن من بلغ به جبرئيل الى سدرة المنتهى - انا ابن من دنى فندلى فكان قاب قوسين او ادنى - انا ابن من صلى بملئكة السماء - انا ابن من اوحى اليه الجليل ما اوحى - انا ابن محمد بن المصطفى - انا ابن علي المرتضى - انا ابن من ضرب خراطيم الخلق حتى قالوا لا اله الا الله - انا ابن من ضرب بين يدي رسول الله صلى الله عليه وآله بسيفين وطعن برمحين - وهاجر هجرتين وبايع البيعتين وقاتل بدر وحنين ولم يكفر بالله طرفة عين - انا ابن صالح المؤمنين ووارث النبيين وقامع الملحدين ويعسوب المسلمين ونور المجاهدين وزين العابد بن وتاج البكائين واصبر الصابرين وافضل القاتمين من آل يسين رسول رب العالمين - انا ابن المؤيد بجبرئيل المنصور بميكائيل - انا ابن المحامى عن حرم المسلمين وقاتل المارقين والناكثين والقاسطين المجاهد اعدائه الناصبين وافخر من مشى من قريش اجمعين واول من اجاب واستجاب لله ولرسوله من المؤمنين واول السابقين وقاصم المعتدين ومبيد المشركين وسهم من مرامى الله على المنافقين ولسان حكمة العابد بن وناصر دين الله وولى امر الله وبستان حكمة الله وعيبة علمه سمح سخى بهى بهلول زكى ابطحى رضى مقدم همام صابر صوام مهذب فوام قاطع الاصلاب ومفرق الاحزاب - اربطهم عناناً واثبتهم جناناً وامضاهم

عزیمہ و اشدّ هم شکیمہ اسد باسل یطعنهم فی الحروب اذا ازد لَفَتْ الاسنة وقربَتْ الاعنة ویددوهم ذروالريح الهشيم لیث الحجاز وکبش العراق مکئی مدنی حنفی عقی بدری احدی شجرى مهاجرى من العرب سیدها ومن الوغالبها و وارث المشعرين وابوالسبتين الحسن والحسين ذاک جدی علی بن ابیطالب ثم قال اناابن فاطمة الزهراء - اناابن سيدة النساء - فلم یزل یقول انا - انا حتّی ضح الناس البكاء والنحيب وخشی یزید لعنه الله ان یشک فامر المودن فقطع علیه الکلام فلما قال المودن الله اکبر الله اکبر - قال علی لاشی اکبر من الله - فلما قال اشهد ان لا اله الا الله - قال علی بن الحسين شهد بها شعری وبشری ولحمی ودمی - فلما قال المودن اشهد ان محمداً رسول الله - التفت من فوق المنبر الى یزید فقال محمداً هذا جدی ام جدک یا یزید فان زعمت انه جدک فقد کذبت وکفرت وان زعمت انه جدی فلم یتلّ عترته؟ قال وفرغ المودن من الاذان والاقامة وتقدم یزید فصلی صلوة الظهر - (اکبر العبادات - صفحہ 522 تا 523)

صاحب مناقب وغیرہ نے روایت کی ہے کہ (1) یزید ملعون نے حکم دیا کہ خطیب منبر پر جا کر لوگوں کے سامنے حضرت امیر و امام حسین کے عیوب بیان کرے۔ (2) پس خطیب نے بعد حمد و ثنائی اور حسین کو بہت برا کہا اور یزید و معاویہ کی نہایت تعریف کی اور تمام محامد و مناقب ان کے لئے ثابت کئے۔ (3) راوی کہتا ہے اُس وقت علی بن الحسین علیہما السلام نے پکار کر فرمایا کہ وائے تجھ پر اے خطیب تو نے رضائے مخلوق کو غضب خالق کے بدلے میں اختیار کیا اور اپنا مقام آتش جہنم میں مقرر کیا۔ (4) بعدہ، حضرت نے فرمایا اے یزید مجھ کو اجازت دے کہ اس منبر پر جا کر چند کلمے اس طرح کے ذکر کروں جس سے رب العالمین کی رضا اور خوشنودی اور ان حاضرین کے لئے ثواب و بہبودی ہو۔ (5) یزید نے قبول نہ کیا۔ (6) لوگوں نے درخواست کی کہ اے یزید ان کو اذن دے شاید کوئی اچھی بات ہم سنیں۔ (7) یزید نے کہا کہ اگر یہ منبر پر جائے گا تو مجھ کو اور آل ابوسفیان کو رسوا کر کے اترے گا۔ (8) لوگوں نے کہا، یا امیر اس لڑکے سے کیا ہو سکے گا۔ (9) یزید نے کہا یہ اُس خاندان سے ہے جو عالم طفلی ہی میں آراستہ بعلم و کمال ہوتے ہیں۔ (10) راوی کہتا ہے کہ کافی دیر تک لوگ اصرار کرتے رہے تاہینکہ یزید نے آنحضرتؐ کو اجازت دے دی۔ (11) پس حضرت منبر پر تشریف لے گئے اور بعد حمد و ثنائی الہی ایک خطبہ ایسا دردناک پڑھا جس سے آنکھوں کو گریاں اور دل کو برباں کر دیا۔ (12) اس کے بعد فرمایا؛

اے لوگو!! جناب احدیت نے اہلبیت رسالت کو جو خصلتیں عنایت کی ہیں وہ یہ ہیں: (13) علم و حلم و سخاوت و فصاحت و شجاعت اور مومنین کے دلوں میں ہماری محبت۔ (14) اور فضیلتیں یہ ہیں کہ: (15) ہم میں سے سید ابرار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ ہیں۔ (16) اور ہم میں سے صدیق اعظم علی المرتضیٰ ہیں۔ (17) اور ہم میں سے جعفر طیار اور حضرت حمزہ شیر خدا اور عم رسول ہیں۔ (18) اور ہم میں سے سبطین اس امۃ کے حسن و حسین علیہما السلام ہیں۔ (19) جو شخص ہم کو جانتا ہے وہ تو جانتا ہے۔ (20) اور جو نہیں جانتا میں اُس کو اپنے حسب و نسب سے آگاہ کرتا ہوں کہ؛

(21) میں ہوں فرزند مکہ و منا۔ میں ہوں فرزند زمزم و صفا۔ (22) میں ہوں فرزند اُس شخص کا جس نے مقام ابراہیمؑ کو چادر کے کونے سے اٹھایا۔ (23) میں ہوں فرزند اس شخص کا جو بہترین عالم تھا۔ (24) میں ہوں فرزند اس شخص کا جو طواف اور سعی کرنے والوں میں

سب سے بہتر ہے۔ (25) میں فرزند ہوں اُس کا جو تمام حج کرنے اور لیک کہنے والوں میں افضل تھا۔ (26) میں ہوں فرزند اس شخص کا جس کو اللہ نے ایک شب میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچایا۔ (27) میں ہوں فرزند اُس شخص کا جس کو جبرائیل سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے۔ (28) میں ہوں فرزند اُس شخص کا جو مقام قرب الہی میں پہنچا یہاں تک کہ قاب قوسین اودانی کی منزل پر فائز ہوا۔ (29) میں ہوں فرزند اُس کا جس نے ملائکہ کے ساتھ آسمان پر نماز پڑھی۔ (30) میں ہوں فرزند اُس کا جسکی طرف اللہ نے وحی کی۔ (31) میں ہوں فرزند محمد مصطفیٰ کا۔ (32) میں ہوں فرزند علی مرتضیٰ کا۔ (33) میں ہوں فرزند اس کا جس کی ذوالفقار کی برکت سے لا الہ الا اللہ کہا گیا۔ (34) میں ہوں فرزند اُس کا جس نے رسول اللہ کے سامنے دو شمشیروں اور دو نیزوں سے جہاد کیا۔ (35) جس نے دو ہجرتیں کیں اور دو بیعتیں کیں؛ جس نے بدر و حنین میں جہاد فرمایا اور طرفہ العین کے لئے منکر خدانہ ہوا۔ (36) میں ہوں فرزند صالح المؤمنین، وارث نبیین و قلع و قمع کنندہ طہدین و سردار مسلمین و نور مجاہدین و زین العابدین و سرتاج گریہ کنندگان جو آل رسول رب العالمین صبر کرنے اور نماز پڑھنے میں سب سے افضل ہیں۔ (37) میں ہوں فرزند اُس کا جو جبرائیل و میکائیل کی جانب سے موید و منصور ہوا۔ (38) میں ہوں فرزند اُس کا جس نے ناموس مسلمین کی حمایت کی۔ (39) میں ہوں فرزند اُس کا جس نے مارفین و قاسطین و ناکثین کو قتل کیا اور اپنے دشمن ناصبیوں سے جہاد کیا۔ (40) جو تمام قریش کا فخر تھا۔ (41) جس نے سب سے پہلے اجابت دعوت خدا و رسول کی۔ (42) جس نے ایمان میں تمام مؤمنین پر سبقت کی۔ (43) جس نے سرکشوں کی کمر توڑ دی (44) جس نے مشرکوں کو نابود کیا۔ (45) جو منافقوں کیلئے اللہ کا تیر، حکمت عباد کا ترجمان، دین خدا کا ناصر، اُس کا ولی امر، حکمت خدا کا بوستان، اس کے علم کا دروازہ، صاحب بُدو و عطا، یکتا در حسن و بہا، پاک و پاکیزہ راضی برضا، شجاع سردار، صابر، بکثرت روزے رکھنے والا، صاحب اخلاق پسندیدہ، بڑی نمازیں پڑھنے والا، کافروں کی نسل قطع کر نیوالا، اُنکی جماعت کو پراگندہ کر نیوالا، دل و جگر کے اعتبار سے سب سے زیادہ مضبوط، عزم و ارادہ میں سب سے زیادہ پکا؛ خود داری میں سب سے زیادہ اونچا؛ وہ شیر پیشہ شجاعت، جس نے گتھے ہوئے نیزوں میں سرکشوں کو یوں پس کر رکھ دیا جس طرح چکی آٹا پیستی ہے؛ یوں اُڑا دیا جس طرح آندھی بھوسا اڑاتی ہے؛ شیر پیشہ حجاز؛ مرد مردان عراق؛ بکی و مدنی، حنفی عقبی، بدری و احدی، شجری و مہاجری، شاہ حرب و ضرب، شیر پیشہ جنگ و جہاد، وارث مشعرین، والد سبطین یعنی حسن و حسین امیر المؤمنین علی بن ابی طالب میرے جد نامدار ہیں۔ (46) میں ہوں فرزند فاطمہ زہراء۔ (47) میں ہوں فرزند سیدۃ النساء۔ (48) غرض اسی طرح فرماتے رہے تا اینکه حضار مجلس میں شور و شیون عظیم برپا ہوا۔ (49) اس وقت یزید خائف ہوا کہ مبادا فساد برپا ہو۔ اس لئے مؤذن کو حکم دیا کہ اذان دے۔ (50) پس اُس نے آپ کا قطع کلام کیا۔ اور اذان کہی۔ (51) جب مؤذن نے اللہ اکبر کہا حضرت نے فرمایا کوئی چیز حق تعالیٰ سے برتر نہیں۔ (52) جب اُس نے اشھد ان لا الہ الا اللہ کہا فرمایا میرا گوشت و پوست و خون گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ (53) لیکن جب مؤذن نے اشھد ان محمد رسول اللہ کہا تو حضرت نے یزید کی طرف نگاہ کر کے فرمایا۔ (54) اے یزید بتلایا محمد میرے جد ہیں یا تیرے؟ (55) اگر تو اُن کو اپنے جد سمجھتا ہے تو غلط و کفر ہے۔ اور اگر میرا جد جانتا ہے؟ تو بتلا کہ پھر تو نے کیوں اُن کی عترت کو قتل کیا؟ (56) راوی کہتا ہے کہ جب مؤذن اذان و اقامت سے

فارغ ہوا اُس وقت یزید متوجہ ہوا نماز ظہر کی طرف۔“ (ترجمہ بحار الانوار حصہ دوم صفحہ 41 تا 44)

(ب)۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے خطبہ پر ایک مومنانہ نظر

علامہ جزائری نے اس ترجمہ سے کافی روپیہ کمایا۔ لیکن مومنین کو دو ہر نقصان ہوا۔ روپیہ کا نقصان اور واقعاتِ کربلا میں مزید اختلاف و گجھک کا نقصان۔ علامہ نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا جو اُن کے دوسرے بھائی بند اختیار کرتے رہے ہیں۔ یعنی اُن کے سامنے نہ حسیٹی مقاصد ہیں نہ یزید و بنی امیہ کی پالیسی ہے۔ وہ گویا ایک گھریلو مجلس میں بیٹھے ہیں اور اناپ شناپ جودل میں آ رہا ہے لکھتے چلے جا رہے ہیں۔ خطبہ کے الفاظ سامنے ہیں مگر اُن کی پابندی اس لئے نہیں کی جاتی کہ انہیں ذرہ برابر اہل دمشق کی وہ حالت و ذہنیت معلوم نہیں جس کو توڑنے اور چوکانے کے لئے امام علیہ السلام اپنے خطبہ کی تدریج قائم فرماتے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ اس مملکت میں علیؑ اور خاندان علیؑ علیہم السلام کو 35 ہجری سے ہدفِ ملامت بنانے کی ہر وہ ترکیب و کوشش کی جاتی رہی جو ایک زبردست جابر و قہار حکومت کر سکتی تھی۔ جس مملکت میں ہر منبر و مسجد سے لعنت و تبرا کرتے اور سنتے ہوئے چھبیس (26) سال گزر گئے ہوں۔ اُس مملکت کے دار الخلافہ کی شاہی مسجد میں پہلی دفعہ خاندان مرتضوی کو قیدی کی صورت میں داخلہ ملتا ہے۔ بتائیے کیا یہ موزوں ہوگا کہ امام ایک دم یہ کہہ دے کہ میں علیؑ کا بیٹا ہوں یعنی جس پر تم عرصہ دراز سے لعنت کرتے رہے ہو میں اس کا بیٹا ہوں؟ اور سوچئے کہ یہ لعنت و تبرا کے عادی ملائین اس کا کیا اثر لیتے؟

میں کہتا ہوں کہ اگر منبر پر بیٹھے ہی علیؑ کا نام لے دیا جاتا تو اُس کے بعد پبلک پر کسی وعظ و فضیلت کا اثر نہ ہوتا اور شاید کوئی بات سننے کا روادار بھی نہ ہوتا۔ بات تو اس امید پر سنی جارہی ہے کہ اسلامی حکومت کے باغی اور مقتول و مفتوح خاندان کا ایک قیدی فرد؛ منبر پر جانے کی اجازت مانگتا ہے۔ اور کچھ ایسی باتیں کہنا چاہتا ہے جو ادھر رضا مندی و خوشنودی خدا کی ضامن ہیں۔ ادھر تمام حاضر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا باعث ہوں گی۔ وہ یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ ایک خارجی اس سلسلے میں کیا کہے گا؟ وہ ہمارے نزدیک واجب القتل ہے اور ہم خارجیوں کے نزدیک واجب القتل ہیں۔ دیکھیں اس صورت حال میں یہ جوان شخص کیا کہتا ہے؟ یزید نے یہ کہہ کر شوق اور بھی بڑھا دیا ہے کہ اگر یہ منبر پر چلا گیا تو اُس وقت تک منبر سے نہ اترے گا جب تک مجھے اور ابوسفیان کی اولاد کو ذلیل و رسوا ثابت نہ کر دے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ خارجی قیدی اور خارجی مذہب کیسے اس حکومت اور خاندان اور اُس کے مذہب کو باطل ثابت کرتا ہے۔ اس کے پاس کون سے دلائل ہیں جو ادھر اللہ کو پسند ہیں اور ادھر یزید کے خوف و ہراس کا باعث ہیں؟ یہ ہے وہ صورت حال اور جذبہ جس کے ماتحت پبلک نے اصرار کر کے یہ موقع فراہم کیا ہے کہ امام علیہ السلام منبر پر جائیں۔ امام ہی نہیں بلکہ ہر ذی ہوش اور حالاتِ حاضرہ سے واقف شخص اپنی گفتگو میں ایک بھی ایسا لفظ نہ کہے گا جس سے اُس پر کوئی شاہی عتاب ہو سکے۔ جس سے ملکی قانون کی گرفت میں آ جائے یا جس سے منبر پر بیٹھے ہی پبلک کی نظروں میں گر جائے۔ چنانچہ پہلے امام علیہ السلام نے اللہ کی ایسی حمد و ثنا کی اور اُس کی ایسی پوزیشن بیان فرمائی کہ تمام حاضرین اپنی حالت پر، اپنے مذہبی عقائد پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ جن علما و امرا اور سردارانِ دمشق نے کہا تھا کہ یہ نوجوان و بیمار و لاچار قیدی خطیب اعظم کے بعد کیا کہہ سکے گا؟ وہ حیران و ششدر رہ گئے۔ الفاظ کے ہتھوڑے قلب و ذہن کے مصنوعی

ماحول کو توڑ توڑ کر دینی تصورات کو ابھار رہے تھے۔ فطرت کو بیدار کر رہے تھے۔

جب امام علیہ السلام نے دیکھا کہ قلوب آمادہ ہیں تو آپ نے اپنا بالواسطہ تعارف شروع فرمایا۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں علیؑ کا بیٹا ہوں بلکہ یہ بتایا کہ انسانی فطرت کو کون سی صفات پسند ہیں۔ اور یہ کہ وہ سب مجھ میں اور میرے جنم دینے والوں میں موجود ہیں اور تم میری صورت سے میرے بیان سے میرے اطمینان قلب سے خود دیکھ سکتے ہو۔ آپ نے نام بنام اُن صفات اور خصالتوں کو شمار کر کے بتایا۔ پھر یہ بتایا کہ یہ صفات خود رو نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ نے بڑے اہتمام و انتظام سے ایک ایسی نسل تیار کی جس میں تعلیماتِ خداوندی فطرت بن کر رہ جائے۔ جس میں نبوت و رسالت و امامت پرورش پائے۔ جن کے یہاں ملائکہ کا ہر لمحہ ورود ہوتا رہے اور رفتہ رفتہ ترقی کے اس سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے کہ اس نسل سے محمدؐ مصطفیٰ مختار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ پیدا ہوں اور خلقِ عظیم اُن کی عادت و فطرت بن جائے۔ اُس کے بعد بھی نہ یہ کہا کہ علیؑ کا بیٹا ہوں نہ یہ کہا کہ میں علیؑ کا پوتا ہوں۔ بلکہ بالواسطہ فرمایا کہ ہماری اُسی نسل سے صداقت اور سچائی کا مجسمہ پیدا ہوا تھا۔ ہم ہی میں وہ ہستی ہے جو انسان ہوتے ہوئے ملائکہ کی طرح پرواز کرتا ہے (جملہ نمبر 15 تا 17)۔ اُسی ہماری نسل سے اللہ کا شیر اور رسول کا شیر وجود میں آیا تھا۔ اور ہماری ہی نسل سے وہ دو ہستیاں ہیں جنہیں اس امت کے نواسے قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اگر تم اس اُمت کے افراد ہو تو تمہیں اُن نواسوں کا علم و احترام اور اُن سے محبت و شفقت کا سلوک لازم تھا۔

جب بات یہاں تک آگئی تو فرمایا کہ جو مجھے پہچان گیا وہ تو پہچان ہی چکا۔ مگر جواب بھی نہیں سمجھے وہ سُنیں اور سمجھیں کہ میں ہی اُن دونوں مقامات کا بیٹا ہوں جنہیں مکہ اور منیٰ کہتے ہو اور وہاں کی مٹی تک کا احترام کرتے ہو۔ میں ہی خلاصہ ہوں زمزم اور صفا کا۔ میں ہی لاڈلا ہوں اس ہستی کا جو تزکیہ اور تقدس کی گھڑیاں تقسیم کیا کرتا تھا (جملہ نمبر 22) میں علومِ خداوندی کا پروردہ ہوں۔ میں ہی وہ مقصد ہوں جس کے لئے خانہ کعبہ کا طواف اور دوڑ دھوپ کی جاتی ہے۔ میرے ہی باپ نے حج و طواف کو جاری کیا تھا۔ اور لیلیک لیلیک کا تقرب انسانوں کے سامنے رکھ دیا تھا۔ میرا ہی باپ معراج پر بلایا گیا تھا۔ ہمارے ہی گھر میں براق آیا تھا (علامہ نے ترجمہ نہیں کیا) وہ میرا ہی والد تھا جو ہواؤں اور فضاؤں میں سنگ میل قائم کرتا ہوا عرشِ اعظم تک پہنچا۔ جبرائیل جس کا ہر کاب و خادم تھا۔ جس نے ملائکہ کو نماز پڑھائی۔ جس نے انسانوں کے لئے فضاؤں کو مسخر کیا اور عروجِ انسانی کی راہ ہموار کر دی۔ اور قربتِ خداوندی کے اس مقام پر فائز ہوا جہاں جبرائیل کا گزر، ناممکن ہے۔

اب وقت آ گیا تھا۔ اب بتایا کہ میں جن کی تصویر کشی کرتا رہا ہوں وہ محمد علی صلوٰۃ اللہ علیہم ہیں اور میں اُن ہی کا بیٹا ہوں۔ میں وحیِ خداوندی کی گود میں پلا ہوں۔ میں اُن دونوں کی صفات اور قدرت کا ورثہ دار ہوں۔ میں اُن ہی کے قدم بقدم چل رہا ہوں۔ اُنہوں نے ایک قدم وحی کے خلاف نہ اٹھایا۔ حکم ملا تو ظلم سہا اور وحی نے حکم دیا تو میرے ہی والد نے ڈبل نیزے اور دوہری تلواریں کھینچ لیں۔ سرکشوں کو مجبور کیا کہ کلمہ پڑھ کر جان بچائیں، سر جھکائیں۔ میرے ہی والد نے عرب کے سوراؤں کو بدر جنین و اُحد و خندق میں پیٹ کر رکھ دیا تھا۔ وہی تھا جس کو اللہ نے تمام ایمان لانے والوں سے بڑا صالح فرمایا ہے۔ وہ میرا ہی باپ تھا جس نے مشرکین و ملحدین کو مسلمانوں میں چھپ جانے پر مجبور کیا۔ اُسی نے کفر و شرک کی جڑیں نکال دی تھیں۔ یعنی ہم سے دشمنی رکھنے والے یقیناً مشرکین کا انتقام

لینے والے ہیں۔ میرا ہی باپ تھا جس کی تائید و نصرت میں جبرائیل و میکائیل پیش پیش رہتے تھے۔ میں اُسی کا بیٹا ہوں جس نے مسلمانوں کے جان و مال اور ناموس کو کفر و شرک کی یلغار سے محفوظ کیا تھا اور اسلامی حکومت قائم کر کے رسول اللہ کی مدد کی تھی۔ میری یہی خطا ہے کہ میرے باپ نے سازش کرنے والوں، جھوٹی بیعت کرنے والوں اور رسول کے خلاف منصوبہ بنانے والوں کو تہمتیں لگا دیں۔ میرا ہی باپ سب سے پہلے اللہ کے احکام بجالایا تھا۔ وہ اُدھر اللہ و رسول کا تیر اور تلوار تھا اور اُدھر نہایت صابر تھا۔ میرے والد کی زبان سے حکمت خداوندی بولتی تھی۔ وہ ہی زبان میرے دہن سے بول رہی ہے۔ میں اُن ہی کا بیٹا ہوں جو مجسمہ سخاوت و شجاعت و علم و حکمت تھے۔ وہ میرا ہی باپ تھا جو مخزن صبر و تحمل تھا۔ نماز و روزہ و عبادت اُن پر فخر کرتی ہیں۔ اُس کے مخالفین کی نسلیں منقطع ہوتی چلی جائیں گی۔ اُن کے دشمنوں میں انتشار و افتراق پھیلتا چلا جائے گا۔ اُن کے سامنے نیزوں اور تلواروں کی دھاریں مڑ جاتی تھیں۔ وہ سرکشوں کا پُورا کر کے رکھ دیتے تھے۔ اُن ہی کی وجہ سے مکی و مدنی خفی کہلانا قابل فخر ہوا ہے۔ میں اُن ہی کا بیٹا ہوں اور اُن کی ہر صفت کا نمائندہ ہوں۔ میرے ہی پالنے والے حسن و حسین تھے۔ وہی اس اُمت کے سبطین تھے۔ فاطمہؓ زہراءؓ تمام خواتین عالم کی سردار ہی تو میری والدہ ہیں۔ جنت میں جانے والوں کے سردار میرے ہی والد ہیں۔

امامؑ نئے نئے اور حقیقت انگیز زاویوں سے ثابت کر رہے تھے کہ میں علیؑ و محمدؐ کا بیٹا ہوں۔ میں فرزند ہوں فرماتے چلے جا رہے تھے اور تمام مجمع ادب و احترام کے ساتھ سُن سُن کر تڑپ تڑپ اُٹھتا تھا۔ یہاں تک کہ حاضرین میں تلاطم اُٹھتا دیکھ کر یزید نے مؤذن کو اشارہ کر دیا۔ اذان شروع ہو گئی۔ امامؑ منبر سے نہیں اُترے اور اذان کو اپنے اور اپنے آبا و اجداد کی منادی بنا دیا اور بتایا کہ تم اذان دے کر بھی ہماری ہی مدح و ثنا کرتے ہو۔ یہ اذانیں یہ نمازیں یہ دین کیا ہے؟ یہ اللہ و محمدؐ و آل محمدؐ کا پیغام ہے۔ اُن کی مدح و ثنا ہے۔ اُن کے توسل سے قرب خداوندی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن یزید کا دین فریب ہے۔ وہ محمدؐ کے نام کی تو منادی کرتا ہے۔ لیکن اُن کی اولاد کو قتل کرتا ہے۔ اُنہیں خارجی کہتا ہے۔ اُن کے حرم کو اور رسولؐ زادیوں کو قید کر رکھا ہے۔ یزید نے نماز کی آڑ لے لی لوگ مصروف ہو گئے۔ فارغ ہوئے تو امامؑ غائب تھے۔

ہم نے علامہ جزائری کا ترجمہ اس لئے ریکارڈ میں لے لیا ہے کہ مؤئین کو مومنانہ ذہنیت اور مولویانہ ذہنیت میں تقابل کا موقع ملتا چلا جائے اور یہ اندازہ ہو جائے کہ کس طرح رفتہ رفتہ حقائق نظروں سے اوجھل ہوتے چلے گئے۔ عربی عبارت میں یہ جملہ موجود ہے ”اَنَابُؤُ مَنْ حَمَلَ عَلَى الْبِرَاقِ فِي الْهَوَاءِ“ مگر ترجمہ تو ترجمہ ہے۔ وہاں تو ترجمے میں کہیں لفظ براق آیا ہی نہیں ہے۔ آئندہ جب عربی عبارت والی کتاب غائب ہو جائے گی تو ماشاء اللہ صرف جزائری صاحب رہ جائیں گے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ معراج کا مقصد اللہ کے قریب جانا تھا چنانچہ لکھا کہ ”میں ہوں فرزند اُس کا جو مقام قرب الہی میں پہنچا“ (جملہ نمبر 28)۔ یعنی زمین پر رسول اللہ کو قرب الہی حاصل نہ تھا گویا اللہ کہیں آسمانوں پر رہتا ہے۔ پھر وہ یہ نہیں کہتے کہ رسول اللہ نے ملائکہ کو نماز پڑھائی۔ بلکہ ملائکہ کے ساتھ نماز پڑھنے کو قابل فخر بتاتے ہیں۔ حالانکہ ملائکہ اس خاندان کی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔ اور حسین علیہ السلام کا جھولا جھلایا کرتے تھے۔ یہ ہیں وہ ہاتھ جو رفتہ رفتہ محمدؐ و آل محمدؐ کو اس سطح پر اتار لائے کہ اُن کے جانشین، خطا کار و گنہگار لوگ بن بیٹھیں۔ چنانچہ ہزار سال سے شیعوں میں بھی محمدؐ

وآل محمدؐ کے جانشین خاظمی انسان ہیں اور انکی اطاعت واجب ہے۔ جو انکا حکم نہ مانے وہ کہتے ہیں کہ اُسے واصل جہنم کیا جائے گا۔ سوچئے کہ اُن میں اور ہمارے مخالف محاذ کے علما میں کیا فرق ہے؟ بس یہی فرق ہے نا، کہ انہوں نے فوراً جانشینی اختیار کر لی تھی اور انہوں نے تین سو سال کے بعد وہی حقوق غصب کر لئے۔ ورنہ نظام ایک، طرز فتویٰ واحکام ایک، مبلغ علم وانجام ایک، وہاں بھی اجتہاد یہاں بھی اجتہاد لیبل کا فرق کوئی فرق نہیں۔ یہ لوگ نہ صرف اہلبیت محمدؐ کی پوزیشن کو بتدریج تباہ کرتے چلے آئے ہیں بلکہ اپنے حقیقی بزرگوں اور راہنماؤں کے عقائد و اعمال پر ہمیشہ پردہ ڈالنے میں کوشاں رہے ہیں۔ چنانچہ مندرجہ احتجاج کی روایت میں بھی یزید اور اسکو برحق خلیفہ سمجھنے والے ہم مذہب لوگوں کے عقیدے کو چھپایا گیا ہے۔ جس طرح قصہ براق کی آمد کا ذکر نہیں اُسی طرح یزید کو امیر المومنین سمجھنے اور کہنے والوں کو بھی چھپا دیا گیا ہے۔ آپ علامہ کے ترجمہ کا جملہ (نمبر 8) دیکھیں۔ یہ ترجمہ ”لوگوں نے کہا یا امیر اس لڑکے سے کیا ہو سکے گا“ غلط ہے۔ عربی میں یہ کہا گیا تھا کہ ”فقیل لہ یا امیر المومنین ماندری ما یحسن هذا“ جس کا صحیح ترجمہ یہ کرنا چاہئے تھا کہ: ”یزید سے کہا گیا کہ اے امیر المومنین ہم نہیں سمجھتے کہ یہ شخص کچھ بہتر بیان دے سکے گا۔“ جزائری صاحب نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو ایک لڑکا بنا دیا ہے اور اپنے امیر المومنین کے عقیدہ کو چھپا دیا ہے۔ مومنین کو چاہئے کہ اس گروہ کے بیان کردہ فضائل ومصابغ کو غور سے پڑھا کریں۔ یہ لوگ الفاظ کی ادل بدل اور الٹ پلٹ سے مثبت کونفی اور منفی کو مثبت بنادیا کرتے ہیں۔ یہ حضرات بہت سے الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا کرتے بلکہ ترجمہ میں اُن الفاظ کو جوں کا توں رکھ کر گزر جاتے ہیں۔ اسلئے کہ ترجمہ کرنے سے ایسی بات مومنین کے سامنے آ جائیگی جو اُن لوگوں کے مذہب میں منع اور مومنین میں جائز ہے۔ دیکھئے علامہ نے ان الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا۔ حنفی، عقی، شجری، وارث المشرعین (جملہ نمبر 45)۔ شعری (نمبر 52) مارقین، قاسطین، ناکثین (جملہ نمبر 39)۔ یہ ہے مولویانہ دھاندلی بتائیے کتنے فی صد شیعہ یاسنی ان الفاظ کو سمجھتے ہیں؟

(3)۔ حرم یزید لعین میں رسول زادیوں کی پہلی پیشی اور ایک نئی شہادت

تاریخ سے واقف مومنین جانتے ہیں کہ یزید کی دادی اور معاویہ کو جنم دینے والی ہند بنت عتبہ سردار قریش ابوسفیان کی زوجہ نے اپنے باپ اور خاندان کے باقی مقتولوں کیلئے صف ماتم بچھائی تھی اور تمام آرائش وآسائش کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ زیورات اُتار دیئے تھے۔ چار پارٹی پر سونا چھوڑ دیا تھا اور حضرت علی علیہ السلام سے انتقام لینے کی خاطر وہ سب کچھ کیا تھا جو شریف عورتیں نہیں کرتیں۔ اُسی نے حضرت حمزہ علیہ السلام کا جگر چپایا تھا۔ مگر وہ حضرت علی علیہ السلام کو مقتول نہ دیکھ سکی اور اسی حسرت وسوگ میں مر گئی۔ ابوسفیان نے اُس سے بھی زیادہ ذلتیں دیکھیں۔ اسکی سرداری اور اس کا مذہب خاک میں مل گیا۔ اُسکے بزرگوں کے بت پُور پُور کرنے والا علیؑ برابر زندہ رہا۔ اُن دونوں میاں بیوی نے علیؑ سے انتقام کی وصیت کی اور نا کام مر گئے۔ معاویہ اور اُسکے سرپرستوں نے بھی برابر وصیت پر عمل کرنے کی اسکیم جاری رکھی۔ آخر کار یزید نے بدر واحد، خیبر میں قتل ہونے والے کفار کا انتقام لے لیا۔ اور آج محمد مصطفیٰ علی مرتضیٰ صلی اللہ علیہما کی بیٹیاں یزید کے محل میں بھیجی جا رہی ہیں۔ جہاں ابوسفیان اور ہند کی بیٹیاں اور ذہنین زرق برق لباس میں ملبوس ہیں اور آل اللہ و آل رسولؐ نہایت بوسیدہ و نا کافی لباس میں اُنکے سامنے جا رہی ہیں۔ ہمیں اس وقت بہت سے معجزات یاد آ رہے ہیں۔ ہمارا دل چاہتا ہے کہ

وہ، شیطان زاد یوں کو اس بوسیدہ حالت میں نظر نہ آتیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اللہ کے رحم و کرم کو جوش آیا تھا یا نہیں؟ اور رسول زاد یوں کے جسم پر وہ لباس بدل گیا تھا یا نہیں؟ بہر حال یہ بھی صبر و تحمل کا وہ امتحان تھا جہاں کامیابی حاصل کرنا صرف آل محمدؐ ہی کے شایان شان تھا۔ چنانچہ علامہ در بندی لکھتے ہیں:-

قال الشعبي وكان يزيد (لعين) أخت اسمها هند غير زوجته فلما رأتهم وثبت قائمة على قد ميهها ثم قالت أيتكن أم كلثوم أخت الحسين؟ قالت ام كلثوم عليها السلام ها أنا، وبذلك ابنة الامام الزكي و الهمام التقى امير المؤمنين علي بن ابي طالب - من قرن الله طاعته بطاعته وعقابه بمعصيته ومن أقرض الله له الولاية على البدو والحضر مبيد الاقران والمتوج بالنصر مكسر لالات والعزى والهبل -

فاقبلت عليها اخت يزيد وقالت يام كلثوم ولا جل ذلك اخذتكم وبمثلته طلبتم وهونتم يابني عبدالمطلب امثل ربعية وعتبة وابي جهل واضراهم تسفك دماهم انسينا اباك يوم بدر وماقتل من رجالنا؟ فقالت ام كلثوم يام خبت من الاولاد ويا ابنة اكلة الاكباد لسننا كنسا نكم المشهورات بالزنا ولا رجالنا كرجالكم العاكفين على اللات والعزى - آيس جدك ابا سفيان الذي حزب على الرسول الاحزاب آيس أمك هند الباذلة نفسها لوحشى والأكلة كبد حمزة جهراً وليس ابوك الضارب في وجه امامه بالسيف أوليس اخوك القاتل اخي ظلماً وهوسيد شباب اهل الجنة واهل الكتاب والسنة وابن بنت الرسول المخدوم بجبرائيل وميكائيل؟ وكثير ممالكتموه في الدنيا فانه في الاخرة قليل -

قال الشعبي فلم تجبها هند جواباً ثم وثبت من بعدها عاتكة ابنة يزيد على قد ميهها ثم نادى أيتكن سكينه (فاطمه الاوسط زينب) بنت الحسين؟ فقالت ها انا المطلوبة بثار بدر وحنين - وبذلك انتم بنامس تهزؤون وبما نزل بنا شامتون فنحن من اهلييت المصائب وابونا على بن ابيطالب فمن انت يا ويلك؟ قالت عاتكة بنت يزيد صاحبة العزى الشامخ والذكر البازخ اهل الحق والديانة - فقالت لها سكينه (فاطمه الاوسط زينب) ويلك مهلاً ان الله تعالى جعل الدنيا دار البلوى وجعل الاخرة لمن ناوى الدنيا ولستهم يا ويلك مثلاً آيس ابوك المفتخر بقتل آل محمد ظلماً وأمك المعتكفة لعبد ها فعليك وعليها لعنة الله - فامانحن فاهل بيت الاحقاف ورجالنا اهل الاعراف والصفوة من آل عبدمناف - فلم تجبها - وقد القمت حجراً -

قال شعبي ثم وثبت من بعدها امراة يزيد وقالت ايتكن شاه زنان ابنة كسرى نوشيروان؟ فقالت ها انا ابنة الملك ومن جمع لها فخر الدنيا والاخرة في مملكة درجة وفي الامامة هدية وانا زوجة ابن بنت رسول الله المقتول ظلماً وابن وصي المرتضى - من انت يا ويلك - قالت انا ام حبيب زوجة يزيد صاحبة العزى والفخار ومن خضعت لطاعته جميع الامصار - قال الشعبي فاقبلت عليها زوجة الحسين عليه السلام و نادى واعجابه ابن البعير من الفرس وابن ضوالشمس من الغلس ونحن ملوك الامصار ورجالنا سادة الاطهار وانتم بنى امية اخس كلاب النار ثم تلث وكان الكافر على ربه ظهيرا (فرتان 25/55) وبذلك افبا جدادكم الجاهلية واولادكم تفتخرون ام بقهركم لنا تصولون - قال فسكت ولم تتكلم وكان لها جارية كانت نائمة فانتهت من نومها ولطمت وجهها ومزقت ما كان عليها ثياب فاخرة - وقالت شاهت وجوهكم وتعتست جد و دكم يا اولاد الشجرة الملعونة في القرآن ونسل الرجس والطغيان يا آل ابي سفيان المتهمين في انسابكم والمعروفين بقبايح احسابكم حيث لم يصح اسلامكم ولم يثبت عند الله ايمانكم - ويلكم هؤلاء اولاد اليعسوب الزكي والبرالتقى امير المؤمنين عليه السلام ثم انشاءت:

وجوہ نورھا یزھر - کُنُور البدر و الشمس
رسولُ اللہ و لظھر - خیار الجن و الانس
حسینُ السبط مقتول - بسیف الفاسق الرّجس

قال الشعبي ثم خرجت الى يزيد وهي منشورة الشعر فقالت ويلك يا يزيد كفّ عن ولد فاطمة الزهراء عليها السلام فاني كُنْتُ الساعة نائمة فرايت في منامي كان ابواب السماء قد فتحت ورأيت اربعة من الملائكة قد حاطوا بقصرک وهم يقولون احرقوا هذه الدار فقد سخط على اهلها الملك الجبار - قال سهل وكانت هذه المرأة زوجة ليزيد - فقال لها ويلک وترثين لاولاد فاطمة الزهراء واللّٰه لاقتلنک اشقرتله - قالت له وما ينجيني من القتل؟ قال تقومين على قدميك وتسبين على ابن ابى طالب وعترته فانک تنجين من القتل - قالت نعم افعّل ذلك اذا انت اخضرت من يسمع مقالى فامرّ باحضار الناس - فلما اجتمعوا قامت قائمة على قدميها وقالت يامعشر من حضر ان هذا يزيد بن معاوية (لعهما الله تعالى) قد امرنى ان اسب على ابن ابى طالب وعترته - الا انصتوا لما قول الا ان لعنة الله ولعنة اللاعنين والملائكة والناس اجمعين على يزيد وابيه وجده ابى سفيان وحزبه واتباعه الى يوم الدين - قال فلما سمع الناس كلامها غضب يزيد غضباً شديداً وقال من يكفينى امرها فقام البهارجل من اهل الشام فضر بها ضربة جذّ لها صريعة فانتقلت الى رحمة الله تعالى - (اكسير العبادات - صفحہ 537 تا 538)

شعبي نے کہا کہ ہند نام کی ایک عورت یزید کی بہن بھی تھی - جب اُس نے رسول زاد یوں کو دیکھا تو ایک دم اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اور سوال کیا کہ تم میں امام حسین کی بہن ام کلثوم کون سی ہے؟ حضرت ام کلثوم نے فرمایا کہ میں ہوں ام کلثوم - یقیناً تو قابلِ مذمت ہے - سن میں اللہ کے پاک کردہ امام کی اور مجسمہ ذمہ داری بزرگ کی بیٹی ہوں - ایسے بزرگ کی بیٹی ہوں جس کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ فرض کر دیا اور جس کی نافرمانی پر اللہ نے سزا اور سزائیں دیا جانا لازم کر دیا ہے - اور جس کو حاکم خداوندی ماننا حاضر و غائب دونوں پر فرض کیا ہے - جس نے اپنے تمام مد مقابل سر بلند دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اُتارا - جسے اللہ نے نصرت کا تاج پہنایا، جس نے تمہارے بزرگوں لات وعزّی اور ہبل کو چکنا چور کر دیا تھا -

یہ سن کر یزید کی بہن آگے بڑھی اور کہا کہ اے ام کلثوم اسی لئے تم یوں گرفتار و قید کئے گئے اور اسی انتقام میں تمہیں یوں حاضر کیا گیا اور تمہاری توہین کی گئی ہے - اے عبدالمطلب کی اولاد کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ ہم اپنے بزرگوں ربیعہ اور عتبہ اور ابوہلہ اور اُن کے ہم پلہ لوگوں اور دیگر جوانوں کا قتل عام اور خون بہایا جانا بھول جائیں گے اور علی سے بدر کا بدلہ نہ لیں گے؟

جناب ام کلثوم نے جواب دیا کہ اے وہ عورت جس سے پیدا ہونے والی اولاد خبیث ہوگی - اور اے وہ عورت جو جگر خوارہ کی بیٹی ہے - اولعوضن کہ ہم تمہارے خاندان کی عورتوں کے مانند نہیں - تمہاری عورتیں تو عرب میں زنا کرانے کے لئے مشہور رہی ہیں - اور تمہارے مرد بھی ہمارے مردوں کی برابری نہیں کر سکتے - تمہارے مرد تو لات وعزّی اور بتوں کے سامنے سجدہ ریز رہتے تھے - کیا ابوسفیان تیرا دادا نہیں جس نے تمام اقوام کو لے کر رسول اللہ پر حملے کئے - کیا تیری ماں وہی تیری ہمنام ہند نہیں جو وحشی نام کے غلام سے فراخ دلی سے یار اندر رکھتی تھی جس نے حمزہ کا جگر چبایا؟ کیا تیرے باپ نے اپنے امام قتل نہیں کرایا - کیا تیرے بھائی نے میرے بھائی کو ناحق قتل نہیں کیا

جو جنت کے جوانوں کا سردار اور دختر رسولؐ کا بیٹا تھا۔ اور جبرائیل ومیکائیل جس کے خادم تھے؟ اور یہ جو کچھ تمہارے پاس ہے آخرۃ میں حقیر و قلیل ہے۔

علامہ شمعی کہتے ہیں کہ یزید کی بہن کچھ نہ بول سکی، لا جواب ہو کر خاموش ہو گئی۔ اس کے بعد یزید کی بیٹی عاتکہ کھڑی ہوئی اور پکارا کہ تم میں حسینؑ کی بیٹی سکیئہ (فاطمہ الاوسط عرف زینبؑ) کون سی ہے؟ حضرت سکیئہ (فاطمہ الاوسط عرف زینبؑ) علیہا السلام نے فرمایا کہ کیا میں بھی بدروجنین میں قتل ہونے والے مشرکین کے انتقام میں مطلوب ہوں۔ خدا تجھے عارت کرے تم لوگ جمع ہو کر ہمارا مذاق اڑا رہے ہو۔ اور ہمیں اس لئے نشانہ ملامت بنا رہے ہو کہ ہم بے یار و مددگار اور مصائب میں مبتلا گھرا ناہیں؟ یہ تو بڑے بڑے مکینہ لوگ بھی نہیں کرتے۔ میں علیؑ کی نور نظر ہوں تو کون ملعونہ ہے، نام تو بتا دے؟ اس نے کہا کہ میں یزید کی بیٹی اور صاحب عزت و ذکر خیر کی حقدار ہوں اور ہم حق بجانب و دیندار لوگ ہیں۔ حضرت سکیئہ نے فرمایا کہ سنو! یہ دنیا آزمائش کی جگہ بنائی گئی ہے۔ اللہ نے آخرت اور اچھا نتیجہ اُن لوگوں کے لئے تجویز کیا ہے جو دنیا کے سامنے نہیں جھکتے۔ تم ہرگز ہمارے برابر نہیں ہو۔ کیا تیرا ملعون باپ، محمدؐ کی اولاد کا قتل عام کرنے پر ناز نہیں کر رہا ہے؟ کیا تیری ماں ایک غلام کی پوجا میں مصروف نہیں رہتی؟ لہذا تیرے اوپر اور تیری ماں پر اللہ کی لعنت۔ ارے ہم تو ریگستان کے باشندوں کی ہدایت کرنے والے خاندان سے ہیں (الاحقاف 46/22)۔ ہمارے مرد وہی ہیں جو تمام جہنمیوں اور جنتیوں کو روز ازل سے جانتے اور پہچانتے ہیں (اعراف 7/46) اور ہم ہی تو عبد مناف کی اولاد کے قابل فخر لوگ ہیں۔ یہ سن کر یزید کی بیٹی ایسی لا جواب ہوئی جیسا کہ اس کے منہ میں پتھر کی ڈاٹ لگ گئی ہو۔

شمعی لکھتے ہیں کہ اُس کے بعد یزید کی زوجہ کھڑی ہوئی اور پکارا کہ تم میں سے حسینؑ کی وہ زوجہ کون سی ہے جس کو شاہ زنان اور نوشیرواں کی بیٹی کہا جاتا ہے؟ حضرت شہربانو نے کہا کہ میں ہوں جس کے لئے اللہ نے دنیا و آخرۃ کا فخر جمع کر دیا ہے۔ میں حکومت میں ایک درجہ رکھتی ہوں اور امامت کے حضور میں ایک تحفہ ہوں۔ میں رسولؐ زادی کے اُس بیٹے کی زوجہ ہوں جسے ظلم و ستم سے قتل کیا گیا ہے اور جو وصی رسولؐ اور مرضیؑ کے فرزند ہیں۔ اور حبیب عورت تو کون ہے نام بتا۔ اس نے کہا کہ میں حبیب کی ماں اور یزید کی بیوی ہوں۔ عزت اور فخر کے مالک کی زوجہ ہوں۔ اُس کی زوجہ ہوں جس کے سامنے تمام شہروں کے باشندوں کی گردنیں جھکتی ہیں۔ شمعی لکھتے ہیں کہ یہ غیپ سن کر حضرت شہربانو نے بڑھ کر کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اونٹوں کو گھوڑوں کے مقابلہ میں لایا جاتا ہے۔ ارے کہاں سورج کی چکا چوند کرنے والی روشنی اور کہاں تاریکی؟ ارے اومکینہ عورت سن ہم ہیں جو تمام باشندگان عالم کے بادشاہ ہیں اور ہمارے مرد پاک و پاکیزہ سید و سادات ہیں۔ اور تم امیہ کی نسل جہنم کا حقیر ترین ایندھن ہو۔ ارے بے ہودہ عورت تو اپنے عہد جاہلیت کے آبا و اجداد اور اپنی اس اولاد پر فخر کرتی ہے جنہوں نے ہم پر عارضی غلبہ پالیا ہے؟

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد زوجہ یزید چپ ہو گئی اور بول نہ سکی۔ مگر اُس کی ایک نوجوان سوکن تھی وہ سورہی تھی گھبرا کر جاگی اور سارے کپڑے پھاڑ ڈالے منہ پیٹتی ہوئی آئی اور کہا کہ اے خاندان یزید تمہاری صورتیں بگڑ جائیں اور تمہاری عزت خاک میں مل جائے۔ اے قرآن کے ملعون شجرہ کی اولاد۔ اے گندی ناپاک اور سرکش نسل کے لوگو۔ اے ابوسفیان کی اولاد جن کے نسب کی خرابیاں

معلوم و مشہور ہیں۔ جن پر تمام قسم کی تہمتیں ثابت ہیں۔ تمہارا حسب بھی بدترین ہے نسب بھی ناپاک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمہارا اسلام ناقابل قبول اور تمہارا ایمان اللہ کے یہاں مردود ہے۔ خدا تمہیں غارت کرے یہ تو ایک پاک و نیک سردار امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی اولاد ہیں اور پھر یہ اشعار پڑھے:-

اُن کے ایسے چہرے ہیں جن سے نور برستا ہے۔ اُسی طرح جس طرح چاند اور سورج کی روشنی پھیلتی ہے۔ تمام انسانوں اور تمام جنوں سے بڑھ کر پاک کرنے والے رسولؐ کی اولاد ہیں۔ ایک فاسق و فاجر کی تلوار سے اُسی رسولؐ کا نواسا حسینؑ مقتول ہوا ہے۔

شعی کہتے ہیں کہ وہ بال کھولے ہوئے یزید تک پہنچی اور کہا کہ اے یزید تیرا بُرا ہو۔ اولاد فاطمہؑ الزہراءؑ پر دست درازی سے باز آ جا۔ میں ذرا دیر کو سو گئی تھی میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اور دیکھا کہ فرشتوں میں سے چار فرشتوں نے تیرا محل گھیر لیا ہے۔ اور کہہ رہے ہیں کہ حقیقی جبار بادشاہ اللہ اس محل میں رہنے والوں پر غضبناک ہو گیا ہے۔ لہذا اس محل کو جلا ڈالو۔ سہل نے کہا ہے کہ یہ عورت بھی یزید کی ایک زوجہ تھی۔ یزید نے اُس سے کہا کہ افسوس ہے تجھ پر کہ تو فاطمہؑ زہراءؑ کی اولاد کا مرثیہ پڑھ رہی ہے۔ قسم بخدا میں تجھے بہت ہی بری طرح قتل کروں گا۔ زوجہ نے کہا کہ کیا کوئی ایسی شرط ہے جس سے میں قتل ہونے سے بچ جاؤں؟ یزید نے کہا کہ ہاں تو کھڑی ہو کر علیؑ بن ابی طالبؑ کو گالیاں دے تو قتل سے بچ سکتی ہے۔ اس نے کہا کہ میں عمل کرنے کو تیار ہوں مگر مجمع عام تو ہو جو میرا کلام سن سکے۔ یزید نے لوگوں کو حاضر کرنے کا حکم دے دیا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو یزید کی زوجہ کھڑی ہوئی اور کہا کہ اے لوگو جو یہاں موجود ہو سنو! یہ یزید ابن معاویہ ہے۔ اُس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں علیؑ بن ابی طالبؑ اور اُن کی آل و اولاد کو گالیاں دوں اور اُن سے بیزار کی کا اعلان کروں۔ خبردار ہو کر میرا بیان سنو! میں اعلان کرتی ہوں کہ تمام انسانوں کی اور تمام ملائکہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی اور خود اللہ کی لعنت ہو یزید پر، اس کے باپ پر اور اُس کے دادا ابوسفیان پر۔ راوی نے بتایا کہ جب لوگوں نے یہ لعنت سن لی تو یزید کو بہت سخت غصہ آیا کہ اس کے ساتھ کیسا فریب کیا گیا اور کیسے مجمع عام میں اُسے اور اس کے آباؤ اجداد کو ملعون کہا گیا۔ اُس نے کہا کہ ہے کوئی شخص جو اس عورت کا کام تمام کر کے میری مدد کرے۔ اس پر ملک شام ہی کا ایک شخص کھڑا ہو گیا اور اُس مومنہ عورت کو ایک نہایت مہلک ضرب لگائی جس سے وہ گری اور رحمت خداوندی سے ملحق ہو گئی۔ (اَنَّا لِلّٰہِ وَاَنَا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ) (اکسیر العبادات - صفحہ 537 تا 538)

(الف)۔ اہل حرم کا یزید کی مستورات سے خطاب

قارئین کرام سوچیں کہ یزید اپنے زمانہ کے بڑے شاعروں اور ادیبوں میں سے ایک تھا۔ یوں بھی وہ ایسے خاندان کا چشم و چراغ تھا جو اوپر سے خاندان رسولؐ کا مد مقابل رہتا چلا آیا تھا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ ابوسفیان خود ایک ماہر نفسیات و سیاسیات شخص تھا۔ اُسے سابقہ بادشاہان عرب کے یہاں کرسی ملا کرتی تھی۔ وہ بھی بڑا طلیق اللسان فرد تھا۔ اُس کے خاندان میں ہر پیدا ہونے والا بچہ بنی ہاشم سے مقابلہ کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ اور اب تو وہ ایک عظیم الشان حکومت کے مالک تھے۔ ان تمام مواقع کے باوجود حضرت زینب

علیہا السلام کے سامنے اُس کا ناطقہ بند ہوا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی اُسے اپنے فصیح و بلیغ خطبہ سے رُسوا کیا۔ اس کے بعد بھی اُسے یہ امید کیسے ہوئی کہ وہی حضرت زینبؓ اُس کی ازواج اور بیٹیوں کے سامنے ناکام ہو جائیں گی؟ اور وہ عورتیں ہو کر اُنہیں مرعوب کر سکیں گی؟ حقیقت یہ ہے کہ یزید کے خاندان کی عورتیں اُسی ساز کی عورتیں تھیں جیسی لکھنؤ کی طوائفیں مشہور ہیں کہ بڑے بڑے نواب اپنے بچوں کو تمیز و تہذیب و کامیاب انداز گفتگو سکھانے کے لئے اُن کے یہاں بھیجا کرتے تھے۔ یزید کو اُن کی آوارہ مزاجی، نکتہ سنجی اور خروں پر اس قدر بھروسہ تھا کہ اُس نے بڑے یقین و اطمینان کے ساتھ حرم رسول کو وہاں بھیج دیا۔ لیکن وہاں حضرت زینب علیہا السلام کو مخاطب ہی نہیں کیا گیا۔ یہ بھی غالباً یزید ہی نے مشورہ دیا ہوگا۔ بہر حال جناب ام کلثوم، جناب سکینہ (فاطمہ الاوسط عرف زینبؓ) اور جناب شہر بانو علیہن السلام کی گفتگو آپ کے سامنے ہے۔ اُن تینوں شہزادیوں نے اپنے اپنے بیانات میں نہایت مہذب اور شرعی الفاظ میں ایک ایک ایسی بات کہہ دی ہے۔ جس نے یزید کی زوجہ اور ماں اور اوپر والی عورتوں کا پردہ کھول دیا۔ اور خانوادہ یزید کو یقین ہو گیا کہ رسولؐ زادیوں کے سامنے یہ مصنوعی رعب اور یہ زنانہ داؤ پیچ نہ چلیں گے۔ اُنہیں یقین ہو گیا کہ اس مقدس خاندان کی مستورات اور ننھی بچیاں بھی تاریخ اور قرآن پر عبور رکھتی ہیں۔ اور ساتھ ہی اُن کے نورانی چہروں کے سامنے انہیں اپنی ملعون صورتیں بھیا تک معلوم ہو رہی تھیں۔ درحقیقت وہ پہلی نظر کے بعد ہی لب کشائی نہ کرتیں مگر یزید کا حکم بجالانے کے لئے ذلیل و خوار ہو رہی تھیں۔ اُدھر خواب میں ایمان لانے والی عورت نے رہی سہی کمی پوری کر دی۔ خاندانی ملعون عورتوں کو بھی سہا کر رکھ دیا اور پھر یزید کی رسوائی اور ذلت کا ابدی سامان بن گئی۔ اور خانوادہ رسولؐ پر قربان ہو کر اپنی عاقبت کو سنوار لیا اور خدمت خاتونِ جنت میں جا پہنچی۔

(ب)۔ حضرت شہر بانو پھر علما کی پریشانی کا باعث بن گئیں

ہمارے بعض علما تو یہ مانتے ہی نہیں کہ حضرت شہر بانو علیہا السلام کر بلا میں موجود تھیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ موجود تھیں لیکن اسیرانِ اہل حرم کے ساتھ قید ہو کر نہیں گئیں۔ بلکہ اپنی بیٹی فاطمہ کبریٰ عرف زبیدہ علیہا السلام کو ساتھ لے کر ایران کے علاقہ میں چلی گئی تھیں۔ لہذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یزید کی مستورات سے کیسے خطاب کیا؟ اس کا جواب وہی ہے کہ جیسے امام زین العابدین علیہ السلام ابنِ زیاد کی قید میں بھی رہے اور لاشہائے شہداء کو دفن کرنے کے لئے بھی پہنچے۔ اُسی طرح حضرت شاہِ زنان علیہا السلام بھی جہاں اُن کی ضرورت ہوتی تھی وہاں موجود ملتی تھیں۔ وہ نہ قید سے گھبراتی تھیں نہ وہ حضرت زینب علیہا السلام سے افضل تھیں۔ البتہ وصیتِ امام حسینؑ پر عمل لازم تھا۔ لہذا تعمیلِ احکامِ امام علیہ السلام میں رضائے خداوندی حاصل کرنا اپنا فریضہ سمجھتی تھیں۔ رہ گئے علما؟ تو وہ علما ہیں۔ اپنی عاقبت و اقوال کے ذمہ دار ہیں۔ مائیں نہ مائیں یہاں مختار ہیں۔

(4)۔ یزید کے دربار میں امام اور اہل حرم علیہم السلام کی دوسری اجتماعی پیشی

آپ نے پہلی پیشی پر وہ خطبہ سنا تھا جو صدیقہ کبریٰ علیہا السلام نے یزید کو اُس کی پوزیشن دکھانے اور اپنا بزرگ ترین مقام سامنے رکھنے کیلئے بڑے جلال کے ساتھ دیا تھا اور جس کے بعد یزید تنہا امام زین العابدین علیہ السلام کو بلاتا رہا۔ پھر آپ کو یہ بھی یاد ہوگا کہ یزید نے اہل حرم کو اپنی بیگمات کے ٹھاٹ دکھانے اور ذلیل کرانے کے خیال سے محل میں بھیجا تھا۔ جس میں جناب ام کلثوم جناب

سکینہ (فاطمہ الاوسط عرف زینب) و حضرت شہر بانو سلام اللہ علیہا نے محل میں نہ صرف خاندان یزید کے رسوا کن اعمال اور ان کی بدنام زمانہ مستورات کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا تھا بلکہ یزید کی ایک نیک زوجہ نے ہنگامہ دارو گیر برپا کر کے یزید اور بزرگان یزید کو مجمع عام میں لعنتی ثابت کر کے جام شہادت پی لیا تھا۔ آج پھر یزید ملعون نے اہل حرم کو اپنے مخصوص شیوخ اور سرداران قوم کے سامنے طلب کیا ہے۔

(الف)۔ امام علیہ السلام سے لا جواب ہو کر قتل کا حکم دینا اور خود قتل سے بچنے کے لئے حکم واپس لینا

فی رواية الشعبي ثم امر أن يدخل عليه بعلي بن الحسين فإذا دخل والنسوة من خلفه فقال يزيد من أنت يا غلام؟ فقال له يا يزيد انت أعرف بي؛ انا علي بن الحسين بن ابي طالب - قال يزيد أليس قد قُتِلَ علي بن الحسين - قال ذاك اخي علي بن الحسين الاوسط - قال يزيد وإلى القتل آتي بك يا علي؟ ثم امر بقتله فاخرج به - فصاحت زينب إلى أين يراد بك - فقال إلى القتل - فصاحت أم كلثوم وزينب وحسبك يا يزيد من دماينا تناشدك الله إن قتلته فافقتلنا - فامر برده ثم قال يا علي اراد ابوك أن يد علي با مير المؤمنين فقطع الله شافته ومنحتني اعناقكم فاخذت اموالكم وقتلت رجالكم وسبيت نساءكم وابطلت احد وثكم - فقال علي بن الحسين بسم الله الرحمن الرحيم ما أصاب من مصيبة في الأرض ولا في أنفسكم إلا في كتب من قبل أن نبرأها إن ذلك على الله يسير (حدید-57/22) فرفع يزيد راسه اليه وامر بضرب عنقه فاخرج من بين يديه - فصاحت به ام كلثوم إلى أين يا حبيبي؟ قال لها إلى السيف يا عمّة - فصاحت واغوثاه بالله عز وجل والبقية من لا يبقى ياسلالة نبي الهدى يا بقية ابن علي المرتضى - قال فضج الناس بالبيكا - فقال رجل من القوم يا يزيد رد الغلام والأ فانت مقتول - فردّه ثم أوقف بين يديه - فقال له علي بن الحسين وبيك يا يزيد إن كان لابد من قتلي فاحضر لي ثقة حتى اوصيه وصية؟ قال وما الذي توصي به؟ فقال أوصي اليه برد الحرم الى مدينة الرسول قال يزيد ما يردّه سواك وأراد بذ لك هذو الناس - (أكبر العبادات - صفحہ 517)

علامہ شعبی نے روایت کیا ہے کہ پھر ایک روز یزید نے اہل حرم اور امام زین العابدین علیہ السلام کو لانے کا حکم دیا۔ چنانچہ جب آگے آگے امام او ان کے پیچھے رسول زادیاں داخل ہوئیں۔ تو یزید نے تحقیق حال کے لئے پوچھا کہ اے نوجوان تو کون ہے؟ امام نے فرمایا کہ تو مجھ سے ساری دنیا سے زیادہ واقف ہے۔ میں حسین کا بیٹا اور ابوطالب کا پوتا علی ہوں۔ یزید نے کہا کہ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ علی بن حسین قتل ہو چکا ہے۔ امام نے وضاحت کی کہ وہ میرا درمیانی بھائی تھا۔ اس پر یزید نے کہا کہ پھر یہ لوگ تمہارے قتل کا فیصلہ نہ کر سکے اس لئے میرے پاس تمہیں لایا گیا ہے کہ میں حکم دوں چنانچہ ان کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ جب انہیں قتل کرنے کیلئے لے جانے لگے تو حضرت زینب نے دُور سے لے جاتے ہوئے دیکھا تو چلا کر پوچھا کہ آپ کو کہاں لے جانے کا ارادہ ہے؟ فرمایا قتل کے لئے لے جا رہے ہیں۔ اس پر جناب ام کلثوم اور حضرت زینب نے پکارا کہ اے یزید تجھے ہمارے گھرانے کا اتنا خون بہانا کافی نہ ہوا؟ خدا تجھے سبق دے۔ سُن اگر تو ان کو قتل کرنا چاہتا ہے تو ہم دونوں کو بھی اُن کے ساتھ قتل کرادے۔ یہ ارادہ سن کر یزید نے امام کو واپس لانے کا حکم دیا۔ اور پھر امام کو مخاطب کر کے کہا کہ اے علی تمہارے باپ نے چاہا تھا کہ وہ امیر المومنین کہلایا کریں۔ اس لئے اللہ نے اُن کی جڑ کاٹ دی اور تمہاری گردنیں ٹیڑھی کر دیں تمہارا مال و متاع چھین لیا۔ تمہارے مرد قتل ہو گئے تمہاری عورتیں قیدی بن کر رہ گئیں۔ اور تمہاری تمام حدیثیں اور من گھڑت فضیلتیں باطل ہو کر رہ گئیں۔ امام علیہ السلام نے بسم اللہ کر کے قرآن کی یہ آیت (حدید 57/22) پڑھی:-

”تم لوگوں کو یا کائنات کی کسی اور مخلوق کو جو چیز بھی پہنچتی ہے۔ وہ ہمارے ریکارڈ میں خوشگوار و مفید بنائے جانے سے بھی پہلے لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اُس کا قبل ہی سے لکھا ہوا ہونا اور اُسے خوشگوار و مفید بنادینا اللہ کے سامنے بہت آسان ہے۔“

یزید کو یہ منہ توڑ قرآنی جواب ملا تو اُس نے سر اٹھا کر غضبناک آواز میں امام زین العابدین علیہ السلام کا سر کاٹنے کا آخری حکم دے دیا۔ چنانچہ جلاد و متعلقہ لوگ اُن کو یزید کے سامنے سے ہٹا کر قتل گاہ کی طرف لے چلے۔ یہ دیکھ کر ام کلثومؓ کو شبہ ہوا اور چلا کر پوچھا اے حبیب کہاں لئے جا رہے ہیں؟ فرمایا اے پھوپھی مجھے قتل کے لئے لے جا رہے ہیں۔ اس پر ام کلثومؓ نے اللہ سے فریاد کی یا اللہ ہماری مدد فرما؛ میرا بھتیجا اُن حضرات کی تنہا یادگار ہے جن کا نام لیوا کوئی نہ بچا؛ یا اللہ یہ تو تیری ہدایت مآب نبوتؐ کا نچوڑ ہے۔ یہ تو علی المرتضیٰ کے سلسلہ امامت کی تنہا کڑی ہے۔ راوی نے بتایا کہ یہ تصریح سن کر موجودین میں رونے کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اور سرداران قوم میں سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ یا تو فوراً اُس نوجوان کو واپس بلاؤ اور قتل کا حکم واپس لو ورنہ تم خود قتل ہونے اور تڑپنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ یزید نے گھبرا کر واپس لانے کا حکم دیا۔ جب سید سجادؑ سامنے آ کر کھڑے ہوئے تو یزید سے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تو کسی نہ کسی بہانے سے میرا قتل کیا جانا ضروری سمجھتا ہے۔ اگر واقعی ایسا ہے؟ تو کسی قابل اعتماد شخص کو یہاں بلا تا کہ میں اسے وصیت کر دوں۔ یزید نے پوچھا کہ وہ وصیت کیا ہے جو تم کرو گے؟ فرمایا کہ میں اُسے رسولؐ زاد یوں کو مدینہ پہنچانے کے متعلق ہدایات دوں گا۔ یزید نے لوگوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کہا کہ اہل حرمؓ کو تمہارے سوا کوئی اور مدینہ نہ لے جائے گا۔“

مطلب یہ تھا کہ تم اب زندہ رہو گے۔ اور آزاد ہو کر اپنے خاندان کی مستورات اور بچوں کو خود مدینہ لے کر جاؤ گے۔

(ب)۔ مندرجہ بالا آیت نے یزید کو کیوں مشتعل کیا۔ آیت پر دوسری نظر

اس آیت کے جو معنی شیعہ سنی علما نے اختیار کئے ہیں۔ اُن سے کوئی ایسی خطرناک بات معلوم نہیں ہوتی کہ یزید آیت سنتے ہی معاف شدہ شخص کو دوبارہ قتل کرنے کا حکم دے دے۔ دوبارہ قتل کئے جانے کا حکم تو اُسی حالت میں دیا جاتا تھا بجا نب ہو سکتا ہے جب کہ یزید کو چیلنج کرنے والی کوئی بات آیت میں ہو۔ یا کوئی نہایت اشتعال انگیز گالی یا طعنہ ہو یا کفر و بے دینی وغیرہ کا الزام ہو۔ بہر حال پہلے شیعہ سنی ترجمہ دیکھیں اور پتہ لگائیں کہ اُس ترجمہ میں کوئی ایسی بات ہے جو یزید کو یا کسی اور شخص کو چراغ پا اور مشتعل کر دے؟

۱۔ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكُمْ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ

2۔ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (حدید 23-22/57)

علامہ مودودی کا ترجمہ: ”کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے

پہلے ایک کتاب میں لکھ نہ رکھا ہو۔ ایسا کرنا اللہ کیلئے بہت آسان کام ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 319)

شیعہ مقبول احمد ترجمہ: ”جو مصیبت بھی زمین پر اور تمہاری ذات پر گزرتی ہے قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ہمارے پاس ایک

نوشتہ میں (لکھی ہوئی) موجود ہے۔ بلا شک یہ امر اللہ کے لئے آسان ہے۔“

حاشیہ علامہ مودودی: ”کتاب سے مراد ہے نوشتہ تقدیر۔ یعنی اپنی مخلوقات میں سے ایک ایک کی تقدیر پہلے لکھ دینا اللہ کیلئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 320)

دوسری آیت کا مودودی ترجمہ: ”تاکہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہو اُس پر تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اُس پر پھول نہ جاؤ۔ اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں۔“ (ایضاً صفحہ 319-320)

شیعہ مقبول احمد ترجمہ: ”تاکہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اُس پر تو تم افسوس نہ کرو اور جو کچھ اُس نے تم کو عطا کیا ہے اس پر آپے سے باہر نہ ہو جاؤ۔ اور اللہ ہر چھچھورے شیخی باز کو دوست نہیں رکھتا۔ (ترجمہ حدید 57/23)

(ج)۔ پہلی اور اُمام کی تلاوت کردہ آیت پر ہماری گزارشات

ہم اپنی ہر تصنیف میں علما کے فری اسٹائل اور غلط ترجمہ کی شکایت کرتے رہتے ہیں۔ یعنی یہ ہماری عادت ہے اور وہ علما کی عادت بلکہ ایک مسلسل سنت ہے۔ ہم نے یہاں مذکورہ اور زیر نظر آیت سے اگلی آیت اور اُس کا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے۔ اس سے ہم دو باتیں ظاہر و واضح کرنا چاہتے ہیں۔ پہلی یہ کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے اس دوسری آیت کو بھی ایک ملاقات میں یزید کے جواب میں پڑھا تھا اور وہ تفصیل بھی آنے والی ہے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ لفظ ”مُصِيبَةُ“ کے حقیقی معنی کو قرآن سے اور اُن مترجمین کے قلم سے ثابت کر کے علما کے ترجمہ کو غلط قرار دے دیں۔ لہذا پہلی غلطی یہ ہے کہ مصیبت کے معنی آفات و حادثات و رنج و غم و الم و بیماری وغیرہ میں مبتلا ہونا نہیں ہیں۔ یہ دوسری پراپیگنڈہ کی کامیابی ہے کہ علما نے اُردو میں اس کے یہی معنی ہر خورد و کلاں کے دماغ میں جما کر بٹھادیئے ہیں۔

لفظ مصیبت کا بنیادی مادہ (ص و ب) صوب ہے اور اس کا اولین مصدر صَوَّبَ یا صَوَّبَا ہے۔ اور اس کے معنی ہر جگہ (ٹھیک ٹھیک مقام پر) پہنچنا ہیں۔ اسی مصدر سے ایک بڑا مصدر (باب افعال سے) بنایا جاتا ہے۔ اور وہ ہوتا ہے۔ اِصَابَةُ۔ جس کے معنی پھر پہنچنے اور پہنچانے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ مولانا سید عبدالدائم لکھتے ہیں ”اِصَابَةُ (باب افعال) ارادہ کرنا۔ ٹھیک ارادہ کرنا۔ اترنا۔ پالینا کسی چیز پر پہنچ جانا۔ صحیح چیز کو پالینا۔ نشانہ پر تیر بیٹھ جانا۔“ (لغات القرآن جلد نمبر 5 صفحہ 401)

اور قرآن نے فرمایا کہ: اَوَّلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِثْلَهَا... الخ (آل عمران 165/3)

”کیا جس وقت پہنچی تم کو مصیبت تحقیق پہنچایا تھا تم نے دو برابر اُس کے (رفع الدین)۔“

یہاں اِصَابَتْكُمْ اور اَصَبْتُمْ کے معنی پہنچنا اور پہنچانا ثابت ہیں۔ گڑبڑ اسلئے ہوتی ہے کہ یہ لوگ مصیبت کے معنی کرتے ہی نہیں تاکہ اُنکے گھریلو معنی پکے ہو جائیں۔ اب یہ دیکھئے کہ لفظ مُصِيبَةُ کی صورت اور معنی کیا ہیں پھر لغات القرآن اٹھائیے لکھتے ہیں:-

”مُصِيبَةُ۔ اسم فاعل واحد مونث مرفوع مکرہ۔ اِصَابَةُ مصدر۔ باب افعال۔ غم۔ تکلیف سختی۔ دکھ پہنچانے والی ہر چیز۔“

اصل میں مُصِيبَةُ صفت کا صیغہ ہے۔ رَمِيَّةٌ مُصِيبَةٌ کہا جاتا ہے ٹھیک نشانے پر لگنے والی تیر اندازی۔ لیکن کثرت استعمال کے سبب موصوف کا استعمال گویا ترک کر دیا گیا اور لفظ مصیبت موصوف سے بے نیاز ہو گیا۔“

(یعنی علما نے جبراً بے نیاز کر دیا اللہ نے نہیں۔) لغات القرآن جلد نمبر 5 صفحہ 400

ثابت ہوا کہ مصیبت اسم فاعل ہے یعنی ہر وہ چیز جو بلا خطا کئے وہاں پہنچے جہاں اس کا پہنچنا طے شدہ ہے۔ لہذا مصیبت کے معنی ہوئے ”پہنچنے والی“ لہذا ابھی ابھی گزری ہوئی آیت کے مصدری اور حقیقی معنی ہوں گے کہ:-

”کیا جس وقت پہنچی تم کو پہنچنے والی (أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ)“

”تم نے اُسی سے مثل دو گنا پہنچائی (قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا)“

دوسرا لفظ جو امام کی تلاوت کردہ آیت (57/22) میں آیا ہے۔ وہ ہے نَبْرًا ھَا۔ اس لفظ میں حرف نون تو جمع متکلم کو ظاہر کرنے کیلئے آیا ہے اور آخر میں ھَا بے جان چیز کی ضمیر ہے۔ اصل لفظ زریغور بَوَا ہے۔ یہ وہی بنیادی لفظ ہے۔ جس سے الفاظ۔ بَری ہونا۔ یا تہرا کسی سے بیزاری کرنا وغیرہ نکلتے ہیں۔ اس کے معنی مترجمین نے ”پیدا کرنا“ رگڑ دیئے ہیں۔ حالانکہ پیدا کرنے کے لئے عربی میں خلق وغیرہ کئی ایک مستقل الفاظ ہیں۔ اس کے معنی آج سے نو سو سال قدیم عالم سے سنئے:

”(برا) أَصْلُ الْبُرْءِ وَالْبَرَاءِ وَالْتَبَرِ الْتَفْصَى مِمَّا يُكْرَهُ مُجَاوَرَتُهُ۔“

”اس لفظ کی کوئی سی صورت ہو اُس کے اصلی یا حقیقی معنی ہیں کسی چیز سے وہ تمام حالتیں دور کر دینا جن سے ناگواری یا ناپسندیدگی کا تعلق ہو۔“ (مفردات القرآن راغب اصفہانی صفحہ 44) اور اردو کی کتاب سے: بُرءٌ۔ بَرَاءٌ۔ تَبَرُّی سب کا معنی ہے کسی مکروہ چیز سے چھٹکارا پانا۔“ (لغات القرآن۔ جلد نمبر 6 صفحہ 17 مولانا عبد الدائم)

آپ کا ایک دھوکہ ہو سکتا ہے اسے بھی پہلے ہی صاف کر لیں۔ عموماً بَرِیَّة کے معنی مخلوق کر لئے جاتے ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے کہ: أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ (البینۃ 98/6) اور أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِیَّةِ (البینۃ 98/7) یعنی وہ لوگ ساری مخلوق سے زیادہ شر پسند ہیں۔ یا، وہ لوگ ساری مخلوق سے زیادہ خیر پسند یا بہتر ہیں۔ لیکن ذرا سا غور کریں کہ لفظ بَوِی کے معنی ہیں کسی بات سے بے تعلق ہونا۔ وہ مقدمہ سے بری ہو گیا۔ یعنی اُس کا متعلقہ جرم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر یہ سوچیں کہ لفظ بَوِی مذکر اسم فاعل ہے۔ اس کا مونث ہوگا بَرِیَّة۔ چنانچہ مندرجہ بالا دونوں آیات میں یہی لفظ تو ہے۔ اس کے معنی کیوں مخلوق ہو جائیں گے؟ پھر ایک قرآنی دلیل دیکھیں اللہ نے فرمایا کہ: هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ..... (حشر 59/24)

وہ اللہ (1) خالق ہے (2) عیبوں کو، مکروہ چیزوں کو اور ناپسندیدگی کو دور کرنے والا اور (3) صورت بنانے والا ہے۔

معلوم ہو گیا کہ خالق اور صفت ہے۔ باری دوسری صفت ہے۔ لہذا اللہ نے اُمام کی مذکورہ آیت میں یہ فرمایا تھا کہ:-

”انسانوں کو اور کائنات کی تمام مخلوقات کو اُن سے متعلق جو چیز بھی پہنچتی ہے؛ خواہ اچھی ہو اور فائدہ پہنچائے خواہ

بری ہو اور نقصان پہنچائے وہ تمام پہنچنے والا سامان ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے۔“

یعنی ہر مخلوق اور اُس کی ضروریات و متعلقات اللہ کو معلوم ہی نہیں بلکہ اُن کو باقاعدہ ایک کتاب میں ریکارڈ بھی کر دیا گیا ہے۔ تاکہ جسے وہ کتاب دے دی جائے وہ بھی اُن چیزوں اور متعلقہ مخلوق سے واقف و مطلع ہو جائے۔ یہاں تک بقول مودودی صاحب اور تمام علما کے یہ نوشتہ تقدیر ہو گیا۔ اور لفظ نَبْرًا ھَا کو الگ کر کے مسئلہ جبر اور یزید کا مقصد ثابت ہو گیا۔ یعنی امام حسین علیہ السلام کے قتل ہونے؛ مال

واسباب لئے؛ اہل حرم کے قید ہونے کا سبب مسئلہ تقدیر ہے۔ یعنی جو کچھ اللہ نے مذکورہ کتاب یا نوشتہ تقدیر میں لکھ رکھا تھا وہ پورا ہو گیا۔ یزید کی اس میں کیا خطا ہے۔ اسی صورت حال کو شیعہ سنی ترجمہ ثابت کرتا ہے۔ یعنی اللہ نے لوگوں کے پیدا ہونے سے پہلے ہی؛ اور اُن پر گزرنے والی مصیبت کے آنے سے پہلے اس کتاب میں لکھ رکھا تھا۔ مگر ہم نے نبیاء کے معنی پیدا کرنا نہیں کئے۔ اس لئے کہ اس کے معنی بری کرنے کے ہیں۔ ناگواری ناپسندیدگی یا کراہت اور عیب دُور کرنے کے ہیں۔ لہذا امام نے بتایا کہ وہ سب کچھ جو ہم پر گزرا یا کسی اور پر جو کچھ گزرتا ہے۔ کتاب میں تو ضرور لکھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر اُس پر گزرنے والی صورت یا حالت کو اللہ نے عیب و نقص و کراہت سے پاک کرنے یا بری کرنے سے پہلے اس کتاب میں لکھا تھا۔ لہذا کتاب میں لکھا ہوا ہونے کے بعد یہ صورت حال باقی رہ جاتی ہے کہ اللہ اُس پہنچنے والی (مصیبت) کو عیب و نقص و ناگواری سے پاک کر کے بھیجے یا اُسی حالت میں بھیج دے جس میں وہ اُس کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ دوسرے الفاظ میں امام نے فرمایا تھا کہ:-

میں اور حسینؑ اور علیؑ اور محمدؐ اُس کتاب کے عالم ہیں۔ ہم پر وہ سب کچھ جو گزرا وہ اللہ کی ناپسندیدگی و ناگواری کے ماتحت نہیں گزرا بلکہ وہ سب کچھ ادھر ہمیں پسند تھا۔ ادھر اللہ کو پسند تھا۔ اور ہماری آزادی و اختیار کے مطابق وقوع میں آیا ہے۔ اور دوسری آیت مسلسل کہتی ہے کہ ایسی صورت میں پہنچنے والی (مصیبت) چیز سے نقصان ہو جائے تو افسوس کرنا غلط ہے۔ اور اگر نفع ہو جائے تو اکڑنا اور فخر و غرور کرنا باطل ہے۔ لہذا اے یزید یہ ہمارے باطل ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ تو خدا کو ناپسند ہے۔ اور تیرا محتال اور فخور ہونا ثابت ہے۔ یہ تھی وہ اشتعال انگیز صورت حال جو قرآن ناطق علیہ السلام نے یزید کے سامنے رکھ دی تھی اور اُس کی امیر المومنین شرمندگی و خجالت سے بھرے دربار میں دب کر رہ گئی تھی۔ اور اُس کا اور اُسکے سابقہ بزرگوں کا عقیدہ جبر و تقدیر پٹ کر رہ گیا تھا۔ اور اُس کی فوج کشی سے لے کر آج تک کا ہر اقدام شیطانی اتباع میں سرزد ہوا تھا۔ اور یوں وہ لعنتی و جہنمی ثابت ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ جو شخص اُسے یوں قرآن پڑھ کر باطل مذہب کا پیرو ثابت کر دے اُسے قتل کرا کے اُس سے چھٹکارا اور نجات حاصل کر لے۔ مومنین کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ یقیناً راوی نے اُس شخص کا نام معلوم کر کے بتایا ہوگا جس نے یزید کو وہیں دربار میں قتل کرنے کی دھمکی دی اور جس کی دھمکی پر یزید نے یقین کیا اور قتل امام سے باز رہا۔ مگر اُس کا نام رفتہ رفتہ رشوت لے کر لکھنا بند کیا گیا۔ اور آج کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون زبردست شخص تھا۔ جسے بعد میں بھی یزید ماخوذ نہ کر سکا۔ یہاں یہ بھی واضح ہے کہ اس پیشی پر امام، یزید کے قریب اور اہل حرم سے دُور بٹھائے گئے تھے۔ اور وہ کسی دوسری پیشی کی بات ہے جس میں حضرت زینب علیہا السلام امام کو بچانے کے لئے اُن سے اس طرح لپٹ گئی تھیں کہ اُن کو قتل کئے بغیر امام کو قتل نہ کیا جاسکتا تھا۔

(5)۔ یزید کے دربار میں تیسری اجتماعی پیشی؛ یزید کے محل میں ماتم؛ یزید کی ندامت

مومنین یہ نوٹ فرمائیں کہ یزید ملعون خواہ مخواہ اہل حرم اور امام کو دربار میں نہ بلاتا تھا۔ بلکہ مملکتی مصلحتوں کے تقاضہ کے بغیر بلانا عقلمندی نہیں تھا۔ اس لئے کہ اہلیت علیہم السلام کی ہر پیشی یزید کی رسوائی میں اضافہ کرتی تھی۔ اور کوئی صاحب ہوش شخص اچھا ہو یا بُرا اپنی رسوائی خود اپنے ہاتھوں پسند نہیں کرتا۔ سب سے بڑا سبب تو یہ تھا کہ اہل الشام آل محمدؐ سے قطعاً متعارف نہ تھے۔ یہاں آل محمدؐ و خاندان

مرتضوی کے متعلق جو بدنام کرنے والے قصے مشہور کر کے پھیلا رکھے تھے۔ اُن قصوں کا تقاضہ بھی تھا کہ تمام وہ لوگ پس ماندگان حسین سے ذاتی طور پر ملاقات کریں جو سیاست و مذہب اسلام کے معلم اور ذمہ دار بنائے گئے تھے۔ اور جن سے وقتاً فوقتاً علیؑ و خاندان علیؑ کے خلاف فتاویٰ اور تعاون طلب کیا جاتا رہا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنے فیصلوں اور تعاون کے حق بجانب ہونے کی خود تصدیق کریں۔ پھر وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ جس علیؑ کی اتنی فداکاریاں اور جان نثاریاں مشہور و معلوم ہیں کہ حکومت شام دشمن ہوتے ہوئے بھی اُن کا انکار نہیں کرتی۔ وہ علیؑ، ایسی قربانیوں اور بے پناہ اطاعت شعاریوں کے بعد اللہ و رسولؐ اور قرآنی تعلیمات سے باغی ہو جائے گا۔ اور اُس طرز حکومت کو پسند نہ کرے گا جو بقول قریش اللہ و رسولؐ اور قرآن نے بتایا ہے۔ وہ جانا چاہتے تھے کہ خلفائے مابعد کے ساتھ علیؑ و اولاد علیؑ کا متفق نہ ہونا، انہیں خائن و غادر و غاصب کہنا کیا وزن رکھتا ہے؟ وہ اس عظیم ترین کثرت سے اختلاف کرنے میں ضرور وزن دار دلائل رکھتے ہوں گے۔ پھر وہ کیسے مادہ سے بنے ہوئے، کیسے خون و گوشت پوست کے بچے اور عورتیں ہیں جو اس قدر مظالم و مصائب و شدت کے باوجود نہ معافی مانگتے ہیں، نہ منت و سہاجت کرتے ہیں، نہ خوف و دہشت کا اثر لیتے ہیں نہ اپنی ماؤں اور بہنوں سے شکوہ و شکایت کرتے ہیں۔ پھر چوبیس گھنٹے کا کھلا گشت اُن کے علم و فضل و رعب و جلال کی دھوم مچا چکا تھا۔ جنہوں نے نہ دیکھا تھا وہ دیکھنا چاہتے تھے۔ جنہوں نے بات نہ کی تھی وہ باتیں سننا چاہتے تھے۔ اور مصیبت یہ تھی کہ وہ کسی عام جیل یا کیمپ میں قید نہ تھے ورنہ ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہتا۔ انہیں تو محل کے اندر بھی ایسی جگہ رکھا گیا تھا جہاں سوائے یزید اور خاص خادموں کے کسی کی رسائی نہ تھی۔ پھر دو چار روز میں جب یزید اپنی توہین بھول جاتا تھا تو وہ خود بھی اہلبیتؑ سے کلام نبوتؐ و رسالتؐ سننا چاہتا تھا۔ خواہ اس کی توہین ہی کیوں نہ ہو۔ یزید کو امام زین العابدین علیہ السلام کے مذہبی تصورات زیادہ سے زیادہ سننے اور معلوم کرنے کی ضرورت تھی۔ تاکہ وہ اُن کا جواب تیار کر کے مدرسوں، مسجدوں اور عدالتوں میں پھیلائے۔ وہ ایک ادیب و شاعر بھی تھا۔ اُسے اصول و نہج بلاغت و فصاحت سیکھنے کا اس سے عمدہ موقع نہ مل سکتا تھا۔ بہر حال جب یزید کے ذہن پر خارجی یا داخلی دباؤ بڑھ جاتا تھا تو وہ پیشی کا حکم دیتا تھا۔ اور کوشش کرتا تھا کہ سابقہ پیشیوں کی بہ نسبت کم توہین و تذلیل ہو۔ اور ایسے پہلو سوچ کر بیٹھتا تھا کہ اگر ممکن ہو تو گفتگو کا پلہ بھاری رکھ سکے۔ چنانچہ اس پیشی کی اطلاع محل کے اندر بھی دی گئی ہے۔ تاکہ یزید کے بچے اور عورتیں اور قریشی عورتیں دربار کے زنانہ دروازہ کے متصل پس پردہ بیٹھ کر گفتگو سن سکیں۔ چنانچہ ابن صباع مالکی اپنی کتاب فصول المہمہ میں لکھتے ہیں کہ: - اِنَّهٗ لَمَّا دَخَلَ نِسَاءَ الْحُسَيْنِ فِي مَجْلِسِ يَزِيدٍ وَالرَّاسِ بَيْنَ يَدَيِ يَزِيدٍ فَجَعَلَتْ فَاطِمَةُ وَسَكِينَةُ (فاطمہ الاوسط زینب) يَطَاوِلَانِ لِيَنْظُرَا اِلَى الرَّاسِ وَجَعَلَ يَزِيدٌ يَسْتَرْ عُنُومَهُمَا - فَلَمَّا رَاِيَاهَا صَحْنٌ وَاَعْلَنَ بِالْبُكَاءِ - فَبَكَتْ بِبُكَائِهِنَّ نِسَاءُ يَزِيدٍ وَبَنَاتُ مَعَاوِيَةَ فَوَلَوْلُنَ وَاَعْلَنَ الصَّوْتُ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ بَنَاتُ رَسُولِ اللّٰهِ سَبَايَا يَا يَزِيدُ اَيْسَرَكَ هَذَا؟ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا يَسِّرَنِي وَاِنِّي لَهَذَا كَارِهٌ وَمَا اتَى عَلَيَّكُمْ اَعْظَمُ مِمَّا اخَذَ مِنْكُمْ - (اُكْسِرُ الْعِبَادَات - صفحہ 516)

جب حسین علیہ السلام کے اہل حرم کو یزید کے اجلاس میں داخل کیا گیا تو امام حسینؑ کا سر یزید کے سامنے رکھا تھا۔ چنانچہ سر مظلوم کو دیکھنے کیلئے جناب فاطمہؑ اور جناب سکینہؑ (فاطمہ الاوسط عرف زینبؑ) نے خود کو بچوں کے بل اُبھرا اُبھر کر گردن اٹھا اٹھا کر کوشش شروع کی تو یزید نے سر کو اڑ میں کرنا شروع کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر دونوں بچیوں نے بے قرار ہو کر چیخیں مارنا اور رو کر فریاد کرنا

شروع کر دیا اور انکار و ناسن کر یزید کی مستورات بھی برداشت نہ کر سکیں۔ انہوں نے بھی اور معاویہ کی بیٹیوں نے بھی بلند آواز سے رونا اور ولولہ و فریاد شروع کر دی۔ جناب فاطمہ علیہا السلام نے کہا کہ اے یزید یہ کیسی تعجب انگیز بات ہے کہ تو رسول کی بیٹیوں کو قید کر کے ان کی رسوائی پر مسرور ہے۔ کیا واقعی تجھے اس سے راحت و مسرت حاصل ہوتی ہے؟ یزید کا جواب چونکہ اسکے حرم اور ازواج اور بیٹیوں نے بھی سننا تھا۔ اسلئے کہا کہ قسم بخدا مجھے تمہارے قید کرنے میں کوئی خوشی نہیں ہوئی بلکہ میں تو اس صورت حال کو ناپسند کرتا ہوں۔ سنو جو کچھ تمہارا لوٹ لیا گیا ہے میں تمہیں اُس سے زیادہ قیمتی سامان دیدوں گا۔ کوئی یزید سے پوچھتا کہ تو جو کچھ دے سکتا ہے وہ تو اُن پاکباز و راستباز لوگوں کو درکار ہی نہیں ہے۔ تو گلستان زہراء کو تاراج کر کے اس سے بہتر کیا اور کیسے دے گا؟

مومنین غور فرمائیں کہ یزید کے حرم میں بھی انقلاب آچکا ہے۔ یہ وہی مستورات تھیں جنہوں نے رسول زاد یوں کا مذاق اڑانے اور توہین و تذلیل کی کوشش کی تھی۔ پھر اُن عورتوں میں بنی اُمیہ کے سرداروں اور شیوخ کی خواتین بھی تھیں۔ یعنی یہ حسین کے بچے اور اہل حرم ایک بولتا چالتا انقلاب تھے۔ جنہوں نے وہ کام کیا جو امام حسین علیہ السلام کی قربانی کا اصل مقصد تھا۔ یہی اسیران اہل حرم ہیں جن کی آواز آج تک زمین و آسمان اور فضاؤں میں گونجتی اور آگے ہی آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ کتنے کوتاہ اندیش تھے وہ خالی خولی سوکھے ہمدرد لوگ جو بچوں اور عورتوں کو ساتھ لے جانے سے منع کرتے رہے۔ اور کتنی دور رس تھیں وہ نگاہیں جو زندگی میں قبل از وقت ہی اُن اسیران اہل حرم کی کارکردگی کو دیکھ رہی تھیں۔ اور طے کر لیا کہ جب تک اُن کا بچہ اور ہمدرد گار شہید نہ ہو جائے اہل حرم اسیر نہ کئے جاسکیں گے اور اُن کی اسیری کے بغیر یہ مشن ناکام رہے گا۔ چنانچہ اس قربانی کو چار چاند لگانے اور صحیح انقلاب پیدا کرنے میں حضرت زینبؓ و ام کلثومؓ حضرت سجادؓ اور اُن تمام بچوں کا ہاتھ ہے جنہوں نے وہ مصائب برداشت کئے، اُن تکالیف اور اذیتوں سے گزرے جو کوئی اور برداشت نہ کر سکتا تھا۔

(6)۔ امام زین العابدین علیہ السلام تمہارا یزید میں پھر حکم قتل اور عقیدہ جبر کی شکست

آج یزید چند آیات پیش کر کے اپنا حق بجانب ہونا ثابت کرے گا اور امامؑ کے مقابلہ پر اللہ کو لا کھڑا کرنے کی اسکیم لے کر بیٹھا ہے۔ فی خبر عن الصادق قال یزید یاعلی بن الحسین الحمد لله الذی قتل اباک۔ فقال علی بن الحسین لعن الله من قتل ابي۔ قال فغضب یزید و امر بضرب عنقه۔ فقال علی بن الحسین فاذا قتلتنی فبنات رسول الله من یردھن و لیس لھن محرم غیری۔ فقال انت تردھن الی منازلھن ثم دعی بمبرد فاقبل یرد الجماعة عن عنقه بیدہ۔ ثم قال له یاعلی بن الحسین اتدري مالذی ارید بذلك۔ قال بلی ترید ان لا یكون لاحد علی منة غیرک۔ فقال یزید هذا والله ما اردت۔ ثم قال یاعلی ما اصاب من مصیبة فی الارض فيما کسبت ایدیکم۔ فقال علی بن الحسین کلاما هذه۔ فینا نزلت انما نزلت فینا۔ ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتب من قبل ان نبرأھا۔ فحن الذین لاتاسی علی ما فاتنا ولا نفرح بما آتانا منها۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 517)

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے کہ یزید نے کہا کہ اے علی بن حسینؑ میں اُس اللہ کی حمد و ثنا بجالاتا ہوں جس نے تمہارے والد حسینؑ کو قتل کیا۔ امامؑ نے جواب میں کہا کہ اللہ اُس پر لعنت کرے جس نے میرے باپ حسینؑ کو قتل کیا۔ یہ جواب سن کر

یزید کا غصہ بھڑک اٹھا اور اُس نے اپنی سابقہ گفتگو کو نظر انداز کر کے پھر امام کا سر کاٹ دینے کا حکم دے دیا۔ امام نے بطور یاد دہانی کہا کہ اگر تو نے مجھے قتل کر دیا تو میرے سوا کوئی اور رسول کی بیٹیوں کا محرم نہیں بچا ہے۔ اُنہیں کون واپس لے کر جائے گا؟ اب یزید نے کہا کہ تم ہی اُن کو اُن کے گھروں میں لے کر جاؤ گے۔ ریتی (FILE) لانے کا حکم دیا۔ جب ریتی آگئی تو لوہے کے اس پھندے کو گھس گھس کر الگ کرنے میں بذاتِ خود مصروف ہو گیا جو قتل سے پہلے دربار میں پہنایا جاتا تھا۔ جس سے گردن جھک کر سینے سے ٹھڈی لگ جاتی ہے۔ اُسے گھتے گھتے یزید نے کہا کہ یا علی کیا تم سمجھتے ہو کہ میں کیوں بذاتِ خود اس پھندے کو کھولنا چاہتا ہوں؟ امام نے فرمایا ہاں تمہارا ارادہ یہ ہے کہ میری گردن کو آزاد کرنے میں تیرے سوا مجھ پر کسی اور کا احسان نہ ہو۔ یزید نے کہا کہ خدا کی قسم میرا یہی ارادہ ہے۔ پھر یزید نے یہ آیت پڑھی:۔ مَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ۔ (الشوریٰ 42/30)

”جو کچھ بھی پہنچنے والی تم کو پہنچتی ہے۔ وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے۔ اللہ بہت کچھ نظر انداز کر دیتا ہے۔“ امام نے فرمایا یہ آیت ہمارے حق میں ہرگز نازل نہیں ہوئی۔ ہمارا معاملہ تو اس آیت میں بیان ہوا ہے کہ ”تم لوگوں کو یا کائنات کی کسی اور مخلوق کو جو چیز بھی پہنچتی ہے وہ ہماری کتاب میں خوشگوار و مفید بنائے جانے سے بھی پہلے لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اُس کا پہلے ہی سے لکھ دینا اور خوشگوار و مفید بنانا اللہ کے لئے بہت ہی آسان ہے۔ چنانچہ اگلی آیت تصدیق کرتی کہ ہم اہلبیت وہ لوگ ہیں جو اُن چیزوں پر اس سلسلے میں افسوس و ملال کرتے ہی نہیں جو ہم سے جاتی رہیں اور نہ ہی اُن چیزوں پر اترتے اور بغلیں بجاتے پھرتے ہیں جو ہمیں اس سلسلے میں عنایت کی جاتی ہیں۔“ (اکسیر العبادات - صفحہ 517)

اس روایت میں یہ حقیقت کھل کر نظر آ رہی ہے کہ یزید کی ترش کلامی اور سخت روی کو زلزلہ کا سامنا ہے۔ جب اس کی سلطانی اور مطلق العنانی سامنے آتی ہے تو بے تحاشہ اُس کی زبان پر حسبِ شاہانہ عادت سخت الفاظ و احکام آ جاتے ہیں۔ لیکن جب مقامِ اہلبیت اور اپنے جرائم کا نتیجہ جھلک دکھاتا تھا تو عاجزی چھا جاتی تھی۔ اُس کا رویہ اُن مواقع پر بھی سخت ہو جاتا تھا جب اس کے ہم نشینوں میں مروان بن حکم ایسے قوم کے لیڈر ہوتے تھے جو اُسے عاجزی اور نرمی پر طعنہ دے سکیں۔ بہر حال رفتہ رفتہ بادل ناخواستہ وہ ایسے اقدامات کرنے پر مجبور ہو گیا تھا جن سے انسانیت سوز سلوک کا الزام ہٹایا جاسکے۔

سارے دمشق نے اور خود قریشی و اموی خاندانوں اور سرداروں نے علی و محمد کے گھرانے کی مستورات اور بچوں کو جس صبر و سکون سے زنجیروں اور طوق میں جکڑا ہوا دیکھا تھا وہ نہایت نفرت انگیز تھا۔ دنیا کا کوئی ظالم سے ظالم شخص اور جانی دشمن بھی اس بے رحمی کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ خطرناک مجرموں کو طوق و زنجیر بھی پہنایا جاتا ہے۔ طوق و زنجیر کی ایجاد کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ جسے پہنائے جائیں اُن کو ایسی حرکات سے جبراً محروم کر دیا جائے جن سے وہ مزید نقصان کر سکیں۔ اور اگر کسی طرح قید خانہ سے نکل بھی جائیں تو فرار نہ کر سکیں۔ بیڑیاں لمبا قدم اٹھانے سے روکیں؛ طوق سر و گردن کو جھکائے رکھے اور نظر اپنے قدموں سے آگے نہ جاسکے؛ زنجیروں کی کھنکھناہٹ کا شور چاروں طرف سے لوگوں کو جمع کر کے قیدی کو پکڑ وادے۔ لیکن اگر قیدی بیمار و لاغر و ناتواں ہو، جس میں جلدی سے کھڑا ہونے کی طاقت بھی نہ ہو۔ اُسے طوق و زنجیر اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا دیکھ کر سب کو رحم آئے گا، افسوس ہوگا۔ پھر اگر بیماری و ناتوانی

کے ساتھ ہی ساتھ قیدی عورتیں ہوں تو ہر دیکھنے والے کے دل میں قید کرنے والے کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اور اگر زنجیروں اور رسوں میں بندھے ہوئے قیدی چھوٹے چھوٹے بچے ہوں تو دیکھنے والوں کے دل تڑپ جائیں گے۔ اور خواہ بچوں کا یا بچوں کے والدین کا جرم کتنا بھی سنگین کیوں نہ ہو۔ لوگ انہیں آزاد کرانے اور آسودگی دلانے کیلئے چاروں طرف سے ٹوٹ پڑیں گے۔ اہل حرم اور سرہائے شہد اچو بیس (24) گھنٹے دمشق کی شاہراہوں، کوچوں، گلیوں، سڑکوں اور بازاروں اور چوراہوں میں پھرائے گئے۔ یہی وہ دوران گشت رات تھی جب کسی بچہ یا خاتون پر نیند کا غلبہ دیکھ کر انہیں نیزہ کی نوک سے جگایا اور ہوشیار رکھا گیا تھا۔ اہلیت کی شکایات میں سے یہ بھی ایک شکایت ہے کہ ہمیں سونے نہ دیا جاتا تھا۔ پہرہ والے تو سو کر تازہ دم ہو کر ڈیوٹی پر آتے تھے۔ بہر حال یہ دردناک اور نفرت انگیز سلوک جاری رہا۔ یزید و معاویہ کے سخت گیر انتظام کے باوجود ادھر ادھر اظہار تعجب و افسوس و رنج و نفرت بھی کیا گیا، یزید کو چھوٹے موٹے احتجاجات اور لعنت و ملامت و تصادم کی رپورٹیں بھی ملیں۔ لوگوں نے پہرہ داروں کو پیسے دے کر عارضی طور پر بچوں کی زنجیریں بھی کھلوائیں۔ رسیوں کے پھندے ڈھیلے بھی کرائے۔ مگر نئے ڈیوٹی والے پھر باندھ دیتے اور کس دیتے تھے۔ عورتوں اور بچوں کا تکلیف سے نہ روناد لگو گھرے زخم لگاتا تھا۔ جلوس کو دیکھ کر واپس جانے والا ہر مرد و عورت ایک مرقع ظلم و ستم اور ایک خاموش داستان غم اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ ذرا سوچئے کہ اگر آپ اُس جلوس کو دیکھتے تو کیا گھر واپس آ کر آپ اپنے بچوں کو دیکھ کر خاموش رہتے۔ یہی جلوس تو تھا۔ جسے دیکھنے والے بچوں نے والدین پر قیدی بنانے کا قضاہ کیا، زنجیریں منگوائیں۔ مومنین اپنے ماحول پر نظر ڈالیں گے تو انہیں آج بھی کچھ لوگ ایسے نظر آجائیں گے جو زنجیریں پہنے رہتے ہیں۔ زنجیروں نے اُنکے جسم پر پکے گڑھے، گھٹے اور نشانات ڈال دیئے ہیں۔ یہ اُسی جلوس کے پرتو ہیں جو مختلف صورتوں میں مومنین کے یہاں ملتے ہیں۔

بہر حال رفتہ رفتہ یزید کی اسلام دشمنی اور خاندانِ رسولؐ سے عداوت اور علیؑ و اولادِ علیؑ سے بغض و کینہ و عناد پر اُس کی فراست غالب آتی جا رہی تھی۔ وہ فضاؤں میں منڈلاتے ہوئے انقلاب سے بچنے کی راہیں تلاش کرنے میں مصروف تھا اور ہر راستہ بند معلوم ہوتا تھا۔ آج اُس نے اپنے دربار میں اپنی قوم کے سرداروں اور شرفا کو بلایا ہے؛ سپہ سالاران افواج موجود ہیں۔ اراکین سلطنت شاہی لباس میں ملبوس اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ اور خود تاج شہنشاہی پہنے جواہرات میں غرق تخت خلافت پر بیٹھا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک سونے کے طشت میں قیمتی رومال سے ڈھکا ہوا رکھا ہے۔ وہ سب فرزندِ رسولؐ امام زین العابدینؑ اور دخترانِ فاطمہ زہراءؑ علیہم السلام کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ سب کی نگاہیں قیدیوں کے آنے والے دروازے پر لگی ہوئی ہیں کہ زنجیروں کی آواز آنے لگی۔ ذرا دیر میں امامؑ زمانہ طوق و زنجیر پہنے سنبھل سنبھل کر قدم اٹھاتے ہوئے داخل ہوئے۔ پیچھے پیچھے رن بستہ رسولؐ زادیاں اور اطفالِ حسینؑ پہرہ والوں کے نرغے میں لائے گئے اور سب کو قیدیوں کے مقام پر کھڑا کر دیا گیا۔ حضرت زین العابدینؑ علیہ السلام طوق کی وجہ سے اور رسولؐ کی بیٹیاں شرم و حیا کی بنا پر سروں کو جھکائے ہوئے تھیں۔ البتہ بچے؛ دربار میں بیٹھے ہوئے ہر فرعون اور نمرود کو عظمت و جلال کی معصوم نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ادھر یزید ملعون اور تمام شیاطین اسیرانِ اہل حرمؑ کے سکون و وقار کو دیکھ کر سہم رہے تھے۔ اور حیران تھے کہ اُن کے اعضا میں رعشہ کیوں ہے؟ وہ سب یہ سوچ رہے تھے کہ شاید فضا میں کوئی دھماکہ ہونے والا ہے۔ شاید شاہی ایوان کی چھت

سروں پر گرنے والی ہے۔ تمام موجودین پر ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ آخر امامؑ نے درباریوں کی حیرانی اور خاموشی کو اپنے کلام سے رفع کیا اور یزید کو موقع دیا کہ وہ لب کشائی کر سکے۔ آئیے روایت سنئے:-

(7)۔ اسیران اہل حرم علیہم السلام کی ایک اور اجتماعی پیشی طوق وزنجیر سے رہائی؟

قال السيد رضى الله عنه: ثُمَّ دخل ثقل الحسين و نساءه و من تخلف من اهله على يزيد و هم مقرنون في الحبال - فلما وقفوا بين يديه و هم على تلك الحال قال له علي بن الحسين انشدك الله يا يزيد ما ظنك برسول الله لورانا على هذه الحالة؟ فامر يزيد بالحبال، ففطعت ثم وضع راس الحسين بين يديه و اجلس النساء خلفه لئلا ينظرن اليه - (اكسير العبادات - صفحہ 516-517)

جناب السید ابن طاووس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: پھر امام حسین علیہ السلام کا جانشین (ثقلین میں سے ایک) جناب امام زین العابدین علیہ السلام دربار میں داخل ہوئے اور ان کے ساتھ ہی پیچھے پیچھے حسینی خواتین اور حسینؑ کے پس ماندگان اور اطفال لائے گئے۔ وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ رسولؐ میں بندھے ہوئے تھے۔ جب وہ سب اس قید و بند کے عالم میں سامنے کھڑے کر دیئے گئے تو جناب امامؑ نے کہا کہ اے یزید اللہ تجھے باقاعدگی اور انسانیت کا سبق دے۔ تو اس معاملہ میں کیا تصور اور عقیدہ رکھتا ہے کہ اگر اس وقت ہمیں رسول اللہؐ اسی موجودہ حالت میں دیکھیں تو کیا اثر لیں گے؟ اور کیا اس صورت حال کو پسند فرمائیں گے؟ یہ کلام سن کر یزید نے گھبرا کر جلدی سے حکم دیا اور تمام زنجیریں اور راسے کاٹ کر الگ کر دیئے گئے۔ ساتھ ہی اُس نے سر مبارک کو اپنے سامنے رکھوا لیا اور رسولؐ کی بیٹیوں کو اپنی پس پشت بٹھانے کا انتظام کرایا تا کہ مستورات اور اطفال حسینؑ سر مظلومؐ پر نظر نہ ڈال سکیں۔

قال ابن نما: فقال علي بن الحسين فقلت وانا مغلول اتاذن في الكلام؟ فقال قل ولا تقل هجرا - فقال لقد وقفت موقفا لا ينبغي لمثلني ان يقول هجرا - ما ظنك برسول الله لوراني في الغل؟ فقال لمن حوله خلوة - (اكسير العبادات صفحہ 517)

علامہ ابن نما نے خود امام زین العابدین علیہ السلام کی زبانی لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: ”میں نے یزید کو مخاطب کر کے کہا کہ اے یزید اگرچہ میں طوق وزنجیر میں اس لئے رکھا گیا ہوں کہ کلام کی ابتداء نہ کروں۔ مگر اس کے باوجود میں پوچھتا ہوں کہ کیا تو مجھے بات کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ یزید نے کہا کہ اچھا کہئے مگر موضوع و حالات سے ہٹ کر کوئی کلام نہ کریں۔ غالباً مطلب یہ تھا کہ سر دربار اجازت لے کر میری مذمت شروع نہ کر دیں۔ امامؑ نے فرمایا کہ میں نے تو ایسی ذمہ دارانہ پوزیشن اختیار کر رکھی ہے کہ جس کا خود یہ تقاضہ ہے کہ میں اور میرے ہم مثل حضرات موضوع و حالات کے اوپر ہی بات کیا کریں۔ سُنو! یہ بتاؤ کہ تمہارا اُس معاملہ میں کیا عقیدہ اور تصور ہے کہ اگر مجھے رسول اللہؐ طوق وزنجیر میں جکڑا ہوا دیکھیں..... جملہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ یزید نے اپنے پاس موجود متعلقہ لوگوں کو حکم دیا کہ فوراً طوق وزنجیر سے آزاد کر دو۔“

چونکہ اسیران اہل حرمؑ سے لوگوں کی ذاتی ملاقات ناممکن تھی۔ اس لئے اس دربار میں آج ایسے کلیدی عہدیدار کافی بلائے گئے تھے جو اپنے اپنے حلقوں میں چشم دید بیان دے کر پبلک کے دلوں میں بھڑکتی ہوئی نفرت کی آگ کو ٹھنڈا کرنے میں کوشاں ہوں۔ محل کے اندر کی یہ قید لوگوں میں یہ یقین بار بار پیدا کرتی تھی کہ امام حسین علیہ السلام کے پس ماندگان کو یقیناً قتل کر دیا گیا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں

عام جیل میں نہیں رکھا گیا کہ اس بے رحمانہ قتل عام کا پتہ نہ چل سکے۔ کوفہ و شام میں اور دمشق کی راہ میں آنے والی آبادیوں میں اور دمشق میں اہلیت رسول کی تشہیر ایک بہت مہلک غلطی ثابت ہو چکی تھی۔ جاسوسوں کی رپورٹوں اور استحکام مملکت کا تقاضہ تھا کہ لوگوں کو اسیران اہل حرم سے باتیں کر کے جو کچھ دیکھا اور سنا ہے اُس کی تصدیق کا موقع ہرگز نہ دیا جائے۔ بلکہ یہ مشہور کیا جائے کہ وہ سب شاہی مہمان ہیں۔ دو شاہزادوں میں اختلاف رائے ہو گیا تھا۔ فوج کشی کے جواب میں فوج کشی کی گئی تھی۔ دُور دراز فاصلوں کی بنا پر بروقت احکام نہ پہنچ سکے۔ سپہ سالار اعظم عبید اللہ ابن زیاد اور فیلڈ مارشل عمر بن سعد نے بعد کے احکام کی تعبیر غلط کر لی اور یوں حادثہ رونما ہو گیا تھا۔ جب پس ماندگانِ حسینؑ نے صحیح حالات بتائے تو یزید نے بڑا ہی بُرا منایا، اُسے بہت صدمہ ہوا۔ وہ اور اس کے اہل حرم اس غم میں سو گوار ہیں۔ حرمِ حسینیؑ کے ساتھ عزیزوں ایسا سلوک ہو رہا ہے۔ اور کوشش کی جاتی رہی کہ انہیں ہمیشہ کے لئے اپنے خاندانی افراد کی طرح رکھا جائے اور مدینہ نہ بھیجا جائے۔ اس مقصد تک پہنچنے کی ذیل میں مذکورہ بالا تدبیر کی اقدامات کئے جا رہے تھے۔ طوق و زنجیر، بیڑیوں اور رسوں سے نجات کے باوجود لوگوں کو بار بار دکھانے کے لئے دربار میں لانے سے پہلے عارضی طور پر پہننا دیئے جانے کا طریقہ بھی رہا تا کہ یزید کی فراخ دلی خوب شہرت پاجائے۔ چنانچہ ایک اور موقع پر طوق و زنجیر میں پیش کیا گیا۔ اور درباریوں کے سامنے یہ سب کچھ اُتارا گیا تھا۔ لیکن یزید کی مطلق العنانی کسی کو حقیقت کے سمجھنے کا موقع نہ دیتی تھی۔ لوگ یہی سمجھتے رہے کہ کسی بات پر پھر خفا ہو کر دوبارہ سزا میں اضافہ کر دیا ہوگا۔ اور کسی بات سے خوش ہو کر سزا میں تخفیف کر دی ہوگی۔ بادشاہوں کی کوئی بات مستقل نہیں ہوتی۔

(8)۔ امام زین العابدینؑ کو دربار میں تنہا طوق و زنجیر اُتار کر قریب بٹھانا

فی روایت فصول المہمہ ابن صباغ مالکی - ثُمَّ امْرُؤُا لِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ وَاَدْخَلَ عَلَيْهِ مَغْلُولًا - فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ يَازِيدُ لَوْ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ مَغْلُولِينَ لَفَكَّهُ عَنَّا - وَامْرُؤُا مَعَهُ عَنَّا - فَقَالَ لَوْ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ عَلَى بُعْدٍ لَأَحَبَّ أَنْ يَقْرَبَنَا إِلَيْهِ - فَاَمْرٌ بِهِ فَقَرَّبَهُ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ يَزِيدُ آيَةُ يَاعَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ أَبُوكَ الَّذِي قَطَعَ رَحْمِي وَجَهْلَ حَقِّي وَنَارَ عُنَى سُلْطَانِي فَتَزَلُّ بِهِ مَا رَأَيْتَ؟ فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ - مَا أَصَابَ مِنْ مَصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَاهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ - (أكسیر العبادات - صفحہ 517)

علامہ ابن صباغ مالکی نے اپنی کتاب فصول المہمہ میں لکھا ہے کہ یزید نے پھر امام چہارم کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہیں جھکڑی، بیڑی اور طوق و زنجیر میں جکڑا ہوا لایا گیا۔ امامؑ نے آتے ہی یزید سے کہا کہ اگر ہمیں رسول اللہ اس طرح طوق و زنجیر وغیرہ میں جکڑا ہوا دیکھتے تو ضرور ہمیں اس سے نجات دلاتے۔ یزید نے یہ سب کچھ اُتارنے کا حکم دے دیا۔ جب آپ آزاد ہو گئے تو فرمایا کہ اگر رسول اللہ یہ دیکھتے کہ مجھے اتنی دور کھڑا کیا جاتا ہے تو وہ حضرت مجھے اپنے سے قریب بلانا پسند کرتے۔ یزید نے انتظام کرنے کا حکم دیا اور امامؑ کو اپنے پاس بٹھالیا۔ اب یزید کو موقع ملا تو کہا کہ دیکھو آپ کے والد نے میرے والد کے ساتھ بے رحمی کی تھی، میری اس پوزیشن کا لحاظ نہ کیا تھا۔ اور میری حکومت کے بارے میں تنازعہ کھڑا کر دیا جس کے نتیجہ میں اُن کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا ہے جو آپ دیکھ اور بھگت رہے ہیں۔ امام زین العابدینؑ نے بتایا کہ قرآن کریم کی رو سے ہمیں اللہ نے عظیم ترین مقام عطا کرنے اور پوری کائنات کی نجات کا

ضامن بنانے کیلئے جو کچھ اپنی کتاب میں لکھا تھا۔ اُسے محمد مصطفیٰ علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہراء علیہم السلام کو بتایا گیا۔ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو مطلع کیا اور انہیں اختیار دیا کہ وہ اس شہادت عظمیٰ اور مصیبت کبریٰ کو اختیار کریں یا نہ کریں۔ دونوں صورتوں میں انہیں اور ان کے ماں باپ اور نانا کو مذکورہ مرتبہ ملے گا۔ میرے والد نے امت کی نجات کو اولین مقام دیا اور یہ سب کچھ بخوشی قبول کیا جو اے یزید تم نے کیا اور کر رہے ہو۔ بار بار نصرت خداوندی آئی لیکن میرے والد نے نہ چاہا کہ وہ تمہیں اور تمہارے ساتھ لاکھوں فریب خورہ لوگوں کو تباہ و برباد کریں۔ یہ ہے میرے والد کی پوزیشن؛ اللہ کی اور ہماری نظر میں اور یہی وہ بزرگ ترین مقام ہے۔ جس کو زیادہ سے زیادہ کارگر و کامیاب بنانے کے لئے ہمارا بچہ متفق اور صبر و سکون و یقین کامل سے کوشاں ہے۔

یزید کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ علیؑ اور خاندان علیؑ نے اُسکی اور اس کے باپ کی حکومت کیوں برداشت نہ کی جبکہ وہ اس سے پہلے تین خلفا کی حکومت کسی نہ کسی صورت میں برداشت کرتے رہے۔ اُس سے کہا جاتا تھا کہ وہ لوگ بظاہر شریعت کے خلاف کام نہ کرتے تھے۔ وہ کہتا تھا۔ اُن میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس نے میری عمر میں شراب و زنا وغیرہ سے اجتناب کیا ہو۔ اور اگر وہ میری عمر میں حکومت پالیتے تو تم انہیں مجھ سے کہیں زیادہ بڑھا چڑھا دیکھتے۔ انہیں حکومت جب ملی جب اُنکے اعضا جواب دے گئے، جب اپنے دماغ پر وہ ایک بوجھ بن گئے، جب قبر سے چند قدم کا فاصلہ رہ گیا۔ لیکن اس کے باوجود جب ضرورت ہوئی انہوں نے آخری وقت میں شراب پی۔ اگر زنا بھی اسی آسانی سے ہو سکتا جس آسانی سے پانی پیا جاسکتا ہے تو یقیناً وہ اس میدان میں بہت کچھ کرتے۔ مگر اُن کے اعضا مضحل ہو گئے تھے۔ لہذا ذات جسمانی سے محروم ہو چکے تھے۔

یزید کی بہنیں، بیٹیاں اور ازواج اور دیگر بیگمات یزید کی مصلحتوں پر مطلع نہ تھیں۔ وہ یہ سمجھنے لگی تھیں کہ یزید اہلبیتؑ رسولؐ پر مہربان ہو گیا ہے۔ طوق و زنجیر اور بیڑیاں اتروادی ہیں۔ بس اب شاید چند روز کے بعد اُن کو قید سے بھی رہا کر دے گا۔ وہ چاہتی تھیں کہ حضرت زینبؑ و ام کلثومؑ و شاہ زنانہ سے اپنی گستاخیوں کی معافی مانگیں۔ انہیں اُن کے بھائی اور دیگر جگر پاروں کی شہادت پر پُرسہ دیں۔ گھر میں مجلس عزاء پاکریں اور بتائیں کہ ہم سیاسیات سے قطعاً ناواقف ہیں۔ ہمیں جو کہانیاں اور قصے سُنائے گئے تھے وہ سب گمراہ کن افواہوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ آپ حضرات کو دیکھ کر ہمیں آپ کی اور اپنی پوزیشن کا فرق معلوم ہو گیا ہے۔ یہ سب کچھ یزید کو نہ پسند آ سکتا تھا نہ اس کا نتیجہ اُس کی حکومت کے حق میں مفید ہو سکتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ جب لوگوں کو یہ علم ہوگا کہ یزید کا اپنا خاندان حسینؑ اور پس ماندگان حسینؑ علیہم السلام کا طرفدار ہے تو بغاوت کا جواز پیدا ہو جائے گا۔ بغاوت باطل کے خلاف جہاد کی صورت اختیار کر لے گی۔ لہذا یزید کو محلاتی دباؤ نے مجبور کر دیا کہ وہ رسولؐ زاد یوں کو ایک دفعہ پھر محل میں بھیجے مگر ترکیب یہ کہ اہلبیتؑ کے پہنچنے سے پہلے سر امام حسینؑ محل کے دروازہ پر لٹکا نہ کا حکم بھی جاری کر دیا۔ تاکہ دیکھنے والے یہ نہ سمجھیں کہ محل میں شاہی بیگمات گریہ و زاری کر رہی ہیں۔ بلکہ یہ سمجھا جائے کہ خاندان حسینؑ کی مستورات اور بچے رورہے ہیں اور خاندان یزید اسیران اہل حرم کی حالت پر مسرور ہو رہا ہے۔ چنانچہ جب سر مبارک آویزاں کر دیا گیا تو اسیران اہل حرم کو اُسی بیرونی دروازے سے محل کے زنانہ حصہ میں لے جانے کا حکم دیا جس دروازے پر سر مقدس لٹک رہا تھا۔ اور امام زین العابدینؑ کو مردانہ میں اپنی مجلس میں بلوایا گیا سنئے:-

(9)۔ اسیران اہل حرم کو قصر ینید میں بلا کر بیگمات ینید کا پرسہ اور ماتم حسین

قال صاحب المناقب وذكر ابو مخنف وغيره أنَّ يزيد امر بآن يصلب الراس على باب داره وامر باهل بيت الحسين يدخلوا داره - فَلَمَّا دَخَلَتِ النسوة دار يزيد لَمْ يَبْقَ مِنْ آل معاوية ولا ابى سفيان احد الا اسْتَقْبَلَتْهُنَّ بالبكاء والصراخ والنياحة عَلَى الحسين والقين ماعليهن من الثياب والحلى واقمن الماتم عليه ثلاثة ايام وخرجت هند بنت عبد الله بن عامر بن كرز امرأة يزيد حتى شقت السترو هي حاسرة فوثبت إلى يزيد وهو في مجلس عام فقالت يا يزيد اراس ابن فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وآله مصلوب على فناء بابي؟ فوثب إِلَيْهَا يزيد فغطاها وقال نعم فاعولى عليه ياهند وابكى على ابن بنت رسول الله وصريخة قريش عجل عليه ابن زياد فقتله فقتله الله - (أكسير العبادات صفحہ 541-540)

کتاب مناقب کے مصنف نے کہا کہ ابو مخنف وغیرہ نے تذکرہ کیا ہے کہ ینید ملعون نے امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو اپنے محل کے دروازے پر لٹکا کر حکم دیا اور اسکے بعد امام حسین کے اہل بیت کو اپنے محل میں اپنی مستورات کے پاس بھجوا دیا۔ چنانچہ جب رسول کی بیٹیاں اور بچے سر مبارک کو دیکھتے ہوئے ینید کے محل میں داخل ہوئے تو ینید اور معاویہ اور ابوسفیان کی تمام عورتیں اور بچے اہل بیت کے استقبال کے لئے چیخیں مارتے اور روتے فریاد کرتے پہنچے چاروں طرف امام مظلوم پر نوحہ اور ماتم ہو رہا تھا۔ مستورات و بیگمات نے اپنے دوپٹے اور قیمتی لباس اتار کر پھینک دیا تھا۔ تین روز مسلسل مجلس عزاء اور ماتم حسین علیہ السلام قائم رکھا گیا۔ ینید کی سب سے چیتی اور حسین زوجہ ہند بنت عبد اللہ بن عامر نے اپنے تمام کپڑے پھاڑ ڈالے اور سر برہنہ محل سے نکل کر اچانک ینید کے بھرے اجلاس میں نالہ و فریاد کرتی ہوئی داخل ہو گئی۔ ینید اور تمام درباری حیران اور ششدر رہ گئے۔ اُس نے ینید سے کہا کہ اے ینید تو نے میرے محل کے دروازہ کی بلندی پر رسول اللہ کی بیٹی کے فرزند حسین کا سر لٹکا رکھا ہے؟ ینید نے دوڑ کر اُس پر پردہ کے لئے چادر ڈالی اور نہایت آزرہ اور جٹی ہوئی آواز میں کہا کہ یہ حسین ہی کا سر ہے۔ تم حسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ کا دل کھول کر سوگ مناؤ جتنا ہو سکے اُن پر اشک بہاؤ۔ اللہ ابن زیاد کو غارت کرے اُس نے بڑی عجلت سے کام لیا۔ اس خمیشت نے فرزند رسول کو موقعہ دیئے بغیر قتل کر دیا۔

وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ إِنَّ الْمُسْتَفَادَ مِنْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ أَنَّ ذَلِكَ الصَّلْبَ كَانَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَهَذَا كَمَا قَالَ فِي الْبَحَارِ وَذَكَرَ غَيْرُهُمَا أَنَّ رَأْسَهُ صَلَّبَ بِدَمْشَقٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ هَذَا وَقَالَ ابْنُ شَهْرٍ أَشُوبُ وَسَمِعَ أَيْضًا صَوْتَ الرَّاسِ الشَّرِيفِ بِدَمْشَقٍ يَقُولُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ وَسَمِعَ أَيْضًا يَقُولُ: إِنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا - (أكسير العبادات صفحہ 541)

بحار الانوار میں اور ابن شہر آشوب سے روایت ہے کہ دمشق میں تین روز تک سر امام حسین علیہ السلام محل کے دروازہ پر لٹکا رہا اور سر مبارک سے لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ اور اِنَّ اصحاب الكهف والرقيم كانوا من آياتنا عجباً کی آیات سنائی دیتی رہیں۔

مومنین نے غور فرمایا کہ ینید نے اپنی عزیز ترین اور سرچڑھی زوجہ ہند کو اجلاس سے واپس بھیجنے کے لئے ابن زیاد پر قتل کا جرم لگا کر ہند کا غصہ و غضب دوسری طرف موڑ دیا۔ لیکن زیر بحث ہند کا سوال تو یہ تھا کہ تو نے سر مبارک کو میرے محل کے دروازہ پر کیوں لٹکایا ہے؟ ینید نے ہند کا سر و چہرہ ڈھکنے اور واپس محل میں پہنچانے کے جھیلے میں اصل سوال کا جواب نہیں دیا۔ اور تین روز برابر سر مقدس کو محل کے دروازے سے نہیں اتارا۔ اس لئے کہ تین روز برابر مجلس عزاء قائم رہی تھی۔ وہ ہند کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میں حسین کا اور پس ماندگان

حسینؑ کا آج بھی دشمن ہوں۔ اور یہ کہ میرے تمام اقوال اور نرم اقدامات ازراہ ہمدردی نہیں بلکہ خطرات کو دور رکھنے کی تمہید ہیں۔ اور یہ کہ میرے محل میں میرے خاندان میں شہدائے کربلا کا ماتم اور سوگ برپا ہے۔ لیکن میں پبلک پر یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ میرا خاندان تو خوشیاں منارہا ہے۔ رونے پٹینے والوں کا تماشا دیکھ رہا ہے۔ ورنہ یہ سردرازہ پر کیوں لٹکایا جاتا۔ اُسے عزت و احترام سے دفن کرنے کا بندوبست کیا جاتا۔ دراصل یزید کو امام حسینؑ اور اُن کے اطفال و حرم نے چاروں طرف سے گھیر کر مجبور کر دیا تھا۔ وہ بچ نکلنے کی تدبیروں میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ ہر تدبیر اُلٹی پڑ رہی تھی۔ اگر اس کے لئے ممکن ہوتا تو اگر سب کو نہیں تو کم از کم امام زین العابدینؑ کو ضرور قتل کر دیتا۔ اور اسی مقصد تک پہنچنے اور مناسب موقعہ پانے کے لئے اُس نے پورا ایک سال اہل حرم اور امام چہارم علیہم السلام کو قید میں رکھا۔ لیکن اُس کے سامنے ہر روز ایک نئی سیاسی اور مذہبی صورت حال آ کر کھڑی ہو جاتی تھی۔ اور یہ ایسی صورتیں تھیں جن کے حل کرنے کی قابلیت مسٹر جون میں بھی نہ تھی۔

ابتدائی چھ ماہ محل کے دارالموت میں اہل حرم اور امام زین العابدینؑ علیہم السلام کو اس لئے رکھا کہ جب چاہوں گا سب کو ایک دم یا ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اُتار دوں گا۔ چنانچہ اس کی کوشش کرتا رہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ یہ ایسی خفیہ اور انسانی رسائی سے دُور جگہ تھی کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ ہم نے اُن سب کو رہا کر کے راتوں رات مدینہ روانہ کر دیا تو کوئی تصدیق و تکذیب نہ کر سکتا تھا۔ مدینہ تک پتہ لگانے کون جاتا؟ شامیوں کو اس کی کیا ضرورت تھی اور اگر انہیں کھل ہی جاتا تو کہہ دیا جاتا کہ کسی بدویاڈا کو قبیلے نے قتل کر دیا ہوگا۔ بہر حال ہم انہیں دمشق سے روانہ کر چکے ہیں۔ یہ جو علما میں مشہور ہے کہ چند روز کے بعد رہا کر دیا گیا تھا یہ اسی قسم کی افواہوں میں سے ہے جس کی تصدیق کے لئے راستے کے قصبے، کربلا جانا، جابر سے ملنا وغیرہ گھڑے گئے۔ لیکن اُن جعلی اور جھوٹے قصوں میں فطری ربط مفقود ہے۔ اور علما برابر اُلجھتے اور مَن سمجھوتہ کرتے چلے آئے ہیں۔ چھ ماہ بعد جس جیل میں رکھا گیا اُس کا مقصد یہ تھا کہ ملاقات کے لئے آنے والوں کی فہرست بنائی جائے اور دیکھا جائے کہ ہمدردوں میں کون کون اور کس حیثیت کے لوگ ہیں؟ اور پھر اُن کا تذکرہ اور دفاع کیا جائے جو بعد میں برابر قتل عام اور جلاء وطنی کی صورت میں جاری رہا۔ پھر آخری دو تین ماہ ذرا کھلی جگہ رکھا گیا تا کہ امام زین العابدینؑ کی نقل و حرکت کا رُخ دیکھا جائے اور پتہ لگایا جائے کہ اُن کے قلب و ذہن میں انتقامی کیفیت کا کیا وزن ہے؟ جاسوس لوگ شیعہ اور محبان آل محمدؑ بن کر ملتے تھے، بغاوت کی باتیں کرتے تھے، نصرت کا نیا لالچ دیتے تھے۔ بہر حال اُن کو قتل کرنے اور جرم کی تخلیق کرنے پر بھی کافی محنت و تدبیر سے کام لیا گیا۔ مگر ہمارا جواب بڑا مختصر ہے کہ وہ امام تھے ہر شخص کے قلب و ذہن میں گزرنے والی واردات تک پر مطلع رہتے تھے۔ بہر نوع امام کو قتل کرنے کی ایک اور کوشش سنئے۔

(10)۔ یزید اور اس کا بیٹا دونوں بیٹھے ہیں: امام علیہ السلام کو بلایا جاتا ہے: قتل کی نئی کوشش

قصر یزید میں عزا داری و ماتم کی خبریں نوکروں اور خادماؤں کے ذریعہ سے باہر نکل گئیں۔ لوگوں میں مختلف رد عمل لازم تھا۔ کچھ لوگ یہ سُن کر محل میں اہلیت کو پرسہ دیا گیا ہے اس امید میں مبتلا ہو گئے کہ بس آج کل میں رہائی کی خبر ملے گی۔ مشکوک خیالات رکھنے والوں نے سوچا کہ رہائی ملے گی یا نہ ملے گی اور کب رہائی ملے گی یہ تو ابھی بعد کی اور مشکوک بات ہے۔ مگر یہ تو تحقیق ہو گئی کہ اہلیت رسولؐ

ابھی زندہ ہیں۔ طرح طرح کی نئی باتیں نکل کر سامنے آنے لگیں۔ ایسا نہ ہو یزید معافی مانگ کر تخت خلافت سے دستبردار ہو جائے اور اقتدار نکل کر بنی ہاشم تک جا پہنچے۔ مروان اور مروانی و ابوسفیانہ قسم کے اموی سرداروں کے سروں میں نئی فکر ہے۔ وہ یزید پر جتنا دباؤ ڈالیں کم ہے۔ بہر حال چشم بصیرت یزید کے اقدام میں وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی جس کے دباؤ سے وہ اقدام کیا جاسکتا تھا۔ حضرت امام زین العابدین کو لانے کا حکم دیا گیا۔ اس سلسلہ میں علامہ در بندی رضی اللہ عنہ کا بیان اور روایت سنئے، لکھتے ہیں کہ:-

أَنَّ يَزِيدَ قَدِ عَزَمَ مَرَّاتٍ كَثِيرَةً عَلَى قَتْلِ الْإِمَامِ سَيِّدِ السَّاجِدِينَ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَأَنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ صَرَفَ عَنْهُ الْقَتْلَ وَنَحْوَ ذَلِكَ مِنْ جُمْلَةٍ مِنَ الْأُمُورِ فَاعْلَمْ أَنَّ لِرَوَايَاتِ النَّاطِقَةِ بَانَ يَزِيدَ كَانَ قَدِ عَزَمَ عَلَى قَتْلِ الْإِمَامِ سَيِّدِ السَّاجِدِينَ مَرَّاتٍ كَثِيرَةً فِي غَايَةِ الْكَثْرَةِ - وَقَدْ نَقَلَ عَنْ تَارِيخِ الطَّبْرِيِّ وَالْبَلَاذُرِيِّ أَنَّ يَزِيدَ بْنَ مَعَاوِيَةَ قَالَ لِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ اتَّصَارِعْ هَذَا يَعْنِي خَالَدًا ابْنَهُ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ بِمَصَارِعَتِي أَيَاہُ اعْطِنِي سَكِينًا وَاعْطِعْهُ سَكِينًا ثُمَّ اقَاتَلَهُ - فَقَالَ يَزِيدُ شَنْشَنَةً أَعْرِفُهَا مِنْ أَخْزَمَ هَذَا مِنَ الْعَصَى عَصِيَّةٌ - هَلْ تَلَدَ الْحَيَّةَ الْإِلَاحِيَّةَ وَكُتَابَ الْأَحْمَرِ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّكَ ابْنُ عَلِيٍّ بْنِ أَبِيطَالِبٍ - فَانْشَاءَ السَّجَادَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: -

لَا تَطْمَعُوا أَنْ تُهَيِّنُوا فَنَكْرُكُمْ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَنَّا لَا نُحِبُّكُمْ
وَأَنْ نَكْفِ الْأَذَى عَنْكُمْ وَتُؤْذُونَا
وَلَا نَلُومُكُمْ أَنْ لَا تُحِبُّونَا -

فَقَالَ يَزِيدُ صَدَّقْتَ يَا غُلَامَ وَلَكِنْ ارْأَدْتُ أَبُوكَ وَجَدَّكَ أَنْ يَكُونَا أَمِيرَيْنِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي قَتَلَهُمَا وَسَفَكَ دَمَهُمَا - فَقَالَ الْإِمَامُ لَوْ نَزَلَ النَّبُوَّةُ وَالْأَمْرُ لِأَبَائِي وَاجْدَادِي مِنْ قَبْلِ أَنْ تُولَدَ - قَالَ الْمَدَائِنِيُّ لَمَّا انْتَسَبَ السَّجَادُ إِلَى النَّبِيِّ قَالَ يَزِيدُ لَجُلُوزَاهُ ادْخُلْهُ فِي هَذَا الْبُسْتَانِ وَقَاتِلْهُ وَادْفَنْهُ فِيهِ - فَدَخَلَ بِهِ إِلَى الْبُسْتَانِ وَجَعَلَ يَحْفَرُ وَالسَّجَادُ يُصَلِّي فَلَمَّا هَمَّ بِقَتْلِهِ ضَرَبَتْهُ يَدِ مَنِ الْهَوَاءَ فَخَرَّ لَوَجْهِهِ وَشَقَّ وَدَهَشَ فَرَاهُ خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ وَلَيْسَ لَوَجْهِهِ بَقِيَّةٌ فَانْقَلَبَ إِلَى أَبِيهِ وَقَصَّ عَلَيْهِ فَا مَرَّ بِدَفْنِ الْجُلُوزِ فِي الْحَفْرَةِ وَاطْلَاقَهُ - (أكسير العبادات صفحہ 529 تا 530)

”یزید نے امام زین العابدین علیہ السلام کو قتل کرنے کی بار بار اور بہت دفعہ کوشش کی لیکن اللہ انہیں محفوظ رکھتا رہا۔ اس سلسلہ میں بہت سی روایات اُسکے ارادوں کی خبر دیتی ہیں۔ چنانچہ تاریخ طبری اور بلاذری میں موجود ہے کہ یزید بن معاویہ نے امام زین العابدین سے کہا کہ کیا آپ میرے اس بیٹے خالد سے کشتی کریں گے؟ فرمایا کہ اُس سے کشتی کرانے میں وہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔ البتہ ایسا کرو کہ ایک چھری مجھے دیتے ہو اور ایک چھری خالد کو دے دیں تاکہ ہم دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوں اور صحیح نتیجہ نکل آئے۔ یزید نے کہا کہ پھنکارنے سے سانپ کی نسل شناخت کی جاسکتی ہے۔ جنگ کرنے اور حریف سے انتقام لینے کا صحیح طریقہ ہے۔ سچ ہے کہ سانپ کا بچہ بھی سانپ ہی ہو سکتا ہے۔ کتاب الاحمر میں ہے کہ یزید نے یہ بھی کہا کہ تم واقعی علیؑ کے بیٹے ہو۔ جناب امام سجاد علیہ السلام نے یہ اشعار پڑھے:-

”اے یزید اُدھر تم ہماری توہین و ذلت کے درپے رہو اور اُدھر ہم سے یہ طمع کرو کہ ہم تمہاری عزت کریں گے۔

اُدھر ہم تمہیں ایذا پہنچانے سے باز رہیں اور اُدھر تم ہماری ایذا رسانی میں کوئی کمی نہ کرو۔ اللہ گواہ ہے ہم تم لوگوں

کو ہرگز دوست نہیں رکھتے۔ مگر تمہیں اس بات پر ملامت بھی نہیں کرتے کہ تم ہم سے کیوں محبت نہیں کرتے۔“

یزید نے کہا کہ اے نوجوان تم نے بہت صحیح کہا لیکن یہ تو مانو گے کہ تمہارے باپ اور دادا نے حکومت چاہی تھی تو اُس خدا کی حمد و ثناء ہے جس

نے انہیں قتل کیا اور انکا خون بہایا۔ امامؑ نے فرمایا کہ میرے ابا و اجداد کیلئے تیری پیدائش سے کہیں پہلے سے نبوت و حکومت خدا کی طرف سے چلی آرہی ہے۔ یہ سن کر یزید نے اپنے باڈی گارڈ سے کہا کہ اُن کو سامنے والے باغیچے میں لیجاؤ، قبر کھودو اور قتل کر کے وہیں دفن کر دو۔ چنانچہ باڈی گارڈ امامؑ کو باغیچے میں لایا اور قبر کھودنا شروع کی۔ ادھر امامؑ نے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ قبر کھود کر جب اس نے امامؑ کے قتل کرنے کا اہتمام کیا تو ہوا میں سے ایک ہاتھ باہر نکلا اور اُسے اس زور سے تھپڑ مارا کہ چکر کاٹ کر گرا، چیخ ماری اور دہشت سے بے ہوش ہو گیا۔ یزید کا بیٹا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب دیکھا کہ اسکی روح نکل گئی تو واپس اپنے والد کے پاس پلٹ کر آیا اور پورا قصہ سنا دیا۔ یزید نے باڈی گارڈ کو مذکورہ قبر میں دفنانے اور امامؑ کو آزاد کرنے کا حکم دے دیا۔“

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ یزید کے دل کی گہرائی میں معاویہ اور ابوسفیان کی ذہنیت اور کینہہ جم کر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ خاندان مرتضویٰ میں سے ہر بچہ کو مرتضیٰ اور ملک الموت سمجھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ نسل اگر باقی رہے گی تو اُس کی نسل فنا ہو جائے گی۔ اور اُس کی تباہی اسی نسل کے ہاتھوں یا اسی نسل کے لئے ہوگی۔ مگر اُس کے ہاتھ اُس انتظام نے باندھ کر رکھ دیئے تھے جو امام حسین علیہ السلام نے کربلا کی مہم کے لئے اپنے بعد چھوڑا تھا۔ اُس کی مطلق العنان زبان پر فالج گر چکا تھا۔ اُس کے باغی دماغ پر اضطراری کیفیت طاری ہو کر رہ گئی تھی۔ اسے اپنے منحوس سایہ سے بھی خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ وہ حیران ہو کر سوچتا تھا کہ میرے باپ نے اور اُس کے سرپرستوں نے پورے عرب میں عموماً اور ملک شام میں خصوصاً علیؑ و اولاد علیؑ کے خلاف ساٹھ سال مہم چلائی۔ تعلیمی نصاب میں انہیں اللہ و رسولؐ کا باغی اور خلفائے امت کا دشمن اور قاتل دکھایا۔ جسے پڑھتے ہوئے اُمت کے بچے جوان ہوئے۔ جس پر یقین رکھتے ہوئے بڑھے ہوئے۔ جن کی اسلام دشمنی کی بنا پر ہر محراب و منبر اور مسجد سے صدائے لعنت و ملامت بلند ہوتی رہی اور کسی طرف سے شکوک و شبہات و اعتراضات نے سر نہ اٹھایا۔ یہ کیا جادو ہے؟ کہ میرے بزرگوں کی ساٹھ ستر سال کی سر توڑ محنتیں، کوشش اور انتظامات ان قیدیوں کے سامنے مٹری کے جالے کی طرح سمٹتے اور غائب ہوتے جا رہے ہیں؟ یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ دلوں کی گہرائی میں اتری ہوئی نفرت، نطفوں میں منتقل ہوتی چلی آنے والی عداوت ایک دم ہمدردی اور فرمانبرداری میں بدل جائے؟ اور پلٹ کر خود اپنے بزرگوں کے خلاف صف آرا ہو جائے؟ بہر حال مجھے ان حالات کا آخری سانس تک مقابلہ اور تدارک کرنا ہے۔ میں نے اُن کے طوق و زنجیر اُترادئیے ہیں۔ میں وہ تمام ظاہری اور نمایاں اذیت رساں انتظامات ڈھیلے کرتا جا رہا ہوں جو ایک عام آدمی کو ہمدردی پر متوجہ کر لیتے ہیں۔

(11)۔ امامؑ کو مسجد کی چار دیواری میں عارضی آزادی مگر نظرقید

شاہی اجلاس کے بجائے آج امام زین العابدین علیہ السلام کو مسجد میں بلایا گیا۔ بہت سارے جاسوس اور رپورٹر (REPORTERS) مناسب فاصلوں پر بٹھا دیئے گئے۔ مخصوص مقررین، واعظین اور شاہی مذہب کے نمائندے جگہ جگہ موجود ہیں۔ بعض عوام کو بھی منہ دیکھ کر مسجد میں آنے دیا جا رہا ہے۔ یزید اعلیٰ درجہ کے خطیبوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہے۔ خاندان مرتضویٰ کے خلاف سب سے زیادہ دلائل رکھنے والے اور اثر انگیز خطیب کا امتحان و انتخاب ہو چکا ہے۔ امام علیہ السلام کے تشریف لانے کا انتظار ختم ہو چکا ہے۔ کتاب المناقب میں کتاب الاحمر سے نقل کیا گیا ہے کہ:-

قال يزيد لخطيب بَلِّغْ خُذْ بيد هذا الغلام فأنت به المنبر واخبر الناس بسوء رأى ابيه وجده ورافقهم الحق وبغهم علينا۔ قال ففعل الخطيب ما امره يزيد بفعله فلم يدع شيئاً من المساوى الا ذكره فيهم فَلَمَّا نَزَلَ قام علي بن الحسين فحمد الله بحماد شريفة وصلى على النبي صلوة بليغة مؤجرة۔ ثُمَّ قال معاشر الناس مَنْ عرفني فقد عرفني وَمَنْ لَمْ يعرفني فانا اعرفه نفسي۔

انا ابن مكة والمنى ابن المروة والصفاء۔ ابن محمد المصطفى ابن مَنْ لَا يخفى۔ ابن مَنْ علا فاستعلى۔ فجاز سدرۃ المنتهى وكان مِنْ رَبِّهِ كَقَاب قَوْسَيْنِ اِوَادْنِي۔ ابن مَنْ صَلَّى بملائكة السماء مثنى مثنى۔ ابن مَنْ اسرى به مِنَ المسجد الحرام الى مسجد الاقصی۔ ابن علي المرتضى۔ ابن فاطمة الزهراء۔ ابن خديجة الكبرى۔ ابن مقتول ظلماً۔ ابن المجزور الراس من القفا۔ ابن العطشان حَتَّى قُضِيَ۔ ابن طريح كربلا۔ ابن مسلوب العمامة والرداء۔ ابن مَنْ بكت عليه ملائكة السماء۔ ابن مَنْ ناحت عليه الجن في الارض والطير في الهواء۔ ابن مَنْ راسه على السَّنان يهدى۔ ابن مَنْ حرّمه من العراق الى الشام تَسْبِيًاً۔ ايها الناس اِنَّ الله تعالى وله الحمد ابتلانا اهل البيت بِبَلَاءٍ حَسَنٍ حيث جعل راية الهدى والعدل والتقى فِينَا وجعل راية الضلالة والردافي غيرنا۔ فَضَلْنَا اهل البيت بِسِتِّ خصال۔ فَضَلْنَا بالعلم والحلم والشجاعة والسماحة والمحبة والمجدة في قلوب المؤمنين واتانا مالم يؤت احدًا مِنَ العالمين من قبلنا۔ فِينَا مختلف الملائكة وتنزيل الكتاب۔

قال فلم يفرغ حَتَّى قال المودن الله اكبر فقال اشهد بما تشهد به۔ فلما قال المودن اشهد اَنَّ مُحَمَّدًا رسول الله۔ قال علي بن الحسين يا يزيد هذا جدّي اَوْجَدَكَ؟ فان قلت جَدَّكَ فقد كذبت وان قلت جدّي؟ فَلِمَ قَتَلْتَ اَبِيَّ وَسَيِّئَتِ حريمه وَسَيِّئَتِي؟ ثُمَّ قال معاشر الناس هل فيكم مَنْ اَبُوهُ وَجَدَهُ رسول الله صلى الله عليه وآله؟ فَعَلْتُ الاصوات بالبكاء۔ فقام اليه الرجل مِنْ شيعته يقال لَهُ المنهال بن عمر الطائي وفي رواية مكحول صاحب رسول الله۔ فقال له كيف اَمْسَيْتَ يا بن رسول الله؟ فقال ويحك كيف اَمْسَيْتُ؟ امسينا فيكم كَهَيْئَةِ بنى اسرائيل في آل فرعون يذبحون ابنائهم وَيَسْتَحْيُونَ نَسَائِهِمْ وَاَمْسَتْ العرب تفتخر على العجم بِأَن مُحَمَّدًا مِنْهَا اَمْسَتْ القريش تفتخر على العرب بِأَن مُحَمَّدًا مِنْهَا۔ وَاَمْسَى آل مُحَمَّدٍ مقهورين فخذولين (في يدى امة محمد۔ احسن) فَالَى الله نشكوا كثرة عُدُوِّنَا وتفرق ذات بَيْنِنَا وتظاهر الاعداء عَلَيْنَا۔

(اكير العبادات۔ صفحہ 522-521، ترجمہ، حارصہ 2 صفحہ 63-61)

آپ شریف لائے تو یزید نے کھڑے ہو کر اُن کا ہاتھ پکڑا اور منتخب خطیب کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ اُن کو منبر کے پاس بطور گواہ بٹھاؤ اور اُن کے والد اور دادا کے دین سے گمراہ ہو جانے، دین کے خلاف تحریک چلانے اور اُن کی مخالفانہ سرگرمیوں کی تفصیل تمام حاضرین کے سامنے پیش کرو۔ چنانچہ خطیب امام کو لے کر منبر پر پہنچا اور اُس نے نہایت آب و تاب کے ساتھ یزید کی منشا کے مطابق ہر وہ برائی اور عیب بیان کیا جو حکومت نے تیار کر رکھا تھا۔ اور مذمت میں کوئی چیز بیان کرنے سے نہ چھوڑی۔ لیکن جیسے ہی خطیب منبر سے اُتر۔ حضرت سجادؑ نے اُس کی جگہ لے لی اور نہایت اعلیٰ درجہ کی حمد و ثنا اللہ کی شان میں بیان کی۔ پھر نبیؐ پر وہ درود و سلام پڑھا جو دلوں میں ایمان کی روشنی پیدا کر دے۔ پھر فرمایا کہ جو لوگ مجھ سے واقف ہیں وہ تو واقف ہیں ہی۔ جو لوگ ناواقف ہیں وہ مجھے پہچان لیں اُن کو اپنے تعارف پر متوجہ کرتا ہوں۔ سنو کہ؛

میں مکہ اور منی کا بیٹا اور وارث ہوں۔ میں صفا اور مروہ کا فرزند ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں۔ جو بلند ہوا تو بلند ہی ہوتا چلا گیا۔

جو سدرۃ المنتہی کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ اور اپنے رب سے دو قوس کے آس پاس تک گیا۔ میں اسکا بیٹا ہوں جس نے تمام ملائکہ کو دوبار نماز پڑھائی۔ میں اسکا فرزند ہوں جو مسجد حرام سے انتہائی دور والی مسجد تک سیر کو جاتا رہا۔ میں علیؑ کا بیٹا ہوں میں فاطمہؑ زہراءؑ کا فرزند ہوں۔ میں خدیجہ الکبریٰؑ کا لال ہوں۔ میں اسکا بیٹا ہوں جسے ظلم کر کے قتل کیا گیا ہے۔ میں اسکا لاڈلا ہوں جسے سجدہ میں قتل کیا اور پس پشت سے سر کاٹا گیا۔ میں اسکا بیٹا ہوں جسے مرتے دم تک پیسا سا رکھا گیا۔ میں اسکا فرزند ہوں جسکی لاش بے گور و کفن کر بلا میں پڑی ہے۔ اور جسکا سر بطور سوغات لایا گیا۔ میں اسکا وارث ہوں جسے قتل کر کے اسکی چادر اور عمامہ بھی لوٹ لیا گیا۔ میں انکا بیٹا ہوں جن پر آسمان کے فرشتے رورہے ہیں۔ میں اسکا فرزند ہوں جن پر زمین پر جنات اور ہوا میں پرندے نوحہ کر رہے ہیں۔ میں اُسی کا لال ہوں جس کا سر نیزہ پر بلند کیا گیا۔ میں اُن ہی کا جانشین ہوں جنکی مستورات اور بچوں کو قید کر کے عراق سے شام لایا گیا ہے۔ اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں بہترین صورت حال اور ہدایت و تقویٰ اور عدل و انصاف کا پرچم مستقل طور پر عطا کرنے کیلئے اس آزمائش سے گزرنے پر ہدایت کی۔ اور دیکھ لو کہ ہمارے ہر فرد نے اللہ کی عطا کردہ چھ صفات کے مطابق اس امتحان کو خوشی خوشی پورا کر دیا۔ اس امتحان سے بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ نے ہمیں بھرپور علم دیا۔ یعنی اس امتحان کا شاندار پروگرام بنایا جو ہمیں آپ کے سامنے نتائج کا عالم اور کامیاب ثابت کر رہا ہے۔ ہماری سخاوت اس سے ثابت ہے کہ ہم نے اپنی جان و مال اور اولاد پر اُمت کی نجات کو ترجیح دی ہے۔ اور شجاعت یوں ثابت ہے کہ ہمارے بچے تکالیف سے بے قرار ہو کر معافی کی التجا نہیں کرتے۔ ہماری محبت ہی آپ کے دلوں میں ہے جو ہمارے دشمن کے پروپیگنڈے کے باوجود ہماری عزت و تکریم پر آپ سب کو متوجہ کر رہی ہے۔ اس آزمائش کے مقابلہ اور نتیجے میں اللہ نے ہمارے مخالف کو ہمیشہ کے لئے گمراہی اور تخریب کاری کا پرچم تھما دیا اور مستقل گمراہی کا ذمہ دار قرار دے دیا اور جو کچھ دنیا میں کسی ایک کو بھی نہیں دیا گیا تھا۔ وہ سب اللہ نے ہمیں عطا کیا ہے۔ ہم ہی میں کتاب کا اُترنا اور ملائکہ کا ہمیشہ آنا جانا اور اُن کا مرکز ہے۔

راوی نے کہا کہ امام خطبہ سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ مؤذن نے اللہ اکبر کہا۔ امامؑ نے فرمایا کہ اے مؤذن میں اُسی کی شہادت دیتا ہوں جو تو نے کہا ہے۔ اور جب مؤذن نے محمدؐ کے رسول اللہ ہونے کا اعلان کیا تو امامؑ نے پوچھا کہ اے یزید اللہ کا یہ رسول محمدؐ میرا نانا ہے یا تیرا؟ اگر تو اپنا کہے تو تُو جھوٹا ہے۔ اور اگر میرا نانا کہے تو یہ بتا کہ تو نے میرے باپ کو کیوں قتل کیا؟ اور اُن کی مستورات اور بچوں کو کیوں قید کیا اور کیوں مجھے قیدی بنا کر رکھا ہے۔ پھر فرمایا کہ سنو اے لوگو کیا تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کا دادا اللہ کا رسول ہو؟ امامؑ کا بیان سننے ہوئے آخر صدائے فریاد و بکا بلند ہو گئی۔ لوگ رورہے تھے کہ امامؑ کے ایک شیعہ نے جسے ایک روایت میں مکحول اور صحابی رسول اللہ کہا گیا ہے اور دوسری میں اس کا نام منہال بن عمر طائی بتایا ہے کہا کہ اے فرزند رسولؐ آپ کی رات کیسے گزری؟ فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے کہ ذرا سی آزادی اور سہولت دیکھ کر یہ اُمید کرتا ہے کہ میں کسی بہتری کا ذکر کروں گا؟ سن ہم اُسی طرح صبح و شام سے دوچار ہیں جس طرح حضرت اسحاقؑ کی اولاد کا حال قرآن نے سنایا کہ بنی اسرائیل آل فرعون میں یوں گزارا کرتے تھے کہ اُن کے مردوں اور بیٹوں کو ذبح کیا جاتا تھا اور اُن کی عورتوں کو زندہ رہنے دیا جاتا تھا۔ تاکہ نبیؑ کی نسل ختم ہو جائے۔ ارے بھائی عرب کے باشندے عجم کے باشندوں پر یہ فخر کرتے ہوئے صبح کرتے ہیں کہ محمدؐ ہم میں سے ہے اور ہم ساری دنیا سے بزرگ قوم ہیں اور قریش یہ فخر

کرتے ہوئے صبح کرتے ہیں کہ محمدؐ میں سے ہے۔ لہذا ہم ساری دنیا سے اور خود عربوں سے زیادہ بہتر قوم ہیں۔ اور محمدؐ کی آل و اولاد اس طرح صبح کرتی ہے کہ اُن کو محمدؐ کی اُمت سے ذلیل و خوار کرنے اور ہمہ قسمی مظالم کرنے کی زیادہ امیدیں ہوتی ہیں۔ اُن پر پوری طاقت اور بے رحمی سے ظلم کیا جاتا ہے۔ لہذا بھائی ہم تو اپنا گلہ شکوہ صرف اللہ تک محدود رکھتے ہیں۔ اُسی کو بتاتے ہیں کہ چاروں طرف ہمارے دشمنوں کا ہجوم ہے۔ وہ ہم پر مادی غلبہ رکھتے ہیں۔ اور ہمارے کنبے کے افراد بکھرے پڑے ہیں۔ سر یہاں ہیں تو جسم کربلا میں پڑے ہیں۔ اور اس شکوہ سے ہم اپنے درجات کی بلندی کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے۔

(12)۔ امام محمد باقر علیہ السلام کا خطبہ قدم بقدم لفظ بلفظ والد کی پیروی

دشمنانِ اہلبیتؑ کے پروپیگنڈے سے ہمارے علما جس حد تک بھکے ہیں اُسکا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ جہاں حضرت علی اکبر علیہ السلام کو لفظ اکبر کے دھوکے میں امام زین العابدینؑ سے بڑا لکھتے رہے ہیں اور امام زین العابدین علیہ السلام کو ایک چھوٹا سا بچہ کہتے رہے ہیں۔ وہیں اُنکا مستقل عملدرآمد یہ بھی رہا ہے کہ کربلا کے قیام کے دوران اُنہوں نے حضرت محمد باقر علیہ السلام کا قطعاً ذکر نہیں کیا۔ پھر کربلا سے روانگی، کوفہ پہنچنا، وہاں کا گشت و تشہیر و قیام کے دوران بھی امامؑ پنجم کو غائب رکھتے ہیں۔ پھر کوفہ سے شام تک کے سفر اور دمشق کے قیام میں بھی اُنکا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ بہر حال یہاں ہم یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام 38 ہجری میں پیدا ہوئے اور کربلا میں تینیس (23) سال کے جوان تھے اور جناب محمدؑ باقر 57 ہجری میں پیدا ہوئے اور کربلا میں پانچویں سال میں تھے۔ لیکن ہمارا ریکارڈ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو اڑتیس سال کی پختہ عمر سے کم نہیں مانتا اور جناب امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر کربلا میں دس سال کہتا ہے اور یہ اسلئے کہ جناب امام حسین علیہ السلام 3 ہجری میں پیدا ہوئے اور اُنیسویں سال جناب شہر بانو علیہا السلام سے شادی ہوئی اور یہ واقعہ ہے 22 ہجری کے اواخر یا 23 ہجری کے اوائل کا۔ چونکہ حضرت شہر بانو اور اُنکی دوسری بہن جناب شاہ زناں 21 ہجری میں آئی تھیں اور آتے ہی دونوں شاہزادیاں دونوں شاہزادوں، جوانانِ بہشت کے سرداروں حسن اور حسین علیہما السلام کے عقد میں دیدی گئی تھیں۔ لہذا یہ کہنا کہ امامؑ زین العابدین 38 ہجری میں پیدا ہوئے، یہی کہنا ہے کہ شادی کے بعد امام حسین علیہ السلام سے سولہ سال تک کوئی اولاد نہیں ہوئی جو ایک احمق بھی تسلیم نہ کریگا۔ بہر حال ہمیں اپنا اور حکومت کا تیار کردہ ریکارڈ بھی صحیح ثابت کرتا ہے۔ لہذا آئیوالا خطبہ جس بچہ نے دیا تھا وہ علما کی غلط فہمی اور امامؑ چہارم کا نام لکھنے کے باوجود امامؑ محمد باقر کا خطبہ ہے۔ خطبہ سنئے۔

(الف)۔ آج دو امامؑ مسجد دمشق کی تطہیر کریں گے

قال: قَالَ وَآمَرَ رَجُلًا يَصْعَدُ الْمَنبِرَ وَيَسَبُّ الْحُسَيْنَ فَفَعَلَ ذَلِكَ فَقَالَ (مُحَمَّدٌ) بْنُ عَلِيٍّ بْنِ الْحُسَيْنِ لِلرَّجُلِ بِاللَّهِ عَلَيْكَ إِلَّا مَا أَذْنَتْ لِي أَنْ أَصْعَدَ الْمَنبِرَ وَاتَّكَلِمَ بِكَلَامٍ فِيهِ رَضِيَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ۔ فَقَالَ لَهُ أَصْعَدَ الْمَنبِرَ يَا غُلَامَ وَقُلْ مَا بَدَأَ لَكَ وَاعْتَدِ زَ الرَّجُلِ إِلَيْهِ۔ قَالَ: فَصَعِدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَجَعَلَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامِ الْأَنْبِيَاءِ بِعَذُوبَةٍ لِسَانٍ وَفَصَاحَةٍ وَبِلَاغَةٍ فَاقْبَلِ إِلَيْهِ النَّاسُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ۔

وَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَمَنْ لَمْ يَعْرِفَنِي فَأَنَا عَرَفْتُهُ بِنَفْسِي فَأَنَا مُحَمَّدٌ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ

المرتضى صلوات الله عليه وسلامه عليهم: أَنَا بُنُّ مَنْ حَجَّ وَبُئِي - أَنَا بُنُّ مَنْ طَافَ وَسَعَى - انا بن زمزم والصفاء - انا ابن فاطمة الزهراء - انا بن المذبح من القفا - انا بن العطشان حتى قضى - انا بن من منعه من الماء - واحلوه على سائر الوري - انا بن محمد المصطفى - انا بن صريع كربلا - انا بن من راحت انصاره تحت الثرى - انا بن من غدت حريمه اسرى - انا بن من ذبحت اطفاله من غير سوء - انا بن من اضرم الاعداء في خيمة لظى - انا بن من اضحى صريعاً بالنقى - انا بن من لاله غسل ولا كفن يرى - انا بن من رفعوا راسه على القنا - انا بن من هُتِك حريمه بارض كربلا - انا بن من جسمه بارض وراسه باخرى - انا بن من لا يرى حوله غير الاعداء - انا بن من حريمه الى الشام يهدى - انا بن من لاناصر له ولا حمى -

ثُمَّ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَضَّلْنَا اللَّهَ بِخَمْسِ خِصَالٍ فِينَا وَاللَّهُ مُخْتَلِفٌ الْمَلَائِكَةُ وَمَعْدَنُ الرِّسَالَةِ وَفِينَا نَزَلَتْ الْآيَاتُ وَنَحْنُ فَدْنَا الْعَالَمِينَ لِلْهُدَى وَفِينَا الشَّجَاعَةُ - فَلَمْ نَخَفْ بِأَسَا وَفِينَا الْبِرَاعَةُ وَالْفَصَاحَةُ إِذَا افْتَخَرَ الْفَصَحَاءُ وَفِينَا الْهُدَى إِلَى سَوَاءِ السَّبِيلِ الْعِلْمُ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْتَفِيدَ عِلْمًا وَالْمَحَبَّةُ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ مِنَ الْوَرَى - وَلَكِنَّ الشَّانَ الْأَعْلَى فِي الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ وَمَنْ لَوْلَا نَامَا خَلَقَ اللَّهُ الدُّنْيَا وَكُلَّ فَخْرٍ دُونَ فَخْرِنَا يَهْوَى وَمُحِبُّنَا يُسْقَى وَبَاغِضُنَا يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَشْقَى - قَالَ فَلَمَّا سَمِعَ يَزِيدُ ذَلِكَ خَشِيَ أَنْ يَمِيلَ قُلُوبُ النَّاسِ إِلَيْهِ فَامْرَأَتُ الْمُؤَذِّنِ أَنْ يَقْطَعَ عَلَيْهِ خُطْبَةُ فَصَّحَدَ الْمُؤَذِّنُ وَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ كَبَّرَتْ كَبِيرًا وَعَظَّمَتْ عَظِيمًا وَقُلْتُ حَقًّا - فَقَالَ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ أَشْهَدُ بِهَا مَعَ كُلِّ شَاهِدٍ وَأَقْرَبُهَا مَعَ كُلِّ جَاوِدٍ - فَقَالَ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَبَكَى مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ وَعَلَامَنَهُ الصِّيَاحُ وَقَالَ سَلِّطْكَ يَا يَزِيدُ أَمْ مُحَمَّدًا جَدِّي أَمْ جَدِّكَ؟ فَقَالَ يَزِيدُ جَدِّكَ - فَقَالَ فَلَمْ قَتَلْتُ أَهْلَ بَيْتِهِ وَقَتَلْتُ ابْنَ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ أَيَتَمَنِي عَلَى صِغَرِ سَنِي؟ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ جَوَابًا وَدَخَلَ دَارَهُ وَقَالَ لَا حَاجَةَ لِي بِالصَّلَاةِ -

قَالَ: فَقَامَ الْمُنْهَالُ إِلَى مُحَمَّدَ بْنِ عَلِيٍّ فَقَالَ لَهُ كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ؟ فَقَالَ لَهُ الْإِمَامُ كَيْفَ حَالُ مَنْ أَصْبَحَ وَقَدْ قُبِّلَ آبَاهُ وَأَعَمَّامُهُ وَأَخْوَانُهُ وَأَنْصَارُهُ وَيَنْظُرُ إِلَى حَرَمٍ مِنْ حَوْلِهِ أَسَارَى قَدْ فَقِدَ وَالسُّتُرَ وَالْغَطَاءَ وَأَعْدَا مَوَا الْكَافِلِ وَالْحِمَى فَمَا تَرَانِي إِلَّا أَسِيرًا ذَلِيلًا قَدْ عَدِمَتْ النَّاصِرَ وَالْكَفِيلَ قَدْ كَسَيْتُ أَنَا وَأَهْلَ بَيْتِي ثِيَابَ الْأَسَى وَقَدْ حَرَمْتَ عَلَيْنَا جَدِيدَ الْعُرَى فَانْ تَسْتَلْ فَهَذَا أَنَا كَمَا تَرَى قَدْ شَمَمْتَ فِينَا الْأَعْدَا وَتَتَرَقَّبُ الْمَوْتَ صَبَاحًا وَمَسَاءً - قَدْ أَصْبَحَتْ الْعَرَبُ تَفْتَخِرُ عَلَى الْعِجْمِ لِأَنَّ مُحَمَّدًا مِنْهُمْ وَأَصْبَحَتْ قَرِيشٌ تَفْتَخِرُ عَلَى سَائِرِ النَّاسِ لِأَنَّ مُحَمَّدًا مِنْهُمْ - وَنَحْنُ أَهْلُ بَيْتِهِ أَصْبَحْنَا مَقْتُولِينَ مَظْلُومِينَ قَدْ حَلَّتْ بِنَا الرِّزَايَا نَسَاقَ سَبَايَا وَنَجَلِبْ هَدَايَا كَأَنَّ حَسْبَنَا مِنْ اسْقَطَتِ الْحَسْبَ وَمُنْتَسِبْنَا مِنْ أَرْدَلِ النَّسَبِ كَأَنَّ لَمْ نَكُنْ عَلَى هَامِ الْمَجْدِ رَقِينًا وَعَلَى بَسَاطِ جَلِيلِ سَعِينَا وَأَصْبَحَ الْمَلِكُ لِيَزِيدَ جُنُودُهُ وَأَصْبَحَتْ بَنُو الْمُصْطَفَى مِنْ أَدْنَى عَيْبِهِ -

قَالَ فَعَلَّتْ الْأَصْوَاتُ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ بِالْبُكَاءِ وَالنَّحِيبِ لَمَّا آتَى بِهِ مِنَ الْكَلَامِ الْغَرِيبِ وَقَدْ نَطَقَ بِالْحَقِّ الْمَصِيبِ - قَالَ: فَخَشِيَ يَزِيدُ الْمَلْعُونُ الْفِتْنَةَ لِأَنَّ جَمِيعَ النَّاسِ أَصْغَتْ إِلَى مَقَالِهِ وَالْغَرَسُ مُحِبَّتُهُمْ لَهُ فِي قُلُوبِهِمْ - فَقَالَ يَزِيدُ لِلَّذِي أَصْعَدَهُ الْمَنْبِرَ لِمَ أَصْعَدْتَ هَذَا الْغُلَامَ الْمَنْبِرَ أَنَّمَا أَرَدْتُ بِصُعُودِهِ زَوَالَ مُلْكِي؟ فَقَالَ الْمُؤَذِّنُ لَهُ وَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ أَنَّ هَذَا الْغُلَامَ يَتَكَلَّمُ بِمِثْلِ هَذَا الْكَلَامِ - فَقَالَ يَزِيدُ أَمَا عَلِمْتُ أَنَّ هَذَا مِنْ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِوةِ وَمَعْدَنِ الرِّسَالَةِ؟ فَقَالَ لَهُ الْمُؤَذِّنُ فَلِمَ قَتَلْتَ آبَاءَهُ وَأَيَّتَمَنَّهُ عَلَى صِغَرِ سَنِيهِ؟ قَالَ فَامْرَأَتُ يَزِيدَ الْمَلْعُونُ بِضَرْبِ عُنُقِ الْمُؤَذِّنِ - (أكسير العبادات - صفحہ 523 تا 524)

راوی کہتا ہے کہ ایک شخص کو منبر پر جانے اور امام حسینؑ کی مذمت میں خطبہ دینے کے لئے تعینات کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس خطیب نے اس حکم پر عمل کیا اور خوب مذمت کی۔ جناب محمد بن علی بن الحسین علیہم السلام نے اس خطیب کو اللہ کی قسم دی کہ بات جب ہے جب تو مجھے بھی منبر سے بولنے کی اجازت دے دے۔ (خطیب نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا بچہ قسم دے رہا ہے۔ دیکھیں وہ کیا بیان کرے گا؟ اُس نے اجازت دے دی۔ اگر کہیں امام زین العابدینؑ اجازت مانگتے تو وہ ہرگز اجازت نہ دیتا۔ اس لئے کہ اُن کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اور یزید کی عدم موجودگی میں اُن کو اجازت دینا ویسے بھی جان لیوا جرم تھا)۔ لہذا خطیب نے نہ صرف اجازت دی بلکہ نظر انداز کرنے پر معذرت خواہ بھی ہوا اور کہا کہ اے بچے شوق سے منبر پر جاؤ اور جو کچھ رضائے خداوندی میں کہہ سکتے ہو بلا تکلف کہہ ڈالو۔ راوی کہتا ہے کہ اجازت ملنے پر آپ منبر پر تشریف لے گئے (غالباً لوگ ناک بھوں چڑھا رہے ہوں گے کہ اس بچہ کو خواہ مخواہ تضييع اوقات کے لئے منبر پر بھیج دیا وہ غالباً امام زین العابدینؑ کے انتظار میں ہوں گے) اور آپ نے لوگوں کو یوں مخاطب کیا جیسے کہ انبیاء بول رہے ہوں۔ زبان کی معصومانہ شیرینی، کائناتی علوم کی فراوانی، فصاحت و بلاغت و خطابت کا ایسا مسحور کرنے والا سماں بندھا کہ لوگ کھینچ کر ہر گوشہ سے قریب ترین جگہ حاصل کرنے دوڑ پڑے۔ آپ نے فرمایا کہ:

اے لوگو! جو مجھے پہلے سے جانتے ہوں وہ بھی سینیں اور جو قطعاً ناواقف ہیں وہ بھی مجھے پہچان لیں میں کھول کر اپنا تعارف اور مقام پیش کروں گا۔ سنو! میں محمدؐ ہوں علیؑ کا بیٹا ہوں، حسینؑ کا پوتا ہوں جو علیؑ المرتضیٰ کے بیٹے اور میرے جد امجد تھے۔ خدا اُن سب پر درود و سلام پہنچائے۔ پھر یوں سنو کہ میں اُس کا جایا ہوں جس نے خانہ کعبہ کا طواف اور خدا کے حضور لبیک لبیک کہتے ہوئے پہنچنے کا طریقہ جاری کیا تھا۔ میں اُنکا بیٹا ہوں جنہوں نے کعبہ کے طواف اور حصولِ رضاؑ خداوندی کیلئے سعی و کوشش کو کامیاب کر کے دکھایا تھا۔ میں زمزم اور صفا کا وارث ہوں اور فاطمہؑ الزہراء کا فرزند ہوں۔ میں اُن کا بیٹا ہوں جن کو پس پشت سے ذبح کیا گیا ہے۔ میں اُن کا بیٹا ہوں جن کو مرتے دم تک پیسا رکھا گیا تھا۔ میں اُس کا بیٹا ہوں جس پر پانی بند رکھا گیا تھا اور اُن کے علاوہ مسلمانوں نے باقی تمام مخلوق پر دریائے فرات کا پانی کھلا رکھا تھا۔ میں محمدؐ مصطفیٰ کا فرزند ہوں۔ میں کر بلا میں ٹھکانا بنانے والے کا بیٹا ہوں۔ میں اُن کا بیٹا ہوں جن کے تمام انصار مٹی کے نیچے چلے گئے۔ میں اسکا بیٹا ہوں جسکے اہل حرم قیدی بنائے گئے ہیں۔ میں اُن کا فرزند ہوں جنکے بچے بے جرم و خطا ذبح کر دیئے گئے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے قتل کر کے اُنکے اہل حرم کے خیموں میں آگ لگا کر جلا دیا گیا تھا۔ میں اُنکا بیٹا ہوں جنہیں پاکیزگی کی بنا پر قتل کیا گیا۔ میں ان کا فرزند ہوں جنہوں نے نہ کفن پایا نہ انہیں غسل دیا گیا۔ میں اسکا بیٹا ہوں جس کا سر نیزہ پر بلند کیا گیا۔ میں اُسکا بیٹا ہوں جس کی مستورات کو کر بلا میں بے عزت کیا گیا۔ میں اسکا بیٹا ہوں جس کا جسم ایک سرزمین پر پڑا ہے اور سرد درختوں کے حلقہٴ ارض میں رکھا گیا ہے۔ میں اُسکا بیٹا ہوں جس پر وہ وقت آیا کہ اُسکے چاروں طرف دشمنوں کے علاوہ کوئی اور تھا ہی نہیں۔ میں اُسکا فرزند ہوں جس کی مستورات کو قید کر کے شام میں لایا گیا ہے۔ میں اُنکا فرزند ہوں جن کا نہ کوئی حمایتی ہے نہ مدد کرنے والا ہے؛

پھر فرمایا کہ اے لوگو! اللہ نے ہمارے اندر پانچ خصلتیں ودیعت کر رکھی ہیں۔ ہم ہی میں وہ ہستی ہے جس پر فرشتوں کا نزول و صعود ہوتا رہتا ہے۔ ہم ہی میں نبوت و رسالت کا سرچشمہ ہے۔ ہمارے ہی حق میں آیات نازل ہوتی رہتی ہیں۔ اور ہم ہی پوری کائنات

کو ہدایت کرنے والا وفد ہیں۔ ہم ہی شجاعت کا مرکز ہیں۔ ہم کسی بلا اور تشدد سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔ اور ہم میں ہی سرچشمہ تکمیل انسانیت ہے۔ ہم ہی میں وہ فصاحت ہے جس پر اہل فصاحت فخر کیا کرتے ہیں۔ ہم ہی میں سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرنا ودیعت ہے۔ ہمارے ہی اندر وہ مکمل علم ہے جس سے کوئی علمی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اور ہماری ہی محبت ہے جو مومنین کے قلوب میں ودیعت کی ہوئی ہے۔ اور زمین و آسمان میں ہمارے لئے ایک مخصوص اور اعلیٰ درجہ کا مقام ہے۔ اور اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ نے یہ دنیا اور کائنات ہی پیدا نہ کی ہوتی اور یاد رکھو کہ جس فخر میں ہمیں شامل نہ رکھا جائے وہ فخر برباد ہو جاتا ہے۔ ہم سے محبت کرنے والے لوگ نجات یافتہ اور نعماتِ جنت پانے والے ہیں۔ ہم سے بغض رکھنے والوں کو آفات و شدائد سے دوچار ہونا پڑے گا۔ جب یزید نے اس صورت حال کو سنا تو آ کر دیکھا اور اُس پر یہ لرزہ بر اندام کرنے والا خوف غالب آ گیا کہ کہیں لوگوں کے دل اہلبیت کی طرف نہ جھک جائیں۔ اُس نے مؤذن کو حکم دیا کہ محمدؐ (باقر) کے خطبہ کو اذان کے شور سے دبا دے۔ مؤذن گلدستہ اذان پر چڑھا اور کہا کہ اللہ اکبر۔ باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے بڑے کی بڑائی کا اعلان کیا اور عظیم الشان ہستی کی عظمت بیان کی ہے اور حق بات کہی۔ پھر مؤذن نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ میں تمام انکار کرنے والوں کے خلاف اقرار کرتا ہوں اور تمام گواہی دینے والوں کے ساتھ گواہ ہوں۔ پھر مؤذن نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ یہ سن کر امامؑ کا دل بھرا آیا اور آپؐ نے بآواز بلند یزید سے پوچھا کہ اے یزید یہ محمدؐ میرے نانا ہیں یا تیرے؟ یزید نے کہا کہ محمدؐ آپ کے نانا ہیں۔ امامؑ نے اعتراض کیا کہ پھر تو نے اُن کے خاندان کو کیوں قتل کیا؟ اور اُن کی بیٹی کے فرزند کو کیوں قتل کیا اور مجھے اس کم سنی میں کیوں یتیم کیا۔ راوی کہتا ہے کہ یزید سے کوئی جواب نہ دیا جاسکا۔ اور یہ کہہ کر محل میں چلا گیا کہ مجھے نماز کی کوئی حاجت نہیں ہے؛

راوی نے بتایا کہ یزید کے چلے جانے پر منہال کھڑا ہوا اور امامؑ کی مزاج پرسی میں کہا کہ یا مولاً آپؐ نے کس حال میں صبح کی؟ فرمایا کہ اس کا حال کیا پوچھتے ہو جو یوں صبح کرے کہ اُس کے تمام بزرگ قتل کئے پڑے ہوں، والد، چچا اور بھائی مارے جا چکے ہوں۔ اور اپنے چاروں طرف اپنے خاندان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا ہوا دیکھے۔ جن سے تمام پردہ کرنے کے کپڑے چادریں اور برقعے چھین لئے گئے ہوں۔ جبکہ سر پرست اور حمایتی ملک عدم کو جا چکے ہوں۔ اور تم خود ہمیں ذلت کی قید میں دیکھ رہے ہو۔ ایسی حالت میں نہ کوئی نصرت کرنے والا ہے نہ کوئی کفالت کرنے کو موجود ہے۔ میں نے اور میرے اہل خاندان نے غم و الم کا لباس پہن لیا ہے۔ اور ہمارے اوپر ہر نیا لباس پہننا حرام کر دیا گیا ہے۔ رہ گیا تمہارا سوال تو اُس کا جواب تو عملی صورت میں میں تمہارے سامنے ہوں۔ ہمارے بارے میں یہ دشمنانِ دین ہم پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور ہم ہر لمحہ اپنی موت کو قریب دیکھ رہے ہیں۔ اور صبح شام موت کا انتظار ہے۔ عرب کے لوگ عجیبوں پر یہ فخر کرتے ہوئے صبح کرتے ہیں کہ محمدؐ عربی تھے۔ اور قریش عربوں اور باقی تمام انسانوں پر فخر کرتے ہوئے صبح کرتے ہیں کہ محمدؐ قریشی تھے۔ مگر ہم جو محمدؐ کے اہل بیت ہیں یوں صبح کرتے ہیں کہ ہمیں قتل کیا جاتا ہے، ہم پر ظلم کیا جاتا ہے۔ ہمارے ساتھ قیدیوں کا سلوک جاری ہے۔ ہمیں بطور تحفہ اور ہدیہ استعمال کرنا جائز کر لیا ہے اور گویا یہ طے کر لیا ہے کہ ہم مقامِ بلند سے خارج ہو چکے ہیں اس لئے ہمیں بدترین نسل سمجھا جا رہا ہے۔ گویا ہم کبھی عظمت کی بلندی پر تھے ہی نہیں۔ اور نہ ہم نے بزرگی کی کوشش کی تھی۔ حکمرانی

اور فرمانروائی یزید اور اُس کی افواج کے لئے صبح کرتی ہے۔ اور اولاد محمد مصطفیٰ یزید کے گھٹیا غلاموں والی صبح کرتے ہیں؛

راوی کہتا ہے کہ جب امام علیہ السلام اپنے اس آخری انوکھے کلام پر پہنچے تو آپ کی دل میں اُتر جانے والی حقیقت حال سن کر لوگ تڑپ اُٹھے، چاروں طرف رونے اور چیخوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ یہ نوحہ و فریاد کا ہنگامہ سنکر یزید خوفزدہ صورت میں محل سے واپس آیا۔ اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں فوراً ہی میرے خلاف ہنگامہ آرائی اور بغاوت نہ ہو جائے۔ اسلئے کہ امام کی باتیں لوگوں کو متوجہ کر چکی تھیں اور ان کی محبت نے قلوب میں گھر کر لیا تھا۔ چنانچہ آتے ہی یزید نے اُس خطیب سے باز پرس کی جس نے محمد باقر علیہ السلام کو منبر سے تفریر کرنے کی اجازت دی تھی اور پوچھا کہ تو نے کیوں اجازت دی۔ یقیناً اس اجازت سے تیرا مقصد یہ تھا کہ میری حکومت کو زوال و تباہی سے دوچار ہونا پڑے؟ اجازت دینے والے (مؤذن) نے کہا کہ جناب مجھے قطعاً علم و اُمید نہ تھی کہ وہ ایسی لا جواب اور زبردست تفریر کریگا۔ یزید نے کہا کہ کیا تو یہ بھی نہیں جانتا یہ بچہ خاندان نبوت و مرکز رسالت کا بچہ ہے؟ اب مؤذن نے کہا کہ جناب اگر یہ صحیح ہے تو تم نے اُنکے بزرگوں کو کیوں قتل کر دیا اور اُسے اس کم سنی میں یتیم کر کے چھوڑ دیا؟ یزید نے حکم دیا کہ اُس اجازت دینے والے کی گردن مار دی جائے۔“

(ب)۔ علما اور علما کی تحریک کے خلاف ہماری سرکشی

ہم نے مندرجہ بالا خطبہ میں امام زین العابدین علیہ السلام کا نام اور ایسے الفاظ موجود ہوتے ہوئے بھی اس خطبہ کو امام محمد باقر علیہ السلام کا خطبہ لکھا ہے۔ اور علما کا لکھا ہوا نام اور متعلقہ الفاظ کو بدل دیا ہے۔ اور اس کی وجہ اور دلیل خود خطبہ کے الفاظ میں موجود ہے۔ یعنی امام زین العابدین علیہ السلام ہر گز چھوٹے سے بچے نہ تھے بلکہ پختہ عمر اڑتیس (38) سال کے مُسن جوان تھے اور دو بچوں کے باپ تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جناب زینب و ام کلثوم سلام اللہ علیہما نے اور جناب سجاد علیہ السلام نے دمشق میں اپنی تقریروں اور خطبات سے دھوم مچا رکھی تھی۔ بچہ بچہ نہ سہی یہ تو ماننا پڑے گا کہ یزید کے اہالی موالی، اہلکار اور افسران، خطیب و قاضی و مفتی، سرداران افواج اور خاندان یزید اور بنی اُمیہ کے تمام شیوخ و سرداران قوم امام زین العابدین علیہ السلام کو نہ صرف پہچان چکے تھے بلکہ ہر وقت پہچان سکتے تھے۔ اور اُن کے بے نظیر خطیب و مقرر ہونے کو جانتے تھے۔ لہذا خطیب نے یقیناً ایک نہایت کم سن بچہ کو منبر پر جانے کی اجازت دی تھی۔ اور یہ سمجھ کر اجازت دی تھی کہ وہ بچہ کوئی خاص تقریر کر رہی نہ سکے گا۔ اور بچہ کی کم سنی کی تصدیق خود یزید نے بھی کی ہے۔ ورنہ وہ کہتا کہ تو اڑتیس سال کے آدمی کو بچہ اور ناقابل خطبہ سمجھتا ہے؟ لہذا ہم ساری دنیا کے علما کی ایسی غلط بات ماننے کو تیار نہیں ہو سکتے۔ رہ گیا امام محمد باقر علیہ السلام کا خود کو یتیم کہنا وہ کئی حیثیتوں سے صحیح ہے۔ اول یتیم کا بیٹا بھی یتیم ہوتا ہے۔ 2: یتیم کے معنی بے سہارا و بے یار و مددگار اور بے مثل کے ہیں۔ لازم نہیں کہ جسے یتیم کہا جائے اُس کا باپ ضرور مُردہ ہو۔ 3: نبی اور امام امت کا باپ ہوتا ہے یعنی ہمارے والدین کا بھی باپ ہوتا ہے۔ 4: یہ کہ بہترین موتی کو دُر یتیم کہتے ہیں۔ اور اس کے نہ ماں ہوتی ہے نہ باپ ہوتا ہے۔

پھر حضرت سجاد علیہ السلام نے کتنے بھی شاندار خطبات دیئے ہوں اُن میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ اچھے خاصے اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے لوگ قریب جگہ حاصل کرنے کے لئے دوڑ پڑے ہوں۔ یہ کم سنی میں کمال فصاحت و علم و زور بیان کی وجہ تھی۔ لوگ حیران اس لئے ہوئے کہ خطبہ دینے والا بچہ نہایت کم سن ہے جو اُمید اور عام فطرت سے بلند حیران کن مظاہرہ کر رہا ہے۔ لہذا مومنین روایات میں جہاں

بھی امام چہارم کو کم سن پڑھیں خود اپنے قلم سے کاٹ کر وہاں امام محمد باقر علیہ السلام لکھ دیں اور مطمئن ہو جائیں۔ ذرا سوچئے کہ علما یزید کے بیٹے خالد کا ذکر تو کرتے ہیں۔ مگر جو یزید کا ولی عہد اور بڑا تھا اُسے غائب رکھتے ہیں۔

(13)۔ امام علیہ السلام مجلس یزید میں تنہا اور شہنشاہ روم کا سفیر حسین علیہ السلام پر قربان

مومنین کو معلوم ہونا چاہئے کہ حقیقی یہود نصاریٰ کو کبھی بھی محمدؐ و آل محمدؐ سے عداوت نہیں رہی ہے۔ جن یہود و نصاریٰ کو دشمن اسلام کہا گیا ہے۔ وہ دراصل اُسی نسل کے لوگ تھے جس نسل سے یزید و معاویہ و ابوسفیان اور اُن کے ہم مسلک لوگ تھے۔ فرق یہ تھا کہ اُن لوگوں نے اپنا سوخ اور تجارت وغیرہ بڑھانے کے لئے یہودی و عیسائی مذہب اختیار کر رکھا تھا۔ جب مکہ کے قریش نے آنحضرتؐ کی مخالفت شروع کی تو اُن کی نسل کے وہ یہودی اور عیسائی بھی محمدؐ و آل محمدؐ کے دشمن ہو گئے تھے اور ہمیشہ دشمن رہے۔ ہم یزید و معاویہ اور اُن کے بزرگوں کی طرح اُن یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی لامذہب و بے دین سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا مذہب دراصل اجتہاد تھا۔ یہ ہر مذہب میں گھس جاتے تھے اور الہامی دین کو اجتہادی مذہب میں تبدیل کر لیتے تھے۔ مگر الہامی دین کا نام نہ بدلتے تھے۔ جس طرح آج الہامی دین کا نام تو وہی اسلام ہے لیکن مذہب اجتہاد نے اسلام میں سینکڑوں مذہب بنائے جن کے داخلی نام الگ ہیں۔ یہ حنفی یہ مالکی یہ شافعی یہ حنبلی وغیرہ تمام مجتہدوں کے اپنے بنائے ہوئے مذاہب ہیں۔ جو ایک دوسرے کو باطل کم از کم اور کافر و ملحد وغیرہ زیادہ سے زیادہ کہتے اور لکھتے ہیں۔ بہر حال حقیقی یہود و نصاریٰ ہمارے چچا زاد بھائی ہیں۔ ہم حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں اور وہ حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں۔ پھر آنحضرتؐ و حضرت علیؑ علیہما الصلوٰۃ والسلام حضرت اسماعیلؑ کے بڑے فرزند حضرت نابت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں ہیں۔ جن کی اولاد کی نابتی حکومت آنحضرتؐ کے زمانہ تک مسلسل چلی آئی اور آخری بادشاہ کا نام جبلہ تھا۔ جو خلیفہ ثانی کے منشدِ دانہ رویہ سے خفا ہو کر شہنشاہ روم کے یہاں یعنی اپنے چچا زاد بادشاہ کے یہاں چلا گیا اور آخری دم تک وہیں رہا تھا۔ اور دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ نے مشہور کر دیا تھا کہ جبلہ مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا تھا۔ معاویہ و یزید کی جانشین حکومتوں کی لکھوائی ہوئی تاریخ اُن کی خلافتوں کی سرپرستی میں تیار کردہ احادیث تمام اجتہادی مذہب کی تائید کے لئے تیار کی گئی تھیں۔ لہذا اُن کی وہی بات قابل قبول ہوتی ہے جو محمدؐ و آل محمدؐ کی تائید کرے اور مزاج یزیدی کے خلاف ہو۔ لہذا جبلہ کے متعلق تمام کہانیاں بکواس سے زیادہ نہیں ہیں۔ نابتی حکومت کے ہر بادشاہ کی تاج پوشی شہنشاہ روم کے دربار میں ہوا کرتی تھی اور شہنشاہ روم اپنے ہاتھ سے تاج پہنایا کرتا تھا۔ نابتی حکومت ہمیشہ عرب کی باقی حکومتوں اور ایرانی حکومتوں کے خلاف رہتی تھی۔ اس لئے کہ وہ لادینی حکومتیں یا اجتہادی حکومتیں ہوتی تھیں۔ اور رومی حکومت سے ہمیشہ دوستی رہتی تھی اس لئے کہ وہ دینی حکومتیں ہوتی تھیں۔ اسی طرح یونان کی حکومتیں بے دین اور نابتی و رومی حکومتوں کی مخالف ہوتی تھیں۔ رومیوں سے یا یوں کہیے کہ حقیقی یہودیوں اور عیسائیوں سے ہمارا خونی و اخلاقی رشتہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ قرآن کریم میں آج بھی سورہ روم موجود ہے۔ جس میں رومی حکومت کے کچھ علاقوں کے چھن جانے پر افسوس کیا گیا ہے۔ اور پیشین گوئی کی گئی تھی کہ عنقریب وہ علاقے واپس مل جائیں گے۔ اور کہا گیا کہ اُس روز جس دن وہ علاقے واپس لے لئے جائیں گے (وَيَوْمَئِذٍ يُفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ) حقیقی مومنین خوشیاں منائیں گے (روم 6-30)۔ رومیوں کی نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے یہ چھ آیات خود پڑھیں۔ بہر حال یہ بتانا ہے کہ

قرآن میں حقیقی یہود و نصاریٰ کی مدح کی گئی ہے اور ہم یہاں یہ دکھاتے ہیں کہ یزیدی مذہب کے مسلمانوں سے یہود و نصاریٰ ہزار درجہ بہتر ہوتے ہیں۔ وہ وعدہ خلاف اور کاذب و غادر ہوتے ہیں۔ یہ صادق الوعدہ، حق گو، وفا پرست اور لوگوں کو مالی امداد دینے والے ہوتے ہیں۔ اوّل الذکر احسان فراموش ہوتے ہیں۔ جو ان کی مدد کرے، جو ان سے تعاون کرے، جو ان پر احسان کرے، جو انہیں مشکلات اور تنگدستی میں وسائل حیات فراہم کرے، یہ لوگ اُسی کے خلاف محاذ بناتے ہیں اور اللہ و رسول کا نام لے لے کر لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ گھر بار جلادینا ان کے اسلام میں دین کی خدمت ہے۔ پورے خاندان کا مع بچوں کے قتل عام کر دینا، پانی مانگنے والے پیاسے کے منہ میں پیشاب کر دینا، ہاتھ پیر کاٹ لے جانا یزید کے خاندان کی سنت ہے جو آج بھی ان میں قابل ثواب سمجھی جا رہی ہے۔ ان یزیدی اعمال و اقدامات کے دوران مرجانے والا ان کے اسلام میں شہید ہوتا ہے۔ آئیے ایک رومی سفیر کو دیکھئے کہ وہ یزید کے اعمال پر اعتراض کرنے اور مظلوم کربلا کی بزرگی تسلیم کرنے کے جرم میں قتل کیا جاتا ہے۔ روایت یوں ہے کہ خود جناب امام زین العابدین علیہ السلام دربار یزید میں موجود ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ یزید نے اب امام سے براہ راست چھیڑ چھاڑ بند کر دی ہے۔ البتہ دربار میں حاضر رہنے کی پابندی کرائی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک دن امام علیہ السلام کے روبرو ایک رومی سفیر حاضر دربار ہوا تھا۔ اس کا قصہ سننے سے پہلے آپ درباریوں کا نظارہ یوں پیش فرماتے ہیں کہ:-

وروی عن زین العابدین علیہ السلام لماتنی براس الحسینؑ الی یزید کان یتخذ مجالس الشراب ویاتی براس الحسینؑ ویضعہ بین یدیه ویشرّب علیہ فحضر فی مجلسہ ذات یوم رسول ملک الروم وکان من اشراف الروم وعظمائہم۔ فقال یاملک العرب هذا راس من؟ فقال له یزید مالک ولہذا الراس؟ فقال انی رجعت الی ملکنا یسئلی عن کل شیء رائتہ فأحببت ان أخبرہ بقصۃ هذا الراس وصاحبہ حتی یشارکک فی الفرح والسرور۔ فقال له یزید هذا راس الحسینؑ بن علی بن ابی طالب۔ فقال الرومی ومن أمہ؟ فقال فاطمۃ بنت رسول اللہ۔ فقال النصرانی أف لک ولدینک؛ لی دین احسن من دینک ان ابی حوافظ داؤد علیہ السلام بیسی وبنہ آباء کثیرۃ والنصارى یعظمونی ویاخذون من تراب قدمی تبرکاً بانى من حوافظ داؤد وانتم تقتلون ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وما بینہ وبين نبیکم إلا أم واحدة۔ فأی دین دینکم؟ ثم قال لیزید هل سمعت حدیث کنیسة الحافر؟ فقال له قل حتى اسمع۔ فقال؛

بینَ عَمَّانَ والصَّینِ بحرِ میسرة سنة لیس فیہا عُمَرَانُ الاً بلدة واحدة فی وسط المآء۔ طُولُهَا ثمانون فرسَخاً فی ثمانین وما علی وجه الارض بلدة اکبر منها۔ یحمل الکافور والیاقوت، اشجارهم العود والعنبر وهی فی ایدی النصارى لاملک لاحد من الملوک فیہا سواهم وفی تلک البلدة کنائس کثیرۃ أعظمها کنیسة الحافر فی محرابها حقہ ذهب معلقة فیہا حافر۔ یقولون ان هذا حافر حمار کان یرکبه عیسیٰ وقد زینوا حول الحقۃ بالذهب وذبائح یقصد هافی کل عام عالم من النصارى ویطوفون حولها ویقبلونها ویرفعون حوائجهم الی اللہ تعالیٰ۔ هذا شانهم ودابهم بحافر حمار یرعمون انہ حافر حمار یرکبه عیسیٰ بینہم وانتم تقتلون ابن بنت نبیکم فلا یرکبکم اللہ تعالیٰ فیکم ولا فی دینکم۔ فقال یزید اقتلوا هذا النصرانی لئلا یفضحنی فی بلادہ۔ فلما أحس النصرانی بذلک قال له ترید ان تقتلنی؟ قال نعم۔ قال انی رايت بارحة نبیکم فی المنام یقول ینصرانی أنت من اهل الجنة۔ فتعجبت من کلامہ۔ وانا اشهد ان لا اله الا اللہ وان محمداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ثم وثب الی راس

الحسینَ فَضْمَةً إِلَى صدره وجعل یقبّله ویسکی حتی قتل۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 526 تا 527) (ترجمہ بحار جزائری حصہ 2 صفحہ 46 تا 47)

یزید کا یہ دستور تھا کہ وہ امام مظلوم کے سر کو سامنے رکھتا تھا۔ اور اُنکے سامنے ہی شراب بھی پیا کرتا تھا۔ چنانچہ اسی طرح دربار لگا ہوا تھا کہ ایک دن ملک روم کا ایک سفیر بھی آ گیا جو ملک روم کے شریف اور عظیم الشان لوگوں میں سے تھا۔ اس نے امام کا سر رکھا ہوا دیکھا تو یزید سے کہا کہ اے بادشاہ عرب یہ بتاؤ کہ یہ سر کس شخص کا ہے؟ یزید کو بُرا معلوم ہوا۔ اور جواب میں سفیر سے کہا کہ تم اپنے کام سے کام رکھو تمہیں اس سر سے تعارف کی ضرورت ہی کیا ہے؟ سفیر نے کہا کہ جناب جب میں اپنے بادشاہ کے پاس واپس جایا کرتا ہوں تو وہ میرے مشاہدہ میں آنے والی ہر چیز کی تفصیل معلوم کیا کرتا ہے۔ چنانچہ مجھے یہ پسند ہے کہ اُسکو اس سر کا قصہ بھی سناؤں اور اُسے بھی تمہاری کامیابی اور خوشی میں شریک کر لوں۔ یزید جواب سے خوش ہوا اور بتایا کہ یہ سر حسین بن علی بن ابی طالب کا ہے۔ سفیر کو شبہ ہوا بات صاف کرنے کیلئے پوچھا کہ حسینؑ کی ماں کا کیا نام ہے؟ یزید نے بلا تکلف کہہ دیا کہ فاطمہ بنت رسول اللہ نام تھا۔ اُس عیسائی سفیر نے یہ سنا تو آداب شاہی بھول کر کہا کہ تیرے اور تیرے دین پر اللہ کی پھڑکار ہو۔ ارے تجھ سے میرا دین ہزار درجے بہتر ہے۔ دیکھ میں حضرت داؤدؑ کی نسل میں بہت دُور ایک فرد ہوں مگر تمام عیسائی میری تعظیم کرتے ہیں اور میرے پاؤں کے نیچے کی مٹی بطور تبرک گھروں میں رکھتے ہیں۔ صرف اسلئے کہ میں داؤدؑ کی نسل سے ہوں۔ اور تم لوگ اپنے رسولؐ کی بیٹی کے فرزند تک کو قتل کرنا جائز سمجھتے ہو۔ حالانکہ تمہارے نبیؐ کے اور حسینؑ کے درمیان صرف ایک اُس کی والدہ کا فاصلہ ہے۔ یہ بتا کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ پھر سفیر نے یزید سے دریافت کیا کہ تجھے حافر کے گرجا کے متعلق کچھ سننے کو ملا ہے؟ یزید نے لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ تم سنا دو۔ سفیر نے بتایا کہ؛

ملک عمان اور چین کے درمیان ایک سمندر ہے جو یہاں سے تقریباً ایک سال کی مسافت پر واقع ہے۔ اس کے اندر ایک جزیرہ ہے۔ جہاں ایک شہر کے علاوہ اور کوئی آبادی نہیں ہے۔ وہ شہر اسی مربع فرسخ (تقریباً 240 مربع میل) میں آباد ہے۔ دُنیا میں اس سے بڑا دوسرا کوئی شہر نہیں ہے۔ وہاں کی پیداوار میں کافی اور یا قوت مشہور ہیں۔ عود و عنبر کے درخت پائے جاتے ہیں اور وہ نصاریٰ کے تسلط میں ہے۔ اور وہاں عیسائی بادشاہوں کے علاوہ اور کوئی بادشاہ نہیں ہوا ہے۔ وہاں بہت سے گرجا ہیں۔ سب سے بڑے گرجا کا نام نعل کا گرجا ہے۔ اس گرجا کی محراب میں ایک سونے کی قندیل لٹکی ہوئی ہے۔ اُس قندیل میں وہ نعل (لوہے کا بنا ہوا نون کی شکل کا استر جو گھوڑے یا گدھے کے سُم کو پھیلنے اور زخمی ہونے سے بچانے کے لئے کیلوں سے لگایا جاتا ہے) رکھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ نعل اس گدھے کا ہے جس پر حضرت عیسیٰؑ سواری کیا کرتے تھے۔ سارے سال وہ لوگ اس قندیل کو سجا کر رکھتے ہیں۔ سونا چاندی اور ریشمی کپڑے اُس پر چڑھاتے ہیں۔ زیارت کیلئے ہجوم لگا رہتا ہے۔ اُس کا طواف کرتے ہیں۔ اس نعل کو چومتے ہیں۔ اللہ سے اُس نعل کے صدقہ میں اپنی مرادیں طلب کرتے ہیں۔ مشکلات کا حل چاہتے ہیں۔ یہ تو اُن لوگوں کی حالت اور عقیدت و عمل در آمد ہے۔ جنہیں یہ گمان ہو گیا ہے کہ وہ نعل اس گدھے کے سُم میں لگا ہوا تھا۔ جس پر حضرت عیسیٰؑ سوار ہوتے تھے۔ مگر تم لوگ جانتے پہچانتے اپنے نبیؐ کی بیٹی کے فرزند کو قتل کر کے بھی مسلمان ہو۔ خدا تمہیں اور تمہارے اس شیطانی دین میں کبھی برکت نہ دے۔ یزید اور یزید کے سرپرستوں میں ایسے آدمی کا علاج صرف قتل تھا۔ قتل کا حکم دے دیا کہ اس عیسائی مذہب شخص کو قتل کر دو تا کہ یہ اپنے ملک میں ہمارے اس اسلام کی رسوائی

نہ کر سکے۔ جب نصرانی سفیر کو قتل کئے جانے کا یقین ہو گیا تو اُس نے پوچھا کہ کیا واقعی تو مجھے قتل کرے گا؟ یزید نے کہا کہ ہاں تو قتل کیا جائے گا۔ تب سفیر نے یہ بھی بتایا کہ میں نے کل تمہارے نبیؐ کو خواب میں دیکھا۔ وہ فرما رہے تھے کہ اے نصرانی تُو جنتیوں میں سے ہے۔ مجھے اُن کی بات پر تعجب ہوا تھا۔ مگر اب بات واضح ہو گئی کہ مجھے اُن کے نواسے پر قربان ہو کر درجہ شہادت ملنا تھا۔ چنانچہ میں اعلان کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور محمدؐ پر اور اُن کی آل پر درود و سلام ہو۔ وہ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ پھر دوڑ کر سرِ مظلوم کو سینے سے لگا لیا۔ بو سے دیتا جاتا تھا اور روتا رہا یہاں تک کہ یزید نے اُسے قتل کر دیا۔ خدادادوں باپ بیٹوں پر لعنت کرے۔

(الف)۔ یزید و معاویہ کے پیروؤں کی شناخت اور یزید و معاویہ کا مذہب؟

یزید و معاویہ جس مذہب کی پیروی کرتے تھے وہ اُن کے بزرگوں کا آبائی مذہب تھا۔ جیسا کہ عرض کیا جاتا رہا ہے کہ عربوں نے اسلام کو اپنے اجتہاد سے اس طرح تبدیل کیا تھا کہ اُن کے سابقہ مذہب کی ہر بات کو اسلامی ٹھہرے سے مسلمان کر لیا جائے۔ چنانچہ وہ اُس توحید کے قائل ہوئے جو ابلیس نے اختیار کی تھی۔ یعنی اللہ سے انبیاء و رسل کو قطعاً الگ رکھا جائے (نساء 4/150) اللہ بھی حکم دے تو بھی نبیؐ کو سجدہ نہ کیا جائے اور نبیؐ کی عزت و عظمت کو شرک قرار دیا جائے (ص 38/74)۔ نبیؐ کی موت پر رنج و غم اور رونے کو عبادت کہہ کر ٹھکرا دیا جائے (بخاری وغیرہ) نبیؐ کو (معاذ اللہ) خطا کار اور جذبات سے مغلوب ہو کر غلط حکم و فیصلہ کرنے والا بتایا جائے (معارف الاسلام پرویز)۔ وہ انسان کے ہر فعل اور اقدام کو اللہ کا فعل سمجھتے تھے۔ اس لئے کسی کو قتل کرنے میں تکلف نہ کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم قتل کر ہی نہ سکتے تھے۔ لہذا حسینؑ کا قاتل اللہ ہے یزید نہیں ہے۔ اُن کے یہاں غیر اللہ کی نہ صرف عبادت حرام ہے۔ بلکہ وہ یا محمدؐ یا علیؑ یا خواجہ کہنا، اُن کے یا کسی اور بزرگ چیز کے واسطے سے دعا کرنا بھی شرک سمجھتے تھے۔ اسلئے نصرانی کا بیان اور نعل سے عقیدت یزیدی مذہب میں خالص شرک تھا۔ گدھے کا نعل تو الگ وہ تو خود رسولؐ کی تعظیم کو شرک کہتے تھے۔ اور آج تک اس مذہب کے لوگ موجود ہیں۔ جن کے یہاں فاتحہ وغیرہ مندرجہ بالا تمام کام شرک ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی کثرت آج بھی رسولؐ اللہ کے ناخن اور بالوں کی تعظیم کرتی ہے۔ اور رسولؐ سے متعلق ہر چیز کی تعظیم و احترام کرتی ہے۔ آج بھی سیدوں کی طرف پشت نہیں کی جاتی۔ گنہگار سیدوں کی بھی تعظیم کی جاتی ہے۔ لیکن یزیدی مذہب کے لوگ آج بھی یا رسولؐ اللہ کہنا شرک قرار دیتے ہیں۔ پھر یہ یزیدی مذہب یزید کا گھڑا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ یزید کے بزرگ رسولؐ کو دھکا دینا، گلا اور گریبان پکڑ کر کھینچ لینا جائز سمجھتے تھے۔ یزید کا وہی مذہب تھا جو پہلے سے چلا آ رہا تھا اور یزید اُسی اسلامی قانون پر عمل کرتا رہا جو اس کے مسلمان بزرگوں نے اسلامی کہہ کر تیار کیا تھا۔ علامہ مودودی سے یزید، خلافت یزید اور یزید کے زمانہ کے لوگوں کے مذہب اور قانون پر چند سطریں دیکھیں فرماتے ہیں:-

”لوگوں نے اپنا دین نہیں بدل دیا تھا۔ حکمرانوں سمیت سب لوگ خدا اور رسولؐ کو اُسی طرح مان رہے تھے۔ جس طرح پہلے مانتے تھے۔ مملکت کا قانون بھی نہیں بدلا تھا۔ عدالتوں میں قرآن اور سنت ہی کے مطابق تمام معاملات کے فیصلے بنی امیہ کی حکومت میں بھی ہو رہے تھے۔ بلکہ قانون میں تغیر تو انیسویں صدی عیسوی سے پہلے دنیا کی مسلم حکومتوں میں کسی کے دور میں

بھی نہیں ہوا۔“ (شہادت امام حسینؑ صفحہ 5)

یہ ہے وہ مذہب جو بقول علامہ مودودی 1900ء میں صدی عیسوی تک بلا کسی تبدیلی کے چلا آیا ہے۔ لہذا یزید و معاویہ نے اُسی مذہب پر عمل کیا جو انہیں اپنے مسلمان بزرگوں سے ورثہ میں ملا تھا اور اُسی کی رُو سے کربلا میں خاندان رسالت کا قتل عام کیا گیا اور اہل حرم کو ایک سال قید رکھا گیا تھا۔

(14)۔ ایک اور اجلاس میں یزید کا مذہبی فیصلہ راس جالوت کا قتل

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ یزید کا اور اُسکے نام نہاد مسلمان بزرگوں کا اجتہادی اسلام کفر و زندقہ سے بدتر تھا۔ اُسکی ایک مثال یہودی سردار کے سامنے بصورت قتل پیش آنے میں موجود ہے۔ چنانچہ حسب معمول دربار عام لگا ہوا ہے۔ امام زین العابدینؑ اپنی جگہ بیٹھے ہیں۔ سر امام مظلوم طشت میں یزید کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ امور مملکت پیش ہو رہے ہیں۔ یزید احکام جاری کر رہا ہے۔

وَأَمَّا مَا ذَكَرَهُ أَبِي مَخْنَفٍ فِي الْمَقَامِ فَهُوَ أَنَّهُ قَالَ قَالَ وَدَخَلَ عَلَى يَزِيدَ رَأْسُ الْجَالُوتِ فَرَأَى رَأْسَ الشَّرِيفِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ أَيُّهَا الْخَلِيفَةُ هَذَا رَأْسُ مَنْ؟ قَالَ هَذَا رَأْسُ الْحُسَيْنِ - قَالَ فَمَنْ أُمُّهُ؟ قَالَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى - قَالَ فَمَا اسْتَوْجَبَ الْقَتْلَ؟ قَالَ إِنَّ أَهْلَ الْعِرَاقِ دَعَوْهُ وَارَادُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ خَلِيفَةً فَقَتَلَهُ عَامِلِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زِيَادٍ - قَالَ رَأْسُ الْجَالُوتِ وَمَنْ أَحَقُّ مِنْهُ بِالْخَلِيفَةِ وَهُوَ ابْنُ بِنْتِ نَبِيِّكُمْ فَمَا أَكْفَرُكُمْ؟ وَقَالَ أَعْلَمُ يَا يَزِيدُ أَنَّ بَيْنِي وَبَيْنَ دَاوُدَ مَائَةَ وَثَلَاثُونَ جَدًّا وَالْيَهُودُ يَعْظُمُونِي وَلَا يَرُونَ تَزْوِيجَ إِلَّا بِرِضَائِي وَيَأْخُذُونَ التُّرَابَ مِنْ تَحْتِ قَدَمِي وَيَتَبَرَّكُونَ بِهِ - وَأَنْتُمْ بِأَلَا مَسْ كَانِ نَبِيِّكُمْ بَيْنَ أَظْهَرِكُمْ وَالْيَوْمِ وَنَجَّيْتُمْ عَلَى وَلَدِهِ قَتَلْتُمُوهُ فَتَبًّا لَكُمْ وَلِدِينِكُمْ - فَقَالَ لَهُ يَزِيدُ لَوْلَا أَنْ بَلَغَنِي عَنْ رَسُولِ اللَّهِ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ مَعَاهِدًا كُنْتُ خَصْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَقَتَلْتُكَ لَتَعْرَضَكَ لِي - فَقَالَ رَأْسُ الْجَالُوتِ يَا يَزِيدُ يَكُونُ رَسُولُ اللَّهِ خَصْمًا مَنْ قَتَلَ مَعَاهِدًا وَلَا يَكُونُ خَصْمًا مَنْ قَتَلَ وَلَدَهُ - ثُمَّ قَالَ رَأْسُ الْجَالُوتِ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ أَشْهَدُ لِيْ عِنْدَ جَدِّكَ رَسُولُ اللَّهِ فَإِنَّا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا أَرْسَلَ اللَّهُ - فَقَالَ لَهُ يَزِيدُ الْآنَ خَرَجْتَ مِنْ دِينِكَ وَدَخَلْتَ فِي دِينِ الْإِسْلَامِ فَقَدْ بَرَأْنَا مِنْ دِمِكَ ثُمَّ أَمَرَ بِضَرْبِ عُنُقِهِ - (أكسير العبادات - صفحہ 528)

ابی مخنف بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی سردار جسے راس جالوت کہا جاتا تھا۔ اپنے کسی کام سے حاضر دربار ہوتا ہے۔ سر مبارک کو دیکھتا ہے۔ یزید سے دریافت کرتا ہے کہ یہ سر کس کا ہے؟ یزید نے کہا یہ حسینؑ کا سر ہے۔ سردار یہود پوچھتا ہے کہ حسینؑ کی ماں کا نام کیا تھا؟ یزید نے بتایا کہ وہ فاطمہ بنت محمدؐ مصطفیٰ کا بیٹا تھا۔ جالوت نے پوچھا کہ وہ کیا قصہ تھا جس سے حسینؑ کا قتل کرنا واجب ہو گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ باشندگان عراق نے حسینؑ کو بلایا تھا۔ اور اُن کا ارادہ یہ تھا کہ حسینؑ کو میرے مقابلہ پر اپنا خلیفہ بنالیں۔ چنانچہ میرے ایک گورنر عبید اللہ بن زیاد نے حسینؑ کو قتل کر دیا تھا۔ یہودی سردار نے کہا کہ حسینؑ سے زیادہ کون خلافت کا حق دار ہو سکتا تھا۔ جب کہ وہ بقول تمہارے تمہارے نبیؐ کی بیٹی کا فرزند بھی تھا؟ جس کا تم انکار بھی نہیں کر سکتے ہو۔ لہذا تم سے بڑا کافر کون ہو سکتا ہے۔ اور مسلسل کہا کہ اے یزید سن کہ مجھ میں اور حضرت داؤد نبی علیہ السلام میں ایک سو تیس پشتوں کا فاصلہ ہے۔ اس کے باوجود تمام یہودی المذہب لوگ میری تعظیم کرتے ہیں اور اپنی شادی بیاہ وغیرہ میری رضامندی کے خلاف نہیں کرتے ہیں۔ اور میرے پیروں کے نیچے کی مٹی بطور تبرک اٹھا کر گھروں میں رکھتے ہیں۔ اور تمہارا نبیؐ تو کل تمہارے سامنے موجود تھا۔ اور آج تم نے اُس کے بیٹے پر حملہ کر کے اُسے قتل بھی کر ڈالا ہے۔ خدا تمہیں اور تمہارے اس دین کو غارت کرے جس پر تم عمل کرتے ہو۔ یزید نے یہودی سردار سے کہا کہ اگر مجھے رسول اللہ کا یہ حکم نہ

پہنچا ہوتا کہ جو کوئی کسی معاہدہ والے شخص کو قتل کر دے میں اس کا قیامت میں مخالف ہوں گا تو میں یقیناً تجھے قتل کر دیتا۔ یہودی نے کہا کہ چہ خوش معاہدہ کرنے والے کے قتل پر تو محمدؐ مدعی اور مخالف ہوں گے مگر اپنے بیٹے کے قتل پر کچھ نہ کہیں گے؟ پھر یہودی نے کہا کہ یا ابا عبد اللہ آپ اپنے نانا رسول اللہ کے سامنے میرے ایمان کی شہادت دینا۔ چنانچہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ سن کر یزید نے دلیل پیش کی کہ اب تو اپنے سابقہ دین سے نکل گیا۔ اور اسلام میں داخل ہو گیا۔ لہذا اسلام میں داخل ہوتے ہی ہم پر تیرا قتل کرنا جائز ہو گیا۔ چنانچہ یہودی سردار کو قتل کر دیا۔ یہ ہے یزیدیوں کا مذہب جس میں اسلام اختیار کرنے پر مسلمانوں کا خون یا قتل حرام نہیں ہوتا۔ بلکہ جائز ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام لاتے ہی پچھلے تمام جرم معاف ہو جانے کا عقیدہ بھی موجود ہے۔

ان تمام مقامات پر یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ محمدؐ و آل محمدؐ کے ناموں، صفات اور عادات سے تمام عیسائی اور یہودی واقف تھے۔ ورنہ یہودی سردار حسین علیہ السلام کو یا ابا عبد اللہ کیسے کہہ سکتا تھا۔ اگر یہ نہ جانتا کہ آپ کی کنیت علی اصغر علیہ السلام کے نام پر تھی۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یزیدی مذہب کے خلاف جو نفرت بیرونی ممالک اور غیر مسلم اقوام میں پھیلی وہ واقعہ کربلا کی بنا پر پھیلی اور آج تک موجود ہے۔ پھر یزید والے مذہب و قانون پر چلنے والی حکومتوں کے خلاف جو رد عمل اور جنگیں قائم ہوئیں ان کی اصلی اور لازوال وجہ بھی خاندان رسول کا قتل عام تھا۔ اور جب تک یزیدی تصورات اور مذہب دنیا میں رہے گا ساری اقوام اُس کے خلاف محاذ بنائے رکھیں گی۔ اور رفتہ رفتہ دنیا کو اس مذہب کی آکاش نیل سے نجات دلا کر رہیں گی۔ اسلام کے نام پر ہمیشہ دھوکا نہیں دیا جاسکتا تھا۔

(15)۔ یزید کے ایک دربار میں عیسائی جاثلیق (پادری) کا قتل

یزید کے حالات کا تقاضہ تو یہ تھا کہ قطعاً اجلاس نہ کرے لیکن مملکتی دباؤ اور مجبوریوں سے تنگ آ کر کئی کئی روز ناغہ کر کے آخر دربار لگانا پڑتا تھا۔ اور ہر دفعہ اُسے ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ کئی روز کے بعد اجلاس کیا اور سابقہ شہرت یافتہ طریقہ پر سر مقدس کو بھی سامنے رکھنے سے منع نہ کر سکا تا کہ مخصوصین کسی کمزوری کو نہ بھانپ سکیں۔ بہر حال اس اجلاس کا حال دیکھئے:-

دخل عليه جاثليق النصارى وكان شيخاً كبيراً - فنظر الى راس الحسين وقال ما هذا ايها الخليفة؟ فقال هذا راس الحسين بن علي بن ابي طالب وامه فاطمة الزهراء بنت رسول الله - قال فَمَا استوجب القتل؟ قال لَانَّ اهل العراق دعوه ليجلس على الخلافة فقتله عاملى عبید اللہ بن زياد بعث إلى براسه - فقال له جاثليق اعلم اني كنت الساعة في البيعة واذا قد سمعت رجفة شديدة فنظرت واذا بغلام شاب كأنه الشمس في وجهه وقد نزل من السماء ومعه رجال فقلت لبعضهم من هذا فقال لي هذا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم والملائكة من حوله يعزونه على ولده الحسين - ثم قال له ارفع الراس من بين يديك يا ويلك والا اهلك الله - فقال له يزید جئنا باحلامك الكاذبة يا غلمان - اخرجوه - فاجعلوا يسحبونه - ثم امر بضربه فاوجعوه ضرباً بافنادى يا ابا عبد اللہ اشهد لي عند جدك فانا اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمداً عبده ورسوله - فغضب يزید فقال اسلبوه روحه - فقال يا يزید ان شئت تضرب وان شئت لا تضرب فهذا رسول الله واقف بازائي ويده قميص من نور وتاج من نور وهو يقول لي ليس بيني وبينك اتوجك بهذا التاج والبسك هذا القميص الا ان تخرج من

الدنيا ثم انت رفيقي في الجنة۔ ثم قضى نحبه رحمه الله تعالى۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 528)

دوران اجلاس ایک بہت بڑا عیسائی عالم حاضر دربار ہوا۔ اور سر مبارک کو دیکھ کر دل میں کچھ خیالات گزرے اور سوال کر دیا کہ یہ سر کیسا ہے؟ یزید نے حسب دستور ابن زیاد کے سر الزام و جرم ٹالتے ہوئے بے فکری سے پورا اتا پتا بتا دیا۔ یعنی یہ حسین بن علی بن ابی طالب کا سر ہے۔ اور یہ فاطمہ زہراء رسول کی بیٹی کا فرزند تھا۔ عیسائی عالم نے قتل کی وجہ معلوم کی تو وہی بتا دیا کہ حسین کو عراق کے لوگوں نے دعوت دی تھی تاکہ اُسے میری جگہ مسلمانوں پر خلیفہ بنا کر بٹھائیں۔ میرے عامل عبید اللہ ابن زیاد کو پتہ چلا تو اُس نے انہیں قتل کر کے اُن کا سر میرے پاس بھیج دیا تھا۔ جاثلیق نے کہا کہ سنو میں ذرا دیر پہلے گر جا میں تھا۔ تو میں نے زلزلہ جیسی آواز سنی جو ہر دم شدت اختیار کرتی گئی۔ اس کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان سے ایک نوجوان اتر رہا ہے۔ جس کے چہرہ سے سورج کی طرح روشنی پھیلتی جا رہی ہے اور اُس کے ہمراہ اور بہت سے لوگ بھی ہیں۔ میں نے اُن میں سے ایک شخص سے اُس نوجوان کے متعلق تعارف چاہا تو بتایا گیا کہ وہ محمد رسول اللہ ہیں۔ اور اُن کے ساتھی ملائکہ ہیں جو رسول اللہ کو اُن کے فرزند حسین کا پرستہ دے رہے ہیں۔ اے یزید اس سر کو اپنے روبرو رکھنا اور اس کی توہین کرنا بند کر دے ورنہ اللہ تجھے تباہ کر دے گا۔ یزید نے جواب دیا کہ او حقیر و ذلیل غلام زادے تو اپنی من گھڑت بکواس سُننا یہاں بھی آ گیا۔ حکم دیا کہ اُسے نکال باہر کرو۔ چنانچہ اُسے لوگوں نے گھسیٹنا شروع کر دیا۔ پھر اُس کو مارنے پٹنے کا حکم دیا تو لوگوں نے مار مار کر تکلیف دینا شروع کیا۔ عیسائی بزرگ نے آواز دی کہ اے علی اصغر کے والد آپ اپنے دادا کے سامنے میری شہادت دینا اور میں اعلان کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور یقیناً محمد خدا کے بندے اور رسول ہیں۔ یہ اعلان سن کر یزید سخت غضبناک ہوا اور اُسے جان سے مار ڈالنے کا حکم دے دیا۔ مرنے کا حکم سن کر اُس فدا فی عالم نے یزید سے کہا کہ خواہ تو مجھے قتل کرا یا نہ کرا مگر یہ دیکھ میرے سامنے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ میرے لئے ایک نورانی قمیص اور ایک نور سے بنا ہوا تاج لئے ہوئے کھڑے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں کہ جیسے ہی تو اس دنیا کو چھوڑے گا میں فوراً تجھے یہ قمیص پہنا دوں گا اور تیری تاج پوشی کروں گا اور جنت میں تو میرے ساتھ ساتھ رہا کرے گا۔ یہ کہا اور اپنا وعدہ پورا کر کے خدمت محمد و آل محمد میں شرفیاب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

(16)۔ یزید کے اپنے محل میں مسلسل معجزات اور بھرے دربار میں یزید کے خلاف بیانات

جاثلیق کے قتل کے بعد کافی عرصہ تک یزید نے دربار نہ لگایا۔ لیکن کہاں تک ٹال سکتا تھا؟ چنانچہ آج پھر اجلاس عام ہے۔ ادھر یزید سر امام مظلوم کو سامنے رکھے اور امام زین العابدین کو پاس بٹھائے لوگوں کے بیانات سُن رہا ہے۔ ادھر یزید کے محل میں ایک کنیز قدرت خداوندی دیکھ کر دوڑتی ہوئی یزید کے دربار میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور تمام حاضرین کو حیران و ششدر کر دیتی ہے۔

اعلم أنَّ ابامخنف قد ذكرها بعد ذكر قضية جاثليق قال سهل وخرجت جارية من قصر يزيد فرأتہ ينكت ثيابا الامام عليه السلام فقالت قطع الله يديك ورجليك اتنكت ثيابا طال ما قبلها رسول الله ؟ اتي كنت بين النائمة واليقظة اذ نظرت الى باب من السماء قد فتح واذا بسلم من نور قد نزل من السماء الى الارض واذا بغلامين امردين عليهما ثياب خضروهما ينزلان على ذلك السلم وقد بسط لهما في ذلك الحال بساط من زبرجد الجنة وقد اخذ نور ذلك البساط من المشرق الى المغرب

وإذا برجل رفيع القامة مدَّ ورالهامة قد اقبل يسعى حتى جلس في وسط ذلك البساط ونادى يا آدم ابني اهبط فهبط رجل دري اللون طويل - ثم نادى يا ابي سام اهبط فهبط - ثم نادى يا ابي ابراهيم اهبط فهبط - ثم نادى يا ابي اسماعيل اهبط فهبط - ثم نادى يا اخي موسى اهبط فهبط - ثم نادى يا اخي عيسى اهبط فهبط - ثم رايت امرأة واقفة ونشرت شعرها وهي تنادي يا أمي يا حواء اهبطي يا أمي خديجة اهبطي يا أمي هاجر اهبطي يا اختي سارة اهبطي يا اختي مريم اهبطي واذا هاتف من الجوّ يقول هذه فاطمة ابنة محمد المصطفى زوجة علي المرتضى أم سيد الشهداء المقبور بكر بلا - ثم انها نادى يا ابتاه ألا ترى ما صنعت أمتك بولذلك الحسين فبكي رسول الله وقال يا ابي آدم ألا ترى الى ما فعلت الطغاة بولدي؟ فبكي آدم وبكى كل من كان حاضراً حتى بكت الملا ثكة لبكائهم - ثم رايت رجلاً كثيراً حول الراس الشريف وقائلاً يقول خذوا صاحب الدار وأحرقوه بالنار فخرجوا يا يزيد من الدار وأنت تقول النار النار أين المفر من النار فامر يزيد بضرب عنقها رحمة الله عليها - (أكبر - صفحہ 539 تا 540)

چنانچہ علامہ ابو مخنف نے جاثلیق کے قتل کا واقعہ لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ یزید کے محل میں سے ایک کنیز تیزی سے نکل کر دربار یزید میں پہنچی تو دیکھا کہ یزید امام حسین علیہ السلام کے دانتوں کو ایک چھڑی سے ہونٹ اوپر، سر کا سر کا کر دیکھ رہا ہے۔ کنیز نے نہایت سخت آواز سے کہا کہ اے یزید اللہ تیرے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹ دے۔ ارے تو اُن دانتوں اور ہونٹوں سے گستاخی کرتا ہے جنہیں رسول اللہ بہت بہت دیر تک چومتے رہتے تھے۔ ارے ملعون سن کہ میں ابھی ابھی نیم بیداری کے عالم میں تھی کہ میں نے آسمانوں میں ایک دروازہ کھلا ہوا دیکھا اور دیکھا کہ اُس دروازے میں سے ایک نورانی سیڑھی لٹکائی گئی ہے جو زمین کو چھو رہی ہے۔ پھر دو بلا داڑھی موچھوں کے نوجوان سبز پوشاک پہنے ہوئے سیڑھی سے اتر رہے ہیں۔ اور اُن کے لئے زمین پر جنتی زبرجد کا چبوترہ بنا ہوا ہے۔ جس کی چمک مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ اتنے میں ایک بلند قد و قامت اور بیضوی سر کا شخص آیا اور اُن دونوں نوجوانوں کے درمیان چبوترے پر بیٹھ گیا۔ اور آواز دی کہ اے بابا آدم آپ آسمان سے اتریں۔ چنانچہ ایک طویل انسان بہت چمکدار رنگ والا اتر آیا۔ پھر آواز دی کہ اے بابا سام آپ بھی اتریں چنانچہ وہ بھی اتر آئے۔ پھر کہا کہ میرے بابا نوخ آپ بھی تشریف لائیں۔ وہ بھی اتر آئے تو آواز دی کہ اے بابا ابراہیم تشریف لائیے وہ بھی اتر آئے۔ پھر حضرت اسماعیل کو آواز دی وہ بھی نازل ہو گئے۔ پھر کہا اے بھائی موسیٰ تم بھی اترو۔ جب وہ آگئے تو آواز دی کہ اے بھائی عیسیٰ تم بھی آ جاؤ۔ وہ بھی تشریف لے آئے۔ تب میں نے ایک خاتون کو بال بکھرے کھڑی دیکھا اور اُس نے آواز دی کہ اے ماں حوا آپ بھی اتریں۔ اے امی خدیجہ تشریف لائیں۔ اے اماں ہاجرہ آپ بھی اتریں۔ اے بہن سارہ تم بھی آؤ۔ اے ہمشیرہ مریم آپ بھی اتریں۔ ادھر آسمان کے درمیان فضاؤں سے پکارنے والے نے کہا کہ یہ خاتون فاطمہؑ محمدؐ کی بیٹی ہے۔ علیؑ کی زوجہ ہے اور سید الشہداء کی والدہ گرامی ہیں جو کر بلا میں دفن ہیں۔ پھر جناب فاطمہؑ نے پکارا اے ابا جان کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ آپ کی اُمت نے آپ کے بیٹے کے ساتھ کیا ظلم و ستم کیا ہے؟ رسول اللہؐ رور ہے تھے اور حضرت آدمؑ کو بتا رہے تھے کہ دیکھو آپ کی اولاد کے سرکشوں نے میرے فرزند کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے؟ حضرت آدمؑ بھی روتے رہے اور تمام حاضرین بھی رورہے تھے۔ یہاں تک کہ ملائکہ بھی رونے لگے۔ پھر میں نے سر مقدس کے چاروں طرف بہت سے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس محل کے مالک کو پکڑ کر آگ میں جلا دو۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اے یزید تو محل سے یہ کہتا ہوا نکلا کہ جل گیا جل گیا اس آگ سے پناہ کی کوئی جگہ نہیں

ہے۔ یہ سب کچھ سن کر یزید نے وہی علاج کیا جو اس کے پاس باقی تھا یعنی اس کنیز کو قتل کرادیا۔ اللہ اس پر اپنی رحمت نازل کرے اور جو ار محمد و آل محمد میں بلند مقام عطا کرے آمین۔

(الف)۔ چند ضروری گزارشات

پہلی گزارش اسی روایت کے متعلق ہے۔ اس روایت میں جس ترتیب سے آنحضرت نے انبیاء علیہم السلام کو بلایا ہے۔ اس میں حضرت نوخ کا نام نہ تھا۔ ہم نے خود اضافہ کر دیا ہے۔ یہ کاتب یا راوی کی غلطی تھی۔ پھر اس روایت کو بعض علما نے وہی روایت سمجھا ہے جس میں ایک کنیز لوگوں کو جمع کرا کے یزید و معاویہ پر لعنت کرتی ہے۔ حالانکہ علما کے پاس قیاس باطل کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ چونکہ واقعہ اور بیان بالکل جداگانہ ہے۔ اس لئے یہ ایک اور کنیز تھی نہ کہ وہی۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ علما نے یزید کو اپنی طرح ایک ایسا آدمی فرض کر کے روایات و واقعات لکھ مارے ہیں کہ گویا یزید کے پاس نہ کوئی اور کام ہے نہ اُس پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ نہ وہ کھاتا ہے، نہ نہاتا ہے نہ دن میں سوتا ہے۔ بس بیٹھا ہوا لگا تار لوگوں کے بیانات سنتا رہتا ہے۔ لہذا علما نے جس طرح واقعات و حالات کو گرٹا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن میں یزید نے کربلا کے تمام حالات سن لئے تھے۔ تمام سردارانِ فوج سے ملاقات کر لی تھی۔ اہل حرم کے تمام خطبات و بیانات سن لئے تھے۔ رومی سفیر، جاثلیق اور اس جالوت اور اپنی زوجہ ہند اور دوسری کنیزوں کا واقعہ اُسی دن گزر گیا تھا۔ اُن کو نہ یہ خیال آیا نہ اس کی ضرورت محسوس کی کہ دن تاریخ بتائیں۔ بہر حال ہم نے یہاں تک ہر پیشی کو الگ الگ کر دیا ہے۔

(17)۔ چھ سات ماہ بعد دارالموت سے بہتر قید خانہ میں تبدیلی

حکومتوں کی تیار کردہ تاریخ اور دشمنوں کے پروپیگنڈے کے شور میں لکھی ہوئی کتابوں میں اگر کچھ حقائق مل جائیں تو خدا کا شکر کرنا چاہئے۔ بہر حال ہم نے مومنین کیلئے اُسی ریکارڈ میں سے اسیرانِ اہل حرم اور امام زین العابدین علیہم السلام کی اجتماعی اور انفرادی سترہ (17) پیشیاں فراہم کر دی ہیں۔ ان پیشیوں میں گزرنے والے حالات و بیانات آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ یوں تو ان حالات و واقعات کو چند گھنٹوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ مگر جن حضرات پر یہ حالات و واقعات گزرے انہیں وہ زمانہ کس طرح کاٹنا اور گزرا کرنا پڑا، اس کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ بہر حال زبان سے بات کہنا بہت آسان ہوتا ہے۔ لہذا ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ واقعات و حالات چھ سات ماہ میں گزرے تھے۔ مظالم سہنے والے بچوں اور عورتوں کا کیا حال ہو گیا تھا؟ اس کا جواب آج بارہ سو سال میں بھی ختم نہیں ہوا ہے۔ مگر ہم پھر نہایت آسانی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ آل رسول اور اولادِ علی و بتوں کی صورتیں بدل گئی تھیں اور وہ حضرات کبھی اپنی پہلی صورت پر واپس نہ آ سکے؟ اسلئے کہ بعض نے چھاؤں میں بیٹھنا ہی بند کر دیا تھا۔ یوں بھی آل رسول آسودہ حالی اور دنیاوی راحتوں کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور اب تو کربلا، کوفہ اور شام ہر لمحہ سامنے کھڑے رہتے تھے۔ ہنسنا معدوم ہو گیا تھا، اچھی غذا تو کیا ٹھنڈا پانی پینے سے پہلے خون کے آنسو پینا عادت بن گیا تھا۔ کھانا تو الگ گوشت کے دیکھنے اور نام سننے سے گھنٹوں دل میں دردر ہوتا تھا۔ بہر حال چھ سات ماہ میں اہلبیت پر جو کچھ گزر گیا وہ جن و انس و ملائکہ کو تاقیامت رُلاتا رہے گا۔ مگر ادھر یزید اور اُس کے طرفداروں پر بھی جہنم کے دروازے کھل چکے

تھے۔ حکومت کی پابندیاں، خاندانی خباثت و قساوت قلبی، نطفہائے شیطانی کی بے غیرتی و بے حیائی، مصنوعی اقتدار کا مصنوعی رعب و داب اور اختیاراتِ شاہی کی مطلق العنانی رفتہ رفتہ زوال و تباہی کا اثر لیتے لیتے بے قابو ہو چکی تھی۔ غرور و تکبر کی گردن بار بار جھکنے کا ارادہ کرتی تھی لیکن دماغ میں بسنے والی دشمنی ابھی سر ہلانے پر مجبور کر رہی تھی۔ بہر حال یزید اپنے نفسیاتی جہنم میں خاموشی سے جل رہا تھا۔ اُس پر خود اس کی اولاد و ازواج کا داخلی دباؤ پڑ رہا تھا۔ لہذا ایک روز پھر یزید نے اہلبیتؑ کو اپنی ازواج اور بیٹیوں سے ملنے کیلئے بھیجا۔ علامہ در بندی لکھتے ہیں کہ:- اِنَّ هَذَا الْمَجْلِسَ فِي ذِكْرِ احْتِجَاجَاتِ جَمَاعَةِ مِنَ الْحَرَمِ وَالنِّسْوَةِ الطَّاهِرَاتِ مَعَ جَمَاعَةٍ مِنَ اَهْلِ يَزِيدٍ مِنْ نِسْوَتِهِ وَبَنَاتِهِ وَاخَوَاتِهِ وَبَيَانِ ذَلِكَ اَنَّ ابْنَ صَبَاغِ الْمَالِكِي قَالَ ثُمَّ قَالَ يَزِيدٌ ادْخُلُوْهُنَّ اِلَى الْحَرَمِ فَلَمَّا ادْخَلُوْهُنَّ عَلٰى حَرَمِهِ لَمْ يَبْقِ امْرَاةٌ مِنْ آلِ يَزِيدٍ اِلَّا اتَيْتِهِنَّ وَاظْهَرْنَ التَّوَجُّعَ وَالْحُزْنَ عَلٰى مَا صَابَهُنَّ وَعَلٰى مَا نَزَلَ بِهِنَّ وَاَضْعَفْنَ لَهُنَّ جَمِيعَ مَا اخَذَ لَهُنَّ مِنَ الْحَلٰى وَالثِّيَابِ بِزِيَادَةِ كَثِيْرَةٍ وَفِيْ نَقْلِ آخِرِ اِنَّهِنَّ لَمْ يَقْبَلْنَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ۔ (اکسیر العبادات - صفحہ 537)

اس مجلس میں اُن احتجاجات کا ذکر کیا جائے گا جو خاندانِ رسولؐ کی مقدس مستورات نے کئے اور جو یزید کی ازواج اور بیٹیوں اور بہنوں نے جاری رکھے۔ اس سلسلے میں علامہ ابن صباغ مالکی نے لکھا ہے کہ یزید نے پھر حکم دیا کہ اسیرانِ اہل حرمؑ کو اس کے زنانہ محل میں بھیجو۔ چنانچہ جب اہلبیتؑ رسولؐ کی خاندانی عورتوں کے پاس پہنچے۔ تو یزید کے متعلقین میں سے کوئی ایک عورت بھی ایسی باقی نہ رہی جو اسیرانِ اہل حرمؑ کے پاس نہ آئی ہو اور اپنے رنج و الم و افسوس کا عملاً اظہار نہ کیا ہو۔ اور اُن تمام مظالم و آفات پر ہمدردی اور دشمنوں سے اپنی بیزاری سے اہلبیتؑ کو خوش کرنے میں کمی کی ہو۔ پھر انہوں نے آلِ رسولؐ کو وہ تمام کپڑے اور سلی ہوئی پوشاکیں واپس دیں جو اُن سے چھین لی گئی تھیں۔ اور اُن کے لئے ہوئے سامان کے علاوہ بھی بہت زیادہ سامانِ راحت پیش کیا جسے اسیرانِ اہل حرمؑ نے لینا پسند نہ کیا اور واپس کر دیا۔ (اکسیر العبادات - صفحہ 537)

یہاں مومنین یہ نوٹ کریں کہ گزشتہ چھ سات ماہ قصرِ یزید کے بُرجِ یادِ ارموت کے قیام میں سورج کی تمازت کے ساتھ ساتھ وہ آگ جو سوزِ غم و الم نے قلب و جگر میں بھڑکا رکھی تھی اسیرانِ اہل حرمؑ کی صورتوں کو تبدیل کرنے میں مصروف تھی۔ ادھر گرمی اور پسینہ کا اندازہ کیجئے اور پھر یہ دیکھئے کہ نہانے اور کپڑے دھونے کا تو ذکر ہی کیا ہے وہاں تو پینے اور ضروریات سے فارغ ہونے کے لئے بھی کافی پانی نہ ملتا تھا۔ پھر ذرا تصور کیجئے اُس سردی کا جو ریگستان میں پڑتی ہے اور پھر سوچئے کہ وہ لوگ کیسے زندہ بچیں گے جن کے پاس نہ لحاف ہو نہ چادر، بستر ہو نہ تکیہ۔ آپ تو شاید یہ بھی نہ سمجھ سکیں کہ ایک ایک کرتے اور پا جامے سے سات ماہ کس طرح گزارے؟ وہاں سوئی دھاگہ نہ تھا۔ پیوند لگانے کے لئے کپڑا کہاں سے آتا؟ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض غریب لوگ پیوند لگانے کے بجائے کپڑوں میں گرہ لگائے رہتے ہیں۔ یہ تھے خاندانِ رسولؐ کے افراد جن پر محنت کش اور غربا اپنی جان نثار کرنے کو تیار رہتے ہیں اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کے سامنے پھٹا لباس پہنے ہوئے سر بلند کر کے بات کرتے ہیں۔ بہر حال آج اہلبیتؑ کو اُن کا لٹا ہوا لباس اور کپڑا مل گیا ہے۔ آج لازمی تقاضہ تھا کہ انہیں ذرا سہولت کی جگہ پہنچایا جائے جہاں وہ نہادھو کر اپنا لباس بدل سکیں۔ لہذا انہیں ایک عام جیل خانے میں تبدیل کیا گیا۔ اور داروغہ جیل کا جیل خانہ سے ملحق مکان اُن حضرات کو دے دیا گیا۔ یہاں پانی اور پردہ کا انتظام تھا۔ ایک ٹوٹی پھوٹی

ویران مسجد بھی ساتھ ملحق تھی۔ اگر جیل کے اندر کھلنے والا دروازہ بند کر دیا جائے تو جیل کے اندر سے کوئی اس مکان میں نہیں آ سکتا۔ اور اگر باہر سڑک پر کھلنے والے دروازے بند کر دیئے جائیں یا پہرہ لگا دیا جائے تو اسیران اہل حرم قید میں محفوظ رکھے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ یہ انتظام کرنا داروغہ جیل کی ذمہ داری تھی۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں آنے کو بعض علما نے رہائی سمجھا ہے۔ یہی جگہ ہے جہاں اہلبیتؑ کو رونے اور مجلس عزائم کرنے کی آزادی ہوگی۔ یہاں زوجہ یزید اور دیگر شامی مستورات بھی اہل حرم سے ملنے آ سکیں گی۔ یہاں امامؑ سے بھی لوگ آ کر مل سکیں گے۔ اور اہلبیت علیہم السلام کو یہیں یہ معلوم ہوگا کہ انہیں خود ان کے صحابہ و صحابیات بھی نہیں پہچانتے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ آج کے بعد امام اور اہل حرم ایک قسم کے نظر بند قیدی ہیں۔ اور اپنی نقل و حرکت میں آزاد نہیں ہیں۔ اس سلسلے کی روایات کو علما اور حکومت نے بہت بری طرح الجھایا ہے۔ لیکن اُسی الجھاؤ میں اس نئی صورت حال کا پتہ مل جاتا ہے۔ چنانچہ وہ خواب جو حضرت سکیئہؑ نے دیکھا اور یزید کو سنایا تھا۔ اور جسے ہم بھی صحیح ترتیب پر لکھیں گے۔ اُس خواب کے متعلق علما یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ یہ خواب کب دیکھا اور کب یزید کو سنایا گیا تھا؟ ہم اس سلسلے میں علامہ در بندی کے چند جملے لکھتے ہیں۔ گو وہ جملے ایسے ہیں کہ جنہیں خود علامہ بھی نہیں سمجھے۔ مگر ہم اور آپ ان جملوں سے یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اہل حرم کو ان کی قید کے زمانہ میں ایک ویران مسجد (مَسْجِدُ خَرَابٍ) میں بھی رکھا گیا تھا۔ اور یہ کہ وہاں ان کو مجلس عزائم کرنے کی آزادی حاصل تھی۔ اور جہاں یہ آزادی حاصل ہوئی وہ یقیناً دوسرا قید خانہ تھا۔ پہلے قید خانہ میں تو آواز نالہ و فریاد بلند کرنے پر سخت پابندی اور سزا مقرر تھی۔ یہ دوسرا قید خانہ ہی وہ مقام ہے جو مدت دراز سے اہل حرم کا قید خانہ کہہ کر زائرین کو دمشق میں دکھایا جاتا ہے۔ گو اُس کی شکل و صورت اور گنجائش بہت بدلتی آئی ہے۔ مگر زمین بہر حال وہی ہے جس پر اہلبیتؑ نے تین چار ماہ گزارے تھے۔ ہمارے ریکارڈ میں اس دوسرے قید خانے یا مکان کا صحیح حدود و اربعہ، نقشہ اور پیمائش موجود ہیں۔ اور وہ تمام ریکارڈ موجود ہے جس میں وہ تمام تبدیلیاں مذکور ہیں جو اہلبیت علیہم السلام کی رہائی کے بعد وقوع میں آئیں۔ اس مکان یا قید خانہ میں اور شاہی محل کے درمیان اُسی سڑک کی چوڑائی کا فاصلہ تھا جو آج (21 مئی 1977 عیسوی) تک موجود ہے۔ اور اُسی مکان میں جناب سکیئہؑ نے خواب دیکھا تھا۔ اور یہیں اُس مظلومہ کا انتقال بھی ہوا تھا۔ لیکن ہمارے نام نہاد شیعہ علما کی کثرت نے جہاں عروسی حضرت قاسم علیہ السلام کا انکار کیا ہے۔ وہیں وہ کثرت حضرت سکیئہ علیہا السلام کا زندان شام میں انتقال بھی نہیں مانتی ہے۔ لیکن مومنین متفقہ طور پر روزاؤل سے اپنی تمام رسومات عزاداری میں ان حقائق پر عمل کرتے آ رہے ہیں۔

(الف)۔ دوسرا قید خانہ جہاں عزاداری وغیرہ کی سہولت و آزادی حاصل تھی

اب علامہ در بندی کے اُلجھے ہوئے جملوں پر نظر ڈالیں ارشاد ہے کہ:-

ثُمَّ لَا يَخْفَى عَلَيْكَ اِنَّا قَدْ اَشْرْنَا فِي صَدْرِ الْمَجْلِسِ اِلَى اَنْ ذَكَرَ سَكِينَةَ تِلْكَ الرُّوْيَا لِيَزِيدَ فِي مَجْلِسِهِ اِنَّمَا كَانَ فِي بَعْضِ الْاَيَّامِ اَلَّتِي كَانَ اَهْلِيَّتُ فِيهَا فِي السَّجْنِ وَالْمَحْبَسِ۔ فَانْ قُلْتَ فَلِمَ لَا تَقُولُ بِوُقُوعِ هَذِهِ الْقَضِيَةِ اِىْ ذَكَرَ سَكِينَةَ رُوِيَاهَا لِيَزِيدَ فِي بَعْضِ الْاَيَّامِ اَلَّتِي كَانَ اَهْلِيَّتُ فِيهَا مُطْلَقَيْنِ عَنِ السَّجْنِ وَالْمَحْبَسِ وَكَانُوا فِيهَا مُشْغُولِينَ بِاَقَامَةِ الْمَاتَمِ لِتَغْرِیَةِ سَيِّدِ الشَّهَدَاءِ رُوْحِي لِهَ الْفِدَاءِ بِاَذْنِ وَ التَّرْخِیصِ مِنْ يَزِيدَ فِي الدَّارِ اَلَّتِي اَفْرَغْتَ لَهِمْ۔ (أكسیر العبادات - صفحہ 536)

”پھر تم پر یہ بھی مخفی نہ رہے کہ ہم نے اس مجلس کے اندر یہ اشارہ کر دیا ہے کہ حضرت سکیئہ نے یزید سے اپنے اُس خواب کا تذکرہ اُن ہی دنوں میں کیا تھا۔ جب کہ اہلبیتؑ ابھی تک جیل خانہ میں مقید تھے۔ اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت سکیئہ نے اپنے خواب کا ذکر یزید سے اُن دنوں میں کیوں نہ کیا جب کہ اہلبیتؑ جیل خانہ کی قید سے آزاد ہو گئے تھے اور یزید کی دی ہوئی اجازت اور آزادی سے سید الشہداءؑ کے ماتم اور تعزیت میں مشغول تھے اور اُس گھر میں رہتے تھے جو خاص طور پر اہلبیتؑ کیلئے فارغ کر دیا گیا تھا؟

اس جملے سے یہ بات سمجھ میں آنا کچھ مشکل نہیں کہ علامہ حضور خواب دیکھنے اور یزید سے اُس خواب کا ذکر کرنے کا وہ زمانہ مانتے ہیں جب کہ اہلبیتؑ ابھی قید ہیں۔ ہم متفق ہیں کہ ہاں اہل بیتؑ اس وقت بھی قید میں تھے اور اس کے بعد بھی کئی ماہ قید رہے۔ پھر علامہ جس بحث کا جواب دے رہے ہیں اس میں یہ سمجھا گیا ہے کہ خواب کا قصہ قید سے رہائی کے بعد کا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جی ہاں یہ پہلے قید خانہ یعنی دارالموت سے رہائی کے بعد کا واقعہ ہے سو فیصد رہائی کے بعد کا نہیں۔ اور سو فیصد رہائی کے بعد اول تو یزید سے اس خواب کے بیان کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ تھی۔ پھر یہ کہ خواب دیکھنے اور بیان کرنے والی سکیئہ علیہا السلام سو فیصد آزادی و رہائی سے پہلے ہی انتقال فرما چکی تھیں۔

بہر حال یہاں ایک ایسا مکان تسلیم کیا گیا ہے جس کی چار دیواری میں مجلس عزاء اور ماتم برپا کرنے کی اجازت اور رخصت یزید کی طرف سے حاصل تھی۔ اور الفاظ (اِذْنٌ وَتَرْخِيصٌ) اجازت اور رخصت خود اس بات کی دلیل ہیں کہ اہلبیتؑ سو فیصد آزاد نہ تھے اور یہی دوسرے قید خانہ کی صورت حال ہے کہ وہ نظر بندی اور صرف نقل و حرکت پر پابندی کا زمانہ تھا۔ اب ایک اور جملہ سن لیں جہاں ویران مسجد میں قید ہونے کا ذکر بھی ہے۔ مذکورہ خواب کا جھگڑا بھی زیر بحث ہے۔

لَآئِنَّ تِلْكَ الْقَضِيَّةَ اِنَّمَا وَقَعَتْ فِي حَرِيمِ يَزِيدٍ عِنْدَ نِسْوَتِهِ وَاَهْلِهِ وَعِيَالِهِ۔ فَلَوْ كَانَتْ تِلْكَ الْقَضِيَّةُ قَدْ وَقَعَتْ قَبْلَ خُلَاصِ اَهْلِيَّةٍ مِنَ السَّجَنِ وَالْحَبْسِ سِوَا اَنْ وَقَعَتْ فِي الْيَوْمِ الَّذِي دَخَلُوا فِيهِ دِمَشْقَ اِمَّا بَعْدَهُ لَزِمَ اَنْ يَامُرَ يَزِيدٌ ثَانِيًا بِاَخْرَاجِ النِّسْوَةِ الطَّاهِرَاتِ مِنْ آلِ الرَّسُولِ مِنْ عِنْدِ حَرِيْمِهِ وَمَنَازِلِ نِسْوَتِهِ وَاَدْخَالِهِنَّ فِي الْحَبْسِ وَالسَّجَنِ فِي الْمَسْجِدِ الْخَرَابِ۔
(اُکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 539)

”یہ اس لئے کہ یہ معاملہ یقیناً یزید کے زنا ن خانے میں اُس کے اہل و عیال اور عورتوں کے سامنے پیش آیا تھا۔ اور اگر یہ واقعہ جیل خانے کی قید سے آزاد ہونے سے پہلے کا مان لیا جائے تو پھر یہ دونوں باتیں برابر ہو جائیں گی کہ خواہ یہ اُسی روز پیش آ گیا ہو جس دن اہلبیتؑ دمشق میں پہلے روز داخل ہوئے تھے یا بعد میں کبھی بھی وقوع میں آیا ہو۔ مگر یہ بات دونوں صورت میں لازم آتی ہے کہ یزید نے اہل حرم کو اپنے زنا ن خانے میں اپنی مستورات اور حرم میں بھیجنے کا دوبارہ حکم دیا ہو۔ اور یہ کہ اس کے بعد اہل حرم کو ویران مسجد میں جیل اور قید کیا گیا ہو۔“ (اُکسیر العبادات - صفحہ 539)

آپ اس بحث کو نظر انداز کر دیں کہ وہ واقعہ کیا تھا؟ وہ خواب کب دیکھا اور کب اُس کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ آپ تو دونوں بیانات سے یہ سیدھی سی بات اخذ کر لیں کہ یزید کے حرم میں اہل حرم علیہم السلام کو دوسری دفعہ یا تیسری دفعہ بھیجا گیا تھا۔ یعنی پہلی دفعہ کی بات نہیں

ہے۔ بلکہ بعد کی بات ہے اور اس کے بعد اہل حرم کو ایک ویران مسجد اور ایک مکان میں رکھا گیا اور وہاں اُن حضرات کو مجلس عز و ماتم شہداء علیہم السلام برپا کرنے کی اجازت و آزادی حاصل تھی۔ اور بس باقی جھگڑے سے مومنین کا تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ جھگڑے نہ کئے جائیں تو واقعات کو اُلٹ پلٹ اور مشکوک کیسے کیا جائے؟ یہی ایک ہتھیار تو علما کے پاس ہے اور میں اس ہتھیار کو اُن کے خلاف بڑی سہولت سے استعمال کیا کرتا ہوں۔ اب ایک جملہ اور سن لیں جس سے اُدھر ہمارا فیصلہ تصدیق ہو جاتا ہے۔ اُدھر سازشی علما کا پتہ بھی چل جاتا ہے لکھا ہے کہ:-

فاعلم انه قد نقل عن صاحب المنتخب انه قال وروى انه لما قدم آل الله وآل رسوله على يزيد في الشام

أَفْرَدَ لَهُمْ دَارًا وَكَانُوا مَشْغُولِينَ بِاقَامَةِ الْعَزَا - (أكسير العبادات - صفحہ 533)

”یہ سمجھ لو کہ کتاب المنتخب سے یہ بات نقل کرتے چلے آ رہے ہیں کہ اُنہوں نے لکھا ہے کہ جب اللہ کے تیار کردہ اور اُس کے رسولؐ کے اہل البیتؑ دمشق میں یزید کے پاس پہنچے تو یزید نے اُن کے لئے خاص طور پر ایک مکان دے دیا جہاں اہلیت بالکل آزادی سے عمارت میں مشغول رہتے تھے۔“

مطلب واضح ہے کہ یزید نے اہل حرم کو ایک منٹ کے لئے بھی قیدی بنا کر نہیں رکھا۔ بلکہ پہنچتے ہی پوری آزادی دے دی، ایک مکان بھی ٹھہرنے کے لئے دے دیا۔ اور ہم ایسا لکھنے اور ماننے والوں اور کہنے والوں پر یزید کے برابر لعنت کرتے ہیں۔ اور جو لوگ شیعہ ہو کر محبان آل محمدؐ کہلا کر ایسا کہنے والوں اور لکھنے والوں اور ماننے والوں سے راضی ہوں اور اُن پر لعنت نہ کریں ہم اُن پر بھی یزید کے ساتھ ساتھ اتنی ہی لعنت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ سب لوگ یزیدی پالیسی کے طرفدار اور اُس کی نشر و اشاعت کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔ بہر حال یہاں تک اُن ہی خبیثوں کے بیانات سے ہمارا عنوان مکمل ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ اولین قید خانہ سے رہائی کے بعد اہلیت کو ایک اور مکان میں نظر بند رکھا گیا تھا جہاں عزائے شہداء کی اجازت اور آزادی تھی۔ اور اُسی مکان کے احاطہ کے اندر وہ مسجد تھی جسے مَسْجِدُ خَوَّابِ ویران مسجد کہا گیا ہے۔ چنانچہ علما نے اس مسجد میں قید کئے جانے کا بار بار اور طرح طرح سے ذکر کیا ہے۔ اور اسی بنا پر علامہ در بندی بھی بہکتے اور چکر کاٹتے رہے ہیں۔ چنانچہ آپ نے وہ روایت لکھی جس میں یزید اپنے بیٹے خالد سے گشتی کے لئے کہتا ہے اور امام چھری والی بات فرماتے ہیں روایت کے اختتام پر علامہ در بندی کے ریمارک سنئے فرمایا کہ:-

وَأَنْتَ خَبِيرٌ بَأَنَّ الْمُسْتَفَادَ مِنْ هَذِهِ الرِّوَايَةِ أَنَّ إِطْلَاقَ يَزِيدَ الْحَرَمِ وَالسَّبَايَا عَنِ السِّجْنِ وَالْحَبْسِ الدِّي

كَانَ فِي مَسْجِدِ خَوَّابٍ كَانَ فِي الْيَوْمِ أَمْرَ الْإِمَامِ بَانَ بِصَارِعِ ابْنِهِ خَالِدٍ - (أكسير العبادات - صفحہ 530)

”تم اچھے خاصے خبردار آدمی ہو کہ اس روایت سے یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ یزید کا اہل حرم اور قیدیوں کو اُس قید خانہ سے رہا کرنا جو ویران مسجد میں تھا۔ اُسی روز کا واقعہ ہے۔ جس دن یزید نے امام زین العابدینؑ کو اپنے بیٹے خالد سے گشتی کرنے کا حکم دیا تھا۔“

یہ مغالطہ علامہ سرکار کو اسلئے ہوا ہے کہ اُس روز بھی حرم اہلیتؑ: یزید کے محل میں بلائے گئے تھے۔ اور چونکہ پہلے قید خانہ سے رہائی والے روز بھی یزید کے حرم میں بلایا گیا تھا اسلئے علامہ نے گشتی والے دن کو لا کر ملا دیا۔ حالانکہ یہ وہ دن ہونا چاہئے جس روز اہل حرم

کو نکال لباس اور کپڑے واپس دیئے گئے تھے۔ نہ کہ کوئی سی بھی ملاقات کو بلا وجہ مان لیا جائے۔ کپڑے واپس ملنے کا قدرتی مطلب کپڑوں کے پہننے اور بدلنے کا اختیار ملنا ہے۔ اور چھ سات ماہ بعد کپڑے بدلنے کیلئے نہانا دھونا اور ایسی جگہ بھی ضروری ہے جہاں پارچاٹ و لباس و بستر وغیرہ صاف ستھرے رہ سکیں۔ نہ کہ وہ موت کا گھر جہاں نہ چھت تھی نہ زمین کے علاوہ کوئی اور چیز تھی۔ سر پر آسمان تھا اور نیچے زمین اور وہ بھی ریتلی و چٹانی زمین تھی۔ جہاں دھوپ اور دھکتی ہوئی لُجسم کو جھلکتی تھی۔

52۔ حضرت سکینہ علیہا السلام کا انتقال؛ یزید کا زوال اور دمشق میں عزاداری

(1)۔ حضرت سکینہؓ سے تعارف، خواب اور انتقال

اس عنوان میں ہم اُس مظلومہ اور کم سن بچی کا تعارف پیش کریں گے جو ہماری عزاداری کی زندگی رہتی چلی آئی ہے۔ جسے اہل زبان بالی سکینہؓ کہہ کر پکارتے ہیں۔ وہ بچی جسے حضرت زینب علیہا السلام کبھی کر بلا میں کبھی راہ کوفہ میں تلاش کرتی پھریں۔ کبھی بابا جان کی لاش سے لپٹی ہوئی ملی کبھی کر بلا کی طرف دوڑتی ہوئی پائی گئی۔ جسے چھپانے اور نوجوان لڑکی دکھانے کی کوشش بھی کی گئی۔ جسے دشمنانِ دین نے کر بلا کے بعد زندہ رکھنے اور (معاذ اللہ) ایک شاعرہ و لگوکارہ و آوارہ عورت دکھانے کی پوری جدوجہد کی۔ جسکی بہت سی شادیوں اور اولادوں کے قصے گھڑے گئے اور جس کے جھوٹے قصوں میں خود ہمارے اپنے علما بھی الجھتے رہے۔ آئیے ایک سیدھی سادی اور مختصر سی روایت سنئے اور تصدیق کیجئے کہ وہی حقیقی سکینہؓ ہے یا نہیں۔

فاعلم أنه قد نقل عن صاحب المنتخب انه قال وروى انه لما قدم آل الله وآل رسولہ علی یزید فی الشام أقرده لهم داراً وكانوا مشغولين بأقامة العزاء - وكان للحسين بنت عمر هائلت سنين من يوم استشهد الحسين بقيت ماتراه فَعَظَمَ ذلك عليها واستوحشت لابیها وكانت كُلَّمَا طَلَبَتْ - يقولون لها غداً ياتي ومعه ماتطلبين الى أن كانت ليلة من الليالي رأت اباه بنومها - فلما انتبهت صاحت وبكت وانزعجت - فجمعوها وقالوا ما هذا البكاء والعويل؟ فقالت آتوني بوالدي وقرعة عيني - وكلما هَجَعُوها اذدادت حُزناً وبُكَاءً - فَعَظَمَ ذلك على اهل البيت فضجوا بالبكاء وجددوا الاحزان ولطموا الخدود وحثوا على روسهم التراب ونشروا الشعور وقام الصياح - فسمع يزيد ملعون صيحتهم وبكائهم - فقال ما الخبر؟ قالوا أن بنت الحسين الصغيرة رأت اباه بنومها فانتبهت وهي تطلبه وتبكي وتصرخ - فقال الرفعا اليها راس ابياها لتنظر اليه وتتسلى به فجاؤا بالراس الشريف اليها مغطى بمنديل ويبقى فوضع بين يديها وكشف الغطاء عنه - فقالت ما هذا الراس؟ قالوا راس أبيك - فرفعته من الطشت حاضنة له وهي تقول يا ابتاه من ذا الذي خَضَبَك بدمائك يا ابتاه من اللييمة حتى تكبر؟ يا ابتاه من للنساء الحاسرات؟ يا ابتاه من لالآرامل المسييات؟ يا ابتاه من للعيون الباكيات؟ يا ابتاه من للصائعات الغريبات؟ يا ابتاه من للشعور الناشرات؟ يا ابتاه من بعدك واخيبتاه؟ يا ابتاه من واغربتاه؟ يا ابتاه ليتني كنت لك الفداء - يا ابتاه ليتني كنت قبل هذا اليوم عمياً - يا ابتاه ليتني وسدت الشرى ولا ارى شيبك مُحَضَّباً بالدماء - ثم انها وضعت فمها على فمه الشريف وبكت بكاءً شديداً حتى غشى عليها - فلما حركوها فاذا قد فارقت روحها الدنيا - فلما رأى اهل البيت ماجرى عليها اعلنوا بالبكاء واستجدد العزاء وكذلك كل من حضر من اهل دمشق فلم يرى ذلك اليوم إلا باك وبكائية - الا لعنة الله على القوم الظالمين -

اس روایت کی ابتدا میں وہی بیان ہے جو ہم نے پہلے لکھ کر بتایا ہے کہ سرکاری پالیسی یہ تھی کہ اہلبیتؑ کو دمشق میں قیدی نہ دکھایا جائے۔ بلکہ پہلے دن ایک الگ مکان میں قیام اور عزا داری کرنے کی آزادی دکھادی جائے؛ اسکے بعد کتاب المنتخب کہتی ہے کہ امام حسینؑ کی ایک چھوٹی سی بیٹی تھی جو شہادت حسینؑ کے دن صرف تین سال کی عمر رکھتی تھی۔ چونکہ وہ بہت عرصہ سے اپنے باپ کو غائب دیکھتی تھی اور ابھی مرنے اور قتل ہونے کا یہ مطلب نہ سمجھتی تھی کہ اسکے بعد باپ بیٹی کے پاس نہیں آسکتا۔ لہذا وہ بچی اکثر گھبرا جاتی تھی اور باپ کو بلانے کی ضد کیا کرتی تھی۔ پھوپھی اور دیگر حضرات اُسے طرح طرح بہلا دیا کرتے تھے۔ ابھی آتے ہوں گے، کل کو آجائیں گے، اپنی لاڈلی کیلئے کھلونے اور بہت سی چیزیں لائیں گے۔ یوں ٹلتے ٹلاتے اور بہلاتے پھسلاتے وہ رات آہی گئی جو قیامت تک پھر نہیں آئی اور نہ اُسکے آنے کی ضرورت ہے۔ بچی بے چین ہو کر سوئی تو خواب میں اپنے ابا جان کو دیکھا لیکن خواب تو خواب تھا۔ آخر جب بیدار ہوئی اور پہلو میں بابا کو نہ پایا تو سمجھی کہ بس اب پھر عرصہ دراز کے بعد آئیں گے۔ رونا اور بابا کہہ کر پکارنا، فریاد کرنا اور تلاش کرنا شروع کر دیا۔ آخر تمام اہل حرم جمع ہو گئے۔ صورت حال کو سمجھ گئے خود بھی روتے جاتے تھے اور شہزادی کو بہلانے کیلئے تمام نئے پرانے جتن کر رہے تھے۔ بچی اب کہاں تک بہلتی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ لوگ روزانہ یوں ہی کہتے رہتے ہیں۔ بس ادھر سکیڈنے بے قابو ہو کر رونا اور بلکنا شروع کیا اور ادھر اہل حرم میں نالہ و فریاد اور نوحہ و ماتم اور مین شروع ہو گئے۔ کربلا کا دن واپس چلا آیا، لاشہ ہائے اکبر و عباس و قاسم و علی اصغر علیہم السلام سامنے آ گئے۔ بال کھول دیئے گئے۔ سروں میں خاک ڈالنا سر و سیدہ پیٹنا شروع کیا۔ گھر سے باہر لوگ جمع ہو گئے۔ سب لوگ بے قرار ہو کر رو رہے تھے کہ یزید بیدار ہوا۔ معلوم کیا تو پورا محل جاگ رہا تھا۔ اس ملعون کو بتایا گیا کہ حسینؑ مظلوم کی سب سے چھوٹی بچی نے خواب میں باپ کو دیکھا۔ جاگی تو وہ اب اپنے والد کو بلوانے پر بضد ہے رور و کر بے حال ہو گئی ہے۔ اہل حرم میں فریاد و وایلا مچا ہوا ہے۔ یزید نے کہا کہ حسینؑ کا سر لے جاؤ تاکہ اسکو تسلی ہو جائے، سر لا کر طشت سامنے رکھا گیا۔ بچی چپ چاپ تک رہی تھی۔ ریشمی رومال ہٹایا گیا تو پوچھا یہ کیسا سر ہے؟ کہا گیا کہ تمہارے پیارے والد کا سر ہے۔ سکیڈنے جلدی سے سر مقدس کو اٹھا کر سیدہ سے لگا لیا اور چیخ مار کر کہا کہ اے بابا وہ کون تھا جس نے آپ کو آپ کے خون سے خضاب کیا۔ اے بابا اس یتیم بیٹی کے پال کر بڑا کرنے کے خیال نے آپ کا دامن نہ پکڑا؟ اے بابا آپ کو ان مایوس کن حالات کا خیال تو آیا ہوگا جو تمہاری مصیبت زدہ خواتین کو درپیش ہیں۔ اے بابا ان یتیم و بے سہارا قیدی تینوں کا کون نگہبان ہے؟ اے بابا جان ان رونے والی آنکھوں کا خیال کرو۔ اے بابا ان غریب اور تباہ حال عورتوں کی طرف دھیان دیجئے۔ اے بابا ان بکھرے ہوئے بالوں کو دیکھئے۔ اے بابا آپ کے بعد ہم تباہ و برباد ہو گئے۔ اے بابا آپ کے بعد ہمارا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اے بابا کاش میں آپ پر قربان ہو گئی ہوتی۔ اے بابا کاش میں یہ دن دیکھنے سے پہلے اندھی ہو گئی ہوتی۔ اے بابا کاش مجھے پہلے ہی زمین میں دفن کر دیا گیا ہوتا۔ اور میں آپ کی ریش مبارک کو خون میں رنگین نہ دیکھتی۔ پھر اس کے بعد دکھیا بچی نے اپنا منہ بابا کے منہ پر رکھ دیا اور اس طرح ٹرپ کر روئی کہ بے ہوش ہو گئی۔ اور جب اُسے چین سے دیکھا تو شبہ ہوا، ہلا کر دیکھا تو اُس کی روح دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔ یہ دیکھ کر تو اہلبیتؑ نے سر و سیدہ پیٹنا اور پچھاڑیں کھانا

شروع کر دیا۔ ایک نیا ماتم شروع ہوا۔ دمشق کے جو لوگ موجود تھے۔ اُن میں کوئی مرد یا عورت ایسا نہ تھا جو بے قرار ہو کر نہ رویا ہو۔ خدا ظالموں کی قوم پر لعنت کرتا رہے۔ (اکسیر العبادات - صفحہ 533)

(الف)۔ اس روایت کو سمجھنے کے لئے چند باتیں اور سن لینا ضروری ہیں

ہم نے یہ کہہ کر روایت شروع کی تھی کہ مومنین روایت میں حضرت سکیئہ علیہا السلام کی تصدیق فرمائیں کہ یہ روایت اُسی حقیقی سکیئہ کو پیش کرتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ روایت کی ابتدا میں اُن کی عمر صرف تین سال بتائی گئی ہے۔ جو قطعی طور پر صحیح ہے۔ پھر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ شہزادی اپنی باتوں سے بھی اپنی چھوٹی سی اور کم سنی کی عمر کو ثابت کرتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ خواب بہت کم سنی میں یعنی شیر خواری کی عمر میں بھی آتے ہیں اور کم سنی کے خواب بھی کم سن ہوتے ہیں۔ چنانچہ بی بی نے نیند سے بیدار ہو کر اپنے بابا کیلئے دوبارہ بلائے جانے کی ضد کی اور یہی کہا کہ میرے بابا کو لاؤ (آ تونی بوالدی) اور یزید سے بھی یہی کہا گیا کہ بچی اپنے والد کو طلب کرتی ہے (ہی تطلبہ) یہ بالکل ایسی سمجھ اور ضد ہے جو ایک تین سال کی بچی پر صادق آتی ہے۔ پھر حضرت سکیئہ کو بہلانے کیلئے بھی وہی فطری باتیں کہی جاتی تھیں جو ایک سہ سالہ بچی کیلئے اطمینان بخش ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ تمہارے بابا جان کل آ جائیں گے (بقولون لها غدا یاتی ومعہ ما تطلبین) اور جو چیز تم پسند کرتی یا مانگتی ہو وہ سب لے کر آئیں گے۔ اس حد تک روایت اور روایت کے واقعات سو فیصد فطری ہیں۔ لیکن سر مبارک کو دیکھ کر جو بین یا بیانات حضرت سکیئہ کی زبان سے بیان ہوئے ہیں وہ بہت سنجیدہ و فہمیدہ اور خاندان رسول کی ایک جوان سال عالم عورت کے شایان شان ہیں۔ تین سال کی بچی کیلئے غیر فطری اور ناقابل قبول ہیں۔ یہ بیانات دینے والی ایسی خاتون ہونا چاہئے جو کر بلا کی پوری حُسنِ پالیسی پر مطلع ہو۔ جس نے ہر ہر واقعہ کو گہری اور نتیجہ خیز نظر سے دیکھا ہو۔ جسے ایک سر پرست خاندان کی ذمہ داریوں اور فطرت انسانی کے نازک گوشوں اور جذبات پر عبور ہو۔ جو بزرگوں سے اپیل کرنا جانتی ہو۔ جو مذکورہ الفاظ کے معنی و مفہیم پر کما حقہ مطلع ہو۔ تین سال کی بچی نہ لفظ اِرا مل سے واقف ہو سکتی ہے نہ ضائعات و حاسرات کا مفہوم سمجھ سکتی ہے۔ بہر حال یہ بین اندر گھر میں کئے گئے اور ضرور کئے گئے مگر جناب سکیئہ نے نہیں کسی اور خاتون نے کئے۔ مگر باہر کھڑے ہوئے لوگوں نے یہی سمجھا کہ سکیئہ بین کر رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ راوی مرد تھے اور مرد زنانہ میں نہ تو جاسکتے تھے نہ پہرہ داروں کی طرف سے اجازت مل سکتی تھی۔ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے واقعہ معلوم کرتے تھے۔ اور یہ سن کر کہ امام حسینؑ کی ایک بیٹی نے خواب دیکھا اور بے چین ہو گئی ہے۔ اُسکے رونے سے سب رورہے ہیں۔ یوں یہ بین حضرت سکیئہ علیہا السلام کے نام پر منسوب ہو گئے۔ یا یہ کہ سرکاری گروہ کے اہل قلم نے اس روایت میں فطری نقص دکھا کر غلط ثابت کرنے کی غرض سے نام تبدیل کر دیا۔ اگر ایسا ہوا ہے تو شک اُن ہی علما پر کیا جائے گا جو حضرت سکیئہ کی زندانِ شام میں وفات کے قائل نہیں یا جو علما حضرات سکیئہ کو جوان کہتے ہیں۔ اور جنہوں نے اس غرض کو حاصل کرنے کیلئے ایک اور خواب کو حضرت سکیئہ سے منسوب کیا ہے۔ بہر طور وہ بین اور شکوہ حضرت سکیئہ کا نہیں تھا۔

(ب)۔ علمائے لاشعوری یا شعوری طور پر حضرت سیدنا علیہا السلام کو جوان العمر دکھایا ہے

چونکہ قومی حکومت کی گرفت تین سو سال تک تمام اہل قلم کو اپنے تصورات اور پالیسی کی اشاعت میں مصروف رکھنے میں کامیاب رہی۔ مسجدوں، منبروں اور مدرسوں سے سرکاری کتابوں کی تعلیم و تدریس عوام الناس میں پھیلائی اور مشہور کی جاتی رہی۔ چاروں طرف خانہ ساز روایات ہر زبان پر جاری رہتی چلی آئیں۔ راوی بھی اُسی مشہور طرز فکر کے راستے پر چلنے کے لئے مجبور تھے۔ حکومتوں کے ساختہ پرداختہ جاسوس اور علماء شیعہ لیبیل لگا کر شیعوں میں بھی حکومت کے مذہب اور پالیسی کو مقبول بنانے میں کوشاں رہتے چلے آئے۔ انہوں نے شیعہ نام سے شیعہ لیبیل کی کتابیں لکھیں اور بڑی سادگی اور پُرکاری کے ساتھ بتدریج ایسی روایات کو جگہ دی جو مخالف مذہب اور حکومت کی تائید کریں۔ پھر چوتھی صدی ہجری تک حکومت نے شیعوں میں باقاعدہ نظام اجتہاد قائم کر دیا۔ اس لئے کہ اس سلسلہ معصومین کی کھلی روک تھام کرنے والی آخری ہستی نے اپنے نظام ہدایت کو سو فیصد ریز مین پوشیدہ کر دیا تاکہ مخالفین کو ان کے اقدامات پر قبل از وقت اطلاع نہ ملے اور نظام اجتہاد امام معصوم سے کٹ کر رہ جائے اور اجتہادی احکام خاٹی علما کے احکام سمجھے جائیں۔ اور حقیقی شیعہ ان خاٹی علما سے جدا ہیں۔ چوتھی صدی کے اوائل سے لے کر آج تک اجتہادی علما نے برابر حقائق کو تبدیل کرنے اور سرکاری و قومی مذہب کو رائج کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی کوششوں کو بار آور کرنے میں ہر زمانہ کی حکومتیں مددگار رہی ہیں۔ اور حقیقی علمائے شیعہ ان کی نقاب کشائی میں مصروف رہتے چلے آئے ہیں۔ لیکن بعض علما پھر بھی کہیں کہیں ان کے تصورات کو قبول کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ در بندی مذہب حقہ کے زبردست عالم ہیں اور غلط تصورات کو رد کرنے میں نہایت ہی سخت لیکن حضرت سیدنا علیہا السلام کے معاملہ میں کئی مقامات پر دھوکہ کھا گئے ہیں۔ اور ایسی روایات نقل کر لی ہیں جو حضرت سیدنا کے نام سے منسوب کی گئی ہیں۔ حالانکہ وہ ایک تین سال کی عمر کی بچی کے ساتھ ہرگز منسوب نہ ہونا چاہئیں تھیں۔ ہمیں بڑا تعجب ہے کہ علامہ حضور ادھر جناب سیدنا کو ایک سو سالہ بچی بھی مانتے ہیں۔ اور پھر ان کے نام سے ایسی روایات لکھ دیتے ہیں جو ایک جوان، ذی ہوش اور عالم عورت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور پھر کمال یہ ہے کہ ان روایات پر ایک بھی تنقیدی جملہ نہیں لکھتے۔

(ج)۔ کیا تین سال کی بچی پردہ کرتی ہے؟ کیا تمام اہل حرم با پردہ پیش کئے گئے تھے؟

مومنین شیعہ علما کی پسندیدہ روایت سنیں اور پھر ہمیں روایت، راوی اور روایت کو قبول کرنے والے علما کی پوزیشن سمجھائیں یا خود سمجھیں۔ علامہ در بندی لکھتے ہیں کہ:-

وَعَنْ اَنوَارِ النِّعْمَانِيَةِ اَنَّ الْحَرِيمَ لَمَّا ادْخُلْنَ فِي السَّبْيِ عَلٰى يَزِيدَ وَكَانَ يَطْلَعُ فِيْهِنَّ وَيَسْتَلُّ عَنْ كُلِّ وَاحِدَةٍ بَعِيْنَهَا وَهُنَّ مَرْبُتَاتٌ بِحَبْلِ طَوِيْلٍ وَزَجْرُ بِنِ قَيْسٍ يَجْرُهُنَّ حَتّٰى اَقْبَلَتْ اِمْرَاةٌ وَكَانَتْ تَسْتَرُ وَجْهَهَا بِيَزِيدٍ لَّا تَهْتَا لَمْ يَكُنْ لَهَا خِرْقَةٌ تَسْتَرُ بِهَا وَجْهَهَا - فَقَالَ مَنْ هَذِهِ اَلَّتِي لَيْسَ لَهَا سِتْرٌ؟ قَالُوا سَكِيْنَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ - قَالَ اللّٰعِيْنُ اَنْتِ سَكِيْنَةُ؟ فَسَارَتْ دُمُوعُهَا عَلٰى خَدَّيْهَا وَاخْتَفَقَتْ بَعْبَرَهَا فَسَكَتَ عَنْهَا حَتّٰى كَادَتْ اَنْ تَطْلُعَ رُوْحَهَا مِنَ الْبَكَاءِ - فَقَالَ لَهَا وَمَا يَبْكِيْكَ - قَالَتْ كَيْفَ لَا تَبْكِيْ مَنْ لَيْسَ لَهَا سِتْرٌ تَسْتَرُ بِهِ وَجْهَهَا وَرَاسَهَا عَنكَ فَبَكَى يَزِيْدُ الْكَافِرُ وَ اَهْلَ مَجْلِسِهِ ثُمَّ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ عَبِيْدَ اللّٰهِ اِبْنَ زِيَادٍ مَا قَوٰى قَلْبُهُ عَلٰى اَلِّ

رسولؐ ثم اقبل عليها وقال ارجعي مع النسوة حتى امر بكن امرى۔ (اکسیر العبادات صفحہ 516)

”اور کتاب انوار نعمانیہ میں لکھا ہے کہ جب یزید کے سامنے اہل حرم کو قیدی بنا کر لائے تو اُن سب کو ایک لمبی رسی میں باندھا ہوا تھا۔ اور زجر بن قیس ملعون اُن کو دھکیلتا کھینچتا اور ہانکتا ہوا لایا تھا۔ اور یزید چاہتا تھا کہ اہل حرم کی تمام مستورات کو کچشم خود دیکھے اور ہر ایک سے ذاتی تعارف حاصل کرے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے قیدی خواتین آتی رہیں اور جب وہ عورت آئی جو یزید سے پردہ کرنا چاہتی تھی لیکن اُس عورت کے پاس ایسا کوئی کپڑا نہ تھا جس سے وہ اپنا منہ چھپا سکے۔ تو یزید ملعون نے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے جس کے پاس پردہ کرنے کے لئے کوئی کپڑا نہیں ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ سکیئہ حسینؑ کی بیٹی ہے۔ اب یزید ملعون نے اُن سے پوچھا کہ کیا تم ہی سکیئہ ہو؟ یہ سن کر سکیئہ کے آنسو اُن کے گالوں پر بہنے لگے اور اس طرح سکیئہ نے یزید کے سوال کا جواب اپنے بہتے ہوئے آنسوؤں سے دیا۔ زبان سے کچھ نہ کہہ سکیں اور اس بے قراری سے روئیں کہ اُن کی روح پرواز کرنے کو تیار تھی۔ یہ حال دیکھ کر یزید نے رونے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ عورت کیسے صبر کرے اور کیوں نہ روئے جس کے پاس تجھ سے پردہ کرنے اور سر و چہرہ چھپانے کو کوئی چیز نہ ہو۔ یہ سن کر یزید اور تمام اہل دربار رونے لگے۔ اور یزید نے کہا کہ اللہ عبید اللہ ابن زیاد پر لعنت کرے آل رسولؐ کے لئے اس کا دل کتنا سخت ہو گیا تھا۔ پھر حضرت سکیئہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم باقی مستورات کے ساتھ واپس جاؤ اور میرے دوسرے حکم کا انتظار کرو۔“

(د)۔ مومنین اور حقیقی شیعہ اس روایت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

اس روایت میں پہلی قابل نفرت اور جھوٹی بات یہ ہے کہ حضرت سکیئہؑ کو ایک بچی نہیں بلکہ ایک جوان پوری عمر کی عورت (اِمْرَاةٌ) دکھایا گیا ہے۔ دوسری قابل نفرت و ملامت بات یہ ہے کہ اہل حرم کو برقعہ اور چادر میں ملبوس دکھا کر یزید کے جرم کو ہلکا کیا گیا۔ اور تاریخ و مسلمات کے خلاف دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ بولا گیا ہے۔ تیسری قابل لعنت بات یہ ہے کہ تمام اہل حرمؑ پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ انہوں نے حسینؑ کی جوان بیٹی کو بے پردہ رکھنا اور خود برقعے و چادریں لینا منظور کر لیا ہے۔ چوتھی قابل ملامت بات یہ ہے کہ اہل حرمؑ کی کسی کنیر نے بھی اپنا برقعہ یا چادر حضرت سکیئہؑ کو دے کر امامؑ پر احسان نہ کیا۔ پانچویں مردود بات یہ ہے کہ سکیئہؑ کے رونے پر اہل حرمؑ کو خاموش دکھایا جو غیر فطری اور مزاج اہلیت علیہم السلام کے خلاف ہے۔ بہر حال روایت میں بین کرنے والی خاتون واقعی جوان العمر اور نہایت قابل خاتونؑ ہے اور وہ بھی امام حسین علیہ السلام کی بیٹیؑ ہے۔

(ه)۔ بین کرنے والی شہزادی کا نام جناب فاطمہؑ الاوسط عرف زینبؑ تھا

مومنین یاد رکھیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی چار بیٹیاں اور چھ بیٹے ہیں۔ عروسی جناب فاطمہ کبریٰ علیہا السلام کی ذیل میں ہم نے اس کو باقاعدہ بیان کیا ہے۔ یہاں یہ سمجھ لیں کہ امام حسین علیہ السلام کے تمام بیٹوں کا نام علی، علی، علی، علی اور علی علیہم السلام تھا۔ تمام بیٹیوں کا نام فاطمہؑ، فاطمہؑ، فاطمہؑ اور فاطمہؑ تھا۔ اُن کو شناخت کرنے کے لئے اُن کے ساتھ بزرگی اور خُردی ظاہر کرنے والے الفاظ مستقلاً استعمال ہوتے تھے مثلاً:-

1۔ حضرت علیؑ الاعلیٰ عرف زین العابدینؑ۔ سجادؑ

- 2- حضرت علی اکبر۔ مومنین کا مشہور و محبوب جوان شہید کربلا
- 3- حضرت علی الاوسط۔ عرف محمد کم سن شہید کربلا
- 4- حضرت علی الثالث۔ عرف جعفر کم سن شہید کربلا
- 5- حضرت علی الرابع۔ عرف الحسن کم سن شہید کربلا
- 6- حضرت علی الاصغر۔ عرف عبداللہ شیر خوار شہید کربلا

- 1- حضرت فاطمہ الکبریٰ۔ عرف زبیدہ زوجہ قاسم بن امام حسن علیہ السلام
- 2- حضرت فاطمہ الاوسط۔ عرف زینب (جن کو اکثر سکیئہ سمجھا گیا ہے)
- 3- حضرت فاطمہ الصغریٰ۔ عرف صغریٰ (جن کو مدینہ میں رکھا گیا تھا)
- 4- حضرت فاطمہ السکینہ۔ عرف سکیئہ (متوفیہ زندان شام)

سرکاری علما نے کہیں تو فاطمہ الکبریٰ کو غائب کرنا چاہا ہے۔ تاکہ عروسی جناب قاسم بن امام حسن کے انکار کو استحکام دیا جاسکے۔ اور کہیں کہیں اُن علما نے حضرت فاطمہ صغریٰ کو غائب کرنے اور مدینہ چھوڑنے کا انکار کرنے کیلئے فاطمہ عرف زینب کو آگے بڑھایا۔ ایسے ناپاک و باطل مقاصد کیلئے یہ لوگ ناموں میں اور اولاد کی تعداد میں گڑ بڑ کرتے چلے آئے ہیں۔ یعنی ان میں بعض ملائین نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ امام حسین علیہ السلام کی صرف اور صرف دو ہی بیٹیاں تھیں اور صرف تین بیٹے تھے۔ لہذا انکی پگڑی اور عمامہ کی لمبائی اور پتھوں میں الجھ کر اور انکی خود پیدا کردہ شہرت سے متاثر ہو کر انہیں بڑا عالم سمجھ کر چند نیم حکیم قسم کے علما نے انکی تائید میں اُنکے تصورات کو بلا شک و شبہ اور بلا تنقید نقل کر لیا اور یوں اس قسم کی بکواس شیعہ کتابوں میں بھی ملنے لگی۔

(و)۔ پیچھے پلٹ کر آپ بھی ناموں کی اصلاح فرمائیں

ہم نے اپنے عنوان 51/5: ”یزید کے دربار میں تیسری اجتماعی پیشی؛ یزید کے محل میں ماتم؛ یزید کی ندامت“ میں روایت کو بلا اصلاح لکھ دیا تھا۔ تاکہ مناسب وقت پر سرکاری علما کی پوزیشن واضح کر کے سب کو اصلاح کا حق دیا جائے۔ اُس روایت میں حضرت سکیئہ اور حضرت فاطمہ علیہما السلام کو بچوں کے بل بلند ہو کر سر مبارک کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے دکھایا ہے۔ ظاہر ہے کہ تین سال کی بچی کا بچوں کے بل بلند ہونا اسکی لمبائی اور اونچائی کو اتنا بلند نہ کر سکے گا کہ تین سال کی بچی اس چیز کو دیکھ سکے جو ایک جوان العمر (فاطمہ) لڑکی بچوں پر بلند ہو کر دیکھنا چاہتی تھی۔ یعنی جو چیز ایک نو جوان لڑکی کو سیدھا کھڑا ہونے سے نظر نہیں آتی بلکہ اُسے اور اونچا ہونا پڑتا ہے۔ وہ تین سال کی بچی کو کیسے نظر آ سکتی ہے جس کا قد دو اڑھائی فٹ کے قریب ہو؟ لہذا وہاں دونوں بہنیں بڑی والی ہیں اور سکیئہ نہیں بلکہ فاطمہ الاوسط ہیں جنہیں زینب کہا جاتا تھا۔ اسی طرح اُس روایت میں جہاں سہل بن سعد کو سر مقدس کو خواتین سے دُور بھجوانے کیلئے کہا گیا وہاں بھی سکیئہ نہیں بلکہ وہی زینب علیہا السلام ہیں (ہمارا عنوان 50/7: ”سہل بن سعد نے کئی مرتبہ اہل حرم کو ہجوم کی نظروں سے بچانے میں

مدد کی۔“ روایت میں اُن دونوں بہنوں کی کوشش ثابت کرتی ہے کہ دونوں کے قد و قامت میں دو تین انچ کی لمبائی کا فرق ہوگا نہ کہ اڑھائی اور پانچ فٹ کا فرق۔ بچوں پر بلند ہونے سے اڑھائی فٹ لمبائی نہیں بڑھ سکتی۔ پھر ایک تین سال کی بچی کو نہ تو ایسے ہنگامہ میں بولنے کی جرأت ہوگی نہ سہل بن سعد کسی اطمینان بخش جواب کی امید کر سکتے تھے۔ اور نہ ہی تین سال کی بچی اونٹ پر تنہا بٹھائی جاسکتی تھی۔ لازم تھا کہ وہ کسی بزرگ خاتون کی گود میں ہو۔ پھر وہ بچی یہ نہ سمجھ سکتی تھی کہ غیر مردوں کے ہجوم کو اہل حرم سے دُور رکھنے کی ترکیب یہ ہے کہ سر اٹکھڑا کر دوڑ بھجوا دیا جائے۔ اسکے بعد اُس روایت میں بھی نام بدل دیں جہاں یزید کے محل میں یزید کی بہن، ام کلثوم علیہا السلام پر اور یزید کی زوجہ، حضرت شہر بانو پر اور یزید کی بیٹی حضرت سکینہؓ پر طعن و طنز کرتی ہوئی دکھائی گئی ہیں۔ وہاں بھی تین سال کی بچی وہ جوابات دینا تو دُور کی بات ہے اُن جوابات کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکتی۔ خصوصاً تین سال کی بچی کے منہ سے یہ جملہ نکل ہی نہیں سکتا کہ:-

”وَأُمِّكَ الْمُعْتَكِفَةُ لِعَبْدِهَا فَعَلَيْكَ وَعَلَيْهَا لَعْنَةُ اللَّهِ۔“

”اللہ تجھ پر اور تیری ماں پر لعنت کرے تیری ماں ایک غلام کے ساتھ اعتکاف میں مصروف ہے۔“

(دیکھیں عنوان: ”حرم یزید لعین میں رسولؐ زادیوں کی پہلی پیشی اور ایک نئی شہادت“) یہ ہیں وہ سیاسی دانشوران حکومت جو عبا قبائل اور عامہ پہن کر ادھر آئے اور شیعہ نام سے کتابیں لکھیں اور کوشش کی کہ مومنین کو غلط راہوں پر لے جائیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ شیعہ عوام قطعاً اُن کی کوششوں سے متاثر نہیں ہوئے البتہ چند علما ضرور بہک گئے۔ ثبوت یہ ہے کہ سو فیصد عوام مانتے ہیں کہ:-

1: حضرت فاطمہ صغریٰ علیہا السلام کو مدینہ میں چھوڑا گیا تھا اور ان کا خط کر بلا میں پہنچا تھا۔

2: حضرت فاطمہ کبریٰ علیہا السلام کی شادی جناب قاسم علیہ السلام سے کر بلا میں ہوئی۔

3: حضرت فاطمہ السکینہؓ نے زندانِ شام میں وفات پائی۔ اور یہ سب عزاداری میں عملاً شامل رہتا ہے۔

اس تنقید و تفصیل کے بعد یہ بات خود بخود سمجھ میں آجائے گی کہ وہ خواب بھی تین سال عمر کی بچی سکینہؓ نے نہیں دیکھا تھا نہ یزید سے بیان کیا تھا۔ جسے تمام علما نے متفقہ طور پر حضرت سکینہؓ سے منسوب کیا اور جس میں آسمان کے دروازے کھلنا، ملائکہ اور تمام انبیاء علیہم السلام کا نزول فرمانا، حضرت فاطمہؓ اور ازواجِ انبیاء کا نزول اور عزائے اُمّ مظلوم برپا کرنا دکھایا گیا ہے۔ اور بہت سی ایسی باتیں اور واقعات ہیں جن کا تصور اُس سن و سال میں ناممکن ہے۔ وہ خواب بھی جناب فاطمہؓ الاوسط عرف زینب علیہا السلام نے دیکھا اور سنایا تھا۔ اور وہ خواب جناب سکینہؓ علیہا السلام کے انتقال کے کئی ماہ بعد دیکھا گیا تھا۔ مگر حضرت سکینہؓ کو ربائی کے وقت زندہ دکھانے کی ناہنجار غرض سے زینبؓ کی جگہ سکینہؓ سے منسوب کر دیا گیا۔ خدا دروغ بافوں پر لعنت کرتا رہے آمین۔

(ز)۔ وہ خواب جو جناب زینبؓ یا ام کلثومؓ نے دیکھا اور سکینہؓ سے منسوب کیا گیا

یہاں یہ ضروری ہے کہ وہ خواب بھی مومنین کے سامنے آجائے جو ہمارے علما نے تین سال کی بچی حضرت سکینہؓ کے نام سے برابر لکھا اور لکھتے چلے آئے اور قدیم و جدید تمام کتابوں میں سکینہؓ کا خواب مشہور ہے۔ چنانچہ ہم اس خواب کی عربی عبارت کے ساتھ ساتھ علامہ محمد باقر مجلسیؒ کی کتاب بحار الانوار کا جزائری ترجمہ بھی لکھیں گے۔ اور مومنین یہ فیصلہ کریں گے کہ اُس خواب میں خواب دیکھنے

والی ایک تین سال کی بچی ہونا چاہئے یا ایک نہایت عاقلہ بالغہ اور عالمہ عورت ہونا چاہئے؟ یہ حقیقت ذہن میں رکھئے کہ کسی آدمی کو کوئی ایسی چیز یا حال یا واقعہ خواب میں ہرگز نہیں آ سکتا جب تک اُس چیز، اُس حالت یا اُس واقعہ کا تصور پہلے سے ذہن میں نہ ہو۔ مومنین خواب سیں۔

وفی بعض الروایات المعتبرة أنَّ سَكِينَةَ بنت الحسینِ قَالَتْ یَا یزید رَأِیتُ البَارِحَةَ رَوِیَا إِنَّ سَمِعْتُهَا مِنِّی قِصَصُهَا عَلَیْكَ؟ فَقَالَ یزید هَاتِی مَا رَأِیتِ۔ قَالَتْ بَیْنَمَا أَنَا سَاهِرَةٌ وَقَدْ كَلَلْتُ مِنَ الْبُكَاءِ بَعْدَ أَنْ صَلَّیْتُ وَدَعَوْتُ اللَّهَ بِدَعَوَاتٍ فَلَمَّا رَقَدْتُ عَیْنِی رَأِیتُ أَبْوَابَ السَّمَاءِ قَدْ تَفْتَحَتْ وَإِذَا أَنَا بِنُورٍ سَاطِعٍ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وَإِذَا أَنَا بِوَصَائِفٍ مِنَ الْوَصَائِفِ الْجَنَّةِ وَإِذَا أَنَا بِرُوضَةِ الْخَضِرَاءِ فِي تِلْكَ الرُّوضَةِ قَصْرٌ وَإِذَا أَنَا بِخَمْسٍ مِثَالِیخٍ یَدْخُلُونَ إِلَى ذَلِكَ الْقَصْرِ وَعِنْدَهُمْ وَصِیفٌ فَقُلْتُ یَا وَصِیفُ أَخْبِرْنِی لِمَنْ هَذَا الْقَصْرُ؟ فَقَالَ هَذَا لِأَبِیْكَ الْحُسَیْنِ اعْطَاهُ اللَّهُ تَعَالَى ثَوَابًا بِالصَّبْرِ فَقُلْتُ وَمَنْ هَذِهِ الْمِثَالِیخُ؟ فَقَالَ أَمَّا الْأُولَى فَآدَمُ أَبُو الْبَشَرِ وَأَمَّا الثَّانِی فَنُوحٌ وَأَمَّا الثَّلَاثُ فَإِبْرَاهِیمُ خَلِیلُ اللَّهِ وَأَمَّا الرَّابِعُ فَمُوسَى کَلِیمُ اللَّهِ۔ فَقُلْتُ لَهُ وَمِنْ الْخَامِسِ الَّذِی أَرَاهُ قَابِضًا عَلَى لِحَیَّتِهِ بِأَکْثَرِ حَزْنٍ مِّنْ بَیْنِهِمْ؟ فَقَالَ یَا سَكِينَةُ أَمَّا تَعْرِفِیهِ؟ فَقُلْتُ لَا۔ فَقَالَ هَذَا جَدُّكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ۔ فَقُلْتُ لَهُ إِلَى أَيْنَ یُرِیدُ وَنَ؟ فَقَالَ إِلَى أَبِیْكَ الْحُسَیْنِ فَقُلْتُ وَاللَّهِ لَا لِحَقِّنْ جَدِّی وَخَبِرْهُ بِمَا جَرَى عَلَیْنَا فَسَبَقْنِی وَلَمْ الْحَقُّهُ۔ فَبَیْنَمَا أَنَا مُتَفَكِّرَةٌ وَإِذَا بِجَدِّی عَلِیِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَبِیَدِهِ سِیْفٌ وَهُوَ وَاقِفٌ فَنَادَیْتُهُ یَا جَدَّاهُ قَتَلَ وَاللَّهِ ابْنُکَ مِنْ بَعْدِکَ فَبُکِی وَضَمَّنِی إِلَى صَدْرِهِ وَقَالَ یَا بَنِیَّةَ صَبْرًا وَبِاللَّهِ الْمُسْتَعَانِ ثُمَّ إِنَّهُ مَضَى وَلَمْ أَعْلَمْ إِلَى أَيْنَ فَبَقِیْتُ مُتَعَجِبَةً کَیْفَ لَمْ أَعْلَمْ بِهِ فَبَیْنَمَا أَنَا کَذَلِكَ إِذَا بِبَابٍ قَدْ فَتَحَ مِنَ السَّمَاءِ وَإِذَا بِالْمَلَأِئِکَةِ یَصْعَدُ وَنَ وَیَنْزِلُونَ عَلَى رَأْسِ أَبِي قَالَ فَلَمَّا سَمِعَ یَزِیدُ ذَلِكَ لَطَمَ عَلِیٌّ وَجْهَهُ فَبُکِی فَقَالَ مَالِی وَلَقَتْلُ الْحُسَیْنِ۔ وَفِی رِوَايَةٍ أُخْرَى أَنَّ سَكِينَةَ قَالَتْ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَیَّ رَجُلٌ دَرَى اللَّوْنُ قَمَرِی الْوَجْهَ حَزِینَ الْقَلْبَ فَقُلْتُ لِلْوَصِیفِ مَنْ هَذَا فَقَالَ جَدُّكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ فَدَنُوْتُ وَقُلْتُ لَهُ یَا جَدَّاهُ قَتَلْتَ وَاللَّهِ رَجُلَانَا وَسَفَكْتَ وَاللَّهِ دِمَانَنَا وَهَتَكْتَ وَاللَّهِ حَرِیمَنَا وَحَمَلْنَا عَلِیَّ الْاِقْتَابَ مِنْ غَیْرِ وَطَاءَ نَسَاقَ إِلَى یَزِیدَ فَأَخَذَنِی إِلَیْهِ وَضَمَّنِی إِلَى صَدْرِهِ ثُمَّ أَقْبَلَ إِلَى آدَمَ وَنُوحَ وَإِبْرَاهِیمَ وَمُوسَى وَعِیْسَى ثُمَّ قَالَ لَهُمْ أَمَّا تَرَوْنَ إِلَى مَا صَنَعْتُ أَمْتِی بَوْلَدِی مِنْ بَعْدِی؟ ثُمَّ قَالَ الْوَصِیفُ یَا سَكِينَةُ أَخْفِضِی صَوْتِکَ فَقَدْ أَبْکِیْتُ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَآلِهِ ثُمَّ أَخَذَ الْوَصِیفُ بَیْدِی وَأَدْخَلَنِی الْقَصْرَ فَذَا بِخَمْسِ نِسْوَةٍ قَدْ عَظَّمَهُ اللَّهُ تَعَالَى خَلْقَهُنَّ وَزَادَ فِی نُورِهِنَّ وَبَیْنَهُنَّ امْرَأَةً عَظِیمَةَ الْخَلْقَةِ نَاشِرَةً شَعْرَهَا وَعَلِیْهَا ثِیَابٌ سَوْدٌ وَبَیْدُهَا قَمِیصٌ مَضْمُخٌ بِالْذَمِّ وَإِذَا قَامَتْ یَقْمُنُ مَعَهَا وَإِذَا جَلَسَتْ یَجْلِسُنَ مَعَهَا۔ فَقُلْتُ لِلْوَصِیفِ مَنْ هَؤُلَاءِ النِّسْوَةُ الَّتِی قَدْ عَظَّمَهُ اللَّهُ خَلْقَهُنَّ فَقَالَ یَا سَكِينَةُ هَذِهِ حَوَّاءُ أُمُّ الْبَشَرِ وَهَذِهِ مَرْیَمُ بَنْتُ عِمْرَانَ وَهَذِهِ خَدِیجَةُ بَنْتُ خُوَیْلِدٍ وَهَذِهِ هَاجِرَةُ وَهَذِهِ سَارَةُ وَهَذِهِ الَّتِی بَیْدُهَا قَمِیصٌ مَضْمُخٌ بِالْذَمِّ وَإِذَا قَامَتْ یَقْمُنُ مَعَهَا وَإِذَا جَلَسَتْ یَجْلِسُنَ مَعَهَا هِیَ جَدَّتُکَ فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ فَدَنُوْتُ مِنْهَا وَقُلْتُ لَهَا یَا جَدَّتَا هَا وَاللَّهِ قُبِّلَ أَبِی وَایْتَمْتُ عَلَى صَغَرِ سِنِی فَضَمَّنِی إِلَى صَدْرِهَا وَبُکْتُ شَدِیدًا وَبُکِیْنَ النِّسْوَةُ کُلَّهِنَّ وَقَلْنَ لَهَا یَا فَاطِمَةُ یَحْکُمُ اللَّهُ بَیْنِکَ وَبَیْنَ یَزِیدَ یَوْمَ الْفَصْلِ ثُمَّ إِنَّ یَزِیدَ تَرَکَهَا وَلَمْ یَعْبَأْ بِقَوْلِهَا۔“ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 535 تا 536)۔ علامہ جزائری ترجمہ شروع فرماتے ہیں کہ:-

”منقول ہے کہ سَکِینَةُ دختر امام حسین علیہ السلام نے یزید سے کہا کہ میں نے رات کو ایک خواب دیکھا ہے اگر تو سُننے تو بیان کروں۔ کہا بیان کر۔ سَکِینَةُ نے کہا کہ شب کو بعد فراغ نماز میں نے دعائیں پڑھیں اور بہت روئی اور خستہ ہوئی۔ ذرا آنکھ لگی کہ میں نے دیکھا کہ گویا آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اور ایک نور آسمان سے زمین پر پہنچا ہے۔ اور حورانِ جنت اُتری ہیں۔ اور ایک باغِ خرم

و ترازو وہاں ہے۔ اُس کے درمیان ایک قصر (محل) ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ پانچ بزرگوار اس مکان میں داخل ہوئے ہیں۔ اُن کے ساتھ ایک خادم ہے۔ میں نے پوچھا یہ قصر کس کا ہے؟ اُس نے کہا کہ تیرے باپ حسینؑ کا۔ حق تعالیٰ نے اُن کو اُن کے صبر کے عوض میں بے شمار درجات عطا فرمائے ہیں۔ میں نے کہا یہ بزرگوار کون ہیں۔ کہا اَوَّلِ آدَم صغی اللہ دوسرے نوحؑ نبی اللہ تیسرے ابراہیمؑ خلیل اللہ چوتھے موسیٰؑ کلیم اللہ۔ میں نے پوچھا پانچویں بزرگ کون ہیں۔ جو اپنے محاسن ہاتھ میں لئے ہوئے غمگین و محزون ہیں۔ اور گریہ و نالہ کرتے ہیں۔ کہا اے سکینہؑ تم اُن کو نہیں جانتی ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ کہا یہ تمہارے جد (دادا) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ ہیں۔ میں نے کہا یہ سب بزرگوار کہاں جاتے ہیں؟ کہا تمہارے باپ حسینؑ کے پاس جاتے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ جدِ عالی کے پاس جا کر اپنا حال احوال بیان کروں گی۔ پس وہ حضرت آگے چلے گئے اور میں نہ پہنچ سکی۔ اور متفکر ہوئی۔ اسی اثناء میں اپنے جد علیؑ ابن ابی طالبؑ کو میں نے دیکھا کہ ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے کھڑے ہیں۔ میں نے فریاد کی کہ یا جدِ اہ میرے باپ آپ کے بعد قتل کر ڈالے گئے۔ پس حضرت بہت روئے اور مجھ کو سینہ سے لگایا اور کہا اے بیٹی صبر شکیبائی (برداشت) اختیار کر اور مدد و اعانت جناب احدیت کی جانب سے ہے۔ پھر تشریف لے گئے اور میں نہ جانتی تھی کہ کہاں جاتے ہیں؟ پس میں متعجب کھڑی رہی۔ ناگاہ آسمان کے دروازے کھلے اور میں نے دیکھا کہ فرشتے میرے باپ کے سرانور پر اتر رہے ہیں۔ اور اوپر جا رہے ہیں۔ راوی کہتا ہے۔ یزید پلید نے جب یہ جگر سوز خواب سنا تو اپنے منہ پر طمانچہ مارنے لگا۔ ظالم کہتا تھا میں نے حسینؑ کو کیوں قتل کیا۔ اور ایک روایت میں یوں وارد ہے کہ سکینہؑ نے کہا بعدہ میرے سامنے ایک بزرگوار آئے جن کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ میں نے خادم سے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا تمہارے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ہیں۔ میں نے حضرت کے قریب جا کر عرض کیا کہ یا جدِ اہ قسم بخدا کہ ہمارے مردوں کو قتل کیا گیا اور ہمارے خون بہائے گئے اور ہماری حرمت (عزت) ضائع کی گئی۔ اور شتران بے کجا وہ پر ہم کو سوار کیا گیا اور یزید کے پاس لے گئے۔ پس حضرت نے مجھے اٹھا کر سینے سے لگایا اور آدَم و نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا دیکھتے ہو کہ میری امت نے میرے فرزند کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کیا۔ بعد ازاں اس خادم نے کہا اے سکینہؑ فریاد و فغان کم کر کہ تو نے رسول اللہ کو رالایا۔ پھر خادم میرا ہاتھ پکڑ کر قصر میں لے گیا۔ وہاں میں نے پانچ پیماں باوقار و حشمت دیکھیں جن کے چہروں سے نور ساطع تھا۔ اُن کے درمیان ایک خاتون بزرگ صاحب شکوہ و تجل بال پریشان کئے سیاہ کپڑے پہنے تھیں۔ اُن کے ہاتھ میں ایک خون بھرا کرتہ تھا۔ جس وقت وہ بی بی کھڑی ہوتی تھیں۔ سب پیماں کھڑی ہو جاتی تھیں۔ میں نے خادم سے پوچھا کہ یہ پیماں کون ہیں؟ اس نے کہا اے سکینہؑ یہ حواء ام البشر ہیں۔ اور یہ مریم دختر عمران ہیں اور یہ خدیجہ دختر خویلد ہیں اور یہ ہاجرہ اور یہ سارہ ہیں۔ اور وہ جو کرتہ خون آلود ہاتھ میں لئے ہیں جن کے بیٹھنے سے سب پیماں بیٹھ جاتی ہیں۔ اور کھڑے ہونے سے سب کھڑی ہو جاتی ہیں۔ وہ تمہاری دادی فاطمہؑ زہرا سیدہ عالم ہیں۔ پس میں اُن کے نزدیک گئی اور کہا اے دادی بخدا میرے باپ قتل ہوئے اور میں اس کم سنی میں یتیم ہو گئی۔ پس انہوں نے مجھے چھاتی سے لگایا اور دھاڑیں مار مار کر روئیں۔ اور سب عورتیں روئیں۔ اور سب نے کہا اے فاطمہؑ حق تعالیٰ تمہارے اور یزید کے درمیان بروز جزا حکم کرے گا۔ لکھا ہے یزید نے اس خواب کی کچھ اعتنائی نہ کی۔“ (ترجمہ بحار۔ حصہ دوم صفحہ 80 تا 82)

(ح)۔ خواب دیکھنے والی خاتون عہدِ مرقصیٰ میں کم از کم تین چار سال کی ہونا لازم ہے

اس خواب پر کسی خاص تنقید اور چھان پھٹک کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے اندر جہاں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کا ایک تین سال کی بچی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً نمازِ شب بجالانا اور نماز کے بعد تعقیبات یعنی دعائیں اور مناجاتیں پڑھنا اور تنہا مصلے پر رہنا وغیرہ۔ ان کے علاوہ اُن کا حضرت علی علیہ السلام کو دیکھتے ہی بلا کسی سے دریافت کئے پہچان لینا۔ سب سے بڑی دلیل ہے کہ وہ خاتونِ حضرت علی علیہ السلام کے سامنے پیدا ہوئی ہو اور کافی عرصے تک حضورؐ کو دیکھتی رہی ہو۔ اور حضرت کی شہادت (40 ہجری) کے وقت کم از کم تین سال کی ہو۔ بہر حال حضرت سکینہؓ کا نام اہل غرض اور موقعہ شناسوں نے گھسا دیا ہے۔ مگر اُن کو چاہئے تھا کہ حضرتؐ کو دیکھتے ہی پہچاننے والا جملہ بھی نکال دیتے تو شاید کچھ بات بن جاتی۔ فی الحال یہ روایت اور یہ خواب حضرت زینبؓ و ام کلثومؓ و ازواجِ امام حسینؑ علیہم السلام کے علاوہ کسی اور عورت سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ رہ گئیں حضرت سکینہؓ علیہا السلام اُن کی عمر اور حالت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ رات کو اپنی پھوپھی یا کسی اور بزرگ خاتون کی گود یا آغوش میں ہوں۔ اور جب بزرگ خواتین نمازِ شب کے لئے اُنھیں تو بڑی احتیاط کے ساتھ بی بی سکینہؓ سے جدا ہوں تاکہ بچی گھبرا کر بیدار نہ ہو جائے۔ اس کم سنی میں یہ تو ہوتا ہے کہ دن کی نمازوں میں بچے یا بچی بھی بزرگوں کی مدد سے وضو کر کے اُسی مصلے پر آئیں اور ساتھ ساتھ نماز کی نقل بھی کرتے رہیں ادھر ادھر بھی دیکھتے رہیں۔ اور باتیں اور سوالات بھی کرتے جائیں اور سجدہ میں جانے کے بجائے اپنے بزرگ کی پشت پر سوار ہو جائیں اور گلے میں بانہیں ڈال کر گرفت مضبوط کر لیں اور بات یہاں تک بڑھے کہ جبرائیلؑ نازل ہوں اور بچہ کی طرف داری کی جائے۔ یہ بچے تو خود مجسم نماز ہوتے تھے اور اُن کی دیکھ بھال کرنا اُن کی ضد پوری کرنا اور اُن کی خوشی اور رضا مندی حاصل کرنا نماز سے کہیں بڑی عبادت تھی۔ اُن بچوں کی ہر نقل و حرکت اٹھنا بیٹھنا کھیلنا اور ہنسا اور رونا خود عبادت تھی۔ یہ ایک مجتہدانہ حماقت ہے کہ تین سال کی مجسم نماز بچی کو خلاف قوانین شریعت و فطرت نمازِ شب اور تعقیبات میں لگا دے۔ اس خواب میں کئی ایک ایسے الفاظ ہیں کہ جن کا مفہوم و معنی مجتہد حضرات آج تک خود نہیں سمجھتے۔ مثلاً لفظ نور کے متعلق جو کچھ مجتہدین نے کہا ہے۔ اُسے اگر ایک جگہ جمع کر لیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ چند خانے میں چندافینی نشہ میں بکواس کر رہے ہیں۔ مثلاً اگر سمندر میں آگ لگ جائے تو مچھلیاں کیا کریں گی؟ ارے مقلدِ حضرات وہ سب درختوں پر چڑھ جائیں گی۔ مچھلیاں کوئی گائے بھیسن تو نہیں ہوتیں کہ وہ سمندر میں آگ لگنے کے بعد درختوں پر چڑھ جائیں؟

مومنین یہ سمجھ لیں کہ حضرت سکینہؓ علیہا السلام کے رونے اور اہل حرمؓ میں کہرام مچا ہوجانے کے بعد نہ صرف پبلک میں ہیجان پیدا ہوا اور لوگ چاروں طرف سے دوڑے چلے آئے اور اس نئے زندان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ بلکہ قصرِ بزید میں بھی ایک خاموش و خطرناک ہنگامہ تھا۔ جیل کے قیدیوں میں بے چینی پھیل گئی تھی۔ اگر کر بلا سے آنے والی افواج اور سرداران لشکر گوشِ براواز نہ ہوتے اور فوراً گلی کو چوں میں نہ پھیل جاتے تو آج زندانِ شام منہدم کر دیا جاتا، تمام نئے پرانے قیدی آزاد کرالئے گئے ہوتے۔ اور ایک ہمہ گیر انقلاب آج ہی اُٹھ کھڑا ہوتا۔ مگر افواج کی اور خصوصاً اُن افواج کی قوتِ قاہرہ پبلک کی راہ میں حائل تھی جو خود بزید کے جرم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی مجرم تھیں۔ سردارانِ فوج جانتے تھے کہ اگر انقلاب آیا تو سب سے پہلے اُن کا تکتہ بوٹی اڑا دیا جائے گا۔ اور اُن پر کسی طرح

رحم نہ کیا جائے گا۔ اس لئے وہ دس گیارہ ماہ سے دن رات شہر کی ناکہ بندی کئے پڑے تھے۔ اور یزید کی سول انتظامیہ کے ساتھ مل کر ہر آواز کو بلند ہونے سے پہلے ہی دبا رہے تھے۔ پبلک کوٹھنڈا رکھنے کے لئے طرح طرح کے عنوانات اور بہانوں سے روپیہ پانی کی طرح بہایا جارہا تھا۔ مگر لوگوں کے چہروں اور حرکات و سکنات سے نفرت کے شعلے نکلتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اور یہ سب حالات و احساسات یزید کے کانوں تک پہنچ کر اُسے دیوانہ کر دینے میں مصروف تھے۔ بہر حال ننھی بچی دفن کر دی گئی۔ اور دمشق میں ایک بے آواز ماتم ادھر سے اُدھر تک پھیلتا چلا گیا۔ ملا اعلیٰ سے لے کر فضائے دنیا تک سوزِ غم کی امواج کا تلاطم برپا تھا۔ ملائکہ، جنات اور عالم ارواح میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ اور ہر زبان پر اُس ننھی بچی کا اُس باپ کی پیاری بیٹی کا نام تھا۔ حضرت سکینہؓ کے بے زبان احساسات کو ہر زبان اپنے الفاظ میں بیان کر رہی تھی۔ ہر طرف بین اور نوحوانی ہو رہی تھی۔ دمشق میں بغاوت منع تھی۔ لیکن ماتم اور نوحوہ ابھی جرم نہ تھا۔ ماتم تو خود یزید کے محل میں بھی پہنچ چکا تھا۔ وہ مسلمان یزید سے بدتر لوگ ہیں جو ماتم، جلوس ماتم یا عزا داری کو روکنا چاہتے ہیں۔ یزید نے جس دل سے بھی سہی، اپنی زوجہ سے کہا تھا کہ:- ”فَاغُولِي عَلَيْهِ يَاهُنْدُ وَأَبْكِي عَلَى ابْنِ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ.....“

”اے ہندو! رسول اللہ کی بیٹی کے فرزند کے ماتم اور عزا داری میں جی کھول کے غم مناؤ آہ و فریاد کرو۔ خدا ابن زیاد کو تباہ کرے اُس نے قتل حسینؑ میں عجلت سے کام لیا۔“ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 540)

(2)۔ یزید کی قوت جواب دے رہی ہے؛ حکومت و اقتدار کی بنیاد ہل رہی ہے، ہند سے سُنئے

آج اسیران اہل حرم کو دمشق میں آئے ہوئے نو دس ماہ گزر چکے ہیں۔ دارالموت سے رہائی کے بعد زندانِ شام میں رہتے ہوئے بھی تین ماہ کے قریب ہو چکے ہیں۔ یزید کی ہر پالیسی اور ہر تشدد و ظلم و ستم پلٹ کر یزید کے خلاف حملہ آور ہو چکا ہے۔ اور اسے اس دوران بار بار یہ ماننا پڑا ہے کہ اُسے اور اُس کے بزرگوں کے پچاس سالہ نظامِ حکومت کو حسینؑ کے سامنے شکست فاش ہوئی ہے۔ اور وہ تباہی کے دہانہ پر لا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اُس کے شب و روز کیسے گزرتے ہیں؟ اُس کا صحیح پتہ؟ اُس کے خلوت نشینوں یا ازواج ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ سُنئے اُس کی سب سے پیاری ملکہ کی زبانی کل رات کی بات سُنئے:-

وفي البحار الانوار ونقل عن هند زوجة يزيد قالت كنت اخذت مضجعي فَرَأَيْتُ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ قَدْ فَتَحَتْ وَالْمَلَائِكَةُ يَنْزِلُونَ كَتَّائِبَ كَتَّائِبٍ إِلَى رَاسِ الْحُسَيْنِ وَهُمْ يَقُولُونَ السَّلَامَ عَلَيْكَ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ السَّلَامَ عَلَيْكَ يَا بَنِي رَسُولِ اللَّهِ - فَبَيْنَمَا أَنَا كَذَلِكَ إِذَا نَظَرْتُ إِلَى سَحَابَةٍ قَدْ نَزَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ وَفِيهَا رِجَالٌ كَثِيرُونَ وَفِيهِمْ رَجُلٌ دَرَى اللَّوْنُ قَمَرِي الْوَجْهَ فَاقْبَلْتُ حَتَّى انْكَبْتُ عَلَى ثَنَائِيَا الْحُسَيْنِ بِقَبْلِهِمَا وَهُوَ يَقُولُ يَا وَلَدِي قَتْلُوكَ وَهُمْ مَا عَرَفُوكَ وَمِنْ شَرِبِ الْمَاءِ مَنَعُوكَ يَا وَلَدِي أَنَا جَذَكَ رَسُولُ اللَّهِ وَهَذَا ابُوكَ عَلِيٌّ الْمُرْتَضَى وَهَذَا اخُوكَ الْحَسَنُ وَهَذَا عَمَّكَ جَعْفَرٌ وَهَذَا عَقِيلٌ وَهَذَا حَمْرَةٌ... - ثُمَّ جَعَلَ لِعَدَا هَلْ بَيْتَهُ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ - قَالَتْ هِنْدُ فَانْتَبَهْتُ مِنْ نَوْمِي فَرَعَا مَرْعُوبَةً فَإِذَا بَنُو رَسُولِ اللَّهِ قَدْ انْتَشَرُوا عَلَى رَأْسِ الْحُسَيْنِ فَجَعَلْتُ أَطْلُبُ يَزِيدَ فَإِذَا هُوَ قَدْ دَخَلَ إِلَى بَيْتِ مُظْلَمٍ وَقَدْ دَارَ وَجْهَهُ إِلَى الْحَائِطِ وَهُوَ يَقُولُ مَالِي وَلَقِيتُ الْحُسَيْنَ وَقَدْ وَقَعَتْ عَلَيْهِ الْهَمُومُ فَقَصَصْتُ عَلَيْهِ الْمَنَامَ وَهُوَ مَنَكَسَ الرَّاسَ - قَالَ فَلَمَّا أَصْبَحَ اسْتَدْعَى بِحَرَمِ رَسُولِ اللَّهِ فَقَالَ لَهُنَّ أَيُّمَا أَحَبَّ إِلَيْكُنَّ الْمَقَامُ عِنْدِي أَوِ الرَّجُوعُ إِلَى الْمَدِينَةِ؟ (أكسیر العبادات - صفحہ 541)

علامہ مجلسی نے بھی بحار الانوار میں یزید کی زوجہ ہند کی زبانی لکھا ہے۔ وہ کہتی تھی کہ میں اپنے سونے کے کمرے میں پلنگ پر جا چکی تھی کہ کیا دیکھتی ہوں کہ آسمان کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ملائکہ غول درغول اتر رہے ہیں اور امام حسینؑ کے سر کے پاس آ کر یوں سلام کر رہے ہیں کہ سلام ہو تم پر اے علیؑ اصغر کے بابا اور سلام ہو تم پر اے رسولؐ خدا کے بیٹے۔ میں یہ سلام دیکھنے میں مصروف تھی کہ اتنے میں آسمان سے ایک بادل ایسی چیز زمین پر اتر آئی اور اُس کے اندر بہت سے لوگ تھے۔ اور اُن میں سے ایک شخص تو ازسرتا پانور مجسم اور چاند ایسے چہرہ والا تھا۔ چنانچہ یہ شخص آگے بڑھا جھکا اور حسینؑ کے دانتوں پر بوسہ دیا اور کہا کہ اے بیٹے ان لوگوں نے تمہیں اور تمہارے حق کو نہ مانا اور تمہیں قتل کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ تم پر پانی بھی بند رکھا گیا۔ سنو بیٹے میں تمہارا نانا ہوں معذرت اور تمہیں خوش کرنے آیا ہوں اور دیکھو میرے ساتھ یہ تمہارے والد علیؑ بھی موجود ہیں۔ یہ دیکھو حسنؑ تمہارے بھائی بھی آئے ہیں۔ یہ تمہارے چچا جعفرؑ اور یہ عقیلؑ اور یہ حمزہؑ بھی آئے ہیں۔ پھر اپنے اہلبیتؑ میں سے ہر ایک کا نام بتاتے رہے۔ ہند کہتی ہے کہ نیند سے ہوشیار ہوئی تو رعب کے مارے بہت بے چین تھی کہ اتنے میں امام حسینؑ کے سر پر ایک ٹور چھا گیا۔ میں نے ایسے خوفناک عالم میں یہ چاہا کہ یزید یہاں ہوتا تو ٹھیک ہوتا۔ میں نے یزید کو تلاش کرنا شروع کیا تو دیکھا کہ وہ ایک اندھیرے کمرہ میں دیوار کی طرف منہ کئے بیٹھا ہے اور کہہ رہا ہے کہ بھلا مجھے قتل حسینؑ سے کیا ملا؟ اور اُس کے اوپر رنج و خوف و تاسف کا ہجوم تھا۔ اسی حالت میں میں نے اسے اپنا خواب سنایا اور وہ منتار ہا اور سر جھکائے بیٹھا رہا۔ راوی کہتا ہے کہ جب یزید نے صبح کی تو حرم رسولؐ کو بلوایا۔ اور اُن سے کہا کہ تم یہاں میرے پاس رہنے اور مدینہ جانے میں سے جو بات پسند کرو بتا دینا میں تمہاری مرضی کے مطابق عمل کروں گا۔ (ترجمہ جزائری بحار حصہ دوم صفحہ 82 تا 83)

مومنین دیکھیں کہ امام حسین علیہ السلام اور اُن کے انصار علیہم السلام نے اپنی قربانی سے جو سامان پیش کیا تھا اہل حرمؑ نے اُسے نہایت صبر و استقلال سے استعمال کیا۔ اور دنیا کی سب سے ظالم و جابر و بے رحم و بے غیرت و بے دین خلافت و امارت کی چولیس ہلا دیں۔ کسی کے سامنے نہ ہاتھ پھیلا یا نہ خوشامد کی بلکہ یزید اور بزرگان یزید پر شدید ترین تنقید کی۔ اُس کے خاندان، اُس کے اجتہادی مذہب اور اُس کے کافرانہ عقائد کی بھرے درباروں میں، بازاروں میں، چوراہوں پر، ہر جگہ سخت مذمت کی اور آخر اپنا حق پر ہونا اور قومی حکومت کے مذہب کا باطل ہونا ثابت کر دیا۔ اور رفتہ رفتہ یزید کو سر جھکانے پر مجبور کر دیا۔ اُسے اپنی ازواج، بیٹیوں اور بہنوں کے سر کھلے دیکھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ دربار میں اُس کی زوجہ برہنہ سر آئی۔ اُس کی مذمت کی، اُس پر لعنت بھیجی، اُس کے باپ دادا کو ملعون قرار دیا۔ ایک دن وہ قتل کراتے کراتے بھی تھک گیا۔ اب اُس کے اپنے سر پر ذوالفقار لنگتی نظر آ رہی تھی۔ وہ خود کو اور اپنی ازواج اور بیٹیوں اور بہنوں اور بچوں کو قید میں محسوس کر رہا تھا۔ وہ اندازہ لگا رہا تھا کہ اگر انقلاب اُٹھ کھڑا ہوا تو زندوں کو جلا دیا جائے گا۔ اور اس کے باپ دادا کی ہڈیاں نکال کر جلائی جائیں گی۔

(3)۔ دوسرے قید خانہ سے رہائی لیکن دمشق کے اندر اندر نظر بندی

ملک شام میں عموماً اور شہر دمشق میں خصوصاً جو نفرت و اشتعال پھیل گیا تھا اُس کو ٹھنڈا کرنے کے لئے یزید نے اسیران اہل حرمؑ کو دوسرے زندان سے بھی آزاد کرنا طے کر لیا۔ چنانچہ جب ہند نے خواب دیکھا اور گھبرا کر یزید کی تلاش کرتی ہوئی اُس اندھیرے کمرہ میں

پہنچی جہاں وہ تنہا بیٹھا ہوا اور پچھتاہوا دیکھا گیا تھا۔ بات درحقیقت یہ تھی کہ اُس نے بھی اُسی رات اور اُسی دوران خواب دیکھا تھا جب اس کی زوجہ خواب میں قدرت پروردگار کو دیکھ رہی تھی۔ اُس خواب کے بعد غالباً یزید کو مواخذہ کے لئے اُس کمرہ میں بلایا گیا تھا جس میں ہند نے اُس کو دیکھا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مواخذہ اور باز پرس کرنے والی ہستی دیوار کے قریب جلوہ فرما تھی۔ اور یزید اُن کے سامنے جوابدہی کے لئے بیٹھا جواب دینے میں مصروف تھا کہ اوپر سے ہند اس کی زوجہ تلاش کرتی ہوئی آنکلی اور یزید کو دیوار کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھا پایا۔ اگر وہ مواخذہ کرنے والی ہستی کو دیکھ پاتی تو اُسے تعجب نہ ہوتا۔ اس توجیہ کے علاوہ یزید کے اس طرح بیٹھنے کے اور کوئی معنی و مقصد نہیں ہو سکتا خصوصاً جب کہ کمرہ میں اندھیرا بھی ہو تو شدتِ انفعال و تاسف یا خوف میں جدھر چاہے منہ کر کے بیٹھے۔ اندھیرا ہے کوئی دیکھنے والا نہیں، پھر رات ہے، دنیا سوری ہے۔ پھر یہ تاسف یا جو کچھ بھی تھا وہ اپنے سونے کے کمرہ میں کر سکتا تھا۔ سبب وہی ہے کہ اُس ملعون کو دوسرے کمرہ میں مواخذہ کے لئے حکمیہ گھسیٹ کر پیش کیا گیا۔ اور جب ہند نے اپنا خواب سنا دیا تو سر جھکائے سنتا رہا اور صبح ہونے کا منتظر رہا۔ صبح کا حال علامہ محمد باقر سے سنئے:-

وقال فی البحار بعد ذکر قضیۃ رویا ہند زوجۃ یزید قال الراوی فلما أصبح استدعى بحرم رسول الله فقال لهن ایما احب الیكن المقام عندی أو الرجوع الی المدینة ولكم الجائزة السنیة قالوا نحبّ أو لا ننوح علی الحسین۔ قال افعلوا ما بدا لکم۔ ثم أُخْلِیَتْ لهنّ الحجر والبیوت فی دمشق۔ فلم تبق هاشمیة ولا قرشیة إلا لبست السواد علی الحسین وندبوه علی نقل سبعة ایام لبلیالها فلما کان الیوم الثامن دعا هن یزید واعرض علیهن المقام فابین و ارادوا الرجوع الی المدینة۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 543-544)

کتاب بحار الانوار میں لکھا ہے کہ جب یزید کی زوجہ نے اپنا خواب اور پیش آمدہ حالات سنا دیئے اسکے بعد راوی کہتا ہے کہ جب یزید نے مذکورہ حالت میں صبح کی تو رسول اللہ کے اہلبیت کی مستورات وغیرہ کو بلایا اور اُن کے سامنے دونوں صورتیں رکھ دیں۔ خواہ دمشق میں میرے ہم رتبہ لوگوں کی طرح آباد ہو جاؤ اور میں کفالت کروں یا مدینہ واپس چلے جاؤ۔ میں دونوں صورتوں میں راضی ہوں۔ اہل حرم نے جواب دیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے سید الشہداء اور انصاران حسین اور خاندان رسول کے مقتولین کیلئے مجلسِ نوحہ و مرثیہ قائم کریں۔ یزید نے کہا آپ جس طرح دل چاہے عزاداری حسین قائم کریں اس کے بعد یزید نے دمشق میں بہت سے مکانات اور کمرے خالی کرادیئے اور اہلبیت کو وہاں ٹھہرایا۔ چنانچہ دمشق میں آباد کوئی قریشی عورت اور ہاشمی عورت ایسی باقی نہ رہی جس نے سید الشہداء کے سوگ میں کالا لباس نہ پہنا ہوا اور عزاداری میں شریک نہ رہی ہو۔ اور غم حسین میں ذکر کری، بین اور نوحہ و مرثیہ نہ پڑھا ہو۔ یہی صورت حال سات دن اور رات مسلسل جاری رہی، صف ماتم پچھی رہی اور غم شہداء منایا جاتا رہا۔ یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ آٹھویں روز یزید نے پھر اہلبیت کو بلایا اور دمشق میں آباد ہونے کی درخواست کی مگر انہوں نے دمشق میں ٹھہرنے سے انکار کیا اور واپسی ہی کو پسند کیا۔“

(ترجمہ بحار حصہ دوم صفحہ 83 بھی)

(الف)۔ ہمیں بھی کچھ کہنا ہے

ہمیں صرف اس قدر کہنا ہے کہ وہ علما جو دمشق میں قید کے زمانہ کو پندرہ روز زیادہ سے زیادہ (اچھے علما) اور تین چار روز کم سے کم

(ناہنجار علما) مانتے ہوں انہوں نے جہاں انہیں کسی روایت میں رہائی کی ہو آئی فوراً ادھر ادھر سے کسی روایت کا ایک ٹکڑا اٹھا کر آخری رہائی ثابت کرنے کی کوشش کرنے میں کمی نہیں کی۔ حالانکہ یزید محض حالات کو سنوارنے کے لئے رہائی سے متعلق کچھ کہہ دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ابتدا ہی میں اُس نے امام زین العابدین علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ کسی کو وصیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم خود ہی اہل حرم کو مدینہ لے کر جاؤ گے۔ یہ جملہ اُس ملعون نے بارہا کہا۔ یعنی وہ رہائی کا لالچ دیتا اور درباری لوگوں کو مطمئن ہو کر اُٹھنے اور لوگوں میں یہ پروپیگنڈا کرنے کے لئے کہتا تھا کہ بھائیو یزید وعدہ کر چکا ہے۔ لہذا امام قتل کا خطرہ نہیں ہے۔ حالانکہ وہ بات بات میں قتل کا بہانہ تلاش کرتا اور قتل کا حکم دیتا رہا۔ اسی طرح وہ اہل حرم کے لئے کہتا رہا کہ خواہ آپ مدینہ جائیں یا یہاں قیام کریں میں تیار ہوں۔ لیکن اس کے باوجود اُس نے قید رکھا اور بار بار دربار میں، اپنے محل میں اور مسجد میں بلاتا اور توہین کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن بےکے ہوئے علما یا بہکانے والے علما ایک روایت میں ”قال“ راوی نے کہا یا ”نقل“ یہ بھی لکھا گیا ہے۔ کہہ کر رہائی والا جملہ چپکاتے رہے۔ مثلاً یزید نے ہند کا خواب سُن کر صبح کو اہل حرم سے کہا کہ آپ لوگ یہاں رہیں یا مدینہ جائیں مجھے انکار نہ ہوگا۔ اُس کا مطلب صرف اس قدر تھا کہ دمشق میں رہائی کا ارادہ مشہور ہو جائے۔ ورنہ وہ اُسی وقت روانگی کا انتظام کرتا جیسا کہ ہم انتظام والا موقع آپ کو دکھائیں گے۔ دراصل یزید اہل دمشق کے اشتغال کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کہتا تھا۔ وہ دل میں یہ چاہتا ہی نہ تھا کہ امام اور اہل حرم دمشق سے مدینہ چلے جائیں۔ اور دور بیٹھ کر کوئی اسکیم بنائیں یا اُن کے نام پر دوسرے موقع پرست لوگ اقتدار کی حرص میں مبتلا ہو جائیں۔ دمشق میں رکھنے سے دو فائدے تھے۔ اوّل اُن کی نقل و حرکت اور قول و فعل کی نگرانی میں سہولت اور دوم اُن کی خدمت و تواضع کر کے ملک میں پھیلے ہوئے باغیانہ خیالات کو مسمار کر دینا۔ اور کہنا کہ وہ مجھ سے راضی ہیں دیکھو میں اُن کا کفیل ہوں۔

چنانچہ یہ آخری روایت جو ہم نے بحار الانوار سے لکھی ہے اسکے آخر میں مدینہ کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ دمشق میں ٹھہرنے کی درخواست کی ہے۔ یعنی پہلی دفعہ محض دل رکھنے، اور وسعت قلبی دکھانے کے لئے مدینہ کا بھی ذکر کیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی روایت میں رہائی کا جملہ دیکھ کر یہ سمجھ لینا کہ اُس جملے کے بعد یزید نے رہا کر دیا تھا، یا رہا کر دیا ہوگا، نہایت بچکانہ یا فریب سازانہ تصور ہے۔ ہمارے علما نے بھی یہ سمجھنے میں بہت جلدی اور نا عاقبت اندیشی کی ہے کہ اب سات روز ماتم و عزاداری کے بعد جو بلایا ہے اور دمشق میں سکونت کی درخواست کی ہے اور اہل حرم نے دمشق کی تجویز کو رد کر دیا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ بس اب اہل حرم کو مدینہ روانہ کر دیا ہے، حقیقت یہ نہیں ہے۔ حقیقت وہ ہے جو اُس وقت کے سیاسی حالات و تقاضات اور قانون فطرت کے سو فیصد مطابق ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ جب یزید کا اقبال اور انتظام مستحکم تھا اُس نے اہلیت رسول کو حد بھر رسوائی کے بعد قلعہ کے دارالموت میں قید کیا۔ وہ اُن سب کو اُسی روز یا اگلے دن قتل کر دیتا۔ مگر وہ چاہتا تھا کہ اہل حرم کو گواہ بنا کر کچھ ایسے بیانات دیے اور لئے جائیں جن سے اُس کا اور اس کے بزرگوں اور سابقہ قومی حکومتوں کا برحق ہونا ثابت کرنے میں مدد ملے اور خاندان رسول کے قتل عام کو ضروری اور حق بجانب ثابت کیا جاسکے۔ اس کوشش کے دوران ادھر چھ سات مہینے گزر گئے اور ادھر محل سے لے کر باہر تک مخالفت کی فضا پیدا ہو گئی۔ اس لئے کہ امام اور خواتین علیہم السلام کے بیانات نے قومی مذہب و خلافت کی کافرانہ نقاب نوچ کر رکھی دی اور شیطانی چہرہ نظر آنے لگا۔ اُس چہرہ کو شرمندہ، منفعل اور متاسف

دکھانے کے لئے اور جرم عبید اللہ بن زیاد پر ٹالنے کے لئے دارالموت سے رہا کر کے جیل خانے کے مکان میں منتقل کیا گیا۔ اس سے محلاتی خطرہ ٹل گیا اور لوگوں کے تصورات میں تغیر و تبدل شروع ہوا۔ لیکن معصوم سے مردوں کی ملاقاتیں اور رسول زادیوں سے بیگمات اور سرداران قوم اور با اثر لوگوں کی عورتیں ملتی رہیں اور جیل خانہ کے بند گھر میں گھریلو ماتم و مجلس ہوتے رہے۔ حقیقت کے ساتھ ساتھ قومی حکومت و خلافت و مذہب کی پول بھی کھلتی گئی۔ لوگوں کے قلوب یزید اور یزیدی اعمال و افکار سے متنفر و مشتعل بھی ہوتے گئے اور محمد و آل محمدؐ اور حسینیؑ مشن کی عظمت و محبت دلوں میں گہری ہو گئی۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ شہزادی سکینہ علیہا السلام کا انتقال ہو گیا۔ اور انتقال کا سبب بھی یزید کو ہی کو سمجھا گیا۔ جس حرامزادے نے بچی کے باپ کا سر بھیج دیا اور سکینہؑ تڑپ کر انتقال گئی۔ اس حادثہ نے یزید کی حکومت و افواج کی گرفت بالکل ڈھیلی کر دی۔ اُدھر محل میں ہند اور تمام بیگمات و اخوات و بنات یزید کی مخالفت پر آمادہ ہو گئیں۔ اور یزید براہ راست مواخذہ سے گزر چکا تو اُس نے چاہا کہ اہل حرمؐ کو شہر دمشق کی حدود اور بعد میں آزادی دے دے اور پبلک اور محل میں اُٹھنے والے ابال کو ٹھنڈا ہونے کا ایک چھینٹا دے دے۔ اور مشہور کر دے کہ میں نے امام زین العابدین علیہ السلام اور اُن کی بزرگ پھوپھیؑ اور تمام اہل حرمؐ کو راضی کر لیا ہے۔ وہ یہیں آباد ہوں گے یہیں رہیں گے۔ اب ہم کو آپس میں کوئی بھی اختلاف و تنازع نہیں ہے۔ میں اُن کا غم دور کرنے، انہیں خوش کرنے اور نقصان اور تلافی مافات کے لئے اپنا پورا زور لگاؤں گا۔ اس طرح ہر وہ شخص مجرم اور قابل سزا ہوگا جو اب بھی کربلا کی آڑ میں حکومت کے خلاف خیالات و اقدامات کو پرورش کرتا رہے۔ یوں رفتہ رفتہ کربلا اور کربلا کے مظالم نظروں سے اوجھل اور دنیا سے فنا ہو جائیں گے۔

اس اسکیم کو سامنے رکھ کر اُس نے پہلے درجہ میں اہل حرمؐ سے کہا کہ تم بالکل آزاد ہو خواہ یہاں رہو یا مدینہ چلے جاؤ۔ مگر یہ نہیں کہا کہ تمہیں مدینہ بھیجنے کا یہ پروگرام ہے۔ تمہیں فلاں فلاں افراد لے جانے کیلئے تیار ہیں۔ یہ لو تمہارا لوٹا ہوا سامان موجود ہے۔ اس کے علاوہ جو تمہاری تجویز و اصلاح و ہدایات ہوں وہ بتائیں تاکہ میں اپنے پروگرام کی اصلاح کر دوں۔ یزید نے یہ سب کچھ نہیں کہا اس لئے کہ اُسے مندرجہ بالا اسکیم کو برسر کار لانا تھا۔ لہذا اہل حرمؐ کو یہ محسوس کرنا تھا کہ تم آج سے آزاد ہو۔ مدینہ و دمشق دونوں تمہارے اختیار میں ہیں۔ لہذا کچھ بولو کچھ کہو۔ لیکن اہل حرمؐ، نبوت و امامت کا قلب و ذہن رکھتے ہیں انہوں نے نہ مدینہ کو سامنے آنے دیا نہ دمشق کو پیچھے ہٹایا۔ بلکہ یہ کہا کہ ہم سب سے پہلے جو اقدام و عمل کرنا پسند کرتے ہیں وہ قیام عزاداری حسین و انصاران حسین علیہم السلام ہے۔ تاکہ اہلبیتؑ کی آزاد زندگی کی ابتدا احیاء اسلام اور حسینیؑ مشن کے قیام سے شروع ہو۔ یزید کے لئے انکار کا موقع نہ تھا۔ اُس نے دمشق میں کئی ایک مکانات (بیوت) اور بہت سے کمرے (حجر) اہلبیتؑ اور اہتمام عزاداری کے لئے خالی کرائے اور یوں اہل حرمؐ دمشق کے دوسرے قید خانہ سے آزاد ہو کر اب حدود دمشق تک آزاد ہو گئے۔ اُن کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہ رہی۔ تمام شہر میں یہ خبر ہوا کہ رفتار سے پھیل گئی۔ اور اب اُس ہجوم اور لوگوں کی ملاقاتوں کا اندازہ کرنا ناممکن ہے جو فطری طور پر سامنے آنا تھیں۔ بس یہ کہنے کا ایک موزن دریا جسے بند باندھ کر روکے رکھا گیا وہ دس ماہ بعد کس رفتار سے بہے گا؟ یہ وہ ایام ہیں کہ منبر و مساجد اہلبیتؑ کے قبضے میں آ گئی ہیں۔ حضرت زینبؑ و ام کلثومؑ و قتیہ و ام ربابؑ وغیرہ (سلام ہو اُن پر ہمارا) زنانہ مجلس کو اور سرکار امامؑ مردانہ مجالس کو مخاطب فرما رہے ہیں۔ کربلا میں گزرنے

والی ہر تفصیل کی تاریخ ہر دماغ میں پیوست ہوتی جا رہی ہے۔ جب یہ پہلا عشرہ پورا ہونے لگا تو یزید کو اُمید ہوئی کہ دمشق عوام و خواص کا قیام عزائے مظلوم میں تعاون اور میری فراہم کردہ سہولتیں اور آزادی کا قلوب اہل حرم پر ضرور اثر ہوا ہوگا۔ اس لئے اُن کے سامنے اس دفعہ دمشق میں سکونت کی تجویز پیش کی لیکن خواتین نے وہاں کی سکونت کی منظوری نہیں دی۔ اب اگر یزید کو مدینہ بھیجنا منظور ہوتا تو بھیجنے کا انتظام کر دیتا۔ لیکن نہ ابھی یزید کو بھیجنا منظور ہے نہ وہ ابھی مایوس ہوا ہے۔ اور نہ اہلبیت علیہم السلام یوں عزاداری کو ادھر میں چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں۔ وہ تو اب امام اور شہدائے کربلا کا چہلم کرنے کے بعد اس طرف متوجہ ہوں گے۔ پھر انہیں دمشق سے مدینہ نہیں بلکہ کربلا جانا ہے اور وہاں پر عزائے حسینی اور دیگر انتظامات کرنا ہیں پھر مدینہ کا سفر ہوگا۔ پہلے انہیں اپنے دشمنوں کے گڑھ یعنی دمشق اور اہل دمشق کے قلوب سے اپنی دشمنی اور خلافتوں کی مخالفانہ پالیسیوں کی ہر جڑ اکھاڑنا مقصود تھی۔ تاکہ پچاس سالہ پروپیگنڈا دم توڑ دے اور پہلے اُسے دمشق کے قبرستان میں دفن کر دیں اور اس کے بعد کربلا کے مقدس قبرستان کی طرف روانہ ہوں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یزید کسی لمحہ کے لئے بھی اپنے مظالم پر دل میں حقیقی طور پر نادم نہیں ہوا۔ وہ محض اپنی حکومت اور اپنے بزرگوں کی پالیسی کے زوال سے خوفزدہ ہو ہو کر اہلبیت کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے پر مجبور ہو رہا تھا۔ دل میں وہ روزانہ اپنی دشمنی میں سخت تر ہوتا جا رہا تھا۔ اور یوں تو بارہا بن زیاد پر غصہ اور ملامت اور اُسے قتل کرنے کا اظہار کرتا رہا تھا۔ لیکن اُس سے آج تک باز پرس نہ کی تھی نہ اُسے حاضر دربار ہونے کا حکم دیا تھا۔ اور نہ کسی اور سردار فوج پر کوئی تشدد کیا تھا۔ حالانکہ وہ پہلے ہی دن شمر پر تلوار سونٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ یہ سب سیاسی چالیں تھیں۔ وہ اقتدار کی شطرنج پر بازی ہار رہا تھا اور گہرا گہرا کراٹھی سیدھی چال چل رہا تھا۔ اب اُس کی ایک اور سیاسی چال ملاحظہ فرمائیں۔

(4)۔ دربار عام میں سرداران افواج سے باز پرس اور کربلا کے قتل عام سے بریت کی کوشش

قیام عزاداری سے دمشق میں یہ ثابت ہو گیا کہ خاندان رسول کا قتل عام یزید کی رضا مندی اور حکم سے کیا گیا تھا۔ اور یہ ثبوت اُدھر اہلبیت کے مقررین فراہم کر رہے تھے اور وہ تمام سرداران افواج جو دمشق میں حاضر رہے پر مجبور تھے۔ خود کو پبلک کے انتقام سے محفوظ رکھنے کیلئے موقع بے موقع ایسے ہی بیانات دے رہے تھے جن سے نفرت کا رخ اُنکی طرف سے ہٹ کر یزید کی طرف مڑتا چلا جا رہا تھا۔ بہر حال یزید نے دربار عام کا اعلان کرایا۔ ظاہر ہے کہ دربار عام کا مقصد کربلا کے متعلق حقیقت حال کی کھلی تفتیش کرانا اور مجرم یا مجرمین کو سزا دینے سے متعلق تھی۔ اسلئے آج پبلک کو زیادہ سے زیادہ دربار میں حاضر ہونا چاہئے۔ اور بہت بہتر ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو بھی موجود رکھا جائے۔ آئیے دربار کا حال اور کاروائی دیکھئے:-

فاعلم ان ابامخنف لما ذكر احتجاج سيد الساجدين عليه السلام وقول يزيد: ” اِنَّمَا اَرَدْتُ بِصُعُودِهِ الْمَنْبَرِ زَوَالِ مُلْكِي۔ اَمَّا عَلِمْتُ اِنْ هَذَا مِنْ اَهْلِ بَيْتِ النَّبُوَّةِ وَمَعْدِنِ الرَّسَالَةِ “، وامره بضرب عنق المؤذن قال: قال الراوى اَن اهل الشام كانوا نيام فانتبهوا فَعَطَّلُوا الاسواق وجَدَدوا العزا و اظهروا المصيبة لاهل العباء۔ وقالوا والله ما عَلِمْنَا اَنَّهُ راس الحسين وَاَنَّمَا قِيلَ راس خارجى خرج بارض العراق فَلَمَّا سَمِعَ يزيد ذلك اسْتَعْمَلَ لَهُمْ اجزاء فى القرآن وفرَّقها فى المسجد وكانوا اذا صَلَّوْا فرغوا مِنْ صَلَواتِهِمْ و وضعوا بَيْن ايديهم ليشغلوا بها عن ذكر الحسين بن على عليه السلام۔ فلم يشغلهم عَنْ ذكره شَيْءٌ

والناس حينئذٍ مالهم حديث إلا حديث الحسين حتى أن الرجل يقول لصاحبه يا فلاں اَمَاترى الى ما فعل بَابُنْ بَنْتٌ نَبِيْنَا؟ فبلغ ذلك يزيد وعرف أن اهل الشام لا يشغلهم عن ذكر الحسين شاغل - فنأدى فى الناس أن يحضروا إلى الجامع فحضروا من كل جانب ومكان - فلَمَّا تكامل الناس قام فيهم خطيبًا وقال يا اهل الشام أنتم تقولون انى قتلت الحسين أو امرت بقتله؟ وَأَنَّمَا قَتَلَهُ ابْنُ مَرْجَانَةَ - ثُمَّ قَالَ وَاللَّهِ لَا قَتْلَ مَنْ قَتَلَهُ - ثُمَّ دَعَى بِالَّذِينَ حَضَرُوا قَتْلَ الْحُسَيْنِ فَحَضَرُوا بِيَدِهِ -

فالتفت إلى شُبَّانِ بْنِ رَبْعَى وقال له يا ويلك انت قتلت الحسين صلوات الله عليه؟ وَأَنَا امْرُتُكَ بَقْتَلَهُ؟ فقال شُبَّانُ أَنَا وَاللَّهِ مَا قَتَلَهُ - وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ قَتَلَهُ - بل قتله مصابرين الرهبة - فالتفت إليه يزيد وقال ويلك انت وقتلت الحسين أم انا امْرُتُكَ بَقْتَلَهُ؟ قَالَ لَا وَاللَّهِ بَلْ قَتَلَهُ قَيْسُ بْنُ رَبِيعٍ - فالتفت إليه قال أَأَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَيْنَ أم انا امْرُتُكَ بَقْتَلَهُ؟ قَالَ لَا - قَالَ فَمَنْ قَتَلَهُ؟ قَالَ قَتَلَهُ شَمْرُ ذِي الْجَوْشَنِ - فالتفت إليه وقال أَأَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَيْنَ أم انا امْرُتُكَ؟ قَالَ لَا - قَالَ فَمَنْ قَتَلَهُ؟ قَالَ سَنَانُ بْنُ أَنَسٍ النَّخَعِي - فقال له أَأَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَيْنَ أم انا امْرُتُكَ؟ قَالَ لَا - قَالَ فَمَنْ قَتَلَهُ؟ قَالَ قَتَلَهُ خُوَلَى بْنُ يَزِيدَ الْاَصْبَحِي - فقال له أَأَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَيْنَ أم انا امْرُتُكَ بَقْتَلَهُ؟ قَالَ لَا - فعند ذلك غضب يزيد غضبًا شديدًا وقال ويلكم يحيل بعضكم إلى بعض وَاَرَى يَنْظُرُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا؟ قَالُوا قَتَلَهُ قَيْسُ بْنُ رَبِيعٍ - قَالَ لَهُ أَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَيْنَ - قَالَ مَا قَتَلْتُهُ - قَالَ أَلَا يَا وَيْلَكُمْ مَنْ قَتَلَهُ؟ قَالَ قَيْسُ يَا امِيرَانَا اقُولْ لَكَ مَنْ قَتَلَهُ وَلِىَ الْاَمَانُ؟ قَالَ نَعَمْ - قَالَ وَاللَّهِ مَا قَتَلَ الْحُسَيْنَ اَلَّذِى عَقَدَ الرَايَاتِ وَفَرَّقَ الْاَمْوَالَ وَبَذَلَ الْعَطَايَا وَصَبَّ السَّمَالَ عَلَى انْطَاعٍ وَسَيَّرَ الْجِيُوشَ جَيْشًا بَعْدَ جَيْشٍ - فَقَالَ يَزِيدُ وَمَنْ ذَاكَ؟ فَقَالَ أَنْتَ وَاللَّهِ مَا قَتَلَ الْحُسَيْنَ غَيْرَكَ يَا يَزِيدُ - فغضب من قوله وقام فدخل داره فى قصره ووضع الراس الشريف فى طشت وغطاه بمنديل وبقى ووضع فى حجره ودخل الى بيت مُظْلَمٍ وجعل يَلْطَمُ خَدَّهُ وَعَلَى أَمْرَاسِهِ وَهُوَ يَقُولُ مَالِى وَقَتَلَ الْحُسَيْنَ وَخَرَجَ دَعِى بِالْحَرَمِ وَعَتَذَرَ عِنْدَهُنَّ وَقَالَ لَهُنَّ أَيُّمَا حُبِّ الْيَكْنَ الْمَقَامِ عِنْدِى وَالْجَائِزَةِ السَّنِيَّةِ أَوِ الْمَسِيرِ إِلَى الْمَدِينَةِ - يَقْلُنْ نَحْبُ أَنْ نُوَحَّ عَلَى الْحُسَيْنِ - (اكسير العبادات - صفحہ 543)

”جاننا چاہئے کہ جہاں علامہ ابوحنفہ نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے احتجاجات کا ذکر کیا ہے - اور لکھا ہے کہ یزید پر وہ وقت بھی آیا تھا جب اُس نے اُس مقرر سے باز پرس کی جس نے محمد باقر علیہ السلام کو ایک چھوٹا سا بچہ کمرنبر پر تقریر کرنے کی اجازت دی تھی (مؤذن) اور جب اُس نے بچہ ہونے کا عذر کیا تھا تو کہا تھا کہ کیا تجھے یہ بھی علم نہ تھا کہ وہ خانوادہ نبوت و رسالت کا بچہ ہے؟ اور پھر اُس مؤذن (اجازت دینے والے) کو اس جرم میں قتل کرا دیا تھا کہ اُس کا منشا یہ تھا کہ اُس بچہ کی تقریر سے یزید کی حکومت میں زوال آجائے - اتنا لکھ کر ابوحنفہ لکھتے ہیں کہ راوی کہتا ہے کہ اہل شام گویا نیند سے اچانک جھنجھوڑ کر بیدار کر دیئے گئے ہیں - چنانچہ صورت حال سمجھ میں آگئی تو انہوں نے اپنے تمام کاروبار بند کر دیئے - خرید و فروخت بند کر دی بازویران ہو گئے - اور سارا دمشق عزائے حسینیؑ میں مصروف ہو گیا - اور اہلبیتؑ کے سامنے اپنے اظہار غم و مصیبت اور ندامت میں کہتے تھے کہ قسم بخدا ہمیں یہ خبر کہاں تھی کہ یہ سر حسینؑ ہے - ہمیں تو یہ بتایا جاتا رہا کہ ایک خارجی المذہب آدمی نے عراق میں خلافت کے خلاف مسلح بغاوت اور جنگ کی تھی - یہ اسی خارجی کا سر ہے - جب یزید کو ان حالات کی رپورٹیں ملیں تو اُس نے مساجد میں اور اجتماعات کی جگہوں میں قرآن کے پارے رکھوا دیئے تاکہ نماز سے پہلے اور بعد میں فارغ وقت میں قرآن کے پارے ہاتھوں میں لے کر بیٹھیں اور ذکر حسینؑ سے باز رہ کر قرآن پڑھنے میں

خالی وقت گزاریں۔ لیکن اس قسم کے انتظام سے وہ ذکر حسینؑ سے باز نہ رہ سکے۔ اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ اُن کے پاس کربلا اور حسینؑ کی باتوں کے سوا اور کوئی کرنے کی بات ہی نہ تھی۔ حالت یہ ہو گئی تھی کہ جہاں بھی دو آدمی ہوتے تو آپس میں ایک دوسرے سے یہ کہتے کہ بھائی کیا تمہیں معلوم ہے کہ یزید نے رسولؐ کی بیٹی کے فرزند کے ساتھ کیا کیا؟ جب یہ رپورٹ یزید کو پہنچی کہ اہل شام کو ذکر حسینؑ اور عزاداری سے کوئی چیز باز نہیں رکھ سکتی تو اُس نے منادی کرا دی کہ تمام وہ لوگ جامع مسجد میں جمع ہو جائیں جو واقعہ کربلا کی حقیقت جاننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ نزدیک و دور سے لوگ جامع مسجد میں حاضر ہو گئے۔ اور جب بتایا گیا کہ لوگوں کی آمد مکمل ہو گئی تو یزید خطبہ دینے کے لئے اُٹھا۔ اور تمام حاضرین کو مخاطب کر کے کہا کہ تم سب مجھ پر قتل حسینؑ کا جرم لگا رہے ہو یا یہ کہہ رہے ہو کہ حسینؑ کو میرے حکم سے قتل کیا گیا ہے۔ سنو اُن کو ابن مرجانہ (عبید اللہ بن زیاد) نے قتل کیا ہے۔ میں نے قتل کیا نہ قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور سنو کہ قسم بخدا میں تفتیش کے بعد اُن کے قاتل کو ضرور قتل کر دوں گا۔ مجمع خاموش اور حیران تھا کہ اُس نے حکم دیا کہ اُن تمام سرداران افواج کو پیش کرو جو کربلا میں قتل حسینؑ کے وقت موجود اور چشم دید گواہ ہیں۔ چنانچہ اُن سب کو یزید کے سامنے لا کر حاضر کر دیا گیا۔

اب یزید نے شبث ابن ربعی کی طرف منہ کر کے کہا کہ آیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا ہے؟ اور کیا میں نے تجھے اُن کے قتل کا حکم دیا تھا؟ اُس نے کہا کہ میں اُن کے قاتل پر اللہ کی لعنت بھیجتا ہوں۔ میں نے نہیں انہیں تو مصابر بن رھیبہ نے قتل کیا تھا۔ اب یزید نے مصابر سے دریافت کیا کہ کیا تو نے ہی حسینؑ کو قتل کیا ہے اور کیا میرے ہی حکم سے قتل کیا ہے؟ اس نے کہا کہ خدا کی قسم نہ میں نے قتل کیا اور نہ تم نے مجھے اُن کے قتل کا حکم دیا۔ بلکہ انہیں تو قیس بن ربیع نے قتل کیا تھا۔ یزید نے قیس سے پوچھا کہ کیا تو نے ہی حسینؑ کو قتل کیا اور میرے حکم سے قتل کیا تھا؟ اس نے کہا میں نے قتل نہیں کیا۔ یزید نے پوچھا کہ پھر کس نے قتل کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ شمر ذی الجوشن نے قتل کیا ہے۔ اب شمر سے کہا کہ کیا تو نے قتل کیا اور میں نے تجھے حکم قتل دیا تھا؟ اُس نے قتل سے انکار کیا تو پوچھا کہ پھر حسینؑ کا قاتل کون ہے؟ اس نے بتایا کہ سنان ابن انس نخعی نے قتل کیا تھا۔ اب سنان بن انس سے مخاطب ہوا اور دریافت کیا کہ کیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا اور کیا میرے حکم سے قتل کیا؟ اس نے بھی انکار کر دیا تو پوچھا کہ پھر کس نے قتل کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ خولی بن یزید نے قتل کیا تھا۔ اب خولی سے کہا کہ کیا تو حسینؑ کا قاتل ہے؟ اور کیا میں نے تجھے حسینؑ کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا؟ جب خولی نے بھی انکار کر دیا تو یزید کو انتہا درجہ کا غصہ آیا۔ اور سب کو مخاطب کر کے کہا کہ خدا تم سب کو عارت کرے ارے میں دیکھ رہا ہوں کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو آنکھ مار مار کر بات کو ایک دوسرے پر ٹال رہے ہو۔ جلدی سے حقیقت بیان کرو۔ تو سب نے متفقہ طور پر کہا کہ امام حسینؑ کو دراصل قیس بن ربیع نے قتل کیا تھا۔ یزید نے قیس کو دوبارہ مخاطب کیا اور کہا کہ تو نے ہی حسینؑ کو قتل کیا ہے۔ قیس نے جواب دیا کہ میں نے قتل نہیں کیا تو پھر سب سے کہا خدا تمہارا رب اکرے آخر انہیں کس نے قتل کر دیا؟ اب قیس بن ربیع نے کہا کہ اگر میری جان بخشی کا وعدہ کرے تو اے امیر میں صحیح قاتل کو روشناس کرائے دیتا ہوں۔ یزید نے امان کا وعدہ کر لیا تو کہا کہ جناب قسم بخدا حسینؑ کا قاتل اُس شخص کے سوا کوئی اور نہیں ہے جس نے جنگی پرچم تقسیم کئے۔ جس نے دولت کو چاروں طرف بکھیر دیا۔ جس نے حسینؑ کو قتل کرنے کے لئے انعام و اکرام میں سخاوت کے دریا بہا دیئے۔ اور حقائق کو بد لئے اور باطل کو رائج کرنے پر دولت کو پانی کی طرح بہا دیا۔ اور لام بندی کی افواج جمع کیں اور پھر قتل حسینؑ

کے لئے لگاتار افواج پر افواج بھیجیں۔ یزید نے گھبرا کے پوچھا کہ وہ کون شخص ہے۔ اس کا نام بتاؤ۔ قیس نے کہا وہ خود آپ ہیں۔ خدا کی قسم تیرے سوا حسینؑ کو کسی اور نے قتل نہیں کیا۔ یہ سن کر یزید بہت سٹپٹا یا بڑا غصہ آیا۔ مگر بے بس تھا۔ اٹھا اور محل میں داخل ہو گیا۔ وہاں پہنچا جہاں امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک رومال سے ڈھکا ہوا طشت میں رکھا تھا۔ اُسے لے کر اُسی مذکورہ اندھیرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ سر مبارک کو اپنی گود میں رکھا اور اپنا منہ پیٹنا شروع کیا۔ اور اپنے سر پر ہاتھ مارتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے کیا ہو گیا تھا کہ میں نے حسینؑ کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد باہر نکلا اور اہل حرمؑ کو مدعو کیا اور اپنے جرم پر معذرت خواہ ہوا اور اُن سے کہا کہ میں تیار ہوں ان دونوں صورتوں کے لئے خواہ آپ حضرات یہاں رہیں اور میں آپ کے تمام اخراجات برداشت کروں اور مالی فارغ البالی فراہم کروں یا آپ مدینہ کا سفر اختیار کر لیں۔ اہل حرمؑ نے جواب دیا کہ ہم عزاداری حسین علیہ السلام میں مصروفِ نوحہ و ماتم ہیں۔“

(الف)۔ اس روایت کے متعلق بھی چند باتیں نوٹ فرمائیں

ہمارے علما تو ماشاء اللہ اُلٹا سیدھا لکھتے اور ملبکہ ڈھیر لگاتے چلے گئے حتیٰ کہ انہوں نے کسی قسم کی کوئی ترتیب مقرر کی نہ سمجھی نہ اس کی ضرورت ہی محسوس کی کہ کون سا واقعہ پہلے پیش آیا کون سا بعد میں واقع ہوا۔ اور کیوں وقوع میں آیا؟ یہ روایت جو ابھی ابھی مکمل ہوئی خود بتا رہی ہے کہ اس میں شام کے تمام باشندوں نے تمام دنیاوی سرگرمیاں بند کر دی تھیں۔ بازار و کاروبار بند ہو گئے تھے۔ اور سب کو یہ موقعہ حاصل تھا کہ اسیرانِ اہلبیتؑ کے پاس آنکلیں اظہارِ ہمدردی و غم و رنج کریں، انہیں پرسہ دیں اور اپنے سابقہ رویہ اور سلوک کی عذرخواہی کریں اور دن رات عزاداری میں مصروف رہیں۔ بتائیے یہ آزادی قلعہ میں قید کے زمانہ میں اور پھر دوسرے جیل خانہ میں تو ناممکن تھی۔ خود اہلبیتؑ کو رونے کی اجازت نہ تھی۔ اہلبیتؑ کی مدح و ثنا کرنے اور اظہارِ ہمدردی پر قتل ہونے کی روایات سامنے آچکی ہیں۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ یہ دربارِ عام اہلبیتؑ کو عزاداری کی اجازت ملنے اور قید سے رہائی کے بعد پبلک میں حقائق کے پھیل جانے کے بعد کی بات ہے۔ جب پبلک کھل کر ماتم شبیرؑ میں مصروف ہے اور یزید کا جرم ثابت ہو چکا ہے۔ یہ بھی نوٹ کریں کہ تمام سردارانِ افواج اُس روز تک دمشق میں موجود رکھے گئے ہیں۔ اور دربارِ عام میں اُن کی پیشی یقیناً ہتھکڑی اور بیڑی میں جکڑ کر لگئی ہوگی۔ یزید کے سوالات کا منشاء حقیقی یہ تھا کہ وہ سب یہ کہیں کہ آپ نے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ عبید اللہ ابن زیاد کا قصور ہے۔ اُس نے قتل حسینؑ کا جرم کیا ہے لیکن قیس نے اصل حقیقت بیان کر دی۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ میدانِ کربلا میں تمام افواج یزید نے دمشق و شام سے بھیجی تھیں۔ لہذا وہ علما فریب خوردہ یا فریب ساز ہیں جو یہ مانتے ہیں کہ کربلا میں تمام کوئی افواج تھیں۔ اور آخری بات کہ یزید کو جھوٹ بولنے اور قاتلِ حسینؑ پر یعنی خود پر لعنت سننے پر مجبور ہونا پڑا۔ ایک وہ وقت تھا کہ یہ کہنے پر کہ ”اللہ میرے والد کے قاتل پر لعنت کرے“ امام زین العابدین علیہ السلام قتل کے لئے بھیج دیا تھا۔ اور آج بھرے دربار میں شبث بن ربعی ملعون یزید کا ایک نوکر کہتا ہے کہ لَعْنُ اللّٰهِ مَنْ قَتَلَهُ..... اور یزید کو سننا پڑتا ہے۔ اور آج وہ خود کہتا ہے کہ میں یقیناً حسینؑ کے قاتل کو گرفتار کروں گا..... واللّٰہ لَا قَتَلْنِ مَنْ قَتَلَهُ..... یہ ہے وہ شکست جو یزید اور نظامِ یزیدی کو ہوئی اور یہ ہے وہ انقلاب جو رسن بستہ بے بس و بے کس عورتوں اور بچوں نے پیدا کیا۔ اور جسے رفتہ رفتہ شیعہ مجتہدین نے ختم کر دیا۔

(5)۔ اہلیت کی رہائی کے اسباب، آخری دربار عام پر نظر، عزاداری کی اجازت کا ملنا

یہاں ہم علامہ در بندی رضی اللہ عنہ کے احساسات لکھتے ہیں۔ وہ اس تازہ عنوان کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں ملاحظہ ہو:-

(الف)۔ یزید نے اہلیت کو کیوں رہا کیا؟

إِنَّ السَّبَبَ الْوَاقِعِيَّ وَالْعَلَّةَ الثَّامَةَ لِاطْلَاقِ يَزِيدَ آلِ رَسُولٍ عَنِ السَّجْنِ وَالْحَبْسِ أَمَّا كَانَ وَقُوعُ الْخَوْفِ وَالرَّغْبِ فِي قَلْبِهِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى زَوَالِ دَوْلَتِهِ وَانْقِطَاعِ أَجَلِهِ بِسَبَبِ مَارَايَ وَسَمْعِ مَنْ مُحَادَثَةِ أَهْلِ الشَّامِ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَبَكَائِهِمْ وَضَجَّتِهِمْ وَتَعْطِيلِهِمُ الْإِسْوَاقَ وَتَجَدُّدِ يَدِهِمُ الْعِزَّاءَ لِأَجْلِ خَامِسٍ أَهْلِ الْكِسَاءِ نَعَمْ إِنَّ ذَلِكَ قَدْ اقْتَرَنَ بِجُمْلَةٍ مِنَ الْأُمُورِ الَّتِي يَتَخِيلُ فِي بَادِي الْأَنْظَارِ أَنَّهَا هِيَ السَّبَبُ أَوْ مِنْ جُمْلَةِ الْأَسْبَابِ لِاطْلَاقِ يَزِيدَ آلِ الرَّسُولِ عَنِ السَّجْنِ وَالْحَبْسِ وَذَلِكَ مِثْلُ قِصَّةِ رُؤْيَا زَوْجَتِهِ وَمِثْلُ قِصَّةِ رُؤْيَا فِي مَنْامِهِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الْأُمُورِ الْمَشَارِإِهَا۔ (أكبر العبادات - صفحہ 544)

آل رسول کو جیل خانہ کی قید سے رہا کرنے کی حقیقی وجہ اور پکا سبب یہ تھا کہ یزید کے قلب و ذہن میں اس کی حکومت کا زوال اور اس کی اپنی زندگی کے منقطع ہو جانے کا یقین سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اور یہ خوف و رعب اسلئے چھا گیا تھا کہ اُس نے اپنی آنکھوں اور کانوں سے باشندگان دمشق و شام کی وہ باتیں دیکھی اور سنی تھیں جو وہ آپس میں کر رہے تھے۔ پھر اُن کا عزائے حسینؑ پر رونا اور بے قرار ہونا اور کاروبار زندگی کے مشاغل کا بند کر دینا اور آ یہ تطہیر اور چادر تطہیر کے پانچویں معصوم کی عزاداری میں کوشاں رہنا بھی یزیدی حکومت کے زوال پذیر ہو جانے کی دلیل تھے۔ ہاں بے شک ان اسباب کے ساتھ ہی ساتھ وہ تمام واقعات مددگار بن گئے اور زوال و تباہی کا تصور پیدا کرنے میں شریک تھے۔ مثلاً اسکی زوجہ کے خواب کا قصہ اور خود اس کے اپنے خواب کا اثر، یہ تمام چیزیں وہ تھیں جن کے دباؤ سے یزید نے آل رسول کو دونوں قید خانوں سے رہا کیا اور قیام ماتم کا انتظام کیا تھا۔

(ب)۔ یزید کا دمشق سے افواج اور حکم قتل بھیجنا

أَنَّ صَدْرَ الْأَحْكَامِ الْكَثِيرَةِ وَالْأَمْرَ الْوَفِيرَ مِنْ يَزِيدَ إِلَى ابْنِ زِيَادٍ فِي بَابِ قَتْلِ سَيِّدِ الشَّهَدَاءِ وَانْصَارِهِ وَسَيِّ حَرِيمِهِ وَنِسَائِهِ وَعِيَالِهِ وَأَطْفَالِهِ مِنَ الْأُمُورِ الَّتِي لَا يَشْكُ وَلَا يَرْتَابُ فِيهِ ذُو دَرِيَّةٍ بَلْ إِنَّ ذَلِكَ قَدْ أَفَادَ شَيْئًا آخَرَ وَهُوَ أَنَّ نَفَاذَ يَزِيدَ جَبِوشًا غَيْرَ مُحَصَّاةٍ وَعَسَاكِرَ غَيْرَ مُسْتَقْصَاةٍ أَنْفَادًا وَارْسَالًا مِنَ الشَّامِ إِلَى الْكُوفَةِ لِحَرْبِ سَيِّدِ الشَّهَدَاءِ - وَحُضُورِ تِلْكَ الْجَبِوشِ وَالْعَسَاكِرِ فِي كَرْبَلَا كَانَ إِیضًا مِنَ الْأُمُورِ الَّتِي لَا يَنْكَرُهَا ذُو بَصِيرَةٍ وَفِكْرَةٍ - وَمِنْ هُنَابَانَ إِنَّ الْكَلِمَةَ الْمَشْهُورَةَ فِي السَّنَةِ - مِنْ أَنَّهُ لَمْ يَحْضُرْ فِي يَوْمِ الطُّفِّ لَا شَامِي وَلَا حِجَازِي مِنَ الْمَشْهُورَاتِ الَّتِي قِيلَ فِي شَانِهَا رُبَّ شَهْرَةٍ لَا أَصْلَ لَهَا -

وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ إِنَّ مَانَقْلَنَا مِنْ قَوْلِ قَيْسِ بْنِ الرَّبِيعِ كَمَا يَرِيفُ بِهِ الْكَلِمَةُ الْمَشْهُورَةُ فَكَذَا يُؤَيِّدُ وَيَسَدِّدُ بِهِ مَانَقْلَنَا عَنْ جُمْلَةٍ مِنَ الْكُتُبِ فِي بَعْضِ مَجَالِسِ الْمَقَاتِلَاتِ الشَّهَادَاتِ مِنْ أَنَّ عِدَدَ مَنْ حَضَرَ يَوْمَ الطُّفِّ مِنْ عَسَاكِرِ يَزِيدَ كَانَ يَبْلُغُ سِتْمَائَةَ الْفِ فَارِسَ وَالْفِ الْفِ رَجَالَةٍ كَمَا فِي بَعْضِ الْكُتُبِ - (أكبر العبادات - صفحہ 544)

سید الشہدؑ اور اُن کے انصار کے قتل پر اور آل رسول کی خواتین اور اہل و عیال اور بچوں کو قیدی بنانے اور حرم رسول کو حاضر کرنے پر یزید کے لاتعداد احکام ابن زیاد کو پہنچے۔ اُن میں نہ شک و شبہ کی گنجائش ہے نہ اس میں شش و پنج کی گنجائش ہے۔ بلکہ اس سے

تو ایک اور اہم نتیجہ سامنے آتا ہے کہ یزید نے لاتعداد افواج دمشق سے ارسال کیں جو کوفہ میں پہنچیں اور وہاں سے کربلا بھیجی گئیں۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ تمام افواج امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کریں اور مذکورہ نتیجہ برآمد کریں۔ یعنی حسینؑ مع اپنے انصار کے قتل کر دیئے جائیں اور حرم حسینیؑ قید کر کے دمشق میں یزید کے رو برو حاضر کئے جائیں اور سر حسینؑ مع سرہائے انصار نیزوں پر بلند کر کے حکومت کی فتح کی نمائش کی جائے۔ اور یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں لشکر و افواج کربلا میں موجود تھیں۔ یہاں وہ مشہور بات بھی غلط نکل جاتی ہے جو پروپیگنڈے کے زور سے ہرزبان پر جاری کر دی گئی تھی کہ کربلا کی افواج میں کوفیوں کے علاوہ نہ کوئی شام کا باشندہ تھا نہ حجاز کا رہنے والا تھا۔ یعنی یہ مشہور قول اُن ہی اقوال میں سے ہے جس کے لئے کہا گیا ہے کہ اکثر شہرت یافتہ باتیں ایسی ہوا کرتی ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں ہوتی۔ یعنی جھوٹ ہوتی ہیں۔ قیس بن ربیع کا قول بھی اُس جھوٹی شہرت کو باطل کرتا ہے۔ اُدھر وہ اعداد و شمار صحیح ثابت ہو جاتے ہیں جو ہم نے بعض کتابوں سے اپنی شہادتوں والی مجالس میں نقل کئے ہیں کہ کربلا میں افواج کی تعداد چھ لاکھ (600000) سوار اور دس لاکھ پیادہ تھے۔ جیسا کہ بعض کتابوں میں منقول ہے۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 544)

(ج)۔ یزید کی قلبی کیفیات

ثُمَّ لَا يَخْفَى عَلَيْكَ أَنَّ بَعْضَ مَا تَقْدُمُ وَإِنْ كَانَ قَدْ يَعْطَى فِي بَادِي الْأَنْظَارِ أَنَّ يَزِيدَ كَانَ فِي ذَلِكَ يَوْمِ أَيْ يَوْمِ إِطْلَاقِ آلِ رَسُولِ عَنِ الْحَبْسِ وَالسَّجْنِ مُتَنَدِّمًا عَلَى مَا فَعَلَ وَمَا وَقَعَ وَإِنْ لَمْ يَنْفَعِهِ التَّنَدُّمُ إِلَّا أَنَّ الْأَمْرَ لَيْسَ كَذَلِكَ فِي الْوَقْعِ وَعِنْدَ الْأَنْظَارِ الدَّقِيقَةِ لِأَنَّ ذَلِكَ الْكَافِرَ لَمْ يَتَنَدَّمْ أَصْلًا عَلَى مَا وَقَعَ وَمَا فَعَلَ مِنْ قَتْلِ آلِ رَسُولٍ وَسَبِّ حَرِيمِهِ - بَلْ أَنَّ إِطْلَاقَ آلِ رَسُولٍ عَنِ السَّجْنِ وَالْحَبْسِ وَظَهَارَ التَّنَدُّمِ عِنْدَ النَّسْوَةِ الطَّاهِرَاتِ لَمْ يَصْدُرْ مِنْهُ إِلَّا لِأَجْلِ مَا ذَكَرْنَا مِنْ وَقُوعِ الْخَوْفِ وَالرَّعْبِ فِي قَلْبِهِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى زَوَالِ دَوْلَتِهِ نَظَرًا إِلَى مَا رَأَى وَمَا سَمِعَ مِنْ أَحْوَالِ أَهْلِ الشَّامِ وَيُؤَيِّدُ ذَلِكَ بَلْ يَكْشِفُ عَنْهُ أَنَّ ذَلِكَ الزَّنْدِيقَ قَدْ حَلَفَ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ الَّذِي قَامَ فِيهِ خَطِيبًا وَقَالَ وَاللَّهِ لَا قَتْلَ مَنْ قَتَلَ حُسَيْنًا وَقَدْ يَتَقَنَّ عِنْدَهُ وَعَلِمَ قَطْعًا أَنَّ هَؤُلَاءِ الْجَمَاعَةَ الَّذِينَ ذَكَرْنَا أَسْمَائَهُمْ إِلَى قَيْسِ بْنِ الرَّبِيعِ كَانُوا مِنْ رُوسَاءِ يَوْمِ الْحَرْبِ فِي الْكُرْبَلَا - مَعَ أَنَّهُ لَمْ يَفْعَلْ بِهِمْ مَا يَسُوَّهُمْ فَضْلًا عَنْ قَتْلِهِمْ وَاهْلَاكِهِمْ بَلْ إِنْ السُّؤَالَ وَالْجَوَابَ الدَّائِرَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ بِقَوْلِهِ: "أَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَيْنَ" إِمَّا أَنَا أَمْرَتُكَ بِقَتْلِهِ؟ وَقَوْلُهُمْ لَا بَلْ قَتَلَهُ فُلَانٌ" كَانَا مِمَّا يَشْبَهُ الْهَذْيَانَاتِ وَلَعِبَةَ الصَّبِيَانِ - وَأَمَّا فَعَلَ ذَلِكَ لِمَا كَانَ فِيهِ مِنَ الشَّيْطَانَةِ وَالنُّكْرَاءِ وَنَظَرًا إِلَى أَنَّ أَهْلَ الشَّامِ يَسْكُنُ فُورَاتِهِمْ بِمِثْلِ هَذَا الْمَقْدَارِ مِنَ السُّؤَالَ وَالْجَوَابِ لِمَا فِيهِمْ مِنَ الْحِمَاقَةِ الْجَهَالَةِ وَعَدَمِ مَعْرِفَتِهِمْ حَقَّ الْمَعْرِفَةِ بِمَرَاتِبِ آلِ الرَّسُولِ وَشَتْوِهِمْ وَدِرْجَاتِهِمْ عِنْدَ اللَّهِ - (أكسیر صفحہ 544)

پھر آپ پر یہ بھی پوشیدہ نہ رہے کہ جو کچھ ہم نے یزید کے اچھے سلوک کے متعلق پہلے لکھ دیا ہے۔ اُس سے سرسری طور پر ایسا اندازہ ہو سکتا ہے کہ آل رسول کی رہائی کے دن یزید اپنے کئے دھرے پر نادم تھا۔ مگر یہ ندامت اُس کے لئے اس بنا پر مفید نہیں کہ حقیقتاً وہ دل کی گہرائی میں کبھی نادم نہیں ہوا۔ بلکہ آل رسول کو قید خانے سے رہا کرنا اور رسول زاد یوں کے سامنے اظہار ندامت کرنا صرف اس لئے تھا کہ اُس نے اہل شام کا رد عمل دیکھ کر یہ یقین کر لیا کہ اُس کی حکومت اور اُس کی زندگی خطرے میں ہے۔ ہمارے اس فیصلہ کی تائید

اُس قسمیہ اعلان سے بھی ہوتی ہے جو اُس ملعون نے اپنے خطبے کے دوران کیا تھا کہ: ”جس نے حسینؑ کو قتل کیا ہے میں اُسے ضرور قتل کروں گا“ حالانکہ اُسے خطبہ دیتے وقت یہ علم یقین حاصل تھا کہ کربلا میں جنگ کے دوران جو لوگ سردارانِ افواج اور رؤسائے جنگ تھے وہ سب اُس کے سامنے موجود ہیں جن کے نام قیس بن ربیع تک ہم نے بھی لکھ دیئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اُن کو قتل و تباہ کرنا تو الگ اُن کے ساتھ یزید نے کوئی ایسا سلوک بھی نہ کیا جو انہیں بُرا معلوم ہوتا۔ رہ گئے اُس کے اور سردارانِ افواج کے درمیان سوالات و جوابات کی بھرمار کہ ”کیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا تھا یا میں نے قتل کا حکم دیا تھا؟ اور یہ کہ نہیں میں نے قتل نہیں بلکہ فلاں نے قتل کیا۔“ یہ کہو اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اُن کی پشت پر یہ سیاسی چال تھی کہ اہل شام کا اٹھتا ہوا جوش ٹھنڈا پڑ جائے اور انہیں اُنکی جہالت و حماقت اور آلِ رسول کی معرفت سے لاعلم ہونے کی بنا پر بچوں کی طرح تفتیش کا کھلونا دے کر بہلا دیا جائے اور اس رد و بدل کے دوران یہ ثابت ہو جائے کہ ان سرداروں میں سے کوئی بھی حسینؑ کا قاتل نہیں ہے۔ اور یہ کہ یزید نے ہرگز قتل کا حکم نہ دیا تھا۔ گویا عبید اللہ ابن زیاد نے اپنے حکم سے اجتہاد کیا اور اجتہادی غلطی سے قتل واقع ہو گیا۔ لہذا اگر قیس جلدی میں گھبرا کر راز فاش نہ کر دیتا تو فیصلہ یہ ہونا تھا کہ اجتہادی غلطی ہو گئی تھی۔ کسی کا قصور نہ تھا۔ اور یہی فیصلہ بعد میں یزیدی مذہب میں ہوا بھی کہ یزید پر لعنت نہ کرو بلکہ دعائے مغفرت مانگو۔ خدا ایسا عقیدہ رکھنے والوں پر لعنت کرتا ہے اور ہم مع ملائکہ اور تمام انسانوں کے یزید و اہل یزید پر اور اس کے طرفداروں پر دن رات لعنت کرتے ہیں۔

(د)۔ قلعہ کے اندر دارالموت سے رہائی تک اہل حرم کو رونے سے جبراً روکا جاتا رہا تھا

ثُمَّ لَا يَخْفَى عَلَيْكَ أَنَّ جُنُودَ ذَلِكَ الْكَافِرِ وَأَشْيَاعَهُ قَدْ مَنَعُوا مَنَعُوهُمْ عَنِ الْبُكَاءِ وَالْحُزَنِ مِنْ يَوْمِ الْعَاشُورَا إِلَى أَنْ صَرْنَ هَذِهِ الطَّاهِرَاتِ الطَّيِّبَاتِ مَحْبُوسَاتٍ فِي السَّجْنِ فِي دِمَشْقٍ ثُمَّ قَدْ مَنَعْنَهُنَّ عَنِ الْبُكَاءِ وَعَنِ الْحُزَنِ يَزِيدٌ فِي الْيَامِ وَاللَّيْلِ كُنَّ فِي السَّجْنِ وَالْحَبْسِ - فَلَمَّا أَطْلَقَ عَنِ السَّجْنِ وَالْحَبْسِ التَّرْحَمَ وَالرَّقَّةَ لَهْنًا وَادْنًا فِي إِقَامَةِ التَّعْزِيَةِ سَيِّدِ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ بَعْدَ سَوَالِهِنَّ - (أكسير العبادات - صفحہ 545-544)

علامہ نے فرمایا کہ تم پر یہ بھی مخفی نہ رہے کہ یزید ملعون کی فوج اور یزید کے مذہب کی اشاعت کرنیوالوں نے عاشور محرم سے لیکر کوفہ تک سفر میں، پھر قیام کوفہ میں، اور کوفہ سے دمشق تک کے سفر میں، پھر قلعہ کے اندر والے قید خانہ کے قیام میں امام زین العابدین اور اہل حرم کو رونے اور بے قراری کے اظہار کی ممانعت تھی اور یزید نے بھی دن یارات میں کبھی رونے نہیں دیا تھا۔ صرف تب اجازت دی تھی جب قید خانہ سے رہا کیا اور اہلبیتؑ نے رونے اور عزاداری سید الشہداء اقامت کرنیکی اجازت مانگی تھی۔“

یہ کھلی اجازت اور قیام عزاداری دمشق کی حدود میں نظر بندی کے دوران ملی تھی۔ البتہ اس سے پہلے جیل والے مکان میں چار دیواری کے اندر ممانعت نہ تھی۔ اسی بنا پر حضرت سکینہؑ کے انتقال پر گریہ و زاری ہوا تھا۔

(6)۔ کیا روزِ عاشور سے رہائی تک کل بیس (20) دن قیدی رہے؟

ہمارے علما کی کثرت کہتی اور مانتی ہے کہ اہلبیت علیہم السلام بیس صفر 61 ہجری کو کربلا پہنچ گئے تھے۔ یعنی اہل حرم یکم صفر 61 ہجری کو دمشق سے رہا ہو کر روانہ ہوئے تھے۔ اس لئے کہ دمشق سے کربلا تک کا سفر اُس زمانہ میں بیس روز کا تھا۔ اگر علما کی یہ

بات صحیح ہو تو یہ ماننا پڑے گا کہ دس محرم 61 ہجری کے بعد کربلا سے کوفہ تک کا سفر، پھر کوفہ میں قیام اور پھر دمشق تک کا سفر اور دمشق میں قید رہنا سب کچھ بیس روز میں ہو گیا تھا۔ اور اگر کوفہ سے دمشق تک کا بیس روز کا سفر الگ کر دیا جائے تو سرکاری علما کا قول صحیح ہو جائے گا کہ ایک روز بھی قید میں نہیں رکھے گئے۔ آج تیس (30) محرم کو دمشق پہنچے اور کل (اگلے دن) یکم صفر کو یزید نے آزاد کر کے واپس روانہ کر دیا تھا۔ اس میں یہ ایک دقت ہوگی کہ کربلا سے کوفہ تک کا سفر اور کوفہ میں قیام کا یا تو انکار کرنا پڑے گا۔ یا کسی جادو یا ہوائی جہاز کی قسم کی چیز برسر کار لانا پڑے گی پھر بھی کوفہ میں قیام صفر (0) رہ جائے گا۔

(الف)۔ بیس صفر 61 ہجری کو اہل حرم کربلا آئے اور سرہائے شہداء دفن کئے؟؟

”در حبیب السیر است کہ یزید ملعون سرہای شہداء را تسلیم نمود۔ حضرت زین العابدینؑ و آن بزرگوار ہم سرہا را ملحق بآستان طیبہ نمود در روز بیستم از صفر۔ بعد توجہ فرمود بجانب مدینہ طیبہ و این صحاح اقوالست۔“ (منتخب التواریخ صفحہ 470)

منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ: ”حبیب السیر میں لکھا ہے کہ یزید ملعون نے حضرت زین العابدین علیہ السلام کو تمام شہداء کے سر سپرد کر دیئے اور اُن بزرگوار نے شہداء کے سروں کو اُن کے بدن کے ساتھ ملا کر دفن فرمایا اور 20 صفر کے بعد مدینہ طیبہ کے سفر پر متوجہ ہو گئے۔ تمام اقوال میں یہی قول اور تاریخ سب سے صحیح ہے۔“

مومنین اس قدر نوٹ فرمائیں کہ اس بیان میں 61 ہجری یا 62 ہجری کچھ نہیں لکھا ہے۔

(7)۔ بیس صفر 61 ہجری تک تو اہل حرم علیہم السلام کوفہ ہی میں تھے

ہمارا طریقہ یہ ہے کہ جھوٹوں کو اُن کے گھر تک پہنچا کر چھوڑنا چاہئے۔ گو عموماً اور اکثر کتابوں میں بیس صفر کی تاریخ کے ساتھ کہیں بھی سال 61 ہجری لکھا ہوا نہیں تھا۔ لیکن سرکاری علما نے خود ہی 61 ہجری کہہ دیا یا لکھ دیا۔ تاکہ آل رسولؐ کے ایام اسیری اور مظالم یزید کو کم کیا جائے۔ بہر حال ہم اُن ہی کے ریکارڈ سے دکھاتے ہیں کہ وہ دروغ باف و فریب ساز ہیں۔ چنانچہ ساری دنیا جانتی ہے کہ تیرہ یا چودہ محرم 61 ہجری کو اہل حرم کوفہ میں تھے اس کے بعد کیا ہوا سنئے:-

وازلھوف استفادہ می شود کہ اہلبیت اطہار در کوفہ ماندند تا وقتیکہ ابن زیاد کاغذ نوشت یزید و خبر داد اور اہلقتل حسینؑ و خبر اہلبیتؑ اور یزید داد۔ یزید جواب نوشت و امر کرد عبید اللہ ابن زیاد کہ سرنا زمین سید الشہداءؑ را با سرہای مبارک اصحابؑ آن بزرگوار با عیال اللہ روانہ بشام نماید۔ ولابد فرستادن نامہ ابن زیاد بشام و برگشتن جواب از یزید ملعون یکماہ طول میکشد و در این مدت اہلبیتؑ ظاہر اُیمان زندان محبوس بودند۔“ (منتخب التواریخ صفحہ 467)

”اور کتاب لھوف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہلبیتؑ اطہار کوفہ میں اُس وقت تک رہے جب تک کہ ابن زیاد نے اپنے خط کے ذریعہ یزید کو قتل حسینؑ اور گرفتاری اہلبیتؑ اور سرہائے شہداء کی اطلاع دی۔ پھر یزید ملعون نے ابن زیاد کو جواب دیا اور لکھا کہ تُو سر حسینؑ اور اُن کے صحابہ کے سر اور اُن کے اہلبیتؑ کو اُس کے پاس شام ارسال کر دے۔ اور لازم ہے کہ ابن زیاد کا خط شام پہنچنے اور یزید کا جواب کوفہ آنے میں ایک ماہ کامل صرف ہو۔ لہذا ظاہر ہے کہ اس دوران اہلبیتؑ قید خانہ میں رہے ہوں۔“

اس کتاب سے ثابت ہے کہ اہلبیت رسولؐ کم از کم ایک مہینے یعنی 14 محرم 61 ہجری سے 14 صفر 61 ہجری تک کوفہ میں قید تھے۔

لہذا اُن کا بیس صفر کو دمشق ہوتے ہوئے کر بلا میں آ کر سرہائے شہد اُدفن کرنا مجتہدین کا کمال نہیں تو اور کیا ہے؟ اور سنئے:-

(8)۔ سولہ (16) ربيع الاول 61 ہجری کو اہلبیتؑ کوفہ سے دمشق پہنچے تھے

اما تاریخ ورود اہلبیتؑ بشام در جای دیدہ نشدہ مگر در کامل بہائی کہ میفرماید روز چہار شنبہ شانزدہم ربيع الاول اہلبیتؑ بشام وارد شدند۔“
(منتخب التواریخ صفحہ 467)

”یوں تو شام میں اہلبیتؑ کے وارد ہونے کی تاریخ کہیں نظر نہیں پڑی مگر کتاب کامل بہائی میں علامہ نے فرمایا ہے کہ بروز

بدھ سولہ (16) ربيع الاول کو اہلبیتؑ شام پہنچے۔“

مومنین اب حساب لگائیں سولہ (16) ربيع الاول سے پہلے کے بیس روز سفر کے نکال دیں تو کوفہ سے رواگئی کی تاریخ ستائیس (27) صفر نکلتی ہے۔ اور مجتہدین کا اجتہاد یہ ہے کہ اہلبیتؑ بیس صفر کو شہداء علیہم السلام کے سر کر بلا میں دفن کر رہے تھے۔ بتائیے ہم ان لوگوں کو کیا کہیں؟ پھر یہ سوچئے کہ اہلبیتؑ 13 یا 14 محرم 61 ہجری کو کوفہ میں آئے اور 27 صفر کو کوفہ سے دمشق کے سفر پر روانہ ہوئے تو کوفہ میں اُن کی قید کا زمانہ کم از کم ڈیڑھ ماہ ثابت ہو گیا۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جو ابن زیاد کے خط کا جواب آنے اور پھر رواگئی کی تیاری پر صرف ہوا۔ ساتھ ہی کوفہ سے دمشق تک وہ حقیقی سفر سامنے لائیں جو ہم نے منزل بمنزل تفصیل سے لکھا ہے۔ جس میں ہر آنے والے شہر اور قریہ میں تشہیر اور گشت کرایا جاتا رہا۔ تصادم ہوئے، جنگ بھی ہوئی، استقبال بھی ہوئے، چراغاں بھی ہوئے، معجزات بھی ہوئے، عمر بن سعد نے چھٹی بھی منائی۔ پھر پلٹ کر مجتہد کا منہ دیکھئے فق تو نہیں؟

(الف)۔ کچھ زندان کوفہ کی باتیں اور تعارف اور طوق وزنجیر سے ہمارا رشتہ؟

آپ اپنی مجالس میں کوفہ کی قید اور قید خانہ کا حال نہیں سنتے لہذا آج یہ دیکھیں کہ ہمارے جد اعلیٰ جناب زین العابدین علیہ السلام کی بیڑیاں اور زنجیریں جو بطور منت بچوں کو پہنائی جاتی ہیں اُن کی تاریخ کیا ہے؟ سنئے:-

(1) ودرامالی شیخ صدوق است بعد از بیرون شدن اہلبیتؑ از مجلس ابن زیاد ملعون۔ ثم امر بعلی بن الحسینؑ فغلّ وحمل مع النسوة

والسبايا الى السجن فحبسوا في السجن وضيق باب السجن علیہم۔ (منتخب التواریخ صفحہ 466)

شیخ صدوقؒ کی کتاب امالی میں ہے کہ جب اہلبیتؑ ابن زیاد کے دربار سے باہر نکلے تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ زین العابدین کو طوق وزنجیر پہنا کر اُنکی اہلبیتؑ اور قیدیوں کو جیل خانے میں قید کر دو۔ چنانچہ اُنکے جیل کا دروازہ بہت سخت پہرے میں رکھا جائے۔“

(2) ودرلھوف است۔ ثم امر ابن زیاد بعلی بن الحسینؑ واهله وحملوا الى دار الى جنب المسجد الاعظم فقالت زينب بنت علیؑ

لا تدخلن علينا عریبة الامام الولد او مملوكة فھن سبین كما سبینا۔ (منتخب التواریخ صفحہ 466)

کتاب لھوف میں ہے کہ ابن زیاد نے حکم دیا کہ زین العابدینؑ کو مع اس کے اہل و عیال کے بڑی مسجد والے قید خانہ میں قید کر دو۔

حضرت زینبؑ نے فرمایا کہ ہمارے پاس جو عورت بھی آئی وہ یا تو کوئی صاحب اولاد کنیز تھی یا کسی کی مملوکہ باندی تھی۔ وہ بھی ہماری

طرح قیدی تھیں۔

(3) ودرارشاد شیخ مفید است۔ ولما أصبح ابن زياد بعث براس الحسين فدير به في سلك الكوفة كلها وقبائلها۔ (ايضاً)
 شیخ مفید رضی اللہ عنہ کی کتاب الارشاد میں ہے کہ اگلی صبح سے ابن زیاد نے سر حسینؑ اور اہل حرمؑ کو کوفہ کی تمام گلیوں، سڑکوں اور بازاروں اور تمام آس پاس کے قبائل میں گشت اور تشہیر کرنے کا حکم دے دیا۔
 مومنین نوٹ کریں کہ ڈیڑھ ماہ قید اور گشت کے بعد دمشق کو روانہ کیا گیا تھا۔

(ب)۔ قید خانہ میں خبر رسانی کا ایک طریقہ؟ اہلیت کا سر بند لٹا ہوا سامان

چنانچہ از روایت طبری استفادہ میثود۔ ففیہ عن هشام عن عوانة بن حکم الکلبی قال لما قتل الحسين وجیئ بالانقال و الاسارى حتى وردوا بهم الكوفة الى عبيد الله بن زياد فبينما القوم مجتمعون اذ وقع حجر في السجن معه كتاب مربوط وفي الكتاب: ”خرج البريد بامرکم في يوم كذا وكذا الى يزيد بن معاوية وهو سائر في كذا وكذا يوماً وراجع في كذا وكذا۔ فان سمعتم التكبير فايقنوا بالقتل وان لم تسمعوا تكبيراً فهو الامان انشاء الله۔“ قال فلما كان قبل قدوم البريد بيومين او ثلاثة اذا حجر قد القى في السجن معه كتاب مربوط في الكتاب: ”او صوابوا عهدها فانما ينتظر البريد يوم كذا وكذا“ فجاء البريد ولم يسمع التكبير وجاء كتاب بان سرح الاسارى۔ قال فدعى عبيد الله بن زياد محضربن ثعلبه وشمير بن ذى الجوشن فقال انطلقوا بالثقل والراس الى امير المومنين يزيد بن معاوية قال فخرجوا حتى قدّموا على يزيد۔

از این روایت استفادہ شد کہ سر ہائے نازنین را با اسراء اہل البیت یک مرتبہ از کوفہ حرکت دادند (منتخب التواریخ صفحہ 467)

تاریخ طبری سے ثابت ہوتا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے اور اسیران اہل حرمؑ اور ان کے لوٹے ہوئے سر بند سامان کو لے کر کوفہ میں ابن زیاد کے پاس پہنچے اور اہل حرمؑ کو جیل خانے میں قید کر دیا گیا تو وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ اتنے میں جیل کے اندر ایک خط میں لپٹا ہوا ایک پتھر آ کر گرا۔ خط کھولا گیا تو اس میں لکھا تھا کہ سنو تمہارے فیصلہ کیلئے ابن زیاد کی طرف سے ایک قاصد فلاں روز یزید کے پاس بھیجا گیا ہے۔ اور وہ فلاں روز یزید کے پاس پہنچے گا اور فلاں دن واپس آئے گا۔ اسکے بعد اگر تم اللہ اکبر کی تکبیریں سنو تو سمجھ لو کہ تمہارے قتل کر ڈالنے کا حکم آیا ہے اور اگر تکبیر کی آوازیں بلند نہ ہوں تو انشاء اللہ قتل سے محفوظ رہو گے۔ راوی نے کہا کہ جب قاصد کے واپس آنے میں دو یا تین روز باقی رہ گئے تو پھر حسب سابق پتھر کے ذریعہ خط آیا اس میں لکھا تھا کہ قاصد کے فلاں دن آنے کا انتظار ہے۔ لہذا احتیاطاً تم لوگ وصیت کر دو اور معاہدے قائم کر دو۔ چنانچہ مقررہ دن قاصد آ گیا اور تکبیر کی آوازیں بلند نہ ہوئیں۔ اسلئے کہ خط میں یہ حکم آیا تھا کہ اسیران اہل حرمؑ اور ان کے لوٹے ہوئے سر بند سامان اور سروں کو میرے پاس دمشق بھیج دو۔ چنانچہ ابن زیاد نے محضربن ثعلبہ اور شمیر کو بلایا اور حکم دیا کہ سروں کو اور سر بند سامان کو لے کر قومی مسلمانوں کے امیر المومنین کے پاس روانہ ہو جاؤ۔ راوی کہتا ہے کہ وہ لوگ حسب الحکم روانہ ہو کر یزید کے پاس پہنچے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سر ہائے شہداء اور اہل حرمؑ ایک ساتھ کوفہ سے شام کو روانہ کئے گئے تھے۔ (صفحہ 467)

مومنین نوٹ فرمائیں کہ یہی وہ لباس اور بستروں وغیرہ کے سر بند صندوق تھے جو پہلے قید خانہ سے رہائی کے وقت دیئے گئے تھے۔ اور دوسرے قید خانہ کے مکان میں اور مدینہ پہنچنے تک یہی لباس و سامان کام آیا تھا۔ اس میں برتن اور امور خانہ داری کا تمام سامان تھا۔ یہ

یاد رہے کہ خاندان کاریکارڈ اور دیگر تبرکات مدینہ میں محفوظ تھے۔

(9)۔ دمشق میں قید رہنے اور قیام کی مدت کے متعلق چند اور باتیں

علمائے کرام نے اس سلسلے میں کیا کیا کہا اور لکھا اُس کی ایک جھلک دیکھ لینا ضروری ہے۔ تاکہ ہمارے موقف اور حقیقت واقعی پر اُن کی گواہی ہو جائے۔ ہمارے ریکارڈ میں تو دمشق میں پورا ایک سال اور چاروں مہینوں گزری تھیں اور سال 62 ہجری میں جب ماہ محرم آیا تو یزید نے قیام عزا و ماتم کی اجازت دی۔ ماہ محرم و صفر صرف ماتم بچھی رہی اور بیس صفر کو ماتم اور شہدائے کربلا کا چہلم منایا گیا۔ اس کے چند روز بعد روانگی ہوئی۔

(الف)۔ تاریخ و ماہ و سال بعد میں گھڑے گئے۔ فریب سازی

جیسا کہ ہم شروع سے شکوہ کرتے آ رہے ہیں کہ ریکارڈ تیار کرنے والوں نے نہایت لاپرواہی کا ثبوت دیا ہے۔ اسی سلسلے کا ایک جملہ ملاحظہ فرمائیں:- اُمّا تو قفشاں در شام معلوم نیست چند مدت بودہ؟

”اہلبیت رسول دمشق میں کتنی مدت رکھے گئے معلوم نہیں ہے۔“ (منتخب التواریخ۔ صفحہ 467)

مومنین غور فرمائیں کہ یہ کتاب منتخب التواریخ 1349 ہجری میں لکھی گئی اور اُس وقت تک یہ فیصلہ نہ ہوسکا تھا کہ دمشق میں اہل حرم کتنی مدت قید رہے؟ اور یہ بات یقین سے کہی جاتی رہی کہ 61 ہجری کے ماہ صفر کی بیس تاریخ کو واپس کر بلا پہنچ چکے تھے۔ معلوم ہوا کہ فریب ساز لوگ خود بھی پورا انتظام نہ کر سکے تھے کہ کوئی کچی بات کہہ یا لکھ سکیں جو آگے بڑھے۔ اور مومنین کو غلط یا صحیح یقین فراہم کر دے۔ یہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ علامہ دربندی ایسے زبردست عالم و محقق پندرہ روزہ قیام پر مطمئن ہیں۔ لیکن اس قسم کی تمام باتیں غلط تصورات پر مبنی ہیں۔

(ب)۔ حقیقت تک پہنچنے کی ایک ناکام کوشش

ہم بھی یہ لکھ چکے ہیں کہ کم از کم پہلے قید خانہ کی مدت قید اتنی ہونا ضروری ہے کہ اہل حرم کی دھوپ اور تمازت آفتاب سے زمہری سردی سے صورتیں بدل جائیں۔ اس دلیل کو منتخب نے بھی اختیار کیا ہے۔

درامالی شیخ صدوق استثم یزید امر بنساء الحسین فحبس مع علی بن الحسین فی محبس لا یمکنہم

من حرّ ولا برد حتی تقشّرت وجوہہم۔ (منتخب التواریخ۔ صفحہ 467)

”حضرت صدوق کی کتاب امالی میں ہے کہ یزید نے حکم دیا کہ امام زین العابدین اور حرم حسینی علیہم السلام کو ایسے قید خانہ میں قید کر دو جہاں اُن کو تمازت آفتاب اور سردی سے بچنے کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ انہیں ایسی ہی جگہ قید کیا گیا یہاں تک کہ اُن کے چہرے بدل گئے۔“ اسی روایت کو کھوف سے بھی لکھا ہے لیکن کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا ہے۔ ہم یہاں اس سلسلے کی ایک اور روایت لکھتے ہیں تاکہ مومنین کو صورت بدل جانے والی بات کی ایک نئی وجہ معلوم ہو جائے ساتھ ہی وہ لوگ جو قید خانوں کو ایک ہی قید خانہ سمجھتے ہیں اُنکی غلطی پکڑی جائے۔

فاعلم أنّہ ذکر فی المناقب ثمّ انّ یزید انزلہم فی دارہ الخاصۃ فما کان یتغذی ولا یتعشی حتی یحضر علی بن

الحسین الی ان قال وقال لعلی بن الحسین اذکر حاجاتک الثلاث اللاتی وعدتک بقضائہن۔ (اکسیر صفحہ 545)

”جاننا چاہئے کہ کتاب مناقب میں لکھا ہے کہ یزید نے امام زین العابدین علیہ السلام اور رسول کی بیٹیوں کو اپنی ذاتی اور خاص جگہ رکھا جہاں غذا ملنے اور زندہ رہنے کا کوئی انتظام نہ ہو۔ یہاں اس دن تک قید رکھا گیا جس دن یزید نے امام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں تمہاری تین باتوں میں سے ایک یا سب ضرور تسلیم کروں گا۔“

یہ تھا وہ پہلا قید خانہ جہاں کھانے پینے کے لئے کچھ نہ دیا جاتا تھا۔ صورت بدل جانا تو ہرگز قابل تعجب بات نہیں ہے۔ حیرانی یہ ہے کہ زندہ کیسے رہے؟ اور جواب وہی ہے جو ہم مناسب مقام پر دیں گے۔

(ج)۔ سرہائے شہدائے لٹکائے جانے کی مدت سے اندازہ لگانا

درکامل بہائی است۔ ثم ان یزید امر براس الحسین و سائر الرؤس من اہلبیتہ واصحابہ ان یصلب علی ابواب البلد: وفيہ ایضاً رأسہ صلب علی منارۃ جامع دمشق اربعین یوماً و سائر الروس علی ابواب المساجد و ابواب البلد و یوماً علی باب دار یزید۔ (منتخب التواریخ صفحہ 468)

”کتاب کامل بہائی میں ہے کہ یزید نے سر حسین اور باقی اہلبیت و اصحاب کے سروں کو شہر کے دروازوں پر لٹکانے کا حکم دیا۔ اور اُسی میں یہ بھی ہے کہ امام حسین کا سر دمشق کی جامع مسجد کے مینار پر چالیس روز لٹکا رہا اور باقی شہدائے سروں کو دیگر مسجدوں اور شہر کے دروازوں پر لٹکایا گیا تھا۔ اور ایک دن تمام سر یزید کے محل کے دروازے پر لٹکائے گئے۔“

یہ روایت لکھ کر اب نتیجہ یوں نکالتے ہیں کہ:-

وا زین روایت ممکنست استفادہ شود کہ وقوف اہلبیت در محبس شام زیادہ برچہل روز بودہ۔ (منتخب التواریخ صفحہ 468)

”اور اس روایت سے یہ فائدہ اٹھانا ممکن ہے کہ اہلبیت زندان شام میں چالیس روز سے زیادہ قید رہے ہوں۔“

اس کے بعد مؤرخ نے اور چند احادیث لکھ کر یہ نتیجہ نکال لیا ہے:- ”الحاصل از مجموع این احادیث و تواریخ معلوم میشود کہ اہلبیت اطہار مسلماً دو ماہ در شام تو قفسان طول کشید بعد روانہ مدینہ طیبہ شدند۔“ (منتخب التواریخ صفحہ 469)

”ان تمام احادیث اور تاریخوں سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ اُس کا نچوڑ یہ ہے کہ زندان شام میں اہلبیت علیہم السلام یقیناً دو ماہ کی مدت تک رہے اور اس کے بعد وہ مدینہ کو روانہ ہوئے تھے۔“

اس نتیجہ کے بعد مؤرخ نے علامہ حاجی نوری کی بحث لکھی ہے اور ثابت کیا ہے کہ بیس صفر کو اہلبیت کی کربلا میں واپسی پر جابر بن عبد اللہ انصاری سے ملاقات قطعاً غلط بات ہے۔ (ایضاً صفحہ 469)

یہاں تک مؤرخ کی کوشش سے زیادہ سے زیادہ دو مہینے دمشق میں قید ثابت ہے۔

(10)۔ تمام بیانات میں سمجھوتہ دمشق میں قید کی مدت پورا ایک سال تھی

مؤرخ نے پانچ بڑے سائز کے صفحات میں دھڑا دھڑ مختلف احادیث لکھیں، علما کی بحثیں سامنے لائے اور اس کے بعد پہلے درجہ میں یہ فرمایا کہ:- ”مختفی نہ نما نا کہ بمقتضائی آنچه در سابق ذکر شد بعد است کہ اہلبیت تا اربعین سال بعد در شام توقف فرمودہ باشند۔ و بعد

از این آئینہ بعضی گفتہ اند کہ اہلبیتؑ در اربعین سال اول وارد کر بلا شدند و دیدند جناب جابر بن عبد اللہ را با بعضی از بنی ہاشم بجهت زیارت حضرت سید الشہداءؑ مشرف شدہ اند۔“ (صفحہ 470)

الحاصل جمع بین اخبار معتبرہ و فرمایشات علماء و مورخین ممکن نمیشود مگر آنکہ گفتہ شود آن مخدّرات و فتنیکہ از کوفہ ہشام می رفتند روز اربعین وارد کر بلا شدند و دیدند جناب جابر برای زیارت مشرف است و روز اربعین سال بعد جابر نیز بزیارت مشرف شدہ بود و حضرت زین العابدینؑ بابل بیت ہم مشرف شدہ باشند مگر بلا و سرنازین را ملحق نمودہ باشند بدن مقدس۔ (صفحہ 470-471)

”یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ جو احادیث و روایات اور بحث ہم نے سابقہ صفحات میں لکھی ہے۔ اُس کو دیکھتے ہوئے یہ بات بہت دُور معلوم ہوتی ہے کہ اہلبیتؑ اگلے سال (62 ہجری) کے اربعین تک شام میں قید رہے ہوں اور یہ بات تو اُس سے بھی بہت دور ہے کہ اہلبیتؑ پہلے ہی سال (61 ہجری) کے اربعین پر دمشق سے فارغ ہو کر کر بلا پہنچے ہوں۔ اور جناب جابر بن عبد اللہ اور بعض بنی ہاشم سے ملے ہوں جب کہ یہ لوگ سید الشہداءؑ کی زیارت کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔“

یہ لکھ کر دوسرے درجہ میں اب یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ:-

”تمام بحثوں، حدیثوں اور تاریخوں اور علماء کے اخذ کردہ نتائج میں ہم آہنگی کی اور کوئی صورت ممکن نہیں سوائے اسکے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ ”جب اسیران اہل حرم کوفہ سے شام بھیجا گیا تھا تو انہیں کر بلا کی راہ سے لے گئے ہوں اور اُس وقت جناب جابر بن عبد اللہ اور دیگر بنی ہاشم سے اُسی سال (61 ہجری) کے اربعین کو ملاقات ہوئی تھی۔ اور پھر اگلے سال (62 ہ) کی اربعین میں جناب جابر دوبارہ زیارت کو گئے اور اُدھر امام زین العابدینؑ اور اہلبیتؑ علیہم السلام دمشق سے رہا ہو کر مع سرہائے شہداء کے کر بلا تشریف لائے اور جابر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی اور امامؑ نے سرہائے مقدسہ کو بدہائے مطہرہ سے وابستہ کر کے دفن کیا تھا۔“

یہ ہے وہ شیعہ مومنین کا یقین و عقیدہ اور تاریخی حقیقت جسے مشکوک کرنے کے لئے سرکاری علماء نے بہت جوڑ توڑ کئے۔ مگر وہ مومنین کے قلوب میں شک و شبہ قائم نہ کر سکے۔

53۔ شام میں سال قید کے بعد اہلبیتؑ علیہم السلام کا کر بلا سے ہو کر مدینہ پہنچنا

(1)۔ اہل بیتؑ علیہم السلام کی دمشق سے روانگی کی تیاریاں

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ یزید کی دلی خواہش اور مقصد یہ تھا کہ وہ جس طرح ہو سکے اہل بیتؑ علیہم السلام کو دمشق میں آباد کرے۔ اور مستقبل میں ایسے انتظامات برسر کار لائے کہ کر بلا کو رفتہ رفتہ صفحہ قلب سے مٹایا جاسکے۔ اور اہل دمشق اور مملکت کے عوام کو یہ دکھایا جاسکے کہ اب اہلبیتؑ مجھ سے خوش ہیں۔ ہم میں کوئی اختلاف و تنازع نہیں ہے۔ لہذا عوام کو کوئی ایسی تحریک چلانا جس سے اشتعال پیدا ہو خلاف واقعہ ہوگا۔ اور حکومت و اہل بیتؑ کی منشا کے خلاف جرم ہوگا۔ لیکن یزید کو اہلبیتؑ نے اس مقصد میں بھی نامراد کر دیا اور روانگی ہی کو اختیار کیا۔ چنانچہ عزا داری دمشق میں گھر گھر پہنچا کر اور کر بلا کی تاریخ اور حادثہ کر بلا کے اسباب و علل کو دلوں میں اُتار کر یزید سے ملاقات کی روایت سنئے:-

قال المفید وصاحب المناقب: وروی أَن یزید عَرَضَ عَلَیْهِمُ المَقامَ بِدمشق فابوا ذلک قالوا بل رَدُّنا اِلَی المَدینة فانه مهاجر جدنا۔ فقال لنعمان بن بشیر صاحب رسول اللہ جَہَّزْ هؤَلاءِ النِّسوةَ بِما یُصلِحُہم وابعث معہم رجلاً مِن اهل الشام امیناً صالحاً وابعث معہم خیلاً واعواناً ثُمَّ کساهم وحباهم وفرض لہم الارزاق والازال۔
ثُمَّ دعی بعلی بن الحسین فقال لہ لَعَنَ اللہ ابن مرجانۃ اما واللہ لَوْ کُنْتُ صاحبہ ماسئلنی خصلۃ ابداً اِلَّا اَعْطَیْتُہُ اِياہا ولدفعت عنہ الحتف بکُلِّ ما قدرْتُ علیہ ولوبہلاک ولدی و لکن قَضَی اللہ مَرائِثَ۔ فکاتبنی مِنَ المَدینة وانه اِلَی کُلِّ حاجۃ تكون لک وتقدّم بکسوتہ وکسوة اهل بیتہ وانفذ مَعَهُمُ فی جُملة النعمان بن بشیر۔ (اکسیر العبادات - صفحہ 545)

شیخ مفید رضی اللہ عنہ اور کتاب المناقب کے مصنف نے لکھا ہے کہ یزید نے اہلبیت کے سامنے دمشق میں ٹھہرنے اور سکونت اختیار کرنے کی درخواست کی۔ مگر انہوں نے ناگواری اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اس دفعہ بھی یہ کہا کہ میں اپنے نانا کی خدمت میں ہجرت کرنا پسند کروں گا۔ یہ فیصلہ سنا تو یزید نے نعمان بن بشیرؓ صحابی رسولؐ سے کہا کہ تم رسولؐ کے اہل حرم کو تمام ضروریات جو ان کو ہر ممکن سہولت فراہم کرنے کے لئے لازم ہوں پورا کرو۔ اور کسی نہایت دیانت دار اور صالح اور صاحب امانت شامی کو ان کی واپسی کے لئے مقرر کرو۔ اور ان کے ساتھ ساتھ سفر کرنے، پہرہ دینے اور خدمت کرنے کے لئے مردوں عورتوں کا ایک گروہ منتخب کر کے مجھے رپورٹ کرو۔ اس کے بعد یزید نے اہلبیت کے کپڑے لباس اور سفر میں کام آنے والی ہر چیز فراہم کی ان کے لئے مستقل وظائف و آمدنی کا انتظام کر دیا۔

یہ تمام احکامات دینے کے بعد یزید نے امام زین العابدینؓ کو بلایا (وہی روایت) اور ان سے کہا کہ اللہ ابن زیاد پر لعنت کرے خدا کی قسم اگر کہیں میں حسینؓ کے پاس ہوتا تو یہ نہ دیکھتا کہ حسینؓ کا رجحان اور خصلت کیا ہے اور جو کچھ وہ چاہتے اُنکو دے دیتا اور انہیں خطرہ سے بچاتا اور اپنی پوری قدرت صرف کر دیتا خواہ ایسا کرنے میں خود میری اولاد کو ہلاکت کا سامنا کرنا پڑتا مگر کیا کروں قضائے الہی کے بعد اب کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپ مجھ سے رابطہ رکھیں۔ جب بھی آپکو کوئی ضرورت ہو تو مدینہ سے مجھے خط لکھ دیا کریں میں خدمت بجالاؤں گا۔ اسکے بعد امام کے لباس وغیرہ کا انتظام کیا اور انکے اہلبیت کے لباس بھی تیار کرائے اور دیگر اسٹاف (STAFF) کے ساتھ ساتھ خود نعمان بن بشیرؓ کو ساتھ جانے کیلئے تعینات کیا۔ (اکسیر صفحہ 545)

(الف)۔ یزید کے بیانات بڑے دل نشین تھے مگر اہلبیت کی پسند شرط ہے؟

اگر بات سادہ ہوتی یعنی یزید ہی سے شروع ہو کر یزید ہی پر ختم ہو جاتی؟ اگر سقیفہ بنی ساعدہ سے لے کر یزید تک کے دانشوران قوم کی پالیسی اور عمل درآمد بیچ میں نہ ہوتا؟ اگر یہ کفر و اسلام کا معاملہ ہوتا؟ اگر یہ کسی خاندانی دشمنی کا حادثہ ہوتا؟ اگر یہ اچانک بلا منصوبہ سازی کے پیش آ گیا ہوتا تو ہم یزید کو معاف کر دیتے۔ لیکن یزید نے تو خود تصدیق کر دی کہ کر بلا ایک حادثہ نہیں بلکہ پچاس سال سے پروان چڑھتے چلے آنے والی اسکیم اور پالیسی ہے۔ یہ رسول خدا اور علی مرتضیٰ سے انتقام ہے۔ یہ ساری وحی اور نبوت کا انکار نہیں بلکہ اُس وحی کا انکار ہے جو آج تک کیا جا رہا ہے کہ محمدؐ کے بعد علیؓ کی حکومت من جانب خدا اور منزل من اللہ نہیں ہے۔ یہ تو بقول شبلی نعمانی وہ اسکیم

ہے جس میں خاندان نبوت سے حکومت الگ کرنا طے کیا گیا تھا۔ اور وہ منصوبہ ہے جس میں قریش کی قومی حکومت قائم کرنا اور مخالفین کی نسل کو تباہ کرنا طے کیا گیا تھا (فرقان 25/30، بقرہ 2/205)۔ یہ تو اُسی قوم کی پیروی میں کیا گیا ہے جس نے قرآن کو مجبور کر کے نظام اجتہاد کو اپنا راہنما بنایا تھا۔ اس لئے یزید کے یہ بیانات بھی قومی پالیسی کے احیاء کی کوششوں کی ذیل میں آتے ہیں۔ یہ اُس انقلاب کو روکنے کی کوشش ہے جو حکومت کے دروازہ پر دستک دے رہا ہے۔ یہ باتیں یقیناً قلب و ذہن سے نکلی ہیں مگر سیاست کے دباؤ اور خطرے کو دور کرنے کے لئے باہر آئی ہیں۔ قضائے الہی کے جو معنی بھی ہوں۔ یہ بحث و مناظرہ میں الجھنے اور الجھانے والی بات ہے۔ قومی خلیفہ یا قریشی مومنین کے امیر المومنین یہ کیوں کہتے ہیں کہ حسینؑ جو مانگتے دے دیتا؟ کیا اُسے ابھی تک ایک سال خطبات و اہلبیتؑ کے بیانات سننے اور لاکھوں شامیوں کو بھینٹ چڑھانے اور خاندان رسولؐ کے قتل عام کر چکنے کے بعد بھی یہ معلوم نہیں ہوا کہ حسینؑ کیا چاہتے تھے؟ حسنؑ کیا چاہتے تھے؟ علیؑ کیا چاہتے تھے؟ محمدؐ کیا چاہتے تھے؟ اور اللہ کیا چاہتا ہے؟ کیا اُسے یہ معلوم نہیں کہ معاویہ نے اور اُس کے سرپرستوں نے جو چاہا اور جو کیا وہ نہ اللہ چاہتا ہے نہ رسولؐ چاہ سکتے تھے؟ وہ کیوں نہیں کہتا کہ: یا ابن رسول اللہؐ آپ کیا چاہتے ہیں؟ وہ کیوں نہیں کہتا کہ میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں۔ وہ کیوں سربراہی اسلام سے دستکشی کا اعلان نہیں کرتا؟ وہ کیوں امامؑ کی ضروریات یعنی آٹے دال کی فکر کرتا ہے۔ وہ کیوں تاج حکومت امامؑ کے پیروں پر نہیں رکھ دیتا؟ خلیفۃ اللہ، خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین تو خود ہی بنا رہنا چاہتا ہے۔ خط آنے پر امامؑ کی ضروریات فراہم کر کے احسان کی راہ کھلی رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن نہ یہ امامؑ کسی کا احسان لے گا نہ اُس کے بزرگوں نے کسی اور کا احسان لیا۔ یہ بور یہ نشین فاقہ مست خاندان ہے۔ یہ اللہ کے سوا کسی کا احسان نہیں لیتا۔ بہر حال یزید کی باتوں سے وہ لوگ بہک سکتے ہیں جو قرآن اور اسلام کے اصولوں سے جاہل ہوں۔ جو ایسے جاہل اور کورے لٹھ ہوں جو نہ لفظ خوشامد اور اس کے مواقع سے واقف ہوں۔ جو نہ لفظ سیاست و فریب پر مطلع ہوں جو یہ بھی نہ جانتے ہوں کہ: رفع حاجت کو چلے جاتے پیخانہ میں یا واقف تو ہوں مگر یزید کی طرف سے مسلمانوں کو دھوکہ دینے والے ہوں۔

(ب)۔ یزید کے متعلق اہلبیتؑ کے احساسات اور جوابات

یزید، اہلبیت علیہم السلام کی رخصت کا شاہانہ لیول پر انتظام کر رہا ہے۔ تمام اہلکارانِ حکومت اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہے ہیں۔ اُدھر امامؑ اور رسولؐ کی بیٹیاں بھی تیاری میں مصروف ہیں۔ آج یزید نے اپنا انتظام دکھانے کے لئے اہلبیتؑ رسولؐ کو بلایا ہے۔ شاہی بیگمات بھی موجود ہیں۔ فطرت انسانی کی خواہش ہوا کرتی ہے کہ رخصت کے وقت کچھ تحفے تحائف دیئے جائیں۔ کچھ ہر وقت کام آنے اور سامنے رہنے والی چیزیں دی جائیں تاکہ دینے والوں کی قدر و قیمت اور یاد تازہ ہوتی رہے۔ مگر رخصت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اور اہلبیتؑ جس حال میں رخصت ہو رہے ہیں وہ اُن میں سے کسی بھی قسم میں داخل نہیں کئے جاسکتے۔ اُن پر کیا گزر رہی ہے؟ یہ بیان کرنے کے لئے دس کروڑ صفحات کی کتاب کافی نہیں ہے نہ بیان کرنے کے لئے عمر نوٹ کفایت کر سکتی ہے۔ ہاں سیکنہ ساتھ ہوتی تو کھلونوں کی بات کچھ بن جاتی۔ حسینؑ سر پر ہوتے، علیؑ اکبر و عباسؑ ہوتے، قاسمؑ ہوتے، علیؑ اصغر کھیلنے کی عمر کو پہنچ گئے ہوتے تو بات اور ہوتی۔ مگر اب تو مدینہ کا خیال ہی ایک ایسی بھیا تک بات ہے کہ تصور سے دل لرز جاتا ہے۔ وہاں والے کیا کیا سوال کریں گے؟ کس کو

کیا جواب مطمئن کرے گا؟ یہ ہے وہ غم و اندوہ کا سماں جو اہلیت کے دل و دماغ پر ہر لمحہ طاری ہے۔ اس حالت میں تحفہ دینا بھی ظلم ہے۔ یاد رکھنے کی درخواست بھی بے معنی ہے۔ اُن کے حافظہ میں تو برسوں کوئی بیرونی چیز جگہ نہ پاسکے گی۔ اُن کے لئے بہترین تحفہ یہ ہے کہ ماتم حسینؑ کیا جائے۔ ہائے حسینؑ ہائے علیؑ اصغر کہہ کر سر و سینہ پر ضربیں لگائی جائیں۔ اُن کو کر بلا والوں کی یاد کے علاوہ کوئی چیز خوش نہیں کر سکتی۔ یزید اہلیتؑ کو شاہی ٹھاٹھ اور مادی و فانی سامان دکھا کر داد لینا اور قلوب اور اجسام پر گہرے زخم لگا کر مرہم سے خوش کرنا چاہتا ہے سنئے:-

علامہ ابو مخنف: قال الراوی فعد ل لهن المحامل و فرشها بفرش دیقی والا بریشم و صب الاموال علی الانطاع و قال یام کلثوم خدی هذه الاموال عوضا عن الحسن و احسبی کان قدمات۔ فقالت ام کلثوم یا یزید ما افسی قلبک تقتل اخی و تعطینی عوضه مالا و الله لا کان ذلک ابداً قال فاعطاهم مالا کثیرا و اخلف علی کل واحد منهم و منهن ما اخذ منه و زاد علیه من الحلی و الثیاب و الاثاث۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 545)

”علامہ ابو مخنف نے لکھا ہے کہ راوی کا بیان ہے کہ یزید نے آل رسولؐ کے لئے شاندار محملیں تیار کرائیں۔ حریر و دینا اور ریشمی پردے اور تکیے اور گلے رکھوائے اور مال و دولت کے انبار لگا دیئے تو جناب ام کلثومؑ سے کہا کہ یہ سب کچھ میں حسینؑ کے بدلے میں پیش کرتا ہوں اُسے قبول کر لیں اور دل کو یوں سمجھالیں کہ ہمارا بھائی پہلے ہی مر چکا تھا۔ حضرت ام کلثومؑ نے کہا اے یزید تو کتنا بے رحم اور سخت دل ہے کہ میرے بھائی کو قتل کر کے اُن کے عیوض مجھے مال دے کر بہلانا چاہتا ہے۔ اُن کا بدلہ قیامت تک بھی نہ دیا جاسکے گا اور ہم ہرگز مال و دولت حاصل نہیں کرتے۔ بہر حال راوی نے اس انکار کے باوجود بھی کہہ دیا کہ یزید نے بکثرت مال و دولت دی اور جو سامان اُن میں سے کسی کا بھی لوٹ لیا گیا تھا واپس دیا ورنہ اس کے بدلے میں کچھ دیا۔ اور اس کے علاوہ سب کو خلعتیں کپڑے اور پوشاکیں اور ضروریات زندگی سے متعلقہ سامان دیا۔“

مومنین نوٹ فرمائیں کہ حضرت ام کلثومؑ ایسا مزاج رکھنے والوں نے کیا قبول کیا ہوگا؟

(2)۔ دمشق سے رواگئی اور کر بلا میں واپسی

مومنین نے وہ انتظامات دیکھے جو یزید نے اہلیتؑ کی رواگئی کے لئے کئے تھے۔ آج اولاد رسولؐ دمشق سے روانہ ہو رہی ہے۔ اس رواگئی اور اس رواگئی کے انتظامات کو اگر اُس نظارہ کے سامنے رکھ دیا جائے جو اہل دمشق کی آنکھوں نے اُس وقت دیکھا تھا جب خاندان رسولؐ کو دمشق میں لایا گیا تھا تو وہ فرق کھل کر سامنے آجائے گا۔ جسے برقرار رکھنے کے لئے یزید اور اُس کی سابقہ سرپرست حکومت نے مسلسل پچاس سال کی کوشش کی تھی۔ اور جسے پیدا کرنے اور عملی صورت دینے کے لئے یزید نے بقول قیس بن ربیع، اپنی پوری مالی و فوجی و سیاسی قوت و قدرت صرف کر دی تھی۔ مگر صرف ایک سال کے اندر اندر یزید کی تمام جابرانہ و قہرانہ و ظالمانہ قوت و قدرت خاندان رسولؐ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اور آج اس رواگئی کے وقت یزید ملعون اور اُس کی ازواج و اولاد، اہلیتؑ کے سامنے غلاموں اور کنیزوں سے زیادہ کوئی مقام نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے شہر سے باہر آ کر جہاں تک اُن کی نظر جاسکتی تھی یہ نظارہ دیکھا تھا کہ

لوگ اُن اونٹوں اور عماریوں کے پردوں کو بطور تبرک چھونے اور چومنے کے لئے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ وہ تمام صندوق جن میں تمام سرہائے شہدائے عموماً اور وہ صندوق جس میں سر حسین علیہ السلام تھا خصوصاً مرکز نگاہ تھے۔ لوگ اُن اونٹوں کا طواف کر رہے ہیں جن پر وہ صندوق رکھے ہوئے ہیں۔ لوگ اونٹوں والوں سے رکنے کی درخواست کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے مایوس العلاج بیماروں کو شغف کے نیچے سے گزاریں۔ امام زمانہ کے پاؤں چھونے والوں کی قطاریں لگ جاتی ہیں۔ لوگ پاؤں سے لپٹ لپٹ کر بلک کر روتے تھے۔ یزید نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اُس نے دیکھا تھا کہ اہل دمشق کے قلب و ذہن پر اُس کی نہیں بلکہ اہلبیت کی حکومت ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ خاندان رسولؐ کے چلے جانے کے بعد دراصل وہ اہل دمشق کے رحم و کرم پر رہ جائے گا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میری اور میری حکومت کی شکست ہو چکی ہے۔ یہ روزانہ حسینؑ کی فتح کا اعلان لے کر سورج نکلتا اور بلند ہوتا ہے۔ پھر مومنین وہ شان یاد کریں جب امام حسین علیہ السلام مدینہ سے روانہ ہو رہے ہیں۔ کتنا اہتمام ہے؟ بار بار سر جھکانے کی آواز آرہی ہے۔ لوگو! آنکھیں جھکا لو حضرت زینبؑ سوار ہو رہی ہیں۔ آج بھی مدینہ کا نظارہ سامنے ہے۔ مگر کی یہ ہے کہ سوار کرانے والوں میں نہ عباسؑ ہیں نہ علی اکبرؑ ہیں اور نہ سامنے امام حسینؑ کرسی نشین ہیں۔ بہر حال وہاں اہل مدینہ رو رہے تھے۔ یہاں اہل دمشق میں رونے کا کھرام برپا ہے۔ آج حضرت زینبؑ وام کلثومؑ اور رسولؐ کی باقی بیٹیاں دمشق کو فتح کر کے واپس جا رہی ہیں۔

(الف)۔ پانچ سو سواروں اور سینکڑوں خادموں اور خادماؤں کے ٹھہر مٹ میں روانگی

فقال ابو مخنف، ثم دعا بالجمال فابصر كوها فوطأها لهم باحسن وطاء واجملهم فدعى بقواد من قواده وضم اليه خمس مائة فارس وامره بالمسير الى المدينة فصار القائد بهم من دمشق وكان يقدمهن تارة ويتأخرهن تارة واحسن لهن بالصحة والنصيحة والخدمة اللائقة قال فعند ذلك قالوا له مرنبا على كربلا - فمر بهم على كربلا فوجد فيها يومئذ جابر بن عبد الله الانصاري وجماعة معه قد اتوا لزيارة الحسين فعند ذلك نزلوا في كربلا وجدوا الاحزان وشققوا الجيوب ونشروا الشعور وابدوا ما كان مكتوما من الاحزان والمصائب واقاموا عنده اياما - انتهت كلامه - (الكبير صفحہ 546)

وقال السيد في الملهوف قال الراوى ولما رجع نساء الحسين وعياله من الشام وبلغوا العراق قالوا للدليل مرنبا على طريق كربلا - فوصلوا الى موضع المصرع فوجدوا جابر بن عبد الله الانصاري وجماعة من بني هاشم ورجالا من آل رسول الله قد وردوا لزيارة قبر الحسين فتوافوا في وقت واحد وتلاقوا بالبكاء والحزن والطم واقاموا الماتم المقرحة للاكباد واجتمع اليهم نساء ذلك السواد فافقوا على ذلك اياما وفي بعض الروايات واقاموا الماتم عند قبر الحسين عليه السلام ثلاثة ايام فلما كان يوم الرابع توجهوا نحو المدينة - (الكبير العبادات - صفحہ 546)

علامہ ابو مخنف نے بتایا ہے کہ پھر یزید نے اونٹوں کے ماہرین کو بلایا۔ وہ سب متعلقہ اونٹوں کو لے کر حاضر ہوئے، انہیں بٹھایا، اُن پر کجاوے اور عماریاں بہت دل پذیر انداز سے فٹ (FIT) کیں۔ اور انہیں متعلقہ پردوں اور چیزوں سے سجایا اور اونٹ سواری کے لئے تیار ہو گئے۔ پھر گھوڑوں کے ماہر کو بلایا اور اسے پانچ سو بہترین گھوڑوں اور سواروں کو انتخاب کرنے اور مدینہ تک ہمراہ جانے کی ہدایات دیں۔ چنانچہ وہ اہل بیتؑ کو لے کر دمشق سے روانہ ہوا۔ کبھی شہزادیوں کے آگے آگے رہتا تھا ضرورت پڑنے پر پیچھے پیچھے چلتا

تھا۔ سوار داہنے بائیں آگے پیچھے دُور دُور رہ کر راستہ صاف رکھتے جاتے تھے۔ قافلہ سالار ہر سواری کے ساتھ متعلقہ انتظام پر نظر رکھتا تھا۔ ضروری اطلاعات اور نصیحت اور سفر کا مقام و منزل اور احتیاط بتاتا جاتا تھا۔ ہر خدمت بہترین ادب و تعظیم سے کراتا ہوا چلتا تھا۔ راوی نے کہا کہ اس اطاعت شعاری اور محنت کشی کو دیکھ کر اہلبیتؑ نے کہا کہ ہمیں کربلا کی راہ سے لے کر چلنا۔ چنانچہ وہ لئے ہوئے کربلا پہنچا۔ اور وہاں جابر بن عبد اللہ انصاری کو ایک اور جماعت کی معیت میں موجود پایا۔ جو زیارت امام حسین علیہ السلام کے لئے آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ اہلبیتؑ نے کربلا میں قیام فرمایا اور ماتم حسینؑ اور عزاداری شہداء انجام دینے کے لئے جو باتیں اور اعمال باقی رہ گئے تھے اور فتویٰ نہ ہونے کی بنا پر اُن پر عمل نہ ہوتا تھا وہ بھی مصائب سید الشہداء میں عملاً بجالائے گئے۔ چنانچہ اظہار غم و مصیبت کے لئے بال کھول دیئے گئے اور عزائے سید الشہداء کو کئی روز تک باقاعدہ جاری رکھا گیا۔ یہاں علامہ ابو مخنف کا بیان ختم ہو جاتا ہے۔ مگر:

علامہ سید ابن طاووس لکھتے ہیں کہ جب امام حسین علیہ السلام کے اہل حرمؑ اور اہل و عیال و اطفال علیہم السلام شام سے روانہ ہو کر عراق کی حدود میں داخل ہو گئے تو انہوں نے قافلہ کے نگران سے کہا کہ ہمیں کربلا کی راہ سے مدینہ لے کر چلنا ہے۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا اور جب اہلبیتؑ مقام دفن کے قریب پہنچے تو جابر بن عبد اللہ انصاری کو اور بنی ہاشم میں سے ایک جماعت کو اور آل رسولؐ کے چند لوگوں کو وہاں موجود پایا جو قبر مظلومؑ کی زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ سب نے مل کر ساتھ ہی ساتھ قبر مبارک کا طواف کیا اور روتے پیٹتے منہ پر ٹمانچے مارتے ہوئے امامؑ سے ملاقات کی اور ایسا ماتم برپا کیا جس سے کلیجوں میں زخم پڑ کر رہ جائیں۔ آس پاس کے دیہات کی خواتین بھی قیام عزاء میں کئی روز شریک رہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف تین دن صف ماتم تکھی رہی اور جب چوتھا دن ہوا تو مدینہ کی طرف روانگی کے لئے متوجہ ہوئے۔

(ب)۔ کربلا سے مدینہ کا سفر اور شہداء سے جدائی بڑا جگر خراش مرحلہ تھا

قال ابو مخنف فلما كان يوم الرابع توجهوا نحو المدينة ثم لما ارادوا الرحيل و جاؤا بالجمال للنساء صاحت رقية بنت الحسين بالنساء الاراجعن الى قبر ابي لنودة فرجعن اليه و درن حوله فحضنت القبر الشريف و بكت بكاء شديدا حتى غشى عليها فلما افقت جعلت رحلنا يا ابي بالرغم منا - الا فانظر الى ما حل فينا - الا يا كربلا اودعت جسمنا . بلا غسل ولا كفن دفينا - آلا يا كربلا اودعت نوراً - لباري الخلق طراً اجمعينا - الا يا كربلا اودعت كنزاً و ذخر القاصدين الزائرين - (أكبر العبادات - صفحہ 548-547)

کربلا میں ماتم و عزاداری کی تاقیامت قائم رہنے والی رسومات عملاً قائم کر کے اور زیارات شہدائے کربلا کے آداب و طریقے سکھا کر کربلا سے روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا اور سواری کے لئے عماریوں والے اونٹ لاکر خیموں کے سامنے بیٹھا دیئے گئے تو جناب رقیہ بنت امام حسین علیہ السلام نے اپنی پھوپھی اور دوسری بزرگ خواتین سے فریاد کی کہ آپ میرے والد سے رخصت کی اجازت لئے بغیر ہی روانہ ہو جانا چاہتی ہیں؟ کیا انہیں اس طرح اور اتنا جلدی سے بھلا دینا چاہتی ہیں؟ یہ سن کر نئے انداز سے بیسیوں میں کہرام برپا ہو گیا اور یوں گریہ وزاری کرتی ہوئی تمام خواتین قبر حسین مظلوم علیہ السلام پر آئیں اور قبر کے چاروں طرف کھڑے ہو کر رخصت کے دردناک

بہن کرنا شروع کئے۔ ادھر جناب رقیۃ باپ کی قبر مبارک سے لپٹ گئیں اور اس بے قراری سے روئیں کہ تمام خواتین کو ان کی جان کے لالے پڑ گئے آخر بے ہوش ہو گئیں۔ اور جب ہوش میں آئیں تو یہ مرثیہ پڑھنا شروع کر دیا کہ اے بابا جان ہم مجبوراً آپ سے جدا ہو کر جا رہے ہیں۔ ذرا ہمارا حال، ہماری صورتیں تو دیکھ لیں کہ ہم پر کیا کیا آفات گزر گئیں۔ اے کر بلا خبر دار رہنا کہ ہم اپنی زندگی سے زیادہ عزیز بزرگوں اور سرپرستوں کو تیرے اندر دفن چھوڑے جا رہے ہیں۔ اے کر بلا ہوشیار باش کہ ہم کائنات کی زندگی اور سارے جہان کی روشنی تیرے پاس چھوڑے جا رہے ہیں۔ اے کر بلا ہم نے اپنا سارا ذخیرہ اور خزانہ تیری آغوش میں محفوظ کر دیا ہے۔ تاکہ اُن سے زیارت کو آنے والے استفادہ کرتے رہیں۔ جس طرح ہوسکا تمام بزرگوں اور شہداء سے رخصت ہونا پڑا۔

(ج)۔ آخر اہلبیت علیہم السلام مدینہ کو روانہ ہو ہی گئے؛ خدمتگاروں کا سلوک قابل ستائش

قال المفید وصاحب المناقب ثم اوصی بهم الرسول یسائرهم فیکون امامهم فاذا نزلوا تنحی عنهم وتفرق هو و اصحابه کھیئۃ الحرّس ثم ینزل بهم حیث اراد احدہم اللوضوء و یعرض علیہم حوائجہم ویلطفہم حتی دخلوا المدینۃ و لفظ بعض الروایات ہکذا و انفذہم فی جملۃ النعمان بن بشیر رسولاً تقدّم الیہ ان یسیر بہم فی اللیل و یكون امامہ حیث لا یفتون طرفۃ عین فاذا نزلوا تنحی عنهم و تفرق هو و اصحابہ حولہم کھیئۃ الحرّس لہم و ینزل منہم جنباً حتی اذا اراد انسان من جماعتہم وضوء و قضاء حاجتہ لم یحتشم فصار معہم فی جملۃ النعمان بن بشیر و لم یزل ینازلہم فی الطریق و یرعاہم کما و صاہ یزید و یرفق بہم۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 546-547)

بہر حال مدینہ پہنچنا تھا، امام کا حکم تھا، اللہ کا منشا تھا اس لئے دل پر صبر کی سِل رکھی اور اہل حرم سوار ہو گئے۔ اور قافلہ سالار ہدایت کے مطابق اہل حرم کو لے کر روانہ ہوا۔ راہ میں اُس کا طریقہ یہ رہتا تھا کہ دوران سفر وہ عموماً آگے آگے رہتا تھا۔ جہاں منزل آتی تھی تو اہل حرم سے علیحدہ دُور چلا جاتا تھا اور اُس کے ساتھی بھی پہرہ داروں کی طرح دُور دُور پھیل جاتے تھے۔ اور جب اہل حرم میں سے کسی کو کوئی ضرورت ہوتی تھی مثلاً کوئی ایک فرد بھی وضو کرنا چاہتا تھا یا کوئی اور ضرورت ظاہر کرتا تھا تو وہ فوراً مدد کو پہنچ جاتے تھے۔ اور بڑی توجہ، اطاعت شعاری و ہمدردی کا ثبوت دیتے ہوئے مدینہ تک لے گئے۔ اور سابقہ روایات سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ سب سے زیادہ ہمدرد نعمان بن بشیر رسول اللہ کا صحابی بھی اس گروہ میں موجود تھا۔ جب رات کو سفر ہوتا تھا تو وہ سب سے آگے رہتا تھا۔ کوئی ایک بھی کسی لمحہ غافل نہ ہوتا تھا۔ جیسے ہی منزل آتی تھی سب اہلبیت سے دُور دُور چلے جاتے تھے۔ وہ خود بھی اور اسکے ساتھی بھی ادھر ادھر مناسب فاصلوں پر نگرانی کیلئے پھیل جاتے تھے۔ اور گوش برآواز رہتے تھے۔ اور پہلو بہ پہلو اس طرح کھڑے ہوتے تھے اگر کسی انسان کو وضو کی یا رفع حاجت کی ضرورت ہوتی تھی تو کوئی خطرہ محسوس کئے بغیر اُن کی حفاظت میں تمام ضروریات پوری کر لیتا تھا۔ اور راہ میں بھی ہر ضرورت کے لئے ہر رعایت دی جاتی تھی۔ اور بڑی ہمدردی کا سلوک کیا جاتا تھا۔ اور یزید کی تاکید پر پورا پورا عمل کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ شہزادیاں قافلہ سالار سے خوش ہو گئیں۔

(اکسیر العبادات۔ صفحہ 546-547)

(د)۔ قافلہ سالار کی اطاعت و خدمت پر اہلیت کا احسان مند ہونا اور رخصت کرنا

مدینہ پہنچ کر امام زین العابدین علیہ السلام نے شہر سے باہر خیمہ لگوا دیا اور قاتلوں کے اندر زنانہ خیمے ترتیب دیئے گئے۔ اب قافلہ سالار جناب نعمان بن بشیر رخصت کیلئے حاضر ہوتا ہے۔ اُسکے تمام ساتھی مع پانچ سو سواروں کے دُور صف بستہ کھڑے ہیں۔ شہزادیاں چاہتی ہیں کہ اپنی خاندانی روایات کے مطابق قافلہ سالار کی خدمت کا بدلہ اور اپنی بابرکت رضا مندی پیش کریں۔

قال الحرث بن كعب قَالَتْ لِي فاطمة بنت علي عليها السلام قُلْتُ لِأُخْتِي زَيْنَبٌ قَدْ وَجِبَ عَلَيْنَا حَقُّ هَذَا الرَّجُلِ لِحُسْنِ صَحْبَتِهِ لِنُفَهِّلَ لَكَ أَنْ تَصْلِهِ؟ قَالَتْ فَقَالَتْ وَاللَّهِ مَا لَنَا مَا نَصْلُهُ بِهِ إِلَّا أَنْ نَعْطِيَهُ جَلِيلًا فَاحْذُثْ سَوَارِي وَدَمْلَجِي وَسَوَارِخِي وَدَمْلَجِي إِلَيْهِ وَاعْتَذِرْنَا مِنْ قَلْبِنَا هَذَا بَعْضُ جَزَائِكَ لِحُسْنِ صَحْبَتِكَ إِنَّا نَا- فَقَالَ لَوْ كَانَ الَّذِي صَنَعْتُ لِلدُّنْيَا كَانَ فِي دُونِ هَذَا رِضَائِي وَلَكِنْ وَاللَّهِ مَا فَعَلْتُهُ إِلَّا لِلَّهِ وَقِرَابَتِكَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ- (اکسیر صفحہ 547)

چنانچہ حرث بن کعب نے بتایا کہ مجھے جناب فاطمہ بنت علیؑ نے سنایا تھا کہ میں نے اپنی بہن زینبؑ سے کہا کہ بہن ہم پر اس شخص کے اچھے سلوک سے واجب ہو گیا ہے کہ ہم بھی اُسکے ساتھ سلوک کریں۔ کیا آپ کی تحویل میں اتنا کچھ ہے کہ اُسکو صلہ دیا جاسکے؟ انہوں نے قسمیہ فرمایا کہ ہمارے پاس سوائے دو ایک زیورات کے اور کچھ بھی تو نہیں ہے۔ لہذا میں نے حضرت زینبؑ کا گلو بند اور اپنا گلو بند اور اُنکا کنگن اور اپنا کنگن اسے دیا اور معذرت کی کہ بھائی ہمارا حال تمہیں معلوم ہے۔ اور جو خدمت ہم کرنا چاہتے ہیں یہ اس سے بہت کم ہے۔ اُس نے کہا کہ بی بی میں نے جو خدمات انجام دیں وہ تمہیں خوش کرنے اور رسول اللہؐ سے تمہاری قربت کی بنا پر رضائے خداوندی کیلئے انجام دی ہیں۔ اور اگر میں دنیاوی مال کیلئے ایسا کرتا تب بھی میری امید سے زیادہ ہے۔ لہذا آپ میرے لئے دعائے خیر فرمائیں۔ میری سفارش کریں کہ اللہ میری عاقبت بخیر کرے۔ یہ کہہ کر زیورات واپس کر دیئے۔

(3)۔ امام کا پیغام تعزیت اور اہل مدینہ میں حرم رسولؐ کے پہنچنے کی اطلاع

یوں تو اہل مدینہ کو خاندان رسولؐ کے قتل عام کی اطلاع سرکاری اور غیر سرکاری دونوں طریقوں سے سال بھر پہلے مل چکی تھی۔ یہاں یزیدی حکومت کا گورنر یزید کی فتح کا اعلان کر چکا تھا۔ اور اس اعلان کے بعد ہی مروان ملعون یزید کو مبارکباد دینے دمشق پہنچا تھا۔ اور اُس روز دمشق میں موجود تھا۔ جس دن یزید نے اہل حرمؐ کو گشت میں رکھتے ہوئے سرداران فوج کی میٹنگ بلائی تھی۔ اور سر مبارک پہلے روز اُس لعین ابن ملعون کے روبرو بطور تحفہ اور برائے انعام پیش کیا گیا تھا۔ مسلمانوں کا دل چاہتا رہا ہے کہ کربلا کے مظالم کی اطلاع پر رسول اللہ کے اس مدینہ میں انقلاب آیا ہوتا۔ یہ قدیم مسلمان شہر تلوار بہ کف میدان میں نکل آیا ہوتا۔ لیکن اس مدینہ میں بھی کم و بیش خانوادہ رسولؐ کا احترام ملک شام کے برابر ہی تھا۔ آدھی صدی میں جوئی پود پیدا ہو کر پروان چڑھی تھی، اس کی کثرت یزید و معاویہ کو امیر المومنین کہتی اور سمجھتی تھی۔ سوائے چند گنتی کے لوگوں کے سب نے بخوشی یزید کی بیعت کی تھی۔ جو چند لوگ ناک بھوں چڑھانے والے تھے۔ بیعت انہوں نے بھی کر رکھی تھی۔ یزید کو وہ بھی امیر المومنین کہتے تھے۔ تمام احکامات کی اطاعت کرتے تھے۔ وہ اس لئے یزید سے ناخوش تھے کہ وہ خود کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے۔ وہ اس لئے خفا نہ تھے کہ وہ علی یا حسن و حسین علیہم السلام کو منجانب اللہ سربراہ اسلام سمجھتے تھے۔ ہرگز نہیں وہ

جس اصول سے پہلی تین خلافتوں کو حق بجانب سمجھتے تھے۔ اُسی اصول کے ماتحت وہ حسینؑ کے مقابلہ میں خود کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے۔ وہ رسمی طور پر حسینؑ کی عزت کرتے تھے۔ زبانی تعظیم بجالانے سے آگے انہیں کوئی دنیاوی برتری نہ دیتے تھے۔ اس لئے وہ اس فکر میں تھے کہ اُن کے علاوہ کوئی اور یزید سے ٹکر لے تو وہ نتیجہ سے فائدہ اُٹھائیں۔ وہ خود یزیدی قوت قاہرہ کے سامنے سر اٹھانے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کربلا میں شہید ہونے والوں میں مدینہ کا کوئی شخص نہیں ملتا۔ البتہ قتل حسینؑ کے بعد اُن میں کچھ بڑی پک رہی تھی۔ وہ پبلک میں نفرت پھیلنے اور پھیلائے اور پھر یزید کے خلاف کوئی ایسا اقدام کرنے کی فکر میں تھے۔ جس کے نتیجے میں خاندان رسولؐ کی نہیں بلکہ اُن کی اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالی جاسکے۔ شہادت امامؑ کے سات آٹھ ماہ بعد تک مدینہ بھی باقی بڑے شہروں کی طرح نظر بندی اور نگرانی اور نقل و حرکت پر پابندی کے دور تک گزرتا رہا۔ لیکن تین چار ماہ سے یزید نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی تھی۔ اب مکہ اور مدینہ کے موقع پرست بڑے آدمی ذرا زیادہ سوچ بچار اور صلاح مشوروں سے کام لے رہے تھے۔ اب امامؑ کی واپسی پر کئی ایک لیڈر حضرات امامؑ سے اور خاندان رسولؐ کی تباہی سے ہمدردی کا دم بھرتے نظر آئیں گے اور چاہیں گے کہ خاندان رسولؐ کو آڑ بنا کر اپنے سیاسی مقاصد کو برسر کار لائیں۔ لہذا امامؑ کے پیغام کے مدینہ میں پہنچنے کے بعد جو آہ و بکا اور فریاد و نالہ مدینہ میں بلند ہونے والا ہے۔ اس میں عوام کی بے چینی کا وزن وہی ہے جو کسی خاندان کے تمام افراد کے مارے جانے پر عموماً ہوا کرتا ہے۔ لیکن اُن کے قلوب آپؐ کی طرح بے چین اور بے قرار نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایک رسمی تعزیت کے لئے آنا اور ادھر ادھر کے چند رٹے ہوئے تعزیتی جملے کہنے کو اخلاق و قومی فریضہ سمجھ کر آئیں گے۔ ”صبر کریں۔“ ”قضائے الہی میں کوئی چارہ نہیں ہے۔“ ”ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائیں ہم حاضر ہیں۔“ کہہ کر جائیں گے تو پلٹنے کا نام بھی نہ لیں گے بہر حال امامؑ کا انتظام دیکھیں۔

(الف)۔ بشیر بن جذلم مدینہ میں اعلان کے لئے تعینات کیا گیا تھا

قال السيد في الملهوف قال الراوى ثم انفصلوا من كربلا طالبين المدينة قال بشير بن جذلم فلما قربنا من المدينة نزل علي بن الحسين فحط رحله وضرب فسطاطه وانزل نسائه وقال يا بشير رحم الله اباك لقد كان شاعراً فهل تقدر على شيء منه؟ فقلت بلى يا بن رسول الله اني لشاعر۔ قال فادخل المدينة وانع اباعبد الله الحسين۔ قال بشير فركبت فرسي وركضت حتى دخلت المدينة۔ فلما بلغت مسجد رسول الله رفعت صوتي بالبكاء وانشأت اقول:

يا اهل يثرب لا مقام لكم بها قتل الحسين فاد معي مدراراً الجسم منه بكر بلا مضرّج
والراس على القناة يدار يا اهل يثرب شيخكم وامامكم هل فيكم أحد عليه يغار؟

قال: ثم قلت هذا علي بن الحسين مع عماته و اخواته قد حلوا بساحتكم ونزلوا بفنائكم وانا رسوله اليكم اعرفكم مكانه۔ قال فما بقيت في المدينة مخدرة ولا محجوبة الا وبرزن وخد ودهن مكشوفة، شعورهن مخمشة وجوههن ضاربات خد ودهن يدعون بالويل والشور وعظام الامور۔ فلم اري باكياً ولا باكية اكثر من ذلك اليوم ولا يوماً امر علي المسلمين منه۔ وسمعت جارية تبكي وتنوح علي الحسين تقول:

نعى سيدى ناع نعاء فاجعا۔ اعينى جودا بالمدامع واسكبا۔ وجودا بدم لعدد معكما معا۔ علي من وهى عرش الجليل

فرعزعا۔ فاصبح انف المجد والدین اجدعا۔ عَلَی ابن نبی اللہ وابن وصیہ۔ وإن کان عَنّا شاحط الدار اشسعا۔
 ثُمَّ قَالَتْ أَيُّهَا النَّاعِي جَدُّكَ حُزِنْنَا بِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَخَدَشْتَ مِنَّا قُرُوحًا لَمَّا تَنَدَمَلْ فَمَنْ أَنْتَ يَرْحَمُكَ اللَّهُ
 فَقُلْتَ أَنَا بَشِيرُ بْنُ جَذَلَمَ وَجَهَنِي مُوَلَّيُّ عَلِيٍّ بْنِ الْحُسَيْنِ وَهُوَ نَازِلٌ فِي مَوْضِعٍ كَذَا وَكَذَا مَعَ عِيَالِ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْحُسَيْنِ وَنِسَائِهِ۔
 قَالَ فَتَرْكُونِي مَكَانِي وَبَادِرُوا۔ فَضَرَبْتُ فَرَسِي حَتَّى رَجَعْتُ إِلَيْهِمْ فَوَجَدْتُ النَّاسَ قَدْ أَخَذُوا الطَّرِيقَ وَالْمَوَاضِعَ فَنَزَلْتُ عَنْ فَرَسِي
 وَتَخَطَّطْتُ رِقَابِ النَّاسِ حَتَّى قَرَبْتُ مِنْ بَابِ الْفَسْطَاطِ وَكَانَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ دَاخِلًا فَخَرَجَ وَمَعَهُ خُرْقَةٌ يَمْسَحُ بِهَا دُمُوعَهُ وَخَلْفَهُ
 خَادِمٌ وَمَعَهُ كُرْسِيٌّ فَوَضَعَهُ لَهُ فَجَلَسَ عَلَيْهِ وَهُوَ لَا يَتِمَالَكُ مِنَ الْعَبْرَةِ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُ النَّاسِ بِالْبُكَاءِ وَكَثُرَ حَنِينُ النِّسْوَانِ
 وَالْجَوَارِيِّ وَاقْبَلَ النَّاسُ مِنْ كُلِّ نَاحِيَةٍ يَعْزُونَ فَضَجَّتْ تِلْكَ الْبُقْعَةُ ضَجَّةً شَدِيدَةً فَأَوَمَّا عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِيَدِهِ أَنْ اسْكُتُوا
 فَسَكُنَتْ فُورَتُهُمْ۔ (الكبير العبادات۔ صفحہ 548)

علامہ سید ابن طاووس نے اپنی کتاب ملخوف میں راوی کی زبانی لکھا ہے کہ جب اہل حرم مدینہ کے سفر پر کر بلا سے روانہ ہو گئے
 تو بشیر بن جذلم سناتا ہے کہ جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو امام زین العابدین علیہ السلام نے منزل کرنے کا حکم دیا۔ خود اتر پڑے، سامان
 اُتر وایا، اپنا خیمہ نصب کر آیا اور اہل حرم اور تمام خواتین کے خیمے لگوائے۔ جب تمام لوگ قیام پذیر ہو گئے تو فرمایا کہ اے بشیر اللہ تمہارے
 والد پر اپنی رحمت نازل کرتا رہے۔ وہ ایک صاحب قدرت شاعر تھے کیا تمہیں بھی اُن کی طرح شاعری پر کچھ قدرت ملی ہے؟ میں نے
 عرض کیا کیوں نہ ملتی اے فرزند رسول میں خود ویسا ہی شاعر ہوں اور ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔ امام نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم
 مدینہ میں جاؤ اور میری طرف سے اہل مدینہ کو میرے والد اور تمام شہداء کی خبر غم سنا دو۔ یہ سن کر میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ خبر مرگ دینے
 والوں کی طرح گریبان چاک کیا اور شہر میں داخل ہو گیا۔ جب مسجد رسول کے پاس پہنچا تو بے قراری میں اضافہ ہو گیا آواز گریہ و فریاد بلند
 ہو گئی اور میرے منہ سے یہ مرثیہ جاری ہو گیا کہ:

اے مدینہ کے رہنے والے فرزند رسول حسین قتل ہو جائے اور تم رسول کے شہر میں چلین سے رہتے رہو۔
 اب تم اس قابل نہیں ہو کہ اب بھی مدینہ میں ٹھہرو۔ دیکھو میرے آنسو بارش کی طرح برس رہے ہیں۔
 اور تم پر ذرہ برابر اثر نہیں ہے۔ ارے تم کیسے اُمّتی ہو کہ رسول کے بیٹے کا فاطمہ کے لاڈلے کا زخموں سے
 چُور جسم کر بلا کی گرم ریت پر پڑا ہے۔ اور اُنکا سر نیزہ کی نوک پر پھرایا جاتا رہا۔ مگر تم آرام سے گھروں
 میں مقیم ہو۔ تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ تمہارا بزرگ اور تمہارا امام مع اپنے عزیز واقربا اور صحابہ کے دنیا
 سے اُٹھ گیا۔ تم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس صورت حال کے تذکرے اور نتیجہ پر غور ہی کر لے؟

بشیر کہتا ہے کہ پھر میں نے اعلان کیا کہ امام زین العابدین اپنی پھوپھیوں اور بہنوں اور حسین اطفال کے ساتھ تمہارے قریب ہی آ کر
 ٹھہرے ہیں۔ تمہارے مکانات سے قریب منتظر ہیں تاکہ تمہارا سلوک دیکھیں۔ میں اُن کا قاصد ہوں اور تمہیں تمام حالات پر مطلع کرنے
 کے لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ تمہیں اُن کی جائے قیام بتا کر چلا جاؤں۔ اس کے بعد بشیر نے بتایا کہ مدینہ کا یہ حال تھا کہ کسی گھر میں کوئی پردہ
 دار عورت اور برقعہ پوش خاتون ایسی نہ رہی جو کھلے منہ، بال پریشان، سر وسینہ اور منہ پیٹتی باہر نہ نکل آئی ہو۔ سب نے صدائے واویلا اور آہ

وزاری کا ہنگامہ مچا دیا۔ میں نے اپنی ساری زندگی میں اس سے زیادہ رونے والوں اور پیٹنے والیوں کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ ہی اس کے بعد مسلمانوں کو اس حال میں دیکھا۔ اور میں نے ایک لڑکی کو دیکھا کہ وہ امام حسینؑ پر رو کر نوحہ کر رہی ہے اور کہتی ہے کہ؛

”اے شریف آدمی جو مجھے خبر مرگ دے رہا ہے مجھے تو اس دل دوز اطلاق نے پہلے ہی سے بے قرار کر رکھا ہے۔ میری آنکھیں آنسو برسا رہی ہیں اور اپنے غم میں آنسو بہا رہی ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ساتھ خون کے آنسوؤں سے مقابلہ کر رہی ہوں۔ یہ کون ہے جس کے غم میں عرش خداوندی لرز رہا ہے۔ عزت و شرف کو مٹنے کے بل گرد دیا گیا ہے اور دین کی ناک کاٹ لی گئی ہے۔ نبیؐ کے بیٹے اور وصیؑ کے فرزند کو ہم سے بہت دُور رکھ کر اگر خون میں نہلا دیا گیا تو کیا ہم پر غم کے پہاڑ نہیں آگرے۔“

پھر لڑکی نے مجھے کہا کہ خبر غم لانے والے تُو نے ہمارے رنج و الم کو تازہ کر دیا۔ اللہ تجھ پر رحم کرے تُو نے ہمارے بھرتے ہوئے زخموں کو پھر چھیل دیا۔ بھائی یہ تو بتاؤ کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں بشیر بن جندلم ہوں حضرت زین العابدین علیہ السلام نے مجھے بھیجا ہے۔ وہ حضرت مدینہ سے باہر فلاں مقام پر مع امام حسینؑ کے بچوں، عورتوں اور اہل و عیال کے ٹھہرے ہوئے ہیں۔

بشیر کہتا ہے کہ اسکے بعد لوگ مجھے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ میں نے بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خیام اہلبیتؑ پر واپس آیا۔ راہ میں لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا جو خیام کی طرف اُٹے چلے جا رہے تھے۔ میں اپنے گھوڑے سے اُتر اور لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا اُس خیمہ کے دروازہ تک پہنچا جس میں امامؑ موجود تھے۔ چنانچہ حضورؑ باہر تشریف لائے ہاتھ میں ایک کپڑا لئے ہوئے تھے جس سے اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ اُنکے پیچھے ایک خادم تھا جو کرسی اٹھائے لا رہا تھا۔ چنانچہ کرسی رکھ دی گئی اور امامؑ اس پر بیٹھ تو گئے مگر حضورؑ پر اس منظر کا اتنا اثر تھا کہ آپ سنبھل کر بیٹھنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر چاروں طرف سے لوگوں میں نالہ و فریاد کی آوازیں بلند ہوئیں۔ مستورات اور بچیوں میں کہرام برپا ہو گیا۔ ہر طرف سے لوگ امامؑ کو پرسہ دینے کیلئے بڑھ رہے تھے۔ اور فضا آہ وزاری و فریاد سے گونج رہی تھی۔ چیخوں اور دردناک آہوں میں کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ آخر امامؑ زین العابدین علیہ السلام ذرا سنبھلے اور ہاتھ سے صبر کرنے اور خاموش ہو کر بات سننے کا اشارہ فرمایا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ امامؑ کچھ کہنا چاہتے ہیں اپنی بلند ہوتی ہوئی آوازیں پر قابو پانے کی کوشش شروع کی۔ جب بتدریج خاموشی چھا گئی تو امامؑ نے سنبھل سنبھل کر بولنا شروع کیا۔ (اکسیر العبادات صفحہ 548)

(4)۔ امام زین العابدین علیہ السلام کا مدینہ سے باہر اہل مدینہ سے خطاب جو دربار یزید تک پہنچا

فقال: الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم مالك يوم الدين باري الخلائق اجمعين الذي بعد ارتفاع على السماوات العلى وقرب فشهد النجوى نحمده على عظمائنا الامور وفجائع الذهور والتم الفجائع ومضاضة اللواذع وجليل الرزع وعظيم المصائب القاطعة الكاظمة الفادحة الجائحة۔

اَيُّهَا الْقَوْمُ إِنَّ اللَّهَ وَلَهُ الْحَمْدُ ابْتَلَانَا بِمَصَائِبٍ جَلِيلَةٍ وَثَلَمَةٍ فِي الْإِسْلَامِ عَظِيمَةٍ - قَتَلَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَعَتَرَتُهُ وَسَبَى نِسَائِهِ وَصَبِيَّهُ وَادَارُوا بِرَأْسِهِ فِي الْبُلْدَانِ فَوْقَ عَالِي السَّنَانِ فَهَذِهِ الرِّزْيَةُ الَّتِي لَا مِثْلَهَا رِزْيَةٌ - اَيُّهَا النَّاسُ فَأَيُّ رِجَالٍ يَسْرُونَ مِنْكُمْ بَعْدَ قَتْلِهِ؟ أَمْ أَيْتُهُ عَيْنٌ مِنْكُمْ تَحْبِسُ وَمَعَهَا وَتَضُنُّ بِأَنْتَهُمَا لَهَا؟ فَلَقَدْ بَكَتِ السَّبْعُ الشَّدَادُ لِقَتْلِهِ وَبَكَتِ الْبَحَارُ بِأَمْوَاجِهَا وَالسَّمَاوَاتُ بِأَرْكَانِهَا وَالْأَرْضُ بِأَرْجَائِهَا - وَالْأَشْجَارُ بِأَغْصَانِهَا وَالْحَيْتَانُ فِي لَجَجِ الْبَحَارِ وَالْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَاهْلُ السَّمَاوَاتِ أَجْمَعُونَ - اَيُّهَا النَّاسُ أَيُّ قَلْبٍ لَا

یتصدع لقتله ام ائى فؤاد لا یحسن الیه ام ائى سمع یسمع هذه الثلثة التى تَلَمَّتْ فى الاسلام فلا یرتاع لها - ائیهَا الناس اصبحنا مطردين مشردين مذ و دین شاسعین عن الامصار کانا اولاد ترک و کابل من غیر جرم اجترمناه ولا مکروه ارتکبناه ولا ثلثة فى الاسلام تَلَمْنَا ها - ماسمعنا بهذا فى آبائنا الاولین - ان هذا الاختلاق فهو الله لو ان النبی صلی الله علیه وآله تقدّم الیهم فى الوصیة بنا لَمَّا زادوا علی ما فعلوا بنا - فَاِنَّ الله وانا الیه راجعون من مصیبة ما اعظمها و اوجعها و افجعها و اکظمها و افظعها و امرها و افدحها فعند الله نحتسب ما اصابنا وبلغ بنا انّه عزیز ذو انتقام قال فقام صفوان ابن صعضة بن صوحان وکان زمانا فاعتذر الیه ممّا عنده من زمانة رجلیه فاجابه بقبول معذرتہ و حُسن الظن فیہ و شکر له و ترحم علی ابیه - (اکسیر العبادات - صفحہ 548)

امام علیہ السلام نے فرمایا: تمام حمد و ثنا اور خوبیاں کائنات کے پیدا کرنے والے اور پالنے والے اور ترقی کا سامان فراہم کرنے والے رحمان و رحیم کے لئے ہیں۔ جو تمام نتائج برآمد ہونے والے دن کا مالک ہے۔ جس نے تمام مخلوقات کو تخلیقی عیوب سے پاک پیدا کیا ہے۔ جو آسمانوں سے بھی کہیں زیادہ بلند ہوتے ہوئے ہر چیز پر شہاد اور خفیہ باتوں اور ارادوں سے بھی قریب رہتا ہے۔ ہم اُس کے باعظمت احکام و معاملات پر اُس کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور قابلِ حمد و ستائش سمجھتے ہیں اُس کی اُس بزرگی و عظمت پر جو آفاتِ سماوی و حادثاتِ زمانہ میں پوشیدہ ہے۔ جو دکھ اُن آفات و حادثات میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور جو درد و دشواری اُن سے برآمد ہوتا ہے۔ اور جو زبردست دھکا اُن سے لگتا ہے۔ اور ہم مدح و ثنا کرتے ہیں اللہ کی طرف سے پہنچنے والی اُن چیزوں پر جو تمام توقعات کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والی، گلابا دینے والی، کچل ڈالنے والی اور تباہ کن ثابت ہو سکتی ہیں۔

اے میری مخاطب قوم سن کہ یقیناً اللہ نے ہمیں عظیم الشان مصائب کے سامنے آ زما لیا ہے۔ اور اسلام میں ایک بہت خطرناک تبدیلی سے ہمارا امتحان لیا ہے۔ چنانچہ اس امتحان سے گزرنے پر کامیابی حاصل کرنے کے لئے چھوٹے بھائی اصغرؑ کے پالنے والے حسینؑ قتل ہو گئے۔ اور اُن کی عمر ترقیان ہو گئی اور اُن کے ساتھ امتحان میں اُن کے رفیق کار مستورات قیدی بنائی گئیں۔ اور امتحان میں شامل اُن کے بچوں پر بھی رحم نہ کیا گیا انہیں بھی قیدی بنایا گیا۔ اور پھر اُن سب عورتوں اور بچوں کو اس طرح شہر بہ شہر اور گلیوں اور بازاروں میں پھرایا گیا کہ امام حسینؑ کا سر بلند نیزہ کی نوک پر ہوتا تھا۔ سر ہائے شہداء جلوس کی شکل میں نیزوں پر بلند ہوتے تھے۔ اور ہم سب ناموس رسولؐ کو زنجیروں اور رسوں میں بندھا ہوا ساتھ ساتھ رکھا جاتا تھا۔ یہ وہ ظلم و ستم کا نمونہ اور تحفہ تھا جو یزید کے سامنے پیش کرنے کو لے جایا گیا کہ اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ اے لوگو! اب یہ بتاؤ کہ تم میں سے کون کون لوگ ایسی ذہنیت والے ہیں جو ہماری اس سرگزشت پر مسرور ہوئے اور وہ کون سی آنکھیں ہیں جو حسینؑ اور خاندانِ رسولؐ کے قتل ہو جانے سے آنسوؤں کو روکے رکھیں گی؟ اور اس سلسلہ میں بخیلی سے کام لیں گی؟ حالانکہ اس قتل عام پر بھیڑیئے بھی روئے، اور سمندر اپنی موجوں میں تلاطم سے روئے، اور آسمان اپنی بنیادوں کی لرزش سے روئے، اور زمین اپنی خاموش امیدوں سے روئی، اور درخت اپنی شاخوں سے روتے رہے اور مچھلیاں سمندروں کی تہہ میں روئیں اور ملائکہ اور آسمانی باشندے تمام مل کر روئے۔ اے لوگو! وہ کون سا دل ہوگا جو اُن کے قتل پر پھٹ نہ جائے۔ وہ کون سا جگر ہوگا جو تڑپ نہ جائے۔ وہ کون سا انسان ہوگا جو اسلام میں یہ حادثہ سُنے اور بے تاب نہ ہو جائے؟ اے لوگو! ہم ایسی صبح کرتے اور ایسے ایام سے

گزرتے رہے کہ گویا ہم لوگ ساری دنیا کے پھٹکارے ہوئے؛ ناکارہ اور ٹھکرائے ہوئے، دیس نکالا دیئے ہوئے لوگ اور اہل کابل اور اہل ترکستان کی اولاد تھے۔ اور یہ سب کچھ ہمارے ساتھ ایسی حالت میں کیا گیا جب کہ ہم کسی جرم کے مجرم نہ تھے۔ جب کہ ہم نے کسی ناپسندیدہ فعل کا ارتکاب نہ کیا تھا۔ جب کہ ہم نے اسلام میں کوئی تبدیلی نہ کر لی تھی۔ ہم نے انسانی نسلوں میں سے اور اپنے بزرگوں میں سے کسی سے ایسی روداد نہ سُنی تھی جو ہم پر گزر گئی ہے۔ یقیناً یہ ایک زبردست سازشی منصوبہ تھا۔ ورنہ اگر خود رسول اللہ یوں ہمیں تباہ و برباد کرنے کی امت کو وصیت کر جاتے تب بھی جو کچھ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ لہذا ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم سر سے پیر تک اللہ کی ملکیت ہیں۔ اور ہمیں یقیناً اللہ کے روبرو حاضر ہونا ہے۔ ہم پر جو مصائب گزرے نہ اُن سے بڑی کوئی مصیبت ممکن ہے نہ اُس سے زیادہ دردناک صورتِ حال ہو سکتی ہے۔ نہ اُس سے زیادہ تکلیف دہ کوئی تکلیف ممکن ہے۔ نہ اُس سے زیادہ گلا گھونٹنے والی اور کوئی حالت ہو سکتی ہے۔ نہ اُس سے زیادہ کوئی بدترین قسم کا سلوک ممکن ہے۔ نہ کوئی اُس سے بد مزہ اور کڑوی چیز ہو سکتی ہے۔ نہ اُس سے زیادہ کوئی کوفت اور کچنے والی چیز تصور میں آ سکتی ہے۔ لیکن ہم نے رضائے خداوندی کو سامنے رکھتے ہوئے اُن تمام مصائب کو اعلیٰ درجہ کے صبر و تحمل سے برداشت کیا اور انتقامی جذبات اللہ کے انتقام کے سپرد کئے رکھے۔ بلاشبہ وہ ہر حال میں صاحبِ عزت و صاحبِ غلبہ ہے اور انتقام پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ راوی نے سنایا کہ پھر صفوان رضی اللہ عنہ اُٹھے اور امام علیہ السلام کے روبرو اپنے فالج کی بنا پر شریک کر بلا نہ ہو سکنے پر معذرت اور بخشش طلب کی اُن کے دونوں پیر مفلوج تھے۔ امام نے خوشی سے اُس کا عذر قبول فرمایا۔ اُس کے احساسات پر مشکور ہوئے اور اُس کو اور اُسے پیدا کرنے والے باپ صصح کو دعائیں دیں اور مہربانی فرمائی۔

(5)۔ امام علیہ السلام اور اہل حرمِ کا مدینہ میں داخلہ اور مختلف حالات

اس خطبہ کے بعد دوسرے روز اہل حرم اور پورے خاندان کو حسب سابق بڑے اہتمام و عزت و وقار کیساتھ اُنکے در دولت پر پہنچا کر دمشق رسالہ اور افسران واپس دمشق چلے گئے۔ اب امام زین العابدین علیہ السلام نے مدینہ کے اندر آبادی میں جو کچھ دیکھا وہ بھی سن لیں:-

قال السيد ثم انّ علي بن الحسين دخل الى المدينة باهله و عياله و نظر الى منازل قومه و رجاله فوجد تلك المنازل تنوح بلسان احوالها و تبوح باعلان الدموع و ارسالها - لفقد حمايتها و رجالها و تندب عليهم ندب الثواكل و تسئل عنهم اهل المناهل و تهيج احزانه على مصارع قتلا و تنادى لاجلهم و اذكلاه و تبكيهم محاريب المساجد و تندبهم ميازيب الفوائد فلو كنتم هُناك لشجاكم سماع تلك الواعية النازلة و عرفتم تقصيركم في هذه المصيبة الشاملة - ثم انه قصد الروضة البهية فلو نظرت الى انكسار قلبه و قد تقمص بقميص الحزن و ثوبه شاكياً الى جدّه ما اعتراه من النوائب مكفكفاء لفقد ابائه بالد موع السواكب لا ترقى له عبرة و لا تبرد له زفرة يان من قلب حزين باظهار الشجن و الانين لا يهداه عن العويل و البكاء لفقد السادة و النجباء لشجاكم سماع تلك الواعية في تلك المنازل الخالية - (أكبر العبادات في اسرار الشهادات - صفحہ 549 تا 550)

جناب السید ابن طاووس رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ جب امام اور اہل حرم مدینہ میں گزر رہے تھے تو آبادی میں ہر ایک گھر کو اجڑا ہوا پاتے تھے۔ اور جب اپنے لوگوں کے مکانوں کو دیکھا تو وہ اپنی سوگوارانہ حالت میں نوحہ کرتے دکھائی دیتے تھے اور دیکھنے والوں کی

آنکھوں سے آنسو بہا کر اپنے اندر بسنے والوں کی یاد دلاتے تھے۔ اور بتاتے تھے کہ اُن کی دیکھ بھال کرنے والے تمام مرد قتل ہو گئے۔ اُن مکانوں پر پسر مردہ عورتیں بٹن کرتی ہیں۔ اور اُن کا حال تشنہ لب مسافر پوچھتے ہیں۔ اُن پر غم و الم میں اضافہ کرنے والے وہ مقامات ہیں جہاں اُن کے مکین قتل ہو کر گرے تھے۔ اُن پر مسجدوں کی محرابیں نوچہ کرتی ہیں۔ استفادہ کرنے کے مواقع اُن پر روتے ہیں۔ اگر اے سننے والو تم وہاں ہوتے اور اُن غیر آباد مکانوں کو دیکھتے اور چاروں طرف برستی ہوئی حسرت و یاس کو سنتے تو تمہاری قوت برداشت جواب دے دیتی۔ پھر تمہیں معلوم ہوتا کہ تم نے اس مصیبت میں حصہ نہ لے کر کتنا بڑا قصور کیا ہے؟ پھر امام علیہ السلام نے اپنے نانا کے روضہ مبارک کا قصد کیا۔ اگر تم اُس وقت امام کی قلبی بے چینی اور انکسار کو دیکھ لیتے تو تم نے غم و اندوہ کا لباس مستقل طور پہن لیا ہوتا۔ وہ تو اپنے نانا کے پاس شکوہ لے جا رہے تھے۔ انہیں مصائب سہنے اور سنانے میں کوئی عار نہ تھا۔ اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا اُن کو اپنے والد کی یاد آوری میں رکاوٹ نہ بن سکتا تھا۔ نہ انہیں کوئی اور عبرت انگیز بات متوجہ کر سکتی تھی نہ ٹھنڈی سانسیں اور آہیں اُن کی آتش غم کو ٹھنڈا کر سکتی تھیں۔ اور اُن کا اپنے دکھے ہوئے دل سے حزن و ملال کا اظہار کرنا رونے اور فریاد کرنے میں کمی کا باعث نہیں بنتا۔ اُن کے معزز سادات اور بزرگوں کا دنیا سے رخصت ہو جانا اور اُن خالی گھروں کو چھوڑ جانا تمہیں بھی بے قراری میں مبتلا کرنے کے لئے کافی رہتا چلا جائے گا۔“ یہ جو کچھ علامہ نے لکھا یا ہم لکھیں اس صورت حال کی صحیح نمائندگی نہیں کر سکتا جو امام علیہ السلام پر پوری زندگی چھائی رہی۔ یہ تو ایک اصولی بیان ہے جس پر ہمیشہ لکھا جاتا رہے گا۔

(الف)۔ حضرت زینبؓ کے شوہر کا جواب اور خاندانی خواتین کی بیقراریاں

جب بشیر بن جذلم نے مدینہ میں اہلبیتؑ رسولؐ کی آمد کا اعلان کیا تو خاندان بنی ہاشمؑ میں جو کیفیت گزری اُس کا مختصر سا حال بشیریوں سناتا ہے کہ جب میں نے مدینہ میں رسولؐ زادیوں کے آنے کا اعلان کر دیا تو کوئی خاتون مدینہ میں ایسی نہ رہی جس نے سیاہ لباس پہن کر روتے پیٹتے استقبال نہ کیا ہو۔ اور اُس نے یہ بھی بتایا کہ:-

قال فقام بعض موالی عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب و نعا الیہ و لدیہ وقال هذا مالقینا من الحسین فحذفه عبد اللہ بن جعفر بفردہ بغلہ ثم قال یابن الخنساء تقول فی الحسین بمثل هذا الکلام واللہ لو انی شاهدتہ لاحببت ان لا افارقه حتی اقتل معه ثم اقبل علی جلسائه و قال یعز علی بن الحسین واللہ ان لا استشهدت معه ولكن قد واساه ولدای - قال وخرجت ام لقمان بنت عقیل بن ابی طالب تندب قتلاها بالطف وترثیهم:

اَیُّهَا الْقَاتِلُونَ ظَلَمًا حَسِينًا الْبُشْرَا بِالْعَذَابِ وَالتَّنْكِيلِ كُلٌّ مِّنْ فِی السَّمَاءِ يَدْعُو عَلَیْكُمْ مِنْ نَبِیٍّ وَشَاهِدٍ وَرَسُولٍ وَلَعَنَتُمْ عَلَی لِسَانِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَصَاحِبِ الْاَنْجِيلِ كَيْفَ تَرْجُونَ رَحْمَةً مِنْ مَلِیْكَ صَمَدٍ دَائِمٍ عَظِيمٍ جَلِيلٍ -

قال سمعت ام لقمان صراخ زینب و ام کلثوم و عاتكة و صفیة و رقیة فخرجت حاسرة الراس و معها اترابها و ام هانی و رملة و اسماء و بنات عقیل بن ابی طالب فَجَعَلْنَ یُكِنِّ وَ یَبْدُ بن الحسین - قال و كان دخولهم المدينة یوم الجمعة و الخاطب یَخْطُبُ الناس فذكروا الحسین و ماجری علیه فتجددت الاحزان و اشتملت علیهم المصائب و صاروا مابین بَاكِ و ناحت و اقبلت اهل المدينة باسرها و كان اشبه الایام بموت النبی - قال و اقامت الرجال و النساء یندبون الحسین فی المدينة خمسة

عشروماً۔ قال واقبلت ام کلثوم الى مسجد رسول الله باكية العين حزينة القلب فقالت السلام عليك يا جده اني ناعية اليك ولدك الحسين۔ قال فحنَّ القبر حينئذ عالياً وضجت الناس بالبكاء والنحيب ثم اقبل على بن الحسين الى قبر جده ومرغ خديه وبكى۔ قال وامازينب فانها اخذت بعضادة مسجد رسول الله وقالت يا جده انا ناعية اليك اخي الحسين وهي لا تجف لها عبرة ولا تفتن من البكاء ودموعها جارية على خديها۔ (اکسیر صفحہ 549)

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب کے غلاموں میں سے ایک غلام نے جناب عبداللہ کو ان کے دونوں بیٹوں کا پرسہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ ہے وہ بدلہ جو ہمیں حسین کی طرف سے ملا۔ عبداللہ بن جعفر نے اس غلام کو اس غلط خوشامد پر اپنا جوتا کھینچ مارا اور کہا کہ اے بکواس کے بچے تو امام حسین علیہ السلام کی شان میں ایسی گھٹیا بات کہتا ہے۔ خدا کی قسم اگر میں ان کے ساتھ ہوتا تو ہرگز جہانہ ہوتا یہاں تک کہ میں بھی جنگ کرتا اور ان پر قربان ہو جاتا۔ پھر اپنے پاس تمام بیٹھنے والوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ جاؤ امام زین العابدین کو پرسہ دو۔ قسم بخدا اگرچہ میں ان کے ساتھ نہیں گیا لیکن میں نے اپنے دو بیٹوں کو ان پر قربان ہونے کے لئے بھیج دیا تھا۔ بشر کہتا ہے کہ پھر حضرت عقیل بن ابی طالب کی بیٹی ام لقمان شہدا کا نوحہ پڑھتی ہوئی نکلیں۔ اے حسین کو ظلم و ستم سے قتل کرنے والو تمہیں عذاب اور بدترین سزا کی خوشخبری سناتی ہوں۔ تمام آسمانوں کے باشندے، تمام نبی، تمام گواہ اور تمام رسول تمہارے اوپر داؤد و سلیمان اور حضرت عیسیٰ کی زبان میں لعنت کرتے ہیں۔ تم کس طرح اللہ کی رحمت کی اُمید کر سکتے ہو؟ راوی نے کہا جب ام لقمان نے حضرت زینب و ام کلثوم اور عاتکہ و صفیہ اور رقیہ کی فریاد اور چیخیں سُنیں تو کھلے سر نکل کھڑی ہوئیں۔ اور ان کے ساتھ ساتھ ان کی تمام سہیلیاں اور تمام یتیم ہونے اور لاوارث رہ جانے والی خواتین بھی چلیں۔ اور جناب ام ہانی اور رملہ اور اسماء اور حضرت عقیل کی بیٹیاں بھی روتی یتیمی نوحہ کرتی ہوئی پہنچیں۔ راوی کہتا ہے کہ اہلبیت رسول مدینہ میں جمعہ کے روز داخل ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ خطبہ دیتے جاتے تھے اور کربلا کے حالات سناتے جاتے تھے اور یوں غم حسین اور شہدائے ہور ہاتھا۔ اور لوگوں کو خاندان رسول کے مصائب میں شامل ہونے کا موقع مل رہا تھا۔ نزدیک و دُور کے لوگ مجلس عزامیں آ کر شریک ہوتے جاتے تھے۔ آہ و بکا اور نالہ و زاری کا یہ سلسلہ پندرہ روز برابر جاری رہا۔ انتقال رسول اللہ پر جس طرح سوگ منایا گیا تھا یہ بالکل ان ہی ایام کے مشابہ تھا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت ام کلثوم بہتی ہوئی آنکھوں اور تر پتے ہوئے دل کے ساتھ مسجد رسول میں آئیں اور کہا کہ سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسول میں آپ کو آپ کے بیٹے حسین کا پرسہ دینے حاضر ہوئی ہوں۔ یہ سن کر قبر کے اندر بلند آواز سے فریاد و نالہ و زاری شروع ہو گئی۔ چیخوں کی آواز بلند تھی۔ ادھر جناب سجاد نا کی قبر پر گئے تو قبر پر اپنے چہرہ کو ملتے جاتے اور روتے جا رہے تھے۔ حضرت زینب نے مسجد رسول کے ستون کا سہارا لے کر کہا کہ اے نانا جان میں آپ کے پاس اپنے بھائی حسین کی تعزیت کے لئے آئی ہوں۔ اور شہزادی مسلسل روتی جا رہی تھیں۔ آنسو برابر گالوں پر جاری تھے اور کوئی صورت ایسی نہ تھی کہ ان کی بے قراری میں کمی ہو سکے۔

(ب)۔ شہدائے کربلا کی تعزیت اور پرسہ احاطہ تقریر و تحریر سے باہر ہے

یہ وہ چند تاریخی مسلمات تھے جن کو سلجھا کر ایک فطری ترتیب سے پیش کیا گیا ہے۔ مگر واقعات یہاں نہ تو ختم ہوتے ہیں نہ مکمل

ہوتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کربلا کی قربانی کچھ اس انداز سے پیش کی گئی ہے کہ اس کے تمام پہلوؤں پر قیامت تک زبان و قلم احاطہ نہ کر سکیں گے۔ ان قربانیوں کے ساتھ چونکہ جذبات محبت و شفقت لپٹے ہوئے ہیں اس لئے الفاظ اُن کو بیان کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ اور باتیں دل کے اندر تڑپتی رہ جاتی ہیں۔ وہ تڑپ باہر آنے کے لئے تڑپ تڑپ کر نئے انداز اور الفاظ فراہم کرتی رہتی ہے۔ اور اہل قلم و اہل ذکر پھر اسی واقعہ کو نئے اسلوب سے پیش کرنے پر قادر ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ اسلوب بیان پھر خامی محسوس کرتا ہے اور بے قراری باقی رہ جاتی ہے اور اپنا کام جاری رکھتی ہے۔ یوں سلسلہ عزائے حسینؑ دراز تر اور حد و فراموش ہوتا چلا آیا ہے۔ بتائیے ابھی تو جناب زینب علیہا السلام نے اپنے ذی وقار شوہر عبداللہ علیہ السلام سے ملاقات کرنا ہے۔ ابھی حضرت عونؓ و محمدؓ کے جذبات اور شہادت کا واقعہ سنانا ہے۔ ابھی حضرت صغریٰ علیہا السلام کا تو ذکر بھی نہیں ہونے پایا ہے۔ انہیں کیا کیا کہنا ہے۔ انہیں کن الفاظ میں سمجھانا ہے؟ یہ دردناک اور جگر خراش بیانات قلم کے قابو سے باہر ہیں۔ یہ تو آمنے سامنے بیٹھ کر صغریٰ و سکینہؓ اور زینبؓ و ام کلثومؓ کے جذبات خود پر طاری کر کے سننے اور سنانے کی باتیں ہیں۔

54۔ ترجمہ روایات و تصدیقات برائے معلومات و تقویت مومنین و مومنات

(1)۔ عبداللہ بن عمرؓ کی سفارش سے امیر مختارؓ کی رہائی اور مومنین کا انتظام

ہمارے قارئین نے میری کتاب ”نظام ہدایت و تقلید“ میں وہ نظام دیکھا تھا جو آئمہ معصومین علیہم السلام نے غیبت صغریٰ میں قائم رکھا۔ اور جس نے شیعان محمدؐ و آل محمدؐ کو مخالف حکومتوں کے ادوار میں محفوظ رکھا اور حکومتوں ہی سے مومنین کی مشکلات حل کرانے میں مدد دی۔ یہاں ہم ایک ایسی روایت پیش کرتے ہیں جس سے اُس نظام کی کارکردگی معلوم ہوگی۔ اور کربلا کے قتل عام کے بعد جناب امیر مختار رضی اللہ عنہ کو ابن زیاد کی قید سے رہا کرانے کا پتہ چلے گا۔ بات یوں شروع ہوتی ہے کہ مدینہ میں جناب عمر کا فرزند عبداللہ بن عمر ایک ہی شخص تھا جو اپنے والد کی وصیت پر لفظ بلفظ اور قدم بقدم عمل کر رہا تھا۔ انہوں نے حضرت علیؓ علیہ السلام کو خلیفہ تسلیم نہ کیا تھا۔ نہ اُن سے بیعت کی تھی۔ وہ شروع ہی سے معاویہ کے طرفداروں میں سے سب سے بڑے بزرگ تھے۔ انہوں نے معاویہ کے ہاتھ پر یزید کی خلافت کیلئے بیعت بھی کی تھی۔ اور واقعہ کربلا میں بھی کافی مددگار ثابت ہوئے تھے۔ اسلئے وہ اکیلے ایسے شخص تھے جن کی سفارش یزید قبول کر سکتا تھا۔ چنانچہ جناب امیر مختار کی رہائی کی سفارش کا خط اُن سے عمیر بن عامر ہمدانی نے حاصل کیا۔ اور خط یزید تک پہنچانے کیلئے دار الخلافہ دمشق پہنچا۔ مگر اب سوال یہ تھا کہ اس دربار میں رسائی کیسے ہو؟ جو فراموش مصر اور نمازید بابل اور قیصر و کسریٰ کے درباروں سے بھی کہیں زیادہ جاہ و جلال و جبروت رکھتا تھا۔ اور جسے امیر معاویہ نے منتہائے عروج پر پہنچا دیا تھا۔ اور جہاں سے گزرتے گزرتے اور تخت خلیفہ تک پہنچتے پہنچتے مسلمانوں کے وند و لرزہ بر اندام ہو جاتے تھے اور یا رسول اللہؐ کہہ کر بے تحاشہ سجدہ میں گر جاتے تھے (تواریخ)۔ وہاں عمرو عمیر کی گنجائش کہاں تھی؟ بہر حال عمیر کی راہنمائی ایک ایسے پیش نماز نے کی جو ہمارے نظام اور مخالف نظام سے واقف تھا۔ اور دشمنوں کی نقل و حرکت اور منصوبوں پر نظر رکھتا تھا۔ حکومت کی طرف سے ایک بڑی مسجد میں تعینات تھا اور تنخواہ اور وظائف حاصل کرتا تھا۔

اور مومنین کی مشکلات میں خفیہ مدد دینے پر امام زمانہ علیہ السلام کی جانب سے مامور تھا۔ یہ قصہ سنئے اور سوچئے کہ آج آپ نے کوئی ایسا انتظام نہیں کیا ہے جو حکومت اور مخالف نظاموں سے کام لے سکے اور مومنین کو اُن کے حقوق دلا سکے۔ آپ کے لیڈر قوم فروشی کی تخواہیں لینے کا خود جلسہ عام میں اعلان کرتے ہیں۔ اور آپ کوئی نوٹس نہیں لیتے۔ وہ غداران ملک کے ساتھ سودا بازی کرتے ہیں، حالانکہ شیعوں کو کافر قرار دلانے اور اُنکی اذان سے علی کا نام نکلوانے اور عزاداری کو چار دیواریوں میں محدود کرانے کیلئے ہر صوبے کی ہائیکورٹ میں مقدمات زیر سماعت ہیں۔ اور وہ شیعہ علما و لیڈر، اُن کی تائید میں بیان دیتے ہیں۔ مگر آپ چپ رہتے ہیں۔ ذرا اپنا اور اپنے بزرگوں کے عملدرآمد اور انتظام کا فرق نوٹ کریں اور اس باطل و فتویٰ فروش قیادت سے خبردار رہنا طے کریں روایت سنئے:-

”آپ کی اطلاع کے لئے عمیر بن عامر ہمدانی کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جس نے حضرت مختار بن ابوعبیدہ ثقفی رضی اللہ عنہ کی رہائی کیلئے جدوجہد کی تھی۔ اور عبداللہ بن عمر کا سفارشی خط لے کر یزید تک پہنچا تھا۔ جب وہ دمشق پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ یزید کے دربار میں رسائی ناممکن ہے۔ اسلئے کہ یزید تک پہنچنے کے لئے بہت سے دروازوں اور دہلیزوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور ہر دروازہ اور دہلیز پر سخت پہرہ رہتا ہے جو حکومت کی سند کے بغیر داخلہ کی اجازت نہیں دیتے۔ اور جہاں صرف افسران مملکت ہی بے روک ٹوک جاسکتے ہیں۔ چنانچہ عمیر کی مدد ایک شیعہ شخص نے کی جو ایک مسجد کا پیش نماز تھا۔ اس نے عمیر کو بتایا کہ کل کو بہترین لباس پہنو خوب عطر و خوشبو لگاؤ اور اس طرح تیاری کرو کہ گویا تم یزید کے اعلیٰ افسروں میں سے ایک افسر ہو۔ سفید عمامہ اور سفید ہی جوتے زیب تن کرو اور بالوں کو ایک دوسرے کپڑے میں لپیٹ لو جو سفید ہی ہو۔ اس طرح وہ تمہیں شناخت نہ کر سکیں گے۔ تم اُن کے پاس سے بلا جھجک گزرتے چلے جانا۔ نہ کہیں رکنا نہ کسی کی طرف التفات کرنا اور نہ کسی کو سلام کرنا اور نہ وہ تمہیں اہلکار حکومت نہ سمجھیں گے اور رعایا کا عام شخص سمجھ کر روک لیں گے اور پھر ناکامی ہوگی۔ جب پہلی دہلیز آئے تو وہاں تمہیں داہنے بائیں چبوترے نظر آئیں گے جن پر سرخ اطلس کا فرش بچھا ہوا ہوگا۔ اور اس پر پانچ سو پہرے دار بیٹھے ہوں گے۔ اور ہر پہرہ دار کو ایک ایک لڑکا پنکھا جھل رہا ہوگا۔ پھر دوسری دہلیز آئے گی وہاں کا فرش سبز رنگ کا ہوگا اور چھ سو پہرہ دار اور پنکھا جھولنے والے ہوں گے۔ تم گزرتے چلے جانا نہ متوجہ ہونا نہ سلام کرنا۔ پھر تیسری دہلیز آئے گی وہاں کے چبوترے پر پہلے رنگ کی اطلس بچھی ہوگی اور حسب سابق یہاں صرف چار سو پہرہ دار ہوں گے تم چلتے جانا۔ چوتھی دہلیز پر فرش و فرش نقشین اور سبز و زرد رنگ کے ہوں گے اور یہاں بھی پانچ سو جوان پہرہ دار تعینات ملیں گے اور پنکھا جھولنے والے لڑکے خدمات انجام دے رہے ہوں گے۔ تم بڑھتے جانا۔ پانچویں دہلیز کے چبوترے پر ریشمی سبز و زرد رنگ کا فرش اور چھ سو نگہبان موجود ملیں گے۔ بے خوف گزر جانا ہر گز التفات نہ کرنا۔ پھر چھٹی دہلیز آجائے گی۔ یہاں تم دیکھو گے کہ ہر چبوترے پر صرف چھ چھ اشخاص کھڑے ہیں۔ جن کے ہاتھوں میں چمکدار گرز ہوتے ہیں۔ انہیں شطرنج وغیرہ کھیلنے کے علاوہ کوئی اور کام ہی نہیں ہوتا۔ تم یہاں سے آگے بڑھ جاؤ اب ساتویں دہلیز آئے گی۔ یہاں تمہیں صرف ایک ہی چبوترہ ملے گا۔ اس پر ریشمی فرش بچھا ہوگا۔ اور یہ وہ فرش ہے جسے دیکھتے رہنے سے آدمی کی عقل و ہوش اڑ جاتے ہیں۔ یہاں کوئی شخص نہ ملے گا۔ بلا جھجک وہاں سے گزر جانا۔ اور آٹھویں دہلیز میں داخل ہو جانا۔ یہاں دو چبوترے فرش سے آراستہ ہوں گے۔ اور یہاں صنعت و ہنر مند لوگوں کی توجہ جذب ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہاں تمہیں صرف تین اشخاص ملیں گے۔ جنہیں

تشلوں والے کہا جاتا ہے۔ اُن ہی لوگوں کی تحویل میں امام کا سر مبارک رہا تھا۔ تم جلدی سے گزر جانا۔ متوجہ نہ ہونا نہ سلام و کلام کرنا۔ اور نوں دہلیز میں داخل ہو جانا۔ یہاں بھی دو ہی چبوترے ہوں گے اور ہر چبوترے پر چار سو افراد قلم دوات اور رجسٹر لئے ہوئے حکومت کی آمدنی اور اخراجات کا حساب کرنے میں مصروف ہوں گے۔ یہیں ایک اور چبوترہ ملے گا۔ اور چار سو بلاریش نوجوان لڑکے ملیں گے جنکے ہاتھوں میں خوشبو جلانے والی انگلیٹھیاں، اگر بتیاں، کافور، گولگ عود وغیرہ خوشبوئیں ہوں گی۔ یہ لوگ یزید کے حمام اور نہانے کے سامان کو معطر اور مہکتا ہوا رکھنے پر تعینات رہتے ہیں۔ اب تم دسویں دہلیز میں داخل ہو جاؤ۔ یہاں تمہیں ایک ایسا حسین و جمیل شخص ملے گا جیسا کہ چاند ہوتا ہے۔ وہ سیاہ دہیا کی قبا، کالامامہ اور پاؤں میں کالے چمڑے کا جوتا پہنے ہوئے ملے گا۔ وہ تمہیں دیکھتے ہی خود تمہارے پاس آئے گا۔ تمہارا مزاج پوچھے گا اور وہی تمہاری ضرورت پوری کرائے گا۔ اس لئے کہ وہی محمدؐ و آل محمدؑ صلوٰۃ علیہم کا فدائی ہے۔ یہ نوجوان قتل امامؑ مظلوم کے بعد سے سگوار اور سیاہ لباس میں ملبوس رہتا ہے۔ اسی نے امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک ایک لاکھ دینار دے کر یزید سے حاصل کیا اور کر بلا بھجوا دیا تھا۔ قائم اللیل اور صائم النہار یعنی رات بھر کی عبادت اور دن بھر روزہ کی حالت میں رہتا ہے۔ جو کی روٹی سے روزہ افطار کرتا ہے۔ گلے میں پہننے کے زئار (جنیو) یا مالاکا کاروبار کرتا ہے۔ اور روزانہ پانچ سو درہم کے زئار فروخت کرتا ہے۔ تھوڑا خرچ رکھ کر باقی غربا و مساکین پر صرف کرتا ہے۔ اور یزید کے اموال میں سے کچھ اپنے اوپر خرچ نہیں کرتا۔ وہ یزید کا زرخیز غلام نہیں ہے بلکہ یزید اس کا حد بھر مطیع ہے، اُس سے اس قدر محبت رکھتا ہے کہ وہ بھی اس سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔ اس لئے بھی کہ وہ وہاں رہ کر ہی مومنین کے کام کرا سکتا ہے۔ یزید کی توجہ کی بنا پر مملکت کے تمام امراء و وزراء اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ تم دیکھو گے کہ وہ ایک سوتی تولیہ لئے ہوئے ہوگا۔ جب تم اُسے دیکھو تو تیزی سے اس کی طرف بڑھنا اس کے ہاتھوں کو بوسہ دینا اور یہ خط اس کو دے دینا۔ اور کہنا کہ میں امام حسین علیہ السلام کا شیعہ ہوں۔

یہ تمام حالات و ہدایات عمیر نے سنیں اور اس پیش نماز سے رخصت ہو کر حسب ہدایت یزید کے محل پر پہنچا اور کھٹا کھٹ ایک دہلیز کے بعد دوسری دہلیز سے گزرتا حیران ہوتا ہوا آخر وہاں پہنچا جہاں مذکورہ مومن جوان سے ملاقات متوقع تھی۔ (عمیر کہتا ہے کہ) میں نے دیکھا کہ واقعی ایک حیران کن جلال و عظمت اور حسن و جمال کا مجسمہ مذکورہ سیاہ لباس میں ملبوس، کاندھے پر ریشمی رومال اور ہاتھ میں تولیہ لئے ہوئے میری طرف بڑھتا اور کہتا آ رہا ہے۔ اے عمیر تم کہاں ہو؟ تم نے اتنی دیر کیوں لگائی؟ سترہ روز تک تم کیا کرتے رہے؟ وہ کیا سبب تھا جس نے تمہیں تاخیر کرنے پر مجبور کیا؟ میں روزانہ تمہارا انتظار کرتا رہا ہوں۔ دن رات شدید تکلیف میں مبتلا رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور آپ کو میرا نام کہاں سے معلوم ہوا؟ اور یہ کس نے بتایا کہ میں سترہ روز پہلے دمشق میں داخل ہو چکا تھا؟ حالانکہ ہم دونوں نہ ایک دوسرے سے ملے اور نہ جانتے ہیں۔ نوجوان نے کہا کہ اے عمیر میں نے امام مظلوم کو خواب میں دیکھا تھا۔ آج سے سترہ روز قبل حضورؐ نے مجھے تمہارا آنا اور تمہاری ضرورت بتائی تھی اور تاکید فرمائی تھی کہ تمہارا کام انجام دوں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ یا مولاً وہ شخص کہاں ہے فرمایا گھبراؤ نہیں وہ تمہارے پاس پہنچے گا۔ مجھے میرے نانا رسول اللہؐ نے بتا رکھا ہے کہ تم دونوں کو میرے شیعوں کے ساتھ میرے روبرو پیش کیا جائے گا۔ تمہیں ہمارے ساتھ جنت میں مقام بلند ملے گا۔ اور میں اعلان کروں گا کہ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے یزید

کے مقابلہ پر میری نصرت کی تھی۔ ہم دونوں رو رہے تھے کہ یزید کی آمد کے آثار ظاہر ہوئے۔ چھوٹے خادموں کا ہجوم داخل ہوا یہ تمام چھ سو غلام اطلسی قبائیں پہننے سنہری پیٹیاں باندھے اور ہاتھوں میں جواہرات جڑے ہوئے گرز تھا مے ہوئے بڑھتے گزرتے جا رہے تھے۔ اور انکے پیچھے پیچھے زرق برق لباس میں ملبوس داخل ہوا۔ جب قریب سے گزرنے لگا تو اس شیعہ مومن نے آگے بڑھ کر یزید سے کہا کہ میری ایک ضرورت ہے اسے پورا کر دیں۔ یہ کہہ کر وہ خط پیش کیا۔ اس نے خط پڑھا اور کہا کہ میں تمہیں اسکے بدلے میں عراق کا پانچ سال کا خراج دینے کو تیار ہوں۔ میں مختار کو رہا کرنا پسند نہیں کرتا۔ مومن نے کہا کہ کیا آپ نے یہ عہد نہیں کیا ہے کہ روزانہ تین درخواستیں منظور کروں گا۔ حالانکہ واقعہ کربلا کے بعد یہ میری پہلی درخواست ہے؟ یزید نے اس دوران مجھے نزدیک کھڑا ہوا دیکھ لیا تھا۔ مجھ سے پوچھا کیا تم حسینؑ کے شیعوں میں سے ہو؟ میں نے کہا کہ مجھے عبداللہ ابن عمرؓ نے اجرت پر یہ خط آپ تک پہنچانے کی ذمہ داری سونپی تھی جو میں نے پوری کر دی ہے۔ اور اس نوجوان نے کہا کہ اس سے کیا تعلق ہے کہ یہ شخص شیعہ ہے یا نہیں۔ آپ مجھے میری درخواست کا جواب دیں۔ یزید نے کہا کہ میں ایک لاکھ دینار دینا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ اس سے کہ مختار کو آزاد کروں۔ بہر حال میں منظوری دیتا ہوں۔ چنانچہ کاتب کو حکم دیا کہ مختار بن عبیدہ ثقفی کی رہائی کیلئے ابن زیاد کو حکم لکھوا اور بتاؤ کہ وہ مختار کو آزاد کر کے عبداللہ ابن عمرؓ کے پاس نہایت عزت سے پہنچائے اور مختار کو بیس ہزار درہم ادا کرے اور عمیر کو پانچ ہزار درہم دیئے جائیں۔ چنانچہ حکم نامہ لکھوا کر عمیر کو دے دیا گیا۔ اور اس رہائی کے بعد امیر مختار نے حکومت یزید کا تختہ الٹنے میں اور تمام قاتلانہ شہداء سے انتقام لینے کی جو خدمات انجام دیں ان میں اس نوجوان کی کارگزاری بنیاد ہے۔ اور وہ تمام ثواب اور جزا میں برابر کا شریک ہے۔ (کسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 587-583، بحوالہ ابی مخنف)

(2)۔ عربی سازش ایک سر بستہ راز جو رفتہ رفتہ پھر چھپا دیا گیا

ہم جو کچھ نظام اجتہاد کے منصوبے کی ذیل میں لکھتے چلے آئے ہیں وہ بذات خود نئی یا انوکھی بات نہیں۔ نہ کوئی ایسا انکشاف ہے جو پہلے کبھی کسی کو معلوم نہ تھا۔ اُسے قرآن کریم نے طرح طرح تفصیل سے ریکارڈ کیا۔ اُدھر قرآن ناطق حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں بڑی تفصیل سے اور واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ آج یہ دکھانا ہے کہ علامہ مجلسی نے اس منصوبہ اور سازش کو نقل کیا۔ اس کے باوجود بعد کے شیعہ مجتہدین اسے نظر انداز کرتے رہے۔ اور پبلک میں سو فیصد لوگوں کو اس سے جاہل رکھا گیا۔ چونکہ یہ سر بستہ راز خصوصاً شہادت امام حسین علیہ السلام سے متعلق تھا اور ہم چاہتے تھے کہ اس بیان کو امام علیہ السلام ہی کے حالات میں لکھیں گے، اس لئے اب اس روایت کو ملاحظہ فرمائیں۔

(3)۔ عبداللہ ابن عمر کو یزید بن معاویہ نے ایک قدیم وصیت دکھائی

قد نقل العلامة المجلسی فی البحار عن کتاب دلائل الامامة باسناده عن سعید بن المسیب قال لما قتل الحسين بن علی علیہما السلام وورد نعيه الى المدينة وورد الاخبار بجزأه الشريف روى له الفداء وحمله الى يزيد لعنه الله تعالى وقتل ثمانية عشر من اهل بيته وثلاثة وخمسين رجلاً من شيعته وقتل علياً ابنه بين يديه وهو طفل بنشابة وسبى زواريه اقيمت الماتم عند ازواج النبی فی منزل ام سلمة وفي دور المهاجرين والانصار قال فخرج عبد الله بن عمر الخطاب صارحاً من داره

لاطمًا وجهه شاقًا جيبه يقول يامعشر بنی هاشم والقريش والمهاجرين والانصار يستحل هذا من رسول الله في اهله وذريته وانتم احياء ترزقون لاقرار دون يزيد - فخرج من المدينة تحت ليلة لايرد مدينة الا خرج فيها واستفره اهلها على يزيد واخباره يكتب بها الى يزيد - فلم يمر بملا من الناس الا لعنه وسمع كلامه وقالوا هذا عبد الله بن عمر الخليفة وهو ينكر فعل يزيد (لعن الله) باهلييت رسول الله ويستفز الناس على يزيد (لعين) وان من لم يجبه لادين له ولا اسلام واضطرب الشام بمن فيه وورد دمشق وآتى باب اللعين يزيد في خلق من الناس يتلون فدخل آذن يزيد (لعين) واخبره بوروده ويده على ام راسه والناس يهرعون اليه قدامه وورائه فقال يزيد (لعين) فورة حاجبه فور آت ابى محمد (عبد الله بن عمر) وعن قليل يفيق منها فاذن له وحده فدخل صارخا يقول لا ادخل يا يزيد وقد فعلت باهل بيت محمد مالو تمكنت الروم والترك ما استحلوا ما استحللت ولا فعلوا ما فعلت قم عن هذا البساط حتى يختار المسلمون من هواحق به منك - (اكسير العبادات - صفحہ 108)

علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ نے کتاب دلائل الامامة سے اپنی کتاب بحار الانوار میں نقل کیا ہے کہ سعید بن المسیب نے روایت کی ہے کہ جب حسین بن علی علیہما السلام قتل کر دیا گیا اور ان کے قتل کی خبر مدینہ میں پہنچی اور یہ خبریں وصول ہوئیں کہ حسین کا سرتن سے کاٹ کر یزید کے پاس بھیجا گیا ہے۔ اور اٹھارہ افراد اہلیت میں سے تہ تیغ کر دیئے گئے اور تریپن صحابہ و انصار ان حسین کو قتل کر دیا اور ایک شیر خوار بچہ کو حسین کے سامنے قتل کر دیا۔ حرم اہلیت کو رسن بستہ قید کر لیا ہے۔ ان اطلاعات سے ازواج نبی کے سامنے ام سلمہ علیہا السلام کے گھر میں اور مہاجرین اور انصار کے یہاں صف ماتم بچھی ہوئی ہے۔ راوی نے بیان کیا کہ یہ سب کچھ دیکھ کر عبد اللہ ابن عمر اے قریشیو! مہاجرین و انصار یزید نے اہلیت رسول کے ساتھ یہ سب کچھ کر لیا اور تم سب زندہ ہو اور خوب عیش کر رہے ہو، کھاپی رہے ہو۔ اب تو یزید تک پہنچنے اور انتقام لئے بغیر مجھے قرار نہیں آ سکتا۔ چنانچہ وہ مدینہ سے چلے جاتے تھے۔ اور جہاں بھی لوگوں کے پاس سے گزرتے تھے یزید پر لعنت کرتے جاتے تھے۔ کر بلا کا دردناک حال بیان کرتے ہوئے گزرتے تھے۔ لوگ ان کی فریاد سن کر کہتے تھے کہ یہ خلیفہ عمر کا بیٹا عبد اللہ ابن عمر ہے۔ اور جب یہ بھی یزید کے اس سلوک پر ناخوش ہے اور نفرین و ملامت کرتا ہے جو یزید نے حسین اور رسول کے اہلیت کے ساتھ کیا ہے۔ اس پر چاروں طرف سے لوگ بے چین ہو کر یزید سے احتجاج کرنے کے لئے ہجوم در ہجوم ساتھ ہو گئے۔ اور کہتے جاتے تھے کہ جو ایسا نہ کرے گا وہ نہ مسلمان ہے اور نہ ہی وہ کسی اور دین کا آدمی ہے۔ ملک شام کے تمام علاقوں میں بے چینی اور اضطراب پھیلتا جاتا تھا اور لوگ منہ اٹھائے یزید کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ اس طرح عبد اللہ بن عمر دمشق پہنچے اور یزید لعین کے دروازہ پر یہ تمام ہجوم جمع ہوتا گیا اور یزید پر آوازے کسنے لگے۔ یہ حال دیکھ کر نگہبان اندر گیا اور یزید کو اس صورت حال سے مطلع کیا اور بتایا کہ عبد اللہ ابن عمر لوگوں کا ایک غول لئے ہوئے آیا ہے۔ اور لوگ سر پیٹ رہے ہیں، وہ دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے آہ و زاری کر رہا ہے اندر داخل ہونا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ تمام ازدحام گھس پڑنے پر آمادہ ہے۔ یہ سن کر یزید گھبرا یا اور نگہبان سے کہا کہ عبد اللہ ابن عمر کو جلدی سے اندر لے آؤ۔ مگر اور کوئی ہمراہ نہ آنے پائے۔ چنانچہ پہرہ دار آیا اور تھا عبد اللہ کو اندر لے گیا باقی لوگ شور کرتے رہے۔ بہر حال عبد اللہ چیخیں مارتا روتا بیٹتا داخل ہوا۔ اور کہتا جاتا تھا کہ اے یزید تو نے اہلیت محمد کے ساتھ وہ سب کچھ کر ڈالا جو

ملک روم اور یونان کے کافر بھی نہ کرتے اور وہ لوگ جو اسلام کے دشمن ہیں۔ اُن میں سے ایک کام بھی نہ کرتے جو تو نے بلا تکلف کر ڈالے۔ لہذا اب تجھ پر لازم ہے کہ تخت خلافت سے اٹھ جا تو ہرگز مسلمانوں پر حکومت کا اہل نہیں ہے۔ اور مسلمانوں کو موقع دے کہ وہ تجھ سے بہتر شخص کو تجویز کریں اور تیری جگہ خلیفہ بنائیں۔

فرحب بہ یزید وتطاول له وضمه الیه وقال له یا ابا محمد اسکن من فور تک واعقل وانظر بعینک واسمع باذنک ماتنقول فی ابیک عمر بن الخطاب ؟ اَکان هادیا مهديا خلیفة وناصر رسول الله ومصاحرة باختک حفصة والذی قال لرسول الله اللات والعزی یعبدن اعلانیه ویعبد الله سرًا وقال عبد الله هما کما وَصَفَتْ فای شیء ۚ تقول فیہ قال ابوک قلَّد ابی امر الشام اُم ابی قلَّد اباک خلافة رسول الله ؟ فقال ابی قلَّد اباک الشام۔ قال یا ابا محمد افترضی به وبعهدہ الی ابی او مترضاه ؟ قال بل اَرْضی۔ قال افترضی بابیک قال نَعَمْ۔ قال فضر ب یزید بیدہ علی ید عبد الله وقال له قُمْ یا ابا محمد حتی تقراه۔ فقام معه حتی ورد خزائنہ فدخلها ودعی بصندوق ففتحه واستخرج منه تابوتا مقفلا مختوما فاستخرج منه طومارا لطیفا فی خرقة حریر سوداء فاخذ الطومار بیدہ ونشره ثم قال یا ابا محمد هذا خط ابیک قال ای والله فاخذہ من یدہ فقال له اقراء فقرأ ابن عمر فاذا فیہ؛

عبداللہ ابن عمر کا یہ حال دیکھ کر یزید کا دل تسبیح گیا۔ قلب میں مذہبی نرمی و رقت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ یزید نے خوشامدانہ گفتگو کی، عبداللہ کو ہموار کیا اور مناسب حالت پیدا کر کے کہا کہ جناب اس وحشت و گھبراہٹ اور جذباتی ہیجان سے باہر نکلنے۔ عقل کو پوری طرح کام کرنے کا موقع دیجئے، آنکھوں سے حقیقت پر نظر ڈالئے اور کانوں کو غور سے سننے پر آمادہ کیجئے اور پھر یہ فرمائیے کہ آپ اپنے والد عمر بن الخطاب کے بارے میں کیسا تصور رکھتے ہیں؟ کیا وہ تمہارے نزدیک ایک ہدایت یافتہ، ہدایت کنندہ، رسول اللہ کے خلیفہ اور ناصر نہ تھے؟ کیا انہوں نے اپنی بیٹی اور تمہاری بہن حفصہ کو رسول کے نکاح میں دے کر اُن سے سسرالی رشتہ قائم نہ کیا تھا؟ اور کیا انہوں نے رسول اللہ سے یہ نہ کہا تھا کہ لات وعزی کو اعلانیہ پوجا جانے دو اور اللہ کی عبادت رازداری میں رکھی جائے؟ اس پر عبداللہ نے کہا کہ یہ دو باتیں جو تم نے بطور صفات بیان کیں بالکل صحیح ہیں۔ مگر وہ کہو جو تم کہنا چاہتے ہو۔ یزید نے سوال کیا کہ تمہارے باپ نے میرے والد کو ملک شام کے انتظام و حکومت کا پٹہ پہنایا؟ یا میرے باپ نے تیرے باپ کو رسول اللہ کی خلافت کی تقلید کا ذمہ دار بنایا؟ عبداللہ نے کہا کہ میرے باپ نے تیرے باپ کو شام کی حکومت سپرد کی تھی۔ یزید نے کہا کہ اے ابو محمد (عبداللہ) کیا تم اُس عہد نامہ کو پسند کرو گے جو تیرے باپ نے میرے باپ کو تحریراً بجالانے کے لئے دیا تھا۔ یا تم اُن کی تحریری حکم کو ناپسند کر دو گے؟ عبداللہ نے کہا کہ میں اسے قبول کروں گا۔ یزید نے پھر پوچھا کہ کیا تم اپنے والد کے افکار و اعمال و کردار سے کلیتاً اتفاق کرو گے؟ عبداللہ نے اثبات میں جواب دیا تو یزید نے عبداللہ کے ہاتھ پر اپنی فتح اور چیلنج کا ہاتھ مارا اور کہا کہ بات طے ہو گئی۔ لہذا اے ابو محمد اٹھو چلو اور اس تحریری عہد نامہ کو پڑھنے سے پہلے اور کوئی خیال قائم نہ کرو۔ چنانچہ عبداللہ اُس کے ساتھ چلا۔ اور اُس کے خزانہ میں دونوں پہنچے۔ یزید نے ایک مخصوص صندوق منگایا، کھولا اور اُس میں سے ایک مہر شدہ مقفل (تالہ لگا) ڈبہ نکالا۔ ڈبے کو کھولا اور اس میں سے کالی ریشم کے ایک حسین جزدان کو لیا۔ جس کے اندر سے ایک لمبا چوڑا تحریری کاغذ نکلا اسے سیدھا کیا اور پھیلا کر اپنے ہاتھوں پر پھیلا یا اور عبداللہ بن عمر سے کہا کیا یہ تمہارے والد کی تحریر نہیں ہے۔ عبداللہ نے کہا واللہ یہ اُن ہی کا لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ یزید نے کہا کہ اے عبداللہ ذرا اُسے پڑھ کر دیکھو۔ چنانچہ عبداللہ نے

پڑھنا شروع کیا تو لکھا تھا کہ:-

”بسم اللہ الرحمن الرحیم ان الذی اَکْرَهْنَا بالسَّیْفِ علی الاقرار به فاقربنا وصدور وعرة والانفس واجفة النیات والبصائر شائكة مما كانت علیه من حجد ناماد عانا الیه واطعنا ه فیه رفعا یسوفه عنا وتکثره بالحی علینا من الیمن وتعاضد من سمع به ممّن ترک دینہ وماکان علیہ اباؤہ فی قریش فَبُهْلَ اقسام والاصنام والاثان واللّات والعزى ما حجدها عمر مذعبدھا ولا عبد للکعبة ربّاً ولا صدق لمحمد قولاً - ولا القی السّلم الاّ لِلْحِیْلَةِ علیہ وایقاع البطش به فانه قد اتانا بسحر عظیم وزاد فی سحره بنی اسرائیل مع موسی وهارون وداؤد وسلیمان وابن الامة عیسی ولقد اتانا بكل ماتوا به من السحر وزاد علیهم مالوانهم شہد وہ لا قرؤاله بانه سید السحرة؛

فخذ یابن ابی سفیان سُنَّة قومک واتباع ملتک والوفاء بما کان علیہ سلفک من حجد هذا البنية الّتی یقولون ان لہارباً امرہم باتیانہم والسعی حولہا وجعلہا لہم قبلۃ فاقروا بالصلوة والحج الذی جعلوہ رکنا وزعموا انّہ للہ اختلافوا کان مِمّا اعان محمداً منهم هذا الفارسی الطمطانی رُوِیَہُ وَقَالُوا اِنَّہ اوحی الیہ انّ اول بیت وضع للناس للذی ببکّہ مبارکاً وهدی للعالمین (3/96) وقولہم قد نری تقلّب وجهک فی السماء فلنولّیک قبلۃ ترضہا فول وجہک شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهکم (2/144) وجعلوا صلوتہم للحجارة - فمالذی انكرہ علینا لولا سحرہ من عبادتنا للاصنام والاثان واللات والعزى وهى من الحجارة والخشب والنحاس ولفضة والذهب لا واللات والعزى ما وجدنا سبباً للخروج عما عندنا وان سحرنا وموهوا - فانظر بعین مبصرة واسمع باذن واعية وتامل بقلبك وعقلك ما هم فيه واشكر اللات والعزى واستخلاف السيد الرشيد عتيق ابن عبد العزى على امة محمد وتحكمه في اموالهم ودمائهم وشريعتهم وانفسهم وحلالهم وحرامهم وجبايات الحقوق الّتی رَعْمُوا اَنَّهُم یجینونہا لربہم لیقیموا بہا انصارہم واعوانہم فعاش سدیداً رشیداً یخضع جہراً ویشتد سراً ولا یجد حيلة غیر معاشرۃ القوم - ولقد وثبت علی شہاب بنی ہاشم الثاقب وقرنها الزہراء وعلمہا الناصر وعدّتها وعددها المسمى بحیدرة المصاهر لمحمد علی مرأۃ التی جعلوها سیدۃ نساء العالمین یسمونها فاطمة حتّی آتیت دار علی وفاطمة وابنیہما الحسن والحسین وابنتیہما زینب وام کلثوم والامة الموعودۃ بفضۃ ومعی خالد بن ولید و قنذ مولى ابی بکر وصحب من خواصنا - ففرعۃ الباب قرعاً شدیداً - فاجابننی الامۃ فقلت لہا قولی لعلی دغ الا باطیل ولا تلج نفسک الی طمع الخلافۃ فلیس الامر لک - الا لمن اختارہ المسلمون واجتمعا ورب اللات والعزى؛

لو کان الامر والرای لابی بکر لفشل عن الوصول الی ما وصل الیہ من خلافة ابن ابی کبشۃ لکنّی ابدیت لہا صفحتی واظهرت لہا بصری وقلت للحنین نزار و قحطان بعد ان قلت لہم لیس الخلافۃ فی قریش فاطیعوہم وما طاعوا اللہ وانما قلت ذلک لما سبق من ابن ابی طالب من وثوبہ واستیثارہ بالدماء الّتی سفکھا فی غزوات محمد وقضاء دیونہ وهی ثمانون الف درہم وانجاز عاداتہ وجمع القران فقضاها علی تلیدہ وطارفہ وقول المهاجرین والانصار لما قلت انّ الامامۃ فی قریش قالوا ہوا لا صلح البطین امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام الذی اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - لبیعة علی اہل ملتہ وسلمنا لہ بامرۃ المومنین فی اربعۃ مواطن فان کنتم نسیتموها معشر قریش فما نسینا ہ اولیست البیعة ولا الامامۃ والخلافۃ والوصیۃ الا حقاً مفروضاً وامراً صحیحاً لا تبرعاً ولا ادعاءً فکذبناہم - واقمت اربعین رجلاً شہد واعلی محمد انّ الامامۃ بالاخیار فعند

ذ لك قال الانصار نحن احق من قريش لأننا آوينا ونصرنا وهاجر الناس إلينا فاذا كان رفع من كان الا مرله فليس هذا لامرلكم دوننا وقال القوم منا امير ومنكم امير قلنا لهم قد شهد اربعون رجلاً أنّ الائمة من القريش فقيل قوم انكر آخرون وتنازعوا - فقلت الجميع يسمعون الاكبر ناسنا واكثرنا لينا - قالو فمن تقول قلت ابوبكر الذى قدمه رسول الله صلى الله عليه و آله فى الصلوة وجلس معه فى العريش يوم بدر يشاوره وياخذ براهيه وكان صاحبه فى الغار وزوج ابنة عائشة التى سماها ام المؤمنين - فاقبل بنوهاشم يتميزون غيظاً وعاضد هم الزبير وسيفه مشهود وقال لا يبايع الا على ولا املك رقبة قائمة سيفى هذ - فقلت يازبير صرختك سكن من بنى هاشم امك صفية بنت عبدالمطلب فقال ذلك والله الشرف البازخ - والفخر الفاخر يابن حنتمة يابن صهاك اسكت لآم لك فقال قولاً فوثب اربعون رجلاً ممن حضر سقيفة بنى ساعدة على الزبير فوالله ما قدرنا على اخذ سيفه من يده حتى وسدناهُ الارض ولم تر له علينا ناصرًا فوثبت الى ابى بكر فصافحته وعاقدت به البيعة وتلانى عثمان بن عفان وسائر من حضر غير الزبير وقلنا له بايع او نقتلك ثم كفت عند الناس فقلت له امهلوه فما غضب الانخوة لبنى هاشم؛

فاخذت ابابكر بيدى قاقمته وهوير تعد قد اختلط عقله فازع جته الى ممبر محمد از عاجا - فقال لى يا ابا حفص اخاف وثبة على - فقلت ان علىا عنك مشغول و اعانى على ذلك ابو عبيده ابن الجراح كان يمدّه بيده الى المنبر وانا اُرْعِجُه مِنْ ورائه كما التيس (انه كرم) الى شفاد الجازر مبهوتا فقام عليه مد هو شأ - فقلت له اخطب فاغلق عليه و تثبت فدهش وتلجلج وغمض فعَضَضْتُ على كفى غيظاً وقلت له قل ماسخ لك فلم يات خيرا ولا معروفا؛ فاردت ان احط عن المنبر واقوم مقامه فكرهت تكذيب الناس لى بما قلت فيه - وقد سئلنى الجمهور منهم كيف قلت من فضله ما الذى سمعته من رسول الله فى ابى بكر؟ فقلت لهم قد سمعت من فضله على لسان رسول الله ما لَوَّزْتُ انى شعرة فى صدره ولّى حكاية - فقلت قل والا فانزل فتبينها والله فى وجهى وعلم انه لو نزل لرقيت وقلت مالا يهتدى الى قوله - فقال بصوت ضعيف عليل ولتكم ولست بخير كم وعلى فيكم واعلموا ان لى شيطانا يعتربنى وما اراد به سوى فاذا ذللت ققومونى لا اقع فى شعوركم وابشاركم واستغفروا لله لى ولكم ونزل فاخذت بيده واعين الناس ترمقه وغمزت يده غمزاً - ثم اجلسته وقدمت الناس الى بيعته وصحبته لارهبته - وكل من ينكر بيعته ويقول ما فعل على بن ابى طالب - اقول خلعه من عنقه وجعلها طاعة المسلمين قلة خلاف عليهم فى اختيارهم فصار جليس بيته فبايعوا وهم كارهون - فلما فشت بيعته علمنا ان علىا يحمل فاطمة والحسن والحسين الى دور المهاجرين والانصار يذكرهم بيعة علينا فى اربعة مواطن ويستقرهم فيعدونه النصر لىلا ويقعدون عنه نهارة؛

فاتيت داره مستشيرًا لايخرجه منها - فقامت الامة فضة وقد قلت لها قولى لعلى يخرج الى بيعة ابى بكر فقد اجتمع عليه المسلمون فقالت ان امير المؤمنين علىا مشغول فقلت خلى عنك هذا وقولى يخرج والا دخلنا عليه واخرجناه كرها - فخرجت فاطمة فوقعت من وراء الباب فقالت ايها الضالون المكذبون ماذا تقولون واى شىء تريدون فقلت يا فاطمة - فقالت فاطمة ماتشأ يا عمر؟ فقلت ما بال ابن عمك قد اوردك للجواب وجلس من وراء الحجاب؟ فقالت لى طغيانك يا شقى اخرجنى والزملك الحجة وكل ضال قوى - فقلت دعى عنك الاباطيل واساطير النساء وقولى بعلى يخرج - فقالت فاطمة لاحب ولا كرامة أبجزب الشيطان تخوفنى يا عمرو كان حزب الشيطان ضعيفا - فقلت ان لم يخرج جنت بالحطب الجزل واضرمته نارا على اهل هذا البيت واحرق من فيه او يقاد على الى البيعة وضربت واخذت سوط قنفذ وقلت لخالد بن وليد انت ورجالنا هلموا فى جمع الحطب فقلت انى مضر مها - فقالت يا عدو الله وعد ورسوله وعد و امير المؤمنين - فضربت فاطمة يدها

مِن الباب تمنعني من فتحه فرمته فتصعب عليّ فضربت كفيها بالسوط فآلمها فسمعت لها زفيراً وبكاءً - فقدت ان العين وانقلب عن الباب فذكرت احقاد عليّ لوعه في دماء صناديد العرب وكيد محمد وسحره فركلت الباب - وقد الصقت احشائها بالباب تترسه - وقد صرخت صرخة حسبتها قد جعلت اُغلى المدينة اسفلها - وقالت يا ابتاه يا رسول الله هكذا كان يفعل بحبيبتك وابنتك آه يا فضة اليك فخذيني فقد والله قتل مافي احشائي من حمل وسمعتها تمخض وهي مستندة الى الجدار فدفعت الباب ودخلت واقبلت الى بوجه اغشى بصرى فصفت صفقة عليّ خديها من ظاهر الخمار فانقطع قرطها وتناثرت الى الارض - وخرج عليّ فلما احست به اسرعت الى خارج الباب وقلت لخالد وقنفذ و قدجنيت جنابة عظيمة لامن علي نفسي وهذا عليّ قد برز من البيت وما لي ولكم جميعاً به طاقة - فخرج عليّ وقد ضربت يدها الى ناصيتها لتكشف عنها وتستغيث بالله العظيم مانزل بها - فَأَسْبَلَ عليّ عليها ملائنها وقال لها يا بنت رسول الله إِنَّ الله بعث اباك رحمة للعالمين وايم الله لئن كشفت عن ناصيتك سائلة الى ربك ليهلك هذا الخلق حتّى لا يبقى علي الارض بشراً الاّ اء انك واباك اعظم عند الله تعالى من نوح الذي غرق من اجله بالطوفان جميع من في الارض وتحت السماء الاّ من كان في السفينة واهلك قوم هود بتكذيبهم واهلك عاداً بريح صرصر وانبأ ابوك اعظم قدراً من هود وعذب ثمود وهي اثناعشر الفأبقر الناقة والفصيل وكوني ياسيدة النساء رحمة عليّ هذا الخلق المنكوس ولا تكوني عذاباً واشتد بها المخاض ودخلت البيت فاسقطت سقطاً سماه عليّ محسناً - وجمعت جمعاً كثيراً لا مكالرة لعلّي لاكن ليشدّ بهم قلبي وجئت وهو محاصر فاستخرجته من داره مكرهاً مغصوباً وسقته الى البيعة سوفاً واني لا علم علماً يقيناً لاشك فيه لو اجتهدت انا وجميع من كان على الارض جميعاً عليّ قهره ما قهرناه ولكن لِهِنَاتٍ في نفسه اعلمها ولا اقولها - فَلَمَّا انتهيت الى سقيفة بنى ساعدة قام ابوبكر ومن بحضرته يَسْتَهْرُونَ بعليّ - فقال عليّ يا عمر اتحبّ اَنْ اُعْجَلَ لك ما اُخَرْتَهُ من سوء عنك - فقلت لَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَسَمِعْنِي وَالله خالد بن الوليد فاسرع الي ابي بكر فقال له ابوبكر مالي ولعمر ثلثا والناس يسمعون ولما دخل السقيفة جثا ابوبكر اليه فقلت له قد بايعت يا ابا الحسن وانصرف - فَأَشْهَدُ ما بايعه ولا مديده اليه وكرهت اَنْ اطالبه بالبيعة ليعجل لي ما اخره عني ووذا بوبكر انه لم يَرَعَالِيَا في ذلك المكان جزعاً وخوفاً منه ورجع عليّ من السقيفة ؛

وسئَلنا عنه فقالوا مضى إلى قبر محمدٍ فجلس إليه فقمت أنا وابوبكر وجئنا نَسعى وابوبكر يقول ويلك يا عمر ما الذى صنعت بفاطمة هذا والله خسران المبین فقلت انَّ اعظم ما عليك انَّه ما بايعنا واثق بتشاكل المسلمين عنه - فقال ما تصنع؟ قلت نظهر انَّه قد بايعك عند قبر محمدٍ فاتيناه وقد جعل القبر امسندًا كَفَه على تربته وحوله سلمان وابوذوالمقداد وعمّار وحذيفه اليمان - فَجَلَسْنَا بازائه واوعزت الى ابى بكر ان يضع يده على مثل ما وضع على يده ويقربها من يده - ففعل ذلك واخذت بيد ابى بكر لا مسحها على يده وأَقُولُ قد بايع فقبض على يده - فقمت وابوبكر موليّا انا أَقُولُ - جزى الله عليمًا خير افاَنه لم يمنعك البيعة لما حضرت قبر رسول الله - فوثب من دون الجماعة - ابوذر جندب ابن جنادة الغفارى ويقول والله ياعد والله ما بايع على عنيقا ولم نزل - كُلَّمَا لقينا قوم واقبلنا على قوم نخبرهم ببيعتة وابوذو يكذبنا، والله ما بايعنا فى خلافة ابوبكر ولا فى خلافتى ولا يبايع لمن بعدى ولا بايع من اصحابه اثنا عشر رجلًا لا لى بى بكر ولا لى -

فَمَنْ فَعَلَ يَامَعُورِي، بَعْلِيَّ وَاسْتِثَارَ احْقَادَهُ السَّالِفَةَ غَيْرِي - وَامَّا اَنْتَ اَبُوكَ ابُوسَيَّانَ وَاحْوَك عَتَبَةَ فَاعْرِفْ مَا كَانَ مِنْكُمْ

فى تكذيب محمد وكيدہ وادارة الدوائر بمكة وطلبته فى جبل حرى لقتله وتآلف الاحزاب وجمعهم عليه وركوب ابيك
الجمال وقد قاد الاحزاب وقول محمد وآله لعن الله الراكب والقائد والسائق - وكان ابوك الراكب و اخوك عتبة القائد
وانت السائق - ولم انس امك هندا وقد بذلت لوحشى ما بذلت تكمن نفسه لحمزه الذى دعوه اسد الرحمن فى ارضه وطعنه
بالحرية ففلق فؤاده وشق عنه واخذ كبده فحملة الى اميك - فزعم محمد بسحره انه لما اذخلته فاها لتاكله
صار جلمودا - فلفظته من فيها فسمها محمد وآله اكلة الاكباد وقولها فى شعرها لاعداء محمد ومقاتليه: - نحن بنات طارق
نمشى على النمارق كالدرر فى المخارق والمسك فى المفارق ان تقبلوا نعانق اوتدبروا نفارق فراق غير وابق
ونسوتها فى الثياب الصفراء المرسية مبتديات وجوههن ومعاصمهن ورؤسهن يحرقن على قتال محمد -

انكم لم تسلموا طوعا وانما اسلمتم كرها يوم فتح مكة - فجعلكم طلقاء وجعل اخي زيادا وعقيل اخا على ابن ابى طالب والعباس
عمهم مثلهم وكان من ابيك فى نفسه، فقال والله يا ابن ابى كعبة لا ملائها عليك خيلا ورجلا واحول بينك وبين هذه
الاعداء - فقال محمد ويؤذن للناس انه علم ما فى نفسه او يكفى الله شرک يا اباسفيان وهو يرى الناس ان لا يعلموها احد غيرى
وعلى ومن يليه من اهليته فبطل سحره وخاب سعيه وعلاها ابوبكر وعلوتها بعده وارجوان تكونوا معاشر بنى امية عيدان
اطنابها - فمن ذلك قد ولئتكم وقلدتكم اباحة ملكها وعرفتكم فيها وخالفتكم قوله فيكم وما ابالى من تاليف شعره ونثره انه،
قال يوحى الى منزل من ربى فى قوله والشجرة الملعونة فى القرآن فرغم انها انتم يا بنى امية فبين عداوته حيث ملك كمالهم
يزل هاشم وبنوه اعداء بنى عبد الشمس وانا مع تذكيرى اباك يا مويبة وشرحى لك ما قد شرحتك ناصح لك ومشفق عليك
من ضيق عطيتك وحرَج صدرك وقلة حلمك ان تعجل فيما وصيتك به ومكنتك منه من شريعة محمد وأمتة وان تبدى
لهم مطالبة بطعن وشماتة بموت اورداعليه فيما آتى به أو استصغارا لما آتى به فتكون من الها لकिन فتخضع مافعت وتهدم
ما بنيت واحذر كل الحذر حيث دخلت على محمد صلى الله عليه وآله مسجده ومثيرة وصدق محمد افى كل ما آتى؟ به و
اورده ظاهرا واطهر التحرز والواقعة فى رعيتك وواسعهم حلما واعمهم بروايح العطايا وعلبك باقامة الحد وديهم وترهم
انك تدع الله حقا ولا تنقص فرضا ولا تغير لمحمد سنة تفسد علينا الامة بل خذهم من مامنهم واقتلهم بايديهم وابدئهم
لبسوفهم وتطاولهم وتناجزهم ولن لهم ولا تبخس عليهم فافسح لهم فى مجلسك وشرفهم فى مقعدك وتوصل الى قتلهم
برئيسهم واطهر البشرى لبشاشة بل اكظم غيظك واعف عنهم يحيوك ويطيعوك فما آمن علينا وعلبك ثورة على وشليبه
الحسن والحسين فان امكنك فى عدة من الامامة فبادر ولا تقنع بصغار الامور واقصد بعظيمها واحفظ وصيتى اليك
وعهدي واخفه ولا بدده وامثل امرى ونهى وانهض بطاعتى واياك والخلاف على واسلك طريق اسلافك والطلب بشارك
واقص آثارهم فقد اخرجت اليك بسرى وجهرى وشفعت هذا بقولى:-

معاوى ان القوم جلت امورهم	بدعوة من عم البرية بالوترى	صبوت الى دين لهم فارابنى
فابعد بدى قد قصمت به ظهري	وان انس لا انسى الوليد وشيبة	وعتبة والعاص الصريع لدى بدر
وتحت شغاف القلب لدغ لفقدهم	ابو حكم الضئيل من الفقرى	اولئك فاطلب يا معاوى ثارهم
بنصل سيوف الهند والاسل السمرى	وصل برجال الشام فى معشر بهم	هم الاسد والباقون فى اكهم الوعر
توصل الى التخليط فى الملة التى	اتا نابه الماضى المموه بالسحر	وطالب باحقاد مضت لك مظهر

لَعَلَّه دِينَ عَمَّ كُلِّ بَنِي النَّصْرِ - فَلَسْتُ تَنَالُ النَّارَ إِلَّا بِدِينِهِمْ - فَقَتَلْتُ بِسَيْفِ الْقَوْمِ جَدَّ بَنِي عَمْرِو -
لِهَذَا وَقَدْ وَلَّيْتُكَ الشَّامَ رَاجِعًا - وَأَنْتَ جَدُّ يَرَّانُ تَوَلَّى ضَخْرًا -

وقال فلما قرأ عبد الله بن عمر هذا العهد قام إلى يزيد فقبل راسه - وقال أَلْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى قَتْلِكَ الشَّارِئِ وَابْنِ الشَّارِئِ وَاعْلَمْ أَنَّ
والدى عمر أخرج إلى من سيرة بمثل هذا الذى أخرجه إلى أبيك معاوية ولا أرى أحداً من رَهط محمد وشيعته بعد يومى هذا
غير منطوٍ لهم على خير أبداً - فقال يزيد فيه شرح الخفايا بن عمر - (أكبر العبادات - صفحہ 108 تا 112)

بسم الله الرحمن الرحيم - یقیناً جس شخص نے ہمیں بزورِ شمشیر اپنی پوزیشن منوانے اور اقرار کرنے پر مجبور کیا ہم نے
بادلِ ناخواستہ اقرار کر لیا۔ حالانکہ ہمارے قلوب کے دروازے بند تھے۔ ہماری ضمیریں کراہت و نفرت سے ابتر ہوئی جاتی تھیں۔ ہماری
نیت اور بصیرت کانٹوں پر گھسیٹی جا رہی تھیں۔ ہمیں ہر وہ چیز ناپسند تھی جس پر وہ شخص ہمارے ساتھ ہٹ دھرمی کرتا چلا جا رہا تھا۔ اور جو کچھ
ہم سے قبول کرانا چاہتا تھا اور جن چیزوں میں ہم کو اطاعت کا حکم دیتا تھا۔ بہر حال ہمیں اس مقصد سے اُس کی اطاعت کرنا پڑی کہ کھینچی
ہوئی تلواروں سے ہم اور ہماری قوم محفوظ رہ جائے اور اس طرح زندہ رہ کر ہماری تعداد و طاقت بڑھے۔ یوں اُس کے ہاتھ مضبوط ہوئے
اور اُس کے دین کو پھیلنے کا موقع ملا جو خود اُس کے قریشی آباؤ اجداد کا بھی دین نہ تھا۔ لیکن میں ہبل اور تمام مجسموں اور دینی رسومات
اور لات و عزی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ہر گز کعبہ والے محمدؐ کے رب کی عبادت نہیں کی نہ کبھی محمدؐ کی کسی بات کی قلبی تصدیق کی۔
اور کبھی اس کی سلامتی اور مرکزیت کو نہیں مانا۔ مگر صرف اس کو دھوکہ دینے کے لئے کیا جو کچھ بھی کیا۔ اور اس کو وسیلہ بنا کر اپنی قومی طاقت
اور بدبہ بڑھانے کے لئے کرتا چلا گیا۔ یقیناً وہ ہمارے مقابلہ پر ایک زبردست جادو لے کر آیا تھا۔ اور اُس نے اپنے ساحرانہ کمال کو
مؤسیٰ اور ہارون کے اُس جادو سے بھی زیادہ طاقت سے پیش کیا جو بنی اسرائیل کے مقابلہ میں پیش کیا گیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ اپنے جادو
میں داؤد و سلیمان اور عیسیٰؑ کو بھی پیچھے چھوڑ گیا اور اگر دنیا کے تمام جادو گروں پر یکجائی نظر ڈالی جائے تو وہ سب اس کو اپنا سردار و بزرگ مانتے
ہوئے نظر آئیں گے۔

لہذا یہ ہے ہمارا دین و عقیدہ اے سفیان کے فرزند تو بھی اسے گرہ میں باندھ لے۔ اپنی قوم کی اس سُنَّہ کو اختیار کر اور اپنی ملت
کی پیروی کر اور اُن معاملات و اقدامات میں وفا شعارى اختیار کر جو تیرے سابقہ بزرگوں کو پسند تھے۔ اور وہ لوگ جو اس کو ٹھری (کعبہ)
کا کوئی الگ رب مانتے ہوں اُن پر محمدؐ نے واجب کر دیا کہ وہ سب یہاں حاضر ہوا کریں اور اس کے گرد و نواح میں چکر لگایا کریں۔
اور ان لوگوں کے لئے اُس نے اس بنیاد کو قبلہ مقرر کر دیا اور نماز و حج کو ارکانِ دین بنادیا۔ اور ان کا گمان یہ ہے کہ یہ سب کچھ وہ اللہ کے
لئے کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ یہاں ہجوم در ہجوم آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ یہی وہ وسائل ہیں جن کے ذریعہ محمدؐ نے لوگوں کی توجہ مرکوز کر لی
اور اس جلساڑی میں اُس فارس کے باشندے رُوز بے (سلمان) غلط عربی تلفظ کرنے والے نے محمدؐ کی مدد کی ہے۔ اور پتھروں کی
عبادت کو رنگ بدل کر برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے کہا کہ اس پر یہ وحی آئی ہے کہ یقیناً ہم نے جو گھر انسانوں کی عبادت کے لئے سب
سے پہلے بنایا تھا وہ اس بکھ (مکہ) میں ہے جو بہت مبارک ہے اور تمام عالمین کیلئے ہدایت کا مرکز ہے۔ ان کا یہ قول بھی ہے کہ ہم نے

تیرے چہرے یا توجہ کو آسمانوں میں گھومتے ہوئے دیکھا ہے۔ چنانچہ تمہیں ہم تمہارے پسندیدہ قبلہ کی طرف پھیر دیں گے۔ چنانچہ اپنا منہ مسجد الحرام کے شطر کی طرف گھما لو اور تم لوگ جہاں بھی ہوا کرو اور وہی رخ کیا کرو۔ اور ان باتوں سے انہوں نے اپنی نماز کو پھر ان پتھروں کی پوجا پاٹ بنالیا۔ پھر وہ کون سی دلیل سے ہماری عبادت کا منکر ہوا۔ سوائے اس کے کہ اس کے سر پر اس کا جادو سوار ہو گیا۔ اور اس نے بزرگوں کے مجسموں اور طریقوں اور لات و عزّی کو گھٹیا سمجھا حالانکہ وہ محض بے جان جمادات نہ تھے۔ ان میں پتھر بھی تھا، لکڑی بھی استعمال ہوئی تھی، تانبہ اور پیتل بھی تھا، چاندی اور سونا تک استعمال ہوا تھا۔ اُن کو نکال باہر کرنے اور راستہ سے ہٹانے کا اور کوئی سبب نظر نہیں آتا سوائے اس کے کہ وہ اپنے جادو اور حیران کن اسکیم میں الجھ گئے تھے۔ تم بھی ذرا بال بصیرتی سے اس معاملہ پر نظر ڈالو اور میری باتوں کو گوشِ ہوش سے سنو اور اپنی عقل و قلبی وجدان سے سوچو اور غور کرو کہ اس کے علاوہ ان کے دین میں اور کیا رکھا ہے جو میں نے سمجھا؟ اور میں تو لات و عزّی کا شکر گزار ہوں جنہوں نے آخر کا محمدؐ کی حکومت ایک بزرگ ترین اور نیک سردار عبدالعزّی کے بیٹے کو دلا دی اور محمدؐ کی امت پر اسے مسلط کر دیا کہ آج امت محمدیہ کے اموال میں اور ان کے خون میں اور ان کے حلال و حرام میں اور اُن کی شریعت میں اور ان کے حقوق کی نگہداشت میں ہمیں مختار بنادیا۔ حالانکہ ان کا گمان باطل یہ تھا کہ یہ سب احکام اللہ نے مقرر کئے ہیں اور وہ یہ سب کچھ اپنے رشتہ داروں اور انصار کو سپرد کرنا چاہتا تھا۔ بہر حال اس نے اچھی خاصی زندگی گزار دی وہ بظاہر بڑا نرم رو مگر باطن بڑا سرگرم اور شدت پسند تھا۔ لیکن اگر قوم ساتھ نہ دے تو کوئی حیلہ مکر اور منصوبہ پروان نہیں چڑھا کرتا۔ آخر میں نے بنی ہاشم کی اس بنیاد پر ضرب لگانے کی ٹھان لی اور اُن کے حقیقی گروہ کو الگ کر لیا۔ ان میں سے ایک تو وہی تھا جسے حیدرؑ کہا جاتا تھا۔ اور اُسے اس عورت کی وجہ سے دامادی میں لے لیا تھا جسے زہراءؑ قرار دیا گیا تھا۔ اور تمام عالمین کی عورتوں کی سردار مانا جاتا تھا اور فاطمہؑ نام رکھا گیا تھا۔ مگر یہ ٹھٹھ اس روز ختم ہو گئے جس دن میں علیؑ و فاطمہؑ کے گھر پر پہنچا جہاں ان دونوں کے بیٹے حسنؑ اور حسینؑ اور بیٹیاں زینبؑ اور ام کلثومؑ اور ایک کنیز بھی ہوا کرتی تھی۔ جسے فضہ کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ میری ہمراہی میں خالد بن ولید تھا اور ابوبکر کا غلام قنفذ بھی تھا۔ چنانچہ میں نے دروازہ بڑی شدت سے کھڑکایا اس پر ہمیں اندر سے اسی مذکورہ کنیز نے جواب دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ جا کر علیؑ سے کہہ دو کہ باطل پرستی چھوڑ دو اور اپنی ذات کو خلافت کی طمع میں مت الجھاؤ۔ تم اس معاملہ میں کوئی حق نہیں رکھتے۔ جس کو مسلمان پسند کریں اور جس پر مسلمان اور لات و عزّی کا رب متفق ہو جائیں گے وہی خلیفہ ہوگا۔

یہ بھی سمجھ لو کہ اگر یہ معاملہ ابوبکر کی رائے اور بصیرت پر منحصر ہوتا تو وہ ہرگز ابن ابی کبشہ (کفار رسولؐ کو اسی طرح پکارتے تھے) کی خلافت حاصل نہ کر سکتا وہ اپنی ضمیر کی کمزوری سے ناکام ہو جاتا۔ لیکن میں نے اسکی ابتدا کی اور اپنی جرأت و بصیرت سے اسے کامیاب کر دیا اور اولاد نزار و قحطان سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ قریش میں خلافت کا آنا طے نہیں کیا گیا ہے لہذا قریش کو غیروں کی اطاعت و فرمانبرداری اور خدا کی اطاعت کرنا پڑے گی۔ اور ہم نے یہ سب کچھ اس وقت کہا تھا جب علیؑ کی پوزیشن چمک رہی تھی اور علیؑ کے شاندار کردار اور محمدؐ کی طرفداری میں مخالفوں کا خون بہانا اور ان کا قرض ادا کرنا جو اسی ہزار درہم تھا۔ اور انکے وعدوں کا پورا کرنا اور قرآن کا جمع کرنا اور مہاجرین اور انصار سے جب میں نے کہا کہ خلافت و حکومت صرف قریش کیلئے ہے تو انہوں نے کہا کہ ہاں قریش میں سے

امیر المومنین وہ ہی ہے جس کو صلح البطین اور علی بن ابی طالبؓ کہتے ہیں۔ جس کیلئے رسول اللہؐ نے پوری ملت اسلامیہ سے بیعت لی تھی۔ اور ہم نے انہیں چار مواقع پر امیر المومنین تسلیم کیا ہے۔ اور ہم سے انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر تم لوگ علیؑ کی بیعت کو بھول گئے تو اے قریش ہم لوگوں نے اس بیعت کو فراموش نہیں کیا ہے۔ الغرض نہ تو بیعت قائم ہو سکتی ہے نہ ہی امامت و خلافت اور وصیت قائم کی جاسکتی ہے سوائے اس کے کہ یہ ایک من جانب خدا فرض کی ہوئی اور مقرر شدہ اور صحیح معاملہ ہے نہ کسی کے دعویٰ کر دینے سے یہ کام ہو سکتا ہے نہ اس میں بزرگی کا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ ہم نے ان کے اس پورے بیان کو چالیس جھوٹے گواہ گزار کر جھوٹا ثابت کر دیا اور شہادت دلوادی کہ امامت و خلافت کا اختیار خود امت کو حاصل ہے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا کہ یوں بھی انصار سب سے زیادہ حقدار ہیں ہم نے تمام مسلمانوں کو پناہ دی، ان کی مدد کی اور لوگ ہمارے پاس ہجرت کر کے آئے۔ لہذا جب اُس ہستی کو الگ کر دیا جس کیلئے خلافت و حکومت کا حق قائم ہے تو اس کے بعد ہمارے سوا کوئی حاکم بننے کا مجاز نہیں ہے۔ یہ سوال بھی اٹھا کہ کہ ایک حاکم تم میں سے ہو اور ایک حاکم ہم میں سے ہو کرے۔ اس پر ہم نے کہا کہ تم نے چالیس مسلمانوں کی شہادت تسلیم کر لی ہے کہ امام و حاکم صرف قریش میں سے ہوں گے۔ اس پر ان کا ایک گروہ تسلیم کر کے خاموش ہو گیا دوسرا جھگڑتا رہا۔ میں نے کہا کہ دیکھو ہم اپنے میں سے ایسے شخص کو حاکم بنانا چاہتے ہیں جو ہم سب میں بڑی عمر کا اور سب سے زیادہ نرم مزاج ہے۔ وہ بولے کون ہے؟ میں نے کہا وہ ابوبکر ہے۔ جس کو رسولؐ نے نماز میں آگے بڑھایا اور جس کے ساتھ جنگ بدر میں سائبان کے سایہ میں بیٹھے اور مشورہ کر کے انکی رائے پر عمل کرتے رہے۔ غار میں اپنا ساتھی بنایا، جن کی بیٹی انکی زوجہ اور ام المومنین ہے۔ اس پر بات ختم ہو گئی۔ اس کے بعد بنی ہاشم کو غصہ آیا اور ان کی مددزیر نے کی۔ ننگی تلوار لے کر نکلا اور کہتا تھا کہ علیؑ کے علاوہ کسی کی بیعت نہ کی جائے گی اور کوئی گردن میری اس تلوار سے نہ بچے گی۔ میں نے کہا کہ اے زیر تیرا یہ شور و غوغا اسلئے ہے کہ تیری ماں صفیہ عبدالمطلبؑ کی بیٹی تھیں۔ زیر نے جواب دیا کہ یہ تو بہت نمایاں فضیلت ہے اور نہایت پسندیدہ فخر ہے جو مجھے حاصل ہے۔ اے حتمہ کے بیٹے اے ضحاک کے لونڈے تو خاموش رہ تیری ماں قابل شمار بھی نہیں۔ اس نے یہ دھکتی ہوئی بات منہ سے نکالی ہی تھی کہ وہ چالیس آدمی جو سقیفہ بنی ساعدہ میں مد کیلئے موجود تھے زیر پر ٹوٹ پڑے۔ مگر قسم بخدا ہم چالیس آدمیوں کو بھی اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لینے میں کامیابی نہ ہوئی جب تک ہم نے اسے زمین پر نہ گرا لیا اور جب تک اس کی یہ آس نہ ٹوٹ گئی کہ ہمارے مقابلہ میں کوئی اس کی مدد کو آ جائے گا۔ چنانچہ ہم سب نے اسے گھسیٹ کر ابوبکر کے سامنے پیش کیا۔ اور اس نے زیر سے ہاتھ ملانے، مصافحہ کرنے کے بہانے بیعت لے لی اور عثمان بن عفان اور زیر کے علاوہ باقی تمام موجودین نے میری تائید کی اور ہم سب نے زیر سے کہا کہ تم بیعت باقاعدہ کر لو ورنہ ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے۔ پھر میں نے پھرے ہوئے لوگوں کو ٹھنڈا کیا اور زیر کے متعلق کہا کہ اسے فی الحال مہلت دے دو۔ یہ اس کا غم و غصہ نئی بات نہیں ہے۔ یہ تو بنی ہاشم کا ہمیشہ کا غرور اور نخرہ ہے جو زیر سے بھی ظاہر ہو رہا ہے۔

بہر حال میں نے ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اسے کھڑا کیا تو وہ کانپ رہا تھا۔ اُس کی عقل ماری گئی تھی۔ میں نے اسے ڈانٹتے اور زور شور سے جھڑکتے ہوئے محمدؐ کے منبر کی طرف بڑھایا تو اس نے کہا کہ اے اباحفص عمر میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں مجھ پر علیؑ نہ جھپٹ پڑیں؟ میں نے کہا یہاں علیؑ کہاں ہے وہ تو اس وقت مشغول ہے تیرا اُسے پتہ بھی نہیں ہے۔ اس معاملہ میں ابوعبیدہ بن الجراح نے میری

مدد کی وہ ابو بکر کو اپنے دونوں ہاتھوں سے منبر پر چڑھنے میں زور سے اٹھا رہا تھا۔ پیچھے سے میں ڈانٹتا ہوا دھکیل رہا تھا۔ اور ابو بکر اس طرح خوفزدہ تھا جیسے قضائی سے بھیڑ۔ اس کے ہوش و حواس غائب تھے۔ منبر پر مہوت و بدحواسی میں کھڑا ہوا۔ میں نے اس سے کہا کہ ارے خطبہ دے۔ میں غیظ و غضب سے اپنا ہاتھ چبار ہاتھ اور کہہ رہا تھا ارے کچھ تو کہہ ڈال۔ مگر وہ نہ کوئی مفید بات بولا، نہ ہماری اسکیم کو سمجھنے کے باوجود بیان کر سکا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اسے گھیٹ کر منبر سے اتار دوں۔ اور اس کی جگہ خود لے لوں۔ مگر مجھے یہ پسند نہ آیا کہ لوگ خود میری ہی تکذیب کرنے اور مجھے جھٹلانے لگیں۔ چنانچہ مجھ سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ تم نے کس بنیاد پر ابو بکر کی فضیلت میں وہ سب کچھ کہا جو کہا؟ اور میں نے جواب دیا تھا کہ یقیناً میں نے رسول اللہ کی زبان سے ابو بکر کے فضائل سنے ہیں کہ اگر وہ اس کی سمجھ میں آگئے ہوتے تو سینہ تان کر بیٹھتا مگر یہ بھی ایک قصہ ہے میں نے تنگ آ کر ابو بکر سے کہا کہ یا تو کہہ ڈالو ورنہ منبر سے نیچے اتر آؤ۔ خدا کی قسم ابو بکر میرے چہرے سے سمجھ گیا کہ اگر وہ منبر سے اترتا تو میں اس کی تائید چھوڑ کر اس کی عزت کو خاک میں ملا دوں گا۔ لہذا اس نے نہایت کمزور اور بیمار آواز میں کہا کہ مجھے تم پر حاکم بنادیا گیا ہے۔ حالانکہ علیؑ کی موجودگی میں میں تمہارے لئے مفید نہیں ہوں۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ یقیناً مجھ پر ایک شیطان مسلط ہے جو مجھے میرے ارادوں کے خلاف مجبور کر دیتا ہے۔ لہذا جب میں ڈمگگاؤں تو مجھے کھڑا ہونے میں مدد دینا۔ تاکہ میں تمہارے شعور سے تمہاری پسند کے کام کر سکوں بہر حال میں تمہارے لئے اور اپنے لئے بخشش کا طلب گار ہوں۔ یہ کہا اور منبر سے اتر آیا۔ میں نے اس کو ہاتھ سے پکڑا اور آنکھ ماری لوگوں کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں اس لئے میں نے اسے ہاتھوں ہی ہاتھوں میں رازدارانہ اشارہ کر دیا۔ پھر میں نے ابو بکر کو بیعت لینے کے لئے ایک جگہ بٹھا دیا اور خود اس کو بے خوف رکھنے کے لئے اس کے پاس بیٹھا اور جو لوگ موجود تھے سب نے بیعت کرنا شروع کر دی۔ اور وہ تمام لوگ جو ابو بکر کی بیعت سے انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ علیؑ کی سابقہ بیعت کا کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ وہ بیعت ان کی گردن سے نکال لی گئی اور اب مسلمانوں کی اطاعت پر بیعت کی جانا ہے۔ اور جو قلیل تعداد مخالفت کرے گی وہ ان کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ لوگ ناگواری کے ساتھ بیعت کرتے گئے۔ جب میں نے تفتیش کی تو ہمیں معلوم ہوا کہ علیؑ اپنے ساتھ فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ کو لئے ہوئے مہاجرین اور انصار کے ٹھکانوں میں پھرتے ہیں۔ اور انہیں اپنی چار مرتبہ کی ہوئی بیعت یاد دلاتے ہیں۔ اور انہوں نے لوگوں کو متوجہ کر رکھا ہے۔ چنانچہ رات کو نصرت کا وعدہ کرتے ہیں اور دن میں گھر بیٹھے رہتے ہیں۔

چنانچہ میں علیؑ کے گھر پر آیا تاکہ انہیں باز پرس کے لئے گھر سے باہر نکالوں۔ دروازہ پر کینیزہؓ کھڑی تھی میں نے اس سے کہا کہ علیؑ سے کہو کہ ابو بکر کی بیعت کرنے کے لئے نکلیں۔ تمام مسلمان ان کی حکومت پر متفق ہو چکے ہیں۔ فضہؓ نے کہا کہ امیر المؤمنین علیؑ تو کام میں مشغول ہیں۔ میں نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ جلدی سے دفع ہو اور جا کر کہہ کہ تم نکلتے ہو تو خیر ورنہ ہم جبراً تمہیں باہر نکال لیں گے۔ یہ سن کر فاطمہؑ دروازہ پر آئیں اور پس پردہ کھڑی ہوئیں اور کہا کہ اے جھوٹے اور گمراہ لوگو تم کیا بکتے ہو اور تم نے کیا ارادہ کر رکھا ہے؟ میں نے کہا اے فاطمہؑ آگے بولنے سے پہلے ہی کہا کہ فاطمہؑ کہتی ہے کہ اے عمر کیا چاہتا ہے؟ پھر بھی میں نے یہی کہا کہ تمہارے چچا زادے کو کیا ہو گیا ہے کہ خود پردہ میں بیٹھ گیا اور تم سے ہمیں جواب دلوا رہا ہے؟ مجھ سے کہہ لیں۔ اے نامراد شقی تو بغاوت

میں حد سے بڑھ گیا ہے۔ تو ذرا مجھے نکال کہ میں تم پر اور تمہارے ساتھی گمراہوں پر جنت قائم کر کے چھوڑ دوں۔ میں نے کہا اپنی باطل باتوں اور زنا نہ کہانیوں کو چھوڑ دو اور علیؑ سے جا کر کہو کہ وہ باہر نکلیں۔ فاطمہؑ نے کہا کہ اوجہت و احترام سے محروم شخص کیا تو مجھے شیطانی گروہ سے خوفزدہ کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ شیطانی گروہ نہایت حقیر و کمزور ہوتا ہے۔ اب میں نے کہا کہ اگر علیؑ نہیں نکلتا تو میں جلاڈالنے والا ایندھن لا کر اس گھر کو اور جو بھی اس میں ہوگا ان سب کو جلاڈالوں گا۔ یا یہ کہ علیؑ آ کر بیعت کر لیں۔ ساتھ ہی میں نے ابوبکر کے غلام کا کوڑا لیکر مارا اور خالد سے کہا کہ تم اور ہمارے تمام لوگ جلدی سے ایندھن جمع کرو میں نے طے کر لیا کہ اس گھر کو جلا کر خاک کر دوں۔ فاطمہؑ نے کہا کہ اے دشمن خدا! اے دشمن رسولؐ اور اے دشمن علیؑ۔ اب تو میں نے فاطمہؑ کے اس ہاتھ پر کوڑے مارنا شروع کر دیئے جس سے وہ دروازہ کھولنے میں رکاوٹ ڈال رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھولنا بڑا کٹھن سمجھا بس میں فاطمہؑ کے ہاتھ پر ضربیں لگا تا رہا۔ یہاں تک کہ وہ تکلیف سے بلبل اٹھی اور میں نے اس کی چیخیں اور رونا بلند کر دیا۔ اسکے بعد میں نے دھوکہ کھانے اور نرم ہو جانے اور پلٹ جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن مجھے ایک دم علیؑ کی کینہ پروری اور محمدؐ کا فریب یاد آ گیا۔ میرے سامنے علیؑ کی وہ تگ و دو پھر گئی جس سے اس نے بہادران عرب کا خون بہایا تھا اور محمدؐ کا جادو اسکی مدد کر رہا تھا۔ لہذا میں اپنے ارادہ میں پھر پختہ کار ہو گیا اور میں نے دروازہ کو توڑنا شروع کیا۔ اب دروازے پر مارتے جانے والی تمام ضربیں فاطمہؑ کے پیٹ اور سینہ پر پڑ رہی تھیں اسلئے کہ وہ دروازہ کو کھلنے اور گرنے سے روکنے کیلئے چٹھی ہوئی کھڑی تھیں۔ اچانک فاطمہؑ کی چیخیں بلند ہو گئیں اور فریاد کر رہی تھی کہ یا ابا جان ہائے رسولؐ اللہ یہ دیکھو تمہارے پیارے بھائی اور لاڈلی بیٹی کے ساتھ کیا ظلم ہو رہا ہے۔ فاطمہؑ کی یہ فریاد مدینہ کو الٹ دینے کیلئے کافی تھی۔ پھر اچانک ایک چیخ ماری اور کہا کہ اے فضہ جلدی آؤ قسم بخدا اس ظالم نے میرے حمل میں جو کچھ تھا اسے قتل کر دیا ہے۔ اور میں بچہ کی پیٹ میں تڑپنے کی گڑ گڑاہٹ سن رہا تھا۔ اور فاطمہؑ دیوار کا سہارا لئے کھڑی تھی۔ آخر میں نے دروازہ گرا دیا۔ اور گھر میں داخل ہو گیا۔ اس وقت وہ میری طرف اس طرح بڑھی کہ میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ میں نے بڑھ کر چادر کے اوپر ہی سے اس کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مارا جس سے اسکا کان پھٹ گیا اور بالیاں زمین پر بکھر گئیں۔ اب میں نے محسوس کیا کہ علیؑ آنگن میں نکلنے والے ہیں۔ میں جلدی سے دوڑ کر گھر سے باہر نکل آیا۔ اور خالد و قنفذ جو لوگ ہمارے ساتھ تھے ان سے میں نے کہا کہ یقیناً میں نے ایک نہایت بھیا تک گناہ و جرم کر لیا ہے اور میری زندگی باقی رہنا مشکل ہے۔ دیکھو علیؑ گھر سے باہر نکلنے والا ہے اور پھر نہ مجھ میں اور نہ تم سب میں اُس سے مقابلہ کی طاقت ہے۔ لیکن علیؑ جیسے ہی آنگن میں نکلے تو فاطمہؑ نے اپنا ہاتھ چادر پر ڈالا تاکہ پیشانی کھول کر اللہ سے مدد اور استغاثہ کریں اور جو کچھ گزرا اس کا شکوہ کریں۔ لیکن علیؑ نے اُنکی پیشانی ڈھکتے ہوئے اور اُن کو اُن کا مقام یا دلا کر تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اے رسولؐ کی بیٹی اللہ نے آپ کے والد کو تمام کائنات کے لئے رحم کرنے والا اور رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ اگر تم نے اپنا سرو پیشانی کھول کر اللہ سے فریاد کر دی تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ہلاک کر کے رکھ دے گا۔ یہاں تک کہ روئے زمین پر کوئی فرد بشر باقی نہ بچے گا۔ سنو! تم اور تمہارا باپ اللہ کے نزدیک اس نوحؑ سے زیادہ صاحبانِ قدر و قیمت ہیں جن کے لئے طوفان سے وہ تمام مخلوق ماردی گئی تھی جو زمین پر اور آسمان کے نیچے تھی۔ چند کی تعداد بچی تھی جو کشتی میں حضرت نوحؑ کے ساتھ تھی۔ اور اللہ نے حضرت ھودؑ کو جھٹلانے والوں کو طوفانِ بادل سے مار ڈالا تھا۔ تم اور تمہارے والد تو ھودؑ سے کہیں زیادہ عظمت والے ہو۔

اور قوم شہود کے بارہ ہزار آدمی ناقہ اور اس کے بچہ قتل کرنے کی پاداش میں تباہ و برباد کر دیئے گئے تھے۔ لہذا اے فاطمہؑ اے ساری عورتوں کی سردار خاتون تمہیں چاہئے کہ تم اس الٹی ذہنیت والی مخلوق کیلئے رحمت بن جاؤ نہ کہ ان پر عذاب نازل کرادو۔ اور اب فاطمہؑ کو زیادہ درد ہوا تو آپ حجرہ کے اندر چلی گئیں۔ وہاں وہ حمل ساقط ہو گیا جس کا نام خود حضرت علیؑ نے محسن رکھا تھا۔ میں نے اپنے طرفداروں کی کافی بڑی جماعت اکٹھی کر لی تھی۔ اسلئے نہیں کہ علیؑ ان کے قابو میں آ سکتے تھے۔ بلکہ خود کو ڈھارس اور ہمت دلانے کے لئے۔ بہر حال میں آگے بڑھا اور علیؑ محاصرہ میں آ چکے تھے۔ میں نے انہیں ان کی مرضی کے خلاف گھر سے نکالا اور انہیں بیعت کے لئے بری طرح ہانک کر لایا۔ حالانکہ مجھے علم یقین کی حد تک معلوم تھا، جس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا کہ اگر علیؑ نہ چاہتے اور میں اور تمام روئے زمین کے انسان اور باقی سب مخلوق اجتماعی کوشش کرتے کہ ان پر غلبہ پالیں تو ہرگز غالب نہ آ سکتے تھے۔ لیکن علیؑ کے دل کی نرمی جو ان کو امت کے ساتھ تھی اور میں اس عادت کا علم رکھتا تھا مگر کسی اور کو نہ بتاتا تھا۔ بہر حال جب ہم لوگ اس طرح سقیفہ میں پہنچے تو ابوبکر اور جو لوگ وہاں موجود تھے سب کھڑے ہو گئے۔ اور لوگ علیؑ کو اس بے چارگی کی حالت میں دیکھ کر مذاق کرنے لگے تو علیؑ نے کہا کہ اے عمر کیا تجھے یہ پسند ہے کہ جس عذاب اور ذلت کو میں نے تیرے لئے آخرت تک ملتوی کر دیا ہے۔ اسے تجھ پر فوراً نازل کر دوں؟

میں نے نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ ”نہیں یا امیر المؤمنین مجھے عذاب سے یہاں محفوظ رکھ لیں۔“ میرے منہ سے یہ حقیقت سنتے ہی خالد بن ولید تیزی سے ابوبکر کے پاس پہنچا۔ ولید سے ابوبکر نے تین دفعہ بلند آواز سے کہا کہ میرا اور عمر کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ تمام حاضرین نے ابوبکر کا یہ بیان سنا۔ بہر حال جب میں اور علیؑ سقیفہ میں ابوبکر کے پاس پہنچے تو ابوبکر بڑی عاجزی سے علیؑ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور حالت یہ تھی کہ ابوبکر ہرگز یہ نہ چاہتا تھا کہ وہ علیؑ کو اس جگہ اس حالت میں دیکھے اس لئے کہ وہ علیؑ سے حد بھر خوفزدہ اور لرزہ بر اندام تھے۔ لہذا میں نے علیؑ سے کہہ دیا کہ اے ابوالحسنؑ میں بیعت کر چکا ہوں آپ چلے جائیں۔ اور اے معاویہؓ میں گواہی دیتا ہوں کہ علیؑ نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی۔ بلکہ ابوبکر کی طرف اپنا ہاتھ بھی نہیں بڑھایا تھا۔ چنانچہ علیؑ اس دوران سقیفہ سے چلے گئے۔

جب ہم نے لوگوں سے علیؑ کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ قبر رسولؐ کے پاس بیٹھے ہیں۔ لہذا وہاں جانے کیلئے میں اور ابوبکر اٹھے اور دوڑتے ہوئے چلے اور ابوبکر راستے میں کہتا جاتا تھا کہ اے عمر تم نے جو کچھ فاطمہؑ کے ساتھ کیا ہے تو اور تیرا عمل قابلِ صدمہ و ملامت ہے۔ قسم بخدا یہ ایک بڑا واضح خسارہ و نقصان ہے جو تو نے کیا ہے۔ اس پر میں نے اس سے کہا کہ تیرا معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ یقیناً علیؑ نے ہماری نہ تو بیعت کی اور نہ ہی اسکی تصدیق کا وزن پڑے بغیر ہماری اسکیم پر دان چڑھ سکتی ہے۔ ابوبکر نے کہا پھر تم کیا ترکیب کرنے والے ہو۔ میں نے کہا کہ ہم یہ اعلان کریں گے کہ علیؑ نے قبر رسولؐ کے پاس ابوبکر کی بیعت کر لی ہے۔ چنانچہ ہم دونوں قبر نبیؐ کے پاس پہنچے تو دور سے یہ دیکھ لیا تھا کہ علیؑ قبر رسولؐ پر اپنی تھیلی ٹکائے ہوئے بیٹھے ہیں اور انکے گرد ابوذرؓ اور عمارؓ و سلمانؓ اور حذیفہؓ بن یمانؓ بھی ہیں۔ ہم نے طے کر لیا کہ انکے سامنے بیٹھیں گے اور یہ کہ ابوبکر بھی علیؑ کی طرح علیؑ کے ہاتھ کے پاس اپنا ہاتھ رکھ کر بیٹھے گا۔ چنانچہ ہم آئے اور مقابلہ میں بیٹھ گئے۔ ابوبکر نے اسی طرح ہاتھ رکھا تو میں نے ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر علیؑ کے ہاتھ سے چھوئے اور یہ کہنے کی ترکیب سوچ لی تھی کہ علیؑ کی بیعت ہوگئی۔ لیکن جب میں نے یہ کام کیا تو علیؑ نے ابوبکر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بس پھر کیا تھا میں اور ابوبکر واپسی کیلئے اٹھے

اور چلے اور میں کہتا جاتا تھا کہ اللہ علیٰ کو اچھا بدلہ دے یقیناً انہوں نے ابوبکر کی بیعت سے منع نہیں کیا ہے۔ جب کہ ابوبکر قبر رسولؐ پر علیؑ کے پاس حاضر ہوئے۔ اُدھر علیؑ کے ساتھیوں میں سے ابوذر ہمارے پیچھے لگ گیا اور وہ کہتا جا رہا تھا کہ اودشمن خدا تو جھوٹا ہے۔ علیؑ نے اور ان کی جماعت نے ہرگز بیعت کی تصدیق نہیں کی ہے اور نہ اپنا ارادہ بدلا ہے۔ بہر طور جب ہم قوم سے ملے اور ان کو علیؑ کی بیعت کی خبر دی تو ساتھ ہی ابوذر ہمیں جھٹلاتا رہا۔ خدا کی قسم حقیقت یہی تھی کہ نہ تو علیؑ نے ابوبکر کی خلافت پر بیعت کی نہ میری بیعت اور نہ میرے بعد والوں کے لئے آمادگی ظاہر کی اور نہ ہی ان کی جماعت کے بارہ صحابہ نے ابوبکر کی بیعت کی اور نہ ہی میری بیعت کی تھی۔

اے معاویہ تم اس معاملہ پر اب غور کرو کہ یہ میں اکیلا ہی تو تھا۔ جس نے علیؑ کا راستہ روکا اور اُس کے قدیم کینہ اور کوشش کو کبھی فراموش نہیں کیا اور انتقام لیا۔ علاوہ میرے اب تمہارے والد ابوسفیان اور تمہارے برادر عتبہ کا کردار سامنے آتا ہے۔ جس سے تمہاری واقفیت ضروری ہے۔ اُن دونوں بزرگوں نے محمدؐ کو جھوٹا ثابت کرنے اور اس کے مکر کو توڑنے کے لئے جو دھماکہ خیز کوششیں کیں اور جان لڑادی تھی، پہلے جبل حرا (غار حرا) میں محمدؐ کو قتل کرانے کا انتظام کیا۔ پھر انہوں نے مکہ اور گردنواح کی اقوام کو جمع کیا، افواج کو مسلح کیا اور تباہ توڑ حملے کئے۔ اُدھر تیرے والد کا اونٹ پر سوار ہو کر افواج کی قیادت کرنا اور محمدؐ کا یہ کہنا مشہور ہے کہ اللہ قیادت کرنے والے پر اور سوار ہونے والے پر اور ہانکنے والے پر لعنت کرے اور یہی بات محمدؐ کی اولاد بھی برابر کہتی آ رہی ہے۔ معلوم ہے یہ تین شخص کون تھے جن پر لعنت کی جا رہی تھی؟ تیرا باپ ابوسفیان اونٹ پر سوار تھا۔ دوسرا تیرا بھائی عتبہ قیادت کا مجرم تھا۔ تیسرا تو خود تھا۔ اور میں نے تیری ماں ہندہ کو اور اس کی کوششوں اور قربانیوں کو بھی نہیں بھلایا ہے۔ جس نے وحشی کو انعام میں جو کچھ دیا اور جس سخاوت سے پیش آئی اس لئے کہ وحشی نے کمین گاہ سے اس حمزہؓ پر حملہ کیا اور اُسے قتل کیا جسے رحمن کے شیر کا لقب دیا گیا تھا۔ وحشی نے حمزہؓ کا پیٹ اور سینہ چاک کیا اور جگر نکال کر تمہاری والدہ کے سامنے بطور انتقام و انعام پیش کیا تھا۔ مگر محمدؐ نے یہ جھوٹا اعلان کیا کہ اس کے جادو کی قوت سے جب ہندہ نے حمزہؓ کا جگر کھانا چاہا تو وہ کھانہ سکی اس لئے کہ وہ جادو سے پتھر بن گیا تھا۔ غور کرو کہ اُدھر تو یہ کہا کہ ہندہ نے جگر نہیں کھایا لیکن اس کے باوجود ادھر ہندہ کا نام مستقل طور پر جگر خورہ رکھ دیا گیا۔ اور تمہیں جگر خورنی کا بیٹا کہا جاتا رہا ہے۔ اور مجھے تمہاری والدہ کی وہ باتیں بھی یاد ہیں جو اس نے اپنے شعروں میں کہی تھیں۔ اس نے فخر یہ کہا تھا کہ؛

ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم محلی گدیلوں پر چلنے والیاں ہیں۔ ہم اُن موتیوں کی طرح ہیں جو زینت بنتے ہیں۔ ہم وہ ہیں جنکی مانگ مشک و عنبر سے بھری جاتی ہے۔ اگر تم بڑھ کر حملہ کرو تو ہم تمہیں سینے سے لگائیں گی اور اگر تم پیٹھ دکھا کر دشمن کے سامنے سے بھاگ جاؤ گے تو تم سے ہم جدا ہو جائیں گی۔ اور یہ جدائی رشتہ محبت کو منقطع کرنے والی ہوگی۔

ہندہ کی ساتھی مستورات ہسپانیہ کا بنا ہوا سنہری لباس پہنے ہوئے، کھلے چہروں اور سروں کے ساتھ آستینیں اٹھائے ہوئے محمدؐ کے خلاف جنگ پر جوانوں کو ابھارنے میں کوشاں رہیں۔ مگر ان تمام قربانیوں اور جنگ و جدل اور نقصان جان و اموال کے محمدؐ کے مقابلہ میں تمہارے بزرگوں کو کامیابی نہ ہوئی اور آخر کار تم سب کو بادلِ نخواستہ اسلام قبول کرنا پڑا۔ مگر تم بھی دل سے ایمان نہیں لائے تھے۔ فتح مکہ کے روز تم لوگوں کو تو محمدؐ نے طلاقاً یعنی آزاد کردہ غلام قرار دیا۔ مگر اپنے اور علیؑ کے بھائیوں، زید اور عقیل اور بچا عباس کو اپنے مانند مسلم اور آزاد

قرار دیا۔ وہ وقت بھی آیا تھا جب تمہارے والد نے ازراہ مجبوری محمدؐ سے کہا تھا کہ میں تمہارے دشمنوں کے مقابلہ میں کھڑا ہوتا ہوں اور سواروں اور پیادوں سے تمہارے سامنے ہر میدان جنگ بھڑوں گا۔ مگر محمدؐ نے منظور نہ کیا اور اُلٹا ابوسفیان کی نیت پر شبہ کیا اور لوگوں میں اعلان بھی کر دیا اور کہہ دیا کہ اللہ ابوسفیان کے شر سے محفوظ رکھنے کیلئے کافی ہے۔ ابوسفیان کی ذاتی رائے یہ تھی کہ کوئی محمدؐ کی حکومت پر قابض نہ ہوگا سوائے میرے یا علیؑ کے اور محمدؐ اور علیؑ کے اہل بیتؑ یہی چاہتے رہے۔ لیکن محمدؐ کا جادو آخر باطل ہو گیا۔ اُس کی کوششیں رائیگاں ہو گئیں اور حکومت پر ابوبکر اور پھر میں قابض ہو گئے۔ اور میری تمنا یہ ہے کہ اب بنی اُمیہ اس ساز و سازگی کے تار بن جائیں۔ اس مقصد تک پہنچنے کیلئے میں نے تمہیں ملک شام کا حاکم بنایا ہے۔ اور تمہاری گردن میں محمدؐ کی حکومت پر پورا قابو حاصل کرنے کی ذمہ داری ڈالی ہے۔ اور پوری مملکت میں تیرا خوب تعارف کر دیا ہے۔ اور محمدؐ کی منشا اور مراد کے خلاف اقدامات کئے ہیں۔ اور بنی اُمیہ کے متعلق اُس کے تمام اقوال کی مخالفت کی ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ اس پر اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ اس نے قرآن میں شجرہ ملعونہ بنی اُمیہ کو قرار دیا تھا۔ اس قسم کی تمام چیزوں سے محمدؐ کی کھلی عداوت کا پتہ چلتا ہے۔ اور ہاشم اور اس کے بیٹے بھی مسلسل عبد اللہؑ کے اور اُس کی اولاد کے دشمن رہے ہیں۔ اور میں ہمیشہ تمہارے والد کو اس سلسلے میں نصیحت کرتا رہا۔ اور اُسے معاویہؓ تجھے بھی وہی کچھ بتا رہا ہوں جو اسے بتاتا رہتا تھا اور تجھے بھی اسی طرح نصیحت کر رہا ہوں۔ تمہارے متعلق یہ اندیشہ ضرور ہے کہ کہیں تم حقیقت حال کی گھنٹن برداشت نہ کر سکو اور کہیں دل کی تنگی اور تکلیف کے روبرو تمہاری قوت برداشت جواب نہ دے جائے اور میری وصیت پر غلت کو ترجیح نہ دے دو۔ اور کہیں تو اس قدرت کو غلط استعمال نہ کر لے جو میں نے تیری سپردگی میں دی ہے۔ اور محمدی شریعت کی خلاف ورزی کر گزرے۔ اور لگے امت محمدیؐ کو طعن و تشنیع کرنے یا اُس کے مقرر کردہ قاعدوں کی حقارت کرے یا کوئی اور خلاف ورزی کرے تو تم تباہ ہو جاؤ گے۔ لہذا ہوشیار باش اور خبردار رہنا اس طرح وہ ساری محنت تباہ ہو جائے گی جو ہم نے کی ہے۔ تجھے قدم قدم پر یہ تصور دینا ہے کہ تجھ سے زیادہ کوئی محمدؐ کی تصدیق کرنے والا اور شریعت پر عمل کرنے والا نہیں ہے۔ ورنہ جو ہم نے تعمیر کی ہے تو اسے منہدم کر دے گا اور ہماری فراہم کردہ بلندی ذلت سے بدل جائے گی۔ مسجد میں یا منبر پر جائے ہر جگہ محمدؐ کی مکمل تصدیق کر اور بظاہر اس کی مکمل سنت پر قائم رہ البتہ دل میں شریعت کو اپنے حق میں مفید بنانے کا پروگرام رکھ۔ لوگوں سے بڑی محبت، بردباری اور سخاوت سے پیش آ، اُن کو اُن ہی کی تلوار سے قتل کرنے کا انتظام کر، عطیات دے کر انہیں اندھا کر دے، ہر گز یہ تاثر نہ دے کہ تو دین کو نظر انداز کرتا ہے۔ دین کی سختی سے پابندی کو ان کی تباہی کا وسیلہ بنا ڈال۔ انہیں صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے نرم ہو جا اور کنجوسی چھوڑ دے۔ ان میں پھوٹ ڈال مگر بیٹھنے کے لئے اونچا مقام دیتا رہ۔ اور شرفیاب ہونے والوں سے کام لے، بدخواہوں کے لئے خیر خواہوں کو تیار کرتے رہنا۔ جو کچھ بھی کرے اس کو شریعت محمدؐ اور سنت نبیؐ کی شکل دے کر کرنا ورنہ یہ امت ہمارے خلاف فساد برپا کر دے گی۔ کوئی بات شرعی اعتبار سے قابل اعتراض نہ ہونے دینا۔ اُن کا قتل عام جاری رکھنے کے لئے ان کے رئیسوں کو ملا کر رکھنا۔ ہمیشہ خوش روئی اور مبارکباد سے پیش آنا اور بظاہر غصہ کے وقت ضبط کرنا اور معافی دیتے رہنا، وہ تم سے محبت کریں گے اور زیادہ مطیع ہو جائیں گے۔ لیکن یہ نوٹ کر لو کہ وہ شیر نہ ہم سے متفق ہو انہیں تجھ سے دبے گا وہ علیؑ ہے۔ اور اس شیر کے یہ بچے حسنؑ اور حسینؑ بھی ہمارے اور تیرے ساتھ ہم خیال نہ ہوں گے۔ اور اگر تیرے لئے یہ ممکن ہو جائے کہ

تو امت میں سے ایک جماعت کو ان کے خلاف کر کے ملا لے تو ضرور اقدام کرنا۔ اور دیکھ چھوٹی موٹی چھیڑ چھاڑ پر قناعت نہ کرنا جو بھی کروا نہتائی اور عظیم درجہ کا قدم اٹھانا۔ اور دیکھ میری اس وصیت کا تحفظ اور اطاعت کرنا، راز میں رکھنا ظاہر نہ کرنا۔ اسکی خلاف ورزی سے ڈرتے رہنا، اپنے آبا و اجداد کی پیروی کرنا اور ان کا انتقام لینا اور ان کے دشمنوں کو مٹاتے رہنا۔ میری اس وصیت اور نصیحت پر عمل کرو گے تو میں تمہاری کامیابی کا ذمہ دار ہوں۔ اور سن؛

اے معاویہ!! وہ قوم اُبھر کر چھا جاتی ہے اور اُس کے تمام معاملات درست ہو جاتے ہیں جو ایسی اسکیم لے کر اٹھے جو تمام مخلوق کو بتدریج میری طرح اندھا کر سکے۔ میں نے اُس دین کی طرف بچوں کی طرح قدم بڑھایا جس نے مجھے ہمیشہ مشکوک رکھا اور میں اس سے بہت دور ہوتا جس دین نے میری کمر توڑ دی تھی۔ اور اگر تو بھول جائے تو ولید اور شیبہ اور عتبہ وعاص کو نہ بھلانا جو بدر کے روز عاجز ہو کر گرے تھے۔ اور جن کا نظروں سے غائب ہو جانا میرے دل کی گہرائی میں سانپ کے ڈسنے کی تکلیف رکھتا رہا۔ ادھر ابو حکم ضنیل سے میرا محروم ہو جانا بھی تقاضہ کرتا ہے کہ تم ان کا بدلہ ہندوستانی تلواروں کی دھار اور نیزوں کی بھالوں سے لینا۔ اہل شام سے بہترین سلوک کرنا وہ لوگ شیروں کی مانند ہیں باقی لوگ تو گونگے اور بے فیض ہیں۔ اس دین کو خلط ملط کر دینا جو ہم پر جادو کے زور سے مسلط کیا گیا تھا۔ وہ کینہ پروری تمہیں معلوم ہے جس سے ماضی میں نصر کی ساری اولاد کو اندھا کر دیا گیا تھا۔ تو ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک انتقام کیلئے اسی دین کو آلہ کار نہ بنائے۔ چنانچہ اس قوم کو اس تلوار سے قتل کرنا جو عمر نے تیار کی ہے۔ یہی مقصد ہے جس کیلئے تجھے ملک شام کی حکومت دی گئی اور یہ تمنا کی گئی ہے کہ تو اس مقصد کیلئے اپنے بزرگ صخر کی وجہ سے بہت ہی مناسب ہے۔“

راوی نے کہا کہ جب عبداللہ بن عمر یہ عہد نامہ پڑھ چکا تو کھڑا ہوا اور یزید کے سر پر بوسہ دیا اور کہا کہ الحمد للہ تو نے اُس خرید و فروخت کرنے والے اور سودا بازی کرنے والے کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ اور یہ بھی سمجھ لے کہ میرے باپ نے مجھے بھی ایسا ہی راز سنایا تھا۔ جیسا کہ تیرے والد کو بتایا ہے۔ آج سے میں پروردگان محمدؐ اور محمدؐ کے شیعوں پر کڑی نگرانی رکھوں گا۔ انہیں دور سے دور رکھوں گا اور ان کو ہرگز خیر اندیش نہ سمجھوں گا۔ یزید نے کہا کہ اے عبداللہ یہی منشا اور وضاحت ہے اس راز دارانہ اسکیم اور عملدرآمد کی۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات - صفحہ 112-108)

55۔ مہمان محمدؐ و آل محمدؐ کی نجات یقینی اور قانونی حیثیت سے طے شدہ ہے

چونکہ نجات دہندہ نوع انسانی کا تذکرہ مکمل ہو رہا ہے۔ اس لئے یہاں ضروری ہے کہ موالیان اہلیت علیہم السلام کو ایک ایسی حدیث سنا دی جائے جسے ایک ہزار سال پہلے قدیم شیعہ ریکارڈ میں سے نقل کر کے معتبر ترین کتابوں میں لکھ تو لیا گیا تھا۔ لیکن سرکاری علما کے دباؤ اور طعن و طنز کے خوف سے اور ان کے خود ساختہ مذہب کی تائید کے لئے زبانوں پر نہیں لایا گیا۔ مگر فطری اور خدائی صورت حال اور انتظام کے ماتحت پوری امت کو روحانی طور پر معلوم ہو جاتی ہے۔ اور بزرگان عظام اور شعرائے کرام اپنے اقوال و اشعار میں بھی

مومنین کو بتاتے چلے آتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک مستقل حقیقت ہے کہ خانہ ساز مذہب کی عائد کردہ غیر فطری اور خلاف اسلام پابندیوں کی بنا پر اسی فیصد گناہ ہوتے ہیں۔ مثلاً آنحضرتؐ کے زمانہ میں خود آپؐ سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے مسلمان براہ راست رشتہ مانگتے تھے۔ لیکن اگر آج کوئی جوان مسلمان کسی مولوی یا مفتی یا علامہ یا مجتہد کے پاس جا کر کہے کہ جناب میں آپ کی بیٹی سے نکاح کی درخواست کرتا ہوں تو یہ لوگ ایسی بات کہنے والے کو قتل نہیں تو سر بازار سوا ضرور کرادیں گے۔ اسلام نے اجازت دی تھی اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے عمل بھی کیا اور تعلیم بھی دی کہ ایک بالغ اور جوان مسلمان ایک بالغ اور آزاد و جوان مسلمان لڑکی سے براہ راست خود نکاح کی درخواست کرے۔ لیکن آج ایسا کرنے والے لڑکے کو نہ سہی مگر لڑکی کو اُس کے ماں باپ ضرور مار ڈالیں گے۔ اس قسم کے غیر فطری و غیر اسلامی مذہب نے لوگوں کو مجبور کیا ہے کہ وہ اپنے حقوق کے لئے اقدامات کریں اور ملاً ازم اُن کو سزائیں دے کر حکومت کا خزانہ بھرے۔ جہاں جہاں یہ مصنوعی اور خود ساختہ مذہب اور ملاً ازم نہیں ہے وہاں گناہ کم از کم ہوتے ہیں۔ یعنی ملاً ازم خود گناہوں کی کان ہے جہاں دن رات گناہ جنم لیتے ہیں۔ اب آپ حدیث سنئے۔ جناب علامہ شیخ صدوق رضی اللہ عنہ اپنی کتاب علل الشرائع میں آخری حدیث (نمبر 81) یوں شروع فرماتے ہیں کہ:-

عن ابی اسحاق اللیثی قال: قلت لابی جعفر محمد بن علی الباقر (ع) یابن رسول اللہ اخبرنی عن المؤمن المستبصر اذا بلغ فی المعرفة وکمل هل یزنی؟ قال: اللّٰهُمَّ لا۔ قال: قلت فیلوطه؟ قال: اللّٰهُمَّ لا۔ قال: اللّٰهُمَّ لا۔ قلت فیسرق؟ قال لا۔ قلت فیشرَب الخمر؟ قال لا۔ قلت فیاتی بکبیرة من هذه الکبائر؟ أو فاحشة من هذه الفواحش؟ قال لا۔ قلت فیذنب ذنباً؟ قال نعم۔ هو مؤمن مُذنبٌ مُلم۔ قلت مامعنی ملم؟ قال: أَلَمَلَم بِالذَّنْبِ لَا یَلْزَمُهُ وَلَا یَصِیرُ عَلَیْهِ۔ قال: فَقُلْتُ سُبْحَانَ اللَّهِ مَا عَجَبَ هَذَا لَا یَزْنِی وَلَا یُلُوطُ وَلَا یَسْرِقُ وَلَا یَشْرَبُ الخمر وَلَا یَاتِی بِکَبِیرَةٍ مِنَ الْکِبَائِرِ وَلَا فَاحِشَةٍ۔

فقال:- لا عجب من امر الله؛ ”إِنَّ اللَّهَ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ“ (22/18) و،

لَا یُسْتَلَّ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْتَلُونَ۔ (21/23)

فَمِمَّ عَجِبْتَ يَا اِبْرَاهِيمَ؟ سَلْ وَلَا تَسْتَكْفِ وَلَا تَسْتَحِ فَإِنَّ هَذَا الْعِلْمَ لَا یَتَعَلَّمُهُ مُسْتَكْبِرٌ وَلَا مُسْتَحِی۔ قلت: یابن رسول اللہ انّی اجد من شیعتکم من یشرب الخمر ویقطع الطریق ویخیف السبل ویزنی ویلوط ویاکل الربوا ویرتکب الفواحش ویتهاون بالصلاة والصیام والزکاة ویقطع الرحم ویاتی الکبائر فکیف هذا ولم ذاک۔ فقال یا ابراهیم هل یختلج فی صدرک شیءٌ غیر هذا؟ قلت نعم یابن رسول اللہ اُخری اعظم من ذلک۔ فقال: وَمَا هُوَ يَا اَبَا اسْحَاقَ؟ قال: فَقُلْتُ یابن رسول اللہ وَاجِدُ مِنْ اَعْدَائِکُمْ وَمَنَاصِیْکُمْ مَنْ یَکْثُرُ مِنَ الصَّلَاةِ وَمِنَ الصَّیَامِ وَیَخْرُجُ الزَّکَاةَ وَیَتَابَعُ بَیْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَیَحْرُسُ عَلَی الْجِهَادِ وَیَاثُرُ عَلَی الْبَرِّ وَعَلَی صَلَاةِ الْاَرْحَامِ وَیَقْضِی حَقَّوْکَ اِخْوَانِهِ وَیُوَاسِیهِمْ مِنْ مَالِهِ وَیَتَجَنَّبُ شَرْبَ الْخَمْرِ وَالزَّوْنِ وَاللَّوْطِ وَسَائِرَ الْفَوَاحِشِ فَمِمَّ ذَاکَ؟ وَلَمْ ذَاکَ فَسِرَّهُ لِيْ یَابنَ رَسُوْلٍ اللّٰهُ وَبَرَهْنَهُ وَبَیِّنَهُ فَقَدْ وَاللّٰهُ کَثْرَ فِکْرِیْ وَاسْهَرِ لَیْلِیْ وَضَاقَ ذَرْعِیْ؟ قال: فَنَبَسَمَ الْبَاقِرُ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ: يَا اِبْرَاهِیْمُ خُذْ اِلَیْکَ بَیَّانًا شَافِیًا فِیْمَا سَأَلْتُ وَعِلْمًا مَکْنُونًا مِنْ خَزَائِنِ عِلْمِ اللَّهِ وَسِرِّهِ۔ اخبرنی یا ابراهیم کیف تَجِدُ اعْتِقَادَ هُمَا؟ قلت یابن رسول اللہ اجد مُحِیْیَکُمْ وَشِیْعَتَکُمْ عَلَی مَا هُمْ فِیْهِ مِمَّا وَصَفْتَهُ مِنْ اَفْعَالِهِمْ لَوْ اَعْطِیَ اَحَدُهُمْ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ذَهَبًا وَفِضَّةً اَنْ یَزُولَ عَنْ وَلَا یَتَکَمَّ وَمُحِبَّتَکُمْ اِلَیْ مَوَالَاةٍ غَیْرِکُمْ وَاِلَیْ مُحِبَّتِهِمْ مَا

زال ولو ضربت خياشيمه بالسيوف فيكم ولو قتل فيكم ما ارتدع ولا رجع عن محبتكم ولا ينكم. وأرى الناصب على ما هو عليه مِمَّا وصفته من افعالهم لو اعطى احد هم ما بين المشرق والمغرب ذَهَبًا وَفَضَّةً أَنْ يَزُولَ عَنْ مَحَبَّةِ الطَّوَاعِيَةِ وَمَوَالِيَتِهِمْ إِلَى مَوَالِيَتِكُمْ مَا فَعَلَ وَلَا زَالَ وَلَوْ ضُرِبَتْ خِيَاشِيمُهُ بِالسِّيُوفِ فِيهِمْ وَلَوْ قُتِلَ فِيهِمْ مَا رْتَدَّ وَلَا رَجَعَ وَإِذَا سَمِعَ أَحَدُهُمْ مُنْقِبَةً لَكُمْ وَفَضْلًا أَشْمَأَ زَمِنْ ذَلِكَ وَتَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَرَأَى كَرَاهِيَّةَ ذَلِكَ فِي وَجْهِهِ بُغْضًا لَكُمْ وَمَحَبَّةَ لَهُمْ - قال: فَتَبَسَّمَ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَ: يَا إِبْرَاهِيمَ هَاهُنَا -

(1) - "هَلَكْتَ، الْعَامِلَةُ النَّاصِبَةَ - تَصَلِّي نَارًا حَامِيَةً - تُسْقَى مِنْ عَيْنِ نَبِيَّةٍ -" (سورة ناهية) وَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ قَالَ تَعَالَى: -

(2) - "وَقَدْ مَنَّا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُورًا -" (فرقان 25/23)

ويحك يا إبراهيم اتدري ما السبب والقصة في ذلك وما الذي قد خفي على الناس منه؟ قلت: يا بن رسول الله فينبئني لي واشرحه وبرهنه - قال: يا إبراهيم إن الله تبارك وتعالى لم يزل عالمًا قد يَمَّا خلق الأشياءَ لَا مِنْ شَيْءٍ وَمَنْ زَعَمَ - أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ الْأَشْيَاءَ مِنْ شَيْءٍ فَقَدْ كَفَرَ - لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ ذَلِكَ الشَّيْءُ الَّذِي خَلَقَ مِنْهُ الْأَشْيَاءَ قَدِيمًا مَعَهُ فِي أَزْلِيَّتِهِ وَهُوَ يَتَهُ كَانَ ذَلِكَ الشَّيْءُ أَزَلِيًّا - بَلْ خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى الْأَشْيَاءَ كُلَّهَا لَا مِنْ شَيْءٍ - فَكَانَ مِمَّا خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى أَرْضًا طَيِّبَةً ثُمَّ فَجَرَمْنَاهَا مَاءً عَذْبًا زَلًا لَا فَعْرَضَ عَلَيْهَا وَلَا يَتَنَا أَهْلَ الْبَيْتِ فَقَبِلْنَاهَا - فَاجْرَى ذَلِكَ الْمَاءُ عَلَيْهَا سَبْعَةَ أَيَّامٍ طَبَقَهَا وَعَمَّهَا ثُمَّ انْصَبَّ ذَلِكَ الْمَاءُ عَنْهَا فَاخَذَ مِنْ صَفْوَةِ ذَلِكَ الطِّينِ طِينًا فَجَعَلَهُ طِينَ الْإِثْمَةِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ - ثُمَّ اخَذَ ثُفْلَ ذَلِكَ الطِّينِ فَخَلَقَ مِنْهَا شَيْعَتَنَا وَلَوْ تَرَكَ طِينَتَكُمْ يَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى حَالِهِ كَمَا تَرَكَ طِينَتَنَا لَكُنْتُمْ وَنَحْنُ شَيْئًا وَاحِدًا - قُلْتُ: يَا بَنَ رَسُولَ اللَّهِ فَمَا فَعَلَ بَطِينَتَا؟ قَالَ: أَخْبَرَكَ يَا إِبْرَاهِيمَ خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى بَعْدَ ذَلِكَ أَرْضًا سَبْخَةً خَبِيثَةً مُنْتَنَةً ثُمَّ فَجَرَمْنَاهَا مَاءً أَجَاجًا أَسْنًا مَالِحًا فَعَرَضَ عَلَيْهَا وَلَا يَتَنَا أَهْلَ الْبَيْتِ فَلَمْ يَقْبَلْنَاهَا فَاجْرَى ذَلِكَ الْمَاءُ عَلَيْهَا سَبْعَةَ أَيَّامٍ حَتَّى طَبَقَهَا وَعَمَّهَا ثُمَّ انْصَبَّ ذَلِكَ الْمَاءُ عَنْهَا ثُمَّ اخَذَ مِنْ ذَلِكَ الطِّينِ فَخَلَقَ مِنْهُ الطَّغَاثَةَ وَآيَمَتَهُمْ ثُمَّ مَزَجَهُ بِثُفْلِ طِينَتِكُمْ وَلَوْ تَرَكَ طِينَتَهُمْ عَلَى حَالِهَا وَلَمْ يَمِزْجَ بِطِينَتِكُمْ لَمْ يَشْهَدْ وَالشَّهَادَتَيْنِ وَلَا صَلَّوْا وَلَا صَامَوْا وَلَا زَكَوْا وَلَا حَجَّوْا وَلَا أَذَّوْا وَالْإِمَانَةَ وَلَا أَشْبَهُوْكُمْ فِي الصُّورِ - وَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْبَرَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْ يَرَى صُورَةَ عُذُوهِ مِثْلَ صُورَتِهِ - قُلْتُ: يَا بَنَ رَسُولَ اللَّهِ فَمَا صَنَعَ بِالطَّيْنَتَيْنِ؟ قَالَ: مَزَجَ بَيْنَهُمَا بِالْمَاءِ الْأَوَّلِ وَالْمَاءِ الثَّانِي ثُمَّ عَرَكَهَا عَرَكَ الْأَدِيمِ ثُمَّ اخَذَ مِنْ ذَلِكَ قَبْضَةً فَقَالَ هَذِهِ إِلَى الْجَنَّةِ وَلَا أَبَالِي وَاخْذِ قَبْضَةً أُخْرَى وَقَالَ: هَذِهِ إِلَى النَّارِ وَلَا أَبَالِي - ثُمَّ خَلَطَ بَيْنَهُمَا فَوَقَعَ مِنْ سِنَخِ الْمُؤْمِنِ وَطِينَتُهُ عَلَى سِنَخِ الْكَافِرِ وَطِينَتُهُ وَوَقَعَ مِنْ سِنَخِ الْكَافِرِ وَطِينَتُهُ عَلَى سِنَخِ الْمُؤْمِنِ وَطِينَتُهُ - فَمَارَا يَتَهُ مِنْ شَيْعَتَنَا مِنْ زَنَاوَلُوطٍ أَوْ تَرَكَ صَلَاةً أَوْ صَوْمًا أَوْ حَجًّا أَوْ جِهَادًا أَوْ خِيَانَةً أَوْ كِبْرَةً مِنْ هَذِهِ الْكِبَائِرِ فَهُوَ مِنْ طِينَةِ النَّاصِبِ - وَعَنْصَرُهُ الَّذِي قَدْ مَزَجَ فِيهِ لِأَنَّ مِنْ سِنَخِ النَّاصِبِ وَعَنْصَرُهُ وَطِينَتُهُ اكْتِسَابَ الْمَآثِمِ وَالْفَوَاحِشِ وَالْكَبَائِرِ - وَمَا رَأَيْتُ مِنَ النَّاصِبِ مِنْ مُوَاطَبَةٍ عَلَى الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَالْجِهَادِ وَأَبْوَابِ الْبِرِّ فَهُوَ مِنْ طِينَةِ الْمُؤْمِنِ وَسِنَخِ الَّذِي قَدْ مَزَجَ فِيهِ لِأَنَّ مِنْ سِنَخِ الْمُؤْمِنِ وَعَنْصَرُهُ وَطِينَتُهُ اكْتِسَابَ الْحَسَنَاتِ وَاسْتِعْمَالَ الْخَيْرِ وَاجْتِنَابَ الْمَآثِمِ - فَإِذَا عَرَضَتْ هَذِهِ الْأَعْمَالُ كُلُّهَا عَلَى اللَّهِ تَعَالَى

قال: - أَنَا عَذْلٌ لَا أَجُورُ وَمُنْصِفٌ لَا أَظْلَمُ وَحَكَمٌ لَا أَحِيْفُ وَلَا أَمِيلُ وَلَا أَشْطَطُ إِلْحَقُوا الْأَعْمَالَ السَّيِّئَةَ الَّتِي اجْتَرَحَهَا الْمُؤْمِنُ بِسِنَخِ النَّاصِبِ وَطِينَتِهِ - وَالْحَقُوا الْأَعْمَالَ الْحَسَنَةَ الَّتِي اكْتَسَبَهَا النَّاصِبُ بِسِنَخِ الْمُؤْمِنِ وَطِينَتِهِ - رَدُّهَا كُلُّهَا إِلَى أَصْلِهَا - فَإِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا عَالِمُ السِّرِّ وَاخْفَى وَانَا الْمُطَّلِعُ عَلَى قُلُوبِ عِبَادِي لَا أَحِيْفُ وَلَا أَظْلَمُ وَلَا الزُّمُّ أَحَدًا إِلَّا مَا عَرَفْتَهُ مِنْهُ قَبْلَ أَنْ

اخلقه۔ ثُمَّ قَالَ الْبَا قَر عَلَيْهِ السَّلَامُ إِبْرَاهِيمَ هَذِهِ الْآيَةُ - قُلْتُ يَا بَنَ رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ آيَةٍ؟

قال: قوله تعالى، قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنِّي نَأْخُذُ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ إِنَّا إِذًا لَّظَلِمُونَ - (يوسف 12/79)

هُوَ فِي الظَّاهِر مَاتَفْهَمُونَهُ هُوَ وَاللَّهُ فِي الْبَاطِن هَذَا بَعِينُهُ يَا إِبْرَاهِيمَ - إِنَّ لِلْقُرْآنِ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا وَمُحْكَمًا وَمُتَشَابِهًا وَنَاسِخًا وَمُنْسُوخًا - ثُمَّ قَالَ: أَخْبِرْنِي يَا إِبْرَاهِيمَ عَنِ الشَّمْسِ إِذَا طَلَعَتْ وَبَدَأَتْ شَاعِعَهَا فِي الْبُلْدَانِ أَهْوَابَيْنِ مِنَ الْقُرْسِ؟ قُلْتُ فِي حَالِ طُلُوعِهِ بَايْنٍ - قَالَ: أَلَيْسَ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ اتَّصَلَ ذَلِكَ الشَّعَاعُ بِالْقُرْصِ حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ؟ قُلْتُ نَعَمْ - قَالَ: كَذَلِكَ يَعُودُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَى سَنَخِهِ وَجَوْهَرِهِ وَاصِلِهِ - فَإِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَزَعَ اللَّهُ تَعَالَى سَنَخَ النَّاصِبِ وَطِينَتَهُ مَعَ اثْقَالِهِ وَأَوْزَارِهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ - فَيَلْحَقُهَا كُلُّهَا بِالنَّاصِبِ وَيَنْزِعُ سَنَخَ الْمُؤْمِنِ وَطِينَتَهُ مَعَ حَسَنَاتِهِ وَأَبْوَابِ بَرِّهِ وَاجْتِهَادِهِ مِنَ النَّاصِبِ فَيَلْحَقُهَا كُلُّهَا بِالْمُؤْمِنِ أَفْتَرَى هَاهُنَا ظُلْمًا أَوْ عُذًّا وَأَنَا؟ قُلْتُ لَا - يَا بَنَ رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: هَذَا وَاللَّهِ الْقَضَاءُ الْفَاصِلُ وَالْحُكْمُ الْقَاطِعُ وَالْعَدْلُ الْبَيِّنُ "لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ" (انبيا 21/23) - هَذَا يَا إِبْرَاهِيمَ،

"الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ" (بقره 2/147)

هَذَا مِنْ حُكْمِ الْمَلَكُوتِ - قُلْتُ يَا بَنَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا حُكْمُ الْمَلَكُوتِ؟ قَالَ: حُكْمُ اللَّهِ حُكْمُ أَنْبِيَائِهِ - وَقِصَّةُ الْخَضِرِ وَمُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ حِينَ اسْتَصْحَبَهُ -

"قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا - وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَى مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا" - (الكهف 18/67-68)

إِفْهَمْ يَا إِبْرَاهِيمَ وَأَعْقِلْ أَنْكَرَ مُوسَى عَلَى الْخَضِرِ وَاسْتَغْفِظْ أَفْعَالَهُ حَتَّى قَالَ لَهُ الْخَضِرُ يَا مُوسَى،

"وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا" - (كهف 18/82)

"إِنَّمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِ اللَّهِ تَعَالَى -" مَنْ هَذَا وَيَحْكُمُ يَا إِبْرَاهِيمَ؟ قَرَأَنِي يَتْلُو وَخَبَرْتُ عَنْ اللَّهِ تَعَالَى مِنْ رَدِّهَا حَرْفًا فَقَدْ كَفَّرَ وَأَشْرَكَ وَرَدَّ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى - قَالَ الْإِسْهَاقُ (إِبْرَاهِيمَ): فَكَأَنِّي لَمْ أَغْفُلُ الْآيَاتِ وَأَنَا أَقْرَأُهَا أَرْبَعِينَ سَنَةً إِلَّا ذَلِكَ الْيَوْمَ فَقُلْتُ يَا بَنَ رَسُولَ اللَّهِ مَا عَجَبَ هَذَا تَوَخَّذْ حَسَنَاتِ أَعْدَائِكُمْ فَتَرَدَّ عَلَى شِيَعَتِكُمْ وَتَوَخَّذْ سَيِّئَاتِ مُحِبِّيكُمْ فَتَرَدَّ عَلَى مَبْغُضِيكُم؟ قَالَ: أَيْ وَاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَالِقَ الْحَبَةِ وَبَارَى النِّسْمَةِ وَفَاطَرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ مَا أَخْبَرْتُكَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا أَنْتَبْتُكَ إِلَّا الصِّدْقَ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ، وَمَا اللَّهُ بِظَلَامٍ لِلْعَبِيدِ وَأَنْ مَا أَخْبَرْتُكَ لِمَوْجُودٍ فِي الْقُرْآنِ كُلِّهِ - قُلْتُ هَذَا بَعِينُهُ يَوْجَدُ فِي الْقُرْآنِ؟ قَالَ: نَعَمْ يَوْجَدُ فِي أَكْثَرِ مِنْ ثَلَاثِينَ مَوْضِعًا فِي الْقُرْآنِ اتَّحَبَّ أَنْ أَقْرَأَ ذَلِكَ عَلَيْكَ؟ قُلْتُ بَلَى يَا بَنَ رَسُولَ اللَّهِ - فَقَالَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى:-

"وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ وَمَا هُمْ بِخَافِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ إِنَّهُمْ

لَكَذِبُونَ - وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَنْتُمْ لَا مَعَكُمْ أَثْقَالُهُمْ" - (العنكبوت 29/12-13)

أَزِيدُكَ يَا إِبْرَاهِيمَ؟ قُلْتُ بَلَى يَا بَنَ رَسُولَ اللَّهِ قَالَ:

(1) - "لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ" - (نحل 16/25)

أَتَحَبَّ أَنْ أَزِيدُكَ؟ قُلْتُ بَلَى يَا بَنَ رَسُولَ اللَّهِ - قَالَ:-

(2) - "فَأُولَئِكَ يَدْعُلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا" - (فرقان 25/70)

يُدْعِلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ شِيَعَتِنَا حَسَنَاتٍ وَيُدْعِلُ اللَّهُ حَسَنَاتِ أَعْدَائِنَا سَيِّئَاتٍ وَجَلَالُ اللَّهِ أَنَّ هَذَا الْمَنْ عَدْلُهُ وَانصافُهُ - لَا رَأْدَ لِقَضَائِهِ وَلَا

يقول لا يفتخر احدكم بكثرة الصلّاته وصيامه وركّاته ونُسكِه لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى اعلم بِمَن اتقى منكم فان ذلك مِن قِبَلِ اللّهِ وهو المزاج - ازيدك يا ابراهيم ؟ قلتُ: بلى يا ابن رَسولِ اللّهِ - قال:

ذُوْنَ اللّٰهِ- (يعني آئمة الجور دُونَ آئمة الْحَقِّ) - وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّهِتَدُونَ- (اعراف 30-7/29)

خُذْ إِلَيْكَ يَا أَبَا اسْحَقَ قَوْلَ اللَّهِ أَنَّهُ لَمَنْ غَرَرَ أَحَادِيثُنَا وَبَاطَن سِرَائِنَا وَمَكْنُون خَزَائِنِنَا وَانصَرَفَ وَلَا تَطْلُعَ عَلَى سِرِّنَا أَحَدًا إِلَّا مُؤَمَّنًا مُسْتَبْصِرًا فَإِنَّكَ إِنْ أَدْعَيْتَ سِرَّنَا بَلَّيْتَ فِي نَفْسِكَ وَمَالِكَ وَأَهْلِكَ وَوُلْدَكَ. (تم الكتاب علل الشرائع)

جناب ابواسحاق (ابراہیم) لیشیؒ نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ مجھے ایسے صاحب بصیرت مومن کے متعلق بتائیں جو دینی معرفت میں کامل ہو گیا ہو۔ کیا وہ زنا کرتا ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا وہ اغلام بازی کرتا ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا وہ چوری کرتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ میں نے کہا کہ کیا وہ شراب پیتا ہے؟ فرمایا کہ نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کیا وہ ان کبیرہ گناہوں میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے یا ان فحش باتوں میں سے کوئی بے حیائی کرتا ہے؟ فرمایا کہ نہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا وہ گناہ کرتا ہے؟ فرمایا کہ ہاں وہ گنہگار مومن ہوتا ہے جو حادثہ سے دوچار ہو جاتا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ حادثہ سے دوچار ہو جانے سے آپؑ کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ وہ مومن اُس گناہ کو لازمی طور پر نہیں کرتا اور نہ اُس کی تاک میں لگا رہتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا سبحان اللہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ وہ زنا بھی نہیں کرتا، اغلام بھی نہیں کرتا، شراب بھی نہیں پیتا اور کبیرہ گناہ بھی نہیں کرتا اور کسی بے حیائی سے بھی ملوث نہیں ہوتا؟ امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ اللہ کے دین اور اُس کے معاملات میں تعجب نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ اللہ نے قرآن کریم میں یہ فرمادیا ہے کہ اللہ تو،

(1)۔ ”یقیناً جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔“ (سورہ الحج 22/18)

(2)۔ ”اللہ سے اُس کے کاموں اور افعال پر باز پرس نہیں کی جاسکتی البتہ انسانوں سے

اُن کے کاموں اور افعال پر باز پرس کی جائے گی۔“ (سورہ انبیاء 21/23)

بہر حال اے ابراہیم یہ بتاؤ کہ تمہیں حقیقتاً کس بات پر تعجب ہوا ہے؟ تحقیق کے معاملہ میں نہ تو شرمانا چاہئے اور نہ دریافت کرنے سے باز رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ علمی تکبر اور شرمانے سے علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

میں نے عرض کیا کہ حضورؐ میں تو آپ کے شیعوں میں ایسے لوگ پاتا ہوں جو شرابی، زانی، ڈاکو، سودخور، دہشت پسند، اور اغلام کرنے والے اور بے حیائی میں مبتلا ہیں۔ اور نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے کتراتے ہیں اور حقوق غصب کرتے ہیں اور ہر بڑا گناہ کرتے رہتے ہیں۔ بتائیے آپؐ کے جواب سے اس کا کیا تعلق ہے؟ امّاؑ نے فرمایا کہ اے ابراہیم کیا تمہارے دل میں ان کے علاوہ کوئی اور اعتراض

یا سوال بھی ہے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں وہ اس سے بھی بڑی بات ہے۔ امّ نے پوچھا کہ اے ابواسحاق بتاؤ وہ کیا ہے؟ راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا کہ اے فرزند رسولؐ میں آپ کے دشمنوں میں اور آپ کے منصب کو غصب کر لینے والوں میں ایسے لوگ پاتا ہوں جو نماز و روزہ کثرت سے بجالاتے ہیں؛ زکاۃ نکالتے ہیں؛ حج و عمرہ بار بار کرتے ہیں؛ جہاد پر دلچسپی لیتے ہیں۔ نیکی کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رشتہ داروں کی مدد کرتے ہیں۔ اور اپنے مسلمان بھائیوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں اور انہیں ترجیح دیتے ہیں۔ اور شراب خوری، زنا، لواطت، اور تمام فحش کاموں سے باز رہتے ہیں۔ بتائیے یہ کیا قصہ ہے اور آخرا اس کی وجہ کیا ہے؟ مجھے اس صورت حال کی وضاحت واضح اور بین دلائل کے ساتھ سمجھائیں۔ یقین فرمائیں کہ اے رسولؐ کے بیٹے میری بے چینی اور فکر نے راتوں کی نیند حرام کر دی ہے، میرے ہاتھ رُک گئے ہیں کوئی کام کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ راوی نے کہا کہ یہ سب کچھ سُن کر امام محمدؒ باقر مسکرائے۔ پھر فرمایا کہ اے ابراہیم میں جو اطمینان بخش بیان دینے والا ہوں اُسے سمجھنے اور نوٹ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ جو کچھ تم نے دریافت کیا ہے اُس کا تعلق اللہ کے ذاتی علم و اسرار اور غیبی علوم کے خزانہ سے ہے۔ بہر حال اے ابراہیم مجھے اتنا اور بتا دو کہ تم نے اُن دونوں گروہوں یا فرقوں کا عقیدہ کیسا پایا ہے؟ میں نے بتایا کہ اے رسولؐ کے بیٹے میں نے تمہارے چاہنے والوں اور شیعوں کے افعال و اعمال اور اُن کی جو صفات بیان کر دی ہیں اُن کے باوجود اُن کا حال یہ ہے کہ اگر اُن میں سے کسی ایک کو مشرق و مغرب کے درمیان جتنا سونا چاندی اور جو کچھ بھی ہے سب دیا جائے اور اُن سے آپؐ کی محبت اور ولایت کو چھوڑ کر تمہارے غیر کی محبت اور حکومت کو اختیار کرنے کے لئے کہا جائے تو وہ ہرگز ایسا نہ کریں گے خواہ اُن کی ناک کاٹ لی جائے یا تلواروں سے انہیں قتل کر دیا جائے۔ نہ وہ اپنے عقیدے میں ڈگمگائیں گے نہ آپؐ کی محبت اور حکومت کو چھوڑ دیں گے۔ اسی طرح میں نے آپکے منصب کو غصب کرنے والوں کو دیکھا ہے اور اُن کے جو افعال و صفات بیان کئے ہیں، اُن کے باوجود وہ بھی ساری دنیا کا سونا چاندی مل جانے پر طاغوتوں کی محبت کو چھوڑ کر آپؐ کی محبت و حکومت کو اختیار نہ کریں گے خواہ انہیں تلوار کے گھاٹ اُتار دیا جائے یا اُن کی ناک کاٹ لی جائے۔ اور اُن میں سے جب بھی کوئی شخص آپؐ حضرات کے فضائل اور مناقب و فضل و کرم کی بات سنتا ہے تو اس سے وہ بے چین اور غضب ناک ہو جاتا ہے۔ اُن کا رنگ بدل جاتا ہے اور ناگواری اُن کے چہروں سے صاف نظر آنے لگتی ہے اور اس کا سبب آپؐ سے بغض اور اُن شیطین سے محبت ہے۔ راوی نے بتایا کہ یہ جواب سن کر بھی امام محمدؒ باقر علیہ السلام مسکرائے۔ پھر فرمایا کہ اے ابراہیم یہی صورت حال تو ہے جو قرآن میں مذکور ہے کہ:-

(1)۔ ”منصب غصب کر کے اُس پر عمل کرنے والے ہلاکت میں پڑ گئے۔ بھڑکتی آگ میں نماز پڑھیں گے

اور کھولتا ہوا پانی پیا کریں گے“ (غاشیہ 5-88)۔ اور اُسی سبب سے اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ:-

(2)۔ ”ہم نے قدیم زمانہ سے اُن کے اعمال میں سے اس عمل کو مدنظر رکھا اور اُن کو اور اُن کے اعمال کو ریت کے

ذرات کی طرح بکھیر کر ضائع کر دیا۔“ (فرقان 25/23)

افسوس ہے اے ابراہیم ان آیات میں صاف الفاظ (العاملۃ الناصبۃ) دیکھتے ہوئے بھی کیا تو اس قدر نہیں سمجھا کہ وہ کون سا سبب ہے جو یہ قصہ عوام الناس کی سمجھ سے پوشیدہ رہ گیا؟ میں نے عرض کیا کہ اے رسولؐ کے بیٹے آپؐ ذرا کھول کر دلیل و برہان سے اس کی

تفصیل بیان فرمادیں۔ فرمایا کہ اے ابراہیم بلا شک و شبہ اللہ ہمیشہ سے مسلسل اور عالم و علیم رہتا چلا آیا ہے۔ اور اُس نے تمام اشیاء کو بلا کسی چیز کے پیدا کیا ہے۔ اور جن کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ نے ان مخلوقات کو کسی اور چیز سے پیدا کیا تھا وہ کافر ہیں۔ اس لئے کہ اگر وہ چیز جس میں سے مخلوقات کو بنایا، اللہ کے ساتھ ہمیشہ سے قدیم ہو تو اُسے بھی اللہ کی قدامت، ازلیت اور وجود میں شامل سمجھنا پڑے گا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ نے تمام چیزوں کو اپنی قدرت و ارادہ سے پیدا کیا اُس وقت کوئی اور چیز اللہ کے سوا موجود ہی نہ تھی۔ لہذا اللہ نے جس قدرت و ارادہ سے ایک بنیادی پاکیزہ مٹی پیدا کی، پھر اُس پر میٹھا خالص پانی بہایا اور اُس مَرکب پر ہماری ولایت کو پیش کیا اور اُس نے ولایت کے اثرات کو قبول کر لیا۔ پھر ہماری ولایت کے اثرات کو جذب کرنے کے لئے پانی کو سات دن کا موقعہ دیا کہ ولایت کا اثر اُس کے ہر ذرہ و طبقہ میں سرایت کر جائے۔ پھر اُس پانی کو اُس مٹی میں جذب ہونے دیا۔ پھر اُس پانی اور مٹی کے مَرکب سے اُس کا جو ہر نکال کر اُس جوہری طینت کو آئمہ علیہم السلام کے اجسام کے لئے بنیاد بنایا۔ پھر آئمہ والی جوہری طینت کے میل (SEDIMENT) سے ہمارے شیعوں کے اجسام کو بنانے کا انتظام کیا۔ اور اگر تمہارے والی طینت کو بھی ہماری طینت کی طرح سابقہ حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو ہم تم جسم کے معاملہ میں یکساں ہوتے۔

میں نے کہا کہ اے فرزند رسول پھر ہماری طینت کے ساتھ اللہ نے کیا کیا؟ امام نے فرمایا کہ میں یہی بتا رہا ہوں کہ اس کے بعد اللہ نے ایسی مٹی پیدا کی جو اپنی خاصیت میں نمکین، گندی اور بدبو دار تھی۔ پھر اُس پر کڑوا، کھارا اور سُڑا ہوا پانی بہایا اور اُس پانی میں ہماری ولایت کو ڈالا لیکن اُس پانی نے ہماری ولایت کا اثر قبول نہ کیا۔ پھر اُس پانی کو سات روز کا موقعہ دیا کہ وہ کسی طبقہ و ذرہ میں ولایت کا اثر جذب کر لے۔ پھر اُس پانی کو اُس مٹی میں جذب ہو جانے دیا۔ پھر اُس پانی اور مٹی کے مَرکب میں سے باغیوں اور اُن کے راہنما اماموں کو پیدا کیا۔ پھر اُس مَرکب میں تمہاری میل والی طینت کو ملا دیا۔ اور اگر اُس مَرکب کو یعنی باغیوں اور طاغیوں کی طینت کو خالص رہنے دیا جاتا اور تمہاری طینت سے نہ ملایا جاتا تو اُس سے پیدا ہونے والے نہ تو توحید و رسالت کی گواہی دیتے، اور نہ نماز پڑھتے، نہ روزہ رکھتے، نہ زکوٰۃ دیتے اور نہ ہی حج کرتے اور نہ کوئی امانت ادا کرتے۔ اور نہ صورت و شکل میں تم سے مشابہ ہوتے۔ اور ایک مومن پر اس سے زیادہ گراں اور ناگوار گزرنے والی اور کوئی بات نہیں کہ اُس کا دشمن بھی اُسی کے ہم شکل ہو۔ یعنی اُس سے بچنے اور اُس سے بچانے میں وہ سہولت نہیں ہے جو شیر یا سانپ کو دیکھ کر حاصل ہوتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور یہ بتائیے کہ پھر اُن دونوں قسم کی طینتوں کا کیا ہوا؟ فرمایا کہ دونوں کو آپس میں ملا کر وہ پہلے والا پانی اور دوسرا پانی بھی اس میں ملا دیا۔ اور اُس کو گارے کی طرح گوندھ دیا گیا۔ پھر اُس میں سے ایک مٹھی بھر کر کہا کہ یہ جنتی ہے اور میں پرواہ نہیں کرتا اور ایک اور مٹھی بھر کر فرمایا یہ جہنمی ہے اور مجھے اُس کے جہنمی ہونے کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ پھر دوبارہ سب کو ملا دیا۔ اور اس مَرکب سے مومن و کافر تمام انسان پیدا ہوئے۔ اس طرح یہ مَرکب وہ بنیاد بنا جس پر پوری انسانی نسل کی تعمیر ہوئی۔ یوں مومن میں کافر والی طینت اور کافر میں مومن والی طینت شامل ہو گئی۔ لہذا جب تم کسی مومن کو زنا، لواطت، خیانت، کبیرہ گناہ کرتے ہوئے یا نماز، روزہ، حج و جہاد چھوڑتے ہوئے دیکھتے ہو تو وہ اُس طینت کی بنا پر ہوتا ہے جو ناصیبیوں کی یعنی ہمارے مقابلہ میں ولایت و حکومت نصب کرنے والوں کی طینت کی وجہ سے ہوتا ہے جو اُس پورے نسخے میں ملی ہوئی ہے اور جس نے ولایت

کے پانی کا اثر نہیں لیا تھا لہذا ناصبی طینت اور اُس کے عناصر گناہوں اور بے حیائی کے کاموں کو جذب کرتے ہیں۔ اور یہ جو تم ناصبوں سے نماز، روزہ، زکاۃ اور حج و جہاد اور دیگر اعمال خیر کی پابندی دیکھتے ہو یہ مومن کی اُس طینت اور عناصر کی وجہ سے ہوتا ہے جس نے ولایت کے آب حیات کا اثر لیا تھا اور جسے پورے نسخے میں ملا دیا گیا تھا۔ لہذا نیک کاموں اور اعمال خیر کو جذب کرنا اور برائیوں اور گناہوں سے دُور رہنا مومن کی طینت کا خاصہ ہے۔ اور جب تمام قسم کے اعمال اللہ کے حضور میں پیش ہوں گے تو اللہ کا کہنا ہوگا کہ:-

میں عادل ہوں ظلم و جور نہیں کر سکتا۔ میں انصاف کرنے والا ہوں بے انصافی اور زیادتی نہیں کر سکتا اور میں اپنے ہر حکم و عمل میں مستحکم ہوں نہ پچھتا تا ہوں نہ گڑبڑ کر سکتا ہوں۔

لہذا وہ تمام بُرے اعمال جو مومن سے سرزد ہوتے ہوئے معلوم ہوئے ہیں ولایت کے مخالفوں کی طینت سے وابستہ ہو جائیں۔ اور وہ تمام نیک اعمال جو منصب غصب کرنے والوں نے کمائے ہیں مومن کی طینت سے مُلحق ہو جائیں۔ ان دونوں اقسام کے نیک و بد اعمال کو اُن کی اصل و بنیاد کی طرف پھیر دو (یعنی محبانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے پاس صرف نیک اعمال کا ڈھیر لگا دو اور دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے روبرو تمام گناہوں اور جرائم کا انبار لگا دو)۔ یقیناً میں اللہ ہوں کوئی معبود نہیں ہے سوائے میرے۔ میں تمام مخفی چیزوں اور رازوں کا جاننے والا ہوں۔ میں اپنے تمام بندوں کے قلبی کیفیات و واردات و حالات پر مطلع ہوں۔ میں نہ پچھتا تا ہوں نہ غلط کام کرتا ہوں۔ اور صرف جن کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اپنا لیا تھا اور کسی کو اپنے اُوپر لازم نہیں کرتا ہوں۔ پھر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابراہیم ذرا وہ آیت پڑھو۔ میں نے آیت پوچھی تو خود ہی پڑھ دی کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:-

”اُس نے کہا کہ خدا کی پناہ ہم اُن کو ماخوذ ہی نہیں کرتے جن کے پاس ہم اپنا مال نہ پائیں۔

اگر ہم ایسا کریں تو بس ظالم و غلط کار ہو کر رہ جائیں۔“ (سورہ یوسف 12/79)

یہ آیت ظاہر میں وہی کچھ ہے جو تم سمجھتے ہو لیکن باطن میں مندرجہ بالا بیان کی تصدیق اور قانونِ تخلیق ہے۔ اے ابراہیم قرآن میں ظاہر بھی ہے باطن بھی؛ محکم بھی متشابہ بھی؛ نسخ بھی منسوخ بھی۔ پھر فرمایا کہ اے ابراہیم مجھے آفتاب کے متعلق بتاؤ کہ جس وقت وہ طلوع ہوتا ہے اور اُس کی شعائیں آبادیوں اور زمین میں پھیل جاتی ہیں۔ کیا وہ سورج کے گولے سے الگ ہو کر نہیں جاتیں؟ میں نے کہا کہ طلوع ہوتے وقت توجُّد ہوتی ہیں۔ امام نے سوال کیا کہ جب سورج غائب ہو جاتا ہے تو کیا اُس کی شعائیں اُس سے وابستہ نہیں ہو جاتیں؟ اور سورج کی طرف واپس چلی نہیں آتیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں صحیح ہے۔ فرمایا وہی طریقہ اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر چیز اپنی بنیاد اور جوہر اور اصل کی طرف عود کرتی ہے۔ چنانچہ جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ منصبِ اہلبیت کے مخالفین کی بنیاد و جوہر اور اصل یا طینت کو مع اُس سے متعلق برائیوں، گناہوں اور جرائم کے مومن سے جدا کر کے دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ سے ملحق کر دے گا۔ اور مومن والی طینت و جوہر و بنیاد و اصلیت کو دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ سے الگ کر کے اور اُس سے متعلق تمام نیکیوں کو لا کر مومنین و محبانِ اہلبیت سے ملحق کر دے گا۔ اے ابراہیم کیا اس قانونِ خداوندی اور علمِ در آمد میں تمہیں کوئی غلطی، زیادتی یا ظلم دکھائی دیتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ بالکل نہیں اے فرزندِ رسولؐ یہ تو عدل ہے۔ فرمایا کہ قسم بخدا یہ اللہ کا فیصلہ کن حکم ہے۔ اور حکم قطعی ہے اور کھلا ہوا عدل ہے۔ اور اللہ سے اللہ کے افعال پر کوئی باز پرس نہیں

کی جاسکتی البتہ انسانوں کے اعمال و افکار پر مواخذہ ہو سکتا ہے (سورہ انبیاء 21/23)۔ اے ابراہیم یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق محض ہے لہذا تو مشکلیں اور خود ساختہ سامان سے تحقیق کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ (سورہ بقرہ 2/147)

اے ابراہیم یہ ملکوتی حکم ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جناب ملکوتی حکم کیا ہوتا ہے؟ فرمایا کہ ملکوتی حکم کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کا حکم ہی انبیاء کا حکم ہوتا ہے۔ اُن میں فرق نہیں ہوتا ہے۔ اور خضرؑ اور موسیٰؑ کے اُس قصہ میں جس میں موسیٰؑ کو خضرؑ کی صحبت ملی تھی تو خضرؑ نے کہا تھا اے موسیٰؑ یقیناً تو میرے ساتھ رہ کر اور میرے کام دیکھ کر صبر نہ کر سکے گا۔ اور ایسا شخص اُن کاموں پر کیسے صبر کر سکتا ہے۔ جن کی حقیقت پر اُس کی خبروں نے احاطہ ہی نہ کیا ہو (کھف 68-67/18)۔ اے ابراہیم سمجھنے اور عقل سے کام لینے کی پوری کوشش کرو اور غور کرو کہ حضرت موسیٰؑ نے صاحب وحی و رسالت ہوتے ہوئے بھی حضرت خضرؑ کے اعمال پر تنقید اور انکار کیا تھا اور اُن کے کاموں کو بے ڈھنگا اور غلط سمجھا تھا۔ تب حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ اے موسیٰؑ:-

”میں نے یہ سب کچھ اپنے ذاتی حکم سے نہیں کیا یعنی جو کچھ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے

کیا ہے اور اُس کی حقیقت نہ سمجھنے کی بنا پر تم سے صبر نہ ہو سکا تھا۔“ (کھف 68/18)

اے ابراہیم ہوش میں آؤ کہ یہ قرآن کی تلاوت اور اللہ کا بیان ہے جو اللہ کی طرف سے بطور اطلاع قرآن میں موجود ہے۔ جو کوئی اس کا ایک حرف بھی رد کر دے یا انکار کر دے تو وہ یقیناً کفر کا مرتکب ہوگا اور مشرک ہو جائے گا اور اللہ کا انکار کرے گا۔

(ابو اسحاق ابراہیم) لیٹی کہتے ہیں کہ میں چالیس سال سے قرآن پڑھتا چلا آ رہا تھا لیکن میں نے اُن آیات سے عقل سے یہ حقیقت نہ سمجھی جو اُس دن سمجھ میں آئی۔ بہر حال میں نے امّ سے پھر کہا کہ یہ بڑی ہی عجیب سی بات ہے کہ آپ کے دشمنوں کی تمام نیکیاں لے کر آپ کے شیعوں کو دے دی جائیں اور آپ کے چاہنے والوں کے تمام گناہ لے کر آپ سے بغض رکھنے والوں کے سر تھوپ دیئے جائیں۔ امّ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اور اُسی کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور جس نے بیج اُگائے اور تمام مخلوق کو مقصد تخلیق کے مطابق نقائص سے بری کر کے پیدا کیا۔ اور جس نے زمین اور آسمان کو تخلیقی فطرت و قدرت عطا کی کہ میں تجھے کوئی ایسی خبر نہیں دے رہا ہوں جو حق محض نہ ہو اور میں نے تجھے کوئی بھی غیب کی ایسی خبر نہیں دی ہے جو صدق محض نہ ہو۔ لہذا مومنین کے گناہ ہمارے دشمنوں پر لا کر اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا ہے (نحل 16/33) اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہی نہیں ہے (حم سجدہ 41/46) اور میں جو اطلاعات تمہیں دے رہا ہوں وہ سب کی سب قرآن میں موجود ہیں۔ اس پر میں نے سوال کیا کہ کیا یہ مضمون بعینہ ہو ہو لفظ بلفظ قرآن میں ملتا ہے؟ فرمایا کہ میں (30) مقامات سے زیادہ پر یہ مطلب بیان ہوا ہے۔ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ میں خود ہی وہ مقامات پڑھ کر سنادوں؟ میں نے عرض کیا کہ حضورؐ اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی۔ فرمایا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:-

(1) ”کافر ہو جانے والوں نے ایمان لے آنے والوں سے کہا کہ اگر تم ہمارے دین کی پیروی کرو تو ہم یہ ذمہ داری لیتے ہیں کہ اگر ہمارا دین غلط ہو تو ہم تمہارے غلط عمل اور خطاؤں کو اپنے ذمہ لے لیں گے۔ حالانکہ وہ اپنی خوشی و اختیار سے اُن کی خطائیں اُٹھانے والے نہیں وہ اس قول میں یقیناً جھوٹے ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہوگا کہ اُنہیں اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ اپنے گناہوں کے

علاوہ اور گناہ بھی اٹھانا پڑیں گے (جو مجبوراً اٹھانا ہوں گے نہ کہ مذکورہ وعدہ کی بنا پر اٹھائیں گے)۔ (عنکبوت 13-29/12) پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں اور قرآن سنائوں؟ میں نے عرض کیا کہ سنائیے۔ فرمایا کہ:-

(2)۔ ”قیامت کے روز وہ لوگ اپنے تمام گناہ مکمل طور پر الگ اٹھائیں گے اور ساتھ ہی وہ اُن لوگوں کے گناہ بھی الگ سے اٹھائیں گے جو انہیں اُن کی راہ سے ہٹانا چاہتے تھے۔ اور سن رکھو کہ یہ بوجھ اٹھانا لاعلمی و جہالت کی بنا پر بہت ہی بُری بات ہے۔“ (سورہ نحل 16/25) (یعنی اہل علم کے نزدیک یہ دوہرے گناہ اٹھانا عدل و انصاف اور بہت اچھی بات ہے)

امامؑ نے پھر پوچھا کہ کیا کچھ اور زیادہ سننا پسند کرو گے؟ میں نے کہا بڑی عنایت ہوگی، فرمایا کہ:-

(3)۔ ”وہی لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا۔ اور وجہ یہ ہے کہ اللہ ہمیشہ سے غفور اور رحیم رہتا چلا آیا ہے۔“ (سورہ فرقان 25/70)

یہ ہمارے شیعوں کی شان میں ہے جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل لے گا اور ہمارے دشمنوں کی نیکیوں کو گناہوں سے بدل دیگا۔ اور یہ عمل در آمد اللہ کے عدل و انصاف کی دلیل ہے اور کوئی اُس کے فیصلوں کو ٹال نہیں سکتا اور نہ اُس کے احکام کو پس پشت ڈال سکتا ہے۔ اور اللہ سننے والا علیم ہے۔ اور فرمایا کہ کیا میں تمہارے لئے دونوں قسم کی مرکب مٹی کو ملانے اور دونوں طینتوں پر قرآن کی آیت نہ سنا دوں؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں ضرور سنائیں اے فرزند رسولؐ۔ فرمایا کہ قرآن کی یہ آیت پڑھنا کہ:-

”وہ لوگ جو گناہان کبیرہ اور بے حیائی تک سے الگ رہتے ہیں سوائے اس کے کہ حالات ہی اُن کو قریب لے آئیں۔ یقیناً اُن کیلئے اللہ بڑی وسیع مغفرت والا ہے۔ وہ تمہاری اس حالت سے واقف ہے جب اُس نے تمہیں مٹی سے نشوونما دیا تھا۔ یعنی تمہیں پسندیدہ اور ناپسندیدہ مٹی سے بنایا تھا۔ چنانچہ تم لوگ اپنے آپ کو خالص اور پاکیزہ نہ کہا کرو۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ تم میں سے کون مقدس اور پارسا ہے۔“ (نجم 53/32)

یعنی اللہ نے تمہیں نماز، روزہ، زکاۃ اور دیگر عبادات کی کثرت پر فخر کرنے سے منع کیا ہے۔ وجہ یہ بتائی ہے کہ تم حقیقت حال سے واقف نہیں ہو، اور یہ گناہ سے قریب ہو جانے سے پہلے کی حقیقت کی بات ہے۔ اور وہی دونوں مرکب مٹی کے ڈھیروں کو ملانا تھا اور اُسی کو دونوں مُرگبوں کا امتزاج یا مزاج کہا گیا تھا۔ پھر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ میں اور بھی بڑھانا چاہتا ہوں۔ میں نے عرض کیا بسم اللہ یا فرزند رسولؐ، تب فرمایا کہ:-

”جیسا کہ ہم نے تمہاری تخلیق کی ابتدا کی تھی تم اُسی ابتدا کے حساب سے واپس لوٹو گے؛ اُس وقت تمہارا ایک فریق ہدایت یافتہ ہوگا اور دوسرے فریق پر سو فیصد گمراہی صادق آئے گی۔ اس لئے کہ دوسرے فریق نے اللہ کے انتظام کو چھوڑ کر شیاطین سے وابستگی بحال رکھی ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ دوسرے فریق نے حقیقی اماموں کو چھوڑ کر غصب کر کے امام بن جانے والوں کو اپنا راہنما و حاکم بنایا۔ اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت حاصل کرنے والے ہیں۔

(سورہ اعراف 7/29-30)

اے ابواسحاق ان بیانات کو سمجھ کر مضبوطی سے اختیار کر لے۔ خدا کی قسم جو کوئی ہماری احادیث کو اور ہماری پوشیدہ پالیسیوں کو؛ اور ہمارے مخفی خزانوں کو بے سمجھے اور بے احتیاطی سے استعمال کرے وہ اپنا نقصان کرے گا۔ لہذا اے ابواسحاق تم بھی صاحب بصیرت مومن کے علاوہ کسی کو ہمارے راز و پالیسی پر مطلع نہ کرنا۔ اور اگر تم نے خلاف ورزی کی تو تمہیں تمہاری جان و مال و خاندان اور اولاد کی مصیبت پیش آئے گی۔

والسلام علی صاحب العصر والزمان

بقلم خادم المسلمین محمد احسن

25 جولائی 1977ء

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

مصنف کی دیگر مطبوعات

أحسن التعبير (ترجمہ و تفسیر قرآن مجید)

منهاج الرسالة (ترجمہ نہج البلاغہ)

بيان الامامة (تشریحات نہج البلاغہ)

☆ اسلام اور علمائے اسلام	☆ نظامِ مصطفیٰ اور کائنات	☆ اسلام میں نظامِ ہدایت و تقلید
☆ عظمتِ رسولِ قرآن سے	☆ نماز کے احکام	☆ تعارفِ خداوندی
☆ ہزار سالہ جوان سازش	☆ سیدزادیوں کا نکاح	☆ احمدی تحریک ہماری نظر میں
☆ مذہب اور مناکحت	☆ مذہبِ شیعہ ایک قدیم تحریک	☆ مواخذہ
☆ اسلامی کلمہ اور نماز	☆ والدِ ازم	☆ احسن الحدیث (عربی اسباق)
☆ الجمعة واجبة	☆ اصلاح و تخریب	☆ معراج الرسول
☆ حقیقی کافر حقیقی مومن	☆ مسلم و مومن کا متعینہ مقام	☆ سہل القرآن (عربی لغت)

مضامین

☆ اختلاف و تعارض	☆ اجتہاد و تقلید	☆ اصولیین و اخباریین
☆ آیاتِ محکمات و متشابہات	☆ نسخ منسوخ	☆ معصوم عقائد
☆ اُلٹی گنگا	☆ نمازِ جمعہ	☆ تقیہ